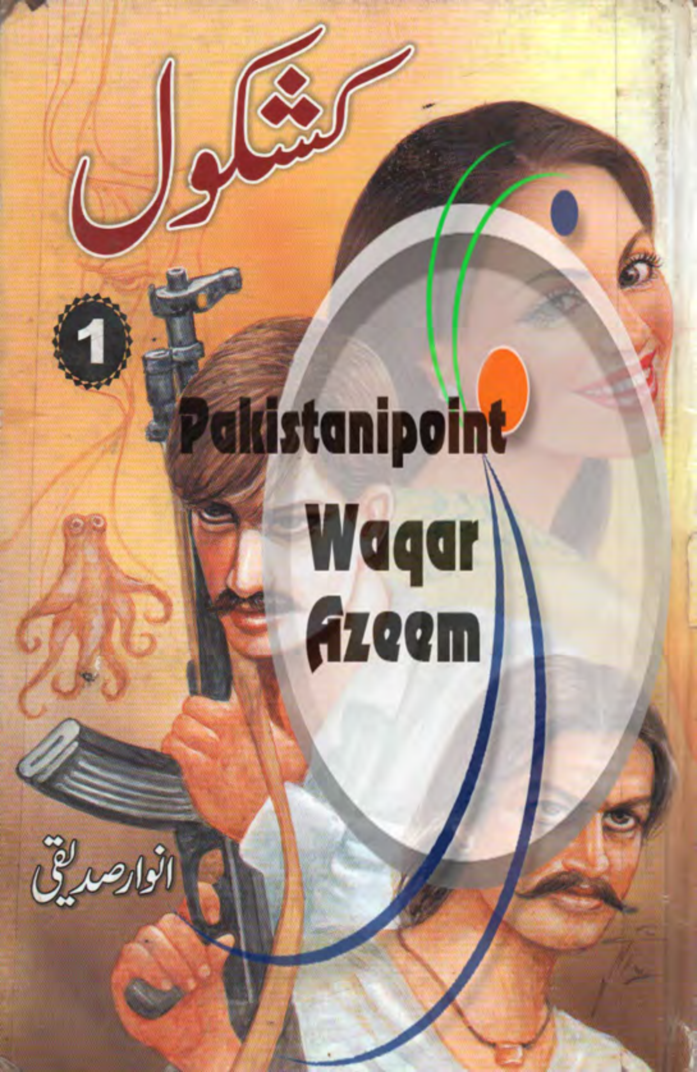
کشکول
1
Pakistanipoint
Waqar
Azeem
انوار صدیقی

کلیدِ کامیابی

اکتوبر کی 24 تاریخ کو ''کشکول'' کا آخری صفحہ مکمل کر کے سکون کا سانس لیا۔ آخری سطر تک خدا سے یہی دعا کرتا رہا کہ ''لوح وقلم'' کے ذریعہ مجھے جو عزت ملی ہے اس کا بھرم قائم رہے۔

کشکول کی کہانی آپ سسپنس ڈائجسٹ میں ماہ بہ ماہ پڑھ چکے ہیں اس لئے مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا۔ حسبِ ''دستور'' درخواست کروں گا کہ آپ اپنی پسند اور ناپسند کے بارے میں ضرور آگاہ کریں۔ اس لئے کہ آپ کی مثبت تنقید اور قیمتی مشوروں کی روشنی میں جو کچھ میں نے لکھا وہی آپ کی پسندیدگی کی سند بھی ہے جو مجھے ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھنے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔

''کشکول'' میں نے برادرم محمد علی قریشی کے بے حد اصرار پر اپنے سابقہ ناول ''ابوالہول'' کے چھ سال بعد لکھنا شروع کیا جس کی بھنک عزیزم معراج رسول کے ادارے کو ملی تو ثمر عباس صاحب نے اس کے شروع کے صفحات پڑھنے کو مانگے۔ پھر موصوف نے اسے سسپنس ڈائجسٹ میں قسط وار شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے برخوردار محمد علی سے بات کی۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ قسط وار اشاعت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ اب یہ کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

محمد علی قریشی کا ادارہ ''کشکول'' سے قبل میرے کم وبیش سولہ ناول شائع کر چکا ہے۔ اس ضمن میں مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ محمد علی قریشی ایک اچھے دوست ہیں۔ لین دین کے معاملات میں کھرے ہونے کے ساتھ ساتھ پُرخلوص اور خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں۔ میری ذاتی رائے میں ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ فقط پبلشر ہیں۔ بقراط بن کر کبھی کتاب یا کہانی کے گراف میں ''مین میکھ'' نکالنے کی کوشش کبھی نہیں کرتے۔ یہی صفت ''کلیدِ کامیابی'' بھی ہے۔

انوار صدیقی

24 اکتوبر 2013ء

لیاقت حسین کا تعلق ضلع نوشہرہ کے شہر جہانگیرہ سے تھا۔ اس کا باپ سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ قدرت نے اس کے کاروبار میں خوب برکت دی تھی' اس لئے دولت کی ریل پیل بھی تھی۔ لیاقت ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا' اس لئے دونوں ہی اس سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے۔ اکیس سال کی مدت میں ماں باپ اور بیٹے کے درمیان کبھی کوئی تنازع' کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا' لیکن شادی کا معاملہ شروع ہوا تو لیاقت حسین اور والدین کے درمیان پہلی رسا کشی نے جنم لیا۔ سردار سرفراز خان روز اوّل ہی سے اپنے حلقوں میں سربلند رکھنے کا عادی تھا۔ وہ لیاقت حسین کیلئے اپنے معیار اور برابر والوں میں ایک لڑکی کے باپ کو زبان بھی دے چکا تھا۔ ماں نے جب لیاقت حسین کو باپ کی مرضی سے آگاہ کیا تو لیاقت حسین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ارمانوں کے نشیمن پر بجلی سی کوند گئی ہو' ماں کی بات سن کر اس کے دل میں طوفان مچلنے لگا۔

فرحین' لیاقت حسین کی زندگی کا حسین خواب تھی۔ اگرچہ وہ ایک غریب باپ کی بیٹی تھی' لیکن قدرت نے اسے حسن کی دولت سے نوازنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ لیاقت حسین نے تین سال سے فرحین کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں بسا رکھا تھا۔ فرحین کے علاوہ اس کے والدین بھی لیاقت حسین کو پسند کرتے تھے' مگر ان کے درمیان شادی کے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے۔ لیاقت حسین جانتا تھا کہ وہ ماں باپ کا لاڈلا ہے' اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ سرفراز خان نے برادری والوں یا اپنے حلقے میں اپنی "پگ" کبھی نیچے نہیں ہونے دی تھی۔ نظریں اور سر کسی کے سامنے جھکانا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ وہ دوسروں سے اپنی بات منوانا جانتا تھا۔ اپنی سربلندی کو برقرار رکھنے کی خاطر اس نے کبھی حالات سے سمجھوتہ کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔

لیاقت حسین کی والدہ نے اپنے شوہر کے اشارے پر جب شادی کے معاملے میں لیاقت حسین کا عندیہ لینے کی کوشش کی تو لیاقت حسین سوچ میں پڑ گیا۔ فرحین اس کی پسند ہی نہیں' اس کی زندگی کا سب سے حسین خواب بھی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنے کے سلسلے میں زبان دے چکا تھا' اس نے عہد کیا تھا کہ خواہ سربلند پہاڑیاں بھی اس کے اور فرحین کے راستے میں حائل ہوئیں تو وہ ان سے بھی ٹکرا جائے گا۔ سرفراز خان کا خون ہونے کی وجہ سے وہ بھی کسی کو زبانی دے کر پیچھے ہٹنے کا

عادی نہیں تھا' لیکن جب ماں کا مقدس رشتہ درمیان میں حائل ہوا تو وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ ماں نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے بڑی محبت سے پوچھا۔

''کیا بات ہے میرا جان' تم کس سوچ میں گم ہوگیا؟''

''کچھ نہیں ماں۔'' لیاقت حسین نے ماں کے احترام کو ملحوظ رکھا۔ ''یہی سوچ رہا ہوں کہ تجھے کیا جواب دوں۔''

ماں نے لیاقت حسین کے چہرے کے تاثرات پر نظر ڈالی تو اس نے اولاد کے دل کا چور پکڑ لیا' وہ ماں تھی...... ماں جو اولاد کے ہر سکھ دکھ میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔ وہ حساس آلہ ہوتی ہے' جو اولاد کے دل کی ایک ایک دھڑکن کو دریافت کر لیتی ہے' پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ یہ نہ جانتی کہ اس کا بیٹا' اس کے جگر کا ٹکڑا فرحین کے عشق کا اسیر ہے۔ ایک پل کو وہ خاموش رہی' پھر مدھم آواز میں بولی۔

''لیاقت! میرا جان' تو جانتا ہے کہ تیرا باپ اپنی مرضی کا پکا ہے۔ وہ...... وہ شاہ پری کے والد کو اپنا زبان دے چکا ہے۔''

''میں بھی اسی کا خون ہوں ماں۔'' لیاقت حسین نے ماں کے ہاتھ کو محبت سے تھام لیا۔ بڑی خوبصورتی سے اپنے دل کی بات واضح کر دی۔ ''انسان ہو کر...... پریوں کے بارے میں سوچنا...... یہ بدعت ہے ماں۔ اپنا مولوی صاحب نے شرعی تعلیم دیتے وقت بھی ہم کو یہی بولا تھا کہ بدعت گمراہی ہے اور گمراہی انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔''

''میں واقف ہوں ماں کا جان' یہ بھی خبر ہے کہ تو فرحین کو پسند کرتا ہے۔ فرحین ہم کو بھی بہت پیارا لگتا ہے۔ تیرا اس کا جوڑ چاند اور سورج کا جوڑ ہوگا' لیکن تیرا باپ...... وہ...... نہیں مانے گا۔ پتھر میں جونک نہیں لگتا لیاقت۔''

''جانتا ہوں ماں۔'' لیاقت حسین نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ ''اس لئے کہ وہ پتھر ہوتا ہے...... پتھر جس کے سینے میں بھی دل کے بجائے پتھر ہی ہوتا ہے۔''

ماں لیاقت حسین کا جواب سن کر لرز اٹھی۔ سرفراز خان سے شادی کے بعد اس نے اکیس بائیس سال میں یہ بات سمجھ لی تھی کہ وہ ایک اچھا سردار ہے' بہت ساری خوبیاں بھی ہیں اس میں لیکن...... اس نے کبھی کسی معاملے میں سر تسلیم خم کرنا نہیں سیکھا تھا۔ فرحین کی خوبصورتی اور حسن اخلاق کی تعریف اکثر خود سرفراز خان نے بھی بیوی سے کی تھی' لیکن ایک غریب لڑکی کو بہو بنانے کا تصور بھی اس کے نزدیک مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے سے کم نہ ہوتا' وہ اپنی پگ نیچی کرنے پر موت کو ترجیح دینے کا عادی تھا۔ لیاقت حسین نے ماں کی خاموشی میں چھپے کرب کو محسوس کیا تو تڑپ اٹھا۔

''تیرے قدموں تلے میرا جنت ہے ماں' تو حکم دے' تیری خاموشی کی خاطر ہم اپنا زندگی بھی قربان کر سکتا ہے۔''

''خدا تجھے سلامت رکھے۔'' ماں کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ ''میں ماں ہوں میرا جان جگر...... ماں جو اولاد کیلئے اپنا زندگی بھی قربان کر دیتا ہے' اس کا دل کے سکون کو برباد نہیں کرتی۔ میں...... میں

تیرے راستے کی دیوار نہیں بنوں گی۔ فرحین باحیا اور عزت دار لڑکی ہے۔ میرا دل بھی بولتا ہے کہ وہ تجھے شاہ پری سے زیادہ سکھ دے گی۔''

''پھر......؟'' اس نے ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں وعدہ نہیں کرتی۔ تیرے باپ کو راضی کرنے کا کوشش ضرور کروں گی۔'' ماں نے صدق دل سے کہا تو لیاقت کو سکون آ گیا لیکن یہ سکون بڑا عارضی تھا۔ دوسرے ہی دن سرفراز خان نے اسے باہر اپنی بیٹھک میں بلایا۔

''تمہارا ماں نے فرحین کیلئے ہم سے بولا تھا' لیکن میں شاہ پری کے والد کو زبان دے چکا ہوں۔ پورا جہانگیرہ جانتا ہے کہ سرفراز خان زبان کا دھنی ہے۔ مرد کا زبان بھی ایک ہوتا ہے۔''

لیاقت نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموش کھڑا رہا۔

''ہم تم کو اپنا فیصلہ سنا چکا' اب تم بولو۔ سرفراز خان کا فیصلہ منظور ہے یا نہیں؟''

''مم...... میں بھی فرحین کو زبان دے چکا ہوں۔'' لیاقت حسین نے مدھم مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔

''سمجھا...... تم کو ہمارا فیصلہ منظور نہیں۔'' سرفراز خان اٹھ کر بیٹھک میں ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے کے تناؤ میں ذرا برابر فرق نہیں آیا۔ کچھ دیر تک وہ کسی کشمکش میں مبتلا رہا' پھر دوبارہ بیٹے کی طرف دیکھ کر بولا۔

''شاہ پری اور تمہارا فرحین کا راستہ الگ الگ ہے۔ تم فرحین کو زبان دے چکا ہے تو مرد بن کر اپنا قول پورا کرو...... لیکن اس کیلئے تمہیں بہت قیمت چکانا ہوگا۔''

''وہ کیا......؟''

''تم کو ماں باپ' یہ گھر' یہ شہر' یہ ضلع سب کچھ چھوڑنا پڑے گا۔'' سرفراز خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ''ہم ادھر تمہارا صورت دیکھنا پسند نہیں کرے گا۔''

لیاقت حسین سر جھکائے بیٹھک سے باہر آ گیا۔ اس نے اپنے حق کیلئے کوئی احتجاج نہیں کیا' آواز بلند نہیں کی۔ اس نے شرعی تعلیم کے دوران ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ باپ اگر مشرک ہو تو بھی احترام واجب ہے۔ قرآن مقدس میں بھی والدین کا احترام ہر صورت میں اولاد کیلئے فرض قرار دیا گیا تھا' ماسوا اس کے کہ ان کا کوئی حکم قرآن و سنت اور شریعت کے منافی ہو۔ وہ سر جھکائے گھر کے اندر داخل ہوا تو ماں تڑپ کر سامنے آ گئی۔ اس کی آنکھیں چھلک رہی تھیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہم کو خبر تھا جان مادر کہ تیرا باپ ہمارا بات نہیں سنے گا۔ اس کے دل کی جگہ پتھر کا کوئی ٹکڑا ہے جس کو کوئی بھی موم نہیں کر سکتا۔''

''پھر...... اب تیرا کیا حکم ہے ماں؟'' لیاقت نے ڈبڈبائی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔

''ہم پٹھان ہے لیاقت۔'' ماں نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''قول دے کر پیچھے نہیں ہٹتا...... تو...... تو فرحین کا ہاتھ تھام لے' ایک بدنصیب ماں کا دعائیں تیرے ساتھ ہیں...... اس کا دل گواہی

دیتا ہے کہ قدرت بھی تیرا مدد ضرور کرے گا۔“

لیاقت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی سعادت مندی سے آگے بڑھ کر ماں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کیلئے ماں کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں ہی ہفت اقلیم کی دولت سے کہیں زیادہ قیمتی تھیں۔ تادیر ماں اور بیٹا ایک دوسرے کے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کا اندازہ لگاتے رہے‘ پھر ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”تو فرحین کو لے کر کہاں جائے گا؟ کہاں کہاں بھٹکتا پھرے گا ماں کے دل کا ٹکڑا؟“

”اس کا فکر مت کر ماں......“ لیاقت حسین نے ماں کو تسلی دی۔ ”گل خان سے اپنا بچپنے کا یارانہ ہے۔ وہ کراچی میں کام کرتا ہے۔ اس کا پتا میرے پاس ہے۔ ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے ماں! وہ تو میرا بچپن کا یار ہے اور...... پھر تیری دعائیں بھی تو ہیں میرے ساتھ۔“

”خدا تجھے ہمیشہ سکھی اور آباد رکھے ماں کی جان۔“ ماں پھر لیاقت کو سینے سے لگا کر رونے لگی۔ خود لیاقت کے سینے میں بھی طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ وہ بھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا تو ماں کی خلش اور فزوں ہو جاتی۔ اس کے راستے میں اور کئی رکاوٹیں بھی آ جاتیں۔ سرفراز خان اگر اپنی ہٹ پوری کرنے کی خاطر فرحین کے باپ کو بلا کر اس پر بھی اپنا نادر شاہی حکم صادر کر دیتا تو وہ بھی رشتہ دینے سے مجبوراً منہ موڑ لیتا!

ایک ہفتہ کی شش و پنج کے بعد فرحین کے بوڑھے والد نے اس کا نکاح خاموشی سے لیاقت حسین کے ساتھ پڑھا دیا۔ شادی کے موقع پر لیاقت کی ماں بھی کسی بہانے شریک ہوگئی۔ اس نے فرحین کو گلے لگا کر ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں...... اور...... لیاقت حسین انہی دعاؤں کے ساتھ خدا کا نام لے کر...... فرحین کا ہاتھ تھام کر کراچی جانے والی بس میں سوار ہوگیا...... ماں نے کچھ پس انداز کی ہوئی رقم اور کچھ قیمتی زیورات سرفراز خان سے چھپا کر بیٹے کے حوالے کئے تھے۔ بس کا ٹکٹ خریدنے کے بعد بھی پاس کافی رقم موجود تھی۔ روزمرہ کی ضرورت کا تھوڑا سامان بھی تھا جو ایک چھوٹے سوٹ کیس اور گٹھری کی صورت میں ان کے ساتھ تھا۔ لیاقت حسین کو کسی بات کا ملال نہیں تھا‘ شاید اس لئے کہ ماں کی محبت بھری دعائیں اور نیک تمنائیں اس کے ساتھ تھیں۔ وہ اس کیلئے آنے والی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھیں۔

✣✣✣

کراچی پہنچ کر لیاقت کو گل خان کا پتا تلاش کرنے میں بہت زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ رکشے والے نے اسے اجنبی جان کر لمبا راستہ ضرور اختیار کیا۔ میٹر کے حساب سے بہت زیادہ پیسے بھی وصول کئے‘ لیکن بہرحال اسے گل خان کے ٹھکانے تک پہنچا دیا تھا۔ ماں کی دعائیں ساتھ تھیں‘ اس لئے گل خان کی تلاش کے بعد سر چھپانے کا دوسرا مرحلہ بھی آسانی سے طے ہوگیا۔

گل خان کراچی کی قدیم بستی خاموش کالونی میں رہتا تھا‘ جہاں غریب طبقے اور مختلف فرقے کے لوگ ایک زمانے سے مل جل کر رہتے تھے‘ غریبوں کی اس بستی کا ایک نام حاجی فرید گوٹھ بھی

ہے۔ یہیں سڑک سے ملحقہ سالوں پرانا قبرستان بھی تھا جو گوجر نالے کے قریب واقع ہے' اسی قبرستان کے بائیں ہاتھ پر بیشمار کچے پکے مکانات بھی موجود ہیں جو زبان خاموشی سے اپنے مکینوں کی غربت کا احوال سناتے نظر آتے ہیں۔ گل خان جس ڈیڑھ کمرے کے مکان میں رہتا تھا اس کا دروازہ بستی کی جانب کھلتا تھا اور ایک کھڑکی قبرستان کی سمت کھلتی تھی۔ کچھ عرصے لیاقت حسین نے گل خان کے گھر مہمانداری میں گزارے' مگر پھر جگہ کی کمی کے باعث اسے اپنی الگ رہائش کا انتظام کرنا پڑا' لہٰذا اسے بھی اسی قطار میں چار پانچ گھر چھوڑ کر ایک مکان آٹھ سو روپے ماہوار پر مل گیا' جس پر پکی چھت کے بجائے سیمنٹ کی چادریں پڑی تھیں۔ اس کا ایک دروازہ اور کھڑکی قبرستان کی طرف کھلتی تھی جبکہ ایک دروازہ دوسری جانب بھی تھا۔

لیاقت حسین کیلئے یہ گھر بھی فرحین کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے کسی جنت سے کم نہیں تھا' مگر ایک بات اس کی پریشانی کا سبب بنی تھی۔ مکان کا کرایہ پیشگی ادا کرنے اور گھر کو معمولی چیزوں سے سنوارنے کی خاطر جو رقم خرچ کرنا پڑی اس کے بعد اس کے پاس بہت کم رقم باقی بچی تھی البتہ زیور محفوظ تھا' مگر وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ گل خان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کیلئے جلد ہی کہیں کام دھندا تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ خود لیاقت حسین بھی صبح نکلتا اور روزی روزگار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔ رات گئے گھر آتا تو تھک ہار کر سو رہتا۔ فرحین کو تنہائی کی پریشانی اس لئے نہیں تھی کہ گل خان کی بیوی زرینہ اور وہ بہت جلد ایک دوسرے سے سگی بہنوں کی طرح گھل مل گئی تھیں۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا لیاقت حسین کی پریشانی بڑھتی گئی۔ اسے کراچی آئے بیس دن گزر چکے تھے لیکن ابھی تک وہ برسرروزگار نہیں ہوا تھا۔ یہ خیال اسے اندر ہی اندر پریشان کر رہا تھا کہ اگر کوئی کام نہ ملا تو روکھی سوکھی کھانے کیلئے بھی جیب کی تنگی اسے پریشان کرتی رہتی تھی۔ وہ مرد تھا تنہا ہوتا تو حالات سے مقابلہ کر لیتا لیکن اپنے سے زیادہ اسے فرحین کی فکر تھی' جس نے نامساعد حالات میں بھی اس کا ہاتھ تھامنے سے گریز نہیں کیا تھا۔

بزرگوں کا قول ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ نیکی کرے تو خداوند کریم بھی اس پر اپنی رحمتوں کا در کھول دیتا ہے۔ ایک ایسے ہی حادثے نے لیاقت حسین کی ہر مشکل آسان کر دی۔ ایک شام وہ تھکا ماندہ واپس اپنی بستی میں داخل ہوا تو ایک دو منزلہ مکان کی نچلی منزل میں واقع دکانوں میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ خاصا ہجوم اکٹھا تھا۔ لیاقت حسین بھیڑ چیرتا ہوا آگے بڑھا' مکان کے باہر ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا لوگوں سے فریاد کر رہا تھا۔

''خدا کیلئے کوئی مدد کرے۔ میری بوڑھی' معذور ماں اور بیوی اندر موجود ہیں' انہیں بچا لو میرے بھائیو! تمہیں خدا کا واسطہ۔''

آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے' لوگ اس کے اندر چھلانگ مار کر اپنی زندگی داؤ پر لگانے سے کترا رہے تھے' لیکن بوڑھے کی رقت بھری آواز لیاقت حسین کی مردانگی کو جھنجوڑ رہی تھی۔ اسے فرحین کا خیال بھی تو تھا' لیکن یک لخت اسے یاد آ گیا کہ بچپن میں قرآن مقدس حفظ کرتے ہوئے

ایک دن اس کے معلم نے کہا تھا۔

''میرے بچو! ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ رسول مقبولؐ کا فرمان ہے کہ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد مانگ۔ یاد رکھ' ساری دنیا جمع ہو کر تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ تجھے کسی بات کا فائدہ اور نفع نہیں دے سکتی۔ سوائے اس کے' جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے سوائے اس نقصان کے' جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر رکھا ہو۔ اس لئے میرے بچو' کبھی نیکی کرتے وقت کسی نفع و نقصان کی فکر نہ کرنا۔ جو کچھ تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا اسے کوئی قوت نہیں ٹال سکتی۔''

لیاقت حسین کو معلم کے کہے ہوئے جملے یاد آئے تو جیسے کسی غیبی قوت نے اسے ایک معذور عورت کی زندگی بچانے کی خاطر آمادہ کر دیا۔ ہجوم اسے روکتا رہا' لیکن وہ خدا کا نام لے کر شعلوں کو پھلانگتا نظروں سے غائب ہو گیا۔ ہجوم میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ادھیڑ عمر کے متاثرہ فریادی کے دل سے لیاقت حسین کیلئے دعا نکلنے لگی' پھر لوگوں نے دیکھا کہ لیاقت حسین جھلسنے کے باوجود معذور عورت اور اس کی بہو کو شعلوں سے چھین کر لے آیا۔ اس کے بعد اسے اپنا ہوش نہیں رہا۔ جھلسے ہوئے لباس کی تپش اور سانس کی گھٹن نے اسے بے ہوش کر دیا۔

دو روز بعد اسے ہوش آیا تو فرحین اس کے سرہانے موجود تھی۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گیا۔'' اس نے آنسوؤں کو پلو میں جذب کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ ''بہت سارے لوگ تمہیں دیکھنے کو آ چکا ہے۔ جس کا ماں کو تم نے بچایا اس کا بیٹے کا لڑکا بھی گل بھائی کے ساتھ دن میں چھ چھ چکر لگاتا ہے۔ اسی خدا کا بندے نے تمہارا علاج کیلئے دوا دارو بھی کیا ہے لیکن تم......''

''آگے کچھ نہ کہنا لیاقت کا زندگی...... میں اور تمہارا فکر نہ کروں' یہ بات پھر کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا۔'' لیاقت حسین نے بیوی کی بات کا مفہوم بھانپ لیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ''ہم نے خدا کا نام لے کر جس عورت کا زندگی بچانے کا کوشش کیا تھا۔ وہ اب کیسا ہے؟''

''وہ ہسپتال میں ہے لیکن شکر ہے کہ تمہارا جسم آگ سے نہیں جلا۔ ایک دو چھوٹا موٹا زخم ادھر ادھر آیا ہے' اس واسطے بوڑھے کا بیٹا تمہارے لئے ایک مرہم دے گیا تھا۔ وہ ہم برابر لگاتا رہتا ہے۔''

''تم ہمارے قریب ہے تو پھر سارے زخم بھی اوپر والے کی مرضی سے بھر جائیں گے۔''

''زرینہ بہن اور گل بھائی تمہارا واسطے بہت فکر مند ہے۔ دونوں نے ہمارا بہت ساتھ دیا۔'' فرحین نے کہا۔ ''دو روز سے زرینہ اور گل بھائی ہمارے واسطے کھانا اور ناشتہ بھی لاتا ہے۔''

لیاقت حسین اور فرحین کی گفتگو جاری تھی کہ باہر سے گل خان نے آواز دی۔ فرحین نے اٹھ کر دروازہ کھولا' پھر لپک کر پردے میں چلی گئی۔ دو منٹ بعد گل خان' لیاقت حسین کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک جوان آدمی اور بھی تھا۔

''بھائی سے ملو......'' گل خان نے اس کا تعارف کرایا۔ ''یہ اس عورت کا پوتا ہے جس کو تم نے بچایا تھا۔''

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' نوجوان نے' جس کا نام احمد شاہ تھا' بڑی اپنائیت سے لیاقت حسین سے دریافت کیا۔

''سب اوپر والے کا کرم اور آپ کا مہربانی ہے۔''

گل خان کے پیچھے پیچھے زرینہ بھی آ گئی تھی' اس نے فرحین کے ساتھ مل کر قہوہ تیار کر کے باہر بھیج دیا۔ احمد شاہ' گل خان اور لیاقت حسین کے درمیان قہوہ پینے کے دوران بہت ساری گفتگو ہوتی رہی' پھر احمد شاہ نے پوچھا۔

''لیاقت بھائی' گل خان نے بتایا ہے کہ آپ کو ملازمت کی تلاش ہے؟''

''جی ہاں......'' لیاقت حسین نے احمد شاہ کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ اس سلسلے میں ہمارا کوئی مدد کر سکتا ہے؟''

''آپ اپنا فرض پورا کر چکے' اب میرے اوپر بھی کچھ فرض بنتا ہے۔'' احمد شاہ نے بے تکلفی سے کہا۔ ''میں کلفٹن کے علاقے میں ایک بڑے تاجر کے گھر ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم ہوں۔ میں نے موقع نکال کر آپ کا ذکر کیا تھا صاحب سے۔''

''پھر......؟'' لیاقت حسین کی بے چینی بڑھنے لگی۔

''ان کے پاس فی الحال کوئی اسامی خالی نہیں ہے۔''

لیاقت حسین کی نظروں میں امید کے روشن ہونے والے دیئے ٹمٹمانے لگے۔

''لیکن آپ فکر نہ کرو۔'' احمد شاہ نے کچھ توقف سے کہا۔ ''سیٹھ عثمان صاحب سے بھی اپنی تھوڑی بہت سلام دعا ہے۔ اپنے صاحب سے بھی ان کا بہت یارانہ ہے۔ کل میری ڈیوٹی نہیں ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ آپ کو ڈائریکٹ عثمان صاحب کے بنگلے پر لے چلتا ہوں۔ دل کہتا ہے کہ وہ میری بات پر غور ضرور کریں گے۔''

گل خان نے بھی احمد شاہ کی ہاں میں ہاں ملائی تو لیاقت حسین بھی آمادہ ہو گیا۔ دوسرے دن احمد شاہ اسے اپنی ہنڈا موٹر سائیکل پر بٹھا کر سیٹھ عثمان کے بنگلے پر لے گیا۔ اس وقت صبح کے کوئی گیارہ کا عمل رہا ہوگا۔ لیاقت حسین نے باہر ہی سے سیٹھ عثمان کی عالیشان کوٹھی پر نظر ڈالی تو اس کا دل اندر سے ڈوبنے لگا۔ ایک ہزار مربع گز پر تعمیر شدہ وہ کوٹھی بے حد خوبصورت تھی' باہر گیٹ پر ایک باوردی گارڈ بھی موجود تھا۔ لیاقت حسین کو وہاں اپنی دال گلتی نظر نہیں آئی۔ وہ معمولی درجے کی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ سیدھا سادا آدمی تھا' اس لئے اس نے احمد شاہ کی موٹر سائیکل رکتے ہی دبی زبان میں کہا۔

''بھائی احمد شاہ' میرا بات مانو تو واپس لوٹ چلو۔''

''کیوں بھلا......؟''

''ادھر تو ہم کو اندر جانے کا اجازت بھی مشکل سے ملے گا۔ میرا وجہ سے تمہیں بھی شرمندگی ہوگا۔''

''اوہ......'' احمد شاہ مسکرا دیا۔ ''آپ فکر نہ کریں' یہ کراچی ہے جہاں ایک ہی علاقے میں مختلف چھتوں کے نیچے مختلف ذہنیتوں کے لوگ سانس لیتے ہیں۔ سیٹھ عثمان کا تعلق اس قبیلے کے لوگوں سے ہے جو انسانوں کی قدر کرتے ہیں۔ کسی بات سے انکار کرتے وقت بھی خیال رکھتے ہیں کہ سامنے والے کی دل آزاری نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو میں بھول کر بھی آپ کو یہاں نہ لاتا۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ احمد شاہ نے آگے بڑھ کر گارڈ سے کچھ بات کی جس نے آہنی پھاٹک کے ساتھ لگی ایک سفید مستطیل شے کو آہستہ سے دبایا۔ جواب میں پھاٹک کا ایک مختصر چوکور حصہ کھلا اور ایک چہرہ نظر آیا۔ گارڈ نے اس چہرے سے کچھ کہا جس کا آٹھواں حصہ بھی بمشکل نظر نہیں آ رہا تھا' نمودار ہونے والا حصہ دوبارہ بند ہو گیا۔ لیاقت حسین دل میں خدا سے دعائیں مانگتا قدم بڑھاتا احمد شاہ کے قریب چلا گیا۔ گارڈ نے اسے نظر بھر کر دیکھا' پھر ٹوٹی پھوٹی زبان میں بولا۔

''پریشان ہونے کا ضرورت نہیں ہے بھائی۔ امارا صاحب آدمی کو اوپر سے نہیں' اندر سے دیکھتا ہے۔''

لیاقت حسین سمجھ گیا کہ گارڈ کا تعلق بھی کسی پہاڑی علاقے سے ہے' لیکن لباس اور ماحول کے اثرات نے اس کی شخصیت بدل دی تھی۔ اس کی پیار بھری میٹھی زبان سن کر لیاقت حسین کی کشمکش بڑی حد تک رفع ہو گئی۔ گیٹ پر پانچ منٹ انتظار کے بعد ایک سفید پوش ملازم نے اسے اور احمد شاہ کو کوٹھی کے اندر لے جا کر اس ملاقاتی کمرے میں بٹھا دیا جہاں کی ہر چیز اپنی زبان سے اپنی بیش بہا قیمت کا اظہار کر رہی تھی۔

''سیٹھ عثمان قسمت کا سکندر ہے میرے دوست۔'' احمد شاہ نے اسے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ''اس کے سر پر کسی بڑے کا سایہ نہیں ہے۔ دور پرے کے کچھ عزیز دار ہوں تو ہوں۔ اس کوٹھی میں صرف وہ اور اس کی بیگم رہتی ہے۔ گھر میں کئی ملازم ہیں' سیٹھ عثمان کی عمر بھی چالیس بیالیس سے زیادہ نہیں۔ بہت نیک' مخیر' غریب پرور بندہ ہے۔ زبان کا کھرا بھی ہے' بات دل میں نہیں رکھتا۔''

''یہ سب تو بڑا خوبی کا بات ہے۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا۔

اسی وقت سادہ سے لباس میں ایک صاف ستھرا اور پروقار شخص دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوا تو احمد شاہ تیزی سے سلام کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ لیاقت حسین نے بھی دھڑکتے دل سے اس کی پیروی کی۔

''کیسے ہو احمد شاہ؟'' آنے والا جو سیٹھ عثمان کے سوا کوئی اور نہیں تھا' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔ اس کے لب و لہجے میں تصنع یا بناوٹ نام کی کوئی علامت نہیں تھی۔ اس کے اشارے پر احمد شاہ اور لیاقت حسین بھی بیٹھ گئے۔

''آپ کی دعا ہے صاحب۔'' احمد شاہ نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ کو سلام کرنے کی خاطر چلا آیا۔''

''کوئی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہہ ڈالو احمد شاہ۔'' سیٹھ عثمان نے بڑی فراخدلی سے کہا۔

جواب میں احمد شاہ نے اپنے مکان میں لگنے والی آگ اور لیاقت حسین کی انسان دوستی کی پوری روداد سنا ڈالی' پھر بڑی عاجزی سے بولا۔

''اپنا یہ محسن بیروزگار ہے صاحب! اگر آپ مہربانی کر دو تو اپنے کندھے سے کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔''

سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو نظر بھر کر دیکھا۔ بڑی اپنائیت سے بولا۔ ''آپ کا تعلق غالباً کسی پہاڑی یا سرحدی علاقے سے ہے؟''

''جی ہاں صاحب!'' لیاقت حسین نے اپنا پتا ٹھکانا بتانے سے گریز کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

''آپ کے والد صاحب کیا کرتے ہیں؟''

لیاقت حسین ایک لمحے کو گڑبڑا گیا' پھر دبی زبان میں بولا۔ ''ملازمت کی ضرورت مجھے ہے صاحب' میرے والد کو نہیں۔''

''اوہ......'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''شاید آپ کسی وجہ سے بتانا پسند نہیں کر رہے۔''

''ایسی ہی بات ہے صاحب۔''

''آپ کو کس قسم کے کام آتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا کام جو آپ کو پسند ہو؟''

''ضرورت انسان کو سب کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے صاحب۔ آپ جو بولے گا' میں انکار نہیں کروں گا۔''

سیٹھ عثمان کی نظریں لیاقت حسین کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ اسے اپنے تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا' کمرے میں ایک منٹ تک خاموشی مسلط رہی' پھر سیٹھ عثمان نے پہلو بدل کر کہا۔

''آپ مجھ سے کتنی تنخواہ کی توقع رکھتے ہیں؟''

''دو ٹائم کا کھانا عزت سے مل جائے' گھر کا کرایہ کیلئے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے...... انسان کو اس سے زیادہ کا لالچ نہیں کرنا چاہئے۔ آگے اوپر والا مالک ہے صاحب' وہ ناراض نہ ہو' اسی میں بندے کا بھلائی ہے۔''

''چلیں' اسی اعتبار سے بتا دیں کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہونی چاہئے کہ آپ کا گزارہ بھی ہو جائے اور خدا کے سوا کسی کے آگے ہاتھ بھی نہ پھیلانا پڑے۔''

لیاقت حسین دل ہی دل میں اپنی روزمرہ کی ضرورتوں اور دیگر اخراجات کا حساب لگانے لگا۔ یہ فکر بھی لاحق تھی کہ اگر ملازمت نہ ملی تو مکان کا کرایہ' دو وقت کی روٹی بھی ملنا مشکل ہو گی۔

''اپنا گزارہ تین ساڑھے تین ہزار میں بھی ہوجائے گا صاحب۔'' اس نے کسمسا کر بڑی عاجزی سے کہا۔

''یہ کراچی ہے بھائی لیاقت۔'' احمد شاہ نے اسے سمجھایا...... ''تم کو ابھی ادھر کے بازار کا بھاؤ نہیں معلوم۔''

''چھوڑو احمد شاہ۔'' سیٹھ عثمان نے اٹھتے ہوئے نہایت اپنائیت سے کہا۔ ''تنخواہ کا فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔''

احمد شاہ کے ساتھ لیاقت حسین بھی اٹھ کھڑا ہوا' پھر اس وقت اس کی آنکھیں چھلک پڑیں جب سیٹھ عثمان نے جیب سے اپنا پرس نکال کر سو سو کے دس نوٹ لیاقت حسین کو دیتے ہوئے کہا۔ ''اس رقم سے تم اپنے لئے دو جوڑے سفید سلوا لینا' اجلے اور سفید مجھے پسند ہیں اور یہ رقم نہ تمہاری تنخواہ کی مد میں ہے نا ہی ایڈوانس...... پہلی تاریخ سے ادھر میرے بنگلے پر آجانا' کام اور تنخواہ کا فیصلہ کر کے میں احمد شاہ کو ایک دو روز میں بتا دوں گا۔ باقی باتیں یہ تمہیں سمجھا دے گا۔ صرف ایک بات کا خیال ہمیشہ رکھنا۔ میں دروغ گوئی اور کام چوری کو پسند نہیں کرتا۔''

لیاقت حسین نے کانپتے ہاتھوں سے رقم لے لی' پھر یہ کہہ کر باہر آ گیا۔ ''ہم آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گا صاحب۔ آپ کا اس احسان کو بھی ہمیشہ یاد رکھے گا' یہ ایک مرد کا زبان ہے۔''

✣✣✣

چھ ماہ گزر گئے۔

لیاقت حسین کی زندگی بڑے آرام اور سکون سے گزر رہی تھی۔ اس کی ماہانہ تنخواہ چار ہزار مقرر کی گئی تھی' جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ فرحین نے کئی بار نماز شکرانہ ادا کی تھی' لیکن لیاقت حسین کو آسودہ زندگی گزارنے کے بعد بھی قلبی سکون نہیں تھا۔ جو کام اس سے لیا جا رہا تھا وہ برائے نام تھا۔ اسے بنگلے کے اندر چوکیداری کے فرائض انجام دینے پڑ رہے تھے۔ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں وہ بنگلے کے اندر بارہ پندرہ چکر لگاتا' پھر واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا۔ اس کا خیال تھا کہ احمد شاہ کی سفارش پر سیٹھ عثمان نے اسے خدا ترسی کے طور پر مدد کرنے کی خاطر اندرونی بنگلے کے اطراف کی چوکیداری سونپ دی تھی۔ چار پانچ ماہ وہ خاموش رہا' لیکن رفتہ رفتہ اس کی طبیعت اکتانے لگی۔ وہ صدقے یا خیرات پر اپنے مستقبل کی تعمیر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہر چند کہ وہ سیٹھ عثمان کا احسان مند تھا' جس نے آڑے وقت میں اس کی مدد کی تھی' لیکن لیاقت حسین کی رگوں میں جو خون گردش کر رہا تھا وہ اسے غیرت دلاتا رہتا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ سیٹھ عثمان سے بات کرے' لیکن کوئی مناسب وقت نہیں ملا' لیکن چھ ماہ گزرنے کے بعد اس کی طبیعت اکتانے لگی۔ وہ کام جو اسے سونپا گیا تھا وہ کوئی گھریلو ملازم بھی کر سکتا تھا' جن کی تعداد بھی چار سے زیادہ ہی تھی۔ اندر زنان خانے میں ملازمائیں کام کرتی تھیں' کھانے پکانے کیلئے ایک ادھیڑ عمر کا خانساماں الگ تھا' جو دس بارہ سال سے خدمت انجام دے رہا تھا۔

چھ ماہ تک لیاقت حسین پوری ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہا' پھر جب اس کی اکتاہٹ ناقابل برداشت ہونے لگی تو ایک دن اسے اتفاق سے سیٹھ عثمان سے بات کرنے کا موقع میسر آ گیا۔ اس کی ڈیوٹی کے اوقات صبح دس سے شام چھ بجے تک تھے۔ جب وہ گھر واپس جانے لگتا تو اکثر سیٹھ عثمان اور اس کی خوبصورت بیوی راحیلہ بیگم کو باہر لان پر شام کی چائے پیتے دیکھتا' لیکن کبھی ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ گھر کی ملازموں اور گیٹ پر تعینات ڈیوٹی گارڈ سے بھی اس کی اچھی خاصی سلام دعا ہو گئی تھی۔ سب ہی راحیلہ بیگم کی تعریف کرتے تھے' جو نا صرف خوبصورت' حسین اور پروقار شخصیت کی مالک تھی بلکہ شوہر کی طرح خود بھی ملازموں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرتی تھی۔ ان کی بیماری' دکھ اور ضرورتوں کا خیال رکھتی' دامے درمے سخنے ان کے کام آتی۔

راحیلہ بیگم کی عمر بھی پینتیس چھتیس سے زیادہ نہیں تھی' لیکن جسم کی تراش خراش اور چہرے پر کھیلتی ایک ملکوتی مسکراہٹ اس کی عمر کو بہت کم ظاہر کرتی تھی۔ وہ اپنی صحت کا خیال رکھتی تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ شوہر کی طرح صوم وصلوٰۃ کی پابند بھی تھی۔ اس کے حسن وخوبصورتی کا سب سے بڑا راز یہی پاکیزگی تھی جس نے اسے ہردلعزیز بنا دیا تھا۔ وہ برقع پہننے کی عادی نہیں تھی' لیکن اس کی کشادہ پیشانی کا اوپری حصہ' سر کے بال اور کان پر ہمیشہ لباس سے میچنگ کلر کا ایک حجاب ضرور ہوتا جو پشت کے علاوہ اس کے سینے کی پردہ پوشی بھی کرتا تھا۔ یہی حسن' پاکیزگی اور معصومیت راحیلہ بیگم کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

شام کے چھ بجے تو لیاقت حسین نے حسب معمول بنگلے کی پشت پر تعمیر ملازموں کے کمروں کے ساتھ بنے ایک خالی کمرے میں جا کر اپنا سفید لباس تبدیل کیا' پھر باہر جاتے وقت اس کو صرف سیٹھ عثمان لان پر رکھی بید کی دیدہ زیب کرسی پر تنہا بیٹھے' چائے پیتے نظر آ گئے۔ باقی چار پانچ کرسیاں خالی تھیں۔ میز پر چائے اور کھانے پینے کا سامان موجود تھا۔ شاید راحیلہ بیگم کسی کام سے اندر چلی گئی تھیں یا ابھی باہر ہی نہیں آئی تھیں۔ بہرحال لیاقت حسین غیر اختیاری طور پر قدم اٹھاتا سیٹھ عثمان کے قریب جا کر رک گیا۔ اس کے شعور میں اس وقت بھی وہی ایک خیال کچوکے لگا رہا تھا کہ سیٹھ عثمان نے صرف اس کی مدد کی خاطر خدا ترسی کی بنیاد پر ملازم رکھ لیا ہے۔

''کیا بات ہے لیاقت حسین؟'' سیٹھ عثمان نے اس کو قریب کھڑا دیکھ کر سادگی سے پوچھا۔ ''کچھ کہنا ہے؟''

''جی مالک......'' لیاقت حسین جو چھ ماہ میں اپنے علاقے کی کھڑی زبان کے بجائے اب ٹوٹی پھوٹی مقامی زبان بھی سیکھ گیا تھا' مدھم آواز میں بولا۔ ''آپ نے مجھے جو ڈیوٹی کرنے کو دیا ہے۔ وہ میری خدمت کے مقابلے میں ماہانہ تنخواہ سے بہت کم ہے۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

''میرا مطلب یہ ہے مالک کہ جو مرد ذات ہو' جوان ہو' وہ صدقہ خیرات کا مستحق نہیں ہوتا۔'' وہ روانی میں اپنا مقصد بیان کرتا رہا۔ ''بچپن میں مولوی صاحب نے بھی یہی تعلیم دیا تھا کہ نوجوان آدمی

کو حق حلال کا کمائی کھانا چاہئے۔''

''میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔'' سیٹھ عثمان نے تعجب سے پوچھا۔ ''یہ صدقہ' خیرات کا ذکر کہاں سے درمیان میں آگیا؟''

''آپ ہم کو دو وقت فرسٹ کلاس چائے دیتا' ایک وقت کا تگڑا کھانا دیتا اور چار ہزار روپے تنخواہ بھی دیتا۔ صرف اس بات کا کہ میں دن میں پندرہ سولہ بار بنگلے کا گھوم پھر کر چکر لگائے۔ اتنا چکر تو کوئی ملازم بھی کھانا ہضم کرنے کیلئے لگا سکتا ہے' پھر یہ تنخواہ' کس بات کی؟''

''اوہ......'' سیٹھ عثمان مسکرا دیا' پھر اس سے پیشتر کہ کوئی تفصیلی جواب دیتا' راحیلہ بیگم قدم اٹھاتے آگئیں۔ لیاقت حسین نظریں جھکا کر واپسی کے ارادے سے پلٹا تو سیٹھ عثمان نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ بدستور مسکرا کر بولے۔ ''تم جو شکایت مجھ سے کر رہے ہو وہی بیگم صاحبہ سے کرو' گھر کے ملازموں کا چارج بھی انہی کے ذمے ہے۔ میں باہر کے معاملات دیکھتا ہوں۔''

''کیا بات ہے لیاقت حسین؟'' راحیلہ بیگم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑے ملنسار لہجے میں پوچھا۔ ''تمہیں کس قسم کی شکایت ہے؟''

لیاقت حسین' راحیلہ بیگم سے نظریں ملا کر بات کرنا بھی گناہ سمجھتا تھا' اس لئے خاموش کھڑا سٹپٹاتا رہا۔ اس کی یہ مشکل سیٹھ عثمان نے حل کر دی تو راحیلہ خاتون کے گداز ہونٹوں سے ایک قہقہہ ابل پڑا' پھر وہ سنجیدگی سے بولیں۔

''تمہیں اور کیا کام آتے ہیں؟''

''ادھر ہم گاؤں میں کھیتی باڑی بھی کرتا تھا' گھوڑوں کو تربیت بھی دیتا تھا اور سارے مردوں والے کام کرتا' کبھی بابا کہیں مہمان داری پر جاتا تو اس کی جیپ بھی چلاتا تھا۔ اپنے پاس پکا لائسنس بھی ہے۔''

''اوہ تو یہ بات ہے۔'' راحیلہ بیگم' لیاقت حسین کے بارے میں پہلے ہی شوہر سے سن چکی تھیں کہ وہ محنتی' جفاکش اور ایماندار ہے' چنانچہ مسکرا کر بولیں۔ ''اگر تم تنخواہ کو ڈیوٹی کے مقابلے میں زیادہ سمجھ رہے ہو تو یہ بات مجھے پسند آئی۔''

''شکریہ بیگم صاحب۔'' لیاقت حسین نے خوشی کا اظہار کیا' لیکن بدستور نظریں جھکائے کھڑا رہا۔

''ڈرائیور تو ہمارے پاس پرانا ہے اس لئے ہم خود سے اسے نکال نہیں سکتے۔ ہاں' اگر تمہیں کھیتی باڑی سے شوق ہے تو پھر تم مالی بابا کے ساتھ مل جل کر پودوں کی دیکھ بھال کر لیا کرو' وہ بوڑھے آدمی ہیں' تمہیں دعا بھی دیں گے۔''

لیاقت حسین خوش ہو گیا۔ وہ راحیلہ بیگم سے زیادہ کھل کر بات کرنے سے بھی شرما رہا تھا' اس لئے فوجی انداز میں سلام کر کے تیز تیز قدم بڑھاتا پھاٹک کی جانب چلا گیا۔

''آپ کا اندازہ غلط نہیں تھا۔'' اس کے جانے کے بعد راحیلہ بیگم نے اپنے لئے چائے بناتے

ہوئے شوہر سے کہا۔ ''لیاقت مجھے شریف ہونے کے ساتھ ایماندار اور ایسا وفادار آدمی بھی لگا ہے جو وقت پڑنے پر کسی کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہے۔''

''میں نے اسی لئے وقتی طور پر ملازم رکھ لیا تھا ورنہ آپ بھی جانتی ہیں' آپ کا یہ خادم کاروباری آدمی ہے۔ یہاں بات بات پر دشمنیاں جنم لیتی ہیں اسی لئے دن رات ہمارے مسلح آدمی بنگلے کے اطراف سادہ لباس میں اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہتے ہیں۔ لیاقت حسین نے آپ کے آنے سے پیشتر دبی زبان میں اپنی تنخواہ کو صدقہ خیرات سے تعبیر دے کر مجھے بھی خاص طور پر بے حد متاثر کیا ہے۔''

''اپنے ڈرائیور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' راحیلہ بیگم نے شوہر کی بات سن کر سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''تین سال سے کام کر رہا ہے۔ خاموش طبیعت کا مالک ہے اور...... لیکن آپ نے اس وقت اچانک ڈرائیور کے بارے میں کیوں پوچھا؟''

''لیاقت حسین کے بارے میں آپ کا جواب سن کر۔'' راحیلہ بیگم نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بدستور پرخیال انداز میں کہا۔ ''کسی کے بارے میں بغیر کسی سبب منفی انداز میں سوچنا بھی خدا کو پسند نہیں' لیکن مصلحت اور دور اندیشی کے کچھ اپنے تقاضے بھی ہوتے ہیں جس کا حکم دیا گیا ہے۔''

سیٹھ عثمان نے جواب نہیں دیا۔ محبت بھری نظروں سے راحیلہ بیگم کو دیکھتے رہے۔

''پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ایسی ناقابل شکست قوت خرید جو اکثر انسان کو دوست سے دشمن بھی بنا دیتی ہے۔''

''جی......!'' سیٹھ عثمان نے چونک کر بیوی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں کسی کی نیت پر شبہ یا الزام نہیں لگا رہی' لیکن انسان کی نیت میں خرابی آنے میں دیر بھی نہیں لگتی۔''

''گویا آپ کہنا چاہتی ہیں کہ میرے کاروباری حریف مجھے ختم کرانے کے سلسلے میں سب سے سہل اور آسان طریقہ یہ اختیار کر سکتے ہیں کہ میرے ڈرائیور وحید کو خرید لیں اور اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔''

''کیا ایسا ہونا بعید از قیاس ہے؟'' راحیلہ بیگم نے بڑی معصوم مسکراہٹ لبوں پر بکھیر کر کہا۔ ''میں وحید کی نیت اور اس کی آج تک کی وفاداری پر شبہ بھی نہیں کر رہی' لیکن کیا ہمارے مشترکہ دشمن اس انداز میں نہیں سوچ سکتے؟''

''میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی وقت اطمینان سے بیٹھ کر اس امکانی قیاس پر دوبارہ غور کریں۔'' سیٹھ عثمان نے کچھ زود رنج انداز میں ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا' پھر چائے کی پیالی میز پر رکھتے عجلت میں اٹھے اور خاموشی سے اندر چلے گئے۔

راحیلہ بیگم حیرت زدہ رہ گئیں۔ انہیں یک لخت گمان ہوا کہ شوہر کے دل میں ان کی طرف سے

کوئی بال آ گیا ہے۔ ایک لمحے کو وہ گم صم بیٹھی رہیں' پھر شوہر کے پاس پہنچنے کیلئے تیز تیز قدم اٹھانے لگیں۔ سیٹھ عثمان اپنی سٹڈی میں بیٹھے کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ راحیلہ بیگم دبے قدموں ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ وہ شوہر سے مخلص تھیں' مزاج آشنا تھیں' سمجھ گئیں کو شوہر کو وحید کے سلسلے میں ان کا شبہ بھی ناگوار گزرا ہے۔ راحیلہ بیگم نے محض ایک امکانی بات کا اظہار کیا تھا۔ کسی پر بلاوجہ الزام لگانا ہرگز مقصود نہ تھا۔ چند لمحے وہ خاموش کھڑی رہیں' پھر انہوں نے اپنے ہاتھ بڑی محبت سے شوہر کے کاندھوں پر رکھے تو سیٹھ عثمان نے چونک کر کہا۔

''آپ......''

''ناراض ہیں مجھ سے؟ آپ نے چائے بھی ٹھیک طرح نہیں پی۔''

''بس یونہی دل نہیں چاہا۔'' انہوں نے راحیلہ بیگم کو ٹالنے کی کوشش کی۔ ''آپ کھڑی کیوں ہیں' بیٹھ جائیں۔''

''ایک بیوی کی حیثیت سے آپ کی زندگی کی فکر کرنا کیا میرا فرض یا حق نہیں ہے؟'' راحیلہ بیگم کی آواز فرط جذبات سے رندھ گئی۔ ''خدا گواہ ہے کہ میں نے کسی کی ایمانداری پر کوئی شبہ نہیں کیا تھا' ایک امکانی بات کہی تھی' لیکن آپ کو کوئی دکھ ہوا ہو تو میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔''

سیٹھ عثمان تیزی سے اٹھے' راحیلہ بیگم سے انہیں کبھی دکھ نہیں پہنچا تھا۔ وہ ان کی زندگی کا سب سے بیش بہا اور قیمتی سرمایہ تھیں۔ ان کے درمیان شادی کے نو سال بعد بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ خود راحیلہ بیگم کو بھی اس کا احساس تھا' لیکن سیٹھ عثمان نے کبھی اشارتاً بھی اس موضوع پر زبان نہیں کھولی تھی۔ وہ دین دار آدمی تھے' جانتے تھے کہ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ اس وقت انہیں وحید کے سلسلے میں راحیلہ بیگم کی بات گراں ضرور گزری تھی' لیکن وہ خفا نہیں تھے' صرف بیوی کو یہ احساس دلانا مقصود تھا کہ بلاوجہ بھی کسی کے بارے میں اس وقت تک برا نہ سوچو جب تک تمہارے شبے کی تصدیق نہ ہو جائے' لیکن بیوی نے جب معافی طلب کی تو ان کے اندر محبت کا جذبہ ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ انہوں نے اٹھ کر راحیلہ بیگم کو ہاتھ پھیلا کر سینے کی گہرائیوں میں سمیٹ لیا' بڑی محبت اور انکساری سے بولے۔

''آپ کو میری جان کی قسم' دوبارہ کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ آنے دیجئے گا کہ میں زندگی میں کبھی آپ سے ناراض ہونے کا سوچ بھی سکتا ہوں۔''

شوہر کے جملوں نے راحیلہ بیگم کی پریشانی دور کر دی۔ پل بھر کیلئے جو احساس انہیں کچوکے لگا رہا تھا' وہ جاتا رہا۔ دل کا غبار چھٹا تو انہوں نے خمار آلود نظریں اٹھا کر شوہر کو دیکھا' التجا آمیز محبت کے لہجے میں کہا۔

''میری درخواست ہے کہ کبھی اپنی راحیلہ سے ایک پل کیلئے بھی خفگی کا اظہار نہ کیجئے گا۔ آپ شوہر ہیں' آپ کو خوش رکھنا' آپ کے اچھے' برے کا خیال رکھنا میرا حق ہے' مجھے اس حق سے کبھی محروم نہ کیجئے گا۔''

''وعدہ رہا۔'' سیٹھ عثمان نے بیوی کی غزالی آنکھوں میں ڈوب کر کہا' پھر دوبارہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کرنے کی خاطر ذرا جھک کر اپنی بات کی مہر صداقت ہونٹوں کی زبانی راحیلہ بیگم کی پیشانی پر ثبت کر دی۔ پل بھر میں فضا جس پر بس لمحے بھر کو ہلکا سا غبار طاری ہوا تھا' ساری کثافتوں سے پاک ہوگئی۔ راحیلہ بیگم نے دوبارہ چائے بنا کر دی' پھر دونوں محبت بھری باتوں میں محو ہو گئے۔ ساری دھند دور ہوگئی۔ دونوں اس طرح کھل مل کر باتیں کرنے لگے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

✣✣✣

لیاقت حسین ہر چند کہ مالی کا ہاتھ بٹانے والی بات سن کر وقتی طور پر خوش ضرور ہوا۔ راحیلہ بیگم کی فراخ دلی نے اسے اس گھر کا مزید نمک خوار بنا دیا۔ بوڑھا مالی بھی خوش تھا کہ لیاقت حسین کے ہاتھ بٹانے سے کچھ دیر آرام کا موقع مل جاتا۔ مالی ایک سائے میں بیٹھا اپنے تجربے کی روشنی میں ہدایات دیتا رہتا۔ لیاقت حسین کسی ہونہار شاگرد کی طرح اس کی باتوں پر عمل کرتا رہا' پھر اس نے مالی بابا سے پوچھنے کے بعد کیاری کی اطراف میں گلاب کی قطار لگا دی۔ راحیلہ بیگم نے دس پندرہ دن بعد کیاری کی طرف ننھے منے پودوں اور ان کی معصوم ٹہنیوں پر ننھے منے سرخ گلاب کے پھول کھلے دیکھے تو خوش ہوگئیں۔ اس روز انہوں نے مالی بابا کی سفارش پر لیاقت حسین کو پورے سو روپے بطور انعام میں دیئے۔

دو مہینے اور گزر گئے۔ لیاقت حسین کی وفاداری اور ایمانداری نے سیٹھ عثمان کے بعد راحیلہ بیگم کی نظروں میں بھی ایک مقام حاصل کر لیا۔ اس نے جو محنت کی تھی وہ رائیگاں نہیں گئی۔ وقت اپنی مسافت طے کرتا رہا' سب ہی خوش تھے لیکن......

اس دن سیٹھ عثمان شام کو دفتر سے لوٹے تو لیاقت حسین نے بھی محسوس کیا کہ وہ کچھ تھکے تھکے اور پریشان سے لگ رہے ہیں۔ لیاقت حسین نے معمول کے مطابق انہیں سلام کیا۔ سیٹھ عثمان نے جواب دیا' لیکن خلاف توقع اس کی خیریت دریافت کئے بغیر تیزی سے گھر کے اندر چلے گئے۔

راحیلہ بیگم نے بھی شوہر کے چہرے کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ ان کی خاموشی کے پیچھے کوئی گہری فکر ضرور لاحق ہے۔ انہوں نے فوراً ہی بات چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اندر لاؤنج میں شام کی چائے کا اہتمام کرنے لگیں۔ سیٹھ عثمان لباس تبدیل کر کے ہاتھ منہ دھو کر آئے اور لوازمات سے انصاف کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ روزمرہ کی طرح باتیں بھی کرنے لگے' لیکن راحیلہ بیگم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی ایسا مسئلہ ضرور ہے جسے وہ چھپانے یا ٹالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چائے کے دوران راحیلہ بیگم بھی روز کی طرح ہنستی بولتی رہیں۔ جب ان کے اشارے پر ملازم ناشتے کا سامان سمیٹ کر لے گیا تو سیٹھ عثمان روزمرہ کے معمول کے مطابق کچھ دیر آرام کرنے کی خاطر دیوان پر لیٹ گئے۔ راحیلہ بیگم حسب معمول ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں' پھر انہوں نے دبی زبان میں شوہر کو کریدا۔

''کیا بات ہے؟ آج آپ کچھ فکرمند نظر آ رہے ہیں؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہے۔کل ایک اہم کاروباری میٹنگ ہے' اگر خدا نے کامیاب کر دیا تو لاکھوں کا فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''اس میں فکر کی کیا بات ہے؟'' راحیلہ بیگم نے پہلو بدل کر کہا۔ ''نفع اور نقصان پہنچانا بھی اسی قادر مطلق کے اختیار میں ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے ہمیں پہلے ہی نواز رکھا ہے۔''

''میں سو فیصد آپ کی بات سے متفق ہوں لیکن......'' سیٹھ عثمان کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''آپ کو میری قسم......'' راحیلہ بیگم نے شوہر کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر کہا۔ ''جو بات بھی ہے مجھے بتا دیں۔''

سیٹھ عثمان ہونٹ چبانے لگے' لیکن بیوی کی دی ہوئی قسم پر زبان کھولتے ہوئے بولے۔ ''دراصل ایک خاص گروپ کے سربراہ کی یہ خواہش ہے کہ میں کل کی میٹنگ میں سرے سے شریک ہی نہ ہوں تو میرے حق میں بہتر ہو گا۔''

''یہ تو ایک طریقے سے صریحاً دھمکی ہے۔'' راحیلہ بیگم نے کسما کر پوچھا۔ ''آپ کا اشارہ کہیں شیخ حامد کی طرف تو نہیں ہے؟''

''آپ کا خیال درست ہے۔''

''کیا اس نے آپ کو خود فون کیا تھا؟''

''نہیں۔ اس کے بزنس منیجر افضل خان کا فون آیا تھا میرے پاس۔ شیخ حامد خود کبھی سامنے نہیں آتا۔ اپنے ہاتھ پاؤں بچانے کی خاطر ہی وہ ہمیشہ افضل خان کو آگے رکھتا ہے۔''

''اور یہ افضل خان کس قماش کا آدمی ہے؟'' راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''مختصراً یوں سمجھ لیں کہ شیخ حامد نے اسے ملازمت دے کر اس کی شرارتوں اور خباثتوں کو ایک طرح سے تحفظ فراہم کر دیا ہے۔''

''اوہ...... ایسی صورت میں آپ نے کل کی میٹنگ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟'' راحیلہ بیگم کے چہرے پر تفکرات کے سائے لہرانے لگے۔

''آپ کا کیا مشورہ ہے؟'' سیٹھ عثمان نے بیوی کی رائے معلوم کی۔

''میرا خیال ہے زندگی کاروبار سے زیادہ اہم ہے۔ ویسے بھی ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے۔''

''بات پیسوں کی نہیں ہے۔'' سیٹھ عثمان نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اگر میں نے ایک بار شیخ حامد کی بات مان لی تو وہ مجھے بزدل اور ڈرپوک سمجھ کر اور شیر ہو جائے گا۔ وہ لفنگا افضل خان بھی بزنس گروپ میں اس بات کو بڑے فخر سے بیان کرتا پھرے گا جس سے میرے کاروبار کی ساکھ کو بھی نقصان ہو سکتا ہے۔''

''ایسی صورت میں کیا مناسب نہ ہو گا کہ آپ ڈی ایس پی سراج کو قبل از وقت حالات سے آگاہ کر دیں۔ وہ آپ کا کلاس فیلو رہ چکا ہے اور ہمارا اس کا ملنا جلنا بھی ہے۔''

''یہ خیال آیا تھا میرے ذہن میں لیکن...... بات سراج کے کانوں تک پہنچی تو معاملات قانونی صورت اختیار کرلیں گے۔ میں تھانے کچہری سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں اس لئے کہ ہمارے اخباری نمائندے ایسی خبروں کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ معمولی خبروں کو بھی نمک مرچ لگا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اچھے خاصے شریف آدمی کو اپنی عزت بچانا مشکل ہوجاتی ہے۔''

''لیکن ہمیں کوئی نہ کوئی حل تو ڈھونڈنا ہوگا۔''

''میرا یقین ہے کہ سب سے بڑا کارساز' مسبب الاسباب' عزت اور ذلت دینے والا ہمارا رب ہے جس کے اشارے کے بغیر ایک ذرہ بھی جنبش کرنے سے قاصر ہے۔'' سیٹھ عثمان نے پراعتماد لہجے میں بیوی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ ''آپ بھی اس حقیقت سے واقف ہیں۔ ہمیں اس کی ذات پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ سرکارؐ کی حدیث بھی یہی ہے کہ اگر مدد بھی درکار ہو تو اسی قادر مطلق سے طلب کرو' وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔''

''میں آپ کی بات سے متفق ہوں لیکن دیدہ و دانستہ خطروں سے کھیلنا بھی مصلحت کے خلاف ہے۔''

''انسان کا اپنا قبلہ اور عقیدہ درست ہو تو خدا بھی اس کی حفاظت ضرور کرتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں' یہ سوچ کر میرے حق میں صرف اس خداوند کریم سے دعا کریں جس نے لوح محفوظ پر سب کچھ قبل از وقت رقم کردیا ہے۔ وہی اٹل ہے۔''

شوہر کی دلیل حق بجانب تھی۔ راحیلہ بیگم نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس روز شوہر کے سونے کے بعد انہوں نے دو رکعت نفل حاجات پڑھی اور پروردگار سے اپنے سہاگ کو قائم رکھنے کی خاطر ہاتھ اٹھا کر رو رو کر دعائیں کرتی رہیں' پھر نماز سے فارغ ہوکر شوہر کے قریب ہی بستر پر لیٹ گئیں۔

دوسری صبح وہ شوہر کے ساتھ ناشتے میں مصروف تھیں جب ایک خادمہ نے سامنے آکر سیٹھ عثمان سے کہا۔

''صاحب' وحید آپ سے فوری ملنا چاہتا ہے۔ اس کے گاؤں سے کسی کا پیغام آیا ہے کہ پہلی فرصت میں آکر ماں سے مل لو' اس کی حالت نازک ہے۔''

سیٹھ عثمان نے وحید کو اسی وقت اندر بلوایا۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والے تفکرات کے گہرے نقش دیکھ کر سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم نے یہی اخذ کیا کہ وہ ذہنی طور پر بہت زیادہ پریشان ہے۔

''ماں کے سلسلے میں تمہیں کیا خبر ملی ہے؟'' سیٹھ عثمان نے بڑی شفقت سے دریافت کیا۔

''بتانے والے نے یہی کہا کہ شاید اس کا آخری وقت قریب ہے۔'' وحید نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''ویسے بھی اس غریب کی بیماریاں اس کا پیچھا پکڑے ہوئے ہیں۔ ساٹھ باسٹھ کی عمر بھی سینکڑوں بیماریوں کی ایک بیماری ہے صاحب۔'' وحید کی آواز رندھ گئی۔ ''آپ اجازت دیں تو دو

گھنٹے بعد والی گاڑی پکڑ کر چلا جاؤں' پھر نہ جانے ماں کا آخری دیدار بھی نصیب ہو نہ ہو۔"

"ایسی حالت میں ہماری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔" راحیلہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم صاحب سے بات کرو' میں ایک منٹ میں اندر سے آتی ہوں۔"

"کیا تمہیں اس سے پہلے ماں کی بیماری کی اطلاع نہیں تھی؟" سیٹھ عثمان نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

"بیمار تو وہ غریب مہینوں سے تھی صاحب۔ میں دوا دارو کیلئے اسے روپے بھیجتا رہتا تھا لیکن حالت اچانک نازک ہو جائے گی' اس بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

راحیلہ بیگم اپنے کمرے سے نکل کر پھر سامنے آ گئیں۔ انہوں نے ایک بند لفافہ وحید کو دیتے ہوئے بڑے خلوص سے کہا۔ "اس میں کچھ پیسے ہیں' اس کو ایڈوانس نہ سمجھنا۔ گاؤں پہنچتے ہی ماں کو کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھانا۔ اگر ہسپتال میں بھی داخل کرنا پڑے تو دیر نہ کرنا' صرف کسی طرح ایک فون کر دینا' تمہیں جتنی رقم درکار ہو گی وہ تمہیں فوری پہنچ جائے گی۔"

وحید نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا' پھر رونے لگا۔

"اوپر والے پر بھروسہ رکھو وحید۔" سیٹھ عثمان نے اس کی دلجوئی کی۔ "موت اور زندگی صرف اور صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ انسان کو اس کی رحمتوں سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

وحید زیادہ دیر نہیں رکا۔ منہ بسورتا ہوا رخصتی سلام کر کے الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ سیٹھ عثمان کچھ فکرمند نظر آنے لگے' کسی بھی دفتری کارندے یا گھریلو ملازم کو تکلیف میں دیکھ کر اس کا گہرا اثر قبول کر لینا ان کی فطرت میں شامل تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ خدا وحید کی ماں اور اس کے حق میں بہتر ہی کرے گا۔"

"آپ نے وحید کو کتنی رقم دی ہے؟"

"فی الحال میں نے دس ہزار دیئے ہیں لیکن آپ فکر نہ کریں۔ وحید کا فون آتے ہی میں اس کی ہر ممکن مدد اپنا فرض جان کر ادا کروں گی۔"

"آپ نے مجھ پر احسان کیا جو اسے دس ہزار دے کر میری پریشانی کسی قدر کم کر دی۔"

"ایک درخواست کروں آپ سے؟" راحیلہ بیگم نے شوخ نظروں سے شوہر کو دیکھا۔

"آپ حکم دیں۔"

"میری خاطر دل پر کوئی بوجھ نہ لیں ورنہ میں بھی آپ کی طرف سے پریشان ہونے کا حق رکھتی ہوں۔"

سیٹھ عثمان نے دل ہی دل میں بیوی کی عظمت کو سلام کیا۔ ہونٹوں پر ایک تبسم بکھیر کر خوش نظر آنے لگے۔

"آپ کو دفتر کیلئے کس وقت نکلنا ہے؟"

"اس کی فکر نہ کریں۔ میں دفتر فون کر کے کسی اور ڈرائیور کو بھی بلا سکتا ہوں لیکن میں نے آج

گھر پر ہی آرام کرنے کا فیصلہ کیا ہے' میٹنگ کیلئے کچھ ضروری تیاریاں بھی کرنی ہیں۔ شام کو فریش ہو کر ساڑھے پانچ بجے آرام سے نکلوں گا۔''

''دفتر سے کسی ڈرائیور کو بلانے کے بجائے کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم لیاقت حسین کو وحید کے آنے تک اس کی ذمہ داری سونپ دیں۔'' راحیلہ بیگم نے دبی زبان میں کہا۔ ''آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاں نثار آدمی ہے۔ نہ ہوتا تو بھڑکتی آگ کے شعلوں میں کود کر کسی معذور عورت کی جان بچانے کی ہمت نہ کرتا۔''

''اگر آپ کا یہی مشورہ ہے تو خاکسار بسر و چشم...... آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے ماحول پر طاری بوجھل پن کو دور کرنے کی خاطر اتنی محبت اور خلوص سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ راحیلہ بیگم کے دل کا سارا بوجھ اتر گیا۔ انہوں نے اسی وقت لیاقت حسین کو وحید کی واپسی تک ڈرائیور کے فرائض ادا کرنے کا حکم صادر کیا تو لیاقت حسین بھی خوش ہو گیا۔

سیٹھ عثمان اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ راحیلہ بیگم نے باورچی خانے میں جا کر خانساماں کو کھانے کی تیاری کیلئے ضروری ہدایات دیں' پھر شوہر کے پاس کمرے میں آگئیں۔ چھٹی کے دن ان کا یہ معمول تھا کہ ایک ایک لمحہ شوہر کے قریب رہ کر گزارتی تھیں۔

لیاقت حسین کو عارضی طور پر جو فرض سونپا گیا وہ اس پر بے حد خوش تھا۔ باہر آتے ہی اس نے سب سے پہلے یہ خوشخبری گارڈ کو سنائی' پھر کپڑے تبدیل کر کے گاڑی کو دھونے اور اس پر پالش وغیرہ کرنے میں تن من دھن سے مشغول ہو گیا۔ غفور نامی بوڑھا مالی بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر لیاقت حسین کے پاس آ گیا۔ بڑی اپنائیت سے بولا۔

''صاحب کو تو شام میں جانا ہے اللہ کے بندے' تم ابھی سے کیوں جان مارتے ہو؟''

''تم نہیں جانتا چاچا' ہم کو آج جو ڈیوٹی سونپا گیا ہے اس نے ہمارا دل کتنا بڑا کیا ہے۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا۔ ''ہم اس گاڑی کو دھو دھلا کر نئی نویلی دلہن کی طرح چمکا دے گا۔ صاحب دیکھے گا تو اس کو بھی خوشی ہو گی۔''

''یہ شہر ہے لیاقت پتر...... گاڑی دھونے' چمکانے کے بعد ایک دو چکر بھی آس پاس لگا کر ضرور دیکھ لینا۔ اس طرح تمہارا ہاتھ بھی صاف ہو جائے گا۔''

''کیسا بات کرتا ہے چاچا۔'' لیاقت حسین نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''ہم ادھر پہاڑی علاقے میں بڑا بڑا ٹرک بھی چلاتا رہا ہوں۔ تمہارے شہر کا ڈرائیور لوگ بھی ان راستوں پر جہاں نیچے گرنے سے بچاؤ کیلئے کوئی روک نہیں ہوتی' گاڑی چلاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ ادھر شہر میں یہ چھوٹا موٹا گاڑی چلانا تو ہمارا الٹے ہاتھ کا کھیل ہے' پھر بھی تمہاری نصیحت پر عمل کرنے کا خاطر صاحب کے جانے سے ایک گھنٹے پہلے تھوڑا تھوڑا ٹرائی ضرور لے لے گا۔''

''یہ وحید اچانک کیوں چھٹی لے کر چلا گیا؟'' مالی نے دریافت کیا۔

''ادھر گاؤں میں اس کی ماں کا حالت زیادہ خراب ہو گیا ہے۔'' لیاقت حسین نے بتایا۔ ''بہت

دنوں سے وہ بیمار تھی۔“

”حیرت ہے......!“ بوڑھے مالی نے تعجب کا اظہار کیا۔”کل رات تک وحید نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ میرے ہی کمرے میں بیٹھا ریڈیو پر فلمی گانے سن سن کر مٹک رہا تھا۔ وہ تو رات بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔“

”ہوتا ہے چاچا‘ ہوتا ہے۔“ لیاقت حسین نے اپنی سوچ کے مطابق جواب دیا۔”کبھی کبھی انسان غم غلط کرنے کی خاطر بھی اپنا دل پشاوری کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے‘ مقدر میں کیا لکھا ہے‘ بندے کو کیا خبر۔“

بوڑھا مالی سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ لیاقت حسین گاڑی کو دھونے کے بعد اس کی پالش کر کے چمکانے میں جت گیا۔ ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد وہ کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کی خاطر عقبی حصے کے خالی کمرے میں آرام کرنے چلا گیا‘ لیکن مالی چاچا کے کہنے کے مطابق اس نے طے کرلیا تھا کہ صاحب کے جانے سے پہلے وہ گاڑی بنگلے سے نکال کر سٹیئرنگ پر اپنا ہاتھ بھی تھوڑا صاف کرنے کی خاطر قریبی سڑکوں کے ایک دو چکر ضرور لگالے گا۔ اسی بہانے گاڑی کی ٹرائی بھی لے لے گا۔ بریک اور گیئر کی کارکردگی کا اندازہ بھی لگالے گا‘ جو ضروری تھا۔

سیٹھ عثمان کو ٹھیک ساڑھے پانچ بجے نکلنا تھا۔ لیاقت حسین پوری طرح تیار ہوکر گاڑی کی ٹرائی لینے کی خاطر ٹھیک ساڑھے تین بجے اسے بنگلے سے باہر لے گیا۔ کچھ دور جاکر اس نے بریک آزمایا تو وہ اسے کچھ نرم محسوس ہوا۔ ایک دو بار بریک آزمانے کے بعد اسے اندازہ ہوگیا کہ بریک کو کس وقت استعمال کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بعد اس سڑک کے ایک دو چکر لگانے کے بعد گاڑی کو باہر لاکر روک دیا۔ ہارن بجا کر مسکراتے ہوئے گارڈ کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا‘ پھر اتفاقاً اس کا پاؤں کلچ سے ہٹا تو گاڑی ایک جھٹکا کھا کر بند ہوگئی۔ لیاقت حسین کو خود اپنی غلطی پر ہنسی آگئی لیکن گاڑی کو دوبارہ سٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے کوئی ایسی بات محسوس کی کہ یک لخت پریشان ہوگیا۔ اس نے گاڑی کو سٹارٹ کرکے گیٹ کے اندر لانے کے بجائے بائیں جانب موڑا اور دس پندرہ گز دور اس خالی پلاٹ کے قریب لاکر کھڑا کردیا‘ جس پر جنگلی گھاس کہیں کہیں اگی نظر آرہی تھی۔ گاڑی روکنے کے بعد اس نے سوئچ گھما کر انجن بند کیا۔ تیزی سے باہر نکل کر بونٹ اٹھا کر‘ انجن کے قریب ہوکر اس آواز کو سننے لگا جو گیٹ پر اتفاقاً گاڑی بند ہوجانے کے بعد اس کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ بمشکل ایک جومنٹ کے بعد ٹک......ٹک کی وہ آواز اسے واضح طور پر سنائی دینے لگی۔ لیاقت حسین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اس نے برق رفتاری سے ڈکی کھول کر اس میں سے ٹول بکس نکالا‘ پھر ایئر فلٹر کا اوپر ڈھکن کھولتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہاں درمیان میں بڑی احتیاط سے ایک دیسی ساخت کا بم رکھا ہوا تھا۔ بم کے ساتھ ہی ایک چھوٹی گھڑی بھی تھی جس کی سرخ سوئی متحرک ہوتے......وقت ٹک ٹک کی آواز پیدا کررہی تھی۔

لیاقت حسین اپنے شہر میں متعدد بار ایسے بموں کے استعمال اور وقت کے تعین کا اندازہ بہت

قریب سے لگا چکا تھا۔ سرخ متحرک سوئی اور ہندسوں پر غور کرنے کے بعد اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ سیٹھ عثمان کو گھر سے ٹھیک ساڑھے پانچ بجے نکلنا تھا اور بم پھٹنے کا وقت چھ بجے فکس کیا گیا تھا۔ لیاقت حسین نے ایئر فلٹر کا ڈھکن بند کرنے کے بجائے اس کو اوپر ہی لٹکا دیا' پھر وہ بونٹ بند کرنے کے بعد تیزی سے بنگلے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے سینے میں ایک آتش فشاں جوش مار رہا تھا' ذہن میں مالی چاچا کے کہے ہوئے الفاظ بھی گونج رہے تھے۔ "کل رات تک وحید نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ میرے ہی کمرے میں بیٹھا جیبی ریڈیو پر فلمی گانا سن سن کر مٹک رہا تھا۔ وہ تو رات بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔"

"نمک حرام...... غدار...... خنزیر کا تخم۔" لیاقت حسین دل ہی دل میں وحید کو گالیاں بک رہا تھا۔

"کیا بات ہے لیاقت حسین؟" گارڈ نے اس کی بوکھلاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔ "تم نے گاڑی کو ادھر کیوں چھوڑ دیا۔"

"دروازہ کھولو...... جلدی' مجھے صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیا ہو گیا؟" گارڈ نے پھاٹک کھولتے ہوئے حیرت سے کہا۔ "کچھ ہم کو بھی تو پتا چلے۔"

"ادھر ہی کھڑے رہو۔ گاڑی کے قریب مت جانا۔" لیاقت حسین اپنا جملہ مکمل کرتے ہی بنگلے کی طرف بھاگا' پھر اس نے تمام احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر دروازے پر لگے سفید سوئچ پر اپنی انگلی پوری قوت سے جما دی' اندر مسلسل بجنے والی گھنٹی کی آواز اسے بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس نے سوئچ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ایک منٹ بعد ہی ایک ملازمہ نے دروازہ کھولا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے لیاقت کو ناگوار لہجے میں مخاطب کیا۔ "گھنٹی مسلسل کیوں بجا رہے ہو۔ کیا آفت آ گئی؟"

"صاحب کو بلاؤ...... فوراً" لیاقت حسین نے جھلا کر کہا۔ "ہم کو ابھی ملنا ہے' جلدی کرو' جلدی۔"

ملازمہ اس کی وحشت دیکھ کر الٹے قدموں منہ ہی منہ میں کچھ بدبداتی اندر چلی گئی۔ لیاقت حسین بے چینی سے باہر ہی ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اگر وحید کہیں سامنے ہوتا تو شاید صاحب تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ کرتا۔ اس کی وحشت ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دو منٹ بعد سیٹھ عثمان کے ساتھ ساتھ راحیلہ بیگم بھی باہر آ گئیں۔ گھنٹی کی مسلسل آواز نے انہیں بھی پریشان کر دیا تھا۔

"کیا بات ہے لیاقت حسین؟" سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کے چہرے پر طاری وحشت دیکھ کر دریافت کیا۔ "تم اس قدر پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟"

"صاحب...... وہ ادھر آپ کا گاڑی ٹھیک چھ بجے ایک دھماکے سے اڑ جائے گا۔"

"کیا بری فال زبان سے نکال رہے ہو۔" راحیلہ بیگم نے تلملا کر سوال کیا۔ "تم ہوش میں تو

ہو......"

"صاحب......" لیاقت نے راحیلہ بیگم کی بات کا جواب دینے کے بجائے ہاتھ جوڑ کر سیٹھ عثمان سے درخواست کی۔ "پولیس کو بلاؤ صاحب...... وہ وحید...... نمک حرامی کر کے فرار ہو گیا ہے۔ آپ کا گاڑی میں بم فٹ کر گیا ہے جو چھ بجے پھٹ جائے گا۔ ہم گاڑی کو بنگلے سے دور خالی پلاٹ پر چھوڑ آیا ہے۔"

لیاقت حسین کی بات سن کر راحیلہ بیگم سکتے کی کیفیت سے دوچار ہو گئیں۔ لیاقت حسین کی دیوانگی گواہی دے رہی تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے۔

"چلو...... میں دیکھتا ہوں' ابھی تو چھ بجنے میں دو گھنٹے......"

"نہیں...... خدا کیلئے نہیں۔" راحیلہ بیگم نے شوہر کا ہاتھ تھام کر منت کی۔ "آپ اسی وقت فوری طور پر اپنے ڈی ایس پی دوست کو فون کریں۔ میں آپ کو کسی قیمت پر باہر نہیں جانے دوں گی۔"

بیوی کی بات سن لینے کے بعد سیٹھ عثمان نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ لیاقت حسین کو باہر رکنے کی تاکید کرتے ہوئے اندر آ گئے۔ راحیلہ بیگم کے مشورے پر انہوں نے ڈی ایس پی سراج کو فون ملانا شروع کر دیا۔ دو تین نمبروں کو آزمانے اور دوسری طرف سے بتائے جانے والے نئے نمبروں کو ڈائل کرنے کے بعد بالآخران کا رابطہ سراج سے ہو گیا۔ انہوں نے مختصراً لیاقت حسین کی دی ہوئی اطلاع سراج کے گوش گزار کر دی۔

"تم خود کو اور بھابی کو بھی گاڑی سے دور رکھو' کسی ملازم کو بھی قریب جانے سے روکو۔ میں ابھی بم ڈسپوزل سکواڈ کے ایک واقف کار کو لے کر جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"فی الحال اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا۔" سیٹھ عثمان نے درخواست کی۔

"میں معاملے کی نزاکت اور تمہاری پوزیشن سمجھ رہا ہوں' میرے آنے کا انتظار کرو۔"

سیٹھ عثمان نے فون بند کر کے بیوی کی طرف دیکھا' جس کے چہرے کا سارا حسن ایک خطرناک خبر سن کر ہی دھندلا گیا تھا۔ انہوں نے بیوی کو تسلی دی' پھر لیاقت حسین کو اندر بلوا کر خاموشی سے اپنی سٹڈی میں لے گئے۔ راحیلہ بیگم بھی شوہر کے ساتھ تھیں۔ لیاقت حسین نے سیٹھ عثمان کے استفسار پر پوری کہانی دہرائی۔ بوڑھے مالی کا وہ جملہ بھی بتا دیا جو ابھی تک اس کے کانوں میں گنبد کی صدا کی طرح گونج رہا تھا۔

"حیرت ہے...... مجھے وحید سے یہ امید نہیں تھی۔"

"خدا کا شکر ادا کریں کہ لیاقت حسین بروقت کام آ گیا' آپ اس سے باتیں کریں' میں دو رکعت شکرانے کے نفل پڑھ کر آتی ہوں اور...... آپ گھر سے باہر قدم نکالنے کی غلطی نہ کیجئے گا۔ آپ کو میری قسم۔"

راحیلہ بیگم پلٹ کر جلدی میں چلی گئیں تو سیٹھ عثمان پھر حالات پر غور کرنے لگے۔ کچھ دیر

خاموش رہے پھر دوبارہ لیاقت حسین کی طرف دیکھا جو ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔
''کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ کار میں بم فٹ ہے......؟''
''ہم کو پکا یقین ہے صاحب۔'' اپنے شہر میں کئی ایسی وارداتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنا ایک معمولی غلطی عین وقت پر کام آگیا ورنہ......'' لیاقت حسین نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ وہ بے حد جذباتی نظر آرہا تھا۔
''کیسی غلطی......!''
''بس قدرت کو منظور تھا صاحب۔'' لیاقت حسین نے نظریں جھکا کر سنجیدگی سے کلچ سے پاؤں ہٹ جانے والی غلطی بیان کردی۔ ''بیگم صاحبہ نے مجھے جو کام سونپا تھا اس کی خوشی میں اتنا مگن تھا کہ ایک چھوٹا سا بھول ہوگیا۔ اس میں بھی اوپر والے کا کچھ مصلحت ہی تھا صاحب۔''
''یقیناً وہی زندگی اور موت پر اختیار کل رکھتا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے دبی زبان میں کہا۔ ''تم سے بھول نہ ہوتی تو سب کچھ تباہ ہوجاتا۔ میری وجہ سے تم بھی ناگہانی آفت کا شکار......''
''ایسا مت بولو صاحب۔'' لیاقت حسین نے التجا کی۔
''آپ اور بیگم صاحبہ کا سہاگ کو خدا قائم رکھے۔ آپ پر سے تو دس لیاقت حسین بھی قربان ہوجائیں تو بھی کم ہے۔''
سیٹھ عثمان نے بڑی عقیدت بھری نظروں سے لیاقت حسین کو دیکھا۔ کچھ دیر گم صم رہے' پھر ایک سرد آہ بھر کر بولے۔
''ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ وحید بھی میرے ساتھ ایسی گری ہوئی حرکت بھی کرسکتا ہے۔''
''کافر سب کچھ کرسکتا ہے صاحب۔'' لیاقت حسین پھر جذباتی ہونے لگا۔ ''وحید کو لمبا مال دے کر خریدنے والا بھی کوئی کافر ہی کا بچہ ہوگا۔''
''تم باہر جاکر گیٹ پر رکو۔'' سیٹھ عثمان نے کچھ سوچ کر ہدایت کی۔ ''گاڑی کے قریب جانے کی غلطی مت کرنا۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ کوئی دوسرا بھی اس کے پاس نہ جائے۔''
''ٹھیک ہے صاحب۔ آپ بے فکر ہوجاؤ' میں اپنا فرض سے غافل نہیں ہوں گا۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا' پھر پلٹ کر تیزی سے باہر چلا گیا۔
پینتالیس منٹ بعد ڈی ایس پی سراج بھی سادہ لباس میں کسی آدمی کے ساتھ آگیا۔ گیٹ پر ہی رک کر اس نے لیاقت حسین کو اس آدمی کے سامنے کچھ ضروری ہدایات دیں' پھر خود اندر آگیا۔ جہاں سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم دونوں ہی اس کے منتظر تھے۔
سراج نے سیٹھ عثمان سے دوستانہ انداز میں ہاتھ ملایا۔ راحیلہ کی طرف دیکھ کر شکوہ کیا۔ ''عثمان کی نجوسی سے تو اب آپ بھی بخوبی واقف ہوگئی ہوں گی لیکن مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی کہ ایک پیالی چائے کو بھی نہیں پوچھیں گی۔''
''آپ بیٹھیے تو سکون سے۔'' راحیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ ''چائے کے ساتھ بھی بہت کچھ

آ جائے گا۔''

''کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں آیا؟'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اطمینان سے بیٹھ جاؤ' جو آدمی آیا ہے وہ لیاقت حسین کے ساتھ باہر اپنا کام کر رہا ہے' ہم یہاں سکون سے بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں۔''

راحیلہ بیگم' سراج کی طبیعت سے واقف تھیں' ڈی ایس پی ہونے کے باوجود عثمان سے ابھی تک دوستوں کی طرح ملتا تھا اور اسے بڑی اپنائیت سے بھابی کہتا تھا۔ وہ ملازم کو چائے لانے کو کہنے کیلئے اٹھ کر چلی گئیں تو سیٹھ عثمان نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا ہم باہر نہیں چل سکتے؟''

''مجھے تم سے کسی عقلمندی کی توقع بھی نہیں تھی۔'' سراج ہاتھ تھام کر سیٹھ عثمان کو اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''مرد احمق' تم نے ہی تو کہا تھا کہ اس واقعہ کی تشہیر نہیں چاہتے ورنہ مجھے گھر جا کر لباس تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب بھی اگر تم کہو تو متعلقہ تھانے کو فون کر کے ایس ایچ او کے ساتھ چار پولیس والوں کو بھی بلا لوں۔ میڈیا کے لوگوں کو فون کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ وہ خود ہی خوشبو سونگھتے ہوئے آ جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟''

''پلیز سراج...... کچھ دیر کیلئے سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''ابھی نہیں' پہلے ذرا ناشتے کے ساتھ انصاف کر لوں۔'' سراج نے چائے کی ٹرالی کے ساتھ راحیلہ بیگم کو بھی قریب آتے دیکھ کر قدرے بلند آواز میں کہا۔

ملازم ٹرالی چھوڑ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا تو سراج نے سموسوں کی پلیٹ اٹھا کر ہاتھ میں لے لی' راحیلہ بیگم چائے بناتے ہوئے شوخی سے بولیں۔ ''پیٹ بھر کر کھایئے۔ مجھے خوشی ہوگی' اندر اور بھی تیار ہو رہے ہیں۔''

''خدا آپ کے شوہر کے دوست کو زندگی عطا کرے۔'' سراج نے تازہ بنے سموسوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی یہی مہمان نوازی دیکھ کر دل کڑھتا ہے کہ کس کنجوس سے......''

''آپ بھابی کو بہت دنوں سے ساتھ نہیں لائے۔'' راحیلہ بیگم نے سراج کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ سراج کے جملے کی تان پھر اس کے شوہر پر ٹوٹے گی۔

''اس وقت تو عثمان کے فون پر ایمر جنسی میں آنا پڑا۔ ویسے بھی آپ کو علم ہوگا کہ ہماری بیگم کو سماجی کاموں اور خواتین کی آئے دنوں کی محفل آوارگی سے ذرا کم ہی فرصت ملتی ہے۔''

کچھ دیر تک یہی بات ہوتی رہی۔ سراج حسب معمول سیٹھ عثمان کو راحیلہ بیگم کے سامنے چھیڑتا رہا' پھر جب ایک ملازم نے اس کو کسی کے آنے کی اطلاع دی تو اس نے راحیلہ بیگم سے دریافت کیا۔

''بھابی اگر آپ اجازت دیں تو اسے اندر ہی بلوا لوں۔''

''کون ہے......؟'' راحیلہ بیگم نے پوچھا۔

''بم ڈسپوزل سکواڈ کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے۔ میرا پرانا واقف کار ہے۔''

''بلالیں' وہ بھی چائے میں شریک ہو جائیں گے۔''
ملازم الٹے قدموں واپس چلا گیا' پھر اس آدمی کو بھی اندر لے آیا جس کا نام ریاض تھا۔ سیٹھ عثمان نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ راحیلہ بیگم آنے والے مہمان کیلئے چائے بنانے لگیں' لیکن ان کے کان بدستور سراج کی باتوں کی طرف لگے تھے جو ریاض کے آتے ہی سنجیدہ ہو کر اس سے باتوں میں مشغول ہو گیا تھا۔ سیٹھ عثمان کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔
''خدا کا شکر ہے آپ کے دوست کی کوئی نیکی کام آ گئی۔'' ریاض نے تفصیل بیان کی۔ ''کار میں جس بم کو فٹ کیا گیا تھا وہ انتہائی طاقتور تھا۔ اگر کہیں بلاسٹ ہوتا تو قرب و جوار کی دو چار اور گاڑیوں کے پرخچے بھی ان میں موجود مسافروں سمیت فضا میں دور دور تک بکھر جاتے۔''
''اس رب کریم کا ہزار ہا شکر کہ اس نے آئی بلا ٹال دی۔'' راحیلہ بیگم نے جھرجھری لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔
''لیاقت حسین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' بم سے متعلق ضروری گفتگو کرنے کے بعد سراج نے ریاض ہی سے دریافت کیا۔
''آپ پولیس آفیسر ہیں۔ مجھ سے زیادہ مجرموں کا تجربہ رکھتے ہیں۔ بہر حال میں نے اس کی گفتگو سے یہی اندازہ قائم کیا ہے کہ وہ نا صرف مخلص اور ایماندار ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر شاید مالکوں کی خاطر اپنی زندگی کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔''
''میں آپ کی رائے سے متفق ہوں۔'' راحیلہ بیگم نے تائید کی۔ ''وہ فرشتہ رحمت نہ ہوتا تو ہمیں بروقت اطلاع بھی نہ دیتا اور......'' راحیلہ بیگم کچھ کہتے کہتے آب دیدہ ہو کر خاموش ہو گئیں۔
''پلیز مسٹر ریاض۔'' سراج نے ریاض سے کہا۔ ''آپ نے بم تو اپنی تحویل میں لے لیا ہو گا لیکن اس خبر کو......''
''آپ میری طرف سے مطمئن رہیں لیکن جس نے بھی یہ مذموم حرکت کی ہے اسے سزا دینا بھی ضروری ہے۔'' ریاض نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔
''اس کی آپ فکر نہ کریں۔ اس سے نمٹنا میرا کام ہے۔''
گفتگو کے دوران ریاض کی ضروری کال آ گئی تو وہ بڑی عجلت میں معذرت کر کے چلا گیا۔
سراج نے دوبارہ پیسٹری اور دیگر لوازمات سے انصاف کرتے ہوئے سیٹھ عثمان سے کہا۔
''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''
''اگر تمہارا اشارہ وحید کی طرف ہے تو وہ واپس آنے کی حماقت نہیں کرے گا۔''
''میں نے وحید کے نہیں' تمہاری آئندہ مصروفیات کے بارے میں دریافت کیا تھا۔''
''مصروفیات تو بہر حال جاری رہیں گی۔'' سیٹھ عثمان نے گہری سانس لی۔ ''گھر پر بیٹھ گیا تو دشمن اور شیر ہو جائیں گے۔''
''اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم کسی بزنس ہی کے حوالے سے مہینے دو مہینے کیلئے بھابی کو لے کر

کسی غیر ملکی دورے پر نکل جاؤ۔'' اس بار سراج نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہاری اور بھابی کی موجودگی میں شاید اس پلان پر آزادی سے کام نہ کر سکوں جو میں نے سوچا ہے۔''

''سراج بھائی۔ آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔'' راحیلہ بیگم نے سراج کے مشورے سے متفق ہو کر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا۔ ''میں خود بھی گھر میں سکون سے نہ رہ سکوں گی۔''

''اگر آپ دونوں کی رائے یہی ہے تو......''

''آپ بھی سعادت مند شوہر ہونے کا ثبوت دیں گے اور بھابی کی پریشانی کے پیش نظر کوئی بہانہ تراشنے سے گریز کریں۔'' سراج نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ ''ویسے تمہارے چلے جانے کے بعد مجھے ایک نقصان ضرور ہوگا۔''

''وہ کیا؟'' سیٹھ عثمان نے وضاحت چاہی۔

''بھابی کی مہمان نوازی یاد آتی رہے گی۔'' سراج نے بڑی عقیدت سے راحیلہ بیگم کو دیکھ کر کہا تو سیٹھ عثمان نے سکون کا سانس لیا۔

''اس سلسلے میں آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' راحیہ بیگم نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''میں کسی نہ کسی ذمہ دار عزیزہ کو چھوڑ کر ہی جاؤں گی۔ آپ صرف ایک فون کر دیں تو میری غیر موجودگی میں بھی آپ کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

''کیا آپ پورا گھر لٹوانا چاہتی ہیں۔'' سیٹھ عثمان نے پہلی بار سراج کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔ ''اس سے بہتر ہوگا کہ دو مہینے کے ناشتے پانی کا چیک لکھ کر آپ سراج کو دیں اور پورے گھر کی خیر منائیں۔''

''سن رہی ہیں بھابی۔'' سراج نے اٹھتے ہوئے مصنوعی ناراضی کا اظہار کیا۔ ''آپ کے شوہر کے اس ذلت آمیز سلوک کے بعد اب میں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتا۔''

راحیلہ بیگم مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔ سیٹھ عثمان سراج کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''چلیے۔ آپ کو باہر تک چھوڑ آؤں ورنہ کہیں آپ دوبارہ نہ بیٹھ جائیں۔''

باہر آنے کے بعد سراج نے ایک بار پھر سیٹھ عثمان کو تاکید کہ وقتی طور پر وہ اگر راحیلہ بیگم کو لے کر کہیں سیر و تفریح کیلئے چلا جائے تو وہ زیادہ آسانی سے کام کر سکے گا۔

''کوئی پلان ہے تمہارے ذہن میں؟''

''ہاں......'' سراج نے خالص پولیس والوں جیسے انداز میں کہا۔ ''وحید صرف ایک مہرہ تھا جسے استعمال کیا گیا۔ اصل جڑ یقیناً افضل خان ہوگا۔ میرے پاس اس کی ایک فائل موجود ہے جس کو شیخ حامد اپنے تعلقات کی وجہ سے اب تک دبواتا رہا۔ تمہارے جانے کے بعد میں کسی پرانے حوالے سے اس سے ملاقات کروں گا۔ تم جانتے ہو کہ میری مخصوص ملاقات ذرا دوسرے قسم کی ہوتی ہے۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو لیکن بہرحال اسے میری ذات پر......''

''نہیں......'' سراج نے بات منقطع کر دی۔ ''میں جس انداز میں اسے ٹریپ کروں گا۔ اس

کے فرشتوں کے ذہنوں میں بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔
''پھر ٹھیک ہے۔''
سیٹھ عثمان' سراج کو رخصت کر کے واپس اندر آیا تو راحیلہ بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔
''کیا بات ہوئی سراج بھائی سے اور آپ نے ان کے مشورے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''
''پہلے میں آپ سے ایک اور بات پر شرمندگی کا اظہار کروں گا۔'' سیٹھ عثمان نے بڑی محبت اور صاف گوئی سے اعتراف کیا۔ ''آپ نے وحید کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا اس وقت مجھے آپ کی بات ناگوار محسوس ہوئی تھی لیکن اب...... اب میں آپ سے شرمندہ ہوں۔''
''ایسی باتوں سے میاں بیوی کے درمیان محبت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔'' راحیلہ بیگم کے لبوں پر ایک قاتلانہ مسکراہٹ ابھری تو سیٹھ عثمان کے دل سے ایک بوجھ اتر گیا۔ کچھ دیر تک وہ محبت بھری باتیں کرتے رہے۔ راحیلہ بیگم کو خوشی تھی کہ شوہر نے سراج کے مشورے پر دو مہینے کیلئے باہر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔
اس خیال سے کہ کہیں سیٹھ عثمان اپنا ارادہ تبدیل نہ کر دیں۔ راحیلہ بیگم نے اگلے ہی دن اپنی ایک دور پرے کی مگر قابل اعتماد عزیزہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ ان کی غیر موجودگی تک وہ راحیلہ بیگم کے بنگلے میں قیام کریں گی۔ گھر کے ملازمین پرانے اور بھروسے کے تھے' پھر بھی باری باری سب کو ذمہ داری کا احساس دلانے کے بعد انہوں نے جانے کی مختصر تیاری بھی مکمل کر لی۔ اس دن تمام ضروری مصروفیات کے باوجود انہیں شوہر کا بڑی شدت سے انتظار رہا' جو دفتر کے ضروری کام نمٹانے اور ورکنگ سٹاف کو ضروری کاروباری ہدایت کیلئے دفتر چلے گئے تھے۔ دن میں بھی وہ تین چار بار فون کر کے ان کی خیریت بھی دریافت کر چکی تھیں۔
شام کو سیٹھ عثمان واپس لوٹے تو ناشتے کے بعد راحیلہ بیگم نے پوچھا۔
''سب خیریت تو رہی؟''
''جی ہاں۔'' سیٹھ عثمان نے بغیر کسی تردد کے مسکرا کر جواب دیا۔ ''جو کام مجھے مل سکتا تھا اور جس کی خاطر مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تھی وہ شیخ حامد کو بھی نہیں ملا۔ ایک تیسری پارٹی فائدہ اٹھا لے گئی۔''
''اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت شامل ہوگی۔ ویسے اور کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟''
''شیخ حامد کا فون آیا تھا۔ وہ بناوٹی طور پر اظہار تاسف کر رہا تھا کہ میرے نہ آنے کی وجہ سے ایک تیسری پارٹی فائدہ اٹھا لے گئی۔'' سیٹھ عثمان نے بے پروائی سے کہا۔ ''میں نے بھی یہی ظاہر کیا کہ مجھے اس کام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی ورنہ میٹنگ میں ضرور شریک ہوتا۔''
''آپ نے دانشمندی کا ثبوت دیا۔ بہرحال وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ افضل خان کے فون نے اثر کیا ہوگا۔'' راحیلہ بیگم نے گفتگو کا موضوع بدل کر پوچھا۔ ''آپ نے جہاز کی سیٹوں کیلئے کیا کیا؟''

''آپ کا کوئی حکم میں نے آج تک ٹالا ہے جو اب اس کی جسارت کروں گا۔'' سیٹھ عثمان نے والہانہ انداز اختیار کیا۔ ''اگر سیٹ بک ہوگئی تو ہم دو روز بعد روانہ ہوجائیں گے۔ میں نے ٹریولنگ ایجنٹ سے بات کرلی ہے۔''

''میں نے بھی آج ہی ساری تیاری مکمل کرلی ہے۔ صرف ایک کام رہ گیا ہے۔ اب آپ آگئے ہیں تو وہ بھی کئے لیتی ہوں۔''

''ایسا کیا کام ہے جو میری موجودگی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔'' سیٹھ عثمان نے بیوی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی سے پوچھا۔

''پلیز......'' راحیلہ بیگم نے قدرے شرما کر کہا۔ ''آپ ایسا کریں کہ لیاقت حسین کو اندر بلوا لیں۔''

''خیریت......؟''

''ابھی تک ہم نے اسے کوئی انعام نہیں دیا جس کا وہ مستحق ہے۔''

''یہ خیال کل میرے ذہن میں بھی آیا تھا' لیکن میں نے فوری طور پر اسے پورا کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔ اس لئے کہ لیاقت حسین جاں نثار ہونے کے ساتھ ساتھ حساس اور غیور بھی ہے۔ بہر حال میں اسے بلواتا ہوں لیکن اس بات کا ذرا خیال رکھئے گا کہ اس نے ہمارے ساتھ جو نیکی کی ہے اس کا مول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا احسان ہم شاید کبھی نہ اتار سکیں۔''

دس منٹ بعد لیاقت حسین نظریں جھکائے راحیلہ بیگم اور سیٹھ عثمان کے سامنے اندر لاؤنج میں کھڑا تھا۔

''لیاقت حسین۔'' راحیلہ بیگم نے سنبھل کر گفتگو کی ابتدا کی۔ ''کل جو سراج صاحب آئے تھے وہ تمہارے صاحب کے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ ان کے مشورے پر دو تین روز بعد ہم لوگ دو مہینے کے تفریحی دورے پر باہر جارہے ہیں۔''

''آپ کا فیصلہ ایک دم ٹھیک ہے بیگم صاحبہ۔'' لیاقت حسین نے نظریں جھکائے ہوئے دبی زبان میں جواب دیا۔ ''جب حالات گرما گرم ہوں تو پھر اوپر والے نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ اپنا زندگی کی خاطر وقتی طور پر دشمن کے سامنے سے دور ہوجاؤ۔ کیا خبر کل نیلی چھتری والا اس کافر کو بھی شرمندہ کردے جو صاحب کیلئے برا سوچ رہا تھا۔''

''میں نے سارے ملازموں کو ضروری ہدایات دے دی ہیں کہ ہمارے جانے کے بعد بنگلے کا خیال رکھیں۔'' راحیلہ بیگم نے کہا پھر ایک بند لفافہ لیاقت حسین کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔ ''اس میں کچھ رقم ہے جو ہماری غیر موجودگی میں کام آسکتی ہے۔ اسے ایڈوانس تنخواہ نہ سمجھنا۔''

''پھر......؟'' لیاقت حسین نے نظر اٹھا کر سیٹھ عثمان کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں بے چینی اور کرب دونوں شامل تھے۔

''دیکھو لیاقت حسین۔ دنیا میں کوئی بھی رقم کسی کے خلوص یا قربانی کا نعم البدل نہیں ہوسکتی لیکن

ہر مسلمان کا کچھ اخلاقی فرض بھی ہوتا ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں صاحب....." لیاقت حسین نے کسمسا کر دبی زبان میں جواب دیا۔ "ہم آپ کا ملازم ہے۔ آپ یا بیگم صاحبہ کے کسی حکم سے انکار نہیں کرسکتا' لیکن....." وہ جملہ مکمل نہ کرسکا۔ اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"تم چپ کیوں ہوگئے؟" سیٹھ عثمان نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "جو دل میں ہے کہہ ڈالو..... ورنہ اندر کی گھٹن اور بڑھ جاتی ہے۔"

"صاحب..... ہم غریب ضرور ہے لیکن اتنا جانتا ہوں کہ کسی نیکی اور فرض کو ادا کرنے کے بعد بندہ اگر اس کا مول تول کرلے تو خدا کو یہ بات اچھا نہیں لگتا۔"

سیٹھ عثمان کو پہلے ہی یہ احساس تھا کہ لیاقت حسین غیور طبیعت کا مالک ہے۔ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین سے بڑی انکساری اور اپنائیت سے سوال کیا۔

"لیاقت حسین' تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟"

"آپ اس گھر کا مالکن ہے بیگم صاحبہ۔"

"کیا مسلمان ہونے کے باوجود میرے اور تمہارے درمیان صرف مالکن اور ملازم کا رشتہ ہے؟ اور کوئی رشتہ نہیں ہے؟"

لیاقت حسین ایک پل کو گڑگڑا گیا' پھر مدھم لہجے میں بولا۔ "ہمارے سرکار کا کہنا ہے کہ سب مسلمان ایک دوسرے کا بھائی ہے اس لئے کسی دوسرے کو حقیر نہ سمجھو۔ جسے تم حقیر سمجھتے ہو' ہوسکتا ہے وہ خدا کی نظروں میں تم سے زیادہ اچھا ہو۔ ہم کو گاؤں میں مولوی صاحب نے یہی تعلیم دیا تھا۔ اس سے آگے ہم کو نہیں معلوم۔"

"پھر تم نے غلط اندازہ کیوں قائم کرلیا۔" راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین کو کہی ہوئی بات سے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مسلمان ہونے کے ناتے میرے بھائی اور تمہاری بیوی میری بہن نہیں ہوئی؟"

"ہاں' ہوئی' بیگم صاحبہ لیکن....."

"پھر لیکن ویکن کچھ نہیں' اور ایک بہن کی طرف سے دوسری بہن کیلئے اس رقم کو تحفہ سمجھ کر قبول کرلو۔ انکار کیا تو مجھے دکھ ہوگا۔"

"بیگم صاحبہ کا کہنا نہیں ہی کبھی نہیں ٹالتا لیاقت حسین۔" سیٹھ عثمان نے خندہ پیشانی سے کہا۔ "تم بھی انکار نہ کرو۔ ایک بات اور سمجھ لو جو رقم صرف انسانیت کی بنیاد پر دی جائے وہ بھی حسن اخلاق اور نیکی کہلاتی ہے۔ اس سے منہ پھیر لینا بھی دوسرے کی دل شکنی کا سبب بن سکتا ہے۔"

لیاقت حسین نے ایک لمحہ تامل کیا' پھر ہچکچاتے ہوئے لفافہ تھام لیا۔

"آج میں تمہیں ایک ذمہ داری اپنا سمجھ کر سونپ رہی ہوں۔" راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین کے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے اس کی گھٹن کم کرنے اور اپنی دلی خواہش کے پیش نظر کہا۔ "ہماری

غیر موجودگی میں تمہیں تمام تر اختیارات ہوں گے۔ تم ہمارے جانے کے بعد ہر بات کا خیال رکھو گے۔''

''آپ اس کا فکر نہ کریں بیگم صاحبہ۔ ہم آپ کو زندگی میں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔''

کچھ دیر بعد لیاقت حسین سلام کر کے چلا گیا تو راحیلہ بیگم کے علاوہ سیٹھ عثمان نے بھی سکون کا سانس لیا......!

✣✣✣

ذمے داریاں بڑھ جانے کے بعد لیاقت حسین اکثر دیر سے گھر آنے لگا' لیکن آج اسے خلاف توقع کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی تھی۔ گل خان کی بیوی ساڑھے نو بجے رات تک فرحین کے پاس رہی' پھر اپنے گھر چلی گئی۔

فرحین نے زرینہ کے جانے کے بعد لالٹین کو اٹھا کر ایک طرف رکھا' پھر بستر پر لیٹ کر لیاقت حسین کے بارے میں سوچنے لگی۔ لیاقت حسین کے ساتھ شادی کرنا اس کی دلی خواہش تھی اور اس سودے میں اسے گھاٹا بھی نہیں ہوا تھا۔ کچھ دن تنگی ترشی میں ضرور گزرے' پھر خدا نے اس کی سن لی۔ سیٹھ عثمان کے ہاں ملازمت مل جانے کے بعد اسے کسی بات کی فکر نہیں رہ گئی تھی۔ لیاقت حسین کو ہر ماہ جو تنخواہ ملتی تھی وہ اس میں سے بھی تھوڑا بہت کسی اچانک پیش آنے والی ضرورت کی خاطر پس انداز کر لیتی تھی۔ چوکیداری کے بعد لیاقت حسین کو بڑے صاحب کی ڈرائیوری کا فرض سونپا گیا تو اس کی تنخواہ بھی چار ہزار کے بجائے پورے پانچ ہزار ہو گئی تھی۔ فرحین نے اس روز بھی شکرانے کے دو نفل ادا کئے تھے اور اس وقت بھی اس نے اس ''واحدہ' لاشریک لہ'' کے حضور سجدہ ریز ہو کر بڑی عاجزی سے گڑگڑا کر اس کا شکر ادا کیا تھا جب اس کے شوہر کی وفاداری پر ایک مسلمان کہہ کر کسی بہن نے دس ہزار کی خطیر رقم اس کے ہاتھ پر آنکھ بند کر کے رکھ دی تھی' پھر اس روز اسے راحیلہ بیگم کے اندر چھپی وہ پرخلوص عورت بھی نظر آ گئی جب روانگی سے قبل اس نے فرحین کو گھر بلا کر اسے ایک بہن کہہ کر گلے لگایا تھا۔ یہ وہ اعزاز تھے جو اسے اور اس کے شوہر کو خدا کی مرضی سے عطا ہوئے تھے۔

فرحین چارپائی پر لیٹی انہی باتوں کو یاد کر رہی تھی جب اسے مکان کی عقبی کھڑکی کی طرف سے جو قبرستان کی سمت کھلتی تھی' کسی کی آواز ایسی مدھم سنائی دی جیسے کوئی خوش ہو کر ہنس رہا ہو۔ فرحین ہنسی کی اس آواز پر چونکی۔ آج تک اس نے قبرستان کی جانب سے متعدد بار رونے دھونے' سسکیوں اور آہوں کی آواز سنی تھی لیکن آج کسی کے گھٹے گھٹے انداز میں ہنسنے کی آواز سن کر اسے تعجب بھی ہوا' پھر رات کے گیارہ سوا گیارہ بجے اسے پہلی بار ہی قبرستان کی طرف سے ایسی کوئی آواز سنائی دی تھی۔ دن بھر وہ پردے کے خیال سے کھڑکی بند ہی رکھتی تھی' لیکن عشاء کی اذان کے بعد اسے ہوا آنے کی خاطر کھول دیتی تھی۔ اس نے کھڑکی پر ایک ہلکے سیاہ کپڑے کا پردہ بھی سی کر ڈال دیا تھا۔ حکومت کی جانب سے بھی اس قدیم قبرستان میں گنجائش نہ ہونے کے سبب نئے مردے دفنانے پر پابندی عائد

تھی، لیکن کبھی جھونپڑیوں میں رہنے والے کسی گھر میں موت ہو جاتی تو وہ اپنا مردہ اسی قبرستان میں پرانی اور لاوارث قبروں کے درمیان دفن کرنے کیلئے تھوڑی گنجائش نکال لیتے تھے۔

فرحین نے اٹھ کر لالٹین کی روشنی مدھم کی، پھر دبے قدموں کھڑکی کے قریب آ گئی۔ پردے اور چوکھٹ کے درمیان تھوڑی سی جگہ بنا کر اس نے باہر دیکھا۔ اندھیرے کے سبب کچھ دیر تک تو کچھ بھی نظر نہ آیا، پھر وہی گھٹی گھٹی ہنسی کی آواز دوبارہ ابھری تو فرحین نے اس انسانی ہیولے کو دیکھ لیا جو کھڑکی سے تقریباً دس گز دور اس طرح اٹھتا نظر آیا جیسے کسی منہدم قبر سے کوئی مردہ برآمد ہوا ہو۔ فرحین ڈرپوک نہیں تھی، پھر بھی ایک انجانے خوف کی لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔ اس کے بعد اس نے ہیولے کو ایک عجیب حرکت کرتے دیکھا۔ وہ اپنا لباس اتار کر کاندھوں پر ڈال رہا تھا۔ مادر زاد برہنہ ہو کر ناچنے لگا تو فرحین نے گھبرا کر کھڑکی کو آہستہ سے بند کر لیا۔ اس کا دل کسی نادیدہ خوف سے دھڑکنے لگا۔ دیوار سے لگی کھڑی اس شخص یا شیطان کے بارے میں سوچنے لگی جو آدھی رات گئے ویران قبرستان میں برہنہ ناچ رہا تھا۔ وہ خوف سے سہمی اس کے بارے میں غور کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز سن کر اس طرح گھبرا گئی جیسے وہ اپنے ہوش میں نہ رہی ہو، پھر اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول دیا۔ لیاقت حسین نے حسب معمول دروازے پر دستک کے ساتھ ہی اسے آواز بھی دی تھی، یہ اس کا ہمیشہ کا معمول تھا۔

لیاقت حسین اندر آ گیا تو فرحین نے دروازہ بند کیا، پھر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی شوہر کے پاس آ کر بولی۔ ''کیا بات ہے۔ آج تم کو پھر دیر ہو گیا؟''

''ادھر بنگلے پر صاحب کا دوست پولیس آفیسر سراج صاحب مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس کا ساتھ باتوں میں دیر ہو گیا۔''

''پولیس کا آفیسر تم سے ملنے آیا تھا؟'' فرحین نے پوچھا۔ ''سب خیریت تو ہے؟''

''اب تو خیر ہی خیر ہے لیاقت کا جان۔'' اس نے فرحین کو بانہوں میں بھینچ کر کہا۔ ''آج اپنے دل کا ایک اور ارمان پورا ہو گیا۔''

لیاقت حسین نے جب اپنے لباس کے نیچے سے ایک نیا پستول نکال کر فرحین کو دکھایا تو فرحین گھبرا گئی۔ شادی سے پہلے بھی اسے معلوم تھا کہ لیاقت حسین نے بندوق چلانا سیکھ رکھا ہے۔ اس کا نشانہ بھی غضب کا تھا، لیکن باپ کی مخالفت کی وجہ سے وہ اپنے لئے کوئی ذاتی اسلحہ نہیں خرید سکا تھا۔ اب اس کی ایمانداری کے سبب یہ ارمان بھی پورا ہو گیا۔

''یہ تم کو کدھر سے مل گیا؟''

''سراج صاحب نے دیا ہے۔ صاحب شاید اس کو بول کر گیا تھا۔ اس کا ساتھ ہی ہمارے لئے اس کا لائسنس بھی بنوا کر دیا ہے جس پر سرکاری ٹھپا لگا ہے۔''

لیاقت حسین، فرحین کو جیب سے لائسنس نکال کر دکھانے لگا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ بار بار خوشی اور جوش بھرے انداز میں فرحین کو بھی گلے سے لگا لیتا تھا۔ فرحین بھی شوہر کو خوش دیکھ کر خوش

تھی۔

''کیا آج کھانا کھانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' اس نے شوہر کے بازوؤں میں کسمساتے ہوئے پوچھا۔

''اپنا من پسند اور اصلی خوراک تو تم ہے جان جگر۔'' لیاقت حسین نے بیوی کو شریر نظروں سے دیکھا۔ ''آج کھانے کا چھٹی کرو۔'' لیاقت حسین ذرا کھسک کر بیوی کے اور قریب ہوگیا۔ اس کی سانسیں بہکنے لگیں۔ فرحین نے کبھی شوہر کی کسی بات سے منہ نہیں موڑا تھا۔ وہ اس کا محبوب بھی تھا اور مجازی خدا بھی...... شوہر کی سانسوں کی تپش اپنے گالوں پر محسوس کر کے وہ بھی پگھلنے لگی۔ جذبات ہیجان انگیز ہونے لگے تو دونوں کی بہکی بہکی سانسیں بھی ہم آغوش ہونے لگیں۔ شوہر کی بانہوں میں سمٹ کر فرحین کو ہمیشہ ایک نئی لذت کا احساس ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ محبت کی حسین وادیوں کی سیر کر رہی تھی جب باہر سے گل خان کی آواز سن کر جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا طوفان یک دم تھم گیا۔ گل خان اس کے گھر کے قریب نہیں تھا۔ اس کی آواز قبرستان کی طرف' کچھ دور سے سنائی دی' وہ اپنی زبان میں لیاقت کو باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔

''یہ کباب میں ہڈی کدھر سے آگیا۔'' لیاقت حسین نے فرحین کو چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

فرحین بھی لباس درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی لمحے اسے یاد آگیا کہ شوہر کے آنے سے پیشتر اس نے قبرستان میں کیا دیکھا تھا۔ ''کہیں گل خان نے بھی تو وہ تماشا نہیں دیکھ لیا؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''یقیناً یہی بات ہوگی ورنہ اس وقت اسے لیاقت حسین کو آواز دے کر باہر بلانے کی اور کیا ضرورت پیش آسکتی تھی؟ گل خان نے دروازے پر دستک دی ہوتی تو اور بات تھی۔'' وہ لپک کر دوبارہ عقبی کھڑکی کے قریب چلی گئی۔ اس نے پردہ تھوڑا سا ہٹا کر باہر دیکھا تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ گل خان اور اس کا شوہر اسی قبر کے پاس کھڑے تھے جس کے قریب اس نے کسی دیوانے یا شیطان نما ہیولے کو برہنہ ہوکر خوشی سے ناچتے دیکھا تھا۔ فرحین کے دل میں انجانے وسوسے ابھرنے لگے۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ آواز دے کر شوہر کو واپس بلا لیتی۔ نصف رات گئے کسی قبرستان میں عام طور پر ضرورتاً بھی لوگ جانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ فرحین نے اپنے گاؤں میں عورتوں کی زبانی سن رکھا تھا کہ رات کے وقت قبرستان میں بھوت پریت کا راج ہوتا ہے' گندی روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں' لیاقت حسین ان باتوں کو نہیں مانتا تھا۔

فرحین کھڑکی کے قریب کھڑی شوہر کی خیریت کی دعائیں مانگتی رہی لیکن جب اس نے گل خان کو ایک موٹی ٹارچ روشن کرتے اور شوہر کو زمین پر گھٹنے ٹیک کر شکستہ قبر کے خلا میں آدھے دھڑ سے غائب ہوتے دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکنیں قابو سے باہر ہونے لگیں۔ اس کے ذہن میں یہ خیال تیزی سے کلبلا رہا تھا' ڈنک مار رہا تھا کہ آخر وہ کیا شے ہے جسے قریب سے دیکھنے یا اٹھانے کیلئے لیاقت حسین نے آدھے جسم کو ایک ویران اور اجاڑ قبرستان کی کسی شکستہ قبر میں اتار رکھا تھا۔ لیاقت حسین کی اس حرکت کے بعد گل خان بھی اس کی کمر تھام کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ لیاقت حسین کی

طرح اس کی نظریں بھی قبر کے اندر بھٹکتی نظر آ رہی تھیں۔ دور ہونے اور اندھیرے کے سبب وہ شوہر یا گل خان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھی۔ اس لئے فرحین کی پریشانی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

پانچ منٹ گزر گئے پھر فرحین نے گل خان کو اٹھتے دیکھا۔ اس کے بعد لیاقت حسین بھی باہر آ گیا' اس کے ہاتھ میں کوئی شے ضرور تھی جس کے بارے میں گل خان نے گھبرا کر کہا تھا۔

''اپنا اور بھابی کے ساتھ دشمنی مت کر لیاقت' اسے واپس قبر میں پھینک دے۔''

''میرے ساتھ گھر چل گل خان۔'' لیاقت حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آرام سے بیٹھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا چکر ہے؟''

''میری بات مان لے میرا دوست۔ یہ کام کسی پلید کافر کا بچہ نے کیا ہے۔''

گل خان کا دوسرا جملہ بھی فرحین کیلئے پریشان کن تھا۔ اس کے معصوم دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ لیاقت حسین' گل خان کی بات سن کر گھر کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ فرحین کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔ دو منٹ بعد گل خان اور لیاقت حسین بھی بیرونی دروازے سے ہوتے ہوئے کچے صحن میں آ گئے۔ لیاقت حسین نے دروازے کے قریب رکھی لالٹین کی لو بڑھا دی' پھر وہ تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد فرحین نے شوہر کے ہاتھ میں جو شے دیکھی' اس سے اس کا پورا وجود طوفانوں کی زد میں آئے ہوئے کسی معصوم اور نازک پودے کے مانند کپکپانے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت کے مارے حلقوں سے ابلنے لگیں۔

لیاقت حسین کے ہاتھ میں ایک مٹی میں لتھڑا لیموں تھا جس میں دس بارہ بڑے سائز کی چمکیلی سوئیاں اس طرح گھونپی گئی تھیں کہ آر پار نظر آ رہی تھیں۔ دونوں سروں پر تازے خون کی جمی ہوئی لکیریں بھی صاف دکھائی دیتی تھیں۔

''یہ...... یہ...... یہ کیا ہے لیاقت؟'' فرحین دروازے کی اوٹ سے غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھی۔

''یہ گل خان بولتا ہے کہ کسی خنزیر کے تخم نے کسی دشمن کا جان لینے کیلئے یہ گندا عمل کیا ہے۔'' لیاقت حسین نے بے پروائی سے کہا۔ ''اس میں جو سوئیاں ہیں وہ کسی غریب کے بدن کا سارا خون پی کر اسے مار ڈالیں گی۔''

''پھر......؟'' فرحین نے لرزتے ہوئے سوال کیا۔ ''تم اس کو ادھر گھر میں کیوں لے آیا؟''

''دوست میرا بات مان لے۔'' گل خان نے بھی پریشان کن لہجے میں کہا۔ ''دیر نہ کر' اس منحوس بلا کو واپس جا کر اسی قبر میں ڈال دے۔ میں نے سنا ہے کہ جو بھی اس گندے عمل میں روڑا اٹکائے یا اس کی لپیٹ میں آ جائے تو وہ بھی بلا فضول خطرے میں پڑ جاتا ہے۔''

''گل خان......'' لیاقت حسین نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔ ''اگر کبھی تم مجھے زخمی حالت میں موت کے منہ سے جاتا دیکھے تو کیا کرے گا؟''

''ہم تمہارا جان بچانے کی خاطر اپنا زندگی بھی قربان کردے گا۔'' گل خان نے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔

''تم کو اپنا فرحین کا قسم لیاقت......'' فرحین دروازے کی اوٹ سے گڑگڑانے لگی۔ ''اس جنجال سے اپنا دامن بچالے' اس منحوس اور گندے لیموں کو ادھر ہی قبر میں واپس ڈال آ۔''

لیاقت حسین ایک عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف گل خان کی نصیحت اور بیوی کی التجا تھی۔ دوسری طرف اس کے کانوں میں کہیں دور سے اپنے مولوی صاحب کی مدھم آواز ابھرتی سنائی دے رہی تھی۔ اس کی نظریں لیموں پر مرکوز تھیں جس میں سوئیاں لگی تھیں اور اس میں سے انسانی خون کی ایک مبارک سی لکیر آہستہ آہستہ نمودار ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اس نے نظریں گھما کر گل خان کی سمت دیکھا۔

''گل خان......کیا تم جانتا ہے کہ یہ پلید عمل کا چکر کیوں چلایا گیا ہے؟''

''ہاں......'' گل خان نے تیزی سے جواب دیا۔ ''کسی کافر کا بچہ نے اپنے دشمن کو جان سے مارنے کی خاطر غیر مذہب کے کسی خنزیر سے یہ خطرناک اور گندا عمل کرایا ہے۔ جب تک وہ غریب مر نہیں جائے گا لیموں سے خون کا لکیر بہتا رہے گا۔''

''اور اگر کوئی یہ ناپاک سوئیاں نکال کر پھینک دے تو......؟''

''تم کو خدا کا واسطہ......!'' فرحین پھر تڑپ کر بولی۔ ''میں ہاتھ جوڑ کر بولتا ہے کہ بھائی گل خان کا بھی کہا مان لے' اس گندی بلا کو واپس اسی جگہ پھینک دے جہاں سے اٹھا کر لایا ہے۔ دیر نہ کر لیاقت۔''

لیاقت حسین فرحین کو دل و جان سے چاہتا تھا' اسی کو اپنانے کی خاطر اس نے اپنا گھر بار بھی چھوڑ دیا تھا' اپنی ایک الگ دنیا بنالی تھی جہاں قدرت کی مہربانی سے وہ بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک ماں کی یاد کے سوا اور کوئی دکھ نہیں تھا۔ اسے باپ کی یاد بھی ستاتی تھی لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس نے فرحین کو پانے کی خاطر دل پر جبر کرکے ہر چیز سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس وقت وہی فرحین اس کو ہاتھ جوڑ کر' خدا کا واسطہ دے رہی تھی۔

ایک لمحے تک لیاقت حسین شش و پنج میں مبتلا رہا' پھر لیموں کو گھورتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا......!!

لیاقت کسی گہری سوچ میں پوری طرح مستغرق تھا۔ کوئی گتھی تھی جو اس کے ذہن میں کلبلا رہی تھی۔ خاموش کھڑا وہ خاصی دیر تک کسی الجھن کو سلجھانے کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ گل خان قریب کھڑا اپنے دوست کے فیصلے کا منتظر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لیاقت حسین نادیدہ اور ناپاک گندی قوتوں کو چھیڑ چکا تھا۔ گندے عمل کا کاٹ کرنے سے تو بڑے بڑے عامل بھی گھبراتے ہیں۔ سب جانتے تھے کہ اگر وہ سفلی کا توڑ نہ کرسکے تو ہولناک تباہی موت کی آخری سانسوں تک ان کا تعاقب کرتی رہے گی۔
دوسری طرف فرحین دروازے کی آڑ میں کھڑی خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ اس کا شوہر اپنا ارادہ

تبدیل کردے۔ جو منظر اس نے شوہر کے آنے سے پہلے کھڑکی کی اوٹ سے قبرستان میں دیکھا تھا' وہ بھی اس کیلئے کچھ کم پریشان کن نہیں تھا۔ گل خان کی باتیں سن کر وہ دہل گئی تھی کہ جو سوئیاں لیموں میں پیوست تھیں وہ کسی کا خون چوس رہی تھیں' اس وقت تک ان کا عمل جاری رہے گا جب تک وہ شخص ہلاک نہ ہو جائے' جس پر وہ پلید عمل کیا گیا تھا۔ گل خان نے لیاقت حسین کو یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اگر اس نے اس گندے عمل کو توڑنے کی کوشش کی تو پھر شیطانی قوتیں اس پر جھپٹ پڑیں گی۔ جینا محال کر دیں گی۔

فرحین کی معصوم زبان خدا سے منتیں مان رہی تھیں۔ اس کی نظریں لیموں پر جمی ہوئی تھیں۔ سوئیوں کے کناروں سے خون کی بہتی لکیر اسے واضح طور پر نظر آ رہی تھی اور اس کا شوہر اس پر نظریں جمائے جانے کس الجھن میں گرفتار تھا۔ اگر گل خان کا خیال نہ ہوتا تو وہ تیزی سے باہر آ کر شوہر کے قدموں سے لپٹ جاتی' چیخ چیخ کر فریاد کرتی کہ وہ اس جنجال سے جان چھڑانے کی خاطر ناپاک لیموں کو اسی قبر میں پھینک آئے جہاں سے لایا ہے۔

گزرتے وقت کا ایک ایک لمحہ گل خان اور فرحین کیلئے کسی عذاب سے کم نہیں تھا' جب لیاقت حسین نے لیموں سے نظریں ہٹا کر گل خان کی طرف دیکھا۔

''گل خان۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے ابھی کہا تھا کہ اگر تم نے کبھی مجھے موت کے منہ میں جاتے دیکھا تو اپنی زندگی بھی ہماری جان بچانے کیلئے قربان کر دے گا۔''

''ہاں...... '' گل خان نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں گل خان کی دوستی پر بھروسہ نہیں ہے؟''

''تم میرے لئے جو جان کی قربانی دے گا' وہ کس کے حکم سے دے گا؟''

''خدا کا حکم یہی ہے اور تم اپنا پرانا یار بھی ہے...... '' گل خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کسی کا مدد کرنا تو بڑا ثواب ہے۔ تم بھی ایک معذور کا زندگی بچانے کی خاطر آگ میں کود گیا تھا۔''

''اب بھی میں نے خدا کے نام پر یہی فیصلہ کیا ہے۔'' لیاقت حسین کی آواز میں گھن گرج شامل تھی۔ ''کسی کی جان بچانا خدا کا حکم ہے۔''

''نہیں لیاقت' نہیں...... '' فرحین اندر سے روتے ہوئے چیخ اٹھی۔ ''خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ تم جان بوجھ کر اپنا زندگی خطرے میں نہ ڈالو۔ ایک بات اور بھی دھیان میں رکھو کہ گندا اور پلید عمل کرنے والا خدا اور رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتا۔''

''اسی لئے تو وہ کافر ہوتا ہے' مشرک ہوتا ہے اور مشرک کو موت کے گھاٹ اتارنا بھی اللہ کا حکم ہے۔'' لیاقت حسین نے کہا' پھر اس نے لیموں میں کھبی ہوئی سوئی نکالنے کی کوشش شروع کر دی' لیکن اسے تعجب ہوا کہ وہ سوئی نکالنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ پوری طاقت استعمال کرنے کے بعد بھی ایک سوئی نہ نکال سکا' وہ بار بار مختلف سوئیوں کو آزماتا رہا' لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوئی۔ وہ بری طرح تلملا رہا تھا۔

''میرا دوست......'' گل خان نے التجا کی۔ ''ان ناپاک سوئیوں پر گندا عمل کر کے پھنسایا گیا ہے' یہ آسانی سے نہیں نکلے گا۔''

''لیاقت......'' فرحین چیخ اٹھی۔ ''کیا تم اپنا فرحین کا بات بھی نہیں مانے گا؟''

''گل خان......'' لیاقت حسین نے فرحین کی سنی ان سنی کر دی' بڑے جذباتی انداز میں گل خان سے بولا۔ ''تم مجھے ایک پلاس لا دو' انکار کرے گا تو پھر میں باہر جا کر کسی اور کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔''

گل خان کی منت سماجت اور فرحین کی تڑپ بھی لیاقت حسین کے ارادے کو متزلزل نہ کر سکی' مجبوراً گل خان پلاس لانے کا بول کر باہر نکل گیا۔ فرحین دوڑ کر شوہر کے قدموں سے لپٹ گئی۔

''لیاقت......ہم تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا۔ اپنا ارادہ ترک کر دو' کیا تم اپنا دل' اپنا جان جگر کا بات نہیں مانے گا؟''

''ہم خدا کو کیا منہ دکھائے گا دلبر؟'' لیاقت حسین نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''مولوی صاحب کی تعلیم نے ہم کو ایک ہی بات سکھایا ہے۔ کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو بندے پر لازم ہے کہ نیکی کر لیا کرے' اس لئے کہ نیکی گناہ کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ چٹ کر دیتا ہے۔''

''وہ اور بات ہے لیکن تم پلید عمل کا توڑ کرنے جا رہا ہے' جو کوئی کافر کا بچہ نے کیا ہے اور......''

''اس پر بھروسہ رکھو جان لیاقت......ہم خدا کیلئے ایک نیک قدم اٹھائے گا تو وہ غفور الرحیم دس بار ہم کو اپنا رحمت سے نوازے گا۔''

باہر سے گل خان کے قدموں کی آہٹ ابھری تو فرحین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی بھیگی پلکوں پر التجا کپکپا رہی تھی۔ شوہر کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی وہ پھر کمرے میں چلی گئی۔ گل خان پلاس لے آیا تھا۔ اس نے ایک اور کوشش کی کہ لیاقت حسین اپنی حماقت سے باز آ جائے لیکن لیاقت نے دل میں جو ٹھان لی تھی اسے پورا کئے بغیر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پلاس پر پوری طاقت صرف کرنے کے بعد ہی لیاقت حسین بمشکل سوئیوں کو' جو خون میں لتھڑی ہوئی تھیں' لیموں سے نکالنے میں کامیاب ہوا۔ تھکن سے اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا' سوئیاں نکالنے کے بعد پلاس کے ذریعے اس نے پورے لیموں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنا شروع کر دیا۔ اس پر ایک جنون سا طاری تھا۔ گل خان خاموش کھڑا لیاقت کی وحشت کو سہمی سہمی نظروں سے تکتا رہا۔ کمرے کے اندر فرحین مصلیٰ بچھائے سربسجود تھی۔ خدا سے گڑگڑا کر بڑی عاجزی سے شوہر کی سلامتی اور خیر کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

لیاقت حسین نے کام مکمل کر کے پلاس گل خان کو واپس کیا' لیموں کے ٹکڑوں اور خون آلود سوئیوں کو اپنی تھیلی پر جمع کیا' پھر اسے گھر سے دور جا کر پھینک آیا۔ گل خان ایک پل کو اس سے دور نہیں ہوا' ساتھ ساتھ رہا۔ قبرستان سے واپسی پر جب اس نے لیاقت حسین کے چہرے پر اطمینان اور سکون کے تاثرات دیکھے تو دبی زبان میں بولا۔

''میرا دوست۔تم نے اپنا من مانی کر ڈالا' ہمارا کوئی بات نہیں سنا' لیکن اب ایک بات تو مان لو۔''

''تم ہمارا بھائی ہے گل خان۔ پرانا جوڑی دار۔'' لیاقت حسین نے جذباتی انداز میں گل خان کو گلے لگا لیا' پھر بولا۔''ہم خدا کے راہ میں جو نیکی فی سبیل اللہ کرنا تھا کر چکا' اب تم جو بولے گا ہم اس سے انکار نہیں کرے گا۔''

''وعدہ......!''

''ایک دم پکا وعدہ......مردوں والا۔'' لیاقت حسین نے گل خان کو یقین دلایا۔

''ادھر منگھو پیر کے پاس کسی پہنچے ہوئے بزرگ نے ڈیرا جما لیا ہے۔'' گل خان نے کہا۔''وہ بس اچانک کہیں سے آ کر کھلے آسمان کے نیچے بیٹھ گیا تھا۔ بوڑھا آدمی' سفید ڈاڑھی ہے' اس کے پاس ایک تسبیح تھا جس پر وہ سر جھکائے دن رات کچھ پڑھتا رہتا ہے۔نماز بھی ادھر زمین صاف کر کے پڑھ لیتا تھا' لوگ اسے کھانا پانی ترس کھا کر پہنچانے لگے' لیکن نے اسے کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ وہ دن رات آنکھیں بند کئے تسبیح کے دانوں کو گھماتا رہتا ہے' کسی سے نہ کوئی بات کرتا' نہ آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھتا۔'' گل خان نے اپنی بات جاری رکھی۔

''پھر لوگوں نے اس کو بزرگ سمجھ کر بڑی سی چھولداری ڈال دی۔ اس وقت وہ بندہ خدا کسی کے ساتھ کچھ بات نہیں کیا۔ اپنے آپ میں گم رہتا۔ ایک سال سے زیادہ ہو گیا' اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا......آہستہ آہستہ غریب اور دکھ کے مارے اس کے پاس جمع ہونے لگے' وہ اسے اپنا دکھڑا سناتے' وہ چپ بیٹھا تسبیح کا دانہ گھماتا رہتا' کبھی کبھی گردن کا معمولی جنبش سے ہاں یا نہیں کا اشارہ کر دیتا' جس کیلئے ہاں کا اشارہ کرتا اس کی مراد پوری ہو جاتی۔ نہ کا اشارہ کرتا تو سائل مایوس ہو جاتا۔ ایک سال سے کسی نے اس دیوانے کو کچھ کھاتے پیتے نہیں دیکھا......اب وہاں دن رات ضرورت مندوں کا بھیڑ لگا رہتا ہے' اس کیلئے ایک چھوٹی چھولداری بنا دی گئی ہے۔ روز ادھر ضرورت مندوں کو پرچی دیا جاتا ہے۔ ایک دن میں پرچی بانٹنے والا کل دس پرچیاں بانٹتا ہے۔ اس کے بعد کسی کو چھوٹی چھولداری میں جانے کی اجازت نہیں ملتا۔ ہم تم کو کل ادھر لے کر جائے گا۔''

''تمہارا اور لوگوں کا کیا خیال ہے؟'' لیاقت حسین نے پوچھا۔''وہ بزرگ کون ہو سکتا ہے......؟''

''خدا کا کوئی نیک بندہ ہوگا......'' گل خان نے جواب دیا۔''اس کے بارے میں لوگوں نے عجیب عجیب باتیں بولی ہیں۔ سچ کیا ہے؟ یہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔''

''کیسا باتیں......؟'' لیاقت حسین نے پوچھا۔ گل خان کی باتیں سن کر اس کے اندر ایک انجانا تجسس کروٹیں لینے لگا۔

''کچھ لوگ بولتا ہے کہ کبھی کبھی چھوٹی چھولداری میں کوئی نظر نہیں آتا......لوگ سوچتا ہے کہ شاید وہ نیک بندہ کدھری اور نکل گیا' لیکن دوسرے دن یا دوسری صبح وہ دوبارہ اپنا جگہ اسی طرح گم کسی

دیوانے کی طرح بیٹھا نظر آتا ہے۔"

"حیرت انگیز بات ہے۔" لیاقت حسین نے کہا۔ "تمہارا باتیں سن کر خود میرا دل کرتا ہے کہ ایک بار اس کا دیدار کرلوں۔"

"ہم کل ادھر چلے گا۔"

"کل نہیں......" لیاقت حسین نے عذر پیش کیا۔ "صاحب اور بیگم صاحب کی غیر موجودگی میں ادھر کا سارا ذمے داری میرا ہے' کل ہم نیاوالا بیگم صاحب سے ایک دن کا چھٹی مانگے گا۔ اگر مل گیا تو پرسوں تمہارا ساتھ ضرور چلے گا لیکن......" لیاقت کو اچانک کچھ یاد آگیا۔ "تم بولا تھا کہ خدا کا وہ نیک بندہ ایک دن میں صرف دس آدمیوں سے ملتا ہے۔ جس کے پاس پرچی ہو۔"

"یہ سارا چکر ادھر کچھ لوگوں نے چلا رکھا ہے ورنہ دیوانہ تو زبان سے نہ بولتا ہے' نہ آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے' بس کبھی کبھی کسی سائل کا رونا دھونا سن کر اس کا گردن کبھی ہاں کہنے کیلئے اوپر نیچے حرکت کرتا' کبھی نہ بولنے کیلئے دائیں بائیں تھوڑا تھوڑا حرکت کرتا ہے۔"

"ہم اس بزرگ کا قدم بوسی کیلئے ضرور اس کے ساتھ ایک ملاقات کرے گا۔"

بات کرتے ہوئے دونوں گھر کے قریب آگئے' رات زیادہ گزر چکی تھی' گل خان ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ لیاقت حسین نے گھر میں داخل ہوکر دروازہ بند کیا' کمرے میں داخل ہوا تو فرحین بدستور جائے نماز پر بیٹھی' ہاتھ اٹھائے خدا کے سامنے اپنے سہاگ کی حفاظت کیلئے بڑی عاجزی سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اس نے شوہر کو دیکھا تو جلدی سے دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھی اور تیزی سے دوڑ کر شوہر کی کشادہ بانہوں سے لپٹ کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیاقت حسین کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"خدا کا ذات پر بھروسہ رکھو لیاقت کا جان جگر۔ وہ مسبب الاسباب بھی ہے اور مشکل کشا بھی۔ جو بندہ اس کی راہ میں نیکی کرے وہ اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتا اور...... مقدر کا لکھا بھی اٹل ہوتا ہے۔"

"تم اپنا فرحین کا ہاتھ باندھ کر رونے کا بھی ذکر نہیں کیا......؟" فرحین نے شکوہ کیا' بدستور شوہر کے کشادہ سینے پر سر رکھے سسکتی رہی۔ لیاقت حسین نے اسے دوبارہ تسلی دینے کی کوشش کی تو جذباتی انداز میں بولی۔

"ایک بات ہمارا بھی سن لو...... اگر خدا نہ کرے تم کو کچھ ہوا تو تمہارا فرحین بھی کچھ کھا کر جان دے دے گا۔"

"ایسا نہیں ہوگا دلبر......" لیاقت حسین نے اسے گل خان کے ساتھ کسی بزرگ کے پاس جانے والی بات بتائی تو اس نے شوہر کا ہاتھ تھام کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تم کو اپنا فرحین کا زندگی کا واسطہ...... اب بزرگ کے پاس جانے میں کوئی ہیر پھیر نہ کرنا۔"

"ہم زبان دیتا ہے میرا زندگی۔ ہم گل خان کے ساتھ ادھر ضرور جائے گا۔" لیاقت حسین نے

خلوص دل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ایک بات کا تم بھی یقین رکھو دلبر جان...... بندہ جو کام اوپر والے کی رضا اور اس کا نام لے کر کرے' اس میں کبھی گھاٹا نہیں ہوتا۔''

اس رات کھانا کھانے کے بعد جب دونوں سونے کیلئے لیٹے تو فرحین نے شادی کے بعد پہلی بار شوہر کو اس طرح اپنی بانہوں میں سمٹ کر لپٹا لیا جیسے زندگی کی آخری سانسوں تک ایک پل کیلئے بھی اسے شوہر کی جدائی منظور نہ ہو۔

✣✣✣

ڈی آئی جی (کرائمز) حافظ علیم احمد' نہایت دیانتدار اور ایماندار آفیسر تھے۔ انہیں صرف علیم احمد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس وقت وہ حسب معمول اپنے آفس میں ٹھیک آٹھ بجے داخل ہوئے' جب وہ سکون سے بیٹھ گئے تو ان کے باوردی اردلی نے اندر آ کر کہا۔

''صاحب...... ڈی ایس پی سراج صاحب نے آپ کو سلام بولا ہے۔''

''وہ کب آئے؟''

''آپ کے آنے سے پہلے ہی آ گئے تھے۔'' سپاہی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ انہیں اندر بھیج دو۔''

سپاہی سلام کر کے چلا گیا تو علیم احمد کے ہونٹوں پر ایک مخصوص مسکراہٹ ابھری۔ سراج براہ راست ان کا ماتحت نہیں تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ سراج بھی ایک کھرا' نڈر اور ایماندار پولیس آفیسر ہے جو اہم موقعوں پر صرف علیم احمد ہی سے مشورہ کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ علیم احمد نے ایک آدھ بار کوشش بھی کی تھی کہ سراج کو بھی شعبہ کرائمز میں اپنے پاس بلا لیں لیکن اونچی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے افسران اور کچھ حکومتی ارکان کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ ایماندار پولیس افسران ایک جگہ اکٹھا ہوں اور ناجائز غیر قانونی کاموں کی راہ میں مؤثر رکاوٹیں پیدا کریں۔ چنانچہ علیم احمد نے زیادہ کوشش نہیں کی لیکن وہ محکمہ میں سراج کو اپنا دست راست ہی سمجھتے تھے' خود سراج بھی انہیں معتبر سمجھتا تھا۔

سپاہی کے جانے کے بعد سراج نے آفس میں داخل ہو کر علیم احمد کو فوجی انداز میں سیلوٹ کیا پھر ان کے اشارے پر میز کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ علیم احمد نے سراج سے گفتگو کا آغاز کرنے سے قبل میز میں ایک طرف لگے اس سوئچ کو آن کر دیا جو آفس کے دروازے پر لگے سرخ بلب کو روشن کر دیتا تھا' جس کا مطلب ہوتا تھا کہ جب تک سرخ بتی جلتی رہے' کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں ہے' البتہ انتہائی ایمرجنسی کی صورت میں انٹرکام پر ڈی آئی جی سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔

''کیسے ہو سراج؟'' علیم احمد نے سراج کے بیٹھنے کے بعد بے تکلفی سے پوچھا۔ ''کیا پھر کوئی اہم معاملہ تمہیں میرے آفس تک لے آیا ہے؟''

''کچھ ایسی ہی بات ہے سر۔'' سراج نے ادب سے جواب دیا۔ ''میں آپ کے گھر بھی آ سکتا تھا لیکن مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اب آپ کے گھر پر آنے جانے والوں کی فہرست بھی خفیہ طور پر......''

"مجھے علم ہے......" علیم احمد نے بے پروائی سے کہا۔ "اچھا کیا جو تم آفس آ گئے۔"

کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی' پھر سراج نے تفصیل سے سیٹھ عثمان اور شیخ حامد کے واقعہ کو سنا ڈالا' گاڑی میں فٹ کئے جانے والے بم کی تفصیل بھی بتائی۔ شیخ حامد کے ساتھ جب سراج نے افضل خان کا تذکرہ کیا تو علیم احمد کی کشادہ پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں' سراج نے اپنی بات مکمل کی تو علیم احمد نے کرسی پر کسمساتے ہوئے سوال کیا۔

"افضل خان وہی تو نہیں جس کی فائل جان بوجھ کے سرد خانے میں ڈلوا دی گئی ہے۔ اس نے کسی صوبائی منسٹر کے اشارے پر حسنہ نامی کال گرل کیس میں کلیدی کردار ادا کیا تھا لیکن اونچی سفارشوں پر دودھ کی مکھی کی طرح نکال لیا گیا تھا؟"

"یس سر......" سراج نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے کہا۔ "شیخ حامد نے بھی اسی لئے اپنی فرم میں اسے ایک اہم عہدہ دے رکھا ہے۔ سارے غلط کام افضل خان ہی سے لیتا ہے' اسے بھی برسراقتدار حلقوں کی حمایت حاصل ہے۔"

"پھر......تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں نے افضل خان کی فائل خفیہ طور پر سرد خانے سے نکلوا کر ایک کاپی تیار کرا لی ہے۔" سراج نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے سیٹھ عثمان اور ان کی بیوی کو دو مہینے کیلئے ملک سے باہر جانے پر آمادہ کر لیا تھا...... ان کے چلے جانے کے بعد میں کسی بھی موقع پر افضل خان اور شیخ حامد کو اسی طرح ٹریپ کرنا چاہوں گا کہ انہیں میرے کلاس فیلو عثمان پر شبہ نہ ہو...... اور ان خطرناک اور زہریلے سانپوں کو بھی اس طرح پٹارے میں بند کرلوں کہ وہ کبھی میرے آگے پھنکارنے کی جرأت نہ کر سکیں۔"

"دریا میں رہ کر دو خطرناک مگرمچھوں سے دشمنی مول لینا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ شیخ حامد کی پہنچ کہاں تک ہے' اس کا ایک اشارہ' خدا نہ کرے...... تمہیں ملازمت سے برطرف بھی کرا سکتا ہے۔ پھر بھی تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"سر' مجھے آپ کی صرف اتنی مدد درکار ہے کہ کسی آڑے وقت میں آپ اس بات کی گواہی دے سکیں کہ میں ان افسران میں سے نہیں ہوں جو رشوت کھا کر ایمان بیچ دیتے ہیں۔" سراج نے مزید وضاحت کرنے کی خاطر مدھم آواز میں اپنا پورا پلان سنایا تو علیم احمد اٹھ کر دفتر میں ٹہلنے لگے' سراج کا سوچا ہوا پلان جتنا سودمند ہو سکتا تھا' اس سے کہیں زیادہ خطرناک بھی تھا...... خاصی دیر تک علیم احمد کسی گہری سوچ میں مستغرق ٹہلتے رہے' سراج پرامید نظروں سے ان کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

خود سراج بھی بخوبی واقف تھا کہ اس کا سوچا ہوا منصوبہ کسی ایسے آتشی ذخیرے سے کم نہیں تھا جس کو ایک معمولی سی آنچ بھی اس طرح دھماکے کی شکل میں تبدیل کر دینے کیلئے کافی ہے جس میں سراج کی ساری کارکردگی اور اس کی وردی بھی جل بھن کر راکھ بن جاتی' اس کا خمیازہ اس کے اپنے

گھروالوں کو بھی بھگتنا پڑتا۔ اس کی بنی بنائی شہرت اور عزت جسے اس نے برسوں میں کمایا تھا' ایک پل میں تہس نہس ہوسکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اندھیرے میں چلائی جانے والی کوئی گولی اس کے وجود کو ہمیشہ کیلئے خاک میں ملا دے۔

دس منٹ کی طویل خاموشی کے بعد علیم احمد نے دوبارہ اپنی کرسی پر تھکے تھکے انداز میں بیٹھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''سراج! میں تمہیں اپنا دست راست ہی نہیں بلکہ بہت عزیز بھی رکھتا ہوں......تم نے دو خطرناک مجرموں کیلئے جو سکیم بنائی ہے' اس پر عمل کرنا بے حد خطرناک ہے لیکن میں تمہیں خوف کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی سے روکوں گا بھی نہیں۔ البتہ یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے' ایک ایک قدم پھونک کر اٹھانا...... جہاں جان جانے کا خطرہ ہو وہاں اس غفورالرحیم نے بھی رعایت دے رکھی ہے۔ رہا سوال میری گواہی کا تو میں بزرگ کی حیثیت سے بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں' علیم احمد کبھی پیٹھ دکھانے کی کوشش بھول کر بھی نہیں کرے گا۔''

سراج کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''سر' آپ کے وعدے کے بعد میرا عزم اور پختہ ہوگیا ہے۔''

''میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔'' علیم احمد نے سراج کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اپنا بہت خیال رکھنا۔ کبھی میری ضرورت پیش آئے تو تکلفی بھی نہ کرنا......''

''شکریہ سر...... مجھے آپ سے اسی مشفقانہ جواب کی امید تھی......' سراج نے اٹھ کر ٹوپی پہنتے ہوئے پھر ایک بار اٹینشن پوزیشن میں سیلوٹ کیا۔ پھر آگے بڑھ کر رخصتی مصافحہ کیا اور تیزی سے گھوم کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

علیم احمد پھر کسی سوچ میں گم ہوگئے......!!

✣✣✣

افضل خان نے جن حالات میں جرم کو اپنایا تھا وہ بھی ایک علیحدہ کہانی ہے۔ کٹھن حالات نے اسے ایک جرم کو چھپانے کی خاطر قاتل بنا دیا تھا۔ پھر وہ رفتہ رفتہ جرم کی دلدل میں اس طرح ڈوب گیا کہ اب اس کی واپسی ناممکن تھی۔ اگر وہ بالفرض اپنے جرائم قبول کرلیتا تو پھانسی یقینی تھی' وہ مرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اسے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ اسے باحیثیت لوگوں کا سہارا بھی ملا اور کسی نئے جرم کی بھاری قیمتیں بھی ملیں لیکن یہ عارضی سہارے ثابت ہوئے تھے جو اپنا کام نکلوانے کے بعد اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ افضل خان کو سہارا دینے والے خود مجرمانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ خود سامنے نہیں آنا چاہتے تھے اس لئے اپنی ضرورت پوری کرنے کی خاطر عارضی طور پر افضل خان کو اپنی حمایت کا یقین دلا کر کوئی بھی جرم کرا لیتے۔

چوری' ڈکیتی' اغوا' کالے دھندے کی خاطر ہیروئن اور ادھر سے ادھر کرتا' قتل و غارت گری' سرہازار کسی دشمن کی پگڑی اچھال دینا' کسی باعصمت کی آبرو ریزی کرکے اس کی فلم بنانا' پھر اسے پارٹی کے اشارے پر ناچنے پر مجبور کردینا......اور بھی بہت سارے کام ایسے تھے جو قانونی اعتبار سے سنگین نوعیت کے تھے جو افضل خان کی گناہ آلود زندگی کی طویل فہرست میں اضافہ کرتے رہے۔ تین

چار بار پکڑا بھی گیا' دو بار جیل بھی گیا جہاں مجرموں' بدمعاشوں' پیشہ ور قاتلوں اور جرائم پیشہ افراد کے درمیان رہ کر اس کی مجرمانہ زندگی کو نئی تربیت بھی ملتی رہی۔ اکثر پارٹی اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے سزا کی مدت سے پہلے ہی اسے جیل سے باہر نکلوا لیتی تھی لیکن اس کے باوجود حالات نے افضل خان کو پوری طرح قانون کی نظروں میں اس کے تمام کرتوتوں کے سبب بالکل ننگا کر دیا تھا۔ بار بار تھانے میں حاضری' سنتری اور افسران کی مغلظات سننی پڑتیں تو وہ اندر ہی اندر کھول اٹھتا' مگر مجرم تھا' اس کے جرائم کی تفصیل طول پکڑ گئی تھی۔ بالآخر کسی مضبوط سہارے کی تلاش کرتے کرتے وہ کسی طرح شیخ حامد تک پہنچ گیا جہاں کچھ اہم شرائط کے بعد اسے تحفظ مل گیا' جس کی اسے برسوں سے تلاش تھی۔ اپنی مجرمانہ صلاحیتوں کے بدولت اس نے ترقی بھی کی لیکن ہر ترقی کے پیچھے ایک نئے جرم کا اضافہ بھی ہوتا رہا۔

شیخ حامد تالاب کی بڑی مچھلی تھی' اس کے تعلق اقتداری طبقوں میں بہت اوپر تک تھے۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ افضل خان اس کے کام کا آدمی ہے۔ غلط کام کرانے کے بعد اس نے افضل خان کو محض اس لئے بڑی چالاکی سے "بزنس منیجر" کی کرسی سونپ دی تا کہ اگر ذمہ داری اس کی فرم پر آئے تو وہ سارا کچرا' افضل خان کے کاندھوں پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو جائے لیکن افضل خان کو بڑا عہدہ دینے سے پیشتر اس نے ایک مرکز کے بہت اعلیٰ عہدیدار کے ذریعے افضل خان کی تمام جرائم کی فائلیں سردخانے میں ڈلوا دی تھیں۔ جہاں مرکزی حکومت کا بڑا عہدیدار سامنے آجائے تو آئی جی کو بھی آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں۔ فائل سردخانے میں داخل دفتر ہو جانے کے بعد ایک روز شیخ حامد نے اسے اپنے خاص ساؤنڈ پروف کمرے میں بلایا۔ جسے وہ خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ افضل خان کو بلا کر اس نے کھل کر کہا۔ "افضل خان' میں نے تمہارے سارے خطرات دور کر دیئے ہیں۔ اب تمہیں' تمہاری جرائم کی فائلیں سردخانے میں جمع ہو جانے کے بعد روز روز تھانوں میں جا کر جی حضوری نہیں کرنی پڑے گی۔"

"میں آپ کا یہ احسان تمام زندگی نہیں بھولوں گا۔" افضل خان نے شکریہ ادا کیا تو شیخ حامد کے ہونٹوں پر بڑا زہریلا تبسم ابھرا۔

"خالی شکریے سے کام نہیں چلے گا افضل خان۔ ایک بات گرہ سے باندھ لو' میں تمہاری ساری فائلیں بند کرا سکتا ہوں تو ایک اشارے پر وہ دوبارہ زندہ بھی ہو سکتی ہیں' اس بات کو کبھی نہ بھولنا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں جناب......"

"آج میں تمہیں ایک عزت اور بخش رہا ہوں۔ شیخ حامد نے نیا جال پھینکا۔ "تمہیں میں اپنا بزنس منیجر بنا رہا ہوں۔"

"سر......" افضل خان نے بڑے اعتماد سے اسے اپنی وفاداری اور خدمات کا یقین دلایا۔

"آپ مجھے جو عزت دے رہے ہیں اس کے عوض میں آپ کے کسی بھی حکم سے انکار نہیں کروں گا۔"

"مجھے یقین ہے تم ایسی حماقت کبھی بھول کر بھی نہیں کرو گے۔"

شیخ حامد کے جملے کی گہرائی افضل خان بھی سمجھ رہا تھا لیکن وقت اور حالات نے اسے کسی پالتو کتے کی طرح مالک کے سامنے دم ہلانے پر مجبور کر دیا تھا' ایسی پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ پلٹ کر کوئی جواب دیتا' پھر بھی دل پر جبر کر کے حالات کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے بولا۔

''میں آپ کو ایک بار پھر یقین دلاتا ہوں کہ کبھی آپ کے کسی حکم سے سرتابی کی غلطی نہیں کروں گا۔''

''حسنہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' شیخ حامد نے اچانک ایک اونچے کلب کی ڈانسر اور کال گرل کا نام لیا تو افضل خان چونکا۔ ایک ہفتے قبل ہی اس نے حسنہ کو گھر واپس جاتے وقت راستے سے اٹھا لیا تھا' حسنہ نے اس کی جسارت کو وقتی طور پر ہنس کر برداشت کر لیا تھا۔ اس رات وہ پورے تن من دھن سے افضل خان کی ہر ناجائز خوشی میں برابر کی شریک رہی۔ صبح لباس پہننے کے بعد اس نے جاتے وقت افضل خان سے بڑی لگاوٹ سے کہا تھا۔ ''تم نے بلاوجہ راستے سے مجھے اغوا کرنے کی زحمت کی۔ ایک اشارہ کر دیتے تو میں خود تمہاری مضبوط بانہوں میں کھنچی چلی آتی۔''

''سچ کہہ رہی ہو......؟'' افضل خان جو اس وقت پوری طرح نشے میں تھا لہرا کر کہا۔ ''کلب میں تو تم نے کبھی ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا۔''

''تم بھول رہے ہو افضل خان۔'' حسنہ توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ ''ایسے معاملات میں عورت خود پہل نہیں کرتی۔ مرد کی طرف اشارے کی منتظر رہتی ہے۔''

افضل خان حسنہ کی توبہ شکن انگڑائی کا اسیر ہو گیا' اس نے ہاتھ بڑھا کر حسنہ کو پھر اپنے سینے سے لگا لیا۔ حسنہ نے کوئی مزاحمت بھی نہیں کی۔ اس کے بعد ایک دو بار خود حسنہ افضل خان کو کلب سے واپسی پر ہاتھ تھام کر اپنے خوبصورت فلیٹ میں لے گئی تو افضل خان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ حسنہ ایک تر و تازہ پھول تھی' جس کی مہک کلب کے علاوہ بھی دور دور تک پھیل رہی تھی۔ وہ گداز جسم کی مالک ہونے کے علاوہ بے حد حسین بھی تھی' عمر بھی بیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن اپنی شوخ اور چلبلی حرکتوں' پہناووں اور رکھ رکھاؤ سے اٹھارہ سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ افضل خان جانتا تھا کہ حسنہ جس سڑک سے گزرتی تھی' ادھر کوئی بھی ٹھنڈی آہ بھرنے سے باز نہیں آتا تھا' اس کے گاہک بیشمار تھے لیکن وہ ہر ایک سے تعلقات بڑھانے میں خاصی محتاط واقع ہوئی تھی' جس طرح وہ افضل خان کو دو بار خود سے گھر لے گئی' وہ افضل خان کیلئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ حسنہ نے بغیر کسی مول تول کے جس طرح دل کھول کر نوازا تھا' اس کا ایک ایک لمحہ یادگار تھا۔ شراب اور کباب کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ حسنہ نے اسے نئے نئے انداز سے اپنے جسم کے ایک ایک نشیب و فراز سے دل کھول کر سیراب کیا تھا۔

اس وقت شیخ حامد نے اچانک حسنہ کا ذکر کیا تو وہ بس ایک لمحے کو چونکا' پھر مسکرا دیا' اسے علم تھا کہ شیخ حامد بھی اونچے حلقوں میں خاصا صاحب ذوق مشہور تھا' ممکن ہے حسنہ پر بھی اس کی رال ٹپک رہی ہو...... پھر بھی ذرا محتاط انداز میں کہا۔

''وہ ایک اونچے کلب کی ڈانسر ہے جہاں چھوٹے موٹے آدمی قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ میں

نے سنا ہے کہ وہ کال گرل بھی ہے لیکن کم حیثیت آدمیوں کو منہ نہیں لگاتی اور......'' شیخ حامد نے مختصراً پوچھا۔

''اور یہ کہ وہ کم عمر ہونے کے علاوہ خوبصورت اور حسین بھی ہے۔ اس کے چاہنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں سے کم نہ ہوگی۔''

''وہ تمہارا کوئی کہنا ماننے پر آمادہ ہو جائے گی؟''

''آپ اشارہ کریں تو کوشش کر کے......''

''کیا تمہاری اس سے کوئی واقفیت نہیں ہے؟'' شیخ حامد نے اس کا جملہ کاٹ کر سوال کیا۔

''بس' واجبی سی سلام دعا ہے۔'' افضل نے بدستور محتاط انداز میں جواب دیا لیکن...... دوسرے ہی لمحے جب شیخ حامد نے دو عدد چھ بائی آٹھ سائز کی فوٹوگراف نکال کر میز پر ڈالیں تو افضل کی آنکھیں فرط حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں' دونوں تصویریں حسنہ کے خاص بیڈروم کی تھیں...... جو کہانی دونوں تصویروں پر رقم تھی اسے پڑھ لینے کے بعد افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا' نظریں جھکا کر خاموش رہا۔

''مجھے تم سے کوئی ذاتی شکایت نہیں ہے افضل خان۔'' شیخ حامد نے قدرے بے تکلفانہ انداز اختیار کیا تو افضل کی گھٹتی ہوئی سانسوں کی آمدورفت دوبارہ بحال ہوگئی۔ ''بہرحال' میں جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا...... یہ یاد رکھنا۔''

''یاد رکھوں گا سر......'' افضل نے جلدی سے اپنی غلطی کا اقرار کرلیا۔

''جانتے ہو یہ تصاویر مجھ تک کس طرح پہنچ گئیں......؟'' شیخ حامد نے بے پروائی سے کہا۔ ''دراصل حسنہ نے تمہیں جان بوجھ کر ٹریپ کیا تھا اس لئے کہ تم نے پہلی بار اس کے ساتھ غلط طریقہ اختیار کیا تھا اور......''

شیخ حامد کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہوکر سنجیدہ نظر آنے لگا تو افضل خان کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ ''زیادہ گہرائی میں کھوجنے کی کوشش کر کے اپنی انرجی نہ ضائع کرو۔'' شیخ حامد نے اس بار قدرے سرد انداز میں کہا۔ ''یہ دونوں تصویریں مجھے کسی وزیر نے بھیجی ہیں۔ حسنہ اس کی منظور نظر تھی اس لئے تمہاری شکایت کو مع تصویری ثبوت اوپر بھیج دیا لیکن...... جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوا؟''

افضل خان گنگ سا کھڑا ہونٹ چباتا رہا۔

''جسٹ ریلیکس'' شیخ حامد نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔ ''حسنہ نے ایک حماقت کر کے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لی ہے۔''

''جی...... میں سمجھا نہیں۔'' افضل خان نے بمشکل تھوک نگل کر سوال کیا۔

''جو خوبصورت ناگن تم کو بلیک میل کرسکتی ہے وہ دوسروں کو بھی کرسکتی ہے...... کیا سمجھے......؟''

''کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں سر......''

''ہم سے زیادہ اوپر والوں کی اپنی عزت اور رتبے کا خیال ہوتا ہے' جس نے یہ تصاویر بھیجی ہیں وہ بھی خوفزدہ ہو گیا کہ اگلے الیکشن سے پہلے اس کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا تو پھر اس کے عزیز و رشتہ دار بھی اسے ووٹ نہ دیں گے۔ جگ ہنسائی علیحدہ ہوگی......'' شیخ حامد نے کچھ توقف سے سرسراتے لہجے میں بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''خود میں بھی اس بات کو پسند نہیں کروں گا تمہارا کوئی سکینڈل یا غلط حرکت منظر عام پر آئے جس سے میری اور میرے کاروبار کی بھی بدنامی ہو۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں سر......'' افضل خان کسی انجانے خوفناک انجام کے تصور ہی سے لرز اٹھا۔

''میں دونوں کے بعد کی تاریخ میں تمہارے بزنس منیجر کے احکامات پر دستخط کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' شیخ حامد کا لب و لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ ''کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میں تمہیں دو روز کا وقفہ کیوں دے رہا ہوں؟''

''افضل خان آپ کا نمک خوار ہے سر' آپ کی نظروں کا اشارہ ہی کافی ہے' دو روز کی مہلت میرے لئے بہت کافی ہوگی۔''

جواب میں شیخ حامد نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ تیز قدم اٹھاتا آفس سے باہر آگیا۔ اس نے دو روز کے بجائے اگلے ہی دن حسنہ کو اپنے ایک ساتھی کے ذریعے کلب سے واپس آتے ہوئے گولی مروا کر ہلاک کر دیا۔ خود وہ دور دور ہی رہا لیکن حسنہ کی کار کے ڈیش بورڈ سے جو سامان پولیس نے تحویل میں لیا اس میں پولیس کے نام ایک مختصر پیغام بھی موجود تھا۔

''میں اگر کبھی کسی حادثے میں موت کا شکار ہو جاؤں تو افضل خان کو نظر انداز نہ کیا جائے۔''

اس تحریر کی بنیاد پر ایک دو بار افضل خان نے تھانے آنے جانے کی زحمت ضرور اٹھائی۔ اس کے بعد [illegible] تو وہ فائل بھی سابقہ فائلوں کی طرح دبا دی گئی۔ افضل خان نے بھی سکون کا [illegible] اسامی ملنے کے بعد وہ شیخ حامد کے اور قریب ہونے لگا۔ ہر طرح سے اسے [illegible] اس میں اس کا مفاد بھی تھا...... لیکن اس روز جب دو سال گزرنے کے بعد [illegible] تو افضل خان کا ماتھا ٹھنکا۔ فون کرنے والا ڈی ایس پی سراج تھا' [illegible] اتفاق سے سراج ہی نے ابتدائی تفتیش کی تھی' اس اعتبار سے [illegible] تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سراج کس قسم کا آفیسر ہے۔ یہ بھی جانتا تھا کہ شیخ حامد [illegible] ایس پیز کو بھی خریدا ہوا ہے۔ افضل خان شیخ حامد سے کہہ کر [illegible] فون کرا سکتا تھا لیکن وہ ذرا ذرا سی بات پر شیخ حامد کو پریشان کرنے سے بھی [illegible] وہ خود ہی وقت نکال کر سراج کے پاس چلا گیا۔

ڈی ایس پی سراج نے خلاف توقع اسے دیکھ کر باقاعدہ اٹھ کر ہاتھ ملایا تھا' فوری طور پر سپاہی کو چائے لانے کا آرڈر بھی دیا تھا۔ افضل خان کو احساس ہوا کہ اب وہ جس شخص کے ساتھ اور جس سیٹ پر بیٹھا تھا اس سے شاید سراج بھی یقینی مرعوب ہوا ہوگا۔ افضل خان کرسی پر کچھ اور چوڑا

ہو کر بیٹھ گیا۔ سراج نے مسکرا کر کہا۔

"کیسے ہو افضل خان؟ سنا ہے اب تو تم شیخ حامد کے بزنس منیجر بھی بن گئے ہو......"

"سب اوپر والے کی مہربانی اور آپ جیسے افسروں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

افضل خان کے لہجے میں جو طنز تھا' اسے سراج نے بھی محسوس کر لیا' لیکن ضبط سے کام لیتا ہوا معنی خیز انداز میں بولا۔ "تمہاری اپنی کارکردگی کو بھی اتنی اہم کرسی تک پہنچانے میں کچھ نہ کچھ دخل تو ضرور ہوگا۔"

چائے آگئی تو ادھر ادھر کی بات ہوتی رہی۔ سپاہی جب خالی پیالیاں لے گیا تو افضل خان نے اپنی قیمتی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بڑے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ "آج آپ کو خاکسار کی یاد کس طرح آگئی؟"

"ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے افضل خان۔" سراج نے قدرے سنبھل کر کہا۔ "ایک دیے سے اور بھی کئی دیے روشن کئے جا سکتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں...... اس وقت کسی ایجاد کی ماں اور دیے سے دیا روشن کرنے والی بات درمیان میں کہاں سے آگئی؟"

"تم زیادہ جلدی میں تو نہیں ہو......؟"

"ہوں تو سہی لیکن پھر بھی آپ کی خاطر پندرہ بیس منٹ نکال سکتا ہوں۔"

"تھینکس......" سراج نے افضل خان کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر قدرے رازداری سے پوچھا۔ "جس بہتے دریا سے تم ہاتھ دھو رہے ہو' کیا اس میں میرے لئے بھی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔"

"آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے......؟" افضل کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا شیخ صاحب کا نام درمیان میں لانا ضروری ہوگا؟"

"میں اب بھی نہیں سمجھا!"

"یوں سمجھ لو کہ ایک ضرورت آپڑی ہے جس کا میری ایمانداری اور تنخواہ سے پورا ہونا ممکن نہیں۔" سراج نے سنجیدگی سے...... مگر مدھم آواز میں کہا۔ "تم چاہو تو ہمارے اور شیخ صاحب کے درمیان رابطے کا کام انجام دے سکتے ہو۔"

"اوہ...... آئی' سی۔" افضل خان نے سکون کا سانس لیا' پھر بڑی فراخدلی سے پوچھا۔ "ضرورت کتنے کی ہے......؟"

"اس کا ذکر اگر میں صرف شیخ صاحب سے کرنا چاہوں تو......؟"

"شیخ حامد صاحب کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے مسٹر سراج۔" افضل خان نے اٹھتے ہوئے بڑی شان سے کہا۔ "پھر بھی...... میں کوشش کروں گا کہ کسی وقت موقع دیکھ کر آپ کا ذکر شیخ صاحب کے کانوں میں ڈال دوں لیکن......"

''سوچ لو افضل خان۔'' سراج نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر خالص پولیس والوں کے انداز میں کہا۔ ''حسنہ یاد ہے' تمہیں...... اس کا ایک پرانا عاشق جان ہتھیلی پر رکھ کر سامنے آ گیا ہے...... وہ حسنہ کے کیس کو دوبارہ زندہ کرنے کی خاطر دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔''

''آپ اس کو خاموش کرنے کی خاطر سودا کرنا چاہتے ہیں۔'' افضل خان نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''لیکن...... آپ تو ہمیشہ سے بہت ایماندار افسروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔''

''میں نے ابھی تم سے اسی لئے کہا تھا کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔'' سراج نے جملہ مکمل کر کے بے زاری کا اظہار کیا۔ ''بہرحال' تمہارے پاس اگر وقت کم ہے تو تم جا سکتے ہو۔''

افضل خان نے بہت غور سے سراج کے رویے میں تبدیلی محسوس کی تو دوبارہ بیٹھ گیا۔ حسنہ والی بات سے شیخ صاحب کا کیا تعلق؟ میرا مطلب...... اگر یہی سوال انہوں نے مجھ سے کیا تو میں کیا جواب دوں گا؟''

''میں فی الحال صرف اتنا اشارہ دے سکتا ہوں کہ مرکزی حکومت کے جس اعلیٰ عہدیدار نے فائل سرد خانے میں ڈلوائی تھی وہ آج کل کتاب میں ہے' اس کا علم شیخ صاحب کو بھی ضرور ہوگا۔ تم بھی جانتے ہو کہ پولیس کو مرنے والی کی کار سے کچھ کارآمد کاغذات ملے تھے' اس میں ایک پر تمہارا نام بھی درج تھا۔'' سراج نے افضل خان کو پہلی بار تیز نظروں سے دیکھا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم کو بھی علم ہوگا کہ وہ فائل کس کی سفارش پر بند کی گئی تھی۔ کون کون لوگ کیس فائل کو سرد خانے میں ڈالنے کے سلسلے میں دلچسپی لے رہے تھے۔''

''لیکن شیخ صاحب کا بھلا ان باتوں سے......''

''تم اب جا سکتے ہو افضل خان۔'' سراج نے جھنجلا کر کہا۔ ''میں اپنی ضرورت پوری کرنے کی خاطر کوئی اور راستہ تلاش کر لوں گا۔''

''آپ تو خفا ہو گئے مسٹر سراج۔'' افضل خان نے سراج کو تیور بھانپ کر پگھلتے ہوئے کہا۔ ''شیخ صاحب مصروف آدمی ہیں' آپ کی اور ان کی ملاقات طے کرانے میں کچھ وقت تو لگے گا۔''

''ٹھیک ہے...... میں تمہیں ایک ہفتہ دیتا ہوں' اس کے بعد شاید مجھے یہ احساس دوبارہ ہو جائے گا کہ ایمان کو ایک چھوٹی سی ضرورت کی خاطر فروخت کر دینا مردانگی نہیں...... بزدلی ہے' میں نے تمہیں جو زحمت دی ہے اسے تم بھی بھول جانا' کسی اور سے اس کا ذکر بھی نہ کرنا۔''

افضل خان نے کچھ جواب دینے کی کوشش کی' پھر ارادہ ترک کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ سراج سے رخصتی مصافحہ کرتے وقت افضل خان کو اس کی سرد مہری کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا۔

✣✣✣

حسب وعدہ دو روز بعد گل خان لیاقت حسین کو منگھو پیر لے گیا۔

راستے میں گل خان ایک بار پھر لیاقت کو باور کرانے لگا کہ اس نے سفلی کے عمل کو چھیڑ کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا' لیاقت حسین ہوں ہاں کر کے اپنے دوست کو ٹالتا رہا' اسے پختہ یقین تھا کہ

اس نے جو کچھ کیا اس میں صرف کسی کیلئے خیر کا مثبت پہلو تھا۔ اس لئے وہ ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔ شہر سے نکل کر وہ مضافاتی علاقے میں داخل ہوئے تو لیاقت حسین نے حیرت سے کہا۔

''یار یہ کیسا شہر ہے تمہارا' ادھر گاؤں اور بستیاں بھی نظر آتی ہیں۔''

جواب میں گل خان مسکرا کر بولا۔ ''یہ شہر کا مضافاتی علاقہ ہے جہاں تم ہم جیسے غریب لوگوں نے چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد کر رکھی ہیں۔ یہ بھی قدرت کا کھیل ہے اور بھی بہت سارے علاقے ایسے ہیں جو اپنے ہی شہر کی طرح ہیں۔

''تم نے بزرگ صاحب سے ملنے کیلئے ہمارے لئے کوئی نمبر لیا یا نہیں؟'' لیاقت حسین کو یاد آ گیا کہ جن لوگوں نے پہنچے ہوئے بزرگ کیلئے چھولداریاں ڈالی تھیں۔ انہوں نے وہاں اپنی ٹھیکیداری جمع رکھی تھی۔ دس بندے روزانہ اور اندر چھوڑنے کی شرط بھی انہوں نے عائد کی تھی۔ بزرگ نے تو کبھی آنکھ کھول کر نہیں دیکھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں؟ سوائے تسبیح کے دانوں پر دل ہی دل میں کچھ پڑھتے رہنے کے سوا نہیں اور کسی بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''سچے اور کھرے اللہ والوں کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ دنیا سے سارا رشتہ ناتا ختم کر کے صرف خدا سے لو لگا لیتے ہیں' پھر پلٹ کر دنیا کی طرف نہیں دیکھتے۔'' لیاقت حسین کے لہجے میں عقیدت تھی۔ ''گاؤں میں مولوی صاحب بھی یہی بولتا تھا۔''

''ایک بات بولوں لیاقت؟'' گل خان نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''اب تم کراچی آ گیا ہے تو اپنا پٹھانی اردو بھی ٹھیک کر لو۔''

''سمجھ گیا تیرا...... تیری بات۔'' لیاقت حسین نے ہنس کر جواب دیا۔ ''وقت اور حالات سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔ ادھر سے تمہارا...... تمہارے کراچی کا کوئی بندہ اپنے علاقے میں چلا گیا تو وہ بھی ایک دم سے...... پاخیر راغلے اور دل تاکین (آپ خیریت سے ہیں؟ یہاں تشریف رکھیے) نہیں بول سکتا۔''

دونوں اسی قسم کی دلچسپ باتیں کرتے مطلوبہ جگہ کے قریب رکشے سے اتر گئے۔ گل خان کے علاوہ لیاقت کے ذہن میں بھی یہی ایک سوال ابھرا تھا کہ چھولداری کے اردگرد مردوں اور عورتوں کا جو ہجوم تھا اس میں کیا وہ اس بزرگ تک پہنچ بھی سکیں گے؟ جو دنیا سے بے خبر اپنی عبادت میں غرق رہتے تھے۔ ''اب آ گئے ہیں تو دل چھوٹا نہ کر میرے دوست۔'' گل خان نے شاید لیاقت حسین کے چہرے پر رقم سوال کو پڑھ لیا تھا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اوپر والا ایسا کوئی راستہ پیدا کر دے کہ ہم بزرگ کے قدموں تک پہنچ جائیں۔''

وہ دونوں ہجوم کے اندر داخل ہو کر اس چھولداری کی طرف بڑھنے لگے جہاں عقیدت مندوں کے درمیان کشمکش ہو رہی تھی' بیس پچیس منٹ کی دھکم پیل کے بعد وہ چھولداری سے دس پندرہ قدم کے فاصلے تک پہنچ گئے' لیاقت حسین دیکھ رہا تھا کہ جو آدمی بھی زور زبردستی کر کے چھولداری کے گیٹ کے قریب جاتا تھا اسے منت سماجت کے باوجود ایک ہی جواب ملتا تھا...... ''ایک دن میں پچاس نمبر

فجر کے بعد دیئے جاتے ہیں جو پانچ دن کیلئے بہت ہوتے ہیں۔ ایک دن میں صرف دس آدمیوں کو اندر جانے کی اجازت ہے' بغیر پرچی کے کسی کو اندر نہیں جانے دیا جاتا۔"

چھولداری کے دروازے پر موجود دس بارہ ہٹے کٹے لوگ جو بظاہر فقیری لباس میں نظر آرہے تھے' ہر آگے پہنچنے والے کو ایک ہی جواب دے کر ہجوم کی طرف واپس دھکیل دیتے تھے۔ گل خان اس صورتحال کو دیکھ کر مایوس ہونے لگا' لیکن ایک لگن' ایک جذبہ تھا جو لیاقت حسین نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کر کے قدم پیچھے نہیں ہٹائے۔ اچھی خاصی زور زبردستی کرنے کے بعد جب وہ دروازے کے قریب گیا تو ایک ہٹے کٹے فقیر نما چوکیدار نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر روکتے ہوئے کہا۔

"خدا کو مانو خاں صاحب' کیا تم لوگوں کو ہماری زبان سمجھ نہیں آتی...... ایک بار بول دیا کہ ایک دن میں صرف دس آدمی...... وہ بھی جس کے پاس پرچی ہو۔"

لیاقت حسین دل گرفتہ ہو گیا۔ دھکے کھاتا ہوا پھر ہجوم سے باہر آ گیا۔

"مجھے افسوس ہے دوست لیکن تم فکر مت کرو' میں کل فجر کا نماز بھی ادھر پڑھوں گا اور پرچی بھی حاصل کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" لیاقت حسین نے دور سے ایک بار پھر چھولداری کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ "میرا دل بھی یہی بولتا ہے کہ اندر جو بھی ہے وہ اللہ کا کوئی پہنچا ہوا بندہ ضرور ہے...... ورنہ اتنا ہجوم بھی نہ ہوتا......"

دونوں باتیں کرتے ہوئے کسی رکشے یا ٹیکسی کی تلاش میں بیٹھے تھے کہ ایک ہاتھ پشت سے آکر لیاقت حسین کے بائیں کندھے پر تھم سا گیا۔ لیاقت حسین نے تیزی سے پلٹ کر اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر سفید ریش نابینا تھا۔ شاید اس نے ہاتھ کسی کے کاندھے پر رکھ کر اس سے راہ دکھانے کی درخواست کرنی چاہی تھی۔

"آپ کو کدھر جانا ہے بابا؟......" لیاقت حسین نے بڑی انکساری سے دریافت کیا۔

"مجھے اس مجذوب سے ملنا ہے جو ادھر ایک عرصے سے ڈیرا جمائے بیٹھا ہے۔" بوڑھے نے مدھم آواز میں درخواست کی۔ "مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"پرچی کا نمبر ہے آپ کے پاس؟"

"کیسی پرچی کیسا نمبر۔" نابینا بوڑھے نے عجیب انداز میں کہا۔ "اللہ سے قرب حاصل کرنے کیلئے انسان کا اپنا دل سب سے اہم پرچی ہے' جس نے اسے حاصل کر لیا پھر وہ جنت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ سرکار دو عالم کا دیدار ہو جاتا ہے اسے۔"

"سبحان اللہ۔" لیاقت حسین نے عقیدت کا اظہار کیا' پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ادھر کا دستور دوسرا ہے بابا...... بغیر پرچی کے......"

"بیٹا' تم مجھے دروازے تک لے چلو۔" بوڑھے نے درخواست کی۔ "ہو سکتا ہے کہ میری سچی نیت کسی کام آجائے اور تم بھی اسی بہانے اس سے مل لو جو نہ جانے یہاں کس ارادے سے۔ کس کے

انتظار میں دھونی رمائے بیٹھا ہے؟"

نابینا کی درخواست میں کچھ ایسا اثر تھا کہ لیاقت حسین اس کی درخواست رد نہ کرسکا۔ اس نے پلٹ کر گل خان کو بھی ساتھ لینا چاہا لیکن وہ شاید نابینا کو دیکھنے کے بغیر سواری کی تلاش میں آگے نکل گیا تھا۔

"کیا تم کو میری مدد منظور نہیں ہے......؟" نابینا نے اس کے کندھوں پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے بابا...... وہ میرا ساتھی ادھر ساتھ تھا' وہ نظر نہیں آرہا۔"

"جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی سب دھوکہ اور فریب ہے...... ساتھی بہت مل جاتے ہیں لیکن خدا کے بندے بار بار نہیں ملتے۔"

"چلو بابا...... میں تم کو چھولداری کے دروازے تک ضرور پہنچا دوں گا' اس کے بعد تمہارا قسمت۔"

"قسمت کا حال بھی وہی اوپر والا جانتا ہے......" نابینا نے جواب دیا' پھر لیاقت کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ "مقدر کے فیصلے بھی اٹل ہوتے ہیں' میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں' اس سے زیادہ جاننے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی۔"

بزرگ کی باتوں نے لیاقت حسین کو اس کی ہر ممکن مدد کرنے پر صدق دل سے آمادہ کر دیا۔ وہ پلٹ کر ہجوم کے درمیان جگہ بناتا چھولداری کی طرف بڑھنے لگا۔ اس بار اسے زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ بوڑھے نابینا کے خیال سے اسے آگے بڑھنے کا راستہ ملنے لگا' ہٹے کٹے فقیر نما چوکیدار اور اس کے درمیان جب فاصلہ کم ہونے لگا تو نابینا سفید ریش بوڑھے نے دبی زبان میں کہا۔

"کسی سے کچھ سوال کرنے کی کوشش مت کرنا' سیدھے قدم اٹھاتے رہو' میرا دل کہتا ہے کہ کوئی مجھ بوڑھے نابینا کو روکنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ آگے اللہ کی مرضی۔"

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا' کچھ دیر پہلے وہ بھی قسمت آزما چکا تھا لیکن دروازے تک پہنچ کر اس کا اور گل خان کا راستہ روک لیا گیا تھا لیکن اس نے نابینا کے کہنے کو نظر انداز بھی نہیں کیا۔ ہٹے کٹے آدمیوں کے قریب پہنچ کر بھی اس نے کوئی بات نہیں کی۔ آہستہ آہستہ دھڑکتے دل سے ایک ایک قدم اٹھاتا رہا پھر...... اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی...... وہ نابینا کے ساتھ سب کے درمیان سے گزرتا اندر چھوٹی چھولداری تک پہنچ گیا جس کے اندر گل خان کے کہنے کے مطابق اللہ کا کوئی نیک اور برگزیدہ دیوانہ بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ باہر چوکیداروں کی نظروں میں آئے بغیر وہ چھوٹی چھولداری تک کس طرح پہنچ گیا؟ کسی نے روکنا تو درکنار' ان دونوں کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ دیکھا بھی ہوگا تو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ "لیکن کیوں؟ کیا ان کی آنکھوں کے آگے کوئی پردہ تان دیا گیا تھا؟"

"کیا ہوا...... تم رک کیوں گئے؟" نابینا نے سوال کیا۔

''ہم اس چھوٹی چھولداری تک پہنچ گئے جس میں بزرگ کا ڈیرا ہے۔''

''یقیناً وہی مسبب الاسباب ہے۔'' نابینا نے بڑی عقیدت سے کہا' پھر بولا۔''جب تم نے مجھے یہاں تک پہنچا دیا تو پہلے تم اندر جا کر اس کا دیدار کر لو جس کی کشش تمہیں یہاں تک کھینچ لائی تھی۔''

''نہیں بابا...... تم نہ ہوتے تو میں شاید یہاں تک بھی نہ پہنچ سکتا' پہلا حق تمہارا ہے۔''

''ضد مت کرو...... تم اندر جاؤ' میں بعد میں جاؤں گا۔'' نابینا اپنا جملہ مکمل کر کے زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تو لیاقت حسین نے اس کی ضد کے آگے سر جھکا دیا۔ قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تو اس کی نظروں نے بھی وہی دیکھا جو گل خان نے بتایا تھا۔ دیوانہ سر جھکائے تسبیح کے دانوں پر انگلیاں گھمانے میں اتنا مستغرق تھا جیسے اور کسی کام سے اسے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ لیاقت حسین نے احتراماً گھٹنے کے بل خود کو فرش پر ٹکا لیا' اس کی نظریں بڑی عقیدت سے بزرگ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے بڑی انکساری سے مدھم لہجے میں دیوانے کو مخاطب کیا۔''میں بہت مشکل سے آپ کے قدموں تک پہنچا ہوں' میرے حق میں کچھ دعا کر دیں۔''

جواب میں بزرگ کے جسم کو ذرا سی حرکت ہوئی' پھر اس نے ''ہاں'' کہنے کے انداز میں سر کو معمولی سی جنبش دی۔ لیاقت حسین سرشار ہو گیا۔ گل خان نے بھی بتایا تھا کہ دیوانہ جب اثبات میں سر کو جنبش دے تو اس کا مطلب بھی ہوتا ہے اس کے پاس جانے والا سائل اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔''میرے حق میں کوئی دعا کر دو پیرومرشد......'' لیاقت حسین نے انکساری سے دعا کی درخواست کی تو دیوانے کے جسم میں ایک کپکپاہٹ سی ہوئی۔ اس کی انگلیوں کی گردش تسبیح کے دانوں پر تیز ہو گئیں۔ وہ بدستور نظریں بند کئے بیٹھا رہا لیکن لیاقت حسین نے اچانک دیوانے کے دوسرے ہاتھ کو آہستہ آہستہ جنبش میں آتے دیکھا' اس نے لرزتے ہاتھوں سے ایک چٹکی مٹی زمین سے اٹھائی پھر اسے ہاتھ بلند کر کے لیاقت حسین کی طرف کر دیا۔

لیاقت حسین پر جیسے شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد کسی غیر مرئی قوت نے اسے گھٹنوں ہی کے بل آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا' جیسے جیسے دیوانے کے قریب ہوتا گیا' اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں' وہ دیوانے کے قریب پہنچ کر رک گیا' غیر ارادی طور پر اس کے دل سے ایک التجا ابھر کر اس کی زبان تک آ گئی۔

''پیرومرشد...... میں منہ کھول رہا ہوں' تم اپنے متبرک ہاتھوں سے یہ مٹی بھی میرے منہ میں ڈال دو' یہ بھی کرم ہو گا۔''

اس کے بعد وہی ہوا جو لیاقت حسین کے دل کی آواز تھی' مٹی کی چٹکی اس کے منہ میں ڈال کر دیوانے کا ہاتھ پھر اس کے گھٹنے پر جا کر ساکت ہو گیا۔ لیاقت حسین کو وہ سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ ایک انجانی سی مسرت کی لہر اس کے وجود میں سنسنانے لگی' اس کا دل وہاں سے اٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا لیکن بوڑھے نابینا کا خیال آیا تو وہ پیچھے کھسکتا ہوا اٹھا پھر...... چھولداری کے باہر آ گیا جہاں وہ نابینا زمین پر بڑے سکون سے بیٹھا تھا۔

"بابا...... تمہاری مہربانی جو مجھے دیوانے کے دیدار نصیب ہو گئے۔ اب تم اندر جاؤ۔"

"ابھی نہیں......" نابینا نے جواب دیا۔ "اب یہاں تک تم نے میری مدد کی ہے تو میں بھی مل ہی لوں گا لیکن...... تم اب واپس پلٹ جاؤ۔ واپسی میں بھی کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔"

"میں چلا گیا تو تم......"

"ساعتیں گزر جائیں تو پھر پلٹ کر واپس نہیں آتیں' تم میری بات پر عمل کرو۔ ایک بات اور غور سے سن لو اندر جو کچھ ہوا تم اس کا ذکر کبھی...... کسی کے سامنے زبان تک نہ لانا...... دیوانوں کی طرف سے بھی کچھ مصلحتیں منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ اب واپس لوٹ جاؤ۔"

لیاقت حسین نے نابینا کی بات غور سے سنی۔ اس نے دل میں سوچا کہ وہ نابینا بھی اللہ کا کوئی نیک بندہ ہی تھا جو اس کی مدد کیلئے مقرر کیا گیا تھا' اس کے دل نے اس کے خیال کی تصدیق کی تو وہ رکا نہیں' خاموشی سے قدم اٹھاتا باہر آ گیا۔ اسے پھر تعجب ہوا کہ کسی نے اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ مجمع سے گزر کر وہ باہر نکلا تو سامنے گل خان حیران پریشان کھڑا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ "تم...... کدھر چلا گیا تھا؟" اس نے لیاقت حسین کو دیکھ کر سوال کیا۔

"میں بھی تم کو تلاش کرنے کیلئے ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔" لیاقت حسین نے نابینا بوڑھے کی بات پر عمل کرتے ہوئے اصل بات زبان تک لانے سے گریز کیا۔ "ادھر اتنا بھیڑ ہے کہ انسان چکرا کر رہ جاتا ہے۔"

"میں تو سوچ رہا تھا کہ کہیں تم واپس تو نہیں چلے گئے؟"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے گل خان؟" لیاقت حسین نے بڑے پیار بھرے انداز میں جواب دیا پھر گل خان کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا تو اتفاق سے ایک رکشا بھی خالی مل گیا۔

واپسی میں بھی دونوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں' لیکن لیاقت حسین کے ذہن میں بار بار اسی نابینا بوڑھے کا خیال ابھر رہا تھا جو شاید اللہ کے حکم پر ہی اس کیلئے فرشتہ بن کر آ گیا تھا' اسی کی بدولت وہ دیوانے تک بھی پہنچ گیا اور اس کے ہاتھ سے مٹی کی ایک چٹکی بھی کھالی۔ اس نے چلتے وقت لیاقت حسین سے زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی اس میں بھی یقیناً لیاقت حسین کی بھلائی کا کوئی پہلو ضرور ہو گا۔

لیاقت حسین نے دل میں پختہ عہد کر لیا کہ وہ کبھی بھول کر بھی نابینا بوڑھے یا دیوانے سے ملاقات کا کوئی ذکر کسی کے سامنے بھی زبان تک آنے دے گا...... دیوانے سے مل لینے کے بعد اس کے وجود کے اندر ایک انجانی مسرت کا احساس بھی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

✣✣✣

افضل خان کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ سراج کے دفتر میں اپنی طلبی کو آسانی سے فراموش کر دیتا' اس کے ظاہر اور باطن میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ حامد ایسوسی ایٹس کے بزنس منیجر کی صورت میں بظاہر وہ شاندار گاڑیوں میں سوٹ بوٹ پہن کر بڑے بڑے لوگوں سے کاروباری

تعلقات کے معاملات طے کرتا تھا۔ ایک پوش علاقے میں ذی حیثیت افراد کے درمیان رہتا تھا لیکن یہ سب محض دکھاوا تھا۔ اس کا اصل کام شیخ حامد کے بیشمار ناجائز کام نبٹانا تھا۔ باس کے اشارے پر ہی اس نے سیٹھ عثمان کو ہمیشہ کیلئے کاروباری حریف سمجھ کر راستے سے ہٹانے کی خاطر' ڈرائیور وحید کی ایمانداری کو کثیر رقم کے عوض خرید کر گاڑی میں بم فٹ کرایا تھا لیکن لیاقت حسین کی وجہ سے کام کھوٹا ہوگیا۔ اس کے دو روز بعد ہی سیٹھ عثمان راحیلہ بیگم کو سیاحت کی غرض سے بیرون ملک لے گیا تھا۔

افضل خان کو یہ بات بھی معلوم تھی کہ سیٹھ عثمان اور سراج کبھی کلاس فیلو بھی رہ چکے تھے اور اب بھی دونوں کا ایک دوسرے کے گھر باقاعدہ آنا جانا تھا۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں حسنہ کی فائل کے سلسلے میں سراج کے دفتر میں اپنی طلبی کو بھی افضل خان مختلف زاویوں سے پرکھ رہا تھا' اس کے ذہن میں اس طلبی کے پس منظر میں بہت سارے شبہات بھی کلبلا رہے تھے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہ سراج کو ایک ایماندار آفیسر سمجھتا تھا لیکن وہ اپنی کسی اہم ضرورت پوری کرنے کی خاطر براہ راست شیخ حامد سے ملنا چاہتا تھا۔ افضل خان کو یہ بات ہضم نہیں ہوسکی۔ اس نے پوچھا بھی تھا کہ جتنی ضرورت ہے وہ پوری کر سکتا تھا' مگر سراج نے انکار کردیا تھا۔ شیخ حامد سے ملاقات کے سلسلے میں اس نے ایک ہفتے کی مہلت دی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے دفتر میں بیٹھا اسی گتھی کے مختلف پہلوؤں پر غور کررہا تھا۔ جب شبنم نامی ٹیلیفون آپریٹر نے کمرے میں داخل ہوکر بے تکلفی سے پوچھا۔

''کہاں گم ہو افضل خان؟'' حسب معمول شبنم کے لہجے میں بے تکلفی تھی۔

''تم آج کل کہاں اڑتی پھر رہی ہو؟'' افضل خان نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتی نظروں سے کہا۔ ''سنا ہے آج کل تمہاری مصروفیات کچھ زیادہ ہوگئی ہیں۔''

''پہلے یہ سمجھ لو کہ شبنم اڑتی نہیں بلکہ خوبصورت پھول اور پتوں پر گرتی ہے۔'' شبنم نے ایک خاص ادا سے جواب دیا۔ ''کبھی کبھی گھاس کو بھی نواز دیتی ہے۔''

''میرے سلسلے میں تم نے کس حیثیت کا اندازہ لگایا ہے؟'' افضل خان نے اس کے بھڑکیلے لباس اور جسمانی خطوط پر نظر ڈالتے ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''تم ذرا اونچی شے ہو' اس لئے میں نے کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔'' شبنم کے جواب میں کھلی دعوت کا اظہار بھی شامل تھا۔

''اس وقت کیسے میری یاد آگئی؟''

''اس وقت مجھے نہیں بلکہ بگ باس کو تمہاری یاد آئی ہے۔'' شبنم نے مسکرا کر کہا۔ ''دس منٹ بعد تمہیں مخصوص کمرے میں طلب کیا گیا ہے۔''

افضل خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کو بہت خاص موقعوں ہی پر مخصوص کمرے میں طلب کیا جاتا تھا جس میں داخل ہوتے ہوئے وہ ہمیشہ گھبراتا تھا' لیکن آج اس کیفیت سے نہیں دوچار ہونا پڑا۔ شاید اس لئے کہ وہ بھی بگ باس سے مل کر سراج کے سلسلے میں ذکر چھیڑنے کا منتظر تھا۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ مخصوص کمرے میں عقبی راستے سے اندر داخل ہوا۔ وہ راستہ صرف مخصوص افراد ہی اختیار کرتے تھے' عام حالات میں دفتر کا کوئی کارندہ بھول کر بھی ادھر قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

شیخ حامد کسی گہری سوچ میں غرق تھا' اس نے اشارے سے افضل خان کو بیٹھنے کیلئے کہا' پھر جیب سے اپنا وہ موبائل نکالا جو مال غنیمت کے طور پر اس نے حاصل کیا تھا' اس موبائل سے وہ انتہائی اہم موقعوں پر کسی کو کال کرتا تھا۔ وہ کال محض نمبروں کی بنا پر ٹریس نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے کہ موبائل کا اصل مالک ایک درمیانہ طبقے سے تعلق رکھتا تھا جو سات آٹھ مہینے پہلے ایک حادثے کا شکار ہوکر دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

''کیا خبر ہے؟'' شیخ حامد نے کال ملنے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔ ''تمہاری مہلت پوری ہو چکی......''

دوسری طرف سے کیا جواب ملا وہ افضل خان نہیں سن سکا' لیکن اس نے اچانک بگ باس کے چہرے پر ابھرنے والی شیطانی مسکراہٹ کو خاص طور پر محسوس کیا تھا۔ معاملہ یقیناً اہم نوعیت کا رہا ہوگا۔

+++

"گویا مجھے جو اطلاعات ملی تھیں وہ غلط نہیں تھیں...... بہرحال تم کام جاری رکھو' مجھے ہر ہفتہ رپورٹ چاہئے۔" شیخ حامد نے تحکمانہ انداز میں کہا' پھر موبائل آف کر کے جیب میں ڈالتے ہوئے افضل خان کو اتنی گہری نظروں سے دیکھا کہ وہ بھی دہل کر رہ گیا۔

"تمہاری معلومات میری سوچ سے مختلف نکلیں۔" اس نے افضل خان کو مخاطب کیا۔ "سیٹھ عثمان تفریح کی غرض سے باہر نہیں گیا۔ وہ بیرونی منڈی میں پارٹیوں سے مل کر یہ ٹنگرم لگانے کی کوشش کر رہا ہے کہ خاص آرڈر اسے براہ راست دیا جائے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے سر......!" افضل پہلو بدل کر بولا۔ "یہاں باقاعدہ بڈ (Bid) ہوتی ہے سربمہر مخصوص لفافوں میں آفر دی جاتی ہے جو بعد میں سب کے سامنے کھلتی ہے پھر......"

"یہ ضروری نہیں ہوتا کہ بڑی پارٹی ہر چھوٹی بڈ کو تسلیم کر لے۔" شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "وہ اگر چاہے تو کسی آزمائی ہوئی پارٹی کو بغیر بڈ دیئے بھی محض پرانی ساکھ کی بنیادوں پر ڈائریکٹ بھی دے سکتی ہے یہ تاجر کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے جس کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا' پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔"

"سمجھ گیا سر......"

"پھر یہ بھی سمجھ لو کہ سامنے والا کتنی گہری چال چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر کامیاب ہو گیا تو......" شیخ حامد نے جان بوجھ کر اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔

"نہیں ہونے دوں گا سر......"

"کیا سوچا ہے......؟"

"تخت یا تختہ۔" جواب میں افضل خان نے بھی محتاط انداز اختیار کیا۔

"نہیں......" شیخ حامد کچھ دیر چھت پر نظر جمائے کسی سوچ میں گم رہا' پھر مسکرا کر بولا۔ "عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ تمہیں بھی اس کا ذاتی تجربہ ہو گا۔"

"جج...... جی...... سر!" افضل خان ٹپٹا کر رہ گیا۔

"اس کی واپسی میں میرے حساب سے ابھی چھ ساڑھے چھ ہفتے باقی ہیں۔" افضل کو پھر اشاروں کنایوں میں ہدایت ملی۔ "جو بھی قدم اٹھانا سوچ سمجھ کر اٹھانا' میں اس معاملے میں ناکامی برداشت نہیں کروں گا۔"

''او کے......سر۔'' افضل خان نے بغیر دیر لگائے جواب دیا' پھر اس نے اسی بہانے ڈی ایس پی سراج کا معاملہ بھی بڑی عقلمندی سے چھیڑ دیا۔''میں آپ کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔''

''کہو۔''

''ڈی ایس پی سراج اور ہمارا متعلقہ شخص ایک دوسرے کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔''

''پھر......؟''

''انسان زندگی میں اکثر کسی موڑ پر آ کر مجبوریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ میری اطلاع کے مطابق آج کل سراج صاحب کو کچھ رقم کی ضرورت پیش آ گئی ہے گویا ان کے قدم بھی ڈگمگا رہے ہیں۔''

''یہ انفارمیشن تمہیں کسی اور سے ملی ہے یا......''

''سراج نے مجھے حسینہ والی فائل کے سلسلے میں بلایا تھا۔'' افضل خان سمجھ گیا کہ شیخ حامد کو اپنے لامحدود ذرائع سے اپنے کارندوں کے پل پل کی نقل و حرکت کی اطلاع ملتی رہتی ہے' اس لئے اس نے صاف گوئی سے کام لینا مناسب سمجھا۔''میں نے آپ کو اس سلسلے میں یوں پریشان نہیں کیا کہ ایسے چھوٹے افسروں کو میں خود بھی ڈیل کرنا جانتا ہوں۔''

''مجھے خوشی ہوئی کہ تمہیں پچھلا سبق یاد رہا......'' شیخ حامد کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔''میں جھوٹ پسند نہیں کرتا اور...... ایسے لوگوں کو دو تین بار سے زیادہ مہلت دینے کے بھی خلاف ہوں۔''

افضل خان جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ بگ باس کی وارننگ کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''کیا سراج نے تم سے کسی رقم کی ضرورت کی بات کی تھی؟'' شیخ حامد نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا' اس کی پیشانی پر بل جتنی تیزی سے ابھرے تھے اتنی ہی جلد دور بھی ہو گئے۔

''یس باس...... میں نے اپنی جیب خاص سے اس کی مدد کا عندیہ بھی دیا تھا لیکن......''

''لیکن کیا......؟''

''وہ آپ سے ایک ملاقات کا خواہشمند ہے۔'' افضل خان نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی۔''ممکن ہے اسے کوئی ایسی مشکل درپیش ہو جس کا حل صرف آپ ہی نکال کر اسے چھٹکارا دلا سکتے ہوں۔''

''ہوں......'' شیخ حامد ایک پل کو خاموش ہوا...... پھر سرسراتے لہجے میں بولا۔''حسنہ کی فائل کا تذکرہ کس طرح درمیان میں آ گیا؟''

''ہو سکتا ہے کہ سراج نے غلط بیانی سے کام لیا ہو لیکن اس نے یہی کہا تھا کہ مرنے والی کا کوئی عاشق اس فائل کو دوبارہ زندہ کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

شیخ حامد کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔''اس کا باپ بھی اس فائل کو ری اوپن نہیں کرا سکتا۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کے مقابلے میں سراج صاحب کی حیثیت کسی چیونٹی سے زیادہ نہیں ہے' جسے جب چاہے قدموں تلے......''

''ون منٹ۔'' شیخ حامد نے ہاتھ اٹھایا تو افضل خان کی زبان کو بریک لگ گیا۔ شیخ حامد پھر چھت کی طرف دیکھنے لگا' شاید کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنا چاہتا تھا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے افضل خان کی طرف دیکھا۔ ''تمہارا کیا مشورہ ہے؟''

''میں آپ کے مقابلے میں کیا رائے دے سکتا ہوں۔'' افضل خان نے انکساری سے کام لیا۔ ''جو آپ کا حکم ہوگا اسی پر عمل بھی ہوگا۔ کہیں تو میں اسے بھی......''

''جلد بازی نہیں......'' شیخ حامد نے زہر خند لہجے میں جواب دیا۔ ''تم اسے جب چاہے یہاں آنے کا کہہ دو لیکن...... ظاہر یہی کرنا کہ میں تمہاری خوشامد کے بعد ہی اس ملاقات پر آمادہ ہوا ہوں۔''

''رائٹ سر......''

شیخ حامد نے انٹرکام اٹھا کر سپیشل اسسٹنٹ سے اپنا شیڈول معلوم کیا' پھر ریسیور رکھ کر افضل خان سے کہا۔

''کل چار بجے کا وقت ہے میرے پاس...... تم سراج کو لا سکتے ہو تو لے آؤ۔''

''او کے' باس۔''

مخصوص کمرے سے نکل کر افضل خان نے سکون کا سانس لیا' پھر اسی دن اس نے فون پر سراج کو اس کی اطلاع بھی دے دی۔ دوسری جانب سے کوئی واضح جواب نہیں ملا' لیکن اگلے دن ٹھیک چار بجے ڈی ایس پی سراج سادہ لباس میں شیخ حامد کے ساتھ اس کے مخصوص کمرے میں موجود تھا۔

''افضل خان نے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' شیخ حامد نے چبھتے ہوئے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے مایوس نہیں کیا۔'' سراج نے بھی انکساری سے جواب دیا۔

''یہ حسنہ اور اس کی کسی کیس فائل کا کیا معاملہ ہے؟'' شیخ حامد نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''افضل بتا رہا تھا کہ آپ نے......''

''جی ہاں۔'' سراج نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''آپ تک پہنچنے کیلئے کوئی نہ کوئی راستہ تو اختیار کرنا تھا۔''

''اوہ...... آئی سی۔ پولیس والا ہتھکنڈا اکثر کامیاب ہوتا ہے۔'' شیخ حامد نے بے تکلفی سے کہا' پھر دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ''میں آپ کو بیس منٹ اور دے سکتا ہوں' ایک ضروری میٹنگ میں جانا ہے۔''

''میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔''

''نہیں...... اب آ گئے ہیں تو بلا تکلف یہ بھی بتا دیں کہ آپ کو کتنی رقم کی ضرورت ہے جس کی

خاطر آپ کو کسی حسنہ کیس کا حوالہ دینا پڑا۔'' شیخ حامد نے پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔ ''میں ہمیشہ سے پولیس والوں سے دوستی رکھنے کا قائل ہوں' آپ کے ایس پی صاحب سے بھی اچھی خاصی سلام دعا ہے۔''

''ضرورت تو تقریباً پچاس ہزار کی ہے لیکن اپنے لئے نہیں۔'' سراج اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ ایس پی والی بات وہ جان بوجھ کر گول کر گیا۔

''میں سمجھا نہیں۔ اگر آپ کو اپنے لئے ضرورت نہیں ہے تو کسی دوسرے کیلئے......''

''میں عرض کرتا ہوں۔'' سراج نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''دراصل ایک بیوہ کا بیٹا زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑا ہے' اگر اس کا فوری آپریشن نہ ہوا تو وہ بیوہ لاوارث ہو جائے گی۔''

''اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے خدمت کا موقع دیں' میں صرف آپ سے اس کا نام اور ایڈریس دریافت کروں گا' اس کے بعد آپریشن کے جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں اپنی جیب خاص سے دوں گا۔''

''سوری! بات کچھ ایسی ہے کہ میں اس کا نام بھی نہیں لے سکتا۔''

''ایسی صورت میں تو' میں یہی سمجھوں گا کہ ضرورت دراصل آپ ہی کو ہے؟''

''یہی سمجھ لیں۔'' سراج نے لمبی سانس لی۔

جواب میں شیخ حامد معنی خیز انداز میں مسکرایا' پھر اس نے دراز کھول کر بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر اس طرح ڈال دی کہ خود سراج بھی حیران رہ گیا۔ ''گن لیجئے' پورے ایک لاکھ ہیں۔'' شیخ حامد نے سراج کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر کہا۔

''لیکن میں نے تو صرف پچاس ہزار......''

''تکلف نہ کریں۔'' شیخ حامد نے الفاظ چباتے ہوئے ایک خاص انداز میں کہنی میز پر ٹیک کر قدرے مدھم آواز میں کہا۔ ''دوستوں کا حساب کتاب دل میں ہوتا ہے' میں آپ سے اس حقیر رقم کی واپسی کا مطالبہ بھی نہیں کروں گا۔ آپ اسے ہماری اور اپنی دوستی کی پہلی قسط سمجھ لیں۔''

سراج نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر اس نے گڈی کو اٹھا کر ایک نظر غور سے دیکھا' پھر اسے بڑی بے پروائی سے پتلون کی جیب میں ڈال لیا۔ ''مجھے آپ سے یہی امید تھی کہ آپ انکار نہیں کریں گے۔'' شیخ حامد پھر معنی خیز لہجے میں بولا۔ ''مرکزی حکومت کے کچھ دوستوں سے بھی میری دوستی ہے' ان کے ساتھ بھی لین دین کا حساب بغیر کھاتے کے چلتا رہتا ہے' آپ کو بھی اگر کبھی مشکل درپیش آجائے تو میں بھی آپ کے کسی کام آنے سے گریز نہیں کروں گا' کبھی آزما کر دیکھ لیں۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' سراج دوبارہ اس طرح انکساری پر اتر آیا جیسے اس ایک لاکھ کے عوض وہ اپنی ایمانداری کا سودا کر رہا ہے۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا خاص خیال رکھوں گا۔''

''اصول بھی یہی ہے۔ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔'' شیخ حامد نے کہا' پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

''اب اجازت چاہوں گا اور ہاں...... ایک بار واقفیت ہوگئی ہے تو اب آتے جاتے رہیے گا۔''

''سر کے بل آؤں گا۔'' سراج بھی اٹھ گیا' پھر بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

شیخ حامد نے اس کے جاتے ہی سیدھا ہاتھ دراز میں ڈال کران دونوں سوئچ کو آف کر دیا جو سراج کے کمرے میں داخل ہونے سے قبل اور رخصت ہوتے وقت کی تمام گفتگو اور مووی بھی بنانے کا کام انجام دے رہے تھے۔ سراج کے باہر نکلتے ہی اس کے ہونٹوں کی زہریلی مسکراہٹ پھیل کر مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ اسے اس بات کا شبہ بھی نہ ہوسکا کہ سراج کی قمیض کی دونوں آستینوں پر لگے گولڈن کف لنکس (Cuff Links) اور قمیض میں لگے گولڈن بٹن کے اندر آواز ریکارڈ کرنے اور مووی بنانے کے انتہائی حساس لینسز کے ذریعے تیار ہونے والے ٹیپس سراج کی پتلون کی علیحدہ علیحدہ جیبوں میں محفوظ ہو چکے تھے۔

اسی رات تقریباً دو بجے سراج حسب پروگرام ڈی آئی جی علیم احمد کی رہائشگاہ پر موجود تھا' اس کام کیلئے اس نے اپنی گاڑی کے بجائے ایک دوست کی بند وین کا استعمال کیا تھا۔ علیم احمد نے ٹیپ کی گئی گفتگو اور تیار شدہ مووی کو اپنے چھوٹے پروجیکٹر کے ذریعے بڑی توجہ سے دیکھا' پھر خاصی دیر خاموشی سے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کرنے کے بعد بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''تم نے ایسی حیرت انگیز جرأت سے یہ کام انجام دیا ہے کہ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا' شیر کی کچھار میں گھس کر اسے گولی مار دینا اور بات ہے لیکن جال کے ذریعے قابو کرنا ایک خطرناک عمل ہے۔''

''میں ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا۔'' سراج نے بات جاری رکھی۔ ''مجھے یقین ہے کہ شیخ حامد جیسا چالباز اور خطرناک مگرمچھ بھی مجھ سے ملا ہوگا تو وہ بھی کچھ سوچ کر' کسی پلان کے تحت ملا ہوگا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ میرے ایس پی صاحب بھی اس کی جیب میں پڑے ہیں۔''

''مجھے اس کا علم ہے۔'' علیم احمد کسمسا کر بولے۔ ''صرف وہی نہیں بلکہ ہمارے اور بھی بہت سے اہم افسران اس سے ماہانہ بھتہ وصول کر رہے ہیں لیکن...... تم کیا کہنا چاہ رہے تھے......؟''

''جس کمرے میں شیخ حامد نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق وہ کمرا صرف مخصوص موقعوں پر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔'' سراج پہلو بدل کر بولا۔ ''میری چھٹی حس بتا رہی ہے کہ وہاں بھی گفتگو ٹیپ کرنے اور مووی تیار کرنے کا کہیں نہ کہیں کوئی خفیہ سسٹم ضرور موجود ہوگا۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا۔'' علیم احمد نے تائید کی۔ ''پچاس کے بجائے ایک لاکھ دینا اور واپس نہ لینے والی بات کے علاوہ بھی اس کی باتوں میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے بظاہر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمہاری خدمات خریدنے کی خاطر سودے بازی کر رہا ہے۔ مگر تم مطمئن رہو' اب میں بھی تمہارا ایک گواہ موجود ہوں۔''

''اسی یقین کی وجہ سے میں نے اپنے اس ٹریپ پلان پر عمل کرنے سے پیشتر' آپ سے مشورہ

کرنا ضروری سمجھا تھا۔''

''تم نے دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ اب میرا ایک مشورہ اور ہے۔''

''آپ حکم دیں سر......''

''ان دونوں کی ایک ایک کیسٹ تم مجھے بھی فراہم کردو' ایک سیٹ اپنے پاس رکھنا تا کہ ہم دونوں میں سے اگر کوئی ایک فریق کم ہوجائے تو دوسرا موجود رہے' کیسٹ کے ساتھ ہی تم نے جس ارادے سے یہ نیک کام کیا ہے اس کی باقاعدہ تحریری رپورٹ بھی اپنے دستخط کے ساتھ' ٹاپ کانفی ڈینشل اور سیکریٹ لکھ کر مجھے دے دینا۔ وہی تمہاری ایمانداری اور صلاحیتوں کا ثبوت ہوگا۔''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا سر......لیکن ایک لاکھ کی رقم کہاں رکھی جائے گی؟'' سراج نے پوچھا۔

''اسے میرے پاس چھوڑ دو' میں اس کے ایک ایک نوٹ کی کاپی ذاتی طور پر فوٹوسٹیٹ کر کے اپنے دستخط اور سرکاری مہر کے ساتھ محفوظ کردوں گا' جس کی نقل تمہیں بھی دے دوں گا تا کہ بوقت ضرورت کام آسکے' رہا رقم کا معاملہ تو میں اسے بھی اپنے خفیہ ریمارکس کے ساتھ کسی ایماندار واقف کار کے لاکر میں محفوظ کرادوں گا' اس کام کی اطلاع بھی تمہیں ایک خاص اور ٹاپ سیکریٹ آفیشل لیٹر کی صورت میں مل جائے گی۔''

''میں آپ کا بے حد شکر گزار رہوں گا سر۔''

''ایک بات کا خیال اور رکھنا......'' علیم احمد نے دوستانہ انداز میں تاکید کی۔ ''جب تک میں نہ کہوں' فی الحال مجھ سے ملاقات سے گریز کرنا۔ ایک سیکریٹ اور ان لسٹڈ (Un Listed) موبائل نمبر دے رہا ہوں' اسے بھی انتہائی ضرورت کے وقت استعمال کرنا۔''

ساڑھے تین بجے رات کو جب سراج واپسی کیلئے روانہ ہوا تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ کئی بار اس نے پشت کے دروازے میں لگے چوکور رنگین شیشے سے جھانک کر جائزہ لیا۔ عقب میں دور دور تک سڑک سنسان پڑی تھی' تعاقب میں کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

✣✣✣

جس رات فرحین نے قبرستان میں ایک شخص کو ننگا ناچتے دیکھا تھا' اس رات سے اس کا سارا سکون برباد ہوگیا تھا۔ وہ شاید ایک وفادار بیوی ہونے کے ناتے شوہر کو بھی اس جنجال کی خبر نہ دیتی۔ ذاتی طور پر بھی وہ بحالت مجبوری' قبرستان کے قریب رہنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ سر چھپانے کیلئے کوئی نہ کوئی چھت تو درکار تھی' ویسے بھی اس نے یہی سن رکھا تھا کہ پرانے قبرستانوں کو بدروحیں' بھوت پریت کے علاوہ جرائم پیشہ افراد بھی اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔ اس رات شاید گل خان یا زرینہ نے بھی کھڑکی سے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو فرحین دیکھ چکی تھی۔ فرحین نے دوراندیشی سے کام لیا' شوہر کو کھانا دینے کے بعد وہ پیار بھرے لمحات کا تصور کئے بیٹھی تھی لیکن لیاقت ہمیشہ کی طرح کچھ اس طرح مہربان ہوا کہ اچانک گل نے اسے باہر سے آواز دی۔ نورین' گل خان اور لیاقت حسین کے درمیان

جو گفتگو ہوئی وہ اب فرحین کے دل میں اٹھتے بیٹھتے کانٹوں کی طرح چبھتی رہتی۔

تین روز سے وہ سوتے سوتے اچانک اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ اسے خواب میں قبرستان کا وہ منظر دکھائی دیتا۔ کہیں دور سے آنے والی ایک آواز اس کے کانوں میں ابھرتی تو وہ مضطرب ہو کر جاگ جاتی' ساری رات لیاقت کے قریب لیٹی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہتی' اس کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہتی۔ ان باتوں کا ذکر اس نے زرینہ سے بھی نہیں کیا تھا' حالانکہ جب لیاقت حسین ڈیوٹی پر رہتا اور گل خان بھی اپنے کام پر چلا جاتا تو زرینہ کام کاج سے فارغ ہو کر فرحین ہی کی طرف آجاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اور فرحین باہر سائبان میں' تخت پر بیٹھی ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھیں۔ گل خان' لیاقت حسین کو لے کر ایک بزرگ کے پاس گیا ہوا تھا۔ ''خدا کرے لیاقت بھائی کامیاب ہو جائے۔'' زرینہ نے صدق دل سے کہا۔ ''ورنہ گل خان یہی بتاتا ہے کہ ادھر ہٹے کٹے قسم کے غلط لوگوں نے غریب بزرگ کو آمدنی کا دھندا بنا لیا ہے۔ نمبر کے ذریعے دس آدمیوں کو اندر جانے کی اجازت ہوتی ہے اس کے علاوہ دس پندرہ ایسے افراد کو بھی اجازت مل جاتی ہے جو بدمعاشوں کی مٹھیاں گرم کرتے ہیں۔''

''سچ کہہ رہی ہے؟'' فرحین نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''اپنی طرف تو ایسا نہیں ہوتا۔''

''ادھر کا بات الگ تھا فرحین لیکن ادھر سارا غلط کام پیسوں سے' ایک منٹ میں چور دروازے سے ہو جاتا ہے۔ جو لوگ سیدھا اور قانونی طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ بار بار دھکے کھانے کے بعد بھی کامیاب نہیں ہوتے۔''

''ہو سکتا ہے کہ اپنے لیاقت کے ساتھ کوئی معجزہ ہو جائے اور بزرگ بابا سے اس کی ملاقات ہو جائے۔'' فرحین نے دل سے دعا کی۔

کچھ دیر یہی موضوع زیر بحث رہا' اس کے بعد زرینہ نے کسمسا کر کہا۔

''ویسے اس روز لیاقت بھائی نے جو کیا' اچھا نہیں کیا۔''

''میں سمجھی نہیں......؟''

''ادھر ایک دو بار پہلے بھی سفلی کرنے والے آتے رہے ہیں۔ کئی واقعات مجھے معلوم بھی ہیں جنہیں سوچتی ہوں تو آج بھی دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔''

''ہوا کیا تھا......؟'' فرحین نے بے چینی سے سوال کیا۔

''تفصیل سنانے کی ہمت نہیں ہے میرے اندر' لیکن اتنا بتا سکتی ہوں کہ جس نے بھی ان گندے عمل کے بیچ ٹانگ پھنسائی اس کا انجام خطرناک ہی ہوا۔ عائشہ نامی ایک خوبصورت دلہن تو آج بھی مجھے یاد ہے۔'' زرینہ جھرجھری لے کر بولی۔ ''نئی نئی دلہن بن کر اس علاقے میں آئی تھی۔ اس کا مرد کسی ٹھیکیدار کے ہاں ملازم تھا' دونوں بڑے خوش رہتے تھے۔ عائشہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے اپنی پسند کی شادی کی ہے ورنہ گھر والوں کے علاوہ' کچھ ایسے قریبی رشتے دار بھی مخالفت کر رہے

تھے جو عائشہ کا رشتہ اپنے بیٹے کیلئے مانگ رہے تھے۔ مایوس ہونے کے بعد ان کم بختوں کے دل میں شیطان نے انتقام کی آگ بھڑکا دی۔ لڑکے نے کسی یار دوست کے کہنے پر ایک ایسے شخص سے ملاقات کی جو گندا عمل کرتا تھا۔ عائشہ اور اس کا مرد ان باتوں سے بے خبر اچھی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن دو مہینے کے بعد جو کچھ ہوا اس نے پورے علاقے کو سوگوار کر دیا تھا' دو روز تک تو گل خان نے بھی گھر میں چولہا نہیں جلنے دیا...... ایمان سے کہتی ہوں کہ وہ بہت پیاری اور معصوم لڑکی تھی لیکن اس کا اور اس کے جوان شوہر کا جو انجام ہوا' اسے یاد کر کے آج بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔''

''ہوا کیا تھا......؟'' فرحین نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

زرینہ کچھ دیر چپ رہی' پھر اداس لہجے میں بولی۔ ''اس روز عید کا دن تھا' سب لوگ نماز پڑھ کر لوٹے تھے۔ گلی میں سارے مرد ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے جب عائشہ کے مرد کو اچانک خون کا الٹی ہوا اور وہ غریب سب کے سامنے تڑپ تڑپ کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ عائشہ کو اس وقت کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ وہ اپنے خوبصورت لباس میں ہی' چیخ مارتی باہر نکل آئی۔ خون میں لت پت' بے جان شوہر کی لاش سے لپٹ کر بین کر رہی تھی کہ پھر کسی حرام کے تخم نے شیطانی جنتر منتر پڑھ کر پھونک دیا۔ عائشہ ابھی شوہر سے لپٹی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جب خدا جانے کہاں سے نیلی آگ کا شعلہ بلند ہوا جس نے مرنے والے کے ساتھ عائشہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا' باقی لوگ چیخ مارتے دور ہو گئے۔ پورے علاقے میں ایک وحشت پھیل گئی تھی' پھر...... ان دونوں کی لاشیں جل کر اس طرح آپس میں گڈمڈ ہو گئی تھیں کہ انہیں الگ کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ بزرگوں کے مشورے پر دونوں کو جیسے تیسے دفنا دیا گیا۔''

فرحین کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی سانس سینے کے اندر ہی گھٹ کر رہ جائے گی۔ زرینہ کو عائشہ کی روداد سنانے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے فرحین کی کیفیت پر غور کرتے ہوئے پریشان انداز میں کہا۔

''خود کو سنبھال فرحین اور مجھے معاف کر دے جو نہ جانے میں پاگل' کچھ سوچے سمجھے بغیر تجھے پوری کہانی سناتی چلی گئی' گل خان کو خبر ہوئی تو وہ بھی ناراض ہو گا۔''

''فکر نہ کر زرینہ......'' فرحین خود کو سنبھال کر بولی۔ ''میں کچھ دیر میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

زرینہ نے ہاتھ تھام کر زبردستی فرحین کو کمرے میں لے جا کر پلنگ پر لٹایا' اسے پانی لا کر پلایا۔ کچھ دیر بعد فرحین کی حالت قدرے سنبھل گئی تو زرینہ اداس لہجے میں بولی۔

''پیاری بہن' تو بھی لیاقت بھائی کو کچھ نہ بتانا۔''

''پریشان مت ہو زرینہ' میں تیری بات کسی سے نہیں کہوں گی۔''

''میرا ایک مشورہ مانے گی۔'' زرینہ نے اس کی پیشانی کو آہستہ آہستہ سہلاتے ہوئے کہا۔ ''اب تو لیاقت بھائی کی تنخواہ بھی ٹھیک ٹھاک ہو گئی ہے۔ تو ایسا کر کسی طرح انہیں سمجھا بجھا کر اس بستی میں ہی قبرستان سے ہٹ کر کوئی دوسرا مکان لے لے۔ میں گل خان سے بھی کہوں گی۔''

"ایک بات میں بھی تجھے بتا رہی ہوں زرینہ لیکن تو بھی کسی سے کچھ نہ کہنا۔"

"خیر تو ہے۔" زرینہ ٹپٹا گئی۔

"ابھی تک تو خیر ہی ہے لیکن دو روز سے میں بھی بڑے ڈراؤنے خواب دیکھ رہی ہوں۔" فرحین نے چھت پر نظر جماتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "خواب میں مجھے دبلا پتلا' کالا بھجنگ آدمی نظر آتا ہے اس کے جسم پر بھی کوئی لباس نہیں ہوتا' وہ...... وہ خنزیر کا تخم اپنا بڑا بڑا دانت نکال کر ایک ہی بات بولتا ہے۔ پرتاب گھوش تمہارا اور تمہارے پتی کا ایسا کریا کرم کرے گا کہ تمہاری آتما بھی سدا ویاکل رہے گی...... وہ بعد میں جانے کیا جے بھوانی کے نام بار بار دہرا کر خوشی سے ناچنے لگتا ہے' میں نے اتنا کالا اور گندا آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

زرینہ نے فرحین کی بات سنی تو وہ بھی خوفزدہ ہوگئی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی' اس کے ساتھ فرحین بھی اٹھ گئی۔

"کون......؟" زرینہ نے صحن میں آ کر آواز لگائی تو باہر سے لیاقت حسین نے جواب دیا۔

"میں ہوں......"

زرینہ نے سکون کا سانس لیا۔ فرحین کے دل سے اس وقت بھی یہی دعا نکلی کہ "میرے مالک' لیاقت اور بزرگ کی ملاقات ہوگئی ہو۔" زرینہ ایک طرف صحن میں پردے کے آڑ میں ہوگئی تو فرحین نے دروازہ کھول کر لیاقت کو اندر بلا لیا' زرینہ لپک کر باہر نکل گئی جہاں گل خان موجود تھا۔ "کیا ہوا لیاقت......" فرحین نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا "کیا تمہارا ملاقات بزرگ بابا سے ہوگیا؟"

"آج بغیر نمبر کے نہیں ہوسکا لیکن...... کل گل خان فجر کے وقت نمبر لے آئے گا تو دو چار دن میں ضرور ملاقات بھی ہو جائے گا۔" لیاقت نے بزرگ کی ہدایت کے مطابق زبان بند رکھی' مگر فرحین کی پشت تھپتھپا کر محبت سے بولا۔ "حوصلہ رکھو میرے دل کا بلبل' لیاقت کو کچھ نہیں ہوگا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو......" فرحین نے دھڑکتے دل سے کہا' پھر لیاقت کو منہ ہاتھ دھونے کا کہہ کر وہ کھانا نکالنے چلی گئی۔ صبح سے اس نے خود ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔

لیاقت نے پہلی ہی نظر میں فرحین کے چہرے کو پڑھ لیا تھا۔ وہ اس کی محبوبہ تھی جس کی خاطر اس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فرحین کسی وجہ سے پریشان ہے۔ وجہ کیا تھی؟ شاید صرف اتنی کہ اس نے لیموں کے سلسلے میں اس کا کہا نہیں مانا تھا۔

فرحین کھانا لے کر آ گئی۔ خود بھی شوہر کے ساتھ کھانے لگی' لیاقت حسین کچھ دیر بیوی کے ساتھ ہنستا بولتا رہا' پھر اس نے فرحین کے دل میں جھانکنے کی خاطر اسے کریدا۔

"کیا بات ہے جان جگر......؟ تم مجھے کچھ پریشان دکھائی دیتا ہے؟"

"وہ...... زرینہ نے ایک قصہ سنایا تھا۔ بس اسی وجہ سے ذرا افسوس ہو رہا تھا۔"

"قصہ کیا تھا......؟"

"خالص عورتوں کا بات ہے۔" فرحین نے زبردستی ایک قاتلانہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر

کہا۔ ''مردوں کو بتانے والا نہیں ہے۔''

''ہم سے بھی پردہ کرے گا؟''

''کیوں...... کیا تم مرد نہیں ہے۔'' فرحین نے اسے شوخی سے گھورا۔

لیاقت حسین نے مسکرا کر کہا۔ ''ابھی ڈیوٹی پر جانا ہے' رات کو تفصیل سے سوچ کر جواب دوں گا۔''

فرحین شرما کر لیاقت کی نظروں میں مچلنے والے جذباتی طوفان کو دیکھنے لگی۔ لیاقت حسین کھانا کھا کر اپنے کام پر چلا گیا' فرحین گھر کے کاموں سے فراغت پا کر پلنگ پر لیٹی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے ذہن میں زرینہ کا سنایا ہوا' عائشہ اور اس کے معصوم شوہر کے بھیانک انجام والا واقعہ گونجنے لگا۔ دیر تک وہ اس بات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتی رہی لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ شاید اس لئے کہ لیاقت کے ساتھ وہ کچھ ایسے حالات میں الجھ چکی تھی۔ تادیر وہ اپنے آپ سے الجھتی رہی' پھر نیند کا ایک جھونکا ایسا آیا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔ کچھ دیر پرسکون نیند سوتی رہی۔ لیکن اس کی نیند میں خلل ڈال کر' اسی پرتاب گھوش کا مکروہ ہیولا اس کے سامنے آگیا' اس کے دانت غلیظ تازہ تازہ خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی کا خون پی کر آرہا ہو۔ فرحین نے حقارت سے اس کی طرف سے نظریں پھیرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ اس کا وجود شل ہونے لگا' یوں جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اس کے جسم کی ساری قوتیں سلب کرلی ہوں۔ ''بہت ویاکل نظر آرہی ہے تو سندری؟ مجھ سے ڈر لگ رہا ہے؟'' پرتاب گھوش نے خباثت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

فرحین نے اس پر لعنت بھیجنے کا سوچا' لیکن اس کی زبان نے حرکت کرنے سے انکار کردیا۔ وہ کسی بے جان بت کے مانند اکڑ کر رہ گئی تھی لیکن آنکھوں اور دھڑکتے دل سے اس مکروہ لعنتی کی منحوس صورت دیکھنے پر مجبور تھی جس کا سیاہ جسم اس وقت بھی لباس کی قید سے آزاد نظر آرہا تھا۔ ''تمہارے پتی کے بچاؤ کا کیول ایک ہی طرح ہے میری سندر' کٹار...... وہ تمہارے لئے ایک بالک پیدا کرے' تم ایک ماتا کی طرح اس کو اپنی چھاتی سے دودھ پلاؤ' اسے پال پوس کر بڑا کرو اور...... اور جب وہ چار سال کا گول مٹول ہوجائے تو میں اسے بھوانی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا سکوں' اس کے بعد تمہیں مکتی مل جائے گی۔''

فرحین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ پرتاب گھوش جو کچھ بکواس کر رہا تھا وہ کسی بھی ماں یا باپ کیلئے ممکن نہیں تھا' اس کا دل چاہا کہ ایسی بدفال زبان سے نکالنے والے کا منہ نوچ لے' زبان گدی سے کھینچ لے لیکن وہ اس خواہش کو بھی پورا کرنے سے قاصر تھی۔ پرتاب گھوش اسے گھورتے ہوئے حقارت سے بولا۔

''جو کچھ تیرے من میں چل رہا ہے وہ میں سن رہا ہوں لیکن تو نہیں جانتی کہ پرتاب کی شکتی اپرم پار ہے۔ بھوانی کی کرپا سے میں نے وہ شکتی پراپت کرلی ہے جسے کوئی اور سپنوں میں بھی نہیں

سوچ سکتا۔ تو اگر میری شکتی کا چمتکار دیکھنا چاہتی ہے تو بول' تیرا پتی ابھی گیا ہے' میری شکتی اسے دوبارہ بالوں سے پکڑ کر تیرے سامنے لا سکتی ہے۔ پر تو یہ تو برداشت نہ کر سکے گی کہ تیرا پتی جس نے میرے جنتر منتر کو چھیڑنے کی بھول کی تھی' خود اپنے ہاتھوں میں اپنا کٹا ہوا سر لے کر آئے اور پھر تیری نظروں کے سامنے تڑپ کر جیون سے سارے بندھن توڑ لے۔ بول سندری' کیا تو پرتاب کی شکتی کا تماشا دیکھنا پسند کرے گی؟''

جو زبان پرتاب گھوش بول رہا تھا وہ فرحین کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آ رہی تھی لیکن وہ اس کا مطلب کچھ کچھ سمجھ رہی تھی' جب شوہر کے کٹے ہوئے سر اور تڑپ تڑپ کر موت کے منہ میں جانے کی بات اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ بے اختیار چیخ اٹھی۔ اسی چیخ سے وہ بیدار بھی ہو گئی۔ وہ اپنے پلنگ پر تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن اسے کوئی نظر نہیں آیا۔ اپنا شبہ دور کرنے کی خاطر اس نے چھوٹے سے کچے پکے گھر کا ایک ایک حصہ کھنگال ڈالا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا......شاید اس نے پھر دن میں بھی کوئی خواب دیکھا تھا جس نے وجود کے ایک ایک جوڑ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

فوری طور پر فرحین نے دل میں لاحول پڑھی۔ وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر دو رکعت نفل ادا کئے' پھر سر بسجود ہو کر خدا کے حضور گڑگڑا کر لیاقت اور اپنی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی۔ اس نماز کی برکت اور خدا سے لو لگانے کے سبب ہی تھا کہ فرحین کے دل کا خوف کم ہونے لگا۔ بڑی دیر تک وہ سجدے میں پڑی اللہ کے رحم و کرم اور نظر عنایت کی بھیک مانگتی رہی۔

✣✣✣

ایس پی آغا منظور اور ڈی ایس پی سراج ایک ندی کے دو ایسے کنارے تھے جو کبھی نہیں مل سکتے تھے' اعلیٰ افسران کو بھی اس بات کا بخوبی علم تھا کہ آغا منظور' شیخ حامد کا خاص آدمی تھا' اس نے کئی مرتبہ اس بات کی کوشش بھی کی تھی کہ سراج کی جگہ کسی اور ڈی ایس پی کی تعیناتی اپنے ساتھ کرا لے۔ سراج چونکہ ایماندار اور کھرا آفیسر تھا اس لئے کسی کے حکم سے بھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ ہاں اگر کوئی احکام باقاعدہ تحریری صورت میں ہوں اور کام کی نوعیت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہو تو وہ اسے کر گزرنے سے دریغ بھی نہیں کرتا تھا۔ ایسے ہی ایک دو معاملات میں آغا منظور نے اسے ملوث کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن سراج کے پاس چونکہ تحریری ثبوت موجود تھے اس لئے اس کے خلاف کوئی فائل نہیں کھولی جا سکی۔

بحیثیت ماتحت وہ آغا منظور کے ساتھ اکثر میٹنگ میں شریک بھی ہوتا تھا لیکن دیدہ دانستہ وہ ایس پی کی کسی رائے پر اختلافی نوٹ نہیں لکھتا تھا۔ جانتا تھا کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر لینا بھی مناسب نہیں۔ بہرحال وہ کسی بھی ایسے کام میں ملوث نہیں ہوتا تھا جس میں پھنس جانے کا ذرا بھی خدشہ موجود ہو۔ دونوں کی ملاقاتیں صرف سرکاری طور پر ہوتی تھیں یا اس وقت جب آغا منظور کی طرف سے اسے طلب کیا جائے۔

اس وقت بھی جب ایک کانسٹیبل نے اس کے کمرے میں آ کر آغا منظور کے بلاوے کی اطلاع

دی تو سراج نے اسے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ ''ٹھیک ہے' میں دس منٹ میں آتا ہوں۔'' ان دس منٹ میں اس کے ذہن میں کئی ایسے ممکنہ کیس ابھرے جس پر اس کے اور ایس پی کے درمیان ڈسکشن کی توقع تھی' وہ ہر کیس کے بارے میں مناسب جواب دینے کیلئے خود کو ذہنی طور پر آمادہ کرتا رہا' پھر اچانک کسی خیال پر مسکراتے ہوئے اٹھا' اپنی کیپ اٹھا کر سر پر سجائی اور قدم اٹھاتا ہیڈکوارٹر کی سمت چل پڑا جہاں مختلف علاقوں کے ایس پیز اور ڈی آئی جی وغیرہ کے دفاتر تھے۔ اپنی گاڑی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

پولیس ہیڈکوارٹر میں داخل ہوتے ہوئے بھی اسے مین گیٹ پر کھڑے ڈیوٹی گارڈ نے بھرپور سلیوٹ پیش کیا' شاید اس لئے کہ پولیس کانسٹیبلو کے معاملے میں وہ خاصا مہربان تھا۔ اسے علم تھا کہ کوئی بھی پولیس پارٹی یا تھانہ انچارج جب ناکام ہوتا ہے یا گردش کا شکار ہوتا ہے تو سارا ملبہ کانسٹیبلو پر ڈال دیتا ہے۔ سراج کے ہمدردانہ رویے ہی کا نتیجہ تھا کہ شہر کے بیشتر کانسٹیبل اس کی بے حد عزت کرتے تھے اور کسی آڑے وقت میں اسی سے مشورہ بھی کرتے تھے۔

ہیڈکوارٹر پہنچ کر سراج نے اپنی گاڑی ایس پی آغا منظور کے دفتر کے سامنے روکی۔ ایک کانسٹیبل نے لپک کر دروازہ کھولا' سراج نے اس کے سلام کا جواب مسکرا کر دوستانہ انداز میں دیا' پھر مطلوبہ کمرے میں داخل ہو کر اس نے آغا منظور کو سلیوٹ کیا' ٹوپی اتار کر میز پر رکھی اور سامنے والی خالی کرسی پر بیٹھ گیا' اس کا چہرہ اس وقت اندرونی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا' دونوں کمرے میں تنہا ہی تھے۔

کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد آغا منظور نے کہا۔ ''میں ایک خاص فائل آپ کو مارک کرنا چاہتا ہوں' سوچا کہ اگر آپ سے مشورہ کرلوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔'' ایس پی کے لب و لہجے میں کچھ عجیب سا سسپنس تھا جسے سراج نے خاص طور پر محسوس کیا۔

''آپ مجھے بغیر مشورے کے بھی کوئی فائل مارک کر سکتے ہیں۔'' سراج نے مسکرا کر محتاط لہجہ اختیار کیا۔ ''میں آپ کے ہر تحریری آرڈر پر عمل کرنے کا پابند ہوں۔''

''یہ فائل ذرا دوسری نوعیت کی ہے۔'' آغا منظور نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''یہ سمجھ لیں کہ اس کا کچھ تعلق مجھ سے بھی ہے' رہا احکامات پر عمل کرنے کا مسئلہ تو میں آپ کو دوست زیادہ اور ماتحت کم سمجھتا ہوں۔'' آخری جملہ خاص طور پر ایک خاص انداز میں کہا گیا۔

''یہ آپ کی محبت ہے۔'' سراج نے انکساری سے جواب دیا۔

''آپ نے پچھلے دنوں غالباً افضل خان کو کسی وجہ سے دفتر طلب کیا تھا؟''

''جی ہاں۔'' سراج مختصر جواب دینے کے بعد سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''اس کے بعد آپ شاید شیخ حامد سے بھی اس کے دفتر جا کر ملے تھے۔''

''جی ہاں......'' اس نے پھر صرف اقرار کیا۔

''مسٹر سراج' آپ کے علاوہ دوسرے افسران بھی اس بات سے ضرور واقف ہوں گے کہ شیخ

حامد سے میرے دوستانہ مراسم ہیں' آج کے دور میں کسی بڑے آدمی سے دوستی قائم رکھنا وقت کی ضرورت ہے اور قانوناً جرم بھی نہیں ہے۔''

''میں آپ سے متفق ہوں سر۔'' سراج نے بھی مصلحتاً سنبھل کر کہا۔ ''اسی لئے میں نے بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔''

آغا منظور' سراج کے ذومعنی جملے پر چونکا' پھر سنجیدگی سے اصل موضوع کی طرف آ گیا۔ ''آپ نے غالباً میڈم روبی کا نام ضرور سنا ہوگا۔''

''جی ہاں......'' سراج نے دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''میری اطلاع کے مطابق وہ ایک کروڑ پتی بیوہ ہے۔ شوہر کی زندگی میں وہ خاصی محتاط زندگی گزارنے کی عادی تھی لیکن اس کے بعد......'' سراج نے اپنا جملہ دیدہ دانستہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''آپ جو بات کہتے کہتے رک گئے وہ میں بھی جانتا ہوں۔'' ایس پی آغا منظور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب وہ بے حد ماڈرن اور آزاد خیال ہوگئی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''میں چاہتا ہوں کہ آپ اگر کچھ وقت نکال کر اس کی سرگرمیوں اور ملنے جلنے والوں پر نظر رکھیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''سر......'' سراج نے کسمسا کر سوال کیا۔ ''کیا میڈم روبی کسی خلاف قانون سرگرمیوں میں ملوث ہے؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن......'' آغا منظور خاموش ہوگیا۔ پھر کچھ توقف سے بولا۔ ''سنا ہے ادھر کچھ دنوں سے وہ رینبو کلب میں بھی نظر آ رہی ہے۔''

''آئی سی۔'' سراج نے کریدنے کی کوشش کی۔ ''کیا اس کلب کے بارے میں کوئی خفیہ رپورٹ بھی مرتب کرنی ہوگی۔''

''جی نہیں۔ آپ کو صرف میری خاطر ان افراد کی فہرست تیار کرنا ہے جن سے میڈم روبی زیادہ بے تکلف ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں سر......'' سراج نے اس بار بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ ''یہ کام تو میں بغیر فائل مارک کئے بھی آپ کی خاطر انجام دے سکتا ہوں۔''

''تھینکس......'' ایک لمحے کی پرسوچ خاموشی کے بعد آغا منظور نے دبی زبان میں کہا۔ ''شیخ حامد سے میری دوستی کی بات اور ہے لیکن یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ افضل خان کا ماضی کیا رہ چکا ہے۔''

''جی ہاں۔'' سراج' افضل خان کے نام پر چونکا تھا۔

''آج کل میڈم روبی اس شخص میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہی ہے۔''

سراج' افضل خان اور میڈم روبی کا نام سن کے دل ہی دل میں مسکرا دیا' وہ جانتا تھا کہ خود ایس

پی آغا منظور بھی اپنے ذاتی شوق میں کس قماش کا آدمی تھا۔ ابھی تک کوئی سکینڈل اس لئے منظر عام پر نہیں آسکا تھا کہ وہ ذاتی زندگی میں اس قدر محتاط تھا کہ خود اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہتا تھا لیکن بہرحال یہ بات سراج کے علم میں تھی کہ وہ کئی بڑی پارٹیوں میں میڈم روبی کے ساتھ بھی گھلتے ملتے دیکھا گیا تھا۔ سراج نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''سر' کیا میڈم روبی اور افضل خان والی بات شیخ حامد کے علم میں بھی ہے؟''

''ہو بھی سکتی ہے لیکن شیخ حامد نے اپنے کسی کارندے پر ایسی بندش بھی نہیں لگا رکھی کہ وہ اپنی سوشل لائف بھی اپنی مرضی سے نہ گزارے۔'' آغا منظور نے الفاظ چباتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''البتہ وہ اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ کسی کارندے کی سوشل لائف اس کے ذاتی کاروباری معاملات' اس کے سخت اصولوں یا کسی مفاد سے ٹکرائے۔''

''میرے لئے اور کوئی خدمت......؟'' سراج نے مسکرا کر پوچھا۔

''آپ کی اور شیخ حامد کی ملاقات اس کے کس آفس میں ہوئی تھی......؟''

''میرا ذاتی خیال ہے وہ ایک مخصوص آفس تھا جس کو شیخ حامد غالباً خاص خاص موقعوں پر ہی استعمال کرتا ہے۔'' سراج نے ایس پی کے سوال کی گہرائی بھانپ لینے کے باوجود بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

''ایک مشورہ دوں۔ اگر آپ برا محسوس نہ کریں؟''

''میں کسی کے مخلص مشوروں پر کبھی برا نہیں مانتا سر......اور آپ تو......''

''اس وقت میں ایک کولیگ اور دوست کی حیثیت سے آپ کو ایک مشورہ دے رہا ہوں۔'' آغا منظور نے ایک طویل سانس لے کر بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم سرکاری آفیسر ہونے کے باوجود کبھی کبھی وقت کے دھارے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن ایک تجزیہ میری زندگی کا نچوڑ بھی ہے۔ اگر پولیس افسران مل کر ایک جتھے کی صورت میں کام کریں تو عوام یا پریس کبھی ان کے خلاف زبان نہیں کھول سکتے۔''

''میں آپ سے صد فیصد متفق ہوں سر......'' سراج نے خلوص دل سے تائید کی۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے' چائے یا کافی......؟''

''پھر کبھی سہی سر......'' سراج نے اٹھتے ہوئے کہا' پھر کیپ سر پر رکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر ایس پی کو سلیوٹ کیا اور تیزی سے پلٹ کر اس کے دفتر سے باہر نکل گیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت بھی بہت سارے جملے ایسے گونج رہے تھے جو آغا منظور نے میڈم روبی کی سرگرمیوں اور آزاد خیالی کے بارے میں کہے تھے۔ خاص طور پر اس نے جس سرسری انداز میں رینبو کلب میں افضل خان اور میڈم روبی کے ایک ساتھ دیکھے جانے والی بات کہی تھی' وہ سراج کی نظروں میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی جسے سوچ کر اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بھی بڑی شوخ اور معنی خیز نظر آ رہی تھی۔

+++

سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کے چلے جانے کے بعد لیاقت حسین کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں۔

راحیلہ بیگم نے گھر کی دیکھ بھال کیلئے اپنی ایک عزیزہ کا بندوبست کرنے کے باوجود اسے خاص طور پر اس بات کی تاکید کی تھی کہ ان کی غیر موجودگی میں اسے تمام تر اختیارات حاصل ہوں گے۔ ہر اعتبار سے ہر بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔ لیاقت حسین نے ایک پٹھان کی زبان سے قول دیا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی راحیلہ بیگم یا سیٹھ عثمان کو مایوس نہیں کرے گا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کا وہ وعدہ بہت اہم تھا۔ اسی وعدے اور قول کو نبھانے کی خاطر وہ صاحب لوگوں کے جانے کے بعد اپنی ذمے داریوں کو زیادہ وقت دینے لگا تھا۔

اس کی ایک نیکی اور ذہانت کام آ گئی تھی جس نے بروقت اس گھر کو بچا لیا تھا جہاں کا وہ نمک کھاتا تھا' اس کی ایک ذمے داری نبھانے کا سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم اتنا بڑا صلہ دیں گے' یہ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا' کہیں وحید ڈرائیور لیاقت حسین کو مل جاتا تو وہ اس نمک حرام کو بھی اس کے جرم کی پاداش میں زندہ درگور کر دیتا' لیکن ڈی ایس پی سراج نے بتایا تھا کہ اس کی خدمات خریدنے والوں نے اسے ملک کی سرحد پار کرا کے کہیں دور بھجوا دیا تھا۔

لیاقت حسین کی جاں نثاری اور ایمانداری کی وجہ سے سراج بھی اس پر خاصا مہربان ہو گیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ شہر آتے ہی اسے قدم جمانے کا موقع مل گیا تھا' وہ ہر طرح سے اپنے معاشی حالات سے نہ صرف مطمئن تھا بلکہ خدا کا شکر ادا کرتا رہتا تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ محسوس کر رہا تھا کہ فرحین اس سے لیموں میں گندے علم کے ذریعے پھنسائی جانے والی سوئیاں نکالنے والی بات سے خوش نہیں تھی۔ کوئی اور بات بھی تھی جو وہ لیاقت کو بتانے سے کترا رہی تھی۔ دوپہر کو ڈیوٹی پر آنے سے پیشتر اس نے طے کر لیا تھا کہ واپسی پر وہ فرحین کا دل ٹٹولنے کی بھرپور کوشش کرے گا۔ وہ فرحین کو ہر حال میں خوش دیکھنا اور رکھنا چاہتا تھا۔

ساڑھے سات بجے ڈیوٹی ختم کر کے اور رات والے چوکیدار کو ضروری ہدایات دینے کے بعد وہ گھر کیلئے نکل رہا تھا کہ سراج کی گاڑی احاطے میں داخل ہوئی۔ لیاقت کو رکنا پڑا۔

''کیسے ہو لیاقت......؟'' سراج نے گاڑی سے نکلتے ہی بے تکلفی سے اس کی خیریت دریافت کی۔

''سب اوپر والے کی مہربانی اور آپ لوگوں کی عنایت ہے۔''

''گڈ......!'' سراج مسکرایا۔ ''اب تو تم اچھی اردو بولنے لگے ہو۔''

''کوشش کر رہا ہوں صاحب کہ نئے شہر میں قدم جمایا ہے تو ادھر کے طور طریقے بھی اپنا سکوں۔''

''اور تو سب خیریت ہے نا......''

"سب ٹھیک ہے صاحب لیکن......" لیاقت نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "کبھی وہ نمک حرام وحید واپس آجائے تو مجھے ضرور بتا دیجئے گا۔"

"اگر وہ آبھی گیا تو تم کیا کرو گے؟" سراج نے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

"آپ نے اسلحہ کا جو تحفہ دیا اس کا ٹرائی بھی لے لوں گا۔" لیاقت کے جواب میں اس کے اندر کا انسان بھی جھلک رہا تھا۔

"وہ کام میرے ذمے چھوڑ دو۔ تم عثمان کی غیر موجودگی میں گھر کی دیکھ بھال کرتے رہو۔"

"جو حکم صاحب......"

سراج اندر چلا گیا تو لیاقت حسین بھی گیٹ پر گارڈ کو اطلاع دے کر گھر کیلئے روانہ ہو گیا۔ فرحین اس کی راہ دیکھ رہی تھی لیکن لیاقت حسین اس وقت بھی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ فرحین کی مسکراہٹ کے پیچھے ایک درد کی کسک بھی موجود تھی۔

کھانے کے دوران وہ ہمیشہ کی طرح فرحین سے ہنسنے ہنسانے والی گفتگو کرتا رہا۔ جب بستر پر گیا تو اس نے شوخ نظروں سے فرحین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یاد ہے تم نے جاتے ہوئے کیا بات کہا تھا اور میں نے کیا جواب دیا تھا؟"

جواب میں فرحین مسکرا دی پھر لیاقت کو ٹالنے کی خاطر سمجھاتے ہوئے بولی۔ "میں نے شادی کے بعد سے کبھی کسی بات پر تم کو نہیں بولا' جو بات تم نے کہا تمہارا فرحین نے مان لیا' لیکن آج تم کو بھی میرا ایک بات ماننا ہوگی۔"

"تمہارے لئے لیاقت کا جان بھی حاضر ہے دلبر...... بولو کیا بات ہے؟"

"اب ہمارے پاس اوپر والے کا دیا بہت کچھ ہے۔" فرحین اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے بڑے پیار سے بولی۔ "ہم اسی بستی کے آس پاس کوئی اور اچھا مکان بھی لے سکتے ہیں' میرا مطلب ہے کہ آج ہم صرف دو ہیں لیکن اوپر والے کا کرم ہوا تو......" فرحین نے شرما کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا کوئی خوشی کا بات ہے جو تم لیاقت سے چھپا رہی ہو؟" لیاقت نے وارفتگی سے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں ہے لیکن ہمیں مایوس بھی نہیں ہونا چاہئے۔"

لیاقت کے ذہن میں جو شبہات تھے وہ پھر کلبلانے لگے' لیموں والے معاملے میں شاید گل خان کی تشویشناک باتوں نے ابھی تک اس کے اعصاب پر قبضہ جما رکھا تھا' لیاقت نے فرحین کو پیار سے مخاطب کیا۔

"دلبر...... لیاقت کا جان' کیا تم کو خدا کی ذات پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"یہ میں نے کب کہا......"

"نہ سہی لیکن لیاقت کا دل گواہی دے رہا ہے کہ تمہارا دماغ میں ابھی تک اس پلید کا دھیان ہے جس کافر کے تخم نے کسی کی زندگی لینے کی خاطر گندا علم کیا تھا۔"

"ہاں......" فرحین نے جھکی جھکی نظروں سے اقرار کیا۔ "جب سے وہ سفلی والا چکر چلا ہے' ہم کو

ایک دن بھی سکون نہیں ملا' رات کو سوتے میں بھی الٹا سیدھا خواب نظر آتا ہے اور......''

''خواب بس وہم ہوتا ہے اور آدمی کے اندر خوف کا نام ہے میرا جان۔'' لیاقت نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''کیا وہی نیکی ہمارے کام نہیں آئی' بڑے صاحب نے میری ترقی کر دی' ہمارا تنخواہ بھی ایک دم بڑھا دیا۔ اب میں چوکیدار نہیں بڑے صاحب کا ڈرائیور ہے' ایک پولیس کے بڑے آفیسر نے مجھے اسلحہ اور لائسنس بھی تحفے میں دیا' بیگم صاحب باہر جاتے ہوئے ادھر کی ساری ذمے داری مجھے سونپ گیا ہے' کیا یہ سب اسی نیکی کا نتیجہ نہیں ہے؟ کیا یہ مکان ہمارے لئے خوش قسمتی کا نشانی نہیں ہے......؟''

''میں تمہارا بات سمجھتا ہے لیکن......'' فرحین ضبط نہ کر سکی تو اس نے رو رو کر خواب کی ساری بات شوہر کو بتا دی۔

لیاقت ایک لمحے کو گھبرا گیا' پھر پراعتماد آواز میں بولا۔ ''تم فکر نہ کرو' اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا' میں گل خان سے بات کر کے کسی مولوی صاحب سے بات کرتا ہوں۔''

''اور اگر تمہارا فرحین کو کچھ ہو گیا......؟''

لیاقت نے فرحین کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''خدا کیلئے کوئی بری بات زبان سے نہ نکالنا۔ خدا پر بھروسہ رکھو' اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا...... اور اگر اس نے ہماری قسمت میں خدا نہ کرے کچھ پریشانیاں لکھ دی ہیں تو وہی اسے ٹال سکتا ہے۔ بندہ ہر حال میں عاجز اور بے بس ہے' قسمت کا لکھا اس کے سوا کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

جواب میں فرحین نے زرینہ کی سنائی عائشہ والی کہانی بھی دہرا دی تو لیاقت پھر ایک لمحے کو پریشان ہو گیا' وہ جانتا تھا کہ جادو برحق ہے لیکن اس کو کرنے والا جہنمی ہے۔ تادیر وہ فرحین کی پریشانی کے بارے میں غور کرتا رہا' پھر اس نے فرحین سے پوچھا۔ ''گل خان تو ادھر نہیں آیا۔ اس نے کل منگھوپیر والے بزرگ کا نمبر لانے کو بولا تھا۔''

''نہیں......گل خان بھی نہیں آیا اور زرینہ نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں بولا۔''

''میں ابھی گل خان کے پاس جا کر بات کرتا ہوں' مسجد کے پیش امام بھی اللہ والے ہیں' گل خان کے ساتھ ان سے بھی ملاقات کروں گا۔''

فرحین کچھ نہیں بولی۔ لیاقت نے مقدر میں لکھی جانے والی بات غلط نہیں کہی تھی۔ فرحین نے بھی اپنے شہر میں قرآن اور اس کا ترجمہ اپنی ماں سے پڑھ رکھا تھا' وہ بھی سمجھتی تھی کہ اوپر والے کی مرضی کے بغیر تیز آندھی بھی ایک سوکھے ہوئے پتے کو اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکتی لیکن جو خواب وہ دیکھ چکی تھی اس نے ایک عورت کو ضرور الجھا دیا تھا۔

جس گھر میں اس نے قدم جمایا تھا' وہی معمولی گھر اس کیلئے خوش نصیبی کا سبب بھی بن گیا تھا۔ وہ ہر بات سمجھ رہی تھی' سوچ رہی تھی' مگر دل اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ دوپہر میں جو خواب اس کی پلکوں تلے گزر چکا تھا اس میں کسی کافر پرتاب گھوش نے اس کے بچے کے بارے میں قربانی والی جو

بات کہی تھی' اس نے ایک ماں کی ممتا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ابھی وہ ماں نہیں بنی تھی' ایسی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی تھی لیکن ماں کا ایک مقدس تصور ہر عورت کی طرح شادی کے بعد اس کے اندر بھی وقت کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا' یہ قدرتی امر تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ جب قدرت نے اس کی گود ہری کی اور لڑکا دیا تو وہ اسے پورے تن من دھن سے پال پوس کر بڑا کرے گی۔ اسے اچھی تعلیم دلوائے گی' جب وہ دس جماعتیں پاس کرے گا تو وہ بڑے فخر سے اپنے بیٹے کا ہاتھ تھام کر ایک بار اپنے مغرور سسر سرفراز خان کے سامنے ضرور جائے گی' سینہ تان کر بڑے فخر سے کہے گی۔

”دیکھو بابا سرفراز خان...... یہ تمہارا پوتا ہے۔ تم نے جس اولاد کو ایک غریب اور معصوم لڑکی کی خوشیوں کو قدموں تلے کچلنے کی خاطر نکال دیا تھا' یہ اسی لیاقت خان کا خون ہے جو اللہ کی مہربانی سے دس جماعتیں پاس کر چکا ہے' میرے رب نے اسی کے خون کو یہ عزت دی ہے جسے تم نے کل اپنی بات اونچی رکھنے کی خاطر گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ اس ماں کا دل بھی اپنی روایت تلے کچل دیا تھا۔“

فرحین کے دل میں اور بھی حسرتیں پروان چڑھ رہی تھیں۔ اگر وہ تصور میں کبھی اپنے چار پانچ سال کے گول مٹول بچے کو کسی پلید پتھر کی مورتی کے قدموں میں قربان ہوتے بھولے سے بھی سوچتی تو اس کی ممتا تڑپ اٹھتی۔ اولاد تو ماں کیلئے وہ نعمت ہوتی ہے جس کو ایک معمولی سی پھانس بھی چبھ جائے تو ماں کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ فرحین ابھی ماں نہیں بنی تھی لیکن اس نے بدذات سفلی کرنے والے کی گندی زبان سے جو بات سنی تھی وہ اسے بھی بھولنے کو تیار نہیں تھی۔

فرحین اپنے خیالوں میں محو تھی جب لیاقت حسین چالیس منٹ بعد دوبارہ آ گیا۔ وہ گل خان کے ساتھ علاقے کے کسی بزرگ سے پانی پڑھوا کر لایا تھا' بزرگ نے یقین دلایا تھا کہ اس کو گھر کے چاروں کونوں میں چھڑکنے کے بعد اول تو گھناؤنے خواب آنا بند ہو جائیں گے۔ بصورت دیگر کوئی جانی پہچانی صورت سامنے آ کر اس پلید قوت کو بھاگ جانے پر مجبور کر دے گی۔ خود لیاقت حسین کو بھی اس بات پر اس لئے کچھ کچھ یقین ہو رہا تھا کہ منگھو پیر والے دیوانے سے بھی وہ جن حالات میں ملا تھا اور نابینا سفید ریش بزرگ جس طرح اسے دیوانے تک لے گیا تھا' وہ باتیں خواب نہیں تھیں۔ ان کے پشت پر اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور شامل ہوگی۔ شاید اسی لئے لیاقت حسین کو اس بات کی تاکید بھی کی گئی تھی کہ وہ دیوانے کے ہاتھ سے ”ریت کی چٹکی“ کھانے والی بات کبھی اور کسی کے سامنے زبان تک نہ لائے۔ لیاقت نے اس کا سچے دل سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔

فرحین' لیاقت حسین کے گل خان کے ساتھ آنے پر ایک طرف ہو گئی۔ لیاقت نے گل خان کے ساتھ مل کر پھونکا ہوا پانی مکان کے چاروں کونوں میں بڑی احتیاط سے چھڑک دیا۔ جاتے جاتے جو بات گل خان نے لیاقت حسین سے کہی تھی وہ بھی فرحین نے سن لی تھی۔

”تم خوش قسمت ہے لیاقت جو بابا جی نے تمہارے لئے پانی دم کر دیا ورنہ وہ بستی کے لوگوں سے زیادہ تر ایک بات ہی کہتا ہے۔ جو مانگنا ہے خدا سے مانگو...... میں بھی اسی کا محتاج ہوں۔“

”تم منگھو پیر والے بزرگ صاحب سے ملاقات کا نمبر لایا۔“ لیاقت حسین نے یوں ہی فرحین

کو تسلی دینے کی خاطر پوچھ لیا۔
''دو روز سے چکر لگا رہا ہوں لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ ادھر کے ٹھیکیدار نیا نمبر کسی کو نہیں دے رہے۔ کسی کے پاس پرانے نمبر ہیں ان کو بھی کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹالا جا رہا ہے۔''
''کوئی خاص وجہ......؟''
''سمجھ میں نہیں آتا......بس ادھر کے کرتا دھرتا ہر شخص سے کوئی نہ کوئی ٹال مٹول کر دیتے ہیں۔ میں کل وقت نکال کر پھر جاؤں گا۔''
گل خان چلا گیا تو فرحین نکل کر سامنے آ گئی۔ دونوں سونے کے ارادے سے پلنگ پر لیٹے تو لیاقت نے کہا۔ ''تم فکر نہ کرو میری جان۔ اب کوئی پلید تصور میں بھی تمہارے قریب نہیں آئے گا اور اگر وہ آیا تو کوئی رحمانی قوت اس کو دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔''
''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' فرحین نے شوہر کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پانی ڈالنے کے بعد سے کوئی بات ایسی ضرور ہے کہ میرا دل بھی کم گھبرا رہا ہے۔''
''اللہ کے کلام میں بڑی برکت ہوتی ہے۔'' لیاقت حسین نے صدق دل سے کہا پھر فرحین کو بانہوں کے حصار میں لے کر میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔
وہ رات سکون سے گزر گئی' صبح فرحین نے حسب معمول ناشتہ تیار کیا۔ لیاقت حسین تیار ہو کر نوکری پر جانے لگا تو اس نے ایک بار پھر فرحین کو بڑے پیار سے سمجھایا۔
''تم گھبرانا نہیں......سب ٹھیک ہی ہوگا ویسے میں نے گل خان کو بول دیا ہے کہ زرینہ اپنا کام کاج سے فارغ ہو کر تمہارے پاس آ جائے پھر میرے آنے کے بعد ہی گل خان اسے واپس لے جائے گا۔''
''اور اگر زرینہ نے گل خان کے آنے کے بعد اس کے پاس جانے کا ضد کیا تو......؟'' فرحین نے شوخی سے سوال کیا۔ لیاقت حسین اس کی بات کا مطلب سمجھ کر مسکرا دیا' پھر فرحین کے گالوں پر محبت سے ہاتھ پھیر کر اسے خدا حافظ کہتا ہوا ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا۔

✣✣✣

افضل خان اپنے تین کمروں کے کشادہ لگژری اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا' جب تک شیخ حامد شہر میں رہتا' وہ اس کے کاموں میں رات گئے تک مصروف رہتا تھا۔ شیخ حامد جب بھی شہر سے کہیں باہر جاتا' افضل خان کو قبل از وقت آگاہ کر دیتا' چنانچہ آج بھی اس نے شام چھ بجے دفتر سے اٹھتے وقت افضل خان کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا تھا۔
''میں آج تین چار روز کیلئے ملک سے باہر جا رہا ہوں' میری غیر موجودگی میں ان باتوں کا خیال رکھنا جس کیلئے میں نے تاکید کر رکھی ہے۔''
''آپ مطمئن رہیں بگ باس' آپ کی غیر موجودگی میں ہمیشہ زیادہ مختار رہتا ہوں۔''
''مجھے معلوم ہے۔'' شیخ حامد نے کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''واپسی پر مجھے سب کی تفصیلی رپورٹیں اپنے ایک اہم کارندے سے ملتی رہتی ہیں' بہرحال میرے جانے کے بعد شام چھ بجے کے بعد سے صبح نو بجے تک تم اپنی سوشل لائف انجوائے کر سکتے ہو' لیکن احتیاط شرط ہے۔''

''شکریہ سر!'' افضل خان نے انکساری سے جواب دیا' پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''ایک بات معلوم کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟''

''کیا......؟''

''کہیں آپ سیٹھ عثمان کی بیرونی سرگرمیوں کا توڑ کرنے کے ارادے تو......''

''شٹ اپ......'' شیخ حامد نے اسے تنبیہی نظر سے دیکھا۔ ''دوبارہ کبھی اس قسم کے ذاتی سوالات کی حماقت نہ کرنا...... ناؤ گیٹ لاسٹ۔''

''سوری سر......'' افضل خان کسی پالتو کتے کی طرح دم دباتا پلٹ کر باہر آ گیا۔

اس وقت اپارٹمنٹ میں داخل ہونے کے بعد بھی' اس کے کانوں میں بگ باس کا ایک خاص جملہ صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ ''واپسی میں مجھے سب کی تفصیلی رپورٹیں اپنے ایک کارندے سے ملتی رہتی ہیں۔'' وہ اہم کارندہ کون تھا جو ابھی تک افضل خان کی نظروں میں نہیں آ سکا تھا؟''

خاصی دیر تک وہ بگ باس کے جملے کی بازگشت سنتا رہا' پھر اس نے سر جھٹک کر اس مسئلے کو پس پشت ڈال دیا۔ شیخ حامد نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ اپنی سوشل لائف انجوائے کر سکتا ہے۔

نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے ٹی وی آن کر دیا' پھر شراب اور اس کے ساتھ دیگر لوازمات نکال کر میز پر رکھے اور پینے میں مشغول ہو گیا۔ یہ بات اس نے بہرحال طے کر لی تھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس ''خفیہ آدمی'' کا کھوج بھی ضرور نکالے گا جو اس کیلئے کبھی اندھیرے میں سائلنسر لگے پستول کی وہ گولی ثابت ہو سکتا تھا جس پر...... تڑپ تڑپ کر مر جانے کا حکم ہوتا تھا۔

تین پیگ حلق سے نیچے اتارنے کے بعد افضل خان اپنی سوشل لائف کو انجوائے کرنے کی خاطر ان موڈرن اور آزاد خیال لڑکیوں اور خواتین کے ناموں پر غور کرنے لگا جو اس کے اشارے پر کبھی ''نہ'' نہیں کہتی تھیں۔ اس کی نظریں ٹی وی سکرین پر تھیں جس پر فیشن کے مخصوص چینل سے کسی غیر ملکی فیشن شو کی جھلکیاں بڑی تفصیل سے دکھائی جا رہی تھیں۔

ساڑھے سات بجے تک چار پانچ پیگ پینے کے بعد وہ پوری طرح ترنگ میں تھا' فیشن شو کی ماڈل گرلز جس انداز میں جدید اور مختصر لباس کے ساتھ ساتھ اپنے جسم کی نمائش کر رہی تھیں وہ افضل خان کی اشتہا کو اور بھڑکا رہی تھیں' اس کے ذہن میں کئی استعمال شدہ چہروں کے نام یکے بعد دیگرے ابھر رہے تھے۔ شیخ حامد کی تین چار دنوں کی غیر موجودگی میں وہ اپنی تمام راتیں رنگین بنانا چاہتا تھا۔ اچانک ایک گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد اس کے ذہن میں ایک نیا نام بجلی بن کر کوندا۔ اس نے

دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس وقت سوا آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے گلاس میز پر رکھ کر کارڈلیس فون اٹھایا۔ رینبو کلب کے نمبر گھمانے لگا۔ اس کے ذہن میں میڈم روبی کا حسین اور گداز جسم کلبلانے لگا۔ میڈم روبی بیوہ ہونے کے باوجود نکلتے ہوئے قد اور ایسے ٹھوس جسم کی مالک تھی جس کے اندر جنس مخالف کیلئے بے پناہ مقناطیسی قوتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ استعمال شدہ جسموں کے مقابلے میں وہ اب بھی بالکل تروتازہ لگتی تھی۔

شوہر کی موت سے قبل اس کو کبھی کسی پبلک گیدرنگ میں شاذونادر ہی دیکھا جاتا تھا لیکن شوہر کے انتقال کے بعد اس نے جس انداز میں ہوٹلوں' کلبوں اور تفریحی مقامات پر جانا شروع کردیا تھا' وہ سب کیلئے حیرت انگیز بات تھی۔ وہ ہر کس و ناکس سے بے تکلف ہونے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کا لوچ دار اور گداز جسم ہر محفل میں مرکز نگاہ بن جاتا تھا' خاص طور پر ان بڑے لوگوں کیلئے جو دن میں بہت لئے دیئے رہتے تھے' لیکن رات میں اپنی خوابگاہوں کو ہمیشہ نئے نئے جسموں سے گل وگلزار بنانے کے عادی تھے۔

سال سوا سال قبل روبی کے کروڑ پتی شوہر خالد ریاض کا انتقال ہانگ کانگ میں بزنس کانفرنس اٹینڈ کرنے کے بعد ہوٹل جاتے ہوئے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہوا تھا۔ میڈم روبی کو شوہر کی موت کی اطلاع دی گئی تو وہ پہلی فلائٹ سے شوہر کی لاش وطن واپس لانے کیلئے ہانگ کانگ پہنچ گئی۔ غیر ملکی اور ملکی ایجنسیوں نے بھی میڈم روبی کو احتیاطاً پوسٹ مارٹم کرانے کا مشورہ دیا تھا لیکن اس نے کسی مشورے پر عمل نہیں کیا۔ لاش کو چارٹرڈ پلین سے واپس لانے کے بعد اس نے رسم و رواج کے مطابق سپرد خاک کردیا تھا۔ شوہر کے انتقال کے بعد چار ماہ تک وہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ پھر اس نے شاید اپنے غم کو بھلانے کی خاطر سوشل زندگی اختیار کرلی تھی۔ رینبو کلب چونکہ شہر کا سب سے مشہور اور مہنگا کلب تھا' اس لئے اس نے وہاں کی رکنیت بھی اختیار کرلی جہاں ممبروں کے سوا کسی اور کو مین گیٹ سے آگے جانے کی اجازت نہیں تھی۔

''ہیلو......'' تین بار نمبر ٹرائی کرنے کے بعد رینبو کلب کی خوبصورت اور نوخیز ریسپشنسٹ نے کال ریسیو کی۔ ''ماریا فرام رینبو کلب اٹینڈنٹ یو سر......''

''کیسی ہو ماریا......'' افضل خان نے بے تکلفی سے پوچھا' ماریا کو بھی وہ پہلے استعمال کرچکا تھا۔

''اوہ' افضل خان۔'' ماریا نے مدھم آواز میں پوچھا۔ ''آج تم کلب نہیں آئے' کہیں اور مصروف ہو؟''

''اوہ......نو۔'' افضل خان نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ ''اس وقت بھی ایک آفیشل ڈیوٹی نبھا رہا ہوں' منیجر سے بات کرنی تھی۔''

''بیڈلک......'' ماریا نے شوخی سے جواب دیا۔ ''منیجر اس وقت کسی کام سے باہر گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں دوبارہ کال کرلوں گا۔'' افضل خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ ماریا

سے میڈم روبی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھنا چاہتا تھا' منیجر سے اس کی موجودگی یا غیر موجودگی کے بارے میں دریافت کرنا زیادہ مناسب تھا' پھر اس سے پیشتر کہ وہ کارڈلیس آف کرتا' ماریا کی سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''تم جو آفیشل کام کر رہے ہو اس میں اور کون تمہارے ساتھ ہے؟''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ آج میڈم روبی بھی ابھی تک کلب نہیں آئی۔'' ماریا نے بے تکلفی سے کہا۔

''سب ہی کا یہ خیال ہے کہ وہ مالدار خاتون تمہارے اندر دلچسپی لے رہی ہے۔''

''تمہارا وہم ہے' ورنہ آج تک اس کا کوئی نہ کوئی سکینڈل ضرور مشہور ہو چکا ہوتا۔''

''مجھ سے کچھ چھپانے کی تو......''

''ڈونٹ بی سلی ماریا......'' افضل خان نے اس بار قدرے بے زاری کا اظہار کیا' پھر سلسلہ بھی منقطع کر دیا۔

ماریا نے جس شبے کا اظہار کیا تھا وہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ خود افضل خان نے بھی ایک دو موقعوں پر محسوس کیا تھا کہ میڈم روبی اس کے ساتھ مل بیٹھنے کی خواہشمند ہے لیکن ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ یہ بات بھی درست تھی کہ اس وقت بھی اپنے خلوت کدے کو سجانے کی خاطر افضل خان کے ذہن میں اسی خوبصورت بیوہ کا خیال ابھرا جس کے قرب کیلئے وہ بھی مچل رہا تھا۔

ماریا سے رابطہ ختم ہونے کے بعد افضل خان نے گلاس میں بچی ہوئی شراب حلق میں انڈیلی پھر کہیں جانے کیلئے اٹھ کر لباس تبدیل کرنے کیلئے پر تول ہی رہا تھا کہ کال بیل کی آواز سن کر چونکا۔

''اس وقت کون آسکتا ہے؟'' افضل خان نے سنجیدگی سے سوچا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں کسی بن بلائے مہمان سے ملاقات کرنے سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ ذہن پر زور دینے کے باوجود وہ ایسے فرد کے بارے میں نہ سوچ سکا جس کو اس نے آنے کی دعوت دی ہو پھر......

''ٹرن......ن......ن'' کال بیل کو دوسری بار بجایا گیا تو افضل خان نے احتیاطاً ایک پستول اٹھا کر نیفے میں اڑسا' پھر اس نے دروازے کے قریب جا کر ''میجک آئی'' کے ذریعے آنے والے کو دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اس وقت دروازے کے باہر اسے جو چہرہ دکھائی دیا وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میڈم روبی کو کوریڈور میں کھڑے دیکھ کر اسے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے دھڑکتے دل سے دروازہ کھول دیا' کوریڈور میں اسے میڈم روبی کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آیا۔

''میں یہاں آ کر آپ کے کسی کام میں مخل تو نہیں ہوئی؟'' میڈم روبی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' افضل خان نے اسے اندر بلانے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے سنبھل کر کہا۔ ''میں اس اپارٹمنٹ میں تنہا رہتا ہوں اس لئے آپ......''

''آپ چاہیں تو اپنا شغل جاری رکھیں۔'' میڈم روبی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر ایک

صوفے پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں ان چیزوں سے شوق نہیں رکھتی لیکن برا بھی نہیں مانتی' میرے شوہر بھی پینے پلانے کے عادی تھے۔''

''کیا آپ نے ان کا بھی ساتھ......''

''ایک دو بار ان کے اصرار پر ایک آدھ پیگ پی بھی چکی ہوں لیکن مجھے اس سے کوئی رغبت نہیں ہے۔'' میڈم روبی نے افضل خان کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا' پھر ٹی وی پر چلنے والے فیشن شو کی جھلکیاں دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا آپ نے ابھی تک......''

''جی ہاں آپ کا اندازہ درست ہے......'' وہ روبی کے سراپا حسن پر نظر ڈالتے ہوئے پہلی بار قدرے بے تکلفی سے بولا۔ ''یوں سمجھ لیں کہ میرا کام ایسی نوعیت کا ہے کہ میں شادی کے بارے میں کبھی سوچ ہی نہیں سکا۔''

''میں سمجھ رہی ہوں......'' روبی نے شوخی سے کہا۔ ''بیوی آجائے تو شوہر پر بندشیں عائد کرنا شروع کر دیتی ہے اور آپ...... آپ جیسے مصروف آدمی کیلئے...... جو شاید خود بھی اپنی دن بھر کی تمام مصروفیات کا علم نہ رکھتا ہو' کسی ہاؤس وائف کو افورڈ کرنا بے حد مشکل ہے۔''

افضل خان ترنگ میں ہونے کے باوجود میڈم روبی کے جملے کو سن کر چونکا۔ ''کیا آپ کو میری مصروفیات کا کوئی اندازہ ہے یا محض قیاس اور میرے شوق کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کر رہی ہیں؟''

میڈم روبی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے کچھ سوچا' پھر خاصی بے تکلفی سے بولی۔

''مسٹر افضل! اب جبکہ میں خود سے آپ تک آگئی ہوں تو میرا خیال ہے کہ ہمیں بے تکلفی سے دوستوں کی طرح گفتگو کرنی چاہیے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟''

''مم...... میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی تصور کروں گا۔''

جواب میں میڈم روبی ایک خاص ادا سے مسکرائی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم مجھے دوست کی حیثیت سے قبول کر لو گے۔''

''آپ کی ذرہ......''

''آپ نہیں...... اب تم بھی مجھے تم کہہ کر مخاطب کرو......'' روبی نے اس کی بات کاٹ دی۔

''دوستوں کے درمیان رسمی تکلفات بھی اچھے نہیں لگتے۔''

افضل خان کو ایسا ہی محسوس ہوا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو' اس کے اندر نشے کی کیفیت بڑھنے لگی' اپنے لئے اس نے ایک بڑا پیگ تیار کیا پھر اسے ہاتھ میں لے کر میڈم روبی کے صوفے پر آگیا۔

''دوستوں کے درمیان فاصلے بھی اچھے نہیں لگتے۔'' اس نے میڈم روبی کی نشیلی آنکھوں میں جھانکا' پھر ایک ہی گھونٹ میں آدھا گلاس غٹاغٹ پی گیا۔

''آئی ڈونٹ مائنڈ......'' جواب میں وہ بھی مسکرا دی' پھر قدرے سنجیدگی سے بولی۔ ''بہرحال ایک محدود فاصلہ پھر بھی ضروری ہے۔''

''ایک بات کہوں۔'' افضل خان کے اندر کا شیطان مچلنے لگا۔ ''تم...... برا تو نہیں مناؤ گی۔''

''کہہ کر دیکھ لو......'' روبی نے اس کی نشیلی آنکھوں کی تہہ میں جھانکنے کے بعد کہا۔

''میری خاطر...... جسٹ فار کمپنی سیک...... آدھا پیگ میری خواہش پر پی لو۔'' افضل خان کی آواز کپکپا رہی تھی۔ یہ کپکپاہٹ پہلی بار ہوئی تھی ورنہ وہ قابو میں آئی خوبصورت چیزوں کو جھپٹ لینے کا عادی تھا...... روبی تو اس کے اپارٹمنٹ تک خود بغیر بلائے آئی تھی لیکن کوئی بات تھی جو افضل خان کو اس جسارت کو لگام دے رہی تھی۔

''او۔ کے! اگر تم دوستی کے نام پر صرف آدھے پیگ کی بات کر رہے ہو تو اپنے ہاتھوں سے بنا دو...... مگر اس سے زیادہ کیلئے اصرار نہ کرنا۔ پلیز!''

افضل خان نے اپنا گلاس رکھ کر دوسرے گلاس میں آدھا پیگ بنا دیا' سوڈا ملانے لگا تو میڈم روبی نے اسے روک دیا۔

''اسے رہنے دو' میں اس کے بغیر ہی پی لیتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''میرے شوہر نے بتایا تھا کہ جو لوگ سوڈا ملا کر پیتے ہیں ان کے جسم پر جھریاں جلد...... نمودار ہونے لگتی ہیں' ویسے ٹھنڈا پانی ملایا جا سکتا ہے۔''

افضل خان نے روبی کو حیرت سے دیکھا' پھر ٹھنڈا پانی ملانے کے بعد گلاس اٹھا کر اس کے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا۔ ''میرے ہاتھ سے' صرف ایک گھونٹ' مجھے خوشی ہو گی۔''

''سوچ لو افضل خان......'' وہ نہایت لگاوٹ سے بولی۔ ''خوشیوں کی خاطر انسان کو ایک دوسرے کیلئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بعد میں کہیں تمہیں افسوس نہ ہو۔''

''میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں روبی۔'' اس نے بھی جواب میں صرف روبی کہہ کر مخاطب کیا تو...... روبی نے اس کے ہاتھ سے ایک گھونٹ پی لیا' پھر گلاس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

افضل خان پر روبی کے قرب کا نشہ بڑھ رہا تھا لیکن وہ اپنے اپارٹمنٹ میں تھا اس لئے بہت ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس کا علم دوسروں کو ہو' اس کی بدنامی ہو اور اس کی بھنک شیخ حامد کے کانوں تک پہنچ جائے۔ اس کے اپارٹمنٹ کے بجائے کوئی اور جگہ ہوتی تو شاید اب تک وہ روبی کو کب کا پچھاڑ چکا ہوتا۔ اس سے پیشتر بھی وہ اپنے واقف کاروں کے ہوٹل یا گھروں کے تنہا کمروں میں ان گنت ایسی خواتین کو بھی روند چکا تھا جو پہلی بار دھوکہ کھا کر کسی ظالم مرد کے فریب کا شکار ہوئی تھیں۔ اس کے بعد یا تو انہوں نے خودکشی کر لی تھی یا پھر اسی لائن پر چلنے پر مجبور ہو گئی تھیں لیکن...... میڈم روبی کوئی عام عورت نہیں تھی۔ افضل خان کے ہاتھوں شکار ہونے کے بعد بھی اگر وہ چاہتی تو اس کی زندگی برباد کرا سکتی تھی' اس لئے افضل خان بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا۔

''افضل......'' میڈم روبی نے کچھ دیر بعد دوسرا چھوٹا گھونٹ لیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا تم جانتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے اپارٹمنٹ تک کیوں چلی آئی ہوں؟''

''اس لئے کہ میں نے تمہیں دل سے یاد کیا تھا۔'' افضل خان اس کے کچھ اور قریب ہو گیا۔
''میں سمجھ رہی ہوں افضل' شراب زیادہ چڑھ رہی ہو تو کسی شباب کا قرب اسے دو آتشہ کر دیتا ہے لیکن ابھی تم اس قسم کی کوئی جسارت نہیں کرو گے۔''
''پھر......؟'' افضل خان نے اسے بہکی بہکی نظروں سے دیکھا۔
''پہلے میری ایک درد بھری کہانی سن لو......اس کے بعد اگر تم نے مرد بن کر میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تو میں شاید تمہیں مایوس بھی نہ کروں۔''
افضل خان اس وقت ایک ہی محبت بھری داستان سننے کے موڈ میں تھا' ایسی داستان جو کھلے اوراق پر لکھی ہو' اس کی جلد بند نہ ہو' جس کے ایک ایک اتار چڑھاؤ پر اسے مکمل اختیار ہو' جسے وہ جہاں سے چاہے پڑھ سکتا ہو' جس سطر کو چاہے چوم سکتا ہو۔
''اگر میں تم سے وعدہ کر لوں کہ میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے کو آمادہ ہوں تو......؟''
''میں کام ہونے کے بعد دام چکانے کی عادی ہوں' اس لئے تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہی ہوں کہ مجھے ایک کمزور عورت سمجھنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا' اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''
روبی کی تلخ اور کھری بات سن کر افضل خان کو یوں محسوس ہوا جیسے لذیذ کباب کے درمیان کوئی ہڈی آگئی ہو' وہ اندر ہی اندر تلملانے لگا' اسے نشے کی کیفیت کچھ کر گزرنے پر اکسا رہی تھی لیکن ذہن کے ایک کونے میں یہ خیال بھی چبھ رہا تھا کہ میڈم روبی کی نفرت اسے عرش سے گھسیٹ کر دوبارہ فرش پر لے آئے گی' یہ بھی ممکن تھا کہ بگ باس بھی اس کی جسارت کو قابل معافی نہ سمجھتا۔
''ایک بات اور سن لو......'' اس نے افضل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے بگ باس کا چہیتا' ایس پی آغا منظور بھی میرے طلب گاروں میں سے ایک ہے۔ تم نے میرے اعتماد اور دوستی کیلئے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اگر داغدار کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی تمہاری غلطی کے عین مطابق ہوگا۔ شاید اس لئے کہ محبت اور جنگ میں ہر قسم کے ہتھیار کا استعمال جائز ہوتا ہے۔'' آخری جملہ ادا کرتے وقت روبی نے ایک بار پھر بڑی لگاوٹ بھری نظروں سے افضل خان کو دیکھا۔
''تمہیں حاصل کرنے کیلئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' وہ گلاس خالی کرتے ہوئے بولا۔ اس کی بھوکی نظریں اس وقت بھی روبی کے جسمانی گداز اور نشیب و فراز پر کسی بھوکے گدھ کی طرح منڈلا رہی تھیں۔
''میرے شوہر کا انتقال کسی اتفاقیہ حادثے کا نتیجہ نہیں تھا۔'' میڈم روبی نے گلاس میں بچی شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''باقاعدہ ایک پلاننگ کے تحت کچھ لوگوں نے انہیں اپنے راستے سے ہٹا دیا تھا۔''
''تمہارے شوہر کا کاروبار کیا تھا؟'' افضل خان نے بے دلی سے دریافت کیا۔
''نام نہیں پوچھو گے؟ ان کا نام خالد ریاض تھا۔'' روبی نے خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ

قیمتی پتھروں کی بیرونی منڈی کے بے تاج بادشاہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ کئی غیر ملکی بینکوں میں ان کے کروڑوں ڈالرز اب بھی موجود ہیں جو اب میرے نام ہو چکے ہیں لیکن...... مجھے دولت نہیں‘ اس دشمن کا سر چاہئے جس نے میری زندگی برباد کی......"

"کتنی پرانی بات ہے......؟"

"ایک سال سے کچھ اوپر ہو چکا ہے......" روبی نے سرد آہ بھری۔

"اور تم اب تک خاموش رہیں‘ کیا اس کی بھی کوئی خاص وجہ تھی؟"

"ہاں...... میں چاہتی تھی کہ دشمنوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ میں ان کے ناپاک منصوبوں سے واقف نہیں ہوں......" روبی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "آستین کے سانپ کا سر کچلنے میں اس وقت زیادہ مزہ آتا ہے جب اس کو بے خبری میں ہلاک کیا جائے۔ اب وہ وقت آگیا ہے اور تم...... تم یہ کام کر سکتے ہو۔"

"کیا نام ہے اس کا......؟"

"نام بتانے سے پہلے میں کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہوں......" روبی نے اس بار گلاس کی بچی ہوئی شراب ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتاری‘ پھر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ "میں نے ماڈرن بننے کا یہ طوق اسی لئے اپنے گلے میں ڈالا ہے کہ اپنے مرحوم شوہر کا انتقام لے سکوں...... میں تمہیں اس کام کیلئے پچاس لاکھ آنکھ بند کر کے دے سکتی ہوں اور...... تمہاری کامیابی کی صورت میں تم سے شادی کرنے کے بعد اپنے نام کی آدھی جائیداد جس کی مالیت کروڑوں میں بنتی ہے تمہارے نام کروں گی۔ تم کو یقین نہ ہو تو میں کسی تھرڈ پارٹی کے پاس‘ جو ہم دونوں سے واقف ہو اپنے عہد کی تحریری ضمانت بھی رکھوانے کو تیار ہوں۔ اس سے قبل کسی کو اپنے جسم سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی‘ اس لئے کہ یہ بدترین گناہ ہے۔"

"تم اس کا نام بتاؤ......" افضل خان کو اپنا مستقبل روشن اور تابناک نظر آیا تو اس نے بڑی اپنائیت سے روبی کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایک ضروری بات اور قبل از وقت ذہن نشین کرلو...... کام ہونے کے بعد‘ میں فوری طور پر تم سے نکاح کر کے اس ملک کو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر چھوڑ دوں گی‘ بیرون ملک پہنچ کر ہم اپنے ذاتی مکان میں نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔"

"اس سے زیادہ کسی کی زندگی کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" افضل خان لالچ میں جذباتی ہونے لگا۔ "تم مجھے صرف اس کا نام اور پتا دو‘ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے اس طرح دوسری دنیا کا...... سفر کراؤں گا کہ اس کی روح بھی ششدر رہ جائے گی۔"

"پھر غور کرلو افضل‘ کہنا آسان ہوتا ہے لیکن کر گزرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔" روبی نے کسمسا کر کہا۔ "تم انکار کر دو گے تو بات یہیں ختم ہو جائے گی۔ میں کوئی دوسرا کام کا آدمی تلاش کرلوں گی۔ عورت ایک بار جو بات دل میں ٹھان لے پھر اس سے پیچھے ہٹنا اپنی سب سے بڑی توہین سمجھتی

ہے۔''

افضل خان کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھر آئی۔''روبی ڈیئر! جب تم نے میرا انتخاب کیا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ یہاں تک آنے سے پہلے میرے بارے میں کچھ تحقیقات بھی ضرور کر چکی ہوگی؟''

''ہاں...... میں انکار نہیں کروں گی۔ میں مکمل یقین کرنے کے بعد یہاں آئی ہوں' اب اگر تم بھی ایک بار دل میں پختہ ارادہ کرلو تو وہ کام تم ہی سب سے زیادہ آسانی سے کر سکتے ہو۔''

افضل خان اس وقت نشے میں تھا' اس لئے بات کی گہرائی نہ بھانپ سکا لیکن جب اس کے دوبارہ اصرار پر میڈم روبی کے ہونٹوں پر شیخ حامد کا نام آیا تو پلک جھپکتے میں اس کا سارا نشہ ہرن ہوگیا۔ روبی کا ہاتھ اس نے بوکھلاہٹ میں ایسے چھوڑ دیا جیسے اب تک کسی ناگن کا پھن تھامے بیٹھا ہو۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے اٹھ کر کمرے کے دبیز قالین پر ادھر ادھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ میڈم روبی نہایت اطمینان سے بیٹھی اس کی کیفیت کا اندازہ لگا رہی تھی۔

دوسری طرف افضل خان عجیب شش و پنج میں پڑ گیا تھا' وہ جانتا تھا کہ وہ شاید شیخ حامد کو اس کے قریب ہونے کے سبب بہت آسانی سے جہنم رسید کر سکتا تھا۔ اس کام کے عوض جو آفر دی گئی تھی وہ بھی اس قدر پرکشش تھی کہ وہ فوری طور پر اس سے دست بردار ہونے کو بھی تیار نہیں تھا۔

''میں اب چلتی ہوں افضل!'' میڈم روبی نے نہایت اطمینان سے اٹھتے ہوئے کہا۔''مجھے علم تھا کہ تم میرے دشمن کا نام سن کر چکرا جاؤ گے لیکن ابھی بات صرف میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اگر تم چاہو تو سوچنے سمجھنے کے بعد انکار بھی کر سکتے ہو لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ اس وقت تمہارے اپارٹمنٹ میں میرے اور تمہارے درمیان جو بھی گفتگو ہوئی ہے اسے اپنے ذہن سے بھی کھرچ کر نکال پھینکنا ورنہ اگر میں شیخ حامد کیلئے پچاس لاکھ تمہیں ایڈوانس دے سکتی ہوں تو تمہارے لئے کسی اور کو بھی دو چار لاکھ میں آمادہ کر سکتی ہوں' یہ کام زیادہ آسان بھی ہوگا۔ تمہارا ماضی کیا رہا ہے' اس کا اندازہ تم خود بھی ٹھنڈے دل سے لگا لینا...... اوکے...... بائی۔''

میڈم روبی تیزی سے دروازہ کھول کر نکل گئی تو افضل خان نے اسے فوری بند کیا' پھر اپنے لئے نیا گلاس تیار کرنے لگا۔ وہ صبح ہونے سے پیشتر کوئی آخری فیصلہ کر لینا چاہتا تھا جو اس کیلئے نہایت دشوار تھا۔ ایک طرف اگر زندگی تھی تو دوسری طرف موت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک مشکل اور بھی درپیش تھی۔ اگر شیخ حامد ہی روبی کے شوہر کا قاتل تھا تو روبی کے اس کے اپارٹمنٹ تک آنے کی خبر سننے کے بعد وہ اس ملاقات کی گہرائی تک کھوج لگانے کی کوشش ضرور کرے گا' اس کے بعد کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

✣✣✣

لیاقت حسین کے کہنے کے بموجب' گل خان نے بھی زرینہ کو تاکید کر دی کہ وہ دوپہر کا کھانا تیار کرنے کے بعد فرحین کے پاس رہے۔ لیاقت حسین ڈیوٹی کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک

آجاتا تھا اس کے بعد زرینہ چلی جاتی تھی۔

فرحین کو دو روز تک سکون ملنے کے بعد اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ پرتاب گھوش یا وہ جو بھی گندی بلا تھی اب کم از کم اس کے مکان میں چھڑکے گئے پانی کی وجہ سے نہیں آسکے گی۔ لیاقت حسین کے علاوہ خود زرینہ نے بھی یہی کہا تھا کہ اس قسم کی بدروحیں انسان کو ڈرا تو سکتی ہیں لیکن اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ اس وقت بھی وہ فرحین کو یہی سمجھا رہی تھی۔

''تم نے جو کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا' وہی تمہیں خواب میں بھی نظر آرہا تھا' بھوت پریت اور گندی بلائیں انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جو خدا کو منظور ہو وہی سچ ہے' ہمارا تمہارا ایمان بھی ہے کہ اس پاک ذات پر یقین کرو جو دونوں جہانوں کا مالک ہے' اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔''

''اور تم نے جو عائشہ اور اس کے شوہر والی خوفناک موت کی بات کی تھی' کیا وہ غلط تھی؟''
فرحین نے زرینہ کو یاد دلایا تو وہ ایک لمحے کو خاموش ہوگئی' اس نے جو کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا وہی واقعہ اس نے فرحین کو سنا دیا تھا' اب اس کی تردید نہیں کرسکتی تھی۔

''وہ...... وہ بات بھی غلط نہیں ہے۔'' اس نے فرحین کو تسلی دینے کی خاطر کہا۔ ''چمار ذات کا پلید لوگ جو گندا عمل کرتا ہے وہ بھی کبھی کبھی انسان کا جان لے لیتا ہے مگر اس میں بھی اوپر والے کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ عائشہ اور اس کے خاوند کو شہید کا رتبہ مل گیا ہو' سب اوپر والے کی مرضی ہے۔ انسان کو ہر حال میں اپنا فرض پورا کرتے رہنا چاہئے۔ کل کیا ہوگا؟ کیا ہونے والا ہے؟ یہ بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

''زرینہ' ایک بات پوچھوں تم برا تو نہیں مانو گی؟'' فرحین نے ڈراؤنے موضوع کو بدلنے کی کوشش کی۔

''میں تمہاری کسی بات کا برا کیوں مناؤں گی۔ پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔'' زرینہ نے محبت سے فرحین کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''تمہاری شادی کو کتنا سال ہوگیا......؟''

''اوہ......'' زرینہ نے فرحین کی بات کا مفہوم جان کر کہا۔ ''ابھی کل چار سال ہوا ہے لیکن گل خان کی ابھی مرضی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' فرحین نے حیرت کا اظہار کیا۔

''مطلب یہ ہے کہ وہ بولتا ہے کہ عورت ماں بننے کے بعد بچے کا زیادہ خیال رکھتا ہے' اس لئے وہ ابھی ایک سال اور انتظار کرے گا۔''

''اور تم......''

''میں گل خان سے الگ نہیں ہوں فرحین۔'' زرینہ نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''دنیا کی ہر عورت شادی کے بعد ماں بننا چاہتی ہے' میں بھی چاہتی ہوں کہ میرے گھر میں بھی بچے کے معصوم قہقہے گونجیں لیکن جب شوہر نہ چاہے تو......''

''اور تو کوئی بات نہیں؟'' فرحین کے اندر تجسس کلبلانے لگا۔
''نہیں...... گل خان ہم کو دل و جان سے چاہتا ہے' مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں۔'' زرینہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے بھی یہ سب اللہ کی مرضی پر ہے' جب مقدر میں لکھ دے گا تو پھر گل خان بھی مجبور ہو جائے گا۔''
فرحین نے کوئی جواب نہیں دیا۔
''کیا لیاقت بھائی کو بھی جلدی نہیں ہے؟'' زرینہ نے فرحین کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔
''نہیں' ایسا بات نہیں ہے لیکن تم ٹھیک بولا۔'' فرحین نے سٹپٹا کر کہا۔ ''جب تک اوپر والے کو منظور نہ ہو ہم کیا کر سکتا ہے۔''
باتوں باتوں میں آٹھ بج گئے تو فرحین کو لیاقت کی فکر ہوئی' کچھ دیر پہلے گل خان آ گیا تھا۔ اس نے باہر سے آواز دے کر زرینہ سے فرحین کی خیریت بھی پوچھی' یہ بھی کہا کہ لیاقت کے آنے تک وہ فرحین ہی کے پاس رہے۔
''تم پریشان مت ہو۔'' زرینہ نے بھی فرحین کو بے چین دیکھ کر کہا۔ ''لیاقت بھائی خوش قسمت ہے جو ادھر آتے ہی قدرت نے اسے نیکیوں کے سبب اتنی جلدی نواز دیا ورنہ گل خان کو پورے دو سال تک ادھر ادھر دھکے کھانے پڑے تھے۔''
''لیاقت ابھی دس پندرہ منٹ میں آ جائے گا۔'' فرحین نے گل خان کے خیال سے کہا۔ ''تم جانا چاہو تو جاؤ' اب تو دو روز سے سکون ہی ہے۔''
''صاحب لوگوں کے باہر جانے کی وجہ سے لیاقت خان بھائی کی ذمے داری بڑھ گئی ہے۔'' زرینہ بولی۔ ''کبھی کبھی گل خان کو بھی کام زیادہ ہو تو دس ساڑھے دس بھی بج جاتے ہیں۔''
''تم کو ڈر نہیں لگتا؟''
''صرف خدا سے ڈرنا چاہئے میری بہن۔'' زرینہ نے بڑی عقیدت سے کہا۔ ''وہ راضی رہے تو سب راضی' ورنہ انسان کو پھر دنیا میں بھی اس کے گناہوں اور خدا سے بے خبری کی سزا تو ضرور ملتی ہے۔''
آدھا گھنٹہ اور گزر گیا تو فرحین نے گل خان کے خیال سے کہا۔ ''تم اب جاؤ زرینہ' دو گھر کا فاصلہ تو ہے' لیاقت آ گیا تو ٹھیک ورنہ اگر مجھے ڈر لگا تو تم کو باہر آ کر آواز دے لوں گی۔''
''پکا وعدہ۔'' زرینہ نے اٹھتے ہوئے سوال کیا تو فرحین نے شوخی سے کہا۔
''مجھے خبر تھا' گل خان بھائی کا آواز سن لینے کے بعد تمہارا دل بھی جانے کو بے چین تھا۔''
زرینہ نے جواب میں فرحین کو گلے لگا لیا' وہ اس کے سچ کو ٹال بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کے جانے کے بعد فرحین نے دروازے کو اندر سے بند کیا' پھر لالٹین کی روشنی اور تیز کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔ دو روز سے سکون کے باوجود' وہ قبرستان کی سمت کھلنے والی کھڑکی لیاقت حسین کے آنے کے بعد ہی کھولتی تھی۔ آج بھی اس نے نہیں کھولی' پلنگ پر لیٹ کر لیاقت حسین کے دیر سے آنے کے

بارے میں سوچنے لگی' دو روز سے وہ جلدی آرہا تھا۔ آج دیر تک رکنا پڑا تو اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ قدرت نے اس کے ساتھ جو مہربانی کی تھی وہ اس پر بھی شکر گزار تھی۔ اس نے لیاقت کے ڈرائیور ہونے کے بعد اچھے خاصے پیسے بچانے شروع کردیئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی اگلی تنخواہ تک اس کے پاس کچھ پیسے اور جمع ہوجائیں تو وہ لیاقت سے اصرار کرکے ایک معقول رقم اس کی ماں کو بھی بھیجے گی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کو پیسے کی ضرورت نہیں ہوگی' سرفراز خان کی حویلی میں اس کے پاس دنیا کا دیا بہت کچھ تھا۔ دولت کے گھمنڈ اور چھوٹے بڑے کے فرق کی وجہ سے ہی تو اس نے فرحین کو بھی بحیثیت بہو قبول کرنے سے منہ پھیر لیا تھا۔ لیاقت سے بھی منہ کھول کر کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اس کی پسند قبول نہیں کرسکتا تو پھر باپ بیٹے کے راستے بھی جدا ہوجائیں گے۔ لیاقت فرحین کو نہیں چھوڑ سکتا تھا' اس لئے اس نے اس کی خاطر باپ کو چھوڑ دیا لیکن اس ماں کی دعائیں اس کے ساتھ تھیں۔ اسے فرحین پسند نہ ہوتی تو وہ چوری چھپے اس کی شادی میں بھی شریک نہ ہوتی۔ بعد میں لیاقت نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کیم ان کو شہر کی پسند کے مقابلے میں فرحین زیادہ عزیز تھی۔ اسی کی دعاؤں کی وجہ سے لیاقت کا نصیب جاگ رہا تھا' اسے لیاقت کے پیسوں کی ضرورت بھی نہیں تھی' لیکن دنیا کی ہر ماں کی طرح اس کا بھی لیاقت کی کمائی پر کچھ حق بنتا تھا۔ اولاد کی کمائی کے دس روپے بھی ماں کو بے حد عزیز ہوتے ہیں۔ لیاقت نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا' لیکن وہ اس ذمے داری کو اپنا فرض سمجھ کر پورا کرنا چاہتی تھی' اپنی طرف سے اس ماں کو سکون پہنچانا چاہتی تھی جس نے فرحین ہی کی خاطر اپنے بیٹے کی جدائی کا غم بھی برداشت کرلیا تھا۔ پھر وہ اسے فراموش کس طرح کرسکتی تھی؟

ان ہی خیالوں میں گم' نہ جانے کس وقت اسے نیند آگئی' پھر اس نے جو کچھ دیکھا وہ بے حد حسین اور دل پسند تصور تھا۔ اس کے مکان کے صحن میں ایک اڑھائی تین سال کا چاند جیسا معصوم اور حسین گول مٹول بچہ کھڑا تھا' فرحین کھانا تیار کررہی تھی' بچہ بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا' فرحین اسے پیار سے میرا ببلو کہہ کر آواز دیتی تو وہ خوش ہوجاتا' پھر اس رنگ برنگے فٹ بال کے ساتھ کھیل میں لگ جاتا جو شاید کسی نے اسے تحفے میں دیا تھا۔ خواب دیکھنے کے باوجود فرحین کا دل کسی ماں کی خوشیوں سے سرشار ہورہا تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنا کام کرکے اس بچے کے قریب جانا چاہتی تھی جو اسے خوابوں میں مل گیا تھا۔ وہ اسے اپنی ممتا کے جذبوں سے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر' اس کے گول گول روئی جیسے نرم گالوں کو چومنا چاہتی تھی۔ اپنی ممتا کی مہر ثبت کرنا چاہتی تھی لیکن پھر اس نے اچانک بچے کے رونے کی آواز سنی تو تڑپ کر اس کی طرف نظر اٹھائی۔

وہ منظر اس قدر روح فرسا اور ہولناک تھا جسے دیکھ کر وہ ساری جان سے لرز اٹھی۔ اپنی جگہ دم سادھے کھڑی' پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی بے بسی کا تماشا اس طرح دیکھتی رہی جیسے وہ خوف سے پتھر کا بت بن گئی ہو۔ معصوم بچہ زمین پر بے بس پڑا رو رہا تھا اور ایک ننگ دھڑنگ آدمی اس کے اوپر چھرا لئے بیٹھا تھا۔ اس نے چھرے والا ہاتھ بلند کیا تو فرحین نے چیخنا چاہا لیکن اس کی آواز جیسے سینے میں گھٹ کر دم توڑ گئی' لیکن...... قبل اس کے کہ وہ منحوس شیطان صفت آدمی بچے پر چھرے سے وار

کرتا اچانک لیاقت نے پشت سے آ کر اس کا ہاتھ تھام لیا' پھر وہ آدمی جیسے چھومنتر ہو گیا۔ لیاقت کے ہاتھ لگتے ہی حیرت انگیز طور پر جیسے فضا میں تحلیل ہو گیا۔ فرحین نے بچے کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کہیں نظر نہ آیا۔ وہ گھبرا کر صحن کی طرف دوڑا تو دروازے سے ٹکرا کر گر گئی پھر......

لیاقت کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ فرحین ہڑبڑا کر اٹھی' اس نے لپک کر دروازہ کھولا۔ لیاقت کے قدم اندر رکھتے ہی' اس سے بے تحاشا لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔

''تم......تم ٹھیک وقت پر آ گیا ورنہ وہ...... وہ۔'' فرحین کا ذہن ابھی تک خواب کے زیر اثر تھا۔ ''وہ میرا ابلو کو ذبح کر دیتا......''

''لیاقت کی جان......تم کس کی بات کر رہی ہو......؟'' لیاقت نے تعجب سے سوال کیا۔

''وہی کافر کا تخم جو......'' فرحین یک لخت ہوش میں آ گئی' اس نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ وہ یقیناً کچھ دیر پہلے کوئی عجیب اور ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی لیکن اس نے لیاقت کو بھی دیکھا تھا جس نے سامنے آتے ہی اس منحوس کا ہاتھ نہ پکڑ لیا ہوتا تو شاید وہ بچے کو مارنے میں کامیاب ہو جاتا۔ بعد میں لیاقت بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا' پھر اسی کی آواز سن کر وہ ہولناک خواب ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بڑی حیرت سے لیاقت کو دیکھنے لگی۔ اس نے بھی گل خان کے ساتھ دم کیا ہوا پانی مکان کے چاروں کونوں میں ڈالنے سے پہلے یہی کہا تھا کہ جس بزرگ نے وہ پانی دم کیا تھا اس نے یہی یقین دلایا تھا کہ یا تو اب کوئی عفریت اس گھر کے اندر قدم رکھنے سے گریز کرے گا یا کوئی اس کے سامنے آ کر اسے بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔ یہی ہوا تھا کہ لیاقت کے پشت سے دبوچ لینے کے بعد ہی وہ ننگ دھڑنگ آدمی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

''یہ...... یہ سب کیا ہو رہا ہے لیاقت؟'' فرحین کمرے میں آ کر دوبارہ لیاقت سے لپٹ کر بولی۔ ''میں نے آج پھر ایک خواب دیکھا تھا۔'' اس نے شوہر کو تفصیل بتاتے ہوئے بڑی معصومیت' مگر حیرت سے یقین دلایا۔ ''میں نے تم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' وہ تمہارے سوا کوئی اور نہیں تھا جس نے اس کافر کا بچے کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ میری بات کا یقین کرؤ میں تم سے جھوٹ نہیں کہہ رہی۔''

''ہم کو تمہاری باتوں کا یقین ہے دلبر......تم سچ بول رہی ہو۔'' لیاقت نے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ ''سب خدا کا معجزہ اور اس نیک بندے کی کرامت ہے جس نے مجھے پانی دم کر کے دیا تھا۔ اسی کی دعاؤں کا اثر ہے کہ قدرت نے میرے کسی ہم شکل کو بھیج دیا اور وہ پلید ڈر کر بھاگ گیا۔ اب شاید وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔''

''آج تمہیں دیر کیسے ہو گیا؟'' فرحین نے پوچھا۔

''سراج صاحب اپنے ساتھ لے گیا تھا۔''

''خیریت تو ہے؟''

''ہاں......'' لیاقت حسین نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں پولیس میں بھرتی ہو جاؤں

تو زیادہ کامیاب ہوسکتا ہوں۔"

"ایسا مت کرنا۔" فرحین گھبرا کر بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ پولیس کسی کا دوست نہیں ہوتی' تم بھی پولیس بن کر ہمارا دوست نہیں رہے گا۔"

لیاقت اس کی سادگی پر ہنس دیا' تادیر وہ دونوں ادھرادھر کی باتیں کرتے رہے' فرحین خود اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ زرینہ کی کچھ باتیں اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھیں' یہ کہ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ خدا کے سوا بندے کو کسی اور سے نہیں خوفزدہ ہونا چاہئے۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔ لیاقت سے بار بار مکان تبدیل کرنے کے حوالے سے بھی اس نے طے کرلیا تھا کہ اب کا تقاضا نہیں کرے گی۔ اس کے مقدر میں جو لکھ دیا گیا تھا وہ اس مکان میں بھی پورا ہوسکتا تھا' جگہ بدل دینے سے قسمت کا حال یا مقدر کا لکھا نہیں بدل سکتا۔

لیاقت رات گئے تک فرحین کی دل جوئی کرتا رہا' پھر فرحین نے دبی زبان میں اس کی ماں کو رقم بھیجنے کی بات کی تو لیاقت حسین کو یوں لگا جیسے فرحین نے اس کے دل کی خواہش پڑھ لی ہو۔ فرحین کی محبت اور اس کا وقار اور بلند ہوگیا۔ پھر اس نے رقم کے ساتھ فرحین کو بھی مہینے پندرہ دن کیلئے اپنے شہر بھیجنے کا فیصلہ کرلیا' اس نے فرحین سے یہ بات کہی تو وہ یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔

"تم ساتھ نہیں چلے گا؟"

"ادھر صاحب اور بیگم صاحب کی غیر موجودگی میں میرے ذمے داری بڑھ گئی ہے اور اب سراج صاحب بھی ہم پر مہربان ہوگیا ہے۔" لیاقت حسین نے اسے سمجھایا۔ "تم رقم لے کر خود چلی جاؤ تو میری ماں کو بھی خوشی ہوگی' تمہارے گھر والوں کو بھی خوشی ہوگی۔ میں گل خان سے بات کروں گا' وہ بتا رہا تھا کہ شاید ہفتہ دس دن بعد وہ اور زرینہ بھی جانے والے ہیں۔ تم ان دونوں کے ساتھ چلی جاؤ تو مجھے پریشانی بھی نہیں ہوگی۔ صاحب لوگوں کے آجانے کے بعد میں اگلے سال تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا' مجھے بھی ماں کی یاد آتی ہے۔"

"میرے چلے جانے کے بعد تمہیں کھانا کون بنا کر دے گا۔ کون تمہارا خیال رکھے گا؟"

"ادھر صاحب کے بنگلے پر بھی دو روٹی کھا سکتا ہوں' میری فکر مت کرو لیکن واپس جلدی آجانا ورنہ لیاقت کا دل تمہارے بغیر اداس رہے گا۔"

فرحین نے اس کی بات مان لی۔ وہ باتیں کرتے کرتے سوگئی تو لیاقت ان باتوں پر غور کرنے لگا جن کا تذکرہ ڈی ایس پی سراج نے کیا تھا۔ اس نے بھی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے ان تمام باتوں پر غور کرنے لگا۔ اس کے الٹے ہاتھ پر فرحین سر رکھے ہوئے محوخواب تھی۔ سیدھے ہاتھ سے لیاقت اپنے پیٹ کی اس جگہ کو بار بار ٹٹول کر محسوس کر رہا تھا جس کے بارے میں سراج نے بھی سوال کیا تھا' لیکن لیاقت حسین نے ان نشانات کو پرانا بتا کر بڑی خوبصورتی سے بات کو ٹال دیا تھا۔

✣✣✣

رات ٹھیک پونے آٹھ بجے لیاقت حسین نے سارے کام نمٹا کر بوڑھے مالی بابا غفور کو اپنے جانے کی حسب معمول اطلاع دی تو غفور نے مسکرا کر کہا تھا۔

''لیاقت پتر...... تو یہ روز روز مجھے جانے کی خبر کیوں دیتا ہے؟ گارڈ کو بول کر چلا جایا کر۔''

''اس کو بھی بول کر جاتا ہوں چاچا' لیکن تم سب سے پرانا آدمی ہے' میرا بزرگ بھی ہے اس لئے میں تم کو بھی بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

''خدا تجھے سلامت رکھے پتر...... میں نماز میں بھی تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔''

''سب تمہاری دعاؤں کا نتیجہ ہے چاچا۔ اسی لئے تو تم کو گھر کا بڑا مانتا ہوں۔''

لیاقت حسین غفور چاچا کی دعا لے کر نکلا' گیٹ کے ڈیوٹی گارڈ کو بھی اپنی روانگی کا کہہ کر وہ جانے لگا تو سراج کی گاڑی دیکھ کر رک گیا۔ وہ گیٹ کے باہر اپنی گاڑی موڑ رہا تھا۔ لیاقت کو دیکھ کر سراج نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''کہاں جا رہے ہو لیاقت......؟''

''ڈیوٹی ختم کر کے گھر جا رہا ہوں صاحب۔''

''گاڑی میں بیٹھو' میں تمہیں راستے میں ڈراپ کر دوں گا۔''

لیاقت تھوڑا سا ہچکچایا' پھر سراج کے اصرار پر اس کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ کر پوچھا۔

''آپ کب آئے تھے صاحب......؟ اور باہر ہی باہر سے واپس بھی جا رہے تھے۔''

''ابھی دو منٹ پہلے...... لیکن ایک ضروری کال آگئی تو اب اس کام کیلئے ڈیوٹی دینے جا رہا ہوں۔''

''کیا آپ لوگوں کا ڈیوٹی دن رات کا ہوتا ہے؟''

''نہیں...... ایسا نہیں ہے۔'' سراج نے اسے سمجھایا۔ ''دفتر کے اوقات مقرر ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی قانونی معاملہ پیش آجائے تو پھر دن ہو یا رات' کسی وقت بھی اسے دیکھنا بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔''

''آپ اس وقت اکیلے جائیں گے؟'' لیاقت نے حیرت سے سوال کیا۔

''ہاں......'' سراج نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''کسی کی دور رہ کر صرف نگرانی کرنی ہے' ضرورت محسوس ہوئی تو قریبی تھانے سے مدد بھی آجائے گی۔'' پھر ٹھہر کر سراج نے لیاقت سے کہا۔ ''تم کو اگر گھر جانے کی جلدی نہ ہو تو تم بھی چلو' مشکل سے گھنٹے آدھے گھنٹے کا کام ہے' واپسی میں' میں تمہیں تمہارے گھر کے قریب چھوڑ دوں گا۔ کیا خیال ہے؟''

سراج کا انداز دوستانہ تھا اس لئے لیاقت نے انکار بھی نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ایک پولیس آفیسر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر کسی کی نگرانی کے شوق نے بھی اسے اکسایا۔ سراج کی پیشکش بھی اس کیلئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھی۔

دس منٹ بعد سراج نے شہر کے پوش علاقے میں پہنچ کر اپنی گاڑی ایک ایسی جگہ پارک کی

جہاں سے وہ دور دور تک دیکھ سکتا تھا۔ لیاقت نے گاڑی سے اترنے کی خاطر دروازہ کھولنا چاہا تو سراج نے اسے روک دیا' پھر سامنے ایک چار منزلہ لگژری اپارٹمنٹ کی سمت اشارہ کر کے بولا۔

''ہمیں یہیں بیٹھ کر سامنے کے اس اپارٹمنٹ کی نگرانی کرنی ہے جہاں باہر مدھم روشنی کا نیلا بلب روشن نظر آرہا ہے۔''

''مگر...... یہاں سے تو آپ اس کے اندر جھانک کر کچھ بھی تو نہیں دیکھ سکتے۔'' لیاقت نے معصومیت سے کہا تو سراج ہنس کر بولا۔ ''ہمیں اس کے اندر جھانک کر دیکھنا ہی نہیں ہے لیکن ایک خاتون پر نظر رکھنی ہے جو شاید کچھ دیر بعد اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہاں آئے گی' کس اپارٹمنٹ میں جاتی ہے' یہ سب کچھ ادھر گاڑی میں ہی بیٹھے بیٹھے دیکھنا ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا صاحب۔'' لیاقت کے اندر تجسس ابھرنے لگا۔ ''وہ کس وقت آتی ہے؟ کس وقت جاتی ہے؟ وہ تو آپ ادھر بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتے ہیں لیکن وہ کس منزل پر کس کے مکان پر جائے گی' یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوگی؟''

''جس آدمی نے مجھے اطلاع دی ہے' وہ سادہ لباس میں بلڈنگ کے آس پاس کہیں موجود ہے' عورت بلڈنگ میں کہاں جاتی ہے یہ دیکھنا اس کی ڈیوٹی ہے جس کی اطلاع وہ مجھے موبائل پر دے گا۔''

لیاقت کے ذہن میں اس عورت اور نیلے بلب والی عمارت کے سلسلے میں بھی بہت سے سوالات ابھر رہے تھے لیکن اس نے خود پر کنٹرول رکھا ایک ہی دن میں وہ ان معاملات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ شاید سراج بھی اس کی کریدنے والی باتیں پسند نہ کرتا۔ اس لئے لیاقت نے بھی اپنی توجہ اسی عمارت کے صدر دروازے کی طرف منتقل کر لی۔

سات آٹھ منٹ بعد ایک چمچاتی قیمتی گاڑی اسی عمارت کے قریب آکر رکی۔ گاڑی کی روشنیاں بند کرنے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا' جو عورت اس میں سے باہر آئی وہ حسین کہلانے کی مستحق تھی' اس کے جسم پر قیمتی لباس موجود تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے وہ عمارت کے اندر داخل ہوئی تو سراج نے کہا۔

''یہی وہ خاتون ہے جس کی نگرانی کرنی ہے لیکن تم میری ایک بات کا خیال رکھنا' جب تک میں نہ کہوں تم گاڑی سے باہر نکلنے کی غلطی نہیں کرو گے۔''

''ٹھیک ہے صاحب......'' لیاقت نے فرمانبرداری سے جواب دیا۔

جس سڑک پر وہ اپارٹمنٹ واقع تھا اس پر برائے نام ٹریفک نظر آرہی تھی' دور دور تک کوئی دکان نہیں تھی اس لئے کوئی راہ گیر بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سا ویران سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ گاڑیوں کے آنے جانے کا سلسلہ بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیاقت خاموش بیٹھا اس گاڑی کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے ایک خوبصورت خاتون اتر کر عمارت میں داخل ہوئی تھی۔ دس منٹ اور گزر گئے لیکن اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ سراج کس وجہ سے اس عورت کی نگرانی کر رہا تھا؟

دس منٹ بعد لیاقت نے ایک ویگن نما گاڑی کو اس عمارت اور اس کے بعد دوسری عمارت کی درمیانی پتلی سڑک پر آ کر رکتے دیکھا' ویگن کی لائٹس بجھا دی گئیں لیکن کوئی اس میں سے اترا نہیں۔ اس ویگن کو بڑی سڑک سے تقریباً دس فٹ دور ہی روکا گیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب یہاں کوئی نہ کوئی ہنگامہ بھی ہوسکتا ہے؟'' سراج کی بات سن کر لیاقت چونکا۔

''کیسا ہنگامہ صاحب......؟'' اس نے مدھم آواز میں سراج سے پوچھا۔

''ویگن کی لائٹس بند ہونے کے بعد کوئی اس سے باہر نہیں آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی جو خاتون اندر گئی ہے' یہ ویگن اسی کے تعاقب میں آئی ہے۔ ممکن ہے ہماری طرح وہ بھی اس کی نگرانی کر رہے ہوں...... یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے خاتون کی واپسی کے بعد اسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔''

''اغوا...... وہ کیوں......؟'' لیاقت نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کی وجہ بعد میں معلوم ہوگی' فی الحال تم میری ہدایت پر عمل کرنا۔ گاڑی نے نیچے نہ اترنا۔'' سراج نے اسے دوبارہ تاکید کی۔

لیاقت سنبھل کر بیٹھ گیا' سراج کی بات سن کر اسے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک منٹ بعد ہی سراج کے موبائل پر سگنل موصول ہوا۔

''ٹھیک ہے...... میں نے بھی اسے دیکھ لیا ہے...... نہیں' کسی اور کوئی فی الحال بلانے کی ضرورت نہیں...... میں دیکھ لوں گا۔ چاہو تو تم بھی دور دور رہ کر تعاقب کرنا لیکن میری اجازت کے بغیر کوئی کارروائی نہیں ہوگی...... بائی۔'' سراج نے بات ختم کر کے احتیاطاً اپنا سروس آٹو میٹک پستول نکال کر گود میں رکھ لیا۔

دونوں کی نگاہیں' مطلوبہ عمارت کے صدر دروازے پر مرکوز تھیں۔ وقت سست رفتاری سے گزرتا رہا' پھر کوئی تقریباً چالیس منٹ کے بعد وہی خوبصورت خاتون عمارت کے صدر دروازے سے باہر آئی' گاڑی کے قریب جا کر وہ دروازہ کھولنا چاہتی تھی لیکن اچانک اس کی گاڑی کے عقب میں چھپے' دو ہٹے کٹے نقاب پوش برق رفتاری سے نکل کر خاتون کی طرف لپکے' ایک نے اسے پشت سے دبوچ لیا' دوسرا ہاتھ میں پستول لئے دائیں بائیں کی نگرانی کر رہا تھا۔ سراج اپنی گاڑی میں بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا' لیکن لیاقت حسین برق رفتاری سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سراج ایک لمحے کو گھبرا گیا' پھر موقع کی نزاکت محسوس کر کے وہ بھی اپنے سروس آٹو میٹک پستول کے دستے پر گرفت مضبوط کرتا لپک کر باہر نکل گیا۔ اتنی دیر میں لیاقت حسین دوڑتے ہوئے اس آدمی کے سر پر پہنچ گیا جو خاتون کے دبوچے بند وین کی طرف لے جا رہا تھا' پستول والے نے اسے للکار کر دور رہنے کی دھمکی دی تھی لیکن لیاقت حسین کا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر دوسرے آدمی کی کنپٹی پر اس شدت سے پڑا کہ وہ عورت کو چھوڑ کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے شخص نے لیاقت حسین پر یکے بعد دو فائر کئے۔ ایک

گولی نشانہ چوک کر خاتون کے جسم پر کہیں لگی تو وہ لہرا کر گاڑی کے قریب ہی گر پڑی۔ لیاقت نے جنونی کیفیت میں دوڑ کر پستول والے کو پکڑنا چاہا تو اس نے دو فائر مزید کر دیئے۔ پستول میں سائلنسر فٹ ہونے کی وجہ سے صرف ٹچ...... ٹچ کی آواز ہی ابھری تھی جسے سراج نے سن لیا تھا۔ وہ ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ جوابی فائر کرتا اس لئے کہ سامنے لیاقت حسین تھا' پھر بھی بلند آواز میں پستول والے کو للکارا۔

''رک جاؤ ورنہ شوٹ کر دوں گا۔''

عمارت سے ایک سادہ لباس والا بھی دوڑتے ہوئے باہر نکلا' لیکن اسے بھی دیر ہو چکی تھی' قریب سے دو فائر ہونے کے بعد سراج کو یقین تھا کہ لیاقت حسین زندہ نہیں بچے گا لیکن اس وقت اس کی نگاہیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب لیاقت کے بجائے پستول والا دردناک آواز حلق سے خارج کرتے ہوئے زمین پر گرا۔ لیاقت حسین بدستور اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''خاتون بری طرح زخمی ہے صاحب۔'' سادہ لباس والے نے سراج کو انفارم کیا۔

''تم اسے اسی کی گاڑی میں لے کر ہسپتال پہنچو' میں آتا ہوں۔'' سراج نے اسے حکم دینے کے بعد لیاقت حسین کی طرف دیکھا' جس کی آنکھ سے ایسا تاثر ابھر رہا تھا' جیسے وہ خواب کی حالت سے دوچار ہو' وہ خود سے بھی انجان نظر آ رہا تھا۔

''لیاقت حسین' تم ٹھیک تو ہو؟'' سراج نے قریب جا کر اسے جھنجوڑا تو وہ اس طرح چونکا جیسے کوئی خواب ٹوٹ گیا ہو۔

''کک...... کیا ہوا صاحب؟'' اس نے نارمل انداز میں سراج سے سوال کیا۔ ''کیا وہ لوگ خاتون کو اغوا کر کے لے گئے؟''

سراج کو اس کا جواب سن کر حیرت ہوئی۔ اس نے فوری طور پر لیاقت کی قمیض پر نظر ڈالی وہاں اسے خون کا کوئی قطرہ بھی نظر نہیں آیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی نظر پستول سے چلائی جانے والی گولیوں کے خالی خول پر پڑی جو لیاقت کے قدموں کے قریب ہی پڑے تھے۔ سراج چکرا کر رہ گیا۔ اس نے لیاقت کی قمیض اونچی کر کے اپنا تجسس دور کرنے کی کوشش کی تو اس کے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ لیاقت حسین کے پیٹ پر دو ایسے واضح نشان موجود تھے جو گولی لگنے کے بعد موثر علاج کے بعد بھر تو جاتے ہیں لیکن اپنا نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ سراج نے قمیض چھوڑ کر لیاقت کو تیز نظروں سے گھورا۔

''میں نے تمہیں گاڑی سے اترنے سے منع کیا تھا...... یاد ہے تمہیں؟''

''یاد ہے صاحب لیکن میں...... میں شاید آپ کو دشمن کے قریب دیکھ کر آپ کی خاطر باہر آ گیا تھا۔'' لیاقت نے پلکیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

سراج نے اسے دوبارہ گاڑی میں جا کر بیٹھنے کا حکم دیا تو لیاقت خاموشی سے قدم اٹھاتے واپس جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سراج نے فوری طور پر قریبی تھانے کو حادثے کی اطلاع دی تو دس منٹ کے

اندر تھانے کی پولیس بھی ایمبولینس کے ساتھ آ گئی۔ سراج کی ہدایت پر دونوں آدمیوں کو جو بے ہوشی کی حالت سے دوچار تھے' دونوں کو ایمبولنس میں ڈال دیا گیا' بندوین کو ایک پولیس والا سٹارٹ کر کے تھانے کی طرف روانہ ہو گیا۔

''آپ تو خیریت سے ہیں سر۔'' تھانے سے آنے والے سب انسپکٹر نے دریافت کیا۔

''ہاں...... میں ٹھیک ہوں' تم جا کر ان دونوں کو لاک اپ کر دو لیکن میرا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔ تم نے خود گشت کے دوران میں ان دو افراد کو ایک خاتون کو اغوا کرتے دیکھا تھا۔ زخمی خاتون کو بھی تم نے اپنے کسی آدمی کے ذریعے اس کی کار میں قریبی ہسپتال روانہ کر دیا ہے۔ اس کی خبر گیری بھی تمہارے ذمے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ساری کارکردگی کا پورا کریڈٹ تمہیں ملے۔''

''شکریہ سر!'' سب انسپکٹر نے بڑی سعادت مندی سے سراج کا شکریہ ادا کیا۔ سراج نے اسے خاتون کا نام بھی بتا دیا۔ یہ بھی کہا کہ اسے بھی نہیں معلوم کہ زخمی خاتون کس عمارت سے باہر آئی تھی اور اسے کیوں اغوا کیا جا رہا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ اغوا برائے تاوان کا معاملہ ہو اس لئے کہ جس خاتون کا اغوا کرنے کی کوشش کی گئی وہ بے حد مالدار عورت ہے۔ اسی کی مزاحمت پر اسے زخمی کیا گیا تھا۔''

سب انسپکٹر کے جانے کے بعد سراج کے ذہن میں پھر لیاقت حسین کا تصور ابھرا۔ اس نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا وہ کسی سائنس فکشن فلم کا ایک حصہ تو قرار دیا جا سکتا تھا لیکن عملی زندگی میں اس قدر عجیب خیز...... ناقابل یقین اور حیرت انگیز صورتحال کم از کم سراج کی آٹھ سالہ پولیس سروس میں پہلے کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ وہ اسے صرف حیرت انگیز واقعہ ہی قرار دے سکتا تھا۔

سراج گاڑی میں آ کر بیٹھا تو لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

''صاحب...... آپ جس خاتون کیلئے آئے تھے وہ کدھر گئی؟''

''لیاقت حسین...... میری ایک بات غور سے سنو۔'' سراج اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''تم میرے ساتھ ضرور آئے تھے لیکن اب تم کسی خاتون کے بارے میں کسی کے سامنے زبان نہیں کھولو گے' اس بارے میں ایک لفظ بھی زبان پر نہیں لاؤ گے۔ یہ میرا حکم ہے۔''

''ٹھیک ہے صاحب...... میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔'' لیاقت حسین نے سادگی سے جواب دیا۔

اس وقت اپنے گھر میں بھی وہ انہی خیالوں میں گم تھا جب پیٹ کھجلانے کی خاطر اس کا سیدھا ہاتھ قمیض کے اندر چلا گیا۔ دو مقام پر اسے اپنے پیٹ کی جلد پر ایسے زخم محسوس ہوئے جو بھر چکے تھے' لیاقت حسین کو خود بھی تعجب ہوا۔ اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر' اس نے سوتی ہوئی فرحین کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکالا' پھر لالٹین لے کر صحن میں آیا اور تیز روشنی میں جائزہ لیا تو خود بھی حیرت کا شکار ہو گیا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے سے وہ دو مندمل گہرے زخموں کے ایسے نشان بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا جو اس سے پیشتر اسے کبھی نہیں نظر آئے تھے' وہ بڑی دیر تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ ذہن کو کریدتا رہا۔ حیرت کے عالم میں ان مندمل زخموں کے بارے میں سوچتا رہا لیکن ایسا کوئی حادثہ اسے

یاد نہیں آیا جس کی روشنی میں وہ ان زخموں کے بارے میں اپنے آپ کو مطمئن کرسکتا۔ پھر نیند پوری کرنے کیلئے وہ دوبارہ فرحین کے قریب آ کر لیٹ گیا' کچھ دیر اس کا ذہن بھٹکتا رہا' پھر وہ گہری نیند سو گیا۔

دوسرے دن لیاقت کے ذہن کو دو حیرت انگیز جھٹکے اور برداشت کرنے پڑے۔ صبح جب وہ ڈیوٹی پر جانے سے قبل نہانے گیا تو اس نے نفسیاتی طور پر پھر پیٹ کے زخموں کو دیکھنا چاہا لیکن اس کا ذہن ایک پل کو سن ہو گیا۔ کل جن زخموں کو اس نے روشنی میں پورے ہوش وحواس کے عالم میں دیکھا تھا اس وقت ان کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس نے لیاقت حسین کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ وہ حسب معمول نہا دھو کر ڈیوٹی پر چلا گیا' دن بھر اپنے کاموں میں مشغول رہا۔ اسے سراج کا انتظار تھا' وہ آتا تو اس خاتون کے بارے میں پھر اس کو کریدنے کی کوشش ضرور کرتا' لیکن اس دن سراج نہیں آیا۔

ٹھیک پونے آٹھ بجے دو کاموں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو راستے میں گل خان اپنے مکان کے سامنے پتھر کی چوکی پر بیٹھا شاید اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد گل خان نے اسے ایک اور حیرت انگیز اطلاع دی۔

''آج ہم پھر تمہارے لئے نمبر لینے ادھر منگھو پیر گیا تھا لیکن...... وہاں تو میدان بالکل صاف تھا' نہ کوئی چھولداری تھی نہ ہی لوگوں کا ہجوم۔ میں نے ایک دو آدمیوں سے معلومات کیا تو پتا چلا کہ وہ بزرگ چار چھ روز پہلے ایسا گیا کہ پھر واپس پلٹ کر نہیں آیا۔ ادھر ہی ایک بوڑھے نابینا سے بھی ملاقات ہوئی' وہ عجیب بات کہہ رہا تھا۔''

لیاقت نابینا بوڑھے کے حوالے پر چونکا۔ ''کیا کہہ رہا تھا وہ......؟''

''وہ کہہ رہا تھا کہ دیوانہ جس کام سے وہاں کسی پروانے کا انتظار کر رہا تھا' اسے نواز کر چلا گیا۔ اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔''

لیاقت حسین کے ذہن میں وہ منظر گھوم گیا جب ایک نابینا بوڑھے ہی نے اسے دیوانے کے پاس لے چلنے کی درخواست کی تھی۔ اس وقت بھی اس نے یہی کہا تھا کہ نہ جانے وہ دیوانہ کس ارادے سے اور کس کے انتظار میں ادھر دھونی رمائے بیٹھا تھا۔ لیاقت کا خیال تھا کہ اسے اور نابینا کو بھی بغیر نمبر کے اندر نہیں جانے دیا جائے گا' مگر کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اندر جا کر نابینا سستانے کے بہانے چھوٹی چھولداری کے باہر رک گیا تھا' لیاقت کو اندر بھیج دیا جہاں دیوانے کے ہاتھوں کو شاید پہلی بار حرکت میں دیکھا گیا' اس نے آنکھیں کھولے بغیر الٹے ہاتھ سے خاک کی چٹکی اٹھا کر لیاقت کے منہ میں ڈال دی' پھر تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ واپسی پر لیاقت حسین نے بوڑھے نابینا سے اندر جانے کو کہا تو وہ اسے ٹال گیا البتہ واپسی میں بھی اس نے یہی کہا تھا کہ ''کسی سے کچھ سوال جواب نہ کرنا' سیدھے قدم اٹھاتے ہوئے نکل جاؤ...... اور...... ساعتیں گزر جائیں تو پھر پلٹ کر واپس نہیں آتیں۔ تم میری بات پر عمل کرنا' ایک بات اور غور سے سن لو...... اندر جو کچھ ہوا' تم

اس کا ذکر کبھی کسی کے سامنے زبان تک نہ لانا۔ دیوانوں کی طرف سے بھی کچھ مصلحتیں' منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ اللہ بھی ان کی مدد فرماتا ہے جو خلق خدا کی بھلائی کیلئے کام کرتے ہیں۔"

لیاقت کے ذہن میں بوڑھے نابینا کے جملے گونج رہے تھے۔ اسے یاد تھا کہ واپسی میں کسی نے ان دونوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اس وقت گل خان نے بھی کسی نابینا بوڑھے کا ذکر کیا۔ یہ بھی بتایا کہ نابینا نے گل خان سے بھی اشاروں کنایوں میں یہی کہا تھا۔ "دیوانہ جس کام سے وہاں کسی پروانے کا انتظار کر رہا تھا' اسے نواز کر چلا گیا' اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

"تم کیا سوچ رہے ہو لیاقت؟" گل خان نے لیاقت کو مخاطب کیا۔ "سب مقدر کی بات ہے' جانے وہ کون خوش نصیب تھا دیوانہ جسے نواز کر چلا گیا؟ تم پریشان مت ہو' اوپر والا سب کا نگہبان ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا......" لیاقت نے مختصراً جواب دیا' پھر اس نے گھر کے دروازے پر جا کر فرحین کو آواز دی اور خود دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا' جب فرحین نے اسے بتایا کہ زرینہ جا چکی ہے تو وہ پلٹ کر اندر آ گیا۔ اس کے ذہن میں جو گتھی کل شام سے الجھ رہی تھی وہ جیسے اچانک ہی سلجھ گئی تھی اس کے ذہن میں ایک جملہ گنبد کی صدا بن کر چکرانے لگا۔

"وہ خوش نصیب تم ہی ہو لیاقت حسین! دیوانہ تمہارا ہی منتظر تھا۔ وہ تمہیں نواز کر اب کسی اور طرف نکل گیا۔"

✣✣✣

زیادہ پی لینے کے سبب افضل خان کی آنکھ صبح ذرا دیر سے کھلی لیکن وہ پریشان نہیں ہوا۔ اس لئے کہ شیخ حامد کو بیرون ملک گئے ابھی صرف ایک دن ہی گزرا تھا' اس کے علاوہ باہر کے کام کی دیکھ بھال بھی افضل خان کے ذمے تھی' اس سے سوائے بگ باس کے اور کوئی باز پرس نہیں کر سکتا تھا۔ سب سے پہلے اٹھ کر نیم گرم شاور لیا تو اس کے ذہن پر طاری بھاری پن چھٹنے لگا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد اس کے ذہن میں سب سے پہلے میڈم روبی کا خیال آیا' اس نے ایک بار پھر روبی کی پرکشش آفر پر غور کیا' پھر موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ملانے لگا۔ اس کی آنکھیں کسی شکاری عقاب کی طرح روشن نظر آ رہی تھیں۔

"ہیلو......" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز ابھری تو وہ سنبھل کر بولا۔

"مجھے میڈم روبی سے بات کرنی ہے۔"

"سوری......وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر نے بھی سختی سے ہدایت کر رکھی ہے کہ میڈم کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"

"آپ...... افضل خان نے مختصر لہجے میں اپنا مقصد واضح کرنے کی کوشش کی۔

"میں ریڈ کراس ہسپتال کی ہیڈ نرس بول رہی ہوں۔" سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔

"ڈاکٹر کا خیال ہے؟ میڈم کو کب تک ہوش آ جائے گا؟" افضل خان اور محتاط ہو گیا۔ روبی کے ہوش میں نہ آنے والی بات نے اسے چونکا دیا تھا۔

''یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''کیا وزیٹرز کو میڈم سے ملنے کی اجازت ہے؟''

''اس کا جواب ڈاکٹر ہی دے سکتے ہیں۔'' دوسری جانب سے رابطہ ختم کردیا گیا۔

افضل خان موبائل رکھ کر سوچنے لگا۔ کل رات کے وقت واپسی میں شاید میڈم روبی کسی حادثے سے دوچار ہوکر ہسپتال پہنچ گئی ہو' ممکن ہے ایک پیگ کا نشہ ہی اس حادثے کا سبب ہو' لیکن ہسپتال کی ہیڈ نرس کے لب و لہجے کی سنجیدگی نے افضل خان کو بھی ڈسٹرب کردیا تھا۔ رات وہ اسی کے اپارٹمنٹ سے گئی تھی' ہوسکتا ہے اس نے یہ بات ڈاکٹر کو بتا دی ہو کہ وہ کہاں سے آرہی تھی؟ کس سے ملنے گئی تھی؟ اس کے علاوہ بھی بہت سارے امکانات تھے' سب سے بڑی پریشانی کا سبب خود میڈم روبی کی زبان سے نکلی ہوئی وہ اہم بات تھی جسے سن کر افضل خان بھی بوکھلا گیا تھا۔

بگ باس کو واپسی کے بعد اگر میڈم روبی کے کسی حادثے کی اطلاع ملتی تو یہ بات اتنی اہم نہ ہوتی لیکن اسے یہ کھوج ضرور ہوتی کہ وہ افضل خان کے اپارٹمنٹ تک کیوں گئی تھی؟ ان دونوں کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہوئی تھی؟ افضل خان کیلئے اب ضروری ہوگیا تھا کہ میڈم روبی کے بارے میں مزید تفصیلات جاننے کی کوشش کرے لیکن اس طرح کہ کسی کو اس کی پریشانی کا علم نہ ہو۔ کسی فوری خیال کے تحت اس نے اپارٹمنٹ سے باہر نکل کر صبح کا وہ تازہ انگریزی اخبار اٹھالیا جو روز اسی جگہ ڈالا جاتا تھا۔ اندر آکر اس نے جلدی جلدی اخبار کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ تیسرے صفحے پر اسے وہ خبر مل گئی جس کی اسے تلاش تھی۔ میڈم روبی کی ایک تصویر بھی ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سٹاف رپورٹر کے حوالے سے لکھا گیا تھا کہ...... ''گزشتہ رات ڈیفنس کے ایک پوش علاقے میں سب انسپکٹر مسلح پولیس والوں کے ساتھ معمول کے گشت پر تھا جب اس نے دو مشکوک آدمی دیکھے جو کسی عورت کو سہارا دے کر اپنی وین کی طرف لے جارہے تھے۔ سب انسپکٹر کو اغوا کا شبہ ہوا تو اس نے دور سے ان افراد کو للکارا جنہوں نے کوئی جواب دینے کے بجائے پولیس کی جیپ پر فائرنگ شروع کردی۔ پولیس نے جوابی فائرنگ کی تو دونوں مشکوک افراد نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اس عرصے میں اغوا کنندگان کی جانب سے چلائی جانے والی ایک گولی میڈم روبی کے بائیں بازو پر لگی جو اس دوران میں خود کو چھڑا کر اپنی قریب کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔ مذکورہ سب انسپکٹر نے زخمی خاتون کو بے ہوشی کی حالت میں اپنے ایک سپاہی کے ساتھ اس کی گاڑی میں فوری طور پر ریڈ کراس ہسپتال روانہ کیا اور دونوں مجرموں کو جو پولیس کے مطابق پہلے بھی اغوا برائے تاوان کی کئی وارداتوں میں ملوث رہ چکے ہیں' لاک اپ کردیا۔ ہسپتال ذرائع کے مطابق اگرچہ میڈم روبی کے زخم بہت زیادہ خطرناک نہیں ہیں لیکن اگر انہیں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہوش نہ آیا تو کیس کوئی خطرناک رخ بھی اختیار کرسکتا ہے۔ ہسپتال کے وی آئی پی روم نمبر بی ون کے باہر پولیس کا پہرا لگا دیا گیا ہے۔ میڈم روبی کے ہوش میں آنے کے بعد سنسنی خیز انکشافات کی توقع کی جارہی ہے۔''

اگرچہ افضل خان کے اپارٹمنٹ کا نام نہیں آیا تھا لیکن اخباری رپورٹ پڑھ لینے کے بعد اس

کی پریشانی ضرور بڑھ گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دونوں زیر حراست مجرم میڈم روبی کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے ہوں گے۔ واپسی پر انہوں نے روبی کو اغوا کرنے کی کوشش کی ہوگی لیکن پولیس نے بروقت ان کا پلان چوپٹ کر دیا۔ بہرحال میڈم روبی کے ہوش میں آجانے کے بعد یا پھر عدالت میں دوران تفتیش اس کے اپارٹمنٹ کا نام بھی ضرور آئے گا۔ یہ بات افضل خان کیلئے کسی طور پر مناسب نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ روبی کے ہوش میں آنے کے بعد پولیس افسران اس سے تفتیش کریں' کسی نہ کسی طرح افضل خان کا اس سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

افضل خان ابھی کوئی راستہ نکالنے کے بارے میں غور ہی کر رہا تھا کہ اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے کچھ تامل کے بعد ریسیور اٹھالیا۔ ''افضل خان......'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''میں شبنم بول رہی ہوں۔'' دوسری جانب سے افضل خان کے دفتر میں کام کرنے والی ٹیلیفون آپریٹر کی آواز ابھری۔ ''تم نے آج کا اخبار دیکھا؟''

''کوئی خاص خبر......؟''

''ہاں...... مشہور کروڑ پتی خالد ریاض کی بیوہ کو کل رات کچھ لوگوں نے اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران میں پولیس کے راؤنڈ پر آجانے سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے...... بہرحال پولیس اور مجرموں کے درمیان ہونے والی فائرنگ کے دوران میں میڈم روبی بھی زخمی ہوگئی اور اس وقت وہ ریڈ کراس ہسپتال میں گزشتہ بارہ چودہ گھنٹوں سے بے ہوش پڑی ہے۔''

''تمہیں اس خبر سے کیا دلچسپی ہے؟'' افضل نے بظاہر بے پروائی سے دریافت کیا۔

''اسے جس علاقے سے زخمی حالت میں پایا گیا ہے اسی ایریا میں تمہارا اپارٹمنٹ بھی ہے۔''

''کیا کہنا چاہ رہی ہو؟'' افضل خان نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''کچھ دنوں سے یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ میڈم روبی کسی وجہ سے تمہاری شخصیت میں دلچسپی لے رہی تھی۔ شاید تم بھی......''

''نان سینس۔'' افضل خان جھلا گیا۔ ''میں اس قسم کی بے ہودگی پسند نہیں کرتا' آئندہ خیال رکھنا۔''

''تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو شاید میں بھی الجھ جاتی۔'' شبنم نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''بگ باس کے آنے میں شاید دو دن اور باقی رہ گئے ہیں۔''

''بگ باس کا ان باتوں سے کیا تعلق؟'' افضل خان نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

''ان باتوں سے نہ سہی لیکن تم سے تو ہے......'' شبنم کا لہجہ اس بار بھی معنی خیز تھا۔

''میں آدھے گھنٹے میں دفتر پہنچ رہا ہوں۔'' افضل خان نے تلملا کر کہا پھر فون بند کر دیا۔ اس کے اندر ایک نیا خطرہ سر اٹھانے لگا۔ بات اگر صرف روبی تک ہوتی تو ٹھیک تھا لیکن شبنم نے خاص طور پر بگ باس کا نام کیوں لیا تھا؟ کیا اپارٹمنٹ کے حوالے سے وہ اسے ڈرانا چاہتی تھی یا کسی طرح وہ بھی اس راز سے واقف تھی جس کا انکشاف گزشتہ رات روبی نے کیا تھا؟ شبنم روبی کو کس طرح اور

کس حیثیت سے جانتی تھی؟ دونوں کے درمیان اگر کوئی تعلق تھا تو اس کی نوعیت کیا تھی؟ اگر تعلق نہیں تھا تو پھر شبنم کو روبی کے زخمی ہونے یا نہ ہونے سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟ اور بھی کئی سوالات تھے جو اس کے ذہن میں گڈمڈ ہورہے تھے؟ اسے یہ بھی علم تھا کہ خود شبنم بھی ملازمت کے اوقات ختم ہونے کے بعد کس قسم کی زندگی گزار رہی تھی؟ اس کی ذاتی تصریحات کس نوعیت کی تھیں؟

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد افضل خان نے دفتر پہنچ کر سب سے پہلے اسے ہی اپنے آفس میں طلب کیا۔ شبنم سوئچ بورڈ دوسری آپریٹر کے حوالے کرکے افضل خان کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس وقت بھی وہ نڈر اور بے خوف ہی نظر آرہی تھی۔ اس کا لباس بھی حسب سابق نہایت ماڈرن تھا۔

''کوئی خاص حکم؟......'' اس نے خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے افضل خان سے مدھم لہجے میں دریافت کیا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''اگر میں تمہارے کسی کام آسکوں تو اسے بھی اپنی خوش قسمتی ہی سمجھوں گی۔''

''تم نے فون پر بگ باس کا حوالہ کیوں دیا تھا......؟''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر یہ بات بگ باس کے کانوں تک نہ پہنچے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ کروڑ پتی بیوہ کو اس وقت اغوا کرنے کی کوشش کی گئی جب وہ تمہارے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ سے نکل کر واپسی کے ارادے سے اپنی گاڑی میں بیٹھنے جارہی تھی۔''

''آئی۔سی......'' افضل نے مسکرا کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کی ٹھان لی۔ ''گویا اب تم میری ذاتی مصروفیات کا بھی کھوج لگانے کا کام انجام دے رہی ہو؟''

''تم جانتے ہو کہ میرا نام شبنم ہے' جو خوبصورت پھولوں پر......''

''ون منٹ......'' افضل خان اس کی بات کاٹ کر یک لخت سنجیدہ ہوگیا۔ ''میں دفتر میں اس قسم کی باتیں پسند نہیں کرتا۔ بگ باس کا بھی یہی حکم ہے کہ کسی بھی سٹاف ممبر کی سوشل لائف کا کوئی تعلق اس دفتر سے نہیں ہونا چاہئے۔''

''ریڈ کراس ہسپتال کے ایک دو کارندوں کو میں بہت قریب سے جانتی ہوں۔'' شبنم نے افضل خان کی بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بڑی رازداری سے کہا۔ ''میں کوشش کررہی ہوں کہ کسی طرح پولیس کی تفتیش شروع ہونے سے پیشتر' روبی تک پہنچ کر اس سے بات کرلوں۔''

''کس قسم کی بات......؟'' افضل خان نے اس بار قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔ شبنم کی زبانی ریڈ کراس ہسپتال کے دو تین کارندوں سے واقفیت والی بات اس کے بھی کام آسکتی تھی۔

''یہی کہ وہ تمہاری بلڈنگ میں سرے سے گئی ہی نہیں تھی۔'' شبنم نے عجیب انداز میں کہا۔ ''وہ وہاں گاڑی سے اتری ضرور تھی جیسا کہ پولیس کے ریکارڈ پر بھی درج ہوسکتا ہے' لیکن کیا ضروری ہے کہ اسے تمہارے ہی اپارٹمنٹ میں جانا مقصود ہو؟ برابر کی کسی عمارت میں وہ اپنی کسی واقف کار سے بھی ملنے جاسکتی ہے۔''

''تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟'' افضل نے کسمسا کر سوال کیا۔ ''میری بلڈنگ میں صرف میرا ہی

اپارٹمنٹ نہیں ہے اور بہت سارے لوگوں کی رہائش بھی مختلف اپارٹمنٹ میں ہے۔“

”اوکے...... اگر تمہیں بھی اس بات کا خوف نہیں ہے تو میں بلاوجہ ہی پریشان ہوئی۔“ وہ اپنا جملہ مکمل کر کے اٹھنے کیلئے پر تولنے لگی تو افضل خان نے اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ شبنم کی ذاتی واقفیت سے اسے جو سہولت مل رہی تھی وہ اسے کھونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مفاہمت کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ تم میڈم کو بہت قریب سے جانتی ہو؟“

”ہاں۔ میں اس بات سے انکار نہیں کروں گی۔“ اس بار شبنم نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

”کیا وہ تمہاری پرانی واقف کار ہے؟“

”سوری...... میں اس سوال کا جواب فی الحال نہیں دے سکوں گی۔“

”اس کے شوہر کی حادثاتی موت کے سلسلے میں تم کیا کچھ جانتی ہو؟“

”میں نہیں سمجھ سکی کہ تم اس قسم کے سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟“ شبنم نے بڑی خوبصورتی سے بات گھماتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت اہم مسئلہ یہ ہے کہ میڈم کے سلسلے میں تمہارا نام کسی طرح درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔“

”اور اگر ہماری کوشش کے باوجود ایسا نہ ہوسکا تو؟“

”تو...... ممکن ہے کہ بگ باس کے اور تمہارے راستے جدا ہو جائیں اور تم جانتے ہو کہ بگ باس کی ناراضگی مول لینا کتنا مہنگا پڑے گا۔“ شبنم نے یک لخت جذباتی انداز میں جواب دیا۔ ”میں فی الحال تمہیں بگ باس کے قریب اور زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسی میں ہم دونوں کا مفاد بھی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ افضل خان نے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ ”اگر تم میڈم سے مل کر میرے اپارٹمنٹ کا ذکر درمیان سے ختم کرا سکتی ہو تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔“

”اور اس محنت کا انعام کیا دو گے؟......“ شبنم شوخ ہونے لگی۔

”جو تم مانگو......“ افضل خان ترنگ میں آکر بولا۔ ”کہو تو ایک دو دن میں ایڈوانس ادائیگی بھی کردوں۔“

”اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔“ شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم دوسری آپریٹر کو بلا کر میرا کام سنبھالنے کی تاکید کردو۔ میں فوری طور پر ہسپتال جانا پسند کروں گی۔ ہوسکتا ہے کہ ہمارے مقدر سے کام بن جائے۔“

شبنم کے جانے کے بعد افضل خان نے سکون کا سانس لیا۔ دوسری آپریٹر کو بلا کر اسے شبنم کی ڈیوٹی انجام دینے کی ہدایت کی، پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت بھی اس کے ذہن میں ایک ہی سوال رہ رہ کر کلبلا رہا تھا۔ شبنم اور میڈم روبی کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اس کا ذاتی خیال تھا کہ وہ میڈم کے شوہر کی حادثاتی موت کے سلسلے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوگی...... لیکن یہ صرف قیاس تھا......

❖❖❖

ایس پی آغا منظور اپنے دفتر میں بیٹھا بار بار دانت پیس رہا تھا اور چیدہ چیدہ اخبار میں شائع ہونے والی میڈم روبی کی خبر پر نظر ڈال رہا تھا' جب سراج نے داخل ہوکر اسے سلام کیا اور نہایت معصومیت سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایس پی نے اسے فون پر طلب کیا تھا۔

''تم نے آج کا اخبار دیکھا؟'' آغا منظور نے اپنا اشتعال ضبط کرتے ہوئے سراج کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔ میڈم روبی کے بارے میں پڑھ کر مجھے بھی حیرت ہوئی۔''

''میں نے متعلقہ تھانے کے سب انسپکٹر کو فوری طور پر طلب کیا ہے۔ وہ بھی آتا ہی ہوگا۔''

''اخبار کی اطلاع کے مطابق دو افراد جو پہلے بھی اغوا کے جرم میں ملوث رہ چکے ہیں اس وقت پولیس کی تحویل میں......''

''یہ پریس رپورٹروں کی کہانیاں ہیں۔'' آغا منظور تلملا کر بولا۔ ''جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں وہ ممکن ہے ہماری لسٹ پر پہلے سے موجود ہوں' لیکن روبی کے اغوا کا مقصد تاوان حاصل کرنا نہیں تھا۔''

''جی' میں سمجھا نہیں......'' سراج نے تعجب کا اظہار کیا۔ وہ ایس پی کے غیظ و غضب کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کی وجہ بھی سمجھ رہا تھا۔ سراج کی ذاتی معلومات کے مطابق آغا منظور نہ صرف میڈم روبی سے دوستی کا خواہشمند تھا بلکہ اس سے شادی کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ اس کی بیوی دو سال قبل ایک موذی مرض کا شکار ہوکر فوت ہوگئی تھی۔ اس کے ہاں شادی کے بعد آٹھ سال گزر جانے کے باوجود کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یہی غم اس کی بیوی کو ایک جان لیوا مرض بن کر موت کی دہلیز تک لے گیا تھا' جس کے بعد آغا منظور کی دلچسپی اس کروڑ پتی بیوہ میں جنون کی حد تک بڑھتی جا رہی تھی۔

''فی الحال میں آپ کو تفصیل سے سمجھا بھی نہیں سکتا......لیکن اتنا پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ روبی کے اغوا ہوجانے کی صورت میں دو چار یا دس بارہ روز تک اسی قسم کی گرما گرم خبریں شائع ہوتی رہتیں کہ اغوا کنندگان اور روبی کے وکیل کے درمیان لین دین کی سودے بازی طے ہو رہی ہے پھر...... پھر کسی دن اس غریب کی مسخ شدہ لاش کسی ایسے ویرانے سے برآمد ہوتی' جہاں کتے اور گوشت خور پرندے اسے بھنبوڑ رہے ہوتے۔''

''سر......'' سراج نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''یہ بات آپ اس قدر یقین سے کس طرح......''

''جو باتیں میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ میں اس موقع پر کسی بات کا اظہار بھی نہیں کرسکتا اس لئے کہ شاید میرا وجود بھی خطروں کی زد میں آجائے لیکن...... اگر روبی کو کچھ ہوا تو پھر شاید میں بھی خاموش تماشائی نہیں رہ سکوں گا۔''

سراج کوئی اور سوال کرنا چاہتا تھا کہ وہی سب انسپکٹر آگیا' جسے سراج نے اغوا کنندگان کا سارا کریڈٹ دے دیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوکر اس نے ایس پی کو زوردار سلیوٹ کیا' پھر اس کے اشارے پر وہ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ سراج نے اس وقت دیدہ و دانستہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں

دی' بات صرف علیک سلیک تک ہی رہی۔

''جن حرامزادوں کو آپ نے تحویل میں لیا ہے ان کا کیا بیان ہے؟'' ایس پی نے تیز لہجے میں سب انسپکٹر سے سوال کیا۔ انداز جارحانہ ہی تھا۔

''انہوں نے تسلیم کرلیا ہے سر کہ وہ میڈم کو اغوا کر کے......''

''وہ بکواس کر رہے ہیں.....'' ایس پی نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پیشتر ہی میز پر ہاتھ مارتے ہوئے غصے سے کہا۔ ''آپ ان کے حلق میں ڈنڈا ڈال کر اصلیت اگلوانے کی کوشش کریں۔''

''ٹھیک ہے سر......'' سب انسپکٹر نے بے چارگی سے کہا۔ اس کے سوا وہ غریب کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

''مم...... میں خوش ہوں کہ آپ نے میڈم کو ان خطرناک لوگوں سے بروقت بچالیا۔'' ایس پی نے اس بار قدرے ستائشی انداز اختیار کیا' پھر تیوری پر بل ڈال کر بولا۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں وہ اصلیت کو زبان تک لانے سے آخری وقت تک گریز کریں گے۔ آپ ان دونوں کو اے ون قسم کا ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ دیں۔ میں نے آپ کے ایس پی سے بھی بات کرلی ہے۔''

''جی بہتر ہے سر......''

''میڈم کا کیا بیان ہے؟''

''میں اس وقت انہی کی طرف جارہا تھا سر......'' سب انسپکٹر نے وضاحت کی۔ ''کچھ دیر پیشتر ہی جس سپاہی کو میڈم کے کمرے پر تعینات کیا گیا تھا اس نے اطلاع دی تھی کہ میڈم کو ہوش آگیا ہے' میں نے ڈاکٹر سے بھی اس بات کی تصدیق کرلی تھی۔''

''ٹھیک ہے...... آپ جائیں لیکن مجھے اس بیان کی رپورٹ دینا نہیں بھولیے گا۔''

''رائٹ سر......'' سب انسپکٹر نے اٹھ کر پھر زوردار سلیوٹ کیا اور ایڑیوں کے بل گھوم کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''آپ کا شبہ کس پر ہے؟...... میرا مطلب یہ ہے کہ آخر وہ کون شخص ہے جو میڈم کو زندہ نہیں دیکھ سکتا؟'' سراج نے سب انسپکٹر کے جانے کے بعد آغا منظور کو کریدنے کی کوشش کی۔ ''کوئی نہ کوئی خاص وجہ تو ہوگی۔''

''سوری......'' ایس پی نے منہ بنا کر جواب دیا۔ ''میں اس وقت زبان کھولنے سے قاصر ہوں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس نے میڈم کے سلسلے میں باقاعدہ پلاننگ کرنے کے بعد ہی یہ قدم اٹھایا ہوگا۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

''کسی وقت موقع نکال کر اگر آپ بھی ان دونوں گرفتار ملزمان کو نفسیاتی طور پر ٹٹول لیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کارآمد بات ان کے منہ سے نکل جائے جو میرے شبے کی تصدیق کرسکے۔'' ایس پی نے ان دونوں کی شان میں پولیس لائن میں مروج گالیوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''رائٹ سر۔'' سراج نے اٹھتے ہوئے کہا' پھر وہ ایس پی کے کمرے سے نکل کر سیدھا اپنے

آفس پہنچا۔ آغا منظور کی باتیں اس کے ذہن میں بدستور گردش کر رہی تھیں' اگر اس کا خیال تھا کہ کوئی میڈم روبی کو اغوا کر کے ہلاک کرانا چاہتا تھا تو ایس پی یقیناً اس کا نام بھی جانتا ہوگا لیکن اگر مجرم صرف روبی کی موت کا خواہاں تھا تو اسے اغوا کرنے کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وین میں بیٹھے بیٹھے بھی روبی کے جسم کو خودکار آتشی رائفل کے ذریعے چھلنی کرایا جا سکتا تھا۔ مجرم بھی آسانی سے فرار ہو جاتے اور کسی پر شبے کی گنجائش بھی نہ ہوتی لیکن...... اگر آغا منظور کے ذہن میں کوئی خاص نام محفوظ تھا تو وہ بعد میں بھی زبان کھول سکتا تھا۔

سراج خاصی دیر تک اس جنجال سے الجھتا رہا' پھر فون پر ہونے والی گھنٹی نے اس کی توجہ منتشر کر دی۔

''ہیلو...... ڈی ایس پی سراج۔'' اس نے حسب عادت ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بڑے سلجھے ہوئے اور مہذب انداز میں کہا۔

''میں آپ کو پندرہ منٹ پہلے بھی کال کر چکی ہوں لیکن آپ شاید سیٹ پر نہیں تھے۔''

''کون بول رہا ہے؟'' سراج نے سنبھل کر سوال کیا۔ وہ آواز اس نے پہلی بار سنی تھی' یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ بولنے والی اپنا لب ولہجہ بدل کر گفتگو کر رہی ہے۔

''میں کوئی فرضی نام بھی لے سکتی ہوں' مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا۔'' اس بار صاف گوئی سے جواب دیا گیا۔ ''دوسری بات یہ بھی بتا دوں کہ میں ایک پبلک کالنگ بوتھ سے بات کر رہی ہوں اس لئے میرا نمبر ٹریس کرانے کی کوشش میں اپنا قیمتی ووٹ ضائع نہ کیجئے گا۔''

''کیا بات کہنی ہے؟'' سراج نے خشک انداز اختیار کیا۔

''میں میڈم روبی کے سلسلے میں آپ سے ایک خاص بات عرض کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ سننا پسند کریں گے؟''

روبی کے نام پر سراج چونکا۔ اس نے اپنا لہجہ نرم کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ ''اگرچہ اس کیس سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اگر آپ کوئی مفید اطلاع دینا چاہیں تو اسے یقیناً توجہ سے سنوں گا۔''

''صرف اتنا عرض کروں گی کہ میڈم کو اغوا کرنے والی کارروائی محض دکھاوا تھی۔''

''کیا مطلب......'' سراج چونکا۔ ''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟''

''کچھ لوگ میڈم کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔''

''وہ کون لوگ ہیں' کیا آپ ان کے نام......''

''ابھی نہیں......'' دوسری جانب سے سراج کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''اس وقت میں آپ کو جو کلیو دے رہی ہوں اس کو ذہن میں محفوظ رکھیں تاکہ بوقت ضرورت آپ کیلئے کارآمد ہو۔ دوسری بات یہ عرض کر دوں کہ آپ چونکہ سیٹھ عثمان کے دوست' ہمدرد اور کلاس فیلو بھی ہیں اس لئے میں نے بھی آپ کو دوست ہی سمجھ کر فون کیا ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو کم از کم کوئی اشارہ ہی دے دیں جو میرے لئے کارآمد ہو۔''

''سوری۔'' دوسری جانب سے مختصر جواب کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

''سراج اس کال سے الجھ کر رہ گیا' جو بات کچھ دیر پہلے آغا منظور نے اپنے دفتر میں بیٹھ کر کہی تھی' اسی سے ملتی جلتی خبر کسی نامعلوم خاتون نے اسے فون پر بھی دی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ خاتون نے سیٹھ عثمان کا محض تعارفی حوالہ دیا تھا لیکن ایس پی آغا منظور نے کسی مصلحت کی بنا پر کسی کے نام کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ بہرحال دونوں کی باتوں کا لب لباب ایک ہی تھا۔ کوئی شخصیت میڈم روبی کو نہایت چالاکی سے موت کے گھاٹ اتارنے کی خواہاں تھی۔ وہ شخصیت کون تھی؟ روبی کے مرجانے کی خواہش اس کے دل میں کیوں مچل رہی تھی؟ دونوں ہی سوال اہم تھے لیکن ان کا جواب کم از کم سراج کی پہنچ سے ابھی بہت دور تھا۔

✣✣✣

لیاقت حسین نے صبح ڈیوٹی پر پہنچ کر سب سے پہلے اندر کام کرنے والی پرانی ملازمہ سے رات بھر کی خیریت دریافت کی' پھر کوٹھی کا ایک چکر لگا کر بوڑھے غفور کے کمرے میں اس کی خیریت دریافت کرنے چلا گیا۔ غفور گزشتہ دو روز سے کمر کی تکلیف اور بخار میں مبتلا تھا۔

''اب آپ کیسے ہو بابا......؟''

''بس' زندہ ہوں لیاقت پتر۔'' غفور نے اسے شفقت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''طبیعت کا کیا بتاؤں' سب سے بڑی بیماری تو انسان کا بڑھاپا ہے' اس عمر میں طبیعت نرم و گرم تو ہوگی۔ معمولی بخار ہے ایک دو روز میں لوٹ پوٹ کر ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

''غفور بابا! تم جانتے ہو کہ بیگم صاحبہ نے جاتے وقت مجھے اس کوٹھی کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔''

''جانتا ہوں پتر اور خوش بھی ہوں...... تم نے بروقت دشمنوں کی چال کی خبر نہ دی ہوتی تو......'' غفور جملہ پورا کرتے کرتے رک گیا۔ ''نیک آدمی کو اس کی وفاداری' نیکی اور ایمانداری کا پھل بھی ضرور ملتا ہے۔''

''میں یہاں صاحب کی غیر موجودگی میں کچھ ضروری کام بھی کرنا چاہتا ہوں' مجھے یقین ہے کہ بیگم صاحبہ کو بھی آنے کے بعد کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''ضرور کرو پتر...... غفور کی دعائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔''

''اور اگر بعد میں تم نے میری تبدیلی پسند نہ کی۔ کوئی اعتراض کیا تو پھر......؟''

''تو نے یہ کیسے سوچ لیا پتر کہ میں تیری کسی بات کے خلاف آواز نکالوں گا۔''

''پکی بات۔''

''سولہ آنے پکی۔'' غفور نے کھانستے ہوئے جواب دیا تو لیاقت یک لخت سنجیدگی سے بولا۔

''پھر میں تم ہی سے شروع کرتا ہوں۔'' لیاقت نے بڑی اپنائیت سے حکم چلایا۔ ''دو روز سے

تم ٹال مٹول کر رہے ہو لیکن آج تم نے زبان ہار دی ہے تو جلدی سے منہ پر ہلکا سا پانی کا چھپکا مار کر تیار ہو جاؤ' اتنی دیر میں' میں گاڑی ادھر لاتا ہوں' تمہیں اسی وقت میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چل کر دوا لانا ہوگی۔''

''رہنے دے لیاقت پتر' میں نے ایک دیسی علاج......''

''تم نے ابھی زبان دی تھی غفور بابا۔ اور ابھی قول بھی ہار رہے ہو۔ فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔'' لیاقت اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے گاڑی لینے چلا گیا تو غفور اسے دل سے دعائیں دیتے ہوئے' چارپائی سے اٹھ کر جانے کو آمادہ ہو گیا۔

ڈاکٹر سیٹھ عثمان کا واقف کار تھا' اس نے غفور کا تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد ہسپتال ہی سے ضروری دوائیں بھی مفت دلوا دیں اور ایک ہفتہ مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ واپسی کے راستے میں لیاقت نے غفور سے کہا۔

''سن لیا اپنے کان سے بابا۔ ڈاکٹر نے ایک ہفتہ تمہیں مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پتر لیکن پودوں میں بھی انسان کی طرح زندگی ہوتی ہے' وقت پر انہیں کھاد اور پانی نہ ملے تو وہ......''

''اس کی فکر مت کرو۔'' ایک دو روز میں تمہاری ڈیوٹی کرلوں گا' پھر کسی نوجوان مالی کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ تو پھر دیکھ بھال کرنا تمہاری ہی ذمے داری ہوگی۔''

غفور کی دعا لے کر وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ اس شام اس کی ملاقات سراج سے بھی ہو گئی۔ لیاقت نے باہر لان میں چائے پانی کا بندوبست کیا' پھر سراج کے اشارے پر اس کے قریب ہی لان پر بیٹھ گیا۔

''میں تم سے ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ بات صرف ہمارے درمیان ہوگی۔'' سراج نے اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ ''تم اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے۔''

لیاقت حسین نے نے ہامی بھر لی اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''اچھی طرح غور کر کے بتاؤ کہ کیا کراچی آنے سے قبل تمہارا کسی سے ایسا جھگڑا یا ٹکراؤ ہوا تھا جس میں تم زخمی ہو گئے ہو؟''

''میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں صاحب لیکن میرا کبھی کسی کے ساتھ ایسا کوئی جھگڑا نہیں ہوا جس میں مجھے گولی لگی ہو۔'' لیاقت نے نظریں جھکا کر جواب دیا' پھر بولا۔ ''اس رات میں نے گھر جا کر تیز روشنی میں بھی وہ دو نشان بڑی حیرت سے دیکھے تھے' ایسا ہی لگا تھا جیسے کوئی خطرناک زخم بھرنے کے بعد ہمیشہ کیلئے اپنا نشان چھوڑ گیا ہو لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' سراج نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ ''تم کچھ کہتے کہتے خاموش کیوں ہو گئے؟''

''کیا کہوں صاحب۔'' لیاقت حسین نے نہایت سادگی اور معصومیت سے جواب دیا۔ ''مجھے

خود بھی حیرت ہے کہ جو نشان میں نے رات کو دیکھے تھے وہ صبح نہاتے وقت کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ میں کئی بار اپنی تسلی کر چکا ہوں۔''

''کیا تم کو اس کی کوئی وجہ بھی نہیں معلوم؟'' سراج نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''معلوم ہوتی تو آپ سے کبھی نہ چھپاتا۔'' لیاقت نے دل پر جبر کر کے جھوٹ بولا۔ وہ اس بزرگ اور بوڑھے نابینا کی کہی ہوئی بات زبان تک نہیں لا سکتا تھا۔

''کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے تمہیں اس روز گاڑی سے باہر نہ نکلنے کی تاکید کی تھی؟''

''یاد ہے صاحب......''

''پھر......تم اچانک گاڑی سے نکل کر باہر کیوں گئے؟'' سراج نے قدرے افسرانہ انداز اختیار کیا۔

''میں...... میں تو گاڑی سے نہیں اترا تھا۔'' لیاقت نے اس بار بڑے یقین سے کہا۔ ''بھلا آپ کا حکم کس طرح ٹال سکتا تھا؟''

''یہ تو یاد ہوگا کہ تم میرے دوبارہ کہنے پر گاڑی میں جا کر بیٹھے تھے؟''

''میں جھوٹ نہیں بولوں گا صاحب۔'' لیاقت نے عجیب انداز میں ذہن پر زور ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''ہاں' مجھے یاد ہے صاحب لیکن گاڑی سے اترنا مجھے یاد نہیں۔''

''گاڑی سے اترنے کے بعد تم نے کیا' کیا تھا؟'' سراج کی نظریں لیاقت حسین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''کیا' کیا تھا صاحب......؟ مجھے کچھ یاد نہیں۔'' لیاقت نے گھبرا کر ہاتھ جوڑ لئے۔ ''صاحب' مجھے کچھ بھی یاد نہیں بلکہ...... میں نے آپ سے پوچھا بھی تھا کہ اس خاتون کا کیا بنا؟''

سراج نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا' وہ تجربے کار آفیسر تھا' اس کی نگاہیں اور دل گواہی دے رہے تھے کہ لیاقت حسین نے اس وقت بھی جو جواب دیئے وہ غلط نہیں تھے۔ ایک سیدھا سادا شخص اس انداز میں دروغ گوئی کبھی نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے گھاگ مجرم بھی پولیس کے سامنے زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتے تھے لیکن لیاقت حسین نے جو کہانی پیٹ کے زخموں کے بارے میں بتائی تھی وہ پراسرار بھی تھی اور حیرت انگیز بھی...... ان زخموں کی تصدیق کیلئے وہ اس وقت بھی لیاقت حسین کو اندر گیراج میں لے گیا۔ اس نے لیاقت کی قمیض اٹھوا کر بڑی توجہ اور تفصیل سے اس کے پیٹ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ لیاقت نے غلط نہیں کہا تھا' جو نشان سراج نے اپنی نظروں سے دیکھے تھے' خود لیاقت حسین نے بھی ان کی تصدیق کی تھی لیکن اب وہ حیرت انگیز طور پر غائب تھے۔ یہ سب ناقابل یقین تھا۔ گیراج سے نکل کر دونوں دوبارہ لان میں آ گئے۔ سراج نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے لیاقت حسین کو محبت سے مخاطب کیا۔

''لیاقت حسین' تم نے ان نشانات کے بارے میں کسی اور سے تو کچھ نہیں کہا؟''

+++

''کیسے کہتا صاحب؟......'' لیاقت نے بے بسی سے کہا۔ ''اگر کسی سے کہتا تو وہ بھی مجھے دیوانہ یا پاگل ہی سمجھتا۔''

''ٹھیک ہے......تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر مجھے یقین ہے لیکن......'' سراج نے پھر ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''تم ان نشانات کے بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

لیاقت نے بڑی معصومیت سے اقرار کر لیا۔ پھر کسمسا کر پوچھا۔ ''صاحب' اس خاتون کا کیا بنا؟......کیا اس کے دشمن اسے اغوا کر کے لے گئے؟''

''نہیں......'' سراج نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''وہ خاتون ہسپتال میں داخل ہے۔ پولیس نے ان دو افراد کو گرفتار کر لیا ہے جو خاتون کو اغوا کرنا چاہتے تھے لیکن......تم اس سلسلے میں کسی اور سے مت کچھ کہنا۔''

''صاحب......ایک بات بولوں؟'' لیاقت حسین کے لہجے میں انکساری تھی۔

''بولو' کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''صاحب...... میں آپ کا اور اس گھر کا غلام ہوں پھر آپ لوگوں کے بارے میں کسی اور کے سامنے زبان کس طرح کھول سکتا ہوں؟ میں نمک حرام نہیں ہوں صاحب۔''

''پریشان مت ہو لیاقت۔'' سراج نے اس کے جواب اور اس کی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کرتے ہوئے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''میں بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے تمہیں اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔''

''خدا آپ کو خوش رکھے صاحب'' لیاقت حسین نے دل سے دعا دی پھر......سراج کے جانے کے بعد بھی اس دیوانے کے بارے میں غور کرتا رہا جو اسے پراسرار صلاحیت سے نواز کر کہیں اور نکل گیا تھا۔

+++

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ شبنم کو متعلقہ سب انسپکٹر کے آنے سے پیشتر ہی میڈم روبی سے ملاقات کی اجازت مل گئی۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے اسے دروازے پر روکا ضرور تھا لیکن ریڈ کراس کے عملے کے جونیئر ڈاکٹر کی سفارش پر اسے اجازت مل گئی۔ یہ وہی وقت تھا کہ جب سب انسپکٹر کو اچانک ایس پی منظور نے فوری طور پر طلب کر لیا تھا۔

میڈم روبی اس وقت اپنے بستر پر لیٹی گزرے ہوئے حادثے کے بارے میں غور کر رہی تھی۔ اپنے مرحوم شوہر کی موت کے بارے میں اس نے پہلی بار افضل خان کو اصلیت سے آگاہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ افضل خان، شیخ حامد کے سب سے قریب ہے، اسی لیے اس نے افضل کی شخصیت میں دلچسپی لینی شروع کی تھی اور بالآخر ایک جواء کھیلنے کا ارادہ کر کے اس کے اپارٹمنٹ بھی چلی گئی تھی۔ اسے علم تھا کہ ان دنوں شیخ حامد ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ ہر چند کہ افضل خان نے کوئی حتمی جواب نہیں دیا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ روبی کی پرکشش آفر سے انکار کرنے کے بارے میں بھی جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔

افضل خان کے اپارٹمنٹ سے نکلتے ہی اچانک وہ آدمیوں نے اسے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک فرشتہ صفت انسان نے اچانک اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اسے بچا لیا تھا۔ وہ موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل جانے کی خاطر اپنی کار کی سمت لپکی تھی، لیکن اس کے بائیں بازو میں جیسے کسی نے ناقابل برداشت قسم کی آگ بھر دی تھی، اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش مگر بے ہوش ہو گئی۔ پھر اس کی بے ہوشی ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق پورے سترہ گھنٹے گزر جانے کے بعد ختم ہوئی تھی اور......اب وہ بڑی سنجیدگی سے کچھ سوالوں کا جواب تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ وہ کون لوگ تھے جو اسے اغوا کرنا چاہتے تھے؟ کیا ان کا تعلق بھی شیخ حامد سے تھا یا وہ اسے موٹی آسامی سمجھ کر تاوان حاصل کرنے کی غرض سے اغوا کی تاک میں، کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھے؟ کیا اس واردات میں افضل خان پر بھی شبہ کیا جا سکتا تھا؟ اور وہ خدا کا نیک بندہ کون تھا جس نے جان پر کھیل کر اسے بچانے کی کوشش کی تھی؟ وہ زندہ بھی تھا یا ملزموں نے اسے مار دیا تھا؟ وہ انہی خیالات میں گم تھی جب اس نے ایک خاتون کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ چہرہ کچھ شناسا تھا لیکن وہ پہلے باقاعدہ اس سے کبھی نہیں ملی تھی۔

''ذہن پر زور نہ دیں۔'' شبنم نے بڑے دوستانہ انداز میں اس کے قریب جا کر کہا۔ ''میں یہاں ایک ڈاکٹر سے ملنے آئی تھی، آپ کے حادثے کی خبر سنی تو خیریت دریافت کرنے آ گئی۔''

''میرا خیال ہے کہ...... میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں؟'' میڈم روبی نے مدھم مگر مترنم آواز میں کہا۔

''ضرور دیکھا ہو گا۔'' شبنم مسکرائی۔ ''ایک دو بار کسی سہیلی ممبر کے ساتھ میں بھی رینیو کلب آ چکی ہوں۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ ہوش میں آ گئیں۔'' شبنم نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''باہر پولیس کا پہرہ ہے، لیکن میں ایک واقف کار ڈاکٹر کی وجہ سے آپ تک آ گئی......اب اجازت چاہوں گی۔''

''ون منٹ۔'' میڈم روبی نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''تم نے اپنا تعارف تو کرایا نہیں......''

''جی......میرا نام شبنم ہے۔''

''پیارا نام ہے...... ویسے تم کام کیا کرتی ہو؟''
''ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ٹیلیفون آپریٹر ہوں۔''
ملٹی نیشنل کمپنی کے حوالے پر میڈم روبی نے چونک کر پوچھا۔''کیا نام ہے اس کمپنی کا؟''
''میرا خیال ہے کہ آپ کو شاید اس کا نام سن کر زیادہ خوشی نہ ہوگی۔'' شبنم نے بڑی ڈپلومیسی سے ہچکچا کر کہا پھر ذرا توقف سے بولی۔''میں شیخ حامد کی کمپنی کے ہیڈ آفس میں ملازم ہوں۔''
''آئی۔سی'' میڈم روبی شیخ حامد کا نام سن کر کسمسائی پھر اس نے شبنم کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔
''تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ تمہاری کمپنی کا نام سن کر مجھے خوشی نہیں ہوگی؟''
''فی الحال میں جلدی میں ہوں اس لیے صرف اتنا عرض کر دوں کہ ہم دونوں کا دشمن ایک ہی ہے۔''
''میں سمجھی نہیں......؟'' میڈم روبی کے ذہن کو شبنم کا جواب سن کر جو ذہنی جھٹکا لگا وہ قدرتی امر تھا۔
''اس وقت میں آپ کے پاس ایک مختصر سی درخواست لے کر آئی ہوں۔'' شبنم نے کمرے میں چاروں طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے بڑی رازداری سے کہا۔'' آپ کو جن لوگوں نے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی ان کا مقصد شاید تاوان حاصل کرنا ہو لیکن افضل خان بہت گھبرایا ہوا ہے۔ اس کی درخواست ہے کہ اگر آپ اس سے ملاقات اور اس کے اپارٹمنٹ میں جانے کا ذکر کسی طرح اپنے بیان میں شامل نہ کریں تو وہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔''
''ٹھیک ہے......'' روبی نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔
''میں اس کا نام خود بھی درمیان میں لانا پسند نہیں کروں گی۔''
''بہت بہت شکریہ......''
''کیا تم میرے ہسپتال سے ریلیز ہونے کے بعد دوبارہ کسی وقت مل سکتی ہو؟''
''آپ کو اس وقت جو تجسس ہو رہا ہے میں اسے سمجھ سکتی ہوں۔'' شبنم بے حد سنجیدہ ہوگئی۔
''میں یقیناً کوشش کروں گی کہ کوئی مناسب موقع نکال کر آپ سے کم از کم ایک بار تفصیلی ملاقات کروں۔ چلتے چلتے یہ ضرور عرض کروں گی کہ میں نے موجودہ جاب کچھ سوچ سمجھ کر ہی حاصل کی ہے۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر دشمن کو میری حقیقت یا اصلیت کا علم ہو گیا تو وہ مجھے کسی پاؤں کے نیچے آئی چیونٹی سمجھ کر کچل ڈالنے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔''
''تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن ایک بات یہ بھی کبھی نہ بھولنا کہ مارنے والے کے حق میں بچانے والا زیادہ طاقت رکھتا ہے۔''
''میں اب اجازت چاہوں گی۔'' شبنم ہاتھ ملانے کے بعد جانے کیلئے پلٹی تو روبی نے تیزی سے کہا۔
''مجھے ایک اہم بات اور معلوم کرنی ہے۔''

"پوچھئے۔ اگر میرے علم میں ہوئی تو بتانے سے گریز نہیں کروں گی۔"

"تھینکس......! تم نے اخبارات میں میرے حادثے کی تفصیل ضرور پڑھی ہوگی۔ ایک نامعلوم شخص نے جو سادہ سے لباس میں تھا حیرت انگیز طور پر نہتا ہونے کے باوجود مجھے اغوا کرنے والوں کے شکنجے سے کھینچ لایا تھا' وہ کون تھا؟"

"اخبارات میں صرف علاقہ پولیس اور سب انسپکٹر کے علاوہ کسی اور کا کوئی ذکر نہیں ہے" شبنم نے جواب دیا۔

"وہاں سادہ لباس میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہوگا بھی تو اخبارات میں اس کا ذکر نہیں ہے۔"

"کسی لاش کی اطلاع بھی نہیں شائع ہوئی؟"

"جی نہیں......"

"او کے۔" میڈم روبی نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر کر کہا۔ "اپنا وعدہ یاد رکھنا' ہسپتال کے جھمیلوں سے نجات ملنے کے بعد میں تمہاری ملاقات کا انتظار بڑی شدت سے کروں گی۔"

شبنم نے دوبارہ وعدہ کیا پھر وہ خاموشی سے نکلتی چلی گئی۔ اسے خوشی تھی کہ وہ کسی بہانے میڈم روبی سے ذاتی طور پر بھی ملی تھی' اس خوشی کے پشت پر اس کی زندگی کا ایک راز تھا جس نے اسے اپنے بدترین دشمن کے دفتر میں ملازمت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ روبی کی طرح وہ بھی کسی اپنے کے لئے شیخ حامد سے پرانا حساب کتاب چکتا کرنے کیلئے بے حد مضطرب تھی۔

✣✣✣

اخبار نے علاقہ سب انسپکٹر کے حوالے سے میڈم روبی کے بارے میں جو مزید خبر شائع کی تھی اس میں یہی لکھا تھا کہ میڈم روبی جو ایک کروڑ پتی بیوہ ہے' پوش علاقے کے فلک نور اپارٹمنٹس میں اپنی ایک سہیلی سے ملنے گئی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ اپنی سہیلی کے اپارٹمنٹ میں رہی۔ واپسی میں وہ اپنی کار میں بیٹھنے جا رہی تھی جب اسے دو افراد نے اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن پولیس کی گشتی پارٹی نے اسے بروقت بچا لیا۔ پولیس کو اپنے بیان میں اس نے یہی ظاہر کیا تھا کہ اس کا کوئی دشمن نہیں ہے جس پر وہ شبے کا اظہار کر سکے۔ اس کا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ کسی پیشہ ور گروہ نے اسے تاوان کی خاطر اغوا کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ آخر میں یہ بھی درج تھا کہ میڈم روبی نے متعلق سب انسپکٹر کو اپنی جیب خاص سے بیس ہزار بطور انعام دیے ہیں اور آئی جی سے اس کی ترقی کی سفارش بھی کی ہے۔ جن دو افراد کو پولیس نے گرفتار کیا تھا انہوں نے عدالت کے روبرو اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ اس سے پیشتر بھی وہ ایک بار چھ ماہ قید بامشقت کی سزا بھگت چکے ہیں۔

افضل خان نے پوری تفصیل پڑھنے کے بعد سکون کا سانس لیا۔ میڈم روبی نے اس کے اپارٹمنٹ یا اس سے ملاقات کے سلسلے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ شبنم نے گزشتہ روز اسے میڈم سے اپنی ملاقات کے بارے میں جو تفصیل بتائی تھی وہ غلط نہیں تھی' افضل خان نے شبنم کی اس مہربانی کو بھی اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا تھا کہ وہ بھی افضل خان کو پسند کرتی تھی۔ دبی زبان اور اشاروں

کنایوں میں اس کا اظہار بھی کر چکی تھی لیکن افضل خان نے ابھی تک اس طرح کا قدم اٹھانے سے محض اس لیے گریز کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ایک ہی دفتر میں کام کرتی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ خود بھی اسے پسند کرتا تھا مگر بگ باس کے اچانک نازل ہونے والے عتاب سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا۔ بہرحال اخبار تفصیل سے پڑھنے کے بعد اس نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا لیکن اس کا یہ اطمینان دوسری صبح دفتر پہنچتے ہی ختم ہو گیا۔ وہ وقت پر دفتر پہنچا تھا اس کے سیٹ پر بیٹھنے کے آدھے گھنٹے بعد چپراسی نے اسے بگ باس کی آمد کی اطلاع دی پھر پندرہ بیس منٹ میں اس کی طلبی کا حکم بھی آ گیا۔

حسب معمول اس وقت بھی شیخ حامد اپنے مخصوص ساؤنڈ پروف کمرے میں موجود تھا۔ اس کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔ افضل خان کے سلام کا جواب بھی اس نے اشارے سے دیا۔ پھر اسی کے اشارے پر وہ سامنے والی خالی نشست پر بیٹھ گیا۔

شیخ حامد کچھ دیر خاموش بیٹھا سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو میز کے شیشے پر دباتا اٹھاتا رہا پھر اس نے افضل خان سے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔ ''میری غیر موجودگی کے درمیان کوئی خاص رپورٹ؟''

''باقی سب ٹھیک رہا لیکن۔''

''میڈم روبی کے اغوا کی تفصیل میں سن بھی چکا ہوں اور اس کی تفصیلات اخبار میں بھی دیکھ چکا ہوں۔'' شیخ حامد نے اس کا جملہ کاٹ کر بدستور خشک انداز میں کہا۔ ''اخبار میں جس اپارٹمنٹ کا ذکر ہے وہ شاید تمہارے اپارٹمنٹ کے بہت قریب ہے۔''

''یس باس......'' افضل خان نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

''میڈم روبی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو......؟''

''وہ ایک کروڑ پتی بیوہ ہے...... اس کے شوہر کا انتقال کہیں بیرون ملک ہوا تھا' شوہر کی زندگی میں وہ ایک مکمل گھریلو عورت تھی' لیکن اس کے بعد ادھر غالباً ایک یا ڈیڑھ ماہ سے وہ بالکل ماڈرن انداز میں منظر عام پر آئی ہے۔ فائیو سٹار ہوٹلوں کے بینکویٹ ہالز اور کئی وی آئی پی ٹائپ کلبوں کی ممبر بھی ہے۔''

''تمہاری اس سے کوئی ذاتی واقفیت......؟'' شیخ حامد کی عقابی نظریں بدستور افضل خان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی......'' افضل خان نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''وہ میرے لبوں سے خاصی اونچی چیز ہے' مردوں سے زیادہ گھلنا ملنا بھی پسند نہیں کرتی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم بھی رینبو کلب کے باقاعدہ ممبر ہو اور وہاں کے منیجر سے تمہاری خاصی بے تکلفی بھی ہے۔''

''یس باس' لیکن......''

''میں چاہتا ہوں کہ تم روبی سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔'' شیخ حامد کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

''جس حد تک بھی جا سکو میری طرف سے اس کی پوری اجازت ہے۔''

''او کے باس۔'' افضل خان نے کسمسا کر مدھم آواز میں کہا۔

''تم نے میرے اس نئے حکم کی کوئی وجہ نہیں پوچھی؟''

''میرا کام آپ کے حکم کی پیروی کرنا ہے۔'' افضل خان نے سعادت مندی کا اظہار کیا۔''میں نے وجہ جاننے کی کبھی کوشش بھی نہیں کی۔''

''اچھا کیا تم نے۔'' شیخ حامد پہلی بار مسکرایا۔''میں آئندہ بھی تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ کسی بات کو کریدنے کی کوشش کرو لیکن...... میڈم روبی کے بارے میں تم کو یہ ضرور بتانا پسند کروں گا کہ وہ بھی میرے مخالف گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔''

''ایسی صورت میں تو اسے راستے سے......''

''نہیں......'' شیخ حامد کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔''ناگن کا پھن کچل دینے کے بجائے اسے بین کی لے پر ناچتے ہوئے دیکھنا مجھے زیادہ پسند ہے' تم سمجھ رہے ہو میری بات؟''

''یس سر......'' افضل خان نے بھی زیر لب مسکرا کر کہا۔''ایسی تصویری بلیک میلنگ اسٹف جو اس ناگن کی نظریں ہمیشہ نیچی رکھے۔''

''کام ہوشیاری سے کرنا......'' شیخ حامد یک لخت دوبارہ سنجیدہ ہو گیا۔''میں میڈم روبی کے سلسلے میں تمہاری ناکامی کی کوئی وجہ نہیں سنوں گا۔''

''ایسا کبھی نہیں ہو گا باس......''

''میرے پاس ایک اطلاع اور بھی ہے۔''

''وہ کیا باس؟'' افضل خان نے دریافت کیا۔

''وحید کی ناکامی کا سبب کون تھا؟ اس کا نام جانتے ہو؟''

''وہ......سیٹھ عثمان کا ملازم لیاقت حسین تھا جو اب وہاں ڈرائیوری کے فرائض......''

''میڈم کے سلسلے میں اخبارات میں جو تفصیل آئی ہے وہ مکمل نہیں ہے۔'' شیخ حامد نے افضل خان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئی کہا۔''اس رات میرے مخبر کی اطلاع کے مطابق ڈی ایس پی سراج بھی کہیں قریب ہی گاڑی میں بیٹھا اس خوبصورت ناگن کی نقل و حرکت واچ کر رہا تھا اس کے ساتھ لیاقت حسین بھی تھا۔'' شیخ حامد ایک پل کو خاموش ہو گیا۔''اسی کمبخت کی وجہ سے خوبصورت ناگن ہمارے پٹارے میں آتے آتے رہ گئی۔''

''یہ بات میرے علم میں نہیں ہے۔'' افضل خان نے پہلو بدل کر بگ باس کے جملے کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔

''سراج کس لیے میڈم روبی کی نگرانی کر رہا تھا؟''

''یہ بھی معلوم ہو جائے گا' لیکن اب لیاقت حسین پر بھی نظر رکھو......'' شیخ حامد نے کسی زخمی ناگ کی طرح بل کھا کر حکم دیا۔''وہ کہاں رہتا ہے؟ اس کے ساتھ اور کتنے نمک حلال افراد ہیں؟''

کس وقت ڈیوٹی پر ہوتا ہے؟ کس وقت جاتا ہے؟ مجھے یہ ساری تفصیل درکار ہے۔ جو شخص دوبارہ میرا راستہ کاٹ جائے میں اسے زیادہ دنوں برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں باس لیکن کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم کوئی شارٹ کٹ......"

"نان سینس......" شیخ حامد کے تیور اچانک ہی خطرناک ہو گئے۔ "جتنا حکم دیا جائے صرف اسی پر عمل کیا کرو...... میں نے تم سے کوئی مشورہ طلب نہیں کیا تھا...... ناؤ گیٹ لاسٹ......"

"سوری سر......" افضل خان نے سہمے انداز میں کہا پھر تیزی سے اٹھ کر کسی پالتو کتے کی طرح دم ہلاتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

✣✣✣

گل خان' زرینہ اور فرحین کو لاری اڈے پہنچانے کے بعد لیاقت حسین ٹھیک ساڑھے دس بجے اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔ اس نے بس کے ٹکٹ اور سیٹیں دو روز پہلے ہی بک کرا لیے تھے۔ ایک دن پہلے اندر کی پرانی ملازمہ اور گارڈ کو بھی مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈیوٹی پر ڈیڑھ دو گھنٹے لیٹ آئے گا۔ اسے فرحین کے چلے جانے کی خوشی بھی تھی اور اپنی تنہائی کا احساس بھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس طرح فرحین کو جن خوابوں نے پریشان کر رکھا تھا وہ ان سے کچھ دور ہو جائے اور مہینے ڈیڑھ مہینے گھر والوں سے بھی مل آئے۔ یہ بھی جانتا تھا کہ فرحین اور گل خان کی غیر موجودگی میں اس کا وقت گزارنا مشکل ہو جائے گا۔

فرحین کی خواہش تھی کہ لیاقت حسین کی ماں کیلئے جمع کی ہوئی رقم بھی ساتھ لے جائے۔ لیکن لیاقت حسین نے اسے سمجھا بجھا کر وہ رقم ایک روز پہلے ہی منی آرڈر کر دی تھی' اس نے اپنے گھر والوں کو بھی فرحین کی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی' اس لیے کہ فرحین کو اچانک دیکھ کر گھر والوں کو جو خوشی ہوئی' اسے وہ ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ڈیوٹی پر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے پرانی ملازمہ کو اطلاع دی پھر حسب معمول کوٹھی کا ایک راؤنڈ لگانے کے بعد چاچا غفور کے پاس آ گیا۔ اس نے ایک روز قبل ہی گل خان کے توسط سے جوان مالی کا انتظام کر لیا تھا۔ راؤنڈ لیتے وقت اس نے نئے ملازم رب نواز کو کام میں مصروف دیکھا تھا۔

"اب طبیعت کیسی ہے غفور بابا......؟"

"اوپر والے کا کرم اور تیری مہربانی ہے پتر' ڈاکٹر کی دوائی سے آرام بھی ملا اور......" غفور نے لیاقت کو شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو نے نئے مالی رب نواز کو رکھ کر میرا کام ہلکا کر دیا ہے۔ رب تیرا بھلا کرے۔"

"بھروسے کا آدمی ہے بابا...... میں نے ٹھونک بجا کر اطمینان کر لیا تھا' میرے دوست کا واقف کار بھی ہے۔"

"اپنا کام بھی چنگی طرح جانتا ہے پتر۔" غفور نے کہا۔ "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے پودوں سے محبت بھی ہے۔"

لیاقت حسین کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اندر سے بلاوا آ گیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب گھر کی دیکھ بھال کرنے والی بیگم صاحبہ نے اسے طلب کیا تھا۔ وہ کوٹھی کے دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک ملازمہ اس کی منتظر تھی' اسے اندر بلا لیا گیا۔ سامنے ایک ادھیڑ عمر کی خاتون کھڑی تھیں۔ لیاقت حسین نے ان پر نظر پڑتے ہی سلام کرنے کے ساتھ ساتھ نظریں بھی جھکا لیں۔ پہلی نظر میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ نیک دل اور بردبار خاتون تھیں۔

''سنا ہے تم آج دو گھنٹے لیٹ آئے ہو؟''

''جی ہاں' میں نے کل......''

''مجھے علم ہو چکا ہے کہ تم نے بیوی کو اس کے گھر بھیجا ہے۔'' خاتون نے مہذب لہجے میں کہا۔ ''کیا تمہارے گھر میں کوئی اور بھی رہتا ہے؟''

''جی نہیں......'' لیاقت نے دبی زبان میں جواب دیا ''اور تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔'' خاتون نے جواب کے ساتھ ایک حکم بھی سنا دیا۔ ''آج سے دونوں وقت کا کھانا اور ناشتا تم ادھر کوٹھی پر ہی کرو گے۔ میں کسی قسم کا انکار نہیں سنوں گی۔ کل راحیلہ اور عثمان کا فون آیا تھا' ان دونوں کا بھی یہی حکم ہے۔''

''آپ لوگوں کا حکم سر آنکھوں پر۔'' لیاقت حسین نے بڑی عقیدت سے جواب دیا۔ ''اب میں وقت پر آؤں گا لیکن رات کو ذرا دیر سے جایا کروں گا۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے لیاقت حسین۔'' اس بار بے حد اپنایت اور پیار بھرے لہجے میں کہا گیا ''عثمان اور راحیلہ بھی تمہیں ملازم نہیں' بلکہ گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے ہیں اور بھی کسی قسم کی ضرورت ہو تو کسی تکلف سے کام نہ لینا۔ مجھے خوشی ہو گی۔''

''بڑی مہربانی بیگم صاحبہ'' لیاقت نے کہا پھر سلام کر کے نظریں جھکائے جھکائے واپس آ گیا۔ نئی بیگم صاحبہ نے اس سے جس محبت اور اپنائیت کا اظہار کیا تھا وہ بھی اس کیلئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔

اس روز اس نے دوپہر کا کھانا بوڑھے مالی غفور کے ساتھ اسی کے کمرے میں کھایا۔ کھانا ختم کر کے وہ گھر کے باہر چکر لگانے نکلا' گیٹ سے نکلتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ گل خان کو گھر کے سامنے دیکھ کر اس کے ذہن میں بے شمار وسوسے سر ابھارنے لگے۔ گل خان بھی اسے دیکھ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا قریب آ گیا۔

''کیا بات ہے گل خان؟'' لیاقت نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ''کیا تم لوگ گیا نہیں......؟''

''لیاقت...... میرے یار'' گل خان پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ ''بس روانہ ہونے سے پندرہ منٹ پہلے ہم حاجت پورا کرنے ذرا ادھر گیا واپس آیا تو پتہ چلا کہ کچھ نقاب پوش ایک لینڈ کروزر جیسا بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر آیا۔ جب وہ باہر نکلے تو ان کی تعداد چار تھی' سب کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ وہ...... وہ تیری فرحین اور اپنی زرینہ کو زبردستی گھسیٹ کر لے گئے۔ کنڈیکٹر نے انہیں روکنے

کی کوشش کی تو اسے بھی رائفلوں کے بٹ مار کر نیچے گرا دیا...... مسافروں میں سے بھی کوئی مدد کیلئے سامنے نہیں ایا۔ جانے وہ کون خدائی خوار تھے؟''

لیاقت حسین کو زمین اپنے قدموں تلے سرکتی محسوس ہوئی۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ کر سرخ ہونے لگا۔

✣✣✣

غصے کی شدت سے لیاقت حسین کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ گل خان نے زرینہ اور فرحین کے اغوا کی خبر سنا کر ایک لمحے کو اسے بالکل گنگ کر دیا تھا' اس کے اندر طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا' اس شہر میں اس کی کسی سے دشمنی نہیں تھی۔ اتنا دولت مند بھی تھا نہیں کہ وہ معمولی تاوان کی ادائیگی ہی کر سکتا پھر؟ ان دونوں کو کیوں اغوا کیا گیا؟ کس نے اغوا کیا؟...... اس کے ذہن میں مختلف خیالات ابھر رہے تھے' جب گل خان کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ''کیا سوچ رہے ہو لیاقت' ہمیں فوری طور پر اس معاملے کی رپورٹ تھانے میں درج کرانی چاہیے۔''

''نہیں...... ہم کو سب سے پہلے سراج صاحب سے بات کرنی ہو گی لیکن...... کسی نے گاڑی کا نمبر نوٹ کیا تھا؟''

''کدھر سے کرتا......'' گل نے جھلا کر جواب دیا۔

''ان خنزیر کے بچوں نے نمبر پلیٹ کے اوپر سیاہ چمڑے کا کور ڈال رکھا تھا۔ ان کے چہرے بھی نقاب میں چھپے ہوئے تھے۔ خدا جانے وہ دونوں کس حال میں ہو گا......؟''

''تمہاری ادھر کسی سے کوئی پرانی دشمنی تو نہیں چل رہی تھی؟''

''نہیں......''

''پھر...... ان کو ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہی تو سوچنے کی بات ہے'' گل خان نے ہاتھ مسلتے ہوئے جواب دیا۔ ''گاڑی میں اور بھی لڑکیاں اور عورتیں موجود تھیں لیکن میرا دل بولتا ہے کہ وہ کسی کے اشارے پر صرف ہماری آبرو کا جنازہ اٹھانے آئے تھے۔ خدا ان خانہ خرابوں کا بیڑا غرق کرے۔''

لیاقت حسین کے ذہن میں بھی قسم قسم کے شبہات ابھر رہے تھے۔ وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے گل خان کو ساتھ لے کر دوبارہ بس اڈے پر پہنچ گیا۔ رات تک وہ دونوں وہاں دکانداروں' ٹھیلے والوں' ٹکٹ گھر والوں اور دوسری بسوں میں کام کرنے والے لوگوں سے اس بارے میں پوچھتے رہے لیکن کہیں سے بھی کوئی مفید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ وہاں سے مایوس ہو کر وہ سراج کے دفتر پہنچ گیا لیکن اس وقت وہاں صرف ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ وہ لیاقت کو ایک دو بار دیکھ چکا تھا اس لیے نرمی سے بولا۔

''صاحب کا ڈیوٹی تو شام چھ بجے ختم ہو جاتا ہے۔''

''پھر...... اس وقت وہ کہاں ہوں گے؟'' لیاقت نے پوچھا۔

سپاہی نے تھوڑی حیل وحجت کے بعد اسے گھر کا پتا بتا دیا۔ گل خان نے رکشا نہیں چھوڑا تھا' وہ اس کا واقف کار بھی تھا اور قریب ہی بستی میں رہتا تھا۔ لیاقت اس کے ساتھ بیٹھ کر سراج کی رہائشگاہ کی طرف چل پڑا۔ اسے یقین تھا کہ سراج ہی اس کیلئے کچھ کر سکتا تھا۔ اتنے بڑے شہر میں وہ اور گل خان کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے۔

رات کے تقریباً پونے گیارہ بجے سراج نے لیاقت حسین اور گل خان کو دیکھا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ لیاقت حسین نے ایک ہی سانس میں اسے ساری کہانی سنا ڈالی پھر ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کچھ کرو صاحب...... ورنہ ہم دونوں برادری میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

سراج ان دونوں کے ساتھ لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گیا۔ فوری طور پر وہ کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' تادیر وہ لیاقت حسین کی سنائی ہوئی کہانی پر غور کرتا رہا پھر اس کے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا' جو لوگ لینڈ کروزر میں پوری تیاری سے آئے تھے۔ ان کی پشت پر کوئی لمبا ہاتھ بھی ضرور ہوگا۔ وحید ڈرائیور کی غداری اگر کام آ جاتی تو سیٹھ عثمان کی موت یقینی تھی لیکن لیاقت نے بروقت اپنے تجربے کی بنا پر ٹائم بم کی اطلاع دے کر مجرموں کی امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔ اس کے بعد میڈم روبی کے اغوا کی ناکامی میں بھی لیاقت حسین نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ ممکن ہے ان دو ناکامیوں کی وجہ سے کسی دشمن نے لیاقت حسین کو وقتی طور پر ایک وارننگ دینے کی خاطر فرحین اور زرینہ کو اغوا کرا لیا ہو۔ زرینہ ساتھ تھی اس لیے وہ بھی لپیٹ میں آ گئی۔

سراج کا ذہن کسی نتیجے پر پہنچنے کی خاطر تانے بانے بنتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ وحید کی غداری کی پشت پر شیخ حامد اور افضل خان کا ہاتھ شامل تھا' اسی لیے اس نے وقتی طور پر سیٹھ عثمان اور راحیلہ کو دو مہینے کیلئے بیرون ملک بھیج دیا تھا۔ ڈی آئی جی کرائمز کو اعتماد میں لے کر اس نے شیخ حامد کو ٹریپ کرنے کا خطرہ بھی مول لے لیا تھا لیکن میڈم روبی کے اغوا سے شیخ حامد کا کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ یک لخت سراج کے ذہن میں ایک نئے شبے نے سر ابھارا۔ ہو سکتا ہے کہ میڈم روبی کے اغوا میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے شیخ حامد ہی کا ہاتھ شامل ہو' اسے بھی ایسے وقت اغوا کیا جا رہا تھا جب خود شیخ حامد ملک سے باہر تھا۔ اس نئے خیال نے سراج کو اور بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

''ہمارے لیے کیا حکم ہے صاحب......'' لیاقت نے سراج کی طویل خاموشی سے تنگ آ کر دبی زبان میں پوچھا۔

''میں تمہارے ہی معاملے پر غور کر رہا تھا۔'' سراج نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جس نتیجے پر میں پہنچا ہوں اگر وہ صحیح ہے تو تمہاری اور گل خان کی بیوی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انہیں لے گئے ہیں وہ تم سے کسی وقت رابطہ کرنے کی کوشش بھی کریں۔ اگر ایسا ہو تو تم ان سے سنبھل کر بات کرنا' خود کو قابو ہی میں رکھنا ورنہ بات پھر بڑھ بھی سکتی ہے۔''

''صاحب......'' لیاقت حسین نے ہاتھ جوڑ کر منت کی۔ ''اگر آپ کو کسی پلید پر شبہ ہے تو مجھے بتا دو۔ میں فرحین اور زرینہ بہن کی خاطر موت سے بھی ٹکرانے کو تیار ہوں۔''

"پریشان مت ہو۔" سراج نے اسے سمجھایا۔ "جو لوگ لینڈ کروزر میں بیٹھ کر آئے تھے ان کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ تم ان کے قریب بھی نہیں جا سکو گے۔"

"لیکن ان خدائی خواروں کو ہم سے کیا دشمنی ہے؟" اس بار گل خان نے سوال کیا۔

"میرے کہنے پر صرف چوبیس گھنٹے صبر سے کام لو۔" سراج نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس کے بعد میں تمہارے ساتھ شریک ہونے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔"

"سراج صاحب' آپ مجھے خالی......" لیاقت نے پہلو بدل کر کچھ کہنا چاہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سراج لیاقت کا ہاتھ تھام کر ایک طرف لے گیا۔ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ "جن لوگوں نے تمہارے صاحب کی گاڑی میں ٹائم بم فٹ کرایا تھا۔ مجھے یہ ان ہی کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔" پھر اس نے میڈم روبی کے حوالے سے بھی دبی زبان میں کہا۔ "تم نے جس طرح اس خاتون کو اغوا ہونے سے بچایا وہ تمہیں بھی یاد نہیں رہا۔" سراج سانس لینے کے بعد بولا۔ "تم کوئی خاص بات زبان تک نہیں لانا چاہتے تو میں اصرار بھی نہیں کروں گا لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو...... جو کچھ ہوا کیا وہ تمہارے لیے کسی عجوبے سے کم ہے؟"

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہو صاحب وہ میں بھی سمجھ رہا ہوں لیکن آپ یقین کرو کہ میں اس دن گاڑی سے نیچے نہیں اترا تھا۔" لیاقت نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ لیکن ان باتوں کا فرحین اور زرینہ کے اغوا سے کیا تعلق تھا؟ یہ بات اس کے دماغ میں نہیں آ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے' لیکن تم میری خاطر صرف چوبیس گھنٹے خاموش رہو...... کسی سے کچھ نہ کہنا۔ اس دوران اگر کوئی تم سے کسی ذریعے سے رابطہ کرے تو مجھے فوری اطلاع دینا۔ میں جس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہوں اگر وہ درست ہوا تو پھر میں چوبیس گھنٹے کے بعد وہی کروں گا جو تم کہو گے' لیکن اس وقت تک تمہارا گرمی دکھانا تمہاری بیوی اور زرینہ دونوں کے حق میں خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب...... جو آپ کا حکم لیکن میرے اندر جو آگ بھڑک رہی ہے وہ میرے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔" لیاقت حسین کی آواز رندھ گئی۔ سراج نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو...... فرحین اور زرینہ میرے لیے بھی اتنی ہی قابل احترام ہیں جتنی تم دونوں کیلئے لیکن میں نے جو مدت مقرر کر دی ہے اس کے دوران کوئی جلد بازی نہ کر بیٹھنا۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ وہ جہاں بھی ہوں گی' ان کی عزت پر کوئی ہاتھ ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کرے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو صاحب ورنہ ہم اپنی عزت کی خاطر کسی قربانی دینے سے منہ نہیں موڑے گا۔"

سراج نے جو باتیں اس کے دماغ میں بٹھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی حد تک لیاقت حسین کی سمجھ میں آ رہی تھی لیکن گل خان واپسی میں بھی رہ رہ کر بل کھا رہا تھا' اس نے لیاقت سے پوچھا بھی تھا۔

''پولیس والا آفیسر تم کو علیحدہ لے جا کر کیا بات کر رہا تھا؟''

''چوبیس گھنٹے تک دل پر پتھر رکھ لو گل خان۔'' لیاقت حسین نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''ہم دونوں کے دل پر ایک ہی جیسا گھاؤ لگا ہے' جس نے بھی ہماری عزت اور آبرو پر ہاتھ ڈالا ہے وہ جب بھی بے نقاب ہوگا میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا' بعد میں پھانسی کا پھندا بھی برداشت کر لوں گا۔''

''مگر تمہارے سراج صاحب نے......''

''وہ تجربہ کار آفیسر ہے۔'' لیاقت نے گل خان کو مطمئن کرنے کی خاطر جواب دیا۔ ''اس کی مدد کے بغیر ہم اپنا خون جلانے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

گل خان نے پھر کوئی سوال نہیں کیا لیکن وہ لیاقت حسین کی بات سے پورطرح مطمئن بھی نہیں ہوا۔

+++

افضل خان اس وقت شغل مے نوشی میں مصروف تھا۔

شیخ حامد کا ایک اور نیا معاملہ نمٹانے کے بعد وہ ٹھیک آٹھ بجے اپنے اپارٹمنٹ پہنچ گیا تھا۔ نیم گرم پانی سے نہا لینے کے بعد اس کی دن بھر کی تھکن دور ہو گئی۔ وہ صوفے پر بیٹھا بظاہر ٹی وی دیکھ رہا تھا' ایک پیگ ختم ہو جاتا تو دوسرا تیار کر لیتا لیکن اس تمام مشغولیت کے باوجود اس کا ذہن اس وقت بھی بگ باس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیاقت حسین کے بارے میں اس نے تمام معلومات حاصل کر کے اوپر سے ملنے والی ہدایت کے مطابق لیاقت حسین کی بیوی کے اغوا کے سلسلے میں ان افراد کی ٹیم تشکیل دی تھی جن کو محض غیر قانونی سرگرمیوں کی خاطر پالا جا رہا تھا۔ شیخ حامد کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے...... ''جو شخص دو بار میرا راستہ کاٹ جائے میں اسے زیادہ دنوں برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

افضل خان کو اس بات کا علم تھا کہ لیاقت حسین نے ہی سیٹھ عثمان کی گاڑی میں نصب شدہ ٹائم بم کا کھوج نکال کر سیٹھ عثمان کو موت کا لقمہ بننے سے بچا لیا تھا لیکن یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ اسی لیاقت حسین نے میڈم روبی کے اغوا کو بھی حیرت انگیز طور پر بروقت ناکام بنا دیا تھا' اس اطلاع کے ساتھ بگ باس نے ایک اہم بات اور کہی تھی۔ ''لیاقت حسین ہی کی وجہ سے ایک ناگن ہمارے پٹارے میں آتے آتے رہ گئی۔'' ناگن کے حوالے سے اس نے میڈم روبی کا نام بھی لیا تھا۔ اسے راستے سے ہٹا دینے کے بجائے یہ بھی کہا تھا کہ ''ناگن کا پھل کچل دینے کے بجائے اسے بین کی لے پر ناچتے ہوئے دیکھنا مجھے زیادہ پسند ہے۔'' اس کے بعد بگ باس نے اسے میڈم کو محبت کے جال میں پھنس کر حد سے گزر جانے کی اجازت بھی دے دی تھی اور...... بگ باس کی دو باتیں یہ ثابت کرنے کیلئے کافی تھیں کہ اسی نے میڈم روبی کے شوہر کو کسی بزنس ڈیلنگ کے سبب اپنے راستے سے ہٹا دیا ہوگا۔

افضل خان کا ذہن ان باتوں کے ساتھ ساتھ روبی کے بارے میں بھی سوچنے لگا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس نے شوہر کا انتقام لینے کی خاطر اس جو پیشکش کی تھی وہ بھی خود اسی کی طرح حسین تھی اب زیادہ پرکشش بن گئی تھی اس لیے کہ بگ باس نے روبی کے ساتھ گھلنے ملنے اور اسے بے آبرو کر کے ایسی تصاویر حاصل کرنے کا اشارہ دیا تھا جس کے بعد روبی جیسی باعزت عورت بھی اس کے اشاروں پر ناچنے کیلئے مجبور ہو جاتی۔ افضل خان کے تصور میں روبی کا حسین اور گداز جسم ابھرا تو اس کے ہونٹوں پر شرابی مسکراہٹ پھیل گئی۔ گلاس خالی کرنے کے بعد وہ دوسرا پیگ تیار کر رہا تھا۔ جب قریب رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ افضل خان نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''کام خیر و خوبی سے انجام پا گیا جناب۔'' دوسری طرف سے کسی نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''ہم نے انہیں لاری اڈے سے دبوچ لیا' لیکن گیہوں کے ساتھ ایک گھن بھی پس گیا۔''

''کیا مطلب......؟'' افضل خان نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ اکیلی نہیں تھی جناب' اس کے ساتھ اس کی ایک سہیلی اور اس کا مرد بھی تھا۔'' دوسری جانب سے بے پروائی سے جواب ملا۔ ''اس نے ہمارے انار دانے کو بچانے کی کوشش کی تھی لیکن ہم نے چار چھ بٹ مار کر اس کی ساری تن فن بھی نکال دی۔''

''کہاں رکھا ہے دونوں کو......؟''

''وہیں جہاں ایسی خوبصورت تتلیاں رکھی جاتی ہیں۔ نمبر تھری......انڈر گراؤنڈ' ویسے دونوں ہی تر و تازہ مال ہیں۔ کیا آپ کی طرف سے اجازت ہے؟'' آخری جملے بڑے بازاری انداز میں کہے گئے۔

''نہیں......'' افضل خان نے خشک لہجے میں کہا۔

''باس کے اشارے کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا مطلب صرف موت ہوتا ہے...... دردناک موت۔''

''چارا پانی کیا جائے......؟''

''وہی جو سب کو ملتا ہے' ویسے بگ باس انہیں زیادہ دن نہیں رکھے گا۔''

''پھر......''

''اپنے کام سے کام رکھو۔ اوپر سے جو آرڈر ملے گا وہ بھی تمہیں پہنچا دیا جائے گا۔ کوئی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا ورنہ......'' افضل خان نے جملہ ادھورا چھوڑ کر لائن کاٹ دی' پھر اس نے سب سے پہلے بگ باس کو فرحین اور زرینہ کے قابو میں آ جانے کی اطلاع دی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے دو چار لمبے لمبے گھونٹ لیے پھر کچھ سوچ کر روبی کے گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ روبی کو صبح ہی ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ تین چار گھنٹوں کے بعد کسی خاتون نے کال ریسیو کی۔

''ہیلو......''

''مجھے میڈم سے بات کرنی ہے۔''

''وہ اس وقت آرام کر رہی ہیں۔'' فون اٹھانے والی نے جواب دیا۔

''میں افضل خان بول رہا ہوں......'' اس نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''تم میڈم کو میرا نام بتادو۔ اٹ از ارجنٹ۔''

''ہیلو......'' ایک منٹ بعد روبی کی آواز سنائی دی۔

''اس وقت کیسے کال کرلیا......؟''

''ہسپتال آنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا لیکن آپ کی طرف سے فکر مند ضرور تھا۔'' افضل خان نے بڑے پیار سے کہا۔ ''آپ بھولنے والی چیز بھی نہیں ہیں۔''

''لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ رسمی تکلف......''

''یاد آ گیا......سوری......اب بتاؤ کہ تم کیسی ہو؟''

افضل خان نے کچھ زیادہ ہی بے تکلفی سے کہا۔ ''میں اس وقت تمہارے حادثے کی منحوس خبر کو بلیک ڈاگ کے لمبے لمبے گھونٹوں کے ذریعے بھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''گڈ......ویسے تم نے میری آفر پر کہاں تک غور کیا؟''

دوسری جانب سے قدرے سنجیدگی سے دریافت کیا گیا۔

''فون پر یہ بات مناسب نہیں ہوگی۔''

''میں جانتی ہوں......چلو پرسنٹیج ہی بتادو۔''

''فی الحال اسی فیصد......''

''مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔'' دوسری جانب سے محبت بھرا انداز اختیار کیا گیا۔ ''باقی بیس فیصد پورا کرنے میں کتنا وقت لوگے؟''

''یہ آپ پر منحصر ہے۔'' افضل خان نے گلاس خالی کر کے لہراتے ہوئے بڑی نشیلی آواز میں کہا۔

''ایڈوانس؟''

''غلط سمجھیں' میں تمہارے صحت مند ہونے پر باقاعدہ سیلی بریٹ کرنا چاہتا ہوں۔''

''سوری...... میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتی۔ ویسے بھی لوگوں کے درمیان اٹھنا بیٹھنا اور گھلنا ملنا مجھے پسند نہیں ہے۔'' روبی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے تمہاری ماڈرن دنیا میں کیوں قدم رکھا ہے؟ تم جان چکے ہو۔''

''او۔کے۔'' افضل خان نے چارا ڈالنے میں دیر نہیں کی۔ بڑی اپنائیت سے بولا۔ ''یہ جشنِ صحت مخصوص ہوگا۔ بالکل ایکس کلیوسیو (Exclusive) صرف تم اور میں۔ میرے اپارٹمنٹ میں۔''

''تھوڑی سی ترمیم کرلو۔'' روبی نے بھی بے تکلفی کا اظہار کیا۔ ''تمہارے اپارٹمنٹ کی شرط

منظور نہیں۔ ایک بار آ کر جو بھگت چکی ہوں اسے دوبارہ افورڈ نہیں کر سکتی۔ ایسا کرتی ہوں کہ تاریخ اور کسی فائیو سٹار ہوٹل کا ارینج میں کروں گی باقی سیلی بریشن تمہاری جیب پر منحصر ہے۔"

"او کے۔ مجھے تمہاری یہ شرط بھی پسند ہے۔"

"یہ شرط نہیں، صرف تجویز تھی۔" اس بار صاف گوئی سے کہا گیا۔ "شرط یہ ہوگی کہ تم بار بار کی ملاقاتوں پر اصرار نہیں کرو گے اور...... باقی بیس فیصد پر بھی اپنی آمادگی ظاہر کر دو گے۔"

"او کے ڈرلنگ......" افضل خان نے بڑی جسارت سے اسے ڈارلنگ کہا۔ "ڈن، مجھے تمہاری یہ شرط بھی منظور ہے۔"

"ٹھیک ہے...... ڈاکٹر نے جیسے ہی مجھے صحت مند سمجھ کر چلنے پھرنے کی اجازت دی، سب سے پہلے تمہیں اس کی اطلاع دوں گی۔"

"تھینکس...... ویسے اب زخم کیسا ہے؟"

"کس زخم کی بات کر رہے ہو تم......؟" روبی کے جواب میں کسک تھی، شاید اس سوال کے ذریعے وہ اسے یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ جب تک اس کے مرحوم شوہر کا قاتل زندہ ہے اس کی روح پر لگا زخم بھی تازہ رہے گا۔

"ڈونٹ وری سویٹ ہارٹ......" افضل خان نے دل میں خوش ہوتے ہوئے اسے لفظوں میں تسلی دینے کی خاطر کہا۔ "بات جب ہنڈرڈ پرسنٹ ڈن ہو جائے گی تو تمہارے سارے زخم ایک ایک کر کے بھر جائیں گے، او کے، بائی۔"

"بائی افضل......" دوسری جانب سے بھی افضل خان کو ہموار کرنے کیلئے پیار کا اظہار کیا گیا۔

"بگ باس از ہنڈرڈ پرسنٹ کریکٹ (Correct)۔" افضل خان نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے ایک غلیظ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر معنی خیز انداز میں کہا "ناگن کا سر کچلنے کے بجائے اس کا سپیرے کی بین پر تھرکنا، بل کھانا، پھن مارنا اور بے بسی میں رقص کرتے رہنا زیادہ چارمنگ ہوتا ہے۔"

افضل خان نے اپنی کامیابی کا تصور کر کے تیسرا پیگ حلق سے نیچے اتارا تو اسے اپارٹمنٹ میں اپنی تنہائی کا احساس ڈسنے لگا، روبی سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد وہ ترنگ میں آ گیا تھا۔ شباب کے بعد شراب اس وقت اسے بے چین کر رہی تھی، اس نے گھڑی کی سمت نظر ڈالی۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے، اس کے ذہن میں اپنی تنہائی دور کرنے کی خاطر کئی نام ابھرے لیکن دروازے پر ابھرنے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ حسب معمول وہ اپنا آٹومیٹک ریوالور لے کر اٹھا۔ دروازے کے قریب جا کر میجک آئی کے ذریعے باہر دیکھا تو رینبو کلب کی ماریا سکرٹ اور تنگ بلاؤز میں باہر راہداری میں کھڑی تھی۔ وہ استعمال شدہ کی فہرست میں درج تھی لیکن اس وقت افضل خان کو نشے کی حالت میں وہ بھی کوئی حور نظر آئی۔

افضل خان نے دروازہ کھولا تو ماریا کے لباس اور جسم سے اٹھتی مہک نے اسے دیوانہ کر دیا۔

اپنا آٹو میٹک ریوالور صوفے کی طرف اچھال کر اس نے لات مار کر دروازہ بند کیا پھر ماریا کو اپنی کشادہ بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''مم...... میں ابھی تمہاری ہی طرف کلب آنے کا سوچ رہا تھا'' اس نے ماریا سے جھوٹ بولا۔

''آج تم بھی مجھے بہت یاد آ رہے تھے ڈیئر' اس لیے میں کلب سے اٹھ کر سیدھی تمہاری طرف آ گئی۔''

پھر افضل خان اور بے باک ماریا دروغ گوئی کرتے ہوئے شرافت کے تمام لبادے اتار کر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں حد سے گزر گئے۔ ابلیس بھی خوشی میں رقص کرنے لگا۔

+++

سراج کی چوبیس گھنٹوں والی شرط نے لیاقت حسین اور گل خان کو مجبور کر دیا تھا۔ ویسے بھی شہر میں ہزاروں کی تعداد میں اس قسم کی گاڑیاں تھیں جس میں فرحین اور زرینہ کو اغوا کیا گیا تھا۔ سراج کے گھر سے واپسی کے بعد بھی گل خان اور لیاقت حسین سر جوڑے بیٹھے اس دشمن کے بارے میں غور کرتے رہے' سراج کی وجہ سے لیاقت حسین کی پھر بھی کچھ ڈھارس بندھ گئی تھی لیکن گل خان رہ رہ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا' اس دشمن سے انتقام کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے وہ اپنی مادری زبان میں اغوا کرنے والوں کو مغلظات سنا رہا تھا۔ ''کیوں اپنی زبان گندی کرتا ہے گل خان؟'' لیاقت نے کہا ''خدا سے دعا مانگ کہ وہ ساتھ خیریت سے واپس آ جائیں۔''

''تم کیا بات کر رہا ہے لیاقت حسین؟ اگر ان کو ساتھ خیریت کے آنا ہوتا تو وہ خنزیر تخم بس اڈے پر اس طرح سینکڑوں آدمیوں کے سامنے سے زرینہ اور فرحین بہن کو نہ لے جاتے اور...... لوگوں کا خون بھی اتنا سفید ہو گیا ہے کہ کوئی مدد کو سامنے نہیں آیا۔''

''کیسے آتا......؟'' لیاقت حسین نے جھنجلا کر جواب دیا۔'' ان کے پاس تمہارے کہنے کے مطابق چار چار رائفلیں تھیں' جو بھی سامنے آتا وہ اسے فوراً بھون دیتے۔ تم عام آدمیوں کی بات کرتا ہے' ایسے موقعوں پر تو پولیس والے بھی ادھر ادھر چھپر ہو جاتے ہیں' مجرم فرار ہو جائے تو سینہ تان کر مرد بچوں کی طرح سامنے آ جاتے ہیں' دو چار موٹے مرغوں کو پکڑتے ہیں پھر جیب گرم کر کے انہیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔''

''خدا جانے وہ دونوں کس حال میں ہوں گی؟'' گل خان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بھی بے بسی نمایاں تھی۔

''دعا کرو کہ ان دونوں کی عزت محفوظ رہے۔ ایک بار وہ مل جائیں تو پھر ہم دشمنوں کا کھوج لگا کر اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔''

رات دو بجے تک گل خان' لیاقت کے مکان پر بیٹھا رہا پھر تھک ہار کر اسے گھر چلا گیا۔ لیاقت

حسین چارپائی پر لیٹ کر سراج کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ وہ خود بھی سمجھ رہا تھا کہ زرینہ مفت میں فرحین کے ساتھ لپیٹے میں آ گئی ورنہ وہ صرف فرحین کو اٹھانے آئے ہوں گے۔ ان کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں اور رائفل والے ڈکیت شامل تھے تو وہ خود بھی بڑے لوگ ہوں گے۔ سراج نے کہا تھا کہ وہ اغوا کی جانے والی عورتوں کو بے عزت نہیں کریں گے۔ جلد ہی کہیں زندہ یا مردہ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ یہ حرکت صرف اسے دھمکی دینے کیلئے کی گئی تھی۔ سراج نے اسے ٹائم بم سے سیٹھ عثمان کی جان بچانے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ جن لوگوں نے وحید ڈرائیور کا ایمان خرید کر غداری پر اکسایا تھا' اسے پولیس سے بچانے کی خاطر ملک سے باہر بھیجا تھا' وہی لیاقت کے دشمن بھی بن گئے لیکن وہ چاہتے تو لیاقت حسین کو جان سے مار کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکتے تھے لیکن فرحین نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟

لیاقت حسین کو معلوم تھا کہ سیٹھ عثمان کو مروانے میں اس کے دوست نما دشمن بزنس مین شیخ حامد کا ہاتھ تھا لیکن میڈم روبی والی بات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ذاتی طور پر اسے یہی یاد تھا کہ وہ گاڑی سے نیچے نہیں اترا تھا' سراج نے اسے یہی حکم دیا تھا۔ وہ اس کے حکم کیخلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا مگر سراج کا کہنا تھا کہ اس نے گاڑی سے اتر کر ان بدمعاشوں سے لڑکی کو چھڑا لیا تھا۔ لیاقت حسین اسے دیوانے سے ملاقات کا کرشمہ سمجھ رہا تھا مگر نابینا بزرگ کی تاکید کے بعد وہ اس سلسلے میں زبان نہ کھولنے کا عہد کر چکا تھا۔

رات گئے تک وہ چارپائی پر لیٹے کروٹیں بدلتا رہا مگر فرحین کی یاد اسی کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح فرحین سے دشمنی کا بدلہ لینے والوں کے بارے میں عقلی گھوڑے دوڑا رہا تھا۔ جب قبرستان کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی' وہ آواز سراج کی تھی جسے لیاقت حسین ہزاروں میں پہچان سکتا تھا' وہ دھڑکتے ہوئے دل سے اٹھ کر کھڑکی کی طرف آ گیا' سامنے سراج سادہ لباس میں کھڑا تھا۔

''صاحب......آپ؟'' لیاقت نے تعجب سے پوچھا۔

''گل خان تو نہیں ہے اندر......؟''

''نہیں صاحب......وہ ابھی آدھے گھنٹے پہلے اپنے گھر گیا ہے۔ دشمنوں کا کوئی سراغ ملا صاحب؟'' لیاقت حسین نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

''میں اسی سلسلے میں تمہیں ساتھ لینے آیا ہوں۔ خاموشی سے نکل کر باہر سڑک پر آ جاؤ جہاں سیاہ رنگ کی کار کھڑی ہے' گل خان کو ساتھ لانے کی حماقت نہ کرنا۔''

''ابھی آیا صاحب......''

سراج کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا تو لیاقت حسین جلدی جلدی لباس تبدیل کر کے باہر نکلا' دروازے کی باہر سے کنڈی لگائی پھر تیزی سے کچی پکی آبادی کی تنگ گلیاں طے کرتے ہوئے باہر سڑک پر آ گیا جہاں سراج سیاہ رنگ کی کار میں موجود تھا۔ لیاقت خاموشی سے دروازہ کھول کر اگلی نشست پر اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ سراج نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے اپنا ہتھیار ساتھ لے لیا ہے؟''

''وہ آپ کا تحفہ ہے صاحب' میں جب بھی گھر سے باہر نکلتا ہوں وہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔''

''مجھے ایک سراغ ملا ہے کہ اغوا کرنے والوں نے تمہاری عورتوں کو کہاں رکھا ہے'' سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے سادہ لباس میں اپنے ساتھیوں کو ادھر پہلے سے روانہ کر دیا ہے تاکہ مجرم کسی اور طرف نہ نکل سکیں۔''

''خدا کرے آپ کی اطلاع درست ہو صاحب۔''

''ایک بات دھیان سے سنو لیاقت حسین' تم وہاں کسی سے الجھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اگر تمہاری عورتیں مل جائیں تو انہیں خاموشی سے لے کر نکل چلیں گے۔ گھر پہنچنے سے پہلے اپنی عورتوں سے بھی کوئی بات نہ کرنا۔''

''ٹھیک ہے صاحب' ہماری عورتیں اگر عزت سے مل گئیں تو ابھی ہم کسی سے کچھ نہیں کہیں گے۔''

''کل صبح تم ڈیوٹی پر جانے سے پہلے گیارہ بجے مجھ سے آفس میں ملو گے۔ اس کے بعد ہی میں اغوا کنندگان کے خلاف کسی قانونی چارہ جوئی کا فیصلہ کروں گا۔''

لیاقت حسین نے اس بار بھی سراج کی بات مان لی۔

''ہم آپ کے کسی حکم سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کریں گے صاحب۔''

راستے میں سراج اس کو مختلف تدابیر کے بارے میں اونچ نیچ سے آگاہ کرتا رہا۔ تقریباً چالیس منٹ بعد سراج کی گاڑی صنعتی علاقے کے ایک ایسے حصے میں جا کر رکی جہاں مختلف کمپنیوں کے گودام بنے ہوئے تھے۔ سراج تھوڑی دیر تک گاڑی میں بیٹھا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اس نے لیاقت کو ایک گودام کی طرف دور سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس گودام کے صدر دروازے پر سرخ بڑے دائرے کے اندر تین کا ہندسہ لکھا ہوگا۔ تم پشت کی طرف سے اندر جانا۔ اندر پہنچ کر بائیں ہاتھ پر ایک آفس ہوگا۔ اس آفس کے واش روم کے اندر سے ایک خفیہ راستہ نیچے تہ خانے میں جاتا ہے' میری اطلاع کے مطابق...... تمہاری عورتوں کو وہیں رکھا گیا ہے۔''

مجھے نیچے جانے کا راستہ کدھر ملے گا؟'' لیاقت حسین نے بڑی مستعدی سے سوال کیا' وہ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

''آفس کے اندر جو الماری رکھی ہے تمہیں اسے ہٹانا ہوگا۔ پشت پر ایک ٹائل لگا ہوگا۔ اسے ایک طرف سے ہلکا سا دبانے پر وہ ابھر کر ایک طرف ہو جاتا ہے۔ اندر ایک پش بٹن ہوگا' تم اسے دبانا تو نیچے جانے کا راستہ بھی واش روم میں خود بخود کھل جائے گا لیکن ایک بار پھر غور سے سن لو تم وہاں کسی بھی صورت میں کسی کو جان سے مارنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ چپ چاپ اپنی عورتوں کو لے کر

نکل آنا۔ باقی فیصلے کل ہوں گے۔"

"اور اگر کسی نے مجھے زبردستی روکنے کی کوشش کی تو......؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں میدان صاف ملے گا۔ شاید وہ اس قابل نہ ہوں کہ تمہارا راستہ روک سکیں" سراج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میں ادھر گاڑی میں ہی تمہارا انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب......" لیاقت حسین مشینی انداز میں دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر گیا۔ اس کی نظروں میں عقابی چمک موجود تھی' گاڑی سے اتر کر وہ اس گودام کی طرف بڑھنے لگا جس کی طرف سراج نے اشارہ کیا تھا' گیٹ کے قریب پہنچ کر اسے وہ سرخ رنگ کا گول دائرہ بھی نظر آ گیا جس کے درمیان تین لکھا تھا' گیٹ پر ایک مسلح گارڈ بھی تھا جس نے لیاقت حسین کو ایک نظر دیکھا پھر گشت لگانے میں مصروف ہو گیا۔ لیاقت لمبے لمبے قدم اٹھاتا گودام کی پشت پر آ گیا جہاں قد آدم دیوار تھی' ایک گیٹ بھی تھا جو اندر سے بند تھا۔ ایک لمحے کو لیاقت نے صورتحال کا جائزہ لیا پھر اس نے گیٹ سے دور جا کر دیوار پھلانگ کر اندر جانے کا منصوبہ بنایا۔ ایک دو بار کوشش کے بعد وہ دیوار کے آخری حصے کو تھام کر کسی نہ کسی طرح زور لگا کر اوپر پہنچ گیا۔ دور دور تک سناٹا تھا اس لیے وہ آہستہ سے دوسری طرف لٹک کر زمین پر آ گیا' زمین پر قدم جمانے کے بعد اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن کوئی بندہ بشر نظر نہیں آیا' پھر بھی اس نے نیفے سے پستول نکال کر اسے لوڈ کیا اور اس کے دستے پر گرفت مضبوط کر کے سیاہ رنگ کے اس لمبے چوڑے گیٹ کی جانب پھونک پھونک کر قدم اٹھانے لگا جو تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ مطلب صاف ظاہر تھا کہ اندر کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہے۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر وہ اس سے چپک کر کھڑا اندر کی سن گن لیتا رہا۔ پھر پنجوں کے بل اندر داخل ہو گیا۔ ایک مدھم بلب چھت سے لٹکا ٹمٹما رہا تھا۔ لیاقت کے قدم اس آفس کی جانب بڑھنے لگے جو شیشے کا بنا ہوا تھا لیکن اس وقت خالی نظر آ رہا تھا۔ اسی آفس میں وہ الماری بھی موجود تھی جس کی بابت سراج نے اسے بتا دیا تھا۔ لیاقت حسین نے الماری کو چھیڑنے سے پیشتر ایک نظر واش روم میں جھانکا جو خالی پڑا تھا۔ واش روم کی دیواروں پر ٹائلز لگے تھے' بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ فرش ماربل کا بنا ہوا تھا۔ لیاقت حسین نے باہر آ کر الماری کو زور لگا کر ایک طرف ہٹایا تو اس کے پیچھے دیوار پر ایک سبز رنگ کا ٹائل لگا ہوا تھا۔ دھڑکتے ہوئے دل سے اس نے ٹائل کے ایک کونے پر ہاتھ رکھ کر دبایا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے دوسرے کونے پر اسی عمل کو دہرایا تو کسی میکنیکی نظام کے تحت وہ دیوار سے ابھر کر ایک طرف کھسکنے لگا پھر وہ پش بٹن بھی سامنے آ گیا۔ سراج کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے لیاقت حسین نے پش بٹن کو دبایا تو ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ پستول پر گرفت جما کر دوبارہ واش روم میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سامنے کی دیوار کا پانچ...... بائی تین فٹ کا حصہ اندر کی طرف دب کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ وہ لپک کر اس کے قریب پہنچا پھر اس نے خدا کا نام لے کر ان سیڑھیوں کو طے کرنے کے بعد اس نے زمین کے چار بائی چار حصے پر قدم رکھا تھا تو بائیں جانب کی دیوار کا حصہ بھی دروازے کی صورت میں سلائیڈ ہو کر کھل

گیا۔ اندر تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن کسی کی آواز نہیں آ رہی تھی' لیاقت حسین نے دروازے سے گزر کر اندر دیکھا تو چونک اٹھا' چار ہٹے کٹے فرد سامنے فرش پر مدہوش پڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی ایک غیر ملکی لڑکی بھی اسی عالم میں تھی۔ میز پر شراب کی بوتلیں اور گلاس نظر آ رہے تھے' شاید وہ زیادہ پینے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے' لڑکی کا نیم عریاں جسم دیکھ کر یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ان چاروں نے اس تنہا لڑکی کو درندوں کی طرح جگہ جگہ سے بھنبھوڑا تھا۔

لیاقت حسین کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' اس نے قدم آگے بڑھایا تو سیدھے ہاتھ پر ایک اور دروازہ نظر آیا۔ اس نے لپک کر اسے کھولا تو اس کی سانسیں رکنے لگیں۔ اندر فرش پر فرحین اور زرینہ قریب قریب پڑی تھیں' ان کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ لیاقت نے قریب جا کر دیکھا' دونوں کی سانسیں چل رہی تھیں لیکن ان کے لباس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اغوا کرنے والوں نے شاید انہیں قابو کرنے کے لیے کوئی خواب آور دوا ضرور پلا دی تھی لیکن ان کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیاقت کے لئے اکیلے ان دونوں کو باہر لے جانا ممکن نہیں تھا' اسے جلدی بھی تھی اس لیے کہ باہر جو بدمعاش بے ہوش پڑے تھے ان کے قریب ہی ان کی رائفلیں بھی پڑی تھیں۔ کوئی ایک بھی ہوش میں آ جاتا تو لیاقت کیلئے زندگی یا موت کا کھیل ناگزیر ہو جاتا۔

اس نے جھک کر فرحین کا بازو تھام کر دو تین بار ہلایا تو اس نے نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کون ہے......مم......مجھے......سس......سونے دو۔''

''میں لیاقت ہوں جان جگر' ہوش میں آؤ......ہمیں یہاں سے بہت کم وقت میں نکلنا ہے ورنہ میں بھی مارا جاؤں گا۔''

لیاقت کی آواز دو تین بار سن کر فرحین جھومتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم......تم یہاں......کیسے آ گیا......؟'' اس نے بدستور غنودگی کے عالم میں پوچھا۔

''ہمت کرو لیاقت کا جان......'' اس نے فرحین کے ہاتھ کھولتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں زرینہ کو بھی سنبھالنا ہوگا۔''

''ہم......ادھر کیسے......آ......آ گیا؟'' فرحین نے بہ مشکل جملہ مکمل کیا۔

لیاقت حسین کیلئے ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو اسے پانی کا بھرا ہوا ایک جگ اور گلاس نظر آ گیا' اس نے چلو میں پانی بھر کر دو تین زوردار چھپکے فرحین کے چہرے پر مارے تو وہ ہوش میں آ گئی۔ حیرت سے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے بولی ''وہ......لوگ کدھر غرق ہو گیا......جو ہم کو ادھر اٹھا لایا تھا؟''

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد پانی کے چھینٹوں سے زرینہ بھی نیم بیدار ہوئی تو لیاقت کی مشکل کچھ آسان ہو گئی' اس نے فرحین کو ہاتھ تھام کر اٹھایا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنے گل میں ڈال لیا۔ زرینہ کو فرحین نے سنبھالا۔ وہ تینوں باہر آئے تو فرحین نے بے ہوش پڑے آدمیوں کی طرف تھوک کر کہا۔

''یہی تھے وہ ماں کے خصم جو......ہم کو ادھر لائے تھے تم......ان سب کو گولی مار دو۔''
''پہلے تم دونوں کو چل کر گھر چھوڑ دوں پھر ان چاروں کو بھی جہنم رسید کرنا نہیں بھولوں گا۔''
گرتے پڑتے وہ کسی نہ کسی طرح باہر آ گیا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ فرحین اور زرینہ کو دیوار پر کس طرح چڑھائے گا لیکن گودام سے باہر نکل کر اسے وہ بغلی دروازہ بھی نظر آ گیا جو غالباً عام ورکرز کیلئے بنایا گیا تھا۔ خوش قسمتی سے دروازے کو صرف اندر سے بولٹ کیا گیا تھا۔ لیاقت حسین باہر نکلا تو سراج سامنے ہی گاڑی لیے کھڑا تھا۔ لیاقت نے دونوں عورتوں کو پچھلی سیٹ پر کسی طرح بٹھا کر دروازہ بند کیا پھر اس کی اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہی سراج نے گاڑی کو تیز رفتاری سے چلانا شروع کیا' راستے بھر ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ گھر کے قریب گلی کے کونے پر پہنچ کر اس نے سراج سے بڑی عاجزی سے کہا۔
''صاحب......آپ کا یہ احسان لیاقت کبھی نہیں بھولے گا۔''
''ٹھیک ہے......جلدی کرو' مجھے ابھی اور بہت سے معاملے بھی نمٹانے ہیں۔''
لیاقت' فرحین اور زرینہ کو لے کر گلی میں داخل ہوا جو بالکل سنسان پڑی تھی' وہ گل خان کے گھر کے سامنے سے گزر کر اپنے گھر میں داخل ہوا۔ پانچ منٹ بعد فرحین بھی زرینہ کو اس کے مکان کے اندر چھوڑ کر واپس آ گئی۔ اس پر اب بھی غنودگی طاری تھی' چارپائی پر لیاقت کے برابر لیٹ کر وہ بھی اس طرح بے سدھ ہوئی کہ کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا۔ لیاقت پہلے ہی بے سدھ نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔

✣✣✣

شہر کی مصروف ترین شاہراہ پر صبح ہی صبح چار اشتہاری مجرموں اور ایک کلب کی کال گرل کی لاش پائے جانے سے ہر طرف سنسنی پھیل گئی۔ ایس پی علاقہ آغا منظور کے علاوہ ایس ایچ او بھی پولیس والوں کی ٹیم کے ہمراہ صبح آٹھ بجے سے ضروری قانونی کارروائی میں مصروف تھے۔ ڈی ایس پی سراج کو کال کر کے بلا لیا گیا' ان پانچ لاشوں کو دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ جائے وقوعہ پر ایمبولینس کے علاوہ فنگر پرنٹس لینے والا عملہ بھی موجود تھا' لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے ٹریفک پولیس نے آنے جانے والی گاڑیوں کو متبادل راستوں کی طرف موڑنا شروع کر دیا۔
سراج کے آتے ہی ایس پی آغا منظور اسے ایک طرف لے گیا' اس کے چہرے پر بھی تشویش اور الجھن کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ ''یہ لاشیں کب دریافت ہوئیں......؟'' سراج نے تفصیل معلوم کرنے کی خاطر پوچھا۔
''ہمارے لیے جو پریشانیاں کھڑی کی گئی ہیں وہ کسی سوچی سمجھی سکیم سے متعلق نظر آتی ہیں۔'' آغا منظور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''چاروں اشتہاری مجرم ہیں' ان میں سے دو کیلئے حکومت کی طرف سے انعام کا اعلان بھی کیا گیا لیکن ان حرام زادوں کی گرفتاری عمل میں نہیں آ سکی اور اب ان کی لاشوں کا اس طرح سرعام پایا جانا ہماری نیندیں بھی حرام کر سکتا ہے۔ ان کے جسموں کو گولیوں

سے چھلنی کرنے کے بعد یہاں پھینکا گیا ہے' جبکہ کال گرل کو محض دل کے مقام پر ایک گولی مار کر زندگی سے نجات دلائی گئی ہے۔"

"میں آپ سے متفق ہوں سر' لیکن ایسا کون شخص کر سکتا ہے؟"

"جو بھی ہو لیکن ...... اب وہ شاید اپنا دماغی توازن یقیناً کھو بیٹھا ہے جس کا علاج ضروری ہے۔"

سراج نے فوراً ہی کوئی دوسرا سوال نہیں کیا' ایس پی کے جملے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں اصل مجرم کا نام ضرور کلبلا رہا تھا۔ وہ کون ہو سکتا تھا؟ سراج صرف سوچ کر رہ گیا۔

"میں فی الحال آفس جا رہا ہوں' ادھر بھی اوپر والوں کے فون کھڑکھڑا رہے ہوں گے۔" ایس پی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنی نگرانی میں ساری کارروائی مکمل کر کے پانچوں لاشوں کو پوسٹ مارٹم کیلئے روانہ کروا دیجئے گا۔"

"رائٹ سر...... لیکن کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسا نام ہے جس کے بارے میں ان لاشوں سے متعلق......"

"سوری...... اس وقت کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہوگا۔" ایس پی آغا منظور نے کسی مصلحت کے پیش نظر رازداری سے کام لیا پھر وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا تو کچھ رپورٹروں نے سراج کو گھیر لیا۔

"جناب...... آپ ان لاشوں کے سلسلے میں کچھ عرض کریں گے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں ابھی پہنچا ہوں۔" سراج نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ "آپ حضرات تو اپنی معلومات کے مطابق خبریں شائع کر دیں گے' ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"ہم جو کچھ لکھیں گے وہ ان پانچوں کی تصویر کے ساتھ ہی شائع ہوگا۔" دوسرے رپورٹر نے بھرپور طنز کیا۔

"چاروں مرد اشتہاری ملزم تھے' لڑکی بھی بدکار تھی' اس کے علاوہ یہ لاشیں آسمان سے تو نہیں ٹپکی ہوں گی' اس کی پشت پر بھی بڑے بڑے لوگوں کا ہاتھ ضرور شامل ہوگا جو صبح صبح ان کو لا کر ایسی معروف سڑک کے درمیان پھینک گئے ہیں۔ یہ دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے؟"

"آپ درست فرما رہے ہیں لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور مکمل تفتیش کے بغیر میں کچھ بھی کہنے سے معذور ہوں' سراج نے غصے کے بجائے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر لاشوں کے قریب آ گیا جہاں پولیس کی بھاری نفری نے چاروں طرف گھیرا ڈال رکھا تھا۔ ساڑھے گیارہ تک سراج کو جائے حادثہ پر رکنا پڑا پھر علاقہ ایس ایچ او کی نگرانی میں لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے روانہ کرنے کے بعد ہی وہ بڑی مشکل سے اخباری نمائندوں کو ٹالتے ہوئے سوا بارہ بجے آفس پہنچا۔ لیاقت حسین وہاں پہلے سے موجود تھا۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے لیاقت' تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟" سراج نے اعصابی تھکن دور کرنے کی

خاطر ہاتھوں کو دونوں اطراف پھیلا کر ایک خاص انداز میں ورزش کی پھر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
''صاحب......وہ...... وہ دونوں رات کو کسی وقت گھر آ گئی ہیں؟'' لیاقت نے کچھ عجیب انداز سے کہا۔

''تم کیا اپنی بیوی اور اس کی سہیلی کی بات کر رہے ہو؟'' سراج نے چونک کر سوال کیا۔
''جی ہاں صاحب......'' لیاقت نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ''وہ فرحین بولتی ہے کہ رات' میں کسی گودام کے تہ خانے سے انہیں بچا کر لایا ہوں جبکہ میں تو رات بھر گھر پر ہی تھا۔''
سراج دوبارہ چونکا پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اسے لیاقت حسین کے سلسلے میں میڈم روبی کو اغوا کرنے والوں سے بچانے کی بات یاد آ گئی۔ اس وقت بھی لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے اس سچائی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت بھی اس کے چہرے پر کچھ ویسے ہی تاثرات نظر آ رہے تھے۔ لیاقت حسین جو باتیں کر رہا تھا انہیں وہ مافوق الفطرت واقعات کے سوا اور کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔

''تمہاری بیوی نے اور کیا بتایا ہے؟'' سراج نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔
''یہی کہ اسے اور زرینہ کو چار لوگ لاری اڈے سے گھسیٹ کر لے گئے تھے۔ انہیں شہر سے دور کسی تہ خانے میں رکھا گیا تھا جہاں چار بدمعاش نقاب میں چہرہ چھپائے اور رائفلیں لیے ساتھ تھے۔'' لیاقت نے فرحین کی سنائی ہوئی تفصیل دہراتے ہوئے کہا ''گاڑی میں بٹھانے کے بعد ان دونوں کی آنکھوں پر کالے کپڑے کی پٹیاں باندھ دی گئی تھیں اس لیے وہ کوئی راستہ نہیں بتا سکتیں۔ آنکھوں کی پٹیاں تہ خانے والے کمرے میں لے جانے کے بعد کھول دی گئی تھیں۔ صرف ان کے ہاتھوں کو ظالموں نے پیچھے باندھ دیا تھا۔ وہاں ایک آوارہ لڑکی بھی پہلے سے موجود تھی' شراب کباب کا دور بھی چلا تھا' فرحین اور زرینہ نے شور کرنے کے لیے آوازیں نکالیں تو انہیں زبردستی پانی میں کوئی بے ہوشی کی دوا ملا کر پلا دی گئی تھی۔ فرحین اور زرینہ کا بیان ہے کہ میں ان دونوں کو وہاں سے نکال کر گھر پہنچایا تھا اور......''
لیاقت کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
''اور کیا......تم خاموش کیوں ہو گئے؟''
''صاحب...... وہ بولتی ہے کہ آپ ہی ہم سب کو اپنی گاڑی میں گھر کے نکڑ تک چھوڑ کر گئے تھے'' اس کے ساتھ ہی اس نے فرحین کی سنائی ہوئی پوری کہانی دہرا دی۔
''اوہ......'' سراج نے دیدہ و دانستہ مسکرا کر بڑے تحمل سے کہا۔ ''دیکھو لیاقت حسین...... جو کچھ تم یا تمہاری بیوی کہہ رہی ہے ممکن ہے وہ اپنی جگہ غلط نہ ہو مگر تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔''

''آپ حکم دو صاحب......لیاقت آپ پر جان قربان کرنے کو بھی تیار ہے۔''
''مجھے سوچ کر بتاؤ...... کیا کوئی روحانی قوت تمہارے علم میں ہے جو تمہاری مدد کرتی ہو......؟''

''روحانی قوت......'' لیاقت حسین نے نابینا بزرگ کو زبان بند رکھنے کا جو قول دیا تھا وہ اسے نہیں توڑ سکتا تھا۔

''کیا بات ہے۔ تم چپ کیوں ہو؟'' سراج نے اس ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''صاحب...... جب ہم اپنے شہر سے چلا تھا اس وقت ہماری ماں نے ایک دعا دی تھی کہ اوپر والا ہر ہر قدم پر غیب سے میری مدد کرے۔'' اس نے اصل باتوں کو دہرانے کے بجائے معصومیت سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے ایک ماں کی دعا مجھے لگ گئی ہو۔ اوپر والا تو مالک کل ہے صاحب...... کوئی بات بھی اس کے اختیار سے باہر نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے......'' سراج نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔ ''ماں کی دعائیں اولاد کیلئے بڑی بابرکت ہوتی ہیں لیکن...... تمہیں ایک بات کا اب خیال رکھنا ہوگا۔''

''وہ کیا صاحب......''

''جو کچھ تمہاری گھر والی کہہ رہی ہے اسے مان لو...... اصلیت کیا ہے اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہو ورنہ تاثیر جاتی رہے گی' میں نے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔''

''ٹھیک ہے صاحب...... اب میں ایسا ہی کروں گا۔''

ایک بات تمہیں اور بتا دوں لیکن اس سلسلے میں بھی اپنی زبان بند ہی رکھنا۔'' سراج نے پہلو بدل کر کچھ سوچتے ہوئے کر کہا۔ ''جن چار آدمیوں کا ذکر تمہاری بیوی نے کیا ہے وہ اشتہاری مجرم تھے جن کی لاشیں آج صبح ایک معروف سڑک پر پڑی پائی گئی ہوں۔ کل تک ان کی تصویریں بھی اخبار میں آ جائیں گی۔ اپنی بیوی کو وہ تصویر دکھا کر معلوم کرنا کہ وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے زرینہ اور اسے اغوا کیا تھا؟''

''ٹھیک ہے صاحب۔''

''ایک خوشخبری میرے پاس بھی ہے تمہارے لیے۔'' سراج نے کہا۔ ''تمہارے صاحب اور بیگم صاحب ایک ہفتے بعد واپس آ رہے ہیں۔''

لیاقت حسین نے خوشی کا اظہار کیا' پھر سراج سے دو چار باتیں کرنے کے بعد کام پر چلا گیا لیکن...... اس کے ساتھ دوبارہ جو حیرت انگیز واقعات رونما ہو چکے تھے وہ اس کے ذہن میں انتشار پیدا کر رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی کیا بات ہے کہ جو کارنامے وہ کر گزرتا ہے اس کا پتہ دوسروں کو چل جاتا ہے' لیکن وہ خود بے خبر رہتا ہے؟ یہ بات خود اس کیلئے بھی ایک معمہ بن گئی تھی۔

✣✣✣

دوسرے دن شائع ہونے والے اخباروں نے معروف شاہراہ پر پائی جانے والی پانچوں لاشوں کی تصویروں کے ساتھ' پولیس کیخلاف نمک مرچ لگا کر جو خبریں پہلے صفحات پر نمایاں طور پر شائع کی تھیں اس نے نہ صرف پورے شہر میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا بلکہ مرکزی حکومت کے متعلقہ ذمے داروں نے بھی صوبائی پولیس کے آئی جی' ڈی آئی جی اور پولیس افسروں سے سختی سے باز پرس شروع

کر دی تھی۔ سراج صبح سے دفتر میں بیٹھا مستقل ایس پی آغا منظور سے رابطے میں تھا' اسی کے مشورے کی روشنی میں وہ فون کالز کا جواب بھی دے رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے آغا منظور کا فون پھر موصول ہوا' غالباً اس کی قوت برداشت اعلیٰ حکام کی سرزنش سن سن کر جواب دے چکی تھی۔

''مسٹر سراج۔'' اس نے بے انتہا جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ آپ بھی فون کا ریسیور اٹھا کر ایک طرف ڈال دیں۔ اٹ از ٹو مچ (It is too much) جو حکام مجرموں کے لنگوٹیا یار ہیں اس وقت وہ بھی اس طرح باز پرس کر رہے ہیں جیسے ان سے زیادہ معصوم اور فرض شناس کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ نان سینس۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے فون انگیج کر دیں تاکہ سکون کے ساتھ کچھ سوچ سکیں' میں نے ڈی آئی جی صاحب سے بھی بات کر لی ہے۔''

''سر...... کیا آپ مجھے بھی بتائیں گے کہ وہ کون لوگ ہیں جو مجرموں کو بے نقاب کرنے کے بجائے ہم پر غرا رہے ہیں؟''

''ہم اور آپ ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے' اس لیے ان کے نام لینے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ویٹ از آل۔'' دوسری جانب سے جھلا کر کال منقطع کر دی گئی۔ سراج نے ایس پی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نہ صرف فون کا ریسیور میز پر رکھ دیا بلکہ اپنے ڈیوٹی کانسٹیبل کو بھی بلا کر تاکید کر دی کہ جو بھی ملنا چاہیے اس سے کہہ دے کہ وہ کسی افسر سے مصروف گفتگو ہے۔

سنتری کے جانے کے بعد سراج نے بھی ذہنی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ ان لاشوں کے سلسلے میں اسے بہرحال کچھ نہ کچھ قانونی کارروائی تو کرنی تھی۔ سوچوں کے زاویے اس کے ذہن میں پھیلے تو اسے گزشتہ روز ایس پی کا کہا ہوا ایک جملہ بھی یاد آ گیا۔ ''ہمارے لیے جو پریشانیاں کھڑی کی گئی ہیں وہ کسی سوچی سمجھی سکیم سے متعلق نظر آتی ہیں۔'' اس نے اس جملے کے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ...... ''اب وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے جس کا علاج ضروری ہے۔'' سراج نے ان جملوں کی وضاحت چاہی تو جواب میں یہی کہا گیا۔ ''سوری...... اس وقت کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔''

ایس پی آغا منظور کے جملوں سے یہی لگتا تھا کہ وہ کسی مخصوص شخص پر شبہ ضرور کر رہا ہے۔ سراج نے الجھی ہوئی کڑیاں تلاش کرنے کی خاطر ذہن پر زور دیا تو اسے میڈم روبی کے اغوا کے سلسلے میں اپنے ایس پی کا کہا ہوا ایک اور جملہ یاد آ گیا۔ اس وقت بھی اس نے سراج کی ایک بات کو ٹالنے کی خاطر گول مول جواب دیا تھا۔ ''سوری' میں اس وقت زبان کھولنے سے قاصر ہوں' لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس نے میڈم کے سلسلے میں باقاعدہ پلاننگ کرنے کے بعد ہی یہ قدم اٹھایا ہوگا۔''

ایس پی کے جملے سراج کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے' اسی حوالے سے اچانک اس کے ذہن میں شیخ حامد کا خیال ابھرا جس نے ایس پی کو باقاعدہ خرید رکھا تھا' اس کے اس خیال کی تصدیق دبی زبان میں ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد نے بھی کی تھی۔ سراج یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا ایس پی آغا منظور بھی میڈم روبی کے طلب گاروں میں سے ہے' نہ ہوتا تو وہ سراج کو اپنے دفتر بلا کر

اسے روبی کی خفیہ طور پر نگرانی کرنے کی ہدایت کبھی نہ دیتا۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر سراج نے شیخ حامد کو ٹٹولنا بھی ضروری سمجھا' خود شیخ حامد نے سراج کو ایک لاکھ روپے میں خریدنے کے بعد کہا تھا۔''ایک بار واقفیت ہو گئی ہے تو اب آتے جاتے رہیے گا۔''

سراج نے کافی غور و خوض کے بعد ریسیور اٹھایا اور شیخ حامد کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ پوری طرح محتاط ہو کر بیٹھ گیا تھا' اسے شبہ تھا کہ شیخ حامد کے نمبروں پر کی جانے والی کالیں ٹیپ بھی ہوتی ہوں گی جسے بعد میں بطور بلیک میلنگ کے استعمال کیا جاتا ہوگا۔

''ہیلو...... شبنم فرام حامد گروپ آف کمپنیز۔'' دوسری جانب سے ٹیلی فون آپریٹر کی مترنم آواز ابھری تو سراج کو اس کی آواز کچھ آشنا سی لگی۔ اس نے خود کو بے پروا ظاہر کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''آپ شاید ٹیلیفون آپریٹر بول رہی ہیں؟''

''یس پلیز...... آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟''

''شیخ حامد سے کال ملا دیں۔'' سراج نے قدرے دبنگ آواز میں کہا۔

''مے آئی نو یور گڈ نیم پلیز (کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں)'' اس بار بھی مہذب لہجے میں سوال کیا گیا۔

''سراج......'' سراج نے مختصر نام بتایا۔

''آپ کہاں سے بات کر رہے ہیں؟'' شبنم کے لہجے کا تجسس محسوس کر کے سراج کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ اسے پوری طرح یاد آ گیا کہ شبنم نامی آپریٹر کی آواز اس نے پہلے۔ کب اور کس موقع پر سنی تھی۔

''آپ مسٹر حامد کو صرف اتنا بتا دیں جو میں نے کہا ہے۔'' سراج نے دیدہ و دانستہ الجھنے والا انداز اختیار کیا۔

''میں کوئی مزید حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھتا۔''

''ون منٹ پلیز۔'' اس بار شبنم نے روایتی جواب دیا'' میں چیک کر کے آپ کو جواب دیتی ہوں۔''

سراج کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اسے یاد آ گیا کہ اسی آواز نے میڈم روبی کے اغوا کے سلسلے میں اسے کسی پبلک فون بوتھ کر کے کہا تھا۔'' کچھ لوگ میڈم کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔'' سراج کے وضاحت کرنے پر اس نے جواب دیا تھا......'' ابھی میں اپنا نام ظاہر نہیں کر سکتی۔ اس وقت میں آپ کو جو کلیو دے رہی ہوں اس کو ذہن میں محفوظ رکھیں تا کہ بوقت ضرورت آپ کیلئے کارآمد ثابت ہو۔'' اس کے ساتھ ہی پبلک فون کا حوالہ دے کر لائن منقطع کر دی گئی تھی...... سراج کے ذہن میں کچھ کڑیاں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں جب شبنم کی آواز دوبارہ ابھری۔

''بات کریں پلیز......'' اس نے جواب دے کر لائن شیخ حامد سے ملا دی تھی۔

''ہیلو ڈی ایس پی صاحب...... کیسے ہیں آپ؟'' شیخ حامد نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''بہت دنوں بعد آپ نے یاد کیا۔''

''ایک بار پہلے بھی آنے کا ارادہ کیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ آپ تین چار روز کے بیرون ملک کے دورے پر گئے ہوئے ہیں۔''

''بزنس میں آئے دن ادھر ادھر آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ آپ سنائیں' اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟''

''آپ کو ایک ممکنہ خطرے کے تحت حفظ ماتقدم کے طور پر فون کرنے کی جسارت کی ہے۔'' سراج نے جان بوجھ کر انکساری سے کہا۔ ''آج کا اخبار تو آپ نے دیکھا ہوگا؟''

''ہاں...... ایک سرسری نظر ڈالی تو تھی لیکن مجرم اور کیڑے مکوڑے تو آئے دن ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔'' شیخ حامد نے سپاٹ انداز میں پوچھا۔ ''آپ کو کیا تشویش لاحق ہے......؟''

''اوپر سے سخت باز پرس ہو رہی ہے سر......'' سراج نے پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر درخواست کی۔ ''بہت سے پولیس آفیسروں کی اکھاڑ پچھاڑ اور دور دراز علاقوں میں تبادلے کی خبریں بھی مل رہی ہیں۔ آپ کو اسی وجہ سے کال کیا ہے کہ......''

''ڈونٹ وری مسٹر سراج''! بڑے یقین سے جواب دیا گیا۔ ''ہم جب کو ایک بار دوست کہہ دیں تو اس کا خیال بھی ضرور رکھتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ کیا ہوگا آپ اس کا غم نہ کریں لیکن آپ کا تبادلہ نہیں ہوگا۔''

''بہت بہت شکریہ شیخ صاحب۔'' سراج نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کی اس نوازش کو بھی یاد رکھوں گا۔''

''نو تھینکس مسٹر سراج۔ دوستوں کا حساب دل میں ہوتا ہے۔'' اس جملے کی ادائیگی کے ساتھ ہی لائن کاٹ دی گئی۔

سراج نے ریسیور پھر میز پر رکھ دیا اور بے چینی سے اٹھ کر اپنے دفتر میں ٹہلنے لگا۔ جو کڑیاں اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں وہ صرف اور صرف شیخ حامد کو مشکوک ثابت کر رہی تھیں لیکن وہ اب بھی اس پر ہاتھ ڈالنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ افضل خان کے ساتھ شبنم کا بھی شیخ حامد گروپ آف کمپنیز میں کام کرنا اس کیلئے زیادہ حیرت انگیز نہیں تھا' مگر جو بات اسے بار بار کھٹک رہی تھی' وہ شبنم کا سراج کو فون کال کر کے میڈم روبی کے سلسلے میں یہ بتانا تھا کہ...... ''کچھ لوگ میڈم روبی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔'' یہ جملہ اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ خود شبنم نے بھی شیخ حامد کیخلاف زبان کھولنے کی کوشش کی تھی۔ ''کیا وہ بھی کسی خاص مقصد کی وجہ سے وہاں کام کر رہی تھی......؟ وہ مقصد کیا تھا؟''

سراج کچھ دیر تک غور و فکر کرتا رہا پھر اس نے کچھ سوچ کر فون پر لیاقت حسین سے رابطہ کیا۔

دس منٹ کے انتظار کے بعد دوسری جانب سے لیاقت حسین کی آواز سنائی دی تو اس نے تیزی سے سوال کیا۔

''آج کے اخبار میں جو تصویریں چھپی ہیں اس کے بارے میں تمہاری بیوی کا کیا کہنا ہے؟''

''اس نے ان سب کو شناخت کرلیا ہے صاحب۔''

''کیا تمہاری بیوی اگر کوشش کرے تو اس جگہ کا پتا بتا سکے گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے واپسی میں اس نے شاید کچھ ایسے علاقوں کو دیکھا ہوگا جنہیں دوبارہ دیکھنے پر وہ اس کی تصدیق کر سکے؟''

''میں آج اس سے یہ بھی معلوم کرلوں گا صاحب۔''

لیاقت حسین نے کہا۔ ''ویسے وہ بار بار ایک ہی بات بتاتی ہے کہ جہاں اسے رکھا گیا تھا وہ...... علاقہ نہیں جانتی۔ اسے اغوا کرنے والوں نے جس جگہ رکھا تھا وہ گودام لگتا تھا۔''

''ٹھیک ہے...... تم آج اس سے تفصیل سے بات کرلو۔ میں کل کسی وقت کوٹھی پر آکر تم سے ملاقات کروں گا۔''

سراج نے لائن کاٹ دی۔ وہ فون پر زیادہ کھل کر بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو بات کر چکا تھا شاید وہ بھی اسے براہ راست لیاقت حسین سے مل کر کرنی چاہیے تھی لیکن......

لیاقت حسین سے بات کرنے کے بعد اس کی نظروں میں ابھرنے والی چمک اس بات کی غماز تھی کہ شاید اس نے اصل مجرم تک پہنچنے کی خاطر کوئی خاص پلان اپنے ذہن میں ضرور مرتب کرلیا تھا۔

اسی شام سراج اور ایس پی آغا منظور کو ڈی آئی جی کرائمز کے دفتر میں طلب کرلیا گیا۔ مرکزی حکومت نے بطور خاص چاروں اشتہاری مجرموں کا کیس حافظ علیم احمد کے حوالے کردیا تھا۔ سراج آغا منظور کو اپنی گاڑی میں لیتے ہوئے گیا۔ راستے میں ایس پی کا موڈ خاصا خراب ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''خدا جانے یہ ڈی آئی جی کرائمز ہر خاص معاملے میں ہوم منسٹر کی نظروں کا تارا کیوں بن جاتا ہے؟ کیا کیس فائل کو اس کے نام مارک کردینا ہمارے لیے باعث توہین نہیں ہے؟''

''سب اوپر والوں کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے سر......''

سراج نے غیر جانب داری سے کام لیا۔ ''جس کو پیا چاہے وہی سہاگن والی مثال ہے۔''

''سنا ہے کہ وہ آپ کو خاص طور پر پسند کرتا ہے؟''

''افسر کا بلاوا آجائے تو جانا پڑتا ہے سر...... اس وقت آپ کو بھی جانا پڑ رہا ہے۔'' سراج نے دبی زبان میں کہا۔ ''پسند اور ناپسند والی بات بھی افسر ہی کی مرضی ہے۔ ہمیں ہر حال میں تابعداری کرنا پڑتی ہے۔''

ڈی آئی جی کرائمز نے اٹھ کر بڑے اہتمام سے ان دونوں سے ہاتھ ملایا پھر ایس پی سے

بولا۔

''میں نے ذاتی طور پر اس کیس کو لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن پھر بھی فائل میرے نام مارک کر دی گئی۔'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔''میں نے آپ دونوں حضرات کو محض اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ بھی اگر میرے ساتھ تعاون کریں تو ذاتی طور پر میں آپ دونوں کا شکر گزار ہوں گا۔''

''ہم نے پہلے بھی کبھی تعاون کرنے سے انکار نہیں کیا جناب۔'' ایس پی نے اس وقت بھی کسمسا کر جواب دیا۔

''یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔'' ڈی آئی جی نے حسب عادت مہذب لہجے میں کہا پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آ گئی ہے۔ اس میں وہی کچھ ہے جس کی توقع ایسے موقعوں پر کی جاتی ہے۔ مجرموں کو اس وقت شوٹ کیا گیا جب وہ بے ہوشی بوجہ کثرت شراب نوشی کے عالم میں تھے۔ موت کا وقت لاش ملنے سے قبل یعنی رات تقریباً ڈھائی اور تین کے درمیان کا ظاہر کیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس واردات کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ اور ان چاروں کو گولی مارنے کی وجہ کیا تھی؟''

''میں آف دی ریکارڈ صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس قسم کے اشتہاری مجرموں کی پشت پناہی میں بڑے بڑے لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔'' ایس پی نے جزبز ہو کر کہا۔''وہی ایسے قاتلوں کو پالتے ہیں اور کسی ناکامی کی وجہ سے ٹھکانے بھی لگا دیتے ہیں بعد میں سارا کچرا ہم پولیس والوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔''

''میں آپ کی رائے سے صد فی صد متفق ہوں لیکن کاغذ کا پیٹ بھرنے کیلئے کچھ نہ کچھ کارروائی تو بہر حال کرنی ہوتی ہے۔''

''بہر حال'' ڈی آئی جی نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔''میں نے کل شام چھ بجے اپنے آفس میں پریس کے مخصوص نمائندوں کو بلایا ہے' اگر آپ دونوں بھی شرکت کریں تو بہتر ہوگا۔ عوام کو مطمئن کرنے کی خاطر یہ سب کچھ بھی ضروری ہے۔''

ایک گھنٹے کے بعد وہ ڈی آئی جی آفس سے نکلے' ایس پی کی گاڑی اس کا ڈرائیور لے کر آ گیا تھا' اس نے گاڑی میں بیٹھے وقت سراج سے کہا۔''کل کی کانفرنس کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''رپورٹرز ہم سب سے دھواں دھار سوالات کریں گے۔'' سراج نے اسے اچکا کر جواب دیا۔ ''بال کی کھال ادھیڑنا ان کا حق بھی ہے' اس سے پیشتر بھی سنگین معاملات میں ہمیں ڈپلومیسی سے کام لینا پڑا ہے۔ اس بار بھی ہمیں اپنی پوزیشن بچانے کی خاطر کچھ نہ کچھ تو جواب بہر حال دینا پڑے گا۔ خاموش رہے تو یہ رپورٹرز ہمارا جینا بھی دوبھر کر دیں گے۔''

''میں بھی سمجھ رہا ہوں کہ کل ہمیں ہنگامی صورتحال سے واسطہ پڑے گا لیکن...... میرا ذاتی خیال

ہے کہ اب فائل چونکہ سپیشل کرائمز برانچ کے حوالے کر دی گئی ہے اس لیے ہمارا جواب ایک ہی ہونا زیادہ مناسب ہوگا۔"

"وہ کیا سر......؟"

"یہی کہ لاشیں ہم نے دیکھی تھیں مگر اصل مجرم کون ہے؟ لاشیں آسمان سے ٹپکی تھیں یا کسی درخت سے' اس کا اندازہ ضروری قانونی کارروائی اور تفتیش کے بعد ہی لگایا جا سکتا تھا مگر...... اب چونکہ کہیں کو زیادہ ذمے دار افسران کو مارک کر دیا گیا ہے اس لیے میرا ذاتی مشورہ ہے کہ کل ہمارا خاموش رہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ زیادہ تر جوابات ڈی آئی جی کرائمز ہی دیں تو مناسب ہوگا۔"

"رائٹ سر......" سراج نے زیرلب مسکرا کر کہا۔

"میں خیال رکھوں گا کہ توپوں کا رخ کس سمت موڑنا ہے۔"

"ایک بات اور......" ایس پی نے اس بار مدھم آواز میں پوچھا۔ "میڈم روبی کے اغوا کے سلسلے میں کیا پروگریس ہوئی؟"

"ابھی تک یہ بھی ایک معما ہے سر......لیکن" سراج نے ایک لمحے کے توقف کے بعد وہی جملہ دہرا دیا جو اس نے فون پر سنا تھا۔ "میرا ذاتی خیال ہے کہ کچھ لوگ میڈم کو زندہ رکھنا پسند نہیں کرتے...... جو لوگ ایک بار ناکام ہو گئے وہ دوبارہ زیادہ منظم طریقوں سے اپنی مذموم حرکت کو کامیاب بنانے کی کوشش سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔"

"آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا......مگر قیاس یہی ہے کہ بڑی مچھلیوں کا شکار صرف تجربے کار ماہی گیری کرتے ہیں۔"

"میری ایک ذاتی ریکوئسٹ ہے" ایس پی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "آپ میڈم کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ رہا ماہر شکاریوں کا معاملہ تو ان سے بھی بعد میں حساب کتاب ضرور ہوگا۔"

ایس پی اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کی کار کے حرکت میں آنے کے بعد سراج کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بھی کچھ کم معنی خیز نہیں تھی۔

+++

شبنم کی شخصیت کچھ کچھ بے نقاب ہو جانے کے بعد سراج کو بحیثیت ایک ذمے دار پولیس آفیسر کے' سب سے زیادہ فکر اسی کروڑ پتی بیوہ کی تھی جسے کچھ لوگ زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ میڈم روبی کی حفاظت کے ساتھ اب اس کیلئے ضروری ہو گیا تھا کہ لیاقت خان کی رہائشگاہ کے آس پاس بھی کچھ قابل اعتماد سادہ لباس میں پولیس والے تعینات کرائے جائیں' اس نے فون پر ملنے والی کسی نامعلوم شخص کی مخبری کی روشنی میں فرحین اور زرینہ کو جس گودام تین سے لیاقت خان کے ذریعے بازیاب کرالیا تھا وہ شیخ حامد کے سوا کسی اور کی ملکیت نہیں تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر گھر جاتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں کچھ سوالات چبھ رہے تھے۔ ''اگر لیاقت کی بیوی کو اغوا کرانے میں براہ راست شیخ حامد ہی ملوث تھا تو اس کی لیاقت حسین سے کیا دشمنی ہوسکتی تھی؟ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ فرحین کے اغوا میں شیخ حامد کے کسی ایسے ورکر کا ہاتھ ہو جو لیاقت کے مکان کے آس پاس کہیں رہتا ہوا ور فرحین کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ گھر پر تنہا رہتی ہے' پھر کوئی مواقع غنیمت دیکھ کر اسے اٹھا لایا ہو لیکن...... اس کے ساتھ زرینہ کو اغوا کرنے کا کیا جواز بنتا تھا جو لیاقت حسین کے سب سے قریبی دوست کی بیوی تھی؟'' سراج ہر پہلو سے عقلی گھوڑے دوڑانے میں مصروف تھا لیکن گھوم پھر کر اس کے ذہن میں شیخ حامد ہی کی شخصیت ابھرتی تھی اس لیے کہ فرحین اور زرینہ کی بازیابی کے بعد ہی ان چار اشتہاری مجرموں کی لاشیں منظر عام پر آئی تھیں جن کی تصویریں دیکھنے کے بعد فرحین نے بھی ان کو بحیثیت اغوا میں ملوث قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔

شیخ حامد جیسے گھاگ آدمی کے لئے ان چاروں کی موت ضروری تھی ورنہ کسی وقت قانون کے ہتھے چڑھ جانے کے بعد ان کی زبان بھی کھل سکتی تھی۔

ان تمام باتوں کے علاوہ سیٹھ عثمان اور راحیلہ کی واپسی کی اطلاع کے بعد مزاج کیلئے ان کی حفاظت کا مسئلہ بھی بے حد اہم تھا۔ اگلے دن ہونے والی پریس کانفرنس کے سلسلے میں ایس پی آغا منظور نے جو خاموشی اختیار رکھنے کی بات کی تھی وہ بھی سراج کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ ایس پی روز اوّل سے ڈی آئی جی کرائمز کو پسند نہیں کرتا تھا جس کی وجہ علیم احمد کی دیانت داری تھی مگر سراج نے شیخ حامد کو ٹریپ کرنے کے سلسلے میں بھی صرف اور صرف علیم احمد کی شخصیت پر اعتماد کیا تھا۔ ایس پی کی خاموش رہنے کی تاکید سے اسے گھٹن ہی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ خاصی دیر تک ذہنی طور پر کسی ایسے درمیانی راستے کے بارے میں غور کرتا رہا جو اس کی ذاتی پوزیشن کو بھی تحفظ فراہم کر سکے اور متوقع خطرات سے قانونی حیثیت میں بھی عہدہ برآ ہونے میں کام آسکے۔

گھر پہنچ کر رات کے کھانے کے بعد بھی وہ درپیش معاملات پر غور و فکر کرتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے ڈی آئی جی کرائمز کے ان لسٹڈ نمبروں پر کام کیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے خود علیم احمد نے کال ریسیو کی۔ سراج نے چند رسمی جملوں کے بعد اسے فرحین اور زرینہ کی بازیابی کی تمام روداد پوری تفصیل سے سنا دی۔

''گڈ......'' دوسری جانب سراج کو سراہتے ہوئے کہا گیا۔ ''گویا ہم دونوں نے جو اندازے قائم کیے تھے وہ بالآخر درست ثابت ہوئے۔''

''میرا ایمان ہے سر کہ انسان اگر اپنے فرائض میں کسی بخل سے کام نہ لے تو اس کے نتائج بھی بہتر ہی نکلتے ہیں۔''

''میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔''

''سر......'' سراج نے قدرے ہچکچا کر کہا۔ ''آپ سے ایک ذاتی درخواست اور کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہو......'' دوسری جانب سے بے تکلفی اور بزرگانہ شفقت کا اظہار کیا گیا۔

''سر......آپ اگر ایک دوبار میرے ایس پی صاحب کی موجودگی میں مجھ سے اپنی خفگی کا اظہار کر دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔''

''خیریت......؟''

''مجھے کل کی کانفرنس میں خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔'' سراج نے دبی زبان میں وجہ بتا دی۔

''آئی سی۔'' علیم احمد نے اس بار بھی بے تکلفی سے کہا۔ ''میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ بھی چاروں لاشوں کے پس منظر میں نظر آنے والی شخصیت کو بھانپ گیا ہے۔ حالات کے پیش نظر وہ اپنے شعور نظر کو ناراض کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہے۔''

''آپ کا اندازہ درست ہے سر۔ اس کے علاوہ ہمارے ایس پی صاحب میڈم روبی کی وجہ سے بھی فرسٹریشن کا شکار ہیں۔''

''کیا مطلب؟......'' دوسری جانب سے حیرت کا اظہار ہوا۔ ''یہ میڈم روبی کا نام درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' سراج نے جواب میں میڈم روبی کے اغوا کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ مجھے خاص طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ میں میڈم کو پروٹیکشن دینے کا خیال رکھوں۔''

''اس کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟''

''جی سر...... دراصل ایس پی صاحب دوبارہ اپنا گھر آباد کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں کسی قسم کی فکر بھی نہیں رہے گی۔''

''ونڈرفل......'' ڈی آئی جی نے بے تکلفی سے کہا۔

''گویا شادی کے ساتھ ساتھ وہ میڈم کی کروڑوں کی جائیداد پر بھی نظر جمائے ہوئے ہے۔''

''خیال تو یہی ہے سر' لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا آسانی سے ہمارے مطلوبہ شخص سے دشمنی افورڈ کر سکتا ہے؟''

''ہو بھی سکتا ہے اس لئے کہ جو جرائم پیشہ ہوں وہ کسی نہ کسی طرح ایڈمٹ کر لیتے ہیں' ان کے درمیان دوبارہ بھی پھوٹ پڑ سکتی ہے۔ یہی جرائم پیشہ لوگ اکثر اپنی ذاتی رنجشوں کے سبب ہمارے لیے کارآمد بھی ثابت ہوتے ہیں' مجھے یقین ہے وہ گمنام مخبر پھر ہمارے کام آئے گا۔''

''ابھی تک تو اس نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔''

''ڈونٹ وری۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ وہ آپ کو ایک بار اپنے لیے کارآمد سمجھ لینے کے بعد دوبارہ پھر کسی نہ کسی مقصد کی خاطر ضرور کال کرے گا۔ او کے۔ بائی۔''

دوسری جانب سے فون منقطع ہو گیا۔ سراج ڈی آئی جی کی کہی پہلی بات پر غور کرنے لگا۔

+++

شیخ حامد اس وقت اپنے آفس میں کسی بھوکے درندے کی طرح ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا' چہرے کے تاثرات سے عیاں تھا کہ سخت غصے اور اشتعال کی حالت سے دوچار ہے۔ ایک کرسی پر افضل خان بھی دم سادھے بیٹھا ''جل تو جلال تو' آئی بلا کو ٹال تو'' کا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔

جو پانچ لاشیں' پولیس کے محکمے کیلئے دردسر بنی تھیں' اخبارات آئے دن نئی نئی سرخیاں لگا رہے تھے۔ اعلیٰ افسران سے مرکزی حکومت کی جانب سے شدید باز پرس ہو رہی تھی۔ عوامی نمائندے بھی احتجاج کر رہے تھے۔ انہیں افضل خان ہی نے شیخ حامد کے حکم پر اپنے خاص آدمیوں سے اسی رات ٹھکانے لگوا دیا تھا جس پر روز کسی نہ کسی طرح فرحین اور زرینہ ان کے قبضے سے نکل گئی تھیں' کال گرل کو اس لیے ٹھکانے لگوانا پڑا کہ بعد میں زبان بھی کھول سکتی تھی۔

بہرحال' شیخ حامد کے خطرناک تیور دیکھ کر افضل خان بھی سہما بیٹھا تھا۔

سوال یہ ہے کہ وہ دونوں کس طرح وہاں سے نکل گئیں؟'' شیخ حامد نے کرسی پر بیٹھ کر میز پر دونوں ہاتھ مارتے ہوئے افضل خان کو شدید غصے کے عالم میں گھورا۔

''ان کو بے ہوشی کی دوا پلا دی گئی تھی۔ ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے۔ یہ بات تم نے کہی تھی پھر ان کو بیہوشی کی حالت میں کیا جن بھوت اٹھا کر لے گئے تھے؟''

''سر......'' افضل خان نے بغلیں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے ان چاروں نے یہی بتایا تھا۔''

''اوکے......'' شیخ حامد دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

''اس اہم موقعے پر وہ کال گرل وہاں کہاں سے نازل ہو گئی؟ ان چاروں نے بے تحاشا پی لی ہو گی اور پھر بار بار اس کے ساتھ منہ کالا کرنے کے بعد خود بھی مردوں کی طرح اوندھ گئے ہوں گے۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن اس کا جواب تو وہ اگر زندہ ہوتے تو وہی......''

''شٹ اپ......'' شیخ حامد حلق کے بل چلا کر بولا۔

''تم جانتے ہو کہ میں اس قسم کے جواب سننے کا عادی نہیں ہوں پھر تمہاری جرأت کیسے ہوئی؟...... ذمے داری تمہاری تھی' تم خود بھی ادھر جا کر صورت حال کا جائزہ لے کر اپنا اطمینان کر سکتے تھے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''سر...... میں اپنی غلطی تسلیم......''

''تو......'' شیخ حامد غرایا۔ ''آئی ڈونٹ لائیک سمپلی ٹیل موونگ ڈاگز (مجھے صرف دم ہلاتے ہوئے کتے پسند نہیں ہیں) میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میری باتوں کا جواب دو۔''

''رائٹ سر......'' اس نے بگ باس کی آنکھوں کی طرف دیکھا جو طیش کے سبب گہری سرخ نظر آ رہی تھیں۔

''مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ کیا چیخ و پکار ہو رہی ہے۔ مائی فٹ' لیکن وہ دو ٹکے کا ایس پی بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے اور......'' شیخ حامد کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر سرسراتے لہجے میں پوچھا۔''میڈم روبی کے سلسلے...... میں تم نے کیا تیر مارا ہے؟''

''آپ جو چاہتے ہیں سر' وہ تین چار روز میں ہو جائے گا۔''

''گڈ......اب یہ زیادہ اہم ہے' تصویریں میرے قبضے میں ہوں گی تو کل وہ ڈرٹی ڈاگ بھی میرے سامنے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکے گا۔''

باس کا اشارہ کس کی طرف تھا؟ افضل خان نے اس بارے میں پوچھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

''ایک خاص انفارمیشن اور بھی ہے تمہارے لیے۔''

شیخ حامد نے کہا۔''عثمان اور اس کی بیوی ایک ہفتے کے اندر آنے والے ہیں۔''

''مجھے آپ کا حکم یاد ہے سر......'' افضل خان نے مستعدی سے جواب دیا۔

''جو کچھ ایک بار ہو گیا اسے ریپیٹ نہیں ہونا چاہیے۔''

اس نے افضل خان کو خطرناک نظروں سے گھورا' اس بار تم کو بھی شکار کے ساتھ اس وقت تک موجود رہنا ہو گا جب تک میں اجازت نہ دوں۔''

''او کے سر۔''

''گودام کے گارڈ نے بھی ان چاروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہو گا؟''

''اس کا یہی کہنا ہے کہ وہ چاروں' دونوں عورتوں کے ساتھ عقبی راستے سے اندر گئے تھے' اس کی اطلاع انہوں نے گارڈ کو بھی دی تھی۔'' افضل خان نے کسمسا کر کہا۔''سر' اگر آپ کی اجازت ہو تو میں لیاقت کی بیوی کو دوبارہ......''

''نہیں......'' شیخ حامد نے تیزی سے کہا۔''ابھی اس کو دوبارہ چھیڑنا مناسب نہیں ہو گا' ممکن ہے کہ ان کی خفیہ طور پر نگرانی کی جا رہی ہو لیکن لیاقت حسین......''

''آپ اشارہ کریں تو اسے اوپر پہنچا دیا جائے۔''

''فی الحال کسی کو چھیڑنا مناسب نہیں ہے مگر...... میں لیاقت حسین کو زیادہ دنوں برداشت بھی نہیں کر سکتا۔''

افضل خان خاموش ہوا تو شیخ حامد نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''ڈی آئی جی کرائمز کی نگرانی ضروری ہے' مجھے یہ اطلاع ملتی رہنی چاہیے کہ وہ کیا تیر مارنے کی کوشش کر رہا ہے؟''

''سر......'' افضل خان سنبھل کر بولا۔''وہ کسی قیمت پر بکنے والی چیز نہیں ہے ورنہ......''

میڈم کا فیصلہ کن جواب سن کر نرس مجبوراً خاموش ہو گئی۔ ملازمہ نے پوچھا۔

''میرے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے تو وہ لڑکی کسی قریبی بنگلے میں کام کرنے والی ملازمہ لگتی ہے۔''

''تم اس لڑکی کو میرے پاس لے آؤ اور اس بات کا خاص خیال رہے کہ جب تک وہ لڑکی

میرے کمرے میں رہے تم باہر دور دور سے اس بات کی نگرانی کرو کہ کوئی تیسرا فرد میرے کمرے کے قریب نہ آئے...... وہ لڑکی میرے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے یہاں آنے کا ذکر بھی کسی دوسرے کے سامنے نہیں ہونا چاہیے۔''

نرس نے میڈم روبی کے چہرے پر اچانک نمودار ہونے والی گہری سنجیدگی دیکھی تو وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد میڈم تھوڑا سا بستر پر اوپر کھسک کر نیم دراز ہو گئی۔ دو تکیوں کا سہارا لے کر...... اس نے اپنے آرام کا بھی خیال رکھا تھا۔ شبنم کو اسی نے ملاقات کی دعوت دی تھی لیکن اتنی رات گئے۔ اس نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی' رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔

کچھ دیر بعد شبنم کمرے میں داخل ہوئی تو میڈم روبی کو ایک لمحے کیلئے تعجب ہوا پھر وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر سکی۔ شبنم نے اپنے چہرے کی خوبصورتی دور کرنے کیلئے جو میک اپ کیا تھا اور لباس زیب تن کر رکھا تھا اس سے بظاہر ایسا ہی لگتا تھا کہ وہ گھریلو ملازمہ ہے جس کے بائیں گال پر زخم کا ایک گہرا نشان بھی نظر آ رہا تھا جو بھر جانے کے بعد بھی بدنما دکھائی دیتا تھا۔

اس کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد ملازمہ نے دروازہ اندر آ کر بند کیا پھر پچھلے دروازے سے نکل کر باہر چلی گئی۔ میڈم نے اسے ایک بار پھر یہی تاکید کی تھی وہ کسی کی غفلت برداشت نہیں کرے گی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد اس نے شبنم کی طرف دیکھا تو اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''بیگم صاحب جی۔ میرا بچہ ادھر گاؤں میں بیمار ہے' اگر آپ ہمارے صاحب کو فون کر کے سفارش کر دیں تو وہ مجھے چھٹی دے دیں گے' میرا گاؤں جانا بہت ضروری ہے۔''

''فائن......'' میڈم نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا تمہیں اداکاری کا شوق رہ چکا ہے۔ لباس اور انداز گفتگو بدلنے کے بعد تم نے آواز پر بھی خاصا عبور حاصل کر لیا ہے۔''

''کرنا پڑتا ہے'' شبنم نے اس بار اپنی اصلی آواز میں کہا پھر کرسی گھسیٹ کر میڈم کے بستر کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''جب شکاری کتے ہر طرف گھوم رہے ہوں تو پھر احتیاط تو کرنی پڑتی ہے۔''

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی'' میڈم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''آپ نے گھر آنے کا اصرار نہ کیا ہوتا تو بھی میں کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر آپ سے ایک بار ملنے کی کوشش ضرور کرتی۔'' شبنم نے یک لخت سنجیدگی اختیار کر لی۔

''ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے اتنی اہمیت دے رہی ہو......؟''

''سوری...... آپ شاید بھول رہی ہیں کہ میں نے ہسپتال میں کہا تھا کہ شاید میرا اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے۔''

میڈم روبی جواب سن کر کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئی۔

''تم نے اس بات کا یقین کیسے کر لیا کہ میرا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے؟''

''آپ کے اس سنجیدہ سوال کے جواب میں ایک بات میں بھی پوچھنے کا حق رکھتی ہوں۔'' شبنم نے کسمسا کر کہا۔ ''جس مہذب خاتون نے پیرس کی تفریح گاہوں میں کبھی بغیر حجاب کے جانا پسند نہ کیا ہو۔ وہ شوہر کے انتقال کے سال بھر بعد میں اس قدر ماڈرن کیوں بن گئی؟...... اور اسے افضل خان جیسے خطرناک شخص کے اپارٹمنٹ میں تنہا جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟''

میڈم روبی اس طرح چونکی جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو' شبنم کو سنجیدگی سے گھورتے ہوئے بولی۔ ''تم میرے بارے میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی ہو' میری پیرس کی زندگی کے بارے میں تمہیں کس طرح معلوم ہوا۔''

آپ کے دونوں سوال کا ایک ہی جواب ہے۔'' شبنم معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ ''ہم دونوں کا دشمن ایک ہی ہے۔ نہ ہوتا تو میں جان پر کھیل کر کسی آدم خور درندے کے اتنے قریب جانے کی کبھی بھول کر بھی غلطی نہ کرتی۔''

''لیکن......'' میڈم نے کچھ کہنا چاہا۔

''آپ نے میرے کہنے پر افضل خان کے اپارٹمنٹ میں جانے کی حقیقت کو بھی اپنے پولیس کو دیئے جانے والے بیان میں بدل دیا تھا۔'' شبنم نے اس کی بات کو کاٹ کر کہا۔

''کوئی نہ کوئی تو وجہ ضرور ہوگی؟''

''تم نے ابھی تک میرے سب سے اہم سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میڈم نے کسمسا کر اپنی بات دہرائی۔ تمہیں میری پیرس کی باتوں کا علم کس طرح ہوا؟''

ایک لمحے کیلئے بیڈ روم میں خاموشی طاری رہی پھر شبنم نے دبی زبان میں کہا۔

''کیا آپ کو پیرس کے کسی فیشن شو میں انجلا نامی کوئی ماڈل پسند آئی تھی جسے آپ نے بطور خاص اس کی خوبصورت پرفارمنس پر انعام بھی دیا تھا؟''

میڈم کی نظروں میں تجسس جاگنے لگا' کچھ توقف سے بولی۔

''ہاں...... مجھے وہ خوبصورت ہندوستانی ماڈل یاد ہے جس نے فیشن ماڈلنگ میں بہت ساری ماڈلز کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا لیکن تم انجلا کو کس طرح جانتی ہو؟''

''اس طرح کہ اسے اپنے شوہر کی دردناک موت کے بعد انجلا کا نام دوسری بار اختیار کرنا پڑا تھا۔'' شبنم نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا ''شاید اس لیے کہ وہ اگر دوبارہ انجم آرا کا نام اختیار رکھتی تو پھر اس کے اپنے بھی اسکے خون کے پیاسے ہو جاتے۔ شاید اس کا انجام بھی اپنے شوہر کی موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتا۔''

میڈم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بدستور حیرت سے شبنم کو دیکھتی رہی۔

''انجلا خوبصورت جسم کی مالک تھی شاید اسی لیے بہت جلد ٹاپ ماڈل میں شمار ہونے لگی۔ دنیا میں ماڈلز کی زندگی بڑے ٹھاٹ باٹ سے بسر ہوتی ہے۔ اس کے چاہنے والے اس کو قریب سے ایک نظر دیکھنے کیلئے ترستے ہیں لیکن انجلا...... وہ بدنصیب عورت ہر ہفتے کی رات اپنے بستر پر بچھی

چادر کی طرح روندی جاتی تھی۔ اس کے عوض اسے یورو یا اس کے جسمانی حسن کو سراہنے والے خوبصورت جملوں کے بجائے گندی گندی فحش گالیوں سے نوازتے تھے۔ وہاں اس طرح بھنبھوڑی جاتی تھی جس طرح شیر کے شکار کو اس کا پیٹ بھر جانے کے بعد لکڑ بگھے بھی بے دردی سے نوچتے کھسوٹتے ہیں۔ جنگل میں صرف شیر' چیتوں اور لکڑ بگھوں کا قانون چلتا ہے' مردار احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔'' شبنم کی آواز رندھ گئی'' جب جسم اور روح کا رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر مردے پر کیا گزرتی ہے؟ اس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہوتا...... اس کی زبان بند ہوتی ہے' صرف روح آہ و بکا کرتی ہے جسے انسان کے کان سننے کی قوت نہیں رکھتے۔''

''تم......تم انجلا کو کس طرح جانتی ہو......؟'' میڈم نے حیرت سے پوچھا۔

''میں انجلا کو نہیں...... صرف انجم آرا کو جانتی ہوں جو...... جو میری معصوم ماں تھی۔'' شبنم کی خوبصورت آنکھیں بے اختیار آنسو چھلکنے لگیں۔ میڈم اس کے دل کا غبار چھٹ جانے کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ یہ سن لینے کے بعد انجلا کو دوبارہ اپنا نام تبدیل کرنا پڑا اور وہ شبنم کی ماں تھی' اس کا تجسس بھی بڑھنے لگا۔

تین چار منٹ تک شبنم کی سسکیاں ابھرتی رہیں پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''میرے باپ نے انجلا سے شادی کی یہی ایک شرط رکھی تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے' اس نے اپنے پیار کی خاطر وہ شرط قبول کر لی۔ وہ بڑے گھرانے کے ایک جاگیردار کی اکلوتی راج کماری تھی' بات پھیلی تو جاگیر کے تمام ہندو' پنڈت اور پجاری میرے باپ کے دشمن بن گئے لیکن میری ماں نے دوراندیشی سے کام لیا' اس نے اپنے گھر والوں کو وشواس دلایا کہ کچھ حاسدوں نے غلط خبر اڑا دی ہے۔ جاگیردار نے فوری طور پر پنڈتوں سے مہورت نکلوا کر اس کا رشتہ اپنے برابر والوں میں کر دیا' میرے ماں خاموش رہی' خاموشی سے اپنے حصے کی دولت اور قیمتی زیورات جمع کرتی رہی پھر لگن منڈپ سجنے سے تین رات پہلے وہ خاموشی سے اپنا سب دھن دولت سمیٹ کر ایئرپورٹ پہنچ گئی جہاں اس سے محبت کرنے والا پہلے سے موجود تھا۔ میرا باپ بھی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے پاس بھی دولت کی فراوانی تھی۔ دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی دوسرے ملک میں جا کر زندگی بسر کریں گے۔'' شبنم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میرے ماں باپ کو کسی واقف کار نے یہ مشورہ دیا تھا کہ لندن یا امریکہ جانے کے بجائے فرانس کی طرف نکل جائیں۔ انہوں نے دوست کا مشورہ قبول کر لیا۔ شادی کے تین سال بعد میں بدنصیب اس دنیا میں آ گئی' میرے والدین بہت خوش تھے۔ دو سال بعد میرے والد ہمیں لے کر سوئٹزرلینڈ آ گئے۔ انہوں نے فرانس جا کر جو کاروبار اختیار کیا وہ خوش قسمتی سے بے حد کامیاب رہا' والد صاحب نے ایک دو کمرے کا خوبصورت اپارٹمنٹ پیرس میں بھی خرید لیا تھا' ان کا ارادہ تھا کہ میرے بالغ ہو جانے کے بعد سوئٹزرلینڈ سے پیرس شفٹ ہو جائیں گے اور دشمنوں سے بہت دور پرسکون زندگی گزاریں گے لیکن...... قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔''

شبنم سانس لینے کے لئے رکی پھر سرد آہ بھر کر اپنی کہانی کا درد بھرا حصہ سنانے لگی۔
''اس وقت میری عمر سات سال تھی' میں سوئٹزرلینڈ کی ایک ایسے سکول میں تعلیم حاصل کر رہی تھی جہاں امیر کبیر لوگ اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کا محض خواب دیکھا کرتے ہیں۔ میرے والد کو کاروباری سلسلے میں آس پاس کے ملکوں کا سفر کرنا پڑتا تھا' اس لیے انہوں نے میرے لیے سکول کے قریب ہی ایک بورڈنگ ہاؤس میں میرا بندوبست کر دیا تھا۔ بیرون ملک کی غیر آلود فضا میں میری ماں کا حسن روز بروز نکھرتا جا رہا تھا' ایک بار کسی بے تکلف دوست نے مشورہ بھی دیا تھا کہا گر میری ماں پیرس جا کر شوقیہ طور پر ہی ماڈلنگ شروع کر دے تو وہ چار شوز کے بعد ہی ٹاپ ماڈلز میں شمار ہونے لگے گی۔ ایک ایک شو میں ہزاروں یورو کما سکتی ہے' میرے والدین نے اس مشورے کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔ انجلا سے انجم آرا بننے کے بعد میری ماں نے اسلامی تعلیم میں بھی خاص دسترس حاصل کر لی تھی' وہ باہر نکلتی تو ہمیشہ حجاب کا استعمال کرتی جس کے سبب اس کے قدرتی حسن اور رنگ و روپ میں اور نکھار آ جاتا تھا' ایک بار میں نے اپنے والد کو ماں سے کہتے سنا تھا۔ ''انجم' تم تو شادی کے بعد دس گیارہ سال بڑی لگنے کے بجائے اور زیادہ کمسن اور حسین ہوتی جا رہی ہو۔'' میں اس جملے کو سن کر وہاں سے ہٹ گئی تھی' ماں نے کیا جواب دیا' میں نے سننے کی کوشش نہیں کی لیکن میرے باپ نے جو کہا وہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔''
شبنم نے ایک لمحے رک کر درد بھری آواز میں اپنی کہانی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ''ان دنوں میرے والد میری ماں کے ساتھ لندن میں ایک کاروباری سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک فائیو سٹار ہوٹل میں پورا وی آئی پی سوٹ بک کرا رکھا تھا۔ وہ سفر میرے والد کی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا۔ جہاں انہیں ایک دوسرے بڑے اور عیاش سرمایہ دار نے میری ماں کے سامنے اس کے وی آئی پی سوٹ میں مار دیا تھا' مارنے سے پہلے اس بے غیرت قاتل نے میرے والد کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بے بس کر دیا تھا۔ وہ کمینہ میری ماں کو اس کے شوہر کے سامنے برہنہ کر کے اسکی شرافت کی دھجیاں اڑاتا رہا' اس کے دو نقاب پوش بدمعاش بھی کمرے میں سائلنسر لگے پستول لیے کھڑے تھے۔ وہ حرامزدے بھی میری ماں کی عزت لٹنے کا تماشا دیکھتے رہے پھر انہوں نے اپنے حرامزادے مالک کے اشارے پر میرے باپ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ میری مان پر سکتہ طاری ہو گیا' اس رات دونوں نقاب پوش بھی میری ماں کو شکاری کتوں کی طرح بھنبھوڑتے رہے۔ ان کے جانے سے پیشتر ان کا باس دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میری ماں کے نیم برہنہ جسم پر وہ تصاویریں ڈال دیں جو نقاب پوشوں کے ساتھ اتاری گئی تھیں۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ اگر اس نے زبان کھولی تو اس کا انجام بھی مرنے والے سے مختلف نہیں ہوگا۔ پھر وہ چلے گئے۔'' شبنم کی سسکیاں دوبارہ ابھرنے لگیں۔ میڈم اس کو دیکھتی رہی جب شبنم کے آنسو تھمے تو اس نے پوچھا۔
''کیا اس بے غیرت کا نام بھی شیخ حامد تھا۔'' اس کے لہجے میں دنیا جہان کی نفرتیں اور انتقامی جذبے مچل رہے تھے۔

''آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے......''

''پھر؟......تمہاری ماں نے کیا کیا......؟''

''اسے کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں چھوڑا گیا تھا'' شبنم نے لمبی سانس لے کر کہا۔''اس نے میرے والد کی موت کو قتل ہی ظاہر کیا...... کسی کا نام زبان پر نہیں لائی۔ پولیس والوں کو اس نے مفروضہ قاتلوں کے حلیے بھی غلط بتائے۔ ایک ماہ تک اسے لندن ہی میں رکنا پڑا' پولیس کی جانب سے کلیئرنس ملنے کے بعد وہ پہلی فلائٹ سے سوئٹزرلینڈ پہنچی۔ اس نے وہاں کے مکان کو فروخت کر دیا۔ پھر وہ پیرس جا کر دوبارہ انجلا بن گئی۔ کسی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد ہی اس نے اپنا غم غلط کرنے اور وقت گزارنے کی خاطر فیشن ماڈلنگ شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹاپ ماڈلز میں شمار ہونے لگی۔ لوگ اسے خوش قسمت سمجھتے رہے۔ اس کے اندر کا زخم کوئی نہ دیکھ سکا......خود مجھے بھی ماں نے ہر اس موقع پر ٹالنے کی کوشش کی جب میں نے اس سے دوبارہ انجلا بننے کا سبب پوچھا۔ باپ کی قتل کی خبریں اخبار اور ٹی وی پر بھی سن چکی تھی لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آسکا کہ میرا باپ جو ہر پیچ وخم سے مردوں کی طرح مقابلہ کرنے کا عادی تھا۔ اسے قتل کیوں اور کس وجہ سے کیا گیا؟ پھر جب میری عمر بارہ سال ہوئی تو ایک روز ماں نے مجھے کال کی اور تمام اصلیتوں سے آگاہ کیا۔ اس نے رو رو کر یہ بھی کہا کہ وہ درندہ پیرس میں بھی اس کو کھلونے کی طرح استعمال کرتا رہا۔ اس روز اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اپنے باپ کے قاتل سے انتقام ضرور لوں جسے غالباً میرے بارے میں کچھ زیادہ علم نہیں تھا......وہ......وہ میرے لیے میری ماں کی زندگی کی آخری کال تھی۔ اس لیے کہ دو روز بعد مجھے ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے علم ہو گیا کہ پیرس کی پولیس نے میری ماں کو اس کے اپارٹمنٹ سے مردہ حالت میں خود اسی کی انفارمیشن پر برآمد کیا تھا۔ شاید زہر کھانے کے بعد اس نے پولیس کو خود اپنی موت کی اطلاع دی تھی۔ لاش کے قریب ہی ماں نے......صرف میری زندگی کے تحفظ کی خاطر ایک تحریر بھی چھوڑی تھی جس میں لکھا تھا۔''میں زندگی کے ہنگاموں سے تنگ آکر خود اپنی مرضی سے زہر کھا رہی ہوں' میری موت میں کسی کو ملوث نہ سمجھا جائے۔''

''یہ غلط بھی ہو سکتا ہے......'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے تیزی سے کہا۔''عین ممکن ہے ہمارے مشترکہ دشمن نے اسے خودکشی کرنے اور تحریر لکھنے پر مجبور کیا ہو۔''

''شاید ایسا ہی ہو......''شبنم نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ماں کی موت کے بعد میں نے پیرس جانے کی غلطی نہیں کی' میں بینک سے رقم نکلوانے گئی تو منیجر نے مجھے بتایا کہ میرے اکاؤنٹ میں کسی انجم نامی خاتون نے بیس لاکھ یورو کا پے آرڈر جمع کرایا تھا۔ میں وہ تمام رقم لے کر...... سوئٹزرلینڈ کو خیرباد کہہ کر فوری طور پر برلن چلی گئی۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ میں پانچ سال تک کسی مفرور مجرم کی طرح اپنے ٹھکانے شہروں شہروں بدلتی رہی۔ پھر یہاں آگئی اور خاصی دشواریوں کے بعد بالآخر اس سانپ کے دفتر میں بحیثیت ٹیلیفون آپریٹر کی اسامی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی جو میرے باپ اور میری ماں دونوں کو ڈس چکا

ہے۔ اب مجھے اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ہے۔''

''آئی سی......'' میڈم نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔ ''تم نے اس کی کمپنی میں ملازمت کیوں حاصل کی؟''

''اس شکاری کتے افضل خان کی وجہ سے جو میرے والدین کے قاتل سے سب سے نزدیک رہتا ہے'' شبنم نے اچانک اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اب میں اجازت چاہوں گی۔ جاتے جاتے یہ بھی مشورہ دوں گی کہ آپ بھی افضل خان سے محتاط رہیں۔ شیخ حامد کے ایک اشارے پر وہ خود آپ کو بھی گولی مار دینے کی حد تک جا سکتا ہے۔ وہ گلے گلے اس کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے لیکن وہی ایک ایسا شخص ہے جو ہمارے دشمن کو سب سے آسانی سے ٹھکانے بھی لگا سکتا ہے۔''

شبنم کے جانے کے بعد اس رات میڈم بھی نہیں سو سکی' نرس نے اسے نیند کا انجکشن بھی دیا لیکن وہ بھی' زیادہ موثر ثابت نہیں ہوا البتہ اس کے سوتے جاگتے ذہن پر ایک دھند سی ضرور طاری ہو گئی تھی۔

❖❖❖

افضل خان کیلئے میڈم روبی کو جلد از جلد ٹریپ کرنے اور اسے بلیک میل کرنے کی خاطر کیمرے کی خفیہ حالت میں اس کی شرمناک' حیا سوز اور فحش تصویریں حاصل کرنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ شیخ حامد نے اسے یہ کام جلد از جلد نمٹانے کا حکم دیا تھا۔ ذاتی طور پر بھی وہ میڈم کا اسیر تھا اور اس کی وصل کی لذتوں سے سرشار ہونے کیلئے بے چین تھا۔

تین روز سے وہ برابر اس کی خیریت دریافت کرنے اور جشن صحت منانے کیلئے اپنی بے چینی کا اظہار کر رہا تھا' لیکن اسے کسی نہ کسی بہانے ٹالا جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرحین اور زرینہ کے ہاتھ میں آ کر پراسرار طور پر نکل جانے کے سبب بگ باس کا غصہ عروج پر تھا' پانچ لاشوں کی کہانی نے اخبار کی زینت بن کر اس کے غصے کی شدت کو اور بھڑکا دیا تھا۔

اس وقت بھی بگ باس کی فرمائش کو جلد از جلد پورا کرنے کی خاطر وہ اپنے ذہن میں مختلف منصوبے بنا رہا تھا' لیاقت حسین نے درمیان میں آ کر میڈم روبی کے اغوا کو ناکام نہ بنایا ہوتا تو شاید یہ دردسری بھی اس کے سر سے ٹل جاتی۔ ہر چند کہ بگ باس نے کھل کر اس بات کا اقرار نہیں کیا تھا کہ میڈم کو اغوا کرانے میں اسی کی کوشش کو دخل تھا لیکن افضل خان اتنا بچہ بھی نہیں تھا کہ ہوا کا رخ نہ بھانپ سکتا۔ بہرحال شبنم کی وجہ سے میڈم نے اس کے اپارٹمنٹ والی بات گول کر دی تھی ورنہ شاید حامد کا غصہ حد سے گزر جاتا۔ میڈم کے سلسلے میں ایک الجھن یہ بھی درپیش تھی کہ وہ زخمی ہونے کے بعد زیر علاج تھی' اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو شاید افضل خان اسے رینبو کلب یا کسی اور جگہ آتے جاتے وقت راستے سے بھی اٹھوا کر وہ سب کچھ کر گزرتا جو شیخ حامد کے علاوہ اس کی اپنی دلی خواہش بھی تھی لیکن موجودہ صورت میں وہ میڈم کو اس کی کوٹھی سے اغوا کرانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ وہ مختلف راستوں پر غور کرنے میں مصروف تھا۔ جب فون کی گھنٹی بجی۔ افضل خان نے نفرت سے فون سیٹ کو گھورا جس

نے اسکی محویت کو ڈسٹرب کیا تھا۔

''ہیلو......'' اس نے ریسیور اٹھا کر سرد لہجے میں کہا۔

''افضل خان آن لائن۔''

''کیا بات ہے مائی ڈیئر......تم اس وقت کچھ الجھے ہوئے لگتے ہو؟'' دوسری جانب سے میڈم روبی کی آواز سن کر اس کی ساری جھلاہٹ کافور ہو گئی۔

''تمہارے ہی بارے میں غور کر رہا تھا۔'' اس نے یکدم اپنا لہجہ تبدیل کر لیا۔

''مجھ میں غور کرنے والی ایسی کیا بات ہے؟'' میڈم کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔

''اس سوال کا جواب میں فون پر نہیں دے سکوں گا۔''

وہ فری ہونے لگا۔ ''تم سامنے ہو گی تو تفصیل سے بتاؤں گا تم کیا ہو......؟''

''اچھا!......اگر یہ بات ہے تو پھر پرسوں کے جشن صحت کی تیاریاں ابھی سے شروع کر دو۔'' میڈم نے بے تکلفی سے کہا پھر سنجیدگی سے بولی' اپنی شرط کے مطابق میں نے تاج محل کا انتخاب کیا ہے۔تم وہاں کے مینجر مسٹر رابرٹ کلارک سے مل لو۔ وہ تمہیں کمرا نمبر بتا دے گا اور تمہارے ساتھ مکمل تعاون بھی کرے گا۔ میں نے اسے فون کر دیا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ ڈارلنگ'' افضل خان نے خوشی کا اظہار کیا پھر مدھم لہجے میں بولا ''یہ دو روز کس طرح گزریں گے؟''

''ایک بات اور سن لو...... جو آفر میں نے تمہیں دی ہے اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کر کے آنا...... بائی۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ افضل خان کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی' اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میڈم روبی...... میں سارے فیصلے کر چکا ہوں' ایک آخری ٹچ دینا باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بعد شاید تم افضل خان کے بوٹ کو بھی پالش کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔ بگ باس تمہیں ناگن کہتا ہے اور افضل خان......ہاہا......ہاہا......افضل خان ناگنوں کا سارا زہر نکالنے میں بہت پہلے پی ایچ ڈی کر چکا ہے۔''

میڈم روبی کا فون آ جانے کے بعد اس نے خوشی کے اظہار کے طور پر ایک ڈبل پیگ بنا کر دو تین لمبے لمبے گھونٹ لیے پھر تاج محل کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ آپریٹر کی آواز ابھرنے کے بعد اس نے جنرل مینجر رابرٹ کلارک سے لائن ملانے کی درخواست کی جو فوراً ہی قبول کر لی گئی۔ چند سیکنڈ بعد ہی رابرٹ کلارک لائن پر تھا۔

''مسٹر رابرٹ' میں افضل خان بول رہا ہوں۔''

''مجھے میڈم روبی کا فون مل چکا ہے۔'' دوسری طرف بے تکلفی سے شستہ اردو میں جواب ملا ''میں نے فورتھ فلور پر روم نمبر چار سو آٹھ بک کر دیا ہے۔ سنا ہے تم میڈم کا جشن صحت منانے کیلئے بے چین ہو......؟''

''ہاں آں......'' افضل خان نے ایک گھونٹ لے کر بے تکلفی سے کہا۔''ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے......''

''تم سے پرانی واقفیت کی بنا پر ایک بات قبل از وقت بتا دوں۔'' دوسری جانب سے بھی دوستانہ انداز میں جواب ملا۔''شی از اے ڈی فیکل ٹارگٹ۔ تمہیں محتاط رہنا ہوگا۔''

''اوہ نو......''

افضل خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''وہ بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو...... اوکے، میں تم سے کل کسی وقت ملتا ہوں پھر سارا پروگرام سیٹ کرلیں گے۔''

''ایز یو وش۔''

افضل خان نے رابطہ ختم کر کے شیخ حامد کے وہ نمبر گھمانے شروع کر دیے جو انتہائی اہم مواقع پر استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ دوسری جانب سے کال تقریباً بیس سیکنڈ بعد ریسیو کی گئی۔ خود شیخ حامد نے ریسیور اٹھایا تھا' جواب میں افضل خان نے میڈم سے ہونیوالی تفصیل اور تاج محل ہوٹل کے علاوہ رابرٹ کلارک کا نام بھی بتا دیا۔

''میں ان انگریز نسل کے دوغلے کتوں پر زیادہ بھروسا نہیں کرتا لیکن تم فکر مت کرو...... میں ڈائریکٹ اس کے مالک سے بات کرتا ہوں' اس کے بعد رابرٹ بھی تمہارے اشاروں پر دم ہلانے پر مجبور ہو جائے گا۔ تمام کام خوبصورتی اور پوری مہارت سے انجام دینا۔ ٹارگٹ ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہیے اس کا خیال رکھنا۔''

دوسری جانب سے بات ختم کرنے کے ساتھ ہی ریسیور رکھنے کی آواز ابھری تو افضل خان نے سکون کا لمبا سانس لیا پھر اس نے دوسرے ہی دن روم نمبر چار سو آٹھ کی چابی لے کر حسب منشا اس کی سجاوٹ کے ساتھ ساتھ ''ناگن کا زہر کشید'' کرنے کے دوسرے انتظامات بھی نہایت مہارت سے شروع کر دیے۔ شیخ حامد نے غلط نہیں کہا تھا' رابرٹ کلارک سے افضل خان کی پرانی شناسائی تھی لیکن بگ باس کا حوالہ مل جانے کے بعد وہ سچ مچ ہی دم ہلاتا پھر رہا تھا۔

افضل خان نے ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اس رقیب کا بھی بندوبست کرلیا تھا جو افضل خان کے بعد میڈم کے ساتھ لکڑ بھگے والا سلوک کرتا اور اس کی تصاویر افضل خان تیار کرتا پھر اس کے خیال کے مطابق زہریلی ناگن بھی اس کی بین پر لہرانے پر ہمیشہ مجبور ہی رہتی۔

درمیان کا ایک دن اور گزر گیا پھر اگلے روز افضل خان ٹھیک ساڑھے سات بجے ریسپشن پر بنفس نفیس موجود تھا۔ میڈم روبی حسب وعدہ ٹھیک آٹھ بجے ہوٹل میں داخل ہوئی۔ روپہلے رنگ کے ماڈرن ٹائپ شلوار سوٹ میں وہ سچ مچ کوئی خوبصورت ناگن ہی دکھائی دے رہی تھی۔ افضل خان نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ روم نمبر چار سو آٹھ میں موجود تھے۔ میڈم روبی نے وہاں کی سجاوٹ دیکھی تو مسکرا کر بولی۔

''تم نے زبردست اہتمام کر ڈالا ہے۔''
''اٹ از مائی پلیزر......''
افضل خان اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرا کر بولا پھر دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھ گئے' بائیں ہاتھ پر کھڑکی تھی جس پر خوبصورت پردے موجود تھے' اس کے ساتھ ڈبل بیڈ بھی تھا' دیگر سجاوٹ بھی ویسی ہی تھی جیسی فائیو سٹار ہوٹل میں ہوتی ہے۔ افضل خان نے خاص طور پر موتیا اور گلاب کے تازہ پھولوں سے پورے کمرے کو مہکا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا خوبصورت پھول عورتوں کی کمزوری ہوتے ہیں۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی بات ہوتی رہی۔ افضل خان نے بوتل کھول کر دو گلاس تیار کیے۔ شیشے کی گول میز پر وہ کیک بھی موجود تھا جسے جشن صحت کی علامت کے طور پر روبی کو کاٹنا تھا۔
''اور کیا کیا اہتمام کر ڈالے ہیں تم نے......؟'' روبی نے بے تکلفی سے پوچھا' اس بے تکلفی میں بھی ایک وقار موجود تھا۔

''پہلے ڈرنکس...... پھر کیک تمہارے ہاتھوں کٹنے پر اپنی قسمت پر رشک کرے گا۔ آخر میں ڈنر ہوگا اور اس کے بعد جو تم کہو......''

''اگر آج میں شیری پینے پر اصرار کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا......؟'' روبی نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت شوخی سے کہا۔
''شکر ہے کہ تم نے اپنی کسی پسند کا اظہار تو کیا۔'' افضل خان نے خوشی کا اظہار کیا پھر اس نے فون سروس پر شیری کی ایک نئی بوتل طلب کی جو بہ مشکل دس منٹ میں آ گئی۔ بیرے کے جانے کے بعد میڈم نے بوتل کی سیل پر ایک نظر ڈالی پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اسے کھول کر ایک پیگ تیار کیا۔ افضل خان نے مسکرا کر کہا۔

''آئی ایم سوری ڈارلنگ۔ مجھے یہ خیال پہلے سے رکھنا چاہئے تھا کہ شیری خواتین کی پہلی ترجیح ہوتی ہے۔''

''نیور مائنڈ...... آئندہ خیال رکھنا......''
روبی نے دو تین سپ لیے پھر قدرے سنجیدگی سے بولی۔
''میرا خیال ہے کہ کیک کٹنے سے پیشتر اگر ہم اپنے مطلب کی بات کر لیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

''ایز یو وِش......''
افضل خان نے سر تسلیم خم کیا تو روبی مسکرائی پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''تم نے میرے دشمن کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟''
''تم نے دور اندیشی سے کام لے کر میرا درست انتخاب کیا ہے۔'' افضل نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''میں جتنا بگ باس سے قریب ہوں اتنا کوئی اور نہیں ہے...... اس لیے میرے لیے یہ کچھ

دشوار بھی نہیں ہو گا لیکن...... ایک شرط میری بھی ہے......"

"مجھے تمہاری ہر وہ شرط منظور ہے جس میں ایک شریف عورت کی عزت کو شادی سے پہلے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔" روبی نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

"دو روز کے اندر میں تمہیں کسی غیر ملکی بینک اکاؤنٹ کا ایک نمبر دوں گا۔ جس روز اس میں پچاس لاکھ کی رقم جمع کرا دی گئی اس کے چار روز کے اندر تمہارا کام بھی ہو جائے گا۔ تمہارے دشمن کا قصہ ہمیشہ کیلئے پاک ہو جائے گا۔"

"ڈن......" روبی نے پرجوش انداز اختیار کیا۔ "مجھے تمہاری یہ صاف گوئی پسند آئی۔"

"ایک بات اور......" اس بار افضل خان نے اس کے سراپا پر ایک نظر ڈالتے ہوئے خاصی بے تکلفی سے کہا۔ "آج اس جشن کے موقع پر مجھے ایک حد تک تمہاری پرستش کرنے کی اجازت بھی درکار ہو گی۔"

"او کے......"

روبی نے کچھ توقف سے جواب دیا۔

"ایک حد تک ہی اجازت ہو گی مگر تم اس کو پھلانگنے کی حماقت نہیں کرو گے۔"

"پروانہ شمع پر نچھاور ہونے کی خاطر اسے ہمیشہ روشن دیکھنا چاہتا ہے۔" افضل نے اٹھ کر روبی کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے قرب کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتا ہوں۔"

اس نے روبی کا ہاتھ تھام لیا۔ میڈم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ افضل خان نے تیسرا پیگ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے ابھی تک ایک بھی ختم نہیں کیا' اسے ایک گھونٹ میں اپنے خوبصورت وجود میں اتار لو تو پھر کیک کاٹا جائے' اس کے بعد ہی ڈنر کا آرڈر دوں گا۔"

روبی نے ایک لمحہ تامل کیا پھر ایک ہی گھونٹ میں گلاس ختم کر دیا۔ افضل خان نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا تو روبی کو اپنا ذہن کچھ کچھ بھاری بھاری سا لگا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا' کیک کاٹنے کے بعد افضل خان نے پرجوش انداز میں اسے دونوں ہاتھوں میں بھینچ کر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد افضل خان نے فون سروس پر ڈنر سرو کرنے کا آرڈر دیا۔ دوسری طرف میڈم بڑی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ شیری کے محض ایک پیگ پینے کے بعد اسے اپنے ذہن پر بھاری پن بڑھتا کیوں محسوس ہو رہا تھا؟ ایسی صورت میں کہ جب اس نے بوتل کی سیل بھی خود اپنے ہاتھ سے توڑی تھی' پیگ بھی خود ہی تیار کیا تھا۔ اس سے پہلے ایک پیگ سے اسے کبھی اتنا خمار نہیں ہوا تھا۔

"کس سوچ میں گم ہو گئیں سویٹ ہارٹ۔" افضل خان نے دوبارہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر ہلکے سے دباتے ہوئے پوچھا۔ ویسے وہ یہ دیکھ کر اندر ہی اندر خوش ہو رہا تھا کہ سیل بند بوتل کے اندر جس بے ہوشی کی دوا کی ملاوٹ کی گئی تھی وہ اپنا اثر دکھانا شروع کر چکی تھی۔

"کچھ بھی نہیں......"

روبی نے خود کو سنبھالتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "یہ سوچ رہی تھی کہ تم نے میری خاطر کتنا اہتمام کر

ڈالا ہے۔"

دروازے پر دستک ہوئی تو افضل خان اٹھ کر دوسرے صوفے پر چلا گیا پھر اس کے "کم ان" کہنے پر ڈنر لا کر دوسری کھڑکی کے قریب سجی ٹیبل پر سرور کر دیا گیا۔ ہوٹل کے کارندوں کے جانے کے بعد افضل خان نے اپنے اور روبی کے لیے الگ بوتلوں سے دو پیگ تیار کیے تو روبی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ فی الحال میرے لیے ایک پیگ ہی کافی تھا۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے ڈیئر......" افضل خان نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ "کھانے کے دوران میں چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہنے میں زیادہ لطف آتا ہے...... کم آن ڈیئر' آج میری خوشی کی خاطر میری درخواست قبول کرلو۔ آئندہ میں مجبور نہیں کروں گا۔"

روبی نے مسکرانے پر اکتفا کیا لیکن اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ بہت احتیاط سے کام لے گی۔ اس کے ذہن پر طاری ہونے والی ہلکی مگر بوجھل بوجھل سی غنودگی بھی اسے سنبھل کر قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس غنودگی کی کیفیت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی۔

کھانے کی میز پر بیٹھ کر اس نے احتیاط سے کھانا شروع کیا۔ افضل خان ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خوش دکھائی دے رہا تھا' بار بار روبی کو ایک چھوٹا گھونٹ لینے پر اکسا رہا تھا۔ ویسے اس کا تجربہ اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ بے ہوشی کی دوا جس مقدار میں روبی کے جسم میں پہنچ گئی تھی وہ اگلے پندرہ منٹ کے اندر اندر اسے بالکل ہی ٹن کر دے گی جس کے بعد اسے اس ناگن کا سارا زہر کشید کرنے کا پورا پورا موقع ملے گا۔ وہ اپنی پیاس بجھانے کے بعد فحش تصویروں کے وہ سیٹ تیار کرنے کا منصوبہ بھی بنا چکا تھا۔ ایک اپنے لیے تا کہ روبی بگ باس کے علاوہ اس کی بانسری کی لے پر بھی ناچنے پر مجبور رہے...... اور......

ٹھیک اسی وقت ڈی ایس پی سراج گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے منہ بنا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو...... سراج اسپیکنگ......"

"لیاقت بول رہا ہوں۔"

دوسری جانب سے لیاقت حسین کی آواز ابھری۔

"ایک بار میں نے میڈم روبی کی عزت بچا کر نیکی کمائی تھی' اس وقت یہ ذمے داری آپ کو سونپ رہا ہوں...... وقت بہت کم رہ گیا ہے۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

سراج کو لیاقت حسین کا انداز گفتگو کچھ بدلا بدلا سا لگا' جیسے وہ خواب کی حالت میں زبردستی بول رہا ہو۔

"تاج محل ہوٹل' کمرا نمبر چار سو آٹھ میں افضل خان نے دھوکے سے میڈم کو شراب میں بے ہوشی کی دوا پلا دی ہے۔ بیس منٹ بعد وہ بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہو جائے گی پھر افضل خان شیخ

حامد کے حکم پر نہ صرف اس کے ساتھ منہ کالا کرے گا بلکہ اس کی فحش اور بے ہودہ تصاویر بنا کر زندگی بھر اس کی پاکیزگی کو پامال کرتا رہے گا۔ یہ کام میں آپ کو سونپ رہا ہوں۔ وقت ضائع کرنے کے بجائے ایک ایسی نیکی کر گزریں جس کا ثواب آپ کو دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔"

"لیکن تمہیں یہ اطلاعات کہاں......"

"خدا حافظ!"

مختصر جواب کے بعد لائن کاٹ دی گئی۔

سراج بوکھلا کر رہ گیا۔ لیکن پھر اسے لیاقت حسین کی پچھلے دو موقعوں پر کہی جانے والی عجیب اور حیرت انگیز باتیں یاد آئیں تو اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی۔ اس نے اسی وقت ایک انسپکٹر کو فون کر کے فوری طور پر تاج محل ہوٹل پہنچنے کے آرڈر جاری کیے پھر خود بھی بڑی عجلت میں اپنی کار میں بیٹھ کر تیز رفتاری سے تاج محل ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں لیاقت حسین کی شخصیت کا وہ پراسرار پہلو اجاگر تھا جس کی ابھی تک وہ کوئی توجیہ تلاش نہیں کر سکا تھا۔

+++

میڈم روبی کو ہر گزرنے والا لمحہ احساس دلا رہا تھا کہ اس کے دشمنوں کے ہاتھ اس سے کہیں زیادہ لمبے ہیں۔ اس نے شیمپین کی سیل بند بوتل اپنے ہاتھوں سے کھولی تھی لیکن افضل خان نے یقیناً پوری پلاننگ پہلے سے کر لی ہوگی۔ ہر ممکن صورتحال پر غور کیا ہوگا۔ سیل بند بوتلوں میں بھی بے ہوشی کی دوا پہلے سے شامل کرالی ہوگی۔

موجودہ صورتحال نے شدت سے احساس دلایا تھا کہ اس نے شبنم کے سمجھانے کے باوجود افضل خان سے محتاط رہنے کی بات نظر انداز کر کے ایسی غلطی کی تھی جس کا اب کوئی تدارک ممکن نہیں تھا۔ وہ ایک ایک لقمہ سنبھل سنبھل کر لے رہی تھی۔ ساتھ ہی اپنے ذہن کو پوری طرح جاگتے رہنے پر بھی مجبور کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے مائی سویٹ ہارٹ؟'' افضل خان نے اس سے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔ ''جشن صحت کے اس خوشگوار موقع پر تم کچھ بجھی بجھی سی نظر آ رہی ہو۔''

''افضل خان......'' روبی نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری خوشی کی خاطر میں یہاں آ گئی لیکن اس وقت بھی مجھے کچھ تھکان سی محسوس ہو رہی ہے۔''

''ایٹ......ڈرنک...... اینڈ بی ہیپی'' افضل خان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ ''پریشان مت ہو' ہم اس وقت کسی ویرانے میں نہیں' ایک فائیو سٹار ہوٹل میں بیٹھے ہیں جہاں چٹکی بجاتے ہم ہر قسم کی امداد اور آرام طلب کر سکتے ہیں۔''

''یو آر رائٹ لیکن......'' روبی نے اپنی ذہنی غنودگی کے پیش نظر کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ ''مناسب ہوگا کہ میں فوراً گھر پہنچ کر ڈاکٹر کر دکھاؤں' جشن صحت تم جب چاہو دوبارہ منا سکتے ہو۔''

''ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو......''

''کہیں تمہیں پچاس لاکھ ایڈوانس دینے والی بات بری تو نہیں لگی؟'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''نان سینس'' روبی نے تیزی سے کہا۔ ''پچاس لاکھ یا دس کروڑ بھی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے' تم سے جو بات ڈن ہو گئی ہے میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ تم آج ہی اپنا بینک اکاؤنٹ نمبر دو۔ رقم کل شام تک جمع کرادی جائے گی۔''

''کم آن ہنی!'' افضل خان نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔ ''میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

''مم...... میں اب گھر جاؤں گی۔'' روبی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا پھر وہ اٹھی تو لڑکھڑا کر رہ گئی۔ ''بے ہوشی کی دوا تیزی سے اپنا کام کر رہی تھی' اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں دیوار کا سہارا لیا تو افضل خان نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

''اتنی جلدی کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''افضل خان!'' روبی نے اس بار بدلے ہوئے انداز میں کہا۔ ''مجھے تم سے اس کی توقع نہیں تھی۔''

''میں سمجھا نہیں''

''تم نے شاید وہ بات یاد نہیں رکھی جو میں نے تم سے تمہارے اپارٹمنٹ میں کہی تھی۔'' روبی نے اپنے ڈوبتے ذہن پر قابو پاتے ہوئے نفرت سے کہا۔ ''دشمن کے مقابلے پر تم میرے لیے زیادہ آسان ٹارگٹ ہو گے۔ تم نے میرے ساتھ دھوکا کر کے اچھا نہیں کیا۔''

''تیر کمان سے نکل جائے تو واپس نہیں آیا کرتا میری جان۔'' افضل خان تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر روبی کے قریب پہنچ گیا۔ ''رہا اچھے اور برے کا سوال تو میں نے اس پر کبھی سنجیدگی سے غور کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس لیے میرا مشورہ ہے اب تم خود کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو۔ اسی میں بہتری ہے۔ آج تم پوری طرح میرے ڈسپوزل پر ہو اس لیے......''

''خبردار! میرے قریب آنے کی کوشش مت کرنا......'' روبی نے حقارت سے اسے متنبہ کیا لیکن افضل خان پرانا کھلاڑی تھا وہ محسوس کر رہا تھا کہ شکار جال میں پھنس چکا ہے۔ اب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ کوئی واویلا کر سکے اس لیے اس نے آگے بڑھ کر بڑی بے تکلفی سے روبی کی خوبصورت کمر کے گرد اپنے ہاتھوں کا حلقہ تنگ کر دیا۔ جواب میں روبی نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن اس کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ وہ بہ مشکل اتنا کہہ سکی۔

''پلیز افضل خان...... مجھے جانے دو' اس نیکی کے عوض میں تم کو منہ مانگی رقم......''

''دستخط شدہ لیٹرز اور بلینک چیک ہاتھ میں ہو تو خالی جگہ پر کسی بھی رقم کا اندراج کیا جا سکتا ہے'' افضل کی گرفت اور تنگ ہو گئی۔ وہ روبی کو آہستہ آہستہ خوبصورت بیڈ کی طرف لے جا رہا تھا۔ جہاں اس خوبصورت ناگن کا زہر کشید کرنے کا پروگرام تھا۔ روبی اس کے مضبوط بازوؤں میں کسمسا رہی تھی۔ افضل خان کے اندر کا شیطان اس کے حسین' گدرائے اور مہکتے جسم کے قرب سے بے چین ہو رہا تھا۔

روبی کو بیڈ پر لٹا کر وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گیا' سرسراتے لہجے میں بولا۔

''تم نے اپنی دانست میں شیمپین کا آرڈر دے کر میرے بھڑکتے جذبات کو کچلنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ بھول گئی تھیں کہ شکاری شکار سے زیادہ ہوشیار ہوتا ہے۔''

"میری بات مان لو افضل، مجھے برباد مت کرو۔"

روبی کی آواز رندھ گئی، وہ سمجھ رہی تھی کہ چند لمحوں بعد وہ بے ہوشی سے دوچار ہو جانے کے بعد پوری طرح اس درندے کے رحم و کرم پر ہو گی جو اپنی من مانی کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

"برباد نہیں کروں گا جان من......" افضل خان نے اس کے دونوں ہاتھوں پر گرفت جما کر اس کے مخروطی ہونٹوں کا رس چوستے ہوئے جواب دیا۔ "تم میرے لیے اب ایسا حسین اور چلتا پھرتا بینک ہو گی جس کے اسٹرانگ روم میں کبھی کیش کی کمی نہیں ہوتی۔"

روبی، افضل کے مضبوط ہاتھوں کے حصار میں کسی پنچھی کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔ اس کی قوت مدافعت رفتہ رفتہ دم توڑ رہی تھی، آنکھوں میں اندھیرا گہرا ہونے لگا۔ وہ صرف محسوس کر سکتی تھی کہ افضل خان کے غلیظ ہاتھ بڑی بے باکی سے اس کے جسمانی نشیب و فراز پر ادھر ادھر حرکت کر رہے تھے۔ اس کی گرم گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں مگر وہ بے بس تھی۔

"مائی سویٹ ہنی!" افضل خان بہکی بہکی آواز میں بولا۔ "ابھی تم کچھ کچھ ہوش میں ہو۔ اگر اجازت دو تو تمہیں اس لباس کی قید سے بھی آزاد کر دوں، کچھ انجوائمنٹ تم بھی کر لو ورنہ ہوش گم ہو جانے کے بعد پھر تالی ایک ہاتھ سے ہی بجے گی لیکن بجے گی ضرور۔"

روبی کے کانوں میں جیسے کسی نے کھولتا ہوا گرم سیسہ انڈیل دیا ہو، افضل خان کے بے ہودہ جملوں کو سن کر ایک آخری بار زور لگا کر پھڑپھڑانے کی کوشش کی پھر اس کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔ افضل خان کے مکروہ ہونٹوں پر بڑی گھناؤنی مسکراہٹ پھیل کر گہری ہوتی چلی گئی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی تیز روشنیاں بند کر دیں۔ شکار اب پوری طرح اس کے رحم و کرم پر تھا۔ بے ہوشی کے بعد بھی روبی کے سانسوں کا زیر و بم محسوس کر کے افضل خان کے جسم سے چیونٹیاں لپٹ گئیں۔ اس نے ایک ایک کر کے روبی کا لباس اتارنا شروع کیا۔ اس کے اپنے خون کی گردش بھی تیز ہو رہی تھی۔ ایک مشکل ٹارگٹ تھی جس کو تصویروں کی شکل میں محفوظ کرنے کا حکم اسے بگ باس نے دیا تھا۔ اسی بہانے وہ اپنی ہوس...... مٹانے اور مستقبل کا پروگرام بھی طے کر چکا تھا، اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔

جہاں آڈینس ہوں وہاں پردہ اٹھوانے کی خاطر لوگ سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے ہیں مگر...... اس وقت وہ تنہا تماشائی تھا، آہستہ آہستہ پردہ ہٹا کر پوری طرح ایک ایک پیش منظر کا لطف لے رہا تھا۔ پوری رات پڑی تھی، برابر کے کمرے میں وہ خوش قسمت بھی تھا، جس کو شیر کا پیٹ بھر جانے کے بعد لکڑ بھگے کا کردار ادا کرنا تھا اور افضل خان کو اس کی تصویریں اور مووی بنانی تھی، پہلے وہ جی بھر کر اپنی بھوک مٹانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ آہستہ آہستہ بے نقاب ہوتے حسین جسم پر "مخصوص" کا لیبل چسپاں کر دیتا۔ کسی کو اسکے خوبصورت وجود کو چھونے کی اجازت نہ دیتا لیکن وہ شیخ حامد کا حکم نہ ماننے کی بھیانک سزا بھی جانتا تھا۔ اس لیے اس کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔

وہ بڑی مہارت سے اس خوابیدہ حسن کی ملکہ کے جسم کو آہستہ آہستہ برہنہ کرنے کے عمل

میں مصروف تھا کہ اس کا موبائل گنگناتے ہوئے بیدار ہو گیا۔ وہ کباب میں ہڈی برداشت نہیں کرسکتا تھا لیکن کال بگ باس کی بھی ہوسکتی تھی اس لیے اس نے سکرین پر نظر ڈالنا ضروری سمجھی۔ ایک نیا نمبر دیکھ کر وہ جھلا گیا۔ اس نے ایک لمحے کو سلسلہ منقطع کرنے کا سوچا مگر کسی تجسس نے اسے کال اٹینڈ کرنے پر مجبور کر دیا۔

''ہیلو'' اس نے مدھم آواز میں کہا' اس کی خمار آلود نظریں اس وقت بھی روبی کے جسم پر منڈلا رہی تھیں۔

''جتنی جلدی ممکن ہو کمرے سے باہر نکلو اور لفٹ کے بجائے اس راستے سے فرار ہونے کی کوشش کرو جو ایمرجنسی کے وقت استعمال کیا جاتا ہے۔''

''کون بول رہا ہے؟'' افضل خان نے ایک اجنبی کی آواز سن کر سوال کیا۔

''بلیک ٹائیگر۔'' دوسری جانب سے تحکمانہ انداز اختیار کیا گیا۔''میرے حکم پر فوری عمل کرو ورنہ پھر بگ باس...... بائی۔''

دوسری جانب سے بگ باس کے حوالے کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ افضل خان کا دماغ جھلا کر رہ گیا۔ اس نے اسی نمبر کو ملانے کی کوشش لیکن کسی نے کال اٹینڈ نہیں کی۔ اس کی نظریں روبی کے نیم عریاں جسم پر منڈلا رہی تھیں۔ ابھی آدھا پردہ اٹھا تھا۔ کھیل بھی شروع نہیں ہوا تھا' وہ ایک عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا جب اس کے محتاط ذہن کے ایک گوشے میں بگ باس کا کہا ہوا ایک جملہ ابھرا۔

''تم حرف آخر نہیں ہو...... میرے کچھ اور بھی خفیہ لوگ ہیں جو تمہاری ایک ایک حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ مجھے سب کی کارکردگی کی رپورٹ ملتی رہتی ہے۔ کبھی ڈبل کراس کرنے کی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا'' اس جملے کے ابھرتے ہی افضل خان کو بلیک ٹائیگر کا پیغام یاد آیا تو اس کی چھٹی حس بھی بیدار ہو گئی۔ اس حکم پر عمل کرنے کی صورت میں وہ کسی چوہے کی طرح کسی پنجرے میں بھی قید ہو سکتا تھا۔ اس نے فوری طور پر اپنے بچاؤ کو روبی کے آدھے برہنہ جسم پر ترجیح دی۔ بڑی تیزی میں اپنی چیزیں سمیٹ کر کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر لکڑ بھگے کو بھی ہوشیار کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی اور تیزی سے اس راستے پر لمبے لمبے قدم اٹھانے لگا جو صرف ایمرجنسی کے وقت استعمال کیا جاتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد سراج نے روم نمبر چار سو آٹھ میں قدم رکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ لیاقت حسین نے اسے فون پر جو اطلاع دی تھی وہ غلط نہیں تھی۔ میڈم روبی کی حالت دیکھ کر وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ غالباً افضل خان کو ریڈ کی اطلاع مل گئی ہوگی۔ اس نے فوری طور پر آگے بڑھ کر اوڑھنے والی شال میڈم کے جسم پر ڈال دی۔ پھر کچھ دیر بعد ہی اس علاقے کے تھانے کا انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ آ گیا۔ میڈم روبی کو بستر پر بے ہوشی کے عالم میں دیکھ کر وہ بھی چونکا تھا۔ کمرے میں میزوں پر کھانے کی سجی ڈشیں اور گول میز پر شراب و کباب کا اہتمام دیکھ کر اس کیلئے بھی

موقعے کی نزاکت کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس نے سراج کی طرف دیکھا تو سراج نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''آپ سپاہیوں کو باہر تعینات کر دیں تا کہ کوئی بھی غیر متعلقہ شخص یا ہوٹل کا عملہ بھی بغیر اجازت اندر نہ آسکے۔ ہمیں میڈم کی اس پوزیشن کو اخباری نمائندوں سے ہر قیمت پر محفوظ رکھنا ہوگا۔''

انسپکٹر نے بھی سراج کی بات سمجھ لی۔ سپاہیوں کو ضروری احکامات اور رازداری سے کام لینے کا حکم دینے کے بعد اس نے دوبارہ سراج سے کمرے میں آ کر کہا۔

''سر کیا ہمیں اس کمرے سے فنگر پرنٹ اٹھانے اور ضروری تصویریں لینے کی کارروائی بھی نہیں کرنی ہوگی؟''

''ساری کارروائی نہایت تفصیل اور رازداری سے ہوگی۔ یہ بے حد ضروری ہے لیکن اس سے پیشتر ہمیں میڈم کو کسی طرح اس کے گھر پہنچانا ہوگا۔ اگر میڈم کا نام درمیان میں آ گیا تو اس کی رسوائی بھی ہوگی اور جو بھی ہمارا مطلوبہ شکار ہے وہ بھی چوکنا ہو جائے گا'' سراج نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہمیں پوری کہانی میں یہ تاثر دینا ہوگا کہ پولیس جس وقت کسی خفیہ اطلاع پر روم نمبر چار سو آٹھ میں پہنچی اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا...... جو بھی تھے وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو گئے تھے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں سر!'' انسپکٹر نے تائید کی۔ ''ہمیں میڈم کی پوزیشن بچانے کی خاطر خاص خیال رکھنا ہوگا ورنہ اخباری نمائندے اس کا جینا حرام کر دیں گے...... نمک مرچ لگا کر روزانہ نئی نئی من گھڑت سرخیاں لگائیں گے......''

''ایک خاص بات اور بھی ہے امید ہے آپ تعاون کریں گے۔'' سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''یہ کیس یا تفتیش صرف آپ کریں گے۔ میرا نام درمیان میں نہ آئے تو بہتر ہوگا۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' انسپکٹر نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

''پانچ لاشوں کے سلسلے میں بھی میرا نام آ چکا ہے' اب اگر اس کیس میں بھی نام آ گیا تو میڈیا کے لوگ میرا جینا دوبھر کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے سر' ایز یو وش۔''

انسپکٹر کو تفصیل سے تفتیشی کاموں کی ہدایت دینے کے بعد سراج کو ہوٹل کے منیجر رابرٹ کلارک کو بھی میڈم روبی کو اپنی گاڑی تک پہنچانے کے سلسلے میں اعتماد میں لینا پڑا۔ اسے یقین تھا کہ منیجر بھی سراج کے حکم کے بعد اپنی زبان کھولنے کی غلطی نہیں کرے گا اس لیے کہ ہوٹل کے بہت سے پرائیویٹ معاملات میں خود وہ بھی ملوث رہ چکا تھا جس کے ثبوت سراج کے پاس موجود تھے۔

منیجر نے بڑی رازداری سے میڈم روبی کو برقعے میں چھپا کر مخصوص راستے کے ذریعے اپنے خاص آدمیوں کی مدد سے سراج کی گاڑی تک پہنچا دیا۔ اس کیلئے سراج کو اپنی کار بھی ہوٹل کے عقبی

حصے کی طرف لے جانا پڑی جورات کو آٹھ بجے کے بعد ہی بالکل سنسان ہو جاتا تھا۔

میڈم کو اس کے گھر پہنچانے اور اس کی خاص سیکرٹری کو زبان بند رکھنے کی ہدایت دینے کے بعد ہی اس نے سیٹھ عثمان کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ راستے میں وہ کسی ممکنہ تعاقب کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ لیاقت حسین کا مسئلہ سراج کے ذہن میں الجھ رہا تھا۔ وہ اس حد تک تو سمجھ گیا تھا کہ کوئی قوت ہے جو لیاقت حسین کی نیک کاموں میں مدد کر رہی ہے لیکن وہ طاقت اسے کہاں سے حاصل ہوئی؟ اسے کیسے قبل از وقت کسی بات کا علم ہو جاتا تھا۔ وہ کوئی کام کر گزرتا تھا لیکن اسے بعد میں اس طرح بھول جاتا تھا جیسے کچھ بھی یاد نہ ہو۔ اسی کی روحانی قوت نے آج میڈم روبی کو ایک بار پھر رسوا ہونے سے بچا لیا تھا ورنہ شاید وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتی۔

سراج لیاقت حسین سے مل کر اسے ٹٹولنا چاہتا تھا کہ اس نے وہ اطلاع کیسے فراہم کی تھی؟ افضل خان کا نام بھی اسی نے لیا تھا جو شیخ حامد کا پالتو غنڈا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی سراج کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میڈم روبی کو ایک بار پہلے بھی اغوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس روز بھی وہ افضل خان کے اپارٹمنٹ سے نکلی تھی اور آج...... آج بھی وہ افضل خان کے ساتھ اس ہوٹل میں موجود تھی۔ لیاقت حسین نے خاص طور پر اسی کا نام لیا تھا' سراج کا ذہن اسی ایک نکتے پر غور کر رہا تھا کہ جب میڈم روبی افضل خان کے اپارٹمنٹ تک جا چکی تھی تو پھر اسے ہوٹل میں ملنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ افضل خان عیاش بھی تھا لیکن میڈم روبی اس قماش کی خاتون نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو کم از کم ایس پی آغا منظور اس سے شادی کرنے کا خواب کبھی نہ دیکھتا اور ......آغا منظور کے حوالے سے سراج کے ذہن میں ایک اور خیال نے سر ابھارا۔ آغا منظور کے کہے ہوئے کچھ مخصوص جملے اس کے ذہن میں ابھرے تو شیخ حامد کی شخصیت اسکے دماغ میں اسپارک کرنے لگی۔ ہو سکتا تھا کہ شیخ حامد ہی کے حکم پر افضل خان نے میڈم روبی کو کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہو مگر کیوں؟ شیخ حامد اور میڈم روبی کے درمیان ایسا کون سا مسئلہ تھا جس کو حل کرنے کی خاطر اسے دوبارہ نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی اور...... دونوں ہی موقعوں پر لیاقت حسین اسے کسی نہ کسی طرح بچانے میں کامیاب رہا۔

اس وقت گیارہ بج رہے تھے جب سراج کی گاڑی دیکھ کر سیٹھ عثمان کا ڈیوٹی گارڈ بھاگتے ہوئے باہر آیا۔

''گیٹ کھولوں صاحب لیکن اس وقت سب سو رہے ہیں۔''

''لیاقت حسین آج ڈیوٹی سے کس وقت گیا تھا؟'' سراج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''روز کے مقابلے میں آج وہ ساڑھے سات بجے چلا گیا تھا۔ میں نے جلدی جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے یہی بتایا تھا کہ اسے کوئی ضروری کام کرنا ہے'' گارڈ نے کہا۔

''روز تو وہ نو بجے کے لگ بھگ جاتا ہے' کوئی خاص بات ہے صاحب؟''

''نہیں میں صرف یہ بتانے آیا تھا کہ تمہارے صاحب پرسوں رات کی فلائٹ سے واپس آ

رہے ہیں۔ گھر میں صبح اطلاع دے دینا۔''

''ٹھیک ہے صاحب!'' گارڈ نے کہا پھر سراج نے واپسی کیلئے گاڑی موڑی تو وہ سلام کرتے ہوئے دوبارہ اندر آ کر اپنی ڈیوٹی پر کھڑا ہو گیا۔

✣✣✣

شبنم کسی سائے کی طرح میڈم روبی کی ذات سے قریب ترین رہنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ شیخ حامد سے مقابلے کے لیے وہ شبنم کے زیادہ کام آ سکتی تھی۔ اس نے میڈم سے ملاقات کے وقت اس بات کا مشورہ دیا تھا کہ وہ افضل خان کے سلسلے میں محتاط رہے لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میڈم کے لیے افضل خان ہی وہ زہر قاتل تھا جسے وہ اپنے دشمن کے خلاف سب سے آسانی سے استعمال کر سکتی تھی' جہاں انتقام لینے کی جلدی ہو وہاں انسان اکثر غیر اختیاری طور پر بھی جذباتی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ دفتر سے فارغ ہونے کے بعد روز کسی نئے میک اپ میں میڈم کی ٹوہ میں لگی رہتی تھی۔

اتفاق سے اس روز اس نے میڈم کو گھر سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل پہنچی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ڈرائیور کے ہونے کے باوجود وہ خود گاڑی کیوں ڈرائیو کر رہی تھی جبکہ ڈاکٹر نے اسے مزید کچھ دنوں آرام کا مشورہ دیا تھا۔ میڈم کے ساتھ ہی ایک لفٹ میں سوار ہونا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔ لہٰذا لفٹ کے سامنے گول دائروں کی شکل میں رکھے ہوئے ان صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی جو مہمانوں کیلئے بطور انتظار گاہ مخصوص تھا۔ آس پاس کچھ اور افراد بھی موجود تھے۔ شبنم نے یونہی ایک فیشن میگزین اٹھا کر اس کے اوراق الٹنے پلٹنے شروع کر دیئے لیکن اس کی نظریں رہ رہ کر ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھیں' انداز ہ ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی متوقع مہمان کی منتظر ہو' اس دوران میں وہ سوٹڈ بوٹڈ دراز قد آدمی بھی نظر آ گیا جو مین گیٹ کے سامنے والے صوفے پر تنہا بیٹھا پائپ سے شغل کر رہا تھا۔ ایک دوبار اسکی نظریں بھی اٹھ چکی تھیں۔ ممکن ہے وہ محض اتفاق امر ہو لیکن نہ جانے کیوں شبنم کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا کہ کہیں وہ اسی کی نقل و حرکت کو نوٹ نہیں کر رہا؟ اس خیال نے اسے اور محتاط کر دیا۔ وہ آدمی اسے پہلی بار نظر آیا تھا لیکن کوئی بات ضرور تھی جس نے شبنم کو اس کی طرف سے چوکنا رہنے کا احساس دلایا تھا۔

وہ دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا' پہناوے اور رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے اس کا تعلق اونچے لوگوں میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ اس نے سنہری فریم کا لائٹ کلر چشمہ لگا رکھا تھا جو اس کی شخصیت کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔ اس کی عمر کا اندازہ اٹھائیس اور تیس کے درمیان لگایا جا سکتا تھا۔ شبنم نے بے پروائی سے میگزین کو اس طرح سامنے کر لیا کہ اس کی شکل چھپ گئی لیکن اب وہ ایک خاص زاویے سے اس پر نظر رکھ سکتی تھی۔ اس کی چھٹی حس رہ رہ کر اس دراز قد والے شخص کیخلاف نامعلوم سے شک میں مبتلا کر رہی تھی۔

بیس منٹ تک وہ اپنی جگہ بیٹھا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا' بہ ظاہر وہ بے پروا نظر آ رہا تھا لیکن پھر شبنم نے اسے جیب سے موبائل نکالتے دیکھا۔ دور ہونے کے سبب وہ اس کی گفتگو نہیں سن

سکی تھی لیکن اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مخصوص مسکراہٹ ابھرتے دیکھ کر شبنم نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ جو کال اسے موصول ہوئی وہ خاص نوعیت کی تھی۔ کال ختم کرنے کے بعد اٹھ کر اس بک سٹال کی طرف گیا جہاں اس وقت کوئی اور نہیں تھا۔ غیر اختیاری طور پر شبنم بھی اپنے صوفے سے اٹھی' بک شاپ کے قریب ہی ایک بوتیک کی شوونڈو میں جدید تراش خراش کے زنانہ ملبوسات بڑی نفاست سے پلاسٹک کے بنے ماڈلز کے ذریعے ڈسپلے کیے گئے تھے' وہ ان کو قریب جا کر دیکھنے لگی۔ دراز قد کی اس کی طرف پشت تھی اس لیے اس نے شبنم کا کوئی نوٹس بھی نہیں لیا۔ پھر شبنم نے اسے موبائل پر کسی بڑے مدھم لہجے میں کوئی پیغام دیتے سنا تھا۔ وہ پوری بات ٹھیک سے نہیں سن سکی لیکن سراج اور بلیک ٹائیگر' دو ایسے نام تھے جو اس کی سماعت سے ٹکرانے کے بعد اس کے لیے تجسس کا سبب بن گئے۔ اس کے بعد اس نے دراز قد والے کو لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوٹل سے باہر جاتے دیکھا تھا۔

شبنم کا تجسس بے سبب بھی نہیں تھا۔ بلیک ٹائیگر یقیناً کوئی کوڈ تھا جو اصل نام کی جگہ استعمال کیا گیا تھا' وہ کون تھا؟ اس نے خفیہ کوڈ اختیار کر کے کس سے بات کی تھی؟ گفتگو کے بعد وہ جس بے پروائی مگر عجلت میں باہر چلا گیا تو وہ بھی تعجب خیز تھا۔ ابھی وہ ان باتوں پر غور کر رہی تھی کہ اس نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کو ہوٹل میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ بھی خاصی تیزی سے ویٹنگ لاؤنج کا راستہ عبور کر کے لفٹ کی طرف گیا تھا۔ شبنم کے ذہن کے ایک گوشے میں خطرے کی سرخ بتی جلنے بجھنے لگی۔ بلیک ٹائیگر کے حوالے کے بعد ہی سراج کے نام کا معما حل ہوا تو اس نے محسوس کر لیا کہ کہیں کوئی خطرہ ضرور موجود ہے۔ اس نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ محتاط انداز میں ٹہلتے ہوئے باہر آئی۔ ٹیکسی کر کے اس نے صدر کے علاقے میں اسے رخصت کر دیا پھر اس نے ایک قدرے محفوظ جگہ پہنچ کر میڈم کے موبائل پر یکے بعد دیگرے تین بار کال کی۔ دوسری جانب گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی جس کا مطلب یہی تھا کہ میڈم کسی خطرے سے دوچار ہو گئی ہے۔ سراج کی آمد اس کے شبہے کی تصدیق کر رہی تھی۔ ہوٹل سے باہر آتے وقت اس نے پولیس کی ایک جیپ بھی دیکھی تھی جس سے ایک انسپکٹر اور دو کانسٹیبل نیچے اتر کر ہوٹل کے صدر دروازے کی جانب لپکے تھے' باقی دو سپاہی جیپ میں ہی تھے۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر شبنم کو اپنی ذاتی حیثیت بھی خطرے میں محسوس ہوئی۔ ''ممکن ہے کچھ لوگ دور رہ کر اس کی نگرانی بھی کر رہے ہوں'' یہ سوچ کر اس نے پہلے قریب و جوار کا جائزہ لیا' پھر ایک ٹیکسی پکڑ کر اسے نیو ٹاؤن چلنے کو کہا۔ کہیں کوئی خطرہ ضرور تھا جو رہ رہ کر اسے بے چین کر رہا تھا۔ نیو ٹاؤن پہنچ کر اس نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ یوں ہی قریب کی بیکری سے روزمرہ کے استعمال کی چند چیزیں خریدیں پھر ایک قریبی بلڈنگ کے مرکزی دروازے سے داخل ہو کر اس کے عقبی راستے سے باہر نکل گئی۔ پچھلی جانب ایک دو افراد کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے وہ پتلی سڑک عبور کی اور دوسری شاہراہ پر نئی ٹیکسی پکڑ کر اپنے اپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس دوران میں اس نے اندازہ

لگا لیا تھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچ کر اس نے فوری طور پر چہرے سے ریڈی میڈ میک اپ اتارا پھر سکون سے بیٹھ کر حالات کے بارے میں غور کرنے لگی۔ میڈم کا ہوٹل میں تنہا جانا' بلیک ٹرائیگر کا حوالہ...... سراج کی ہوٹل میں آمد...... پولیس جیپ کا بعد میں آنا...... یہ ساری باتیں اس بات کی نشاندہی کرتی نظر آ رہی تھیں کہ کوئی خاص بات ضرور ہے......؟ اور وہ بات کیا ہو سکتی ہے؟ کچھ لمحے وہ اس پر غور کرتی رہی پھر اس نے کچھ سوچ کر فون پر افضل خان کے نمبر ڈائل کیے لیکن دو بار کی کوشش کے باوجود کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے میڈم کے موبائل کو پھر آزمایا۔ دوسری جانب سے اس کی لیڈی سیکرٹری کی آواز ابھری۔

''مجھے میڈم روبی سے بات کرنی ہے۔'' شبنم نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

''سوری اس وقت میڈم کسی سے بات نہیں کر سکتیں۔ مہذب مگر سنجیدہ آواز میں جواب ملا۔ ''ڈاکٹر ابھی انہیں نیند کی دوا دے کر گیا ہے۔ میڈم کو اس حالت میں ڈسٹرب نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اپنا نام بتا دیں' صبح میڈم کو اطلاع دے دی جائے گی۔''

''انجم بول رہی ہوں۔ صبح میں دوبارہ فون کر لوں گی۔'' شبنم نے انجم کے نام سے میڈم کو اپنا حوالہ دینا ہی مناسب سمجھا تھا۔

موبائل بند کر کے وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا اپارٹمنٹ بلڈنگ کے ٹاپ فلور پر تھا جہاں اس کے علاوہ کوئی اپارٹمنٹ نہیں تھا۔ اس لیے اس بات کا خطرہ بھی نہیں تھا کہ کسی نے اسے میک اپ میں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔ بہرحال اس کے اندر ایک خدشہ بڑی تیزی سے اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ دو اور دو چار کرنے کے بعد اس نے وقتی طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ میڈم کسی نہ کسی خطرے سے ضرور دوچار ہوئی ہو گی۔ بلیک ٹائیگر کے حوالے سے جو پیغام دیا گیا تھا وہ بھی اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ سراج اور پولیس جیپ کی آمد اور اب میڈم کی سیکرٹری کا نیند کی دوا دینے کا جواب...... یہ تمام حوالے اس کے شبے کو ہوا دے رہے تھے لیکن وہ خطرہ کیا تھا؟ میڈم کو کیا حادثہ پیش آ سکتا ہے؟ اور افضل خان کا اپنے اپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہ ہونا؟ یہ ساری بکھری ہوئی کڑیاں شبنم کے ذہن میں کلبلا رہی تھی۔

سب سے اہم کڑی بلیک ٹائیگر کا کوڈ تھا۔ کون تھا وہ؟ اس معمے کو حل کرتے ہوئے شبنم کے ذہن میں یک لخت شیخ حامد کا نام ابھرا تو وہ خوف سے جھرجھری لے کر رہ گئی...... کہیں وہ بگ باس کا ہی کوئی خفیہ ورکرز تو نہیں تھا جو دوسروں پر نظر رکھنے کیلئے تعینات کیا گیا تھا......

✣✣✣

افضل خان کیلئے بلیک ٹائیگر کا کوڈ خاصا پریشان کن تھا۔

اس کی نظریں نرم و گرم بستر پر میڈم روبی کے گدرائے ہوئے جسم کے نشیب و فراز پر بھٹک رہی تھیں کہ اچانک بلیک ٹائیگر کسی تر نوالے کے درمیان کباب کی ہڈی بن کر آ گیا تھا۔ وہ ریفرنس

اس کیلئے نیا ضرور تھا لیکن جب بگ باس کی کہی ہوئی بات اس کے ذہن میں ابھری تو اس نے دوسری جانب سے ملنے والے حکم کو نظرانداز کر دینا مناسب بھی نہیں سمجھا۔ میڈم کے بکھرے ہوئے خوابیدہ اور حسین جسم کے عریاں حصوں پر ایک حسرت نظر ڈالتے ہوئے ایمرجنسی کے راستے سے نکل کر پارکنگ لاٹ تک آ گیا۔ پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ساحل سمندر کی طرف جانے والی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ساحل سمندر کی طرف جانے والی سنسان سڑک پر نکل گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر واقعی کوئی خطرہ لاحق تھا تو اس کا تعاقب بھی ضرور کیا جا رہا ہوگا لیکن اسے دور دور تک تعاقب کے کوئی آثار نظر نہیں آئے تو وہ جھلا گیا۔

''ڈبل کراس......'' اس کے ذہن میں یہ اصطلاح بڑی سرعت سے ابھری تو وہ اپنی حماقت پر تلملانے لگا۔ اس کی نظروں کی وسعتوں میں ابھی تک میڈم کا خوبصورت وجود بکھرا ہوا تھا۔ نشے کی کیفیت سے زیادہ اس حسین بدن کا نشہ اس پر ابھی تک طاری تھا' اس کے عیاش ذہن میں فوری طور پر ایک خیال ابھرا۔ میڈم نے اس کی دسترس میں آنے سے پیشتر بھی یہی کہا تھا۔

''دشمن کے مقابلے میں تم میرے لیے زیادہ آسان ٹارگٹ ہو گے۔ تم نے میرے ساتھ دھوکا کر کے اچھا نہیں کیا۔''

ہو سکتا ہے کہ میڈم نے پہلے ہی سے حفظ ماتقدم کے طور پر کسی کو بلیک ٹائیگر کے فرضی نام سے اپنا نجات دہندہ بنا لیا ہو جس نے غالباً طے شدہ پروگرام کے تحت میڈم کی طرف سے کسی کال کا ایک مقررہ وقت تک انتظار کرنے کے بعد بلیک ٹائیگر کے کوڈ کا حوالہ اور بگ باس کے الفاظ استعمال کر کے میڈم کو بچانے کی خاطر افضل خان کو وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا ہو۔

''نان سینس۔'' افضل خان نے جھلا کر خود کو مخاطب کیا پھر دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔ ''اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی خوبصورت ناگن آج تیرا زہر ضرور کشید کیا جائے گا۔'' افضل خان نے اپنا جملہ مکمل کر کے اسٹیئرنگ گھمانے کی کوشش کی لیکن کسی نے پچھلی نشست سے ہاتھ بڑھا کر ایک بھیگا ہوا رومال اس کی ناک پر مضبوطی سے رکھتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی روک دو ورنہ تمہاری موت کے خانے میں ایکسیڈنٹ کی وجہ ہی درج ہوگی۔''

افضل خان کا ذہن رومال کی تیز خوشبو کی وجہ سے بڑی سرعت سے خوابیدہ ہو رہا تھا' اس نے حکم کی تعمیل میں بریک پر پاؤں رکھ کر دباؤ بڑھایا پھر...... اسے کچھ یاد نہیں رہا وہ بے ہوشی سے دوچار ہو کر اسٹیئرنگ پر منہ کے بل اوندھا گر گیا۔

وہ کتنی دیر اس کیفیت سے دوچار رہا اسے اس کا احساس نہیں ہو سکا پھر یخ پانی کے بار بار ڈالے جانے والے چھینٹوں نے اس ہڑبڑا کر آنکھ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ سامنے جو شخص کھڑا تھا اس کو ایک دو بار پلکیں جھپکا کر دیکھنے کے بعد وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ موت کا تصور اس کے پورے جسم میں سنسنا گیا۔ وہ شخص اس کیلئے کوئی اجنبی نہیں بلکہ شیخ حامد تھا' جو اس کے سامنے کچھ فاصلے پر نہایت اطمینان سے دوسرے صوفے پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں ان دونوں کے علاوہ ایک گٹھے ہوئے مضبوط جسم

کا پستہ قد شخص اور بھی تھا جس نے بگ باس کے اشارے پر مزید چھینٹے مارنے کا عمل روک دیا تھا۔

''بب...... باس!'' افضل خان سنبھل کر اپنی نشست پر سیدھا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پیر آزاد تھے لیکن ذہن کچھ سمجھنے سے قاصر ہو رہا تھا۔

شیخ حامد کی خونخوارہ نظریں اسے ٹکٹکی باندھے گھورتی رہیں پر اس نے بڑے سرد لہجے میں افضل خان کو مخاطب کیا۔

''پریشان مت ہو ابھی تمہاری موت کا وقت نہیں آیا لیکن تمہیں کچھ عرصہ اسی جگہ چھپ کر رہنا پڑے گا۔''

''بب...... باس' وہ...... میں...... مم''

''منمناؤ مت......'' شیخ حامد کا لہجہ اور سرد ہو گیا۔

''ابھی تم بگ باس کی نظروں میں ایک کارآمد کارندے ہی ہو لیکن ہمیں معلوم کرنا ہو گا کہ وہ کون تھا جس نے تمہیں ایک خوبصورت موقعے سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا؟''

''مم...... میں نے سارے انتظامات طے کر رکھے تھے۔ حسین ناگن بھی بے سدھ ہو کر میرے رحم و کرم پر بستر پر بکھری پڑی تھی لیکن بلیک ٹائیگر......''

''وہ میرا خاص آدمی ہے جو ایسے موقعوں پر آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ اس نے بروقت تمہیں موت کے منہ سے بچا لیا۔''

''پھر......'' افضل خان نے اطمینان کی سانس لے کر بگ باس کی طرف دیکھا۔

''پھر میرا کام اور تمہارا مشن ادھورا رہ گیا۔'' شیخ حامد کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہونے لگی۔ وہ کسی زخمی درندے کی طرح غرایا۔ ''کسی نے ہوٹل میں ہونے والے ڈرامے کی اطلاع ڈی ایس پی سراج کو دے دی تھی۔ وہ بڑی سرگرمی سے روم نمبر چار سو آٹھ سے شہادتیں اکٹھی کر رہا ہے اور...... وہ خارش زدہ زرخرید بلڈاگ...... ایس پی آغا منظور مجھے تھپکیاں دینے کی کوشش کر رہا ہے...... سن آف اے بچ۔''

''کہیں رابرٹ کلارک نے تو......؟''

''نہیں......'' شیخ حامد اس کا جملہ کاٹتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''وہ زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''اور کون ہو سکتا ہے؟''

''تم ادھر ہی سکون سے رہو۔'' شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''جب تک میری گڈ بکس میں ہو کوئی تمہارے اوپر ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور جس دن نظروں سے گر گئے وہ دن تمہاری اذیت ناک موت کا حتمی دن ہو گا۔''

پھر شیخ حامد تیزی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ افضل خان نے سکون کا سانس لیا۔ وہ اس وقت بگ باس کی شخصیت اور بلیک ٹائیگر ہی کو اپنے لیے فرشتہ رحمت سمجھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ

تصور تیزی سے ابھر رہا تھا کہ اگر اس کو گاڑی میں بے ہوش نہ کیا جاتا' نشے کی کیفیت میں وہ دوبارہ میڈم کے جسم کو تسخیر کرنے کے ارادے سے واپس ہوٹل پہنچ جاتا تو شاید گلے گلے تک پولیس کے شکنجوں میں جکڑ کر رہ جاتا۔ دبی ہوئی فائلیں سرد خانوں سے پھر ایک ایک کر کے نکلنا شروع ہو جاتیں۔

بگ باس کے ساتھ وہ پستہ قد آدمی بھی چلا گیا تو افضل خان نے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لیا جہاں زندگی سکون سے گزارنے کی تمام ضروری اشیاء موجود تھیں۔ اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ کسی نامعلوم عمارت کا تہ خانہ تھا جہاں بگ باس نے اسے سکون سے کچھ دن آرام کا مشورہ دیا تھا۔ افضل خان کے پاس شیخ حامد کے مشورے پر عمل کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ تادیر اپنی پابندی پر غور کرتا رہا۔ سوچتا رہا کہ اگر تاج ہوٹل کے کمرے سے پولیس کو اس کے فنگر پرنٹس اور وہ ایک گواہ اس کے اور میڈم کے روم نمبر چار سو آٹھ میں موجود ہونے کے سلسلے میں مل گئے تو اس کی قانونی پوزیشن کیا ہو گی؟ بگ باس اسے بچانے کی خاطر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے گا یا کچھ دنوں کیلئے اسے قربانی کا بکرا سمجھ کر پولیس کے حوالے کرنے میں کسی پس وپیش کا مظاہرہ بھی نہیں کرے گا؟

وہ تہ خانے کے کمرے کے ایک بستر پر نیم دراز تھا۔ حالات کی اونچ نیچ اور اپنے مستقبل کے بارے میں غور کر رہا تھا جب اسے اچانک شبنم کا خیال آیا جو کئی بار قریب آنے کی کوشش کر چکی تھی۔ خود افضل خان نے ایک ہی دفتر میں کام کرنے کی وجہ سے اسے زیادہ قریب ہونے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن شبنم نے میڈم روبی کا بیان بدلوانے میں اس کے ساتھ ایک دوست کی طرح بھرپور تعاون کیا تھا۔ وہ اس آڑے وقت میں بھی کم از کم باہر کے معاملات کی تھوڑی بہت خیر خبر ضرور دے سکتی تھی۔

افضل خان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا موبائل نکالنے کی کوشش کی مگر اسے مایوسی ہوئی۔ اس کا والٹ اور دوسری تمام چیزیں موجود تھیں لیکن موبائل موجود نہیں تھا جس کا صرف ایک ہی مطلب اخذ کیا جا سکتا تھا۔ شیخ حامد نے اس نامعلوم عمارت کے تہ خانے کے کمرے اور بیرونی دنیا کے تمام تعلقات شاید عارضی طور پر ختم کر دیئے تھے۔ افضل خان نے جھلا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے جسم کو اس وقت صرف آرام کی ضرورت تھی' کل کیا ہو گا؟ کیا ہونے والا ہے؟ اس کے بارے میں اس نے زیادہ الجھنا مناسب نہیں سمجھا...... دور اندیشی کا تقاضا بھی یہی تھا۔

آنکھ بند کرتے ہی میڈم کا نیم عریاں جسم پھر اس کے تصورات میں کسی کن کھجورے کی مانند چمٹنے لگا۔

✣✣✣

سراج کو یقین تھا کہ دفتر پہنچنے کے بعد اسے سر اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ میڈم روبی کے سلسلے میں تفتیشی رپورٹ ملنے کے بعد اسے پرانی فائلوں میں بھی سر کھپانا پڑے گا۔ اس لیے گھر سے نکل کر وہ سیٹھ عثمان کے بنگلے پر پہنچا۔ پہلے اس نے گھر والوں سے سیٹھ عثمان کے سلسلے میں ائیرپورٹ

جانے اور ساتھ لانے کے بارے میں گفتگو کی اس کے بعد وہ باہر آ گیا جہاں لیاقت حسین موجود تھا۔

''کیسے ہو لیاقت حسین ہو؟'' اس نے لیاقت حسین سے کچھ سوالات کرنے سے پہلے اس کی خیریت دریافت کی۔

''اللہ کا کرم ہے صاحب۔'' لیاقت حسین نے بالکل نارمل انداز میں جواب دیا' اس کا چہرہ کسی بھی قسم کی اضطراری کیفیت سے یکسر عاری تھا۔

''سنا ہے کل رات تم جلدی چلے گئے تھے؟''

''جی صاحب میں نے اور عمر گل نے فرحین اور زرینہ کو اپنے شہر بھیج دیا ہے۔''

''سب خیریت تو ہے؟''

''آپ کی مہربانی ہے صاحب لیکن جو لوگ ایک بار ہماری عزت پر ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ وہ خبیث دوبارہ بھی کچھ کر سکتے ہیں۔'' لیاقت حسین نے فیصلہ کن انداز میں تفصیل بتائی۔ ''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ فرحین کے آنے سے پہلے کسی ایسی رہائشگاہ کا بندوبست کر لوں گا جہاں کوئی خطرہ نہ ہو۔''

''اچھا خیال ہے لیکن ابھی جلدی نہ کرنا۔'' سراج نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''اپنے صاحب کو آ لینے دو پھر کوئی فیصلہ بھی کر لیں گے۔''

''جیسا حکم صاحب۔''

سراج لیاقت حسین سے گفتگو کرتے ہوئے باہر اپنی گاڑی تک آ گیا پھر اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''تم نے اپنے گھر والوں کو کب تک روانہ کیا تھا' میرا مطلب ہے کہ کس وقت بس میں بٹھایا تھا؟''

''فرحین اور زرینہ عمر گل خان کے ساتھ بس اڈے گئے تھے۔ میں ادھر پونے آٹھ بجے پہنچا تھا' بس کے روانہ ہونے کے بعد ہی لاری اڈے سے واپس آیا تھا۔''

''اور کوئی بات؟'' سراج نے اس کو مزید ٹٹولنے کی خاطر سوال کیا۔

''اور سب ٹھیک ہے صاحب' جب آپ ہیں تو پھر فکر کس بات کی؟''

''لیاقت حسین کیا تمہیں یاد ہے کہ کل رات تم ساڑھے آٹھ اور نو بجے کے درمیان کہاں تھے؟''

''بس ٹھیک آٹھ بجے چل دیا تھا' اس کے بعد گل خان کسی دوست کے پاس چلا گیا اور میں گھر واپس آ گیا تھا۔''

لیاقت حسین نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

''راستے میں تم کہیں رکے بھی تھے......؟''

''بازار کی طرف سے آیا تھا صاحب' ایک دکان سے گھر کیلئے ایک دو چیزیں بھی خرید لی تھیں اور کہیں نہیں گیا تھا۔''

''کسی واقف کار کو راستے سے کوئی فون تو نہیں کیا تھا؟''

''کیا بات ہے صاحب؟'' لیاقت حسین نے حیرت سے دریافت کیا۔ ''آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

''صرف اتنا کہ تم نے کسی یار دوست کو فون تو نہیں کیا تھا؟'' سراج نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

''ادھر سوائے گل خان کے اپنی کسی اور سے یاری دوستی نہیں صاحب' پھر فون کسے کرتا......؟'' لیاقت حسین نے بدستور سراج کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا ''میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''کوئی خاص بات نہیں ہے'' سراج نے اس بات پر یقین کر لینے کے بعد کہ لیاقت حسین دروغ نہیں کر رہا' بے تکلفی سے کہا۔ ''لیاقت حسین' فرض کر لو کہ اگر تمہیں کسی موقع پر میری ضرورت پیش آئے تو کیا تم میرے دفتر یا گھر کے نمبر پر فون کر سکتے ہو' میرے نمبر یاد ہیں تمہیں؟''

''زبانی نہیں یاد صاحب لیکن' میں نے ڈائری میں لکھ لیا ہے جو ہمیشہ میرے ساتھ رہتی ہے۔ ''لیاقت حسین نے معصومیت سے جواب دیا۔ ''کوئی ضرورت ہوئی تو آپ کے علاوہ اور کس کو فون کروں گا؟ بہ ظاہر آپ کے علاوہ میری ڈائری میں صاحب کے دفتر اور موبائل کے سارے نمبر بھی نوٹ ہیں۔''

''اور کوئی بات؟'' سراج نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے یوں ہی پوچھ لیا۔

''آج رات اپنا صاحب اور بیگم صاحب آ رہا ہے۔ ان کو لینے کیلئے ایئر پورٹ بھی جانا ہے۔''

''میں بھی ادھر آؤں گا۔'' سراج نے کہا پھر وہ دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کو لیاقت حسین نے جو جواب دیئے وہ اس کیلئے غیر متوقع نہیں تھے' دو موقعوں پر پہلے بھی وہ دیکھ چکا تھا کہ لیاقت حسین جب کسی روحانی قوت کے تابع ہوتا ہے تو یکسر بدل جاتا ہے بعد میں اسے گزرے ہوئے لمحات بھی یاد نہیں رہتے۔ سراج کو یقین تھا کہ گزشتہ رات بھی جب اس نے سراج کو فون کیا ہوگا' اس وقت بھی وہ یقیناً کسی پراسرار روحانی قوت کے زیر اثر رہا ہوگا یہ باتیں سراج کے لئے کسی اچنبھے سے کم نہیں تھیں۔

دفتر جاتے ہوئے راستے میں ایس پی آغا منظور کی کال ریسیور کرنے کے بعد سراج کو سیدھا اسی کی طرف جانا پڑا۔ ایس پی کے آفس میں تاج محل کے علاقے کا انسپکٹر مع فائل کے پہلے ہی سے موجود تھا۔ سراج نے کمرے میں پہلا قدم رکھتے ہی بھانپ لیا کہ اس وقت آغا منظور کا مزاج ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خراب نظر آ رہا تھا۔ سراج کے سلام کا جواب بھی اس نے سر کی معمولی جنبش سے دیا تھا۔ ایک لمحے سکوت طاری رہا پھر ایس پی نے کسمسا کر سب سے پہلے انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ کمرے میں ان تینوں کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ باہر دروازے کی سرخ لائٹ بھی آن کر دی گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔

''فائل میں جو رپورٹس موجود ہیں اس کو کسی نے تو نہیں دیکھا؟''

''جی نہیں۔'' انسپکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔''ڈی ایس پی صاحب نے کل جائے وقوعہ پر ہی مجھے اس کیس کی حساس نوعیت سے آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے ذاتی طور پر اپنی نگرانی میں ساری رپورٹس حاصل کی ہیں۔ میرے علاوہ اور کوئی ان کے بارے میں تفصیل سے واقف نہیں ہے۔''

''میڈم کا نام تو درمیان میں کہیں نہیں آیا؟''

''جی نہیں سر۔'' انسپکٹر نے مستعدی سے جواب دیا۔

''آنا بھی نہیں چاہیے۔'' ایس پی نے بدستور ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''میں اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔''

''رائٹ سر!''

''موقعۂ واردات سے وہ جس باسٹرڈ کے پرنٹس ملے ہیں۔ کیا آپ نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی؟''

''جی نہیں سر!'' انسپکٹر نے کہا۔''اس سلسلے میں آپ کی اور ڈی ایس پی صاحب کی ہدایت کی روشنی میں ہی کوئی کارروائی کروں گا۔''

''گڈ......'' ایس پی نے ایک بار پھر فائل کے فنگر پرنٹس اور مشتبہ افراد کے پرنٹس اور اس کے بارے میں ماہرین کے فیصلے کی رپورٹ پر نظر ڈالی' پھر سراج کی سمت دیکھا۔

''آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''میرے خیال میں صرف دو ہی طریقے ہیں۔''

سراج نے سنبھل کر ٹھوس لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔''یا تو ہم ذاتی طور پر کوئی بولڈ اسٹیپ لیں یا پھر آپ اپنی فائنڈنگس ٹاپ کانفیڈنشل کے لیبل کے ساتھ ٹاپ لیول تک پہنچا دیں۔ پھر دیکھیں گے اوپر سے کیا جواب آتا ہے۔''

''میرے ذہن میں بھی دو طریقے ہیں مگر آپ کی رائے جاننا چاہوں گا۔'' ایس پی نے اپنا دامن بچانے کی خاطر ایک بار پھر سراج کو کریدنے کی کوشش کی۔ وہ ذاتی طور پر خود کو ذمہ دار نہیں کہلوانا چاہتا تھا۔ سراج نے اس کی بات سننے سے پیشتر اپنا دامن بچا لیا۔

''میں آپ کے کسی آرڈر کیخلاف نہیں جاؤں گا لیکن چوائس بہرحال آپ ہی کی ہوگی۔''

آغا منظور' سراج کے اس سیاسی جواب کو سن کر اندر ہی اندر کھول اٹھا لیکن وہ ایک ہی تالاب میں رہ کر کسی دوسرے مگرمچھ سے بیر لینے کا خطرہ بھی نہیں مول لینا چاہتا تھا۔

''سر!'' انسپکٹر نے دبی زبان میں کہا۔''جس مخصوص شخص کے فنگر پرنٹس کو ماہرین نے بھی زیادہ اہمیت دی ہے وہ اس سے پیشتر بھی کئی واردات میں ملوث رہ چکا ہے مگر...... ٹاپ لیول سے ملنے والے احکام کے بعد ہمیں انہیں مجبوراً داخل دفتر کرنا پڑا تھا' شاید اس بار بھی۔''

''انسپکٹر!'' ایس پی نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا علم سب کو ہے انڈر اسٹینڈ۔''

''سوری سر!'' انسپکٹر ہچکچا کر خاموش ہو گیا۔

''مسٹر سراج!'' ایس پی نے سراج کو مخاطب کیا۔

''کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم اس سلسلے میں ڈی آئی جی کرائمز کو بھی شامل کر لیں۔ اس کے مشورے کے بعد قدم اٹھانا ہمارے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔ پانچ لاشوں کی فائل بھی ان ہی کے پاس ہے اور موجودہ فائل...... یہ بھی میرے اندازے کے مطابق اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔''

''میں آپ کے اس خیال سے سو فیصد متفق ہوں۔''

سراج نے بے حد سنجیدگی سے تائید کی۔ ''اس طرح اوپر والوں کے کسی ممکنہ عتاب سے بھی محفوظ رہیں گے۔''

''ایک بات میں آپ کو کھل کر بتا دوں...... اس معاملے کو میں آسانی سے فائل نہیں ہونے دوں گا۔''

سراج نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ سمجھ رہا تھا کہ میڈم روبی کی وجہ سے خود ایس پی بھی تلملایا ہوا تھا۔

''انسپکٹر!'' ایس پی نے دوبارہ انسپکٹر کو مخاطب کیا۔

''تاج ہوٹل کے منیجر رابرٹ کلارک کا کیا کہنا ہے؟''

''میں نے ابھی تک اس کا تحریری بیان نہیں لیا' آپ سے مشورہ کرنے کے بعد ہی ایسا کروں گا لیکن زبانی طور پر اس نے یہی کہا ہے کہ سب سے پہلے ہوٹل کا کمرا بک کرنے کیلئے میڈم ہی کا فون موصول ہوا تھا' اس کے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ہوٹل کے ایک پارٹنر کا فون آیا تھا جس نے منیجر کو ہدایت کی تھی کہ وہ افضل خان کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ کوئی غفلت برداشت نہیں کی جائے گی۔''

انسپکٹر کا جواب سن کر ایس پی چونکا پھر اس سے پیشتر کہ وہ کسی ردعمل کا اظہار کرتا اس کے ان لسٹڈ فون کی گھنٹی بجی جس کا نمبر صرف اہم ترین شخصیات کو معلوم تھا۔ اس خیال سے کہ شاید موجودہ کیس کے بارے میں کہیں اوپر سے اسے کال کیا گیا ہو اس نے ہچکچا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ''ایس پی آغا منظور۔''

''آپ کیلئے ایک اہم اطلاع ہے محترم ایس پی صاحب۔'' دوسری جانب سے کسی نے خاصے ترش انداز میں مخاطب کیا تھا۔

''کون بول رہا ہے؟'' آغا منظور کا لہجہ اچانک تلخ ہو گیا۔ دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز اس کیلئے قطعی غیر مانوس تھی۔

''اس سوال کا جواب ضروری نہیں ہے۔'' اس بار بھی ٹھوس لہجے میں کہا گیا۔ ''فی الحال تمہاری اطلاع کے لئے بتا رہا ہوں کہ جب اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔''

"وہاٹ نان سینس۔" ایس پی کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"بکواس کو حقیقت کا روپ دیا جا چکا ہے مائی ڈیئر...... تمہیں یقین نہ آئے تو افضل خان کے اپارٹمنٹ جا کر خود تصدیق کر لو۔ اگر وہ اس وقت اپارٹمنٹ میں ہوتا تو اس کی بھی وہی حالت ہوتی' جس کنڈیشن میں تمہیں اس کا اپارٹمنٹ نظر آئے گا۔"

"کیا مطلب؟" ایس پی چونکا۔

"اسے وقتی طور پر منظر عام سے ہٹا دیا گیا ہے' لیکن ہم اسے چوہے کے بل سے بھی نکال لیں گے گڈ بائی۔" دوسری جانب سے لائن کاٹ دی گئی۔

ایس پی نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"کس کا فون تھا سر؟" سراج نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ہمارے مطلوبہ مجرم کو انڈر گراؤنڈ کر دیا گیا ہے' اس کے علاوہ فوری طور پر ایک اطلاع کی تصدیق بھی کرنی ہے۔" ایس پی نے صرف اتنا کہا پھر دوسرے فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر گھمانے لگا۔ کال ملنے پر اس نے تحکمانہ انداز میں کہا تھا۔

"فوری طور پر کسی ذمے دار ماتحت کو افضل خان کے اپارٹمنٹ بھیج کر معلوم کرو کہ وہاں کی پوزیشن کیا ہے...... راستہ نکالنا تمہارا کام ہے' مجھے بیس منٹ کے اندر اندر تفصیلی رپورٹ درکار ہوگی اٹ از ٹاپ ارجنٹ۔"

"افضل خان کے اپارٹمنٹ میں کیا ہوا......؟" سراج نے دلچسپی سے سوال کیا۔

"کسی نے وہاں کی چیزوں کو توڑ پھوڑ کر کے سارے سامان کو کھنڈر کی شکل میں تبدیل کر دیا ہے۔" ایس پی نے کسمسا کر جواب دیا۔ "ابھی دوسرے فون پر یہی کہا گیا کہ...... اب اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔"

"کون ہو سکتا ہے جناب اور...... اسے آپ کا ان لسٹڈ نمبر کیسے معلوم ہوا؟" سراج نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔

ایس پی جواب دینے کے بجائے کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ بھی اسی سوال کا جواب تلاش کر رہا ہے جو سراج نے کیا تھا۔ پھر بیس منٹ سے پہلے ہی فون پر اس اطلاع کی تصدیق کر دی گئی جو ایس پی کو درکار تھی۔

"سر...... اپارٹمنٹ لاک نہیں تھا' ہمیں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن پورے اپارٹمنٹ کے تمام قیمتی ساز و سامان کو توڑ پھوڑ کر غارت کر دیا گیا ہی' کوئی شے بھی سلامت نظر نہیں آئی' کچن کو توڑ پھوڑ کر مکمل طور پر برباد کر دیا گیا ہے۔"

"پاس پڑوس والوں کا کیا کہنا ہے؟" ایس پی نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

"ابھی ہم نے صرف آپ کے حکم کی تصدیق کی ہے' آپ کہیں تو دو چار پڑوسیوں کے بیانات بھی......"

''نہیں......'' ایس پی نے اس بار کچھ سوچ کر جواب دیا' ' اپارٹمنٹ جس طرح بند تھا اسی طرح بند کر کے خاموشی سے تھانے واپس لوٹ جاؤ' جب تک کوئی اطلاع نہ ملے مزید کسی کارروائی کو از خود کرنے سے گریز ہی کرنا۔''

''ایز یو وش سر۔''

ایس پی ریسیور رکھ کر پھر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ سراج کے علاوہ انسپکٹر نے بھی محسوس کیا تھا کہ اب اس کے چہرے پر وہ جھلاہٹ اور غصے کی کیفیت نظر نہیں آ رہی تھی جو پہلے دونوں نے محسوس کی تھی۔ وجہ کا سبب دونوں کے علم میں نہیں آ سکا۔

''کیا رپورٹ ملی سر؟'' سراج نے کچھ توقف سے دریافت کیا۔

''اسی صورتحال کی تصدیق کی گئی ہے جس کی اطلاع ابھی کچھ دیر پہلے ملی تھی۔'' ایس پی نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''کیا ابھی تک کسی نے رپورٹ درج نہیں کرائی؟''

''نہیں۔'' اس بار ایس پی نے خلا میں گھورتے ہوئے عجیب لہجے میں خود کلامی کا انداز اختیار کیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ یہ سب کچھ محض پولیس کو مس گائیڈ کرنے کی خاطر ایک پری پلانٹ ڈرامہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نے تنگ آ کر جوابی کارروائی کی ٹھان لی ہو اور بھی کئی باتیں ممکن ہیں۔ اپارٹمنٹ کی تباہی کے ساتھ افضل خان کے اغوا کی ایف آئی آر بھی کسی کیلئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے جناب؟'' انسپکٹر نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''آپ یہ فائل میرے پاس چھوڑ جائیں اور پہلی فرصت میں ہوٹل کے منیجر کا تحریری بیان حاصل کریں۔ اسے یہ بھی باور کرا دینا ضروری ہے کہ زبان بند رکھنا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔''

''او کے سر!'' انسپکٹر نے اٹھ کر سیلیوٹ کیا پھر پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''کبھی کبھی پاؤں کے نیچے دبی ہوئی چیونٹی بھی کاٹ لینے کی ٹھان لیتی ہے۔'' انسپکٹر کے جانے کے بعد آغا منظور نے سراج سے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''میرا اندازہ اگر درست ہو تو اب اس نئے کھیل میں پولیس کیلئے کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے میں زیادہ سہولتیں میسر ہوں گی۔ بہر حال ہمیں سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔''

''سر......!'' سراج نے ذرا کھل کر کہا۔ ''اگر افضل خان کے اپارٹمنٹ کو تباہ کر دیا گیا ہے تو پھر اس میں ڈرامے والی ہی صورت زیادہ واضح نظر آتی ہے۔''

''آپ کے ذہن میں کس کا نام ابھر رہا ہے؟'' آغا منظور نے سراج کو غور سے دیکھا۔

''سوری سر!'' سراج نے مسکرا کر مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''جہاں تک کھل کر بات کرنے کا سوال ہے تو ہم دونوں ایک ہی پوزیشن میں ہیں۔''

ایس پی سراج کے جواب پر چونکا ضرور لیکن پھر اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ شاید مناسب بھی یہی تھا۔

''ایک وضاحت اور چاہوں گا سر!'' سراج نے کہا۔ ''ابھی آپ نے کسی چیونٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ وہ کون ہے؟''

''میں آپ ہی کا جواب آپ کو واپس کرتا ہوں۔''

ایس پی نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''ہم دونوں ایک ہی پوزیشن میں ہیں۔''

سراج نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔ وہ آغا منظور کے ساتھ بے تکلف بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ محتاط روی کا مشورہ اسے ڈی آئی جی کرائمز نے بھی دیا تھا۔

✣✣✣

ہوش میں آتے ہی میڈم روبی اس طرح چونکی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔ نیم غنودگی کے باوجود اس کا ذہن گزری ہوئی باتوں کو یاد کر رہا تھا لیکن ایک خاص موڑ تک پہنچ کر اس کے آگے اندھیرا پھیلنے لگتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے افضل خان کی بے حد ضد کے بعد جشن صحت منانے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا تھا لیکن شرط یہ رکھی تھی کہ تقریب ہوٹل تاج محل میں ہوگی جہاں اس کے اور افضل خان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوگا۔ اس بات کو بغیر کسی عذر کے تسلیم بھی کر لیا گیا۔ ایک بار افضل خان کے اپارٹمنٹ جانے کے بعد وہ اغوا ہونے سے بال بال بچی تھی۔ کسی فرشتے نے اسے دشمن کے شکنجے سے اپنی جان پر کھیل کر بچا لیا تھا۔ اسے کن لوگوں نے اغوا کرنے کی کوشش کی' ان کا مقصد کیا تھا' وہ کسی حد تک شیخ حامد کی ذات پر شبہ کر رہی تھی لیکن بہرحال اس نے محتاط رہنے کا عہد بھی کر لیا تھا۔ ہوٹل تاج محل کے منیجر رابرٹ کلارک کی وجہ سے اس نے وہی جگہ مناسب سمجھی تھی۔ شیمپئن کی سیل بند بوتل بھی اس نے کسی خطرے سے محفوظ رہنے کی خاطر منگائی تھی لیکن شاید افضل خان نے کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت بھرپور انداز میں پلاننگ کر رکھی تھی۔

میڈم کو امید نہیں تھی کہ افضل خان اس آخری حد تک بھی جانے کی حماقت کرے گا لیکن اسے یاد آ رہا تھا کہ غنودگی کی حالت میں اسے بانہوں میں سمیٹنے کے بعد افضل خان نے کیا کہا تھا' سارے گھناؤنے جملے اس کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر ابھر رہے تھے لیکن جس وقت اسے ڈبل بیڈ پر زبردستی لٹایا گیا تھا اس کے بعد اس کا ذہن معطل ہو چکا تھا۔ بعد میں کیا کچھ ہوا؟ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

اس وقت وہ کمرے میں صرف ایک نرس کے ساتھ تھی۔ شاید اس کی سیکرٹری تھریسیا نے اس کی گزشتہ رات کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر اور نرس کو کال کر لیا تھا۔ چند لمحوں تک وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا رہی پھر نرس سے بولی۔

''آپ میری سیکریٹری کو بلا دیں اور کچھ دیر باہر ہی ٹھہریں' اسکے ساتھ مجھے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

نرس خاموشی سے باہر چلی گئی' ایک منٹ بعد تھریسیا اندر داخل ہوئی۔ اس نے کسی وجہ سے اندر

آنے کے بعد دروازے کو بھی لاک کر دیا تھا۔ میڈم روبی نے اس کی حرکت کو خاص طور پر محسوس کیا۔ یہ بات بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی کہ تھریسیا گزشتہ آٹھ سال سے اس کے ساتھ بے تکلف دوستوں کی طرح کام کرنے کے باوجود اس وقت اس سے نظریں ملانے سے گریز کر رہی تھی۔ پھر میڈم نے کسی استفسار کی ضرورت نہیں محسوس کی' وہ تھریسیا کی نظر نہ ملانے کی وجہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

''میں کل رات کس وقت واپس آئی تھی؟'' اس نے کچھ توقف کے بعد تھریسیا کو مخاطب کیا۔

''آپ خود نہیں آئی تھی۔'' تھریسیا نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ ''ڈی ایس پی مسٹر سراج آپ کو چھوڑ گئے تھے۔ آپ کی گاڑی اس وقت گیراج میں موجود ہے۔''

میڈم......سراج کا نام سن کر چونک پہلی بار بھی اس کی معلومات کے مطابق سراج ہی نے اس کی مدد کی تھی' مگر کسی وجہ سے اس کا نام درمیان میں نہیں آیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سراج کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جس نے فائرنگ کے باوجود اسے اغوا کرنے والوں کے ہاتھوں سے چھین لیا تھا۔ وہ کچھ دیر تھریسیا کو دیکھتی رہی جس پر اسے مکمل اعتماد تھا۔ تھریسیا جرمن نژاد تھی لیکن آٹھ سال کے تجربے کے بعد وہ میڈم کے لیے ہر معاملے میں بہترین دوست اور رازدار ثابت ہوئی تھی۔

''مسٹر سراج نے تم سے کچھ کہا بھی ہوگا؟'' اس نے کچھ توقف کے بعد سوال کیا۔

''جی ہاں' ان کا مشورہ تھا کہ آپ کی طرف سے کسی فوری کارروائی سے گریز کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میڈم نے اسے گہری نظروں سے ٹٹولا۔

''میں مسٹر سراج کے مشورے سے پوری طرح متفق ہوں۔'' تھریسیا نے ایک اچٹتی نظر میڈم کے چہرے پر ڈالی پھر دوبارہ نظریں جھکا کر بولی۔ ''اگر بات پریس تک پہنچ گئی تو بلاوجہ کی بدنامی ہوگی۔''

''جس وقت میں واپس آئی اس وقت شاید میں پوری طرح ہوش میں نہیں تھی؟''

''آپ کا اندازہ درست ہے' میں نے بڑی رازداری سے آپ کو بیڈروم تک پہنچایا تھا۔ ایک اہم فرض مسٹر سراج نے ہمارے لیے آسان کر دیا تھا۔''

''وہ کیا؟''

''رات کا ڈیوٹی گارڈ' مسٹر سراج نے خالص پولیس والے انداز میں اسے تنبیہ کر دی تھی کہ اس کی زبان کسی بھی موقعے پر نہیں کھلنی چاہئے ورنہ اس کے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔''

میڈم روبی کے مضطرب ذہن میں پھر سے سوالات کی یلغار شروع ہوگئی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے ساری جھجک بالائے طاق رکھ کر تھریسیا کو بے تکلفی سے مخاطب کیا۔

''جس وقت میں واپس آئی اس وقت تم نے کچھ نہ کچھ تو اندازہ ضرور لگایا ہوگا؟ میرا مطلب ہے کہ تم میری طرح ایک عورت کی حیثیت سے وہ بات سمجھ سکتی ہو جو میرے وجود میں نشتر بن کر چبھ رہی ہے۔ پلیز' میری بات کا کھل کر جواب دینا اور میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا رہے گا۔''

''مم...... میں پورے یقین سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتی البتہ آپ کے میک اپ اور چہرے کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر ضرور پہنچی ہوں کہ اگر مسٹر سراج نے بروقت آپ کی مدد نہ کی ہوتی تو شاید......'' تھریسیا نے جان بوجھ کر اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔

''آج کے اخبارات......''

''میں نے آپ کے کہے بغیر تمام اخبارات چھان ڈالے ہیں۔'' تھریسیا نے میڈم کے اطمینان کی خاطر اس کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ ''آپ سے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔''

''سراج نے دوبارہ فون تو نہیں کیا؟''

''نہیں......''

میڈم نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ اس وقت دوپہر کے سوا گیارہ کا عمل تھا۔ اس کا ذہن الجھنے لگا۔ اس کا خیال تھا بیشتر افسران شیخ حامد کی مٹھی میں ہوں گے لیکن سراج نے اسے گھر تک لانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی جبکہ اسے غالباً اس بات کا علم بھی ہوٹل مینجمنٹ کے ذریعے ہو چکا ہوگا کہ روم نمبر چار سو آٹھ میں اس کے ساتھ خان افضل بھی موجود تھا اس کے ساتھ کئی اور خیال بھی میڈم کے ذہن میں کسی بگولے کی طرح چکرانے لگے۔ اسے ہوٹل سے واپس لاتے وقت وہاں کے کچھ ملازموں نے بھی ضرور دیکھا ہوگا...... بات ان کے ذریعے آج نہیں تو کل تک منظر عام پر بھی آ سکتی تھی۔ فوری طور پر اس نے ہوٹل کے منیجر کو فون کرنے کا سوچا لیکن پھر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

''آپ کس الجھن میں گرفتار ہیں......؟'' تھریسیا نے میڈم کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

''تھریسیا!'' میڈم نے اسے ایک بے تکلف سہیلی کی طرح مخاطب کیا۔ ''اس وقت مجھے پرسنل سیکریٹری کے بجائے ایک سہیلی کے کچھ مفید مشورے درکار ہیں۔''

''آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔'' تھریسیا نے اس بار میڈم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے خلوص سے کہا۔

''میں اگر آپ کے کسی کام آ سکتی تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔''

''موجودہ پوزیشن میں میری جگہ تم ہوتیں تو...... پہلا قدم کیا اٹھاتیں؟''

''میں سب سے پہلے مسٹر سراج کا شکریہ ادا کرتی جس نے ابھی تک آپ کے سلسلے میں تمام تر احتیاط اور رازداری سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد...... میرا ذاتی خیال ہے کہ اب پانی سر سے گزرنے لگا ہے' فیصلہ آپ کو کرنا ہے لیکن میں نے آپ کا نمک کھایا ہے اس لیے اتنا ضرور کہوں گی کہ اب دوسری پارٹی کو بھی اس بات کا احساس دلانا ضروری ہو گیا ہے کہ...... آپ تر نوالہ نہیں ہیں۔''

''تھینکس فار یور گڈ ایڈوائس'' میڈم نے اطمینان کا اظہار کیا۔ ''میرے ذہن میں بھی یہی وہ باتیں گونج رہی تھیں۔ اب تک میں کسی جنجال سے دور رہ کر بلاوجہ اپنی بزدلی کا ثبوت دیتی رہی' مگر اب...... ایسا نہیں ہوگا۔''

''ایسی سچویشن میں بھی میری ایڈوائس یہی ہوگی کہ کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر مسٹر سراج کو اعتماد میں لینے کی کوشش کریں' کسی نہ کسی پر تو بہرحال بھروسا کرنا ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا پھر اس نے فون بستر پر منگوا کر سراج کے دفتر کے نمبر ڈائل کرنے شروع کیے۔

سراج اس وقت دفتر میں ہی ملا۔ دوسری جانب سے یہی جواب ملا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں ایس پی کے دفتر گیا ہوا ہے۔ اس کا نام بھی دریافت کیا گیا مگر میڈم نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ دوپہر دو بجے تک اس نے تھریسیا کے ذریعے پھر دوسرے فون سے سراج سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔

شام کو ناشتے کے بعد وہ تھریسیا کے ساتھ لان میں بیٹھی باتوں میں مشغول تھی جب اس کے موبائل پر کسی نے کال کی۔ نمبر جانا پہچانا نہیں تھا اس لیے میڈم نے موبائل تھریسیا کی طرف بڑھا دیا۔

''ہیلو' تھریسیا نے فون آن کر کے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

''میرا خیال ہے کہ کل رات آپ سے میری ملاقات ہو چکی ہے۔'' دوسری جانب سے پر اعتماد لہجے میں جواب ملا۔ ''اس وقت مجھے میڈم سے بات کرنی ہے۔ دن میں شاید وہ مجھے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کر چکی ہیں۔''

''بات کریں۔'' تھریسیا نے موبائل میڈم کی طرف بڑھاتے ہوئے اشارے سے یہ بھی بتا دیا کہ سراج کی کال ہے۔

''ہیلو' روبی بول رہی ہوں۔''

''آپ نے غالباً مجھے کال کیا تھا۔'' سراج کی آواز ابھری۔ ''میں اسے اپنی بدقسمتی ہی کہوں گا کہ اس وقت میں ایس پی آفس میں ایک اہم میٹنگ کے سلسلے میں مصروف تھا۔''

''مم...... میں نے آپ کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر کال کی تھی۔''

''کس بات کا شکریہ؟''

''کل آپ نے میری جس طرح مدد کی مجھے کسی پولیس آفیسر سے اس کی توقع نہیں تھی۔'' اس بار میڈم نے سراج کو آزمانے کی خاطر بوجھ کر صاف گوئی سے کام لیا۔

''آپ جن حالات سے گزری ہیں اس کے تحت آپ کا اندازہ کچھ غلط بھی نہیں ہے۔'' سراج نے برا مانے بغیر سلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اور...... ہر پولیس آفیسر ضمیر فروش بھی نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا شکریہ ادا کرنے کا سوال تو اس سلسلے میں یہی کہوں گا کہ میں نے جو کچھ بھی کیا وہ اپنا فرض سمجھ کر کیا تھا۔ یقین کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔''

''ایک شرط پر یقین بھی کر لوں گی۔''

''قبل از وقت کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''پہلی بار کسی شخص نے جان کی بازی لگا کر مجھے اغوا ہونے سے بچا لیا تھا۔ وہ کون تھا؟''
''میں اس سے واقف ہوں لیکن کسی مصلحت کی بنا پر اس وقت اس کا نام نہیں لے سکتا...... البتہ جواب قرض رہا۔''
''مسٹر سراج۔'' اس بار میڈم نے قدرے بے تکلفی سے کام لیا۔ ''کیا ہم کسی وقت براہ راست مل سکتے ہیں؟''
''آپ ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کریں۔'' سنجیدگی سے جواب ملا۔ ''یہ مشورہ میں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے دے رہا ہوں۔ ایک بات اور...... اس وقت میں جس نمبر سے بات کر رہا ہوں اسے احتیاط سے نوٹ کر لیں...... ان پر جب بھی چاہیں رابطہ کر سکتی ہیں۔ فوری جواب نہ ملے تو اسے میری مجبوری سمجھ لیں۔''
''میرا دل کہتا ہے کہ آپ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''
''کسی پر اعتماد کرنے سے پیشتر اچھی طرح اسے پرکھ کر دیکھ لینا ہی دانشمندی ہوتی ہے۔ ورنہ کبھی کبھی یہی اعتماد انسان کو کوئی ایسا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے جس کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔''
''میں...... شاید آپ کا اشارہ سمجھ رہی ہوں۔''
''ایک سوال میں بھی آپ سے پوچھنا چاہوں گا۔''
بے حد سنجیدگی مگر مدھم آواز میں پوچھا گیا۔ ''ہوٹل کے ناخوشگوار واقعے کے بعد کیا آپ کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی بھی کی گئی ہے؟''
''جی نہیں......'' میڈم چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ ''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''
جواب میں سراج نے کچھ سوچ کر افضل خان کے اپارٹمنٹ میں ہونے والی توڑ پھوڑ کی پوری تفصیل دہراتے ہوئے کہا۔ ''یہ اطلاع اپنی ذات تک ہی محدود رکھیں تو بہتر ہے...... بائی۔''
دوسری جانب سے رابطہ ختم ہوا تو میڈم کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ افضل خان کے سلسلے میں جو بات اس کے علم میں آئی، وہ اس کے لئے حیرت انگیز ہی تھی۔ ذاتی طور پر اس نے ایک ہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔ اس میں بھی یقیناً اس کے دشمن کا ہاتھ ہوگا۔ شاید اس طرح افضل خان کو تحفظ دینے کی خاطر کوئی شاطرانہ چال چلی گئی ہوگی۔
''کوئی نئی خبر......؟'' تھریسیا نے میڈم کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر روبی زبان میں پوچھا۔
''ہاں۔'' میڈم نے تھریسیا کو ملنے والی اطلاع کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''اگر اس میں میرے دشمن کا ہاتھ شامل ہے تو پھر افضل خان کو کہیں انڈر گراؤنڈ کر کے پولیس والوں کو اس کے اغوا کا تاثر دیا جائے گا۔''
''آئی۔ سی'' تھریسیا نے کسمسا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم بھی دشمنوں کی کمینگی کا منہ توڑ جواب دیں۔ فوری طور پر میں آپ کو اپنے گھر کی سکیورٹی کی خاطر گارڈز کی

تعداد میں اضافے کی تجویز پیش کروں گی۔"
میڈم نے جواب دینے کے بجائے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اس کے ذہن میں اس وقت سراج کی کھری کھری باتوں کے علاوہ اس کی شخصیت کے کئی نئے پہلو اجاگر ہو رہے تھے۔ اس کا دل یہی کہہ رہا تھا کہ سراج پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

✣✣✣

دوسری شام کو شائع ہونے والے اخباروں نے پولیس افسروں کے ذہن میں ابھرنے والے شبہات کو دور کر دیا۔ افضل خان کے بارے میں اور اس کے اپارٹمنٹ میں ہونے والی توڑ پھوڑ کے سلسلے میں جو ایف آئی آر درج کرائی گئی۔ اس کی روشنی میں اخباری نمائندوں نے کلی پھندنے لگا کر خاصی گرما گرم سرخیاں لگائی تھیں۔ ایک مقبول اخبار کے نمائندے نے جو سرخی لگائی تھی وہ عوام الناس کے لیے توجہ کا مرکز بن گئی۔
"شیر کی کچھار میں لومڑیوں کی دال گل گئی۔"
"عوام الناس میں یہ خبر یقیناً دلچسپی اور حیرت کا سبب ہوگی کہ شہر کے معروف تاجر شیخ حامد جو مرکزی حکومت کے منتخب نمائندوں میں بھی خاصا اثر رکھتے ہیں۔ ان کے بزنس منیجر افضل خان کو اس قدر پراسرار طور پر اغوا کیا گیا کہ پڑوسیوں کو کانوں کان بھنک تک نہ مل سکی۔ جن مجرموں نے شیر کی کچھار میں گھس کر دن دہاڑے افضل خان جیسے خاص آدمی کو اغوا کیا انہوں نے نہایت آرام وسکون سے ان کے اپارٹمنٹ میں بھی دل کھول کر حسب منشا توڑ پھوڑ کی جس کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ڈرائنگ روم، بیڈ روم کی تمام قیمتی اشیاء اور دیوار پر لگی قیمتی پینٹنگز کے ساتھ ساتھ انہوں نے کچن کے کسی ساز وسامان کو بھی اس کی اصل شکل میں نہیں رہنے دیا۔ پورے اپارٹمنٹ کو کھنڈر بنا کر افضل خان جیسے نامی گرامی شخص کو بھی اغوا کر کے لے گئے جو پولیس کی لسٹ پر کئی بار نمایاں حیثیت سے اجاگر ہوا لیکن اتفاق سے کسی معاملے میں بھی اسے کوئی قابل ذکر سزا نہیں ملی۔ حامد گروپ آف کمپنیز کو جوائن کرنے کے بعد چھوٹے موٹے پولیس افسران بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کتراتے تھے۔
ہمارے اخبار نے جب شیخ حامد سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی تو ہر فون کال پر نو کمنٹس کہہ کر لائن کاٹ دی گئی۔ کاروباری حلقوں میں بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے کہ افضل خان جیسی نامور شخصیت کے اغوا میں کسی قریبی تاجر یا صنعت کار کا ہاتھ بھی شامل ہو سکتا ہے۔ پولیس بھی یہ کہہ کر کچھ کہنے سے گریز کر رہی ہے کہ جب تک مکمل تفتیش نہ ہو جائے اور فنگر پرنٹس کی رپورٹ سامنے نہ آ جائے وہ کھل کر کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سنسنی خیز انکشافات کی توقع کی جا رہی ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ملحقہ تھانے کے علاوہ دوسرے افسروں نے بھی اپنے فون مصروف کر رکھے ہیں تاکہ ان کی ذاتی مصروفیات میں خلل نہ پڑے۔"
سراج اس وقت اپنی بیوی الماس کے ہمراہ سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھا

تھا' جب اس خبر کی تفصیل کو پڑھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔ ایس پی نے گزشتہ روز ہی کسی نامعلوم کال کے بعد افضل خان کے اپارٹمنٹ کے بارے میں خفیہ معلومات حاصل کر لی تھیں اور ملحقہ تھانے کے کارندوں کو بھی ہدایت کر دی تھی کہ جب تک کوئی ایف آئی آر نہ درج کرائی جائے وہ کوئی کارروائی نہ کریں اس نے سراج سے یہ شبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ یا تو کسی چیونٹی نے ہی بالآخر پلٹ کر کاٹ لینے کا راستہ اختیار کیا ہے یا پھر ساری کارروائی محض ڈرامہ تھا جو پولیس کو فریب دینے کیلئے رچایا گیا ہے۔

سیٹھ عثمان نے بھی اس خبر پر تعجب اور حیرت کا اظہار کیا تھا۔

''یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہم کل رات ہی کی فلائٹ سے آئے اور آج یہ حادثہ پیش آ گیا۔'' راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

''اسی کو کہتے ہیں کہ سر منڈواتے ہی اولے پڑے۔'' الماس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''تعجب اس بات پر ہے کہ میرے یار نے غالباً جہاز میں ہی ساری پلاننگ کی اور گھر آتے ہی دھماکہ کرایا۔'' سراج نے بیوی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سیٹھ عثمان کو چھیڑنے کی خاطر کہا تو راحیلہ نے سراج کو بڑی اپنائیت سے گھورا۔

''آپ کو اس وقت مذاق سوجھ رہا ہے اور ادھر ممکن ہے کہ شیخ حامد نے ہمارے آتے ہی پھر اپنی شرارت کا مظاہرہ کر دیا ہو۔''

''اس سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔'' سیٹھ عثمان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''افضل خان کو اغوا کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے ضرور اس میں کسی بہت قریب کے کسی آدمی کا ہاتھ شامل رہا ہوگا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' الماس نے شوہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس معاملے میں لومڑی کا کردار کس نے ادا کیا ہوگا؟''

''ہمیں یہ اطلاع کل شام ہی مل گئی تھی۔'' سراج نے سنجیدگی سے میڈم روبی کی ہوٹل والی کہانی کو درمیان سے حذف کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے ایس پی صاحب سے کل ہی کسی نامعلوم شخص نے فون پر کہا تھا کہ اب اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے گا۔ یہ جملہ بھی زور دے کر کہا گیا تھا کہ اگر اپارٹمنٹ کو کھنڈر کی شکل میں تبدیل کرتے وقت افضل خان وہاں ہوتا تو اس کی لاش کی حالت بھی ٹوٹے پھوٹے سامان سے مختلف نہ ہوتی۔''

''کیا فون کرنے والے نے اس واردات کی وجہ نہیں بتائی تھی؟'' راحیلہ بیگم نے کسمسا کر سوال کیا۔

''نہیں...... لیکن دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔'' سراج نے بدستور کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''یا تو سارا ڈرامہ خود بڑی مچھلی نے رچایا ہے یا پھر کسی کے صبر کا پیمانہ بھی چھلک سکتا ہے۔''

''بڑی مچھلی والی بات تو میں سمجھ گیا مگر صبر کا پیمانہ......''

سیٹھ عثمان نے سراج کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''صبر کا پیمانہ کس کا چھلک سکتا ہے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے کیا صرف تم ہی اس بلیو وہیل کی مخالف پارٹی کی لسٹ پر ہو؟''

''آپ کی حتمی رائے کیا ہے؟'' الماس نے شوہر سے دریافت کیا۔''افضل خان جیسے مگر مچھ کو کس نے جال میں پھانسا ہوگا؟''

''یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر اسی فیصد یقین اسی بات کا ہے' یہ محض ڈرامہ ہے۔'' سراج نے محتاط انداز میں کہا۔''کسی ذاتی وجہ سے خود اس کے آدمیوں نے افضل خان کو انڈر گراؤنڈ کیا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کسی غلطی کی وجہ سے اسے ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا گیا ہو۔ اگر میرا آخری اندازہ درست ہوا تو اس کی لاش بھی بہت جلد منظر عام پر آجائے گی۔''

''گویا اس بار شیخ حامد نے ایک شخص کو اغوا کرا کے کئی اور مقاصد بھی پورے کرنے کی ٹھانی ہوگی۔''

''بہ ظاہر یہی نظر آتا ہے۔''

پھر اس سے پہلے کہ سیٹھ عثمان کچھ کہتے سراج کا موبائل فون جاگ اٹھا۔ اسکرین پر ایس پی کے نمبر روشن تھے۔

''ہیلو سراج اسپیکنگ'' سراج نے سب کو خاموش رہنے کو اشارے سے کہا۔

''آپ نے شام کے اخبار دیکھے؟'' دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔

''دیکھ چکا ہوں سر...... اور اس بات کا یقین ہے کہ اوپر سے افضل خان کو فوری تلاش کرنے' اصل مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور ان سے آہنی ہاتھ سے نمٹنے کے گھسے پٹے جملے بھی ادا کیے جا رہے ہوں گے۔''

''پھر آپ نے کیا نتیجہ نکالا؟''

''وہی جو میں کل عرض کر چکا ہوں۔'' سراج نے بھی رازداری سے کام لیتے ہوئے کہا۔''میں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں آپ کے آفس میں پہنچ رہا ہوں۔''

سراج عجلت میں چلا گیا تو الماس کندھے اچکا کر بولی۔''آپ لوگوں کو مجھ سے شکایت رہتی ہے کہ میں سراج کو وقت نہیں دیتی لیکن میرے میاں کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ میرے لیے کتنا وقت نکال سکیں گے۔''

''یہ غلط بات ہے الماس۔'' راحیلہ بیگم شوخی سے بولیں۔''میں سراج بھائی کیخلاف کچھ نہیں سن سکتی۔''

''میرا خیال ہے کہ الماس کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی۔''

سیٹھ عثمان نے الماس کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔''سراج کالج کے زمانے ہی سے لاابالی آدمی واقع ہوا ہے۔''

جواب میں الماس مسکرا دی' راحیلہ نے کھنکھارتے ہوئے شوہر کو محبت بھری نظروں سے گھورا۔

''سوچ سمجھ کر بات کریں۔ الماس ابھی کچھ دیر میں چلی جائے گی۔ آپ کو میرے ساتھ ہی رہنا

ہے۔"

"اس جملے کیخلاف بھی ایف آئی آر درج کرائی جاسکتی ہے"۔ الماس نے کہا "کسی کو دھمکی دینا بھی تعزیرات پاکستان میں قابل گرفت جرم ہے اور راحیلہ بھابی آپ کو یہ بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ میں بری بھلی، جیسی بھی سہی لیکن ایک ذمے دار پولیس آفیسر کی باقاعدہ نکاح شدہ بیوی ہوں۔"

کچھ دیر اسی قسم کی معصوم نوک جھوک جاری رہی پھر الماس بھی دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگئی تو راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے شوہر سے کہا۔

"ہمارے واپس آتے ہی افضل خان کے حوالے سے شائع ہونے والی خبر......اچھا شگون نہیں ہے۔"

بہرحال بنگالی پاڑے کی گنجان آباد اور تنگ و پر پیچ گلیوں کی وجہ سے علاقے کی پولیس اور جرائم پیشہ افراد کے درمیان آنکھ مچولی کا سلسلہ جاری رہتا۔

اسی بدنام پاڑے کے خارجی راستے کے کنارے واقع ایک اسی گز کے رقبے پر بنے ہوئے پکے مکان کے اندر چار افراد فرش پر بچھے قالین پر جواء کھیلنے میں مگن تھے۔ مکان کی حالت باہر سے زیادہ اچھی نہیں تھی لیکن اندر کا معاملہ باہر سے بدرجہا بہتر تھا۔ وہاں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

جوا کھیلنے والے چاروں افراد صورت شکل کے اعتبار سے بھی بدمعاش ہی لگتے تھے۔ ہر ایک کے سامنے شراب کے ساتھ اس کے لوازمات بھی نظر آ رہے تھے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ ان چاروں کے ساتھ ہی ان کے ریوالور اور کارتوس کی پیٹیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ سامنے قالین پر پڑے چھوٹے نوٹوں کی تعداد بھی اس بات کی نشاندہی کر رہی تھی کہ ان کے پاس مال کی کمی نہیں تھی۔ جیتی ہوئی رقمیں ہر شخص کے سامنے بکھری پڑی تھیں۔

چاروں کے درمیان وہ بازی پھنس کر رہ گئی تھی۔ دو افراد نے پتے پھینک کر شراب اور سگریٹ سے شغل شروع کر دیا۔ باقی دو بدستور ایک دوسرے کی فیس ریڈنگ کرنے اور ایک دوسرے کو پتا پھینکنے کے مختلف ہتھکنڈے آزما رہے تھے۔ بورڈ پر پڑی رقم بھی چار ساڑھے چار ہزار سے کسی طرح کم نہیں تھی۔

"کیا بات ہے رنگیلے؟" ایک ملوث جواری نے اپنے تینوں پتوں کو آہستہ آہستہ گھس کر دیکھتے ہوئے دوسرے سے کہا۔ "کوئی ٹرپل پھنس گئی ہے کیا؟"

"نہیں۔" دوسرے نے اپنے مخاطب کو ڈاج دینے کی کوشش کی۔ "ایک کے بجائے وہ ادھوری پھنس گئی ہیں، انہی کے نام پر قسمت آزما رہا ہوں۔ ویسے میں سمجھ رہا ہوں دھرمیندر مہاراج کہ تو کون سا سکہ اچھال کر مجھے کچا کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟" دوسرا مسکرا دیا۔

'اسی بات پر گبر سنگھ کے نام پر ایک چال اور" سامنے والے نے سو سو کے چار نوٹ مزید گڈی میں شامل کر دیئے۔

"کلر راؤنڈ پھنس گئی ہے شاید' دوسرے نے کہا پھر کچھ توقف کے بعد اس نے بھی چار سو کی

رقم ردی کاغذوں کی طرح ڈھیری میں ڈال دی۔

''ایسا کر......'' پہلے نے تجویز پیش کی۔ ''گھر کی بات ہے' چل ساری رقم ففٹی ففٹی کر لیتے ہیں۔''

''گھسنے کی کوشش کر رہا ہے؟'' دوسرے نے گلاس اٹھا کر ایک لمبا گھونٹ لے کر کہا۔ ''شو کیوں نہیں مانگ لیتا''

''چل رنگیلے تیرا کہا مان رہا ہوں'' پہلے نے مزید چار سو ڈال کر سرسراتے لہجے میں کہا ''شو کر دے۔''

دوسرے نے کارڈ شو کر دیے۔ پہلے نے ایک لمحے کو منہ بنایا پھر اپنے تین پتے کھولتے ہوئے بولا۔ ''دیکھ لے میری جان' اپنا دھرمندر' تیری مادھوری پر چڑھ بیٹھا۔ اس کے پاس بادشاہ' بیگم اور غلام تھا' پتا نیچے ڈالنے کے بعد اس نے نوٹوں کی گڈی بھی اپنی طرف گھسیٹ لی۔

''آج تیری گڈی چڑھی ہوئی ہے۔'' تیسرے نے جیتنے والے کو مبارک دی۔

جیتنے والے نے مسکرا کر تاش کے پتے سمیٹ کر انہیں دوبارہ پھینٹنا شروع کیا۔ اسی وقت ایک پانچواں شخص اندر داخل ہوا' وہ بہ ظاہر کسی سوکھے ہوئے جھینگے کی طرح دبلا پتلا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں بلا کی ذہانت تھی۔ اس کے سارے ساتھی اسے استاد انفارمر کے نام سے یاد کرتے تھے اس لیے کہ وہ ظاہری شخصیت کے برخلاف انتہائی چالاک اور پھرتیلا آدمی تھا۔ کسی قتل و غارت گری میں اس نے کبھی کوئی حصہ نہیں لیا تھا لیکن مخالفین کے ساتھ گھل مل کر ایسی دور کی خبریں لاتا تھا کہ سب ہی اس خوبی کا اعتراف کرتے تھے' وہ نسلاً بنگالی نظر آتا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں ایک مڑا تڑا اخبار دیا ہوا تھا۔

''کیا خبر ہے شرلاک ہومز؟'' کمرے میں پہلے سے موجود ایک شخص نے جس کے گلے پر بہت گہرے زخم کا واضح نشان موجود تھا استاد انفارمر کو نئے نام سے مخاطب کیا۔

''بڑی گرما گرم خبر ہے۔'' استاد انفارمر نے جس کو محلے کے بیشتر پاس پڑوس والے چارلی کے نام سے جانتے تھے' اخبار کھول کر قالین پر بچھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے کارناموں کی تعریف سارے اخبار والوں نے کی ہے۔ شیر اور لومڑی کی سرخی لگائی ہے۔ مجھے کئی جگہ سے یہی خبر ملی ہے کہ ادھر پولیس کے بڑے بڑے سورما بھی بغلیں جھانکتے پھر رہے ہیں۔ اپنا بگ باس زندہ ہا......آ......آد......''

چارلی اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ گردن پر زخم کے نشان والے نے اچانک ہی الٹا ہاتھ اتنی قوت سے گھمایا تھا کہ چارلی لوٹ پوٹ ہو کر رہ گیا۔ باقی تینوں افراد بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ زخم کے نشان والا ان کا لیڈر تھا لیکن اس وقت یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ چارلی کو کس جرم کی سزا دی گئی ہے۔

''کیا بات ہے جیرے استاد؟'' ایک ساتھی نے پوچھا۔

''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ حرام کے تخم۔''

جیرے استاد نے خونخوار نظروں سے بدستور چارلی کو گھورتے ہوئے خطرناک لہجے میں مخاطب کیا۔ ''کتنی بار سمجھ چکا ہوں کہ زبان بند رکھا کر ایک چنگاری بھی پورے جنگل کو جلا کر بھسم کر سکتی ہے۔ تیری زبان پر پولیس اور باس کا نام کیوں آیا؟ کیا زندگی سے عاجز آ گیا ہے؟''

''بھول ہو گیا استاد'' چارلی جواب میں اس طرح گڑگڑانے لگا جیسے اس سے انجانے میں کوئی ناقابل معافی جرم سرزد ہو گیا ہو' کپکپاتے ہوئے بولا۔ ''آئندہ کیلئے کان پکڑ کر توبہ کرتا ہوں۔''

باقی تینوں کو اخبار کی سرخی دیکھ کر اصل بات کا اندازہ ہوا تو وہ بھی چارلی کو تھپڑ' لاتوں اور گھونسوں سے نوازنے لگے۔ ان کیلئے چارلی کے مقابلے میں اپنی زندگی کی اہمیت زیادہ تھی۔ سب کے منہ سے ملغطات گالیاں ابلنے لگیں۔ نشے کی حالت میں وہ کچھ زیادہ ہی بہک گئے تھے۔ یہ بھی فراموش کر بیٹھے کہ جس چارلی کو اس وقت وہ پرانی روئی کی طرح دھن رہے تھے وہی کئی موقعوں پر ان چاروں کو بروقت پولیس کی ریڈ کی اطلاع دے کر قانون کے شکنجوں میں پھنسنے سے بچا بھی چکا تھا۔

چارلی کی پوزیشن اس وقت اس فٹ بال جیسی تھی جن پر ٹیم کے چار کھلاڑی ایک ساتھ جھپٹ پڑے ہوں اور اس کے حصول کی خاطر زوردار کک لگا رہے ہوں۔ دائیں بائیں قلابازیاں کھانے اور ہاتھ جوڑ کر اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے سوا وہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''بس کرو۔'' جیرے استاد کے حکم کے ساتھ ہی باقی تینوں کے ہاتھ پاؤں بھی رک گئے۔ چارلی نے اطمینان کی سانس لی لیکن اس کی دبی دبی سسکیاں بدستور ابھرتی رہیں۔

''دوبارہ کوئی غلطی کی تو تیری ٹانگیں چیر کر ایک سے دو چارلی بنا دوں گا۔'' ایک دراز قد والے نے غرا کر کہا۔

''خنزیر کی کھوپڑی میں ہر وقت حسینہ کلبلاتی رہتی ہے۔'' دوسرے نے چارلی کی محبوبہ کو کھنگالنے کی کوشش کی۔

''اسی کے لہنگے میں اس کی عقل بھی اٹکی رہتی ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہا ہے تو۔'' تیسرے نے چٹخارا لیتے ہوئے گلاس خالی کیا پھر چارلی کو گھور کر بولا۔ ''ہفتے میں کتنی بار اس پھلجھڑی کے ساتھ داؤ پیچ لڑاتا ہے؟ ویسے تیری حسینہ ہے بھی ایک دم کسی بچھیا کی طرح جاندار' کبھی ہمیں دیکھتی ہے تو اس طرح بدکتی ہے جیسے قصائی کو دیکھ کر قربانی کا جانور۔''

''حسینہ کی یاد اچھی دلائی تم نے۔'' چھریرے بدن والا تیز لہجے میں بولا۔ ''کیا خیال ہے؟ آج چارلی کی طرف سے ہم بھی موج میلہ نہ کر لیں۔''

''بات تو تم نے سولہ آنے میرے دل کی کہی ہے لیکن......'' بونے قد والے ساتھی نے لہرا کر کہا۔ ''وہ اکیلی بچھیا ہم چار سانڈوں کو برداشت کرنے میں کہیں اوپر کا ٹکٹ نہ کٹا لے۔''

''کیوں مچھی بھارت؟'' دوسرے نے براہ راست چارلی کو دیکھا۔ ''تو کیا بولتا ہے؟ کیا تیری رانی میں اتنا دم خم ہے کہ ہم کو جھیل لے گی۔''

''میں تمہاری آگے ہاتھ جوڑتا ہوں استاد۔'' چارلی جبرے کو دیکھ کر گڑگڑانے لگا۔''غلطی میری تھی' مجھے جو چاہے سزا دے دو لیکن حسینہ کے ساتھ میں شادی بنانے والا ہوں' اس لیے اس کو معاف کردو۔''

''کسی اور کو پکڑلو' دراز قد والے نے نشے میں جھومتے ہوئے کہا۔''تو نے اپنا کھیل خراب کیا ہے' اب تو ہی کسی اور کا بندوبست بھی کرے گا۔ چل اٹھ کر کھڑا ہو جا جلدی سے' کوئی چھچھڑ کیا تو تیری خیر نہیں۔''

وہ......وہ......شادا کی بڑی بہن چلے گی؟'' چارلی نے مردہ آواز میں کہا۔''وہ دھندا بھی کرتی ہے' ایک بار اس سے دوستی پکی کرلو تو پھر وہ اپنی دوسری جاننے والیوں کی بھی لائن لگا دے گی لیکن......''

''لیکن کیا؟'' دراز قد والے نے چارلی کو غصے سے گھورا۔''بولتے بولتے تیری نانی کیوں فوت ہوگئی؟''

''بات نانی دادی کی نہیں' میں تمہیں صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اوپر سے کسی عورت کے ساتھ چکر چلانے کو سختی سے منع کیا گیا ہے۔'' چارلی نے ڈرتے ڈرتے جملہ مکمل کیا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے تو'' استاد نے اسے ایک اور ٹھوکر لگاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔''کسی کو ہمارے ٹھکانوں کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے اور ایسی صورت میں جبکہ ہم سب ساتھ ہوں تو پھر کوئی ہلڑ بازی مناسب بھی نہیں رہے گی۔ ویسے بھی ہم جیسوں کی مٹی ہمیشہ کسی نہ کسی عورت ہی کے ہاتھوں پلید ہوتی ہے۔''

''پھر تو نشہ اتارنے کا ایک ہی علاج ہوسکتا ہے۔'' ایک گٹھے ہوئے اور درمیانہ قد والے نے جبرے استاد کو آنکھ مار کر چارلی کی طرف اشارہ کیا۔''آج کیوں نہ ہم پوری کے بجائے پراٹھے پر گزارا کرلیں۔''

چاروں اس جملے پر قہقہہ لگا لگا کر لوٹ پوٹ ہوگئے اور چارلی اندر ہی اندر کسی بپھرے ہوئے طوفان کی طرح مچل رہا تھا۔ جن کی زبان پر آج اس کی محبوبہ کا نام آ گیا تھا وہ کل اسے آدم خور بھیڑیوں کی طرح بھنبھوڑنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ چارلی کسی قیمت پر بھی اپنی حسینہ کی عزت کی دھجیاں اپنی نگاہوں کے سامنے اڑتے نہیں دیکھ سکتا تھا......یہی اس کا آخری فیصلہ تھا۔

✣✣✣

وہ تین دن افضل خان کی آزاد زندگی کے سب سے اذیت ناک دن تھے۔ اس کی آزادی اس طرح ایک نامعلوم عمارت کے زمین دوز کمرے تک سلب کر کے محدود کردی جائے گی۔ یہ بات اس نے خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ وہاں زندگی گزارنے کے لیے ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں لیکن وقت گزارنے کیلئے کسی قسم کا کوئی الیکٹرانک سامان موجود نہیں تھا' اس کا موبائل بھی لے لیا گیا تھا ایک پستہ قد اور گٹھے ہوئے مضبوط جسم کا آدمی ضرور تھا جو صبح و شام اس کے کھانے اور ناشتے

باقاعدہ اہتمام کرتا تھا لیکن اس نے بھی اپنے ہونٹ سی رکھے تھے۔ باہر کی دنیا کے بارے میں کوئی معلومات فراہم کرنا یا اس کے بارے میں افضل خان کے کسی سوال کے جواب میں وہ اسے صرف خشک اور تنبیہ آمیز نظروں سے دیکھتا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔

"تمہارے حق میں یہی بہت ہے کہ بگ باس نے تمہیں زندہ چھوڑ دیا ورنہ وہ گلاب کے مہکتے پھولوں کو بھی کسی کانٹے سمیت برداشت کرنے کا عادی نہیں ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ صرف اسی کمرے تک خود کو محدود کرلو...... باہر کیا ہو رہا ہے اس کا زیادہ تجسس کرو گے تو ہوسکتا ہے تمہاری گنی چنی سانسیں بھی تم سے چھین لی جائیں......"

افضل خان کو مجبوراً اس کی سرد مہری برداشت کرنا پڑتی۔ وہ اس وقت ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اپنی آزادی کے بارے میں کچھ سوچنے کی بھی کوشش کرتا...... شیخ حامد ہی نے اب تک اسے پھانسی کے پھندوں سے بچا رکھا تھا۔ اسی کی بدولت وہ کھلے عام سینہ تان کر آزادی سے گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا ایک اشارہ ہی افضل خان کو موت کے گھپ اندھیروں میں ہمیشہ کیلئے غرق کردینے کیلئے کافی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میڈم روبی کا معاملہ دو تین روز میں دب جانے کے بعد وہ پھر کھلی فضا میں سانس لے سکے گا لیکن...... جانے کیوں اب ہر گزرتا لمحہ اس کی الجھن میں اضافہ کر رہا تھا۔

اس وقت بھی وہ کسی زخمی درندے کے مانند اپنے اس مختصر سے تہ خانے...... میں ادھر سے ادھر چکراتا پھر رہا تھا۔ جرائم پیشہ ہونے کے باوجود اس نے ہمیشہ کھلی فضا میں سانس لی تھی لیکن اب بتدریج گھٹن کا احساس اس کو بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ وہ بخوبی سمجھ رہا تھا کہ وہاں سے اس کے فرار کی کوئی کوشش ممکن نہیں ہوسکتی۔ باہر شیخ حامد کے دوسرے مسلح افراد بھی یقیناً موجود ہوں گے جنہیں یہ حکم بھی ضرور دیا گیا ہوگا کہ وہ کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کیلئے پوری طرح آزاد ہیں۔ اس کے ہاتھ پر بندھی رسٹ واچ ہی وہ واحد ذریعہ تھی جو اسے گزرتے دنوں' وقت اور تاریخوں کی معلومات پہنچا سکتی تھی۔ وہ اپنے ذہن کی کثافتوں کو دور کرنے اور جوڑ پٹھوں کو استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ باہر کی دنیا کے بارے میں بے شمار خیال اس کے ذہن کو کچوکے لگا رہے تھے۔ "میڈم روبی کے ہوش میں آنے کے بعد کچھ نہ کچھ کارروائی تو ضرور ہوگی؟ قانون کے محافظوں کا کیا ردعمل ہوگا؟ اس کی اپنی منظر عام سے گمشدگی کو کن زاویوں سے دیکھا جا رہا ہوگا؟ پولیس نے ہوٹل کے منیجر رابرٹ کلارک سے بھی کچھ نہ کچھ پوچھ گچھ ضرور کی ہوگی؟ اس نے کیا بیان دیا ہوگا؟ اور اس کے دفتر کے عملے کے لوگ جو اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے بھی اس کے نام سے خوفزدہ رہتے تھے وہ اس کے بارے میں ضرور مختلف قیاس آرائیاں کر رہے ہوں گے؟ بگ باس نے انہیں مطمئن کرنے کی خاطر کوئی نہ کوئی تاثر اشارتاً سہی لیکن ضرور دیا ہوگا۔

اور بھی بے شمار سوالات تھے جو اس کے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ وہ ان کے مختلف جوابات سوچ سوچ کر کبھی اپنے دل کو تسلیاں دے لیتا...... کبھی اس کی تشویش اور دو چند ہو جاتی۔ اسے اپنی زندگی کی ایک موہوم سی امید اس لیے بھی تھی کہ شیخ حامد نے خود اپنی زبان سے کہا تھا۔

''ابھی تک تم بگ باس کی نظروں میں ایک کامیاب کارندے ہی ہو جب تک گڈ بکس میں ہو کوئی تمہارے اوپر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ جس دن نظروں سے گر گئے...... وہ دن تمہاری زندگی کا آخری اور اذیت ناک دن ثابت ہوگا۔ کچھ دن ادھر سکون سے رہو۔''

افضل خان کے منتشر ذہن میں اور بھی بہت ساری سرد و گرم باتیں ابھر رہی تھیں۔ جب پستہ قد والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا پھر اس نے دروازہ سے بند کرنے میں بھی بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ہاتھ میں موجود ٹرے میں کچھ تازہ پھل اور جوس کا گلاس بھی نظر آ رہا تھا۔ افضل ہونٹ چباتے ہوئے آرام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ آنے والا ٹرے اس کے سامنے میز پر رکھ کر جانے کے ارادے سے پلٹا تو افضل خان نے اسے مخاطب کیا۔

''آج پورے تین دن گزر گئے لیکن بگ باس......''

پستہ قد والا انتہائی سکون سے پلٹا۔ اس نے بڑے خشک اور معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

''بگ باس نے تمہیں یہاں سکون سے رہنے کو کہا تھا؟ کیا تم اس ہدایت کو بھول گئے؟''

''نہیں' لیکن کچھ باتیں ہیں جو میرے ذہن کو الجھا رہی ہیں۔'' افضل خان نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''جب بگ باس یا اس کا کوئی نمائندہ آئے تو اسی سے پوچھنا۔'' اس بار بھی سنجیدگی سے جواب ملا۔ ''میرا کام صرف تمہارے لئے دانہ پانی لانا ہے۔ اس کے علاوہ کسی بات کی اجازت نہیں......''

''کیا یہاں وقت گزارنے کیلئے ٹیلی ویژن کا بندوبست......''

''ممکن نہیں۔'' سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی دوٹوک انداز میں کہا گیا۔ ''میرا ایک ذاتی مشورہ بھی ہے کسی مرض سے پہلے بھلی چنگی زندگی کو غنیمت جانو۔ شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کیا کرو' بلاوا کسی وقت بھی آ سکتا ہے اور تیسری اور آخری بات...... موت سے پہلے جو سانسیں باقی رہ گئی ہیں انہیں غنیمت ہی جانو۔''

افضل خان تلملا کر رہ گیا۔ پستہ قد والے کے جانے کے بعد اس نے مجبوراً تازہ پھل کے دو چار کٹے ہوئے پیس منہ میں ڈالے پھر جوس کا گلاس اٹھا کر اسے ایک گھونٹ ہی میں ڈکار گیا۔ پستہ قد والے کے آخری تینوں جملے اس کے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ وہ افضل خان کیلئے تضحیک سے کم نہیں تھے' لیکن اسے زہر کے گھونٹ حلق سے نیچے اتارنے کی مجبوری کا احساس بھی تھا۔ اس کو افضل خان کی خدمت یا نگرانی پر مامور کیا ہوگا تو کچھ اختیارات بھی ضرور دیے گئے ہوں گے۔ حالات کی نزاکت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ صبر کا مظاہرہ کرتا۔

اسی شام خود شیخ حامد بھی آ گیا' اس کا چہرہ کسی تاثر کی عکاسی نہیں کر رہا تھا لیکن سنجیدگی اور آنکھوں کی سرخی اس بات کا اظہار ضرور کر رہی تھی کہ وہ اندر سے کچھ الجھا ہوا تھا۔ چند رسمی جملوں کے بعد اس نے افضل خان کو مخاطب کیا۔

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟''

"مجھے ہر قسم کے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے کا آرام ہے لیکن......"

"اس سے زیادہ کی حالات اجازت بھی نہیں دیتے۔" بگ باس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "ہوسکتا ہے کہ تمہیں انہی حالات کو دو تین دن اور برداشت کرنا پڑے اس کے بعد تمہیں اغوا کرنے والوں کی طرف سے رہائی بھی مل سکتی ہے لیکن آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر تاکہ تم اس بات کی نشاندہی نہ کرسکو کہ تم کو شہر کے کس علاقے میں اور کہاں رکھا گیا تھا۔"

"سمجھ گیا بگ باس......" افضل خان نے دماغ حاضر رکھ کر سلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "یہی طریقہ مناسب بھی ہوگا۔"

"پولیس کو اغوا کی سنسنی خیز داستان سنانے کے بعد......تم کسی بھی ہوٹل میں ایک دو دن قیام کرو گے۔ اس کے بعد تمہارے لیے کسی نئے اور مناسب اپارٹمنٹ کا بندوبست بھی کر دیا جائے گا۔"

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا' تو شیخ حامد نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"تمہیں اغوا کرنے سے پہلے تمہارے اپارٹمنٹ کو کھنڈر بنانے کی خاطر ان تین نقاب پوشوں نے وہاں کی ہر قیمتی اور قابل استعمال چیز کو بڑی بے دردی سے توڑ پھوڑ کر تمہیں اپنی طاقت کا تماشا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کہاں لے جایا گیا اس کے بارے میں تمہیں کسی قسم کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں باس۔" افضل خان نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔ "میڈم روبی نے کس ردعمل......"

"اس نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ پولیس نے کوئی کیس بنانے کی حماقت نہیں کی۔ ڈی ایس پی سراج نے جو کچھ کیا میں اسے عقلمندی ہی کہوں گا لیکن ابھی یہ طے کرنا باقی ہے کہ اس کی وفاداری میں کھرے اور کھوٹے کی مقدار کیا ہے؟" شیخ حامد نے زہریلے انداز میں کہا پھر کچھ توقف سے بولا۔ "تمہارے لیے ایک اطلاع اور بھی ہے۔ راحیلہ اپنے شوہر سیٹھ عثمان کے ساتھ واپس آ گئی ہے۔" راحیلہ کے نام پر زور دیتے ہوئے شیخ حامد نے افضل خان کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"مجھے یاد ہے سر!" افضل خان نے دل پر جبر کر کے گرم جوشی سے جواب دیا۔ "صرف آپ کے اشارے کی دیر ہوگی اور میں میڈم کو بھی......"

"نہیں۔" شیخ حامد نے غرا کر تحکمانہ انداز اختیار کیا۔

"میرے اشارے کے بغیر کسی ہیرو بننے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا اور......" اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کسی سے بھی غیر ضروری سوالات کے سلسلے میں آئندہ محتاط ہی رہنا۔"

پھر شیخ حامد تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے پستہ قد والا بھی تھا۔ افضل خان کو بگ باس کے آخری جملوں کی روشنی میں یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کی پشت پر اسی مضبوط جسم کے مالک پستہ قد والے کی کارفرمائی شامل رہی ہوگی۔

افضل خان اپنی بے چارگی پر اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ اس کے سوا اس کے اختیار میں اور تھا ہی کیا؟ پھر اسی رات پستہ قد والا رات کا کھانا لے کر آیا تو اس کے چہرے پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ افضل خان دل پر جبر کر کے کھانے کی جانب متوجہ ہوا تو پستہ قد والے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''کس وقت' کہاں کیا ہو رہا ہے' اس کی بھنک اپنے بگ باس کو کسی نہ کسی طرح ضرور مل جاتی ہے۔''

''تم......'' افضل خان جھلا گیا۔ ''کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''اپنے بگ باس کی طوطی پورے ملک میں بول رہی ہے۔ جاتے جاتے وہ تمہارے لیے ایک پیغام اور دے گیا ہے۔'' پستہ قد والے نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ ''کل چیف منسٹر نے پولیس کے محکمے کے سارے سورماؤں اور تیس مار خانوں کو طلب کیا ہے۔ اس میں جو بھی چھان پھٹک ہوگی' اس کی روشنی میں ہی تمہارے بارے میں بھی کسی آزادی کے پروانے کا انحصار ہوگا۔''

پستہ قد والا اپنا جملہ مکمل کر کے مسکراتے ہوئے الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ افضل خان ایک بار پھر تلملا کر رہ گیا۔ نیا پیغام اس کیلئے کوئی بلائنڈ چال ہی تھی جس میں جیت کے ساتھ ساتھ ہار کے امکان بھی تھے۔

✣✣✣

رات کا کھانا بستی کے درمیانہ درجے کے ہوٹل میں کھانے کے بعد وہ باہر نکلے تو گل خان نے لیاقت حسین سے کہا۔

''تم چلو۔ میں ایک چینک اور دو پیالیاں لے کر آتا ہوں۔ کڑک چائے کے بغیر طبیعت سیر نہیں ہوگی۔''

لیاقت حسین کو بھی اس وقت چائے کی خواہش ہو رہی تھی اس لیے اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر سیدھا گھر آ گیا۔ فرحین کے بغیر اس کی راتیں چین سے نہیں گزر رہی تھیں۔ فرحین کے علاوہ اسے ماں باپ کی یاد بھی تنہائی میں ستاتی تو وہ مضطرب ہو جاتا۔ وہ ماں کا احسان مند تھا جس نے فرحین کے حق میں اپنی مرضی کا اظہار کر کے اس کا دل رکھ لیا تھا۔ اس کی دعائیں تھیں جو وہ پھل پھول رہا تھا لیکن اسے باپ سے بھی کوئی شکوہ نہیں تھا۔ لیاقت حسین روز اول سے اس بات سے واقف تھا کہ سرفراز خان جس کے ساتھ سردار بھی لکھا جاتا تھا' سخت اور ٹھوس اصولوں کا مالک تھا۔ وہ اپنی بات منوانے کا عادی تھا' دوسروں کی مرضی پر اپنی مرضی کو پس پشت ڈالنا اس کی عادت کیخلاف تھا۔ لیاقت حسین کے ساتھ بھی شادی کے معاملے میں اس نے کوئی واویلا نہیں کیا' صرف اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ اگر وہ باپ کے مقابلے میں اپنی پسند کو ترجیح دینا چاہتا ہے تو اس کی طرف سے کھلی اجازت ہے لیکن نافرمانی کے جرم میں اس نے لیاقت حسین کے اوپر اپنی عالیشان حویلی کے دروازے بند کر دیئے تھے۔ بہرحال وہ اس کا باپ تھا۔ اس کی ماں کا سہاگ تھا جسے وہ کسی قیمت پر دل کے نہاں

خانوں سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ گل خان چائے لے کر آ گیا۔ دونوں کے درمیان پھر گفتگو کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ زرینہ کے جانے کے بعد گل خان بھی اپنا بیشتر وقت لیاقت حسین کے ساتھ گزارتا تھا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر گل خان نے پوچھا۔

''فرحین کے جانے کے بعد تو وہ پلید کا تخم پھر تمہیں نظر نہیں آیا؟''

''نہیں۔'' لیاقت حسین نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''مسجد کے امام صاحب نے آخری ملاقات میں یہی کہا تھا کہ انہوں نے گھر کے چاروں طرف اللہ کے نام کا حصار باندھ دیا ہے۔ کوئی گندی قوت اس حصار کو نہیں توڑ سکتی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ اس خبیث کے بچے سے نجات مل گیا۔''

''گل خان!'' لیاقت حسین نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ ''میرا دل بولتا ہے کہ اب فرحین کے آنے سے پہلے پہلے میں کسی دوسری جگہ گھر لے لوں۔ ادھر فرحین کو اس گندے عمل والے کافر کی وجہ سے سکون نہیں ملتا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' گل خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا۔ ''ہماری دوستی ہمیشہ قائم رہے گی' میں زرینہ کو ساتھ لے کر تم سے ملنے آیا کروں گا لیکن ایک بات میری بھی مان لو' جو مکان بھی لو اس کو پہلے اپنے امام صاحب سے بول کر خدا کے نام کا حصار بھی پکا کرا لینا۔''

''تم نے دل خوش کر دیا میرے یار۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تمہاری دوستی میرے آڑے آ جائے گی۔''

''ایسا بھی نہیں ہو گا لیاقت حسین۔'' گل خان نے ایک کپ ختم کرنے کے بعد اپنے اور لیاقت حسین کا خالی کپ دوبارہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''دل میں میل نہ ہو تو انسان سات سمندر دور رہ کر بھی دل کے قریب ہی رہتا ہے۔ فاصلے میری تیری محبت میں بھی حائل نہیں ہوں گے۔''

ایک بجے رات تک وہ جاگتے رہے' ہوٹل والا لڑکا آ کر کیتلی اور گلاس لے جا چکا تھا' پھر گل خان بھی اپنے گھر چلا گیا تو لیاقت چارپائی پر ٹانگیں پسار کر لیٹ گیا۔ والدین اور فرحین کی یادیں اس کو پھر ستانے لگیں' وہ ان سے دور ہونے کے باوجود دل ہی دل میں دنیا جہان کی میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا پھر نیند کی آغوش میں گم ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

دوبارہ اس کی نیند اس وقت خلل انداز ہوئی جب اس نے سراج کی آواز بہت واضح طور پر سنی تھی۔ ''لیاقت حسین' باہر آؤ۔'' سراج کسی خاص وجہ سے اسے باہر بلا رہا تھا۔ لیاقت حسین مشینی انداز میں اٹھا۔ دروازہ کھول کر باہر نکلا' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سراج اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ لیاقت حسین کو اٹھا دیکھ کر سڑک پر موجود اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔ لیاقت حسین نے دروازے کو باہر سے کنڈی لگائی پھر وہ بستی سے نکلنے والے راستے کی سمت دو قدم ہی اٹھا سکا تھا کہ سراج کی آواز سے قبرستان کی طرف سے آتی سنائی دی۔

اندھیرے کے سبب لیاقت حسین کو سراج نظر نہیں آیا لیکن وہ آواز کی سمت کا تعین کر کے

قبرستان کے اندر کی جانب رات گئے کوئی اہم ضرورت ہی اس کے دروازے تک کھینچ لائی تھی۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھتا رہا۔ دس پندرہ قدم چلنے کے بعد اس نے مدھم آواز میں سراج کو مخاطب کیا۔

''صاحب آپ کدھر ہیں......؟''

''ناک کی سیدھ میں چلے آؤ۔'' لیاقت حسین پھر چل پڑا لیکن جب وہ اس قبر کے قریب پہنچا جہاں سے اس نے گندے عمل والا لیموں نکالا تھا تو اچانک ایک کتبے کی آڑ سے جو آدمی اٹھ کر سامنے آیا اسے دیکھ کر ایک لمحے کو لیاقت حسین بھی ششدر رہ گیا۔

وہ ایک دراز قد کالا بھجنگ شخص تھا جس کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی نظر آ رہی تھی۔ ماتھے پر چندن کی آڑی ترچھی لکیریں بھی نظر آ رہی تھیں۔ سرانڈے کے چھلکے کی طرح گھٹا ہوا تھا' سب سے نمایاں اس کی سرخ سرخ آنکھوں کی پتلیاں تھیں جو آنکھوں کے حلقوں کے درمیان دہکتے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے گلے میں رنگ دانوں والی مالائیں پہن رکھی تھیں۔

کسی خطرے کا احساس ذہن میں ابھرتے ہی لیاقت حسین نے اپنے پستول کو پھرتی سے نیفے سے باہر نکال لیا۔ دبنگ آواز میں سامنے والے کو للکارا۔ ''کون ہے تم...... پلیت انسان۔''

''دھیان سے دیکھ مورکھ۔ میں وہی پرتاب بھوش ہوں جس کے ایک عمل کو تو نے درمیان میں آ کر کھوٹا کر دیا تھا'' جواب میں کھنکتی ہوئی حقارت بھری آواز ابھری۔ ''تو نے اپنے گھر کے چاروں اور ریکھائیں کھنچوا دی ہیں لیکن دیکھ لے مورکھ میری مہان شکتی تجھے مکھن کے بال کے انوسار کھینچ کر بستر سے باہر نکال لائی۔ اب دھرتی کی کوئی شکتی تجھے کالی کے پجاری کے کشٹ سے مکتی نہیں دلا سکتی...... جے بھوانی' الکھ نرجن' اس نے جملہ ختم کر کے نعرے لگائے۔

''اچھا ہوا تجھے تیری موت میرے سامنے گھسیٹ لائی۔'' لیاقت حسین نے پستول اس کی سمت کر کے ٹریگر دبا دیا۔ ''ٹچ......'' فائر کی مدھم آواز سنائی دی' اس کے ساتھ ہی لیاقت حسین پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' زندگی میں اسے پہلی بار کسی خوف کا احساس ہوا' اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولی گندا عمل کرنے والے منحوس کے پیٹ میں سوراخ کر کے آر پار ہو گئی تھی لیکن وہ اسی طرح کھڑا رہا' البتہ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی کوندنے لگیں۔ اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے نہ جانے کیا منتر پڑھ کر ہاتھوں کو لیاقت کی سمت کر کے غصے سے جھٹکا تو لیاقت حسین کو ایک لمحے کو ایسا لگا جیسے اس کا پورا وجود شل ہو کر رہ گیا ہو۔ اس نے دوسرا فائر کرنے کی خاطر ٹریگر کو دبانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہو سکا۔ کسی ماورائی قوت نے اس کے پورے جسم کو جیسے پتھر کا بنا دیا ہو۔ پستول اس کے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پر گر پڑا۔ لیاقت حسین اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ وہ دیکھ سکتا تھا' سن سکتا تھا لیکن اس کی زبان کچھ بولنے سے قاصر تھی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی۔

''اب سانپ کیوں سونگھ گیا تجھے؟'' چمار ذات پرتاب بھوش کی منحوس و مکروہ آواز لیاقت حسین

کے کانوں میں گونجی۔ ''تو کالی کے مہمان سیوک کو نشٹ کرنے کے سپنے دیکھ رہا تھا مورکھ...... پرنتو اب میں تجھے ایسا شراپ دوں گا جسے تو سارا جیون بھوگتا رہے گا۔ تیری آتما بھی کبھی شانت نہ ہو سکے گی تو بھکاریوں کے انوسار دھرتی پر رلتا پھرے گا لیکن کوئی تجھے شرف نہیں دے گا۔''

پرتاب بھوش اپنی جگہ کھڑا اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ اسے موت سے بدتر زندگی کا پیغام سنا رہا تھا' لیکن لیاقت حسین اپنی جگہ سے جنبش کرنے کے قابل نہیں تھا۔ پرتاب بھوش نے اپنی بات ختم کرتے ہی گلے سے ایک رنگ برنگی مالا اتار لی۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ بدبدانے لگے۔ وہ کسی منتر کا جاپ پڑھ رہا تھا۔ اس کی شعلہ بار نظریں جس کی پلکوں نے جھپکنا بند کر دیا تھا۔ لیاقت حسین کو قہر آلود انداز میں گھور رہی تھیں۔ ان میں شعلوں کا بھڑکتا رقص جاری تھا۔ لیاقت حسین اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ طاغوتی قوتوں نے اسے کسی جوابی کارروائی سے یکسر محروم کر دیا تھا۔ پرتاب بھوش نے اپنا منتر پڑھ کر مالا پر پھونکا پھر اسے لیاقت حسین کی طرف اچھال دیا۔ ایک ثانیے کیلئے موت کا بھیانک تصور لیاقت حسین کے ذہن میں ابھرا لیکن دوسرے ہی پل اس نے مالا کو فضا میں کسی نادیدہ شے سے ٹکرا کر نیچے گرتے دیکھا۔ پرتاب بھوش حیرت سے اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر بادل کے اس سفید ٹکڑے کو دیکھا جو لیاقت حسین کے سر پر معلق نظر آ رہا تھا۔ پرتاب بھوش ہونٹ چبانے لگا پھر اس نے قہر آلود نظروں سے لیاقت حسین کو گھورتے ہوئے تلملا کر کہا۔

''میں نے جیون میں کبھی ہار نہیں مانی لیکن...... ابھی کوئی مہا پرش تیرے اوپر مہربان ہے۔ پرنتو میری نظریں دیکھ رہی ہیں کہ تیرے بھوش میں کیا لکھا ہے۔ جو شکتی آج تیرے اوپر مہربان ہے وہ کل نہیں ہوگی۔ سمے سمے کی بات ہے' آج بازی تیرے ہاتھ ہے کل جیون کے کسی موڑ پر تیرے پگ اوش سنسار کی سندرتا میں کہیں نہ کہیں رپٹ جائیں گے پھر بازی میرے ہاتھ ہوگی......'' پرتاب بھوش نے بل کھاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''چاہے تیرے کارن مجھے دس جنم لینے پڑیں' میں تیرا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ میری بات یاد رکھنا' وہ گھڑی کب آئے گی ابھی میں نہیں بتا سکتا لیکن کالی کبھی اپنے مہمان سیوک کو نراش نہیں کرتی۔ دیر سویر کی اور بات ہے' پروجے میری ہی ہوگی' میرے کہے کو گانٹھ مار لے۔ میں جو چتاونی اج دے رہا ہوں اسے کل پورا بھی میں ہی کروں گا۔''

پرتاب بھوش اپنی ناکامی کے احساس سے کسی زخمی ناگ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو لیاقت حسین کو اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بندشیں جنہوں نے اسے جکڑ رکھا تھا ٹوٹ چکی ہیں...... اس کے اندر جو طوفان تھم گیا تھا وہ دوبارہ جاگ اٹھا۔ اس نے لپک کر اس مکروہ شخص کو پوری قوت سے دبوچ لیا مگر پھر جو کچھ ہوا وہ بھی اس کیلئے کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ پرتاب بھوش اس کے شکنجوں میں بس ایک پل کو کسمسایا تھا پھر اس کا بدبودار وجود جیسے ہوا میں تحلیل ہو کر لیاقت حسین کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اسی لمحے لیاقت حسین اس طرح چونکا جیسے وہ کوئی خواب دیکھتے دیکھتے بیدار ہو گیا ہو۔ اس نے خود کو مکان کے اندر چارپائی کے بجائے قبرستان میں کھڑے دیکھا تو بڑی سنجیدگی

سے سوچنے لگا کہ وہ اندر سے باہر کس طرح آ گیا؟ بس دو تین لمحے وہ اسی الجھن میں گرفتار رہا پھر دوبارہ خواب بیداری کی کیفیت سے دوچار ہو کر گھر کی جانب آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگا۔ دروازے کی کنڈی بھی اس نے مشینی انداز میں ہاتھ بڑھا کر کھولی۔ گھر کے اندر داخل ہو کر دروازے کو دوبارہ بند کیا اور اندر اپنے کمرے میں جا کر خاموشی سے چارپائی پر لیٹ کر اس طرح آنکھیں موند لیں جیسے کوئی غیبی یا پراسرار قوت اسے گائیڈ کر رہی تھی۔

✣✣✣

چیف منسٹر آفس کے کانفرنس روم میں اس وقت پولیس کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے ایس پی سے لے کر اوپر تک سارے افسران موجود تھے۔ صرف دو ڈی ایس پیز کو مدعو کیا گیا تھا۔ ایک سراج اور دوسرا لودھی جو شیخ حامد کے علاقے کا ڈی ایس پی ہونے کے علاوہ اس کا خاص آدمی بھی تھا۔ شیخ حامد ہی کی وجہ سے وہ کئی سینئر افسروں کا حق مار کر اس عہدے تک پہنچا تھا۔ اوپر سے لے کر نیچے تک سب ہی کو علم تھا کہ یہ طلبی کیوں ہوئی تھی۔ سوائے ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد کے' سب ہی متفکر نظر آ رہے تھے۔

چیف منسٹر اپنے چیمبر سے نکل کر کانفرنس روم میں داخل ہوا تو سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے' جو کانا پھوسی ہو رہی تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ چند لمحے کانفرنس روم میں خاموشی طاری رہی پھر چیف منسٹر نے لا اینڈ آرڈر اور شہر میں جرائم کے موضوع پر مختصراً روشنی ڈالی ان اعداد و شمار کے مطابق جو اسے انفارمیشن سیکرٹری نے فراہم کیے تھے اس پر سرسری تبادلہ خیال کیا پھر ایک گھونٹ پانی حلق سے نیچے اتارنے کے بعد اس نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

''پچھلے دنوں دہشت گردوں نے جو افراتفری پھیلائی ہوئی ہے اس نے عام شہریوں کے سکون پر بھی سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ پانچ اشتہاری مجرموں' جن کے سر کی مختلف قیمتیں مقرر تھیں۔ ان کی لاشوں کا صبح اندھیرے ہی شہر کی معروف ترین شاہراہ پر پایا جانا ہم سب کیلئے ایک بڑا چیلنج ہے۔ متعلقہ تھانے کے افراد ابھی تک مجرموں کی نشاندہی کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں جو یقیناً نااہلی کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ شہر کے معروف بزنس مین شیخ حامد کے بزنس منیجر کا اغوا بھی ایک معمہ بن کر رہ گیا ہے۔ اغوا کرنے والوں نے مغوی کے اپارٹمنٹ کا حلیہ جس انداز میں بگاڑا آپ کو اس کی تفصیل بھی بخوبی معلوم ہے لیکن چھتیس گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی ہماری کارکردگی صفر ہی رہی۔ اس کے علاوہ بھی اخبارات جن باتوں کی خصوصاً جرائم سے متعلق جو نشاندہی کرتے رہے ہیں' ہمارے پاس ان کا بھی کوئی معقول جواب نہیں ہے یہ صورتحال ہم سب کیلئے شرمناک ہے۔''

چیف منسٹر نے باری باری سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ ایک گھونٹ پانی کا اور حلق سے اتارنے کے بعد قدرے ٹھوس لہجے میں کہنا شروع کیا...... ''مرکزی حکومت سے جو جواب طلبی ہو رہی ہے' اسمبلی میں جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں ہمارے پاس ان کا جواب ہے؟ کب تک ہم اور آپ بغلیں جھانکتے اور الٹی سیدھی تاویلیں پیش کرتے رہیں گے؟ حیرت اور افسوس کے علاوہ شرم کا مقام

ہے کہ ابھی تک پولیس کی جانب سے کوئی نمایاں پیش رفت نہیں ہوئی۔ پانچ لاشوں کی سرخیاں ختم نہ ہوسکیں کہ اخبارات کے ہاتھ شیخ حامد کے بزنس منیجر افضل خان کے اغوا کا موضوع آ گیا۔ اس کا جواب کون دے گا...... کیا اب مجھے اپنی کرسی چھوڑ کر آپ حضرات کی کرسیوں پر بیٹھ کر کام کرنا ہوگا؟"

کانفرنس میں سب ہی دم سادھے بیٹھے تلخ حقائق اور چیف منسٹر کے تیز وتند جملوں کو سن رہے تھے' متعلقہ افسروں نے اپنی اپنی نشستوں پر کسمسانا شروع کر دیا تھا لیکن ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد کسی ٹھہرے ہوئے طوفان کی طرح خاموش بیٹھا تھا' اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے تاثرات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

کانفرنس روم میں ایک منٹ تک سکوت طاری رہا پھر چیف منسٹر نے قدرے خشک انداز میں کہا۔

''پانچوں اشتہاری مجرموں کی فائل کس کے پاس ہے؟''

''لاشیں دستیاب ہونے کے دو روز بعد اسے میرے پاس روانہ کر دیا گیا تھا۔'' علم احمد نے متعلقہ فائل کا ایک فلیگ شدہ ورق کھولتے ہوئے کہا۔ ''مرنے والوں کے فنگر پرنٹس کے بارے میں جو رپورٹ آئی ہے وہ......''

''وہ اوپر والوں کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی مسٹر علیم احمد صاحب۔'' چیف منسٹر نے الجھ کر کہا۔ ''یہ بتائیں کہ وہ لوگ کون ہیں جو ابھی تک کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں؟ اور پولیس کی نظروں سے یا تو دور ہیں یا انہیں جان بوجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے؟''

''میں آپ کی دوسری بات سے اتفاق کروں گا۔'' علیم احمد نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا......؟''

''فنگر پرنٹس کی رپورٹس اس بات کا ٹھوس ثبوت پیش کرتی نظر آ رہی ہیں کہ مرنے والوں کا کیس جب بھی زیر تفتیش آیا پولیس کی طرف سے اس کی مکمل چھان بین کرنے سے پیشتر ہی اوپر سے احکامات آ گئے اور انویسٹی گیشن آفیسرز کو مجبوراً وہ فائل سرد خانے کے حوالے کرنی پڑیں۔''

''اور اب وہ اصل مجرم آسمان سے گر کر زمین پر آ گئے؟'' چیف منسٹر نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں......'' علیم احمد نے دبی آواز مگر بے خوف لہجے میں جواب دیا۔ ''لاشوں کا اچانک منظر عام پر آنا کسی اور بات کی نشاندہی کرتا ہے۔''

''وہ بھی بتا دیں؟'' چیف منسٹر کا لب ولہجہ بدستور جارحانہ تھا جو اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اسے ڈی آئی جی کرائمز کا انداز گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔

''محترم میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کچھ بڑے لوگ ایسے ہیں جو غنڈہ عناصر اور دہشت گردوں کی نہ صرف پشت پناہی کرتے ہیں بلکہ ان کی پرورش بھی کرتے ہیں۔ جب تک وہ ان کے

کام آتے رہتے ہیں' قانون سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ جس دن ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے اس دن ان کی لاشوں کو منظر عام پر لا کر پولیس کی کارکردگی کو چیلنج کیا جاتا ہے۔"

افسروں کے درمیان چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

چیف منسٹر علیم احمد کو سخت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی اس قسم کی رپورٹیں میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں......" چیف منسٹر نے پہلو بدل کر کہا۔ "کسی ذمے داری کو اپنے سر سے ٹالنے کی خاطر اس قسم کی باتیں کرنا بڑا آسان ہے جناب لیکن اس سے کچھ اور بھی ظاہر ہوتا ہے۔"

علیم احمد چیف منسٹر کے آخری جملے پر تلملا اٹھا۔ بڑی سنجیدگی سے اس نے بلا جھجک دریافت کیا۔

"سر...... میں آپ کے آخری جملے کا واضح مطلب نہیں سمجھ سکا......؟"

"آپ کے ریٹائرمنٹ میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟" چیف منسٹر نے خشک انداز میں سوال کیا۔

"باقی ایک دن بھی نہیں رہا ہے جناب...... ایک سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

"میں آپ کی فائل دیکھ چکا ہوں' چیف منسٹر' علیم احمد کے جواب پر تلملا اٹھا۔ "آپ کو دو سال کا ایکسٹینشن مل گیا ہے۔"

"یہ بھی اوپر والوں کا حکم تھا سر...... میں نے اس کے لیے کوئی درخواست نہیں دی تھی۔" علیم احمد نے برجستہ کہا۔

"میں آج بھی عزت کے ساتھ گھر جانے کو تیار ہوں۔"

"آپ نے ابھی کہا تھا کہ اوپر والے یا صاحب اختیار لوگ اپنے ذاتی مقاصد کیلئے شرپسند عناصر کی پرورش کرتے ہیں۔" چیف منسٹر کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ اس کے جملے کی ساخت نے اکثر افسران کے ہونٹوں پر لطیف تبسم بکھیر دیا لیکن کچھ افسران زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ چیف منسٹر جن نظروں سے علیم احمد کو دیکھ رہا تھا اس میں تحقیر کا پہلو نمایاں تھے۔

"مجھے خوشی ہے جناب کہ میں نے اشتہاری مجرموں کی لاشوں کے سلسلے میں جو وضاحت کی تھی وہ آپ نے سمجھ لی۔"

علیم احمد نے چیف منسٹر کی سخت ریمارکس کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "مذکورہ فائل میرے پاس چار روز پہلے آئی ہے اور میں زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے میں اس کی تفصیلی رپورٹ اور اپنی ایماندارانہ فائنڈنگس آپ کو پیش کر دوں گا۔"

چیف منسٹر کو علیم احمد کا یہ جواب پسند نہیں ایا۔ اس نے بیزاری سے اپنے شانوں کو ہلا کر باقی افسران کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ اسے مجبوراً اوپر کے احکامات کی وجہ سے علیم کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ پھر اس نے باقی افسران پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ لاشیں کس کے علاقے میں پائی گئی

تھیں؟"

"سر......" ایس پی آغا منظور نے اپنا مائیک آن کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔ "جس روز لاشیں ملی تھیں میں نے اسی دن سے پوری جدوجہد شروع کر دی تھی لیکن پھر اوپر سے آرڈر آ گئے کہ فی الحال تفتیش روک دی جائے۔ بعدازاں وہ فائل ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد صاحب کو اوپر کے حکم کے مطابق بھیج دی گئی تھی۔"

"کچھ نہ کچھ چھان بین تو آپ نے بھی کی ہوگی۔" چیف منسٹر نے سوال کیا۔

"جی ہاں...... میں نے ایک دو باتوں کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ لیکن اس کی رپورٹ میں آپ کو میٹنگ ختم ہونے کے بعد آپ کے چیمبر میں دے دوں گا۔"

علیم احمد نے معنی خیز نظروں سے متعلقہ ایس پی کو دیکھا لیکن صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے اس انداز کو سامنے بیٹھے افسران نے خاص طور پر محسوس کیا تھا۔ وہ سب ہی علیم احمد کی ایمانداری اور صاف گوئی کے معترف تھے۔

"افضل خان کے اغوا کی تفتیش کا کیا بنا؟" چیف منسٹر نے آغا منظور کی طرف سے نظریں ہٹا کر سوال کیا۔

"وہ...... میں ڈیل کر رہا ہوں جناب۔" سراج نے مائیک آن کر کے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "شیخ حامد ہمارے شہر ہی کے نہیں بلکہ پورے ملک کے سرفہرست بزنس مین اور صنعت کار شمار کیے جاتے ہیں۔ میں ابھی تک تو ان سے ذاتی طور پر نہیں ملا لیکن اب مسٹر افضل خان کے پراسرار اغوا کے سلسلے میں ان سے ایک ملاقات ضروری ہے۔ اس کے بعد اپنی رپورٹ مکمل کرنے میں مجھے زیادہ آسانی ہوگی۔"

"کوئی خاص کلیو ملا ہے آپ کو؟"

"جی ہاں...... لیکن تفتیش اور رپورٹ مکمل کرنے سے پیشتر میں اس ضمن میں کچھ کہنا قبل ازوقت سمجھتا ہوں لیکن سب اشارے بہت واضح ہیں سر...... میرے پوائنٹ آف ویو سے مسٹر افضل خان کو اغوا کرنے میں کسی ایسی شخصیت کا ہاتھ ضرور شامل ہے جو کسی وجہ سے محترم شیخ حامد کو یا تو کوئی مخصوص نقصان پہنچانا چاہتا ہے یا پھر مغوی پر جبروتشدد کر کے کوئی ایسا بزنس سیکرٹ اگلوانے کی کوشش کرے گا جو اس کے لئے مفید اور شیخ حامد صاحب کیلئے نقصان کا باعث بنے۔"

ڈی آئی جی کرائمز کے علاوہ ایس پی آغا منظور نے بھی چونک کر سراج کی طرف دیکھا۔

"مجھے اپنے ذرائع سے ایک اہم اطلاع اور بھی ملی ہے۔" چیف منسٹر نے کسمسا کر کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ ہمارے ملک کے ایک اور بڑے صنعت کار اور بزنس مین سیٹھ عثمان کے کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں سر...... آپ کو جو اطلاع ملی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں لیکن ایک کھرے پولیس آفیسر کیلئے اس کی وردی اور اس کے فرائض ذاتی دوستوں یا کلاس فیلو اور بلڈ ریلیشن سے زیادہ

اہم ہوتی ہے۔''

''گڈ......'' چیف منسٹر نے کہا پھر کسمسا کر بولا۔''اگر میں کہیں فائل آپ کے بجائے کسی اور کے حوالے کردوں......تو؟''

''یہ فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے سر۔ میں انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر کیس فائل کسی اور......'' علیم احمد نے بولنا چاہا۔

''سوری مسٹر علیم......'' چیف منسٹر نے ڈی آئی جی کرائمز کا جملہ مکمل ہونے سے پیشتر کہا۔''میں نے آپ سے رائے نہیں مانگی۔''

علیم احمد اپنی کرسی پر پہلو بدل کر رہ گئے۔ اسی لمحے چیف منسٹر چیمبر سے ان کی پرسنل سیکرٹری نے باہر آ کر سرخ رنگ کی ایک فائل چیف منسٹر کے سامنے رکھی پھر الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ چیف منسٹر نے فائل کھول کر ایک نظر ڈالی پھر اسے ایک طرف رکھتے ہوئے دوبارہ سراج سے مخاطب ہوا۔

''مسٹر سراج۔ میں فی الحال ایک ہفتے کا موقع آپ کو دے رہا ہوں۔ آپ نے کہا تھا کہ کسی دشمن نے شیخ حامد کو پریشان کرنے کی خاطر اس کے بزنس منیجر کو اغوا کیا ہے؟''

''یس سر...... میں نے صرف ایک خیال ظاہر کیا تھا......'' سراج نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''دوسرا امکان اغوا برائے تاوان کا بھی ہوسکتا ہے......مگر چھتیس گھنٹے گزر جانے کے بعد یہ امکان زیادہ اہم نظر نہیں آتا۔''

''کوئی وجہ......؟''

''ظاہر ہے سر......'' سراج نے جواب دیا۔''اگر بات اغوا برائے تاوان کی ہوتی تو مسٹر شیخ حامد سے اب تک اس کا مطالبہ کیا جاچکا ہوتا۔''

''ہوسکتا ہے کہ کیا جاچکا ہو اور آپ کو اس کا علم نہ ہوسکا ہو...... یا آپ کو انفارم کرنا کسی وجہ سے ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔'' ایس پی اینٹی کرپشن نے پہلی بار زبان کھولی۔

''میں نے صرف اپنے خیال کا اظہار کیا تھا سر۔'' سراج نے برجستہ جواب دیا۔''اندرونی حقائق اگر متعلقہ تفتیشی افسران کے علم میں نہ لائے جائیں تو پھر......وہ کیا کرسکتا ہے۔''

خاصی دیر افضل خان کے اغوا اس کے اپارٹمنٹ میں ہونے والی سنگین نوعیت کی توڑ پھوڑ اور پانچ اشتہاری مجرموں کی لاشوں کے بارے میں مختلف افسران اپنا اپنا خیال ظاہر کرتے رہے پھر چیف منسٹر نے دوبارہ علیم احمد کو مخاطب کیا۔

''آپ ان لاشوں کے بارے میں اپنی فائنڈنگس جلد از جلد مکمل کر کے مجھے براہ راست بھجوا دیں۔''

''ایز یو وش سر......'' علیم احمد نے خشک انداز میں جواب دیا پھر ہاتھ بڑھا کر اپنا مائیک آف کر دیا۔ چیف منسٹر کے علاوہ دوسرے سامنے بیٹھے افسران نے بھی علیم احمد کے بگڑے ہوئے تیور محسوس کر لیے تھے لیکن کسی نے اس ضمن میں کچھ نہیں کہا۔

کانفرنس ختم ہونے کے بعد دوسرے کمرے میں لائٹ ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ علیم احمد نے اس میں بھی شرکت نہ کر کے کھلے لفظوں میں اس بات کا خاموش اظہار کر دیا تھا وہ کسی کے دباؤ میں آ کر کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔

❖❖❖

شیخ حامد کو جیسے ہی وزیر اعلیٰ کی پولیس کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ اپنے مخصوص موبائل پر موصول ہوئی وہ اٹھ کر اپنے وسیع و عریض پرسنل آفس میں ٹہلنے لگا۔ وہ خاص طور پر ڈی ایس پی سراج کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ کانفرنس کے دوران میں سراج نے جس طرح ایک دبنگ آفیسر کی طرح کھل کر دوٹوک باتیں کی تھیں اس کیلئے کئی مختلف پہلو اس وقت شیخ حامد کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ اس نے گزشتہ دنوں سراج کی فون کال ریسیو کرنے کے بعد گفتگو کے دوران میں اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اگر اشتہاری مجرموں کی لاشوں کے سلسلے میں پولیس والوں میں کوئی اکھاڑ پچھاڑ ہوئی بھی تو سراج کے تبادلے کی نوبت نہیں آئے گی۔ شاید اس پہلو کے پیش نظر سراج نے وزیر اعلیٰ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کی تھی۔ دوسرا پہلو یہ بھی اس کے حق میں جاتا تھا کہ اس نے میڈم روبی کو بھی بہ حفاظت رازداری سے اس کے گھر پہنچانے کے علاوہ افضل خان کے نام کو بھی منظر عام پر نہیں آنے دیا تھا حالانکہ وہ اس معاملے کی آڑ میں ڈھکے چھپے لفظوں میں بھی شیخ حامد کے خلاف تھوڑا بہت زہر تو اگل سکتا تھا۔ ہوٹل کے منیجر نے علاقے کے انسپکٹر کو جو بیان رجسٹر میں اندراج' روم بکنگ کی روشنی میں دیا تھا اسے بھی ہوا دی جاسکتی تھی اور افضل خان کے منظر عام سے غائب ہوجانے کے اہم مسئلے کو بھی اس نے پولیس کے تمام سینئر آفیسر کی موجودگی میں شیخ حامد سے کسی کی دشمنی کا شاخسانہ قرار دیا تھا۔

انہی زاویوں کی روشنی میں اس نے بروقت وزیر اعلیٰ کی پرسنل سیکرٹری کو فون کر کے یہ تجویز ایک فائل میں رکھ کر کانفرنس روم تک پہنچوادی تھی کہ سراج کی جگہ فی الحال کسی اور کو انکوائری آفیسر نہ مقرر کیا جائے۔ یہ مثبت پہلو تھے جو سراج کے حق میں جاتے تھے' لیکن شیخ حامد منفی پہلوؤں کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک نکتہ یہ بھی رہ رہ کر خطرے کی سرخ بتی کی طرح اسپارک کر رہا تھا کہ ممکن ہے کہ محض شیخ حامد پر اپنی وفاداری ظاہر کرنے کی خاطر سراج نے مصلحتاً زبان نہ کھولی ہو لیکن در پردہ وہ سیٹھ عثمان کو اپنی ان چالبازیوں سے کوئی فائدہ پہنچانا چاہتا ہو......؟

وہ خاصی دیر تک نہایت باریک بینی سے ایک ایک نکتے پر غور کرتا رہا پھر اس نے ایک دوسرا موبائل نکالا' اس میں ان رجسٹرڈ سم پڑی تھی جس کو ٹریس نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر اس نے جوتوں سمیت دونوں ٹانگیں میز کے ایک کونے پر ٹکائیں پھر کسی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت کسی لومڑی جیسی چالاکی چھلک رہی تھی۔ ایک منٹ بعد ہی موبائل پر ایک بھرائی ہوئی۔

آواز ابھری۔

''کون ہے؟''
''بی بی ایس اے۔'' شیخ حامد نے اپنی مخصوص شناخت کرائی۔
''بی ٹی فور' آن دی لائن سر......'' دوسری جانب سے بھی کوڈورڈ میں جواب ملا۔
''تمہیں ایک اہم ذمے داری سونپ رہا ہوں لیکن کسی قسم کی غفلت کا مظاہرہ نہ کرنا......''
''بلیک ٹائیگر جانتا ہے بگ باس کہ غفلت کرنے والوں کی پہلی ہی سزا آخری ثابت ہوتی ہے۔''
''گڈ...... مجھے تمہارا جملہ پسند آیا۔''
''میں حکم کا منتظر ہوں بگ باس۔'' اس بار بھی سعادت مندی کا اظہار کیا گیا۔
''سراج کی ایک ایک نقل وحرکت پر نظر رکھو۔'' شیخ حامد نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈے اینڈ نائٹ ڈاگ واچ۔ مجھے دو روز بعد تمہاری رپورٹ درکار ہوگی۔ وہ کہاں جاتا ہے؟ کس سے ملتا ہے؟ گھر کے اندر یا باہر کتنا وقت گزارتا ہے؟ اس کے چہرے کے تاثرات کیا ہوتے ہیں؟ مجھے ایک بات کی تفصیلی رپورٹ درکار ہوگی۔''
رائٹ باس......'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''جسے انڈر گراؤنڈ کیا گیا ہے اس کی نگرانی کسے سونپی جائے؟''
تم میری طرف سے نمبر تھری کو فون کر کے ضروری ہدایت کر دو...... ویسے میرا خیال ہے کہ اب وہ زیادہ بے چینی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''
''اور کوئی حکم......؟''
''نمبر تھری کو ڈیوٹی سونپنے سے پیشتر اگر مناسب سمجھو تو...... اندر والے کو یہ خوشخبری دے دو کہ اب اس کی قید کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں...... ہو سکتا ہے کہ دو روز بعد ہی اسے کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع میسر آجائے۔''
''او کے باس۔''
شیخ حامد نے موبائل بند کرنے کے بعد ایک لمحے کو کچھ غور کیا پھر اپنے آفس کے ریگولر فون کا ریسیور اٹھا کر سیٹھ عثمان کے نمبر گھمانے لگا۔ رابطہ قائم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔
''ہیلو مائی ڈیئر عثمان......'' شیخ حامد نے چہکتے ہوئے دوستانہ انداز میں گفتگو شروع کی۔ ''ٹور کیسا رہا؟''
''ونڈرفل......'' دوسری جانب سے سیٹھ عثمان کی آواز ابھری' آپ کیسے ہیں' کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''
''سب کچھ ونڈرفل ہے۔'' شیخ حامد نے کہا۔ ''آج شام کا کیا پروگرام ہے؟''
''ایز یوژول...... چھ بجے دفتر سے اٹھ کر سیدھا گھر ہی جاؤں گا۔''
''بھابی نے خوب انجوائے کیا یا نہیں؟'' شیخ حامد نے اپنائیت سے دریافت کیا۔

''اس کا بس چلے تو سال میں کم از کم مجھے دو مرتبہ اسے لے کر باہر جانا پڑے۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔''بیرون ملک جا کر وہ ہمیشہ بہت انجوائے کرتی ہے۔''

''ہونا بھی چاہئے......'' ادھر بیٹھ کر بھابی کو دن بھر تمہارے انتظار کے سوا اور کیا کام رہ جاتا ہے۔''

''کیسے فون کیا......؟''

''آج ڈنر پر میں نے تمہیں اور بھابی کو بلانے کا ارادہ کیا ہے۔'' شیخ حامد نے کہا۔''پلیز......تم کوئی بہانہ نہیں کرو گے ورنہ مجھے براہ راست بھابی کو فون کرنا پڑے گا۔''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' سیٹھ عثمان نے اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے پوچھا۔''بڑے لوگوں کے ڈنر کا وقت بھی بتا دو؟''

''ٹھیک نو بجے......'' شیخ حامد نے جواب دیا۔''میں اب کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا اور...... ایک بات اور سن لو' جلدی بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''او کے۔''

''بائی......'' شیخ حامد نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ وہ اپنے ذہن میں کسی خاص منصوبے کو ترتیب دے رہا تھا۔

+++

ایمرٹس ایئر لائن کا طیارہ اس وقت بادلوں سے بہت اوپر پرواز کر رہا تھا۔

فرسٹ کلاس کے کیبن میں اس وقت کل تین مسافر سفر کر رہے تھے لیکن اتفاق سے ان کی نشستیں بھی ایک دوسرے سے دور دور تھیں۔ رنگ اور نسل کے اعتبار سے بھی وہ مختلف ممالک کے باشندے نظر آ رہے تھے لیکن اتفاق سے وہ تینوں فرینکفرٹ ایئرپورٹ سے جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ جہاز کی اب آخری منزل کراچی کا انٹرنیشنل ایئرپورٹ تھی۔ فرینکفرٹ ائرپورٹ سے روانگی کے بعد رات کا کھانا بھی انہوں نے اپنی اپنی نشستوں پر لیا تھا پھر ان تینوں نے فضائی میزبان سے اپنی اپنی پسند کی شراب طلب کی تھی۔

ان تینوں میں سب سے نمایاں وہ سیاہ فام تھا جو درمیانہ قد اور چھریرے جسم کا مالک تھا' اس کے سر کے بال گھنگریالے تھے مگر ان کی لمبائی شاید ایک یا ڈیڑھ انچ سے کسی طرح بھی زیادہ نہیں تھی' اس کی آنکھیں گول تھیں' پتلی کی رنگت زردی مائل تھی۔ کان اور پیشانی دونوں اس کے قد کے اعتبار سے میل کھاتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ بظاہر وہ پچیس سال کے پیٹے میں نظر آتا لیکن عمر کے اعتبار سے اس کے گفتگو کا انداز بوڑھوں جیسا تھا۔ کھانے کے دوران میں بھی اس نے کئی بار ائیر ہوسٹس کو اپنے پاس کسی نہ کسی ضرورت سے طلب کیا تھا۔ شاید اسے یہ بات بری لگی تھی کہ محض سیاہ رنگت کی وجہ سے وہ اس کے مقابلے میں ایک پستہ قد اور چینی صوت شکل والے چائنیز میں زیادہ دلچسپی لے

رہی تھی جو رفتہ رفتہ اس فضائی میزبان سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔

تیسرا مسافر جو دراز قد اور سفید فام تھا وہ ایک فیشن میگزین میں منسلک بیوٹیز کی نیم عریاں تصویروں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ صورت شکل کے مقابلے میں باقی دو مسافروں کے مقابلے میں وہ زیادہ جاذب نظر تھا لیکن اس نے ایئر ہوسٹس کے کئی بار اپنے آس پاس چکر لگانے کے باوجود کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ اس سے مایوس ہونے کے بعد ہی ائر ہوسٹس کی ساری توجہ چائنیز کی طرف ہو گئی تھی جو بے حد سخت جان اور ٹھوس کسرتی جسم کا مالک تھا۔

اچانک سیاہ فام اپنی نشست سے اٹھا اور گلاس ہاتھ میں لیے لیے چائنیز کے برابر والی خالی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔ ”میرے لیے سالٹش کا جو لاؤ......“ اس نے ایئر ہوسٹس سے مسکرا کر کہا۔

”ابھی لائی......“ ایئر ہوسٹس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی پھر وہ تیزی سے لہراتی بل کھاتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

”مائی ڈیئر......“ سیاہ فام نے چائنیز سے کہا۔ لہجہ مدھم اور رازدارانہ ہی تھا۔ ”اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تمہارا نام لوچن ہے۔“

”بہت خوب......“ چائنیز نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ ”آپ شاید دوسروں کو قسمت کا حال بتانے میں بھی مہارت رکھتے ہوں گے؟“

”کسی حد تک تمہارا اندازہ غلط بھی نہیں ہے“ اس نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”اب چونکہ لوچن کا نام سن کر تمہارے اندر کا تجسس جاگ اٹھا ہے تو میں اپنا تعارف بھی کرا دوں۔ میرا نام ہاشم ہے۔ ہاشم فرام ساؤتھ افریقہ۔“

لوچن‘ سیاہ فام کا نام سن کر ایک ثانیے کو چونکا پھر مسکرا کر بولا۔ ”میرے دوست‘ تم نے شاید اس علم پر پوری دسترس نہیں حاصل کی جس کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ویسے اس طرح کسی سے بے تکلف ہونے کا طریق کار کم از کم مجھے سخت ناپسند ہے۔“

”اوہ وہ...... جو بظاہر فیشن میگزین میں شائع ہونے والی خوبصورت لڑکیوں کی برہنہ تصویروں سے دل بہلا رہا ہے...... مجھے اپنے اور تمہارے مقابلے میں زیادہ گہرا اور بردبار نظر آتا ہے...... اس کا نام یقیناً ڈوما ہوگا۔“

”تم اس قسم کی فضول باتوں سے کیا ظاہر کرنا چاہتے ہو؟“ چائنیز کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت طاری ہونے لگی۔

”نہیں میرے دوست......“ سیاہ فام نے مدھم آواز میں کہا۔ ”یہ درست ہے کہ ہمیں منہ مانگا معاوضہ دیا جا رہا ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو...... کیا ہم الگ الگ رہنے کے بجائے اگر جہاز اترنے سے پیشتر ہی ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں تو یہ ہمارے حق میں بہتر ثابت نہ ہوگا ایک ساتھ مل بیٹھنے کے بعد ہم کسی آڑے وقت میں ایک دوسرے کے کام بھی آ سکتے ہیں۔“

”اب تک تم کتنی پی چکے ہو؟“ چائنیز کے لہجے میں ترشی اتر آئی۔

''تم شاید اس وقت گلاس کی تعداد معلوم کرنا چاہتے ہو......'' ہاشم کے نام سے خود کو متعارف کرانے والے نے چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''شراب ہمارے لیے پانی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی...... میرا تعلق جنوبی افریقہ کے جس حصے سے ہے وہاں بارہ سال کی عمر کے بچے بھی ایسی چھٹی چھوٹی مٹکیوں میں پینے کے عادی ہوتے ہیں جن میں کم از کم چار پیگ تو ضرور ہوتے ہیں۔''

''آئی سی......'' چائنیز نے جھلا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب مجھے بھی سکون سے بیٹھنے کی خاطر کسی دوسری نشست کا انتخاب کرنا ہوگا۔''

''تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔'' ہاشم نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ ''لیکن جانے سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لو...... کہ ہمیں صرف ایک کلیو دیا گیا ہے...... سیون اسٹارز...... اس حوالے سے ملنے والے احکامات پر ہمیں آنکھ بند کر کے ہی موت کے منہ میں بھی چھلانگ لگانے پر آمادہ ہونا پڑے گا' کیا ایسی صورت میں قبل از وقت ہمارا گٹھ جوڑ مناسب نہ ہوگا؟''

چائنیز جو اپنی نشست سے آدھا اٹھ چکا تھا۔ سیون اسٹارز کے حوالے پر دوبارہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ایک لمحے تک وہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا رہا پھر جب ایئر ہوسٹس سالٹش کا جو کی بھری ہوئی پلیٹ ٹرے میں رکھ کر واپس چلی گئی تو چائنیز نے جسے لوچن کے نام سے منسوب کیا گیا تھا کسمسا کر بولا۔

''تم......شاید ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' اس نے سیاہ فام کی تائید کی۔

''ٹھیک نہیں...... بہت زیادہ ٹھیک......'' ہاشم معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''پچیس ہزار امریکن ڈالرز کا ایڈوانس جو ہمیں صرف ذاتی جیب خرچ کیلئے دیا گیا ہے' یقیناً بے حد پرکشش ہے۔ دیگر تمام اخراجات کی ذمے داری ''سیون اسٹارز'' یا اس کے نمائندوں کی ہوگی لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔ ہماری پوزیشن کوئی ذاتی کوڈ ورڈ طے کر لینے کے بعد زیادہ محفوظ رہے گی یا ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر؟''

لوچن نے تیسرے مسافر کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بڑی رازداری سے بولا۔

''کیا تم اس کا نام بھی جانتے ہو؟''

✣✣✣

''ہاں......اس کا نام ڈوما ہے اور وہ بیروت سے تعلق رکھتا ہے۔'' ہاشم نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے خوبصورت لڑکیوں میں زیادہ دلچسپی ہی کسی دن اس کی موت کا سبب بن جائے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' لوچن چونکا۔

''اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی ایک محبوبہ کو پہلے ہی وہاں روانہ کر دیا ہے جہاں ہمیں جہاز سے اتر کر مختلف ہوٹلوں میں علیحدہ علیحدہ ٹھہرنے کی ہدایت ملی ہے۔ ممکن ہے اس کی محبوبہ پہلے ہی وہاں اپنے لیے کمرا بک کرا چکی ہو اور بعد میں ڈوما اس کے ساتھ اتفاقیہ دوستی کا ڈراما رچانے کی کوشش کرے۔''

''کیا تم اس کی محبوبہ کے نام سے بھی واقف ہو؟'' لوچن نے یک بار پھر حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں......اور یہ بھی جانتا ہو کہ اس کا تعلق امریکا کے ایک نائٹ کلب سے ہے۔'' ہاشم نے چٹخارے لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''لڑکی خاصی نمکین ہے مگر میرا تجربہ کہتا ہے کہ نمک کی زیادتی کبھی کبھی زہر سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوتی ہے۔''

''ہوں......'' لوچن نے ایک بار پھر تیسرے مسافر کی جانب دیکھا' جو بدستور فیشن میگزین دیکھنے میں منہمک تھا۔

''تم شاید یہ سوچ رہے ہو مائی ڈیئر لوچن کہ ہم اسے کس طرح اپنے پروگرام میں شامل کر سکتے ہیں۔'' ہاشم نے اپنے سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔ ''تم درمیانی نشستوں پر جا کر بیٹھو۔ اسے وہاں لانا میری ذمہ داری ہوگی۔''

لوچن نے اس کی تجویز پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی پھر اسے یہ دیکھ کر بھی تعجب ہوا کہ ہاشم نے تیسرے شخص کے پاس جا کر مدھم آواز میں کوئی ایسی ہی بات کہی تھی کہ وہ ایک پل کو چونکا' لیکن ہاشم کے ساتھ ہی اٹھ کر لوچن سے ایک سیٹ چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ ہاشم نے درمیانی نشست سنبھال لی تھی۔ کچھ دیر تک وہ تیسرے شخص سے جس کا نام ڈوما ہی تھا' گفتگو میں مصروف رہا پھر وہ تینوں سر جوڑ کر آپس میں کانا پھونسی کرنے لگے' لیکن اپنی منزل قریب آنے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی اٹھ کر اپنی اپنی نشستوں پر چلے گئے۔ بظاہر ایسا ہی لگا جیسے فضائی سفر کے درمان تین اجنبی مسافر وقت گزارنے کی خاطر ایک دوسرے سے ملے تھے' پھر ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن گئے۔ ہاشم اور ڈوما دونوں ہی کے چہروں سے بےفکری عیاں تھی لیکن......لوچن جو مارشل آرٹ کا ماہر ہونے کے علاوہ متعدد بار

دوسری مختلف پارٹیوں کے لیے بھی منہ مانگی اُجرت پیشگی لینے کے بعد اپنے جرائم پیشہ تجربوں کا بھرپور مظاہرہ کر چکا تھا' اس وقت بار بار کن انکھیوں سے ہاشم کا طرف دیکھ رہا تھا......شاید اس لیے کہ سابقہ موقعوں پر اسے کبھی کسی سیاہ فام باشندے کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔لوچن نے اپنی عام زندگی میں جنوبی افریقہ کے دور دراز قبیلوں میں بسنے والوں کے سلسلے میں بڑی عجیب وغریب کہانیاں پڑھ رکھی تھیں۔اس کا خیال تھا کہ وہ کہانیاں پڑھنے والوں کی دلچسپی کی خاطر کسی رائٹر کی من گھڑت ہوں گی' مگر سیاہ فام ہاشم......لوچن کو وہ بھی کسی پُراسرار کہانی کا ماورائی ہیرو محسوس ہو رہا تھا۔وہ ہاشم کو اپنے سابقہ تجربوں کی بنیاد پر نگاہوں نگاہوں میں تول رہا تھا پھر......اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی بن کر کوندا..... ''کہیں خود ہاشم ہی تو وہ پُراسرار شخص نہیں جس کے اشارے پر لوچن اور ڈوما کو بک کیا گیا تھا؟''

✣✣✣

اس وقت رات کے سوا بارہ کا عمل تھا' لیکن شبنم اس وقت بھی اپنے بستر پر نیم دراز کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔تاج محل ہوٹل میں نظر آنے والا دراز قد اور سنہری فریم کے لائٹ کلر گلاسز استعمال کرنے والا شخص اس کے ذہن کے گوشوں میں اس وقت بھی کسی خطرناک بچھو کے مانند رہ رہ کر ڈنگ مار رہا تھا۔یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔موبائل ریسیو کرنے کے بعد وہ جس انداز میں اٹھ کر تنہائی میں گیا تھا اسے محسوس کر کے شبنم کا تجسس بھی جاگ اٹھا تھا' جس کے نتیجے میں بلیک ٹائیگر کا پاس ورڈ بھی اس کے علم میں آ گیا تھا۔

دراز قد والے نے اسی پاس ورڈ کا حوالہ دینے کے بعد ہی کسی کو فوری طور پر ایمرجنسی کے وقت استعمال کیے جانے والے راستے سے فرار ہونے کا مشورہ دیا تھا۔وہ اس کی پوری گفتگو نہیں سن سکی تھی' لیکن بلیک ٹائیگر اور سراج کا نام سن لینے کے بعد اس کے ذہن میں فوری طور پر افضل خان ہی کا نام ابھرا تھا۔اس کے بعد ذہن میں یہ اندیشہ بھی سر اٹھانے لگا کہ شاید میڈم روبی کسی خطرے سے دو چار ہے؟ اس تجسس کو وہ فوری طور پر دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔سب سے پہلے ضروری تھا کہ وہ مزید کسی کی نظروں میں آئے بغیر واپس گھر پہنچ جائے۔اگر بلیک ٹائیگر کا پاس ورڈ استعمال کرنے والا بگ باس کا کوئی آدمی تھا تو شبنم کی وہاں موجودگی کی سرجری بھی بعید از قیاس نہ ہوتی۔

اپنے اپارٹمنٹ تک جانے کے بعد بھی اس کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑکتا رہا' کسی امکانی تعاقب کی وجہ سے اس نے مختلف سواریاں بدلیں اور کئی راستے اختیار کیے تھے۔اپنی منزل پر پہنچ کر اس نے سکون کا سانس لیا' لیکن عارضی میک اپ سے چھٹکارا پانے کے بعد جب اس نے میڈم کو فون کیا تو ہوٹل میں اس کے ذہن میں ابھرنے والے خدشے نے یقینی صورت اختیار کر لی۔دوسری جانب سے تھریسا نے میڈم کی جو کیفیت بتائی تھی وہ بھی اس بات کی جانب اشارہ کرنے کے لیے کافی تھی کہ وہ کسی ذہنی حادثے سے دو چار ہونے کے بعد ہی گھر پہنچی ہو گی' ورنہ کسی ڈاکٹر کی آمد اور نیند کا انجکشن لگانے کی نوبت پیش نہ آتی۔

وہ ذہنی حادثہ کیا تھا؟ بلیک ٹائیگر کا پاس ورڈ استعمال کرنے والا گفتگو ختم کرنے کے بعد فوری طور پر وہاں سے کیوں ہٹ گیا؟ سراج اور علاقے کے تھانے والوں کی آمد کا مقصد کیا تھا؟ یہ تین سوالات شبنم کو الجھا دینے کے لیے کافی تھے۔ایک چوتھا اندیشہ بھی اس کی رگوں میں خون کی سرد لہر بن کر گردش کر رہا تھا......اگر میک اپ کے باوجود شبنم کی اصلیت بھانپ لی گئی تھی تو اس کا وجود بھی بارود کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے کسی معصوم خرگوش سے کم نہیں تھا۔اسے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ بگ باس اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا تو اسے موت کے حوالے کرنے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہ کرتا۔

تین روز تک اس نے جس انداز میں شیر کی کچھار میں بیٹھ کر ڈیوٹی انجام دی تھی' یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔بلیک ٹائیگر کے اتفاقیہ نظر میں آ جانے کے بعد افضل خان کے فلیٹ میں ہونے والی توڑ پھوڑ اور خود افضل خان کی اچانک گمشدگی نے بھی اسے اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔اخبارات نے جن جلی سرخیوں کے ساتھ نمک مرچ لگا کر افضل خان کی خبر کو ہوا دی گئی تھی' وہ بھی اس کے لیے کچھ کم تشویشناک نہیں تھا۔اس ضمن میں شبنم کے ذہن میں دو نام ابھرے تھے۔ممکن ہے اس ہوٹل میں یہ صورت پیش آئی ہو' جو سانحہ گزرا تھا اس نے میڈم کو بھی جوابی کارروائی پر اکسا دیا ہو۔یہ بھی ممکن تھا کہ خود بگ باس نے ہوٹل میں ہونے والے کسی حساس حادثے کو محسوس کرنے کے بعد شطرنج کے گھوڑے والی چال چلی ہو۔اس نے خود ہی افضل خان کے اپارٹمنٹ میں توڑ پھوڑ بھی کرائی ہو اور وقتی طور پر اس کے اغوا کی ایف آئی آر درج کرنے کے بعد قانون کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہو کہ اس واردات کی پشت پر اس کے کسی دشمن کا ہاتھ شامل ہے۔

بہر حال' تین روز سے شبنم نے اپنی تمام بیرونی مصروفیات کو یکسر ختم کر رکھا تھا۔خود کو اپنے اپارٹمنٹ سے دفتر اور دفتر سے سیدھے اپارٹمنٹ واپس آنے تک محدود کر لیا تھا۔اس دوران میں اس نے میڈم کے علاوہ کسی اور کو بھی فون کرنے کی غلطی نہیں کی تھی' لیکن اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ میڈم کو فون کر کے اس کی خیریت دریافت کر لے۔

کافی غور و خوص کے بعد اس نے فون اسٹینڈ کو گھسیٹ کر قریب کیا' پھر اس نے ریسیور اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون پر ہونے والی کال بیل کی آواز نے اسے چونکا دیا۔اس کے دل کی دھڑکنیں پھر ڈانوں ڈول ہو گئیں۔

''رات کے سوا بارہ بجے کون فون کر سکتا ہے؟'' اس نے سوچا پھر چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد اس نے ریسیور اٹھا کر نیند میں ڈوبی آواز بنا کر پوچھا۔

''ہیلو......کون......؟''

''تین روز سے کہاں غائب ہو......سوئٹ چاکلیٹ!''

''نان سینس!'' شبنم نے جھلا کر کہا۔''کون ہو تم......؟''

''تمہاری یہ ادائیں تو دل پر برچھیاں چلاتی ہیں''ہنی۔'' بولنے والے نے بہکی بہکی آواز میں

کہا۔ ''سامنے ہوتی ہو تو محبت جتاتی ہو' نظروں سے اوجھل ہوتی ہو......''

''بکواس بند کرو...... ایڈیٹ۔'' شبنم نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر تقریباً پٹخ دیا۔ اس قسم کی رانگ کالز اسے پہلے بھی موصول ہوتی رہی تھیں' مگر اس وقت نہ جانے کیوں اس کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ دوسری جانب سے بولنے والا شاید اجنبی نہیں...... کوئی خاص واقف کار تھا' جو فلرٹ کرنے کے بہانے اس بات کی ٹوہ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس وقت اپارٹمنٹ میں موجود ہے یا نہیں۔ اس نے فوری طور پر میڈم کو کال کرنے کا خیال ترک کر دیا پھر اس آواز کے بارے میں ذہن کو کریدنے لگی جس نے کچھ دیر پہلے اسے کال کیا تھا۔

اس مس کالز کی وجہ سے وہ رات کو دو بجے کے بعد ہی سو سکی تھی لیکن صبح وقت سے پہلے ہی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئی۔ بگ باس وقت کی پابندی کا قائل تھا' دیر سے آنے والوں کی باقاعدہ باز پرس ہوتی تھی' جس کا عذر معقول نہ ہوتا یا بگ باس کو پسند نہ آتا اسے فوراً ہی فارغ ہونے کے احکامات صادر کر دیے جاتے تھے۔

دوپہر کو گیارہ بجے تک وہ بڑی مستعدی سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتی رہی' پھر اس وقت اس کے ہاتھ پاؤں محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً پھول گئے جب بگ باس کی پرسنل سیکریٹری نے اسے یہ اطلاع دی کہ باس نے اسے اپنے پرسنل آفس میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب اس کا بلاوا آیا تھا۔ شبنم نے اپنی جگہ دوسری آپریٹر کو ڈیوٹی سونپی پھر دل ہی دل میں اپنی خیریت کی دعائیں مانگتے ہوئے اس نے بگ باس کے پرسنل آفس پر تعینات گارڈ سے کہا کہ اندر اس کے آنے کی اطلاع پہنچا دی جائے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد اس نے پہلی بار دھڑکتے ہوئے دل سے باس کے آفس میں قدم رکھا۔ اس کے دل و دماغ میں سیکڑوں وسوسے کلبلا رہے تھے لیکن خلاف توقع شیخ حامد نے اس کے اندر داخل ہوتے ہی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اسے کچھ تقویت کا احساس ہوا۔ وہ بڑی سعادت مندی سے سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گئی لیکن نظریں اٹھا کر بگ باس کے چہرے کی سمت دیکھنے کی جرأت نہ کر سکی۔

''تمہارا نام شاید شبنم ہے؟'' نارمل انداز میں سوال کیا گیا۔

''ج...... جی ہاں۔'' شبنم...... جواب دیتے ہوئے گڑبڑا گئی۔

''میں نے تمہیں ایک پرسنل کام کے سلسلے میں اس وقت زحمت دی ہے۔''

''میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی تصور کروں گی۔'' پہلی بار اس نے بگ باس کی طرف نظر اٹھا کر بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

''آج رات کو تمہارا کوئی مخصوص پروگرام تو نہیں ہے؟'' شیخ حامد نے بے تکلفی سے سوال کیا کہ تو وہ پھر گڑبڑا گئی۔ مخصوص پروگرام کے حوالے سے کیا جانے والا سوال اس کی سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔

''گھبراؤ نہیں......'' شیخ حامد نے قدرے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ ''میں تمہاری جیسی اسمارٹ اور خوبصورت لڑکیوں کے سلسلے میں زیادہ پابندیاں عائد کرنے کا قائل نہیں ہوں...... تم شاید اے

اپارٹمنٹ میں بھی تنہا رہتی ہو؟''

''لائف انجوائے کرنا اس عمر کا تقاضا بھی ہو سکتا ہے لیکن ...... اس بات کا خیال رہے کہ تم جس کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہو اس کا تعلق کس قماش کے لوگوں سے ہے۔''

شبنم نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت کئی اندیشے سر اٹھا رہے تھے۔

''اگر آج رات تمہارے پاس وقت نہیں ہے تو میں کسی اور کا بندوبست بھی کر سکتا ہوں۔'' شیخ حامد نے گول مول انداز میں کہا۔

''مم ...... میں فارغ ہوں سر ......!'' اس نے تھوک نگل کر بہ مشکل جواب دیا۔

''گڈ ......'' شیخ حامد نے اس بار اصل مقصد بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''گزشتہ رات سے میری مسز کی طبیعت ناساز ہے اس لیے وہ شاید ان مہمانوں کو ٹھیک طور پر اٹینڈ نہ کر سکے گی۔ یہ ذمے داری تمہیں نبھانی پڑے گی بشرطیکہ تمہیں کوئی اعتراض ......''

''مجھے آپ کے حکم سے بھلا کس طرح انکار ہو سکتا ہے سر!'' شبنم نے اپنی آمادگی کا اظہار کرنے میں دیر نہیں کی۔

''فائن ......'' شیخ حامد نے تھوڑے توقف کے بعد معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ ''ایک بات تمہیں قبل از وقت بتا دوں ...... میری مسز میرے کردار کو بہت صاف ستھرا بھی نہیں سمجھتی' ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں بھی مشکوک نظروں سے دیکھے لیکن تم اس کا کوئی نوٹس نہ لینا۔ میں بھی اس بات کی پروا بھی نہیں کرتا کہ کون میرے بارے میں کیا رائے ہے۔''

''مجھے کس وقت آنا ہو گا سر ......؟''

''ٹھیک آٹھ بجے۔'' شیخ حامد نے اس بار تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ ''لباس صاف ستھرا ہو اور ...... تھوڑا سا میک اپ بھی ضروری ہے۔''

''رائٹ سر ......'' شبنم نے اس بار بھی سعادت مندی سے جواب دیا۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ میں نے کن معزز مہمانوں کو انوائٹ کیا؟'' شیخ حامد نے میز پر رکھے ہوئے پیپر ویٹ پر ہاتھ جما کر اسے زور سے گھماتے ہوئے چھوڑ دیا' پیپر ویٹ چکراتا ہوا میز سے نیچے گر گیا۔ شبنم اسے اٹھانے کی خاطر اٹھنا چاہتی تھی لیکن شیخ حامد نے اسے اشارے سے منع کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں نے جس مہمان اور اس کی خوبصورت اور حسین وائف کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے وہ ...... سیٹھ عثمان ہے' میرا سب سے بڑا کاروباری حریف ...... اینڈ آئی ہیٹ ہم۔''

شبنم گنگ رہ گئی۔ شیخ حامد کا وہ انوکھا مگر خطرناک روپ وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی' لیکن کسی قسم کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ سیٹھ عثمان کو دعوت دینے کے پیچھے میزبان کی نیک نیتی کو کوئی دخل نہیں تھا۔

''اب تم جاسکتی ہومگر ایک بات کان کھول کر سن لو......میرے اور تمہارے درمیان جو بات ہوئی ہے اسے بھول جانا۔'' شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے تنبیہی انداز میں کہا۔''صرف اتنا یاد رکھنا کہ تمہیں ٹھیک آٹھ بجے میری کوٹھی پر پہنچنا ہے۔''

''رائٹ سر......'' وہ جانے کے ارادے سے اٹھی۔شیخ حامد نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کی اجازت دے دی۔اس کے پرسنل آفس سے باہر نکلنے کے بعد شبنم نے سکون کا گہرا سانس لیا۔انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی آدم خود مگر مچھ کے منہ میں جا کر زندہ سلامت باہر نکل آئی ہو۔

❖❖❖

تاج محل ہوٹل میں پیش آنے والے حادثے کے بعد میڈم روبی آج پہلی بار گھر سے نکلی تھی۔اس وقت وہ تنہا نہیں تھی۔اس کی پرسنل سیکریڑی تھریسا بھی اس کے ساتھ تھی۔پہلے اس کا پروگرام رینبو کلب جانے کا تھا' لیکن راستے میں اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر کے کار کا رخ ساحل سمندر کی سمت جانے والی کشادہ سڑک کی طرف موڑ دیا۔وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق نظر آ رہی تھی' جب تھریسا نے اسے دبی زبان میں مخاطب کیا۔

''میرا خیال ہے کہ گرے رنگ کی ایک ہائی روف ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہو لیکن......'' میڈم نے جملہ ادھورا چھوڑ کر کہا۔''میں کوشش کے باوجود ابھی تک اسی شاک سے دو چار ہوں جو میرے اعصاب کو جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی تھا۔''

''ریلیکس......'' تھریسا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''جو ہو چکا ہے اب اس کو یاد کرنے سے کیا حاصل۔ہمیں آئندہ کے لیے بہت محتاط روی سے کام لینا پڑے گا۔جو ڈراما دشمنوں نے اسٹیج کیا ہے اس کے توڑ کے لیے اب کوئی فوری کارروائی ناگزیر ہوگئی ہے۔''

''میں تمہارے خیال سے متفق ہوں۔''

''کوئی تاخیر ہمارے لیے......''

''تھریسا......'' میڈم نے اس کی بات کاٹ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔''تمہارا کیا خیال ہے' کیا میں اپنے شوہر کی موت کو آسانی سے بھول سکتی ہوں؟''

''میں سمجھ رہی ہوں کہ اس وقت آپ کس کیفیت سے دو چار ہیں لیکن......''

''فی الحال میں صرف اس ایک اہم بات پر غور کر رہی ہوں کہ سراج ہمارے لیے کسی حد تک کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔''

''سوری میڈم......'' تھریسا نے کسمسا کر سنجیدگی سے کہا۔''پولیس والوں کے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ہر شخص کو اپنا مفاد زیادہ عزیز ہوتا ہے' پولیس والے تو قدم قدم پر کینچلی بدلنے کے عادی ہوتے ہیں۔''

''جانتی ہوں لیکن رسک لیے بغیر جیت اور ہار کا کھیل مزہ نہیں دیتا۔'' میڈم کا لہجہ سپاٹ تھا' تھریسا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا پھر عقبی شیشے پر نظر ڈال کر بولی۔

''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم کچھ راستے تبدیل کر کے اس بات کا یقین کر لیں کہ گرے کلر کی ہائی روف کا ایک مخصوص فاصلے سے ہمارے پیچھے پیچھے آنا کیا معنی رکھتا ہے۔''

''نہیں......'' میڈم نے اس بار بھی بے پروائی سے جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ ساحل پر اس وقت لوگوں کا خاصا ہجوم ہوگا۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہی سوچا جائے گا کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔''

''آپ بہتر سوچ سکتی ہیں مگر...... پرہجوم مقامات پر پیشہ ور قاتلوں کے لیے کسی دشمن کو راستے سے ہٹانا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مجرم کو فرار کے موقعے ہجوم کی بھگدڑ اور افراتفری بھی فراہم کر دیتی ہے۔''

میڈم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے گاڑی کی رفتار اچانک تیز کر دی عقبی شیشے کی طرف اس نے ایک بار بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی لیکن تھریسا پوری طرح ہوشیار تھی۔

''اب شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔'' اس نے میڈم کو کسی متوقع خطرے کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ ''تعاقب کرنے والی ہائی روف نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی ہے۔''

''تم نے شاید کسی انسان کو بے بسی کو موت مرتے نہیں دیکھا۔'' میڈم نے بے حد کرب سے جواب دیا۔

''جہاں ماہر شکاریوں کی تعداد زیادہ ہو اور شکار ان کے جال میں پوری طرح پھنس جائے۔ اپنے بچاؤ کے لیے صرف موت کے انتظار کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتا ہو۔ وہاں بھی درندہ صفت قاتل اپنے شکار کو تڑپا تڑپا کر مارنے کو زیادہ ایڈونچر سمجھتے ہیں۔

''میڈم پلیز......'' تھریسا نے یکلخت فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''گاڑی واپس موڑ لیں۔ آپ کی طبیعت اس وقت......''

''غلط خیال ہے تمہارا...... میں اس وقت بالکل نارمل ہوں۔'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے سرد مہری سے جواب دیا۔ ''تم جس خطرے کو محسوس کر رہی ہو وہ کسی بھی وقت' کہیں بھی پیش آ سکتا ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور...... تم نے شاید وار فلمز کو کبھی دلچسپی سے نہیں دیکھا' کوئی بم بلاسٹ ہونے کے بعد جب انسانی جسم کے اعضا منتشر ہو کر فضا میں اڑتے دور دور بکھرتے نظر آتے ہیں تو اکثر تماش بین جوش میں تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ جانتی ہو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟...... وہ موت اور زندگی کا کھیل دیکھتے وقت کسی ایک فریق سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب مخالف گروپ کے لوگ مارے جاتے ہیں تو وہ اپنے جوش پر قابو نہیں پا سکتے۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔''

''میڈم...... پلیز' آپ کی طبیعت اس وقت......''

''تم کچھ حقائق سے لاعلم ہو۔ شاید اس لیے گھبرا رہی ہو۔'' میڈم نے عجیب انداز میں جواب

دیا۔ ”جانتی ہو تھریسا کہ جب کوئی شخص پہلی بار کسی کو قتل کرتا ہے تو اس کے اندر خوف ہی خوف بھرا ہوتا ہے۔ پھانسی کا پھندا۔ اس کی نظروں کے سامنے لٹکتا نظر آتا ہے۔ اپنے ارادے میں کامیابی کے باوجود وہ کسی خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ اس کا خود اپنا انجام اس کے سامنے سوالیہ نشان بن کر اس خوف کو ہوا دیتا رہتا ہے۔ سب سے پہلے وہ زندہ رہنے کے لیے فرار کا راستہ تلاش کرتا ہے' لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ دو چار زندگیوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اس کا خوف دل سے نکل جاتا ہے۔ وہ اپنی کامیابی پر لاش کے اوپر جوتے سمیت اپنے پاؤں رکھ کر کھڑا مسکراتا رہتا ہے۔ دوسرے خوفزدہ ہو کر پناہ کی تلاش میں دوڑ دھوپ شروع کر دیتے ہیں۔ قانون کے رکھوالے بھی عادی جرائم پیشہ لوگوں سے دور ہی دور رہتے ہیں۔ جب وہ اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد موقع واردات سے چلا جاتا ہے تو وہی قانون کے محافظ سینہ تان کر سامنے آ جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک نظام ہے جو موت اور زندگی کی آنکھ مچولی کو مزید پُراسرار بنا دیتا ہے۔“

تھریسا بہت زیادہ الجھ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ میڈم اس وقت ہوش مندی کی باتیں نہیں کر رہی۔ شاید تاج محل ہوٹل کے سانحے نے اس کی شخصیت کو اس حد تک مجروح کر دیا تھا کہ وہ فرسٹریشن کے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو گئی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب تھریسا نے اسے اس قسم کی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس نے ایک بار پھر کچھ کہنا چاہا' لیکن اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ میڈم اس کے خیال کے مطابق جس قسم کی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی وہ اس کے اندر کا غبار تھا جو کسی آتش فشاں کے بھرے ہوئے لاوے کی طرح ابل رہا تھا۔ ایسے میں اس سے کچھ کہنا' اس کی ذہنی کیفیت کو اور زیادہ متاثر کر سکتا تھا۔ اس نے میڈم کو ہمدردی سے دیکھا' پھر عقب نما آئینے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ گرے کلر کی ہائی روف جو بالکل نئی دکھائی دیتی تھی' بدستور اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اس کی نمبر پلیٹ پر نظر پڑی تو تھریسا کی بے چینی دوچند ہو گئی' وہ کسی ڈیلر کی عارضی نمبر پلیٹ نظر آ رہی تھی۔ اس قسم کی گاڑیوں کا کسی جرم میں استعمال ہونا زیادہ موثر ثابت ہوتا تھا۔ پولیس ان کے فرضی نام کے مالکوں تک نہیں پہنچ پاتی تھی۔ جب تک چھان بین کی جاتی' مجرم قانون کی دسترس سے دور جا چکا ہوتا تھا۔

میڈم نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ پندرہ منٹ بعد اس نے ساحل پر پہنچ کر ایک مہنگے ہوٹل کے قریب دوسری گاڑیوں کی قطار میں اپنی گاڑی روکی۔ پھر اطمینان سے اتر کر باہر آ گئی' ہوا کے سرد جھونکوں نے اس کے خوبصورت بالوں کو منتشر کر دیا۔ تھریسا نے میڈم کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ دور سمندر کی موجوں کے ٹکراؤ اور اتار چڑھاؤ کے دلکش مناظر سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔ شاید اس کے ذہن کے گوشے میں ہائی روف سے کسی متوقع خطرے کا احساس ہی مٹ چکا تھا۔

تھریسا نے آگے بڑھ کر میڈم کو پروٹیکشن دینے کی خاطر اس کے سیدھے ہاتھ پر پوزیشن سنبھال لی پھر اس نے نظریں گھما کر دیکھا' گرے کلر کی ہائی روف تقریباً پچاس ساٹھ گز دور ایک ایسی جگہ پارک کی گئی جہاں زیادہ رش نہیں تھا۔ اس میں سے جو شخص اترا' تھریسا اس کو پوری طرح نہیں دیکھ سکی' صرف ایک جھلک دیکھ کر وہ یہی اندازہ لگا سکی تھی کہ وہ کوئی دراز قد آدمی تھا۔ ہائی روف کے

پارک کیے جانے کے بعد ایک دوسری کار بھی اس کے سیدھے ہاتھ پر آ کر رکی‘ اس کار میں ایک مختصر فیملی موجود تھی۔ تھریسا پوری توجہ سے حالات کا جائزہ لے رہی تھی‘ اس کا خیال تھا کہ اگر اس کے ذہن میں تعاقب اور خطرے کا ابھرنے والا خیال غلط نہیں تھا تو ہائی روف سے اترنے والا چند لمحوں میں کھل کر اس کی نظروں کے سامنے آ جائے گا‘ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ہائی روف کے برابر رکنے والی کار دو منٹ بعد ہی تھوڑی سی ریورس ہوئی پھر واپسی کے راستوں پر اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔

”تھریسا......“ میڈم نے بچوں کی طرح تھریسا کا ہاتھ تھام کر سمندر کے ساحل کی طرف اشارہ کیا جہاں مرد‘ عورتوں اور بچوں کی خاصی تعداد جمع تھی‘ تین بچے ہر قریب آنے والی بلند لہر پر اس طرح چھلانگ لگا رہے تھے جیسے پانی پر سلائڈ کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ”ذرا غور سے ان بچوں کو دیکھو‘ کیسی سویٹ اور معصوم اچھل کود کر رہے ہیں‘ جیسے انہیں دنیا کے ہنگاموں سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔“

یو آر رائٹ میڈم...... ویسے کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم ہوٹل کے فرسٹ فلور پر بیٹھ کر سمندر اور ساحل پر موج میلہ کرنے والوں کا نظارہ کریں۔“

”اسی بہانے ایک ایک آئس کریم فالودہ بھی چل سکتا ہے۔“ میڈم نے ہوٹل کی جانب قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اس کے بعد ہم بھی ساحل کنارے چلیں گے۔“

”ایز یو وش......“ تھریسا‘ میڈم کو لے کر سیڑھیاں طے کرتے ہوئے ہوٹل کے اوپر حصے کی طرف لے گئی جہاں تین چار فیملیز اور بھی تھیں۔ اس فلور سے وہ گرے کلر کی ہائی روف کی پوزیشن اور کسی متوقع دشمن پر بھی نظر رکھ سکتی تھی۔

میڈم نے آئس کریم فالودہ کا آرڈر دیا پھر دوبارہ ساحل پر اچھلنے کودنے والے بچوں کو دیکھنے لگی۔ تھریسا کی نظریں بار بار ہائی روف کی جانب اٹھ رہی تھیں‘ اس کے اور بظاہر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا‘ ہو سکتا تھا کہ وہ اندر نشستوں پر لیٹے ہوں اور واپسی میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر اپنی عملی طاقت کا مظاہرہ کریں۔

آئس کریم فالودہ آنے کے بعد میڈم اس طرح اسے کھانے میں مصروف ہو گئی جیسے ایک عرصے سے کسی ایسے موقعے کی تلاش میں تھی‘ تھریسا نے بھی اپنا گلاس ہاتھ میں اٹھا لیا لیکن...... ایک خوفناک دھماکے کی آواز اس قدر اچانک اور شدت سے ابھری کہ تھریسا کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر الٹ گیا‘ کئی عورتیں اس اچانک ہونے والے دھماکے سے چیخنے چلانے لگیں۔ ساحل پر موجود افراد بھی پاگلوں کی طرح اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف دوڑنے لگے۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی‘ فہرست فلور پر بیٹھی فیملیز بھی نیچے چلی گئیں۔

تھریسا نے پلیٹ کر ہائی روف کی سمت دیکھا جس کی باڈی کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ کر بکھر چکی تھی اور آگ کے شعلے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ تھریسا نے کسی خیال کے پیش نظر

پلٹ کر میڈم کی جانب دیکھا' جس کے چہرے پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل کر بتدریج گہری ہو رہی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ خوفناک دھماکا اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھا۔

''میڈم......'' تھریسا نے اسے معنی خیز لہجے میں مخاطب کیا۔

''یاد کرو مائی تھریسا...... یہ جملہ تم نے ہی کہا تھا کہ...... اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم بھی دشمنوں کی کمینگی کا منہ توڑ جواب دیں۔'' میڈم نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''یہ دھماکا اسی پروگرام کا ایک ذاتی تجربہ تھا...... میں اپنے دشمن کو پشت سے وار کرنے کے بجائے للکار کر کسی خارش زدہ کتے کی طرح سسکا سسکا کر مارنے کا تہیہ کر چکی ہوں۔''

جواب میں تھریسا نے اپنے بھرپور تعاون کا اظہار کرنے کی خاطر میڈم کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

❖❖❖

حسب عادت وہ آٹھ بجے کے بجائے سات بج کر پچیس منٹ پر ہی شیخ حامد کے عالیشان بنگلے کے باہر ٹیکسی سے اتری تھی' اس نے لائٹ اینڈ ڈارک کلر کا آف وہائٹ شلوار سوٹ پہن رکھا تھا' چہرے پر ہلکا میک اپ بھی تھا جس نے اس کے خوبصورت چہرے اور جوان شخصیت کو اور نکھار دیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کرایہ وصول کرتے وقت اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کی نگاہوں کا مفہوم بھانپ کر تلملا اٹھی' لیکن پھر خود کو سنبھال کر بنگلے کی سمت قدم بڑھانے لگی۔

''کس سے ملنا ہے؟'' گیٹ پر موجود گارڈز میں سے ایک نے اسے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

''میرا نام شبنم ہے' بگ باس نے مجھے کسی دعوت کے اہتمام کے لیے بلایا تھا۔'' گارڈ نے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو دونوں جانب لان کے خوش رنگ سبزے اور حد بندی کی دیوار کے ساتھ لگے قیمتی اور انمول پودوں کو دیکھ کر مسکرا دی۔ ایک خطرناک آدمی کا بھلا ان خوبصورت گل بوٹوں سے کیا تعلق؟ اس نے سوچا پھر اسے خود ہی یہ خیال بھی آ گیا کہ جو لوگ اوپر سے بیٹھے اور اندر سے کسی خطرناک کوبرے سے زیادہ زہریلے ہوتے ہیں' انہیں بھی اپنی شخصیت کے دونوں پہلوؤں کو بھی دنیا دکھاوے کے لیے نبھانا پڑتا ہے۔

روش عبور کر کے وہ دروازے کے قریب پہنچی تو ایک ادھیڑ عمر کی عورت سامنے آ گئی۔ اس نے کوئی سوال کرنے کے بجائے شبنم کا ایک نظر میں جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''آپ غالباً شبنم بی بی ہیں۔''

''ہاں......''

''اندر تشریف لے جائیں۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''بڑے صاحب ابھی نہیں آئے لیکن بیگم صاحبہ آپ ہی کی راہ دیکھ رہی ہیں۔''

شبنم نے اس کے چبھتے ہوئے لہجے کو محسوس کیا' لیکن دل پر جبر کر کے اندر داخل ہوئی تو وہاں کی سجاوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ہلکے نیلے رنگ کے ٹائلز کو دیکھ کر بالکل ایسا

محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے نیچے صاف وشفاف پانی بھی ضرور ہوگا۔ عالیشان بنگلے کا وہ حصہ بیرونی ہال تھا جہاں قیمتی فرنیچر بڑی نفاست سے سجایا گیا تھا' وہ خود کو سنبھالتی آگے بڑھی تو بائیں جانب نظر آنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک پینتیس چالیس سال کی عورت اس کے سامنے آگئی۔ اس نے نہایت قیمتی ساڑی پہن رکھی تھی۔ لباس کے رنگ اور اس پر موجودہ کام کی مناسبت سے زیورات کا انتخاب بھی اس پر سج رہا تھا۔ بذات خود بھی وہ گداز جسم اور خوبصورت خدوخال کی مالک تھی۔ بادامی آنکھوں میں سرمے کی ہلکی سیاہ لکیر نے اس کی آنکھوں کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا' لیکن ان خوبصورت غزالی آنکھوں میں دور دور تک ویرانیوں کا راج نظر آ رہا تھا۔ زندگی اور زندگی کی مسرتیں برائے نام بھی نہیں تھیں۔ شاید شبنم اس کے سامنے ٹھٹک کر رک گئی۔ اتنے قیمتی لباس میں نظر آنے والی کوئی ملازمہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولی۔ شیخ حامد کے ہاں ملازمت کے دوران میں اس نے بہ خوبی اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی ذاتی لغت میں ناممکن کا کوئی لفظ موجود نہیں تھا۔

''تم شاید شبنم ہو......؟'' دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی عورت نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ہاں......''

''کیا کام کرتی ہو؟'' اس بار بھی خشک لہجہ اختیار کیا گیا۔

''ٹیلی فون آپریٹر ہوں......'' شبنم نے اس بار بھی مختصر جواب دیا۔

''اوہ......'' عورت کے چہرے پر ایک پھیکا معنی خیز تبسم ابھر آیا۔ ''لوگوں کو ایک دوسرے سے رابطے میں لانے کا کام انجام دے رہی ہو......کبھی خود بھی کسی سے رابطہ کیا ہے؟'' عورت کے آخری جملے میں طنز کے ساتھ ساتھ تحقیر کا پہلو بھی نمایاں تھا۔

''جی......'' اس نے چونک کر سوال کیا۔ ''میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھی؟''

''ہوسکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' عورت نے سپاٹ لہجے میں اگلا سوال کیا۔ ''کب سے ملازم ہو۔''

''ڈیڑھ یا دو سال سے......'' شبنم نے جواب دیا تاہم عورت کا انداز گفتگو اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

''پھر تم نے جو کہا......وہ غلط نہیں ہوگا۔ اس بار عورت نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑے درد بھرے انداز میں کہا۔ ''میری اور تمہارے بگ باس کی شادی کو......شاید اٹھارہ یا بیس سال گزر گئے جب میں اتنے عرصے میں اسے پوری طرح نہیں سمجھ پائی تو تم سال ڈیڑھ سال میں بھلا کیا سمجھ پاؤ گی۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' شبنم نے اس کی جلی کٹی باتوں کے باوجود مسکرا کر کہا۔ ''آپ کی طرح آپ کی شخصیت بھی بڑی خوبصورت اور دلکش ہے۔''

''نام نہیں پوچھو گی...... میرا نام صبا ہے' شاعروں نے بھی اس نام کو بہت سراہا ہے...... شروع شروع میں خود مجھے اپنی خوبصورتی پر بڑا ناز تھا لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس نے ایک بار پھر شبنم کو بڑی گہری اور ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ ''مہمان نو بجے آئیں گے...... حامد نے ساڑھے آٹھ بجے آنے کا کہا ہے' ابھی اس کے آنے میں پندرہ منٹ باقی ہیں' تم میرے کمرے میں آ جاؤ۔'' اس نے دوراز ے سے ہٹ کر راستہ دیا تو شبنم مسکراتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی گئی' وہاں کی ہر شے ہی قابل تعریف تھی سوائے خود صبا کے۔ جس کی مبہم باتیں ابھی تک اسے سمجھ نہیں آئی تھیں۔

اس کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد صبا نے کمرے کو اندر سے بند کیا پھر شبنم کے قریب آ کر مدھم اور پُراسرار انداز میں بولی۔

''میں نے اٹھارہ بیس سال قریب رہ کر جو تجربہ کیا ہے وہ تم مزید دس سال گزر جانے کے بعد بھی نہیں کر سکو گی۔''

''جی......'' شبنم نے پہلی بار اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''میں...... میں آپ کی بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکی۔''

''میرے پاس وقت کم ہے۔'' صبا نے ہونٹ چباتے ہوئے شبنم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو لیکن دل یہی کہ رہا ہے کہ شاید ابھی تک تم اپنے باس کے ہاتھوں شکار نہیں ہوئی ہو' وہ اتنی جلدی کسی سے بے تکلف بھی نہیں ہوتا۔''

''میڈم......'' شبنم نے نتھنے غصے سے پھڑ پھڑانے لگے'' یہ آپ کسی قسم کی گفتگو......''

''مجھے غلط نہ سمجھو۔'' صبا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''مجھے ایک ایسے دوست کی ضرورت ہے جو میرے کام آسکے۔ تم عورت ہو اس لیے میرا درد آسانی سے سمجھ سکتی ہو۔ تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟...... م...... م...... میں اس کے عوض تمہیں منہ مانگی قیمت دینے کی پوزیشن میں ہوں۔''

''کیسا کام......؟''

''اپنے بگ باس کو کسی بھی طرح زہر دے دو۔'' صبا نے بڑی رازداری سے اس کے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔

''میری زندگی پر یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا...... نہیں! انکار مت کرنا......'' اس نے بڑی بے بسی کے عالم میں بھرائی ہوئی آواز میں التجا کی۔ ''جانتی ہو مجھے کس جرم کی پاداش میں عمر قید یا مشقت کی سزا بھگتنی پڑ رہی ہے۔ وقت کم ہے' کوئی سوال نہ کرنا' صرف میری بپتا سن لو۔'' صبا کی آواز رندھنے لگی تو اسے جلدی سے ٹشو اٹھا کر بھیگی پلکوں کو خوفزدہ انداز میں خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تین بار لڑکیوں کو جنم دیا تھا لیکن ان کی صورتیں نہیں دیکھ سکی۔ مجھے ہر بار یہی بتایا گیا کہ تینوں بچیاں پیدائش کے بعد ہی...... فوت ہوگئی تھی لیکن یہ جھوٹ ہے' حامد نے مجھ سے دروغ گوئی کی ہوگی اس لیے کہ وہ...... وہ ہر بار ایک وارث کی توقع کرتا تھا'' صبا نے اپنی غمناک کہانی جاری رکھی۔ ''وہ

اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن...... میں مشین نہیں ہوں کہ خود کو استعمال کرنے والے کو اس کی مرضی کے مطابق سو فیصدی نتائج دے سکوں اور پھر...... خدا کی مرضی کے آگے بندے کا اختیار بھی نہیں چلتا...... بولو کیا تم میرا کام کر سکو گی؟ یہ تمہارا ایک بے بس عورت پر بڑا احسان ہوگا۔'' وہ روانی میں کہتی گئی۔ ''حامد نے تم جیسی خوبصورت اور حسین لڑکی کو محض اس لیے بلایا ہوگا تاکہ میرے زخموں پر نمک پاشی کر سکے لیکن تم میرے لیے بہت کارآمد بھی ہو سکتی ہو...... شاید...... شاید یہ موقع مجھے دوبارہ نہ مل سکے۔ پلیز' انکار نہ کرنا میں......'' صبا نے اگلا جملہ ادا کرنے کے بجائے ہاتھ جوڑ لیے۔

شبنم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔ صبا کی کہانی نے اس کے اندر بگ باس سے ذاتی انتقام کے جذبوں کو اور بھڑکا دیا تھا' لیکن وہ کوئی جواب دینے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ اسے خوف تھا کہ بگ باس کسی نہ کسی طرح صبا کی باتوں کو ضرور سن رہا ہوگا۔ شاید اسی لیے اس نے شبنم کو بھی محض آزمانے کا ایک موقع تلاش کیا ہو؟...... شبنم کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کی چھٹی حس گواہی دے رہی تھی کہ وہ اس وقت اچانک شدید خطروں سے دوچار ہو گئی ہے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک غلط جملہ بھی اس کے لیے کسی اذیت ناک موت کا سبب بن سکتا تھا۔

''تت...... تم چپ کیوں ہو لڑکی۔'' صبا نے اسے جذباتی لہجے میں مخاطب کیا۔ ''کیا...... تم ایک عورت ہو کر بھی کسی دوسری عورت کے اوپر ایک چھوٹا سا احسان نہیں کر سکتیں......؟''

''میڈم......'' اچانک شبنم نے سپاٹ لہجے میں بڑی تلخی سے جواب دیا۔ ''آپ نے جو خود ساختہ کہانی سنائی ہے میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ میرا ذاتی مشورہ ہے کہ آپ کو فوری طور پر کسی نفسیاتی معالج سے رجوع کرنا چاہیے...... ویسے بھی بگ باس کی اجلی شخصیت پر آپ بیوی ہو کر کیچڑ اچھال رہی ہیں وہ...... وہ آپ کو زیب نہیں دیتی۔''

دوسرے ہی لمحے اس کی بات کا جواب ایک بھرپور تھپڑ سے دیا گیا۔ صبا بیگم ایک دم ہی بپھر گئی تھی' لیکن اسی وقت بند دروازے کو غالباً کسی دوسری چابی سے کھول کر شیخ حامد سامنے آ گیا۔ وہ صبا کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا' لیکن یہ کیفیت تین سیکنڈ سے زیادہ برقرار نہ رہ سکی۔

اس نے کینچلی بدل کر بڑے پیار بھرے انداز میں بیوی کو مخاطب کیا۔ ''میں نے پہلے ہی تم سے آرام کرنے کو کہا تھا۔ ڈاکٹروں کا بھی یہی مشورہ ہے۔''

صبا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پتھر کی بے جان مورتی بنی کھڑی سب کچھ نفرت سے برداشت کرتی رہی۔ اس کے اندر کا کرب صرف اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔

''سوری شبنم......'' شیخ حامد نے شبنم کو بڑے مہذب انداز میں مخاطب کیا۔ ''تم باہر جا کر ریلیکس کرو' میں ابھی آتا ہوں۔''

شبنم نے سکون کا سانس لیا پھر وہ دھڑکتے ہوئے دل سے باہر آ گئی۔ کچھ دیر بعد شیخ حامد بھی

کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ اس نے شبنم کو خانساماں سے ملوا کر ضروری ہدایات دیں پھر مہمانوں کا استقبال کرنے کی خاطر خود باہر چلا گیا۔ ڈنر کے دوران میں بھی صبا بیگم ایک پل کے لیے بھی ڈائننگ ٹیبل پر نظر نہیں آئیں۔ ان کی عدم موجودگی کو شبنم کے علاوہ راحیلہ بیگم نے بھی محسوس کیا تھا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا بھی تھا۔ ''کیا بات ہے حامد صاحب...... آپ نے آج ہماری بھابی کو کہاں چھپا دیا ہے؟''

''اس کی طبیعت دوپہر کو اچانک خراب ہو گئی تھی...... مجھے فیملی ڈاکٹر کے مشورے پر اسے فوراً ہسپتال منتقل کرنا پڑا۔'' شیخ حامد نے سنجیدگی سے دروغ گوئی کی۔ ''پریشانی کے باوجود میں نے ڈنر منسوخ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''برا کیا آپ نے۔'' راحیلہ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

''اگر مجھے بھنک بھی مل تو میں نہ آتی۔''

''آپ نہ آتیں تو مجھے دکھ ہوتا......''

''چلیں کوئی بات نہیں......'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''بھائی کے آنے کے بعد دوبارہ بھی آ جائیں گے۔ اسی بہانے ایک ڈنر مل جائے گا۔''

''وہائی ناٹ...... وہائی ناٹ۔'' شیخ حامد نے بے تکلفی کا اظہار کیا پھر مہمانوں کی کار میں بیٹھنے اور ان کی کار کے گیٹ سے باہر نکلنے کے وقت تک وش کرنے کی خاطر ہاتھ لہراتا رہا۔

شبنم دور کھڑی تھی لیکن...... اس کے ذہن میں بگ باس کا وہ جملہ اس وقت بھی گونج رہا تھا جو اس نے سیٹھ عثمان اور اس کی بیوی کی دعوت کے بارے میں اپنے پرسنل آفس میں بیٹھے ہوئے شبنم سے کہا تھا۔ ''میں نے جس مہمان اور اس کی حسین وائف کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے وہ...... سیٹھ عثمان ہے...... میرا سب سے بڑا کاروباری حریف...... اینڈ آئی ہیٹ ہم۔''

مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد شیخ حامد نے شبنم کی واپسی کے لیے بڑی دریا دلی سے اسے گھر تک ڈراپ کرنے کی خاطر ڈرائیور کو بلا کر ضروری ہدایت دی پھر تنہائی میں شبنم کو ایک بند لفافہ دیتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''تم میرے انتخاب پر پوری اتریں...... یہ تمہاری خوش قسمتی بھی ہے، میں تم کو اپنے کچھ خاص کاموں کے سلسلے میں بھی موقع دیتا رہوں گا۔''

گھر جاتے وقت بھی شبنم کے ذہن میں وہ جذباتی کہانی گونج رہی تھی جو مسز حامد نے اسے سنائی تھی۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ صبا بیگم نے جو کہانی اسے سنائی تھی وہ حرف بہ حرف سچ تھی۔

✣✣✣

قید تنہائی میں افضل خان کو وہ پانچواں دن تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر منفی خیالات نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔ پستہ قد شخص روزانہ اس کے لیے کھانا اور ناشتہ پابندی سے لا رہا تھا، وہ از خود کوئی گفتگو نہیں کرتا تھا، بگ باس کی نظروں میں اس کی کیا حیثیت تھی؟ افضل خان ابھی تک اس کا درست اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ کوئی

سوال کرتا تو پستہ قامت اس کا جواب ہمیشہ ایسے انداز میں دیتا جیسے وہ افضل خان کو اس کی موجودہ حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش کر رہا ہو...... پھر افضل خان نے پچھلے چھتیس گھنٹوں سے اس سے بات کرنا یکسر ترک کر دی تھی۔ آخری بار اس نے افضل خان کو واپس جاتے جاتے رک کر بڑے عجیب انداز میں کسی کا پیغام سنایا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ اگر قسمت نے تمہارا ساتھ دیا تو تم دو روز بعد اس پنجرے سے نجات پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔'' اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔ ''لیکن یہ سب آئندہ پیش آنے والے حالات پر منحصر ہے۔''

''یہ تمہارے اپنے ذہن کی اختراع ہے یا تم کسی کا پیغام سنا رہے ہو؟'' افضل خان نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ بات بگ باس نے کسی کی معرفت کہلوائی ہے...... میرا کام صرف تمہیں اطلاع دینا تھا۔''

افضل خان نے بھنا کر پوچھا۔ ''چیف منسٹر کانفرنس کا اونٹ کس کروٹ بیٹھا؟''

''سوری...... وہاں مجھے نہیں بلایا گیا تھا ورنہ تمہیں تفصیل سے ضرور آگاہ کرتا۔'' اس بار بھی اس نے بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔

'میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ میرے مقابلے میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟'' افضل خان نے اسے حقارت سے گھورا۔

''فی الحال اپنی حیثیت کے بارے میں غور وفکر کرنا تمہارے لیے زیادہ صحت مند ثابت ہو گا۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا پھر مسکراتے ہوئے باہر جا کر دروازہ بند کر دیا۔ اسی وقت سے افضل خان نے طے کر لیا تھا کہ وہ اب خود سے اسے مخاطب نہیں کرے گا۔

پچھلے چھتیس گھنٹوں میں وہ صرف اپنے مستقبل کے بارے میں ہی غور کرتا رہا تھا۔ بگ باس کی ناراضی کی صورت میں شاید وہ تہ خانے کا کمرا ہی اس کی آخری آرام گاہ ثابت ہوتا لیکن...... ایک بار کھلی فضا میں نکل جانے کے بعد اسے کچھ نہ کچھ ضرور سوچنا تھا' اپنے مستقبل کے بارے میں...... وہ جس پوزیشن سے آج دو چار تھا' یہ صورت حال آئندہ بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ اس کا صرف ایک ہی توڑ ممکن تھا کہ وہ میڈم روبی کو دی گئی آفر آنکھ بند کر کے قبول کر لیتا...... اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ شیخ حامد کے قریب ترین ہونے کی وجہ سے اسے کسی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا' اس کے بعد اگر وہ وقت ضائع کیے بغیر پہلی فلائٹ سے ملک کی سرحد پار کر جاتا تو پھر قانون کے حرکت میں خاصا وقت لگتا...... اس درمیانی وقفے میں وہ میڈم کی مدد سے اور بھی کئی آپشن پر عمل کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں اور بھی کئی منصوبے کلبلاتے رہتے تھے جن پر اگر وہ عمل کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو بگ باس کے خطرے کی تلوار اس کے سر پر مستقل نہیں منڈلا سکتی تھی۔ اندرونی طور پر وہ میڈم کی مالی پوزیشن کے بارے میں چھان بین کر چکا تھا جو اگر آئندہ بیس سال تک بھی اپنی موجودہ حیثیت برقرار رکھتی تو اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ ہوتی۔

رات کے بارہ بجے وہ پنجرے میں بند کسی جنگلی درندے کی طرح ٹہلتا رہا تھا' پھر بستر پر لیٹ کر آئندہ کے منصوبوں پر غور کرتا رہا۔ وہ کس بے خبری کے عالم میں نیند کی کیفیت سے دو چار ہوا' اسے یاد نہیں لیکن دوبارہ جب کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا تو اس نے سب سے پہلے اپنی دستی گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ بستر سے بوکھلا کر اٹھنے کے بعد...... اسے دو تین نقاب پوش بھی نظر آ گئے جو اس کے سر پر مسلط تھے' پستہ قد آدمی دروازے پر روسی ساخت کی چھوٹی مگر دور مار رائفل لیے موجود تھا۔

''کیا بات ہے......؟'' افضل خان کی جگہ دوسرا کوئی ہوتا تو شاید اس کی حالت بھی مختلف نہ ہوتی' باری باری اس نے تینوں نقاب پوشوں پر نظر ڈالتے ہوئے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ''اتنی رات گئے مجھے کیوں ڈسٹرب کیا گیا ہے؟''

جواب میں ایک نقاب پوش نے دوسرے کو اشارہ کیا جس نے قریب رکھے ہوئے جگ سے ایک گلاس پانی بھرا اور اشارہ کرنے والے کے قریب آ گیا۔ شاید وہ موت کا اذیت ناک تصور ہی تھا جو افضل خان کی پیشانی پر پسینے کے ننھے منے قطروں کی صورت میں نمودار ہو رہا تھا۔

''لو' اسے پھانک کر پانی پی لو۔'' اشارہ کرنے والے نے جیب سے ایک پڑیا نکال کر افضل خان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''جلدی کرو ہمارے پاس وقت کم ہے۔''

''یہ...... یہ...... اس...... میں کیا ہے؟'' افضل خان کسی انجانے خوف کو محسوس کر کے ہکلانے لگا۔

''اس کا اندازہ تمہیں دو تین گھنٹے بعد ہی ہو گا۔'' نقاب پوش نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم گفتگو میں وقت ضائع نہیں کر سکتے...... شاباش' جلدی کرو۔''

''افضل خان کی آنکھوں میں موت کے سائے کپکپانے لگے لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ اس کے پاس دیئے گئے حکم پر عمل کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ موت کی آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی بزدلی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ اس نے اس وقت بھی اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش میں زیادہ وقت نہیں لیا۔ خاموشی سے پڑیا کھول کر اس کے اندر موجود ہلکے مٹیالے سفوف کو منہ میں ڈالا اور ایک ہی گھونٹ میں حلق کے نیچے اتار گیا۔

''گڈ......'' نقاب پوش نے کہا۔ ''اب تم دوبارہ لیٹ جاؤ...... زیادہ سے زیادہ بیس منٹ بعد ہم اپنا دوسرا کام بھی شروع کر دیں گے۔''

افضل خان بدستور خاموش کھڑا رہا۔ اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو چکا تھا' فرار کے سارے راستے بند تھے' اس لیے اس نے بستر پر لیٹنے میں دیر نہیں لگائی۔ دو منٹ بعد ہی اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ بے ہوشی کا غلبہ اس کے ذہن پر پوری شدت اور تیزی سے ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بے چارگی اور بے بسی پر مسکرا دیا' پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے خیال میں اس آخری وقت میں تین مسلح نقاب پوشوں اور دروازے پر خودکار رائفل لیے تعینات پستہ قد رکھوالے کی موجودگی میں اسے

کسی بہادری کا مظاہرہ کرنے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوتا۔
بے ہوشی یا شاید موت کے سرد ہاتھ بڑی سرعت سے اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتوں کو سلب کر رہے تھے۔ایک لمحے کو اس نے دل میں سوچا کہ جتنی سانسیں باقی رہ گئی ہیں۔اس میں دل کھول کر اس انداز میں فاتحانہ قہقہہ لگائے جس طرح وہ اپنے کسی شکار کو دم توڑتے دیکھ کر لگاتا تھا' لیکن وہ اس پر عمل نہ کر سکا۔اندھیرے کی ایک دبیز چادر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے کر پوری طرح دنیا ومافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔
تین ساڑھے تین گھنٹے وہ اسی کیفیت سے دو چار رہا پھر اس نے ہوش آنے پر دوبارہ آہستہ آہستہ آنکھ کھولی تو خود کو ایک کچرا کنڈی کے غلیظ اور تعفن زدہ ڈھیر پر پڑا پایا۔اس نے اپنے جسم پر نظر ڈالی جو بے لباس نظر آیا۔وہ مادرزاد برہنہ حالت میں پڑا تھا' اس کا جوڑ جوڑ پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔جسم پر نظر آنے والی موٹی موٹی خون کی بدھیاں اس بات کی ترجمانی کر رہی تھیں کہ اسے پوری طرح بڑے ظالمانہ انداز میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا پھر اس کے دشمن شاید اسے مردہ سمجھ کر اسے کچرا کنڈی پر آخری رسومات کے لیے کسی رفاہی ادارے کے رحم وکرم پر چھوڑ گئے تھے۔
اسے ابھی تک شبہ لاحق تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر چکا ہے؟زخموں سے اٹھنے والی ٹیسیں اسے زندگی کا احساس دلا رہی تھیں' لیکن درد کی شدت اور زخموں کو نوعیت یہ احساس بھی دلا رہی تھی کہ شاید اب وہ کچھ ہی گنی چنی سانسیں اور لے سکے گا۔اس نے پوری قوت جمع کر کے کسی کو مدد کے لیے پکارنے کی کوشش کی' لیکن اس کی آواز نقاہت کی وجہ سے اس کی اپنی قوت سماعت تک بھی بہ مشکل پہنچ سکی تھی۔تعفن سے اس کا دم بری طرح گھٹ رہا تھا۔اس نے زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن کراہ کر رہ گیا' پھر اچانک اسے کسی گاڑی کے قریب آ کر رکنے کی آواز سنائی دی۔اس نے گردن گھما کر دوسری جانب دیکھنے کی کوشش کی لیکن اسی جدوجہد میں وہ دوبارہ بے ہوشی کی کیفیت سے دو چار ہو گیا۔قریب سے ابھرنے والی آوازیں اسے بے ہوشی کے بعد دور ہوتی چلی گئی تھیں۔

+++

لیاقت حسین بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیور کر رہا تھا۔
پچھلی نشستوں پر سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم بیٹھے انگریزی میں بات چیت کر رہے تھے۔لیاقت حسین نے اپنی والدہ کے کہنے پر پہلے قرآنی تعلیم حاصل کی تھی' پھر اسے حفظ کے لیے دو سال لگانے پڑے۔بعد میں اس نے ایک مڈل اسکول میں داخلہ لیا' لیکن چھ جماعتوں سے آگے نہ پڑھ سکا' سرفراز خان جیسے مغرور سرمایہ دار کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔اسے لیاقت کا غریب لڑکوں کے درمیان کلاس میں بیٹھنا پسند نہیں تھا' چنانچہ والدین کے درمیان ہونے والی کشمکش دور کرنے کی خاطر اس نے از خود چھٹی جماعت سے آگے پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔راحیلہ بیگم اور سیٹھ عثمان کے درمیان ہونے والی باتیں اس کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آ رہی تھیں' لیکن جو تھوڑی بہت سدھ بدھ تھی اس سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکا تھا کہ راحیلہ بیگم اس دعوت کے سلسلے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار

کر رہی تھیں جبکہ سیٹھ عثمان اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کبھی کبھی انسان کو مجبوراً حالات سے سمجھوتا بھی کرنا پڑتا ہے۔

لیاقت حسین نے بہت قریب سے اپنے مالکان کا مطالعہ کیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے' ان کے درمیان کبھی کسی جھگڑے یا فساد کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کا اندازہ کچھ اس وقت بھی لیاقت حسین کو ہوا تھا جس دشمنوں نے سیٹھ عثمان کی گاڑی میں وحید ڈرائیور کو خرید کر ٹائم بم رکھوا دیا تھا۔ سراج نے مشورے کے بعد بھی سیٹھ عثمان بیرون ملک جانے کو تیار نہیں تھے' لیکن راحیلہ بیگم کے اصرار پر وہ آمادہ ہو گئے تھے اور اب انہوں نے شیخ حامد کی دعوت بھی قبول کر لی جو لیاقت حسین کی نظروں میں بھی دشمن کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

ہفتے کی وجہ سے اس وقت رات کے گیارہ بجے بھی خاصا ٹریفک رواں دواں تھا۔

''لیاقت حسین......!'' اچانک سیٹھ عثمان نے دعوت کے موضوع پر بات ختم کرنے کی خاطر اسے مخاطب کیا۔ ''تم نے کھانا تو کھا لیا تھا؟''

''جی ہاں صاحب۔'' لیاقت حسین نے مختصراً جواب دیا۔ راحیلہ بیگم کی موجودگی میں وہ عموماً کم نا بات کرتا تھا۔

''لیاقت......'' اس بار راحیلہ بیگم نے اسے مخاطب کیا۔ ''سنا ہے تم نے اپنی بیوی کو والدین کے پاس بھیج دیا ہے؟''

''سال بھر سے زیادہ ہو گیا تھا اس لیے میں نے سوچا کہ وہ کچھ دنوں اپنے گھر والوں سے بھی مل آئے۔''

''کیا تمہارے گھر والے تمہیں یاد نہیں آتے......؟''

''یاد کیوں نہیں آتے لیکن میں بعد میں کبھی چلا جاؤں گا۔'' لیاقت حسین نے دل گرفتہ انداز میں جواب دیا۔ اس نے ابھی تک کراچی میں کسی کو بھی اپنے باپ کی حیثیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

''سنا ہے تم جس جگہ رہتے ہو اسے چھوڑ کر دوسرے کسی مکان میں منتقل ہونا چاہتے ہو......؟'' سیٹھ عثمان نے سوال کیا تو لیاقت نے سکون کا سانس لیا۔

''جی صاحب......!''

''کوئی خاص وجہ؟''

''وہ جگہ تنگ پڑتی ہے صاحب اور قبرستان قریب ہونے کی وجہ سے میری گھر والی کو ڈر بھی لگتا ہے۔''

''تمہیں خوف نہیں محسوس ہوتا......؟'' راحیلہ بیگم نے پوچھا۔

''ڈر کس بات کا؟'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''میں نے قرآن حفظ کر رکھا ہے جی۔ تھوڑی حدیث بھی پڑھی ہے اس لیے خدا کے سوا کسی

سے نہیں ڈرتا۔موت تو برحق ہے۔وہی ابدی زندگی بھی ہے جہاں انسان کو مستقل رہنا ہے' دنیا تو مسافر خانہ ہے۔ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں یوں رہو جیسے کہ اجنبی یا راہ چلتا مسافر......"

/ "سبحان اللہ۔" راحیلہ بیگم نے سراہتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔"تمہاری فرحین کب تک واپس آ جائے گی؟"

"ابھی تو اسے گئے ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا۔مہینہ دو مہینے تو نکال کر آئے گی۔"

"تم ابھی کسی مکان کے سلسلے میں پریشان مت ہونا۔" سیٹھ عثمان نے بڑی اپنائیت سے اسے مخاطب کیا۔

"میں اپنے برابر تعمیر شدہ بنگلے کو خریدنے کی بات کر رہا ہوں' دعا کرو کہ کامیاب ہو جاؤں۔اس میں ایک دو کمروں کی انیکسی بھی ہے وہ تمہاری ضرورت کے لیے کافی ہو گی۔"

"آپ دوسرا بنگلہ کیوں خرید رہے ہیں صاحب؟" لیاقت نے روانی میں پوچھ لیا پھر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لیے تو ایک ہی بنگلا......"

"میں دوسرے بنگلے کو اپنا صدر دفتر بنانے کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔"

اس کے بعد راحیلہ بیگم اور سیٹھ عثمان کے درمیان پھر انگریزی میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

لیاقت حسین اس وقت سیٹھ عثمان کے بنگلے کی طرف جانے والی کشادہ اور قدرے سنسان سڑک پر سفر کر رہا تھا' جب اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ذہن پر ہلکی ہلکی غنودگی طاری ہو رہی ہو۔اس کا خیال تھا کہ غالباً مرغن غذا کھانے کا نتیجہ ہے لیکن دوسرے ہی لمحے ایسا لگا جیسے اس کا ہاتھ پاؤں اور نظریں تو کام کر رہی تھیں۔ذہن بالکل خالی اور معطل ہو کر رہ گیا تھا۔پھر ایک جانی پہچانی آواز اس کے ذہن میں گونجتی ہوئی ابھری جو اس کی اپنی آواز سے حیرت انگیز طور پر ملتی جلتی تھی۔اس آواز نے لیاقت حسین کو مخاطب کیا۔

"تمہیں کھانے میں بیہوشی کی دوا دی گئی ہے۔دشمن نے تمہیں سیٹھ عثمان اور اس کی بیوی کو حادثاتی موت سے دو چار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔کچھ دیر میں ایک ٹرک تمہارے تعاقب میں آ جائے گا۔"

"تم......کون ہو؟" لیاقت حسین نے خواب بیداری کی کیفیت میں سوال کیا لیکن اس کی آواز خود اس کے کانوں تک نہیں پہنچی تھی' وہ کسی روبوٹ کی طرح اسٹیئرنگ سنبھال رہا تھا۔

"میں......تمہارا ہمزاد ہوں۔" وہی آواز اس کے وجود میں گونجتی ہوئی ابھری۔"اللہ کے کسی برگزیدہ بندے نے مجھے تمہارا محافظ بنا دیا ہے۔تمہیں کسی متوقع خطرے سے آگاہ کرنا' بچانا اور کسی کے ساتھ نیکی پر اکسانا میری ذمے داری ہے' تم نے کسی معذور کی جان بچانے کی خاطر جو قدم اٹھایا تھا وہ قابل تحسین ہی تھا۔بعد میں کسی نامعلوم انسان کو گندے علم سے محفوظ کر کے تم نے اپنی جان کو

ایسا روگ لگا لیا تھا جس کا توڑ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ تمہاری یہ انسان دوستی بارگاہ ایزدی میں پسند کی گئی پھر اس قادر مطلق نے تمہیں نوازنے کے لیے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو تمہارے لیے وسیلہ بنا دیا۔ تمہیں وہ سفید ریش نابینا یاد ہے؟ وہ بھی اللہ کا فرستادہ تھا جس نے دیوانے کی چھولداری تک پہنچنے میں تمہاری مدد کی تھی۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے عطیہ خداوندی ہے جو سب کو نصیب نہیں ہوتا......اور......جو راستے سے بھٹک جائیں تو بھی وہ صاحب اختیار ہے' تدبیر اور تقدیر کے کھیل میں چٹ پٹ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔''

''اس وقت میں اپنے مالکوں کا تحفظ کس طرح کر سکتا ہوں؟''

''توبہ کر لو......'' اسی آواز نے کہا۔ ''موت اور زندگی بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔ وہی ہوگا جو اسے منظور ہوگا' لیکن بعد میں تمہیں کچھ یاد نہیں رہے گا۔ یاد آ بھی جائے تو اپنی زبان کو لگام دیے رکھنا۔ کچھ معاملات میں خداوند کریم نے بھی اپنے نیک بندوں پر شفقت فرماتے ہوئے بعض امور میں عمداً سکوت فرمایا ہے۔ ان کے متعلق حکم ہے کہ تم بھی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زبانوں کو قفل لگا دو۔ زبان کھل جائے تو انسان بڑے خسارے میں رہتا ہے۔ میری اس بات کو فراموش کرنے کی غلطی کبھی نہ کرنا ورنہ......''

کانوں میں گونجنے والی آواز معدوم ہو گئی۔ لیاقت حسین کے ذہن میں کلبلانے والے بہت سارے سوالات گھٹ کر رہ گئے۔ ذہن پر جیسے اچانک دھند کی دبیز چادر پھیل گئی ہو۔ اس نے پیش آنے والے متوقع خطرے سے سیٹھ عثمان کو آگاہ کرنا چاہا لیکن نہ وہ اپنی زبان کو متحرک کر سکا' نہ اشاروں کی زبان استعمال کرنے کی صلاحیت باقی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور نظریں مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے' لیکن اس میں اس کے اپنے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی لیکن کسی ٹرک کا کوئی نشان اسے دور دور تک نظر نہ آیا۔

''لیاقت حسین......'' پشت سے سیٹھ عثمان کی آواز ابھری۔ ''آگے سے گاڑی بائیں ہاتھ پر موڑ کر سپر اسٹور پر روک لینا بیگم صاحبہ کو کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے کچھ دیر آگے جانے کے بعد کار کو سپر اسٹور کی طرف موڑ دیا جہاں اور بھی کچھ گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد بھی وہ حسب معمول اپنی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا رہا' اس نے کوشش کی تھی کہ حسب معمول تیزی سے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولے لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا۔

سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم اتر کر اسٹور کے اندر چلے گئے تو اس نے نہ چاہنے کے باوجود گاڑی کو پارکنگ کی جگہ سے نکالا اور کھلی سڑک پر ڈرائیو کرنے لگا' ایک منٹ بعد اس کی نظر اچانک عقبی شیشے کی طرف اٹھی' اس کا وجود سنسنانے لگا' پشت سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے سے ایک ٹرک اپنی رفتار بڑھاتا آگے آ رہا تھا۔

''امتحان کا وقت آ گیا لیاقت حسین۔'' وہی سماعت آشنا آواز پھر اس کے کانوں میں

گونجی۔ ”ایک بار پھر ذہن نشین کرلو موت اور زندگی اوپر والے کے ہاتھ میں ہے اس کے راز کو کوئی اور نہیں پا سکتا......ڈاکٹر اور حکیم صرف اپنے تجربات کی روشنی میں قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔ ہوتا وہی ہے جو مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ رفتار بڑھا لو۔“

لیاقت حسین کے پاؤں کا دباؤ ایکسی لریٹر پر بتدریج بڑھنے لگا سڑک تقریباً سنسان ہی تھی! تعاقب میں آنے والے ٹرک نے اپنی رفتار طوفانی کر دی۔ لیاقت حسین کا ذہن سائیں سائیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی اسپیڈ اور بڑھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ٹرک ہر لحہ قریب آتا جا رہا تھا......قریب......اور قریب پھر......لیاقت حسین کا پورا وجود جیسے کسی بھونچال کی لپیٹ میں آ گیا ہو ٹرک سے ٹکرانے کے بعد اس کی کار کسی کھلونے کے مانند فضا میں اچھلی، اس کا سر پوری شدت سے چھت سے ٹکرایا۔ اسے صرف اتنا ہی یاد رہا کہ کار دوبارہ سڑک پر واپس گری تھی لیکن اس کے بعد دوسری ٹکر پہلے سے زیادہ شدید تھی جس نے لیاقت حسین کے تمام حواس خمسہ کو پلک جھپکتے میں معطل کر دیا۔ ساری قوتیں گھپ اندھیروں میں مدغم ہو گئیں۔

☩☩☩

ساحل سمندر پر ہونے والے دھماکے میں کسی کی موت واقع نہیں ہوئی تھی۔ بم ڈسپوزل اسکواڈ کے عملے نے یہی رپورٹ دی تھی کہ تباہ ہونے والی گاڑی میں دیسی ساخت کا ٹائم بم پہلے سے فٹ تھا لیکن وہ ہائی روف کس نے خریدی تھی؟ وہ خود سامنے کیوں نہیں آ رہا تھا' یہ بات تفتیشی آفیسر کے لیے بھی کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ گاڑی کے آس پاس سے کہیں کوئی لاش بھی برآمد نہیں ہوئی تھی۔ گاڑی کے انجن نمبر اور دیگر نمبروں کی روشنی میں سات آٹھ گھنٹوں کی دوڑ دھوپ کے بعد اس کے ڈیلر کا پتا چل گیا جہاں سے اسے خریدا گیا تھا لیکن وہاں سے بھی جو معلومات حاصل ہوئیں وہ بھی پولیس کے لیے حیران کن ہی تھیں' ڈیلر کے ریکارڈ کے مطابق وہ ہائی روف ایک رفاہی ادارے کے نام پر فروخت کی گئی تھی۔ خریدنے والے کے دستخط اور نام کی تصدیق کی خاطر پولیس جب اس رفاہی ادارے کے مالکان تک پہنچی تو وہاں سے یہی جواب ملا کہ پچھلے دس ماہ سے اس ادارے نے کوئی نئی ہائی روف نہیں خریدی تھی۔ نہ ہی وہ اس نام کے کسی آدمی سے واقف تھے جو پولیس کو ڈیلر نے فراہم کیا تھا۔ بعد میں ایکسائز کے رجسٹریشن کے ڈیپارٹمنٹ نے بھی یہی تحریری بیان دیا کہ اس انجن اور چیسس نمبر کی کوئی ہائی روف پچھلے پندرہ دنوں میں رجسٹریشن کے لیے نہیں آئی جبکہ ڈیلر کا ریکارڈ ظاہر کرتا تھا کہ اسے دھماکے سے صرف چوبیس گھنٹے پہلے فروخت کیا گیا تھا۔ رقم کی ادائیگی بھی کیش کی صورت میں کی گئی تھی' چنانچہ پولیس نے یہی خیال ظاہر کیا کہ اسے دہشت گردوں کی کسی تنظیم نے شہر میں کوئی واردات کرنے کے ادارے سے حاصل کیا ہو گا۔

سراج کے لیے اس ہائی روف سے اہم دھماکا افضل خان کی منظر عام پر واپسی تھی۔ وہ صبح آٹھ بجے سے اس ہسپتال میں موجود تھا جہاں افضل خان کو انتہائی نگہداشت وارڈ کے ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا تھا۔ سراج کو جو اطلاعات فراہم کی گئیں اس کے مطابق افضل خان کو برہنہ حالت میں

کچرا کنڈی میں پڑے سب سے پہلے ایک نمازی نے مسجد سے آتے وقت دیکھا تھا۔ جس نے فوری طور پر ملحقہ تھانے کو اس کی اطلاع دی تھی۔ پھر ایک رفاہی ادارے کی ایمبولینس کے ذریعے زخمی کو ہسپتال پہنچا دیا گیا جہاں اسے افضل خان کی حیثیت سے شناخت کرنے کے بعد سب سے پہلے سراج کو اطلاع دی گئی تھی۔ ہسپتال کے متعلقہ ڈاکٹر بھی بڑی تندہی سے اس کو اٹینڈ کرنے لگے۔

اس وقت سراج اسی ہسپتال کے متعلقہ وارڈ کے بڑے ڈاکٹر کے کمرے میں موجود تھا۔

''مریض کو جس تشدد سے دو چار کرنے کے بعد کچرا کنڈی پر پھینکا گیا' اس کے بعد اس کا زندہ بچ جانا بھی تعجب کی بات ہے۔'' ڈاکٹر بے حد سنجیدگی سے سراج کو بتا رہا تھا۔ ''مریض کی حالت خطرناک حد تک مخدوش ہے' ہم اپنی سی کوشش ضرور کر رہے ہیں لیکن اگر وہ اگلے چوبیس گھنٹوں کے بعد بھی پوری طرح ہوش میں نہ آیا تو کیس مایوس کن بھی ہو سکتا ہے۔''

''آئی سی' گویا فی الحال چوبیس گھنٹوں تک مریض کوئی بیان دینے کی پوزیشن میں نہیں ہو گا۔''

''یو آر رائٹ۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''عام حالت میں بھی ہم اس قسم کے مریضوں کو زیادہ سے زیادہ ذہنی سکون پہنچانے والی ادویات دیتے ہیں تا کہ ان کا ذہن متاثر نہ ہو سکے' اس کے ساتھ زخموں کی مرہم پٹی بھی دیگر ضروری دواؤں کے ساتھ تسلسل سے جاری رہتی ہے۔''

''آپ کی رائے میں کیا مریض جانبر ہو سکے گا؟'' سراج نے کسمسا کر دریافت کیا۔

''ڈاکٹر کی حیثیت سے ہماری کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ مریض زندگی کی طرف لوٹ آئے لیکن......'' ڈاکٹر نے شانے اچکا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سراج ڈاکٹر سے کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد باہر آ گیا جہاں متعلقہ تھانے کا ایک سب انسپکٹر موجود تھا۔ سراج نے اس کو قریب بلا کر سنجیدگی سے پوچھا۔ ''کیا آپ نے میری ہدایت کے مطابق سادہ لباس والوں کو مریض کی نگرانی پر مامور کر دیا ہے؟''

''یس سر......'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر نے بھی یہی ہدایت جاری کی ہے کہ جب تک وہ اجازت نہ دیں کسی کو بھی مریض کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ دی جائے لیکن اگر آن ڈیوٹی اسٹاف کے کسی فرد کو استعمال کیا گیا تو......''

''آپ جس شبہے کا اظہار کر رہے ہیں وہ میں بھی سمجھ رہا ہوں لیکن اگر اغوا کرنے والوں کو مریض کو مارنا ہی مقصود تھا تو پھر اس کی موت کا انتظار کیے بغیر اسے آزاد بھی نہ کرتے۔''

''میں نے ایک امکانی خطرے کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی تھی سر......''

سراج کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت اس کی نظر شیخ حامد پر پڑی جو ایک سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مسلح گارڈز کے ساتھ راہداری میں نظر آ رہا تھا۔ اس کا رخ بھی بڑے ڈاکٹر کے کمرے کی طرف ہی تھا۔ چہرے پر ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے وہ بڑی مشکلوں سے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ سراج بھی محتاط ہو گیا پھر ایس ایس پی اور شیخ حامد کے پیچھے پیچھے وہ بھی

دوبارہ ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوا جو شیخ حامد کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"افضل خان میرا دست راست ہے۔" شیخ حامد نے بغیر کسی تمہید کے اپنے غصے کا اظہار کیا۔ "میں ہر قیمت پر اسے زندہ دیکھنا پسند کروں گا۔ اس سلسلے میں اخراجات کی فکر نہ کرنا۔"

"ہماری کوشش بھی یہی ہوگی کہ مریض اپنے پیروں سے چلتا ہوا اسپتال سے رخصت ہو۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"دنیا کے کسی گوشے میں سے کسی ماہر کی ضرورت ہو تو اسے بلانے میں کوئی تاخیر نہ کرنا۔ یہ شیخ حامد کی عزت اور وقار کا معاملہ ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں...... ہم کسی کوتاہی سے کام نہیں لیں گے۔"

شیخ حامد بڑے ڈاکٹر کو ضروری ہدایت دینے کے بعد سراج کی طرف پلٹا' اس کے چہرے پر اس وقت بھی جلالی کیفیت طاری تھی۔ "مسٹر سراج...... وزیر اعلیٰ نے اغوا کرنے والوں کو زندہ یا مردہ عوام کے سامنے لانے کی خاطر آپ کو صرف ایک ہفتے کی مہلت دی تھی۔ آپ کے پاس اب دو دن کی مہلت اور رہ گئی۔ ہے۔"

"مجھے معلوم ہے......" سراج نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ ایس ایس پی کی موجودگی میں وہ زیادہ باتیں کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

"کوئی معمولی سا کلیو بھی ہاتھ لگے تو آپ براہ راست مجھے بھی اطلاع دے سکتے ہیں۔ میں مجرموں کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں آپ سے ہر قسم کا تعاون کروں گا۔"

شیخ حامد نے اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد رکنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ہونٹ چباتا ہوا پلٹ کر واپس جانے لگا' ایس ایس پی کے علاوہ اس کے ذاتی گارڈ بھی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

"سر۔" شیخ حامد اور ایس ایس پی کے جانے کے بعد سب انسپکٹر نے دبی زبان میں سراج کو مخاطب کیا۔ "جہاں ایک بڑے سرمایہ دار کی اتنی بالادستی ہو وہاں قانون کی بھلا کیا حیثیت ہوگی؟"

سراج نے اس کے چبھتے ہوئے طنز کو محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "نو کمنٹس لیکن ایک بات ضرور یاد رکھنا۔ اگر سامنے والا اتنا اناڑی ہو جسے بادشاہ اور غلام کے درمیان فرق نہ معلوم ہو تو اس کے ساتھ کھیلنے میں کوئی لطف بھی نہیں آتا۔"

"آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار ہیں سر...... لیکن کیا آپ بادشاہ اور غلام کی حیثیتوں کی تشریح نہیں کریں گے؟" سب انسپکٹر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"تمہاری ترقی ابھی حال میں ہوئی ہے مائی فرینڈ......" سراج نے دوستانہ انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "وقت کے ساتھ تمہیں بھی اس بات کا تجربہ ہو جائے گا۔ ہاتھی اور چیونٹی میں اگر ٹھن جائے تو کون کس کے حق میں زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

"آئی ایم سوری سر......" سب انسپکٹر نے سراج کو باقاعدہ سیلوٹ کرتے ہوئے شرمندگی کا اظہار کیا۔ "میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔"

''اٹ از فائن۔'' سراج دوبارہ مسکرا دیا۔''خدا کا شکر ہے کہ ایک ادنیٰ سی مثال نے تمہیں جلد بازی میں کیے گئے فیصلے کا احساس دلایا۔ایک بات کو پولیس کی ملازمت میں ہمیشہ یاد رکھنا۔جلد بازی میں اٹھایا گیا کوئی قانونی قدم بھی عدالت میں اکثر کسی قابل وکیل کے تجربوں اور چرب زبانی کے مقابلے میں بے وقعت ہو جاتا ہے۔کسی پر جال پھینکنے سے پیشتر اگر ایک پولیس آفیسر اس کی طاقت اور جسامت کو نظر انداز کر دے تو میں اس کو دانش مندی نہیں کہوں گا۔''

''میں آپ کی بات کی گہرائی کو سمجھ رہا ہوں جناب......آئندہ اپنی عملی زندگی میں ان باتوں کا خاص خیال رکھوں گا۔''

''ایک بات اور ذہن نشین کر لو۔'' سراج نے معنی خیز انداز اختیار کیا۔''جب عہدے کو بالائے طاق رکھ کر دو پولیس آفیسروں کے درمیان بے تکلفی سے کوئی بات ہو تو اسے بھی ہمیشہ امانت سمجھ کر محفوظ رکھنا شرط ہے۔میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔''

اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد سراج نے دور رہ کر نگرانی پر مامور سادہ لباس والوں کا سرسری جائزہ لیا پھر علاقے کے انسپکٹر کو محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہوا پارکنگ گیٹ میں آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتا' اس کا ان رجسٹرڈ سم والا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔سراج نے دائیں بائیں نظر ڈالی پھر الٹی جیب میں پڑا ہوا موبائل نکال کر کان سے لگا لیا۔اس سم کے نمبر صرف دو چار افراد کو ہی معلوم تھے' اس کا خیال تھا کہ وہ کال سیٹھ عثمان یا ڈی آئی جی کرائم نے کی ہو گی لیکن دوسری جانب میڈم روبی کی مانوس آواز سن کر وہ چونکا۔پھر اسے یاد آ گیا کہ وہ نمبر اس نے میڈم کو بھی یاد تھا۔اس بات کی تاکید بھی بطور خاص کی تھی کہ ان نمبروں کو بہت ہی اہم موقعوں پر استعمال کیا جائے۔بہر حال وہ اس کال کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''سراج بول رہا ہوں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

''آپ کو ناوقت فون کرنے کی معذرت چاہوں گی لیکن میں نے سنا ہے کہ شاید......''

''آپ نے ٹھیک سنا ہے۔' سراج نے نامکمل جملے کے باوجود میڈم کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔''ڈاکٹروں نے ابھی تک اس کے بارے میں کوئی امید افزا بات نہیں کی۔''

''بڑا مگر مچھ بھی اس کو دیکھنے آیا تھا؟''

''کسی بڑے کاروباری ادارے کا جی ایم جسم میں ریڑھ کی ہڈی ہی کی طرح کاروباری معاملات میں بے حد اہمیت رکھتا ہے۔'' سراج نے اس بار بھی گول مول جواب دیا۔

''ساحل پر ہونے والے دھماکے کے بارے میں کوئی سراغ ملا؟'' میڈم نے پوچھا۔

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

''اپنے بیڈ روم میں......''

''میں کچھ دیر بعد آپ کو کال کر لوں گا۔مصروفیت کی وجہ سے اس وقت معافی چاہتا ہوں۔'' سراج نے جملہ مکمل کر کے موبائل دوبارہ جیب میں ڈالا' گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے ریورس

کیا پھر تیزی سے ہسپتال سے نکل کر کھلی سڑک پر آ گیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت میڈم کا ساحلی علاقے پر ہونے والے سے متعلق وہ سوال صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ خاصی دیر تک وہ اس سوال کے علاوہ ان باتوں پر بھی غور کرتا رہا جو اس کے اور میڈم کے درمیان ہو چکی تھیں۔ افضل خان جیسے شیطان کے ہاتھوں سے بچ نکلنے کے بعد خود میڈم کے ذہن میں بھی اپنے ممکنہ دشمنوں کے بارے میں بہت سارے سوالات ابھرے ہوں گے۔ یہ بھی سوچا ہو گا کہ پہلی بار اسے افضل خان کے اپارٹمنٹ سے رخصت ہوتے وقت ہی اغوا کی کوشش کیوں کی گئی؟ دو اور دو چار کرنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی ہو گی' لیکن ان تمام باتوں کا ساحلی علاقے پر ہونے والے دھماکے سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ سراج سوچتا رہا' غور کرتا رہا۔ کئی امکانی پہلوؤں پر عقل کے گھوڑے دوڑاتا رہا پھر اس کے ذہن میں یقیناً کوئی ایسا خیال ابھرا تھا جو اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بن کر پھیل گیا۔

آفس پہنچ کر سراج کچھ ضروری فائلیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن فون کالز کے سلسلے نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ ریسیور اٹھا کر میز پر رکھ دے اور کچھ دیر سکون کا سانس لے سکے۔ اخباری رپورٹروں نے افضل خان کی بازیابی کے سلسلے میں الٹے سیدھے سوالات کرنا شروع کر دیے تھے۔ ہر چند کہ سراج نے سب کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ افضل خان کے بارے میں اخبار والوں کو کوئی بھنک نہ ملے لیکن کسی نہ کسی ذریعے سے بات ان کے کانوں تک پہنچ گئی۔ سراج چونکہ اسی کیس کا انکوائری آفیسر تھا اس لیے اخباری رپورٹر پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ رہے تھے۔

ریسیور ایک طرف رکھنے کے بعد اس نے سکون کے چند ہی لمحے گزارے تھے کہ آفس پر تعینات اس کے کانسٹیبل نے ایک چٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''سر...... اس نمبر سے آپ کو تین چار بار کال کیا گیا تھا۔ اسے آپ سے کوئی ضروری اور اہم بات کرنی تھی۔''

سراج نے اس نمبر کو غور سے دیکھا' یادداشت کو کریدنے کے باوجود وہ یہ نہ یاد کر سکا کہ وہ نمبر کس کا تھا' پھر اس نے میز پر ایک طرف رکھا ہوا ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ کانسٹیبل نے کہا۔

''فون کرنے والے نے کہا تھا کہ وہ آپ کو ساڑھے گیارہ بجے دوبارہ کرے گا۔''

''پھر...... ان نمبروں کے لکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟'' اس نے جھلا کر کانسٹیبل سے دریافت کیا۔

''میرے دریافت کرنے پر اس نے یہی نمبر لکھوائے تھے' لیکن یہ بھی کہا تھا کہ کسی پبلک کال آفس کے نمبروں سے بات کر رہا ہے۔ آپ آئیں تو تاکید کی جائے کہ اس کے فون کا انتظار کریں۔'' کانسٹیبل نے وضاحت کی۔ ''اس کی گفتگو سے یہی لگ رہا تھا سر' کہ وہ آواز بنا کر بول رہا ہے ممکن ہے اس کو کوئی ضروری اور اہم بات آپ سے کرنی ہو۔''

سراج نے کانسٹیبل کو اشارے سے رخصت کیا' پھر اس نے جھلا کر چٹ کو کئی ٹکڑوں میں منقسم کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ ساڑھے گیارہ بجے میں ابھی دس منٹ باقی تھے پھر بھی اس نے

احتیاطاً ریسیور اٹھا کر واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ایک منٹ بعد ہی فون کی گھنٹی کی آواز ابھرنے لگی۔اس نے فون کو جھلا کر دیکھا پھر ریسیور اٹھا کر مجبوراً کان سے لگا لیا۔

''سراج......''اس نے حسب معمول مختصراً اپنا تعارف کرایا۔

''میں ہاٹ لائن نیوز کا نمائندہ بول رہا ہوں۔''دوسری جانب تلخی سے کہا گیا۔''بہت دیر سے آپ سے کال ملانے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن آپ نے شاید اسے انگیج کر رکھا ہے۔''

''جی ہاں......''سراج کا موڈ پھر آف ہو گیا۔''آپ حضرات جو رائے قائم کرلیں وہی درست ہوتی ہے۔میں خود بھی حیران ہوں کہ فون انگیج رکھنے کے باوجود میں آپ کی کال کس طرح اٹینڈ کر رہا ہوں۔اس حیرت انگیز اور ناقابل یقین حقیقت کا ذکر بھی اپنی اخباری رپورٹ میں ضرور شامل کر لیجیے گا۔بڑی نوازش ہوگی۔''

''میں آپ کی الجھن سمجھ رہا ہوں مسٹر سراج۔''اس بار قدرے شستہ لہجے میں کہا گیا۔''مجھے یقین ہے کہ دوسری نیوز ایجنسیاں بھی آپ کو مسٹر افضل خان کی بازیابی کے بارے میں فون کر رہی ہوں گی۔''

''آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

''صرف اتنا کہ اس کی بازیابی کس وقت......کس طرح ہوئی اور بحیثیت انکوائری آفیسر آپ اس سلسلے میں کیا کہنا پسند کریں گی۔''

''محض دو باتیں......''سراج نے تلملا کر کہا۔

''بازیاب ہونے والا شخص بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار ہے۔ڈاکٹروں نے ابھی ہمیں اس سے اگلے چوبیس گھنٹوں تک دور رہنے کا مشورہ دیا ہے......اور کچھ؟''

''اسے کس ہسپتال میں رکھا گیا ہے اور اس کی بازیابی کس طرح ہوئی؟''

''سوری......میں فی الحال ان دونوں سوالات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''سراج نے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی لائن منقطع کر دی۔ساڑھے گیارہ بجے کے انتظار کی مجبوری کے سبب اسے اسی قسم کی ایک دو کالیں اور بھی بھگتانی پڑیں۔اس کے بعد ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے جو کال موصول ہوئی وہ کسی نیوز ایجنسی کی طرف سے نہیں تھی۔

''میں آپ کو وقفے وقفے سے تین بار پہلے بھی کال کر چکا ہوں۔''سراج کے کال اٹینڈ کرنے پر دوسری جانب سے کہا گیا۔

''کس سلسلے میں؟''سراج نے سنبھل کر محتاط انداز اختیار کیا۔دوسری طرف سے بولنے والا اس وقت بھی آواز بنا کر گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''گودام نمبر تین۔دو عورتیں!......کیا اتنا حوالہ کافی ہوگا؟''

''اوہ......تو یہ تم ہو......؟''سراج کے ذہن میں فرحین اور زرینہ کے اغوا کے بارے میں پورا منظر نامہ گھوم گیا۔

''جی ہاں......آپ کا نادیدہ خادم......''

''خادم نہیں بلکہ محسن کہو تو زیادہ مناسب ہوگا۔'' سراج نے سنجیدگی سے اعتراف کیا۔ ''دنیا کی تمام پولیس سراغرساں ایجنسیوں کی کامیابی کا راز کسی نہ کسی مخبر کی اطلاع ہی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ جو افسران اس کا اعتراف نہیں کرتے وہ......''

''مخبر بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔'' دوسری جانب سے بات کاٹ کر کہا گیا۔ ''ایک وہ جسے کسی مخبری کے عوض دولت کا لالچ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو اپنی زندگی کی بازی لگا کر پولیس کو سو فیصد مجرموں تک پہنچاتا ہے۔ اسے مال کے بجائے پولیس سے اپنی جان کا تحفظ درکار ہوتا ہے۔ آپ مجھے دوسری قسم کے مخبروں میں شمار کریں تو بہتر ہوگا۔ مال کی میرے پاس کوئی کمی نہیں ہے۔''

''کس قسم کا تحفظ یا ضمانت درکار ہے؟'' سراج نے دوستانہ انداز میں دریافت کیا۔

''صرف اس بات کی یقین دہانی کہ میں جو شرط رکھوں اس پر سختی سے عمل کیا جائے۔ میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ یہ بھی آپ نے وزیر اعلیٰ کانفرنس میں جس دلیری کا ثبوت دیا اس کے پشت پر کون سی طاقت تھی۔'' اس بار کھل کر کہا گیا۔ ''یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ دو ہاتھ ہونے کے باوجود تین چار کشتیوں کا توازن سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

سراج ایک لمحے کو چونکا پھر اس نے دبی زبان میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم کو میری زبان پر اعتماد ہو تو میں تمہیں ہر قسم کا تحفظ دینے کو تیار ہوں۔ ویسا ہی عمل ہوگا جیسا تم چاہو گے بشرطیکہ کام بہت زیادہ غیر قانونی بھی نہ ہو۔''

''میں آپ کے ٹائپ سے واقف ہوں اس لیے زبان پر بھی اعتبار کر سکتا ہوں۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''ڈراما اسٹیج کرنے والے سامنے آ کر جو ہمدردی کر رہے ہیں۔ وہ محض دکھاوا ہے' کوئی کردار اگر سرکاری غفلت کا شکار ہو کر اپنے انجام تک پہنچ جائے تو پھر اصل مجرم بھی شیر بن جاتا ہے۔''

''آئی۔سی......'' سراج نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ ڈراما ڈائریکٹر کون ہے؟''

''دو کردار اور بھی قریب ہی موجود ہیں۔'' اس بار بھی بات گھما پھرا کر کہی گئی۔ ''وہ اگر روشنی میں آ جائیں تو ڈراما کرنے والے بھی ہکا بکا رہ جائیں گے۔ زبانیں کھلوانا پھر آپ کے اختیار میں ہو گا۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ انہیں جو کام سونپا گیا ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لیے ہائی الرٹ رہنے کا حکم دیا گیا ہے' صرف ایک مخصوص سگنل ملنے کے بعد وہ ساری رکاوٹیں ہونے کے باوجود موت اور زندگی کی بازی سے کھیلنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔''

''میں دو کرداروں والی بات نہیں سمجھ سکا۔ کیا ہم کھل کر گفتگو نہیں کر سکتے؟'' سراج نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''ٹھیک ہے' آپ لائن بند ہونے کے بعد ریسیور الگ رکھ دیں' میں دس منٹ کے اندر اندر

آپ کو دوبارہ کال کرتا ہوں۔''

سراج نے اس کی ہدایت کے مطابق ریسیور میز پر رکھ دیا لیکن وہ بات نہیں سمجھ سکا تھا کہ جب فون انگیج ہوگا تو وہ فون کس طرح کرے گا؟ اس کا خیال تھا کہ شاید دس منٹ کا وقفہ کسی خاص وجہ سے رکھا گیا ہے۔ وہ بھی اسی معمے کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا ان رجسٹرڈ سم والا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ اسکرین پر جو نمبر روشن ہوا وہ اس کے لیے بالکل نیا تھا' پھر بھی اس نے کال اٹینڈ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

''ہیلو۔'' سراج نے اپنا نام لینے کے بجائے صرف ہیلو کہنے پر اکتفا کیا۔

''آپ کا خادم بول رہا ہوں۔'' اسی مخبر کی آواز ابھری جو دس منٹ پہلے اس کے آفس کے نمبروں پر بات کر رہا تھا۔

''تمہیں میرا یہ نمبر کہاں سے ملا؟'' سراج نے تعجب کا اظہار کیا۔

''یہ بات اتنی ضروری نہیں جتنا ان دو کرداروں کا مسئلہ اہم ہے۔'' دوسری طرف سے بات جاری رکھی گئی۔

''وہ آپ کو اس وقت ہوٹل ذیشان کے کمرا ایک سو دو میں ملیں گے۔ ایک درمیانہ قد اور دوسرا بونے قد والا ہے۔ ان کو قابو کرنے میں کوئی اوچھا ہاتھ نہ ڈالیے گا...... وہ اپنی گرفتاری پر اپنی موت کو زیادہ ترجیح دیں گے' دونوں میک اپ میں ہیں۔''

''کون لوگ ہیں وہ؟'' سراج نے پوچھا۔ اتنی جلدی مجرموں کا سراغ ملنے سے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کی گردش بھی تیز ہونے لگی۔

''بگ باس کے زرخرید شکاری کتے۔'' دوسری جانب سے نفرت کا اظہار کیا گیا۔ ''چار اشتہاری مجرموں کے قتل میں بھی ان دونوں کا ہاتھ شامل تھا' ان کے علاوہ دو اور بھی ہیں جن کی اطلاع میں بعد میں دوں گا۔ آپ کے علیم احمد صاحب کو بھی ان ہی کی تلاش ہے۔ مناسب یہی ہوگا کہ انہیں گرفتار کر کے افضل خان کے سلسلے میں کھنگالنے کے بعد علیم صاحب کے حوالے کر دیں...... ہوسکتا ہے کہ انہیں پولیس کسٹڈی میں موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی جائے۔''

''تم نے کسی کو تحفظ دینے کی بات کی تھی؟'' سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ممکن ہے پولیس کے چھاپے کے وقت وہ بھی لپیٹ میں آجائے' لیکن وہ جرم نہیں ہو گا۔'' دوسری جانب سے جواب ملا۔ ''اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو آپ کا وعدہ بھی ضرور یاد دلاؤں گا۔''

''میں بھی تمہیں ایک بار پھر یقین دلاتا ہوں کہ اپنے وعدے کو ہر قیمت پر نبھاؤں گا خواہ اس کے لیے کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔'' سراج نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا بلکہ رابطہ ختم کر دیا گیا۔

مخبر نے جو اطلاع دی تھی وہ اہم بھی تھی اور اس پر عمل کرنے کے لیے خاصی محنت بھی کرنی ضروری تھی' جو لوگ شیخ حامد کے اشارے پر چار اشتہاری مجرموں کو گولی مار کر عام شاہراہوں پر پھینکنے

کی جرأت کر سکتے تھے۔ وہ اسی کے حکم پر پستول کی نالیں اپنی کنپٹیوں پر رکھ کر ٹریگر دبانے کا مظاہرہ کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ لاش ملنے کی صورت میں ان کی زبانوں کو بولنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک ذرا سی غفلت سارے بنے بنائے کھیل کو تباہ کرنے کو کافی ہوتی۔

سراج کا ذہن بڑی تیزی سے ان دو مجرموں کو زندہ و سلامت گرفتار کرنے کے مختلف منصوبوں پر غور کرتا رہا۔ ان کی گرفتاری میں زیادہ نفری کی نہیں' زیادہ دوراندیشی اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ بیس منٹ تک وہ کمانڈو ایکشن کے مختلف آزمودہ طریقوں پر غور کرتا رہا پھر...... کچھ سوچ کر اپنے سیکریٹ موبائل پر ڈی آئی جی کرائمز کے مخصوص نمبروں کو پنچ کرنے لگا۔

❖❖❖

دفتر سے اٹھنے کے بعد سراج نے گھر جاتے ہوئے ایک بار پھر ہسپتال جا کے ڈاکٹر سے ملاقات کی۔ افضل خان بدستور بے ہوشی کی حالت سے دوچار تھا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ صبح سے پیشتر وہ پولیس کو کوئی بیان دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوگا۔ ہسپتال میں تعینات سادہ لباس والوں کی طرف سے بھی اطمینان کر لینے کے بعد سراج نے دور ہی دور سے ایک سرسری نظر ہوٹل ذیشان پر بھی ڈالی جو ہسپتال سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر شاپنگ سینٹر کے قریب مین روڈ پر ہی واقع تھا' مطلوبہ مجرموں کو زندہ گرفتار کرنے کے سلسلے میں ڈی آئی ج کرائمز نے بھی اس بات کی تائید کی تھی کہ اس مہم میں کم سے کم افراد شامل ہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ سراج نے خاصی تفصیل کے ساتھ پورا پلان ذہن میں مرتب کر رکھا تھا' اس وقت بھی وہ ذیشان ہوٹل کی لوکیشن دیکھنے کے بعد اپنے منصوبے کو انتہائی مؤثر طور پر عملی جامہ پہنانے کے بارے میں مختلف زاویوں سے دیکھ رہا تھا جب اس کے موبائل کی وائبریشن نے اس توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ اسکرین پر میڈم کے نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آن کرتے ہوئے کہا۔

''معذرت خواہ ہوں کہ مصروفیت کی وجہ سے آپ کو جوابی کال نہ کر سکا۔''

''حالات کے پیش نظر میرا ذاتی خیال بھی یہی تھا کہ آپ کو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہو گی...... جال میں آنے والا مگر مچھ کیا ابھی تک سانس لے رہا ہے؟''

''آپ نے صبح ساحلی علاقے پر ہونے والے دھماکے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔'' سراج نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔'' آپ کا کیا خیال ہے۔ ہم پولیس والے عقل سے بالکل ہی پیدل ہوتے ہیں؟''

''میں سمجھی نہیں......'' دوسری طرف سے تعجب کا اظہار کیا گیا۔

''میں تاج محل ہوٹل والے سانحے کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا' لیکن بہرحال' آپ کو اس بات کا اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا کہ میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔'' سراج نے بدستور سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔'' ایک دوست کی حیثیت سے...... آف دی ریکارڈ...... میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ دشمن کے مقابلے کے لئے تیار رہنے کا اختیار دوسروں کی طرح آپ کو بھی ہے لیکن...... دھماکا خیز طریق کار سے

گریز کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

''آپ نے دوست کہا ہے تو میں بھی آپ کے اندازے کی تردید نہیں کروں گی۔'' جواب میں میڈم نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔''میرا مقصد صرف اپنے دشمن کو یہ باور کرانا تھا کہ میں اتنی کمزور بھی نہیں ہوں جتنا وہ سمجھ رہا ہے۔''

''اس کے باوجود میں آپ کو محتاط رہنے ہی کا مشورہ دوں گا؟''

''آپ نے کچھ دنوں پہلے مجھ سے کسی کا نام بتانے کا وعدہ کیا تھا۔'' دوسری جانب سے بے تکلفی کا اظہار کیا گیا۔

''یاد ہے آپ کہ......؟''

''کچھ دنوں اور انتظار کرلیں۔موجود سچویشن سے نمٹ لوں تو پھر تفصیل سے بات ہوگی۔''

''ٹھیک ہے......میں انتظار کرلوں گی لیکن اس وقت میں آپ سے ایک اہم بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''میرے لائق کوئی خدمت......؟''

''آپ نے مجھے زندہ رہنے کا جو موقع فراہم کیا تھا اس کے پیش نظر میں آپ پر اندھا اعتماد کرنے لگی ہوں۔'' میڈم نے بے حد سنجیدگی سے کھل کر بات کی۔'' مجھے امید ہے کہ آپ......آف دی ریکارڈ ہی سہی......لیکن میرے اس اعتماد کو بھی مجروح نہ ہونے دیں گے۔ایک اور ایک مل کر گیارہ بھی ہوسکتے ہیں جس کے مقابلے میں......''

''میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں۔'' سراج نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔'' آپ نے جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کے لیے شکرگزار ہوں۔یہ بھی ممکن ہے کچھ کچرا ٹھکانے لگانے کی خاطر مجھے بھی آپ کا تعاون درکار ہو......''

''میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی سمجھوں گی۔'' جواب میں خوشی کا اظہار کیا گیا۔

سراج نے گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی۔میڈم نے کچھ کچرا ٹھکانے لگانے میں تعاون والی بات پر جس خوشی کا اظہار کیا۔وہ سراج کے اس اندازے کو تقویت دینے کے لیے کافی تھا کہ جن لوگوں نے ساحلی علاقے پر ایک نئی ہائی روف کردھاکے سے اڑایا اور کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر چھومنتر ہوگئے۔وہ شریف لوگ بھی نہیں ہوں گے۔میڈم نے شیخ حامد جیسے گرگھنٹال سے ٹکر لینے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے لیے کوئی ٹیم بھی ضرور تشکیل دی ہوگی جس میں جرائم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے نامی گرامی اجرتی قاتل اور ایسے ہی جیالے قسم کے بدمعاش بھی شامل ہوں گے جن کے لیے موت کے منہ میں چھلانگ لگانا کسی تفریح سے کم نہیں ہوتا۔ہوسکتا تھا کہ میڈم نے انڈرورلڈ سے تعلق رکھنے والوں کی خدمات بھی خرید لی ہوں۔جو سیر پر سوا سیر ہونے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں گے۔

سراج کا ذہن اسی نکتے پر غور کررہا تھا جب اس کی نظر عقب نما آئینے کی طرف اٹھی۔اس نے چونکنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔وہ پہلے بھی اس بات کو نوٹ کرچکا تھا کہ چیف منسٹر کانفرنس کے بعد

سے اس کو برابر واچ کیا جا رہا تھا۔اس کے ہونٹوں پر ایک مخصوص مسکراہٹ ابھری......وہ ایک ایماندار پولیس آفیسر تھا جسے اس قسم کے بچگانا ہتھکنڈوں سے مرعوب نہیں کیا جا سکتا تھا۔

❖❖❖

سپر اسٹور میں داخل ہونے کے بعد سیٹھ عثمان نے راحیلہ بیگم سے کہا تھا۔"آپ کو اس وقت کون سی خاص چیز یاد آگئی جو صبح نہیں لی جا سکتی تھی؟"

"کیا مطلب......؟"راحیلہ نے حیرت سے جواب دیا۔"میں تو سمجھی تھی کہ شاید آپ کو کچھ لینا ہے اس لیے آپ نے گاڑی ادھر موڑ والی ہے۔"

سیٹھ عثمان نے جواب دینے کے بجائے اپنے ذہن پر زور دیا لیکن انہیں کچھ یاد نہیں آیا۔ایک ثانیے کے لیے راحیلہ بیگم کے جملے پر غور کرتے رہے پھر کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر کی جانب لپکے' انہیں سراج کی کہی ہوئی کچھ باتیں یاد آگئیں۔سراج نے انہیں مختصر طور پر یہی بتایا تھا کہ کوئی روحانی قوت ہے جو لیاقت حسین کی مدد کرتی ہے۔لیاقت حسین اس کی ہدایت کے مطابق عمل کر گزرتا ہے لیکن بعد میں اسے کچھ یاد نہیں رہتا۔اس حوالے سے اس کو سراج نے میڈم روبی کے اغوا کی کچھ تفصیل کے علاوہ فرحین اور زرینہ کے اغوا اور بازیابی کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ساتھ ہی تاکید بھی کی تھی کہ اس سلسلے میں لیاقت حسین کو نہ کریدا جائے۔لیاقت کے مکان تبدیل کرنے والی بات بھی سیٹھ عثمان کو سراج کے ذریعے ہی معلوم ہوئی تھی اسی لیے انہوں نے لیاقت حسین کو اپنے لیے بے حد کارآمد سمجھتے ہوئے نیا بنگلا خریدنے اور اس کی انیکسی والی بات بھی اس کے کان میں ڈال دی تھی۔

اسی وقت وہی باتیں سیٹھ عثمان کو پریشان کر رہی تھیں'راحیلہ بیگم نے سپر اسٹور کے اندر جو بات کی تھی'اس نے سیٹھ عثمان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا'انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ انہوں نے گاڑی اسٹور کی جانب موڑنے کی بات نہیں کی تھی'سراج کی باتوں کی روشنی میں ان کے دل میں فوری طور پر یہی گمان ہوا تھا کہ ممکن ہے کسی روحانی طاقت نے کسی قسم کا خطرہ محسوس کر کے لیاقت حسین کو اس سے آگاہ کر دیا ہو اور لیاقت نے اپنے ساتھ ساتھ راحیلہ بیگم اور سیٹھ عثمان کو بھی خطرے میں محسوس کر کے انہیں سپر اسٹور پر اتار دیا ہو......لیکن راحیلہ بیگم نے کس کی آواز سنی تھی جس پر انہیں سیٹھ عثمان کی آواز کا گمان ہوا تھا؟یہ بھی ایک معمہ تھا۔

سپر اسٹور کے باہر گاڑی کے علاوہ لیاقت حسین بھی نظر نہیں آرہا تھا۔سیٹھ عثمان کو اس بات کا خیال بھی پریشان کر رہا تھا کہ وہ اس وقت محض لحاظ و مروت کی بنا پر شیخ حامد جیسے دوست نما دشمن کے گھر سے ڈنر کر کے واپس لوٹ رہے تھے۔ممکن ہے شیخ حامد نے ان دونوں کو راستے سے ہٹانے کی خاطر کوئی خطرناک پلان بنایا ہو جس کا علم لیاقت حسین کو ہو گیا ہو اور وہ......

"کیا بات ہے؟ آپ اس وقت جلدی میں باہر کیوں آگئے؟"راحیلہ بیگم نے قریب آکر تعجب سے سوال کیا۔

"وہ......لیاقت حسین اور گاڑی......دونوں نظر نہیں آرہے؟"

''اس میں اتنی پریشانی کی کیا بات ہے؟'' راحیلہ بیگم نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ ''ہوسکتا ہے وہ پٹرول لینے یا ٹائر میں ہوا بھروانے چلا گیا ہو۔ ڈونٹ وری...... آ جائے گا تھوڑی دیر میں......''

''میرا خیال ہے کہ میں نے سراج سے شیخ حامد کے ڈنر والی بات چھپا کر اچھا نہیں کیا؟'' سیٹھ عثمان کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

''کیا بات ہے عثمان......؟'' راحیلہ بیگم نے شوہر کو بہت غور سے دیکھا۔ ''آپ کس وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں؟''

''سراج نے واپسی کے بعد ایئرپورٹ پر بھی یہی کہا تھا کہ ہمیں ایک ایک قدم پھونک کر اٹھانا ہوگا۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس ڈنر کے بارے میں سراج کو اطلاع دینی ضروری ہے' لیکن آپ مروت میں دعوت قبول کرتے وقت یہ بھی فراموش کر بیٹھے کہ گاڑی میں بم والی بات کے بعد سراج ہی نے ہمیں دو مہینے باہر جا کر گزارنے کا مشورہ دیا تھا۔''

''میں کاروباری معاملات میں پولیس کو بار بار درمیان میں لانا مناسب نہیں سمجھتا۔'' سیٹھ عثمان نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''شیخ حامد بھی ضرور جانتا ہوگا کہ سراج میرا نہ صرف کلاس فیلو رہ چکا ہے بلکہ ہمارے لیے کسی فیملی ممبر سے بھی کم نہیں ہے۔ مجھے سراج کی پوزیشن کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہر بات میں اسے ملوث کر کے میں اسے کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔''

''آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔'' راحیلہ بیگم نے شوہر کی بات تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن...... شیخ حامد کی ڈنر والی بات سراج کے علم میں کسی نہ کسی ذریعے سے ضرور آئے گی۔ اس وقت وہ ہم سے شکوہ کرنے میں حق بجانب ہوگا۔''

''میں اس وقت سراج کے بجائے صرف لیاقت حسین کے بارے میں پریشان ہوں۔''

''پریشان ہوں...... سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' راحیلہ بیگم نے شوہر کے چہرے پر طاری الجھن کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کم آن عثمان' مجھے بتائیں کہ آپ کس فکر میں مبتلا ہیں؟''

سیٹھ عثمان عجیب شش و پنج میں مبتلا تھے۔ ایک طرف راحیلہ بیگم کی تشویش تھی' دوسری جانب لیاقت حسین کا خیال۔ وہ بیوی کو مطمئن کرنے کی خاطر کوئی مناسب جواب دینا چاہتے تھے کہ اچانک ایک پولیس پیٹرولنگ ڈیوٹی کی جیپ ان کے قریب آ کر تیزی سے رکی' ایک اے ایس آئی نے بڑی عجلت میں ان کے قریب آ کر دریافت کیا۔

''آپ کس کا انتظار کر رہے ہیں......؟''

''کیا مطلب......؟'' سیٹھ عثمان کی کشادہ پیشانی شکن آلودہ ہو گئی۔ ''کیا کسی کا انتظار کرنا بھی پولیس کی نظروں میں......''

''پلیز......'' اے ایس آئی نے ان کا جملہ کاٹ کر پوچھا۔ ''کیا آپ سیٹھ عثمان ہیں؟''

''جج......جی ہاں۔'' سیٹھ عثمان نے اس کے چہرے پر طاری کسی سنگین تشویش کو محسوس کرتے ہوئے اس بار قدرے بے چینی سے کہا۔ ''کیا بات ہے......آپ کو میری تلاش......''

''سر......وہ وہ آپ کی کار یہاں سے دو تین فرلانگ کے فاصلے پر کسی حادثے سے دو چار ہو کر خطرناک حد تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی ہے۔''

''میرے ڈرائیور کا کیا بنا......؟'' سیٹھ عثمان نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

''وہ زخمی ہوا ہے......معجزاتی طور پر اتنے بڑے ایکسیڈنٹ سے دو چار ہو کر زندہ بچ جانا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔'' اے ایس آئی نے کہا۔ ''بہر حال، ہم نے فوری طور پر ایک رفاہی ادارے کی ایمبولینس بلوا کر زخمی کو ہسپتال بھیج دیا ہے۔ ہمارا ایک سپاہی بھی اس کے ساتھ ہے۔ ڈرائیور ہوش میں تھا اور اس ہی نے ہمیں بتایا کہ وہ آپ لوگوں کو یہاں چھوڑ کر جا رہا تھا۔''

''ایکسیڈنٹ کی نوعیت کیا تھی......؟'' سیٹھ عثمان نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن......اندازہ یہی ہے کہ کسی ہیوی ڈیوٹی ٹرک نے پشت سے ٹکر ماری ہوگی، ممکن ہے اس کے بریک بروقت کام نہ کر سکیں ہوں......اس نے بعد میں بھی رکنے کی کوشش نہیں کی۔'' اے ایس آئی تفصیل دہراتا رہا۔ ''یہ بھی غنیمت ہوا کہ آپ کی کار غالباً اچھلنے کے بعد ڈرائیور کے برابر والی سیٹ کے رخ گری ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔''

''کیا ایکسیڈنٹ کے بعد ڈرائیور بھی ہوش میں تھا؟'' راحیلہ بیگم نے سوال کیا۔

''جی ہاں......اتنے شدید ایکسیڈنٹ کے بعد انسان کا ہوش بحال رکھنا آسان نہیں ہوتا، لیکن اللہ نے بڑا کرم کیا۔

میں نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی اسے اسپتال روانہ کیا ہے۔ دوسری شکل میں ہمیں آن دی اسپاٹ ہی پوری قانونی کارروائی......''

''اس ٹرک کے بارے میں کوئی معلومات ہوئی......؟'' سیٹھ عثمان نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''جی نہیں......جائے حادثے کے آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا'' اے ایس آئی نے جواب دیا۔ ''کمرشل ایریا ہونے کے سبب دکانیں بھی بند ہو چکی تھیں ورنہ کوئی عینی شاید بھی مل جاتا۔''

سیٹھ عثمان نے اس کا جواب سننے کے بعد سب سے پہلے فون کر کے اپنی دوسری گاڑی طلب کی پھر سراج کے نمبر ملانے لگا۔ ''سوری......'' دوسری طرف سے سراج ہی نے کال ریسیو کرنے کے بعد بے تکلفی سے کہا۔ ''سارے دن کی ڈیوٹی کرنے کے بعد اس وقت کمر سیدھی کرنے لیٹا ہوں۔''

''تمہیں ایک اہم اطلاع دینی تھی......'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اس وقت گھر کے قریب والے سپر اسٹور کے باہر سے بول رہا ہوں۔ راحیلہ بھی میرے ساتھ ہے۔''

''خیریت......؟'' اس بار سراج نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ ''تم آواز سے ہی کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہو، کیا بات ہے؟''

''ہماری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے......لیاقت حسین کو پولیس پیٹرولنگ جیپ پر تعینات ایک اے ایس آئی نے اسپتال روانہ کر دیا ہے۔''

''کیا ایکسیڈنٹ کے وقت تم دونوں گاڑی میں نہیں تھے؟'' سراج نے گھبرا کر سوال کیا۔

''نہیں......''

''پیٹرولنگ جیپ کہاں ہے......؟'' سراج نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

''جیپ اور ایک اے ایس آئی دونوں موجود ہیں۔تم بات کرلو۔''

سیٹھ عثمان نے موبائل اے ایس آئی کی طرف بڑھا دیا جس نے سراج کو پہچان کر صرف وہ روداد بیان کی جو سنسان سڑک پر اس کے مشاہدے میں آئی تھی۔اس کے بعد اس نے یس سر کہہ کر موبائل دوبارہ سیٹھ عثمان کی جانب بڑھا دیا۔

''تم اس وقت کہاں سے آرہے تھے؟'' سراج نے اس بارے بے حد سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میں فوری طور پر راحیلہ کو بنگلے پر ڈراپ کرنے کے بعد اسپتال پہنچ رہا ہوں'تم بھی ادھر ہی آ جاؤ......'' سیٹھ عثمان نے......سوال کا جواب دینے کے بجائے صرف اتنا کہا اور موبائل آف کر کے جیب میں رکھ لیا۔

پولیس جیپ جانے کے بعد راحیلہ بیگم نے شوہر کو فکرمندی سے دیکھا۔اسی وقت دوسری گاڑی آ گئی اس لیے سیٹھ عثمان نے بغیر کسی ردعمل راحیلہ بیگم کے لیے دروازہ کھولا۔پھر دوسری جانب سے آ کر بڑی عجلت میں خود بھی بیٹھ گئے۔

''اپنی گاڑی کا کیا ہوا سر؟'' دوسری گاڑی کے ڈرائیور نے سوال کیا۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے مختصراً جواب دیا۔''بیگم صاحبہ کو گھر اتارنے کے بعد ہمیں ریڈ کراس اسپتال چلنا ہے۔''

''لیاقت حسین تو خیریت سے ہے؟''

''ہاں......'' سیٹھ عثمان نے کہا پھر ان کے ذہن میں وہی باتیں گونجنے لگیں جو سراج نے لیاقت حسین کے بارے میں کسی روحانی قوت کے حوالے سے گوش گزار کی تھیں۔اس کے علاوہ پولیس کے آن راؤنڈ ایس اے آئی کے بیان کی روشنی میں وہ اس فرار ہو جانے والے ہیوی ڈیوٹی ٹرک کے بارے میں بھی غور کر رہے تھے جو موقع واردات سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔کوئی بات تھی جس کی بنا پر انہیں اے ایس آئی کا خیال ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ایسی صورت میں ٹرک ڈرائیور ہارن دے کر لیاقت حسین کو بھی متوقع خطرے سے آگاہ کر سکتا تھا۔وہ سڑک بھی اتنی کشادہ تھی کہ اس پر سے بیک وقت تین ٹرک بھی ایک ساتھ گزر سکتے تھے۔

سیٹھ عثمان کے ذہن میں راحیلہ بیگم کو گھر ڈراپ کر کے اسپتال جاتے وقت بھی ایک خیال بار بار ابھر رہا تھا۔وہ ایکسیڈنٹ جان بوجھ کر کیا گیا تھا......اس کی پشت پر کس کا ہاتھ تھا......اور......لیاقت حسین کو اس کی اطلاع کس طرح ہو گئی جو وہ دونوں کو سپر اسٹور پر چھوڑنے کے

بعد آگے جانے پر مجبور ہو گیا...... چاہتا تو خود میں اپنی جان بچانے کی خاطر کار سے باہر آ جاتا...... لیکن اس نے ایسا نہیں کیا...... اس کی کیا وجہ تھی......؟''

✣✣✣

سیٹھ عثمان کے اسپتال پہنچنے کے دس منٹ بعد سراج بھی آ گیا۔ اس کے چہرے سے شدید تھکن کے اثرات مترشح تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے سب سے پہلے لیاقت حسین کی خیریت دریافت کی۔

''ڈاکٹروں نے بھی اس حادثے پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔ ''لیاقت حسین کے جسم پر معمولی چوٹیں آئی ہیں لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اندرونی چوٹوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا اندازہ چوبیس گھنٹے گزرنے کے بعد ہی ممکن ہے۔''

''لیاقت سے تمہاری کوئی بات ہوئی......؟''

''نہیں۔ ڈاکٹروں نے اسے سکون آور گولیاں دی ہیں۔ میری ہدایت کے بعد اب وہ اسے پرائیوٹ وارڈ میں منتقل کر رہے ہیں۔''

''تمہاری گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ تم کچھ زیادہ ہی نروس ہو؟'' سراج نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ ''بھابی تو خیریت سے ہیں؟''

''ہاں۔''

''ون منٹ......'' سراج نے چونکتے ہوئے کہا۔

''موبائل سے ملنے والی اطلاع کے مطابق ایکسیڈنٹ سپر اسٹور سے ڈیڑھ دو فرلانگ دور ہوا تھا۔ لیاقت حسین تم لوگوں کو چھوڑ کر کہاں جا رہا تھا؟''

''یہی سوال مجھے پریشان کر رہا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے پوری تفصیل دہراتے ہوئے کہا۔ ''راحیلہ کا کہنا ہے کہ میں نے لیاقت حسین کو سپر اسٹور جانے کو کہا تھا جبکہ مجھے ایسی کوئی بات یاد نہیں۔ اس کے بعد حالات کے پیش نظر جب مجھے تمہاری فراہم کردہ روحانی والی معلومات کا خیال آیا میں فوری طور پر سپر اسٹور سے باہر آیا لیکن...... ہونے والی بات ہو چکی تھی۔''

''کیا مطلب......؟'' سراج نے وضاحت طلب انداز میں پوچھا۔ ''کیا تمہارا خیال ہے کہ لیاقت حسین نے کسی خطرے کو محسوس کر لیا تھا جو وہ تم دونوں کو ڈراپ کر کے آگے نکل گیا؟''

''سوری سراج......'' سیٹھ عثمان نے اسے شیخ حامد کی دعوت والی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''راحیلہ نے کہا بھی تھا کہ مجھے اس کی اطلاع سب سے پہلے تمہیں دینی چاہیے تھی لیکن......''

''ڈونٹ وری...... میں سمجھتا ہوں کہ کبھی کبھی انسان مروت میں بھی اس قسم کی دعوتوں کو قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔'' سراج نے سیٹھ عثمان کی مشکل آسان کرنے کی خاطر اس سے کسی قسم کی باز پرس کرنے سے گریز کیا پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔ ''شبہے کے طور پر ذہن میں سب سے پہلے اسی مگرمچھ کا نام ابھرتا ہے لیکن حادثے میں استعمال ہونے والا ٹرک جب تک سامنے نہیں

آتا' ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"مجھے تو اس بات پر غصہ آ رہا ہے کہ لیاقت کو سپر اسٹور سے دور جانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اگر کچھ محسوس کر چکا تھا تو ہمیں بھی......"

"تم بھول رہے ہو......" سراج نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "سکون آور دواؤں کے اثر سے باہر آنے کے بعد لیاقت حسین کو شاید خود بھی یاد نہ ہوگا کہ اس نے کیا خطرہ محسوس کیا تھا۔ یاد آ گیا تب بھی وہ زبان نہیں کھولے گا۔ پہلے بھی دو تین موقعوں پر میں اس کا مشاہدہ ذاتی طور پر کر چکا ہوں۔"

اسی وقت ہسپتال کے ایک وارڈ بوائے نے آ کر اطلاع دی کہ مریض کو پرائیوٹ وارڈ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

"تمہارا کیا خیال ہے......" سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا شیخ حامد ایسی حماقت کر سکتا ہے کہ دعوت کے فوراً ہی بعد کسی خطرناک منصوبے پر عمل بھی کر بیٹھے؟"

"سوچنا ہوگا......" سراج نے کہا پھر وہ دونوں اس کمرے میں آ گئے جہاں لیاقت حسین کو منتقل کیا گیا تھا۔ جو ڈاکٹر اسے اٹینڈ کر رہا تھا وہ بھی اس وقت ایک نرس کے ساتھ موجود تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے......مریض کو کب تک ہوش آ جائے گا؟" سراج نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن ڈیڑھ دو گھنٹے ضرور لگیں گے۔"

"آپ نے مریض کا مکمل چیک اپ تو کر لیا ہے ناں؟" سیٹھ عثمان نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کہیں کسی جوڑ وغیرہ کو کوئی......"

"ڈونٹ وری......میں ہر طرح سے اپنا اطمینان جدید مشینوں کے ذریعے کر چکا ہوں۔"

ڈاکٹر ایمرجنسی کال پر ایک اور مریض کو دیکھنے چلا گیا تو سراج نے کچھ سوچتے ہوئے سیٹھ عثمان سے کہا۔

"کوشش کرنا کہ شیخ حامد اور اس کی دعوت کا کوئی ذکر درمیان میں نہ آنے پائے......"

سیٹھ عثمان نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسی لمحے سراج کا موبائل جاگ اٹھا' اسکرین پر راحیلہ بیگم کے نمبر دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ صرف قابل اعتماد آدمی ہی سے تفصیل معلوم کریں گی۔"

"لیاقت حسین تو خیریت سے ہے؟" راحیلہ بیگم نے چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد اپنے جاں نثار ڈرائیور کی خیریت دریافت کی۔

"قدرت نے اسے بچا لیا لیکن اس کی تمام تر ذمے داری جس مشکوک شخص پر عائد کی جا سکتی تھی وہ بھی میری نظروں میں آ گیا۔" سراج نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

"گڈ......" دوسری جانب سے خوشی کا اظہار کیا۔

"کون ہے وہ......؟"

"وہی جسے آپ نے ضرورت سے زیادہ ڈھیل دے رکھی ہے۔" سراج نے بدستور سنجیدگی سے

کہا۔

''آپ کے مشورے سے اتفاق نہ کر کے اس نے یقیناً ایسی غفلت برتی ہے جس کی سزا بھی اب آپ کو ہی دینی ہوگی۔''

''خدا آپ کو اور ہماری الماس کو خوش رکھے۔''

راحیلہ بیگم نے کہا۔''ویسے آپ کی نظروں میں کون ہوسکتا ہے وہ......؟''

''ملاقات ہونے پر اطمینان سے بات ہوگی۔''سراج نے جملہ مکمل ہوتے ہی موبائل آف کر دیا۔

میڈم روبی کو خلاف توقع کمرے میں آتا دیکھ کر اسے تعجب ہی ہوا تھا۔

''آپ؟...... اس وقت اور یہاں......؟''سراج نے اس کے قریب آنے پر حیرت کا اظہار کیا۔

میڈم نے سراج کو جواب دینے کے بجائے سیٹھ عثمان سے اپنا تعارف کرایا۔''میں مرحوم خالد ریاض کی بیوہ ہوں۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر......''سیٹھ عثمان نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔''خدا غریق رحمت کرے' آپ کے شوہر سے میری کافی ملاقاتیں رہتی تھیں لیکن آپ......''

''میں اس زمانے میں پردے کی عادی تھی......''میڈم نے مسکرا کر جواب دیا۔''ویسے آپ کا نام بہت سن رکھا ہے۔''

''کبھی غریب خانے پر تشریف لایئے۔''سیٹھ عثمان نے خوش اخلاقی سے دعوت دی۔''مجھے خوشی ہوگی۔''

''ضرور آؤں گی......''

''اس وقت آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا......؟''سراج نے دریافت کیا۔

''میرے ایک محسن کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔اسے دیکھنے چلی آئی۔''میڈم کا لہجہ معنی خیز تھا' سراج کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ میڈم کا اشارہ لیاقت حسین کی طرف تھا۔

''آپ کو کس طرح پتا چلا......؟''سراج نے تعجب کا اظہار کیا۔

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے' بشرطیکہ لگن سچی ہو۔''میڈم نے بستر پر پڑے لیاقت حسین کو بڑی عقیدت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا پھر سیٹھ عثمان سے حادثے کی نوعیت کے بارے میں دریافت کیا۔

سراج کے ذہن میں کئی خیالات ابھر کر گڈمڈ ہونے لگے۔اس نے سوچا۔''اگر لیاقت حسین کو پیش آنے والے حادثے میں شیخ حامد کا ہاتھ شامل تھا تو اس کے کچھ لوگ اس وقت بھی کہیں آس پاس ضرور منڈلا رہے ہوں گے۔اس صورت......میں سیٹھ عثمان کی موجودگی زیادہ تشویش طلب نہیں تھی۔بگ باس کو بھی علم تھا کہ وہ اور عثمان کلاس فیلو رہ چکے ہیں مگر میڈم روبی نے سامنے آ کر تکون کی

شکل اختیار کر لی تھی۔ شیخ حامد ان تینوں کی ایک جگہ موجودگی کو کئی زاویوں سے دیکھ سکتا تھا۔ جو لوگ چیف منسٹر کانفرنس کے بعد سے سراج کے شب وروز کی موومنٹ واچ کرنے میں مامور تھے وہ بھی کہیں آس پاس ہی منڈلا رہے ہوں گے۔"

"کیا بات ہے سراج؟" سیٹھ عثمان نے دریافت کیا۔ "تم کہاں کھو گئے......؟"

"ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے......" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے میں کل بھی تم سے ملاقات نہ کر سکوں۔ تم لیاقت حسین کا خیال رکھنا۔ میں موبائل پر خیریت دریافت کرتا رہوں گا۔"

"اتنی رات گئے بھی آپ لوگوں کو سکون نہیں ملتا......؟" میڈم نے سراج سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

"پولیس کی ملازمت میں آرام اور سکون کی بات وہ کرتے ہیں جنہیں اپنے فرائض کا احساس نہیں ہوتا۔" سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر دیدہ ودانستہ میڈم سے رخصتی جملے کہے بغیر صرف سیٹھ عثمان سے ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے ممکنات کے طور پر کچھ پوشیدہ نظروں کو اس سے یہی تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ لیاقت حسین کے کمرے میں اس کی اور میڈم کی ملاقات محض اتفاقیہ تھی۔ باہر آ کر اس نے راہداری میں ایک سرسری نظر ڈالی پھر پارکنگ لاٹ کی جانب قدم اٹھانے لگا۔ اس کے ذہن میں اس وقت پھر ذیشان ہوٹل اور اس کے کمرا نمبر ایک سو دو میں موجود ان دو افراد کا خیال گردش کرنے لگا جو مخبر کی اطلاع کے مطابق، اسٹینڈ ہائی کی پوزیشن میں تھے۔ اوپر سے ایک گرین سگنل ملنے کے بعد وہ ہر قیمت پر افضل خان کو پولیس کسٹڈی کے باوجود موت کے گھاٹ تک پہنچانے کی کوشش ضرور کرتے......اس خیال کے ساتھ ہی وہ اس منصوبے پر بھی دوبارہ غور کرنے لگا جو اس نے بہت غور وخوض کے بعد پلان کیا تھا۔

گھر جاتے وقت اس نے متعدد بار عقب نما آئینے پر نظر ڈالی نظر لیکن غالباً اس وقت اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا۔ سراج کو اس بات کا خدشہ ضرور لاحق ہو گیا تھا کہ اگر شیخ حامد کو کہیں اس کے اور میڈم روبی کے گٹھ جوڑ کی اطلاع مل گئی تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ اس کے پاس میڈم سے تعارف حاصل کرنے کا ایک جواز بہر حال محفوظ تھا۔ تاج محل ہوٹل کے معاملے کو میڈیا تک جانے سے روکنے میں اس کی کوششوں کا دخل تھا۔ یہی ایک پلس پوائنٹ تھا جو وہ بوقت ضرورت استعمال کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک سوال یہ بھی گونج رہا تھا کہ اگر میڈم، لیاقت حسین کے بارے میں پہلے سے واقف تھی تو پھر سراج سے اس ضمن میں کیوں اصرار کرتی رہی تھی؟

سراج نے گھر پہنچ کر گاڑی گیراج کے بجائے پورٹیکو ہی میں چھوڑی اور اندر جا کر لباس تبدیل کیے بغیر ہی بستر پر الماس کے برابر لیٹ گیا۔ اسے علم تھا کہ اگلا دن اس کے لیے کس قدر اہم اور ہنگامہ خیز ثابت ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ الماس سو چکی ہو گی لیکن وہ جاگ رہی تھی، سراج کے بستر پر دراز ہوتے ہی اس نے پلٹ کر اس سے بڑی اپنائیت سے کہا تھا۔

"آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔"

''سوری......'' سراج نے اس کی خمار آلود آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میرے رات کو وقت ناوقت آنے سے تمہاری نیند ڈسٹرب ہوتی ہے۔''

''آپ نے میرے مشورے کے بارے میں نہیں پوچھا؟''

''کہو......''

''میرا خیال ہے کہ اب آپ کو اس ملازمت کو چھوڑ دینا چاہیے۔''

''یہ خیال آپ کے ذہن میں آیا تو اس کی کوئی وجہ بھی ہو گی؟'' سراج نے چونک کر پوچھا۔

''کیوں......؟'' الماس نے جن نظروں سے سراج کو دیکھا اس میں ایک عورت کی تشنگی بھی شامل تھی۔ ''کیا آپ نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ ہماری ازدواجی مسرتوں میں آپ کی وردی کے فرائض......''

''آئی ایم سوری ڈارلنگ۔'' سراج نے کروٹ لے کر الماس کو خود سے اور قریب کر لیا۔ اس وقت اس کے تھکے ہوئے ذہن کو ایک خوبصورت بیوی کا قرب ہی سکون پہنچا سکتا تھا۔ اس بات کو محسوس کر کے الماس نے بھی ہاتھ بڑھا کر شوہر کے خوبصورت بالوں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''اگر درمیان میں کوئی فون آ گیا تو آپ پھر یہی کہیں گے کہ ون منٹ ڈارلنگ اور آپ کا یہ ون منٹ کسی کے جذبات کو روند کر بے مزہ کر دیتا ہے۔ پھر آپ ہی شکایت کرتے ہیں۔''

١ الماس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں، نائٹ گاؤن سے سرکشی کرتا ہوا اس کا جسم مچل جانے کو تھا۔ سراج کے موبائل پر ابھرنے والی ٹیون سن کر وہ کسی ناگن کی طرح بپھر کر اٹھی اور غسل خانے میں جا کر ٹھنڈے پانی سے نہانے میں مصروف ہو گئی...... سراج نے بیوی کے جذبات کو محسوس کیا لیکن وہ اس کال کو بھی منقطع نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ روشن اسکرین پر میڈم روبی کے نمبر جھلملا رہے تھے۔ وہ موبائل آن کرتا ہوا تیزی سے اٹھ کر باہر لاؤنج میں آ گیا۔

''ہیلو...... سراج بول رہا ہوں۔''

میں اس وقت آپ سے لیاقت حسین کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''جب آپ اس کے بارے میں پہلے سے واقف تھیں تو پھر......''

''میں کچھ اور باتوں سے بھی واقف ہو چکی ہوں اسی لیے آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔'' دوسری جانب سے بے حد سنجیدگی سے کہا گیا۔

''میں سمجھا نہیں......'' سراج نے وضاحت چاہی۔

''آپ کا اشارہ کن باتوں کی طرف ہے؟''

''لیاقت حسین کو جس ہیوی ڈیوٹی ٹرک کے ذریعے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ آپ اسے کیوں بھول رہے ہیں؟'' میڈم نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ ''ساحلی علاقے پر ہونے والا دھماکا کسی کے لئے ایک وارننگ ہی تھا، لیکن دشمن نے شاید اسے سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا۔''

''آپ ابھی ٹرک کی بات کر رہی تھیں؟'' سراج نے اسے یاد دلایا۔

''ہسپتال میں آپ نے لیاقت حسین کے سلسلے میں ایک شکوہ کیا تھا......وہ غلط نہیں تھا۔ مجھے کسی ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا کہ کس نے موت کے منہ میں چھلانگ لگا کر مجھے اغوا ہونے سے بچایا تھا۔آپ کو میں صرف آزما رہی تھی۔''

''ٹرک کے بارے میں آپ کو کیا معلوم ہے؟''سراج نے جھلا کر پوچھا۔

''وہ میرے آدمیوں کی نظروں میں آ چکا ہے۔'' اس بار میڈم نے بڑے چیلنجنگ لہجے میں جواب دیا۔''اطلاعاً عرض ہے کہ میرے صرف ایک اشارے پر وہ بھی ایک دھماکے سے برباد کر دیا جائے گا۔''

''وہ کس کی ملکیت ہے؟''سراج نے سنسناتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''ٹرک کی تباہی کے ساتھ ساتھ ممکن ہے وہ ڈرائیور بھی زندگی سے محروم کر دیا جائے جو حادثے کے وقت اسے چلا رہا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس قدر جذباتی انداز کا مظاہرہ آپ کے حق میں مناسب نہیں ہو گا۔پلیز' اپنی معلومات مجھے فراہم کر دیں اس کے بعد......آپ جیسا چاہیں گی' ویسا ہی ہو گا۔''

''آپ نے ٹرک کی ملکیت کے بارے میں دریافت کیا تھا......اس کے لیے اتنا عرض کر دوں کہ ٹرک اور اس کے ڈرائیور کی خدمات کی عارضی طور پر منہ مانگے داموں خریدا گیا تھا......کس نے خریدا تھا......یہ آپ بھی سمجھ رہے ہوں گے۔ہائی۔''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔سراج نے فوری طور پر میڈم سے دوبارہ رابطہ کے بارے میں سوچا لیکن کسی خیال سے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔اس کا ذاتی خیال بھی یہی تھا کہ کسی بڑے مگرمچھ کی توجہ اگر ایک شکاری کے بجائے کئی شکاریوں کی طرف ہٹ جائے تو پھر اسے آسانی سے شکار کیا جا سکتا۔

✣✣✣

ذیشان ہوٹل کے روم نمبر ایک سو دو میں موجود دونوں افراد اچھی پوزیشن میں نظر آ رہے تھے۔درمیانہ قد اور گٹھے ہوئے جسم والے نے جینز کے اوپر جیکٹ پہن رکھی تھی گلے میں ہلکے سبز رنگ کا بوٹے دار لمبا ریشمی رومال بھیگلے کے قریب ٹائی جیسی ناٹ لگا کر ڈال رکھا تھا۔وہ کسی اسٹنٹ فلم کا ہیرو ہی لگ رہا تھا۔اس کا دوسرا ساتھی جو بوٹے قد کا مالک تھا' اس نے جینز کے اوپر جیکٹ کے بجائے گہرے چاکلیٹ کلر کی کالے چار خانوں والی قمیص پہن رکھی تھی۔دونوں ہی میک اپ میں تھے لیکن میک اپ بھی اس مہارت سے کیا گیا تھا کہ فوری کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔درمیانہ قد والا بار بار اپنی دستی گھڑی پر اس طرح نظریں ڈال رہا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔

صبح ناشتے کے وقت وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھے لیکن ناشتے سے فارغ ہوتے ہی بڑی پھرتی اور مہارت سے اپنے لباس اور حلیے دونوں تبدیل کر لیے تھے۔خاصی دیر تک وہ اپنی اپنی سوچوں میں مستغرق رہے پھر درمیانہ قد والے نے جسے اس کا ساتھی خاص خاص موقعوں پر کیپٹن کے نام سے

یاد کرتا تھا بوٹے قد والے کو مخاطب کیا۔
''کیپٹن۔ہم جس کا انتظار کر رہے ہیں' اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔روز وہ زیادہ سے زیادہ ساڑھے آٹھ بجے تک آ جاتا تھا لیکن آج نو بجے کے بعد بھی دور دور تک اس کا کوئی نشان نہیں۔''
''اس کے دو مطلب ہی ہو سکتے ہیں۔'' کیپٹن کہہ کر مخاطب کیے جانے والے نے سنجیدگی سے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔''ابھی تک اس کی غیر حاضری کے صرف دو مطلب ہو سکتے ہیں...... یا تو لائن کلیئر نہیں ہے یا پھر ممکن ہے بگ باس نے اسے کسی وجہ سے روک دیا ہوگا۔''
''گویا آپریشن آج کے بجائے کل کے لیے ملتوی کر دیا گیا ہے......؟''
''یہ بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔'' کیپٹن نے شانے اچکا کر کہا۔''ہمیں اڑتالیس گھنٹے ہائی الرٹ رہنے کو کہا گیا تھا۔ہیڈ آف دی اسٹیٹ کی مرضی پر منحصر ہے۔کسی وقت بھی آپریشن کا سگنل دیا جا سکتا ہے۔''
''یور آر ہنڈرڈ پرسنٹ رائٹ'' میجر نے اپنے ساتھی کی تائید کی۔کچھ توقف کے بعد اس کا ذہن پھر الجھنے لگا۔''ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے۔''
''وہ کیا......؟''
''جب پھانسی پانے والے کے چہرے پر سیاہ کپڑا پہنا دیا گیا تو کھٹکا دبانے میں کیسی ہچکچاہٹ......؟''
''بات سولہ آنے درست ہے لیکن...... یہ سوچنا ہمارا کام نہیں۔'' کیپٹن نے بے پروائی سے جواب دیا۔''ہمیں صرف ایکشن کے آرڈر سے مطلب رکھنا ہے۔اسی بات کی خاطر ہمیں بگ باس نے...... پناہ دے رکھی ہے۔''
''مچھلی بھارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے......؟'' میجر نے چارلی کے سلسلے میں سوال کیا۔
''بھارت سے زیادہ مجھے مچھلی پسند ہے...... جل پری!'' کیپٹن نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بائیں آنکھ ہلکی سی جھپکائی۔''تم نے شاید حسینہ کو کبھی غور سے نہیں دیکھا۔کسی رس بھرے تربوز کی طرح ہر وقت اندر ہی اندر چھلکتی دکھائی دیتی ہے۔''
''اس وقت میں اسی جل پری کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''
''خیریت......'' کیپٹن نے اسے چونک کر دیکھا۔
''کیا تم بھی......؟''
''نہیں......'' میجر نے بے حد سنجیدگی نے کہا۔''اس روز پتے کھیلتے وقت تم نے اس کو پوری سے پراٹھا بنانے والی جو بات کہی تھی۔وہ اسے اچھی نہیں لگی......''
''پھر؟......''
''یہ مچھی بھارت اوپر سے بڑے معصوم لگتے ہیں لیکن اندر ہی اندر کسی سب میرین (sab

(marine) کی طرح خطرناک بھی ہوتے ہیں۔"
"میں سمجھی نہیں......" کیپٹن کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرنے لگیں۔ "تم نے سب میرین کا حوالہ کیوں دیا؟"
"تم شاید ایک اہم بات نظر انداز کر رہے ہو۔" میجر پہلے سے زیادہ سرد لہجے میں بولا۔ "ہمارے پتے اور ٹھکانے کا علم بھی بھات کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتا ہے۔ رابطے کی وجہ سے میں اسے مجبوراً بھگت رہا ہوں ورنہ......" میجر جملہ مکمل چھوڑ کر ہونٹ کاٹنے لگا۔
"آئی۔سی" کیپٹن اس طرح چونکا جیسے اس کے پاؤں اچانک بجلی کے تاروں سے چھو گئے ہوں۔ "کیا وہ ہماری مخبری کی حماقت کرنے کی بھی سوچ سکتا ہے؟"
"اس کا خیال ابھی سے رکھو......" میجر نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ "روحیں اندازہ تو لگا سکتی ہیں لیکن ہمیں بتا نہیں سکتیں۔"
کیپٹن کی رگیں پھڑ پھڑانے لگیں۔ اسی وقت دروازے پر کسی نے وقفے وقفے سے تین بار دستک دی۔
"ہش......" میجر نے مدھم آواز میں کیپٹن کو اشارے سے بتانے کی کوشش کی مچھی بھارت دروازے پر موجود ہے۔ پھر وہ بغلی ہولسٹر سے اپنا سائلنسر سے لگا ہوا اعشاریہ تین آٹھ کا پستول نکالتے ہوئے دروازے کے قریب ہو گیا۔ اس نے میجک آئی سے باہر دیکھنے کو کوشش کی لیکن وہ پہلے روز ہی سے خراب تھی۔ میجر نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کسی موقع خطرے کو محسوس کر کے وہ دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی کیپٹن نے بھی فرش پر اوندھا لیٹ کر اپنا پستول نکال لیا تھا۔
ایک منٹ بعد پھر کسی نے تین بار وقفے وقفے سے دوروازے پر آہستہ سے دستک دی' میجر نے اپنی پوزیشن تبدیل کیے بغیر ہاتھ بڑھا کر بولٹ کھول دیا۔ آنے والا چارلی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اندر داخل ہو کر اس نے فوری طور پر دوروازہ دوبارہ اندر سے بند کیا پھر کیپٹن سے مخاطب ہوا۔
"کیا بات ہے؟......تم فرش پر اوندھے کیوں پڑے ہو؟"
"محسوس کر رہا ہوں کہ نیچے کوئی...... ہے بھی یا نہیں......" کیپٹن نے آنکھ جھپکاتے ہوئے کہا پھر پستول کو دوبارہ قمیض کے اندر ڈال کر پتلون میں اڑستے ہوئے کہا۔
"کیا بات ہے؟ تمہیں دیر کیوں ہو گئی؟"
میجر بھی پستول ہولسٹر میں رکھتے ہوئے سامنے آ گیا۔ چارلی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دبی آواز میں کہا۔
"آج آرام کرو...... باہر کا موسم زیادہ گرم نہیں ہے لیکن آج رات یا کل دوپہر کسی وقت موسم کے بارے میں کوئی نئی صورت خال سامنے آ سکتی ہے۔"
"مارکیٹ کا کیا ریٹ چل رہا ہے؟" میجر نے اشاروں کنایوں میں افضل خان کے بارے

میں دریافت کیا۔

"ابھی تک مندی کا رجحان ہے۔" چارلی نے دونوں ہاتھ کنپٹی سے لگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے صورت حال کی وضاحت کر دی کہ افضل خان ابھی تک ہوش میں نہیں آیا۔

"اوہ......" میجر شانے اچکاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"آج تو بالکل فلمی ہیرو کی طرح ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

"دوپہر کے کھانے کا کیا پروگرام ہے؟" چارلی نے دریافت کیا۔

"کیا ہم کو آج بھی ادھر ہوٹل کے کمرے میں ہی لنچ کرنا پڑے گا؟" کیپٹن کے لب و لہجے میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

"ہاں......" میجر نے کیپٹن کا موڈ دیکھ کر مسکراتے ہوئے بتانے کی کوشش کی۔ "رات کا کھانا جو بیرا لایا تھا وہ قابل اعتماد ہی لگ رہا تھا......شاید دوپہر کا بھی وہی لائے گا۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے چارلی کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں......"! چارلی نے دانت نکالتے ہوئے بنگالی انداز میں اردو بولی۔ "تم ایک دم ٹھیک بولتا۔"

"ادھر کیا بام مچھلی نہیں ملتا۔" کیپٹن نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "وہ جو ایک دم ہاتھ میں آتا آتا پھسل کر نکل جاتا ہے۔"

"شوربا والا کھانا ہے یا فرائی۔" چارلی اس کا مفہوم نہیں بھانپ سکا تھا۔

"مچھلی لادو......شوربا اور فرائی کا فیصلہ ہم بعد میں کرلے گا۔" کیپٹن نے شوخی سے کہا۔ "ایک دم شوندر شوندر) سندر۔ سندر (زندہ والا مچھلی......لائف انجوائے کرنے کا ہے......کیا۔"

"موذاک کرتا......" چارلی نے دل پر جبر کر کے مسکرانے کی کوشش کی۔

میجر خاموش کھڑا کیپٹن کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہا تھا۔ چارلی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس نے یہ اندازہ بھی لگایا کہ اسے کیپٹن کا آخری جملہ سن کر اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا اشارہ کس مچھلی کی طرف ہے......؟ میجر کے سمجھانے کے باوجود کیپٹن چارلی کو حسینہ کے سلسلے میں چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

"چارلی......" اس نے چارلی کی توجہ مبذول کرنے کی خاطر کہا۔ "ہمارے روم کے دروازے کا میجک آئی کام نہیں کر رہا......اس کا فوری طور پر ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔"

"اوکے......" چارلی نے اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے میجر کی طرف دیکھا۔ "میں اسے ٹھیک کراتا ہوں لیکن۔ دوپہر کے کھانے کا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم ادھر ہی ہوٹل میں کھانا پسند کریں گے۔" میجر نے جواب دیا۔ "ہمارا بار بار باہر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ضروری کام سے نکلیں گے تو پھر ادھر واپس پلٹ کر بھی نہیں آئیں گے۔"

"باس بھی یہی بولتا......" چارلی نے پھر بنگالی مکس اردو بولی۔ "ادھر کام فنش۔ ادھر پھر کچھ

دنوں کے لیے ایک دم انڈر گراؤنڈ۔"
"تم باس کو کب سے جانتے ہو؟" میجر نے اسے ٹٹولنا چاہا۔
"بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ مگر باس کو ہم سے کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں ملا۔"
"جبھی زمین سے ساڑھے چار فٹ اوپر نظر آ رہے ہو۔" کیپٹن نے پھر اس کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ "باس خوش نہ ہوتا تو تم بھی اب تک انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہوتا۔ ویسے بائی داوے' کیا باس بھی سی فوڈ (sea food) سے......"
"کیپٹن۔" میجر نے اسے جھلا کر دیکھا تو کیپٹن مسکرا کر خاموش ہو گیا۔
"میں میجک آئی کا بول کر آتا ہوں۔" چارلی نے عجیب انداز میں کہا۔ "ساتھ میں کھانے کا مینو بھی لیتا آؤں گا۔"
"کبھی کبھی تم اوور ہونے لگتے ہو۔" میجر نے چارلی کے جانے کے بعد دروازہ بند کرتے ہوئے کیپٹن کو مخاطب کیا۔
"ہمیں بگ باس نے قانون سے جو پروٹیکشن دی ہے وہ کوئی اور نہیں دے گا۔ چارلی اس کا خاص آدمی نہ ہوتا تو اسے ہماری دیکھ بھال کی ذمے داری بھی نہ سونپی جاتی۔"
"مائی فٹ......" کیپٹن کے اندر کا شیطان مچل گیا۔
"میں نے کبھی موت کے خوف سے کسی کی غلامی نہیں کی' دو دو ٹکے کے آدمیوں کے آگے مصلحتاً بھی سر جھکانا میری سرشت کے خلاف ہے۔ اس بار بھی ہمیں جو مشن سونپا گیا ہے' وہ بھی موت کے منہ میں چھلانگ کے مترادف ہے۔ مقابلہ ہوا تو سینے پر گولی بھی ہم ہی کھائیں گے۔ خاص آدمی اور پروٹیکشن دینے والے دور بیٹھے تماشا دیکھتے رہیں گے۔ ہونہہ......!"
"بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم چار آدمی اتفاق سے ایک ساتھ ہوئے ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں لیکن ایک دوسرے کو سمجھانا اور سمجھنا بھی ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔"
"کوئی دوسری بات کرو......" کیپٹن نے بدستور الجھ کر جواب دیا۔ "میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا عادی ہوں۔ ہنس بول کر۔"
"تمہارا کیا خیال ہے؟" میجر نے موضوع بدل دیا۔
"کیا بگ باس افضل خان کو...... جو اس کا دست راست رہ چکا ہے' راستے سے ہٹا کر غلطی نہیں کر رہا ہے؟"
"یہ سوچنا ہماری ذمے داری نہیں ہے۔" کیپٹن کے لہجے میں تلخی گھلنے لگی۔ "کل تک وہی کسی لیڈر کی طرح ہمارے اوپر حکم بھی چلاتا رہا ہے۔ اب ہمارے ہی ہاتھوں اس کی قسمت میں مرنا بھی لکھ دیا گیا...... کیا تم اسے بھی تفریح نہیں کہو گے؟"
میجر نے کیپٹن کو غور سے دیکھا پھر خاموش ہو کر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

✣✣✣

سراج اس وقت ہسپتال میں بڑے ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا جس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ مریض کو ہوش آنے میں دس بارہ گھنٹے اور بھی لگ سکتے ہیں۔ یہ اطلاع سراج کے لیے تشویش ناک تھی۔ وہ افضل خان کے جلد از جلد ہوش میں آنے اور اس کا بیان قلم بند کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اس کے استفسار پر ڈاکٹر نے کہا تھا۔

''موجودہ حالت میں مریض کو جلد ہی ہوش میں لانے کا عمل اس کے لیے خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔''

''لیکن......''

''آئی ایم سوری آفیسر۔'' ڈاکٹر نے سراج کی بات سنے بغیر کہا۔ ''تشدد کے علاوہ مریض کو غالباً برین شاکس بھی پہنچائے گئے ہیں جس کی وجہ سے بے ہوشی کا وقفہ طوالت اختیار کر رہا ہے۔ ٹیم کے دوسرے ماہرین کا یہی مشورہ ہے کہ مریض کو ہوش میں لانے کے بجائے اس کے از خود ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے۔ پہلی صورت میں مریض اپنا ذہنی توازن بھی کھوسکتا ہے۔''

ڈاکٹر کی رائے سن کر سراج کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ افضل خان جیسے اہم مجرم کے سلسلے میں وہ جلد بازی کرنے کا اصرار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شیخ حامد نے تاج محل ہوٹل میں ناکام ہونے کی جو سزا اسے دی تھی وہ درست نہیں تھی۔ لیکن شاید میڈم روبی کے جال میں آکر نکل جانے کے احساس نے اسے افضل خان کے خلاف انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اپنی ایک متوقع کامیابی کو اس نے افضل خان کی کسی معمولی حماقت سے تعبیر دینے کے سلسلے میں جلد بازی کا مظاہرہ کر کے دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ یہ بات اس کے فرشتوں کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ میڈم روبی کو رسوائی سے بچانے میں کسی روحانی یا غیبی قوت کا عمل دخل بھی ہوسکتا ہے۔ خود سراج کو اس شیطانی کھیل کی اطلاع لیاقت حسین نے دی تھی۔ بعد میں خود لیاقت حسین کو بھی اس سلسلے میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ بہر حال، افضل خان عتاب کا شکار ہو کر بدترین حالت سے دو چار تھا۔ دوسری جانب خود لیاقت حسین نے دی تھی ایک ایکسیڈنٹ میں زخمی ہو کر اسپتال میں پڑا تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ سراج کو صبح بیدار ہوتے ہی نامعلوم مخبر نے جو پیغام دیا تھا، وہ اس کے ذہن میں بگولے کے مانند رہ رہ کر چکرا رہا تھا۔

سراج ذیشان ہوٹل میں موجود دو اہم مجرموں کو گرفتار کرنے کی خاطر ڈی آئی جی کرائمز سے مشورے کے بعد مکمل تیاری کر چکا تھا لیکن مخبر کی نئی اطلاع نے اسے کئی الجھنوں کا شکار کر دیا...... اس نے صبح ہی صبح سراج کو فون کر کے کہا تھا۔

''پکنک کے لیے آپ نے جو تیاریاں کر رکھی ہیں اس پر فوراً روانگی میں کچھ تاخیر کر دیں۔''

''کوئی خاص وجہ؟''

''میں اس وقت جلدی میں ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد آپ کو اس کی وجہ بھی بتادوں گا۔''

''کیا جس راستے سے ہم جانے والے ہیں وہ......''

''لمبا راستہ ہے۔'' حسب معمول اشاروں میں جواب دیا گیا۔ ''درمیان میں سڑک کا کچھ حصہ اچھی حالت میں نہیں ہے۔''

''تو کیا آج کا پروگرام......''

''کچھ دیر میرے دوسرے فون کا انتظار کر لیں۔'' اس بار بھی سراج کی بات کاٹ کر کہا گیا۔ ''میں اسی طرف جا رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کوئی شارٹ کٹ ہمارے لیے زیادہ آسانی پیدا کر دے۔ جو لوگ تیار ہیں۔ انہیں تیار ہی رہنے دیں۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

سراج کے پاس سوائے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے فوری طور پر ڈی آئی جی کرائمز کو بھی شارٹ کٹ والی بات بتا دی۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر کوئی شارٹ کٹ میسر آ جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

''کیا دوسری پارٹی متبادل راستے سے باخبر نہیں ہوگی؟''

''ہو بھی سکتی ہے لیکن ہمیں بہرحال گائیڈ کے مشورے پر عمل کرنا ہوگا۔''

''رائٹ سر......''

ڈی آئی جی سے رابطہ ختم کرنے کے بعد اس نے نگرانی پر مامور عملے کے انچارج سب انسپکٹر مکارم کو بلا کر بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''مجھے معتبر ذرائع سے خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ مریض کو اغوا کرنے یا پھر ناکامی کی صورت میں اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ آپ سب کو چوکس کر دیں۔''

''ڈونٹ وری سر......میں جانتا ہوں کہ مریض ہمارے لیے کس قدر اہم ہے۔ میرے آدمی جان کی بازی کھیل کر بھی دشمنوں کی چال کو ہر قیمت پر ناکام بنانے کی کوشش کریں گے۔''

''ممکن ہو تو اسپتال کے باہر اور داخلی دروازوں پر بھی مزید نفری تعینات کر دیں۔''

''ایز یو وش......'' سب انسپکٹر نے پُرجوش انداز میں کہا پھر وہ نئی ہدایت پر عمل کرنے کی خاطر تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے راہداری عبور کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سراج کے ذہن میں مخبر کی اطلاع کے متعلق مختلف خیالات چکرا رہے تھے۔ اس نے ذیشان ہوٹل کے آس پاس صرف وہ قابل اعتماد کمانڈو تعینات کر رکھے تھے۔ انہیں صرف ایک اشارہ کرنے کی دیر تھی۔ مطلوبہ آدمیوں کو ہوٹل سے کسی سوچی سمجھی جگہ پر منتقل کرنے کی خاطر اس نے بلٹ پروف گاڑی کا انتظام بھی کر رکھا تھا جس کے رنگین شیشے باہر والوں کو اندر کے حالات سے قطعی لاعلم ہی رکھتے۔ سارا پروگرام ایک فائنل ٹائم ٹیبل کے تحت طے تھا جب مخبر نے کسی شارٹ کٹ کی بات کر کے دوسری کال کا انتظار کرنے کو کہا تھا۔ ممکن ہے اس نے سراج کی اسکیم سے زیادہ آسان کوئی راستہ تلاش کر لیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے مطلوبہ افراد سے ساز باز کر کے پولیس کو دور رکھنے کی خاطر شارٹ کٹ کی پیشکش کر کے اتنی مہلت حاصل کرنی چاہی ہو کہ وہ اپنے ڈبل گیم میں کامیاب ہو سکے۔ دونوں ہی صورتوں میں سراج کو اس کے دوسرے فون کا انتظار کرنا تھا۔ اور بھی کئی ممکن

خدشات‘ پروگرام کی اچانک تبدیلی کی وجہ سے اس کے ذہن میں سر ابھار رہے تھے جب اس کے خاص موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کیا۔سراج نے پھرتی سے اسے جیب سے نکال کر روشن اسکرین پر نظر ڈالی جس پر اس کے دو منتخب کمانڈوز میں سے ایک کا نمبر مع کوڈ کے چمک رہا تھا۔

’’یس......‘‘ سراج نے موبائل آن کر کے بڑے مدھم لہجے میں پوچھا۔’’کوئی خاص خبر......؟‘‘

’’سر...... پندرہ منٹ پیشتر ایک مریل ٹائپ کا بنگالی اوپر گیا تھا۔اس وقت وہ نیچے کاؤنٹر پر کھڑا منیجر سے بات کر رہا ہے۔‘‘

’’ہمارے مطلوبہ افراد کہاں ہیں؟‘‘

’’وہ ابھی تک اپنے ڈربے سے باہر نہیں نکلے۔‘‘سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔’’ہمارے لیے کیا حکم ہے؟‘‘

’’میرے دوسرے فون کا انتظار کرو......لیکن ایک بات کا خیال رکھنا‘ وہ دونوں کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے نہ نکل سکیں۔‘‘

’’سر......میں نے اس امکان پر غور کر لیا تھا کہ ممکن ہے ان چوہوں کی حفاظت پر کچھ بلیاں بھی کہیں آس پاس موجود ہوں۔ان کو درمیان میں آنے سے روکنے کی خاطر بھی کچھ ساتھی پوری طرح تیار ہیں۔‘‘

’’گڈ......‘‘ سراج نے تعریفی انداز اختیار کیا پھر وہ اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دوسری طرف کال کا سگنل سنائی دیا۔’’میں تمہیں دوبارہ فون کرتا ہوں۔‘‘ سراج نے رابطہ ختم کر کے دوسری آنے والی کال اٹینڈ کی۔

’’میں نے آپ کو شارٹ کٹ بتانے کے لیے فون کیا ہے۔‘‘ مخبر کی آواز سنائی دی۔اس نے پورا پلان سمجھاتے ہوئے کہا۔’’اگر آپ کے آدمیوں نے میرے کہنے کے مطابق ہوشیاری سے ایکشن لیا تو پھر وہ کسی طاعون زدہ چوہوں ہی کی طرح جال میں پھنس جائیں گے۔‘‘

’’تمہارا پلان شاندار ہے۔‘‘سراج نے اس کی تجویز سن کر خوشی کا اظہار کیا۔’’میں دو منٹ کے اندر نئی ہدایت جاری کرتا ہوں۔‘‘

’’تیسرے آدمی کو اگر کسی طرح فرار ہو جانے کا موقع دیا جائے تو مناسب ہوگا ورنہ...... مجھے بعد میں آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلانا پڑے گا۔اس کے پھنس جانے کی صورت میں آپ کے اور اس کے......دونوں کے لیے کچھ دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔‘‘

’’او کے۔میں کوشش کروں گا کہ میرے آدمی اسے کسی طرح نکل جانے کا موقع فراہم کر سکیں۔‘‘

مخبر نے جو پلان بتایا تھا وہ یقیناً شارٹ کٹ ہی تھا۔سراج نے فوری طور پر سینئر کمانڈو کو نئے احکامات جاری کیے پھر نگرانی کے عملے کے انچارج کو دوبارہ الرٹ رہنے کی تاکید کرنے کے بعد اس نے ہسپتال سے باہر آ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفتر کی طرف روانہ

ہو گیا۔ مقصد دشمنوں پر یہی ظاہر کرنا تھا کہ وہ کمانڈو ایکشن کے وقت ہوٹل یا اسپتال سے قریب نہیں تھا۔ ڈی آئی جی کرائمز نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا۔

✢✢✢

''غصہ یا جھنجلاہٹ انسان کے ذہن کو کمزور کر دیتی ہے۔'' میجر نے طویل خاموشی کے بعد اپنے ساتھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میں تمہیں صبر و تحمل سے کام لینے کا مشورہ دوں گا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اس وقت ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ یہ معاملہ کامیابی سے طے پا جائے تو پھر آئندہ کے لیے بھی سوچیں گے۔'' میجر کا آخری جملہ معنی خیز تھا۔

''نائن پلس ٹو......'' کیپٹن نے بہت غور سے میجر کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی۔

''موسم ایک نہیں چار ہوتے ہیں۔'' میجر نے خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''سائبیریا میں خشک سالی کا موسم آنے سے پہلے ہی وہاں کے پرندے بھی ایشیائی ملکوں کی طرف ڈار کی شکل میں پرواز شروع کر دیتے ہیں۔''

''اور ہمارے شکاری ان کو مارنے کی خاطر پہلے سے تیار رہتے ہیں۔''

''ہاں......میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔'' میجر بے پروائی سے بولا۔ ''لیکن نقل مکانی ان پرندوں کی اپنی ذاتی پسند اور فیصلہ ہے' اس میں کسی کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔''

''میں تمہارا اشارہ سمجھ رہا ہوں لیکن کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟'' کیپٹن نے کچھ توقف سے استفسار کیا۔ ''ہمارے سارے ویک پوائنٹس بگ باس کو معلوم ہیں۔ تحفظ دیتے وقت بھی ہم سے یہی کہا گیا تھا کہ......''

''فیصلہ سناتے وقت کوئی جج مجرم سے کبھی یہ نہیں کہتا کہ تمہیں تھانے والوں کی چھترول سے بچنے کی خاطر جیل بھیج رہا ہوں۔ وہاں جا کر فرار ہونے کی کوشش کرنا۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''ہر غلط کام میں رسک پہلی شرط ہوتی ہے مائی ڈیئر۔'' میجر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ ''جیل کی دیواریں توڑنا' لوہے کے زیورات سے گلوخلاصی حاصل کرنا بھی آسان نہیں ہوتا لیکن کھلی ہوا میں آزادی سے سانس لینے کا تصور ہی فرار ہونے والے کے حوصلوں کو ہوا دیتا ہے۔''

''کیپٹن نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا' کچھ دیر کسی غور و فکر میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

''کیا ہمارے باقی دو ساتھی بھی ہماری رائے سے متفق ہو جائیں گے؟''

''اجتماعی فرار کی کوشش ننانوے فیصد ناکامی سے دوچار ہوتی ہے۔ کوئی ایک' کسی ایک کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر بھانڈا پھوڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔'' میجر نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''اس وقت ہم دو ہیں۔ تم اگر مجھ سے متفق نہیں ہو تو میں درخواست کروں گا کہ اس وقت

میرے اور تمہارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے یکسر فراموش کر دینا۔"
"ڈن......" کیپٹن نے گہری سنجیدگی سے وعدہ کیا پھر اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔"غصے اور جھنجلاہٹ پر کنٹرول کرنے کا مشورہ تم نے غالباً مچھی بھارت کے پس منظر میں دیا تھا؟"

"ہاں......"

"ایک سوال میں بھی کروں گا......اگر بگ باس کو حکم دے کہ حسینہ کو ایک رات کے لیے اس کے عشرت کدے میں پہنچا دے تو کیا وہ انکار کر دے گا؟"
"نہیں......" میجر نے جواب دینے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔"مچھی بھارت کے فرشتے بھی خود حسینہ کا بناؤ سنگھار کر کے اسے باس کے خاص کمرے تک پہنچانے پر خوشی خوشی آمادہ ہو جائیں گے......اس کے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہو گا۔ہاں' یہ ممکن ہے کہ وہ حسینہ سے یہ بھی کہہ دے کہ وہ بگ باس کو پوری طرح اپنے جسم کے گداز اور حسین پیچ وخم میں الجھانے کے بعد کوئی زہریلی سوئی چبھو کر اس کا قصہ تمام کر دے لیکن وہ رسک نہیں لے گا۔اس لیے کہ بگ باس کے دوسرے شکاری جانور بھی پوری طرح محتاط رہتے ہیں۔وہ حسینہ کی تکا بوٹی کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں کریں گے۔"
"ہو سکتا ہے تمہاری سوچ درست ہو لیکن میں مچھی بھارت سے حسینہ کے سلسلے میں صرف مذاق نہیں کرتا۔" کیپٹن نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔"میں حسینہ کے عشق میں مبتلا نہیں ہوں لیکن ایک بار منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر اسے کسی ہرنی کی طرح گرا کر تڑپتا ہوا مچلتا دیکھنے کی خواہش سے دست بردار بھی نہیں ہو سکتا۔"
"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" میجر نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"ہاں......" کیپٹن حقارت سے مسکرا دیا۔"اپنے مقابلے پر میں مچھی بھارت اور اس کی جل پری کو زیادہ اہمیت نہیں دے سکتا۔اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد میرا پہلا خوبصورت ٹارگٹ حسینہ ہی ہو گی۔"

میجر ہونٹ چبا کر رہ گیا۔اسی وقت دروازے پر پھر تین بار وقفے وقفے سے دستک کی آواز سنائی دی۔میجر نے نگاہوں نگاہوں میں کیپٹن کو اس بات کی تلقین کی وہ فی الحال حسینہ کے سلسلے میں اپنے دلی جذبات کا کوئی مظاہرہ کرنے سے گریز ہی کرے' پھر اس نے دوازے کے قریب جا کر ڈور لاک میں لگی چین کی حد تک جھری کر کے اپنا اطمینان کرنے کی ضرورت کو نظر انداز بھی نہیں کیا۔
"میں ہوں......" دوسری جانب سے چارلی کی آواز سن کر اس نے چین بھی لاک سے الگ کر دی لیکن دروازہ کھلتے ہی جو کچھ ہوا وہ میجر یا کیپٹن کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔چارلی کے ساتھ ہی دو گٹھے ہوئے جسم کے جوان جن کے چہرے بھی مخصوص جالی کے ماسک کے اندر چھپے ہوئے تھے' کمرے میں آ کر آندھی اور طوفان کی طرح ٹوٹ پڑے۔چارلی کو ایک طرف دھکا دے کر

انہوں نے کیپٹن اور میجر کو اپنے پستول کی زد میں لے لیا جس پر سائلنسر بھی فٹ تھا۔ یہ عجیب ساخت کا پستول میجر اور کیپٹن نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

بگ باس کی جانب سے ان دونوں کو اس خاص مشن کے لیے یہی ہدایت ملی تھی کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی زندہ گرفتاری نہیں دیں گے ورنہ پھر ان کی موت ان کے تصور سے بھی زیادہ بھیانک اور اذیت ناک ہوگی۔ چنانچہ ان دونوں نے پستول کی پروا کیے بغیر زندگی کی بازی لگانے کی ٹھان لی مگر دوبارہ جو کچھ ہوا وہ بھی ان کی مجرمانہ زندگی کے لیے انوکھا تجربہ تھا۔ جالی کے ماسک والوں نے ان کے ارادے بھانپ کر ٹریگر دبا دیے۔ دونوں کے پستول سے زردی مائل دھویں کا ایک گولا سا نکلا پھر اس نے برق رفتاری سے اپنا حجم بڑھا کر اس طرح میجر اور کیپٹن کے چہروں کو اپنے حصار میں لیا کہ وہ کسی جوابی کارروائی سے یکسر محروم ہو گئے۔ دھویں کے گولے کی شکل میں بے ہوش کر دینے والی ایسی گیس کو فائر کیا گیا تھا جس نے دونوں کو پلک جھپکتے میں پانچوں حواس خمسہ سے یکسر محروم کر دیا۔ وہ کٹی ہوئی بے جان شاخوں کی طرح فرش پر گر کر بکھر گئے۔ پھر جتنی دیر میں دونوں کمانڈوز اپنے شکار کی ضروری پیکنگ کرتے، چارلی موقع پا کر فرار ہو گیا جس کو حسب وعدہ اس کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ بظاہر یہی محسوس ہوا تھا کہ اصل مجرموں پر قابو پانے کی جلدی میں دونوں کمانڈوز اس کی موجودگی سے بے نیاز ہو گئے تھے لیکن یہ بھی طے شدہ پلان کا ایک ضروری حصہ تھا۔

پندرہ منٹ کے مختصر عرصے میں دو بستر بند ہوٹل ذیشان کے عقبی راستے سے باہر لائے گئے، ان کے ساتھ دو سوٹڈ بوٹڈ افراد بھی تھے جنہوں نے آنکھوں پر مرکری گلاسز والا چشمہ پہن رکھا تھا۔ ہوٹل کے عملے کے لباس میں دو آدمیوں نے ان بستر بندوں کو اس بلٹ پروف گاڑی کی ڈکی میں منتقل کر دیا جو خاصی کشادہ تھی، پچھلی دو نشستوں کو فولڈ کر کے اس مزید گنجائش بڑھا دی گئی تھی۔ بستر بند لوڈ ہونے کے بعد بلٹ پروف گاڑی ذیلی سڑکوں کو عبور کر کے تین منٹ بعد کشادہ روڈ پر آ گئی جو ہوٹل ذیشان سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ دور تھی پھر اگلی نشستوں پر ڈرائیو کرنے والے کے برابر بیٹھے ہوئے گٹھے ہوئے جسم والے نے موبائل نکال کر سراج کے نمبر پنچ کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

”آپریشن سکسس فلی کمپلیٹڈ سر...... بستر بند کو کہاں پہنچانا ہے؟“

”ملٹری اسپیس ڈویژن کی ٹنل نمبر تھری میں۔“

”سوری سر...... وہاں جانے کے لیے اسپیشل پرمٹ ہونا ضروری ہے۔“

”ڈونٹ وری...... پرمٹ تمہیں داخلی دروازے پر ہی ہینڈ اوور کر دیا جائے گا۔ بات طے ہو گئی ہے۔“

”اور کوئی خاص بات؟“

”تیسرے کا کیا ہوا؟“ دوسری جانب سے دریافت کیا گیا۔

”طے شدہ پروگرام کے مطابق اسے نظر انداز کر دیا گیا۔“

"تمہارا تعاقب تو نہیں ہو رہا......؟"

"اگر ایسا کیا گیا تو تعاقب کرنے والوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔" گٹھے ہوئے جسم والے نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "ہمیں اپنے ملٹری کمانڈو ڈویژن سے بھی کچھ ضروری ہدایات ملی ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"او کے...... میں بعد میں دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔"

"رائٹ سر......" کال ختم ہوئی تو موبائل بھی آف کر دیا گیا۔

سراج نے دوسری جانب سے گفتگو ختم کرنے کے فوراً بعد ڈی آئی جی کرائمز کو فون کیا۔ طے شدہ پروگرام کی کامیابی کی اطلاع دینے کے بعد اس نے پُرجوش لہجے میں کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم فوری طور پر انٹروکیشن کے لیے تیاری کریں تو......"

"نہیں......" دوسری جانب سے فوری جواب ملا۔ "میں نے ملٹری کی ہائی کمان سے بات کی تھی۔ ان کا مشورہ ہے کہ کل صبح تک وہاں جانے کی اسپیشل پرمیشن کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"رائٹ سر......"

"دوسری جانب سے کوئی مزاحمت تو نہیں کی گئی؟" ڈی آئی جی کرائمز سے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ابھی تک اس بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"آیم نمبر ون کا کیا ہوا......؟"

"اسے کل رات ہی پلیس کر دیا گیا ہے۔"

"گڈ......" دوسری طرف سے سراہتے ہوئے کہا گیا۔

"کل صبح تک ہمیں دشمن کے ردعمل کا بھی اندازہ ہو جائے گا۔"

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

✣✣✣

چارلی کی آنکھوں کی پٹی کھولی گئی تھی تو اس کے سامنے شیخ حامد ایک صوفے پر بیٹھا تھا' اس کمرے میں صوفے کے علاوہ فرنیچر کی اور کوئی چیز نہیں تھی' شیخ حامد کے کمرے میں اس کے تین مسلح گارڈز بھی تھے جن کے چہرے ماسک میں چھپے ہوئے تھے۔

کمرے میں روشن بلب سے چارلی نے اس بات کا اندازہ لگانے میں غلطی نہیں تھی کہ اسے بارہ گھنٹے بعد ہی ہوش میں آنے کے بعد شیخ حامد کے روبرو پیش کیا گیا تھا۔اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ ہوٹل ذیشان سے فرار ہونے کے بعد وہ بنگالی پاڑے میں اپنے مکان تک بہ آسانی پہنچ گیا تھا لیکن اس کے بعد شیخ حامد کے آدمیوں نے اس مکان ہی میں پہنچ کر کلوروفارم میں بھیگا ہوا رومال سونگھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ان کی ہدایت پر عمل کرنے کے سوا چارلی کے پاس کوئی دوسرا آپشن بھی نہیں تھا اور اب......اسے پوری طرح ہوش میں آنے کے ایک گھنٹے بعد ہی بگ باس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

''میں تمہیں کمانڈوز کی موجودگی کے باوجود بچ نکلنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔'' شیخ حامد نے سپاٹ لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''اتفاق ہی تھا سر ورنہ میں بھی پھنس جاتا۔'' چارلی نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔وہ شیخ حامد کی نظروں میں ابھرنے والی سرخی دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس کے ستارے بھی گردش میں آ چکے ہیں۔

''یہ بھی شاید اتفاق تھا کہ جو لوگ میرے آدمیوں کو لے گئے وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے؟'' شیخ حامد کسی زخمی ناگ کی طرح بل کھانے لگا۔

''وہ......وہ......'' چارلی نے ہکلاتے ہوئے اپنے بچاؤ میں ایک اور کمزور دلیل پیش کرنے کی کوشش کی۔''ان دونوں نے اوپر جاتے ہوئے مجھے اچانک اسلحے کے زور پر بے بس کر دیا تھا۔''

''انٹرسٹنگ......'' شیخ حامد نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔''انہوں نے تمہیں اسلحے کے زور پر اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کیا پھر اتنے غافل ہو گئے کہ تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو گئے......باسٹرڈ......سن آف اے بچ!'' اس نے آخری دو باتیں کرخت لہجے میں ادا کیں پھر اس کے سیدھے ہاتھ کی انگلی نے مخصوص انداز میں جنبش کی۔پشت پر کھڑے گارڈ کے پستول سے 'ٹچ' کی آواز نکلی۔چارلی اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا۔سیدھے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ کر کئی ٹکڑوں میں منقسم ہوئی تو وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔اذیت ناک انداز میں چیختا ہوا شیخ حامد کے سامنے منہ

کے بل ڈھیر ہو کر تڑپنے لگا۔

''مخبری کسے کی تھی......؟'' شیخ حامد نے گرج کر پوچھا۔

ایک پل کو چارلی کے ذہن میں آیا کہ وہ زندگی بچانے کی خاطر سراج کا نام زبان پر لے آئے لیکن اس نے فوراً ہی اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ میجر اور کیپٹن کے علاوہ ابھی وہ خطرناک دہشت گرد آزاد تھے۔ ان کو بھی غداری کا علم ہو جاتا تو اس کی حسینہ بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ وہ بھی اس پر اچھی نظر نہیں رکھتے تھے۔ چارلی کی غداری اور بگ باس کے ہاتھوں عتاب کی خبر سنتے ہی وہ حسینہ کے خوبصورت وجود کی دھجیاں اڑا ڈالنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ اس کے جسم کا ایک ایک بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیتے۔ اسی کی خاطر تو چارلی نے بگ باس کم از کم اپنی زندگی میں وہ حسینہ کے اجلے ریشمی جسم کو میلے ہاتھوں سے داغدار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''دوغلے کتے......میں نے تجھ سے کچھ پوچھا تھا......'' شیخ حامد کے تیور انتہائی خطرناک ہو گئے۔

''مم......میں......میں نے غداری نہیں کی سر......وہ......وہ میری لاعلمی میں میرے پیچھے......''

شیخ حامد کے سر کو ہلکی سی جنبش ہوئی' اسی لمحے دوسرا فائر ہوا۔ چارلی ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا' اس کے دوسرے گھٹنے کی ہڈی بھی کرچیوں میں بدل گئی۔ وہ کسی ذبح ہوتے ہوئے جانور کی طرح کرب سے چلا رہا تھا۔

''حسینہ کو ہتھیلی لگانے کی خاطر تو نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا......؟ ڈرٹی ڈاگ!'' شیخ حامد نے انتہائی سرد آواز میں کہا پھر اس نے تالی بجائی تو چار ہٹے کٹے آدمی اور اندر آ گئے۔

''یس باس......!'' چاروں نے بیک وقت بگ باس کو مخاطب کیا۔

شیخ حامد نے آخری بار چارلی سے زبان کھولنے کو کہا لیکن اب وقت گزر چکا تھا' وہ سمجھ رہا تھا کہ اب حسینہ بھی ایک اپاہج کے ساتھ زندگی گزارنا پسند نہیں کرے گی۔ وہ بگ باس کی طرف ملتجی نظروں سے دیکھ کر حلق کے بل چیخا۔

''ہاں......میں نے مخبری کی تھی......میں غدار ہوں......تت......تت تم مجھے گولی مار دو پھر بھی میں زبان نہیں کھولوں گا......مارو گولی' میرا جسم چھلنی کرا دو لیکن میری زبان بند ہی رہے گی' سنا تم نے......تم اور تمہارے شکاری کتے میری بوٹیاں چبا ڈالیں پھر بھی میں زبان بند رکھوں گا۔''

شیخ حامد کا چہرہ غضب ناک ہو گیا' سب ہی کا یہی خیال تھا......بگ باس چارلی کی بکواس سن کر ایک ہاتھ کو معمولی سی جنبش دے گا' دوسرے یہ لمحے چارلی کا پورا وجود گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا......لیکن ایسا نہیں ہوا' کچھ دیر تک بگ باس کی قہر آلود نظریں چارلی کے چہرے پر مرکوز رہیں پھر اس نے نئے آنے والے چاروں ہٹے کٹے آدمیوں کو مخاطب کیا۔

''تم باسی ہانڈی میں منہ مارتے مارتے تھک چکے ہو......آج تمہیں بالکل تازہ شکار ملے گا لیکن میری شرط بھی سن لو......'' شیخ حامد نے کسی زخمی شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم نے اس

کے ساتھ چنگیزی بربریت کا ثبوت نہیں دیا تو پھر تم کو بھی زندگی سے محروم کر دیا جائے گا۔"

چارلی بار بار موت کی بھیک مانگ رہا تھا' وہ جان کی بازی لگا کر اپنی حسینہ کی عزت کو محفوظ رکھنے کا خواہش مند تھا لیکن بگ باس کے حکم کے بعد جو کچھ اس کی نظروں نے دیکھا وہ بھی نا قابل یقین تھا۔

شیخ حامد نے چاروں کو اپنا فیصلہ سنانے کے بعد ایک گارڈ کو انگلی سے کچھ اشارہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حسینہ کو برابر کے کمرے سے گھسیٹ کر باہر لے آیا۔

"شروع ہو جاؤ......" شیخ حامد نے دوبارہ چاروں ہٹے کٹے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ "میں تمہیں صرف بیس منٹ دیتا ہوں۔ تازہ خوراک کو اس بے دردی سے کھا جاؤ کہ اس کی سانسیں بھی اس کے حسین جسم میں گھٹ کر بند ہو جائیں ورنہ پھر تم چاروں کو گولی ماردی جائے گی۔"

چارلی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... بگ باس کا اشارہ پا کر وہ چاروں بھوکے گدھ کی طرح حسینہ پر جھپٹ پڑے۔ پل بھر میں انہوں نے اس کے لباس کو تار تار کر دیا پھر بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس کے گداز جسم کو بھنبھوڑنے لگے۔ حسینہ کی چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں لیکن وہ اپنے بچاؤ میں کچھ بھی نہ کر سکی

چارلی بھی گم صم رہ گیا۔ وہ ان چار انسانوں کو دیکھ رہا تھا جو درندوں کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ایک خوبصورت' نازک اور گداز جسم کو چار چار انسان بڑی بے دردی سے بھنبھوڑ رہے تھے۔ کمرے میں موجود ہر شخص کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ خود چارلی بھی مبہوت ہو کر اس شیطانی کھیل کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شیخ حامد کی نظریں بار بار دستی گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ وہ بڑے پُرسکون انداز میں چاروں درندوں کو گزرتے وقت کا احساس دلا رہا تھا...... اٹھارہ منٹ...... پندرہ منٹ...... دس منٹ...... پانچ منٹ......!

اس کی گنتی شمار کرنے کے ساتھ چاروں بھوکے بھیڑیوں کی حالت بھی جنونی ہوتی جا رہی تھی' حسینہ بارہ پندرہ منٹ بعد ہی بے ہوش ہو گئی تھیں لیکن وہ چاروں اس کے جسم کے نازک ترین حصوں کو درندوں کی طرح بھنبھوڑ رہے تھے۔ چارلی نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں شاید اس نے بھانپ لیا تھا کہ اس نے جس کی پاکیزگی کو محفوظ کرنے کی خاطر غداری کو بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہا تھا' وہ کسی کام نہ آ سکا...... حسینہ کے بدن کو جھٹکے ان چار درندوں کی وحشیانہ جارحیت سے لگ رہے تھے ورنہ اس کی سانسیں اس کے وجود سے سارے رشتے توڑ چکی تھیں۔

بیس منٹ...... اور اینڈ...... اسٹاٹ۔"

شیخ حامد کے اس جملے کے ساتھ ہی وہ چاروں ہانپتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چارلی نے آنکھوں کے درمیان ہلکی سی جھری کر کے دیکھا۔ حسینہ کا نازک جسم جگہ جگہ سے اس طرح ادھڑا ہوا تھا جیسے کسی آدم خور نے اپنے من پسند حصوں سے پیٹ بھرنے کے بعد شکار کو اگلے وقت کے لیے چھوڑ دیا ہو۔

وہ خون میں لت پت تھی۔ اس کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اس کے گالوں سے خون ابل رہا تھا' اس کے سینے کو جیسے چاپر (chopper) سے زبردستی گزارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کی رانوں کا گوشت بھی جگہ جگہ سے ادھڑا نظر آ رہا تھا۔ جسم کے نازک حصوں سے خون ہی خون جاری تھا۔

شیخ حامد کے اشارے پر ایک گارڈ نے اس کے پھول جیسے جسم کو جس کی ساری نازک پنکھڑیاں چرمرا کر بکھر چکی تھیں' پاؤں سے الٹ پلٹ کر دیکھا پھر دبی زبان میں بولا۔

''اس کی سانسیں اکھڑ چکی ہیں باس...... کھیل جیت کے فیصلے کے ساتھ ختم ہو گیا۔''

''نہیں......'' شیخ حامد دھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''کھیل ابھی ختم نہیں ہوا۔'' اس نے نظریں گھما کر چارلی کو دیکھا۔

''مادہ مر جائے تو پھر نر کی زندگی بھی کس کام کی......'' اس نے آخری فیصلہ بھی صادر کر دیا۔ ''اس باسٹرڈ کو بھی اس کی محبوبہ کے پاس پہنچا دو پھر...... ان دونوں کو لے جا کر کہیں قریبی ویران جنگل نما علاقے میں چھوڑ آؤ...... ان کی بچی کھچی بوٹیاں اگر چیل کوؤں اور دوسرے جانوروں کے کام آ جائیں تو کیا برا ہے۔''

وہ اپنا حکم سنا کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا دو گارڈز کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ باقی افراد حسینہ اور چارلی کے مردہ جسموں کو سمیٹنے لگے۔ اس لرزہ خیز سزا نے سب ہی کے ذہن میں بہت سارے سوالات پیدا کر دیے تھے لیکن اس کے اظہار کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جس زمین دوز سرنگ میں وہ داخل ہو چکے تھے اس سے نکاسی کا ایک ہی راستہ تھا۔ موت' عبرتناک اور اذیت ناک موت......!

❖❖❖

سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم اس وقت ڈاکٹر کے کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے جب ایک وارڈ بوائے نے آ کر لیاقت حسین کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی۔

''آپ حضرات چلیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''میں ایک ضروری فون کر کے آتا ہوں۔''

سیٹھ عثمان نے دبی زبان میں راحیلہ بیگم کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ لیاقت حسین سے کسی بات کو زیادہ کریدنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں قدم بڑھاتے مریض کے کمرے میں تھا' نرس اسے بار بار سمجھا رہی تھی۔ ''ڈاکٹر نے تمہیں آرام کا بولا ہے۔''

''میں ادھر اسپتال میں کیسے آ گیا......؟'' لیاقت حسین نے حیرت بھرے انداز میں نرس سے سوال کیا۔

''پریشان مت ہو......'' سیٹھ عثمان نے قریب جا کر کہا۔ ''ہماری گاڑی کو کسی نے پشت سے ٹکر مار دی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔''

''ٹکر مار دی......؟'' لیاقت حسین نے بدستور حیرت سے کہا۔ ''مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں ہے صاحب......!''

''اس لیے کہ ٹکر کی وجہ سے تم بے ہوش ہو گئے تھے۔'' راحیلہ بیگم نے کہا۔ ''ہم تمہیں فوری طور پر ہسپتال لے آئے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں لیکن تمہیں ابھی ایک دو دن آرام کرنا ہوگا۔''

''صاحب......!'' لیاقت حسین نے بڑی معصوم نظروں سے سیٹھ عثمان کو دیکھا۔ ''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے آپ کو اور بیگم صاحبہ کو سپر اسٹور پر اتارا تھا پھر...... پھر......'' لیاقت حسین جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ اس کے آگے اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''پھر تم نے شاید گاڑی کسی مناسب جگہ پارک کرنے کی کوشش کی تھی جب گڈز کمپنی کے ٹرک نے ہماری کار کو پیچھے سے ہٹ کیا تھا۔'' سیٹھ عثمان نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''قصور اس کا بھی نہیں تھا اس لیے کہ اس کے بریک نے عین وقت پر اسے بھی دھوکا دے دیا۔''

''اپنی گاڑی کو زیادہ نقصان تو نہیں ہوا......؟''

''تم گاڑی کو چھوڑو۔'' راحیلہ بیگم نے بڑے خلوص سے پوچھا۔ ''تمہاری طبیعت اب کسی ہے......؟''

''بدن میں درد تو ہے لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ میں اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر ادھر ادھر آرام کروں۔'' لیاقت حسین نے بڑے حوصلے سے جواب دیا۔ ''چھوٹا موٹا جھٹکا آ گیا ہوگا۔ چلنے پھرنے سے خون کی گردش کے ساتھ ساتھ آرام بھی آ جائے گا۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن تمہیں بہرحال ڈاکٹر کے کہنے پر ایک دو دن آرام کرنا ضروری ہے......'' سیٹھ عثمان نے اس کے شانوں کو تھپتھپاتے ہوئے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا۔ ویسے انہیں اس بات پر تعجب بھی ہو رہا تھا کہ لیاقت حسین کو اس شدید ایکسیڈنٹ کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں تھا جس نے ان کی گاڑی کو اس قابل بھی نہیں چھوڑا تھا کہ اسے دوبارہ ٹھیک کرایا جا سکتا۔

''خدا کا شکر ہے صاحب کہ آپ اور بیگم صاحبہ اس وقت گاڑی میں نہیں تھے......'' لیاقت حسین نے کہا پھر چونک کر پوچھا۔ ''ٹرک والے کو تو سراج صاحب نے اندر کرا دیا ہوگا؟''

''نہیں......'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''قصور اس کا نہیں بریک کا تھا اس لیے ہم نے اس حادثے کی کوئی رپورٹ نہیں کی۔''

''تمہارے لیے ایک اچھی خبر بھی ہے......'' راحیلہ بیگم نے کہا۔ ''تمہارے صاحب پڑوس کے جس بنگلے کو خریدنے کی بات کر رہے تھے آج صبح اس کا سودا بھی پکا ہو گیا ہے......اب تم اور فرحین اسی بنگلے کی انیکسی میں رہو گے......فرحین کے قریب ہونے سے مجھے بھی آرام ہو جائے گا۔ تم بھی بسوں میں دھکے کھانے سے بچ جاؤ گے۔''

''صاحب ......'' اچانک لیاقت حسین نے سیٹھ عثمان کو سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ''آپ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟''

"تمہیں اس کا شبہ کیوں کر ہو گیا؟"

"بس......" لیاقت حسین نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "میرا دل بولتا ہے کہ کہیں نہ کہیں......"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔" راحیلہ بیگم نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ "بنگلے کی بات طے ہونے کے علاوہ ایک خوش خبری اور بھی ہے تمہارے لیے...... تمہارے صاحب نے اب ایک نئے ماڈل کی گاڑی لینے کا ارادہ بھی کر لیا ہے۔"

لیاقت حسین نے جواب میں خوشی کا اظہار کیا لیکن اس کے دماغ میں نہ جانے کیوں ایک خیال رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی خلا ضرور ہے۔ کوئی بات ایسی...... جو اس سے چھپانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پھر اس کے کانوں میں کہیں دور سے ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔

لیاقت حسین...... خود کو سنبھالو...... جو گزر گئی اسے بھول جاؤ۔ خدا کی مصلحتیں سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ جتنا کریدو گے اتنا ہی اور الجھتے جاؤ گے۔"

"کیا بات ہے لیاقت حسین......؟" سیٹھ عثمان نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔ "تم کیا سوچ رہے ہو......؟"

"سوچنا...... سوچنا کیا ہے صاحب۔" لیاقت حسین نے سنبھل کر جواب دیا۔ "آپ جیسے مہربان لوگ تو بندوں کے لیے ایک نعمت ہوتے ہیں۔ جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔"

"تم ادھر دو روز اور آرام کر لو......" راحیلہ بیگم نے کہا۔ "کل تک بنگلے کی ادائیگی وکیل کے ذریعے کر کے ہمیں اس کا قبضہ بھی مل جائے گا۔ پرسوں تم آ کر پرانے مکان سے اپنا سامان بھی لے آنا لیکن...... نئے مکان کی ساری سیٹنگ فرحین آنے کے بعد اپنی مرضی سے کرے گی۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحب......"

سیٹھ عثمان اور راحیلہ کچھ دیر بعد چلے گئے تو لیاقت حسین کے دماغ میں پھر وہی پُراسرار آواز گونجنے لگی۔ وہ اس پر غور کرتا رہا۔ الجھتا رہا پھر چونک اٹھا...... "وہ آواز تو اس کی اپنی تھی۔" اس کے دل نے گواہی دی تو وہ ایسے سوالات کی گہرائیوں میں غوطہ کھانے لگا جس کی کوئی اتھاہ نہیں تھی۔

✣✣✣

وہ سرخ رنگ کی اسپورٹس کار تھی جو خان گڈز ٹرانسپورٹ کے سامنے رکی تھی۔ اس میں سے جو شخص اترا وہ ایک سیاہ فام تھا۔ درمیانہ قد اور چھریرے جسم کا مالک۔ اس نے سفاری سوٹ پہن رکھا تھا، سر پر تنکوں والی سفاری ٹائپ فلاپی ہیٹ نظر آ رہی تھی۔ دونوں شانوں پر نہایت جدید قسم کے کیمرے لٹک رہے تھے، ایک کینوس کا ہینڈ بیگ بھی تھا۔ آنکھوں پر اسموک کلر کے گلاسز تھے، گلے میں ایک پاورفل دوربین بھی جھول رہی تھی۔ بہ ظاہر وہ کوئی سیاح ہی نظر آتا تھا جسے فوٹوگرافی کا شوق بھی جنون کی حد تک تھا۔ ورنہ دو دو کیمروں کا رکھنا فضول ہی تھا۔ اس وقت اس نے جس جگہ گاڑی پارک کی تھی اس کے دونوں اطراف گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی کے دفاتر ہی واقع تھے، چھوٹے چھوٹے آفس کے

ساتھ ہی بڑے بڑے آہنی دروازوں والے شیڈ بھی تھے جہاں سینکڑوں کی تعداد میں لوڈنگ ٹرکس پارک تھے۔

گاڑی روکنے کے بعد اس نے اگنیشن سے چابی نکال کر جیب میں ڈالی پھر نیچے اتر کر قریب کے دفتر میں گیا جہاں ایک بھاری بھرکم شخص چھوٹی سی میز کی دوسری جانب شلوار قمیض پہنے بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا' باہر اسٹول پر بیٹھا ہوا شخص اس کا ملازم لگ رہا تھا۔

دفتر میں داخل ہو کر سیاہ فام نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بھاری بھرکم شخص کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اسے ایک ایسا صاف ستھرا بڑا ٹرک درکار ہے جس پر تقریباً نو آدمی مع کیمپنگ کے ساز و سامان کے آسانی سے سفر کرسکیں۔ وہ ٹرانسپورٹر کو خاصی دشواری کے بعد سمجھا سکا کہ اسے وہ ٹرک اپنی شکاری پارٹی کے لیے درکار ہے جسے دس سے بارہ روز اس کی پارٹی کے ساتھ رہنا ہوگا۔ بھاری بھرکم شخص نے کچھ ضروری سوال جواب کے بعد اس کی مدد سے معذوری ظاہر کردی۔

''جتنا پیسا مانگنا دے گا لیکن ٹرک اگر نیا ہو تو ونڈرفل......''

''نو......نو......سوری۔''

''شوگی ری مارا......'' سیاہ فام نے اس کے طرز عمل پر نفرت کے اظہار کے طور پر اپنی زبان میں کچھ کہا پھر باہر آ کر دوسری کمپنیوں کے دفتر باری باری جھانکنے لگا۔ آٹھویں آفس میں بیٹھے ہوئے شخص نے بڑے تپاک سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے آفس کے باہر شہباز گڈز ٹرانسپورٹ کا بورڈ آویزاں تھا۔ کچھ دیر تک سیاہ فام حسب معمول اس شخص کو بھی اپنی ضرورت سے آگاہ کرتا رہا۔ میز کی دوسری جانب بیٹھا ہوا گول مٹول آدمی سیاہ فام کی باتوں کو پورے دھیان سے سنتا رہا پھر اس کی مکمل بات سن کر بولا۔

''ہمارے پاس ایک نیا ٹرک ہے جو ہیوی ڈیوٹی کے لیے بھی ایک دم فرسٹ کلاس ہے۔'' اس نے بڑے کاروباری انداز میں بات جاری رکھی۔ ''اگر تم بولو گے تو اس پر دھوپ سے بچنے کی خاطر ترپال کی عارضی چھت بھی کھینچی جاسکتی ہے۔''

''فائن......ویری گڈ......'' سیاہ فام نے خوشی کا اظہار کیا پھر کاروباری انداز میں اپنا مافی الضمیر سمجھاتے ہوئے دریافت کیا۔

''موری یاخمی!......آئی مین......ہاؤ مچ منی......! روکڑا؟''

''ون ویک......ٹوئنٹی تھاؤزنڈ......'' گول مٹول آدمی نے دوبارہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کھولنے اور بند کرنے کے بعد اسے سمجھانے کی کوشش کی پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''ایوری ایکسٹرا ڈے......ففٹین ہنڈرڈ......فائنل۔''

''او کے......او کے......'' سیاہ فام نے گردن ہلاتے ہوئے اس کی پیشکش کو بغیر کسی حیل وحجت کے منظور کرلیا تو ٹرانسپورٹر نے مزید وضاحت کی۔ ''گیسولین......فیول چارجز ایکسٹرا......یور ہیڈک۔''

''یس......آئی نو......نیور مائنڈ......'' سیاہ فام نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر گھٹنے کے قریب

والی زپ پاکٹ سے پانچ ہزار روپے نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ ایڈوانس......ڈن۔"
"روانگی......گوئنگ وھن" گول مٹول آدمی نے انگریزی کی گردن مروڑتے ہوئے دریافت کیا۔
"ٹوڈیز......آفٹر۔" سیاہ فام نے کہا پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔" لی شو ماری گا......آئی لائیک......سی وی وہیکل......"
"او کے۔" گول مٹول آدمی نے پانچ ہزار کا ایڈوانس سمیٹ کر جیب میں رکھنے کے بعد باہر بیٹھے اپنے ملازم سے کہا۔" منوورے......اس کالٹین کو اندر لے جا کر وہ ٹرک دکھا دے جو دو روز سے پیچھے کھڑا ہے۔"
"اگر اس نے سامنے کی باڈی پر ڈینٹ کے بارے میں معلوم کیا تو کیا گولی دوں......؟"
"تو بھی نرا جنگلی ہے......کہہ دینا کہ کسٹم ڈیلیوری کے وقت وہ اسی حالت میں ملا تھا۔" گول مٹول آدمی نے آنکھ مار کر اسے سمجھایا۔" زیادہ پھیلنے کی کوشش کرے تو بول دینا کالٹین کو وہ چاہے تو ڈینٹ بھی نکلوا دیا جائے گا......موٹی آسامی ہے۔ کم عقلی سے کام لیا تو تیرا کمیشن بھی مارا جائے گا' اندر جا کر کالٹین کے سامنے ماٹھو بن کر کھڑا رہا تو بات نہیں بنے گی۔"
ملازم آہنی دروازہ کھول کر سیاہ فام کو اندر لے گیا......سیاہ فام وہاں موجود پانچوں ٹرک کو دیکھتا رہا پھر ملازم اسے کسی طرح کھینچ تان کر اس ٹرک تک لے گیا جو سب سے آخر میں کھڑا تھا' دوسرے ٹرکس کے مقابلے میں نسبتاً بڑا بھی تھا اور نیا بھی لگ رہا تھا۔ سیاہ فام کسی ماہر کی طرح اسے چاروں طرف سے......اور اوپر نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی حسب توقع ٹرک کے سامنے کی طرف نظر آنے والے اس معمولی ڈینٹ کے بارے میں دریافت کیا جو بہت زیادہ نمایاں بھی نہیں تھا لیکن اس ڈینٹ کے مقام پر اوریجنل باڈی کلر کے علاوہ کہیں کہیں گرے کلر بھی نظر آ رہا تھا۔ سیاہ فام اس نشان کو غور سے دیکھتا رہا پھر ملازم نوجوان کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔" ایکسیڈنٹ......؟"
"نو......کسٹم......ڈیلیوری ٹیم......" سیاہ فام اس کی بات سن کر مسکرایا۔ جیب سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے رازداری سے بولا۔" آنسٹی ریوارڈ......فار یو اونلی۔"
ملازم نے ادھر اُدھر دیکھا پھر نوٹ لے کر اپنے نیفے میں جلدی سے اڑس لیا۔
"ٹیمبر شوبو......" سیاہ فام روانی میں بول گیا پھر مسکرا کر وضاحت کرنے کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے اشارے سے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی......" ون......گی لاس ......واٹر......گولڈ۔"
"ابھی لایا۔" ملازم نے جواب دیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر کی طرف چلا گیا۔
سیاہ فام نے عقبی دروازے کی طرف جا کر ٹرک کے پیچھے وہیل کے درمیان ادھر اُدھر کچھ دیکھا پھر اس نے ہینڈ بیگ سے دو بائی تین انچ کی ایک چپٹی سی پلاسٹک میڈ......چاروں جانب سے سیلڈ

ڈبیا نما شے نکالی‘ اس کے ایک طرف ہائی پاور میگنیٹک (magnetic) سائڈ پر لگی ہوئی پیپر ٹیپ کھینچ کر علیحدہ کی پھر...... دونوں ٹائر کے درمیان باڈی کے اوپری حصے پر ایسی جگہ فکس کر دیا کہ بہ ظاہر اسے ایک نظر میں آسانی سے تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اپنا کام بہ مشکل ایک منٹ میں مکمل کرنے کے بعد وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا اور ادھر اُدھر گھوم کر ٹرک کو اس طرح دیکھنے لگا‘ جیسے خود اپنی پسند کو سراہ رہا ہو۔ ملازم پانی لایا تو اس نے زمین پر اکڑوں بیٹھ کر پانی پیا پھر اس کے گلے میں دوستانہ انداز میں ہاتھ ڈالے باہر والے آفس میں آ گیا۔

”ککٹر آ گیا دڑبے وچ......؟“ گول مٹول آدمی سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا پھر اس نے یہ بھی باور کرا دیا کہ وہ کل صبح تک اپنا سارا سامان بھی ملازموں کے ذریعے بھیج دے گا اس لیے کہ اگلے دن شام ہی کو ان کی روانگی متوقع ہے۔

”ٹومارو...... فل پیمنٹ‘ ایڈوانس۔“ گول مٹول شخص نے اسے ادائیگی کے سلسلے میں بڑی صاف گوئی سے آگاہ کیا۔ جواب میں سیاہ فام نے اپنی آمادگی کا بڑی خندہ پیشانی سے اظہار کیا پھر الٹے قدموں اس سرخ اسپورٹ کار کی طرف قدم بڑھانے لگا جو تقریباً تیس فٹ دور پہلے والی گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی کے سامنے پارک تھی۔

سیاہ فام نے اسپورٹنگ کار کو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے اس سے اس کا دور کا بھی کوئی تعلق نہ رہا ہو‘ تیز تیز قدم اٹھاتا...... کشادہ سڑک پر آیا پھر ایک ٹیکسی کو روک کر اس میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کے استفسار پر اس نے بڑی روانی سے مقامی زبان بولتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ایک سیاح ہے۔ بڑے دکھ سے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ جنگلی جانوروں اور آزاد پرندوں کو دنیا کے بیشتر ممالک میں مختلف طریقوں سے کسی نہ کسی طرح ان کی آزادی سلب کر کے محض لوگوں کو تفریح کے لیے رکھا جاتا ہے۔ اس نے زولوجیکل گارڈن (zoological garden) چلنے کی ہدایت دیتے ہوئے اس بات کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھ رہا ہے جس میں دنیا میں مختلف ممالک میں موجود چڑیا گھروں میں رکھے گئے ایسے جانوروں کی تصاویر بھی شامل ہوں گی جنہیں انتہائی غیر صحت مندانہ ماحول میں لوگوں کی تفریح کی خاطر رکھا جا رہا ہے۔

اسی شام اس نے ٹھیک سات بجے اپنے موبائل فون پر ایک متوقع کال ریسیو کی۔

”ہیلو...... ہاشم اسپیکنگ۔“ سیاہ فام نے بے پروائی سے کال ریسیو کی۔

”سیون اسٹار......“ دوسری جانب سے بھرائی نسوانی آواز میں کوڈ ورڈ بتانے کے بعد سوال کیا گیا۔ ”آپریشن کے سلسلے میں کیا رپورٹ ہے؟“

”ہنڈرڈ پرسنٹ سکسس فل۔“ اس بار بھی نارمل انداز میں جواب دیا گیا۔

”سرخ اسپورٹس کار پر تم نے کوئی فنگر پرنٹس تو نہیں چھوڑے؟“

”ہاشم نے زندگی میں کبھی کوئی کچا کام نہیں کیا۔“

''گڈ......میرے آدمی تمہاری کارکردگی کو واچ کر رہے تھے۔'دوسری جانب سے سرسراتے ہوئے انداز میں جواب ملا۔ پھر پوچھا گیا۔''بلاسٹ ٹائم کیا فکس کیا ہے؟''

''میری رسٹ واچ کے مطابق ٹھیک نو بجے دھماکا ہو جائے گا۔اس وقت میری گھڑی میں سات بج کر اکیس منٹ ہو رہے ہیں۔''

''ایک بات یاد رکھنا......''اس بار دوسری جانب سے تنبیہی انداز اختیار کیا گیا۔''جو لوگ فل پیمنٹ ایڈوانس کرتے ہیں وہ کسی بات سے غافل بھی نہیں ہوتے......ہمارے پاس غلطی کو نظر انداز کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں ہے۔جو لوگ ہمیں ڈاج دینے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزائیں بھی جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مقرر ہیں۔''

ہاشم نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ ابھری......وہ سوچنے لگا کہ بیروت سے تعلق رکھنے والے دراز قد اور دلکش صورت کے مالک ڈوما کو کیا سزا ملے گی جس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی گرل فرینڈ کو بھی دوسری فلائٹ سے بلانے کی حماقت کی تھی؟ کیا سیون اسٹار کا کوڈ استعمال کرنے والے اس کے پروگرام سے واقف نہیں ہوں گے؟

✣✣✣

طے شدہ پروگرام کے تحت ڈی ایس پی سراج اور ڈی آئی جی کرائمز آدھے گھنٹے کے وقفے کے ساتھ ملٹری ہیڈ کوارٹر میں ٹھیک ساڑھے چھ بجے سے موجود تھے۔بیس منٹ کے بعد ان دونوں کے علاوہ ملٹری انٹیلی جنس کا ایک کرنل بھی ان کے ساتھ ملٹری کی بلٹ پروف گاڑی میں اگلی نشست پر بیٹھا اسپیس ڈویژن کی طرف سفر کر رہا تھا۔دس منٹ تک کرنل بڑی سنجیدگی سے ایک فائل میں لگے کاغذات کا مطالعہ کرتا رہا پھر اس نے خود ہی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے پولیس آفیسرز سے اپنا تعارف کرایا۔

''آئی ایم کرنل رشید پرویز۔مجھے آپ لوگوں کے ساتھ ہی ان دو مجرموں کی زبان کھلوانے کا ٹاسک ملا ہے جو ابھی تک کسی خاص وجہ سے خاموش ہیں۔ہمارے جوانوں نے ان پر فی الحال کوئی سختی بھی نہیں کی۔''

جواب میں باری باری سراج اور ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد نے بھی اپنا مختصر تعارف کرایا پھر علیم الدین نے سنجیدگی سے کہا۔''کرنل......کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم کھل کر بات کریں؟''

''یہ بہت اہم ہے۔اس کے بغیر ہم کوئی لائحہ عمل بھی طے نہیں کر سکتے۔''کرنل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کرمنلس کی زبان کھلوانے کی خاطر ان کا پس منظر اور لائف ہسٹری کا بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔''

''جو مجرم زندہ ہمارے ہاتھ آ گئے وہ بھی ہمارے کمانڈوز اور کسی مخبر کی مہربانی تھی ورنہ انہیں

یہی ہدایت دی گئی تھی کہ کسی قیمت پر بھی زندہ گرفتاری نہ دیں۔"

"آئی سی۔" کرنل پرویز نے لمبا سانس لیا۔"کیا ان کی پشت پر بھی بیوروکریٹ کا ہاتھ ہے؟"

"یس!" علیم احمد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"آپ نے شیخ حامد کا نام کہیں کسی حوالے سے ضرور سنا ہوگا۔"

"اوہ......" کرنل نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"ویٹ بلاڈی راسکل (rescal) میں اس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ فوجی انتظامیہ کو آپ کی سول گورنمنٹ کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں۔ ہم خود بھی اس گند میں ملوث نہیں ہونا چاہتے۔ ملٹری کی اپنی ایک علیحدہ شناخت ہوتی ہے۔ سول حکومت کے کاموں میں الجھ کر ہم اپنا امیج بھی خراب نہیں کرنا چاہتے لیکن......" کرنل نے کچھ توقف سے کسمسا کر بھرپور انداز میں گفتگو جاری رکھی۔"جو مجرم ہماری کسٹڈی میں دیئے گئے انہیں ہر قیمت پر سچ اگلنا ہوگا۔ مجھے خاص طور سے اوپر سے یہ احکامات ملے ہیں کہ پس پردہ رہ کر بھی ہر طرح سے آپ دونوں حضرات سے تعاون کیا جائے۔"

"شکریہ کرنل!" ڈی آئی جی کرائمز نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔"اگر آپ کے اشتراک سے ہم ان دونوں کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بھی ہمارے لیے ایک بڑی کامیابی ہو گی۔"

"کیا بات ہے آفیسر؟" کرنل نے سراج سے پوچھا۔

"آپ کس سوچ میں گم ہیں؟"

"سوچ رہا ہوں کہ اگر ہم جرائم کے معاملات میں ہمیں ملٹری کی سپورٹ بھی حاصل ہو تو شاید ہمارے ملک میں بھی جرائم کا گراف تیزی سے نیچے آ جائے۔"

"نونسنس......" جواب میں کرنل نے شانے اچکا کر مختصراً مگر معنی خیز انداز میں کہا۔

چالیس منٹ بعد وہ ضروری پابندیوں سے گزرنے کے بعد ملٹری اسپیس ڈویژن کی ٹنل نمبر تین کے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں ذیشان ہوٹل سے گرفتار کیے جانے والے مجرموں کو رکھا گیا تھا۔ ملٹری کے دو مسلح گارڈ کرسی پر مضبوط شکنجوں میں جکڑے ہونے کے باوجود ان کے سروں پر موجود تھے مگر......وہ دونوں اس طرح پرسکون نظر آ رہے تھے جیسے کسی مہمان خانے میں بیٹھے ہوں۔

آنے والے تینوں تفتیشی افسران تین کرسیوں پر بیٹھ گئے جو مجرموں کے سامنے تقریباً دس فٹ کے فاصلے سے موجود تھیں۔ ان کی آمد کے بعد میجر اور کیپٹن کے نام سے آپس میں گفتگو کرنے والے دونوں مجرموں نے نظریں گھما کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ یکے بعد دیگرے دونوں کی نظریں جھپکیں، وہ کوئی مخصوص اشارہ ہی تھا جس کے تبادلے کے بعد ہی وہ بڑی بے جگری سے مسکرائے تھے۔

"تم اب تک جس غلط فہمی میں مبتلا تھے اسے ذہن سے نکال دو۔" کرنل پرویز نے ٹھہرے

ہوئے سنجیدہ انداز میں دونوں کو مخاطب کیا۔ ”ہم اپنے مجرموں کو زبان کھولنے کی خاطر بڑے جدید اور سائنٹیفک طریقے استعمال کرتے ہیں۔“

”یہ ہمارا پہلا تجربہ ہوگا۔“ درمیانے قد والے کیپٹن نے بڑی سادگی سے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ تم دونوں میرے ساتھ کوآپریٹ کرو گے ورنہ......“ کرنل کا لب ولہجہ بہ تدریج سرد ہونے لگا۔

”اصلیت تمہیں ہر حال میں اگلنی ہوگی۔“

”ہم آپ کی زبان سمجھ رہے ہیں آفیسر“ چھریرے بدن والے میجر نے شکنجوں میں کسمسا کر سنجیدگی سے کہا۔

”غلط فہمی اور غلط فیملی۔شاید آپ کی ڈکشنری میں اس کا فرق سلیس اردو میں لکھا ہو لیکن ہم......جدید لینگویج بولنے کے عادی ہیں۔“

کرنل پرویز کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔اس نے قہر آلود نظروں سے اپنے مخاطب پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ سول اور ملٹری کے طریق کار میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

”میں آپ کو سمجھاتا ہوں کرنل......“ کیپٹن کہلانے والے نے معصومیت سے وضاحت کی۔”جو لوگ غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں وہ جان بچانے کی خاطر فرفر سارا کھایا پیا اگلنے لگتے ہیں مگر......غلط فیملی کے گروپ سے تعلق رکھنے والے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ زبان نہ کھولنے کی صورت میں بھی ان کا وہی انجام ہوگا جو زبان کھولنے کی صورت میں......پھر بلا ضرورت چمڑے کی زبان کو لپ لپ کرنے کی زحمت کیوں دی جائے۔یو انڈر اسٹینڈ!“

’باسٹرڈ......“ کرنل کے ضبط کرنے کا ٹمپریچر ایک دم ہی آخری ڈگری پر پہنچ گیا۔گرج کر بولا۔”ہم تمہاری غلط فہمی کو بھی اپنے اشاروں پر کسی روبوٹ کی طرح چلنا سکھا دیں گے۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“ اس بار ڈی آئی جی کرائمز نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔”تم اگر جرائم کی دنیا کے حرف آخر ہو تو میرے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو گے......میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ اگل دینے کے بعد تمہیں وعدہ معاف گواہ بنا کر......“

”امریکی رگڑا......“ چھریرے بدن والا مسکرا دیا۔

”یہ تکنیک بہت پرانی ہو چکی ہے ڈی آئی جی صاحب......تم ایماندار آفیسر ہو۔ہم واقف ہیں......یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارے ماتحت بھی تمہیں زبردستی جھیل رہے ہیں۔اندر سے وہ بھی تم سے نفرت ہی کرتے ہیں۔تمہاری ایمانداری کو پسند نہیں کیا جاتا۔“

”تمہیں اس وقت غالباً اپنی پوزیشن کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔“ سراج نے پہلی بار زبان کھولی۔”تمہاری اطلاع کے لیے بتا رہا ہوں کہ تمہارے باقی دو ساتھی بھی گرفتار ہو چکے ہیں۔ان دونوں کو بھی علم تھا کہ قانون نے بہت زیادہ رعایت کی تو پھانسی کی سزا عمر قید میں تبدیل ہو سکتی ہے لیکن انہوں نے اپنا انجام جانتے ہوئے بھی زبانیں کھول دیں۔شاید انہیں آخری وقت میں یہ احساس

ہو گیا ہے کہ انسان اگر آخری سانس لیتے وقت اک نیکی کر جائے تو اس کے اجر سے اسے محروم نہیں کیا جاتا۔''

''ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں ڈی ایس پی ورنہ تمہارے اس سفید جھوٹ پر تالیاں ضرور بجاتا' مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا گیا تو کرنل غصے سے بھنا کر اٹھ کھڑا ہوا' اس کی پیشانی پر آڑی ترچھی لکیروں کا...... پھیلا ہوا جال اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اس کی قوت برداشت اپنی حد سے گزر چکی ہے۔

''آئرن ماسک۔'' کرنل نے ہونٹ چباتے ہوئے سرد اور سفاک لہجے میں آرڈر دیا' دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش دو آئرن ماسک لیے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے وہ ماسک دونوں مجرموں کے چہرے پر پہنا کر اس کی پشت پر لگے ہوئے تاروں کو بجلی ی اس ہائی ٹینشن لائن سے کنیکٹ کر دیا جو کرسی کی پشت پر زمین پر موجود تھی۔

''میں تم دونوں کو لاسٹ وارننگ دے رہا ہوں۔'' کرنل نے دونوں مجرموں کو باری باری دیکھا پھر غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''بجلی کا سوئچ آن ہوتے ہی تم دونوں کی مکروہ صورتیں ہیٹ اپ ہونے کا عمل شروع کر دیں گی۔ زندگی اور موت کا فیصلہ اب تمہیں کرنا ہے۔ ماسک فل ہیٹ اپ ہونے کے بعد تم دونوں کے چہروں کو پگھلی ہوئی چربی کی صورت میں منتقل کرنے میں پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لے گا۔ کیا کہتے ہو؟'' کرنل نے ان دونوں کو کسی سفاک نظروں سے گھورا۔ ''کیا فیصلہ کرو گے؟ یس...... یا...... نو؟''

''تم جس جدید اور سائنٹیفک طریقے سے ہم جیسے مجرموں کو موت کی نیند سلانے کی دھمکی دے رہے ہو وہ ہمارے لیے کسی سوتیلی ماں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی...... ہم بہت پرانے اور تجربے کار کھلاڑی ہیں۔ اس پار یا اس پار کرنے میں پانچ سیکنڈ سے زیادہ وقت نہیں لیتے۔''

''مسٹر سراج......!'' چھریرے بدن والے نے سراج کو مخاطب کیا۔ ''اپنے آخری ورلڈ ٹور پر روانہ ہونے سے پیشتر تمہیں ایک سچ ضرور بتانا پسند کروں گا۔ ہمارے دوسرے دونوں ساتھیوں نے ہٹ لسٹ پر تمہارا نمبر آن ٹاپ رکھا ہے۔ ان کے ہاتھوں بچ گئے تو پھر بگ باس بھی تمہیں کسی پالتو کتے کی طرح بڑی اذیت ناک موت سے ہمکنار کرے گا۔''

''شٹ اپ!'' کرنل حلق کے بل چلایا پھر اس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہو گیا۔ ''میں صرف پانچ تک کاؤنٹ ڈاؤن کروں گا تم نے ہامی بھی بھر لی تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا' انڈراسٹینڈ۔''

''پانچ تک گننے میں تم اپنا ٹائم ہی ویسٹ کرو گے۔'' گھٹے ہوئے جسم والے نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''ہم دوسروں کی مرضی کی نہیں اپنی مرضی کی موت پسند کرنے کے عادی ہیں۔'' اس نے اپنے جملے کو مکمل کرنے کے بعد دوسرے ساتھی کی جانب دیکھا' دوسرے نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔ اس کے بعد ان دونوں نے اپنے منہ کو اس طرح گول گول گھمایا جیسے کسی اینٹی سیپٹک سے منہ کو اندر ہی اندر صاف کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ یہ کیفیت صرف بیس پچیس سیکنڈ تک رہی پھر دونوں

کے چہرے اس طرح ان کی گردنوں پر جھول گئے جیسے ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی ہو پھر......ان کے ہونٹوں سے چھوٹے چھوٹے بلبلوں کی شکل میں جو رطوبت خارج ہوئی اسے دیکھتے ہی علیم احمد اور سراج بھی کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

بعد میں کرنل نے جس ملٹری ڈاکٹر کو فوری طلب کیا' اس نے بھی یہی تصدیق کر دی کہ دونوں کی موت کا سبب کوئی سریع التاثیر زہر ہی تھا جسے بڑی مہارت سے ان دونوں نے مٹر کے دانے سے بھی چوتھائی حصہ کم چھوٹے کیپسول کی صورت میں غالباً ڈاڑھوں کی کسی خلا میں بوقت ضرورت استعمال کرنے کی خاطر چھپا رکھا تھا۔

کرنل پرویز اپنی اس ناکامی پر بری طرح تلملا رہا تھا۔ سراج اور علیم احمد کے چہروں پر بھی مایوسی کے گہرے بادل منڈلانے لگے۔ دونوں مجرموں کی لاشیں ملٹری کے نوجوانوں نے کرنل پرویز کے حکم کے مطابق خفیہ طور پر ٹنل تھری سے ہٹا دیں۔ کچھ دیر بعد اس نے ڈی آئی جی کرائمز اور سراج کو سی آف کرتے وقت ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا تھا۔

''ہم اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ موجود معاملے میں کسی طرح بھی ملٹری کا انوالومنٹ ظاہر ہو۔ آپ دونوں کو اس کا خیال رکھنا ہوگا۔''

''مجھے اس کی اہمیت کا اندازہ ہے۔'' علیم احمد نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر سراج کے ساتھ اسی گاڑی میں بیٹھ گئے جس میں کچھ دیر پیشتر کرنل پرویز بھی ان کا ہم سفر تھا۔ آدھے راستے تک دونوں کے درمیان مکمل خاموشی رہی۔ شاید دونوں ہی کو اس بات کا ملال تھا کہ دو اہم مجرم ان کے ہاتھ آنے کے بعد بھی آخری وقت میں انہیں سرخ جھنڈی دکھا گئے تھے۔ پھر گفتگو کی ابتدا ڈی آئی جی کرائمز نے کی۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ پہلی فرصت میں دوبارہ اپنا استعفیٰ لکھ کر حکومت کے حوالے کر دوں گا۔''

''کیوں سر؟'' سراج نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ اتنی جلدی......''

''جو پولیس آفیسر وقت پر ریٹائر ہونے کے باوجود اپنی ڈیوٹی سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ میں انہیں بھی بزدل ہی کہتا ہوں۔ فرائض کی ادائیگی آخری سانس تک ہم پر فرض ہوتی ہے۔''

''پھر آپ......''

''میرا خیال ہے کہ میں کرسی چھوڑ دینے کے بعد تمہارے زیادہ کام آ سکوں گا۔'' علیم احمد نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔

''لیکن مخالف گروپ کے لوگ اس انداز میں نہیں سوچیں گے۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ان کی سوچ مثبت نہ ہو۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے......؟'' سراج نے اپنی بے چینی کا اظہار کیا۔

''تم جذبات میں آ کر کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔ یہ میرا حکم ہے۔'' علیم احمد نے بلا کی

سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے کرسی چھوڑ دینے کے بعد...... تمہیں شیخ حامد کی سرپرستی حاصل رہے گی۔''

''سر......'' سراج چونکا۔ ''یہ...... یہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں نے ابھی کہا تھا کہ تم کسی حماقت سے گریز کرو گے۔'' علیم احمد نے ڈرائیور کی وجہ سے بدستور مدھم لہجے اور انگریزی زبان کا استعمال جاری رکھا۔ ''میں تمہیں جوگر کی بات بتا رہا ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کرو...... نیول فورس میں جنگ کے دوران میں کسی سب میرین کا رول سب سے اہم ہوتا ہے۔ امید ہے تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔''

سراج جواب میں کسمسا کر رہ گیا۔ ڈی آئی جی کرائمز نے ''سب میرین'' کا حوالہ دے کر اسے جو راہ دکھانے کی کوشش کی تھی وہ وقت کی نزاکت کے اعتبار سے مؤثر ترین طریقہ ثابت ہو سکتی تھی لیکن...... شاید وہ اس اہم نکتے کو فراموش کر گیا تھا کہ خشکی اور سمندر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

''سر......'' اچانک ڈرائیور نے کہا۔ ''دشمن کی ایک کار ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ کیا حکم ہے؟''

''ڈسپوز کرا دو......'' سراج نے فیصلہ کرنے میں تاخیر نہیں کی۔

جواب میں گاڑی کے ڈرائیور نے جیب سے موبائل نما ایک واکی ٹائپ آلہ نکال کر اس کے دو چار بٹن پنچ کر کے واپس جیب میں ڈال لیا۔ دوسرے ہی لمحے عقب میں کچھ فاصلے پر آنے والی سفید کار کو ایک ملٹری کی جیپ نے اوورٹیک کرنے کی خاطر اسپیڈ تیز کی۔ سفید کار کے برابر آتے ہی جیپ سے ریپڈ فائرنگ کی تڑتڑاہٹ کی آواز ابھری۔ سفید کار کے دو ٹائر دھماکوں کے ساتھ پھٹے تو وہ لہراتی ہوئی سڑک پر داہنے ہاتھ لگے بل بورڈ کے کھمبے سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ جیپ سے ایک فائر اور کیا گیا۔ سفید کار سے شعلے سے بھڑک اٹھے۔ جیپ تیزی سے اسپیڈ بڑھاتی اس کار سے بھی آگے نکل گئی جس میں ڈی آئی جی اور سراج سفر کر رہے تھے۔

''تم میرے فیصلے سے پریشان نہ ہونا۔'' ڈی آئی جی نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''محکمے کی ذمے داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد میں تمہارے اور قانون کے لیے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گا۔''

''ان آہنی ہاتھوں کی بیخ کنی کون کرے گا جس کا حوالہ بھی خود قانون بنانے والے ہر بڑی واردات کے بعد اپنی دھواں دار تقریروں میں دیتے ہیں؟'' سراج جذباتی ہونے لگا۔

''لطف تو یہی ہے کہ ہمیں جس حد بندی میں رکھا گیا ہے اسی میں ہم پوری دیانت اور ذمے داری سے اپنا کام انجام دیں۔''

''آپ کے جانے کے بعد اس سیٹ پر کون آئے گا؟'' سراج نے مضمحل لہجے میں سوال کیا۔

''سنیارٹی سے تو کسی اور کا حق بنتا ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے تمہارے آغا منظور کے کسی کے منظور نظر ہونے کی وجہ سے زیادہ امکانات ہیں۔''

"میڈم کی وجہ سے اب ان دونوں کے درمیان کولڈ وار شروع ہو چکی ہے۔"
"اسی لیے میں چاہوں گا کہ میرے بعد میری کرسی پر آغا منظور براجمان ہو۔" علیم احمد نے مسکرا کر جواب دیا۔
جواب میں سراج نے ڈی آئی جی کو کرائمز کو وضاحت طلب انداز میں دیکھا تو علیم احمد نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔
"بحری جنگ کے دوران میں دشمنوں کو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کچھ ایسی ہی کھینچا تانی کسی سب میرین کے لیے جگہ بناتی ہے اور کامیابی کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ آئی وش یو آل دی بیسٹ......"

✣✣✣

شیخ حامد کا چہرہ اس وقت کسی ایسے آتش فشاں کی طرح سرخ ہو رہا تھا جو کثیف دھواں اڑانے کے بعد ایک دھماکے سے اپنے اندر کا سارا لاوا ابل دینے کے لیے بے چین ہو۔ ہونٹ چباتے کے ساتھ ساتھ وہ موبائل پر دوسری جانب سے دی جانے والی...... بلیک ٹائیگر کی رپورٹ بھی سن رہا تھا۔
"ڈی آئی جی کرائمز اور سراج تنہا واپس لوٹے ہیں' کرنل پرویز ان کے ساتھ نہیں تھا۔ نمبر تھری کی رپورٹ کے مطابق پولیس والوں نے قبرستان میں کچھ دیر پیشتر دو تابوت دفن کیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ......" دوسری جانب سے جملہ مکمل نہیں کیا گیا۔
"رک کیوں گئے؟" شیخ حامد نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "بولتے رہو۔"
"خیال یہی ہے کہ وہ دونوں تابوت ہمارے ہی ساتھیوں کے ہوں گے۔"
"اور......" شیخ حامد کے لہجے میں کسی سانپ کی پھنکار محسوس ہو رہی تھی۔
"جس ٹرک نے ایکسیڈنٹ میں کام دکھایا تھا' کل رات تقریباً نو بجے وہ بھی دھماکے سے اڑا دیا گیا' اس کے ساتھ قرب وجوار کے......"
"غیر ضروری باتوں میں وقت مت برباد کرو۔" اس بار سرد لہجہ اختیار کیا گیا۔ "افضل خان کی کیا خبر ہے؟"
"ہمارے آدمیوں نے جان پر کھیل کر وہاں تک رسائی حاصل کر لی تھی لیکن وہ بستر پر موجود نہیں تھا۔" بلیک ٹائیگر کی آواز بجھنے لگی۔ "شاید کسی نے اس کی مخبری کر دی تھی۔ افضل خان کی جگہ ایک وارڈ بوائے چادر اوڑھے گہری نیند سو رہا تھا۔"
"ڈیوٹی نرس کیسے لپیٹ میں آگئی؟"
"وہ بھی ایک اتفاق ہی تھا بگ باس' ہمارے آدمی کا کام ہونے کے بعد واپسی کے ارادے سے پلٹتے تھے جب نرس کی موت اسے راستے میں لے آئی وہ...... وہ اگر اچانک بدحواس ہو کر شور نہ مچاتی تو......"
"کچھ کہانیاں میرے پاس بھی ہیں وہ بھی ذہن نشین کر لو۔" شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے

سلسلۂ کلام جاری رکھا۔" بنگالی پاڑے میں ہمارے باقی آدمیوں کو بھی ختم کر دیا گیا۔ چارلی اور حسینہ بھی غائب ہو گئیں۔ خاص ذرائع سے یہ بھی اطلاع مل رہی ہے کہ کل دفتر چھوڑنے سے پہلے حافظ مولوی، قاری، مفتی اور فرشتہ صفت علیم احمد نے بھی پے در پے ناکامیوں سے بوکھلا کر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔" شیخ حامد پیچ و تاب کھا رہا تھا۔" جس ٹرک کو اڑا دیا گیا اس کا ڈرائیور بھی لاپتا ہے۔"

"اوہ......" بلیک ٹائیگر نے حیرت کا اظہار کیا۔" یہ سب کون کر رہا ہے؟"

"ربش......" شیخ حامد ایک دم ہی پھٹ پڑا۔" تم کس مرض کی دوا ہو......؟" وہ تحکمانہ لہجے میں غرّایا۔" معلوم کرو کہ کس نے اپنی موت کو دعوت دی ہے؟ مجھے کل شام تک مکمل تفصیل درکار ہو گی......اوور......"

موبائل آف کرنے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے مخصوص کمرے میں کسی بھوکے کے مانند ٹہلنے لگا، جو سوالات اس نے بلیک ٹائیگر سے کیے تھے ان میں سے بہت سے جوابات خود اس کے پاس بھی نہیں تھے۔ وہ خاصی دیر تک دبیز قیمتی قالین کو قدموں تلے روندتا رہا پھر اس نے میز کے قریب آ کر ایک جھٹکے سے فون کا ریسیور اٹھایا اور سراج کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں چیخ رہی تھیں، ایک منٹ بعد ہی دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔

"سراج اسپیکنگ۔"

"شیخ حامد بول رہا ہوں۔" اس نے دھمکتی آواز میں اپنا تعارف کرایا۔" ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے۔"

"کب حاضر ہو جاؤں؟" دوسری جانب سے بڑی فرمانبرداری سے دریافت کیا گیا۔

"یہاں نہیں......اسپتال میں۔" شیخ حامد نے الفاظ چباتے ہوئے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا۔" میں دو گھنٹے بعد افضل خان کی عیادت کی خاطر وہاں پہنچ رہا ہوں، زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہونی چاہیے۔ کچھ اہم اور فائنل باتیں کرنی ہیں۔"

"او۔کے" سراج نے اس بار بھی نرم آواز میں کہا۔

"میں وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔"

شیخ حامد نے کسی رسمی ہائے ہو...... یا بائی بائی کی ضرورت نہیں سمجھی، ریسیور کو واپس رکھ کر بس ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک سی ابھری، دوسرے ہی پل اس نے انٹرکام پر اپنی سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا۔

"یس باس۔" دوسری جانب سے ایک مترنم نسوانی آواز ابھری۔

"دس منٹ بعد شبنم کو میرے ساؤنڈ پروف کمرے میں بھیج دینا۔"

"رائٹ باس......" مستعدی سے جواب ملا۔

شیخ حامد دوبارہ اپنی چیئر پر بیٹھ گیا۔ پے در پے ہونے والی ناکامیوں نے اسے بری طرح الجھا

دیا تھا۔ وہ ہر قسم کا نقصان ہنس کر برداشت کرنے کا عادی تھا لیکن کسی کے مقابلے میں شکست تسلیم کرنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ اس کے چار شکاری کتے ہاتھ سے نکل گئے تھے دو کی موت کی تصدیق بلیک ٹائیگر نے کر دی تھی۔ باقی دو کی موت کے اسباب اس کے ذہن میں کسی بچھو کی طرح ڈنک مار رہے تھے۔ لیاقت حسین کے مقابلے میں بھی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ اس نے ایک ہی داؤ میں سیٹھ عثمان کو ختم کرانے کے ساتھ ساتھ لیاقت حسین کا قصہ بھی پاک کرنے کی ٹھان لی تھی لیکن قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ سیٹھ عثمان سپر اسٹور پر اترنے کی وجہ سے بال بال بچ گیا۔ بعد میں ہونے والے خطرناک ایکسیڈنٹ میں بھی لیاقت حسین معمولی زخمی ہوا تھا۔ اس کے بعد اچانک جو جوابی حملے شروع ہوئے ان کے بارے میں شیخ حامد نے بھول کر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی لیکن......اب وہ سنجیدگی سے ایک ایک امکان پر غور کر رہا تھا۔

سیٹھ عثمان سیدھا سادا بزنس مین تھا۔ اس سے کسی انتہائی قدم اٹھانے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ سراج کی ایک ایک نقل و حرکت کی رپورٹ اسے مل رہی تھی۔ ڈی آئی جی کرائمز جیسے ایماندار آدمی سے بھی وہ غافل نہیں تھا۔ ممکن ہے کہ علیم احمد کی ذاتی کوشش اور اثر و رسوخ کی وجہ سے ذیشان ہوٹل سے پکڑے جانے والے دو مجرموں کی زبان کھلوانے کی خاطر ملٹری افسران کو شامل تفتیش کر لیا گیا ہو لیکن......ٹرک کے دھماکے کا ذمے دار کون تھا؟ بنگالی پاڑے کی پُر پیچ گلیوں میں اس مکان کی نشاندہی کس نے کی تھی جہاں باقی دو خطرناک مجرم روپوش تھے؟ ان کو ٹھکانے لگانے کے احکامات کس سورما نے صادر کیے؟......وہاں تک ان کی رسائی کس طرح ممکن ہوئی......؟ ایکسیڈنٹ میں استعمال کیے گئے ٹرک ڈرائیور کو حادثے کے بعد فوراً ہی صرف گھر تک محدود رہنے کو کہا گیا تھا پھر......اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان؟ کس میں اچانک اتنا دم خم پیدا ہو گیا تھا جس نے شیخ حامد کے مقابلے پر آنے کی حماقت کی تھی؟ کیا اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ہاتھی کا شکار کرنے کی خاطر کسی شیر کا دل گردہ درکار ہوتا ہے؟ تو......پھر اس نے کس وجہ سے مقابلے پر آنے کی کوشش کی تھی؟

اور بھی بے شمار سوالات تھے جو اس کے شیطانی ذہن میں ابھر رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب شیخ حامد نے اپنے ذہن کو ٹٹولنے کی زحمت گوارا کی تھی ورنہ اس کی آنکھ کے ایک اشارے پر اس کے پروردہ جرائم پیشہ افراد جن کی فائلیں سرد خانے میں پڑی سڑ گل رہی تھیں اس کے مخالف کو موت کی ابدی نیند سلانے میں ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں کرتے تھے۔

بڑی دیر تک وہ ذہنی جمناسٹک کرتا رہا پھر اس کے ذہن میں ایک ہی نام ابھرا میڈم روبی! ہو سکتا تھا کہ افضل خان کی ناکامی کے بعد میڈم کے ذہن میں شیخ حامد ہی کا نام ابھرا ہو۔ شاید اسے بعد میں اس بات کی بھنک بھی مل گئی ہو کہ افضل خان نے کس مقصد کی خاطر اسے شیری کی سیل بند بوتل میں بھی شامل بے ہوشی کی دوا کے ذریعے ٹریپ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے سوچا ہو گا کہ اگر کیمرے کی خفیہ حالت میں اس کے خوبصورت اور گداز برہنہ جسم کو تصاویر یا مووی کی صورت میں محفوظ کر لیا جاتا تو پھر وہ کسی سے نظر ملانے کے بھی قابل نہ رہتی۔ اسی سوچ کے مختلف زاویوں نے

اسے انتقام لینے پر اکسا دیا ہوگا۔ دولت کے بل بوتے پر ممکن ہے اس نے بھی دو تین بدمعاش اور اٹھائی گیروں کی خدمات حاصل کر لی ہوں' لیکن کوئی نہ کوئی اس کی پشت پناہی بھی ضرور کر رہا تھا جس نے اسے خاص اور اہم اطلاعات فراہم کی ہوں گی۔ اس بھیدی کا نام اگلوانے کی خاطر میڈم کو شکنجوں میں جکڑنا ضروری تھا۔ ''تم میرے انتخاب پر پوری اتریں' یہ تمہاری خوش قسمتی بھی ہے۔ میں تمہیں اب اپنے کچھ خاص کاموں کے سلسلے میں موقع دیتا رہوں گا۔''

شیخ حامد کے وہ آخری جملے اس کی قوت سماعت میں اکثر گونجتے رہتے۔ اس نے شیخ حامد کے ہاں محض اپنی بدنصیب ماں اور بے قصور باپ کی دردناک اموات کا انتقام لینے کی خاطر ملازمت اختیار کی تھی' اسی منصوبے کے تحت اس نے افضل خان پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن...... دفتر سے افضل خان کی مسلسل غیر حاضری نے اسے مزید چونکا دیا تھا' اسے اصل صورت حال کا علم بہت زیادہ نہیں تھا لیکن اس کا ذہن گواہی دے رہا تھا کہ خود افضل خان بھی شاید زیر عتاب آ گیا ہے۔ شبنم نے کئی بار اس پہلو پر بھی غور کیا تھا کہ وہ خاموشی سے کوئی خوبصورت بہانہ تراش کر' ملازمت سے مستعفی ہو جائے اور میڈم روبی کے ساتھ مل کر اپنے انتقام کی خاطر کوئی نیا پلان تشکیل دے۔ ایک دو بار اس نے اپنا استعفیٰ لکھ بھی لیا لیکن بعد میں اسے ریزہ ریزہ کر کے تلف کر دیا۔ فوری طور پر وہ بگ باس کو ایسا موقع نہیں فراہم کرنا چاہتی تھی جو اس کی پوزیشن کو مشکوک کر دیتا۔

اس وقت بھی سوئچ بورڈ پر پوری تندہی سے اپنے فرائض انجام دینے وقت اس کے ذہن میں مختلف پلان ابھر رہے تھے جب اسے شیخ حامد کی سیکریٹری نے انٹرکام پر بڑے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

''میں سب سے پہلے تمہیں اس بات پر مبارک پیش کروں گا کہ تم نے بگ باس کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔''

''جی......!'' اس نے سٹپٹا کر کہا۔ ''میں سمجھی نہیں۔''

''باس نے تمہیں ٹھیک دس منٹ بعد اپنے ساؤنڈ پروف کمرے میں طلب کیا ہے۔'' اس بار بھی چبھتے ہوئے انداز میں اسے بگ باس کا حکم سنایا گیا پھر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

شبنم کے ذہن میں پھر خشک آندھی کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی کہ بگ باس کی پسند اور ناپسند دونوں ہی اس کے حق میں خطرناک ہو سکتی تھیں' پانچ چھ منٹ تک وہ ذہنی الجھن میں مبتلا رہی۔ شیخ حامد کی سیکریٹری کا جملہ بدستور اس کے وجود میں ببول کے کانٹے کے مانند چبھ رہا تھا۔ ایک ایک منٹ اسے کوئی آخری فیصلہ کر گزرنے پر اکسا رہا تھا' چھٹی حس میں کوئی نادیدہ خطرہ رہ رہ کر کلبلا رہا تھا پھر...... شبنم نے دل کڑا کر کے ایک آخری فیصلہ کر لیا...... کہ پہلی فرصت میں اس ملازمت سے کوئی خوبصورت بہانہ کر کے سبکدوش ہو جائے گی۔ ذہن کو پوری طرح علیحدگی پر آمادہ کرنے کے بعد اس نے وقت مقررہ پر ساؤنڈ پروف کمرے میں قدم رکھا تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے شیخ حامد کے چہرے پر منڈلانے والے قہر و غضب کا بھی کوئی

خاص نوٹس نہیں لیا۔خاموشی سے اشارے ملنے پر خود کو سنبھالتے ہوئے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو......شبنم۔'' شیخ حامد نے گہری نظروں سے اس کے لباس......اور لباس کے اندر روپوش جسمانی خطوط کے گراف کی لکیر کے ایک ایک نشیب وفراز......اتار چڑھاؤ کو توجہ سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے اس کی خیریت دریافت کی۔اس کے چہرے کا تناؤ بھی بہ تدریج کم ہونے لگا۔

''آپ کی نظر عنایت ہے سر......!'' شبنم نے سنبھل کر جواب دیا۔

''میں نے تمہیں اس وقت ایسے مخصوص کام کے لیے بلایا ہے جو میرے خیال میں تم بڑی آسانی سے انجام دے سکتی ہو۔''

''میں خادم ہوں سر......آپ کے لیے کوئی کام سرانجام دیتا یقیناً میرے لیے ایک بڑا اعزاز ہے لیکن......'' شبنم نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاید وہ بگ باس کا خوف ہی تھا جو الفاظ اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے۔

''کم آن......'' شیخ حامد نے اس بار بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔''تم اگر چاہو تو مجھے بگ باس کے بجائے اپنا ہمدرد یا دوست سمجھ کر بھی جو چاہو کہہ سکتی ہو۔بات دل میں رہ جائے تو گھٹن کا احساس بھی شدت اختیار کرنے لگتا ہے۔''

''سر......!'' شبنم نے دوبارہ اپنا مقصد بیان کرنے کی خاطر پیش بندی ضروری جان کر دبی زبان میں کہا۔''ادھر کچھ دنوں سے میں بہتر محسوس نہیں کر رہی ہوں......شاید......شاید مجھے آرام کی ضرورت ہے۔''

''اوکے۔'' شیخ حامد نے دریا دلی سے جواب دیا۔

''تم سوئچ بورڈ کا تھکا دینے والا کام کسی اور کو سونپ دو۔اس کے علاوہ میں تمہیں آرام کرنے کی خاطر دس روز کی چھٹی بھی دوں گا۔ود پے (with pay) میں نے جس کام کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے وہ تمہارے لیے دلچسپ بھی ہے اور ایڈونچرز بھی دس روز کے دوران میں تم سے موبائل پر بھی رابطہ کرسکتا ہوں۔'' شیخ حامد نے کچھ توقف سے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔''میں تمہیں ایک موبائل اور سم بھی دوں گا جو کہیں کسی موبائل کمپنی کے رجسٹر پر درج نہیں ہوگی......وجہ بھی سن لو۔میں نہیں چاہتا کہ اپنے مخالفین کے پاس کوئی ثبوت چھوڑوں جو میرے خلاف کبھی استعمال ہوسکے......انڈراسٹینڈ۔''

''بھلا آپ کا کون مخالف ہوسکتا ہے؟'' شبنم نے بڑے اعتماد سے مسکرا کر کہا۔یہ اور بات ہے کہ وہ جملہ ادا کرتے وقت اس کے دل میں نفرت کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''تم نے ابھی تک کام کی نوعیت نہیں پوچھی......؟'' اس نے شبنم کو اس بار قدرے برہم نظروں سے دیکھا۔

''سر......!'' شبنم نے ایک بار پھر کسمسا کر بڑی ہمت سے کہا۔''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جو کام مجھے سونپ رہے ہیں وہ کسی اور کو سونپ دیں اور......اور......''

''اور کیا......؟'' شیخ حامد کے تیور بدلنے لگے۔وہ کسی کا انکار یا مشورہ سننے کا عادی نہیں تھا۔

''مم......مم......میں ملازمت سے ریزائن کرنا چاہتی ہوں۔'' شبنم نے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال کر کسی نہ کسی طرح اپنی خواہش ظاہر کر دی۔ جواب میں شیخ حامد کے ہونٹوں پر ایک غلیظ مسکراہٹ پھیل کر گہری ہونے لگی۔

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟'' اس کا لب ولہجہ یک لخت سپاٹ ہو گیا۔

''آخری فیصلہ تو آپ کو کرنا ہے سر......'' شبنم نے جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔ ''میں تو صرف درخواست کر سکتی ہوں۔''

''اگر میں تمہاری درخواست رد کر دوں تو......؟'' اس نے شبنم کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ میری درخواست پر......''

''سوری......'' شیخ حامد نے اس کا جملہ کاٹ کر بڑے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''تم اب اس پوزیشن میں بھی نہیں رہ گئی ہو کہ میری مرضی کے بغیر ریزائن بھیج کر گھر بیٹھ جاؤ۔''

''مم......میں سمجھی نہیں......سر!'' شبنم نے چونک کر اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا۔ کسی نا دیدہ خوف سے اس کے وجود کے اندر اتھل پتھل بھی شروع ہو چکی تھی۔ جواب میں شیخ حامد نے دراز کھول کر ایک بڑے سائز کا بادامی انویلپ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا اور خود اٹھ کر اس عقبی کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ دور دور تک کے مناظر دیکھ سکتا تھا۔

''تم اب اس پوزیشن میں بھی نہیں ہو کہ میری مرضی کے بغیر ریزائن بھیج کر گھر بیٹھ جاؤ۔'' شیخ حامد کے دو جملے شبنم کے ذہن پر بجلی بن کر گرے تھے' اس جملے میں ایسا چیلنج تھا جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس نے دھڑکتے دل سے انویلپ کو کھول کر دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ پہلی تصویر پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کی اپنی نگاہیں بھی شرم سے جھک گئیں' ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ پھر اسے یاد آ گیا کہ جس دن وہ دعوت کے بعد گھر پہنچی تھی تو اسے بڑی شدت سے نیند آ رہی تھی۔ اپارٹمنٹ میں وہ تنہا رہتی تھی اس لیے اسے کسی کا خوف بھی نہیں تھا۔ چینج کرنے کی خاطر اس نے نائٹ سوٹ نکالا تھا' اوپر کا سامنے سے کھلا ڈھیلا ڈھالا بنگی فراک پہننے کے بعد اس نے شلوار اتار کر ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہننا چاہا تھا لیکن نیند کا ایسا جھونکا آیا کہ وہ بے سدھ ہو کر اپنے بستر پر دراز ہو گئی۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ صبح اٹھ کر پوری طرح چینج کر لے گی۔ اکیلے کمرے میں کون اس کی پرائیوسی کو دیکھے گا؟ اس نے لمبے فراک کے سامنے کے بٹن بھی بند نہیں کیے۔ بستر پر لیٹ کر اسے پنکھے کی ہوا لگی تو اس کو ٹھنڈک کا خوشگوار احساس ہوا تھا پھر وہ آنکھ بند کرتے ہی بے خبر ہو گئی تھی۔

شبنم کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہونے کے بعد گول لاک کا پش بٹن دبا کر اسے اندر سے لاک کر دیا تھا لیکن......شاید شیخ حامد کے حکم پر اس کے کسی کارندے نے اپارٹمنٹ کی ڈپلی کیٹ چابی پہلے ہی سے تیار کر لی تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ شرم ناک تصویریں بھی اس کے سامنے نہ رکھی جاتیں۔ وہ زبان کھولنے کی پوزیشن میں بھی نہیں رہی تھی' استعفیٰ دینا تو دور کی بات تھی۔ اس نے نہ چاہنے کے باوجود کسی خیال سے ان چاروں سکس بائی ایٹ سائز تصویروں پر نظر

ڈالی۔ تصویر میں وہ ٹانگوں اور سینے کے اعتبار سے بالکل عریاں ہی نظر آ رہی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ وہ تنہا تھی ورنہ تصویریں اتارنے والا ہر پوز میں خود کو بھی اس کے ساتھ شامل کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو ٹٹولا‘ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے صبح دفتر جاتے وقت لاک بہ ہوش وحواس کھولا تھا‘ لیکن اس کا ذاتی اعتماد تھا جو اسے کسی خطرناک سازش کا سراغ دے رہا تھا۔ کوئی اور ان مخرب اخلاق تصویروں کو دیکھتا تو اس کے وضاحتی بیان کی کوئی اہمیت نہ ہوتی......نظریں جھکائے وہ اپنی پوزیشن کا صحیح تعین بھی نہ نہیں کر پاتی تھی کہ بگ باس کی پاٹ دار آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

”ان تصاویر کے دوسرے پرنٹ اور نگیٹو میرے پاس تمہاری امانت کے طور پر محفوظ رہیں گے۔ گو کہ تم اب اس پوزیشن میں نہیں رہ گئی ہو کہ میں تمہیں کسی بات کا یقین دلاؤں لیکن حقیقت یہی ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ رعایت ہی کی ہے۔ جب تک تم میرے اشارے پر میرے لیے کام کرتی رہو گی‘ ان تصاویروں کے بارے میں ہر بات راز رہے گی۔ بصورت دیگر......“

”سر! مم......مم......میرا جرم کیا تھا؟“ شبنم نے بڑی نحیف اور مردہ سی آواز میں دریافت کرنے کی جسارت کی۔

”قصور تمہارا ہوتا تو شاید......“ وہ کچھ کہتے کہتے رک کر بولا۔ ”صبا بیگم کی زندگی کا راز......اس کی وہ کہانی جو اس نے تمہیں سنانے کی غلطی کی تھی اور وہ تمہارے کانوں تک پہنچ گئی۔ یہ تصویریں اس سلسلے میں تمہاری زبان پر قفل کا کام سرانجام دیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ خود صبا بیگم کو بھی زبان کھولنے کی ناقابل تلافی سزا بھگتنی پڑے‘ ممکن ہے کہ تم ہی اس کہانی کو مادی شکل میں اسے کے آخری انجام تک پہنچاؤ......پھر......تمہاری ضرورت ختم ہو جائے گی لیکن......اس سے پیشتر تمہیں میرے لیے کچھ ضروری کام بھی کرنے ہوں گے۔“

”وہ کیا......؟“ شبنم نے دل کی دھڑکنوں پر بہ مشکل قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی پوزیشن اب اس معصوم اور کمزور پودے سے مختلف نہیں تھی جو آندھی کی زد میں پوری طرح آ گیا تھا۔ ایک تند جھونکا ہی اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے کافی ہوتا۔

شیخ حامد پلٹ کر میز پر آ گیا۔ اس نے لفافہ اٹھا کر دراز میں ڈالا پھر ٹھوس لہجے میں بولا۔

”رینبو کلب میں تمہارا آنا جانا بھی رہ چکا ہے؟“

”ہاں‘ میں انکار نہیں کروں گی۔“

”کبھی میڈم روبی سے ملی ہو......یا......ملنے کا کوئی اتفاق ہوا ہے؟“ اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔ اس کی عقابی نظریں شبنم کے چہرے پر مرکوز تھیں جو پوری طرح اس کے جال میں پھنس چکی تھی۔

”میں میڈم کو جانتی ہوں......ایک......ایک بار اس کے گھر بھی جا چکی ہوں۔“

”گڈ......“ شیخ حامد کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پورے طمطراق سے ابھری۔ ”تمہیں سارے کام چھوڑ کر میڈم روبی سے دوستی بڑھانے کی کوشش کرنی ہو گی۔ جو چاہو جواز پیش کرو لیکن

اسے اس طرح اپنے اعتماد یا اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کرو کہ وہ تمہیں اس دنیا میں سب سے قابل اعتماد سمجھنے لگے۔‘‘اس نے ایک لمحے کے بعد بڑے خونخوار لہجے میں کہا۔’’یہ میری درخواست نہیں‘ میرا حکم ہے‘ شیخ حامد کا حکم ہے۔ شیخ حامد کا حکم جسے ٹالنے کا انجام تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔‘‘

’’میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہیں گے لیکن......‘‘وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

’’کیا بات ہے؟ جو چاہو کھل کر کہو۔‘‘اس بار شیخ حامد نے پینترا بدل کر قدرے نرم لہجے میں کہا۔

’’میں دو بات کی درخواست کروں گی۔‘‘اس نے رندھی ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے آہنی سلاخوں کے پیچھے مقید کوئی قیدی ہٹلر جیسے بے رحم اور درندہ صفت ظالم سے زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو۔’’میں اپنی بربادی پر موت کو ترجیح دینا پسند کروں گی اس لیے......‘‘

’’فکر مت کرو۔‘‘شیخ حامد نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔’’میں خود بھی نہیں چاہوں گا کہ تمہارے پھول جیسے نازک مگر مہکتے جسم کو کوئی پامال کرے‘ مگر اس کے لیے تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا......اور کچھ؟‘‘

’’میڈم کی مالی حیثیت سے آپ بھی واقف ہوں گے۔اس کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی خاطر کرائے کی گاڑیوں کے اخراجات......‘‘

’’تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے؟‘‘اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کیا گیا۔

’’جی ہاں......ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے‘ میں نے شوقیہ ڈرائیونگ سیکھنے کی خاطر ایک ڈرائیونگ سکول سے......‘‘

’’فکر مت کرو۔تمہارے لیے ایک گاڑی کا بندوبست کر دیا جائے گا۔‘‘

’’سر......‘‘شبنم نے ہمت کر کے مردہ سی آواز میں پوچھ ہی لیا۔’’کیا کام مکمل ہو جانے کے بعد آپ مجھے باعزت طور پر اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے آزاد کر دیں گے؟‘‘

’’یہ حالات پر منحصر ہے‘ مگر اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ اگر کبھی تم نے مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی تو پھر اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہوگا۔‘‘

وہ خاموش بیٹھی دل کی دھڑکنوں کو شمار کرتی رہی‘ جس دلدل میں وہ پھنس چکی تھی اس کا صرف ایک ہی علاج تھا۔بگ باس کی موت!......لیکن اس سوچ کا انجام تک پہنچانا اتنا آسان بھی نہیں تھا۔خاصی دیر تک وہ سر جھکائے بیٹھی شیخ حامد کی طرف سے دی جانے والی ہدایات ذہن نشین کرتی رہی پھر......جانے کے لیے لرزتے قدموں پر بہ مشکل کھڑی ہوئی تو بگ باس نے بڑے ٹھوس لہجے میں اسے مخاطب کیا۔’’ایک بات غور سے سن لو......میرے نادیدہ ہاتھ‘ کان اور آنکھیں تمہاری ایک ایک حرکت کو کسی حساس کلوز سرکٹ کیمرے کی طرح واچ کرتے رہیں گے......تم اپنے اپارٹمنٹ کے بند کمرے میں بھی بستر پر لیٹ کر سانس لو گی تو وہ بھی مجھے سنائی دیتی رہے گی۔‘‘

اس نے اثبات میں سر کو جنبش دے کر اس کی بات سننے اور سمجھنے کا اقرار کیا پھر سر جھکائے

کمرے سے نکل گئی۔اس کے ذہن میں گرم لو کے تیز جھکڑ چل رہے تھے۔

✣✣✣

سفید فام‘ دراز قد اور خوبصورت شکل کا مالک ڈوما جس کا تعلق بیروت سے تھا اس وقت ایک پر سکون ساحلی علاقے میں اپنی حسین‘ بے باک اور گداز جسم کی مالک گرل فرینڈ میرینا کے ساتھ کرائے پر حاصل کردہ ہٹ کے اندر زندگی کی لذتوں سے اپنے حصے کا لطف کشید کر رہا تھا۔دونوں کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز برائے نام بھی نہیں تھی۔وہ جس تہذیب سے تعلق رکھتے تھے وہاں برہنگی اور جسم کی نمائش کو معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔امریکا کے ایک نائٹ کلب میں بیلے رقص کا ہیجان انگیز مظاہرہ کرنے والی ہر شو میں اپنا آئٹم ختم کرنے سے دو منٹ پہلے اپنے جسم سے اس مختصر زیر جامہ بھی اتار کر تماش بینوں کی طرف اچھال دیتی تھی جو برائے نام ہی اس کے مخصوص حصوں کو تماش بینوں کی للچائی ہوئی نظروں سے پوشیدہ رکھتا تھا‘ اس آخری دو منٹ کے وقت ہال میں بیٹھے ہوئے افراد کھڑے ہو کر سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے...... پھر میرینا ان کے دلوں پر بجلیاں گراتی‘ فضا میں انگلیوں کے اشارے سے بوسے اچھالتی‘ لہراتی بل کھاتی اسٹیج سے چلی جاتی تھی۔شور اس کے جانے کے بعد بھی جاری رہتا پھر لوگوں کی رگوں میں دوڑتے اور جوش مارتے خون کی گردش بہ تدریج کم ہوتی تو وہ شراب و کباب میں مگن ہو جاتے تھے۔

فضائی سفر کے دوران سیاہ فام ہاشم نے بھی تیسرے مسافر لوچن سے اس کے بارے میں یہی کہا تھا کہ...... ”ڈوما نے طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی محبوبہ کو بھی پہلے جہاز سے خاموشی سے روانہ کر دیا ہے۔“ لڑکی کا نام دریافت کرنے پر اس نے چینی باشندے اور مارشل آرٹ کے ماہر سے یہ بھی کہا تھا...... ”ہاں...... اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا تعلق امریکا کے ایک نائٹ کلب سے ہے۔“ پھر اس نے چٹخارے لیتے ہوئے کہا تھا...... ”لڑکی خاصی نمکین ہے‘ مگر میرا تجربہ کہتا ہے کہ نمک کی زیادتی کبھی کبھی زہر سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوتی ہے۔“

اس وقت ڈوما شراب کے نشے میں بدمست میرینا کے اسی نمکین جسم سے سیراب ہو رہا تھا جب اس کے مخصوص موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کیا۔دوسرے ہی لمحے ڈوما نے میرینا کو انگلی ہونٹ پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر موبائل آن کر کے کہا۔

”یس...... ڈوما ہیئر......!“

”سیون اسٹارز‘ دوسری جانب سے ایک بھرائی ہوئی نسوانی آواز میں اور انداز تخاطب ان دو کالوں سے مختلف تھا جو وہ پہلے سن چکا تھا۔

”آپ کی آواز مجھے بدلی بدلی محسوس ہو رہی ہے......“ اس نے اپنی ذہانت اور شبے کا اظہار کیا۔

”فائن......“ جواب میں کہا گیا۔”تمہاری میموری یقیناً قابل رشک ہے لیکن تمہیں صرف یہ ہدایت ملی تھی کہ تمہیں سیون اسٹارز کے کوڈ کے حوالے سے جو بھی حکم دیا جائے اس پر عمل کرنا ضروری

ہے...... بدلی ہوئی آواز یا عورت اور مرد کی آوازوں کے چکر میں الجھنے کی کوشش دوبارہ نہ کرنا......"

"او کے...... فائن۔" ڈوما نے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔اس کی بے تاب نظریں اس وقت بھی میرینا کے گداز جسم کے نشیب وفراز پر منڈلا رہی تھیں جو بستر پر خاص اسٹائل سے لیٹی سگریٹ کا دھواں اڑا رہی تھی۔

"تم نے بنگالی پاڑے میں جس طرح بھیس بدل کر اور شاطرانہ انداز میں ان دو مطلوبہ افراد کو ٹھکانے لگایا وہ ہمیں پسند آیا۔اس کے لیے تمہیں پانچ ہزار ڈالرز بطور انعام علیحدہ سے دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے'رقم تمہیں کسی طرح تمہارے ہوٹل کے کمرے تک پہنچا دی جائے گی...... ہم اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں اور طے شدہ معاہدے پر عمل کرنے والوں کو ہمیشہ پسندیدگی کی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہیں۔"

"تھینکس......" ڈوما نے میرینا کو دیکھ کر بائیں آنکھ جھپکاتے ہوئے کہا۔"انہی ماہرانہ صلاحیتوں اور کارکردگی کی وجہ سے ابھی تک قانون کے آہنی ہاتھ میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔"

"اسی رپورٹ کے بعد ہی تمہیں بھاری اور منہ مانگے معاوضے پر انگیج کیا گیا ہے لیکن...... ضرورت سے زیادہ چالاکی بھی کبھی کبھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔"

"میرے لیے کوئی اور حکم......؟" ڈوما نے آخری جملہ دوسرے کان سے اڑاتے ہوئے سوال کیا۔

"تم اس وقت کہاں اور کس کے ساتھ ہو......؟" اس بار بے حد سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔

"میں سمجھا نہیں......" ڈوما نے ہچکچانے کی کوشش کی۔اس کی نگاہیں میرینا پر جم کر رہ گئی تھیں'سوال کی نوعیت بھانپنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی'اسے اپنی چالاکی کا یقین تھا جو کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

"میں سمجھاتی ہوں......" دوسری جانب سے تحکمانہ انداز اختیار کیا گیا۔"تم نے جو معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے اسے چوبیس گھنٹے کے اندر پہلی فلائٹ سے خود سے دور کر دو......کیا مجھے مزید وضاحت کی ضرورت ہے؟"

"آئی ایم سوری لیکن......" ڈوما نے بوکھلا کر کہا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ جملہ مکمل کرتا' دوسری جانب سے زیادہ سرد لہجے میں کہا گیا۔

"نو آرگومنٹس...... چوبیس گھنٹے کی مہلت بہت ہے......دوسری شکل میں مجھے جو طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔وہ شاید تمہارے اور تمہاری گرل فرینڈ دونوں ہی کے لیے انتہائی ذلت آمیز ہو...... یہ تمہارے لیے سیون اسٹارز کی طرف سے پہلی اور لاسٹ وارننگ ہے...... بائی۔"

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ڈوما نے میرینا کی طرف دیکھا جو اس کے انتظار میں سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بنا بنا کر فضا میں چھوڑ رہی تھی۔ڈوما نے طے کر لیا تھا کہ وہ سیون اسٹارز کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن وہ اس آخری لمحے میں بھی میرینا کے ساتھ انجوائے

کرنیکی خواہش کو دل سے نہیں نکال سکا۔

+++

افضل خان ہوش میں آ چکا تھا لیکن ڈاکٹروں نے اسے اب بھی خطرے سے باہر قرار نہیں دیا تھا' اس وقت بھی نیم غنودگی کی کیفیت سے دو چار بستر پر پڑا بری طرح کراہ رہا تھا' ڈاکٹروں کی ماہرانہ رائے تھی کہ اغوا کرنے والوں نے اس پر جو شدید تشدد کیا تھا اس کے اندرونی اثرات کو ختم ہونے میں دو تین ہفتے اور بھی سکتے تھے۔

سراج' شیخ حامد کی متوقع آمد سے خاصی دیر قبل اسپتال پہنچ گیا تھا' اس نے سادہ لباس والوں کو بھی خاص طور پر زیادہ محتاط رہنے کی تاکید کر دی تھی۔ اس وقت وہ افضل خان کے کمرے میں تنہا ہی تھا' ڈیوٹی نرس کو اس نے کچھ دیر کے لیے باہر بھیج دیا۔ وہ افضل خان سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کا خواہش مند تھا۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' اس نے افضل خان کی نگاہوں میں دور تک جھانکتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''زندگی سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔'' افضل خان نے نقاہت سے جواب دیا۔ ''آپ اس وقت ایسی پوزیشن میں ہیں کہ میری مشکل دور کر سکیں۔''

''کوئی خاص فرمائش؟''

''ہاں.....'' افضل خان نے کرب کو چھپاتے ہوئے ملتجی لہجے میں جواب دیا۔ ''ڈاکٹر سے کہیں کہ ایک آخری انجکشن لگا کر مجھے اس اذیت سے نجات دلا دے جو میرے لیے نا قابل برداشت ہوتی جا رہی ہے۔''

''اس کی فرمائش تم اپنے بگ باس سے بھی کر سکتے ہو۔'' سراج نے طنز کیا۔ ''وہ کچھ دیر میں تمہاری خیریت دریافت کرنے کی خاطر آنے والا ہے' تم نے کبھی اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اس کی خاطر زندگی داؤ پر لگاتے رہے۔ اب ایک فرمائش کرنا تو تمہارا حق بھی بنتا ہے۔''

افضل خان نے جواب میں ہونٹ بھینچ لیے' وہ سراج کے جملے کی گہرائی کو سمجھ کر اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ وہ میڈم کے بدن کو روند کر اس کی مووی اور تصاویر بنا کر باس کی خدمت میں پیش کر دیتا تو اس کی حیثیت میں چار چاند لگ جاتے۔ اس نے جو پلاننگ کی تھی اس میں ناکام بھی نہیں رہا تھا۔ میڈم نے سیل بند بوتل منگا کر اپنی دور اندیشی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید بھول گئی تھی کہ شیخ حامد کا دست راست ہونے کے سبب اس کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ اس نے تاج محل ہوٹل کے بارٹینڈر سے مل کر پہلے ہی سے عورتوں کی پسند کی کچھ مخصوص شراب کی ایسی سیل بند بوتلیں بھی تیار کرا لی تھی جن میں بے ہوشی کی دوا شامل تھی۔ میڈم اس کے جال میں پوری طرح پھنس گئی تھی۔ بے ہوشی کے عمل کے دوسرے اسٹیج میں پہنچنے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کسی دلدل میں پھنس چکی ہے' اس نے افضل خان کو اپنے رعب میں لینے کی کوشش بھی کی تھی لیکن

وہ بھی پرانا' تجربہ کار اور گھاگ شکاری تھا' میڈم کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر مسہری تک لے گیا تھا لیکن...... پردہ اٹھانے میں اس سے تاخیر ہوگئی' اسے امید نہیں تھی کہ اچانک بلیک ٹائیگر کی کال اس کے رنگ میں بھنگ ڈال دے گی...... پھر جو کچھ ہوا وہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

بلیک ٹائیگر کے خطرے سے آگاہ کرنے کے فوراً ہی بعد وہ چور راستے سے نکل گیا تھا۔ وہ میڈم کو دبوچنے کی لالچ میں خود دبوچ لیا گیا تھا۔ اسے ناقابل برداشت حالات میں رہنا پڑا۔ انعام کے بجائے وہ بگ باس کے عتاب کا شکار ہوگیا پھر اسے جس حالت میں کچرا کنڈی سے اٹھایا گیا تھا وہ بھی اس کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کیفیت کو وہ فراموش نہیں کرسکتا تھا۔

''اب کیا سوچ رہے ہو......؟'' سراج نے اسے گہری نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''مم...... میں غلطی پر تھا۔'' اس نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑی اذیت سے کہا۔ ''اسی کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔''

''بہت جلدی احساس ہوگیا......''

''پلیز مسٹر سراج!'' اس نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

''آپ اگر مجھے کانٹوں میں گھسیٹنے کے بجائے میری مشکل آسان کرادیں تو میں اور میری روح دونوں......''

باہر سے کچھ آوازیں ابھریں۔ نرس دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو افضل خان نے خاموشی اختیار کر کے آنکھیں بند کرلیں' سراج بھی نرس کے قریب جا کر اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے افضل خان کی کیفیت کے بارے میں معلومات حاصل کررہا ہو۔

دو منٹ بعد شیخ حامد نے کمرے میں قدم رکھا تو سراج نے نہ چاہنے کے باوجود ڈی آئی جی کرائمز کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اس سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ شیخ حامد اس کا ہاتھ بے تکلفی سے تھام کر افضل خان کے قریب آگیا جس نے مجبوراً آنکھیں کھول دی تھیں لیکن ان آنکھوں میں زندگی کی امنگ دور دور تک کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ شیخ حامد کچھ دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے براہ راست ہاتھ کے اشارے سے نرس کو باہر بھیج دیا۔ سپاٹ آواز میں افضل خان سے مخاطب ہوا۔

''میں تمہیں زندگی کی طرف واپس لوٹ آنے کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔''

''تھینکس...... باس۔'' افضل خان نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''کیا پولیس تمہارا بیان لے چکی ہے؟''

''جی ہاں......'' افضل خان کے بجائے سراج نے کہا۔ ''بیان کی روشنی میں کسی ایسی پارٹی پر شبہ نہیں کیا جاسکتا جو اغوا برائے تاوان کی لسٹ پر موجود ہیں۔''

''پھر......'' اس نے افضل خان کے چہرے سے نظر ہٹا کر سراج کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''پولیس نے کچھ نہ کچھ تو ضرور سوچا ہوگا۔''

''ابھی صرف امکانات پر غور کیا جا رہا ہے۔'' سراج کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ ''ابھی کوئی حتمی رائے نہیں قائم کی جا سکی۔''

''میں آپ سے بعد میں باتیں کروں گا۔'' شیخ حامد نے کھردرے انداز میں جواب دیا پھر اس کی نظریں دوبارہ افضل خان کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں' سیدھا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ چند لمحے وہ افضل خان کے چہرے کا بغور جائزہ لیتا رہا پھر اس نے ہاتھ جیب سے باہر نکال لیا۔ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میری اطلاع کے مطابق تمہیں تاج محل ہوٹل سے فرار ہونے کے بعد اغوا کیا گیا تھا۔ یہ بھی تمہاری خوش نصیبی ہی ہے ورنہ جس انداز میں تمہارے اپارٹمنٹ کو تہس نہس کیا گیا اسی طرح وہ تمہیں بھی روسٹ کر دینے کے موقعے کو شاید ضائع نہ کرتے۔''

افضل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بگ باس جیسے خطرناک آدمی کے سامنے وہ اس کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''میڈم روبی کو تم تاج محل ہوٹل میں کیوں لے گئے تھے......؟'' شیخ حامد نے کسی سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے سوال کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''مسٹر سراج نے اگر میرے خیال سے معاملے کو نہ سنبھال لیا ہوتا تو تمہاری حماقت سے میری کاروباری ساکھ بھی متاثر ہو سکتی تھی۔''

''آئی......ایم سوری باس۔'' افضل خان نے دل پر جبر کر کے کمزور لہجے میں جواب دیا۔

''عیاشی کے لیے تمہیں کیا ایک مجبور بیوہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا تھا......؟'' شیخ حامد کا لہجہ اور سخت ہو گیا۔

''تم یہ بھی بھول گئے کہ میرے بزنس گروپ میں تمہاری حیثیت کیا ہے۔''

افضل خان بدستور خاموش رہا۔ شیخ حامد کچھ دیر اس سے ایسے ہی سوالات کرتا رہا جو اس کے مطلب کے تھے' جن کے جوابات اور......افضل خان کی خاموشی دونوں یہی ظاہر کرتی تھیں کہ افضل خان نے جو کچھ کیا وار اس کا نتیجہ بھگتا وہ اس کی ذاتی بے پروائی تھی۔ شیخ حامد کا اس سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ سراج کو اس طفلانہ ''شو آف'' کی توقع نہیں تھی۔

''اب تم نے کیا سوچا ہے......؟'' شیخ حامد نے بڑے سرد لہجے میں سوال کیا۔ ''کیا اب بھی تمہیں یہ خوش فہمی ہے کہ تم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکو گے؟''

''پلیز مسٹر حامد......؟!'' سراج چپ نہ رہ سکا۔ ایک اچٹتی نظر افضل خان کے چہرے پر ڈالتے ہوئے شیخ حامد سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ افضل خان کو جو سزا مل چکی ہے وہی کافی ہے۔''

''یہ آپ کا ذاتی خیال ہے لیکن میں اس شخص کو دوبارہ بحیثیت بزنس مینجر کے عہدے پر قبول کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''اس کے باوجود آپ اس کی سرپرستی سے منہ بھی نہ پھیریں۔'' سراج نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''میں آپ کے فیصلے سے متفق ہوں لیکن میرا ذاتی خیال ہے افضل خان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دینا بھی......'' سراج نے معنی خیز انداز میں جملہ مکمل چھوڑ دیا۔

''فی الحال میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کرسکتا البتہ آپ کی سفارش پر غور ضرور کروں گا۔''
''تھینکس......!'' سراج نے اس بار اطمینان کا سانس لیا۔ ویسے وہ بھانپ چکا تھا کہ شیخ حامد کے پینٹ کے سیدھے ہاتھ کی جیب میں چھپا کوئی حساس ٹیپ ریکارڈ تمام گفتگو کو ریکارڈ کر رہا تھا۔
افضل خان امید وبیم کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ شیخ حامد کے کمرے سے جانے کے بعد ہی اس نے سکون کا گہرا سانس لیا تھا۔ سراج بھی شیخ حامد کے ساتھ ساتھ تھا۔ کمرے کے باہر راہداری میں اسے شیخ حامد کے دو سادہ لباس والے گارڈ بھی نظر آ گئے۔ شیخ حامد سراج سے باتیں کرتے ہوئے اپنی کار تک آیا۔ ڈرائیور نے تیزی سے نیچے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔
''تم دوسری گاڑی میں آنا......'' اس نے ڈرائیور کو حکم دیتے ہوئے سراج کی طرف دیکھا۔ ''مجھے اس وقت ڈی ایس پی صاحب سے اکیلے میں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''
اشارہ بہت واضح تھا' سراج مسکرا دیا پھر اس نے اگلی نشست پر بیٹھنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کیا' شیخ حامد نے ڈرائیور سیٹ سنبھال لی۔
گاڑی اسپتال کے کمپاؤنڈ سے نکل کر ساحلی علاقے کی طرف موڑ دی گئی۔ سراج نے گفتگو کی ابتدا نہیں کی۔ دس منٹ تک مکمل خاموشی رہی پھر شیخ حامد نے بڑی سنجیدگی سے پہل کی۔
''مسٹر سراج......آپ کو شاید علم ہو گا کہ آپ کے ڈی آئی جی کرائمز نے ذاتی بنیادوں پر ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے؟''
''جی ہاں......یہ بھی خبر گرم ہے کہ اس کرسی پر ایس پی آغا منظور کی تعیناتی کی سفارش کی گئی ہے۔''
''سفارش والی بات آپ نے غلط نہیں سنی......'' شیخ حامد نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''یہ بھی بتادوں کہ سفارش میں نے ہی کی ہے۔ دو روز کے اندر آرڈرز بھی آ جائیں گے۔''
''فائن......'' سراج نے خوشی کا اظہار کیا' اس وقت بھی اس کے ذہن میں ''سب میرین'' کی اہمیت والی بات گونج رہی تھی۔
''میں تاج محل ہوٹل والے معاملے میں آپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں......اصل صورت حال اگر اخباری نمائندوں کے ہاتھ لگ جاتی تو......''
''مجھے اس بات کا احساس تھا۔'' سراج نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''ایک لاکھ کی رقم ابھی تک مجھ پر قرض ہے۔''
''فارگیٹ دیٹ......'' شیخ حامد مسکرا کر بولا۔ ''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ دوستوں کا اس دل میں ہوتا ہے لیکن' کچھ باتیں ہیں جن کے بارے میں اب کھل کر بات کرنا ضروری ہو گئی ہے۔'' آخری جملہ سنجیدگی سے ادا کیا گیا۔
''کیا آپ کا اشارہ سمجھ رہا ہوں۔'' سراج نے سنبھل کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''اگر آپ کا اشارہ ذیشان ہوٹل والے آپریشن کی طرف ہے تو وہ میری مجبوری تھی......اس کی تمام تر پلاننگ ڈی

آئی جی کرائمز کی تھی......‘‘ اس نے بات جاری رکھی۔’’اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ کو اس کی خبر بھی ضرور ہوگی‘ ان دونوں نے زبان کھولنے کے بجائے موت کو ترجیح دی تھی...... بعد میں ہمارا تعاقب کرنے والی سفید کار کو بھی مسٹر علیم احمد کے حکم پر ہی ڈسپوز کیا گیا تھا۔‘‘

’’اس کے بعد کیا ہوا؟ آپ کو اس کا علم بھی ضرور ہوگا؟‘‘

’’بنگالی پاڑے سے پولیس کو دو مطلوبہ مجرموں کی لاشیں ملی تھی۔‘‘ سراج نے بے پروائی سے کہا۔

’’ان کے بارے میں پولیس کو کہاں سے معلومات حاصل ہوئی تھیں؟‘‘ شیخ حامد نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

’’آئی ڈونٹ نو......‘‘ سراج نے سپاٹ آواز میں کہا۔

’’ان دونوں کو کس نے اور کیوں قتل کیا؟ فی الحال میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔‘‘

’’کیا میں آپ کی بات پر یقین کرلوں......؟‘‘ اس بار شیخ حامد کے سوال میں چبھن بہت واضح تھی۔

’’ایز یو وش......‘‘ سراج نے مسکرا کر شیخ حامد کو مخاطب کیا۔’’بحیثیت ایک پولیس آفیسر کے ہم دیدہ دانستہ قانون کی نظروں میں دھول بھی نہیں جھونک سکتے...... تعاون ایک حد تک کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے آنکھ بند کر کے ایک دوسرے پر اعتماد کرنا بھی شرط ہے۔‘‘

شیخ حامد ایک پل کو تلملا کر رہ گیا لیکن فوراً ہی اس نے کینچلی بدلنے میں دیر بھی نہیں کی۔

’’میڈم روبی کے سلسلے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟ کیا وہ میرے مقابلے پر آنے کی حماقت کر سکتی ہے؟‘‘

’’میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا......‘‘ سراج نے شانے اچکا کر کہا۔’’میں ہر بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتا لیکن...... فی الحال جو دھند طاری ہے اس کو چھٹنے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگے گا۔‘‘

’’افضل خان کے بارے میں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟‘‘ سراج نے میڈم کا موضوع بدل دیا۔’’میری ذاتی رائے ہے کہ اسے اہم ذمے داری نہ سہی مگر ایک موقع تو ضرور دیا جا سکتا ہے۔‘‘

’’میں آپ کو ابھی تک دوست سمجھ رہا ہوں اس لیے آپ کی بات نہیں ٹالوں گا مگر ایک بات کھل کر واضح کر دوں...... میں ڈبل کراس کرنے والوں کو نظرانداز کرنے کا عادی نہیں ہوں...... ان کو اپنے اشاروں پر چلانے کی ٹرکس (tricks) بھی جانتا ہوں۔‘‘

’’گڈ......‘‘ سراج نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

’’کسی بھی انسان کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ موقعے کی مناسبت سے اپنے کارڈز استعمال کرے۔‘‘ وہ شیخ حامد کے جملے میں کھلی وارننگ کو بھانپ گیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک شیخ حامد اور سراج کے درمیان اسی قسم کی ذومعنی گفتگو ہوتی رہی پھر سراج کو دوبارہ اسپتال ڈراپ کرنے کے بعد وہ گاڑی کا اسٹیئرنگ ڈرائیور کے حوالے کر کے پچھلی

سیٹ پر چلا گیا...... سراج نے اس وقت بھی بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا تھا' شیخ حامد کا انداز بھی دوستانہ تھا لیکن...... گاڑی اسپتال کے احاطے سے باہر نکلی تو اس کے چہرے کے تاثرات بھی تبدیل ہو گئے۔ نشست کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے آنکھیں بند کر لیں...... ذہن سراج کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنے کے سلسلے میں شیطانی انداز میں تانے بن رہا تھا۔

❖❖❖

ڈاکٹر کے مشورے کے باوجود لیاقت حسین نے ہسپتال میں پڑے رہنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ اسے وہاں ہر قسم کی سہولت حاصل تھی لیکن وہ آرام طلبی کا عادی نہیں تھا۔ نوشہرہ میں بھی کبھی جب وہ بیمار پڑتا تو ماں فوری طور پر ڈاکٹر کو طلب کرتی۔ ڈاکٹر سردار سرفراز خان کی بڑی حویلی کا نام سنتے ہی دوڑے چلے آتے تھے۔ ماں اسے اپنے شفیق ہاتھوں سے دوا پلاتی تو وہ اکسیر ثابت ہوتی۔ مارے باندھے وہ دو گھنٹے بستر پر لیٹتا پھر اپنے کاموں میں جت جاتا' اس کے سنگی ساتھی بھی یہی کہتے تھے کہ بیماری کو بستر پر لیٹ کر پالو گے تو وہ کمزوری کم کرنے کے بجائے جسم کو اور گھلا دے گی' ہاتھ پاؤں حرکت میں رہیں تو بیماری خود پیچھا چھڑا کر بھاگ جاتی ہے' لوہے کی بھی یہی خاصیت ہوتی ہے' وہ استعمال میں رہے تو اس کی کارکردگی متاثر نہیں ہوتی' دھوپ اور پانی میں پڑا رہے تو زنگ آلودہ ہو جاتا ہے۔ ایک بار لوہے کو زنگ یا کسی میٹھے پھل کو پھپھوند لگ جائے تو وہ اپنی اصلیت کھو دیتا ہے۔ لیاقت حسین بھی اسی ماحول میں پل کر بڑا ہوا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی ساری باتیں ایک کان سے سنیں' دوسرے سے اڑا دیں۔ وہ حرکت میں برکت کا قائل تھا۔

سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم اس کے ممنون احسان تھے' انہوں نے بھی اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تو لیاقت حسین کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی۔

سیٹھ عثمان نے جو نئی گاڑی خریدی تھی وہ پہلے والی کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور پاورفل تھی۔ اسی کمپنی کی لینڈ کروزر لیاقت حسین کے باپ کے پاس بھی تھی۔ اسپتال سے فارغ ہو کر وہ باہر آیا تو نئی چمچماتی گاڑی دیکھ کر اسے بہت ساری بھولی بسری باتیں یاد آ گئیں' ماں کا لاڈ پیار' باپ کی شفقت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کے خود ساختہ اصول جس کی وجہ سے اسے گھر چھوڑنا پڑا تھا اور فرحین کا خوبصورت اور معصوم سا چہرہ بھی جس نے لیاقت حسین کا ہاتھ تھام کر اس کی محبت کا مان رکھ لیا تھا' وہ آخری جملے بھی اس کے کانوں میں گونجنے لگے جو ماں نے اسے نوشہرہ کو خیرباد کہتے ہوئے بڑے پیار سے کہے تھے۔

''خدا تم کو اور فرحین کو زندگی کی ڈھیر ساری خوشیاں نصیب کرے۔ ماں کی دعائیں بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہیں' کبھی خود کو تنہا نہ سمجھنا' ماں کا سایہ ہر گھڑی' ہر پل تم دونوں کے ساتھ رہے گا۔ رب سے میری دعا ہے کہ تم نئی زندگی کے سفر میں اتنی ترقی کرو کہ تمہارے پاس بھی خدا کی ہر نعمت موجود ہو' کبھی تنگی اور ترشی تمہارے آڑے نہ آئے۔ پھلو' پھولو آباد رہو۔''

یہ ماں کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا کہ کراچی آتے ہی اس کے دن پھر گئے۔ کچھ دن اس نے

قبرستان کے ساتھ بنے مکان میں گزارے تھے۔وہاں اسے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی۔گل خان اور راحیلہ نے اسے یا فرحین کو اپنے آبائی شہر سے دور ہونے کا احساس کبھی نہیں ہونے دیا تھا لیکن ایک بدکار سفلی کا عمل کرنے والا ضرور ان کے لیے پریشانی کا سبب بن گیا تھا۔

اسپتال سے باہر نکل کر وہ نئی گاڑی کے پاس آکر رک گیا' اس نے بڑے پیار سے گاڑی کو دیکھا' سیٹھ عثمان کو مبارکباد دی پھر اس نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تو سیٹھ عثمان نے اسے آرام کی خاطر روکنا چاہا لیکن راحیلہ بیگم نے ان کا ہاتھ تھام لیا' انہیں لیاقت حسین کے چہرے پر دمکتی خوشی کا احساس تھا۔اسے گاڑی چلانے سے روکا جاتا تو شاید اسے دکھ ہوتا۔

لیاقت حسین نے اگنیشن میں لگی چابی گھمائی تو نئی کار یکدم ہی اسٹارٹ ہوگئی' اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔نوشہرہ میں جب وہ باپ کو ایسی طاقت ور اور قیمتی گاڑی چلاتے دیکھتا تھا تو اس کے دل میں بھی ارمان مچل جاتے تھے۔اس کا دل چاہتا تھا کہ کبھی باپ کی طاقتور اور منہ زور گاڑی کو اپنی مہارت سے زیر کرے لیکن اس کی حسرت کبھی پوری نہ ہوسکی۔آج ماں کی دعاؤں سے وہ ارمان بھی پورے ہو رہے تھے۔وہ بڑی احتیاط سے جانے پہچانے راستوں سے گزرتا رہا' فرحین اس کے ساتھ ہوتی تو وہ بھی خوش ہو جاتی۔اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ شاید فرحین کو بھی کسی نہ کسی طرح اس کے اس کے حادثے کی اطلاع مل چکی ہوگی۔وہ بھی ادھر بے چین ہوگی۔ماں کے دل سے بھی اولاد کے حق میں دعاؤں کا سلسلہ جاری ہوگیا ہوگا اور اب......اب جب اسے لیاقت کے تندرست ہونے کی اطلاع ملے گی تو وہ سب سے پہلے خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر دو رکعت شکرانے کی ضرور پڑھے گی۔فرحین کے دل کی بے چین دھڑکنوں کو بھی قرار مل جائے گا۔

''کیا سوچ رہے ہو لیاقت حسین؟'' راحیلہ بیگم نے جو اپنی دوربین نظروں سے لیاقت حسین کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں چپ نہ رہ سکیں۔''کیا گھر والے یاد آرہے ہیں؟''

''ہاں......'' لیاقت حسین نے دبی زبان میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔''سوچ رہا ہوں کہ اب فرحین کو واپس بلالوں۔اسے کسی نہ کسی ذریعے سے میری بیماری کی اطلاع مل گئی ہوگی......وہ......وہ بھی بے چین ہوگی۔''

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔''تمہارے گھر پاس پڑوس میں کوئی نہ کوئی فون تو ضرور ہوگا۔تم نمبر بتادو۔میں ابھی گھر چلتے ہی تمہاری صحت تو وہ ملول سا ہوگیا۔بات بنا کر بولا۔

''مجھے ایسا کوئی نمبر یاد نہیں ہے ورنہ ضرور بتادیتا۔''

''فکر مت کرو......گھر پہنچتے ہی خط لکھ کر پوسٹ کردو۔'' راحیلہ بیگم نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو گہری نظروں سے دیکھ کر بڑی فراخدلی سے کہا۔

''تم چاہو تو فرحین کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کو بھی بلالو۔وہ بھی خوش ہوں گے۔''

"یہ بھی لکھ دوں گا۔" لیاقت حسین نے دل مسوس کر جواب دیا۔ اس کی دلی تمنا بھی تھی کہ ماں کچھ دنوں کو آ کے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے کہ اس کی دعاؤں نے اس کے لیاقت حسین کو کس طرح نوازا ہے لیکن...... وہ جانتا تھا کہ ماں اپنے سہاگ کو ناراض نہیں کرے گی اور سردار سرفراز خان کبھی اپنی اونچی پگ نیچی نہیں ہونے دے گا۔ اس کے علاوہ وہ سیٹھ عثمان پر اپنے والد کی حیثیت بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

لیاقت حسین نے گاڑی سیٹھ عثمان کے خوبصورت بنگلے کے سامنے روکی تو راحیلہ بیگم نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔ "یہ تم نے گاڑی کہاں روک دی؟"

لیاقت حسین ایک پل کے لیے گھبرا سا گیا پھر اس نے کسی خیال سے پوچھا۔ "کیا آپ لوگوں نے گھر بھی بدل دیا ہے؟"

"نہیں......" راحیلہ بیگم نے اپنائیت سے جواب دیا۔ "آج ہم نے تمہاری انیکسی کا افتتاح کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔"

لیاقت حسین نے برابر کے بنگلے پر نظر ڈالی تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ سیٹھ عثمان کا پرانا اور قابل اعتماد گارڈ نئے بنگلے کے گیٹ کے سامنے موجود تھا' لیاقت حسین نے گاڑی کا رخ نئے بنگلے کی طرف کیا تو گارڈ نے بڑی مستعدی سے پھاٹک کھول دیا۔ راحیلہ بیگم کے مطابق اس نے گاڑی بنگلے کی انیکسی کے سامنے لے جا کر روک دی۔ اسے بتایا جا چکا تھا کہ اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد اسے فرحین کے ساتھ وہیں قیام کرنا ہے۔ انیکسی کے در و دیوار دیکھ کر لیاقت کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں۔

گاڑی سے اتر کر وہ سیٹھ عثمان کے ساتھ اس خوبصورت انیکسی میں داخل ہوا جو دو کمروں پر مشتمل ایک مختصر لاؤنج کے علاوہ کچن' باتھ روم وغیرہ بھی بنگلے کی شان سے مطابقت رکھتے تھے۔ انیکسی کے باہر دو اطراف پھولوں کی کیاری تھی جس کو دیکھ کر فرحین کا دل یقیناً باغ باغ ہو جاتا۔

پہلے کمرے میں قدم رکھتے ہی لیاقت حسین کھڑکی اور دروازوں پر پڑے خوبصورت پردوں کو دیکھ کر چونکا۔ سامنے ایک سنگل بیڈ کا اہتمام بھی تھا۔ دوسرے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اسے اپنا ساز و سامان بھی نظر آ گیا جو گل خان کے ساتھ والے گھر میں تھا۔ اس کمرے میں کھڑکیوں اور دروازوں پر بھی میچنگ کلر کے پردے نظر آ رہے تھے' کچن بھی صاف ستھرا تھا جہاں ایک چھوٹا فریج بھی تھا' باتھ روم بھی معیاری تھا۔ وہ سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کے ساتھ خاموش تماشائی کی حیثیت سے ایک ایک چیز کا جائزہ لیتا تھا۔

"فی الحال تم یہاں رہو گے...... فرحین آ جائے تو پھر اس کی پسند سے گھر بھی ڈیکوریٹ ہو جائے گا اور ضرورت کی باقی چیزیں بھی آ جائیں گی۔"

"بیگم صاحب......" لیاقت حسین کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ "آپ کے احسانات نے مجھے خرید لیا ہے۔"

''مجھے گناہ گار مت کرو.....'' راحیلہ بیگم نے خلوص دل سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔''میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ تمہیں ہم غیر نہیں بلکہ گھر کا ایک فرد سمجھتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ ہم نے نہیں بلکہ تمہاری بے لوث محبت اور قربانیوں نے ہمیں خرید لیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت جذباتی باتیں کرنے کے بجائے تم آرام کرو۔'' سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو مخاطب کیا۔

اسپتال سے تو تم آ گئے ہو لیکن اب میرے اور بیگم صاحب کے کہنے سے تمہیں چوبیس گھنٹے تک مکمل آرام کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے صاحب.....'' لیاقت حسین نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بھوک پیاس لگے تو کچھ سامان فریج میں رکھا ہے..... کچن کا کام فرحین آنے کے بعد سنبھال لے گی۔ اس کے آنے تک تم حسب معمول کھانا اور ناشتہ اسی طرح سے ہمارے گھر میں کھاتے رہو گے۔''

''جیسا آپ کا حکم.....'' لیاقت حسین نے ممنونیت سے جواب دیا۔

سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کے جانے کے بعد بھی لیاقت حسین اپنی قسمت پر رشک کرتا رہا پھر نہا دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد اس نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی پھر کمر سیدھی کرنے کی غرض سے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ماں اور فرحین کا چہرہ بار بار ابھر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرحین واپس آ کر اس نئے گھر کو دیکھے تو خوشی سے ناچ اٹھے گی۔ گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ لیاقت حسین نے فرحین کے جانے کے بعد ہی کر لیا تھا۔ گل خان سے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن قسمت کسی بنگلے کی خوبصورت انیکسی اس کی جھولی میں ڈال دے گی' اس کا تصور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد اس کے ذہن میں سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کی وہ باتیں گونجنے لگیں جو انہوں نے پرانی گاڑی کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں کی تھیں۔ ڈاکٹر نے اس سے کچھ اور کہا تھا۔

''تم خوش قسمت ہو جو تمہاری کوئی نیکی کام آ گئی ورنہ..... تمہاری گاڑی کا جو حشر نشر ہوا اس کے بعد تمہارا بچ جانا بھی کسی معجزے سے کم نہیں۔'' ڈاکٹر نے کئی مواقع پر اسے حادثے کی سنگین نوعیت کے بارے میں تھوڑا تھوڑا کر کے سب کچھ بتا دیا تھا لیکن لیاقت حسین کو ذہن پر بار بار زور دینے کے باوجود اس اندوہناک حادثے کے بارے میں کوئی بات یاد نہیں آ سکی تھی۔

اس وقت بھی وہ اسی بات پر غور کرتے کرتے غنودگی کی کیفیت سے دو چار ہوا تو کہیں دور سے ایک مانوس آواز اس کے وجود کے سناٹے میں گونجنے لگی۔

''انسان بڑا خود غرض اور احسان فراموش ہوتا ہے۔ پہلے شیطان کے ورغلانے پر صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔ جھوٹی مسرتوں کے فریب میں مبتلا ہو کر اس خداوند قدوس کو یکسر فراموش کر دیتا ہے جس نے اسے زندگی جیسی انمول نعمت عطا کی۔ چند روز زندگی کی پرفریب مسرتوں میں مبتلا ہو کر وہ

یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اسے ایک عارضی مسافر خانے میں کسی آزمائش کے لیے وقتی قیام کے لیے روح جیسی پاکیزہ دولت سے مالا مال کیا گیا تھا' عیش وعشرت میں مبتلا ہو کر وہ خدا اور اس کے محبوبؐ کے سارے احکامات کو فراموش کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ اس کی رسی دراز ہوتی رہتی ہے پھر...... جب اسے کوئی جھٹکا لگتا ہے' کوئی برا وقت اس کے جھوٹے خوابوں کی تکمیل کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے تو وہ پھر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گڑگڑا کر معافی طلب کرتا ہے۔ جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہ دونوں جہانوں کے مالک سے کیے گئے تمام وعدے' تمام قسمیں فراموش کر کے پھر سے شیطان کا چیلا بن کر لہو ولعب میں غرق ہو جاتا ہے۔"

لیاقت حسین اس آواز کو سنتا رہا۔

انسان خدا کی فیاضی پر کبھی صدق دل سے غور نہیں کرتا' اس کی مقدس کتاب میں لکھی روشن باتوں پر توجہ نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں سوچتا کہ وہ کسی نیکی کا تصور بھی کرتا ہے تو اسے اس کے نیک عمل میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ اگر وہ نیکی کے ارادے کو عملی طور پر پورا کر دے تو حدیث کے مطابق اس کے اعمال نامے میں دس اور کبھی کبھی سات سو سے بھی زیادہ نیکیاں رقم کر دی جاتی ہیں...... اور...... جب خاکی انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور جب تک اس پر عمل نہ کر لے پھر بھی اس کے اعمال نامے میں صرف ایک ہی گناہ درج ہوتا ہے' مگر انسان کبھی یہ بھی غور نہیں کرتا کہ روز حساب کہیں دس اور سات سو کے مقابلے میں ایک ایک گناہ مل کر دس اور سات سو پر سبقت نہ لے جائیں۔"

"میری بات دھیان سے سنو لیاقت حسین......" کچھ توقف کے بعد وہی آواز پھر ابھری۔" ابلیس نے بھی ناری ہونے کے گھمنڈ میں آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو ملعون قرار پایا...... اس دنیا میں جہاں تم سانس لے رہے ہو۔ ایک نہیں ہزاروں اور لاکھوں ابلیس موجود ہیں جو ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں...... شیخ حامد بھی کسی ابلیس سے کم نہیں...... غرور اور تکبر نے اس کے لیے توبہ کے دروازے بھی بند کر دیے ہیں۔ وہ تمہارے محسن سیٹھ عثمان' اس کے ایماندار دوست ڈی ایس پی سراج کو بھی نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ میڈم روبی کو بھی وہ اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے مضطرب ہے۔ کچھ اور بھی ہیں جو اس انسانی ابلیس کے جال میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تمہیں خدا کے ایک برگزیدہ بندے نے اپنے رب ہی کی مرضی سے ایک روحانی طاقت سے نواز دیا تھا۔ وہ نابینا ریش دراز بھی اسی خدا کا ایک فرستادہ تھا جس نے درمیان کی تمام رکاوٹوں کو ایک اشارے سے دور کر کے تمہیں اس مجذوب تک پہنچانے میں مدد کی تھی پھر...... تم خدا کی کس کس نعمت کو ٹھکراؤ گے۔ کس طرح منہ پھیر سکو گے؟...... خود اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھو' خدا کے کرم اور ماں کی دعاؤں نے ہی تمہیں عزت بخش دی ہے۔ تم اس مالک دو جہاں کے احسانوں کا شکر اگر چاہو بھی تو ادا نہیں کر سکتے لیکن جو کچھ تمہیں عطا کیا گیا اس کے ذریعے تم کچھ لوگوں کو شیخ حامد جیسے ملعون ابلیس کے عتاب سے ضرور بچا سکتے ہو۔ اس نیک کام میں اس رب کریم کی رحمتیں بھی قدم قدم پر ساتھ دیں گی۔ یہی نیکیاں روز قیامت تمہیں دوزخ کے عذاب سے نجات دلائیں گی۔

''مجھے کیا کرنا ہوگا......؟'' لیاقت حسین نے غنودگی کی کیفیت میں دریافت کیا۔

''صرف ایک نیت......جس میں کوئی کھوٹ' کوئی ریاکاری شامل نہ ہو۔ باقی مشکل وہ آسان کردے گا جو سب کا نجات دہندہ ہے۔''

''میں کیا کرسکتا ہوں......؟''

''عہد۔ کسی مظلوم کو کسی ظالم کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کا عہد۔ سچے دل سے' پھر اس پر عمل کرتے وقت صرف اس قادر مطلق کو یاد رکھنا جو زندگی اور موت پر قادر ہے لیکن......ابھی تمہارے لیے بھی ایک آخری امتحان باقی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''گندے عمل کرنے والے کافر پرتاب گھوشن کے کہے ہوئے آخری جملوں کو کبھی فراموش نہ کرنا۔ وہ پینترے بدل بدل کر تمہارے قدم کو ڈگمگانے کی خاطر کئی حسین جال بن رہا ہے......ان کا خیال رکھنا ورنہ......''

''ورنہ کیا ہوگا......؟'' لیاقت حسین کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی لیکن کوئی آواز نہیں ابھری۔

''جو کچھ میرے بس میں تھا' میں نے تمہارے کانوں میں ٹپکا دیا......اس سے آگے مجھے زبان کھولنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔''

لیاقت حسین گہری نیند سے ایسے ہڑبڑا کر اٹھا جیسے کی کاری ضرب نے اسے پیدا کردیا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے ادھر ادھر دیکھتا رہا......بستر سے اتر کر اس نے پوری انیکسی کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن وہاں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا......وہ ایسا کیوں کر رہا تھا یہ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ سوکھے حلق کو تر کرنے کی خاطر اس نے فریج سے بوتل نکال کر ایک گلاس پانی پیا پھر مشینی انداز میں دوبارہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ ایک لمحے کو اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ وہ اس آواز کو پہلے بھی کہیں سن چکا ہے......کہاں؟ اسے کوشش کے باوجود یاد نہ آ سکا پھر وہ نیند کی وادیوں میں گم ہوگیا۔

✣✣✣

تھریسا نے شبنم کو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا پھر دوسرے ہی لمحے ایک خیال نے اسے محتاط کردیا۔ حالات نے کھل کر مقابلے کی جو صورت اختیار کرلی تھی اس کا اندازہ شاید شیخ حامد کو بھی ہو گیا تھا۔ دوستی اور دشمنی میں ہر حربہ استعمال ہوتا ہے۔ جیت اسی کی ہوتی ہے جو زیادہ دوراندیشی سے اپنے دشمن پر قابو پانے میں کامیاب ہوجائے۔

شبنم بہت دنوں بعد آئی تھی۔ وہ شیخ کے دفتر میں کام کرتی تھی' ناممکن نہیں تھا کہ شیخ اسے بھی کسی طرح اپنے جال میں پھانس کر میڈم کے خلاف کرنے کی پلاننگ پر غور کر چکا ہو۔ اس فوری خیال نے تھریسا کو ڈپلومیسی اختیار کردینے پر آمادہ کیا' اس نے شبنم کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد دوستانہ انداز میں کہا۔

''کہاں غائب رہیں اتنے دنوں؟ میڈم بڑی شدت سے تمہاری منتظر تھیں۔'' تھریسا نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔''تاج محل ہوٹل میں ہونے والی گھناؤنی سازش میں اگر خطرناک مگرمچھ کا داؤ کامیاب ہو جاتا تو......''

''یہ تمہاری ذاتی رائے ہے' بگ باس کا اس معاملے سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔'' شبنم نے کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر پر تھریسا کی طرف بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔''جو کچھ بھی ہوا اس میں صرف اور صرف افضل خان کی ذاتی بدمعاشی کا عمل دخل تھا جس کا خمیازہ وہ ابھی تک بھگت رہا ہے۔ہوسکتا ہے کہ باس اس کے لیے بھی کوئی انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔''

شبنم کی بات سن کر تھریسا کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔وہ تیز نظروں سے شبنم کو گھور رہی تھی۔شبنم نے زبان کھولنے کے بجائے اس کاغذ کی طرف اشارہ کیا جسے ابھی تک تھریسا نے پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔شبنم کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات نے بھی تھریسا کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔اس نے شبنم کا اشارہ پا کر بے تکلفی سے کہا۔

''میڈم شاید باتھ لے رہی ہیں۔میں ابھی جا کر انہیں تمہاری آمد کی اطلاع دیتی ہوں۔'' تھریسا اٹھتے ہوئے بولی۔

''مجھے یقین ہے کہ میڈم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔''

تھریسا اٹھ کر اندر چلی گئی' میڈم اپنے کمرے میں ہی تھی۔تھریسا نے اسے شبنم کے آمد کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ وہ کاغذ بھی تھما دیا جس پر ایک خاص پیغام درج تھا۔میڈم نے شبنم کی آمد پر یکدم اٹھ کر باہر جانے کی کوشش کی تھی۔اسے شبنم کی ضرورت تھی۔اس لیے کہ وہ دونوں شیخ حامد سے انتقام لینے کی خاطر کسی مناسب موقعے کی تلاش میں تھیں۔تھریسا نے میڈم کو پہلے وہ تحریر پڑھنے کا مشورہ دیا جو شبنم نے شیخ حامد کی طرفداری کرتے وقت اس کی طرف بڑھا دی تھی۔میڈم نے کاغذ کی تہ کھول کر اس پر درج تحریر پڑھنی شروع کی جو خاصی سنسنی خیز تھی' لکھا تھا۔

''میڈم......میں آپ سے کھل کر کوئی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔صرف اتنا عرض کروں گی کہ اس خطرناک مگرمچھ نے مجھے بھی پوری طرح قابو کر لیا ہے۔کچھ ایسی تصاویر میرے اپارٹمنٹ کے پس منظر میں اتار لیں جو اگر منظر عام پر آ گئیں تو میرے پاس سوائے خودکشی کے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔وہ اب مجھے چارا بنا کر آپ کو ٹریپ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔میں اس کے کسی حکم سے انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں ورنہ......وہ تصویریں منظر عام پر بھی آ سکتی ہیں۔آپ سے گفتگو کے دوران بھی مجھے اپنے ضمیر کا گلا گھونٹ کر اس خطرناک دشمن کی تعریف کرنی پڑے گی جو میرے والدین کی دردناک موت کا ذمے دار ہے۔میں صرف آپ کے تعاون ہی سے اس کے ناپاک وجود کو ختم کر سکتی ہوں۔آپ کو جو خاص بات کرنی ہو وہ لکھ کر کریں۔اس آڑے وقت میں مجھے صرف آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔اگر ایسا ممکن نہ ہوا تو شاید مجھے خودکشی کے علاوہ اور کوئی راستہ میسر نہیں آئے گا......بدنصیب شبنم۔''

میڈم نے اس تحریر کو دوبارہ بہت غور سے دیکھا پھر اس نے تھریسا کی طرف نظر اٹھا کر سوال کیا۔

''تمہارا اس تحریر کے بارے میں کیا خیال ہے......؟''

''ففٹی......ففٹی......'' تھریسا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ہمیں تصویر کے دونوں رخ دیکھنے ہوں گے۔ ہم جلد بازی میں کوئی رسک لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''لیکن میرا دل کہتا ہے کہ شبنم کی تحریر اس کی بے بسی کی ترجمان ہے۔'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کی مرحوم ماں سے میں پیرس میں مل چکی ہوں۔ وہ ٹاپ ماڈل ہونے کے باوجود گھٹن کا شکار تھی۔ شبنم کا مستقبل بنانے اور اسے شیخ حامد جیسے ذلیل انسان کی نظروں سے دور رکھنے کی خاطر مرحومہ نے بڑی قربانیاں دی تھیں، پھر اس نے اپنی بیٹی ہی کی بھلائی کے پیش نظر خودکشی سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔ میرا دل کہتا ہے کہ کم ازکم شبنم جو اپنی زبان سے مجھے اپنی دکھ بھری اذیت ناک کہانی سنا چکی ہے۔ کم ازکم میرے ساتھ ڈبل کراس کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔''

''میں نے صرف اپنی رائے دی تھی۔'' تھریسا نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے۔''

میڈم ایک لمحے تک کچھ سوچتی رہی پھر کسمسا کر بولی۔

''ایک چھوٹا سا چانس لے کر دیکھتے ہیں۔ اس میں زیادہ خطرہ بھی نہیں ہوگا اور اصلیت بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔''

''ایز یو لائیک......''

''تم چل کر شبنم کے پاس بیٹھو، میں چینج کر کے آتی ہوں۔''

تھریسا کے جانے کے بعد میڈم نے بھی ایک کاغذ پر شبنم کے جواب میں کچھ لکھا پھر وہ دس منٹ بعد اس طرح لباس تبدیل کر کے اور بال بنا کر ڈرائنگ رُم میں داخل ہوئی جیسے سچ مچ باتھ لینے کے بعد آئی ہو۔

شبنم اور میڈم دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑی محبت سے بغل گیر ہوئیں۔ تھریسا ناشتے کا اہتمام کرنے اندر چلی گئی۔ ''کہاں رہیں اتنے دنوں......'' میڈم نے دیدہ ودانستہ شکوہ کیا۔

''دفتری مصروفیات کے علاوہ کچھ ذاتی کاموں میں بھی الجھی رہی۔''

''افضل خان کے بارے میں جو سنا جا رہا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟'' میڈم نے یک لخت سنجیدگی سے سوال کیا۔

''سوری میڈم......'' شبنم نے بڑی خوبصورتی سے اپنا رول ادا کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اگر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو ہماری ذات تک ہی محدود رہے تو مجھے خوشی بھی ہوگی۔''

''آئی ۔سی......'' میڈم نے طنز کیا۔ ''شیخ حامد کے سحر نے شاید تمہیں بھی اپنے......''

''میڈم......پلیز!''

''اوکے.....'' میڈم نے مسکرا کر کہا۔''اگر تمہیں برا لگتا ہے تو میں تمہارے بگ باس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گی۔''

''شکریہ......''

''ایک ذاتی سوال کر سکتی ہوں......؟''

''پوچھیے......''

''تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی......؟''

''اپنے منہ سے تو کسی سے نہیں کہہ سکتی۔'' شبنم نے جان بوجھ کر شوخی سے جواب دیا۔''اگر آپ کی نظر میں کوئی مناسب رشتہ ہو تو ضرور بتایئے گا۔''

''تمہارے لیے ایک نہیں ہزاروں رشتے مل سکتے ہیں مگر......ایک شرط پر......''

''وہ کیا......؟''

''تم میرے پاس رہو......ایک دوست' ایک عزیز سہیلی کی حیثیت سے......تو مجھے خوشی ہو گی۔ میری تنہائی بھی دور ہو جائے گی' تمہیں رہنے' کھانے پینے کے علاوہ کسی قسم کی بھی فکر نہ ہو گی۔''

''تنخواہ کتنی ملے گی؟'' شبنم نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔ خود اپنی عریاں تصاویر دیکھ لینے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیخ حامد ہر لحہ چوکنا رہتا ہے' اپنی شیطانی کھوپڑی میں ہر وقت کوئی نہ کوئی خطرناک پلان مرتب کرتا رہتا تھا۔ اپنے کارندوں سے کسی وقت غافل نہیں رہتا۔ کسی نہ کسی طور پر ہر شخص کی رپورٹ اسے اپنے ان خفیہ آدمیوں سے ملتی رہتی ہے جن پر وہ بے دریغ دولت خرچ کرتا تھا' ہو سکتا تھا کہ اس وقت کسی خفیہ سیکریٹ ڈیوائس کے ذریعے وہ اس کے اور میڈم کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سن رہا ہو۔ اس نے شبنم کو ایک خاص برانڈ کا موبائل دیتے وقت یہ ہدایت بھی خاص طور پر کی تھی کہ وہ سوتے جاگتے' کسی......وقت بھی خود سے دور نہ کرے۔ ممکن ہے اس میں کچھ ایسی خوبیاں بھی ہو جو صرف اسی کے علم میں ہوں۔ اس لیے محتاط رہنا ضروری تھا۔

''جتنی تم اپنے منہ سے طلب کرو گی......اس سے دوگنی۔''

''آفر بری نہیں ہے......آرام سے سوچ کر جواب دوں گی۔''

تھریسا ناشتے کی ٹرے کے ساتھ داخل ہوئی تو وہ بھی حسب معمول ہنسنے بولنے میں مصروف ہو گئی۔ اس دوران میڈم نے جو تحریر شبنم کے جواب میں لکھی تھی وہ بھی شبنم نے وقفے وقفے سے پڑھ لی۔ میڈم نے جو پلاننگ کی تھی وہ قابل عمل ضرور تھی لیکن بڑے مگر مچھ کو اس سازش کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ شبنم کے حق میں بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ شبنم نے میڈم کے لکھے ہوئے کاغذ کو اسے واپس کرتے ہوئے بڑے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''آپ نے اپنی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے......؟''

''اس عمر میں......ایک بیوہ سے کون اپنی قسمت پھوڑنے پر تیار ہو گا۔'' میڈم نے بے اختیار ہنس کر کہا۔ ویسے وہ شبنم کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

"یہ آپ کا ذاتی خیال ہے......" شبنم نے پہلو بدل کر کہا۔ "ویسے کوشش کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ قسمت آزمانے میں تھوڑا رسک ہے لیکن اگر کام بن گیا تو پھر شہنائی بھی بج سکتی ہے۔"

شبنم سے گفتگو کے دوران میڈم نے اپنا تحریر شدہ پرچہ تھریسا کی طرف بڑھا دیا تھا۔ وہ اس تحریر میں درج پروگرام کو غور سے پڑھتی رہی، تمام زاویوں سے غور کرتی رہی پھر وہ سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا اٹھا کر اپنی تائید کا ووٹ دیتے ہوئی بولی۔ اس کا خطاب میڈم سے تھا۔

"میں شبنم کی مخلصانہ رائے اور آپ کی خاموش نیم رضامندی، دونوں پر مسرت ہی کا اظہار کروں گی۔"

ہلکے پھلکے ناشتے کے دوران ہنسی مذاق کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر شبنم کے جانے کے بعد میڈم نے اس کی اور اپنی تحریروں کو نذر آتش کر کے اس کی راکھ بھی واش بیسن میں بہا دی۔ اپنی خواب گاہ میں آنے کے بعد اس نے تھریسا کو سنجیدگی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اب افضل خان کے اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد اس پر بھی نظر رکھنی ہو گی۔ شبنم کی طرح شاید وہ بھی اس بڑے مگرمچھ کے جوہڑ میں رہنا پسند نہیں کرے گا۔"

"لیکن آپ کے سلسلے میں اس نے جو سازش کی تھی وہ اس قابل نہیں ہے کہ اب اس کے بارے میں......"

"وہ اس کی مجبوری تھی......" میڈم نے سرد اور خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اس کی پلاننگ میں بھی کسی اور کا ہاتھ تھا۔ یہ بھی نہ بھولو کہ محبت اور جنگ میں کسی بھی ہتھیار کے استعمال کو ناجائز نہیں سمجھا جاتا۔ ہر گولی پر کسی نہ کسی کی موت کا پیغام درج ہوتا ہے۔ گولی داغنے کے بعد اس کے خول کو ٹھوکر مار کر راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ وہ کسی کام کا بھی نہیں رہتا......"

"یو آر رائٹ میڈم......" تھریسا نے اس کی دور اندیشی کو سراہتے ہوئے جواب دیا۔ میڈم نے خاموشی اختیار رکھی، اس کی نظریں خلا میں کسی ممکنہ کامیابی کی تلاش میں اپنے ٹارگٹ پر مرکوز تھیں۔

چہرے کی رنگت میں معمولی تبدیلی، ڈاڑھی اور مونچھوں کے اضافے کے بعد وہ کوئی تبتی یا بھوٹانی باشندہ ہی نظر آ رہا تھا، سر بھی عجیب وضع قطع کی گول میلی کچیلی ٹوپی نے اس کی ہیئت بالکل تبدیل کر دی تھی۔ پستہ قد ہونے کے باوجود وہ ٹھوس اور کسرتی جسم کا مالک تھا۔ کمرے میں وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کھڑے ناک ونقشے کا ایک دراز قد شخص اور بھی تھا جس نے ملیشیا کلر کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی، اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا، اس کے ہاتھ پیر مضبوط رسیوں سے کرسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے، عمر پینتیس چھتیس سال کے لگ بھگ نظر آ رہی تھی۔ پہلی نظر میں دیکھ کر یہی تاثر ملتا تھا کہ وہ دو راتوں سے ایک پل بھی سو نہیں سکا...... ڈاڑھی والا...... اسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"زندگی پیاری ہے تو اس کا نام زبان سے اگل دو جس نے تمہیں گرے کلر کی کار کو روند ڈالنے

کا حکم دیا تھا۔''

''شہباز گڈز ٹرانسپورٹ کے منیجر نے مجھے اس کام کے پچیس ہزار دیے تھے۔'' کرسی پر بندھے ہوئے شخص نے بیزاری کا اظہار کیا۔''یہ بات میں تمہیں پہلے بھی دو واری بتا چکا ہوں۔''

''صرف پچیس ہزار کی خاطر تم تین آدمیوں کو زندگی سے محروم کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے؟''

''ادھر پنڈ میں زمین کی آخری قسط ادا کرنے کی خاطر مجھے روپوں کی ضرورت تھی۔ اگر آخری قسط وقت پر ادا نہ کی جاتی تو اصل کے علاوہ سود بھی چڑھ جاتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ زمیندار کاغذوں میں ہیر پھیر کر کے ہمیں زمین سے بالکل ہی محروم کر دیتا۔''

''اور اس لیے تم نے کسی بے قصور کو مرحوم کرنے کی ٹھان لی تھی......'' پستہ قد چپٹی شکل والے نے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں میں جھانکا پھر ہاتھ میں دبے ریموٹ کا سرخ بٹن دبایا تو لوہے کی کرسی میں کرنٹ دوڑنے لگا' اس کی چیخیں پھر بلند ہونے لگیں......''زبان کھول دو شاید اس قابل رہو کہ اپاہجوں کی طرح سڑکوں پر بھیک مانگ سکو ورنہ...... تمہیں بھی آخری سفر پر روانہ کر دیا جائے گا۔''

''تمہیں میری گل پر یقین نہیں آتا تو شہباز گڈز کے منیجر کو سامنے لے آؤ۔'' جھٹکے لگنے بند ہوئے تو کرسی پر پسینے میں شرابور شخص نے رو دینے والے انداز میں درخواست کی۔''وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ وہ انکاری ہو جائے تو بھلے تم مجھے مار بھی دینا۔''

''سوری......'' چپٹی صورت کے پستہ قد والے نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔''جب اس کی آنکھیں ہی نہیں رہیں تو وہ تمہاری آنکھوں میں کچھ بھی نہ ڈال سکے گا۔''

''کیا مطلب......؟''

''ہم نے اس گڈز کمپنی کو بھی دھماکے سے اڑا دیا ہے۔'' اس بار سفاکی سے جواب دیا گیا۔''ہو سکتا ہے تمہیں بھی روسٹ بنا دیا جائے۔''

''نہیں......'' کرسی سے بندھا ہوا شخص چیخ اٹھا۔''میں مر گیا تو میری کڑی کے ساتھ ایک معصوم بچہ بھی دربدر ہو جائے گا۔''

پستہ قد چینی شکل والا ایک لمحے تک اسے گھورتا رہا پھر اس کی انگلی سرخ بٹن کو پش کرنے کے لیے حرکت میں آنے ہی والی تھی کہ دروازے سے پر دستک دی گئی۔ پستہ قد شخص ریموٹ کو کرسی پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر اچانک ہی اضطراب کی کیفیت پھیل گئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے باہر سے ابھرنے والی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''میں ہاشم ہوں میرے عزیز...... ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ قیدی کے لیے اوپر سے ایک نیا حکم صادر ہوا ہے۔''

پستہ قد والے نے جو لوچن کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ جہاز میں اپنے ہم سفر سیاہ فام ہاشم کی آواز پہچان کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے دروازہ کھولنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا

لیکن......اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔دروازہ کھلتے ہی اس کے چہرے پر ایک زبردست مکا لگا تو وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔سیاہ فام ہاشم کے ساتھ ہی ایک دوسرا شخص بھی کمرے میں داخل ہوا تھا جس نے لوچن کے سنبھلنے سے پہلے دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کے بعد اس پر سائلنسر لگا آٹومیٹک پستول تان لیا۔پھر بڑے سفاک لہجے میں وارننگ بھی دی گئی۔

''کوئی آواز نکالی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔ہاتھ اوپر اٹھالو......''

لوچن کے پاس فوری طور پر حکم کی تعمیل میں ہاتھ اٹھانے کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ہاشم کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔لوچن کو صورت حال سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔مخالف گروپ نے پہلے ہاشم کو قابو کیا ہوگا اور اب اسی کے ذریعے وہاں تک بھی آ گئے تھے جہاں لوچن اس ڈرائیور کی زبان کھلوانے کی کوشش کر رہا تھا جس نے لیاقت حسین کی گاڑی کو عقب سے ٹکر مار کر پچیس ہزار کھرے کیے تھے۔

''تمہیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟''اس نے ہاشم سے شکوہ کیا۔

''ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے میرے دوست اور......ماں کے بغیر ایک بھُنگا بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا۔''ہاشم نے بڑی رازداری سے داہنی آنکھ جھپکا کر جواب دیا۔''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''تم......تم بکواس کر رہے ہو......''لوچن نے تلملا کر جواب دیا۔''اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی مروانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''شٹ اپ......!''آٹومیٹک پستول والے نے غرّا کر کہا پھر لوچن سے بولا۔''اس شخص کی رسی کھول دو جسے تم مارنے کا خواب دیکھ رہے تھے'ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ اس کو اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم جتنا یہ بتا چکا ہے۔''

لوچن نے ایک بار پھر ہاشم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر وہ جھلا کر کرسی پر بندھے ہوئے آدمی کی رسیاں کھولنے لگا۔ہاشم کے علاوہ آٹومیٹک پستول والا بھی پوری طرح محتاط تھا'وہ لوچن کی ایک ایک جنبش کا جائزہ لے رہا تھا۔

رسیاں کھولتے وقت لوچن بار بار اپنے غصے کا اظہار کرتا رہا۔اس کی نظریں رہ رہ کر ہاشم کی سمت اٹھ رہی تھیں جس نے کسی دشمن کو وہاں لانے کی حمایت کی تھی۔باہر رات کی تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔شاید اسی اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر ہاشم کو بے بس کرنے والا اسے وہاں تک لے آیا تھا۔لوچن نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی'اس وقت رات کے سوا بارہ کا عمل تھا۔باہر سڑکوں پر یقیناً ٹریفک کا بہاؤ بھی نہ ہونے کے برابر ہوگا۔

''وقت مت ضائع کرو......''پستول والے نے لوچن کو دھمکی دی۔''کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو خود بھی ضائع ہو جاؤ گے۔''

لوچن نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑی بے بسی سے پستول والے کو دیکھا پھر دوبارہ جلد بازی میں اس کا پاؤں رسی میں الجھا تھا'توازن سنبھالنے کی خاطر اس نے الٹا ہاتھ فرش پر ٹکایا تھا پھر جیسے

بجلی سی کوندگئی' لوچن کا ہاتھ زمین پر ٹکتے دیکھ کر ہی ہاشم نے ہاتھ بندھے ہونے کے سبب سیدھی ٹانگ کا گھٹنا آٹومیٹک پستول والے کے نازک مقام پر مارا۔ اسی لمحے لوچن' جو مارشل آرٹ کا ماہر تھا کسی پھرکی کی طرح زمین پر چکراتا ہوا قریب آیا' دونوں شانے زمین پر ٹکا کر اس نے ٹانگیں بلند کیں' قینچی بنا کر اس نے آٹومیٹک پستول والے کی گردن میں ٹانگیں پھنسائیں پھر اس نے خود قلابازی کھائی تو آٹومیٹک پستول والا بھی اپنا توازن کھو بیٹھا' فضا میں اڑتے ہوتے دوسری جانب چاروں خانے چت گرا۔ اس کی گردن بدستور لوچن کے پیروں کے شکنجے میں تھی' دشمن کے زمین پر گرتے ہی لوچن نے زمین پر لیٹ کر ایک جھٹکے سے کروٹ لی تو ''چٹ'' کی ہلکی سی آواز ابھری پھر دشمن کا جسم ساکت ہو گیا۔ اس کا آٹومیٹک پستول بہت پہلے ہی اس کی گرفت سے نکل چکا تھا۔ یہ سب اس قدر آناً فاناً ہوا کہ ہاشم بھی ایک لمحے کو دم بخود رہ گیا پھر اس نے بڑی معصومیت سے لوچن کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا یہ مر گیا......؟''

''ہاں......'' لوچن کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھا۔

''تم......اسے یہاں کیوں لائے تھے......؟''

''یہ ثابت کرنے کے لیے ایک اور ایک ہمیشہ گیارہ ہوتے ہیں۔'' ہاشم بے پروائی سے مسکرایا۔ ''کیا تم میرے ہاتھ نہیں کھولو گے؟''

لوچن نے ہاشم کے ہاتھ کھولنے کے بعد کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا جو دہشت سے بری طرح سہا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''اس کا کیا کرنا ہے......؟'' اس نے ہاشم سے دریافت کیا۔

''بوگا سواما......میرا مطلب ہے کہ......گٹ رڈ آف ہم ــــ۔'' ہاشم نے مسکرا کر کہا۔

لوچن نے بجلی کی طرح جھپٹ کر کرسی پر موجود شخص کی گردن میں الٹے ہاتھ کا پھندا ڈال کر ایک جھٹکا دیا تو اس کی گردن بھی سینے پر جھول کر رہ گئی۔ لوچن نے پھر ہاشم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اب کیا پروگرام ہے......؟''

''ہمیں فوری طور پر اپنے ٹھکانے ہی نہیں اپنے حلیے بھی بدلنے ہوں گے۔'' ہاشم نے سنجیدگی سے جواب دیا' وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ موبائل کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے جلدی سے لپک کر آٹومیٹک پستول والے کی جیب سے اپنا موبائل نکال کر کان سے لگاتے ہوئے آن کر دیا۔

''لانگ فیلو اسپیکنگ!'' ہاشم نے کہا۔ ''ہم نے دو آدمیوں کو پارسل کر دیا ہے۔''

''کوڈ کے تبادلے کے بغیر آئندہ گفتگو کرنے سے پرہیز کرنا۔'' دوسری طرف سے نسوانی آواز ابھری۔ ''جس نے تمہارے اوپر ہاتھ ڈالا تھا وہ اگر زندہ بچ جاتا تو مناسب ہوتا لیکن نیور مائنڈ......میں تمہاری کارکردگی پر خوش ہوں۔''

''آپ کو حالات کا علم......''

''تمہاری حفاظت کے لیے ہم نے کچھ دوسرے کارندے بھی مقرر کر رکھے ہیں۔''

''اب کیا حکم ہے؟......کیا ہمیں اپنی رہائش بدلنی ہوگی؟''

''تم چاہو تو ہوٹل کے بجائے کچھ دنوں کے لیے کسی گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہو جاؤ۔لوچن کا ہوٹل تبدیل کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''میں ایک سوال کرنا چاہوں گا......''

''پوچھو......؟''

''جس نے مجھ پر ہاتھ ڈالا تھا اس کا تعلق کس گروپ سے تھا؟ ہاشم نے بے حد سنجیدگی سے سوال کیا۔اس کی نگاہوں میں انتقامی شعلے بھڑک رہے تھے۔

''ڈونٹ وری......ہوسکتا ہے تمہیں اپنے اگلے مشن میں اس گروپ کے لیڈر کے ساتھ بھی دو دو ہاتھ کرنے کا موقع دیا جائے۔''

''دونوں ڈیڈ باڈیز کا کیا ڈسپوزل کرنا ہے؟''

''جہاں پڑی ہیں وہیں چھوڑ دو......اس کا بندوبست دوسرے متعلقہ ورکرز کریں گے،اوور اینڈ آل۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ ہاشم نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے لوچن سے کہا۔

''میں اس شخص کو جان بوجھ کر یہاں تک لایا تھا۔''

''کیا مطلب......؟'' لوچن چونکا۔''کوئی خاص وجہ......؟''

''ہاں۔میں دیکھنا چاہتا تھا اور کون ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔'' ہاشم بے پروائی سے بولا پھر مرنے والے پر اچٹتی نظر ڈال کر کہا۔''اس کانکٹری پہلوان کے لیے میں اکیلا بھی بہت کافی تھا۔

''تم جانو......''لوچن نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔''کبھی کبھی زیادہ خود اعتمادی کسی بڑے خطرے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔''

''یو آر ہنڈرڈ پرسنٹ رائٹ......ہاشم نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''خطروں سے کھیلنا ہی ہمارا پروفیشن ہے۔''

جواب میں لوچن نے ایک بار پھر ٹٹولتی نظروں سے ہاشم کو دیکھا پھر انہوں نے اس جگہ سے نکلنے میں دیر نہیں لگائی جس کا انتخاب سیون اسٹارز نے کیا تھا۔

✣✣✣

شبنم کے جانے کے بعد بھی تھریسا اور میڈم روبی کے درمیان گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔جو باتیں شبنم نے کاغذ پر لکھ کر کی تھیں اس کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا پھر تھریسا نے اچانک بڑی سنجیدگی سے میڈم سے پوچھا۔

''شبنم کے بارے میں آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے؟''

''گفتگو کے درمیان تم بھی موجود تھیں۔'' میڈم نے اس کا سوال سن کر حیرت کا اظہار کیا۔''تم نے کیا رائے قائم کی ہے؟''

”بظاہر وہ اداکاری کرتی نظر نہیں آ رہی تھی لیکن...... ہمیں ایک بات کے سلسلے میں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔“ تھریسا نے کسمسا کر کہا۔ ”اس بارے میں ہمارے درمیان کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ شبنم ہمارے دشمن شیخ حامد کے دفتر میں کام کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی کوئی کمزوری خطرناک مگرمچھ کے ہاتھ آ گئی ہو اور وہ اسی کے اشارے پر......“

”نہیں......“ میڈم بات کاٹ کر بولی۔ ”شبنم ایسا نہیں کر سکتی۔“

”زیادہ خوداعتمادی ہمیشہ کارآمد نہیں ہوتی۔“ تھریسا نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”افضل خان کے سلسلے میں آپ ایک تجربہ کر کے......“

”پلیز تھریسا۔“ میڈم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا پھر توقف سے بولی۔

”شبنم کی دکھ بھری کہانی تمہیں نہیں معلوم...... میں جانتی ہوں۔ میری طرح وہ بھی شیخ حامد سے اپنا کچھ حساب کتاب چکتا کرنے کی خاطر مجبوراً وہاں ملازمت کر رہی ہے۔“

”بہرحال......“ تھریسا نے پہلو بدل کر جواب دیا۔

”ہمیں آنکھ بند کر کے اس پر اعتماد کرنے سے گریز کرنا ہوگا۔“

میڈم کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ اس کا موبائل گنگنانے لگا۔ اس نے موبائل کی طرف توجہ دی جس پر سراج کا نام نظر آ رہا تھا‘ کال ریسیو کرنے میں میڈم نے خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا۔

”خیریت تو ہے...... اس وقت آپ کو میری یاد کیسے آ گئی؟“ اس نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔

”سوری......!“ دوسری جانب سے بھی شوخی کا اظہار ہوا۔ ”آپ اس وقت اگر ڈسٹرب ہوئی ہیں تو مجھے کوئی دوسرا وقت بتا دیں جسے میں آپ کو یاد کرنے کے لیے مخصوص کر لوں۔“

”میں مذاق کر رہی تھی۔“ میڈم نے کھل کر جواب دیا۔ ”آپ کے لیے میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔“

”شکریہ......“ دوسری جانب سے سراج یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ ”مجھے آپ کو ایک اہم خبر دینی ہے...... شیخ حامد کو موجودہ ہنگاموں کی پشت پر آپ کا ہاتھ نظر آ رہا ہے۔“

”آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟“ میڈم نے محتاط انداز اختیار کیا۔

”ساحل پر ہونے والے دھماکے کے بعد بھی میں نے آپ کو محتاط رہنے کی ایڈوائز کی تھی۔“

”پولیس والوں کا انداز کم از کم میرے ساتھ......“

”غلط خیال ہے آپ کا......“ سراج نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”پولیس کے انداز میں سوچتا تو اس وقت آپ کو فون نہ کرتا۔ میں نے آپ کو کچھ ذاتی رائے قائم کرنے کے بعد ہی فون کیا ہے۔ فی الحال اگر آپ کچھ دنوں کے لیے اپنی سرگرمیاں بند کر دیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔“

”اس ورائٹی ڈوگ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں ہی ہر بات کی ذمے دار ہوں؟“

''کاش میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا۔'' سراج کے لہجے میں شوخی اور شرارت گھل مل گئی۔
''کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟''
''شاعروں کے ایک خیال کی تصدیق ہو جاتی......''
''اوہ......'' میڈم کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا' وہ سراک کا مفہوم سمجھ کر گلنار ہو گئی' کچھ توقف سے بولی۔
''ایک بات یاد رکھیے گا۔ آپ کی ایک دکھتی رگ میری ہم جنس بھی ہے...... میں کسی رفاحی ادارے کی امداد کے بہانے سے الماس کو دعوت دے کر اسے اپنی سہیلی بھی بنا سکتی ہوں۔''
''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر ٹھنڈے دل سے عمل کیجیے۔'' سراج دوبارہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''آپ نے یقیناً ناپ تول کرنے کے بعد کسی ٹیم کا انتخاب کیا ہو گا لیکن جو شبہ کیا جا رہا ہے اس کے جواز بھی موجود ہیں۔''
''میں سمجھی نہیں......؟''
''افضل خان کو جو مشن سونپا گیا تھا اس کے ناکامی کے بعد اسے بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن بگ باس کو مایوسی ہوئی' اب میری سفارش پر شاید اسے کچھ سانسیں ادھار مل جائیں۔''
''آپ کی سفارش پر......'' میڈم چونکی۔ ''کیا آپ کو امید ہے کہ وہ ڈرٹی ڈوگ کسی کی سفارش بھی سن سکتا ہے۔ خاص طور پر پولیس والوں کی۔''
''سارے پولیس والے ایک جیسے نہیں ہوتے محترمہ۔'' سراج نے پھر شوخی سے کہا۔ ''الماس نے بھی شادی سے پہلے میری کھوپڑی کے بارے میں خاصی چھان بین کرانے کے بعد ہی ہاں کی تھی۔''
''اوکے...... میں آپ کے مشورے پر عمل کروں گی۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔
''بہت بہت شکریہ اس نوازش کا۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔
''مسٹر سراج کا فون تھا؟'' تھریسا نے دریافت کیا۔
''ہاں......'' میڈم نے شیخ حامد کے حوالے سے بات کی۔ ''اسے میرے اوپر شبہ ہے' مسٹر سراج کا خیال ہے کہ میں کچھ دنوں کے لیے اپنی سرگرمیوں میں کمی کر دوں۔''
''میں اس مشورے کی تائید کروں گی۔'' تھریسا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''دشمن کو اندھیرے میں شکار کیا جائے تو وہ چوکنا ہونے سے پہلے ہی شکار ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر' وہ بھی اپنے حربے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔''
''شبنم نے جو پروگرام بنایا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میڈم نے موضوع بدلا۔ ''کیا وہ قابل عمل ہے؟''

''ہاں......لیکن ہمیں اس میں حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔''

''آئی سی۔'' میڈم مسکرا دی۔ ''گو تم تم آنکھ بند کر کے اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں ہو۔''

''کھل کر گفتگو کرنے کی اجازت بھی آپ نے دی ہے۔'' تھریسا نے جواب دیا۔ ''دوسری شکل میں......''

''اس کے آگے کچھ مت کہنا تھریسا......'' میڈم کی آواز فرط جذبات سے بھرا گئی۔ ''میں تمہیں ملازمہ نہیں ایک دوست' ایک ہمدرد' ایک بہن کی طرح عزیز رکھتی ہوں' ورنہ اس دنیا میں اب میرا......''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت کولڈ کافی ہم دونوں کے لیے مناسب رہے گی۔'' تھریسا نے بڑی اپنائیت سے کہا پھر اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی اور میڈم......ٹشو سے آنکھوں کی نمی خشک کرنے لگی۔

اس کے ذہن میں سراج کا مشورہ بھی کلبلا رہا تھا۔

+++

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

فرحین کے واپس آجانے کے بعد لیاقت حسین کے دل سے تنہائی کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا' انیکسی کو دیکھ کر فرحین کی خوشی قابل دید تھی۔ انیکسی کی تزئین و آرائش میں خود راحیلہ بیگم نے بھی دامے' درمے' سخنے بھرپور حصہ لیا تو اس جگہ کا حسن اور نکھر گیا...... ہر شے کا حسن دوبالا ہو گیا۔

فرحین کے ذریعے لیاقت حسین کو گھر کا حال احوال بھی تفصیل سے معلوم ہوا۔

''اماں نے تمہاری ترقی کا سن کر سب سے پہلے شکرانے کی نماز پڑھی تھی۔ وہ ہر وقت ہم دونوں کیلئے دعائیں کرتی رہتی ہے۔ میرے ساتھ آنا بھی چاہتی تھی لیکن......''

''سردار سرفراز خان کی اونچی پگ نے اس کا راستہ روک لیا ہو گا۔'' لیاقت حسین کے دل کی تلخی زبان تک آ گئی۔

''ایسی بات بھی نہیں ہے......'' فرحین نے سچائی کا اظہار کیا۔ ''میں تم سے غلط نہیں بولے گا...... اس بار چاچا سرفراز نے مجھے دیکھ کر آنکھیں نہیں پھیرا۔ میرا سر پر محبت سے ہاتھ رکھا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولا لیکن اس کا آنکھیں بولتا تھا۔ وہ تمہارا خیریت معلوم کرتا تھا۔''

''پھر...... اماں تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئی......؟'' لیاقت حسین نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''وہ آجاتا تو چاچا سرفراز اکیلا رہ جاتا لیکن اس نے اماں کو روکا بھی نہیں۔'' فرحین نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ ہمارا ساتھ آجاتا تو چاچا تمہارا یاد میں اور بے چین ہو جاتا......تم اس کا خون ہے لیاقت۔ وہ تم کو بھول نہیں سکا۔ زبان سے کچھ نہیں کہتا یہ اور بات ہے۔''

''اماں کو پیسے کب دیے تھے......؟'' لیاقت حسین نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ......''

''ہم تمہارا مطلب سمجھ گیا۔'' فرحین نے پھر نوشہرہ کی زبان میں اردو بولی۔ ''ہم جو کچھ لے گیا تھا وہ چاچا کے سامنے اماں کے ہاتھ میں دیا۔ چاچا نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں اس کا حالت دیکھتا تھا۔ وہ کچھ بھی ہے لیکن تمہارا باپ ہے۔ اندر سے تڑپ کر رہ گیا' مگر زبان نہیں ہلایا۔''

فرحین پوری تفصیل سے ساری باتیں بتاتی رہی۔ لیاقت حسین سنتا رہا' اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گیا پھر اپنا غم چھپانے کی خاطر بولا۔ ''اب تم ادھر کراچی آ گئی ہو...... صاحب یا بیگم صاحب

کے سامنے کھڑا زبان میں بات نہ کرنا۔"
"نہیں کروں گی۔" فرحین نے مسکرا کر وعدہ کیا پھر ذرا سینہ تان کر بولی۔ "دو تین مہینے کی بات ہے' اس کے بعد میں تمہارے ساتھ گٹ اپ بھی کرنے لگوں گی۔"
"گٹ پٹ ......" لیاقت حسین نے اسے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تو میری دلبر جان ہے فرحین' بغیر گٹ پٹ کے بھی مجھے پیاری لگتی ہے۔"
"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔" فرحین نے لیاقت حسین کی گردن میں بانہیں ڈال کر جواب دیا۔
"بیگم صاحبہ کہہ رہی تھیں کہ میں ان سے گٹ پٹ پڑھنا شروع کر دوں۔"
"گٹ پٹ نہیں...... انگریزی میں کہا ہوگا۔"
"ہاں ...... وہی' انگریزی۔" فرحین نے خمار آلود نظروں سے لیاقت کو دیکھا۔ "ایمان سے کہنا' میں فرفر انگریزی بولتی کیسی لگوں گی؟"
"ایک دم فرسٹ کلاس۔" لیاقت حسین نے اس کے بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے پیار سے جواب دیا۔
"کھل گئی نہ تیری قلعی۔" وہ مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ "اس کے مطلب یہ ہوا کہ ابھی میں تجھے ایک دم فرسٹ کلاس نہیں لگتی۔"
"رات ہو لینے دے پھر تفصیل سے بتاؤں گا۔" لیاقت حسین کا لہجہ نشیلا ہونے لگا۔
"ارے ہاں ......" فرحین کو کچھ یاد آیا تو وہ سنجیدہ ہوگئی۔ "تیرے حادثے کی خبر سن کر ادھر سب پریشان ہو گئے تھے۔ اماں کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ تیری زندگی کی خاطر وہ دن رات خدا سے دعائیں کیا کرتی۔ چاچا سرفراز بھی غمگین ہوگیا تھا۔ اس نے اماں کو تسلی دی تھی' یہی کہا تھا کہ غم نہ کر خدا نے چاہا تو وہ پھر بھلا چنگا ہو جائے گا۔"
لیاقت فرحین کو دیکھتا رہا' گھر کا تازہ دودھ اور گھی کھا کر وہ مہینہ بھر میں ہی پھر ویسی ہوگئی تھی' جیسی شادی سے پہلے لگتی تھی...... ماں نے جو چیزیں بھیجی تھیں فرحین وہ لیاقت حسین کو دکھانے لگی لیکن لیاقت کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
"ایسے کیوں دیکھ رہا ہے گھور گھور کر؟" فرحین نے اسے چھیڑنے کی خاطر منہ بنا کر کہا۔ "کیا پہلے کبھی نہیں دیکھا؟"
"ٹھیک ہے......" لیاقت حسین اٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر تجھے میرا دیکھنا برا لگ رہا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔"
"دل سے کہہ رہا ہے......؟" فرحین کی نظروں میں خمار چھلک اٹھا۔
اس رات انیکسی کے پرسکون ماحول میں لیاقت حسین نے سارے کاموں سے فارغ ہو کر فرحین کو مخمور نظروں سے دیکھا تو وہ اس کی نظروں کی تپش سے موم کی طرح پگھل گئی۔ ایک ماہ کی دوری جیسے دونوں کیلئے عذاب بن گئی تھی۔ بھولا ہوا سبق وہ بار بار دہراتے رہے' دونوں پر ایک جنون

سا طاری تھا جس کا اظہار برملا کیا گیا پھر دونوں ایک دوسرے میں پیوست ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

دوسری صبح لیاقت حسین نہا دھو کر ڈیوٹی کا لباس پہن کر جانے لگا۔ فرحین ابھی تک تازہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح بستر پر بکھری پڑی تھی' رات کا خمار اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔ لیاقت حسین جاتے جاتے رک گیا' دبے قدموں قریب جا کر اس نے فرحین کے گداز ہونٹوں کو چھوا تو فرحین نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''جلدی سے اٹھ کر نہا دھو کر کوئی اچھا سا جوڑا پہن لے' بیگم صاحبہ تجھے دو بار بلوا چکی ہیں۔''

فرحین کے جسم کو جیسے کرنٹ لگ گیا؟ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی' لیاقت حسین اس بوکھلاہٹ پر ہنس دیا۔ اس نے فرحین کو جگانے کیلئے جھوٹ بولا تھا۔ نہ بولتا تو وہ اس خوبصورت گھبراہٹ کو حیا کی سرخیوں کے ساتھ گھلتا ملتا بھی نہ دیکھ پاتا۔ وہ مسکراتا ہوا قدم مارتا دوسرے بنگلے پہنچ گیا' گارڈ نے اسے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔

''سیٹھ صاحب نے تو بتایا تھا کہ ابھی تم کچھ دن اور آرام کرو گے۔'' اس نے لیاقت حسین سے کہا۔

''بستر پر پڑے پڑے جوڑ پٹھے اکڑنے لگے تھے......'' لیاقت نے کہا پھر وہ حسب معمول گاڑی کو اچھی طرح کپڑا مار کر پورٹیکو میں لے آیا۔ سیٹھ عثمان کی تحفے میں دی جانے والی دستی گھڑی پر نظر ڈالی تو مطمئن نظر آنے لگا۔ سیٹھ عثمان وقت کی پابندی کے عادی تھے۔ ابھی ان کے باہر آنے میں پورے سات منٹ باقی تھے' لیاقت حسین پوری طرح مستعد نظر آ رہا تھا جب دوسرا ڈرائیور آ گیا۔

''تم؟'' اس نے لیاقت حسین کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا پھر ہاتھ ملا کر کہا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ تم بھلے چنگے ہو گئے۔''

'ایک دم فٹنگ فٹا ٹنگ۔'' لیاقت نے بڑے ترنگ میں جواب دیا پھر گاڑی کی چابی ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔ ''آج سے ہم ڈیوٹی پر آ گیا......تم بیگم صاحبہ کی ڈیوٹی سنبھال لو۔''

سیٹھ عثمان ٹھیک وقت پر باہر آئے' راحیلہ بیگم بھی انہیں خدا حافظ کہنے کی خاطر ساتھ تھیں' دونوں نے لیاقت حسین کو ڈیوٹی کیلئے آمادہ دیکھا تو انہوں نے نگاہوں نگاہوں میں ایک دوسرے کو دیکھا پھر راحیلہ بیگم نے سر کی معمولی جنبش کا جو اشارہ کیا وہ لیاقت حسین کے حق میں ہی تھا۔ دونوں نے گاڑی کے قریب آ کر لیاقت حسین کو اس کی صحت مندی کی مبارک دی پھر راحیلہ بیگم نے دوسرے ڈرائیور سے کہا۔ ''اب تم میری گاڑی پر ڈیوٹی دو گے۔''

✣✣✣

ڈی ایس پی لودھی اس وقت بالکل نئی کلف لگی وردی میں تھا۔ شیخ حامد کی گڈ بکس میں ہونے کی وجہ سے وہ خاصا نڈر ہو گیا تھا۔ بگ باس کی سفارش ہی کے سبب وہ گزشتہ تین سال سے اسی علاقے میں تعینات تھا' جس میں شیخ حامد کا دفتر تھا' ہر ماہ اسے ایک خاصی معقول لگی بندھی رقم ٹھیک وقت پر

پہنچ رہی تھی۔ ایسا نہ ہوتا تب بھی وہ کسی وفادار پالتو جانور ہی کی طرح اس کے اشاروں پر دم ہلانے پر مجبور تھا' وہ شیخ حامد کے اثر و رسوخ سے پوری طرح واقف تھا' اس لیے ان کی مخالفت کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

تین سال کے طویل عرصے میں اسے آج پہلی بار بگ باس نے اپنی عمارت کے آفس میں طلب کیا تھا۔ شاید اسی دن کے لیے اس نے نئی وردی کو بہت سنبھال کر رکھا تھا۔

دفتر کے مین فلور پر قدم رکھنے کے بعد اس کی نظریں سب سے پہلے شبنم پر پڑی تو اس کے ہونٹوں نے سیٹی بجانے کے انداز میں گول دائرے کی شکل اختیار کی۔ لیکن وہ سیٹی بجانے کی جرأت نہیں کر سکا۔ وہ ریسپشن کاؤنٹر کو دیدہ و دانستہ نظر انداز کر کے سیدھا شبنم کے سامنے جا کر رک گیا۔ سوئچ بورڈ پر مختلف کال ملانے کے سلسلے میں وہ پوری طرح منہمک تھی۔ ہاتھوں کی حرکت نے اس کے جسم کے دوسرے حصوں کو بھی اسی مناسبت سے متحرک کر رکھا تھا جسے لودھی بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا' کچھ دیر وہ خاموش رہا پھر آہستہ سے اس نے شبنم کو مخاطب کیا۔

"ہیلو مس......"

شبنم نے اس کی طرف توجہ دی تو جھلا کر رہ گئی۔ لودھی کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں کہ وہ کس ٹائپ کا آدمی ہے۔ جس انداز میں اس نے "ہیلو" کہا تھا وہ بھی چھچھوروں جیسا تھا۔ اس کی نظریں چغلی کھا رہی تھیں کہ وہ کسی خوبصورت لڑکی کی خاطر کس حد تک اپنی سطح سے نیچے گر سکتا ہے۔

"فرمایئے...... کیسے زحمت کی؟" اس نے تیکھے لہجے میں لودھی سے دریافت کیا۔

"مجھے شیخ صاحب نے طلب کیا ہے۔ اسی علاقے میں تعینات ہوں۔" لودھی نے وہاں آنے کا مقصد بیان کرنے کے ساتھ اپنی تعیناتی کا ذکر بھی کر دیا۔ شبنم اس کی نظروں میں ابھرنے والی پسندیدگی کی جھلک دیکھ کر جھلس اٹھی۔

"آپ...... ری......سپ......شن......کاؤنٹر پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔" شبنم نے اسے شرمندہ کرنے کی خاطر رک رک کر سمجھانے کی کوشش کی۔ "آپ وہاں جا کر مس نیلوفر سے دریافت کریں...... وہ آپ کو ملاقاتوں کا وقت بھی...... فر فر بتا دے گی۔"

لودھی بے شرمی سے مسکرا دیا۔ شبنم کا جواب تلخ اور طنزیہ ہونے کے باوجود اسے برا نہیں لگا' اس نے نظر بھر کر اسے دیکھا پھر ریسپشن کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

"ڈی ایس پی لودھی!" اس نے متعلقہ کاؤنٹر پر جا کر سنجیدگی سے اپنا تعارف کرایا۔ "شیخ حامد صاحب نے طلب فرمایا ہے۔"

نیلوفر نے اس کو جواب دینے کے بجائے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر بگ باس سے رابطہ قائم کیا پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولی۔ "آپ کو پندرہ منٹ انتظار کرنے کو کہا گیا ہے۔ سامنے ریسپشن روم میں تشریف رکھیں۔"

لودھی نے نیلوفر کے خشک لہجے میں بیزاری کی جھلک بھی محسوس کی لیکن وہ شیخ حامد کی وجہ سے

مجبوراً مسکرا کر ''تھینکس'' کہتا ہوا ''انتظار گاہ'' والے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔
شیخ حامد اس وقت اپنے ساؤنڈ پروف کمرے میں تنہا ہی تھا لیکن اس نے لودھی کو فوری طلب نہیں کیا۔ لودھی کی آمد کا سن کر اس کے ذہن میں پھر سراج کے کہے ہوئے کچھ جملے گونجنے لگے' اس نے شیخ حامد کی باز پرس کے جواب میں کہا تھا۔
''یقین کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی پر منحصر ہے...... بحیثیت ایک پولیس آفیسر کے ہم دیدہ و دانستہ قانون کی نظروں میں دھول بھی نہیں جھونک سکتے۔ تعاون ایک حد تک کیا جا سکتا ہے۔ اس کیلئے ایک دوسرے پر آنکھ بند کر کے اعتماد کرنا بھی شرط ہے.....'' اس نے سراج کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی خاطر بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔
''میں آپ کو ابھی تک دوست سمجھ رہا ہوں لیکن ...... ایک بات واضح کر دوں' میں ڈبل کراس کرنے والوں کو نظر انداز کرنے کا عادی نہیں ہوں' لوگوں کو اپنے اشاروں پر چلانے کے ٹرکس بھی جانتا ہوں۔'' جواب میں سراج نے معنی خیز انداز اختیار کرتے ہوئے بڑی دیدہ دلیری سے کہا تھا۔
''گڈ...... کسی بھی انسان کی کامیابی کا راز بھی یہی ہے کہ وہ موقعے کی مناسبت سے اپنے کارڈز استعمال کرے۔''
وہ تلخ جملے شیخ حامد کیلئے کسی چیلنج سے کم نہیں تھے۔ اس نے سراج کے کالر کا کلف نکالنے کی ٹھان لی تھی' اسی مقصد کیلئے اس نے ڈی ایس پی لودھی کو طلب کیا تھا' جو اسی کی سفارش کی بدولت کئی سینئرز کا حق مار کر ڈی ایس پی کے عہدے تک پہنچا تھا۔ ایک لمحے تک وہ اپنے ذہن میں کچھ پلان مرتب کرتا رہا پھر اس نے انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر کہا تھا۔
''لودھی کو اندر بھیج دو۔''
دو منٹ بعد ہی لودھی اس کے سامنے ہاتھ باندھے بیٹھا تھا۔
''تمہارے تبادلے کی فائل پھر موو ہوئی تھی' لیکن میں نے اسے رکوا دیا۔'' شیخ حامد نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جب تک تم میری گڈ بکس میں ہو عیش کرتے رہو۔''
''اپنا خادم ہی سمجھئے......'' لودھی نے کسمسا کر متانت سے جواب دیا۔ ''میں آپ کے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔''
''کبھی ایسی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا' ورنہ میرے ایک فون پر تمہاری وردی بھی اتر سکتی ہے۔''
جواب میں لودھی کسمسا کر رہ گیا۔ وہ کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔
''میں نے اس وقت تمہیں ایک خاص کام کے سلسلے میں بلایا ہے۔''
''آپ حکم کریں......'' لودھی نے کسی تنخواہ دار ملازم کی طرح سعادت مندی سے کہا۔
''سراج سے کس حد تک واقف ہو......؟'' شیخ حامد نے اسے گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''بہت زیادہ تعلقات نہیں ہیں' لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اب اس میں وہ پہلی جیسی تن پھن نہیں رہے گی۔'' لودھی نے دبی زبان میں وضاحت کی۔''ڈی جی کرائمز کی سپورٹ کی وجہ سے خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے لگا تھا۔ اب اس کرسی پر آپ کے آغا منظور صاحب آ گئے ہیں اس لیے......''

''فضول باتوں سے پرہیز کرو۔'' شیخ حامد نے اسے جھڑک دیا۔ کچھ توقف سے سرسراتے لہجے میں بولا۔''میں سراج کو ایک جھٹکا دینے پر غور کر رہا ہوں۔ حالات کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا ہے۔''

''یہ تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے سر...... اسے کہیں اندرونی علاقے میں ایسی جگہ پوسٹ کرا دیں جہاں شدت کی گرمی ہر سال نیا ریکارڈ قائم کرتی ہے۔ ہفتہ دس دن میں ہی ساری افسری بھول کر پھر آپ ہی کے قدموں میں آ گرے گا۔''

''نان سینس!'' شیخ حامد نے ناگواری کا اظہار کیا۔''میں اپنے حریف کو ہمیشہ للکار کر نیچا دکھانے کا عادی ہوں۔''

''پھر جیسا آپ حکم دیں...... میں ہر طرح تیار ہوں۔'' لودھی نے کہنیوں کے بل آگے جھکتے ہوئے رازداری سے کہا۔'' کچھ بندے بہت دنوں سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے عیش کر رہے ہیں ...... آپ کا صرف ایک اشارہ کافی ہے۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر مسٹر سراج کے دماغ کے کیڑے بھی جھاڑ دیئے جائیں گے۔''

''ربش!'' شیخ حامد نے اسے جھڑک دیا۔ پھر سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کو مسلتے ہوئے بڑے معنی خیز لہجے میں بولا۔'' کیڑے جھاڑنے کے لیے میری فورس میں بھی ایسے جیالے موجود ہیں جو میری خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ایک پل کی بھی دیر نہیں کریں گے۔''

''پھر......؟'' لودھی نے ہونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر وضاحت چاہی۔

''ایڈیٹ ......'' شیخ حامد نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔'' شکار کو ایک گولی مار کر ختم کر دینا میرے اصولوں کے خلاف ہے۔ لطف تب آتا ہے جب شکار قدموں میں پڑا موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار ہو...... سسک رہا ہو...... زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو اور ...... شکاری اس پر ترس کھانے سے پہلے آخری بار دریافت کرے ...... کیا معاف کرنے کے بعد تمہاری دم ہمیشہ ایک اشارے پر ہلنا شروع کر دے گی؟''

''میں سمجھ رہا ہوں سر......'' لودھی نے پہلو بدل کر ہونٹ کاٹتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ ''الماس...... ڈی ایس پی سراج کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ نہ ہوتی تو وہ اسے اتنی آزادی سے گھومنے پھرنے کی اجازت بھی نہ دیتا' اگر اسے کچھ دنوں کے لیے چھومنتر کر دیا جائے تو ہم سراک کو اپنی ٹرمس ڈکٹیٹ (Terms Dictate) کر سکتے ہیں۔''

''گڈ......'' شیخ حامد نے مسکرا کر پوچھا۔'' کیا تم ایسا کر سکو گے؟''

''آپ حکم کریں...... باقی کام خادم کا ہے۔''

''لیکن ایک بات سوچ لو...... میں ناکامی کے سلسلے میں کوئی عذر نہیں سنوں گا۔'' شیخ حامد کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی...... ''ڈو...... اور ...... ڈائی (Do or Die) والی صورت حال ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے سر......'' لودھی نے سنجیدگی سے کہا۔''دوروز کے اندر اندر کام ہو جائے گا۔''

''ایک بات کا خیال رکھنا...... میں جانتا ہوں کہ عورت کے معاملے میں تمہاری نیت بھٹکنے میں دیر نہیں لگتی لیکن تمہیں الماس کے سلسلے میں محتاط رہنا ہوگا...... اپنی حد اور میرے حکم سے تجاوز کرنے کی غلطی نہ کرنا۔''

''رائٹ سر......''

''او۔ کے' گیٹ لاسٹ!'' شیخ حامد نے مسکراتے ہوئے کہا تو لودھی نے جلد اٹھ کر اسے باقاعدہ سلیوٹ کیا پھر ایڑیوں کے بل گھوم کر نپے تلے قدم اٹھاتا ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر نکل گیا۔

لودھی کے جانے کے بعد شیخ حامد بھی اٹھا لیکن اسی لمحے اس کے موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کر دیا' اسکرین پر بلیک ٹائیگر کے حروف چمک رہے تھے۔ شیخ حامد نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''کیا رپورٹ ہے......؟'' اس نے ضروری خفیہ کوڈ کے تبادلے کے بعد بے پروائی سے سوال کیا لیکن...... اس کے چہرے کا سکون زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی خون کی ڈوریاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ دوسری جانب سے اسے جو رپورٹ دی جا رہی تھی وہ اس کیلئے ناقابل برداشت ہی تھی......!

✣✣✣

''ہر کہ آمد عمارت نو ساخت'' کے پیش نظر آغا منظور نے بھی ڈی آئی جی کرائمز کا عہدہ سنبھالنے کے دو تین دن بعد ہی پہلے ایک پریس کانفرنس کال کی تھی جس میں جرائم کے گراف کو گرانے کے سلسلے میں اس نے ایک رسم کے تحت...... اپنی سخت پالیسی کے دعوے کیے تھے۔ پریس سے اپنے تعلقات بڑھانے کی خاطر اس نے خاصا اہتمام کیا تھا۔

پریس رپورٹرز اس قسم کے دعوے پہلے بھی سن چکے تھے۔ انہیں علم تھا کہ تمام نئے آنے والے شروع شروع میں اپنی ساکھ بنانے کی خاطر نئی پالیسیاں مرتب کرنے اور ان پر عمل کرنے پر لمبی چوڑی باتیں کرتے ہیں۔ کچھ ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن جب بیوروکریسی ان کے آڑے آجاتی ہے تو وہ بھی آنکھ بند کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ پریس کے تجربہ کار رپورٹرز جانتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ آغا منظور اپنے دو سینئر افسران کو پھلانگ کر جس کرسی پر براجمان تھا اس کی وجہ بھی ان کے علم میں تھی۔ بیشتر پریس کے نمائندوں کو اس بات کا علم تھا کہ آغا منظور کی پشت پر شیخ حامد کا نام ہے' اس لیے وہ بہت غور سے اس کی تقریر سنتے رہے۔ وہ تقریر ختم کرنے کے بعد

محض دکھاوے کے طور پر ایک دو سوال کر کے خاموش ہو گئے۔ جو اس میدان میں نووارد تھے وہ بال کی کھال ادھیڑنے لگے۔

''آپ کی طرح ہر آنے والا آفیسر یہی کہتا ہے کہ وہ جرائم پیشہ افراد کی بیخ کنی کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا لیکن بعد میں جب اوپر سے احکام ملتے ہیں تو وہ بھی......''

''ون منٹ......'' آغا منظور نے مسکرا کر کہا۔ ''میں آپ کی بات کی تردید نہیں کروں گا لیکن یہی صورت آپ حضرات کے ساتھ بھی ہے۔ آپ جان کی بازی لگا کر موقع واردات تک پہنچتے ہیں' حقائق معلوم کرتے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اپنی خبر تیار کرتے ہیں لیکن آپ کے اخبارات کی بھی اپنی اپنی پالیسیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آپ کی رپورٹ بھی عوام کے سامنے نہیں آپاتی...... آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے...... چھوٹی بڑی مچھلیاں ہر تالاب میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے درمیان رہ کر ہی چھوٹی مچھلیوں کو بھی گزارہ کرنا پڑتا ہے۔''

''گویا آپ بھی ان بڑی مچھلیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے؟'' ایک نوجوان رپورٹر نے پرجوش انداز میں چبھتا ہوا سوال کیا۔

''ایسا نہیں ہوگا لیکن ہمیں بہرحال مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی خاطر کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور اختیار کرنا پڑے گا۔''

''کیا آپ کے علم میں ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو بڑے مجرموں کی پشت پناہی کرتے ہیں؟'' دوسرے رپورٹر نے تند لہجہ اختیار کیا۔

''سوری......'' اس بار آغا منظور نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''ہمارے پاس اس قسم کی کوئی فائل نہیں ہے اس لیے کہ چہرے آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ نئی پالیسی آجائے تو اس پر ہمیں اور آپ کو مل کر عمل کرنا پڑتا ہے۔''

''آپ کے پاس کچھ ایسے مجرموں کے نام تو ضرور ہوں گے جو بڑے بڑے جرائم میں ملوث ہونے کے باوجود ابھی تک آزادی سے سانس لے رہے ہیں؟''

''آپ کا سوال بہت اہم ہے لیکن اس کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں۔ پولیس کا کام ہے کہ مجرم کو گرفتار کر کے اسے عدالت کے روبرو پیش کر دے۔ وہاں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ ہمیں عدالت کے فیصلوں کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔''

''گویا ہماری عدالتیں......''

''جی نہیں...... میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی جس کی آپ کوئی گرما گرم سرخی بنا سکیں۔'' آغا منظور نے بڑی خوبصورتی سے رپورٹر کے سوال کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ''وکیلوں اور بیرسٹروں میں بھی درجہ بندی ہوتی ہے...... جو جتنا بڑا مجرم ہوتا ہے' اتنا بڑا وکیل بھی کھڑا کر دیتا ہے...... جج کے فیصلے ہمیشہ وکیلوں کے دلائل پر ہوتے ہیں۔ پریس بھی اس بات سے واقف ہے کہ کالی بھیڑیں ہر جگہ موجود ہیں۔ حقائق کے پیش نظر قانون کی پیچیدہ شقوں کی روشنی میں کچھ رعایتیں بھی حاصل ہوتی ہیں

جس کا فائدہ مجرم کو مل جاتا ہے...... ہم فیصلوں کے خلاف اپیل تو کر سکتے ہیں لیکن ان سے انکار نہیں کر سکتے۔"

ایک گھنٹے تک سوالات کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ آغا منظور پرانا کھلاڑی تھا' کئی سینئر رپورٹر اس کی مٹھی میں بھی تھے' وہ ہر بات کا جواب دیتا رہا پھر پریس کانفرنس ختم ہو جانے کے بعد حسب معمول بات آئی گئی ہو گئی۔

پریس کانفرنس کے دو گھنٹے بعد آغا منظور نے اپنے حلقے کے تمام سینئر پولیس آفیسروں کو طلب کیا تھا۔ اس میٹنگ کے دوران بھی وہ اپنے نئے عہدے کی حیثیت میں کچھ بدلا بدلا نظر آیا۔ اس نے تمام تھانہ انچارج کو کھلے لفظوں میں تاکید کی تھی کہ وہ کسی قسم کی غفلت کو برداشت نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ پوری فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی ڈیوٹیاں پوری پابندی اور دیانتداری سے نبھائیں۔ تقریباً چالیس منٹ تک وہ نرم وگرم انداز میں مختلف ہدایتیں دیتا رہا پھر اس نے وہ میٹنگ بھی برخاست کر دی لیکن خاص طور سے دو افسروں کو روکے رکھا جس میں سے ایک سراج تھا اور دوسرا ایس پی اورنگ زیب تھا جو کچھ دنوں پیشتر ہی دوسرے شہر سے ٹرانسفر ہو کر آیا تھا اور اب ترقی حاصل کرنے کے بعد آغا منظور کی سیٹ پر اس کی تعیناتی ہوئی تھی۔

اپنے پرانے ریکارڈ کے مطابق ایس پی اورنگ زیب ایک قانون پسند آفیسر تھا' اس کا تعلق ایک ایسی فیملی سے تھا جس میں کئی افراد صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں بھی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے جس کی وجہ سے وہ قانونی معاملات میں کسی کے ساتھ رعایت کرنے کا عادی نہیں تھا' بحیثیت ڈی ایس پی بھی اس نے کبھی کسی غلط کام کے سلسلے میں کسی کے سامنے جھکنا نہیں سیکھا تھا۔ آغا منظور کو اس کا اپنی ماتحتی میں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس کی خاص وجہ شیخ حامد تھا جس سے وہ فی الحال کوئی بگاڑ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

رسمی تعارف اور کچھ پریس کانفرنس کی باتوں کے بعد آغا منظور نے سنبھل کر گفتگو کی ابتداء سراج سے کی' وہ اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر اورنگ زیب کو اپنی پالیسیوں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

"مسٹر سراج......" اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "بحیثیت ایس پی مجھے آپ کا تعاون ہمیشہ حاصل رہا ہے۔ اب بھی مجھے آپ سے زیادہ بہتر کارکردگی کی امید ہے لیکن موجودہ پوزیشن میں ہمیں فاصلوں کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔"

"فاصلے......؟" سراج چونکا۔ "میں سمجھا نہیں سر کہ آپ کی فاصلوں سے کیا مراد ہے؟"

"غلط نہ سمجھیں......" وہ کسمسا کر بولا۔ "بحیثیت ڈی آئی جی کرائمز کے میرا ہر ایک سے زیادہ میل جول بھی مناسب نہیں ہوگا۔ آپ واقف ہیں کہ مسٹر علیم احمد اور آپ کے مراسم کو بھی لوگوں نے غلط رنگ دیا تھا۔"

سراج جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آغا منظور نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا پھر

اورنگ زیب سے مخاطب ہوا۔
''آپ کی فائل میں نے بہت غور سے پڑھی ہے۔ آپ کی کارکردگی بے مثل رہی ہے لیکن چھوٹے صوبوں اور بڑے شہروں میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ یہاں ہمیں ایسے لوگوں کو مجبوراً برداشت کرنا پڑتا ہے جن کے تعلقات ہماری اور آپ کی سوچ سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔''
''مجھے اس کا اندازہ ہے سر...... لیکن قانون تو سب کیلئے ایک ہی ہوتا ہے۔''
''ضرور ہوتا ہے مگر یہاں ہمیں اپنی پانچ انگلیوں پر نظر رکھنی پڑتی ہے جو برابر نہیں ہوتیں......''
آغا منظور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اگر ہم ایک دوسرے سے تعاون رکھیں تو معاملات زیادہ آسانی سے نمٹائے جاسکتے ہیں۔''
''میں آپ کو اپنے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔
سراج کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آغا منظور جس کی سفارش پر ڈی آئی جی کرائمز کی کرسی پر بیٹھا تھا اس کے بارے میں وہ ابھی سے اورنگ زیب کو بریفنگ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔
''ایک بات کا خاص خیال رکھیے گا۔'' آغا منظور نے کچھ توقف سے کہا۔ ''کوئی رپورٹ فائل کرنے سے پیشتر اگر ہم اسے قبل از وقت ڈسکس کرلیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔''
''سر...... کیا ہمارے علاقے میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو قانون سے زیادہ قوت رکھتے ہیں؟'' اورنگ زیب نے دبی زبان میں سوال کیا۔
''اس کا اندازہ آپ کو آہستہ آہستہ ہو جائے گا۔ میں نے آپ کو بریفنگ اس لیے دی ہے کہ...... آپ اندھیرے میں نہ رہیں۔''
''شکریہ سر......'' اورنگ زیب نے کسمسا کر کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ کسی سے میرا کلیش نہ ہو لیکن کسی مجرم کے سامنے گھٹنا ٹیکنے کی پالیسی پر عمل کرنا شاید میرے لیے ممکن نہ ہو۔''
آغا منظور نے اورنگ زیب کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ چاہتا تو شیخ حامد کے تعاون سے محض چند گھنٹوں میں اس کا تبادلہ بھی کرا سکتا تھا لیکن میڈم روبی کے باعث وہ فوری طور پر شیخ حامد سے اس مسئلے پر بھی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ سراج نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر دبی زبان میں کہا۔
''سر...... میرا خیال ہے کہ کرسی کا تجربہ ہر آفیسر کے لیے اس کی رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے۔''
اورنگ زیب نے تیزی سے نظریں گھما کر سراج کی طرف دیکھا لیکن قبل اس کے کہ وہ سراج کے معنی خیز جملے کا کوئی معقول جواب دیتا' سراج کے موبائل پر کسی کی کال ریسیو ہوئی۔ نمبر شناسا نہیں تھے لیکن سراج نے دیدہ دانستہ وہاں سے وقتی طور پر ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔ ''ایکسکیوزمی سر۔'' کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں ایک طرف چلا گیا۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اورنگ زیب سے الجھنا

بھی نہیں چاہتا تھا۔

''ہیلو...... ڈی ایس پی سراج اسپیکنگ ......'' اس نے موبائل آن کر کے بڑے مہذب لہجے میں کہا۔

''میں نے کسی سے سنا ہے کہ تم پر بھروسا کیا جا سکتا ہے......'' دوسری جانب سے کسی عورت کی آواز ابھری جس میں کرب کی آمیزش بھی صاف محسوس کی جا رہی تھی۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا......؟''

''میرے پاس تعارف کرانے کا وقت نہیں ہے آفیسر لیکن ایک مجبور عورت اپنی آخری سانسیں پوری کرتے وقت تمہارے اوپر اعتماد کر رہی ہے...... اس کے اعتماد کو...... ٹھیس نہ پہنچانا۔''

آخری سانسوں والی بات سن کر سراج یک لخت بیحد سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے تیزی سے پوچھا۔

''کیا آپ......''

''ہاں آفیسر...... میں زہر پی چکی ہوں اس لیے...... میری بات غور سے سن لو...... مم...... میں صبا...... بیگم شیخ حامد بول رہی ہوں ...... میں نے ایک تفصیلی خط لکھ کر...... سائڈ ٹیبل کے گلدان کے نیچے...... دب...... دیا ہے۔'' اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان کہا گیا۔ ''شاید تت...... تم...... اس خط کے مضمون کے ذریعے...... اے...... اے...... ایک ایسے مجرم کو پھپ...... پھانسی کے تختے تک پہنچا...... سکو جس نے...... مجھ...... مجھے حرام موت مرنے پر مجبور کر دیا مم...... میں ایسا قدم...... مم...... نہ اٹھاتی تو...... شاید مم...... میرا انجام زیادہ...... دہ...... اذیت ناک ہوتا...... مم میں...... تم پر بھب...... بھروسا کر...... رہی...... ہوں...... ام...... مم...... مسٹر سراج...... مجھے مایوس نہ...... آ آ...... نا ...... کرر...... نا...... خد...... خدا...... آ آ...... آ آ......''

دوسری جانب سے کسی ٹھوس شے کی گرنے کی آواز ابھری تو سراج نے تیزی سے کہا۔

''ہیلو...... ہیلو...... کیا آپ تک میری آواز پہنچ رہی ہے......؟ ہیلو...... ہیلو۔'' سراج کی کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ دوسری سمت سے کوئی جواب نہیں ملا۔ سراج کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن تصدیق بہرحال شرط تھی۔ وہ موبائل آف کرتے ہوئے تیزی سے قدم اٹھاتا آغا منظور کے قریب آ کر بولا۔

''سر...... ہمارے لیے ایک بری خبر ہے......''

''کس کی کال تھی......؟'' آغا منظور نے سنبھل کر پوچھا۔

''ہو سکتا ہے کسی نے محض مذاق کیا ہو لیکن اس وقت ہمارا فوری طور پر شیخ حامد کی کوٹھی پر پہنچنا ضروری ہے۔''

''شیخ حامد!'' آغا منظور، سراج کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چونکا۔ ''سب خیریت تو ہے......؟''

''صبا بیگم...... شیخ حامد کی مسز......'' سراج نے کہا۔ ''اسی کا فون تھا لیکن......''

''لیکن کیا......؟''
''باتوں سے اور پھر گفتگو کے اچانک ختم ہو جانے سے یہی لگتا ہے جیسے...... اس نے خودکشی کر لی ہے۔''
''خودکشی......'' آغا منظور اچھل پڑا۔ ''کیا آپ کا موبائل نمبر اس کے پاس تھا؟''
''یہی تو تعجب کی بات ہے سر...... میں نے آج سے پہلے کبھی فون پر اس سے بات نہیں کی' آمنا سامنا بھی نہیں ہوا۔''
''آپ تھانے فون کر کے کوٹھی پہنچیں۔ میں مسٹر اورنگ زیب کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔'' آغا منظور نے ایس ایس پی کی طرف دیکھ کر کہا۔
سراج تیزی سے آئی جی کرائمز کے دفتر سے نکلا' فوری طور پر اس نے علاقے کے تھانہ انچارج کو حادثے کی اطلاع دی۔ یہ بھی ہدایت کی کہ آئی جی کرائمز کے آنے تک لاش اور جائے حادثہ کی کسی چیز کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے۔ پھر سراج تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیخ حامد کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے صبا بیگم سے کبھی بات نہیں کی۔ پھر اس کا موبائل نمبر اسے کسی طرح ملا...... خاص طور پر صبا بیگم نے اسی کو اپنی حرام موت کی اطلاع دینی کیوں ضروری سمجھی؟...... وہ کون تھا جس نے سراج اور اس کے نمبروں کے بارے میں مرنے والی کو آگاہ کیا تھا؟ موبائل بھی یقیناً تحویل میں لیا جائے گا جو اس بات کی گواہی دے گا کہ مرنے والی نے آخری کال کس کو کی تھی؟...... شیخ حامد اس نکتے کو کس انداز میں سوچے گا......؟ اگر مرنے والی کے آخری جملے حقیقت پر مبنی تھے تو شیخ حامد کا سراج کی طرف سے مشکوک ہو جانا قدرتی بات تھی؟ دو دن پہلے ہی سراج اور شیخ حامد کے درمیان اسپتال میں کچھ ٹھوس اور سخت جملوں کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ ان حالات میں بہت سارے اور خدشات بھی جنم لے سکتے تھے؟
شیخ حامد کی کوٹھی کے باہر علاقہ انچارج کی جیپ اور ایمبولینس موجود تھی' سارا عملہ باہر کھڑا نظر آ رہا تھا۔ شاید انہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ سراج کے دریافت کرنے پر تھانہ انچارج نے اس کے شبہے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔
''گارڈز کا کہنا ہے کہ شیخ حامد یا ڈی ایس پی لودھی کے آنے تک کسی کو اندر نہیں جانے دیں گے۔''
تین گارڈز پوری طرح مسلح دروازے پر تعینات تھے۔ سراج ان کی طرف بڑھا۔ اسی وقت لودھی کی جیپ بھی اس کے قریب آ کر رکی۔ اس نے سراج سے رسمی انداز میں ہاتھ ملایا پھر سرد لہجے میں پوچھا۔
''کیا آپ کو حادثے کی اطلاع مل چکی ہے......؟''
''ڈی آئی جی کرائمز نے بتایا تھا...... وہ بھی ایس پی اورنگ زیب کے ساتھ پہنچنے والے ہیں۔''
سراج نے کچھ سوچ کر یہ ظاہر کرنے سے گریز کیا کہ حادثے کی اطلاع براہ راست اسی کو دی گئی تھی۔

گارڈز نے کوٹھی کا پھاٹک کھول دیا۔ پولیس افسران اور عملہ اندر داخل ہوا تھا کہ آغا منظور اور ایس پی اورنگ زیب بھی آ گئے۔ صبا بیگم کے کمرے کا دروازہ آغا منظور نے کھولا' اس کے پیچھے پیچھے ایس پی اورنگ زیب تھا' سراج نے دیدہ و دانستہ ہاتھ کے اشارے سے لودھی کو پہلے اندر چلنے کا اشارہ کیا پھر خود بھی کمرے میں داخل ہو گیا۔ تھانہ انچارج بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

سراج نے جو صورتحال دیکھی وہ فون پر ہونے والی گفتگو اور کسی وزنی شے کے گرنے کی آواز کے عین مطابق تھی' صباء بیگم کی لاش اس کی مسہری کے ساتھ فرش پر اوندھی پڑی تھی' مسہری سے گرتے وقت شاید اس نے قریب رکھی میز کا سہارا لینے کی کوشش کی تھی جو اس کے سامنے الٹی پڑی تھی' اس پر موجود برش بھی بکھر گئے تھے۔ سائڈ کے دونوں لیمپ اپنی جگہ موجود تھے' اس کے ساتھ خوبصورت اور وزنی گلدان بھی موجود تھے۔ سراج کے ذہن میں وہ آخری تحریر ابھرنے لگی جو صباء بیگم کے کہنے کے مطابق کسی گلدان کے نیچے دبی تھی...... جس کے ذریعے مرنے والی کے خیال کے مطابق شیخ حامد کو پھانسی کے پھندے تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ وہ کسی طرح اس تحریر کو حاصل کرنا چاہتا تھا کہ کسی اور کی نظر نہ پڑ سکے۔ یہ خاصا مشکل کام تھا لیکن سراج کسی نہ کسی طرح اس کو ممکن بنانے پر پوری طرح آمادہ تھا۔

آغا منظور کے حکم پر سب سے پہلے فوٹو گرافرز نے مختلف اینگل سے جائے واردات کو محفوظ کیا۔ ساری تصویروں میں وہ موبائل بھی یقیناً آیا ہو گا جو مرحومہ کے سیدھے مگر بے جان ہاتھ کے قریب ہی پڑا تھا۔ فوٹو سیشن کے بعد فنگر پرنٹس ایکسپرٹ نے اپنا کام پوری مہارت سے انجام دینا شروع کیا۔ بعد ازاں سارے افسران موت کے امکانات پر توجہ دینے لگے۔ لودھی' سراج کے ساتھ ساتھ لگا تھا' لیکن اس وقت وہ بھی لپک کر نئے ایس پی اورنگ زیب کے قریب چلا گیا جس نے مرنے والی کے الٹے ہاتھ کی بند مٹھی کھول کر وہ شیشی برآمد کر لی تھی جو یقیناً کچھ دیر قبل زہر سے بھری ہو گی۔ ایس پی کے اشارے پر فوٹو گرافرز اس شیشی کو بھی ہاتھ میں دبے ہوئے محفوظ کرنے لگے' سب کی نگاہیں اسی شیشی کی طرف تھیں جب سراج نے بڑی خوبصورتی سے بستر کے سیدھے طرف والے گلدان کے سامنے جا کر اسے اپنی پشت سے پرے کیا پھر پلک جھپکتے میں وہ تہ کیے کاغذ کو دوسروں کی نظر بچا کر اپنی جیب میں رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کاغذ کو حاصل کرنے کے بعد وہ لودھی کے قریب چلا گیا۔

''کیا شیخ حامد صاحب کو ابھی اطلاع نہیں ملی......؟'' اس نے سرسری طور پر دریافت کیا۔

''آپ کا کیا خیال ہے......؟'' لودھی نے خشک لہجے میں منہ بنا کر کہا۔ ''کیا ان کو اطلاع ہے اور وہ جان بوجھ کر یہاں موجود نہیں ہیں؟''

جواب میں سراج نے لودھی کو تیکھی نظروں سے دیکھا' شاید یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے بہت سینئر تھا اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ترقی حاصل کی جبکہ لودھی کو اس کے عملے کے کچھ لوگ بھی ''سفارشی ٹٹو'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔

''کیا آپ کے خیال میں ان کا اس وقت یہاں موجود نہ ہونا حیرت انگیز نہیں ہے؟'' سراج نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''جب آپ یہاں آ گئے تو پھر شیخ صاحب کو حادثے کی اطلاع بھی ضرور مل چکی ہو گی۔''

لودھی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی' وہ اپنی نظروں میں ابھرنے والی نفرت پر قابو نہ پا سکا لیکن کوئی جواب دینے کی حسرت بھی اچانک شیخ حامد کے کمرے میں داخل ہونے کے سبب اس کے دل میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔

شیخ حامد کا چہرہ کسی قسم کے جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔ ایک لمحے تک دروازے پر کھڑا وہ مرنے والی کی لاش کو گھورتا رہا پھر اس نے سب کو نظر انداز کر کے براہ راست لودھی کی طرف خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کسی نے ابھی تک یہاں کی چیزوں کو ہاتھ تو نہیں لگایا......؟''

''جی نہیں......'' لودھی نے فوری جواب دیا۔ ''فی الحال صرف فوٹو سیشن اور فنگر پرنٹس اٹھانے کا کام ہوا ہے اور...... ابھی ایک منٹ پیشتر...... ایس پی صاحب نے بیگم صاحبہ کے الٹے ہاتھ میں دبی ایک خالی شیشی برآمد کی ہے۔''

شیخ حامد کی نظریں اورنگ زیب کی طرف گھوم گئیں' ان نظروں میں نفرت اور جھلاہٹ کا ملا جلا تاثر بھی صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

''تمہارا نام شاید ایس پی اورنگ زیب ہے؟'' اس نے آپ کے بجائے ایس پی کو تم کہہ کر مخاطب کیا تو اورنگ زیب کے چہرے پر بھی ایک رنگ آ کر گزر گیا' جواب میں اس نے بھی شیخ حامد کو سر سے پاؤں تک کچھ ایسے انداز میں دیکھا جیسے احساس دلانا چاہتا ہو کہ اس کا شمار ان افسروں میں نہ کیا جائے جو بڑی مچھلیوں کے سامنے نظریں اور گردن جھکانے کے عادی ہوتے ہیں۔ ڈی آئی جی کرائمز نے صورتحال کشیدہ ہوتے دیکھی تو قدم اٹھاتا دونوں کے درمیان آ گیا۔

''ہم نے ابھی ضابطے کی کارروائی کی ابتدا کی ہے......'' اس نے نرم لہجہ اختیار کیا۔ ''اب آپ آ گئے ہیں تو آپ کی اجازت ہی سے باقی کارروائی بھی ہو گی۔''

''کس قسم کی کارروائی......؟'' شیخ حامد نے کسی زخمی کی طرح بل کھا کر سوال کیا۔

''ہمیں اس خودکشی کے محرکات بھی معلوم کرنے ہوں گے۔'' آغا منظور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''مرحومہ کے چہرے کی نیلی رنگت اور منہ سے نکلتا ہوا جھاگ یہی نشاندہی کر رہا ہے کہ موت کسی مہلک زہر کا نتیجہ ہے۔''

''کیا خیال ہے آپ کا؟'' جواب میں شیخ حامد تلملا کر بولا۔ ''جب میں گھر پر موجود نہیں تھا تو مرنے والی کو زہر کس نے پینے پر مجبور کیا ہو گا؟''

''آپ کی ذات پر شبہے کا سوال نہیں ہے مسٹر حامد۔'' ایس پی اورنگ زیب نے آغا منظور کے قریب آ کر شستہ الفاظ میں کہا۔ ''ایسے خودکشی کے کیسز میں ضابطے کی تمام کارروائی اہم ہوتی ہے۔''

''کیا تمہارا اشارہ اب پوسٹ مارٹم کی طرف ہے؟'' شیخ حامد کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری ہونے لگی۔

''جی ہاں......'' اس بار بھی ایس پی نے مرعوب ہوئے بغیر جواب دیا۔ ''ایسے کیسز میں پوسٹ مارٹم سب سے اہم ہوتا ہے۔ اسی رپورٹ کی روشنی میں......''

''اگر میں تمہیں لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے کی اجازت نہ دوں تو......؟'' شیخ حامد کا لہجہ اور سرد ہوگیا۔ نگاہوں میں سرخی پھیلنے لگی۔

''آپ کی مرضی نہ ہوگی تو ہم اصرار نہیں کریں گے۔'' آغا منظور نے بات نبھانے کی کوشش کی لیکن اورنگ زیب خاموش نہ رہ سکا۔

''سر نے ٹھیک کہا مسٹر حامد...... اگر آپ تحریری طور پر......''

''کیا تم آئی جی کی موجودگی میں اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتے۔'' شیخ حامد کا پارہ چڑھنے لگا۔ ''ایک بات اور ذہن نشین کرلو...... صوبائی اور مرکزی وزراء اور سینیٹر بھی مجھے مسٹر نہیں...... صرف شیخ حامد...... یا شیخ صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''

''مسٹر اورنگ زیب نے ابھی یہاں جوائن کیا ہے۔'' آغا منظور نے بڑی مصلحت سے شرمندگی کا اظہار کیا۔ ''میں انہیں آپ کے بارے میں سمجھادوں گا۔''

آغا منظور کے جواب پر اورنگ زیب کے چہرے پر ناگواری کے شدید تاثرات ابھرے تھے۔ اس نے ایک نظر بھر کر شیخ حامد کو دیکھا پھر پلٹ کر آئی جی کرائمز سے درخواست کی۔ ''سر...... آپ اگر اس کیس میں میرا نام تفتیشی افسروں کی فہرست میں نہ شامل کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

پھر اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا' اٹینشن پوزیشن میں آکر آغا منظور کو سلیوٹ کیا اور تیزی سے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

شیخ حامد کی تلملاہٹ بھی قابل دید تھی' اورنگ زیب کے جملے اس کیلئے کھلا چیلنج تھے لیکن وہ موقع کی نزاکت کے سبب اپنا غصہ پی گیا۔

''آئی ایم سوری سر......'' آغا منظور نے شیخ حامد کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر دبی زبان میں کہا۔

ایک لمحے تک ماحول پر کھنچاؤ کی کیفیت طاری رہی پھر شیخ حامد نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''اس سانحے کی اطلاع سب سے پہلے کس کو ملی تھی؟''

''مجھے......'' لودھی بول پڑا۔ ''آپ کی ملازمہ نے اطلاع دی تھی سر......''

سراج نے ایک پل کیلئے سکون کا سانس لیا لیکن اس کی نظریں بار بار اس موبائل کی جانب اٹھ رہی تھیں جو اس بات کا اہم گواہ تھا کہ اس سے آخری کال سراج ہی کو کی گئی تھی۔ اس بات کا علم ہو جانے کے بعد شیخ حامد کے ذہن میں ایک نہیں بہت سارے اہم سوالات ابھر سکتے تھے۔

کچھ دیر ماحول پر ایک سوگواری سی خاموشی طاری رہی' شیخ حامد مرنے والی کو ٹکٹکی باندھے گھور رہا

تھا۔ اس کے دل میں یقیناً اس کیلئے نفرت ہی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہو گی لیکن نظروں سے اس نے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ لودھی اس کے قریب ہی کسی ملازم کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''مسٹر آغا منظور......'' شیخ حامد نے بیوی کی لاش سے نظر اٹھا کر آئی جی کرائمز کو دیکھا۔ ''میں اپنی مسز کی لاش کو انی مرضی سے دفن کرنا پسند کروں گا...... پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی رپورٹ میں جو چاہیں ظاہر کریں۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے لیکن ...... اگر آپ حضرات کسی قسم کی تفتیش کرنا پسند کریں تو اس کیلئے مجھ سے براہ راست سوال جواب کیے جائیں۔ میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ میرے کسی گھریلو ملازم کو بلاوجہ تختہ مشق بنایا جائے......سب میرے اعتماد کے لوگ ہیں۔''

''آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہو گا سر......'' آغا منظور کے بجائے لودھی نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ''کیس میرے علاقے میں رجسٹرڈ ہوا تو اس کی انکوائری بھی میں ہی کروں گا۔''

''اس میں شبہے کی کیا گنجائش ہے؟'' آغا منظور نے لودھی کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ ''جب یہ سانحہ آپ کے حلقے میں ہوا ہے تو کسی دوسرے حلقے میں اس کا اندراج کیسے ہو سکتا ہے؟''

''سوری سر ......'' لودھی نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''اس وقت میری زبان سے غلط جملہ نکل گیا۔ شاید اس لیے کہ مرحومہ بھی شیخ صاحب کی طرح میرا خیال رکھتی تھیں......''

سراج بدستور خاموش کھڑا رہا۔ شیخ حامد نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا۔ شاید ہسپتال میں کچھ تیز و تند جملوں کے الفاظ اب بھی اس کے ذہن میں منفی انداز میں گونج رہے تھے......سراج کو ان سب باتوں سے زیادہ اس موبائل کی فکر تھی جو صبا بیگم کی لاش کے قریب پڑا تھا۔

⁂

شیخ حامد نے صبا بیگم کو سپرد خاک کرنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا' اس لیے جنازے میں لوگوں کی تعداد بھی خلاف توقع بہت کم تھی' لیکن دوسرے دن اس کی کوٹھی پر بڑے بڑے لوگوں کی آمد کا تانتا بندھا رہا' ان میں مرکزی وزراء کے علاوہ صوبائی کابینہ کے بھی بیشتر چہرے نظر آ رہے تھے' پولیس کے اعلیٰ افسران بھی دو دو چار چار کی ٹولی میں شرکت کر رہے تھے۔ آغا منظور اور سراج نے بھی پرسے کے لیے حاضری ضروری سمجھی' لیکن ایس پی اورنگ زیب شریک نہیں ہوا۔ شیخ حامد ہر شخص کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرتا رہا' وہ صبا بیگم کی موت سے دکھی نہیں تھا' لیکن خودکشی کے سبب کچھ الجھا ہوا نظر آتا تھا۔ اس غم کے موقعے پر بھی اس نے اپنے اثر و رسوخ کا پورا پورا استعمال کیا تھا' مقامی پریس میں سے کسی ایک نے بھی مرنے والی کی خبر نہیں شائع کی' ایک اخبار نے ''شیخ حامد کو صدمہ'' کا ایک باکس ضرور لگایا تھا مگر اس میں موت کا سبب ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

حاضری لگا کر واپس جاتے وقت آغا منظور نے سراج سے کہا تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے شیخ حامد کو جس انداز میں ناراض کر دیا ہے' وہ رنگ ضرور لائے گا۔

''شیخ حامد کو بھی ماتحتوں کی موجودگی میں کسی ایس پی کے ساتھ مہذب انداز اختیار کرنا لازم

تھا۔'' سراج کر کسمسا کر جواب دیا۔''بہر حال' اورنگ زیب کے عزیز بھی مرکز اور صوبائی اسمبلیوں میں کچھ کم نہیں ہیں۔ جیت کس کی ہوگی اور کون شرمندگی کا شکار ہوگا۔ کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔''

''آپ شیخ حامد کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے۔'' آغا منظور نے کچھ توقف سے جواب دیا۔''جہاندیدہ اور بہت چالاک آدمی ہے' جہاں تعلقات میں لچک محسوس کرتا ہے وہاں طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتا۔''

''اس کی فکر مجھے بھی ہے۔'' سراج نے صبا بیگم کی آخری کال کے حوالے سے کہا۔''مجھے حیرت ہے کہ مرحومہ کے پاس میرا موبائل نمبر کہاں سے آ گیا؟''

''اوہ......'' آغا منظور نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔''شیخ حامد مرنے والی کا موبائل ضرور چیک کرے گا' اس کے بعد وہ آپ سے باز پرس بھی کرے گا۔''

''میں بھی اسی بات پر غور کر رہا ہوں کہ اسے کس طرح مطمئن کیا جا سکتا ہے۔'' سراج نے اسپتال کی باتیں دہراتے ہوئے کہا۔''وہ میرے خلاف پہلے ہی بھرا بیٹھا ہوگا۔ صبا بیگم سے میری پہلی اور آخری گفتگو جلتی پر تیل ہی کا کام انجام دے گی۔''

''اس بارے میں بھی سوچیں گے۔'' آغا منظور نے کہا۔ پھر کچھ توقف سے بولا۔''میرا خیال ہے کہ اس موقع پر میڈم روبی کو بھی شیخ حامد سے ذاتی طور پر ضرور مل لینا چاہیے۔''

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن......'' سراج جملہ مکمل نہ کر سکا۔ اس کے موبائل نے اس کی توجہ بٹا دی' پھر لودھی کا نام چمکتا دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔''ہیلو......سراج اسپیکنگ!'' اس نے خشک انداز میں کال ریسیو کی۔

''اس وقت آپ کہاں مل سکتے ہیں؟'' دوسری جانب سے سوال کیا گیا تو سراج کی طبیعت اور مکدر ہو گئی۔

''کوئی خاص ضرورت پیش آ گئی ہے؟'' سراج نے اسے سنجیدگی سے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''خاص ضرورت نہ ہوتی تو آپ کو بلاوجہ ڈسٹرب بھی نہ کرتا۔'' لودھی نے بدستور خشک انداز میں جواب دیا۔''شیخ صاحب نے ایک ضروری کام مجھے سونپا ہے جس کا تعلق آپ ہی سے ہے۔''

''اس وقت میں بھی ایک ضروری کام سے کہیں جا رہا ہوں۔ ویسے بائی دا وے۔ شیخ صاحب نے جو کام میرے حوالے سے آپ کے سپرد کیا ہے' اس کی نوعیت کیا ہے؟''

''آپ کا موبائل نمبر جو بیگم صبا نے آخری بار استعمال کیا تھا۔'' دوسری جانب سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

''وہ کال مجھ ہی کو کی گئی تھی۔'' سراج نے دبنگ لہجہ اختیار کیا۔ مرحومہ نے مجھ سے صرف ایک ہی بات کہی تھی کہ وہ حالات کا مقابلہ کرتے کرتے تھک چکی ہے۔ اب آرام کرنا چاہتی ہے......آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ میری مرحومہ سے وہ پہلی اور آخری گفتگو تھی۔''

''کیا اب موبائل کے نمبروں کی بھی کوئی ڈائریکٹری......''

Pakistanipoint Waqar Azeem

''مسٹر لودھی......'' سراج نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔''میں ہر کس و ناکس سے بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ اس نے موبائل آف کر دیا۔

''کس کی کال تھی؟'' آغا منظور نے سراج کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو بھانپ کر دبی زبان میں دریافت کیا۔

''ڈی ایس پی لودھی تھا۔'' سراج نے بدستور کشیدہ لہجے میں جواب دیا۔''شیخ حامد کی وجہ سے اب یہ اپنی اوقات سے بڑھنے لگا ہے۔''

''مرحومہ کی آخری کال کے بارے میں کیا اسی کو ذمے داری سونپی گئی ہے؟''

''کچھ اسی قسم کی ڈینگ مار رہا تھا۔''

''مسٹر سراج......'' آغا منظور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔''آپ جانتے ہیں کہ میڈم روبی میری کمزوری ہے۔ یہ بھی جانتے ہو گے کہ مگر مچھ بھی ایسے ہی شکار کی تلاش میں رہتا ہے۔ ایسی صورت میں ہم دونوں کا......''

''میں سمجھ رہا ہوں سر لیکن...... میں لودھی جیسے آدمیوں کو اپنے اوپر مسلط بھی نہیں ہونے دوں گا۔''

''خود میں بھی اسے پسند نہیں کروں گا مگر...... مجھے یقین ہے کہ وہ شیخ حامد سے اور زیادہ قریب ہونے کی خاطر بات کو غلط انداز میں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا موقع بھی ضائع نہیں کرے گا۔''

''آئی ڈونٹ کیئر فار دیٹ۔'' سراج نے تند لہجے میں جواب دیا پھر گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

''شہر میں جونہی وارداتوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''وثوق سے فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن...... میرا ذاتی خیال ہے اس میں حامد گروپ کے حریف گروپس میں سے کسی ایک کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

سراج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈی آئی جی کرائمز کا جواب سن کر اس بات کا اطمینان ضرور ہو گیا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں کم از کم میڈم روبی کا خیال نہیں ابھرا تھا۔

✣✣✣

اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے بارہ کا عمل تھا جب الماس ایک رفاہی ادارے کی میٹنگ میں شرکت کرنے کے بعد گھر واپس لوٹ رہی تھی، حسب معمول اس کی گاڑی کے اسپیڈو میٹر کی سوئی پچھتر اور اسی کلو میٹر کے درمیان متحرک تھی جب ایک موڑ کاٹتے ہوئے اچانک ایک کھٹارا قسم کی پرانے ماڈل کی آسٹن اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔ الماس نے فل بریک لگا کر حادثے سے بچنے کی کوشش کی تو پہیوں کی چرچراہٹ کی تیز آواز بلند ہو کر دور تک پھیلتی چلی گئی۔ اس کی گاڑی کا رخ بھی بتدیل ہو گیا۔ جس روڈ سے اس نے واپسی کا راستہ اختیار کیا تھا اس پر اس وقت زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی کوئی اور گاڑی موجود ہوتی تو ایکسیڈنٹ بھی ضرور ہوتا...... گاڑی کے رکنے اور گھومنے کے ساتھ ساتھ الماس کی کھوپڑی بھی گھوم گئی۔ وہ جھلا کر نیچے اتری اس نے طے کر لیا تھا کہ

آسٹن میں اگر کوئی ٹارزن کا پردادا بھی ہوا تو وہ اسے بھی معاف نہیں کرے گی۔ بڑے غصے میں لپکتی ہوئی وہ آسٹن کے قریب گئی۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ الماس کے ذہن میں کسی خطرے کا خیال تیزی سے ابھرا۔ گاڑی خالی دیکھ کر فوری طور پر اسے احساس ہوگیا تھا کہ یا تو وہ خراب ہوگئی تھی جس کی وجہ اسے لاوارث چھوڑ دیا گیا...... یا پھر کسی نے اس کا راستہ بلاک کرنے کی خاطر دیدہ و دانستہ اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہوگی۔ اس خیال کے ساتھ اس کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا۔ گاڑی سے باہر آتے وقت وہ اپنا لیڈیز اعشاریہ دو پانچ کا آٹومیٹک پستول بھی اٹھانا بھول گئی تھی جو رات میں سفر کرتے وقت ہمیشہ برابر کی سیٹ پر ہی اس کی دسترس میں ہوتا تھا۔ اس نے جھلا کر واپسی کے لیے قدم اٹھائے لیکن ان تین نقاب پوشوں کو دیکھ کر رک گئی جو اس کو پوری طرح گھیر چکے تھے۔ قریب ہی فٹ پاتھ کے ساتھ ایک سیاہ رنگ کی وین بھی پارک نظر آرہی تھی۔ ان کا چوتھا ساتھی یقیناً وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ہوگا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' الماس نے اپنے اوسان خطا نہیں ہونے دیئے۔ اس وقت بھی اسے یہ خیال تھا کہ وہ ایک دبنگ پولیس آفیسر کی بیوی ہے۔

''اپنا خادم ہی سمجھیے۔'' ایک درمیانہ قد نقاب پوش نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ انکار کی صورت میں ہمیں مجبوراً آپ کے جسم کو ہاتھ بھی لگانا پڑے گا۔''

''اوہ......'' الماس نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''یقیناً کسی نے تمہاری خدمات بڑے بڑے نوٹوں سے خریدی ہوں گی۔ میں تمہیں اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ یہ بھی بتا دوں کہ میں ایک سینئر ڈی ایس پی کی بیوی ہوں جو بہرحال تمہیں تلاش کرلے گا' اس کے بعد اپنا انجام بھی سوچ لو۔''

''ہمیں ساری تفصیل معلوم ہے لیکن آپ کو ہر صورت میں ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا...... ہمیں آپ کو پورے احترام سے اٹھانے کی ہدایت ملی ہے۔ آپ نے انکار کیا تو مجبوراً ہمیں طاقت استعمال کرنے کا حق بھی دیا گیا ہے۔''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے......؟'' الماس نے جھلا کر پوچھا۔ وہ اب بھی ان تینوں سے مرعوب نظر نہیں آرہی تھی۔

''جی ہاں...... کسی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' فیصلہ کن لہجے میں جواب ملا تو الماس نے ایک لمحے کو کچھ سوچا۔ وہ گندے ہاتھوں کو اپنے جسم کے ساتھ دھینگا مشتی کی اجازت نہیں دے سکتی تھی اس لیے خاموشی سے قدم اٹھاتی وین میں جا کر پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئی...... دو مسلح نقاب پوش اس کی سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ایک آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر سیاہ وین سنسان سڑک پر دوڑنے لگی۔ ڈرائیور خاصی برق رفتاری کا مظاہرہ کررہا تھا۔ الماس صرف گزرتے وقت کا اندازہ لگاتی رہی۔ سیاہ وین کے سیاہ شیشوں کے سبب وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ راستوں کا تعین کرسکتی۔

بیس منٹ تک خاموشی رہی پھر الماس نے کچھ سوچ کر سامنے بیٹھے آدمیوں کو مخاطب کیا۔

''کیا تم کو علم ہے کہ تمہیں میرے اغوا کا حکم کن لوگوں نے دیا ہے؟''
''ہم صرف آم کھانے سے مطلب رکھتے ہیں...... پیڑ گننا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''
''اور اگر آم بعد میں ترش ثابت ہوا تو؟'' الماس نے انہیں اپنی حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔
''ہم جس راستے کے مسافر ہیں اس پر پیچھے مڑ کر دیکھنا بیکار ہے۔'' دوسرے نے پہلو بدل کر بے پروائی سے جواب دیا۔ ''ہمیں اپنا آخری انجام بھی معلوم ہے اس لیے موت سے بھی ڈرنا حماقت ہی سمجھتے ہیں۔''
''عادی جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہو؟'' اس نے نفرت کا اظہار کیا۔
''ہم آپ کے اندازے کی تردید نہیں کریں گے۔'' جواب شانے اچکا کر انتہائی بے پروائی سے دیا گیا۔
الماس نے اس سے مزید بات کرنی مناسب نہیں سمجھی' دس منٹ مزید گزر گئے تو وین کے ڈرائیور نے ایک مخصوص انداز میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ یقیناً وہ اس بات کی سگنل ہوگا کہ وہ کامیاب واپس لوٹے ہیں۔ تین چار منٹ بعد وین بتدریج رفتار کم کرتے ہوئے رک گئی۔ پہلے دونوں نقاب پوش نیچے اترے پھر ان کے اشارے پر الماس بھی باہر نکلی' اس نے نظر گھما کر اطراف کا جائزہ لیا۔ اس وقت وہ کسی چھوٹے مکان کے باہر ایسے احاطے میں کھڑی تھی جس کی چار دیواری کی اونچی دیواروں کے سبب باہر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے مکان کی سمت غور کیا جو درمیانہ درجے کا کوارٹر لگ رہا تھا۔
دونوں نقاب پوش اسے چند قدموں کے فاصلے پر کور کیے موجود تھے جب ان کا تیسرا ساتھی بھی اگلی نشست سے اتر کر سامنے آ گیا شاید اس مشن کا سربراہ وہی تھا۔
''میں شکر گزار ہوں میڈم کہ آپ نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔'' اس نے سامنے آ کر الماس کو مخاطب کیا۔ ''اب آپ اندر چل کر ایک کمرے میں آرام کریں جہاں آپ کی چوکیداری کیلئے خاص لوگ موجود ہوں گے۔ ہمارے ذمے آپ کو بخیر و عافیت اسی کمرے تک پہنچانے کا حکم ملا تھا۔''
''پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو؟'' الماس نے مسکرا کر اس بات کا اظہار کرنے کی کوشش کی کہ وہ اب بھی خوف زدہ نہیں ہے۔
''میں نے آپ سے اندر چلنے کی درخواست کی تھی۔'' جواب میں اس کو اس ہاتھ سے مکان کی سمت اشارہ کیا گیا جس میں اعشاریہ تین آٹھ کا پستول بھی موجود تھا' اس پر سائلنسر بھی فٹ تھا۔
الماس نے خاموشی سے قدم کوارٹر نما مکان کی طرف اٹھائے۔ اندر چار دوسرے نقاب پوش بھی موجود تھے جنہوں نے اسے ایک ایسے دس بائی دس کے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پلنگ کے علاوہ ایک میز اور دو کرسیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ اٹیچ باتھ روم بھی تھا۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک نقاب پوش اندر رہا' باقی نے باہر جا کر دروازہ بند کر دیا تو الماس کو پہلی بار خطرے کا

احساس ہوا۔ اس نے قدرے ہچکچا کر نقاب پوش سے سوال کیا۔

''تم کب تک میرے سر پر مسلط رہو گے؟''

''پریشان مت ہوں......'' نقاب پوش نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں تک لانے والوں نے آپ کی تلاشی نہیں لی اس لیے میں اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں گا جب تک اصل آدمی نہیں آ جاتے...... وہ...... وہ نہایت تفصیل سے آپ کی جامہ تلاشی لیں گے۔ اس کے بعد......'' وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔ اس کے زردی مائل دانت نمایاں ہو گئے۔

''اس کے بعد کیا ہوگا......؟'' الماس نے اس کی مسکراہٹ پر تلملا کر سوال کیا۔

''ناگن اس وقت تک خطرناک ہوتی ہے جب تک اس میں زہر موجود ہو...... زہر نکل جانے کے بعد وہ بے ضرر ہو جاتی ہے۔''

''تم...... تم کیا بکواس کرنا چاہ رہے ہو......؟'' الماس غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مم...... میں نیچرل تصویروں کی بات کر رہا ہوں۔'' نقاب پوش کا لہجہ معنی خیز ہو گیا' اس نے للچائی ہوئی نظروں سے الماس کے جسمانی نشیب و فراز پر نظر دوڑاتے ہوئے مستی بھرے لہجے میں کہا۔ ''خوبصورت عورتوں کا زہر بھی ان کے لباس میں ہوتا ہے...... لباس اتر جائے تو پھر زہر بھی تصویروں کی شکل میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ناگن کسی کو ڈسنے کی غلطی بھی نہیں کرتی۔ اشاروں پر پھن ہلاتی رہتی ہے۔''

الماس اس کا جواب سن کر کانپ اٹھی۔ اس کا مقصد بہت واضح تھا۔ اگر اغوا کرنے والے اس کی برہنہ تصاویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر وہ زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہ رہتی۔ سراج بھی بے بس ہو جاتا۔ الماس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ کوئی ایسی صورت کہ وہ اغوا کرنے والوں کو ''بلیک میلنگ اسٹف'' حاصل کرنے سے روک سکے' نقاب پوش کا آخری جملہ سن کر اس کا سرا طنطنہ جھاگ کے مانند بیٹھنے لگا تھا۔

اسی لمحے کسی نے مخصوص انداز میں بند دروازے پر تین چار بار دستک دی تو نقاب پوش بھی الرٹ ہو کر دروازے کی طرف لپکا۔ اس کے ساتھ ہی الماس کے دل کی دھڑکنیں بھی ڈانوا ڈول ہونے لگیں۔

+++

سوئم کی رسمی کارروائی بھی ادا ہو گئی تو شیخ حامد نے سکون کا سانس لیا۔ اسے اپنی اہمیت اور وسیع تعلقات کے علاوہ اس بات کا بھی بخوبی اندازہ تھا کہ صباء بیگم نے خودکشی جیسا اقدام اٹھا کر اس کی قوت کو اندر سے کس قدر کمزور کر دیا تھا۔ اگر لاش کا پوسٹ مارٹم ہو جاتا اور زہر خورانی کی میڈیکل رپورٹ اخبارات کے ذریعے طشت از بام ہو جاتی تو پھر وہ قائل سرد خانے تک پہنچانے کے سلسلے میں دانتوں پسینا آ جاتا' جو پولیس کے اعلیٰ افسران اس سے ڈرتے تھے وہ بھی شیر ہو جاتے۔ اس کی بنی

بنائی سا کھ بھی خراب ہو جاتی۔
وہ فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر آرام کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں گیا تو وہاں بھی فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ اس موقع پر وہ کسی کال کی جانب سے منہ بھی نہیں پھیر سکتا تھا' اس کے خاص کارندے ان افراد کی فہرست تیار کر رہے تھے جو اس کے غم میں کسی زاویے سے بھی شریک ہوئے تھے۔ بذات خود بھی وہ آنے جانے والوں کے چہرے اپنے ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کے ذہن میں کچھ لوگوں کے چہرے رہ رہ کر ابھر رہے تھے۔ سیٹھ عثمان کے ساتھ اس نے دوبار کھیل ختم پیسا ہضم کرنے والی چال چلی تھی لیکن وہ اور راحیلہ بیگم بھی اس کے غم میں ہاتھ بٹانے کیلئے پیش پیش رہے تھے اور بھی کچھ حریف کاروباری افراد نے رسم دنیا نبھانے کی خاطر شرکت کی تھی لیکن دو جانے پہنچانے چہرے ایسے تھے جو ابھی تک سامنے نہیں آئے تھے...... ایک ایس پی اورنگ زیب جس نے پوسٹ مارٹم کرانے کے سلسلے میں اس سے قانونی انداز میں کھل کر گفتگو کی تھی پھر اپنی ناراضی کا اظہار کر کے اسے سلام کیے بغیر چلا گیا تھا۔ شیخ حامد بھی اس کے اونچے تعلقات سے بخوبی واقف تھا اس لیے اس نے بھی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ دوسرا اہم نام میڈم روبی کا تھا۔
اس وقت وہ ان دونوں ناموں پر غور کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ شیخ حامد نے برا سا منہ بنا کر ریسیور اٹھایا لیکن دوسری جانب سے میڈم روبی کی آواز سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ بڑے سوگوار لہجے میں کہہ رہی تھی۔
''شیخ حامد مجھے صباء بیگم کی موت پر دکھ کا صرف اظہار کرنا بڑی رسمی بات لگتی ہے۔ آپ پر کیا گزری ہوگی' میں اس کا اندازہ بھی لگا سکتی ہوں' برسوں کا ساتھ' ایک نازک رشتے کے ٹوٹ جانے سے بڑا جاں گسل ہوتا ہے۔ انسان کی نظریں برسوں اسے قرب و جوار میں تلاش کرتی رہتی ہیں۔ میں اس حادثے سے دوچار ہو چکی ہوں اس لیے آپ کے دل کی کیفیت کا بھی بخوبی اندازہ لگا سکتی ہوں۔ اس موقعے پر میں آپ کے غم میں برابر کی شریک ہوں اور اس بات کیلئے معذرت خواہ ہوں کہ ذاتی طور پر شریک نہیں ہو سکی...... حوصلے سے کام لیجئے گا' وقت ہر زخم کیلئے تریاق بن جاتا ہے' زندگی کے کاروبار چلتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر اس کے غم کی پیمائش نہیں کر سکتا۔ جس پر گزر جاتی ہے وہی جانتا ہے۔''
''مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اس موقعے پر مجھے فون کیا۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''یہ میرا فرض تھا......'' دوسری جانب سے مرنے والی کی بخشش کیلئے دعا کی گئی۔
''کبھی تشریف لائیں' مجھے خوشی ہوگی۔'' شیخ حامد نے دبی زبان میں کہا۔ ''آپ کے شوہر' خدا ان کی مغفرت کرے' میرے واقف کاروں میں سے تھے۔ ہمارے درمیان کبھی کاروباری تعلق نہیں رہا لیکن جب بھی ملے' کھلے دل سے ملے۔''
''ہاں......'' میڈم نے ایک سرد آہ بھر کہا۔ ''وہ اکثر آپ کا ذکر کرتے تھے۔''
''کچھ وقت گزر جائے تو میں آپ کو باقاعدہ انوائٹ کروں گا۔''

''اس تکلف کی ضرورت نہیں...... چالیسواں گزر جائے تو میں خود حاضری دوں گی۔''

کچھ دیر بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا تو شیخ حامد بڑی سنجیدگی سے میڈم روبی کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں فون پر اس کی سوگوار باتوں کا ایک ایک جملہ بار بار گونج رہا تھا۔ اس میں کوئی بناوٹ' کوئی دکھاوا نہیں تھا جس کا مطلب یہی لیا جا سکتا تھا کہ شاید وہ اپنے شوہر کی اندوہناک موت کی اصلیت سے ابھی تک واقف نہیں تھی۔ شیخ حامد خاصی دیر تک میڈم روبی کی باتوں کو مختلف زاویے سے اپنے اندازوں کی کسوٹی پر پرکھتا رہا پھر آنے والی کالوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

✣✣✣

لیاقت حسین سوتے سوتے اچانک اس طرح ہڑبڑا کر اٹھا جیسے اس کا جسم بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گیا ہو۔ کچھ دیر تک وہ نئے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ انیکسی کے خوابناک ماحول میں فرحین اس کے برابر آرام وہ بستر پر بکھری پڑی تھی۔ شاید نئے ماحول' نئی جگہ کی وجہ سے کسی انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے ذہن کو جھٹک کر طویل انگڑائی لی پھر سونے کے ارادے سے دوبارہ لیٹا تو ایک مانوس آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''یہ وقت سونے کا نہیں ہے...... تمہیں شاید اب رات بھر جاگنا پڑے۔''

''ہم زاد......'' لیاقت حسین کی زبان سے بے ساختہ یہی لفظ ادا ہوا۔ شاید اس لیے کہ جو آواز اس کے کانوں میں ابھری تھی وہ سو فیصدی اس کی اپنی آواز تھی جسے وہ دو موقعوں پر پہلے بھی سن چکا تھا۔

''میری بات غور سے سنو......'' وہی آواز پھر اس کی قوت سماعت میں ابھری۔ ''فوری طور پر تیار ہو کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کو فون کر کے بلا لو۔''

''اس وقت؟'' لیاقت حسین نے دل ہی دل میں سوچا پھر اس خوبصورت دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی جس میں رات کے بارہ بج کر چالیس منٹ ہو رہے تھے۔

''سراج صاحب کو کوئی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ تم کو کسی وجہ سے ان کی فوری مدد درکار ہے۔''

''لیکن......''

''وقت کم ہے......'' اس کا جملہ رد کر کے کہا گیا۔

''سراج صاحب کی گاڑی تم ڈرائیو کرنا...... میں تمہاری رہنمائی کرتا رہوں گا۔''

''مگر صاحب اس وقت آنے کی وجہ ضرور دریافت کریں گے؟'' لیاقت حسین کے ذہن میں تجسس سا بیدار ہوا۔

''تم وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں...... باقی باتیں میں سنبھال لوں گا۔ صرف ایک بات کا خیال رکھنا کہ اگر تم ایک ہی وقت میں دو جگہ دیکھے جاؤ تو اس کے بارے میں صرف حیرت اور لاعلمی کا اظہار

کرنا۔کوئی الٹی سیدھی توجیہ پیش کرنے کی حماقت نہ کرنا۔"

"دو جگہ دیکھا جاؤں ......" لیاقت حسین نے بوکھلا کر کہا۔"میں تمہاری بات کا مقصد نہیں سمجھا؟"

"میں تمہارا ہم زاد ہوں...... ہم زاد جسے تم شیطان یا جن...... جو چاہے سمجھ لو...... کہیں کتابوں میں یہ بھی لکھا ملے گا کہ وہ ہم شکل جو ہر انسان کے ساتھ ہی دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور ساتھ ہی مر جاتا ہے۔ کچھ حریص لوگ اسے قابو کرنے کی خاطر ہزاروں جتن بھی کرتے ہیں۔"

"تم کفر کی باتیں کر رہے ہو......" لیاقت حسین کے وجود میں ایمان کی روشنی جگمگانے لگی۔

"کفر اور ایمان کے راستے بھی خدائے بزرگ و برتر نے وضع کیے ہیں۔ اسی لیے خالی انسان کو ہمارے سرکار ﷺ نے یہی نصیحت فرمائی ہے کہ دنیا میں یوں رہو جیسے کہ اجنبی راہ چلتا مسافر...... اور یہ بھی فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اپنے ہاتھ (طاقت) سے روکے۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرے...... اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے جو ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے......" یہ دنیا سرائے فانی ہے۔ ایک طلسم کدہ ہے' اس کے بارے مت الجھو...... جیسا کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو۔ وقت گزر گیا تو ایمان پر حرف آ جائے گا۔ کفر ہی کفر باقی رہ جائے گا۔"

لیاقت حسین کا ذہن الجھنے لگا۔ وہ کسی ہم زاد کے تصور پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن کسی بزرگ کی ایک ملاقات کے بعد اس کے ساتھ جو بھی ہوا۔ ہوتا رہا اسے وہ فراموش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہر موقعے پر اسے نیکیاں، نیکیاں ہی نظر آتی تھیں، جو کچھ بھی اسے یاد تھا ہر بار اسے حیرت میں مبتلا کر دیا کرتا تھا...... وہ دونوں صورتوں میں مجبور تھا۔ اسے زبان کھولنے سے روک دیا گیا تھا۔ اگر وہ حکم عدولی کرتا تو شاید ان نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا جو منجانب اللہ ہی اسے حاصل ہوئی تھیں...... جو ذریعہ بنا تھا اس میں بھی مشیت ایزدی کو دخل تھا...... گزری باتیں یاد آئیں تو وہ تیزی سے اٹھا...... سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کی مہربانی تھی' جو اسے فون کی سہولت بھی فراہم کر دی گئی تھی۔ اس نے نائٹ بلب کی روشنی میں جلدی جلدی سراج کے گھر کے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔ جلدی کس بات کی تھی؟ اسے خود بھی اس کا کچھ علم، کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کوئی نادیدہ قوت تھی، کوئی روحانی طاقت جو اسے عمل کرنے پر اکسا رہی تھی، ذہن عجیب کشمکش سے دوچار تھا۔

"ہیلو...... سراج!" دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔ وہ کسی وجہ سے ابھی تک جاگ رہا تھا۔

"سر...... مم...... میں لیاقت حسین بول رہا ہوں۔" اس نے قدرتی طور پر بوکھلائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"سب خیریت تو ہے......؟" سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔"تم کچھ بوکھلائے ہوئے

لگ رہے ہو؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو میری انیکسی پر آ جائیں...... میں ریسیور رکھ کر باہر دروازے کی طرف جا رہا ہوں۔"

"بات کیا ہے......؟" سراج نے بے چینی سے معلوم کیا' لیکن سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

سراج اس وقت سونے کی تیاری کر رہا تھا' لیکن لیاقت حسین کے فون نے کسی خطرے کا احساس دلایا۔ اگر بات اہم نہ ہوتی تو رابطہ اس قدر عجلت میں نہ ختم کیا جاتا۔ سراج کے ذہن میں ہزاروں وسوسے جاگ اٹھے۔ اس نے دیر نہیں لگائی۔ اپنا سروس ریوالور تکیے کے نیچے سے نکال کر جیب میں ڈالتے ہوئے برق رفتاری سے باہر نکلا اور گاڑی میں بیٹھ کر تیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنگلے سے باہر نکلا پھر اس نے حالات کے پیش نظر نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کیا۔ لیاقت حسین نے اسے فوری پہنچنے کی تاکید کی تھی' صرف اپنی انیکسی کا حوالہ دیا تھا۔ کوئی تفصیل بتائے بغیر لائن کاٹ دی تھی۔ ان باتوں کی روشنی میں سراج کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ بات اہم نہ ہوتی تو لیاقت حسین بھی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ نہ کرتا۔

بیس منٹ بعد وہ سیٹھ عثمان کے برابر والے بنگلے پر پہنچا تو لیاقت حسین اسے باہر ہی کھڑا نظر آ گیا۔ اس کا چہرہ ستا ستا نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے لیاقت حسین؟" سراج انجن بند کیے بغیر تیزی سے اتر آیا۔ "فرحین تو خیریت سے ہے؟"

"م...... مجھے کچھ نہیں معلوم صاحب......" لیاقت حسین نے معصومیت سے اپنی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کیا' پھر لپک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سراج کو مجبوراً دوسری نشست پر بیٹھنا پڑا۔ اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ لیاقت حسین نے پہلے کبھی اتنی بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

کہاں چل رہے ہو......؟" اس نے لیاقت حسین کو جھلا کر مخاطب کیا۔ "اصل بات کیا ہے؟ کچھ بتانے سے کیوں گھبرا رہے ہو؟"

"میں...... سچ کہہ رہا ہوں صاحب۔" لیاقت حسین نے رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کہیں پہنچنے کا حکم ملا ہے۔ کہاں؟ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

سراج نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ اگر اس خود اپنی نظروں سے دو تین موقعوں پر لیاقت حسین کو ایسی ہی کیفیت سے دو چار نہ دیکھا ہوتا تو شاید وہ اس کے ساتھ اس وقت کوئی نرم سلوک نہ کرتا۔ کچھ سوچ کر سراج نے خاموشی اختیار کر لی۔ اسے حیرت تھی کہ لیاقت حسین بار بار یہی جملہ دہرا رہا تھا کہ اسے کچھ نہیں معلوم پھر...... وہ گاڑی کو مختلف راستوں سے کس طرف لے جا رہا تھا؟

دس بارہ منٹ بعد لیاقت حسین نے بالکل مشینی انداز میں گاڑی...... خلاف معمول خاصی اونچی چار دیواری والے مکان کے پھاٹک کے قریب روکی اور برق رفتاری سے دروازہ کھول کر اتر گیا۔ سراج نے احتیاط سے کام لیا، وہ گاڑی سے اتر کر اس کی آڑ میں کھڑا رہا۔ حالات کو پوری طرح سمجھے

بغیر وہ عجلت میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا پھر...... اس نے دیکھا کہ لیاقت حسین مکان کے پھاٹک کے کھلے سے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سراج بھی لپکا۔ اس کی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا، وہ بھی پھاٹک کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کو ٹھٹک کر رک گیا، دو مسلح نقاب پوش صحن میں بے ہوش پڑے دیکھ کر اسے خطرے کا اندازہ بھی ہو گیا۔ وہ سنبھل کر سامنے کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو اس کو اپنی نظروں پر بھی یقین نہیں آیا۔ الماس اس کی نظروں کے سامنے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی، کمرے میں اس کے علاوہ ایک اور مسلح نقاب پوش بھی موجود تھا۔ دو سادہ لباس والے اور ان کے قریب ہی فوٹو گرافی کا کچھ سامان بھی بکھرا پڑا تھا۔ وہ تینوں بھی بے سدھ نظر آ رہے تھے۔ الماس کی نظریں لیاقت حسین پر جمی ہوئی تھیں۔ سراج کو اندر آتا دیکھ کر وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ لیاقت حسین کی طرف اشارہ کر کے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے...... اٹک اٹک کر بولی۔

''اگر...... یہ وقت پر نہ آ جاتا تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ خدا نے اسے فرشتہ بنا کر میری مدد کو بھیج دیا۔''

سراج کو موقعے کی نزاکت سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ لیاقت حسین خاموشی سے مشینی انداز میں باہر نکل گیا۔ اس نے الماس کی بات سن کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''یہ...... یہ...... بدمعاش مجھے اغوا کر کے لائے تھے۔'' الماس نے بیہوش افراد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کے ارادے نیک نہیں تھے، اگر لیاقت حسین وقت پر نہ آ جاتا تو......'' الماس کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر اس نے بڑی حیرت سے کہا۔ ''مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ تنہا لیاقت حسین نے ان تین مسلح نقاب پوشوں اور ان کے دو ساتھیوں کو کس طرح قابو کیا۔ دو تین فائر بھی کیے گئے تھے لیکن لیاقت حسین حیرت انگیز طور پر ان کے نشانے کی زد میں نہیں آ سکا پھر...... سب کو ٹھکانے لگانے کے بعد شاید وہ آپ کو فون کرنے چلا گیا تھا۔''

الماس کی بات سن کر خود سراج بھی چکرا گیا۔ لیاقت حسین اس کے ساتھ اپنے گھر سے اسی کی کار میں بیٹھ کر آیا تھا۔ پھر، دوسرا لیاقت حسین کون تھا......؟ اسے میڈم روبی کے اغوا کیے جانے کا واقعہ یاد آ گیا۔ اس وقت بھی اس نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ گاڑی سے نیچے اترا تھا لیکن اس وقت کا معاملہ زیادہ پیچیدہ تھا۔ سراج نے اس پر غور کرنے کے بجائے الماس کو ہاتھ تھام کر باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ لیاقت اس کی کار میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں خوابیدہ سی نظر آ رہی تھیں، چہرہ بھی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

''لیاقت حسین......'' سراج نے الماس کو پچھلی نشست پر بٹھانے کے بعد...... اس کے قریب جا کر کہا۔ ''تم بیگم صاحبہ کو میرے گھر چھوڑ دو اور میرے آنے تک تم بھی وہیں ٹھہرنا۔''

لیاقت حسین نے صرف اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے دوبارہ کھلی سڑک پر آ گیا۔ راستے میں اس کے اور الماس کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

سراج نے الماس کو روانہ کرنے کے بعد متعلقہ حلقے کے تھانے کو فون کر کے جائے وقوعہ پہنچنے کی ہدایت کی پھر وہ الماس کے اغوا کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ ذلیل حرکت کون کر سکتا ہے؟ اس کے ذہن میں صرف شیخ حامد کا نام بار بار ابھر رہا تھا، اس وقت وہ جس مکان میں کھڑا تھا وہ بھی ڈی ایس پی لودھی کے حلقے میں آتا تھا۔ وہ چاہتا تو ملحقہ تھانے کے عملے کو گھر جا کر بھی کسی اور کے ذریعے ان مسلح نقاب پوشوں کی اطلاع دے سکتا تھا لیکن اس وقت اس پر ایک جنون سوار تھا۔ الماس اس کی بیوی تھی، وہ اس کے اغوا کے معاملے میں مصلحتوں کو نظر انداز کرنے پر پوری طرح آمادہ تھا۔ دشمن نے چھپ کر کمینگی سے اس پر وار کیا تھا۔ وہ انہیں للکار کر جواب کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

پندرہ منٹ کے اندر تھانہ انچارج انسپکٹر دانش چار مسلح سپاہیوں کے ساتھ آ گیا۔ کسی زمانے میں وہ سراج کا سب سے پسندیدہ اور قابل اعتماد ماتحت بھی رہ چکا تھا۔

''سر...... آپ؟'' اس نے سراج کے قریب جا کر سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی گاڑی نظر نہیں آ رہی۔''

''اطمینان سے سب سمجھا دوں گا...... پہلے اپنے لودھی صاحب کو خبر ہونے سے پہلے ان مجرموں کی باقاعدہ پرچی تیار کر لو۔''

انسپکٹر نے سب کے نقاب اتار کر دیکھے۔ تینوں نقاب پوش پولیس کو مطلوب مجرموں کی فہرست میں درج تھے، ان کے بعد انسپکٹر دانش ایک سادہ لباس والے کو دیکھ کر چونکا۔

''یہ فرنانڈس اس وقت یہاں کیسے آ گیا؟''

''کون ہے یہ......؟'' سراج نے تیزی سے سوال کیا۔

''یہ ایک بدنام فوٹو گرافر ہے سر۔ شرفا کو بلیک میل کرنے کیلئے خاصا مشہور بھی ہے، ہم ایک عرصے سے اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کیلئے جال بچھا رہے تھے، پھر ہماری ہی ایک لیڈی کانسٹیبل نے بھیس بدل کر اسے رنگے ہاتھوں پکڑوا دیا۔ ہم نے اس کا دس روز کا ریمانڈ لے رکھا ہے۔ اس کا یہاں ہونا حیرت انگیز ہی ہے۔ یہ جیل کی سلاخوں سے باہر کیسے آیا......؟''

''تم ضابطے کی کارروائی کرو۔'' سراج نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''کاغذات میں میرا نام بھی خاص طور سے لکھ دو۔ کہانی میں بتاتا ہوں، میں ادھر کسی سے ملنے آیا تھا، کسی لڑکی کے زور زور سے شور مچانے کی آواز سن کر ادھر آیا تو لڑکی نظر نہیں آئی۔ شاید بچانے والوں کو بروقت صورتحال کی اطلاع مل گئی تھی جو خاموشی سے لڑکی کو لے گئے۔ اغوا کرنے والوں کا حال دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ لڑکی کو بچانے والے نہ صرف مسلح تھے بلکہ تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ انہوں نے قتل و غارت سے بچنے کی خاطر اغوا کرنے والوں کو جس حال میں پہنچایا وہ تمہارے سامنے ہے۔'' سراج نے انسپکٹر دانش کو ایک فرضی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ''کاغذات میں اس بات کا ذکر ضرور کرنا کہ فرنانڈس ریمانڈ پر تھا لیکن موقعہ واردات پر بھی وہ کیمرے سمیت موجود پایا گیا۔''

''سر......'' دانش نے کچھ کہنا چاہا لیکن سراج نے افسرانہ انداز میں اس کو بولنے کا موقع نہیں

دیا۔

”میں کاغذات پر بطور گواہ دستخط کرنے کو بھی تیار ہوں...... اس واردات کی پشت پر مجھے کچھ اپنوں کے چہرے بھی نظر آ رہے ہیں۔“

”شاید ڈی ایس پی صاحب اسے پسند نہ کریں۔“ دانش ہچکچا کر بولا۔ ”ویسے بھی وہ مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ آپ کا نام آ جانے کے بعد......“

”او کے......“ سراج نے دوسرا حربہ اختیار کیا۔ ”اگر تم کو کسی بات کا اندیشہ لاحق ہے تو میں براہ راست ڈی آئی جی کرائمز کو فون کر کے یہاں آنے کی درخواست کروں گا...... پھر وہی سب درج کیا جائے گا جو اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں۔“

ڈی آئی جی کرائمز کا حوالہ سننے کے بعد انسپکٹر نے ویسے ہی کاغذات تیار کیے جو سراج چاہتا تھا، حقیقت بھی وہی تھی، تفصیل میں بدنام فوٹو گرافر فرنانڈس کا نام بھی تحریر میں لایا گیا جو دس روز کیلئے حوالات میں بند کیا گیا تھا۔ سراج نے بطور گواہ اس مشیر نامے پر دستخط کرنے کے بعد انسپکٹر سے کہا۔

”میں موقع کا عینی گواہ ہوں، کاغذات پر میرے دستخط بھی ہیں، اسے کسی صورت میں بدلنے کی حماقت نہ کرنا...... ہو سکے تو اس کی ایک نقل مجھے بھی فراہم کر دینا...... میرا وعدہ ہے کہ تمہاری اجازت کے بغیر اسے کہیں استعمال نہیں کروں گا۔ یہ بات آف دی ریکارڈ ہے۔“

”ایک چھوٹی سی درخواست کروں گا سر......“ مجرموں کی گرفتاری، ان کے پاس سے برآمد ہونے والے اسلحے کی تفصیل وغیرہ مکمل کرنے کے بعد اس نے سراج کو ایک طرف علیحدگی میں جا کر درخواست کی۔ ”اگر ممکن ہو تو آپ میری اپنے حلقے کے کسی بھی تھانے میں پوسٹ کرا دیں۔“

”کوشش کروں گا لیکن...... کاغذات کی ایک کاپی کا وعدہ یاد رکھنا۔“

”آپ کیسے جائیں گے...... آپ کی گاڑی......“

”قریب ہی اس جگہ موجود ہے جہاں میں کسی سے ملنے آیا تھا۔ لڑکی کی چیخوں کی آواز سن کر میں نے گاڑی پر آنا مناسب نہیں سمجھا۔“ سراج نے بڑی خوبصورت سی ایک فرضی کہانی گھڑتے ہوئے کہا۔ ”لیکن افسوس...... دوسری پارٹی میرے آنے سے پہلے ہی لڑکی کو بچا کر لے گئی ورنہ کیس زیادہ مضبوط ہو جاتا......“

”میں کوشش کروں گا سر کہ فرنانڈس کی زبان کھلوا سکوں، وہ یقیناً پوری تفصیل سے واقف ہو گا۔“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ اس بار سراج نے بے تکلفی سے انسپکٹر دانش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں دریافت کیا۔ ”کیا اس واردات میں تمہارے لودھی صاحب کی شرافت کا بھی کوئی دخل نہیں ہو گا؟“

”میں آپ سے متفق ہوں سر۔“ انسپکٹر نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ”کئی موقعوں پر

موصوف ہی کی وجہ سے فرنانڈس پر ہمارا ریڈ کامیاب نہیں ہو سکا۔ جب مجرموں اور ہمارے ڈانڈے ملے ہوں تو پھر ان کو گرفت میں لانا بھی آسان نہیں ہوتا۔"

انسپکٹر دانش دوبارہ سراج کو سلیوٹ کر کے اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ مجرموں کی گاڑی بھی اسی کے ساتھ حرکت میں آ گئی۔ سراج نے سڑک تک پیدل مارچ کیا پھر اتفاق سے ملنے والی ایک خالی ٹیکسی پکڑ کر گھر آ گیا جہاں الماس بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

لیاقت حسین کو دوسرے کمرے میں بٹھایا گیا تھا، سراج کے اصرار پر الماس نے بے کم وکاست پوری تفصیل بیان کر دی۔

"پریشان مت ہو لیکن آئندہ کسی پولیس گارڈ کو کچھ عرصے تک ساتھ رکھو تو زیادہ مناسب ہو گا۔" سراج نے کسی تھمے ہوئے طوفان کی طرح خود کو بکھرنے نہیں دیا۔

"یہ کن لوگوں کی حرکت ہو سکتی ہے؟"

"تم فکر مت کرو...... وہ جو بھی ہوئے میں انہیں سمندر کی تہ سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا......"

سراج' لیاقت حسین کی طرف جانے کیلئے گھوما تو الماس نے اسے روک کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ لیاقت حسین کیا کسی ذہنی بیماری میں مبتلا ہے؟"

"ہاں ......" سراج نے فوری جواب دیا۔ "میں بھی کئی موقعوں پر ایسا ہی محسوس کر چکا ہوں لیکن ...... آدمی ایماندار، نڈر اور بے خوف بھی ہے۔ عثمان کو بھی اسی کی ذہانت موت کے منہ سے بچانے میں کام آئی تھی لیکن کبھی کبھی ایسی باتیں بھی کر جاتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتیں...... تم سے کیا کہہ رہا تھا؟"

"پوچھ رہا تھا کہ اس وقت وہ ہمارے گھر کس طرح آ گیا؟"

"کیا...... اسی نے تنہا سب پر قابو پا لیا تھا؟" سراج نے اپنی تسلی کیلئے پوچھا۔

"ہاں...... مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔" الماس نے بتایا۔ "نقاب پوش مسلح تھے اس لیے وہ ایک نہتے آدمی کو دیکھ کر اسے گھیرنا چاہتے تھے مگر...... جب دو زمین بوس ہوئے تو تیسرے نے دو بار گولی بھی چلائی تھی لیکن تیسرا فائر کرنے کی حسرت پوری نہ کر سکا، لیاقت حسین کا الٹا ہاتھ حرکت میں آیا تو وہ بھی بے ہوش ہو گیا۔ سادہ لباس والوں کے ساتھ اس کا سلوک ناقابل یقین ہی تھا۔ اس نے ان دونوں کی گردنیں ہاتھ میں دبوچ کر پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرا دی تھیں۔ دونوں پلک جھپکتے میں ڈھیر ہو گئے، اس کے بعد وہ شاید آپ کو اطلاع کرنے چلا گیا تھا مگر آپ اتنی جلدی......"

"میں اسے گھر چھوڑ کر آتا ہوں پھر تفصیل سے بات کروں گا۔" سراج نے بات ٹالتے ہوئے جواب دیا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا جہاں لیاقت حسین کسی ذہنی الجھن میں مستغرق نظر آ رہا تھا۔ سراج کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ گھر جاتے ہوئے راستے میں بھی وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

سراج کو اس بات کا اندازہ تھا کہ کوئی روحانی قوت اس کی مدد کر رہی تھی اس لیے اس نے لیاقت حسین سے زیادہ سوال جواب بھی نہیں کیے۔ البتہ لیاقت حسین سے زیادہ سوال جواب بھی نہیں

کیے۔ البتہ لیاقت حسین نے اس سے بھی یہی پوچھا تھا کہ وہ کچھ دیر پیشتر گھر پر سو رہا تھا پھر...... سراج کے گھر کس طرح پہنچ گیا؟ جواب میں سراج نے کہا تھا کہ وہ خود اسے کسی کام سے لایا تھا، لیاقت حسین کو شاید سراج کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس نے مزید کچھ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کیلن لیکن سراج محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا صاحب۔'' لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی کھائی درمیان میں آ گئی ہو جسے میں عبور نہیں کر پاتا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' سراج نے مسکرا کر کہا۔ ''جس وقت میں تم کو لے گیا تھا اس وقت تم شدید نیند کی کیفیت سے دوچار تھے۔ اسی لیے الجھ رہے ہو...... گھر جا کر آرام کرنا۔ صبح تک تم بالکل تازہ دم ہو جاؤ گے۔''

لیاقت حسین نے جواب میں مزید کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر کے پیچھے بھاگتی ہوئی سڑک پر نظریں جما دیں۔

✣✣✣

شیخ حامد کی گاڑی حسب معمول پارکنگ الاٹ کے اس حصے میں رکی جو اس کیلئے مخصوص تھا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دو مسلح گارڈ تیزی سے اتر کر نیچے آ گئے۔ انہوں نے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد ڈرائیو کو گرین سگنل دیا جس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ شیخ حامد بڑے طمطراق سے نیچے اتر کر ایک گارڈ کے ساتھ اس لفٹ میں سوار ہو گیا جو اس نے ذاتی خرچ سے صرف اپنے آفس تک جانے کیلئے لگوائی تھی۔ لفٹ سے ایک منٹ بعد باہر نکل کر سیدھا اپنے ذاتی آفس میں داخل ہوا۔ اس وقت وہ بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اپنی آرام دہ نشست پر بیٹھنے کے بعد اس نے حسب عادت نظر گھما کر وہاں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لیا پھر سامنے رکھی ہوئی فائل کو کھولنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی خوبصورت پرسنل سیکرٹری اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی جو شیخ حامد کیلئے غیر متوقع تھی۔

''خیریت......'' اس نے پرسنل سیکرٹری کو مخاطب کیا۔ ''تم آج صبح ہی صبح بجھی بجھی سی کیوں نظر آ رہی ہو؟''

''ڈی ایس پی لودھی کا فون دوبار آ چکا ہے۔ وہ آپ سے فوری طور پر ملاقات کرنے کا خواہش مند ہے۔''

''تم نے وجہ نہیں دریافت کی؟''

''کی تھی لیکن...... وہ کوئی خاص اطلاع ہو گی جو وہ صرف آپ کو دینا چاہتا ہے۔''

''اس کے فون سے تمہاری سنجیدگی کا کیا تعلق ہے......؟'' اس نے تیز نظروں سے پرسنل سیکرٹری کو کریدا۔

''مسٹر لودھی کے فون کے بعد انسپکٹر دانش نے بھی کال کی تھی وہ ...... وہ کچھ بوکھلایا بوکھلایا محسوس ہو رہا تھا۔''

''بیٹھ جاؤ......'' اس نے کچھ سوچ کر کہا پھر دراز سے اپنا خاص موبائل نکال کر کسی کے نمبر پنچ کرنے لگا، اس کی نظریں بدستور پرسنل سیکرٹری کے چہرے پر منڈلا رہی تھیں جو روزانہ صبح اسے مسکراتی نظروں سے خوش آمدید کہہ کر استقبال کرتی تھی۔ اس کا انتخاب خود شیخ حامد نے چند ماہ پیشتر کیا تھا۔ خوبصورت جسم کی مالک تھی، اگر ماڈلنگ کی فیلڈ اختیار کرتی تو تہلکہ مچا دیتی۔ اس کے جسمانی نشیب فراز میں جنس مخالف کیلئے کشش کوٹ کوٹ کر بھری تھی، شیخ حامد نے پہلی ہی نظر میں اس کا انتخاب کرلیا تھا، اس کی تنخواہ بھی خود مقرر کی تھی، اس کا نام کنول تھا، خود بھی وہ کنول کے پھول ہی کی طرح سرسبز وشاداب نظر آتی تھی۔ وہ کسی مصور کا خواب تھی۔ کسی ماہر سنگ تراش کا حسین شاہکار تھی۔ اس کے گال کا گداز دلوں پر بجلی گراتا تھا۔ کنول کا پھول گدلے تالاب میں کھلتا ہے۔ کنول نے بھی ایک غریب گھر میں جنم لیا تھا، اسے اپنی قیمت کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ نایاب ہیرا تھی، پکھراج تھی، صاف وشفاف اور خوشنما موتی تھی جسے شیخ حامد نے اپنے لیے وقف کرلیا تھا، اتنی تنخواہ مقرر کردی تھی کہ کوئی دوسرا گاہک اس کی بولی نہ لگا سکے۔ بڑے بڑے سودے کرتے وقت جب سامنے والی پارٹی ہچر مچر کرتی تو وہ اسے کام کے بہانے اپنے آفس میں طلب کرتا۔ سودا کرنے والا اپنا نفع نقصان بھول کر کنول کی ایک جھلک دیکھ کر موم ہو جاتا۔ معاہدے پر دستخط کرنے سے اس کی ساری حجت پل بھر میں دور ہو جاتی۔

کنول شیخ حامد کیلئے بیرر چیک تھی لیکن ابھی تک اس نے اسے کیش نہیں کیا تھا، وہ چاہتا تو روپیہ ریزگاری بھی بن سکتا تھا لیکن اس نے سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو ذبح نہیں کیا...... اس پارس پتھر کو سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کی نظریں اس وقت کنول کے چہرے پر بہک رہی تھیں جب دوسری جانب سے کال ریسیو کی گئی۔ شیخ حامد نے منہ پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں کوئی کوڈ استعمال کیا پھر سرسراتے لہجے میں بولا۔

''لودھی مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے...... اور انسپکٹر دانش نے میرے نمبر ملانے کی حماقت کیوں کی؟''

جواب میں جو کچھ کہا گیا اسے سن کر شیخ حامد کے چہرے پر کھنچاؤ کی کیفیت تیزی سے ابھرنے لگی، اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی سرخی اس بات کی علامت تھی کہ وہ بڑی مشکل سے کسی بات کو زبردستی حلق کے نیچے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کنول اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتی رہی۔ خاصی دیر تک شیخ حامد دوسری جانب سے سنائی جانے والی کہانی سن کر ہونٹ چباتا رہا پھر بڑے سرد لہجے میں بولا۔

''دونوں نمک حراموں کو منع کر دو کہ بھول کر بھی مجھ سے ملنے یا فون کرنے کی حماقت نہ کریں...... ڈونٹ وری...... میں اسے بھی سنبھال لوں گا...... اتنی جلدی نہیں...... حالات کے پیش نظر

ٹھنڈا کر کے کھانے کی ضرورت ہے...... نہیں، اس پر صرف نظر رکھو۔ اس نے چار بار کسی منحوس سیاہ بلی کی طرح میرا راستہ کاٹنے کی غلطی کی ہے...... ٹھیک ہے، میں تمہیں دوبارہ کال کروں گا۔" شیخ حامد نے موبائل آف کر دیا۔ اس کے چہرے پر بڑی خوفناک سنجیدگی طاری تھی۔

"کیا ہوا سر......؟" کنول نے معصومیت سے پوچھا۔ "کوئی بری خبر ہے......؟"

"نہیں...... شیخ حامد نے اسے دیکھ کر بڑے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بری خبروں پر بھی مسکرانے کا عادی ہوں۔ بزنس میں نفع ونقصان ہوتا رہتا ہے لیکن ...... میں بساط کا رخ پلٹنے کے فن سے بھی واقف ہوں۔"

"کیا میں آپ کے کسی کام آسکتی ہوں......؟"

"ہاں......" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تم اپنے دفتر میں جا کر آرام کرو...... کوئی ملنے آئے تو مجھ سے پوچھے بغیر ہی اسے منع کر دینا۔"

"ایز یو وش سر......" کنول اٹھ کر لہراتی بل کھاتی چلی گئی تو شیخ حامد کسی بھوکے شیر کی طرح اٹھ کر دفتر میں ٹہلنے لگا۔ موبائل پر اسے بلیک ٹائیگر نے الماس کے اغوا...... سراج اور لیاقت حسین کی بروقت مداخلت اور لودھی کی کمزور پلاننگ کے علاوہ ان قانونی کاغذات کے بارے میں بھی پوری تفصیل دہرا دی جس پر سراج نے بھی بطور گواہ دستخط کیے تھے...... لیاقت حسین کے بارے میں کچھ ایسی ناقابل یقین کہانی بھی سنائی تھی جس پر شیخ حامد کو پوری طرح یقین نہیں آرہا تھا۔

کچھ دیر وہ اپنے وسیع وعریض آفس میں ٹہلتا رہا، پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر مرکزی وزیر داخلہ سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ "میں شیخ حامد بول رہا ہوں۔" اس نے دوسری جانب سے وزیر داخلہ کی آواز سن کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہت عرصے بعد آپ کو ایک چھوٹی سی زحمت دے رہا ہوں۔"

"تکلف چھوڑیں شیخ صاحب۔" دوسری جانب سے بے تکلفی سے پوچھا گیا۔ "یہ فرمائیں، کام کیا ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ ایس پی اورنگ زیب کو فوری طور پر کسی دوسرے صوبے میں ٹرانسفر کر دیا جائے۔"

"خیریت...... ابھی تو وہ تبادلہ ہونے کے بعد ہی تعینات ہوا ہے۔ اتنی جلدی اس سے کیا شکایت ہوگئی؟"

"کیا میں نے کوئی مشکل کام کہہ دیا ہے......؟" شیخ حامد نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"آپ کو شاید اس کے بارے میں پوری طرح علم نہیں ہے۔" تھوڑے توقف سے کہا گیا۔ "مرکز میں اس کے بھی کچھ واقف کار اور ایک دو عزیز دار بھی اونچے عہدے پر تعینات ہیں اس لیے فوری طور پر اسے ہٹانا مشکل ہے۔ ویسے بھی پولیس کی بساط پر کسی ایس پی کی حیثیت گھوڑے جیسی ہوتی ہے جو ہر سمت ڈھائی گھر پھلانگ سکتا ہے، آپ اگر اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کریں

تو بہت فائدے میں رہیں گے۔"
"میرے لائق کوئی خدمت ہو عرض کریں۔" شیخ حامد نے موضوع بدل کر سنجیدگی سے کہا۔
"آپ شاید خفا ہو گئے...... میں آپ کو پھر کسی وقت تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" وزیر داخلہ نے جواب دیا۔"اس وقت ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ ویسے میں کوشش کروں گا اورنگ زیب خود آپ سے مل کر......"
"بہت بہت شکریہ چودھری صاحب!" شیخ حامد نے اس بار خشک انداز میں جواب دیا۔
"میں اس سے ملنا پسند نہیں کروں گا۔" اس نے اپنا جملہ مکمل کر کے ریسیور ایک طرف ڈال دیا پھر موبائل اٹھا کر اس پر...... بلیک ٹائیگر کے نمبر ملائے، ضروری پاس ورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔"فرنانڈس کو پہلی فرصت میں زہر دے کر ختم کر دو...... اس کو کسی بیان دینے کیلئے عدالت تک جانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"
"نہیں ملے گا باس......" دوسری جانب سے سنجیدگی سے کہا گیا۔"اس کا دوپہر کا کھانا اس کی زندگی کی آخری خوراک ثابت ہوگا۔"
"جن نقاب پوشوں کو گرفتار کیا گیا ہے ان کے ساتھی اپنے آدمیوں کو پولیس کسٹڈی سے چھڑانے کیلئے تھانے پر حملہ بھی کر سکتے ہیں۔" شیخ حامد کا جملہ معنی خیز تھا۔"تھانے میں شعلے بھڑکیں گے تو قانونی کاغذات بھی راکھ ہو جائیں گے...... کوئی سنسناتی ہوئی گولی...... انسپکٹر دانش کیلئے بھی پیغام اجل ثابت ہو سکتی ہے...... بطور گواہ دستخط کرنے والے کو میں خود دیکھ لوں گا۔ ابھی اس کو کچھ دن اور خوش ہو لینے دو کہ اس کی عزت کی دھجیاں اڑتے اڑتے رہ گئی ہیں۔"
"جس نے چوتھی بار راستہ کاٹا ہے، اس کیلئے کیا حکم ہے......؟"
"اسے بھی گنی چنی باقی سانسیں پوری کر لینے دو۔" شیخ حامد کسی زخمی ناگ کی طرح پھنکارا پھر اس نے موبائل آف کیا، ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے شبنم کو فوری طور پر اپنے ساؤنڈ پروف کمرے میں بلوانے کا فیصلہ کر لیا۔

✣✣✣

ایس پی اورنگ زیب اور سراج اس وقت ڈی آئی جی کرائمز کے آفس میں موجود تھے۔ انہیں فون پر کال کیا گیا تھا۔ دونوں پندرہ منٹ کے وقفے سے آگے پیچھے آغا منظور کے دفتر میں داخل ہوئے۔ تینوں افسران اپنی اپنی جگہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہے تھے خاص طور سے اورنگ زیب زیادہ اکھڑا اکھڑا نظر آ رہا تھا۔ اسے اپنے ذرائع سے خبر مل گئی تھی کہ شیخ حامد نے براہ راست وزیر داخلہ سے اس کے فوری تبادلے کی درخواست کی تھی۔ اس کے علاوہ دوپہر کو ایک پولیس چوکی پر ہونے والی خونی واردات کی تفصیل بھی اسے مل چکی تھی جس میں سلاخوں کے پیچھے بند ایک قیدی کی موت کے بعد اس کے جتھے کے لوگوں نے بپھر کر حملہ کر دیا تھا، کچھ شر پسند عناصر جو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، پولیس نے اپنے دفاع کے لیے آنسو گیس کے شیل کے علاوہ

بے دریغ ہوائی فائرنگ کر کے حملہ آوروں کو تھانے میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ بپھرے ہوئے لوگوں کا سیلاب ساری بندشوں کو توڑ کر تھانے میں داخل ہوا پھر وہاں توڑ پھوڑ کرنے کے بعد آگ بھی لگا دی گئی۔ تھانہ انچارج انسپکٹر دانش کو ایک گولی نے زندگی کی قید سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آزاد کر دیا۔ تھانے میں موجود بیشتر فرنیچر اور ریکارڈ جل کر خاک ہو گیا۔ بعد میں پولیس کی بھاری نفری نے موقع واردات پر پہنچ کر حالات پر قابو پایا۔ پندرہ افراد کو حراست میں بھی لے لیا گیا۔ زخمی ہونے والوں میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی بھی شامل تھا جسے پولیس اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ اس کی چوٹیں زیادہ خطرناک نہیں تھیں۔

شام کے اخبارات نے نمک مرچ لگا کر مختلف انداز میں اپنی معلومات کو عوام تک پہنچانے کی کوشش کی...... مذکورہ تھانہ چونکہ ایس پی اورنگ زیب کے حلقے میں تھا اس لیے ایک اخبار نے ”نئے ایس پی کا شاندار استقبال“ کی سرخی لگا کر گرما گرم رپورٹ شائع کی تھی...... مرنے والے کے بارے میں...... جو بدنام فوٹو گرافر فرنانڈس کے سوا کوئی نہیں تھا، بیشتر اخبارات نے کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی تھی۔

ڈی آئی جی کرائمز نے دونوں افسران کے آنے کے بعد دروازے پر لگی سرخ بتی کا سوئچ آن کر دیا جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایس پی اورنگ زیب کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ وہ بظاہر کسی ٹینشن کا شکار نہیں تھا لیکن سراج بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ ذاتی طور پر وہ سمجھ رہا تھا کہ تھانے پر ہونے والے حملے، انسپکٹر دانش کی موت اور جلاؤ گھیراؤ کی پشت پر کس کا ہاتھ ہوگا۔ اسے اس بات کا بھی ملال تھا کہ انسپکٹر دانش اپنی موت سے پیشتر اس دستاویز کی نقل بھی نہیں پہنچا سکا تھا جو سراج کیلئے سب سے زیادہ اہم تھی۔ شیخ حامد کو اس کی اطلاع لودھی یا اس کے پالتو غنڈوں نے ضرور پہنچا دی ہو گی پھر اسی بڑے مگر مچھ کے اشارے پر ایسے سارے ثبوت مٹانے کی تخریبی کارروائی کا راستہ اختیار کیا ہوگا، انسپکٹر دانش کی موت بھی ضروری سمجھی گئی ہو گی۔ عدالت میں اس کا بیان بے حد مؤثر ثابت ہو سکتا تھا۔

سراج کے ذہن میں گرم آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ شیخ حامد نے الماس پر ہاتھ ڈال کر اس کی غیرت کو للکارا تھا۔ اگر وہ اپنی مذموم پلاننگ میں کامیاب ہو جاتا تو شاید سراج کو بھی مجبوراً اس کے سامنے جھکنا پڑتا۔ الماس پر جو بیتی تھی اس کی اطلاع شیخ حامد کو بھی ہو گی، اپنی ناکامی پر وہ یقیناً تلملایا ہو گا۔ لیاقت حسین نے بروقت وہاں پہنچ کر پھر ایک نئی پراسرار کہانی کو ہوا دی تھی۔ سب سے تعجب خیز بات یہ تھی کہ وہ ایک ہی وقت میں دو جگہ دیکھا گیا تھا، الماس نے بھی وقت کا حساب کتاب کرنے کے بعد حیرت ہی کا اظہار کیا تھا۔

سراج کی گھٹن کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی قانونی حیثیت میں بھی ان تمام باتوں کو کھل کر منظر عام پر نہیں لا سکتا تھا۔ بات الماس کے بجائے کسی اور کی ہوتی تو دوسری بات تھی۔ اسے ان تین نقاب پوشوں کا خیال بھی تھا جو الماس کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ فرنانڈس کا وجود مٹ چلا تھا۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہیں ہوسکا لیکن جن لوگوں نے الماس کو اغوا کیا ہوگا، جو اس کی نگرانی پر تعینات کیے گئے تھے ان کا خیال بھی سراج کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ جس تھانے میں واردات ہوئی تھی وہ سراج کے حلقے میں نہیں تھا...... پھر...... اسے کیوں بلایا گیا تھا...... کیا ڈی آئی جی کرائمز کو شیخ حامد یا اور کسی ذریعے سے اصل صورت کا علم ہوگیا تھا؟ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا جب آغا منظور نے سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''شام کو شائع ہونے والے اخبارات آپ حضرات کی نظروں سے بھی ضرور گزرے ہوں گے، میں نے اس وقت اسی سلسلے میں آپ حضرات کو زحمت دی ہے۔''

''آپ کا حکم تھا، میں حاضر ہوگیا سر...... لیکن حادثہ جس علاقے میں ہوا......''

''اس سے آپ کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔'' آغا منظور نے کہا۔ ''مجھے آپ کی کارکردگی کا بخوبی علم ہے، اس کے علاوہ بھی ہمارے درمیانی ذاتی انڈر اسٹینڈنگ بھی رہ چکی ہے۔ میں نے آپ کو اپنی ذاتی پسند پر کال کیا ہے۔''

''شکریہ سر......'' سراج نے اطمینان کا سانس لیا۔

''مجھے بھی خوشی ہے کہ اس وقت آپ بھی میرے استقبال میں شریک ہیں۔'' اورنگ زیب نے اخبار کی سرخی کے حوالے سے کہا پھر پہلو بدل کر بولا۔ ''آج جس کرسی پر میں ہوں۔ ہوسکتا ہے کل آپ اس پر بیٹھے ہوں۔''

''مسٹر اورنگ زیب......'' آغا منظور نے اس کے لب و لہجے کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس وقت آپ دونوں کو کچھ سنجیدہ گفتگو کیلئے انوائٹ کیا ہے۔''

''میں سنجیدہ ہوں سر......'' اورنگ زیب نے کسمسا کر کہا۔ ''اگر میرے تبادلے کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں تو آپ کا پہلا انتخاب بھی مسٹر سراج ہی ہوں گے۔''

''تبادلہ......'' آغا منظور نے چونک کر پوچھا۔ ''یہ تبادلے کا خیال آپ کے ذہن میں کہاں سے آگیا؟''

''مرکز میں کچھ چھوٹے موٹے تعلقات میرے بھی ہیں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مسٹر حامد نے وزیر داخلہ سے آج صبح ہی میرے فوری تبادلے کی درخواست کی تھی۔ سرخ جھنڈی دیکھ کر اکثر جانور بھی بدک جاتے ہیں۔''

''آپ...... کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟'' آغا منظور نے کسمسا کر پوچھا۔ سراج بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''جو حادثہ پیش آیا وہ محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے کہا۔ ''یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ آج اس حادثے سے پہلے تھانہ انچارج مرحوم انسپکٹر دانش نے بھی مجھے فون کیا تھا...... وہ مجھے کسی کیس کے قانونی کاغذات دکھانے کا خواہش مند تھا میں نے اسے شام کا وقت دیا تھا لیکن......'' اورنگ زیب نے جملہ مکمل نہیں کیا۔

''میں دخل اندازی کیلئے معذرت خواہ ہوں۔'' سراج نے ایس پی کو براہ راست مخاطب کیا۔
''کیا انسپکٹر دانش نے اس فائل کے بارے میں کوئی کارآمد بات بھی کی تھی؟''
''سوری...... '' اورنگ زیب نے جواب دینے سے گریز کیا۔''اب صورت حال چونکہ بدل چکی ہے اس لیے میں قبل از وقت کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔''
''کیا آپ تھانے پر حملہ ہونے اور انسپکٹر دانش کی موت کے سلسلے میں کسی خاص شخص پر شبہ کر رہے ہیں؟'' آغا منظور نے دبی زبان میں دریافت کیا۔
''اصل مجرم کون ہے؟ تھانے پر حملے میں کون لوگ ملوث تھے؟ اس کے پیچھے کیا مصلحتیں کار فرما تھیں؟ خاص طور پر انسپکٹر دانش ہی کو نشانہ کیوں بنایا گیا اور...... وہ کون سی اہم فائل تھی جو مرحوم مجھے دکھانا چاہتا تھا؟ ان ساری باتوں کا جواب مکمل تفتیش کے بعد ہی سامنے آ سکتا تھا۔''
سراج کے علاوہ آغا منظور بھی اورنگ زیب کے تیور محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے کھل کر کچھ کہنے سے گریز کیا اور بڑی خوبصورتی سے بات بنانے کی کوشش کی۔
''کبھی کبھی ایسے اتفاقات بھی رونما ہوتے ہیں جو بہت سے امکانات کو جنم دیتے ہیں مگر...... کسی ٹھوس شواہد کے بغیر ہم کسی کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ بھی نہیں کر سکتے۔''
''میں آپ سے متفق ہوں سر......'' اورنگ زیب نے ٹھوس لہجے میں کہا لیکن چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ذاتی طور پر کسی مجرم کو ذہن میں محفوظ کر چکا ہے۔
سراج کے اندر بھی اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس حادثے سے پیشتر کسی کی زبان پر الناس کا نام نہ آ گیا ہو، ذاتی طور پر اس کے ذہن میں شیخ حامد ہی کا نام گونج رہا تھا۔ آغا منظور نے باری باری دونوں افسران کو دیکھا' پھر اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں آپ دونوں حضرات کو یہ مشورہ دوں گا کہ قیاس اور امکانات کے پیچھے بھاگنے کے بجائے ہمیں ایسے ثبوت درکار ہوں گے جو اصل مجرم کو قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کی خاطر مؤثر ثابت ہوں۔ میں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ مجرم خواہ کوئی ہو، میں اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا...... تعلقات اپنی جگہ لیکن کچھ واقف کار اگر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں انہیں بھی کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔''
''مسز حامد کی ڈیڈ باڈی کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا جبکہ ساری علامتیں یہی ظاہر کر رہی تھیں کہ مرنے والی نے یا تو خودکشی کی ہے، یا اسے زہر دیا گیا ہے۔'' اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''آپ کے خیال میں کیا......''
''سمجھنے کی کوشش کریں مسٹر اورنگ زیب۔'' آغا منظور نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔''اگر مقتول کے ورثاء نہ چاہیں تو ہم انہیں مجبور نہیں کر سکتے۔''
''میرا خیال اس کے برعکس ہے۔'' اورنگ زیب نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔''ورثا میں ماں باپ اور بھائی بہن کے سلسلے میں تو خیر ہم اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہیں' لیکن شوہر اور بیوی کا

معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ذاتی اغراض و مقاصد، کسی مالی فائدے کے تحت ایک فریق نے دوسرے کو زہر دینے کی کوشش کی ہو، ایسی شکل میں قانون بھی اپنے وسیع اختیارات استعمال کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔"

"میں انکار نہیں کروں گا لیکن ...... ہم دوسروں سے مختلف بھی نہیں ہیں۔ کہیں کہیں چشم پوشی بھی ضروری ہوتی ہے۔" آغا منظور نے مجبوری کا سہارا لیا۔ "کہیں کہیں حالات ہمارے بس سے باہر بھی ہو جاتے ہیں۔ اوپر والوں کی بھی سننی پڑتی ہے۔ نہ سنیں تو چھٹی ہو جاتی ہے۔ آپ کی مثال سامنے ہے...... اگر مرکز میں آپ کی جڑیں مضبوط نہ ہوتیں تو شاید اس وقت آپ بھی ہمارے درمیان نہ ہوتے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟"

"آئی ایگری ود یو سر......" اورنگ زیب نے پہلی بار نرمی کا مظاہرہ کیا۔ "لیکن کسی مجرم کو برداشت کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے...... زیادہ ڈھیل دی جائے تو پھر گلی کا کتا بھی شیر بن جاتا ہے۔"

"موجودہ کیس میں آپ کسے تفتیشی آفیسر بنانا پسند کریں گے؟" آغا منظور نے گفتگو سمیٹنے کی کوشش کی۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں بھی اس خدمت کو حاضر ہوں۔"

"آپ......؟" سراج کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ میری فکر نہ کریں مسٹر سراج...... بس ایک بات ضرور یاد رکھیں کہ ہمیشہ لوہا ہی لوہے کو کاٹتا ہے۔" اورنگ زیب نے جو مثال دی تھی اسے سن کر آغا منظور بھی کسمسانے لگا' لیکن اس نے فوری طور پر کسی کو انکوائری آفیسر مقرر کرنے کے سلسلے میں جلد بازی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا۔ خاصی دیر تک اس حادثے کے مختلف پہلوؤں پر غور ہوتا رہا پھر آغا منظور نے میٹنگ ختم کی تو اورنگ زیب اور سراج ایک ساتھ ہی باہر نکلے تھے۔

آغا منظور کی موجودگی میں بھی ایس پی اورنگ زیب نے جس صاف گوئی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اسے سراج نے بھی خاص طور پر محسوس کیا تھا، الماس کے معاملے میں شیخ حامد کا حساب چکتا کرنے کیلئے اسے کسی ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی' جو اس کی پشت پر ہاتھ رکھ سکے۔ اسی خیال کے پیش نظر وہ اورنگ زیب کو اس کی گاڑی تک چھوڑنے گیا تھا۔ اورنگ زیب گاڑی میں بیٹھنے لگا تو سراج نے روک کر کہا۔

"سر...... میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ...... شیور۔" اورنگ زیب بڑے دوستانہ انداز میں سراج کا بازو تھام کر گاڑی سے کچھ دور لے گیا۔ "فرمایئے...... میں آپ کے کس کام آسکتا ہوں؟"

"انسپکٹر دانش آپ کو جو فائل دکھانا چاہتا تھا' اس میں ایک قانونی کاغذ پر میں نے بھی بطور آئی وٹنس دستخط کیے تھے۔" سراج نے مدھم لہجے میں کہا' پھر الماس کا نام درمیان سے نکال کر وہی فرضی

کہانی سنا دی جو وہ انسپکٹر دانش کو سنا چکا تھا۔

''آئی۔سی......'' اورنگ زیب نے الفاظ کو کھینچ کر ادا کیا۔''اس کا مطلب یہ ہوا کہ لودھی بھی اس حادثے میں برابر کا شریک ہے۔ مجھے یہ اطلاع مل چکی ہے کہ وہ شیخ حامد کا خاص آدمی ہے۔''

''بدنام فوٹو گرافر فرنانڈس کو بھی اسی لیے راستے سے ہٹا دیا گیا ہے کہ اگر اس کی زبان کھل جاتی تو کچھ مخصوص چہرے بھی بے نقاب ہو جاتے۔'' سراج نے ہونٹ کاٹتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا۔''انسپکٹر دانش کو بھی اسی لیے ختم کر دیا گیا کہ وہ اس دستاویز کی نقل مجھے نہ پہنچا سکے۔''

''ویری سیڈ......'' اورنگ زیب نے دکھ کا اظہار کیا۔''کاش آپ مجھے یہ بات کل رات یا آج صبح ہی بتا دیتے۔''

''مجھے اس بات کا شبہ تھا سر کہ شاید آپ مجھے بھی......''

''ہاں۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔''کچھ کہانیاں آپ کی بھی میرے کانوں تک ضرور پہنچی ہیں لیکن اب......''

''وہ کہانیاں کسی حد تک درست ہیں۔'' سراج نے سنجیدگی سے اعتراف کیا۔''میں کسی مگر مچھ کو اپنے جال میں پھانسنے کی خاطر جال پھینکتا رہا ہوں...... آؤٹ گوئنگ ڈی آئی جی کرائمز مسٹر علیم احمد کے پاس کچھ باتوں کا......''

''آپ نے جس انداز میں اعتراف کر لیا وہی میرے لیے بہت ہے۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''میں ہر طرح سے آپ کی مدد کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ مجھ پر اعتماد کریں۔''

جواب میں سراج نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا پھر اورنگ زیب کے جانے کے بعد وہ بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گھر جاتے ہوئے اسے اپنی ایک غلطی کا احساس بھی شدت سے ہوا...... جو پرچہ صبا شیخ حامد نے مرنے سے پیشتر اس کیلئے چھوڑا تھا، ابھی تک وہ اسے بھی نہیں پڑھ سکا تھا۔ سراج نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی پھر......

مرنے والی صبا بیگم کے آخری کربناک الفاظ اور...... اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان ادا کیے جانے والے جملے اس کے کانوں میں سنسنانے لگے۔

✣✣✣

فرحین بنگلے کی خوبصورت انیکسی میں آ کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ راحیلہ بیگم نے اس کی واپسی کے بعد اسے اپنے ساتھ بازار لے جا کر شاپنگ کرائی تھی۔ انیکسی کو پوری طرح سیٹ کرنے میں بھی وہ پیش پیش رہی تھی۔ فرحین کے آ جانے سے خود راحیلہ بیگم کو وقت گزارنے کیلئے ایک ساتھی بھی مل گیا تھا۔ ادھر لیاقت حسین اپنی ڈیوٹی پر سیٹھ عثمان کو لے کر دفتر روانہ ہوتا' ادھر فرحین کا بلاوا آ جاتا پھر وہ شام تک راحیلہ بیگم کے پاس رہتی' ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔ وہ زیادہ پڑھی لکھی نہیں تھی لیکن سلیقہ شعار ضرور تھی۔ راحیلہ بیگم نے اسے اپنے بے شمار لباس دیے تھے جنہیں پہن کر فرحین پھولے نہیں سماتی تھی۔

اسپتال سے واپسی کے بعد لیاقت حسین پھر پوری طرح ڈیوٹی کا پابند ہو گیا تھا لیکن اس روز اس کی آنکھ دیر سے کھلی، وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ عام طور پر وہ آٹھ بجے اٹھنے کا عادی تھا، نہا دھو کر ناشتا کرتا پھر اجلی وردی پہن کر ٹھیک پونے نو بجے تک سیٹھ عثمان کے بنگلے میں گاڑی کو کپڑا مارنے کے بعد پورٹیکو میں آ کر کھڑا ہو جاتا۔ سیٹھ عثمان وقت کے بے حد پابند تھے۔ وہ نو بجے راحیلہ بیگم کے ساتھ باہر آتے۔ لیاقت حسین ان کا بریف کیس لے کر گاڑی میں رکھتا پھر سیٹھ عثمان کے بیٹھنے کے بعد وہ اپنی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لیتا۔ جب تک گاڑی بنگلے سے نکل کر دور نہ ہو جاتی، راحیلہ بیگم دروازے پر کھڑی ہاتھ ہلاتی رہتیں، سیٹھ عثمان مسکرا کر اس کا جواب دیتے رہتے لیکن آج......

لیاقت حسین تیزی سے بستر سے نیچے اترا، غسل خانے میں جا کر پانی کا ایک چھپکا منہ پر مارا۔ منہ پونچھتے ہوئے باہر آ کر اس نے جلدی جلدی وردی پہنی پھر اس نے فرحین کو آواز دی لیکن فرحین گھر پر موجود نہیں تھی۔ یقیناً وہ راحیلہ بیگم کی طرف چلی گئی ہو گی۔ لیاقت حسین نے دل کو تسلی دی۔ اس کے ساتھ اسے غصہ بھی آ رہا تھا، جب کسی وجہ سے اس کی آنکھ وقت پر نہیں کھلتی تھی تو فرحین ہی اسے بڑے پیار سے جگاتی تھی لیکن آج اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے کچن میں جا کر دیکھا تو اس کا ناشتا چھوٹی سی فولڈنگ ٹیبل پر پلیٹوں سے ڈھکا موجود تھا۔ جلدی جلدی اس نے ناشتا کیا پھر چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ قدم مارتا سیٹھ عثمان کے بنگلے پر پہنچا تو ڈیوٹی گارڈ نے مسکرا کر کہا۔

"آج تم آرام کرو۔ صاحب دوسرے ڈرائیور کے ساتھ چلا گیا۔"

لیاقت کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس سے بڑی کوتاہی ہو گئی ہو، کچھ دیر وہ گارڈ کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا رہا۔

"تمہاری گھر والی نے تمہیں جگانے کی کوشش کی تھی لیکن بیگم صاحبہ نے اپنی ملازمہ کو بھیج کر اسے بلوا لیا۔"

"سب خیریت تو ہے؟" لیاقت حسین نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"صاحب کہہ رہا تھا کہ تمہیں ابھی آرام کی ضرورت ہے اس لیے تمہیں نہیں جگایا گیا۔"

لیاقت حسین کے ذہن سے دھند چھٹنے لگی، کچھ یادیں اس کے دماغ میں ابھرنے لگیں۔ رات وہ کسی وقت خلاف معمول جاگا تھا۔ کسی نے اس سے باتیں بھی کی تھیں۔ اس کے بعد وہ گھر سے باہر نکلا تھا جہاں سے ڈی ایس پی سراج کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ پھر اس نے خود کو سراج کے گھر پر پایا تھا، الماس بیگم نے اس سے کچھ باتیں بھی کی تھیں...... لیاقت حسین اپنے ذہن پر زور دیتا رہا لیکن کوشش کے باوجود اسے یہ یاد نہیں آیا کہ وہ سراج کے ساتھ کہاں اور کیوں گیا تھا...... الماس بیگم کے ساتھ اس کی کیا باتیں ہوئی تھیں......؟ وہ واپس کب آیا تھا......؟ شاید، شاید اسی لیے اس کی آنکھ وقت پر نہیں کھل سکی۔

''کیا سوچ رہے ہو لیاقت حسین؟'' گارڈ نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''وہ......مم...... میں رات بھر جاگتا رہا اس لیے صبح وقت پر نہیں اٹھ سکا۔'' لیاقت نے افسردہ انداز میں کہا۔ ''خدا جانے صاحب نے کیا خیال کیا ہوگا میرے بارے میں۔''

''پریشان مت ہو میرے دوست!'' گارڈ نے مسکرا کر کہا۔ ''تم اور تمہاری گھر والی دونوں خوش قسمت ہیں جو صاحب اور بیگم صاحب دونوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

لیاقت حسین کوئی معقول جواب سوچ رہا تھا کہ ایک ملازم نے قریب آ کر کہا۔

''لیاقت حسین، تمہیں بیگم صاحب اندر بلا رہی ہیں۔''

لیاقت حسین گارڈ کی بات کا جواب دینے کے بجائے تیزی سے گھوم کر بنگلے کے دروازے پر آ گیا جہاں سے فرحین اسے اندر لے گئی۔ راحیلہ بیگم لاؤنج میں ایک صوفے پر بیٹھی تھیں، فرحین بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے نگاہوں نگاہوں میں لیاقت حسین سے پوچھا تھا۔ ''سچ بتانا......فرحین تمہیں بیگم صاحبہ کے ساتھ بیٹھی کیسی لگ رہی ہے؟''

''لیاقت حسین......'' راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین کو اپنائیت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جانتے ہو فرحین ابھی مجھ سے تمہاری کیا شکایت کر رہی تھی......؟''

''اس کی باتوں میں نہ آیا کریں بیگم صاحب۔ نئی کوٹھی میں آنے کے بعد سے یہ بڑی بڑی باتیں کرنا سیکھ گئی ہے۔''

''خبردار لیاقت حسین!'' راحیلہ بیگم نے فرحین کو خوش کرنے کی خاطر مسکرا کر مصنوعی خفگی سے کہا۔ ''فرحین اب میری سہیلی بن گئی ہے اس لیے میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں سنوں گی۔''

فرحین نے بھی اسی وقت ہلکی سی زبان باہر نکال کر منہ چڑایا تو لیاقت حسین دل ہی میں مسکرا دیا۔ فرحین کی بات اور تھی، وہ عورت ذات تھی لیکن لیاقت حسین، سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم دونوں کی پرخلوص محبتوں کا مقروض تھا اس لیے خاموش کھڑا رہا۔

''فرحین مجھے بتا رہی تھی کہ تم اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتے۔ وقت پر کھانا نہیں کھاتے۔ رات کو بھی آرام نہیں کرتے۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔'' لیاقت حسین نے مسمسی صورت بنا کر جواب دیا پھر نظریں جھکا کر بولا۔ ''میں شرمندہ ہوں کہ آج وقت پر صاحب کی ڈیوٹی کیلئے حاضر نہیں ہو سکا۔''

''اس غیر حاضری کی وجہ بھی جانتے ہو......؟''

''جی......'' اس نے گھبرا کر راحیلہ بیگم کی طرف دیکھا۔

''سراج صاحب نے تمہاری سفارش کی تھی کہ آج تمہیں آرام کرنے دیا جائے۔ تم کل رات شاید ان کے ساتھ کہیں گئے تھے؟''

''کہاں گیا تھا......؟'' لیاقت حسین نے معصومیت سے کہا۔ ''مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ وہ اپنے ساتھ مجھے گھر لے گئے تھے پھر واپس بھی چھوڑ گئے تھے۔''

''اور کہیں نہیں گئے تھے......؟'' اس بار راحیلہ نے بھی اسے کریدنے کی کوشش کی۔

''میں نیند میں تھا اس لیے...... کچھ یاد نہیں آ رہا۔''

''یہ بات میرے دل کو نہیں لگتی......'' فرحین نے کسمسا کر پھر لیاقت حسین کو چھیڑنے کی خاطر راحیلہ بیگم سے کہا۔ ''ڈپٹی صاحب نے اسے اسلحہ کا تحفہ بھی دے کر اس کا دماغ ساتویں آسمان پر کر دیا ہے۔ بالکل پولیس والوں کی طرح اونچی اونچی باتیں کرنے لگا ہے۔ جو بات اس کے پیٹ میں اتر جائے پھر آسانی سے باہر نہیں آتی......''

''لیاقت حسین......'' راحیلہ بیگم نے اس بار لیاقت حسین کو سنجیدگی سے دیکھا۔ ''صبح سات بجے سراج صاحب کا فون تمہارے صاحب کے پاس آیا تھا، وہ بتا رہے تھے، کل رات تم نے ان کے ساتھ جا کر کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔''

لیاقت حسین کا ذہن پھر الجھنے لگا۔ کوئی بات اس کے لاشعور میں ضرور کلبلا رہی تھی۔ وہ سراج صاحب کے گھر گیا تھا تو بلا کسی مقصد کے یونہی نہیں گیا ہوگا...... لیکن اس کے بعد کہاں گیا تھا؟ اس نے کیا کارنامہ انجام دیا تھا؟ یہ بات اس کے شعور میں نہیں آ رہی تھی۔ الماس بیگم نے بھی اس سے کچھ خاص باتوں کی تفصیل جاننے کی کوشش کی تھی۔ وہ کوئی جواب نہیں دے سکا۔ دیتا بھی کیسے جبکہ صرف اسے اتنا یاد تھا کہ وہ سراج صاحب کے گھر میں موجود تھا۔ سراج صاحب اسے خود واپس چھوڑنے آئے تھے، راستے میں لیاقت حسین نے اپنی ذہنی گرہوں کو کھولنے کی خاطر ان سے بھی یہی معلوم کیا تھا کہ وہ ان کے گھر کیسے پہنچ گیا؟ جواب میں سراج صاحب نے بھی گول مول جواب دے کر اسے ٹال دیا تھا۔

لیاقت حسین کو اگر کچھ یاد تھا تو صرف اتنا کہ...... گل خان کی کوششوں میں ناکام ہونے کے بعد کسی نابینا ریش دراز بزرگ نے اسے اللہ کے اس برگزیدہ دیوانے تک پہنچا دیا تھا جس نے اسے ایک چٹکی خاک سے نوازا تھا پھر...... اس کے بعد سے وہ بھی کہیں نظر نہیں آیا...... لیاقت حسین نابینا کی تنبیہ کے بعد اس بات کو زبان تک نہیں لا سکتا تھا۔ بڑی سختی سے اسے یہی تاکید کی گئی تھی۔

خود راحیلہ بیگم کو بھی پوری بات کا علم نہیں تھا۔ سیٹھ عثمان نے دفتر کیلئے تیار ہوتے وقت صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ سراج اسے رات کسی ذاتی کام سے لے گیا تھا اس لیے اسے کم از کم ایک دن آرام کرنے دیا جائے۔ لیاقت حسین کو گم صم دیکھ کر وہ بات ٹالنا چاہتی تھیں جب فرحین نے شوخی سے کہا۔

''دیکھا آپ نے...... اب یہ ڈپٹی صاحب کا ایک دم پکا والا چمچہ......''

''ایسا مذاق میں بھی نہیں کہتے فرحین۔'' راحیلہ بیگم نے اسے پیار سے سمجھایا۔ ''لیاقت حسین، ہم سب کیلئے کیا ہے یہ تم نہیں سمجھ سکو گی۔''

اس بار لیاقت حسین کو بھی زبان چڑانے کا موقع مل گیا۔ اس کے بعد وہ راحیلہ بیگم کو سلام کر کے الٹے قدموں باہر چلا گیا۔ اس کے ذہن میں جو باتیں الجھ رہی تھیں وہ بدستور الجھتی رہیں۔

⁂

ڈاکٹر نے افضل خان کا ضروری معائنہ کیا پھر دبی زبان میں بولا۔

''میرا مشورہ ہے کہ آپ اسپتال سے جانے کے بعد بھی کم از کم ایک ہفتے تک بیڈ ریسٹ ضرور کریں۔''

''ٹھیک ہے۔'' افضل خان نے کہا۔''میں خود بھی ابھی کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔''

''زندگی ایک نعمت ہے افضل صاحب، اس کا خیال رکھیے گا۔'' ڈاکٹر نے اس بار مدھم لہجے میں کہا۔''میں ابھی آپ کو سسٹر کے ذریعے ڈسچارج سلپ بھیج دوں گا۔آپ کا آج تک کا بل مسٹر حامد نے پے کر دیا ہے۔''

''کیا اب میں یہاں......'' افضل خان اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ڈاکٹر کا آخری جملہ سن کر اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔

''رہ سکتے ہیں لیکن جنرل وارڈ میں، اس کے اخراجات بھی آپ کو......''

''نہیں......'' افضل خان نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔''میں اپنے گھر پر زیادہ کمفرٹ ایبل محسوس کروں گا۔''

''وش یو آل دی بیسٹ۔'' ڈاکٹر ہیڈ نرس کے ساتھ راؤنڈ لینے کی خاطر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

افضل خان کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ڈاکٹر نے کھلے لفظوں میں ظاہر کر دیا تھا کہ اب بگ باس نے اس کی بیماری کے اخراجات برداشت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔اس کے ذہن میں اپنا ماضی کلبلانے لگا۔کل تک وہ حامد ایسوسی ایٹس کا بزنس منیجر تھا، آفس اسٹاف کے علاوہ کاروباری حلقے میں بھی اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔وہ بگ باس کا دست راست تھا۔پولیس کے اعلیٰ افسران بھی شیخ حامد کی وجہ سے اس پر ہاتھ ڈالنے سے کتراتے تھے لیکن اب وہ ایک ہی جھٹکے سے عرش سے فرش پر واپس آ گیا تھا۔

میڈم روبی کو بھی وہ بگ باس کے اشارے پر ٹریپ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تھا۔اگر وہ اس کی مووی اور برہنہ تصاویر بھی بنوانے میں کامیاب ہو جاتا تو بگ باس اسے سر پر اٹھا لیتا لیکن......قسمت کی خرابی اس کے آڑے آ گئی۔کسی طرح سراج کو اس کے پروگرام کی مخبری ہو گئی...... بلیک ٹائیگر کی بروقت اطلاع ملنے کے بعد وہ موقع سے فرار ہو گیا۔مگر اس کے بعد اسے جن اذیت ناک حالات سے گزرنا پڑا وہ اس کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔شیخ حامد نے خود کو معصوم ظاہر کرنے کی خاطر اسے آزمائشوں کی جس چکی میں پیسا وہ بھی ایک المیہ تھا...... اس کے ساتھ ڈبل کراس والا گیم کھیلا گیا۔کچرا کنڈی میں برہنہ حالت میں برآمد کیے جانے کے بعد اسے یقین تھا کہ اس کی سانسیں اب گنی چنی رہ گئی ہیں۔شیخ حامد کے جرائم کی ڈکشنری میں کسی اہم غلطی کو معاف کر دینے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔اس کے اغوا کا ڈراما رچانے کی پلاننگ میں اس کا اپارٹمنٹ بھی شامل تھا جسے توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا گیا۔

افضل خان کو پورا یقین تھا کہ جس اسپتال میں اسے رکھا گیا ہے وہاں سے بھی وہ زندہ نہیں جا سکے گا۔ اس کی موت یا قتل کا ملبا بھی پولیس پر ڈال دیا جاتا لیکن ...... شاید سراج کی سفارش اس کے کام آ گئی تھی۔ ڈاکٹر کے آخری جملے سن لینے کے بعد اس کا ذہن چکرا گیا تھا۔ اس کے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ شیخ حامد نے اسے اس کے سابقہ عہدے پر بحال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ البتہ اتنا ضرور اقرار کیا تھا کہ وہ سراج کی سفارش پر غور کرے گا۔

اس کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ اسپتال سے نکل کر وہ کہاں جائے گا؟ شیخ حامد کی نگاہیں بدلنے کے بعد کوئی بھی اس کی مدد کرنے کا رسک نہیں لے گا۔ اسے میڈم روبی کی وہ آفر یاد آئی جو اس نے پہلی بار اس کے اپارٹمنٹ پر آ کر دی تھی۔ اگر وہ اس آفر کو قبول کر لیتا اور بگ باس کو کسی طرح ٹھکانے لگا دیتا تو شاید اس وقت وہ بیرون ملک میں کسی شاندار کوٹھی میں مقیم ہوتا۔ اس کے بعد تاج محل ہوٹل میں اس کی قسمت کی خرابی نے اسے میڈم روبی کی نظروں میں بالکل ہی ننگا کر دیا ہوگا۔ وہ اس کے دروازے پر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں دو چار پرانے ساتھیوں کے نام ابھرے مگر اسے یقین تھا کہ تاریکی میں سایہ بھی انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی بھی شیخ حامد کے مقابلے میں اس کی مدد کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ انہی خیالات میں غرق تھا جب سسٹر نے کمرے میں داخل ہو کر اسے ڈسچارج سرٹیفکیٹ تھما دیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے سسٹر کو الوداع کہا پھر خاموشی سے نیچے جانے والی لفٹ پر سوار ہو گیا، اسے فوری طور پر کوئی آخر فیصلہ کرنا تھا۔ جس شہر میں وہ اونچے حلقوں میں سر اٹھا کر چلتا تھا وہاں اب وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا بھی پسند نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ہی طریقہ تھا...... خودکشی!...... حرام موت! انسان موت کی نیند سو جائے تو سارے دلدر دور ہو جاتے ہیں۔ وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ کسی کی نظروں میں نفرت دیکھنے کے قابل نہیں رہتا...... بہرا ہو جاتا ہے اس لیے اپنے بارے میں کسی کی تلخ باتیں بھی سن کر اسے ملال بھی نہیں ہوتا...... ہر غم سے نجات پا لیتا ہے۔ اس کیلئے یہی ایک راستہ تھا جس کو اپنانے کا فیصلہ کر لینے کے بعد اس کے ذہن پر طاری بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔

سراج نے اس کی سفارش کر کے جو احسان کیا تھا وہ بھی اسے یاد آ رہا تھا۔ شیخ حامد کے جملے بھی اس کے وجود میں گونج رہے تھے...... "میں وعدہ نہیں کرتا' البتہ آپ کی سفارش پر غور کروں گا۔" ان جملوں کی آزمائش کیلئے بھی اس نے بگ باس کے سامنے جانا فضول سمجھا تھا۔ اگر وہ اسے نفرت سے دھتکار دیتا تو دفتر والوں کی نظروں میں اور گر جاتا۔

اسپتال سے نکل کر باہر آیا تو زندگی کے ہنگامے دیکھ کر اسے اپنی حالت پر ہنسی آ گئی۔ اس وقت اس کی جیب بھی خالی تھی۔ بالکل تہی دست ہو گیا تھا، ساحل سمندر یا کسی بلند عمارت تک جانے کی خاطر بھی اسے پیدل ہی سفر کرنا تھا۔ ایک لمحے کو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ زیادہ دیر اپنے قدموں پر جم کر نہیں کھڑا رہ سکے گا۔ کچھ اندرونی زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نے بھی ایک ہفتے مزید بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا تھا لیکن ...... جب بیڈ ہی نہیں تھا تو ریسٹ کا خیال بھی

بڑا اذیت ناک تھا۔ اس نے سڑک پر دوڑتی بھاگتی زندگی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر دو چار قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس نے شبنم کو اسپتال کے پاس ایک گاڑی سے اترتے دیکھا۔ گاڑی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی...... افضل خان کو تعجب ہوا پھر وہ مسکرا دیا۔ ''شاید میرے بعد بگ باس کی نظر عنایت نے شبنم کی ترقی کر دی ہو۔'' اس نے سوچا پھر وہ نظریں جھکا کر شبنم کی نظروں سے دور ہو جانا چاہتا تھا کہ اتفاق سے شبنم نے بھی اسے دیکھ لیا، ایک پل کو وہ ٹھٹکی پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتی اس کے قریب آگئی۔

''تم یہاں......؟'' اس نے افضل خان کو حیرت سے دیکھا۔ ''میں اس وقت تمہاری خیریت ہی دریافت کرنے آئی تھی۔''

''کیا بگ باس کو علم ہے کہ تم مجھ سے ملنے آئی ہو......؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' اس نے شانے اچکا کر حیرت کا اظہار کیا۔ ''لیکن اس وقت تمہارے ذہن میں یہ خیال کیوں ابھرا؟''

''مجھے اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔'' افضل خان نے خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''تعجب ہے......'' اس نے افضل خان کو سر سے پاؤں تک گھورا۔ ''تم ابھی مکمل طور پر صحت مند نظر نہیں آ رہے ہو پھر......''

''ڈاکٹر نے جو فیصلہ کیا اس میں بگ باس کا اشارہ بھی ضرور شامل ہوگا۔''

''یہ تمہارا ذاتی خیال ہے'' شبنم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو بگ باس مجھے بھی ضرور آگاہ کر دیتا۔''

''یہ گاڑی......'' افضل خان نے اس کی گاڑی کی سمت دیکھا۔

''باس کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔'' شبنم نے جواب دیا۔

''اوہ...... گویا اب تمہاری اہمیت بڑھ گئی ہے......'' شبنم نے افضل خان کے جواب میں کھلے طنز کی تلخی محسوس کر لی تھی لیکن انجان بن کر معصومیت سے سوال کیا۔

''تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟''

''میرے جواب پر شاید تمہیں یقین نہ آئے۔'' افضل خان کے ہونٹوں پر بڑا زہریلا تبسم جاگ اٹھا۔

''قبل از وقت کیے گئے فیصلے اکثر غلط بھی ثابت ہوتے ہیں......'' اس بار شبنم نے مسکرا کر کہا۔

افضل خان حالات کی ستم ظریفی پر تڑپ اٹھا۔ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''اس وقت مجھے کہیں قریب، کسی ایسی چھ سات منزلہ عمارت کی تلاش ہے جو میری مشکل آسان کر دے۔''

''کیا مطلب......؟'' شبنم چونکی۔ ''کیا تم نے خودکشی کی ٹھان لی ہے؟''

''اب یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔'' افضل کان ہونٹ چبانے لگا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارا اپارٹمنٹ رہائش کے قابل نہیں رہا۔ پولیس نے ابھی تک اسے تالا لگا رکھا ہے لیکن ......" شبنم نے ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد کہا۔ "اسی شہر میں میرا ایک چھوٹا موٹا فلیٹ بھی ہے۔"

"تم...... تم بگ باس کی ناراضی مول لے سکو گی......؟"

"میرے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھو' باقی باتیں راستے میں اور فلیٹ پر پہنچنے کے بعد بھی ہو سکتی ہیں۔"

جواب میں افضل خان نے شبنم کو بہت غور سے دیکھا...... کچھ کہنے کے بجائے وہ قدم اٹھاتا اس کی گاڑی کی اگلی نشست پر بیٹھ گیا...... کچھ دیر دونوں خاموش رہے پھر شبنم نے سنجیدگی سے گفتگو کی ابتدا کی۔

"ہو سکتا ہے مجھے تمہارے ساتھ یہ ہمدردی مہنگی پڑے لیکن بگ باس نے مجھے تم سے دور رہنے کا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا۔"

"تم چاہو تو کوئی رسک نہ لو...... مجھے یہیں کہیں راستے میں اتار دو۔" افضل خان نے بجھی آواز میں جواب دیا۔

"باس سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟" شبنم نے پھر کچھ توقف کے بعد دریافت کیا۔ جواب میں افضل خان نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی موجودگی میں شیخ حامد سے ہونے والی تمام باتیں تفصیل سے دہرا دیں۔

"میرے مقابلے میں تم باس سے زیادہ قریب رہ چکے ہو......" شبنم نے سنجیدگی سے کہا۔ "پولیس کے ڈی ایس پی اور ایس پی باس کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے...... اگر اسے تمہارے بارے میں غور نہ کرنا ہوتا تو وہ اس کا اظہار کھل کر بھی کر سکتا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" افضل خان شبنم کا جواب سن کر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا بگ باس اب بھی مجھے کوئی چانس دے سکتا ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی، مگر میرا خیال ہے کہ باس کو شاید ابھی تمہاری ضرورت ہو......"

"میں سمجھا نہیں۔" افضل خان نے وضاحت چاہی۔

"تمہیں شاید کچھ اہم معاملات کا علم نہیں ہے۔" شبنم نے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ایک شخص ہے جو آج کل باس کیلئے خاصا ناقابل برداشت ثابت ہو رہا ہے۔ ممکن ہے تمہیں ایک آخری چانس اور دیا جائے۔"

"تت...... تم کس کی بات کر رہی ہو؟"

"میں فی الحال اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں جو بگ باس کے لیے ناقابل برداشت ہو۔" شبنم نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ "خودکشی کے مقابلے میں اگر تم بگ باس کیلئے کسی آخری امتحان میں کامیاب ثابت ہوئے تو ممکن ہے باس تمہاری سابقہ کوتاہیوں کو بھی

معاف کردے...... کیا یہ چانس لینا تمہارے لیے زیادہ کارآمد نہیں ہوگا؟''

''تم...... جانتی ہو کہ وہ شخص کون ہے؟'' افضل خان نے کسمسا کر دریافت کیا۔

''ہاں...... لیکن باس کی مرضی کے بغیر اس کا نام زبان تک نہیں لاسکتی۔'' شبنم نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''تم مجھے کیا مشورہ دوگی؟'' افضل خان نے شبنم کو کریدنے کی کوشش کی۔

''میں تمہارے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی لیکن ...... اتنا اندازہ ہے کہ باس نے تمہیں ہیرا سمجھ کر ہی اپنا دست راست بنایا ہوگا۔'' شبنم نے معنی خیز انداز میں ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔''جو لوگ بلائنڈ کھیلنے کے عادی ہوں وہ چانس لینے میں ہچکچاتے بھی نہیں۔''

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں شبنم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور شبنم......اسے یقین تھا کہ شیخ حامد نے ساؤنڈ پروف کمرے میں بلا کر اسے جو کام سونپا تھا وہ اس سلسلے میں اپنا پارٹ پلے کرنے میں صد فیصد کامیاب رہی تھی۔

+++

پاکستانی ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

شبنم کے فلیٹ میں قدم رکھنے کے بعد افضل خان کو ایسا ہی محسوس ہوا جیسے قسمت نے اسے نئی زندگی عطا کر دی ہو، وہ خاموشی سے ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کسی بلندی سے گرتے ہوئے شبنم نے اچانک پیچھے سے ہاتھ تھام کر زندگی کی سمت واپس گھسیٹ لیا ہو۔

اسپتال سے ڈسچارج کیے جانے کے بعد اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ وہ بگ باس کے ہاتھ کھینچ لینے کے بعد زندگی کی خوشیوں سے یکسر محروم ہو چکا ہے جبکہ وہ قسمت کے ہاتھوں بدنصیبی کا شکار ہوا تھا۔ بگ باس کے حکم کے عین مطابق وہ میڈم کو ٹریپ کرنے میں نہ صرف پوری طرح کامیاب ہو گیا تھا بلکہ انتہائی دور اندیشی سے پلاننگ کرنے کے بعد میڈم کو خواب آور شراب پلانے میں بھی سرخرو ہو گیا تھا۔ اسے صرف آدھے گھنٹے کی مہلت اور مل جاتی یا اس نے میڈم کے نشیلے جسم اور بہکتی آنکھوں کے خمار کی تعریف میں وقت ضائع کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی تو نہ صرف وہ میڈم کے گدرےلیے جسم سے اپنی ہوس کی بھڑکتی آگ بجھانے میں کامیاب ہو جاتا بلکہ بلیک میلنگ کی اسکیم بھی پوری ہو جاتی، اس کے بعد شیخ حامد میڈم کو اپنے اشاروں پر نچانے میں پوری طرح کامیاب ہو جاتا۔ افضل خان کو اس شاندار کامیابی پر خاطر خواہ انعام بھی ملتا لیکن عین وقت پر سارا بنا بنایا کھیل چوپٹ ہو گیا تھا...... وہ پولیس کی آمد کی اطلاع پر فوری فرار نہ ہوتا تو رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا۔

اس کے بعد...... بگ باس نے اپنی پوزیشن بچانے کی خاطر جو پلاننگ کی تھی وہ افضل خان کے حق میں تباہی کا باعث ہوئی۔ اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے اغوا کرا کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے اپارٹمنٹ کو تباہ کر دیا گیا۔ جس حالت میں اسے رہائی ملی اس سے تو بہتر تھا کہ مر گیا ہوتا...... لیکن وہ زندہ تھا، بے قصور ہونے کے باوجود بگ باس کے انتہائی عتاب کا شکار بن گیا۔ اسپتال سے اسے جس خوبصورت انداز میں نکالا گیا تھا اس کے بعد افضل خان کے پاس اپنے بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ تھا، خودکشی!...... دردناک موت!...... لیکن عین وقت پر شبنم نے ہوا کے کسی خوشگوار جھونکے کی طرح سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا تھا۔

خود شبنم کا کردار بھی اس کیلئے غور طلب تھا۔ بگ باس کی دشمنی کے باوجود وہ اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی جرأت کر سکتی تھی؟ یہ بات اس کے سان و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ وہ انہی حالات میں مستغرق تھا جب شبنم چینج کرنے کے بعد دوبارہ اس کے سامنے ہنستی مسکراتی آ گئی۔ پھولدار ڈھیلے ڈھالے نائٹ سوٹ میں بھی وہ قیامت ہی نظر آ رہی تھی۔ کبھی افضل خان نے بھی اس

تیرِنیم کش میں اپنا چلہ چڑھانے کی آرزو کی تھی لیکن اس وقت وہ اپنی محسنہ کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' شبنم نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔ ''تم اس قدر گم صم کیوں نظر آ رہے ہو؟''

''شبنم......'' افضل خان نے اسے بڑی سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ مجھے بگ باس کے حکم پر اسپتال سے نکالا گیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے، ایسا ہی ہو لیکن......''

''میرا خیال ہے کہ تم نے نادانستگی میں ایک ایسا قدم اٹھا لیا ہے جو تمہارے لیے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' شبنم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ممکن ہے بگ باس نے تمہیں ناقابل معافی سمجھ کر نظریں پھیر لی ہوں لیکن مجھے تم سے دور رہنے کا کوئی اشارہ نہیں ملا۔''

''نہ سہی لیکن میں......'' افضل خان اچانک نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے اٹھ گیا۔ ''میں اپنی وجہ سے تمہیں کسی عتاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔''

''مگر اس وقت کہاں جاؤ گے؟''

''میں یقین سے صرف ایک بات کہہ رہا ہوں کہ اس وقت میری جیب میں کوئی معمولی زہر خریدنے کیلئے بھی ایک پھوٹی کوڑی نہیں ہے اس لیے......صرف ایک ہی راستہ ہے کہ میں......''

''تمہیں کتنے روپے درکار ہیں؟'' شبنم نے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے سوال کیا۔ ''تم روپوں کا کیا کرو گے؟''

''اپنے منحوس وجود کو لے کر اس شہر سے کہیں اتنا دور چلا جاؤں گا کہ کوئی واقف کار نہ ہو۔''

''غلط گمان ہے تمہیں......'' شبنم ایک لمحے کو سنجیدہ ہوگئی۔ ''اس ملک میں رہ کر تم بگ باس کی دسترس سے دور نہیں جاسکو گے۔''

''پھر......صرف ایک ہی بچاؤ کی صورت ہے کہ میں اپنے وجود کو ختم کردوں۔'' افضل خان نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح سپر ڈال دی۔

شبنم کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ اس کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ اس نے بڑی تیزی سے اسے نکال کر آن کرتے ہوئے کان سے لگا لیا۔ ایک لمحے تک کچھ سنتی رہی۔ افضل خان کی نظریں اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شبنم کے چہرے پر کچھ دیر پیشتر نظر آنے والے زندگی سے بھرپور رنگ پھیکے ہوتے جا رہے تھے۔

''آئی ایم سوری باس۔ لیکن مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ......م...... میں معافی کی خواستگار ہوں۔ یس باس، میں سن رہی ہوں...... تھینک یو باس...... او۔ کے۔ دس دن سے گیارھواں دن نہیں ہوگا آئی ایم تھینک فل باس۔''

موبائل بند کر کے شبنم نے اس انداز میں سکون کا سانس لیا جیسے پستول سے نکلی ہوئی کوئی گولی اس کے کان کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئی ہو۔

''کون تھا؟'' افضل خان نے سہمے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''بگ باس...... اسے خبر مل گئی ہے کہ تم اس وقت میرے اپارٹمنٹ میں موجود ہو۔'' شبنم نے دوبارہ اطمینان کا طویل سانس لے کر جواب دیا۔ ''باس نے تمہیں دس روز کی رعایت دے دی ہے۔''

''اس کے بعد......؟''

''اس کے بعد میں تمہیں یہاں نہیں رکھ سکوں گی۔''

موت کے سرد ہاتھ ایک بار پھر افضل خان کو اپنا حلقہ تنگ کرتے محسوس ہوئے۔ وہ بگ باس کی خصلت سے واقف تھا، اس کی ڈکشنری میں معافی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اپنی خاطر وہ شبنم کو بھی کسی دشواری میں بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا' ایک لمحے توقف سے بولا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن ہوسکتا ہے کہ دس روز کے اندر باس کسی وقت بھی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لے۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں تمہیں دوست ہونے کی حیثیت سے کسی بھی مشکل میں نہ پڑنے دوں۔''

''ڈونٹ وری......'' شبنم نے پراعتماد انداز میں کہا۔ ''ایسا نہیں ہوگا۔ فی الحال تم نہا دھو کر فریش ہولو۔ اتنی دیر میں' میں تمہارے لیے کچھ کھانے کا اہتمام کرلوں، باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

افضل ہچکچا رہا تھا۔ اسے دس روز کی عارضی زندگی کی ضرورت نہیں تھی لیکن شبنم کے اصرار پر اس نے بات مان لی۔ گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد اس نے وہی لباس دوبارہ پہن لیا۔ ذہن نہانے کے سبب کچھ ہلکا ہوگیا تھا۔ شبنم نے اس کیلئے انڈے اور پراٹھے تیار کر لیے تھے۔ افضل خان خاموشی سے لقمے زہر مار کرتا رہا، اس کے ذہن میں دس دن کی مہلت رہ رہ کر وسوسے ڈال رہی تھی پھر اسے شبنم کی کہی ہوئی باتوں کا دھیان آیا تو اس نے چونک کر کہا۔

''تم نے کہا تھا کہ کوئی شخص ہے جو بگ باس کیلئے دردسر بن رہا ہے اور ہوسکتا ہے کہ بگ باس مجھے ایک آخری چانس سے قسمت آزمانے کا موقع فراہم کردے۔''

''ہاں...... میں نے غلط نہیں کہا تھا لیکن وہ محض ایک امکانی بات تھی۔'' شبنم نے گھما پھرا کر کہا۔ ''باس کی مرضی کے بغیر زبان کھولنا میرے لیے نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''لیکن اس وقت میرے اور تمہارے سوا اس کمرے میں......''

''میں تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ دوں گی۔'' وہ بات کاٹ کر بولی۔ ''تم شاید بھول رہے کہ میڈم کے سلسلے میں تم کامیابی سے بہت قریب پہنچ چکے تھے لیکن...... اگر بگ باس کے کسی کارندے نے تمہیں فرار ہونے کا مشورہ نہ دیا ہوتا تو اس وقت تم کہاں ہوتے......؟''

''آئی۔سی'' افضل خان کسمسا کر بولا۔ ''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو شاید بگ باس نے تمہیں

اب قابل اعتماد سمجھنا شروع کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"میڈم والی بات تمہارے علم میں کس طرح آئی؟"

شبنم نے غور سے افضل خان کو دیکھا پھر معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولی۔"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہاری خود اعتمادی بحال ہو رہی ہے۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔"

"جب تک بگ باس کی سمت سے کوئی واضح اشارہ نہ ملے میں تمہیں کچھ بتانے کا رسک نہیں لے سکتی......آئی۔ایم۔سوری۔"

افضل خان تلملا کر رہ گیا۔ اس وقت ایسی پوزیشن میں بھی نہیں تھا جب وہ سابقہ حیثیت سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شبنم سے باز پرس کر سکتا...... شبنم بھی اپنی بات مکمل کر کے دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

+++

"میں صابرہ خاتون بلا کسی جبر و کراہ اپنی زندگی کی یہ آخری تحریر رقم کر رہی ہوں۔ اگر یہ تحریر قانون کی پاس داری کرنے والوں کے کسی کام آ گئی تو میں یہ سمجھوں گی کہ میری موت رائیگاں نہیں گئی۔ زندگی اس روئے زمین کی سب سے زیادہ قیمتی اور حسین نعمت ہے لیکن میں شاید اس دنیا کی سب سے بدنصیب عورت ہوں جو خود اپنے ہاتھوں اس نعمت سے محروم ہونے پر مجبور ہو گئی ہوں۔

پچیس سال قبل جب میں اٹھارہ سال کی تھی کہ مجھے گدڑی کا لعل کہا جاتا تھا۔ شاید اس لیے کہ میں ایک غریب ملازم کی بیٹی تھی جس نے بڑی منت اور مرادوں کے بعد شہر کی ایک نواحی بستی میں آنکھ کھولی تھی لیکن میری ماں مجھے پیدا کرنے کے بعد ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ میرے غریب باپ نے مجھے کسی نہ کسی طرح پال پوس کر بڑا کیا تو مجھے خداوند کریم نے حسن کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ مجھے یاد ہے کہ میری ہم عمر سہیلیوں نے اس وقت مجھے صرف صبا کا نام دیا تھا، جب میں نویں جماعت میں پڑھ رہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ میں مشرق سے چلنے والی صبح کی تازہ ہوا کے جھونکوں اور گل و سبزہ پر گرنے والے شبنم سے بھی زیادہ تر و تازہ، شاداب، پاکیزہ اور حسین ہوں...... یہی حسن، خوبصورتی اور رنگ روپ میرے لیے زندگی کا عذاب بن گیا۔ میں ابھی میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی کہ ایک دن میرے باپ نے مجھے دفتر سے واپس آ کر گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"صبا بیٹی......تو میرے لیے بڑی خوش نصیب ثابت ہو رہی ہے۔"

باپ کو خوش دیکھ کر میں نے سوال کیا۔"کیا بات ہے ابا، آج آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں' روز دفتر سے لوٹتے تھے تو تھکے تھکے نظر آتے تھے۔"

"صبا بیٹی۔ آج سے میں نے نئے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی ہے، تنخواہ بھی پہلی ملازمت سے دوگنی ہے۔"

باپ کی خوشیوں میں، میں بھی شریک ہوگئی۔ پھر جلد ہی دفتر والوں نے ابا کو ایک درمیانی درجے کے علاقے میں دوسو گز کا مکان لے کر دیا جس کی قسطیں تنخواہ سے کٹنے لگیں۔ میں میٹرک کا نتیجہ آنے کے بعد کالج میں داخل ہوگئی۔ ہماری غربت کے دن بڑی تیزی سے گزرنے لگے، میں اس خواب کو اللہ رب العزت کا کرم اور احسان سمجھ رہی تھی لیکن بعد میں تعبیر سامنے آئی تو حقیقت کھلی کہ والد کی ترقی، تنخواہ میں ہر دو تین ماہ خاطر خواہ اضافہ اور خوشحالی بیشک اللہ کے حکم سے تھی لیکن اس طرح وہ شاید کسی غریب کے صبر اور کسی ابلیس کے قہر کی آزمائش کر رہا تھا جس کے نتیجے میں میری شادی شیخ حامد سے ہوگئی جو عمر میں مجھ سے کم از کم بیس سال بڑا تھا۔ یہ فرق اس کی دولت اور ابا کی غربت اور مجبوری کے سبب نظر انداز ہوگیا۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ ابلیس صفت شیخ حامد انسان سے زیادہ کسی خبیث آدم خور درندے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

یہ شادی نہیں، ایک سودا تھا جو حالات کی ستم ظریفی کے تحت طے پا گیا تھا۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ شادی کے بعد چار سال تک میں اپنی قسمت پر رشک کرتی رہی پھر جب میرے شوہر کی شخصیت پر چڑھا ملمع اترا اور اس کی اصلیت سامنے آئی تو وقت گزر چکا تھا۔ شادی کے دو سال بعد ہی میرے والد ایک حادثاتی موت کا شکار ہوگئے تھے۔ میں اس وقت اسے ایک حادثہ ہی سمجھی تھی لیکن آج میں بڑے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس حادثے کی پشت پر بھی میرے شوہر کی خباثت کارفرما ہوگی۔

آج تقریباً چالیس سال کی عمر کے بعد میں اس خبیث کے چہرے سے وہ نقاب گھسیٹ کر علیحدہ کر رہی ہوں جس کے پیچھے اس کی مکروہ اصلیت چار سال تک ڈھکی چھپی رہی۔ میرا شوہر دولت، شہرت اور خود کو سب سے بڑا کہلوانے کی خاطر اپنی تمام حدود کو پھلانگ جانے کا عادی ہے۔ وہ ایک آوارہ، بدقماش، عیاش اور کسی چالاک لومڑی کی خصلتوں کا مالک ہے، کسی فرعون وقت کی طرح۔

شادی کے پانچ سال بعد ہی وہ عیاشی کے لیے گھر میں آوارہ عورتوں کو لانے لگا، میں نے احتجاج کیا تو مجھے بھی اپنے اس غلیظ کھیل میں زبردستی شامل کیا جاتا یہاں تک کہ میری برداشت کی دھجیاں اڑنے لگیں، ایک ہی حمام میں تین ننگے ہوتے تھے، مجھے زبردستی ایک آرائشی ستون سے باندھ کر کھڑا کر دیا جاتا، میرے جسم کو زبردستی بے لباس ہونا پڑتا، میری نظروں کے سامنے میرا شوہر آوارہ لڑکیوں کے ساتھ شراب اور شباب کے گھناؤنے کھیل میں بدمست ہو جاتا۔ بازاری عورتوں کے ساتھ مل کر میرے ڈھلتے جسم پر گندے اور غلیظ جملے چست کیے جاتے، حقارت آمیز تشبیہات سے نوازا جاتا۔ میں بے بس کھڑی آنسو بہاتی رہتی...... لیکن ...... صبر کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے۔ شادی کے بعد میں نے اچھے اور برے حالات کے باوجود تین لڑکیوں کو جنم دیا لیکن میرے درندہ صفت شوہر نے ہر تینوں کو ڈاکٹروں کی مٹھی گرم کر کے ایک ایک کر کے ختم کرا دیا۔ دولت کی ہوس کی خاطر اور اپنے سامنے دوسرے کاروباری حریفوں کو نیچا دکھانے کی خاطر میرے شوہر نے غنڈے اور بدمعاش پال رکھے تھے جو کسی کی پگڑی اچھالنے یا موت کے گھاٹ اتارنے میں ذرا دیر نہیں کرتے

تھے۔ میں ان آخری سانسوں کے درمیان ان کی مختصر تفصیل درج کر رہی ہوں جس کی تفتیش کرنے کے بعد پولیس اور قانون کے نمائندے (اگر بکے ہوئے نہ ہوں تو) بہ آسانی اس آدم خور انسان کو جس کا نام شیخ حامد ہے، پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتے ہیں۔ اگر میری آخری تحریر کسی کام آسکی تو میں سمجھوں گی کہ خدا کی مرضی کے خلاف خودکشی کرنے کا یہ عمل رائیگاں نہیں ہوا۔ ایک مجبور اور بے بس عورت، جس کے باپ کا کمزور سہارا بھی اس سے چھین لیا گیا تھا۔ آخر کس حد تک وہ نامساعد حالات، تذلیل اور بے شرمی برداشت کرسکتی تھی جس کی اجازت شریعت میں بھی کہیں نہیں ملتی۔

میں زہر کا گھونٹ حلق کے نیچے اتارتے وقت اپنے خدا سے یہی دعا کروں گی کہ یہ تحریر کسی ایسے خدا ترس انسان کے ہاتھ لگے جو شیخ حامد جیسے خون آشام درندے کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا کر اپنی عاقبت سنوارنے کا نیک کام سرانجام دے سکے...... بدنصیب صبا زوجہ شیخ حامد......''

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج اس خط اور اس میں درج تفصیل کو تیسری بار نہایت غور سے پڑھنے میں مصروف تھا جب الماس کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ سراج نے کھلے ہوئے کاغذ کو غیر ارادی طور پر تہ کرلیا تو الماس نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

''یہ کس کا نامہ محبت ہے جو اتنی توجہ اور انہاک سے پڑھا جا رہا ہے؟''

عام حالات میں شاید سراج اس اہم تحریر کو الماس سے بھی خفیہ رکھنے کے اصول پر عمل کرتا لیکن اپنی گھریلو زندگی کو خوشگوار رکھنے کی خاطر اس نے ہاتھ میں دبا ہوا صبا بیگم کا آخری خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لو......تم بھی پڑھ لو......شاید تم اس کو پڑھنے کے بعد میری کوئی رہنمائی کرسکو......''

الماس نے خط مکمل پڑھ لیا تو اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہوگئی۔ اپنے اغوا اور لیاقت حسین کی بروقت مداخلت کا تصور کر کے وہ بھی جھرجھری لیے بغیر نہ رہ سکی۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''میرا مشورہ ہے کہ سب سے پہلے آپ اس اہم ترین دستاویز کی دو تین فوٹو کاپی کرائیں پھر اسے اپنے یا میرے لاکر میں محفوظ کر دیں۔''

''مرنے والی نے ایک بڑے اور خطرناک مگرمچھ کے بارے میں جو تفصیل درج کی ہے اس کے تین چار کردار آج بھی زندہ ہیں جو قانون کا تحفظ ملنے کے بعد اگر اپنی زبان کھول دیں تو مرنے والی کی آخری خواہش بھی پوری ہوسکتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ قدرت نے آپ کو ایک اہم فرض سونپ دیا ہے جس کی تکمیل آپ کیلئے ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔'' الماس سنجیدگی سے بولی۔ ''اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کی ایک نقل علیم احمد صاحب کو ضرور پہنچا دیں۔''

''تمہاری تجویز معقول ہے لیکن وہ تو ریٹائر ہو چکے ہیں۔''

''ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔'' الماس نے برجستہ جواب دیا۔ ''علیم احمد

صاحب حافظ قرآن بھی ہیں جنھوں نے کبھی اس ڈرٹی ڈاگ سے سمجھوتا نہیں کیا جو اپنے تعلقات اور دولت کے زعم میں بے قابو ہو چکا ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد بھی علیم احمد صاحب کو مرکز اور صوبے کے اکثر بڑے عہدیدار اب بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک آسان طریقہ اور بھی ہے اس ابلیس کے تکبر کو خاک میں ملانے کا......" آخری جملہ الماس نے بڑے جذباتی انداز میں ادا کیا۔

"وہ کیا......؟"

"مجھے صرف آپ کے اشارے اور اجازت کی ضرورت ہو گی......" الماس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "میں اس درندے کو اس کے دفتر میں گھس کر موت کے گھاٹ اتار دوں گی۔ پھر جو ہو......سو ہو۔"

"ٹیک اٹ ایزی......" سراج نے الماس کے تیور دیکھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں تمہیں یہ نیک کام کرنے سے منع نہیں کر سکتا لیکن اس کے بعد ہماری بنی بنائی عزت اور شہرت کو جو نقصان پہنچے گا وہ میرے لیے بھی ناقابل برداشت ہو گا۔ تمہارے بعد میں بھی اپنی جان پر کھیل جانے سے گریز نہیں کروں گا۔"

کچھ دیر اسی قسم کی جذباتی باتیں ہوتی رہیں، پھر سراج نے الماس سے عہد کیا وہ مرحومہ صبا بیگم کی آخری خواہش کو پورا کرنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔

"مجھے آپ پر اعتماد ہے لیکن نیک کام کی تکمیل میں......"

الماس اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی، سراج کے خاص موبائل کی مخصوص آواز ابھری تو اس نے جلدی سے اسے آن کیا۔ سنجیدگی سے کہا۔ "ہیلو......سراج دس اینڈ۔"

"میں بول رہی ہوں......" دوسری جانب سے میڈم کی آواز ابھری تو سراج نے الماس پر نظر ڈالتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"میں اس وقت آپ سے کھل کر بات نہیں کر سکوں گا۔ اس لیے کہ میرا ویک پوائنٹ میرے سامنے موجود ہے۔"

"گڈ......" میڈم نے جواب دیا۔ "آج میں الماس سے بھی ضرور بات کروں گی لیکن اس سے پہلے آپ کو اہم اطلاع دینی ضروری ہے۔"

"وہ کیا......؟"

"بگ باسٹرڈ کے اشارے پر افضل خان کو اسپتال سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ میری معلومات کے مطابق اس وقت افضل خان ایسی معاشی کسمپرسی کا شکار ہے کہ اس کے پاس خودکشی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا لیکن اب اسے شبنم اپنے اپارٹمنٹ میں لے گئی ہے۔ یقیناً اس میں بھی بگ باسٹرڈ کی کوئی خطرناک چال ہو گی ورنہ شبنم افضل خان کو پناہ دینے کی غلطی کبھی نہ کرتی۔"

"آپ کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہیں؟" سراج یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ الماس قریب کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''شطرنج کے کھیل میں گھوڑے کی چالیں وزیر سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ اکثر شاطر کھلاڑی گھوڑا بچانے کی خاطر وزیر کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اس وقت گھوڑا چاروں طرف سے مایوس ہو چکا ہے۔ اس کے پٹنے سے پیشتر بگ باسٹرڈ اسے اپنے کسی بھی دشمن کے خلاف بہ آسانی استعمال کر سکتا ہے۔''

''آئی سی......'' سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے پرخیال انداز میں کہا۔''میں آپ کی اس اطلاع کو فراموش نہیں کروں گا۔''

''ایک بات کا خیال رکھیے گا کہ شبنم پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔''

''مجھے آپ سے کچھ شکوے اور شکایتیں بھی لاحق ہو گئی ہیں۔'' میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔

''کسی دشمن نے کان بھرے ہوں گے۔'' سراج نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''فی الحال آپ الماس کو موبائل دے دیں، باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔''

''جو حکم آپ کا......'' سراج نے سعادت مندی سے کہا پھر ہونٹوں کی جنبش سے میڈم روبی کا نام لینے کے بعد موبائل الماس کے حوالے کیا اور خود لمبے لمبے قدم اٹھاتا اپنی اسٹڈی میں چلا گیا۔ الماس کے مشورے پر وہ صبا بیگم کی اس آخری تحریر کو اپنے کمپیوٹر کے ٹاپ سیکریٹ فولڈر میں مخصوص پاس ورڈ کے ساتھ محفوظ کر دینا چاہتا تھا۔

الماس رسمی تعارف کے بعد میڈم روبی سے بے تکلف ہو کر باتیں کرنے لگی۔

✣✣✣

لودھی کو معمولی زخم آئے تھے لیکن پھر بھی اس نے اندرونی تکلیف کا بہانہ کر کے اسپتال میں ایک دو دن مزید قیام کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، شیخ حامد کی وجہ سے اسپتال کے بڑے ڈاکٹر نے اسے یہ خوشی اس کی اجازت دے دی تھی۔ اس قیام کا تعلق لودھی کی کسی تکلیف سے نہیں تھا۔ اصل وجہ نرس ڈورتھی کی وہ حسین پیشہ وارانہ مسکراہٹ تھی جو اکثر مریضوں کو پسند تھی، لودھی سے پیشتر کچھ متوسط طبقے کے پیٹ بھرے افراد بھی غلط فہمی کا شکار ہو چکے تھے لیکن انہیں بھی مایوسی ہوئی۔ ڈورتھی نرس ہونے کے باوجود اچھے، بلند کردار اور اخلاق کی مالک تھی۔ حسب معمول وہ اس روز بھی دوا دینے کی غرض سے لودھی کے قریب آئی تو اس کے ہونٹوں پر وہی دل آویز مسکراہٹ کھیل رہی تھی جو مریضوں کو وقتی سکون دیتی تھی۔ ویسے بھی وہ حسین نقوش اور گداز جسم کی مالک تھی۔

''نرس......'' لودھی نے اس کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''ڈورتھی......'' اس نے مسکرا کر کہا۔''آپ کل بھی میرا نام پوچھ چکے تھے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' لودھی نے شوخی سے جواب دیا۔''لیکن سبق کئی بار دہرایا جائے تو اچھی طرح یاد ہو جاتا ہے۔''

''اوہ...... گویا آپ کو بعد میں بھول جانے کی عادت ہے؟'' ڈورتھی کے لہجے میں بڑا لطیف طنز تھا۔ ''اگر آپ کہیں تو لکھ کر دے دوں تاکہ آپ کو یاد رہے۔''

''کھلنے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔'' لودھی نے ڈھٹائی سے ایک قدم بڑھانے کی کوشش کی۔

''جو بات یا صورت دل پر نقش ہو جائے وہ زیادہ دیر پا ثابت ہوتی ہے۔''

''آئی۔سی......'' ڈورتھی نے مسکرا کر اسے دوبارہ خجل کرنے کی کوشش کی۔ ''آپ شاید ایکسپائری ڈیٹ پر دھیان دینے کے عادی ہیں؟''

''آپ کی باتیں بھی آپ کی طرح حسین اور دلکش ہیں۔'' لودھی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''یو آر رئیلی بیوٹی فل اینڈ چارمنگ!''

''پلیز مسٹر لودھی۔'' وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے سنجیدہ ہو گئی۔ ''دوا لیجئے۔ مجھے آپ کے علاوہ جنرل وارڈ میں دوسرے مریضوں کو بھی اٹینڈ کرنا ہے۔''

''میں یہاں سے جانے کے بعد بھی آپ کو یاد رکھوں گا۔'' لودھی نے رومانٹک لہجہ اختیار کیا۔

''دوا...... اور علاج ضروری ہے۔'' اس نے ہاتھ میں دبا ہوا گلاس اور گولیاں پھر لودھی کی طرف بڑھائیں، پہلے کے مقابلے میں وہ کچھ اور سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''آپ شاید میری بات کا برا مان گئیں؟''

''پلیز مسٹر لودھی......'' وہ تلخ انداز میں بولی۔ ''میں اپنے فرائض اور آپ کے آفیشل عہدے سے بخوبی واقف ہوں لیکن انسان اپنی لمٹ کراس نہ کرے تو سب کیلئے مناسب ہوتا ہے۔''

پولیس کے محکمے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدے کے علاوہ لودھی کو شیخ حامد کا منظور نظر ہونے کا گھمنڈ بھی تھا۔ پہلے بھی وہ کئی موقعوں پر اپنی مراعات کے سبب ٹیڑھی انگلیوں سے گھی نکال چکا تھا۔ نرسوں کے بارے میں اس کی ذاتی رائے بھی اس کے مزاج کے عین مطابق کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اس نے یک لخت سنجیدگی اختیار کر لی، چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم ایک بات بھول رہی ہو مس ڈورتھی...... پولیس والوں سے عداوت بھی اکثر بڑی مہنگی ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے وسیع اختیارات بڑے بڑے طرم خانوں کو بھی......''

لودھی اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔ اس کی نظر دروازے کی جانب اٹھی تو وہ ایک دم سنبھل گیا۔ خلاف توقع ایس پی اورنگ زیب کی آمد نے اسے ڈسٹرب کر دیا تھا۔ لودھی کی نظروں کے تعاقب میں ڈورتھی نے بھی پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا تو اس کے اندر اٹھتا ہوا طوفان اور بپھر گیا۔ اس نے خاموش انداز میں اپنی نفرت اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے دواؤں کی گولیاں ڈسٹ بن میں پھینکیں پھر...... جھلاتی ہوئی اورنگ زیب کے قریب سے گزر کر باہر چلی گئی۔

اورنگ زیب نے سچویشن کو سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ سنجیدگی سے قدم اٹھاتے ہوئے لودھی کے بستر کے قریب آ کر بڑے پروقار انداز میں ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی سر......؟'' لودھی نے لیٹے لیٹے ہی بڑے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''میں ایک دو روز میں ڈسچارج ہو جاؤں گا۔''
اس کا مشورہ ڈاکٹروں نے دیا ہے یا یہ آپ کا ذاتی فیصلہ ہے؟'' ایس پی نے چبھتے ہوئے انداز میں دریافت کیا۔
''ڈاکٹروں کا......'' لودھی نے دل ہی دل میں تلملا کر جبراً اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا۔
''اس وقت آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟''
''پہلے سے بہت بہتر ہوں سر...... کچھ اندرونی چوٹیں باقی رہ گئی ہیں۔''
''کیا میں اس وقت آپ سے اہم موضوع پر کچھ گفتگو کر سکتا ہوں؟......'' اورنگ زیب نے پہلو بدل کر سنجیدگی اختیار کر لی۔
''خیریت تو ہے سر......؟'' لودھی اس اچانک سوال پر گھبرا گیا۔
''فی الحال ابھی کسی کو آفیشلی انکوائری آفیسر مقرر نہیں کیا گیا لیکن ...... بحیثیت علاقہ ایس پی، میں ذاتی طور پر تھانے پر ہونے والے تباہ کن حملے اور انسپکٹر دانش کی موت کے بارے میں کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''
جواب میں لودھی کسمسا کر رہ گیا۔
''مسٹر لودھی...... کسی انسپکٹر کی آن ڈیوٹی موت اور جرائم پیشہ عناصر کا اس طرح دھڑلے سے کسی تھانے پر حملہ کرنا یقیناً ہمارے لیے باعث شرم ہے۔ کیا اس بات سے اتفاق کریں گے؟''
''ج...... جی ہاں سر۔''
''کیا آپ کسی ایسے شخص یا گروپ کا نام نہیں جانتے ہیں جو کھلے عام اتنی جرات کا مظاہرہ کر گیا اور ابھی تک صرف مشتبہ افراد کے علاوہ کسی قابل ذکر مجرم کی گرفتاری عمل میں نہیں آسکی۔'' اورنگ زیب کے لب و لہجے میں تلخی گھلنے لگی۔ ''علاقے کا ڈی ایس پی ہونے کی حیثیت میں آپ کے پاس ایسے افراد کی کوئی لسٹ ضرور ہو گی جو......''
''فی الحال میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا سر'' لودھی نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''ویسے بہ ظاہر یہی تاثر ملتا ہے کہ اس واردات میں بدنام فوٹو گرافر فرنانڈس کے واقف کار شامل ہوں گے۔ ایسے موقعے پر شر پسند عناصر بھی لوٹ مار اور جلاؤ گھیراؤ میں شریک ہو جاتے ہیں اس لیے......''
''ون منٹ......'' اورنگ زیب نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''یہی سب سے اہم بات ہے کہ جب فرنانڈس پولیس لاک اپ میں تھا تو وہ وہاں سے نکل کر باہر کس طرح گیا......؟''
''میں سمجھا نہیں سر......؟'' لودھی نے بڑی دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا۔ ''میری معلومات کے مطابق تو حملہ آوروں نے اسے لاک اپ میں ہی جلا کر راکھ کر دیا تھا۔''
''ونڈر فل......'' اورنگ زیب نے تیور بدل کر لودھی کو گھورا۔ ''گویا آپ کے خیال کے مطابق وہ لوگ فرنانڈس کے دوست تھے اور تھانے کی تباہی کے وقت فرنانڈس کو پولیس تحویل سے نکال کر لے جانے کا اصل مقصد بھول گئے تھے؟''

لودھی بری طرح سٹپٹا گیا۔ کوئی جواب بن نہ پڑا تو سپاٹ لہجے میں کہا۔
''میں حادثے کی اطلاع ملتے ہی جائے وقوعہ پر گیا تھا لیکن زخمی ہونے کے سبب مجھے اسپتال پہنچا دیا گیا تھا اس لیے......''
''شاید آپ کو اس بات کا علم بھی نہ ہوگا کہ تھانے پر حملہ ہونے سے پیشتر مرحوم انسپکٹر دانش نے کسی مخبر کی اطلاع ملنے پر فرنانڈس کو کسی اور اسپاٹ سے گرفتار کیا تھا جہاں وہ کچھ بلیک میلنگ فوٹو گراف بنانے کے لیے جیل سے نکال کر لے جایا گیا تھا۔ فرنانڈس کی رنگے ہاتھوں گرفتاری کا آؤٹ ڈور مشیر نامہ اور قانونی دستاویز بھی تیار کیے گئے تھے؟''
''جی......م......میں۔'' لودھی، اورنگ زیب کی معلومات سن کر ہکلانے لگا پھر بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ''سر......کیا ایسی کوئی دستاویز ملی ہے جو......''
''سوری......'' اورنگ زیب نے تیزی سے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ ''فی الحال میں اپ کی اس طفلانہ معصومیت کے اظہار پر خاموشی کو ہی ترجیح دوں گا۔''
''سر......'' لودھی نے اپنی وقت بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پھر جتوں سمیت ایس پی کی آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کی۔ ''اگر آپ کے پاس کوئی ایسی اطلاع ہے تو میں یہاں سے فارغ ہوتے ہی شر پسندوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں دیر نہیں کروں گا۔''
''گڈ......'' ایس پی نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''لیکن ایسے سنگین معاملات کی بیخ کنی کیلئے ضروری نفری کے بجائے سرغنہ پر جال ڈالا جائے تو امن وامان کی صورت زیادہ دیر برپا ہوتی ہے۔''
''آپ بجا فرمارہے ہیں سر لیکن سرغنہ......''
''میں نے آپ کے سلسلے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی فوری طور پر آپ سے ملنا ضروری سمجھا تھا۔'' ایس پی اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ میری اطلاع کے مطابق بہت نڈر، دور اندیش اور بولڈ آفیسر ہیں۔ کسی نے اس بات کی تائید بھی کی ہے کہ آپ کی معلومات کا ذخیرہ دوسرے ہم پلہ افسران سے کہیں زیادہ ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے لودھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے دبنگ لہجے میں بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ مجھ سے آئندہ تعاون کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ آپ کی پرسنل انفارمیشن کیلئے ایک اہم بات اور بتا دوں۔ میں اپنے فرض کی ادائیگی کے وقت سوائے اللہ کے کسی اور بات سے نہیں ڈرتا......وش یو گڈ لک۔''
اورنگ زیب اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد تیزی سے پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے لب و لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے لودھی کو بگ باس کے حمایتی ہونے کے باوجود بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ فرنانڈس کے سلسلے میں ایس پی کی معلومات بھی اس کیلئے کچھ کم پریشان کن نہیں تھی۔ ''وہ معلومات ایس پی کو کہاں سے ملیں؟'' یہ سوال بڑی دیر تک لودھی کے ذہن میں کسی بگولے کے مانند گردش کرتا رہا۔

✣✣✣

شیخ حامد اس وقت اپنے خاص بیڈ روم میں ایک غیر ملکی اور بے باک، کمسن حسینہ کے گداز جسم سے گتھا کسی اور ہی دنیا کی حسین وادیوں میں ہچکولے کھا رہا تھا، جب اس کے موبائل کی مدھم موسیقی گنگنائی۔ شیخ حامد کو ایسا ہی لگا جیسے خوش ذائقہ نوالے کے بیچ کوئی کنکری آ گئی ہو۔

''وہاٹ نان سینس۔'' حسینہ نے تلملا کر اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ ''ہواز ڈسٹربنگ؟''

''ڈونٹ وری سویٹ ہارٹ...... اٹس از بی ارجنٹ۔'' شیخ حامد نے پہلو بدل کر حسینہ کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں گھسیٹ لیا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا۔

''کون ہے؟'' اس کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''سوری سر...... میں بلیک ٹائیگر بول رہا ہوں، آپ کو ایک اہم اطلاع دینی تھی ورنہ......''

''بکو...... کیا بات ہے؟''

پھر دوسری طرف سے اورنگ زیب اور ڈی ایس پی لودھی کے بارے میں جو تفصیل بیان کی گئی اسے سن کر شیخ حامد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''فکر مت کرو...... میں اس کو بھی جلدی ہی ڈسپوز کر دوں گا۔'' اس نے موبائل کو پاورڈ آف کرنے کے بعد حسینہ کو بڑی وحشت کے عالم میں بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے ڈارلنگ؟...... یہ...... تم ایک دم اتنا وحشی کیوں ہو گیا......؟'' حسینہ نے احتجاج کیا۔

''شٹ اپ......'' اس نے غصے میں جواب دیا پھر اپنی ہوس کی تپش سرد کرنے کے بعد تیزی سے اٹھا اور دبیز قالین پر پڑا اپنا گاؤن پہنتے ہوئے خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

''سیلفش...... سن آف اے بچ۔'' غیر ملکی حسینہ جسے شیخ حامد نے شاید بیچ منجدھار میں چھوڑ دیا تھا، تلملا کر اٹھی پھر...... بڑی دیر تک وہ کسی بپھری ہوئی زخمی شیرنی کی طرح شیخ حامد کی شان میں اپنی نفرت کے اظہار کے طور پر فحش اور مغلظ گالیاں بکتی رہیں۔ وہ اپنی تہذیب کا عملی مظاہرہ کرنے میں حق بجانب بھی تھی۔

+++

لیاقت حسین لباس تبدیل کر کے ناشتے کی میز پر آیا تو فرحین پہلے سے اس کی منتظر تھی، خلاف توقع وہ اس وقت بہت خوش نظر آ رہی تھی، چہرے پر ہلکا سا میک اپ بھی تھا۔ لیاقت حسین نے اسے بڑی توجہ سے دیکھا پھر دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا بات ہے جان لیاقت، آج تو صبح صبح کچھ بدلی بدلی نظر آ رہی ہے؟'' اس کا اشارہ ہلکے میک اپ کی طرف تھا۔

''آج صاحب کے جانے کے بعد میں اور بیگم صاحبہ شاپنگ پر جائیں گے۔'' فرحین نے اسے چھیڑنے کی خاطر پوچھا۔ ''سچ بتانا، کیسی لگ رہی ہوں؟''

''دو نمبر کی میم نظر آ رہی ہے۔''

''جل گیا ناں......'' فرحین روٹھ سی گئی۔
''مجھے تجھ کو منانے کا ہنر بھی آتا ہے لیکن......''
''لیکن کیا......'' فرحین اس کے نامکمل جملے پر تلملا کر رہ گئی۔ ''چپ کیوں ہو گیا؟ کہہ دے کے بندریا لگ رہی ہوں۔''
''وہ بھی دو نمبر کی۔'' لیاقت حسین نے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ''دیکھ فرحین...... خوبصورت وہی بھلی لگتی ہے جو قدرت نے عطا کی ہو، تھوپا تھاپی کر کے اس میں ردو بدل کرنا مجھے تجھے زیب بھی نہیں دیتا۔''
''اور بیگم صاحبہ جو......''
''میں نے اپنی اور تمہاری بات کی تھی۔ بیگم صاحبہ کی بات اور ہے۔ ان کیلئے اس لیے جائز ہے کہ اول تو صاحب کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ صاحب نے انہیں منع بھی نہیں کیا۔ بڑی بڑی پارٹیوں میں شرکت کرنے کے علاوہ خود بیگم صاحبہ بھی میک اپ نہیں کرتیں اور اس چہرے میں زیادہ بھلی نظر آتی ہیں جو اوپر والے نے بنا دیا ہے۔ بڑی بری پارٹیوں میں جانے کیلئے میک اپ ایک فضول فیشن بن گیا ہے۔''
''کیا تجھے میرا میک اپ ٹھیک اپ کرنا بھلا نہیں لگا؟'' فرحین نے سپاٹ لہجے میں شوہر سے سوال کیا۔
''ہاں......'' لیاقت حسین نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''اور تو مجھے بغیر سرخی پوڈر کے زیادہ خوبصورت اور تروتازہ لگتی ہے۔ گلابی گلابی سی، مہکتے پھول کی طرح......''
فرحین نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے ناشتا کرنے لگی لیاقت حسین کو ڈیوٹی پر جانے کی دیر ہو رہی تھی اس لیے اس نے بھی جلدی جلدی ناشتا کیا پھر حسب دستور اس نے کمرے سے باہر جانے سے پہلے فرحین کے گداز ہونٹوں سے اپنے دن بھر کی پیاس کا کچھ حصہ ضرور حاصل کر لیا تھا۔ فرحین نے کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ تاہم میک اپ پر تبصرے والی بات اس کے دل کو اچھی نہیں لگی تھی۔
لیاقت حسین ٹھیک وقت پر سیٹھ عثمان کے پورٹیکو میں پہنچ کر ان کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ روزمرہ کے معمول کے مطابق سیٹھ عثمان ٹھیک نو بجے راحیلہ بیگم کے ساتھ باہر آئے۔ لیاقت حسین نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ سیٹھ عثمان کے بیٹھنے کے بعد وہ تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف جانے کو لپکا تو...... راحیلہ بیگم نے اسے آواز دے کر کہا۔
''لیاقت، آج میں اور فرحین شاپنگ کیلئے جا رہے ہیں۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو۔''
''شکریہ بیگم صاحب...... خدا اور آپ کی عنایت سے سب کچھ ہے ہمارے پاس۔''
گاڑی بنگلے سے نکل کر کھلی شاہراہ پر آئی تو سیٹھ عثمان نے کچھ سوچ کر پوچھا۔
''لیاقت حسین...... اس روز رات کو سراج تمہیں اپنے بنگلے پر کیوں لے گئے تھے...... کیا کوئی

خاص کام درپیش تھا؟''

''مجھے صرف اتنا یاد ہے صاحب کہ ڈپٹی صاحب مجھے رات گئے گھر سے لے گئے تھے پھر مجھے اپنے گھر سے واپس آ کر چھوڑ گئے۔''

''کام کیا تھا؟''

''میں نیند میں تھا، مجھے یاد نہیں ہے کہ......''

''مجھے تمہاری بات کا سو فیصد یقین ہے۔'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے کئی احسانات ہمارے اوپر بھی ہیں اور اب سراج پر بھی تم نے جو احسان کیا ہے وہ بھی قابل فخر ہے۔''

''کیسا احسان صاحب......؟'' لیاقت حسین نے معصومیت سے کہا۔ ''مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں۔ ڈپٹی صاحب نے آپ کو کیا بتایا ہے؟''

''اس رات الماس سے تمہاری ملاقات کہاں ہوئی تھی؟''

''ڈپٹی صاحب کے بنگلے پر......'' لیاقت حسین الجھے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میں نے ان کے ڈرائنگ روم میں بیگم صاحب کو دیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ پریشان نظر آ رہی تھیں۔''

''میں ایک شرط پر تمہیں بتا رہا ہوں لیکن تم اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرو گے، سراج یا فرحین سے بھی نہیں۔'' سیٹھ عثمان نے قدرے توقف سے بات جاری رکھی۔ ''اس رات تم نے الماس کو ایک بڑی مصیبت سے عین وقت پر بچا لیا تھا۔''

لیاقت حسین کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ یہی بات سراج نے بھی کہی تھی لیکن اس وقت بھی اس کے ذہن میں دھند ہی طاری رہی تھی۔ وہ ایسے کسی سانحے کے بارے میں قطعی واقف نہیں تھا۔

''صاحب۔'' اس نے پوری ایمانداری سے سیٹھ عثمان کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے ایسی کوئی......''

''قسم مت کھاؤ۔ مجھے تمہاری بات کا یقین ہے کہ تم غلط بیانی نہیں کر رہے۔''

''صاحب...... ایک درخواست کروں گا۔'' لیاقت حسین نے اداس انداز میں درخواست کی۔ ''آپ مجھے دماغی علاج کرنے والے کسی ماہر کو ضرور دکھا دیں۔ ہو سکتا ہے کہ شہر آنے کے بعد میری یادداشت......''

''اس وہم کو اپنے دماغ میں بھول کر بھی جگہ نہ دینا۔'' سیٹھ عثمان نے بڑے خلوص و محبت سے کہا۔ ''تم ذہنی طور پر مکمل صحت مند ہو لیکن...... ایک دو باتیں ہیں جو تم نے مجھے بھی کھل کر نہیں بتائیں۔''

''میں سمجھا نہیں صاحب؟'' سیٹھ عثمان کے جملے سے اس کے دل کو ٹھیس لگی۔ ''میں نے آپ سے کبھی کوئی بات......''

''مجھے معلوم ہے کہ تم نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی ہو گی۔'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر بے تکلفی سے کہا۔ ''میرا تجربہ کہتا ہے کہ تم ایک ذہین اور بے حد خوددار انسان ہو۔ شاید اسی لیے تم نے مجھے

اپنے والد کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

لیاقت حسین لاجواب ہو گیا پھر اس سے پیشتر کہ وہ کوئی مناسب جواب دیتا ایک سگنل بند ہونے کے سبب اس نے گاڑی روک دی، اسی لمحے دو آدمی گاڑی کے قریب آئے اور دروازے کھول کر بڑی سرعت سے عقبی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

''کوئی حماقت کرنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ ہمارے خاموش پستول تم دونوں کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیں گے۔'' سرد لہجے میں کہا گیا، اس کے ساتھ ہی لیاقت حسین کی گردن پر کسی پستول کا دباؤ بھی ڈالا گیا۔ لیاقت حسین کو بڑی شدت سے اپنی حماقت کا احساس ہوا، فرحین کے میک اپ اور سیٹھ عثمان کی باتوں میں الجھ کر وہ دروازوں کو لاک کرنا بھول گیا تھا۔ اب یاد آیا تو دیر ہو چکی تھی لیکن اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ آخری سانس تک کسی نہ کسی طرح وہ سیٹھ عثمان صاحب پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔

سگنل کھلا تو وہ گاڑی دوبارہ حرکت میں لانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا، فوری طور پر اس کی سمجھ میں ایک ہی بات آئی۔ وہ اغوا برائے تاوان کی خاطر سیٹھ عثمان کو ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے۔

''تم لوگوں کو ہم سے کیا دشمنی ہے؟'' سیٹھ عثمان نے ہمت کر کے ان افراد سے پوچھا جو عقبی نشستوں پر براجمان تھے۔

''خاموش بیٹھے رہو......'' سرد اور سفاک لہجے میں جواب ملا۔ ''ہم جو کہیں اس پر عمل کرتے رہو، اسی میں تمہاری خیریت ہے۔''

''کتنی رقم درکار ہے؟''

''تم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا تھا'' دوسری آواز ابھری۔ ''ہم اٹھائی گیرے نہیں ہیں اور...... فی الحال تم سے ہمیں کوئی سروکار بھی نہیں ہے...... ہم صرف تمہارے اس جیالے ڈرائیور کی کھوپڑی کا چیک اپ کرانے کیلئے ساتھ لے جائیں گے۔''

''میں گلے گلے تیار ہوں۔'' لیاقت نے دلیری سے جواب دیا۔ ''تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گا لیکن صاحب پر......''

''گاڑی اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے بائیں ہاتھ پر موڑ لینا......'' عقب سے اس کی بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔

لیاقت حسین نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ اسے علم تھا کہ وہ راستہ ایک تفریحی مقام کی طرف جاتا تھا جہاں پیک آورز (peak Hours) میں ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ حکم کی تعمیل کرتے وقت وہ پستول اس کے پاس موجود تھا جو سراج نے دیا تھا۔ سیٹھ عثمان ساتھ نہ ہوتے تو وہ جان پر کھیل کر بھی پانسا پلٹنے کی کوشش ضرور کرتا۔ راؤنڈ اباؤٹ سے بائیں ہاتھ گھومنے کے بعد کچھ آگے ایک سفید وین کھڑی تھی۔ لیاقت حسین کو اسی وین کے پیچھے

گاڑی روکنے کا حکم ملا پھر ایک شخص اسے پستول سے کور کرتا ہوا وین کے اندر تک لے گیا۔ سیٹھ عثمان نے وین کے نمبر نوٹ کرنے کی کوشش کی جس پر غیر علاقے کا نمبر نظر آ رہا تھا۔ دوسرا شخص ان کے سر پر مسلط تھا، وہ درمیانے قد کا مالک تھا لیکن اس وقت اس کا چہرہ بڑی چابکدستی کے ساتھ کسی ماہرانہ انداز میں تیار کردہ اسکن کلر ماسک میں قریب سے صاف نظر آ رہا تھا۔ وین کی نمبر پلیٹ بھی یقیناً جعلی ہی ہوگی۔

''تمہیں میرے ڈرائیور سے کیا دشمنی ہے؟'' سیٹھ عثمان نے ایک اور کوشش کی۔

''ہمیں اس کا بھی علم نہیں ہے۔'' سرد لہجے میں جواب ملا۔

''جو رقم تمہیں دی گئی ہے یا طے کی گئی ہے میں تمہیں اس کا دوگنا......''

''بکواس بند کرو۔'' حقارت سے کہا گیا۔ ''تم غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ ہم بکاؤ مال نہیں ہیں۔''

اسی وقت وین کی طرف سے اشارہ ملا تو وہ سیٹھ عثمان کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولا۔ ''تم میرے جانے اور وین کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد تک ڈرائیونگ سیٹ پر جانے کی غلطی نہیں کرو گے۔ ہمارے دو ساتھی اور بھی ہیں جو تمہیں نظر نہیں آ رہے لیکن...... اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو پھر تمہاری زندگی کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی، دیسی ساخت کا ایک معمولی بم بھی تمہیں اور تمہاری گاڑی کو تباہ کر دینے کے لیے بہت کافی ہوگا۔'' اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد وہ بھی لمبے لمبے قدم اٹھاتا وین میں چلا گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وین تیزی سے حرکت میں آئی اور اسپیڈ بڑھانے لگی۔

سیٹھ عثمان نے وین کے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک اپنی سیٹ نہیں بدلی پھر...... انہوں نے سب سے پہلے سراج سے موبائل پر رابطہ قائم کیا۔

''خیریت......'' دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔ ''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''میں اس وقت مشکل میں ہوں۔'' سیٹھ عثمان نے مختصراً کہا۔ ''دو نامعلوم پیشہ ور بدمعاش لیاقت حسین کو گن پوائنٹ پر اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

''تم اس وقت کہاں ہو......؟'' سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ سیٹھ عثمان جواب میں وہ لوکیشن بتانے لگے جہاں وہ موجود تھے پھر...... اس وقت تک انہوں نے اپنی سیٹ تبدیل نہیں کی جب تک سراج نہیں آ گیا۔ انہیں اپنی جان کو کوئی متوقع پیش آنے والے خطرے سے بھی کہیں زیادہ لیاقت حسین کی فکر تھی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے......؟'' سراج نے پوری تفصیل دریافت کرنے کے بعد سوال کیا۔

''لیاقت حسین ہم دونوں کیلئے کتنا اہم اور انمول ہے اس کا اندازہ تمہیں بھی ہوگا۔'' سیٹھ عثمان نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''اس وقت میں ایسی اعصابی کیفیت سے دوچار ہوں کہ دفتر کے بجائے سیدھا گھر واپس جاؤں گا۔''

''ڈونٹ وری مائی ڈیئر......'' سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ

وہ لیاقت حسین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ تم گھر جاؤ‘ میں فوری طور پر راستوں کی ناکا بندی کرانے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔“

سیٹھ عثمان نے سراج کو پر امید نظروں سے دیکھا پھر گاڑی میں بیٹھ کر گھر لوٹ گئے۔ فرحین اور راحیلہ بیگم گھر پر تھیں، دونوں بازار جانے کو تیار نظر آ رہی تھیں۔ راحیلہ بیگم نے شوہر کو خلاف توقع اتنی جلدی واپس آتے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکیں۔ سیٹھ عثمان کے چہرے پر موجود تاثرات بھی بتا رہے تھے کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ راحیلہ بیگم بے چین ہو کر ان کے قریب چلی گئیں۔

”کیا بات ہے؟ آپ اتنی جلدی کیسے واپس آ گئے۔ خدانخواستہ آپ کی طبیعت تو خراب نہیں؟“

”اندر کمرے میں چلیے۔“ سیٹھ عثمان نے فرحین کی وجہ سے مدھم لہجے میں کہا پھر کمرے میں پہنچ کر اصل صورت حال سے آگاہ کیا تو راحیلہ بیگم بھی تڑپ اٹھیں۔ لیاقت حسین انہیں بھی بہت عزیز تھا۔ فرحین کا خیال بھی انہیں پریشان کر رہا تھا۔ اسے شوہر کے اغوا ہونے کی خبر ملتی تو وہ بھی یقیناً مضطرب ہو جاتی۔

”آپ سراج بھائی کو دوبارہ فون کریں، میں فرحین کا خیال رکھتی ہوں۔“

”نہیں...... ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کیجیے گا۔“ سیٹھ عثمان نے بیوی کو سمجھایا۔ ”فی الحال جب تک سراج کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے، فرحین کو اصل صورت حال کا علم نہ ہو تو بہتر ہے، آپ اسے یہی بتا دیں کہ میں نے اسے کسی ضروری کام سے بھیجا ہے۔ میری طبیعت راستے میں بگڑ گئی تھی اس لیے واپس آ گیا۔“

”خدا غارت کرے ان لوگوں کو جو ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔“ راحیلہ بیگم نے دل سے بددعا دی۔

”میں بھی یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ خاص طور پر لیاقت حسین کو کیوں لے گئے ہیں؟“

”اللہ اس غریب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔“ راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین کیلئے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا پھر فرحین کی طرف چلی گئیں۔

سیٹھ عثمان ایک صوفے پر نیم دراز ہو کر سراج کو موبائل پر ٹریس کرنے لگے جس کا نمبر مستقل انگیج مل رہا تھا۔

✣✣✣

سفید وین میں ڈرائیور اور ایک گن مین پہلے ہی سے موجود تھے۔ لیاقت حسین کو پوری طرح گھیرنے اور وین کے حرکت میں آ جانے کے بعد اگلی نشست پر بیٹھے رائفل بردار نے جوان کا سرغنہ لگتا تھا لیاقت کی طرف دیکھ کر نفرت اور حقارت سے کہا۔

”آج چوہا پھنس گیا جال میں...... میں نے تو سنا تھا کہ تو کوئی اونچی شے ہے۔“

لیاقت نے کوئی جواب نہیں دیا، ابھی تک اس کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ سراج کا پستول اس کے

پاس تھا۔اسے ایسے کسی سنہری موقعے کی تلاش تھی جب وہ بساط کا رخ پلٹ سکتا۔

''اب تو یہ بالکل بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے۔'' دوسرے نے بھی مذاق اڑایا۔''ہمیں بتایا گیا تھا بڑا پھنے خاں ہے، آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''جب تک پہاڑ کے نیچے نہ آئے، اونٹ خود کو سب سے زیادہ قد آور ہی سمجھتا ہے۔'' تیسرے نے تنقید کی۔

''کوئی جواب نہ دینا لیاقت حسین۔'' لیاقت حسین کو خود اپنی ہی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔ اس نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا، وہ سمجھ گیا کہ اس کا ہم زاد اس سے مخاطب تھا۔''میں ان لوگوں کو تمہاری تلاشی سے باز ہی رکھوں گا۔''

''ان کی پشت پر کون لوگ ہیں؟''

''بھول جاؤ......تم صرف اتنا یاد رکھو کہ کچھ دور جا کر ان کی وین کسی وجہ سے رک جائے گی اس کے دوبارہ حرکت میں آنے تک یہ سب تمہاری جانب سے بالکل غافل ہوں گے۔ تمہیں خاموشی سے گاڑی سے اتر جانا ہے، اس کے بعد میں مادی شکل میں تمہاری جگہ لے لوں گا۔''

''لیکن......'' لیاقت حسین نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی بات درمیان سے اچک لی گئی۔

''تم یہاں سے سیدھے گھر جاؤ گے، میرے تمہارے درمیان جو باتیں ہوئی ہیں، وہ تمہیں یاد نہیں رہیں گی۔ تم سے کوئی سوال کیا جائے تو بس ایک ہی بات پر ڈٹے رہنا۔ سیٹھ عثمان نے تمہیں کسی کام سے بھیجا تھا جو نہیں ہو سکا۔ خود وہ طبیعت خراب ہونے کے سبب واپس لوٹ گیا تھا۔ میری بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔''

''کیا تم بھی مجھے ان دشمنوں کا نام نہیں بتا سکتے جو......''

''میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔'' پھر بات رد کر کے جواب ملا۔''لیکن جتنی اجازت ہے اس حد کو پھلانگنے کی کوشش کی تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔ ہم سب کسی ایسی لازوال قوت کے تابع ہیں جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔''

لیاقت حسین نے پھر کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔

''کیا بات ہے تیس مار خان۔'' اگلی نشست والے نے پھر اسے تاؤ دلانے کی کوشش کی۔''ہم نے تو تمہارے بڑے بڑے کارنامے سن رکھے تھے۔ اس وقت نانی کیوں مر گئی؟''

لیاقت حسین تلملا کر رہ گیا۔ تینوں دشمن اس کی بے بسی کا مذاق اڑاتے رہے، اسلحے کے زور پر......اگر وہ نہتے ہوتے تو شاید لیاقت حسین ان سے دو دو ہاتھ کر گزرنے میں کسی بزدلی کا مظاہرہ بھی نہ کرتا۔ وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑاتا رہا۔ پھر وین جو برق رفتاری کا مظاہرہ کر رہی تھی، ایک ویران جگہ پہنچ کر روک دی گئی۔

''کیا بات ہے؟'' اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے سرغنہ نے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے شبہ ہے کہ پچھلے پہیے کی ہوا کم ہو گئی ہے۔ ایک منٹ میں دیکھ کر آتا ہوں۔''

ڈرائیور نیچے اتر گیا۔ ہمزاد کی آواز بہت قریب سے سنائی دی۔ ''تم اب نیچے اتر جاؤ لیاقت حسین، میں نے ان تینوں کو بے حس کر دیا ہے۔ وقت کم ہے، جلدی کرو۔''

لیاقت حسین نے بہ مشکل جگہ بنا کر دروازہ کھولا اور نیچے اتر گیا، اسے بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص سے ٹکرا کر نیچے اترنا پڑا تھا لیکن وہ بے خبر بیٹھا رہا...... ایسا ہی لگا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو، لیاقت حسین کے باہر نکلنے کے دس سیکنڈ بعد وین دوبارہ حرکت میں آ گئی۔ لیاقت حسین واپسی کے راستے پر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ تقریباً چالیس منٹ تک وہ پیدل چلتا رہا۔ اسے کوئی ٹیکسی یا رکشا نظر نہیں آیا۔ ایک دو پرائیویٹ گاڑیوں کو ہاتھ اٹھا کر لفٹ مانگنے کی کوشش کی لیکن وہ تیزی سے رکے بغیر گزر گئیں۔ پندرہ منٹ بعد اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو سیٹھ عثمان کا پتا بتا کر تھکے تھکے انداز میں سیٹ سے ٹیک لگا لی۔ اس کو اپنا ذہن بالکل خالی خالی لگ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ کسی خاص بات پر غور کر رہا تھا۔

✣✣✣

فون کی گھنٹی بجتے ہی شیخ حامد نے اس طرح لپک کر ریسیور اٹھا لیا جیسے اسے کسی متوقع کال کا شدت سے انتظار ہو۔

''بلیک ٹائیگر بول رہا ہوں۔'' دوسری جانب سے ضروری کوڈ اور پاس ورڈ بتانے کے بعد کہا گیا۔ ''جن افراد کو ضروری کام سونپا گیا تھا وہ ہماری مطلوبہ شے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ اسے مطلوبہ مقام پر پہنچا کر دوبارہ اطلاع کریں گے۔''

''سیٹھ عثمان کو تو نہیں چھیڑا گیا......؟'' شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

''نو سر...... آپ نے جو ہدایتیں دی تھیں، کام اس کے عین مطابق ہوا ہے۔''

''اپنے آدمیوں کو دوبارہ تاکید کر دو کہ جو مال حاصل ہوا ہے اس میں زیادہ ٹوٹ پھوٹ نہیں ہونی چاہئے لیکن اس کی اتنی مرمت ضروری ہے کہ پانچویں بار کسی کام کا نہ رہ سکے...... میری بات کا مطلب سمجھ رہے ہو؟''

''یس باس...... سمجھ گیا، اور کوئی حکم......؟''

''میں نے آج وہ ٹینڈر حاصل کر لیا ہے جس کی خاطر سیٹھ عثمان کے راستے سے بھیگی بلی کی طرح ہٹ جانے کے بعد اب رستم علی آغا خانی مقابلے پر آنے کی غلطی کر رہا ہے۔''

''اجازت ہو تو کسی جماعت خانے میں اس کیلئے بھی دفنانے کا بندوبست شروع کر دوں؟

''جلد بازی نہیں لیکن...... محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میری معلومات کے مطابق وہ بھی کچھ ایسے جرائم پیشہ بدمعاشوں کی پشت پناہی کر رہا ہے جو قانون کو سنگین جرائم میں مطلوب ہیں۔ میں پہل کرنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتا۔''

''ایک بات عرض کرنا چاہوں گا۔''

''کہو......''

''دشمن کو سر اٹھانے سے پیشتر ہی کچل دیا جائے تو اندیشے باقی نہیں رہتے۔''
''نہیں......'' اس کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔ ''جتنا کہا جائے صرف اتنا کرو...... میں نے نمبر ٹو کو بھی ضروری ہدایت کر دی ہیں، فی الحال زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''
شیخ حامد نے ریسیور رکھ کر شبنم کی طرف دیکھا جو اس وقت اس کے ساؤنڈ پروف کمرے میں موجود تھی۔ میک اپ میں اس کا حسن پہلے کے مقابلے میں زیادہ نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔
''گڈ......'' شیخ حامد نے اسے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے مخاطب کیا۔ ''اب تم نے جینے کا جو نیا انداز اختیار کیا ہے وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ سود مند، چارمنگ اور گڈ لکنگ ہے۔ دوبارہ پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کبھی نہ کرنا، یہ میرا ذاتی مشورہ ہے۔''
''میں آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کروں گی۔'' وہ سعادت مندی سے بولی۔
''فائن......'' اس نے شبنم کو بہ دستور للچاتی ہوئی نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ ''جانتی ہو میں نے تمہیں افضل خان کے بارے میں کیوں رعایت دی تھی؟''
''ہے کوئی شخص جو بہت زیادہ سر ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' شبنم نے دبی زبان میں بگ باس کو خوش کرنے کی خاطر کہا۔ ''ایسے موقع پر افضل خان کے پاس کوئی دوسری چوائس بھی نہیں ہو گی۔ تخت یا تختہ والی صورتحال ہے۔''
''ونڈرفل......'' خطرناک مگرمچھ نے شبنم کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔ ''تم اب سمجھ دار ہوتی جا رہی ہو۔ اسے اس طرح اکسانا کہ وہ اس بات کا اندازہ نہ کر سکے کہ پشت پر میری مرضی بھی شامل ہے۔''
''ڈونٹ وری سر...... میں ایسا ہی کروں گی۔''
''وش یو آل دی بیسٹ...... میں باقی باتیں تمہیں موبائل پر سمجھا دوں گا۔'' شبنم بگ باس کا اشارہ پا کر اٹھی اور تیزی سے باہر چلی گئی تو شیخ حامد اپنے مخصوص موبائل پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ ہونے پر بے حد خشک اور سنجیدہ لہجے میں مخاطب ہوا۔ ''اپنے کچھ کارندے رستم علی کی نقل و حرکت پر تعینات کر دو لیکن...... میری طرف سے اشارہ ملے بغیر کوئی حماقت نہ کرنا۔''
''رائٹ سر......'' دوسری جانب سے مختصراً کہا گیا۔
''مجھے ہر دو گھنٹے بعد حالات اور مطلوبہ شخص کی ذاتی نقل و حرکت سے آگاہ کرتے رہنا...... ویٹ از آل۔'' بات مکمل کر کے شیخ حامد علی نے موبائل آف کر دیا۔ اس کی نگاہوں میں اس زخم خوردہ ناگ کی چمک ابھر آئی جس کی ناگن اسے بیچ منجدھار میں دغا دے کر ساتھ چھوڑ گئی ہو۔

✣✣✣

سیٹھ عثمان کے علاوہ راحیلہ بیگم بھی لیاقت حسین کی طرف سے بے حد فکر مند تھیں، سراج کا فون دوبارہ آ چکا تھا لیکن اس طرف سے بھی کوئی خاص خبر نہیں مل سکی۔ سفید وین کہیں دستیاب نہ ہو سکی۔ متعلقہ محکمے کے ذمے داروں نے بھی اس نمبر کو جعلی قرار دے دیا جو وین پر دیکھا گیا تھا۔ راحیلہ

بیگم نے فرحین کو شوہر کی طبیعت کا بہانہ کر کے ٹال دیا تھا اس کے بعد سے وہ شوہر ہی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی لیاقت حسین کی زندگی اور سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ دونوں کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔

''آپ کا شبہ کن لوگوں پر ہے؟'' راحیلہ بیگم نے خود کو بہلانے کی خاطر پوچھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا......'' سیٹھ عثمان کسمسا کر بولے۔ ''اگر انہوں نے اغوا کا کامیاب پروگرام بنا ہی لیا تھا تو پھر مجھے صحیح وسلامت کیوں چھوڑ گئے؟''

''خدا کیلئے ایسی بات منہ سے نہ نکالیے۔'' راحیلہ بیگم نے شوہر کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میری عقل بھی کام نہیں کر رہی کہ ان کی لیاقت حسین سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ یہ پرانی دشمنی کا شاخسانہ ہو جس کا ذکر لیاقت حسین نے ہم سے کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔''

''ایسی کوئی بات ہوتی تو کم از کم فرحین مجھے ضرور بتا دیتی۔''

''پھر آپ کیا نتیجہ اخذ کر رہی ہیں؟''

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ لیاقت حسین کی گاڑی کو ٹکر کیوں ماری گئی تھی؟ دشمنوں کا مقصد ہم سب کو ایک ساتھ ختم کرنے کا تھا۔ شاید انہیں ہمارے راستے میں سپر اسٹور پر اتر جانے کی اطلاع بروقت نہ ملی ہو۔''

''میرے ذہن میں بھی سب سے پہلے شیخ حامد ہی کا نام ابھرا تھا لیکن اگر بات وہی ہے جو آپ سوچ رہی ہیں تو پھر اس بار مجھے کیوں نظر انداز کر دیا گیا؟''

''اس لیے کہ آپ نے اب اس کے مقابلے پر آنا کم کر دیا ہے۔'' راحیلہ بیگم نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن دودھ کے جلے کو چھاچھ بھی پھونک کر پینے سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔''

ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔ فی الحال یہ دعا کریں کہ لیاقت حسین خیر و عافیت سے گھر آ جائے ورنہ ہم فرحین کو کیا منہ دکھائیں گے۔''

''میرا دل کہتا ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔ حدیث میں بھی یہی لکھا ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی کی پریشانی میں کام آئے یا کسی مومن کی دنیا میں تکلیف رفع کرے گا تو خداوند قدوس قیامت کے روز اس کی تکلیفوں کو رفع فرمائے گا۔ لیاقت حسین عبادت گزار ہے اور سب کا کام آتا ہے۔ اس مشکل وقت میں میرا دل کہتا ہے کہ خدا بھی غیب سے اس کی مدد فرمائے گا۔''

سیٹھ عثمان کچھ جواب دینا چاہتے تھے کہ ایک ملازمہ نے آ کر اطلاع دی کہ لیاقت حسین دروازے پر موجود ہے۔ اور صاحب سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔

سیٹھ عثمان کے علاوہ راحیلہ بیگم بھی اس طرح چونکیں جیسے کوئی انہونی ہو گئی ہو۔ لیاقت حسین کے بارے میں گھر میں کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اسے دو ڈھائی گھنٹے پہلے اغوا کر لیا گیا تھا۔

سیٹھ عثمان نے بیوی کی طرف حیرت سے دیکھا جو خود بھی حیران و پریشان نظر آ رہی تھیں پھر...... وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے پر آئے تو انہیں لیاقت حسین کو پرسکون حالت میں سامنے کھڑا دیکھ کر اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔

''تم......!'' وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ انہیں بہ دستور اپنی قوت بینائی پر شبہ ہو رہا تھا۔

''صاحب......'' لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے کہا۔ ''آپ نے مجھے جس کام سے بھیجا تھا وہ نہیں ہو سکا۔ آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

سیٹھ عثمان کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ لیاقت حسین نے حرف بہ حرف وہی جملہ کہا تھا جو انہوں نے فرحین کو تسلی دینے کی خاطر راحیلہ بیگم سے کہا تھا۔ پھر وہ جملہ لیاقت حسین کی زبان سے کیسے ادا ہوا؟ کیا وہ محض اتفاق تھا؟

''آپ آرام کریں صاحب۔'' لیاقت حسین نے انہیں گم صم دیکھ کر کہا۔ ''میں ادھر ہوں، کوئی کام ہو تو یاد کر لیجیے گا۔''

سیٹھ عثمان نے اس وقت بھی کوئی سوال جواب مناسب نہیں سمجھا۔ صرف اتنا کہا۔ ''تم گھر جا کر کپڑے تبدیل کر لو۔ آج میں گھر پر آرام کروں گا۔''

لیاقت حسین کے جانے کے بعد انہوں نے بیوی سے ذکر کیا تو وہ بھی ششدر رہ گئیں، کچھ توقف سے بولیں۔ ''سراج بھائی کا اندازہ غلط نہیں ہے کہ کوئی غیبی قوت لیاقت حسین کی مدد کر رہی ہے۔''

''ہو سکتا ہے لیکن ...... حیرت اس بات کی ہے کہ ان تینوں نے لیاقت حسین کو خاموشی سے چھوڑ دینے کا رسک کیوں لیا؟''

''مجھے بھی تعجب ہے...... بہرحال آپ سراج بھائی کو فون کر کے بتا دیں کہ لیاقت حسین، صحیح سلامت واپس آ گیا ہے۔ وہ اسی کی خاطر بھاگ دوڑ میں لگے ہوں گے۔''

سیٹھ عثمان نے بیوی کے مشورے پر سراج کو آگاہ کیا تو ایک لمحے کو اس کی طرف سے بھی خاموشی رہی پھر اس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''تم نے اس سے اغوا کرنے والوں کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ تو نہیں کی؟''

''نہیں لیکن...... مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ میں نے راحیلہ کو فرحین کی دلجوئی کی خاطر اسے جو بات سمجھائی تھی وہی جملہ جواب کی صورت میں لیاقت حسین کی زبان سے کس طرح ادا ہوا؟''

''پریشان مت ہو...... میں کچھ کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں، رات کو آؤں گا تو تمہیں بھی سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہو رہا کہ جو شر پسند اسے زبردستی لے گئے تھے انہوں نے اسے چھوڑ دینے کا رسک کیوں لیا؟''

''ابھی مت الجھو......'' سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ ''رات کو تفصیل سے بات ہوگی۔''
سیٹھ عثمان نے موبائل آف کر دیا لیکن ان کے ذہن میں مختلف پریشان کن خیالات بڑی تیزی سے کروٹیں بدل رہے تھے۔ راحیلہ بیگم کے دماغ میں بھی وسوسے سر اٹھانے لگے تھے۔

✣✣✣

اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ شیخ حامد شراب و شباب سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہ میں گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا جب اچانک وہ کچھ خلاف معمول آواز اور شور وغل سن کر اس طرح ہڑبڑا کر اٹھا جیسے قیامت آ گئی ہو۔ کمرے کی لائٹس آن کرنے کے بعد اس نے کال بیل بجائی، نائٹ ڈیوٹی ملازم دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا، وہ بھی بوکھلایا ہوا لگ رہا تھا۔
''یہ شور وغل کیسا ہے؟'' اس نے ملازم سے جھلا کر سوال کیا۔
''سر ہم پر حملہ ہو گیا ہے۔'' ملازم گھبرایا ہوا تھا۔
شیخ حامد کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کے بنگلے کے دونوں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا، تیز تیز قدم اٹھاتا عقبی کھڑکی کی طرف بڑھا، دبیز پردے کو ذرا سا ہٹا کر اس نے باہر دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کی قسمت اچھی تھی جو بال بال بچ گیا۔ کھڑکی میں روشنی کی جھری نظر آتے ہی باہر سے دو شعلے فضا میں برق رفتاری سے لپکے۔ کھڑکی کا شیشہ چور چور ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ شیخ حامد اچھل کر دیوار سے چپک گیا پھر اس نے جیب سے اپنا موبائل نکال کر بلیک ٹائیگر کے نمبر ڈائل کیے۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔
''تم اس وقت کہاں مرے ہوئے ہو؟'' وہ کسی شیر کی طرح دہاڑنے لگا۔ ''میرے بنگلے کو دونوں طرف سے گھیر کر فائرنگ ہو رہی ہے۔''
''میں بنگلے سے زیادہ دور نہیں ہوں سر......''
''یہ سور کے بچے کون ہیں جنہوں نے اپنی موت کو دعوت دی ہے؟''
''ابھی اس کا علم نہیں ہوا۔ ہمارے گارڈز انہیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' بلیک ٹائیگر نے جواب دیا۔ ''حملہ آور تین مختلف گاڑیوں میں وقفے وقفے سے آئے تھے اس لیے ہمارے آدمیوں کو کچھ دشواری ہو رہی ہے۔''
''بکومت......'' شیخ حامد گرجا۔ ''میں ان حرامیوں کو کیا مفت میں پال رہا ہوں جو ان کی غفلت سے ایک سنسناتی ہوئی گولی نے میری خواب گاہ کا شیشہ بھی چکنا چور کر دیا۔ میں اگر فائرنگ کی زد میں آ جاتا تو......''
''مجھے افسوس ہے سر لیکن ......حملہ اس قدر منظم طریقے سے......''
''نان سینس۔'' اس کے منہ سے پھر گالیوں کا طوفان ابلنے لگا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کہ دشمنوں کو حملہ کرنے سے پیشتر تمہیں اور تمہارے حرام خور محافظ دستے کے افراد سے باقاعدہ انوی ٹیشن کارڈ لے کر آنا چاہیے تھا۔''

''سوری سر، میں خود آگے جا کر دیکھتا ہوں۔''
''ربش...... ابھی تک کس بات کا انتظار کر رہے تھے......؟'' شیخ حامد نے جھلا کر فون آف کر دیا پھر کچھ سوچ کر اس نے فون اٹھایا اور ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔
''ہیلو...... اورنگ زیب بول رہا ہوں۔''
''تم اس وقت غالباً غفلت کی نیند سے بیدار ہوئے ہو۔'' شیخ حامد نے نفرت کا اظہار کیا۔
''کون بکواس کر رہا ہے؟'' جواب بھی اسی لب و لہجے میں دیا گیا۔
''میں شیخ حامد بول رہا ہوں۔'' اس نے بڑے تکبر سے اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔
''اس وقت کیا تکلیف لاحق ہوگئی......؟'' دوسری جانب سے بے پروائی سے سوال کیا گیا۔
''تم علاقے کے ایس پی ہو اور ابھی......''
''پلیز شیخ حامد...... تمیز سے بات کریں، میں آپ کا ماتحت نہیں ہوں۔'' اس بار اورنگ زیب کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا۔
''میرے گھر پر کچھ شرپسندوں نے حملہ کر دیا ہے۔ آپ کے کارندے اس وقت کہاں ہیں؟ کیا حسب دستور وہ مجرموں کے فرار ہونے کے بعد اپنی شکلیں دکھانے کی خاطر آئیں گے؟''
''میں نیا ذیا ہوں مسٹر حامد......'' اورنگ زیب نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ اس کے لہجے میں طنز بھی شامل تھا۔ ''آپ کے شہر کا یہ پرانا دستور ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس سلسلے میں بھی مرکز کے کسی وزیر سے بات کرنی چاہئے تاکہ پرانے دستور بدلے جاسکیں اور پولیس اور عوام دونوں اپنی حدود سے تجاوز کرنے کی حماقت نہ کریں۔''
''میں نے آپ کو لیکچر سننے کی خاطر فون نہیں کیا۔'' شیخ حامد بری طرح تلملا گیا لیکن اس بار اس نے ''تم'' کا صیغہ نہیں استعمال کیا تھا۔
''لیکچر نہیں...... میں اصول کی بات کر رہا ہوں شیخ صاحب، ویسے آپ کی اطلاع کیلئے بتا دوں کے تھانے کی پولیس پارٹی موقع واردات پر موجود ہے۔ میں خود بھی نکل رہا تھا کہ آپ کا فون آ گیا۔ آپ کے اکثر پڑوسیوں کے فون بھی آ رہے ہیں۔''
''میں آپ کا منتظر رہوں گا۔'' شیخ حامد نے مصلحتاً جواب دیا۔ وہ دریا میں رہ کر مچھلیوں سے بیر بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا۔
''سوری، میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ سچویشن کو فوری کنٹرول کرنا میرے لیے زیادہ اہم ہوگا۔ رہا ملاقات کا سوال تو ابھی میرے تبادلے کی کوئی امید نہیں ہے۔ ایک ہی شہر میں تو ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں گی۔'' دوسری جانب سے جواب کا انتظار کیے بغیر رابطہ منقطع کر دیا گیا۔
''باسٹرڈ......'' شیخ حامد بری طرح تلملا کر رہ گیا۔ تبادلے کے حوالے سے ایس پی نے جو ڈھکا چھپا طنز اور ملاقاتوں کا ذکر کرتا وہ بگ باس کے منہ پر بھرپور طمانچے سے زیادہ کاری ثابت ہوا۔

''ڈونٹ وری ایس پی...... میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔''

باہر سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں کچھ کمی ضروری آ گئی تھی لیکن فائرنگ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جاری تھی، خطرناک مگرمچھ کسی بھوکے درندے کے مانند ٹہل رہا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر مخالفین کے کئی چہرے بار بار ابھر رہے تھے پھر یک لخت اسے رستم علی آغا خانی کا خیال آیا۔ ٹینڈر میں ناکامی کے بعد اس نے جس انداز میں شیخ حامد سے ہاتھ ملا کر مبارکباد دی تھی اس میں کھلا چیلنج بھی موجود تھا۔ وہ مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا جب ملازم نے آ کر ملحقہ تھانے کے انسپکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

''بلا لاؤ......'' اس نے جھلا کر کہا۔

''سر......'' انسپکٹر کے دو منٹ بعد کمرے میں داخل ہو کر اسے باقاعدہ سلیوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم حالات پر قابو پا چکے ہیں۔''

''حملہ کرنے والے کون تھے؟'' بڑی رعونت سے سوال کیا گیا۔

''جو دو لاشیں ملی ہیں وہ پولیس کو متعدد جرائم میں پہلے سے مطلوب تھے۔''

''کس پارٹی کے ہو سکتے ہیں؟''

''مفرور مجرم تھے سر...... ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پشت پر کس کا ہاتھ ہوگا۔''

''ہمارے گارڈز کی کیا اطلاع ہے......؟''

''تین مارے گئے دو معمولی زخمی ہیں۔ انہیں میں نے اسپتال بھجوا دیا ہے۔'' انسپکٹر نے کہا پھر عقبی کھڑکی کے شیشوں کو بکھرا دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ ''یہ کیسے ہوا سر...... کیا انہوں نے......''

''ڈونٹ بی سلی۔'' شیخ حامد نے جھلا کر کہا۔ ''حملہ آور یہاں دشمنی کی غرض سے آئے تھے۔ دوستی کا پیغام دینے نہیں۔''

''سوری سر......''

''تمہارا ایس پی کہاں ہے......؟''

''وہ قرب و جوار کے لوگوں کا بیان لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سارے کاغذات ان ہی کی نگرانی میں تیار ہوئے ہیں۔ انسپکٹر نے کہا۔'' آپ کی رہائش گاہ پر آپ کے گارڈز کے ساتھ کچھ دنوں کیلئے پولیس کے سادہ لباس والوں کو تعینات کرنے کا حکم بھی......''

''اپنے ایس پی کو منع کر دینا۔ میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔'' شیخ حامد نے ایس پی سے تلخ باتوں کی جھلاہٹ انسپکٹر پر اتارنے کی کوشش کی۔ ''دشمن کے کارندے پولیس کے کسی آدمی کو بھی منہ مانگے داموں خرید سکتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ پولیس فورس میں بھی بے شمار کالی بھیڑیں موجود ہیں جن کو ان کے عہدے کے اعتبار سے خریدا جاتا ہے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے سر......؟'' انسپکٹر نے کسمسا کر دریافت کیا۔

''گیٹ لاسٹ...... تم جانو اور تمہارا ایس پی۔''

انسپکٹر سلیوٹ کر کے الٹے قدموں چلا گیا تو شیخ حامد نے موبائل پر کسی مخصوص نمبر ''ٹو'' سے رابطہ قائم کیا، لائن مل جانے کے بعد اس نے سخت لہجے سوال کیا۔ ''تمہیں جس شخص کی نگرانی پر لگایا گیا تھا اس کی رپورٹ کیا ہے......؟''

''میں اور میرے خاص آدمی مستقل اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ دفتر سے آنے کے بعد وہ ابھی تک کہیں باہر نہیں نکلا۔ عام طور پر اس کا یہی معمول ہے، یہ بات ہم نے اسی کے ایک آدمی سے معلوم کی تھی...... پارٹیوں میں سے بھی وہ صرف کسی خاص میں جاتا ہے۔''

''ٹیلی فون ایکس چینج میں کوئی واقف کار ہے؟''

''میں سمجھ گیا سر......'' دوسری جانب سے فوری جواب ملا۔ ''میں آدھے گھنٹے کے اندر اندر آپ کو ایسے تمام نمبروں کی فہرست فراہم کر دوں گا جہاں اس کے نمبروں سے رابطہ قائم کیا گیا ہے لیکن......''

''رک کیوں گئے؟ کیا کہنا چاہتے تھے......؟''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر یہ اسی کی حرکت ہے تو پھر اس نے فون پر کسی سے گفتگو کرنے کے بجائے شاید موبائل کو ترجیح دی ہو۔''

''یو آر...... رائٹ...... پھر بھی تم فون نمبرز مجھے پہلی فرصت میں فراہم کر دو۔'' شیخ حامد نے موبائل آف کر دیا پھر اپنے بستر پر لیٹ کر لائٹس بند کر کے نائٹ بلب آن کر دیا لیکن...... اس کا ذہن برابر اس دشمن کی کھوج لگانے میں مصروف تھا جس نے پہلی بار اس کے مکان پر حملہ کرنے کی حماقت کی تھی۔

+++

سفید وین کے پچھلے پہیے کی ہوا چیک کرنے کے بعد ڈرائیور نے دوبارہ تیز رفتاری کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ لیاقت حسین کو قابو کرنے والے دونوں مسلح افراد اس کے دائیں بائیں پوری طرح محتاط نظر آ رہے تھے، اگلی نشست پر بیٹھا ہوا رائفل بردار وین کے حرکت میں آتے ہی دوبارہ لیاقت حسین کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا جواب قدرے مطمئن اور بے پروا نظر آ رہا تھا۔

''جانتے ہو ہم نے اس وقت پیک آورز کے باوجود تمہیں کیوں اغوا کیا ہے؟'' اس کے لہجے مین سفا کی تھی۔

''میں صبح کا ناشتا کر کے نکلا تھا۔ شاید تم لوگوں نے دوپہر کے کھانے کا کچھ اہتمام کیا ہوگا۔'' لیاقت حسین نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''اچھا...... مجھے خوشی ہے کہ تم قربانی کا بکرا بننے کے باوجود بوکھلاہٹ کا شکار نہیں ہو...... ورنہ عام حالات میں ایسے موقعوں پر اغوا ہونے والوں کے چہروں پر یتیمی برستی نظر آتی ہے۔''

''موت جب برحق ہے تو اسی وقت آئے گی جو مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ رونے دھونے یا واویلا مچانے سے ملک الموت کو متاثر نہیں کیا جا سکتا۔''

''مضبوط اعصاب کے مالک معلوم ہوتے ہو۔'' بائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص نے سپاٹ انداز اختیار کیا۔
''لیکن تمہاری یہ زبان جو ابھی شگوفے اگل رہی ہے کچھ دیر بعد قینچی کی طرح نہیں چل سکے گی۔'' داہنی سمت والا کسمسا کر سرد آواز میں بولا۔ ''ہم تمہیں اپنے اشاروں پر سچ بولنے پر مجبور کر دیں گے۔''
''اگلے لمحے کیا ہوگا۔ یہ کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔'' لیاقت حسین نے اس بار بھی مرعوب ہوئے بغیر اطمینان سے کہا۔ ''جو مقدر میں لکھ دیا گیا، وہ بھی اٹل ہے۔''
''شٹ اپ......'' رائفل بردار اپنے غصے پر قابو نہ پا سکا۔ ''تمہاری یہ ساری اکڑفوں ابھی کچھ دیر بعد دوسرے راستے سے نکل جائے گی۔''
''کسی مشکل کو آسان کرنا یا صبر کا امتحان لینا بھی ہماری نہیں کسی اور......''
''بکواس بند کرو۔'' داہنی جانب والے نے پستول کی نال لیاقت حسین کی پسلی میں چبھوتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ دیر بعد ہم تمہیں آٹے دال کے بھاؤ سے بھی آگاہ کر دیں گے تمہارا واسطہ شاید ابھی تک ہم جیسوں سے نہیں پڑا۔''
''بہت زیادہ مفتیِ اعظم بننے کی کوشش نہ کرو۔'' اگلی نشست والا غرّایا۔ ''ہم نے بڑے بڑوں کو ٹھیک کر دیا ہے۔ تم کس کھیت کی مولی ہو۔''
اس بار لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ مرعوب بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد گاڑی کی رفتار ذرا مدھم ہوئی پھر وہ الٹے ہاتھ پر مڑنے کے بعد رک دی گئی۔ کسی شٹر کے اٹھنے کی آواز ابھری۔ اس کے بعد وین ڈھلوان اترنے کے بعد مکمل روک دی گئی۔ شٹر بند ہونے کی آواز دوبارہ سنائی دی پھر وین کا انجن بھی بند کر دیا گیا۔ اس جگہ آنے سے پانچ منٹ قبل لیاقت حسین کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی گئی تھی اس لیے کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس نے راستے میں بھی ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔
وین کا انجن بند ہونے کے بعد اسے گھسیٹ کر نیچے اتارا گیا۔ اس وقت سرغنہ نے بھاری آواز میں کہا تھا۔
''اسے اندر لے جانے سے پیشتر تلاشی بھی لے ڈالو۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس کوئی اسلحہ یا خنجر موجود ہو۔'' دو آدمیوں نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن لیاقت حسین کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ اس نے اپنی زبان بند کر رکھی تھی۔ دو افراد نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر آگے کی سمت دھکا دیا۔ کچھ دور اس نے کسی دروازے کے بند ہونے کی آواز سنی۔ اس کے بعد اسے کسی لوہے کی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ دونوں ہاتھ پشت پر کر کے پہلے اس کو ریشم کی پتلی رسی سے پوری طرح جکڑا گیا پھر پاؤں کو بھی کرسی کے دونوں پیروں سے جکڑ دیا گیا۔ اسے پوری طرح بے بس کرنے کے بعد آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی۔

وہ بارہ بائی پندرہ کا کمرا تھا جس کی دیواروں پر اذیت پہنچانے والے خطرناک آلات لٹکے نظر آ رہے تھے۔ لیاقت حسین جس لوہے کی ٹھوس کرسی پر بیٹھا تھا وہ شاید اسی مقصد کیلئے زمین میں فکس تھی کہ گر نہ سکے، کمرے میں سوائے ایک بید کی کرسی کے مزید کوئی اور سامان نہیں تھا۔

''ایک نظر چھت پر بھی ڈال لو جان جگر!'' سرغنہ نے مکروہ انداز میں مسکراتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔ ''شاید اسے دیکھ کر تمہیں جواب دینے میں کسی حماقت کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہ ہو۔''

جواب میں لیاقت حسین نے اوپر نظریں اٹھائیں جہاں لوہے کی دو زنجیریں اور اس کے آخری سرے پر لوہے کے مضبوط کڑے جھول رہے تھے جس سے اذیت دینے والے کو الٹا لٹکایا جا سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم پوری طرح اپنی موجودہ پوزیشن کا درست طور پر اندازہ لگا چکے ہو گے؟''

''ہاں...... مجھے معلوم تھا کہ تم لوگ مجھے آرام دہ بستر پر سلانے نہیں لائے ہو گے۔''

''تم کس کے ملازم ہو یہ ہم جانتے ہیں لیکن کچھ باتوں کی تصدیق ضروری ہے اس لیے ہم نے تمہیں اٹھا لیا ہے۔'' سرغنہ بید کی کرسی گھسیٹ کر اس سے دو فٹ کے فاصلے پر بیٹھ گیا...... اس کے دونوں ساتھی دائیں بائیں موجود تھے، ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ لیاقت حسین کے ساتھ برا سلوک کرنے کیلئے پوری طرح آمادہ ہیں۔

''پوچھو......'' لیاقت حسین نے بے پروائی سے کہا۔ ''اگر وہ باتیں میرے علم میں ہوئی اور کوئی مصلحت آڑے نہ آئی تو میں سچ بولنے سے گریز بھی نہیں کروں گا۔''

''پہلی بار تم نے میڈم روبی کو اغوا کرنے والوں کے ہاتھوں سے بچانے کی حماقت کس کے اشارے پر کی تھی؟''

''میرے دل نے مجھے اکسایا تھا۔ کسی مجبور اور کمزور عورت کی عزت اور عصمت بچانا ایک مسلمان کا فرض بھی ہے۔'' لیاقت حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اس وقت تمہارے ساتھ اور کون موجود تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم......''

''جھوٹ بول رہے ہو۔'' سرغنہ نے گرج کر کہا۔ ''تمہارے ساتھ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج بھی تھا۔''

''جب تمہیں یقین ہے تو پھر مجھ سے کس بات کی تصدیق کر رہے ہو؟''

''سیٹھ عثمان اور اس کی بیوی کو سپر اسٹور میں اتار کر تم اکیلے گاڑی لے کر کیوں چلے گئے تھے؟'' چبھتے ہوئے سرد لہجے میں اگلا سوال پوچھا گیا۔

''اس وقت میں بے ہوشی کی حالت سے دوچار تھا۔ میرا اندازہ ہے کہ شاید دعوت میں مجھے جو کھانا ملا تھا وہ زہر آلود تھا۔''

''پھر تم بچ کس طرح گئے؟''

''خدا کی مرضی......''

لیاقت حسین کے جواب پر سوال کرنے والے کے ایک ساتھی نے لپک کر اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اتنی شدت سے گھسیٹا کہ وہ چیخ اٹھا لیکن فوراً ہی خاموش ہو گیا۔

''اس وقت تم نے اگر ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو تمہاری موت بھی خدا کی مرضی سے بڑی المناک ہو گی۔'' سرغنہ بل کھا کر قہر آلود لہجے میں بولا۔

لیاقت حسین ہونٹ چبانے لگا۔ اس کا چہرہ اندرونی جذبات کی ترجمانی سے یکسر عاری تھا۔

''فرحین اور گل خان کی بیوی، زرینہ کو تم نے کس کی فراہم کردہ معلومات پر بازیاب کیا تھا؟''

''اس میں بھی مشیت ایزدی کا دخل تھا۔''

''کنجر......'' سرغنہ غصے سے کانپتا ہوا اٹھا پھر اس کے حکم پر لیاقت حسین کو کرسی کے شکنجوں سے نکال کر چھت سے الٹا لٹکا دیا گیا، اس کے سر کے نیچے ایک انگیٹھی رکھ دی گئی جس کا ایک سوئچ آن کرتے ہی لوہے کے کوئلے نما ٹکڑے بڑی تیزی سے سرخ ہونے لگے۔

''ہم تم سے پھر وہی سوال کریں گے۔'' سرغنہ نے بل کھاتے ہوئے سوال دہرایا۔ ''فرحین اور زرینہ کو جہاں رکھا گیا تھا اس کا علم تم کو کس ذریعے سے ہوا......؟''

''م...... میں نہیں جانتا کہ میں وہاں کس طرح پہنچ گیا تھا۔'' لیاقت حسین کے چہرے پر پہلی بار اذیت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

''میڈم کو دوسری بار سراج نے کسی نہ کسی کی اطلاع پر عین وقت پر بچا لیا تھا۔ تم اس کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''مجھے اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم......''

''جس نے بھی ہماری خدمات تمہاری خاطر مدارات کیلئے حاصل کی ہیں اس کے بنگلے پر حملہ کرنے والے کس کے آدمی تھے؟''

''یہ بات میں پہلی بار تمہاری زبان سے......''

''لیاقت حسین کا جملہ مکمل نہ ہو سکا، سرغنہ کے اشارے پر اس کے سیدھے ہاتھ پر کھڑے ہوئے آدمی نے یکے بعد دیگرے دو فائر کیے لیکن دونوں نشانے شاید خطا ہو گئے تھے۔ اس نے جھلاہٹ میں پورا پستول خالی کر دیا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ سرغنہ غصے سے دانت پیسنے لگا، وہ جانتا تھا کہ جس نے گولیاں چلائی تھیں وہ بڑا ماہر نشانے باز تھا پھر لیاقت حسین کس طرح محفوظ رہا......'' انگیٹھی کو اتنا بھڑکا دو کہ اس...... کے تخم کا بھیجا پگھل کر قطرہ قطرہ بن کر ٹپکنے لگے۔'' سرغنہ نے غصے سے کانپتے ہوئے حکم دیا۔

فائر کرنے والا ابھی تک اپنی ناکامی پر ششدر تھا۔ وہ لیاقت کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی محویت دیکھ کر دوسرا آدمی لپک کر دیوار کے قریب گیا، اس نے ایک سوئچ آن کیا تو انگیٹھی میں آگ بھڑک اٹھی، وہ بورڈ کے قریب دیوار پر لگی ایک چرخی کو آہستہ آہستہ بلند ہونے لگے۔

جب وہ لیاقت حسین کے سر سے ڈیڑھ فٹ دور رہ گئے تو اس نے چرخی روک دی۔
سرغنہ کی نظریں لیاقت حسین کے وجود پر مرکوز تھیں جس کا پورا وجود شعلوں کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ دہکتے گولے کے مانند سرخ ہونے لگا تھا لیکن اس کے چہرے پر کرب یا اذیب نام کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی البتہ اس کی نظریں قہر آلود انداز میں سرغنہ کے چہرے پر مرکوز تھیں، اس کی پلکوں نے جھپکنا بھی موقوف کر دیا تھا...... دوسری جانب سرغنہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل و دماغ پر برف سی جمنے لگی ہو، ایک لمحے تک وہ گم صم کھڑا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں کو کسی روبوٹ کی طرح حکم دیا۔
''اس کو نیچے اتار کر دوبارہ کرسی سے باندھ دو۔ میں سارا قصہ ہی پاک کر دوں گا۔''
''ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔'' چرخی کے قریب کھڑے ہوئے شخص نے احتجاج کیا۔ ''اگر یہ مر گیا تو ہماری آدھی رقم ڈوب جائے گی۔ ہم سے یہی کہا گیا تھا کہ اسے ہر قیمت پر......''
''بکومت......'' سرغنہ نے لیاقت حسین کی آنکھوں میں بہ دستور جھانکتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تمہاری رقم کی ادائیگی میرا ذمہ ہے جو تمہیں مل جائے گی۔''
سرغنہ کے دونوں ساتھیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر چرخی واپس گھما دی گئی، لیاقت حسین کو چھت سے اتار کر دوبارہ لوہے کی کرسی پر ہاتھ پاؤں جکڑ کر بٹھا دیا گیا۔ اس کی نظریں بہ دستور سرغنہ کی نظروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ''اب پستول کو دوبارہ لوڈ کر کے پورا چیمبر خالی کر دو۔ سرغنہ کی تحکمانہ آواز کمرے میں گونجی، دونوں ساتھیوں نے ریوالور لوڈ کر کے لیاقت حسین کو الوداعی نظروں سے دیکھا پھر ان کے پستول گولیاں اگلنے لگے۔ دونوں نے غیر اختیاری طور پر لیاقت حسین کے بجائے ایک دوسرے کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ سرغنہ کی نظریں پوری طرح لیاقت حسین پر جمی ہوئی تھیں۔ دو دشمنوں کے مرنے کے بعد لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے سرغنہ سے کہا۔
''اب تم اپنے ناپاک وجود کے گھناؤنے قصے کو بھی پاک کر دو...... یہی اوپر والے کو منظور ہے۔''
سرغنہ نے کسی سعادت مند بچے کی طرح اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنی رائفل کا دستہ زمین سے ٹکا دیا، اس کی نال اپنے حلق میں ڈالی پھر سیدھا ہاتھ بڑھا کر ٹریگر دبا دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی اس کی کھوپڑی تڑخ گئی، کسی کٹی ہوئی شاخ کے مانند ہی وہ لڑکھڑا کر زمین پر اوندھے منہ گرا پھر موت کی ابدی نیند سے دوچار ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی حیرت انگیز تھا۔ لیاقت حسین کے جسم کو جس ریشمی رسی سے جکڑا گیا تھا وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ کر کئی ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ پھر اس کا وجود بھی ہوا میں تحلیل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

✣✣✣

سراج بڑی سنجیدگی سے لیاقت حسین کے ساتھ سوال جواب کر رہا تھا۔ لیاقت حسین نے اسے بھی وہی بیان دیا جو وہ اس سے قبل سیٹھ عثمان کو دے چکا تھا۔ یہی کہ اسے سیٹھ عثمان نے کسی کام سے

راستے میں اتار دیا تھا اور خود گاڑی لے کر واپس گھر آ گئے تھے۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ یا ایسی علامت نہیں تھی جس سے سراج اس کے بیان کی تردید کر سکتا۔ الماس نے اغوا کے بارے میں بھی سراج سے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا کہ لیاقت حسین کو الماس کے اغوا کی خبر کس طرح ملی جبکہ اسے رات بارہ بجے کے لگ بھگ اغوا کیا گیا تھا۔ سراج خود بھی اس کا گواہ تھا کہ لیاقت حسین نے اسے اغوا والی رات بارہ بج کر چالیس منٹ پر فون کیا تھا۔ اس وقت اس نے سراج کو اپنے گھر آنے کو کہا تھا پھر سراج کے بجائے اس کی کار بھی لیاقت حسین نے ڈرائیو کی تھی۔ لیاقت حسین نے سراج کے استفسار پر یہی کہا تھا کہ اسے کسی خاص جگہ پہنچنا ہے جس کے بارے میں اس کے ذہن میں سوتے وقت اچانک خدشہ کلبلایا تھا۔ اس کے علاوہ اسے کچھ یاد نہیں تھا پھر الماس کو ایک مکان سے بازیاب کرانے کے بعد وہ دوبارہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ واپسی پر اس نے بڑی معصومیت سے سراج سے دریافت کیا تھا کہ اسے وہ اپنے گھر کیوں لے گیا تھا؟

جہاں تک ان باتوں کا تعلق تھا، سراج کو یہی شبہ ہوا تھا کہ کوئی غیبی طاقت لیاقت حسین کی رہنمائی کرتی ہے۔ تین مسلح آدمیوں کا لیاقت حسین کو زبردستی اغوا کرنا اور پھر بغیر کسی تشدد کے واپس کر دینا تعجب خیز ہی تھا...... یہ بات بھی اسے الجھا رہی تھی کہ لیاقت حسین نے خاص طور پر وہی جملہ کس طرح دہرایا جو اس کی بیوی کو وقتی طور پر تسلی دینے کی خاطر سیٹھ عثمان نے راحیلہ بیگم سے کہا تھا۔

''صاحب......'' لیاقت حسین نے سراج کو گم صم اور سنجیدہ دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا۔ ''کیا آپ کو میری بات پر اعتماد نہیں ہے؟''

''یہ بات نہیں ہے لیاقت۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔ ''ہمیں صرف یہ بات پریشان کر رہی ہے کہ تمہیں کن لوگوں نے اغوا کرنے کی حماقت کی تھی اور پھر اتنی آسانی سے......''

''میں نہیں سمجھا صاحب۔'' لیاقت حسین نے عجیب الجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے کسی نے اغوا نہیں کیا تھا۔ آپ نے مجھے دفتر جاتے وقت راستے میں کسی کام سے اتار دیا تھا اور خود واپس آ گئے تھے۔ شاید آپ کی طبیعت خراب تھی۔''

''فرحین اب کیسی ہے......؟'' سراج نے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔

''بھلی چنگی ہے صاحب۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ لیکن ایک منٹ......'' سراج نے فوری طور پر کچھ سوچ کر کہا۔ ''میں نے تمہیں اس وقت ایک اور کام سے بلایا تھا۔''

''حکم دیں صاحب......'' لیاقت حسین نے سعادت مندی سے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے مجھے ایک ہفتے یا دس روز کیلئے تمہاری ضرورت پڑے۔''

جواب میں لیاقت حسین نے سیٹھ عثمان کی طرف دیکھا تو انہوں نے مسکرا کر کہا۔

''میری طرف سے تمہیں ہر بات کی اجازت ہے۔''

''فرحین سے خاص طور پر پوچھ لینا۔'' سراج نے معنی خیز مگر دوستانہ انداز اختیار کیا۔ ''کہیں

اسے کوئی.....''

''وہ بھی میری طرح آپ کی بہت احسان مند ہے صاحب۔ وہ بھلا کیا اعتراض کرے گی۔''

کچھ دیر بعد لیاقت حسین کو رخصت کر دینے کے بعد سراج نے سیٹھ عثمان سے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ لیاقت حسین جو کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہوگا۔'' اس نے بات جاری رکھی۔ ''ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی کسی روحانی طاقت کا دخل ہو۔''

''پھر بھی...... یہ تو معلوم کرنا چاہئے کہ جن لوگوں نے سرعام اغوا کیا، وہ کون تھے؟ کس کے ایما پر انہوں نے پیک آورز میں اتنی دلیری کا ثبوت دیا اور...... اتنی شرافت سے چھوڑ کیوں دیا......؟''

اسی وقت باہر سے راحیلہ بیگم کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی تو سراج نے کہا۔

''عثمان ...... پلیز، الماس کے بارے میں، میں نے تمہیں اس وقت جو تفصیل بتائی ہے وہ بھابی کے سامنے زبان پر نہ لانا۔''

''آئی نو......'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''عورتیں راز داری کے معاملے میں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔''

راحیلہ بیگم نے شوہر کے ساتھ سراج کو لان پر بیٹھا دیکھ کر گاڑی پورٹیکو سے پہلے ہی رکوائی اور اتر کر سیدھی ان کی طرف آگئیں۔

''آپ کب آئے؟'' انہوں نے قریب جا کر سراج سے پوچھا۔

''ایک گھنٹے سے بغیر چائے کافی کے بیٹھا آپ کی راہ دیکھ رہا ہوں۔'' سراج نے حسب معمول سیٹھ عثمان کو چھیڑا۔ ''خدا کے اس نیک بندے نے ایک گلاس ٹھنڈے پانی کو بھی نہیں پوچھا۔ یہی کہتا رہا کہ اپنی بھابی کو آجانے دو پھر سب ساتھ مل کر کولڈ کافی پئیں گے۔''

''اور آپ کیوں میرے بغیر ہی ناشتا کرنے کا سوچ رہے تھے......؟'' راحیلہ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا تو سراج نے آسمان کی سمت نظر اٹھا کر کہا۔

''قرب قیامت کی دلیلیں ہیں۔ آج پہلی بار گھٹنا دیور کے بجائے شوہر کی طرف جھک رہا ہے۔''

راحیلہ بیگم مسکرادیں پھر بات بتاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو عثمان کو خوش کرنے کی خاطر کہہ رہی تھی ورنہ بھائی تو بھائی ہوتا ہے۔''

سراج نے بچوں کی طرح سیٹھ عثمان کی طرف دیکھ کر تالی بجائی پھر وہ کچھ فقرہ بھی چست کرنا چاہتا تھا کہ اس کا موبائل گنگنانے لگا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے موبائل کی اسکرین پر نظر ڈالی۔ ایس پی اورنگ زیب کا نام دیکھ کر اس نے جلدی سے کال ریسیو کی۔ ''سراج بول رہا ہوں۔''

''مصروف نہ ہوں تو کچھ دیر کیلئے غریب خانے پر تشریف لے آئیں۔'' دوسری جانب سے اورنگ زیب کی آواز ابھری۔

''سر...... خیریت تو ہے؟''

''آپ سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں جو قطعی نجی اور ذاتی نوعیت کی ہیں۔''

''رائٹ سر...... پندرہ منٹ کے اندر حاضر ہوتا ہوں۔'' سراج نے کہا پھر اٹھتے ہوئے راحیلہ بیگم سے شوخی سے کہا۔

''عثمان کی دعا قبول ہو گئی...... یہ شخص نہیں چاہتا تھا کہ میں رات کا کھانا بھی کھا کر جاؤں اس لیے ایس پی کی کال آ گئی۔''

''آپ واپسی پر آ جائیں...... میں اتنی دیر میں آپ کے پسند کی ڈشیں بھی تیار کر لوں گی۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری تندرستی کا خیال رہتا ہے لیکن یہ آپ کے شوہر نام دار......''

سراج نے سیٹھ عثمان کی طرف دیکھا پھر مسکراتا ہوا چلا گیا، اس نے واپسی کے لیے معذرت کر لی تھی۔

☩☩☩

ایس پی اورنگ زیب نے بڑے پرتپاک انداز میں سراج کو اپنے ڈرائنگ روم میں خوش آمدید کہا۔ سراج نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ دفتر اور گھر کے رکھ رکھاؤ میں اس کے انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ گھر میں وہ کسی ملنسار دوست کی طرح ملا تھا۔ دفتر میں وہ اس کے برخلاف سنجیدہ اور محتاط رہنے کا عادی تھا۔

''میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' رسمی گفتگو کے بعد ایس پی نے بے تکلفی ہی سے دریافت کیا۔

''جی نہیں...... اس وقت میں اپنے کلاس فیلو اور دوست سیٹھ عثمان کے کھلے لان میں بیٹھا آرام کر رہا تھا۔''

''گڈ ...... ہم پولیس والوں کو عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ ٹینشن رہتی ہے اس لیے ہمارے لیے ریلیکس ہونا بھی اشد ضروری ہے۔''

''میں آپ کے خیال سے متفق ہوں سر۔''

''بائی دا وے۔'' ایس پی نے صوفے پر پہلو بدل کر قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''آپ کے یہ سیٹھ عثمان وہی تو نہیں جن کی گاڑی میں بم نصب کر دیا گیا تھا اور آپ نے انہیں دو مہینے کیلئے باہر جانے کا مشورہ بھی دیا تھا۔''

سراج چونکا۔ ''آپ کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی سر......؟''

''مجھے اس کے علاوہ بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔'' ایس پی نے اس کا تجسس بڑھاتے ہوئے زیر لب مسکرا کر اضافہ کیا۔ ''مثلاً یہ کہ آپ نے کسی خاص وجہ سے انتہائی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے شیخ حامد سے اس کے دفتر جا کر ایک کثیر رقم بھی وصول کی تھی۔''

سراج ہکا بکا رہ گیا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگا کہ ایس پی نے اس وقت اسے کس مقصد سے بلایا تھا؟ پہلے دوستانہ انداز میں اس کا خیر مقدم کیا اور اب آہستہ آہستہ اسے ننگا کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟ وہ سنبھل کر محتاط ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی حیرت بلاوجہ نہیں تھی، شیخ حامد سے لین دین کا

اصل مقصد کیا تھا اس کی وجہ سوائے ریٹائر ہونے والے ڈی آئی جی کرائمز علیم احمد کے کسی اور کے علم میں نہیں تھی۔ ایس پی اورنگ زیب اس وقت دوسرے شہرے میں تعینات تھا۔

''اس جائز یا ناجائز لین دین کے موقعے پر آپ نے بڑی عقلمندی سے اپنے حساس اور خفیہ کیمرے سے اس کی عکس بندی بھی کی تھی۔''

سراج کے ذہن کو دوسرا جھٹکا لگا، اسے اس بات کا شبہ شروع سے تھا کہ بگ باس نے بھی اسے بلیک میل کرنے کی خاطر خفیہ کیمروں سے اس کی ویڈیو ضرور تیار کی ہوگی۔ ''تو کیا...... اس خطرناک نگر مچھ نے ایس پی اورنگ زیب کو وہ ویڈیو دکھا کر اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی تھی......؟'' سراج کے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا لیکن اس نے کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ اس کی نظریں بہ دستور ایس پی کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ''میں ذاتی طور پر آپ کو ایک ایماندار، نڈر، بے خوف اور ذمے دار پولیس آفیسر سمجھتا ہوں لیکن......'' ایس پی نے پہلو بدل کر گہری سنجیدگی اختیار کر لی۔ ''حیرت اس بات پر ہے کہ شیخ حامد جیسے گرگ باراں دیدہ اور خطرناک دشمن تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر افضل خان جیسے تھرڈ ریٹ بدمعاش کو آپ نے کیا سوچ کر استعمال کیا؟''

''سر......'' سراج نے کسمسا کر انکار یا اقرار کرنے کے بجائے پہلو تہی اختیار کرنے کا درمیانی راستہ اختیار کیا۔ ''ضروری تو نہیں کہ جو باتیں آپ تک پہنچی ہوں ان میں صداقت بھی ہو...... یہ بھی عین ممکن ہے کہ پچھلی ملاقات میں میرے اور آپ کے درمیان ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی جو گفتگو ہوئی تھی اس کی بھنک دوسروں کو مل گئی ہو یا...... کسی نے دور رہ کر اندازہ قائم کیا ہو اور اب اس نے ہمارے درمیان خلیج پیدا کرنے کی خاطر ایک فرضی کہانی......''

''نہیں...... میں آپ کے اس مفروضے سے قطعی متفق نہیں ہوں۔'' ایس پی نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''اگر آپ نے تمام باتوں پر یقین ہی کر لیا ہے تو پھر میں کیا صفائی پیش کر سکتا ہوں؟'' سراج نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

''مائی ڈیئر مسٹر سراج۔'' ایس پی نے دوبارہ پہلو بدل کر سراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''جو کثیر رقم آپ نے شیخ حامد جیسے خرانٹ مجرم سے وصول کی تھی۔ اگر میں اس کا کوئی دستاویزی ثبوت پیش کر دوں تو آپ کیا بہانہ بنانے کی کوشش کریں گے؟''

''میں اب اجازت چاہوں گا سر......'' سراج نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ نے اسوقت مجھے آف دی ریکارڈ باتوں کیلئے......''

''پلیز سٹ ڈاؤن......'' اورنگ زیب نے پھر بڑے مہذب انداز میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی کچھ باتیں رہ گئی ہیں جنہیں سننے کے بعد شاید آپ اسے آف دی ریکارڈ سمجھنے کے بجائے آئندہ میرے اوپر زیادہ اعتماد کرنے لگیں۔''

بات سراج کی سمجھ میں نہیں آئی پھر بھی وہ بادل ناخواستہ بیٹھ گیا۔
''آپ نے دو موقعوں پر میڈم روبی کو تحفظ دینے میں جو کردار ادا کیا، اس کا علم ان دشمنوں کو بھی ضرور ہو گا جو مجھے اور آپ جیسے آدمیوں کو خریدنے کی خاطر کسی بھی گھناؤنے طریقے کے استعمال سے گریز نہیں کرتے۔''
''میں میڈم کے سلسلے میں آپ کی معلومات سے انکار نہیں کروں گا۔'' سراج نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''ان کے بارے میں مجھے بہت ساری ایسی باتوں کا علم ہے جو شاید کسی اور کو نہ ہو۔''
''ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو لیکن...... اگر ہم ایک دوسرے پر اعتماد کریں تو عوام و خواص دونوں کو بہتر طور پر تحفظ فراہم کر سکتے ہیں۔''
''میں اس سے انکار نہیں کروں گا سر۔'' سراج نے دبی زبان میں جواب دیا۔ ابھی تک تو وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس وقت اسے بلانے کا اصل مقصد کیا تھا۔ ''اس مقصد کیلئے ہمیں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کرنا ہو گا۔'' اس نے کچھ توقف سے کہا۔
''مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔'' ایس پی نے ٹھوس لہجے میں اظہار کیا۔ سراج کو اس کے جواب میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں محسوس ہوئی لیکن شیخ حامد کے ساؤنڈ پروف کمرے میں ہونے والی لین دین کے معاملے میں اس کا ذہن بہ دستور الجھ رہا تھا۔
''شبنم اس وقت جو کردار ادا کر رہی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا ذاتی خیال کیا ہے؟ میری معلومات کے مطابق اس نے افضل خان کو بھی اپنے اپارٹمنٹ میں پناہ دی ہے جبکہ شیخ حامد نے اس کی سرپرستی سے منہ موڑ کر اسپتال سے ڈسچارج کرا دیا تھا۔ کیا شبنم اس بگ کریمنل کی مخالفت مول لینے کی پوزیشن میں ہے......؟''
''میرا خیال ہے کہ شبنم بغیر شیخ حامد کے اشارے پر اتنا بولڈ اسٹیپ اٹھانے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔''
''میں سمجھا نہیں......؟'' ایس پی نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''کیا وہ شبنم کے ذریعے ایک پٹے ہوئے مہرے کو کسی خاص محاذ پر استعمال کرنے پر غور کر رہا ہے؟''
''وہ محاذ ہم دونوں میں سے بھی کوئی ایک ہو سکتا ہے۔'' سراج نے دیدہ دانستہ ایس پی کا نام لینے کی غلطی نہیں کی ورنہ میڈم نے اسے کچھ ایسا ہی اشارہ دیا تھا۔
''میں ناواقف نہیں ہوں مسٹر سراج......'' ایس پی نے اس بار بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''وہ محاذ آپ نہیں...... میں یا پھر رستم علی آغا خانی بھی ہو سکتا ہے جو آپ کے دوست مسٹر عثمان کے درمیان سے کنارہ کش ہو جانے کے بعد شیخ حامد کا اب سب سے بڑا کاروباری حریف بن کر سامنے آ رہا ہے۔''
سراج حیرت سے اچھل پڑا۔ رستم علی کا نام وہ پہلی بار شیخ حامد کے حریف کی حیثیت سے سن رہا تھا۔

''آپ کو شاید یہ بھی سن کر تعجب ہو گا کہ شیخ حامد درپردہ مجھے بھی اپنا سب سے بڑا مخالف سمجھ رہا ہے۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا پھر مسکرا کر بولا۔ ''اب میں مناسب سمجھوں گا کہ ان باتوں سے بھی پردہ اٹھا دوں جو آپ کے ذہن میں یقیناً چبھ رہی ہوں گی۔ میں نے رقم کی لیکن دین کے سلسلے میں جتنی باتیں آپ سے کی ہیں وہ مجھے کسی ایسے شخص سے معلوم ہوئی ہیں جو آج بھی ہمارے محکمے میں سب سے زیادہ معتبر اور بولڈ سمجھا جاتا ہے۔ میں علیم احمد صاحب کی بات کر رہا ہوں، جن کی شخصیت میرے لیے کسی سرپرست سے زیادہ قابل احترام ہے۔ وہ بھی مجھے اپنے خاندان کے فرد کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ آپ کو میں نے اس وقت انہی کے مشورے پر بلایا ہے تاکہ ہمارے درمیان آئندہ کسی قسم کی کوئی غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ آپ کی اطلاع کیلئے یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے جو دستاویز اور تحریری بیان اپنی بے گناہی اور قانون کی مدد کرنے کی خاطر علیم احمد صاحب کے پاس محفوظ کرائے تھے اب انہوں نے اس کی ایک کاپی میرے پاس بھی امانتاً رکھوا دی ہے۔ یہ سب اس اعتماد پر کیا ہے کہ خدانخواستہ وہ نہ ہوں تو میں آپ کا تحفظ اپنا فرض سمجھ کر ادا کر سکوں۔''

ایس پی اورنگ زیب کے جملے سن کر سراج نے سکون کا طویل سانس لیا۔ اس کے ذہن سے جیسے کوئی وزنی بوجھ اچانک اتر گیا تھا۔

+++

شیخ حامد اپنی مخصوص لفٹ سے اتر کر آفس میں داخل ہوا تو کنول اس کے قدموں کی مخصوص آہٹ پا کر اپنے آفس سے نکل کر اس کے استقبال کیلئے سامنے آ گئی۔ یہ اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ حسب دستور اس کے ہونٹوں کے بیضوی اعصاب پر ایک دل آویز تبسم مچل رہا تھا۔ شیخ حامد اس کے خوبصورت اور گلاب جیسے تر و تازہ جسم کی سوندھی سوندھی مہک کو خوابوں میں محسوس کر کے ہی تر و تازہ ہو جاتا تھا۔ جب سے کنول نے آفس جوائن کیا تھا اس کی بھی روزمرہ کی اولین ڈیوٹی یہی تھی کہ وہ بگ باس کے آتے ہی اپنی خواب آلود نگاہ نیم باز اور حسن کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کو خوش آمدید کہے۔ یہی اس کی سب سے اہم ڈیوٹی بھی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنے تمام تر کیل کانٹوں سے لیس ہو کر اس کے سامنے باد بہاری کے جھونکوں کی طرح آ گئی تھی۔ کسی ارغوانی چھلکتے ہوئے جام کی طرح لیکن...... بگ باس کے چہرے پر گہری سنجیدگی دیکھ کر وہ اپنی جگہ سمٹ کر رہ گئی۔

شیخ حامد کے چہرے پر جھلاہٹ مسلط تھی، مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ اس خوبصورت متحرک نشے کی جاندار بوتل کے اندر مچلتی شراب کو دیکھ کر اپنا غم غلط نہ کر سکتا۔

رات گھر پر ہونے والے حملے نے اس کے ذہن کو بری طرح الجھا رکھا تھا۔ اورنگ زیب سے ہونے والی تلخ کلامی کی کڑواہٹ بھی اس میں شامل تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ اسے سات گھنٹے گزر جانے کے باوجود حملہ کرنے والوں کے بارے میں کوئی خاص اطلاع نہیں ملی تھی۔ ان تمام تر پریشانیوں کو نظر انداز کر کے اس نے کنول کے اس جیتے جاگتے، مہکتے پھول کو دیکھا تو ذہن پر ہلکے ہلکے نشے کی ترنگ کا احساس ہوا۔ اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔

کنول نے اس وقت بیل باٹم ٹائپ لباس پہن رکھا تھا۔ اس چست لباس نے اسے دو آتشہ بنا رکھا تھا۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز چست لباس سے سرکشی کرتے نظر آ رہے تھے۔ شیخ حامد نے کنول کو صرف ''آخری حربے'' کے طور پر استعمال کرنے کیلئے بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ کسی کاروباری معاملے میں سودا نہ پٹنے کی صورت میں ہی وہ اسے پارٹی کے سامنے لاتا تھا اور...... کنول جس انداز میں اس کی آؤ بھگت کرتی تھی وہ پارٹی کو ''بگلا بھگت'' بنا دیتا۔ وہ رائی کی مہنگی شراب کی طرح رگوں میں سرایت کر جاتی پھر...... سامنے والی پارٹی...... گویا ''عمل تنویم'' کے زیر اثر آ کر معمولی ردو بدل کے بعد ڈیل پر دستخط کرنے پر آمادہ ہو جاتی...... اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام تر صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا۔ کاروبار کی تمام تر سوجھ بوجھ اور دور اندیشیاں بھی کنول کی بلوری آنکھوں سے چھلکتی شراب کی مستیوں میں غرق ہو جاتیں۔ شیخ حامد بذات خود بھی کچھ ایسی ہی کیفیتوں سے دوچار ہو گیا۔

کسی آدم خور شیر کی کچھار پر ایک ذرا خطرہ محسوس ہو تو وہ جب تک خطرے کے اسباب نہ معلوم کر لے، سکون سے نیند نہیں لیتا، شیخ حامد کو بھی اس وقت سکون کی ضرورت تھی۔ وہ شادی کے بعد بھی ذہنی سکون کی خاطر خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ دل بہلانے کا عادی تھا، یہی وجہ صبا بیگم کی حرام موت کا سبب بن گئی تھی جس نے اس کے ذہن کو اس حد تک جھٹکا پہنچایا تھا کہ وہ ایس پی اورنگ زیب جیسے اثر ورسوخ رکھنے والے سے بھی الجھ گیا تھا۔ اب کسی نامعلوم دشمن نے براہ راست اس کے بنگلے کو نشانہ بنایا تھا۔ اس وقت اسے ذہنی انتشار کو دور کرنے کی خاطر سکون کی ضرورت تھی۔ سکون کے لیے عورت کا لچکتا بل کھاتا جسم اس کیلئے ہمیشہ بڑی موثر دوا ثابت ہوتی تھی۔ کنول بھی ایک ایسی سیل بند بوتل تھی جس کو اس نے اپنے کاروبار کیلئے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہ اس کے ذہنی انتشار کو دور کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتی تھی۔ اس کی نظریں کنول کے جسمانی پیچ وخم پر پھسلنے لگیں۔

''کیا بات ہے سر......؟'' کنول نے کسی مسیحا کی طرح دریافت کیا۔ ''آپ آج خلاف توقع کچھ ڈسٹرب نظر آ رہے ہیں؟''

''ہاں...... کچھ ایسی ہی بات ہے۔''

شیخ حامد خاموشی سے جا کر اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ وہ کنول کے سلسلے میں خلاف عادت بڑے صبر اور احتیاط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''آپ کچھ پینا پسند کریں گے......؟'' کنول اس کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔ ایک کا قرب [illegible] حامد کے لیے کڑی آزمائش تھی، پہلے وہ ہمیشہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر گفتگو کرتی تھی۔ آج اس کی چہرے کے بالکل قریب آ گئی تھی، اس کے جسم کی مہک اور تپش کا احساس شیخ حامد کو گدگدانے لگا۔

''نہیں......'' اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''میں دفتر میں پینے کے اصول کے خلاف ہوں۔''

''آپ نے اپنی پریشانی کی وجہ نہیں بتائی۔'' کنول نے ایک ہمدرد کی حیثیت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟''

جواب میں شیخ حامد نے کنول کی طرف دیکھا تو اس کی سحر آلود آنکھوں کا نشہ بے خود کر گیا، غیر اختیاری طور پر اس نے سیدھا ہاتھ کنول کی کمر میں ڈال کر ایک ذرا اشارہ دیا تو وہ کسی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی آغوش میں آ گری۔ ایک لمحے کو فطری شرم کے احساس نے کنول کو بوکھلا دیا۔ اس نے ہچکچا کر ایک مرد کی آغوش سے دور جانے کی کوشش کی لیکن شیخ حامد کے ہاتھوں کے حصار سے نہ نکل سکی۔

''اس وقت صرف تم مجھے سکون پہنچا سکتی ہو۔'' اس کا ہاتھ بہکنے لگا۔

''سر...... یہ دفتر ہے اور میں......'' ایک مرد کی بہکی ہوئی گرم تپش خود اس کے سینے میں بھی ہلچل مچا رہی تھی۔ اس نے مچل کر کہا۔ ''یہ گناہ ہے سر، جس کی دلدل سے ابھی تک میں محفوظ رہی ہوں...... پلیز......''

''پریشان مت ہو، میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔'' شیخ حامد نے خلاف توقع اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ کنول کسی مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کے جال سے نکل گئی۔ اس کے سینے کے زیر و بم ابھی تک اس کی اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہا تھا۔ ''فی الحال تم اپنے کمرے میں جاؤ، ضرورت ہوئی تو تم سے انٹر کام پر رابطہ کر لوں گا۔''

''آ...... اپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں سر......؟'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ ملازمت سے چھٹی مل جانے کا احساس اس کے کمزور وجود میں اترنے لگا، وہ جانتی تھی کہ بدن کا معاوضہ اسے موجودہ تنخواہ سے کہیں زیادہ مل سکتا تھا لیکن وہ تنخواہ عزت کے ساتھ کہیں اور نہیں مل سکتی تھی۔ جو حامد ایسوسی ایٹس میں مل رہی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ تم دو کپ کافی بنا لاؤ'' شیخ حامد نے اسے محبت سے دیکھا۔ ''آج میں تمہارے ساتھ کافی پیوں گا۔ آمنے سامنے...... دور دور بیٹھ کر۔''

کنول نے اسے ممنونیت سے دیکھا پھر الٹے قدموں اپنے ملحقہ آفس میں چلی گئی۔ شیخ حامد کے ذہن میں پھر رستم علی آغا خانی کا نام کروٹیں لینے لگا لیکن ابھی اس کے شبے کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی جس کے سبب وہ کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ ایسے ہی وقت میں موبائل گنگنایا۔ اسکرین پر لودھی کا نام دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے موبائل آن کر کے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''سر...... میرے آدمی برابر سراغ لگانے میں مصروف ہیں لیکن......''

''اور کوئی خاص بات......؟'' اس نے الجھ کر بات کاٹی۔

''میں نے ایک اور پرانے شکار پر اپنے اعتماد کے کچھ لوگ لگا رکھے تھے آج وہ ہمارے قبضے میں آ گیا تھا۔''

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''سیٹھ عثمان کا ڈرائیور لیاقت حسین جو چار مرتبہ ہمارا راستہ کاٹ چکا ہے۔''

''ربش......'' شیخ حامد تلملا اٹھا۔ ''تمہیں اس کام کے لیے کس نے اجازت یا حکم دیا تھا؟''

''آپ کا پرانا نمک خوار ہوں سر اس لیے......''

''لیاقت حسین اس وقت کہاں ہے......؟'' اس نے لودھی کی بات سنے بغیر جھلا کر پوچھا۔

''وہ میرے آدمیوں کے قبضے میں آ گیا تھا سر لیکن حیرت انگیز اور پراسرار طور پر مسلح آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر صاف نکل گیا۔''

لودھی جیسے جیسے تفصیل بیان کر رہا تھا، شیخ حامد کا چہرہ غصے سے سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ ''لودھی......'' پوری بات سننے کے بعد اس نے بے حد سرد انداز میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اسپتال میں علاج کے دوران تمہارا کوئی دماغی اسکرو ضرور ڈھیلا چھوڑ دیا گیا ہے۔''

''میری بات کا یقین کریں سر...... اس شخص کے اوپر یقیناً کسی جنات کا سایہ......''

''بکواس بند کرو......''

شیخ حامد کا ذہن لودھی کی بات سن کر اور مکدر ہو گیا...... کنول...... کافی کے ساتھ آ گئی تھی اس لیے اس نے موبائل آف کر کے اپنے غصے پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا۔ کافی پیتے وقت بھی اس نے کئی بار کنول کو نظر بھر کر دیکھا تھا پھر خود کو مصروف رکھنے کی خاطر اس نے موبائل اٹھا کر بلیک ٹائیگر کے نمبر ملائے، کنول سر جھکائے کافی پینے میں مصروف تھی۔

''کوئی سراغ ملا......؟'' اس نے رابطہ قائم ہونے کے بعد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''جن دو آدمیوں کی لاشیں ملی ہیں وہ ایک مقامی بدمعاش گینگ کے آدمی تھے۔'' دوسری سمت سے جواب ملا۔ ''میں نے بذات خود اس بدمعاش کے اڈے پر جا کر اسے کھنگالنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ دو روز پہلے ان دونوں مرنے والوں نے کسی وجہ سے ایک دن کی چھٹی مانگی تھی۔''

''میں سمجھا نہیں......'' شیخ حامد کی پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں۔ ''میرے اندازے اور دوسرے اطلاعات کے مطابق حملہ کرنے والے دو سے زیادہ کی تعداد میں تھے۔''

''میں یہی بتانا چاہتا تھا کہ حملہ کرنے والے افراد نے ہمیں دھوکا دینے کی خاطر دوسرے مقامی اڈوں سے بھی کچھ آدمی کرائے پر حاصل کر لیے تھے۔''

''اور کوئی خاص رپورٹ......؟''

''آپ کے ساتھ اس وقت کوئی اور ہے......؟''

''ہاں...... شیخ حامد نے کنول پر نظر ڈالی جو بہ دستور کافی پینے میں مصروف تھی۔

''رستم علی آغا خانی کل شام سے ابھی تک اپنی کوٹھی کے اندر ہی ہے۔ میرے آدمی اس کی نگرانی پر مامور ہیں۔ جیسے ہی کوئی کام کی بات معلوم ہوئی، آپ کو فوری اطلاع دوں گا۔''

''مجھے اطلاع نہیں...... رزلٹ چاہیے......'' اس نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''مخالفوں کو زیادہ ڈھیل دینا بھی میرے اصول کے خلاف ہے۔''

''آپ صرف اشارہ کر دیں سر......'' دوسری جانب سے جواب ملا۔ ''جس طبقے سے ہمارے

مشتبہ شخص کا تعلق ہے وہ زیادہ جیدار نہیں ہوتے۔ معمولی سختی ہی سے ان کی زبان فر فر چلنے لگتی ہے۔ حکم ہو تو اسے دو گھنٹے کے اندر اندر اٹھا لیا جائے۔"

"ابھی نہیں...... میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"

شیخ حامد نے موبائل آف کیا تو کنول نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کچھ سہمے سہمے انداز میں بولی۔ "سر...... آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں؟"

"کیوں...... تمہیں اس کا اندازہ کیسے ہوا؟"

+++

پاکستانی ڈائجسٹ ویب سائٹ ڈاٹ کام

''سر......!'' کنول آبدیدہ ہوگئی۔ ''آپ میرے محسن ہیں۔ ہر ماہ جو تنخواہ دیتے ہیں اس کا تصور تو میرے خواب میں بھی نہیں تھا۔ آپ کے ہاں ملازمت کرنے سے پہلے ہمارا گزارا کس طرح ہوتا تھا شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔ ''میرے معصوم باپ کو صرف اتنی سی بات پر قتل کر دیا گیا تھا کہ اس نے کسی واقف کار کی ناجائز خواہش پر سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اسے تھپڑ مار دیا تھا۔ دوسرے ہی دن میرے باپ کو دفتر کے بعد ایک ٹیوشن پڑھانے کے بعد گھر آتے وقت سر عام قتل کر دیا گیا۔'' کنول کی آواز بھرانے لگی۔ ''تین کرائے کے بدمعاش جو ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے ایک پک اپ سے کود کر اچانک سامنے آ گئے۔ انہوں نے بھری پری شاہراہ پر میرے والد کو چاقوؤں اور خنجر کے وار کر کے موت کی نیند سلا دیا۔ وہاں سینکڑوں افراد موجود تھے۔ کسی نے ان لفنگوں کے ہاتھ سے ایک ایسی قیمتی جان بچانے کا رسک نہیں لیا جو اپنے گھر کا واحد کفیل تھا۔ جان سب کو عزیز ہوتی ہے سر...... انہیں بھی عزیز ہوگی جو وہاں اچانک بھگدڑ مچ گئی۔ مجمع کائی کی طرح پھٹ گیا۔ میرے باپ کے جسم پر اکیس گہرے زخم آئے تھے...... شاید اس کے مرنے کے بعد بھی ایک کمزور عورت کو اپنی عزت بچانے کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔'' کنول کی ہچکیوں نے ایک لمحے کیلئے اسے خاموش کیا تو شیخ حامد نے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تمہیں اس شخص کا پتا معلوم ہے جس نے تمہاری ماں کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی تھی؟''

''پرانے زخموں کو دوبارہ کریدنے سے کیا فائدہ سر؟'' اس نے سسکتے ہوئے، رومال میں آنسو جذب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس حادثے کو بھی دس سال بیت گئے...... میری ماں نے محلے والوں کے مشورے پر اسی دن خاموشی سے اس جگہ کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا تھا جس دن میرے والد کی تدفین ہوئی تھی۔ میری عمر اس وقت شاید سات یا آٹھ سال کی رہی ہوگی۔ کئی بار میں نے ماں کو کریدنے کی کوشش کی لیکن کوئی خوف جس نے اس کی زبان میں تالے ڈال رکھے ہیں اور اب تو میں نے اصرار کرنا بھی چھوڑ دیا۔''

''آئی۔ سی......'' اس نے کنول کو ہمدردانہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس وقت تم جس مکان میں ہو وہ......''

''وہ میرے والد کے دور پرے کے عزیز داروں کا ہے۔''

''گزر اوقات کس طرح ہوتی تھی؟''

''ماں نے میری پرورش کیلئے سلائی کڑھائی کا کام سیکھ لیا تھا۔ اسی سے گزارا ہو رہا تھا۔ دو آدمیوں کا خرچ ہی کتنا ہوتا ہے۔''

''تمہاری تعلیم کا کیا ہوا......؟''

''میں نے کسی نہ کسی طرح میٹرک کر لیا تھا سر' پھر...... میں بھی ماں کے کام میں اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔'' کنول نے دبی زبان میں کچھ توقف سے کہا۔ ''آپ نے مجھے ملازمت دے کر بہت بڑا احسان کیا ہے سر...... میری ماں کا بوجھ بھی کچھ ہلکا ہو گیا ہے لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے یک لخت خاموش ہو گئی پھر سسکتے ہوئے بولی۔ ''آج پہلی بار آپ نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو مجھے مرحوم باپ کی دردناک موت یاد آ گئی......شاید......شاید آپ کو میرا مزاحمت کرنا برا لگا ہو؟''

''ڈونٹ بی سلی......'' اس نے کنول کو تسلی دی، اوپری دل سے اپنی غلطی کا ڈھکے چھپے لفظوں میں اقرار کرتا رہا پھر اچانک اس سے ایک ایسا سوال کر دیا کہ کنول کو اپنی سماعت پر دھوکا ہونے لگا۔ اس نے حیرت سے شیخ حامد کو دیکھا۔

''مجھے احساس ہے کہ میری تمہاری عمروں میں بڑا فرق ہے لیکن تمہیں وہ تحفظ ضرور مل جائے گا جو ابھی تک نہیں مل سکا۔'' اس نے ریوالونگ چیئر سے اٹھ کر اپنا منہ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''انکار کی صورت میں بھی میں برا نہیں مانوں گا۔ تم اپنی ماں سے بھی مشورہ کر لینا۔''

''آپ محسن ہیں سر...... جو پیشکش کر کے آپ نے مجھے تحفظ دینے کی بات کی ہے وہ کسی شریف ماں بیٹی کیلئے سب سے اہم بات ہے لیکن ......آپ کے اور میرے اسٹیٹس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

''یہ سوچنا میرا کام ہے۔'' اس نے کھلے لفظوں میں کہا۔ ''اقرار کرنے کی صورت میں تمہیں اور تمہاری ماں کو ایک شاندار کوٹھی میں منتقل کر دوں گا۔ وہاں تم دونوں کو ہر قسم کی آسائش حاصل ہو گی۔ ایک بات کا خیال بھی رکھنا ہو گا؟''

''وہ کیا......سر؟''

''یہ شادی خفیہ ہو گی اور...... خفیہ رہے گی، میں اپنے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع دینا پسند نہیں کروں گا۔ تمہیں دھوکا بھی نہیں دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ شیخ حامد کا وعدہ۔''

''میں آپ کا پیغام ماں تک ضرور پہنچا دوں گی۔ فیصلہ کرنا اسی کا حق ہے ویسے...... ویسے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ یقیناً میرے حق میں فرشتہ ثابت ہوئے ہیں۔ مم...... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کیلئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔''

کنول خاموشی سے کافی پیئے بغیر کھڑی ہو کر اپنے آفس میں چلی گئی۔ شیخ حامد کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب اسے اپنے دوسرے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

✣✣✣

چھریرے بدن، درمیانے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک سیاہ فام ہاشم اس وقت ایک فور اسٹار

ہوٹل کے ساتویں فلور کی بالکونی میں کھڑا، دوربین آنکھیں سے لگائے ساحل سمندر پر ہونے والی چہل پہل دیکھنے میں مشغول تھا، اس کے جسم پر اس کا روایتی لباس، پیلے رنگ کی گھٹنوں تک کی ہاف پینٹ اور پیکاک بیلوکلر کی بنگی شرٹ نظر آ رہی تھی۔ جنوبی افریقا میں بھی وہ اکثر و بیشتر اسی لباس کو پسند کرتا تھا۔ اس کی دوربین کا فوکس ایک چھ ساڑھے چھ برس کا بچہ تھا جو گلے میں موٹر ٹیوب ڈالے آنے والی لہروں پر بار بار جمپ لگا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی اس کی ماں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

خوبصورت اور معصوم بچے ہاشم کی کمزوری تھے۔ اس لیے کہ شادی کے بعد اس کا ایک ہی بچہ تھا جو پانچ ساڑھے پانچ سال کا ہونے کے بعد ایک قدرتی حادثے کا شکار ہو گیا تھا، اولاد کے غم میں اس کی بیوی بھی اسے داغ مفارقت دے گئی تھی۔ ساحلی علاقے کے سبب ہی اس نے اس فور اسٹار ہوٹل کو ترجیح دی تھی، ورنہ اس سے بہتر کسی فائیو اسٹار میں بھی ٹھہرنے کا مجاز تھا۔ وہ اس بچے کو بڑی محویت سے دیکھنے میں مصروف تھا جب موبائل کی گھنٹی کی میوزک ٹیون دوسری بار سنائی دی۔ اس نے دوسری بار بھی کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا چائینز شریک کار اسے فون کر رہا ہوگا جو کسی بھی ٹاسک کے مکمل ہو جانے کے بعد بھی کئی دن تک وسوسوں کا شکار رہتا اور بال کی کھال نکالتا رہتا تھا۔ ہاشم کو اس کی زیادہ دور اندیشی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی لوچن اسے ابھی تک پارٹی سربراہ سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا تھا، یہ غلط فہمی اسے جہاز میں اس وقت لاحق ہوئی تھی جب لوچن ایئر ہوسٹس سے دل بہلانے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ ہاشم کباب میں ہڈی بن کر اس کے راستے میں آ گیا تھا پھر اس نے تیسرے مسافر ڈوما کے بارے میں جب لوچن کو بتایا تھا کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے تو لوچن کو اس پر تعجب ہی ہوا تھا۔ اس کے بعد اسے لوچن اسی غلط فہمی کا شکار تھا کہ ہاشم ہی دراصل کوڈ ''سیون اسٹار'' کا استعمال کسی عورت کے ذریعے اپنی اصلیت کو چھپانے کیلئے کر رہا ہے لیکن...... جب تیسری بار موبائل کی میوزک ٹیون گونجی تو ہاشم نے کمرے میں آ کر موبائل آن کر دیا۔

''ہاشم اسپیکنگ!'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''سیون اسٹار......'' دوسری جانب سے کوڈ ورڈ کے ساتھ ہی نسوانی آواز ابھی۔ ''تم شاید کسی ضروری کام میں مصروف تھے؟''

''میرا خیال تھا کہ غالباً حسب معمول لوچن کے پیٹ میں درد ہو رہا ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی اختیار کی۔ ''کسی کام کے مکمل ہو جانے کے بعد وہ مختلف شبہات میں مبتلا ہو جانے کا عادی ہے۔''

''اس بار وہ کسی بات پر غور کر رہا ہے......؟'' بہ دستور سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''لوچن کا خیال ہے کہ میں نے چار مقامی لوگوں کو اپنی خصوصی پلاننگ کے تحت ہائر (HIRE) کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں نے محل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد ہی تین اطراف سے بیک وقت فائرنگ کرنے کی

پلاننگ کی تھی۔'' ہاشم نے وضاحت کی۔ ''اگر ہم تینوں نے تنہا تنہا رہ کر اس پر عمل کیا ہوتا اور کوئی ایک بھی دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتا تو باقی دو بھی زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے۔''

''میں تم سے متفق ہوں لیکن مقامی بدمعاش زیادہ قابل بھروسا نہیں ہوتے، دولت کا لالچ دے کر انہیں منہ مانگے داموں خریدا بھی جا سکتا ہے...... جگا اس معاملے میں پہلے ہی بدنام ہے۔''

''اس کا اصل نام جہانگیر بٹ ہے۔''

''جانتی ہوں...... پہلے وہ سیدھے راستوں کا مسافر تھا ایک کیس میں مجرم نہ ہونے کے باوجود پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ دو ہفتے جیل میں عادی مجرموں کے درمیان رہ کر باہر نکلا تو اسے احساس ہوا کہ طاقت اور دولت کے بغیر اوسط درجے کے لوگوں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اس لیے وہ عادی مجرم بن گیا اور اب ایک گینگ کا مالک ہے۔ پولیس کو ہر ماہ پابندی سے طے شدہ رقم ملتی رہتی ہے۔ اس لیے وہ جگا کے سلسلے میں چشم پوشی کرتی ہے۔ بہرحال'' دوسری جانب سے بات کو مختصر کر کے کہا گیا۔ ''بگ باسٹرڈ کے زرخرید کتے بو سونگھتے ہوئے جگا تک پہنچ گئے ہیں۔ جگا نے فی الحال انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ مرنے والے دونوں افراد دو روز کی چھٹی پر تھے، وہ اس کے گینگ میں بھی نئے شامل ہوئے تھے۔''

''پھر...... پریشانی کس بات کی ہے؟'' ہاشم نے روانی میں دریافت کیا۔ ''مرنے والے دوبارہ جگا کے خلاف گواہی دینے نہیں آئیں گے۔''

''ہاشم......'' دوسری جانب سے تنبیہ کی گئی۔ ''تم شاید بھول رہے ہو کہ کس سے بات کر رہے ہو؟''

''آئی ایم سوری لیکن......''

''دو آدمی جو مفرور ہو گئے ہیں' اگر وہ پکڑے گئے تو......؟'' چبھتے ہوئے سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

''ہاشم ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھ کر کام کرنے کا عادی ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ ''وہ اگر سامنے آ بھی گئے تو گواہی دینے کیلئے زندہ نہیں رہیں گے۔''

''میں تمہاری صلاحیتوں سے واقف نہ ہوتی تو تمہارا انتخاب بحیثیت رنگ لیڈر کے کبھی نہ کرتی...... ممکن ہو تو جگا سے فون پر رابطہ قائم کر کے پہلی فرصت میں معلوم کرو کہ وہ دونوں کہاں ہیں...... ان کو قبل از وقت وارننگ دے دی جائے تو مناسب ہوگا۔''

''آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن اگر انہوں نے اسے ہماری کمزوری سمجھ کر منہ کھولنے کی کوشش کی اور مزید کچھ رقم کا مطالبہ کیا تو......؟''

''ہمارے ملک میں کمیٹی والے بھی بھونکنے والے آوارہ کتوں کو زہریلی گولیاں دے کر ختم کر دیتے ہیں۔ تمہیں بھی پوری اجازت ہے لیکن میں غیر ضروری خون خرابا پسند نہیں کرتی۔''

''ایک مشورہ اور چاہتا ہوں۔'' ہاشم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''کوئی مرض دائمی صورت اختیار

کر جائے تو مریض کو صرف ایک خوراک دینے سے کام نہیں بنتا۔''

''آئیڈیا برا نہیں ہے لیکن...... کیا تم تنہا اس کام کو کرنے کی جرأت کر سکو گے؟''

''میرے آگے پیچھے رونے والا کوئی نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''میرے ذمے اس کا ایک پچھلا قرض بھی ہے جسے میں چکتا کرنا چاہوں گا۔''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''نہیں......'' ہاشم معنی خیز انداز میں مسکرایا، وہ سمجھ گیا تھا کہ ''آخری فیصلے'' کے حوالے سے اس کا امتحان لیا گیا ہے۔ اس نے جواب دینے میں پوری احتیاط سے کام لیا۔ ''مجھے سیون اسٹار کے کوڈ سے متعلق تمام شرائط یاد ہیں۔ جب تک اس حوالے سے لائن کلیئر کا سگنل نہ ملے میں خود سے کوئی اقدام نہیں کروں گا۔ سوائے ایک صورت میں۔''

''اس صورت کی وضاحت ضروری ہے؟''

''کوئی ایسا موقع بھی آتا ہے جب انسان پوری طرح ٹریپ ہو کر خود کو بچانے کی خاطر سچویشن کے اعتبار سے اپنی مرضی کا مالک ہو جاتا ہے۔''

''تم دور اندیش ہونے کے علاوہ تجربہ بھی رکھتے ہو......'' اس کی وضاحت کو سراہا گیا۔ ''سیون اسٹار گروپ نے یقیناً تمہارے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی...... میری طرف سے تمہیں اپنا قرض چکانے کی اجازت ہے لیکن...... تخت یا تختہ کے علاوہ کوئی اور غلطی نہ کرنا، اس بات کی بھنک لوچن یا ڈوما کو نہیں ہونی چاہئے۔''

دوسری طرف سے جملہ مکمل ہونے کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ ہاشم کے چہرے پر ابھرنے والے خوشی کے تاثرات اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ شیخ حامد سے اپنا حساب بے باق کرنے میں وقت نہیں لے گا۔ اسے یاد تھا کہ کچھ لوگ اسے اس وقت ہوٹل سے اغوا کر کے اس جگہ تک لے گئے تھے جہاں لوچن اس گڈز ٹرانسپورٹ کے مفرور ڈرائیور کو بازیاب کر کے لیاقت حسین کی گاڑی کو ٹکر مارنے کے سلسلے میں اس کی زبان کھلوانے کی خاطر ٹارچر کر رہا تھا۔ ہاشم کو اپنے اغوا کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں تھا اس لیے وہ بری طرح پھنس گیا تھا، ایسے وقت میں بھی اس کے ذہن کی مشین برابر کام کر رہی تھی۔ اغوا کرنے والے اسے اور لوچن کو ایک ساتھ ختم کرنے کے موڈ میں تھے، یہی ان کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے اور لوچن کے درمیان نورا کشتی والی تکرار بھی ہوئی تھی، خود لوچن کو خطرے کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈرائیور کی بندشوں کو کھولنے کی کوشش تھی پھر...... اپنے مارشل آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بازی پلٹ دی تھی، اغوا کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد وہ اور ہاشم دوبارہ آزادی حاصل میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اسی رز ہاشم نے اس شخص کا نام جاننے کی درخواست کی تھی جس کے کارندوں نے اغوا کیا تھا۔

''سیون اسٹار'' کی طرف سے اسے اجازت مل گئی تو وہ بے حد خوش ہوا تھا۔ وہ اس قرض کو

واپس کرنے کی خاطر فوری طور پر پلاننگ کرنے میں محو تھا جب دروازے پر دستک کی آواز سن کر چونک اٹھا۔ پلک جھپکتے میں اس نے اپنا بے آواز آٹو میٹک ریوالور تکیے کے نیچے سے نکال کر بنگی شرٹ کے اندر کر کے ہاف پینٹ میں اڑسا پھر دروازے کے قریب جا کر میجک آئی میں دیکھا۔ آنے والی ہوٹل کی خوبصورت ہوسٹس تھی جو دو بار پہلے بھی اسے ''مخصوص ٹائپ'' کے لوگوں میں شمار کر کے اپنی اداؤں سے نواز چکی تھی۔ ہاشم نے کچھ سوچ کر دروازہ کھول دیا۔

''اگر آپ مصروف نہ ہوں تو میں کمرے کی ضروری صفائی کر دوں؟'' حسب معمول اس نے ہاشم کی آنکھوں میں گہرائی تک جھانکا۔ ''بیڈ کی چادریں اور پلو کورز بھی تبدیل کرنے ہیں۔''

''کل ہی تو آپ نے تبدیل کیے تھے؟''

''ہم خاص طور پر غیر ملکی ٹورسٹ کے آرام و آسائش کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔'' ہوسٹس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''میں اس وقت شاور لینے جا رہا تھا۔'' ہاشم نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ ''اگر آپ شام کی چائے میرے ساتھ پینا پسند کریں تو مجھے خوشی ہو گی۔ اس وقت مجھے تنہائی کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔''

''او۔ کے، ایز یو وِش۔'' اس نے معنی خیز اور دلربا انداز میں جواب دیا پھر مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ہاشم نے دروازہ بند کرنے کے بعد سکون کا گہرا سانس لیا۔

✣✣✣

شبنم نہا دھو کر اپنے کمرے سے پوری طرح چینج کر کے ناشتے کی میز پر آئی تو افضل خان نے اسے سر سے پاؤں تک بہت غور سے دیکھا، اس وقت وہ خاصے ماڈرن ڈریس میں تھی جبکہ پہلے خود بہت لیے دیے رکھنے کی عادی تھی۔ افضل خان اس تبدیلی کو معنی خیز انداز میں سوچ رہا تھا۔ اسے شبنم کے فلیٹ میں آئے پورے سات روز گزر چکے تھے۔ بگ باس کی دی ہوئی رعایت ختم ہونے میں صرف تین دن رہ گئے تھے۔ ''اس کے بعد کیا ہو گا؟'' وہ پہلے والی پوزیشن میں ہوتا تو شاید سات دنوں میں شبنم کو شیشے میں اتارنے کی بھرپور کوشش کرتا۔ گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلتا تو وہ انگلی ٹیڑھی کرنے کے فن سے بھی واقف تھا لیکن موجودہ حالات میں ہر گزرنے والا دن ایک سخت امتحان تھا۔ ان حالات میں جبکہ اس کا مستقبل تلوار کی نوک پر تھا، وہ شبنم کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

''خلاف توقع تم پہلے کے مقابلے میں اب بہت سنجیدہ ہوتے جا رہے ہو؟'' شبنم نے توس پر مکھن لگاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''تم بھی پہلے اتنی ماڈرن اور بے باک نہیں تھیں۔'' وہ دبی زبان میں بولا۔

''کبھی حالات اور کبھی کچھ مجبوریاں انسان کے اندر بڑی نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔''

''تم کس وجہ سے مجبور ہوئیں......؟''

''کوئی اور بات کرو......'' اس نے بیزاری کا اظہار کیا پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''باس نے تمہیں جو رعایت دی تھی اس کے ختم ہونے میں......''

''جانتا ہوں......'' افضل خان نے کسمسا کر کہا۔ ''صرف تین دن اور رہ گئے ہیں لیکن تم پریشان نہ ہو...... ہوسکتا ہے میں اس سے پہلے ہی......''

''نہیں......'' شبنم نے اسے نشیلی نظروں سے دیکھا۔ ''میری اجازت کے بغیر تم کوئی ایسی غلطی نہیں کرو گے۔''

''سوری...... میں تمہیں اپنی وجہ سے پریشانی میں نہیں ڈالوں گا۔''

''بات پریشانی کی نہیں تمہارے آخری فیصلے کی ہے۔'' اس نے افضل خان کو تیکھی نظروں سے دیکھا پھر چائے بنانے میں مصروف ہوگئی۔

''میرا آخری فیصلہ...... تعجب ہے تم ایسی بات کہہ رہی ہو جس پر میرا بھی پاگلوں کی طرح قہقہہ لگانے کو جی چاہ رہا ہے۔'' افضل خان کے جواب میں اس کا اعصابی تناؤ اور ٹوٹ پھوٹ کا احساس چھلک رہا تھا۔ ''میرا فیصلہ وہی ہے جو یہاں آنے سے پہلے تھا، میں نے جس شہر میں کسی بھی وجہ سے راج کیا ہو، وہاں بھکاری کی طرح زندہ رہنے پر موت ہی کو ترجیح دوں گا۔ تم نے جتنے دنوں اپنی چھت کے نیچے سہارا دیا، اس کیلئے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''ایک سوال کروں؟'' اس نے افضل خان کی آنکھوں میں خمار آلود نظروں سے دیکھا۔ ''بے تکلفی سے جواب دو گے؟''

''پوچھو......''

''حالات کی تبدیلی سے پہلے تم مجھے شکار کرنے کی خاطر نہیں سوچتے تھے؟'' اس کے لہجے میں بے باکی بھی شامل ہوگئی۔

''ہاں......'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔ ''مگر میں نے بارہا اس خواہش کو بگ باس کے خوف کی وجہ سے پورا کرنے کی جسارت نہیں کی۔''

''سات روز تک میرے ساتھ تنہا رہنے کے بعد بھی تمہیں کبھی اس کا خیال نہیں آیا......؟'' شبنم نے اسے مزید ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''نہیں...... شاید اس لیے کہ جب موت کا تصور ذہن کو مایوسی کی انتہاء پر پہنچا دے تو اس وقت انسان کو پیٹ بھرے کی باتیں نہیں سوجھتیں۔'' افضل خان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ ''تم نے ابھی میرے کسی آخری فیصلے کی بات کی تھی؟''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا؟'' وہ یک لخت سنجیدہ ہوگئی۔ ''آخری فیصلہ تم ہی کو کرنا ہے لیکن...... تمہیں یاد ہوگا کہ اپنے اپارٹمنٹ میں لاتے وقت میں نے تم سے کہا تھا کہ بگ باس کسی شخص سے خوش نہیں ہے۔ شاید وہ تمہیں کوئی آخری چانس دے اور کامیابی کی صورت میں اس کی خفگی کچھ کم ہو

جائے۔ یہ تمہارا امتحان بھی ہوگا۔''

''کون ہے وہ؟''

''پہلے ایک ہی تھا۔ اب دو ہو گئے ہیں۔'' اس نے افضل خان کے صبر کو آزمانے کی خاطر اوپر سے ملنے والی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم کس کا انتخاب کرتے ہو؟''

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ پہلے کے مقابلے میں تم زیادہ عقلمند ہو گئی ہو۔ بہرحال، مجھے بتاؤ کہ ان دونوں مخالفین کا نام کیا ہے؟''

''ایک آغا منظور کی جگہ آنے والا نیا ایس پی اورنگ زیب اور دوسرا......'' اس نے توقف سے کہا۔ ''تم شاید اس کو پہلے سے جانتے ہو گے۔ میں سیٹھ رستم علی آغا خانی کی بات کر رہی ہوں۔''

''اس نے کیا کیا؟'' افضل خان نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ایک خیال ہے کہ باس کے بنگلے پر حملہ کرنے والے اسی کے پروردہ افراد بھی ہو سکتے ہیں۔''

''یہ کس کا خیال ہے......تمہارا یا...... بگ باس کا؟''

''آم کھانے سے مطلب رکھو۔'' شبنم کا لب ولہجہ کاروباری ہو گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کو دیئے گئے موبائل کا کوئی خفیہ میکنزم اس وقت بھی اس کی آواز کو کسی دوسرے برقی آلے پر بھی ٹرانسمٹ (Transmit) کر رہا ہوگا اس لیے بہت محتاط انداز میں بولی۔ ''میں نے اپنے اندازے سے تمہیں دونوں نام بتا دیئے ہیں۔ فیصلہ اب تمہیں کرنا ہے۔''

افضل خان تلملا کر رہ گیا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ شبنم اب پوری طرح بگ باس کے چنگل میں پھنس چکی تھی۔ ایک لمحے تک وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بڑی بے پروائی سے پوچھا۔

''اگر میں ایک پرانے واقف کار کی حیثیت سے فیصلے کا اختیار تمہیں دوں تو تم کس کا نام تجویز کرو گی؟''

''مجھے دفتر جانے کی جلدی ہے۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''کوئی جلدی نہیں ہے تم شام تک سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بھی کوئی حتمی فیصلہ کر سکتے ہو۔''

''بگ باس کی کیا خواہش ہے؟...... وہ ان دونوں کو کوئی سبق دینا چاہتا ہے یا انہیں ہمیشہ کیلئے راستے سے ہٹانا پسند کرے گا؟''

''میں نے تم سے روز اول بھی اپنا اندازہ ہی ظاہر کیا تھا۔'' محتاط لہجے میں جواب دیا گیا۔ ''اس وقت بھی میرا خیال ہے ان دونوں کو کوئی ایسا سبق دینا ضروری ہے کہ ہمارے شبہات دوبارہ سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں۔''

''ٹھیک ہے......'' افضل خان کے تجربے نے اسے باور کرا دیا کہ شبنم کھل کر بگ باس کا نام لینے سے گریز کر رہی تھی، پہلے وہ بھی اسی اصول پر کاربند رہا کرتا تھا چنانچہ اس نے شبنم کی نگاہوں

میں نگاہیں ڈال کر قدرے رومانٹک اور جذباتی انداز میں کہا۔ ''میں فیصلے کا اختیار تمہیں دیتا ہوں۔ شاید میں سات دنوں تک اس عارضی زندگی کا کچھ بوجھ ہلکا کر سکوں جو تم نے رسک لے کر......''

''کیا تم میرے کسی بھی فیصلے کو قبول کر لو گے؟'' جواب میں شبنم نے بھی رومانٹک انداز اختیار کیا۔

''آزما کر دیکھ لو۔''

''میرے مشورے پر اگر تم ان دونوں کو فی الحال کوئی سبق دے سکو تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

''پہلے تم کسے ترجیح دو گی؟''

''رستم علی آغا خانی۔'' اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''نئے ایس پی کے سلسلے میں، میں اس حد تک تمہیں آگاہ کر سکتی ہوں کہ مرکزی حکومت میں اس کے بھی دو چار خاص واقف کار ہیں۔ نہ ہوتے تو شاید اب تک اس کا تبادلہ بھی ہو چکا ہوتا۔''

''ہم جیسے کارندوں کیلئے یہ سوچنا ضروری نہیں ہوتا کہ ہمارا شکار کتنا اہم ہے۔ اس سے زیادہ باس کا اشارہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم کوئی اوچھا وار کرنے سے دریغ کرو گے۔'' شبنم نے دبی زبان میں جواب دیا پھر خاص انداز سے الوداعی بوسہ ہوا میں اچھالتی، اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر دفتر کے ارادے سے باہر چلی گئی۔ افضل خان نے دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ اس وقت وہ زندگی موت کے دہانے پر کھڑا کوئی آخری فیصلہ کر رہا تھا۔ اس کا ذہن شبنم کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جو خلاف توقع بہت زیادہ بے باک اور ماڈرن ثابت ہو رہی تھی۔ اس تبدیلی کے عقب میں اسے بگ باس کی خباثت ہی نظر آ رہی تھی۔

دفتر پہنچ کر شبنم نے سب سے پہلے کنول کے ذریعے بگ باس کو اپنی آمد کی اطلاع دی، اسے یقین تھا کہ اگر افضل خان اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو کسی بھی ذریعے سے بگ باس کے کانوں تک پہنچ چکی ہے تو وہ اسے اپنے ساؤنڈ پروف کمرے میں بلانے میں دیر نہیں کرے گا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ دو منٹ بعد اسے کنول کی طرف سے مخصوص کمرے میں پہنچنے کی ہدایت بھی مل گئی۔ ہدایت کے مطابق وہ پورے دس منٹ ساؤنڈ پروف کمرے میں شیخ حامد کے سامنے بیٹھی رہی۔

''کیا تمہیں اس وقت مجھ سے کوئی ضروری کام تھا؟'' خطرناک مگر مچھ نے اس انداز میں مخاطب کیا جیسے وہ کسی بات سے مطلق آگاہ نہیں ہے۔ شبنم نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ سنبھل کر بولی۔

''اگر میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا تو معذرت خواہ ہوں لیکن کچھ ضروری بات کرنی تھی۔''

''اب ان عارضی تکلفات کو چھوڑو مائی ڈیئر......'' شیخ حامد نے اس کو بے تکلفی سے جواب دیا۔

''میرے اور تمہارے درمیان سے سارے پردے جب سرک چکے ہیں تو اب ہمیں ایک دوسرے

سے بلا جھجک، بے تکلفی سے بات کرنی چاہیے۔"
"شکریہ باس......" اس نے دل پر جبر کر کے بگ باس کا اشارہ بھانپ کر قدرے برداشت سے کام لیا۔ "میں آپ سے افضل خان کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔"
"اوہ......" اس بار بھی لاعلمی کا بے حد کھلا ہوا مظاہرہ کیا گیا۔ "کوئی خاص بات......؟"
"میں نے آج ناشتے پر اس کے ساتھ کھل کر بات کی تھی۔"
"کرسی لے کر میرے قریب آ جاؤ......" اس نے شبنم کے گدرائے ہوئے چہرے پر نظر جمائے جمائے بڑی فیاضی کا اظہار کیا۔ "کسی ورکر کو اپنے قریب بیٹھنے کی آفر میں پہلی بار دے رہا ہوں۔"
شبنم انکار نہ کر سکی، جبراً زبردستی مسکراتی ہوئی کرسی لے کر اس کے قریب چلی گئی۔ اس نے دبی زبان میں باس کی آفر کا شکریہ بھی ادا کیا۔
"مجھے یقین ہے کہ زندگی اور عزت دو ایسی قیمتی اور کمزور چیزیں ہیں جن کو بچانے کی خاطر انسان اکثر مجبوری کا شکار ہو جاتا ہے۔" اس نے بے تکلفی سے اپنا ہاتھ شبنم کے شانوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "افضل خان بھی اس وقت ایسی ہی کشمکش سے دوچار ہوگا۔"
"یس باس......" وہ کسمسا کر بولی۔ "میں نے اسے یہی مشورہ دیا ہے، اسے ہمارے دونوں حریفوں کو کم از کم اتنی سزا ضرور دینی ہے جو انہیں اس بات کا احساس دلا دے کہ وہ دوبارہ آپ کی طرف بھول کر بھی نگاہیں اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔"
"دونوں کون؟" اس بار بھی معصومیت سے دریافت کیا گیا۔
"نیا ایس پی اور رستم علی آغا خانی......"
جواب میں خطرناک مگر مچھ نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا، اس کے ہاتھوں کی حرکت شبنم کے شانوں پر بتدریج بڑھنے لگی، نظریں خلا میں کچھ تلاش کرتی رہیں پھر اس نے ہاتھ کی جنبش روک کر شبنم کی طرف دیکھا۔
"مجھے تمہارا مشورہ پسند آیا لیکن فی الحال رستم علی کے کچھ پیچ ٹائٹ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، ایس پی کے بارے میں جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے...... اس کیلئے میں نے کچھ اور پلان بنایا ہے۔"
"ایز یو وش...... سر!"
"میڈم سے تمہاری بے تکلفی کس حد تک ہو چکی ہے؟" سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔
"آپ کے حکم کے مطابق میں میڈم کو بڑی حد تک شیشے میں اتار چکی ہوں۔"
"گڈ......" شیخ حامد نے بڑی بے تکلفی سے شبنم کے گالوں پر ہاتھ پھیرا...... معنی خیز لہجے میں سرسراتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اسے شیشے میں اتار کر اس کا زہر نکالنا چاہتا ہوں...... زہر نکال دیا جائے تو پھر ناگن بھی اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔"

شبنم نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، زبردستی مسکرانے پر مجبور ہوگئی۔
''کیا تم اس کو کسی تفریحی مقامات پر لے جاسکتی ہو......؟''
''ابھی تک ایسا تجربہ نہیں ہوا......'' اس نے مصلحتاً حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بڑی راز داری سے جواب دیا۔ ''ایک دوبار کوشش میں کامیاب ہو جانے کے بعد پورے یقین سے اس ناگن کا زہر بھی نکالنے کا پروگرام زیادہ مناسب ہوگا۔''
''تمہارا جواب سن کر مجھے خوشی ہوئی۔'' شیخ حامد کا ہاتھ شبنم کے جسم پر ادھر ادھر بھٹکنے لگا تو شبنم نے کسمسا کر کہا۔
''یہ دفتر ہے سر......!''
''گھبراؤ مت...... میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ ایک حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''
شبنم خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ سات آٹھ منٹ تک شیخ حامد اس کے جسمانی گداز سے خود کو عارضی سکون پہنچاتا رہا پھر اس نے شبنم کو جانے کی اجازت دی تو وہ اس وقت بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اس وقت ہی اس خطرناک مگرمچھ کو زندہ درگور کرنے سے گریز نہ کرتی۔
اس روز دفتری اوقات میں بھی وہ بگ باس کے موجودہ برتاؤ پر غور کرتی رہی۔ کھیل ایک بار شروع ہو جائے تو ہمیشہ درمیان میں نہیں رکتا، کبھی کبھی اس کا اختتام بھی عمل میں آ جائے تو جیت اور ہار کا وقت ہاتھوں سے نکل جاتا ہے، شیر کے منہ مین خون کا ذائقہ بدلنے لگے تو وہ ہر کسی کو پھاڑ کھانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ شبنم اپنی تصاویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ چکی تھی، خطرناک مگرمچھ میڈم کو بھی اسی کے ذریعے سے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔
تنہا عورت جو خود بے بس ہو چکی ہو کسی خطرناک مجرم کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لوہے کو کاٹنے کی خاطر ہمیشہ لوہا ہی کارآمد ہوتا ہے، یہ مثال وہ بچپن سے سنتی چلی آئی تھی۔ شبنم کو بھی ان نازک حالات میں کسی ایسے مرد کی ضرورت تھی جو شیخ حامد کے مقابلے کی ہمت رکھتا ہو، انہی خیالات کے تیز بہاؤ میں اسے افضل خان کا خیال آیا جب وہ باس کا دست راست تھا اس وقت شبنم کے علاوہ خود میڈم نے بھی اسے استعمال کرنے کی ٹھانی تھی لیکن افضل خان نے اپنی فطرت کے مطابق ڈبل کراس کی پالیسی اپنا لی مگر اس وقت وہ زندگی کے بجائے موت کو اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ لوہا گرم ہو تو اسے معمولی ضرب لگا کر بھی اپنی خواہش کے مطابق موڑا جا سکتا ہے۔ شبنم نے ایک بار حالات کے پیش نظر افضل خان کو آزمانے کی ٹھان لی۔ وہی اس کیلئے آخری آپشن تھا۔
دن بھر وہ اپنی سوچ کو مختلف زاویوں سے پرکھنے کے بعد ایک آخری فیصلہ کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ دفتر سے اپارٹمنٹ پہنچی تو افضل خان سامنے ہی ایک صوفے پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ شاید جو دو ٹارگٹ اسے دیئے گئے تھے وہ ٹاپ کلاس اشتہاری مجرموں کو بھی استعمال کرسکتا تھا

لیکن موجودہ حالات میں اسے تنہا اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا سخت امتحان درپیش تھا۔ وہ اس وقت موت کے کنویں میں تھا جہاں جیت کے امکان کم اور بربادی کے امکان بہت زیادہ تھے۔

''کیا بات ہے گریٹ خان۔'' شبنم نے اسے دوستانہ انداز میں گریٹ خان کے خطاب سے نوازا تو افضل خان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تڑپ کر رہ گئی۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟''

''تم نے جو امتحان کا پرچہ صبح دیا تھا اسی کو مؤثر طریقے سے حل کرنے کے منصوبے بنا رہا ہوں۔''

''اوہ...... کم آن۔'' وہ ہینڈ بیگ ایک طرف اچھال کر افضل کے برابر ہی بیٹھ گئی۔ ''مجھے اب بھی امید ہے کہ بگ باس کو خوش کرنے کیلئے تم جان کی بازی لگا کر بھی اپنا کھویا ہوا مقام کسی حد تک حاصل کر سکتے ہو...... ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ سے کم کا نہیں ہوتا۔''

''کسی حد تک سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' جواب میں اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا گیا۔

''بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ بگ باس کے خوف سے پھر محتاط ہوگئی، سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''اس کی جگہ اگر میں بھی ہوتی تو شاید میں بھی فوری طور پر تمہیں تمہارا کھویا ہوا مقام واپس نہ کرتی، اس کو حاصل کرنے کی خاطر تمہیں ایک نئے سرے سے محنت کرنی ہوگی، بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔''

''شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ مجھے ذاتی مفاد کی خاطر جب قربانی کا جانور بنا دیا گیا تو پھر بگ باس سے......''

''ہوش میں رہو، افضل خان۔'' شبنم نے بھڑک کر تیز لہجہ اختیار کیا پھر پرس کھول کر ایک تحریر شدہ پرچہ افضل خان کی طرف بڑھاتے ہوئے بہ دستور انتہائی درشت آواز میں بولی۔ ''اگر تم نے باس کیلئے کوئی غلط بات زبان سے نکالی تو پھر تمہیں میرے اپارٹمنٹ میں ایک پل کیلئے جگہ نہیں ملے گی۔''

افضل خان، شبنم کے اس تضحیک آمیز جملے پر تلملا کر رہ گیا پھر اس نے تہ کیا ہوا پرچہ کھول کر دیکھا تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ پرچے پر صرف ایک مختصر مگر اہم پیغام درج تھا۔ ''ہماری اس کمرے میں ہونے والی گفتگو بھی دوسری جانب سنی جا رہی تھی۔ محتاط رہنا، ویسے میں تمہارے ساتھ ہوں، کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی کام آ سکوں۔''

''مجھے تمہارے جواب کا اندازہ تھا۔'' افضل خان نے پوزیشن کی نزاکت سمجھ کر کینچلی بدلی۔ ''بگ باس کے میری ذات پر بے شمار احسانات ہیں، میں اس سے انکار نہیں کروں گا لیکن خدا گواہ ہے کہ میڈم کے سلسلے میں مجھے......''

''وہ بھی ایک مصلحت تھی۔'' شبنم نے بہ دستور روکھے لہجے میں اس کا جملہ درمیان سے اچک لیا۔ ''تم تصویر کا دوسرا رخ کیوں نظر انداز کر رہے ہو؟''

''کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''تمہیں اب جو موقع ملا ہے وہ بھی بگ باس ہی کی مہربانی ہے ورنہ اسے رعایت دینے کی کیا ضرورت تھی......؟''

''میں اس بات کو نظر انداز نہیں کر رہا لیکن اب میرے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں تنہا دو خطرناک محاذ سر کر سکوں۔''

''یہ سوچنا میرا کام نہیں......'' اس نے تیزی سے دوٹوک جواب دیا پھر توقف سے بولی۔ ''ویسے میں کوشش کروں گی کہ بگ باس سے تمہارے لیے کچھ مزید رعایت حاصل کر سکوں۔''

''وہ آمادہ نہیں ہوگا......'' افضل خان نے نوراکشتی جاری رکھی۔

''ہو بھی سکتا ہے......کوشش کر لینے میں کچھ حرج بھی نہیں ہوگا۔''

''کیا تمہیں اعتماد ہے کہ تم اس سخت لوہے کو موم کر سکو گی؟''

''فضول باتوں سے پرہیز کرو......'' اس نے تلخ انداز میں جواب دیا پھر کچھ تامل کے بعد بولی۔ ''تم صرف اپنی پسند بتا دو، تمہارے لیے دونوں میں کون سا ٹارگٹ زیادہ آسان ہوگا؟''

''رستم علی آغا خانی۔''

''ٹھیک ہے، تم اس محاذ کو تین دن کے اندر سر کر لو تا کہ مجھے بگ باس کے سامنے زبان کھولنے کا موقع مل سکے۔ ہو سکتا ہے کہ دوسرے ٹارگٹ کیلئے تمہیں مزید وقت مل جائے۔''

اس کے بعد شبنم نے گفتگو کا موضوع بدل دیا پھر نہانے کی خاطر واش روم میں چلی گئی۔ افضل خان کو شبنم کے دیئے ہوئے خفیہ اشارے سے مایوسی کے گھپ اندھیروں میں امید کی ایک مدھم سی کرن نظر آنے لگی۔

+++

لیاقت حسین اس وقت خلاف توقع کچھ زیادہ ہی خاموش خاموش تھا۔

فرحین نے اس تبدیلی کو خاص طور پر محسوس کیا۔ لیاقت حسین نے اسے صرف شریک حیات نہیں کیا بلکہ اپنے ہر معاملے میں شریک رکھتا تھا۔ سراج کی پوچھ گچھ سے اسے جو دکھ ہوا تھا وہ بھی اس نے فرحین سے چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہر چند کہ سراج اور سیٹھ عثمان دونوں اس پر اندھا اعتماد کرتے تھے لیکن اسے حیرت اس بات پر تھی کہ جب سیٹھ عثمان نے دفتر جاتے وقت اسے اپنے کام سے راستے میں چھوڑ دیا تھا تو پھر اس سے کس بات کی چھان بین کی جا رہی تھی؟ ہم زاد کی ہدایت کے بعد اسے اپنے اغوا کیے جانے اور رہائی حاصل کرنے والے حیرت انگیز واقعات کی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ ہر بات اس کے ذہن سے حرف غلط کی طرح حذف ہو چکی تھی۔ صرف ایک بات ایسی تھی جو لیاقت حسین کو روز اول کی طرح یاد تھی۔ دیوانے کا ایک چٹکی خاک سے نوازنا پھر منظر عام سے غائب ہو جانا۔ دیوانے سے اس کی ملاقات ایک نابینا ریش دراز بزرگ کے طفیل ہوئی تھی، وہ بھی شاید خدا کی طرف سے اسی کام کیلئے تعینات کیا گیا تھا۔ اسی کی ہدایت پر لیاقت خان نے گل خان کو

...... کچھ نہیں بتایا تھا۔ نابینا بزرگ کی ہدایت اکثر اس کے ذہن میں صدائے بازگشت کی طرح مختلف مواقع پر گنبد کی صدا بن کر گونج چکی تھی۔

''دیوانے سے اپنی ملاقات اور ایک چٹکی خاک کا ذکر کبھی بھول کر بھی اپنی زبان پر مت لانا ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے۔'' یہی ایک بات تھی جو اس نے فرحین سے بھی راز میں رکھی تھی۔

اسے کب، کہاں سے، کس وقت اور کس طرح اغوا کیا گیا تھا؟ کن پراسرار حالات میں وہ واپس آ گیا تھا، لیاقت حسین کو کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی یہ جانتا تھا کہ سیٹھ عثمان اور سراج پر کسی دیوانگی کا دورہ نہیں پڑا ہوگا جو ان دونوں نے اس سے سوال جواب کیے تھے۔ اس کے علاوہ ایکسیڈنٹ والی بات بھی اسے ایک معما ہی لگی تھی۔ سراج کو اگر اس پر اعتبار اور اعتماد نہ ہوتا تو پولیس کے محکمے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہونے کے باوجود ہفتہ دس دن کیلئے اسے اپنے ساتھ رہنے کی بات بھی زبان پر نہ لاتا۔ الماس کے بارے میں بھی اسے ایک ہی بات یاد تھی، وہ گھر پر سو رہا تھا لیکن کسی طرح آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو سراج کے گھر میں اس کے ڈرائنگ روم میں پایا تھا۔ اس موقعے پر الماس نے بھی اس سے دبی زبان میں کچھ سوالات کیے تھے، وہ ان کا بھی جواب دینے سے قاصر تھا۔ واپسی کے وقت اس نے سراج سے پوچھا تھا کہ وہ اس کے گھر میں کس طرح پہنچ گیا؟ سراج بھی گول مول جواب دے کر ٹال گیا تھا۔

اس وقت بھی اس کا ذہن انہی باتوں کی کھوج میں الجھ رہا تھا جب فرحین اس کے قریب آ گئی۔

''تیری کھوپڑی میں جو ایک بات سا جائے وہ مشکل ہی سے نکلتی ہے۔'' اس نے پیار سے شکوہ کیا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو جان لیاقت لیکن ......'' اس نے فرحین کے قرب کو باعث تسکین سمجھتے ہوئے اپنے ذہن کی گرہ کو سلجھانے کی کوشش کی۔ ''میں تمہاری بات مانتا ہوں لیکن...... جو باتیں میرے ساتھ پیش آ رہی ہیں، اس کا علم دوسروں کو جو جاتا ہے...... میں بے خبر رہتا ہوں، یہ کیسی بے خبری ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے......؟''

''میری بات دھیان سے سنے گا؟'' فرحین نے بڑی اپنائیت سے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں پر رکھتے ہوئے کہا تو لیاقت حسین نے اس کو کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی گود میں سمیٹ لیا۔

''میں سنجیدہ ہوں اور تمہیں مستی سوجھ رہی ہے۔'' وہ مچل کر بولی۔

''اس طرح تمہاری بات میرے کھوپڑی میں زیادہ آسانی سے آ جائے گی۔'' لیاقت کے دل کی بات زبان پر آ گئی۔

''دنیا بولتا ہے کہ مرد زیادہ عقلمند ہوتا ہے لیکن عورت کی عقل مردوں سے زیادہ کام کرتی ہے۔ جو بات مرد کی کھوپڑی میں نہیں آتی، عورت وہ بھی جان لیتی ہے۔''

''اچھا......'' لیاقت حسین نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ ''تیری کھوپڑی کیا سمجھ رہی ہے؟''

''بڑے کہتے ہیں کہ انسان جب دوسروں کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو اوپر والا بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔'' وہ کسمساتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ ''تو نے بھی سنا ہوگا کہ جو بندہ اللہ کی ذات پر توکل کر لے وہ بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائے گا۔'' اس نے بات جاری رکھی۔ ''تیرے ساتھ ماں کی دعائیں بھی ہیں جو قدم قدم پر تیرے کام آتی ہیں۔''

''اس لیے میں ہر بات بھول جاتا ہوں؟'' لیاقت حسین نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

''میں مذاق نہیں کر رہی......'' فرحین بہ دستور سنجیدہ رہی۔ ''اوپر والے کی مصلحت اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ رہا تیری کھوپڑی کا سوال تو وہ ہوائی جہاز کے کل پرزوں کی طرح کام کرتی ہے مگر......کچھ باتیں خدا کے حکم سے تیرا بھول جانا ہی بہتر ہوگا اور......تو یہ کیوں بھول رہا ہے کہ ماں کی دعاؤں ہی نے ہمیں اس پلید چمار سے محفوظ رکھا جو دشمن بن گیا تھا۔ صاحب اور بیگم صاحب کا دوسری کوٹھی خریدنا، ہمارا کچے مکان سے نکل کر بنگلے کی اس اٹیچی تک......''

''اٹیچی نہیں جان لیاقت......انیکسی۔''

''چل ہٹ پرے......'' فرحین کسی مچھلی کی طرح اس کی آغوش سے مچل کر نکل گئی۔ ''تو میرا مذاق اڑائے گا تو پھر میں بیگم صاحب سے تیری شکایت لگا دوں گی......کام کی باتوں کے وقت بھی تجھے اپنی سوجھتی رہتی ہے۔''

''اچھا......چل دور بیٹھ کر بتا دے، تو کیا سمجھانا چاہ رہی تھی؟''

''آج تو جس قابل ہے وہ سب اللہ کا کرم اور تیری ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، میری ایک بات کو اپنی کھوپڑی میں بٹھا لے، اوپر والے پر بھروسا رکھ......اور بال کی کھال نکالنا چھوڑ دے تیری ساری الجھن دور ہو جائے گی۔ کبھی بھی تیرا دماغ کسی بات کو بھول جائے تو اسے بھی اوپر والے کی مرضی سمجھ کر لمبے لمبے غوطے لگانے کی عادت ختم کر دے۔''

''شاباش ہے......بیگم صاحبہ کی صحبت نے تجھے بڑی بڑی باتیں سکھا دی ہیں۔'' لیاقت حسین نے کسی حد تک اس کی باتوں سے قائل ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے وعدہ کر لیاقت......'' فرحین نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''تو آئندہ اس طرح منہ بنا کر گہرے سمندر میں ڈبکی لگانے کی غلطی نہیں کرے گا، تجھے اداس دیکھ کر میرا دل بھی برا ہونے لگتا ہے۔''

''سچ کہہ رہی ہے؟''

''نہیں......تیرے ساتھ ٹھٹول کر رہی ہوں۔''

''برا مان گئی میری جان......''

''تو بات ہی ایسی کر دیتا ہے کہ دل اندر سے، تیز آنچ پر رکھی ہوئی ہانڈی کی طرح جلنے لگتا ہے۔''

''میں تیرا کہا مان لوں تو کیا انعام دے گی؟'' لیاقت حسین نے اس کی میٹھی میٹھی باتیں سن کر

ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھینگا......'' فرحین اس کو ٹھینگا دکھا کر منہ چڑاتی ہوئی تیزی سے کترا کر انیکسی سے باہر نکل گئی۔ اسے راحیلہ خاتون کے پاس جانے کی جلدی نہ ہوئی تو وہ لیاقت کی خوشی سے منہ بھی نہ موڑتی۔

⁂

میڈم روبی اور تھریسا دونوں ہی اس وقت کہیں جانے کے موڈ میں تھیں جب شبنم گھر میں داخل ہوئی۔ میڈم نے بڑے پرتپاک انداز میں اسے خوش آمدید کہا، جبکہ تھریسا نے گلے ملنے کے بجائے صرف ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔ وہ شبنم سے خفا نہیں تھی لیکن اب وہ جس مقصد سے میڈم سے تعلقات استوار کر رہی تھی، وہ اس کیلئے مشکوک تھا۔ میڈم نے ہر چند کہ شبنم کے بارے میں اس کے ماضی کے حوالے سے بھی تمام وضاحتیں کر دی تھیں۔ پھر بھی شبنم چونکہ ابھی تک حامد ایسوسی ایٹس میں کام کر رہی تھی اس لیے یہ بات کم از کم تھریسا کے اصول کے خلاف تھی کہ وہ دشمن کے کسی کارندے پر آنکھ بند کر کے مکمل اعتماد کر سکے۔ ایسی صورت میں کہ وہ میڈم کی دست راست بھی تھی اور اس کے تحفظ کا خیال رکھنا اس کی اولین ترجیح تھی، اس نے شبنم کے بارے میں ذاتی طور پر مختلف انداز میں سوچا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اس کی بھی کوئی ایسی دکھتی رگ خطرناک مجرم کے ہاتھ آ گئی ہو جو اسے اشارے پر ناچنے پر مجبور کر رہی ہو۔ میڈم کا تاج محل والا سانحہ اس کیلئے سب سے بڑی روشن مثال تھا۔ اگر میڈم کا اندھا جوا ناکام ہو جاتا؟ افضل خان کی دوست نما دشمنی اگر کامیاب ہو جاتی؟ میڈم کی قابل اعتراض تصاویر اس کے ذریعے شیخ حامد کے قبضے میں پہنچ جاتیں تو شاید خود میڈم کے پاس بھی دو ہی راستے ہوتے، خطرناک مجرم کے اشاروں پر ناچنا، یا بدنامی سے بچنے کیلئے خودکشی۔ اس نے میڈم سے اس گہرائی کی حد تک شبنم کے موجود کردار کے بارے میں تفصیل سے بات نہیں کی تھی۔ بہرحال شبنم کی طرف سے وہ پوری طرح مطمئن بھی نہیں تھی۔

''کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے؟'' شبنم نے بے تکلفی سے دریافت کیا اور ادھر ادھر دیکھ کر ہاتھ میں دبا مختصر تحریری پیغام اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تم بڑے موقعے سے آ گئیں۔'' میڈم نے پرچہ لیتے ہوئے بہ دستور بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ ''میں نے اس وقت بڑی مشکل سے تھریسا کو مجبور کر کے رینبو جانے کا پروگرام مرتب کیا ہے۔''

''گڈ......'' شبنم نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''گھومنا پھرنا، تفریحی مقامات پر آنا جانا، کھلی فضا میں سانس لینا بھی اچھی صحت اور زندگی کی علامت ہے، گھر میں کتنی ہی آسائشیں کیوں نہ میسر ہوں لیکن گھٹن کا احساس پھر بھی ہوتا رہتا ہے۔''

''یو آر رائٹ......'' میڈم نے تائید کی۔ ''تمہارا کیا پروگرام ہے؟ اگر وقت ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔''

''ایز یو وش......آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتی۔''

''فائن......'' میڈم نے بڑی خوبصورتی سے کچھ وقت حاصل کرنے کی خاطر کہا۔ ''تم جب

تک تھریسا کے ساتھ چل کر گاڑی میں بیٹھو، میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔''
میڈم تیزی سے پلٹ کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ شبنم کی دی ہوئی پرچی کھول کر پڑھی تو اس کا پورا وجود تمتما اٹھا۔ لکھا تھا...... ''جو ڈراما افضل خان کی ہدایت کاری میں فیل ہو گیا۔ وہ اب میرے ذمے کیا گیا ہے۔ میں آپ کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دوں گی۔'' ایک لائن کا وہ پیغام میڈم کیلئے کسی چیلنج سے کم نہیں تھا۔ وہ غصے کی شدت سے لرزنے لگی پھر اس نے خود پر تیزی سے قابو پانے کی کوشش کی۔ پرچی کو ریزہ ریزہ کر کے کموڈ میں بہا دیا۔ بالوں کو ایک آخری ٹچ دیتے ہوئے ہنستی مسکراتی باہر آ گئی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر شبنم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے اس نے تھریسا سے پوچھا۔ ''کیا گفتگو ہو رہی تھی......؟'' شبنم اس کے اشارے پر پچھلی نشست پر آ گئی تھی۔

''میں شبنم کو بتا رہی تھی کہ آپ کھڑے کھڑے پرسہ دینے کی خاطر شیخ حامد کے گھر پر بھی ہو آئی ہیں۔'' تھریسا نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا کیا آپ نے......'' شبنم نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر محتاط انداز میں بولی۔ ''لیکن ایک بار انسان کو کسی بات کا تلخ تجربہ ہو جائے تو پھر اسے زیادہ محتاط......''

''تمہارے بگ باس سے ملنے سے پیشتر میرا بھی یہی خیال تھا کہ لیکن اب اس میں وہ شدت نہیں رہی۔''

''کیا مطلب......؟''

''میں نے شاید پہلے نہیں بتایا۔ تمہارے باس سے ہمارے بہت پرانے لیکن فیملی جیسے تعلقات بھی رہ چکے ہیں۔''

''پھر...... آپ باس سے اتنے عرصے دور کیوں رہیں؟ میرا مطلب ہے کہ میں نے کبھی آپ کو باس سے ملتے جلتے نہیں دیکھا۔''

''وقت کے گھاؤ، بڑے گہرے ہوتے ہیں مائی ڈیئر...... تم ابھی کمسن ہو، ان باتوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی خاطر انسان کو کبھی کبھی بڑی قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔ حالات کے شکنجوں میں خود کو گھونٹ لینا اس کی مجبوری ہوتی ہے۔'' میڈم نے لہجہ سوگوار بنا کر کچھ توقف سے بات جاری رکھی۔ ''ایک مشرقی عورت کو بیوگی کا غم، دنیا کے رسم و رواج، خاندان والوں کی جا، بے جا تنقید سے بچنے کی خاطر اور...... اس لازوال محبت کو قائم رکھنے کیلئے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ بندشیں عائد کرنی لازم ہوتی ہیں۔ میں آج بھی روٹھ کر چلے جانے والے سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی کل کرتی تھی۔ ان کی موت کے بعد میں مکمل آزاد تھی۔ کوئی میرے اوپر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا پھر بھی میں نے ان کے پیار کو دل کی گہرائیوں میں سمو کر اپنی سوشل لائف ایک دم ترک دی۔'' وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ ''لوگ یہی کہتے ہیں کہ خالد ریاض کو مرے ایک زمانہ بیت گیا لیکن وہ...... وہ آج بھی میرے دل میں روز اول کی طرح ہر سانس کے ساتھ دھڑکتے ہیں، یہی دھڑکنیں تو دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہیں۔ باقی سب فریب ہے۔''

''خود کو سنبھالیں میڈم......'' تھریسا نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ ''آج ایک عرصے بعد آپ نے رینبو جانے کا پروگرام بنایا ہے، خود کو وقت اور حالات کے گراف میں سمونے کی کوشش کریں۔ یہ بھی آپ کی صحت کیلئے ضروری ہے۔''

''تم سناؤ شبنم......'' میڈم نے کچھ توقف کے بعد شبنم سے سوال کیا۔ ''تمہاری حامد ایسوسی ایٹس میں کیسی گزر رہی ہے؟''

''فرسٹ کلاس......''

''اگر کبھی میری سفارش کی ضرورت پڑے تو گریز نہ کرنا۔''

''شکریہ میڈم...... باس نے ابھی حال ہی میں میری ترقی کی ہے۔'' اس نے دل پر جبر کر کے خطرناک مگرمچھ کی تعریف کی۔

''مجھے اندازہ ہے کہ وہ اپنے اسٹاف کا خیال رکھنے کا عادی ہے لیکن......'' میڈم کچھ کہتے کہتے دیدہ دانستہ خاموش ہو گئی۔

''لیکن کیا......؟'' شبنم نے بے چینی سے دریافت کیا، اسے ڈر تھا کہ کہیں میڈم کی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو بگ باس کی پیشانی پر ایک ناگوار شکن کا اضافہ کر دے۔

''ترقی کے ساتھ ہی اگر تم فلیٹ کے بجائے کسی چھوٹے موٹے ذاتی مکان میں منتقل ہو جاؤ تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔'' میڈم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''اگر تم برا نہ مانو تو میں اس ضمن میں...... ایک بزرگ اور دوست کی حیثیت سے بھی تمہاری مشکل ذاتی حیثیت میں......''

''ابھی نہیں میڈم......'' شبنم نے اسے ممنونیت بھری نظروں سے دیکھا۔

''سمجھ گئی۔'' تھریسا نے مسکرا کر کہا۔ ''تم اگر تنہا کسی مکان میں نہیں رہنا چاہتیں تو جلدی سے ایک سے دو ہونے کیلئے کسی کا انتخاب کر لو۔ اس کے اخراجات میرے ذمے ہوں گے۔''

''اگر آپ اتنی فیاضی کا اظہار کر رہی ہیں تو مجھے بیک وقت ایک کے بجائے دو کا انتخاب کرنا پڑے گا۔'' شبنم نے شوخی سے جواب دیا۔

''نان سینس......'' میڈم نے برا منہ بنا کر کہا۔ ''یہ تمہارے ذہن میں دو کا خیال کس طرح آ گیا؟''

''میں سمجھ گئی......'' تھریسا نے برجستہ کہا۔ ''آج کل ہر چیز میڈ ان چائنا ہوتی ہے۔ دو ہوں تو ایک خراب ہو جانے کی صورت میں دوسرا......''

تھریسا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ اس کی بات پر میڈم کے علاوہ خود تھریسا اور شبنم بھی اپنا بے ساختہ قہقہہ نہ روک سکیں، پانچ منٹ بعد ہی تھریسا نے اپنی کار کلب کی وی آئی پی پارکنگ میں ممبر شپ کارڈ دکھانے کے بعد روکی تھی۔

ریسپشن سے گزر کر وہ تینوں مین ہال میں داخل ہوئیں تو وہاں بیٹھے ہوئے اکثر پرانے ممبران کی نظریں میڈم کی جانب گھوم گئیں، وہ اب بھی ٹھوس جسم اور پرکشش نشیب و فراز کی مالک تھی۔

استقبالیہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ماریا بھی جو ڈیوٹی کے اوقات میں ہمیشہ میک اپ سے لیس اور بھڑکیلے مغربی مختصر لباس میں رہنے کی عادی تھی، ہنستی بل کھاتی میڈم کے قریب آ گئی۔

''آج بہت عرصے بعد آپ کے دیدار ہوئے۔ کہاں غائب ہو گئی تھیں؟''

''آج بھی ذاتی مصروفیات سے بہ مشکل وقت نکال سکی ہوں۔'' میڈم نے خوشگوار سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔

تھریسا نے ہال میں بیٹھے ہوئے ملکی اور غیر ملکی ممبران کا سرسری جائزہ لیا تو وہ مطمئن ہو گئی۔ میڈم کے تحفظ کی خاطر اس نے اس کے علم میں لائے بغیر جو حفاظتی انتظامات کیے تھے وہ اسے حسب منشا نظر آ گئے۔ راستے میں ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس نے کئی بار کن انکھیوں سے بیک ویو مرر میں اس سیاہ رنگ کی وین کو دیکھا تھا جو بڑی احتیاط سے کبھی لمحہ دو لمحہ کیلئے نظروں سے اوجھل ہوتی پھر سامنے آ جاتی۔

میڈم نے سات نمبر کی میز پر بیٹھنے کو ترجیح دی جس پر ''مخصوص'' درج تھا، اس کا بندوبست بھی تھریسا نے کیا تھا۔ ریزرویشن کے وقت بھی اس نے میڈم کا نام نہیں لیا تھا۔ ماریا انہیں ان کی نشستوں پر چھوڑ کر اپنی سیٹ پر چلی گئی۔ ہال میں موسیقی کی مدھم دھن اور لباس سے پھوٹنے والی مختلف پسندیدہ سینٹ کی مہک اور مدھم خواب ناک روشنی کا اہتمام بھی بے حد رومانٹک تھا۔ نشستوں کے درمیان ''بکنی لباس'' میں ملبوس کمسن اور بے باک لڑکیاں اعلیٰ قسم کی مختلف ڈرنکس اور اس کے لوازمات لیے گردش کر رہی تھیں۔ حسب معمول سب ہی اپنے اپنے رنگ میں نظر آ رہے تھے۔ میڈم نے اپنے لیے کولڈ کافی کا آرڈر دیا جبکہ تھریسا اور شبنم نے سافٹ ڈرنکس کو ترجیح دی تھی، چند منٹ بعد ہال کی موسیقی رک گئی۔ ایک جانب تکون ٹائپ مختصر اسٹیج کے برقی قمقمے جھلملانے لگے پھر ''رمبا سمبا'' کی میوزک شروع ہوئی تو تین چار جوڑے اسٹیج پر جا کر اس کی دھن پر رقص کرنے لگے۔ سب ہی کی نظریں اسٹیج کی طرف اٹھ گئیں۔ شبنم بھی دوسروں کی طرح ماحول کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ جب کلب کا ایک پرانا ممبر جس سے اس کی علیک سلیک تھی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔

''ہیلو مس شبنم......'' اس نے میڈم اور تھریسا سے مہذب انداز میں ایکسکیوز کرنے کے بعد شبنم کو مخاطب کیا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ رقص کرنا پسند کریں گی؟''

''نو......سوری۔'' اس نے مسکرا کر مگر مایوس کن جواب دیا تو رقص کی فرمائش کرنے والا نو نمبر کی میز کی جانب چلا گیا جہاں دو تین کال گرلز موجود تھیں۔ ان میں سے ایک نے رقص پر بخوشی آمادگی کا اظہار کر دیا۔

''تم اس شخص کو جانتی ہو؟'' میڈم کے بجائے تھریسا نے شبنم سے مدھم لہجے میں سوال کیا۔

''یہی کلب میں ایک دو بار...... ہائے ہیلو ضرور ہوئی ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ میں اس کی آفر قبول کر لیتی۔''

''ہے کون......؟''

''میں اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوں۔'' شبنم نے کاندھے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن تھریسا اس کے جواب پر مطمئن نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اسٹیج پر رقص کرتے ہوئے اس شخص کی نظریں کئی بار شبنم کی جانب اٹھ چکی تھیں۔ میڈم کولڈ کافی کی چھوٹی چھوٹی چسکیاں لے رہی تھی۔

ڈانس کا میوزک ختم ہوا تو رقص کرنے والے افراد کی جسمانی جنبش بھی تھم گئی۔ پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

✣✣✣

سراج نے ایس پی اورنگ زیب کے آفس میں داخل ہو کر باقاعدہ سلیوٹ کیا تو اورنگ زیب نے اسے حیرت سے دیکھا پھر بے تکلفی سے مسکرا کر مخاطب کیا۔ ''علیم احمد صاحب کے درمیان میں آ جانے کے بعد اب ہمارے درمیان اس قسم کے رسمی تکلفات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت اچانک کیسے آنا ہوا، سب خیریت تو ہے؟''

''علیم صاحب کے حوالے کے بعد ہی اس وقت میں ایک اور ضروری دستاویز کی نقل آپ کے حوالے کرنے آیا ہوں۔'' سراج نے اشارہ پا کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی محبت میرے لیے اب آفیسر سے زیادہ بڑے بھائی سے کم نہیں ہے۔''

''اس نوازش کا شکریہ......'' اورنگ زیب نے اپنائیت کا اظہار کیا۔ ''کس قسم کی دستاویز ہے؟''

جواب میں سراج نے مرحومہ صبا بیگم کے آخری خط کی ایک کاپی اس کے سامنے رکھ دی۔ اورنگ زیب نے ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا پھر اس کے بعد وہ خط کے مطالعے میں محو ہو گیا۔ ہر سطر کے اختتام کے ساتھ ہی اس کے چہرے کا تناؤ بڑھتا جا رہا تھا، مکمل تحریر پڑھنے کے بعد وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

''یہ تو ایک مظلوم عورت کے ساتھ درندگی کی انتہا ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کی تذلیل بازاری عورتوں کی موجودگی میں اس حد تک بھی کر سکتا ہے، ایسا تو طوائفوں کے دلدل بھی نہیں کرتے، جنگلی قبائلی کے ان پڑھ وحشی درندہ صفت انسانوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ نام کے ساتھ شیخ لگا ہو تو انسان کم از کم اس کی حرمت کا خیال رکھتا ہے، لیکن بگ باسٹرڈ تو اس سے بھی گیا گزرا ہے۔''

''ہر فرعون کیلئے اللہ ایک موسیٰؑ بھی ضرور بھیج دیتا ہے۔'' سراج نے کسمسا کر کہا۔ ''اس شہر میں آپ کی تعیناتی بھی شاید اسی کی مصلحت ہو، میں اس خط کو پڑھ کر خود بھی لرز اٹھا تھا۔''

''اس تحریر میں جن اشتہاری مجرموں کا ذکر ہے یا جن بدنام فاحشہ عورتوں کا حوالہ دیا گیا ہے، آپ ان میں سے کسی کو جانتے ہیں......؟'' میرا مقصد ہے کہ ہم انہیں قانون کے تحفظ کا یقین دلا کر باقاعدہ گواہ بنا سکیں اور اگر کچھ اشتہاری مجرم بھی ہاتھ لگ جائیں تو ہم بہ آسانی اس فرعون سے بدتر شخص کو پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتے ہیں۔ مرحومہ نے بھی اسی آخری خواہش کا اظہار کیا ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ۔ آخری حد تک مکمل تعاون کرنے کو گلے گلے تیار ہوں لیکن اگر آپ کسی وقت علیم احمد سے ملاقات کرلیں تو شاید وہ بہتر طور پر اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔''

''یور آر رائٹ۔'' اورنگ زیب نے خط تہ کر کے دراز میں رکھی ایک پرسنل فائل میں محفوظ کیا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''ہمیں اس کام کیلئے کچھ اور ایماندار پولیس ورکرز کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میں اپنے خاص ذرائع سے اس کا بندوبست بھی کرلوں گا۔ ممکن ہوا تو ایک دو روز میں وقت نکال کر علیم احمد سے ان کے گھر جا کر تفصیلی ملاقات بھی کرلوں گا۔''

کانسٹیبل چائے کی ٹرے لیے داخل ہوا تو ان کے درمیان موضوع بدل گیا۔ حسب معمول کانسٹیبل نے ایس پی آفس کے اس کمرے میں اسکرین کے پیچھے جا کر چائے تیار کی پھر دونوں افسران کے سامنے سرو کر کے الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

''سر......!'' سراج نے کانسٹیبل کے جانے کے بعد دبی زبان میں کہا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ آپ کو اپنی حفاظت کیلئے بھی فی الحال ایسے سادہ لباس والوں کی ایک ٹیم تشکیل دینی ضروری ہے جو ہر وقت آپ کی طرف سے چوکس رہیں۔''

''میں سمجھا نہیں......'' اورنگ زیب نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''آپ یہ مشورہ کس بنیاد پر دے رہے ہیں؟''

''میں کسی وجہ سے انفارمر کا نام نہیں بتا سکتا لیکن یہ بات مجھے ایسے ذریعے سے معلوم ہوئی ہے جو ہمارے دوست ہی ہیں۔'' سراج نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''بگ باسٹرڈ آپ کو...... خدانخواستہ...... راستے سے ہٹانے کیلئے ایک ایسے شخص کو تعینات کر سکتا ہے، جس کے پاس اس پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوگا۔''

ایس پی ایک لمحے تک سرج کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کا اشارہ غالباً افضل خان کی طرف ہے جو آج کل شیخ حامد کے دفتر میں کام کرنے والی شبنم نامی لڑکی کے فلیٹ میں ٹھہرا ہوا ہے؟''

''آپ کو اس کا اندازہ کس طرح ہوا سر......؟'' سراج چونکا۔

''میں اس شہر میں نیا ضرور ہوں لیکن مجھے بگ باسٹرڈ کا کچھ بیک گراؤنڈ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا'' اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ شبنم اس فلیٹ میں تنہا رہتی ہے اور ڈبل بی کی اجازت کے بغیر وہ کسی پٹے ہوئے مہرے کو پناہ دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہے۔''

''یور آر رائٹ سر......'' سراج نے تائید کی۔ ''لیکن آپ کو متوقع خطرے کی اطلاع مجھے کسی اور مستند ذریعے سے ملی ہے۔''

''ڈونٹ وری...... میں آپ سے اس کا نام دریافت نہیں کروں گا لیکن آپ نے بڑا بھائی بنایا ہے تو آپ کی بات کا یقین کرنا میرے اوپر لازم ہے، بہر حال آپ اس ضمن میں پریشان نہ ہوں۔ میں نے ڈیوٹی رپورٹ کرنے سے پیشتر ہی اپنی حفاظت کا کچھ ایسا انتظام کرلیا تھا کہ دشمن کو کامیابی نہ

ہو سکے۔ اب اگر اوپر والے ہی کو منظور نہ ہو تو پھر بندہ کیا کر سکتا ہے۔"

"ایک درخواست اور کروں گا، سر۔"

"کم آن سراج...... دو بھائیوں کے درمیان کم از کم تنہائی میں تم آئندہ اس قسم کی...... سر اور پیر والی فارمیلیٹیز سے پرہیز ہی کرنا......" اورنگ زیب نے اس بار سراج کو "تم" کے بے تکلفانہ انداز میں مخاطب کیا۔ "اب بولو، کیا کہنا چاہتے تھے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ شیخ حامد اب بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ میں اسی کا خاص نہیں تو کام کا آدمی بہر حال ہوں۔"

"گڈ...... تم فکر مت کرو، کبھی آئندہ ایسی نوبت آئے تو تم میری موجودگی میں بھی اسے سپورٹ کر سکتے ہو۔"

"یہ صرف نورا کشتی ہوگی سر......!"

"پھر وہی سر......؟" اورنگ زیب نے محبت سے ٹوکا۔

"سوری......" سراج نے ہنس کر کہا پھر اٹھ کر اپنے آفس کیلئے روانہ ہو گیا۔ احتیاطاً اس نے راستے میں کئی بار بیک ویو مرر پر نظر ڈالی۔ بہ ظاہر اس کا اندازہ یہی تھا کہ اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے جو پچھلے دنوں بڑی شد و مد سے جاری تھا۔

✣✣✣

شہر کے سب سے زیادہ مہنگے اور پوش علاقے میں لائٹ گرے کلر کی دو منزلہ کوٹھی اس وقت بہ ظاہر رات کے اندھیروں میں کسی بیوہ کی طرح اداس نظر آ رہی تھی لیکن کوٹھی کے باہر موجود گارڈز بہ دستور پوری طرح چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ کوٹھی کے اطراف سنگاپوری ناریل کے درخت موجود تھے۔ قریب و جوار کی کوٹھیوں کے برعکس جہاں صرف ایک یا دو مدھم پاور کے بلب موجود تھے۔ اس دو منزلہ کوٹھی کے چاروں کونوں پر انرجی سیورز کی روشنی رات کی تاریکی سے ہم آغوش ہو کر بڑا طلسماتی منظر پیش کر رہی تھی۔ اس کوٹھی کی چار دیواری بھی دوسری کوٹھیوں کے مقابلے میں قدرے اونچی تعمیر کرائی گئی تھیں۔

کوٹھی کے اندرونی حصے میں ڈیڑھ فٹ اونچے چبوترے پر ڈھاکا گھاس کا خوبصورت مخملی لان ہر دو جانب موجود تھا، گیٹ سے پورٹیکو تک جانے کا راستہ سرخ ٹائلز کی وجہ سے ریڈ کارپٹ کا منظر پیش کرتا تھا۔ لان میں چار دیواری کے ساتھ قیمتی پودوں کو بڑے سلیقے اور مہارت سے لگایا گیا تھا۔ اس میں زیادہ پودے بیرون ملک سے درآمد کیے گئے تھے جن کے پھولوں کی مہک بھی اپنی مثال آپ تھی۔ کوٹھی کے پچھلے حصے میں ایک طرف فیملی لان تھا اور دوسری طرف سرونٹس کوارٹرز تھے جن کو ایک حد بندی کی دیوار کھڑی کر کے فیملی لان سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ غرضیکہ وہ عمارت ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔

کوٹھی کی دونوں منزلوں پر سامنے کی جانب نصف دائرے کی شکل میں کشادہ راہداری عمارت

کے حسن میں اضافہ کرتی نظر آتی تھی۔ ہر منزل پر تین بڑے سائز کے کمرے، کشادہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم کم ڈائننگ روم موجود تھے۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ کو بہ وقت ضرورت درمیان میں موجود ویلویٹ کے پردوں کے استعمال سے علیحدہ بھی کیا جا سکتا تھا لیکن اس کی نوبت شاذو نادر ہی پیش آتی تھی۔ کچن، باتھ، پاؤڈر روم اور ڈریسنگ روم بھی غیر ملکی اسٹائل پر تعمیر کیے گئے تھے، عمارت کے اندر رہائشی حصوں کو ڈیکوریٹ کرنے کیلئے ایک غیر ملکی ڈیکوریٹر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

اس پرشکوہ کوٹھی کے باہر، براس کی پلیٹ پر رستم علی آغا خانی کا نام اور کوٹھی کا نمبر جلی حروف میں دور سے نظر آتا تھا۔ رستم علی کوٹھی کی پہلی منزل پر اپنی بیوی شائلہ بیگم کے ساتھ رہتے تھے جبکہ دوسری منزل پر ان کا اکلوتا لڑکا دارا رستم علی اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا جو جرمن نژاد تھی۔ شادی کے بعد اس نے مشرقی انداز کے لباس کا استعمال شروع کیا تو مغرب اور مشرق کے امتزاج نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے۔ اس کا نام روشنا تھا جو مذہب تبدیل کرنے کے بعد دارا نے تجویز کیا تھا۔ دونوں منزلوں پر علیحدہ علیحدہ لائبریری بھی موجود تھی۔ دوسری منزل پر روشنا نے اپنی پرانی ہابی کو برقرار رکھنے کی خاطر ایک دیدہ زیب فش ایکوریم بھی بنا رکھا تھا۔ شام کی چائے وہ اور دارا اسی ایکوریم کے سامنے بیٹھ کر پینے کے عادی تھے۔ دارا بیرون ملک سے ایم بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد باپ کے ساتھ کاروبار میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ کاغذات میں اس کی حیثیت مینجنگ پارٹنر ظاہر کی گئی تھی۔

اس وقت رات کے تقریباً دو کا عمل تھا جب مذکورہ کوٹھی کے عقبی حصے کے سمت دو بلاک چھوڑ کر ایک نئے ماڈل کی کرولا دو چار جھٹکے لینے کے بعد رکی تھی۔ بہ ظاہر یہی نظر آتا تھا کہ اس میں کوئی فنی خرابی پیش آگئی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شبنم موجود تھی جو ضروری میک اپ کے بعد آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود اپنے آپ کو پہچاننے سے انکار کر چکی تھی، برابر والی سیٹ سے اترنے والا جوان خلاف معمول اسٹیل براؤن کلر کے جاگنگ سوٹ میں نظر آ رہا تھا۔ وہ افضل خان تھا جسے کوئی بھی پلاسٹک میک اپ کے بعد اس کی اصلی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ گاڑی سے اتر کر اس نے بونٹ کھول کر تین چار منٹ ادھر ادھر کل پرزوں کو ٹٹولا پھر بونٹ بند کر کے شبنم کے قریب آ کر دبی زبان میں بولا۔

''تم نے اس موقعے پر کثیر رقم خرچ کر کے جو اہتمام کیا ہے، میں اسے کبھی فراموش نہیں کروں گا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ...... یہ ہماری آخری ملاقات ہو۔'' آخری جملہ اس نے قدرے جذباتی انداز میں ادا کیا پھر سنبھل کر بولا۔ ''اگر میں کام کرنے میں ناکام ہو گیا تو پولیس کے ہتھے چڑھنے کے بجائے موت ہی کو ترجیح دوں گا، تم بگ باس کو میرا آخری سلام کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ میڈم کے سلسلے میں میری پلاننگ میں کوئی کمی نہیں تھی۔ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی، میں نہیں جانتا۔''

''او کے۔'' شبنم نے آگے پیچھے دیکھ کر تیزی سے جواب دیا۔ ''آئی وش یو بیسٹ آف لک...... جلدی کرو، احتیاط سے کام لینا۔ کامیابی کی صورت میں تم بگ باس کی ہمدردی کے مستحق بھی

ہو سکتے ہو۔"

افضل خان نے الوداعی نظروں سے شبنم کو دیکھا پھر جاگنگ کرنے کے انداز میں بنگلوں کے درمیانی راستے پر ہولیا۔ اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد کرولا دوبارہ حرکت میں آ کر برق رفتاری سے فراٹے بھرنے لگی۔ دس منٹ بعد افضل خان جاگنگ کرتا ہوا مطلوبہ کوٹھی کے عقبی حصے کی طرف پہنچ گیا۔ اس نے کوٹھی کے ساتھ بنی ہوئی فٹ پاتھ کا آخری سرے تک چکر لگانے کے بعد جیسے ہی واپسی کا ارادہ کیا ایک مسلح گارڈ کہیں سے نکل کر اچانک اس کی پشت پر پہنچ کر رک گیا۔ سرسراتے لہجے میں بولا۔

"رک جاؤ ورنہ میں گولیاں چلانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

افضل خان جاگنگ کر کے انداز میں ہی گھوما اور گارڈ کو حقارت سے گھورنے لگا، اس وقت بھی وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے جاگنگ میں مشغول تھا۔

"کون ہو تم اور اس وقت......"

"شٹ اپ......" گارڈ کا جملہ درمیان سے اچک کر افضل خان نے دبنگ لہجے میں کہا۔ "رستم انکل نے تمہیں جس کام پر مامور کیا ہے صرف اسی سے تعلق رکھو ورنہ اگر دارا کو بھی معلوم ہوا کہ تم نے کس کو وارننگ دینے کی حماقت کی تھی تو کوئی انعام پانے کے بجائے عتاب کا بھی شکار ہو سکتے ہو۔"

"آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" گارڈ اس کا دبنگ لہجہ سن کر مرعوب نظر آنے لگا۔

"میں تمہیں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا لیکن تم نے چونکہ فرض شناسی کا ثبوت پیش کیا ہے اس لیے بتا دوں کہ میں دو بلاک پیچھے رہنے والے ڈاکٹر جہاں زیب کا بیٹا ہوں، ایک ہفتہ پہلے ہی لندن سے آیا ہوں اس لیے شاید تم واقف نہ ہو لیکن اتنا ضرور جانتے ہو گے کہ ڈاکٹر جہاں زیب...... رستم انکل کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔ تم اپنا اطمینان کرنے کی خاطر ان کے بیٹے دارا کو جگا کر یہاں بلا لو تو تمہاری مزید تسلی بھی ہو جائے گی۔"

"آپ اتنی رات کو بھی......"

"ایڈیٹ......" افضل خان نے بہ دستور اپنی جاگنگ کا عمل جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "غیر ممالک میں صرف مرد ہی نہیں، بوڑھی عورتوں اور جوان لڑکیوں کو بھی جس وقت فرصت ملتی ہے وہ اپنی صحت کا خیال رکھنے کی خاطر سڑکوں کی فٹ پاتھ پر جاگنگ کرتے نظر آتے ہیں لیکن تم ان باتوں کو......"

"سوری سر......" گارڈ پوری طرح افضل خان کی باتوں میں آ گیا۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ گر رکنے والا کوئی مشکوک فرد ہوتا تو اس طرح اچھل کود کرنے کے بجائے اس کے سامنے ہاتھ اٹھائے رہا ہوتا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک ڈاکٹر کو بھی سیٹھ رستم علی کی کوٹھی پر آتے دیکھا تھا۔

"بائی دا وے......" افضل خان نے اپنی جسمانی ورزش جاری رکھتے ہوئے پوچھا۔ "پہلے تو صرف انکل کے مین گیٹ پر گارڈز ہوا کرتے تھے۔ اب انہیں کسی بات کا خوف ہے کہ......"

''میں اپنی ڈیوٹی کا پابند ہوں جناب۔'' گارڈ نے سلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔''اصل بات کیا ہے یہ سیٹھ یا پھر ہماری کمپنی کو معلوم ہو گی۔''

''گڈ...... مجھے خوشی ہے کہ اب پاکستان میں بھی تم لوگ فرض شناسی سے کام کر رہے ہو جس کے لیے تم انعام کے بھی مستحق ہو۔'' افضل خان نے اوپری جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو کے نوٹ نکالے پھر گارڈ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔''میری طرف سے یہ تمہارا انعام ہے۔''

''شکریہ جناب......'' گارڈ ہاتھ میں دبی ریپیٹر کو کاندھے سے لٹکاتا ہوا انعام لینے کی خاطر افضل خان کے قریب آ گیا۔ یہی اس کی پہلی اور آخری غلطی تھی جو اسے مہنگی پڑی۔

افضل خان نے، جو جرائم کی دنیا کی جانی مانی شخصیت تھا، ایک پل میں گارڈ کا ہاتھ اس طرح اچانک تھام کر موڑا کہ وہ کراہ کر رہ گیا، پھر کلوروفام کے رومال نے باقی کام کر دکھایا۔ قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا، افضل خان اسے بغل میں ہاتھ ڈال کر اندھیرے میں لے گیا پھر اسے بیہوش کرنے، اپنا اور اس کا لباس تبدیل کرنے اور اسے مزید تاریکی میں اس طرح ٹکا کر بٹھانے میں بہ مشکل دس منٹ لگے تھے کہ کوئی اسے دیکھتا تو فوری طور پر یہی گمان کرتا کہ جاگنگ کرنے والا تھک کر سکون کا سانس لینے کی خاطر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے۔

گارڈ کی وردی تبدیل کرنے کے بعد چہرے کا پلاسٹک میک اپ چھپانے کی خاطر اس نے بیری کیپ کو پیشانی پر زیادہ جھکا لیا۔ اتفاق ہی تھا جو اس کی اور گارڈ کی جسامت ملتی جلتی تھی ورنہ لباس میں زیادہ فرق ہونے کی صورت میں اسے پہچانا بھی جا سکتا تھا۔ لباس تبدیل کرتے وقت افضل خان نے وہ ضروری چیزیں بھی جو جاگنگ کرتے وقت اس نے لباس کے نیچے چھپا رکھی تھیں نکال کر وردی کے اندر رکھ لیں۔ شاید قدرت بھی اس کی مدد کر رہی تھی جو وہ ملازموں کے عقبی راستے والے آہنی پھاٹک کو آزما ہی رہا تھا کہ اندر سے کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے مخاطب تھی۔

''تو جان پر کھیل کر آ تو گیا تھا ہیرو بن کر...... لیکن دوبارہ جب تک وردیوں کی ڈیوٹی ختم نہیں ہو جاتی ادھر کا رخ بھول کر بھی نہ کرنا ورنہ بلا فضول مارا جائے گا۔''

''کیوں......؟'' مرد نے بہکی بہکی آواز میں پوچھا۔''کیا تو دوبارہ میری مدد نہیں کرے گی؟''

''میرے باپ کی توبہ......'' جواب ملا۔''یہ تو میرا وقت طے تھا جو میں دروازے کے قریب چھپی کھڑی تھی ورنہ کام کرنے والوں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ دس بجے کے بعد اپنی ڈفلیوں سے ادھر ادھر نہ ہوں......بس نکل جلدی، باہر دیکھ سنبھل کر جانا۔ کوئی آواز دے تو بھاگنے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ ٹھائیں کی آواز سے تیرا ٹکٹ بھی کٹ جائے گا۔''

''اگر روکنے والا پوچھے کہ میں اندر کیا کرنے آیا تھا تو......؟''

''کہہ دینا کہ کھانے پکانے والے کا سگے والا ہے۔ دو روز پہلے آیا تھا، طبیعت خراب ہو گئی تھی اسی نے روک لیا تھا۔ نام پوچھے تو بابا رمضانی بتا دینا...... اب پھوٹ جا جلدی سے......''

اس کے ساتھ ہی اندر سے بولٹ کھولا گیا تھا، ذرا سی جھری ہوتے ہی افضل خان ان دونوں کو

پیچھے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا، سائلنسر لگے پستول کا بٹ مار کر اس نے جوان کو کلوروفام سے پل بھر میں دو تین گھنٹے کی نیند سلا دیا پھر سہمی ہوئی ملازمہ کو گھورا جس کا جوان سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ایک گارڈ کو سامنے دیکھ ہی اس کی روح فنا ہونے لگی تھی۔

"تو کون ہے......؟" اس نے گارڈ جیسے لہجے میں ملازمہ کو للکارا۔

"مم...... میں ...... ادھر کام کرتی ہوں۔" اور اٹک اٹک کر بولی۔ "یہ میرا سگے والا تھا دو تین دن پہلے گاؤں سے......"

"کوارٹر میں چل کر بات کر۔" افضل خان نے نوجوان کو کاندھے پر ڈال کر نوعمر ملازمہ کو دبی زبان میں مخاطب کیا۔ "مجھے بھی گاؤں کا سگے والا سمجھ کر سیدھی طرح سودا نمٹا دے ورنہ ابھی بڑے سیٹھ کو......"

"نن...... نہیں وردی بابو......" ملازمہ نے سہم کر ہاتھ جوڑ لیے۔ "میں تمہاری بات سے انکاری نہیں ہوں۔ پر بعد میں اس حرامی کو بھی سڑک پھلانگ کی اجاجت دے دینا۔"

افضل خان نے ملازمہ کا بازو تھام کر چپ رہنے کو کہا پھر اسی کی رہنمائی میں وہ اس کے کوارٹر تک آ گیا جہاں اس وقت کوئی اور نہیں تھا۔ پوری طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد اس نے سہمی سہمی ملازمہ کو بالوں سے پکڑ کر سرد آواز میں پوچھا۔

"تو یہاں اکیلے رہتی ہے؟"

"ہاں آں...... آں۔" وہ کراہ کر بولی۔

"خاموشی سے میری باتوں کا جواب دے ورنہ تجھے اور تیرے اس یار کو جان سے مار دوں گا۔" افضل خان کا لہجہ اور سرد ہو گیا۔ "میں وہ نہیں...... جو تو سمجھ رہی ہے۔"

"بھلے کوئی بھی ہو لیکن مجھے جان سے نہ مارنا۔" ملازمہ بید مجنوں کی طرح لرزنے لگی۔ "جو تم کہو گے میں...... وہ، وہ، وہی کروں گی۔"

"تیرا سیٹھ رستم علی کس منزل پر رہتا ہے؟"

"پپ...... پپ...... پہلی...... من...... منزل پر۔" ملازمہ بڑی مشکل سے اپنا جملہ ادا کر سکی۔

"تو مجھے اس کے کمرے تک پہنچا دے تو تیری اور تیرے یار کی زندگی کی ضمانت دیتا ہوں ورنہ......" افضل خان نے جملہ ادھورا چھوڑ کر پستول تان لیا۔ "جلدی فیصلہ کر لے...... میرے پاس وقت کم ہے۔" اس کے لہجے میں درندگی شامل ہو گئی۔

"مم...... میں...... کک کوش...... کک...... رتی ہوں لیکن...... بب...... ببلو بھی ایک وردی پھیرے لگاتا...... رہتا ہے۔"

"سمجھ گیا......" افضل خان کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ "تو شاید اس کے ساتھ بھی منہ کالا کر چکی ہے ورنہ اس وقت تیرا یہ دوسرا یار بھی یہاں زندہ نہ ہوتا...... سچ بتا دے......"

''اس ...... ور...... وردیے نے بھی اسی حرامی کی وجہ سے اپنی رشوت...... جور جبردستی سے وصول لی تھی۔''

افضل خان کی آنکھیں کسی خیال سے چمکنے لگیں۔ وہ ملازمہ کو ضروری دھمکی دے کر دوبارہ دروازے پر لے آیا۔ پستول کی نال اس کی چھاتیوں کے بیچوں بیچ رکھ کر بولا۔ ''ادھر ہی خاموش کھڑی رہ...... وہ پھیرا لگاتا ہوا ادھر آئے تو اسے آواز دے کر بلا لینا۔''

''ٹھ...... ٹھ...... ٹھیک ہے۔'' جواب دیتے وقت وہ موت کے تصور سے ہی زرد پڑ گئی تھی۔ افضل خان کو بارہ تیرہ منٹ تک صبر آزما انتظار کرنا پڑا پھر دوسرا گارڈ بھی ملازمہ کے اشارے پر کمرے میں قدم رکھتے ہی ایک کاری ضرب لگنے کے بعد چکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ افضل خان نے اسے بھی کلوروفام سنگھایا اور گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا۔ نوجوان ملازمہ دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھے شاید اپنی آواز بند رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سنو......'' اس نے ملازمہ پر دوبارہ پستول تان کر سفاک آواز میں کہا۔ ''تمہیں مجھے سیٹھ رستم علی کے کمرے تک پہنچانا ہو گا۔''

''نن...... نن...... وو...... وہ مجھے...... مم...... مار ڈالیں گے۔''

''انکار کی صورت میں، تمہارا انجام اس سے زیادہ اذیت ناک ہو گا۔''

''نن...... نہیں...... مم...... ابھی مرنا نہیں چاہتی۔'' وہ بہ دستور ہکلاتے ہوئے بولی۔ ''میں تمہیں بڑے مالک کے کمرے تک راستہ دکھا سکتی ہوں لیکن...... درواجا کھلوانا تمہاری جمہ داری ہو گا۔''

''منظور ہے......'' افضل خان نے اقرار کر لیا۔

نوجوان ملازمہ بری طرح تھرتھرا رہی تھی لیکن اس نے ملازموں والے راستے سے افضل خان کی رہنمائی کر دی۔ ایک ہاتھ کے اشارے سے اس نے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرا ہاتھ اس نے اپنے منہ پر جما رکھا تھا۔ نگاہوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ راہداری میں بند شیڈ کے اندر سے مدھم روشنی جھلملا رہی تھی۔

''دروازہ میں کھلواتا ہوں لیکن اگر اندر سے کوئی سوال کیا گیا تو جواب تم دو گی۔ کہہ دینا کہ گارڈ ملنے کو آیا ہے۔''

ملازمہ نے اثبات میں سر کو جنبش دی، اس کی آنکھیں خوف سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ افضل خان نے پستول پر گرفت مضبوط کی، اس کے ساتھ ہی اس نے ریپیٹر پر بھی دوسرا ہاتھ جما لیا۔ اندر ہونے والی کسی نائٹ بلب کی ہلکی روشنی کھڑکی کے شیشوں پر نظر آ رہی تھی۔

افضل خان نے دستک دینے سے پیشتر چھت کے علاوہ ادھر ادھر نظر دوڑا کر کسی کلوز سرکٹ کیمرے کے امکانات کا جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر دروازے پر دستک دی۔ دوسری یا تیسری دستک پر کسی عورت کی آواز ابھری۔

"کون ہے......؟"
افضل خان نے پستول پھر ملازمہ کی چھاتی پر رکھ کر جواب دینے کا اشارہ کیا۔
"میں ہوں بیگم صاحبہ...... گلابو"
"گلابو......اس وقت کی مصیبت پیش آ گئی؟"
"میں باہر والے گارڈ صیب کو لائی ہوں۔ وہ بڑے مالک سے کوئی جروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"
دوسری طرف خاموشی رہی۔ افضل خان کا دل دھڑکنے لگا، وہ سر سے کفن باندھ کر آیا تھا، خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا تھا، ملازمہ کو دروازے کے ساتھ چھوڑ کر خود دیوار سے چپک گیا۔ پانچ منٹ تک سکوت برقرار رہا پھر کسی عورت نے دروازہ کھولا جو نائٹ گاؤن میں ملبوس تھی۔ افضل خان لپک کر ملازمہ کو ساتھ لیتا ہوا آنے والی سے ٹکرا گیا۔ سامنے بستر پر کوئی محوِ خواب تھا۔ قبل اس کے بیگم رستم علی کچھ سمجھ پاتی۔ افضل خان نے دھمکی دے کر ملازمہ کو اندر کی طرف فرش پر گرا دیا اور ریپیٹر کی نال سیدھی کرتا ہوا بدلی ہوئی آواز میں غرایا۔
"خبردار...... آواز نکالنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔
"کک......کون ہو تم......؟" شائلہ رستم علی نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "کیا بات کرنی ہے؟"
"میں تمہارا گارڈ نہیں...... تم دونوں کی موت ہوں۔" اس نے سوئے ہوئے آدمی کو بھی شامل کر لیا۔ "جگاؤ اسے۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔
شائلہ رستم علی آغا خانی کیلئے وہ کھردرا لب و لہجہ ہی کسی خطرے سے کم نہیں تھا۔ اس نے شوہر کو جگانے میں دیر نہیں کی۔ رستم علی ہڑبڑا کر اٹھا تو موت کو سر پر منڈلاتا دیکھ کر اس کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ گلابو بھی تھر تھر کانپنے لگی۔
"کک...... کیا بات ہے؟" انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔ "کون ہو تم...... کیا چاہتے ہو......؟"
"میرے پاس وقت کم ہے رستم علی۔" افضل خان غرا کر بولا۔ "زندگی چاہتے ہو تو میرے کہنے پر کسی بے جان کٹھ پتلی کی طرح عمل کرتے رہو۔ کسی حماقت کا ثبوت دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ میرے علاوہ تم دونوں اور شاید تمہارے بیٹے اور اس کی بیوی کو بھی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ میں تنہا نہیں مروں گا۔"
رستم علی کی آنکھیں سر پر منڈلاتے خطرے کو دیکھ کر اپنے حلقوں میں چکرانے لگیں۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔
"تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا؟...... کاروباری زندگی میں تو تم نے بڑے بڑے سودے نمٹائے ہیں۔ اس وقت موت اور زندگی کا بیوپار کرنے سے کیوں ہچکچا رہے ہو؟"

''تم...... کیا چاہتے ہو؟'' رستم علی نے ہارے ہوئے جواری کے انداز میں دریافت کیا۔
''تمہاری اور تمہاری بیوی کی سہاگ رات والے انداز میں ایک تازہ تصویر۔'' اس نے زہریلے انداز میں ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''دو تین پوز لینے کے بعد میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو زندہ چھوڑ کر واپس جانے کا وعدہ کرتا ہوں...... کیا خیال ہے؟''
''تت...... تم...... شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو۔'' رستم علی نے جھلا کر کہا۔ ''تمہارا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں موت کو ہی ترجیح دوں گا۔''
''یہ موت بڑی اذیت ناک ہوگی۔ اس کا ایک نمونہ دیکھ لو۔'' افضل خان نے کہا پھر اس نے پلک جھپکتے میں فائر کیا۔ ''ٹھچ'' کی مدھم آواز کے ساتھ ہی ملازمہ گلابو قیمتی قالین پر گر کر کسی ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی، اس کے بائیں شانے سے خون ابل رہا تھا۔
''اب تمہارا کیا جواب ہے؟'' اس نے سفاک نظروں سے رستم علی کو گھورا۔ ''ملازمہ کے بعد کیا تم اپنی چہیتی بیوی کو بھی اسی اذیت میں دیکھنا پسند کرو گے؟''
''نن...... نن...... نہیں۔'' شائلہ بیگم نے مردہ آواز میں ہاتھ جوڑ لیے۔ ''م...... میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ مجھ...... مجھے نہ مارنا، پلیز۔''
''م...... میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔'' رستم علی نے کاروباری انداز میں کہا۔ ''تم اپنا پہلا مطالبہ واپس لے لو۔''
''سوری...... میں نے جو کہہ دیا وہ کہہ دیا...... ہاں یا نہیں...... کیا کہتے ہو؟''
''تم...... کس کے لیے کام......''
''فضول باتیں مت کرو......'' اس نے پستول کا رخ شائلہ بیگم کی طرف کرتے ہوئے کہا۔
''میں تین تک گنوں گا اس کے بعد تم دونوں کی لاشوں کی تصویر بھی میرے لیے کافی ہوگی۔''
''میں تمہیں تین کروڑ اس وقت بھی کیش دے سکتا ہوں۔''
''ون......'' افضل خان نے جواب میں گنتی شروع کر دی، اس کی نظریں رستم علی پر مرکوز تھیں، پستول کا رخ شائلہ بیگم کی طرف تھا، گلابو شاید بے ہوش ہو گئی تھی اس لیے ساکت نظر آ رہی تھی۔
''پانچ کروڑ......''
''ٹو...... افضل خان کے لہجے میں درندگی جاگ اٹھی۔
دو کی گنتی مکمل ہوتے ہی شائلہ بیگم کی کیفیت موت کے خوف سے دیوانوں جیسی ہو گئی۔ اس نے شوہر کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا پھر شاید اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا جو اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنا ڈریسنگ گاؤن پھاڑ کر اس طرح جسم سے علیحدہ پھینک دیا جیسے وہ اس کے لیے کفن سے زیادہ کربناک ثابت ہو رہا تھا۔ اس کا اوپری جسم برہنہ ہو گیا تو اس نے شوہر کی طرف دیکھ کر سسکتے ہوئے کہا۔ ''مجھے موت سے بچا لو...... میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔''
رستم علی بیوی کو اس حالت مین دیکھ کر بوکھلا گیا، اس کی سودے بازی دم توڑ گئی۔ افضل خان کی

طرف دیکھ کر گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

’’تم ہماری تصویر کا کیا کرو گے؟‘‘

’’فرصت کے اوقات میں دیکھوں گا۔‘‘

’’ایک بار میری آفر پر بھی غور کرلو...... میں رقم دگنی بھی کرسکتا ہوں۔‘‘

جواب میں افضل خان کی گرفت پستول کے دستے پر مچلی تو شائلہ بیگم نے اپنی برہنگی کی باقی کسر بھی پوری کردی۔ ہذیانی انداز میں شوہر سے بولی۔

’’میں تمہیں دارا کی زندگی کا واسطہ دیتی ہوں۔ ایک مجبور ماں کو اپنی ضد کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔‘‘

’’جلدی کرو سیٹھ......‘‘ افضل خان نے سرد لہجے میں وارننگ دی۔ ’’تم دونوں کی موت کے بعد بھی میں اپنے مقصد کی تصویریں بنا سکتا ہوں۔‘‘

رستم علی نے بیوی کی طرف دیکھا پھر خود بھی جلدی جلدی اپنا نائٹ سوٹ اتارنے لگا۔ شائلہ کی کیفیت دیکھنے کے بعد وہ اپنی عزت کے جنازے میں آخری کیل ٹھونکنے پر مجبور ہوگیا۔ شائلہ بیگم نے شوہر کو سرتاپا برہنہ دیکھا تو دوڑ کر اس سے لپٹ گئی پھر اس نے خود کو بستر پر گرانے کے ساتھ ساتھ شوہر کو بھی گھسیٹ لیا۔ افضل خان نے الٹے ہاتھ سے حساس مووی بنانے والی ڈوائس جیب سے نکال لی۔

شائلہ بیگم نے جنونی انداز میں شوہر کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ رکھا تھا، جو کچھ وہ کر رہی تھی اس میں ہوس کو کوئی دخل نہیں تھا، محض دیوانگی اور زندگی بچانے کی خواہش تھی۔ موت سر پر سوار ہو تو کوئی ان لمحوں کو خوشگوار بنانے کا تصور تک بھی نہیں کرسکتا تھا۔ رستم علی بیوی کے ساتھ محض جنونی اداکاری کا رول نبھا رہا تھا جب گارڈ کے لباس میں کھڑے افضل خان کی فاتحانہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

’’اب کھیل تماشا ختم کردو رستم علی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے زندگی کو موت پر ترجیح دی۔‘‘

’’تم...... تم اب ہمیں مارو گے تو نہیں؟‘‘ شائلہ بیگم نے بڑی رحم طلب نظروں سے سوال کیا۔

’’نہیں...... تم اب لباس پہن سکتی ہو۔‘‘

ایک منٹ بعد ہی وہ دونوں ڈریسنگ گاؤن پہن کر مجرموں کی طرح سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ شائلہ بیگم کا جسم اب بھی پھٹے ہوئے گاؤن سے جھانک رہا تھا۔

’’جانے سے پہلے میں تمہیں ایک آخری وارننگ اور دے رہا ہوں۔‘‘ افضل خان نے بہ دستور بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ ’’میرے کمرے سے باہر نکلنے کے آدھے گھنٹے بعد تک تم دونوں کسی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔ باہر میرا ایک گونگا اور بہرا ساتھی پوری طرح محتاط ہے۔ وہ صرف اسلحہ کی زبان میں گفتگو کرنے کا عادی ہے۔‘‘

’’مم...... میں اب بھی تم سے ایک سودا کرنے کو تیار ہوں۔‘‘ رستم علی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے

بڑی سرد آواز میں کہا۔ ''تم تصویریں اور نگیٹیو مجھے واپس کر کے منہ مانگی رقم حاصل کر سکتے ہو۔''

''وعدہ نہیں کرتا۔ تمہارے مطالبے پر غور ضرور کروں گا۔'' افضل خان نے سرسراتے ہوئے دوبارہ وارننگ دی۔ ''آدھے گھنٹے تک تم دونوں کوئی حماقت نہیں کرو گے۔'' جملہ مکمل کر کے وہ تیزی سے پلٹا، دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے بڑی احتیاط مگر برق رفتاری سے واپسی کا سفر طے کیا تھا۔

عمارت کے عقبی حصے کی جانب اب بھی پہلا والا گارڈ بے ہوشی کی کیفیت میں دیوار سے ٹیک لگائے موجود تھا، افضل خان نے ادھر ادھر دیکھا پھر دوبارہ اس کے جسم سے اپنا جاگنگ والا لباس اتار کر پہنا۔ اس کا لباس اسی کے جسم پر ڈال دیا۔ وقت ضائع کیے بغیر وہ دوبارہ بڑے اطمینان سے جاگنگ کرتا ہوا اسی مخصوص پوائنٹ کی طرف جا رہا تھا جہاں اسے شبنم نے ڈراپ کیا تھا۔ اپنا مشن کامیابی سے پورا کرنے میں اسے چالیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے جبکہ شبنم نے اسے واپس کرنے کیلئے ایک گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ افضل خان کے واپس نہ ہونے کی صورت میں وہ پندرہ منٹ کے وقفے سے صرف دو چکر اور لگائے گی پھر واپس اپنے اپارٹمنٹ کی طرف لوٹ جائے گی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہی نئے ماڈل کی کرولا اس کے قریب پہنچ کر رک گئی، نمبر بھی وہی تھے لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر شبنم کی جگہ کوئی مرد موجود تھا۔ افضل خان ایک لمحے کو الجھ گیا۔ اس کے ذہن میں بگ باس کا خوفناک تصور ابھرا جو کسی واردات میں کوئی سراغ چھوڑنے کا عادی نہیں تھا۔ میڈم روبی کے سلسلے میں بھی اس نے افضل خان کے بے قصور ہونے کے باوجود اسے کسی بیکار پرزے کی طرح کباڑ خانے کی طرف پھینک دیا تھا۔ کہیں اس وقت بھی وہ کام مکمل ہو جانے کے بعد مجھے اپنے راستے سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دور تو نہیں کرنا چاہتا؟ اس تصور ہی سے اس کے جسم میں موت کی سرد لہر دوڑ گئی۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟'' ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آنے والے نے اسے گھورا۔ ''جلدی کرو...... کم آن۔''

افضل خان نے خاموشی سے تعمیل کی، اس کے سیٹ سنبھالتے ہی گاڑی نے حرکت کی پھر برق رفتاری سے سنسان سڑکوں پر دوڑنے لگی۔

''شبنم کہاں ہے؟'' اس نے تھوڑے توقف سے دریافت کیا۔

''تمہارا سوال میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔'' دوسرے شخص نے بڑے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہاری جگہ اگر میں ہوتو شاید میں بھی یہی سوال کرتا۔ ڈونٹ وری...... وہ پروگرام کے عین مطابق نہیں آئی، کسی بدلی ہوئی صورت میں، میں تمہارے لیے شبنم کے مقابلے میں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔''

''ہم اس وقت کہاں جائیں گے؟'' افضل خان نے کسمسا کر دوسرا سوال کیا۔

''فی الحال تمہیں دو روز تک شبنم کے فلیٹ سے دور رہنا ہوگا۔'' سنجیدگی سے جواب ملا۔

''حالات اگر سازگار ہوئے تو شبنم تم سے خود مل لے گی۔ ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''میں نے جو کامیابی حاصل کی ہے۔ کیا اس کے ثبوت تمہارے حوالے کر دوں؟'' افضل خان نے کچھ سوچ کر اسے پھر ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''مجھے ہیرو بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔'' بے پروائی سے شانے اچکا کر جواب ملا۔ ''اوپر سے ملنے والی ہدایت صرف اتنی ہے کہ میں تم کو پک کر کے ایک محفوظ جگہ تک پہنچا دوں۔ تمہارے لیے ایک چیز بھی میرے پاس ہے۔'' اس نے جیب سے ایک موبائل نکال کر افضل خان کی طرف بڑھاتے ہوئے ہدایت کی۔ ''تم اس پر صرف کال ریسیو کرو گے۔ کسی کو کال کرنے کی غلطی مت کرنا۔ بگ باس اپنی ہدایت کی خلاف ورزی کرنے والوں سے کس طرح پیش آتا ہے؟ اس کا اندازہ تمہیں بھی بخوبی ہوگا؟''

افضل خان نے موبائل لے کر جیب میں ڈال لیا پھر ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ پون گھنٹے بعد اسے کسی عمارت کے اندر چھوڑ دیا گیا جہاں موجود دو مسلح گارڈ اسے کور کرتے ہوئے اپنے ساتھ عمارت کے اندر لے گئے۔

پاکستانی ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

سفید رنگ کی میٹرو کیب اس وقت پوش علاقے کی سمت جانے والی اس سڑک سے گزر رہی تھی جو متوازی سڑک سے تقریباً دس بارہ فٹ کی بلندی پر تھی، ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا سرحدی علاقے کا باشندہ نظر آنے والا دراصل پستہ قد اور مارشل آرٹ کا ماہر لوچن تھا جس نے میک اپ کے بعد اپنی اصلی شخصیت کو بڑی مہارت سے چھپا لیا تھا۔ کیب چلانے والے ڈرائیوروں کی وردی نے اس کی ظاہری حالت کو خاصا اجاگر کر دیا تھا، اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں لیکن ذہن عقبی نشست پر تھا جہاں ہاشم اپنی اصلی صورت میں بیٹھا بڑی توجہ سے ذیلی سڑک کے کنارے بنے ہوئے مختلف وضع قطع کے مکانات اور دکانوں کو دیکھنے میں مصروف تھا۔

لوچن کو ٹیکسی ڈرائیور کا رول ادا کرنے کی ہدایت بھی ہاشم ہی نے مخصوص کوڈ ''سیون اسٹار'' کے حوالے سے دی تھی لیکن کام کی نوعیت نہیں بتاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لوچن کے ذہن میں یہ شبہ ایک بار پھر کلبلانے لگا کہ وہی اس مہم کا سربراہ ہے جس نے لوچن کے علاوہ بیرونی باشندے ڈوما کا بھی انتخاب کیا تھا۔ سیون اسٹار کا مخصوص کوڈ استعمال کرنے والی بھی غالباً ہاشم ہی کی کوئی ماتحت رہی ہوگی۔ یہ سب اس وقت سے لوچن کے ذہن میں جڑیں مضبوط کر رہا تھا جب ہاشم نے پہلی بار اس سے جہاز میں ملاقات کی تھی اور ڈوما کے بارے میں کچھ خدشات ظاہر کیے تھے جو بعد میں درست ثابت ہوئے۔

ہاشم اس وقت گرے کلر کے سفاری سوٹ میں ملبوس تھا۔ ہوشنگ کو اس نے اپنے ہوٹل کے بجائے ایک تجارتی مال کے باہر سے بہ طور مسافر انگیج کیا تھا۔ اس میں بھی یقیناً ہاشم کی کوئی مصلحت رہی ہوگی جس کا علم ہوشنگ کو مطلق نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے سے وہ صرف ڈرائیور کا رول ادا کر رہا تھا، ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی، ہاشم کی اس بے اعتنائی پر وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا، جب پچھلی نشست سے ہاشم نے اسے پہلی بار مخاطب کیا۔

''رائٹ ہینڈ پر کشمیری فرنیچرز کی دکان پر ایک نظر ڈال لو، واپسی پر ہمیں وہیں رکنا ہے۔''

''کیا اب تمہیں کسی پرائیویٹ مکان میں رہنے کی ہدایت ملی ہے جو اس کیلئے فرنیچر درکار ہے؟''

''میرے پاس تمہاری مس انڈر اسٹینڈنگ کا کوئی...... علاج نہیں ہے۔'' ہاشم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''ایک بار پھر یہی کہوں گا میری ذاتی پوزیشن بھی تم سے یا ڈوما سے مختلف نہیں ہے۔''

''لیکن زیادہ تر ہدایتیں تمہارے ہی ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔''
''ہوسکتا ہے یہ محض اتفاق ہو۔'' ہاشم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر سنجیدگی سے بولا۔
''مطلوبہ فرنیچر کی دکان میں مجھے تنہا جانا ہوگا لیکن پوری طرح محتاط رہنا۔ ہمیں وہاں کچھ غیر یقینی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے۔''
''کشمیری فرنیچرز ہی کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ شہر میں فرنیچر کی اور بھی بے شمار دکانیں موجود ہیں۔''
''تم نے شاید روڈ سائڈ پر بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی دکانوں اور کچے پکے مکانوں کی ساخت پر غور نہیں کیا۔ یہ ایک پرانی کالونی ہے جو ابھی تک ماڈرن حالات سے پوری طرح ہم آہنگ نہیں ہو سکی، شاید اس لیے کہ یہاں مختلف کلاس کے لوگ آباد ہیں جو اپنی اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلا رہے ہیں۔''
''کیا ہم یہاں صرف فرنیچر خریدنے آئے ہیں!'' لوچن نے کسمسا کر سوال کیا۔
''نہیں...... ہاشم نے اس بار ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''مجھے یہاں ایک ایسے شخص سے ملاقات کرنی ہے جو کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں ہے۔ فرنیچر کا کاروبار محض ڈھونگ ہے، میرا خیال ہے کہ فرنیچر کی دکان کے اندر ہی اندر کچھ چور راستے بھی ہوں گے جسے پولیس وغیرہ کی ریڈ کے وقت استعمال کیا جاتا ہوگا۔ مجھے صرف یہی بتایا گیا ہے کہ جس شخص سے ملاقات کرنی ہے وہ ایک جرائم پیشہ گروہ کا سردار ہے۔''
''ملاقات کی نوعیت کیا ہوگی؟'' لوچن نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔
''سوری...... میں سیون اسٹار کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ تمہیں اور ڈوما کو بھی یہی ہدایت ملی ہوگی۔''
لوچن نے پھر سوال نہیں کیا۔ کشمیری فرنیچرز کی دومنزلہ عمارت پر ایک نظر وہ بھی ڈال چکا تھا۔
تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے ذیلی سڑک پر آتے ہوئے اپنی نئی ماڈل کرولا کیب مطلوبہ دکان سے کچھ پہلے ہی روک دی، ہاشم خاموشی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ گاڑی کچھ فاصلے پر روکنے کی مصلحت وہ بھی بھانپ چکا تھا، وہاں سے کسی متوقع خطرے کو بہ آسانی بھانپا جاسکتا تھا۔
فرنیچر کی وہ دکان چوڑائی میں زیادہ بڑی نہیں تھی لیکن لمبائی میں شاید اسے دو پلاٹوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ شوروم کے اندر ہی اسے وہ گول زینہ بھی نظر آگیا جو دکان کی پہلی منزل پر جاتا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مختلف فرنیچر کو دیکھتا رہا۔ دکان پر دو افراد نظر آرہے تھے، ایک ملازم تھا جو ہاشم کے ساتھ ساتھ تھا، دوسرا ایک میز پر اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ غالباً وہ منیجر رہا ہوگا۔
''آپ کو کس قسم کا فرنیچر درکار ہے؟'' ملازم نے ہاشم کے ساتھ چلتے چلتے اسے کاروباری انداز میں مخاطب کیا۔
''میری بات فون پر کسی قدیر صاحب سے ہوئی تھی۔'' ہاشم نے جواب دیا تو ملازم نے اس

آدمی کی طرف اشارہ کیا جو میز پر بیٹھا تھا۔ ہاشم قدم بڑھاتا میز کے قریب چلا گیا۔

"مسٹر قدیر......؟"

"جی، تشریف رکھیے۔" چھریرے بدن والے شخص نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ہاشم نے اپنے شانوں سے مختصر سا بیگ اتار کر فرش پر رکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "مجھے دراصل جے، بی سے ملنا ہے۔"

"کون جے، بی؟" مخاطب کیا جانے والا چونکا۔ "آپ شاید غلط جگہ آ گئے ہیں، یہاں اس نام کا......"

"آپ مسٹر وزیر ہی ہیں نا؟"

"جی ہاں، لیکن......"

"کسٹمر سروس نمبر ایف...... تھرٹی فور (F-34) جے، بی کیلئے اتنا حوالہ کافی ہوگا۔" ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ اس بار اسے مزید نہیں کریدا گیا۔ فون سیٹ پر ایک نمبر پنچ کرنے کے بعد میز پر بیٹھے ہوئے شخص نے مختصراً ہاشم کا دیا ہوا حوالہ دہرایا پھر ہاشم کو لے کر دکان کے اندرونی حصے میں چلا گیا۔ لکڑی کی عارضی پارٹیشن سے گزر کر وہ دوسری طرف گئے۔ یہ حصہ بہ ظاہر ٹوٹے پھوٹے فرنیچر کا تھا جہاں ایک بھاری جسامت کا شخص دیواروں کی صفائی میں مصروف تھا۔ قدیر نے ہاشم کو اس شخص کے ساتھ کرتے ہوئے کہا تھا۔ "ان کو بڑے سیٹھ سے ملوا دو۔" اس کے بعد ہاشم کو اندر ہی اندر کئی بھول بھلیوں سے گزارنے کے بعد ایک مختصر کمرے میں روکا گیا۔ ساتھ آنے والا اندر چلا گیا۔ ہاشم بہ دستور نارمل نظر آ رہا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر صورت حال سازگار نہ ہوئی تو ہوشلنگ کے فرشتے بھی اس تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ کچھ دیر بعد اسے ساتھ لانے والا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ "آپ اندر جا سکتے ہیں۔" اس نے ہاشم سے کہا پھر قریب رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

ہاشم نے بے پروائی سے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو دس بائی دس کے مختصر کمرے میں اس نے ایک شخص کو سامنے ریوالونگ چیئر پر بیٹھے دیکھا، اس کی میز کے ساتھ دوسری چار کرسیاں بھی موجود تھیں۔ ہاشم نے اس شخص کو غور سے دیکھا جو گٹھے ہوئے بدن اور تیکھے نقوش کا مالک تھا، اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ سخت گیر طبیعت کا مالک ہے، آنکھوں کی مخصوص چمک اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ رعایت کرنے کا عادی نہیں ہے۔ اس کی کرسی کے بائیں جانب ایک خونخوار السیشین بیٹھا اپنی زبان لپلپا رہا تھا۔

"بیٹھو......" ہاشم کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ "تمہارے کام میں ہمارے نگینے ضائع ہو گئے۔ مجھے ان کی پروا نہیں، تمہارا کام ہو گیا تھا پھر کیسے آنا ہوا؟"

"میرا نام ہاشم ہے اور تم......"

"تم جگا ہی سے مخاطب ہو۔" جواب دینے والے نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر تم غیر ملکی گاہک نہ ہوتے تو میں تم کو اندر بلانے کی زحمت بھی نہ کرتا۔ مقامی لوگ ڈبل کراس کرنے کی حماقت کرتے

ہیں اس لیے میں ان سے کم ہی ملتا ہوں۔''
''یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے لیکن میں اس وقت ایک خاص کام سے آیا ہوں۔'' ہاشم نے کاروباری انداز اختیار کیا۔ ''تمہارے نگ جو باقی بچ گئے تھے ان کے بارے میں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''
''کام ہو جانے کے بعد اب ان سے تمہارا کیا تعلق رہ جاتا ہے؟'' درشت لہجے میں دریافت کیا گیا۔
''صرف اتنا کہ وہ ابھی زندہ ہیں۔'' ہاشم نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''انہیں اپنی زبان بہر حال میں بند رکھنی ہوگی۔ اس کی ضمانت کون دے گا؟''
''اوہ......'' جگا نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''آدمی دور اندیش اور تجربے کار معلوم ہوتے ہو۔''
''نہ ہوتا تو کسی پارٹی نے منہ مانگے داموں پر افریقہ کے وحشی قبیلے سے یہاں درآمد بھی نہ کیا ہوتا۔ کام کھرا کرتا ہوں اس لیے بیرونی منڈی میں ڈیمانڈ بھی ہے۔''
''خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' اس بار جگا نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔ ''فکر مت کرو، جو دو پیس باقی رہ گئے ہیں وہ زبان نہیں کھولیں گے۔ میں گارنٹی دیتا ہوں۔''
''تھینکس۔'' ہاشم نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا پھر نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر بے پروائی سے ڈال دی۔
''یہ...... یہ کس لیے؟'' جگا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
''جو نگینے ضائع ہو جائیں ہم اس کی قیمت بھی ضرور ادا کرتے ہیں۔''
''ہم جو سودا کرتے ہیں اس میں ٹوٹ پھوٹ بھی شامل ہوتی ہے۔ تم یہ رقم واپس اٹھا لو۔''
''نہیں جگا......'' ہاشم نے اٹھتے ہوئے سلجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''ہو سکتا ہے مجھے پھر کوئی کام پیش آئے۔ تم میری طرف سے یہ رقم ان کی فیملی کو دے دینا۔''
جگا مسکرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے ہاشم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہارا یہ کاروباری انداز اچھا لگا۔ جب بھی جگا کی ضرورت پیش آئے، دوست بن کے ایک آواز دینا۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔''
ہاشم کا تجربہ گواہی دے رہا تھا کہ جگا اپنی زبان کا دھنی ہے۔ وہ مطمئن ہو کر باہر نکلا، باہر بیٹھا ہوا شخص پھر اس کی رہنمائی کرتا ہوا فرنیچر کے شوروم تک لے آیا۔ قدیر کی میز پر ایک اور شخص بیٹھا تھا جسے دیکھ کر ہاشم چونکا۔ وہ دراز قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا، پہناوے اور رکھ رکھاؤ سے اس کا تعلق اونچے لوگوں میں شمار کیا جا سکتا تھا، اس نے سنہری فریم کا لائٹ کلر والا چشمہ لگا رکھا تھا۔ ہاشم کی دوررس نگاہوں میں مخصوص چمک پیدا ہوئی یہ اس بات کا پیش خیمہ تھا کہ وہ اسے کہیں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ پھر قدیر تو ہاشم نے اسے شناخت کر لیا۔ وہ اس شخص کو اپنے ہوٹل کے باہر بھی ایک دو بار منڈلاتا

دیکھ چکا تھا۔ جگا کے ٹھکانے پر دیکھ کر اسے یقین ہوگیا کہ وہ بھی کسی بڑی پارٹی کا خاص آدمی ہوگا۔ فوری طور پر ہاشم کے ذہن میں ایک ہی آدمی کا نام ابھرا شیخ حامد اور دوسرے ہی لمحے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا شوروم سے باہر آگیا۔ احتیاطاً اس نے باہر کھڑی گاڑی کے نمبر بھی ذہن نشین کر لیے۔ اس کی چھٹی حس پوری طرح بیدار تھی۔

✣✣✣

سیٹھ عثمان نے اپنا ذاتی آفس نئے بنگلے میں شفٹ کرلیا تو راحیلہ بیگم نے سکون کا سانس لیا، ذاتی آفس کے علاوہ انتظامیہ کا مخصوص شعبہ اور کچھ کاروباری سیکشن بھی نئے بنگلے میں بہ آسانی سما گئے تھے۔

اس روز نئے آفس میں وہ پہلا دن تھا جب راحیلہ بیگم خود بھی شوہر کے ساتھ دفتر گئی تھیں۔ آفس کا رسمی افتتاح بھی انہی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ مٹھائی بھی تقسیم کی گئی۔ لیاقت حسین اور فرحین بھی خوش تھے لیکن ڈی ایس پی سراج کی غیر موجودگی کو سیٹھ عثمان کے علاوہ راحیلہ بیگم بھی محسوس کر رہی تھیں۔ مختصر سی تقریب کے بعد جب وہ شوہر کے ساتھ نئے آفس میں گئیں تو انہوں نے اس کا اظہار شوہر سے بھی کیا۔ شاید اس لیے کہ سراج ہی نے وقتی طور پر انہیں کچھ دنوں کے لیے باہر جانے کا مشورہ دیا تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں نئے بنگلے کی خریداری اور پرسنل آفس شفٹ کرنے کا پروگرام بھی سراج ہی کی دوڑ دھوپ اور مشوروں کا مرہون منت تھا۔

''اس موقع پر مجھے سراج کی کمی شدت سے محسوس ہورہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس موقع پر بھی سراج نے دور اندیشی ہی کا ثبوت دیا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔ ''ایک پولیس آفیسر ہونے کی حیثیت سے اس کیلئے نیوٹرل رہنا بھی ضروری ہے۔''

''کیوں؟'' کیا شیخ حامد کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ سراج آپ کا کلاس فیلو ہے اور ہمارے درمیان فیملی ٹرمز ہیں؟''

''یقیناً ہے، اور اسی وجہ سے سراج نے احتیاط سے کام لیا ہوگا۔''

''سراج بھائی خود نہیں آئے تو کم از کم ہماری خوشی کی خاطر الماس کو ہی بھیج سکتے تھے۔'' راحیلہ بیگم نے شکوہ کیا۔ ''آپ کچھ بھی کہیں لیکن میں ان دونوں سے شکوہ ضرور کروں گی۔''

سیٹھ عثمان بیوی کو کچھ اونچ نیچ سمجھانا چاہتے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی، انہوں نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو......''

''نیا آفس مبارک ہو۔'' دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔ ''کیسا فیل کر رہے ہو؟''

''آج پہلا دن ہے لیکن کچھ مسائل یہاں بھی سر ابھار رہے ہیں۔'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔

''خیریت......؟''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہاری پوزیشن اب زیادہ نازک ہورہی ہے۔'' اس بار سیٹھ عثمان نے

بیوی کی طرف مسکراتی نظروں سے دیکھ کر جواب دیا تو راحیلہ بیگم پر شوہر کے پہلے جملے سے پیدا ہونے والا تناؤ یکلخت ختم ہوگیا۔ انہوں نے ریسیور جھپٹ کر کان سے لگالیا۔

''فکر مت کرو...... میں جانتا ہوں دشمنوں کے کان ضرور کھڑے ہوں گے لیکن مجھے اس کی پروانہیں ہے۔'' دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔

''بہت خوب...... گویا اب آپ مجھے بھی دشمن سمجھنے لگے۔'' راحیلہ بیگم نے بناوٹی غصے کا اظہار کیا۔ ''کم ازکم آپ سے اس کی امید نہیں تھی۔ شاید اس لیے آپ اور الماس دونوں غیر حاضر ہیں۔''

''سب سے پہلے میری اور الماس کی طرف سے مبارک باد قبول کریں اور یہ بھی فیصلہ کریں کہ الماس کو جو دکھ پہنچا ہے اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔''

''کیسا دکھ......؟''

''انوی ٹیشن نہ ملنے کا۔'' سراج نے شکایت کی۔ ''میں تو خیر واقف ہوں کہ عثمان شروع ہی سے کنجوس واقع ہوا ہے لیکن الماس کو امید تھی کہ کم ازکم آپ اسے ضرور بلائیں گی۔''

''سراج بھائی......'' راحیلہ بیگم نے تیزی سے کہا۔ ''آپ کی یہ پولیس والی چال بالکل نہیں چلے گی۔ مجھے واقعی دکھ ہوا ہے آپ دونوں کے شریک نہ ہونے کا......''

''کیا کچھ لے دے کر بھی مک مکا نہیں ہوسکتا؟'' سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا تو راحیلہ بیگم مسکرادیں۔

''الماس کی خاطر گنجائش نکال سکتی ہوں۔ آپ کو پہلی فرصت میں مجھے اور عثمان کو ایک شاندار ٹریٹ دینی ہوگی۔''

''مجھے منظور ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ بہت سستا چھوٹ گیا۔'' سراج نے دیور بھابی کے رشتے کے تحت اطمینان کا سانس لے کر جواب دیا۔ ''میرے علاقے میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل بھی آتا ہے۔ آپ جب چاہیں پروگرام بنالیں۔''

''ہوٹل نہیں...... آپ کو گھر پر سارا اہتمام کرنا ہوگا۔ میں آج ہی الماس سے بات کر کے پروگرام طے کرلوں گی۔''

''منظور ہے لیکن ایک شرط پر......''

''وہ کیا......؟''

''الماس آپ کو انوائٹ کرے گی لیکن عثمان کو بلانے پر غور کرنے کے بعد ہی جواب دوں گا۔''

کچھ دیر بعد راحیلہ بیگم کی گفتگو ختم ہوئی تو ملازم نے داخل ہو کر ایک کارڈ سیٹھ عثمان کے سامنے رکھ دیا جسے دیکھتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرتے دیکھ کر راحیلہ بیگم نے پوچھا۔

''کس کا کارڈ ہے؟''

''شیخ حامد باہر گاڑی میں موجود ہے...... مجھے اس کی امید نہیں تھی۔''

سیٹھ عثمان کے ساتھ ہی راحیلہ بیگم بھی باہر آ گئیں جہاں شیخ حامد اپنی شاندار گاڑی میں موجود تھا، سیٹھ عثمان نے بذات خود آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو شیخ حامد مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔

''ایسی بھی کیا بے مروتی کہ آپ نے چپکے چپکے نیا آفس قائم کر لیا۔'' شیخ حامد نے مخصوص انداز میں شکوہ کیا۔ ''ہمیں اطلاع بھی نہ دی۔''

''ہم نے یہ سب کچھ سادگی سے کیا ہے۔'' راحیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ تشریف لائیں اور خود دیکھ لیں کہ ہم نے کسی کو مدعو نہیں کیا۔''

شیخ حامد ایک نظر بنگلے پر ڈالتا ہوا اندر اس کمرے میں آ گیا جو خاص خاص کاروباری پارٹیز سے ملنے کی خاطر مخصوص تھا۔

''میرا بن بلائے آ جانا آپ کو برا تو نہیں لگا؟'' اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے باری باری عثمان اور راحیلہ کو وضاحتی نظروں سے دیکھا، اس کے جملے میں طنز کے علاوہ برتری کا احساس بھی جھلک رہا تھا۔

''قطعاً نہیں...... یہ تو ہمارے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے آپ اپنوں کی طرح ہماری خوشیوں میں شریک ہو گئے۔'' سیٹھ عثمان نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔ راحیلہ بیگم اہتمام کی خاطر اجازت لے کر باہر چلی گئیں تو شیخ حامد نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''کیا آپ نے تجارتی علاقے میں گھر کے قریب اپنا آفس بنانے کو کسی خاص وجہ سے ترجیح دی ہے؟''

''جی نہیں...... یہ بنگلا خالی پڑا تھا اس لیے میں نے صرف اسے اپنا پارٹ ٹائم آفس بنایا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''زیادہ تر وقت تو آپ لوگوں کے درمیان ہی گزرے گا۔''

''بہرحال دیکھ لیں کہ مجھے بروقت بھنک مل گئی اور میں آپ کو مبارکباد دینے آ گیا۔''

''یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے غیریت نہیں برتی۔''

دونوں کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ راحیلہ بیگم نے اتنی دیر میں خاصا اہتمام کر لیا تھا، شیخ حامد نے تکلف سے کام نہیں لیکن زیادہ دیر رکا بھی نہیں۔ اس کے جانے کے بعد راحیلہ بیگم نے دبی زبان میں کہا۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ شیخ حامد یہاں صرف اپنی خوشی کا اظہار کرنے نہیں آیا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا۔''

''شاید......'' سیٹھ عثمان نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''کچھ لوگوں کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی خواہش زیادہ شدت سے ہوتی ہے، میں سمجھ رہا ہوں کہ اس کے آنے کا اصل مقصد کیا تھا۔ وہ شاید یہ باور کرانے آیا تھا کہ میں اس کے خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہوں۔''

''دفع کیجیے...... دوسرے کیا سمجھتے ہیں، ہمیں اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟'' راحیلہ

بیگم نے بڑی خوبصورتی سے موضوع بدل دیا، اس روز وہ خاصی دیر تک شوہر کے ساتھ آفس میں رہی بعد میں گھر آ گئیں۔ ذاتی طور پر وہ بھی شیخ حامد کی اچانک آمد کا اصل مقصد نہیں سمجھ سکی تھیں۔ جو شخص کسی کو دعوت میں بلا کر تخریبی کارروائی کے حربے اختیار کر سکتا تھا، اس سے کوئی نیک توقع بھی وابستہ نہیں کی جا سکتی تھی۔

✣✣✣

اس بار افضل خان کے ساتھ اس کی نگرانی کرنے والوں کا وہ سلوک نہیں تھا جو میڈم روبی والے معاملے کی ناکامی کے بعد۔ وہ غلطی نہ ہونے کے باوجود بھگت چکا تھا۔

دو روز سے اسے ایک بیڈ روم میں رکھا گیا تھا۔ یہاں اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں تھی لیکن ایک بار بگ باس کی دوغلی پالیسی اور مصلحتوں کا ہدف بننے کے بعد وہ خاصا محتاط ہو گیا تھا۔ ایک ہی جھٹکے نے اس کی ساری خوش فہمی دور کر دی تھی۔ اگر شبنم نے اسپتال سے نکالے جانے کے بعد بروقت اسے اپنے فلیٹ میں سر چھپانے کی جگہ نہ دی ہوتی تو شاید وہ خودکشی کے ارادے کی تکمیل کرنے کے بعد اخباروں کی سرخیاں بن کر رہ گیا ہوتا۔ شبنم نے خود کو نیوٹرل ثابت کرنے کی خاطر جو کچھ کہا تھا اس کی پشت پر بھی یقیناً بگ باس کی مرضی ضرور شامل رہی ہو گی۔ وہ ایک کمزور لڑکی تھی جبکہ بڑے بڑے سورما بھی بگ باس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے گریز ہی کرتے تھے۔ افضل خان کے اس شبہے کو اس وقت تقویت مل گئی جب شبنم نے اسے بگ باس کے دو مخالفین کے بارے میں بتا کر یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھائے تو بگ باس اس سلسلے میں نرم بھی پڑ سکتا ہے۔ اس آفر کے پیچھے بھی افضل خان کو بگ باس کی چالاکی محسوس ہوئی تھی۔ شبنم کو یقینی طور پر اسی نے اشارہ کر کے افضل خان کے ساتھ ذاتی ہمدردی کا مشورہ دیا ہو گا۔ اس کا ثبوت بھی اس روز مل گیا جب شبنم نے ایک موقعے پر افضل خان کو ایک مختصر چٹ پر یہ پیغام لکھ کر دیا تھا۔ ”ہماری اس کمرے میں ہونے والی گفتگو دوسری جانب بھی سنی جا رہی ہے۔ محتاط رہنا۔ ویسے میں تمہارے ساتھ ہوں، کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی کام آ سکوں۔“ اس پرچے کو پڑھ لینے کے بعد افضل خان کے اس شبہے کی تصدیق ہو گئی تھی کہ شبنم نے اسی کے اشارے پر اسے پناہ دی تھی۔

شبنم کا وہ خاموش پیغام، اس وقت بھی افضل خان کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ بگ باس کا دست راست ہونے کی حیثیت میں بھی اس نے کئی بار شبنم کو اپنی طرف جھکتے محسوس کیا تھا۔ اگر وہ آفس میں ایک ساتھ کام نہ کر رہی ہوتی تو شاید افضل خان اسے بھی شکار کر چکا ہوتا لیکن اب وہ شبنم کی اپنی ذات میں اس دلچسپی کو دوسری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے شیخ حامد کی فرم میں ملازمت محض اچھی تنخواہ کی خاطر نہیں کی ہو گی۔ اگر وہ غلط قسم کی لڑکی ہوتی تو بھول کر بھی افضل خان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہ کرتی۔ بگ باس کی سخت پالیسی سے وہ بھی ناواقف نہیں رہی ہو گی۔ اس نے جو قدم افضل خان کی طرف بڑھانے کی کوشش کی تھی اس میں یقیناً کوئی مصلحت رہی ہو گی۔ کوئی ایسی افتاد جس میں اسے افضل خان کی مدد درکار ہو گی۔ اس مشکل کا کوئی نہ کوئی تعلق بھی بگ باس سے

ضرور ہوگا ورنہ وہ افضل خان کے بجائے کسی اور کو بھی شیشے میں اتارنے کی کوشش کر سکتی تھی۔
رستم علی آغا خانی سے ٹکراؤ کے سلسلے میں شبنم نے خلاف توقع ذاتی طور پر بھی افضل خان کی مدد کی تھی۔ شاید اسی وجہ سے افضل خان نے اپنی زندگی داؤ پر لگا کر اس ٹارگٹ کو حاصل کر لیا تھا۔ جس شخص نے اسے شبنم کی عدم موجودگی میں واپسی میں پک کیا تھا اس نے بھی یہی کہا تھا کہ ''تمہیں دو روز تک شبنم کے فلیٹ سے دور رہنا ہوگا۔ حالات اگر ساز گار ہوئے تو شبنم تم سے خود ہی مل لے گی۔ فی الحال یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''
بہر حال بگ باس کے دیئے مشکل محاذ کو سر کر لینے کے باوجود افضل خان کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔ ایک بار اپنے ناکردہ گناہ کی اذیت ناک سزا بھگتنے کے بعد اس نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ اپنا راستہ الگ بنانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ پہلے وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اگر چاہتا تو اس خطرناک مگر مچھ کو بہت قریب سے شکار کر سکتا تھا۔ اب حالات نے بگ باس کو بھی پہلے سے زیادہ محتاط کر دیا ہوگا لیکن...... وہ اس کے باوجود اسی دغابازی کی پالیسی پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا جو اس کے ساتھ عمل میں آ چکی تھی۔
جس کمرے میں اسے رکھا گیا تھا وہاں سے اسے باہر نکلنے کے علاوہ ہر قسم کی سہولت حاصل تھی لیکن وہ متواتر اپنی زندگی کے آنے والے باب کو اپنے انداز میں رقم کرنے کے بارے میں غور و فکر کرتا رہا۔ اس وقت بھی شام کا ہلکا ناشتا کرنے کے بعد وہ ایک ایزی چیئر پر بیٹھا انہی خیالوں میں گم تھا جب اس کو دیئے گئے موبائل پر پہلی بار کال کی گئی...... اس نے سنبھل کر موبائل کی اسکرین پر نظر ڈالی جہاں کسی نمبر کے بجائے ''ان نون'' درج تھا۔
''ہیلو......'' اس نے موبائل آن کر کے سنجیدگی سے اٹینڈ کیا۔
''تم نے اپنی نئی زندگی کا پہلا ہرڈل (Hurdle) کامیابی سے پھلانگ لیا ہے۔'' دوسری جانب سے شیخ حامد کی کھردری آواز سنائی دی جس میں حقارت کا پہلو بھی شامل تھا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ شبنم نے تمہاری جو سفارش کی تھی اسے اس میں مایوسی نہیں ہوئی۔''
''میں آپ دونوں کا شکر گزار ہوں۔'' افضل خان نے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔
''اب کیا سوچا ہے؟'' سپاٹ اور سرد لہجے میں دریافت کیا گیا۔
''میں اس وقت کچھ سوچنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''
''گڈ...... مجھے تمہارا جواب پسند آیا، جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جائے تو اسے اسی انداز میں بات کرنا چاہیے۔''
''میں مایوس پھر بھی نہیں ہوں۔'' افضل خان نے دیدہ دانستہ خوشامدی انداز اختیار کیا۔ ''اس بات کی توقع رکھتا ہوں کہ آپ مجھے آزمائش کے کچھ اور مواقع بھی ضرور دیں گے۔''
''ضروری نہیں ہے۔ تم جو مقام کھو چکے ہو اس کے بارے میں خواب میں بھی نہ سوچنا۔''
اس بار افضل خان نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، کسمسا کر رہ گیا۔

''خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میں...... میں ایک درخواست کروں گا۔''

''کہو......''

''آپ ایک بار حکم دے کر دیکھیں، میں آپ کے اشارے پر خود اپنی شہ رگ پر چھری پھیر لوں گا۔''

''زندگی سے اتنی جلدی مایوس ہو گئے۔'' طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔ ''کبھی تو اسی شہر میں تم سینہ تان کر اور سر اٹھا کر چلتے تھے؟''

''وہ بھی آپ کی مہربانی تھی......''

''ایک بات کا خیال رکھنا...... جب انسان کے گھٹنے عارضی لگا دیئے جائیں تو اس کو دوبارہ اپنے قدم زمین پر جما کر چلنے میں بڑی اذیت ناک قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔''

''مم...... میں ہر امتحان کیلئے تیار ہوں۔'' افضل خان نے مردہ آواز میں جواب دیا۔

''میڈم والے کیس میں تمہیں جو سزا ملی تھی اس کے بارے میں تمہارا اندازہ ہے......؟ تم ایک ہی جھٹکے میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔''

''میں اسے مصلحت کا نام دوں گا۔'' افضل خان نے پھر دل پر جبر کیا۔ ''جو کچھ ہوا میں اس پر شاکی نہیں ہوں۔''

''فائن......'' شیخ حامد کے لہجے میں نمرودیت اتر آئی۔ ''مجھے ہر حال میں دم ہلاتے شکاری کتے زیادہ پسند ہیں۔''

افضل خان خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس وقت وہ اس سے زیادہ کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

''آزمائش صداقت کی کسوٹی ہوتی ہے...... کبھی فرصت ملی تو اپنے قدموں میں تمہارے لیے کوئی جگہ نکالنے کے بارے میں غور کروں گا۔''

''میرے لیے یہ بھی بہت ہو گا۔''

''شبنم ابھی کچھ دیر میں تمہارے پاس آ رہی ہے۔'' اس بار سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا۔''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوا تو افضل خان کے پورے وجود میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔ ایک بار پھر وہ ''تخت یا تختہ'' کی راہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک اسلحہ بردار اندر داخل ہوا، چھ گھنٹے کی شام کی ڈیوٹی میں وہی نظر آتا رہا تھا، افضل خان نے پہلے ہی روز محسوس کیا تھا کہ وہ بظاہر اس پوزیشن کا حامل نہیں ہے جسے اس نے وقتی طور پر اختیار کر رکھا ہے۔ فون پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے کے پانچ منٹ بعد ہی کمرے میں اس کی آمد نے افضل خان کو ایک لمحے کو چونکنے پر مجبور کر دیا لیکن وہ پرانا اور منجھا ہوا کھلاڑی تھا، اس نے خود کو ایسا ظاہر کیا جیسے وہ کچی نیند میں بیدار ہو گیا

ہو۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟'' آنے والے نے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ناشتا کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے...... میں نے یوں ہی مہمان نوازی کی خاطر دریافت کر لیا تھا، اوپر سے یہی آرڈر ملا ہے کہ آپ کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔'' وہ جانے کے ارادے سے پلٹا تو افضل خان نے کچھ سوچ کر اسے روکتے ہوئے بڑے مایوس انداز میں دریافت کیا۔

''کیا یہاں غم غلط کرنے کی دوا مل سکتی ہے؟''

''کھل کر بات کریں...... ہم کو معمول میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''م...... میں، اس وقت وھسکی پینے کا خواہش مند ہوں۔'' افضل خان نے دیدہ و دانستہ زندگی سے بے حد مایوس ہو جانے والا انداز اختیار کیا۔ آنے والا جواب دینے کے بجائے خاموشی سے پلٹ گیا۔ پانچ منٹ بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں وھسکی کا گلاس بھی موجود تھا۔

''اسے میری موجودگی میں حلق کے نیچے اتار لیں۔ ہم کو شیشے کا گلاس یا بوتل دینے کی اجازت نہیں ہے۔''

''کیوں......؟'' افضل خان نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''انسان جب زندگی سے مایوس ہو جائے تو پھر خودکشی سے بھی گریز نہیں کرتا۔''

''میں ایسا کوئی قدم یہاں سے جانے کے بعد بھی اٹھا سکتا ہوں......؟''

''وہ ہماری ذمے داری نہیں ہوگی۔''

جواب میں افضل خان نے مایوسی اور جھلاہٹ کا ملا جلا ردعمل ظاہر کیا پھر گلاس ہاتھ میں لے کر دو ہی گھونٹ میں ختم کر کے بے زاری سے فرش پر بچھے ہوئے قالین پر اچھال دیا۔ اسلحہ بردار نے معنی خیز نظروں سے افضل خان کو گھورا پھر گلاس اٹھا کر خاموشی سے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

افضل اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا، اس کے ساتھ جو نفسیاتی حربے استعمال کیے جا رہے تھے وہ ان کے بارے میں سوچنے کے ساتھ ساتھ شبنم کی آمد کا بھی شدت سے منتظر تھا۔ بگ باس کے تلخ لہجے نے اس کے اپنی بقاء کی جنگ لڑنے کے ارادے کو اور مہمیز کر دیا تھا۔ آدھے گھنٹے تک اس کے ذہن میں مختلف منصوبے ابھرتے رہے۔ اسے میڈم روبی کی آفر یاد آئی۔ اگر اس وقت وہ بگ باس کے مقابلے پر خاموشی سے میڈم کا ہاتھ تھام لیتا۔ اس کی حسین پیشکش کو قبول کر لیتا تو اس وقت حالات یکسر مختلف ہوتے، بگ باس کا قصہ پاک کرنے کی خاطر اسے کوئی دشواری نہ ہوتی۔ وہ اس سے بہت قریب تھا، کسی بھی موقعے پر کسی اور کی گردن پھنسا کر پولیس کے پھندے سے بھی گلو خلاصی حاصل کر سکتا تھا لیکن اب...... اب شاید میڈم بھی اس کی طرف پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کرے۔ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر اس نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری تھی اور بھی کئی نام اس کے ذہن میں ابھر رہے

تھے لیکن وہ جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے اسے مالی طور پر خود کو مستحکم کرنا تھا۔ سر چھپانے کی خاطر کوئی مستقل ٹھکانا تلاش کرنا تھا۔ ان مرحلوں کو طے کرنے کی خاطر خاصا وقت درکار تھا۔

وہ اپنے خیال میں گم تھا جب قدموں کی آہٹ سن کر تیزی سے پلٹا...... شبنم اس کے سامنے موجود تھی، ساتھ میں مسلح گارڈ بھی کھڑا تھا۔ افضل خان اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگا، وہ مسلح شخص کو یہی تاثر دینا چاہتا تھا کہ ابھی تک کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے، شبنم بھی اس کی کیفیت کو محسوس کرتی رہی پھر اس نے گارڈ سے کہا۔

''تم جاؤ...... دروازہ باہر سے بند کر لینا۔''

''کچھ دیر پہلے ہمارے مہمان نے وہسکی کے پیگ پیے ہیں'' گارڈ نے شبنم کو باخبر کرنے کی خاطر اپنا فرض ادا کیا۔

''تم فکر نہ کرو...... میں محتاط رہوں گی، ضرورت پڑی تو وہی سگنل دوں گی جو طے ہوا ہے۔''

''جو حکم میڈم۔'' گارڈ افضل خان پر اچٹتی نظر ڈال کر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سنائی دی۔

''اس وقت کیسا فیل کر رہے ہو؟'' شبنم نے گارڈ کے جانے کے بعد سنجیدگی سے افضل خان کو مخاطب کیا۔ ساتھ ہی اس نے بائیں آنکھ کی پلکوں کو ہلکا سا جھپکا کر افضل خان کو محتاط رہنے کا اشارہ بھی کر دیا۔

''ایک بار پھر خودکشی کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں۔'' افضل خان نے مایوسی کا اظہار کیا۔

''کوئی خاص وجہ......؟''

''بگ باس کا فون آیا تھا۔ وہ مجھے اپنے قدموں میں بھی جگہ دینے کو آمادہ نہیں ہے۔''

''جلد بازی میں کوئی حماقت مت کرنا...... زخم بھرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے۔'' شبنم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بگ باس کی طرف سے میں تمہیں پہلے بھی باور کرا چکی ہوں کہ وہ تمہارا کھویا ہوا مقام نہیں دے سکتا۔ اس کی جگہ تم ہوتے تو شاید تم بھی کچھ ایسا ہی فیصلہ کرتے۔''

''شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو لیکن...... تم نے تصویر کے دوسرے رخ پر غور نہیں کیا۔''

''کس نتیجے پر پہنچنے کی بات کر رہے ہو؟''

''جان بوجھ کر انجان بننے کی اداکاری مت کرو۔'' افضل خان نے تلملا کر پوچھا۔ ''فرض کر لو میری جگہ تم ہوتیں...... تمہیں بھی وہی مقام حاصل ہوتا جو مجھے حاصل تھا لیکن کیا تم بگ باس کی مخالفت اور ناراضی مول لے کر اس شہر میں کہیں پناہ حاصل کر سکتی تھیں؟''

''میں تمہاری اس دلیل سے انکار نہیں کروں گی مگر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ بگ باس نے میری سفارش پر تمہیں خدمت کا ایک موقع دینے سے انکار بھی نہیں کیا۔''

''اور میں نے بھی تمہاری سفارش کا بھرم رکھنے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا کر کامیابی حاصل کی ہے۔ بگ باس کی توقع کے عین مطابق میں نے اس کے دشمن کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ وہ اب نظریں اونچی کر کے بات کر سکے۔'' اس نے مایوسی کا اظہار کیا۔ ''تم شاید اس وقت مجھ سے میری کامیابی کا ثبوت حاصل کرنے آئی ہو؟ اس کے بعد کیا ہوگا؟ تم بھی یقین سے نہیں کہہ سکتیں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ حالات نے تمہیں منفی سوچوں میں الجھا رکھا ہے۔ یہ درست ہے کہ میں تم سے ضروری چیزیں لینے آئی ہوں لیکن تمہیں اس بات کا یقین بھی دلا سکتی ہوں کہ موجودہ کامیابی کے بعد بگ باس تمہیں......''

''کچھ کہنے سے پہلے وہ چیزیں مجھ سے لے لو۔'' افضل خان نے حساس کیمرا جیب سے نکال کر شبنم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ کوئی سودے بازی کروں۔ تم نے مجھے کچھ دن زندگی کی ضمانت دے کر جو مہربانی کی تھی اسے اس کا بدل سمجھ لو۔''

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں...... میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کسی سے کچھ بارگین کر سکوں۔''

''تمہیں چوبیس گھنٹے بعد یہاں سے جانے کی اجازت مل جائے گی۔ جو لوگ سینہ تان کر سامنے آرہے تھے، اب انہوں نے پولیس تک جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔ باس نے تمہاری آزادی کا پروانہ بھی جاری کر دیا ہے۔''

''اس میں بھی تمہاری سفارش کا دخل ہوگا؟''

''ہاں...... اور میری ہی سفارش پر تمہارے لیے کچھ ضروری رعایتیں بھی دی گئی ہیں۔'' شبنم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''یہاں سے باہر نکل کر تم کسی بھی ہوٹل میں کچھ دن سکون سے رہ سکتے ہو، حالات کا رخ دیکھنے کے بعد تمہاری کسی معقول رہائش کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ تمہارے اخراجات تمہیں کسی نہ کسی طرح سے ملتے رہیں گے۔''

''اس کے بعد......؟''

''ہو سکتا ہے کہ تمہیں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرنا پڑے جس کا کوئی تعلق کسی بھی طرح بگ باس سے نہیں ہوگا۔ ساری مراعات تمہیں ملتی رہیں گی، البتہ جب تک باس کی اجازت نہ ہو تم اس سے بالکل الگ تھلگ رہو گے۔''

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خالی خالی نظروں سے شبنم کو دیکھتا رہا جو کل تک اس کے ایک اشارے پر کسی کٹھ پتلی کی طرح عمل کرنے پر مجبور تھی' آج وہی پوزیشن افضل خان کی تھی۔

''خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے؟''

''یہاں سے نکلنے کے بعد کیا میں تم سے آزادی سے مل جل سکتا ہوں؟''

''اس پر فی الحال کوئی پابندی بھی عائد نہیں کی گئی۔'' اس نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔ ''تم میرے فلیٹ پر، میرے ساتھ رہ چکے ہو۔ اس کا علم بگ باس کے علاوہ مختلف ایجنسی کے

لوگوں کو بھی ہے۔"

"یقیناً ہوگا...... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان سے کوئی سرپھرا ہی بگ باس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت کر سکے گا۔"

"تمہارے لیے بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ جو کچھ مل رہا ہے اسی پر قناعت کرو...... کل کیا ہوگا؟ اس کیلئے تمہیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

شبنم نے افضل خان کا دیا ہوا حساس کیمرا اپنے بیگ میں رکھا پھر بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ رقم تمہارے کام کا معاوضہ نہیں...... صرف انعام کی ایک قسط ہے۔"

"میرے اوپر کچھ پابندیاں بھی ضرور عائد ہوں گی؟"

"کوئی خاص نہیں...... لیکن تمہیں اپنے ماضی کی طرح اب بھی ان تمام معاملات میں محتاط رہنا ہوگا جسے باس پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا، تم عقل مند ہو اور تجربے کار بھی...... میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے؟"

"ٹھیک ہے......" افضل خان نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ "میں باس کی نظروں سے گرنے کے بعد بھی اس کا وفادار رہوں گا۔"

"میں اب چلتی ہوں۔" شبنم نے کہا پھر جاتے وقت بھی اس نے افضل خان کو ایسی ہی نظروں سے دیکھا جیسے اسے سمجھانا چاہ رہی ہو کہ...... میری طرف سے بدگمان نہ ہونا...... کچھ مجبوریاں مجھے بھی لاحق ہیں جنہیں فوری طور پر پھلانگنا میرے اختیار میں بھی نہیں ہے۔

✣✣✣

نوٹ: اس پراسرار اور تحیر آمیز سلسلے کے مزید واقعات

حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں

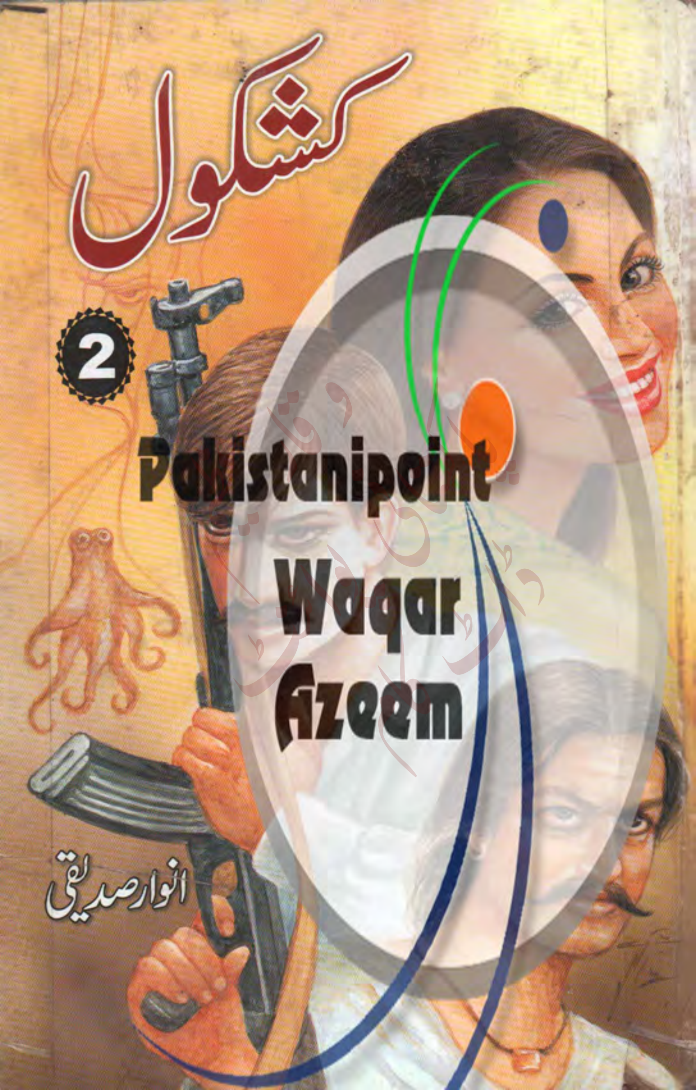
کشکول
2
Pakistanipoint
Waqar
Azeem
انوار صدیقی

ایس پی اورنگ زیب کے لیے وہ چٹ غیر متوقع نہیں تھی جو ڈیوٹی کانسٹیبل نے اس کی میز پر رکھی تھی۔اس پر ڈی ایس پی لودھی کا نام درج تھا۔اورنگ زیب نے ایک لمحہ کچھ سوچا پھر کانسٹیبل سے بولا۔

''تم مسٹر لودھی کو آدھے گھنٹے تک ملاقاتی کمرے میں بٹھاؤ پھر اندر بھیج دینا۔''

''رائٹ سر......''

کانسٹیبل سیلوٹ کر کے باہر چلا گیا تو اورنگ زیب نے وہ فائل دراز سے نکال کر سامنے رکھ لی جس کی وجہ سے اس نے لودھی کو اس وقت طلب کیا تھا،اس فائل میں لودھی کے فوری طور پر معطل کیے جانے کے احکام موجود تھے جو اسے براہ راست ہوم سیکریٹری کی طرف سے ملے تھے۔ان احکامات کی پشت پر خود اورنگ زیب کا ہاتھ تھا جس کا علم اس کے بعد مرکزی حکومت کے ایک ذمے دار آفیسر کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔اس تمام کارروائی میں سراج کا غائبانہ ہاتھ بھی شامل تھا۔اورنگ زیب کے اصرار پر اس نے الماس کا نام درمیان سے نکال کر وہ تمام کہانی سنادی تھی جو اسے معلوم تھی۔لیاقت حسین کا نام بھی اس نے درمیان سے حذف کر دیا تھا' لیکن خود سراج کو بھی اس بات کی بھنک نہیں تھی کہ اورنگ زیب' لودھی کو اپنے مخصوص ذرائع استعمال کر کے معطل بھی کرا دے گا۔

آدھے گھنٹے بعد لودھی نے کمرے میں داخل ہو کر اورنگ زیب کو سیلوٹ کیا پھر اس کا اشارہ پا کر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مسٹر لودھی......'' اورنگ زیب نے سنبھل کر سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا۔''انسپکٹر دانش کی پراسرار موت اور تھانے کی تباہی کے سلسلے میں آپ نے اب تک کیا انکوائری کی ہے؟''

''سر...... مجھے اس میں فرنانڈس فوٹو گرافر اور اس کی پشت پناہی کرنے والی مافیا کا ہاتھ محسوس ہوتا ہے۔''

''گویا یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ فرنانڈس کسی گھناؤنے کام میں ملوث تھا اور......کوئی مافیا بھی اس کی پشت پناہی کر رہی تھی؟''

لودھی ایک لمحے کو گڑبڑا گیا پھر سنبھل کر بولا۔''میری کوشش تھی سر کہ کسی طرح فرنانڈس پر بھرپور ہاتھ ڈالوں لیکن کوئی ٹھوس ثبوت میرے ہاتھ نہیں آسکا تھا۔''

''کیا آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ انسپکٹر دانش نے اسے مافیا کے درمیان میں آنے سے قبل

کہاں اور کن حالات میں گرفتار کیا تھا جبکہ پولیس ریکارڈ کے مطابق وہ تھانے کے لاک اپ میں تھا۔"

"میں وہی بتانا چاہتا ہوں سر......انسپکٹر دانش نے اسے گرفتار کرنے کے بعد مجھے فون پر اطلاع دی تھی، میں نے اس کے فوراً بعد ہی اس کی چھان بین بھی شروع کر دی لیکن پھر جو صورت حال سامنے آئی وہ دوسروں کی طرح خود میرے لیے بھی ناقابل یقین ہی تھی۔" لودھی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھے اس بات کی توقع تھی کہ فرنانڈس کی پشت پناہی کرنے والے اتنا سنگین قدم اٹھانے کی بھی جرأت کر سکتے ہیں۔"

"یو آر رائٹ......" اورنگ زیب نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "اس بات کا افسوس مجھے بھی ہے کہ دہشت گرد یا مافیا کے لوگ کوئی خطرناک قدم اٹھانے سے پیشتر ہم پولیس والوں کو اپنے ارادے سے آگاہ کیوں نہیں کرتے۔"

لودھی جواب میں کسمسا کر رہ گیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اورنگ زیب نے دوبارہ جارحانہ انداز اختیار کیا۔ "کیا فرنانڈس بغیر پولیس کی ملی بھگت کے حوالات سے نکل کر چلا گیا ہوگا؟"

"ڈیوٹی روٹ بھی تھانے کے دیگر ریکارڈ کے ساتھ ہی ضائع ہو گیا ورنہ......"

"میں آپ کا ہم خیال نہیں ہوں۔" اورنگ زیب نے اس کی بات کاٹ کر سرد لہجے میں کہا۔ "میری اطلاع کے مطابق کسی بڑے مگرمچھ کے اشارے پر فرنانڈس کو گرفتار کرنے کی کوششیں بھی نہیں کی گئیں۔"

لودھی اپنی نشست پر پہلو بدلنے لگا۔ اورنگ زیب نے لوہا گرم دیکھ کر سرسراتے لہجے میں کہا۔

"میرے پاس اس آؤٹ سرچ مشیر نامے کی ایک نقل بھی ہے جس کو منظر عام پر لانے سے روکنے کی خاطر یہ سارا ناٹک کھیلا تھا۔ اگر وہ مشیر نامہ سامنے آ جائے تو اب بھی کچھ بڑے لوگوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔"

"سر......" لودھی نے ڈھیٹ بن کر جوتوں سمیت اورنگ زیب کی آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کی۔ "ہم اس مشیر نامے کی روشنی میں اب بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

"سوری......" اورنگ زیب کا لہجہ اور تلخ ہو گیا۔

"میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ کسی خاص سرغنہ کے گرد اپنا گھیرا مضبوط کرنے کے بعد ہی میں کوئی قدم اٹھانے کا عادی ہوں۔"

"میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہوں سر......آپ آزما کر دیکھ لیں۔"

"آپ جس علاقے میں تعینات ہیں اس میں آپ کو کتنا عرصہ گزر گیا؟" چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا گیا۔

"تبادلہ کسی افسر کے ذاتی اختیار میں نہیں ہوتا سر......" لودھی پھر تذبذب کی کیفیت سے دوچار

ہو گیا۔

''گڈ......اب آپ نے ایک مطلب کی بات کی ہے۔''اورنگ زیب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔''میرا ذاتی خیال بھی یہی تھا کہ کوئی ایسا شخص درمیان میں ضرور ہے جو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر آپ کا تبادلہ پسند نہیں کرتا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''یہ آپ کی ذاتی رائے ہے سر......ورنہ میں ایسے کسی آدمی سے......''

''مسٹر لودھی ......'' اورنگ زیب نے جھلا کر میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔''میں نے آپ کو یہاں کسوٹی کھیلنے کی خاطر طلب نہیں کیا تھا۔ یہ بھی باور کرادوں کہ کسی سے مرعوب ہونے کا عادی نہیں ہوں اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ میرے ساتھ سیدھی طرح تعاون کریں۔''

''آپ حکم دیں سر......میں انکار نہیں کروں گا۔''

لودھی نے پھر معصومیت کا اظہار کیا۔

''جس رات انسپکٹر وانش نے فرنانڈس کو حوالات سے دور گرفتار کیا تھا......اس رات وہ کس کی تصویریں بنانے کی خاطر وہاں گیا تھا؟''

''یہ بات میں کیسے بتا سکتا ہوں، اگر فرنانڈس زندہ ہوتا تو میں اس کے فرشتوں سے بھی سب کچھ اگلوا لیتا۔''

''آئی سی......''اورنگ زیب نے اسے حقارت سے گھورا۔''گویا تم اب بھی کسی کے اشارے پر زبان بندی رکھنے کی پالیسی جاری رکھو گے؟''

''سر......میں پروٹسٹ کرتا ہوں۔''لودھی نے تلملا کر کہا۔''آپ میرے اوپر بغیر کسی ثبوت کے بے بنیاد الزام......''

''شٹ اپ......'' اورنگ زیب نے چیخ کر کہا پھر اس کی معطلی کے حکم نامے کو فائل سے نکال کر سامنے ڈالتے ہوئے بڑے سفاک لہجے میں حکم دیا۔''ریسیو اٹ......اینڈ گٹ لاسٹ!''

لودھی نے ایک نظر اس آرڈر پر ڈالی۔ایک ثانیے کے لیے ہونٹ چبائے پھر اس کی کاپی وصول کرنے کے دستخط کرتا ہوا اٹھا اور اورنگ زیب کو سلیوٹ کیے بغیر نکل گیا۔

''کھیل اب شروع ہوگا باسٹرڈ......میں تمہیں اور تمہارے گندے گرمچھ کو بتاؤں گا کہ قانون کے ہاتھ کتنے دراز اور طاقت ور ہوتے ہیں۔''لودھی کے جانے کے بعد اورنگ زیب نے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆☆☆

سیون اسٹار کی جانب سے شیخ حامد سے دو دو ہاتھ کرنے کی کلین چٹ مل جانے کے بعد ہاشم کی دلی مراد بر آئی تھی، اگر وہ سیون اسٹار کا پابند نہ ہوتا تو شاید اب تک سکون سے نہ بیٹھتا۔اس کا تعلق جنوبی افریقہ کے ایک ایسے غیر مہذب قبیلے سے تھا جہاں صرف طاقت کی پوجا کی جاتی تھی، کسی کو مار دینا یا مر جانا ان کے لیے ایک پسندیدہ کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، اپنی اسی بے جگری اور

موت کی آگ میں کود جانے کی عادت نے اس کی شہرت قبیلے کے دور دراز علاقوں میں پھیلادی تھی۔اس کے بعد جب ایک باراس کی خدمات کومہذب دنیا کی ایک تنظیم نے منہ مانگے داموں خریدا تو ہاشم کو بھی اپنی قدرو قیمت کا اندازہ ہوگیا۔اپنے پہلے ہی مشن میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ دوسری ایسی تنظیموں کی فہرست میں بھی شامل ہوگیا جوتخریبی کارروائیوں کی خاطر مختلف حکومتوں کو اپنے ایجنٹ سپلائی کرتی تھیں۔ایسی ہی ایک تنظیم کے ذریعے پہلی بار کسی ایشیائی ملک میں اسے خدمت کا موقع ملا تھا۔یہاں بھی ایک مخصوص پاس ورڈ کے ذریعے حرکت میں آنے کا حکم ملا تھا۔

جگا سے ملنے کے بعد ہاشم کا پروگرام تھا کہ وہ پہلی فرصت میں منصوبہ بندی کر کے اپنے اس دشمن کو چیونٹی کی طرح مسل دے گا جس کے گرگے اسے پھانسنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔اگر لوچن نے بروقت اپنی ذہانت سے پانسا پلٹنے کی خاطر موت کا رسک نہ لیا ہوتا تو شاید دونوں ہی مارے جاتے۔

وہ جگا کی اصول پسندی اور دوستانہ رویے سے مطمئن ہونے کے بعد ہی باہر نکل رہا تھا جب اس کی نظر اچانک دراز قد والے کسرتی جسم کے مالک اور سنہری فریم کا چشمہ لگائے ہوئے فرد پر پڑی۔ہاشم اسے اپنے ہوٹل کے باہر بھی ایک دوبار منڈلاتا دیکھنے کے بعد اسے جگا کے اڈے پر بھی دیکھ کر ہی ہاشم کی چھٹی حس اچانک بیدار ہوگئی تھی۔یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جگا سے ملنے کے بجائے خود ہاشم کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو۔بہرحال،دونوں ہی صورتوں میں ہاشم اس درمیانی خطرے کو بھی دور کرنے کے بارے میں طے کر چکا تھا،راستے کے جھاڑ جھنکاڑ کو صاف کیے بغیر وہ عام حالات میں بھی منزل تک جانے کا عادی نہیں تھا۔

اس نے واپسی میں بھی کسی تعاقب پر خاص توجہ رکھی تھی' لیکن اس بات کا یقین آجانے کے بعد کہ اس کا پیچھا نہیں کیا گیا اس کا یہ شبہ اور بھی پختہ ہوگیا کہ نظریں چار ہوجانے کے بعد شاید وہ بھی محتاط ہوگیا ہو۔حفظ ماتقدم کے طور پر اس نے دو،روز تک خود کو ہوٹل کے کمرے تک ہی محدود رکھا۔صرف سیون اسٹار کے حوالے سے اس نے احتیاطاً بیرونی ایجنٹ ڈوما کو تاکید کردی تھی کہ وہ دور دور رہ کر متوقع حملے کے پیش نظر پوری طرح چوکس رہے۔دبی زبان سے اس نے اپنی نظروں میں آنے والے مشکوک شخص کا سرسری حلیہ بھی بتا دیا تھا۔یہ تاکید بھی کردی تھی کہ اس کی خبر لوچن کو نہ دی جائے۔

دو،روز سے اس نے خود کو اپنے کمرے تک ہی محدود کر رکھا تھا۔کھانا اور ناشتا بھی روم سروس کے ذریعے منگواتا رہا۔اس عرصے میں اسے مجبوراً روم سروس کی اس میزبان خاتون سے بھی دوستی نبھانی پڑی جو اس وقت بھی اس کا سر کھانے میں مصروف تھی۔

''آپ دروازے سے باہر نہیں گئے؟''اس نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا۔''کمرے میں تنہا بند بند آپ کا دل نہیں گھبراتا؟''

''جی نہیں......آپ کی وجہ سے دل لگا رہتا ہے۔''

ہاشم نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔'' میزبان خاتون نے اس کی نظروں میں دور تک جھانکا، اس کی نظروں میں کھلی دعوت سی تھی۔

''میں کسی وجہ سے زیادہ سنجیدہ بھی نہیں ہو سکتا۔'' ہاشم نے یکا یک سنجیدگی اختیار کر لی۔

''کوئی خاص وجہ......؟''

''میرا تعلق جس قبیلے سے ہے وہاں کے رسم و رواج بھی عجیب و غریب ہیں۔ ہم اپنے دیوتاؤں کو خوش کیے بغیر کسی غیر عورت کے زیادہ قریب نہیں جا سکتے ورنہ......'' ہاشم نے دیدہ و دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''آپ خاموش کیوں ہو گئے......؟ اپنے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے آپ کو کیا کرنا پڑتا ہے؟''

''ایک ایسی رسم کی ادائیگی جسے مہذب دنیا کی عورتیں پسند نہیں کرتیں۔'' ہاشم نے بدستور سنجیدگی سے میزبان خاتون کو دیکھتے ہوئے کہا۔''ہم اس کے پابند ہیں ایسا نہ ہوتا تو شاید ہم اس وقت دور دور نہ بیٹھے ہوتے۔''

''کہہ کر دیکھیں۔'' وہ بے تکلف ہونے لگی۔''ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی رسم کی ادائیگی میں بھی آپ کے ساتھ تعاون کروں۔''

''اگر آپ آمادہ ہو جائیں تو مجھے خوشی ہو گی لیکن......ایسا ہونا اتنا آسان نہیں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ ہاشم کے لہجے میں اداسی اترنے لگی۔''ہم اس معاملے میں بڑے بدنصیب ہیں، دیوتاؤں کی ناراضی ہمارے اوپر جو آسمانی عتاب نازل کرتی ہے اس کا تصور ہی بڑا بھیانک ہوتا ہے، اس لیے......ہم سب کچھ ہوتے ہوئے بھی......کچھ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔''

''آپ ہمارے غیر ملکی مہمان ہیں مسٹر ہاشم......'' وہ اٹھ کر ہاشم کے اور قریب چلی آئی۔''آپ کو خوش رکھنا ہمارا فرض بھی ہے۔ ایسی کیا رسم ہے جو آپ کی خاطر پوری نہیں کر سکتی؟'' اس نے بے تکلفی سے ہاشم کا ہاتھ تھام کر آہستہ سے دبایا۔''ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔''

''ایک گلاس خون......'' ہاشم نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔''ہم جہاں بھی جاتے ہیں دیوتا کی ایک مورتی ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ کسی عورت سے ملاپ کرنے سے پیشتر ہمیں اس مورتی کو تازہ خون سے غسل دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم ایک ہو سکتے ہیں۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے ہاشم نے اسے جذباتی انداز میں خود سے قریب کرتے ہوئے کہا تھا۔''تمہارا قرب میرے لیے کیا معنی سے کم نہیں۔ کک......کیا......تم ایک گلاس خون دے کر دیوتا کی خوشنودی حاصل کرنے میں میری مدد کرو گی، میں اس کے عوض تمہیں منہ مانگا انعام دے سکتا ہوں۔''

''مم......میں......کل رات کی ڈیوٹی پر ہوں۔'' میزبان خاتون نے کسمسا کر خود کو ہاشم سے الگ کرتے ہوئے کہا۔''ابھی مجھے دوسرے کمروں کو بھی اٹینڈ کرنا ہے......کل......کل......میں

سوچ کر جواب دوں گی۔"

"پلیز......" ہاشم اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ خود کو بے حد جذباتی پوز کر رہا تھا۔ "قریب آ کر اب تم دور جانے کی بات نہ کرو ورنہ......ورنہ شاید دیوتاؤں کو خوش کرنے کی خاطر مجھے زبردستی کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔ ہم جس کے پجاری ہیں اس نے مرد کو پتھر بنا دیا تھا۔ دیوتا اپنے کسی پجاری کی بزدلی بھی برداشت نہیں کرتا۔ ہم اس کی خوشی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرنا۔"

"ٹھ......ٹھیک ہے......م......م......میں کل تمہارے ساتھ ہی ہوں گی۔" خاتون نے سہمے ہوئے انداز میں جھوٹی ہامی بھری۔ "تمہاری خاطر م......میں ایک کے بجائے دو دو...... گلاس ......خون بھی دے سکتی ہوں۔"

"تھینکس سویٹ ہنی۔" ہاشم نے اس کا ہاتھ گھسیٹ کر زبردستی چوم لیا۔ "کل میں بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا۔"

میزبان خاتون ہاشم کے دور ہوتے ہی جبراً مسکراتی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد ہاشم نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرے دن اس نازک ادا خاتون کی جگہ اس کا استعفیٰ ہی ہوٹل والوں کو موصول ہوگا۔ خاصی دیر تک وہ خود اپنے ڈرامے سے لطف اندوز ہوتا رہا، پھر اس نے سکون کا سانس لے کر بیٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اس کا موبائل گنگنانے لگا۔ تیزی سے اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ اس پر ڈوما کے نام کا کوڈ چمک رہا تھا۔

"ہیلو......" ہاشم نے سنجیدگی سے کال اٹینڈ کی۔

"دو روز کے تھکا دینے والے انتظار کے بعد آج مجھے تمہارا مطلوبہ شکار نظر آ گیا۔" ڈوما نے مدھم آواز میں کہا۔ "اس وقت تمہاری بالکونی کے عین سامنے والے ڈرگ اسٹور میں گیا ہے تم بھی ایک نظر دیکھ کر تصدیق کر لو۔"

"تم اس وقت کہاں ہو......؟" ہاشم نے بالکونی کی طرف جاتے ہوئے سوال کیا۔

"فکر مت کرو......میں جہاں ہوں وہاں تک اس کی نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔"

"ہولڈ رکھنا......میں دیکھتا ہوں۔" ہاشم ٹہلتا ہوا بالکونی میں آ کر اس طرح انگڑائی لینے لگا جیسے دیر تک سونے کے بعد تھکن اتارنے کی کوشش کر رہا ہو۔ بالکونی میں گئے اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اسے اپنا مطلوبہ شخص نظر آ گیا۔ اس وقت وہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ چہرے پر حسب دستور سنہری فریم کا لائٹ کلر والا چشمہ بھی موجود تھا۔

ڈرگ اسٹور سے نکل کر وہ اپنی اسپورٹس کار میں بیٹھا۔ دائیں بائیں دیکھنے کے بعد اس نے ایک سرسری نظر ہاشم کے کمرے کی طرف ڈالی تھی۔ ہاشم اس وقت دوسری سمت دیکھ رہا تھا لیکن اس کی نگاہ کا وسیع دائرہ اپنے شکار کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ہاشم نے ایک اور انگڑائی لی پھر پلٹ کر کمرے میں آ گیا۔ "ڈوما نے جس شخص کو اسپاٹ کیا ہے، وہی میرا مطلوبہ آدمی ہے۔" اس نے

دروازے کی آڑ میں ہو کر ڈوما سے رابطہ کیا۔

"پھر......کیا کرنا ہے......؟" دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں سوال کیا گیا۔

"کیا تم اس پوزیشن میں ہو کہ کسی طرح اسے قابو کر سکو؟"

"نہیں ......" جواب ملا۔"میں تنہا ہوں اس لیے کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ البتہ اس کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔"

"اس میں بھی رسک ہے۔ ممکن ہے اس کا کوئی دوسرا ساتھی بھی آس پاس موجود ہو۔" ہاشم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کی نظریں دروازے کی آڑ سے مطلوبہ شخص پر تھیں جو اس وقت موبائل پر کسی کے نمبر پش کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں سیون اسٹار کی جانب سے کیا احکامات ملے ہیں لیکن...... میرا ذاتی خیال ہے کہ اسے فوری طور پر ٹھکانے لگانے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی، زیادہ رسک لینا بھی ہمارے اصول کے خلاف ہے۔"

"ٹھیک ہے...... اگر وہ کہیں جائے تو اس کا تعاقب کرو۔ میں سیون اسٹار کی مرضی معلوم کر کے تمہیں دوبارہ کال کرتا ہوں۔"

ہاشم نے سلسلہ منقطع کر کے نظریں دوبارہ اسپورٹس کار پر جما دیں جو ایک لمحے بعد ہی حرکت میں آ گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ ڈوما اس کے تعاقب میں کسی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ اسپورٹس کار نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی ہاشم کا ذہن اپنے شکار کے بارے میں کوئی آخری نتیجہ اخذ کرتا رہا۔ پانچ سات منٹ بعد اس نے دوبارہ ڈوما سے رابطہ قائم کر لیا۔"تم اس وقت کہاں ہو......؟"

"اسپتال روڈ پر......"

"کیا اندازہ ہے......کوئی دوسری کار تو تمہارا تعاقب نہیں کر رہی؟"

"نہیں......"

"میں نے سیون اسٹار سے بات کر لی ہے۔" ہاشم نے ایک آخری فیصلہ کر کے پرسکون انداز میں کہا۔"ادھر سے بھی تمہارے مشورے کو پسند کیا گیا ہے۔ کسی مناسب جگہ موقع دیکھ کر سوٹ کیس پارسل کر دو...... میں دو گھنٹے بعد تم سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔"

"ایک مشورہ میں بھی دینا چاہوں گا۔" دوسری جانب سے ڈوما نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔"ممکن ہے کہ کچھ اور نفری بھی تمہاری نگرانی پر مامور ہو...... ایسی صورتحال میں تمہارا کسی دوسری جگہ شفٹ ہو جانا زیادہ بہتر ہوگا۔"

پریشان مت ہو مائی ڈیئر...... میں خطرات سے کھیلنے کا عادی ہوں۔" ہاشم نے اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا۔"

+-+-+

فرحین کے بار بار سمجھانے کے بعد لیاقت حسین نے بھی ان پر اسرار واقعات سے الجھنا کم کر دیا تھا جو دوسروں کے کہنے کے مطابق رونما تو ہوئے تھے۔ جبکہ وہ بھی شریک ہوتا تھا لیکن ان واقعات کی تفصیل دوسروں کو معلوم ہوتی تھی۔خود لیاقت حسین بھول جاتا تھا۔ دوسرے اس سے معلومات کرتے تو اس کا الجھ جانا قدرتی امر تھا' لیکن فرحین کے سمجھانے کے بعد اس نے اپنے ذہن کو اس ایک بات سے مطمئن کر لیا تھا کہ جو کچھ ناقابل یقین صورتیں اس کے ساتھ پیش آرہی تھیں ان کا کوئی نہ کوئی تعلق اس ایک چٹکی خاک سے ضرور تھا جس سے بزرگ نے اسے نوازا تھا اور پھر غائب ہو گیا تھا۔ نابینا بزرگ کی نصیحت کے پیش نظر اس نے وہ بات ذہن کے سات پردوں میں چھپائی تھی۔اس سے یہی کہا گیا تھا کہ اگر اس نے اس سربستہ راز کو زبان پر لانے کی غلطی کی تو شدید خسارے سے دوچار ہو جائے گا۔

اس وقت وہ صبح کا ناشتا کرنے کے بعد ڈیوٹی پر جانے کو تیار ہو رہا تھا کہ فرحین نے اس کے قریب آ کر کہا۔

''کیا بات ہے۔آج تو کچھ زیادہ ہی کنگھی پھیر رہا ہے سر میں۔''

''سچ بتا دوں ......'' لیاقت حسین نے فرحین کے سراپا پر نظر ڈال کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔''تو برا تو نہیں مانے گی؟''

''چل نہ بتا......'' فرحین نے نخرے سے جواب دیا۔''جب تیرے پیٹ میں مروڑ ہوگی تو خود ہی اگل دے گا۔''

''بیگم صاحب کی وجہ سے اب تو نے خاصی پٹر پٹر باتیں کرنی سیکھ لی ہیں۔''

''سراج صاحب کی صحبت نے تجھے بھی چکر بازی کے راستے بتا دیے ہیں۔'' فرحین نے سنجیدگی سے چھیڑا۔''تب ہی تو بھول جانے والی باتیں کر کے اصلیت پر پردہ ڈالتا رہتا ہے۔اس لیے کہ کہیں تیرا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔''

جواب میں لیاقت حسین نے فرحین کے چہرے پر پھوٹتی شفق کو دیکھا تو اس کے دل گدگدی سی ہوئی۔ہاتھ بڑھا کر اس نے فرحین کو دبوچا پھر سرسراتی آواز میں کہا۔''اگر میں ڈیوٹی پر جانے میں آدھے گھنٹے کی دیر کر دوں تو بیگم صاحب سے میری سفارش کر دے گی۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا؟'' فرحین اس کا مقصد بھانپ کر شرماتے ہوئے بولی۔''زیادہ مستی نہ کیا کر......جلدی سے تیار ہو کر ڈیوٹی پر جا...... مجھے بھی بیگم صاحب کی طرف جانا ہے۔''

لیاقت حسین نے اس کی بات مان لی۔وہ خود بھی ڈیوٹی کے معاملے میں پابندی وقت کا قائل تھا' لیکن جاتے جاتے بھی وہ حسب معمول اس کی پیشانی کا بوسہ لینا نہیں بھولا تھا جو روزمرہ کا معمول تھا۔انیکسی سے نکل کر وہ سیدھا برابر والے بنگلے پہنچا تو باہر سراج کی گاڑی دیکھ کر رک گیا۔

''ڈپٹی صاحب کب آئے؟'' اس نے گارڈ سے پوچھا۔

''ابھی دس منٹ پہلے ہی آئے ہیں۔''

لیاقت حسین گاڑی کو گیراج سے نکال کر پورٹیکو میں لے آیا۔ دس منٹ بعد سراج اور عثمان صاحب ایک ساتھ ہی نکلے تھے۔ سراج سرسری طور پر لیاقت حسین سے اس کی خیریت دریافت کر کے چلا گیا۔ عثمان صاحب اپنے دفتر آ گئے۔ حسب معمول لیاقت حسین نے ان کے دفتر میں جانے کے بعد ان کا بریف کیس پچھلی نشست سے اٹھایا اور دفتر میں چلا گیا جہاں عثمان صاحب کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ لیاقت حسین خاموشی سے بریف کیس رکھ کر جانے لگا تو عثمان صاحب نے اسے اشارے سے رکنے کو کہا۔ وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دو منٹ بعد انہوں نے فون سے فارغ ہو کر لیاقت حسین سے کہا۔

''سراج آج مجھ سے تمہارے بارے میں بات کرنے آیا تھا۔''

''سب خیریت تو ہے صاحب......؟''

''وہ تمہیں ہفتہ دس دن کی خاص وجہ سے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔''

''جیسا آپ حکم ہوگا میں ویسا ہی کروں گا۔'' اس نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

''لیاقت حسین......'' سیٹھ عثمان نے قدرے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کچھ دن تمہیں اپنے ساتھ کیوں رکھنا چاہتا ہے؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں صاحب کوئی کام ہوگا ڈپٹی صاحب کو۔''

''ایک بات کہوں......لیکن شرط یہ ہے کہ تم برا نہیں مانو گے۔''

''آپ شرمندہ کر رہے ہیں صاحب......میں بھلا آپ کی کسی بات کا برا کیسے مان سکتا ہوں۔''

''سراج کے علاوہ میرا اور بیگم صاحبہ کا بھی یہی خیال ہے کہ اکثر ایسی باتیں ہمارے ہوش وحواس میں ہوتی ہیں جس میں تم بھی شریک ہوتے ہو لیکن......وہ باتیں بعد میں تمہارے ذہن میں محفوظ نہیں رہتیں۔''

لیاقت حسین ہونٹ چبا کر رہ گیا۔ جو بات عثمان صاحب دریافت کر رہے تھے وہ خود بھی اس پر بار ہا الجھ چکا تھا لیکن......ڈور کا کوئی سرا تلاش نہ کر سکا تھا۔ اس وقت بھی سٹپٹا کر رہ گیا۔ کچھ تامل سے بولا۔

''صاحب......میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ......''

''نہیں......نہیں'' عثمان صاحب نے اس کی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ''ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ تمہیں کچھ باتیں یاد نہیں رہتیں۔ تم جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش نہیں کرتے......سراج اور بیگم صاحبہ کی بھی یہی سوچ ہے۔''

''ایسا کیوں ہوتا ہے صاحب؟'' لیاقت حسین نے اس بار بڑی عاجزی سے دریافت کیا۔

''اللہ کی مصلحتیں وہی بہتر جانتا ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں تم نے اب تک انجانے میں جو بھی قدم اٹھایا ہے اس میں دوسروں کی بھلائی ہی شامل تھی۔'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ تمہاری ایمانداری یا کوئی اور ادا خدا کو پسند آ گئی ہو جس کے سبب وہ تمہیں نواز رہا ہو۔ تم نے

اب تک میرے اور سراج کے علاوہ...... دوسرے جن لوگوں پر بھی جو احسان کیا ہے، وہ سب اس کے شکر گزار ہیں۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ذہن میں پھر بھگولے اٹھنے لگے۔ سیٹھ عثمان نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ سراج آج یا کل کسی وقت تمہیں لینے آجائے۔ تم فرحین کی طرف سے پریشان مت ہونا۔ بیگم صاحبہ اس کا خیال رکھیں گی۔''

لیاقت حسین جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ سیٹھ عثمان نے ریسیور اٹھا کر ''ہیلو'' کہا لیکن دوسری جانب سے بولنے والے کی آواز سنتے ہی وہ بے حد سنجیدگی سے بولے۔

''پانچ لاکھ کی رقم کم نہیں ہوتی خان صاحب، بزنس میں کوئی بڑی رقم ایک جگہ پھنس جائے تو ساری رولنگ خراب ہوجاتی ہے...... میں مانتا ہوں کہ اب تک آپ نے میری ڈیمانڈ وقت پر پوری کی ہے لیکن میری مجبوریوں پر بھی غور کریں۔ بات اگر صرف رقم کی ہوتی تو میں سابقہ تعلقات کی وجہ سے آپ سے تقاضا بھی نہ کرتا لیکن بیرون ملک سے جن کاروباری لوگوں کے آرڈر پورے نہیں ہو رہے......وہ بھی تقاضا کر رہے ہیں...... میں نے کسی وجہ سے اس نئے کام میں انویسٹ کیا تھا لیکن مال کی سپلائی میں اگر بے قاعدگی ہوگی تو ہماری فرم کی ریپوٹیشن بھی متاثر ہوگی۔ ساری کھیل ساکھ کا ہے۔ یہ آپ بھی سمجھتے ہوں گے۔ میں آپ کی پریشانی سمجھ رہا ہوں لیکن کسی سے آپ کی دوستی یا دشمنی آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ میرا بھلا اس سے کیا تعلق...... جی ہاں، اونچ نیچ بھی ہوتی رہتی ہے لیکن آپ کی طرف سے مال سپلائی نہ ہونے کے سبب ہمارے بزنس پر کیا اثر پڑے گا۔ آپ بھی اس پر غور کریں۔'' سیٹھ عثمان کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ چند لمحے وہ دوسری جانب سے کی جانے والی بات سنتے رہے پھر تلملا کر بولے۔ ''ٹھیک ہے، میں ایک ہفتے اور انتظار کرلیتا ہوں لیکن اس کے بعد باہر والوں کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی خاطر مجھے لوکل مارکیٹ سے جو چیزیں خریدنی ہوں گی ان کی قیمت کا آپ کو بھی اندازہ ہوگا...... معاہدے کی رو سے جو زیادہ لاگت آئے گی اس کی ساری ذمے داری آپ پر ہوگی...... یہ سوچنا آپ کی دردسری ہے، میری نہیں۔'' سیٹھ عثمان نے جھلا کر فون بند کردیا۔

''کیا بات ہے صاحب...... کس کا فون تھا؟'' لیاقت حسین نے غیر اختیاری طور پر پوچھ لیا۔

''ایک ماربل سپلائی کرنے والی پارٹی جس نے وقت پر مال نہیں بھیجا اور اب مزید مہلت مانگ رہے ہیں۔''

ماربل کے کاروبار کا حوالہ سن کر لیاقت حسین کے دل میں اپنے والد سردار فراز خان کا خیال ابھر آیا۔ وہ بھی بڑے پیمانے پر ماربل سپلائی کا کام کرتے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ سوات (بونیر) سے آنے والا قیمتی پتھر اسی کے علاقے میں آتا تھا جہاں اسے کرش کرنے کے بعد مختلف صورتوں میں ڈھالا جاتا تھا۔ نوشہرہ سے جہانگیرہ تک بے شمار چھوٹے بڑے تاجر اس کام میں ملوث تھے جو ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے بھی اختیار کرتے تھے۔ بعد میں ان کی دشمنیاں

پشت در پشت چلتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ لیاقت حسین اس بات سے بھی واقف تھا اس کا باپ خان سرفراز خان ماربل سپلائی کرنے والے بڑے تاجروں میں شمار ہوتا تھا۔ایک دو بار کچھ دوسرے کاروباری لوگوں نے اسے بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی' لیکن بعد میں ہونے والی سخت کارروائی کے بعد وہ بھی ایک ایک کر کے سردار فراز خان کی اونچی حویلی تک ہاتھ باندھے چلے آئے تھے۔لیاقت حسین اپنے خیالوں میں گم تھا جب سیٹھ عثمان نے اسے مخاطب کیا۔

''تم کیا سوچنے لگے؟''

''آپ کو نقصان ہو اور مجھے دکھ نہ ہو......'' لیاقت حسین نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''تمہارا دردِ سر نہیں ہے لیاقت حسین ...... بزنس میں اس قسم کے کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔تم فکر مت کرو، میرا جو نقصان ہوگا وہ معاہدے کی رو سے مال سپلائی کرنے والے کو بھگتنا پڑے گا۔''

لیاقت حسین خاموشی سے دفتر سے باہر آ گیا لیکن اس کے ذہن میں باپ کا جو خیال آیا تھا' اس نے اسے اندر سے مضطرب ضرور کر دیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ کسی معاملے میں لچک دکھانے کا عادی نہیں تھا۔پتھر کا کاروبار کرتے کرتے اس کا دل بھی پتھر ہو گیا تھا' جو اس نے فرحین کے ساتھ اسے شادی کرنے کی اجازت دینے کے ساتھ ہی اپنی حویلی کے دروازے بھی اس پر بند کر دیئے تھے' لیکن لیاقت حسین اولاد ہونے کے ناتے باپ کی اس شفقت اور محبت کو بھی فراموش نہیں کر سکا تھا جو اس نے لیاقت حسین کو پال پوس کر جوان کرنے کی خاطر کی تھی۔وہ جانتا تھا کہ جو خلیج اس کے اور باپ کے درمیان پیدا ہوئی تھی وہ کبھی نہ کبھی ضرور بھر جائے گی' لیکن وہ وقت کب آئے گا؟ اسے اس کا ادراک نہیں تھا۔ہر چند کہ سیٹھ عثمان نے کاروباری پارٹی کا کوئی نام یا حوالہ نہیں دیا تھا لیکن ایک خلش تھی جو اندر ہی اندر اس کے خون کو جوش دلا رہی تھی۔اس کی رگوں میں گردش کرنے والا خون بھی فراز خان کے علاوہ کسی اور کا نہیں تھا۔

سیٹھ عثمان کے آفس سے نکل کر وہ باہر لان میں رکھی ہوئی ایک بید کی کرسی پر بیٹھ گیا۔قریب ہی آفس کا چپڑاسی بھی موجود تھا۔

''کیا بات ہے لیاقت بھائی؟'' اس نے کریدنے کی کوشش کی۔''تم اس وقت اپنی عادت کے برخلاف موڈ میں نہیں نظر آ رہے۔جی تو اچھا ہے؟''

''رات دیر سے نیند آئی، اسی کی کچھ تھکن باقی رہ گئی ہوگی۔'' لیاقت حسین نے بات بنانے کی خاطر جواب دیا۔

''تم گھر جا کر دو گھڑی اور کمر سیدھی کر لو۔صاحب نے یاد کیا تو میں لپک کر تمہیں آواز دے لوں گا۔''

''نہیں...... میں ڈیوٹی کے وقت آرام نہیں کرتا۔طبیعت میں تھوڑی بہت اونچ نیچ تو ہوتی رہتی ہے۔'' لیاقت حسین چپڑاسی سے باتیں کر کے دل بہلانے لگا۔کچھ دیر بعد آفس کی گھنٹی بجی تو چپڑاسی

قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔لیاقت حسین نے اس بات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کی جو اسے الجھا رہی تھی۔کیا ضروری ہے کہ حقیقت جانے بغیر وہ اپنی جان ہلکان کرتا؟اس نے طویل انگڑائی لے کر اس سوچ سے نجات حاصل کرنی چاہی۔اسی وقت ایک مانوس آواز اس کے وجود کے احاطے میں گونجی۔

''قدرت کا نظام اور اس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں لیاقت حسین۔یہ اور بات ہے کہ انسان اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔''یہ آواز لیاقت حسین کی اپنی آواز تھی جو اس کے اندر سے آرہی تھی۔

''ہم زاد......''لیاقت حسین سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''جو دھڑکنیں دل کی گہرائیوں سے ابھریں وہ بے سبب نہیں ہوتیں۔اس میں بھی خُدا کی کاریگری مضمر ہوتی ہے۔''

''تو کیا وہ......''

''وقت کا انتظار کرو۔''اس کی بات رد کر کے کہا گیا۔''ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔اس کے کارخانے میں دیر سویر بھی نہیں ہوتی۔تمہاری بے چینی بے وجہ نہیں ہے لیکن فی الحال اسے کھنگالنے کی کوشش نہ کرو...... جو تم نہیں دیکھ سکتے وہ میں دیکھ سکتا ہوں اس لیے یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھنا۔وقت اور حالات خود تمہاری رہنمائی کریں گے۔''

''تم جب چاہتے ہو ہدایت دینے آجاتے ہو لیکن اگر کبھی مجھے تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو......؟''

''تمہاری یہی معصوم باتیں کائنات کے مالک کو بھی پسند ہیں۔احمق نہ بنو۔میں تمہارا ہمزاد ہوں تو تم سے کبھی دور بھی نہیں رہتا لیکن...... جب مجھے اجازت ہوتی ہے تو تمہیں اچھے برے سے آگاہ بھی کر دیتا ہوں۔اس سے زیادہ مجھے اختیار بھی نہیں ہے۔''

''ماربل کا ٹرک بھیجنے والی پارٹی کون ہے؟''لیاقت حسین نے بے چینی سے سوال کیا۔

''میں نے تمہیں کریدنے سے منع کیا ہے۔دوبارہ اس معاملے میں زبان کو قابو میں رکھنا۔جو کچھ ہانڈی میں ہے وہ خود باہر آجائے گا۔اس کے علاوہ ایک اشارہ اور دے رہا ہوں...... کچھ قوتیں پھر سر ابھارنے کی کوششوں میں مصروف ہیں،ان سے ہوشیار رہنا۔''

''کس کی بات کر رہے ہو......؟''لیاقت حسین نے بے چینی سے دریافت کیا لیکن کوئی جواب نہ ملا تو وہ اندر ہی اندر الجھنے لگا۔

+++

شبنم اس وقت شیخ حامد کے ساؤنڈ پروف کمرے میں ہی تھی جب کچھ دیر بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا۔اس کے ہونٹوں پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے وہ شبنم کے قریب آکر رکا۔ایک لمحے اس کے سراپا کا بہ غور جائزہ لیا پھر معنی خیز لہجے میں بولا۔

''کیا تم اس خوبصورت مووی کو دیکھ چکی ہو؟''

''نہیں۔''شبنم نے تیزی سے جواب دیا۔اس کے ساتھ ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے افضل خان سے جو کام لیا ہے اس کی نتائج میری توقع سے کہیں زیادہ خوبصورت اور شاندار ہیں۔''

شبنم بات کی جڑ تک پہنچ کر مسکرا دی۔ وہ سمجھ گئی کہ بگ باس رستم علی اور اس کی بیوی کی مووی کو دیکھنے ہی کی خاطر کمرے سے گیا ہوگا۔ اس نے سکون کا سانس لیا لیکن اس گھناؤنے مسئلے پر وہ کھل کر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تم اپنی اس شاندار کارکردگی پر مجھ سے کیا توقع رکھتی ہو؟'' شیخ حامد نے بے تکلفی سے اس کے دونوں شانوں پر بیک وقت ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکا۔

شبنم خوش ہونے کے بجائے اندر ہی اندر سہم گئی، دل پر جبر کر کے بولی۔ ''آپ نے جو مراعات مجھے دے رکھی ہیں وہی بہت ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اب ایک ایسے انعام کی مستحق ہو جو افضل خان کو بھی اس بات کا احساس دلا سکے کہ پالتو کتے صرف مالک کے اشارے پر دم ہلانے کے عادی ہوتے ہیں۔ کسی وجہ سے بھی بھونکنا ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔''

''میں سمجھی نہیں باس۔''

''افضل خان کا خوبصورت اپارٹمنٹ یاد ہے تمہیں......؟''

''ہاں...... اسے شاید پولیس نے ابھی تک سیل کر رکھا ہے؟'' شبنم کا تجسس جاگنے لگا۔

''وہ بھی میری مرضی سے ہوا تھا اور اب......'' شیخ حامد نے شبنم کے قریب ہوتے ہوئے سرسرائی آواز میں کہا۔ ''اب جو کچھ ہوگا وہ بھی میرے اشارے پر ہوگا۔''

شبنم کسمسانے لگی۔ وہ شیخ حامد کے بڑھتے ہوئے قدم اور ارادے بھانپ چکی تھی، لیکن اس کی نظیہ طور پر اتاری ہوئی مخرب اخلاق تصویریں اس کے پیروں میں طوق غلامی ثابت ہوئی تھیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ کوئی درخواست کرتی شیخ حامد نے اپنے بھدے ہونٹوں سے اس کے ہونٹ لگا دیے ایک لمحے تک اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتا رہا پھر علیحدہ ہو کر بولا۔

''میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں...... دس روز بعد تم افضل خان کے فلیٹ کی مالک ہوگی۔ اس عرصے میں اسے پہلے کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا جائے گا۔ اس کے بعد تم اگر چاہو تو افضل خان کو بھی سر چھپانے کی جگہ دے سکتی ہو۔''

''کیا اسے ساتھ رکھنا مناسب ہوگا؟'' شبنم نے اپنے نازک اور مہکتے رومال سے اپنے ہونٹ صاف کرتے ہوئے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''ہاں...... جب تک میں اسے پوری طرح آزما نہ لوں، اسے آزادی سے کھلا نہیں رکھا جا سکتا۔''

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ حامد نے اپنی ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''جو افراد تیزی سے ترقی کرتے ہیں کبھی ایک معمولی سی بھول انہیں دوبارہ زمین پر لے آتی

ہے۔ تمہیں بھی میرے لیے کام کرتے ہوئے ہر لمحے اس اہم نکتے کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"کچھ میں بھی کہنا چاہوں گی۔" بگ باس کے بعد شبنم نے بھی سامنے کرسی پر بیٹھے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"کہو......"

"رستم علی کے خلاف حسب منشا کامیابی حاصل کر لینے کے بعد میں بھی آپ سے ایک پرانی خواہش پر غور کرنے کی درخواست کروں گی۔"

"سمجھ رہا ہوں۔" وہ شبنم کو دیکھ کر زہر خند سے بولا۔ "بلی اور چوہے کے کھیل میں چوہا بار بار اس کے پنجوں سے نکل کر آزادی کے ارادے سے ادھر اُدھر بھاگتا ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے......؟ بلی ایک جست لگا کر اسے دوبارہ دبوچ لیتی ہے۔"

"میں اس مثال سے کیا سمجھوں؟" شبنم نے ڈرتے ڈرتے وضاحتی نظروں سے سوال کیا۔

"میرا وعدہ قائم رہے گا۔ جو فاصلہ ہمارے درمیان ہے میں اسے پھلانگنے سے حتی الامکان گریز کروں گا لیکن تمہاری آزادی کا پروانہ جاری کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"میری تصویریں اور اس کا نگیٹو......" شبنم نے نظریں جھکا کر مردہ سی آواز میں کہا۔ "اس کا احساس مجھے کچو کے لگاتا رہے گا......"

"کیوں؟......کیا تمہیں میرے وعدے پر یقین نہیں ہے؟" شیخ حامد کا لہجہ جارحانہ ہوگیا۔

"سر......میرا یہ مطلب......؟"

"پلیز......" اس نے ہاتھ اٹھا کر حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "دوبارہ اس ذکر کو نہ چھیڑنا ......ویسے میں کوشش کروں گا کہ تمہاری درخواست پر بھی فرصت سے غور کرسکوں۔" پھر اس سے پیشتر کہ شبنم اس موضوع پر کوئی احتجاج کرتی اس نے بات بدل کر دریافت کیا۔ "میڈم روبی پر تمہارے اختیار کی سطح کس حد تک بلند ہو چکی ہے؟ کیا وہ تم پر مکمل اعتماد کرنے لگی ہے۔"

"بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے......" شبنم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "پچھلی ملاقات میں میڈم نے بتایا تھا کہ وہ آپ سے مل چکی ہیں اور آپ سے ان کے تعلقات بھی خاصے پرانے ہیں۔"

"ہاں ......" شیخ حامد نے خلا میں بہت دور تک گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "ان ہی سابقہ تعلقات کی روشنی میں مجھے میڈم کی زیادہ فکر بھی رہتی ہے۔"

"آئی۔سی......" اس نے جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کی۔ "یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آپ میڈم کا اس حد تک خیال رکھتے ہیں۔"

جواب میں اس نے شبنم کو تیز نظروں سے گھورا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس کے ہر جملے کو پرکھ رہا ہو۔ ان نظروں کی سرد مہری سے شبنم بھی سٹپٹا کر رہ گئی۔

"تم نے افضل خان کے ذریعے سیٹھ رستم علی آغا خانی کے خلاف ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اس تاثر کو میرے ذہن پر قائم رہنے دو۔" اس بار بگ باس کا لہجہ بالکل تبدیل ہوگیا۔ "افضل

خان کا اپارٹمنٹ دس بارہ روز بعد تمہاری ملکیت ہوگا اور...... تمہیں اسے اپنے ساتھ رہنے پر رضامند بھی کرنا ہوگا...... یہ...... میری درخواست نہیں، میرا حکم ہے۔"

"او۔کے باس......" جواب میں تابعداری کا انداز اختیار کیا گیا۔"میں نے پہلے بھی اسے آپ کی ہی خواہش پر لفٹ دی تھی۔"

"تم اب جاسکتی ہو۔"

شبنم جانے کے ارادے سے اٹھی تو اسے اشارے سے روک کر بڑے سرد اور خشک لہجے میں باور کرایا گیا۔

"میں نے تمہارے استعفے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ مجھے یاد ہے...... اس لیے اب تم دوبارہ ریمائنڈ کرانے کی کوشش بھول کر بھی نہ کرنا۔"

"رائٹ باس......"

شبنم تیزی سے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی، اس نے چہرے سے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا مگر اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئی تھی۔اس کے لیے شیخ حامد کی یہی حد سے زیادہ دور اندیشی بڑی کارآمد ثابت ہوسکتی تھی کہ اس نے افضل خان کے سلسلے میں اسے ساتھ رکھنے کا حکم دیا تھا۔ایک اور ایک مل کر گیارہ بھی ثابت ہوسکتے تھے۔اس کے ذہن میں کل کے بارے میں مختلف منصوبے ابھرنے لگے۔

شبنم کے جانے کے بعد شیخ حامد نے انٹرکام کے ذریعے کنول کو دوبارہ طلب کیا۔صبح سے اسے دو خوشخبریاں مل چکی تھیں۔دو شاندار کامیابیاں......"ایک شادی کے سلسلے میں کنول کی ماں رضامندی ...... دوسری وہ خفیہ مووی جواب سیٹھ رستم علی آغا خانی کو اس کے سامنے کسی پالتو جانور کی طرح دم ہلانے پر مجبور کرسکتی تھی۔"

کنول شرماتی، بل کھاتی اپنے آفس سے نکل کر دوبارہ سامنے آئی تو شیخ حامد کے چہرے پر ایک لمحہ پیشتر نظر آنے والے تلخ تاثرات یک لخت غائب ہونے لگے، اس کی نظریں اس چھلکتے ارغوانی جام پر منڈلانے لگیں جو نشے سے معمور تھا۔ایسا خواب آور نشہ جو شیخ حامد کو ہمیشہ مرغوب تھا۔کنول نظریں نیچی کیے اس کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تو شیخ حامد نے بڑی بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"تم اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ آج میں کتنا خوش ہوں۔تمہاری ماں کی ہاں نے میری اس خواہش کو پورا کیا ہے جو روز اول سے میرے دل میں مچل رہی تھی۔"

"میں بھی اسے اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گی۔" کنول کے شبنمی ہونٹ کپکپانے لگے۔

"میری کوشش ہوگی کہ میں بہت جلد تم سے نکاح کرلوں لیکن...... میں نے کہا تھا کہ یہ شادی خفیہ رہے گی۔تمہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا میں وعدہ کرچکا ہوں مگر...... تمہیں بہرصورت اپنی زبان بندی رکھنی ہوگی اور میں...... میں تم سے بے وفائی نہیں کروں گا۔"

''مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔''

''دفتر یا باہر کسی کو اس بات کی بھنک بھی نہیں ہونی چاہیے اور......''اس نے بڑی اپنائیت سے کنول کے کپکپاتے ہاتھوں کو مضبوطی سے گرفت میں لے کر کہا۔''کل تم دفتر آنے کے بجائے اپنا استعفیٰ کسی کے ہاتھ روانہ کر دینا۔''

کنول نے اسے حیرت اور وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں اسٹاف کو یہی تاثر دوں گا کہ تم نے اپنی والدہ کی بیماری کی وجہ سے ملازمت چھوڑی ہے ،اس کے بعد......''

شیخ حامد نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے ہاتھ پر پیار سے دباؤ ڈالا تو کنول کا چہرہ تپ کر گلنار ہو گیا،شیخ حامد کے اندر کا عیاش آدمی بھی سر ابھارنے لگا لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور کنول نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔شیخ حامد نے جھلا کر فون کا ریسیور اٹھا لیا......''کون......؟''

''اب کیا بکواس کرنا چاہتے ہو......؟''شیخ حامد کے چہرے پر کھنچاؤ کی کیفیت بتدریج بڑھنے لگی۔''تم نے اس باسٹرڈ کے آفس جانے سے پہلے مجھ سے اجازت نہیں لی تو اب کیا بتانا چاہتے ہو......؟''

''سر......وہ......''لودھی ہکلانے لگا۔

''مجھے حالات کا علم اپنے ذرائع سے ہو گیا ہے۔ جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤ اور...... اپنی زبان بند ہی رکھنا،سیلاب کے ریلوں کا زور توڑنے کی خاطر انسان کو کبھی کبھی اپنے باندھے ہوئے بند بھی توڑنے پڑتے ہیں۔تمہاری حیثیت کسی معمولی بندے سے زیادہ نہیں ہے۔تم شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔''

''یس باس......لیکن وہ......''

''گیٹ لاسٹ......!''اس بار غرا کر کہا گیا۔''جو کہا گیا ہے اس کا دھیان رکھنا ورنہ......''

شیخ حامد نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا،کنول اس کا موڈ خراب دیکھ کر بولی۔

''آپ اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں،ذرا ذرا سی بات پر......''

''تم فی الحال اپنے کمرے میں جاؤ۔''شیخ حامد نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔

کنول کے جانے کے بعد حامد نے اپنا خاص موبائل نکال کر بلیک ٹائیگر کے مخصوص کوڈ پنچ کیے۔ دوسری جانب سے ٹون سنائی دیتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔وہ جھلا گیا۔اس سے پیشتر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔اس نے سلسلہ منقطع کر کے دو تین بار نئے سرے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی کوششیں بارآور ثابت نہیں ہوئیں۔

لودھی کی فون کال نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا،اب بلیک ٹائیگر کی خاموشی اسے گراں گزر رہی تھی،وہ مٹھیاں بھینچ کر ہونٹ کاٹنے لگا،اسے کسی بھی ماتحت کی عدم توجہی برداشت کرنے کی

عادت نہیں تھی، ایک لمحہ تامل کے بعد اس نے دوسرے خاص آدمی کو کال کرنے کی خاطر موبائل اٹھایا۔ اسی وقت اس کا اپنا موبائل گنگنانے لگا۔ روشن ڈائل پر وہی نمبر ابھرا جس سے وہ رابطہ کرنا چاہتا تھا۔

''تم اس وقت کہاں ہو......؟'' سپاٹ لہجے میں سوال کیا گیا۔

''سر...... میں اس وقت نمبرون کی تباہ شدہ گاڑی سے خاصا دور کھڑا حالات کا جائزہ لے رہا ہوں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو......؟'' شیخ حامد حیرت سے اچھل پڑا۔ ''یہ حادثہ کیسے ہوا؟''

''ابھی تفصیل نہیں بتا سکتا سر لیکن...... ایک بری خبر ضرور دے سکتا ہوں۔'' دبی زبان میں جواب ملا ''تباہ شدہ گاڑی سے اس کی ڈیڈ باڈی ہی برآمد ہوئی ہے غالباً کسی دوسری گاڑی نے قریب سے گزرتے ہوئے اسے نشانہ بنایا اور ہجوم میں گم ہوگئی۔''

''تفصیل معلوم کر کے مجھے دوبارہ کال کرو۔'' شیخ حامد کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔''

دوسری جانب سے ''یس سر'' کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ شیخ حامد کے چہرے پر تفکرات کے گہرے بادل منڈلانے لگے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر نمبر ٹو کی اطلاع درست ثابت ہوئی؟ بلیک ٹائیگر کو اس کے خیال کے مطابق ٹھکانے لگا دیا تھا تو یہ ایک بڑا نقصان تھا۔ بلیک ٹائیگر جس مشن پر کام کر رہا تھا اس کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ شیخ حامد کی کوٹھی پر حملہ کرنے والے کون لوگ تھے۔ آج صبح بھی اسے گھر سے نکلتے ہوئے بلیک ٹائیگر کی کال موصول ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا ''باس، میں نے ایک ایسا سراغ تلاش کر لیا ہے جس کے بعد مجھے ان لوگوں تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا جنہوں نے آپ پر حملہ کر کے اپنی موت ہی کو دعوت دی تھی۔''

''کون لوگ ہیں......؟''

''زیادہ سے زیادہ دس بارہ گھنٹے اور انتظار کر لیں، اس کے بعد میں تفصیل سے ان کی نشاندہی کر دوں گا۔''

''کیا اس سازش میں ایک سے زیادہ پارٹیاں ملوث ہیں؟''

''شام تک پارٹی کی نشاندہی بھی ہو جائے گی۔ فی الحال ایک سراغ ملا ہے۔ اسے قابو کرنے کے بعد باقی گرہیں بھی خود بخود کھلتی چلی جائیں گی۔'' بڑے اعتماد سے کہا گیا تھا۔ ''آپ فکر نہ کریں، میں انہیں پاتال کی تہہ سے بھی نکال کر جہنم رسید کر دوں گا۔''

''گڈ...... کام ہوشیاری سے کرنا...... بساط کب پلٹ جائے؟ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ آئی وش یو گڈ لک اینڈ آل دی بیسٹ۔''

شیخ حامد کو بلیک ٹائیگر کی صلاحیتوں پر بڑا گھمنڈ تھا لیکن اب...... یہ گھمنڈ بھی خاک میں مل گیا تھا۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید نمبر ٹو نے دور سے جو اندازہ قائم کیا تھا وہ غلط ثابت ہو لیکن...... دو

گھنٹے کے بعد اس کی تصدیق بھی ہوگئی تو وہ کسی زخمی درندے کے مانند اپنا ہی زخم چاٹنے پر مجبور ہوگیا......اسے بلیک ٹائیگر کی موت سے زیادہ اس بات کا ملال تھا کہ اس کے دشمنوں کا نام اس کی زبان پر آتے آتے کیوں رہ گیا تھا؟

❖❖❖

لیاقت حسین اس وقت سراج کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔

جس روز سیٹھ عثمان نے اسے بتایا تھا کہ سراج اس کو لینے آئے گا اسی رات تقریباً گیارہ بجے سراج اسے لینے آ بھی گیا تھا۔ اس وقت لیاقت حسین فرحین کے ساتھ بیٹھا گفتگو میں مصروف تھا۔ سراج والی بات اس نے فرحین کو بھی بتا دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فرحین دس روز تک اس سے علیحدہ رہنے پر احتجاج کرے گی لیکن فرحین نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا تھا۔

''تمہارے سراج صاحب بھی مجھے چھپے رستم نظر آتے ہیں۔ پولیس والے ایک بے چاری بیوی کو بیڑیاں پہنا کر گھر میں ڈال لیتے ہیں، اس کی طرف کوئی غلط نظروں سے دیکھے تو اسے تھانے میں بند کر کے پرانی روئی کی طرح دھن ڈالتے ہیں لیکن خود ادھر اُدھر منہ مارنے سے بھی باز نہیں آتے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' لیاقت حسین نے فرحین کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''اپنے سراج صاحب ایسے نہیں ہیں۔ میں نے انہیں کبھی غلط راستے پر چلتے نہیں دیکھا۔''

''نہیں دیکھا، تو اب دیکھ لے گا۔'' فرحین نے بہ دستور معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''پولیس کے محکموں میں کیا نفری کی کمی ہے جو وہ تجھے کوئی توپ سمجھ کر لے جا رہے ہیں۔ ضرور کوئی خاص چکر ہو گا۔ میری مان تو انکار کر دے کوئی خوبصورت بہانہ بنا کر۔ بزرگوں کا بھی یہی کہنا ہے کہ پولیس والوں کی دوستی اور دشمنی سے اللہ ہی محفوظ رکھے۔''

''چھوڑ ان باتوں کو...... یہ بتا، تو میرے بغیر رہ لے گی، اکیلے دس بارہ دن؟'' لیاقت حسین نے بڑی محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''سچ بتا دوں......''

''ہاں ...... تجھے میری قسم......'' لیاقت حسین اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا، اس کی زلفوں سے کھیلنے لگا۔

''مم...... میں بیگم صاحب کی طرف چلی جاؤں گی۔''

اس بار فرحین اپنے پیار کو چھپا نہ سکی۔ ''تیرے بنا اس اکیلی انیکسی میں میرا دل نہیں لگے گا۔''

''یہی بات تو سراج صاحب کے سامنے کہہ دینا۔''

لیاقت حسین نے معصومیت سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ تیرا کہا کبھی نہیں ٹالیں گے۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا......'' فرحین نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''ایسی باتیں کسی اور کے سامنے زبان سے نہیں نکالی جاتیں اور...... تیرے سراج صاحب، وہ تو ایک نمبر کے گھاگ ہوں گے...... کیا سوچیں گے میرے بارے میں؟''

ان کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں جب سراج بھی آ گیا۔ لیاقت حسین نے اٹھ کر دروازہ کھولا، فرحین بھاگ کر کچن کی طرف چلی گئی۔ سراج نے پہلی بار انیکسی کے اس حصے میں قدم رکھا تھا۔ وہاں کے رکھ رکھاؤ کو دیکھ کر بولا۔

''فائن......'' اس نے لیاقت حسین سے کہا۔ ''تمہاری گھر والی نے تو اسے بڑی خوبصورتی سے سجا رکھا ہے۔''

''یہ سب بیگم صاحبہ کی مہربانی ہے، ورنہ ہمارے پاس دو ٹوٹے پھوٹے بکسوں اور ایک بستر کے علاوہ اور کیا تھا۔''

لیاقت حسین نے صاف گوئی سے کہا۔

''سب سے قیمتی چیز تمہارا خلوص اور جاں نثاری ہے، لیاقت حسین! جس کے سامنے ان عارضی سجاوٹی چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں۔''

لیاقت حسین انکساری سے کسمسا کر رہ گیا۔ اس کے اصرار پر سراج بیٹھ گیا۔ فرحین جلدی سے چائے کی ٹرے لیے سامنے آ گئی، کچھ بسکٹس اور نمکین چیزیں بھی ٹرے میں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' سراج نے کہا پھر لیاقت حسین کے ساتھ چائے پینے لگا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی پھر سراج اصل مقصد کی طرف آیا تو لیاقت حسین نے مسکرا کر کہا۔

''میں آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ صاحب نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آپ لینے آئیں گے۔''

''تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا فرحین......؟''

سراج نے اس بار فرحین کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے دریافت کیا۔

''ملازمت تو ملازمت ہوئی صاحب۔'' فرحین نے نظریں جھکا کر مدھم لہجے میں کہا۔ ''اس میں فرمانبرداری کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ لیاقت کی طرح میں بھی آپ کے کسی حکم سے انکار تو نہیں کر سکتی۔''

''آئی۔ سی......!'' سراج نے پولیس والوں کی چال چلی۔ ''ٹھیک ہے، میں لیاقت کو ساتھ نہیں لے جا رہا۔ اب تو خوش ہو۔''

''میں نے منع تو نہیں کیا صاحب؟'' فرحین اپنی صاف گوئی پر سہم کر کھڑی ہو گئی۔ ''آپ شوق سے لے جائیں لیاقت کو۔ یہ اگر آپ کے کسی کام آ گیا تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی عزت والی بات ہو گی۔''

''دل سے کہہ رہی ہو......؟'' سراج نے اسے ٹٹولا لیکن اس کا پولیس تجربہ بتا رہا تھا کہ فرحین کو لیاقت حسین کی جدائی منظور نہیں ہے۔

''دل میرے پاس کہاں ہے صاحب......'' وہ نظریں جھکا کر شوخی سے بولی۔ ''وہ تو آپ کے

لیاقت حسین کے پاس ہے۔''

فرحین کے جواب پر سراج بھی لاجواب ہوگیا۔ خود لیاقت حسین کو بھی حیرت تھی کہ فرحین نے ایک ہی جملے میں سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد لیاقت جانے لگا تو سراج نے جیب سے ایک نیا موبائل نکال کر فرحین کو دیتے ہوئے کہا۔''اس میں لیاقت حسین کے علاوہ میرا اور الماس کا نمبر بھی موجود ہے، تم جب چاہو ہم سے بات کرسکتی ہو۔ کوئی دشواری پیش آئے تو راحیلہ رہنمائی کردیں گی۔''

گھر سے جاتے وقت بھی فرحین نے لیاقت کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ اس وقت لیاقت انہی آنکھوں کے تاثرات میں غوطہ لگا رہا تھا جب سراج نے اسے بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

''لیاقت حسین...... جانتے ہو...... میں تم کو دس بارہ روز تک اپنے ساتھ کیوں رکھنا چاہتا ہوں؟ مجھے تمہاری ان پوشیدہ قوتوں کی ضرورت ہے جو تمہاری رہنمائی کرتی ہیں لیکن اس طرح کہ بعد میں تمہیں بھی کچھ یاد نہیں رہتا۔''

لیاقت حسین خاموش رہا۔ وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا، سراج نے بات جاری رکھی۔

''میں نے محسوس کیا ہے کہ جب بھی تم نے خُدا کی راہ میں کوئی نیک کام کی ٹھانی ...... وہ مخفی قوتیں تمہارے کام آتی رہیں، میں بھی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کچھ ایسے ہی شیطان صفت مردود لوگوں کے غرور کو خاک میں ملانا چاہتا ہوں جو فرعون بن بیٹھے ہیں، ان کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ قانون کی بالادستی بھی ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایسے بدکرداروں کی سرکوبی کرنے میں اگر تم میرے کام آئے تو مجھے بھی سرخرو ہونے کا موقع مل جائے گا۔''

''لیکن صاحب ...... جب مجھے کچھ یاد نہیں رہتا تو میں بھلا آپ کی کیا رہنمائی کرسکوں گا؟'' لیاقت حسین نے سادگی سے جواب دیا۔

''یہ سب اس قادر مطلق پر چھوڑ دو...... جو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔'' سراج نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔

''میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب بھی تمہارے دل میں کوئی انوکھا خیال آئے۔ کوئی بھی ایسی بات جو خود تمہاری سمجھ سے بالاتر ہو۔ وہ تم بلاتکلف مجھ سے کہہ دو گے۔''

''میں اب بھی آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا صاحب ......'' لیاقت حسین نے الجھتے ہوئے کہا۔''جب مجھے کچھ ہوش ہی نہیں رہتا تو میں اس بات کا فیصلہ کس طرح کروں گا کہ کون سی بات آپ کے مقصد کی ہوگی؟''

''تم صرف میری کہی ہوئی بات پر عمل کرو...... کیا صحیح ہے کیا غلط، یہ اوپر والے کی مرضی پر چھوڑ دو۔''

''ایک درخواست میں بھی کروں گا۔''

''کہو......''

''جو بات میری زبان سے غیر اختیاری طور پر نکلے تو آپ اس کا تذکرہ مجھ سے بعد میں بھی نہ کریں۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا تو بلاوجہ ذہن میں ایک کانٹا سا چبھا رہ جاتا ہے۔''

''میں نے تمہیں ہمیشہ دوست سمجھا ہے لیاقت حسین، اب بھی ایک دوست کی طرح تمہاری بات کا خیال رکھوں گا۔''

''شکریہ صاحب۔'' لیاقت حسین نے اسے تشکرانہ نظروں سے دیکھا پھر وہ اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔ کچھ بھولی بسری یادیں اس کے ذہن میں کلبلانے لگیں، خاص طور سے اس کے ذہن میں ایک بار پھر سیٹھ عثمان اور کسی ماربل سپلائی کرنے والی پارٹی کی باتیں گونجنے لگیں، وہ سیٹھ عثمان اور سراج کے دوستانہ تعلق سے بخوبی واقف تھا۔ شاید سراج اس پارٹی کے سلسلے میں لیاقت حسین کی ذہنی کشمکش کو دور کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہو؟ ایک پل کو اس کا دل چاہا کہ وہ سراج کو اس سلسلے میں کریدے لیکن...... دوسرے ہی لمحے ہمزاد کے جملے اس کی سماعت میں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگے۔ ''ان باتوں کو فی الحال کھنگالنے کی کوشش نہ کرو...... وقت کا انتظار کرو...... وقت اور حالات خود تمہاری رہنمائی کریں گے...... اپنی زبان کو قابو میں رکھنا۔ جو کچھ ہانڈی میں ہے وہ خود باہر آجائے گا۔''

''کس خیال میں گم ہو لیاقت حسین؟'' سراج نے بے تکلفی سے سوال کیا۔ ''کیا تمہیں فرحین سے وقتی دوری پسند نہیں ہے؟''

''نہیں صاحب......'' اس نے چونک کر جواب دیا۔

''میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔''

''اور کیا سوچ رہے تھے......؟''

''اگر میں آپ کے کسی کام نہ آسکا تو......''

''اس سلسلے میں اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو...... صرف ایک بات یاد رکھو، زندگی اور موت کی طرح کامیابی یا ناکامی بھی اللہ ہی کے اختیار کی بات ہے...... ہمیں ہر حال میں صراط مستقیم پر چلنے کا کہا گیا ہے، آگے جو اسے منظور ہو۔''

لیاقت کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ سراج کا موبائل گنگنانے لگا۔ دوسری طرف سے ڈی آئی جی کرائمز آغا منظور کے نمبر روشن دیکھ کر وہ چونکا۔ ''اس وقت کیسے یاد کیا سر......؟'' اس نے موبائل آن کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''ابھی کسی نامعلوم شخص نے مجھے ایک حیرت انگیز اطلاع دی ہے۔'' ڈی آئی جی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس کا تعلق سی سائڈ کے اس کمرشل ایریا سے ہے جہاں آج ہی ایک سپورٹس کار کا حادثہ ہوا تھا، پولیس کو اس میں سے ایک خون آلود لاش بھی ملی تھی جسے گولی مار کر ہلاک

کیا گیا تھا۔ بعد میں ضروری کارروائی کے بعد لاش کو سرد خانے میں شناخت کے لیے محفوظ کرا دیا گیا...... جانتے ہو وہ لاش کس کی تھی؟''

''جی نہیں......''

''اطلاع دینے والے کے مطابق اس شخص کی حیثیت بگ باس کی نظروں میں اس سے زیادہ اہم تھی جو شطرنج کی بساط پر کسی گھوڑے کی ہوتی ہے...... اسے بلیک فورس گروپ کا سرغنہ سمجھا جاتا تھا۔''

''کیا متاثرہ پارٹی نے بھی اس سلسلے میں کوئی بیان دیا ہے؟'' سراج نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''ابھی تک وہ خاموش ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں ان لوگوں پر نظر رکھنی ہوگی جو سرد خانے سے لاش وصول کرنے آتے ہیں۔''

''میں اس کی ہدایت متعلقہ تھانے کے ایس پی کو دے چکا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے کہا پھر سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''ایس پی اورنگ زیب کے بارے میں آپ کے پاس کیا اطلاع ہے؟''

''میں سمجھا نہیں سر......؟'' سراج نے محتاط انداز اختیار کیا۔ ''کیا آپ کو کوئی اور خاص رپورٹ بھی ملی ہے؟''

''میں نے کل اسے دفتر آنے کو کہا ہے۔ آپ بھی ساڑھے دس بجے تک آ جائیں تو مناسب ہوگا۔''

''او کے سر...... میں وقت پر پہنچ جاؤں گا۔''

دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہوا تو سراج بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ اگر مرنے والا شیخ حامد کا خاص آدمی تھا تو اس کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے......؟ ایک ثانیے کے لیے اس کے ذہن میں میڈم روبی کا نام گونجا لیکن پھر اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا اور اس بات پر غور کرنے لگا کہ ڈی آئی جی نے ایس پی اورنگ زیب کو کس مقصد سے بلایا ہوگا؟ کیا جس لاش کو سرد خانے میں رکھوایا گیا تھا، اس کا کچھ تعلق اورنگ زیب سے بھی ہو سکتا تھا؟

❖❖❖

رستم علی خانی نے پورے دس روز بعد اپنے آفس میں قدم رکھا تو پورا عملہ اس کی مزاج پرسی کو جمع ہو گیا۔ اسٹاف کو اس کی بیماری کی خبریں فراہم کی گئی تھیں۔ خود رستم علی نے بیٹے اور بہو پر بھی اپنی اچانک بیماری کا نہ صرف اظہار کیا تھا بلکہ ایک مہنگے پرائیویٹ اسپتال کے وی آئی پی روم میں بھی پورے آٹھ دن رہنا برداشت کر لیا تھا۔ ڈاکٹروں کی واقف کار ٹیم نے بھی ان کی بھرپور مدد کی تھی، کچھ ایسے امراض کا شبہ ظاہر کیا تھا جس کی تصدیق کے بغیر کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔

دارارستم علی اور اس کی بیوی روشن کو بھی بہ ظاہر یہی کچھ بتایا گیا تھا۔ اسپتال میں رہنے کے دوران سوائے دارا اور شائلہ بیگم کے کسی کو بھی مریض سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہر بات کو راز رکھا گیا تھا لیکن دارا جو بیرونی ملک سے ایم بی اے کی ڈگری لے کر آیا تھا۔ وہ اتنا طفل مکتب بھی نہیں تھا کہ کسی میٹھی گولی کی طرح ان باتوں کو حلق کے نیچے اتار لیتا۔ وقتی طور پر جس انداز میں ایمرجنسی کا اظہار کیا گیا۔ ایمبولینس کے ذریعے رستم علی کو اسپتال شفٹ کیا گیا تھا، اس نے دارا کے اعصاب کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اس کو بھی دال میں کہیں کالا نظر آنے لگا تھا۔

اس رات دارا اور روشن نے، رستم علی اور شائلہ کے ساتھ ہی ڈنر لیا تھا، ڈنر کرتے وقت اس نے باپ یا ماں کے چہرے پر کوئی ایسی علامت نہیں محسوس کی تھی جس سے وہ اندازہ لگا سکتا کہ اس کا باپ جو اپنی صحت اور خوراک پر خاص توجہ دینے کے معاملے میں کسی سے سمجھوتا نہیں کرتا تھا، اچانک کسی مرض میں مبتلا ہو کر اسپتال میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ دو روز تک وہ ڈاکٹروں سے سر کھپاتا رہا۔ سب کا ایک ہی جواب تھا کہ ضروری تفتیش اور رپورٹ آنے تک حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ماں کے تاریک چہرے کو بھی دیکھ کر وہ پریشان ہو جاتا لیکن تیسرے دن جب وہ ماں کے کمرے میں بیٹھا تھا تو روشن نے ساس کا سر سہلاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا تھا۔

''مام......ڈیڈ کو اچانک کیا ہو گیا......کیا آپ کو بھی کچھ نہیں معلوم؟''

''سب مقدر کی بات ہے بیٹے......'' شائلہ بیگم نے منہ بسورتے ہوئے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''بیماری اور موت کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔''

''کیا ڈیڈ نے کبھی اپنی کسی بیماری کا ذکر آپ سے بھی نہیں کیا تھا؟'' دارا نے ماں کا ہاتھ تھام کر بڑے لاڈ سے دریافت کیا۔

''کچھ دنوں سے وہ پریشان ضرور تھے۔ میں نے کئی بار کریدا بھی لیکن انہوں نے مسکرا کر بات ٹال دی۔'' شائلہ بیگم نے خلا میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ان پر جو کچھ گزر چکی تھی اس کے تصور ہی نے اتنا نڈھال کر دیا تھا کہ وہ بیٹے اور بہو سے آنکھ ملا کر باتیں کرنے سے بھی کترا رہی تھیں۔

''آپ کو کس بات کا شبہ ہے؟''

''یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی......'' شائلہ بیگم نے بات ٹالنے کی خاطر کچھ سوچ کر کہا۔ ''ادھر کئی بار وہ سینے میں تکلیف کی شکایت ضرور کر چکے تھے لیکن بات اتنی بڑھ جائے گی میں نے سوچا بھی نہ تھا۔''

''جس رات ڈیڈ کو اسپتال شفٹ کیا گیا......کیا اس روز انہیں زیادہ تکلیف تھی؟'' روشن نے معلوم کیا۔

''ایک بڑی الٹی ضرور ہوئی تھی جس کے بعد انہوں نے لاکھ سمجھانے کے باوجود اسی وقت قالین پر اسٹین کلینر (STAIN CLEANER) اسپرے کیا، منع کرنے پر نہیں مانے۔ گھنٹوں صفائی میں لگے رہے پھر بستر پر واپس آئے تو ان کا سانس پھول رہا تھا، اس کے بعد......انہوں نے خود ہی

اسپتال کو فون بھی کیا تھا۔"

دارا نے ماں کا جواز ٹھنڈے دل سے سنا۔ سن کر حلق کے نیچے بھی اتار لیا لیکن اس کا دل اس کہانی کو ماننے پر تیار نہیں تھا۔ کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور تھا جو اس کے اندر کے تجسس کو ابھار رہا تھا۔ بزنس میں باپ کے ساتھ شریک ہونے کے ناتے اسے بھی تمام کیفیت کا احساس تھا، بازار کی اونچ نیچ، بزنس کی رولنگ اور دیگر حالات کی خبریں بھی اسے اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے ملتی رہتی تھیں۔ اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ بزنس کا ایک اہم شعبہ بزنس رائیولری (BUSINESS RIVALRY) بھی ہے۔ اس ضمن میں اس کی ذاتی فہرست میں بھی شیخ حامد ایسوسی ایٹس کا نام ٹاپ پر تھا۔ ان ہی شبہات کی بنا پر رستم علی نے اپنی اور گھر کی حفاظت کی خاطر اسپیشل سکیورٹی گارڈز کی خدمات حاصل کی تھیں۔ دارا نے اس سلسلے میں باپ سے دبی زبان میں استفسار بھی کیا تھا لیکن رستم علی نے اسے حفاظتی احتیاط ظاہر کر کے بات ٹال دی تھی۔

باپ کے اسپتال میں داخل ہونے کے بعد اس نے ڈیوٹی گارڈز کو کسی ذریعے سے ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ گارڈز کے متضاد بیانات میں اسے پوری طرح ہضم نہیں ہو سکے، ماں کی وضاحتیں بھی اسے مطمئن نہیں کر سکی تھیں۔ صرف اس کی چھٹی حس متواتر اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسی اہم بات ضرور ہے جس کو ظاہر کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے۔

"ماں ......" اچانک دارا نے بڑی سنجیدگی سے ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگاتے ہوئے ڈور کا کوئی سرا تلاش کرنے کی کوشش کی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی کاروباری الجھن کی وجہ سے ڈیڈ نے اپنے دل پر زیادہ اثر لے لیا ہو؟"

"مم ......میں ...... میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" شائلہ بیگم کسمسا کر ہونٹ چباتے ہوئے بولیں۔

"وہ مجھ سے اپنے کاروبار کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتے تھے۔"

"او۔ کے، آپ پریشان نہ ہوں، خدا نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

چار چھ روز تک ...... دارا ذاتی طور پر معاملے کی کرید کرتا رہا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ چھٹے روز وہ اسپتال سے گھر آیا تو روشن نے دبی زبان میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈیڈ کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہے، اسپتال میں شفٹ ہو کر شاید اپنے کسی دشمن کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سرینڈر (SURRENDER) کرنے کی پالیسی پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔"

"وہاٹ ......؟" دارا نے روشن کو پر تجسس نظروں سے گھورا۔ "تم اس قدر یقین سے یہ بات کیسے کہہ رہی ہو؟"

"آج میں نے اپنی خاص ملازمہ کو ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ پچھلے کچھ دنوں سے مجھے پریشان نظر آ رہی تھی۔"

''نتیجہ کیا نکلا......؟'' دارا نے بے صبری سے دریافت کیا۔
''وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے زبان کھولی ہے۔ اسے خدشہ ہے کہ اگر اس کا حوالہ درمیان میں ہوگا تو اس کی لگی لگائی ملازمت بھی جاتی رہے گی۔'' روشن نے بات جاری رکھی۔ ''جس رات آپ کے ڈیڈ اسپتال شفٹ ہوئے تھے۔ اسی رات ہماری ایک ملازمہ کو بھی ایک اسپتال میں خفیہ طریقے سے داخل کرایا گیا۔ میرا اشارہ گلابو کی طرف ہے۔ اس کے بائیں شانے پر گولی لگی تھی۔''
''گولی لگی تھی؟'' دارا نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔ ''یہ خبر تمہاری ملازمہ کو کس طرح معلوم ہوئی؟''
''جو ڈرائیور ٹیکسی کے ذریعے گلابو کو خفیہ طور پر لے گیا تھا اس نے رازداری کی قسم دے کر یہ بات بڑی مشکل سے اگلی ہے۔'' روشن نے مزید وضاحت کرتے وقت مسکرا کر کہا۔ ''وہ ڈرائیور اور میری ملازمہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''
دارا ایک لخت بے حد سنجیدہ ہوگیا، گلابو کی خبر سننے کے بعد اس کے ذہن میں بے شمار سوال گڈمڈ ہونے لگے۔ وہ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ ''وہ واردات کوٹھی کے اندر ہوئی تھی تو گلابو کو زخمی کرنے والا باہر ہی سے آیا ہوگا مگر...... کیا وہ صرف گلابو کو زخمی کرنے کی خاطر اسپیشل گارڈز کا حلقہ توڑنے کا رسک مول لے سکتا تھا؟ اگر نہیں...... تو پھر اس کا اصل ٹارگٹ کون تھا؟...... اس کی پشت پر یقیناً کسی خطرناک دشمن کا ہاتھ شامل ہوگا جس نے اپنے کسی تجربے کار آدمی کو اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر جان کی بازی لگانے پر آمادہ کیا ہوگا...... وہ کون تھا؟ اور...... اور ماں نے ڈیڈ کو الٹی ہونے اور...... کارپٹ کا داغ صاف کرنے کی جو کہانی سنائی تھی اس میں کس حد تک صداقت تھی......؟''
پھر دماغ پر ذرا زور دینے کے بعد درمیان کی تمام گرہیں خود بخود کھلتی گئیں۔ ایک امکانی خاکہ اس کے ذہن میں بڑی سرعت سے تکمیل پانے لگا۔
''گلابو کسی کام سے ڈیڈ کے کمرے میں گئی ہوگی۔ اسی وقت دشمن کا ہرکارہ دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ گلابو نے خوفزدہ ہو کر بھاگنے یا شور مچانے کی حماقت کی ہوگی، تو وہ بھی لپیٹ میں آ گئی محض گلابو کی خاطر کوئی دیوانہ رستم علی کی خواب گاہ میں رات گئے داخل ہونے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا...... اس کا اصل ٹارگٹ یقیناً رستم علی ہی رہا ہوگا لیکن...... وہ منزل تک پہنچنے کے بعد واپس کیوں چلا گیا؟ اپنے ٹارگٹ کو زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ ماں نے ڈیڈ کی ''الٹی'' والی بات اس حقیقت کو چھپانے کی خاطر گھڑنے کی کوشش کی ہوگی کہ گلابو کے زخم سے ٹپکنے والے خون کو ڈیڈ نے صاف کیا ہوگا۔ اس کام کو انجام دینے کی خاطر وہ کسی ملازم کو طلب نہیں کر سکتے تھے۔ ایک حقیقت کو مسخ کرنے کی خاطر کئی کہانیاں بن لی گئی تھیں۔ آٹھ روز بعد ڈیڈ ڈاکٹروں سے کلیئرنس حاصل کر کے گھر آ گئے، دو روز آرام کرنے کے بعد دفتر جانا بھی شروع کر دیا؟''
دارا کی الجھن بڑھتی چلی گئی، وہ معاملے کی تہ تک پہنچنے کی خاطر اس وقت بھی بستر پر لیٹا

کروٹیں بدل رہا تھا جب روشن کھسک کر قریب آ گئی، دارا کے خوبصورت بالوں پر محبت سے ہاتھ پھیر کر پوچھا۔

''ٹیک اٹ ایزی ڈارلنگ ...... ڈیڈ نے جو کچھ کیا اس میں ان کی کوئی مصلحت بھی ضرور رہی ہوگی۔''

''آئی اگری ود یو لیکن ...... جو شخص ڈیڈ کے بیڈروم تک پہنچ گیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ کیوں لوٹ گیا؟''

''دو ہی صورتیں ممکن ہیں......'' روشن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ہوسکتا ہے کہ گلابو کے زخمی ہونے کے بعد وہ بوکھلا کر فرار ہو گیا ہو یا پھر تمہارے ڈیڈ نے اس کی ڈیمانڈ پوری کر دی ہو۔''

''کیسی ڈیمانڈ ......؟'' دارا نے بیوی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم رین سم (RANSOM) کے امکانات کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔ ممکن ہے ڈیڈ نے اس کی مطلوبہ رقم دے کر جان چھڑا لی ہو۔''

''ایسی صورت میں بھی ہماری خاموشی دشمنوں کا حوصلہ مزید بڑھا دے گی۔''

''میں تمہیں کسی مہم جوئی کا مشورہ نہیں دوں گی۔ فوری طور پر تمہاری دخل اندازی ڈیڈ کے کسی سوچے سمجھے منصوبے کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔''

دارا نے حالات کی روشنی میں روشن کی بات سے اتفاق کیا۔ بات گھر کی چاردیواری سے نکل کر اگر میڈیا تک پہنچ جاتی تو بزنس کی ساکھ کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ پولیس درمیان میں آ جاتی تو رستم علی کی زندگی کو خطرے کے امکان کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتے۔ جو خطرناک لوگ ایک بار گارڈز کا حلقہ پھلانگ کر اپنے مطلوبہ بیڈروم تک پہنچ سکتے تھے، وہ بات بڑھ جانے کی صورت میں رستم علی آغا خانی کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کرنے میں بھی دیر نہ لگاتے۔ بہت کچھ ممکن تھا۔

''ہمیں بہت سوچ سمجھ کر اور ڈیڈ کو اعتماد میں لینے کے بعد ہی کوئی ایسا پلان بنانا ہوگا کہ کسی طرح سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

دارا رستم علی نے وقتی طور پر اپنا اضطراب کم کرنے کی خاطر روشن کے مہکتے وجود کو اپنے اور قریب کر لیا لیکن...... زندگی میں پہلی بار اسے خطرے کے بادل اپنے گرد بھی منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔

+++

شبنم ذہنی طور پر بری طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔عام حالات میں شاید وہ ایک دن بھی ملازمت برقرار نہ رکھتی لیکن بگ باس نے کسی خطرے ناک آکٹوپس کی طرح اسے بھی اس طرح اپنے پنجوں میں جکڑا تھا کہ اسے خبر بھی نہ ہوئی اور اب...... جب اس کی قابل اعتراض تصویریں اس کی لاعلمی میں اتار کر محفوظ کر لی گئی تھیں۔وہ جال میں پھنسی کسی بے بس مچھلی ہی کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔

شیخ حامد نے اس سے مروتاً پر کہا تھا کہ اس کے کچھ ضروری کام نمٹ جائیں تو وہ اس کے استعفیٰ پر ہمدردی سے غور کرے گا لیکن اب شبنم کو اس کی امید نظر نہیں آرہی تھی۔غیر اخلاقی حرکتوں کے سلسلے میں بھی ایک حد سے تجاوز نہ...... کرنے کا یقین دلانے کے باوجود اب وہ رفتہ رفتہ حدود کو پھلانگنے کی کوشش کر رہا تھا۔شبنم کے لیے یہ سب کچھ نا قابل برداشت تھا۔خاص طور پر جب بگ باس نے رستم علی آغا خانی والی مخرب اخلاق مووی دیکھنے کے بعد شبنم کو سراہتے ہوئے خوشی کے اظہار کے طور پر بے تکلفی سے اس کے ہونٹوں کو چوم لیا تھا۔شبنم نے اس زہر کو بھی دل پر جبر کر کے برداشت کر لیا لیکن اب وہ بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی تھی کہ اگر بگ باس کی شکل میں "آکٹوپس" کی پیش قدمی اسی طرح جاری رہی تو شاید وہ بعد میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی۔اس نے طے کر لیا تھا کہ کوئی اپنا وقت آنے سے پیشتر اگر اس کے اختیار میں ہوا تو موت کو زندگی پر ترجیح دینے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔

اس وقت بھی وہ بستر پر نیم دراز ان ہی خیالات کی پریشان کن کشکش سے دو چار تھی۔اس کے ذہن میں بار بار افضل خان کا تصور ابھر رہا تھا۔افضل خان کی تمام قربانیوں کے باوجود اسے میڈم کے اغوا والے معاملے میں، جس میں اس کی کوئی غلطی نہیں تھی، بگ باس نے محض اپنی مصلحتوں کے پیش نظر بڑی سنگین صورت سے دو چار کر دیا تھا۔عرش سے اتار کر فرش پر بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا۔اگر قسمت نے یاوری نہ کی ہوتی۔رستم علی آغا خانی اور ایس پی اورنگ زیب کی سرکوبی کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو شاید افضل خان اسپتال سے نکالے جانے کے بعد موت ہی کو ترجیح دیتا۔اس آڑے وقت پر بھی بگ باس نے شبنم کے ذریعے افضل خان کو داؤ لگانے کا منصوبہ بنا لیا تھا جس میں افضل خان قسمت کی یاوری سے کامیاب ہو گیا۔ناکامی کی صورت میں وہ یا تو موت کو گلے لگا لیتا یا پھر باقی زندگی قید کی صعوبتیں برداشت کرتے کرتے گزار دیتا۔لاٹری اپنے نام نکلنے کے بعد بگ باس نے

اس کے حق میں کچھ رعایت کر دی تھی لیکن اب بھی وہ اس خیال سے کہ ''کہیں افضل خان پلٹ کر اسے ڈنک نہ مار دے'' اس کی طرف سے محتاط رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے شبنم کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ افضل خان کے فلیٹ میں منتقل ہونے کے بعد اسے بھی ساتھ رکھے تاکہ اس کی ایک ایک پل کی نگرانی کی جا سکے۔

عام حالات میں شاید افضل خان کو ساتھ رکھنے پر آمادہ نہ ہوتی' لیکن موجودہ صورت حال میں صرف ایک اہم کہاوت ''کبھی کبھی پیروں تلے چیونٹی بھی پلٹ کر اپنے دشمن کو کاٹ لینے کی کوشش ضرور کرتی ہے۔'' اس کے کانوں میں صدائے گشت بن کر گونج رہی تھی۔ ''ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔'' اس روایت کے مطابق شاید افضل خان کی ماضی کی ناقابل بیان سختیاں بھی اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور گونج رہی ہوں گی۔ شبنم اس تحریک کو اپنے خوبصورت قرب سے ایک ٹھیس پہنچا کر چنگاری سے شعلہ بنا سکتی تھی۔ یہ خیال کئی دنوں سے اس کے ذہن میں رہ رہ کر ابھر رہا تھا۔ اس منصوبے پر عمل کر کے وہ اپنا پرانا انتقام بھی پورا کر سکتی تھی جس کے پیش نظر اس نے حامد ایسوسی ایٹس میں ملازمت حاصل کی تھی۔

افضل خان کو اپنے حق میں پوری طرح ہموار کرنے کے بعد وہ میڈم روبی کو بھی ساتھ ملا کر ایک مضبوط محاذ قائم کر سکتی تھی۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ بگ باس کے اندھے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیڈیز پرس میں کوئی آتشیں اسلحہ چھپا کر ساؤنڈ پروف کمرے میں اس سے ملاقات کرتی۔ دل پر جبر کر کے خطرناک آکٹوپس کو اس کا من پسند چارہ ڈالتی اور پھر خاموش پستول کی تمام گولیاں اس کے منحوس وجود میں اتار دیتی لیکن...... اس نے ابھی تک بھی اس خطرناک منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اسے اس بات کا خیال بھی تھا کہ وہ شخص اپنی پرچھائیں سے بھی محتاط رہنے کا عادی ہو، وہ اپنی حفاظتی تدابیر اختیار کرنے سے غافل نہ ہوگا۔ کہیں نہ کہیں کوئی ایسا خفیہ نظام ضرور ہوگا جو اس کے پاس پہنچنے سے پہلے اس کی نظروں میں آنے والے کا پورا پورا ایکسرے ضرور پیش کر دیتا ہوگا۔ اس شبہے کے بعد شبنم بھی کوئی رسک نہیں لے سکتی تھی۔

دیوار گیر کلاک نے رات گیارہ کا اعلان کیا تو وہ چونکی۔ پرسکون نیند کی خاطر اس نے ذہنی خلفشار کو جھٹک کر نائٹ بلب روشن کیا۔ لائٹ آف کی پھر بستر پر دراز ہو گئی۔ طویل جماہی لے کر اس نے آنکھیں موندیں تو موبائل پر ہونے والی گنگناہٹ نے اس کے ذہن کو پھر منتشر کر دیا۔ روشن اسکرین پر بگ باس کا کوڈ نمبر دیکھ کر اس کا سکون پھر غارت ہو گیا۔

''یس باس!'' اس نے دل پر جبر کر کے فون آن کر لیا۔ وہ رات دس بجے کے بعد ہی موبائل آف کرنے کی مجاز تھی۔

''میں نے اس وقت تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' سرسری انداز میں پوچھا گیا۔

''آپ حکم دیں سر...... اس وقت کیسے یاد کیا؟'' شبنم نے محتاط انداز اختیار کیا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے بتا رہا ہوں کہ افضل خان آج دوپہر ''اسٹار ان'' نامی ہوٹل میں

شفٹ ہو گیا ہے۔ تم میرے طے شدہ منصوبے کے تحت اس سے مل سکتی ہو لیکن...... اس بات خیال رکھنا کہ کوئی تمہارا تعاقب نہ کر رہا ہو۔"

"کوئی خاص بات......؟" شبنم نے تعاقب کے حوالے سے دبی زبان میں دریافت کیا۔

"کچھ چیونٹیوں کے پر نکل آئے ہیں......" معنی خیز انداز میں کہا گیا۔"آج میرے اعتماد کا ایک آدمی بھی کام آ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا ممکنہ تعاقب بھی کیا جائے...... ویسے میں نے تمہاری سکیورٹی پر کسی کو تعینات کر دیا ہے۔ خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں اپنے خاص لوگوں کا خاص خیال رکھتا ہوں۔"

"تھینکس باس...... ویسے بائی دی وے، کیا ہمارے آدمی کی موت کسی ردعمل کا نتیجہ تو نہیں ہے؟"

"ہو بھی سکتا ہے لیکن سمندر میں ایک قطرہ کم ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"یو آر۔ رئیلی گریٹ باس۔" شبنم نے مجبوراً ستائشی جملے اختیار کیے۔

"مطلوبہ اپارٹمنٹ کچھ دنوں میں مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں ویسا ہی عمل کرنا ہے جیسا میں نے پلان کیا ہے۔"

"میں انکار نہیں کروں گی باس لیکن اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہوں گی۔"

"کہو...... مگر اس بات کا خیال رکھنا کہ میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں۔" دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں جواب دیا گیا۔

"میں انکار کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔" وہ روانی میں کہہ گئی پھر تیزی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔"کیا کچھ مخالف گروپ کے لوگ یا ایجنسی والے افضل خان کی طرف سے بالکل ہی بے خبر ہوں گے؟"

"اوہ......" کچھ توقف سے بات جاری رکھی گئی۔"میں تمہاری دور اندیشی سے انکار نہیں کروں گا لیکن تم نے شاید تصویر کے دوسرے رخ پر غور نہیں کیا ہوگا۔ جس طرح دوسرے ہماری سن گن لینے کی فکر میں ہوں گے اسی طرح ہم بھی ایسے بہت سارے چہروں کو بے نقاب دیکھ لیں گے۔ شطرنج کے کھیل میں کچھ غلط چالیں بھی سامنے والے کھلاڑی کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی خاطر دیدہ ودانستہ چل جاتی ہے۔"

"میں نے اس پر پہلے غور نہیں کیا تھا سر......" شبنم نے بگ باس کی عیارانہ چال پر ششدر ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔"میں نے اس حد تک گہرائی میں نہیں جھانکا تھا۔ آپ کی اسکیم لاجواب ہے۔"

"میری باتوں پر عمل کرو گی تو تم بھی کندن بن جاؤ گی۔"

"مجھے یقین ہے باس......" شبنم نے اس کی کمینگی کا ستائشی انداز میں اعتراف کیا پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی لیکن دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

شبنم کا ذہن پھر مستقبل کے غیر یقینی حالات سے نبرد آزما ہونے کے مختلف منصوبوں پر غور کرنے لگا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ہر حال میں اس دلدل سے نکلنا چاہتی تھی جس میں وہ روز بہ روز دھنستی جا رہی تھی۔

+++

سراج صبح سے دو تین بار ایس پی اورنگ زیب کو فون کر چکا تھا لیکن اس سے رابطہ ممکن نہیں ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ ڈی آئی جی کی میٹنگ میں جانے سے پیشتر اورنگ زیب سے اس سلسلے میں گفتگو ہو جاتی۔ اسے میٹنگ کی نوعیت کا بھی علم ہو جاتا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے وہ اپنے آفس سے نکلا۔ اس کے ذہن میں کئی خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ لودھی کے معطل کیے جانے کی اطلاع اسے اپنے ذرائع سے مل گئی تھی۔ یہ کوئی ایسی سیکرٹ بات بھی نہیں تھی' جو چھپی رہ سکتی لیکن ڈی آئی جی نے اسپورٹس کار کے حوالے سے کسی آدمی کی موت کی اطلاع دے کر اسے چونکا دیا تھا جو شیخ حامد کا دست راست تھا۔ وہ ایسی کئی دیکھی بھالی صورتوں سے واقف تھا جو اس کے تعاقب میں لگے رہتے تھے لیکن اہم بات یہ تھی کہ حادثے میں موت کا شکار ہونے والے کے بارے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ بگ باس کی بلیک فورس کا سرغنہ تھا۔ اس خبر کی اطلاع کس نے دی تھی؟ اس اہم سوال کی روشنی میں یہی سوچا جا سکتا تھا کہ اطلاع دینے والا بھی بڑے مگرمچھ کا کوئی قریبی آدمی ہوگا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس نے کن بنیادوں پر شیخ حامد کے خلاف وہ اطلاع ڈی آئی جی کو دی ہوگی؟ کیا کسی وجہ سے وہ بھی شیخ حامد کے مخالف ہو گیا تھا؟ یا یہ محض ایک ڈراما تھا جو خطرناک مگرمچھ کے اشارے پر رچایا جا رہا تھا اور بھی بہت سے امکانات ہو سکتے تھے لیکن ڈی آئی جی نے اسے میٹنگ میں آنے کی دعوت دینے سے پیشتر ایس پی اورنگ زیب کے سلسلے میں بھی کریدنے کی کوشش کی تھی، آخر کیوں؟ کیا اس اسپورٹس کار کے حادثے سے ایس پی کا کوئی تعلق تھا؟ یا لودھی کے معطلی کے آرڈر کی وجہ سے ڈی آئی جی کو شیخ حامد کی طرف سے کسی خفگی کا خدشہ لاحق تھا؟

آفس سے نکلنے کے پانچ منٹ بعد ہی اسے اپنے مخصوص نمبر پر میڈم روبی کی کال موصول ہوئی۔ سراج نے موبائل آن کر کے کان سے لگالیا پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟ بڑے آدمی اور آپ جیسی مالدار خواتین تو دوپہر تک سونے کی عادی ہوتی ہیں؟''

''الماس نے کیا صبح صبح ہی آپ سے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو آپ اس وقت مرچیں چبانے کے موڈ میں ہیں۔'' دوسری جانب سے بھی اسی انداز میں جواب ملا جس انداز میں سراج نے بات چھیڑی تھی۔

''اس وقت کیسے فون کرلیا؟'' سراج نے مسکرا کر کہا۔ ''میں دراصل ڈی آئی جی کی میٹنگ اٹینڈ کرنے جا رہا ہوں۔''

''کوئی اہم بات ہے؟'' سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''یہ میٹنگ بغیر کسی ایجنڈے کے ہے اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''او۔ کے، میں آپ کو پھر کسی وقت اطمینان سے فون کرلوں گی۔''

''اطمینان ہم پولیس والوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔'' آپ کم از کم کال کرنے کا مقصد ہی بتا دیں، ورنہ ایک بے چینی سی رہے گی۔'' سراج نے اسے ٹٹولنے کی خاطر سنجیدگی سے دریافت کیا۔''

''ہیں کچھ اہم باتیں جو میں آپ کے علم میں لانا ضروری سمجھتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے...... میں میٹنگ سے فارغ ہو کر آپ کو پہلی فرصت میں کال کرلوں گا۔'' اس نے جواب دے کر موبائل آف کر دیا۔

میڈم روبی کے فون نے سراج کو اور الجھا دیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میڈم نے صبح ہی صبح فون کیا ہوگا تو اس کی کوئی خاص وجہ بھی ہوگی ورنہ وہ آفس ٹائم میں اس سے رابطہ قائم کرنے کی غلطی کبھی نہ کرتی۔ ایک خیال اس کے ذہن میں یہ بھی آیا کہ کہیں میڈم روبی نے جن اہم باتوں کا حوالہ دیا تھا اس کا تعلق بھی کسی نہ کسی طور پر لودھی کی معطلی یا اسپورٹس کار کے حادثے میں ہلاک ہونے سے تو نہیں تھا؟

ٹھیک پونے گیارہ بجے سراج نے اپنی گاڑی ڈی آئی جی کے دفتر کے قریب پارک کی جہاں اورنگ زیب کی کار بھی اسے نظر آگئی تھی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ آفس کے اندر داخل ہوا۔ چپراسی سے اپنی آمد کی اطلاع کرانے کے بعد اسے فوراً بلا لیا گیا، کمرے میں ایس پی اورنگ زیب پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بھی ظاہر کرتے تھے کہ شاید ابھی تک ڈی آئی جی نے باقاعدہ اس اچانک کال کی جانے والی میٹنگ کا آغاز نہیں کیا تھا۔ سراج ڈی آئی جی کو سلیوٹ اور اورنگ زیب سے ہاتھ ملانے کے بعد بیٹھ گیا تو ڈی آئی جی نے ڈیوٹی کانسٹیبل کو اندر طلب نہ کرکے اسے ہدایت دی کہ جب تک وہ اسے خود سے طلب نہ کرے نہ کسی کو اندر آنے دیا جائے نہ ہی ڈسٹرب کیا جائے۔ ان احکامات کو جاری کرنے کے بعد وہ اپنی نشست پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ باری باری سراج اور اورنگ زیب کو سنجیدگی سے دیکھا پھر نپے تلے لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔'' اس سے پیشتر کہ میں آپ حضرات کو زحمت دینے کا اصل مقصد بیان کروں، یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پولیس کی ملازمت پھولوں کی سیج سے زیادہ کانٹوں کا بستر ہے جس پر ہمیں مشکل ہی سے سکون ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پانچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں لیکن کبھی کبھی ہمیں نہ چاہنے کے باوجود حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ ایک عام مثال ہے کہ زیادہ کھینچنے سے مضبوط سے مضبوط رسی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ ایمانداری اور قانون پسندی ہماری اہم ضرورت ہے لیکن...... صورت حال اکثر ہمیں کسی نہ کسی مجبوری سے بھی دوچار کر دیتی ہے۔ اوپر والوں کے احکامات اور حکومت کی پالیسیاں بھی آڑے آجاتی ہیں۔ موسم کی طرح حالات بھی اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ وقت کے دھارے کا بھی خیال رکھیں۔ آپ حضرات کا کیا خیال ہے؟''

آغا منظور نے اپنی بات ختم کرنے کے بعد سامنے بیٹھے دونوں افسروں کو سوالیہ نظروں سے

دیکھا۔

''میں آپ سے متفق ہوں سر......'' سراج نے جواب دینے میں پہل کی۔''دشمن کو شکنجوں میں پھانسنے کی خاطر ہمیں کچھ سنہری جال بھی بننے پڑتے ہیں اور ایسے وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے جب ہم جال کا دوسرا کونا گھسیٹ کر اسے بے بس کر سکیں۔''

''ون منٹ......'' آغا منظور نے کہا۔''اور اگر آپ کو جال کا دوسرا سرا کھینچنے سے پیشتر ہی دشمن اپنا وار کر جائے تو......؟''

''رسک تو بہر حال لینا پڑتا ہے۔'' سراج نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔''پانسا الٹا پڑ جائے تو ہماری اسکیم بھی چوپٹ ہو جاتی ہے۔ شکار کے بجائے ہم خود شکار بن جاتے ہیں۔''

''آپ کیا کہیں گے؟'' آغا منظور نے ایس پی اورنگ زیب کی طرف دیکھا۔

''میں آپ دونوں کی رائے سے اگری کرتا ہوں لیکن اگر پولیس آفیسر کی اپنی پوزیشن کسی مجرم سے زیادہ مضبوط ہو تو اسے بلاوجہ جال بننے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔''

''میں انفرادی نہیں ...... اجتماعی بات کر رہا ہوں۔'' آغا منظور نے کسمسا کر وضاحت کی۔''جہاں ٹیم ورک نہ ہو وہاں کسی ایک انفرادی کھلاڑی کا کھیل پوری ٹیم کو شکست سے بھی دوچار کر دیتا ہے۔''

''میں اس پوائنٹ سے ڈس اگری نہیں کروں گا۔''

''پھر آپ یہ بھی مانیں گے کہ ٹیم کی شکست کی تمام تر ذمے داری یا تو کپتان کے سر تھوپ دی جاتی ہے یا سلیکٹرز کو موردالزام ٹھہرا دیا جاتا ہے؟''

''عام حالات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اورنگ زیب نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔

''سر......'' سراج نے اس میٹنگ کی غرض وغایت سمجھنے کی خاطر دبی زبان میں کہا۔''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم کھل کر اصل مقصد کی بات کریں؟''

''میرا خیال ہے کہ کسی ایسے دیدہ دلیر مجرم نے ہمارے خلاف کوئی زہر اگلا ہے جو ابھی تک کسی پہاڑ کے نیچے نہیں آیا، اس لیے خود کو سب سے زیادہ قد آور سمجھ رہا ہے۔''

اورنگ زیب نے ایک امکانی وضاحت کی تو آغا منظور نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''یو آر رائٹ مسٹر اورنگ زیب۔'' وہ تلملا کر بولا۔''آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔ میں اس وقت کسی ایسے ہی مجرم کی بات کر رہا ہوں جو تنہا نہیں ہے۔ اس خرانٹ نے کچھ ایسے غداروں کو بھی اپنا ہم خیال بنا رکھا ہے جو ہم سے بہت اونچی اونچی کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ جنہیں ہم نے اور آپ ہی نے اپنا قیمتی ووٹ دے کر اسمبلیوں تک پہنچایا ہے۔ وہ جو چال چل رہے ہیں ہمیں اس کا توڑ کرنے کی خاطر اجتماعی انداز میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔''

''بات کیا ہے سر......'' سراج نے پھر براہ راست ڈی آئی جی سے دریافت کیا۔

''مجھے علم ہے کہ ڈی ایس پی لودھی کے معطلی کے احکامات آپ کے اشارے پر ہوم سیکریٹری

نے جاری کیے تھے۔" ڈی آئی جی نے ایس پی اورنگ زیب کو دیکھ کر ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔"وہ اس کا مستحق بھی تھا لیکن آپ نے وہ آرڈر اسے براہ راست دینے کے بجائے میرے ذریعے سرو کرائے ہوتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

سراج صورت حال کی نزاکت جان کر چپ ہی رہا۔ اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کی بات سن کر ایک لمحہ توقف کیا پھر بڑے پرسکون انداز میں وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا۔"میں سمجھ رہا ہوں سر...... کہ شیخ حامد جو مجھے اپنا دشمن سمجھ رہا ہے اسے لودھی کی معطلی ہضم نہیں ہوئی ہوگی یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ لودھی کو میری ذاتی رپورٹ پر سسپنڈ کیا گیا لیکن میں وہ آرڈر آپ کے بجائے خود تعمیل کیے۔ اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ میں اپنی وجہ سے آپ کو یا کسی اور کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔"

"لیکن اب آپ کے بجائے جو سوالات مجھ سے پوچھے جا رہے ہیں ان کا جواب کون دے گا؟"

"اگر بات تحریر میں ہے تو آپ اس ضمن میں بھی میرا تحریری جواب طلب کرلیں۔ میں ساری ذمے داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

"پلیز مسٹر اورنگ زیب۔" آغا منظور تلملا کر بولا۔"بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ لوگوں سے الگ نہیں ہوں، ممکن ہے کہ آپ جو شکار کھل کر کھیلنا چاہتے ہوں میں اس کے لیے مچان تیار کر رہا ہوں تجربہ کار شکاری کسی بدمست ہاتھی کے سامنے کھڑے ہو کر اسے شوٹ کرنے کا رسک کبھی نہیں لیتے لیکن...... اگر آپ مجھے اب تک غلط سمجھتے رہے ہیں تو پھر آج میں کھل کر آپ دونوں سے اس بات کا اعتراف بھی کرلوں کہ میرا اور آپ کا دشمن الگ الگ نہیں...... ایک ہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ میں اپنے حالات کے پیش نظر کسی مناسب موقعے اور وقت کا منتظر ہوں جبکہ آپ کسی اور وجہ سے خطرہ مول لینے کو پوری طرح آمادہ ہیں...... مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا۔"

اورنگ زیب نے آغا منظور کا وہ رنگ پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ غلط بھی نہیں تھا ، اس کی تجربہ کار نظریں ڈی آئی جی کی تصویر کا دوسرا رخ دیکھ کر کچھ دیر اپنے حلقوں میں گردش کرتی رہیں پھر...... اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"آئی۔ ایم سوری سر...... میں کوشش کروں گا کہ آئندہ جو قدم بھی اٹھاؤں اس میں آپ کا مشورہ بھی شامل ہو مگر ایک بات قبل از وقت واضح کردوں، میں صرف آپ کا لحاظ کرسکتا ہوں، کسی اور نے اگر میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کی تو اسے اینٹ کا جواب پتھر ہی سے ملے گا۔"

سراج نے سکون کا سانس لیا۔ ماحول کا تناؤ جس انداز میں ڈی آئی جی نے کم کیا تھا وہ اس سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لودھی کی بحث ختم ہوئی تو آغا منظور نے اس اسپورٹس کار کا ذکر چھیڑ دیا جس میں ہلاک ہونے والے کی لاش اس نے سرد خانے میں رکھوادی تھی۔ دبی زبان میں یہ بھی بتا دیا کہ کسی مخبر نے فون پر اس کے بارے میں کیا معلومات فراہم کی تھیں۔

''سر...... کیا مخبر کے بارے میں آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ وہ کون ہو سکتا ہے؟'' سراج نے سوال کیا۔

''نہیں...... میں نے اس کی آواز پہلی بار سنی ہے۔ بعد میں یہ بھی تصدیق ہوگئی کہ اس نے کسی بوتھ سے کال کی تھی۔''

''فون بوتھ کس علاقے میں ہے......؟''

''اس کا جواب میں دے سکتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''جس علاقے میں بوتھ ہوگا، مخبر کا تعلق اس علاقے سے نہیں ہو سکتا۔اس نے اگر آکٹوپس کے بارے میں زبان کھولی ہے تو ہر طرح سے اپنے بچاؤ کی تدابیر بھی ضرور اختیار کی ہوں گی۔''

''یو۔آر۔رائٹ!'' آغا منظور نے اس کی تائید کی۔

''اس سلسلے میں کچھ شبہات کا اظہار میں بھی کروں گا۔'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے کہا۔''لاش سردخانے سے جو بھی وصول کرے گا ہم اس کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتے۔ اس لیے بہتر ہے کہ جو آدمی اس کام پر تعینات کیے گئے ہیں انہیں سردخانے سے ہٹا لیا جائے۔''

''میں سمجھا نہیں......'' آغا منظور نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔''کیا ہمارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں ہے کہ اس کی موت حادثاتی تھی یا......''

''اسے کسی دشمن نے گولی مار کر ہلاک کیا ہے......''

''وہاٹ......'' ڈی آئی جی چونکا۔''آپ یہ بات اس قدر یقین سے کیسے کہہ رہے ہیں؟''

''میں اپنے ذرائع سے اس کی تصدیق کرا چکا ہوں۔'' اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔''وہ میرے مشکوک افراد کی لسٹ پر تھا۔''

''آئی۔سی......'' سراج نے نظریں گھما کر ایس پی کو دیکھا۔''اگر وہ آپ کی لسٹ پر تھا تو آپ کے پاس اس کے بارے میں کچھ ضروری معلومات بھی ہوں گی؟''

''مخبر کا یہ اندازہ غلط نہیں ہے کہ وہ آکٹوپس کا خاص آدمی تھا۔اورنگ زیب نے جواب دیا۔''میرے جو آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے اس کا یہی بیان ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ محتاط رہنے کا عادی تھا۔کبھی اسے آکٹوپس کے دفتر کے آس پاس بھی نہیں دیکھا گیا۔البتہ ایک بار اتفاق سے میرے سادہ لباس والے نے اسے بلیک ٹائیگر کا کوڈ استعمال کر کے کسی سے بات کرتے سنا تھا۔''

''کیا اسے گولی مارنے کی اطلاع بھی آپ کو اسی......''

''جی نہیں......'' اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کا سوال کاٹ کر جواب دیا۔''گولی مارے جانے کی تصدیق مجھے بھی پولیس کے ذریعے ملی تھی۔

''او۔کے۔'' ڈی آئی جی نے مسکرا کر دوستانہ انداز میں کہا۔''مرنے والے کا کھوج لگانا بھی اب آپ کی ذمے داری ہے۔میں نے جو آدمی تعینات کیے تھے ان کو ہٹا دیتا ہوں۔''

''میں آپ سے ہر بات شیئر کرنے کو تیار ہوں سر.....لیکن یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ اگر کبھی میرا اور آکٹوپس کا آمنا سامنا ہوا تو میں کسی بھی مصلحت کے پیش نظر خود کو کنٹرول نہیں کروں گا۔''

''آکٹوپس .....'' ڈی آئی جی نے بہ دستور مسکراتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔''آپ نے اس کے لیے بے حد مناسب نام رکھا ہے۔''

میٹنگ کا اختتام بڑے دوستانہ ماحول میں ہوا۔ باہر آکر اورنگ زیب نے سراج سے پوچھا۔

''آپ کو اس میٹنگ کی اطلاع کیسے ہوئی؟''

''ڈی آئی جی نے فون کر کے بتایا تھا اور شریک ہونے کو بھی ان ہی نے کہا تھا۔''

''کیا رائے ہے اب آپ کی میٹنگ کے بعد.....؟''

''میرا خیال ہے کسی انتہائی ٹاپ سیکریٹ بات کے علاوہ اگر ہم مل کر کام کریں تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے.....''

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔'' اورنگ زیب نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔''آج رات کو آپ کا کوئی خاص پروگرام تو نہیں ہے؟''

''جی نہیں.....''

''پھر آپ آج میرے ساتھ ڈنر کریں، کچھ ضروری باتیں اور بھی ہیں جو میں آپ سے ڈسکس کرنا چاہوں گا۔''

سراج نے پروگرام طے کیا پھر دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کسی ممکنہ تعاقب کا شبہ دور کرنے کے بعد حسب وعدہ میڈم روبی کو کال کیا۔

''شکر ہے کہ آپ کو جلدی اپنا وعدہ یاد آگیا۔'' دوسری جانب سے میڈم کی آواز ابھری۔ ''میں تو سمجھی تھی کہ شاید میٹنگ کے بعد آپ بھول ہی جائیں۔''

''اوہ.....'' سراج نے شوخی سے کہا۔''کیا الماس کے کہنے پر آپ نے اب میری نگرانی کی ذمے داری بھی مول لے لی ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ بس اتفاق ہی ہے کہ مجھے کسی ذریعے سے آپ کی مصروفیت کا علم ہو گیا۔''

''آپ مجھ سے کچھ اہم باتیں کرنے کو کہہ رہی تھیں۔'' سراج نے اسے سنجیدگی سے یاد دلایا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ شاید جگا کے نام سے ضرور واقف ہوں گے۔''

''جی ہاں..... بہ ظاہر وہ ایک دو کاروبار چلا رہا ہے لیکن یہ بات ہمارے ریکارڈ پر ہے کہ در پردہ ایک باقاعدہ گینگ کا لیڈر بھی ہے۔'' سراج نے جگا کے نام پر چونکتے ہوئے جواب دیا۔''ایک بار سزا بھی کاٹ چکا ہے۔''

''اور شاید اسی سزا کی مہربانی نے اسے مجرم بنا دیا۔''

''میں سمجھا نہیں.....''

''ہمارے جیل کا ماحول کس قدر صاف ستھرا ہے یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔ ایک بار کوئی شریف آدمی بھی دس پندرہ روز کے لیے وہاں کی یاترا کرلے تو وہ بھی پورا پنڈت ہو جاتا ہے۔''

''آپ جگا کو کس طرح جانتی ہیں؟'' سراج نے سنبھل کر سوال کیا۔

''زیادہ نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ پہلی بار اس نے جو سزا کاٹی تھی وہ آپ کے قانون کی مہربانی تھی۔'' میڈم روبی نے اس بار بھی تنقیدی انداز اختیار کیا۔''زندہ رہنے کے لیے جب کوئی راستہ نہ رہے تو پھر انسان جہانگیر بٹ کے بجائے جگا ہی کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔''

''آپ مجھے اس وقت کیا باور کرانا چاہتی ہیں؟'' سراج نے کسمسا کر سوال کیا۔''خاص طور پر آپ نے اس وقت جگا ہی کا موضوع کیوں چھیڑ دیا؟''

''اس لیے کہ اب وہ خطرناک مگرمچھ کی آنکھوں میں بھی بری طرح کھٹک رہا ہے۔ کس کانٹے کی طرح، جسے زیادہ چبھنے پر بے دردی سے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔'' میڈم نے بڑے زہریلے لہجے میں کہا۔''آپ کا قانون بھی شاید اس کی لاش کو سکون کی سانس لے کر دفن کر دے گا۔''

''کیا آپ اپنی ان معلومات کا ذریعہ بتانا پسند کریں گی؟'' اس بار سراج نے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ مگرمچھ سے میرے مراسم کس قسم کے ہیں؟''

''اسی لئے تو دریافت کر رہا ہوں کہ آپ کو اندر کی باتیں کس طرح معلوم ہو گئیں......؟''

''جو لاش سرد خانے میں رکھوائی گئی ہے اس کی خبر تو غالباً آپ کو بھی مل چکی ہو گی۔ اس لیے اب یہ بات اندر کی نہیں رہی۔'' میڈم نے بدستور شیخ حامد سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔''فی الحال میں آپ کو اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ مرنے والا خطرناک مگرمچھ کا بہت قیمتی آدمی تھا اور مرنے سے دو روز قبل وہ جگا کے خفیہ ٹھکانے پر دیکھا گیا تھا۔''

''آئی۔سی۔'' سراج چونکا۔''کیا اسپورٹس کار والے کی موت میں جگا کا ہاتھ تھا یا...... ایسا سمجھا جا رہا ہے؟''

''جگا کے فرشتوں کو بھی اس کا علم بعد میں ہوا ہے کہ مرنے والا کون تھا اور مگرمچھ کے لیے اس کی کیا اہمیت تھی لیکن بہر حال اب اسی کو قابل عتاب سمجھا جا رہا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اب جگا کو بھی محض شبہے کی بنا پر ٹھکانے لگا دیا جائے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں لیکن آپ کو ان تمام باتوں کا علم کس طرح ہوا؟''

''سوری مسٹر سراج...... میں اس وقت آپ کو جو کچھ بتا رہی ہوں اس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کر سکتی، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ اگر قانون کسی طرح جگا کو اس نازک موقع پر تحفظ فراہم کر دے تو وہ کسی فرعون کے حق میں موسیٰ ہی ثابت ہو گا۔''

''ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو لیکن میرے لیے یہ تقریباً ناممکن ہی ہے۔'' سراج نے صاف گوئی سے جواب دیا۔''اگر کوئی ٹھوس ثبوت ہو تو بھی شاید اوپر والے مگرمچھ کے مقابلے میں

پولیس کی اس انوکھی درخواست کو قبول نہیں کریں گے۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے کھرا جواب دیا۔ میں نے آپ کی بات کا برا نہیں مانا' میرا ذاتی اندازہ بھی یہی تھا کہ یہ کام مشکل ہوگا' لیکن خدا اگر چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"وہ بھی اس لیے کہ وہاں کسی مگر مچھ یا ایک چیونٹی کے درمیان بھی کوئی مروت نہیں ہوگی۔ جو کچھ نامہ اعمال میں لکھا ہوگا اسی کے مطابق انصاف بھی ہوگا۔"

"ایک اطلاع اور بھی آپ کو فراہم کر رہی ہوں۔" میڈم روبی نے سنجیدگی برقرار رکھی۔ "افضل خان' تین چار دن انڈر گراؤنڈ رہنے کے بعد ستاران میں قیام پذیر ہوگیا ہے۔"

"یہ اطلاع میرے لئے اہم ہے لیکن ......"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ پھر میری سرگرمیوں کے بارے میں کوئی سوال کریں گے۔" میڈم نے بات درمیان سے اچک کر کہا۔

"کیا مجھے اس کا حق نہیں ہے؟" سراج نے اپنائیت کا اظہار کیا۔

"الماس کے رشتے سے اب آپ کو پہلے سے زیادہ حق حاصل ہے' مگر فی الحال آپ میری فکر نہ کریں۔ ہوسکتا ہے میں ایک دو روز میں آپ کو پھر فون کر کے کچھ نئی معلومات بھی فراہم کر دوں۔"

"جو اہم آدمی بھی سرد خانے میں آرام کر رہا ہے کہیں اس میں ......"

"میرا ہاتھ براہ راست شامل نہیں ہے۔" میڈم نے اس بار بھی معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ پھر ساتھ ہی رابطہ بھی ختم کر دیا۔

سراج کا ذہن میڈم کی گفتگو کی روشنی میں قیاس آرائیوں کے سوا اور کچھ نہ کر سکا' لیکن جگا والی کہانی سن کر وہ بڑی سنجیدگی سے اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ میڈم جس راستے پر تیزی سے قدم اٹھا رہی ہے وہ اس کے لیے ایک عورت ہونے کے سبب بے حد خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ آفس پہنچنے تک وہ ان ہی خیالات میں الجھا رہا پھر...... دفتر میں قدم رکھتے ہی اسے ایک نئی فکر لاحق ہوگئی۔ وہ لیاقت حسین کو دفتر میں چھوڑ کر گیا تھا' لیکن واپسی میں لیاقت حسین اسے دفتر میں نہیں ملا۔ اس نے سپاہی سے دریافت کیا تو اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"دس منٹ پہلے تک وہ آفس ہی میں تھا سر...... پھر کسی ضروری کام کا کہہ کر چلا گیا' ہوسکتا ہے کوئی خاص حاجت کی وجہ سے کہیں قریب گیا ہو۔"

"ہاں' ہوسکتا ہے۔" سراج نے اپنے ڈیوٹی کانسٹیبل کا مطلب سمجھ کر اطمینان کا سانس لیا' مگر لیاقت حسین ایک گھنٹے بعد بھی واپس نہیں لوٹا تو اس کی تشویش میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا۔

❖❖❖

جگا کو جیل میں سزا کاٹنے کے بعد جو تجربہ ہوا تھا اس نے اسے وقت سے پہلے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ جیل سے باہر آنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ جو حالات پہلے تھے' اب نہیں رہے' جو اب تھے وہ آئندہ نہیں رہیں گے۔ اسے ہفتے میں تین دن باقاعدہ تھانے میں حاضری لگانی پڑتی' پولیس

آفیسروں کی بلاوجہ جھڑکیاں سنی پڑتیں۔ دو فیتوں والوں کے علاوہ تمام کانسٹیبل بھی اسے ایسی نظروں سے دیکھتے جیسے وہ انسان نہیں کوئی پالتو جانور تھا جس کو اپنے نہیں صرف دوسروں کے اشاروں پر چلنا پڑتا ہے۔ اس کی اپنی مرضی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

جگا ان حالات میں بھی بہت دنوں تک پرانی ڈگر پر چلنے کی کوشش میں بھٹکتا رہا' لیکن جب فاقوں کی نوبت آ گئی تو اس کے ذہن میں پولیس کے ایک ہیڈ کانسٹیبل کی بات گونجنے لگی۔ جیل جانے سے پیشتر بھی وہ اس سے واقف تھا۔ جیل سے واپس آنے کے بعد بھی اس نے ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد اسی سے رابطہ کیا۔ اس کا نام امداد علی تھا۔ بظاہر وہ بھی متوسط طبقے کا ایک آدمی لگتا تھا لیکن جگا جانتا تھا کہ اس کا اصل کیا تھا۔ اس نے ملنے جلنے والوں پر اپنی حیثیت قائم رکھنے کی خاطر شرافت اور ایمانداری کا جو خول چڑھا رکھا تھا وہ اصلی نہیں تھا۔

اس کی مالی حالت ان لوگوں سے بھی زیادہ بہتر تھی جو پوش علاقے کے بنگلوں میں رہتے تھے۔ بڑی بڑی گاڑیوں میں گھومتے تھے۔ امداد علی ان لوگوں سے کہیں زیادہ دولت مند تھا۔ اس نے فرضی نام سے کئی کاروبار کر رکھے تھے جہاں بظاہر اس سے کم حیثیت کے لوگ بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازمت کرتے تھے۔ اس نے کئی ناموں سے مختلف اپارٹمنٹس اور پلازہ میں دو' تین اور چار کمروں کے لگژری فلیٹس خرید رکھے تھے جن سے ہر ماہ ایک خطیر رقم بطور کرایہ وصول ہوتی تھی۔ اس کی پشت پر اس کا ایک پڑھا لکھا عزیز دار جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا تمام سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ امداد علی نے اسے ایسے داؤ پیچ سکھا دیئے تھے جن کی وجہ سے کوئی اس پر شبہ نہیں کرتا تھا۔

امداد علی کی اصل حیثیت کا علم بھی کچھ لوگوں کو تھا جن میں ایک جگا بھی تھا جو جیل جانے سے قبل اس کے پڑوس میں رہتا تھا۔ امداد علی سے اس کی دوستی پرانی تھی۔ جیل سے رہائی ملنے کے بعد امداد علی نے اسے دبی زبان میں سمجھایا بھی تھا۔

''دیکھ جہانگیرے' تیرے اوپر حوالاتی ہونے کا ٹھپہ لگ گیا ہے جو دھوبی کا کپڑوں پر لگایا ہوا وہ سیاہ نشان ہے جو پچاس دھلائیوں کے بعد بھی جوں کا توں رہتا ہے۔ لباس پھٹ کر چیتھڑا ہو جاتا ہے لیکن وہ نشان نہیں مٹتا۔ اب تیری اس شرافت کو بھی ایسا ہی داغ لگ گیا ہے اور وہ وقت کے ساتھ کم ہونے کے بجائے اور چوکھا ہوتا جائے گا۔ اس لئے میری مان تو شرافت کا لبادہ اتار پھینک۔ تیرے پیچھے اب کوئی رونے دھونے والا بھی نہیں رہا۔ ایک ندی' تالاب یا دریا کا پانی ختم ہو جائے تو پنچھی اڑان بھرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تو بھی انہی سے سبق حاصل کر۔ جیل یاترا کر آیا تو اب پرانا لباس بھی اتار پھینک' میری طرح ساہوکار بن کر رام رام جپنا شروع کر دے۔ میں تیرا پرانا لنگوٹیا ہوں' جو مدد ہو سکی اس سے منہ بھی نہیں پھیروں گا جب چاہے آزما کر دیکھ لینا۔''

جگا کو اس کی دہری شخصیت کی اصل حقیقت معلوم تھی۔ وہ ان راستوں پر چلنے پر آمادہ نہیں ہوا اور محلہ ہی چھوڑ کر ایک دوسری بستی میں آباد ہو گیا۔ مہینوں بھٹکتا رہا' سیدھی اور سچی راہ کی تلاش میں۔ کئی بار اس نے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں بھی کیں۔ ایمانداری سے کام کیا تو اس کی قدر بھی کی گئی لیکن

جب بھی اس کے مالکوں کسی ذریعے سے اس کے جیل جانے اور سزا کاٹنے کی اطلاع ملتی وہ اسے نفرت سے دھتکار کر برطرف کر دیتے۔ بار بار کے تجربوں کے بعد جب فاقوں کی قوت بھی جواب دینے لگی تو وہ تھک ہار کرتن بہ تقدیر دوبارہ امدادعلی کے پاس آ گیا۔ امدادعلی نے اس کی حالت کسی تجربے کار جوہری کی طرح پرکھی تو مسکرا کر بولا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا جہانگیرے کہ جو ٹھپا لگ چکا ہے وہ چھپائے نہیں چھپے گا۔ پر تو نے میرا کہا نہیں مانا۔ اب تو نے کیا ٹھانی ہے؟''

''میں تھک ہار کر تیرے پاس آ گیا ہوں۔'' اس نے دل پر جبر کر کے کہا۔ ''ایک ناکردہ گناہ کی سزا اتنی کٹھن ہو گی' میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔''

''تجربہ انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے میرے یار...... اس دنیا میں جینے کی خاطر انسان کو بار بار چولے بدلنے پڑتے ہیں۔'' امدادعلی نے کہا۔ ''کتے کی مثال لے لے سب سے وفادار جانور ہوتا ہے۔ وقت پڑے تو مالک کی زندگی بچانے کی خاطر اپنا آپ داؤ پر لگا دیتا ہے لیکن پھر بھی مالک کے ساتھ ایک دسترخوان پر نہیں بیٹھ سکتا...... گلی میں رفع حاجت کے لیے نکلے تو بچے بھی اسے پتھر مارنے سے نہیں چوکتے......''

''تیری باتیں دل کو لگتی ہیں لیکن......''

''چل پھر رہنے دے......'' امدادعلی نے دوستی نبھانے کی خاطر کہا۔ ''میں کل بھی تیرا لنگوٹیا تھا...... آج بھی ہوں' تو ایسا کر ہر مہینے کی پانچ تاریخ کو آ کر مجھ سے پانچ ہزار لے جایا کر...... اتنی رقم میں بری بھلی ہی سہی لیکن تیری شرافت سے گزر بسر ہو جائے گی۔''

''یہ تو کیا کہہ رہا ہے امدادعلی؟'' جگا نے اسے حیرت سے گھورا۔ ''تو اگر میرا لنگوٹیا ہونے کی بات کرتا ہے تو یہ بھی جانتا ہو گا کہ جہانگیر نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔''

''دوسرا طریقہ بھی تجھ سے اختیار نہیں ہو سکے گا۔'' امدادعلی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''اس میں محنت کی ضرور ملے گی لیکن اس حلئے میں نہیں ...... تجھے روز روز اپنا بھیس بھی بدلنا پڑے گا۔''

''کیا کسی تھیٹر کمپنی میں کام دلوائے گا؟''

''تو اب کہاں کھڑا ہے......؟'' جواب میں امدادعلی نے اسے معنی خیز انداز میں گھورا۔ ''یہ دنیا بھی ایک تھیٹر ہی ہے جہانگیرے' لوگ یہاں بھی آئے دن کروٹیں لیتے ہیں۔ موسم کے ساتھ ساتھ رنگ ڈھنگ بھی بدلتے ہیں۔ سیدھے' سچے اور کھرے راستے پر بھی جب اوپر والا کسی کو سخت امتحان میں ڈالتا ہے تو وہ بھی سٹپٹا کر چوکھا راستہ بدل کر بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں' جمعہ کی نماز بھی گنڈے دار پڑھتا ہوں' ایک بار پیش امام صاحب فرما رہے تھے کہ انسان کو جنت بھی آسانی سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے نہیں مل جائے گی۔ بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے' سخت امتحانوں سے گزرنا ہو گا۔ پھر پرمٹ ملنے کی کچھ امید ہو گی۔ چھوٹے بڑے سب اس

بات سے بھی واقف ہیں کہ یہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ چند روز کے کھیل تماشے ہیں۔ اصلی اور پکی زندگی اوپر ہی کی ہوگی لیکن ...... کتنے لوگ اسے سمجھتے ہیں' سمجھ بھی لیں تو امتحان سے گھبرا کر ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ پیر پیغمبروں کی بات اور ہے جو کھجور کی ایک گٹھلی چار چار دن چوس کر گزارہ کر لیتے تھے۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر ہر امتحان سے گزر جاتے تھے لیکن اب ...... ایسے اجلے لوگ آٹے میں نمک برابر ہو کر رہ گئے ہیں۔ کل کے بارے میں ان کی بھس بھری کھوپڑی کام نہیں کرتی۔ آج دو اور دو چار کس طرح کرنا ہے؟ اس کا غم سب کو اندر ہی اندر میٹھے آم کی گٹھلی کی طرح گھلاتا رہتا ہے۔ میں تجھ سے زور زبردستی نہیں کر رہا۔ حساب کتاب والے دن سب کو اپنی اپنی بھیڑنی پڑے گی۔ میں نے دوست سمجھ کر تجھے اچھی بری دونوں سمجھا دیں' آگے جو تیری مرضی۔ چھین جھپٹ کر اپنا حق مانگ یا پھر فقیروں کی طرح زندگی گزار دے۔"

جگا کئی روز تک کھوٹے اور کھرے کی فکر میں گھلتا رہا پھر ایک روز تھانے کی حاضری کے وقت ایک پھول والے نے ذرا سی بات پر اس کو ماں بہن کی گندی گالیوں سے نوازا تو وہ برداشت نہ کر سکا۔ اسی روز وہ جلد بازی پر عمل کرتے ہوئے جہانگیر بٹ سے جگا بن گیا۔ امداد علی نے اسے زندہ رہنے کے نئے نئے گر بتائے تو اس نے قانون کے ستائے ہوئے لوگوں کا ایک گروہ بھی بنا لیا۔ امداد علی نے اس کی مالی مدد کر کے ایک دو بزنس بھی کرا دیئے۔ اسی نے کہا تھا۔

"جہانگیرے' میری ایک بات دھیان سے سن اور گانٹھ لگا لے۔ یہ جو بڑے بڑے راجپوت اور مغل بادشاہ گزرے ہیں' جن کی کہانیاں میرے تیرے بچے کتابوں میں پڑھتے ہیں' یہ سب سیاہ و سفید کے مالک ہوتے تھے۔ کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا' لیکن ان کے محلوں کے اندر بھی چور راستے ضرور ہوتے تھے جو اپنے لوگوں کی بغاوت یا کسی طاقت ور بادشاہ کے حملے کے آڑے وقت دم دبا کر ان ہی چور راستوں سے بھاگنے میں کام آتے تھے ...... آج کے دور میں بھی ہر بدمعاش کسی نہ کسی بزنس کی آڑ لیتا ہے۔ یہ بڑے گر کی باتیں ہیں میرے یار ...... پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں لیکن ہمارے تمہارے دھندے میں بھی چور راستے ضروری ہوتے ہیں جو برے وقت میں کام آتے ہیں۔ بزنس کی آڑ میں سارے دھندے چھپر ہو جاتے ہیں کیا سمجھا؟"

جہانگیر بٹ نے جگا بننے سے پہلے امداد علی کی ایک ایک بات کو گرہ سے باندھ لیا۔ بزنس کی آڑ میں وہ اپنی سفید پوشی بھی قائم کیے ہوئے تھا۔ کل تک جو پولیس کے اہلکار اسے دیکھ کر اس کی ماں بہن کو کھنگالنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے' رفتہ رفتہ اسے سلام کرنے لگے۔ جگا نے گینگ لیڈر بننے کے بعد ہر ایک کے وظیفے باندھ دیے تو وہ بھی اس کے آگے پیچھے دم ہلانے لگے۔

امداد علی کے چور راستے والی بات نے اسے اپنی پرچھائیں سے بھی چوکس رہنا سکھا دیا تھا۔ اس نے ایک اصول بنا رکھا تھا۔ دو تین راتوں سے زیادہ ایک ٹھکانے پر بسر نہیں کرتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے انہیں بدلتا رہتا تھا۔ شراب اس کے پیشے کی کمزوری تھی لیکن بازاری عورتوں کے سلسلے میں اس نے لنگوٹ کو کبھی ڈھیلا نہیں ہونے دیا۔ بزنس میں ترقی کرنے کے بعد اس نے امداد علی

کی پائی پائی مع سود بیاج کے ادا کر دی۔ ہفتہ پندرہ دن میں دونوں کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ پولیس کے کسی اقدام کی خبریں اسے امداد علی کے ذریعے بھی ملتی رہتی تھیں۔ اس روز بھی جب سپورٹس کار میں بلیک ٹائیگر زندگی کی بازی ہار گیا تھا تو امداد علی ہی نے اسے فون کیا تھا۔

''جگا...... تجھے خبر ہے کہ مرنے والا کون تھا؟''

''شیخ حامد کا کوئی خاص بندہ تھا۔''

''خاص نہیں ...... خاص الخالص۔'' امداد علی نے اسے باور کرایا۔ ''وہ اس وڈے پھنے خان کا دست راست تھا۔ نمبر ون' اس کی موت پر پھنے خان کی بیٹھک میں کیڑے کلبلا رہے ہیں۔ اس کے دوسرے زرخرید شکاری کتے بھی ہر طرف دشمن کی بو سونگھتے رہے ہیں۔ سرکاری محکمے بھی گھات لگائے نمک حلال کرنے کی کوشش میں لگے ہیں۔''

''کیا تمہیں پتا ہے کہ اسے کس نے شکار کیا......؟''

''نہیں ...... لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ مرنے سے پیشتر کن کن لوگوں سے ملا تھا۔ پھنے خان نے حکم دیا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کو خاص طور پر چھان پھٹک کر دیکھا جائے۔ جس پر ذرا بھی شبہ ہو اسے دوسری دنیا کا ٹکٹ کٹا دیا جائے۔ میں تمہیں بھی محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا۔ دائیں بائیں نظر رکھنا۔ رب راکھا۔''

جگا نے موبائل بند کر دیا پھر اسے اچانک خیال آ گیا کہ وہ خاص الخاص آدمی مرنے سے دو روز پیشتر اس سے ملنے بھی آیا تھا۔ اس روز وہ دراز قد کا سیاہ فام افریقی بھی آیا تھا جو پھنے خان کے کسی مخالف گروہ کے لیے کام کر رہا تھا۔ ممکن ہے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیا ہو' ایسی صورت میں جگا کی شخصیت پر بھی بلاوجہ ''ملی بھگت'' کا شبہ کیا جا سکتا تھا۔ اس اچانک خیال کے بعد جگا نے فوری طور پر عملی طور پر روپوشی ضروری سمجھی۔ اس نے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو کسی جوابی کارروائی کے ممکنہ اندیشوں سے نمٹنے کے لیے ضروری تاکید بھی کر دی۔

دو روز سے وہ ہر بارہ گھنٹے بعد اپنے ٹھکانے بھی تبدیل کر رہا تھا۔ امداد علی کے ذریعے اسے ضروری معلومات بھی مل رہی تھیں۔ ذاتی طور پر بھی وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ شیخ حامد ایک معمولی سی چوٹ بھی لگنے پر آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اس کے گرگے اس کے اشارے پر خود اپنی کنپٹیوں پر بھی پستول رکھ کر گولی داغنے کے عادی تھے۔ ایک معمولی سا شبہ بھی اسے ممکنہ دشمن کو راستے سے ہٹا دینے کے لئے بہت ہوتا۔

اس وقت بھی جگا اپنے ایک محفوظ ٹھکانے پر تھا۔ رات اس نے اسی چھت کے نیچے بسر کی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ حسب معمول دوسرے ٹھکانے پر جانے کا پروگرام طے کر چکا تھا' وہ جس چھت کے نیچے رات بسر کرتا وہاں اس کے دوسرے جاں نثار ساتھی بھی آس پاس رہتے تھے' کسی کو جگا کے کمرے تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے اپنے کسی کارندے کو بھی اس تک کئی مرحلوں سے ہو کر گزرنے کے بعد رسائی کی اجازت ملتی تھی۔

امداد علی کے بعد اس کے اپنے آدمیوں نے بھی یہ بو سونگھ لی تھی کہ شیخ حامد کے گرگے اس کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ مقصد ایک ہی ہو سکتا تھا کہ جگا کو محض مرنے والے کا ممکنہ قاتل تصور کر کے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ خود جگا بھی کسی ایک ایسے لمحے کی تلاش میں تھا کہ اس خطرناک دشمن کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دے۔ شاید وہ رسک لینے سے بھی گریز نہ کرتا لیکن امداد علی نے اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ شیخ حامد کے سلسلے میں وہ کسی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے گریز ہی کرے۔ اس نے امداد علی کے اس مشورے کو بھی قبول کر لیا۔ گروہ کا سرغنہ ہونے کے باوجود وہ بات بات پر خون خرابہ کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہاتھ پاؤں بچا کر اپنی ساکھ برقرار رکھنے کا مشورہ بھی اسے امداد علی نے دیا تھا جس پر وہ روز اول سے کاربند تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اسے پہلی بار اپنی زندگی بچانے کی خاطر بلاوجہ حالات کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کا ناخوشگوار عمل اختیار کرنا پڑ رہا تھا۔

جگا کے ذاتی اصول دوسرے گروہ کے سرغناؤں سے مختلف تھے۔ وہ بدمعاشی میں بھی ایمانداری کا قائل تھا۔ دولت کے لالچ یا اپنی بات اونچی رکھنے کی خاطر اس نے کبھی کسی دوسرے چھوٹے بدمعاشوں کو تنگ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی جس کی وجہ سے اس کے اصولوں کو دوسرے گروہ کے بڑے بھی سراہتے تھے۔

اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا شیخ حامد کے بارے میں مختلف زاویوں سے غور کر رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ اچانک کھلا۔ اپنے کسی آدمی کے بجائے ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر اسے خطرے کا احساس ہوا' پلک جھپکتے میں اس نے نہایت پھرتی سے اپنا پستول اٹھا کر آنے والے پر تان لیا' جگا کی للکارتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔

''کون ہو تم؟''

آنے والے نے جگا کی گھن گرج کا نوٹس نہیں لیا' اطمینان سے کھڑا جگا کو دیکھتا رہا۔ اس کا وہ اطمینان بھی جگا کے لئے حیرت انگیز ہی تھا۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' جگا کے لہجے میں سفاکی گھلنے لگی۔ ''کیا زندگی سے تنگ آ چکے ہو؟''

''نووارد نے اس بار بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ جگا کو خوابیدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی' اس کی سپاٹ آواز کمرے میں گونجی۔ ''جتنی جلدی ممکن ہو میرے ساتھ نکل چلو' اسی میں تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔''

''تم نے شاید صرف جگا کا نام سنا ہے۔ اگر پوری طرح واقف ہوتے تو......''

''فضول باتیں کبھی اطمینان سے کر لینا۔'' نووارد طلسمی انداز میں جگا کو تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ اس کی پلکیں ایک بار بھی نہیں جھپکی تھیں۔ اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد وہ بڑے اطمینان سے آگے بڑھا' جگا کا ہاتھ تھامتے ہوئے بھی اس نے پستول پر کوئی توجہ نہیں دی جو جگا کے دائیں ہاتھ میں موجود تھا۔

جگا بلاوجہ خون خرابے کا عادی نہیں تھا' اس کے ایک اشارے پر اس کے جاں نثار نووارد کی تکا

بوٹی کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی نہ کرتے۔ نووارد کی جسارت جگا کے لئے ناقابل فہم تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ کامیاب نہ ہوسکا تو اس نے دوسرا ہاتھ استعمال کرتے ہوئے پستول نووارد کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ بڑے سفاک لہجے میں غرایا۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہے؟''

''میں بھی تم کو یہی بات باور کرانا چاہتا ہوں۔'' نووارد نے مشینی انداز میں جگا کے دوسرے ہاتھ پر ضرب لگائی تو پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی جگا کے لیے کسی ہارر فلم کے طلسماتی منظر سے زیادہ تعجب خیز تھا۔ نہ چاہنے کے باوجود نووارد اس کو اطمینان سے کمرے سے نکال کر باہر آیا تو دروازے پر موجود مسلح ساتھی نے جگا کو بڑی حیرت سے مخاطب کیا۔

✣✣✣

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

''اس وقت کہاں جا رہے ہو استاد۔ ابھی تو تم نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا؟''

''میرا ذکر زبان پر مت لانا۔'' نووارد نے سرسراتے لہجے میں تحکمانہ انداز اختیار کیا تو جگا کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ کسی ایسی طلسماتی سچویشن سے پہلے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ بدروحوں اور جن بھوتوں کے بارے میں اس نے صرف پراسرار کہانیاں سنی یا پڑھی تھیں لیکن اس وقت وہ سچ مچ کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے نووارد کو دیکھا جو اسے نظر آ رہا تھا' لیکن شاید دروازے پر موجود شخص اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ اسی شش و پنج کی کیفیت میں مبتلا تھا جس نووارد نے اسے بدستور سپاٹ آواز میں مخاطب کیا۔ ''اپنے ساتھی سے کہو کہ تم اس وقت کسی اہم کام سے تنہا کہیں جا رہے ہو۔ یہ تاکید بھی کر دو کہ تمہارے سارے آدمی بھی اس جگہ سے ایک گھنٹے کے اندر اندر جدھر سینگ سمائیں تو دو گیارہ ہو جائیں ورنہ وہ بھی لپیٹے میں آ جائیں گے۔''

جگا کا ذہن مفلوج ہو رہا تھا، اس کی چھٹی حس بھی کام نہیں کر رہی تھی۔ دماغ میں صرف ایک جملہ صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ ''جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرنے میں عجلت سے کام لو۔ ہوتا ہمیشہ وہی ہے جو اوپر والے کو منظور ہو۔'' جگا نے تن بہ تقدیر خود کو حالات کے حوالے کرنے کی ٹھان لی، وہ خائف نہیں تھا لیکن نادیدہ اور پراسرار قوتوں سے ٹکرانا بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ نووارد کے مشورے پر اس نے فوری طور پر ایک گھنٹے کے اندر وہ جگہ خالی کرنے کی تاکید کی پھر...... اپنے ساتھی کی تمام باز پرس کو ٹالتا ہوا نووارد کے ساتھ قدم ملاتا...... مکان سے باہر آ گیا۔

''استاد، اس وقت کہاں جا رہے ہو؟'' باہر موجود گارڈ نے بھی اسے تعجب سے دیکھا۔ ''ہم نے تمہارے ڈرائیور کو دو بجے گاڑی لانے کو بولا تھا، ابھی تو......''

''ایک ضروری اطلاع کے پیش نظر فوری جانا پڑ رہا ہے۔'' جگا نے گارڈ کو بھی ٹالتے ہوئے کہا۔ ''میں کوئی ٹیکسی پکڑ لوں گا۔''

عمارت سے نکل کر وہ سڑک پر آیا تو ایک خالی ٹیکسی بھی نظر آ گئی جس کے ڈرائیور نے نووارد کو دیکھا تو اطمینان کا سانس لیتا ہوا باہر آ گیا۔ ''مولا کا کرم ہے جو تم آ گئے۔'' ڈرائیور نے نووارد کو مخاطب کیا۔ ''میں سمجھا تھا کہ آج پھر کوئی چوٹ دے گیا۔ پہلے بھی ایک دو موقعے پر سواری سامنے کے دروازے سے گئی اور پچھلے راستے سے پھوٹ گئی۔ وہ ٹا پتارہ گیا۔''

جگا پر پھر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ نووارد جسے جگا کے آدمی بھی نہیں دیکھ سکے تھے، ٹیکسی

ارائیور کو کس طرح نظر آ گیا؟ کیا وہ بھی اسی قبیلے کا پراسرار فرد تھا؟

''فکر مت کرو۔'' نووارد نے مسکرا کر کہا پھر جگا کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں اجرت کے ساتھ انعام بھی ملے گا۔''

''آپ کو میرا بات برا لگا ہو تو معاف کر دینا صاحب۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھالتے ہوئے لجاجت سے کہا۔''جو مسافر گالی دے کر نکل جائے، میں اس کو بھی دل سے معاف کر دیتا ہوں۔''

ٹیکسی چل پڑی، جگا کا ذہن بہ دستور سنسناتا رہا، اس وقت وہ جن حالات سے دو چار تھا وہ طلسم ہوشربا کی کہانیوں سے زیادہ ناقابل فہم تھے۔اس کی نظریں بار بار نووارد کی طرف اٹھ رہی تھیں جو بڑا پرسکون نظر آ رہا تھا۔ جگا کے ذہن میں بے شمار سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے لیکن کوشش کے باوجود وہ نووارد سے ان سوالوں کے بارے میں کوئی استفسار نہیں کر سکا۔بیس منٹ بعد جگا کو حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا،نووارد نے ٹیکسی کو سروس روڈ کی دوسری جانب اس سڑک پر رکنے کو کہا جہاں سروس روڈ عبور کر کے وہ بنگلا تھا جہاں جگا کو دوپہر کے کھانے کے بعد آنا تھا۔نووارد نے ٹیکسی سے نیچے اتر کر ایک بڑا نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھا۔ کسی رقم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر جگا کا ہاتھ تھام کر سروس روڈ پر آ گیا، جگا کسی معمول کی طرح اس کے ساتھ قدم ملا کر بڑھتا رہا۔بنگلے سے کچھ دور رک کر نووارد نے جگا کو پھر خوابیدہ انداز میں مخاطب کیا۔

''جو کچھ تم نے دیکھا یا سنا اس کے بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔کھوج لگانے کی کوشش کی تو خود بھی اس طرح گم ہو جاؤ گے کہ اپنا سراغ بھی نہ پا سکو گے۔''

''کیا میں اپنے محسن کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟'' جگا نے ہمت کر کے سوال کیا۔اس سے زیادہ وہ کچھ پوچھنے کی ہمت بھی نہ کر سکا۔

''صرف ایک نام ذہن میں محفوظ کر لو جہانگیر بٹ۔''نووارد نے جگا کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر ٹھوس آواز میں کہا۔''ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج، اگر اس کی طرف سے کبھی کوئی حکم ملے تو انکار کرنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔میں کون ہوں؟ یہ بات بھول جاؤ۔میری ہدایت کا خیال رکھنا، جو کچھ ہو گیا اسے کبھی زبان پر نہ لانا ورنہ بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔''

جگا ڈی ایس پی سراج کا نام سن کر چونکا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ نووارد سے کچھ معلوم کرتا وہ کسی چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جگا کا ذہن چکرا کر رہ گیا۔وہ گینگ لیڈر تھا، موت سے آنکھیں ملا کر مسکرانے کا عادی تھا لیکن غیر مرئی اور جن بھوت کی قوتوں سے لڑنا کسی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔جگا کے ذہن میں نووارد کے لیے کسی مافوق الفطرت ہستی کا ابھرنے والا تصور بھی اتنا اذیت انگیز تھا کہ وہ سرسامی کیفیت کا شکار ہو گیا۔اس کے مساموں سے پسینے چھوٹنے لگے،جسم اس طرح کپکپانے لگا جیسے سردی لگ کر بخار آ رہا ہو۔ ذہن پر اچانک طاری ہونے والی خوف و دہشت کی علامتیں بتدریج بڑھنے لگیں۔اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا پورا وجود بخار کی شدت سے پھنکا

جارہا ہو۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے مہیب اندھیرے رقص کرنے لگے۔ قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ہو رہا تھا۔ اسی کیفیت میں لڑکھڑاتا ہوا وہ دس بار قدم آگے بڑھا تو اس کی ہمت جواب دینے لگی۔ اس کا مطلوبہ بنگلا نظروں کے سامنے تھا۔ گیٹ پر موجود گارڈ نے جگا کو دیکھا رائفل سنبھالتا ہوا جگا کی طرف لپکا لیکن جگا کی سرسامی کیفیتوں نے اس کا توازن بگاڑ دیا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ ڈگمگاتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا، نظروں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا اور اس کا ذہن دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

وہ کتنی دیر بے ہوشی کی کیفیت سے دو چار رہا، جگا کو یاد نہیں تھا۔ گزرے وقت کا ایک دھندلا سا احساس اسے اس وقت ہوا جب دوبارہ اس کے بوجھل پپوٹوں میں زندگی کی رمق پیدا ہوئی۔ اس کی نظریں گھڑی پر پڑیں، کامل پانچ گھنٹے بعد اس کی گھٹن کو ذرا سہارا ملا تھا پھر...... اس نے دوبارہ آنکھ بند کرنا چاہی تو ایک مانوس آواز نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے نظروں کا زاویہ بدل کر داہنی جانب دیکھا، اس کا خاص ماتحت اس کے سامنے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔

''تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا استاد......؟ تم ہمیں خبر کیے بغیر ادھر کب اور کس طرح آ گئے؟ کسی کو خبر بھی نہیں دی۔''

''میرے سب...... سب ساتھی تو...... خیریت سے ہیں؟'' جگا نے ڈوبتے ذہن کو جگانے کی خاطر رک رک کر سوال کیا۔

''خدا کا شکر ہے استاد، تمہارے کہنے پر اگر ہم نے عین وقت پر ٹھکانا خالی کرنے میں ذرا دیر کی ہوتی تو سب مارے جاتے۔''

''وہ...... وہ میں نہیں...... وہ...... وہ......'' جگا نے تھم تھم کر کچھ کہنا چاہا لیکن پر اسرار نووارد کے تنبیہی جملے کانوں میں گونجے تو اس نے جلدی سے آنکھیں موند کر خاموشی اختیار کر لی۔

+ + +

پوش علاقے کے اس نئے بلاک میں چار سو اور چھ سو گز کے پلاٹس کو دو حصوں میں منقسم کر کے جدید طرز کے بڑے خوبصورت اور دیدہ زیب ون یونٹ بنگلے تعمیر کیے گئے تھے، نچلے حصے میں کچن، ڈرائنگ، ڈائننگ کے علاوہ ایک بیڈروم اور مختصر سا لاؤنج بھی تھا۔ اوپر حصے میں دو کشادہ روم اور ایک اسٹڈی کے علاوہ خوبصورت ٹیرس بھی نکالا گیا تھا جہاں شام کے وقت کھلی فضا میں بیٹھ کر بیرونی ماحول سے لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا، بارش کے دنوں میں بھی یہ ٹیرس اپنے مکینوں کے لیے دل بستگی کا موقع فراہم کرتا تھا۔ اسی علاقے میں لب سڑک سے ایک بلاک چھوڑ کر وہ شاندار بنگلا بھی تھا جس میں کنول اور اس کی ماں ایک روز قبل شفٹ ہوئے تھے۔ کنول اس نئی رہائش گاہ میں آنے کے بعد بہت خوش تھی جسے اسی کے نام خریدا گیا تھا۔ اسے وہاں کوئی اہتمام نہیں کرنا پڑا۔ ضرورت کی ہر شے وہاں پہلے سے موجود تھی، خوب صورت فرنیچر سے آراستہ بیڈروم اور کچن کے علاوہ بیرونی حصے میں ایک مختصر سا لان بھی تھا جو ڈرائنگ روم کے پردے ہٹانے کے بعد نظر آ سکتا تھا۔ ٹیرس پر بیٹھنے کے

لیے بھی اعلیٰ اور قیمتی ایزی چیئرز موجود تھیں، آسائش و آرام کا ہر وہ سامان جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا وہاں پہلے سے موجود تھا۔ گیٹ پر باوردی گارڈ بھی تعینات تھا، ایک نئی کار بھی موجود تھی۔

کنول کسی شوخ تتلی کی طرح پورے گھر کے ایک ایک گوشے میں اڑتی پھر رہی تھی، کبھی وہ بیڈروم کی سجاوٹ کو دیکھتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے جاگتے میں کوئی حسین خواب دیکھ رہی ہے۔ ٹیرس پر جاتی تو ساحل سمندر کی سمت سے چلنے والی، بھیگی ہواؤں کی مہک اس کے ذہن میں نئی تازگی پیدا کر دیتی، جدید سامان سے لیس کچن میں جاتی تو ایسا لگتا جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ مختصر لان پر جاتی تو مہکتے پھولوں کی خوشبو اس کا استقبال کرتی، بیرونی دروازے پر آکر وہ ڈیوٹی گارڈ کو چوری چوری دیکھتی تو اسے احساس ہوتا کہ وہ تحفظ اسے مل گیا ہے جس کے نہ ہونے سے اس کے باپ کو بھرے بازار میں بیدردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ پارکنگ میں موجود گہرے میرون کلر کی گاڑی دیکھتی تو اسے اپنے اچانک کے الٹ پھیر میں جیسے اس کا کایا ہی پلٹ کر رہ گئی تھی۔

ایک گھنٹے سے وہ اپنے نئے آشیانے کے ایک ایک حصے میں چکراتی پھر رہی تھی۔ جب تھک ہار کر ڈرائنگ روم میں آکر ذرا ستانے کے لیے بیٹھی تو اس کی نظر اپنی ماں پر پڑی جو قریب ہی کھلے شیشے کے دوسری جانب بنے لان کے ایک پودے کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے میں معروف تھی۔ وقت نے اس کے چہرے کو ضرور کملا دیا تھا لیکن اس کے......نقوش اب بھی اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ حسن کی وہ متحرک مورت کبھی بے حد حسین اور پرکشش بھی رہی ہوگی۔ کنول ماں کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر چونکی، ایک لمحے تک دور بیٹھی اس کی نظروں کا تعاقب کرتی رہی پھر اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ ماں نے اس کی طرف توجہ دی تو وہ اس کی گود میں سر رکھ کر بڑے لاڈ سے صوفے پر دراز ہوگئی، ماں کی نظروں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے ماں۔ کیا تمہیں اپنا یہ چھوٹا سا پرسکون نشیمن پسند نہیں آیا؟''

''بجلیاں زیادہ تر کسی کے نشیمن پر ہی گرتی ہیں۔'' وہ روانی میں کہہ گئی پھر کنول کی دلجوئی کی خاطر بات بدل کر بولی۔''تمہاری خوشی میں میری خوشی بھی ہے لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جو آج بھی مجھے پریشان کر دیتی ہیں۔ عورت کے سر پر کوئی مضبوط سائبان نہ ہو تو......''

''پلیز ماں......'' کنول نے مچل کر کہا۔''میں نے تمہیں تحفظ دینے کی خاطر سب کچھ کیا ہے۔''

ماں نے کنول کی وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ زبان سے کچھ نہیں کہا۔

''یہاں کی ہر چیز بلاشرکت غیرے صرف اور صرف میرے نام ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

''وقت بڑا ظالم ہوتا ہے کنول۔ حالات جب طوفان کا روپ اختیار کرتے ہیں تو عورت کی کمزوری اس کے منہ زور تھپڑوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تمہیں کس بات کا خوف ہے......؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اپنے اس ماضی کا جو ایک مرد کے چلے جانے سے خس و خاشاک کی طرح تباہ ہوگیا تھا۔''

''ان ہی حالات کو دوبارہ سنوارنے اور بنانے کی خاطر میں نے بھی حالات سے مجبوراً سمجھوتا

کیا ہے۔"

"کنول ....." ماں نے اسے تجربے کار نظروں سے دیکھا۔"یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے؟"

"تم نے بھی اسے صرف میری خاطر منظور کیا ہوگا؟"

اس نے ماں کو دیکھتے ہوئے عجیب لہجے میں جواب دیا۔"مجھے بھی اپنی ملازمت عزیز تھی، دولت اور مرد کے آگے کوئی کمزور عورت اکیلے کچھ نہیں کرسکتی۔ میں خوشی سے ہاں نہ کرتی تو حالات میری نظریں جھکا دیتے۔ بہت سے خطروں کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد ہی میں نے فیصلہ کیا تھا۔" وہ نظریں جھکا کر روانی میں بولتی رہی۔"فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت مجھے بغیر قیمت کے روند دیا جاتا۔ میری زندگی پر بدچلنی اور آوارہ ہونے کا ٹھپا لگ جاتا۔ اب ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو گواہوں کی موجودگی میں جو کچھ ہوگا اس پر قانون یا مذہب کے ٹھیکے دار انگلیاں نہیں اٹھاسکیں گے۔ حالات سازگار نہ رہے تو تمہاری طرح مجھے بھی صرف بیوگی کا روگ لگ جائے گا۔"

"کنول....." ماں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔"یہ....... یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟"

"وہی جو سچ ہے۔" اس نے نظریں اٹھا کر ماں کے چہرے پر مچلتے تفکرات کو دیکھا پھر زبردستی مسکرا کر بولی۔

"عمروں کے فرق سے کچھ نہیں ہوتا ماں۔ عزت کا بھرم قائم رہے یہی سب سے بڑی بات ہے۔"

"تو چاہے تو اب بھی انکار کرسکتی ہے۔" ماں نے اس کی باتوں کی گہرائی سمجھتے ہوئے بھی اس کی دل جوئی کی خاطر ٹھوس لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔"ہم جس طرح بھی ہوا بری بھلی گزار لیں گے۔ پہلے بھی حالات کی گردش برداشت کررہے تھے۔ اب بھی کسی نہ کسی طور زندگی گزر جائے گی لیکن تیری خوشیاں مجھے زیادہ عزیز ہیں۔"

"اسی طرح تمہارا سایہ بھی میرے لیے سب سے بڑی نعمت ہے، میں اس نعمت سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔"

"کیا مطلب......؟" ماں نے کنول کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"جان بوجھ کر انجان نہ بنو ماں......" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ دل پر جبر کرکے جواب دیا۔"کل کسی نے میری خاطر مجھے باپ کے سائے سے محروم کردیا تھا۔ اب بھی کوئی میری خاطر مجھے تمہارے سائے سے محروم کردے گا۔ تاریخ بھی اسی طرح اپنے آپ کو دہراتی رہی ہے۔"

"میں سمجھی نہیں...... کیا میری بیوگی کے پیچھے بھی......"

"پلیز ماں......" اس نے تڑپ کر ماں کو ملتجی نظروں سے دیکھا۔"اپنی زبان پر قابو رکھو...... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، جو کچھ بیت گیا، جو کچھ ہورہا ہے دیکھتی جاؤ اور ماں کی زبان سے بیٹی کے حق میں نیک دعائیں کرتی رہو۔ اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔"

ماں جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی جب باہر کنول نے اپنے گیٹ پر ایک سیاہ رنگ کی بڑی گاڑی کو رکتے دیکھا، گاڑی کو دیکھ کر دروازے پر تعینات گارڈ بھی اٹینشن پوزیشن میں آ گئی۔ کنول کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، اس نے ماں کو اشارہ کیا تو وہ لپک کر نیچے والے کمرے میں چلی گئی۔ کنول نے دوبارہ گیٹ کی سمت دیکھا، شیخ حامد کو گاڑی سے اتر کر اندر آتا دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنی بھیگی پلکیں خشک کر کے ایک دل آویز تبسم اپنے گداز ہونٹوں پر سجا لیا۔ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ڈرائنگ سے نکل کر شیخ حامد کے استقبال کی خاطر مرکزی دروازے پر آ گئی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے مسکراتی نظروں سے اس کا استقبال کیا۔

''تمہیں یہ چھوٹا سا گھر پسند آیا......؟'' شیخ حامد نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''یہ میری توقع سے کہیں زیادہ حسین اور دلفریب ہے۔'' اس نے دل پر جبر کر کے جھوٹ بولا۔

''ہوگا لیکن تم میرے لیے اس سے زیادہ حسین ہو۔'' اس نے کنول کو کمر میں ہاتھ ڈال کر خود سے قریب کر لیا پھر ذرا تکلف سے دبی زبان میں سوال کیا۔

''تمہاری ماں کہاں ہیں......؟''

''ادھر ہی تھیں۔ آپ کے آنے کی وجہ سے کمرے میں چلی گئیں۔''

شیخ حامد نے جواب کنول کا ہاتھ تھام کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کا رخ کیا، وہ اس کے ساتھ قدم ملا کر سیڑھیاں طے کرتی ہوئی بلندی کی طرف جانے لگی۔ اوپر ایک بیڈروم میں پہنچ کر شیخ حامد نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ کنول کی گہری جھیل نما خوبصورت آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر اس کے ہونٹوں کا طویل بوسہ لیتے ہوئے بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ کنول اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ وہ شیخ حامد کو بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جب شیخ حامد نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

''ہمارے درمیان یہ عارضی دوری آج رات ختم ہو جائے گی لیکن ...... میری بات یاد رکھنا، باقاعدہ نکاح کے بعد بھی تمہیں اور تمہاری ماں کو زبان بند رکھنی پڑے گی، جب تک میں اجازت نہ دوں۔''

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔'' کنول نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''نکاح سے پیشتر میں تم سے پھر کھل کر ایک سوال کرنے آیا ہوں۔ تم اس شادی پر خوش تو ہو؟''

''خوش نہ ہوتی تو اس وقت اس چھت کے نیچے نہ ہوتی۔''

''تمہاری ماں نے کسی مجبوری کا سودا تو نہیں کیا؟''

''آپ کا کیا خیال ہے؟'' اس نے بات ٹالنے کی خاطر شیخ حامد کو بغور نظروں سے دیکھا۔

''میں...... میں تمہاری ساتھ کسی مجبوری کا سودا نہیں کرنا چاہتا۔'' جواب کھرے اور بے باک انداز میں دیا گیا۔ ''تم میری حیثیت اور شاید میری طاقت سے بے خبر بھی نہ ہو گی۔ اگر مجھے محض وقت

گزارنا ہوتا تو شاید اس وقت تم مجھ سے نظریں ملا کر بات نہ کر رہی ہوتیں۔"

"آپ ...... آپ اب بھی ایسی ہی پوزیشن میں ہیں۔" کنول نے ہونٹ چباتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا پھر نظریں جھکالیں۔

"تم نے اپنی ماں کے سلسلے میں میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"انہوں نے سب کچھ میری مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنی زندگی گزار چکی ہیں اور اب مجھے بھی اپنی زندگی گزارنے کا اختیار ہے۔" کنول نے کچھ سوچ کر اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے لیکن...... ایک بار کسی نے مجھے ماڈل گرل کا پروفیشن اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس میدان میں غیر متوقع کامیابی حاصل کر سکتی ہوں۔"

"پھر......تم نے اس کی بات ماننے سے گریز کیوں کیا......؟" شیخ حامد نے اسے معنی خیز انداز میں سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس لیے کہ میں لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننا چاہتی تھی۔"

"اسی لیے میں نے بھی تم سے کھیلنا مناسب نہیں سمجھا۔" شیخ حامد نے دوبارہ اسے اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے کہا، کچھ دیر تک دونوں کی بہکی بہکی سانسیں آپس میں گڈ مڈ ہوتی رہیں پھر کنول نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"رات آنے میں زیادہ دیر نہیں ہے، اس کے بعد آپ کو مجھ پر ہر طرح کا اختیار ہوگا۔"

"تھینکس ......" شیخ حامد نے اسے اپنے شکنجوں سے آزاد کرتے ہوئے مسکرا کر دیکھا۔ "اچھا کیا جو تم نے مجھے بروقت ٹوک دیا۔"

کچھ دیر بعد وہ کنول کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ کنول اس کے کہے بغیر ماں کو سامنے لے آئی، شیخ حامد سنبھل کر بیٹھ گیا، اس نے کنول کی ماں کو ایک نظر بغور دیکھا پھر رسمی طور پر ان سے بھی وہی سوال کیا جو کنول سے کر چکا تھا۔

"میں نے اپنی بچی کو آزادی دی تھی تو اس پر مجھے اعتماد بھی تھا۔" کنول کی ماں نے دل پر پتھر رکھ کر اپنی مرضی کے خلاف کہا۔ "آپ نے کنول کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہے، وہ بھی ہم پر ایک احسان ہی ہے۔"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں۔" شیخ حامد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب اجازت چاہوں گا۔ رات کو دوبارہ حاضر ہوں گا۔"

کنول اس کو چھوڑنے دروازے تک آئی پھر واپسی پر اس نے ماں کو بتا دیا کہ رات اس کا اور شیخ حامد کا نکاح خاموشی سے ہو جائے گا۔ یہ اطلاع دیتے وقت اس کی خوب صورت آنکھوں میں جو حسرت ابھری وہ ایک ماں کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکی۔

☩☩☩

چھریرے بدن اور درمیانہ قد والا سیاہ فام ہاشم جس کا تعلق جنوبی افریقا کے ایک غیر مہذب علاقے سے تھا۔ اس وقت بڑا مہذب اور بردبار نظر آرہا تھا، وہ اس وقت جس میک اپ میں تھا اس سے یہی گمان ہوتا تھا اس کا تعلق ویسٹ انڈیز کے کسی نوآبادعلاقے سے ہوگا، فرنچ کٹ ڈاڑھی اور آنکھوں پر چشمے کے اضافے نے اس کی اصلیت کو اس حد تک تبدیل کر دیا تھا کہ وہ میک اپ کرنے کے بعد خود بھی اپنی مہارت پر ششدر رہ گیا۔ حلیہ کی وہ تبدیلی اس کے لیے ناگزیر تھی۔

سیون اسٹار کی طرف سے خطرناک مگرمچھ کا کریا کرم کرنے کی اجازت ملنے کے بعد وہ طرروت سے کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ انتقام لینا اس کی سرشت میں شامل تھا۔ شیخ حامد کے گرگوں نے جس طرح اسے ایک موقعے پر ٹریپ کرلیا تھا وہ اس کی زندگی کا سب سے خوفناک دن تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ دشمن کے ہاتھوں سے زندہ بچ سکے گا، پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اسے یقین تھا کہ موت برحق ہے اور اس کے لیے جو وقت طے کر دیا جائے وہ اٹل ہوتا ہے، چنانچہ آخری وقت تک موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا اس کی زندگی کا زریں اصول تھا، اسی اصول تحت اس نے اپنے اغوا کرنے والوں کے ساتھ کوئی جدوجہد نہیں کی تھی، کسی موقع کی تلاش میں وہ ان کے ساتھ خاموشی سے اس جگہ تک چلا گیا تھا جہاں لوچن شہباز گڈز ٹرانسپورٹ کے ایک مخصوص شخص کی زبان کھلوانے کی خاطر اس پر تھرڈ ڈگری کا اذیت ناک نسخہ استعمال کر رہا تھا۔ وہ ہاشم کو وہاں اچانک دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ خود ہاشم نے بھی یہی سوچا تھا کہ اس نے وہاں جا کر کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا' لیکن ان حالات میں بھی اس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس نے ایک ایسا آزمودہ نسخہ استعمال کیا کہ لوچن نے، جو مارشل آرٹ کا ماہر تھا بڑی دور اندیشی سے بازی کا رخ پلٹ دیا تھا۔ ہاشم نے اس موقعے پر طے کرلیا تھا کہ شیخ حامد کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تربیت بھی ان ہی بنیادوں پر ہوئی تھی کہ آخری سانس تک دشمن کے سامنے ڈٹے رہو۔ وہ سیون اسٹار کا پابند نہ ہوتا تو شاید پہلی فرصت میں کوئی مناسب پلاننگ کر کے اپنے دشمن کو مار دیتا یا خود مر جاتا لیکن وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا تھا۔ اس لیے خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا لیکن شیخ حامد کے مکان پر کامیاب حملہ اور اسے پوری طرح ہراساں کرنے کی پلاننگ میں کامیاب ہو جانے کے بعد سیون اسٹار کی طرف سے بھی گرین سگنل مل گیا تھا۔ یہ بھی ہدایت ملی تھی کہ کام اس طرح کیا جائے کہ کوئی رسک نہ ہو مگر حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا تو ہاشم نے اپنے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کر ڈالی۔

کشمیر فرنیچر کے خفیہ کمرے میں جگا سے ملاقات کے بعد واپسی کے وقت ایک چہرہ نظر آگیا جسے وہ پہلے بھی اپنے ہوٹل کے آس پاس منڈلاتا دیکھ چکا تھا۔ فوری طور پر اس وقت ہاشم نے یہی سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس کا تعاقب کیا جا رہا ہوگا۔ اپنے اس شبے کو دور کرنے کی خاطر اس نے دوراون تک ہوٹل کے کمرے سے باہر نکلنے کی غلطی نہیں کی۔ ڈوما کو سیون اسٹار کا حوالہ دے کر اس نے مشتبہ آدمی کی طرف سے اس کا شبہ یقین میں بدل گیا تو اس کے ذہن میں ایک مصلحت نے سر ابھارا۔

راستے کی ان چھوٹی موٹی رکاوٹوں کو بھی دور کر دیا جائے جو اس کے، شیخ حامد کے درمیان کوئی دشواری پیدا کرسکتی تھیں۔

اپنے پروگرام کے تحت اس نے ڈوما سے بھی کہا تھا کہ کسی طرح مشتبہ شخص کو قابو کر لیا جائے۔ اس طرح وہ اس کی زبان کھلوا کر اور بہت سی کام کی باتیں بھی معلوم کرسکتا تھا مگر...... ڈوما کے مجبوری ظاہر کرنے کے بعد اس نے جلد بازی میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ مطلوبہ شخص کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ یہ حکم اگر وہ اپنی ذاتی حیثیت میں دیتا تو شاید ڈوما اس کی تعمیل میں کسی نہ کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی کرتا چنانچہ کچھ لمحوں کے لیے اس نے موبائل کا رابطہ منقطع کیا پھر اسے دوبارہ کال کر کے یہی کہا کہ...... ''سیون اسٹار کی طرف سے بھی گرین سگنل ملا ہے کہ کانٹا درمیان سے نکال دیا جائے۔''

ڈوما کو ضروری ہدایت دینے کے بعد ہی اس نے فوری طور پر ہوٹل سے نکلنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ ڈوما نے بھی اسے یہی مشورہ دیا تھا چنانچہ ہاشم نے نہ صرف ہوٹل تبدیل کر دیا بلکہ اپنا حلیہ بھی اس مہارت سے بدلا کہ خود بھی اپنے آپ کو شناخت نہ کر سکا۔

اس وقت وہ کسی ہوٹل کے بجائے ایک پرائیویٹ گیسٹ ہاؤس کے ایئر کنڈیشنڈ روم میں بیٹھا پیش آنے والے حالات پر غور کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار ایک خیال ابھر رہا تھا۔ جتنی جلد ممکن ہو، بڑے مگر مچھ کا کریا کرم بھی کر دیا جائے۔ سانپ کو آستین میں پالنا اور دودھ پلانا بھی اس کے اصولوں کے خلاف تھا۔ دوسرا ایک خیال یہ بھی کسی خطرے کا احساس دلا رہا تھا کہ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سیون اسٹار کا مخصوص کوڈ استعمال کرنے میں بھی جلد بازی کا مظاہرہ کر ڈالا تھا۔ اگر وہ خود رابطہ قائم کر کے صورت حال کی وضاحت کر دیتا تو عین ممکن تھا کہ سیون اسٹار کی جانب سے بھی ڈوما کو از خود سیون اسٹار کے ہامی بھرنے کا یقین دلانے کی بھول کی تھی۔ ان حالات میں بھی یہ ضروری تھا کہ وہ مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنے دشمن سے اپنا حساب کتاب برابر کر لے جس کی اجازت اسے بہر حال مل چکی تھی۔ وہ ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا جب موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کیا! اسکرین پر ڈوما کے نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آن کر کے کانوں سے لگا لیا۔

''سوری......'' اس نے معذرت کی۔ ''کچھ حالات ایسے تھے کہ میں تمہیں دو گھنٹے بعد فون نہیں کرسکا، کیا خبر ہے؟''

''سوٹ کیس پارسل کر دیا گیا ہے...... تم اس وقت کہاں ہو؟''

جواب میں ہاشم نے اسے اپنا پتا سمجھانے کے بعد پوچھا۔ ''کوئی نئی خبر......؟''

''ہاں ......'' ایک لحہ توقف کے بعد ڈوما نے ناخوشگوار انداز میں جواب دیا۔ ''یہ پہلا اتفاق ہے کہ کسی ٹیم کے ایک ممبر نے اپنے کسی دوسرے ساتھی کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنے کی کوشش کی ہو۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' ہاشم، ڈوما کا جواب سن کر بری طرح چونکا، اس کے ذہن میں

خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

''تم ایک تجربہ کار آدمی ہو میرے دوست۔'' اس بار بھی ڈوما کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ ''اپنی زندگی بچانے کی خاطر کسی اور گلے میں پھندا ڈالنا بہر حال تمہیں زیب نہیں دیتا تھا...... ویٹ از آل۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

ہاشم نے فوری طور پر پے در پے تین بار ڈوما کے نمبر ملانے کی کوشش کی لیکن دوسری جانب سے موبائل بند ملا۔ یہ پھندے کے حوالے سے بات اس کے ذہن میں آچکی تھی۔ وہ بھی کچھ دیر شش و پنج میں مبتلا رہا، ایک ثانیئے کو اس کے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا کہ زندگی بچانے کی خاطر سارے معاہدوں کو بالائے طاق رکھ کر پہلی فلائٹ سے فرار ہو جائے لیکن اس نے اس بزدلانہ خیال کو خود ہی ترک کر دیا۔ وہ جس پیشے سے منسلک تھا اس میں موت اور زندگی دونوں کا دارومدار اصول پسندی پر تھا۔ اس نے معاہدے کی خلاف ورزی حالات کے پیش نظر ضروری سمجھی تھی لیکن بہر حال سیون اسٹار سے اجازت نہیں لی تھی۔ اس نے فرار کا ابھرنے والا خیال رد کر کے سیون اسٹار سے رابطہ کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ تین گھنٹیوں کے بعد دوسری جانب سے کال ریسیور کی گئی۔

''کیا بات ہے......؟'' کال ناگواری سے وصول کی گئی تھی۔

''میں ایک اہم سچویشن کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔''

''اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔'' یہ دستور سرد لہجے میں جواب ملا۔ ''تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے غداری کی ہے اور غداری کی ایک سزا ہوتی ہے یہ بات شاید تم بھی جانتے ہو گے۔''

''لیکن......''

''بحث فضول ہے۔'' اس کی بات رد کر کے سپاٹ انداز میں کہا گیا۔ ''ہم پسند نہیں کریں گے کہ مرنے والے کی وجہ سے کسی طور پر کوئی ایجنسی ہمارے اوپر شبہ بھی کرے۔''

''تیر تو بہر حال کمان سے نکل چکا ہے...... لیکن، میں اپنی غلطی تسلیم کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کروں گا۔''

''تم اس پوزیشن میں بھی نہیں ہو۔''

''اب میرے لیے کیا حکم ہے......؟'' ہاشم نے دبنگ آواز میں سوال کیا۔

''سرخ کیپسول ......'' دوسری جانب سے فیصلہ سنا دیا گیا۔ ''ایجنسی والوں کو تمہاری جیب سے ایک تحریر بھی ملنی چاہیے جس میں اس بات کو قبول کیا جائے کہ تم نے اسپورٹس کار والے کو ذاتی دشمنی کی وجہ سے ٹھکانے لگایا تھا۔''

''او کے میڈم۔'' ہاشم نے مسکرا کر مردوں کی طرح جواب دیا۔ ''سرخ کیپسول کھانے کے بعد میں ذاتی طور پر عرض کر دوں گا کہ ہاشم نے ہمیشہ موت کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر مسکرانا سیکھا ہے۔ او کے، اینڈ گڈ بائی۔'' موبائل بند کرنے کے بعد ہاشم کچھ دیر تک خاموش رہا پھر اس نے

حالات کی ستم ظریفی پر کسی غم کا اظہار کرنے کے بجائے دل کھول کر زندگی سے بھرپور قہقہے لگانے شروع کیے۔ اس کے بعد آرام سے صوفے پر بیٹھ کر اس نے اپنا پسندیدہ چینل جو ریسرچ سے متعلق تھا...... لگایا، پھر جیب سے ایک سرخ کیپسول نکال کر منہ میں ڈال لیا۔ کیپسول کو چبانے سے پیشتر اس نے سیون اسٹار سے کیے گئے وعدے کے مطابق علاقے کے تھانے کا نمبر ملا کر اپنا نام اور ایڈریس بھی تفصیل سے سمجھا دیا۔ اس عرصے میں اس کی نظریں بہ دستور ٹی وی اسکرین ہی پر جمی رہی تھیں۔ فون کرنے کے بعد اس نے سرخ کیپسول کو چبالیا۔ دس منٹ کے اندر اندر وہ زندگی کی بازی بھی ہار گیا۔

+++

شیخ حامد نے شبنم کو افضل خان کا لگژری اپارٹمنٹ دینے کی جو خوشخبری سنائی تھی، وہ شبنم کے لیے حالات کے پیش نظر کسی طرح مناسب نہیں تھی۔ وہ ایک باس سے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، لیکن وہ اس پہلو پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی تھی کہ اگر وہ بھی افضل خان کی جگہ ہوتی تو شاید اس فلیٹ کے سلسلے میں ایک نفسیاتی کمتری اور گھٹن کا شکار ضرور ہو جاتی۔ افضل خان چاہے اس بات کو زبان سے نہ کہتا لیکن دل میں اسے اس کا احساس ضرور ہوتا۔

وہ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کر رہی تھی۔ اگر اس نے افضل خان کے ساتھ مل کر بگ باس کے خلاف کوئی خفیہ منصوبہ بنانے کی ضرورت پر غور نہ کیا ہوتا تو اور بات تھی لیکن اب وہ دوسرے زاویے سے تمام پہلوؤں پر غور کر رہی تھی۔ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ اپارٹمنٹ والی آفر کو کسی بہانے رد کر دیتی۔ بگ باس انکار سننے کا عادی نہیں تھا۔ شبنم کی جو کمزوری تصویر کی شکل میں اس کی تحویل میں تھی، اس نے شبنم کو کسی آخری قدم سے بھی روک رکھا تھا۔ اگر وہ کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بگ باس کو ٹھکانے بھی لگاتی تو تصویریں سامنے آجانے کی صورت میں پولیس پھانسی کا پھندا اسی کے گلے میں ڈال دیتی۔ ایک تنہا عورت ہونے کی وجہ سے بھی وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔

شیخ حامد نے ایک ماہر کھلاڑی کی طرح شبنم کو ہر طرف سے نہ صرف اپنے شکنجوں میں جکڑ رکھا تھا بلکہ اس کے ذریعے وہ افضل خان سے بھی اپنی من مانی کرا رہا تھا۔ افضل خان اگر زبان بند رکھتا تو بگ باس کسی اور ذریعے سے بھی اس کے اور افضل خان کے تعلق کو منظر عام پر لا سکتا تھا۔

شبنم کی ذاتی معلومات کے مطابق، افضل خان کے اسپتال سے فارغ ہونے کے بعد اس کے فلیٹ میں کچھ مدت قیام کی اطلاع بھی پولیس کے ریکارڈ پر آ چکی تھی۔ اب بگ باس نے اسے پھر افضل خان کو اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا تھا جس سے وہ انکار نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ ضرور سمجھ رہی تھی کہ بگ باس نے اس کے گرد جو جال بچھایا تھا اس میں وہ پوری طرح پھنس چکی تھی۔ اب اس دلدل سے نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ وہ افضل خان کو صورت حال سے مکمل طور پر آگاہ کرنے کے بعد کھل کر یہ بھی ظاہر کر دیتی کہ اس نے اپنی آزادی کے لیے کیا پلان بنایا ہے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ

محمود افضل خان کے سینے میں بھی دفن گرم راکھ کے اندر کوئی ایسی چنگاری ضرور دبی ہوگی جو بھڑک کر شعلہ بننے کا موقع تلاش کر رہی ہوگی۔ ممکن ہے وہ اپنے طور پر غلط اندازہ قائم کر رہی ہو لیکن بہر حال وہ اس اندھے جوئے کو کھیلنے پر مجبور تھی۔ اسی غرض سے اس نے ایک خطرناک رسک لیتے ہوئے اپنے ذاتی منصوبے اور اس کے مکمل پلان کو مختصراً ٹائپ کر کے اپنے پرس میں ڈال لیا تھا اور اس وقت اسٹار ان ہوٹل کی طرف جا رہی تھی جہاں بگ باس کی اطلاع کے مطابق افضل خان مقیم تھا۔ اس اطلاع کی فراہمی کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ افضل خان سے مل کر بگ باس کے منصوبوں کے مطابق اپنا کردار ادا کرے۔

''اسٹار ہوٹل'' جاتے وقت بھی شبنم کے ذہن میں اس کے ذاتی منصوبے کے مختلف پہلو کلبلا رہے تھے۔ ناکامی کی صورت میں اس کا حشر اس کی توقع سے کہیں زیادہ بھیانک ثابت ہوتا۔ افضل خان جس مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا سوچ رہی تھی وہ افضل خان بھی اسی صورت کو استعمال کر کے بگ باس نظروں میں سرخرو ہونے پر غور کر سکتا تھا۔ بہر حال شبنم اس کے لیے بھی پوری طرح آمادہ تھی، وہ جانتی تھی کہ ''بلائنڈ'' پتوں پر جیت کا انحصار کرنے والے اکثر بازی بری طرح ہار بھی جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں بار بار ''نو رسک، نو گیم'' کا فارمولا بھی کسی نیون سائن بورڈ کی طرح جل بجھ رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں محو تھی جب ایک سگنل پر رکنے کے بعد اس کی نظر ''عقبی شیشے'' پر پڑی۔ گہرے سرخ رنگ کی وہ جیپ جسے سرسری طور پر پیچھے آتا دیکھ چکی تھی، اس بار اس کے ذہن میں خطرے کا سگنل بن کر ابھری۔ بگ باس نے بھی اسٹار ان ہوٹل اور افضل خان سے ملنے کا مشورہ دیتے وقت کہا تھا کہ وہ کسی ممکنہ تعاقب کے خطرے کو نظر انداز نہ کرے۔ کسی اہم ماتحت مارے جانے کے بعد بگ باس بھی خاصا محتاط ہو گیا تھا۔ ''وہ کون تھا؟'' شبنم کو اس کی خبر نہیں تھی لیکن وہ اس جیپ کو پہلے بھی کئی موقعوں پر دیکھ چکی تھی جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی کی ملکیت تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ لودھی بھی عتاب میں ہے اور بگ باس بھی اس سے خوش نہیں ہے۔ ایسی صورت میں لودھی کا اس کے تعاقب میں آنا معنی خیز ہی تھا۔

شبنم نے ایک لمحے کو سوچا کہ وہ افضل خان کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر دے لیکن پھر کسی خیال سے اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم جاگ اٹھا۔ سگنل کھلتے ہی شبنم نے ایک دو موڑ کاٹنے کے بعد مذکورہ جیپ کو پیچھے آتے دیکھا تو اپنے پروگرام میں تھوڑی تبدیلی کر دی۔ اسٹار ان ہوٹل جانے کے بجائے وہ اس کے قریب واقع ایک تین منزلہ سپر اسٹور میں چلی گئی۔ بہ ظاہر وہ خود کو لاعلم ظاہر کر رہی تھی لیکن اس نے جیپ کو کچھ فاصلے پر رکتے دیکھ لیا تھا، ایک دکان سے کاسمیٹک کے ایک دو آئٹم خریدتے وقت اس نے لودھی کو بھی اندر آتے دیکھ لیا۔ اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر وہ دیدہ و دانستہ سپر اسٹور کی تیسری منزل پر لفٹ کے ذریعے چلی گئی جہاں نچلی دو منزلوں کے مقابلے میں کم رش ہوتا تھا۔ ایک دو اسٹالوں پر وقت گزارنے کے بعد وہ جنرل اور میڈیکل سامان فروخت کرنے والی دکان پر رکی تو لودھی بھی اسی کاؤنٹر پر آ گیا، اس نے دکان کے سیلز مین سے ایک انجکشن طلب

کرنے کے ساتھ ہی اس طرح شبنم کی طرف دیکھا جیسے وہ ملاقات محض ایک اتفاق ہو۔

''ہیلو......'' اس نے روایتی انداز میں شبنم کو پوری توجہ سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہاں کیا لینے آ گئیں؟''

''ایک ضروری دوا لینی تھی جو کہیں اور نہیں مل رہی تھی۔'' شبنم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر رہی تھی کہ ممکن ہے بگ باس کا کوئی سادہ لباس والا بھی لودھی یا اس کی نگرانی پر مامور ہو۔

''حیرت ہے۔'' لودھی نے اس بار دبی زبان میں بے تکلفی کا اظہار کیا۔ ''جو خود کئی امراض کا علاج ہو کیا وہ بھی کسی دوا کی ضرورت کی محتاج ہو سکتی ہے؟''

''کبھی کبھی وقت اور حالات انسان کو مجبور کر دیتے ہیں۔'' شبنم نے تلخی کے بجائے جان بوجھ کر مسکرا کر جواب دیا۔ وہ اس بات کی تصدیق کرنا چاہتی تھی کہ لودھی کے تعاقب کرنے کا خیال کہیں اس کا وہم نہ ہو۔

''یہ بات بھی ہضم نہیں ہوئی اس لیے کہ آپ تو......'' کچھ کہتے کہتے لودھی نے اپنا جملہ کسی فوری خیال سے ادھورا چھوڑ دیا۔

''آپ خاموش کیوں ہو گئے......؟'' شبنم نے اسے لفٹ دینے کی ٹھان لی۔

''اس لیے کہ ایک بار دفتر میں آپ نے میرے ساتھ بڑا خشک انداز اختیار کیا تھا۔''

''اوہ......'' شبنم نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''دفتر میں کچھ بندشیں بھی ہوتی ہیں جس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے...... اور سنائیے، آج کل آپ کی لائف کیسی گزر رہی ہے......؟ سنا ہے کہ آپ کو......'' اس بار شبنم نے بھی دیدہ و دانستہ جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''ٹھیک سنا ہے آپ نے۔'' لودھی نے اس کے قریب ہوتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایس پی اورنگ زیب نے ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے مجھے معطل کرا دیا ہے۔''

''کیا......؟'' شبنم نے چونک کر بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کیا۔ ''کیا آپ کی طرف سے کسی نے جوابی کارروائی نہیں کی؟''

''اس میں بھی کچھ مصلحت ہے...... ایس پی نے مجھ سے دشمنی مول لے کر خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے...... وہ بھی کچھ دنوں کا مہمان ہے، اس کا تبادلہ ہو جانے کے بعد حالات پھر سازگار ہو جائیں گے۔''

لودھی کا مطلوبہ انجکشن لایا گیا تو گفتگو کا سلسلہ ٹھپ ہو گیا۔ شبنم نے بھی اپنا بل ادا کیا۔ دونوں ایک ساتھ واپسی کے ارادے سے پلٹے تو لودھی نے ایک جگہ رک کر کہا۔ ''اس وقت آپ سے اتفاقیہ ملاقات ہو گئی تو ایک ضروری کام بھی یاد آ گیا۔''

''حیرت ہے۔'' شبنم نے اسی کا جملہ واپس کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔ ''جو خود دوسروں کے

کام آتا ہوا سے کیا کام پیش آ سکتا ہے؟''

''میں اپنی ذاتی اور نجی حیثیت میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔'' خلاف توقع لودھی نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔''اس وقت اگر آپ میرے کام آ جائیں تو میں ہمیشہ آپ کا شکر گزار رہوں گا۔''

''خیریت ......؟'' شبنم نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ لودھی اس سے کیا درخواست کرے گا، اس کا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔لودھی نے ایک لمحے تامل کے بعد عاجزی سے کہا۔

''باس کسی وجہ سے میری ایک غلطی پر ناراض ہے۔ایسا نہ ہوتا تو شاید ڈی آئی جی کو بھی مجھے معطل کرنے سے پیشتر اپنی ملازمت کے بارے میں ضرور غور کرنا پڑتا۔''

''آئی سی۔'' شبنم نے انجان بن کر پوچھا۔''باس آپ کی کس غلطی پر خفا ہے؟ اور میں اس سلسلے میں بھلا کیا کرسکتی ہوں؟''

''آ......آپ کوئی مناسب موقع دیکھ کر باس سے میری سفارش کر دیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی بات رد نہیں کرے گا۔'' لودھی کے تعاقب کی وجہ شبنم کی سمجھ میں آگئی۔

''آپ میرے مقابلے میں باس سے زیادہ قریب رہ چکے ہیں۔ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔'' شبنم نے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔''وہ کسی کی مداخلت بھی پسند کرنے کا عادی نہیں ہے۔''

''میں یہ بھی جانتا ہوں لیکن میں نے آپ سے درخواست کی ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کی ہے۔'' لودھی نے اسے مخصوص انداز میں دیکھ کر دبی زبان میں کہا۔''ممکن ہے کہ میری ذاتی معلومات ناقص ہوں، پھر بھی میں آپ سے سفارش کی درخواست واپس نہیں لوں گا۔''

شبنم، لودھی کے جواب پر دل ہی دل میں چونکی، اسے علم تھا کہ بگ باس اور لودھی کے تعلقات کس قسم کے تھے، لودھی اپنی سطح سے گر کر بھی شیخ حامد کی نجی ضرورتیں پوری کرنے میں کبھی شرم نہیں کرتا تھا، یہ بات شبنم کے علم میں تھی اس لیے اس نے لودھی کی معلومات کے بارے میں وضاحت طلب کرنے میں پس و پیش کا مظاہرہ کیا۔ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''میں کوئی یقینی وعدہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ بہر حال، اگر آپ کے کسی کام آسکی تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میرے لیے آپ کا اتنا جواب بھی بہت ہے۔''

لودھی نے اس بار قدرے اعتماد سے کہا پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لفٹ کی طرف چلا گیا۔شبنم نے اس کے ساتھ جانے میں عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ سپر اسٹور سے نکل کر اس نے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یوں ہی دو چار سڑکوں کا چکر لگایا۔لودھی کی جیپ اس کے تعاقب میں دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لے کر گاڑی کا رخ ہوٹل اسٹاران کی طرف موڑ دیا۔ پندرہ بیس منٹ

بعد وہ افضل خان کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھی۔ رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد افضل خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری سفارش پر مجھے آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع مل گیا۔"

"آئندہ بھی ملتا رہے گا۔ بشرطیکہ تم مایوسی کا شکار ہونے کے بجائے عقلمندی سے کام لو۔"

"میرے لیے کوئی نیا حکم......؟"

"ایک اہم خبر سنانا چاہتی ہوں۔" شبنم نے افضل خان کو نظروں کے مخصوص اشاروں سے کچھ سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔ "بگ باس تمہارے لگژری اپارٹمنٹ کو جدید انداز میں ٹھیک کرا رہا ہے۔"

"کیا میں اس خواب پر یقین کرلوں؟" جواب میں بہ دستور حیرت اور تعجب کا اظہار کیا گیا تھا۔

"ہاں......لیکن کچھ ترمیم کے ساتھ۔" شبنم نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "یہ ہم دونوں کی کارکردگی کا ملا جلا انعام ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"میرے ایک سوال کا مکمل کر صاف گوئی سے جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ رہنا گوارا کرو گے؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔" افضل خان نے جذباتی انداز میں کہا۔ "کیا بگ باس کو میرا اور تمہارا ایک ساتھ رہنا گوارا ہوگا؟"

"اس کا اشارہ نہ ہوتا تو میں اس موضوع پر زبان کھولنے کی جرأت بھی نہ کرتی۔ اب تم کیا کہو گے؟"

"میرا خیال ہے کہ میرے پاس تمہارے کسی مشورے پر عمل کرنے کے علاوہ فی الحال کوئی آپشن بھی نہیں ہے۔"

"مجھے تمہارا جواب پسند آیا۔" شبنم نے دیدہ و دانستہ اپنی برتری کا اظہار کیا۔ "تم کو شاید ایک طویل عرصے تک اسی انداز میں ری ایکٹ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد بھی سب کچھ باس کی مرضی پر منحصر ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں۔ میں بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اگر بگ باس نے آڑے وقت میں میرا ہاتھ نہ تھاما ہوتا تو شاید میں بہت پہلے قانونی شکنجے میں الجھنے کے بعد زندگی کی بازی ہار چکا ہوتا۔" افضل خان نے کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اعتراف کیا۔ "میں اس احسان کو زندگی کی آخری سانسوں تک فراموش نہیں کرسکتا، خواہ حالات کیسے ہی ہوں۔"

"میں تمہارے اس احساس کو بگ باس کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش ضرور کروں گی۔" شبنم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "باس کا ردعمل کیا ہوگا اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اب چلتی ہوں، ہوسکتا ہے کہ ہمیں دو چار دنوں بعد اسی اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونا پڑے جو بھی

تمہارے پاس تھا۔"

شبنم نے جاتے وقت اپنا پرس کھول کر ٹائپ شدہ خط نکالا پھر اسے فرش پر گراتے ہوئے لمبے لمبے قدم اٹھاتی چلی گئی۔ افضل خان نے اس کے جانے کے بعد کاغذ کا بہ ظاہر بے کار صفحہ کھول کر تفصیل سے پڑھا تو اس کی آنکھوں میں کسی ایسے آدم خور درندے جیسی چمک ابھری جو اپنے کسی پسندیدہ شکار پر جھپٹ پڑنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس نے ٹائپ شدہ مضمون کو کئی بار تفصیل سے پڑھا پھر پہلی فرصت میں اسے جلا کر اس کی راکھ واش بیسن میں بہادی۔

☩☩☩

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

لیاقت حسین کے سلسلے میں سراج کی پریشانی بڑھتی جاری تھی۔ ڈیوٹی کانسٹیبل کے بیان کے مطابق وہ دس پندرہ منٹ میں واپسی کا کہہ کر کہیں قریب ہی کسی فوری ضرورت کے لیے گیا تھا لیکن ڈیڑھ گھنٹا گزر جانے کے بعد بھی وہ واپس نہیں آیا تھا۔ اچانک کہاں اور کیوں چلا گیا؟ تھوڑی دیر کا کہہ کر جانے کے باوجود اس کی واپسی کیوں طول پکڑتی جا رہی تھی؟ سراج ان ہی سوالات کے بارے میں غور کر رہا تھا جب لیاقت حسین انتہائی پرسکون حالت میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کی پریشانی یا الجھن کے تاثرات نہیں تھے۔ سراج اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیاقت حسین کے بارے میں چونکہ وہ کچھ پراسرار باتوں سے بھی واقف تھا اس لیے اس نے کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ لیاقت حسین اس کی اجازت حاصل کر کے بیٹھ گیا تو سراج نے سادگی سے پوچھا۔

”کہاں چلے گئے تھے لیاقت حسین؟ میں بڑی دیر سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔“

”دس منٹ کے لیے تو گیا تھا صاحب۔“ لیاقت حسین نے معصومیت سے جواب دیا۔ ”آپ کی ضرورت تھی تو موبائل پر حکم دیدیتے، میں واپس آ جاتا۔“

سراج ٹپٹا کر رہ گیا۔ لیاقت حسین کے جواب میں کوئی اداکاری، تصنع یا بناوٹ نہیں تھی لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی واپسی ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہی ہوئی تھی۔

”میرے کانسٹیبل کا کہنا ہے کہ تم کسی فوری ضرورت کا کہہ کر گئے تھے۔“ سراج نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ”جب دفتر میں تمام سہولتیں موجود ہیں تو تمہیں کہیں اور جانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”میں نے آپ کی غیر موجودگی میں کمرے میں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔“ لیاقت حسین نے کسمسا کر کہا۔ ”آپ نے جو عزت دی ہے وہ میری توقع سے زیادہ ہے صاحب لیکن دوسرے لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔ آپ برا نہ مانیں تو میں کمرے کے بجائے باہر کرسی ڈال کر بیٹھنے میں زیادہ سکون محسوس کروں گا۔“

”صرف اسی لیے تم ڈیڑھ گھنٹے تک سوچ وچار کرنے کی خاطر کہیں چلے گئے تھے؟“

سراج نے پہلی بار اس کی غیر حاضری کے سلسلے میں خفگی کا اظہار کیا تو لیاقت حسین نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا پھر، تصدیق کی خاطر جب اس نے دفتر میں لگی دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے پر ایک انجانی پریشانی سی طاری ہوگئی، وہ ڈیوٹی کانسٹیبل سے دس پندرہ منٹ کا

لے کر چہل قدمی کے ادارے سے نکلا تھا۔ سراج کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں بیٹھنے سے اسے گھٹن ہو رہی تھی۔ اس کا ذاتی خیال تھا کہ وہ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ عرصہ باہر نہیں رہا تھا لیکن گھڑی دیکھنے کے بعد اس کا ذہن بھی چکرا کر رہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کیفیت سے دوچار رہا پھر اس نے سراج کی جانب دیکھ کر بڑی عاجزی سے درخواست کی۔

''صاحب......ایک بات عرض کروں اگر آپ برا نہ مانیں۔''

''کہو......'' سراج نے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیت دیکھ کر دریافت کیا۔ ''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''آپ مجھے دماغ کا علاج کرنے والے کسی ڈاکٹر کو......''

''لیاقت حسین ......'' سراج نے اس کا جملہ کاٹ کر تیزی سے کہا۔ ''اس سے پیشتر بھی جو حالتیں تمہارے ساتھ ہو چکی ہیں ان کو مت کریدو۔ زیادہ الجھو گے تو بات اور خراب ہو جائے گی اور...... یہ بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں ساتھ لاتے وقت کیا کہا تھا۔''

''وہ تو مجھے یاد ہے صاحب لیکن میرے ساتھ بار بار ایسا کیوں ہوتا ہے......؟'' لیاقت حسین نے الجھ کر جواب دیا۔ ''آپ کی اور بڑے صاحب کی بات اور ہے لیکن دوسرے ان باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ کہیں پھنس گیا تو آپ کو بھی میری وجہ سے پریشانی ہوگی۔''

''پریشان مت ہو...... صرف اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں دوست سمجھتا ہوں اور خدا کی رحمانی قوتیں بھی درپردہ تم سے کچھ نیکی اور بھلائی کے کام کرا رہی ہیں۔ تمہیں جو باتیں یاد نہیں رہتیں تو یہ بھی خدا کی مصلحت ہوگی۔ جب بھی تمہارے ذہن میں کوئی تجویز، کوئی نیا خیال ابھرے۔ مجھے ایک دوست کی حیثیت سے ضرور بتا دینا۔'' سراج نے اسے تفصیل سے باور کرانے کی کوشش کی۔ ''ہم دونوں برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی خاطر کام کر رہے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ سیدھے اور سچے راستے پر چلنے والوں کے لیے کانٹوں سے گزرنا بھی ایک آزمائش ہوتی ہے۔ میرے علاوہ عثمان بھی تم پر اعتماد کرتا ہے۔ ذہن پر کوئی بوجھ نہ محسوس کرو، تم ڈیڑھ گھنٹے کہاں رہے؟ یہ بھی یاد کرنے کی کوشش نہ کرو، آنے والا وقت ہم دونوں کی خود رہنمائی کر دے گا۔''

''آپ کی بڑی مہربانی صاحب جو اتنا خیال رکھتے ہیں مگر ایک درخواست میری بھی قبول کریں۔'' لیاقت حسین نے درخواست کی۔ ''میں آپ کے کمرے کے بجائے اگر کہیں باہر بیٹھا رہوں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے......'' سراج نے اس کی نفسیاتی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اس کا بھی بندوبست کر دوں گا لیکن اب تم دوبارہ کسی ذہنی کشمکش کا شکار ہونے کی حماقت نہیں کرو گے۔''

لیاقت حسین بدستور ذہنی طور پر الجھ رہا تھا۔ اس کے وجود کے سناٹے میں ابھی تک ڈیڑھ گھنٹے کی گمشدگی کی معما چکرا رہا تھا۔ وہ سراج کے پرخلوص مشورے کا کوئی مناسب جواب دینے پر غور کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی، سراج نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا، دوسری جانب سے ایس پی

اورنگ زیب کی آواز سنائی دی۔

''آپ اس وقت مصروف تو نہیں ہیں؟''

''جب آپ نے دوست اور بھائی کہا ہے تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟'' سراج نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''آپ حکم دیں......''

''رحیل کھنڈ نامی سوسائٹی میں واقع ڈریم فل گیسٹ ہاؤس میں پہنچنے کی کوشش کریں، میں بھی دفتر سے روانہ ہو رہا ہوں۔''

''خیریت تو ہے......؟'' سراج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ایک غیر ملکی باشندے نے خودکشی کر لی ہے۔ مرنے سے پیشتر اس نے متعلقہ تھانے کو اپنے اقدام کی اطلاع بھی دی تھی۔''

سراج نے فوری طور پر اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اس نے لیاقت حسین کو بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ ممکن ہے لیاقت حسین کے ڈیڑھ گھنٹے غائب رہنے کا کوئی تعلق اس خودکشی کے واقعے سے بھی ہو۔ آدھے گھنٹے کے اندر وہ ڈریم فل گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے جہاں متعلقہ تھانے کی پولیس کے علاوہ کچھ لوگوں کی بھیڑ بھی نظر آ رہی تھی، لیاقت حسین کو گاڑی میں بیٹھا رہنے کی تاکید کر کے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر گیا، ایک سب انسپکٹر نے مطلوبہ کمرے تک اس کی رہنمائی کر دی جہاں اس وقت ایس پی اورنگ زیب کے علاوہ پولیس سرجن بھی موجود تھا۔ متعلقہ تھانے کا سب انسپکٹر بھی سراج کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔

جائے حادثہ پر موجود ٹیلی ویژن کی اسکرین بدستور روشن تھی۔ اینی مل پلانٹ کا چینل آن تھا جو اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ خودکشی کرنے والا آخری وقت تک اس پروگرام کو دیکھتا رہا ہوگا۔ گیسٹ ہاؤس کے منیجر کے بیان کے مطابق اسے بھی غیر ملکی مہمان کی خودکشی کی اطلاع علاقہ پولیس کے آنے کے بعد ہی ہوئی تھی۔ سب انسپکٹر نے بھی تصدیق کی جس وقت پولیس پارٹی جائے حادثہ پر پہنچی تو کمرا اندر سے بند تھا جسے انتظامیہ کی مدد سے کھولا گیا تھا۔ سراج اور اورنگ زیب ہر زاویے سے مرنے والے کی پوزیشن کا جائزہ لے رہے تھے۔

لاش اس وقت بیڈروم سے ملحقہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر آڑھی ترچھی پڑی تھی۔ مرنے والے کے چہرے پر بہ ظاہر کسی تشدد یا کشمکش کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ پولیس سرجن نے بھی لاش کو ہاتھ لگائے بغیر اسی بات کا اظہار کیا تھا کہ خودکشی کرنے والے نے اپنی مرضی سے کی ہے۔ سراج کے علاوہ اورنگ زیب کا ذاتی تجربہ بھی یہی کچھ کہہ رہا تھا لیکن فنگر پرنٹس اٹھائے جانے اور لاش کے پوسٹ مارٹم کے بغیر کوئی یقینی نتیجہ اخذ نہیں جا سکتا تھا۔ علاقہ چونکہ اورنگ زیب کا تھا اس لیے ضروری تھا کہ جائزہ لینے کے بعد دوسری ٹیموں کو بھی اندر آ کر کارروائی کرنے کی اجازت دے۔ خود سراج کو لے کر ایک طرف چلا گیا۔

''آپ کا کیا اندازہ ہے......؟'' اس نے سراج نے دریافت کیا۔

''بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے نے ذاتی فیصلے کے بعد خودکشی کی ہوگی لیکن ہم دوسرے شبہات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے کسی نے اس اقدام کے لیے مجبور کیا ہو۔'' سراج نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ''مجبوری کا خیال میرے ذہن میں اس لیے آیا کہ اگر اس خودکشی میں صرف مرنے والے کے ذاتی ارادے کو دخل ہوتا تو اسے تھانے کو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کمرے سے پھوٹنے والا تعفن دو تین روز میں خود دوسروں کو باخبر کر دیتا۔''

''وی ایگری ودیو لیکن ہمیں اس غیر ملکی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنی ہوگی کہ یہ کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ کس پروفیشن سے منسلک تھا اور اس گیسٹ ہاؤس میں کس مقصد سے ٹھہرا تھا؟ کیا آپ ذاتی دلچسپی لے کر یہ معلومات میری خاطر حاصل کر سکیں گے؟''

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے یہ ذمے داری از خود مجھے سونپ دی ورنہ میں کسی وجہ سے خود بھی ان باتوں کی کھوج لگانے کی کوشش ضرور کرتا۔''

''کوئی خاص وجہ......؟'' اورنگ زیب نے سراج کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''مجھے آج رات آپ کے ساتھ ڈنر کا پروگرام یاد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک میں آپ کو کچھ ضروری معلومات اور بھی فراہم کرسکوں۔''

''ٹھیک ہے، ویسے بائی دا وے ..... کہیں آپ اس معاملے میں بھی آکٹوپس کا ہاتھ تو نہیں محسوس کر رہے ہیں؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' سراج نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''ممکن ہے کہ رات تک میں اپنے ذرائع سے مزید کچھ اہم باتیں معلوم کرلوں۔''

ضروری کارروائی کے بعد لاش پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کرنے سے پیشتر سراج نے اورنگ زیب کی اجازت سے، دو تین زاویوں سے مرنے والے کی تصویر کا کلوز اپ اپنے موبائل میں محفوظ کرلیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اس کی واپسی ممکن ہوئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے وقت بھی اس کے ذہن میں شیخ حامد کا خیال بار بار ابھر رہا تھا جس کے سلسلے میں اورنگ زیب نے دبی زبان میں اس خودکشی کے پیچھے کا ایک خیال ظاہر کیا تھا۔ جگا کے سلسلے میں میڈم روبی کی فون کال بھی بلا مقصد نہیں رہی ہوگی؟ ممکن ہے کہ اس کال کا بھی سرا مرنے والے سے ملتا ہو؟ سراج کو علم تھا کہ میڈم روبی نے بھی اپنے مفاد کی خاطر کچھ ایسے چہروں کا انتخاب کر رکھا ہے جو شیخ حامد اور اس کے درمیان ڈھال کا کام انجام دے سکیں۔ ایک موقعے پر سراج کے استفسار پر میڈم نے دبی زبان میں اس کا اقرار بھی کیا تھا اور بھی بے شمار باتیں تھیں جو اس کے ذہن میں گڈمڈ ہورہی تھیں۔ کچھ دیر کے لیے وہ گاڑی میں لیاقت کی موجودگی کو یکسر فراموش کر چکا تھا جس کا احساس اسے لیاقت حسین کی آواز سن کر ہوا۔

''کیا بات ہے صاحب؟ ہم جہاں آئے تھے وہاں کوئی واردات ہوئی تھی؟''

''او...... ہاں۔'' سراج نے چونک کر جواب دیا۔ ''ایک غیر ملکی نے خودکشی کر لی ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس نے خودکشی سے قبل تھانے کو باقاعدہ اس کی اطلاع بھی دی تھی۔''

''ان فرنگیوں کے رنگ ڈھنگ بھی نرالے ہوتے ہیں صاحب۔'' لیاقت حسین نے ایک عام بات کی۔ ''یہ کسی نہ کسی طرح ہر معاملے میں اپنی برتری اور گوری سی رنگت کے اندر چھپے عیبوں کا اظہار کرنے میں بھی فخر محسوس کرتے ہیں۔''

سراج نے اس تبصرے پر کوئی جواب نہیں دیا۔ دفتر پہنچ کر اس نے دوبارہ مرنے والے کا ذکر چھیڑ دیا پھر سوچی سمجھی اسکیم کے پیش نظر اس نے مرنے والے کے کلوزاپ بھی لیاقت حسین کو دکھائے لیکن وہ ان تصویروں کو دیکھ کر نہ چونکا، نہ کسی بات سے اس کا اظہار ہوا کہ اس نے مرنے والے کو کبھی کہیں دیکھا بھی ہو۔ البتہ تصویر پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے اتنا ضرور کہا تھا۔

''یہ کوئی فرنگی تو نہیں ہے صاحب......''

''یہ ظاہر تمہارا اندازہ درست ہے مگر جب تک لاش کی چیر پھاڑ کی تفصیلی رپورٹ نہ آ جائے کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔''

''کیا لاش کا کوئی والی وارث بھی سامنے نہیں آیا۔''

لیاقت حسین نے کسمسا کر پوچھا۔ ''ہوٹلوں میں یا کہیں کرائے پر رہنے والوں کا بھی کوئی نہ کوئی پتا ٹھکانا تو تحریری شکل میں ضرور رہتا ہوگا۔''

''تمہارا خیال درست ہے، خودکشی کرنے والے نے خود کو سیاح بتایا تھا اور اپنی ضروری دستاویز بھی گیسٹ ہاؤس والوں کو دکھائی تھیں۔ پولیس نے وہ تمام ثبوت اور مرنے والے کے کمرے سے اس کی سفری دستاویزات اپنی تحویل میں لے لی ہیں۔ وہ کون تھا؟ کب یہاں آیا تھا اور کہاں کہاں ٹھہرا تھا؟ اس کی تفتیش کے بعد ہی تمام معلومات حاصل ہو سکیں گی۔''

لیاقت حسین نے کوئی مزید سوال نہیں کیا۔ سراج بھی کچھ ضروری کالیں کرنے میں مصروف ہو گیا، لیاقت حسین نے مرنے والے کی تصویر دیکھنے کے بعد کوئی ایسا تاثر ظاہر نہیں کیا تھا جس سے سراج کے شبہے کی تصدیق ہو سکے۔

⁂⁂⁂

لوچن اس وقت ساحل سمندر کی ایک ہٹ کی بالائی منزل پر صرف ایک برائے نام نیکر پہنے چاروں خانے چت لیٹا سن باتھ لے رہا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل آنا شروع ہوئے۔ اس وقت وہ پوری طرح سے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن اسے بہرحال موبائل کی طرف توجہ دینی پڑی جس پر ڈوما کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

''ہیلو......'' لوچن نے برا سا منہ بنا کر موبائل آن کر لیا۔

''کہاں سے بات کر رہے ہو......؟'' ڈوما نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''چھت کے اوپر اور آسمان کے نیچے آنکھ بند کیے سن باتھ لے رہا ہوں۔ تم نے اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' ڈوما کی سرسراتی آواز ابھری۔ ''تمہیں شاید نئی صورت حال کا

علم نہیں ہے۔''

''درست خیال ہے تمہارا۔'' لوچن نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔''میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ زیادہ روگ پالنا میرے اصول کے خلاف ہے۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے ہوٹل کی رہائش ترک کر کے ایک واقف کار فیملی کے ساتھ عارضی طور پر ایڈجسٹ کرلیا ہے۔''

''وہاں کوئی خوبصورت لڑکی بھی ہوگی۔'' لوچن نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔''محتاط ہی رہنا۔ پہلے بھی تمہاری نائٹ کلب کی ڈانسر فرینڈ کو سیون اسٹار نے چوبیس گھنٹے کی مہلت میں بیک ٹو پویلین کرادیا تھا۔''

''اس بار ایسا نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ سیون اسٹار کو فی الحال آم کھانے سے مطلب ہے، پیڑ گننے کا وقت اس کے پاس بھی نہیں ہے۔''

''اب تک کتنے پیگ حلق کے نیچے اتار چکے ہو؟'' لوچن نے سیون اسٹار کے حوالے پر دریافت کیا۔

''میں اس وقت پوری طرح ہوش وحواس میں ہوں۔'' ڈومانے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لیے سنجیدگی سے میری بات نہیں سن سکتے؟''

''سن رہا ہوں لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ مجھے کسی گرل فرینڈ کے بجائے سن باتھ زیادہ عزیز ہے اس لیے زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔''

''تمہاری مرضی۔ مگر شاید ہاشم کے بارے میں سن کر تم کو بھی سن باتھ سے منہ موڑنا پڑ جائے۔ سنجیدگی سے سنو، ہاشم اب اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''وہاٹ......'' لوچن کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔ اس نے تیزی سے اٹھتے ہوئے سوال کیا۔''کیا حادثہ پیش آگیا اسے؟''

''حادثہ نہیں مائی ڈیئر...... سیون اسٹار کے حکم پر اس نے سرخ کیپسول چبا کر نجات حاصل کر لی ہے۔'' ڈومانے بات جاری رکھی۔''اس حکم کی تعمیل نہ کرتا تو شاید اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا فرض بھی مجھے ادا کرنا پڑتا۔ کچھ دیر پہلے ہی ہاشم کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اٹھوالیا گیا ہے۔''

''اسے کس جرم کی سزا دی گئی ہے......؟''

جواب میں ڈومانے مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔''سیون اسٹار نے فوری طور پر تمہارے لیے بھی یہی حکم جاری کیا ہے کہ کسی ایسی جگہ پناہ تلاش کرو جہاں پولیس تم تک نہ پہنچ سکے۔''

''لیکن ہاشم کی ایک غلطی کی سزا ہم کو کیوں دی جارہی ہے؟ میرا یا تمہارا اس کی غداری سے کیا تعلق ہے؟''

''نہ سہی لیکن ...... ہاشم کا پاسپورٹ اور ضروری سامان پولیس کی تحویل میں ہے...... پولیس کی تفتیش کا دائرہ وسیع ہوا تو ہمارے نام بھی لسٹ پر آسکتے ہیں اس لیے کہ جس فلائٹ سے ہم یہاں پہنچے

تھے اس کے فرسٹ کلاس کے مسافروں میں ہماری بدنصیبی سے کوئی اور مسافر نہیں تھا۔ ہم دونوں کا نام بھی جہاز کے مسافروں کی فہرست پر موجود ہوگا۔‘‘

’’تم شاید ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ہاشم ......‘‘ لوچن کچھ کہتے کہتے رک گیا، اب تک اس کے ذہن میں یہی شبہ تھا کہ ہاشم ہی کسی عورت کو استعمال کر کے سیون اسٹار کے کوڈ کے ذریعے ان کو کمانڈ کر رہا تھا لیکن اس کی موت کی اطلاع نے اس شبے کی تردید کر دی تھی۔

’’خاموش کیوں ہو گئے......؟‘‘ ڈوما نے تجسس کا اظہار کیا۔’’کیا تمہیں ابھی تک یہی گمان ہے کہ میں نشے کی حالت میں ہوں؟‘‘

’’ڈوما......‘‘ لوچن نے اس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔’’کیا تم مجھے اس شخص کا حلیہ بتانا پسند کرو گے جسے ہاشم نے سیون اسٹار کا کوڈ استعمال کر کے ٹھکانے لگانے کا حکم دیا تھا۔‘‘

جواباً ڈوما نے اسپورٹس کار والے کا جو حلیہ بیان کیا اسے سن کر لوچن دوبارہ چونکا۔ اسے فوری یاد آ گیا کہ ہاشم سے اس کا آمنا سامنا کچھ دنوں پیشتر اس وقت ہوا تھا جب وہ جگا سے ملنے کشمیر فرنیچرز پر گیا تھا، واپسی پر ہاشم نے دبی زبان میں اس کا ذکر بھی کیا تھا۔ لوچن ابھی یکے بعد دیگرے اس کی اور ہاشم کی موت کی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا جب ڈوما نے اسے سرسراتی آواز میں مخاطب کیا۔

’’سیون اسٹار کا حکم ہے کہ ہمیں کچھ دنوں کے لیے ذاتی طور پر بھی خود کو پولیس کی نظروں سے بچانا ہے اس لیے فوری طور پر ہمیں بھی کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے اس وقت تمہیں یہی اطلاع دینے کا فرض ادا کیا ہے۔ اب تم چاہو تو سن باتھ لیتے رہو۔‘‘

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لوچن نے ساحلی علاقے سے فوری واپسی میں بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ اس کا ذہن بدستور ہاشم اور حادثے میں ہلاک ہونے والے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ جگا کا خیال بھی ان دونوں کے ساتھ ہی لوچن کو الجھا رہا تھا۔

⁂⁂⁂

امداد علی نے جس پیمانے پر اپنا کالا دھندا پھیلا رکھا تھا اس کے بعد اسے ملازمت کی ضرورت بھی نہیں تھی چنانچہ اس نے ایک جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر وقت سے پیشتر ہی پولیس کی ہیڈ کانسٹیبلی سے گلوخلاصی حاصل کر لی تھی لیکن وہ اب بھی سن گن لینے کی خاطر پرانے دوستوں اور ساتھیوں سے رابطہ رکھتا تھا تاکہ حالات سے پوری طرح باخبر رہے۔ اسے شیخ حامد کے بارے میں بھی خاصا کچھ معلوم تھا لیکن وہ دوسروں کے معاملے میں ٹانگ الجھا کے اصول کے خلاف تھا۔ خود شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر اچھالنا بھی اس کے نزدیک بلاوجہ کے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن جگا کی بات اور تھی۔

جگا سے اس کے مراسم بہت دیرینہ تھے اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جگا نے بڑے کینڈے کے

بدمعاشوں کی پشت پناہی کر کے اپنی ٹیم مضبوط بنا رکھی تھی لیکن وہ بھی بلاوجہ کے کشت وخون کا عادی نہیں تھا البتہ اس نے دوسرے اڈے پاڑوں پر اپنی دھاک ضرور بٹھا رکھی تھی۔ وہ اس پوزیشن میں تھا کہ شیخ حامد کے ٹکر لے سکتا تھا لیکن بلاوجہ کسی کے ساتھ الجھنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ امداد علی نے بھی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ کم از کم شیخ حامد سے الجھنے کی کوشش بھی نہ کرے۔ اسی نے حالات کے پیش نظر جگا کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ اسپورٹس کار والے کے حادثے کے بعد کچھ دنوں کے لیے زیادہ محتاط ہو جائے اس لیے کہ مرنے والا شیخ حامد کا دست راست تھا اور شیخ حامد کسی بھی مشتبہ آدمی کو بخشنے کا عادی نہیں تھا۔

امداد علی ایک پرانے دوست کی حیثیت سے بھی جگا کا خیال رکھتا تھا۔ ہفتے میں ایک دو بار اس کی خیریت بھی معلوم کرتا رہتا تھا۔ کبھی جگا بھی اس سے رابطہ کر کے اس کا حال احوال دریافت کرتا رہتا تھا۔ دونوں کے درمیان خاصا پرانا یارانہ تھا۔ خاص طور پر جگا اس کا احسان مند تھا جس نے آڑے وقت میں بھی اس کے ساتھ دوستی نبھانے میں بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا تھا۔ اسے جہانگیر بٹ سے جگا بنانے میں امداد علی کا ہاتھ تھا۔ جگا امداد علی سے کوئی بات چھپانے کا عادی نہیں تھا۔ زیادہ تر مشورے بھی اسی سے لیتا تھا، امداد علی کے ذریعے اسے خاص طور پر پولیس کے محکمے کے بارے میں خاص خاص خبریں ملتی رہتی تھیں۔

جگا ہر آڑے وقت میں امداد علی سے اپنی الجھنیں شیئر کرنے کا عادی تھا لیکن پر اسرار نووارد کی ملاقات کے بارے میں اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی۔ وہ ماورائی کہانیوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن جو کچھ اس نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے فراموش کر دینا بھی اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ نووارد کا احسان مند بھی تھا۔ اگر اس نے بروقت جگا اور اس کے آدمیوں کو آنے والے خطرے سے باخبر نہ کیا ہوتا تو شاید جگا اور کچھ خاص ساتھی اسی عمارت کے ملبے میں دفن ہو جاتے جسے دھماکے سے اڑایا گیا تھا۔ وہ دھماکا کس نے اور کس مقصد کے تحت کیا تھا اس کے بارے میں جگا کو صرف شیخ حامد پر شبہ تھا لیکن یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا اندازہ درست ہی ہو۔ ممکن تھا کسی دوسرے گروہ کے سرغنہ نے حالات سے فائدہ اٹھا کر جگا کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو اور بھی بہت سے امکانات تھے۔

بہت دیر سے وہ اسی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا جس اس کا خاص کارندہ اس کی ہدایت پر اس کے پاس پہنچ گیا، اس کے چہرے پر ابھی تک دھماکے سے پیدا ہونے والے تاثرات موجود تھے۔

''ہماری نفری کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟'' جگا نے اس سے تفصیل جاننے کی خاطر پوچھا۔

''نہیں استاد...... تمہاری بروقت اطلاع نے نفری کو تو بچا لیا لیکن اس عمارت میں ہمارا کچھ سامان ضرور ضائع ہو گیا۔''

''انسان زندہ رہے تو سامان بھی دوبارہ جمع کر لیتا ہے۔ جو ہوا اسے بھول جاؤ، صرف یہ معلوم

کرنے کی کوشش کرو کہ کس سرپھرے نے جگا کے ساتھ بلاوجہ دشمنی مول لینے کی کوشش کی ہے۔''

''کئی نام ذہن میں کلبلار ہے ہیں استاد لیکن ابھی یقین سے کسی ایک کی طرف انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔''

''اطمینان سے معلوم کرو لیکن یہ خیال رہے کہ ہماری خاموشی دشمن کو اور مغرور بھی کرسکتی ہے۔''

''تم فکر نہ کرو استاد...... میں نے ایک دو کھوجی لگائے ہیں۔ جس نے بھی اپنی موت کو دعوت دی ہے وہ زیادہ دنوں تک چھپر میں نہیں رہ سکے گا۔''

''باقی لوگ کہاں ہیں......؟''

''میں نے انہیں دوسرے ٹھکانوں پر ادھر اُدھر بانٹ دیا ہے۔ ہمارا فی الحال کسی ایک جگہ زیادہ تعداد میں رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔''

جگا کچھ سوچ رہا تھا کہ اس کے موبائل پر تھرتھراہٹ ہوئی۔ امداد علی کا نام دیکھ کر اس نے موبائل آن کرلیا۔

''سنا ہے تمہارے کسی ٹھکانے کو اڑا دیا گیا ہے؟ سب خیر تو ہے؟''

''اتفاق ہی سمجھو جو ہم نے دھماکے سے کچھ دیر پہلے وہاں سے کوچ کرلیا تھا ورنہ......''

''تمہارا دھیان کس کی طرف جارہا ہے؟''

''اوسان ٹھیک ہوجائیں تو اس پر غور کریں گے۔'' جگا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔''تمہاری کیا اطلاع ہے؟''

''میرا شبہ اسی ولدالحرام کی طرف ہے جس کا خاص الخاص بندہ شکار کیا گیا تھا۔'' امداد علی نے کہا۔''آج بھی ایک گرم گرم تازہ لاش پولیس کے ہاتھ لگی ہے میں تمہیں اسی کے بارے میں تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔''

جگا بڑی سنجیدگی سے دوسری جانب سے فراہم کی جانے والی تفصیل سنتا رہا۔ امداد علی نے گیسٹ ہاؤس سے ملنے والی لاش کا جو حلیہ بیان کیا وہ جگا کے لیے نیا تھا لیکن جب اس کے سیاہ فام غیر ملکی ہونے کے بارے میں معلوم ہوا تو جگا چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''یار امداد علی...... تمہارے مخبر نے کیا بتایا ہے مرنے والے کے بارے میں؟''

''صرف ایک بات اہم ہے......'' دوسری طرف سے جواب ملا۔''پولیس نے مرنے والے کا جو پاسپورٹ قبضے میں لیا ہے اس کی تصویر خودکشی کرنے والے کی شکل سے نہیں ملتی...... ہوسکتا ہے کہ اس نے میک اپ کیا ہوا ہو۔ ابھی پکی اطلاع نہیں ملی، لاش کا پوسٹ مارٹم ہوجائے تو چہرے مہرے کا بھید بھی کھل جائے گا۔''

''پاسپورٹ پر کوئی نام تو ہوگا......؟'' جگا نے کرید کی۔

''جو کچھ میرے ہاتھ لگا ہے اسے اتفاق ہی سمجھو۔'' امداد علی نے جواب دیا۔''ایس پی اورنگ زیب کے علاوہ ڈی ایس پی سراج بھی ساتھ ساتھ نظر آئے تھے، حالانکہ دونوں کا علاقہ الگ الگ

ہے لیکن آج کل دونوں بہت گھل مل رہے ہیں۔ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ نیا ایس پی بھی خاصی پہنچ والا ہے۔اسی لیے اس نے شیخ حامد سے پنگا بھی لے رکھا ہے۔''

''ڈی ایس پی سراج کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟'' جگا نے سوال کرنے کے بعد بات بناتے ہوئے کہا۔''میں نے سنا ہے کہ وہ اصول کا پابند اور فرض شناس آفیسر ہے؟''

''میرا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ پولیس کی اگاڑی پچھاڑی سے انسان جتنا دور رہے اتنا ہی بہتر ہے۔تم خاص طور پر سراج کے لیے کیوں معلوم کر رہے ہو؟''

''یوں ہی۔'' جگا نے پھر بات گول کرنے کی کوشش کی۔''پچھلے دنوں میرا ایک واقف بے گناہ رگڑے میں آ گیا تھا تفتیش کے بعد سراج ہی نے اسے ذاتی فیصلے پر چھوڑ بھی دیا تھا۔''

''میں بھی دو تین مہینے اس کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ دوسروں کے مقابلے میں وہ بہر حال زیادہ انصاف پسند ہے۔''

کچھ دیر تک امداد علی اور جگا کے درمیان مشترکہ امور پر گفتگو ہوتی رہی پھر جگا نے کہا۔

''گیسٹ ہاؤس سے جس کی لاش ملی ہے اس کا نام کسی طرح معلوم ہو سکے تو مجھے ضرور بتانا۔''

''کوئی خاص بات معلوم کرانی ہے؟''

''ہاں ......'' جگا نے سیاہ فام ہاشم کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔''اگر گیسٹ ہاؤس میں ملنے والی لاش اسی کی ہے تو پھر اس میں بھی شیخ حامد ملوث ہوگا۔''

''کیوں؟ تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟''

''جس روز اسپورٹس کار کے حادثے میں مرنے والا میری فرنیچر والی دکان پر آیا تھا اسی روز ہاشم بھی مجھ سے ملا تھا۔ وہ کسی دوسری پارٹی کے لیے کام کر رہا تھا۔تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ شیخ حامد کی رہائش پر حملہ کرانے کی خاطر ہاشم نے چار بندے مجھ سے بھی حاصل کیے تھے۔'' جگا نے تفصیل دہراتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔''بڑا کھرا اور معاملے کا پکا بندہ تھا۔''

''کیا اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کس پارٹی کے لیے کام کر رہا تھا؟''

''نہیں......''

''پھر یہ معاملہ بھی کھنگالنا پڑے گا۔'' امداد علی نے سنجیدگی سے اظہار خیال کیا۔''کھوج لگانا ہوگا کہ وہ دوسری پارٹی کون ہے جو شیخ حامد جیسے خطرناک آدمی سے پنجہ لڑا رہی ہے؟''

''بندہ سر پر کفن باندھ لے تو طوفان کا منہ پھیر جا سکتا ہے۔'' جگا نے پھریری لے کر جواب دیا۔''میں بھی زیادہ دونوں تک چھین چھپائی کا کھیل جاری نہیں رکھ سکتا' لیکن تم سے مشورہ کرنے کے بعد میں شیخ حامد کو بھی دیکھ لوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔''

''جلد بازی سے کام نہ لینا۔'' امداد علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔''اگر اس کی نوبت آ ہی گئی تو پھر میں بھی تیرے ساتھ ہی شانہ بشانہ رہوں گا۔ کچھ چھوٹا موٹا قرض مجھے بھی نمٹانا ہے۔''

''یہ ہوئی نا بات...... ایک اور ایک مل کر ہم گیارہ ہو جائیں گے۔'' جگا نے خوشی کا اظہار کیا پھر

اس نے دوبارہ ہاشم کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کہا۔

''تو فکر نہ کر...... میں مرنے والے کا نام بھی معلوم کرتا ہوں، کل تک بتا سکوں گا...... رب راکھا''

''رب راکھا......'' جگا نے موبائل آف کیا پھر اپنے ساتھی سے باتوں میں مشغول ہو گیا۔

+++

دارا رستم علی کو بیرون ملک سے تعلیم مکمل کر کے واپس آئے تقریباً ڈیڑھ سال گزر چکے تھے لیکن پانچ سال تک وہاں کے ماحول نے اس کے ذہن پر جو گہرے نقوش مرتب کیے تھے اس کا اثر ابھی تک اس کے دل و دماغ پر مسلط تھا۔ وہاں کی تہذیب اسلام کے منافی ضرور تھی لیکن وہاں کا رہن سہن، اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی، صاف ستھرا ماحول اور خاص طور پر قانون کی بالادستی نے اس قدر متاثر کیا تھا کہ وہ ابھی تک اسے بھول نہیں سکا تھا۔ وہاں قانونی معاملات میں جج اور جیوری جو فیصلہ کرتے اس میں چھوٹے بڑے کی تمیز سے بالاتر ہو کر صرف جرم کی نوعیت اور اس کی شدت کو پرکھا جاتا تھا۔ اسی کے مطابق فیصلہ بھی سنا دیا جاتا تھا۔ وہاں کسی قسم کے سفارش یا رشوت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اس ملک کے باشندوں کے علاوہ دوسروں ممالک کے بڑے بڑے سفارت کاروں کو بھی کم از کم جرائم اور اس کے سدباب کے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں دی جاتی تھی، قانون کے فیصلے کا معیار سب کے لیے یکساں تھا۔

دارا نے وہاں کئی وارداتوں کی تفصیل اخبارات اور ٹیلی وژن پر بھی دیکھی اور پڑھی تھی سب سے تعجب اسے ایک ایسے کیس میں ہوا جہاں ایک ملک کے فرماں روا کو بھی جو کئی اعتبار سے اس ملک پر فوقیت رکھتا تھا، اپنے ایک شہزادے کے سلسلے میں بھی قانون کے سامنے زبان کھولنے اور کسی قسم کا احتجاج کرنے سے گریز کرنا پڑا۔ قانون کے ذمے داروں نے محض ایک ہفتے کی سماعت کے بعد واردات میں ملوث شہزادے کو عمر قید کی سزا سنا دی تھی۔ اس کیس میں ملوث شہزادے نے بھی یہ سوچ کر اپنے جرم کا اقرار کر لیا تھا کہ جو ملک کئی معاملات میں اس کے باپ کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہتا تھا، اس کے ساتھ یقیناً اپنی مجبوری کے تحت رعایت سے کام لے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ قانون کا فیصلہ شہزادے کے باپ کو بھی تسلیم کرنا پڑا لیکن...... وہی دارا اب اپنے ملک میں حکومت کو ہر بات کروڑوں کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد بھی ایک ایسے معاملے میں بے بس تھا جہاں ایک مشتبہ کاروباری حریف نے اس کے باپ کو اس کی اپنی چھت کے نیچے اپنے شکاری کتوں کے ذریعے زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی ایک گھریلو ملازمہ کو گولی مار کر زخمی کر دیا گیا تھا جس علاج کی خاطر بھی چوری چھپے ایک اسپتال میں داخل کرایا گیا۔ وہ ملازمہ قانون کے لیے ایک اہم اور ناقابل تردید ثبوت تھا لیکن سیٹھ رستم آیا خان جو چیمبرس آف کامرس کا نائب صدر تھا وہ بھی اس جرم یا مجرموں کے خلاف زبان کھولنے سے خوفزدہ تھا، قانون تو دور کی بات تھی، اس نے خود دارا اور اس کی جرمن نژاد بیوی روشنا کو بھی اس معاملے کی کوئی بھنک نہیں لگنے دی تھی۔ دودھ کی مکھی ہی کی طرح الگ رکھنا مناسب

خیال کیا تھا۔

اس وقت بھی دارا کے ذہن میں روشنا کی زبانی سنی ہوئی کہانی گونج رہی تھی۔ اس نے اپنے ذرائع سے اس بات کی تصدیق بھی کرالی تھی کہ اس کی گھریلو ملازمہ گلابو ابھی تک ایک اسپتال میں زیرِ علاج تھی جہاں اس کے مرض کی نوعیت کو دوسرا رنگ دیا گیا تھا۔ شاید اس لیے کہ اگر گولی لگنے والی کہانی سامنے آجاتی تو پولیس اور قانون کے ٹھیکیدار اسپتال کو اس بات کا ذمے دار ٹھہراتے تھے کہ انھوں نے قانون کے علم میں لائے بغیر اسے داخل کیوں کیا؟ دارا کے لیے یہ قانون بھی انوکھا تھا۔ اس نے دنیا کے جو ممالک دیکھے تھے وہاں کے اسپتال کا قانون اس سے مختلف تھا، وہاں انسانی جان کو سب سے پہلے بچانا ڈاکٹروں کا اولین فرض تھا۔ پولیس کو اس کی نوعیت سے آگاہ کرنا ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔

دو روز سے وہ اسی الجھن میں گرفتار تھا۔ ایک دو بار اس نے باپ سے بھی کھل کر بات کرنے کی کوشش کی لیکن کئی وجوہ سے خون کا گھونٹ پی کر چپ رہا مگر یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی کہ جو کاروباری حریف آج اس کے باپ کو غیر قانونی حرکت سے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر رہے تھے۔ کل اسے بھی اپنا ہدف بنانے سے گریز نہ کرتے۔ اسی خیال کے پیشِ نظر آج وہ ایک آخری فیصلہ کر کے باپ کے پرسنل آفس میں آیا تھا لیکن رستم علی کو ایک اہم میٹنگ میں جانا تھا اس لیے وہ اسی کمرے میں بیٹھ کر حالات کا جائزہ لے رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی، اس نے غیر اختیاری طور پر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ عام حالات میں وہ باپ کی کال ریسیو کرنے کے اصول کے خلاف ہی تھا۔

''ہیلو......'' اس نے ماؤتھ پیس میں حسبِ معمول ایک رٹا ہوا جملہ دہرایا۔ ''رستم علی گروپ آف انڈسٹریز......''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے گلابو کی خاطر بھی دور اندیشی سے کام لیا۔'' دوسری جانب سے کسی نے بازاری لب و لہجے میں اپنی برتری ظاہر کرنے خاطر بڑی دبنگ آواز میں کہا۔ ''آئندہ بھی اس بات کا خیال رکھنا کہ تم اب اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ زبان کھول سکو۔ دوسری شکل تم بھی جانتے ہو کہ جو ثبوت حاصل کیے گئے وہ تمھیں کسی کو منہ دکھانے کے بجائے خودکشی پر مجبور کر دیں گے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''تم......'' دارا نے تیز لہجے میں جواب دینا چاہا لیکن یکلخت کسی فوری خیال سے خود پر قابو پاتے ہوئے پسپائی کا انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ ''اب تم کیا چاہتے ہو......؟''

''صرف ان کاروباری معاملات میں کسی گونگے کی طرح تمہاری خاموشی جن کے بارے میں تمھیں ایسا کرنے کا حکم دیا جائے۔'' اس بار بھی تضحیک آمیز انداز میں کہا گیا۔

''کیا ہم فون کے بجائے آمنے سامنے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے؟'' دارا نے اپنی رگوں میں کھولتے ہوئے خون کی شدت پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''تم نے غلط اندازہ لگایا رستم علی...... میں وہ نہیں بول رہا جو تم سمجھ رہے ہو؟''

''پھر......تم کون ہو......؟''

''باس کے حکم پر دم ہلانے والا ایک ادنیٰ خادم...... جو زبان چلانے کے علاوہ باس کے حکم پر اپنی کنپٹی پر پستول رکھ کر لبلبی دبانے سے بھی کبھی دریغ نہیں کرتا۔'' دوسری جانب سے بولنے والے کا لب ولہجہ سرد وسفاک ہوگیا۔''جو کہا گیا ہے......اسی پر تم بھی دم ہلاتے رہو۔زبان کھولنے یا کوئی چال چلنے کی غلطی تو پھر تمہارے بیٹے اور اس کی خوبصورت بیوی کا نمبر بھی آسکتا ہے۔''

دارا کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔اسے جس بات کا خطرہ تھا وہ بات کھل کر اب اس کے سامنے آرہی تھی۔اس نے پہلو بدل کر تلملاتے ہوئے کہا۔''ایک بات تم بھی یاد رکھو،بات اگر دارا یا روشنا تک پہنچی تو پھر میں بھی برداشت نہیں کروں گا۔''

''کیا کرو گے آغا خانی......؟''خشک انداز میں سوال کیا گیا۔''اب خودکشی کرنے کے سوا تمہارے پاس اور کیا آپشن رہ گیا ہے؟''

''جب انسان مرنے کی ٹھان لے تو پھر وہ اپنے ساتھ دوسرے کو ختم کرادینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔''دارا نے اس بار بھڑک کر جواب دیا۔''میں سیٹھ عثمان نہیں ہوں جو تمہارے سامنے ہتھیار ڈال گیا۔''

''کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے......؟''

''میں تم جیسے پالتو،دم ہلانے والوں سے بات نہیں کرسکتا۔''دارا نے کچھ سوچ کر کہا۔''اپنے بگ باس سے کہو کہ مجھ سے براہ راست بات کرے۔''

''تمہیں یہ جسارت بھی مہنگی پڑے گی۔''دوسری جانب سے ڈھکے چھپے انداز میں ایک وارننگ دینے کے ساتھ ہی لائن منقطع کردی گئی۔دارا کا پورا وجود سلگ اٹھا۔بات اب اس کی برداشت سے باہر ہورہی تھی۔وہ باپ کے کمرے سے اٹھ کر اپنے دفتر میں آگیا۔اپنے ذرائع سے اس نے یہ معلوم کرانے کی کوشش کی کہ کچھ دیر قبل آخری بار کس نمبر سے رستم علی کے نمبر کو کال کیا گیا تھا۔جواب اس کی توقع کے عین مطابق تھا،مذکورہ کال کسی پبلک بوتھ سے کی گئی تھی۔

دارا کا ذہن اس وقت اس قابل بھی نہیں رہا تھا کہ پرسکون انداز میں دفتری امور کو دیکھتا،اس کے ذہن میں ''شیخ حامد'' کا نام کسی نیون سائن کی طرح خطرے کی علامت بن کر بار بار جل بجھ رہا تھا۔اس کے پاس حالات کی روشنی میں صرف تین آپشنز تھے۔پہلا یہ کہ روشنا کے ذریعے جو کچھ معلوم ہوا تھا اور ماں نے بھی جس انداز میں اصل باتیں چھپانے کی خاطر ایک فرضی کہانی سنائی تھی اسے یکسر ذہن سے نکال دیتا۔صرف اپنے کام سے کام رکھتا لیکن...... رستم علی کی واحد اولاد ہونے کے رشتے سے یہ بات اس کے لئے ممکن نہیں تھی۔دوسرا راستہ یہ تھا کہ باپ سے کھل کر بات کرتا اور وہ بات معلوم کرنے کی کوشش کرتا جس کے منظر عام پر آنے کے بعد......فون کرنے والے کی دھمکی کے مطابق رستم علی زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا' کسی کو منہ دکھانا بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔وہ ایسا کیا ثبوت تھا جس کے سامنے آجانے کے بعد اس کا باپ زندگی پر موت کو ترجیح دیتا؟ تیسرا

راستہ یہ تھا کہ دارا ذاتی طور پر ان معاملات کی چھان بین کر کے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا یا پھر...... خاموشی سے باپ کو حالات کے رحم وکرم پر تنہا چھوڑ کر خود روشنا کے ساتھ ہمیشہ کے لئے بیرون ملک چلا جاتا۔ تادیر وہ ان تمام ممکنہ آپشنز پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے ایک آخری فیصلہ کرلیا۔ اپنی ذاتی حیثیت میں مشتبہ کو کھوج لگا کر پردہ سے باہر لانا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فیصلہ۔ اس اہم فیصلے کی روشنی میں اس نے اپنے ایک پرانے جگری دوست عاطف سے ملنے کا فیصلہ کرلیا۔

☩☩☩

عاطف' دارا کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا اور چار ماہ پیشتر ہی فوج سے بحیثیت میجر ریٹائر ہوا تھا۔ اس کی ریٹائرمنٹ میں اس کی عمر کا نہیں بلکہ ایک حادثے کا دخل تھا جس کے بعد اسے تمام اعزازات اور تمغۂ شجاعت سے نوازنے کے بعد ریٹائر کیا گیا تھا۔ میجر عاطف ایک نڈر' بے خوف اور فرض شناس آفیسر تھا۔ اپنی ذہانت' کارکردگی اور بڑے باپ کا بیٹا ہونے کے سبب اعلیٰ حلقوں میں اس کا اثر و رسوخ بھی تھا۔ عاطف اور دارا کی ہر دس پندرہ دن بعد ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں' ان ملاقاتوں میں وہ ہمیشہ بے تکلف دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے دنیا جہان کی باتیں کرتے تھے۔ میجر عاطف...... ریٹائر ہونے کے دو ماہ بعد ہی ایک اور صدمہ لاحق ہوا تھا۔ اس کی محبوب بیوی جسے وہ بے پناہ چاہتا تھا اچانک ہارٹ اٹیک کا شکار ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ اس سانحے کے بعد دارا برابر اس کا غم بٹانے کی اپنی سی ہر ممکن کوشش کرتا رہا تھا۔ روشنا نے بھی دارا کا بھرپور ساتھ دیا تھا' جس کی وجہ سے میجر عاطف نے جلد ہی اپنے غم کو دل کے نہاں خانوں تک محدود کرلیا۔

دارا نے ایک آخری فیصلہ کر کے اسی وقت عاطف کو کال کیا' پھر اسی شام دفتر سے اٹھ کر وہ سیدھا عاطف کے پاس چلا گیا۔ اس موقعے پر اس نے روشنا کو ساتھ لینا مناسب نہیں سمجھا۔ عاطف سے بہت دیر تک وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ عاطف بھی اس کے ساتھ گھل مل کر باتیں کر رہا تھا' لیکن پھر اچانک اس نے دارا کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو تم نے آج کسی خاص وجہ سے روشنا کو ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تمہاری مطلوبہ ذہانت ابھی تک برقرار ہے۔''

''کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟'' عاطف نے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ہاں ......لیکن ایک شرط ہے۔'' دارا نے کسمسا کر جواب دیا۔''تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے۔ روشنا سے بھی نہیں۔''

عاطف نے اقرار میں گردن کو جنبش دی۔ وہ دارا سے تفصیل جاننے کا منتظر تھا۔ دارا نے کچھ توقف کے بعد اسے پوری تفصیل سنائی۔ جو فون کال ریسیو ہوئی تھی اس کے بارے میں بھی بتا دیا۔ گلابو کے سلسلے میں روشنا نے جو معلومات فراہم کی تھیں وہ بھی دہرا دیں۔ اپنا منصوبہ بغیر کسی ترمیم کے بیان کر دیا۔ عاطف پوری توجہ سے سنتا رہا' پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

''تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ مجھے پسند آیا۔ حالات کے پیش نظر انکل کو تنہا چھوڑ دینا تمہیں زیب بھی نہیں دے گا۔''

''ایک بات اور......'' دارا نے کہا۔ ''بہتر ہوگا کہ تم کوئی ایسا مشورہ دو کہ میں بھی منظر عام پر نہ آؤں۔ مجھے اپنی فکر نہیں لیکن دشمن روشا کو بھی اپنا ہدف بنا سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر شاید میں کسی بھی مصلحت کو خاطر میں لائے بغیر کچھ بھی کر گزروں گا۔''

''ریلیکس۔'' عاطف نے دارا کو سمجھایا۔ ''جلد بازی اور جذبات پر اگر انسان کی گرفت کمزور پڑ جائے تو پھر وہ کوئی جنگ نہیں جیت سکتا' میں تمہاری تمام باتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ تم فی الحال سامنے نہیں آنا چاہتے تو نہ آؤ لیکن ایک بار دشمن کے بارے میں یقین ہو جانے کے بعد تمہیں یا انکل کو بہرحال سامنے آنا پڑے گا۔''

''یو آر رائٹ۔'' دارا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر ضرورت پڑے تو پھر میں ڈیڈ کے بجائے خود سامنا کرنے سے پیچھے بھی نہیں ہٹوں گا۔''

''تمہیں اس بات کا شبہ کس حد تک ہے کہ شیخ حامد ہی ہمارا وانٹڈ کریمنل ہے؟'' عاطف نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''نوے فیصد'' دارا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''ڈیڈ سے پیشتر وہ باسٹرڈ سیٹھ عثمان کو بھی میدان سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر چکا ہے۔''

''او کے...... پہلے اس کو چیک کرائے لیتے ہیں۔'' میجر عاطف نے بڑے سکون سے کہا پھر اپنا موبائل اٹھا کر کسی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے موبائل کا مائیک آن کر دیا تاکہ دارا بھی تفصیلی گفتگو سن سکے۔

''ہیلو...... ڈاٹ' ڈاٹ' ون فور آن دی لائن۔'' دوسری جانب سے کسی نے ٹھوس آواز میں مخصوص کوڈ نمبر سے اپنی شناخت کرائی۔

''اف از آپریشن تھرٹی سکس۔'' عاطف نے بھی کوئی مخصوص ریفرنس دیا۔

''ہیلو سر...... کیسے یاد کیا خادم کو......؟'' اس بار بے تکلفی کے ساتھ بڑے مہذب انداز میں پوچھا گیا۔

''تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے۔ کام ٹاپ سیکرٹ نوعیت کا ہے اس لیے میں نے تمہیں تکلیف دینے کے لئے......''

''نو فارمیلٹی سر......'' عاطف کی بات کاٹ کر کہا گیا۔

''میں اب بھی آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کام بتائیں۔''

''ایک مشتبہ شخص کی نقل و حرکت واچ کرنی ہے۔'' عاطف نے سنجیدگی سے مطلب کی بات کی۔ ''ایک ہفتے بعد تمہاری رپورٹ کے بعد ہی کوئی فائنل آپریشن کا فیصلہ کروں گا۔ میرا ذاتی ہی کام سمجھنا۔''

''آپ نام اور پتا بتا دیں سر...... میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔''
جواب میں عاطف نے شیخ حامد کا نام اور دیگر ضروری کوائف بتانے کے بعد کچھ رسمی جملے ادا کیے پھر کال منقطع کر دی۔
''کون تھا......؟'' دارا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
''ہے ایک کمانڈوز کا سب سے ذہین آدمی......''
عاطف نے جواب دیا۔''کسی وجہ سے آج بھی میری بے حد عزت کرتا ہے۔ اس کے لیے ایک ہفتے کی مہلت بھی بہت ہوگی۔ اتنا باصلاحیت ہے کہ کسی سب میرین کے پیندے میں سوراخ کرنے کا کام انجام دینے میں بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''
''گلابو کے سلسلے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟ کیا میں کسی ذریعے سے اس کی زبان سے سچ اگلوانے کی کوشش کروں۔ ہوسکتا ہے وہ اس شخص کی کچھ نشاندہی کر سکے جس کی گولی نے اسے موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار کر دیا تھا۔''
''یہ ذمے داری بھی میرے اوپر چھوڑ دو۔ پولیس کے محکمے کے کچھ سینئر آفیسرز سے بھی میری سلام دعا ہے۔'' عاطف نے مسکرا کر کہا۔''وہ بھی ڈاٹ ڈاٹ ون فور کی طرح میری عزت کرتے ہیں۔ بکنے والے لوگ بھی نہیں ہیں۔''
دارا نے عاطف کا جواب سن کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد اس کے درمیان کچھ دوسرے موضوعات پر کھل کر ہنسی مذاق کی بے تکلفانہ باتیں شروع ہوگئیں۔ دارا کو محسوس ہو رہا تھا کہ عاطف سے اپنی پریشانی بانٹنے کے بعد اس کے ذہن سے جیسے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔

+++

شیخ حامد اس وقت اپنے مخصوص ساؤنڈ پروف کمرے میں بیٹھا دوسرا پیگ ختم کر رہا تھا۔

عام حالات میں وہ دفتر میں پینے پلانے کے خلاف تھا لیکن ...... آج وہ خلاف معمول بہت خوش تھا۔ اس کی نظریں بار بار کنول کے کمرے کے اس دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں جو اس وقت بند تھا۔ دفتر کے لوگوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ کنول نے اچانک ملازمت سے استعفیٰ کیوں دے دیا ہے؟ یہ بات بھی قابل توجہ تھی کہ بگ باس نے وہ استعفیٰ منظور کس طرح کر لیا؟ سب ہی محسوس کر رہے تھے کہ کنول ایک حسین اور انمول نگینہ تھی اور شیخ حامد اس قسم کی حسین لڑکیوں کو آسانی سے اپنے جال سے نکلنے کی اجازت کبھی نہیں دیتا تھا۔ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن تھا جب وہ اس ہیرے کی تراش خراش سے بھی پوری طرح سیر ہو کر اپنی پیاس بجھانے اور دل کی حسرتیں اچھی طرح پوری ہو جائیں۔ کنول کو اس نے جو خاصی مراعات دے رکھی تھیں' وہ بھی اس سے پہلے کسی اور خاتون ورکر کو حاصل نہیں تھی۔ پھر' کنول کا اچانک ملازمت ترک کر دینا اور بگ باس کی خاموشی۔ دونوں ہی ایسے سوال تھے جن کا جواب دفتر کے لوگوں کے لیے تعجب خیز تھا' مگر وہ اس بارے میں صرف دل ہی دل میں سوچ سکتے تھے' زبان کھولنے کی جرأت کسی میں نہیں تھی۔

شیخ حامد کا دفتری اوقات میں شراب نوشی کرنا بھی خلاف معمول تھا۔ خود شبنم بھی ساؤنڈ پروف کمرے میں قدم رکھتے وقت چونکی تھی۔ اس کے اپنے ذہن میں بھی کچھ خطرات نے سر ابھارنا شروع کر دیا تھا۔ ''ہو سکتا ہے اس شراب نوشی کا خمار اسی کی ذات پر سرد ہوتا۔'' یہ تصور ہی اس کے لیے کسی بھونچال سے کم نہیں تھا' لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ الٹے قدموں واپس لوٹ جاتی۔ اس لیے اس کی عزت کا بھرم بھی ''مخرب اخلاق تصویروں'' کی شکل میں شیخ حامد کے پاس محفوظ تھا۔ وہ جبراً مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔ شیخ حامد نے اسے مسکرا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر ایک چسکی لے کر کنول کے بند دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے عجیب انداز میں بولا۔

''آج تم خلاف معمول زیادہ میک اپ اور ٹپ ٹاپ کنڈیشن میں نہیں ہو......؟ کوئی خاص وجہ؟''

''صبح آنکھ دیر سے کھلی تھی اس لیے موقع نہیں ملا۔''

''مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ تم نے کل کا دن کن مصروفیات میں گزارا تھا۔'' شیخ حامد نے شبنم کے خدوخال پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر کہا۔

''آپ نے نہ بلایا ہوتا تو میں خود رپورٹ دینے آتی۔''

''کوئی خاص بات......؟''

''میں نے افضل خان کو پوری طرح کھنگال کر دیکھ لیا ہے۔'' شبنم نے سنبھل کر کہا۔''وہ اب اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ آپ کے کسی حکم سے انکار کر سکے۔ میں نے اسے اپارٹمنٹ میں ساتھ رہنے والی بات بھی بتادی۔ اس نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔''

''ہوں......'' شیخ حامد نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے شبنم کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔''اسے دکھ تو ہوا ہوگا کہ اب اس اپارٹمنٹ میں اس کی حیثیت وہ نہیں ہوگی جو پہلے تھی۔''

شبنم نے کسمسا کر دبی زبان میں جواب دیا۔''میں نے اس پر فی الحال یہ ظاہر کیا ہے کہ اس اپارٹمنٹ کو نئے سرے سے فرنشڈ کرا کے ہم دونوں کو مشترکہ طور پر بطور حسن کارکردگی انعام دیا گیا ہے۔''

شیخ حامد نے کسی ردعمل کا اظہار کرنے کے بجائے شبنم کو وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''سوری سر......'' شبنم نے پہلو بدل کر کہا۔''میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ کچھ دنوں ساتھ رہ کر افضل خان کو قریب سے چیک کروں اور......خود اکو اس طرح پوز کروں کہ اسے خود بھی میری حیثیت کا اندازہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ جس ردعمل کا مظاہرہ کرے گا وہ ہمارے لیے زیادہ کارآمد ہوگا۔''

''گڈ......'' شیخ حامد نے اس بار خشک لہجے میں اسے سراہنے کے ساتھ ساتھ تنبیہ بھی کی۔ ''تمہاری یہ پالیسی زیادہ کارآمد ہو سکتی ہے لیکن آئندہ محتاط رہنا۔ مجھ سے مشورہ کیے بغیر آئندہ بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔''

''او کے باس۔'' شبنم نے سٹپٹا کر اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

''افضل خان کی دم کچھ سیدھی ہوئی یا نہیں؟''

''ایسی ویسی......'' شبنم نے سنجیدگی سے کہا' پھر افضل خان کے وہ آخری جملے لفظ بہ لفظ دہرائے جو اس نے بگ باس کے سلسلے میں اور اس کی سابقہ مہربانیوں کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے کہے تھے۔

شیخ حامد نے ایک بار پھر......کن انکھیوں سے کنول کے بند دروازے کی جانب دیکھا۔ گلاس میں بچی لال پری کو ایک ہی گھونٹ میں حلق کے نیچے اتارا پھر شبنم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس کے جملوں کے اندر تمہیں کسی دو منہ والے سانپ کا خیال نہیں آیا جو ایک طرف خطرہ دیکھ کر بڑی عیاری سے دوسرا رخ اختیار کرتا ہے۔'' شیخ حامد نے سرسراتی آواز میں کہا۔''محبت اور جنگ میں بھی ہر قسم کے حربے استعمال کرنے کو جائز سمجھا جاتا ہے۔''

''اس شبہے کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن......اگر افضل خان نے ایسا کیا تو وہ اس کی

زندگی کا آخری دن......"

"یہ سوچنا میرا کام ہے جان من......" اس بار شیخ حامد نے شبنم کو مخمور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان نظروں میں ایک بہکے ہوئے شرابی کے لڑکھڑاتے قدم دیکھ کر ہی شبنم کو پھریری آ گئی لیکن اسی وقت سامنے رکھے ہوئے موبائل کی وائبریشن نے شیخ حامد کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ اس نے سکرین پر نظر آنے والے نمبروں کو دیکھ کر موبائل اٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔ بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کیا رپورٹ ہے......؟"

"باس......ڈی ایس پی اور ایس پی میں آج کل کچھ زیادہ ہی گھٹنے لگی ہے۔ ہاشم کے معاملے میں بھی دونوں بڑی سرگرمی دکھا رہے ہیں۔"

"اس کی موت کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے......؟"

"اس نے خودکشی نہ کی ہوتی تو ہم نے اس کا قصہ پاک کر دیا ہوتا لیکن یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ......"

"نان سینس!" شیخ حامد نے جھلا کر کہا۔ "جتنا پوچھا گیا ہے صرف اس کا جواب دو۔"

"سوری باس...... میں نے آدمی پیچھے لگا دیئے ہیں جس نے ہم سے پہلے شکار کر لیا ابھی اس کا کھوج نہیں ملا لیکن......"

"دوسرے باسٹرڈ کی کیا رپورٹ ہے؟" اس بار بھی دوسری طرف سے پورا جملہ سنے بغیر سوال کیا گیا۔

"ہم نے وہ پورا ٹھکانا ہی اڑا دیا تھا' مگر وہاں سے کوئی لاش نہیں ملی۔"

"پھر......تمہاری اس کارکردگی پر کیا انعام دیا جائے؟" شیخ حامد کا لہجہ ایک دم ہی خطرناک ہو گیا۔

"ہم کوشش کر رہے ہیں باس...... بہت جلد اس کا سراغ بھی لگا لیں گے۔" دوسری طرف سے عاجزی کا اظہار کیا گیا۔ "ہمارے لوگ پوری طرح محتاط اور چوکس تھے' مطلوبہ آدمی کیسے اور کس طرح نکل گیا یہ بات......"

"ربش......" شیخ حامد نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔ "میں پراسرار کہانیاں سننے کا عادی نہیں ہوں۔ تمہیں صرف دو روز کی ملت اور دی جا رہی ہے۔"

"رائٹ سر......"

"جو لوگ سر جوڑ رہے ہیں' انہیں بھی اب ایک ہلکے شاک کی ضرورت ہے۔ اس بات کا خیال رہے کہ بات مرہم پٹی سے گزر کر قبرستان تک نہ پہنچے۔"

"سمجھ گیا باس......"

"آج رات کے لیے جو ہدایت دی ہے اس کا خیال رکھنا۔" شیخ حامد نے ہونٹ چباتے

ہوئے کہا پھر موبائل آف کر دیا۔

''باس ......'' شبنم نے ہمت کر کے دبی زبان میں پوچھا۔ ''کیا میں کسی کام آ سکتی ہوں؟''

''کنول کے ملازمت چھوڑنے کے سلسلے میں دفتر میں کیا چہ گوئیاں ہو رہی ہیں ......؟'' شیخ حامد نے شبنم کی بات ٹال کر اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''سب خاموش ہیں' کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن ...... بظاہر یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ سب کو اس بات پر حیرت ہی ہو رہی ہے۔''

''کیوں ......اس میں حیرت اور تعجب کی کیا بات ہے؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' شبنم نے جان بچانے کی کوشش کی۔

''مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا بھی انسان کی سرشت اور خصلت میں شامل ہے۔ تم اپنی ہی مثال لے لو۔'' شیخ حامد نے کینچلی بدل کر شبنم کے سراپا پر نظر ڈالی۔ ''کیا تم اس پوزیشن میں ہو کہ میری کسی بھی خواہش سے انکار کر سکو۔''

''نن ......نہیں۔'' شبنم ہکلا کر رہ گئی۔

''وجہ......؟''

''میری ایک غفلت یا کمزوری آپ کے پاس محفوظ ہے......'' اس نے نظریں جھکا کر صاف گوئی سے جواب دیا۔

''میں اپنی زندگی کو موت کے حوالے تو کر سکتی ہوں لیکن ...... انکار نہیں۔''

''یو آر رائٹ......'' شیخ حامد نے فاتحانہ مسکراہٹ سے کہا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''کنول کے سلسلے میں مجھ سے ایک چوک ہو گئی۔ اس سے پیشتر کہ میں اس کے پر کترتا وہ ہاتھ سے نکل گئی' میں اب بھی اس پوزیشن میں ہوں کہ اسے اپنے قدموں میں جھکا سکوں' لیکن مجھے اپنی ریپوٹیشن کا زیادہ خیال ہے۔''

شبنم نے نظریں اٹھا کر بگ باس کو دیکھا' لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔

''فارگٹ دس ٹاپک ...... یہ بتاؤ کہ افضل خان سے ملاقات کے دوران تم نے اور کیا محسوس کیا؟''

''یہی کہ اب وہ آپ کے اشاروں پر اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنے سے بھی انکار نہیں کرے گا۔''

''اور کچھ......''

''ایک بات اور بھی ہے باس۔'' شبنم نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی کے بارے میں غور کرتے ہوئے بڑی صاف گوئی سے اس کی ملاقات کا پورا احوال بھی سنا دیا۔ شاید بگ باس بھی یہی کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ شبنم کو شبہ تھا کہ اس کا تعاقب بھی ضرور کیا گیا ہوگا۔

''تمہارا کیا مشورہ ہے لودھی کے سلسلے میں؟''

''ہم کسی کو شکار کرنے کی خاطر بطور چارہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔'' شبنم نے ہچکچا کر جواب دیا۔

''گڈ ...... مجھے تمہارا یہ مشورہ پسند آیا'' اس نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر شبنم کے قریب آ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر جس بے باکی سے جھک کر اس کے گال کو چوما وہ شبنم کے خون میں نفرت کی لہر دوڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ ذرا سی کسمسائی تو شیخ حامد نے اس کے گالوں پر چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ ''ڈونٹ وری سوئٹ ہنی ...... مجھے اپنا وعدہ یاد ہے' میں ایک حد سے تجاوز نہیں کروں گا۔''

''باس ......'' شبنم نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک سوال کر سکتی ہوں؟''

''پوچھو...... لیکن' اس بات کا خیال رہے کہ تمہارا سوال میرے لئے ناقابل برداشت نہ ہو۔''

''آج خلاف معمول' آپ نے دفتر میں......''

''مے نوشی کیوں کی؟'' شیخ حامد نے خود ہی اس کا جملہ پورا کیا' پھر بے تکلفی سے اس کے شانوں کو دباتے ہوئے بولا۔

''کچھ باتیں راز کی بھی ہوتی ہیں جن کو زبان تک لانا بھی مناسب نہیں ہوتا۔ مثلاً تمہارا اپنا ہی راز...... جو میری مٹھی میں بند ہے۔''

شبنم ایک بار پھر کسمسا کر رہ گئی۔ دس منٹ بعد ساؤنڈ پروف کمرے سے نکلتے وقت بھی اس کے دل میں بگ باس سے نفرت اور حقارت کا سیلاب رہ رہ کر امڈ رہا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ذہن کے گوشے میں کلبلا رہا تھا کہ شیخ حامد بار بار اس دروازے کی سمت کیوں دیکھ رہا تھا جہاں کنول بیٹھا کرتی تھی۔ وہ دروازہ تو کنول کے استعفیٰ نے اس پر بند کر دیا تھا۔

✣✣✣

سیاہ فام ہاشم کے پاسپورٹ کے اندراجات نے سراج کی بہت ساری مشکلات حل کر دیں۔ ایئر کمپنی کی مینی فسٹ کے ذریعے یہ بات بھی اس نے نوٹ کی تھی کہ مذکورہ فلائٹ سے صرف تین غیر ملکی مسافر فرسٹ کلاس میں آئے تھے جن میں سے ہاشم خودکشی کر چکا تھا۔ سراج نے مذکورہ فلائٹ کی ایئر ہوسٹس سے بھی ملاقات کی جس نے یہ بات بڑے یقین سے کہی تھی کہ خودکشی کرنے والے نے ایک دوسرے چائنیز مسافر لوچن سے بھی کچھ دیر گھل مل کر بات چیت کی تھی' لیکن تیسرا مسافر اس میں شریک نہیں ہوا تھا۔ تینوں مسافروں کی نشستیں ایک دوسرے سے دور دور تھیں اور بظاہر وہ پہلے سے ایک دوسرے سے واقف نہیں لگتے تھے۔

ہاشم کی تفصیلی رپورٹ کے علاوہ سراج کے ذہن میں میڈم کی شخصیت بھی خاصی اہمیت اختیار کر چکی تھی۔ شیخ حامد کے گھر پر ہونے والے حملے کے بارے میں میڈم نے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا' لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ پاؤں کے نیچے دبی ہوئی چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹنے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ میڈم نے جگا کے بارے میں بھی جن معلومات کا اظہار کیا تھا انہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ سپورٹس کار میں جس شخص کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا وہ بگ باس کا

خاص آدمی تھا' جس کی موت کے بعد جگا بھی بگ باس کی لسٹ پر آ گیا تھا۔ یہ بھی بڑے وثوق سے کہا تھا کہ جس روز سپورٹس کار والے کو گولی ماری گئی تھی اس سے دو روز قبل وہ جگا کے خفیہ ٹھکانے پر دیکھا گیا تھا جس کی وجہ سے جگا کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ میڈم نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اس موقعے پر قانون جگا کو تحفظ دے تو وہ بہت کارآمد بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

جگا کے علاوہ میڈم نے افضل خان کے بارے میں بھی یہ بات کی تھی کہ وہ تین چار روز انڈر گراؤنڈ رہنے کے بعد ہوٹل سٹاران میں نظر آیا تھا۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر سراج کے ذہن میں بالکل اہم سوالات کا ابھرنا قدرتی امر تھا۔ میڈم روبی کو جگا جیسے گینگ لیڈر اور سپورٹس کار میں مرنے والے کی خفیہ ملاقات کا علم کس طرح ہوا؟ وہ جگا کو کس وجہ سے تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی؟ جگا سے میڈم کا کیا تعلق تھا؟ اسے سپورٹس کار میں گولی کا نشانہ بننے والے کے بارے میں یہ یقین کس طرح ہوا کہ وہ بگ باس کا دست راست تھا؟ اس کے علاوہ میڈم نے کہا تھا کہ وہ ایک دو روز میں کچھ اہم معلومات بھی فراہم کرے گی۔ کیا ان معلومات کا تعلق ہاشم کی خودکشی سے بھی ہو سکتا ہے؟ اور اگر ایسا تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میڈم کسی نہ کسی طور ہاشم سے بھی واقف تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ ہاشم کے علاوہ لوچن اور جہاز کے تیسرے مسافر سے بھی بے خبر نہ ہو؟ اور بھی بہت ساری باتیں سراج کے ذہن میں ابھر رہی تھیں۔ خاص طور پر میڈم کا بگ باس کے بارے میں ایک جملہ رہ رہ کر سراج کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

''آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ مگر مچھ سے میرے مراسم کس قسم کے ہیں؟''

سراج نے ذاتی طور پر جگا کے بارے میں بھی اپنے خاص کارندوں سے یہ بات معلوم کرا لی تھی کہ وہ بھی موقع محل دیکھ کر کہیں انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہے۔ ایک مکان کو دھماکے سے اڑا دیئے جانے والی واردات کی اطلاع بھی سراج کو مل چکی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مکان کے ملبے سے کسی انسانی لاش کے کوئی باقیات بھی نہیں ملے تھے۔ پھر اس دھماکے کا مقصد کیا تھا۔

شام تک وہ ذہنی طور پر الجھا رہا۔ پھر نہا دھو کر فریش ہونے کے بعد اس نے اورنگ زیب کے گھر ڈنر پر جانے سے پہلے میڈم روبی کو کال کرنا بھی ضروری سمجھا۔

''اس وقت کیسے یاد کیا؟'' دوسری جانب سے میڈم کی مانوس آواز ابھری۔

''میں اس وقت آپ سے اپنی سرکاری حیثیت میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' سراج نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''اگر ممکن ہوا تو میں آپ کے ساتھ تعاون سے گریز بھی نہیں کروں گی۔'' میڈم روبی نے محتاط انداز میں جواب دیا۔

''آپ جگا کو اور سپورٹس کار میں مرنے والے کو کس طرح جانتی ہیں؟''

''ویری سمپل ......'' میڈم نے سنبھل کر کہا۔ ''اگر بگ باس کا کوئی نمائندہ جگا سے ملنے اور اس کی خدمات حاصل کرنے کی خاطر پلاننگ کر سکتا ہے تو یہ حق دوسروں کو بھی حاصل ہے۔''

''آپ کی ذاتی اطلاع کے لیے بتا دوں کہ آج ایک غیر ملکی نے بھی ڈریم فل نامی گیسٹ ہاؤس میں زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے۔'' سراج نے کچھ سوچ کر ایک ٹرمپ کارڈ استعمال کیا۔

''میں نہیں سمجھی کہ آپ یہ بات میری اطلاع کی خاطر کیوں دے رہے ہیں؟'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں حیرت کا اظہار کیا۔''ضروری تو نہیں کہ پولیس کی طرح میں بھی شہر میں ہونے والے تمام حادثات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھوں۔''

''کیا آپ نے کبھی کسی حوالے سے لوچن' ہاشم یا ڈوما کا نام بھی سنا ہے؟ یہ تینوں غیر ملکی ایک ہی فلائٹ سے یہاں آئے تھے۔''

''آئے ہوں گے لیکن میں ان کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''آپ نے جس جگا کو قانونی تحفظ دینے کی بات کی تھی' وہ بھی کچھ دنوں سے انڈر گراؤنڈ ہے۔'' سراج نے تملا کر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ سپورٹس کار میں مارا جانے والا دو روز قبل جگا سے ملا تھا اور بگ باس اسے بھی مشکوک سمجھ کر قابل عتاب سمجھ رہا ہے۔ اسی صورت میں جگا کی روپوشی کو میں اس کی دانش مندی ہی قرار دے سکتی ہوں۔''

''آپ نے کچھ نئی اطلاعات فراہم کرنے کی بھی بات کی تھی؟''

''ضروری تھی لیکن اب مجھے اس کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ اس وقت آپ اپنی سرکاری حیثیت میں بات کر رہے ہیں جبکہ میں نے آپ کو ہمیشہ اپنا ہمدرد اور محسن ہی سمجھا ہے۔ اب بھی سمجھتی ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ اب میری اور آپ کی روبرو ملاقات ناگزیر ہو گئی ہے۔'' سراج نے خود کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کی۔

''اس میں ہم دونوں کے لیے کچھ نئے خطرات پیدا ہونے کا امکان بھی ہے۔ بہرحال' اگر آپ سرکاری حیثیت میں حکم دیں گے تو میں انکار بھی نہیں کروں گی۔''

''اوکے' میں آپ کو دوبارہ فون کروں گا۔'' سراج نے الجھ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر وہ لیاقت حسین کے ساتھ ایس پی اورنگ زیب کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ فوری طور پر دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد حاصل ہونے والی معلومات اورنگ زیب کے علم میں لانا ضروری سمجھ رہا تھا۔ پچیس منٹ بعد وہ اورنگ زیب کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تمام معلومات بڑی وضاحت سے بیان کر رہا تھا۔ میڈم روبی کا ذکر کرنا اس نے جان بوجھ کر مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''شکریہ سراج۔'' اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''آپ نے ایک دن میں ہی جو معلومات حاصل کر لیں وہ بہت اہم ہیں لیکن کیا آپ کو سپورٹس کار میں مرنے والے اور ہاشم کی خودکشی میں بھی کوئی تعلق نظر آتا ہے؟''

''ہو بھی سکتا ہے مگر ابھی بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔''

''آکٹوپس کو کس حد تک ان وارداتوں میں ملوث سمجھا جا سکتا ہے؟'' اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

''سپورٹس کار والے کی موت اس کے کھاتے میں نہیں ڈالی جا سکتی۔'' سراج نے جواب دیا۔

''وہ اسی کا خاص آدمی تھا لیکن سیاہ فام ہاشم کی موت کا معمہ ابھی تک پوری طرح حل نہیں ہوا۔ بہر حال یہ سپورٹس کار والے کی موت کا ردعمل بھی ہو سکتا ہے۔''

''گڈ......'' اورنگ زیب نے ستائشی انداز میں جواب دیا۔''میں بھی ان ہی امکانات پر غور کر رہا ہوں' لیکن خودکشی والی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آکٹوپس کا ہاتھ ہوتا تو پھر سیاہ فام کو اتنے سکون کے بجائے کسی نہ کسی اذیت ناک مرحلے سے گزار کر موت کے حوالے کیا جاتا۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا کہانی سناتی ہے؟'' سراج نے پوچھا۔

''موت کسی سریع الاثر زہر کا نتیجہ ہے۔ ہم نے جن حالات اور پوزیشن میں لاش کو دیکھا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے والے نے کسی وجہ سے از خود زہر پینے کی ٹھان لی تھی ورنہ وہ آخری وقت ٹیلی وژن سے لطف اندوز نہ ہو رہا ہوتا۔''

''میں آپ کے خیال سے متفق ہوں۔ میں نے ایک دو آدمیوں کو لوچن اور ڈوما کی تلاش کا کام بھی سونپ دیا ہے' ممکن ہے ان میں سے کسی کے ہاتھ آ جانے کے بعد خودکشی کی گتھی سلجھانے میں آسانی ہو۔''

ایس پی اورنگ زیب ایک لمحے خاموش رہا پھر اس نے سراج کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔''جگا کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟''

''میں سمجھا نہیں۔'' سرج' جگا کے حوالے پر چونکا' پھر سنبھل کر بولا۔''پولیس ریکارڈ کے مطابق اسے ایک گینگ لیڈر ہی ظاہر کیا گیا ہے لیکن وہ صرف ایک بار گرفتار ہوا تھا' اس کی سزا بھی اسے مل چکی ہے' اس کے بعد وہ ہمارے ریکارڈ کے حوالے سے کسی معاملے میں ملوث نہیں پایا گیا۔ ہو سکتا ہے پولیس کے محکمے کی کچھ کالی بھیڑیں بھی اس کا تحفظ کر رہی ہوں۔''

''میں نے آج جگا کی فائل کو بہت غور سے پڑھا ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ مجرم نہیں تھا۔ جس معاملے میں اسے سزا ملی' وہ اس کا صحیح طور پر دفاع بھی نہیں کر سکا۔'' اورنگ زیب نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔''کوئی بھی سزا یافتہ مجرم ہمارے معاشرے میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس لئے اپنی معاشی پریشانی دور کرنے کی خاطر اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔''

سراج کے ذہن میں میڈم کی باتیں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگیں۔ اس نے بھی جگا کے بارے میں ایسے ہی تاثرات کا اظہار کیا تھا اور اب اورنگ زیب جیسا ٹھوس کردار کا حامل ایک ذمے دار پولیس آفیسر بھی ان ہی خطوط پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔

''آپ نے جو رائے قائم کی ہے میں اس سے انکار نہیں کروں گا' لیکن موجودہ معاملات میں

جگا......''

''کا تعلق بھی کسی نہ کسی زاویے سے ہو سکتا ہے۔'' اورنگ زیب نے سراج کے جملے کو اپنی سوچ کے مطابق آگے بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آکٹوپس جگا کی پشت پناہی کر رہا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس پارٹی نے آکٹوپس کے مکان پر حملہ کر دیا تھا جگا کے آدمی اس کے لیے کام کر رہے ہوں' دونوں ہی صورت میں جگا کا نام درمیان میں لیا جا سکتا ہے۔''

''دوسری پارٹی کون ہو سکتی ہے؟'' سراج نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ کے ذہن میں کوئی نام ہے؟''

''ہاں......'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔ ''ایک پارٹی تو آپ کے کلاس فیلو سیٹھ عثمان کی بھی ہو سکتی ہے جسے آکٹوپس کے سامنے اپنی شرافت کی وجہ سے گھٹنے ٹیکنے پڑے لیکن...... میں نہیں سمجھتا کہ سیٹھ عثمان جیسا نیک اور سہل پسند کاروباری شخص کوئی غلط اقدام اٹھانے کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہو۔ کل تک میرے ذہن میں یہی ایک نام تھا' مگر آج ایک نام اتفاقاً میری لسٹ پر اور آ گیا ہے۔''

''وہ کون ہے؟'' سراج نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ پہلے ہم ڈنر کے ساتھ انصاف کر لیں پھر باقی باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔''

کھانے میں اورنگ زیب نے خاص اہتمام کیا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر اس نے ہلکے پھلکے مذاق اور تفریح کی باتیں کیں۔ کھانے کے بعد اس نے کولڈ کافی کا اہتمام موسم کی مطابقت سے کیا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ ڈائننگ روم میں آئے تو اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔

''میرے ملازم نے اس آدمی کو نظر انداز نہیں کیا جو آپ کے ہمراہ آیا تھا۔ کیا وہ آپ کا ملازم' میرا مطلب ہے کہ پرائیویٹ ڈرائیور یا کوئی اعتماد والا آدمی ہے۔''

''وہ سیٹھ عثمان کا ڈرائیور ہے' میں نے اسے دس بارہ روز کے لیے اپنے پاس بلا لیا ہے۔'' سراج نے کہا پھر اس نے دبی زبان میں لیاقت حسین کے بارے میں کچھ باتیں بھی اورنگ زیب کو بتا دیں۔

''حیرت انگیز۔'' اورنگ زیب نے سراج کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا آپ کو یقین ہے کہ لیاقت حسین کے سر پر کسی مہربان جن یا کسی پہنچے ہوئے بزرگ کا سایہ ہے؟''

''میں اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن میں نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا وہ یقیناً آپ کے دونوں خیالوں میں سے کسی ایک کی تائید ضرور کرتا ہے۔''

''ہو بھی سکتا ہے اس لیے کہ خدا کے معجزے ہر دور میں کسی نہ کسی طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں جنہیں ہماری موٹی عقلیں تسلیم نہیں کرتیں۔ میں آپ کے مشاہدوں سے بھی انکار نہیں کروں گا۔''

''ڈنر سے قبل آپ نے کسی دوسری پارٹی کا ذکر کیا تھا۔'' سراج نے موضوع بدل کر اصل مقصد کی طرف آنے کی کوشش کی۔ ''کیا عثمان کے علاوہ کوئی اور نام بھی سامنے آیا ہے؟''

''ہاں......'' اورنگ زیب نے مسکرا کر دوستانہ انداز میں جواب دیا۔ ''کھانے کے بعد اگر ہم کچھ دیر ساحل پر چہل قدمی کرلیں تو کیا حرج ہے؟''

''اچھا خیال ہے۔'' سراج نے بے تکلفی سے کہا۔ ''ساحل کا سکون بخش ماحول ہم لوگوں کے لیے کسی ٹانک سے کم بھی نہیں ہے۔''

''ویل سیڈ یہ بہت مناسب ہے۔'' اورنگ زیب جواب دینے کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ سراج بھی اس کے ساتھ باہر آ گیا۔ جہاں دونوں کی گاڑیوں کے علاوہ ڈرائیور بھی موجود تھے۔ اورنگ زیب نے لیاقت حسین سے بڑی محبت کے ساتھ مصافحہ کیا پھر اس نے سراج ہی کی گاڑی میں باہر جانے کو ترجیح دی۔

اس وقت رات کے دس کا عمل رہا ہوگا۔ اورنگ زیب کے کہنے پر لیاقت حسین نے ساحل کی طرف جانے والا راستہ اپنا لیا۔ ساحل پر پہنچ کر اورنگ زیب بڑی دیر تک سراج کے ساتھ چہل قدمی کرتا رہا۔ سراج کو اس کی بے پروائی پر حیرت بھی تھی' لیکن اورنگ زیب بے فکر نظر آ رہا تھا۔ ایک لمبا چکر لگا کر گاڑی کی طرف واپس آتے وقت اورنگ زیب نے سراج کے دل کا چور پکڑتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے آپ اس وقت ماحول سے لطف اندوز ہونے کے بجائے کسی اور بات سے فکر مند ہیں؟''

''میں انکار نہیں کروں گا۔'' سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آکٹوپس کا زور بھی سمندر کے آس پاس زیادہ چلتا ہے اور میں آپ کو باخبر بھی کر چکا ہوں کہ ہمارے مشترکہ دشمن کسی بھی موقعے سے فائدہ اٹھانے سے دریغ نہیں کریں گے۔''

''اور میں نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ آپ کے شہر میں ڈیوٹی جوائن کرنے سے پیشتر ہی میں نے اپنی سکیورٹی کا معقول بندوبست کر لیا تھا۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے کہا۔ ''اس وقت بھی کچھ مخصوص لوگ آکٹوپس کی طرف سے پوری طرح چوکس ہوں گے۔ ویسے موت اگر لکھ دی گئی تو اس کے مقرر کردہ وقت اور جگہ کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔''

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گاڑی میں بیٹھ کر دوبارہ شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ سراج نے ایک بار پھر دوسری پارٹی کا ذکر چھیڑا تو اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم اس وقت اسی پارٹی کے ایک زخمی کی عیادت کے لیے چل رہے ہیں۔ فی الحال ہمیں سب کچھ ان آفیشلی کرنا ہے۔ یہ کام ایک دیرینہ دوست نے مجھے سونپا ہے' آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ وہ بھی سیٹھ عثمان کی طرح ایک شریف آدمی ہے لیکن غالباً آکٹوپس نے کسی طور اسے بھی اپنے چنگل میں دبوچ لیا ہے۔''

نصف رات گئے اورنگ زیب کی ہدایت پر لیاقت حسین نے ایک نجی ہسپتال کے مرکزی دروازے پر گاڑی روکی تو ایک گارڈ قدم اٹھاتا ہوا قریب آ گیا۔

''اندر پارکنگ کی اجازت نہیں جناب اس لیے......''

گارڈ اپنا جملہ پورا نہیں کر سکا۔" اورنگ زیب نے اپنا مخصوص شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھایا تو وہ سلام کرتا ہوا الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ گیٹ کھولا گیا تو لیاقت حسین نے گاڑی اندر لے جا کر پارک کر دی۔ اس وقت ہسپتال میں زیادہ رش نہیں تھا۔ اورنگ زیب سراج کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا سیدھا بڑے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوا جو ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ کسی مریض کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا۔

"فرمایئے۔" ڈاکٹر نے اورنگ زیب کو مہذب لہجے میں مخاطب کیا۔

"آپ فارغ ہو لیں...... ہمیں آپ سے کچھ ضروری معلومات کرنی ہیں۔"

معلومات کے حوالے پر بڑے ڈاکٹر نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر دو تین منٹ بعد لیڈی ڈاکٹر کو فارغ کرنے کے بعد اس نے دوبارہ اورنگ زیب کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہم بھی عوام ہی کے خادم ہیں۔" سراج نے اس بارے اپنا کارڈ نکال کر ڈاکٹر کو دکھایا پھر اورنگ زیب کا تعارف بھی مخصوص انداز میں کرایا۔ "مائی سینئر آفیسر۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ حضرات کے کسی کام آ سکا۔"

"ہمیں آپ کے پرائیویٹ روم نمبر تھری ہنڈ ریڈ ٹوئنٹی کی مریضہ کے بارے میں کچھ معلومات درکار ہیں۔" اورنگ زیب نے ڈاکٹر کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"مریضہ کی حالت اب خاصی بہتر ہے' ہو سکتا ہے اسے کل یا پرسوں ڈسچارج کر دیا جائے۔" ڈاکٹر نے کسمسا کر جواب دیا۔

"اسے کیا مرض لاحق تھا؟"

"اس کا داخلہ میرے ایک ماتحت ڈاکٹر نے کیا تھا۔" ڈاکٹر نے ہونٹ چباتے ہوئے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"میں آپ سے حقیقت چھپانے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن جس وقت وہ ہسپتال لائی گئی تھی اس کے جسم سے خاصا خون بہہ چکا تھا۔ ہم پولیس کی کارروائی میں پڑتے تو اس کی جان کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا' اس کے علاوہ جس شخص نے ہمیں فون کیا تھا وہ بھی ہمارے ہسپتال کا ایک ذمے دار ٹرسٹی ہے اس لیے ڈاکٹر آن ڈیوٹی کو......"

"میں آپ کی مجبوری سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم اس وقت قانونی چارہ جوئی کی خاطر نہیں آئے ہیں۔ آپ سے ایک ضروری تعاون کی درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں آپ ایک تحریری رپورٹ خفیہ طور پر فراہم کر دیں کہ مریضہ کس حالت میں لائی گئی تھی اور آپ کے ڈاکٹر نے کس ٹرسٹی کے کہنے پر اسے ہسپتال میں داخل کیا تھا؟"

جواب میں ڈاکٹر نے مسکی صورت بنا کر کہا۔ "تحریر لکھ دینے کے بعد تو میں بھی گلے گلے پھنس سکتا ہوں۔"

''ایسا نہیں ہو گا ...... مجھے آپ کی پوزیشن کا خیال رہے گا' ویسے اگر میں چاہوں تو آفیشلی بھی ......''

''میرا وہ مطلب نہیں جناب جو آپ سمجھ رہے ہیں۔'' ڈاکٹر اپنی کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ ''آپ کہیں وہ میں لکھ کر دینے پر آمادہ ہوں' لیکن ذاتی طور پر میں اس مریضہ کے بارے میں ......''

''ڈونٹ وری ڈاکٹر۔'' اورنگ زیب نے اسے تسلی دی۔ ''میں از خود بھی اس کارروائی کو خفیہ رکھنے کے حق میں ہوں۔ آپ کی تحریر کی ضرورت اس لئے درکار ہے کہ ہم کسی مجرم کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں اور ...... جس کے حکم پر مریضہ کو داخل کیا گیا' اس کی زبان کھلوانی بھی ضروری ہے۔''

''اس کا کیا قصور ہے؟'' ڈاکٹر نے حیرت سے دریافت کیا۔

''صرف اتنا کہ وہ کسی خوف کی وجہ سے اس شخص کا نام زبان تک لانے سے گریز کر رہا ہے جس کی وجہ سے ایک غریب اور بے قصور ملازمہ کو ان حالات کا شکار ہونا پڑا۔''

''آئی سی ......'' ڈاکٹر نے طویل سانس لی' پھر اس نے اپنے آفس کے لیٹر ہیڈ پر وہ تحریر بھی لکھ کر اورنگ زیب کے حوالے کر دی جس کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر کے کمرے سے نکل کر اورنگ زیب باہر جانے لگا تو سراج نے پوچھا۔

''ہم یہاں کس مریضہ کی خاطر آئے تھے؟''

''سیٹھ رستم علی کی ایک خادمہ ...... گلابو جسے گولی لگنے کے بعد یہاں داخل کرایا گیا ہے۔'' اورنگ زیب نے تفصیل بیان کی۔ ''میرے ایک پرانے دوست نے یہ اطلاع مجھے دے کر ضروری تفتیش پر آمادہ کیا ہے۔''

''کیا ہم مریضہ کو کریدنے کی کوشش نہیں کریں گے؟'' سراج نے ایک قانونی نکتہ پیش کیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ اس شخص کی نشاندہی کر دے جس نے گولی ماری تھی۔''

''وقت کی بربادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ رستم علی نے گلابو کے سلسلے میں اپنے بیٹے اور بہو کو بھی ابھی تک اندھیرے میں رکھا ہے۔ جس نے واردات کی ہو گی وہ بھی اپنے اصلی حلیے میں سامنے نہیں آیا ہو گا۔''

''آکٹوپس ......؟'' سراج نے اورنگ زیب کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھتے ہوئے مختصراً کہا۔

''شاید ......''

''لیکن ڈاکٹر کی تحریر ......''

''رستم علی کی زبان سے سچ اگلوانے کی ایک اہم کڑی ثابت ہو گی۔'' اورنگزیب نے مسکرا کر کہا۔ پھر وہ سراج کے ساتھ آ کر باہر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

لیاقت حسین اسٹیئرنگ پر پوری طرح مستعد نظر آ رہا تھا۔ سراج اور اورنگ زیب کے درمیان رستم علی اور زخمی ہونے والی ملازمہ کی بات ہو رہی تھی جب لیاقت حسین نے اچانک اسٹیئرنگ کو اس

تیزی سے گھمایا کہ گاڑی دو پہیوں پر چڑھ کر پھر سیدھی ہوگئی۔ اورنگ اور سراج بھی توازن کھو بیٹھے تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ سراج، لیاقت حسین سے کچھ پوچھتا، قریب ہی کہیں سے ایک دھماکہ سنائی دیا۔ اس کے بعد فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی۔ فائرنگ کا انداز ایسا ہی تھا جیسے دو مختلف پارٹیاں آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کو پسپا کرنے کی خاطر اندھا دھند گولیاں چلانے میں الجھ گئی ہوں۔ سراج کے منع کرنے کے باوجود لیاقت حسین بھی ہیڈ لائٹس بجھانے کے بعد دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

❖❖❖

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

شیخ حامد نے پوش علاقے کے اس ون یونٹ بنگلے تک پہنچنے میں غیر معمولی احتیاط کا مظاہرہ کیا تھا۔ بنگلے پر پہنچنے کے بعد ہی اس نے قاضی اور دو گواہوں کو بھی طلب کر لیا۔ کنول سے اس کی شادی کی رسم محض تین آدمیوں کی موجودگی میں ادا ہوئی پھر وہ تینوں رخصت ہو گئے۔ کنول کو اس کی ماں نے دعاؤں سے نواز کر پہلی منزل پر اس کے حجلہ عروسی تک پہنچا دیا۔ اس خوشی کے موقعے پر بھی اس کے ممتا بھرے دل میں لاکھوں حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔ وہ بیٹی کو صدق دل سے دعا دے رہی تھی۔

''خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم و آباد رکھے۔ دودھوں نہاؤ، پوتوں پھلو۔ اللہ تمہیں زندگی کی تمام خوشیاں نصیب کرے۔''

''ماں ......'' کنول نے ماں کی پلکوں پر لرزتے آنسو دیکھے، ان میں خوشی کی جگہ ایک عورت کی بے بسی اور بے چارگی شامل تھی۔ ''کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہیں ہے کہ میں باقاعدہ نکاح میں آنے کے بعد ......'' وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔

''جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کی مدد اوپر والا کرتا ہے میری بچی۔ خدا تمہارے نصیب اچھے کرے۔''

ایک طرف ماں بیٹی خوشیوں کی آس میں ایک دوسرے کو تسلی دے رہی تھیں، دوسری جانب شیخ حامد موبائل پر کسی مدھم لہجے میں ہدایت دے رہا تھا۔

''کام ہوش سے کرنا۔ تینوں میں سے کسی ایک کا زندہ رہنا بھی تمہاری موت ہوگا لیکن ...... حادثہ اس طرح پیش آئے کہ کسی کو شک نہ ہو اور ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے۔''

''ایسا ہی ہوگا باس۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''ہم کچا کام نہیں کریں گے۔''

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟''

''ہمیں آم کھانے سے مطلب ہے۔ کرید کرنا بھی ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''

''گڈ......'' شیخ حامد نے کہا پھر احتیاطاً اس گاڑی کا نمبر، ماڈل اور کلر بھی بتا دیا جو اس نے کسی ار یئے سے کرائے پر حاصل کرائی تھی۔ فون سے فارغ ہونے کے بعد وہ اوپر جانے والا زینہ طے کر ، ہا تھا جب اس نے کنول کی ماں کو کمرے سے نکلتے دیکھا۔

''مجھے بھی آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔'' اس نے کنول کی ماں کا راستہ روک کر ڈھٹائی ـــــ درخواست کی۔

''خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔'' کنول کی ماں نے مٹھی میں بند ایک مردانہ انگوٹھی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کنول کے علاوہ یہ انگوٹھی بھی میرے مرحوم شوہر کی یادگار ہے جو میں اس خوشی کے موقعے پر آپ کے حوالے کر رہی ہوں۔''

''ایک درخواست مجھے بھی کرنی ہے۔'' شیخ حامد نے انگوٹھی کو حقارت سے جیب میں ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''فی الحال میں اس شادی کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ کاروباری وجوہات در پیش ہیں۔''

''کنول مجھے بتا چکی ہے۔ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گی۔'' وہ کترا کر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی نیچے آ گئی۔

شیخ حامد فاتحانہ انداز میں حجلہ عروسی میں داخل ہوا جہاں کنول سمٹی سمٹائی بیٹھی خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ کنول کے قریب آ کر اس کا گھونگٹ پلٹتے ہوئے بے تکلفی سے کہا۔

''میں نے جو کہا تھا وہ وعدہ پورا کر دیا۔ اب تمہاری باری ہے۔''

کنول نے نظریں اٹھا کر شیخ حامد کو دیکھا۔ نشے کے خمار سے اس کی آنکھیں بھی نشیلی ہو رہی تھیں۔ ''میں آپ کی شکر گزار ہوں جو آپ مجھے عزت سے حاصل کر رہے ہیں۔''

''یہ عزت تمہیں اس وقت تک حاصل رہے گی جب تک تم مجھ سے وفادار رہو گی۔''

''وفاداری سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''رفتہ رفتہ تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔'' شیخ حامد نے کنول کے اور قریب ہو کر کہا۔ بیڈ سوئچ کے ذریعے اس نے تیز روشنیاں گل کیں تو کمرے کا ماحول اور بھی خواب ناک ہو گیا، وہ تکلفات کا عادی نہیں تھا اس لیے کنول نے بھی کسی مزاحمت کا مظاہرہ نہیں کیا، خود کو پوری طرح اس کے حسب منشا اس کے حوالے کر دیا۔ شیخ حامد کھل کھیلنے کا عادی تھا اس لیے بہت جلد اپنے اصلی رنگ میں آ گیا۔

شیخ حامد سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس وقت کوئی کمرے کی چھت پر اوندھا لیٹا روشن دان کے ذریعے نائٹ لینس والے پاور فل اور حساس مختصر سے مووی کیمرے کے ذریعے اس ہیجانی کھیل کے ایک ایک لمحے کی منظر کشی کر رہا ہوگا جس نے وہاں تک پہنچنے کیلئے اپنے کئی ساتھیوں سے مدد لی تھی جو تھوڑی دور تک شیخ حامد کی گاڑی کا تعاقب اپنی کار اور موٹر سائیکلوں پر کرتے رہے تھے اور حجلہ عروسی کی اس چھت تک پہنچنے والا کتنے مکانوں کی چھتوں سے گزر کر وہاں تک پہنچا تھا۔ جو زیرو، زیرو، دن فور کے کوڈ کے حوالے سے ملٹری کمانڈوز کا سب سے ذہین آدمی سمجھا جاتا تھا۔

+++

جگا اس وقت کچی آبادی کے ایک مکان میں اپنے دو خاص آدمیوں کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے باقی ساتھی دوسرے کمروں میں تھے۔ اس وقت رات کے دو پہر گزر چکے تھے، اس

مکان میں آئے انہیں بہ مشکل آدھا گھنٹہ گزرا تھا۔ تینوں افراد کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔
''استاد.....'' ایک ساتھی نے جگا کو مخاطب کیا۔ ''آخر ہم کب تک اس طرح ٹھکانے بدلتے رہیں گے۔ ہماری روپوشی کو دشمن ہماری کمزوری اور بزدلی سمجھ کر اور شیر ہو سکتا ہے۔''
''تمہارے پاس جاں نثاروں کی کمی بھی نہیں ہے۔'' دوسرے نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا ایک اشارہ بھی کافی ہے۔ ہم دشمن کو اس کے گھر میں گھس کر بھی جہنم رسید کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔''

''سب ہی تمہارے فیصلے کے منتظر ہیں۔'' پہلے نے بے جگری سے دوسرے کی تائید کی۔ ''تم صرف دشمن کا نام اور ٹھکانا بتا دو۔ باقی کام ہم نمٹا دیں گے۔ ایسا چوکھا کام کریں گے کہ رہے نام اللہ کا.....''

''مجھے تم لوگوں کی زندگی اپنے سے زیادہ عزیز ہے۔ اس کے علاوہ میں زیادہ کشت و خون کا بھی عادی نہیں ہوں۔'' جگا نے بڑے سکون سے جواب دیا ''گھی اگر سیدھی انگلیوں سے نکل آئے تو.....''

''تم مثال دینے میں غلطی کر رہے ہو استاد'' دوسرے نے تصحیح کی۔ ''سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا، انگلی ٹیڑھی کیے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔ خالی پیلی انگلی گھی میں ڈبونے سے گناہ بے لذت والی بات ہوتی ہے۔''
''ہم ہمیشہ کھرا کھیلتے آئے ہیں استاد..... اس بار تمہاری مصلحت ہمارے پلے نہیں پڑ رہی..... ہم نے جو راستہ اختیار کیا ہے اس میں صرف تخت یا تختے کی بات کی جاتی ہے.....''
''گھٹنے ٹیک دینے والی بات پھیلی تو دوسرے اڈے پاڑے والے بھی چھاتی نکالنے کی کوشش کریں گے۔''

''ٹھنڈا کر کے کھانے کی عادت ڈالو.....'' جگا کسمسا کر بولا۔ ''گرم گرم نوالے لینے سے منہ بھی جل سکتا ہے۔ میں نے جو خاموشی اختیار کی ہے اس کی کچھ وجہ ہے..... بات کھل کر صاف ہو جائے تو میں دیر بھی نہیں کروں گا۔''
''جیسی تمہاری مرضی..... ہم نے تمہارے ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا ہے تو پھر تمہاری کسی مصلحت کے آڑے آنے کی غلطی بھی نہیں کریں گے۔''
جگا کوئی معقول جواب سوچ رہا تھا کہ اس کے موبائل پر وائبریشن ہوئی۔ اسکرین پر روشن ہونے والا نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔
''کوئی نئی خبر.....؟''
''اس وقت کہاں ہو.....؟'' دوسری جانب سے امداد علی کی آواز ابھری۔
''کچی آبادی نمبر تین کے ٹھکانے پر..... اس وقت کیسے فون کیا؟'' جگا نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''کچھ اچھی بری خبریں ملی ہیں۔'' سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''خودکشی کرنے والے کا نام ہاشم تھا۔ پوسٹ مارٹم کے وقت اس کے چہرے کے میک اپ کا بھرم بھی کھل گیا۔''

''وہ...... وہ خودکشی نہیں کر سکتا۔'' جگا نے بڑے یقین و حیرت سے کہا۔ ''بڑا مرد آدمی تھا۔ کسی نہ کسی نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہوگا۔''

''تمہارا دھیان کدھر جاتا ہے؟''

''وہی حرام کا بیج جس کا نمبرون گولی مار کر جہنم رسید کر دیا گیا تھا۔ میں نے تم سے اسی پر شبے کا اظہار بھی کیا تھا۔''

''ہوسکتا ہے تمہارا اندازہ ٹھیک ہو...... میرے مخبر نے بتایا ہے کہ کمرے سے سوائے اس کے اور جن لوگوں کے فنگر پرنٹ ملے ہیں وہ سب پرانے ہیں اور گیسٹ ہاؤس میں کام کرنے والوں ہی کے ہیں۔''

''اور کیا خبر ہے؟''

''ایک گھنٹے پہلے ہی کی بات ہے۔ ایک اسپتال کے قریب والی سڑک پر تیرے سراج صاحب کی کار الٹتے الٹتے رہ گئی۔'' امداد علی نے بات جاری رکھی۔ ''شکر ہے کہ دھماکہ کچھ دور ہوا ورنہ گاڑی بھی لپیٹ میں آجاتی۔''

''سراج صاحب تو خیریت سے ہیں۔'' جگا نے بے چینی سے سوال کیا۔

''گاڑی میں سراج صاحب کے ساتھ ایس پی اورنگ زیب بھی تھے، وہ بال بال بچ گئے۔ سراج صاحب کی بھی قسمت اچھی تھی کہ بعد میں کی جانے والی دھواں دھار فائرنگ سے ان کا ایک بازو معمولی زخمی ہوا ہے۔ فی الحال انہیں پولیس اسپتال میں رکھا گیا ہے۔''

''اس واردات میں کس کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟'' جگا نے تلملا کر دریافت کیا، اس کے چہرے پر خون کی گردش بتدریج بڑھ رہی تھی۔

''ابھی اس کا کھوج نہیں ملا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نشانہ کون تھا'' امداد علی نے وضاحت سے کہا۔ ''اطلاع کے مطابق دو پارٹیاں ٹکرا گئی تھیں، ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ پولیس کے سادہ لباس والے بھی ہوسکتے ہیں۔ نیا ایس پی بھی اونچی پہنچ والا بندہ ہے، اس کی بڑے شیخ سے اسی دن ٹھن گئی تھی جب اس نے شیخ کی بیگم کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے کی تجویز پیش کی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کو ٹھکانے لگانے کی خاطر جال بنا گیا ہو۔ سراج صاحب مفت میں لپیٹے میں آگئے ہوں۔''

''پانی اب سر سے اونچا ہونے لگا ہے میرے یار۔'' جگا نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔ ''شیخ کو اب بغدادی قاعدہ پڑھانا ضروری ہوگیا ہے۔ تو نے نہ روکا ہوتا تو شاید میں......''

''ابھی جلدی مت کرنا......'' امداد علی نے بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ ''ایک دو دن اور صبر کر لے۔ میں اندر کی خبریں نکال رہا ہوں، کچھ اور حال احوال معلوم ہو تو پھر دھڑن تختے کا پروگرام بھی بنا لیں گے۔ میں بھی تیرے ساتھ ہوں گا۔''

''کتے کی دم کی کیا خبر ہے......؟'' جگا نے نفرت سے دریافت کیا۔

''جب تک نلکی نہ فٹ کی گئی ٹیڑھی ہی رہے گی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے۔ سراج صاحب کو پولیس اسپتال میں کب تک رکھا جائے گا؟''

''یقین سے نہیں کچھ کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے ضروری مرہم پٹی کے بعد کسی بڑے اسپتال میں داخل کرا دیا جائے لیکن تو خاص طور پر سراج صاحب کیلئے کیوں بے چین ہے؟''

''ان کا ایک احسان ہے ہمارے اوپر...... وہ چکتا کرنا ہے۔'' جگا نے کہا پھر بات بدل کر پوچھا۔ ''دونوں افراد کہاں گئے تھے...... میرا مطلب ہے کہ حادثے سے پہلے کہیں نہ کہیں تو گئے ہوں گے۔''

''سنا ہے وہ ایک نجی اسپتال ہی گئے تھے لیکن بڑے ڈاکٹر سے ملنے کے بعد ہی واپس بھی آ گئے۔ کوئی نہ کوئی اہم بات تو ضرور ہوگی۔''

''بہت صبر کرلیا امداد علی۔'' جگا نے بل کھا کر کہا۔ ''اب منہ چھپا کر بیٹھنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ کتے زیادہ بھونکنے لگیں تو ان کے گلے میں کمیٹی والے بھی آنکڑا فٹ کرنے سے نہیں چوکتے۔''

''بس میرے کہنے سے دو دن اور صبر کر لے۔ اس کے بعد ہم دونوں بھی مل کر ایک اور ایک گیارہ ہو جائیں گے۔''

امداد علی نے رابطہ منقطع کر دیا تو جگا بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ وہ کسی نہ کسی طرح سراج سے مل کر اس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ ذہن کے ایک گوشے میں شیخ حامد کی مناسب گوش مالی کا دھیان بھی کلبلا رہا تھا۔

''تمہارے یار نے کیا خبریں سنائی ہیں استاد......؟'' جگا کے ساتھیوں نے دریافت کیا۔ جواب میں جگا نے مختصر تفصیل دہرائی تو ایک ساتھی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''استاد اگر برا نہ مانو تو ایک مثال میں بھی سنا دوں؟''

''جب تک تم کسی کی ماں کے ساتھ یارانہ نہیں گانٹھو گے وہ تمہیں باپ بھی کبھی نہیں بولے گا۔''

جگا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سراج کی خیریت معلوم کرنے کی دھن اسے بہ دستور بے چین کر رہی تھی۔

✣✣✣

دارا اس وقت ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد دفتر جانے کیلئے تیار ہو رہا تھا جب اسے میجر عاطف کی کال ریسیو ہوئی کمرے میں دارا کے سوا روشنا بھی تھی اس لیے دارا نے چونکے بغیر دوستانہ انداز میں کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''خیریت......آج صبح ہی صبح کیسے یاد آ گئی؟''

''آئی سی......'' دارا کا جواب سن کر عاطف نے سوال کیا۔ ''کیا روشنا بھی کہیں قریب موجود ہے؟''

''ہاں...... وہ شکایت بھی کر رہی تھی کہ تم نے بہت عرصے سے آؤٹنگ کا کوئی پروگرام نہیں بنایا۔'' دارا نے پھر بے تکلفی سے بات بنائی۔

''او کے۔ تم دفتر پہنچ کر فون کر لینا، تمہارے مطلوبہ شخص کے بارے میں کچھ اہم بات سامنے آئی ہے۔''

''یہ تمہارا اور روشنا کا معاملہ ہے۔ ہاں، وہ میرے قریب ہی موجود ہے، میں فون اسی کو دے رہا ہوں۔'' دارا نے روشنا کو قریب بلاتے ہوئے کہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''عاطف کا فون ہے۔ کہیں آؤٹنگ کا پروگرام بنالو۔ حالات کے سبب گھٹن ہونے لگی ہے۔''

''او کے۔'' روشنا نے مسکرا کر کہا پھر ریسیور لے کر اس نے شکایتی انداز میں کہا۔ ''میں نے سنا تھا اور دیکھا بھی ہے کہ ملٹری والے بات کے دھنی ہوتے ہیں لیکن آپ بہت دنوں سے پکنک کے سلسلے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں...... جی نہیں، اب یہ ایکسکیوز نہیں چلے گا...... لوگوں کو سوچنے دیں لیکن آپ کو بہرحال حالات سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔ فوجی ہونے کے ناتے آپ کو ہمت سے کام لینا چاہئے۔ محاذ جنگ پر بھی بہت سے عزیز ساتھ اچانک بچھڑ جاتے ہیں لیکن جو بچ رہتے ہیں ان کے حوصلے پست ہونے کے بجائے اور بلند ہو جاتے ہیں۔ گھٹن کا احساس بھی جنگ جیتنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے...... فائن...... یہ ہوئی نا بات...... میں دارا سے بات کر کے آپ کو فون کر دوں گی۔''

''کیا کہہ رہا تھا......؟'' دارا نے اپنی بے چینی ٹالتے ہوئے روشنا کو پیار سے بانہوں میں سمیٹ لیا۔ فی الحال وہ روشنا کو میجر عاطف سے اپنی ملاقات کا نہیں بتانا چاہتا تھا۔

''عاطف نے میری بات مان لی ہے۔'' روشنا نے شوہر کی ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''کل ہمیں ڈنر پر بلایا ہے۔ وہیں آؤٹنگ کا پروگرام بھی سیٹ ہو جائے گا۔''

''گڈ...... وہ کبھی تمہاری بات نہیں ٹالتا، کبھی کبھی تو مجھے شبہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں......'' دارا نے شوخی سے شروع کیا جانے والا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ روشنا کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے؟''

''ڈونٹ بی جیلس۔'' روشنا نے شوہر کو پیار سے دیکھا۔ ''میں جرمن وومن ہوں، ایک دم اوریجنل اور جرمن عورت زندگی میں کبھی اپنے ہسبینڈ سے بے وفائی نہیں کرتی۔''

''آئی نو ویٹ ہنی...... اینڈ پراؤڈ آف یو۔'' دارا نے روشنا کے یاقوتی ہونٹ چومے پھر بیگ اٹھا کر دفتر کیلئے روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ میجر عاطف کی کال کے سلسلے میں ہی سوچتا رہا...... دفتر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے اسی کو موبائل پر کال کیا۔ رابطہ ہونے پر بے چینی سے بولا۔ ''اب سناؤ کیا خبر ہے؟''

''ایک شرط پر...... اب کل کے ڈنر کے اخراجات تمہیں برداشت کرنے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے......'' دارا نے ہامی بھرنے میں دیر نہیں کی۔

''تم نے جس پر شبے کا اظہار کیا تھا وہ رنگین مزاج ہونے کے علاوہ انتہائی خطرناک بھی ہے۔''

عاطف نے مووی بنانے والی اطلاع کو مصلحتاً چھپاتے ہوئے کہا۔ ''شہر میں اس نے دانا چگنے کے بہت سارے ٹھکانے بنا رکھے ہیں، کل رات بھی ایک پوش علاقے میں کسی کے ساتھ پوری طرح ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایک قابل غور اطلاع اور بھی ہے۔ جس بنگلے میں اس نے رات گزاری ہے وہاں اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی تین افراد ایک سیاہ رنگ کی پرانی کرولا میں نکلے تھے لیکن انہیں اپنی منزل تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔''

''کیا مطلب؟......''

''بنگلے سے روانگی کے تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک ویران علاقے سے گزر رہے تھے جب عقب سے آنے والی ایک بند وین نے قریب آ کر اس پر فائر کھول دیئے تھے۔ کرولا قابو سے باہر ہو کر ایک بنگلے کی باؤنڈری وال سے ٹکرا کر الٹی تو اس سے آگ بھڑک اٹھی۔ علاقہ پولیس کو حادثے کی اطلاع شاید اسی بنگلے کے مکینوں نے دی ہوگی، بہرحال کوئی مدد بروقت پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی جل کر تباہ ہو چکی تھی۔ اندر موجود تینوں افراد کوئلہ بن چکے تھے۔ پولیس کو فوری طور پر کوئی ثبوت نہیں ملا۔''

''کیوں؟'' دارا نے حیرت سے دریافت کیا۔ ''جس وین سے فائرنگ ہوئی تھی وہ تمہارے ایجنٹ کے کسی ساتھی نے تو دیکھی ہوگی؟''

''تم نے ایک عقلمندی کی بات کے ساتھ ہی ایک اہم بات کو نظر انداز بھی کر دیا ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''وہ کمانڈوز میرے کہنے پر دن ون فور کے لیے کام کر رہے تھے۔ ایسی صورت میں کوئی درد سر پالنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ دوسری شکل میں بھی وہ صرف اپنے کمانڈنگ آفیسر کو مطلع کرتے۔''

''تمہارا اندازہ کیا ہے؟'' دارا نے پوچھا۔ ''مرنے والے کون تھے؟ کیا میرے مطلوبہ شخص نے انہیں کسی رقابت کی بنیاد پر راستے سے ہٹایا ہوگا؟''

''آم کھانے سے مطلب رکھو۔'' عاطف نے کہا۔ ''دوسری اطلاع یہ ہے کہ تمہاری ملازمہ کو خود انکل کی سفارش پر اسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر انچارج نے تحریری طور پر یہی بیان دیا ہے۔''

''گلابو نے کیا تفصیل بیان کی؟''

''میرے کہنے پر جن افسران نے ڈاکٹر سے ملاقات کی انہوں نے گلابو سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ ویسے تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ان کی گاڑی پر بھی پلاسٹک بم پھینکا گیا تھا لیکن وہ حیرت انگیز طور پر بچ گئے۔ حادثے کے بعد موقع واردات پر دو پارٹیوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ بھی ہوا تھا لیکن کوئی لاش نہیں ملی۔ ممکن ہے مرنے والے کے ساتھی اسے اٹھا لے گئے ہوں۔''

''آئی۔ سی۔'' دارا نے کسمسا کر سوال کیا۔ ''اس حادثے کی ذمے داری کس پر عائد ہوتی ہے؟''

''تفتیش بڑی سرگرمی سے ہو رہی ہے۔ ایسے میں ذاتی خیال ہے کہ کوئی نہ کوئی گلابو سے ملنے جلنے والوں کی نگرانی بھی ضرور کر رہا ہوگا۔'' عاطف نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ جن دو پارٹیوں کے درمیان فائرنگ ہوئی تھی ان میں سے ایک تمہارے مطلوبہ شخص کی ہو۔''

''پھر...... اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟''

''تم سامنے نہیں آنا چاہتے تو فی الحال صرف دور رہ کر تماشا دیکھتے رہو۔ میرے جن دوستوں کی ذمے داری سونپی ہے وہ انتہائی فرض شناس ہونے کے ساتھ ساتھ بکنے والے بھی نہیں ہیں۔''

''لیکن ایک پریشانی اور بھی ممکن ہے۔'' دارا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جو دیدہ دلیر جیالے ڈیڈ کے بیڈ روم تک پہنچ سکتے ہیں وہ انہیں دفتر یا کہیں راستے سے بھی اٹھا کر ہم پر دباؤ ڈالنے سے گریز نہیں کریں گے۔''

''فارگٹ اٹ...... وہ تمہارے ڈیڈ ہونے کے علاوہ میرے انکل بھی ہیں۔'' عاطف نے بے پروائی سے جواب دیا۔ پھر ڈنر کے اخراجات ادا کرنے کا وعدہ یاد دلا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

دارا کے ذہن میں بہت سارے سوالات کلبلا رہے تھے لیکن...... میجر عاطف نے ازخود ان کی وضاحت نہیں کی تھی اس لیے دارا نے اسے کریدنا بھی مناسب نہیں سمجھا، اسے اس بات کا اطمینان ضرور ہوگیا کہ عاطف نے رستم علی آغا خانی کے تحفظ کے خیال کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔

+++

سراج کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ گولی اس کے بازو کا کچھ گوشت ہی ادھیڑ سکی تھی۔ کچھ معمولی خراشیں اورنگ زیب کو بھی آئی تھیں لیکن وہ رات بھر ایک لمحے کیلئے بھی سراج کے پاس سے نہیں ہٹا تھا۔ سراج کے پراسرار انکار کے باوجود اس کے قریب ہی رہا تھا۔ پولیس سرجن نے ضروری مرہم پٹی کے بعد مشورہ دیا تھا کہ سراج کو کسی بڑے اسپتال میں شفٹ کر دیا جائے لیکن اورنگ زیب نے کسی وجہ سے وہ رات پولیس اسپتال ہی کے ایک سائیڈ روم میں گزارنا مناسب سمجھا۔ صبح وہ وجہ سراج کی سمجھ میں بھی آگئی جب ڈی آئی جی کرائمز آغا منظور وہاں سادے لباس ہی میں صبح دس بجے آ گئے جبکہ اورنگ زیب نے سرجن کے علاوہ وہاں کے عملے کو بھی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ اس حادثے کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے۔ سراج سے بھی اس نے یہی گزارش کی تھی کہ وہ حتی الامکان زبان بند ہی رکھے۔

''یہ حادثہ کب اور کہاں ہوا؟'' ڈی آئی جی نے باری باری اورنگ زیب اور سراج کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ ''میں نے سنا ہے کہ ایک بلاسٹ ہونے کے علاوہ شدید فائرنگ بھی ہوئی تھی؟''

''آپ کو کس نے اطلاع دی؟'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ملحقہ تھانے کے ایس ایچ او نے کچھ دیر قبل خبر دی ہے لیکن آپ لوگ......''

''مسٹر سراج کل رات میرے گھر پر ڈنر کرنے آئے تھے۔'' اورنگ زیب نے بدستور سنجیدگی

کا اظہار کیا۔ "میں نے انہیں مدعو کیا تھا۔ ڈنر کے بعد میں مسٹر سراج کے ہمراہ اسپتال ایک مریض کی عیادت کو گیا تھا۔ وہاں سے واپس ہوتے وقت گھات لگائے ہوئے لوگوں نے ہم دونوں کو بیک وقت نشانہ لگانے کی کوشش تھی لیکن ...... کامیاب نہیں ہو سکے۔ فائرنگ کا تبادلہ میرے پرائیویٹ محافظوں اور مجرموں کے درمیان ہوا تھا۔ اگر میں نے حسب ضرورت اس کا خیال نہ رکھا ہوتا تو شاید کسی کو سکون میسر آتا۔"

"آپ کا اشارہ......؟"

"اسی باسٹرڈ کی طرف ہے جواب کم از کم میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔" اس بار اورنگ زیب نے کھل کر اپنی نفرت کا اظہار کیا۔

"اوہ......" آغا منظور نے ہونٹ چباتے ہوئے کچھ توقف سے کہا۔ "اگر آپ دونوں کو یقین ہے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔"

"شکریہ سر......"

"میرا خیال ہے کہ مسٹر سراج کو اسپتال میں شفٹ کر دیا جائے۔ کم از کم کچھ دن آرام کرنا ضروری ہے۔" آغا منظور نے کہا۔

"میں نے اسپتال کا آئیڈیا ڈراپ کر دیا ہے۔" اس بار بھی اورنگ زیب نے جواب دیا۔ "سراج کو ان ہی کے گھر پر شفٹ کیا جائے گا جہاں ان کی نگرانی کی ذمے داری بھی میں اپنے مخصوص لوگوں کو سونپوں گا۔"

"گڈ آئیڈیا......" آغا منظور نے تائید کی پھر اس نے گزشتہ رات جلنے والی کرولا اور ان تین لاشوں کی تفصیل دہرادی جو ناقابل شناخت ہو چکی تھیں...... فی الحال انہیں سرد خانے میں رکھوا دیا گیا تھا۔

"سر......" سراج نے پہلی بار زبان کھولی۔ "کیا ابھی تک کہیں کسی نے گمشدگی کی اطلاع بھی درج نہیں کرائی؟"

"میں نے ہدایت جاری کر دی ہے، جہاں بھی اطلاع درج ہوئی مجھے فوری باخبر کیا جائے گا۔"

"گاڑی کی اونر شپ بھی نہ کسی کے نام تو ضرور ہوگی؟" اورنگ زیب نے کہا۔

"جو نمبر پلیٹ لگی ہے وہ جعلی ثابت ہوئی ہے...... بہرحال، کچھ دوسرے ٹیکنیکل اندراجات سے کوشش کی جا رہی ہے۔"

ڈی آئی جی نے جاتے جاتے بھی اورنگ زیب اور سراج کو یقین دلایا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہے۔ اس وقت اس کے کمرے میں ان تینوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ آغا منظور کے جانے کے دو گھنٹے بعد اورنگ زیب نے اپنے ذرائع سے ایک پرائیویٹ ایمبولینس کے ذریعے سراج کو اس کے گھر منتقل کرا دیا۔ الماس نے اورنگ زیب کا شکریہ ادا کیا تو اس نے عجیب انداز میں مگر بڑی اپنائیت سے کہا تھا۔

''ابھی نہیں مسز سراج...... بادل پوری طرح چھٹ جائیں تو پھر صرف شکریہ سے کام نہیں چلے گا۔آپ کو باقاعدہ لنگر تقسیم کرنا ہوگا۔''

کچھ دیر بعد الماس کسی کام سے اندر گئی تو اورنگ زیب نے کمرے کو اندر سے بولٹ کر لیا۔ سراج کے قریب ایک ایزی چیئر پر بیٹھے ہوئے بولا۔''مسٹر سراج......آج میں آپ سے کھل کر ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے یہ بتا دوں کہ آپ نے لیاقت حسین کے بارے میں جو کچھ کہا تھا۔وہ اس سے زیادہ پر اسرار......واحد حاضر جمع غائب ثابت ہو رہا ہے۔''

''کوئی خاص بات......؟''

''گاڑی کو بلاسٹ ہونے سے قبل اچانک اس نے خطرناک انداز میں اسٹیئرنگ کاٹا تھا اور فائرنگ کا تبادلہ شروع ہونے کے بعد وہ آپ کے روکنے کے باوجود باہر نکل گیا تھا لیکن اب......وہ ان دونوں باتوں کو ماننے پر مطلق آمادہ نہیں ہے۔اس کا کہنا ہے جو کچھ ہوا اس میں خدا کی مہربانی شامل تھی۔''

''اس بات کو میں پہلے بھی کئی موقعوں پر آزما چکا ہوں......سب کچھ کرنے اور خطروں میں بلا سوچے سمجھے کود پڑنے کے باوجود اس کو بیتی ہوئی ایسی کوئی بات یاد نہیں رہتی۔''

''اس سے پیشتر ایسے جو واقعات ہو چکے ہیں کیا آپ مجھے اس کی تفصیل بتانا پسند کریں گے؟'' اورنگ زیب نے خاص انداز میں سراج کو ٹٹولنے کی کوشش کی تو سراج کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو وہ کھل کر زبان تک نہیں لانا چاہتا تھا۔اورنگ زیب نے اس کی ہچکچاہٹ محسوس کی تو بڑے جذباتی انداز میں بولا۔

''مسٹر نہیں......صرف سراج...... اگر تم مجھے اپنا دوست ہمدرد یا بھائی سمجھتے ہو تو آج کچھ چھپانے کی غلطی نہ کرو، پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، اب سوائے ٹٹ فار ٹیٹ کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔تمہیں کوئی تکلف ہے تو میں مجبور بھی نہیں کروں گا لیکن...... میں نے اب ایک آخری فیصلہ کر لیا ہے، اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

سراج نے اورنگ زیب کا وہ رنگ نہیں دیکھا تھا۔اس کی باتوں میں آہنی چٹانوں کی سختی موجود تھی۔وہ شیخ حامد کی خصلت اور اس کے اثر و رسوخ سے بھی واقف تھا۔کل رات جو ہو سکتا تھا وہی اس بات کی دلیل تھی کہ دشمن پوری طرح گھات لگائے بیٹھا تھا۔ممکن ہے اس کا نشانہ صرف اورنگ زیب ہوتا مگر...... اورنگ زیب کے نہ ہونے کے بعد بھی بگ باس کسی قیمت پر رنگ ڈھنگ نہیں بدل سکتا تھا۔سراج اکیلا ہو جانے کے بعد پھر بے بس ہو جاتا۔صرف ایک رہ جاتا۔ایک اور ایک گیارہ نہیں ہو سکتا تھا۔

''اوکے......تم اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالو'' اورنگ زیب نے سراج کی خاموشی محسوس کر کے بے پروائی سے کہا۔''میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''سر...... کچھ باتیں ایسی ہیں جو......''

''سر نہیں......'' اورنگ زیب نے ٹوکا۔ ''جو بھی کہنا ہے دوست سمجھ کر کہو، میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانوں گا۔''

سراج نے اورنگ زیب کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے لب و لہجے کی گرمی اور سچائی کو محسوس کیا تو چپ نہ رہ سکا۔ ایک ہی سانس میں اس نے تمام مصلحتیں بالائے طاق رکھ دیں۔ جو کچھ اس کے علم میں تھا وہ تفصیل سے بیان کرتا چلا گیا۔ اورنگ زیب خاموش بیٹھا پوری توجہ سے ایک ایک بات ذہن نشین کرتا رہا۔ میڈم روبی اور جگا کی باتیں اس حد تک نئی تھیں کہ اس نے اتنی گہرائی تک ان کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ سراج چپ ہوا تو اورنگ زیب کچھ دیر غور و فکر میں ڈوبا رہا پھر ٹھوس لہجے میں بولا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھ پر اعتبار کر لیا۔ میں بھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ جو باتیں اس وقت میرے علم میں آئی ہیں ان میں سے جگا میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ میڈم روبی نے اسے تحفظ دینے والی بات کچھ غور و فکر کے بعد ہی کہی ہوگی۔''

''ہوسکتا ہے لیکن قانون کی نظروں میں وہ بہرحال ایک سزا یافتہ مجرم ہے۔''

''جانتا ہوں اسی لیے کہہ رہا ہوں۔'' اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''لیکن یہ بھی نہ بھولو کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ آکٹوپس جن لوگوں کو مہروں کی طرح استعمال کر رہا ہے وہ بھی سب قانون کو کسی نہ کسی صورت میں مطلوب ہیں۔''

''میری ذاتی اطلاع یہ ہے کہ پچھلے کچھ دنوں سے جگا بھی کہیں روپوش ہے۔'' سراج نے دبی زبان میں کہا۔

اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے سوچتا رہا پھر پہلو بدل کر خلا میں گھورتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے گیسٹ ہاؤس میں ملنے والی غیر ملکی کی لاش کو دیکھنے کے بعد ایک سوال کیا تھا کیا اس کا کوئی تعلق اسپورٹس کار میں مرنے والے سے ہوسکتا ہے؟ میڈم روبی نے بھی ان ہی خطوط پر کوئی نتیجہ اخذ کیا ہوگا۔ جگا کی روپوشی بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ ہاشم کی موت میں بھی آکٹوپس کا ہاتھ ہوگا اور ...... ون منٹ۔'' اورنگ زیب نے بولتے بولتے چونک کر سراج کو دیکھا۔ ''کیا تمہیں اس بات پر شبہ نہیں ہے کہ آکٹوپس کے مکان پر ہونے والے حملے میں میڈم روبی کا ہاتھ بھی ہوسکتا ہے؟''

''میڈم نے کھل کر اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔'' سراج نے دبی زبان میں جواب دیا۔

''اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اتنی ہی دانش مندی کا ثبوت دیتا جتنا میڈم نے دیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہاشم بھی میڈم ہی کا کوئی نمائندہ ہو۔''

''آپ کیا سوچ رہے ہیں؟'' سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''پہلے ایک وعدہ کرو۔'' اورنگ زیب نے اٹھ کر سراج کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے اس وقت جو باتیں کی ہیں اس کی بھنک بھی ڈی آئی جی کرائمز کو نہیں ملنی چاہیے۔ اس نے ہمارے

ساتھ رہنے کا وعدہ کیا ہے' لیکن اسے یہ بھی یاد ہوگا کہ اس کی ترقی میں آکٹوپس کی سفارش کو خاص دخل تھا۔''

''آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی درخواست کرتا۔'' سراج نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

''کل رات جلنے والی سیاہ کرولا اور اس میں سے برآمد ہونے والی تین ناقابل شناخت لاشوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟......'' اورنگ زیب کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ اس حادثے کے بارے میں بھی کوئی رائے قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آج کل اس قسم کی وارداتیں آئے دن ہو رہی ہیں......مقصد یہی ہوتا ہے کہ مرنے والوں کی فوری شناخت نہ ہو سکے، جب تک پولیس کوئی آخری نتیجہ اخذ کرے مجرم اس کی دسترس سے دور نکل جائے۔''

اورنگ زیب کوئی جواب دینے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے موبائل پر سگنل ملے، اس نے کال ریسیو کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔ جو نمبر اسکرین پر ابھرا وہ یقیناً اس کیلئے اہم ہو گا۔ ''کیا خبر ہے......؟'' اس نے موبائل آن کر کے سنجیدگی سے سوال کیا، کچھ دیر دوسری جانب سے دیئے جانے والے جواب کو پوری توجہ سے سنتا رہا پھر پرجوش انداز میں بولا۔ ''میں اسی پرانے ریفرنس پر اپنے ایک اعتماد کے آدمی کو بھیجتا ہوں، وہ تم سے مطلوبہ چیز پک اپ کر لے گا......گڈ...... اس اہم ثبوت کے بعد ہمارے لیے کچھ مزید آسانیاں ہو جائیں گی......ریسٹ ایشور، سب کچھ میری ذات تک محدود رہے گا۔ ہاں، ہاں سمجھ رہا ہوں......ڈیمٹ، تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہاری دوستی کی خاطر میں نے بھی وہی کیا جو تم چاہتے تھے......یس......فائن......میں تمہیں دو گھنٹے بعد تفصیل سے بتاؤں گا۔ ڈونٹ وری مائی ڈارلنگ......'' گفتگو ختم ہونے کے بعد اورنگ زیب نے موبائل آف کیا تو اس کی آنکھوں میں بالکل ایسی ہی چمک ابھری تھی جیسی کسی شیر یا چیتے کی آنکھ میں اپنے شکار پر جھپٹنے سے پہلے ابھرتی ہے۔ سراج نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''کس کا فون تھا......؟''

''اسی پرانے دوست کا جس کے کہنے پر ہم کل رات اسپتال گئے تھے۔''

''لیکن اس وقت تو آپ نے......''

''جو بھی کہا تھا وہ رازداری کا تقاضا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔'' اورنگ زیب نے سراج کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر اس نے میجر عاطف کا نام ظاہر کیے بغیر گلابو کے زخمی ہونے اور دارا رستم علی کے جن شبہات کی کہانی سنائی وہ بھی سراج کے لیے بڑی سنسنی خیز تھی۔

''آپ کا شبہ کس پر ہے......؟'' سراج نے کسمسا کر سوال کیا۔

''کل کیا ثابت ہوگا اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن فی الحال میرے شبہات کے تمام پہلو اور زاویے ایک ہی نام پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں......آکٹوپس۔''

آکٹوپس کہتے وقت اورنگ کی نگاہوں میں جو نفرت انگیز چمک ابھری، وہ بھی بے حد خوفناک

تھی۔

''تم ریسٹ کرو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ شام تک دوبارہ واپس آؤں گا اور ہاں...... اپنے پراسرار لیاقت حسین کو بلا کر اس سے مل لو، وہ کل رات سے تمہارے آس پاس ہی منڈلا رہا ہے۔ کسی سچے جاں نثار کی طرح۔'' اورنگ زیب نے ایک بار پھر سراج کے ہاتھ پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈالا پھر اسے وش کرتا ہوا دروازہ کھول کر چلا گیا۔

اورنگ زیب کے جانے کے بعد الماس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی جھلک رہی تھی۔ سراج نے اسے پیار سے ڈانٹا۔ ''بری بات ہے...... بہادر بچے اور بچیاں رویا نہیں کرتے۔''

''آپ جو سمجھ رہے ہیں وہ بات نہیں ہے۔'' اس نے شوہر کے پہلو میں بیٹھ کر اپنی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہا۔ ''آج آپ کے ایس پی صاحب نے جاتے جاتے جو حرکت کی اس سے میری آنکھیں چھلک اٹھیں۔''

''کیا ہوا......؟''

''آج انہوں نے جاتے وقت کسی بزرگ کی طرف میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ اب آپ کا ایک بڑا بھائی اور زندہ ہو گیا ہے اس لیے کسی بات کی فکر نہ کریں۔''

''ہاں...... آج وہ مجھے بھی مسٹر سراج کے بجائے صرف سراج کہہ کر بڑی محبت سے بات کر رہے تھے۔''

''اورنگ زیب صاحب کی بات اور ہے لیکن......'' اس نے سراج کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''میرے علاوہ کوئی دوسری عورت اگر آپ کی خاطر بے چینی کا اظہار کرے تو وہ بھی مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ میں اسپتال نہیں گیا ورنہ وہاں پولیس افسروں کو خوش رکھنے کی خاطر عام طور سے کسی خوبصورت نرس ہی تعینات کی جاتی ہے۔''

''میں نرس کی نہیں آپ کی روبی صاحبہ کی بات کر رہی ہوں جو آپ کے گھر آنے سے اب تک کئی بار آپ سے بات کرنے میں بے چینی کا اظہار کر چکی ہیں۔'' الماس نے مسکرا کر کہا۔ پھر شوخی سے پوچھا۔ ''کیا مجھے دکھانے کی خاطر یہ خفگی والا ڈراما تیار کیا گیا ہے یا آپ کا روبی سے......''

''اسے میری ایک کھری بات بری لگی ہے۔'' سراج نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اسے اپنی سرکاری حیثیت کا احساس دلانے کے بعد کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی جس کا اس نے غلط مطلب نکال لیا۔ بات اسی کے بھلے کی تھی لیکن......''

اسی وقت الماس کا فون پھر گنگنایا تو اس نے سراج کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی ان ہی والی کا فون ہے۔'' پھر موبائل آن کر کے سنجیدگی سے بولی۔ ''آئی ایم سوری روبی لیکن ڈاکٹروں نے سراج کو ایک ہفتے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہا ہے۔ بات چیت کرنے سے بھی منع کیا ہے۔''

''انہیں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟'' دوسری طرف سے میڈم نے بے چینی کا اظہار کیا۔ ''میرا

مطلب ہے کہ پولیس سرجن نے گولی لگنے کے بعد خدشے کا اظہار تو نہیں کیا؟...... گھر آنے کے بعد آپ کو کچھ نہ کچھ صورت حال کا علم تو ضرور ہوا ہوگا؟''

''ابھی تک ایس پی اورنگ زیب سختی سے اندر سے کمرا بند کیے بیٹھے ہیں۔ میں بھی اندر نہیں گئی۔'' الماس نے شرارتاً سنجیدگی برقرار رکھی۔ ''میں بھی دعا کر رہی ہوں۔ آپ سے بھی یہی درخواست کروں گی۔'' الماس نے جملہ مکمل کر کے موبائل سراج کی طرف بڑھا دیا۔

''اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں آپ کے گھر آ کر انہیں ایک نظر دیکھ لوں۔'' روبی کی آواز ابھری۔ ''میں صرف دعا ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ان لوگوں کے خلاف کر سکتی ہوں جنہوں نے چھپ کر ایک ایماندار افسر کو ہدف بنانے کی بزدلانہ حرکت کی ہے لیکن پلیز...... یہ بات آپ مسٹر سراج سے نہ کہیے گا ورنہ وہ......''

''اب بھی آفیشل حیثیت میں آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے گا۔'' سراج نے سرسراتے لہجے میں جملہ مکمل کر دیا۔

''اوہ......'' دوسری جانب سے سراج کی آواز سن کر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ ''الماس کی اس وقت کی شرارت تو میرے ذمے ادھار رہی۔ بہرحال، آپ کی آواز سن کر خوشی ہوئی۔ اب طبیعت کیسی ہے۔؟''

''خدا کا شکر ہے کہ ڈیتھ وارنٹ ایشو ہوتے ہوتے رہ گیا، معمولی زخم آیا ہے، دو چار روز لوٹ پوٹ کر دوبارہ کھڑا ہو جاؤں گا۔''

''کیا میں عیادت کیلئے حاضر ہونے کی درخواست کر سکتی ہوں؟'' بڑی انکساری سے پوچھا گیا۔

''فی الحال مناسب نہیں ہوگا۔'' سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''کچھ اہم واقعات اور بھی رونما ہوئے ہیں جو آپ کے علم میں نہیں ہیں لیکن دشمن اس وقت پوری طرح محتاط ہوگا۔ آپ کا براہ راست مجھ سے ملنا شاید اسے گوارا بھی نہ ہو۔ یہ بات بھی آپ سے سرکاری حیثیت میں نہیں بلکہ الماس کی بہن سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔''

''شکریہ سراج صاحب، میں اس نئے رشتے میں زیادہ فائدہ میں رہوں گی۔'' میڈم نے شوخی سے کہا۔ ''اب آپ ذرا موبائل الماس کو دے دیں تاکہ میں اس کی خیریت بھی دریافت کر لوں۔''

سراج نے موبائل الماس کی طرف بڑھا دیا جو بڑی دیر تک اس نئے رشتے پر کھل کر ہنستی بولتی رہی۔ سراج کے ذہن میں ایک بار پھر ایس پی اورنگ زیب کے کچھ آخری فیصلے ابھرنے لگے جو قانونی اعتبار سے مناسب نہیں تھے۔ جب تک الماس فون پر بات کرتی رہی اس کا ذہن ان ہی خطوط پر سوچتا رہا جس پر اورنگ زیب نے قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ الماس فارغ ہوئی تو سراج نے لیاقت حسین کو اندر بلوا لیا جس کے چہرے کی اداسی اور آنکھوں کی ویرانی اس بات کی غماز تھی کہ وہ سراج کیلئے کس قدر پریشان تھا۔

''پریشان مت ہو لیاقت حسین۔'' سراج نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''تمہاری ہی دعا کا نتیجہ ہے کہ گولی زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوئی ورنہ......''

''ایسی بات بھی زبان سے نہ نکالیے صاحب۔'' لیاقت حسین نے رندھی ہوئی آواز میں تیزی سے کہا۔ ''خدا ان کو غارت کرے جو آپ جیسے نیک لوگوں کے دشمن بن گئے ہیں۔''

''تمہاری بروقت ذہانت کام آگئی۔ اگر تم نے گاڑی کو فوری طور پر نہ موڑا ہوتا تو شاید ہم پلاسٹک بم کی زد میں آجائے۔''

لیاقت حسین نے جواب میں کچھ نہیں کہا، اس کے چہرے پر ابھرنے والا اضطراب بتا رہا تھا کہ اسے ایسی کوئی بات یاد نہیں جس کا ذکر سراج سے پیشتر اورنگ زیب بھی کر چکا تھا۔ سراج نے اس کے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے لیاقت حسین، تم کس سوچ میں گم ہو گئے؟''

''صاحب...... وہ آپ کے ایس پی صاحب......'' اس نے رک رک کر اپنی الجھن کا اظہار کیا۔ ''وہ بھی کچھ ایسی ہی باتیں بتا رہے تھے جو مجھے یاد نہیں۔ خدا جانے مجھے کیا بیماری ہو گئی ہے؟ کیا روگ ہے جو میری جان سے چمٹ گیا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ تم کو فرحین سے بہت زیادہ پیار ہے۔'' الماس نے لیاقت حسین کی ذہنی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''تم ایسا کرو، جب تک سراج گھر پر نہیں تم دو چار روز کے لیے فرحین کے پاس چلے جاؤ اس کے بعد پھر آجانا۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بیگم صاحب؟ میں اپنے محسن کو ایسی حالت میں ایک پل کیلئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔''

''کہو تو میں بیگم عثمان سے بات کر کے فرحین کو یہاں بلوا لوں۔'' الماس نے نئی پیشکش کی۔

''میں سمجھ رہا ہوں بیگم صاحب کہ آپ بھی مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن میں خدا کو گواہ بنا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کچھ باتیں یاد نہیں رہتیں...... ایسا کیوں ہوتا ہے صاحب؟'' اس نے آخری جملہ کہتے وقت سراج کی طرف غور سے دیکھا۔

''میں تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ اوپر والا تمہاری کسی نیکی کی وجہ سے تمہیں نواز رہا ہے۔ تمہیں کوئی بیماری نہیں ہے۔ جو بات تمہیں یاد نہیں رہتی اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو گی۔'' سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آئندہ تم ایسی کسی بات پر غور بھی نہ کرنا۔ اسی میں بہتری ہے۔''

لیاقت حسین نے سر کی جنبش سے اقرار کیا لیکن ذہنی طور پر وہ الجھا الجھا ہی رہا۔ الماس اور سراج دونوں خاصی دیر تک اس کی دلجوئی کرتے رہے۔ لیاقت حسین کے جانے کے بعد الماس نے سراج سے کہا۔

''آپ کا کیا مشورہ ہے...... میں راحیلہ سے کہہ کر فرحین کو دو تین روز کیلئے اپنے ہاں نہ بلا لوں؟''

''اس سے بات نہیں بنے گی۔ ہمیں لیاقت حسین کے معاملے میں اب درگزر سے کام لینا ہو گا۔'' سراج نے کچھ توقف سے کہا۔ ''میں شام کو اورنگ زیب صاحب سے بھی کہوں گا کہ اس موضوع پر وہ بھی زیادہ کریدنہ کریں۔''

کچھ دیر بعد الماس سراج کو آرام کا مشورہ دے کر گھریلو کام میں مصروف ہو گئی لیکن سراج کا ذہن بدستور لیاقت حسین کے بارے میں الجھا رہا۔ خاص طور پر وہ یہ جاننے کیلئے بے چین تھا کہ دفتر سے دس پندرہ منٹ میں واپسی کا کہہ کر لیاقت حسین ڈیڑھ پونے دو گھنٹے تک کہاں غائب رہا تھا؟ واپسی پر بھی اس نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ غیر حاضر نہیں رہا مگر...... دفتر کی گھڑی پر نظر ڈالنے کے بعد خود وہ بھی حیرت کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ عرصہ اس نے کہاں گزارا؟ یہ سوال لیاقت حسین سے زیادہ سراج کیلئے اہم ترین تھا۔

+++

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام وقار عظیم

دو تین راتوں کا خمار اس وقت بھی شیخ حامد پر ایک نشہ سا طاری کر رہا تھا۔ کنول کے ساتھ وہ خوب صورت اور حسین لمحے گزار چکا تھا جو بڑے یادگار تھے۔ وہ سیل بند بوتل کی ایسی چھلکتی شراب تھی جس کا تیز نشہ شیخ حامد کو ڈھلتی عمر میں بھی جوانی کی یاد دلا رہا تھا۔ اگر حالات اور گرد و پیش کا [illegible] نہ ہوتا تو اس کے قرب کو مہینوں ایک پل کیلئے بھی خود سے دور نہ رکھتا لیکن بیوی کی خودکشی کے بعد وہ اپنی چھت کے نیچے کنول کو بحیثیت بیوی بھی جگہ دیتا، تو اس کے حریف اور قانون اس کا جینا حرام کر دیتے۔ وہ موجودہ حالات میں بھی خوش تھا۔ کنول سے اس نے جو سودا کیا تھا وہ زیادہ مہنگا نہ تھا۔ یہ کہہ کر دل کو تسلی دے رہا تھا کہ جو لطف کچی کیری کو چوری چھپے، درخت سے توڑ کر کھانے میں ہے وہ بازار سے خرید کر کھانے میں کہاں؟ وہ اس کا خریدار ہوا کھرا سودا تھی پھر بھی وہ اسے چوری چھپے کھانے پر مجبور تھا۔

عام طور سے وہ ٹھیک دس بجے دفتر پہنچ جانے کا عادی تھا لیکن اس وقت گیارہ بجے بھی اپنی خواب گاہ میں بیٹھا کنول کے پیچ وخم کے خیالی تصور سے دل بہلا رہا تھا جب اس کے مخصوص موبائل نے وائبریٹ کیا۔ اس نے روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو کال ریسیو کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ نمبر ٹو کا فون تھا جسے شیخ حامد نے وقتی طور پر بلیک ٹائیگر کی ذمے داریاں بھی سونپ رکھی تھیں۔

''کیسے فون کیا؟'' اس نے موبائل آن کر کے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''کچھ اہم خبریں دینی تھیں۔''

''کہو......''

''مطلوبہ گاڑی کو مع لوڈ سفر پر روانہ کر دیا گیا ہے ابھی تک کسی نے نہ اپنا سامان کلیم کیا ہے نہ اس کے بارے میں کوئی تفتیش نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔'' جواب بڑے اعتماد سے دیا گیا۔ ''آئندہ بھی اسی طرح رہے گا، میں نے اس کی ساری شناختیں پہلے ہی کھرچ کر مٹا دی تھیں۔''

''ان کو واجبی قیمت ادا کر دی گئی ہے۔ وہ زبان کھولنے کی غلطی کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہے۔''

''گڈ......'' شیخ حامد نے تعریف کی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ اسپتال کے قریب ہونے والے بلاسٹ میں دو آدمی بھی ضائع ہو گئے ہیں۔''

''اپنے ہی بندے تھے۔'' فوری جواب ملا۔ ''ہم نے لاشیں اسی وقت اٹھالی تھیں جن کو رات

ہی دفنا دیا گیا۔"

"فائرنگ کی حماقت کیوں کی گئی تھی؟ میں نے صرف ایک وارننگ دینے کو کہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ نئے ایس پی کے سادہ لباس والے تھے۔ ابتدا ان ہی کی طرف سے کی گئی۔ ایک آدمی کام آ گیا تو ہمیں بھی جوابی کارروائی کرنی پڑی، ایسا نہ کرتے تو زیادہ نقصان بھی ہو سکتا تھا۔"

"تمہاری کارکردگی ابھی تک اطمینان بخش ہے لیکن جگا کا کیا بنا......؟"

"اس کی تلاش جاری ہے۔ آخری ٹھکانا ہم نے بروقت اڑا دیا تھا لیکن وہ نہ جانے اپنے آدمیوں سمیت......"

"یہ کہانی پہلے بھی سن چکا ہوں۔" اسے خشک لہجے میں وارننگ دی گئی۔ "جگا کی روپوشی ہمارے لیے اہم ہے اسے کسی طرح بھی ٹریس کرو۔"

"رائٹ سر......"

"سراج کو نئے باسٹرڈ نے اسپتال کے بجائے گھر پہنچا دیا ہے۔" شیخ حامد ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "اسی کی وجہ سے سراج بھی پر نکالنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔"

"آپ صرف اشارہ کر دیں۔ ہم پورا فلیٹ پھونک کر راکھ کر دیں گے۔"

"حماقت کی باتیں مجھے پسند نہیں...... دشمن کی دکھتی رگ اگر قابو میں آ جائے تو پھر وہ اشاروں پر ناچنے کیلئے مجبور ہو جاتا ہے۔ ایک کوشش ہو چکی تھی جسے سراج نے بروقت ناکام بنا دیا ورنہ...... اس وقت وہ میرے قدموں میں پڑا ہوتا۔"

"اب کیا حکم ہے......؟"

"اسی قیمتی ہیرے (الماس) کو دوبارہ قابو کرنے کا پلان بناؤ لیکن میں اب دوسری بار ناکامی برداشت نہیں کروں گا۔"

"رائٹ باس...... کام ہو جائے گا۔"

"نہ ہو تو تم بھی مجھے اطلاع دینے کے بجائے وہی راستہ اختیار کرنا جو گیسٹ ہاؤس میں مرنے والے نے اختیار کیا تھا۔ انتہائی سرد لہجے میں جملہ مکمل کرنے کے بعد شیخ حامد نے موبائل آف کر دیا۔ کچھ دیر وہ کسی خیال میں گم رہا پھر اس نے سراج کی خیریت دریافت کرنے کا ارادہ کر کے موبائل دوبارہ آن کر لیا۔ اس وقت اس کی آنکھیں کسی کوڑیالے سانپ ہی کی طرح چمک رہی تھیں۔

✣✣✣

کالے رنگ کی وین اس عمارت سے تقریباً پانچ گز دور جا کر روک دی گئی جس میں افضل خان کا اپارٹمنٹ تھا، وین سے اترنے والے دونوں افراد خوش لباس تھے، صورت شکل سے بھی وہ مہذب ہی نظر آ رہے تھے لیکن مذکورہ بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی ایک مسلح گارڈ نکل کر ان کے راستے میں حائل ہو گیا۔

''کہاں جانا ہے جناب......؟'' اس نے مہذب لہجے میں سوال کیا۔

''کیا مطلب......؟'' ایک نوجوان نے گارڈ سے وضاحت طلب نظروں سے کہا۔'' کیا اس عمارت میں بغیر اجازت داخل ہونا بھی منع ہے؟''

''پہلے نہیں تھا سر' لیکن اب تمام اپارٹمنٹ کے مکینوں کا یہی حکم ہے کہ کسی بھی نئے آنے والوں کو بغیر معلومات کیے لفٹ یا سیڑھیوں تک نہ جانے دیا جائے...... میں ان کا ملازم ہوں صاحب اس لیے اپنی ڈیوٹی سے مجبور ہوں۔''

''گڈ......'' دوسرے نوجوان نے گارڈ کی فرض شناسی کو سراہا۔''ہمیں افضل خان سے ملنا ہے وہ آج ہی دوبارہ اپنے اپارٹمنٹ میں آگئے ہیں۔شاید ان کے ساتھ جو حادثہ گزر چکا تھا اسی کی بنیاد پر تمہاری خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔''

آپ کا اندازہ درست ہے سر......'' گارڈ نے کہا۔'' آپ اپنا نام بتا دیں، میں انٹرکام کے ذریعے ان سے معلوم کیے لیتا ہوں۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم خود انٹرکام پر اپنے دوست سے بات کرلیں۔''

''تشریف لائیں صاحب......'' گارڈ انہیں لفٹ کے قریب بنے ایک مختصر کمرے میں لے گیا جہاں سے عمارت کے تمام اپارٹمنٹ والوں سے گفتگو کی جاسکتی تھی۔ یہی اس کی غلطی بھی تھی۔ وہ آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔ پھر اس سے پیشتر کہ گارڈ انٹرکام پر رابطہ قائم کرتا پشت پر موجود نوجوان نے نہایت مہارت سے جیب میں رکھا ہوا رومال نکال کر گارڈ کے منہ اور ناک پر جما دیا۔ رومال میں لگی مہک خاصی زود اثر تھی، گارڈ نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن خود کو نوجوان کی آہنی گرفت سے آزاد نہ کرا سکا۔ اسے بے ہوش ہونے میں بہ مشکل تیس سیکنڈ لگے تھے۔ دوسرے نوجوان نے باہر نکل کر ادھر ادھر جھانکا پھر دونوں نے مل کر گارڈ کو اس کی کرسی تک لے جا کر اس طرح ٹکا دیا کہ دیکھنے والا یہی سمجھے کہ وہ سو رہا ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر دونوں لفٹ میں داخل ہوئے پھر مطلوبہ منزل کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ کے حرکت میں آتے ہی ایک نوجوان نے اپنے ساتھی سے کہا۔''اس بات کا خیال رکھنا کہ ہمیں حتی الامکان دنگا فساد سے پرہیز کرنا ہے۔''

''جانتا ہوں۔'' دوسرے نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کے بعد ان کے درمیان کوئی اور بات نہیں ہوئی۔

لفٹ کے رکنے اور خودکار دروازے کے کھلنے کے بعد وہ اس راہداری میں آگئے جس میں خوبصورت کارپٹ ڈلا ہوا تھا، ہر دو اپارٹمنٹ کے درمیان چینل کے جگمگاتے گملوں میں منی پلانٹ نظر آرہے تھے۔ دونوں خاموشی سے قدم اٹھاتے افضل خان کے فلیٹ کے سامنے پہنچ کر رک گئے، ایک کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گئے، دوسرے نے جیب سے ایک تار کا ٹکڑا نکال کر چابی کے سوراخ میں ڈالا، پل بھر میں کلک کی آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ ایک نے جیب سے جرمن ساخت کا آٹو میٹک پستول نکال کر افضل خان اور شبنم پر تان

لیا جو سامنے صوفے پر بیٹھے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز نے انہیں بھی ششدر کر دیا تھا اور اب وہ پھٹی پھٹی نظروں سے دونوں نوجوانوں کو دیکھ رہے تھے۔ شبنم نائٹ گاؤن میں ملبوس تھی سامنے میز پر کافی کے دو مگ نظر آ رہے تھے۔

''کون ہو تم......؟'' افضل خان نے دونوں کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''اس وقت تک دوست ہی سمجھو جب تک تم کوئی حماقت کا ثبوت نہیں پیش کرو گے۔''

''کیا چاہتے ہو؟'' شبنم نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''پلیز میڈم......'' پستول والے نے شبنم کو وارننگ دی۔ ''اپنا خوبصورت ہاتھ جیب سے دور ہی رکھیں، ہم کوئی رسک لینے کے عادی نہیں ہیں۔''

شبنم کا ہاتھ رک گیا، اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ موبائل آن کرنے کی کوشش کی تھی جس کی آوازیں غالباً کہیں دور بھی سنی جاتی تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ تم غلط جگہ آ گئے ہو؟'' افضل خان نے بے جگری سے کہا۔

''یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔ تم اپنی چونچ بند ہی رکھو ورنہ بلاوجہ لپیٹے میں آ جاؤ گے۔'' دوسرے نے افضل خان کو وارننگ دی۔ ''پہلے ہی تم ایک لمبی سزا بھگت چکے ہو۔''

''تم...... شبنم کسمسانے لگی۔ ''ہم سے کیا چاہتے ہو؟...... ہم...... آج ہی اس اپارٹمنٹ میں آئے ہیں۔''

''معلوم ہے......'' پستول والے نے مطلب کی بات کی۔ ''تمہیں اب خاموشی سے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی آپشن نہیں ہے۔ انکار کی صورت میں ہم دوسرا راستہ بھی اختیار کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔''

''ون منٹ......'' افضل خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ باہر ہمارے بھی کچھ آدمی ہو سکتے ہیں۔''

''وقت مت ضائع کرو۔'' پستول والے نے بہ دستور شبنم کو گھورتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''ہم تمہیں صرف دو منٹ اور دے سکتے ہیں۔''

شبنم ہونٹ چباتے ہوئے صوفے سے اٹھی، اسی لمحے افضل خان نے جو اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا، نہایت پھرتی سے دوسرے نوجوان پر چھلانگ لگا دی اور اسے اپنی جھونک میں رگیدتا ہوا دیوار تک لے گیا، پستول والے نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا، وہ بہ دستور شبنم پر نظر جمائے کھڑا تھا۔

دوسرا نوجوان افضل خان کے اچانک حملے سے وقتی طور پر لڑکھڑا گیا تھا اچانک ایکشن میں آ گیا۔ اس نے افضل خان کو زور لگا کر جھکائی دی پھر تیزی سے مارشل آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فلائنگ کک لگائی تو افضل خان اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، اس کے ہونٹ سے خون کی دھار نکلی تو وہ بھی وحشی بن گیا۔ ایک بار پھر اس نے جوابی حملہ کیا پھر دونوں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے جوش میں زور آزمائی کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے، افضل خان نوجوان کے اوپر تھا وہ ریوالور والے

لی پروا کیے بغیر اپنے مقابل کے ساتھ موت اور زندگی کی بازی کھیلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے نوجوان کے فرش پر گرتے ہی تابڑ توڑ اس کے چہرے پر دو چار پنچ مارے پھر اس کی گردن پر ہاتھ کا شکنجہ لگا کر پوری قوت صرف کرنے لگا۔

شبنم پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ پستول والے نے افضل خان اور اپنے دوسرے ساتھی کے درمیان آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''ایک منٹ دس سیکنڈ گزر چکے ہیں میڈم۔'' اس نے شبنم کو مطلع کیا۔ ''تمہارے پاس فیصلہ کرنے کا زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''تمہارا ساتھی......''

''اس کی فکر مت کرو......'' وہ شبنم کو لاحق پریشانی کو ٹالتے ہوئے بہ دستور سفاک لہجے میں غرایا۔ ''ہم ون ٹو ون کے اصول کے قائل ہیں۔ دو بائی ٹو کا مظاہرہ نامردوں کا شیوہ ہے۔ تم اپنی فکر کرو......''

شبنم نے بے بسی سے افضل خان کی طرف دیکھا، اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید آنے والوں کی خود اعتمادی افضل خان کے ہاتھوں قائم نہیں رہ سکے گی لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ حیرت انگیز ہی تھا۔ دوسرا نوجوان جو افضل کے نیچے دبا ہوا تھا اس نے اپنے گھٹنے جوڑ کر دوبارہ مارشل آرٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے افضل خان کی پیٹھ پر ضرب لگائی تو وہ قلابازی کھاتا ہوا دوسری جانب گرا۔ اس کے بعد دوسرا نوجوان ربڑ کی گیند کی طرح حیرت انگیز پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پلک جھپکتے میں اس نے اپنے بوٹ کی ٹھوکر افضل خان کے چہرے پر ماری تو افضل خان کے منہ سے گاڑھا گاڑھا خون ابلنے لگا۔ پے در پے تین چار ٹھوکروں نے افضل خان کو دنیا و مافیہا سے بالکل ہی بے خبر کر دیا، شبنم کی آخری امید بھی دم توڑ گئی۔

''اب تمہارا کیا فیصلہ ہے...... جو وقت دیا گیا تھا وہ بھی گزر چکا۔'' ریوالور والے نے شبنم کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تت...... تت...... تم نقصان میں رہو گے۔'' اس نے ایک آخری کوشش کی۔ ''ہمارے ساتھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔''

''ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو چوہے کے بل میں چھپے بیٹھے ہیں وہ کھل کر سامنے آ جائیں۔

ریوالور والے نے دوسرا قدم بڑھایا تو دوسرا نوجوان اس کے اور شبنم کے درمیان آ گیا۔ اس نے شبنم کے جسمانی نشیب و فراز پر نظر ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔

''تم نے اس خوبصورت بوجھ کو اٹھانے کی ذمے داری مجھے سونپی تھی۔''

''مم...... مجھ...... مجھے ہاتھ مت لگانا ورنہ بڑے نقصان میں رہو گے۔'' شبنم نے بوکھلا کر کہا۔

''ہاتھ نہیں خوبصورت فاختہ...... میں تمہیں گلے لگا کر لے جاؤں گا۔''

شبنم نے وحشت زدہ انداز میں چھپنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی، دوسرے نوجوان نے

لپک کر دونوں ہاتھ اس کی کنپٹیوں پر جمائے پھر کسی ایک رگ کو مسلا کہ وہ بے ہوش ہو کر اس کے ہاتھوں میں جھول گئی۔ دوسرے ہی لمحے نوجوان نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر اس کے گرتے بوجھ کو سنبھالا پھر اس حسین بوجھ کو کاندھے پر ڈال کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ دوسرے نوجوان نے پستول واپس جیب میں ڈال لیا۔

واپسی کے وقت دونوں ہی پرسکون تھے، شبنم کو ساتھ لے جانے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے ایمرجنسی کی حالت میں کسی قریبی اسپتال میں طبی امداد کیلئے لے جا رہے ہوں۔ وین تک پہنچنے کے دوران انہیں کسی مزاحمت کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔

وہ کتنی دیر بے ہوشی سے دوچار رہی اسے اس کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آنے پر اس نے خود کو ایک نرم وگرم بستر پر پڑا پایا تھا، وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ دستی گھڑی پر نظر ڈالی تو یہ تصور بھی اس کے وجود کو ڈسنے کیلئے کافی تھا وہ رات بھر کسی دوسرے کے دسترس میں گزار چکی ہے۔ اس نے اردگرد نظر ڈالی۔ وہ ایک مختصر کمرا تھا جہاں ایک بیڈ، دو ایزی چیئر اور ایک میز کے علاوہ اور کوئی فرنیچر نہیں تھا، بستر سے اتر کر کمرے کے واحد دروازے کو آزمایا جو حسب توقع باہر سے بند تھا۔ کمرے کے ساتھ ہی ایک چار بائی چار کا باتھ روم بھی موجود تھا۔ کمرے کی ساخت بتا رہی تھی کہ وہ کسی بنگلے کا بیسمنٹ ہے یا پھر تہہ خانہ بھی ہو سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں یکے بعد دیگرے مختلف سوال گردش کرنے لگے۔" وہ اس وقت کسی کی قید میں تھی......؟ کیا اس کی کوئی ذاتی پلاننگ کسی طور بگ باس تک پہنچ گئی جس نے اسے زیر عتاب کر دیا تھا...... اگر ایسا نہیں تھا تو پھر اسے اغوا کرنے والے کون تھے......؟ ان کا مقصد کیا تھا اور افضل خان کو چھوڑ دینے کا رسک کیوں لیا گیا تھا۔ ہوش آنے پر وہ بگ باس کو ان دو آدمیوں کی تفصیل مع حلیہ بتا سکتا تھا جنھوں نے شبنم کو اغوا کیا تھا۔ کیا اغوا کرنے والوں کو اس کا کوئی خدشہ نہیں تھا؟ کیا اغوا کرنے والوں کو اس بات کا انتظار تھا کہ اس کے اور افضل کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہوتے ہی کارروائی عمل میں لائی جائے؟"

بڑی دیر تک وہ خود اپنے سوالات کا جواب تلاش کرتی رہی پھر دروازے پر ابھرنے والی آہٹ محسوس کر کے دوبارہ بستر پر بیٹھ گئی۔ فوری طور پر وہ اس بات کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ کسی ذہنی کشمکش سے دوچار ہے۔ دروازہ تیزی سے کھولا گیا، ایک درمیانہ قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک بڑی ہوشیاری سے سامنے آیا تھا۔ وہ تنہا نہیں تھا، اس کا کوئی ساتھی بھی پیچھے موجود تھا جس نے اندر داخل ہونے والے کے اشارے پر دروازہ دوبارہ باہر سے بند کر لیا۔

"مجھے توقع تھی کہ تم اب تک پوری طرح ہوش میں آ چکی ہوگی۔" آنے والے نے اطمینان سے کہا پھر ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ تمھیں یہاں فی الحال کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"مجھے یہاں کیوں اور کس مقصد سے لایا گیا ہے؟" شبنم نے اپنے اوسان بحال رکھتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''مقصد نیک ہی ہے...... برا ہوتا تو تم اس حال میں نہ ہوتیں۔'' سپاٹ اور خشک لہجے میں جواب ملا۔

''تم کون ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''تمہارا کیا اندازہ ہے......؟''

''میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے مجھے اغوا کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لی ہے۔'' شبنم نے اسے اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی خاطر کہا۔ ''اب تک میرے واقف کاروں کو بھی اطلاع مل چکی ہوگی۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔'' نووارد نے بڑے سکون سے مگر معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''جو موبائل تمہیں دیا گیا تھا اس پر کچھ دیر پہلے تھوڑے تھوڑے وقفے سے سگنل موصول ہوئے پھر دوسرے جانب کسی نے مخصوص ڈیوائس کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں موبائل جل کر ناکارہ ہو گیا۔''

''اس کا مطلب بھی یہی ہوا کہ ہمارے آدمیوں کو بھی حالات کی بھنک مل چکی ہے۔''

''ہم بھی یہی چاہتے تھے......'' نووارد نے مسکرا کر کہا پھر یکلخت بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر تم نے ہمارے ساتھ تعاون کیا تو ہم بلاوجہ تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک بھی نہیں کریں گے۔''

''کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟''

''فی الحال تمہیں ایک تصویر دیکھ کر یہ بتانا ہے کہ وہ کون ہے؟'' نووارد محتاط انداز میں اٹھا پھر اس نے ایک بند لفافہ شبنم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ تم لفافے میں موجود تصویر کو دیکھ کر کوئی اداکاری نہیں کرو گی۔''

شبنم نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا، وہ بہ دستور خود کو پرسکون ظاہر کر رہی تھی لیکن لفافے سے برآمد ہونے والی تصویر کو ایک نظر دیکھتے ہی اس طرح چونکی جیسے کسی زہریلے بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ تصویر کنول کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔ بگ باس کی منظور نظر، جس کے ملازمت چھوڑنے کے بعد سب ہی کے ذہنوں میں مختلف سوالات ابھر رہے تھے، کسی نے زبان کھولنے کی جرأت تک نہیں کی تھی۔ اب اسی کنول کی تصویر اسے شناخت کرنے کے لیے دی گئی تھی۔ آخر کیوں؟...... کیا تصویر حاصل کرنے والے اس کی حقیقت سے واقعی ناواقف تھے یا اس میں بھی ''ٹریپ'' کی کوئی صورت شامل تھی۔ تصویر میں کنول کا صرف چہرہ نظر آرہا تھا۔ اس چہرے کو غالباً کسی گروپ وغیرہ سے علیحدہ کیا گیا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو......؟'' نووارد نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ جب تم لوگوں نے یہ تصویر حاصل کی ہے تو اس کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات بھی ضرور رکھتے ہوں گے۔ پھر مجھ سے کس بات کی تصدیق چاہتے ہو؟''

''میں اپنا سوال ایک بار پھر دہرا رہا ہوں۔'' نووارد کے لہجے میں پہلے سے زیادہ کرختگی آگئی تھی۔ ''یہ کس کی تصویر ہے؟''

''میری معلومات کے مطابق اس کا نام کنول ہے۔'' شبنم نے محتاط انداز اختیار کر لیا۔ ''ہم دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے لیکن کچھ دنوں پیشتر اس لڑکی نے ملازمت چھوڑ دی تھی۔ ہو سکتا ہے اس کی کوئی ذاتی پرابلم ہو۔''

''اب یہ کہاں ہے......؟''

''مجھے نہیں معلوم......''

''ہمیں علم ہے کہ تمہارے بگ باس کا نام شیخ حامد ہے۔ یہ بھی علم ہے کہ کسی خوبصورت اور حسین لڑکی کیلئے وہ کسی درندے سے کم بھی نہیں ہے، پھر یہ لڑکی اس کے چنگل سے کس طرح نکل گئی؟''

''اس کا جواب بگ باس یا پھر یہ لڑکی ہی دے سکتی ہے۔'' شبنم نے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارے اندر بھی جنس مخالف کے لیے خاصی کشش موجود ہے۔'' نووارد نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم کو بگ باس کی طرف سے خاص مراعات حاصل نہیں ہیں؟''

''یہ...... یہ میرا قطعی نجی اور ذاتی معاملہ ہے......''

''ہے نہیں...... بلکہ اس وقت تک تھا جب تک تم اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی تھیں اور اب...... تم افضل خان کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں منتقل ہو چکی ہو...... کیا تمہیں افضل خان کی سابقہ ہسٹری اور چال چلن کا علم نہیں ہے؟''

''میں غیر ضروری سوالات کے جواب دینا پسند نہیں کرتی۔'' شبنم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''فی الحال میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گا۔'' نووارد نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''مگر، اتنا بتا دوں کہ تمہاری یہاں سے رہائی کی صرف ایک ہی صورت ہے...... یا تم اپنی پسند کے مطابق خودکشی کر لو...... یا جو پوچھا جائے اس کا کھل کر جواب دو۔ بگ باس یا اس کے شکاری کتے تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے؟ یہ خیال بھی دل سے نکال دو۔''

نووارد نے اپنا جملہ مکمل کر کے تصویر شبنم کے ہاتھ سے واپس لی پھر دروازہ کھلوا کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد شبنم کی کھوپڑی میں پھر سوالات کی یلغار شروع ہو گئی۔

❖❖❖

راحیلہ خاتون اس وقت فرحین کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھیں جب سیٹھ عثمان باہر سے آئے اور خاموشی سے فرحین کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کمرے میں چلے گئے۔ راحیلہ خاتون نے شوہر کے چہرے کے تاثرات بھانپ لیے تھے اس لیے وہ فرحین کو کچھ دیر میں واپس آنے کا کہہ کر شوہر کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''خیریت تو ہے؟'' کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے شوہر سے پوچھا۔ ''سراج بھائی کیسے ہیں؟ ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے؟''

''سراج کی حالت خطرے سے باہر ہے لیکن دوسرے حالات مجھے خاصے گمبھیر نظر آ رہے ہیں۔''

''دوسرے حالات...... میں سمجھی نہیں؟'' راحیلہ بیگم شوہر کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

''ایس پی اورنگ زیب نے سراج کو اسپتال میں داخل کرانے کی تجویز مسترد کر کے اسے گھر پر منتقل کرنا زیادہ مناسب خیال کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے گاڑی کو ٹارگٹ بنایا تھا وہ دوبارہ پھر کوئی خطرناک قدم اٹھا سکتے ہیں۔ ایک دو واقعات اور بھی ایسے رونما ہوئے ہیں جو پولیس کے لیے سوالیہ نشان بن گئے ہیں۔'' سیٹھ عثمان نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کل شیخ حامد نے بھی فون کر کے سراج کی خیریت دریافت کی تھی۔ اورنگ زیب اسے منافقانہ چال قرار دے رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ان کی کار پر ہونے والا حملہ بھی شیخ حامد ہی کے اشارے پر ہوا ہوگا۔''

''ان حالات میں...... سراج کا بھی الماس کو ساتھ لے کر دو تین مہینوں کیلئے باہر چلے جانا مناسب نہ ہوگا۔''

''میں نے اس کی تجویز دی تھی لیکن سراج کے علاوہ اورنگ زیب نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ معاملات میں ایس پی اورنگ زیب کی ذاتی شخصیت کو زیادہ دخل ہے۔''

''کیا مطلب؟'' راحیلہ بیگم نے چونک کر شوہر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ جواب میں سیٹھ عثمان نے اورنگ زیب کے اثر و رسوخ کے حوالے سے جو تفصیل بتائی وہ بھی اس خیال کی تائید کرتی تھی کہ شیخ حامد نئے ایس پی کو پسند نہیں کرتا تھا اور سراج ان کی رسہ کشی کے درمیان لپیٹ میں آ گیا تھا۔

''اب کیا ہوگا......؟''

''قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میں نے سراج اور اورنگ زیب کی باتوں سے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں نے کسی مشترکہ فیصلے پر پہنچ کر اس پار یا اس پار کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔'' سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے اظہار خیال کیا پھر کچھ سوچ کر بولے۔ ''آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ گاڑی پر کیا جانے والا بلاسٹ بھی لیاقت حسین کی وجہ سے زیادہ موثر نہیں ثابت ہوا۔ اس نے بروقت اسٹیئرنگ کو اس عجلت میں گھمایا تھا کہ وہ الٹتے الٹتے رہ گئی لیکن...... حسب دستور لیاقت حسین کو ایسی کوئی بات یاد نہیں۔''

راحیلہ بیگم پہلو بدل کر کچھ کہنے کیلئے پر تول رہی تھیں جب فون کی گھنٹی بجی۔ شوہر کے اشارے پر وہ کال ریسیو کرنے کی خاطر اٹھ گئیں۔ ایک منٹ کی مختصر کال سننے کے بعد ان کے چہرے پر...... کچھ نئی پریشانیاں ابھرنے لگیں۔

''کس کا فون تھا......؟''

''فرحین کے گھر والوں کا......'' راحیلہ بیگم نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ ''فرحین کی ایک

قریبی عزیزہ کا انتقال ہو گیا ہے۔''

''اناللہ وانا الیہ راجعون۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔ ''ہمیں لیاقت حسین کی فوری روانگی کا بندوبست کرنا ہو گا۔''

''کیا لیاقت حسین کا جانا مناسب ہو گا؟ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ کئی موقعوں پر حیرت انگیز طور پر ہماری جان بچا چکا ہے۔ سراج بھی اسی خیال سے اسے دس بارہ روز کے لیے لے گیا تھا، آپ ابھی بتا رہے ہیں کہ گاڑی پر ہونے والا حملہ بھی لیاقت حسین کی کسی غیبی مدد پر بروقت حرکت سے جان لیوا ثابت نہیں ہوا، ایسی صورت میں......''

''بہرحال، ہمیں لیاقت حسین کو اطلاع تو دینی ہے۔ ہم اتنی اہم خبر کو چھپا کر کسی خودغرضی کا ثبوت بھی نہیں دے سکتے۔'' سیٹھ عثمان نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں سراج سے بات کرتا ہوں۔''

''میں فرحین کو......''

''ابھی اتنی جلدی نہ کریں۔ لیاقت حسین کو آ لینے دیں، وہ ہو گا تو فرحین کو زیادہ مناسب طریقے سے دلاسا بھی دے سکے گا۔''

سیٹھ عثمان نے پہلے سراج کو اطلاع دی پھر لیاقت حسین سے بھی براہ راست بات کی۔ آدھے گھنٹے کے اندر لیاقت حسین بھی آ گیا۔ سیٹھ عثمان اسے پرسہ دینے کی خاطر باہر گئے تو لیاقت حسین نے بڑی متانت سے درخواست کی۔

''صاحب......آپ یا بیگم صاحب میرے فرحین کے ساتھ جانے پر اصرار نہ کریں تو مہربانی ہو گی۔ میں سراج صاحب کو ان حالات میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

''تم پہلے بھی نہیں گئے تھے۔'' سیٹھ عثمان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''فرحین کے علاوہ تمہارے گھر والے بھی کیا سوچیں گے؟''

''آپ پریشان نہ ہوں صاحب، میں فرحین کو ساری باتیں سمجھا دوں گا۔'' لیاقت حسین نے بڑی خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ بعد میں فرحین کو لینے چلا جاؤں تو باقی سب کے گلے شکوے بھی دور کر دوں۔''

''میں زبردستی نہیں کروں گا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایسے موقع پر تمہاری وہاں فرحین کے ساتھ موجودگی زیادہ مناسب ہو گی۔''

''ٹھیک ہے......میں فرحین سے بات کرتا ہوں۔ جیسا وہ مشورہ دے گی ایسا ہی کروں گا۔''

راحیلہ بیگم نے فرحین کو لیاقت حسین کی آمد کی اطلاع دی تو وہ کسی پھول کی طرح خوشی سے کھل اٹھی۔ اسی وقت لیاقت حسین کے ساتھ اپنی انیکسی میں چلی گئی لیکن اس کے کچھ دیر بعد لیاقت حسین نے دوبارہ سیٹھ عثمان سے مل کر بتا دیا کہ فی الحال فرحین تنہا جائے گی۔ بعد میں وہ ہو سکتا ہے کہ اسے لینے چلا جائے۔ سیٹھ عثمان نے زیادہ اصرار مناسب نہیں سمجھا، فوری طور پر فرحین کو روانہ کرنے کا سارا

...است کرا دیا لیکن ...... ان کے ذہن میں ایک بار پھر یہ خیال رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ لیاقت حسین ...کسی وجہ سے اپنے پورے گھریلو حالات کھل کر پہلے بھی نہیں بتائے تھے۔ اب بھی اس نے فرحین ...میں تنہا شرکت کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مگر کیوں؟ آخر وہ کیا راز تھا جو لیاقت حسین کھل کر صاف صاف بیان کرنے سے گریز کر رہا تھا؟

+++

شیخ حامد نے اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے والی نرس کو بھوکی نظروں سے دیکھا۔ وہ اس وقت ...ملازم میں نہیں تھی، غیر ملکی ہونے کے سبب اس نے جو سادہ لباس پہن رکھا تھا وہ بھی اتنا تنگ تھا کہ ...لباس ہونے کی صورت میں شاید وہ اتنی پرکشش نظر نہ آتی جتنی اس وقت نظر آ رہی تھی۔ منی اسکرٹ نے نچلے جسم کی ٹھوس ساخت کو بھی اجاگر کر رکھا تھا۔

کنول سے شادی کرنے کے بعد شیخ حامد کا پرانا واقف کار ڈاکٹر برلاس اس کے کہنے پر دو بار ...رسوں کو اضافی طاقت کے انجکشن لگانے کی خاطر اس کے گھر بھیج چکا تھا۔ پہلے جو نرسیں آئی تھیں وہ ...زیادہ پرکشش نہیں تھیں اس لیے شیخ حامد نے ان پر توجہ نہیں دی لیکن موجودہ بدیسی نرس کے جسمانی ...نشیب و فراز اتنے ہیجان انگیز تھے کہ شیخ حامد انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

"تمہارا نام؟" اس نے نرس کو مخاطب کیا۔

"جولیانا......" نرس نے پیشہ وارانہ انداز میں جواب دیا پھر سرنج میں دوا بھرنے لگی، اس کی نظریں سرنج پر مرکوز تھیں لیکن شیخ حامد اس انداز کو خاص طور پر محسوس کر رہا تھا۔ اس کے نقوش ...خوبصورت نہیں لیکن تیکھے اور نمکین بلاشبہ تھے، وہ انجکشن تیار کرنے کے بعد شیخ حامد کے قریب آئی تو اس نے نرس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے بے باک انداز میں پوچھا۔

"جانتی ہو یہ انجکشن کس کام آتا ہے؟"

"ایکسٹرا اسٹرینتھ (Extra Strength) حاصل کرنے کے لیے۔" جولیانا نے بے نیازی سے جواب دیا۔

شیخ حامد نے آستین اوپر اٹھا کر بازو کھول دیا، جولیانا انجکشن لگانے کی خاطر اور قریب آئی تو اس کے جسم اور لباس پر لگے سینٹ کی سوندھی سوندھی خوشبو شیخ حامد کو بے چین کرنے لگی۔ اس وقت اگر اسے کنول کے پاس نہ جانا ہوتا تو شاید وہ کسی آدم خور کی طرح جولیانا کو بلاتکلف دبوچ لیتا لیکن وہ بہر حال اس قابل نہیں تھی کہ اسے کنول جیسی چٹکتی کلی پر ترجیح دی جاتی۔

"ڈاکٹر برلاس کے ہاں نئی آئی ہو؟"

"ہاں......" جولیانا نے انجکشن لگاتے ہوئے بہ دستور بے نیازی سے کہا۔ "عام طور سے میں کسی کے گھر پر وزٹ نہیں کرتی لیکن ڈاکٹر برلاس نے آپ کے لیے خاص طور پر میری ڈیوٹی لگا دی۔ اس لیے کہ آج نائٹ ڈیوٹی کی نرس کسی وجہ سے نہیں آئی تھی۔"

"میں آئندہ تم ہی کو طلب کیا کروں گا۔" شیخ حامد نے فراخدلانہ انداز میں کہا۔ "تمہیں کوئی

اعتراض تو نہیں ہو گا؟''

''آپ کو اس وقت شاید کہیں اور جانا ہے؟'' جولیانا نے پہلی بار قدرے بے تکلفی سے شیخ حامد کی طرف دیکھا۔

''ہاں...... تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔'' شیخ حامد نے پھریری لیتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا تو جولیانا نے شانے اچکا کر دبی زبان میں کہا۔

''آپ جو انجکشن لیتے ہیں یہ انسان کو صرف عارضی قوت بخشتا ہے جو زیادہ دیر پا نہیں ہوتی۔ عادی ہو جانے کے بعد انسان اسی کا محتاج ہو جاتا ہے۔''

''تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن اس کے بغیر مرد کو اگر کبھی شرمندگی اٹھانی پڑے تو وہ بھی اس کیلئے بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''ایسا وہاں ہوتا ہے جہاں انڈر اسٹینڈنگ نہ ہو۔'' جولیانا نے کھل کر جواب دیا۔ ''ورنہ، آپ کا پارٹنر اگر باڈی مساج کے فن سے واقف ہو تو آپ زیادہ انجوائے کر سکتے ہیں۔''

''تت...... تم کو باڈی مساج آتا ہے؟'' شیخ حامد کی آنکھوں میں خمار جاگنے لگا۔

''آپ کی ضرورت پر منحصر ہے لیکن میں صرف باڈی مساج کے دس ہزار لیتی ہوں۔'' جولیانا نے بے تکلفی سے مسکرا کر کہا۔ ''صرف باڈی مساج کے۔''

''اور...... اس کے بعد......''

''ٹین تھاؤزنڈ پلس...... لیکن آپ اس کے لیے ڈاکٹر براس سے نہیں کہیں گے۔'' جولیانا نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر شیخ حامد کی طرف بڑھاتے ہوئے رازدارانہ انداز اختیار کیا۔ ''اس پر میرا موبائل نمبر درج ہے۔ آپ جب چاہیں ون ویک پیشتر بک کر سکتے ہیں۔''

''پروفیشنل ہو؟'' شیخ حامد نے چبھتے ہوئے انداز میں اسے سر سے پاؤں تک گھورا۔

''نہیں...... پروفیشنل ہوتی تو ڈاکٹر کے پاس سروس نہ کرتی۔ باڈی مساج میں دو ماہ میں صرف ایک بار کرتی ہوں جو میری ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ ٹین تھاؤزنڈ پلس والی بات میری مرضی پر منحصر ہے۔''

شیخ حامد کو اچانک کنول کا خیال آ گیا اس لیے اس نے بات آگے نہیں بڑھائی لیکن، یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اسے کبھی بہ وقت ضرورت خدمت کا موقع دے سکتا ہے۔ جولیانا کے جانے کے بعد وہ بن سنور کر تیار ہوا۔ اس وقت ساڑھے نو کا عمل تھا، اس نے اپنے خاص ڈرائیور اور ایک با اعتماد گن مین کو ساڑھے دس کا وقت دیا تھا۔ وہ دونوں اس کے آزمائے ہوئے آدمی تھے۔ زبان ہوتے ہوئے بھی گونگا بنا رہنا ان کی سرشت میں شامل تھا، نہ ہوتا تو بہت پہلے موت کی ابدی نیند سو چکے ہوتے۔ دس بجے کنول نے اسے فون کیا۔

''مجھے آپ کی آمد کا بے چینی سے انتظار ہے۔'' اس کے لہجے میں گھریلو عورت کی محبت تھی۔ ''آخر ہم کب تک اس طرح دور دور رہ کر چوری چھپے ملتے رہیں گے؟''

''اونٹ وری مائی سوئٹ ہارٹ، میں تمہیں لے کر باہر جانے کا پروگرام بنا رہا ہوں جہاں ہمارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ ہم دو تین مہینے تک دل بھر کر انجوائے کریں گے۔''

''اور اس کے بعد......؟'' کنول نے دبی زبان میں پوچھ ہی لیا۔

''اس کے بعد......'' شیخ حامد نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں اپنی تمہاری شادی کو سب پر ظاہر کر دوں۔ ابھی وعدہ نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔''

''میں بس دس منٹ میں نکل رہا ہوں۔'' شیخ حامد نے کنول کو دلاسا دے کر کال منقطع کر دی پھر وہ اپنی منحوس اور مرحوم بیوی صبا بیگم کو بے نقط گالیاں بکنے لگا جس کی خودکشی نے اسے محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایس پی اورنگ زیب کی شخصیت بھی اس کے آڑے آ رہی تھی جس کی وجہ سے اس نے اوباش لڑکیوں کو بھی گھر بلانا بند کر دیا تھا۔ وہ فرنٹ فٹ کا کھلاڑی تھا لیکن حالات نے اسے بیک فٹ پر جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ پندرہ منٹ تک وہ صبا بیگم اور اورنگ زیب دونوں کو دل ہی دل میں گالیاں بکتا رہا پھر ٹھیک دس بج کر بیس منٹ پر اس نے واش روم میں جا کر قد آدم آئینے کے سامنے اپنا آخری جائزہ لیا۔ باہر آ کر اس نے موبائل پر گیٹ والے گارڈ سے رابطہ قائم کر کے معلوم کرنا چاہا کہ اس کی مخصوص گاڑی آئی یا نہیں لیکن تین چار نمبر پنچ کرنے کے بعد اس نے خود کو اچانک سے فرش پر گرا دیا اور اپنے بستر تک پہنچنے کی خاطر کسی چوٹ کھائے مگرمچھ کی طرح ہاتھ پاؤں چلانے لگا جہاں اس کی چھوٹے دستے کی رائفل رکھی تھی۔

اچانک ہونے والا دھماکہ اتنا ہی خطرناک تھا کہ بیڈ روم کے در و دیوار بھی لرز اٹھے تھے، اس کے ساتھ گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونجنے لگی تھی۔ رائفل حاصل کرنے کے بعد اس نے دیوار کے ساتھ والی پھرتی سے اٹھ کر خواب گاہ کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔ اندھیرا ہوتے ہی وہ ایک کھڑکی کی طرف قدم اٹھا رہا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملے۔ کال نمبر ٹو نے کی تھی۔

''یہ کون حرام کے پلے ہیں؟'' اس نے بڑے خونخوار لہجے میں نمبر ٹو سے سوال کیا۔

''فکر نہ کریں باس......ہم انہیں گھیر رہے ہیں۔ آج انہیں زندہ نہیں جانے دیں گے۔''

''سب کو بھون ڈالو'' وہ گرجنے لگا۔ ''کسی کی پروا نہ کرنا۔ دیکھ لوں گا، باقی لوگوں کو بھی بلا لو۔''

''میں روشنیاں بند کرا رہا ہوں باس۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''اندھیرے میں انہیں گھیرنا زیادہ آسان رہے گا۔''

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد بنگلے کی بیرونی روشنیاں بھی بند کر دی گئیں۔ شیخ حامد اچانک رائفل لے کر خواب گاہ سے باہر نکلا۔ اس کیلئے پوزیشن تبدیل کرنی ضروری تھی، وہ راہداری سے گزرتا ہوا دوسرے کمرے میں آ گیا پھر اس نے ایک کھڑکی کے قریب دیوار سے چپک کر کے پوزیشن سنبھال لی۔ کھڑکی کو ذرا سا کھول کر اس نے باہر کی جانب دیکھا جہاں رائفلیں

گولیوں کے ساتھ ہی شعلے بھی اگل رہی تھیں۔ رائفل پر ایک ہاتھ کی گرفت مضبوط کر کے اس نے دوسرے ہاتھ سے موبائل نکالا اور ڈی آئی جی کرائمز آغا منظور کے نمبر پنچ کرنے لگا۔

+++

''ہیلو۔ شیخ حامد صاحب۔'' دوسری جانب سے ڈی آئی جی کرائمز کی آواز ابھری۔ ''اس وقت کیسے یاد......''

''میرے بنگلے پر کچھ حرامیوں نے دوسری بار حملہ کر دیا ہے۔'' شیخ حامد نے چلاتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا وہ نیا ایس پی کہاں مرا ہوا ہے؟''

''پریشان نہ ہو سر...... میں ابھی دیکھتا ہوں۔'' اس بار دوسری طرف سے بھی پریشانی کا اظہار کیا گیا۔

''ایک بات کان کھول کر سن لو...... اس بار بھی اگر مجرم گرفتار نہ ہوئے تو پھر مجھ سے کوئی شکوہ نہ کرنا۔'' شیخ حامد نے کال منقطع کر دی اسی لمحے اسے شبنم کا خیال آیا۔

کنول کی طرف جانے کے خیال نے اسے اس قدر محو کر رکھا تھا کہ اسے یاد نہیں رہا کہ اس نے دو بار شبنم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں بار گھنٹی بجتی رہی لیکن...... کال ریسیو نہیں کی گئی تو اس نے کسی خطرے کے پیش نظر شبنم والا موبائل خاص تکنیک سے جلا کر ناکارہ کر دیا تھا۔ وہ کسی قسم کا رسک لینے کا عادی نہیں تھا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ شاید وہ اور افضل خان نئے سرے سے اپارٹمنٹ ملنے کی خوشی کو انجوائے کر رہے ہوں گے۔ ایسی کسی صورت کے انکشاف کے بعد وہ شبنم کو اس ''غفلت'' کی مناسب سزا دینے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا لیکن...... اب اس کا ذہن کچھ نئے امکان پر غور کر رہا تھا۔ شاید حملہ کرنے والوں نے شبنم کو بھی اغوا کر لیا ہو؟ ورنہ وہ موبائل کو اٹینڈ کرنے میں دیر نہ کرتی۔ اس خیال نے شیخ حامد کے غصے کو اور مہمیز کر دیا۔

باہر تاریکی میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ جاری تھی۔ وہ دوسرے کمرے سے نکل کر نیچے جانے والے زینوں کی طرف بڑھا۔ رائفل کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی، اسے یقین تھا کہ اس کے کارندے جو ایک لمحہ بھی غافل رہنے کے عادی نہیں تھے، حملہ کرنے والوں سے پوری مستعدی سے برسرپیکار ہوں گے۔ دل ہی دل میں وہ حملہ کرنے والوں کو بھی مغلظات بک رہا تھا جنہوں نے اضافی قوت والے انجکشن اور کنول کے ساتھ ہونے والے پروگرام کا ستیاناس کر دیا تھا۔

وہ ابھی آدھے زینے طے کر پایا تھا جب ایک مسلح کارندہ اس کے قریب آیا اور فکرمندی سے بولا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں باس...... باہر...... تو''......

''سن رہا ہوں سب کچھ لیکن تم لوگ کس مرض کی دوا ہو......؟'' اس نے قریب آنے والے کو حقارت سے جواب دیا۔ ''دفع ہو جاؤ...... جا کر حملہ کرنے والوں کو گھیرنے کی کوشش کرو۔ کب تک حرام کی کھاتے رہو گے؟''

آنے والا جس تیزی سے آیا تھا۔ اسی تیزی سے لوٹ گیا۔ شیخ حامد وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ گھپ اندھیرے میں باہر کھلے میں جانا اس کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ کوئی سنسناتی ہوئی گولی اس کے وجود کو بھی چاٹ جانے سے گریز نہ کرتی۔ اسی وقت موبائل پر سگنل ملے، اسکرین پر کنول کے نمبر روشن تھے۔ اس نے موبائل آن نہیں کیا۔ اندر ہی اندر جلس کر رہ گیا۔ سارا پروگرام ستیاناس ہو گیا تھا، اضافی طاقت کا انجکشن بھی ضائع گیا۔ اس نے لائن آف کر کے دوبارہ آن کی اور شبنم کے نمبروں کے بجائے افضل خان کے نمبر پنچ کرنے لگا۔

''ہیلو...... افضل بول رہا ہوں باس......'' دوسری جانب سے افضل خان کی بجھی بجھی آواز ابھری۔

''شبنم کہاں مری ہوئی ہے......؟'' اس نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

''وہ......اسے دو افراد گن پوائنٹ پر اغوا کر کے لے گئے ہیں کل رات کی بات ہے۔''

''حت......تم ...... باسٹرڈ۔'' شیخ حامد کا پارہ ایک دم ہی چڑھ گیا۔ ''تم نے مجھے فوری اطلاع کیوں نہیں دی۔ اب تک کس کا انتظار کر رہے تھے؟''

''میں نے شبنم کو بچانے کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے گریز نہیں کیا تھا لیکن وہ دو تھے اور......''

''کہانیاں مت سناؤ...... میرے سوال کا جواب دو۔ تم نے کیا کیا میں اس کی بات نہیں کر رہا۔''

''میں ابھی کچھ دیر قبل ہی ہوش میں آیا ہوں۔'' اس بار مختصر جواب دیا گیا۔

''وہ کون ہو سکتے ہیں......؟''

''میں نے انہیں پہلی ہی بار دیکھا تھا، بہ ظاہر وہ پروفیشنل نہیں لگتے تھے۔''

''تم نے پولیس کو انفارم کرنے کی حماقت تو نہیں کی؟''

''آپ کی اجازت کے بغیر میں نے کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اچھا کیا......'' شیخ حامد نے بل کھاتے ہوئے جواب دیا۔ پھر بڑے سرد لہجے میں حکم دیا۔ ''میری بات غور سے سنو۔ تم اپنا سامان لپیٹ کر جتنی جلدی ممکن ہو اس اپارٹمنٹ کو چھوڑ کر کسی ہوٹل میں شفٹ ہو جاؤ۔ کوئی سراغ چھوڑنے کی حماقت نہ کرنا اور...... شبنم کے سلسلے میں اپنی زبان پر تالے ڈال لو۔ کسی سے کچھ کہنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔''

''رائٹ باس......''

''اپارٹمنٹ دس پندرہ منٹ کے اندر اندر چھوڑ دو...... چوکیدار کا منہ بھی اپنے سلسلے میں بند کرنا تمہاری ہی ذمے داری ہوگی۔ کوئی غلطی کی تو اس کی سزا بھی جانتے ہو...... کہیں شفٹ ہونے کے بعد مجھے دوبارہ کال کرنا۔''

موبائل بند کر کے شیخ حامد ہونٹ چبانے لگا۔ شاید اس وقت کوٹھی پر حملہ کرنے والے بھی وہی

لوگ ہوں گے جنہوں نے شبنم کو اغوا کیا ہوگا۔ ایک کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کی موت ہی نے انہیں ورغلایا ہوگا۔ اس نے رائفل پر اپنی گرفت جما کر دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن پے در پے ہونے والے تین دھماکوں نے اس کا توازن بگاڑ دیا۔ وہ سیڑھیوں سے لڑکھڑاتا ہوا نیچے فرش پر آ گیا۔ تینوں دھماکے بنگلے کے تین حصوں میں کیے گئے تھے۔ گیٹ کی طرف بھی فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا لیکن پھر اس کی تیزی میں بتدریج کمی آنے لگی، شاید کوئی ایک پارٹی پسپا ہو کر میدان چھوڑ رہی تھی۔

شیخ حامد لباس جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جنونی کیفیت سے دوچار تھا لیکن اس کیفیت کے باوجود فی الحال کچھ کر گزرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔ وہ جھلایا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔ اس بار اس نے براہ راست مرکزی حکومت میں اپنے نمک حلالوں کو فون کرنے کی ٹھانی تھی لیکن پھر پولیس کی سائرن بجاتی گاڑیوں کی آواز سن کر رک گیا۔ فائرنگ بھی ختم ہو رہی تھی۔ وہ جھلاتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا۔ گیٹ کا ایک مسلح چوکیدار دوڑتا ہوا سامنے آ گیا۔

''صاحب...... پولیس کی گاڑیاں آ گئی ہیں۔''

''جا کر دیکھو کون ہے......'' اس نے کرخت لہجے میں حکم دیا۔ ''لائٹ جلا دو اور...... کوئی ذمے دار آفیسر ہو تو اسے اندر آنے دینا، چھوٹا موٹا آدمی ہو تو باہر ہی سے دھتکار دینا۔''

چوکیدار الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ بنگلے کی روشنیاں دوبارہ آن ہو گئیں۔ شیخ حامد ہونٹ چباتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ پانچ سات منٹ بعد ڈی آئی جی کرائمز علاقے کے انسپکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ ان کے کچھ کہنے سے پیشتر ہی وہ غیر ارادی طور پر رائفل ہاتھ میں لیے کھڑا ہو گیا۔ انتہائی حقارت سے علاقے کے انسپکٹر کی طرف خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے غرایا۔

''اب تک تم اور تمہارے عملے کے لوگ کہاں مرے ہوئے تھے؟''

''کام ڈاؤن سر......'' ڈی آئی جی نے آگے بڑھ کر شیخ حامد کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''علاقے کی پولیس غافل نہیں تھی لیکن ایک ہی وقت میں پولیس کی نفری ہر مکان پر......''

''یو...... گیٹ لاسٹ!'' شیخ حامد نے انسپکٹر کو تحکمانہ انداز میں مخاطب کیا۔ ''وہ ڈی آئی جی کا اشارہ پا کر ہونٹ کاٹتا الٹے قدموں باہر نکل گیا تو اس نے آغا منظور کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''تم شاید بھول گئے کہ تمہاری ترقی میں بھی میرا ہاتھ تھا۔''

''میں نے کبھی اس سے انکار بھی نہیں کیا لیکن......''

''حملہ کرنے والے کون تھے؟'' شیخ حامد اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''تھانہ انسپکٹر اور اس کے عملے نے کیا تیر مارا؟''

''ہم نے چار آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ ان کی زبان کھولنے کی خاطر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔'' آغا منظور نے نرم لہجے میں جواب دیا۔ ''میں نے ہدایت کر دی ہے کہ آئندہ سے سادہ لباس والوں کا ایک دستہ باقاعدہ بنگلے کے اردگرد نظر رکھے۔''

''بنگلے میں جو ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے اسے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ٹھیک کرانا بھی تمہاری ذمے داری ہوگی۔''

''سب کچھ آپ کے حسب منشا ہو جائے گا'' ڈی آئی جی نے خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک گزارش میں بھی کروں گا ماتحتوں کی موجودگی میں اگر آپ......''

''پھر کسی وقت تمہاری درخواست پر غور کروں گا'' اس نے بہ دستور بپھرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا وہ نیا ایس پی کہاں مرا ہوا ہے۔ کیا اسے حملے کی اطلاع نہیں ملی یا......''

''وہ بھی آن ڈیوٹی ہے۔ جو افراد گرفتار ہوئے ہیں انہیں اسی نے گھیرا تھا۔''

''کس پارٹی کے لوگ ہیں......؟''

''ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن بہ ظاہر صورت شکل سے جرائم پیشہ ہی نظر آتے ہیں۔''

شیخ حامد جواب دینے کے لیے پر تول رہا تھا کہ جب اس کے دوسرے موبائل پر کال ریسیو ہوئی۔ اسکرین پر روشن ہونے والا نمبر نیا تھا پھر بھی اس نے موبائل آن کر لیا۔ خشک اور کرخت لہجے میں سوال کیا۔

''کون ہے......؟''

''آج جو کچھ ہوا اسے پہلی اور آخری وارننگ سمجھو۔'' دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ ''ہم چاہتے تو براہ راست تمہاری خواب گاہ کو بھی ٹارگٹ بنا کر تمہیں روسٹ کر دیتے لیکن ہم جیو اور دوسرے کو جینے دو کے اصول کے قائل ہیں۔ تم سے بھی آئندہ اسی کی توقع ہے۔''

''لڑکی کو اس جرم میں اغوا کیا گیا ہے؟ کیا اسے بھی تم مردانگی ہی کا نام دو گے؟'' شیخ حامد نے اسے کریدنے کی خاطر سوال کیا۔

''کس لڑکی کی بات کر رہے ہو؟ ہم تمہاری طرح لڑکیوں پر رال ٹپکانے کے عادی نہیں ہیں۔''

''ہنگامہ کرنے کا مقصد کیا تھا؟''

''صرف تمہیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تم ہی حرف آخر نہیں۔'' انتہائی سفاک لہجے میں جواب ملا۔ ''ہم بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ پہلا ثبوت آج تمہیں مل چکا ہے۔''

''اپنے اس باپ کا نام بھی بتا دو جس کی ناجائز اولاد ہونے کے سبب تم اپنی اوقات بھول رہے ہو......؟'' شیخ حامد کا پارہ ایک دم ہی چڑھ گیا۔

''انتظار کرو...... اس کا جواب بھی تمہیں بہت جلد مل جائے گا۔'' دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ شیخ حامد بل کھا کر رہ گیا۔

''کون تھا جناب......'' آغا منظور نے دبی زبان میں پوچھا۔

''فضول ہے......'' اس نے ڈی آئی جی کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''جو سم استعمال کی گئی ہے وہ ان رجسٹرڈ ہی ہوگی۔''

''کیا۔بکواس کر رہا تھا؟''

''یہی کہ وہ پولیس کی کارکردگی کو آئندہ بھی ضرور آزمائے گا۔'' شیخ حامد نے تلملا کر جواب دیا پھر اس نے شبنم کے اغوا کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔''کل رات کسی نے اسے بھی اسی اپارٹمنٹ سے اغوا کرلیا ہے جو پہلے افضل خان کی تباہی کا سبب بن چکا تھا۔میں نے باقاعدہ رپورٹ درج نہیں کرائی لیکن......اسے بازیاب کرانے کی ذمے داری بھی تمہیں سونپ رہا ہوں۔''

''آپ کا شبہ کس پر ہے......؟''

''احمقانہ سوال ہے......'' اس نے نفرت کا اظہار کیا۔''اگر مجھے معلوم ہوتا تو اب تک میرے کارندے اغوا کرنے والوں کو موت کی نیند سلا کر اسے بازیاب کرا چکے ہوتے......تم بھی رازداری سے کام لینا۔میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ اخبارات کو میرے کاروبار پر ہنسنے کا کوئی موقع ملے۔شبنم میری خاص ورکر تھی اس کا خیال رہے......''

''وہ اس نئے اپارٹمنٹ میں کب شفٹ ہوئی تھی......؟'' ڈی آئی جی نے دریافت کیا۔

''دو روز پہلے کی بات ہے۔''

''ویری سیڈ۔'' آغا منظور نے کسمسا کر ایک خیال کا اظہار کیا۔''اغوا کرنے والے کیا اس بات کے انتظار میں تھے کہ اس کو شفٹ کرنے کے بعد ہی اغوا کیا جائے......میرا مطلب ہے کہ وہ اسے......''

''یہ معلوم کرنا بھی پولیس کا کام ہے۔''

''او۔کے سر......میں اس معاملے کو بھی دیکھتا ہوں۔''

ایک بار پھر کنول کی کال مخصوص موبائل پر موصول ہوئی۔شیخ حامد نے اس بار بھی اسے اٹینڈ کرنے کے بجائے لائن کاٹ دی۔دس سیکنڈ بعد دوبارہ موبائل گنگنایا تو اس نے جھلا کر روشن اسکرین کی طرف دیکھا لیکن نمبر ٹو کی کال دیکھ کر اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''کوئی خاص بات......؟''

''باس......پولیس نے جن چار افراد کو حراست میں لیا ہے ان میں تین اپنے آدمی بھی شامل ہیں۔''

شیخ حامد نے موبائل آف کر کے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔

''تمہارے ایس پی نے جو تیر مارے ہیں اس کی رپورٹ بھی مجھے مل گئی ہے۔''

''مم......میں سمجھا نہیں؟''

''جن چار آدمیوں کو اس نے حراست میں لیا ہے اس میں تین میرے آدمی تھے جو بنگلے کی حفاظت پر تعینات تھے۔''

''اوہ......'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔''میں یہاں سے سیدھا پولیس اسٹیشن ہی جا رہا ہوں۔آپ اپنے کسی آدمی کو بھیج دیں۔میں صرف چوتھے آدمی کی زبان کھلوانے کی ہدایت کر دوں

گا۔آپ کے کارندوں سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی البتہ...... ہوسکتا ہے کہ انہیں دس بارہ گھنٹے تک روکا جائے...... کچھ خانہ پری تو کرنی ہو گی۔"

ڈی آئی جی کے جانے کے بعد اس نے سب سے پہلے کنول کو فون کر کے مختصراً صورت حال سے آگاہ کیا پھر نمبر ٹو سے رابطہ قائم کر کے آئندہ کیلئے اپنی رہائش گاہ کی حفاظت کی خاطر ضروری ہدایتیں دینے لگا۔ یہ بھی کہا کہ وہ خاص طور پر رستم علی کو بھی چیک کرے، کہیں اس حملے کی پشت پر اس کا ہاتھ تو نہیں۔

+++

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

لیاقت حسین اس وقت سراج کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ فرحین کے جانے کے بعد اسے کسی بات کی فکر نہیں تھی، اس نے خاص طور پر الماس سے درخواست کی تھی کہ اسے سراج کی خدمت کا پورا پورا موقع دیا جائے چنانچہ جب الماس دوپہر کام میں مصروف ہوتی تو لیاقت حسین سراج کے آس پاس ہی منڈلاتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی سراج کے بے حد سمجھانے کے بعد ہی اس نے کرسی پر بیٹھنا مناسب سمجھا تھا۔

''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے صاحب؟'' حسب معمول اس نے سراج سے پہلا سوال یہی کیا۔

''خدا کے کرم سے بالکل ٹھیک ہوں، بس دو روز اور مسہری توڑنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوں گا۔''

''اتنی جلدی کیا ہے صاحب...... دنیا کے دھندے تو چلتے رہتے ہیں۔''

''فرحین کا کوئی فون آیا......؟'' سراج نے موضوع بدل کر دریافت کیا۔

''وہ خیریت سے پہنچ گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں اس کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔ پچھلی بار بھی تم ٹال گئے تھے۔''

''آپ کو اس حال میں چھوڑ کر چلے جانا میرے بس میں نہیں تھا۔'' لیاقت حسین نے بڑی عقیدت سے کہا پھر یکلخت اسے ایک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ اس نے ایک لحہ توقف کیا پھر پہلو بدل کر بولا۔ ''صاحب، آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، لیکن اس شرط پر کہ آپ میری بات کا بھرم رکھ لیں گے۔''

''سب خیریت تو ہے؟'' سراج نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''ہمارے صاحب نے ماربل کا کاروبار بھی شروع کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں ایک ضروری بات معلوم کرنی ہے۔'' لیاقت حسین نے بڑی خوبصورتی سے بات گھما پھرا کر کہی۔ ''ایک روز میں نے صاحب کو فون پر کسی سے بات کرتے سن لیا تھا۔'' اس نے سنی ہوئی تفصیل دہرا کر کہا۔ ''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ پارٹی کون ہے جس نے وقت پر صاحب کو مال سپلائی نہیں کیا تھا۔''

''تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے؟''

''صاحب کے پانچ لاکھ کا معاملہ ہے۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا۔ ''میں بھی اسی علاقے کا ہوں، دو چار کاروباری لوگوں کو بھی جانتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ جس نے مال سپلائی کرنے میں دیر کی ہو

اسے بھی جانتا ہوں، کبھی کبھی پرانی واقفیت بھی کام آجاتی ہے۔"
"کیا وہ تمہارے کہنے سے آئندہ مال وقت پر سپلائی کر دے گا۔"
"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے صاحب۔"
"تم یہ بات براہ راست عثمان سے بھی دریافت کر سکتے تھے؟" سراج نے کہا۔"اس میں تکلف کی کیا بات تھی۔"
"میں نے مناسب نہیں سمجھا صاحب......" لیاقت حسین نے پھر منت کی۔"آپ کسی طرح اس پارٹی کا نام معلوم کر دیں لیکن میرا نام نہ لیں۔ یہ میری درخواست ہے۔"
سراج کے جواب دینے سے پیشتر ہی الماس آگئی۔ وہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی۔ اس نے سراج کو اپنے پروگرام سے باخبر کرنے کے بعد لیاقت حسین سے بھی سراج کا خیال رکھنے کی تاکید کی پھر جانے کے ارادے سے پلٹی تھی جب اسے دوبارہ رکنا پڑا۔
"بیگم صاحب۔آپ اجازت دیں تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔" لیاقت حسین نے خلاف توقع بڑی سنجیدگی سے کہا۔"ایک دو چیزیں مجھے بھی خرید کر فرحین کو بھجوانی ہیں۔"
"ٹھیک ہے......" سراج نے کہا پھر بے تکلفی سے بولا۔"ایک شرط پر تمہیں جانے کی اجازت دے سکتا ہوں کہ تم الماس کے کسی حکم سے انکار نہیں کرو گے۔"
"میں ایسی جرأت بھی نہیں کر سکتا صاحب۔"
سراج کو جواب دینے کے بعد لیاقت حسین بھی الماس کے ساتھ باہر آگیا۔ الماس نے اپنے ڈرائیور کو گھر پر رہنے کی ہدایت کر دی۔ اسٹیئرنگ لیاقت حسین نے سنبھال لیا۔ الماس کی ہدایت پر لیاقت حسین نے گاڑی شہر سے دور واقع ایک بڑے شاپنگ مرکز کے گیٹ پر روکی۔ الماس کے اترنے کے بعد وہ گاڑی کو پارکنگ میں لے گیا۔ الماس نے کہا تھا کہ وہ شاپنگ سے فارغ ہو کر اسے فون پر مطلع کر دے گی۔ اس نے لیاقت حسین سے راستے میں پوچھا بھی تھا کہ اسے فرحین کے لیے کیا چیزیں لینی ہیں۔ جواب میں لیاقت حسین نے کہا تھا کہ وہ واپسی میں صدر کے علاقے سے لے لے گا۔

الماس گاڑی سے اتر کر چلی گئی۔ اندر جا کر اس نے لفٹ کے ذریعے دوسری منزل کا رخ اختیار کیا جہاں بیشتر اشیا تھوک کے داموں فروخت ہوتی تھیں۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے تک وہ مطلوبہ اشیاء خرید خرید کر ٹرالی میں رکھتی رہی پھر لفٹ کی طرف جانے لگی تو شاپنگ مرکز کے یونیفارم میں ملبوس نوجوان نے قریب آ کر اسے اپنی خدمت پیش کی۔ الماس نے سامان سے بھری ٹرالی اس کے حوالے کر کے سکون کا سانس لیا لیکن ایک کم مصروف سیکشن کے راستے میں پہنچ کر اس کا سکون برقرار نہ رہ سکا۔

"میڈم......" یونیفارم میں ملبوس نوجوان نے اسے سرسراتے لہجے میں مخاطب کیا۔"ہمارے آس پاس تین آدمی اور بھی موجود ہیں۔ آپ چاہیں تو اطمینان کر لیں لیکن ...... اگر آپ نے شور

مچانے کی کوشش کی تو پھر ہم آپ کو آخرت کے سفر پر روانہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ بھی نہیں محسوس کریں گے...... خیریت اسی میں ہے کہ آپ خاموشی سے ہمارے کہنے پر قدم اٹھاتی رہیں۔''

الماس نے تیزی سے نظریں گھما کر دیکھا، یونیفارم والے نے غلط نہیں کہا تھا، تین افراد جیبوں میں ہاتھ ڈالے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آس پاس موجود تھے جو اسے گھور رہے تھے۔ خطرے کا احساس ہوتے ہی الماس کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ ایک پولیس آفیسر کی بیوی تھی اس لیے یہ بھی جانتی تھی کہ شور مچانے کی صورت میں اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہو چکی تھی۔ اسے اس بات کا افسوس بھی ہوا کہ لفٹ کی طرف جانے سے پیشتر اس نے لیاقت حسین کو فون بھی نہیں کیا تھا شاید اس لیے کہ اسے نیچے پہنچ کر کاسمیٹک کی دو چار چیزیں اور بھی لینی تھیں۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' الماس نے سچویشن کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

''ایک ہی درخواست ہے کہ آپ کوئی ہوشیاری دکھانے کی حماقت نہ کریں ورنہ اس بارے میں اوپر سے خطرے کی صورت میں وسیع اختیارات دے دیئے گئے ہیں، ہم اس پر عمل کرنے میں دیر بھی نہیں کریں گے۔''

''کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے......؟''

''غلط اندازے نہ قائم کریں۔'' خشک لہجے میں جواب دیا گیا۔ ''ہم بکاؤ مال نہیں ہیں۔''

''مجھے مارنے کی صورت میں تم لوگ بھی نہیں بچ سکو گے......'' الماس نے اسے باور کرانے کی کوشش کی۔

''معلوم ہے...... یہ بھی جانتے ہیں کہ اس وقت کچھ نامعلوم لوگ ہماری نقل و حرکت کی بھی نگرانی پر مامور ہیں، دوسروں نے چھوڑ دیا تو وہ ہمیں زیادہ اذیت ناک انجام سے دوچار کر دیں گے اس لیے کسی ناقابل برداشت ٹارچر سے بچنے کی خاطر ہم بھی آسان موت کو ترجیح دینا پسند کریں گے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں......؟'' الماس نے ایک اور ٹرمپ کارڈ استعمال کرنے کی کوشش کی۔

''ڈی ایس پی مسٹر سراج کی بیگم۔'' سپاٹ اور بے پروا انداز میں جواب دیا گیا۔

''یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ایک بار خطرے سے دوچار ہونے کے بعد میں نے احتیاطی تدابیر نہ اختیار کی ہوں گی۔''

''میں سمجھا نہیں......''

''جس گاڑی میں آئی ہوں اس کے ساتھ ایک دوسری کار بھی میری حفاظت کیلئے موجود تھی۔'' الماس نے قدرے دبنگ لہجے میں کہا۔ ''نیچے پہنچ کر کیا صورت پیش آئے گی۔ اس کا اندازہ ابھی سے لگا لو۔''

''گھسا پٹا طریقہ اختیار کرنے کا دور گزر چکا ہے میڈم۔'' ٹرالی چلانے والے نے سادگی سے کہا۔ ''آپ کے گھر سے نکلنے کے بعد ہمارے آدمی آپ کی نگرانی کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ پھر بھی، اگر آپ کا خواب سچا ہوا تو ہم بھی اس کا بندوبست کر چکے ہیں۔''

باتیں کرتے ہوئے وہ لفٹ تک آ گئے۔ الماس کے ستارے شاید گردش ہی میں تھے کہ لفٹ میں اس کے ٹرالی والے اور اس کے تین سادہ لباس والوں کے ساتھ صرف دو خواتین اور ایک بچہ ہی سوار ہوا تھا، ان سے کچھ مدد کرنے کی درخواست ان کے حق میں بھی جان لیوا ہو سکتی تھی۔ نیچے پہنچ کر ٹرالی والے نے وہ راستہ اختیار کیا جس کو صرف یونیفارم والے ملازم ہی کسی مخصوص کسٹمر کے ساتھ اختیار کر سکتے تھے، باقی تین سادہ لباس والے بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔

دوپہر کا وقت ہونے کے سبب باہر زیادہ رش بھی نہیں تھا۔ لیاقت حسین کی موجودگی بھی صرف اسی صورت میں ممکن تھی جب الماس نے اسے اپنی واپسی کی اطلاع دی ہوتی۔

شاپنگ مرکز سے ان کے باہر نکلتے ہی ایک سیاہ رنگ کی پک اپ ان کے قریب آ کر رکی۔

''آپ کی سواری حاضر ہے میڈم۔'' ٹرالی والے نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''آپ تشریف رکھیں۔ ہم ٹرالی کا سامان اتارتے ہیں۔

الماس نے حیرت بھری نظروں سے دیکھا، سیاہ پک اپ کو دیکھ کر اب اسے اپنا انجام بھی تاریک ہی نظر آ رہا تھا۔ اس کے پاس اب اس کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں تھا کہ وہ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ ایک لمحہ تامل کرنے کے بعد اس نے پہلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ قریب موجود تین سادہ لباس والوں میں سے ایک کراہتا ہوا گرا۔ اس کی بائیں کنپٹی سے خون کا فوارا ابل رہا تھا، دوسرے ساتھیوں کے چونکتے ہی ایک اور کسی بے آواز اسلحہ سے چلائی جانے والی گولی کا شکار ہو کر اوندھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ جو کسٹمر باہر موجود تھے، ان کو دو آدمیوں کے مرنے کا احساس ہوا تو ان کے درمیان بھگدڑ مچ گئی۔ ٹرالی والا لپک کر الماس کے قریب آیا۔ الماس کا ہاتھ تھام کر اس نے پک اپ کی جانب جانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی ڈکراتا ہوا موت کے منہ میں چلا گیا۔ گولی اس کی گردن کو پھاڑتی ہوئی گزر گئی تھی، تیسرے سادہ لباس والے نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اس کے گرتے ہی سیاہ پک اپ حرکت میں آ کر تیزی سے موقع واردات سے فرار ہو گئی، الماس گم صم کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی جب شاپنگ مرکز کے ڈیوٹی گارڈز کے علاوہ پولیس کی ایک موبائل بھی سائرن بجاتی سامنے آ گئی۔ شاید کسی نے اس موبائل کو خطرے کی اطلاع دے دی تھی۔

الماس نے سکون کا سانس لیا لیکن اسی وقت دو مسلح ڈیوٹی گارڈز لیاقت حسین کو تشدد کا نشانہ بناتے گھسیٹ کر پولیس کی طرف لے آئے۔ اسے پولیس کے حوالے کرتے ہوئے بولے۔

''یہ ہے وہ...... جو بے گناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگ رہا تھا......'' پولیس والوں نے سب سے پہلے لیاقت کو گھسیٹ کر موبائل میں ڈالا، اس کے پستول کو قبضے میں لیا پھر الماس سے بولے۔

''آپ کو ہمارے ساتھ ملحقہ تھانے تک چلنا ہوگا۔''

الماس نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ وہ اپنا تفصیلی تعارف کرا دے لیکن اس نے مجمع میں اپنی تشہیر مناسب نہیں سمجھی، خاموشی سے قدم اٹھاتی اگلی نشست پر موبائل کے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گئی۔ لیاقت حسین نے بھی گرفتاری کے بعد کوئی احتجاج نہیں کیا تھا، اس کو قابو کرنے والوں نے اس کا لباس پھاڑ ڈالا تھا، جو درگت بنائی تھی وہ بھی قابل رحم تھی مگر اس نے بھی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالا تھا۔

موبائل کے حرکت میں آتے ہی الماس کا ذہن بھی تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں کئی پراسرار سوالات ابھر رہے تھے۔ لیاقت حسین کو اس کے اغوا کیے جانے کی اطلاع کس طرح ہوئی...... ؟ اس نے اچانک ان چاروں اغوا کرنے والوں کو موت کے گھاٹ کیوں اتار دیا؟ ایک بھی زندہ ہاتھ آجاتا تو پولیس اس کو زبان کھولنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ پشت پر کام کرنے والا ہاتھ بھی بے نقاب ہو جاتا۔ کیا لیاقت حسین اتنا ہی دیوانہ ہو گیا تھا کہ اس نے اس اہم نکتے پر بھی غور نہیں کیا...... پہلی بار بھی الماس کو اغوا کرنے والوں سے بچانے میں لیاقت حسین کا ہاتھ تھا...... اس بار بھی یہی کام آیا...... اس نے عین وقت پر الماس کے ساتھ جا کر فرحین کیلئے سامان خریدنے والی بات کیوں کی تھی؟ کیا اسے پہلے سے علم تھا کہ کیا سچویشن پیش آسکتی ہے؟ اگر ایسا تھا تو اس نے قبل از وقت اس خدشے کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ ایسی کیا مصلحت تھی جس نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا...... اسے بھی الماس کے اغوا کیے جانے کا علم بعد میں کسی اور ذریعے سے ہوا...... وہ ذریعہ کیا تھا......؟''

❖❖❖

مخصوص ٹارچر سیل کے ساؤنڈ پروف کمرے میں وہ تمام خطرناک اور ضروری سامان موجود تھا جو کسی مجرم کی زبان کھلوانے کے لیے بہت مؤثر ہو سکتا تھا۔

کمرے میں ایس پی اورنگ زیب اور دو دیگر اہلکاروں کے علاوہ چاروں مجرم بھی تھے۔ جنہیں شیخ حامد کے بنگلے کے باہر سے گرفتار کیا گیا تھا۔ چاروں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، دو سرکار کے اہلکار بھی ان کی پشت پر موجود تھے جو افسران ڈیوٹی کے احکامات پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے کے عادی تھے، ملزمان کی چیخ و پکار اور دم توڑتی سسکیوں پر بھی وہ ہمیشہ گونگے اور بہرے خاموش کھڑے رہتے تھے، وہ موت اور زندگی کے اس ہولناک کھیل کو دیکھتے دیکھتے اس کے عادی ہو چکے تھے۔

اورنگ زیب کی خونخوار نظریں ان چاروں کو باری باری دیکھ رہی تھیں جو بظاہر بے پروا نظر آرہے تھے۔ دس منٹ تک ان کے درمیان ایک خاموش اور اعصاب شکن جنگ جاری رہی پھر اورنگ زیب نے ان چاروں کو بیک وقت انتہائی سفاک لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم اس حقیقت سے ضرور واقف ہو گے کہ تمہیں کہاں سے گرفتار کیا گیا ہے اور...... اس مہمان خانے میں کس مقصد کے تحت لایا گیا ہے؟ ایک بات اور بھی کان کھول کر سن لو...... میں کسی کے رعب میں آنے والا آفیسر

نہیں ہوں۔ تمہارے پاس دو راستے ہیں، یا تو شرافت سے کھل کر میرے سوال کے جواب دو۔ تعاون کی صورت میں تمہارے ساتھ نرم سلوک بھی ہوسکتا ہے۔ کسی کی پشت پناہی کے گھمنڈ میں رہے تو دردناک موت تمہارا مقدر بھی بن سکتی ہے۔ فی الحال کسی کے پاس کوئی دستاویزی ثبوت بھی نہیں ہے کہ تمہیں حراست میں لیا گیا تھا۔ اس لیے کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا۔ تمہیں پوچھنے والوں کو تمہاری قبر کا نشان بھی نہیں ملے گا۔ میں مردوں کی طرح کھل کر تم سے دوٹوک بات کروں گا۔ تمہاری عافیت بھی اسی میں ہے کہ کسی آنا کانی سے کام نہ لینا، تعاون کرنے کی صورت میں، میں تمہارے کسی کام آنے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ یہ کسی پولیس آفیسر کا نہیں، ایک مرد کا وعدہ ہے۔''

وہ چاروں اس کی بات توجہ سے سنتے رہے، انہوں نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا، بظاہر وہ ہراساں یا خوفزدہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے اس لیے کہ وہ اس قسم کی باتیں سننے کے عادی ہو چکے تھے۔ اورنگ زیب ان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے بے حد سرد مہری سے انہیں مخاطب کیا۔

''تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''یہی سوچ رہے ہیں کہ کیا جواب دیں۔'' ایک دراز قد والے نے شانے اچکا کر کہا۔ ''ہمیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے، ہم یہ بھی نہیں جانتے۔''

''تمہارے قبضے سے جو بغیر لائسنس کا اسلحہ ملا ہے اس کے لیے کیا کہو گے؟''

''آپ کس اسلحہ کی بات کر رہے ہیں؟'' دوسرے نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''ہم اس وقت آپ کے قبضے میں ہیں، آپ جو چاہیں الزام ہمارے سر تھوپ دیں لیکن عدالت میں ہمارا بیان یہی ہوگا کہ......''

''شٹ اپ......'' اورنگ زیب نے گرج کر جواب دیا۔ ''پرانے اور گھسے پٹے ہتھکنڈوں کو بھول جاؤ۔ شرافت کی زبان نہیں سنو گے تو تمہارا عدالت تک جانے کا خواب بھی تمہارے ساتھ ہی دفن ہوجائے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب......'' تیسرے نے بھی اپنے دو ساتھیوں کی طرح بے جگری سے کہا۔ ''پھر......آپ بولتے رہیں، ہم سنتے رہیں گے۔''

''کیا تمہارا بھی یہی جواب ہے؟'' اورنگ زیب نے چوتھے کو سفاک نظروں سے گھورا۔

''میں تسلیم کرتا ہوں سر کہ میں نے گولیاں چلائی تھیں لیکن کسی کو مارنا نہیں، صرف خوفزدہ کرنا مقصود تھا۔''

اس کے جواب پر اورنگ زیب کے علاوہ باقی تینوں بھی چونکے تھے۔ چوتھے آدمی کو ان تینوں نے بڑی حقارت سے گھورا تھا۔ اورنگ زیب کو یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ چوتھا شخص جو درمیانہ قد اور دوہرے جسم کا مالک تھا اس کا تعلق باقی تینوں میں سے نہیں تھا۔

''تم نے کس کو خوفزدہ کرنے کی خاطر گولیاں چلائی تھیں......؟''

''اسی نمرود کو جس نے سب کا جینا حرام کر دیا ہے۔'' اس بار بھی تلخ لہجے میں جواب دیا گیا۔ اس نے کسی کا نام نہیں لیا لیکن اورنگ زیب سمجھ گیا کہ نمرود کے حوالے سے اس کا اشارہ شیخ حامد ہی کی طرف تھا۔ ساتھ کھڑے ہوئے باقی تینوں بہ دستور اسے نفرت سے دیکھ رہے تھے۔

''تمہارا تعلق کس گروپ سے ہے......؟'' اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ اس بار انداز جارحانہ نہیں تھا۔

چوتھے فرد نے باقی تینوں کی طرف دیکھا لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔ اورنگ زیب نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر اس نے ایک اہلکار کو اشارہ کیا کہ چوتھے شخص کو سائیڈ روم میں منتقل کر دیا جائے۔ اورنگ زیب کے حکم کی تعمیل کرنے کے بعد وہ دوبارہ واپس آ گیا۔

''اب تم تینوں کیا کہو گے......؟''

''ہم نے ان حرامیوں کو مارنے کی کوشش کی تھی جو بنگلے پر حملے کے ارادے سے آئے تھے۔'' تینوں میں سے ایک نے تلخ انداز میں کہا۔

''کس کے بنگلے کی بات کر رہے ہو؟''

''یہ تم بھی جانتے ہو...... پھر ہم سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' دوسرے ساتھی نے چمک کر کہا۔ ''ہماری زبان پر اس کا نام مرتے دم تک نہیں آئے گا۔ تم بھی اپنے دل کی حسرت نکال کر دیکھ لو۔ تم سے پہلے جو افسران چھاتی ٹھونک کر سامنے آئے تھے۔ ایک تجربے کے بعد وہ بھی بھیگی بلی بن گئے تھے۔''

''گڈ......'' اورنگ زیب نے اسے قہر آلود نظروں سے گھورا۔ مجھے اب تمہارا جواب پسند آیا۔ تمہارے مشورے کے مطابق ایک تجربہ میں بھی ضرور کروں گا۔ بھیگی بلی کون بنتا ہے اور شیر کون؟ اس کا اندازہ تمہیں بھی ہو جائے گا اور تمہیں ہتھیلی لگانے والے کو بھی۔''

پھر اورنگ زیب کے حکم پر ان تینوں کو ننگا کر کے چھت سے لٹکتی زنجیروں میں باندھ کر الٹا لٹکا دیا گیا۔ خود وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر بڑے سکون سے بولا۔ جب انتڑیاں باہر آنے لگیں تو بتا دینا۔ رعایت کی گنجائش تمہاری زبان کھولنے سے مشروط ہو گی۔''

''پھر سوچ لو آفیسر......'' ایک نے تلملا کر کہا۔ ''تمہیں یہ کارروائی بہت مہنگی پڑے گی۔''

اورنگ زیب نے اس کے جواب میں سادہ لباس اہلکاروں کو دوسرا حکم دیا جس کے بعد ان کے سروں کے نیچے گیس کے برنر آن کر دیئے گئے۔ ''ہم نے زبان کھول دی تب بھی تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے ہم جس کیلئے کام کرتے ہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔

''پریشان مت ہو......'' اورنگ زیب نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''ہر پندرہ منٹ بعد آگ کی لو تیز اور تمہاری زنجیریں نیچے ہوتی رہیں گی۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر تم فر فر بولنے لگو گے۔''

تینوں نے زبانیں بند رکھیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ ان کے فضا میں معلق جسموں اور بھڑکتی

آگ کی لپٹوں کا فاصلہ کم ہوتا رہا، تین منٹ بعد ان کے چہرے سرخ ہونے لگے، انہوں نے اپنا منہ بند کر رکھا تھا لیکن حالت بتدریج غیر ہوتی جا رہی تھی پھر پندرہ منٹ بعد ایک چیخنے لگا۔ ''بگ باس کو خبر ہو گئی تو تمہارا انجام ہم سے بھی بھیانک ہو گا۔ اب بھی وقت ہے تمہارے پاس۔''

''پروا مت کرو، میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا۔

پندرہ منٹ اور گزر گئے تو تینوں ہی کی حالت غیر ہونے لگی، ان کے منہ شدت تکلیف سے کھل گئے، کھایا پیا باہر آنے لگا تو ایک نے چیخ کر کہا۔ ''تم کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے بھیگی بلیاں یاد آ رہی ہیں...... تم بھی اپنے آدم خور کو پکارو۔''

''ہم مر جائیں گے لیکن زبان نہیں کھولیں گے۔'' دوسرا تڑپتے ہوئے بولا۔

''تم مرد کے بچے ہو تو اپنے پالتو کتوں سے کہو کہ ہمیں گولیاں مار دیں۔'' تیسرا بلبلانے لگا۔

اورنگ زیب نے زبان نہیں کھولی، بھڑکتی آگ اور تین لٹکتے ہوئے مجرموں کے درمیان کشمکش جاری تھی جب ڈی آئی جی کمرے میں داخل ہوا، اس نے تینوں مجرموں پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی پھر سادہ لباس والوں کو عمل روکنے کا اشارہ کر کے اورنگ زیب کو لے کر باہر چلا گیا۔

''چوتھا مجرم کہاں ہے؟'' اس نے اورنگ زیب سے دریافت کیا۔

''اس نے زبان کھول دی ہے۔ میں اس کا بیان بعد میں لوں گا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ تینوں حرام زادے جو فضا میں مچل رہے ہیں...... شیخ حامد کے ذاتی پہرے دار ہیں جو گھر کی حفاظت پر مامور تھے، میں اس کے ایک آدمی کو ساتھ لایا ہوں، وہ ان کی شناخت کر لے گا۔'' ڈی آئی جی ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ یہ سب پولیس کی وانٹڈ لسٹ پر بھی ہیں لیکن......''

''آپ انہیں چھوڑنا چاہتے ہیں؟'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم میں کسی ایک کو یہ ظاہر کرنا ہو گا کہ وہ ابھی تک اس باسٹرڈ کے لیے کام کرنے پر مجبور ہے۔ اس طرح ہم اندر کی باتیں بھی معلوم کر سکیں گے۔ پلیز، مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں نے آپ لوگوں سے جو وعدہ کیا ہے اس پر بھی قائم رہنے کو تیار ہوں لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ میری اور سراج کی پہنچ وہاں تک نہیں ہے جہاں تک اس کی اور آپ کی ہے...... اب فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے، میں آپ پر ان تینوں کو چھوڑنے کی خاطر زور نہیں دوں گا۔''

اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کے انداز تخاطب کو اپنے تجربوں کی روشنی میں تولا۔ وہ ہار تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ آغا منظور کو ہٹا کر کوئی دوسرا ڈی آئی جی مرکز سے تبدیل ہو کر آ گیا تو اسے ایک وقت میں کئی محاذ پر زور آزمائی کرنی پڑے گی۔ سراج کے ساتھ بھی ایسی ہی کوئی صورت پیش آنے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ جاتا۔ کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد اس نے

ڈی آئی جی سے کہا۔

''آپ چاہتے ہیں تو ان تینوں کو چھوڑ دیں، میں چوتھے مجرم کو لے کر جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے لیے کارآمد ہو۔''

ڈی آئی جی نے سکون کا سانس لے کر اس کی تجویز منظور کر لی۔ اورنگ زیب نے دوبارہ ٹارچر روم میں قدم نہیں رکھا۔ چوتھے مجرم کو دوسری جانب سے بلا کر اپنی گاڑی میں بٹھا کر تھانے کے احاطے سے باہر نکل گیا۔ گاری کی پچھلی نشست پر اس کا ذاتی گارڈ سادہ لباس میں موجود تھا۔

''تم کس کے آدمی ہو......؟'' دس منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے چوتھے مجرم سے سوال کیا جو......اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔

''آپ نے جگا کا نام ضرور سنا ہوگا۔''

''آئی۔سی'' اورنگ زیب جگا کا نام سن کر چونکا پھر اس نے دوبارہ خشک لہجے میں سوال کیا۔

''کیا تمہیں صرف شیخ حامد کو ہراساں کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا؟''

''آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے صاحب۔'' اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''میرے ساتھ کچھ دوسرے ساتھی بھی تھے جو پولیس کے آنے سے پہلے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے میں بھاگتا تو شاید وہ تین، جو آپ کے قبضے میں ہیں مجھے زندہ نہ جانے دیتے۔''

''کیا تم ان کو جانتے ہو......؟''

''ایک سے بہ خوبی واقف ہوں جو تینوں میں سب سے اہم ہے، اسے تین افراد کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا لیکن شیخ حامد کے خاص آدمیوں نے اسے دودھ کی مکھی کی طرح قانون کے شکنجوں سے صاف بچا لیا۔ اصل واردات کی فائلیں بھی غائب کر دی گئیں۔'' اس نے کچھ توقف سے پھر اپنی بات جاری رکھی۔ ''شیخ حامد نے ایسے قاتلوں اور دہشت گردوں کی ٹیم بنا رکھی ہے، کچھ اور لوگ بھی میری نظر میں ہیں۔''

''جگا کہاں ہے؟ میں نے سنا ہے کہ وہ بھی کسی وجہ سے روپوش ہے۔''

''آپ نے غلط نہیں سنا صاحب...... وہ روپوش نہیں ہے لیکن قتل و غارت گری کے خلاف ہے اس لیے سامنے نہیں آ رہا۔ جس دن آ گیا تو شیخ حامد کو بھی دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔''

اورنگ زیب بہت دیر تک اس سے بڑی کارآمد باتیں معلوم کرتا رہا پھر بولا۔

''تمہارا نام کیا ہے......؟''

''کبھی اکرم تھا صاحب لیکن اب وکی پینتھر کے نام سے مشہور ہوں۔'' اکرم نے لمبی سانس لے کر جواب دیا۔ ''مجھے بھی قانون کی نظروں میں مفرور سمجھا جا رہا ہے جو گاؤں سے بھاگ کر ادھر شہر میں آ گیا۔ جگا نے پناہ نہ دی ہوتی تو شاید فاقوں سے تنگ آ کر مجرم بھی بن جاتا۔''

''کیا جرم تمہارے نام پر لگا تھا؟''

''گاؤں میں میری ایک پڑوس کی جوان لڑکی کا چکر تھا صاحب جسے زمیندار کے آدمی اغوا کر

کے لے گئے تھے، میرا نام بلاوجہ لکھوا دیا گیا میں صاف انکار ہو گیا تھا، جب اغوا میں ملوث نہیں تھا تو پھر ڈر بھی نہیں تھا لیکن...... آٹھ دس روز بعد اس لڑکی کی ادھڑی ہوئی اور روندی گئی لاش میرے گھر کے قریب کھیتوں میں ملی تو میں گرفتاری کے ڈر سے فرار ہو گیا۔"

"تمہارے گھر والوں کا کیا بنا ہو گا؟ اورنگ زیب نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"گھر میں میرا رونے والا کون تھا صاحب، ماں کے مرنے کے بعد باپ نے دوسری شادی کر لی تھی، وہ بھی مجھے اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ اس لیے کہ وہ خود بھی اجلی نہیں تھی۔ زمیندار کے لڑکوں سے بھی اس نے چکر چلا رکھا تھا۔ اسی کے اشارے پر پڑوس کی لڑکی کو بھی اٹھوا لیا گیا تھا، میں فرار نہ ہوتا تو وہ میرا نام لینے سے دریغ نہ کرتی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا جگا کے ہراساں کرنے کے بعد شیخ حامد اس کا پیچھا چھوڑ دے گا؟"

"کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی جناب۔" اکرم نے کسمسا کر کہا۔ "یہی بات میں نے اور دوسرے ساتھیوں نے بھی استاد کی کھوپڑی میں بٹھانے کی کوشش کی تھی ایک بار تخت یا تختہ والا کھیل کر لیں۔ جو جیتے وہی سکندر۔ لیکن استاد نے ہماری بات نہیں مانی۔"

"پھر تم لوگوں نے بلاوجہ خود کو خطرے میں ڈالنے کی غلطی کیوں کی؟" اس بار اورنگ زیب نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا صاحب۔" اکرم نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "سچ کیا ہے یہ اوپر ہی والے کو معلوم ہو گا لیکن میرا خیال ہے کہ استاد نے یہ ہراساں کرنے والا قدم کسی اور کے مشورے پر اٹھایا ہے۔"

"اور کون سے تمہاری کیا مراد ہے......؟"

"مجھے اس کا نام نہیں معلوم جناب لیکن سنا ہے وہ کوئی بیوہ عورت ہے۔ وہ بھی شیخ حامد سے کوئی پرانا حساب چکتا کرنا چاہتی ہے۔ استاد کے آدمی اس عورت کیلئے بھی کام کرتے رہتے ہیں۔"

اورنگ زیب بیوہ عورت کے حوالے پر چونکا لیکن اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اکرم سے پوچھا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟ قانون نے بہرحال تمہیں غیر قانونی حرکت میں ملوث پا کر گرفتار کیا ہے۔"

"آپ کے رحم و کرم پر ہوں صاحب...... چاہیں تو اندر کر دیں یا چھوڑ دیں۔ میں اچر مچر بھی نہیں کروں گا۔"

اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا لیکن کچھ دیر بعد اس نے گاڑی ایک سنسان راستے کے درمیان روک دی، اکرم سے اترنے کو کہا تو وہ نیچے اترنے کے بعد ہاتھ باندھ کر بولا۔

"صاحب...... اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں، کبھی ضرورت پڑے تو یاد کر لیجئے گا۔ میں آپ کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کروں گا۔"

اورنگ زیب نے اسے بہت غور سے دیکھا پھر ڈیش بورڈ پر پڑے پیڈ کو اٹھا کر وکی پینتھر کا موبائل نمبر نوٹ کر لیا۔

''میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گا صاحب۔'' اس نے اورنگ زیب سے کہا۔ ''کم از کم ایک بار اس خادم کو خدمت کا موقع ضرور دیجئے گا۔''

''تم نے کہا تھا کہ تم ان تینوں میں سے ایک کو جانتے ہو، جو سب سے اہم ہے؟''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا صاحب۔ اسی واقفیت کی وجہ سے اس نے مجھے جہنم رسید نہیں کیا۔ اب بھی پہلی فرصت میں وہ مجھے تلاش کر کے استاد تک پہنچنے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' اورنگ زیب نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''تم ان تینوں کے پتے ٹھکانے کا کھوج لگا کر مجھے بتاؤ گے اس کے بعد باقی کام میرے ذمے ہوگا۔''

''آپ کا موبائل نمبر......''

''میں خود تم سے ایک دو روز میں رابطہ قائم کروں گا۔'' اورنگ زیب نے سپاٹ آواز میں کہا پھر جواب کا انتظار کیے بغیر گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔

+++

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

شبنم کا ذہن اس وقت بھی ان لوگوں کے بارے میں الجھ رہا تھا جنہوں نے اسے اغوا کیا تھا۔
اڑتالیس گھنٹے گزر جانے کے باوجود ابھی تک اسے وہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ کھانے پینے کے سلسلے میں بھی اسے تنگ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی نگرانی کرنے والے خاموشی سے اسے کھانا اور ناشتہ دیتے پھر خاموشی ہی سے برتن اٹھا کر واپس چلے جاتے تھے۔ کنول کی تصویر شناخت کرانے کے بعد اس سے کسی قسم کی باز پرس بھی دوبارہ نہیں کی گئی تھی۔ سب سے زیادہ فکر اسے موبائل کی تھی جسے تفتیش کرنے والے کے بیان کے مطابق کسی خفیہ ڈیوائس کے ذریعے جلا دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ بگ باس کو اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ غلط ہاتھوں میں پھنس چکی ہے۔
وہ غلط ہاتھ کس کے تھے؟ یہ سوال اسے ذہنی طور پر اس وقت بھی الجھا رہا تھا۔ افضل خان کو ایک جرم کی پاداش میں جو طویل سزا بھگتنی پڑی تھی وہ بھی اس کے علم میں تھی، اس حقیقت کا بھی اسے علم تھا کہ میڈم کو اغوا کرنے کی پلاننگ میں افضل خان نے کوئی جھول نہیں رہنے دیا تھا لیکن پولیس کی ریڈ کے بعد اسی کو قربانی کا بکرا بھی بننا پڑا تھا۔ بگ باس اپنا دامن بچانے کی خاطر کسی بھی کارندے کو قربان گاہ پر چڑھانے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ تو کیا وہ بھی کسی ایسی ہی سچویشن کا شکار ہو گئی تھی؟
کنول کے بارے میں کیے جانے والے سوالات کی روشنی میں ابھی تک وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکی تھی کہ بگ باس شاید ابھی تک اس کے ملازمت چھوڑ دینے کی غلطی کو حلق کے نیچے نہیں اتار سکا تھا۔ ممکن ہے وہ استعفیٰ دینے کے بعد کسی پلاننگ کے تحت کہیں روپوش ہو گئی ہو اور بگ باس کو اس بات کا شبہ ہو کہ بحیثیت خاتون ورکر ہونے کے شبنم بھی کسی طرح کنول کے استعفیٰ کے راز سے واقف ہو گی۔ یہ خیال وقت کے ساتھ ساتھ شبنم کے ذہن میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور اغوا کرنے والے کوئی اور ہوتے تو اس کے ساتھ اس قدر شرافت کا سلوک بھی نہ کرتے۔ اس کا ذہن ہمہ وقت اس خیال کے تانے بانے سلجھانے میں الجھا رہتا۔ اب بھی وہ ان ہی زاویوں پر غور کر رہی تھی جب دروازے پر آہٹ ہوئی۔ پہلے ایک شخص اس کے لیے کھانے کی ٹرے لیے اندر آیا اس کے بعد حسب معمول ایک گن مین بھی سامنے آ گیا وہ خاموشی سے دونوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتی رہی، کھانے کی ٹرے میز پر رکھنے والا اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے بعد چپ چاپ واپس لوٹ گیا، اس کے ساتھ ہی گن مین بھی جانے کے ارادے سے گھوما تھا جب شبنم نے اسے آواز دے کر روک لیا۔
اس نے پلٹ کر شبنم کو خشک نظروں سے دیکھا۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے.....؟'' شبنم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''سوری میڈم! مجھے آپ کے ساتھ کسی قسم کے سوالات جوابات کی اجازت نہیں ہے۔'' اس نے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے یہاں لانے والے کون لوگ ہیں؟'' اس نے گن مین کو گھورا۔

''وہی......جنہوں نے مجھے آپ کی نگرانی پر متعین کیا ہے۔''

''وہ کب آئیں گے؟''

''ان کی مرضی پر منحصر ہے۔'' اس بار بھی سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔''میں ملازم ہوں، صرف اپنی ڈیوٹی کا پابند ہوں۔''

''کیا تم میرا کوئی پیغام بھی ان کو نہیں پہنچا سکتے؟''

''پیغام کیا ہے......؟''

''میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ تمہارے لیے ایک ملازم کی حیثیت سے اتنا ہی جاننا کافی ہے۔'' شبنم نے تلملا کر کہا۔''ان کی کوئی کال آئے تو میرا پیغام ضرور دے دینا۔''

گن مین نے اسے تیز نظروں سے دیکھا پھر منہ پھیر کر باہر چلا گیا۔ شبنم اس کے جانے کے بعد کھانے میں مشغول ہوگئی۔۔خود کو زندہ رکھنے کی خاطر کھانے کو زہر مار کرنا اس کی مجبوری بھی تھی۔ کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کی خاطر بستر پر دراز ہوگئی۔ اس کی سوچوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا پھر ذہنی ورزش کرتے کرتے اس کی آنکھ بھی لگ گئی۔ دوبارہ اس کی آنکھ کسی آہٹ پر ہی کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تو وہی شخص اس کے سامنے موجود تھا جس نے اس سے کنول کی تصویر شناخت کرائی تھی۔

شبنم اپنے بے ترتیب لباس کو ٹھیک کرتی ہوئی اٹھی، دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالنے کے بعد اسے اس بات کا اندازہ بھی ہوگیا اس وقت شام کے ساڑھے چار کا عمل تھا۔ اس نے آنے والے کو بہت غور سے دیکھا پھر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ گفتگو کا آغاز کرنے سے پیشتر یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ اس کا تعلق کسی پارٹی سے ہے۔

''تمہارا پیغام مجھے ملا تھا۔'' آنے والے نے دو چار منٹ کی خاموشی سے بعد سپاٹ لہجے میں گفتگو کی ابتدا کی۔''کیا تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف پیش آرہی ہے......؟''

''مجھے کتنے دنوں تک یہاں رکھنا مقصود ہے؟''

''اس کا آسان جواب میں نے پہلی ملاقات میں دے دیا تھا۔'' اس نے بہ دستور سرد لہجے میں کہا۔''ہماری طرف سے کوئی رعایت تمہاری زبان کھولنے سے مشروط ہے۔ہمیں کوئی جلدی بھی نہیں ہے۔تم اطمینان سے کوئی آخری فیصلہ کرسکتی ہو۔''

''بگ باس کو اگر اطلاع ہوگئی تو تمہارا انجام بھی تمہاری توقع کے خلاف ہوگا۔''

''ہم بھی اسی خراب انجام کے انتظار میں ہیں۔'' بے پروائی سے جواب ملا۔''ویسے اسے اطلاع ہوگئی ہے لیکن......تم کہاں ہو؟ کس حال میں ہو؟ یہ جاننے کے لیے اس کے کھوجی کتنے ہر

طرف ابھی تک صرف بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔''

''کیا تمہارا تعلق کسی سرکاری ایجنسی سے ہے؟''

''مطلب کی بات کرو..... تم نے کیوں اور کیا کہنے کے لیے ہمیں پیغام بھیجا تھا؟''

''کیا تم ہی حرف آخر ہو؟'' شبنم نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''تمہاری طرح میں بھی محتاط رہنا پسند کروں گی۔''

''میں سمجھا نہیں.....؟''

''تم سے بڑا کوئی آدمی، جس کا چہرہ میرے لیے اجنبی بھی نہ ہو۔ اس کے سامنے آنے کے بعد ہی میں کوئی آخری فیصلہ کر سکتی ہوں۔''

''اگر ہم تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیں تو.....؟''

''پھر شاید میری موت کے بعد فرشتے ہی میری زبان کھلوا سکیں گے۔'' وہ شانے اچکا کر بولی۔

''غلط گمان ہے تمہارا.....'' اس کو مخاطب کرنے والے نے بل کھا کر کہا۔ ''اوپر سے صرف ایک اشارے کی دیر ہے، اس کے بعد ہمیں بھی زبان کھلوانے کے ہزاروں نسخے معلوم ہیں۔''

''یہ تمہاری ذاتی سوچ ہے۔'' شبنم نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

''اور کچھ کہنا چاہو گی؟''

''کہنے کے لیے بہت کچھ ہے میرے پاس لیکن اس کی ایک ہی شرط ہے..... کوئی ایسا شخص جس کو میں جانتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... ہم تمہاری یہ بات اوپر تک پہنچا دیں گے لیکن ایک بات ابھی سے سن لو۔'' جواب میں بے حد سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''اس کے سامنے آنے کے بعد بھی تم نے زبان نہ کھولی تو پھر تمہارے پاس زندگی کی بھیک مانگنے کا بھی کوئی جواز باقی نہیں بچے گا۔''

''مجھے منظور ہے.....'' شبنم نے ٹھوس انداز میں جواب دیا تو آنے والا اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھنے کے بعد الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

شبنم کا ذہن پھر مختلف سوالات کے جواب تلاش کرنے لگا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر آئندہ آنے والا ایجنسی کا کوئی قابل اعتماد آدمی ثابت ہوا تو وہ زبان کھولنے میں دیر نہیں کرے گی۔ وہ جس سچویشن میں تھی، اس میں اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اعصاب کو پرسکون رکھنے کی خاطر اس نے اٹھ کر مختصر کمرے میں چہل قدمی شروع کر دی۔ بار بار اس کے ذہن میں وہ منظر گھوم رہا تھا جب اسے اغوا کرنے والوں نے بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کیا تھا لیکن انہوں نے صرف اسے کیوں اغوا کیا؟ افضل خان کو کس لیے چھوڑ دیا گیا؟ کیا انہیں افضل خان سے کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا یا..... اسے بعد میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا؟ خاصی دیر تک مختلف وسوسے اس کے ذہن میں ابھرتے ڈوبتے رہے۔ جو کچھ ہوا تھا وہ اس کی توقع کے خلاف ہی تھا۔ اسی وجہ سے اس نے محتاط

روی کے تقاضوں کے پیش نظر کسی واقف کار کے سامنے زبان کھولنے کے تقاضوں کے پیش نظر کسی واقف کار کے سامنے زبان کھولنے کی شرط عائد کی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس وقت وہ کس کی دسترس میں تھی؟ تقریباً نصف شب گزرنے کے بعد جب نیند کا خمار اس کے پپوٹوں کو بوجھل کر رہا تھا اس وقت دروازے کے قفل کھلنے کی مانوس آواز نے اس کے ڈوبتے ذہن کو بیدار کر دیا۔ وہ لباس درست کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی پھر دروازہ کھلنے کے بعد جو فرد اندر داخل ہوا اس کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

آنے والا ایس پی اورنگ زیب کے سوا کوئی اور نہیں تھا جس کے بارے میں وہ بہت کچھ سن چکی تھی۔ یہ بھی جانتی تھی کہ بگ باس بھی اس کے تبادلے کی کوشش میں ناکام ہو چکا تھا۔ وہ نڈر اور بے خوف افسر تھا، نہ ہوتا تو بگ باس کے سامنے وہ بھی دوسرے افسروں کی طرح سرنڈر کرنے میں دیر نہ کرتا۔

شبنم دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی اٹھی۔ اورنگ زیب کی آنکھوں کی سرخی اس بات کی غمازی کرتی نظر آ رہی تھی کہ اس وقت وہ اچھے موڈ میں نہیں ہے۔ ایک لمحے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''مجھے بلا کر تم نے اپنی مشکلات میں کمی نہیں......اور اضافہ کر لیا ہے۔'' اورنگ زیب نے ٹھوس لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''یہ آپ کا خیال ہے آفیسر، میرا نہیں۔'' شبنم نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''شاید آپ کے سامنے آ جانے سے میری بہت ساری مشکلات حل ہو جائیں گی۔''

''کس لیے یاد کیا تھا؟''

''مجھے اس طرح یہاں لانے کا کیا مقصد تھا؟''

''تمہارے باس کو صرف اتنا یقین دلانا کہ تمہیں کسی ایجنسی نے نہیں بلکہ اس کے کسی چوٹ کھائے ہوئے دشمنوں نے اغوا کیا ہے۔''

''کیا اسے اس کا یقین آ گیا ہوگا؟''

''نہ آیا ہو تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میرے زبان کھول دینے کے بعد قانون میری ہر طرح حفاظت کرے گا؟'' شبنم نے اس بار سلجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر وہ شبنم کو اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی کسوٹی پر تولتا رہا پھر قدرے نرم لہجے میں بولا۔

''پہلے تمہیں ہمارے سوالوں کا جواب دینا ہوگا...... تیار ہو؟''

''ہاں...... میں کم از کم آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔''

''گڈ...... ویسے بائی دی وے، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم مجھ پر اندھا اعتماد کیوں کر رہی ہو؟

"ابھی تک تم نے کسی کو سیدھے منہ جواب نہیں دیا؟"

"یہ اس لیے ہے کہ میں آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

"پھر یہ بھی ضرور جانتی ہو گی کہ تمہارا بگ باس اور اس کے شکاری کتے دن رات میری موت کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔"

"اس کا علم نہ ہوتا تو شاید میں زبان کھولنے پر آمادگی کا اقرار بھی نہ کرتی۔"

"بیٹھو......" جواب میں اورنگ زیب نے کمرے میں رکھی واحد کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ شبنم ایک پل کو ہچکچائی پھر خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تمہاری اطلاع کیلئے بتا دوں کہ ابھی میں تمہارے بگ باس کے علاقے سے ہی واپس آ رہا ہوں۔" اورنگ زیب نے اسے مختصراً حملہ آوروں اور شیخ حامد کے حفاظتی دستے کے افراد کے درمیان ہونے والی فائرنگ اور چاروں قیدیوں کی گرفتاری اور رہائی کے بارے میں بتایا پھر کچھ توقف سے دریافت کیا۔ "تم اس بارے میں کیا کہو گی؟"

"میں بھی جن حالات سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہوں اس کا ہر لمحہ ایک جواء ہی تھا۔" شبنم نے سرد آہ بھر کر بڑے دل شکستہ لہجے میں کہا۔ "جوئے میں ہار اور جیت دونوں کا ففٹی ففٹی چانس ہوتا ہے۔ رسک تو لینا پڑتا ہے لیکن یہ بھی بے باکی سے بتا دوں کہ آپ کا ڈی آئی جی بگ باس کے ہاتھوں بکا ہوا ہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ افضل خان کس قماش کا آدمی ہے اور اس کا ماضی کیا تھا؟" اورنگ زیب نے ڈی آئی جی والی بات کو نظر انداز کر کے سوال کیا۔

"جی ہاں......"

"پھر۔ تم اپنا فلیٹ چھوڑ کر اس کے اپارٹمنٹ میں کیوں شفٹ ہوئی تھیں؟"

"اسے بھی میری زندگی کا ایک جواء سمجھ لیں۔ ویسے اس میں بگ باس کے حکم کا دخل بھی تھا، میں انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔"

"کنول میری معلومات کے مطابق تم سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھی، پھر وہ استعفیٰ دے کر کس طرح آزاد ہو گئی؟" اورنگ زیب نے چبھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ اس کی نظریں شبنم کا ایکس رے کرنے میں مصروف تھیں۔

"شاید اس لیے کہ کنول کی کوئی کمزوری باس کے ہاتھ نہیں آ سکی تھی۔" وہ روانی میں کہہ گئی۔ غلطی کا احساس اس وقت ہوا جب اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں کہا تھا۔

"آئی سی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری کوئی کمزوری ایسی ہے جو تمہیں بگ باس کے ہر حکم پر عمل کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔"

"ایسا ہی سمجھ لیں۔" شبنم نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نے میری لاعلمی میں کچھ مواد ضرور جمع کر لیا ہے لیکن میرا کردار اب بھی بے داغ ہے۔"

''تم نے افضل خان کو دوست بنا کر جو پروگرام مرتب کرنے کی کوشش کی تھی کیا اس کی خبر اسے بھی تھی؟''

''آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ آپ کی ذہانت کی دلیل ہے۔'' شبنم نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا پھر وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے جو کچھ سوچا تھا ابھی تک اس کا علم کسی اور کو نہیں ہے۔ البتہ ایک ہستی ہے جس کو میں نے اشارتاً یہ عندیہ ضرور دیا تھا کہ میرے لیے دلدل سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے..... بغاوت۔''

''وہ ہستی کس کی ہے؟''

''سوری..... میں اس کا نام فی الحال نہیں لے سکتی ورنہ اس کے لیے بھی بہت ساری مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔'' شبنم نے دبی زبان میں کہا۔

اورنگ زیب کچھ دیر خاموش کھڑا شبنم کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے جیب سے موبائل نکال کر کسی کے نمبر پنچ کیے ساتھ ہی لائن کنیکٹ ہونے پر اسپیکر بھی آن کر دیا۔

''ہیلو.....'' دوسری طرف سے ایک زنانی آواز ابھری' شبنم اسے سن کر چونکی تھی۔

''میں ایس پی اورنگ زیب بول رہا ہوں۔ کیا میڈم روبی سے بات کر سکتا ہوں؟''

''بول رہی ہوں.....'' دوسری جانب سے حیرت کا اظہار کیا گیا، اس وقت آپ نے کیسے کال کیا؟ سراج صاحب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''مجھے اس وقت آپ سے ایک دوسرے موضوع پر کچھ اہم بات کرنی ہے۔''

''فرمایئے.....''

''کیا آپ شبنم نامی کسی خاتون سے واقف ہیں؟'' اورنگ زیب نے شبنم کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اچھی طرح جانتی ہوں لیکن میری معلومات کے مطابق کسی وجہ سے اسے بھی انڈر گراؤنڈ کر دیا گیا ہے۔'' دوسری طرف سے معنی خیز انداز میں جواب ملا۔ ''بظاہر اس کے اغوا کا ڈراما ضرور اسٹیج کیا گیا ہے لیکن اسی طرح افضل خان کے ساتھ بھی ایک لمبا کھیل کھیلا گیا تھا، مسٹر سراج کو بھی اس کی تفصیل معلوم ہے۔''

''اگر اغوا کی کارروائی ڈرامائی تھی تو افضل خان کو کیوں زخمی حالت میں چھوڑ دیا گیا؟''

''ممکن ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو ویسے آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ افضل خان اب اس اپارٹمنٹ میں نہیں ہے۔ اپنا سامان سمیٹ کر وہ فوری طور پر اپارٹمنٹ سے شفٹ ہو کر کہیں اور چلا گیا ہے۔ اگر یہ سب کچھ پلاننگ سے نہ ہوتا تو پھر آپ اس کے صرف زخمی ہونے اور ہوش میں آنے کے فوراً بعد اپارٹمنٹ سے شفٹ ہو جانے کو کس خانے میں فٹ کریں گے؟''

''آپ نے جو نئی معلومات فراہم کی ہیں اس کیلئے شکر گزار ہوں لیکن اس وقت میں آپ کو کسی اور مقصد سے زحمت دی ہے۔''

''اگر میں آپ کے کسی کام آسکی تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''کیا شبنم پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟'' اورنگ زیب نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''پہلا مرحلہ تو اسے تلاش کرنا یا بازیاب کرنا ہے۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے...... میں نے صرف اعتبار کرنے کے سلسلے میں آپ کی ذاتی رائے معلوم کی تھی۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ آپ کس پس منظر میں یہ سوال کر رہے ہیں۔ بہرحال، میں اتنا جانتی ہوں کہ اگر آپ کا قانون اس کے ساتھ رعایت کرنے کے علاوہ اس کی مدد کرے تو وہ بے حد کارآمد ثابت ہوسکتی ہے، بشرطیکہ آپ اسے زندہ بازیاب کرسکیں۔''

''شکریہ......'' اورنگ زیب نے مختصر جواب دینے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا پھر شبنم کو مخاطب کر کے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ ''میڈم نے آپ کو ہمارے تعاون کا مستحق قرار دیا ہے۔''

''کیا اب بھی میں اپنے آپ کو قیدی ہی سمجھوں؟'' شبنم نے سکون کا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، آپ کی حیثیت اب بدل گئی ہے لیکن میں فیصلے کا اختیار بھی آپ کو ہی دے رہا ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''آپ اگر چاہیں تو جس طرح سے ہم آپ کو لائے ہیں اسی طرح خوبصورتی سے فرار ہونے کا موقع بھی فراہم کر سکتے ہیں، ہم سے دوستی نبھانی آپ کو مشکل میں بھی ڈال سکتی ہے اس لیے کہ میں نے اب اس پار یا اس پار کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''میں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے کو ترجیح دوں گی۔'' شبنم نے اورنگ زیب کو یقین دلایا۔

''فرار کا ڈراما آپ کے بگ باس کو ہضم بھی نہیں ہوگا۔''

''کسی آخری نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کریں۔ اطمینان سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں۔ میں کل کسی وقت دوبارہ آؤں گا پھر آپ سے اطمینان سے تفصیلی بات ہوگی۔'' اورنگ زیب نے دوستانہ انداز میں کہا پھر الٹے قدموں واپس جانے لگا تو شبنم نے اسے روک کر کہا۔

''کیا آپ میرے لیے کسی موبائل کا بندوبست کر سکتے ہیں جس کی سم ان رجسٹرڈ ہو۔''

''کل صبح آپ کی یہ فرمائش پوری ہو جائے گی لیکن...... میڈم کو جو غلط فہمی ہے اسے دور کرنے کی غلطی نہ کیجیے گا، اس وقت ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔''

''میں اس کی اہمیت کو سمجھتی ہوں۔'' شبنم نے اقرار کیا پھر اورنگ زیب کے جانے کے بعد اس نے سکون کا لمبا سانس لیا۔ اب وہ اس مختصر سے کمرے کو اپنے لیے سب سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ سمجھ رہی تھی۔

+:+:+

پولیس موبائل کی پچھلی نشست پر لیاقت حسین کو تین مسلح سپاہیوں نے دبوچ رکھا تھا جبکہ چوتھا جو تین فیتوں والا حوالدار تھا اس نے چار افراد کے قاتل کو حراست میں لینے کے بعد مونچھوں کو تاؤ دینا شروع کر دیا تھا۔ وین کے چلتے ہی اس کی زبان بھی مغلظات اگلنے لگی، وہ گالیاں بکتے وقت کبھی ٹھوکروں اور کبھی رائفل کے بٹ سے بھی لیاقت حسین کو مارنے میں مشغول تھا، باقی تین سپاہی بھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہاتھ چلانے لگتے لیکن لیاقت حسین نے کوئی احتجاج نہیں کیا، البتہ ایک بار اس نے جی کڑا کر کے یہ ضرور پوچھا تھا۔

''تم لوگوں نے مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟ کہاں لے جا رہے ہو؟''

''یہ تو عادی قاتل دکھائی دیتا ہے استاد'' ایک سپاہی نے لیاقت حسین کو نفرت سے ٹھوکر مارتے ہوئے حوالدار سے کہا۔''حرامی جرم کی نوعیت پوچھ رہا ہے۔''

''ہم تمہیں تمہاری بہادری کا انعام دینے کیلئے ساتھ لائے ہیں۔'' حوالدار نے لیاقت حسین کو ایک غلیظ گالی دیتے ہوئے رائفل کے بٹ سے مارا تو الماس چپ نہ رہ سکی۔

''کیا تم لوگوں کو احساس نہیں ہے کہ وین میں ایک خاتون بھی موجود ہے۔ تھانے پہنچنے تک سکون سے نہیں بیٹھ سکتے؟''

''آپ خاتون ہیں اسی لیے تو ابھی تک آپ کی مالش شروع نہیں کی۔'' حوالدار نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے الماس کو کمینی نظروں سے دیکھا۔''یہ کام تھانہ انچارج ضرور کرے گا تو پھر آپ کو بھی سکون......''

''شٹ اپ......'' الماس ضبط نہ کرسکی تو بپھر کر بولی۔''تھانے پہنچنے کے بعد تم سب کی پیٹیاں بھی اتر سکتی ہیں۔ بہتر ہے کہ اب خاموش رہو۔''

''ہماری پیٹی کے بجائے اپنے لباس کی خیر منائیں بی بی۔'' حوالدار نے تلملا کر جواب دیا۔

''ایسی گیدڑ بھبکیاں ہم پہلے بھی......''

''منہ بند رکھو اپنا......'' لیاقت حسین بپھر گیا۔ حوالدار کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اب اگر تمہاری گندی زبان سے ایک لفظ بھی......بھی تت......اب......''

تینوں سپاہیوں کے علاوہ حوالدار بھی لیاقت حسین پر اچانک قہر بن کر ٹوٹا، وہ جملہ مکمل کرنے کے بجائے کراہنے لگا۔ الماس خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہی۔ دس منٹ بعد موبائل تھانے کے احاطے میں داخل ہو کر رکی تو لیاقت حسین کو بہ دستور ٹھوکریں مار کر نیچے اتارا گیا، الماس ہونٹ چباتی نیچے اتری تو ایک مسلح سپاہی اس کے قریب پہنچ گیا۔ حوالدار اس وقت بھی سینہ تانے آگے آگے چلنے لگا۔ لیاقت حسین کا لباس تقریباً تار تار ہو رہا تھا، اسے دھکے مار مار کر عمارت کے اندر لایا گیا، دو سپاہیوں نے اسے گدی پر ہاتھ مارتے ہوئے تھانہ انچارج کے کمرے میں دھکا دیا، ان کے ساتھ حوالدار بھی تھا لیکن جب الماس نے کمرے میں قدم رکھا تو وہ سب ہی ششدر رہ گئے، دو پھولوں والا سب انسپکٹر الماس کو دیکھ کر اس طرح بوکھلا کر اٹھا جیسے اسے موت کا فرشتہ آ گیا ہو۔

''م......میڈم، آ......آپ!'' اس نے الماس کو دیکھ کر ہکلاتے ہوئے کہا۔
الماس نے جواب دینے کے بجائے خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر پرس سے موبائل نکالا پھر اس نے مصلحتاً شوہر کے بجائے اورنگ زیب کو فون کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ سب انسپکٹر کے اشارے پر حوالدار اور اس کے تینوں ساتھی خاموشی سے سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئے۔ لیاقت حسین الماس کے پیچھے زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس کی حالت غیر ہی ہو رہی تھی۔ چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں سے خون کی لکیریں بھی نمایاں طور پر نظر آ رہی تھیں۔ سب انسپکٹر دوباری سیٹ کے قریب چلا گیا لیکن اس نے بیٹھنے کی جسارت نہیں کی تھی۔
''ہیلو......موبائل پر دوسری جانب سے اورنگ زیب کی آواز سنائی دی۔''سراج تو خیریت سے ہے؟''
''میں اس وقت آپ سے اپنی خیریت کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔'' الماس نے سنجیدگی اور جھلاہٹ کے ملے جلے انداز میں جواب دیا۔''اس وقت گھر سے نہیں......آپ کے علاقے کے ایک پولیس اسٹیشن سے بات کر رہی ہوں۔''
''خیریت......؟''
جواب میں الماس نے مختصر الفاظ میں اورنگ زیب کو اپنے اغوا کیے جانے اور لیاقت حسین کے ہاتھوں دشمنوں کے موت کے گھاٹ اترنے کی اطلاع دے کر کہا۔''آپ کتنی دیر میں آ سکتے ہیں۔''
''زیادہ سے زیادہ دس منٹ میں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''میں نے ابھی سراج کو اطلاع نہیں دی۔ آپ بھی انہیں نہ بتائیں ورنہ وہ پریشان ہوں گے۔'' الماس نے تیزی سے کہا پھر دوسری طرف سے جواب سن کر موبائل آف کر کے ہونٹ چبانے لگی۔
''آئی ایم ایکسٹریملی سوری میڈم۔'' سب انسپکٹر نے معذرت طلب کرنے والے انداز میں کہا۔''آپ اگر براہ راست بھی تھانے کو اطلاع دے دیتیں تو یہ زحمت نہ ہوتی۔''
الماس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے لیاقت حسین کی فکر تھی جس کے ہاتھوں سے چار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ اسی جرم میں اسے زدوکوب بھی کیا گیا تھا۔ اس نے گھوم کر لیاقت حسین کو دیکھا پھر بڑی اپنائیت سے بولی۔''تم پریشان نہ ہو، میں نے ایس پی صاحب کو اطلاع کر دی ہے، وہ آ کر سب ٹھیک کر دیں گے۔ تم پر قتل کا کوئی مقدمہ نہیں بن سکتا اس لیے کہ جو لوگ مارے گئے وہ یقیناً اشتہاری مجرم ہی ثابت ہوں گے۔''
''کس کا قتل ہو گیا؟'' لیاقت حسین نے بڑی معصومیت اور حیرت سے دریافت کیا۔''میں تو ابھی تک یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس والے ہمیں کس جرم میں یہاں تک گھسیٹ لائے۔ انہوں نے آپ کی شان میں بھی......''

''ایسے موقعوں پر پولیس کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے لیکن تم کسی بات کا غم نہ کرو۔'' الماس نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے پر طاری تاثرات اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ ابھی تک صورت حال کی اصل نوعیت سے بالکل بے خبر رہا تھا۔

دس منٹ بعد اورنگ زیب تقریباً دوڑتا ہوا تھانے میں داخل ہوا تو پورے عملے میں کھلبلی مچ گئی۔ سب انسپکٹر کے کمرے میں پہنچ کر اس نے الماس کے بعد لیاقت حسین کو دیکھا تو اس کی پیشانی پر بے شمار سلوٹیں ابھرنے لگیں۔ اس نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے الماس کو مخاطب کیا۔

''میں آپ کو گھر جانے کا مشورہ دوں گا۔ میرا ڈرائیور آپ کو ڈراپ کر دے گا۔''

''اس کا کیا بنے گا؟'' الماس نے اٹھتے ہوئے انگریزی میں لیاقت حسین کے بارے میں دریافت کیا۔

''یہ میری ذمے داری ہے آپ گھر پہنچیں، میں اسے اپنے ساتھ لے کر ہی آؤں گا۔'' اورنگ زیب نے کہا۔ ''کچھ رسمی کارروائی ضروری ہے لیکن مجھے بھی یقین ہے کہ مرنے والے پولیس کو پہلے سے مطلوب ہوں گے۔''

الماس جانے کے لیے تیار ہوئی تو لیاقت حسین نے اٹھ کر بڑی عاجزی سے کہا۔

''صاحب کو میرے بارے میں کچھ نہ بتایئے گا۔ وہ بلاوجہ پریشان ہوں گے۔''

''نہیں بتاؤں گی......'' الماس نے لیاقت حسین کو تسلی دی پھر وہ اورنگ زیب کے ساتھ قدم اٹھاتی باہر آ کر اورنگ زیب کی گاڑی میں بیٹھ گئی روانہ ہونے سے قبل اس نے اورنگ زیب کو بتا دیا کہ اس کی کار شاپنگ سینٹر ہی پر کھڑی ہو گی۔

''ڈونٹ وری...... میں اسے ابھی منگا لیتا ہوں۔''

الماس چلی گئی تو اورنگ زیب قدم اٹھاتا ایس ایچ او کے کمرے میں آ گیا۔ سب انسپکٹر ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑا تھا، اورنگ زیب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر فون اٹھا کر کچھ متعلقہ محکموں کے لوگوں کو ضروری ہدایات دینے لگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے لیاقت حسین کی طرف دیکھا جو اس وقت سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔

''تم نے ایک بار پھر جواں مردی کا ثبوت دے کر مسز سراج کو دشمنوں سے بچا لیا۔''

''آپ کن دشمنوں کی بات کر رہے ہیں صاحب۔'' لیاقت حسین نے بہ دستور حیرت سے کہا۔ ''میں تو بیگم صاحب کے انتظار میں کھڑا تھا جب پولیس والوں نے نہ جانے کب اور کیوں ہم دونوں کو موبائل میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ بلاوجہ میری درگت بھی بنا دی...... یہ سب کیوں ہوا صاحب؟''

''کبھی کبھی ہم بھی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن اب میں آ گیا ہوں تو سب سے باز پرس بھی کر لوں گا۔'' اورنگ زیب نے لیاقت حسین کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر اسے تسلی دی پھر سب انسپکٹر کو دیکھ کر خشک لہجے میں بولا۔ ''آپ فوری طور پر اسے ساتھ لے جا کر مرہم پٹی کرائیں اور اس

ے لباس کا بندوبست بھی کریں۔ بی، کوئیک۔"

سب انسپکٹر نے لیاقت حسین کے ساتھ فوری طور پر وہاں سے ٹل جانے میں ہی خیریت سمجھی تھی۔ اورنگ زیب اس کے جانے کے بعد پھر کچھ لوگوں کو ضروری کال کرنے لگا۔ تین گھنٹے میں وہ اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھا جب تک اسے پولیس کے مختلف ذریعوں سے باقاعدہ رپورٹ نہیں مل گئی کہ چاروں مرنے والے پولیس کو تین سال سے مطلوب تھے۔ ان کی فائلیں بھی سردخانوں سے نکلوائی گئی تھیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اس نے اپنی موجودگی میں ضروری دستاویز تیار کرائیں لیکن ان میں لیاقت حسین یا الماس کا ذکر درمیان میں نہیں آنے دیا، فائرنگ کے سلسلے میں اس نے یہی جواز بنایا تھا کہ پولیس نے بروقت موقع واردات پر پہنچ کر سچویشن کنٹرول کرنے کی کوشش کی تو مطلوبہ مجرموں نے فائر کھول دیا اور پولیس کی جوابی فائرنگ کے نتیجے میں چار مجرم کام آ گئے، باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے جن کی سرگرمی سے تلاش کا سلسلہ جاری ہے۔ اس تمام کارروائی سے فارغ ہو کر وہ لیاقت حسین کو ساتھ لے کر سراج کی طرف روانہ ہو گیا۔ سب انسپکٹر نے اسے مطلع کر دیا تھا کہ سراج کی گاڑی کو شاپنگ سنٹر سے اٹھا کر اس کے مکان پر پہنچا دیا گیا تھا راستے میں اس نے کسی خیال سے لیاقت حسین سے دریافت کیا۔

"تمہارا پستول اس وقت کہاں ہے جو سراج صاحب نے دیا تھا؟"

"اس وقت بھی میری کمر کی بیلٹ میں موجود ہے صاحب۔" لیاقت حسین نے سادگی سے جواب دیا۔ "صبح ناشتے کے بعد سے رات کو سوتے وقت تک یہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔"

اورنگ زیب نے ایک لمحے کو سوچا کہ پستول نکلوا کر اس کے میگزین میں موجود گولیاں شمار کر لے لیکن پھر اس نے یہ کام سراج کے لیے چھوڑ دیا، وہ لیاقت حسین کی یادداشت کو بار بار کریدنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے پولیس کے عملے پر ضرور غصہ آ رہا تھا جنہوں نے لیاقت حسین کو حراست میں لینے کے باوجود اس کی جامہ تلاشی ضروری نہیں سمجھی تھی۔ اس قسم کی خوش فہمیاں اکثر پولیس والوں کیلئے موت کا سبب بھی ثابت ہوتی تھیں۔

❖❖❖

شیخ حامد اس وقت دفتر سے واپسی کے بعد لباس تبدیل کرنے میں مصروف تھا جب موبائل گنگنانے لگا۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر فون اسکرین پر ڈالی۔ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اس کی طرف توجہ بھی نہ دیتا۔ گھر واپسی کے بعد اہم لوازمات کے ساتھ شام کی چائے لیے بغیر وہ کسی سے بات کرنے کا عادی نہیں تھا، یہ خاصی پرانی عادت تھی لیکن اس وقت کنول کے نمبر دیکھ کر اس نے فوری طور پر موبائل اٹھا کر آن کرتے ہوئے کان سے لگایا۔

"اس وقت کیسے فون کیا؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا اب مجھے بھی بات کرنے کی خاطر آپ سے وقت لینا پڑے گا؟" کنول نے شکوہ کیا۔

"کیسی بات کر رہی ہو جان من۔" شیخ حامد نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دراصل میں نے

ابھی تک ناشتا نہیں کیا۔"

"آپ شاید شام کے ناشتے کی بات کر رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری طرف بھی اس وقت شام ہی ہو گی؟" اس نے کنول کو پیار سے چھیڑنے کی خاطر سوال کیا۔

"میں وقت کی نہیں ناشتے کی بات کر رہی ہوں۔" کنول نے سرد آہ بھر کو جواب دیا۔"میں نے تو صبح سے ناشتا نہیں کیا اور اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک آپ نہیں آئیں گے۔"

"ایسا مت کرو ڈارلنگ۔" شیخ حامد نے اسے ریشہ خطمی ہو جانے والے انداز میں منانے کی کوشش کی۔"ناشتا پانی سے منہ موڑ لو گی تو وہ خوب صورت اور حسین فگر خراب ہو جائے گا جس نے مجھے تمہارا دیوانہ بنا دیا ہے۔"

"خالی خولی باتیں......" شکوہ کیا گیا۔"مجھ سے پوچھیں، میرے دل پر کیا بیت رہی ہے۔آپ دو روز سے غائب ہیں، میں ایک ایک پل کانٹوں پر لوٹ رہی ہوں اور اماں کی باتیں الگ سن رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟......" وہ چونکا۔"اماں کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟"

"انہوں نے میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر شادی کی اجازت دیدی تھی لیکن ماں، ماں ہوتی ہے۔" کنول نے وضاحت کی۔"کیا انہیں احساس نہ ہو گا کہ آپ نے دو روز سے پلٹ کر صورت بھی نہیں دکھائی۔ وعدہ کر کے بھی نہیں آئے۔"

"میں نے تمہیں حالات کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔تمہارے بغیر میں بھی بے چین ہوں لیکن کچھ حرامزادے بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔تم شبنم سے واقف ہو؟"

"ہاں......صرف نام کی حد تک۔"

"اسے بھی کسی نے اغوا کر لیا ہے؟" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"تم فکر نہ کرو۔ میرے شکاری کتے ہر سمت ان کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ میرے دشمنوں کو پھاڑ کھانے میں دیر بھی نہیں لگائیں گے، تم صرف اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھو میری جان......"

"آپ خود کب آئیں گے؟"

"آج یا کل کسی وقت بھی ضرور آؤں گا لیکن ایک شرط پر......"

"وہ کیا......؟"

"تم اپنی خوراک اور پھل فروٹ سے خفا نہیں ہو گی۔"

کنول سے بات ختم کر کے اس نے لاؤنج میں آ کر ناشتا کیا پھر اس نے شام کے اخبارات کی طرف نظر ڈالنے کی کوشش کی تھی جب دوسرے موبائل کی مخصوص آواز ابھری۔ شیخ حامد نے پلٹ کر دیکھا، نمبر ٹو کی کال تھی، اس کے چہرے پر ایک دم ہی زلزلے جیسی کیفیت طاری ہو گئی۔

"جگا کہاں مرا ہوا ہے کرائے کا ٹٹو۔ کچھ اتا پتا چلا اس کا......" وہ موبائل آن کرتے ہی گرجنے لگا۔

"میرے آدمی اس کی......"

"بکواس بند کرو۔ صبح تک کوئی سراغ نہ ملے تو خود اپنی خبر بھی نہ دینا۔ زہر کھا کر قصہ پاک کر لینا، مجھے نکموں کی نہیں، کارآمد لوگوں کی ضرورت ہے۔"

"میں نے زہریلا کیپسول اس وقت بھی ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے باس۔ آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلی بار آپ نے کیا شرط رکھی تھی۔"

"لن ترانیاں نہیں...... کھل کر بات کرو...... کیا بکواس کرنا چاہتے ہو؟"

"میرے چار آدمیوں نے آج دوپہر مسز سراج...... الماس بیگم کو ساحلی علاقے کے قریب والے بڑے شاپنگ مرکز سے اغوا کر لیا تھا۔ اسے پلازہ سے باہر بھی لے آئے تھے لیکن وین میں بٹھانے سے پیشتر ہی لیاقت حسین نے درمیان میں آ کر بازی کا رخ پلٹ دیا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" شیخ حامد حلق کے بل چیخا۔ "کیا تمہارے جنگلی سؤر اس ایک پر قابو نہیں پا سکے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا باس...... وہ انسان نہیں بلکہ کوئی عفریت ہی ہے جو چار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود صرف ان لوگوں کے ہاتھوں معمولی زخمی ہوا۔"

"الماس کا کیا بنا......؟"

"فائرنگ کے بعد وہاں بھگدڑ مچ گئی تھی، کسی نے پولیس کو بھی اطلاع کر دی ہوگی، موبائل الماس اور لیاقت حسین کو تھانے لے گئی۔ ہمارے مردہ آدمیوں کو بھی بعد میں اٹھوا لیا۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" شیخ حامد نے ہاتھ مسلتے ہوئے الماس کے بارے میں سوال کیا۔

"اس کے تھانے پہنچنے کے کچھ دیر بعد ایس پی اورنگ زیب میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے الماس کو اپنی گاڑی میں فوراً ہی گھر روانہ کر دیا پھر کاغذی خانہ پوری کرنے کے بعد وہ لیاقت حسین کو بھی اپنی گاڑی میں بٹھا کر ڈی ایس پی سراج کی رہائش گاہ کی طرف چلا گیا۔" نمبر ٹو نے بات مکمل کرنے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے یاد ہے باس...... آپ نے کہا تھا کہ ناکامی کی صورت میں آپ کو شکل دکھانے کے بجائے خود بھی سیاہ فام حبشی کی طرح زہریلا کیپسول کھا کر اپنا قصہ پاک کر لوں۔"

"ایک منٹ......" شیخ حامد تیزی سے بولا۔ "الماس کے اغوا کے سلسلے میں ایس پی کے قلم نے کیا لکھا ہے؟"

"یہ بھی اہم نکتہ ہے باس۔" نمبر ٹو نے کہا۔ "میں نے اطلاع نکلوائی ہے اس کے مطابق الماس یا لیاقت حسین کا نام کہیں نہیں آیا۔ شاپنگ مرکز پر ہونے والی فائرنگ کو ممکنہ ڈکیتی کا رنگ دے کر نمٹا دیا گیا ہے، جس میں پولیس نے اپنی کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے بعد ہمارے چار

آدمیوں کو بھی ڈاکو ظاہر کیا جو فائرنگ میں کام آ گئے تھے۔"

"لیا.....قت...... حسین۔" شیخ حامد نے بڑی حقارت سے لیاقت حسین کو دانت کر کرا کر تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شاید چوتھا یا پانچواں موقع ہے جب اس تخم پلید نے میرا رستہ کاٹا ہے۔" اس جملے کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ شیخ حامد کو یہ بھی یاد آ گیا کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی نے بھی اسے خوش کرنے کی خاطر ذاتی طور پر لیاقت حسین کو اٹھوا لیا تھا، اس کے آدمیوں نے لیاقت حسین کو ایک خفیہ ٹھکانے پر لے جا کر زنجیروں میں جکڑ دیا تھا لیکن بعد میں خود لودھی نے بھی بڑی حیرت سے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ لیاقت حسین زنجیروں کو توڑے بغیر حیرت انگیز طریقے سے اس کی بندشوں سے نکل کر فرار ہو گیا تھا۔ نگرانی کرنے والے بھی ششدر رہ گئے تھے، جو دو آدمی اس کی زبان کھلوانے پر تعینات تھے وہ بعد میں مردہ پائے گئے تھے۔ لودھی کی بیان کردہ وہ ناقابل یقین کہانی کی طرح گونج رہی تھی۔ وہ اس قسم کی پراسرار طلسماتی، مافوق الفطرت اور ماورائے عقل کہانیوں پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن لیاقت حسین کے بارے میں ملنے والی شہادتیں اور سنائی جانے والی تفصیلات اب اس کے دماغ میں ہلچل سی مچا رہی تھیں۔

"میرے لیے کوئی آخری حکم باس؟"

"فی الحال زہریلے کیپسول کو حفاظت سے اپنے پاس ہی رکھو۔" شیخ حامد نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "لیاقت حسین کے سلسلے میں تم کیا کر سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے اس کے وجود کو اس طرح مٹا دو جیسے وہ کبھی ماں کے پیٹ سے باہر ہی نہیں آیا تھا۔"

"آپ نے پہلے کہا ہوتا تو الماس بیگم کو قابو کرنے سے پہلے ہم اسی کو......"

"شرمندگی مٹانے کی حماقت نہ کرو...... میں تمہیں دو روز کا موقع دے رہا ہوں۔"

"آپ نے سیٹھ رستم علی کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی تھی۔" بات جاری رکھی گئی۔ "میری تفصیلی معلومات کے مطابق آپ کے بنگلے پر ہونے والے حملے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں ہے...... وہ ایک بزدل اور خوفزدہ بزنس مین ہے جو شیشے کے گھر میں بیٹھ کر کسی کی طرف پتھر مارنے یا اچھالنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہے۔"

"پھر...... اور کون اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے......؟" شیخ حامد نے جھلا کر دریافت کیا۔

"ہوسکتا ہے جگا کے سامنے آنے کے بعد کچھ ڈانڈے آپس میں مل جائیں۔"

"کیا مطلب......؟"

"پہلے حملے میں...... جو لاشیں پولیس کے ہاتھ لگی تھیں، ان میں سے دو ولد الحراموں کا تعلق اسی کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔"

"امکانات اور غور کا وقت اب میرے پاس نہیں ہے۔" اس بار شیخ حامد نے بے حد قہر آلود لہجے میں کہا۔ "جو بھی مشکوک آدمی تمہاری سمت پر آئے اسے بھون کر رکھ دو...... میری طرف سے کھلی اجازت ہے، نمبر ون پر لیاقت حسین کا نام ضروری ہے۔"

شیخ حامد نے نمبر ٹو سے بات ختم کر کے چائے کے دو لمبے لمبے گھونٹ حلق سے نیچے اتارے پھر اس نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے ڈی آئی جی کرائمز آغا منظور کے نمبر ڈائل کیے۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔

''اس وقت کیسے یاد کیا جناب......''

''کیوں؟...... کیا اب تم جیسے سفارشیوں کو بھی فون کرنے کی خاطر پہلے سے وقت لینا ضروری ہے؟'' شیخ حامد نے بڑی رعونت سے کہا۔

''آپ غلط سمجھے شیخ صاحب۔'' ڈی آئی جی نے اس کے لہجے کی تلخی محسوس کرتے ہوئے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''میں بس ایک دو منٹ میں اٹھنے والا تھا۔ آج آپ کو فون کرنے کا پروگرام بھی تھا۔''

''کوئی خاص خبر......؟''

''آپ نے شبنم کو بازیاب کرنے کی جو ذمے داری سونپی تھی اسی کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا تھا۔''

''کوئی سرا ملا......؟''

''ابھی تک نہیں لیکن میں مایوس بھی نہیں ہوں۔ میرے سادہ لباس والے دن رات مشتبہ افراد کے ٹھکانوں پر سن گن لینے میں مصروف ہیں۔ اگر وہ اسی شہر میں ہوئی تو میرے تجربے کار کھوجی اسے ضرور ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''اگر...... مگر سے کام نہیں چلے گا آئی جی۔'' شیخ حامد نے اس کا نام بگاڑتے ہوئے اپنے غصے کا اظہار کیا۔ ''مجھے کوشش نہیں...... نتیجہ چاہیے اور وہ بھی شبنم کی شکل میں......''

''میں جانتا ہوں......''

''سنا ہے تمہارے نئے ایس پی نے آج ساحلی علاقے کے شاپنگ سینٹر سے کچھ لاشیں بھی بٹوری ہیں۔'' شیخ حامد نے الفاظ چباتے ہوئے پوچھا۔ کیا قصہ تھا؟''

''اب تک مجھے جو معلومات ملی ہیں اس کے مطابق کچھ دہشت گردوں نے شاپنگ سینٹر پر بڑے پیمانے پر ڈاکہ مارنے کا پروگرام بنایا تھا، وہ کسی حد تک کامیاب ہو گئے تھے لیکن بروقت ایک پولیس موبائل وہاں پہنچ گئی۔ پھر فائرنگ کے تبادلے میں چار ڈاکو کام آ گئے۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق وہ پہلے سے مطلوب مجرم کی فہرست میں شامل تھے۔''

''حقیقت سنا رہے ہو یا یہ تمہارے نئے ایس پی کی من گھڑت کہانی ہے؟''

''میں...... میں سمجھا نہیں؟'' ڈی آئی جی نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''آپ نے کیا سنا ہے؟''

''میں نے سنا ہے کہ جس وقت فائرنگ کا تبادلہ ہوا اس وقت شاپنگ سینٹر میں سراج کی الماس بیگم بھی موجود تھیں۔ دوسری اطلاع کے مطابق الماس بیگم اور ان کی کار چلانے والے ڈرائیور کو پولیس موبائل میں لوڈ کر کے تھانے بھی لے جایا گیا تھا۔ اس کے بعد تمہارے نئے ایس پی نے تھانے پہنچ

کر اپنا رنگ جمانے کی کوشش شروع کی۔'' شیخ حامد نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔''میں بھی اسی شہر میں کاروبار کرتا ہوں آغا صاحب۔ اس لیے کاروباری سینٹروں کے اتار چڑھاؤ کی خبر رکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی لیکن اب آپ نے کہا ہے تو اس کی تفتیش بھی ضرور کروں گا۔''

''نہ کرو، جب بھی میرا کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس وقت دو باتیں کہنی تھیں...... شبنم کے اغوا کو نظر انداز مت کرنا اور...... یہ بھی نہ بھولنا کہ میں کاروباری میدان کے ایک ایک چپے کی خبر رکھتا ہوں اور تمہارے ان افسروں کی بھی جو میری خاص لسٹ پر موجود ہیں۔'' سلسلہ منقطع کرنے کے بعد وہ اٹھ کا لاؤنج میں ٹہلنے لگا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی مسائل الجھ رہے تھے۔ شبنم کی بازیابی میں ناکامی، الماس کا دوبارہ ہاتھ میں آ کر نکل جانا اور...... لیاقت حسین جس نے دونوں مرتبہ الماس کے اغوا کی کوشش کو ناکام بنا دیا تھا۔ اس سے پہلے وہ میڈم روبی کے سلسلے میں بھی اس کے آڑے آ چکا تھا۔

پے در پے رونما ہونے والے حالات کی روشنی میں اب وہ لیاقت حسین کی دخل اندازی کو محض اتفاق نہیں سمجھ سکتا تھا۔

+++

حسب وعدہ شبنم کو اگلی صبح ایک موبائل فون فراہم کر دیا گیا تھا۔ اورنگ زیب کی ملاقات کے بعد سے اس کی نگرانی کرنے والے اس کے ساتھ بہت مہذب انداز میں پیش آ رہے تھے۔ موبائل مل جانے کے بعد شبنم نے فوری طور پر میڈم روبی سے بات کرنا چاہی تھی' لیکن پھر اس نے اورنگ زیب کی ہدایت پر ایسا نہیں کیا، اس نے واضح طور پر منع کیا تھا کہ میڈم کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ شبنم کہاں اور کن ہاتھوں میں ہے۔ میڈم سے بات ہوتی تو وہ شبنم کو اس کی گمشدگی کے بارے میں ضرور کریدتی۔ اس لیے بہتر تھا کہ اس سے فی الحال کوئی رابطہ نہ کیا جائے۔ میڈم کے بعد اس کے ذہن میں افضل خان کا تصور ابھرا، اس نے اورنگ زیب کو یہ بات کھل کر نہیں بتائی تھی کہ وہ افضل خان کے ساتھ نئے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے سے پیشتر ہی ایک مشترکہ لائحہ عمل طے کر چکی تھی۔ اسی خیال کے پیش نظر وہ افضل خان کے بارے میں غور کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ بگ باس کے ذہن میں شبنم کے اغوا کے بعد کچھ شبہات ضرور ابھرے ہوں گے، شبنم بگ باس کیلئے بہت کارآمد ثابت ہو رہی تھی اس لیے وہ اسے یکسر نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس ضمن میں اس نے افضل خان سے بھی باز پرس ضرور کی ہوگی، ہو سکتا ہے اسے کوئی سزا بھی دی ہو۔ اغوا کے امکانات کے کچھ خدشات کے پیش نظر ممکن ہے افضل خان کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا گیا ہو۔ خاصی دیر تک وہ مختلف زاویوں سے سوچتی رہی پھر اس نے ڈرتے ڈرتے افضل خان کے نمبر پنچ کیے۔ دوسری جانب سے چوتھی گھنٹی کے بعد کال ریسیو کی گئی۔ آواز افضل خان ہی کی تھی۔

''میں شبنم بول رہی ہوں۔ تم خیریت سے تو ہو؟''

''تم خود کہاں ہو؟'' افضل خان نے شبنم کی آواز سن کر بے چینی کا اظہار کیا۔ ''تمہیں اغوا کرنے والے کون تھے؟ کہاں رکھا گیا ہے تمہیں؟''

''مجھے ابھی تک اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔'' شبنم نے ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''انہوں نے اپنی زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں۔ فی الحال میرے ساتھ کوئی سختی بھی نہیں ہوئی۔''

''تمہارا موبائل نمبر کس طرح بدل گیا؟'' افضل کان نے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے معلوم کیا۔

''وہ...... اغوا کرنے والوں نے میری سم نکال لی ہے۔'' شبنم نے بات بتانے کی کوشش کی۔ ''میری درخواست پر نئے نمبر کی سم دی گئی ہے۔''

''اس وقت تمہارے پاس اور کون ہے؟'' افضل خان کا لہجہ محتاط ہو گیا۔
''کوئی بھی نہیں...... میں صرف تمہاری خیریت معلوم کرنا چاہتی ہوں۔'' شبنم نے کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری جانب سے سلسلہ فوراً ہی منقطع کر دیا گیا۔ اس نے فوری طور پر دوبارہ نمبر ملانے کی غلطی نہیں کی۔ اس نے سوچا، ممکن ہے کچھ لوگ افضل خان کی نگرانی کر رہے ہوں جن کے خوف سے لائن کاٹ دی گئی ہو۔ اس شبہے کے ساتھ ہی اسے اپنی جلدی بازی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ بگ باس افضل خان سے خوش نہیں تھا، اس کے اغوا کے بعد بگ باس کے کچھ کارندے افضل خان کی نگرانی پر ضرور تعینات ہوں گے۔ وہ ان ہی باتوں پر غور کر رہی تھی جب اس کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ اسکرین پر نیا نمبر دیکھ کر اس نے کال ریسیو نہ کرنے کا ارادہ کیا پھر یہ سوچ کر کہ شاید اورنگ زیب نے اسے کال کیا ہو اس نے کچھ تذبذب کے بعد موبائل آن کر لیا۔ مختصراً کہا۔
''ہیلو......''
''تم اس وقت خیریت سے تو ہو؟'' اجنبی لہجے نے سوال کیا۔
''تم کون ہو......؟'' اس نے محتاط لہجے میں دریافت کیا۔
''دوست ہی سمجھو......'' سپاٹ آواز میں جواب ملا۔ ''تمہیں کہاں رکھا گیا ہے؟ صرف اتنا بتا دو ہم تمہیں ہر قیمت پر بازیاب کر لیں گے۔''
شبنم نے لائن کاٹ دی، اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، اس کا شبہ درست ثابت ہوا۔ جو لوگ افضل خان کی خفیہ نگرانی پر تعینات تھے انہیں شاید افضل خان کے موبائل سے وہ آخری نمبر بھی ضرور مل گیا ہو گا جس پر بات کی گئی تھی اور اب وہ اس سے پتا دریافت کر رہے تھے، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی غلطی کا ازالہ کس طرح کرے۔ موبائل پر دوبارہ وائبریشن ہوئی تو اس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔ وہی نمبر دوبارہ روشن اسکرین پر چمک رہا تھا۔ اس نے ہمت کر کے موبائل آن کر لیا۔
''کون پریشان کر رہا ہے؟'' اس بار اس نے جھلا کر اپنے غصے کا اظہار کیا۔
''اب لائن ڈسکنکٹ نہ کرنا ورنہ افضل خان کی زندگی کی ضمانت بھی ختم ہو جائے گی۔'' دوسری جانب سے تنبیہی لہجے میں وارننگ دی گئی۔ ''سیدھی طرح بتا دو کہ تم کہاں ہو......''
''کوئی جواب نہ دینا...... میری......'' دوسری جانب سے افضل خان کی مدھم آواز ابھری پھر شاید جو لوگ قریب کھڑے تھے انہوں نے اسے قابو کر لیا تھا، مدھم مدھم آوازیں بھی ابھریں پھر دوبارہ سخت لہجے میں کہا گیا۔ ''ہم تین تک گنیں گے پھر تم افضل خان کے حلق سے نکلنے والی موت کی آخری کراہ بھی سن لو گی۔''
شبنم نے جواب دینے کے بجائے لائن منقطع کرنے کے ساتھ ہی موبائل بھی آف کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے پر جا کر تین بار جلدی جلدی دستک دی تو پہرا دینے والا سامنے آ گیا۔

''کیا کام ہے میڈم......؟'' اس نے شبنم کی بوکھلاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے دریافت کیا۔

''مجھے فوری طور پر اورنگ زیب صاحب کو ایک اہم پیغام دینا ہے۔ ان کا موبائل نمبر کیا ہے؟'' شبنم نے بڑی عجلت میں کہا۔ جواب میں دروازہ کھولنے والے نے اسے نمبر بتانے کے بجائے جیب سے اپنا موبائل نکال کر ایک دو بٹن دبا کر اسے شبنم کی طرف بڑھا دیا۔

''کیا بات ہے؟ اس وقت کیسے فون کیا؟'' دوسری جانب سے اورنگ زیب کی مانوس آواز ابھری۔

''میں شبنم بول رہی ہوں۔'' شبنم نے تیزی سے کہا پھر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہتی چلی گئی۔

''پریشان مت ہو......لیکن اب دوبارہ سوچ سمجھ کر ہی کسی واقف کار کو فون کرنا۔''

''وہ......وہ افضل خان کو......''

''کچھ نہیں ہوگا......'' اس کی بات کاٹ کر کہا گیا۔ ''وہ میرے ہی آدمی تھے۔''

''اوہ......'' شبنم نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ دوسری جانب سے رابطہ ختم ہوگیا تھا اس لیے اس نے موبائل واپس کیا پھر کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گئی۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اگر ایس پی اورنگ زیب نے افضل خان کی نگرانی کا خیال نہ رکھا ہوتا تو شاید وہ ایک ہم خیال ساتھی سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتی۔

+++

''کس کی کال تھی؟'' سراج نے اورنگ زیب کے چہرے کے تاثرات کو بدلتے دیکھ کر سوال کیا۔

''ایک سادہ لباس والے کا فون تھا'' اورنگ زیب نے کہا پھر کسی اور کا نمبر پنچ کرنے لگا۔ دوسری جانب سے رابطہ ہونے پر اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے وکی پینتھر سے بات کرنی ہے۔''

''بول رہا ہوں۔'' کچھ توقف سے جواب ملا۔

''تین آدمیوں کے بارے میں تم نے اب تک کچھ نہ کچھ تو معلوم کرلیا ہوگا؟''

''معاف کیجئے گا صاحب، میں آپ کی آواز نہیں پہچان سکا تھا لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''تینوں میں صرف ایک میرا پرانا واقف کار تھا۔ اس کا نام راجو ہے، اسی کی وجہ سے میں بچ گیا لیکن اب وہ میری تلاش میں ہیں۔ اس نے مجھے اپنے ساتھیوں سے بھی دور رہنے کا اشارہ دیا ہے۔''

''تمہیں یہ بات کس نے بتائی......؟''

''خود راجو نے کہا ہے صاحب۔ وہ بھی اب فرعون سے خوش نہیں ہے۔ آپ کیلئے ایک اہم اطلاع اور بھی ہے کیا آپ لیاقت حسین نامی کسی بندے سے واقف ہیں؟''

''اطلاع کیا ہے......؟'' اورنگ زیب نے کسمسا کر سوال کیا۔
''راجو کی اطلاع کے مطابق فرعون نے اس بندے کے لیے ''شوٹ ایٹ سائٹ'' کا حکم جاری کیا ہے۔''
''ایک کام کر سکتے ہو؟''
''آپ صرف حکم دیں صاحب۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔''
''راجو اور اس کے دونوں ساتھیوں کا گفٹ پیک بنا کر فرعون کے گھر کے قریب کہیں ڈال دو۔'' اورنگ زیب نے حقارت سے کہا۔
''کل تک کام ہو جائے گا صاحب...... ایک اجازت میں بھی چاہوں گا۔ کیا کسی فوری ضرورت پر میں آپ کے نمبر پر کال کر سکتا ہوں؟''
''او کے...... لیکن صرف ایمر جنسی کے موقعوں پر......'' اورنگ زیب نے رابطہ منقطع کر دیا پھر اس نے سراج کو وکی پینتھر کی تفصیل بتائی تو سراج نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
''ہمیں ہر قیمت پر لیاقت حسین کو پروٹیکشن دینا ہوگی۔ ایک صورت تو یہ ممکن ہے کہ اسے فوری طور پر خفیہ طریقے سے فرحین کے پاس بھیج دیا جائے۔''
''ایک صورت اور بھی ہے......'' اورنگ زیب معنی خیز انداز میں بولا۔ ''ہم آکٹوپس سے لیاقت حسین کے معاملے میں بارگیننگ بھی کر سکتے ہیں۔''
''میں سمجھا نہیں......؟'' سراج نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
''تمہاری وقتی بیماری کی وجہ سے میں نے تمہیں کچھ باتیں نہیں بتائی تھیں۔'' اورنگ زیب نے اسے مختصراً کنول اور شبنم کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''کنول اس وقت آکٹوپس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ سودا کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔''
''مگر آپ کیلئے خطرات بڑھ جائیں گے۔''
''خطرات سے کھیلنا ہمارے فرائض منصبی میں بھی شامل ہے۔'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''آکٹوپس کو نیچا دکھانے کی خاطر میں اسے اس قدر بے بس اور لاچار کر دوں گا کہ وہ خود اپنے آپ کو گولی مارنے پر مجبور ہو جائے گا۔''
''شبنم کے سلسلے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' سراج نے کسمسا کر سوال کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ بھی ہمارے کام آ سکتی ہے۔''
''ہاں...... یہی بات تمہاری میڈم روبی نے بھی بڑے یقین سے کہی تھی۔ میں نے شبنم کو آزمانے کی خاطر اسے آزاد کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن وہ ہماری ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہے۔''
''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیاقت حسین کو صرف گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیں۔'' سراج نے پھر لیاقت حسین کا ذکر چھیڑا تو اورنگ زیب نے پہلو بدل کر بے حد سنجیدگی سے کہا۔
''آپ کا کیا خیال ہے......؟'' جو نادیدہ قوتیں دوسروں کی خاطر لیاقت حسین کی مدد کر رہی

لی۔ کیا وہ خود لیاقت حسین کے کسی کام نہ آئیں گی؟''
''یہ پہلو ہے میرے ذہن میں لیکن کوئی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے رسک کم ہو جائے گا۔''
الماس کے آ جانے سے اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جوس کی ٹرے لے آئی تھی۔
''کیا گفتگو ہو رہی تھی جو میرے آتے ہی آپ دونوں گم صم ہو گئے؟'' الماس نے اورنگ زیب سے دریافت کیا۔
''میں سراج سے کہہ رہا تھا کہ خدانخواستہ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو ہمیں اتنی خدمت کرنے والی بھابی شاید دوبارہ نہ ملتی۔''
''پھر......'' الماس نے سراج کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ نے کیا جواب دیا؟''
''سراج کچھ نہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن آپ آ گئیں اس لیے ان کے دل کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔'' اورنگ زیب نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔
''افسر چاہے بھائی ہی ہو لیکن افسر ہی ہوتا ہے۔'' سراج نے شرارتاً کہا۔ ''مجھے بھی افسر کا کہنا تو بہر حال ماننا پڑا۔''
کچھ دیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں پھر اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''مجھے اس وقت آکٹوپس کے خلاف ایک محاذ کو مضبوط کرنے کی خاطر اس وقت کسی سے ملنا ہے۔''
''میرا خیال ہے کہ میں بھی کل ڈیوٹی جوائن کر لوں۔'' سراج نے کہا۔ ''بستر پر پڑے پڑے تو ہاتھ پیر بھی نہیں کھلیں گے۔''
''تم الماس سے مشورہ کر لو۔ جیسا یہ مشورہ دیں ویسا ہی کرو۔'' اورنگ زیب نے اس بار دوستانہ انداز میں کہا پھر بڑی محبت سے الماس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔
سراج نے الماس کو لیاقت حسین کو درپیش خطرے کے بارے میں بتایا پھر وہ سنجیدگی سے اس کے بارے میں حفاظتی تدابیر پر غور کرنے لگا۔

+++

لیاقت حسین اس وقت کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد اٹھا تھا، وہ اندر سراج کے پاس جانے کو سوچ رہا تھا جب اس کے موبائل پر گھنٹی بجی۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی تو فرحین کا نمبر دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ گاؤں جانے کے بعد سے وہ اس کی پہلی کال تھی۔ لیاقت حسین نے کئی بار اسے فون کرنے کا سوچا تھا لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا، فرحین اپنی عزیزہ کی موت کی خبر سن کر گئی تھی، اس موقع پر لیاقت حسین نے اسے خود سے کال کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ چنانچہ اس وقت

جب فرحین نے اس سے رابطہ کیا تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔

''فرحین...... جانِ جگر!'' اس نے موبائل آن کر کے بڑے پیار سے کہا۔ ''سب خیریت تو ہے؟''

''اندر گھر میں اس وقت بھی پرسہ دینے والی عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں تجھ سے بات کرنے کی خاطر موقع نکال کر باہر کنوئیں کے قریب آ گئی ہوں۔'' فرحین نے اسے اپنی مجبوری سے آگاہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تمہارے سراج صاحب کیسے ہیں؟''

''اب خطرے کی کوئی بات نہیں، ہوسکتا ہے کہ ایک دو دن میں ڈیوٹی بھی جوائن کر لیں۔ تو سنا وہاں میرے بارے میں کسی نے پوچھا تو نہیں؟''

''کیسی باتیں کر رہا ہے...... سب ہی بار بار تجھے یاد کرتے ہیں۔ اماں بھی روز تیری خیریت معلوم کرتی رہتی ہے...... البتہ بابا......''

''کیا ہوا بابا کو......؟'' لیاقت حسین باپ کے حوالے پر تڑپ اٹھا۔ ''اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''بھلا چنگا ہے لیکن کچھ پریشان پریشان رہتا ہے۔'' فرحین نے جواب دیا۔ ''میں نے اماں کو کئی بار ٹٹولنے کی کوشش کی مگر اس نے بات ٹال دی، کل رات تیری شاہ پری سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اب تو بڑی گوری چٹی ہو گئی ہے۔ شادی کے بعد بڑا رنگ روپ نکال رہی ہے۔''

''تو ابھی بابا کی بات کر رہی تھی پھر یہ شاہ پری درمیان میں کہاں سے آ گئی؟'' لیاقت حسین نے جھلا کر پوچھا۔ اسے شاہ پری سے کوئی بیر نہیں تھا لیکن اسی کی وجہ سے باپ کی حویلی چھوڑنی پڑی تھی اس لیے وہ اس کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

''شاہ پری کے نام پر مرچیں کیوں چبانے لگا؟'' فرحین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''اب تو خیر سے وہ کچھ دنوں میں ماں بھی بننے والی ہے اسی نے تو مجھے تیرے بابا کی پریشانی کی وجہ بھی بتائی ہے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اس نام کسی کو نہ معلوم ہو۔''

''کیا پریشانی ہے بابا کو......؟'' لیاقت حسین نے تڑپ کر دریافت کیا۔

''شاہ پری بتا رہی تھی کہ شہر میں کسی بڑی کاروباری پارٹی سے پانچ چھ لاکھ کی رقم کے سلسلے میں کچھ بات خراب ہو گئی ہے۔'' فرحین نے بات جاری رکھی۔ ''تیرے بابا کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے لیکن......''

''لیکن کیا......؟ تو چپ کیوں ہو گئی......؟'' لیاقت حسین نے فرحین کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ پانچ چھ لاکھ روپے کی خاطر کاروباری تعلقات متاثر ہونے کی بات پر وہ خود بھی چونکا تھا۔ اس کے ذہن میں سیٹھ عثمان کی وہ گفتگو گونجنے لگی جو اس نے اتفاقاً سن لی تھی، ماربل کے آئٹم کی سپلائی کے سلسلے میں وہ بات ابھی تک اس کے دماغ میں محفوظ تھی۔ اس نے سراج سے بھی اس سلسلے میں مدد چاہی تھی لیکن بات مکمل نہیں ہو سکی تھی، اس وقت فرحین نے وہی ذکر چھیڑا تو اس کے بے چین

ہو جانا قدرتی بات تھی۔

''مجھ سے ایک وعدہ کر لیاقت...... تو جذباتی نہیں ہوگا۔'' فرحین کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں غلط سوچ رہی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ شاہ پری کو یہ بات بھی کسی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ تو کہاں کام کر رہا ہے۔ شاید اسی لیے اس نے وہ بات میرے کان میں ڈالی ہے۔ خاص طور پر یہ بھی کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں کسی کے سامنے بھی سوچ سمجھ کر زبان کھولوں ورنہ بابا کی رازداری کا بھرم بھی ٹوٹ سکتا ہے۔'' فرحین نے دبی زبان میں بات جاری رکھی۔ ''میرا خیال ہے کہ تو معاملے کی تہ تک پہنچ گیا ہوگا۔ پر ایک بار کا دھیان رکھنا، اگر میرا نام بیچ میں آ گیا تو اماں بھی مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ شاہ پری بھی شکوہ کرے گی، اس کی بات سے اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید کاروبار والی بات بابا اور ہمارے صاحب کے بیچ ہوئی ہوگی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں، تو فکر نہ کر۔'' لیاقت حسین نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں کل کسی وقت تجھ سے بات کروں گا۔''

''اپنی بات نہیں کرے گا۔'' فرحین نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔ ''میرے بغیر تیرا گزارا کیسے ہو رہا ہے؟''

''حساب کتاب جمع کر رہا ہوں میری دلبر۔'' لیاقت حسین نے سرد آہ بھری۔ ''تو آئے گی تو سارا جمع خرچ برابر کر دوں گا۔''

''بیگم صاحب اور صاحب کیسے ہیں۔ ان سے میرا اسلام کہنا۔''

''میں ابھی تک سراج صاحب کی طرف ہوں۔ ادھر گیا تو تیرا اسلام بھی پہنچا دوں گا۔''

دوسری طرف کوئی آ گیا تھا اس لیے فرحین نے کل بات کا یاد دلا کر رابطہ منقطع کر دیا۔ لیاقت حسین کے ذہن میں پانچ لاکھ کی رقم اور سیٹھ عثمان کی فون والی گفتگو گونجنے لگی۔ اسے اس بات پر بھی تعجب تھا کہ شاہ پری کو اس بات کا علم کس طرح ہوا کہ شہر میں وہ کس کے پاس ملازم ہے؟ اس سلسلے میں اس کا شبہ گل خان کی گھر والی زرینہ کی طرف گیا جو کسی زمانے میں شاہ پری کے ساتھ ہی ایک مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنے جاتی تھی۔ بہر حال، وہ گتھی حل ہو گئی تھی جو لیاقت کے ذہن میں الجھتی جا رہی تھی۔

✣✣✣

وہ سرحدی علاقے کا کوئی سنسان و ویران پہاڑی سلسلہ تھا جہاں فلک بوس پہاڑیاں نہ جانے کب سے سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ اس وقت سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا، اس کی تپش سے پہاڑوں پر کہیں کہیں جمی برف پگھل رہی تھی۔ دور دور تک کسی انسان کا سایہ تک نظر نہیں آ رہا تھا جب سنگلاخ پہاڑ کے عمودی شکل کے تنگ غار سے ایک ہیولا نکل کر سامنے آ گیا۔ پہلی نظر میں وہ کوئی غلیظ اور جنگلی چوپایا ہی محسوس ہوا تھا لیکن غار سے کچھ دور آنے کے بعد جب وہ پیروں پر کھڑا ہوا تو اس کی شکل واضح ہو گئی۔

وہ ایک درمیانہ قد کا دبلا پتلا انسان تھا، جس کے جسم پر اس وقت میلی کچیلی لنگوٹی کے سوا کوئی لباس نہیں تھا، اس کے سر کے لمبے لمبے بال میل میں چپکے ہوئے دونوں شانوں پر بکھرے نظر آ رہے تھے۔ داڑھی جھاڑ جھنکاڑ کی طرح بڑھی ہوئی تھی۔ گرد کی تہوں نے اس کی جلد کی اصلی رنگت بھی چھپا رکھی تھی لیکن اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں جن سے وہ قرب و جوار کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ اس کی ظاہری حالت دیکھنے کے بعد ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ ایک طویل عرصہ کے بعد کھلے آسمان کے نیچے غار سے نکل آیا ہو۔ چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد اس نے سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا، اس کی خون آلود نظریں پوری طرح کھلی تھیں۔ وہ تپتے سورج کو خاصی دیر ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا پھر اس نے وحشیانہ آواز میں پوری قوت سے ''الکھ نرنجن'' کا نعرہ بلند کیا پھر ''جے بھیروی'' کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے، آنکھیں بند کر لیں۔ مدھم آواز میں کچھ بدبدانے لگا۔

اس کی جلد کی رنگت میل کچیل کے نیچے چھپ کر رہ گئی تھی؛ لیکن اس وقت وہ خود کو بے حد تر و تازہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تا دیر وہ اسی انداز میں بدبداتا رہا پھر اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں، اس کی آنکھوں میں اب سرخی کے علاوہ ایسی چمک بھی نظر آ رہی تھی جیسے اس نے کڑی آزمائشوں سے گزر کر کوئی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہو۔ وہ ان چاروں طرف پھیلی سربلند پہاڑیوں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کی نظروں میں بڑی حقیر ہوں۔ اس کے ساکت ہونٹوں پر بھی اب بڑی پراسرار اور خوفناک مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر تپتے سورج کی سمت دیکھ کر ''الکھ نرنجن اور جے بھیروی'' کے نعرے بلند کیے پھر وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا انہی پہاڑی راستوں پر چلنے لگا جہاں غار سے باہر نکلا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ راستے اس کے دیکھے بھالے ہوں۔

وہ بڑے انہماک سے بلندیوں کی طرف جا رہا تھا جب سیاہ بادلوں کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ پھر موٹی موٹی بوندیں برسنا شروع ہو گئیں۔ ان بوندوں نے اس کے میل کو اتارنا شروع کیا تو اس کی حالت عجیب ہو گئی۔ جسم پر سیاہی کے درمیان کہیں کہیں سفیدی جھلکنے لگی۔ وہ ان باتوں سے بے پروا قدم اٹھاتا رہا۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے اس کے جسم کی غلاظت کو دھوتے رہے، اس کے بدن پر جا بجا میل چھٹ جانے کے سبب جلد کی اصل رنگت ابھرتی رہی۔ وہ اپنی دھن میں مست قدم اٹھاتا ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں دو سنگلاخ چٹانوں کے بیچ ایک دراڑ نظر آ رہی تھی۔ اس نے نظریں گھما کر ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا پھر آڑا ہو کر اس دراڑ میں پھنستا پھنساتا دوسری طرف نکل گیا جہاں کچھ خورد و پہاڑی درخت بھی نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک ایسے ہی درخت کے نیچے کچھ دیر ستانے کے خیال سے چاروں خانے چت لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں موند لیں لیکن چہرے پر تھکن کے کوئی تاثرات نہیں تھے۔

بارش کچھ دیر برس چکی تو سیاہ بادلوں کا ٹکڑا فضا میں تحلیل ہو گیا۔ سورج کی تپش پتھروں کو دوبارہ گرمانے لگی لیکن وہ بہ دستور آنکھیں بند کیے دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔ تب ہی ایک

وانی آواز اس کے کانوں میں مندر کی گھنٹیوں کی طرح جھنجھناتی ہوئی ابھری...... ''مہاراج کب تک سوئے رہو گے......؟''

چٹان پر لیٹے ہوئے شخص نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے قریب ہی ایک سندری بیٹھی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی، اس نے جو ساری باندھ رکھی تھی وہ بھیگ کر اس کے جسم کے نشیب وفراز سے لپٹ گئی تھی، باریک کپڑے سے اس کا گندمی جسم آنکھ مچولی کر رہا تھا، اس کے سینے پر ایک تنگ انگیہ تھی۔ ننگے بازو اور عریاں شکم نے اس کی جوانی کو اور بھرپور بنا دیا تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی ڈوری سجائے وہ چٹان پر دراز شخص کو بڑے پریم اور خمار آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سراپا حسن و جمال تھی، ایسی جوالامکھی جو کھیت کو کھلیان بنانے اور آبادی کو ویران بنانے کی قوت رکھتی تھی۔ اس وقت اس بے ہنگم لنگوٹی باندھے شخص کو بڑی عقیدت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی رس چھلکاتی نظروں میں پیار ہی پیار بھرا تھا۔ اس کی گنگناتی آواز سن کر چٹان پر لیٹے ہوئے شخص نے آنکھیں کھول دیں۔

''تو......کون ہے تو......؟'' اس نے حقارت سے خوبرو اور نیم عریاں لڑکی کو سر سے پاؤں تک گھورا۔

''میں تمہاری داسی، تمہاری کیول، تمہاری پجارن ہوں مہاراج۔'' وہ ہاتھ باندھ کر بولی۔ ''دیوی کی آگیا یہی ہے کہ میں تمہارے چرنوں میں رہوں۔ تمہاری سیوا کروں، تم کو جیون میں کبھی نراش نہ کروں......تمہارا من بہلاؤں۔''

''کس دیوی کی بات کر رہی ہے......؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے تیور اب بھی بدلے ہوئے تھے۔

''مہاراج......'' پجاری نے ہاتھ باندھ کر معصومیت سے سوال کیا۔ ''کیا تمہارا شبھ نام پرتاب بھوش نہیں ہے؟''

''تیرا کیا نام ہے؟''

''داسی کو مدھو کہتے ہیں۔'' وہ لجا کر بولی تو اور سندر لگنے لگی۔

''کس دیوی نے تجھے...... مجھے دان کیا ہے؟'' پرتاب نے مدھو کو بڑے دھیان سے دیکھا۔

''کالی دیوی نے مہاراج......''

''مدھو کے مطلب جانتی ہے؟'' کالی کا سن کر پرتاب نے مدھو کے چھلکتے جسم کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔

''جانتی ہوں مہاراج......'' مدھو کا روپ اس جواب کے ساتھ ہی اور نکھرا تھا۔ وہ کھسک کر پرتاب کے اور قریب آگئی۔

''میرے بارے میں کیا بتایا ہے مہان دیوی نے......؟''

''تم نے دیوی کے کارن جو جاپ کیا تھا اس میں تم سپھل ہو گئے ہو۔ تمہاری شکتی اب اپرم پار

ہوگئی ہے۔''

پرتاب نے اپنے میلے کچیلے ہاتھ بڑھا کر مدھو کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کے بالوں کو چومتے ہوئے بولا۔ ''جانتی ہے میں نے یہ جاپ کس کارن کیا تھا؟''

''دیوی کی کرپا ہے مہاراج۔'' مدھو نے پرتاب کے غلیظ سینے سے اپنے گال رگڑتے ہوئے کہا۔ ''ایک دشت ہے جو بار بار تمہارا راستہ کاٹ رہا تھا۔ اسی مورکھ نے تمہارے لیموں والے کالے منتر کا توڑ کیا تھا اور......'' مدھو کچھ کہتے کہتے رک گئی تو پرتاب نے اس کے مخملی بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اس کا چہرہ اپنے سامنے کرلیا۔

اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔ ''تو......تو چپ کیوں ہوگئی؟'' یہ کہتے کہتے رک گئی؟''

''مم...... میں نہیں مہاراج۔'' وہ تلملا کر معصومیت سے بولی۔ ''دیوی نے کہا تھا کہ وہ مسلا بھی کسی شکتی کے بل پر تمہارے آڑے آگیا تھا۔''

''اب اس کی شکتی اس کے کسی کام نہیں آئے گی۔'' پرتاب سینہ ٹھونک کر بولا۔ ''مجھ سے نظریں چار کرے گا تو اس کی میا مرجائے گی۔ جلا کر بھسم کردوں گا اس نیچ ذات کو...... دیوی کی دان کی ہوئی شکتی بھی میری سہائتا کرے گی۔''

''بھوش میں کیا لکھا ہے؟ میں نہیں جانتی مہاراج پرنتو اتنا اوش سمجھتی ہوں کہ جسے دیوی کا آشیر باد پراپت ہوجائے وہ امر ہوجاتا ہے۔'' مدھو نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ پھر دوبارہ پرتاب کی چھاتی پر سر رکھ کر کسمسانے لگی۔ اس کی خود سپردگی کا انداز بھی بڑا جنونی تھا۔ شاید دیوی کی آگیا کا پالن کرنے کی خاطر وہ مست ہورہی تھی ورنہ بھول کر بھی اس گند سے لتھڑے پرتاب کے قریب جانا بھی گوارا نہ کرتی۔

''کیا تو دیکھ سکتی ہے کہ اس سمے وہ مسلا کہاں ہے؟'' پرتاب نے مدھو کے کول گالوں کو چومتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں مہاراج...... میں کیول ایک پجارن ہوں۔'' مدھو نے مدھ برساتی نظروں سے پرتاب کو دیکھا۔ ''تم مجھے اپنے چرنوں میں سوئیکار کرلو۔ یہ بھی میرے لیے بڑے مان کی بات ہو گی...... دیوی کی بھی یہی آگیا ہے۔''

''تو کیا اس مسلے کو اپنی سندرتا کے جال میں پھانسنے کی خاطر کوئی روپ بھی نہیں بدل سکتی؟'' پرتاب نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''روپ اوش بدل سکتی ہوں مہاراج اپنے تن کی اگنی سے پگھلا بھی سکتی ہوں لیکن کوئی سراپ (سزا) نہیں دے سکتی۔''

''میرے لیے یہی کافی ہے۔'' پرتاب کے غلیظ ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی، خلاؤں میں جھانکتا ہوا بولا۔ ''میں نے یہی کہا تھا کہ ایک نہ ایک دن اس کے پاؤں اوش رپٹ جائیں گے پھر

جو شکتی اس کی پچھاڑی پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے وہ بھی روٹھ جائے گی۔ اس دن وجے (جیت) میری ہوگی۔"

"مہاراج......" مدھو نے پرتاب کے گلے میں بانہیں ڈال کر مچلتے ہوئے کہا۔ "تم جاپ کے منتر پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوگے مہاراج...... کچھ دیر سستا لو، میں اپنے شریر کی گرمی سے تمہیں تھپک تھپک کر سلا دوں گی۔ آنکھیں موند کر مدھو کی چھاتی پر سر رکھ کر کچھ دیر آرام کر لو۔ مجھے بھی اپنی سیوا کا موقع دو مہاراج...... تمہاری سیوا کرنے سے میری بھگتی بھی ہو جائے گی۔"

مدھو کی گرم گرم سانسیں، اس کے کومل شریر کی چھیڑ چھاڑ پرتاب کو لبھا رہی تھیں۔ گرما رہی تھیں...... وہ کچھ دیر اس کے ساتھ دھینگا مشتی کرتا رہا پھر تھک ہار کر دہکتے الاؤ میں گم ہوتا چلا گیا۔

+++

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

سیٹھ رستم علی اس وقت بہت خوش تھا۔ دو منٹ پیشتر اسے جس نئے ٹینڈر کی منظوری کی اطلاع ملی تھی وہ اس کی توقع کے خلاف ہی تھی، اسے اس بات کی حیرت بھی تھی کہ وہ ٹینڈر حامد ایسوسی ایٹس کے بجائے اس کی فرم کو کس طرح مل گیا جبکہ شیخ حامد نے اس کے مقابلے پر کم بولی لگائی تھی۔ ٹینڈر کی منظوری کے سلسلے میں دو فریقین کے درمیان دو پیسے کا فرق بھی مجموعی طور پر لاکھوں میں ہوتا ہے۔ یہ بات ٹینڈر پاس کرنے والی اتھارٹی کو بھی معلوم تھی کہ شیخ حامد نے پانچ سے کم کا ٹینڈر بھرا تھا اس لیے اصولی طور پر ٹینڈر کے حکم نامے کو پڑھ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ رستم علی نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

''مجھے یقین ہے کہ اس وقت تم ٹینڈر اپنے نام منظور ہونے کی خوشی میں مگن ہو گے؟''

''کون بول رہا ہے......؟'' رستم علی نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے......؟'' اس کے سوال کو نظر انداز کر کے کہا گیا۔ ''کیا تم اس کام کو مکمل کر سکو گے؟''

''نہ کر سکا تو ضمانت کی جمع شدہ رقم بھی ڈوب جائے گی۔'' رستم علی نے کسمسا کر کہا۔ ''یہ بات تمام کاروباری پارٹیوں کے علم میں ہے۔''

''آدھا کام مکمل ہونے کے بعد اگر کوئی حادثہ قدرتی طور پر رونما ہو جائے تو منافع کے بجائے تمہیں خسارہ بھی ہو سکتا ہے اس بارے میں بھی ابھی سے غور کر لینا۔''

''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور فون کرنے کا کیا مقصد ہے لیکن اگر تم اندر کے کوئی آدمی ہو تو یہ بات تمہیں بھی معلوم ہو گی کہ ٹینڈر میں جو رقم میں نے بھری تھی وہ کسی دوسری پارٹی سے پانچ پیسے زیادہ تھی۔'' رستم علی نے وضاحت کر کے اپنی پوزیشن صاف کرنی چاہی۔

''ہم اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جانتے ہیں سیٹھ۔'' اس بار بھی خشک اور سرد لہجے میں جواب ملا۔ ''ٹینڈر پاس کرنا متعلقہ محکمے کے اختیار کی بات ہے جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا...... عام طور سے اس رعایت کا اختیار استعمال نہیں کیا جاتا مگر...... متعلقہ افسر کی جیب خاص میں کوئی وزنی لفافہ پہنچ جائے تو پھر......''

''فضول بات مت کرو۔'' ستم علی جھلا گیا۔ ''ہمارا تعلق جس کمیونٹی سے ہے وہ رشوت کا کاروبار کبھی نہیں کرتی۔''

''وقت کے ساتھ ساتھ ہوا بھی رخ بدل دیتی ہے۔ کسی بڑی رقم کی خاطر تو انسان......''

''مطلب کی بات کرو......'' رستم علی تلملا کر بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا چاہتے ہو اور کون ہو......؟''

''تمہیں دو باتیں یاد دلانا چاہتا ہوں......'' دوسری جانب سے بولنے والا بھڑک اٹھا۔ ''پچھلی بار میں نے تمہارے جوان بیٹے اور خوب صورت بہو کا حوالہ دیا تھا تو تم نے کہا تھا کہ جب انسان مرنے اور مارنے کی ٹھان لے تو وہ اپنے ساتھ دوسرے کو بھی ختم کر دینے سے دریغ نہیں کرتا۔''

''تم شاید نشے میں ہو......؟'' رستم علی تلملا اٹھا۔ ''تم نے غالباً نشے میں دھت ہو کر کچھ فرضی باتیں سوچ لی ہیں۔ جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں نے دارا اور روشا کو بھی درمیان میں لانے کی غلطی نہیں کی۔''

دوسری طرف سے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا گیا، رستم علی فون رکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دوسری طرف سے معنی خیز لہجے میں کہا گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس روز تمہارے کمرے سے تمہارے بیٹے نے کال ریسیو کی ہوگی۔ اتفاق ہے کہ میں اس وقت دونوں آوازوں کے فرق کو نہیں محسوس کر سکا تھا۔ تم نے اپنی پوزیشن واضح کر دی سیٹھ۔ اب تمہارے جوان بیٹے ہی کو آخری فیصلہ کرنا پڑے گا...... بائی......''

رستم علی جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلسلہ منقطع کر دیا گیا جس کے بعد رستم کا سکون بھی ٹینڈر ملنے کی خوشی کے ساتھ ہی ضائع ہو گیا۔ بات کی تہ تک پہنچنے کے بعد اس نے جھپٹ کر انٹرکام اٹھا لیا اور دارا کے نمبر پر انگلی جما دی۔

''یس ڈیڈ......'' دوسری جانب سے دارا کی آواز ابھری۔

''میرے آفس میں آؤ...... اٹ از ارجنٹ......'' رستم علی نے اپنی بات مکمل کر کے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والے تفکرات لحہ بہ لحہ گہرے ہو رہے تھے۔ فون کرنے والے کے آخری جملوں نے اس کا سکون غارت کر دیا تھا۔ دو منٹ بعد دارا کمرے میں داخل ہوا تو اس نے بھی باپ کی کیفیت کو محسوس کر لیا۔ میز پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا بات ہے ڈیڈ۔ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟''

رستم علی نے خود کو سنبھالتے ہوئے بیٹے سے پوچھا۔ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ نئی کالونی کی شاہراہ اور اس کے اندرونی راستوں کی تعمیر کا ٹینڈر ہماری فرم کو مل گیا ہے......؟''

''اوہ نو......'' دارا نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''اٹ از اے گریٹ نیوز فاری۔''

''میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اتنے بڑے پروجیکٹ کے لیے ہمیں کچھ نیا اسٹاف بھی......''

''یو ڈونٹ وری ڈیڈ......'' دارا نے پرجوش انداز میں کہا۔ ''میں سارا انتظام کر لوں گا۔ جو ورکنگ پیپر تیار کیا گیا تھا اس کی روشنی میں اس پروجیکٹ کی کامیاب تکمیل کے بعد ہمیں کروڑوں کا

منافع ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک اہم بات اور بھی ہے۔'' دارا نے پہلو بدل کر قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہمیں یہ ٹینڈر حامد ایسوسی ایٹس کے مقابلے پر ملا ہے۔ اس لیے میں اسے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کرنے پر بے حد خوش ہوں۔''

''اسی چیلنج کی خوشی میں ایک آخری فیصلہ میں نے بھی کیا ہے۔'' سیٹھ رستم علی نے دارا کو سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم روشنا کو لے کر فوری طور پر لندن چلے جاؤ۔''

''لیکن......''

''پوری بات سنے بغیر درمیان میں بولنا کاروباری اصول کے خلاف ہے۔'' رستم علی نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ''لندن آفس کے کچھ معاملات الجھ گئے ہیں۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کا وہاں ہونا ضروری ہے۔''

''آئی سی۔'' دارا نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ ''ایک مشورہ میں بھی دوں گا۔''

''کہو......''

''آپ کی طبیعت پچھلے دنوں خراب تھی۔ ماں کو بھی اسی کی پریشانی تھی، ایسی صورت میں اگر آپ ماں کو لے کر چلے جائیں تو یہ تبدیلی آپ دونوں کی صحت کے لیے زیادہ مفید ہوگی۔''

''تم میری فکر مت کرو۔ میں اب بالکل نارمل ہوں۔''

''سوری ڈیڈ......'' دارا نے کسمسا کر قدرے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''کچھ معاملات ایسے ہیں کہ وقتی طور پر میں بھی دو چار مہینے تک باہر نہیں جا سکتا۔''

''کوئی خاص وجہ......؟'' رستم علی نے بیٹے کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''کچھ ذاتی معاملات ہیں۔''

''ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے نہیں بتا سکتے؟''

''مم...... میں، ان باتوں کو زبان پر نہیں لانا چاہتا۔''

''روشنا کا کوئی معاملہ ہے؟''

''نہیں......''

''پھر......اور کیا مجبوری ہے؟''

''سوری ڈیڈ......'' دارا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''کچھ ایسی ہی بات ہے کہ میں آپ اور ماں کو چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتا۔''

رستم علی نے دارا کا جواب سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ کچھ دیر وہ دارا کے چہرے پر نظر جمائے بیٹھے رہے پھر سنبھل کر سنجیدگی سے کہا۔ ''کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں بھی تمہارے ساتھ ڈسکس نہیں کروں گا لیکن تمہارے نہ جانے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ میں ٹینڈر کی آفر سے ایک ہفتے کے اندر اندر اس پر عمل کرنے سے معذوری کا اظہار کر دوں جیسا کہ میرے اختیار میں ہے۔''

''لیکن آپ ایسا......''

''ضروری نہیں کہ میں تمہاری کسی بات کا جواب دوں.....'' رستم علی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''آئی۔ سی.....'' دارا نے کسمسا کر زبان کھولنے کی کوشش کی۔ ''ڈیڈ۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری آفر کے مقابلے میں حامد ایسوسی ایٹس کی آفر پانچ پیسے کم تھی۔ اصولی طور پر ٹینڈر بھی اسی پارٹی کے حق میں کھلنا چاہیے تھے لیکن......میں نے ذاتی کوشش کر کے ایسا نہیں ہونے دیا۔ اب اگر ہم پیچھے ہٹے تو دوسری پارٹی اسے ہماری بزدلی ہی کہے گی۔''

بیٹے کا جواب سننے کے بعد رستم علی کیلئے آخری نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا..... کچھ دیر قبل فون کرنے والے کا آخری جملہ رستم علی کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہا۔ دارا کے جواب نے یہ معما بھی حل کر دیا تھا کہ دو روز قبل اسی نے کال کرنے والے سے بات کی ہوگی۔

''ڈیڈ......'' دارا نے باپ کے ذہن میں ہونے والی کشمکش کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ ''اگر میری کسی بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہو تو آئی ایم سوری لیکن میرا خیال ہے کہ ایک شخص کی خاموشی کسی دوسرے شخص کو بہت ساری غلط فہمیوں کا شکار کر دیتی ہے اور.....''

اسی وقت انٹر کام کا بزر بولا تو سیٹھ رستم علی نے ریسیور اٹھا کر بیزاری سے کہا۔

''میں اس وقت مصروف ہوں، مجھے دوبارہ ڈسٹرب.....''

''سر.....'' آفس سیکرٹری نے رستم علی کا جملہ مکمل ہونے سے پیشتر تیزی سے کہا۔ ''ایس پی مسٹر اورنگ زیب میرے آفس میں موجود ہیں۔ وہ آپ سے فوری ملنا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے..... دو منٹ بعد انہیں میرے کمرے میں بھیج دینا.....'' سیٹھ رستم علی نے پرخیال انداز میں کہا پھر دارا کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تم اپنے آفس میں جاؤ..... کوئی پولیس ایس پی کسی کام کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آیا ہے۔''

دارا نے باپ سے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنا ارادہ ترک کر کے اٹھا اور خاموشی سے چلا گیا۔
دو منٹ بعد ہی ایس پی اورنگ زیب سادہ لباس میں رستم علی کے سامنے موجود تھا۔ رسمی جملوں کے بعد اورنگ زیب نے محتاط انداز میں اصل مقصد پر گفتگو شروع کی۔

''میں یہاں ایک خاص مقصد کے لیے آیا ہوں۔ یہ بھی بتا دوں کہ فی الحال یہ دوستانہ اور قطعی نجی ملاقات ہے جو آپ کے تعاون نہ کرنے کے بعد سرکاری صورت بھی اختیار کر سکتی ہے۔''

''آفیسر، میں آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے پر آمادہ ہوں لیکن قبل از وقت کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔'' رستم علی نے اپنی حیثیت کے مدنظر کھل کر جواب دیا۔ ''اس لیے کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بہت زیادہ پرسنل ہوتی ہیں۔ شاید آپ بھی اپنی کسی پرسنل بات کو ظاہر کرنا پسند نہیں کریں گے۔''

''میں آپ سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے بہ دستور سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ ''میں جس مقصد کے پیش نظر اس وقت آپ کے پاس آیا ہوں وہ یقیناً آپ کا بالکل پرسنل

معاملہ ہے لیکن اس کی نوعیت اس روز سے آفیشل صورت اختیار کر چکی ہے جس روز اسپتال سے واپسی کے وقت مجھ کو اور میرے ایک ساتھی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کو...... ایک دھماکے کے ذریعے ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔"

اورنگ زیب کو اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی۔ اسپتال کا نام درمیان میں آنے کے بعد رستم علی کے چہرے پر نظر آنے والی وقتی سکون بھی اندرونی ہلچل بن کر ظاہر ہونا شروع ہو گیا...... اورنگ زیب نے لوہا گرم دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔ "مسٹر رستم علی۔ آپ اسپتال کے ٹرسٹی بھی ہیں۔ بڑے ڈاکٹر نے آپ کو غالباً ہمارے وہاں وزٹ کرنے کے بارے میں ضرور آگاہ کیا ہوگا ہمیں آپ کی حیثیت اور شرافت کا خیال نہ ہوتا تو ہم آپ کی ملازمہ گلابو سے مل کر اس کا بیان بھی ریکارڈ کر سکتے تھے۔"

رستم علی گم صم بیٹھا اورنگ زیب کو کچھ دیر دیکھتا رہا پھر تھکے تھکے انداز میں بولا۔

"آپ کیا جاننا چاہتے ہیں آفیسر؟"

"گلابو پر گولی کس نے چلائی تھی؟ میں اس کا نام جاننا پسند کروں گا۔"

"اس کا نام خود مجھے بھی نہیں معلوم۔" رستم علی نے کسمسا کر جواب دیا۔ "وہ میرے لیے بھی اجنبی ہی تھا۔"

"میری ذاتی معلومات کی روشنی میں آپ نے اپنے تحفظ کیلئے گارڈز کا ایک دستہ بھی تعینات کر رکھا ہے۔ پھر مجرم کس طرح ان سب کو ڈاج دے کر آپ کی خواب گاہ تک پہنچ گیا اور...... ملازمہ گلابو اس وقت آپ کی خواب گاہ میں کیا کر رہی تھی؟"

رستم علی نے دبی زبان میں حادثے کی مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "گولی چلانے والا میرے ایک گارڈ کو بے ہوش کر کے اس کی وردی پہن کر بنگلے کے عقبی راستے سے داخل ہوا پھر...... اس نے میری خواب گاہ تک پہنچنے کی خاطر گلابو کو ڈرا دھمکا کر اپنے اشاروں پر چلنے کیلئے مجبور کر دیا تھا...... میری وائف نے گلابو کی آواز سننے کے بعد ہی بیڈروم کا دروازہ کھولا تھا۔ اس وقت میں سو رہا تھا۔ میری مسز نے مجھے بعد میں آواز دے کر بیدار کیا تھا۔"

"آئی سی...... لیکن آنے والے نے جو یقیناً کسی خاص مقصد کے بغیر نہ آیا ہوگا، اس نے گلابو کو کیوں زخمی کیا؟"

"وہ...... وہ...... دراصل وہ خوف زدہ کرنے کا ایک نفسیاتی حربہ تھا۔"

"پھر......" اورنگ زیب نے رستم علی کی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے دوستانہ لہجے میں دریافت کیا۔ "گارڈ کے لباس میں آنے والا یقیناً کوئی عادی اور پیشہ ور مجرم رہا ہوگا۔ وہ آپ سے کیا چاہتا تھا؟"

"وہ...... وہ...... وہ جس مقصد سے آیا تھا اس کے پورا ہونے کے بعد ہی اس نے مجھے اور میری وائف کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔"

''آپ نے اس کی باقاعدہ رپورٹ ملحقہ تھانے میں کیوں نہیں کی؟''

''اپنی عزت...... شہرت اور بدنامی کے ڈر سے۔'' رستم علی نے کسی ہارے ہوئے جواری کے انداز میں مدھم آواز میں جواب دیا۔ ''اس رات کو کچھ ہوا اس کی اطلاع میرے بیٹے اور بہو کو بھی نہیں ہے...... میں نے جان بوجھ کر انہیں کچھ نہیں بتایا اس لیے کہ جوان خون جلدی اشتعال میں آ جاتا ہے۔ بات پھیلتی یا طول اختیار کرتی تو مجرم جوابی کارروائی بھی کر سکتا تھا۔''

''میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے بہ دستور نرم انداز میں سوال کیا۔ ''مجرم یا مجرموں نے آپ سے کتنی رقم اینٹھ لی۔ میرا ذاتی اندازہ ایک کروڑ سے کم بھی نہیں ہے اور...... کیا آپ اتنی بڑی رقم نقدی کی صورت میں گھر میں رکھتے ہیں؟''

''پلیز مسٹر اورنگ زیب۔'' اس بار رستم علی نے ہاتھ جوڑ لیے۔ ''میں آپ سے ذاتی درخواست کروں گا کہ جو بات جہاں دفن ہو گئی ہے اسے وہیں تک دفن رہنے دیں زیادہ نہ کریدیں۔ پلیز۔''

''مجھے شرمندہ نہ کریں رستم علی صاحب۔'' اورنگ زیب نے اسے تسلی دی۔ ''میں آپ سے پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں کہ تعاون کرنے کی صورت میں بات صرف میری ذات تک محدود رہے گی۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ بس ایک آخری سوال اشارے کی صورت میں اور کروں گا اس کے بعد آپ کا قیمتی وقت برباد نہیں کروں گا۔''

رستم علی نے جواب دینے کے بجائے حسرت بھری نظروں سے اورنگ زیب کو دیکھا۔ اورنگ زیب نے پہلو بدل کر ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''اس شہر میں میرا ذاتی دشمن بھی صرف ایک ہے...... شیخ حامد، جسے میں آکٹوپس کے نام سے یاد کرتا ہوں۔ اسی نے سیٹھ عثمان جیسے شریف کاروباری انسان کو بھی اپنے معاملے میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مجرم جو آپ کی خواب گاہ تک پہنچا گیا تھا...... کیا وہ اسی آکٹوپس کے اشارے پر نہیں چل رہا تھا؟''

سیٹھ رستم نے جواب میں نظریں جھکا لیں تو اورنگ زیب نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ جانے کے ارادے سے اٹھ کر بڑی ٹھوس آواز میں بولا۔ ''اس پر میرے وہ نمبر بھی درج ہیں جس پر آپ کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ جاتے جاتے یہ بھی عرض کر دوں کہ اب آپ کی حفاظت کی ذمے داری بھی ایک واقف کار کی حیثیت سے مجھ پر فرض ہو گی۔''

سیٹھ رستم نے جواب میں کچھ نہیں کہا، خاموشی سے اورنگ زیب کو رخصت کرنے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن اس کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ اورنگ زیب کی شخصیت سے نہ صرف متاثر ہوا تھا بلکہ اس کا احسان مند بھی تھا اورنگ زیب نے رخصتی مصافحہ گرم جوشی سے کیا پھر کچھ سوچ کر دبی زبان میں بولا۔ ''آپ کو میرا ذاتی مشورہ ہے کہ ان معاملات سے دارا کو بالکل ہی الگ رکھیں تو مناسب ہو گا۔''

''بہت بہت شکریہ مسٹر اورنگ زیب لیکن اس وقت آپ نے مجھے خدمت کا کوئی موقع نہیں

دیا۔ کم از کم چائے ہی......''

''ڈیو رہی......کبھی موقع ملا تو ڈنر بھی آپ کے ساتھ ضرور کروں گا۔'' اورنگ زیب نے دوبارہ رستم علی کا ہاتھ گرم جوشی سے دبایا پھر پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

+++

لیاقت حسین کے ذہن میں فرحین کی موبائل پر کی ہوئی باتیں اس وقت بھی ہلچل مچا رہی تھیں۔ کل تک وہ شاہ پری کے نام سے الجھتا تھا۔ اسی سے شادی نہ کرنے کے سبب اسے باپ کی شفقت اور اپنی حویلی سے محروم ہونا پڑا تھا لیکن آج اسی شاہ پری کی وجہ سے پانچ لاکھ کی رقم کا وہ معما حل ہو گیا تھا جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ فرحین نے کہا تھا ''بابا کے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہے لیکن اسے دوسرے کی غلطی کی وجہ سے اپنی کاروباری ساکھ خراب ہو جانے کا غم ضرور لاحق ہے۔''

''لیاقت حسین باپ کی اس مشکل کو حل کرنے کا متمنی تھا۔ اس نے ابھی تک سیٹھ عثمان کو اپنے والد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ اپنی اصلیت اور حیثیت کا اظہار کر کے وہ باپ کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سیٹھ عثمان بھی ملازمت دیتے وقت ضرور سوال کرتے کہ جب وہ اتنے بڑے باپ کا بیٹا ہے تو اسے ملازمت کی کیا ضرورت ہے؟ ویسے بھی وہ اپنا مستقبل بنانے کی خاطر خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلا تھا لیکن اس وقت وہی ایک خاموشی اس کے لیے سوہان روح بن گئی تھی۔

لیاقت حسین کو یقین تھا کہ اپنی موجودہ حیثیت میں اگر وہ سیٹھ عثمان کو حقیقت سے آگاہ کر دیتا تو اس کے باپ اور عثمان کے درمیان پیدا ہونے والی ایک غلط فہمی دور ہو سکتی تھی لیکن وہ اس کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سراج کا وسیلہ بھی اس کے کام آ سکتا تھا' مگر اسے یہ بھی منظور نہیں تھا۔ وہ کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا جس سے اس کے باپ اور سیٹھ عثمان کے درمیان پیدا ہونے والی وقتی بدمزگی بھی دور ہو جائے اور اس کی انا کو کوئی ٹھیس بھی نہ پہنچے۔

فرحین نے گفتگو کے دوران اس شبہے کا اظہار بھی کیا تھا کہ شاید شاہ پری کو کسی طرح اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ لیاقت حسین کہاں ملازمت کر رہا ہے لیکن اس نے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا......لیاقت حسین کے ذہن میں اس صورت حال کو حل کرنے کے مختلف طریقے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ جب اس کے ذہن میں ایک مانوس آواز ابھری جو کسی غیر کی نہیں اس کی اپنی ہی آواز تھی۔

''کب تک عقلی گھوڑے دوڑاتے رہو گے؟ صورت حال نے جو پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے اسے حل کرنا تمہارے لیے جوئے شیر لانے سے کم بھی نہیں ہے۔''

''میں نے کبھی مایوس ہونا نہیں سیکھا......'' لیاقت حسین نے دل ہی دل میں اپنے ہمزاد سے کہا۔ ''انسان اگر ہمت سے کام لے۔ خدا پر بھروسا رکھے تو وہ ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔''

''یہ بات ہے تو پھر پریشان کیوں ہو رہے ہو؟......سب کچھ اسی پر چھوڑ دو۔ اب تک جو ہوتا رہا وہ بھی اسی خدا کو منظور تھا۔ آئندہ جو ہوگا وہ بھی اسی کی مرضی کے عین مطابق ہوگا۔''

''جانتا ہوں لیکن ...... انسان کو اس کی مرضی کے پیش نظر سوچنے اور سمجھنے کا اختیار بھی ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے بھی مسئلے حل نہیں ہوتے۔''

''کل کیا ہوگا......؟ کیا ہونے والا ہے یہ تم نہیں جانتے۔ میں بھی ایک حد تک تمہیں چونکا سکتا ہوں۔ زبان کھولنے کا اختیار میرے پاس بھی نہیں ہے۔''

''ہاں...... میں نے پڑھا ہے کہ ہمزاد انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ مر بھی جاتا ہے مگر...... میں عام کتابی باتوں پر ایمان نہیں رکھتا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب من گھڑت باتیں اور فرسودہ کہانیاں ہوں۔ جو صورت حال میرے ساتھ پیش آتی رہی ہے میں اس سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔''

''پھر......؟ تم اس وقت کس سے باتیں کر رہے ہو؟''

''میں اسے دل و دماغ کی جنگ اور کشمکش کا نام دوں گا۔''

''اور وہ باتیں جو حادثاتی طور پر تمہارے ساتھ پیش آچکی ہیں لیکن بعد میں دوسروں کی تصدیق کے باوجود تمہیں یاد نہیں آتیں، ان کے بارے میں کیا کہو گے۔''

''میں اسے غیبی امداد کہوں گا۔ اس کا ذکر مقدس کتابوں میں بھی ہے اور جب اللہ کی مدد شامل حال ہو تو ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔''

''اس معاملے میں' میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا بہر حال، دو باتوں کا خیال رکھنا۔ جو خطرات انسان کو درپیش ہوں اس کی حفاظت بھی خداوند کریم کے اختیار میں ہے۔ آنے والے دنوں میں تمہاری کوئی آزمائش بھی ہوسکتی ہے۔ ذہن اور آنکھوں کو کھلا رکھنا۔''

''تم کن باتوں کی نشاندہی کر رہے ہو؟'' لیاقت حسین نے دوبارہ اس جملے کو دل ہی دل میں دہرایا مگر اسے کوئی جواب نہیں ملا پھر...... اندر سے سراج کا بلاوہ آگیا۔ وہ ملازم کے ساتھ اندر چلا گیا۔ سراج کو ایزی چیئر پر بیٹھا دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

''بیٹھو لیاقت حسین۔'' سراج نے اسے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت مجھے تم سے ایک اہم اور ضروری بات کرنی ہے۔''

''آپ کی کوئی بات یا حکم میرے لیے غیر اہم نہیں ہوتا۔''

''ایس پی صاحب کو اطلاع ملی ہے کہ ہمارے کچھ مشترکہ دشمن تمہیں بھی نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے تم بغیر میری اجازت کے کہیں جانے کی غلطی نہ کرنا۔''

''آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے صاحب......؟'' لیاقت حسین نے دبی زبان میں پوچھا۔

''دشمن کبھی تنہا نہیں ہوتا......'' سراج نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''کبھی وہ خود پردے میں رہتا ہے اس کے پروردہ جرائم پیشہ اس کے اشاروں پر عمل کرتے ہیں اس لیے ہر حال میں احتیاط شرط ہے۔''

''میں خیال رکھوں گا......'' لیاقت نے بات جاری رکھی ہے۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اب آپ کی

طبیعت بہتر ہے۔''

''ہاں......کل سے میں ڈیوٹی بھی جوائن کرلوں گا۔''

سراج سے بات کرنے کے بعد لیاقت حسین دوبارہ باہر آ گیا۔ کچھ دیر قبل بھی اسے ذہن اور آنکھ کھلی رکھنے کا مشورہ ملا تھا لیکن موت اور زندگی کے بارے میں اس کا اعتقاد تھا کہ خدا نے جو وقت تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ اٹل ہوتا ہے۔ انسان کی تمام احتیاطی تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

لیاقت حسین کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ اس کے ذہن میں پھر فرمین کی فون پر فراہم کردہ اطلاع چکرانے لگی، وہ آنکھیں بند کر کے سیٹھ عثمان اور اپنے باپ کے درمیان پیدا ہونے والی گھٹن ختم کرانے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ذہن میں پریشان خیالوں کی یلغار شروع ہوئی تو اس کی آنکھ کچھ دیر کو لگ گئی۔ اس کا بوجھل ذہن نیند کے عالم میں بھی کام کرتا رہا پھر...... وہ ایک آخری نتیجہ اخذ کرنے کے بعد دوبارہ اٹھا...... اس نے طے کرلیا تھا کہ ذاتی طور پر سیٹھ عثمان سے مل کر وہ اپنے باپ کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کرے گا۔ خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔

اپنے ارادے پر عمل کرنے کے آخری فیصلے کے بعد اس نے سراج کی طرف سے ملنے والی ہدایت کو بھی یکسر فراموش کردیا۔ وہ قدم اٹھاتا سراج کی کوٹھی سے باہر نکلا۔ ایک ٹیکسی پکڑ کر سیٹھ عثمان کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ ان سے ملاقات کرنے میں بھی اسے انتظار کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ اسے فوراً اندر طلب کرلیا گیا۔ سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم دونوں لاؤنج میں موجود تھے۔

''کیسے ہو لیاقت حسین!'' راحیلہ بیگم نے بڑے خلوص اور اپنائیت سے پوچھا۔

''مالک کا کرم اور آپ لوگوں کی دعاؤں سے خیریت سے ہوں۔''

''اس وقت کیسے آنا ہوا......؟'' سیٹھ عثمان نے سوال کیا۔ ''سراج کی طرف تو سب خیریت ہے؟''

''سب ٹھیک ہے صاحب......سراج صاحب کل سے ڈیوٹی پر بھی جائیں گے۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا پھر کچھ توقف سے بولا۔ ''صاحب، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے؟''

''صاحب...... وہ...... دراصل میں نے ملازمت کے بعد سے اب تک آپ کو اپنے والد کے بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن اب......'' لیاقت حسین جھجکا تو راحیلہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔

''آج تمہیں اس بات کا خیال کس طرح آ گیا؟ صاحب نے تو تم سے کئی بار پوچھا تھا۔''

''اب میں چاہتا ہوں کہ صاحب کا دل والد صاحب کی طرف سے صاف ہوجائے۔'' لیاقت حسین نے کہا پھر نظریں جھکا کر ایک ہی سانس میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو اس کے دل پر ایک بوجھ بنا ہوا تھا۔

''اوہ......'' سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو بہت غور سے دیکھا پھر کچھ تامل سے بولے۔ ''مجھے

یہ جان کر خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ تم سردار فراز خان کے بیٹے ہو۔ اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں تم کو یقیناً کسی بہتر اور مناسب ملازمت کی آفر کرتا۔ اب بھی وقت نہیں گزرا، میں تمہارے لیے.....''

''آپ نے جو احسان کیے ہیں صاحب، وہی بہت ہیں۔'' لیاقت حسین کی آواز رندھ گئی۔

''آپ بس اتنا احسان کریں کہ والد صاحب کی جانب سے جو سامان پہنچنے میں دیر ہوئی اسے درگزر کر دیں اور...... ایک درخواست اور بھی کروں گا.....'' لیاقت حسین نے عاجزی کا اظہار کیا۔ ''والد صاحب کو یہ نہ معلوم ہونے دیں کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں..... انہیں میرے بارے میں جان کر زیادہ دکھ ہوگا۔''

''یہ سب کچھ سوچنا اب میرا کام ہے۔'' سیٹھ عثمان نے اٹھ کر لیاقت حسین کے دونوں شانوں پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اس بات کا یقین بھی کر لو کہ اب میرا دل تمہارے والد کی طرف سے شیشے کی طرح صاف ہو گیا ہے۔''

''شکریہ صاحب.....'' لیاقت حسین کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمکنے لگے۔

''ایک بات میری بھی سن لو.....'' راحیلہ بیگم نے شوہر کی دیکھا دیکھی بڑے پیار سے کہا۔ ''ہم سے بھی اب تک اگر کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اسے.....''

''میں ہاتھ جوڑتا ہے بیگم صاحب..... اس سے آگے کچھ مت کہیے گا۔'' لیاقت حسین نے پھر عاجزی کا اظہار کیا۔

''ایک شرط پر.....'' سیٹھ عثمان نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر کہا۔ ''تمہیں پہلے کی طرح اب بھی ہماری کسی بات ماننے سے انکار نہیں ہوگا۔''

''آپ حکم دیں..... میں انکار کی گستاخی نہیں کروں گا۔''

لیاقت حسین کو خوشی تھی کہ وہ اپنے والد کی پوزیشن صاف کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ سیٹھ عثمان نے اس سے ہر بات ماننے کا اقرار کرا لیا تھا لیکن کوئی بات نہیں بتائی تھی۔ راحیلہ بیگم کے بے حد اصرار پر اس روز لیاقت حسین کو سب کے ہمراہ ایک ہی میز پر بیٹھ کر ناشتا کرنا پڑا۔ ناشتے کے دوران وہ زیادہ تر خاموش ہی رہا پھر واپس جانے لگا تو سیٹھ عثمان نے سوال کیا۔

''تم کس گاڑی پر آئے تھے؟''

''میں ٹیکسی پر آیا تھا صاحب.....''

''بہرحال، اب تمہیں میرا ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔'' راحیلہ بیگم نے شوہر کا مقصد سمجھ کر کہا تو لیاقت حسین انکار نہ کر سکا۔ خلاف توقع تو وہ اس وقت محتاط نظر آ رہا تھا۔ گفتگو کے دوران بھی اس نے خود کو لیے دیے رکھا تھا۔ سیٹھ عثمان اسے باہر تک رخصت کرنے آئے تھے۔

راستے میں راحیلہ بیگم کے ڈرائیور نے اس کے ساتھ کھل کر گفتگو کرنی چاہی لیکن خلاف توقع لیاقت حسین صرف ہوں، ہاں میں جواب دیتا رہا۔ گاڑی اس وقت بڑے چوک سے گزر کر ایک قدرے ویران راستے کی طرف گھومی تھی جب لیاقت حسین نے راحیلہ بیگم کے ڈرائیور سے دبی زبان

میں سوال کیا۔

''تمہارے پاس اسلحہ نام کی کوئی چیز ہے؟''

''نہیں لیاقت بھائی...... ہم ڈرائیوروں کا اسلحہ سے بھلا کیا کام۔''

''اگر کوئی آڑا وقت ناگہانی آجائے تو کیا کرو گے؟''

''اتنا بزدل اور ڈرپوک بھی نہیں ہوں۔'' اس نے لیاقت حسین کو سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''خالی ہاتھ سے بھی کم از کم دو تین کو تو پچھاڑ سکتا ہوں لیکن آپ نے اس وقت یہ ذکر کیوں چھیڑ دیا؟''

''برا وقت دعوت نامہ دے کر نہیں آتا۔'' لیاقت حسین بہ دستور سنجیدگی سے بولا پھر عقبی شیشے پر نظر ڈال کر کہا۔ ''ہمارے پیچھے جو سفید کار اور وین آرہی ہیں ان سے محتاط رہنا۔''

''میں سمجھا نہیں......'' اس نے لیاقت حسین کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''گاڑی تیزی سے آگے بڑھا کر داہنی جانب بڑی عمارت کے پاس روک لو......''

راحیلہ بیگم کا ڈرائیور مزید کوئی سوال کرنا چاہتا تھا جب یکے بعد دیگرے دو دھماکے ہوئے پھر اس نے اگر اسٹیئرنگ کنٹرول نہ کیا ہوتا تو وہ یقیناً کسی حادثے کا شکار ہو جاتا، کسی ماہر نشانہ باز نے سائلنسر لگے اسلحہ سے فائر کر کے گاڑی کے پچھلے دونوں ٹائر ناکارہ کر دیئے تھے۔ لیاقت حسین پوری طرح محتاط تھا۔ وہ اپنا پستول نکالتا ہوا اپنی سمت کا دروازہ کھول کر بڑی احتیاط سے روڈ پر ایک ہاتھ کے بل گرا پھر خود کو حیرت انگیز طور پر رول کرتا ہوا سڑک کے کنارے نئی تعمیر ہونے والی تجارتی عمارت تک پہنچ گیا۔ پیچھے آنے والی کار اور وین کچھ اور قریب آکر روک دی گئیں۔ کئی گولیاں چلائی گئیں لیکن کارگر نہیں ہوئیں۔

عمارت کے قریب پہنچ کر لیاقت حسین نے ایک چوڑے پلر کی آڑ لے لی، اس نے سڑک کی دوسری جانب دیکھا، راحیلہ بیگم کا ڈرائیور کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

''تم ہماری نظروں میں ہو لیاقت حسین!'' کار کے اندر سے کسی ہینڈ کنٹرول مائیک کے ذریعے کہا گیا۔ ''ہم تمہیں مارنا چاہیں تو ایک دستی بم بھی استعمال کر سکتے ہیں جو تمہارے جسم کو دھجیوں میں تبدیل کر دے گا۔''

لیاقت حسین نے جواب دینے کے بجائے پھرتی سے پستول والا ہاتھ باہر نکال کر یکے بعد دیگر فائر کیے۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوا۔ کار کے اگلے دونوں ٹائر بھی دھماکوں سے پھٹ گئے۔ وین کار کی پشت پر کھڑی تھی۔ دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔ لیاقت حسین محفوظ پوزیشن لیے اس کی نقل وحرکت دیکھ رہا تھا، کار کا انجن شاید بند نہیں کیا گیا تھا۔ لیاقت حسین نے اسے ڈگمگاتے ہوئے قریبی عمارت کی طرف بڑھتے دیکھا۔ شاید اس میں جو مجرم موجود تھے وہ بھی کسی محفوظ پوزیشن کی تلاش میں تھے۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا، عمارت کے قریب جا کر کار روک دی گئی پھر اس کے دونوں دروازے پوری طرح کھول دیئے گئے۔ لیاقت کی گرفت پستول پر مضبوط تھی اس کی انگلی ٹریگر پر جمی ہوئی اور نظریں کار پر مرکوز تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ کار کے اندر سے جو لوگ باہر نکل کر پوزیشن لینے

کی کوشش کریں گے وہ انہیں ایک ایک کر کے جہنم رسید کر دے گا لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ کار سے کسی کے باہر نکلنے سے پیشتر ہی وین اس کے سامنے لا کر روک دی گئی۔ لیاقت حسین نے وین پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ وہ بڑی تیزی سے پستول کے میگزین بدل رہا تھا لیکن اس عرصے میں کار والے نیچے اتر کر پوزیشن سنبھال چکے تھے۔ وین شاید بلٹ پروف تھی جو اس کی باڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لیکن لیاقت حسین نے پہلی فرصت میں اس کے دو ٹائر بھی ناکارہ کر دیئے۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فائرنگ کی پے در پے آوازوں سے علاقے کا سکون بھی برباد ہو گیا تھا۔ بے شمار لوگ دونوں جانب تجارتی اور رہائشی عمارتوں سے اس ہنگامے کی نوعیت سمجھنے کی خاطر تاکا جھانکی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیاقت حسین نے کار کے سامنے وین آ جانے سے پیشتر بڑی دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنی پوزیشن تبدیل کر لی تھی۔ اس کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔ خوف یا پریشانی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ پانچ منٹ خاموشی رہی پھر لیاقت حسین کو دوسری جانب سے للکار کر کہا گیا۔

''تم چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہو لیاقت حسین۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی گولی مار دی جائے لیکن ہم تمہیں زندہ گرفتار کر کے لے جائیں گے۔''

''اتنا دم خم ہے تو بزدلوں کی طرح آڑ میں کیوں چھپے ہو...... زنخوں کا لبادہ اتار کر مردوں کی طرح سامنے آ جاؤ پھر آج یہ فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ کون مرد ہے اور کون نامرد......''

''پہلے تم اس کا ثبوت دو۔ پھر ہم بھی تمہاری بات ماننے سے انکار نہیں کریں گے۔'' دوسری آواز لیاقت حسین کے بائیں جانب والی عمارت سے سنائی دی۔ مطلب صاف ظاہر تھا، انہوں نے اب ایک نہیں کئی مورچے بنا رکھے تھے۔ شاید وہ ہر قیمت پر اسے زندہ گرفتار کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ لیاقت حسین کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی پراسرار مسکراہٹ ابھری، وہ پستول نیچے کر کے سامنے آنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن اسی لمحے ایک نئی صورت حال نے اسے پریشان کر دیا...... وہ راحیلہ بیگم کا ڈرائیور تھا جسے دشمن کے دو آدمی گھسیٹتے ہوئے سامنے لے آئے، ایک نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ رکھے تھے، دوسرے کے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر جمی ہوئی تھی۔

''اب کیا ارادہ ہے لیاقت حسین؟'' ریوالور والے نے للکارا۔ ''کیا تم اپنے ساتھی کی لاش دیکھنا پسند کرو گے۔ ہم صرف تین تک گنیں گے پھر اس کا بھیجا کھوپڑی سے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دیں گے۔''

لیاقت حسین کے چہرے پر اس وقت بھی ایک پراسرار اور انجانی مسکراہٹ ابھری لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پستول لیے سینہ تانے سامنے آ گیا، وہ بالکل نارمل ہی نظر آ رہا تھا، اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس کے سامنے آتے ہی تین اطراف سے تین اور نقاب پوش خود کار جدید قسم کی رائفلیں لیے سامنے آ گئے۔ ایک نے لیاقت حسین سے دو قدم کے فاصلے پر رک کر اس کا

مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

''ہمیں تمہاری مردانگی پسند آئی لیاقت حسین۔تم نے اپنی زندگی بچانے کی خاطر ہمارے قربانی کے جانور کی زندگی بھی داؤ پر لگا دی۔''

''کیا مطلب؟......'' لیاقت حسین کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔''کیا تم اپنا وعدہ پورا نہیں کرو گے؟''

''محبت اور جنگ کے کھیل میں سب کچھ جائز ہوتا ہے جان من......'' اسے مخاطب کرنے والا مسکرایا۔''ہم اتنے نادان بھی نہیں ہیں کہ تمہارے ساتھی کو چھوڑ کر اپنے خلاف کوئی مصیبت کھڑی کر لیں۔''

''لیاقت بھائی......'' راحیلہ بیگم کے ڈرائیور نے مردہ سی آواز میں کہا۔''مجھے مر جانے دیا ہوتا......تم نکل جاتے۔''

''فکر مت کرو میرے دوست......لیاقت اگر زندہ واپس لوٹا تو تم بھی اس کے ساتھ ہو گے ورنہ جو اوپر والے کو منظور ہو۔''

''ہم تمہیں سیاست دانوں کی تقریر کرنے کا موقع بھی دیں گے لیکن کسی بند کمرے کے اجلاس میں۔'' دوسرے رائفل والے نے لیاقت حسین کی پشت پر رائفل کی نالی اس کی پسلیوں پر اڑاتے ہوئے کہا۔''فی الحال اچھے بچوں کی طرح خاموشی سے ہمارے ساتھ چل کر وین میں بیٹھ جاؤ۔اسی میں تمہاری زندگی کی ضمانت بھی ہے۔''

لیاقت حسین نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر اس نے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے شروع کر دیے۔وین کے دونوں ناکارہ وہیل تبدیل کیے جا رہے تھے۔راحیلہ بیگم کا ڈرائیور بڑی اذیت میں نظر آ رہا تھا۔لیاقت حسین کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔سڑک پر دونوں جانب اب دور دور کچھ تماش بین بھی جمع ہو گئے تھے۔لیاقت حسین کا پستول ہاتھ سے جھپٹ لیے جانے کے بعد دو اور نقاب پوش بھی سامنے آ گئے،بہ ظاہر ان کی کل تعداد سات نظر آ رہی تھی۔ممکن ہے کچھ ادھر ادھر روپوش بھی ہوں۔البتہ وین اور کار کے ڈرائیور دور کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔

''اتنی جلدی تمہاری نانی مر گئی کیا جو ٹھمک ٹھمک کر چل رہے ہو۔'' پشت پر موجود رائفل بردار نے لیاقت حسین کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔''ابھی تو تم مردوں والی بات کر رہے تھے،اب حاملہ عورتوں کی رفتار قدم اٹھا رہے ہو۔''

لیاقت حسین کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم تھم گئے پھر یوں لگا جیسے اچانک بجلی سی کوند گئی ہو، لیاقت حسین نے قدم جما کر فضا میں سمر سالٹ کیا اور برق رفتاری سے پیچھے والے کی رائفل اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کی پشت پر چلا گیا۔یہ سارا کارنامہ اس نے فضا میں اچھلنے کے بعد ہی انجام دیا تھا جس کی توقع باقی چار رائفل برداروں کو بھی نہیں تھی۔مارشل آرٹ کا ایسا ناقابل یقین مظاہرہ انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا،پھر اس سے پیشتر کہ وہ سچویشن کو سمجھتے یا اور کوئی جوابی کارروائی کرتے،

پانچ میں سے چار موت کی نیند سو گئے۔ سرسراتی ہوئی گولیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا تھا پھر لیاقت حسین کی گرجدار آواز ابھری جو ایک ہاتھ سے رائفل کو پوری قوت سے تھامے ہوئے تھے، دوسرے ہاتھ کے حلقے میں اس نے پانچویں نقاب پوش کی گردن کو اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

''اپنا اسلحہ زمین پر پھینک کر مردہ جانوروں کی طرح زمین پر لیٹ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی خطرناک ہی ہوگا۔'' لیاقت حسین نے ریوالور والوں سے کہا۔

''ہم تمہارے ساتھی کو گولی مار...... رر...... رر...... دے.....'' راحیلہ بیگم کے ڈرائیور کو کور کیے ہوئے نقاب پوش نے بازی پلٹنی چاہی لیکن لیاقت حسین کی رائفل سے دو فائر اور ہوئے اور ان دونوں کی پیشانی سے بھی خون کا فوارہ ابل پڑا۔ جملہ پورا کیے بغیر ہی وہ کسی درخت سے کٹی ہوئی شاخ کی طرح سڑک پر ڈھیر ہو گئے۔ صورتحال کی نزاکت دیکھ کر وین کے سامنے موجود دونوں ڈرائیور اوندھے منہ سڑک پر لیٹ گئے، زندگی بچانے کا وہی سب سے محفوظ طریقہ بھی تھا۔

فضا میں موت کی چیخوں کے ساتھ بارود کی بو پھیلی تو ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ جس شخص کو لیاقت حسین نے الٹے ہاتھ کے حلقے میں جکڑ رکھا تھا وہ بھی گڑگڑانے لگا۔

''مجھ...... مجھے نہ مارنا، م...... میں تمہیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا۔''

جواب میں لیاقت حسین نے اسے جھٹک کر سڑک پر گرایا پھر اس کی سیدھی ٹانگ فضا میں لہرائی تو سڑک پر گرنے والے کے سامنے کے تین دانت بھی پلک جھپکنے میں غائب ہو گئے۔ اس کے منہ سے خون بھل بھل ابلنے لگا۔ کرب میں ڈوبی چیخ کی آوازیں بھی بلند ہونے لگیں۔

لل...... لل...... لیاقت بھائی۔'' راحیلہ بیگم کے ڈرائیور نے تیزی سے لیاقت حسین کے قریب آتے ہوئے پھولی پھولی سانسوں کے درمیان کہا۔ ''اب یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہو نکل چلو...... پولیس آ گئی تو تھانے کچہری کے چکر بھی شروع ہو جائیں گے۔''

''تم صاحب کی گاڑی یہیں چھوڑ کر واپس نکل جاؤ۔'' لیاقت حسین نے ٹھوس اور سرد آواز میں کہا۔ ''اپنی زبان نہ کھولنا ورنہ تم بھی پولیس اور عدالت کے رگڑے میں آ جاؤ گے...... جیسا تمہارے صاحب کہیں ویسا ہی کرنا۔''

''اور آپ......''

''وقت مت برباد کرو...... جاؤ۔'' لیاقت حسین نے دوسری بار بھی تحکمانہ انداز اختیار کیا تو سہما ہوا ڈرائیور روز دیدہ نظروں سے سڑک پر بکھری ہوئی لاشوں پر نظر ڈالتا ہوا واپسی کیلئے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

لیاقت حسین نے ایک طویل سانس لی پھر وہ جیب سے موبائل نکال کر سراج کے بجائے ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ملانے لگا۔

⁂

افضل خان اس وقت ہوٹل کے کمرے کو اندر سے لاک کیے بیٹھا تھا جب شبنم کی کال موصول ہوئی۔ نئے نمبر دیکھ کر وہ جھجکا۔ کال ریسیو کرنے کے بعد وہ چونکا بھی تھا، شبنم نے اس کے دریافت کرنے پر ہی بتایا تھا کہ اسے اغوا کرنے والوں نے پرانی سم اپنے قبضے میں لے کر اسے نئی سم دے دی ہے۔ یہ بات افضل خان کو ہضم نہیں ہوسکی۔ وہ شبنم کو کرید کر اصلی صورت حال معلوم کرنا چاہ رہا تھا جب دو آدمیوں نے اچانک اسے پیچھے سے دبوچ کر موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا پھر ان میں سے ایک نے بات کرنے کی کوشش کی...... لیکن دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا اس نے دوبارہ آنے والے نمبروں کو ملا کر بات کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی وارننگ دی تھی کہ اگر زبان نہ کھولی تو وہ افضل خان کو دوسری دنیا میں پہنچا دیں گے۔ اس موقعے پر افضل خان نے جان پر کھیل کر بلند آواز میں شبنم کو زبان کھولنے سے منع کیا تھا۔ وہ جن حالات سے دوچار تھا ان میں اسے زندگی کی امید بھی بہت کم تھی۔ جن لوگوں نے اسلحے کے زور پر شبنم کو اغوا کیا تھا وہ اسے بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کر سکتے تھے۔ پہلے ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ اسے اس بات پر بھی حیرت رہی تھی۔ بگ باس نے فوری طور پر اپارٹمنٹ سے چلے جانے کا حکم کیوں دیا تھا؟ یہ بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس وقت بھی دو آدمیوں کا دروازہ کھول کر اچانک اندر آجانا اس کے لیے حیرت انگیز ہی تھا۔ شاید ان کے پاس ماسٹر کی یا پھر ڈپلی کیٹ موجود ہو۔ وہ بہر حال شبنم کو زبان بند رکھنے کی ہدایت کر چکا تھا اس لیے کہ شبنم ہی نے اسے خودکشی سے روک کر ایک بار پھر قسمت آزمانے کا موقع فراہم کیا تھا۔

اچانک اندر آنے والے گھٹے ہوئے اور ٹھوس جسموں کے مالک تھے، ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ کسی قسم کے بھی مقابلے سے فوری نمٹنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ افضل خان ان دونوں کو نگاہوں نگاہوں میں تول رہا تھا، جب قدرے دراز قدرے نے اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم اس وقت کس لڑکی سے بات کر رہے تھے......؟''

''سوری......'' افضل خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''میں اس سلسلے میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا۔''

''کیا یہ آخری فیصلہ ہے......؟''

''ہاں...... کم از کم اس وقت تک جب تک تم اپنا تعارف نہیں کراؤ گے۔''

''تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟''

''تمہیں میری نگرانی پر تعینات کیا گیا ہے۔ کس نے کیا ہے؟ یہ تم بتاؤ گے۔'' افضل خان نے شانے اچکا کر خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''ہم تمہاری زبان بھی کھلوا سکتے ہیں۔'' دوسرے نے کرخت لہجے میں کہا۔

''یہ تمہارے اختیارات کی بات ہے۔''

''تمہیں اپارٹمنٹ سے ہوٹل شفٹ ہونے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟'' پہلے نے سوال کیا۔

''جب تمہیں میری نقل وحرکت پر مامور کیا گیا ہے تو اس کا جواب بھی تمہیں معلوم ہوگا۔''
''ہمارے ذہن میں صرف ایک نام محفوظ ہے...... شیخ حامد۔'' اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔
''اب تمہارا کیا جواب ہوگا۔''
''یہ بات بیشتر لوگوں کے علم میں ہے کہ میں شیخ حامد ہی کے دفتر سے تعلق رکھتا ہوں۔''
''ہوں نہیں...... تھا، کہو۔'' دوسرے کے لہجے میں تلخی اتر آئی۔
''جب تمہیں تفصیل معلوم ہے تو پھر وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔'' افضل خان نے بہ دستور محتاط انداز میں جواب دیا۔
''کیا تمہیں علم ہے کہ تمہاری ساتھی لڑکی کو کن لوگوں نے اور کس مقصد سے اغوا کیا ہے؟''
''اس کا علم بھی تم دونوں کو بہتر ہوگا۔''

افضل خان کا جواب سن کر دوسرا آدمی آگے بڑھا تھا لیکن اس کے ساتھی نے اسے روک دیا۔
''اتنی جلد بازی نہ کرو...... میں اوپر سے معلوم کرتا ہوں کہ اس کی زبان کھلوانے کی خاطر کون سا نسخہ زیادہ کارآمد ہوگا۔'' پھر اس نے موبائل نکال کر کسی کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے افضل خان کو حقارت سے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ ''یہ شخص ہمارے سوالات کے شرافت سے جواب دینے کے موڈ میں نہیں ہے۔ کیا سلوک کیا جائے......؟'' ہم نے کوشش کی تھی لیکن اس نے بلند آواز میں لڑکی کو زبان بند رکھنے کی تاکید کر دی تھی...... بہ ظاہر ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے لیکن یقین سے نہیں کہا جا سکتا...... ٹھیک ہے، ہم اس کو تنبیہ کر دیتے ہیں لیکن اس نے عمل نہ کیا تو؟...... او کے۔'' فون کرنے والے نے موبائل آف کر کے افضل خان کو سخت لہجے میں مخاطب کیا۔
''فی الحال تمہاری جان بچ گئی ہے لیکن ہم بہت زیادہ ڈھیل دینے کے اصول کے بھی خلاف ہیں...... تمہیں ہمارے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھنی ہوگی...... اوپر سے فوری طور پر یہی حکم ملا ہے۔''
''زبان بند رکھنے سے تمہاری کیا مراد ہے......؟'' افضل کان نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوال کیا۔
''ہم اس وقت جا رہے ہیں لیکن تم سے بہت زیادہ دور بھی نہیں رہیں گے، ہمارے جانے کے بعد اگر کوئی آئے تو اس سے ہمارے بارے میں کچھ نہیں کہو گے۔''
''تم شاید میرے ساتھ چوہے اور بلی والا کھیل کھیل رہے ہو؟'' افضل خان مسکرایا۔ ''جب میں تمہارے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں تو......''
''بکواس مت کرو......'' دوسرے کے تیور پھر خراب ہونے لگے۔ ''جتنا کہا جا رہا ہے صرف اسی کو کان کھول کر سن لو۔''

اس بار افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دونوں اسے کچھ دیر گھورنے کے بعد واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد افضل خان نے دوبارہ کمرے کو اندر سے لاک کیا۔ اس کا ذہن ان دونوں کے بارے میں کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس کو موبائل پر سگنل ملا، کمرے سے جاتے وقت اس کا موبائل اسے واپس کر دیا گیا تھا جس پر اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

سگنل ملنے کے بعد اس نے موبائل پر روشن نمبروں کو غور سے دیکھا، وہ اس کے جانے پہچانے نہیں تھے۔ ''شاید اب اسے دوسری طرح آزمانے کی کوشش کی جارہی تھی۔'' یہ سوچ کر اس نے لائن کاٹ دی لیکن ایک منٹ بعد ہی دوبارہ کال کی گئی، اس بار بھی وہی نمبر اسکرین پر نظر آرہے تھے۔ افضل خان نے کچھ لمحے سوچ کر موبائل آن کر کے کانوں سے لگالیا۔

''ہیلو......'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تم نے پہلی کال کیوں کاٹ دی تھی؟ کیا اس وقت بھی کوئی کمرے میں موجود تھا؟''

''تم کون بول رہے ہو......؟'' اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہارے لیے ڈبل بی کا ڈیفرنس ہی کافی ہوگا......'' دوسری جانب سے مختصراً کہا گیا۔ ''میں اسی کا نمائندہ بول رہا ہوں۔''

''کیا جاننا چاہتے ہو......؟''

''کچھ دیر قبل تمہارے کمرے میں جو دو آدمی آئے تھے وہ کون تھے......؟''

''تمہاری طرح میں ان سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہوں...... ممکن ہے انہیں بھی میری نگرانی پر تعینات کیا گیا ہو۔'' افضل خان نے گول مول جواب دیا۔

''چند مخصوص حالات میں مجھے بلیک ٹائیگر کا حوالہ استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے...... اب کیا کہو گے؟''

افضل خان، بلیک ٹائیگر کے حوالے پر چونکا۔ اس نے یکلخت سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے۔ ''اب میں تم سے کھل کر بات کر سکتا ہوں۔ وہ دونوں کون تھے؟ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ایجنسی کے سادہ لباس والے ہوں۔''

''ہمارے دشمنوں کی بھی کوئی چال ہوسکتی ہے...... تمہاری ان سے کیا بات ہوئی تھی؟''

''وہ شبنم کے بارے میں میری زبان کھلوانا چاہتے تھے لیکن میں نے زبان نہیں کھولی۔ وہ دوبارہ آنے کو کہہ گئے ہیں۔'' افضل خان نے دیدہ دانستہ شبنم کی طرف سے کی جانی والی کال کا تذکرہ کیے بغیر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''کسی سرغنہ کی ہدایت کی روشنی میں وہ میرا موبائل واپس کر کے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے بھی یہ تاکید کی ہے کہ میں ان کا تذکرہ بھی کسی اور سے نہ کروں۔''

''اوہ...... ایسی صورت میں تم میری کال ختم ہوتے ہی اس کال کے تمام کوائف ڈیلیٹ کر دینا......'' سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''ان کو فی الحال ٹالنے کی کوشش کرو، میں ایک دو روز میں ان کا کھوج بھی نکال لوں گا۔''

پھر اس سے پیشتر کہ افضل خان کوئی اور بات کرتا کال منقطع کر دی گئی، اس نے ہدایت کے عین مطابق پہلی فرصت میں اس کال کے تمام کوائف ڈیلیٹ کرنے میں بھی خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

+++

ایس پی اورنگ زیب کے موقع واردات پر پہنچنے کے بعد ملحقہ تھانے کا عملہ اور پولیس فورس کی کچھ اور گاڑیاں بھی پہنچ گئیں۔ اورنگ زیب کی ہدایت پر سڑک پر دونوں سمت پولیس تعینات کر کے راستے بلاک کر دیے گئے۔ علاقے کے لوگوں نے بھی قانون نافذ کرنے والے مختلف اداروں کو فون پر اس خونی ٹکراؤ کی اطلاع دی تھی' جس میں سات آٹھ انسانی قتل کی کہانی بھی سنائی گئی تھی۔

سچویشن کو کنٹرول کرنے کے بعد اورنگ زیب نے سب سے پیشتر لیاقت حسین کا ہاتھ تھام کر اپنی گاڑی میں بٹھایا' پھر علاقہ پولیس کے انسپکٹر کو ایک طرف کھڑے ہو کر کارروائی کے مختلف پہلوؤں پر بریفنگ دینے لگا۔

''جس بندے کو میں نے اپنی گاڑی میں بٹھایا ہے' وہ میرا ذاتی واقف کار ہے۔ حادثے کی اطلاع اسی نے مجھے دی تھی' میں نہیں چاہتا کہ اس کا نام کسی بھی طرح درمیان میں آئے ورنہ کچھ جانے پہچانے مجرم بھی چوکنا ہو جائیں گے۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو بھی کسی نامعلوم فرد کی طرف سے فون کر کے اطلاع ملی تھی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں سر......'' انسپکٹر نے کہا۔ ''سب کچھ آپ کی ہدایت کی روشنی میں ہوگا۔''

''جو لاشیں بکھری پڑی ہیں وہ یقیناً پولیس کو مطلوبہ مجرموں کی ہوں گی' جن کو ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔''

''سر......کیا آپ کو اس قسم کے کسی مقابلے کی توقع پہلے سے تھی؟''

''یس......اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس واردات کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے۔'' اورنگ زیب نے سرد لہجے میں اعتراف کیا۔ ''جو آدمی میرے ساتھ جائے گا وہ اسی کے جان کے دشمن تھے۔''

''ایسی صورت میں تو میرا خیال ہے کہ آپ اگر اس کا تحریری بیان لے لیں تو......''

''نہیں......فی الحال میں اس کا نام کسی صورت درمیان میں نہیں لانا چاہتا۔''

''نہیں آئے گا سر......لیکن جن لوگوں نے یہ قاتلانہ ڈراما اسٹیج کیا ہے وہ تو جانتے ہوں گے؟''

''ہاں......اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں ان کو آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' اورنگ زیب نے قدرے کرخت لہجے میں جواب دیا پھر کچھ توقف سے بولا۔

''کوشش کیجیے گا کہ میڈم کے لوگ بھی مرنے والوں کی تصاویر نہ بنا سکیں۔''

''او کے سر...... میں اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔''

''آپ ضروری کارروائی کے بعد لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دیں...... مجھے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ' آپ کی تمام کاغذی کارروائی کی رپورٹ کل تک یقینی طور پر درکار ہوگی...... ممکن ہو تو مرنے والوں کی ہسٹری بھی معلوم کر کے اپنی رپورٹ کے ساتھ مجھے پہنچا دیں' اس کے بعد ہی میں آپ کو کسی جوابی کارروائی کے لیے مزید ضروری گائیڈ لائن دے سکوں گا۔''

''سر......'' انسپکٹر نے اورنگ زیب کی بات پوری طرح سمجھنے کے بعد دبی زبان میں کہا۔ ''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس مجرم کو بھی فوری طور پر حراست میں لے لیں جو اس حادثے کا ذمے دار ہے۔''

''آپ کا مشورہ قانون کے عین مطابق ہے لیکن......'' اورنگ زیب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''اس کو حراست میں لینے کا خواب ابھی ہمارے اعلیٰ افسران اور عہدیدار بھی نہیں دیکھ سکتے۔''

''آئی۔سی۔'' انسپکٹر نے حیرت کا اظہار کیا پھر وہ ضروری کارروائی میں مصروف ہو گیا۔

لیاقت حسین نے حملہ کرنے والے جس نقاب پوش کو زندہ چھوڑ دیا تھا وہ مردوں سے بھی بدتر حالت سے دوچار تھا۔ سب سے پہلے اس کی تصاویر لی گئیں' پھر اورنگ زیب نے ایک سب انسپکٹر کو قریب بلا کر ہدایت دی۔ ''اسے ایمبولینس میں ڈال کر تھانے پہنچا دیں' میں بھی ادھر آ رہا ہوں۔''

''جو حکم سر......''

''انسپکٹر سے کہہ دیں کہ اس زخمی کا شمار بھی قبل از وقت قریب المرگ لوگوں میں لکھ لیں۔'' اورنگ زیب نے زخمی کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ حضرات کارروائی جاری رکھیے' میں آدھے گھنٹے بعد تھانے پہنچ جاؤں گا۔ کوئی ضروری مشورہ یا گائیڈ لائن درکار ہو تو موبائل پر رابطہ کر لیں۔''

''رائٹ سر......''

ماتحتوں کو ضروری ہدایتیں دینے کے بعد وہ اپنی گاڑی کی سمت گھوما تو اس کی نظر سیٹھ عثمان کی گاڑی پر پڑی' ایک لمحے کو اس نے رک کر کچھ سوچا پھر سب انسپکٹر کو دوبارہ قریب بلا کر کہا۔ ''آپ کو ایک زحمت اور دے رہا ہوں۔'' اس نے مطلوبہ کار کی جانب اشارہ کیا۔ ''اس کو کسی طرح ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی قیام گاہ تک پہنچا دیں' اس کا حوالہ بھی درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔''

سب انسپکٹر سے فارغ ہو کر وہ اپنی گاڑی میں آ گیا۔ لیاقت حسین اگلی نشست پر گم صم بیٹھا باہر کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ اورنگ زیب نے گاڑی اسٹارٹ کر کے واپسی کے لیے موڑ دی۔ موقع واردات سے کچھ دور آنے کے بعد اس نے لیاقت حسین کو بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

''تم کس سوچ میں گم ہو؟''

''میں گھر پر لیٹا ایک ذاتی مسئلے پر غور کر رہا تھا صاحب پھر...... آپ کے ساتھ اس وقت گاڑی میں کس طرح آ گیا؟''

لیاقت حسین کے چہرے سے عیاں الجھن اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ غلط بھی نہیں ہے۔ اورنگ زیب اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا' عام حالات میں شاید وہ لیاقت حسین کے جواب کو تسلیم نہ کرتا' مگر سراج بھی اسے بتا چکا تھا کہ کوئی روحانی قوت ایسی ہے جو لیاقت حسین کی رہنمائی کرتی ہے' وہ اس قوت کے تحت جو عمل کرتا ہے اس کے مکمل ہو جانے کے بعد گزری ہوئی باتیں اس کے ذہن سے محو ہو جاتی ہیں' جس کا اثر وہ ذاتی طور پر لے کر الجھتا رہتا ہے۔ سراج نے اورنگ زیب سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ لیاقت حسین کو اس مسئلے پر زیادہ نہ کریدے چنانچہ اس وقت بھی اورنگ زیب نے لیاقت حسین کے جواب پر کسی ردعمل کا اظہار کرنے کے بجائے دوستانہ انداز میں کہا۔

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا مگر...... تم شاید ابھی تک اپنے ذاتی مسئلے پر غور کرنے میں مصروف ہو؟''

''صاحب...... آپ مجھے تسلی تو نہیں دے رہے ہیں؟'' لیاقت حسین نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آ رہا ہے کہ میں غلط بیانی کر رہا ہوں؟''

''وہ...... وہ......'' لیاقت حسین نے گڑبڑا کر کہا۔

''دراصل میں اکثر کچھ باتیں بھول جاتا ہوں۔ اس سے پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا ہے' جس کا اندازہ مجھے سراج صاحب کی باتوں سے بھی ہو چکا ہے...... ایسا کیوں ہوتا ہے صاحب؟''

''اس لیے کہ تم ضرورت سے زیادہ وفادار اور مخلص ہو۔''

''آ...... آپ اس وقت مجھے ساتھ کیوں لائے تھے......؟'' لیاقت نے دوسرے انداز میں خود کو تسلی دینے کی خاطر سوال کیا۔ ''میرا مطلب ہے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''ذہن پر زور نہ دو۔'' اورنگ زیب نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ ''مجھے ایک حادثے کی رپورٹ ملی تھی' میں اس وقت سراج کے پاس تھا۔ آنے سے پہلے دوسراہٹ کی خاطر تمہیں بھی ساتھ لے آیا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم اس وقت گہری نیند میں تھے' شاید اسی لیے تمہیں یاد نہیں' کچھ دیر بعد ممکن ہے کہ نیند کا خمار اترنے کے بعد تمہیں یاد آ جائے۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا' لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اس جواب سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوا تھا' اورنگ زیب نے اس کی کیفیت محسوس کر کے گفتگو کا رخ بدل کر پوچھا۔

''تمہاری بیوی شاید آج کل اپنے گھر گئی ہوئی ہے؟''

''جی ہاں صاحب...... اس کے ایک قریبی رشتے دار کی موت ہو گئی تھی اس لیے اس کا جانا

ضروری تھا۔"

"تم ساتھ کیوں نہیں گئے......؟"

"مم......میں سراج صاحب کو تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا صاحب'ان کے بڑے احسان ہیں مجھ پر۔" لیاقت حسین نے سنبھل کر جواب دیا۔"جب وہ میری ضرورت کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں تو میں انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑ کر کیسے چلا جاتا۔"

"بیوی کو واپس لینے تو جاؤ گے؟"

"سراج صاحب سے اجازت مل گئی تو جاؤں گا صاحب۔"

"کیا مطلب؟" اورنگ زیب نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"انہوں نے آج ہی مجھ کو تاکید کی تھی کہ میں ان کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر بھی نہ نکلوں۔کوئی سر پھرا دشمن ان کے علاوہ مجھے بھی نقصان پہنچانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔میں ان کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"گڈ......" اورنگ زیب نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔"میں نے کہا تھا ناں کہ کچھ دیر بعد تمہارے ذہن سے نیند کا خمار اترے گا تو سب باتیں تمہیں یاد آجائیں گی۔"

لیاقت حسین نے تجسس بھری نظروں سے اورنگ زیب کو دیکھا' لیکن کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔اورنگ زیب نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔اس کا ذہن اس زخمی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کے لیے تھوڑی سختی کے بعد کارآمد بھی ثابت ہو سکتا تھا۔لیاقت حسین کے آخری جواب کی روشنی میں یہ بات بھی مزید واضح تھی کہ اس کو راستے سے ہٹانے کی خاطر دشمنوں نے گھیرنے کی کوشش کی ہو گی لیکن کسی روحانی قوت کے کرشمے نے ان کی بساط پلٹ دی تھی۔سراج کی سنائی ہوئی کہانیوں کے مطابق پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔

+++

ناشتے سے فارغ ہو کر میڈم روبی اپنے اسٹڈی میں آکر کچھ فائلوں کو الٹ پلٹ رہی تھی جب دروازے پر دستک سن کر پوچھا۔"کون ہے......؟" پھر دستک کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھول دیا۔فائلیں اس وقت بھی اس کے سامنے میز پر بکھری ہوئی تھیں۔اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ کسی خاص فائل کی تلاش میں ہے۔

"کیا بات ہے میڈم......؟" ثریا نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر دریافت کیا۔"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ فائل میں نے اپنے بیڈروم کے لاکر میں رکھ دی ہو۔" میڈم نے سرسری طور پر جواب دیا پھر فائلوں کو ایک طرف ہٹا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"کوئی خاص فائل نہیں تھی۔میرے ایک دو پرسنل لیٹر تھے جو اس وقت مجھے یاد آگئے تھے۔"

"کیا ان کا تعلق بھی کچھ موجودہ حالات سے ہے؟ میرا مطلب ہے کہ شیخ حامد سے متعلق کوئی

اہم ہے؟'' تھریسا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''براہ راست نہیں تھا' لیکن وہ کسی ضرورت کے وقت کام آ سکتے تھے۔'' میڈم نے سنبھل کر جواب دیا پھر بات بدل کر بولی۔ ''اس وقت تمہیں شاید مجھ سے کوئی ضروری کام ہے ورنہ عام طور پر تم میری اسٹڈی میں کم ہی آتی ہو۔''

''آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے۔'' تھریسا نے محتاط لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ ''پرسنل سیکریٹری ہونے کی حیثیت سے میرا فرض بھی ہے کہ آپ کے تمام دکھ سکھ کا خیال رکھوں۔''

''ہاں۔اور تمہیں یہ اندازہ بھی ہوگا کہ میں تمہیں پرسنل سیکریٹری کے علاوہ اپنا رازدار بھی سمجھتی ہوں۔'' میڈم روبی نے مزید وضاحت کرنے کے بعد بے تکلفی سے پوچھا۔ ''کہو کیا بات ہے؟''

''بگ باس کے بنگلے پر جگا کے ساتھیوں کا حملہ آپ ہی کے اشارے پر ہوا تھا' میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ نے براہ راست جگا سے بات نہیں کی' ہاشم کے بعد میں نے ہی لوچن کے ذریعے اسے پیغام بھیجا تھا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جگا نے اس بار اس حملے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔'' تھریسا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''معاوضہ نہ لینے کی وجہ بھی میرے علم میں ہے۔بگ باس کے خیال میں بلیک ٹائیگر کی موت میں جگا کے آدمیوں کو دخل رہا ہوگا۔اس لیے کہ بلیک ٹائیگر نے ہاشم کو وہیں دیکھا تھا۔رہا ہاشم کی خودکشی کا معاملہ تو اسے بھی میں نے ہی آپ کی ہدایت پر کوڈ سیون اسٹار کے حوالے سے احکامات جاری کیے تھے۔''

''مجھے تمام باتوں کا علم ہے۔تم اس وقت کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میڈم نے وضاحت طلب لہجے میں تھریسا کو مخاطب کیا۔

''ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی بات اور ہے میڈم۔'' تھریسا سے بڑے خلوص سے سمجھانے والا انداز اختیار کیا۔

''اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا تھا لیکن ہر پولیس آفیسر پر اعتماد کرنا میرے خیال میں دانش مندی نہیں ہے...... ان کی دوستی اور دشمنی دونوں ہی اکثریت مہنگی ثابت ہوتی ہے۔''

''تمہارا اشارہ غالباً ایس پی اورنگ زیب کی طرف ہے؟''

''میں انکار نہیں کروں گی۔'' تھریسا نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''آج ایس پی اورنگ زیب اپنی ذاتی رنجش کی وجہ سے بگ باس کے خلاف ہے۔اس نے سراج کے توسط سے آپ کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا کر آپ کو جگا کے ذریعے بگ باس کی رہائش گاہ پر حملے کی خاطر اپنے مفاد میں استعمال کیا' لیکن کل اپنا مقصد نکل جانے کے بعد ایک پولیس آفیسر ہونے کے ناتے وہ آپ سے جگا کے بارے میں کھوج بھی کر سکتا ہے۔''

''میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔'' میڈم نے کسمسا کر کہا۔ ''لیکن اگر مسٹر سراج نے ایس پی اورنگ زیب کو میرے حوالے سے کچھ بتایا ہوگا تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی بتایا ہوگا۔''

''میں نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔حالات کے پیش نظر کوئی بھی ذمے دار پولیس آفیسر

کسی آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتا ہے۔'' تھریسا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اس ضمن میں کیا میں آپ سے ذاتی سوال کرسکتی ہوں۔''

''میں نے تمہیں ہر قسم کا اختیار دے رکھا ہے۔'' میڈم نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔ ''کیا معلوم کرنا چاہتی ہو؟''

''ڈی آئی جی آغا منظور کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟''

''میں سمجھی نہیں......''

''بگ باس سے انتقام لینے کی خاطر آپ نے افضل خان کو اعتماد میں لینے کی خاطر بہت بڑی پیش کش کی تھی۔'' تھریسا نے دبی زبان میں اپنا مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی۔ ''کیا افضل خان کے مقابلے میں' جو آپ کے اعتماد کو دھوکا دینے پر تل گیا تھا......آپ آغا منظور کو اعتماد میں نہیں لے سکتیں' جبکہ یہ بات آپ کے علم میں بھی ہے وہ آپ کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ مسٹر سراج بھی اس ضمن میں آپ کو اشارہ دے چکے ہیں۔''

میڈم نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ تھریسا کا مقصد سمجھنے کے بعد اس نے ایک سرد آہ بھری' کچھ دیر خلا میں دیکھتی رہی پھر بڑے اعتماد سے دبی زبان میں کہا۔

''تھریسا......مائی ڈیئر' تم اس راز سے واقف ہو کہ میں اپنے مرحوم شوہر کے قاتل سے انتقام لینے کی خاطر ہر قربانی دے سکتی ہوں۔ افضل خان کو بھی کام کا آدمی سمجھ کر میں نے ایک جوا کھیلا تھا' لیکن اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے......اس کے علاوہ ایک عورت کیا ایک بار دھوکہ کھانے کے بعد اپنے مستقبل کے بارے میں کسی دوسرے مرد کے سامنے بھی زبان کھول سکتی ہے......؟ اس کے ساتھ ہی ابھی یہ بات بھی پوری طرح واضح نہیں ہے کہ آغا منظور کس حد تک بگ باس کی دشمنی مول لے سکتا ہے......مسٹر سراج نے یہ ضرور کہا ہے کہ اب وہ بھی تنگ آمد بہ جنگ آمد کے فارمولے پر عمل کرنے پر آمادہ ہے' لیکن کیا میرا براہ راست اس سے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کھل کر بات کرنا مناسب ہوگا؟''

''اگر آپ اجازت دیں تو میں کسی دن کسی بہانے سے اسے یہاں کھانے پر بلانے کی کوشش کروں۔''

''کیا بہانہ کرو گی؟''

''پہلی بار جب مسٹر سراج نے آپ کو افضل خان کی بلڈنگ کے باہر والے ناخوشگوار واقعے سے محفوظ کیا تھا۔ اس وقت وہ آغا منظور ہی کی ہدایت پر آپ کی نگرانی پر مامور تھا' لیاقت حسین نجات دہندہ بن کر سامنے آ گیا۔ اب مسٹر سراج بھی بم بلاسٹ کے سبب بستر پر ہیں اور لیاقت حسین پر بھی قاتلانہ حملے کی اطلاع آپ کو سراج سے مل چکی ہے۔ ہم ان تمام موضوعات پر بھی بات کر سکتے ہیں۔ مل بیٹھنے کے بعد اور بھی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اس طرح آپ کو بھی آغا منظور کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع میسر آ جائے گا۔''

''ٹھیک ہے......تم اگر یہی مناسب سمجھتی ہو تو بلا لو......'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''بہت دنوں سے لوچن اور ڈوما بیکار بیٹھے ہیں......کیا انہیں واپس بھیج دیا جائے؟''
''نہیں......'' میڈم نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''میں انہیں ایک آخری بار اور استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں کل تک اس پروگرام سے بھی مطلع کر دوں گی۔''
تھریسا جانے کے ارادے سے اٹھی تو میڈم نے اسے روک کر کہا۔
''پہلی ملاقات میں تم اشاروں کنایوں میں بھی آغا منظور کو گھر بلانے کے بارے میں کچھ نہیں کہو گی۔''
''اتنا میں بھی سمجھتی ہوں کہ ہمیں دوسرا قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہو گا۔ میز پر ایک ساتھ بیٹھیں گے تو یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ خود آغا منظور بھی اس دعوت کو کس پس منظر میں دیکھتا ہے۔'' تھریسا نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں دور اندیشی کی بات کی پر قدم اٹھاتی اسٹڈی سے نکل گئی۔

✣✣✣

لیاقت حسین کو سراج کے مکان پر چھوڑنے کے بعد اورنگ زیب نے سرسری طور پر سراج کو مختصر واقعات سے آگاہ کیا' پھر سیدھا متعلقہ تھانے پہنچا۔ سب انسپکٹر اس کو اس کمرے تک لے گیا جہاں زخمی مجرم ننگے فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اس نے اورنگ زیب کو دیکھا تو تڑپ کو بولا۔
''میرے پاؤں بھلے بندھے رکھو لیکن ہاتھ کھول دو تاکہ اپنے زخموں کو کھجا سکوں۔''
''میں آ گیا ہوں' اب تمہاری کھجلی بھی دور ہو جائے گی۔'' اورنگ زیب کے اشارے پر کمرے کو اندر سے بند کر دیا گیا۔ ٹارچر کرنے والے دو سنگدل اور تجربے کار سپاہی کمرے میں آ کر کھڑے ہوئے۔ سب انسپکٹر بھی موجود رہا۔
''جس آدمی نے تمہارے آدمیوں کو تنہا بھون ڈالا تھا وہ تمہاری آتی جاتی سانسوں کو بھی ختم کر سکتا تھا' لیکن تم نے زبان کھولنے کا وعدہ کر کے وقتی طور پر زندگی کی بھیک مانگی تھی جو تمہیں مل گئی۔ اب کیا ارادہ ہے؟'' اورنگ زیب نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔ ''زندگی یا موت......''
''میں تم سے اکیلے میں بات کرنا پسند کروں گا۔'' زخمی نے ہونٹوں کے سامنے جمتے خون کے لوتھڑوں کو ایک طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ ''کیوں؟......اس کی وجہ تم بھی جانتے ہو گے۔''
اورنگ زیب نے زخمی کو غور سے دیکھا' پھر اس نے سب انسپکٹر سمیت سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ کمرا خالی ہونے کے بعد زخمی نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''مجھے زندگی کی کوئی تمنا بھی نہیں ہے لیکن کوئی وجہ تھی جو میں نے زندگی کی بھیک مانگی تھی۔''
''لیکچر نہیں......سیدھی طرح میرے سوالات کے جواب دو۔'' اورنگ زیب نے بگڑتے ہوئے تیور سے اسے مخاطب کیا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''
''تم ٹیڑھی کھیر ہو۔ یہ بات ہمارے بڑوں کو بھی معلوم ہے۔'' زخمی نے بے پروائی سے جواب

دیا۔ ''میں بھی جانتا ہوں کہ اگر میں نے زبان کھولی یا بند رکھی۔ دونوں ہی صورتوں میں مجھے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا شاید......اسی لیے میں نے وقتی طور پر کسی مصلحت سے زندگی کی بھیک مانگی تھی۔ اسے میری بزدلی سے تعبیر نہ دینا۔''

اورنگ زیب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ کچھ توقف سے بولا۔ ''تم نے تنہائی میں بات کرنے کی شرط کیوں لگائی تھی؟''

''کالی بھیڑیں ہمارے ساتھیوں میں بھی ہیں۔'' زخمی نے پھر منہ صاف کرنے کی خاطر فرش پر تھوک کر کہا۔

''تمہارے لوگ بھی نوٹ کی گڈیوں کی خوشبو سونگھ کر ایمان بیچ دیتے ہیں......ان کی تعداد ہم سے زیادہ ہے۔''

''اب کیا کہنا چاہو گے؟''

''جو ساتھی مر چکے ہیں ان میں میرا نام بھی شامل کرا دو......اس کے بعد جب تک میری سانس چل رہی ہے تم کو مجھے کسی ایسی جگہ رکھنا ہوگا کہ ہمارے کسی بڑوں کو بھی میری زندگی کی بھنک نہ ملے۔''

''تم کس کے لیے کام کرتے ہو......؟''

''جس کی بولی سب سے زیادہ......'' زخمی کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر کر تلخیوں میں تبدیل ہو گئی۔ ''جو قانون کی نظروں میں انعام یافتہ قرار دے دیا جائے پھر ضرورت مندوں میں اس کی بولی بھی چڑھ جاتی ہے۔''

''میں نے کہا تھا کہ میرے پاس وقت کم ہے۔'' اورنگ زیب نے ایک بار پھر بگڑے ہوئے تیور سے اسے اپنی حیثیت اور قیمتی وقت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

''آرام سے بات کرو آفیسر......میں بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے کسی مصلحت کی وجہ سے زندگی طلب کی تھی۔'' زخمی کے تیور بھی بدلنے لگے۔ ''اگر تمہارے پاس میری بات سننے کے لیے وقت نہیں ہے تو پھر اپنے آدم خور کتوں کو دوبارہ اندر بلا لو۔ میں اب تم سے رحم یا زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔''

اورنگ زیب تلملا کر رہ گیا' لیکن اس کی تجربے کار نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ زخمی کی باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کمرے میں کچھ دیر موت کا سناٹا طاری رہا پھر اورنگ زیب نے قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔

''کھل کر بات کرو......لیکن وقت کا خیال بھی رکھو ورنہ ایک بار پولیس کی فائل رپورٹ تیار ہو جائے تو اس میں ردوبدل کی گنجائش بھی بہت کم رہ جاتی ہے۔''

''جانتا ہوں......'' زخمی نے کراہ کر کہا پھر اورنگ زیب کی نظروں میں نظریں ڈال کر ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''میں کسی کی موت کی خبر سننے تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جس دن تم مجھے اس کی سانس

اکھڑنے کی خوشخبری سنانا اسی دن مجھے تھوڑا سا زہر فراہم کر دینا۔ میں ثابت کر دوں گا کہ مردوں کی زبان ایک ہوتی ہے۔"

"کسی کی موت کی خوشخبری سننا چاہتے ہو؟"

"وہی جس نے لیاقت حسین کے ڈیتھ وارنٹ جاری کیے تھے......وہ......وہ تمہارے ساتھ بھی بہت جلد کوئی آخری معرکہ کرنے کے بارے میں غور کر رہا ہے۔" زخمی نے مسکرا کر کہا۔ "تم بھی اس کا نام جانتے ہو آفیسر۔"

"تمہاری زبان اس کا نام لیتے ہوئے کیوں لرز رہی ہے؟" اورنگ زیب نے جھلا کر دریافت کیا۔

"م......میں شیخ حامد کی بات کر رہا ہوں آفیسر......جس نے تمہارے محکمے کی بڑی بڑی کرسیوں کو منہ مانگے داموں خرید رکھا ہے۔ کیا تم انکار کرو گے؟"

"نہیں......" اورنگ زیب کے چہرے پر آکٹوپس کا نام سننے کے بعد ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"مجھے تمہارا کھرا جواب سن کر خوشی ہوئی۔" زخمی کی آنکھیں کسی بھید سے چمکنے لگیں۔

"تم نے جس مگرمچھ کا نام لیا ہے وہ خود سامنے نہیں آتا۔" اورنگ زیب نے زخمی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اپنے خریدے ہوئے مجرموں کو آگ میں جھونکتا رہتا ہے۔ تم......تم ان لوگوں کے نام سے بھی ضرور واقف ہو گے۔"

"سب کے ناموں سے کوئی واقف نہیں ہوتا لیکن میں دو تین نام ضرور جانتا ہوں۔" زخمی نے درد کی شدت سے کراہ کر کہا۔ "جو اس کا سب سے قابل اعتماد مہرہ تھا اسے ہمارے حلقوں میں بھی بلیک ٹائیگر کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن تم بھی جانتے ہو کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"

"اسپورٹس کار میں مارا گیا تھا؟"

"ہاں......لیکن اس کی موت حادثہ نہیں تھی......کسی نے اس حادثے سے قبل اسے شوٹ کر دیا تھا' مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہے' تفصیل تم جانتے ہو گے۔"

"باقی دو تین کون ہیں؟"

"تین نہیں......میں صرف دو کے نام جانتا ہوں۔"

زخمی نے کھنکار کر تھوکتے ہوئے جواب دیا۔ "بلیک ٹائیگر کی جگہ کس کو ملی' یہ مجھے نہیں معلوم' لیکن اس وقت راجو نامی شخص کی گڈی اونچی اڑ رہی ہے......وہ تمہارے ہتھے چڑھ گیا تھا' لیکن تم......تم بھی کسی اونچی کرسی سے ملنے والے حکم پر اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے......میں نے غلط تو نہیں کہا۔" آخری جملہ ادا کرتے وقت زخمی کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بھی ابھر آئی تھی۔

"ہاں......ایسا ہی ہوا تھا' مگر میں نے بھی اس حکم کی پیروی کچھ سوچ سمجھ کر کی تھی۔" اورنگ زیب نے بھی جواب میں مسکرا کر کہا۔ "تم راجو کی موت کی خبر بھی جلد سن لو گے۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔"

''ایسی بات نہیں ہے آفیسر......'' زخمی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''اوپر تک کنکشن ملا ہو اور پیچھے کھونٹا مضبوط ہو تو کچی گولیاں بھی پکی ہو جاتی ہیں۔ تم لوگ بھی ہم پر اسی لیے جال نہیں ڈالتے کہ ہمارے گردگھنٹال کا کھونٹا بھی مضبوط ہے' لیکن ایک مشورہ میرا بھی سن لو......راجو کی موت ہمارے کھونٹے کی بیٹھک پر پیاز کترنے سے کم نہیں ہوگی۔ ایک بار چوکنا ہونے کے بعد وہ بھی زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بھی صورت نظر آتے ہی گولی مار دینے کا حکم صادر کر دیا جائے۔ فی الحال وہ بھی تمہارے کھونٹوں کی وجہ سے رعایت سے کام لے رہا ہے۔''

''دوسرا کون ہے......؟'' اورنگ زیب نے اس کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اسے دیکھا نہیں' لیکن بلیک ٹائیگر کے بعد وہ نمبر دو کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔'' زخمی نے رک رک کر اطمینان سے جواب دیا۔ ''کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں وہ پولیس ریکارڈ پر اسلم ڈنکا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔''

''تم کس نام سے مشہور تھے؟'' اورنگ زیب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''مرنے والے اپنا نام نہیں بتایا کرتے آفیسر۔'' زخمی معنی خیز انداز میں بولا۔ ''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ تم میرا نام بھی کاغذی خانہ پری کرنے کی خاطر کسی بھی مجرم کے کھاتے میں ڈال دینا۔ کیا فرق پڑے گا؟''

''کتنی دیر تک سانس روک سکتے ہو؟''

''کبھی اس کی پریکٹس نہیں کی' مگر تم اپنے بھنگیوں کو میری لاش سمیٹنے کے لیے بلا لو۔ دو منٹ یا اس سے کچھ اوپر تک آج سانس روکنے کی کوشش بھی کر لوں گا۔''

''ایک بات اور......'' اورنگ زیب نے کچھ سوچ کر سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔ ''شبنم نامی لڑکی جو تمہارے گردگھنٹال کے پاس کام کرتی تھی وہ آج کل کہاں غائب ہے؟''

''اس کی تلاش کرنے کی ذمے داری بھی نمبر دو کو دی گئی ہے...... یہ بھی سنا ہے کہ گردگھنٹال نے تمہارے ڈی آئی جی کو یہی کام سونپا ہے۔''

''ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی گاڑی پر اسپتال کے قریب کس نے بم کا دھماکا کیا تھا؟''

''وہ تم لوگوں کو صرف وارننگ کے لیے تھا۔'' زخمی نے سانس درست کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر مارنا مقصود ہوتا تو تم دونوں اس وقت زندہ بھی نہ ہوتے...... میں غلط بیانی نہیں کر رہا۔ جن لوگوں کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا وہ بھی نمبر دو کے خاص آدمی تھے جو کبھی اوچھا وار نہیں کرتے۔''

''ٹھیک ہے' تم مرنے کو تیار ہو جاؤ' میں بھنگیوں کو بلاتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے مدھم آواز میں کہا پھر دروازہ کھول کر کچھ فاصلے پر موجود سب انسپکٹر کو بلا کر کہا۔ ''آپ کسی پرائیوٹ ایمبولینس کو کال کر لیں۔ زخمی کی لاش میں خود ٹھکانے لگانے کے لیے لے جاؤں گا۔ اس عرصے میں بھنگیوں کو طلب کر لیں' مگر زبان بند ہی رکھیں۔''

''میں سمجھتا ہوں سر...... آپ کے حکم کے خلاف ورزی نہیں ہوگی۔''

سب انسپکٹر کے جانے کے بعد اورنگ زیب نے دوبارہ اندر آ کر کمرا بند کیا پھر انسپکٹر کو فون کر کے زخمی کو مردہ ظاہر کرنے کے سلسلے میں ضروری ہدایتیں دینے لگا۔بیس منٹ بعد ایمبولینس آنے کی اطلاع ملی تو اورنگ زیب نے کمرے کا دروازہ دوبارہ کھول دیا' دروازے پر موجود دو بھنگی اس کے اشارے پر اندر آ گئے۔زخمی نے اپنی آنکھیں بند کر کے نہ صرف سارا جسم اکڑا لیا بلکہ سانسیں بھی روک لی تھیں۔

+++

پستہ قد کا وہ فرنچ کٹ ڈاڑھی والا جس فور اسٹار ہوٹل کے گیسٹ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں معروف تھا' وہ شیخ حامد کے مین آفس سے تین میل کے فاصلے پر تھا' فرنچ کٹ ڈاڑھی کے علاوہ اس کے چہرے پر ناک سے ذرا نیچے بائیں جانب والا سیاہ تل بھی اس کی گندی رنگت کو اور اجاگر کر رہا تھا۔اس نے اس وقت اسی قسم کا اسپورٹنگ لباس زیب تن کر رکھا تھا۔جو عام طور سے گولف کھیلنے والے کھلاڑی پہنتے ہیں۔آنکھوں پر موٹے فریم کی عینک اس کے چہرے پر بے حد خوشنما نظر آ رہی تھی۔جس انہماک سے وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا اس سے بظاہر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے پاس فرصت ہی فرصت ہے۔اس کے قریب ہی ایک سنہری بیگ بھی موجود تھا۔اس وقت رات کے تقریباً ساڑھے دس کا عمل تھا۔

ٹھیک دس بج کر پینتالیس منٹ پر فرنچ کٹ ڈاڑھی والے کا موبائل وائبریٹ ہوا تو اس نے فوراً ہی اسکرین پر نمبر دیکھ کر اسے آن کر لیا۔''ہیلو...... کیا پروگرام ہے......؟''اس نے ادھر ادھر دیکھ کر دبی زبان میں پوچھا۔

''میں گیٹ نمبر دو کے باہر سیاہ رنگ کی وین میں موجود ہوں'اس پر ایک کوریئر سروس کا نام لکھا ہو گا۔تم آ کر پچھلے حصے میں بیٹھ جانا پھر پروگرام بھی فائنل کر لیں گے۔وین کے ڈرائیور سے کوئی بات مت کرنا۔''

''او کے......''فرنچ کٹ ڈاڑھی والے نے' جو لوچن کے سوا کوئی اور نہیں تھا' موبائل آف کیا۔سفری بیگ اٹھا کر کاندھوں سے لٹکایا پھر گیٹ نمبر دو کی طرف قدم بڑھانے لگا۔پانچ منٹ بعد وہ باہر نکلا تو سیاہ وین سامنے ہی پارک تھی' وہ خاموشی سے وین کی پشت پر گیا' شاید اسے آتا دیکھ لیا گیا تھا جو پشت کا دروازہ کھول دیا گیا' لوچن خاموشی سے اندر داخل ہوا۔پچھلے حصے میں سر تا پا سیاہ چست لباس میں موجود شخص ڈوما تھا جس نے سیاہ وین کے حرکت میں آنے کے بعد لوچن سے سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔

''تمہیں سیون اسٹار کی جانب سے کوئی نئی ہدایت تو نہیں ملی؟''

''نہیں......''لوچن نے اطمینان سے جواب دیا۔

''ہمیں صرف مین آفس کو تباہ کرنے کا کام سونپا گیا ہے وہ بھی اس طرح کہ پوری عمارت

کو خاص طور پر بگ باس کے خاص آفس کو جلا کر راکھ کر دیا جائے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' ڈوما نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔'' کیا اس عمارت اور بگ باس کے آس پاس اس کی نگرانی کی خاطر گارڈز اور مسلح چوکیدار نہیں ہوں گے؟''

''یقیناً ہوں گے۔'' لوچن نے کہا۔'' نہ ہوتے تو یہ کام سستے داموں کسی مقامی بدمعاش سے بھی لیا جا سکتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ہمیں اس کے لیے خاص احتیاط اور دوراندیشی سے کام لینا ہو گا۔ باقاعدہ ٹکراؤ کا قوی امکان ہے۔''

ڈوما نے فوری کوئی جواب نہیں دیا۔ لوچن بھی کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد سرسراتے لہجے میں بولا۔'' میرا ذاتی خیال ہے کہ اس مہم کے بعد ہماری چھٹی بھی کر دی جائے گی۔''

''تمہیں کس طرح اندازہ ہوا؟'' ڈوما نے اسے چونک کر وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''ایسے چھوٹے موٹے کاموں میں ہم جیسے بین الاقوامی شہرت یافتہ لوگوں کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ مقامی لوگ زیادہ کارآمد ہوتے ہیں۔ بہرحال اب میں خود بھی اکتا گیا ہوں۔''

''کیا تم نے اس عمارت کے پورے حصوں کو اندر باہر سے دیکھ رکھا ہے؟'' ڈوما نے سوال کیا۔

''تم نے بھی نہیں دیکھا ہو گا۔'' لوچن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔'' البتہ ہمیں جو نقشہ فراہم کیا گیا ہے اور جن حصوں کو ہائی لائٹ کیا گیا ہے اس کا بغور جائزہ لے چکا ہوں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ بگ باس کے مخصوص آفس کو نشانہ بنانے کی خاطر ہم میں سے ایک آدمی کو عمارت کے پچھلے حصے کی جانب جانا ہو گا۔ دوسرے کے لیے صدر دروازے سے اندر داخل ہونے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمیں اسلحے کے علاوہ ان پلاسٹک بموں کا استعمال کرنا ہو گا جو آگ بھڑکانے کے کام آتے ہیں۔ کیا تم نے پوری تیاری کر لی ہے؟''

''ہاں' میں کیل کانٹے سے پوری طرح لیس ہوں۔'' ڈوما نے ایک پل توقف کے بعد سوال کیا۔'' تم کس حصے کی طرف سے ایکشن شروع کرنا پسند کرو گے؟''

''پچھلے حصے سے۔'' لوچن نے بے پروائی سے کہا۔

''تم مجھے اسی طرف ایک بلاک چھوڑ کر اتار دینا۔ میں پچھلے حصے میں آگ لگانے کے بعد وہاں موجود گارڈز اور نگرانی کرنے والوں کو یہی تاثر دوں گا کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں اور پچھلے حصوں کو خاص طور پر استعمال کیا ہے۔ ایسی صورت میں صدر دروازے کی نفری بھی پچھلی طرف توجہ دے گی۔ تم اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر عمارت میں داخل ہو سکتے ہو۔ دو چار آدمیوں کو پھر بھی ختم کرنا ضروری ہو گا' اُس میں رعایت نہ کرنا۔''

''رائٹ......'' ڈوما نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''طے شدہ پروگرام یہ ہو گا کہ ہم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اپنا کام شروع کریں گے اور بہرحال بارہ بجے تک اپنی اس وین تک پہنچیں گے جو قریبی پوسٹ آفس کی عمارت کے عقب میں ہماری منتظر ہو گی۔ او کے۔''

''اوکے۔''لوچن نے کچھ سوچ کر کہا۔''ہم طے شدہ وقت کی بہرحال میں پابندی کرنے کے عادی بھی ہیں لیکن......اگر کوئی ایک فریق کسی وجہ سے نہ پہنچ سکا تو دوسرا کیا کرے گا......؟؟''

''وہ آخری فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔''ڈومانے صاف گوئی سے کہا پھر وہ دونوں ہی اپنے سفری بیگ میں موجود پلاسٹک بم اور دیگر ضروری چیزوں کا جائزہ لینے لگے۔دونوں کے چہروں سے سکون ہی سکون ظاہر ہورہا تھا۔ڈومانے گیارہ بج کردس منٹ پرلوچن کومطلوبہ عمارت سے ایک بلاک پیچھے اتارا اور خود اگلی نشست پر بیٹھ کراپنی پوزیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔

لوچن نے وین سے اترنے کے بعد اس طرح طویل انگڑائی لے کر جسم کے مختلف حصوں کو گھمایا' جیسے وہ طویل سفر کے بعد اپنے اوپر طاری ہونے والی تکان دور کررہا ہو۔اس عمل سے فارغ ہوتے وقت اس نے نظریں گھما پھرا کر قرب وجوار کا جائزہ بھی لے لیا پھر نہایت سکون سے سیٹی پر ایک مغربی ٹیون الاپتا ہوا اگلے بلاک تک پہنچنے کی خاطر شارٹ کٹ استعمال کرتا قدم بڑھانے لگا۔گیارہ بج کر بیس منٹ پر وہ مطلوبہ عمارت کے عقبی حصے کی سامنے والی فٹ پاتھ پر موجود تھا۔اس کے شبہے کے عین مطابق مطلوبہ عمارت کی پشت پر بھی دو گارڈ لیفٹ رائٹ کرنے میں معروف تھے'لوچن کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا جہاں اس کا خطرناک آٹومیٹک موجود تھا جس کے ذریعے وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر ایک منٹ میں چھ فائر کرسکتا تھا۔ایک پل میں اس نے آخری فیصلہ کیا' پھر دوسری فٹ پاتھ کی سمت جانے لگا۔دونوں گارڈز اسے روڈ کراس کرتے دیکھ کر رک گئے۔ان دونوں کی نظریں لوچن پر مرکوز تھیں جو اس وقت بھی بظاہر سیٹی بجانے میں مگن تھا۔

''ہالٹ......''ایک گارڈ نے رائفل سیدھی کر کے لوچن کو دبنگ آواز میں مخاطب کیا۔''تم کون ہو......کہاں جاتا ہے؟''

لوچن جواب دینے کے لیے سوچ رہا تھا' جب کہیں سے ایک فائر ہوا جس نے لوچن سے سوال کیا تھا وہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا دوسرے گارڈز نے پوزیشن لینے کی کوشش کی لیکن اتنی دیر لوچن کے لیے کافی تھی'اس نے آٹومیٹک نکال کر فائر کیا' دوسرا گارڈ بھی موت کی نیند سوگیا۔لوچن کے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ پہلے گارڈ کو مارنے والا کون تھا؟ کوئی دوست ہی رہا ہوگا' دشمن خود دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہوچکا ہوتا۔گارڈ پر کسی رائفل سے چلائی جانے والی گولی کی آواز بھی رات کے سناٹے میں دور تک گونجی تھی۔لوچن کے پاس سوچنے کا زیادہ وقت نہیں تھا اس نے سفری بیگ سے دو پلاسٹک بم نکالے دانت سے ان کا سیفٹی کیچ ہٹا کر اس نے یکے بعد دیگرے ان کو شیخ حامد کے آفس کی دیوار پر مارا تو آتش گیر مادہ ایک شعلے کے روپ میں بھڑک اٹھا۔تیسرا بم اس نے دو قدم پیچھے ہٹ کر آفس کی شیشے کی کھڑکی پر مارا۔اس کا نشانہ خطا نہیں گیا اندر سے شعلے اٹھے اور شیشوں کے ٹکڑے ٹوٹ کر نیچے گرنے سے چھناکے کی آوازیں ابھریں۔لوچن حفظ ماتقدم کے طور پر سڑک پر اوندھا ہو گیا۔تیزی سے کہنیوں کے بل رینگتا ہوا پہلی فٹ پاتھ پر آگیا۔اس کی وہ احتیاط بروقت ثابت ہوئی' جلتی ہوئی عمارت کی داہنی موڑ سے ایک جیپ برق رفتاری سے گھوم کر تیزی سے اس سڑک پر آ

گئی جس پر ایک طرف خود لوچن اور دوسری جانب دو مردہ گارڈز کی لاشیں پڑی تھیں۔ جیپ میں تین مسلح گارڈ ہی نظر آ رہے تھے۔

لوچن نے برق رفتاری سے ایک اور پلاسٹک بم نکالا۔ جیپ کچھ فاصلے پر تھی' مگر اس کی رینج میں آ گئی تو اس نے بم کو اس طرف اچھالا پھر آٹو میٹک سے ریپڈ فائر بھی شروع کر دی' آگ کے شعلوں کے ابھرتے ہی جیپ فٹ پاتھ سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ لوچن نے تیزی سے لپک کر بلڈنگ کے کونے پر پہنچ کر اس کی آڑ لے لی ورنہ دوسری جانب سے اندھا دھند ہونے والی فائرنگ کی لپیٹ میں بھی آ سکتا تھا۔ جو گارڈ جلتی ہوئی جیپ کے زخمی حالت میں زندہ بچے ہوں گے۔ ان کی کھوپڑی الٹ جانا بھی یقینی امر تھا' لوچن نے آٹو میٹک کا میگزین بدلا' پھر آگے بڑھنے والوں کو روکنے کی خاطر لگا تار فائرنگ کی' اس کے بعد پلٹ کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے حصے کا کام کر چکا تھا۔ شیخ حامد کا ذاتی آفس اور اس کا فلور پوری طرح آگ کی لپیٹ میں تھا۔ سڑک عبور کرنے کے بعد وہ رک گیا۔ اب وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال بھی رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ جس نے پہلی گولی گارڈ پر چلائی وہ کون تھا؟ وہ ان ہی خیالوں میں غرق تھا جب اچانک عقب سے کچھ آہٹ سن کر چونکا' لیکن اسے دیر ہو چکی تھی' عقب سے سر پر کیا جانے والا حملہ اتنا بھرپور تھا کہ وہ چکرا کر رہ گیا پھر اس نے جب خود کو دو تین باوردی اور مسلح پولیس والوں کے چنگل میں دیکھا تو اسے سفری بیگ میں آٹو میٹک کے فاضل میگزین کے علاوہ ایک دو دستی بم اب بھی موجود تھے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کا پولیس کے ہاتھوں لگنا سیون اسٹار کو کسی طور پر پسند نہیں آئے گا۔ خود بھی وہ اس کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ مگر اس نے وقتی طور پر کچھ دیر کے لیے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا پھر سانس درست کرنے کے بعد پوچھا۔

''مجھے کس جرم میں گرفتار کر رہے ہو......؟''

''پریشان مت ہو......'' ایک بڑی بڑی مونچھ والے پولیس مین نے کہا۔ ''تھانے چل کر ہم اپنی تسلی کر لینے کے بعد ہی تمہارے سوالات کے جواب دیں گے۔ ابھی چونچ بند ہی رکھو۔''

لوچن پھر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دوسرے پولیس والے نے ایک جھٹکے سے اس کا بیگ اتار لیا۔ اس افتاد کے بعد لوچن نے سختی سے اپنی زبان بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب اس کے ذہن میں ڈوما کا خیال ابھر رہا تھا۔ پولیس والے اسے دبوچ کر کچھ دور لے گئے پھر ایک پولیس جیپ قریب آ کر رکی تو پولیس والوں نے اس کی تفصیلی تلاشی لینے کے بعد دھکے مار کر جیپ میں بیٹھا دیا۔ ہاتھ پشت پر کر کے ان میں ہتھکڑیاں بھی ڈال دی گئیں۔

''تم اکیلے تھے یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا'' اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک پھول والے نے پلٹ کر اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''تھانہ آ جانے دو پھر اطمینان سے پوری کہانی بھی سنا دوں گا۔'' لوچن نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''کیا حکم ہے صاحب......؟'' مونچھ والے نے اپنی مخصوص زبان میں ایک پھول والے افسر سے پوچھا۔ ''ابھی سے اس کی چھچی نہ شروع کر دیں؟ تھانے پہنچنے تک اس کا سارا کلف بھی اتر جائے گا۔''

''نہیں......'' اے ایس آئی نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ خاص مجرم نظر آتا ہے۔ ہمارے بڑے افسران اس سے مل کر یقیناً خوش ہوں گے۔ میں نے انہیں فوری طور پر حادثے کی اطلاع کر دی تھی۔''

ٹھیک اسی وقت ڈوما صدر دروازے پر موجود مسلح گارڈز کو موت کے گھاٹ اتار کر عمارت میں داخل ہو چکا تھا' بلڈنگ کی عقب سے کچھ ہنگامہ خیز آوازیں اس کے کانوں تک پہنچی تھیں لیکن جو مہم اسے سونپی گئی تھی وہ اسے ادھورا چھوڑ کر جانے کے لیے خود کو آمادہ نہ کر سکا۔ عمارت میں داخل ہونے کے بعد وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپر کی طرف جا رہا تھا جب کسی چیز کے جلنے کی بو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ لوچن پشت کی جانب آگ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ڈوما کے ذہن میں ابھرنے والا یہ احساس ہی اس کے خون کو گرما گیا' اس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی' پہلی منزل پر پہنچنے کے بعد اس نے دفتر کے بیرونی دروازے کو آزمایا جو بند نہیں تھا' ممکن ہے اندر کچھ افراد موجود ہوں' اس نے اپنے آٹومیٹک کے دستے پر گرفت مضبوط کی پھر دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہو کر بغلی دیوار سے چپک گیا تھا۔ جہاں وہ کھڑا تھا وہ ریسپشن ہال تھا' اندھیرے کے سبب اسے ہر چیز واضح طور پر نظر نہیں آ رہی تھی' وہ دو منٹ اسی پوزیشن میں کھڑا رہا پھر سامنے کا ایک دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی آگ کی لپٹ کی روشنی بھی نظر آ گئی جو اندرونی حصے میں کہیں لگی تھی' دروازہ کھلتے ہی دو افراد بھی اس کے سامنے آ گئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ایک نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے دوسرے آدمی کہاں مر کھپ گئے۔ دو گارڈز پشت پر بھی تعینات تھے' مسلح افراد کی جیپ بھی راؤنڈ پر تھی۔ پھر یہ آگ......''

''میں نے فائر بریگیڈ کو فون کر دیا ہے مگر......'' دوسرے کے لہجے سے بھی وحشت ٹپک رہی تھی۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ بگ باس رات کی ڈیوٹی دینے والوں میں سے کسی ایک کو بھی معاف کر سکے گا۔ ایک دو کی غلطی کی سزا سب کو بھگتنی پڑے گی۔''

''ادھر دفتر کے اندر بھی ہمارے تین چار آدمی تھے' وہ کہاں گئے؟'' پہلے نے مردہ آواز میں سوال کیا۔

''وہ......وہ شاید لمبی تانے سو رہے ہوں گے۔'' دوسرے نے جھلا کر کہا۔ ''میں پولیس کو بھی فون کرتا ہوں۔'' اپنا جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی اس نے جیب سے غالباً اپنا موبائل نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر وہ کراہتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

''ٹچ'' کی مدھم آواز ہونے کے باوجود اس کا دوسرا ساتھی جو یقیناً پروفیشنل ہی تھا' خطرے کی بو

سونگھ کر تیزی سے زمین پر لیٹ گیا' اس نے حیرت انگیز طور پر رائفل پکڑے پکڑے دو کروٹیں تبدیل کیں پھر جدھر سے "ٹچ" کی آواز ابھری تھی ادھر اندازے ہی سے فائر بھی کر دیے۔ ڈوما نے ایک پل کی دیر کی ہوتی تو دونوں گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوتیں۔ موبائل نکالنے والے کو نشانہ بنانے کے بعد ہی اس نے پھرتی سے اپنی پوزیشن تبدیل کی تھی۔

رائفل بردار کی توجہ منتقل کرنے کی خاطر اس نے دوسرے ہاتھ میں دبا ہوا آتشی پلاسٹک بم بھی بچ جانے والی عقبی دیوار پر اچھال دیا' ہلکے دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی کئی بھڑکتے شعلے لپکے تو پورا ماحول جگمگا اٹھا۔ رائفل والے کی نظریں شعلوں کی طرف اٹھی تھیں کہ ڈوما کے آٹومیٹک سے نکلی ہوئی دوسری گولی اس کے وجود کو نگل گئی۔ شعلوں کی روشنی میں میدان بظاہر صاف نظر آیا تو ڈوما نے بیگ سے دو گولے نکال کر دائیں بائیں اچھال دیے۔ شعلوں کے بلند ہوتے ہی وہ اٹھ کر تیزی سے نیچے واپس جانے والے زینوں کی طرف لپکا' اسے یقین نہیں تھا کہ اتنی جلدی اپنا مقصد پورا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسے مکمل اعتماد تھا کہ آتش گیر مادہ زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں پورے فلور کو شعلوں کی لپیٹ میں لے لے گا' اس سے پیشتر ہی وہ عمارت سے نکل جانا چاہتا تھا لیکن چار چھ زینے طے کرنے کے بعد ہی اس کی پشت پر بائیں شانے کے قریب جیسے کسی نے لوہے کی سلاخ اتار دی ہو۔ درد کی شدت سے کراہتا ہوا وہ زینوں پر گرا تو بیگ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کسی نے پشت ہی سے اسے سائیلنسر لگے اسلحہ سے نشانہ بنایا تھا' سیڑھیوں پر قلابازیاں کھاتے ہوئے بھی اس کا ذہن نہ صرف پوری طرح بیدار تھا بلکہ اس نے آٹومیٹک کو اور بھی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا پھر ایک ذرا سنبھلتے ہی اس سمت فائر کر دیے جدھر سے دشمن نے گولی چلائی تھی' اس کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا۔ ایک انسانی جسم چکراتا ہوا سیڑھیوں پر گرا پھر تیزی سے سیڑھیوں پر رول کرتا ہوا ڈوما کے قریب آ کر ڈھیر ہو گیا۔ اسی لمحے زینوں کے تیز پاور کی روشنی بھی آن ہو گئی' ڈوما نے حیرت انگیز پھرتی سے بلب کا نشانہ لیا لیکن روشنی کرنے والا اس پر سبقت لے گیا' ڈوما کے فائر کرنے کی حسرت پوری ہو گئی لیکن اس کا نشانہ چوک گیا تھا' اس کی وجہ دشمن کی جانب سے کیے جانے والے فائر تھے' لیکن ڈوما اس وقت تک قسمت سے بچتا رہا جب تک وہ درمیانی لینڈنگ پر نہیں پہنچ گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دو گولیاں اس کے جسم کے آر پار ہو گئیں۔ زینوں سے دو گارڈز رائفلیں تانے اس کے سر پر پہنچ گئے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے' لیکن ان کے چہروں سے خوف ہی عیاں تھا۔ شاید آفس سے اٹھنے والے شعلوں کی لپک ان کے مستقبل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھی۔

"تت...... تم جیت کر بھی ہار گئے۔" ڈوما نے زہر خند سے لہجے میں کہا۔ "تمہارا باپ تمہیں مجھ سے زیادہ اذیت ناک موت سے دو...... دو...... دو چار کرے گا۔ باس...... باسٹرڈس۔"

"تم نے یہ کام کس کے اشارے پر کیا ہے؟" ایک رائفل بردار نے ڈوما سے گرج کر سوال کیا۔

"یو آر رانگ...... سن آف اے...... بچ۔" ڈوما اکھڑتی ہوئی سانس سنبھال کر فاتحانہ انداز میں

بولا۔"ہم جس کا نمک کھاتے ہیں' جس کو ایک بار.....زز ......زبان دے دیتے ہیں' اس سے......دھو.......دھوکا نہیں کرتے۔"

"تمہارے ساتھ اور کون تھا......؟" دوسرے نے رائفل کے بٹ سے ڈوما کے زخمی کندھے پر شدید ضرب لگا کر دیوانوں کی طرح کہا۔"حرام کے تخم......مرتے وقت تو ہمارے لیے کچھ آسانیاں پیدا کردو۔"

"آخ۔تھو......" ڈوما نے خون تھوکتے ہوئے حقارت سے کہا۔"تت......تت تم مرد ہو کر......موت سے ڈرتے ہو......بلاڈی سن۔"

جواب میں ان دونوں نے ڈوما کو بے تحاشا رائفل کے بٹ سے دھنا پھر اس کو پھلانگتے ہوئے نیچے اتر گئے جہاں سے کچھ آدمیوں کی تیز تیز بات کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ڈوما نے بڑی مشکلوں سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔اس کا موبائل اس کے پاس ہی تھا۔موبائل نکال کر اس نے اس کی سم نکال کر منہ میں رکھ کر چبانا شروع کر دیا۔موبائل قدموں میں ڈال کر اسے توڑا پھر خلا میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"گڈ......گڈ......ب......بائی......سیون......ون......اس......سس......ٹ......ٹ......ٹا۔ٹا۔" ڈوما سیون اسٹار کو پوری طرح گڈ بائی کہنے کی حسرت پوری نہ کر سکا۔اس کی سانس اکھڑ چکی تھی' لیکن اس کے مردہ ہونٹوں پر اس وقت بھی جوان مردوں کی سی فاتحانہ مسکراہٹ جم کر رہ گئی تھی۔

+++

ریٹائرڈ میجر عاطف اس وقت کلب میں اپنے دوستوں کے ساتھ تفریح میں مصروف تھا جب اس کے موبائل پر دارا رستم کی کال ریسیو ہوئی۔ پرائیویسی کی خاطر وہ دوستوں سے ایکسیوز کر کے تھوڑی دور چلا گیا۔اسے شبہ تھا کہ دارا نے اسے بلا مقصد فون نہیں کیا ہوگا۔اس کا اندازہ ٹھیک ہی ثابت ہوا۔رسمی دو چار جملوں کے بعد ہی دارا نے میجر عاطف کو باپ کی پریشانی سے آگاہ کر دیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ پولیس ایس پی اورنگ زیب نے بھی رستم علی سے اس کے دفتر آ کر ملاقات کی تھی۔

''ایس پی کی آمد کا مقصد کیا تھا؟'' میجر عاطف نے دریافت کیا۔

''ڈیڈ اور ایس پی کی ملاقات بند کمرے میں ہوئی تھی' لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ملاقات بھی کچھ خاص نوعیت ہی کی تھی۔''

''اب تم کس وجہ سے پریشان ہو؟''

''جو ٹینڈر میں نے بہرحال کسی نہ کسی طرح زیادہ آفر دینے کے باوجود حاصل کیا ہے اس نے شیخ حامد کو ضرور مشتعل کر دیا ہوگا۔ڈیڈ کو یہی اندیشہ ہے' وہ مجھے اور روشنا کو باہر جانے کا مشورہ دے رہے تھے۔دوسری صورت میں ممکن ہے وہ ٹینڈر قبول کرنے سے انکار کر دیں۔''

''آئی سی' گویا تمہارا یہاں سے چلے جانا شرط قرار دیا گیا ہے۔''

''ہاں......لیکن فی الحال میں نے انکار کر دیا ہے۔''

''اب کیا چاہتے ہو؟''

''شیخ حامد کی تھوڑی سی گوشمالی تاکہ وہ ڈیڈ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔'' دارا نے بے حد سنجیدگی سے درخواست کی۔''تم یہ کام زیادہ آسانی سے کر سکتے ہو۔''

''ہو جائے گا۔'' میجر عاطف نے کہا۔''ڈونٹ وری لیکن ایک شرط پر......''

''وہ کیا......؟''

''تمہیں کلب کے لیے بھی تھوڑا وقت نکالنا پڑے گا۔ہمارے سرکل کے اکثر لوگ تمہاری اور روشنا کی کمی کو محسوس کرتے ہیں۔'' عاطف نے بے تکلفی سے کہا۔'' کچھ دنوں بعد ہم ایک فینسی ڈریس پروگرام بھی ارینج کر رہے ہیں' تمہیں اور روشنا کو بھی اس میں حصہ لینا پڑے گا۔''

''رات کے کھانے پر آ جاؤ۔براہ راست روشنا سے بھی بات کر لینا' اگر وہ تیار ہوگئی تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''کیا سمجھوں......؟ کیا شادی کے بعد سے روشا نے تمہیں کنٹرول میں لے رکھا ہے۔'' میجر عاطف نے شوخی سے سوال کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے لیکن ڈیڈ پرانے وقت کے بزرگ ہیں' کلب میں آنا جانا پسند نہیں کرتے' روشا ان ہی کی وجہ سے احتیاط کرتی ہے ورنہ تم بھی جانتے ہو کہ اس نے کس شوق سے کلب جوائن کیا تھا۔ ہم نے اچھا خاصا ایک حلقہ بھی بنا لیا تھا۔''

''ڈونٹ وری......تم روشا کو راضی کر لو' میں انکل کو منا لوں گا۔ اوکے' رات کھانے پر ملاقات ہو رہی ہے۔'' میجر عاطف نے موبائل آف کیا پھر دوستوں کے قریب جا کر اس نے وارا اور روشا کو واپس کلب لانے کا دعویٰ کیا تو سب ہی نے ''تھری چیئرس فار میجر عاطف'' کا نعرہ بلند کیا۔

+++

اے ایس آئی نے تھانے پہنچ کر لوچن کے متعلق ماتحتوں کو ضروری ہدایت دی پھر وہ واپس ایچ او کے کمرے میں آ گیا جہاں اس وقت ایس پی اورنگ زیب کے علاوہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج بھی موجود تھا۔ اے ایس آئی انہیں جائے وقوعہ سے متعلق بریفنگ دے رہا تھا۔ جب مرنے والے گارڈز اور ڈوما کی تصویروں کا سیٹ بھی آ گیا۔ اورنگ زیب' اے ایس آئی سے معلومات حاصل کر رہا تھا۔ سراج نے تصویریں الٹی پلٹنی شروع کر دیں۔ ڈوما کی تصویر سامنے آئی تو وہ چونکا۔ ہاشم کی موت کی تصدیق کرتے وقت ملکی ایئرلائن نے جو معلومات اور فرسٹ کلاس کے مسافروں کی تفصیل فراہم کی تھیں' ان میں ڈوما کی تصویر کی صورت میں جس سے تیسرے مسافر کی معلومات حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اے ایس آئی بریفنگ دے کر چلا گیا تو سراج نے اورنگ زیب بھی ڈوما کے بارے میں آگاہ کر دیا۔

''آئی سی!'' اورنگ زیب نے پرخیال انداز میں کہا۔ ''گویا تین میں سے دو مر چکے ہیں۔ اب صرف ایک باقی ہے لیکن......کیا آپ کو اندازہ ہے کہ یہ تینوں کس پارٹی کے لیے کام کر رہے تھے......؟''

''یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن حالات کی روشنی میں میرا ایک اندازہ ہے جو ممکن ہے غلط بھی ہو کہ یہ تینوں شاید میڈم کے لیے کام کر رہے تھے۔''

''کیا اب میڈم اس کا اقرار کر لیں گی؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ آپ کے اکسانے پر کم از کم جگا سے کام بھی لے رہی ہے۔''

''میں بعد میں میڈم کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کروں گا' فی الحال جو حملہ آور گرفتار کر کے لایا گیا ہے اس سے دو دو باتیں بھی ہو جائیں۔''

اے ایس آئی کی رہبری میں وہ اس کمرے تک پہنچے جہاں لوچن کو ایک لوہے کی کرسی پر پوری طرح کس کر باندھ رکھا گیا تھا۔ اس کرسی سے ہائی پاور کی بجلی کا ننگا تار بھی منسلک تھا جو مجرم کی زبان کھولنے کی خاطر بہت کارآمد ثابت ہوتا تھا۔

اورنگ زیب اور سراج کمرے میں داخل ہوئے۔اے ایس آئی کو باہر ہی روک دیا گیا۔سراج اس وقت لوچن کو سامنے زندہ حالت میں دیکھ کر دوبارہ چونکا۔اورنگ زیب بھی لوچن کو غور سے دیکھنے لگا جو اس وقت بھی اس طرح بے پروا نظر آ رہا تھا جیسے وہ قیدی نہ ہو۔بس ایک لمحے کو......لوچن کی نظروں میں بھی اورنگ زیب اور سراج کو سامنے دیکھ کر ایک چمک سی ابھری لیکن اس نے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔"تم غیر ملکی ہو مسٹر......" اورنگ زیب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے لوچن کو سنجیدگی سے مخاطب کیا۔"مجھے اس بات کا تجربہ ہے کہ غیر ملکی مجرم ہونے کے باوجود کھل کر بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔شاید اس لیے کہ مشرق والوں پر اپنی سابقہ برتری کا احساس انہیں اب بھی ہے۔"

"میں اس وقت غیر ملکی نہیں......صرف مجرم ہوں آفیسر۔" لوچن نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔"تم مجھے بانس پر چڑھانے میں اپنا وقت ضائع نہ کرو' مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں......یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے جس پر دنیا کی کوئی طاقت اپنا عمل دخل مسلط نہیں کر سکتی۔"

"میری اطلاع کے مطابق تم نے شیخ حامد کے آفس کو آتش گیر مادے کے پلاسٹک بموں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔" اورنگ زیب نے قدرے خشک لہجے میں سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔"اس کے علاوہ تم نے تقریباً پانچ بندے بھی مار دیے۔تم کیا کہو گے؟"

"میں نے نفری کا شمار نہیں کیا' ممکن ہے پانچ کے ساتھ دو ایک اور بھی لپیٹے میں آ گئے ہوں۔" لوچن نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔"رہا شیخ حامد کا آفس تو اس کام کے لیے مجھے خاص طور پر تعینات کیا گیا تھا جو مجھے ہر قیمت پر کرنا تھا۔"

"کس کے اشارے پر......؟"

"ہم جس کو زبان دیتے ہیں اس کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتے۔ویسے تمہاری اطلاع کے لیے یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ ہم اس کے نام سے واقف بھی نہیں۔جو احکامات ملتے تھے اس کے لیے ایک خاص کوڈ ورڈ پہلے سے طے ہو گیا تھا۔"

"احکامات مرد کی آواز میں ہوتے تھے یا کبھی کبھی کوئی عورت بھی......" سراج نے گھما پھرا کر کریدنے کی کوشش کی۔

"سوری آفیسر......میں اس معاملے میں بھی زبان بند رکھنے کا عہد کر چکا ہوں۔" لوچن نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"کیا تمہارے کچھ اور ساتھی بھی تھے......ہیں۔" اس بار سراج نے محتاط انداز میں لوچن کو مخاطب کیا۔

"اگین سوری آفیسر......" لوچن عجیب انداز میں مسکرایا۔"ہم بین الاقوامی سطح کے مجرم ہیں۔مر جاتے ہیں لیکن دوسرے کا نام نہیں لیتے۔"

"کچھ دیر پہلے تمہارا ایک ساتھی اور بھی تھا جو فرار ہوتے وقت کام آ گیا۔اس کے حساب میں

بھی کئی قتل درج کیے گئے ہیں۔'' اورنگ زیب نے ڈوما کی آخری تصویر نکال کر لوچن کو دکھائی۔ لوچن نے زبان سے کچھ نہیں کہا چہرہ آگے کر کے تصویر کو ہونٹوں سے چوم لیا۔ یہ بھی اس کا خاص اعتراف ہی تھا۔

''تمہارا نام میری معلومات کے مطابق لوچن ہے؟'' سراج نے دوسرا سوال پوچھا۔

''ہاں.....'' لوچن نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

''اس بار میں نے اسی نام کا انتخاب کیا تھا۔ ایک بار جس نام کا انتخاب ہو جائے اسے ہم دوسرے معاہدے میں بھی استعمال نہیں کرتے۔''

''تمہارا ایک ساتھی کچھ دنوں پہلے خودکشی کر چکا ہے۔'' سراج نے بات جاری رکھی۔ ''اس کی لاش ہمیں ایک پرائیویٹ ریسٹ ہاؤس سے ملی تھی۔''

''ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو لیکن.....اگر اس نے خودکشی کی ہو گی تو یقیناً اپنی کسی غلطی کے اعتراف کے بعد ہی کی ہو گی۔'' اس بار بھی لوچن نے گول مول جواب دیا۔

''جو خودکشی انسان اپنی خوشی اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ جس کی پشت پر اس کو احساس ہو کہ اس نے کسی معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ وہ ہماری نظروں میں قابل فخر ہوتا ہے اس لیے کہ ہم عام حالات میں کسی سے خوف زدہ ہو کر اس قسم کا بزدلانہ قدم نہیں اٹھاتے۔''

''جس جہاز میں تم یہاں آئے تھے اس کی فرسٹ کلاس میں صرف تین ہی مسافر تھے۔'' اورنگ زیب نے سراج کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں کہا۔ ''دو کام آ گئے.....تیسرے تم ہو.....''

''جب تمہیں کسی ذریعے سے اطلاع مل گئی ہے تو پھر اب اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو؟'' لوچن کے لہجے میں یک لخت کرختگی آ گئی۔ ''یہ وہم دل سے نکال دو کہ میں تمہاری سختیوں سے تنگ آ کر خودکشی کر لوں گا۔ ویسے یہ بھی بتا دوں کہ مرنا جینا بھی ہمارے اپنے اختیار کی بات ہے۔ ہم زبان کھولنے کے بجائے مردوں کی طرح مر جانا ہی پسند کرتے ہیں۔''

''اور اگر ہم تمہیں زندہ رکھنا چاہیں تو.....'' سراج نے سوال کیا۔

''یہ تمہاری مرضی کی بات ہے۔'' لوچن نے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔ ''میں تمہارے سامنے رحم کی درخواست نہیں پیش کروں گا۔''

''زہریلا کیپسول......؟'' اورنگ زیب نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''اس کے علاوہ اور بھی بے شمار طریقے ہیں جن سے شاید تم لوگ ابھی تک واقف بھی نہ ہو۔''

''جگا کا نام بھی سنا ہے؟''

''کبھی دیکھا نہیں.....صرف سنا ہے کہ اسے تمہارے جیل خانے کے گندے ماحول نے مجرم بنا دیا ہے۔'' لوچن نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''اب بھی وہ قتل و غارت گری سے پرہیز ہی کرتا ہے۔''

''ایک اہم سوال اور......''اورنگ زیب نے پہلو بدل کر پوچھا۔''کیا تمہارے ساتھ کوئی تیسرا آدمی تھا جس نے پہلی گولی چلا کر عمارت کے عقبی حصے پر دو گارڈ میں سے ایک کو ہلاک کیا تھا۔اس کی موت رائفل کی گولی سے ہوئی تھی جبکہ تمہارے پاس سے آٹو میٹک پستول اور پلاسٹک بم ہی مل سکے ہیں۔''

''میں تمہاری معلومات کو چیلنج نہیں کروں گا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں بھی نہیں جان سکا کہ وہ کون مہربان تھا۔اس نے بروقت کام نہ دکھایا ہوتا تو شاید اس وقت میں بھی تمہارے ہتھے نہ چڑھ پاتا'موت کی پرسکون نیند سو رہا ہوتا۔ہوسکتا ہے اسے پوشیدہ طریقے سے ہماری حفاظت پر مامور کیا گیا ہو۔''

''ہم تمہیں تھرڈ ڈگری سے دو چار نہیں کریں گے۔''اورنگ زیب نے کچھ سوچ کر کہا۔''ایک شرط پر......تم خودکشی نہیں کرو گے۔''

''تم سوچ لو آفیسر......ہم کسی قسم کی بارگیننگ کرنے کو بھی اپنے اصول کے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔''

''ہم بھی جلدی میں قدم اٹھانے سے گریز ہی کرتے ہیں۔''اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا پھر سراج کے ساتھ اٹھ کر باہر آ گیا۔

''آپ کا لوچن کے بارے میں کیا اندازہ ہے......؟''سراج نے اورنگ زیب سے دریافت کیا۔

''کام کا آدمی ہے......ہمیں اس کے ساتھ ممکنہ رعایت سے کام لینا ہوگا۔''اورنگ زیب نے کچھ توقف سے بات جاری رکھی۔''ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ اس کا تعلق میڈم روبی سے ہوگا۔آپ نے بھی دبی زبان میں شبے کا اظہار کیا تھا۔ہوسکتا ہے کہ میڈم نے لوچن اور اس کے ساتھی کو صرف آکٹوپس کے آفس کو آگ لگانے کا کام سونپا ہو اور جگا کے کسی آدمی کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا ہو جو اپنا کام کر کے نکل گیا ہو۔''

ایس ایچ او کے دفتر میں پہنچ کر اورنگ زیب نے ڈیوٹی انسپکٹر کو ہدایت دی۔

''آپ کوشش کر کے گرفتار ہونے والے مجرم کا کم از کم دس دن کا ریمانڈ حاصل کریں۔اس کی نگرانی پر ذمے دار عملے کو تعینات کریں اور......جب تک میں نہ کہوں آپ حضرات مجرم کے ساتھ کوئی سخت رویہ بھول کر بھی اختیار نہ کریں۔دیگر معاملات میں آپ کو ضابطے کی کارروائی کرنے کا مکمل اختیار ہوگا۔''

''او کے سر......''

''ایک خاص بات اور......مجرم کو ایسے لاک اپ میں رکھا جائے جہاں تک نگرانی کرنے والوں کے سوا کسی اور کی پہنچ ممکن نہ ہو......کسی کو ملاقات کی اجازت بھی نہ دی جائے......کوئی اثر ورسوخ استعمال کرے تو آپ فوری طور پر کسی وقت بھی مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔''

''میں آپ کے حکم کی اہمیت کو سمجھ رہا ہوں سر......آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔''

''گڈ......''اورنگ زیب کچھ اور ضروری ہدایت دے کر اٹھ رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔ایس ایچ او نے کال اٹینڈ کی پھر ریسیور اورنگ زیب کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ڈی آئی جی صاحب کی کال ہے سر......آپ کے لیے۔''

''ہیلو سر......''اورنگ زیب نے ریسیور لے کر بڑے سکون سے اٹینڈ کیا۔''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''ابھی آپ کے آکٹوپس کا فون آیا تھا۔''ڈی آئی جی آغا منظور نے سنجیدگی سے کہا۔''آپ کا موبائل فون مسلسل بند آ رہا ہے۔شاید سگنل نہیں آ رہے ہوں گے۔میں نے آپ کو گھر پر کال کیا وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ متعلقہ تھانے پر ملیں گے۔آپ کو شاید اطلاع مل گئی ہوگی کہ کسی نے آکٹوپس کے فلور پر دونوں جانب سے حملہ کر کے وہاں آگ لگا دی ہے'اس کے بیان کے مطابق اس کے گارڈز اور حفاظتی دستے کے دس بارہ آدمیوں کو بھی ہلاک کیا گیا ہے۔''

''ادھر ہی جا رہا ہوں سر......مرنے والوں کی گنتی بھی کر لوں گا۔قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا ان کی تعداد کے بارے میں۔''اورنگ زیب نے سرد انداز میں جواب دیتے ہوئے دریافت کیا۔''میرے لیے کوئی خاص ہدایت......''

''میں آپ لوگوں کے ساتھ ہوں لیکن......ذرا ہاتھ ہلکا رکھیے گا۔وہ اس وقت فون پر پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا'ہو سکتا ہے کہ اس نے ہمارے سلسلے میں مرکز میں اپنے واقف کاروں سے بھی الٹی سیدھی شکایتیں کی ہوں۔''

''فکر نہ کریں سر......اگر کوئی آفت آئے تو آپ بلا تکلف میرا نام لے کر اپنی پوزیشن کلیئر کر سکتے ہیں۔''اورنگ زیب کے چہرے پر بھی ناگوار تاثرات ہی ابھرے تھے۔''اوپر والوں کو میں سنبھال لوں گا۔''

''پھر بھی......اگر مصلحت سے کام لیا جائے اس میں زیادہ دانش مندی ہوگی۔

''اس کی ذمے داری بھی آکٹوپس کے طرز عمل پر ہوگی۔اگر اس نے میری پوزیشن کا خیال نہیں کیا تو شاید مجھے کھلے الفاظ میں اسے بتانا ہوگا کہ ایک ذمے دار ایس پی کے کیا فرائض ہوتے ہیں اور وہ کس حد تک قانون کی طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔''اورنگ زیب نے جملہ مکمل کرتے ہی دوسری جانب سے کسی بات کا انتظار کرتا کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔پھر سراج کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا لمبے لمبے قدم اٹھاتا ایس ایچ او کے آفس سے نکل کر باہر کی سمت قدم اٹھانے لگا۔اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس وقت وہ کوئی بھی قانونی قدم اٹھانے سے قطعی دریغ نہیں کرے گا۔راستے میں اس نے سراج سے بھی زیادہ بات نہیں کی۔جائے وقوعہ پر پہنچ کر اس نے تمام زاویوں سے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا۔

فائر بریگیڈ نے پورے دفتر کو مکمل تباہ ہونے سے کسی حد تک بچا لیا تھا لیکن جو کچھ تباہ ہو چکا تھا وہ بھی شیخ حامد کے زخموں پر کٹی ہوئی مرچ سے کم نہیں تھا۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت شیخ حامد اپنے گھر پر ہی بیٹھا فون کھڑکا رہا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنی تفتیشی ٹیم کے ساتھ ایک ایک حصے کا جائزہ لیا پھر اس نے وہاں موجود پولیس آفیسر سے اپنے سامنے پوری رپورٹ بھی تیار کرائی۔ سراج بھی حتی الامکان اس کا ہاتھ بٹاتا رہا۔

+++

لیاقت حسین کی زندگی میں جو اچانک انقلاب آیا وہ اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ فرحین سے شادی کے بعد وہ جس بے سروسامانی میں سب کچھ چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اس وقت اس کے ساتھ ماں کی دعاؤں کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ سیٹھ عثمان کے ہاں ملازمت کے بعد اس کے برے دن دور ہو گئے تھے۔ اس نے انسانیت کے ناتے جو قربانیاں دی تھیں اس نے اسے سب کی نظروں میں معتبر بنا دیا تھا۔ وہ مختلف حالات سے گزرنے کے بعد پرسکون زندگی گزار رہا تھا جب اسے اتفاقاً سیٹھ عثمان اور اپنے باپ کے درمیان کاروباری تعلقات کا پہلی بار علم ہوا۔ جو باتیں اس نے سن لی تھیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ کسی مال کی سپلائی میں تاخیر کے سبب سیٹھ عثمان کو جو کاروباری پریشانی لاحق ہوئی تھی اس نے ان دونوں کے درمیان ایک دراڑ سی پیدا کر دی تھی۔ پہلے اسے صرف شبہ تھا کہ مال سپلائی کرنے والا کون تھا' اس کے ذہن کے ایک گوشے میں اپنے والد کا خیال آیا تھا جس نے اسے کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا' پھر ساری بات اس روز واضح ہو گئی جس روز فرحین نے اسے فون پر بتایا تھا کہ سردار سرفراز خان ہی وہ کاروباری تھا جس سے سیٹھ عثمان کی تکرار ہوئی تھی۔

حقیقت جان کر لیاقت حسین کی بے چینی قدرتی بات تھی' اس کے رگوں میں بھی باپ کا لہو گردش کر رہا تھا۔ وہ باپ کی اصول پسندی سے واقف تھا۔ وہ سچا اور کھرا انسان تھا' کسی کو زبان دے کر پیچھے ہٹنا اسے منظور نہیں تھا۔ لیاقت حسین کی پسند معلوم ہونے سے پیشتر ہی وہ شاہ پری کے والد کو زبان دے چکا تھا۔ اس نے زبردستی اپنی مرضی لیاقت حسین پر مسلط کرنے کی کوشش بھی نہیں کی لیکن اپنا یہ فیصلہ بھی سنا دیا کہ شاہ پری کے علاوہ اگر لیاقت حسین نے کسی اور کو شریک حیات بنایا تو اس کی حویلی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ ماں نے فرحین کے حق میں فیصلہ لیا تو لیاقت حسین نے باپ کی حویلی کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ کراچی آنے کے بعد بھی وہ کسی مرحلے پر مایوس نہیں ہوا...... اس نے جو دینی تعلیم حاصل کی تھی اس کی روشنی میں وہ کسی بھی ضرورت مند کی مدد کرنے سے کبھی گریز کرتا تھا' قدرت کو اس کی ادا بھائی تو اس نے کسی کو وسیلہ بنا کر اسے اپنی رحمتوں سے نواز دیا۔ اس کی زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا جب اسے سیٹھ عثمان اور اپنے باپ کے درمیان کسی بدمزگی کی بھنک ملی تھی۔ اس شبے کی تصدیق ہو جانے کے بعد اس نے ہر پہلو پر غور کیا پھر اس نے براہ راست سیٹھ عثمان سے مل کر پہلی بار یہ بتا دیا کہ دوسرا سرفراز خان کا لخت جگر ہے۔ اس کی صاف گوئی پر سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم دونوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور اب قدرت نے اسے پھر نوازنے کی ٹھان لی تھی۔

اس شام حسب معمول سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم سراج کی رہائش گاہ پر آئے تو لیاقت حسین نے ہی ان کا استقبال کیا تھا۔ الماس بیگم راحیلہ بیگم کا ہاتھ تھام کر اندر لے گئیں' سیٹھ عثمان لیاقت حسین سے بات کرنے لگے۔

''لیاقت حسین......تم نے وعدہ کیا تھا اور زبان دی تھی کہ سردار سرفراز خان کا نام ظاہر ہونے کے بعد بھی تم ہم سے علیحدگی نہیں اختیار کرو گے' ہم جو کہیں گے تم اس پر آنکھ بند کر کے پہلے کی طرح عمل کرو گے۔''

''آپ حکم دیں صاحب۔ لیاقت حسین آپ کے کسی حکم سے انکار نہیں کرے گا۔'' لیاقت حسین نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''ایک مشکل کام درپیش ہے' تم چاہو تو وہ مشکل دور ہو سکتی ہے۔''

''میں نے آپ کا نمک کھایا ہے صاحب۔'' لیاقت حسین جذباتی ہو گیا۔ ''آپ کی خاطر اگر مجھے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی دینا پڑے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

سیٹھ عثمان خاموشی سے اندر چلے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد لیاقت حسین کو بھی طلب کر لیا گیا۔ لاؤنج میں سراج اور الماس بیگم کے علاوہ راحیلہ بیگم اور سیٹھ عثمان بھی موجود تھے۔ لیاقت حسین ان کے سامنے ایک طرف خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

''لیاقت حسین۔'' سراج نے اسے مخاطب کیا۔ ''مجھے آج پہلی بار یہ معلوم ہوا ہے کہ تم غلط بیانی بھی کرتے ہو۔''

لیاقت حسین نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر دبی زبان میں کہا۔ ''میں انکار نہیں کروں گا صاحب لیکن کبھی کبھی غیرت بھی انسان کو مصلحتاً غلط بیانی پر مجبور کر دیتی ہے۔''

''غلطی بہرحال غلطی ہوتی ہے جس کی سزا بھی ضرور ملتی ہے۔'' سراج کے لب و لہجے سے اپنائیت عیاں تھی۔

''آپ جو سزا دیں گے مجھے منظور ہو گی صاحب۔'' لیاقت حسین نے بہ دستور سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہیں سراج صاحب نہیں بلکہ راحیلہ سزا دینے کا ارادہ کر چکی ہیں۔'' الماس نے کہا۔ ''فوری طور پر تمہیں موجودہ ملازمت سے برطرف کیا جا رہا ہے۔''

لیاقت حسین نے چونک کر سیٹھ عثمان کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر کئی سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے جب سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم جانتے ہو لیاقت حسین کہ میں بیگم صاحبہ کے کسی حکم سے انکار نہیں کرتا۔ جو فیصلہ ہو چکا ہے اسے واپس لینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ البتہ میں اپنے ذاتی اختیار سے تمہیں اپنے نئے دفتر کا سپروائزر مقرر کر رہا ہوں اور فوری طور پر تمہاری تنخواہ تیس ہزار روپے کر رہا ہوں۔''

لیاقت حسین گنگ رہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہو پھر جب

الماس نے اسے مبارکباد دی اور سراج نے اٹھ کر اسے گلے لگا لیا تو اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

''صاحب۔'' اس نے بھرائی آواز میں سیٹھ عثمان سے کہا۔'' آپ نے جو حکم دیا ہے میں اس سے انکار نہیں کروں گا لیکن ایک درخواست میری بھی قبول کر لیجیے۔''

''کھل کر بتاؤ لیاقت حسین......ہم تمہاری کسی فرمائش سے انکار نہیں کریں گے۔''

''میں آپ کی گاڑی کی چابی کسی اور کو نہیں دوں گا......آپ جہاں بھی جائیں گے؟ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔''

''گڈ......'' سراج نے کہا۔''میں تمہاری اس بات سے بالکل متفق ہوں۔ جب تک کچھ معاملات پوری طرح ہمارے کنٹرول میں نہ آ جائیں۔ عثمان کا تمہارے سوا کسی اور کے ساتھ آنا جانا میں بھی پسند نہیں کروں گا۔''

کچھ دیر بعد لیاقت حسین واپس اپنے کمرے میں آیا تو اسے اپنی ماں بڑی شدت سے یاد آئی۔ یہ سب اسی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا' اس نے خدا کا شکر ادا کرنے کی خاطر دو رکعت شکرانے کے ادا کیے پھر دو رکعت استغفار کے پڑھے' خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتا رہا کہ وہ اسے ہر معاملے میں سرخرو کرے' قدم قدم پر اپنے رحم و کرم سے نوازتا رہے۔ وہ ہر معاملے میں ہمیشہ ثابت قدم رہے' اس سے کبھی کوئی ایسی لغزش نہ ہو جو خدا اور اس کے محبوب کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ مرتے وقت تک اس سے بھول کر بھی کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جو آخرت میں اس کی پکڑ کا سبب بن جائے۔

اس رات لیاقت حسین کو فرحین کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی' وہ پاس ہوتی تو دونوں مل کر اس کامیابی کا جشن مناتے جو لیاقت حسین کو اچانک نصیب ہوئی تھی۔ خود فرحین کا سر بھی بلند ہو جاتا کہ اس نے لیاقت حسین کے مستقبل کے لیے جو خواب دیکھے تھے وہ پورے ہو گئے۔ فرحین کو یاد کرتے وقت لیاقت حسین نے طے کر لیا تھا کہ وہ دو ایک روز میں سیٹھ عثمان سے اجازت لے کر فرحین کو لینے چلا جائے گا۔ اسی بہانے ماں سے بھی مل لے گا جو اسے یاد آتی رہتی تھی۔ ممکن ہے طویل جدائی کے بعد وہ حویلی جائے تو سردار سرفراز خان بھی اسے گلے لگا معاف کر دے۔ ان ہی خیالوں میں گم لیاقت حسین نیند کی وادیوں میں ہچکولے کھانے لگا۔ اس کی پلکوں پر آنے والے کل سے خواب مچل رہے تھے جب فرحین کی آوازیں اس کے کانوں میں گونجی۔

''سچ مچ سو گیا یا مجھے آتا دیکھ کر آنکھیں موند لیں۔''

لیاقت حسین نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ فرحین اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے قریب کھڑی تھی' خلاف توقع اس نے پیلے رنگ کی ساڑی باندھ رکھی جس کا تنگ بلاؤز اسے پریشان کر رہا تھا' اس کی نگاہوں میں مستی ہی مستی نظر آ رہی تھی۔ اس کے جوڑے میں بائیں جانب گیندے کا ایک تازہ پھول بھی لگا تھا۔

''تو......تو کب آئی؟'' لیاقت حسین نے حیرت سے دریافت کیا۔''یہاں کیسے پہنچ گئی؟''

''دوپہر کو آ گئی تھی لیکن بیگم صاحب نے روک لیا تھا' اب وہی مجھے یہاں چھوڑ گئی ہیں۔ تیری

خوشی میں اضافہ کرنے کی خاطر۔'' فرحین نے ایک خاص ادا سے اٹھلا کر کہا۔ ''یہ تو اس طرح ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہا ہے؟ کیا تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟'' پھر اس نے لیاقت حسین کے اور قریب آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''سچ بتا کیسی لگ رہی ہوں؟''

''یہ ساڑی تجھے......''

''تیری شاہ پری نے دی ہے۔'' فرحین نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اس نے باندھنا بھی سکھا دیا۔ جانتا ہے وہ کیا کہہ رہی تھی؟''

''کیا کہہ رہی تھی......؟''

''کہہ رہی تھی کہ ایسے لباس میں مرد کی رال بہت جلدی ٹپکنے لگتی ہے۔''

''وہ سچ کہہ رہی تھی......'' لیاقت حسین نے اسے بے اختیار اپنے قریب گھسیٹ کر بازوؤں میں جکڑ لیا۔ فرحین کسمسا کر بولی۔

''اٹھ کر کواڑ کو کنڈی تو لگا لے۔ کوئی آ گیا تو کیا کہے گا؟''

فرحین کے قرب نے لیاقت حسین کو دیوانہ بنا دیا تھا لیکن وہ اس کے کہنے پر دروازہ بند کرنے کی خاطر اٹھ گیا۔ فرحین اسے شوخ نظروں سے دیکھتی رہی' لیاقت حسین کو آج اس کا ہر انداز بڑا حسین نظر آ رہا تھا۔ شاید دس گیارہ دنوں کی دوری نے اس کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ خود لیاقت حسین بھی اسے نئے لباس اور نئے ڈھنگ میں دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ کمرے میں زیرو پاور کی روشنی بھی گل کرنے کے بعد وہ دوبارہ فرحین کے قریب آیا تو فرحین نے پہلی مرتبہ اسے اپنے کھلے بازوؤں میں سمیٹ لیا' اس کے سینے کی دھڑکن بتا رہی تھی کہ لیاقت حسین سے دور رہ کر وہ بھی اس کے قرب کے لیے مضطرب ہو گئی تھی۔ لیاقت حسین کو فرحین کی بے خودی اور خود سپردگی کا نیا اندازہ اسے طوفانی تھپیڑوں کی مانند اپنے ساتھ بہا لے جانے کی کشش کر رہا تھا جب کسی نے اسے بڑے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔

''آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اندھا ہو رہا ہے عقل کے دشمن...... سنبھل جا ورنہ سب کچھ ستیاناس ہو جائے گا۔''

لیاقت حسین نے گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا' جس نابینا بزرگ نے اسے منگھوپیر کے ٹینٹ میں بیٹھے ہوئے دیوانے تک پہنچنے میں مدد کی تھی' اس وقت اسی کا ہیولا اس کے سامنے فضا میں بل کھاتا نظر آ رہا تھا۔ لیاقت حسین ہڑبڑا کر اٹھا۔ اس نے کمرے میں دوبارہ روشنی کی تو خود بھی ششدر رہ گیا۔ فرحین کا کوئی وجود کمرے میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر نابینا کے ہیولے پر نظر ڈالی جو آہستہ آہستہ لرزتا ہوا فضا میں تحلیل ہو گیا۔ لیاقت حسین نے بوکھلا کر پلنگ کی طرف دیکھا۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا' جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا محسوس کر رہا تھا شاید وہ سب کچھ ایک خواب تھا لیکن فرحین کے جوڑے میں لگا ہوا گیندے کا پھول اس وقت بھی اس کے بستر پر مسلا ہوا پڑا صاف نظر آ رہا تھا۔

+++

شیخ حامد کے لیے وہ سانحہ ایسا نہیں تھا جسے وہ آسانی سے فراموش کر دیتا۔

یہ پہلا موقع تھا جب کسی نے اس کی شہ رگ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کی تھی۔ اس کے کارندے اسے ایک ایک پل کی رپورٹ دے رہے تھے۔ دو گھنٹے سے وہ متواتر کبھی فون اور کبھی اپنے مختلف موبائل پر کالیں کر رہا تھا۔ ہر کال کے ساتھ ملنے والی نئی اطلاع اس کے لیے جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ دفتر جل جانے کا معاملہ ایسا نہیں تھا جسے وہ آسانی سے حلق کے نیچے اتار لیتا۔ یہ اس کی شہرت اور ساکھ پر ایسی کاری ضرب تھی جس نے اسے دیوانہ کر دیا تھا۔ اسے عمارت اور ساز و سامان کے جلنے یا تباہی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سارے ریکارڈ کی کاپی مختلف کمپیوٹرز پر محفوظ کراتے رہنا اس کی پرانی عادت تھی۔ وہ خود دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتا تھا اس لیے یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ اس کے مخالفوں کی تعداد بھی کم نہیں ہوگی۔ کوئی بھی کسی وقت چھوٹے موٹے وار پلٹ کر کر سکتا تھا' اسی مقصد سے وہ ہر نئی فائل کو کسی الماری یا دراز میں محفوظ کرنے سے پیشتر اس کا مکمل ڈیٹا کمپیوٹر پر محفوظ کرنے کا عادی تھا۔ اس کام میں ایک منٹ کی تاخیر بھی اسے منظور نہیں تھی۔ جو عمارت جل کر خاکستر ہو چکی تھی وہ پندرہ بیس روز میں دوبارہ مرمت کرائی جا سکتی تھی لیکن وہ کسی دشمن کو سر اٹھانے سے پیشتر ہی کچل دینے کا عادی تھا' اس لیے پہلی بار جس کسی نے بھرپور وار کیا تو غصے سے پاگل ہی ہو گیا تھا۔

اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں ایک بدیسی دوشیزہ کے ساتھ کنول سے مجبوراً دور رہنے کا غم غلط کر رہا تھا جب نمبر دو نے اسے آگ کی اطلاع دی تھی۔

''باس کسی نے ہمارے آفس کو دونوں طرف سے آتش بم پھینک کر آگ لگا دی ہے۔''

''کیا بک رہے ہو......؟'' وہ آغوش میں سمٹی ہوئی بے لباس دوشیزہ کو غصے سے ایک طرف دھکیلتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''کون لوگ تھے؟''

''ابھی اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوا۔ صرف اتنی اطلاع ملی ہے کہ وہ تعداد میں غالباً دو ہی تھے۔ دونوں غیر ملکی تھے۔ ایک موقعے پر مارا گیا دوسرے کو پولیس ساتھ لے گئی ہے۔''

''جو حرام کے تخم ہم نے پال رکھے تھے وہ کہاں مر گئے تھے......؟''

''ان میں سے بھی آدھے کام آ گئے۔ جو زندہ ہیں' اس کے بیانات لیے جا رہے ہیں۔''

''جس حرامزادے کی لاش ملی ہے وہ کون تھا؟...... کس پارٹی سے تعلق تھا اس کا......؟''

''ابھی تصدیق نہیں ہو سکی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان دونوں کا تعلق اسی سیاہ فام حبشی سے تھا جس کی لاش کچھ دنوں پیشتر ایک مقامی گیسٹ ہاؤس سے ملی تھی۔''

''خیال نہیں......'' وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے بولا۔ ''مجھے درست اطلاع ملنی چاہیے۔''

''کسی حد تک خبر کو مصدقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔''

''کھل کر بات کرو...... میں معمے حل کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''ہمارے ایک پولیس کے انفارمر نے بتایا ہے کہ کچھ عرصہ قبل تین غیر ملکی ایک ہی جہاز

میں ایک ساتھ یہاں آئے تھے۔ایک سیاہ فام تھا جو پوسٹ مارٹم کی کہانی کے مطابق خودکشی کر چکا ہے۔دوسرا ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں کام آ گیا۔تیسرے کو پولیس ساتھ لے گئی ہے۔''

''آئی۔سی......'' شیخ حامد نے خلا میں گھورتے ہوئے بڑے زہریلے لہجے میں کہا۔''جگا کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟''

''وہ ابھی تک انڈر گراؤنڈ ہی ہے۔''

''اسے فوری تلاش کرنا ضروری ہے۔'' شیخ حامد نے چیخ کر حکم دیا۔''جو سیاہ فام مر چکا' اس حرامی کو جگا کے ٹھکانے پر ہی دیکھا گیا تھا۔لیکن......'' شیخ حامد جملہ مکمل کیے بغیر دہاڑا۔''وہ میرا سب سے کارآمد آدمی تھا جسے گولی ماردی گئی پھر اس کے بعد سے جگا بھی منظر عام سے ہٹ گیا۔اس ساری کہانی کے پیچھے مجھے جگا ہی نظر آ رہا ہے۔اسے کسی طرح بھی تلاش کرو۔اب میں تم لوگوں کی غفلت برداشت نہیں کر سکتا۔''

''رائٹ سر......'' دوسری جانب سے مختصر جواب دیا گیا۔

''جس غیر ملکی کو پولیس لے گئی ہے وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''علاقے کے تھانے میں۔میری معلومات کے مطابق وہاں ایس پی اورنگ زیب پہلے موجود تھا پھر......پھر اسی نے پولیس پارٹی کے ساتھ جائے حادثہ کی تفصیلی رپورٹ بھی جائزہ لینے کے بعد اپنی موجودگی میں موقع پر ہی تیار کرائی ہے۔''

اورنگ زیب کا نام شیخ حامد کے زخموں پر نمک سے کم نہیں تھا۔اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر بدیسی دوشیزہ پر ڈالی جو بدستور بستر کی شکنوں پر بکھری پڑی بڑی بے پروائی سے سگریٹ پینے میں مصروف تھی۔وہ ایک لمحے تک اسے خالی خالی نظروں سے گھورتا رہا پھر بڑے سرد لہجے میں سوال کیا۔

''جو لوگ عمارت کی چوکیداری پر تعینات تھے ان میں سے کتنے مارے گئے؟''

''صحیح تعداد ابھی نہیں معلوم ہوئی لیکن اب اطلاع کے مطابق آٹھ دس کام آ گئے ہیں۔''

''باقی جو بچے ہیں ان نمک حراموں کو بھی گولی ماردو۔''

دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔شیخ حامد نے انتظار بھی نہیں کیا پھر فوری طور پر فون پر ڈی آئی جی کرائمز سے رابطہ کیا۔

''مجھے حادثے کی اطلاع مل چکی ہے جناب' میں......''

''میری اطلاع کے مطابق حملہ آواروں کا ایک غیر ملکی ساتھی پولیس کی حراست میں ہے؟''

''میں ابھی متعلقہ تھانے کو فون کر کے......''

''اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے آغا منظور۔'' شیخ نے اس کی بات کاٹ کر تلملاتے ہوئے کہا۔''مجھے گرفتار ہونے والے کی تمام تفصیل صبح تک درکار ہو گی' تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی بتا دوں کہ اب میں مرکز کے ان ہڈحراموں کو بھی ہلا کر رکھ دوں گا جو ہر ماہ پابندی سے دم ہلاتے ہوئے مجھے سلام کرتے ہیں' تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے؟''

''آپ پریشان نہ ہوں جناب..... میں براہ راست اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''تم پھر مجھے دلاسہ دینے کی باتیں کر رہے ہو'' اس نے بدستور جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔'' نئے ایس پی کے آنے کے بعد سے تم بھی مجبور نظر آ رہے ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے لیکن.....''

''میری بات کا خیال رکھنا..... مجھے صبح تک پوری تفصیل درکار ہو گی۔'' اس نے ایک بار پھر ڈی آئی جی کی پوری بات سنے بغیر کہا پھر جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اٹھ کر چند لمحے تک ادھر ادھر کسی زخمی درندے کی طرح ٹہلتا رہا پھر بستر پر پڑے شکار کے قریب آ گیا' غیر ملکی دوشیزہ نے اٹھ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ شیخ حامد اس کے ساتھ بھوکے شیر کی طرح لپٹ گیا۔ چند لمحے اس کے جوان جسم کے نشیب و فراز کو بھنبھوڑتا رہا پھر اسے دوبارہ بستر پر چھوڑ کر اس نے موبائل اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف سے نمبر دو کی کال تھی۔

''سر..... جو پولیس کی حراست میں ہے اسے سخت پہرے میں رکھا گیا ہے' کسی کو بھی اس کے قریب.....''

''نان سینس.....'' شیخ حامد حلق کے بل چیخا'' کال کا مقصد بیان کرو؟''

''وہ..... وہ..... اس کا نام لوچن ہے سر' چینی باشندہ ہے۔ اس کا تعلق ایک بین الاقوامی تنظیم سے ہے جو ضرورت مندوں کو منہ مانگی رقم کے عوض بندے فراہم کرتی ہے۔''

ایک ہی سانس میں بات جاری رکھی گئی۔'' جو ہمارے گارڈ کا نشانہ بنا اس کا نام ڈوما ہے اس کا تعلق بیروت سے تھا' وہ بھی اس تنظیم کا سرگرم کارکن تھا۔''

''جس نے خودکشی کی وہ ہاشم تھا' کیوں؟''

''یس سر.....''

''یہ بات تھوڑی سے دوڑ دھوپ کے بعد میرا گھریلو ملازم بھی معلوم کر سکتا تھا'' اس نے بڑی نفرت کا اظہار کیا۔

''اصل سوال یہ ہے کہ ان حرامزدوں کو کس پارٹی نے یہاں آنے کی دعوت دی تھی؟''

''میں کوشش میں لگا ہوں سر لیکن.....''

''اب کوشش سے کام نہیں چلے گا'' وہ جھلا کر بولا۔

''مجھے رزلٹ چاہیے۔''

''او۔ کے سر.....!''

''ون منٹ.....'' شیخ حامد نے اچانک ذہن میں ابھرنے والے کسی خیال کے تحت سرسراتے لہجے میں کہا۔

''لیاقت حسین بھی ہاتھ آتے آتے نکل گیا۔ تم اس کے بارے میں اب کیا کہو گے؟''

''وہ......وہ......سب کچھ حیرت انگیز ہی تھا سر ورنہ......''

''ایک بات پر غور کرو......'' اس نے نمبر ٹو کی بات کاٹ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''لیاقت حسین کے بچ کر نکل جانے کے بعد ہی یہ آگ لگانے والی کارروائی کی گئی ہے۔''

''اوہ......'' نمبر ٹو چونکا۔ ''ہوسکتا ہے سر کہ پھر اس میں ایجنسی کے کچھ لوگ بھی شامل ہوں۔''

''نہیں......'' شیخ حامد نے اس کے خیال سے اتفاق نہیں کیا۔ ''ایجنسی کے لوگ بین لاقوامی تنظیم سے کبھی دہشت گرد نہیں امپورٹ کرتے' لیکن ایک بات طے ہے......جو کچھ ہوا اس میں کسی نہ کسی زاویے سے لیاقت حسین کا نام ضرور درمیان میں آتا ہے۔''

''آپ کا یہ اندازہ غلط نہیں ہے سر لیکن لیاقت حسین کچھ دنوں سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کے بنگلے پر ہے۔ اس روز بھی وہ اتفاق سے ہمیں نظر آ گیا تھا' ہم نے ایکشن لینے میں دیر بھی نہیں کی لیکن اس کی قسمت اچھی تھی جو وہ......''

''گولی کے بدلے گولی......'' شیخ حامد کی آنکھوں میں شعلے ناچنے لگے۔ ''جب تم ڈنکا کے نام سے مشہور تھے اس وقت تمہارا ابھی یہی اصول تھا......''

''آپ صرف اشارہ کر دیں سر......عمل کرنا میرا کام ہے۔''

''صرف ایک دن اور انتظار کرلو اس کے بعد لیاقت حسین جس چھت کے بھی نیچے ہو اسے بھی آگ لگا دو۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔''

''سمجھ گیا سر......''

شیخ حامد نے موبائل آف کیا تو بدیسی عورت نے اٹھ کر پھر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں' بڑی نشیلی آواز میں بولی۔ ''کم آن ڈارلنگ! اٹ اس فنش ون راؤنڈ' پلیز۔'' اس کی آنکھیں شدت جذبات سے سرخ ہو رہی تھیں۔ خود سپردگی کا بے باک انداز بھی قیامت ہی تھا' شیخ حامد نے اسے پھر اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔ یہ صرف اس کی وحشت کا مظاہرہ تھا ورنہ اس کے ذہن میں اس وقت بھی انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ شعلے جنس مخالف کی آتش شوق کو سرد کرنے کے لیے ناکافی تھے۔ کچھ دیر بعد وہ اسے پھر چھوڑ کر اٹھ گیا۔ اس کے اندر انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس سے مجبور ہو کر اس نے براہ راست ایس پی اورنگ زیب کے نمبر پنچ کیے پھر موبائل کان سے لگایا۔

''ہیلو......ایس پی اورنگ زیب بول رہا ہوں......''

''میں شیخ حامد بول رہا ہوں۔''

''اوہ......'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جو سانحہ رونما ہو چکا اس پر مجھے بھی دکھ ہے۔''

''میں نے تمہیں تعزیت کا اظہار کرنے کی خاطر فون نہیں کیا تھا۔'' شیخ حامد بری طرح بھنا گیا۔

''میرے لائق کوئی حکم......؟''

''جو سؤر کی اولاد مر گیا اسے جہنم میں ڈالو۔ میں اسے کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں جو

تمہاری حراست میں ہے۔''

''وہ بھی غیر ملکی ہی ہے لیکن اس نے ابھی تک خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔'' اورنگ زیب نے سپاٹ انداز میں کہا۔

''ہم مختلف طریقوں سے اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ زیادہ ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ اس لیے نہیں دے رہے کہ اگر وہ بھی مر گیا تو اصل مجرم اور ذمے دار افراد تک پہنچنے میں مشکل بھی پیش آسکتی ہے۔''

''تمہارا کچھ ذاتی خیال تو ہوگا کہ مجھے نقصان پہنچانے میں کس باسٹرڈ کا ہاتھ ہوسکتا ہے؟''

''مجھے آپ کے نقصان اور اس وقت آپ کی ذہنی کیفیت......دونوں کا اندازہ ہے مسٹر حامد لیکن میں فی الحال یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیا یقینی بات اگلوانے کی خاطر مجھے کہیں اوپر فون کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑے گی؟'' شیخ حامد نے تلخ انداز میں اورنگ زیب کو اپنے اثر و رسوخ سے مرعوب کرنے کی کوشش کی۔

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے شیخ حامد صاحب' میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔''

شیخ حامد مشورہ والی بات سن کر آپے سے باہر ہوگیا۔ قدرے تیز لہجے میں بولا۔ ''میں تم کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں۔ تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

''اوہ ......کیا آپ نے اس وقت یہی کہنے کے لیے زحمت گوارا کی ہے۔'' اورنگ زیب کے جواب میں بھی کوئی لچک نہیں تھی۔

''تمہاری فائنل رپورٹ کب تک تیار ہو جائے گی؟''

''پولیس صرف سنجیدگی سے تفتیش کر سکتی ہے محترم......کوئی ٹائم فریم دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔''

''او۔ کے......'' شیخ حامد نے دانت پیستے ہوئے لائن منقطع کر دی' پھر غصے میں کھولتا ہوا ٹیلی فون کے قریب گیا۔ اس بار وہ براہ راست مرکزی وزیر داخلہ کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اس کا رہا سہا سکون بھی اورنگ زیب سے گفتگو کرنے کے بعد غارت ہوگیا تھا۔

''ہیلو شیخ صاحب......'' دوسری جانب سے وزیر داخلہ کی آواز ابھری۔ ''اس وقت کیسے یاد کر لیا؟''

''آپ کو زحمت تو نہیں ہوئی......؟''

''قطعاً نہیں' ابھی پندرہ منٹ پیشتر ہی ایک میٹنگ سے آیا ہوں اور آپ کا فون ملنے سے تو ہمیں خوشی ہوئی ہے۔'' دوسری جانب سے خاصی بے تکلفی سے کہا گیا۔ ''اور سنائیں' کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''کاروبار کو تو آگ لگ گئی جناب۔'' شیخ حامد نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ سب خیریت تو ہے؟''

''خیریت ہوتی تو اس وقت آپ کو زحمت نہ دیتا...... ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے دشمنوں نے میرے آفس اور پورے فلور کو جلا کر سب کچھ راکھ کا ڈھیر کر دیا ہے۔''

''کوئی گرفتاری بھی ہوئی یا نہیں......؟''

''ایک غیر ملکی کی لاش ملی ہے' دوسرا ایس پی اورنگ زیب کے قبضے میں ہے۔''

''ایس پی سے بات کی آپ نے؟''

''آپ بھول رہے ہیں کہ میں آپ سے پہلے اس کے تبادلے کی بات کر چکا ہوں۔'' شیخ حامد نے یاددہانی کراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اسے فون کیا بھی میں نے' لیکن اس نے یہ کہہ کر لائن کاٹ دی کہ وہ مجھے نہ تو معلومات فراہم کرنے کا پابند ہے نہ ہی کوئی ٹائم فریم دے سکتا ہے۔''

''آغا منظور سے شکایت کی آپ نے؟''

''وہ بھی آپ کی طرح ایس پی کے خلاف کوئی ایکشن لینے سے کتراتا ہے۔'' شیخ حامد نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔

''اب تو ایسا راستہ اختیار کرنا پڑے گا کہ براہ راست صدر مملکت یا وزیراعظم تک رسائی حاصل کروں۔''

''آپ پریشان نہ ہوں شیخ صاحب...... میں براہ راست ایس پی سے بات کرتا ہوں' وہ آپ کو ہر معلومات فراہم کرنے کا پابند ہے۔''

شیخ حامد نے شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ وزیر داخلہ بھی کوئی چھوٹی موٹی شے نہیں تھا۔ ریسیور رکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا تو غیر ملکی دوشیزہ نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ مصروف ہو تو پھر مجھے جانے کی اجازت دو۔'' اس کے لہجے سے بیزاری ہی مترشح تھی۔

''او کے...... گٹ لاسٹ۔''

شیخ حامد کا غیر مہذب جواب دوشیزہ کے لیے غیر متوقع تھا' اس نے برا سا منہ بنایا۔ واش روم میں جا کر لباس پہنا اور خاموشی سے رخصت ہو گئی۔ اس کے جانے کے دس منٹ بعد ہی شیخ حامد کے موبائل کی سکرین روشن ہو گئی' جس پر اورنگ زیب کا نام بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ تین گھنٹیوں کے بعد ہی اس نے اپنا موبائل آن کر کے خشک لہجے میں پوچھا۔

''اب کیسے یاد کیا......؟''

''وزیر داخلہ کے فون کے بعد میرے لیے ضروری تھا کہ آپ سے رابطہ کروں' مجھے اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔'' اورنگ زیب نے سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ ''آپ مجھ سے کیا دریافت کرنا چاہتے ہیں؟''

''جو ملزم تمہاری حراست میں ہے اس نے کچھ اگلا یا نہیں؟''

''ہم پوری کوشش کر رہے ہیں جناب۔''

''کوشش سے کام نہیں چلے گا۔'' شیخ حامد کا لہجہ تحکمانہ ہو گیا۔''اس کے حلق میں ڈنڈا ڈال کر سب کچھ اگلوانے کی کوشش کرو۔ مجھے ہر قیمت پر معلوم ہونا چاہئے کہ کس سورما کی اولاد نے مجھے نقصان پہنچانے کی غلطی کی ہے۔''

''سر......'' اورنگ زیب نے پہلی بار مرعوب ہونے والا انداز اختیار کیا۔'' کچھ وقت تو درکار ہوگا۔''

''ٹھیک ہے...... میں تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دے سکتا ہوں۔''

''شکریہ شیخ صاحب۔ چوبیس گھنٹے کا وقت میرے لیے بہت کافی ہوگا۔ میری کوشش ہوگی کہ اس کے بعد آپ کو شکایت نہ ملے۔'' اورنگ زیب نے بدستور شستہ انداز میں کہا۔''جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔''

شیخ حامد نے ''گڈ'' کہہ کر لائن کاٹ دی۔ اس وقت پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے بہرحال ایس پی اورنگ زیب کو شکست دینے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لے کر ایک دو ضروری کالیں اور کیں پھر سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔

+++

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پرتاب بھوشن اس وقت کالی کے مندر کی ایک کٹیا میں کھڑا پجارن مدھو کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

دیوی کے لیے اپنا جاپ پورا کرنے کے بعد اب اس نے اپنی جون بھی بدل دی تھی۔ عام پنڈت پجاریوں کا روپ اختیار کر لیا تھا' اس وقت بھی خاصا صاف ستھرا دکھائی دے رہا تھا۔ گہرے زرد رنگ کی اجلی دھوتی اس کے لمبے تڑنگے جسم پر خاصی سج رہی تھی۔ بازو اور سینہ کھلا ہوا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی کلائی میں لوہے کے دو کنگن تھے' ننگے سینے اور کشادہ پیشانی پر صندل کی دھاریاں پڑی تھیں۔ گلے میں کئی چھوٹی بڑی مالائیں جھول رہی تھیں۔ ایک گہرے گیروے رنگ کی اکیس موٹے دانوں کی مالا بھی تھی' جس پر اس وقت اس کی موٹی موٹی انگلیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں' لیکن وہ جن تیز نظروں سے مدھو کو گھور رہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت اچھے موڈ میں نہیں ہے۔

مدھو پوری طرح بن سنور کر' رنگ روپ نکال کر اس کی کٹیا میں آئی تھی۔ اس کی جھیل کنول جیسی مدھر بھری آنکھوں میں مستی ہی مستی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کاجل کی ڈوری نے ان آنکھوں کو اور بھی قاتل بنا دیا تھا۔ کٹیا میں داخل ہونے سے پہلے اسے پورا وشواس تھا کہ مہان پجاری اس کے روپ نکھار کو دیکھ کر دیوانہ ہو جائے گا۔ اپنے شریر کی سندرتا بڑھانے کی خاطر اس نے بڑے گھیر کا پنڈلیوں تک اونچا گھاگھرا پہن رکھا تھا۔ سینے پر تنگ چولی تھی۔ خوب صورت کلائیوں میں اس نے گھاگرے سے ملتے جلتے رنگ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں' بالوں کا جوڑا باندھ کر اس نے داہنی جانب گیندے کا پھول بھی لگا رکھا تھا۔ مندر کے کھلے صحن سے گزرتے وقت اس نے جس لہراتی چال کا مظاہرہ کیا تھا اس نے وہاں موجود تمام پجاریوں کے من میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ سب اس نئی پجارن کو پہلی بار دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے' لیکن پرتاب بھوشن اسے کٹیا میں داخل ہوتے دیکھ کر ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر کئی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ انگلیوں کی گردش بھی ہاتھ میں دبی مالا پر کچھ شدت اختیار کر گئی تھی۔

''کیا بات ہے مہاراج ......'' مدھو نے اٹھلا کر اسے لبھانے کی کوشش کی۔ ''تم اس طرح اپنی داسی کو کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''تو ......'' پرتاب نے اس کے گیندے کے پھول کو حقارت سے دیکھا۔ ''اسے زمین پر ڈال کر چرنوں تلے روند دے۔''

''مہاراج......''

''میری آ گیا کا پالن کر......'' پرتاب نے مدھو کو تحکمانہ لہجے میں مخاطب کیا۔''اسی کے کارن سارا بنا بنایا کھیل چوپٹ ہو گیا۔''

مدھو نے جوڑے سے پھول نکال کر قدموں تلے مسل دیا' پھر ہاتھ باندھ کر بولی۔''مہاراج' کیا داسی سے کوئی بھول ہو گئی؟''

''مورکھ......تو اس مسلے کے پاس پھول لگا کر کیوں گئی تھی؟''

''اس کو پوری طرح شیشے میں اتارنے کے کارن۔تم ہی نے تو کہا تھا......''

''ہاں ...... یاد ہے مجھے۔'' پرتاب جل کر بولا۔''پرنتو اسی پھول کے کارن اس کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔''

''میں سمجھی نہیں مہاراج۔'' مدھو نے معصومیت سے کہا۔''وہ دشٹ تو پوری طرح مجھے اپنی استری جان کر میرے شریر میں سمانے کو بیاکل تھا۔ پھر اچانک نہ جانے کیسے اسے اپنی بھول کا دھیان آ گیا۔ وہ ایک دم چونکا مہاراج پھر...... میں نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''تو نہیں جانتی لیکن دیوی کی کرپا سے میں پاتال میں بھی جھانک کر دیکھ سکتا ہوں۔'' پرتاب نے ہونٹ چباتے ہوئے خلا میں گھور کر کہا۔''وہ کوئی چھایا تھی جس نے اس مسلے کو میرے جال میں پھنستے پھنستے بچا لیا اور اب......اب وہ دور چلا گیا ہے۔''

''کہاں چلا گیا مہاراج؟''

''اپنی استری کو لینے گیا ہے۔ دو ایک دن میں واپس بھی لوٹ آئے گا۔ پھر میں اسے اس طرح گھیروں گا کہ اگلا پچھلا سارا حساب برابر ہو جائے گا۔''

''تم نے ......گیندے کے پھول کی بات کیوں کی تھی مہاراج؟''

''اسی پھول نے اسے الجھن میں ڈال دیا ہے۔'' پرتاب سپاٹ لہجے میں بولا۔''وہ تیرے شریر سے الگ نہ ہوتا تو وہ اتنی جلدی دم دبا کر بھاگنے کی کوشش بھی نہ کرتا۔ مگر میں نے دیوی کی دیا سے جو مہان شکتی پراپت کی ہے وہ اسے نشٹ کرنے میں میری سہائتا اوش کرے گی۔ پھول نے کھیل خراب کر دیا' میں نے تیرے چاروں اور (طرف) جو منڈل باندھا تھا وہ اس سے باہر نہ نکلتا تو اس حرامی کی نظر میں بھی نہ آتا......تو نے بھی جلدی میں واپس آتے ہوئے اس پر دھیان نہیں دیا۔'' پرتاب نے مدھو کو پھر چبھتی نظروں سے دیکھا۔''اس مسلے کے شریر کی آگ نے تجھے بھی پگھلا دیا تھا شاید......''

''ایسا نہیں ہے مہاراج۔'' مدھو نے دوبارہ ہاتھ باندھ لیے۔''دیوی جانتی ہے میں اس کے چرنوں کی دھول ہوں۔ میرے من میں کھوٹ ہوتا تو دیوی کی نظریں بھی میرے من کا چور پکڑ لیتیں۔ پھر شاید مجھے تمہاری سیوا کرنے کا سمے بھی نہ ملتا۔''

''دیوی نے تیرے اوپر جو کرپا کی ہے اسے بھولنا مت ورنہ ملیٹ ہو کر رہ جائے گی۔''

''تم بھی شاکرو مہاراج۔'' مدھو نے اس بار آگے بڑھ کر پرتاب کے پیر تھام لیے' اس کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔

پرتاب کی آنکھیں گھمنڈ سے چمک اٹھیں' کچھ دیر وہ مدھو کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے دیکھ کر بتا کہ اس سے وہ مسلا کہاں ہے؟''

''مہاراج ...... میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں کیول ایک داسی ہوں' میرے پاس وہ شکتی ......''

''آنکھیں موند لے۔'' پرتاب نے اس کی بات کاٹ کر سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''من میں دیوی کا دھیان کر لے۔ راستے کے اندھیارے بھی دور ہو جائیں گے۔''

مدھو نے دو تین بار آنکھیں جھپکائیں' پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دو تین منٹ تک اس کے چہرے پر الجھن طاری رہی پھر ہونٹوں پر ایک مسکان کھیلنے لگی۔ چہک کر آنکھیں بند کیے بولی۔

''ہاں مہاراج ...... وہ ...... وہی ہے' کسی گاڑی میں ڈھیر سارے لوگوں کے بیچ بیٹھا ہے۔ میں اسے دیکھ رہی ہوں۔ سب تمہاری کرپا اور دیوی کی دیا ہے۔''

پرتاب نے آگے بڑھ کر اس کے گداز گالوں کو ہتھیلیوں کے بیچ تھاما تو مدھو نے آنکھیں کھول دیں' ان آنکھوں میں چمک ہی چمک تھی۔ اس نے پرتاب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا مہاراج۔''

''جانتا ہوں۔'' پرتاب عجیب انداز میں مسکرایا۔ ''اب بھی نہ ہوتا مورکھ لیکن یہ سب بھی اسی مہان شکتی کا چمتکار ہے جو میں نے دیوی کے لیے کٹھن جاپ پورا کرنے کے بعد پراپت کیا ہے۔''

''یہ ...... یہ بھی میرے لیے اچنبھا ہے۔'' مدھو نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔ ''آج وہ چمتکار ہو گیا جو میں نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا۔''

''یہ نہیں پوچھے گی کہ یہ کیسے ہوا؟'' پرتاب اسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر مسکرا کر پوچھا۔ ''پارس پتھر کا نام کبھی سنا ہے؟''

''سنا ہے مہاراج ...... گیانی کہتے ہیں کہ وہ جسے مل جائے وہ قسمت کا دھنی کہلاتا ہے۔'' مدھو نے جواب دیا۔ ''جس دھات پر اسے رکھ دیا جائے وہ بھی کھرا سونا بن جاتی ہے۔''

''جو مہان شکتی کے مالک ہوتے ہیں' جن کو دیوی کا خاص آشیرباد حاصل ہوتا ہے وہ بھی پارس پتھر سے کم نہیں ہوتے۔''

''میں سمجھی نہیں مہاراج ......؟'' پتھر تو پتھر ہوتا ہے۔''

''اوش ہوتا ہے۔ پر اسے یہ شکتی اوپر والا دان کرتا ہے۔'' پرتاب نے چھاتی ٹھونک کر جواب دیا۔ ''دیوی نے اپنی کرپا سے مجھے بھی جاپ منڈل سے نکلنے کے بعد یہی شکتی دان کر دی تھی۔ تو بڑی بھاگیہ شالی ہے جو تو نے گپھا سے نکلتے ہی میرے چرن چھو لیے اور ...... جب میں نے تیرے شریر سے اپنے شریر کو رگڑا تو ...... تو بھی کندن بن گئی۔ پرنتو ایک بات دھیان میں رکھنا۔ جب تک تیرا من اجلا ہے تیرے بھیتر کوئی کھوٹ نہیں آئی تو دیوی کی کرپا سے مزے لوٹتی رہے گی لیکن ...... جس دن

میں نے تجھ سے نظریں پھیر لیں تو پھر تو کوڑے کے ڈھیر میں پڑا کچرا بن جائے گی پھر...... دیوی بھی تجھے شما نہیں کرے گی۔"

"میں سارا جیون تمہارے چرنوں کی دھول میں رہوں گی مہاراج...... تم جو آگیا دو گے اس کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھوں گی۔" مدھو نے بڑی عقیدت سے ہاتھ باندھ کر پرتھوی کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے ایک بار جو بول ہوگئی ہے اسے شما کر دو۔"

"ایک بات اور گانٹھ سے باندھ لے......" پرتاب نے اسے پھر تیز نظروں سے گھورا۔ "دیوی نے تجھے کیول میری سیوا کرنے کو کہا ہے۔ کبھی بھول کر بھی اگر کسی ہٹے کٹے پجاری کو دیکھ کر تیرا من للچایا تو پھر نہ تو گھر کی رہے گی نہ گھاٹ کی۔"

"ایسا میرے جیون میں کبھی نہیں ہوگا مہاراج' میں وچن دیتی ہوں۔" مدھو نے جواب دینے میں دیر نہیں کی لیکن پھر فوراً چونک کر بولی۔ "مہاراج کیا تم نے جس دشمن کے پاس بھیجا تھا اس کا دھرم نشٹ کرنے کے کارن بھی مجھے اپنے شریر کی رشکا کرنی پڑے گی؟"

"مورکھ......" پرتاب کے غلیظ ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی' سینہ تان کر بولا۔ "تو کالی کی داسی ہے اور میری سیوا کر رہی ہے تو پھر یہ بات بھی کبھی نہ بھولنا کہ اپنے دیوی دیوتاؤں اور دھرم کے لیے شریر تو کیا' جیون کا بلیدان دینا بھی کوئی پاپ نہیں۔ دیوی کی بھی یہی سکھشا ہے جس پر جینا ہمارا دھرم ہے۔"

"مہاراج......اب میرے لیے کیا آگیا ہے؟"

"تو نے اچھا روپ نکالا ہے مدھو......" پرتاب نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "پھر ابھی نہیں...... جب میرا من چاہے گا تجھے بلالوں گا۔"

مدھو اس سے کچھ کھڑی رہی۔ اسے آنکھ بند کر کے کسی کو دیکھنے کی شکتی ملی تو وہ تن من دھن سے خوش تھی۔ اس نے اپنے آپ کو پرتاب سے علیحدہ نہیں کیا' پھر جب پرتاب نے چھوڑ دیا تو اس نے مدھو سے یہ بھی بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اس مسلے پر نظر رکھنا۔ کوئی نئی بات معلوم ہو تو ترنت مجھے خبر کر دینا۔"

"مہاراج ......تم نے کہا تھا کہ کوئی چھایا تھی جس نے تمہارا راستہ کھوٹا کر دیا تھا۔ وہ کس کی چھایا تھی؟"

"اسی کی کھوج میں ہوں......" پرتاب نے بل کھا کر کہا۔ "ایک بار وہ مجھے جل (دھوکا) دے کر نکل گئی پرنتو پرتاب نے ہارنا نہیں سیکھا۔ میں اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا ......تو......تو اب جا۔"

مدھو ہاتھ باندھ کر الٹے قدموں کٹیا سے نکل گئی تو پرتاب کچھ دیر بعد پھر فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا' آنکھیں بند کر کے پھر کچھ بدبدانے لگا۔

❖❖❖

شیخ حامد رات بہت دیر سے سویا تھا۔ دفتر میں لگنے والی آگ اس کے دل و دماغ تک پہنچ گئی تھی۔ اسے نقصان کی فکر نہیں تھی' اس کے انشورنس ایجنٹ نے کل رات ہی اسے فون کر کے کہا تھا کہ تمام ضروری کارروائی زیادہ سے زیادہ پندرہ دن میں مکمل ہونے کے بعد رقم اس کے بینک میں جمع کرا دی جائے گی۔ وزیر داخلہ نے بھی پہلی بار ایس پی اورنگ زیب کے مقابلے میں مردانگی کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے نتائج حسب منشا برآمد ہوئے تھے۔ خود اورنگ زیب نے اسے کال کر کے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا جو شیخ حامد کے لیے ایک فتح تھی۔

صبح تقریباً دو بجے وہ بستر پر دراز ہوا تھا۔ اس کے ذہن کے اندر جو کھلبلی مچی تھی اس کو پرسکون کرنے کی خاطر اسے کم از کم دس گھنٹے پرسکون نیند کی ضرورت تھی' اس نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ اسے بلا کسی بہت اہم وجہ کے ڈسٹرب نہ کیا جائے لیکن ...... ابھی اسے آدھے گھنٹے کا ذہنی سکون بھی نہیں ملا تھا جب اس کے موبائل کی مدھم گھنٹی بجی۔ شیخ حامد نے جھلا کر سکرین پر نظر ڈالی' وہ کنول کی کال تھی۔ ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ وہ موبائل کو اٹھا کر دیوار پر اتنی شدت سے مارے کہ پھر وہ ڈسٹرب نہ ہو سکے' لیکن پھر کسی خیال کے تحت اس نے موبائل آن کر لیا۔

''اس وقت کیسے کال کیا......؟'' اس کے لہجے میں بیزاری بھی شامل تھی۔

''سنا ہے کہ آپ کے دفتر کو......''

''گولی مارو دفتر کو۔'' وہ تلملا کر بولا۔ ''تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ ابھی تک کس فکر میں جاگ رہی ہو؟''

''آپ سے ایک بہت اہم بات اور کرنی تھی۔ اسی نے میری نیند بھی اڑا دی ہے۔'' کنول نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا اہم بات ہے؟''

''ابھی پندرہ منٹ پہلے ایک ان نون کال آئی تھی میرے نمبر پر......''

''تمہارے نمبر پر......؟'' شیخ حامد چونکا۔ ''تمہارا نمبر میرے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ کون تھا؟ کیا کہہ رہا تھا؟''

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا لیکن ...... وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس میری اور آپ کی کچھ ایسی تصویریں ہیں جو اگر منظر عام پر آ گئیں تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔''

''ربش......'' شیخ حامد جھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میں نہیں جانتی لیکن وہ بڑے اعتماد سے بات کر رہا تھا اور......''

''ناممکن......'' اس نے کنول کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میرے خاص آفس اور تمہارے بیڈ روم تک کوئی چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

''آپ ایک بات کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔'' کنول نے جواب دیا۔ ''جو نو وارد میرا

موبائل نمبر معلوم کر سکتا ہے وہ......''

''تم نے کسی سہیلی وغیرہ کو تو یہ نمبر نہیں دیا۔'' شیخ حامد کے ذہن میں ایک امکانی خیال ابھرا۔

''آپ نے مجھے دو موبائل دیئے ہیں۔ ایک صرف آپ کے لیے مخصوص ہے اور دوسرا...... دوسرا نمبر کسی کو نہیں دیا بلکہ اس سے ابھی تک کوئی کال بھی نہیں کی گئی۔''

شیخ حامد نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ذہن میں پھر شبہات سر ابھارنے لگے۔ دو تین منٹ خاموشی کے بعد ایک ممکنہ خیال کے تحت اس نے کنول کے علاوہ خود کو بھی تسلی دینے کی کوشش کی۔

''ہو سکتا ہے کسی نے اپنے مطلوبہ نمبر غلط ملائے ہوں اور تمہارا نمبر مل گیا ہو؟''

''لیکن اس نے وہ دھمکی......''

''ریلیکس۔'' اس نے کنول کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''ہو سکتا ہے اس کی آواز سن کر تم گھبرائی ہو اور اس نے تمہاری خوابیدہ آواز سن کر محض تم سے فلرٹ کرنے کی خاطر ایک امکانی بات کہہ دی ہو اور تم ...... ون منٹ ......'' وہ بات کرتے کرتے چونکا۔ ''اس کا جو نمبر تمہارے موبائل پر ریکارڈ ہوا ہے۔ وہ کیا ہے......؟''

دوسری طرف سے بتائے جانے والے نمبروں کو نوٹ بک پر لکھنے کے بعد اس نے بے پروائی سے کہا۔ ''اب تم سو جاؤ میں دیکھتا ہوں کہ کس کی موت آئی ہے۔'' بعد میں شیخ حامد نے اسی وقت ان نمبروں کو چیک کرایا تو یہ جان کر اس کی نیند اور اچاٹ ہو گئی وہ نمبر ایک ایسے شخص کا تھا جو ایک سال پیشتر کسی ایکسیڈنٹ میں کام آ گیا تھا۔ اس کی اکلوتی بیوی شوہر کی موت کے بعد پنجاب کے کسی گاؤں میں واپس لوٹ گئی تھی۔ گویا وہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں رہا تھا' پھر وہ کس کے ہاتھ لگ گیا؟ جس کے ہاتھ لگا اسے کنول کے وہ نمبر کیسے معلوم ہوئے جو شیخ حامد کے سوا کسی اور کے پاس نہیں تھے......؟

وہ ان ہی خیالوں سے الجھ رہا تھا جب اس کے دوسرے موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کیا۔ سکرین پر آنے والا نمبر اس کے خاص آدمی نمبر ٹو کا تھا۔ تیسری گھنٹی پر اس نے موبائل آن کر کے کانوں سے لگا لیا۔

''اس وقت کیا ضروری کام پیش آ گیا؟''

''باس...... ہمارے ستارے شاید گردش میں آتے جا رہے ہیں۔''

''اب کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا......؟'' شیخ حامد نے دانت پیستے ہوئے سوال کیا۔

''تین لاشوں کا پیٹی پیک پارسل باہر سروس روڈ پر پڑا ہے۔''

''کس کی لاشیں ہیں......؟ تفصیل بیان کرو۔'' شیخ حامد کی آنکھوں کی نیند تین لاشوں کا حوالہ سنتے ہی اچاٹ ہو گئی۔

''راجو اور ان دو ساتھیوں کی لاشیں ہیں باس' جنہیں آپ کی سفارش پر کوٹھی پر ہونے والے حملے کے بعد چھوڑ دیا گیا تھا۔'' نمبر ٹو نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''پندرہ بیس منٹ پہلے ایک

لوڈنگ ٹرک سروس روڈ سے گزرا تھا جس پر سے کوٹھی کے گارڈز کی توجہ ہٹانے کی خاطر فائرنگ بھی کی گئی۔ ٹرک تیزی سے نکل جانے کے بعد ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ لکڑی کی تین قد آدم تابوت نما پیٹیاں سروس روڈ پر پڑی تھیں۔ ان کا چہرہ باہر سے بھی دیکھا جاسکے اس لئے چہرے کے سامنے والی لکڑی کو بڑی مہارت سے دائرے کی صورت میں کاٹ دیا گیا تھا۔"

شیخ حامد نے پوری تفصیل سننے کے بعد حلق کے بل چیختے ہوئے دریافت کیا۔

"پیٹیاں اب کہاں ہیں......؟ انہیں کھولا تو نہیں گیا؟"

"آپ کو اطلاع دینا ہمارا پہلا فرض تھا۔ اب آپ جو حکم دیں۔"

"لوڈنگ ٹرک کا نمبر نوٹ ہوا۔"

"اس کا موقع ڈیوٹی گارڈ کو نہیں مل سکا۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "اس کی داہنی ران میں گولی لگی ہے۔ جان بچانے اور پوزیشن لینے کی خاطر گارڈز ایک لمحے کو پیچھے ہٹے تھے' اتنی دیر میں مطلوبہ ٹرک غائب ہو گیا۔"

"باہر والے کہاں مر گئے تھے؟"

"کسی کو اس کی توقع نہیں تھی باس' اس...... لیے آپ کی اطلاع کے لیے بتا دوں کہ لوڈنگ ٹرک سے بے آواز گولیاں چاروں طرف چلائی جا رہی تھیں' جو کچھ ہوا وہ سوچ سمجھے اور منظم طریقے سے ہوا ہے۔"

"تمہارا خیال کس طرف جا رہا ہے......؟"

"پورے یقین سے نہیں کہہ سکتا باس لیکن...... ایس پی اورنگ زیب ان کو چھوڑنے پر ڈی آئی جی کے اصرار کے بعد بھی بمشکل آمادہ ہوا تھا۔ راجو اور اس کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی اس چوتھے آدمی وکی پینتھر کو بھی آزاد کر دیا تھا۔"

"وکی کس کا آدمی تھا......؟" شیخ حامد نے ہاتھ ملتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ...... وہ جگا کے لیے کام کر رہا تھا۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جگا کو قبر سے کھود کر بھی برآمد کرنے کی کوشش کرو۔" اس بار شیخ حامد غصے سے لرزتا ہوا چلایا۔ "یہ بھی معلوم کرو کہ ولد الحرام کس کے لیے کام کر رہا ہے؟"

"ہم ہر طرف سے کھنگال چکے ہیں باس۔" نمبر دو نے کہا۔ "وہ ہمارے خوف سے کہیں انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہے۔ جس دن کسی کو نظر آ گیا اس دن آپ سے پوچھے بغیر ہی اسے بھون کر رکھ دیا جائے گا۔"

"گارڈ سے کہو کہ وہ علاقے کے تھانے کو نئی صورت حال کی رپورٹ کرے۔ ذاتی حیثیت میں...... میں ڈی آئی جی سے بات کرتا ہوں۔" شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے موبائل آف کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ فون سے بڑے طیش کے عالم میں آغا منظور کے گھر کے نمبر ملا رہا تھا۔

"ہیلو......" تیسری چوتھی گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے آغا منظور کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی

دی۔

''شیخ حامد بول رہا ہوں۔''

''اس وقت کیسے یاد کیا......؟''

''جن حرامیوں نے دفتر کو آگ لگائی تھی وہ ابھی تک دندناتے پھر رہے ہیں۔''

''خیریت......اب کیا ہوا؟''

''میں نے کوٹھی کے حملے کے بعد اپنے جن آدمیوں کو تمہاری سفارش پر رہا کرایا تھا۔ ابھی کچھ دیر پیشتر ان کی لاش کی پیٹیاں کوٹھی کے سامنے سروس روڈ پر پھینک دی گئی ہیں' جس لوڈنگ ٹرک کے ذریعے انہیں یہاں ڈمپ کیا گیا ہے اس سے باقاعدہ گولیوں کی بارش بھی کی گئی۔ میری کوٹھی کا ایک ڈیوٹی گارڈ بھی زخمی ہو گیا۔'' شیخ حامد نے بھنا کر پوچھا۔

''شہر میں تمہاری جو پٹرولنگ پارٹیاں گشت کر رہی ہیں وہ کیا جھک مار رہی ہیں؟''

''جو پیٹیاں پھینکی گئی ہیں انہیں وہیں پڑا رہنے دیں۔ میں پندرہ منٹ کے اندر دوسرے عملے کے ساتھ آتا ہوں۔'' دوسری جانب سے ہدایت کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

شیخ حامد نے اپنے خاص آدمیوں کو کچھ ضروری کالیں کیں پھر وہ خواب گاہ سے نکل کر نچلے فلور کے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اس کے نیچے اترنے کے کچھ دیر بعد آغا منظور بھی اس کے سامنے موجود تھا۔

''ایک ہی رات میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے دو سنگین وارداتیں۔'' شیخ حامد نے پیشانی پر بل ڈال کر بگڑے ہوئے تیور سے کہا۔ ''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اگر جواب میں میرے آدمیوں نے بھی کاروباری ...... دفاتر میں شعلے بھڑکانے شروع کر دیئے اور اندھا دھند لوگوں کو موت کے منہ میں جھونک دیا تو تم ......تمہاری فورس اور دوسری تمام ایجنسیوں کی نیندیں بھی حرام ہو جائیں گی۔''

''میں آپ کی پوزیشن سمجھ رہا ہوں شیخ صاحب لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ یقیناً کسی سوچی سمجھی سکیم کے پیش نظر ہو رہا ہے۔ آپ بھی کھل کر کسی پر شبہ نہیں کرتے ......آپ جس کی طرف انگلی اٹھا دیں' ہم اس کو آنکھ بند کر کے حوالات میں ڈال کر اس کی زبان کھلوانے کی پوری کوشش کریں گے لیکن ......''

''تم نے ابھی تک شبنم کے اغوا کے بارے میں کیا کامیابی حاصل کر لی؟'' جواب میں شیخ حامد کی پیشانی پر بھی سلوٹیں ابھر آئیں۔ ''جگا جیسا غنڈا اور اس کے پالتو کتے بھی کہیں اپنی کسی عزیزہ کی رومالی میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔ کوئی سور مامرد نہیں جو سامنے آئے پھر؟ کیا اس کے نتائج صرف مجھے بھگتنے پڑیں گے؟ تم بھی مجبور ہو' میں بھی صبر کرتا رہوں تو پھر دنیا کا کاروبار کون چلائے گا ......؟ جگا......شبنم کو اغوا کرنے والے یا دوسرے اچکے اور اٹھائی گیرے؟''

''میں نے آپ کی کسی بات سے نہ پہلے انکار کیا ہے' نہ اب کروں گا ......آپ اشارہ کریں تو میں ملازمت چھوڑنے کو بھی تیار ہوں۔'' آغا منظور نے قدرے جزبز ہو کر کہا۔ ''اس کے سوا جو آپ حکم دیں میں وہ بھی کرنے کو آمادہ ہوں۔''

شیخ حامد نے کوئی فوری جواب نہیں دیا پھر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایس پی اورنگ زیب اندر آ گیا۔ اس نے خلاف توقع جس مہذب انداز میں شیخ حامد کو سلیوٹ کیا تھا اس سے شیخ حامد کا سینہ کچھ اور چوڑا ہو گیا۔

''کوئی کلیو ملا......؟'' آغا منظور نے اورنگ زیب سے دریافت کیا۔

''جس ٹرک سے لاشوں کی پیٹیاں گرائی گئی تھیں وہ ہماری ایک نائٹ پیٹرولنگ پارٹی کی نظروں میں آ گیا ہے۔''

''کوئی گرفتاری بھی ہوئی......؟'' شیخ حامد نے براہ راست اورنگ زیب سے سوال کیا۔

''مذکورہ ٹرک فیکٹری ایریا کے قریب سڑک کے کنارے پارک ملا ہے اور......'' اورنگ زیب نے ذرا تامل سے کہا۔ ''اس کی ڈرائیونگ سیٹ سے جس ڈرائیور کی لاش ملی ہے اس کے جیب سے برآمد ہونے والے شناختی کارڈ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کون تھا' کہاں ملازمت کرتا تھا۔''

''کون تھا وہ سورما......؟'' شیخ حامد ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

''وہ کوئی سورما نہیں بلکہ ایک مظلوم تھا شیخ صاحب۔'' اورنگ زیب نے دبی زبان میں کہا۔ ''اسے اس واردات میں اسلحہ کے زور پر استعمال کیا گیا۔ پھر اس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی گئی۔''

''کچھ پتا تو چلے کہ کون تھا وہ مجرم یا مظلوم؟''

''وہ ٹرک اور وہ ڈرائیور...... دونوں آپ کی کمپنی کے تھے۔'' اورنگ زیب نے بدستور مدھم لہجے میں انکشاف کیا تو شیخ حامد کے علاوہ آغا منظور بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''اب تم مجھے کیا حکم دو گے آغا منظور؟'' شیخ حامد نے دانت پیستے ہوئے بڑے سرد لہجے میں سوال کیا۔ ''کس سے رابطہ کروں؟ کس کے گلے میں گھنٹی باندھوں؟ یہ سب میرے ہی ساتھ کیوں ہو رہا ہے؟ تم سب کس مرض کی دوا ہو؟''

''میں صرف دو روز کی مہلت چاہوں گا شیخ صاحب۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے قوی امید ہے کہ ان دو دنوں میں میرے آدمی کوئی نہ کوئی سراغ تلاش کر لیں گے' ویسے آپ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر میں بھی ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے شرمندگی کا اظہار ہی کر سکتا ہوں۔''

''جو لاشیں میرے آدمیوں کی گفٹ پیک کی صورت میں ملی ہیں' ان کا کیا کروں؟''

''صرف آپ کے اشارے کی ضرورت ہے۔'' اس بار بھی اورنگ زیب نے جواب دیا۔ ''ضروری تفتیش کے بعد میں انہیں احترام کے ساتھ دفنانے کا بھی بندوبست کر دوں گا۔ متعلقہ تھانے میں آپ کے گارڈ نے جو رپورٹ درج کرائی ہے وہی بہت ہے۔''

''سوچ لو ایس پی......'' شیخ حامد نے اورنگ زیب کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''اگر دو روز میں تم بھی کوئی تیر نہ مار سکے تو......؟''

''ناکامی کی صورت میں اس کا اختیار بھی آپ کو ہوگا۔ آپ جو فیصلہ صادر کریں گے وہ مجھے منظور ہوگا۔''

کچھ دیر بعد شیخ حامد کی کوٹھی سے نکل کر باہر آنے کے بعد آغا منظور نے اورنگ زیب کو ایک طرف لے جا کر سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو کوئی یقینی بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ خاص طور پر میری موجودگی میں...... فرض کیجئے اگر آپ مجرموں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں سر......'' اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''مجرم تک تو ہم بہت پہلے پہنچ چکے ہیں' صرف اس کے ہاتھوں میں لوہے کے کنگن ڈالنے باقی رہ گئے ہیں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں آپ کا مقصد' لیکن شاید آپ اس آکٹوپس کی خطرناک چالوں سے ابھی پوری طرح واقف نہیں ہیں۔''

''واقف ہو گیا ہوں سر...... اسی لیے تو اب اس کے سامنے جھک رہا ہوں۔''

''وہاٹ......'' آغا منظور نے حیرت سے اورنگ زیب کو دیکھا۔ ''کیا آپ واقعی اس کے سامنے سرنڈر کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

''فی الحال......'' اورنگ زیب نے شانے اچکا کر بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ''دو روز بعد کون کس کے شکنجوں میں ہوگا قبل از وقت کون یقین سے کہہ سکتا ہے۔''

آغا منظور کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ ایس پی کے جملے کی گہرائی تک پہنچنے سے ہی قاصر تھا پھر...... قبل اس کے کہ وہ اورنگ زیب سے مزید وضاحت چاہتا ملحقہ تھانے کا انسپکٹر ان کے قریب آ گیا۔ ان کے درمیان پیش آنے والی واردات کی قانونی باتیں شروع ہو گئیں تو آغا منظور کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد واپس گھر چلا گیا۔

+++

تھریسا نے بڑے والہانہ انداز میں آغا منظور کا استقبال کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں میڈم روبی پہلے سے موجود تھی جہاں اس نے آغا منظور کو سادگی سے خوش آمدید کہا۔ خود آغا منظور اس وقت خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی اس نے میڈم کو ایک خاص انداز میں دیکھا تھا جسے میڈم روبی نے بھی محسوس کیا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہمارے غریب خانے پر آنا منظور کر لیا۔''

''وہ بھی شاید نام کی مناسبت سے۔'' میڈم نے نام کے اعتبار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برجستہ کہا تو آغا منظور صرف لاجواب ہی نہیں ہوا بلکہ اس نے ایک بار پھر میڈم کو ایسی والہانہ نظروں سے دیکھا جیسے یہ کہنا چاہ رہا ہو کہ...... ''اگر آپ اس غریب خانے پر مجھ خاکسار کو بھی سر چھپانے کی خاطر تھوڑی سی جگہ مستقل بنیادوں پر فراہم کر دیں تو بڑی بندہ پروری ہوگی۔''

کچھ دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں' پھر تھریسا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اب ہمارے سراج صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟''

''خدا کا شکر ہے کہ طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔'' آغا منظور نے مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ آپ نے میرے علاوہ سراج کو بھی دعوت دی ہوگی۔''

''ان کی دعوت بھی ضرور ہوگی اور آپ کو بھی دوبارہ بلایا جائے گا۔'' تھریسا نے مسکرا کر کہا۔

''اس طرح آپ کا آنا جانا بھی لگا رہے گا۔''

''آپ حکم دیں تو میں بستر لے کر ادھر ہی شفٹ ہو جاؤں۔'' اس بار آغا منظور نے تھریسا کے جملے سے فائدہ اٹھا کر معصوم صورت بنا کر کہا تو میڈم بھی اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھنے کے بعد سے مہمان کی نظریں کسی نہ کسی بہانے اس کی سمت بار بار بہک رہی تھیں۔

''آج کل تو خیمہ بستیوں میں بھی پکے الاٹمنٹ کے بغیر قدم ٹکانے کی جگہ نہیں ملتی۔ آپ اس خوب صورت گھر میں قبضہ جمانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔''

''انسان اگر دن میں بھی خواب دیکھ لے تو میرے خیال سے کوئی پابندی نہیں ہے' اس وقت تو پھر رات ہے۔''

''آپ کی باتوں پر مجھے حیرت ہی ہو رہی ہے۔'' میڈم نے اس کے جواب میں متاثر ہو کر قدرے بے تکلفی سے کہا۔ ''جس محکمے سے آپ کا تعلق ہے وہاں بذلہ سنج لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں۔''

+++

''اسی بہانے آپ کی نظر میں آ گیا۔ یہ بھی میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔'' آغا منظور نے میڈم کی نظروں میں دور تک جھانک کر دل کی گہرائیوں سے کہا تو میڈم نے لاجواب ہو کر نظریں جھکا لیں۔

''میرا خیال ہے کہ اب میں ذرا جا کر ایک نظر ڈرائنگ روم میں بھی جھانک لوں۔'' تھریسا اٹھی تو آغا منظور نے گھبرا کر پوچھا۔

''کیا میری باتیں آپ کو پسند نہیں آ رہیں؟''

''جی نہیں...... '' تھریسا برجستہ بولی۔ ''یہ سوچ کر جا رہی ہوں کہ ذرا کبابوں کیلئے تیار ہونے والے قیمے کو ایک نظر دیکھ لوں۔ کباب کے درمیان میں ہڈی آ جائے تو سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔''

تھریسا مسکرا کر چلی گئی تو آغا منظور نے میڈم سے کہا۔

''آپ کی یہ سیکرٹری خاصی سمجھ دار نظر آتی ہے۔''

''میں اسے سیکرٹری سے زیادہ اپنی بہن سمجھتی ہوں۔'' میڈم نے مسکرا کر کہا پھر قدرے سنجیدگی سے بولی۔ ''جن لوگوں نے سراج صاحب پر حملہ کیا تھا، ان کا کیا بنا؟''

''ایس پی اورنگ زیب کے بیان کے مطابق وہ حملہ صرف ایک وارننگ تھی، بہرحال خدا کا شکر ہے کہ اس بار بھی اتفاق سے سیٹھ عثمان کا ڈرائیور لیاقت حسین گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے بروقت گاڑی کو نہ کاٹا ہوتا تو یہی وارننگ کوئی خطرناک صورت بھی اختیار کر سکتی تھی۔''

''حملہ کس کے اشارے پر ہوا تھا؟'' میڈم نے بے حد سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ہمارے ایس پی نے اس کا نام آکٹوپس رکھا ہے۔ ویسے آپ بھی شاید شیخ حامد کے نام سے واقف ہوں گی۔''

''اس کے خلاف کوئی ایکشن بھی ہو یا نہیں......؟''

''کوئی ثبوت ملے بغیر ایسے بڑے مگر مچھ کو آسانی سے نہیں پکڑا جا سکتا۔''

''سنا ہے کہ پولیس کے کچھ ذمے دار افسران بھی اس کے نمک خوار ہیں۔'' میڈم نے پہلو بدل کر چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

آغا منظور نے میڈم کو غور سے دیکھا پھر سنبھل کر بولا ''ان میں کبھی نہیں...... بلکہ اب بھی میرا نام بھی شامل ہے۔''

''آپ شاید......''

''جی نہیں، میں سنجیدہ ہوں۔'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی برقرار رکھی۔ ''کبھی کبھی انسان کو مجبوراً بھی اپنے ضمیر کا سودا کرنا پڑتا ہے۔ یہ درست ہے کہ شیخ حامد کی سفارش ہی سے میری دوبارہ ترقی ہوئی لیکن یہ بھی میں بہ زبان خود کہہ رہا ہوں کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو چکا ہے، اگر ہمیں کوئی موقع ملا تو شاید ہم اس کا قصہ پاک کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی نہیں کریں گے۔''

''آپ کے اس عہد میں اور کون کون شامل ہے؟''

''فی الحال ایس پی اورنگ زیب ڈنکے کی چوٹ پر سینہ تان کر سامنے آ گیا ہے۔ سراج صاحب پہلے ہی سے آکٹوپس کے خلاف کچھ ثبوت جمع کر رہے ہیں۔ اب میں بھی اس کی آئے دن کی دھونس سے تنگ آ چکا ہوں۔ آپ چاہیں تو سراج سے معلوم کر سکتی ہیں۔''

''سنا کچھ میں نے بھی ایسا ہی تھا لیکن ......'' میڈم نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ''اس سے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟''

''جی ہاں......'' آغا منظور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''مرکز تک اس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اس لیے وہ ہم جیسے افسران کی بھی پروا نہیں کرتا۔ سب سے زیادہ دشمن ایس پی اورنگ زیب کا ہے لیکن کچھ مراسم اوپر تک ایس پی کے بھی ہیں جس کی وجہ سے وہ کھل کر مقابلہ کر رہا ہے۔ جو کچھ آکٹوپس نے سیٹھ عثمان کے ساتھ کیا پھر رستم تھوڑی بھنک آپ کو بھی ضرور سراج کے ذریعے ملی ہوگی۔''

''جی ہاں......'' میڈم نے کسمسا کر کہا۔ ''کسی وجہ سے وہ میرا جانی دشمن بھی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی عنایت تھی جو مسٹر سراج کام آ گئے، اس وقت بھی لیاقت حسین غیبی مرد بن کر میرے کام آیا تھا۔ اس کے بعد بھی سراج صاحب نے ایک اور موقع پر مجھے تباہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ شاید وہ عنایت بھی آپ ہی کی ہدایت کی بنا پر ہوئی ہو۔'' میڈم نے بڑی انکساری سے بات جاری رکھی۔ ''میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو مجھ پر قرض تھا۔ ایک بات اور بھی پوچھنا چاہوں گی۔ آپ نے کس کی سفارش پر مسٹر سراج کو میری حفاظت کی خاطر مامور کیا تھا؟''

آغا منظور نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ توقف سے پوچھا۔ ''سراج نے آپ کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا؟''

''میں آپ کے منہ سے بھی سننا پسند کروں گی۔ کوئی قباحت ہو تو جانے دیجئے۔''

''بات قباحت کی نہیں لیکن...... کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اگر انسان خود نہ کرے تو زیادہ مناسب ہوتا ہے۔''

''اور دوسرے کبھی کبھی بات کا بتنگڑ بھی بنا دیتے ہیں۔'' میڈم نے سنبھل کر کہا۔ ''ویسے بھی اب ہم اس دور سے گزر چکے ہیں جب انسان اپنے منہ سے کسی بات کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔''

''وہ...... بات دراصل یہ ہے کہ میری بیوی لاولد ہی فوت ہو گئی تھی۔'' آغا منظور نے ایک سرد

آہ بھر کر خلا میں گھورتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔ ''بچے ہوتے تو دل بہل جاتا لیکن تنہائی کا احساس کبھی کبھی انسان کو ڈسنے لگتا ہے...... آپ بھی اسی غم سے دوچار ہیں۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر ہم اپنے غم شیئر (Share) کر لیں تو اس میں کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔''

میڈم نے ڈی آئی جی کے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے پڑھا، کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے نظریں نیچی کیے کیے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ میں جو کچھ کہنے جارہی ہوں وہ آپ کو برا محسوس ہو لیکن ...... پہلی بار میں نے ایک طویل خاموشی کے بعد جب گھر سے باہر قدم نکالا تھا، اس وقت بھی میرا صرف ہی ایک مقصد تھا۔ شیخ حامد کی عبرت ناک موت ...... میں افضل خان کے فلیٹ بھی ایک آفر لے کر گئی تھی۔ اگر وہ میری خواہش کے پیش نظر میرے شوہر کے قاتل کو ختم کر دیتا تو میں اس کو نہ صرف ایک نہایت معقول طے شدہ رقم دیتی بلکہ جائز طریقے سے اس سے نکاح بھی کر لیتی لیکن ...... اس نے مجھے دھوکا دیا۔ میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اس نے میرے خلاف ایسا بلیک میلنگ مواد حاصل کرنا چاہا جس کے بعد شاید میں کسی کے سامنے نظریں نہ اٹھا سکتی ...... اس وقت بھی قدرت کو میری حفاظت منظور تھی جو مسٹر سراج فرشتہ رحمت بن کر میری مدد کو آ گئے۔'' ایک لمحہ خاموشی کے بعد میڈم نے نظریں اٹھا کر کہا ''یہ باتیں میں آپ کو بتا دینا پسند کروں گی تاکہ بعد میں آپ کو کوئی شکایت نہ ہو۔''

''آپ جو کچھ فرما رہی ہیں وہ کسی حد تک مجھے معلوم ہے۔ آپ نے خود اپنی زبان سے دہرا دیا۔ یہ آپ کی بڑائی ہے ...... میں اس کے باوجود اپنی درخواست واپس نہیں لوں گا۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں ہر قیمت پر شیخ حامد سے اپنے بے گناہ مرحوم شوہر کا انتقام لینا پسند کروں گی۔''

''نہایت مناسب شرط ہے۔'' آغا منظور نے فوری جواب دیا۔ ''میں بھی اس وقت تک کسی کو اپنا کر اس کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا جب تک آکٹوپس کا وجود ملیامیٹ نہیں ہو جاتا۔''

''وش یو آل دی بیسٹ۔'' تھریسا اچانک تالی بجاتی ہنستی مسکراتی سامنے آ گئے پھر اس نے آغا منظور کو مخاطب کر کے شوخی سے کہا۔ ''دیکھا جناب آپ نے ...... کباب کے درمیان سے ہڈی نکل جانے سے آپ دونوں کا مسئلہ کس قدر جلد آسان ہو گیا۔''

''یس ...... اس کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر سجے گا۔'' آغا منظور نے بے تکلفی سے اٹھ کر تھریسا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''آپ دعا کیجیے کہ آکٹوپس کے تیجے (سوم) میں اب کوئی تاخیر نہ ہو۔''

''اس کے غم کا لنچ بعد میں ہوتا رہے گا۔ فی الحال آپ لوگ اس وقت اپنی خوشی کا ڈنر تناول فرما لیں۔''

ڈائننگ روم میں کھانے کے دوران تھریسا چہکتی رہی۔ جب کچھ دیر میں بے تکلفی کا ماحول ہموار ہو گیا تو تھریسا نے ہی دبی زبان میں آغا منظور سے پوچھا۔ ''سنا ہے کہ آج کل آپ کے

آکٹوپس کے کچھ مہربان بھی اس کے ساتھ اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے والا سلوک کر رہے ہیں۔"

"درست سنا ہے آپ نے۔"

"شبنم کے بارے میں کیا خبر ہے..... شاید اسے اغوا کر لیا گیا ہے؟"

"ہاں..... آغا منظور نے اس بار پھر بھی اپنی حیثیت کا خیال کرتے ہوئے بات ٹالنے کی کوشش کی۔" آکٹوپس کو بھی اس کی فکر لاحق ہے۔"

"میرا ذاتی خیال ہے کہ اس میں بھی بڑے مگر مچھ کی کوئی گہری چال ہوگی۔" میڈم نے کہا..... "افضل خان کے ساتھ بھی ڈراما رچایا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتو پھر شبنم کا افضل خان کے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونا اور پھر وہیں سے اس کا اغوا..... اس کے بعد افضل خان کا بھی وہاں شفٹ ہو جانا..... ممکن ہے کہ شبنم کو بھی کسی پروجیکٹ میں ناکام ہونے کی سزا دی گئی ہو.....؟"

"میں آپ کے ان اندیشوں کو رد نہیں کروں گا لیکن بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے....."

"ثبوت دینے کی خاطر زبان کون کھولے گا؟" میڈم نے کسمسا کر جواب دیا۔ "افضل خان نے بھی تاریکی کی سمت سے آنے والی کسی گولی کے خلاف سے ابھی تک زبان کھولنے کی جرأت نہیں کی۔ اب بھی اس نے شبنم کو اغواہ کرنے والوں کے حلیے کے بارے میں زبان نہ کھولی، نہ کسی پر شک کا اظہار کیا۔"

"اور بھی بہت سی شہادتیں سامنے آنے سے کتراتی ہیں۔" آغا منظور نے کچھ توقف سے کہا۔ "لیکن اب جو صورت نظر آ رہی ہے اس نے آکٹوپس کے ہاتھ پیر بھی پھلا دیئے ہیں..... کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ کس قسم کی صورت کی بات کر رہے ہیں؟" تھریسا نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ایک صورت آج ہی کھل کر سامنے آئی ہے جس نے کسی ذمے دار آفیسر کو بھی آکٹوپس کے خلاف اورا کسا دیا ہے۔" جواب دیتے ہوئے آغا منظور نے معنی خیز انداز میں میڈم کو کنکھیوں سے دیکھا تو تھریسا نے شوخی سے کہا۔

"سچ کہا ہے دانشوروں نے..... بیشتر پولیس والے بغیر لالچ کے کسی کے کام نہیں آتے....."

جواب میں میڈم کے ساتھ آغا منظور بھی ہنسنے لگے۔

✣✣✣

سراج دفتر جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا کہ راستے میں اسے ایس پی اورنگ زیب کی کال آ گئی۔

"آپ اپنے آفس جانے کے بجائے سیدھے میرے دفتر آ جائیں۔"

"خیریت تو ہے.....؟"

"ہاں، کچھ معاملات درپیش آ گئے ہیں۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ "فی الحال یہ بتا سکتا ہوں کہ صبح چھ بجے تک ڈیوٹی دیتا رہا ہوں۔"

سراج نے تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن ایس پی کی سنجیدگی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ معاملہ اہم نوعیت کا حامل ہوگا۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے اپنی رہائش پر تعینات گارڈز کو چوکس رہنے کے احکامات دینے کے بعد الماس کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کہیں باہر آنے جانے کی غلطی نہ کرے، آفس کے نذر آتش ہو جانے کے بعد شیخ حامد یقیناً اپنے ذہن میں منفی ہتھکنڈے اختیار کرنے کے منصوبے بنا رہا ہوگا۔ اس کا نزلہ کسی طرف بھی گر سکتا تھا۔ ڈوما اور لوچن کے سامنے آنے کے بعد اس کے ذہن میں بار بار میڈم روبی کا تصور بھی کلبلا رہا تھا جو سیاہ فام افریقی باشندے ہاشم کی پراسرار خودکشی کے بعد اچانک سامنے آ گئی تھی۔ ڈوما کی جلی ہوئی لاش شیخ حامد کے دفتر کے اندر سے دستیاب ہوئی تھی جبکہ لوچن کو بھی جائے حادثہ سے فرار ہوتے ہوئے گرفتار کیا گیا تھا۔ لوچن گرفتاری کے بعد بھی بڑا پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے اورنگ زیب کے سامنے سختی سے زبان بند رکھی تھی، یہ بھی کہا تھا کہ موت اس کے اختیار میں ہے جس کی خاطر وہ جب چاہے حوالات میں ہونے کے باوجود ایسے طریقے اختیار کر سکتا ہے جو ہتھکڑی و بیڑی کے باوجود اسے آزادی کا پروانہ تھما دے۔ ہاشم کی موت میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے بھی کسی سریع التاثیر زہر کی کہانی بیان کی تھی، بین الاقوامی شہرت رکھنے والے جرائم پیشہ زبان بند رکھنے کی خاطر جن جدید اور حیرت انگیز طریقوں کو اختیار کر رہے تھے اس نے انٹرنیشنل پولیس کو بھی متحیر کر دیا تھا۔ لوچن نے بھی بڑی بے فکری سے اسی بات کا کھل کر اظہار کیا تھا جس کے بعد اورنگ زیب نے اسے تھرڈ ڈگری ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ دینے کے بجائے صرف لاک اپ کر دینے کو ترجیح دی تھی۔

میڈم سے سابقہ گفتگو کے بعد سراج نے یہی اندازہ قائم کیا تھا کہ اس نے شیخ حامد سے انتقام لینے کی خاطر ایک کمزور عورت کی وجہ سے خود کھل کر سامنے آنے سے گریز کیا ہوگا۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی تھی جس سے وہ بین الاقوامی شہرت یافتہ یا انڈرورلڈ کے خطرناک لوگوں کی خدمات حاصل کر سکتی تھی۔ سراج سے گفتگو کے دوران اس نے دبی زبان میں یہ بھی کہا تھا کہ کبھی کبھی پیروں تلے آنے والی چیونٹی بھی کاٹنے سے گریز نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ ہاشم کی موت کے سلسلے میں اس نے ایئر کمپنی کے ریکارڈ سے جو معلومات حاصل کی تھیں اس نے یہی انکشاف کیا تھا کہ ہاشم، ڈوما اور لوچن ایک ہی فلائٹ سے الگ الگ سیٹوں پر سفر کرتے ہوئے آئے تھے جن میں سے ہاشم نے کسی خاص وجہ سے زہر کھا کر خودکشی کا راستہ اختیار کیا تھا اور اب پولیس کی تلاش بسیار کے باوجود وہ کچھ عرصے روپوش رہنے کے بعد سامنے آئے تھے۔ شیخ حامد کے کاروباری دفتر کو آگ لگانے میں ان دونوں کے ہاتھ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، یہ بھی سامنے کی بات تھی کہ اس کام کیلئے کسی نے ان کو حکم دیا ہوگا۔ ذاتی رنجش یا فساد کا معاملہ ہوتا تو دفتر کو برباد کرنے کے بجائے وہ براہ راست شیخ حامد کو موت کے گھاٹ اتارنے کو زیادہ ترجیح دیتے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ ایک اہم نکتہ یہ بھی تھا کہ اسپتال میں پیش آنے والے حادثے کے بعد میڈم نے سراج سے دبی زبان میں جگا کی سفارش بھی کی تھی۔ اگر جگا جیسے گروہ کے سرغنہ تک اس

کی رسائی ممکن تھی تو اور بھی بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ اس نے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ سراج اور اورنگ زیب پر ہونے والے بم دھماکے کے سلسلے میں بگ باس کو اس کا موثر اور منہ توڑ جواب بھی دینے میں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ ان تمام ٹھوس باتوں کی موجودگی میں یہ بات بعید از قیاس نہیں تھی کہ ہاشم، ڈوما اور لوچن کی خدمات بھی میڈم سے مستعار لے رکھی ہوں۔ الماس سے بہن کا رشتہ جوڑنے کے بعد اس نے کئی بار سراج سے روبرو ملنے اور اس کے گھر آنے کو بھی کہا تھا لیکن سراج نے اسی کو لاحق آنے والے خطرات کی بنا پر روک دیا تھا۔ سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ میڈم نے اورنگ زیب کے اشارے کے بعد ہی شیخ حامد کو ہراساں کرنے کی خاطر جگا کو ہموار کیا تھا۔ سراج کا ذہن اسی پیچیدہ مسئلے کو حل کرنے میں الجھ رہا تھا کہ اس کے موبائل پر دوبارہ سگنل موصول ہوا۔ اس نے نظریں گھما کر برابر والی سیٹ پر پڑے موبائل پر نظر ڈالی تو اس کی روشن اسکرین پر میڈم روبی کے نمبر نظر آ رہے تھے۔

''ہیلو......'' سراج نے موبائل اٹھا کر آن کرتے ہوئے کان سے لگا لیا۔ ''اس وقت میری یاد کیسے آ گئی؟''

''اب میں آپ کو الماس کے رشتے سے زیادہ قریب محسوس کرتی ہوں اس لیے جب چاہے آپ سے رابطہ بھی قائم کر سکتی ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہیں؟''

''جی نہیں لیکن اس وقت میں ڈیوٹی پر جا رہا ہوں۔''

''آپ کو ایک اطلاع دینی تھی......''

''ڈوما اور لوچن کے سلسلے میں......؟'' سراج نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''آپ اگر اصرار کریں گے تو میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی لیکن اس وقت میں آپ کو ایک اور اطلاع دینا چاہ رہی تھی۔''

''چلیں ...... پہلے آپ وہی اطلاع فراہم کر دیں جس کی خاطر رابطہ قائم کیا ہے۔''

''کل رات کا ڈنر آپ کے ڈمی آئی صاحب نے ہمارے غریب خانے پر کیا تھا۔''

''اور اس کی اطلاع آپ اب ڈنر ہضم ہونے کے بعد مجھے دے رہی ہیں۔'' سراج نے خوشگوار موڈ میں شکوہ کیا۔

''سفارش سب سے پہلے آپ ہی نے کی تھی۔'' میڈم نے قدرے بے باکی سے جواب دیا۔ ''موجودہ حالات کے پیش نظر میں نے آپ کی سفارش اور تھریسا کے مشورے کے بعد ہی اسے آغا منظور کی دعوت دینے کی اجازت دی تھی۔''

''کندھا کسی اور کا سہی لیکن ٹریگر دبانے میں آپ کی رضامندی کا دخل بھی ضرور ہوگا۔''

''میں انکار نہیں کروں گی۔'' میڈم نے اس بار معنی خیز سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ایک بار پہلے میں نے انتقامی جذبے کے تحت کسی کے مشورے کے بغیر کچھ ایسی ہی کوشش افضل خان کے سلسلے میں بھی کی تھی جس نے مجھے دھوکا دیا لیکن اس بار میں نے ایسی کوئی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔''

''آپ نے ضرورت مند کو گھر کا راستہ دکھا دیا ہے تو باقی خدمت میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ لیکن اس وقت میں نے آپ کو ایک اور خیال سے فون کیا تھا'' میڈم نے بات جاری رکھی۔ ''میں آپ سے لوچن کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں جو فی الحال اورنگ زیب کے قبضے میں ہے۔''

سراج نے لوچن کے حوالے پر چونک کر سوال کیا۔ ''آپ لوچن کو کس طرح جانتی ہیں؟''

''کم و بیش اس طرح جس طرح میں نے جگا کے سلسلے میں آپ سے سفارش کی تھی بعد میں آپ کے حوالے سے میں نے آپ کے ایس پی کو مایوس بھی نہیں کیا تھا۔''

''لوچن کے بارے میں آپ سے مزید کوئی سوال کرنے سے پیشتر میں الماس ہی کے رشتے سے آپ کو یہ باور کرانا چاہوں گا کہ آپ آگ سے کھیلنے کی کوشش ترک کر دیں۔''

''میں آپ کے مشورے کی قدر کرتی ہوں لیکن اپنے مرحوم شوہر کا انتقام لیے بغیر شاید میں موت کو بھی نہ قبول کر سکوں گی۔''

''لوچن کے سلسلے میں کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' سراج نے اورنگ زیب کے آفس کے باہر گاڑی پارک کرتے ہوئے سوال کیا۔

''کچھ خفیہ چیزیں اور راستے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو آسانی سے دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ تاوقتیکہ اس کا کوڈ ورڈ آپ کو نہ معلوم ہو۔'' میڈم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''لوچن بھی ایک خاص پاس ورڈ یا کوڈ کے تحت حسب منشا استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

''وہ کیا ہے......؟''

''سیون سٹار......'' میڈم نے قدرے توقف سے کہا۔ ''آپ یہ ماسٹر کی اورنگ زیب کے حوالے کر سکتے ہیں لیکن ایک شرط پر۔ میرا نام کسی صورت درمیان میں نہ آئے۔''

''ٹھیک ہے...... میں آپ سے پھر کچھ دیر بعد رابطہ قائم کروں گا۔''

''میں پھر درخواست کروں گی آپ میرے نام کو سامنے نہیں آنے دیں گے۔''

''او۔ کے......'' سراج نے مختصر جواب دے کر موبائل بند کیا پھر نیچے اتر کر اورنگ زیب کے دفتر کی طرف قدم بڑھانے لگا جو اس وقت اپنے آفس میں تنہا تھا اور سراج کا منتظر بھی۔ شاید اسی بے تابی کے پیش نظر اس نے رسمی گفتگو کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

''رات آپ کے جانے کے بعد مجھے اور آپ کے ڈی آئی جی صاحب کو دوبارہ آکٹوپس کے سامنے منہ دکھانے کی خاطر جانا پڑا تھا۔''

''کوئی نئی واردات......؟''

''اسے واردات کے بجائے اگر آپ صور پھونکے جانے کا نام دیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔''

''اوہ...... آئی۔ سی۔ گویا کوئی ناقابل یقین حادثہ پیش آ گیا تھا۔''

''ہاں......'' اورنگ زیب نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''کل رات کو کسی لوڈنگ ٹرک کے ذریعے آکٹوپس کو اپنے ان تین آدمیوں کی پٹی بند لاشوں کا تحفہ بھی موصول ہو گیا جنہیں اس نے ڈی آئی جی سے سفارش کر کے میری حراست سے آزادی کا پروانہ دلایا تھا۔''

''یہ انوکھی خبر میرے لیے یقیناً حیرت انگیز ہے۔''

''اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ لوڈنگ ٹرک بھی خود آکٹوپس کی ملکیت ثابت ہوا جو پولیس نے نائٹ پیٹرولنگ کرنے والے عملے کی انفارمیشن پر آکٹوپس کی فیکٹری کے قریب سے دریافت کر لیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جو مردہ شخص ملا وہ بھی آکٹوپس کا آدمی تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔'' سراج نے کرسی پر کسمسا کر کہا۔ ''جو ڈوز آکٹوپس کے حلق کے نیچے اتاری گئی ہے اس کی کڑواہٹ کا احساس اسے بھی ضرور ہو گیا ہوگا۔''

''اس سے زیادہ تشویش ناک اطلاع اور بھی ہے۔'' اورنگ زیب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے ڈی آئی جی کی موجودگی میں نہ صرف پولیس محکمے کی نااہلی کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ یہ زبان بھی دے بیٹھا ہوں کہ دو تین دنوں کے اندر اگر کسی مشتبہ شخص کو تلاش نہ کر سکا تو اس کو خط غلامی لکھ کر دے دوں گا۔''

''یہ آپ نے کیا غلطی کی؟'' سراج نے تعجب سے پوچھا۔ ''اب مشتبہ شخص کہاں سے پیدا ہو گا؟''

''اس کا جواب آنے والے وقت دے گا۔ اورنگ زیب نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ ڈی آئی جی نے مجھے بعد میں اپنی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت جب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔''

''میں اس سلسلے میں کس کام آسکتا ہوں؟''

''صرف اس حد تک کہ تم اپنی زبان بند ہی رکھنا۔'' اورنگ زیب نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ پھر موبائل اٹھا کر کسی کا نمبر پنچ کرنے لگا، رابطہ قائم ہونے پر ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''میں تمہاری اب تک کی کارکردگی سے مطمئن ہوں...... بات شکریہ یا احسان کی نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ کی ہے...... مجھے یقین ہے۔ فی الحال ایک کام اور درپیش ہے......'' اورنگ زیب نے اس ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتاتے ہوئے کہا جہاں افضل خان قیام پذیر تھا۔ ''تمہیں آج رات کسی وقت اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ اس کمرے پر فائرنگ کرنی ہے...... نہیں، مقصد اسے مارنا نہیں ہے۔ میرے کچھ ذاتی آدمی بھی اس کی نگرانی پر مامور ہیں، وہ تمہیں روکنے کی کوشش نہیں کریں گے لیکن کچھ اور افراد ممکن ہے کہ اس فائرنگ کے خلاف مداخلت کریں، تمہیں ان میں کسی ایک کی رہائش کا سراغ لگانا ہے...... ہاں، ہوسکتا ہے کہ ہوٹل کا عملہ بھی مداخلت کرے، بہر حال...... اگر تم بڑے نگر مچھ کے کسی آدمی کا سراغ لگا سکو تو یہ ایک اہم کام ہوگا...... ضروری نہیں ہے کہ آج ہی یہ کام ہو لیکن جتنی

جلدی ممکن ہے ہو جائے تو بہتر ہوگا، مداخلت کرنے والے کا پتا معلوم کرنے کی خاطر تمہارے کسی اعتماد کے آدمی کا ہونا شرط ہے...... تمہاری اور تمہارے آدمیوں کی حفاظت میرے ذمے ہو گی...... گڈ...... جگا سے کہنا کہ فی الحال انڈر گراؤنڈ ہی رہے...... او۔ کے!''

''آپ کا کیا خیال ہے......'' سراج نے کال ختم ہونے کے بعد اورنگ زیب سے دریافت کیا۔ ''کیا آکٹوپس کا کوئی خاص آدمی ہمارے ہاتھ آسانی سے آجائے گا؟''

''تم اس زخمی کو کیوں فراموش کر رہے ہو جو ہماری تحویل میں ہے...... اس کی زبان بھی کوئی بڑا لالچ دے کر کھلوائی جا سکتی ہے۔''

''آپ نے لوچن کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' سراج نے موقع دیکھ کر دبی زبان میں سوال کیا۔

''وہ سب سے اہم ہے لیکن...... فی الحال میں اس پر آخری حربہ استعمال نہیں کروں گا۔''

''ایک بات مجھے بھی آپ سے دریافت کرنی ہے...... کیا آپ علی بابا کی کہانی میں کھل جا سم سم کے پاس ورڈ پر یقین رکھتے ہیں؟''

''سب داستانوی خرافات ہیں۔''

''اسی قسم کی ایک ٹپ آج کسی نو وارد نے مجھے آپ کے پاس آتے وقت دی ہے۔'' سراج نے سپاٹ انداز میں کہا۔ ''جو کچھ اس نے کہا وہ صرف اس لیے قابل عمل ہے کہ میں اس اجنبی کی آواز ایک دو بار پہلے بھی سن چکا ہوں...... ایک مواقعے پر اس کی اطلاع ٹھیک بھی ثابت ہوئی تھی۔''

''اب کیا اطلاع دی ہے؟''

''اس نے سیون اسٹار کا ایک کوڈ ورڈ بتایا ہے۔ اس کے کہنے کے مطابق اس پاس ورڈ کو لوچن کیلئے استعمال کیا جائے تو وہ بڑی آسانی سے اپنی زبان کھول دے گا۔''

اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے تک وہ سراج کو بہ غور دیکھتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''کیا جس آدمی نے تمہیں یہ کوڈ بتایا ہے وہ ...... میڈم روبی کا کوئی نمائندہ نہیں ہو سکتا؟''

''یہ شبہ آپ کو کس طرح ہو رہا ہے......؟''

''اس لیے کہ تمہارے علاوہ خود مجھے بھی یہ شبہ ہے کہ ہاشم، ڈوما اور لوچن تینوں میڈم ہی کے آدمی ہو سکتے ہیں جنہیں ممکن ہے اسی سیون اسٹار کے کوڈ کے ذریعے احکامات دیئے جاتے ہوں...... میرے ایک سوال کے جواب میں لوچن نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی کہ اس کو احکامات کسی عورت کی طرف سے ملتے ہیں یا مرد کی طرف سے......''

''اوہ......'' سراج نے چونکنے کی بڑی خوب صورت اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آپ کا اندازہ درست ہو۔''

''او۔ کے...... میں اس ٹپ کو بھی کسی خوب صورت انداز میں لوچن پر آزما کر دیکھ لوں گا۔''

پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، اورنگ زیب نے ریسیور اٹھا کر گفتگو کی پھر کام ختم ہونے کے بعد سراج سے کہا۔ ''ہمارے محترم ڈی آئی جی صاحب کی کال تھی...... مجھے فوری طور پر یاد کیا گیا ہے......تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔''

''کیا مجھے ساتھ لانے کو کہا گیا ہے......؟''

''نہیں......لیکن تم اس وقت میرے دفتر میں موجود ہو اس لیے میری خواہش پر میرے ساتھ چلنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔''

سراج نے اس کی بات ماننے سے انکار نہیں کیا۔

+++

لیاقت حسین بڑی حویلی کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔

بڑے عرصے کے بعد اسے خود اپنی ہی حویلی میں قدم آگے بڑھاتے ہوئے ایک عجیب سی افسردگی کا احساس ہو رہا تھا، اس حویلی کا چپا چپا اس کے وجود کا گواہ تھا۔ اس کے در و دیوار سے اس کے بچپن اور جوانی کی نہ جانے کتنی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔ وہ اس حویلی کی سب سے پسندیدہ شخصیت تھی، ماں باپ دونوں اس کے گن گاتے تھے، اس لیے کہ شروع ہی سے اس کا رجحان مذہبی تعلیم کی طرف تھا، وہ نماز روزے کا پابند تھا۔ اسلامی تعلیمات میں اس کی دلچسپی کی تعریف اس کے استاد بھی سردار سرفراز خان سے کرتے تھے، اس کے اندر ماں کی تربیت اور باپ کی خود داری اور انسان دوستی دونوں کا ہاتھ تھا۔ وہ اپنی ذات سے دوسروں کا خیال رکھنے کا عادی تھا۔ غریبوں میں گھلنا ملنا، ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ہر طرح سے ان کی مدد کرنا اس کی سرشت میں داخل تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ سردار سرفراز خان حلقے میں اپنی امارت، اپنی حیثیت کے سبب خود کو لیے دیے رکھنے کا عادی تھا، وہ سخت اور ٹھوس اصولوں کا مالک تھا۔ یہی عادت لیاقت حسین کو بھی ورثے میں ملی تھی۔ وہ جو فیصلہ کر لیتا اس سے پیچھے ہٹنا اسے بھی باپ کی طرح پسند نہیں تھا لیکن شادی کے معاملے میں پسند ناپسند کی بات نے باپ اور بیٹے کے درمیان ایک دیوار ضرور حائل کر دی تھی۔ لیاقت حسین اس دیوار کو بھی باپ کی مرضی پر ڈھا دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ باپ کی خوشی پر شاید اپنا گلا بھی گھونٹ لیتا لیکن جب اس نے ماں سے کھل کر اپنی پسند اور اپنے دل کا حال بیان کیا اور ماں نے بھی صاف گوئی سے کھل کر فرحین کے حق میں ووٹ دیا تو اس کا پلڑا وزن کے اعتبار سے بھاری ہو گیا۔ پہلی بار اس نے باپ سے اپنا حق مانگنے کی خاطر زبان کھولی۔ سرفراز خان کو بھی شاہ پری کے باپ کو زبان دینے کا خیال تھا، وہ مرد تھا، سردار تھا، بیٹے کی خوشی کی خاطر بھی اپنی پگڑی کا شملہ گرانے پر آمادہ نہیں ہوا لیکن اس کی راہ میں رکاوٹ بھی نہیں بنا۔ یہ نادر شاہی حکم سنا دیا کہ لیاقت حسین اگر فرحین کو زبان دے چکا ہے تو خوشی سے اسے اپنا لے لیکن اس صورت میں اسے وہ حویلی چھوڑنی پڑے گی جہاں سرفراز کے فیصلے گونجتے تھے۔ لیاقت حسین نے ماں کی دعائیں لے کر فرحین کا ہاتھ تھام لیا تھا اور آج...... آج ایک عرصے بعد وہ پھر اسی دہلیز کو عبور کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔

گاؤں میں داخل ہونے سے پیشتر اس نے فرحین کو اپنے آنے کی اطلاع کر دی تھی۔ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ حویلی جا کر اس کا انتظار کرے، اس نے بس سے اتر کر فرحین کے گھر یا کہیں اور جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ جس عمل سے اس کے باپ کا وقار، اس کے اونچے شملے کی وابستگی مجروح ہونے کا خطرہ ہو، وہ اس کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کرتا تھا چنانچہ وہ اس وقت اپنا ایک سفری تھیلا لیے بس اسٹاپ سے سیدھا اپنی حویلی ہی گیا تھا، اسے امید تھی کہ شاہ پری کا گھر آباد ہو جانے کے بعد اب اگر اس نے باپ سے معافی مانگی تو شاید اسے قبول کر لیا جائے گا، اسی امید اور ناامیدی کی رسہ کشی کے درمیان وہ حویلی کی سیڑھیوں پر کھڑا گوگوں کی کیفیت سے دوچار تھا جب حویلی کا بڑا دروازہ کھلا پھر ماں کی ممتا بھری آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی۔

''پاخیر راغلے (خوش آمدید) لیاقت خاناں۔''

ماں کی آواز سن کر وہ چونکا، اس نے دروازے کی سمت نظر ڈالی جہاں اس کی ماں اپنے ہاتھ کشادہ کیے اسے اپنے سینے کی گہرائیوں میں سمیٹ لینے کی آرزو لیے کھڑی تھی، اس کی پشت پر اسے فرحین بھی نظر آئی تو اس نے تھیلا سیڑھیوں پر چھوڑا اور لپک کر ماں کے سینے سے سر لگا کر رونے لگا۔

''مجھے پورا یقین تھا ماں کا جان کہ تم ایک دن ضرور ماں کے پاس آئے گا۔ ادھر باہر کیوں کھڑا ہے؟''

''ماں......وہ بابا......''

''تم اب اس کا فکر مت کرو۔'' ماں نے اسے حوصلہ دیا۔ ''شاہ پری کا باپ نے جب اس کا شادی دوسری جگہ بنا دیا تھا تو پھر ہمارا زبان بھی آزاد ہو گیا۔''

لیاقت حسین اب بھی باپ کے خوف سے ہچکچا رہا تھا جب فرحین نے اشارے سے بتا دیا کہ سردار سرفراز خان اس وقت موجود نہیں ہے، لیاقت حسین ماں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کے حصار میں لیے اندر آ گیا۔ ماں کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا، پرانی خادمائیں خاطر مدارت میں لگ گئیں، فرحین بھی بہت خوش تھی لیکن لیاقت حسین کے دل میں ابھی تک باپ کی طرف سے ایک دھڑکا سا لگا تھا پھر بھی اس نے ماں کے اصرار پر اٹھ کر غسل کیا، نیا شلوار سوٹ پہن کر ماں کے سامنے آیا تو ماں نے پھر اس کی بلائیں لینی شروع کر دیں۔ وہ ماں کو اپنے بارے میں سیٹھ عثمان کا نام درمیان سے نکال کر، ایک ایک بات کی تفصیل بتا تا رہا، ماں کی روشن آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی۔

''فرحین نے بتایا تھا کہ تم ادھر شہر میں ایک بہت بڑے بنگلے میں رہتا ہے۔''

''ہاں ماں......سب تیری دعاؤں کا نتیجہ ہے۔''

''ابھی ہمارا پیارا بھونے اور خوش خبری سنایا ہے۔'' ماں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ ''تمہارا شاید ترقی بھی ہو گیا ہے۔ بڑا آدمی بن گیا ہے؟''

''ہاں ماں......اب میری تنخواہ ایک دم تیس ہزار روپے ماہانہ ہو گئی ہے۔''

''خدا تم کو اور بھی اور دے گا لیکن ماں کا ایک بات یاد رکھنا لیاقت...... ہمیشہ سچ بولنا اور کسی

کے ساتھ کبھی دھوکا نہ کرنا۔ نہ کبھی کسی غریب کا امداد کرنے سے منہ موڑنا، اوپر والا بھی انہی کو نوازتا ہے جو اس کے راستے پر قدم اٹھانے سے نہیں ڈرتا۔ موت اور زندگی، اچھا اور برا سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تم اس کے راستے پر چلے گا تو وہ بھی اپنا رحمت کا سارا راستہ تمہارے لیے کھول دے گا۔"

لیاقت حسین ماں کی باتیں سن کر خوش ہوتا رہا، اس کی خاطر مدارت کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس وقت وہ بہت عرصے بعد اپنے گھر کی کشمیری چائے پی رہا تھا اور اس کی لذت اور سوندھی سوندھی خوشبو سے لطف اندوز ہو رہا تھا، جب فرحین دوپٹا سر پر ڈالتی جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی، لیاقت حسین نے چونک کر نظریں گھمائیں تو وہ بھی چائے کا کپ رکھ کر کھڑا ہو گیا...... سامنے اس کا باپ سردار سرفراز خان کھڑا سے تیز نظروں سے گھور رہا تھا، اس کی پگڑی کا شملہ اس وقت بھی پوری شان سے اٹھا ہوا تھا۔ لیاقت حسین نے باپ کو ادب سے سلام کیا۔ "سلام بابا جان......"

"تم...... ادھر کب آیا؟" سرفراز خان نے اس سے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں بابا...... بس سے اتر کر سیدھا آپ کے قدموں میں چلا آیا۔" لیاقت حسین نے مدھم لہجے میں کہا۔ "آپ سے معافی مانگنے۔"

"فرحین کا اور بات ہے......" سرفراز خان سے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم نے اس کا داخلہ بند نہیں کیا تھا لیکن تم......"

"اب تو شاہ پری بھی اپنا گھر کا ہو گیا۔" لیاقت حسین کی ماں نے شوہر سے اولاد کی سفارش کی۔ "کیا اب بھی تم لیاقت کیلئے اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ وہ تم سے ماپھی بھی مانگ رہا ہے......"

"تم ادھر شہر میں کیا کام کرتا ہے......؟" سرفراز خان نے ہاتھ اٹھ کر بیوی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ایک روز پہلے تک کسی کا ڈرائیور تھا۔ کل سے میری ترقی ہو گیا ہے۔ لیاقت حسین نے کھل کر مگر بہ دستور مدھم لہجے میں باپ کو بتایا۔ "سیٹھ نے ہماری محنت اور ایمانداری سے خوش ہو کر اپنے دفتر کا سپروائزر بنا دیا ہے۔"

"تمہارا پرانا تنخواہ کتنا تھا...... اور اب کیا ملے گا......؟" اس بار بھی سرفراز خان نے خشک اور اکھڑ انداز میں سوال کیا، اس کی تیز نظریں بہ دستور لیاقت حسین کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"پہلے پانچ ہزار ملتے تھے پھر ترقی ہوتے ہوئے آٹھ ہزار ملنے لگے، جہاں کام کرتا ہوں وہاں صاحب نے نیا بنگلہ خریدا تو اس کے اندر بنی ہوئی رہائش گاہ بھی مجھے مفت دے دی اور اب......"

"اب آٹھ ہزار سے ایک دم تیس ہزار۔" سرفراز خان نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اتنا ترقی ایک دم کیسے ہو گیا......؟"

"سب خدا کی مہربانی اور آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

"تم جہاں کام کرتے ہو اس کے مالک کا نام کیا ہے؟"

لیاقت حسین نے جواب دینے میں تاخیر کی تو ماں نے پھر اس کی سفارش میں زبان کھولی۔

''اب میں بیٹے کے ترپھ سے تم سے ماپھی مانگتا..... خدا کیلئے اس کا کصور ماپھ کر دو۔''

''لیاقت.....'' سرفراز خان نے اس بار قدرے نرم لہجے میں براہ راست لیاقت حسین سے کہا۔''میں ادھر رہ کر بھی ادھر کا خیر خبر رکھتا ہوں۔ میری اطلاع یہ ہے کہ تمہاری ترقی اس لیے ہوا کہ تم نے مالک اور اس کی بیوی کا کئی موقع پر جان بچایا تھا، کیا یہ درست ہے؟''

''جان بچانے والی ذات خدا کی ہے بابا.....'' لیاقت حسین نے پھر بات گول کرتے ہوئے نہایت سعادت مندی سے کہا۔''میں نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دی ہوئی تعلیم کے پیش نظر صرف ان کی نمک حلالی کی تھی۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے دوسرے کلمہ گو مسلمان کی مدد کی تھی۔''

''فرحین.....'' سرفراز خان نے نظر گھما کر بہو کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔''کیا تم بھی سردار خان کے سامنے گھما پھرا کر بات کرنے کی کوشش کرو گی؟..... کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ لیاقت حسین جس کے پاس کام کرتا ہے اس کا نام کیا ہے.....؟''

''میں آپ کے حکم سے انکار نہیں کروں گی۔'' فرحین نے کن انکھیوں سے لیاقت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔''اس بھلے آدمی کا نام سیٹھ عثمان ہے اور اس کی نیک سیرت بیوی کا نام راحیلہ بیگم ہے خان بابا..... ان کے بڑے احسانات ہیں ہم دونوں پر۔''

''کیوں لیاقت..... کیا فرحین نے سچ بتایا ہے؟'' سرفراز خان نے دوبارہ بیٹے کو دیکھا۔

''ہاں بابا.....''

''پھر..... تمہاری زبان کو تالا کیوں لگا تھا؟''

''بابا..... وہ..... دراصل.....؟''

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔'' سرفراز خان نے کھل کر کہا۔''آج سیٹھ عثمان سے ہماری گفتگو بھی ہوئی تھی۔ تمہاری خاموشی کی وجہ بھی جانتا ہوں۔ یہ بھی خبر ہے کہ تم نے پہلے اسے میرا نام نہیں بتایا تھا، کچھ دن پہلے زبان کھولی ہے لیکن.....'' سرفراز خان نے کچھ توقف سے کہا۔''تمہیں چار بڑوں کے سامنے میرے پاؤں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگنی ہوگی۔ تمہارا فیصلہ کیا ہے؟''

''میں پورے قبیلے کی موجودگی میں بھی آپ کے پیروں کو چھو کر اور ہاتھ باندھ کر معافی مانگنا اپنے لیے فخر سمجھوں گا۔''

''سچ بول رہے ہو.....؟''

''میں آپ ہی کا خون ہو بابا.....'' لیاقت حسین نے بہ دستور ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔''مر جاؤں گا لیکن جھوٹ نہیں بولوں گا.....''

سردار سرفراز خان کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری۔ ایک لمحے وہ بیٹے کو دیکھتا رہا پھر اس نے مسکرا کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے..... لیاقت حسین دیوانوں کی طرح لپک کر باپ کی کشادہ چھاتی سے چمٹ گیا۔

فرحین اور لیاقت حسین کی ماں کی نظریں بھی خوشی کے آنسوؤں سے چھلک اٹھیں۔

✣✣✣

رات کے دو بجے کا وقت تھا جب سڑک کے جانب کھلنے والی کھڑکی کا شیشہ ایک جھنکار کی تیز آواز سے ٹوٹ کر گرا تو افضل خان ہڑبڑا کر اٹھا۔ خطرے کا پہلا احساس ہوتے ہی اس نے جھپٹ کر تکیے کے نیچے سے اپنا لوڈڈ پستول نکالا اور لیٹے ہی لیٹے بستر سے نیچے فرش پر آ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فوری طور پر نائٹ بلب کو سوئچ کے ذریعے بند کیا پھر کسی آدم خور مگر مچھ کی طرح تیزی سے فرش پر رینگتا ہوا کھڑکی کی جانب بڑھنے لگا۔ ابھی وہ آدھے راستے میں تھا کہ باہر سے گولیوں کی تڑ تڑاہٹ کی آوازیں ابھرنی شروع ہو گئیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دو پارٹیاں کھل کر ایک دوسرے سے ٹکرا گئی ہوں، ایک پارٹی یقیناً ان لوگوں کی رہی ہو گی جنھوں نے شبنم کو اغوا کرنے کے بعد اب اسے بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی ہو گی۔ ان کے بارے میں وہ ابھی تک کوئی آخری نتیجہ نہیں قائم کر سکا تھا، دوسری پارٹی اس کے گمان کے مطابق شیخ حامد کے اس خاص آدمی کی بھی ہو سکتی تھی جس نے بلیک ٹائیگر کے حوالے سے اس سے بات کی تھی۔ دونوں صورتوں میں اس کی جان کو جو خطرہ لاحق تھا وہ اب اس میں خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا تھا۔

کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ پہلی فرصت میں پستول کا رخ سڑک کی جانب کر کے دو فائر جھونک دیئے۔ وہ دونوں ہی پارٹیوں کو اس بات کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ وہ بیدار ہو کر جوابی کارروائی کیلئے پوری طرح آمادہ ہے۔ اس کے فائر کرنے کے فوراً ہی بعد دوسری جانب سے کسی دور مار رائفل کے ذریعے کھڑکی کی سمت فائر کیا گیا۔ سنسناتی ہوئی گولیاں کھڑکی سے گزر کر چھت سے ٹکرائی تھیں۔ وہ تیزی سے آڑ میں ہو گیا۔ جوابی حملے نے اس کو اور زیادہ ہوشیار کر دیا۔ اب شاید اسے ٹھکانے لگانے کا فیصلہ ہو گیا تھا لیکن وہ تر نوالہ بن کر کسی کے حلق کے نیچے اترنے کو تیار نہیں تھا۔ جو کھیل اب شروع ہوا تھا، وہ اس کا پرانا اور منجھا ہوا کھلاڑی تھا۔ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر ایک کمرے کے دروازے کے قریب آ گیا۔ ایک دو افراد اس کی نگرانی پر بھی کہیں قریب موجود ہو سکتے تھے جو پہلے کی طرح دروازے کا لاک کھول کر اندر آ سکتے تھے۔

افضل خان کے پستول کے میگزین میں ابھی چار گولیاں اور موجود تھیں، وہ انہیں ضائع نہیں کر سکتا تھا، کسی کی گرفت میں آنے سے پیشتر وہ کم از کم تین، چاروں گولیوں کو کارآمد بنانے کی ٹھان چکا تھا۔ پستول کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی، آنکھیں کسی چیتے کے مانند چمکتی ہوئی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

دو منٹ تک سڑک سے گولیوں کے تبادلے کی آواز آتی رہی پھر شاید ایک پارٹی فرار ہو گئی تھی اس کے بعد دوسری پارٹی نے مزید ایک دو ہوائی فائر کرنے کے بعد پولیس سے بچنے کی خاطر موقع واردات سے دور ہٹ جانا مناسب سمجھا ہو گا۔ افضل خان فائرنگ بند ہونے کے بعد بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا...... اس کے کان دروازے کے آس پاس کسی بھی آہٹ کو سننے کی خاطر بیتاب تھے۔

پانچ منٹ اور گزر گئے۔ دروازے کے باہر کوئی آہٹ نہیں ابھری البتہ بستر پر پڑے ہوئے اس کے موبائل سے کسی جھینگر کے ٹرٹرانے جیسی آواز ابھرنے لگی، افضل خان نے پنجوں کے بل تیزی سے لپک کر موبائل اٹھالیا۔ دروازے کے قریب آکر اس نے دوبارہ پوزیشن سنبھالی پھر موبائل آن کر کے دبنگ آواز میں بولا۔ ''کون ہے......؟''

''صرف تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی۔'' دوسری جانب سے وہی آواز سنائی دی جس نے پہلے بلیک ٹائیگر کے حوالے سے فون کیا تھا۔

''اوہ...... پہلے تم نے دوسرے نمبر سے کال کیا تھا۔''

''فضول باتوں سے پرہیز کی عادت ڈالو...... میں نے تمہاری خیریت پوچھی تھی۔'' خشک لہجے میں سوال دہرایا گیا۔

''میں کھڑکی کا شیشہ ٹوٹتے ہی بیدار ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی پستول لیے دروازے سے لگا کھڑا ہوں۔'' افضل خان نے بھی جواب میں سرد رویہ اختیار کیا۔ ''اب میں نے بھی ان لوگوں سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا ہے جن کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی تھی، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا میری پرانی عادت ہے۔''

''گڈ...... ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم دوبارہ کمر کس لو...... ہوسکتا ہے پھر کوئی ذمے داری تمہارے سپرد کی جائے اور ایک بات اور......'' دوسری جانب سے جملہ مکمل نہیں کیا گیا۔ شاید دروازے پر ہونے والی تیز آواز کی دستک ادھر بھی سن لی گئی تھی، افضل خان نے موبائل آف کر کے جیب میں ڈال لیا، بلند اور تیز للکارتی آواز میں آنے والے سے دریافت کیا۔

''کیا بات ہے......کون ہے؟''

''میں ہوٹل کا منیجر باجوہ ہوں۔'' باہر سے کہا گیا۔ ''تمہاری کھڑکی پر باہر سے گولی چلائی گئی تھی۔ دروازہ کھولو...... میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا نقصان ہوا۔ پولیس کو بھی فون کرنا ہے۔''

افضل خان نے مزید اطمینان کر لینے کے بعد دروازہ کھول دیا۔ آنے والا ہوٹل کا منیجر ہی تھا، کچی نیند سے اٹھنے کے بعد وہ بھی جھلایا ہوا تھا۔ کھڑکی کا چکنا چور شیشہ دیکھ کر اس نے افضل خان سے دریافت کیا۔ ''گولی داغنے والے کون لوگ تھے؟''

''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے انہیں دعوت نامہ بھیج کر بلوایا تھا۔'' افضل خان بھی تلملا کر بولا۔

''میرا مطلب یہ تھا جنہوں نے تمہارے کمرے کا نشانہ لیا ہوگا ان کے ارادے بھی خطرناک ہوں گے۔''

''مجھ سے پہلے یہاں کون کرایہ دار تھا؟'' افضل خان نے اسے ٹالنے کی خاطر تفتیش کی۔

''ایک مرد اور ایک عورت، ادھر تفریح کی غرض سے آئے تھے۔'' باجوہ نے بتایا۔ ''میں نے مرد کا شناختی کارڈ جمع کرنے کے بعد ہی انہیں کمرا دیا تھا۔ تمہارے آنے سے دو روز پہلے ہی وہ چلے

گئے تھے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ عورت گھر سے بھاگی ہوئی ہو جس کے ورثا اس کی بو سونگھتے ہوئے اب یہاں پہنچے ہوں۔"

"یہ بھی ممکن ہے تمہارا اندیشہ درست ہو لیکن پولیس کو بہرحال اطلاع دینی ہوگی اس کے علاوہ تمہیں بھی اب دوسرے کمرے میں شفٹ کرنا ہوگا، مالک نے اطلاع ملنے پر مجھے تاکید کی ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کی فوری مرمت کرالی جائے، ہمیں ہوٹل کی ریپوٹیشن کا بھی خیال رکھنا ہے۔"

"اتنی رات گئے کیا کاریگروں کو گھر سے اٹھواؤ گے؟"

"ہمارے کاریگر ادھر ساتھ ہی رہتے ہیں۔" باجوہ نے کہا۔"ان سے یہی معاہدہ ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کی خاطر کسی وقت بھی بلایا جاسکتا ہے۔"

"میں صبح کمرہ خالی کردوں گا۔" افضل خان نے جھلا کر جواب دیا۔"پوری رات برباد نہیں کر سکتا۔"

"ہوٹل کی ریپوٹیشن کے علاوہ میری ملازمت کا معاملہ بھی ہے۔ میں آپ کو اس سے بہتر کمرہ دینے کو تیار ہوں۔"

افضل خان اور اس کے درمیان بحث طول پکڑ رہی تھی جب موبائل پر پھر وہی نمبر ابھرے جو کچھ دیر پہلے نظر آئے تھے، افضل خان نے ریسیور آن کر کے فوراً ہی کہا۔"جی بھائی جی...... میں خیریت سے ہوں۔"

"تمہارے کمرے میں غالباً ہوٹل کا منیجر موجود ہے......؟"

"جی...... جی ہاں۔"

"میرے ایک ساتھی نے جو اسی ہوٹل میں موجود ہے مجھے فون پر اطلاع دی ہے شاید منیجر تم سے کمرہ خالی کرانے کی اور دوسرے کمرے میں جانے کی درخواست کررہا ہوگا۔ میں ہوٹل کے مالک کی عادت سے بھی واقف ہوں۔ وہ ہر کام مرمت بڑی عجلت میں کرانے کا عادی ہے۔"

"ہاں جی......اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟" افضل خان نے پھر مختصراً بات کی۔

"تم اپنا ایمرجنسی کا سامان ہینڈ بیگ میں رکھ کر ہوٹل چھوڑ دو۔" دوسری جانب سے تحکمانہ انداز میں کہا گیا۔"سامان کی فکر مت کرو، وہ میرے آدمی کی ذمے داری ہے۔ تم ہوٹل سے نکل کر کوئی کرائے کی سواری پکڑو اور جنرل پوسٹ آفس کے صدر دروازے کے سامنے اتر جاؤ، باقی ہدایت تمہیں وہاں پہنچنے کے بعد ملے گی۔" جملہ مکمل کرتے ہی رابطہ بھی منقطع کردیا گیا۔

"کیا بات ہے جناب؟" منیجر نے افضل خان کے چہرے پر ابھرنے والی جھلاہٹ دیکھ کر سوال کیا۔"کس کا فون تھا؟"

"بڑے بھائی صاحب کا...... میں گھر سے ناراض ہوکر آیا تھا۔ انہوں نے فوراً واپس آنے کی تاکید کی ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ میرے گھر چھوڑنے کا جو مطالبہ تھا وہ پورا کردیا جائے گا۔" افضل خان

نے بات بنائی۔ ''میں ہینڈ بیگ لے کر نکلتا ہوں، باقی سامان میرا دوست آ کر لے جائے گا۔''

''جیسا تسی مناسب خیال کرو۔'' باجوہ نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ ''ہم آپ کی کسی شے کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے، مرمت کا کام بھی میں اپنی نگرانی میں کراؤں گا۔''

''پولیس کو میرے جانے کے بارے میں کیا بیان دو گے؟''

''تھانے کے وڈے آفیسر سے بھی اپنی جان پہچان پرانی ہے جناب۔ بیان شیان کیا دینا ہے، ضابطے کی کارروائی کی خاطر کاغذی خانہ پری ہو گی...... ہم بھی لمبے پھڈوں میں نہیں پڑنا چاہتے، آپ کے بارے میں بتا دوں گا کہ پرانی واقفیت ہے۔ وقتی طور پر ایک دن کیلئے دوسرے ہوٹل میں شفٹ کر دیا ہے۔''

''خاصے سمجھدار، ذہین اور گھاگ آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

''بننا پڑتا ہے جناب...... بغیر مک مکا کے ہوٹل کا دھندا بھی نہیں چلتا۔''

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے پاس بگ باس کے خاص آدمی کی ہدایت پر عمل کرنے سے سوا انکار کی کوئی گنجائش بھی نہیں تھی، اس نے ضروری سامان اٹھا کر ہینڈ بیگ میں ڈالا اور ہوٹل کے باہر آ گیا۔ قسمت اچھی تھی جو اس وقت ایک بہکا ہوا شرابی برقع پوش لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترا۔ جیب سے سو کا نوٹ نکال کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کی سیٹ کی طرف بڑی فیاضی سے پھینکا پھر لڑکی کا ہاتھ تھام کر ہوٹل کے ریسیپشن کی طرف چلا گیا۔ افضل خان نے وہی ٹیکسی پکڑ کر اسے جنرل پوسٹ آفس کی طرف چلنے کی تاکید کی پھر تھکے ہوئے انداز میں پشت سے ٹیک لگا لی...... اس کا ذہن آئندہ پیش آنے والے لمحات سے نمٹنے کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا، ایک یہ خیال بھی اسے پریشان کر رہا تھا کہ آخری دوسری پارٹی کون تھی جس نے بڑے مگر مچھ کے مضبوط شکنجوں میں جکڑے ہوئے شکار کو اس سے چھیننے کی جسارت کی تھی؟

+++

کمرے میں داخل ہونے والا ایس پی اورنگ زیب اس وقت تنہا نہیں تھا، اس کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا جس نے اپنے ہاتھ میں ڈاکٹروں والا پروفیشنل بیگ تھام رکھا تھا۔ اورنگ زیب کے چہرے پر بھی خلاف معمول سنجیدگی طاری دیکھ کر شبنم تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بیرونی دروازہ ان دونوں کے اندر آتے ہی باہر سے بند کر دیا گیا۔ اورنگ زیب چند لمحے شبنم کو عجیب قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔ ''کسی نے سچ کہا ہے کہ خوبصورت ناگن کو دودھ پلا کر اس کی پرورش کرنا کسی منجھے ہوئے شکاری کیلئے بھی ہمیشہ خطرناک ہی ثابت ہوتا ہے۔''

''جی......'' شبنم نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ ''م...... میں سمجھی نہیں؟''

''جو موبائل تم کو دیا گیا تھا وہ اب کہاں ہے؟''

شبنم نے جواب میں موبائل اٹھا کر اورنگ زیب کے حوالے کر دیا لیکن وہ ابھی تک اس کے لہجے کی تلخی کا سبب نہیں جان سکی تھی۔

''ایک بات ذہن نشین کر لو۔'' اس نے شبنم کو تنبیہی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام اورنگ زیب ہے جو تمہارے بگ باس کو بھی ہمیشہ جوتے کی نوک پر مارتا رہا ہے۔ تم کس کھیت کی مولی ہو؟...... افضل خان کو میں اس کی قبر کھود کر بھی برآمد کر لوں گا لیکن تم...... تمہارا انجام اب ان ہی لوگوں کے ہاتھوں خطرناک ہوگا جن کے لیے تم کام کرتی رہی ہو۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں...... میں ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکی۔''

''بکومت...... کیا تم نے افضل خان کو فون کرنے کا اعتراف مجھ سے نہیں کیا تھا؟''

''کیا تھا لیکن......''

''وہ مجھے تاریکی میں رکھنے کی خاطر۔ میرا اعتماد حاصل کرنے کیلئے تمہاری ایک خوبصورت چال تھی، فریب تھا۔''

''نہیں۔'' شبنم نے ایس پی کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی خاطر بڑی عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ ''میرا خیال ہے آپ کو میری طرف سے ضرور کوئی بدگمانی ہوئی ہے۔ میں نے دوبارہ افضل سے کبھی رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔''

''گڈ...... اورنگ زیب کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر کر گہری ہونے لگی۔ ''تم لفظوں کے

الٹ پھیر کے فن سے بھی واقف ہو...... میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم نے اسے دوبارہ فون نہیں کیا ہوگا۔ تمہاری ہدایت پر وہ تم سے رابطہ کرتا رہا ہوگا۔"

"یہ بھی غلط ہے......"

"پھر......" اورنگ زیب نے گرج کر کہا۔ "سچ کیا ہے۔ افضل خان وقتی طور پر میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے لیکن میرے جال سے نکل کر زیادہ دور نہیں جا سکے گا مگر اب تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ تم اب اسی بگ باس کے ہاتھوں اپنے انجام تک پہنچو گی جو تمہاری کسی کمزوری کے ذریعے تمہیں بلیک میل کرتا رہا ہے۔"

شبنم ایس پی کے تیور دیکھ کر پہلے ہی خوفزدہ ہو گئی تھی، اب اس نے کھل کر جو کچھ کہا، اسے سن کر ہی وہ لرز اٹھی۔ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "پلیز۔ آپ مجھے خود گولی مار دیں لیکن اس درندے کے حوالے نہ کریں...... میں عزت کی موت مرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"ایک ہی صورت ہے......" اورنگ زیب نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے بتا دو کہ افضل خان ہوٹل سے فرار ہو کر اب کہاں روپوش ہوگا؟"

"م...... میں، اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی، آپ کو یقیناً کوئی......"

"بکواس بند کرو۔" اورنگ زیب نے تلملا کر کہا پھر ساتھ کھڑے آدمی سے بولا۔ "اس لڑکی سے پوچھو کہ کیا یہ خوشی سے انجکشن لگوائے گی یا مجھے اپنے آدمیوں کو اسے بے بس کرنے کی خاطر طلب کرنا پڑے گا۔"

"اگر مجھے کسی زہر کا انجکشن بھی لگوانا چاہیں گے تو میں انکار نہیں کروں گی لیکن پلیز میری بات کا یقین کر لیں کہ میں افضل خان کے بارے میں......"

"شٹ اپ۔ یو چیٹر (Cheater)" اورنگ زیب کسی زخمی شیر کی طرح اس زور سے دھاڑا کہ شبنم سہم کر رہ گئی پھر اس نے انجکشن لگوانے میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔

اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں، یہ تصور ہی اس کیلئے بڑا بھیانک تھا کہ اسے دوبارہ بگ باس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ افضل خان بھی تمام تر نمک حلالی کے باوجود بغیر کسی قصور کے بگ باس کی مصلحتوں کا شکار ہو کر بربادی کے دہانے تک پہنچ گیا تھا، اس پر جو مظالم ڈھائے گئے شبنم اس کی چشم دید گواہ بھی تھی اور اب...... اب شاید تقدیر اسے بھی بدنامی اور بے حیائی کے آخری انجام تک پہنچانے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اسے شبہ تھا کہ جو انجکشن اسے لگوایا جا رہا تھا وہ بے ہوشی کا ہوگا جس کے بعد وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوگی۔ اورنگ زیب کے ساتھ آنے والا انجکشن لگا کر اورنگ زیب کے اشارے پر چلا گیا تو اس نے رندھی ہوئی آواز میں پھر منت کی۔

"میں ہر طرح سے آپ کے رحم و کرم کی محتاج ہوں۔ پلیز...... مجھے اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دیں لیکن ذلت کی اس دنیا میں واپس نہ جھونکیں جہاں میرا انجام آپ کے تصور سے بھی زیادہ بھیانک ہو سکتا ہے۔"

''آن ون کنڈیشن اونلی......'' اورنگ زیب نے بہ دستور خشک لہجے میں جواب دیا۔''اب بھی وقت ہے۔افضل خان کہاں ملے گا۔اس کا پتا مجھے بتادو......''

''آپ ایک بار پہلے بھی میرے سلسلے میں میڈم سے تصدیق کرچکے ہیں،ایک بار پھر......''

جواب میں اورنگ زیب کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ ابھری۔''تمہاری میڈم کیا ہے؟ مجھے اس کا اندازہ بھی ہو چکا ہے، اپنا مطلب نکالنے کے بعد میں اسے بھی قانون کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔''

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' شبنم نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔''آپ شاید اچھی طرح واقف ہوں گے کہ میری میڈم بھی آپ کے آکٹوپس کی درندگی کا شکار ہو چکی ہیں، ہم دونوں ہی اس سے انتقام کی خاطر زندگی کی بازی لگا چکے ہیں اور آپ......''

اورنگ زیب نے اس کی بات پر دھیان دینا مناسب نہیں سمجھا، جیب سے موبائل نکال کر کسی کے نمبر پنچ کرنے لگا،اس کے چہرے سے بہ دستور الجھن اور جھلاہٹ عیاں تھی، رابطہ ہونے کے بعد اس نے سنسناتے ہوئے افسرانہ لہجے میں ہدایت دی۔''پندرہ منٹ بعد وین لے کر بتائے ہوئے اسپاٹ پر پہنچو......لڑکی وہیں تمہیں پہنچا دی جائے گی...... ہاں......ٹھیک ہے لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کو اس کی بھنک بھی نہیں ملنی چاہئے...... ہاں، اس کے بعد تمہیں کو یہاں بھی ایسا ڈراما اسٹیج کرنا ہے جس سے یہی ظاہر ہو کہ مخالف پارٹی کے بدمعاش ہمارے آدمیوں کی غفلت اور بے فکری سے فائدہ اٹھا کر لڑکی کو دوبارہ لے گئے......ایک دو آدمیوں کے زخمی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا...... بس، اٹ از مائی آرڈر۔'' آخری جملہ بڑے تحکمانہ انداز میں ادا کرنے کے بعد اس نے موبائل آف کر کے جیب میں ڈالا، شبنم کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارے لیے اب بھی زبان کھولنے کا آخری موقع ہے...... بے ہوشی سے دو چار ہونے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ تمہاری اپنی حماقت اور زبان بند رکھنے کا نتیجہ ہوگا۔''

''م...... میرے پاس اب اپنی بے گناہی ثابت کرنے کیلئے کوئی طریقہ بھی نہیں ہے......''

''تمہارا یہ آخری حربہ بھی مجھے میرے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتا...... میرا نام اورنگ زیب ہے جس کے فیصلے ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں، نہ ہوتے تو آج میں اس عہدے پر نہ ہوتا۔''

شبنم کے ذہن پر ہلکی ہلکی غنودگی اپنا اثر تیز کر رہی تھی۔تقدیر نے جو اچانک اپنا رخ تبدیل کیا تھا، اس کے بارے میں اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔نیند کے خمار سے اس کی پلکیں بوجھل ہونا شروع ہو چکی تھیں لیکن وہ آخری وقت تک اورنگ زیب کو بار بار رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ جو فیصلہ کر چکا اس سے کسی قیمت پر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔

توازن بگڑنے لگا تو شبنم آہستہ سے خود کو سنبھالتی مسہری پر دراز ہوگئی پھر جلد ہی وہ بے ہوشی

سے دوچار ہوکر ہر چیز، ہر سوچ سے بے نیاز ہوگئی۔

+++

پرتاب بھوشن اپنے منڈپ میں آلتی پالتی مارے دھونی رمائے بیٹھا تھا۔ اس کی انگلیاں موٹے دانوں کی مالا پر تیز تیز چل رہی تھیں، ہونٹ مشینی انداز میں کسی منتر کا جاپ کر رہے تھے۔ وہ اپنے عمل میں اس قدر منہمک تھا کہ اسے گزرتے وقت کا مطلق احساس بھی نہیں ہوا تھا، برفانی پہاڑیوں کی گپھا میں بیٹھک جما کر اس نے جو کٹھن جاپ کیا تھا اس کے عوض کالی کی شکتیوں نے اسے پراسرار شیطانی قوتوں کا مالک بنا دیا تھا جس کے بعد وہ خود کو بہت بلند قامت سمجھ رہا تھا، اس کے دھرم کرم کے مطابق اس کا خیال تھا کہ اب وہ دیوی دیوتاؤں کا آشیر باد حاصل کرنے کے بعد اتنا مہان ہوگیا ہے کہ دھرتی کی کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یہ اس کا جاپ منتر اور دیوی کی کرپا ہی تھی جس نے اس کو گھمنڈی بنا دیا تھا۔ برفانی غار سے نکلنے کے بعد اس کی جو حالت تھی اسے دیکھ کر کوئی بھی سمجھدار عورت اس کے قریب آنے سے بھی یقیناً گریز کرتی لیکن ایک الھڑ پجارن اپنے شریر کی تمام تر سندرتا اور اٹھان کے ساتھ بنی ٹھنی، مٹکتی چمکتی اس کے سامنے آگئی تھی، اس کی سندرتا دیکھ کر خود پرتاب بھی اسے کوئی سپنا ہی سمجھ رہا تھا لیکن جب پجارن نے ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے ڈنڈوت کیا اور کجرا لگے نین کے ساغر چھلکاتے اس کے من کو لبھاتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کالی کی پجارن ہے جسے کالی نے پرتاب بھوشن کی داسی بنا کر اس کے سیوا کرنے کا حکم دیا ہے تو پرتاب کے اندر چھپے شیطان کو احساس ہوا کہ اس نے کالی کیلئے جاپ مکمل کر کے جو طاقت حاصل کر لی ہے اس کے بعد وہ اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں دنیا کی کوئی اور قوت اس کے ساتھ پنجا لڑانے کی ہمت نہیں کر سکے گی۔ اس نے جب اپنی تمام تر غلاظتوں اور جسم پر اٹی دھول مٹی کے ساتھ پجارن مدھو کو اپنے بازوؤں میں سمیٹا، اس وقت بھی مدھو نے کوئی اعتراض کرنے کے بجائے خود کو بڑے چاؤ سے اس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اس بات کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ پرتاب بھوشن نے کالی کیلئے جو دھونی رمائی تھی، دنیا سے الگ تھلگ ہو کر صرف ایک لنگوٹی باندھ کر بلند اور دشوار گزار پہاڑیوں کے ایک غار میں بیٹھ کر جو جاپ کرنے کی ٹھانی تھی، وہ اس میں پوری طرح کامیاب ہوگیا تھا اور اب وہ لیاقت حسین سے اس کی اس غلطی کا انتقام لے سکتا تھا جو اس نے پرتاب بھوشن کا راستہ کھوٹا کر کے کی تھی...... کسی کی موت کی خاطر پرتاب بھوشن نے ایک تازہ لیموں پر گندا عمل کرنے کے بعد اس میں پڑھی ہوئی سوئیاں آر پار کر دی تھیں جو لیموں کے عرق کو اس کے کالے منتروں کے گندے بیروں کے ذریعے اس شخص کے جسم کا خون پی رہی تھیں جو اس بات سے ناواقف تھا۔ پرتاب بھوشن اس سے پہلے بھی کئی بار ایسے ہی گندے عمل کے ذریعے کچھ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا، اسے وشواس تھا کہ جو بھی اس عمل کا توڑ کرنے کی کوشش کرے گا وہ بھی اس پلید عمل کے بیروں کا شکار ہو کر، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ کوئی طاقت اس کا بچاؤ نہیں کر سکے گی لیکن جب لیاقت حسین نے اتفاقاً گل خان کی زبانی یہ جان لینے کے بعد ۔ وہ ہلاکت خیز

سوئیاں کسی کی جان لینے کی خاطر لیموں میں پھنسائی گئی ہیں، ان کو لیموں سے نکالنے کی ٹھانی تو گل خان کے علاوہ فرحین نے بھی رو رو کر اس کی منت کی تھی کہ وہ اس ارادے سے باز رہے لیکن لیاقت حسین نے کسی کی جان بچانے کی خاطر خدا کا نام لے کر ان سوئیوں کو نکال پھینکا تھا اور لیموں کو اپنے قدموں تلے کچل ڈالا تھا مگر......قدرت کی لازوال قوتوں نے اس نیک عمل کے عوض لیاقت حسین کو نہ صرف تمام باطل اور ناپاک قوتوں سے محفوظ کر دیا تھا بلکہ اپنے کسی برگزیدہ بندے کے ذریعے اس طرح نواز دیا تھا کہ کوئی نہ کوئی غیبی اشارہ اسے صراط مستقیم سے بھٹکنے یا کفر کی گندی چالوں سے محفوظ کر لیتا تھا، لیکن پرتاب بھوشن کو اپنے دھرم کے مطابق اپنے دیوی دیوتاؤں پر پورا وشواس تھا کہ ان کی طاقت کے آگے تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔

اس وقت بھی وہ اس پرچھائیں کے بارے میں جاننے کی خاطر کالی کے نام پر ایک منتر کا جاپ کر رہا تھا جس نے لیاقت حسین کو مدھو کے ایک عارضی روپ کے دھوکے سے بچا لیا تھا بلکہ گیندے کے پھول کی موجودگی نے اسے چونکا بھی دیا تھا۔ پرتاب اپنے گندے عمل میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اسے گزرتے وقت کا کوئی احساس نہیں ہوا، کب دن رات کے اندھیرے میں تبدیل ہوا۔ کب ایک مندر کی پجارن اس کی کٹیا میں دیا روشن کر کے چلی گئی اور کتنی بار مدھو بھی چپکے چپکے اس کی کٹیا کے اندر جھانک چکی تھی، اسے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس کی انگلیاں مشینی انداز میں مالا کے دانوں کو عبور کر رہی تھیں، اس کے ہونٹوں پر ایک منتر بار بار ابھر رہا تھا جب اس کی نظروں کے سامنے چھائے گھپ اندھیرے میں ایک روشن دائرہ نمودار ہوا۔ اس دائرے کو بند نظروں سے دیکھنے کے بعد پرتاب کے اندر کامیابی کی ایک ہلچل سی پیدا ہوئی۔ شاید روشنی بھی کالی مائی کی گندی قوتوں کا کوئی چمتکار تھی، پرتاب نے بھی جان کر منتر کو اور تیز تیز پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے سانسوں کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی جب اس کے ہونٹوں نے اچانک ہلنا بند کر دیا۔ اس کے سامنے نظر آنے والے روشنی کے ہالے میں ایک انسانی ہیولا دھوئیں کی شکل میں لہرانے لگا۔ پرتاب کے پلید جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اس نے من ہی من میں دیوی کو یاد کیا پھر لرزتی، کانپتی اور بگڑتی بنتی پرچھائیں کو بڑے گھمنڈ سے مخاطب کیا۔

''مجھے وشواش تھا کہ دیوی کی مہان شکتی تجھے باندھ کر میرے سامنے آنے پر اوش مجبور کر دے گی۔ اب مجھے بتا پاپی کہ تو کون ہے؟......کیوں میرا راستہ بار بار کھوٹا کر کے اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے......تو نے زبان نہ کھولی تو میری مہان شکتی تجھے جلا کر بھسم بھی کر سکتی ہے۔''

''نادان......کم عقل...... بدبخت!'' جواب میں پرتاب کے کانوں میں ایک مدھم آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی۔ ''تو اپنی جن گندی اور ناپاک قوتوں پر گھمنڈ کر رہا ہے وہ ایک فریب اور گندے خواب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔''

''سمجھا......تو شاید مجھے جل دے کر پھر بھاگنے کی سوچ رہا ہے لیکن اب تو میرے پنجے سے نہیں بچ سکے گا۔''

"عقل کے دشمن...... بدنصیب، میری ایک بات غور سے سن لے...... کسی سچے مسلمان کے ایمان کو گندا کرنے کا خیال دل سے نکال دے ورنہ خدا کا قہر تجھے جلا کر راکھ کر دے گا......" اس بار اس کی آواز میں کھلی تنبیہ تھی۔ "اس نیک مرد کا پیچھا چھوڑ دے جسے خدا کے فرشتوں نے اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔ اپنا راستہ بدل دے ورنہ...... ورنہ تیرا انجام بھیانک ہوگا۔"

پرتاب کے ذہن میں شعلے لپک رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کے بے بس شکار اس کے جال سے نکل جانے کی خاطر بڑھکیں مار رہا ہے۔ اس نے من ہی من میں ایک منتر پڑھ کر "جے بھوانی" کا نعرہ بلند کیا پھر بڑے غضب ناک انداز میں دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے روشن دائرے میں نظر آنے والی پرچھائیں کی طرف جھٹک دیا لیکن...... دوسرے ہی لمحے اسے اتنا شدید جھٹکا لگا کر وہ خود کو سنبھال نہ سکا۔ کریہہ چیخ کے ساتھ [illegible] منڈل سے دور جا کر منہ کے بل گرا۔ کچھ لمحوں کیلئے اس کے اوسان خطا ہو گئے پھر [illegible] دروازے پر مندر کے بڑے پجاری اور پجارن مدھو کو دیکھا۔ بڑا پجاری پرتاب بھوشن کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، پجارن مدھو کی پلکیں بھی رہ رہ کر جھپک رہی تھیں۔ جو منظر ان دونوں نے دیکھا شاید وہ اس پر وشواس کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔

پرتاب کے اپنے من میں بھی اتھل پتھل ہو رہی تھی......

✣✣✣

پرتاب بھوشن ایک لمحے تک [illegible] کٹیا کے فرش پر پڑا پیش آنے والے حالات پر غور کرتا رہا پھر وہ تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر آڑی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگیں۔ کٹیا کے دروازے پر بڑے پجاری کے ساتھ دو تین پجاری اور بھی جمع ہونے لگے۔

"کیا ہوا پرتاب مہاراج؟...... بڑے پجاری نے تعجب سے پوچھا۔ "ہم آپ کی چیخ سن کر ادھر آئے ہیں۔"

"وہ...... وہ میرے جال میں آ کر نکل گیا۔ میں اسی پر چیخا تھا۔" پرتاب نے سینہ تان کر جواب دیا۔

"وہ کون......؟"

"تھا ایک دشٹ، کالی کی آ گیا پر میں اسے سراپ دینے کیلئے ایک منتر پڑھ رہا تھا لیکن...... تھوڑی سی چوک ہو گئی۔"

"ہاں......" بڑے پجاری نے مدھو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس پجارن نے بتایا تھا کہ آپ نے پہاڑی گپھا میں بیٹھک لگا کر کالی کے نام پر کوئی جاپ کیا تھا جس میں سپھل ہونے کے بعد دیوی نے آپ کو مہان شکتی سونپ دی ہے۔"

"اس بار وہ پاپی مجھے جل دے کر نکل گیا، پرنتو میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔"

"میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟"

Pakistanipoint Waqar Azeem

''کیول تمہارا آشیر باد ہی کافی ہوگا...... میں اس مسئلے کو اکیلا گمبیر کر چتا کی آگ تک گھسیٹ سکتا ہوں۔'' پرتاب نے رعونت سے جواب دیا تو بڑے پجاری نے اپنی سبکی محسوس کی۔ دوسرے پجاری ساتھ کھڑے تھے اس لیے اس نے پرتاب کو ترچھی نظروں سے گھورا۔

''تم شاید بھول رہے ہو پجاری مہاراج کہ میں کالی کے اس بڑے سندر کا بڑا پجاری ہوں۔ دیوی نے یہ مان دیا ہے تو اس کا کوئی کارن بھی ہوگا۔''

''اوش ہوگا مہاراج......'' پرتاب نے کینچلی بدل کے مدھم لہجے میں کہا۔ ''مجھے تمہاری سہائتا کی ضرورت ہوئی تو بنتی کرنے میں ہچکچاؤں گا نہیں لیکن...... پہلے میں خود اس پاپی سے دو دو ہاتھ کر لوں۔''

''تمہاری مرضی......'' بڑے پجاری نے شانے اچکا کر جواب دیا پھر واپس لوٹ گیا، اس کے ساتھ دوسرے پجاری بھی چلے گئے، پجارن مدھو قدم بڑھاتی اندر آ گئی۔ پرتاب نے سب کے جانے کے بعد مدھو کو تیز نظروں سے گھورا۔

''مورکھ......تو نے کسی کو میرے بارے میں کچھ بتایا تو نہیں؟''

''کیول بڑے پجاری کو بتایا تھا مہاراج کہ کالی نے مجھے اپنی سبھا سے چن کر تمہاری سیوا کیلئے آکاش سے دھرتی پر اتار دیا ہے۔''

''اب کسی کے سامنے زبان کھولنے کی بھول نہ کرنا......'' پرتاب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جو مہان ہوتے ہیں وہ سب کے سامنے ڈگڈگی نہیں پیٹتے۔ لک چھپ کر اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مہاراج لیکن......'' مدھو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''تو کیا پوچھنا چاہتی ہے......؟''

''مجھے اچنبھا ہو رہا ہے مہاراج کہ کوئی پاپی تمہارے ہاتھ آ کر چھو منتر کیسے ہو گیا؟''

''ایک چھوٹی سی بھول ہو گئی تھی پرنتو میں نے اس کا توڑ سوچ لیا ہے، دوبارہ اسے ایسا جکڑوں گا کہ سانس بھی نہ لے سکے گا۔''

''وہ......وہ کون تھا مہاراج؟''

''تو پوچھ رہی ہے......؟'' پرتاب نے اسے غصے سے دیکھا۔ ''کیا تو بھول گئی کہ تیرے گیندے کے پھول نے اس مسئلے کو چونکا دیا ہے، جو چھایا اس کی سہائتا کر رہی ہے وہ بھی ہوشیار ہو گئی ہے۔ میں نے اسے سامنے آنے پر مجبور کر دیا تھا پرنتو جلد بازی میں اسے بھسم کرنے کی بھول کر بیٹھا۔ پل دو پل اسے اور الجھائے رکھتا تو پوری طرح دلدل میں پھنس جاتا۔''

''کالی کا آشیر باد تمہارے ساتھ ہے تو چنتا کیوں کرتے ہو مہاراج...... وہ ایک بار نکل گیا لیکن مجھے وشواس ہے کہ دوبارہ تم اسے گانٹھنے میں اوش سپھل ہو جاؤ گے۔ جسے دیوی نے سویکار کر لیا ہو وہ کبھی نراش نہیں ہو سکتا۔''

''بڑے پجاری سے تیری اور کیا بات ہوئی تھی؟''

''میں اس کے پاس نہیں گئی تھی، اسی نے مجھے بلوا لیا تھا۔'' مدھو نے کسمسا کر جواب دیا۔

''تمہارے بارے میں ٹٹول رہا تھا۔''

''تو نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے اسے بتا دیا کہ دیوی نے مجھے کیول تمہاری سیوا میں جیون بتانے کو کہا ہے۔'' اس بار مدھو نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ ''بڑا پجاری بھی مجھے ایک نمبر کا گھاگ نظر آتا ہے، مندر کی ایک نئی پجارن ہر روز رات کو اس کی سیوا کرنے جاتی ہے۔''

''جانتا ہوں۔ یہ مندر کے بڑے پجاری اپنی گدی پر براجمان ہونے کے بعد سندر پجارنوں کو بھی مندر کا پرساد سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، ہر نئی پجارن پر پہلا ادھیکار ان ہی کا ہوتا ہے پھر دوسرے چھوڑے موٹے پجاری بھی دانا چگتے رہتے ہیں۔''

''جانتی ہوں...... اس نے مجھے بھی شاید اسی کارن بلایا تھا پرنتو...... تمہارے لیے دیوی کا دین سمجھنے کے بعد اس نے دھرم کرم کی باتیں شروع کر دی تھیں۔''

''تیرے شریر کو ہاتھ تو نہیں لگایا تھا۔'' پرتاب نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''تم میری طرف سے کبھی دل کھوٹا نہ کرنا مہاراج......'' مدھو کھسک کر پرتاب کے کولہے سے لگ گئی، مسکرا کر بولی۔ ''میں سمجھتی ہوں کہ جس دن میرے شریر کو کسی اور نے ہاتھ لگایا تو دیوی بھی منہ پھیر لے گی۔''

پرتاب کی نظریں مدھو کی سرکش جوانی پر پھسلنے لگیں لیکن اس کے ذہن میں ابھی ہاتھ سے نکل جانے والی پرچھائیں کسی زہریلے کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔ اس نے صرف مدھو کے بدن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تو نے بھی میری چیخ کی آواز سنی تھی؟''

''ہاں مہاراج...... تم کئی بار چیخے تھے، بڑا پجاری مجھے ساتھ لے کر ادھر آیا تھا، اس سمے تم ہوش میں نہیں تھے۔'' مدھو نے دبی زبان میں کہا۔ ''تم نے مجھے آنے کو منع کیا تھا مہاراج لیکن میں تمہاری طرف سے وِدیاکل تھی، دن میں کئی چکر لگائے تھے، سانجھ بھئے کٹی میں ایک نئی پجارن نے دیا جلا کر اجنیارا کیا تھا، اس سمے تم گیان دھیان میں تھے۔ آنکھ کھول کر بھی نہیں دیکھا تھا، جس پجارن نے دیا جلایا تھا وہ بھی نراش ہو گئی تھی۔''

''کیا مطلب ہے تیرا......؟'' پرتاب، مدھو کے آخری جملے پر چونکا۔

''تم نہیں جانتے مہاراج لیکن ایک ناری دوسری نار کے من کا بھید جان لیتی ہے۔'' مدھو شوخی سے بولی۔ ''جس طرح جوان پجارنوں کو دیکھ کر پجاریوں کے من میں کھل بل ہوتی ہے اسی انوسار کسی ناری کا دل بھی تمہارے جیسے پرش کو دیکھ کر اندر ہی اندر سپنوں کے جال بننے لگتا ہے۔ جس پجارن

نے تمہاری کٹی میں دیا جلایا تھا وہ کسی مدھ بھرے چھلکتے پیالے سے کم نہیں ہے۔ آٹھ دن پہلے ادھر آئی ہے۔ بڑا پجاری بھی اس کی تاک میں ہے لیکن ابھی تک اس کی منوں کا منائیں پوری نہیں ہوئیں۔''

''کیا نام ہے اس کا......؟''

''نام بھی سلونی ہے...... خود بھی کسی کٹار سے کم نہیں ہے.....'' مدھو نے پرتاب کے شانوں سے گال رگڑتے ہوئے کہا۔ ''تم نے ایک اشارہ کیا تو کسی پکے ہوئے پھل کی طرح تمہارے چرنوں میں گرنے سے انکار بھی نہیں کرے گی۔''

''تجھے برا نہیں لگے گا؟''

''لگے گا تو مہاراج لیکن تم مرد ہو...... دس جگہ منہ مار سکتے ہو تمہارا کچھ نہیں بگڑتا لیکن...... ناری کی دھینگا مشتی سے کے ساتھ ساتھ سب کی نظروں میں آجاتی ہے اور تم کو دیوی کا آشیرباد بھی ہے۔ میں کیسے تمہارا راستہ روک سکتی ہوں۔''

''پھر بھی تو چنتا مت کر۔'' پرتاب نے...... ایک پل کو اسے اپنی مضبوط بانہوں میں سمٹ لیا۔ گالوں کا رس چوستے ہوئے بولا۔ ''جب تک تو میری سیوا کرتی رہی۔ میں کسی دوسری پجارن کے ساتھ پیچ نہیں لڑاؤں گا۔ تھوری بہت ٹھٹھول کرنے کی اور بات ہے۔''

''تمہارے لیے کچھ بھوجن...... کچھ پھل فروٹ لا دوں۔'' مدھو نے جواب میں اس کا ہاتھ تھام کر چھاتی سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کل سے کچھ کھایا۔ میں اسی کارن بار بار تمہاری کٹی میں جھانک رہی تھی۔''

''جو تیرا من کرے لا دے...... میں تیرا من نہیں توڑوں گا لیکن میں نے بھی سوگند اٹھائی ہے کہ جب تک اس پلید مسلے کو اور اس کی ہتھیلی لگانے والی چھایا سے دو دو ہاتھ نہیں کر لیتا، پیٹ بھر کو بھوجن بھی نہیں کروں گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی مہاراج۔'' مدھو نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''میں تمہارا سیوا سے کبھی منہ نہیں موڑوں گی۔''

مدھو کٹی سے چلی گئی تو پرتاب کا دھیان پھر اس پر چھائیں کے بارے میں سوچنے لگا اس نے جو منتر پڑھ کر پھونکا تھا وہ اس کے خیال سے روشن دائرے پر بل کھاتی پرچھائیں کو جلا دینے کیلئے کافی تھا' لیکن اس کے بجائے خود وہ چیختا ہوا زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ کہیں نہ کہیں اس سے منتر کے جاپ میں کوئی بھول چوک ضرور ہو گئی تھی۔ پرتاب اسی کے بارے میں دماغ کی مشینری کی جانچ پڑتال کرنے میں پوری طرح گم تھا۔

+:+:+

دارا، روشنا اور میجر عاطف اس وقت کلب کے دوسرے ممبران کے ساتھ باہر لان پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے جب میجر کو موبائل پر ابھرنے والے نمبروں کو دیکھ کر موبائل کان سے لگا

لیا۔ کچھ دیر تک دوسری طرف سے کہی جانے والی بات سنتا رہا پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"فی الحال مناسب نہیں رہے گا۔ میں جانتا ہوں لیکن اس وقت گفتگو نہیں کر سکتا...... ہاں، میں تمہیں دوبارہ کال کر لوں گا...... او کے۔"

میجر عاطف نے موبائل آف کیا تو ایک بے تکلف ممبر نے مسکرا کر چھبتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "کس کا فون تھا جس سے اس وقت ہماری موجودگی میں گفتگو نہیں کی جا سکتی تھی؟"

"بتانے والی بات نہیں ہے۔" میجر عاطف نے بھی معنی خیز انداز میں جواب دیا تو روشنا بولی۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب آپ کو دوسری شادی کر لینی چاہئے اس طرح کب تک گزارہ ہوگا۔"

"روشنا ٹھیک کہہ رہی ہے۔" دارا نے بیوی کی حمایت میں زبان کھولی۔ "تم جس کی طرف اشارہ کرو ہم وہیں بات شروع کر دیں گے۔"

"مشکل ہے۔" دوسرے ممبر نے کہا۔ "ملٹری کا بندہ ہے۔ ایک محاذ پر گزارا نہیں کرتا، جب تک بھابی زندہ رہی اس نے پرانے اسٹاک کے گودام کو بھی لاک کر دیا تھا لیکن اب خود اسٹاک متحرک ہو رہا ہے تو ہمارے میجر نے بھی......"

"نان سینس!" میجر عاطف نے ہنس کر اس کی بات کاٹی۔ "تم لوگ جو سمجھ رہے ہو وہ معاملہ نہیں ہے۔"

"پھر ایسی کیا بات تھی جو اس وقت گفتگو نہیں کی جا سکتی تھی۔" روشنا نے شوخی سے سوال کیا تو میجر نے دارا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں دارا ڈیئر...... بتا دوں کس کا فون تھا؟ تم بعد میں ناراض تو نہیں ہو گے؟"

"اس کی باتوں میں نہ آنا روشنا۔" دارا نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ اب بلف کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

دوستوں کے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر وہ سب اٹھ کر ریفریشمنٹ روم میں آ گئے جہاں کلب کے بہت سارے ممبر موجود تھے۔ روشنا کو کلب کی پرانی لڑکیوں نے گھیر لیا، باقی افراد بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ میجر عاطف نے موقع دیکھ کر دارا کو ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نے کاؤنٹر پر جا کر آئس کریم کے اسکوپ لیے پھر میجر عاطف نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔

"کچھ دیر پہلے جو کال آئی تھی۔ وہ کمانڈو ڈاٹ، ڈاٹ، ون فور کی تھی۔"

"کیا اس نے شیخ حامد کے کچھ اسکرو ٹائٹ کر دیئے؟" دارا نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"اس کی نوبت ابھی نہیں آئی اس لیے کہ شیخ حامد کے ساتھ پہلے ہی بہت برا ہو چکا ہے۔" میجر عاطف نے کمانڈو کی طرف سے ملنے والی اطلاع کو مختصر دہراتے ہوئے کہا۔ "بزنس فلور کے علاوہ آس پاس کی ایک دو عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ تمہارے مطلوبہ دشمن کے دس بارہ آدمی بھی مارے گئے ہیں۔ اس کے بعد شیخ حامد کے گھر کے باہر سڑکوں سے تین پیٹیاں بھی ملی ہیں جس میں شیخ حامد

کے کارندے موت کا لباس پہنے آرام کی نیند سو رہے تھے۔"

"یہ کب کی بات ہے......؟" دارا نے حیرت سے دریافت کیا۔

"غالباً کل رات کی...... اخبارات نے شاید شیخ حامد کے اثر و رسوخ کی وجہ سے فی الحال ان خبروں کو شائع نہیں کیا لیکن...... کمانڈو ڈاٹ ڈاٹ، ون فور کی انفارمیشن غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کا خیال ہے کہ فی الحال پارٹی کو جو ہیوی ڈوز مل چکی ہے وہی کافی ہے، میں نے اسی لیے کہا تھا کہ اس وقت گفتگو نہیں ہو سکتی۔"

"تم نے ایس پی اور نگ زیب سے خبر کی تصدیق کی؟"

"موقع کہاں ملا...... اب کیے لیتا ہوں۔" میجر عاطف نے موبائل نکال کر اورنگ زیب کے نمبر پنچ کیے پھر ایس پی نے بھی کمانڈو کی اطلاع کی تصدیق کر دی تو دارا نے کچھ تامل سے کہا۔

"ایک پریشانی اب بھی ہے...... شیخ حامد ان وارداتوں میں ڈیڈ کے ہاتھ ملوث ہونے کے بارے میں بھی غور کر سکتا ہے۔ انتہائی خبیث آدمی ہے۔ بلاوجہ دوسروں سے دشمنیاں مول لیتا پھرتا ہے۔"

"ڈونٹ وری...... اورنگ زیب نے جو مختصر تفصیل بتائی ہے اس میں شیخ حامد اپنے ممکنہ دشمنوں کا نام بھی لے چکا ہے۔ ایک ہی رات میں دو بڑے حادثوں نے اس کے دماغ کی چولیں بھی ہلا کر رکھ دی ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر ابھی تم کمانڈو کو روک دو...... بعد میں دیکھا جائے گا۔" دارا نے جواب دیا پھر وہ بھی میجر عاطف کے ساتھ قدم بڑھاتا اس گروپ میں شامل ہو گیا جس میں میجر کے دوست اور روشنا کی پرانی کلب ممبرز شامل تھیں۔

✣✣✣

اڑتالیس گھنٹوں کے اندر جو سنگین واقعات اور حادثات رونما ہوئے تھے انہوں نے خاص طور سے سراج کو الجھن میں ڈال دیا تھا، شیخ حامد کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے سلسلے میں ابھی چھان بین شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک ہی رات میں افضل خان کا ہوٹل سے فائرنگ کے بعد چھومنتر ہو جانا اور شبنم کا پراسرار طور پر ہاتھ سے نکل جانا ایسی باتیں نہیں تھیں جنہیں آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا۔ افضل خان کی بات اور تھی، اس کی نگرانی بھی اورنگ زیب کے دو آدمی کر رہے تھے لیکن شاید ہوٹل پر فائرنگ کرنے والے تعداد میں زیادہ رہے ہوں اس لیے وہ افضل خان کو چھوڑ کر جان بچانے کیلئے موقع سے ادھر ادھر ہو گئے ہوں، لیکن شبنم...... اسے خاص طور پر اورنگ زیب اور سراج نے ایک مخصوص مقام پر اپنے خاص آدمیوں کی نگرانی میں رکھا تھا پھر اس کا غائب ہو جانا تعجب خیز ہی تھا، جو افراد شبنم کی نگرانی پر تعینات تھے انہوں نے یہی بیان دیا تھا کہ رات کا کھانا انہوں نے ایک ساتھ ہی کھایا تھا پھر وہ بے ہوشی سے دوچار ہونے کے بعد اس وقت ہوش میں آئے جب شبنم وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔

سراج اس وقت اورنگ زیب کے آفس میں موجود تھا۔ صبح وہ اورنگ زیب کی ارجنٹ کال کے بعد اتنی جلدی میں نکلا تھا کہ ناشتا بھی نہیں کر سکا۔ خود اورنگ زیب کے چہرے سے بھی یہی لگ رہا تھا کہ شبنم کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ بھی ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔

سراج کو دونوں واقعات کی اطلاع سنانے کے بعد وہ بھی بری طرح الجھ گیا تھا۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر اس نے اپنے مختلف خاص آدمیوں سے فون پر گفتگو بھی کی تھی لیکن شاید دوسری جانب سے کوئی امید افزا خبر نہیں ملی تھی جس نے اسے مزید ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''جو کچھ خاص طور پر شبنم کے سلسلے میں ہو گیا وہ بات کسی پراسرار معمے سے کم نہیں ہے......''

سراج نے دبی زبان میں کہا۔

''میرا ذہن ابھی تک خود بھی چکرا رہا ہے۔'' اورنگ زیب نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرے آدمی میرے ساتھ ڈبل کراس کرنے کے سلسلے میں کبھی غور نہیں کر سکتے لیکن بہرحال جو کھانا انہوں نے کھایا وہ تیز نشہ آور ضرور تھا۔''

''کھانے میں نشے کی آمیزش کس نے کی ہو گی؟''

''یہی بات غور طلب ہے۔'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''جو آدمی ان کیلئے

کھانا لاتا تھا وہ فی الحال غائب ہے، لیکن میرے سادہ لباس والے اسے بہت جلد ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"کون تھا کھانا لانے والا؟"

"ان ہی کا ایک پرانا واقف کار تھا لیکن وہ اب وہاں نہیں ہے جہاں رہتا تھا...... ہوسکتا ہے دشمنوں کے کسی آدمی نے اسے خرید لیا ہو...... یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی گھر والی کو قابو کرنے کے بعد اسے اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ وہاں کی حالت سے یہی اندازہ ہوتا ہے کچھ لوگوں نے ان دونوں کو غائب کرنے سے پیشتر پورے گھر کے سامان کی بھی تلاشی لی تھی۔ ٹوٹی ہوئی چوڑی کے ٹکڑوں کے علاوہ خون کے دو چار قطرے بھی ایک میز پوش پر ملے ہیں۔"

"کوئی فنگر پرنٹس......" سراج نے کسمسا کر دریافت کیا۔

"ان کا نہ ملنا ہی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جو لوگ اس کارروائی میں ملوث تھے وہ ہر طرح سے پوری طرح محتاط تھے۔"

ایک منٹ خاموشی رہی پھر سراج نے مدھم لہجے میں کہا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا شبنم کو ساتھ لے جانے والے اسے زندہ چھوڑ دیں گے؟"

"فی الحال یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، ویسے اسے مار دیئے جانے کے امکانات زیادہ نہیں ہیں۔ اگر صرف اسے مارنا مقصود ہوتا تو وہ ان کے لیے زیادہ آسان تھا۔ یہ بات اور ہے کہ اس میں شاید میرے ایک دو آدمی بھی کام آجاتے۔"

"ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"ون منٹ......" اورنگ زیب نے سراج کو شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔ کیا تم اب بھی مجھ سے اس قسم کی اجازت ضروری سمجھتے ہو؟"

"سوری......" سراج نے مسکرا کر سوال کیا۔ "آپ نے شبنم کے علاوہ اور بھی ایک دو معاملات میں ڈی آئی جی کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔"

"اس لیے کہ مجھے اس پر مکمل اعتماد نہیں ہے۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی اور صاف گوئی سے کہا۔ "کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو میں خود اپنے آپ سے بھی شیئر (Share) نہیں کرتا۔ کسی بھی پولیس آفیسر کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ حساس معاملات میں خود اپنی پرچھائیں سے بھی محتاط رہے لیکن...... تم نے اس وقت خاص طور پر یہ سوال کیوں کیا جبکہ میں تم سے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے آغا منظور صاحب بہت زیادہ ٹھنڈا کر کے کھانے کے عادی ہیں اور ایسے لوگ کبھی کبھی اپنی دوررس پالیسی کے سبب غلطی کا ارتکاب بھی کر جاتے ہیں۔"

"میں آپ کی اس بات سے سو فیصد متفق ہوں۔" سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میری اطلاع بھی یہی ہے کہ آپ کا آکٹوپس ہمارے ڈی آئی جی پر شبنم کی بازیابی کیلئے زیادہ زور ڈال رہا ہے۔"

''میں بھی جانتا ہوں۔''

سراج کچھ مزید بات کرنا چاہتا تھا کہ اس کے موبائل پر سگنل ملا۔ نمبر دیکھے بھالے نہیں تھے پھر بھی سراج نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔ ''ہیلو..... سراج اسپیکنگ۔''

''میں آپ کا ایک پرانا خادم بول رہا ہوں جناب۔''

''نام کیا ہے مجھے یاد نہیں آ رہا.....'' سراج نے سپاٹ لہجے میں پوچھا، بولنے والے کی آواز پہلی بار سن رہا تھا۔

''میں نے نام پہلے بھی نہیں بتایا تھا، اب بھی آپ اس کو دریافت کرنے کی زحمت نہ کریں۔'' سپاٹ لہجے میں جو ملا، صاف لگ رہا تھا کہ دوسری جانب سے بات کرنے والا آواز بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''ایک اہم اطلاع دینی تھی۔'' جواب میں معنی خیز انداز اختیار کیا گیا۔ ''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس وقت ایس پی صاحب کے دفتر میں بیٹھے غالباً شبنم نامی لڑکی کے سلسلے میں الجھ رہے ہوں گے۔''

سراج، شبنم کے نام پر چونکا۔ ''تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جملہ مکمل کرنے کے بعد اس نے موبائل کا اسپیکر بھی آن کر دیا۔

''میں اس قسم کے معاملات میں ٹانگ نہیں الجھاتا لیکن اتفاق سے کوئی بات معلوم ہو جائے تو آپ حضرات کو بتائے بنا چین بھی نہیں ملتا۔''

''اس وقت کیا خاص معاملہ درپیش ہے؟'' سراج نے الجھ کر دریافت کیا۔ ''تم نے جو نام لیا ہے اس کے بارے میں کیا بتانا مقصود تھا؟''

''اگر میں آپ حضرات کو اس کا پتا اور ٹھکانا بتا دوں تو آپ کیا انعام دیں گے؟''

''غلط اندازہ ہے تمہارا۔'' سراج نے اس بار قدرے سخت لہجے میں کہا۔ ''ابھی تک اس نے بھی کوئی انعام کا اعلان نہیں کرایا جس کو اس کی سب سے زیادہ تلاش ہے۔ پولیس کا کام صرف اس کو ڈھونڈنا ہے جو ہمارے لوگ پہلے ہی کر رہے ہیں۔ ایک بات اور سن لو۔ دوبارہ میرے بارے میں زیادہ سن گن لینے کی حماقت نہ کرنا ورنہ اس کا انجام تمہارے حق میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں نے اس وقت بھی تمہارا پیچھا نہیں کیا تھا آفیسر.....'' دوسری طرف سے بولنے والے نے بھی کینچلی بدل کر جواب دیا۔ ''اندھیرے میں ایک تیر چلایا تھا جو شاید نشانے پر نہیں لگا۔''

سراج نے جواب دینے کے بعد اورنگ زیب کے اشارے پر موبائل اس کو دے دیا۔

''ایس پی اورنگ زیب بول رہا ہوں۔ تم کو لڑکی کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟''

''جب تمہیں کوئی دلچسپی نہیں تو پھر پیٹ میں مروڑ کیوں شروع ہو گیا؟''

''بات مروڑ کی نہیں..... فرض کی ادائیگی کی ہے۔'' خلاف توقع اورنگ زیب نے سلجھے ہوئے

انداز میں کہا۔ ''لڑکی کی بازیابی کے بعد ہم تمہیں دوسری پارٹی سے ایک بڑی رقم بھی دلوا سکتے ہیں۔''

''دوسری پارٹی کس کی ہے؟''

''آم کھانے سے غرض رکھو، پیڑ گننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ میں جو کہتا ہوں اسے کر گزرنے سے دریغ نہیں کرتا۔''

''جال پھینکنے کی کوشش کر رہے ہو؟...... میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔''

''پھر...... اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''دو تین روز میں اس کا جواب دے دوں گا لیکن نئے نمبروں کی سم سے...... وہ بھی ان رجسٹرڈ ہوگی۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' سراج نے کرسی پر پہلو بدل کر پوچھا۔

''ہو سکتا ہے یہ بھی ہمیں ٹٹولنے کی ایک چال ہو۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ فون کرنے والا آکٹوپس کا کوئی ایجنٹ تھا جس کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ شبنم کہاں تھی اور اب کہاں ہو سکتی ہے؟''

''تم نے ادھر آتے وقت کسی تعاقب پر توجہ نہیں دی تھی؟'' اورنگ زیب نے سوال کیا۔

''اس کا خیال رکھنا اب میری عادت بن چکی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا تھا۔''

''پھر ایک بات اور بھی ممکن ہو سکتی ہے۔'' اورنگ زیب بدستور سنجیدگی سے بولا۔ ''ممکن ہے اس وقت تمہاری یہاں موجودگی کی اطلاع کسی کالی بھیڑ نے ڈی آئی جی تک پہنچا دی ہو اور وہ ہماری ملاقات کی وجہ جاننے کیلئے کسی آدمی کے ذریعے تکے لگا رہا ہو۔''

''لیکن شبنم کے ہاتھ سے نکل جانے کی اطلاع اسے کس نے دی ہوگی؟'' سراج نے کہا۔

''شبنم کے بارے میں صحیح صورتحال کی اطلاع ہمارے علاوہ اور کسے تھی؟''

''یہی ایک اہم پوائنٹ ہے جو میرے ذہن میں بھی چکرا رہا ہے مگر...... ڈونٹ وری!'' اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے سراج کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا پھر وہ دونوں ہی آگے پیچھے قدم اٹھاتے دفتر سے باہر آ گئے۔ اورنگ زیب کے کہنے پر سراج اپنی گاڑی چھوڑ کر اسی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دونوں ہی اپنی اپنی کسی گہری سوچ میں غرق تھے۔

''اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' سراج نے کچھ توقف کے بعد دریافت کیا۔

''کبھی کبھی بھٹکے ہوئے مسافروں کو سڑکوں پر بے معنی چکر لگانے سے بھی منزل کا نشان مل جاتا ہے۔''

سراج اس جواب پر چونکا، اسے کم از کم اورنگ زیب سے ایسے مبہم جواب کی توقع نہیں تھی۔ اب تک وہ اسے فولادی ارادوں کا مالک سمجھتا رہا تھا لیکن اس وقت وہ جواب اس کیلئے کچھ اور تاثر چھوڑ رہا تھا۔ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

''میرا اندازہ ہے کہ تمہیں میرا جواب پسند نہیں آیا۔'' اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے سراج کو مخاطب کیا۔

''ہاں...... میں انکار نہیں کروں گا۔'' سراج سنبھل کر بیٹھ گیا۔''یہ پہلا موقع ہے جب میں......''

''میں سمجھا نہیں......؟'' سراج کی بات کاٹ دی گئی تو اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''دوسری پارٹی مستقل نئے نئے کارڈ استعمال کر رہی ہے۔ اب میری باری ہے۔'' اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''میں بھی ایک دونئی چال چلنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ تم دیکھنا، بازی ایسی پلٹا کھائے گی کہ خود آکٹوپس کو بھی دن میں تارے نظر آجائیں گے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اس کو دی گئی مہلت کے اندر اندر مجرموں کا سراغ لگا لیں گے جو موجودہ حالات کے ذمے دار ہیں؟''

''شاید......'' اورنگ زیب نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بڑا معنی خیز انداز اختیار کیا۔''ناکامی کی صورت میں، میں آکٹوپس کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ تمہارے ڈی آئی جی صاحب بھی اس کے گواہ ہیں۔''

''لیکن ابھی تک ہم کسی نتیجے پر......''

ٹھیک اسی وقت اورنگ زیب کے موبائل نے وائبریٹ کیا تو اس نے سراج کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے موبائل اٹھا کر آن کرتے ہوئے کانوں سے لگا لیا۔''ہیلو...... ہاں، اطمینان سے بات کر سکتے ہو...... گڈ...... کیا تمہیں یقین ہے اب تک وہ اس کے پاس...... پہنچ گیا ہو گا؟...... او کے...... فائن، دوسرے معاملے کا کیا بنا؟...... ڈونٹ وری! میرے پاس اس کا بھی ایک توڑ موجود ہے...... ابھی نہیں، فی الحال اس کا کھل کر سامنے آنا مناسب نہیں ہوگا۔ حماقت کی باتیں مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دو ایک نہیں ہوں گے۔ نہیں، اب کوئی رسک نہ لینا...... ہاں، تم نے جو کام کر دیا ہے جلاب سے کم نہیں ثابت ہوگا۔ میں کال کر لوں گا۔ او کے!'' اورنگ زیب نے موبائل آف کر کے رکھا پھر گاڑی کو اگلے چوراہے سے بائیں جانب موڑ دیا، موبائل پر بات کرنے کے بعد وہ کسی وجہ سے خاصہ ریلیکس نظر آ رہا تھا۔

''کس کا فون تھا؟'' سراج نے سرسری انداز میں دریافت کیا۔

''ہم اس وقت لوچن کے پاس چل رہے ہیں۔'' اورنگ زیب نے سراج کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے زہریلے انداز میں مسکرا کر کہا۔''مجھے ایک پرانی مثال یاد آ گئی ہے کہ...... لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔''

''ایک بات بڑی صاف گوئی سے کہوں اگر آپ برا......''

''ڈونٹ بی سینٹی مینٹل، میں تمہیں چھوٹا بھائی کہہ چکا ہوں اس لیے تمہاری کسی بات کے برا ماننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو آپ نے کوئی خاص بات ابھی تک مجھے بھی بتانی ضروری نہیں سمجھی۔''

''یو آر۔ رائٹ۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے اعتراف کیا پھر مسکرا کر بولا۔''پریشان مت ہو، میں اپنی شکست تسلیم کرنے کی خاطر آکٹوپس کے سامنے تنہا نہیں جاؤں گا۔ ایک ساتھی اور بھائی کی حیثیت سے تم بھی میرے ساتھ ہو گے۔''

''آپ نے اچانک لوچن سے ملنے کا ارادہ کیسے کرلیا؟'' سراج نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''لیاقت حسین کے کیس والا زخمی کسی طرح زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ شاید لوچن اس کی زبان پر پڑا قفل کھولنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' سراج کسمسایا ''لیکن ...... کیا ایک گواہی آکٹوپس کے پیروں میں زنجیر ثابت ہو سکتی ہے؟''

''چوبیس گھنٹے اور انتظار کرلو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے سارے سوالوں کا جواب مل جائے۔'' اس بار اورنگ زیب کے چہرے پر جو زہر آلود مسکراہٹ ابھری تو سراج چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کیا آپ نے آکٹوپس کے ٹرمپ کارڈز کے جواب میں کوئی غیر قانونی اقدام کا فیصلہ کرلیا ہے؟''

''ریلیکس فار ٹوئنٹی فور آورس...... اس کے بعد قانون کے ماتھے پر بھی تمہیں پسینے ہی پسینے نظر آئیں گے۔''

اورنگ زیب نے سی آئی ڈی سینٹر کے احاطے میں گاڑی داخل کی تو سراج نے اس وقت مزید گفتگو مناسب نہیں سمجھی لیکن اس کا ذہن بہ دستور اس گتھی کو سلجھانے میں منہمک تھا جو اورنگ زیب کی مختلف باتوں نے جنم دی تھی۔

☆☆☆

لوچن اور اس تین فیتے والے پولیس حوالدار میں روز اول سے کشمکش جاری تھی۔ وہ صورت و شکل کے اعتبار سے بھی بڑا اذیت پسند نظر آ رہا تھا، وہ اچھے خاصے ڈیل ڈول اور ٹھوس جسم کا مالک تھا، اس کی آنکھوں میں ہر وقت تیرنے والی سرخیاں بھی اس بات کی غماز تھیں کہ وہ کسی مجرم کے ساتھ رعایت کرنے کا عادی نہیں تھا، چہرے پر گھنی اور بڑی لوچدار مونچھوں نے اس کی شخصیت کو اور ہیبت ناک بنا رکھا تھا لیکن...... لوچن کے معاملے میں روز اول سے بڑا بے بس تھا، اورنگ زیب نے مخصوص آرڈر کی وجہ سے وہ ابھی تک اپنے ہاتھ کی کھجلی نہیں مٹا سکا تھا۔ خود لوچن بھی اس پر پوری طرح حاوی رہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ جس مخصوص کمرے میں خاص خاص قیدیوں کو ٹھوس اور کھردرے فرش پر رات بھر نیند نہیں آتی تھی وہاں لوچن کی ضد پر اسے آرام کرنے کی خاطر ایک اسپرنگ میٹرس بھی فراہم کرنی پڑی تھی۔ حوالدار اور لوچن کے درمیان تیز و تند جملوں کی

جنگ روز ہی ہوتی تھی۔

اس وقت بھی لوچن دن چڑھنے کے بعد اپنے بستر پر آرام سے بیٹھا بڑے سکون سے بریک فاسٹ کرنے میں مشغول تھا جب وہی جلاد نما حوالدار پورے طمطراق سے تالا کھول کے اندر داخل ہوا۔اس کی نظروں میں اس وقت بھی شعلوں کا رقص جاری تھا۔حسب معمول دو مسلح سپاہی بھی حوالدار کے اندر داخل ہوتے ہی لوچن پر رائفلیں تان کر پوری طرح محتاط ہو گئے۔لوچن نے اسے ایک نظر دیکھا، بے پروائی سے شانے جھٹک کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا پھر ناشتے میں مشغول ہو گیا۔

''نواب ہے ملک کی ناجائز اولاد۔'' حوالدار نے بڑی حقارت سے مخاطب کیا۔''کب تک مفت کا توس اور مکھن زہر مار کرتے رہو گے؟''

''آج تم نے گڈ مارننگ نہیں بولا۔'' لوچن نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔''یو بلاڈی بلڈ......تم تہذیب کا معاملہ میں بھی ایک دم ان کلچرڈ معلوم پڑتا۔''

''شٹ اپ یو نکما چیٹا گھٹیا مین۔'' حوالدار نے بھی اردو، انگلش نامی زبان اختیار کی۔''ادھر تمہارا گرینڈ فادر تمہارا چوکھٹا دیکھنا مانگتا۔جلدی زہر مار کر کے کم دودھ ہی ہری اپ۔''

''گرینڈ فادر یا...... یا فادر ان لا......'' لوچن نے اسے جلانے کی خاطر آنکھ مار کر سوال کیا۔

''زیادہ گٹ پٹ نہیں چلے گا لنڈے کے کٹ پیس۔ ٹین منٹس میں اسٹینڈ اپ ہو کر تیار ہو جاؤ۔'' حوالدار نے مونچھوں کو خطرناک انداز میں تاؤ دے کر رعب دار لہجے میں حکم دیا۔

''او کے، یو شٹ......ویٹ آؤٹ سائیڈ، ام کافی کا کپ خالی کر کے تمہارے ریکوئسٹ پر غور کرے گا۔''

حوالدار پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔باہر اورنگ زیب اور سراج کی موجودگی کا خیال نہ ہوتا تو وہ لوچن کے ''شٹ'' کے جواب میں آج اس کے جسم کی اتنی تیل مالش ضرور کر دیتا کہ وہ آئندہ سے دوبارہ اس گندے لقب سے نوازنے کی کبھی جرأت نہ کرتا۔وہ بل کھاتا ہوا لوچن کو خون آلود نظروں سے کھڑا گھورتا رہا۔لوچن نے آرام سے کافی ختم کر کے کپ ایک طرف ڈال دیا پھر سمر سالٹ کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔حوالدار کو خون کے دو گھونٹ اور مجبوراً زہر مار کرنا پڑے۔پھر وہ آگے پیچھے قدم اٹھاتے اس ساؤنڈ پروف کمرے میں آ گئے جہاں اورنگ زیب اور سراج موجود تھے۔لوچن نے ان دونوں کو اپنے مخصوص انداز میں دیکھا پھر خاموشی سے تیسری کرسی پر بیٹھ گیا،حوالدار، اورنگ زیب کا اشارہ پا کر باہر نکل گیا خود کار دروازے دوبارہ بند ہو گئے۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' اورنگ زیب نے گفتگو کی ابتدا سنجیدگی سے کی۔''کیا ہمارے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو؟''

''جو کچھ پہلے کہہ چکا ہوں، اس میں مزید کوئی ترمیم کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔'' لوچن نے شستہ انگریزی میں جواب دیا۔

''ایک بار پھر اپنے جواب پر غور کر لو۔''

''ہمارا تعلق جس قبیلے سے ہے وہاں لوگ صرف ایک بار غور کرتے ہیں۔ بار بار فیصلے تبدیل نہیں کرتے۔''

''لیکن ہم...... تمہارا فیصلہ تبدیل بھی کرا سکتے ہیں۔''

''تم دونوں بھی کوشش کر کے دیکھ لو۔'' لوچن نے باری باری ان دونوں افسران کو دیکھتے ہوئے بہ دستور بے پروائی سے جواب دیا۔ وہ کسی طرح مرعوب نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا یہ تمہارا آخری جواب ہے؟''

''یس......''

اورنگ زیب نے اسے مسکرا کر معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر جیب سے ایک موبائل نکال کر اس کی طرف خاموشی سے بڑھا دیا، اس کے بعد اس نے جیب سے اپنا موبائل نکال کر کسی کے نمبر پنچ کیے۔ سراج خاموش بیٹھا آنے والے لمحوں کے بارے میں غور کرتا رہا۔

''ہیلو......'' دوسری جانب سے رابطہ قائم ہونے پر اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میں ایس پی اورنگ زیب اس وقت سراج کے اور لوچن کے ساتھ سی۔ آئی۔ ڈی سینٹر کے ایک ساؤنڈ پروف کمرے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ لوچن ہمارے ساتھ تعاون کرنے سے بہ دستور پس و پیش کر رہا ہے۔ میں نے اسے موبائل دے دیا ہے، اس کے نمبر نوٹ کر لیں۔'' اورنگ زیب نے لوچن کو دیئے گئے موبائل کے نمبر دوبارہ دہراتے ہوئے کہا پھر موبائل آف کر کے لوچن کو مسکراتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''میرے ساتھ کوئی گھسا پٹا گیم کھیلنے کی کوشش نہ کرنا آفیسر' میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم کسی کے ساتھ غداری کرنے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ تم سیاہ فام حبشی کا انجام دیکھ چکے ہو۔''

اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر بہ دستور دوستانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی جب لوچن کا موبائل گنگنانے لگا' لوچن نے ایک پل کیلئے اورنگ زیب کو ٹٹولتی نظروں سے پھر موبائل آن کر کے بولا۔

''لوچن بول رہا ہوں۔''

دو منٹ تک کمرے میں گہرا سکوت طاری رہا' دوسری طرف سے جو کچھ کہا جا رہا تھا اس کے تاثرات لوچن کے چہرے پر واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ دو منٹ بعد لوچن نے کسمسا کر کہا۔ ''کیا میں یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں کہ تم بھی اس وقت کسی ایجنسی کے ہاتھوں مجبور ہو؟''

لوچن کے سوال کے جواب میں جو کچھ کہا گیا اسے سن کر لوچن نے موبائل آف کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کچھ دیر وہ کسی گہری سوچ میں غرق رہا۔ اس دوران اس کی تجربہ کار نظریں اورنگ زیب اور سراج کے دماغ کا ایکسرے کرنے میں مصروف رہیں، پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں فوری طور پر تم دونوں کو آخری جواب نہیں دوں گا لیکن ...... تم اگر مناسب سمجھو تو مطلوبہ شخص کو میرے ساتھ ایک ہی کمرے میں بند کر دو اور...... اپنے ماتحتوں کو ہدایت کر دو کہ وہ ہمارے

کمرے سے دور رہیں ورنہ تم بھی خاطر خواہ نتائج نہیں حاصل کر سکو گے۔"

"کیا فون کال کے بعد بھی تمہیں کسی قسم کا شبہ لاحق ہے؟"

"اس کا جواب بھی تمہیں کسی نہ کسی طرح دس بارہ گھنٹوں میں مل جائے گا۔"

"او۔کے۔" اورنگ زیب نے سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔"

"ایک بات اور سن لو......لوچن کی نظریں گھپ اندھیروں میں بھی بہت دور تک دیکھنے کی قوت رکھتی ہیں۔ اگر مجھے ذاتی طور پر مکمل اطمینان نہ ہوا تو تم...... میرے علاوہ اپنے دوسرے شکار سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

"جانتا ہوں......" اورنگ زیب نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "اور کوئی شرط......؟"

"کامیابی کی صورت میں میرے ساتھ تمہارا گھسا پٹا قانون کیا برتاؤ کرے گا؟"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہیں کسی بھی قسم کی پیچیدگی سے نجات مل جائے۔"

"اور اگر تم ناکام ہو گئے تو......؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک سال۔" اورنگ زیب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ "اونلی تھری ہنڈرڈ اینڈ سکسٹی فائیو ڈیز۔"

"کبھی کبھی انسان کا اعتماد اسے دھوکا بھی دے جاتا ہے۔" لوچن کے جواب میں کئی سوالات پوشیدہ تھے۔

"میں اپنا کمٹمنٹ (وعدہ) پورا کرنے کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" اورنگ زیب یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "تم نے بعد میں اگر باہر جانا چاہا تو میں اس کا بندوبست بھی کر دوں گا...... اٹ از مائی پرامس۔"

"رائٹ......تم بارہ گھنٹے بعد مجھ سے موبائل پر رابطہ کرنا۔ تمہیں میرا ابھی آخری جواب مل جائے گا۔"

اس گفتگو کے بعد لوچن کو واپس اس کے کمرے میں بھیج دیا گیا، اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب نے لوچن کی نگرانی پر تعینات عملے کو بھی طلب کر کے واضح طور پر ہدایت کر دی تھی کہ وہ لوچن کے کمرے سے کم از کم دس بارہ فٹ دور ہی رہیں۔ کسی ایسی جگہ طے کر کے پہرہ دیں گے جہاں لوچن یا اس کے ساتھ رہنے والے نظروں میں نہ آ سکیں۔

"سر، ہم آپ کے حکم کے پابند ہیں لیکن...... اگر قیدی یا قیدیوں نے کسی طور خودکشی کی حماقت کی تو اس کی ذمے داری کس پر ہوگی؟" نگرانی پر مامور عملے کے سب انسپکٹر نے دبی زبان میں ایک امکانی خطرے کا اظہار کیا۔

"فی الحال تمام تر ذمے داری میری ہے اور...... تمام چیزیں آف دی ریکارڈ ہیں۔ خودکشی کی صورت میں بھی لاشوں کو خاموشی سے دفنا دیا جائے گا۔"

سراج خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہا لیکن سی آئی ڈی سینٹر کی عمارت کے

باہر آنے کے بعد اس نے اورنگ زیب سے پوچھ ہی لیا۔

''آپ نے فون پر کس سے رابطہ قائم کیا تھا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے......؟''

''میڈم......''

''ہاں......'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''تم نے سیون سٹار کے حوالے سے جو کہانی بنی تھی میں اسی وقت تمہاری مصلحت کو سمجھ گیا تھا کہ میڈم کا نام درمیان میں نہیں لانا چاہتے تھے۔''

''لیکن آپ نے اتنی جلدی ساری پلاننگ کس طرح کر لی جبکہ میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا؟''

''میری پلاننگ کچھ اور تھی لیکن راستے میں جب میرے کسی مخبر نے مجھے موبائل پر ایک خاص اطلاع دی تو میں نے سیون اسٹار کے کوڈ پر غور وفکر کرنے کے بعد ہی سی آئی ڈی سینٹر کا رخ کیا تھا۔''

''ایک بات اب بھی وضاحت طلب ہے۔'' سراج نے دبی زبان میں کہا۔''جب میں نے میڈم کا حوالہ نہیں دیا تھا تو پھر صرف میرے اور آپ کے حوالے پر اس نے آپ کی مختصر بات کا مطلب اور مقصد کیسے سمجھ لیا؟''

''میں نے اپنے اور تمہارے نام کے ساتھ ہی لوچن اور سی آئی ڈی سینٹر کا حوالہ بھی خاص طور پر دیا تھا۔ اس کے علاوہ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میڈم نے میری ہی گزارش پر جاکے آدمیوں کے ذریعے آکٹوپس کو ڈسٹرب کرنے کی خاطر شعلہ اگلتی گولیوں کی آتش بازی کرائی تھی۔''

''ون منٹ۔'' سراج نے کسمسا کر تجسس آمیز انداز میں کہا۔''جب میڈم نے ذاتی طور پر سیون اسٹار کے حوالے سے بات کی تو پھر لوچن کس لیے پس وپیش کا مظاہرہ کر رہا تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ میڈم نے ابھی اس سے تفصیل سے بات نہیں کی ہوگی۔ صرف اتنا کہا ہوگا کہ زخمی کی زبان کھلوانے کے سلسلے میں ہم سے تعاون کرے۔'' اورنگ زیب نے بات جاری رکھی۔ ''تفصیل سے میں میڈم کو کسی وقت بات سمجھا دوں گا تاکہ لوچن کی تسلی بھی ہو جائے۔ دراصل زخمی کی زبان کھلوانے کے معاملے میں، میں نے میڈم سے سرسری بات کی تھی۔ لوچن کے حوالے سے نہیں بلکہ اس خیال کے پیش نظر کہ ممکن ہے جگا کا کوئی ساتھی ہمارے کام آسان کر دے۔ پولیس پر اعتماد کرنے کے بجائے ایک مجرم دوسرے مجرم کی بات زیادہ آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ ممکن ہے اسی وجہ سے میڈم نے تمہارے ذریعے لوچن وغیرہ کو کنٹرول کرنے والا پاس ورڈ مجھ تک پہنچایا ہو...... بہر حال، مجھے یقین ہے کہ میڈم کی طرف سے اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد اس نے کسی دباؤ کے تحت لوچن کو ہماری مدد کرنے کو نہیں کہا ہے...... لوچن ہمارے لیے کئی پہلوؤں سے بے حد کارآمد ثابت ہوگا۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آکٹوپس کا کوئی آدمی اس کے دشمن کے کہنے پر زبان کھول دے گا؟''

''نہ سہی..... پھر بھی لوچن ہمارے لیے شطرنج کے کسی گھوڑے سے زیادہ کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔''

دونوں میں خاصی دیر تک اسی مسئلے پر گفتگو ہوتی رہی پھر سراج نے دوبارہ دبی زبان میں شکوہ کیا۔

''ایک بات یہ بھی طے ہے کہ آپ کچھ باتیں کھل کر مجھ سے نہیں کہتے...... میں نے بھی سیون اسٹار کے حوالے پر دیدہ و دانستہ میڈم کی شخصیت کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کی تھی پھر بھی اگر آپ کو.....''

''پلیز سراج۔'' اورنگ زیب نے بڑی محبت سے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔''تم اور الماس مجھے کتنے عزیز ہو اس کا اندازہ تمہیں ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے دوبارہ تکلفات سے کام نہ لینا۔ رہا کچھ باتیں راز رکھنے کا سوال تو اس کے سلسلے میں یہ واضح کردوں کہ کسی بات کا علم اگر اچانک ہو تو اس کا مزہ بھی زیادہ آتا ہے، تجسس ختم ہوجائے تو پھر چونک کر اچھل پڑنے والا لطف نہیں آتا۔''

''رائٹ سر.....'' سراج نے خوشی سے مسکرا کر اورنگ زیب کو بیٹھے ہی بیٹھے سلیوٹ کرتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔''اب چونکنے والے لمحوں ہی کا انتظار کروں گا۔''

جواب میں اورنگ زیب بھی ہنس دیا۔

✣✣✣

شبنم کی بے ہوشی ٹوٹی تو وہ ایک دم ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کے کانوں میں گونجنے والی گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز ایک خطرناک نغمہ بکھیر رہی تھی۔ اٹھنے کے بعد اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ سمٹ سمٹا کر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ کسی بڑی پک اپ نما گاڑی میں سفر کررہی تھی، پچھلی نشست بھی بے حد آرام دہ ہونے کے باوجود اس کے نیم بیدار ذہن کو چبھنے لگانے لگی، وہ دو آدمیوں کے درمیان پھنسی بیٹھی تھی، دونوں کے ہاتھوں میں آتشیں اسلحہ تھا، اگلی نشستوں پر بھی ڈرائیور کے علاوہ ایک دراز قد آدمی بیٹھا تھا، اس کے ہاتھ میں بھی رائفل تھی۔ وہ باقی ساتھیوں کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ پک اپ نما گاڑی تیز رفتاری کا مظاہرہ کررہی تھی۔

گولیوں کی آواز بہ دستور آرہی تھی، اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے شخص نے بلند آواز میں اپنے باقی ساتھیوں کو مخاطب کیا''جب تک میں نہ کہوں تم میں سے کوئی جوابی کارروائی کی حماقت نہ کرے۔''

''ہمیں اور کتنا صبر کرنا پڑے گا۔'' شبنم کے سیدھے ہاتھ والا سرد لہجے میں بولا۔''حملہ آور قریب آگئے تو بلٹ پروف شیشے بھی سرتال ملانے لگیں گے۔''

''فکر مت کرو۔ ہمارے دوسرے ساتھی انہیں جواب دے رہے ہوں گے۔''

''مجھے یہ تو سب کچھ ٹریپ لگتا ہے۔'' پچھلی نشست سے دوسرے نے کہا۔''ایجنسیوں میں بھی اب دو نمبر کے شکاری بھرتی ہونا شروع ہوگئے ہیں، بوٹی دے کر بکرا لینے والی بات ہے۔''

''ہم نے بھی ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔'' سرغنہ نے کہا پھر اس نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''تم اگلے موڑ سے گاڑی کا رخ فیکٹری ایریا کی طرف موڑ دو۔ وہاں ہم کھل کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکیں گے۔''

شبنم سہمی بیٹھی ان کی باتوں کو سن رہی تھی، گفتگو سے اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ دوستوں کے نہیں بلکہ دوبارہ دشمنوں کے نرغے میں پھنس چکی ہے۔ اس کا ذہن اورنگ زیب کے بارے میں الجھنے لگا۔ اس نے انجکشن لگوانے سے پیشتر یہی کہا تھا کہ اب اس کا انجام بھی انہی لوگوں کے ہاتھوں ہوگا جس کیلئے وہ کام کرتی رہی تھی۔ ایس پی نے جو سوال دریافت کیا تھا اس کا جواب شبنم کے پاس نہیں تھا، اس کی یہی بے بسی اس کے آڑے آ گئی۔ بہرحال اسے اورنگ زیب کے اس اچانک بدلے ہوئے برتاؤ اور سرد ردعمل پر تعجب ہی ہوا تھا۔ یہ خیال بھی اس کی رگوں میں سنسنی پیدا کر رہا تھا کہ اگر وہ دوبارہ بگ باس کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے تو ان کا کیا رویہ ہوگا؟ افضل خان کا مسئلہ اس کیلئے عذاب بن گیا تھا، اسے اورنگ زیب کی زبانی ہی علم ہوا تھا کہ وہ ہوٹل سے غائب ہو گیا ہے یا کر دیا گیا ہے۔ اس کو افضل خان کے بارے میں صحیح صورت حال کا علم ہوتا تو وہ اورنگ زیب سے اسے پوشیدہ بھی نہ رکھتی۔ اس کے اور سراج کی تحویل میں جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے لیکن اب وہی محفوظ ہاتھ اس کیلئے پھر وبال جان بن گئے تھے۔

وہ اپنے خیالوں سے الجھ رہی تھی جب گاڑی کسی مقام پر پہنچ کر اچانک موڑی گئی۔ کچھ ابھی تک ذہن پر طاری انجکشن کا اثر بھی برقرار تھا جس سے وہ جھولا کھا کر سیدھے ہاتھ والے سے ٹکرا گئی۔

''خود کو سنبھالو بے بی۔'' اس نے شبنم کو بازاری انداز میں مخاطب کیا۔ ''اتنی جلد بازی نہ کرو پیچ لڑانے کی، کسی ٹھکانے پر پہنچ کر باس سے دو دو بات ہو جائے تو شاید تم ہمیں انعام میں مل جاؤ۔ پھر سکون سے ہلا گلا بھی کر لیں گے۔''

''کیا مصیبت آ گئی؟'' اگلی سیٹ والے نے پلٹ کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔

''باہر گولیاں چل رہی ہیں اور یہ......'' اس نے شبنم کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ ہماری گود میں سر رکھ کر آرام کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔''

''بکواس نہیں...... ہو سکتا ہے کہ اس کی بے ہوشی ابھی تک مکمل طور پر ختم نہ ہوئی ہو۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نشیلی دوا کے اثر کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے بدن کا خمار بھی مکمل مل گیا ہو۔''

سرغنہ نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن موبائل کی سریلی گھنٹی نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا، روشن اسکرین پر نظر آنے والے نمبر دیکھ کر ہی وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''یس باس......'' اس نے موبائل آن کر کے تابعداری کا مظاہرہ کیا۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''ایک منٹ پہلے ہی ہم نے فیکٹری ایریا والی کشاہ روڈ کا انتخاب کیا ہے۔ وہاں ہم آسانی سے نمٹ لیں گے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' تحکمانہ انداز میں کہا گیا۔ ''تم لڑکی کو عارضی کیمپ نمبر آٹھ لے جا کر وہاں کے عملے کے حوالے کر دو، میرے دوسرے افراد صورتحال پوری طرح کنٹرول کر چکے ہیں۔''

''رائٹ باس......''

''لڑکی کو ڈراپ کرنے کے بعد تم گاڑی سمیت ایک ہفتے کیلئے انڈر گراؤنڈ ہی رہو گے۔ اگلا حکم بعد میں دیا جائے گا۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سرغنہ نے موبائل آف کر کے اوپر سے ملنے والا حکم ڈرائیور کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دیا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی استاد۔'' شبنم کے سیدھے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے شخص نے ناگوار انداز میں شکایت کی۔ ''خطرے میں ہم نے ہاتھ ڈالا اور مچھرے دوسرے اڑائیں گے۔''

''فضول باتوں سے پرہیز کرو۔'' سرغنہ نے ہونٹ چباتے ہوئے قدرے الجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''باس چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بھی بڑی بڑی سزائیں دینے کا عادی ہے۔''

پچھلی نشست پر موجود دونوں افراد نے ہونٹ سی لیے لیکن ان کے ہاتھ آزاد تھے۔ شبنم دل پر جبر کر کے ان کی گھٹیا انداز میں کی جانے والی دست درازی برداشت کرتی رہی...... کسمساتی رہی، وہ جس سچویشن سے دوچار تھی اس میں اس سے زیادہ کچھ کر گزرنا بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

✣✣✣

وہ سفید رنگ کی ایک پک اپ تھی جس کی پشت پر بھی دو آدمیوں کے بیٹھنے کی محفوظ اور آرام دہ جگہ موجود تھی۔ پک اپ میں موجود چاروں افراد پوری طرح مسلح تھے، ان چاروں کی نظریں تقریباً تیس فٹ آگے جانے والی سیاہ وین پر مرکوز تھیں جس سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ جس گاڑی میں شبنم موجود تھی وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو سفید پک اپ میں پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔

''اب کیا حکم ہے؟ لڑکی والی گاڑی نظروں سے نکل چکی ہے۔ کیا اب بھی ہم ہینڈ گرنیڈ استعمال کر کے سیاہ وین کو راستہ سے ہٹا کر آگے جانے کی کوشش نہیں کر سکتے؟''

''نہیں......'' دوسرے شخص نے جو گھٹے ہوئے جسم اور درمیانے قد کا مالک تھا، بڑے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''ہمیں ان میں سے کسی ایک آدھ کو زندہ پکڑنا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ لڑکی لے جانے والے سورما کون لوگ ہیں۔''

''کیا یہ حکم بھی باس کی طرف سے ملا ہے؟''

''ہاں......'' مختصر جواب دیا گیا فائرنگ کی وجہ سے سڑک پر رواں دواں ٹریفک تھم گیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دونوں گاڑیوں سے فائرنگ ہو رہی تھی جب اچانک کہیں قریب سے پولیس پیٹرولنگ کار کے سائرن کی مخصوص آواز سنائی دینے لگی۔ سفید پک اپ اور پیٹرولنگ کار کا درمیانی فاصلہ بھی تقریباً چالیس فٹ رہا ہوگا۔

''اب کیا حکم ہے؟'' پک اپ کی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے شخص نے سچویشن کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے دوسرے سے کہا۔ ''ہم درمیان میں سینڈوچ ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی ایک کو درمیان سے ہٹائے بغیر ہمارے پاس فرار کا کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔''

''ہم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔'' اس نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''فی الحال ان دونوں کو دور رکھنا ہوگا۔''

سفید پک اپ کی رفتار فوری طور پر تیز کر دی گئی جس کو محسوس کر کے وین سے ہونے والی فائرنگ بھی شدت اختیار کر گئی، اس کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی پھر اگلے موڑ سے وین کو ساحلی علاقے کی جانب موڑ دیا گیا۔ پولیس پیٹرولنگ کار سے نشر ہونے والے سائرن کی آواز نے دونوں گاڑیوں میں موجود افراد کو نئی سچویشن سے دوچار کر دیا تھا۔ گھٹے ہوئے جسم والا کسی گہری سوچ میں غرق تھا پھر

اس نے دونوں نشستوں کے درمیان کی پارٹیشن کے درمیان مختصر کھڑکی کا سلائڈنگ ٹکڑا ایک طرف کر کے ڈرائیور سے کہا۔

"تم اگلے موڑ سے پک اپ داہنی جانب موڑ لینا۔"

"ہمارے مطلوبہ گاڑی بائیں جانب موڑی گئی ہے۔" ڈرائیور نے تیزی سے جواب دیا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ ساحلی راستے پر بھی ہمارے ساتھی موجود ہوں گے۔ میں ان سے رابطہ کرتا ہوں۔" اس نے جملہ ختم کر کے درمیانی کھڑکی کو دوبارہ بند کر دیا۔

"اگر اس راستے پر کوئی نہ ہوا تو لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی؟" دوسرے آدمی نے اپنی تشویش کا اظہار ضروری سمجھا۔ "باس ناراض ہو گیا تو ہماری عافیت بھی خطرے میں پڑ جائے گی؟"

صورتحال نے جو اچانک رخ اختیار کیا تھا اس کے اثرات گٹھے ہوئے جسم والے کے چہرے پر بھی مرتب ہو رہے تھے، وہ اپنے ساتھی کی بات سن کر مزید مضطرب ہو گیا۔ اسی لمحے ڈرائیونگ کمپارٹمنٹ کی طرف سے درمیانی کھڑکی میں خلا پیدا کر کے کہا گیا۔ "آپ کیلئے کال ہے۔" جملے کی ادائیگی کے ساتھ ہی ایک موبائل بھی اس کی طرف بڑھا دیا گیا۔

"یس باس......" گٹھے ہوئے جسم والے نے موبائل کان سے لگا کر عقبی شیشے پر نظر ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پولیس کی موبائل کے آجانے سے ہماری پوزیشن خراب ہو گئی ہے۔"

"تم......تم نے کیا فیصلہ کیا......؟" خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"ہمیں ہر قیمت پر اپنا تحفظ کرنا ضروری ہے۔"

"میں نے تمہارا فیصلہ دریافت کیا تھا؟" اس بار بھی دوسری جانب سے بات کرنے والے کے لہجے میں کرختگی ہی شامل تھی۔

"دو صورتیں ممکن ہیں...... پیٹرولنگ کار سے پیچھا چھڑانا یا ہینڈ گرنیڈ کا استعمال جس سے پوزیشن زیادہ خطرناک ہو جائے گی۔"

"ایک جواب دو......"

"وقتی طور پر ہمارے لیے پولیس سے ٹکراؤ مناسب نہیں ہوگا اس لیے میں نے لڑکی کا تعاقب کرنے سے گریز کا فیصلہ کیا ہے۔" گٹھے ہوئے جسم والے نے اپنا فیصلہ دل پر جبر کر کے سنا دیا۔

"ٹھیک ہے......اسی پر عمل کرو۔"

"لیکن......لڑکی ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں ہم عتاب کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔"

"اس کا فیصلہ باس کو کرنا ہے...... مجھے نہیں۔" دوسری جانب سے لائن منقطع کر دی گئی تو وہ تلملا کر رہ گیا۔

"اب کیا آرڈر ملا ہے؟" برابر بیٹھنے والے ساتھی نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

جواب دینے کے بجائے اس نے ڈرائیور کو دوبارہ داہنی ہی جانب موڑنے کو کہا پھر موبائل ایک طرف ڈال کر آنکھیں بند کر کے کسی ذہنی گتھی کو سلجھانے لگا۔ دوسرے آدمی کے چہرے سے بھی

بے چینی مترشح تھی۔

+++

حالات کی گردش اور الٹ پھیر نے افضل خان کے ذہن کو الجھا دیا تھا۔

اسے اسپتال سے بگ باس کے حکم پر فارغ کیا گیا تھا جبکہ ڈاکٹروں کی نظروں میں اس کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ اپنے مالی حالات اور سابقہ حیثیت کے بھنور میں الجھ کر اس نے خودکشی کا راستہ پسند کیا تھا لیکن شبنم اسے بروقت سامنے آ کر اپنے فلیٹ پر لے گئی تھی۔ شبنم کا وہ اقدام بھی تعجب خیز تھا۔ بعد میں شاید شبنم ہی کی کوششوں سے بگ باس نے اسے خدمت کا ایک موقع اور دیا تھا۔ میڈم روبی کی طرح اس نے رستم علی آغا خانی کے مقابلے میں بھی جرأت مندی کا ثبوت دے کر بگ باس کو ایسی فلم فراہم کر دی تھی جس کے خوف سے رستم علی کبھی شیخ حامد کے سامنے نظریں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ بعد میں شبنم اور وہ دونوں اس اپارٹمنٹ میں منتقل ہو گئے جو کبھی خود افضل خان کی ملکیت تھا۔ اس وقت اس کو موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ اپنا کھویا ہوا مقام یا پھر بگ باس کی نظروں میں دوبارہ اہمیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن شبنم کے اغوا کی پراسرار واردات نے اسے پھر الجھا دیا۔ شبنم کو لے جانے والوں نے اسے دور رہ کر تماشا دیکھنے کو کہا تھا۔ کیوں؟ وہ کون لوگ تھے؟ شبنم کے اغوا سے ان کا مقصد کیا تھا؟ یہ ایسے سوالات تھے جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بعد میں اسے بھی اپارٹمنٹ چھوڑ کر ہوٹل میں شفٹ ہونے پر آمادہ کیا گیا...... ہوٹل میں بھی اس نے اپنے سابقہ تجربوں کی بنیاد پر اندازہ لگایا تھا کہ دو مختلف پارٹیاں اس کی نگرانی کر رہی تھیں۔ ایک پارٹی کی نمائندگی بگ باس کے خاص آدمی کے سامنے آ جانے کے بعد بے نقاب ہو گئی تھی لیکن دوسری پارٹی کے بارے میں وہ کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکا تھا۔

افضل خان اپنے حالات سے خوفزدہ بھی نہیں تھا، وہ کسی ایسے موقعے کا منتظر تھا جب اسے اس بات کا اندازہ ہو جاتا کہ بگ باس اسے کن نظروں سے دیکھ رہا ہے، اس کے بعد ہی وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی قدم اٹھا سکتا تھا مگر اسے اس کا موقع بھی نہیں ملا۔ نگرانی کرنے والے دونوں گروپ کے درمیان اچانک ٹھن گئی تھی۔ افضل خان کے ہوٹل پر ہونے والا حملہ ایسا نہیں تھا جسے وہ کم از کم بگ باس کی طرف سے کوئی ڈراما سمجھتا، جیت بہرحال بگ باس کے لوگوں کی ہوئی تھی اس کا اندازہ افضل خان کو بعد میں موبائل پر ملنے والی ہدایت سے ہو گیا۔ حملے کے بعد جب وہ ہوٹل کے منیجر سے الجھ رہا تھا تو بلیک ٹائیگر کے حوالے سے بات کرنے والے نے اس سے کہا تھا کہ وہ ایک سفری تھیلا لے کر ہوٹل چھوڑ دے اور جنرل پوسٹ آفس کے سامنے پہنچ کر دوسری ہدایت کا انتظار کرے۔ افضل خان کے پاس اس ہدایت پر عمل کرنے کے سوا کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا۔ جنرل پوسٹ آفس پر پہنچ کر ٹیکسی چھوڑ دینے کے بعد ہی تقریباً بیس منٹ بعد اسے دوبارہ پک کیا گیا، پک کرنے والے نے بھی بلیک ٹائیگر ہی کا کوڈ استعمال کیا تھا اس لیے وہ خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں اس نے اپنے ساتھ سفر کرنے والے سے دریافت کیا۔

''مجھے اب کہاں جانا ہے؟''

''بے صبری کا مظاہرہ مت کرو...... ہمیں صرف تمہیں احتیاط سے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچا دینے کی ہدایت ملی ہے۔''

''لیکن جن حالات میں......''

''نہیں......'' ڈرائیو کرنے والے نے اسے دوبارہ ٹوکا۔''سوال جواب سے پرہیز کرو، مجھے بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔''

افضل خان نے پھر اس سے کوئی سوال نہیں کیا، آدھے گھنٹے تک مختلف سنسان سڑکوں سے گزرنے کے بعد اسے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر کسی محفوظ مقام پر چھوڑ دیا گیا، اپنے قدموں کی حرکت کی بنیاد اور پرانے تجربات کی روشنی میں افضل خان کو اس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی کہ اسے کسی ایسے زیر زمین کمرے میں لایا گیا ہے جس کا اوپری حصے سے کم و بیش بارہ سیڑھیوں کا درمیانی فاصلہ ضرور تھا، اس کی آنکھوں سے پٹی اتارنے کے بعد اس کے ساتھ آنے والا واپس چلا گیا۔ افضل خان کا اندازہ غلط نہیں تھا، وہ جس کمرے میں لایا گیا تھا اس میں کھڑکی یا روشن دان قسم کی کوئی چیز موجود نہیں تھی، کمرے کا کل رقبہ بھی دس بائی دس سے زیادہ نہیں تھا۔ ساتھ میں اٹیچ باتھ روم بھی موجود تھا۔ کمرے میں ایک بیڈ، میز اور دو کرسیوں کے علاوہ فرنیچر نام کی کوئی اور شے موجود نہیں تھی۔ باہر جانے کا بہ ظاہر ایک ہی دروازہ نظر آ رہا تھا جسے ساتھ آنے والے نے باہر جانے کے بعد بند کر دیا تھا۔

افضل خان کو اپنی بے بسی اور دگرگوں حالت پر ہنسی آ رہی تھی، کبھی اسی شہر میں اس کے نام کا طوطی بولتا تھا، آج وہ بے بسی کی حالت سے دوچار تھا۔ اس نے سفری بیگ کاندھے سے اتار کر ایک طرف رکھا پھر آرام سے بستر پر دراز ہو گیا، ذہن تھکا ہوا تھا اس لیے اسے جلد ہی نیند آ گئی۔ صبح دس بجے اسے بیدار کیا گیا۔ یہ فریضہ ناشتے کی ٹرے لانے والے نے انجام دیا تھا، وہ اٹھ کر خاموشی سے واش روم میں چلا گیا۔ واپس کمرے میں آیا تو جگانے والا جا چکا تھا، اس نے بے پروائی سے ناشتے کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جو ذہن کی صلاحیتوں اور جسمانی توانائی کو برقرار رکھنے کیلئے بھی ضروری تھا، ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ ذہن کو دوبارہ کریدا تو اسے شبنم کی پوزیشن کچھ مشکوک سی نظر آئی۔ اس کی دلیلیں بھی معقول تھیں، شبنم نے بگ باس کی مرضی کے بغیر اسے اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد اپنے ساتھ فلیٹ لے جانے کی ہمت نہیں کی ہوگی، رستم علی کے خلاف استعمال کرنے کا مشورہ بھی اس نے بگ باس کی ہدایت کے بعد ہی دیا ہوگا۔ افضل خان کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنے کا مسئلہ کسی مصلحت کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد جن حالات میں اسے نہایت اطمینان اور دلیری سے اغوا کیا گیا تھا وہ بھی افضل خان کیلئے حیران کن ہی تھا۔ افضل خان کے ہوٹل شفٹ ہو جانے کے بعد اس نے موبائل پر رابطہ قائم کرنے کے بعد بھی اپنے اغوا کاروں کے بارے میں کسی خیال کا اظہار نہیں کیا تھا، اگر وہ واقعی دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئی

تھی تو موبائل کس طرح دستیاب ہوا؟...... گفتگو کے دوران اس نے ایک بار خود ہی موبائل بھی آف کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ افضل خان کو ایک ڈرامے کا منصوبہ ہی نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بگ باس کے خاص کارندے اس کی مرضی کے بغیر ''چوں'' کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

افضل خان، شبنم کے بارے میں غور کر رہا تھا جب دروازہ کھلنے کی آہٹ پا کر چونکا پھر آنے والوں کو دیکھ کر اسے اس بات کا بخوبی اندازہ بھی ہو گیا ہو شیخ حامد کے سوا کسی اور کا قیدی نہیں تھا۔ آنے والا اس کا پرانا شناسا تھا، دوسروں کی طرح وہ بھی پولیس کے ریکارڈ پر مفرور مجرموں کی فہرست میں شامل تھا۔ بگ باس کا دست راست ہونے کے زمانے میں وہ بھی افضل خان کے حکم پر عمل کرنے کا پابند تھا، اس کا اصل نام کچھ اور تھا لیکن وہ اسلم ڈنگا کے نام سے مشہور تھا۔ انتہائی دلیر، بے خوف اور خطرناک قسم کا آدمی تھا، دو تین بار جیل کی سلاخوں سے بھی فرار اختیار کر چکا تھا، بالآخر بگ باس نے اسے کارآمد سمجھ کر اپنی ٹیم میں شامل کر لیا تھا۔

''کیسے ہو افضل خان؟......'' اسلم ڈنگا نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا پھر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر ٹانگیں میز پر لٹکا دیں، یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اب وہ افضل خان کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور اور بااختیار حیثیت کا مالک تھا۔

''مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔'' افضل خان نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔

''مجھے بھی تمہاری موجودہ پوزیشن کا دکھ ہے...... بہرحال، مجھ سے کسی خوشی اخلاق کے مظاہرے کی امید بھی نہ رکھنا۔'' اس نے کھرے اور کھردرے لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہے۔'' افضل خان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''میں کس خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا پہلے بھی عادی نہیں تھا، میرا تعلق بھی اسی گروہ سے ہے جس میں اتار چڑھاؤ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔''

''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے حالات کے سامنے سر جھکانے کا ارادہ کر لیا ہے، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' اسلم ڈنگا نے بڑے زہریلے لہجے میں کہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''بگ باس نے تم پر ترس کھا کر وقتی طور پر پناہ دی ہے، کل کیا ہوگا؟ اس کا انحصار بھی گردن جھکا کر تمہاری تابعداری کے انداز پر ہوگا۔''

''یہ بھی جانتا ہوں......''

''کیا تمہیں اندازہ ہے کہ شبنم کے اغوا میں کون لوگ ملوث تھے......؟'' اسلم نے یکلخت گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

''یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا۔''

''کبھی تم بڑے طرم خان شمار کیے جاتے تھے۔'' اسلم نے طنز کیا'' کچھ اندازے تو ضرور قائم کیے ہوں گے؟''

''ہو سکتا ہے کسی مخالف پارٹی...... کسی پرانے سر پھرے عاشق یا پھر ایجنسی والوں نے اسے

اغوا کیا ہو...... میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

اسلم نے چونک کر سوال کیا۔ "یہ ایجنسی والوں کا خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا......؟"

"میں نے ایک امکانی بات کہی تھی ورنہ میں خود بھی حیران ہوں کہ اغوا کرنے والوں سے اگر میں نے خود الجھنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید وہ میرے ساتھ کوئی جارحانہ سلوک بھی نہ کرتے۔"

جواب میں اسلم نے افضل خان کو بڑی گہری نظروں سے دیکھا پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے افضل خان کو دوبارہ ایکسرے کرتی نظروں سے گھورا۔

"ہوٹل میں جو دو افراد تم سے ملتے رہتے تھے وہ کس قماش کے تھے؟"

"میری نگرانی پر مامور...... اس کے علاوہ مجھے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔"

"کیا چاہتے تھے وہ؟"

"شبنم کے اغوا کے سلسلے میں وہ میری زبان کھلوانے کے خواہش مند تھے۔" افضل خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میری لاعلمی پر وہ ایک آدھ بار تشدد پر بھی آمادہ ہوئے لیکن انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ یہ بھی ان میں سے ایک کی مہربانی یا میری خوش قسمتی تھی کہ اس نے عملی جارحیت کا مظاہرہ کرنے سے پیشتر موبائل پر کسی سے رابطہ قائم کیا تھا ورنہ اس کا دوسرا ساتھی کوئی رعایت نہ کرتا۔"

"تمہارا کیا جواب تھا......؟"

"میں اب بھی لاعلم ہوں کہ شبنم کو اغوا کرنے والوں کی اصلیت کیا تھی اور اسے کس مقصد سے اغوا کیا گیا۔"

"ایجنسی والوں کا خیال تمہارے ذہن میں کیوں اور کس زاویے سے کلبلایا تھا۔"

"غیر قانونی حرکت کرنے والے اکثر ڈیل کراس کرنے کی پالیسی بھی اختیار کرنے سے نہیں چوکتے۔" افضل خان نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "ہم بھی ضرورت کے تحت ایسا ہی فارمولا اختیار کر کے دوسری پارٹی کو ذہنی جمناسٹک کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

اسلم ڈنکا کے چہرے پر بہ دستور تناؤ کی کیفیت نظر آ رہی تھی، کچھ توقف سے بولا۔ "مخالف پارٹی کے سلسلے میں تمہارے ذہن میں کس کا نام سرفہرست ہے؟"

"میں کتنے عرصے سے عتاب سے دو چار ہوں اس کا اندازہ تمہیں بھی ہوگا۔ ان ایکشن ہوتا تو شاید کسی ایک کی نشاندہی کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے...... ہم تینوں امکانات پر غور کر کے دیکھ لیں گے...... فی الحال تم کو کچھ دنوں کیلئے ہماری میزبانی کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔"

"جانتا ہوں لیکن ایک سوال میں بھی کرنا چاہوں گا۔" افضل خان نے اسلم ڈنکا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ "مجھے یہاں کس مقصد کیلئے لایا گیا ہے؟"

''تم بھی بگ باس کے رائٹ ہینڈ بھی رہ چکے ہو، ہزاروں اہم راز اب بھی تمہارے دل و دماغ میں دفن ہوں گے۔ بگ باس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید تمہیں پہلی فرصت میں ختم کرنے سے گریز بھی نہ کرتا۔ تمہیں یہ بھی علم ہوگا کہ شبنم کی وجہ سے تمہاری رسی ابھی تک دراز ہو رہی ہے۔''

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے بگ باس کسی خاص محاذ پر تم کو بہ طور ڈائنامائٹ استعمال کرے۔ یہ بھی میرا ذاتی خیال ہے ورنہ باس کے دل میں کیا ہوتا ہے اس کی خبر اس کے فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی۔''

''میں نے رستم علی آغا خانی کیلئے بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر بگ باس کے اشارے کی تعمیل کی تھی۔ اب بھی انکار نہیں کروں گا۔'' افضل خان نے مصلحتاً دور اندیشی سے کام لیا۔ ''باس کی سرپرستی میں آنے سے پیشتر قانون کی نظروں میں کیا پوزیشن تھی تمہیں تو نہیں معلوم ہوگا۔ باس نے بروقت میری مدد نہ کی ہوتی تو شاید پھانسی کے پھندے تک پہنچ چکا ہوتا، آج بھی میں اس کے احسان کو نہیں بھولا۔''

جواب میں اسلم ڈنکا کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے جیب سے ایک موبائل نکال کر افضل کان کے حوالے کرتے ہوئے بڑے سرد لہجے میں ہدایت کی۔ ''اس پر تم صرف دوسری جانب سے کی جانے والی کال ریسیو کرو گے۔ خود کسی سے رابطہ قائم کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ میں ایک دو دن بعد دوبارہ تمہاری مزاج پرسی کیلئے چکر لگاؤں۔''

اسلم ڈنکا کے جانے کے بعد افضل خان نے موبائل جیب میں ڈالا پھر دوبارہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔ شاید وقتی طور پر سکون سے نیند پوری کرنا اس کی اولین ترجیح تھی۔

❖❖❖

اس روز بھی اس کی آنکھ دیر سے کھلی لیکن اس صبح کا آغاز اس کیلئے خاصا خوشگوار تھا۔ دولت اور طاقت کے ساتھ ساتھ اگر کامیابی کا نشہ بھی شامل ہوجائے تو پھر سہ آتشہ بن جاتا ہے۔ شیخ حامد کی بھی اس وقت ایسی ہی کیفیت تھی، دو روز کے اندر اندر اس کو دو کامیابیاں نصیب ہوئی تھیں، اس کے زرخرید غلاموں نے بالآخر افضل خان کو پھر اپنی قید میں کرلیا تھا، مخالف پارٹی نے معمولی مقابلے کے بعد راہ فرار اختیار کرلی تھی اس لیے یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کس گروپ کے لوگ تھے۔ افضل خان کے بعد سے دوسری کامیابی کی اطلاع نمبر ٹو نے شبنم کی اچانک بازیابی کی دی تھی۔ شبنم کے سلسلے میں بھی دوسری پارٹی نے زیادہ مزاحمت نہیں کی تھی۔ افضل خان کے مقابلے میں شبنم کے ملنے کی اسے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ وہ اپنی ذہانت اور کارکردگی کے سبب بگ باس کے زیادہ قریب ہوگئی تھی۔ وہ سونے کی چڑیا تھی جس کے پر کترنے کے بعد شیخ حامد نے اسے پوری طرح اپنے اشاروں پر چلنے کی خاطر مجبور کردیا تھا، اسی کے مشورے پر اس نے افضل خان کو نظروں سے گرانے کے بعد رستم علی آغا خانی کے محاذ پر لڑنے کا ایک آخری موقع دیا تھا جو افضل خان نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بڑی دلیری سے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔ رستم علی کے خواب گاہ میں جو مائیکرو فلم تیار کی گئی تھی وہ اب بگ باس کے قبضے میں تھی جس کے بعد سیٹھ عثمان کے بعد کے علاوہ اب رستم علی آغا خانی بھی اس کے مقابلے سے

ہٹ گیا تھا البتہ اس کا جوان بیٹا دارا جسے باپ کی مجبوری کا علم نہیں تھا، پر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا، شیخ حامد اسے بھی شبنم کو استعمال کرنے کے بعد پسپائی پر مجبور کرنے کے بارے میں اسکیم تیار کر رہا تھا جب شبنم کو اچانک افضل خان کے اپارٹمنٹ سے اس کی موجودگی کے باوجود اغوا کر لیا گیا۔ اس اغوا کی دلیرانہ واردات کے سلسلے میں شیخ حامد کے ذہن میں کئی نام ابھرے تھے لیکن وہ کسی ایک کے بارے میں حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ ان معاملات میں کسی نہ کسی زاویے سے جگا اور اس کے گروہ کے افراد ضرور ملوث ہوں گے جو بلیک ٹائیگر کی پراسرار موت کے بعد ہی اچانک منظر عام سے غائب ہو گیا تھا اور تلاش بسیار کے باوجود ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

بہر حال بگ باس کے جیالوں نے افضل خان اور شبنم کو دوبارہ نہ صرف حاصل کر لیا تھا بلکہ ایسی محفوظ جگہ پہنچا دیا تھا جہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا، اس کے علاوہ شیخ حامد کو اس بات کی بھی بہت خوشی تھی کہ اورنگ زیب جیسا اثر ورسوخ رکھنے والا سرپھرا پولیس آفیسر بھی از خود جذبات کا شکار ہو کر اس سے ایک ایسا وعدہ کر چکا تھا جو بہ ظاہر پورا ہونا مشکل تھا۔ ناکامی کی صورت میں اس نے شیخ حامد کے ہر حکم پر سر جھکانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وعدے کی معیاد بھی ختم ہونے میں اب چھ سات گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ اورنگ زیب کے قابو میں آ جانے کے بعد جگا اور اس کے چھپے ہوئے سرپھروں کو بھی ان کے ٹھکانوں سے نکال کر قدموں تلے روندنا زیادہ آسان ہو جاتا۔

اس وقت شیخ حامد اپنے بستر پر نیم دراز انہی خوش فہمیوں سے دل بہلا رہا تھا جب موبائل پر کنول کے نمبر جگمگانے لگے۔ اس کال کو نیک شگون جان کر اس نے فون آن کر کے ریسیور کان سے لگا لیا، سرد آہ بھر کر بولا۔

''دو کیسی ہو کنول؟ اس وقت میں تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی لیکن میری حالت اس سے مختلف ہے۔'' دوسری جانب سے کنول نے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔

''کیا ہوا تمہیں......؟'' شیخ حامد نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''پندرہ روز سے آپ کی صورت نہیں دیکھی۔'' دوسری طرف سے پیار بھرے انداز میں شکوہ کیا گیا۔''اس سے بہتر تو میں آپ کی ذاتی سیکرٹری کی حیثیت میں تھی۔ روز آپ کا دیدار تو ہو جاتا تھا۔''

''ڈونٹ وری مائی سویٹ ہارٹ...... میں نے طے کر لیا ہے کہ اب بہت جلد تم بھی میرے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہو گی۔ بس جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں وہ ایک دن اور صبر کر لو۔''

''یہ انتظار بھی میرے لیے قیامت ہی ہوگا...... کیا آپ ہفتے میں ایک رات بھی میرے ساتھ نہیں گزار سکتے؟''

''صرف دو روز اور میرے کہنے سے رک جاؤ پھر...... میں تمہیں اپنے پاس ہی بلا لوں گا البتہ...... تمہاری والدہ وہیں رہیں گی۔ ان کی خدمت کیلئے ملازم اور چوکیدار سب میری ذمے داری ہو

گی۔''

''آپ دلاسا تو نہیں دے رہے؟''

کم آن ڈارلنگ۔ اب جو فیصلہ میں نے کرلیا ہے وہ اٹل ہے۔''

کنول سے رابطہ ختم کرنے کے بعد بھی شیخ حامد نے طے کرلیا تھا کہ وہ اب کسی نہ کسی طرح کنول کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھے گا۔ باسی اور بازاری ہانڈیاں چکھتے چکھتے اس کی نیت بھی بھر چکی تھی۔ وہ کنول کے خوب صورت وجود کے تصور سے سرشار ہو رہا تھا جب نمبر دو کی کال موصول ہوئی۔

''کیا خبر ہے؟'' شیخ حامد نے سپاٹ لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''دونوں خیریت سے ہیں۔ میں نے اور میرے آدمیوں نے پوری طرح اطمینان کرلیا تھا کہ ان کی نگرانی نہیں کی جارہی۔''

''شبنم نے کیا کہا ہے؟ اس کے اغوا میں کون ملوث تھا؟''

''وہ بہ ظاہر لاعلم نظر آتی ہے اس کے علاوہ اس نے ہمارے زیادہ تر سوالات کے جواب میں ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ وہ آپ کے سوا کسی کو جواب دہ نہیں ہے۔''

''افضل خان نے کچھ اگلا۔''

''نہیں...... وہ اب بھی اسی پرانے بیان کو دہرا رہا ہے......'' نمبر ٹو نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ حالات سے بری طرح ٹوٹ چکا ہے، ہم نے بھی نگرانی کے دوران یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ دو پارٹیوں کے بیچ سینڈوچ بن کر رہ گیا تھا۔''

''ایک تم اور تمہارے ساتھی تھے...... دوسری پارٹی کس کی ہوسکتی ہے؟''

''یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن مقابلے کے دوران دوسری پارٹی کے راہ فرار اختیار کرنے سے بہ ظاہر یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ جگا ہی کے لوگ رہے ہوں گے۔''

شیخ حامد نے ایک منٹ کیلئے کچھ سوچا پھر تحکمانہ انداز میں کہا۔ ''وشبنم کو اس ٹھکانے پر منتقل کر دو جہاں پہلے افضل خان کو رکھا گیا تھا، میں کسی وقت خود اس سے مل لوں گا۔ نگرانی پر تمہارے اعتماد کے آدمی ہونے چاہئیں۔ افضل خان کے بارے میں بعد میں بات کروں گا۔''

موبائل کا رابطہ ختم کر کے وہ اٹھ بیٹھا، واش روم جا کر اس نے منہ ہاتھ دھویا پھر دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر آ گیا۔

اس وقت دوپہر کے سوا گیارہ کا عمل تھا، جتنی دیر میں اس نے تازہ اخباروں کو الٹ پلٹ کر دیکھا اتنی دیر میں اس کے پرانے ادھیڑ عمر کے قابل اعتماد ملازم نے ناشتہ لگا دیا اور خود خاموشی سے حسب معمول ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

شیخ حامد ناشتے سے فارغ ہو کر لاؤنج میں آ کر اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھ گیا۔ سامنے شیشے کی گول میز پر ڈاک سے موصول ہونے والے لفافے اور دیگر پیکٹ پڑے تھے، اس نے ڈاک الٹ پلٹ کر کچھ مخصوص لفافوں کا انتخاب کیا جس میں ایک غیر ملکی ہوائی کمپنی کا خوبصورت سکس بائی ایٹ کا

سفید لفافہ بھی تھا جس پر کسی بیرونی ملک سے تعلق رکھنے والی ایئر ہوسٹس کی یونیفارم والی تصویر بھی تھی، شیخ حامد کے نام کی پرنٹ سلپ بھی موجود تھی جس پر "پرسنل اور پرائیویٹ" بھی سرخ رنگ سے لکھا تھا۔

چند لمحے تک وہ اس لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، اسے پوری طرح یاد نہیں آ رہا تا کہ اس نے بیرونی ملک سفر کیلئے اس کمپنی کا انتخاب بھی کیا تھا یا نہیں، ہوائی کمپنیوں کے علاوہ بھی اس قسم کے بے شمار پیکٹ اسے موصول ہوتے رہتے تھے جس میں کمپنی کے بروشر اور پبلسٹی مواد ہوتا تھا۔ ایک بار اس نے سرسری طور پر میزبان خاتون کی تصویر کو الٹ پلٹ کر مختلف زاویوں سے دیکھا پھر بڑی بے پروائی سے لفافہ کھولا تھا لیکن...... دوسرے ہی لمحے اس کی رگوں میں دوڑتے خون کی گردش کے ساتھ ہی دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں، اندر سے برآمد ہونے والی تصویریں تعداد میں صرف چار تھیں لیکن وہ کسی ٹائم بم سے زیادہ خوفناک تھیں جو شیخ حامد کے پورے وجود میں ہولناک دھماکے کرنے کو کافی تھیں۔

پھٹی پھٹی نظروں سے وہ ان تصویروں کو دیکھ رہا تھا جن میں اس کی اور کنول کی شکلیں بہت واضح طور پر نظر آ رہی تھیں۔ کسی نے بڑی مہارت سے اس کی سہاگ رات کی رنگینیوں کو مختلف انداز میں ایکسپوز کیا تھا، تصویروں میں شیخ حامد اور کنول دونوں ہی مادر زاد برہنہ نظر آ رہے تھے، وہ میز بھی نظر آ رہی تھی جس پر شراب کی بوتل اور گلاس موجود تھا۔ کچھ دنوں پیشتر کنول نے بھی ایسے ہی کسی نووارد کے بارے میں بتایا تھا جس نے فون کر کے اسے دھمکی دی تھی، شیخ حامد نے اس بات کو محض کسی دیوانے کی بڑ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا مگر...... اب وہ اپنی نظروں سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تا جس کے ایک معمولی سے امکان پر بھی اس کے فرشتوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا، تصویروں کے ساتھ ایک ٹائپ شدہ خط بھی تھا۔ وہ اس تہ شدہ کاغذ کو کھول کر اس کا مضمون پڑھنے لگا، لکھا تھا۔

"بگ باسٹرڈ...... تمہاری خدمت میں تمہاری ہی سہاگ رات کا تحفہ بطور مبارک باد بھیج رہا ہوں۔ یہ انوکھا گفٹ تمہیں براہ راست نہ دے سکا اس لیے کہ تم مجھے اپنا دشمن سمجھتے ہو۔ مجھے دیکھتے ہی تمہارے پالتو شکاری کتے مجھے اپنی صفائی میں دو حرف بھی زبان پر لانے کا موقع نہ دیتے۔ تمہارے ہی خوف سے انڈر گراؤنڈ ہو کر کٹھن کی سانس لے رہا ہوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ ان تصویروں کو دل بھر کر دیکھ اور پرکھ لینے کے بعد اپنے نطفہ ناتحقیق قسم کے گرگوں کو ہدایت کر دینا کہ وہ میری یا میرے کسی آدمی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کریں ورنہ...... تم بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔ فی الحال یہ یقین دلا دوں کہ تمہارے بلیک ٹائیگر کی موت کا مجھ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ میری اطلاع کے مطابق اس کی موت میں اس سیاہ فام حبشی کا ہاتھ تھا جو اب خود بھی اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ میرے ہی ٹھکانے پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا پھر ان کے درمیان موت اور زندگی کا کھیل کیوں ہوا؟ اس کی وجہ مجھ سے زیادہ تم بہتر طور پر جانتے ہو گے...... ہوسکتا ہے کہ آج یا کل میں کسی وقت تم سے فون یا موبائل سے رابطہ قائم کروں...... ایک بار پھر اپنی

ہولناک نتائج پر غور کرنے کی زحمت گوارا کر لیتا جو ان تصاویر کے منظر عام پر آنے کی صورت میں پیش آسکتے ہیں، تمہاری عزت، تمہاری شہرت اور برسوں کی بنی بنائی جھوٹی ساکھ ریت کے محل کی طرح ڈھے جائے گی...... دور اندیشی پر عمل کرنے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ میں بھی کبھی تمہارے آڑے وقت بھی کام آ جاؤں...... تمہاری گھٹیا سوچ کی وجہ سے عارضی طور پر عتاب یافتہ...... جگا!''

جگا کا نام پڑھ کر شیخ حامد کا خون کھولنے لگا لیکن وہ موصول ہونے والی تصویروں کے پیش نظر اس وقت اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ جلد بازی میں کوئی قدم اٹھاتا۔ جو تصویریں اسے موصول ہوئی تھیں ان کے نگیٹوز اور دوسری کاپیز کسی اور کے پاس بھی ضرور محفوظ ہوں گی، ان تصویروں کے منظر عام پر آ جانے کے بعد وہ عرش سے گر کر فرش پر آ جاتا اور کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ اس نے تصویروں پر دوبارہ غور کیا، کئی زاویوں سے غور کرنے کے بعد اس کا یہی خیال تھا کہ وہ تصویریں برابر والے مکان سے گزر کر اس کے مکان کے روشن دان تک رسائی حاصل کرنے کے بعد بنائی گئی ہوں گی جو کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ اسے یہ بھی حیرت تھی کہ اس کی اور کنول کی شادی کا علم جگا یا کسی اور کو کس طرح ہوا جبکہ اس نے ہر ممکن احتیاط سے کام لیا تھا......؟ بہرحال، وہ جو کوئی بھی ہو لیکن اس نے ان تصویروں کے ذریعے شیخ حامد کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک خاموش بیٹھا ہونٹ چباتا رہا۔ زندگی میں اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا تھا لیکن اس وقت چار بے جان تصویروں ہی نے اسے چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ جس صبح کا آغاز خوشگوار توقعات کے ساتھ ہوا تھا، وہ دن ڈھلنے سے پیشتر ہی اس کے لیے انتہائی اذیت ناک ہو گئی تھی۔

تصویروں کو پیکٹ میں ڈال کر وہ تلملایا ہوا اپنی خواب گاہ میں آ گیا، بے بسی کا احساس اس کے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا جب اس کے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

''کون بول رہا ہے......؟''

''میں جگا کا ایک پرانا ساتھی بول رہا ہوں جناب۔'' دوسری جانب سے سپاٹ آواز میں کہا گیا۔ ''آپ سے ایک دو ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''کہو......'' شیخ حامد نے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔

''استاد کیلئے اب کیا حکم ہے؟'' عاجزانہ انداز میں طنز کیا گیا۔ ''وہ بیت الخلا میں چھپا رہے یا تازہ ہوا میں سانس لینے کو باہر آ جائے۔''

''جگا سے کہنا کہ براہ راست مجھ سے بات کرے، میں درمیانی لوگوں سے بات نہیں کرتا۔''

شیخ حامد نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا، اس کے ذہن میں آتش فشاں کا لاوا ابل رہا تھا۔ کنول کے ساتھ اپنی اخلاق سوز تصویروں کو دیکھ لینے کے بعد اس کا سکون غارت ہو گیا تھا، کل تک وہ آسمان کی بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا، مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا، آج زمین پر کھڑا بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کا ذہن بڑی سنجیدگی سے اس دلدل سے نکاسی کا راستہ تلاش کر رہا تھا جس

میں حالات کی ستم ظریفی سے پھنس گیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ ٹہلتا رہا، تمام آپشن پر غور کرتا رہا پھر اس نے طے کرلیا کہ وہ فی الحال اس وقت تک خاموشی سے دن گزارے گا جب تک جگا اور تصویروں کے نگیٹوز اس کے ہاتھ نہیں آجاتے۔ کوئی دوسرا مسئلہ ہوتا تو وہ بد سے بدتر حالات سے بھی ٹکرا جانے سے گریز نہ کرتا۔ جن بدنام زمانہ مجرموں کی پرورش کررہا ہے وہ پل بھر میں سارے کونے کھدروں کو کھنگال کر رکھ دیتے لیکن وہ تصویریں کسی کو نہیں دکھا سکتا تھا، یہ ایسا معاملہ بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے وسیع تعلقات سے بھی کام لے سکتا۔

شام تک وہ اپنی خواب گاہ میں رہا پھر جب ملازم نے اورنگ زیب اور سراج کے آنے کی اطلاع دی تو وہ ایک لمحے کو چونکا، ایس پی کی آمد تو کسی وقت بھی متوقع تھی اس لیے کہ وہ دیئے گئے وقت میں کسی مجرم کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ لیکن اس کی اور سراج کی ایک ساتھ آمد اس کے سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس نے ملازم سے ان دونوں کو انتظار کرنے کا کہہ کر کچھ دیر غور کیا پھر لباس تبدیل کر کے ڈرائنگ روم میں آگیا۔ اورنگ زیب اور سراج دونوں اسے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے۔ خاص طور پر اورنگ زیب کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی، اس نے صوفے پر بیٹھنے کے بعد ان دونوں کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا پھر کچھ توقف سے دریافت کیا۔

''اس وقت کیسے آنا ہوا......؟'' اورنگ زیب سے سوال کرتے ہوئے اس نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ سراج پر بھی ڈالی تھی۔

''مسٹر حامد...... '' اورنگ زیب نے سنبھل کر نپے تلے لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ ''میں کیا ہوں اور کیا نہیں، یہ آپ بھی بخوبی جانتے ہیں، قانونی معاملات میں کسی لچک کا مظاہرہ کرنا میرے اصول اور فطرت دونوں کے خلاف ہے، میں نے خدا کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنا نہیں سیکھا لیکن ...... میں اپنے عہد سے کبھی ایک قدم پیچھے بھی نہیں ہٹا...... کچھ لوگ اعتراف شکست سے نظریں چرا کر موقعے کی تلاش میں رہتے ہیں، میں اس کو بھی بزدلی قرار دیتا ہوں، مرد میدان وہ ہے جو مردانگی ہی سے اپنی شکست بھی تسلیم کرلے۔''

''میں تمہارے ٹائپ اور تمہارے تعلقات سے بھی واقف ہوں لیکن اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' شیخ حامد نے بظاہر انجان بنتے ہوئے بڑے شاطرانہ انداز میں پوچھا۔ سراج کی موجودگی میں وہ محتاط رہنا چاہتا تھا۔

سراج نے بھی یہ بات محسوس کرلی تاہم خاموش رہا۔

''آئی۔ سی'' اورنگ زیب نے مسکرا کر سراج کو ساتھ لانے کی وضاحت بھی مناسب سمجھی۔ ''مسٹر سراج میرے ساتھی ہیں اور اب تک کے تجربے سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں یہ بھی کم و بیش انہی اصولوں کو پسند کرتے ہیں جن پر میں ثابت قدم رہنے کا عادی ہوں۔ میں نے آپ سے مجرموں کے سلسلے میں جو مہلت حاصل کی تھی وہ پوری ہوگئی۔ مسٹر سراج کو بھی میں نے تمام صورتحال سے آگاہ کرکے ہاتھ بٹانے کی خاطر اپنے ساتھ شامل رکھا تھا اتفاق ہے

جو ابھی تک ہم مجرموں کا سراغ نہیں پا سکے...... اب آپ جو بھی فیصلہ میرے حق میں کریں...... وہ مجھے منظور ہوگا۔" اورنگ زیب نے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔ "مسٹر سراج کو میں اسی غرض سے ساتھ لایا ہوں کہ یہ بھی میرے اور آپ کے معاملے میں گواہ رہیں۔ جس طرح میں مجرموں کو فرار کا راستہ نہیں دیتا اسی طرح خود بھی چانس لینے کو پسند نہیں کرتا۔"

"گڈ......" شیخ حامد نے اپنے اصلی رنگ میں جواب دیا۔ "مجھے خوشی ہوئی کہ تم خود آ گئے ورنہ مجھے تمہیں یاد دلانے کی زحمت بھی کرنی پڑتی۔ کسی ڈیل کے معاملے میں، میں بھی وعدہ خلافی کو اخلاقی جرم سمجھتا ہوں۔"

اورنگ زیب نے بگ باس کے جملے کی گہرائی کو بھانپ لیا لیکن صرف کسمسا کر رہ گیا، شیخ حامد نے رخ بدل کر سراج کو دیکھا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے مسٹر سراج؟"

"لوٹ لوٹ کر پھر ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا ہوں۔"

"جن مجرموں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا ان کا کوئی پتا چلا؟" اس نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی تک ایس پی صاحب اس کے بارے میں بھی چھان بین کر رہے ہیں۔" سراج نے اورنگ زیب کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسی بات نہیں ہے مسٹر حامد۔" اورنگ زیب نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "ایک دو کلیو ہاتھ آئے ہیں، ہم بہت جلد ڈور کے دوسرے سرے تک بھی پہنچ جائیں گے۔"

"جگا کے بارے میں آپ کی کیا معلومات ہیں؟" اچانک شیخ حامد نے سوال کیا تو اورنگ زیب کے علاوہ سراج بھی چونکا۔

"میں یہاں آنے کے بعد اس کی فائل بھی پڑھ چکا ہوں۔" اورنگ زیب نے کسمسا کر جواب دیا۔ "فائل کے اندراجات کے مطابق وہ اپنی سزا کاٹنے کے بعد سے کوئی ذاتی کاروبار کر رہا ہے۔ رہائی کے بعد سے اس کے خلاف کوئی کریمنل کیس سامنے نہیں آیا لیکن...... آپ کو اس وقت جگا کا خیال کیسے آ گیا؟"

"میں آف دی ریکارڈ آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جگا نے اپنے ایک گینگ بنا رکھا ہے، اس کے آدمی ضرورت مندوں کو منہ مانگی اجرت پر اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔"

"آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا......؟" سراج نے روانی میں پوچھ لیا۔

"میں اس وقت آف دی ریکارڈ بات کر رہا ہوں۔" اس نے سراج کو تیز نظروں سے گھورا۔ "حقیقت کیا ہے یہ پولیس کا محکمہ بھی ضرور جانتا ہوگا۔"

"آپ درست فرما رہے ہیں مسٹر حامد۔" اورنگ زیب نے نارمل انداز میں جواب دیا۔ "کچھ ایسی ہی رپورٹس ہمارے پاس بھی ہیں لیکن کسی ثبوت کے بغیر ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے...... اس

کے علاوہ اور بھی کئی سفید پوش لوگ بھی ایسے کاروبار میں ملوث ہیں مگر پولیس کسی نہ کسی وجہ سے چشم پوشی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔"

"شبنم کے بارے میں ابھی تک آپ کے ڈی آئی جی نے بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔" شیخ حامد نے موضوع بدل دیا۔ "وہ میری خاص اور قابل اعتماد ورکر تھی۔"

"میں اس وقت آپ کے پاس صرف اعتراف شکست کی خاطر حاضر ہوا ہوں۔" اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "اس عہد کے ساتھ کہ جب تک مجرموں کے ہاتھ قانونی زیور نہیں پہنچا دیتا، آپ کے ہر حکم پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھوں گا...... بشرطیکہ وہ حکم قانون سے متصادم نہ ہو۔"

"فائن......" شیخ حامد کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ قدرے رعونت سے بولا۔ "مجھے توقع تھی کہ آپ جلد یا بدیر ہتھیار ڈال دیں گے۔"

اورنگ زیب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ سراج بھی اپنی نشست پر کسمسانے لگا پھر وہ وہاں زیادہ دیر نہیں رکے تھے، ان کے جانے کے بعد شیخ حامد نے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں آ کر نمبر دو کو کال کیا۔ رابطہ قائم ہو جانے پر بڑے سرد لہجے میں بولا۔

"میں تم لوگوں کی کارکردگی سے زیادہ خوش نہیں ہوں...... بلیک ٹائیگر کے بعد سے مجھے اس کی کمی کا بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے۔ وہ انمول ہیرا تھا۔ کھرا اور بے داغ۔"

"مجھ سے کیا بھول ہو گئی باس......؟"

"جگا......" شیخ حامد کے لہجے میں طوفان مچلنے لگا۔ "اسے فوری طور پر تلاش کرو، وہ ہمارے لیے سب سے اہم ہے لیکن...... اسے اس طرح پنجرے میں بند کر کے میرے سامنے لاؤ کہ خود اس باسٹرڈ کو بھی اس کا علم قبل از وقت نہ ہو۔"

"آل رائٹ باس......"

"فی الحال کسی اور سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ روک دو، اپنے تمام آدمیوں کو جگا کی تلاش پر لگا دو...... مجھے دو تین روز میں رزلٹ چاہیے، پازیٹو رزلٹ، ناکامی کی صورت میں تم بھی زیر عتاب آ سکتے ہو...... وِیٹس آل۔" جملے کے اختتام کے ساتھ ہی شیخ حامد کے چہرے پر الجھن اور غصے کے ملے جلے تاثرات اور گہرے ہوتے چلے گئے...... مخرب اخلاق تصویریں پھر اس کے ذہن میں کسی بڑے خطرے کی علامت کے طور پر جلنے بجھنے لگیں۔

تقریباً ایک گھنٹے تک شیخ حامد کسی نہ کسی طرح وقت گزارتا رہا، تصویروں کے معاملے نے اس کے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا، وہ ابھی تک اس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکا تھا کہ جگا کو اس کی اور کنول کی شادی کا علم کس طرح ہوا؟ اور جو تصویریں اس نے بھیجی تھیں، ان کو حاصل کرنے کا خیال اس کے دماغ میں کس طرح آیا......؟ وہ کئی زاویوں سے غور کرتا رہا پھر ایک خیال اس کے ذہن میں بڑی سرعت سے ابھرا، کیا تصویروں کا تحفہ بھیجنے والا جگا ہی تھا یا کسی نے خاص مصلحت کی بنا پر صرف اس کا نام استعمال کیا تھا؟ اگر وہ جگا کے سوا کوئی اور تھا تو...... کون تھا؟ اسے خاص طور پر جگا کا نام

استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''
خاصی دیر تک شیخ حامد کا ذہن اس گتھی کو سلجھانے میں الجھا رہا پھر اس نے کچھ سوچ کر ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ملائے۔ دوسری طرف سے کال چوتھی گھنٹی پر ریسیو کی گئی۔
''ایس پی اورنگ زیب......''
''میں شیخ حامد بول رہا ہوں۔''
''خیریت...... ابھی مجھے آپ کے پاس سے واپس آئے ایک گھنٹہ ہی ہوا ہے؟''
''میں ہمیشہ ون ٹو ون بات کرنے کا عادی ہوں۔'' شیخ حامد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ......''
''سمجھ گیا۔'' دوسری جانب سے اورنگ زیب نے جملہ کاٹ کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کو شاید میرے ساتھ مسٹر سراج کا آنا اچھا نہیں لگا۔''
''یور آر رائٹ......''
''آئی۔سی...... میں آئندہ خیال رکھوں گا۔''
''گڈ......'' شیخ حامد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ نے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک مجرموں کے ہاتھ میں ہتھکڑی نہیں پہناتے...... میرے ہر حکم پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھیں گے۔''
''یس! بشرطیکہ وہ حکم ہمارے قوانین سے متصادم نہ ہو۔''
''میں نے اس وقت خاص طور سے جگا کے سلسلے میں آپ کو کال کیا ہے۔'' شیخ حامد نے گفتگو جاری رکھی۔ ''یہ اور بات ہے کہ رہائی کے بعد اس کے خلاف آن ریکارڈ کوئی قابل گرفت ثبوت نہیں ہے لیکن آپ نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ اس کے خلاف کچھ رپورٹس آپ کو بھی ملی ہیں۔''
''یس...... میں نے غلط نہیں کہا تھا۔''
''آپ کی اطلاع کے مطابق سزا کاٹنے کے بعد سے وہ کوئی ذاتی کاروبار کر رہا ہے؟''
''جی ہاں...... فائل رپورٹ یہی ظاہر کرتی ہے۔''
''آپ اور...... آپ کی فائل رپورٹ!'' شیخ حامد نے قدرے تلخ لہجے میں تلملا کر کہا۔ ''جو لوگ شریفانہ کاروبار کرتے ہیں وہ کبھی پراسرار طور پر منظر عام سے غائب ہو کر انڈر گراؤنڈ نہیں ہوتے۔''
''میں آپ سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں اور یہ بھی صاف گوئی سے عرض کر دوں کہ میں ذاتی طور پر بھی اس بات کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایک دو مخصوص قتل کی وارداتوں کے بعد سے جگا نے روپوشی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ کیا آپ اس کی وجہ جانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پلیز مجھ سے تعاون کریں۔''
''مسٹر اورنگ زیب......'' اچانک شیخ حامد کا لہجہ بے حد تلخ ہو گیا۔ ''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ اس وقت آپ کس سے مخاطب ہیں۔''
''سوری!...... میں سمجھا نہیں......؟''

''میں فون پر طویل باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' شیخ حامد نے بہ دستور تنک مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

''اوہ...... یقیناً کوئی خاص بات ہے۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''کیا میں اس وقت آپ سے دوبارہ مل سکتا ہوں؟''

''نہیں...... کل رات دس بجے میں آپ کے لیے وقت نکال سکتا ہوں، آنے سے پہلے مجھے کال ضرور کرلیں۔'' جواب میں پھر سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا پھر دوسری جانب سے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

✣✣✣

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

زخمی کو بستر سے اتار کر وہیل چیئر پر منتقل کیا گیا تو اس نے بڑی بڑی مونچھوں والے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔ ''تم ......اس وقت مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

جواب میں ہیڈ کانسٹیبل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے زخمی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا لیکن خاموش ہی رہا۔ دوسرے ماتحتوں کی موجودگی میں اس نے زبان بند ہی رکھی، لوچن اور زخمی دونوں ہی خاص قیدی تھے جن کو ایس پی اورنگ زیب کے حکم سے رعایت دی جا رہی تھی ورنہ ہیڈ کانسٹیبل دو گھنٹے کے اندر اندر ان کو بتا دیتا کہ وہ عام قیدیوں کے حلقے میں بھی جلاد کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟'' زخمی نے دوسری بار بھی بے پروائی سے سوال کیا تو ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

''زبان بند رکھو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

''لیکن......''

''مروت...... ابھی تمہیں پھانسی کے پھندے پر نہیں لٹکایا جا رہا، جب اس کا حکم آ گیا تو پھر تمہارے ساتھ ہونے والا وی آئی پی ٹریٹمنٹ بھی نکاسی کے راستے باہر نکال دیا جائے گا۔ میں اگلا پچھلا حساب برابر کرنے میں کوئی رعایت بھی نہیں کرتا۔''

زخمی نے خلاف توقع خاموشی اختیار کر لی لیکن دس منٹ بعد جب اسے لوچن والے حوالاتی کٹہرے میں لایا گیا تو اس کی نظریں لوچن پر جم کر رہ گئی تھیں۔ لوچن بھی اسے دیکھ کر ایک لمحے کو چونکا پھر اس نے کڑوا سا منہ بنا کر ہیڈ کانسٹیبل کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔

''یہ کیا ٹوٹا پھوٹا کباڑ خانہ اٹھا لائے ہو؟ میں اپنے ساتھ سوائے کسی خوبصورت عورت کے کسی اور کا وجود برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''یہ تمہاری سسرال نہیں ہے پتر......'' ہیڈ کانسٹیبل نے اس وقت بھی اوپر کے سخت احکام کی بنا پر رعایت سے کام لیا۔ ''رہا یہ لنڈا مارکیٹ کا دوسرا پیس تو اسے گرینڈ فادر کے حکم پر تمہاری سرپرستی میں دیا گیا ہے۔''

جواب میں لوچن نے بھی اسے دو چار تند و تیز جملے کس دیئے تھے لیکن وہ خون کے گھونٹ پیتا اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ کٹہرے کو باہر سے قفل لگا کر وہ سب اورنگ زیب کے حکم کے

مطابق اس سے بیس فٹ دور چلے گئے تھے۔ لوچن نے ان کے جانے کے بعد دوبارہ زخمی کو دیکھا جو اس وقت بھی کسی سوچ میں گم تھا۔ اس کی تیز عقابی نظریں بہ دستور لوچن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اتنی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہو؟" لوچن نے حقارت کا اظہار کیا۔ "میں چھوٹے موٹے مجرموں کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا جبکہ تم...... تم شاید کسی پولیس مقابلے میں فرار ہوتے ہوئے پکڑے گئے ہو؟ صورت سے بھی اٹھائی گیرہی لگتے ہو۔"

"اور تم کون سا گولڈ میڈل لے کر یہاں آرام کرنے آئے ہو؟" زخمی کا لب ولہجہ بھی بدل گیا، اس کی نگاہیں اب بھی لوچن کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

"تمہاری زبان سے گولڈ میڈل ہی کیوں نکلا؟" لوچن نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ "ایک عرصے سے مافیا کے لوگوں نے بھی گولڈ تجارت کرنے والوں کی سرپرستی چھوڑ دی ہے۔ فی الحال ہیروادر ہیروئن کا راج ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تم میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہو۔" زخمی نے جھلا کر پینترا بدلا۔ "مجھے محض ایک شبہے کی بنیاد پر پولیس نے گرفتار کیا ہے۔ میں اگلی دو تین پیشیوں پر پھر کھلی فضا میں سانس لے سکوں گا۔"

"ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتانے والوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" لوچن نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"کمائی کا سب سے سستا، آسان اور گھٹیا طریقہ۔"

"لیکن میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر تم...... یا کوئی مجھے اپنا نام بتا دے تو میں اس کے ماضی، حال اور مستقبل کو کسی عصمت فروش عورت کی طرح ننگا کرنے میں بھی مہارت رکھتا ہوں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ ہم اس وقت سرکاری مہمان خانے میں ہیں جہاں تن کا کپڑا بھی اپنا نہیں ہوتا۔" زخمی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھری۔ "میں تمہیں بطور فیس ایک دمڑی بھی نہیں دے سکوں گا۔"

"آج کل دنیا میں نقدی کے بجائے کریڈٹ کارڈز کا راج ہے۔ میں تمہارے ساتھ کریڈٹ کے وعدے پر بھی اعتبار کر سکتا ہوں۔"

"میں...... میرا نام ارباز خان ہے......" زخمی نے ہچکچا کر کہا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ میری رہائی کب تک ممکن ہو سکے گی؟"

لوچن نے ارباز خان کے نام کو دو چار بار دہرایا پھر انگلیوں پر کچھ حساب کتاب لگانے لگا، زخمی اسے بہ دستور سنجیدگی سے گھور رہا تھا۔ دس منٹ تک خاموشی رہی پھر لوچن اپنی جگہ سے اٹھ کر زخمی کے قریب آ گیا، سرسراتے لہجے میں بولا۔

"تم نے اپنا نام درست نہیں بتایا پھر بھی میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ رہائی کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد تم بھی یہاں سے جان ہتھیلی پر رکھ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤ گے...... اس کے بعد...... اس کے بعد مجھے صاف نہیں نظر آ رہا...... ہاں، اگر تم سچائی سے اپنا

اصل نام بتا دو تو میں ہر بات پورے اعتماد سے سو فیصد درست بتا سکتا ہوں۔"

"میرا نام ارباز خان ہی ہے......" زخمی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں سمجھ رہا ہوں کہ تم سوائے تکے بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔"

"یہ تمہاری رائے ہے۔" لوچن نے معنی خیز انداز میں ایک آنکھ جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔ "ارباز خان کے بجائے اگر تم نے کسی غیر اسلامی نام کا انتخاب کیا ہوتا تو بات بن سکتی تھی۔ نہیں، درمیان میں نہ بولنا، صرف نام ہے لیکن......تم نے جلد بازی میں ایک اہم پوائنٹ کو نظر انداز کر دیا......فرض کرو میں یا پولیس والے تمہارا یہ سرکاری پاجامہ اتار دیں تو نام کی ساری خوب صورتی کا بھرم کتنی دیر قائم رہ سکے گا؟"

"کون ہو تم؟" زخمی نے اس بار حیرت کا اظہار کیا۔

"ارباز خان کے حوالے سے اگر میں اپنا نام رابرٹ نام ظاہر کروں تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟" لوچن کے ہونٹوں پر ایک شریر مسکراہٹ ابھری، اس میں بھی ہزاروں زہریلے معنی پنہاں تھے۔

"نہیں......تم وہ نہیں ہو سکتے۔" زخمی چونکا۔ "اسے......اسے میں نے بہت قریب سے دیکھا تھا......م......میری آنکھیں اتنے بڑے دھوکے پر یقین نہیں کر سکتیں۔"

"پھر اس بات پر یقین کر لو کہ تمہاری طرح میں بھی بلیک ٹائیگر کے پاس وہ ڈیڑھ آنکھ بند کر کے کام کرتا رہا ہوں۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اپنی ناگہانی موت سے دو روز قبل اس نے مجھے یہ بات بتا دی تھی کہ وہ کس کیلئے کام کر رہا تھا۔ اب کیا مجھے یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے کہ تم بھی شیخ حامد المعروف بگ باس کے زرخرید غلام ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

زخمی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ لوچن کو پوری توجہ سے گھور رہا تھا، اس کی آنکھوں میں تجسس اور حیرت کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"میرے گاڑھی اردو بولنے پر شاید تم کو حیرت ہو رہی ہے؟" لوچن نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "اس الجھن کو ذہن سے نکال دو، میں دنیا کی آٹھ زبانیں اسی قدر روانی سے بول سکتا ہوں کہ خود اس زبان کے بڑے بڑے اسکالر بھی حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو لیکن میں......"

"اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ اگر میں بگ باس کا کارندہ تھا تو میں نے اور میرے ساتھی نے اس کاروباری آفس کو آگ کیوں لگا دی۔" لوچن نے زخمی کا ادھورا جملہ پورا کیا تو وہ اور ششدرہ گیا۔ لوچن نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "وہ بگ باس کی پولیس کو دھوکا دینے کی ایک زبردست پلاننگ تھی۔" لوچن نے بات جاری رکھی۔ "تم کیا!......ایس پی اورنگ زیب جیسا گھاگ آفیسر بھی یہی سمجھ رہا ہے کہ میں بگ باس کے بجائے کسی اور گروپ کا نمائندہ ہوں۔"

"تم نے یہاں سے فرار ہونے والی بات کیوں کہی تھی......؟" زخمی نے کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں سوال کیا۔

''پہلے میری ایک بات دھیان سے سن لو۔'' لوچن نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ گر کی بات ہے۔ایک بار جو فرضی نام ضرورت کے تحت اختیار کرو اسے دوبارہ بھی زبان سے نہ نکالنا۔''

''کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''اب کھل جاؤ مائی ڈیئر رام دیال!'' لوچن یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔''ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جرائم کی دنیا میں وشنو کے نام سے مشہور ہو۔اچھا نک نیم ہے، کم ازکم ہندوستان کے جرائم میں تمہاری حیثیت کسی اوتار (وشنو) سے کم بھی نہیں ہے۔'' لوچن نے بات جاری رکھی۔''میں نے فی الحال فرار کے معاملے والی بات تم سے اس لیے کہی ہے کہ مجھے اس کیلئے تمہاری ضرورت پیش آئے گی۔جانتے ہو کیوں؟''

''نہیں......''

لوچن مسکرایا پھر جنگلے کے قریب جا کر اس نے اطمینان کر لیا کہ کہیں قریب کوئی موجود نہیں تھا۔ بے پروائی سے قدم اٹھاتا وہ دوبارہ وشنو کے قریب آ گیا پھر مدھم آواز میں بولا۔''ایس پی اورنگ زیب اتفاق سے میری مٹھی میں آ گیا ہے۔وہ مجھے کسی اور گروپ اور تمہیں بگ باس کا آدمی سمجھ رہا ہے۔وہ اس بات سے بھی واقف ہے کہ میں مر جاؤں گا لیکن زبان نہیں کھولوں گا۔بہرحال، کسی خاص وجہ سے اس نے مجھے اپنے حق میں رام کر لیا ہے۔اس کا خیال ہے کہ میں تمہاری زبان پر پڑے تالے کھلوا سکتا ہوں۔اسی مقصد سے تمہیں میرے پاس لایا گیا ہے۔وشنو کی حیثیت سے تمہیں شناخت کر لینے کے بعد ہی میرے ذہن میں ایک خاص منصوبے نے جنم لیا ہے۔اگر تم بگ باس اور اس کے گروپ کے بارے میں کچھ فرضی اور کچھ اصلی باتیں ایس پی کو بتا دو تو ہم دونوں مل کر اسے نہایت آسانی سے ڈبل کراس کر سکتے ہیں۔''

''فرار ہونے کے بعد کی تم نے کیا پلاننگ کی ہے......؟'' وشنو نے کچھ توقف سے سوال کیا۔

''سوری وشنو...... میں قبل از وقت اپنے ٹرمپ کارڈز اوپن کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' لوچن کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔''اگر تم میرے اوپر اعتماد نہیں کرتے تو پھر تم جانو اور تمہارا کام۔''

''جگا کے نام سے واقف ہو......؟'' وشنو نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

''ہاں......'' لوچن نے اعتماد سے جواب دیا۔''بگ باس کے کہنے پر میں اور بلیک ٹائیگر دونوں اس سے ملتے رہتے تھے۔میرا تیسرا ساتھی جو خودکشی کر چکا ہے اس کا اور بلیک ٹائیگر کا آمنا سامنا جگا کے ٹھکانے پر ہی ہوا تھا اس کے بعد ہی......''

''ون منٹ......'' وشنو نے بات کاٹ کر پوچھا۔''اگر تم اور تمہارا تیسرا ساتھی بگ باس کیلئے کام کر رہے تھے تو پھر بلیک ٹائیگر کی موت میں کس کا ہاتھ تھا......؟''

''ابھی نہیں......'' لوچن نے کچھ سوچ کر غور کرنے کے بعد جواب دیا۔''جب تک ہم یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو جاتے، میں تمہارے سوالات کا جواب نہیں دے سکتا۔اپنے اپنے اصول کی بات ہے۔''

''صرف ایک الجھن اور دور کر دو۔'' اس بار وشنو نے کسی قدر اپنی آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔''کیا یہاں سے فرار ہونے کے منصوبے میں پولیس کے کچھ افسران کا ہاتھ بھی شامل ہوگا؟''

''ہو بھی سکتا ہے......'' لوچن نے محتاط لہجے میں کہا تو وشنو پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا لیکن بالآخر اس نے لوچن کی باتوں سے متاثر ہونے کے بعد اس بات کا اقرار کر لیا کہ وہ اورنگ زیب کے سامنے کسی حد تک زبان کھولنے پر تیار ہے۔

وشنو کا اقرار سن کر لوچن نے اچانک جو ہنگامہ شروع کیا وہ خود وشنو کیلئے بھی تعجب خیز تھا، وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا اور پولیس والوں کی شان میں دل کھول کر گالیاں بک رہا تھا۔ پہرے پر مامور عملے کو گالیاں دے دے کر پکار رہا تھا۔ اس کا نتیجہ دس منٹ بعد ہی سامنے آ گیا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور نگہبانی پر مامور عملہ اس سب انسپکٹر کے ساتھ ہی سامنے آ گیا جو انچارج تھا۔

''وہاٹ نان سینس۔'' سب انسپکٹر نے کٹہرے کے باہر ہی سے کرخت لہجے میں لوچن کو مخاطب کیا۔''کیوں شور مچا رکھا ہے؟''

''میں اس باسٹرڈ کو برداشت نہیں کر سکتا۔'' لوچن نے وشنو کی جانب اشارہ کر کے مرعوب ہوئے بغیر بڑی حقارت سے چیخ کر کہا۔''دو ان فائیو منٹس اس کو ادھر سے لے جاؤ ورنہ میں اسے جان سے مار دوں گا۔''

سب انسپکٹر کے علاوہ ہیڈ کانسٹیبل کی آنکھوں میں بھی خون لہرا کر رہ گیا۔ پھر سب انسپکٹر نے وہیں کھڑے کھڑے کسی سے موبائل پر رابطہ کیا اس کے بعد وہ تلملاتا ہوا مسلح عملے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس نے لوچن کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا پھر سپاہیوں کو اشارہ کیا تو وہ وشنو کی وہیل چیئر کو خاموشی سے باہر لے گئے۔

''تھینکس سب انسپکٹر......'' وشنو کے جانے کے بعد لوچن نے نارمل انداز میں سب انسپکٹر کا شکریہ ادا کیا پھر سنجیدگی سے پوچھا۔''آفیسر، کیا تمہیں اس کہانی سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے کہ راون نے لنکا ڈھانے کی کوشش کیوں کی تھی؟''

سب انسپکٹر نے اس بار بھی بارود بھری نظروں سے لوچن کو دیکھا پھر پلٹ کر خاموشی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا واپس لوٹ گیا۔

+++

اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ کا عمل تھا۔

ایس پی اورنگ زیب اپنی خواب گاہ سے ملحقہ اسٹڈی میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا جب موبائل پر مخصوص سگنل ملا اور اس نے اتنی جلدی میں اسے آن کیا جیسے وہ اسی کال کا منتظر تھا۔

''کیا اطلاع ہے؟'' اس نے مختصر سوال کیا۔

''ہمارا مطلوبہ شکار ابھی پانچ منٹ قبل ایک سیاہ وین میں نکلا ہے۔''

''تمہیں کیسے یقین ہے کہ وین کے اندر وہی ہوگا؟''

"اندر کے آدمی نے اطلاع دی ہے۔"

"گڈ......" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ "اس وقت اس کا رخ کدھر ہے؟"

"میرا دوسرا ساتھی اس کے تعاقب میں ہے۔ پہلے وین کا رخ ڈیفنس ایریا کی طرف تھا لیکن اب وہ ہائی وے کی طرف جا رہا ہے۔"

"اگر تمہیں یقین ہے کہ وین میں وہی ہے تو اسے کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہئے۔" اورنگ زیب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں ہدایت کی۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی کسی تعاقب کے پیش نظر دوبارہ راستہ تبدیل کرے۔ ممکن ہے کہ دوسری کار تمہارے ساتھی کے تعاقب میں بھی ہو۔ اس سے کہو کہ محتاط رہے۔ دس منٹ بعد مجھے دوبارہ کال کرنا۔"

اس ہدایت کے ساتھ ہی اورنگ زیب نے موبائل آف کر دیا پھر اس نے دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر میز سے ایک موبائل نما شے اٹھا کر اس کے چرمی کیس کو کھولا، اندر تین بائی دو کی اسکرین ہی نظر آ رہی تھی جس کے نیچے حروف کے بجائے کچھ ہندسے اور اشاروں کے نشان [redacted] تھے۔ ایک مخصوص سمت سے ہلکا دباؤ ڈالنے کے بعد اسکرین پوری طرح روشن ہوگئی۔ اسکرین پر صرف ایک سرخ رنگ کا نقطہ اسپارک کرتا نظر آ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے اس ڈیوائس کے اوپری سرے سے ایک ایریل نما باریک راڈ پورا کھینچا تو اسپارک کرتا ہوا نقطہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ تبدیل کرنے لگا۔ اورنگ زیب کی نگاہیں چمکنے لگیں، وہ اس نقطے پر نظر جمائے بیٹھا رہا، نقطہ حرکت کرتا ہوا...... بائیں جانب ایک جگہ رک گیا تو اورنگ زیب نے ایک ہندسہ دبا کر اسکرین کا منظر تبدیل کیا، اب اسکرین پر سڑکوں کا ایک جال سا نظر آ رہا تھا جس پر گول دائروں میں مختلف نمبر موجود تھے۔ اگلا بٹن دباتے ہی ایک ہندسے کا رنگ تبدیل ہو کر سرخ ہو گیا، اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب کے ماتھے پر آڑی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگیں لیکن اس کی آنکھیں بہ دستور چمک رہی تھیں، تیسرا بٹن آزمانے میں اس نے بڑی سرعت کا مظاہرہ کیا، سڑکوں کے جال کی جگہ اب تلے اوپر ترتیب سے نمبر درج تھے، ان کے آگے باریک حروف میں اس نمبر کا مقام بھی درج تھا، وہ اسکرین کو رول کرتا رہا پھر...... ایک جگہ اس نے ہاتھ روک لیا۔ اس کا مطلوبہ نمبر اور اس کے آگے درج مقام کا نام دونوں سرخ تھے۔ ایک لمحے تک وہ پوری توجہ سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے ڈیوائس بند کر کے واپس رکھ دی اور موبائل پر کسی کے نمبر پنچ کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے میں بہ مشکل پندرہ سیکنڈ لگے ہوں گے۔

"میں غافل نہیں ہوں سر......" خاص پاس ورڈ کے بعد دوسری جانب سے کہا گیا۔ "اس وقت بھی میں نئے اسپاٹ کے قریب ہی ہوں۔"

"گڈ...... مجھے تم سے اسی انداز میں عمل کرنے کی امید تھی۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ "محتاط رہنا' ہوسکتا ہے کہ آدم خور کا رخ بھی اسی طرف ہو۔"

"میں بھی ان ہی خطوط پر غور کر رہا تھا......"

''میری ہدایت کو نظر انداز نہ کرنا۔'' اس بار اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''اس بات کی فکر مت کرنا کہ تمہارے ہاتھ سے کتنے خون ہوئے۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گا لیکن شیشے میں کسی صورت بال نہ آئے۔ یہ میری ذمے داری ہے۔''

''ایسا ہو گا جناب......''

''گڈ لک......'' اورنگ زیب نے کال منقطع کی پھر اٹھ کر دبیز قالین پر ٹہلنے لگا۔ سات آٹھ منٹ بعد موبائل پر دوبارہ سگنل ملا تو اس نے جھپٹ کر اسے آن کرتے ہوئے پوچھا۔

''اب کیا خبر ہے......؟''

''میرے آدمی کا تعاقب نہیں کیا گیا اور...... آپ کا اندازہ بھی درست تھا، وہ مختلف راستے بدلنے کے بعد اب اپنے ایک پرانے اور مخصوص ٹھکانے پر گیا ہے۔''

''کتنی دیر پہلے کی بات ہے......؟''

''بہ مشکل دو منٹ ہوئے ہوں گے، میں آپ کو کال کرنے ہی والا تھا کہ آپ کی کال......''

''میری بات پوری توجہ سے سنو......'' اورنگ زیب نے اس کا جملہ کاٹ کر بے حد سنجیدگی سے ہدایت کی۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہاں ہنگامے کی کوئی صورت اچانک پیدا ہو جائے، ایسی صورت میں تم باہر سے حملہ کرنے والی پارٹی کو سپورٹ کرو گے، آپس میں الجھنے کی نوبت آ جائے تو تم میرے نام کا مخفف، اے۔ زیڈ استعمال کر کے بات بگڑنے سے سنبھال سکتے ہو، میں نے دوسری پارٹی کو بھی یہی ہدایت کر دی ہے۔''

''باہر سے کون حملہ کرے گا......؟''

''وقت کم ہے...... تم صرف ہدایت پر عمل کرو۔'' اورنگ زیب نے جلدی میں تاکید کی پھر رابطہ منقطع کر دیا۔ پانچ منٹ بعد ہی وہ لباس تبدیل کر کے بڑی جلدی میں باہر نکل رہا تھا جب موبائل پر پھر سگنل موصول ہوئے، روشن اسکرین پر ڈی آئی جی کے نمبر دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک لمحے تک مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس نے بہرحال موبائل آن کر کے بڑی سادگی سے کہا۔

''خیریت تو ہے سر...... اس وقت کیسے یاد کر لیا......؟''

''آپ نے مفاہمتی طریقہ اختیار کر لیا ہے۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔ ''اس طرح درمیانی راستہ اختیار کر کے ہم زیادہ آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ آسانی سے تر نوالہ بھی نہیں بنے گا، ہمیں مشترکہ طور پر کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا ہو گا جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''ایسا کوئی طریقہ ہے آپ کے ذہن میں؟''

''اس موضوع پر کسی وقت اطمینان سے بیٹھ کر بات ہو گی۔ فی الحال میں نے آپ کو شبنم کے بارے میں فون کیا ہے۔ شیخ حامد ہر قیمت پر اس کی بازیابی کی خاطر زور ڈال رہا ہے۔''

''میں اور سراج دونوں کوشش کر رہے ہیں سر......'' اورنگ زیب نے کہا۔''ہو سکتا ہے کہ قسمت سے جلد ہی اس کا کوئی سراغ مل جائے، یہ بھی ممکن ہے ہم کبھی کامیاب نہ ہو سکیں۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''ممکن ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن......اگر شبنم کے اغوا میں آکٹوپس کے دشمنوں کا کوئی انتقامی جذبہ یا مقصد ہوگا تو پھر اسے یقیناً ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔''

''آئی۔سی۔'' ڈی آئی جی نے چونک کر جواب دیا۔''آپ کی بات سمجھ میں آ رہی ہے، بہر حال ہم ابھی کوئی آخری فیصلہ بھی اخذ نہیں کر سکتے۔''

''اس سلسلے میں افضل خان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں......؟''

''افضل خان کی موجودگی میں شبنم کا اغوا ہونا ابھی تک میرے حلق کے نیچے نہیں اتر سکا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''اغوا کے فوراً بعد وہ اپنا اپارٹمنٹ چھوڑ کر ہوٹل میں منتقل ہو گیا؟ پھر اسے بھی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری نگرانی کے باوجود دوبارہ منظر عام سے ہٹا دیا گیا۔ ان تمام حقائق کی روشنی میں آپ نے بھی ضرور کوئی رائے قائم کی ہوگی۔''

''میں آپ کا اشارہ سمجھ رہا ہوں لیکن......آکٹوپس کو اس قسم کی حرکتوں سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟''

''اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے۔'' اس بار اورنگ زیب نے خشک انداز میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے......میں ایک دو دن میں جنرل میٹنگ کال کر کے سب کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مشترکہ کوشش کر کے ان تمام معموں کو حل کرنے کی کوشش کریں۔''

''نہایت مناسب خیال ہے سر......''

دوسری جانب سے کال منقطع کی گئی تو اورنگ زیب معنی خیز انداز میں شانے اچکاتا تیز تیز قدم اٹھاتا باہر آیا اور اپنی واکس ویگن میں بیٹھ کر بنگلے سے باہر آ گیا۔ اس گاڑی کو وہ خاص خاص موقعوں پر استعمال کرنے کا عادی تھا۔

+++

لیاقت حسین اور فرحین واپسی کیلئے تیار تھے۔ باہر سردار سرفراز خان کی لینڈ کروزر تیار کھڑی تھی۔ سامان گاڑی میں رکھا جا چکا تھا جب لیاقت حسین کی ماں نے اسے علیحدہ کمرے میں بلا کر کہا۔

''تو جدھر کام کر رہا ہے ادھر تیری کسی کے ساتھ دشمنی تو نہیں ہے؟''

لیاقت حسین کے چہرے پر تجسس کا ایک رنگ آ کر تیزی سے گزر گیا، ماں کی دلجوئی کی خاطر حیرت سے بولا۔''دشمنی کیسی ماں؟''

''ماں سے جھوٹ بول رہا ہے۔'' ماں نے شکوہ کیا۔''ہم تیرا ماں ہے لیاقت حسین اور ماں کا دل اپنا جگر کے ٹکڑے کیلئے کبھی بلا وجہ نہیں دھڑکتا۔''

''تو پریشان نہ ہوا کر ماں، میں وہاں بالکل خیریت سے ہوں اور......''

ماں نے اس کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔''اور تو یہ بھول گیا تیرا پرنانا اپنے وقت کا بہت بڑا بزرگ تھا۔ وہ اب دنیا میں نہیں رہا لیکن اب بھی اس کا سایہ ہمارا سروں پر رہتا ہے۔ کل رات میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ جانتا ہے وہ تیرے لیے کیا بولا تھا؟''

''خواب تو نے دیکھا ہے ماں، میں بھلا اس کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' لیاقت حسین نے بہ دستور بڑے لاڈ سے جواب دیا۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ ادھر شہر میں کوئی پلید کا تخم تیرا دشمن بن گیا ہے اس لیے کہ تو نے اس کے کسی گندے عمل کو اپنا جان پر کھیل کر غارت کر دیا تھا لیکن اوپر والے کی مرضی سے اس کے کسی نیک بندے نے تیری حفاظت کر دی تھی۔''

لیاقت حسین سنجیدہ ہو گیا۔ ماں جو کہہ رہی تھی وہ غلط نہیں تھا۔ اس نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار رکھی تو ماں نے اس کے بازوؤں کو تھام کر پورے اعتماد سے کہا۔

''ایک بات کا ہمیشہ یقین رکھنا ماں کا جگر...... جس پر اوپر والا مہربان ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہی ایک مسلمان کا پکا ایمان ہے۔''

''پھر...... تو کس لیے پریشان ہے؟'' لیاقت حسین نے ماں کو تسلی دی۔''جو بھی اچھا برا ہو گا اسی اوپر والے کی مرضی سے ہو گا۔''

''ہاں...... لیکن تیرا...... پرنانا کہہ رہا تھا کہ تیرے پلید دشمن نے تجھے زیر کرنے کیلئے زیادہ طاقت حاصل کر لیا ہے' مگر وہ کامیاب نہیں ہو گا، خدا نے چاہا تو وہ حرام کا تخم خود اپنا جال میں الجھ کر مرے گا۔ اس کیلئے تیرا پرنانا نے مجھے قرآنی عمل کا تعویذ تیار کرنے کو بولا تھا جو میں نے تیار کر لیا ہے۔'' ماں نے ایک موم جامہ کیا ہوا تعویذ نکال کر لیاقت حسین کو دیتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ''اس تعویذ کے بارے میں کسی کو کچھ نہ خبر ہونے دینا، فرحین کو بھی نہیں۔ ہر وقت اسے اپنے پاس چھپا کر رکھنا۔ خدا نے چاہا تو تیرا دشمن خود اپنے پھندے میں پھنس کر جہنم رسید ہو جائے گا۔''

لیاقت حسین نے تعویذ احتیاط سے جیب میں محفوظ کیا، ماں سے لپٹ کر بڑے پیار اور اعتماد سے بولا۔''ماں، تیری دعائیں جب تک میرے ساتھ ہیں پورا دنیا مل کر بھی تیرے لیاقت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

ماں کے ساتھ وہ کمرے سے نکل کر آیا تو فرحین اور سردار سرفراز خان سامنے کھڑے تھے۔ لیاقت اور فرحین جانے کیلئے دروازے تک پہنچے تو سرفراز خاں نے فرحین کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''ہمارا لیاقت کا بہت خیال رکھنا فرحین اور...... ہو سکے تو ہم کو معاف کر دینا۔''

''فرحین کو گناہ گار نہ کرو بابا...... ہمارا دل میں آپ کا جو عزت پہلے تھا وہ اب بھی ہے۔'' فرحین نے سرفراز خاں کے سینے پر بڑی عقیدت سے سر ٹکا کر کہا۔''آپ ہم دونوں کا بڑا ہے بابا...... غلطی تو

ہم بچوں سے ہو جاتا ہے اس لیے اگر ہم سے......"

"نہیں جان جگر، آگے کچھ مت بولنا، ہم پہلے ہی بہت شرمندہ ہے۔" سرفراز خاں نے فرحین کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے پھلنے پھولنے کی دعا دی تو لیاقت حسین کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں۔ باہر آ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گئے تو سرفراز خاں نے لیاقت حسین کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے کہا۔ "تمہارا آنے کے بعد سے دو تین بار ہمارا اور سیٹھ عثمان کا تفصیلی بات ہو چکا ہے، اس نے تمہارے لیے جو بولا ہمیں اس پر فخر ہے۔ ایمانداری سے کام میں اوپر والا بھی برکت دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ابھی اور ترقی کرے گا۔"

"بابا...... آپ اور ماں ہمارے پاس کب آئیں گے؟" لیاقت حسین نے باپ سے پوچھا تو اس کی ماں نے کہا۔

"ادھر تمہارا باپ کا کچھ ضروری کام نہ ہوتا تو ہم تمہارا ساتھ ہی چلتا لیکن خدا نے چاہا تو ہم بہت جلدی تمہارے پاس ہو گا۔"

لیاقت حسین اور فرحین ماں باپ کی دعائیں لے کر واپس شہر آ گئے۔ سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم نے ایک بار پھر دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک دن آرام کرنے کے بعد لیاقت حسین تیار ہو کر ڈیوٹی پر گیا تو سیٹھ عثمان نے اسے اندر بلا کر کہا۔

"لیاقت حسین، تم نے شاید اسٹور میں جا کر نئی الماری نہیں دیکھی جسے بیگم صاحبہ نے بڑے اہتمام میں تمہارے لیے خریدا ہے، اس میں تمہارے لیے وہ نئے لباس ہیں جن کو پہن کر تم کل سے دفتر میں بیٹھا کرو گے۔"

"فرحین کو میں آج کسی وقت اپنے ساتھ لے جا کر شاپنگ کراؤں گی۔" راحیلہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "اور ایک بات کا خیال رکھنا۔ تم دونوں پہلے بھی ہمارے لیے غیر نہیں تھے لیکن اب دوسری بات ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ اب تم کسی تکلف سے کام نہیں لو گے۔ مجھے اور عثمان کو اپنے گھر کے فرد جیسا خیال کرو گے۔"

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کی چھلکتی ہوئی آنکھیں اس کے دل میں ترجمانی کر رہی تھیں جب سیٹھ عثمان نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر صوفے پر بٹھا لیا۔ دوستوں کی طرح کہا۔

"کل رات تمہارے آنے کے بعد بھی میں نے سرفراز خاں سے طویل گفتگو کی تھی، اپنی خفگی کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ تمہاری ماں کو لے کر تم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آیا۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ پندرہ روز کے اندر اندر ضرور آئے گا۔"

"ماں نے بھی جلدی آنے کا وعدہ کیا ہے۔" لیاقت حسین نے کسمسا کر جواب دیا۔

"اگر وہ سیدھی طرح نہ آئی تو مجھے پھر سراج بھائی کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی۔" راحیلہ بیگم نے بے تکلفی سے کہا۔ اسی وقت فرحین نے داخل ہو کر سیٹھ عثمان کو سلام کیا، راحیلہ بیگم نے بڑے

خلوص سے اٹھ کر گلے لگایا پھر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔
گفتگو کے درمیان ہلکے پھلکے ناشتے کا اہتمام ہوا، اس دوران لیاقت حسین بھی سیٹھ عثمان کے ساتھ تھوڑا بہت گھل مل گیا۔ تکلفات کے بادل آہستہ آہستہ چھٹتے رہے۔
اگلی صبح فرحین ناشتہ بنا رہی تھی جب لیاقت حسین گہرے کلر کا سفاری سوٹ پہن کر اس کے سامنے آ گیا، یہ لباس اس نے زندگی میں پہلی بار پہنا تھا، فرحین نے لیاقت حسین کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی، لیاقت حسین اس خوبصورت لباس میں دنیا کا حسین ترین فرد نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ بت بنی کھڑی لیاقت حسین کو بڑی اپنائیت سے دیکھتی رہی پھر دوڑ کر بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔
''یہ...... یہ کیا کر رہی ہو؟'' لیاقت حسین نے بناوٹی خفگی کا اظہار کیا۔ ''ہمارے لباس کا استری خراب ہو جائے گا۔''
''کیا کیا تو نے......؟'' فرحین نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر شوہر کو جھلا کر گھورا۔ ''اب یہ فرنگیوں کا لباس پہن کر تیری نظریں بھی بدل گئیں؟ کیا یہ لباس تجھے اپنی فرحین سے زیادہ پیارا ہے؟''
''ہے تو سہی......''
لیاقت حسین نے منہ بنا کر جواب دیا تو فرحین غصے سے تلملا کر بولی۔ ''سچ کہہ رہا ہے؟...... ایک بار پھر میری قسم کھا کر بول۔''
''لباس میرے تن سے لگا ہوا اس لیے زیادہ اچھا لگ رہا ہے اور تو مجھ سے دور کھڑی بالکل اچھی نہیں لگ رہی۔'' لیاقت حسین نے شوخی سے کہا۔ ''یہی میرا دل بولتا ہے...... تیری مرضی، مان یا نہ مان۔''
''یہ بات ہے تو پھر جہنم میں گئی تیرے لباس کی استری۔'' فرحین نے لیاقت حسین کے دل کی بات سمجھی تو اس وقت خود بھی دیوانی ہو گئی، لیاقت حسین اس کی چاہت تھی، اس کی پسند تھی، نئے لباس کی کشش نے اسے ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت بنا دیا تھا پھر وہ ان لمحوں کو یادگار بنانے سے دریغ کس طرح کرتی۔
فرحین کی خود سپردگی کے جذباتی انداز نے لیاقت حسین کو بھی دیوانہ کر دیا، طوفان کا زور کچھ دیر بعد تھما تو دونوں ہی ہلکان ہو چکے تھے۔
فرحین خود کو سمیٹتی تیزی سے اٹھ کر غسل خانے میں چلی گئی، لیاقت حسین آنکھیں بند کر کے خوابوں کی دنیا میں گم ہو گیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے ناشتے سے فارغ ہو کر جانے لگا تو فرحین نے اسے دروازے پر روک کر اس کی بلائیں لیں، خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے بولی۔
''لیاقت...... مجھے فخر ہے کہ میں نے اپنے لیے تیرا انتخاب کیا تھا۔ قدرت کو بھی ہمارا ملاپ منظور تھا، ہم دونوں آج جس جگہ کھڑے ہیں یہ بھی اسی اوپر والے کی مہربانی ہے...... آج تو پہلی بار صاحب بہادر بن کر کرسی میز پر بیٹھنے جا رہا ہے تو ہاتھ باندھ کر تجھ سے ایک چیز مانگوں گی۔ تجھے قسم ہے...... انکار نہ کرنا۔'' فرحین کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''کیا پہلے کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں نے تیری کسی بات سے انکار کیا ہو؟'' لیاقت نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''پہلے کی بات اور تھی فرحین کی جان لیکن...... اب وقت کے ساتھ ہمارے حالات بھی بدل رہے ہیں اس لیے میرا دل ڈرتا ہے کہ کہیں کرسی میز پر بیٹھنے کے بعد تیری آنکھیں بھی......''

''چپ ہو جا...... جان لیاقت۔'' لیاقت حسین نے اس کے گداز ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بڑے اعتماد سے کہا۔ ''دنیا بدل سکتی ہے فرحین لیکن...... لیکن تیرا لیاقت تیرے لیے وہی رہے گا جس کا ہاتھ تھام کر تو نے ایک نئے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ہم دونوں کا یہ مشترکہ سفر زندگی کی آخری سانسوں تک اسی طرح جاری رہے گا...... ان شاء اللہ۔''

جواب میں فرحین کی آنکھوں میں پھر زندگی کے دھنک رنگ آپس میں گڈمڈ ہونے لگے۔

+++

شبنم کو اس زیر زمین کمرے میں دو روز گزر گئے تھے۔ اس عرصے میں اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ نگرانی کرنے والے بہ دستور گونگے بہرے بنے ہوئے تھے، صرف ایک بار شیخ حامد کے ایک خاص آدمی نے اس سے کچھ دیر کیلئے ملاقات کی تھی۔ اس نے شبنم سے بہت کچھ اگلوانے کی کوشش کی تھی لیکن شبنم نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ہر بار ایک ہی جواب دیا تھا۔ ''وہ بگ باس کے علاوہ پہلے بھی کسی کو جواب دہ نہیں تھی۔ اب بھی صرف اسی کے سامنے زبان کھولے گی۔''

ان دو دنوں میں وہ متعدد بار اورنگ زیب کے بارے میں غور کرتی رہی تھی جس کی پناہ میں وہ خود کو سب سے زیادہ محفوظ سمجھ رہی تھی، اس کا برتاؤ اچانک اس قدر تلخ و جارحانہ ہو جائے گا، اس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس بات کا علم اس کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا کہ افضل خان پر اس کے اپنے اغوا ہونے کے بعد کیا گزری تھی؟ اسے کہاں رکھا گیا تھا؟ اس اغوا سے اس کا کوئی تعلق تھا بھی یا نہیں اور اگر وہ ایجنسی والوں کی نگرانی میں تھا تو پھر فرار کس طرح ہو گیا؟ اس کے فرار میں کس کا ہاتھ تھا؟ کیا بگ باس نے اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے اٹھوالیا تھا یا پھر خود افضل خان نے قید و بند سے آزاد ہو کر کہیں دور چلے جانے کی ٹھان لی تھی؟ حقیقت کیا تھی اسے قطعی علم نہیں تھا مگر ایس پی اورنگ زیب افضل خان کے فرار میں اسی کو مورد الزام ٹھہرا رہا تھا...... آخر کیوں؟ اس کا جواز کیا تھا؟ اسے اچانک کس جرم کی پاداش میں دوبارہ موت کے حوالے کر دیا گیا تھا؟

خاصی ذہنی جمناسٹک کرنے کے بعد اس کے ذہن میں اس موبائل کا خیال ابھرا جو اسے خود اورنگ زیب نے دیا تھا، وہ اس سے اعتراف بھی کر چکی تھی کہ ایک بار اس نے موبائل پر افضل خان سے رابطہ کیا تھا۔ اس اعتراف کے بعد اسے دوبارہ افضل خان سے رابطہ نہ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ وہ خود بھی محتاط ہو گئی تھی لیکن اب...... اب شاید وہی موبائل اس کے لیے ایک عذاب بن گیا تھا۔ افضل خان کے غائب ہو جانے کے بعد اسی موبائل کی وجہ سے وہ شکوک اور شبہات کے بھنور میں پھنس کر رہ گئی تھی، ہو سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے سوچا ہو کہ وہ اس کی پناہ میں ہونے کے باوجود

اسے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ افضل خان بہرحال ایک اہم شخصیت کا مالک تھا، اس کا فرار ہو جانا یا کسی مقابلے کے بعد غائب ہو جانا بعید از قیاس بھی نہیں تھا۔ بگ باس کے کہنے پر اس نے رستم علی آغا خانی پر جس مہارت اور دلیری کے ساتھ ہاتھ ڈالا تھا اور جو ثبوت حاصل کر لیے تھے وہ کسی عام شخص کے بس کی بات نہیں تھی، خود بگ باس نے بھی اس سے نظریں پھیر لینے کے باوجود اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا تھا۔

شبنم نے ہر زاویے سے مختلف امکانات پر غور کیا لیکن اس کی سمجھ میں اورنگ زیب کا اچانک اس سے نظریں پھیر لینے کا سبب ایک معما ہی بنا رہا۔

افضل خان کے زوال کے بعد شبنم کو اس کا مقام مل گیا تھا، یہ بات سراج اور اورنگ زیب کے علم میں بھی تھی۔ نہ ہوتی تو اورنگ زیب، شبنم اور افضل خان کے اندر اتنی دلچسپی بھی نہ لیتا، اس نے افضل خان کے ذریعے بگ باس کو زیر کرنے کا کوئی نہ کوئی منصوبہ ضرور بنایا ہوگا جو افضل خان کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد تباہ ہو گیا۔ ایسی صورت میں خود شبنم بھی اگر اورنگ زیب کی جگہ ہوتی تو وہ بھی انہی خطوط پر ضرور غور کرتی جس پر اورنگ زیب نے غور کرنے کے بعد اسے دوبارہ اسی جہنم میں جھونکنے کا پروگرام بنا لیا تھا جس سے وہ بڑی مشکل سے نجات پا سکی تھی۔

اس وقت بھی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بستر پر لیٹی حالات کی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی جب کمرے کے واحد دروازے کے کھلنے کی آواز اس کے کانوں میں آئی، اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر آنے والے کو دیکھا تو سہم کر رہ گئی۔ شیخ حامد کو اس وقت سامنے دیکھ کر اسے اپنی سانسیں سینے میں گھٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ دروازے کے قریب ہی کسی آتش فشاں کی طرح سر اٹھائے کھڑا اسے خوفناک نظروں سے گھور رہا تھا۔

شبنم ایک لمحے کو گنگ رہ گئی پھر تیزی سے خود کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شیخ حامد کی تیز نظریں اسے اپنے جسم کا ایکسرے کرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ خود شبنم کا دل بھی دھڑک رہا تھا جب شیخ حامد نے اسے قریب آ کر مخاطب کیا۔

''اب کیسی ہو......؟'' اس کے لہجے میں بڑی گہرائی تھی۔

''آپ کی پناہ میں آنے کے بعد دوبارہ زندگی کا احساس ہو رہا ہے۔'' شبنم نے حالات کے پیش نظر سنبھل کر جواب دیا۔

''جو تمہیں لے گئے تھے، وہ کون لوگ تھے؟'' سپاٹ اور خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

''ان کی تعداد دو تھی...... دونوں ہی پروفیشنل ٹائپ کے بدمعاش لگ رہے تھے میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو وہ غالباً جگا کے آدمی تھے۔''

''اس اندازے کا کوئی سبب بھی ہوگا؟''

''ان کا مقصد خاص طور پر مجھے اغوا کرنا تھا۔ انہوں نے افضل خان سے دور رہنے کو کہا تھا، شاید افضل خان کے مقابلے میں، میں ان کیلئے زیادہ اہم تھی۔''

''افضل خاں کا کیا ردعمل تھا؟''

''اس نے اچانک ہی بازی پلٹنے کی خاطر ان دونوں پر حملہ کر دیا تھا لیکن صرف ایک نے مارشل آرٹ کا مظاہرہ کر کے افضل خان کے سارے کس بل نکال دیئے۔ دوسرے نے مجھے جکڑ رکھا تھا۔''

''وہ افضل کو دوبارہ وارننگ دے کر مجھے ساتھ لے گئے تھے۔ افضل خان نے دوبارہ درمیان میں آنے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ وقتی طور پر ان دونوں سے خائف ہو گیا تھا۔'' شبنم نے بیان جاری رکھا۔ ''وہ دونوں مجھے لے کر بڑے اطمینان سے لفٹ کے ذریعے نیچے آئے پھر مجھے ایک وین میں ڈال کر اپنے ٹھکانے پر لے گئے۔ میری آنکھ پر پٹی باندھ دی گئی تھی مگر میرے خیال میں وہ مجھے جہاں لے گئے وہ جگہ اپارٹمنٹ سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر کہیں تھی۔ وین کی رفتار اور وقت کے لحاظ سے وہ جگہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ہمارے اپارٹمنٹ سے تقریباً بارہ پندرہ میل کے فاصلے پر کہیں رہی ہو گی۔ انہوں نے میری آنکھوں کی پٹی کسی انڈر گراؤنڈ کمرے میں لے جانے کے بعد ہی کھولی تھی۔''

''تمہارے اغوا کا کوئی مقصد بھی ضرور رہا ہو گا؟'' شیخ حامد نے بہ دستور خشک لہجے میں سوال کیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا شبنم کو ٹکٹکی باندھے گھور رہا تھا، اس کی خوفناک آنکھوں میں تجسس تھا۔

''دو روز تک انہوں نے مجھ سے کوئی اہم بات نہیں کی لیکن تیسرے دن ایک نقاب پوش نے سامنے آ کر مجھ سے صرف آپ کے بارے میں سوالات کیے تھے وہ غالباً میری حیثیت سے خاصی حد تک واقف تھا' لیکن میں صرف ایک بیان پر قائم رہی کہ میں آپ کو صرف آفس کے بگ باس کی حیثیت سے جانتی ہوں اور اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔''

''کیا اس نے تمہارے بیان پر یقین کر لیا تھا؟''

''نہیں......'' شبنم نے کہا۔ ''وہ میرا جواب سن کر مسکرایا تھا پھر اس نے صرف ایک ہی بات کہی تھی کہ اگر میں نے ایک ہفتے کے اندر اندر زبان نہ کھولی تو میرا انجام خطرناک ہی ہو گا۔''

''تمہارے ذہن میں اغوا کرنے والوں کے سلسلے میں خاص طور پر جگا ہی کا نام کیوں آیا؟''

''میں نے ایک امکانی بات کہی تھی ورنہ اغوا کرنے والوں کے سلسلے میں ایجنسی کے لوگوں پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' ایجنسی کے نام پر شیخ حامد چونکا۔

''ان کا طرز عمل جارحانہ ہونے کے باوجود مہذب تھا جبکہ پروفیشنل قسم کے افراد مہلت دینے کے بجائے ٹیڑھی انگلی سے بھی اپنا مطلب حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔''

شیخ حامد نے اس بار فوراً ہی کوئی سوال نہیں کیا۔ ایجنسی کے حوالے پر اس کی پیشانی بھی کسی خاص وجہ سے شکن آلود ہو گئی تھی، کچھ دیر وہ شبنم کو گھورتا رہا پھر قدرے نرم لہجے میں بولا۔

''تم نے میرے آدمیوں سے یہ ضد کیوں کی تھی کہ میرے سوا کسی اور کے سامنے زبان نہیں

کھولو گی؟"

"یہ پابندی آپ ہی نے لگائی تھی باس اس لیے میں اس خلاف ورزی کس طرح کر سکتی تھی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہاری باتوں کو آرام سے ہضم کر لوں گا؟"

"نہیں...... شبنم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں اس وقت اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ اپنی صفائی پیش کر سکوں لیکن آپ کے ایک اشارے پر اب بھی زندگی داؤ پر لگا سکتی ہوں۔ فی الحال میرا کھل کر سامنے آنا مناسب بھی نہیں ہوگا۔"

"جو تمہیں لے گئے تھے انہوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی......؟" شیخ حامد نے شبنم کے نشیب و فراز پر ایک گہری نظر ڈال کر سوال کیا تو شبنم اس کا مفہوم سمجھ گئی۔ ہونٹ چباتے ہوئے کچھ تامل سے بولی۔

"نگرانی کرنے والے عملے کے ایک فرد نے میرے ساتھ کچھ دست درازی ضرور کی تھی لیکن وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھا۔ اسی بنیاد پر میں نے ایجنسی والوں پر شبہ کیا تھا، پروفیشنل بدمعاش ہوتے تو......"

"یہ تمہارا بیان ہے سویٹ ہنی...... میں کیسے اعتبار کر لوں؟" شیخ حامد کی نگاہوں میں شوخیاں مچلنے لگیں۔

"باس......" شبنم نے بڑی بے بسی سے جواب دیا۔ "اگر انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہوتا تو شاید میں اس وقت زندہ نہ نظر آتی۔"

"ایک اہم بات تم نے ابھی تک نہیں بتائی جان من!" شیخ حامد کے تیور پھر بدل گئے۔ "جن لوگوں نے تمہیں جان پر کھیل کر اغوا کیا تھا۔ انہوں نے اتنی آسانی سے تمہیں کیوں چھوڑ دیا؟"

"اس میں بھی ایک گہری چال ہے۔" شبنم نے اورنگ زیب کے آخری جملوں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ "میرے زبان نہ کھولنے پر نقاب پوش نے تیسری ملاقات پر میرے لیے موت کی یہی سزا تجویز کی تھی کہ وہ مجھے آپ کے حوالے کر دے۔"

"میں سمجھا نہیں......"

"افضل خان کی مثال سامنے ہے باس۔" شبنم نے سنبھل کر جواب دیا۔ "اغوا کرنے والوں کو یقین ہوگا کہ آپ میری باتوں پر یقین نہیں کریں گے پھر...... شاید افضل خان کی طرح مجھے بھی کوئی سخت سزا دینے کے بعد حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے اور...... اس وقت میں حالات سے مجبور ہو کر ان کے سامنے ہتھیار ڈال دوں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے......؟ کیا میں نے اگر تمہیں سزا دی تو وہ موت سے کم ہوگی......؟"

"موجودہ حالات میں، میں بھی موت ہی کو ترجیح دوں گی۔" شبنم نے بڑے اعتماد سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "وہ مجھے جو زندگی دیں گے وہ شاید کسی بازاری عورت سے بھی زیادہ گھناؤنی ہوگی۔"

شیخ حامد نے اس کے جواب کو غور سے سنا، اس کے ہونٹوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ ابھری،

کچھ دیر وہ سپاٹ نظروں سے شبنم کو گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔
''میرے قریب آؤ......''
شبنم قدم بڑھاتی اس کے قریب چلی گئی اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھنے لگیں۔
''اپنی بے گناہی کا یقین دلانا ہے تو میرے سامنے پوری طرح کھل جاؤ...... میں زبانی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔''
''باس......''
''تم بھول رہی ہو خوبصورت تتلی کہ تمہاری جو تصاویر میرے پاس محفوظ ہیں ان میں بھی تم بے لباس ہی تھیں۔''
''وہ...... وہ تصاویر اس وقت کی ہیں جب میں ہوش میں نہیں تھی......'' شبنم نے ہچکچا کر جواز پیش کیا۔
''اب ہوش وحواس میں میرے حکم پر عمل کرو۔'' شیخ حامد کا لہجہ بازاری ہو گیا۔''میرے پاس وہ پیمانہ ہے جو اس بات کو جانچ لے گا کہ جو پروفیشنل بدمعاش تمہیں اٹھا لے گئے تھے انہوں نے تمہیں کورا چھوڑا ہے کہ نہیں......''
''بب...... باس' آپ نے وعدہ کیا تھا کہ......''
''ایک حد سے آگے نہ بڑھوں گا۔'' شیخ حامد نے یکلخت اسے بانہوں میں سمیٹ کر لیا۔''میں اب بھی اپنے وعدے کا بھرم رکھوں گا بشرطیکہ تمہیں کسی اور نے استعمال نہ کیا ہو۔''
''بب...... باس میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ مجھ پر رحم کریں۔'' شبنم نے اس کے بازوؤں کے حصار میں مچلتے ہوئے درخواست کی۔''اس سے بہتر ہے کہ آپ مجھے گولی ماردیں۔''
''ابھی میں نے تمہارے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا مائی ہنی۔'' شیخ حامد نے اسے پوری طرح دبوچ کر کسی آدم خور کی طرح مخاطب کیا۔''ہوسکتا ہے کہ تمہاری بے گناہی ثابت ہونے کے بعد میں پھر تمہیں اپنے قدموں میں بیٹھنے کی جگہ دے دوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بے گناہی نہ ثابت ہونے پر تمہیں اپنے ان جاں نثاروں کے سپرد کردوں جو برسوں سے کسی عورت کے قرب کو ترس رہے ہیں۔ تم یقیناً ان کیلئے ایسا زوداثر ٹانک ثابت ہوگی جو ان کی کارکردگی کو میرے لیے بڑھانے میں بڑا معاون ثابت ہوگا۔''
''باس......'' اچانک شبنم نے بڑی بے بسی سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔''میں آپ کے حکم پر سر جھکانے پر آمادہ ہوں لیکن ایک شرط پر...... آپ مجھے پوری طرح پرکھنے کے بعد...... گولی مار کر ہمیشہ کیلئے ختم کردیں گے...... میں بے غیرتی کی زندگی پر موت کو زیادہ ترجیح دوں گی۔''
''اس کا فیصلہ بھی ہوجائے گا...... پہلے تم خود کو ہنستے مسکراتے بے لباس کر کے میرے حوالے کر دو۔''
شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جانتی تھی کہ آکٹوپس کی بات پر عمل نہ کرنے کی صورت میں

وہ اس کے پالتو بدمعاشوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ اس نے ایک آخری بار بگ باس کو رحم طلب نظروں سے دیکھا پھر ہاتھ پشت پر کر کے ایک جھٹکے سے اپنی قمیض کی زپ کھول دی، نظریں فرش پر جمائے وہ آہستہ آہستہ خود کو بے لباس کر رہی تھی جب اچانک کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ شیخ حامد نے قہر آلود نظروں سے اس ملازم کو دیکھا جو پہرے پر تھا، اب بوکھلایا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تم......'' اس نے جیب سے اپنا آٹومیٹک ریوالور نکال کر پہرے دار پر تان لیا۔

''باس...... باہر گولیاں تڑ تڑا رہی ہیں۔'' پہرے دار نے کانپتے ہوئے کہا۔ ''سردار اور دوسرے لوگ ان کا جواب دے رہے ہیں، آپ دوسرے راستے سے نکل جائیں...... ہم حملہ آوروں کو اینٹ کا جواب پتھر ہی سے دیں گے۔''

پہرے دار تیزی سے باہر نکل گیا، گولیوں کی آواز شیخ حامد نے بھی سن لی تھی، اس نے شبنم کو لباس سمیت کر پیچھے آنے کا حکم دیا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر کی جانب لپکا۔

+++

افضل خان سوتے سوتے ایک دم ہی ہڑبڑا کر جاگا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی گردن پر کسی نے سوئی چبھو دی ہو لیکن کمرے میں اس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا، اس نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی، رات کے دو بج رہے تھے، کمرے میں مدھم پاور کا نائٹ بلب روشن تھا، بستر پر لیٹے لیٹے اس نے پھر دائیں بائیں دیکھا لیکن اسے کوئی نظر نہیں آیا، اس کا سیدھا ہاتھ ایک بار پھر گردن پر ہونے والی چبھن پر گیا پھر وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا، خون کا وہ قطرہ جو اسے انگلی پر نظر آیا وہ اس کا وہم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تیزی سے بستر سے اترا تو اس کی نظریں اسلم ڈنکا پر جم کر رہ گئیں جو پلنگ کے نیچے سے مسکراتا ہوا باہر آرہا تھا۔

''اوہ......'' افضل خان نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ رات کو دو بجے اس کی آمد افضل خان کیلئے خلاف توقع ہی تھی، پھر جس انداز میں اسے سوئی چبھو کر بیدار کیا گیا تھا اس نے بھی افضل خان کی کھوپڑی گرم کر دی۔ اس وقت یہ احساس بھی بچھو کی ڈنک کے مانند اس کے وجود کو ڈس رہا تھا کہ جو اسلم ڈنکا کبھی اس کے حکم پر پالتو کتوں کی طرح دم ہلانے کا عادی تھا۔ اس وقت اس کے سامنے سینہ تانے کھڑا بڑے بھونڈے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''اس طرح دیدے پھاڑے کیا دیکھ رہے ہو افضل خان؟'' اس نے کینچلی بدل کر کہا۔ ''میں کئی بار تمہیں آوازیں دے چکا تھا، تم مردوں کی طرح دنیا سے بے خبر سو رہے تھے، میں نے سوئی چبھوئی تو احساس ہوا کہ تم ابھی تک بقید حیات ہو۔''

''تمہارا یہ انداز میرے لیے نیا اور حیرت انگیز بھی ہے۔'' افضل خان نے بہ دستور بگڑے ہوئے تیور سے دریافت کیا۔ ''کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہیں مجھے اذیت دینے کا حکم ملا ہے؟''

''حکم......'' اسلم ڈنکا نے حقارت سے فرش پر تھوکتے ہوئے بڑے گھٹیا لہجے میں اپنی بڑائی کی نمائش کی۔ ''تم جس زمانے کی بات کر رہے ہو وہ گزر چکا۔ اب ہر طرف میرا ڈنکا بجتا ہے اور میرے ماتحت حکم پر بلا چوں وچرا عمل کرتے ہیں، تم بھی اب انہیں ماتحتوں میں خود کو شمار کرو۔''

''مجھے معلوم ہے...... تم پہلے بھی سستی قسم کی تاڑی اور بھنگ پینے کے عادی تھے شاید اب بھی تمہارے دماغ پر اسی کا اثر......''

''بکواس نہیں افضل خان......'' اسلم ڈنکا کی آنکھیں خون اگلنے لگیں۔ ''تمہاری اوقات اب وہ نہیں رہی جو پہلے تھی...... دوبارہ کبھی مجھ سے اونچے سروں میں بات کرنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ......''

''اس وقت تم میرے پاس کس لیے آئے ہو......؟''

''شٹ اپ......'' اسلم ڈنکا نے بپھر کر کہا۔ ''تم کوئی سوال نہ کرو، صرف میرا حکم سنو۔''

افضل خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا، اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد ہی اس نے خودکشی کی ٹھان لی تھی، اگر شبنم درمیان میں نہ آ جاتی تو شاید اس وقت اسے اسلم ڈنکا جیسے بدمعاشوں کے سامنے خون کا گھونٹ پی کر صبر نہ کرنا پڑتا۔ اس نے مصلحتاً کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی نظریں اب بھی بڑی حقارت سے اسلم ڈنکا کے ناپسندیدہ وجود میں چبھ رہی تھیں۔

''نظریں نیچی رکھو افضل خان۔'' اسلم ڈنکا بپھر کر بولا۔ ''بارود کو چنگاری لگ گئی تو یہاں پہرا دینے والوں کو تمہارے جسم کے چیتھڑے بھی نہیں ملیں گے۔''

''یہی جملہ میں بھی کہہ سکتا تھا لیکن تم......'' افضل خان کی رگوں میں گرم خون بھی مچلنے لگا۔ ''تم شاید آتشیں اسلحہ کے بل پر اکڑ رہے ہو۔ ایک بات اور سن لو اسلم۔ کسی خطرناک انجام کی فکر مجھے پہلے بھی نہیں تھی، میں سر سے کفن باندھ کر زندگی گزارنے کا عادی تھا، بگ باس کے احسانوں نے مجھے خرید لیا تو میں نے اپنی جون بھی بدل لی۔ اب بھی میں اسے اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ اس کے اشارے پر جان بھی دینے سے دریغ نہیں کروں گا لیکن تم......تم آئندہ اپنی حد سے تجاوز کرنے کی غلطی کبھی نہ کرنا۔''

اسلم ڈنکا نے ایکدم بپھر کر حملہ کرنے کے انداز میں پینترا بدلا لیکن دوسرے ہی لمحے موبائل کی آواز سن کر اس کے اعصاب کا کھنچاؤ کم ہونے لگا، افضل خان پر نظر جمائے جمائے اس نے موبائل جیب سے نکال کر آن کر لیا۔

''یس باس......میں اس وقت افضل خان کے قریب ہی ہوں۔''

''اس نے کیا جواب دیا......؟'' دوسری جانب سے شیخ حامد کی کرخت آواز ابھری۔

''کچی نیند سے بیدار ہونے پر اس کے ایک دو اسکریو لوز ہو گئے تھے، انہیں ٹائٹ کر رہا ہوں، آپ کا حکم اس کے فرشتے بھی نہیں ٹال......''

''افضل خان سے بات کراؤ......'' دوسری جانب سے بہ دستور سخت لہجے میں حکم ملا تو اسلم ڈنکا نے ہونٹ چباتے ہوئے موبائل افضل خان کی طرف بڑھا دیا۔

''میں افضل خان بول......''

''اسلم بتا رہا تھا کہ خود کو کسی گیسٹ ہاؤس میں وی آئی پی مہمان سمجھ رہے ہو؟'' شیخ حامد نے انتہائی سفاک انداز میں سوال کیا۔

''یہ جھوٹ بول رہا تھا باس......'' افضل خان نے زندگی کی پروا کیے بغیر مدھم لہجے میں سچ بیانی کا مظاہرہ کیا پھر ایک ہی سانس میں پوری تفصیل دہراتا چلا گیا۔

''سچ کیا ہے میں یہ بھی معلوم کر لوں گا......'' خلاف توقع کسی غصے کے اظہار کے بجائے سرد لہجے میں جواب ملا۔ ''تم نے شبنم سے کہا تھا کہ میرے احسانوں کے عوض تم اپنی حقیر زندگی کا نذرانہ بھی دے سکتے ہو۔''

''یس باس...... میں اب بھی یہی کہوں گا۔'' افضل خان نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں اسلم ڈنکا پر مرکوز تھیں جو کسی زخمی درندے کے مانند قریب ہی کھڑا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''امداد علی کا نام بھی سنا ہے......؟''

''یس باس...... کسی زمانے میں پولیس کا ہیڈ کانسٹیبل تھا پھر اس نے اچھا خاصا مال پانی کمانے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اپنا کاروبار پھیلا رہا تھا۔''

''اور کچھ......؟''

''اوہ......'' افضل خان نے چونک کر جواب دیا۔ ''امداد علی نے جیل سے رہائی پانے کے بعد جہانگیر بٹ نامی ایک قیدی کی مدد کی تھی جو بعد میں جگا بن گیا تھا...... بہ ظاہر وہ دونوں الگ الگ ہیں لیکن اندر سے ان کی جڑیں ملی ہوئی ہیں۔''

''گڈ...... مجھے خوشی ہے کہ تمہاری یادداشت ابھی زنگ آلود نہیں ہوئی۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے......؟''

''مجھے جگا کی تلاش ہے لیکن وہ مادر بہ خطا کسی چوہے کے بل میں چھپا ہوا ہے اور میرا خیال ہے کہ......''

''میں آپ کا اشارہ سمجھ گیا باس......'' افضل خان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کا احسان مند اور پروردہ ہوں۔ آپ کا خیال سو فیصد درست ہے، امداد علی کو چوہے دان میں بند کرنے کے بعد جگا کے سلسلے میں اس کی زبان کھلوائی جا سکتی ہے۔''

''ہاں، میں بھی چاہتا ہوں لیکن یہ کام انجام دینے کے باوجود تمہاری موجودہ حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' جواب میں دوٹوک فیصلہ بھی سنا دیا گیا۔

''میں جانتا ہوں باس......''

''اسلم ڈنکا کو میں نے تمہارے پاس اسی غرض سے بھیجا تھا۔''

''باس......'' افضل خان نے دل کڑا کر کے موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ایک گزارش میں بھی کروں گا۔''

''کہو لیکن...... ضروری نہیں کہ تمہاری درخواست منظور بھی ہو جائے۔''

''میں عزت کی زندگی اور عزت کی موت کی درخواست کروں گا......''

''سمجھ گیا...... غالباً اسلم بھی اب آہستہ آہستہ پل پرزے نکالنے کی حماقت کرنے لگا ہے۔''

''میرا امتحان درکار ہو تو میں خود ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبانے کا حوصلہ بھی رکھتا ہوں۔''

''امداد علی کی زبان اگر کھل گئی تو تم کو کوئی موقع اور بھی دیا جا سکتا ہے۔'' سرد لہجے میں جواب ملا، اس کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔ افضل خان نے موبائل آف کر کے دوبارہ اسلم ڈنکا کی طرف اچھال دیا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت کسی آدم خور چیتے جیسی چمک نظر آ رہی تھی۔

''کیا حکم دیا باس نے......؟'' اسلم نے موبائل جیب میں رکھتے ہوئے بہ دستور برتری کا انداز اختیار کیا۔

''سوری، میں باس کی کہی ہوئی بات تمہیں بتانے کا پابند نہیں ہوں۔''

''ہواؤں میں اڑنے کی حماقت مت کرنا...... امداد علی والا کام تمہیں زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹوں میں انجام دینا ہوگا۔''

جواب میں افضل خان نے مسکرا کر شانے اچکائے تو اسلم ڈنکا کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟''

''مجھے فوری طور پر میک اپ کا ضروری سامان اور اعشاریہ دو پانچ کا ایک آٹو میٹک درکار ہوگا۔''

''کیا کسی چوہے یا چھپکلی کو شکار کرنے کا ارادہ ہے؟''

''صبح ناشتے کے بعد میری مطلوبہ چیزیں فراہم کردینا ورنہ پھر تم باس کو جواب دہ ہوگے۔''

''تم کو یہاں سے تنہا نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی۔'' اسلم ڈنکا نے تحکمانہ انداز میں کہا۔''میں یا میرے بھروسے کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ ہوگا۔''

''نہیں......'' افضل خان نے دوٹوک جواب دیا۔''میں ایسی کوئی بندش یا شرط قبول نہیں کروں گا۔ تم چاہو تو کم از کم سو گز دور رہ کر میری نگرانی کر سکتے ہو۔''

''بکواس نہیں......'' اسلم ڈنکا ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔''اپنی اوقات سے اونچا اڑنے کا خیال اب دل سے نکال دو۔''

''باس سے دوبارہ کال ملا کر میری شرط بتا دو...... یہی تمہارے حق میں مناسب رہے گا۔''

افضل خان کا جواب سن کر اسلم ڈنکا نے اسے گہری نظروں سے دیکھا پھر اس نے جیب سے موبائل نکال کر بگ باس کے نمبر ملائے۔ افضل خان کی شرائط کو اس نے توڑ مروڑ کر اپنی زبان میں بیان کیا، کچھ خدشات کا اظہار بھی کیا لیکن اس کے جواب میں دوسری جانب سے جو کہا گیا اسے سن کر اس نے موبائل بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اس کی پیشانی پر ابھرنے والی شکنوں کا جال بتدریج گہرا ہوتا رہا، اس کی شعلہ بار نظریں کچھ دیر افضل خان پر جمی رہیں پھر وہ کچھ کہے بغیر خاموشی سے پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

افضل خان نے سکون کا گہرا سانس لیا پھر دوبارہ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں۔

+++

مدھم چراغ کی کپکپاتی لو آپس میں گڈمڈ ہوتے سایوں کو اور زیادہ پراسرار بنا رہی تھی۔ تیز تیز سانسوں کی ملی جلی آوازیں پرتاب بھوشن اور نئی پجارن سلونی کے بھڑکتے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔ جب دروازے پر کسی نے دوبارہ آہستہ آہستہ ہاتھ مار کر ان کے رنگ میں بھنگ گھوٹ دیا۔ سلونی نے اوڑھنی گھسیٹ کر اپنا شریر ڈھانپ لیا، پرتاب نے بل کھا کر اونچی آواز میں پوچھا۔

''کون ہے......؟''

''میں مدھو ہوں مہاراج۔'' باہر سے مدھو کی گھٹی گھٹی آواز سنائی دی۔'' جلدی دروازہ کھولو ورنہ غضب ہو جائے گا۔''

''اس سے تیرے اوپر کیا بپتا آن پڑی ہے......؟''

''بڑے پجاری کو سن گن مل گئی ہے، وہ کسی سمے میں ادھر آ سکتا ہے۔''

بڑے پجاری کا نام سن کر پرتاب کے کس بل بھی ڈھیلے پڑ گئے، سلونی گرتی پڑتی اوڑھنی سے باہر نکلی اور اپنا لباس سمیٹتی پلک جھپکتے میں باہر نکل گئی۔ نیا شکار ہاتھ سے پوری طرح ذبح ہونے سے پہلے ہی بچ کر نکل گیا تو پرتاب بھی بل کھانے لگا۔ وہ غصیلی نظروں سے مدھو کو گھور رہا تھا جو سلونی کے نکل جانے کے بعد اندر آ گئی تھی۔

''میرا کوئی دوش نہیں ہے مہاراج۔'' مدھو نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔''بڑے پجاری نے ایک دوسری پجارن کو سلونی کو بلانے بھیجا تھا، سلونی اپنی کٹیا میں نہیں ملی تو وہ اتفاق سے میرے پاس کھوج لگانے آ گئی۔ میں نے خطرہ محسوس کیا تو تمہیں ہوشیار کرنے چلی آئی۔''

پرتاب اب بھی اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا جب باہر سے ملے جلے قدموں کی آواز ابھری۔ مدھو نے لپک کر دروازہ بھیڑا پھر دوڑ کر پرتاب سے لپٹ گئی، دونوں ہی الجھ کر بستر پر گرے تھے جب جھونپڑی کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور مدھو بڑی خوبصورتی سے اپنا جسم چراتے ہوئے ایک طرف سمٹ گئی۔ پرتاب بھی ہڑبڑا کر رہ گیا۔

دروازے پر مندر کا بڑا پجاری کھڑا تھا۔

''تم......'' پرتاب نے کینچلی بدلنے میں دیر نہیں لگائی۔''تم کو اس طرح آدھی رات گئے کسی کی جھونپڑی میں بغیر آواز دیے اندر گھس آنا شوبھا نہیں دیتا۔ بڑے پجاری ہو تو اپنی بڑائی کا بھی دھیان رکھا کرو۔''

''وہ...... میں......تم نے دروازہ بھی نہیں بند کیا تھا۔'' بڑا پجاری مدھو کو پرتاب کے بستر پر دیکھ کر سٹپٹا گیا۔

''یہ دیوی کا مندر ہے مہاراج...... کیا یہاں بھی چوری چکاری کا کھٹکا رہتا ہے اور پھر...... تمہیں میری ہی کٹی کا دھیان کیسے آ گیا؟ کیا مدھو کی تلاش تھی......؟''

''نہیں...... میں کسی اور کو دیکھ رہا تھا۔''

''ایسی کیا انمول چیز گم ہو گئی، جس نے اس سمے تمہیں بھی ویاکل کر دیا ہے؟''

''میں شما چاہتا ہوں۔'' بڑا پجاری اپنا جملہ پورا کر کے تیزی سے الٹے پاؤں لوٹ گیا تو مدھو نے اوڑھنی سے باہر آتے ہوئے کہا۔

''میں نے تم سے جھوٹ نہیں کہا تھا مہاراج...... اگر میں نے ادھر آنے میں دیر کی ہوتی تو بھانڈا پھوٹ گیا ہوتا۔'' وہ لہنگا ٹھیک کرتے ہوئے اٹھنے لگی۔''میں اب چلتی ہوں، تم آرام کر لو......''

''بھوک بھڑکی ہو تو مردار جانور بھی پیٹ بھرنے کو بہت ہوتا ہے۔ تو تو ابھی جیوت ہے میری

بلبل۔" پرتاب نے مدھو کا ہاتھ تھام کر اسے بستر پر گرا دیا اور اس کے ساتھ آدھی رہ جانے والی بازی پوری کرنے لگا۔ اس نے دروازے پر بھی دھیان نہیں دیا جو آدھا کھلا ہوا تھا۔

مدھو ایک داسی کی حیثیت سے پرتاب کے بازوؤں میں مچلتی رہی۔ طوفان کا زور ٹوٹا تو اس نے سانس درست کرنے کے بعد کہا۔

"تمہاری دان کی ہوئی شکتی نے اب مدھو کو بھی اندھیرے میں دور تک دیکھنے کا گر سکھا دیا ہے۔"

"کیا دیکھ لیا تو نے؟"

"اسی وشٹ کو دیکھا ہے جو تمہارے چنگل سے بچ بچ کر نکل جاتا ہے۔"

"کس کی بات کر رہی ہے......؟" پرتاب نے چونک کر دمکتے لہجے میں سوال کیا۔

"اسی مسلے کی بات کر رہی ہوں مہاراج جو ڈر کر بھاگ گیا تھا لیکن اب اس کی موت اسے دوبارہ تمہارے قریب لے آئی ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہے؟"

"تم بھی اپنی آنکھیں بند کر کے کھوج لگا لو...... وہ اپنی دھرم پتنی کے ساتھ واپس آ گیا ہے۔"

پرتان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، ایک لمحے تک وہ مدھو کو گھورتا رہا پھر اس کی بات کی تصدیق کرنے کی خاطر وہ آسن جما کر بیٹھا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔

+++

ڈی آئی جی کی کانفرنس ختم ہونے کے بعد اورنگ زیب اور سراج ایک ہی گاڑی میں دفتر واپسی کے لیے روانہ ہوئے تھے، اورنگ زیب کسی سوچ میں غرق تھا، سراج نے کچھ انتظار کے بعد مہر سکوت توڑی۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟ شبنم کو ہماری تحویل سے نکال لے جانے والے کون لوگ ہوں گے؟"

"میرے آدمی کھوج لگا رہے ہیں، ایک دو ٹپس ملی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم جلد ہی اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔" اورنگ زیب نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ کانفرنس کے دوران بھی وہ خلاف توقع زیادہ تر خاموش ہی رہا تھا۔

"آج کی کانفرنس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ آکٹوپس نے ہمارے ڈی آئی جی کو اوپر سے پریشرائز کرایا ہوگا۔ ایسا نہ ہوتا تو اتنے سارے ذمے داروں کی بھیڑ بھی نہ ہوتی، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی فائدہ ہوگا۔ اس کے برعکس اس بات کے زیادہ امکان ہیں کہ شبنم کو اغوا کرنے والے اور زیادہ محتاط ہو جائیں۔"

"میں سمجھا نہیں......؟"

"حیرت ہے۔" اورنگ زیب نے کہا۔ "کیا تمہیں ہمارے محکمے میں کالی بھیڑوں کا اندازہ نہیں ہے؟"

سراج نے خاموشی اختیار کر لی پھر وہ کچھ اور کہنے کی خاطر کسمسایا تھا کہ اورنگ زیب کے

موبائل پر سگنل موصول ہوا۔

''ہیلو......'' اورنگ زیب نے موبائل آن کر کے صرف ہیلو کہنے پر اکتفا کیا۔

''کیا میں آپ سے اس وقت کچھ ضروری بات کر سکتا ہوں؟'' دوسری جانب سے آواز بنا کر کہا گیا۔کم ازکم سراج نے یہی اندازہ لگایا تھا۔

''کر سکتے ہو...... اس وقت میرے ساتھ سراج صاحب کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔'' اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

''آپ کا آکٹوپس جگا تک پہنچنے کی خاطر قربانی کے بکرے کو استعمال کر رہا ہے۔''

''جگا کیا انڈر گراؤنڈ نہیں ہے؟''

''جگا تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر امداد علی کی سیڑھی استعمال کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔''

''اطلاع کس نے دی ہے؟''

''اندر کے بھیدی نمبر دو نے...... وہ اپنے مقابلے میں قربانی کے بکرے کی کامیابی کسی طور پسند کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں بے نقاب کرنے کی خاطر ڈبل کراس کر رہا ہو؟''

''اس کی امید صرف بیس فیصد ہو سکتی ہے۔'' دوسری جانب سے بڑے اعتماد سے کہا گیا۔

''بہر حال آپ کو اطلاع دینی ضروری تھی۔''

''جگا سے تمہاری آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟''

''کل رات بھی وائرلیس پر رابطہ ہوا تھا۔''

''اسپاٹ نمبر کیا تھا......؟''

''زیرو سکس، لیکن استاد نے کہا تھا کہ وہ شفٹ کرنے والا ہے۔اس وقت کہاں ہوگا یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''تمہارا کیا خیال ہے...... کیا امداد علی زبان کھول دے گا......؟''

''یقین تو نہیں ہے لیکن موت کی اذیت ناک گھٹن کبھی کبھی اعتماد کو ٹھیس بھی پہنچا سکتی ہے۔''

''اندر کے بھیدی اور قربانی کے بکرے...... دونوں پر نظر رکھو۔'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے ہدایت کی۔''دو گھنٹے بعد دوبارہ کال کرنا...... دو گھنٹے کے بعد بھی اگر میں کال ریسیو نہ کروں تو انتظار بھی نہ کرنا...... میں خود تم سے رابطہ قائم کر لوں گا۔''

''ایک اطلاع اور بھی ہے...... آئٹم نمبر دو کا ٹھکانا بھی کل رات تبدیل کر دیا گیا ہے۔میرے مخبر کی اطلاع کے مطابق......''

''دو گھنٹے بعد کال کرنا...... اوور اینڈ آل۔'' اورنگ زیب نے دوسری جانب سے بولنے والے کی پوری بات سنے بغیر سلسلہ ختم کر دیا۔

''کس کی کال تھی......؟'' سراج نے تجسس سے دریافت کیا۔
''جگا کا خاص آدمی ہے۔ میں نے اسے آکٹوپس کے دباؤ ڈالنے کے بعد ڈی آئی جی کی درخواست پر ان لوگوں کے ساتھ رہا کر دیا تھا جو آکٹوپس کے آدمی تھے۔''
''میں آپ سے یہ دریافت نہیں کروں گا کہ قربانی کا بکرا یا آئٹم نمبر دو کے کوڈ کس کیلئے استعمال کیے گئے تھے لیکن یہ ضرور پوچھوں گا کہ آپ نے موجودہ اطلاع کے بعد جگا کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''
''تم میری جگہ ہوتے تو کیا فیصلہ کرتے......؟'' اورنگ زیب نے مسکرا کر سوال کیا۔
''اس وقت ہماری بساط پر جگا سب سے اہم مہرہ ہے۔ میں اسے ہر قیمت پر تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کرتا۔''
''میں بھی ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کروں گا۔''
''میں سمجھا نہیں......! آپ نے کیا پلان بنایا ہے؟''
''اس کا فیصلہ میں دو گھنٹے بعد ہی کر سکوں گا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر کسی خیال کے تحت اس نے سراج کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''ایک بات کا یقین کر لو سراج......آکٹوپس کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے میں تم میرے شانہ بشانہ رہو گے۔ میری وقتی خاموشی کو کوئی اور رنگ نہ دینا...... ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لو......تم اور الماس مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو۔ اگر کبھی موت کے کنویں میں آنکھ بند کر کے چھلانگ لگاتے وقت میں تم کو نظر انداز کر دوں تو اس کا برا بھی نہ منانا۔''
''ایک فیصلہ میرا بھی سن لیجئے۔'' سراج نے پورے وثوق سے کہا۔ ''میری زندگی میں آپ کسی بھی موقعے پر خود کو تنہا نہیں پائیں گے۔''
اورنگ زیب نے سراج کے جملے کو خاموشی سے سنا۔ اس کی طرف بہت غور سے دیکھا پھر کسی سوچ میں غرق ہو گیا۔ دفتر واپس ہونے تک دونوں ہی اپنے اپنے خیالوں میں گم رہے۔

+++

رات کے اس پچھلے پہر میں بھی میڈم روبی نہ صرف پوری طرح بیدار تھی بلکہ ڈریسنگ گاؤن پہنے اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہی تھی، اس کے چہرے پر اس وقت تفکرات کے گہرے تاثرات مسلط تھے۔ بیڈ روم میں وہ تنہا نہیں تھی، تھریسا بھی ڈریسنگ ٹیبل کے قریب ایک کرسی پر بیٹھی میڈم کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ گزشتہ چالیس منٹ سے ان کے درمیان کسی جملے یا مکالموں کا تبادلہ نہیں ہوا تھا، میڈم کے مقابلے میں تھریسا زیادہ مطمئن نظر آ رہی تھی پھر گفتگو کی ابتدا بھی اسی نے کی۔
''میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ آپ کی بے چینی کا اصل سبب کیا ہے...... کیا دوسری پارٹی نے جو پروگرام بنایا ہے، آپ کو اس پر اطمینان نہیں ہے؟''

میڈم نے کسی خیال سے چونک کر تھریسا کو بہ غور دیکھا، اس کے جملے پر ایک لمحے غور کیا پھر نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ ''اطمینان نہ ہوتا تو میں اپنے کسی آدمی کو استعمال کرنے کی اجازت بھی کبھی نہ دیتی۔''

''پھر...... کس بات کی فکر آپ کو الجھا رہی ہے......؟''

''آم کی تمام قسمیں بازار میں کھلے عام ملتی ہیں لیکن کسی بات سے ایک کچی کیری چرا کر کھانے کا جو لطف ہے وہ سب سے الگ ہوتا ہے۔

''مطلب......؟'' تھریسا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں تم کو بے حد عزیز رکھتی ہوں تھریسا لیکن افسوس ہے کہ تم ایک عورت ہو کر بھی میرے درد کو نہیں سمجھ رہی ہو'' میڈم نے اس بار جذباتی انداز اختیار کیا۔ ''میں نے تم سے بار بار کہا ہے کہ وہ دونوں میرے اعتماد کے لوگ ہیں، ان کی دوستی میں کھوٹ ہوتا تو آج میں اپنے دشمنوں سے نظریں ملا کر دبنگ آواز میں گفتگو کرنے کے قابل بھی نہ ہوتی۔ پہلے شخص نے میرے ساتھ جو نیکی کی اس میں اس کا جو خلوص شامل تھا، اس کا اندازہ نہیں بھی ہوگا۔ میری ہی خاطر میرے دشمن کی نفرتیں بھی اس سے زیادہ ہو گئیں۔'' میڈم نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ ''اعتماد نہ ہوتا تو میں اب تک ان سے کنارہ کش ہو چکی ہوتی۔''

''پھر آپ اس وقت اس قدر......''

''سمجھنے کی کوشش کرو تھریسا۔'' میڈم نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ ''ایک شکار پارٹی میں چار شکاری شامل ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد محض شکار سے ہوتا ہے لیکن جو خود شکار کرتا ہے اسے زیادہ مزہ آتا ہے، دوسرے کی کامیابی اس کی خوشی نہیں ہوتی۔ خود اس کی چلائی ہوئی گولی سے شکار زخمی ہو کر موت اور زندگی کے درمیان تڑپے تو اس کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔''

''اوہ......'' تھریسا نے بات سمجھتے ہوئے پہلو بدل کر کہا۔ ''میں آپ کے خیال سے متفق ہوں لیکن ایک تنہا عورت پچیس پچاس مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

''لیکن کوشش......''

''کوشش آپ کر چکی ہیں لیکن اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوا۔'' تھریسا نے بھی میڈم کی بات کاٹ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہ اتفاق ہی تھا کہ ہر موقع پر قدرت نے آپ کی کسی نہ کسی طور مدد کی، جس کا اعتراف ابھی آپ بھی کر چکی ہیں۔''

''تم......'' میڈم ایک لمحے کو تلملا کر رہ گئی پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو مگر تم نے ان زخموں کو نہیں دیکھا جو میرے مظلوم شوہر کے جسم پر موجود تھے۔ وہ زخم مجھے پکار پکار کر صرف ایک ہی مطالبہ کر رہے تھے...... روبی، مجھ سے وعدہ کرو...... تم...... تم ان زخموں کا گن گن کر حساب چکتا کرو گی...... مجھے دفن کرنے کے بعد فراموش نہ کرنا اور...... اور میں نے اسی خاموش خواہش کے احترام میں پوسٹ مارٹم کرائے بغیر خالد ریاض کے جسم کو سپرد خاک کر دیا تھا لیکن

ان زخموں کی چیخ، ان کے آخری مطالبے کی آواز آج بھی میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی ہے، میں انہیں آسانی سے کیسے فراموش کر دوں؟ اور تنہا عورت کو تو اپنی بے بسی کا احساس بھی دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ تم...... اگر میری جگہ تم ہوتیں تو تم کیا کرتیں؟''

''اس شخص کے مرنے کے بعد اس کی موت کی خوشی میں جشن مناتی...... قہقہے بکھیرتی...... خود کو تسلی دینے کا ایک انداز یہ بھی ہوتا ہے۔''

میڈم نے تھریسا کو غور سے دیکھا۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ موبائل کی سرخ بتی جلنے بجھنے لگی، میڈم نے اسے گول میز سے اٹھا کر آن کرنے میں دیر نہیں لگائی، روشن اسکرین پر نظر آنے والے نمبروں کو دیکھ کر اس نے تیزی سے سوال کیا۔

''کوئی خاص خبر......؟''

''میں بھی دیکھنا چاہ رہا تھا کہ آپ اس وقت سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں۔'' سنجیدگی سے دریافت کیا گیا۔

''جن کی روح زخمی ہو وہ منزل قریب دیکھ کر سوتے نہیں، بے چینی سے جاگتے رہتے ہیں...... آپ بتائیے کیا رہا؟''

''ہر کام انتہائی تسلی بخش انداز میں طے پا گیا۔'' اطمینان سے جواب ملا۔ ''آپ کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ اسے حالات کی کوئی بھنک نہیں ملی ہو گی؟''

''کسی امکانی پہلو کو نظر انداز کر دینا بھی ہمارے اصول کے خلاف ہے لیکن میرا خیال ہے کہ جس انداز میں ساری پلاننگ کی گئی تھی اسے فول پروف ہی کہا جا سکتا ہے۔ جس شخصیت نے بیانات قلمبند کیے ہیں اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنی رات گئے اسے کس مقصد سے طلب کیا گیا تھا۔''

''ان میں سے کوئی مخبری کر کے کالی بھیڑ ہونے کا کردار بھی ادا کر سکتا ہے۔'' میڈم نے پھر اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''عین ممکن ہے کہ آپ کا شبہ درست ہو لیکن میں نے تمام امکانات کے متبادل راستوں پر بھی قبل از وقت غور کر لیا تھا۔ جس طرح پلاننگ کی گئی ہے وہ نوے فیصد ہماری کامیابی ہی ثابت ہو گی۔''

''ایک بات اور بھی ممکن ہے......'' میڈم نے بے چینی سے الٹے ہاتھ کی انگلیاں مسلتے ہوئے کہا۔ ''کچھ مجرم ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ سے بچنے کی خاطر بھی حلفیہ بیان دے دیتے ہیں لیکن...... عدالت کے روبرو ان کے منحرف ہو جانے کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''کل تک اور انتظار کر لیں، ہو سکتا ہے کہ کچھ نئے واقعات ایسے رونما ہوں جن کے بعد آپ کو اس بات کی تسلی ہو جائے کہ ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔''

''مجھے آپ دونوں کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد ہے، نہ ہوتا تو دوستی کا ہاتھ بھی دراز نہ کرتی۔''

''اگر اجازت ہو تو ایک بات کی مبارکباد قبل از وقت دے دوں؟''

''کس طرف اشارہ ہے؟''

''میرا...... اشارہ اس تیسری شخصیت کی طرف ہے جس کا ہاتھ آپ نے مستقل تھامنے کا ارادہ کرلیا ہے۔''

''شکریہ......'' میڈم نے دبی زبان میں جواب دیا۔''اسے میری مجبوری اور وقت کی ضرورت بھی سمجھ لیں۔''

''بہر حال......آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ہر اعتبار سے درست ہے۔''

میڈم نے فوری طور پر موضوع بدل کر پوچھا۔''آپ نے کل تک انتظار والی بات کہہ کر ایک تجسس پیدا کر دیا ہے۔کیا آپ قبل از وقت......''

''آئی ایم سوری......'' دوسری جانب سے سنجیدگی سے جواب ملا۔''کامیابی سے قبل بلند بانگ دعوے کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا، میڈم نے موبائل اصول کے خلاف ہے۔'' دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہوگیا،میڈم نے موبائل بستر پر اچھال دیا تو تھریسا نے پوچھا۔

''کوئی نئی اطلاع......؟''

''ہاں...... چوہے دان پوری طرح تیار کرلیا گیا ہے۔''

''اب تو آپ کو اطمینان ہو جانا چاہئے۔''

''کسی حد تک...... ویسے یہ افسوس پھر بھی رہے گا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے مرحوم کی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا۔''

''لیکن حالات اب آپ کے حق میں سازگار ہیں۔'' تھریسا نے میڈم کے قریب آکر دلجوئی کرنے کے انداز میں کہا۔''کل کسی نے آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا تھا۔اب آپ اس کے بے دست و پا ہونے کے بعد اپنے دل کا غبار بہر حال نکال سکتی ہیں۔''

میڈم نے چونک کر تھریسا کی سمت دیکھا پھر کچھ سونے کے بعد اس نے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔''تمہارا یہ مشورہ مجھے پسند آیا، امید کی ایک کرن نظر آجائے تو انسان کو بہت سارے فیصلے کا اختیار بھی حاصل ہو جاتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے...... جو کچھ ہوگا، وہ بہتر ہی ہوگا۔''

میڈم نے اثبات میں سر کو جنبش دی تو تھریسا کچھ دیر بعد خواب گاہ سے باہر چلی گئی، میڈم نے کمرا اندر سے بند کر کے خود کو بستر پر تھکے تھکے انداز میں گرا دیا لیکن اس کی آنکھیں پوری طرح بیدار تھیں، ان آنکھوں میں بے شمار خواب آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ٹھیک اسی وقت تھریسا بھی اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔میڈم نے اس کے آخری مشورے پر جو جواب دیا تھا وہ اس کے مختلف پہلوؤں پر بڑی سنجیدگی اور تشویش سے غور کر رہی تھی۔

+++

ایس پی اورنگ زیب خلاف توقع بہت اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔
شام کی چائے اس نے سراج اور الماس کے ساتھ ہی پی تھی پھر وہ سب ڈرائنگ روم میں آ گئے جہاں گپ شپ جاری رہی۔ گفتگو کے دوران مختلف ٹیلی فون بھی آتے رہے، باتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا، ساڑھے آٹھ بجے اورنگ زیب نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو الماس نے کہا۔
''اب کھانے کا وقت ہو گیا تو ہمارے ساتھ ہی دال روٹی کھا لیں۔''
''میں بھی یہی سوچ رہا تھا لیکن جب سراج نے تکلفاً بھی اظہار نہیں کیا تو میں نے سوچا کہ کسی ہوٹل میں جا کر کھا لوں۔''
''میں آپ کی اس شکایت کا برا نہیں مانوں گا اس لیے کہ یہ شعبہ الماس کا ہے۔'' سراج نے مسکرا کر کہا۔ ''میں روک لیتا اور آپ کے جانے کے بعد الماس برا مناتیں تو اپنا گزارا بھی......''
''پلیز سراج۔'' الماس نے شوہر کو تیز نظروں سے گھورا۔ ''بھائی اورنگ زیب کیلئے اس قسم کی کوئی بات کبھی مذاق میں بھی نہ کہیے گا۔''
''یہ مذاق میں نہیں سنجیدگی سے مجھے ٹالنا چاہتا تھا۔'' اورنگ زیب نے الماس کو اکسانے کی کوشش کی تو سراج نے الماس کو گھور کر اٹھتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے...... پھر، آپ دونوں گھر میں ڈنر سے شوق فرمائیں۔ میں کسی بھٹیار خانے سے پیٹ بھر کر آ جاتا ہوں۔''
اورنگ زیب نے سراج کا ہاتھ تھام کر دوبارہ اپنے قریب بٹھا لیا۔ رات کا کھانا بھی سب نے ایک ساتھ کھایا پھر اورنگ زیب نے الماس سے فرمائش کی۔ ''آپ اگر میرے لیے بلیک کافی بنا دیں تو مہربانی ہو گی۔''
''کیا رات بھی یہیں گزارنے کا ارادہ ہے؟'' اس بار سراج نے اورنگ زیب کو ہاتھ سے اشارہ کر کے الماس کو چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر کافی بنانے چلی گئی تو سراج نے سنجیدگی سے اورنگ زیب سے کہا۔ ''اگر میرا خیال غلط نہیں ہے تو آج آپ نے کسی خاص مشن کی تیاری پہلے سے طے کر رکھی ہے؟''
''میں تمہاری ذہانت کی تعریف پہلے بھی کر چکا ہوں۔'' اورنگ زیب نے دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''ساڑھے دس بجے ایک ضروری کال آنے کے بعد تم بھی اس مشن میں

میرے ساتھ شریک ہو گے اور پھر...... ہوسکتا ہے کہ آج کی رات ہمیں ایک منٹ کیلئے بھی آرام کا موقع نہ ملے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ کافی پینے کے بعد میں بھی کیل کانٹے سے لیس ہو جاؤں۔'

اورنگ زیب نے اثبات میں گردن کو جنبش دی، الماس کافی لے آئی تو پھر ان کے درمیان ادھر ادھر کی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، الماس اور اورنگ زیب ایک ہی صوفے پر بیٹھے تھے۔ سراج دوسرے پر تھا۔ گفتگو کے دوران بھی وہ اورنگ زیب کی مشن والی بات کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا جب اورنگ زیب نے پہلی بار سنجیدگی سے الماس سے کہا تھا۔

''الماس...... کیا میں امید رکھوں کہ تم میرے لیے ہمیشہ کامیابی کی دعائیں کرتی رہو گی......؟''

''اس وقت آپ کو اچانک اس حوالے کی ضرورت کیسے پیش آ گئی؟''

''ہوسکتا ہے آج کی رات میرے اور سراج دونوں کیلئے زندگی کا ایک موڑ ثابت ہو۔ میں اور سراج ساڑھے دس بجے کے بعد ایک بہت ہی خاص اور اہم مشن پر روانہ ہوں گے۔ نہیں، تم سراج کو مشکوک نظروں سے نہ دیکھو، ابھی تک سراج کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں نے شام سے تمہارے گھر کیوں ڈیرا جما رکھا ہے۔''

''کیا آکٹوپس کے سلسلے میں کوئی مہم درپیش ہے......؟'' الماس نے سنبھل کر پوچھا۔

''ہاں...... لیکن آج کی رات ہمارے لیے پہلی سیڑھی ہو گی۔ کامیابی کی صورت میں ہمارا جال آکٹوپس کے گرد اور مضبوط ہو جائے گا۔''

''خدا آپ دونوں کو اس خون آشام درندے کے خلاف کامیابی نصیب کرے جس نے نہ جانے کتنے شریف لوگوں کی زندگی کا سکون غارت کر رکھا ہے۔''

''پروگرام کیا ہے......؟'' سراج نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

''تم تیاری کر کے آ جاؤ۔ قبل از وقت کچھ کہنا مناسب نہیں ہو گا۔''

سراج تیزی سے اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں چلا گیا، اس کی واپسی میں بہ مشکل پندرہ منٹ لگے تھے، اورنگ زیب اور الماس باتوں میں مصروف تھے جب ساڑھے دس بجے اورنگ زیب کے مخصوص موبائل پر سگنل موصول ہوا۔ اس نے نمبر دیکھتے ہوئے موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا اطلاع ہے......؟''

''میں نے جگا کو پورے پروگرام سے مطلع کر دیا ہے، وہ آپ کے حکم پر جان بھی دینے کو آمادہ ہے۔''

''دوسرے فریق کو بھی صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے یا نہیں؟'' اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''مزاحمت ضرور کی جائے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ کچھ زندگیاں بلاوجہ کام آ جائیں۔''

"بات اس کی سمجھ میں مشکل سے آئی ہے لیکن اس نے بھی آمادگی ظاہر کر دی ہے......! قربانی کے بکرے کے بارے میں گھر کے بھیدی کو وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے ویسے امکانات یہی ہیں کہ وہ آج ہی سرخرو ہونے کی کوشش کرے گا۔"

"اوکے! میں تم سے دوبارہ خود رابطہ کروں گا لیکن ون منٹ...... ایمرجنسی کی صورت میں تم بھی مجھے کال کر سکتے ہو...... ٹھیک ہے، وش یو گڈ لک......"

اورنگ زیب نے موبائل آف کر کے سراج کو اٹھنے کا اشارہ کیا پھر الماس سے بڑی اپنائیت سے بولا۔

آج کی مہم میں قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن تم سراج کی طرف سے پریشان نہ ہونا...... سراج کی زندگی مجھے اپنے سے زیادہ عزیز ہے اور...... ہمیشہ رہے گی۔"

"میں آپ دونوں کے حق میں کامیابی کی دعا کروں گی۔" الماس نے سراج کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا آپ دونوں کو اس موذی کے خلاف کامیابیاں نصیب کرے۔"

اورنگ زیب اور سراج باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے، الماس ان کو رخصت کرنے باہر تک آئی تھی۔ گاڑی رہائش گاہ کے احاطے سے باہر نکل کر کھلی سڑک پر آئی تو سراج نے پوچھا۔

"کیا اس اہم مہم میں ہمارے علاوہ ہمارے محکمے کے اور بھی لوگ شامل ہوں گے؟"

"نہیں...... مگر میری درخواست پر کچھ محکموں کے اعلیٰ افسروں کی طرف سے مخصوص ہدایت مل چکی ہے۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے جو پروگرام مرتب کیا ہے اس میں پولیس محکمے کا ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور فرد شریک نہیں ہوگا۔"

"لیکن بعد میں تو......"

"اس کی فکر مت کرو...... میں نے موجودہ معاملات میں اپنے مخصوص ذرائع سے وزیراعظم تک کو بریفنگ کرا دی ہے۔"

"آئی۔سی۔" سراج نے کسمسا کر کہا پھر دبی زبان میں پوچھا۔ "اس وقت ہم کہاں چل رہے ہیں؟"

"تم نے امداد علی کے بارے میں ضرور سن رکھا ہوگا۔" اورنگ زیب نے عقبی آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "کچھ لوگ اسے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو پھر آج وہ امداد علی کے ذریعے جگا کے ٹھکانے پر حملہ کر کے اسے بھی یرغمال بنانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ امداد علی کے انکار کی صورت میں اسے زندگی سے بھی محروم کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ سب شیخ حامد کے اشارے پر ہوگا؟" سراج نے چونک کر سوال کیا۔

"یو آر رائٹ لیکن فکر مت کرو......" اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے جو جال بنا ہے وہ آکٹوپس کی توقع کے خلاف ہی ثابت ہوگا۔ کامیابی کی صورت میں تمہیں

تمہارے بہت سارے سوالات کا جواب بھی مل جائے گا۔ خاص طور پر ان باتوں کا جو میرے علم میں تھیں لیکن میں نے مصلحتاً تمہیں بھی قبل از وقت نہیں بتائیں۔''

سراج نے کوئی شکوہ نہیں کیا لیکن ابھی تک یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی تھی کہ وہ کس مہم پر جا رہے ہیں۔ فوری طور پر اس نے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا اور ذاتی طور پر ذہنی جمناسٹک کرنے میں مصروف رہا...... وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا، اورنگ زیب کسی تعاقب کا بہ غور جائزہ لیتا ہوا شہر کے مختلف راستوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا جب گیارہ بج کر پینتالیس منٹ پر اس کو دوسری کال موصول ہوئی، اس بار اس نے موبائل آن کرنے کے بعد ہی اس کا اسپیکر بھی آن کر دیا تھا۔ سراج پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

''کیا خبر ہے......؟''

''امداد علی نے تھوڑی سی مزاحمت کے بعد قربانی بکرے کی برتری تسلیم کر لی ہے۔ دو افراد معمولی زخمی ہوئے ہیں۔'' دوسری جانب سے ایک مانوس آواز ابھری جسے سراج پہلے بھی ایک دو موقعوں پر سن چکا تھا۔

''اب ان کا رخ کدھر ہے......؟'' اورنگ زیب نے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ اب امداد علی کے ذریعے جگا کو باہر آ کر ملاقات کرنے پر رضا مند کیا جائے گا۔''

''کیا جگا آسانی سے امداد کی بات مان لے گا......؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... ہوسکتا ہے کہ امداد علی نے پہلے سے جگا کو بھی چوکنا کر دیا ہو...... ایسی صورت میں وہ اپنی کچھار سے تنہا باہر نکلنے کی غلطی بھی نہیں کرے گا۔ اس کے کچھ جانباز دور رہ کر کسی صورتحال سے نمٹنے کیلئے بھی تیار ہوں گے۔''

''ون منٹ...... کیا قربانی کا بکرا تنہا اس مہم کو سر کر رہا ہے......؟'' اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

''بظاہر ایسا ہی لگتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس کی لاعلمی میں اس کا تعاقب بھی کر رہے ہوں۔ ہمارے دشمن نے کئی محاذ خفیہ طور پر بنا رکھے ہوں گے۔ قربانی کا بکرا ناکامی کی صورت میں جہنم رسید بھی کیا جاسکتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں...... تم ان کی صحیح لوکیشن بتاؤ......''

جواب میں دوسری جانب سے لائن منقطع کر دی گئی۔ اورنگ زیب اور سراج دونوں ہی چونکے تھے لیکن انہیں زیادہ دیر پریشان نہیں ہونا پڑا۔ پانچ منٹ بعد موبائل پر دوبارہ سگنل ملا تو اورنگ زیب نے محتاط لہجے میں سوال کیا۔ ''تم نے لائن کیوں کاٹ دی تھی؟''

''درست صورت حال معلوم کرنے کی خاطر میں نے استاد سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ کی خاطر وہ جان کی بازی لگانے پر بھی آمادہ ہے۔ وہ دس

منٹ بعد تنہا ایک خیراتی ادارے کی ایمبولینس میں نکل کر ساحلی علاقے کی طرف جائے گا۔ امداد علی سے اس نے سپاٹ نمبر فائیو پر ملنے کو کہا ہے۔''

''اسپاٹ کی وضاحت کرو۔''

''بلیک سی اسنیک بار......''

''فائن......'' اورنگ زیب نے موبائل آن کر کے گاڑی کا رخ تبدیل کیا پھر ایک منٹ بعد ہی وہ مخبر کی اطلاع کو اپنے مخصوص لوگوں......کو منتقل کرتے ہوئے ضروری ہدایت دے رہا تھا۔'' جب تک میری جانب سے کوئی خاص سگنل نہ ملے کسی ایکشن کی غلطی نہ کی جائے۔ ایمرجنسی کی صورت میں کوئی بھی قدم اٹھایا جائے لیکن اس بات کا خیال رہے کہ ان تینوں میں سے کوئی مرنے نہ پائے۔''

کال ختم ہوئی تو سراج نے دبی زبان میں کہا۔''امداد علی اور جگا کا علم مجھے ہو چکا ہے۔ کیا آپ قربانی کے بکرے کو بھی ڈی کوڈ کرنا مناسب سمجھیں گے؟''

''افضل خاں......''

''نہیں......'' سراج نے حیرت سے پوچھا۔''آپ اس قدر یقین سے کس طرح کہہ رہے ہیں؟''

''اس لیے کہ وہ ہوٹل سے مقابلے کے بعد فرار ہو کر یا اغوا کر کے جہاں بھی گیا یا لے جایا گیا میری نظروں سے زیادہ دور نہیں تھا۔''

''اوہ......اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ پھر......''

سراج کا جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ اورنگ زیب کی گاڑی جو اس وقت ساحلی علاقے پر واقع بلیک سی اسنیک بار سے بہ مشکل دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی اچانک سڑک پر نشے میں دھت کسی شرابی کی طرح توازن کھو کر لہرانے لگی، اس کا سبب وہ دھماکہ تھا جو پچھلا ایک ٹائر برسٹ ہونے کے بعد ہوا تھا، اورنگ زیب نے اسٹیئرنگ کنٹرول کرتے ہوئے بریک پر دباؤ ڈال کر سراج کو چھلانگ لگانے کی ہدایت کی پھر وہ بھی دروازہ کھول کر دوسری طرف قلابازی کھاتا ہوا سنبھل گیا، دونوں نے اپنے اپنے سرکاری پستول نکال لیے لیکن فائرنگ کرنے والے اپنا کام کر کے نکل چکے تھے۔ دور دور تک پچھلے راستے پر کوئی گاڑی یا مشتبہ افراد نظر نہیں آئے۔ البتہ سراج بڑی برق رفتاری سے کرولنگ کرتا ہوا، اس کے قریب آچکا تھا۔

''آپ خیریت سے تو ہیں؟''

''ہاں لیکن وہ باسٹرڈ اپنا کام کر کے نکل گئے جنہوں نے بڑی مہارت سے کسی خاموش رائفل سے میری گاڑی کے ایک نئے ٹائر کا ستیاناس کر دیا۔'' اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے اس نے تیزی سے موبائل پر کسی کے نمبر پنچ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے پیشتر ہی ایک سگنل ملا تو اس نے نمبر دیکھ کر کال ریسیو کر لی۔

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''اپنے قریب ہی سمجھیں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم نے آپ کی گاڑی پر حملہ کرنے والوں کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے اندھا دھند فائر کھول دیا۔ جواب فوری دیا گیا تو وہ جو تعداد میں دو تھے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئے، میں نے ان کی لاش روانہ کر دی ہے لیکن حادثے کی اطلاع کسی کو نہیں دی۔''

''اچھا کیا......'' اورنگ زیب نے کہا۔ ''آپ کیا میرے لیے کسی......''

''ایک منٹ انتظار کریں...... ہماری ایک بلیک وین آپ تک پہنچ جائے گی۔'' دوسری سمت سے لائن منقطع کر دی گئی۔ ایک منٹ بعد بلیک وین بھی نظر آ گئی۔ اورنگ زیب نے وین ڈرائیو کرنے والے کو پچھلی نشست پر بھیج کر بڑی سرعت سے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی، سراج نے بھی دوسری جانب سے بیٹھنے میں پھرتی کا مظاہرہ کیا۔

اس وقت ساحلی علاقہ تقریباً سنسان ہی تھا، دس بجے کے بعد چونکہ تمام کاروبار بند کر دینے کا حکم نافذ تھا اس لیے خاصے فاصلوں پر ایک دو گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ مطلوبہ اسنیک بار کے باہر بھی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی، اورنگ زیب نے وین تقریباً چالیس فٹ دور لے جا کر روکی پھر سراج کے ساتھ نیچے اتر آیا، ان کی نظریں اس وقت مطلوبہ اسنیک بار پر مرکوز تھیں۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ جن لوگوں نے ہمارا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے دوسرے ساتھیوں نے افضل خان اور ہمارے دوسرے مطلوبہ آدمی کو بھی درمیان ہی سے اٹھا لیا ہو......؟''

''نہیں...... ایسا ہوتا تو کمانڈوز اب تک مجھے اطلاع کر چکے ہوتے۔'' اورنگ زیب نے بڑے یقین سے کہا اور اس کا ثبوت بھی اس وقت دور سے آنے والی کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے مل گیا جو مطلوبہ اسنیک بار ہی کی طرف آ رہی تھی۔ اورنگ زیب اور سراج نے وین کی آڑ لے کر ایسی پوزیشن سنبھال لی جہاں سے وہ آنے والی گاڑی پر نظر رکھ سکتے تھے۔ ان کی توقع کے عین مطابق وہ گاڑی جو گرے کلر کی ایک ہائی روف تھی، اسنیک بار کے قریب آ کر رک گئی۔ ہیڈ لائٹس بھی بجھا دی گئیں لیکن باہر کوئی نہیں نکلا۔

''جلد بازی میں کوئی قدم مت اٹھانا۔'' اورنگ زیب نے پستول کے دستے پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ ''خیراتی ادارے کی ایمبولینس آنے کے بعد ہی اصل صورت حال واضح ہوگی۔''

''آپ کے ملٹری کمانڈوز اس وقت کہاں ہوں گے؟''

''زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دو نے پہلے ہی سے کہیں پوزیشن بھی سنبھال رکھی ہو۔''

تین چار منٹ اور گزر گئے۔ گرے کلر کی ہائی روف سے کوئی باہر نہیں نکلا پھر سراج اور اورنگ زیب کو وہ خیراتی ادارے کی ایمبولینس بھی نظر آ گئی جو تیزی سے فاصلہ طے کرتی ہوئی ہائی روف کے قریب آ کر رکی تھی، اس کے رکتے ہی ڈرائیو کرنے والا نکل کر باہر آ گیا، دوسرے ہی پل ہائی روف سے بھی ایک شخص نیچے اترا۔ دونوں آپس میں بغل گیر ہوئے، ان کی گرم جوشی کا اظہار ابھی جاری تھا

کہ ہائی روف سے ایک تیسرا شخص اترا جس نے ہاتھ میں کوئی آتشیں اسلحہ پکڑ رکھا تھا۔ اس نے دونوں بغل گیر دوستوں کو مخاطب کر کے سرسراتے لہجے میں ایک کو للکارتے ہوئے بڑے فاتحانہ انداز میں کہا تھا۔

''جگا...... تم جتنی آسانی سے اپنے بل سے نکل کر باہر آ گئے ہو، اب اتنی آسانی سے واپس نہیں جا سکو گے۔''

بغل گیر ہونے والے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے پھر جگا نے حیرت سے اپنے پاس کھڑے ہوئے ساتھی سے کہا۔ ''امداد علی...... تم میرے لیے کبھی آستین کے سانپ سے زیادہ خطرناک ثابت ہو گے؟ یہ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔''

''اطمینان سے سوچ لینا جگا، فی الحال اگر زندگی عزیز ہے تو خاموشی سے جیب سے اپنا اسلحہ نکال کر یہیں پھینک دو۔ اس کے بعد تمہاری آستین کا سانپ جس کا زہر میں پہلے ہی نکال چکا ہوں تمہارے ہاتھ پشت پر باندھنے میں کوئی تکلف نہ کرے گا۔ پھر تم دونوں گاڑی کی پشت پر بیٹھ کر آرام سے شکوے شکایت کرتے رہنا...... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''اور اگر جگا تمہاری بات ماننے سے انکار کر دے تو......؟'' جگا نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

''فی الحال اس پوزیشن میں نہیں ہیں میرے یار۔'' امداد علی نے شکستہ خوردہ لہجے میں جگا کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ''افضل خان اگر تنہا ہوتا تو میں بھی دو دو ہاتھ کر کے بازی پلٹ سکتا تھا لیکن جس نے اس کی پچھاڑی پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اس کے دوسرے شکاری کتے بھی کہیں آس پاس موجود ہوں گے...... میں نے ایویں ہی ہتھیار نہیں ڈال دیئے تھے۔''

''وہ تمہاری مرضی تھی......'' جگا کے لہجے میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔ ''میں مر جاؤں گا لیکن کسی ولد الحرام کے سامنے قیدی بن کر نہیں پیش ہوں گا۔''

''تمہاری مرضی......'' افضل خان نے جو اس وقت میک اپ میں تھا سرد اور سفاک لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہاری اکڑی ہوئی لاش بھی میرے لیے بہت کافی ہو گی، بگ باس نے صرف جگا کو ساتھ لانے کا حکم دیا تھا...... زندہ یا مردہ کی بات طے نہیں کی تھی......''

''اس خواب کی تعبیر تمہیں بہت مہنگی پڑے گی افضل خان۔'' جگا نے چہک کر کہا۔ ''میں یہاں تنہا نہیں آیا تھا، میرے ساتھ......''

اسی لمحے کچھ دور سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز ابھری، اورنگ زیب نے کسی فوری فیصلے کے تحت افضل خان کے پاؤں کا نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ اس کا نشانہ خالی نہیں گیا۔ افضل خان کے ہاتھ میں جو آتشیں اسلحہ تھا وہ نکل گیا اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی لڑکھڑاتا ہوا زمین بوس ہو گیا، جگا اور امداد علی بھی اس افتاد سے بوکھلا کر زمین پر لیٹ گئے۔ اورنگ زیب، سراج کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا تیزی سے دوڑ کر افضل خان کے سر پر پہنچ گیا جو غالباً بے ہوش ہو گیا تھا، اس کے داہنے گھٹنے سے

خون ابل رہا تھا۔

گولیوں کے تبادلے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ قریب ہی کہیں دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں، اورنگ زیب کے اشارے پر امداد علی اور جگا، افضل خان کو اٹھا کر بلیک وین میں لے آئے، وین کا کمانڈو کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا۔ اس نے فون ختم کر کے اورنگ زیب سے کہا۔

''سر...... آپ وین لے کر دوسرے راستے سے نکل جائیں۔ اوپر سے یہی حکم ملا ہے۔''

''فائرنگ کس کے درمیان ہو رہی ہے......؟'' اورنگ زیب نے دریافت کیا۔

''ہمارے ساتھیوں نے دو مشکوک گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کیا تھا لیکن انہوں نے جواب میں فائر کھول دیئے۔ ہمارے ساتھی انہیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

جگا اور امداد علی نے افضل خان کو اٹھا کر پچھلی طرف ڈالا پھر خود بھی وین میں بیٹھ گئے تو اورنگ زیب نے جگا اور امداد علی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے وہ پورا بھی کیا جائے گا۔''

''ہم آپ کے خادم ہیں جناب۔'' جگا نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ''آپ کیلئے جان بھی حاضر ہے۔''

اورنگ زیب نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کی اور واپسی کیلئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ راستے میں اس نے اپنے ڈی آئی جی کے نمبر ملا کر مائیک آن کر دیا ساتھ ہی سراج کو اشارے سے خاموش رہنے کو کہا۔

''ہیلو...... ہیلو...... کم آن مسٹر اورنگ زیب۔ آئی ایم اٹینڈنگ یو...... ہیلو...... ہیلو......''

ایک لمحے بعد دوسری جانب سے آواز آنی بند ہو گئی تو سراج نے حیرت سے دریافت کیا۔

''اس کال کا کیا مطلب سمجھوں؟''

''میں رات تمہارے گھر پر تھا جب کسی نے ساحلی علاقے پر ہونے والی فائرنگ کی اطلاع دی، میں تمہارے ساتھ اپنی گاڑی پر آیا تو گھات لگائے کچھ دشمنوں نے ہمارے اوپر بھی فائرنگ کی...... ہم خدا کی مہربانی سے بچ گئے، محض ایک ٹائر کی قربانی دینی پڑی۔ اسی افراتفری میں، میں نے ڈی آئی جی صاحب کے نمبر ملائے تھے لیکن قریب کچھ آہٹیں سن کر گفتگو سے پرہیز ہی کیا تھا۔''

اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میری گاڑی کل صبح سے پہلے واپس نہیں آ سکے گی۔ ساحلی علاقے پر اپنی موجودگی کا کوئی جواز تو پیش کرنا ہوگا۔''

''اور جو تین مہمان ہمارے ساتھ ہیں ان کے بارے میں کیا کہانی بیان کرنی ہوگی؟'' سراج نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ ایک خاص وقت تک ملٹری انٹیلی جنس کی تحویل میں مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس لیے ان کے بارے میں بھول ہی جاؤ۔ اورنگ زیب نے بائیں آنکھ جھپک کر کہا تو سراج نے اسے اس انداز میں دیکھا جیسے وہ کسی پیچیدہ معمے کو حل کرنے کی کوشش میں الجھ گیا ہو۔

+++

شیخ حامد کی حالت اس وقت قابل دید ہی تھی جب اس نے صبح کے ناشتے کے بعد ٹی وی کھولا تھا۔خبروں میں اس ہنگامے کے بارے میں طویل کوریج دی گئی جو گزشتہ رات ساحلی علاقے پر پیش آیا تھا۔خبر پڑھنے والے کے استفسار پر اس کے نمائندے نے بتایا تھا کہ ''ساحلی علاقے کے علاوہ رہائشی علاقے کی ایک ذیلی سڑک پر سے بھی ایک لاش دریافت کی گئی ہے جس کے بارے میں یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ فرار ہوتے وقت وہ یا تو خود گاڑی سے گرا ہو گا یا پھر اس کے ساتھیوں نے اس کے مرنے کا یقین ہو جانے کے بعد کفن دفن کی علت سے بچنے کی خاطر اسے ازخود لاوارث چھوڑ دیا۔'' مزید وضاحت پر اس نے کہا تھا کہ ''مقامی تھانے کے افسران اس حادثے کے بارے میں کوئی بیان دینے سے گریز کر رہے ہیں دوسری ایجنسیاں بھی اس حقیقت سے لاعلمی کا اظہار کر رہی ہیں جبکہ ایک اندازے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو پارٹیوں کے درمیان کھل کر فائرنگ کا تبادلہ کیا گیا پھر وہ دونوں ہی جائے وقوعہ سے اس طرح چھو منتر ہو گئیں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔'' نمائندے نے ایک اور سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ ''ساحل پر واقع ایک اسنیک بار سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر سینئر ایس پی اورنگ زیب کی ذاتی استعمال کی گاڑی بھی ملی تھی جس کا ایک ٹائر پھٹ گیا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں مطلوبہ ایس پی سے بھی رابطہ قائم کرنے کی متعدد کوشش کی لیکن سینئر ایس پی نے بھی کوئی تفصیل نہیں بتائی، ان کا ایک ہی جواب تھا کہ انہوں نے اپنے متعلقہ افسران کو تفصیل سے آگاہ کر دیا ہے۔'' نیوز ایجنسی کے نمائندے نے کچھ ایسی لاشوں کو بھی کور کیا جو تعداد میں چھ یا سات تھیں۔ لاشیں ایک دوسرے سے دور دور بکھری پڑی نظر آ رہی تھیں۔''

شیخ حامد ناشتا درمیان میں چھوڑ کر اٹھ گیا۔ جو لاشیں ٹی وی پر دکھائی گئی تھیں ان کے چہرے اس کے جانے پہچانے تھے اور ان جرائم پیشہ اور پولیس کو مطلوبہ مجرموں کے تھے، جنہیں شیخ حامد نے شکاری کتوں کی طرح پال رکھا تھا۔

ٹی وی کی خبروں کے بعد شیخ حامد نے صبح کے اخبارات دیکھے، صرف ایک انگریزی اخبار نے ''اسٹاپ پریس'' کے باکس میں اس حادثے کی مختصر نشاندہی کی تھی۔ شیخ حامد نے جھلا کر نمبر ٹو سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے کے بجائے ''یور ڈائلڈ نمبر از پاورڈ آف'' کی صدا بار بار سنائی دی۔ نمبر ٹو کی خاموشی بھی شیخ حامد کی الجھنوں میں اضافہ کر رہی تھی، اس نے نمبر ٹو کے بعد ایک دو اور اعتماد کے آدمیوں کو فون کیا لیکن کسی سے رابطہ نہ ہو سکا، سب ہی نمبر بند مل رہے تھے۔

پانچ سات منٹ تک وہ کسی زخمی درندے کی طرح ٹہلتا رہا اور نچلا ہونٹ کاٹتا رہا پھر اس نے وہ نمبر آزمایا جہاں افضل خان کو رکھا گیا تھا۔ اس بار اسے ناکامی نہیں ہوئی۔

''سب لوگ کہاں مر گئے؟'' رابطہ قائم ہوتے ہی وہ دہاڑنے لگا۔ ''جس قیدی کو تمہاری نگرانی میں رکھا گیا تھا وہ کہاں ہے؟''

''کل رات اسلم ڈنکا صاحب نے ان سے آخری ملاقات کی تھی سر...... پھر وہ مجھے یہ ہدایت کر

کے چلے گئے تھے کہ اگر قیدی کہیں جانے لگے تو اسے روکنے کی کوشش نہ کی جائے...... اس کے بعد کل رات ہی قیدی بھی چلا گیا تھا۔"

"اس وقت تمہارے ڈنکا ولد الحرام صاحب کہاں ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم سر...... میں نے انہیں ابھی فون کیا تھا لیکن......"

شیخ حامد نے اس کا جواب سننے کی زحمت نہیں گوارا کی، نمبر ٹو کا فون بند ملنا اور ٹی وی کی کوریج اس بات کی تصدیق کر رہی تھی کہ گزشتہ رات کے حادثے میں یا تو وہ جہنم رسید ہو گیا یا پھر پولیس کی تحویل میں ہو گا۔ افضل خان بھی پھنس گیا ہو گا کیونکہ اس کے نمبر بھی بند ملے تھے۔ یہ تمام صورت حال اس کیلئے نہایت صبر آزما تھی، افضل خان کو جگا کو زندہ یا مردہ لانے کی ہدایت دی گئی تھی، امداد علی کو قابو کر کے اسے جگا کو اس کے بل سے نکالنا مقصود تھا جہاں وہ روپوش تھا لیکن بساط یقیناً پلٹ گئی تھی، ساحلی علاقے پر موجود جن لاشوں کی کوریج کی گئی تھی وہ سب اسلم ڈنکا کے ماتحت تھے۔

"وہ سب ساحلی علاقے پر کس مقصد سے جمع ہوئے تھے، کیا امداد علی اور جگا ساحلی علاقے پر کہیں روپوش تھے......؟ جو تصادم ہوا وہ کن پارٹیوں کے درمیان ہوا؟...... ایک پارٹی نمبر ٹو نے تشکیل دی ہو گی...... دوسری کون تھی؟...... ایس پی اورنگ زیب کی گاڑی کس نے ناکارہ کی؟...... وہ کس مقصد سے وہاں گیا تھا؟...... کیا اسے کسی نے مخبری کر دی تھی؟...... اگر ایسا تھا تو اس بات کے امکان بعید از قیاس نہیں تھے کہ اسلم ڈنکا کے علاوہ امداد علی اور جگا بھی غالباً پولیس ہی کی حراست میں ہوں گے جو حالات کو بتانے سے گریز کر رہی تھی......؟" اس کے علاوہ اور بھی بے شمار سوالات تھے جن کی یلغار نے شیخ حامد کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ ان سوالات کے جوابات ہر قیمت پر معلوم کرنا چاہتا تھا جو اس کے ذہن کو پراگندہ کر رہے تھے۔ خاصی دیر تک وہ کسی ٹھہرے ہوئے خطرناک طوفان کی طرح خاموش کھڑا اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتا، توڑتا رہا پھر اس نے کچھ سوچ کر ڈی آئی جی کے نمبر ڈائل کیے۔ اس بار اسے ناکامی نہیں ہوئی۔

"ہیلو...... ڈی آئی جی آفس......" آغا منظور کے بجائے کسی ماتحت نے کال ریسیو کی۔

"شیخ حامد بول رہا ہوں۔ آغا منظور سے بات کراؤ......"

دو منٹ بعد آغا منظور نے کال اٹینڈ کی تو شیخ حامد نے بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی ابھی ٹی پر خبریں دیکھ کر فارغ ہوا ہوں...... خاصی گرما گرم صورت حال ہے جسے آپ لوگوں نے خاموشی اختیار کر کے عوام کیلئے اور پراسرار بنا دیا ہے، سب خیریت تو ہے......؟"

"خیریت ہوتی جناب تو میں خود آپ کی کال ریسیو کرتا۔" دوسری جانب سے پریشانی کا اظہار کیا گیا۔ "جو کچھ ہوا وہ خود میرے لیے بھی ایک معما ہی ہے۔"

"کیا مطلب؟...... کیا اس ٹکراؤ میں پولیس ایک فریق نہیں تھی؟"

"جی نہیں...... ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ دوسری پارٹی کون تھی۔" آئی جی نے وضاحت کی۔ "ہمارے ایکسپرٹس نے لاشوں کی تصویر سے اس بات کی تصدیق، سرد خانے کا ریکارڈ

الٹ پلٹ کرنے کے بعد بہرحال کر دی ہے کہ ان کے مقابلے پر کس کا ہاتھ تھا یہ نہیں پتا چلا۔''

''اور بھی بہت ساری ایجنسیاں ہیں آغا منظور۔'' شیخ حامد نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''سی، آئی، اے۔ اینٹی کرپشن سیل، اسپیشل کرائم برانچ، اس کے علاوہ رینجرز اور ملٹری کے بھی بہت سارے شعبے ہیں اور...... یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری پارٹی بھی جگا جیسے اڈوں کی مالکان کی ہو۔''

''یہی معلوم کرنے کی خاطر تمام کونے کھدروں کو ٹٹولا جا رہا ہے۔''

''ایک امکان اور بھی ہے......'' اس بار شیخ حامد نے چبھتے ہوئے جملے استعمال کیے۔ ''ممکن ہے تم بھی مجھے ٹالنے کی خاطر یہ سب باتیں کر رہے ہو؟''

''آپ یہ شبہ کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟'' آئی جی کے لہجے میں بھی تناؤ کی کیفیت ابھر آئی۔

''تم اپنے ببر شیر ایس پی اورنگ زیب کو کیوں فراموش کر رہے ہو۔ اس کی گاڑی بھی تو اسی جگہ سے ملی ہے جہاں ٹکراؤ ہوا تھا۔''

''یہی سوال دوسرے بھی کر رہے ہیں۔'' آئی جی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اورنگ زیب کل رات سراج کے گھر پر تھا جب اسے ہنگامے کی اطلاع ملی تھی۔ وہ فوری طور پر وہاں پہنچا تھا لیکن کچھ گھات میں بیٹھے لوگوں نے اس کی گاڑی پر بھی گولیاں برسائیں۔ بات صرف ایک ٹائر برسٹ ہونے پر ٹل گئی، گاڑی کا توازن بگڑنا ہی شاید ان دونوں افسران کی زندگی کا بہانہ بن گیا۔ ایس پی نے کل رات ہی مجھے ساری پوزیشن سے باخبر کر دیا تھا مگر پولیس کے پہنچنے سے پہلے دونوں پارٹیاں جا چکی تھیں۔''

''میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟'' شیخ حامد نے دوستانہ انداز میں سوال کیا۔

''دعا کریں کہ میری کرسی محفوظ رہے...... اعلیٰ افسروں کے سوالات نے تو فی الحال صبح سے ناشتے کی مہلت بھی نہیں دی۔''

''ٹھیک ہے...... تم اپنے آفیسروں کو بھگتاؤ، میری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو تکلف نہ کرنا......''

شیخ حامد نے جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر تجسس کی علامتیں پہلے سے زیادہ نمایاں ہونے لگیں۔ نمبر ٹو اور افضل خان کے سراغ نہ ملنے کے ساتھ ساتھ اسے جگا کی بھی فکر لاحق تھی جس نے اسے مخرب اخلاق تصویروں کے ذریعے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس کانٹے کو ہر قیمت پر اپنے راستے سے ہٹانے کا خواہاں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بھی بڑھ رہی تھی جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوا۔ روشن اسکرین پر نمبر ٹو کا حوالہ دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''تم......'' اس نے موبائل آن کر کے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔ ''اب تک کہاں مرے ہوئے تھے......؟''

''میں بہت زخمی ہوں باس، بڑی مشکلوں سے ایک پرائیویٹ اسپتال سے مرہم پٹی کرا کے

اپنے محفوظ ٹھکانے تک آیا ہوں، میں نے اس عرصے میں موبائل بند کر رکھا تھا۔'' اسلم ڈنکا نے بات جاری رکھی۔'' اگر پولیس کے ہاتھ لگ جاتا تو مصیبت ہی آ جاتی۔''

''افضل خان کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم، اس نے امداد علی کو بہر حال قابو کر لیا تھا، جگا بھی اپنے بل سے نکل کر سامنے آ گیا تھا۔ ساحلی علاقے پر وہ تینوں موجود تھے، افضل خان نے جگا کے آتے ہی اس پر پستول تان لیا تھا، میں قریب موجود تھا لیکن پھر...... اچانک سرکاری ایجنسی والوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے بھی جواب دے کر نکلنے کی ٹھان لی تھی۔ آخری بار میں نے افضل خان کو زمین پر گرتے دیکھا تھا، اس کے بعد ہم کو اس قدر شدید فائرنگ میں الجھنا پڑا کہ فرار کے علاوہ کوئی صورت نہیں تھی......''

''کس ایجنسی کے لوگ تھے......؟''

''وہ سب سیاہ پتلون اور لمبی آستینوں والی قمیصوں میں تھے۔'' اسلم ڈنکا نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے پولیس یا پھر کسی اور ایجنسی کے کمانڈوز ہوں، ان کی اچانک مداخلت کا انداز کمانڈوز ایکشن سے ملتا جلتا تھا۔''

''اور کوئی خاص بات؟'' شیخ حامد نے غراتے ہوئے دریافت کیا۔

''ایس پی اورنگ زیب بھی وہاں وجود تھا، سراج بھی ساتھ ہی تھا لیکن...... پولیس کی دوسری گاڑیاں نہیں تھیں، ہمارے ایک خاص آدمی نے ان دونوں کو راستے سے ہٹانے کا فوری منصوبہ بنا لیا تھا لیکن ایس پی کی قسمت اچھی تھی کہ ٹائر برسٹ ہونے کی وجہ سے گاڑی کا توازن بگڑ گیا۔ اب وہ دونوں زندہ ہیں یا مردہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

''لیکن تم...... بہر حال ابھی تک اپنی ناکامی کی خبر سنانے کے لیے زندہ ہو...... یو سن آف اے بچ، باسٹرڈ۔'' شیخ حامد ایک دم ہی آپے سے باہر ہو کر اسے مغلظات سناتا رہا پھر اس نے موبائل آف کر دیا۔ اس کے تیور ہر لحہ خطرناک ہوتے جا رہے تھے، وہ دل ہی دل میں نمبر دو کے لیے کوئی مناسب اور آخری سزا کے بارے میں غور کر رہا تھا جب اس کے فون پر گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا، ٹھوس لہجے میں بولا۔

''یس...... شیخ حامد اسپیکنگ۔''

''تم اس وقت شاید افضل خان کی ناکامی کا غم منا رہے ہو گے؟'' دوسری جانب سے کسی نے نہایت سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔ ''میری بات غور سے سنو...... ہمیں تمہارے غم سے زیادہ امداد علی اور استاد کی فکر ہے۔''

''کون بکواس کر رہا ہے......؟'' شیخ حامد نے دہکتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہارا جائز باپ۔'' اس بار بھی سختی سے جواب دیا گیا۔ ''مجھے تمہارے کتوں کی موت کا کوئی غم نہیں ہے۔ صرف استاد کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہوں، انکار کی صورت میں تمہاری اور کنول کی تصویریں منظر عام پر بھی آ سکتی ہیں۔''

''بکواس مت کرو......'' شیخ حامد نے تلملا کر کہا۔ ''جگا اور امداد علی...... دونوں کے بارے میں مجھے بھی کچھ نہیں معلوم۔''

''بہرحال، استاد کو ٹریپ کرنے کا حکم تمہارا ہی تھا۔ کیا اس سے بھی انکار کرو گے؟''

''نہیں، میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا۔'' شیخ حامد روانی میں کہتا چلا گیا۔ ''جگا نے مجھ سے پنجا لڑانے کی غلطی کر کے اپنی موت ہی کو دعوت دی تھی۔''

''ہم بھی ایک میان میں دو تلواریں برداشت کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ تمہیں ایک موقع مل سکتا ہے لیکن اسی صورت میں استاد کا پتا ہمیں بتا دو۔''

''احمقانہ بات کر رہے ہو۔'' شیخ حامد حلق کے بل چیخا۔ ''جب میں جانتا ہی نہیں کہ اب وہ طاعون زدہ چوہا کہاں ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اس کے آگے تمہاری رہنمائی میں کر سکتا ہوں۔'' ٹھوس اور کرخت لہجے میں کہا گیا۔ ''کرنل احتشام کو جانتے ہو؟ کسی زمانے میں تم دونوں کلاس فیلو تھے اب وہ ملٹری انٹیلی جنس کا نمبر دو ہے...... غلط تو نہیں کہہ رہا؟''

''لیکن موجودہ معاملے کا کرنل احتشام سے۔''

''......کیا تعلق ہے یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ باقی کام تمہارا ہوگا۔'' دوسری جانب سے جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی ٹھوس آواز میں بات جاری رکھی گئی۔ ''تم کیا بچے ہو شیخ حامد، تمہارے ڈی آئی جی کو بھی ایک دو کوڑی کے ایس پی نے گھن چکر بنا دیا ہے۔''

''کس کی بات کر رہے ہو؟'' شیخ حامد نے چونک کر سوال کیا۔

''ایس پی اورنگ زیب کی...... اسی نے اپنے اثر و رسوخ سے کل رات کمانڈوز کے ذریعے تمہارے منصوبے کو ناکام بنایا تھا اور...... اب بھی وہ انجان بن رہا ہے۔ میری بات غور سے سنو...... افضل خان، امداد علی اور استاد کو ملٹری کی خفیہ اور محفوظ کسٹڈی میں رکھا گیا ہے۔''

''آئی سی۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ اورنگ زیب کی گاڑی ساحلی علاقے......''

''یہ تمہارا اور ایس پی کا معاملہ ہے۔ کرنل احتشام سے بات کر کے مجھے بتاؤ کہ تم استاد کے سلسلے میں کیا کر سکتے ہو؟''

''تم اگر کرنل کے بارے میں جانتے ہو کہ وہ میرا کلاس فیلو تھا تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ وہ کس قدر فرض شناس اور محب وطن ہے، مر جائے گا لیکن جگا کے بارے میں میری بات نہیں مانے گا۔ ہو سکتا ہے کہ سرے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دے۔''

دوسری جانب سے فوراً ہی کوئی مطالبہ نہیں ہوا۔ کچھ توقف سے کہا گیا۔ ''میں کرنل احتشام کے سلسلے میں تمہاری بات سے متفق ہوں۔ تم صرف یہ معلوم کر لو کہ کیا گزشتہ رات اسی کے آدمیوں نے آپریشن کیا تھا؟''

''فرض کو لو اس نے اقرار کر لیا، پھر تم......''

''پھر، ہم استاد کو ہر صورت میں آزاد کرانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ہمارا کام ہوگا۔ تم صرف میری معلومات کی تصدیق کر دو، میں دس منٹ بعد تم سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا، اتنا خیال رہے کہ تم نے اگر ڈبل کراس کرنے یا ٹال مٹول کی حماقت کی تو وہ تصویریں بھی لفافے میں بند نہیں رہیں گی۔ میڈیا کے علاوہ ایس پی اورنگ زیب بھی اسے ہر قیمت پر لینے کو آمادہ ہو جائے گا۔'' اس جملے کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

شیخ حامد نے ریسور کر کریڈل پر رکھا پھر اپنے ہونٹ چبانے لگا۔ جو معلومات اسے فراہم کی گئی تھیں، ان میں وزن تھا، خاص طور پر اورنگ زیب کے حوالے نے اسے زیادہ پریشان کر رکھا تھا۔ دو چار منٹ تک وہ پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کرنل احتشام کے نمبر ملائے، ایک دو درمیانی رکاوٹوں کے بعد کرنل کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو شیخ...... اس وقت ہماری یاد کیسے آ گئی؟'' بے تکلفی سے بات کا آغاز ہوا۔

''تمہیں کل رات کا محاذ سر کرنے کی مبارکباد دینا مقصود تھا۔''

''کس بات کی......؟''

''جگا سے اپنا بھی کچھ حساب کتاب نکلتا ہے کرنل۔'' شیخ حامد نے دور اندیشی کا مظاہرہ کیا۔

''یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ تمہارے آدمیوں کی تحویل میں ہے۔''

''لیکن تمہیں......''

''ڈونٹ وری...... فون پر بات کرنا مناسب نہیں ہوگا۔'' میں کل تم سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اطمینان سے بات ہوگی۔'' شیخ حامد نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے فون بند کر دیا لیکن اب اس کے وجود میں ایک نیا آتش فشاں پھٹ پڑنے کو بے قرار تھا۔ فون پر ملنے والی ٹپ کی تصدیق کے بعد اس کے ذہن میں صرف ایک نام صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا...... ایس پی اورنگ زیب...... جس نے بڑی کامیابی سے اسے ڈبل کراس کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں کسی آخری فیصلے کو ذہن میں مرتب کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ دوسری جانب سے جگا کے بارے میں ٹپ دینے والے کی آواز ابھری۔

''کیا معلوم ہوا......؟''

''تمہاری اطلاع غلط نہیں لیکن......''

''شکریہ شیخ حامد'' جواب بات کاٹ کر دیا گیا۔ ''تم نے ہماری ایک مشکل آسان کر دی، استاد کو کیسے نکالنا ہے؟ یہ سوچنا اب ہمارا کام ہے لیکن تم فی الحال چوبیس گھنٹوں تک خاموش ہی رہنا...... استاد کو آزاد کرانے کے بعد تم سے دوبارہ بات ہوگی۔''

شیخ حامد نے غصے سے ریسیور کریڈل پر رکھا پھر ہاتھ ملنے لگا۔ بساط کا رخ اس انداز میں بھی پلٹ سکتا ہے۔ یہ خیال ہی اس کے جنون کو ہوا دینے کی خاطر بہت تھا۔ اب چوبیس گھنٹوں تک خاموش رہنے کی بندش کے حکم نے اس کے تن بدن میں جیسے آگ سی بھڑکا دی تھی۔ کنول کی تصویریں

اس کے پیروں میں بیڑیاں بن گئی تھیں، اس نے باسی کھانوں سے بچنے کی خاطر کنول کی تازہ ڈش کو قبول کرلیا تھا لیکن حالات نے اسے کنول سے بھی دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ حالات کی ستم ظریفی تھی جس نے جنگل کے بادشاہ کو صرف اپنی کچھار تک محدود کر دیا اور...... اور...... اچانک شیخ حامد کے ذہن میں صبا بیگم کی خودکشی کا حادثہ ابھر آیا...... اسی ایک عورت کی خودکشی کے بعد اس کے اوپر نحوست کے بادل منڈلانے شروع ہوئے تھے۔ وہی ایک جائز رشتہ تھا جس کی آڑ میں وہ اپنے گھر کی چھت کے نیچے بھی من مانی کرتا تھا، رنگ رلیاں مناتا تھا لیکن اس نے خودکشی کر کے شیخ حامد کے لیے دشواریاں پیدا کر دی تھیں پھر ایس پی اورنگ زیب کے آجانے کے بعد سراج بھی اس کے ساتھ مل کر ایک اور ایک گیارہ ہو گئے تھے اس کی جمی جمائی بساط کے مہرے ایک ایک کر کے پٹنے لگے، پہلے افضل خان کو حالات کا شکار ہو کر تا کردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑی۔ وہ شیخ حامد کیلئے کلیدی کردار کا مالک تھا۔ اس کے زوال کے بعد بلیک ٹائیگر کا سورج بھی گہنا گیا۔ شبنم کو بھی حالات کی گردش نے شکار کرلیا۔ اب اسلم ڈنکا بھی طوفان کی لپیٹ میں تھا۔

شیخ حامد کا ذہن بار بار اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ اس کے زوال کا سبب صبا بیگم کی خودکشی تھی جس کے بعد اورنگ زیب کی شاطرانہ چالوں نے اس کی جڑ بنیاد کو ہلانا شروع کر دیا تھا۔ کل تک جگا اور اس قسم کے دوسرے گینگ لیڈر بھی شیخ حامد کے راستوں سے کترا کر چلنے کے عادی تھے مگر اب اورنگ زیب کی وجہ سے وہ بھی اپنی اوقات سے بڑھ رہے تھے۔ تازہ واقعے کے بعد فون پر ملنے والی ٹپ اور اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد شیخ حامد کا چونکنا لازی تھا۔ اس کے ذہن میں متعدد منفی طریقے ابھر رہے تھے جن کو اختیار کرنے کے بعد وہ اورنگ زیب کی چالوں کو کمزور کر سکتا تھا۔

خاصی دیر تک وہ اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی پلاننگ کرتا رہا پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ ”ممکن ہے کہ شبنم کے اغوا میں بھی اورنگ زیب کا ہاتھ ہو؟...... اسی نے جگا کو بھی کچھ لو اور کچھ دو، کی بنیاد پر خرید لیا ہو؟...... اقتدار کی ہوس نے اسلم ڈنکا کو بھی غداری پر آمادہ کر دیا ہو...... ؟ جگا کے سلسلے میں افضل خان کی کامیابی اسے منظور نہ رہی ہو؟ شبنم بھی اورنگ زیب کی آلہ کار بن کر دوبارہ اس کے پاس آگئی ہو؟“ اس کے علاوہ اور بھی شکوک اور شبہات اس کے ذہن میں گرم ہوا کے تیز و تند تھپیڑوں کی طرح گردش کر رہے تھے۔ اس کا ابلیسی ذہن اورنگ زیب کی چالوں کا توڑ کرنے کی خاطر منصوبے بناتا رہا پھر...... ایک مثال اس کے وجود میں سنسناتی ہوئی ابھری۔ ”کشتی طوفان کی زد میں آجائے تو اسے ڈوبنے سے بچانے کی خاطر تجربہ کار ملاح اپنا قیمتی مال بھی سمندر میں پھینک کر بوجھ ہلکا کر لیتے ہیں۔“ اس خیال کے ساتھ ہی اس کے خون کی گردش تیز ہوگئی۔ شکوک اور شبہات کو دور کرنے اور کمزور ہوتی ہوئی بازی کا نقشہ بدلنے کی خاطر کچھ مہرے پٹوانا اس کیلئے ضروری ہو گیا تھا، اس کے بعد وہ دشمن کی چالوں کو کمزور کر کے نئے سرے سے اپنی بازی جما سکتا تھا۔ ان مہروں کے بساط سے ہٹ جانے کے بعد اورنگ زیب کی جمی

جمائی بازی بھی کمزور ہوسکتی تھی۔ اس کا دشمن اورنگ زیب کے علاوہ اگر کوئی اور بھی ہوتا تو وہ بھی ان جیتے جاگتے کرداروں کے ختم ہو جانے کے بعد آسانی سے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔

اپنے نئے منصوبے پر غور وفکر کرنے کے بعد شیخ حامد نے قدرے سکون کا سانس لے کر موبائل پر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے اور ضروری کوڈورڈز کے تبادلے کے بعد اس نے بڑے ٹھوس لہجے میں حکم دیا...... ''تم شبنم کو ساتھ لے کر اسلم ڈنکا کے ٹھکانے پر جاؤ، وہ زخمی حالت میں ہو گا۔ شبنم سے کہنا کہ وہ اسلم ڈنکا کو گولی مار کر ختم کر دینے کے بعد میرا کھویا ہوا اعتماد دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔ اسلم ڈنکا کے خاموش ہو جانے کے بعد تم شبنم کو بھی گولی مار دینا۔ تمہاری کامیابی تمہاری ترقی کی ضمانت بھی بن سکتی ہے...... کام ہوشیاری سے کرنا، اس کے بعد کسی پبلک فون سے قریبی تھانے کو کسی فرضی نام سے حادثے کی اطلاع بھی کر دینا اوور اینڈ آل۔''

شیخ حامد نے موبائل آف کر کے دوسری بار کنول کے نمبر ڈائل کیے، دوسری جانب سے کنول کے بجائے اس کی ماں کی آواز ابھری تو اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ''کنول کہاں ہے؟ اس کا موبائل تم نے کیوں استعمال کیا؟''

''آپ کی ہدایت پر وہ جاتے وقت موبائل مجھے دے گئی تھی۔'' خشک لہجے میں جواب ملا۔

''میں نے اسے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی تھی۔'' شیخ حامد تلملا کر بولا۔ ''وہ کب گئی اور کہاں کا کہہ کر گئی ہے؟''

''مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' اس بار بھی پست آواز میں کہا گیا۔ ''اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ نے اسے بلوایا ہے، کہاں؟ اس کی وضاحت اس نے نہیں کی تھی۔''

''گارڈ کہاں ہے......؟'' شیخ حامد نے ہونٹ چباتے ہوئے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ ''نیچے جا کر فوری طور پر اس سے میری بات کراؤ۔''

ایک منٹ بعد ڈیوٹی گارڈ نے جو کچھ کہا اسے سن کر شیخ حامد کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ اس کے بیان کے مطابق کنول جس آدمی کے ساتھ گئی تھی وہ اسلم ڈنکا کا دست راست تھا لیکن شیخ حامد اسے خود اپنی نظروں سے ٹی وی پر ان افراد کی لاشوں میں دیکھ چکا تھا جن کو واضح طور پر متعدد بار کوریج دی گئی تھی۔

+++

لیاقت حسین کو جو کام سونپا گیا تھا وہ زیادہ مشکل نہیں تھا، سپروائزر کے فرائض سمجھنے میں بہ مشکل دو دن لگے تھے، کام کرنے والے سب ہی شریف لوگ تھے۔ لیاقت کے کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ شاید ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھ کر سپروائزر کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد وہ دفتر والوں پر اپنا سکہ جمانے کی خاطر کچھ دنوں تک رعب میں رکھنے کی کوشش کرے گا لیکن لیاقت حسین نے روز اول ہی سے اپنی شرافت اور محبت بھری باتوں سے ان کے دل جیت لیے تھے۔ دو روز بعد کسی کام سے

سیٹھ عثمان کے دفتر میں گیا تو انہوں نے اسے روک کر کہا۔

''تمہارا کام کیسا چل رہا ہے لیاقت حسین؟''

''خدا کا شکر ہے، ہر کام نہایت خوبی سے انجام دیا جا رہا ہے لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''لیکن کیا......؟'' سیٹھ عثمان نے وضاحت طلب انداز میں دریافت کیا۔

''میرے کچھ ماتحت مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار لوگ ہیں۔ اگر آپ ان میں سے کسی کو......''

''سمجھ گیا۔'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''تم اس بات کی فکر مت کرو، میں جانتا ہوں کہ کون ورکر کس اہلیت کا ہے، اسے اسی کی محنت اور قابلیت کے اعتبار سے معاوضہ بھی ملتا ہے۔ ویسے میری اطلاع ہے کہ تم نے کرسی سنبھالتے ہی انہیں اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔''

''یہ بھی آپ کی محبت ہے ورنہ کہاں ایک ڈرائیور اور کہاں......''

''لیاقت حسین......'' سیٹھ عثمان نے اسے سنجیدگی سے ٹوکا۔ ''دوبارہ اس قسم کی بات کبھی نہ کرنا۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا تم اس سے کہیں زیادہ کے مستحق تھے۔ میں تمہارے احسانوں کو بھولا نہیں ہوں۔''

''سر......'' لیاقت حسین نے قدرے جھجک کر پوچھا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آپ نے کسی نئے ڈرائیور کیلئے اشتہار دیا ہے؟''

''ہاں...... کیوں؟''

''آپ نے میری ترقی کے وقت وعدہ کیا تھا کہ جب تک میرا دانہ پانی آپ کے ساتھ لکھا ہوا ہے، آپ کی گاڑی میرے علاوہ......''

''مجھے یاد ہے......'' سیٹھ عثمان نے محبت سے جواب دیا۔ ''ڈرائیور کی ضرورت مجھے آؤٹ ڈور ورک کیلئے ہے۔''

''پھر ٹھیک ہے......'' لیاقت حسین نے سکون کی سانس لی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھنے لگا تو سیٹھ عثمان نے اسے روک کر کہا۔

''انیکسی میں تمہیں تکلیف تو نہیں ہے؟''

''تکلیف کیسی؟ میں پہلے بھی تو فرحین کے ساتھ اسی انیکسی میں رہتا تھا۔''

''میرا مطلب کچھ اور تھا۔'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر کہا۔ ''قریب رہنے کی وجہ سے راحیلہ، فرحین کو بار بار بلا لیتی ہیں اور تم......''

''یہ بیگم صاحبہ کی مہربانی ہے کہ وہ فرحین کو اپنے برابر بیٹھنے کا موقع دیتی ہیں۔''

''تو پھر آج رات بھی تمہیں دیر تک تنہا رہنا ہوگا۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔ ''راحیلہ نے کچھ خواتین کو رات کھانے پر بلایا ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ اس موقعے پر فرحین بھی ان کے ساتھ رہے۔''

"یہ تو ہمارے لیے بڑی عزت کی بات ہے، میں بھلا برا کیوں مانوں گا۔" لیاقت حسین نے صاف گوئی سے کہا پھر کچھ دیر دفتری معاملات پر تبادلہ خیالات کرنے کے بعد اپنے آفس میں آ گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد فرحین بن سنور کر کمرے سے باہر نکلی تو لیاقت حسین نے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"یہ روپ سنگھار کر کے کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہے؟"

"پہلے یہ بتا کہ کیسی لگ رہی ہوں؟" فرحین نے پوچھا۔

"تو ہر حال میں میرے سپنوں کی رانی ہی لگتی ہے۔" لیاقت حسین نے یکلخت سنجیدگی سے کہا۔ "یاد ہے..... آج سنیچر ہے؟"

"یاد تو ہے لیکن آج تجھے دیر تک میرا انتظار کرنا پڑا گا۔" فرحین نے اس کی بات سمجھ کر بڑے لاڈ سے کہا۔ "بیگم صاحب کی بات نہ ہوتی تو میں انکار کر دیتی لیکن تو لمبی تان کر نہ سو جانا۔ میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔"

"خیال ہے تیرا..... بڑے آدمیوں کے ہاں دعوتوں کے موقعوں پر رات کا کھانا بھی ساڑھے دس گیارہ بجے سے پہلے شروع نہیں ہوتا۔ کل ویسے بھی چھٹی ہے۔"

"کہتا تو ٹھیک ہے..... " فرحین نے لیاقت حسین کے قریب آ کر کہا پھر اس کی دلجوئی کی خاطر بولی۔ "تو کہے تو میں بیگم صاحب سے بیماری یا سر درد کا بہانہ کر کے جان چھڑا آؤں؟"

"نہیں..... میں تو صرف تجھے آزمانے کی خاطر کہہ رہا تھا۔" لیاقت حسین نے کہا۔ "عثمان صاحب نے آج دفتر ہی میں بتا دیا تھا کہ بیگم صاحبہ تجھے دعوت کے موقع پر اپنے ساتھ رکھیں گی۔"

جتنی دیر فرحین سنگار میز کے سامنے کھڑی گھوم پھر کر اپنا جائزہ لیتی رہی لیاقت حسین اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، جب وہ جانے لگی تو لیاقت حسین نے حسب معمول اپنا ٹیکس ایک پیار کی شکل میں وصول کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ کا عمل تھا، وہ جانتا تھا فرحین کی واپسی تمام مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد ہی ہو گی۔ اسے واپسی میں رات کے بارہ بھی بج سکتے تھے، راحیلہ بیگم اسے بہنوں کی طرح پیار کرتی تھیں اس لیے دعوت اور دوسری تقریبات کے موقعے پر اسے ساتھ ہی رکھتی تھیں۔

لیاقت حسین نے نو بجے کھانا کھایا پھر وہ لیٹنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ سراج کا فون آ گیا۔

"کیسے ہو لیاقت حسین.....؟"

"وہی پہلا جیسا صاحب لیکن آپ نے اب بھلا ہی دیا۔" لیاقت حسین نے شکوہ کیا۔

"کچھ دفتر میں مصروفیات بڑھ گئی ہیں جس کی وجہ سے وقت نہیں نکال سکا ورنہ تم بھولنے والی چیز نہیں ہو۔"

"اس وقت کیسے یاد کیا، کیا میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں؟"

"ابھی نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ایک دو روز میں ہمیں تمہاری ضرورت پیش آئے، ایس پی

اورنگ زیب بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔"

"میں آپ کا خادم ہوں صاحب، جب ضرورت ہو یاد کر لیجئے گا۔"

سراج سے گفتگو کے بعد وہ لباس تبدیل کر کے بستر پر لیٹ گیا، فرمین کے خیال سے اس نے خواب گاہ کے دروازے کو بند نہیں کیا تھا، کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد اسے نیند آنے لگی تو اس نے بیڈ سوئچ سے دوسری بتیاں بجھا کر صرف ہلکے گلابی رنگ کا ایک نائٹ بلب جلنے دیا۔ کچھ دیر کروٹیں لینے کے بعد اس کے خراٹے بھی نشر ہونا شروع ہو گئے۔ بہت دنوں بعد یہ پہلا اتفاق تھا کہ سیٹھ کے روز وہ بستر پر تنہا لیٹا تھا ورنہ یہ رات شادی کے بعد سے اس کے اور فرمین دونوں کیلئے بہت اہم ہوتی تھی۔

لیاقت حسین کب تک نیند کی وادیوں میں ڈوبا رہا اسے یاد نہیں رہا لیکن پھر شاید وہ خواب ہی کی کیفیت تھی جب اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی سنسان ویرانے میں کھنڈر کے درمیان کہیں پھنس گیا ہو جہاں ہر سو پتھر کے عجیب و غریب مجسمے منہ پھاڑ کر اسے نگل جانے کو آمادہ نظر آ رہے تھے، وہ گھپ اندھیرے میں ان کے درمیان سے بچتا بچاتا نکلنے کی کوشش کر رہا تھا جب ایک قدآور کالا بھجنگ انسان اپنی مکروہ شکل کے ساتھ اس کے راستے کی دیوار بن گیا۔ لیاقت حسین کی خوفزدہ نظریں اس سیاہ فام مکروہ شکل انسان کے چہرے پر مرکوز تھیں جب ایک قہقہہ اس کی قوت سماعت سے ٹکرایا پھر کسی نے اسے للکار کر کہا تھا۔

"ملیچھ...... آج تو پوری طرح ہمارے جال میں پھنس گیا ہے، آج میں تیرے شریر کو دیوی کے چرنوں میں بلیدان کروں گا پھر تیرے خون سے اشنان کر کے بھوانی کے سامنے اپنی وجے کا اعلان کروں گا۔ تو بہت بھاگتا رہا، چھپتا رہا پرنتو آج تیری کھاٹ کھڑی ہونے کا سمے آ گیا ہے۔"

لیاقت حسین دم سادھے کھڑا اس کریہہ الفطرت ہیولے کو دیکھ رہا تھا جب کسی نے نہایت نرم مگر ٹھوس آواز میں اسے مخاطب کیا۔ "لیاقت پتر، تو ان گندی بدروحوں کی کوئی فکر مت کر، اپنے خدا کو یاد کر۔ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے، کوئی گندی طاقت تیرے قریب بھی نہیں پھٹک سکے گی۔" لیاقت حسین نے اس آواز کو پہچان لیا۔ وہ اس کی ماں کی آواز تھی۔ وہ لیاقت حسین کو تعویذ کے بارے میں کچھ بتا رہی تھی جب سیاہ بھجنگ ہیولے نے چیخ کر کہا۔ "تو جو کوئی بھی ہے میرے راستے سے دور ہو جا نہیں تو، تو بھی جل کر بھسم ہو جائے گی۔" جملے کے ساتھ ساتھ اس نے ہوا میں ہاتھ بلند کر کے جھٹکا تو جنگلی جانوروں کے شور و غل کی آواز چاروں طرف سے ابھرنے لگی۔ لیاقت حسین کی ماں کی آواز ان میں دب کر رہ گئی۔

لیاقت حسین نے اپنی دستی گھڑی کے چرمی پٹے کو ٹٹولا۔ موم جامہ کیا ہوا تعویذ اب بھی پٹے کے نیچے موجود تھا۔

"کیا کھوج رہا ہے ملیچھ۔ آج دھرتی کی کوئی شکتی تجھے شرن (پناہ) نہیں دے سکے گی۔ پرتاب نے تجھے جو شراپ دینے کی ٹھانی تھی، دیوی کی کرپا سے وہ آج ضرور پوری ہو گی، تو نے

میرے ایک منتر کو کھوٹا کر کے کسی کی جان بچالی تھی۔ آج تجھے اس کی سزا اوش بھوگنی پڑے گی۔''

پرتاب کا نام سن کر لیاقت حسین کے وجود میں چنگاریاں چٹخنے لگیں، اس نے خدا کو دل سے یاد کی پھر دل کڑا کر کے بولا۔ ''تم اپنی من مانی کرلو، لیکن میں جانتا ہوں کہ میں نے جو بھی کیا تھا وہ کسی کی زندگی بچانے کی خاطر خدا کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی لازوال قوت نے آج تک میری مدد کی تھی اور اب بھی وہی میری حفاظت کرے گا۔''

''سپنے دیکھنا چھوڑ دے مورکھ۔ آج تو پوری طرح پرتاب کے بیروں کے چنگل میں پھنس گیا ہے اور...... اور تو جس دھرم کرم کی بات کر رہا ہے آج وہ بھی بھوانی کی کرپا سے نشٹ ہو جائے گا۔ ایک بار تو گندا اور پلید ہو گیا تو پھر کوئی شکتی تیری سہائتا بھی نہیں کرے گی۔''

لیاقت حسین نے جواب دینا چاہا لیکن کسی نے پیار سے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا، مدھم نائٹ بلب کی روشنی کے باوجود اس نے فرحین کو پہچان لیا جو اس کے قریب بیٹھی تھی، اس کے جسم پر ابھی تک وہی لباس تھا جسے پہن کر وہ راحیلہ بیگم کی طرف گئی تھی۔

''تم...... تم کب آئیں......؟'' لیاقت حسین نے خواب کی باتوں کو ذہن سے جھٹک کر فرحین کو اپنی آغوش میں گھسیٹ لیا۔

''تیری خاطر بیگم صاحب سے بات بنا کر آئی ہوں...... چھوڑ تو سہی، لباس تبدیل کر لینے دے۔ دس پندرہ منٹ کا کہہ کر آئی ہوں، ابھی واپس بھی جانا ہے۔''

''ایک دن تو نے دفتر جاتے وقت میرا لباس خراب کیا تھا، آج تیری باری ہے۔'' لیاقت حسین نے فرحین کو پوری طرح دبوچ لیا تو فرحین نے کہا۔

''دیکھ استری خراب ہو جائے گی...... ایک منٹ صبر کر لے، میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔'' فرحین نے کسمسا کر لیاقت حسین کے بازوؤں کے حصار سے نکلنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے نیم عریاں گداز جسم سے پھوٹتی ہوئی مہک نے لیاقت حسین کو دیوانہ کر رکھا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ فرحین پر حاوی ہو رہا تھا جب اس کے کانوں میں ایک ٹھوس آواز ابھری۔

''سنبھل جا نادان ورنہ دلدل میں گر جائے گا۔ موم جامہ کیا ہوا تعویذ خاموشی سے نکال کر عورت کے سینے پر رکھ دے۔''

لیاقت حسین کی پیش قدمی رک گئی، تعویذ سے متعلق اس کے ذہن میں ماں کی باتیں گونجنے لگیں۔ ایک بار پہلے بھی وہ فرحین کے دھوکے میں غلاظت میں گرتے گرتے بال بال بچا تھا۔ آج کسی غیبی آواز نے اسے بروقت سنبھالا دیا تھا۔ اس نے فرحین کو غور سے دیکھا پھر اسے ایک ہاتھ کے حصار میں جکڑ لیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس دستی گھڑی کے پٹے کے نیچے دبا ہوا تعویذ نکالا تو فرحین کے روپ میں نظر آنے والی حسینہ نے مچلتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''لیاقت۔ اتنی زور سے نہ بھینچ۔ میرا دم...... گھٹ رہا ہے۔''

''انسان پر مستی سوار ہو تو پرائی عورت کو بھی من مانی پوری کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ تو، تو اپنی

فرحین ہے۔''لیاقت حسین نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا پھر تعویذ عورت کے گداز سینے کے درمیان رکھا تو وہ یکلخت ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔لیاقت حسین اچھل کر بستر سے نیچے آ گیا،عورت کا جسم پاؤں کی جانب سے بتدریج سیاہ شکل اختیار کر کے دھوئیں میں تحلیل ہو رہا تھا۔لیاقت حسین نے کمرے کی بتی روشن کر دی، وہ پھٹی پھٹی نظروں سے عورت کے بھیانک انجام کو دیکھ رہا تھا جب دروازے کی جانب سے ایک مکروہ آواز ابھری۔

''مسلے...... میری پجارن کو چھوڑ دے ورنہ میں تجھے کتے کی موت ماروں گا۔''

لیاقت حسین نے پلٹ کر دیکھا، دروازے کے بیچوں وبیچ پرتاب بھوشن سینہ تانے کھڑا، اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ پجارن مدعو کی ہذیانی چیخ بہ دستور درو دیوار سے ٹکرا رہی تھی، جب ننگ دھڑنگ سیاہ فام اور مکروہ صورت پرتاب نے دوبارہ بل کھا کر کہا۔

''میرا کہا مان لے مسلے ورنہ تیرا انجام بھی بھیانک ہوگا۔ میرے تیرے ہوتو سوتوں کو بھی دیکھ لوں گا جس شکتی نے تجھے تسلی لگا رکھی ہے اس کی کھاٹ بھی کھڑی کر دوں گا۔''

لیاقت حسین کچھ جواب دینا چاہتا تھا جب بجلی کا ایک کڑاکا ہوا۔ پرتاب بھوشن کے چہرے پر مردنی چھا گئی، وہ تیزی سے پلٹ کر باہر کی طرف بھاگا۔ لیاقت حسین اس کے پیچھے لپکا لیکن وہ کہیں نہیں ملا تو وہ پلٹ کر اندر آ گیا۔ پجاری کی لاش جل کر کوئلہ ہو رہی تھی پھر اس نے راکھ کی شکل اختیار کی جس کے بعد ہوا کا ایک جھونکا آیا اور راکھ کو بھی سمیٹ لے گیا۔ اجلی چادر پر ایک معمولی سی سلوٹ کا نشان بھی نہیں تھا۔ تعویذ بھی غائب ہو گیا تھا۔

جو بھی ہوا وہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ لیاقت حسین نے اسی وقت غسل کر کے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی پھر دوبارہ بستر پر لیٹ کر پرتاب بھوشن کے بارے میں سوچنے لگا۔

❖❖❖

سراج بھی اس وقت ایس پی اورنگ زیب کے دفتر میں موجود تھا چنانچہ اس کی کالیں بھی اورنگ زیب ہی کے فون پر آ رہی تھیں لیکن تمام کالیں ایک ہیڈ کانسٹیبل ریسیو کر رہا تھا۔ اورنگ زیب اور سراج دونوں ہی خاموش بیٹھے اپنی اپنی سوچ میں گم تھے جب پھر فون کی گھنٹی بجی اور حسب معمول ہیڈ کانسٹیبل نے کال ریسیو کی۔ اس بار اس نے یہ کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کی تھی کہ دونوں افسران باہر گئے ہوئے ہیں لیکن دوسری طرف سے جو بات کہی گئی اسے سن کر ہیڈ کانسٹیبل نے ایک کاغذ پر جلدی سے ڈبل ایکس فور لکھ کر اورنگ زیب کے سامنے رکھتے ہوئے فون پر کہا تھا۔

''میں غلط بیانی نہیں کر رہا ہوں جناب...... صاحب جیسے ہی واپس آئیں گے میں آپ کا پیغام......''

اورنگ زیب نے کاغذ پر ڈبل ایکس فور لکھا دیکھ کر ریسیور ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، معذرت کرتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔''آئی ایم سوری سر...... لیکن میڈیا کے علاوہ دوسرے

لوگوں نے جینا عذاب کر رکھا ہے۔''

''جانتا ہوں......'' دوسری سمت سے ایک بھاری بھرکم آواز گونجی۔ ''لیکن، کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہاری پلاننگ کامیاب ہو جائے گی؟''

''آپ کا تعاون شامل رہا تو مجھے کامیابی کی پوری پوری امید ہے۔''

''جو کچھ کرنا ہاتھ پیر بچا کر کرنا، تمہارا آکٹوپس بھی صبح سے اپنے تعلقات کو کھنگال رہا ہے۔ ایک بات اور بھی ہے، ابھی کچھ دیر پہلے ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ کی کال آئی تھی، آکٹوپس کو کسی طرح خبر مل گئی ہے کہ گزشتہ رات کی کارروائی اسی کے کمانڈوز نے کی تھی۔ کیا تم کو علم ہے کہ کرنل احتشام اور تمہارا مطلوبہ مجرم دونوں کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں؟''

''جانتا ہوں سر...... اسی وجہ سے آکٹوپس نے اسے کال بھی کیا ہوگا۔''

''کیا مطلب؟'' دوسری جانب سے چونک کر وضاحت طلب کی گئی۔

جواب میں اورنگ زیب نے اپنی پلاننگ بتاتے ہوئے جو کچھ کہا اسے سن کر سراج بھی چونکا تھا۔

''میں تمہارے لیے صرف دعا ہی کر سکتا ہوں اورنگ زیب۔'' اس بار دوسری جانب سے بڑی اپنائیت سے کہا گیا۔ ''تم نے جو پلاننگ کی ہے وہ خدا کرے کامیاب ہو لیکن اگر...... آکٹوپس کو ایک لوز پوائنٹ بھی مل گیا تو وہ تمہاری بساط پلٹ بھی سکتا ہے۔''

''اکھاڑے میں جیت صرف کسی ایک ہی پہلوان کی ہوتی ہے سر...... لیکن میں نے جو ثبوت اب تک اکٹھا کر لیے ہیں اور جو ایکشن ابھی لینے ہیں ان کی کامیابی کے بعد وہ پوری طرح قانون کے آہنی شکنجوں میں ہوگا۔''

''او کے...... آئی وش یو گڈ لک۔'' دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا تو اورنگ زیب نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بجائے دو نمبر گھما کر لائن انگیج کر دی پھر ہیڈ کانسٹیبل کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے سراج سے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہارے ذہن میں کیا سوالات گونج رہے ہیں؟''

''وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی مردہ آدمی کے بھیس میں کسی اور آدمی کے ذریعے کنول کو اغوا کر لینا ایک قابل تعریف عمل ہے لیکن کیا آپ کو امید ہے کہ وہ بھی آپ کے حق میں بیان دے گی جبکہ وہ باقاعدہ آکٹوپس سے شادی بھی کر چکی ہے؟''

''ایسا ہی ہوگا اور یہ بھی ہمارے حق میں ایک پلس پوائنٹ ہوگا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم شاید یہ نہیں جانتے کہ کنول کے والد کو بھی اسی خون آشام آکٹوپس نے سربازار موت کے گھاٹ اتروا دیا تھا اور ایک مجبور عورت تڑپ کر رہ گئی تھی۔ آج بھی اس نے زبان بند کر رکھی ہے، اس وقت بھی خاموش رہی تھی جب آکٹوپس نے کنول کے ساتھ محض محفوظ عیاشی کی خاطر نکاح پڑھوایا تھا۔''

''حیرت انگیز......'' سراج نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''اتنے کم عرصے میں آپ نے آکٹوپس کے بارے میں اتنی ساری معلومات کیسے حاصل کر لیں؟ یہ بھی معلوم کر لیا کہ کرنل احتشام اس کا کلاس فیلو رہ چکا ہے اور......''

''تمہارے سارے سوالات کے جواب میں ایک بات واضح کر دوں تو شاید تم آسانی سے سب کچھ سمجھ لوگے۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔ ''آکٹوپس کو کیفر کردار تک پہنچانے کی خاطر مرکز کی جانب سے میرا انتخاب کیا گیا تھا چنانچہ میں نے یہاں ڈیوٹی جوائن کرنے سے پیشتر ہی بہت ساری معلومات حاصل کر لی تھیں جو، اب میرے لیے کارآمد ثابت ہو رہی ہیں۔ تمہیں شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ تمہاری میڈم روبی کے شوہر خالد ریاض کی موت میں بھی اسی...... آکٹوپس کا ہاتھ تھا، نہ ہوتا تو میڈم اس کے خلاف محاذ قائم کرنے کی خاطر انڈر ورلڈ کے ان تین آدمیوں کی خدمات بھی کبھی نہ حاصل کرتی جن میں سے دو مر چکے ہیں، صرف لوچن زندہ ہے اور...... شبنم کی ماں انجلا عرف انجم آرا کی موت بھی اسی ابلیس کی کیننگی تھی جو آج شیخ حامد کی صورت میں ایک عزت دار اور بااثر آدمی بنا بیٹھا نہ جانے کتنے شریف لوگوں کو اپنی خباثت سے پریشان کر رہا ہے۔''

اورنگ زیب بات کرتا رہا۔ سراج حیرت سے ٹکٹکی باندھے اسے گھورتا رہا پھر جب وہ خاموش ہوا تو سراج نے پہلو بدل کر پوچھا۔ ''آپ نے جہاں اتنی باتوں کا اعتراف کر لیا ہے وہاں ایک بات اور بتا دیں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں......'' جواب میں اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔ ''تم شاید شبنم کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو؟''

''گویا آپ کو علم ہے کہ وہ کس طرح ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اور اب کہاں ہوگی؟''

''ہاں...... مجھے اب بھی اس کی ایک ایک نقل وحرکت کی اطلاع ملتی رہتی ہے۔ افضل خان کو بھی دھواں دھار فائرنگ کے تبادلے کے بعد میرے ہی اشارے پر محفوظ راستہ دیا گیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سن لو کہ شبنم اور افضل خان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ میری پلاننگ کیا تھی اور کیا ہے۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟'' کیا آکٹوپس بھی آپ کی تمام پلاننگ سے بے خبر ہوگا؟''

''اس کا اندازہ بھی مجھے ایک دو دن کے اندر ہو جائے گا۔''

جواب میں سراج کچھ اور معلوم کرنا چاہتا تھا کہ موبائل پر کسی کے نمبر روشن ہوئے۔ اورنگ زیب نے موبائل آن کرنے میں غیر معمولی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی نئی اطلاع...... آئی سی...... اوہ...... کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اب بھی تمہارے ساتھ تعاون کرنے میں کسی ڈبل کراس کرنے کے منصوبے پر تو غور نہیں کر رہا...... او کے...... تم وہاں پہنچو، میں کمانڈوز کے چیف آفیسر سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ اوہ یس...... ان دونوں کو ہر قیمت پر بچانا ہوگا۔''

اورنگ زیب نے موبائل بند کر کے جیب سے پھر وہی مخصوص آپریس نکال لیا جو موبائل کی

طرح تھا، ضروری بٹن دبانے کے بعد اسکرین پر پھر ایک سرخ نقطہ ابھر کر حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ اورنگ زیب ایک منٹ اسے بہ غور دیکھتا رہا پھر اس نے دوسرے بٹن دبا کر سڑکوں کا وہ جال دیکھا جس پر نقطہ ایک مخصوص سمت میں حرکت کر رہا تھا۔ سراج حیرت سے اس ڈیوائس کو دیکھ رہا تھا جب موبائل پر دوبارہ سگنل موصول ہوا۔ اورنگ زیب نے دوسرے ہاتھ سے موبائل آن کر کے کان سے لگایا، اس کی نظریں بہ دستور آپریٹس کی اسکرین پر مرکوز تھیں لیکن موبائل پر جو اطلاع ملی اسے سن کر اس نے جواب میں صرف...... ''او۔کے'' کہا پھر آپریٹس کو میز پر رکھ کر اس نے بڑی سرعت سے کسی کے نمبر پنچ کرنے شروع کیے۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے غیر معمولی سنجیدگی سے سرسراتی آواز میں کہا تھا۔

''سر...... میں ایس پی اورنگ زیب بول رہا ہوں...... جی ہاں، اٹ از ارجنٹ اینڈ ٹاپ پرائریٹی سر...... انڈرورلڈ کا دہشت گرد اور زخمی وشنو دونوں ہمارے آدمیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر فرار ہو گئے ہیں۔ جی ہاں، ابھی ابھی اطلاع ملی ہے...... ایک دو سپاہی زخمی بھی ہوئے ہیں، کچھ ذمے دار بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار ہیں لیکن بہرحال، یہ میرے لیے ایک پریشان کن اطلاع ہے......فوری طور پر میں درخواست کروں گا کہ تمام آن ڈیوٹی افسران اور کانسٹیبلری اسٹاف کو معطل کر دیا جائے اور زیر حراست رکھا جائے لیکن میرا نام درمیان میں نہ آئے تو مناسب ہوگا...... جی نہیں، شاید ابھی ہمارے ڈی آئی جی کو اس کی اطلاع نہیں ملی...... تھینکس...... تھینک یو ویری مچ سر۔''

کال ختم کر کے اورنگ زیب آپریٹس ساتھ لیتا ہوا تیزی سے کرسی سے اٹھا۔ سراج اس کے ساتھ ہی دفتر سے نکلا، گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے دبی زبان میں پوچھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے۔ لوچن اور وشنو کے فرار ہونے میں کس کا ہاتھ ملوث ہو سکتا ہے؟''

''یہ بعد میں دیکھا جائے گا...... فی الحال ہمیں شبنم اور اسلم ڈنکا کو بچانا ہے۔'' اورنگ زیب نے گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا، آکٹوپس نے جوابی کارروائی کے طور پر اب میری کچھ اہم شہادتوں کو ختم کرانے کا منصوبہ بنالیا ہے۔''

''کیا آپ کو علم ہے کہ شبنم اس وقت کہاں ہوگی؟''

''ہاں...... وہ اس وقت آکٹوپس کے ایک زرخرید کتے کے ساتھ اسلم ڈنکا کی طرف جا رہی ہے۔ اسے یقین دلایا گیا ہے کہ اسلم ڈنکا کو گولی مار دینے کے بعد وہ اس کی جگہ لے سکتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ اسلم کے مرتے ہی شبنم کو بھی گولی مار دی جائے گی۔''

''یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟''

''میرے مخبر نے اور...... اسے اس شخص نے اطلاع دی ہے جو اس وقت شبنم کے ساتھ ہے، یہ بھی سن لو کہ وہ اسلم ڈنکا کا خاص الخاص آدمی ہے۔ نہ ہوتا تو اس قدر اہم بات کو زبان سے نکالنے کی جرأت کبھی نہ کرتا۔''

سراج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اورنگ زیب کی زبانی پوری صورت حال معلوم ہو جانے کے

بعد وہ دل ہی دل میں اورنگ زیب کی بے پناہ صلاحیتوں پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا جب ایک نیا خیال بھی اس کے ذہن میں تیزی سے ابھرا۔ ''کہیں لوچن اور وشنو کے فرار میں بھی تو اورنگ زیب کی کسی پلاننگ کا دخل نہیں تھا؟''

+++

اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔ بہ ظاہر وہ ابھی تک ''ہست وبود'' کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ متحرک ہے لیکن کہاں؟ اس کا ذہن اس بات کی تصدیق کرنے سے قاصر تھا پھر ایک ٹھوس مردانہ آواز، اس کے کانوں میں پہلی بار واضح طور پر گونجی۔

''یہ مر گیا یا ابھی زندہ ہے؟''

''ابھی تک بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار ہے۔'' زنانی آواز میں جواب ملا۔ ''ہم نے اسے تکلیف کی شدت سے نجات دلانے کی خاطر خواب آور انجکشن لگایا تھا۔''

''زخم کی کیا کیفیت ہے؟'' بہ دستور خشک لہجے میں پوچھا گیا۔

''قسمت اچھی تھی جو ہڈی بچ گئی ورنہ زندگی بھر لنگڑاتا رہتا۔''

آوازیں اب افضل خان کے ذہن میں واضح طور پر گونج رہی تھیں۔ اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ ابھی تک زندہ ہے لیکن آسمان سے آ کر کہیں کھجور میں ضرور اٹک گیا ہے، اس نے فوراً ہی آنکھ کھولنے کی غلطی نہیں کی۔ خود کو مدہوش ظاہر کرتا رہا مگر جب اس کے پیروں سے غالباً پٹیاں کھولی جا رہی تھیں تب زخم میں شدید تکلیف کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کراہتے ہوئے اس سفید کپڑوں میں ملبوس نرس پر نظر ڈالی جو اس کی بائیں پنڈلی کی پٹیاں تقریباً کھول چکی تھی۔ وہ تکلیف اسے زخموں پر لگے کسی ٹیپ کے ادھیڑنے سے ہوئی تھی۔ اس کی کراہ کی آواز سن کر نرس کی نظریں اس کے چہرے پر پڑیں۔

''گھبراؤ نہیں...... ابھی تم زندہ ہو۔'' نرس نے تلخی آمیز ہمدردی کا اظہار کیا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''خاموش رہو......'' وہی مردانہ ٹھوس آواز داہنی جانب سے سرسراتی ہوئی ابھری پھر ایک درمیانہ قد کا شخص اس کے سامنے آ گیا، اس کی نظروں میں بھی ملی جلی کیفیتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ افضل خان نے فوری طور پر کوئی دوسرا سوال نہیں کیا۔ اسے اس بات سے طمانیت کا احساس ضرور ہوا کہ وہ اس وقت کسی اسپتال میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں گزرے واقعات کی یلغار شروع ہو گئی۔

بگ باس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اسلم ڈنکا کو اپنی اہمیت کا احساس دلانے کی خاطر اس نے جگا کو اس کے ٹھکانے سے نکال کر تنہا قابو کرنے کی ٹھان لی تھی۔ امداد علی کو قابو کر لینے کے بعد اسے اپنی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی۔ صورت حال پوری طرح اس کے قابو میں تھی۔ امداد کے فون کرنے پر جگا نے اس سے ساحلی علاقے کے اسنیک بار پر ملاقات کرنے کا وعدہ بھی کر لیا تھا پھر......

وقت مقررہ پر جگا ایک خیراتی ادارے کی ایمبولینس سے نکل کر سامنے آیا تو افضل خان نے امداد علی سے بڑے خوفناک لہجے میں کہا تھا۔

''کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تم دونوں کو جہنم رسید کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔''

امداد علی کوئی جواب دینے کے بجائے خاموشی سے ہائی روف سے نکل کر بڑے دوستانہ انداز میں جگا سے بغلگیر ہوا تھا جب افضل خان نے سامنے آ کر جگا کو للکارا تھا۔ اسے اپنی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی جب کسی نے پشت سے اس کی ٹانگ کا نشانہ لیا تھا۔ غیر متوقع شاندار کامیابی کے بعد ناکامی کے اس جھٹکے نے جیسے اس کے ذہن کو یکلخت مفلوج کر دیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی لیکن اسلحہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد زخم میں ہونے والی شدید تکلیف نے اس کے سنبھلنے اور سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتوں کو بیکار کر دیا...... اس کی پلکوں کے نیچے گھپ اندھیرے تیرنے لگے۔ اس کا ذہن چکرایا تھا پھر وہ بے ہوشی سے دوچار ہو کر ساحل پر گرا تھا اور...... اب ہوش آنے کے بعد وہ کسی اسپتال میں تھا جہاں اس کے زخم کا معائنہ کیا جا رہا تھا لیکن ڈاکٹر نظر آنے والے شخص کے سخت اور سرد طرز تخاطب نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اس نے اردگرد نظر ڈالی، جگا یا امداد علی اسے نظر نہیں آئے۔ وہ ان کے بارے میں قیاس آرائی کر رہا تھا جب ڈاکٹر نے اس کی پشت پر کھڑے کسی شخص کو مخاطب کیا۔ ''اس کو بستر پر لٹاؤ۔''

اس جملے کے بعد ہی افضل خان کو خیال آیا کہ وہ اس وقت وہیل چیئر پر تھا۔ ڈاکٹر کے اشارے پر وہ وارڈ بوائے بھی سامنے آ گیا جو اس کی وہیل چیئر چلا رہا تھا، اس نے ڈاکٹر کے حکم کی پیروی میں افضل خان کو بڑی آسانی سے کرسی سے اٹھا کر قریبی بستر پر ڈال دیا جو مریضوں کے معائنے کیلئے مخصوص تھا۔

افضل خان دم سادھے خاموش پڑا رہا۔ زخم کے معائنے کے دوران نرس اس کو اسسٹ کرتی رہی، ڈاکٹر نے زخموں کو دوبارہ صاف کر کے اس پر ضروری دوائیں لگائیں پھر جتنی دیر میں وارڈ بوائے زخموں کی پٹی کرتا، نرس نے ڈاکٹر کے کہنے پر اس کے بازو میں ایک انجکشن لگا دیا۔ ''باقی دونوں کا کیا حال ہے؟'' ڈاکٹر نے نرس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر زخموں کا بہ غور معائنہ کرنے لگا۔

''وہ دونوں نارمل نظر آ رہے ہیں۔''

''اسے واپس لے جا کر ان دونوں کے پاس چھوڑ دو اور......'' ڈاکٹر نے ایک بار پھر افضل خان کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میجر نصرت کو باور کرا دینا کہ زخم ایسا نہیں ہے کہ یہ مر جائے...... ایک دو پٹیوں کے بعد اس کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔'' پھر وہ نرس کا جواب سنے بغیر کمرے سے لیفٹ رائٹ کرتا تیزی سے نکل گیا۔ وارڈ بوائے اور نرس نے افضل خان کو ڈنڈا ڈولی کر کے پھر وہیل چیئر پر بٹھا دیا۔ پانچ منٹ بعد مختلف راہداریوں سے گزارنے کے بعد اسے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں تین اسٹول، ایک بینچ اور ایک آرام دہ کرسی کے سوا اور کوئی فرنیچر نہیں

تھا۔

افضل خان نے ایک ہی نظر میں پوری سچویشن کا بہ غور جائزہ لیا، اس کا ذہن گواہی دے رہا تھا کہ وہ کسی باقاعدہ اسپتال میں نہیں تھا، کسی خاص ایجنسی یا گروہ کی تحویل میں تھا جہاں اس کے زخم کی مرہم پٹی محض اس کو زندہ رکھنے کی خاطر کی گئی تھی۔ جگا اور امداد علی کے چہروں کے تاثرات کچھ اور کہہ رہے تھے۔ بہ ظاہر ان کے چہروں سے کسی تشویش کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ وارڈ بوائے اسے وہیل چیئر سے بینچ پر منتقل کرنے کے بعد باہر گیا تو دروازہ بھی باہر سے بولٹ کر دیا گیا۔ افضل خان کا ذہن اس سچویشن کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جب امداد علی کی سپاٹ اور خشک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''دیکھ لیا تو نے اپنی پھنے خانی کا نتیجہ...... تیرے ساتھ ہم بھی بلاوجہ رگڑے میں آگئے۔''

''ہم اس وقت کس کی تحویل میں ہیں؟'' افضل خان نے مجبوراً سوال کر لیا۔

''ہم......'' جگا نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔ ''تم اس کو بھی اپنی سسرال ہی سمجھو جہاں تمہارے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا جیسا پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی لانے پر اس کے سسرال والے کرتے ہیں۔''

افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف جگا کو سرد نظروں سے دیکھنے پر اکتفا کیا۔

''ایک بات یاد رکھ ڈھیلے!'' امداد علی نے اپنی سابقہ اور ٹھیٹ پولیس والوں کی زبان استعمال کی۔ ''تو اب تک جس کھونٹے پر اچھل رہا تھا، اب وہ بھی تجھے تھپکی لگانے کی غلطی نہیں کرے گا۔ جانتا ہے کیوں؟...... ہم اس وقت ملٹری کی ہائی کمان کے چوہے دان میں پھنس گئے ہیں جہاں کسی کی دال نہیں گلے گی، ایک ہی جلاب میں سارا کھایا پیا باہر نکال لیا جائے گا۔''

''تمہیں اس کا اندازہ کیسے ہوا......؟'' افضل خان ملٹری کی ہائی کمان کے حوالے سے چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''بتی جل جانے دے۔ پھر جب اسی کال کوٹھری میں میجر نصرت کی عدالت دوبارہ سجے گی تو تجھے بھی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔'' جگا نے بل کھا کر کہا۔ ''اس کی موٹی فائل میں سب کا اعمال نامہ درج ہے، تیرے اس حرامی باس کا بھی' جو تجھے چارے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔''

افضل خان نے جگا اور امداد علی کو باری باری بہ غور دیکھا پھر غراتے ہوئے بولا۔ ''موٹی فائل میں تمہارے بھی سارے سابقہ کرتوت ضرور درج ہوں گے۔ کل جو سزا نہیں ملی وہ آج مل جائے گی پھر...... ساتھ ہی جیل میں چکی بھی گھما لیں گے۔''

''بات میری تیری نہیں ہے پاگل دے پتر......'' امداد علی نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''اصل چکر بلی کے گلے میں گھنٹی ڈالنے کا ہے۔ میں نے پولیس کے محکمے میں ایویں پاپڑ نہیں بیلے ہیں۔ ہمیشہ اور تیل کی دھار پر نظر لگا کر رکھی ہے۔'' اس نے ذرا مدھم آواز میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''بات اب تیرے شیخ جی کی ڈگڈگی بجانے کی ہے۔ ملٹری کے بڑوں کو بھی شیخ ڈبا پیر کی ہسٹری شیٹ

مکمل کرنے کیلئے ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے۔ دو گواہوں اور وکیل کے بغیر نکاح بھی مکمل نہیں ہوتا۔ ہماری فکر میں دبلا ہونے کی مت سوچ۔ ہم نے شہادتوں کے خانے میں انگوٹھا لگانے کی سوچ لی ہے۔ تو اپنی فکر کر ورنہ کھاٹ کھی ہونے میں دیری بھی نہیں ہوگی...... شیخ کی ہتھیلی اب تیرے تھلے نہیں لگ سکے گی۔"

اس بار افضل خان نے امداد علی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا، کوئی جواب دینے کے بجائے اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ اس وقت وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

چار گھنٹے بعد کمرے کا دروازہ دوبارہ کھلا، دو فوجی جوان ایک میز لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے آرام دہ کرسی اٹھا کر میز کے ساتھ رکھی پھر لائٹس جلا کر خاموشی سے واپس چلے گئے، جگا اور امداد علی سنبھل کر بیٹھ گئے، افضل خان بہ دستور لیٹا رہا۔ دونوں فوجیوں کے جانے کے بعد ایک حوالدار ہاتھ میں موٹی سی فائل دبائے اندر آیا۔ اس نے فائل میز پر رکھ کر باری باری تینوں کو گہری نظروں سے دیکھا پھر افضل خان کو مخاطب کر کے کرخت لہجے میں بولا۔

"اٹینشن ہو کر بیٹھ جاؤ ماسٹر، تمہاری میڈیکل رپورٹ بھی اسی فائل میں ہے۔ خوش قسمت ہو جو گولی نے ہڈی کو ہٹ نہیں کیا ورنہ اپاہج بھی ہو سکتے تھے۔"

افضل خان خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ تیسری بار کھلا تو جگا اور امداد علی بھی سنبھل کر سیدھے ہو گئے۔ آنے والا میجر نصرت ہی تھا جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکے تھے، کمرے میں داخل ہو کر میجر نصرت کی تیز نظریں افضل خان کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ وہ درمیانہ قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا، اس کی عقابی نظروں میں ذہانت کی مخصوص چمک تھی۔ افضل خان کی نظریں بھی میجر سے چار ہو رہی تھیں لیکن ایک منٹ بعد ہی اس نے نظریں جھکا لیں، میجر نصرت کی نظروں میں کوئی ایسی ہی خاص بات تھی جو وہ اس سے دیر تک نظریں نہیں ملا سکا تھا۔ اس کے وجود میں اتھل پتھل شروع ہو گئی۔

میجر کچھ دیر کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ کھڑا افضل خان کو گھورتا رہا پھر اس نے آرام کرسی پر بیٹھ کر موٹی فائل کو کھول لیا، کچھ دیر اس کے صفحات کو الٹتا پلٹتا رہا پھر ایک صفحے پر پہنچ کر وہ رک گیا، کاغذات کے اندراجات کو دیکھتا رہا پھر اس نے نظریں اٹھا کر دوبارہ افضل خان کو دیکھا۔

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟" اس نے ٹھوس اور تھمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"محمد افضل......"

"خاں کا اضافہ کب اور کیسے ہوا......؟" میجر کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی جو افضل خان کسمسا کر رہ گیا، ذرا تھم کر بولا۔

"یہ نام میرے باس نے ملازمت کے بعد رکھا تھا......"

"ملازمت سے پہلے تم کیا کرتے تھے؟" میجر کی تیز نظریں بہ دستور افضل خان کے چہرے پر

مرکوز تھیں۔

''پولیس کی نظروں سے چھپتا پھرتا تھا۔'' افضل خان نے اس بار اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔ ''میرے خلاف کچھ ایسے بے بنیاد کیس بنائے گئے تھے جن کا براہ راست میری ذات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔''

''آئی۔سی......'' میجر نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ''جس کیس میں تمہیں پھنسایا جا رہا تھا اس کی نوعیت کیا تھی؟''

''ایک بڑے وی آئی پی کی نوجوان لڑکی کے ریپ کا چکر تھا۔

''اس لڑکی کا نام گل رخ تھا جو میڈیکل کالج میں پڑھ رہی تھی۔ اسے کالج سے واپس جاتے وقت راستے سے اغوا کر لیا گیا۔ اغوا کرنے والے اس کو ایک وین میں ڈال کر سینڈس پٹ لے گئے جہاں دو آدمیوں نے اس کی آبرو لوٹی اور تیسرا مووی بناتا رہا۔ اس کے بعد لڑکی کے باپ سے تین کروڑ کا مطالبہ کیا گیا۔ رقم مل جانے کے بعد اغوا کرنے والوں نے میگنیٹو کی واپسی کیلئے بھی سودے بازی کی لیکن ان کا اعتماد انہیں لے ڈوبا۔ پولیس کے ماؤس ٹریپ (Mouse Trap) میں ایک آدمی رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ دوسرا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔''

''مجھے اتنی تفصیل نہیں معلوم لیکن پولیس نے میرا نام بھی اس کیس میں شامل کر لیا تھا۔'' افضل خان نے سنبھل کر معصوم بننے کی کوشش کی۔

''جس آدمی نے مووی بنائی تھی اس کا نام جانتے ہو......؟''

''جناب...... جب میں اس کیس میں شامل ہی نہیں تھا تو کسی کا نام......''

''میں بتاتا ہوں......'' میجر زہرخند سے بولا۔ ''اس کا نام باسٹرڈ...... سن آف اے بچ تھا۔''

''افضل خان کسمسا کر اپنی معصومیت کا اظہار کر رہا تھا، جب میجر نصرت نے ایک تصویر فائل سے نکال کر اس کی طرف اچھالی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ وہ افضل خان کی اپنی ہی تصویر تھی جسے ایسے مخصوص زاویے سے کھینچا گیا تھا کہ اس کے چہرے کے علاوہ ایک شخص کو لڑکی کو ریپ کرتے ہوئے بھی پیش منظر میں رکھا گیا تھا۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی خود افضل خان بھی چکرا گیا۔

''میرے پاس وقت کم ہے افضل خان......'' میجر نے بڑے زہریلے انداز میں بات آگے بڑھائی۔ ''اسی تصویر کے ذریعے تمہیں ملازمت ملی، پولیس کے ہاتھوں سے بچانے کی یقین دہانی کرائی گئی۔ تمہاری کرمنل ہسٹری کی فائل کو سرد خانے میں ڈلوا دیا گیا جس میں تم پولیس کو درکار تھے، اب کیا کہو گے؟''

افضل خان نے جواب نہیں دیا، حالات اور تصویری ثبوت کی بنا پر اس نے خود کو ٹھنڈا ہی رکھنے کی ٹھان لی تھی۔

''اب تم کہاں ملازم ہو......؟''

''فی الحال......''

''دن منٹ......'' میجر نصرت نے کرخت لہجے میں اسے تنبیہ کی۔ ''یہ سوال انکوائری نہیں ہے۔ ہیرا پھیری کرو گے تو پھر گلے گلے تک پھنس جاؤ گے۔ سچ اگل دو گے تو کچھ رعایت بھی حاصل کر سکتے ہو...... اب جواب دو...... تم ابھی تک کس کے اشارے پر چل رہے ہو؟...... جگا اور امداد علی سے تمہاری کیا ذاتی دشمنی تھی جو تم نے ایک کے ذریعے دوسرے کو پھانسنے کی کوشش کی تھی؟''

''مجھے اس کی ہدایت اسلم ڈکا نے دی تھی۔ وہ بھی پولیس کو مطلوبہ مجرموں کی فہرست میں شامل ہے۔'' افضل خان نے پھر بات گھمانے کی کوشش کی لیکن خود گھوم کر فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔ میجر نصرت کی انگلی کے اشارے کے ساتھ ہی حوالدار کا ہاتھ بھی گھوم گیا تھا، ضرب گدی پر لگی اور اتنی شدید تھی کہ افضل خان کی نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس ہاتھ میں لوہے سے زیادہ سختی اور وزن تھا۔

میجر کی کرخت آواز پھر ابھری۔ ''تم ابھی تک کس کے اشارے پر چل رہے ہو؟''

''وہ بہت دن ہوئے مجھے ملازمت سے برطرف کر چکا ہے لیکن اس کے آدمی اب بھی اسی کے حوالے سے مجھے کام کرنے پر مجبور......''

''ڈونٹ بیٹ اباؤٹ دی بش۔'' میجر کے تیور خطرناک ہونے لگے۔ ''اس بل ڈاگ کا نام کیا تھا؟''

''ش...... اے...... شیخ حامد۔'' افضل خان نے دبی زبان میں اقرار کر لیا۔

''گڈ......'' میجر نصرت نے کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں ابھی جو تصویر دکھائی گئی تھی وہ بھی اسی کے آدمیوں نے تمہیں پالتو کتوں کی طرح مالک کے اشاروں پر دم ہلانے کی خاطر اتاری تھی۔ فار دن ریزن اونلی...... تاکہ تم بھونک نہ سکو...... انڈراسٹینڈ۔''

افضل خان نے خاموشی ہی میں نجات سمجھی۔ میجر نصرت نے تیزی سے پلٹ کر امداد علی کی سمت دیکھا۔

''تمہارے سابقہ ریکارڈ میں زیادہ کچرا نہیں ہے لیکن...... پولیس کی ملازمت اور معمولی تنخواہ کے باوجود تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ تم نے اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیا۔ ہماری انفارمیشن کے مطابق جگا کو بھی تم ہی نے سرمایہ دے کر اسٹیبلش کیا تھا؟''

''یہ سب مال غنیمت اور اوپر کی کمائی کا کرشمہ ہے صاحب بہادر۔'' امداد علی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ''تھانے اور کچہریوں میں جس کی گوٹ بھی پھنس جاتی تھی وہ شارٹ کٹ اختیار کرنے کی خاطر مال پانی خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ میں صرف اپنے تعلقات کو کیش کرتا تھا صاحب بہادر۔ البتہ لمبی رقم میں لمبی ڈنڈی مارنے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ جب چار پیسے جمع ہو گئے تو میں نے پولیس کی ملازمت پر بھی چار حروف بھیج دیے۔ یہ اوپر والے کی مہربانی تھی کہ دھندا مندا نہیں ہوا۔'' امداد علی نے بات جاری رکھی۔ ''جہانگیر ے (جگا) سے پرانی یاری تھی صاحب بہادر اس لیے میں نے اسے

بھی سیدھے راستے پر لگانے کی خاطر......"

"شیخ حامد سے تمہاری کیا دشمنی ہے......؟" میجر نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"جگا کی وجہ سے وہ بلا فضول مجھ سے ادھار کھانے لگا ہے جناب ورنہ کہاں راجا بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔"

"مسٹر جہانگیر بٹ......" میجر نے جگا کی طرف دیکھا۔ "کیا یہ درست ہے کہ تم نے سیدھے سادھے کاروبار کے ساتھ کچھ غنڈے بھی پال رکھے ہیں جن کی خدمات منہ مانگی اجرت وصول کرنے کے بعد فروخت کرتے ہو؟"

"میں انکار نہیں کروں گا جناب۔" جگا نے صاف گوئی سے کہا۔ "ایک بار پولیس کے رگڑے میں پھنسنے کے بعد میں نے اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کی خاطر کچھ سرپھروں کی ٹولی بنالی ہے۔ نہ بنائی ہوتی تو شاید بے گناہ ہونے کے باوجود شیخ حامد کے عتاب کا شکار ہو گیا ہوتا۔ اس کے علاوہ پولیس کو بھتہ بھی دیتا رہتا ہوں۔"

میجر نصرت کچھ دیر جگا اور امداد کو کریدتا رہا پھر اس نے افضل خان کی طرف دیکھا جس نے ابھی تک زمین سے اٹھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ "اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" اس نے دوٹوک لہجے میں بات کی۔ "کیا اب بھی شیخ حامد کے اشاروں پر ناچو گے یا اس کے خلاف گواہی دینے کو ترجیح دو گے......؟ تمہارا پاس کوئی تیسرا آپشن نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں صاحب بہادر...... ملٹری والے جب دم پر پاؤں رکھ دیں تو حکومت کا تختہ بھی الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔" امداد علی نے افضل خان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ کس کھیت کی......"

"شٹ اپ......" میجر نصرت نے ڈپٹ کر امداد سے کہا تو وہ ہاتھ باندھ کر سٹ گیا۔

افضل خان کے چہرے سے یتیمی برس رہی تھی، وہ ابھی کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جب کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک جونیئر آفیسر نے اندر داخل ہو کر ہاتھ میں دبا کورڈلیس میجر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سر...... چیف آن دی لائن۔"

میجر نے کورڈلیس لے کر کانوں سے لگا لیا۔ اس کے "ہیلو سر......" کہتے ہی دوسری جانب سے کہا گیا۔

"فوری طور پر ایس پی اورنگ زیب سے رابطہ قائم کرو۔ اس کے پاس تین اہم نفری اور موجود ہیں جو ہمارے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوں گی۔"

"کیا انہیں بھی ہیڈ کوارٹر لانا ہے؟"

"یس...... بی کوئیک۔" دوسری جانب سے مختصراً جواب کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

میجر نے کورڈلیس جونیئر آفیسر کے حوالے کرتے ہوئے افضل خان کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں صرف کل صبح تک کی مہلت اور دے رہا ہوں۔ اچھی طرح سوچ لو کہ تمہیں آخری

جواب کیا دینا ہے۔''

پھر اس سے پیشتر کہ افضل خان کوئی جواب دیتا میجر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک منٹ بعد ہی وہ ایس پی اورنگ زیب سے فون پر گفتگو کر رہا تھا۔

+++

چینی باشندے لوچن اور رام دیال کے فرار کی خبر کے ساتھ ان کی نگرانی پر مامور تمام چھوٹے بڑے افسران کی فوری معطلی کی خبر نے جہاں ایجنسی کے لوگوں کو حیران کر دیا، وہاں عوام کو بھی پولیس کے خلاف زہر اگلنے کا موقع مل گیا تھا۔ ہر جانب سے پولیس کی کارکردگی پر لعن طعن ہو رہی تھی، کاروباری حلقے کے افراد بھی شور مچا رہے تھے لیکن شیخ حامد اس خبر کو پڑھ کر بری طرح تلملا رہا تھا۔ کچھ دوسرے لوگوں کی طرح یہ بات خود اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی کہ وہ دونوں ایس پی اورنگ زیب جیسے دوراندیش اور ایماندار آفیسر کی نگرانی میں ہونے کے بعد کس طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کا شیطانی ذہن اس خبر کو آسانی سے من وعن تسلیم کر لینے پر آمادہ نہیں تھا۔

شیخ حامد کو لوچن سے زیادہ رام دیال کی فکر تھی جسے اس نے آڑے وقتوں کیلئے آخری حربہ سمجھ کر بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ وشنو کی حیثیت سے پڑوسی ملک میں بھی اس کی دہشت گردی کا ڈنکا بج چکا تھا۔ بے شمار وارداتوں میں ملوث ہونے کے باوجود وہ ایک بار بھی کسی ایجنسی کی لسٹ پر خطرناک مجرم کی حیثیت سے درج نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا طریقہ واردات ہی کچھ ایسا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح عدالت سے صاف بچ نکلتا تھا لیکن اس کی اپنی بیوی ہی اس کے حق میں دشمن ثابت ہوئی تو اس کے پاس سرحد پار کر جانے کے سوا دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ کلونت سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ عورتوں کی اس کیلئے کوئی کمی نہیں تھی لیکن کلونت گھر کی صاف ستھری ہانڈی تھی جسے نظر انداز کر کے اس نے کبھی باہر کی کسی ''چٹپٹی ڈش'' پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی بھول نہیں کی تھی لیکن جب ایک دن اس نے کلونت کو اپنے ہی ایک ساتھی کے ساتھ الٹ پلٹ کرتے دیکھ لیا تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ رام دیال خود چشم دید گواہ تھا اس لیے اسے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی، کلونت کی بے وفائی نے اس کی ساری سوجھ بوجھ اور دور اندیشی چھین لی، اس نے اپنے ساتھی کے جسم کو گولیاں مار مار کر چھلنی کر دیا پھر اس نے کلونت کی طرف خونی نظروں سے گھورا۔

''میں نردوش ہوں رام دیال۔'' کلونت نے بسورتے ہوئے اپنی بے گناہی کا ثبوت دیا۔ ''واگرو کی سوگند، میں اسے تیرا دوست سمجھ کر ہنس بول لیا کرتی تھی لیکن آج اس پاپی کے من میں شیطان آ گیا تھا، میں نے لاکھ بنتی کی پرنتو......''

''مجھے تجھ پر پورا پورا وشواس ہے کلونت!'' رام دیال نے آگے بڑھ کر کلونت کے گدرائے ہوئے جسم کو ایک آخری بار اپنے بازوؤں میں جکڑ کر پیار کرنا چاہا لیکن پھر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ پلک جھپکتے میں اس نے کرپان نکال کر کلونت پر پے در پے وار کرنے شروع کر دیئے۔ کلونت کے انگ، انگ سے خون کا فوارہ ابلنے لگا، وہ دہائی دیتی رہی لیکن جب تک رام دیال نے اسے

کرپان مار مار کر نا قابل استعمال نہیں بنا دیا اس کا ہاتھ چلتا ہی رہا پھر جب کلونت کی بڑی بڑی آنکھیں اس کے حلقوں سے ابل کر باہر آ گئیں، وہ تیورا کے اس کے قدموں پر اوندھی گر گئی تو رام دیال اس پر تھوک کر باہر جانے کیلئے پلٹا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ کلونت کی چیخ و پکار سے اس کے دروازے پر پورا محلہ جمع ہو گیا تھا۔ کسی نے پولیس کو بھی اطلاع کر دی تھی۔

رام دیال نے بازی پلٹتے دیکھی تو بھاگ کر چھت پر پہنچ گیا۔ ایک دوسرے سے ملی جلی چھتوں نے آسانیاں فراہم کر دیں، وہ ایک دوسرے کو پھلانگتا ہوا آخری مکان کی چھت تک پہنچ گیا۔ یہ اس گاؤں کا آخری مکان تھا جس سے چار فرلانگ دور پڑوسی ملک کی سرحد تھی۔ سرحد کے باشندے ایک دوسرے سے ضرورت کی چیزوں کا تبادلہ کرتے رہتے تھے اس لیے وہاں سختی بھی زیادہ نہیں تھی۔ رام دیال کو بارڈر کراس کرنے میں معمولی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن جب اس نے اپنے بھرا ہوا بٹوا، سونے کی گھڑی، ہیرے کی انگوٹھی کے علاوہ بدن کے قیمتی کپڑے بھی داؤ پر لگا دیئے تو اسے چیک کرنے والوں نے اپنی آنکھیں دائیں بائیں کر لیں۔ رام دیال پل بھر میں کوسوں کا فاصلہ طے کر کے آبادی تک پہنچ گیا۔ دو رات تک وہ ایک واقف کار کے گھر لکا رہا پھر وہاں سے بڑے شہر آ گیا جہاں قسمت نے یاوری کی تو بلیک ٹائیگر نے اسے رام دیال کی حیثیت سے شناخت کر لیا۔ پھر بلیک ٹائیگر کی سفارش پر ہی شیخ حامد نے اپنے برے دنوں کیلئے سنبھال کر رکھ لیا تھا۔ رام دیال کے بجائے اسے دوبارہ وشنو کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ وشنو کی حیثیت سے اس نے بلیک ٹائیگر کے ساتھ مل کر کئی اہم اور خطرناک معاملات میں اپنے جوہر دکھائے تو شیخ حامد کی نظروں میں اس کی اہمیت بھی بڑھ گئی۔ اس نے وشنو کو بہت سنبھال کر کسی خاص موقعے پر استعمال کرنے کو محفوظ کر لیا تھا۔

اورنگ زیب کے ہاتھ لگ جانے کے بعد بھی شیخ حامد کو یقین تھا کہ وشنو کی اصلیت نہیں کھلے گی۔ اس کا جرم اتنا سنگین بھی نہیں تھا کہ قانون اسے لمبی سزا دیتا لیکن لوچن نے اسے شناخت کر لیا تھا۔ یہ بات شیخ حامد کے علم میں نہیں تھی۔ اندر ہی اندر لوچن اور وشنو کے درمیان ایک کھچڑی پکی تھی لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ لوچن اس کے کسی مخالف گروہ کا نمائندہ ہے۔ وشنو یا رام دیال کی اصلیت کھل جانے کے بعد بات بگڑ بھی سکتی تھی۔

شیخ حامد کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے براہ راست مرکز میں اپنے ایک زرخرید اعلیٰ عہدے دار کو فون کیا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے ادھر ادھر کی دوستانہ باتوں کے بعد چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”دو اہم مجرموں کے فرار کے علاوہ ان کی نگرانی پر مامور عملے کی معطلی کی اطلاع آپ کو بھی ضرور ملی ہو گی؟“

”جی ہاں...... ڈی آئی جی نے انفارم کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ انہیں جلد دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا۔“

”کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ دونوں براہ راست آپ کے ایس پی اورنگ زیب کی نگرانی میں تھے؟“

''جی ہاں...... اور اسی کے کہنے پر تمام عملے کو معطل بھی کیا گیا ہے۔'' دوسری جانب سے بے پروائی سے جواب دیا گیا۔

''جو افراد فرار ہوئے ہیں ان میں ایک چینی باشندہ ہے، لوچن جو انڈر ورلڈ کا آدمی ہے، جس نے میرے آفس کو آگ لگانے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ اس موقع پر اس کا ایک ساتھی بھی مارا گیا تھا اور دوسرا......'' شیخ حامد نے کچھ توقف سے کہا۔ ''دوسرے کی اصلیت کا علم اگر پڑوسی ملک کو ہو گیا تو پھر یہ معاملہ بین الاقوامی طور پر بھی سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' دوسری جانب سے بے حد سنجیدگی سے پوچھا گیا۔ ''کون تھا وہ......؟''

''ایک انتہائی خطرناک مجرم جو انٹرپول کی فہرست میں بھی ہے لیکن ابھی تک اسے گرفتار نہیں کیا جا سکا، شاید اس لیے کہ ابھی تک قانون کے پاس اس پر ہاتھ ڈالنے کی خاطر کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔''

''آپ کو اتنے اندر کی بات کس طرح معلوم ہوئی؟'' دوسری جانب سے سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

''جب آپ حضرات نے اورنگ زیب کو یہاں تعینات کیا وہ بلاوجہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔'' شیخ حامد کے شیطانی ذہن نے فوری طور پر ایک کہانی گھڑ لی۔ بڑی چالاکی سے زہر چھڑکتے ہوئے بولا۔ ''میں نے بھی چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں جو ایک ایس پی کے سامنے گھٹنے ٹیک دوں، اس کے کچھ چہیتے میری جیب میں بھی پڑے ہیں جو خاص خاص باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ چینی اور دوسرے شخص نے ایک دوسرے کو شناخت کر لیا تھا پھر......'' شیخ حامد نے ایک لمحے کی معنی خیز خاموشی کے بعد سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''میرا ذاتی خیال ہے کہ ان کے فرار میں بھی کوئی مصلحت یا ذاتی لالچ شامل رہی ہوگی۔''

''ایس پی ٹھوس اصولوں کا مالک ہے، اس کے علاوہ اس کے اپنے بھی کچھ تعلقات ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی سے بلاوجہ مرعوب نہیں ہوتا لیکن......'' دوسری طرف سے ٹھوس لہجے میں کہا گیا۔

''جہاں تک میرا خیال ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی کبھی غیر قانونی حرکت میں ملوث نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے آپ کے مخبر نے محض حالات کے پیش نظر موقعے سے فائدہ اٹھانے کی خاطر آپ کو ایک بے بنیاد ٹپ دے دی ہو؟''

''مجھے امید تھی کہ آپ کو میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔'' جواب میں شیخ حامد نے دبی زبان میں کہا۔ ''بہرحال، آپ جس کرسی پر بیٹھے ہیں اس کا دائرہ اختیار بھی خاصا وسیع ہے۔ کبھی موقع ملے تو پڑوسی ملک کے اپنے ہم منصب سے وشنو اور رام دیال کے نام لے کر ان کا باہمی تعلق دریافت کرنے کی زحمت ضرور گوارا کر لیجیے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح آپ کو لوچن اور دوسرے فریق کے فرار ہونے میں کچھ اہم ہاتھ بھی ملوث نظر آ جائیں۔''

''ون منٹ مائی ڈیئر......'' دوسری جانب سے یکلخت سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''وشنو...... میرا خیال

ہے کہ یہ نام میں پہلے بھی کہیں سن چکا ہوں۔ کہاں؟ اس وقت یاد نہیں آ رہا۔"

"آپ معروف شخصیت کے مالک ہیں جناب، میں نے آپ کا خاصا قیمتی وقت لے لیا۔ اب اجازت چاہوں گا۔" شیخ حامد نے پہلی بار انکساری کا مظاہرہ کیا۔ "پھر بھی سلام دعا کرلوں گا۔"

"نہیں مائی ڈیئر...... تم نے اس وقت میرے ذہن کو کچھ الجھا دیا ہے، مجھے وشنو کے بارے میں اور کچھ بتاؤ...... پلیز۔"

"آپ کی ملٹری کے ذہین افسروں میں ایک نام کرنل احتشام کا بھی آتا ہے۔ اس سے رابطہ کر لیں، ممکن ہے وہ میرے مقابلے میں آپ کو زیادہ تفصیل سے آگاہ کر سکے۔ میں ایک دو دن میں...... دوبارہ کال کروں گا۔"

شیخ حامد نے رابطہ منقطع کر دیا، اس کے چہرے پر بہ دستور غور وفکر کے گہرے تاثرات طاری تھے۔ اس کے کام کے آدمی آہستہ آہستہ کم ہو رہے تھے۔ بلیک ٹائیگر کی موت کے بعد سے قسمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ جگا اور افضل خان کا ملٹری کی تحویل میں ہونا بھی اس کیلئے کوئی اچھا شگون نہیں تھا، اورنگ زیب آہستہ آہستہ اس پر حاوی آنے کی کوشش کر رہا تھا، اسے اپنے سوا کسی اور کی برتری منظور نہیں تھی، اسلم ڈنکا ایک کارآمد آدمی تھا لیکن وہ بھی افضل خان کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا شاید اسی لیے جگا اور امداد علی کو قابو کرنے کا پروگرام عین وقت پر خراب ہو گیا تھا۔ شیخ حامد کو اس پلٹتی ہوئی بازی کے پیچھے اسلم ڈنکا کا ہاتھ محسوس ہوا تو اس نے شبنم کے ذریعے اسے بھی ٹھکانے لگانے کی سوچ لی تھی۔ ایک تیر سے اس نے کئی نشانے لینے کی جو کوشش کی تھی وہ اسی کی کامیابی کی خوشخبری سننے کا منتظر تھا۔ ابھی اس کے پالتو شکاری کتوں میں کچھ ایسے کارآمد لوگ اور بھی تھے جو پٹے ہوئے مہروں کی جگہ لے سکتے تھے۔

اورنگ زیب کے شکوک وشبہات کو ختم کرنے کی وجہ سے اس نے اسلم ڈنکا اور شبنم دونوں کو ایک ہی جھٹکے میں راستے سے ہٹانے کی چال چلی تھی۔ اس کے بعد اس کے ذہن میں صرف وشنو کا نام تھا جو اورنگ زیب کے مقابلے میں کام آ سکتا تھا لیکن اس کے اور لوچن کے فرار ہو جانے کے بعد وہ مزید کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔ اس کا ذہن کسی اور متبادل کے بارے میں غور کر رہا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملا، روشن اسکرین پر وہی نمبر نظر آ رہا تھا جس نے شیخ حامد کو یہ بتایا تھا کہ جگا، امداد علی اور افضل خان کسی ایجنسی کی تحویل میں تھے، اس کی اطلاع غلط بھی نہیں تھی۔ ایک لمحے تک وہ اس نمبر کو بہ غور دیکھتا رہا پھر ٹھوس آواز میں بولا۔

"اس وقت کیسے یاد کیا؟"

"تمہیں یہ باور کرانے کی خاطر کہ اب ایس پی اورنگ زیب کا حلقہ تمہارے گرد آہستہ آہستہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں شام کو شائع ہونے والے اخباروں کی بے سروپا خبروں پر زیادہ غور نہیں کرتا۔" شیخ حامد نے جھلا کر کہا۔

''صبح کے اخباروں میں جو خبریں شائع ہوئی ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو...... کھل کر کہو......''

''تم نے استاد کے بارے میں میرا کام آسان کر کے جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔'' اس بار سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''لوچن اور دوسرے قیدی کا فرار محض تمہاری آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ایک ڈراما ہے۔ جو پہریدار معطل ہوئے ہیں اس میں بھی تمہارے ایس پی کا خاص دخل ہے۔''

''تم نے جگا کو چھڑانے کی خاطر اب تک کیا تیر مار لیا ہے؟'' شیخ حامد نے بل کھا کر پوچھا۔

''ہم نے سارا پروگرام مکمل کر لیا ہے۔ دو روز بعد تم کو بھی حالات کا علم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہی میں تمہیں ایک آخری مشورہ اور دوں گا۔ عمل کرنا نہ کرنا تمہارے اختیار کی بات ہوگی۔''

''اس وقت کس مقصد سے فون کیا تھا......؟''

''کھوپڑی کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کیا کرو شیخ حامد...... زیادہ گرمی کھانے سے ذہنی صلاحیتیں بھی آہستہ آہستہ زنگ آلود ہونے لگتی ہیں۔'' بے پروائی سے کہا گیا۔ ''قسمت ساتھ نہ دے تو پانسے بھی دغا دے جاتے ہیں۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تم نے شبنم اور اسلم ڈنکا کیلئے جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی تمہاری جلد بازی تھی۔ تم شاید بھول گئے تھے کہ جو آدمی شبنم کو لے کر اسلم کی طرف گیا وہ اس کا خاص آدمی ہے اور...... خاص لوگ خاص خاص موقعوں پر ہی کام دکھاتے ہیں۔ دو روز بعد تمہاری خیریت دوبارہ دریافت کروں گا...... بائی۔''

دوسری جانب سے ایک معنی خیز جملہ کہہ کر سلسلہ منقطع کیا گیا تو شیخ حامد فوراً ہی چونکا۔ اس نے کسی شبے کے امکانات کو دور کرنے کی خاطر بار بار اسلم ڈنکا، شبنم اور تیسرے آدمی کو کال کیا لیکن دوسری جانب سے کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ یہ بھی اس بات کی تصدیق تھی کہ فون پر اسے جو اطلاع ملی وہ غلط نہیں تھی۔

اسلم ڈنکا اور شبنم کے ہاتھ سے نکل جانے کا تصور ہی شیخ حامد کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ خبر کی تصدیق ہو جانے کے بعد وہ خاصی دیر تک پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے کسی کے نمبر ڈائل کرنے کی خاطر فون کا ریسیور اٹھایا تھا کہ موبائل پر سگنل ملے۔ اسکرین پر جانے پہچانے نمبر نہیں تھے اس کے باوجود اس نے رخ بدلتے حالات کے پیش نظر کال اٹینڈ کرنے کو ترجیح دی۔

''کون بول رہا ہے؟'' مائک پر ایک نئی آواز سن کر اس نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''آپ کا خادم ہوں باس۔'' دوسری جانب سے مانوس آواز سنائی دی۔ شیخ حامد وشنو کی آواز سن کر چونکا۔

''تم...... تم اس وقت کہاں ہو......؟''

''یہ نہیں بتا سکتا ملک لیکن جہاں بھی ہوں پوری طرح محفوظ ہوں۔''

''میں تم سے فوری طور پر ملنا پسند کروں گا۔ ایک اہم کام لینا ہے۔''

''ابھی ملاقات کا سمے نہیں ہے باس لیکن اتنا وشواس رکھو کہ وشنو اب دوبارہ آسانی سے خالی وردی والوں کے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''تمہارے ساتھ اور کون ہے......؟'' شیخ حامد نے کچھ سوچ کر سنجیدگی سے سوال کیا۔

''وہی جس کے ساتھ مل کر میں ایک اور ایک گیارہ ہو گیا ہوں۔''

''اس پر اعتماد نہ کرنا وشنو۔ وہ تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔''

''پرانی بات ہے باس۔'' اطمینان سے جواب دیا گیا۔''جس پارٹی سے بھی ہو لیکن اب وہ میرا لنگوٹیا بن گیا ہے۔ ہم پہلے بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر قانون کو ننگی کا ناچ نچا چکے ہیں۔ اب پھر وہی کھیل تماشا شروع کرنا ہے۔ آپ کے دیس کے لوگوں اور خاکی وردی والوں کو بھی انداز ہو جائے گا کہ جیل کی سلاخیں وشنو کا راستہ کبھی کھوٹا نہیں کر سکتیں۔''

''مم...... میں، لوچن کی بات کر رہا ہوں۔''

''جانتا ہوں باس......'' اس بار بہت جلدی میں کہا گیا۔''میرے پاس سمے کم ہے، آپ اپنا کام بتاؤ اور وشواس رکھو کہ میں اب بھی آپ ہی کا نمک حلال ہوں۔ آپ نے اور سورگ باسی بلیک ٹائیگر نے میری جو سہائتا کی تھی وہ ابھی تک یاد ہے مجھے۔''

''تم اسی چینی کو غلط سمجھ رہے ہو وشنو...... وہ تمہارا......''

''اس کو بھول جاؤ باس......'' دوبارہ جلد بازی میں جواب ملا۔''مجھے حکم دو تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ معاملات تمہاری سوچ سے زیادہ آگے نکل چکے ہیں۔''

''یہ بھی کھبر ہے کہ یہ بھی جانتا ہوں کہ فوج کو ہتھیلی لگانے کیلئے کس نے دعوت دی تھی لیکن اب وہ بھی نہیں بچے گا۔'' وشنو نے دھمکتے لہجے میں کہا۔''جس دن میں نے کلونت کے سندر شریر کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا، اس دن وشنو بھی مر گیا تھا۔ اب کیول رام دیال زندہ ہے جس کو صرف ایک آخری مہرہ اور پیٹنا ہے، اس سے حساب چکتا کر لوں پھر کوئی چنتا نہیں رہے گی۔''

''کس کی بات کر رہے ہو......؟'' شیخ حامد آخری مہرے والی بات پر چونکا۔

''تمہارے اسی ایس پی کی جس نے جگا اور افضل خان جیسے چوہوں کو شکار کرنے کا ناٹک رچایا تھا اور اب...... انجان بن رہا ہے۔'' اس بار بھی دبنگ لہجے میں کہا گیا۔''اس کی کھاٹ کھڑی کر دوں پھر من کو شانتی مل جائے گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن تم جس دوغلے شخص پر بھروسا کر رہے ہو وہ......''

''آم کھانے کی بات کرو باس۔ پیڑوں کی گنتی کا دھیان من سے نکال دو۔ تمہارا کام بہت جلدی ہو جائے گا۔''

دوسری جانب سے جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا تو شیخ حامد دانت پیس کر رہ گیا۔ جس نمبر سے کال کی گئی تھی اس کو اس نے دوبارہ آزمایا۔ مائک پر ایک ہی جملہ بار بار سنائی

دیا۔ ''آپ نے جس نمبر کو ملایا ہے وہ کسی کے استعمال میں نہیں۔ مزید معلومات کیلئے ہماری کسٹمر سروس سے رابطہ قائم کریں۔''

شیخ حامد بری طرح پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ اسے اس وقت وشنو کی تلاش تھی جو اس کے ہاتھ آ کر دوبارہ چھومنتر ہو گیا تھا۔ یہ بات بھی اس کیلئے تشویش ناک تھی کہ وشنو نے لوچن کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی تھی۔ یہ بھی حیران کن بات تھی کہ وشنو کو جیل سے فرار ہونے کے بعد ان باتوں کا علم کس طرح ہو گیا کہ افضل خان اور جگا کو فوج کے خفیہ ہاتھوں تک پہنچانے میں اورنگ زیب کا ہاتھ تھا۔ ان باتوں کا علم خود اسے بھی کسی نامعلوم فراد کے ذریعے ہوا تھا جو جگا کو ہر قیمت پر بچانے پر آمادہ تھا۔ ''وہ شخص کون تھا؟ اسے اورنگ زیب اور فوجی انٹیلی جنس کے گٹھ جوڑ کا علم کس طرح ہو گیا؟ یہ بات پورے یقین سے کس طرح کہی تھی کہ جگا کے بارے میں حالات کا فیصلہ دو دن کے اندر ہو جائے گا؟......اور......اس بات کا دعویٰ کس بنیاد پر کیا گیا تھا کہ لوچن اور وشنو کا فرار ہو جانا محض ایک ڈراما تھا؟ نیز جن پہرے داروں کو غفلت کا مرتکب سمجھ کر معطل کیا گیا اس میں بھی اورنگ زیب کے مشورے کا عمل دخل تھا؟''

+++

شیخ حامد کا ذہن ان سوالوں کو حل کرنے میں الجھا رہا پھر اس نے اچانک کچھ سوچ کر ایک عرصے بعد ڈی ایس پی لودھی کے نمبر ڈائل کیے' دوسری جانب کال فوراً ہی اٹینڈ کی گئی۔

''تابعدار اب بھی آپ کا خادم ہے جناب۔ اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''میں نے سنا ہے کہ دوبارہ تعیناتی کے بعد تمہیں سزا کے طور پر دور دراز علاقے کی ایک ویران ساحلی چوکی پر تعینات کیا گیا ہے جہاں تم مچھیروں کے رحم و کرم پر ہو؟''

''آپ کی اطلاع غلط نہیں ہے لیکن...... میرے ساتھ جو بھی ہوا وہ آپ سے وفاداری نبھانے کا انعام ہی ہے۔'' اس بار قدرے معنی خیز انداز میں جواب ملا۔

''کیا باور کرانا چاہتے ہو؟'' شیخ حامد نے کرخت لہجے میں سوال کیا۔

''سوری سر...... میرا وہ مطلب نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔'' لجاجت سے کہا گیا۔ ''میں کل بھی آپ کا پروردہ تھا' آج آپ کی نظر کرم کا محتاج ہوں۔''

''میری بات غور سے سنو...... فوری طور پر براہ راست ڈی آئی جی سے رابطہ کر کے کسی ذاتی ضرورت کے تحت دو ماہ کی رخصت کرو۔ میں ابھی آغا منظور سے بات کر لوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ مجھے زیادہ بھونکنے والے کتے پسند نہیں ہیں۔''

⁂

لیاقت حسین نے دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ سیٹھ عثمان کا بلاوا آ گیا۔ ایک منٹ بعد وہ ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

''تمہیں اب دفتر کے کام میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آ رہی؟''

''جب آپ مہربان ہیں تو پھر پریشانی کیسی......؟'' لیاقت حسین نے انکساری سے جواب دیا۔ ''کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔''

''آج تمہارے والد کا فون آیا تھا۔ کاروباری باتوں کے علاوہ میں نے ان سے یہاں آنے کی بھی درخواست کی تھی۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ سردار سرفراز خان نے اس بار میری دعوت قبول کر لی ہے۔ دو ہفتے بعد آنے کا پکا وعدہ بھی کر لیا ہے۔ تمہاری والدہ بھی ساتھ ہوں گی۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے......''

''تمہارے لیے ایک اہم اطلاع اور بھی ہے جس کی وجہ سے میں نے تمہیں بلایا ہے۔'' سیٹھ

عثمان نے بات جاری رکھی۔ ''ابھی سراج کا فون آیا تھا۔ اسے کسی وجہ سے تمہاری ضرورت پڑ گئی ہے۔''

''آپ کا جو حکم ہو......''

''تم جانتے ہو کہ سراج سے ہمارے کتنے قریبی اور گھریلو تعلقات ہیں' لیکن اس بار سراج نے تمہارے لیے جو ہدایت دی ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آسکیں۔''

لیاقت حسین جواب دینے کے بجائے سیٹھ عثمان کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

''تمہیں آج رات دو بجے کے بعد سنٹرل ٹیلی گراف آفس کے سامنے پہنچنا ہے' وہاں سے تمہیں کوئی شخص سراج کے حوالے سے پک کرلے گا لیکن...... تمہیں کس کام کے لیے اور کتنے دنوں کے لیے جانا ہے اس کی وضاحت نہیں کی۔''

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے......؟'' لیاقت حسین نے کسمسا کر کہا۔ ''سراج صاحب کے مجھ پر بھی بہت سارے احسانات ہیں' میں ان کے کسی کام آسکا تو یہ بھی بڑی خوش قسمتی کی بات ہو گی۔''

''ایک اہم بات اور بھی ہے...... تم اس کا کوئی ذکر فرحین سے بھی نہیں کرو گے۔''

''اوہ......'' لیاقت حسین نے کچھ توقف سے کہا۔

''میں اچانک اسے بغیر بتائے چلا گیا تو وہ......''

''تم اس کی فکر مت کرو۔'' راحیلہ اس کا ہر طرح خیال رکھے گی اور میں...... یہ بہانہ بنادوں گا کہ میں نے تمہیں کسی فوری ضرورت کے تحت کسی اہم کام کے لیے بھیجا ہے...... اور یہ بھی کہ تمہاری واپسی میں دو چار دن بھی لگ سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے...... یہ مناسب رہے گا۔'' لیاقت حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر اپنے آفس میں آ گیا۔ اس کا ذہن ابھی سراج کے پیغام کی اہمیت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ دنوں پہلے ہی سراج نے فون پر ہونے والی گفتگو کے دوران کہا تھا کہ ہوسکتا ہے اسے اور اورنگ زیب کو اس کی ضرورت پیش آئے۔ وہ ضرورت کیا تھی کہ جس کے پیش نظر اس کی ضرورت اس قدر احتیاط اور رازداری کے ساتھ اسے براہ راست نہیں بلکہ سیٹھ عثمان کے ذریعے رات کو دو بجے اور فرحین کو مطلع کیے بغیر ایک مخصوص مقام بلایا جا رہا تھا؟

+++

رستم علی آغا خانی اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا' اسٹینو کو ایک اہم کاروباری ڈرافٹ لکھوا رہا تھا جب انٹرکام کے بزر نے اس کی توجہ اپنی سمت مبذول کر لی۔

''یس......'' اس نے ریسیور اٹھا کر ناگواری کا اظہار کیا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اس وقت مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

''سوری سر...... لیکن ایس پی مسٹر اورنگ زیب میرے آفس میں موجود ہیں۔ وہ آپ سے

فوری ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"
رستم علی آغا خانی کوئی جواب دینے کے بجائے اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا پھر اس نے ریسپشنٹ کو ہدایت کی کہ ایس پی کو دو منٹ بعد اندر بھیج دیا جائے۔ انٹرکام کا ریسیور رکھ کر اس نے اسٹینو کو جانے کی ہدایت کی پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اورنگ زیب کی آمد کے مقصد کے بارے میں غور کرنے لگا۔ ایک سیدھا سادا اور صلح پسند کاروباری ہونے کی وجہ سے وہ پولیس سے زیادہ میل ملاپ پسند نہیں کرتا تھا لیکن اورنگ زیب نے اسے پچھلی دو ملاقاتوں میں بے حد متاثر کیا تھا اس لیے دو منٹ بعد اورنگ زیب جیسے ہی آفس میں داخل ہوا اس نے بڑی خندہ پیشانی سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرنے سے گریز بھی نہیں کیا۔
"میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" اورنگ زیب نے بیٹھتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اس وقت دراصل مسٹر دارا سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ چونکہ موجود نہیں تھے اس لیے......"
"کیسے ہم غریبوں کا خیال آ گیا۔" رستم علی آغا خانی نے بے تکلفی سے کہا۔ "اچھا ہوا جو دارا نہیں تھا ورنہ شاید آپ مجھ سے ملے بغیر ہی چلے جاتے۔"
"میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔"
"خیریت تو ہے......؟" اس بار وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اورنگ زیب کے جواب نے اسے کچھ الجھا دیا تھا۔
"دراصل میں دارا سے براہ راست اس لیے ملنا چاہتا تھا کہ جو کام درپیش ہے اس میں آپ کو انوالو کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔"
"ایسی کیا بات ہو سکتی ہے؟" رستم علی کی پریشانی اس کے لہجے سے عیاں ہونے لگی۔
"میں اس بات کا قائل ہوں کہ لوہے پر اسی وقت ضرب لگائی جائے جب وہ پوری طرح گرم ہو۔" اورنگ زیب نے بے حد سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ "اب وہ وقت آ گیا ہے اس لیے...... میں چاہتا ہوں کہ جس وجہ سے آپ نے اپنی ملازمہ گلابو کو خاموشی سے علاج کے لیے اسپتال میں داخل کرایا تھا۔ اب اس کی باقاعدہ شکایت قریبی تھانے میں درج کرا دی جائے۔"
"اوہ......" رستم علی کے چہرے پر تشویش کے اثرات گہرے ہونے لگے۔ اس نے کچھ توقف سے کہا۔
"مجھے یقین ہے کہ آپ کے اس مشورے میں بھی ہماری کوئی بھلائی ہو گی لیکن ایک تو اس بات کو کچھ وقت گزر چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں پولیس کے چکروں میں......"
"ون منٹ مسٹر علی۔" اورنگ زیب نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "میں آپ کے دونوں سوالوں کا حل پیش کیے دیتا ہوں...... پہلی واردات میں آپ نے اپنے بزنس پوائنٹ آف ویو اور کاروباری ساکھ کو برقرار رکھنے کی خاطر درگزر سے کام لیا تھا لیکن اب کسی نامعلوم شخص نے اسی پچھلے حوالے سے دوبارہ بذریعہ فون کال ایک بڑی رقم فراہم کرنے کو کہا ہے۔ انکار کی صورت میں وہ آپ کو ناقابل

تلافی نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ رہا پولیس کا چکر...... تو میں آپ کو پہلے بھی اپنے تعاون کا پورا یقین دلا چکا ہوں۔ آپ مطمئن رہیں' آپ صرف ملحقہ تھانے میں اپنی خفیہ تحریری شکایت کسی طرح پہنچا دیں۔ تھانے کا کوئی آدمی اس سلسلے میں آپ سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ وہ تھانہ بھی میرے ہی دائرہ اختیار میں ہے۔''

''آپ نے اس سلسلے میں دارا کا انتخاب کیوں کیا تھا؟''

''اس لیے کہ وہ نوجوان ہے اور حالات کو فیس کرنے کا جذبہ بھی اس کے اندر موجود ہے جبکہ آپ بہت زیادہ احتیاط اور دوراندیشی کے پیش نظر کچھ اہم ترین مسئلوں کو بھی ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کو بہتر خیال کرتے ہیں۔''

رستم علی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی آنکھوں کی بدلتی رنگت اس بات غمازی کر رہی تھی کہ اب وہ ''گڑے مردے اکھاڑنے'' کے حق میں نہیں تھا۔ کچھ دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے اورنگ زیب کو دیکھتا رہا پھر دبی زبان میں بولا۔''آپ کو اندازہ ہو چکا ہے کہ پچھلی پریشانی کا ذمے دار کون تھا۔ تھانے میں رپورٹ درج کرانے کی بات اگر اس کے علم میں آگئی تو...... تو...... آپ بھی جانتے ہیں کہ اس کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ اس کا دوسرا وار ہمارے لیے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''کسی واردات کے سلسلے میں مجرم کے بارے میں صرف قیاس آرائی کافی نہیں ہوتی۔ ٹھوس ثبوت کے بغیر دنیا کی کوئی عدالت کسی مجرم کو سزا سنانے کی حماقت بھی نہیں کرتی۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں مسٹر اورنگ زیب...... مجھے آپ پر ہر طرح سے پورا پورا اعتماد بھی ہے مگر دریا میں رہ کر مگر مچھ......''

''اوکے......' اورنگ زیب ایک سرد آہ بھر کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔''اگر آپ اس معاملے میں ملوث نہیں ہونا چاہتے تو میرے پاس ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔''اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔''آپ کے نام سے ٹائپ شدہ ایک فرضی شکایت بھی درج ہو سکتی ہے جس پر کوئی دستخط نہیں ہوں گے۔ ایسے معاملات میں پولیس بھی بلاوجہ ملوث ہونا پسند نہیں کرتی۔ بغیر کسی حوالے اور دستخط کے جو شکایتیں موصول ہوتی ہیں انہیں زیادہ تر تلف کر دیا جاتا ہے' لیکن پولیس مناسب سمجھے تو خفیہ طور پر چھان بین بھی کر سکتی ہے۔''اورنگ زیب نے ایک لمحہ رک کر رستم علی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔''آپ شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے؟''

''جی ہاں لیکن...... میں اب بھی یہی درخواست کروں گا کہ اگر آپ......''

''سوری مسٹر رستم علی۔''اورنگ زیب نے پولیس والوں والا انداز اختیار کیا۔''میں ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہوں جو یہ بات آپ سے بہتر جانتا ہے کہ کس وقت کیا اقدام اٹھانے ضروری ہوتے ہیں۔ میں اب آپ سے اجازت......''

''پلیز مسٹر اورنگ زیب......''رستم علی بڑے کرب کے عالم سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔''آپ

ناراض نہ ہوں......اگر آ......آپ کسی خاص مصلحت کی بنا پر ایسا چاہتے ہیں تو میں انکار بھی نہیں کروں گا۔آپ جو چاہتے ہیں' میں ویسا ہی کرنے پر تیار ہوں لیکن ایک درخواست کروں گا۔دارا کو درمیان سے نکال دیں'وہ جوان بھی ہے اور جذباتی بھی......میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی الجھن میں پڑے۔''

''او۔کے'ایز یو وش۔''اورنگ زیب دوبارہ بیٹھ گیا۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے۔''

''ایک گلاس ٹھنڈا پانی اور اس کے بعد میں جس انداز میں یہاں سے واپس جاؤں گا اس کو آپ کے عملے کے افراد بھی ضرور محسوس کریں گے۔''

''جج......جی!''رستم علی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔''اب مجھ سے کیا غلطی ہوگئی جو آپ......''

''پریشان نہ ہوں۔''اورنگ زیب نے مدھم لہجے میں کہا۔''آپ کو میری درخواست پر ایک کام اور بھی کرنا ہوگا۔''

''وہ......وہ......کیا؟''

''میرے یہاں سے جاتے ہی آپ ڈی آئی جی مسٹر آغا منظور سے فون کر کے یہ شکایت کریں گے کہ میں بار بار آپ کو فون کر کے پریشان کرتا رہتا ہوں اور آج آپ کے دفتر بھی پہنچ گیا۔''

''میں سمجھا نہیں؟......آپ تو ایک آدھ بار پہلے بھی آ چکے ہیں......اس کے علاوہ'میری شکایت کا مقصد بھی ضرور دریافت کیا جائے گا۔میں اس سلسلے میں کیا کہوں گا؟''

پولیس جس کسی بڑے مالدار آدمی کو پریشان کرتی ہے تو اس کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔''اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں کہا۔''ماہانہ جبری الاؤنس۔''

''لیکن اس میں آپ کی......''

''قبل از وقت آپ مصلحت جاننے کی کوشش نہ کریں......صرف یہ اعتماد رکھیں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہونے کے علاوہ آپ کا ہمدرد بھی ہوں اور......دوست بھی۔''

ملازم پانی لے کر آ گیا تو اورنگ زیب نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کیا پھر تیزی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔اس کے چہرے پر باہر نکلتے وقت غصے اور جھلاہٹ کے تاثرات نمایاں تھے جسے دفتری عملے نے بھی محسوس کیا تھا۔آفس کی عمارت سے باہر آنے کے بعد اس نے سڑک کے دوسری جانب پارک ایک ایسی کار کا دروازہ کھولا جس کے شیشوں پر گہرے سیاہ رنگ کے باریک مخصوص پیپر لگے ہوئے تھے۔سامنے کے گلاس بھی ایسی ہی ساخت کے تھے جس سے باہر دیکھا جا سکتا تھا لیکن باہر سے اندر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔اورنگ زیب نے گاڑی میں بیٹھتے ہی حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا'اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ سراج پہلے سے اندر موجود تھا۔

''کیا اطلاع ہے؟''اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے سراج سے دریافت کیا۔

''مجھے ایک بیج کلر کی کار پر شبہ ہے جو دو بار چکر لگا چکی ہے۔''سراج نے مشتبہ کار کے نمبر

بتاتے ہوئے جواب دیا۔

''فکر مت کرو......وہ اپنے ہی آدمی تھے۔''

سراج نے اورنگ زیب کے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا پھر کچھ توقف سے بولا۔''میں بہر صورت آپ کے ساتھ ہوں لیکن ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔''

''کہو......''

''آپ جس انداز میں شیر کی کچھار میں گھس کر اس کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔وہ آپ کے لیے خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔''

''اچھے برے نتائج کا امکان ہر کام میں ہوتا ہے۔رہا شیر کا معاملہ تو میں مچان پر بیٹھ کر گولی داغ دینا' بڑے لوگوں کی عیاشی تو کہہ سکتا ہوں لیکن......بہادری نہیں!دوسری بات یہ ہے کہ تن تنہا نہیں ہوں' تم بھی میرے ساتھ ہو۔''

جواب میں سراج نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔اورنگ زیب بتدریج کار کی رفتار بڑھانے لگا۔

+++

شبنم دوپہر کے کھانے میں مصروف تھی جب نگرانی کرنے والا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔وہ پستہ قد اور دہرے بدن کا مالک تھا۔چہرے پر بائیں جانب کنپٹی کے قریب ایک پرانا مگر خاصا گہرے زخم کا نشان موجود تھا' غالباً گولی لگنے کا نشان تھا۔صورت شکل سے پرانا پاپی ہی نظر آتا تھا۔شبنم جانتی تھی کہ خفیہ ٹھکانوں پر پہرے دینے والے گارڈ ایک محدود حد سے تجاوز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے' مگر اس وقت وہ جس گھٹیا انداز میں شبنم کے عین سامنے آ کر کھڑا ہوا تھا وہ اسے پسند نہیں آیا' اس کے گھورنے کا انداز بھی حد درجہ ناقابل برداشت تھا۔

''کیا بات ہے؟''شبنم نے کھانے سے ہاتھ روک کر پوچھا۔

''کھانا جلدی ختم کر لو میڈم......تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''روکھے لہجے میں جواب دیا گیا مگر اس کی نظریں برابر شبنم کے جسمانی خطوط کا ناپ تول کرنے میں مصروف تھیں' تیور بھی کچھ بدلے نظر آ رہے تھے۔

''کہاں جانا ہے؟''

''اسلم صاحب کے خفیہ ٹھکانے پر......''گارڈ نے کہا۔''ابھی بڑے باس کا حکم ملا ہے۔''

''اسلم ڈنکا کیا خود یہاں نہیں آ سکتا تھا؟''

''میں سوائے بگ باس کے کسی کو جواب دینے کا پابند نہیں ہوں لیکن......تمہاری بات اور ہے۔''اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔''شاید تمہیں خبر نہیں ہے کہ اسلم صاحب ایک مقابلے میں بہادری سے لڑائیں لڑائی کے دوران زخمی ہو گئے تھے۔بڑی مشکلوں سے فرار ہو کر اپنے خفیہ ٹھکانے تک پہنچے ہیں۔''

''میں وہاں جا کر کیا......''

''انکار کی گنجائش نہیں ہے میڈم۔'' گارڈ نے اس کی بات کاٹی۔ ''بگ باس کے حکم پر صرف عمل کیا جاتا ہے۔ زبان ہلانے کی اجازت کسی کو نہیں ہوتی۔''

''ٹھیک ہے۔ تم باہر ٹھہرو' میں دو منٹ میں آتی ہوں۔'' گارڈ نے کچھ کہنے کی خاطر منہ کھولا پھر خاموشی سے مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔ شبنم نے کھانا چھوڑ دیا' واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا پھر بدن پر ایک چادر ڈال کر باہر آ گئی۔ گارڈ اس کا منتظر تھا اور پوری طرح محتاط بھی۔ اس نے شبنم کو آگے چلنے کو کہا خود اس کے پیچھے پیچھے رہا۔ چھ سات سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ اوپری ہال میں آ گئے جہاں ایک پرانے قالین اور دو چار کرسیوں کے سوا زیادہ سامان نہیں تھا' وہ کسی غیر آباد علاقے میں دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ باہر ایک وین موجود تھی جس پر کسی تجارتی ادارے کے اشتہار لکھے ہوئے تھے۔ شبنم کو وین کی پشت میں بٹھانے کے بعد وین ایک کچی آبادی میں داخل ہوئی جہاں کے راستے کچے ہونے کے علاوہ زیادہ کشادہ بھی نہیں تھے' چھوٹے بڑے اور کچے پکے مکان بھی بغیر کسی پلاننگ کے تعمیر کر لیے گئے تھے۔ یہاں زیادہ تر غریب طبقہ رہتا تھا جو بڑے بڑے مکانوں اور بنگلوں میں دن بھر روزی کمانے کی خاطر محنت و مشقت کرتے تھے اور رات کو گھروں میں آ کر پڑ رہتے تھے۔

وین مختلف پر پیچ اور ناہموار گلیوں سے گزر کر ایک ایسے مکان کے دروازے پر رکی جو آبادی کے دوسرے سرے پر خشک ندی کے دہانے پر بنا تھا۔ مکان کے ٹین کے دروازے پر ایک زنگ آلودہ تالا پڑا تھا۔ پستہ قد گارڈ نے پہلے دروازے کے اوپر سے اندر ہاتھ ڈال کر ایک مختصر بغلی دروازہ کھولا اور پھر اس نے ریوالور پر گرفت جما کر شبنم کو نیچے اتارا۔ شبنم کے پاس اس وقت حکم کی تکمیل کے سوا دوسرا راستہ بھی نہیں تھا لیکن کوئی بات ایسی ضرور تھی کہ اس کا دل کسی نادیدہ خوف سے دھڑک رہا تھا۔

آگے پیچھے اندر داخل ہونے کے بعد گارڈ نے بغلی دروازہ اندر سے بند کیا پھر مختصر کچے صحن کو چار چھ قدموں میں طے کر کے ایک دروازے پر دستک دی۔ دستک دینے کا انداز بھی مخصوص تھا۔

''کون ہے؟'' اندر سے کھانسی کے ساتھ ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''یہ میں ہوں اسلم صاحب' آپ کا نمک خوار عبدالجبار عرف جبرو۔''

اندر سے ایک منٹ بعد دروازہ کھول دیا گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک بوڑھی عورت تھی جو خاموشی سے باہر آ گئی' شبنم اور جبرو نامی گارڈ نے آگے پیچھے اندر قدم رکھا۔ اسلم ڈنکا سامنے ایک تخت پر لیٹا تھا' اس کے بائیں شانے اور سینے پر پٹیاں بندھی تھیں' جبرو کے ساتھ شبنم کو دیکھ کر اس کی نگاہوں میں ایک چمک سی کوندی۔

''تم......اس بشیر کو کیوں ساتھ لائے ہو؟'' اس نے شبنم پر نظر ڈالتے ہوئے جبرو کو تیز نظروں سے گھورا۔

''بگ باس نے یہی حکم دیا تھا اسلم صاحب۔''

''کوئی وجہ بھی بتائی ہو گی؟''

''ہاں.....''جبرو نے شبنم پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا''ریس کے گھوڑے پرانے ہو جائیں یا زیادہ زخمی ہوں تو پھر انہیں گولی ماروی جاتی ہے۔میڈم کو اسی لیے بھیجا گیا ہے۔بگ باس کا حکم ہے کہ میڈم تمہیں دوسری دنیا کا ٹکٹ کٹا کر تمہارا مقام حاصل کر سکتی ہیں۔''

جبرو کے اس جملے پر اسلم ڈلکا کے علاوہ خود شبنم بھی چونکی تھی۔

''سچ کہہ رہا ہے تو.....؟''اسلم نے جبرو کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

''سوری اسلم صاحب۔''جبرو نے شبنم پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر جواب دیا۔''میڈم اپنا کام پورا کر لیں تو پھر مجھے بھی میڈم کو انٹافغیل کرنے کے بعد ہی تمہاری سیٹ مل جائے گی۔بگ باس کا مکمل حکم یہی ہے لیکن میں میڈم کو ٹھکانے لگانے سے پیشتر اپنا دل ضرور پشاوری کروں گا۔تم چاہو تو مرنے سے پہلے تمہیں بھی یہی رعایت دی جا سکتی ہے۔''

شبنم بری طرح حالات کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔اسلم ڈلکا کی نظریں بہ دستور جبرو پر مرکوز تھیں پھر اس نے تھوڑا سا کراہ کر اپنی پوزیشن بدلی۔ہاتھ تکیے تک لے جانے کی کوشش کی تو جبرو یکلخت غرا کر بولا۔

''نہیں اسلم صاحب.....جلدی میں کوئی حماقت نہ کرنا ورنہ میڈم سے پہلے تم میرے ہی ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے۔''جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ جبرو نے ہاتھ اٹھا کر ریوالور بھی تان لیا۔

شبنم کو سینے کی گہرائیوں میں اپنا سانس گھٹتا محسوس ہوا۔وہ جس صورت حال سے دو چار تھی' بظاہر اب اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں نظر آ رہی تھی۔اس نے دل میں ایک مصمم ارادہ کر لیا کہ مر جائے گی لیکن ایک گھٹیا آدمی کے ساتھ زندگی بچانے کا سودا نہیں کرے گی۔

''جبرو.....''کمرے کی گھٹن میں اسلم ڈلکا کا ٹھوس آواز گونجی۔''ایک بات پر اچھی طرح غور کر لے۔جو ولدالحرام مجھے اور میڈم کو راستے سے ہٹا کر اپنے خلاف کچھ شہادتیں ضائع کرنے کی ٹھان چکا ہے' وہ بعد میں تیرے کانٹے کے کھٹکے کو بھی دور کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔''

''تم نے بھی زندگی میں دوستی اور دشمنی کا زیادہ تجربہ نہیں کیا اسلم کو فراموش نہیں کرے گا جبر سہنا بھی جانتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جبرو کل بھی تمہارا یار تھا اور آج تمہارے اس احسان کو فراموش نہیں کرے گا جو تم نے کبھی مجھے پولیس کی دسترس سے نکال کر کیا تھا۔''جبرو نے اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی ہاتھ میں دبا ہوا آتش اسلحہ بھی اسلم کی طرف اچھال دیا۔

شبنم کے علاوہ اسلم ڈلکا بھی حیران رہ گیا پھر اس نے اطمینان کا سانس لے کر شبنم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب ہمارا یہاں رکنا بھی مناسب نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس خنزیر نے کسی اور کو بھی تمہارے پیچھے لگا دیا ہو مگر......" اس نے کراہ کر اٹھتے ہوئے شبنم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس کا کیا کرنا ہے؟"

"مل بانٹ کر پیٹ پوجا کرلو پھر یہیں زمین میں دبا کر نکل چلیں گے۔"

"اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پپ...... پپ......"

اسلم ڈنگا اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا سب نے ایک ساتھ ہی دروازے پر ہونے والے دھما کے کو محسوس کیا پھر جو کچھ ہوا اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ سر سے گردن تک ماسک چڑھائے ہوئے تین افراد بجلی کی سرعت سے اندر داخل ہوئے۔ ایک نے ناپ تول کر فائر کیا تو اسلم ڈنگا کا وہ ہاتھ کسی کٹی ہوئی شاخ کی طرح جھول گیا جس میں اس نے جبرو کا آتشیں اسلحہ پکڑ رکھا تھا' دوسرے نے فضا میں چھلانگ لگا کر جبرو کو دبوچ لیا...... تیسرا لپک کر شبنم کے قریب پہنچ گیا۔

"مم...... میں اُن لوگوں کو س...... سا...... تھی......" وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی' ماسک والے کا نپا تلا ہاتھ اس کی کنپٹی پر پڑا تو وہ بھی بے ہوش ہو کر اسی کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

اسلم ڈنگا پر گولی چلانے والے نے بھی بڑی پھرتی سے اس کی مزاج پرسی کرنے کے بعد کسی قیمتی بوری کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا تھا' تینوں آگے پیچھے باہر نکلے اور پر پیچ گلیوں میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان کے باہر نکلتے ہی آس پاس سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں بھی گونجنے لگی تھیں۔ گلیوں میں موجود تنگ دھڑنگ بچے اور دوسرے افراد بھی گھروں میں گھس کر شور مچانے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید پولیس کے اسپیشل اسکواڈ نے پھر کسی مطلوبہ مجرم کی تلاش میں ریڈ کیا ہوگا۔ پہلے بھی کئی بار ایسے ہی ہنگامے ہو چکے تھے۔

+++

شیخ حامد کی ذہنی الجھنیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وشنو نے ایک بار فون کر کے اور اپنی کتھا سنا کر پھر چپ سادھ لی تھی البتہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایس پی اورنگ زیب کے زندہ نہیں چھوڑیں گا۔ شیخ حامد کو اس کی پچھلی ہسٹری کا بخوبی علم تھا۔ موجودہ حالات میں وہ اس کے لیے سب سے اہم مہرہ تھا لیکن لوچن' نا جانے وہ کیا حالات تھے جنہوں نے اسے لوچن کے قریب کر دیا تھا؟ اس کی باتوں سے یہی ظاہر ہوا تھا کہ شاید اس نے جیل سے فرار کا پلان بھی لوچن ہی کے ساتھ مل کر مرتب کیا تھا۔ ابھی تک پولیس ان دونوں کو دوبارہ گرفتار نہیں کر سکی تھی۔

شیخ حامد کو ان فضول باتوں سے کوئی لگاؤ بھی نہیں تھا' وہ وشنو کی صلاحیتوں کو اپنے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے اپنی بولی بول کر لائن کاٹ دی تھی۔ بہر حال اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید لوچن بھی کسی وجہ سے اپنے دوسرے گروپ سے کٹ گیا ہو نہ بھی علیحدہ ہو تو کم از کم وشنو کے ساتھ مل کر اورنگ زیب کا خطرہ درمیان سے نکال دے' جو کسی کتے کے گلے کی ہڈی کی طرح اٹک کر رہ گیا۔ اوپر سے اس کے قریبی ہونے سوتے اگر ہتھیلی نہ لگاتے تو شیخ حامد بھی اس سے نجات حاصل

کرنے کی خاطر بے شمار جائز طریقے اختیار کرسکتا تھا لیکن اس وقت وہ بہرحال نصف رات گزر جانے کے باوجود پوری طرح بیدار تھا۔فی الحال اسے جبرو کے فون کا انتظار تھا۔اس کی پلاننگ تھی کہ اسلم ڈنکا اورشبنم کی لاشوں کو بھی کسی طرح اورنگ زیب کے کھاتے میں ڈال دے گا

شبنم کے اغوا اور اسلم ڈنکا کے پولیس کی نظروں میں آجانے کے بعد حالات شیخ حامد کے لیے کسی وقت خطرے کی گھنٹی بھی ثابت ہو سکتے تھے''وہ ان دونوں ثبوتوں کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دینا چاہتا تھا'بعد میں کچھ سوچا جا سکتا تھا لیکن......اس وقت اسے بڑی شدت سے جبرو کی کال کا انتظار تھا'وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بھی بتدریج بڑھتی جارہی تھی جب اس کے موبائل پر سگنل ملا'روشن اسکرین پر جبرو کے بجائے نامعلوم ہمدرد کا حوالہ دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلودہ ہوگئی لیکن اس نے جبراً موبائل آن کرلیا۔

''خیریت......اس وقت تمہیں کیا مشکل پیش آگئی......؟''وہ خشک لہجے میں بولا۔

''مشکل نہیں مائی ڈیئر بگ شیخ'اس وقت تمہیں ایک خوش خبری سنانے کی خاطر کال کی تھی۔''پھر معنی خیز انداز میں کہا گیا۔''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اتنی رات گئے تمہیں کیا تکلیف لاحق ہے۔''

''خوش خبری کیا ہے؟''اس نے بات کاٹ کر بہ دستور سرد لہجے میں دریافت کیا۔

''میں نے تم سے جگا کے سلسلے میں دو دن کی مہلت چاہی تھی مگر......کام ایک دن بعد ہی ہو گیا۔''

''کیا مطلب؟''شیخ حامد جگا کے حوالے پر چونکا۔

''وہ ملٹری کے شکنجے سے نجات پا کر پولیس کی تحویل میں آگیا ہے۔''بات جاری رکھی گئی۔''استاد کی چھان پھٹک میں فوجیوں نے کسی رعایت کا مظاہرہ نہیں کیا'اس کی گلوخلاصی اس وجہ سے ہوئی کہ ایک بار سزا پوری کرنے کے بعد اس کا اکاؤنٹ بالکل صاف تھا۔اب شاید پولیس بھی اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے گی۔ویسے پولیس کے محکمے میں بکاؤ بھیڑوں کی تعداد کچھ کم بھی نہیں ہے۔''

''کیسے یقین کرلوں کہ تم سچ بول رہے ہو؟''

''اپنے زرخرید بل ڈاگ ڈی آئی جی کو فون کھڑکاؤ۔وہ میری اطلاع کی تصدیق کردے گا۔''

''تم......تم آخر ہو کیا چیز؟''شیخ حامد نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''پارس پتھر......جو کسی چیز سے چھو جائے تو اسے بھی کندن بنا دیتا ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں لیکن......''اس نے کچھ توقف سے کینچلی بدل کر دوستانہ انداز اختیار کیا۔''اگر میں اس پارس پتھر کو اپنے پاس رکھوں تو کیا تم آمادہ ہو جاؤ گے؟......میں ہر وقت دے سکتا ہوں'یہ بات تم بھی ضرور جانتے ہوگے۔''

''اورتم بھی واقف ہو کہ میں استاد کا کھرا ہمدرد ہوں'اس کے ساتھ غداری کا تصور بھی حرام سمجھتا

ہوں۔"

"میں جگا کو بھی اپنے ساتھ ملانے کو تیار ہوں۔ پھر پولیس جگا کی طرف بھول کر بھی نظر اٹھانے کی جرأت کبھی نہیں کرے گی۔"

"مجھے یقین ہے بگ باس شیخ...... لیکن کچھ جنگلی جانور قید و بند میں رہنا پسند نہیں کرتے۔"

"جانتا ہوں پھر بھی تم جگا کو میری طرف سے آفر دے سکتے ہو۔" شیخ حامد نے حالات کے پیش نظر اپنی مرضی کے خلاف بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

"دیکھوں گا حالات اور موقع پا کر وعدہ نہیں کرتا...... ویسے بائی داوے تم اس وقت رات گئے تک کیسے جاگ رہے ہو؟" معنی خیز انداز میں سوال کیا گیا۔ "کیا کنول کے بعد کوئی نئی چکوری تمہارے جال میں پھنس گئی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" شیخ حامد نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

"میں جو سمجھ رہا ہوں میری جان تم بھی ابھی تک اس سے بے خبر ہو۔" دوبارہ دوسری جانب سے بڑی پراسرار سنجیدگی سے جواب ملا۔ "میرا مشورہ ہے کہ نیند خراب کرنے کی بجائے آرام سے سینے پر صبر کا پتھر رکھ کر سو جاؤ۔ جاگتے رہے تو تمہارا سکون مزید تباہ ہو جائے گا۔"

"اب کیا کوئی نئی خبر سنانا پسند کرو گے؟" شیخ حامد کے لہجے میں میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

"میں اس وقت تمہیں صرف پہلا مصرع سنا سکتا ہوں۔ دوسرے مصرعے کی جستجو میں کچھ وقت لگے گا۔"

"مجھے شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ترنم میں نہ سہی...... تحت اللفظ میں سن لو۔ عرض کیا ہے کہ تم جس کا انتظار کر رہے ہو اب وہ خود بھی اپنے اختیار میں نہیں ہے۔" بات جاری رکھی گئی۔ "تمہارے ٹوٹے پھوٹے آدمی اور جبرو کے علاوہ اس خوب صورت چڑیا کو بھی اٹھا لیا گیا ہے جو ابھی تک شاید تمہارے بازوؤں کے حلقے میں نہیں پھڑ پھڑا سکی۔"

"کون لوگ تھے وہ......؟" شیخ حامد اس اطلاع پر بوکھلا گیا۔

"ابھی دوسرا مصرع ادھورا ہے مائی ڈیئر...... جیسے ہی مکمل ہوا تمہیں بھی ضرور سنا دوں گا۔ بائی۔" اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ شیخ حامد نے جھلا کر محفوظ نمبروں کو دوبارہ آزمایا جسے دوسری جانب سے پاورڈ آف کیا جا چکا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اندر ہی اندر بل کھاتا رہا پھر اس نے ڈی آئی جی کے نمبر ڈائل کیے۔

"ہیلو......" چوتھی گھنٹی پر نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

"شیخ حامد بول رہا ہوں۔ ایک اہم خبر کی تصدیق کرنی ہے۔ کیا جگا اس وقت پولیس کی تحویل میں ہے؟"

''آپ کو کیسے علم ہوا......؟'' حیرت سے دریافت کیا گیا۔
''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری اطلاع غلط نہیں ہے۔''
''جی ہاں اور میں آپ کے پرائیویٹ نیٹ ورک کی تعریف بھی کروں گا جو آپ کو دوسروں کے مقابلے میں پہلے پولیس کی اندرونی باتوں سے باخبر کر دیتا ہے۔''
''اس کی علاوہ اور کوئی خبر بھی ہے تمہارے پاس؟'' شیخ حامد نے اسے جبرو اور اسلم ڈنکا کے سلسلے میں ٹٹولنے کی کوشش کی۔
''جی نہیں' لیکن آپ کے پاس دوسری کیا خبر ہے؟'' تجسس سے سوال کیا گیا۔
شیخ حامد نے ایک لمحے کو سوچا کہ جبرو اور اسلم ڈنکا کی خبر سے بھی اسے آگاہ کر دے لیکن اسے اس کا موقع نہیں ملا۔ باہر سے اچانک کئی رائفلوں سے ایک ساتھ برسٹ مارا گیا۔ نتیجتاً برابر والے سیٹنگ روم کے کئی شیشے ایک ساتھ ٹوٹنے کی جھنکار سنائی دی۔ شیخ حامد نے پلک جھپکتے میں لائٹ آف کی۔ فرش پر لیٹ کر حالات کا جائزہ لینے لگا' موبائل بدستور آن تھا۔
''ہیلو...... ہیلو...... شیخ صاحب' یہ آوازیں کیسی تھیں؟ موبائل پر ڈی آئی جی کی آواز بہت دور سے ابھرتی سنائی دی۔ شیخ حامد نے اسے منہ کے قریب لاتے ہوئے غرا کر کہا۔'' کچھ حرامیوں نے کوٹھی پر حملہ کر دیا ہے۔ فوراً پہنچنے کی کوشش کرو۔'' اس نے نادر شاہی حکم دے کر موبائل ایک طرف ڈال دیا۔ رینگتا ہوا بیڈروم کی مخصوص الماری تک پہنچ کر اس نے ایک ریپڈ فائر کرنے والی خاص رائفل کا انتخاب کیا پھر کسی ربڑ کی گیند کے مانند قلابازیاں کھاتا ہوا دوسرے کمرے کی جانب لپکا۔
دوسری جانب سے کھڑکیوں اور قیمتی فانوس ٹوٹنے کی آوازوں کا سلسلہ دونوں منزلوں سے جاری ہو گیا۔ حملہ آوروں نے غالباً کوٹھی کو چاروں اطراف سے گھیر کر گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ نچلی منزل سے ایک دو زخمیوں کی کراہتی ہوئی دردناک چیخ کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ وہ ایک لمحے کو فرش پر چت لیٹا صورت حال پر غور کرتا رہا پھر دبیز قالین پر کرالنگ کرتا ہوا اوپر جانے والے زینوں کے قریب پہنچ گیا۔ زینے کی بیرونی سائڈ پر بلٹ پروف شیشے لگے تھے۔ سیڑھیوں پر پہنچ کر اس نے آہنی دروازہ لاک کیا پھر شیشوں کے قریب جا کر باہر کا جائزہ لیا۔ اندھیرے میں صرف تھوڑے تھوڑے وقفے سے شعلے لپکتے نظر آ رہے تھے پھر جلد ہی سکون ہو گیا۔ شاید حملہ آور اسے ہراساں کرنے کی مہم پوری کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔'' کون تھے وہ لوگ؟...... کس کے اشارے پر کام کر رہے تھے؟ خوفزدہ کرنے میں ان کا کیا مقصد تھا؟''
خاصی دیر تک وہ ان سوالات پر غور کرتا رہا پھر دروازہ کھول کر ہال کے چوبی فرش پر آ گیا۔ دور سڑھیوں سے کئی ملے جلے بوٹوں کی آوازیں ابھریں...... کسی نے اونچی آواز میں کہا۔
''اندر کوئی ہو تو باہر آ جائے...... پولیس کی کمک آ گئی ہے۔''
شیخ حامد نے لپک کر ایک پاکھے کی آڑ لی پھر زینوں کی لائٹس آن کی تو پولیس کے باوردی افراد بھی نظر آ گئے۔ سب سے آگے ملحقہ تھانے کا اسٹیشن ہاؤس آفیسر ہاتھ میں سرکاری پستول لیے دکھائی

دیا تو شیخ حامد غصے میں بھرا سامنے آ گیا۔

''اتنی دیر سے تم سب کہاں مرے ہوئے تھے؟'' اس نے ایس ایچ او کو حقارت سے گھورا۔

''ہم دوسرے ایریا میں راؤنڈ پر تھے سر' جب ڈی آئی جی صاحب کی کال موصول ہوئی۔''

''کوئی گرفتاری عمل میں آئی یا نہیں......؟''

''وہ...... ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی جا چکے تھے۔''

''نیچے کی کیا پوزیشن ہے......؟'' شیخ حامد نے جھلا کر دریافت کیا۔

''سر...... آپ کے دو گارڈز زخمی ہیں اور ایک ملازم فوت ہو چکا ہے۔ میں نے زخمیوں کے لیے ایمبولینس کو کال کر دیا ہے۔''

''پورے مکان کی ٹوٹ پھوٹ اور نقصان کا تفصیلی اندازہ لگاؤ' مجھے تمہاری تحریری رپورٹ درکار ہوگی۔'' شیخ حامد کا انداز تحکمانہ تھا۔ ایس ایچ او کسمسا کر رہ گیا پھر ڈی آئی جی کے آ جانے سے اس کی جان بچ گئی۔

''بہت احتیاط سے ہر چیز کا تفصیلی جائزہ لو۔'' اس نے ایس ایچ او سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ مجرموں کا سراغ ہاتھ آ جائے۔''

ایس ایچ او دوبارہ اپنی ٹیم کے ساتھ باہر چلا گیا تو ڈی آئی جی نے شیخ حامد سے پوچھا۔ ''آپ کا شبہ کن لوگوں پر ہے؟''

''میں اس وقت کھل کر کسی پر شبہ ظاہر نہیں کروں گا لیکن وہ جو بھی ہے' اس کا پتا چل جائے گا۔''

''ایک اہم بات دریافت کرنا چاہوں گا۔ جگا کے پولیس کی تحویل میں واپس آنے کی اطلاع آپ کو کس نے دی تھی؟''

''اس سے کیا نتیجہ اخذ کرو گے؟''

''یہ بات ٹاپ سیکریٹ تھی' شیخ صاحب...... ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''ہو سکتا ہے کہ اس وقت جو حملہ کیا گیا ہے وہ بھی اسی سلسلے کی کوئی اہم کڑی ہو۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' شیخ حامد نے ڈی آئی جی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''فی الحال میرا کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ بہرحال' خدا کا شکر ہے کہ آپ پوری طرح محفوظ ہیں۔''

''تم نے لودھی کی چھٹی والی درخواست پر کیا فیصلہ کیا......؟'' شیخ حامد نے موضوع بدل دیا۔

ڈی آئی جی ایک لمحے کو کسمسایا پھر اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''آپ کے فون کے بعد میں نے لودھی کی چھٹی کی درخواست منظور کر دی تھی لیکن اس پر عمل روک دیا گیا۔''

''میں سمجھا نہیں......؟'' شیخ حامد نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''تمہیں کس بات کی مجبوری تھی؟''

''اوپر سے اچانک یہی احکامات ملے تھے کہ لودھی سے سلسلے میں کوئی نئے آرڈر نہ جاری کیے جائیں۔'' ڈی آئی جی نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔''ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی آپ کے دشمن کا ہاتھ شامل ہو۔''

''اورنگ زیب کے بارے میں تم کیا کہو گے؟''

''وہ......وہ......ایسا کیوں کرے گا؟'' ڈی آئی جی نے چونک کر شیخ حامد کو دیکھا جس کے ہونٹوں پر ایک کریہہ مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔

''اور کوئی بات کرو......'' اس نے ہونٹ چباتے ہوئے زخمی لہجے میں کہا پھر ڈی آئی جی کے ساتھ قدم اٹھاتا نیچے آگیا جہاں ہر طرف افراتفری میں ٹوٹے ہوئے شیشے بکھرے پڑے تھے۔ بیشتر کھڑکیاں، روشندان کے علاوہ اور بھی کئی قیمتی اشیاء گولیوں کی بوچھاڑ کے سبب ضائع ہو گئی تھیں۔ پولیس کا عملہ ایک ایک کونے میں مجرموں کے نشانات تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ شیخ حامد کی پیشانی پر آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں، وہ جانتا تھا کہ حملہ کرنے والے کوٹھی کے اندر داخل نہیں ہو سکے تھے ورنہ اوپر بھی ضرور آتے۔ اس نے پولیس عملے کے کام میں مداخلت بھی نہیں کی لیکن اس کے دل ودماغ میں اس وقت انتقام کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

+++

گالف کلب کی آبادی سے بھی تقریباً ڈیڑھ دو کلومیٹر دور واقع تھا۔وہاں صرف ممبر یا ان کے خاص مہمانوں‘جن کا پاس کلب کے جنرل سیکریٹری نے جاری کیا ہو‘صرف وہی افراد جا سکتے تھے۔البتہ ایک میدانی علاقہ شادیوں کے لیے بھی وقف تھا جہاں صرف وہی لوگ شادی کی تقریب کر سکتے تھے جن کے پاس دولت کی فراوانی ہو اور ذاتی کار ہو۔ٹیکسی‘ورکشاپ اور دوسری سواریوں کو بھی اس ایریا میں داخل ہونے کی ممانعت تھی۔کبھی کبھی وہاں کے کانفرنس ہال میں حکومت وقت کی خفیہ کانفرنس کی گنجائش نکال لی جاتی۔دوسرے مخصوص وی آئی پیز بھی اسے بک کرا سکتے تھے جس کی کچھ مخصوص شرائط تھیں۔

بہرحال‘اس روز شام ہی ڈیفنس کے آبادی والے علاقے سے گالف کلب کی طرف جانے والی سڑک کو کلب کے بورڈ کے قریب سے بلاک کر دیا گیا تھا جہاں فوج کی بکتر بند گاڑیوں کے علاوہ ملٹری کے کچھ افسران بھی موجود تھے‘کلب تک سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اسلحہ بردار فوجی جوان بھی تعینات تھے۔فوجی جیپ پر موجود چاق و چوبند عملہ بھی چکر لگاتا پھر رہا تھا۔

کلب کو قطر تصور کر کے اس کو تقریباً چاروں اطراف سے تین فرلانگ کے فاصلے تک گھیرے میں لے لیا گیا تھا‘تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک مخصوص طیارہ بھی فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ملک کی صورت حال ان دنوں معمول کے مطابق تھی اس لیے ملک سے قریب تر بنگلوں میں رہنے والے یا تو سکون سے اپنے اپنے روزمرہ کے مشغلوں میں مگن تھے یا پھر ان کا خیال تھا کہ کلب میں فوجی سربراہوں کی کوئی میٹنگ ہو رہی ہوگی۔شہری آبادی کو اس کا کوئی علم نہیں تھا لیکن......

ٹھیک اسی وقت رات کے دس بجے ایس پی اورنگ زیب اور ڈپٹی سپرنٹینڈنٹ سراج ایک بڑی وین کے پچھلے ایئر کنڈیشنڈ حصے میں بیٹھے پورٹیبل ٹی وی اسکرین پر گالف کلب کی عمارت کے باہر چاروں اطراف کا منظر دیکھ رہے تھے۔ڈرائیونگ سیٹ پر لیاقت حسین ریڈی میڈ میک اپ کیے مخصوص لباس میں پوری طرح محتاط نظر آ رہا تھا۔اس کے برابر والی سیٹ پر اعشاریہ تین آٹھ کا آٹومیٹک پستول بھی موجود تھا۔اس کی عقابی نظریں بار بار دائیں بائیں لگے بیک ویو مرر کا پوری طرح توجہ سے جائزہ لے رہی تھیں۔

وین کے اندر سراج اور اورنگ زیب کی نظریں پورٹ ایبل ٹی وی پر مرکوز تھیں جس پر کلب کے چاروں اطراف کا صرف بیرونی منظر نظر آ رہا تھا۔

"کیا ہم اندر ہال کا منظر نہیں دیکھ سکتے......؟" سراج نے خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد دریافت کیا۔

"نہیں...... جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس کی اجازت بھی خاصی تگ و دو کے بعد ملی ہے۔"

"کیا یہ کوئی فوجی تقریب ہے جس کا کچھ تعلق ہماری اس وقت یہاں موجودگی سے بھی ہے؟"

"اتنی جلدی کوئی اندازہ نہ لگاؤ۔" اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ دیر بعد تم خود ہی اس کو نوعیت اور اہمیت کا اندازہ لگا لو گے۔"

سراج نے مزید کوئی وضاحت نہیں چاہی لیکن کچھ دیر بعد جب ایک گاڑی کلب کے مرکزی دروازے کے سامنے رکی اور اس میں سے برآمد ہونے والی چاروں شخصیات کو دیکھ کر وہ چونکا تھا۔ ان سب کا تعلق صوبے کی ہائی کورٹ سے تھا۔ اس وقت انہوں نے اپنی اپنی پسند کے مختلف لباس پہن رکھے تھے۔ گاڑی سے اتر کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے عمارت میں داخل ہو گئے' گاڑیاں بھی وہاں سے ہٹالی گئیں۔ اس کے بعد دس منٹ بعد ایک لمبی گاڑی آ کر رکی۔ اس میں سے برآمد ہونے والی شخصیت صوبے کی چیف جسٹس کی گاڑی کے ہٹتے ہی دو تین گاڑیوں اور آئیں جن میں سے ملٹری کے اعلیٰ عہدیدار برآمد ہو کر جلدی جلدی کلب کی عمارت میں داخل ہو گئے۔

"یہ سب کیا ہے......؟" سراج نے پھر کسمسا کر سوال کیا۔ "آج اس عمارت میں کیا کسی خاص مقدمے کی پیشی ہے جو اسے اتنا خفیہ رکھا گیا ہے؟"

"اگر ایسا ہوتا تو فوجی عملے کا عمل دخل ہی کافی تھا۔ ہماری کیا ضرورت تھی؟"

"اوہ......" سراج نے بیزاری کا اظہار کیا۔

"آپ شاید ڈراپ سین تک کچھ باتیں مجھ سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔"

اورنگ زیب جواب دینا چاہتا تھا لیکن پھر اس کی نظریں بھی ٹی وی اسکرین پر جم کر رہ گئیں جہاں ایک بکتر بند گاڑی رکی تھی' اس میں سے چار افراد اترے تھے جن میں سے دو کو سراج نے ایک نظر میں شناخت کر لیا' ان میں دو پولیس کو مطلوب اشتہاری دہشت گرد تھے۔ باقی دو نے اپنے چہرے کے اوپر مفلر لپیٹ رکھے تھے۔ ایک بکتر بند گاڑی کے ہٹتے ہی دوبارہ فوکس میں آ گئی۔ اس میں سے بھی چار افراد نیچے اترے جنہیں دیکھ کر سراج کے لہو کی گردش پھر تیز ہو گئی۔ اس نے افضل خان جگا اور امداد علی کو شناخت کر لیا۔ وہ اتنی تیزی سے عمارت میں داخل ہوئے کہ سراج کو پوری طرح چوتھے فرد پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد دو بکتر بند گاڑیاں اور بھی آئیں' ان میں سے بھی چار چار افراد اتر کر اندر چلے گئے تو سراج کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' اس نے بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اورنگ زیب سے پوچھا۔

"یہ سب یہاں کس مقصد سے لائے گئے ہیں؟"

"آکٹوپس کے لمبے لمبے بازوؤں کو پوری طرح جکڑنے کی خاطر اتنے ہی ثبوت بھی درکار ہوں گے سراج صاحب۔" اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "ابھی کچھ چہرے اور بھی سامنے

آئیں گے جنہیں دیکھ کر تمہیں اپنے ان سوالوں کا جواب بھی مل جائے گا جو میں نے تمہیں قبل از وقت مصلحتاً نہیں بتائے تھے۔"

"شبنم اور کنول کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ سراج نے تجسس بھرے انداز میں سوال کیا لیکن اورنگ زیب کے کچھ کہنے سے پہلے اسے اگلی بکتربند گاڑی سے اترنے والی چار برقع پوش شخصیتوں کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ اس میں سے ایک شبنم اور دوسری کنول بھی ہو سکتی تھی۔ باقی دو کون تھیں؟ اس نے ان کے بارے میں زبان کھولنے کا ارادہ کیا لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنا سکا' اورنگ زیب کے موبائل پر سگنل ملا تو اس نے فوری طور پر روشن نمبروں کو دیکھا اور آن کر کے بولا۔

"کیا خبر ہے......؟"

"مجھے ایک گاڑی پر شبہ ہے جناب۔ اگر اجازت ہو تو یہ کانٹا بھی درمیان سے نکال دوں؟"

"نہیں......تم اسے ڈاج دینے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ دوسری کار کو اس کا نمبر نوٹ کرا دو۔" اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "اگر مشتبہ لوگ ہیں تو انہیں زندہ گرفتار کرنا ہمارے لیے زیادہ اہم ہو گا۔"

"رائٹ سر......"

دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا تو سراج نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"کیا ہمارے ڈی آئی جی یا وزیر داخلہ بھی اندر موجود ہوں گے؟"

"نہیں......تمام کارروائی کو صرف کرنل احتشام اور اس کے مخصوص افراد کر رہے ہیں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" سراج نے کچھ توقف سے دوسرا سوال کیا۔ "کیا آپ کے آکٹوپس کو اس تمام کارروائی کے بارے میں کوئی بھنک نہیں ملی ہو گی؟"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ کچھ دنوں پہلے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ شیر کی کچھار میں گھس کر اس کا شکار کرنا اکثر و بیشتر جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔"

"اب بھی میں یہی کہوں گا......اس لیے کہ درندوں کی حس انسانوں کی بو بہت دور سے محسوس کر لیتی ہے۔"

"یو آر رائٹ......" اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا۔ "لیکن ایک بات بھول رہے ہو' ہمارا مقابلہ چار پیروں والے کسی درندے سے نہیں ہے۔"

سراج اور کوئی سوال کرنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ ٹی وی کی روشن اسکرین پر مچھر اڑنے لگے۔ اسی لمحے اورنگ زیب کا موبائل دوبارہ جاگ اٹھا۔

"یہ رابطہ کیسے ختم ہو گیا؟" اس نے تیزی سے سوال کیا۔

"جس میجر نے رسک لے کر ہمارا راستہ ہموار کیا تھا۔ اب اسی کی ہدایت پر پورا سسٹم خاموشی سے ہٹا لیا گیا ہے۔"

''مگر کیوں؟''

''میجر کا کہنا ہے کہ اندر کارروائی شروع ہونے سے پیشتر کرنل احتشام بذات خود حساس ڈیٹکٹر سے اندر اور باہر کے تمام حفاظتی نظام کو چیک کرے گا۔ابھی تک جو مرغے اور مرغیاں اندر گئے ہیں انہیں ایک علیحدہ کمرے میں رکھا گیا ہے جہاں کسی بھی بیرونی رابطوں کو ناممکن بنانے کی خاطر پاور فل جامر لگا دیے ہیں۔اصل کارروائی کرنل کے اشارے کے بعد ہی شروع ہو گی۔''

''او کے......اب تم بھی خاموشی سے نکل جاؤ۔''اورنگ زیب نے کہا پھر اس نے بھی موبائل ٹی وی سمیت دیگر آلات سمیٹ کر کے ایک کارٹن میں رکھ دیے۔

'اب کیا پروگرام ہے؟''سراج نے سوال کیا۔

''تمہارے گھر چلتے ہیں جہاں الماس یقیناً جاگ رہی ہو گی۔''اورنگ زیب نے جواب دیا پھر اس نے لیاقت حسین کو واپس چلنے کے بارے میں ہدایت دینے کی خاطر اپنے ساؤنڈ پروف حصے اور اگلی نشست کے درمیانی مختصر خلا کو کھولنے کی خاطر ہاتھ بڑھایا تھا لیکن اس سے پیشتر ان کی گاڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔اورنگ زیب فوری طور پر خلا کھولنے کے بعد سوال کیا۔

''کیا بات ہے لیاقت حسین۔تم نے اچانک گاڑی کیوں چلا دی؟''

''جب ہمارا کام یہاں روک دیا گیا تو اب کوئی خطرہ مول لینے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔''

لیاقت حسین کے جواب نے اورنگ زیب کے علاوہ سراج کو بھی چونکنے پر مجبور کر دیا۔شاید وہ کوئی پراسرار قوت ہی تھی جو اب بھی لیاقت حسین کی رہنمائی کر رہی تھی۔کچھ فاصلہ خاموشی سے طے ہو گیا پھر سراج نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''لوچن اور وشنو کے بارے میں ابھی تک آپ نے کچھ نہیں بتایا؟''

''فکر مت کرو۔وہ بھی بہت جلد ہماری لپیٹ میں آ جائیں گے۔''

''درست جواب دینے میں کیا پھر کوئی مصلحت آڑے آ رہی ہے؟''

''میں تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔''اورنگ زیب نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر کہا تو سراج نے مزید کوئی کرید مناسب نہیں سمجھی۔

✣✣✣

ایک ایک کر کے سارے پانسے الٹے پڑ رہے تھے۔شیخ حامد کے پاس حالات کے جہنم میں جھونکنے کے لیے فرنٹ لائن ختم ہو جانے کے بعد بھی دوسرے درجے کے بے شمار جاں نثار موجود تھے لیکن حالات کی روشنی میں وہ انہیں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔وشنو ل جاتا تو وہ اس کی صلاحیتوں پر انحصار کر سکتا تھا لیکن وہ جیل سے فرار ہونے کے بعد کسی چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا' وشنو اور لوچن کے سلسلے میں اس کو ملنے والی پولیس ذرائع کی اطلاعات بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں تھیں' پولیس کے علاوہ خفیہ ایجنسیاں بھی اب تک کئی چھاپے مار چکی تھیں لیکن انہیں بھی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

کنول کے اغوا کا مسئلہ بھی کسی معمے سے کم نہیں تھا' اسے ایک ایسے فرد نے اغوا کیا تھا جو اغوا کی واردات سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے مرنے والے کے بھیس میں اٹھا لیا تھا۔ وہ کون تھا؟ اس ایک سوال کے عقب میں کئی امکانات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے جس نامعلوم مخبر نے جگا کو ملٹری کے چنگل سے نکالنے کا دعویٰ کیا تھا اور کامیاب بھی ہو گیا تھا' وہ بھی شبے کی زد میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ جگا کے سلسلے میں شیخ حامد پر دباؤ ڈالنے اور اسے حالات سے سمجھوتا کرنے پر مجبور کرنے کی خاطر کنول ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی' دوسرا شبہ اورنگ زیب کی شخصیت کو بھی کسی قدر مشکوک بنا رہا تھا۔ وہ خاصی دیر تک مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا' پھر اس نے ہونٹ چباتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا اور نگ زیب کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ہیلو...... ایس پی اورنگ زیب آن لائن!'' دوسری جانب سے سنجیدگی سے جواب ملا۔

''میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

''اوہ...... شیخ حامد صاحب! سوری' میں اس وقت ایک ضروری فائل کا مطالعہ کر رہا تھا اس لیے ہیڈسیٹ پر آپ کا نام نہیں پڑھ سکا' فرمایئے' اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''میں اس وقت تم سے ایک ذاتی سلسلے میں کچھ ضروری بات کرنا چاہتا ہوں لیکن...... فون پر نہیں۔'' شیخ حامد نے سرسراتے انداز میں کہا۔

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

''گھر پر...... اگر ممکن ہو تو ابھی آ جاؤ۔'' اس کا انداز بہ دستور تحکمانہ تھا۔

''او۔ کے'' دوسری جانب سے مختصر جواب دینے کے بعد لائن کاٹ دی گئی لیکن آدھے گھنٹے بعد ہی اورنگ زیب اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

''کیا پینا پسند کرو گے؟''

''کچھ ضروری کام نمٹانے میں معروف تھا۔ آپ کا فون ملا تو حکم کی تکمیل میں فوری آ گیا۔ چائے ڈیو رہی۔'' اورنگ زیب نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

''آپ فرمائیں۔ میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''میں جگا کے سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' شیخ حامد نے کچھ توقف کے کہا۔'' سنا ہے کہ وہ ملٹری انٹیلی جنس کے ہاتھوں سے نکل کر پولیس کی تحویل میں آ گیا ہے؟''

''جی...... جی ہاں۔'' اورنگ زیب نے کسمسا کر جواب دیا۔'' ایک بار گرفتاری اور رہائی کے بعد اس کا ریکارڈ بالکل صاف تھا' میرا خیال ہے کہ ملٹری انکوائری کے بعد اب پولیس بھی اسے جلدی ہی رہا کر دے گی۔''

''اور اگر میں یہ چاہوں کہ اسے رہائی نہ ملے تو؟''

''اس سلسلے میں شاید میں آپ کی کوئی براہِ راست مدد نہ کر سکوں۔ اس لیے کہ جگا کی مزید چھان بین ڈائرکٹ ڈی آئی جی کو سونپی گئی ہے۔''

''کیا ڈی آئی جی تمہاری بات کو ٹال سکتا ہے؟'' شیخ حامد نے اورنگ زیب کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ ڈی آئی جی صاحب میری تجویز کے بجائے آپ کے حکم کا زیادہ خیال کریں گے۔''

''آئی۔سی.....گویا اب تم اس کی گڈبکس میں نہیں رہے۔''

''شاید.....'' اورنگ زیب کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ ''ویسے میں کسی کی پسند ناپسند سے زیادہ اپنے فرائض پر زیادہ نظر رکھتا ہوں۔''

''میں چاہتا ہوں.....تمہاری پہنچ براہ راست.....''

''یہ بھی وقتی باتیں ہیں۔'' اورنگ زیب نے اس کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ ''وقت اور حالات کسی وقت بھی موسم کی طرح بدل سکتے ہیں۔''

شیخ حامد کی نظریں بہ دستور اورنگ زیب کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں' جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوا۔ روشن اسکرین پر پراسرار مخبر کے نمبر دیکھ کر وہ ایک لمحے کو سوچ میں گم ہو گیا پھر موبائل آن کر کے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت مصروف ہوں' تم پھر کسی وقت.....''

''لائن ڈس کنکٹ کرنے کی غلطی نہ کرنا' ہو سکتا ہے کہ پھر میں بھی تمہیں اس خطرے سے بروقت آگاہ نہ کر سکوں جو تمہارے سر پر کسی بھوکے آدم خور گدھ کی طرح منڈلا رہا ہے۔''

''کیا خاص ضرورت پیش آ گئی ہے؟'' شیخ حامد نے الجھ کر سوال کیا۔

''ایک دو روز میں تمہارا زرخرید بل ڈاگ.....ڈی آئی جی جو میڈیا اور افسران کی مشترکہ کانفرنس منعقد کر رہا ہے' وہ تمہارے وجود کے ناپسندیدہ تابوت میں آخری کیل بھی ثابت ہو سکتی ہے۔''

''پھر؟.....میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''اور کچھ نہیں تو فوری طور پر اپنے فرار کا کوئی معقول بندوبست قبل از وقت کر لو ورنہ.....پھر شاید فرعون کی طرح تمہاری لاش کو سمندر کی مچھلیوں بھی قبول کرنے سے انکار کر دیں گی۔''

''ڈونٹ ڈسٹرب ی.....میں اس وقت تمہارے لیے مزید وقت نہیں نکال سکتا۔''

''میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہاری مصروفیت کیا ہے۔'' دوسری جانب سے سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''تم جس کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہے ہو.....اس کی اپنی زندگی بھی اس پریس کانفرنس میں خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟'' شیخ حامد چونکا۔

''شارٹ ہینڈ میں فی الحال یہی بتا سکتا ہوں کہ اس پریس کانفرنس کے سنگین حالات سے دو چار ہونے کے بعد کئی ایجنسیاں مل کر تمہاری تلاش میں ٹڈی دل کی طرح ٹوٹ پڑیں گی۔''

''ربش.....'' شیخ حامد نے تلملا کر کہا۔

''یہی خوش فہمی تمہارے وجود کو چاٹ جائے گی' میری آخری بات کان کھول کر سن لو......تمہارے خلاف جو ثبوت اور تمہارے خاص حرامیوں کے جو بیانات ریکارڈ ہو چکے ہیں وہ تمہاری موٹی گردن میں پھانسی کا پھندا ہی ثابت ہوں گے۔ باقی اطلاعات تمہاری روح کو پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ اب اجازت چاہتا۔''

''ون منٹ......'' شیخ حامد نے تیزی سے کہا۔ ''ایک اہم بات جاننا چاہوں گا......تمہیں ان معاملات سے کیا دلچسپی ہے؟''

''تم نے جگا کے سلسلے میں ملٹری جنس میں ہونے کی جو تصدیق کی تھی وہ میری گردن پر پہلا اور آخری احساس تھا جس کی ادائی کی آخری قسط اس وقت ادا کر رہا ہوں......بائی۔''

دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا تو شیخ حامد نے اورنگ زیب پر توجہ دی جس نے اس کے کال میں مصروف ہونے کے بعد درمیانی میز پر پڑا ایک فیشن میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی شروع کر دی تھی۔ اس کے چہرے پر اس کی ورق گردانی شروع کر دی تھی۔ اس کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی اور بے نیازی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

''مسٹر اورنگ زیب......کیا تمہارا ڈی آئی جی میڈیا اور پولیس کے اعلیٰ افسران کی کوئی پریس کانفرنس کال کرنے والا ہے؟''

''وہاٹ......؟'' اورنگ زیب نے میگزین رکھ کر شیخ حامد کو حیرت سے دیکھا پھر سکون سے بولا۔ ''میرے پاس ابھی تک ایسی کوئی اطلاع نہیں ہے۔''

''اوہ......تم شاید کسی وجہ سے اس خبر کی تصدیق مناسب نہیں سمجھ رہے۔''

''یہ محض آپ کا ذاتی خیال ہے۔''

''اس ذاتی خیال کے تحت ایک مشورہ دے رہا ہوں۔'' شیخ حامد نے اسے کریدنے کی خاطر ایک اور طریقہ آزمایا۔ ''تم اس کانفرنس سے دور ہی رہنا ورنہ......''

''ورنہ کیا ہو؟''

''اس کا اندازہ تمہیں کانفرنس میں شرکت کے بعد ہی ہو سکے گا''

''تھینکس فار یور ایڈوائس۔'' اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''اگر آپ نے صرف جگا کے سلسلے میں مجھے طلب کیا تھا تو ایک بار پھر آپ کو یقین دلانا چاہوں گا اس بارے میں آپ براہ راست ڈی آئی جی سے اپنے پرانے اور پرسنل تعلقات کو آزمانے کی کوشش کریں......میں معذرت چاہوں گا۔''

''او۔کے......'' شیخ حامد ہونٹ چباتے ہوئے اٹھ کر اورنگ زیب سے رخصتی مصافحہ کیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر نامعلوم اور پراسرار مخبر کی فون کال کے بارے میں سوچتا رہا جو اس کے لیے حیرت انگیز بھی اور تھی ناقابل یقین بھی......پھر بھی اس نے حفظ ماتقدم کی خاطر اپنے اس تیز رفتار ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کو فون کرنے میں کوئی قباحت بھی نہیں محسوس کی جو مہینے دو مہینے میں محض اس کی

تفریح کے عوض گھر بیٹھے خاصی معقول تنخواہ ہر مہینے وصول کر رہا تھا۔
فون کال سے نمٹنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک اسی کال کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے غور کرتا رہا۔ نامعلوم مخبر نے اس سے پیشتر اسے جو اطلاعات فراہم کی تھیں وہ حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی تھیں لیکن ایک فرق ضرور تھا۔ پہلی اطلاعات شیخ حامد کی زندگی سے متعلق ہوا کرتی تھیں لیکن...... اس بار اسے اس کی موت کے خدشات سے آگاہ کیا گیا تھا۔

+++

میونسپل کمیٹی کے کانفرنس ہال میں اس وقت خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ دائیں جانب پولیس کے محکمے کے آٹھ دس سینئر آفیسر سادے لباس میں موجود تھے جبکہ بائیں جانب اردو/انگریزی اخباری اداروں کے رپورٹرز اور مشہور تجزیہ نگار بھی موجود تھے جو آپس میں صرف اسی ایک موضوع پر بحث کرنے میں مشغول تھے کہ شہر کے حالات میں ہونے والی سنگین نوعیت کی وارداتیں آخر کب اور کس طرح ختم ہوں گی اور پولیس کی بھاری نفری ابھی تک حالات کو کنٹرول کرنے میں کیوں ناکام ہو رہی ہے؟ یہ چہ مگوئیاں خاصے دنوں سے گردش کر رہی تھیں۔ مختلف اخبار اس موضوع پر گرما گرم خبریں بھی شائع کر رہے تھے۔ یہاں تک لکھ دیا گیا تھا کہ غالباً پولیس ان وارداتوں کے عقب میں نظر آنے والے مخصوص اور سیاسی حلقوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے چشم پوشی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ کچھ کاروباری بڑوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا جنہوں نے اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کی خاطر جرائم پیشہ افراد پال رکھے تھے اور برملا اپنی برتری منوانے کی خاطر اپنے مخالفین کے خلاف آئے دن غنڈا گردی کا بڑے دھڑلے سے ارتکاب کرتے تھے۔ کئی افراد کو اغوا بھی کیا گیا پھر نشانِ عبرت بنا کر اس یقین دہانی کے بعد چھوڑ دیا گیا کہ وہ آئندہ نہ اپنی زبان کھولیں گے نہ اپنے سے زیادہ طاقت ور پارٹی سے مقابلے کی کوشش کریں گے۔

سنگین حالات کا گراف روز بڑھتا جا رہا تھا جبکہ پولیس کی کارکردگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ان وارداتوں کے بارے میں اخبارات نے کھل کر لکھنا شروع کر دیا تھا۔ کئی بار یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ پولیس کو مطلوب خطرناک جرائم پیشہ افراد کی پرورش کون کر رہا ہے؟ ان کی گرفتاری عمل میں کیوں نہیں آئی......؟ پولیس مفت کی تنخواہ کیوں ہڑپ کر رہی ہے؟ پھر اچانک کسی روز انہی مطلوب جرائم پیشہ افراد کی سرد لاشوں کا کچرا کنڈی سے برآمد ہونا اور سفید پوشوں کا اغوا ہونا کس کے کھاتے میں درج ہو رہا ہے؟ اس کی ذمے داری اگر پولیس اور اس کے ذیلی اداروں پر نہیں رہی تو پھر کون ان کا سدباب کرے گا؟

اخبارات کے ان سرخ حاشیوں کے بارے میں پولیس مختلف وضاحتیں دیتی رہتی۔ بات کسی نہ کسی طرح دبا دی جاتی لیکن گزشتہ دنوں شیخ حامد جیسے بڑے کاروباری شخص کی کوٹھی پر بار بار حملے۔ ان کے دفتر کو نذر آتش کر دینے کی جو وارداتیں ہوئی تھیں اس نے مرکز کے ذمے داروں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اخبارات نے برملا اس شبہے کا اظہار کیا کہ پولیس کے ذمے دار افسران بھی

مختلف گروپس کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ جو سر اٹھانے کی کوشش کر کے اپنی ذمے داری پوری کرنے کی خاطر میدان میں آتے ہیں' انہیں بھی کسی نہ کسی دباؤ کی خاطر خاموشی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ پولیس نے ان خبروں کی تردید کرنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران دو ایسے انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے خطرناک افراد جو گرفتار ہونے کے بعد بہ طور خاص پولیس کی بھاری نفری کی خاص نگرانی میں تھے۔ان کا اچانک اس طرح فرار ہو جانا کہ نہ ان کے اور پولیس کے درمیان مقابلہ ہوا' نہ ہی کسی کو ان کے فرار کی بو محسوس ہوئی اور......کئی دنوں کے بعد بھی ان کی دوبارہ گرفتاری عمل میں نہ آنا......یہ ایسا سوال تھا جس کا جواب محض نگرانی کرنے والے عملے کو عارضی طور پر معطل کر دینا' اخبارات کے لیے ناکافی تھا۔ مرکز کے افراد کی طرف سے بھی صوبائی ذمے داروں سے باز پرس شروع ہو گئی تھیں۔ اخبارات نے متواتر شہ سرخیاں لگانی شروع کر دی تھیں۔ یہ بھی کھل کر لکھا جا رہا تھا کہ نگرانی کا انتظام کرنے والے بڑے پولیس افسران نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی ہے اور میڈیا کے نمائندوں سے ملاقات سے گریز کر رہے ہیں' آخر کیوں؟......اس وقت ڈی آئی جی کرائمز' آغا منظور نے اسی ضمن میں بڑے پیمانے پر پریس کانفرنس کا اہتمام کیا تھا جس میں ذمے دار افسران بھی ان کے روبرو موجود تھے۔

دونوں ہی گروپس اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے لیکن پولیس کی جانب سے اورنگ زیب اور سراج بالکل خاموش تھے۔ اخباری نمائندوں کا سب سے سینئر اور تجربہ کار رپورٹر جس کا تعلق بھی ایک بڑے اخبار سے تھا وہ بھی خلاف توقع کسی گہری سوچ میں تھا جب اس کے برابر بیٹھے ہوئے نمائندے نے سوال کیا۔ ''کیا بات ہے صفدر صاحب! آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟''

''میں اہم سوالات کو ذہن میں ترتیب دے رہا ہوں۔''

''آپ نے ایس پی اورنگ زیب اور ڈی ایس پی سراج پر غور نہیں کیا۔ وجود میں آنے والی یہ نئی جوڑی بھی گم صم نظر آ رہی ہے جبکہ فرار ہو جانے والے دونوں خطرناک مجرم براہ راست اورنگ زیب کی نگرانی میں تھے۔''

ٹھیک اسی وقت ڈی آئی جی کرائمز اپنی باقاعدہ یونیفام میں ہال میں داخل ہوا تو سب افراد اٹھ کھڑے ہو گئے' ہال میں خاموشی طاری ہو گئی۔ حسب روایت پہلے ڈی آئی جی نے بلائی جانے والی کانفرنس اور اس کی ضرورت پر مختصر تقریر کی پھر اس کے برابر بیٹھے ہوئے سینئر پولیس سپرنٹنڈنٹ نے اخباری نمائندوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اب آپ حضرات باری باری سوالات کر سکتے ہیں۔''

سب سے پیشتر ایک انگریزی اخبار کے نمائندے نے اٹھ کر چبھتے ہوئے انداز میں کہا کہ میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ جب آپ حضرات تمام خامیوں کا دبی زبان میں اعتراف کر رہے ہیں تو پھر یہ بھی عرض کریں کہ اس کی ذمے داری کس پر عائد ہوتی ہے؟......میں خاص طور پر حال میں فرار ہونے والے ان دو بین الاقوامی مجرموں کے بارے میں معلوم کرنا چاہوں گا جو ابھی تک دوبارہ گرفتار

نہیں ہو سکے اور یہ بھی کہ اس کی براہ راست ذمے داری کس کے اوپر عائد ہوتی ہے؟'' سوال کرتے ہوئے اس کی نظریں دوبارہ بڑے معنی خیز انداز میں اورنگ زیب کی جانب اٹھی تھیں۔

ڈی آئی جی نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔

''پولیس کے ذمے دار افسران ان کی تلاش میں شب وروز چھاپے مار رہے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ انہیں بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ رہا براہ راست ذمے داری کا سوال تو اس کے بارے میں پہلے ہی وضاحت کی جا چکی ہے۔''

''وہ وضاحت ایک سرسری بیان تھا۔'' اسی نمائندے نے دوبارہ اٹھ کر ایک بار پھر اورنگ زیب کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے ڈی آئی جی سے کہا۔ ''میں چاہوں گا کہ اس وقت مسٹر اورنگ زیب کو موقع دیا جائے کہ وہ وضاحت کر سکیں ان خرابیوں کی جس کی وجہ سے مجرموں کو فرار ہونے کا موقع ملا۔''

جواب میں ڈی آئی جی نے اورنگ زیب کی طرف اپنا ہاتھ اٹھایا تو اورنگ زیب نے اپنا مائیک آن کرتے ہوئے نہایت سکون سے بڑی ٹھوس آواز میں کہا۔ ''میں مجرموں کے فرار ہونے کے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ ان کی تمام تر ذمے داری میرے اوپر تھی اور میں اس وقت بھی کسی آنا کانی کے بغیر اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اس امر کی وضاحت اس وقت کرنا پسند نہیں کروں گا کہ ان کے فرار میں کن عوامل کو دخل تھا۔''

''بہت خوب...... '' ایک دوسرے نمائندے نے تیزی سے اٹھ کر کہا۔ ''آپ اپنی کوتاہی قبول کرنے کے باوجود ان کی وجوہات کو چھپانا چاہتے ہیں...... کیا اس کی وجہ کوئی خاص ذاتی مقصد ہے؟''

''جی ہاں...... '' اورنگ زیب نے اطمینان سے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''سوال جس انداز میں شروع کیا گیا اس کے پیچھے بھی ایک ہاتھ ہے جو انڈر گراؤنڈ لین دین میں بڑی فیاضی سے کام لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے ہی نادیدہ ہاتھ نے نگرانی کرنے والے کسی عملے کو بھی خرید لیا ہوگا جس کی وجہ سے ہمیں تمام نگرانی کرنے والے عملے کو معطل کرنا پڑا۔ میں ان ہی خاص وجوہات کی بنا پر اس وقت کچھ کہنے سے گریز کروں گا۔''

''آپ نگرانی کرنے والے جس عملے کی بات کر رہے ہیں اس میں آپ کی حیثیت ایک سربراہ کی تھی۔ پھر آپ کو کوئی سزا کیوں نہیں ملی؟'' گجراتی اخبار کے منہ پھٹ نمائندے نے اپنے مخصوص انداز میں دریافت کیا۔

''اس کی وضاحت میں کرتا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے اورنگ زیب کے بولنے سے پیشتر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بات پولیس کے ذمے داروں کے علاوہ آپ بھی ضرور جانتے ہیں کہ مسٹر اورنگ زیب ایک دیانتدار افسر ہیں۔ میں جانتا ہوں مسٹر اورنگ زیب بہت جلد دونوں مجرموں کو دوبارہ پولیس کٹہرے تک لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

تیز و تند انداز میں سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا جب صفدر علی نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''شیخ

حامد کی کوٹھی پر دوبارہ حملہ ہوا۔ ان کے دفتر کے ایک بڑے حصے کو خاک کر دیا گیا۔ کئی جانیں بھی ضائع ہو چکی ہیں۔ آخر وہ کون سا گروپ ہے جو خاص طور پر ایک خاص اور بڑے کاروباری شخص کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے؟"

"اس سلسلے میں کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں آئی تھیں جنھیں ضروری تفتیش کے بعد بے قصور سمجھ کر چھوڑ دیا گیا لیکن...... مجھے یہ یقین ہے کہ فرار ہونے والے دونوں مجرم گرفتاری کے بعد اس کی بہتر طور پر وضاحت کر سکیں گے۔"

سوال اور جواب کے دوران مختلف پولیس افسران اور پریس کے علاوہ تجزیہ نگار بھی اپنی اپنی بولیاں بولتے رہے لیکن سراج کی نظریں اس دوران بار بار صفدر علی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ وہ ذاتی طور پر اس کو بہت قریب سے جانتا تھا لیکن اس وقت اس کے بولنے کا انداز اور اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات اسے مختلف نظر آ رہے تھے۔ وہ کئی بار اسے بے حد توجہ سے دیکھ چکا تھا' اس وقت بھی اس کی نظریں صفدر علی پر مرکوز تھیں جب اورنگ زیب نے اسے ایک مخصوص انداز میں کہنی ماری۔ سراج نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا لیکن اورنگ زیب اس وقت سوال کرنے والے ایک اخباری نمائندے کی طرف متوجہ تھا۔ سراج اس کہنی مارنے' والے عمل کو اتفاقیہ نہیں کہہ سکتا تھا چنانچہ اس کا ذہن کئی امکانات کے بارے میں غور کرنے لگا' اس کی نظریں دوبارہ صفدر علی کا جائزہ لے رہی تھیں جب اس نے ڈی آئی جی کی ایک وضاحت کے بعد تیزی سے اٹھتے ہوئے ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔

"میں آپ کی وساطت سے مسٹر اورنگ زیب اور مسٹر سراج سے ایک اہم بات کی وضاحت چاہوں گا۔" اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "شیخ حامد کے علاوہ سیٹھ عثمان اور رستم علی آغا خانی گروپس کو بھی بڑے صنعت کاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے شیخ حامد کی کوٹھی پر دوبارہ ہونے والا حملہ بھی کسی کاروباری رنجش کا کوئی ردعمل ہو۔ میں ذاتی طور پر اس بات کی چھان بین کر چکا ہوں کہ سیٹھ عثمان کا خاص ڈرائیور لیاقت حسین جسے اب ترقی دے کر دفتری عملے میں بھی شامل کر لیا گیا ہے اکثر و بیشتر مسٹر سراج کے بنگلے پر کئی کئی دن قیام کرتا ہے۔ اس دوران مسٹر اورنگ زیب بھی وہاں اکثر موجود پائے گئے ہیں۔ میں یہ دریافت کرنا پسند کروں گا کہ ایک ڈرائیور کا دو پولیس افسروں سے اتنا گہرا ربط و ضبط کیا معنی رکھتا ہے؟"

سراج صفدر علی کی زبان سے لیاقت حسین کا حوالہ سن کر بری طرح چونکا۔ کچھ دوسرے پولیس افسران کی نظریں بھی ان دونوں کی طرف گھوم گئیں۔ سوال چونکہ ڈی آئی جی کی وساطت سے کیا گیا تھا اس لیے اس کے ہاتھ کا اشارہ' پا کر اورنگ زیب نے کچھ توقف کے بعد کسمسا کر کہا۔ "میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں لیاقت حسین نامی شخص سے اس حد تک واقف ہیں کہ وہ سیٹھ عثمان کا ڈرائیور ہے۔ سراج صاحب سے چونکہ یہ آفیشل تعلق ہے اس لیے میں ان کے گھر بھی اکثر و بیشتر آتا جاتا رہتا ہوں جہاں کئی بار لیاقت حسین سے بھی سرسری گفتگو کا موقع ملا۔ رہا یہ سوال کہ مسٹر سراج کے گھر پر

لیاقت حسین کا آنا جانا۔تو اس کے جواب میں صرف یہی کہوں گا کہ مسٹرعثمان اور مسٹر سراج کسی زمانے میں ہم جماعت بھی رہ چکے ہیں'اب بھی ان کے درمیان فیملی ٹرمز ہیں اس لیے لیاقت حسین کو اس کانفرنس یا موجودہ حساس معاملات میں شامل کرنا میرے نزدیک ایک قطعی غیر ضروری بحث ہو گی۔اس کے علاوہ میں یہ بھی بتانا پسند کروں گا کہ مجھے اور مسٹر سراج کو بھی ایک دو موقعوں پر ٹارگٹ بنایا جا چکا ہے۔''

''پھر......آپ کو اس حملے کے پیچھے کس کا ہاتھ نظر آتا ہے؟'' دوسرے نمائندے نے سوال کیا۔

''نوکمنٹس......'' اورنگ زیب نے مختصر جواب دیا۔

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ کسی ڈرائیور کو اس وقت اس کانفرنس میں ڈسکس کرنا مناسب نہیں ہوگا۔'' ڈی آئی جی نے صفدر علی کو مخاطب کیا پھر میڈیا گروپس پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔''رہا حملوں کا معاملہ تو موجودہ پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر حملہ کسی وقت......کسی پر اور کسی جگہ بھی ہو سکتا ہے اور......پولیس کو اس وقت انہی نامعلوم ذمے داروں اور حملہ کرنے والوں کو تلاش کرنا ہے جو شہر کے امن وسکون کو بھی برباد کر رہے ہیں۔''

''ان کی تلاش کون کرے گا'سر......؟'' شام کو شائع ہونے والے ایک اخبار کے نمائندے نے اپنی زبان میں کہا۔''پولیس کا عملہ تو ایک عرصے سے ناکام ہو رہا ہے اور صرف وضاحتوں پر گزارا کر رہا ہے۔''

''میں جانتا ہوں کہ شام کو شائع ہونے والے اخبارات گرماگرم سرخیاں لگانے میں زیادہ پیش پیش رہتے ہیں۔ان کی بے بنیاد خبروں میں کتنی صداقت ہوتی ہے اس سے اب عوام بھی واقف ہو گئے ہیں۔اغوا'زنا بالجبر اور اسی قسم کی دوسری چٹ پٹی خبریں'من گھڑت بنیادوں پر مرچ مسالا لگا کر عوام کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں لیکن فی الحال میں اسے موضوع پر بحث نہیں کروں گا۔فوری طور پر مجھے اور پولیس کے دوسرے ذمے دار افسران کو خاص طور پر ان دو مجرموں کو فوکس کرنا ہے جو بڑی دلیری سے نگرانی کرنے والوں کی نظروں میں دھول جھونک کر فرار......ار......ار......''

ڈی آئی جی کا جملہ مکمل ہونے سے پیشتر باہر سے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی ابھرنے والی آوازوں نے سب ہی کی نظریں مرکزی دروازے کی طرف پھیر دیں۔ایک منٹ بعد ہی دو نقاب پوش جدید ریپڈ فائرنگ کرنے والی خطرناک رائفلوں سے لیس اندر داخل ہوئے'ایک نے خطرناک آواز میں سب کو للکارا۔''خبردار'کوئی اپنی جگہ سے اٹھنے یا ہلنے کی حماقت نہ کرے ورنہ باہر موجود ہمارے دوسرے ساتھی خودکش حملے کے ساتھ پوری عمارت کو اڑا دیں گے۔''

اس کا جملہ ختم ہوتے ہی دوسرے نقاب پوش نے براہ راست اورنگ زیب اور سراج کو للکارا۔''تم دونوں خاموشی سے ہاتھ اوپر اٹھا کر ہمارے ساتھ چلو۔انکار کی صورت میں تمہارے علاوہ کچھ دوسرے بھی موت کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔''

''تم ایسا مت کرنا۔''اورنگ زیب اپنی جگہ سے اٹھا۔

''میں تم دونوں کو نقاب میں ہونے کے باوجود پہچان گیا ہوں۔میں اور سراج تمہارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہیں۔ہماری وجہ سے تم بلاوجہ دوسروں کو نشانہ بنانے کی غلطی نہ کرنا۔''

اورنگ زیب کی سنجیدگی دیکھ کر سراج نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی پھر وہ دونوں اپنی نشستوں سے اٹھ کر صرف دو چار ہی قدم آگے بڑھا سکے تھے کہ سادہ لباس میں ملبوس وہ چار ماہر کمانڈوز جو اوپر گیلری میں چھپے کھڑے تھے انہوں نے بلائے ناگہانی کی طرح ایک ساتھ اوپر سے چھلانگ لگا دی' دونوں نقاب پوش لڑکھڑائے لیکن کمانڈوز کی گرفت میں پوری طرح آتے آتے بھی انہوں نے رائفل کے ٹریگر کو دبا دیا۔ایک ساتھ کئی خوفناک شعلے لپکے'ایک دو افراد کے زخمی ہو کر چلانے کی آوازیں بھی بلند ہوئیں لیکن اسی وقت انتظامی امور پر تعینات عملے کے کسی آدمی نے دوراندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے پوری عمارت کا مین سوئچ آف کر دیا۔کانفرنس میں افراتفری کے سبب بھاگنے والے افراد کے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔دس منٹ بعد کمانڈوز نے ایک مخصوص انداز میں گرین سگنل دیا تو تمام لائٹس دوبارہ روشن ہو گئیں۔

کمانڈوز نے دونوں نقاب پوشوں کو پوری طرح گرفت میں لینے کے بعد ان کے چہروں سے نقاب ہٹایا تو کئی اخباری فوٹو گرافر کے کیمروں کی فلش لائٹس ایک ساتھ چمک اٹھیں۔جن دو حملہ آوروں کی تصویریں ان کے میموری کارڈز پر محفوظ ہوئیں'وہ پولیس کو مطلوب خاص مفرور مجرم......لوچن اور وشنو کے سوا کوئی اور نہیں تھے۔ان دونوں کو فوری طور پر گھسیٹ کر ایک کمرے میں لے جایا گیا'پولیس افسران بھی ان کے اردگرد جمع ہونے لگے لیکن......لوچن یا وشنو کے چہروں پر خوف کی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی'پولیس نے ان دونوں کو جکڑ کر ہتھکڑیاں پہنا دیں'پھر بھی ان کی خوفناک آنکھوں میں انتقام کی چنگاریاں چمک رہی تھیں۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کا ذہن بہ دستور صفدر علی کی تحلیل نفسی کرنے میں الجھا رہا تھا۔شاید اس لیے کہ لائٹس دوبارہ آن ہونے کے بعد صفدر علی بھی کمانڈوز کے شانہ بشانہ ہی نظر آیا تھا؟

✣✣✣

لوچن اور وشنو کو دوبارہ گرفتاری کے آدھے گھنٹے بعد ملٹری کا ایک ٹرک کمانڈوز کے ساتھ میونسپل کمپنی کے کانفرنس ہال کے باہر پہنچ گیا۔کرنل احتشام کی بلٹ پروف گاڑی بھی ٹرک کے ساتھ ہی آ گئی'لوچن اور وشنو دونوں کو ملٹری والوں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ڈی آئی جی نے اس سلسلے میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔دوراندیشی کا تقاضا بھی یہی تھا۔

ڈی آئی جی کے جانے کے بعد دوسرے پولیس افسران بھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے'اورنگ زیب نے کانفرنس ہال سے باہر آ کر سراج سے کہا۔''تم گھر پہنچ کر میرا انتظار کرو۔میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں'لیاقت حسین کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''اب ہم کو کہاں جانا ہے......؟''سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''ہمیں آج ہی آکٹوپس کو ہر قیمت پر گرفتار کرنا ہے۔دیر ہوگئی تو وہ ہاتھ سے نکل جائے گا''

''اوہ.....''سراج چونکا۔''تو کیا وشنو اور لوچن کا اچانک حملہ بھی آپ ہی کے اشارے پر.....''

''وقت کم ہے.....''اورنگ زیب نے بات کاٹ کر کہا۔''باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔''

اورنگ زیب کے جانے کے بعد سراج بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا'اس کے ذہن میں اس وقت بھی صفدر علی کا خیال گردش کر رہا تھا'اس کے گھر پہنچنے کے دس منٹ بعد لیاقت حسین بھی آ گیا۔اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔

''تم کچھ دیر پہلے کہاں تھے؟''سراج نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''اپنے کمرے میں......ابھی ایس پی صاحب کا فون آیا تھا۔آپ کے ساتھ کہیں جانے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔''

سراج نے اسے باہر انتظار کرنے کو کہا۔خود تیار ہونے کے دوران میں بھی وہ لوچن اور وشنو کے بارے میں غور کرتا رہا۔اسے علم تھا کہ اورنگ زیب کسی مخبر کی حیثیت سے شیخ حامد کو اعتماد میں لے کر ٹریپ کرنے کی پلاننگ کر رہا تھا۔لیاقت حسین کا صفدر علی کے روپ میں نظر آنا بھی اورنگ زیب ہی کی کسی خفیہ مہم کا ایک حصہ ہو سکتا تھا'وہ جس اخبار کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوا تھا اس کے مالکان اور اورنگ زیب کے گہرے مراسم تھے۔اس کے علاوہ کمانڈوز کے ساتھ ہی صفدر علی کا بھی وشنو اور لوچن کے قریب نظر آنا......اس کے علاوہ بھی بے شمار خیالات سراج کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

حسب وعدہ اورنگ زیب پچیس منٹ بعد میں پہنچ گیا۔وہ اس وقت خلاف توقع بہت زیادہ سنجیدہ اور جذباتی نظر آ رہا تھا۔اسٹیئرنگ سیٹ لیاقت حسین کے حوالے کر کے وہ سراج کے ساتھ پچھلی نشست پر آ گیا۔لیاقت حسین کو اس نے شیخ حامد کو کوٹھی کی طرف چلنے کو کہا تھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟کیا آکٹوپس آسانی سے گرفتاری دیدے گا؟''

''انکار کی صورت میں ہم زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔''اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''اس کے بیشتر آدمیوں کی گواہیاں پہلے ہی اس کے خلاف ریکارڈ ہو چکی ہیں'اب وشنو اور لوچن کے اقراری بیان کے بعد اس کے بچاؤ کے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔''

''گویا وہ حملہ.....''

''ہاں۔وہ بھی میری پلاننگ کا ایک حصہ تھا ورنہ ان دونوں کو اتنی آسانی سے گرفتار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔''

''کیا ڈی آئی جی کو بھی آپ کی پلاننگ کی خبر ہوگئی......؟''

''نہیں......آکٹوپس کی گرفتاری کے سلسلے میں تمام قانونی کارروائی کرنل احتشام نے خفیہ طور پر کی ہے اور......''

موبائل پر سگنل موصول ہوا تو اورنگ زیب نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے آن کرتے ہوئے

سنجیدگی سے پوچھا۔
''کیا خبر ہے؟..... کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ گھر پر ہی ہوگا..... آئی سی ٹھیک ہے' تم لوگ آہستہ آہستہ گھیرا تنگ کرو' میں دس منٹ میں پہنچتا ہوں۔''
''کوئی نئی خبر؟'' سراج نے بات ختم ہونے کے بعد سوال کیا۔
''مجھے حیرت ہے کہ شیخ حامد ابھی تک اپنی کوٹھی میں ہی موجود ہے۔''
''میں سمجھا نہیں۔''
''میں نے اسے دفتر سے روانہ ہوتے وقت نامعلوم مخبر کی حیثیت سے اطلاع دے دی تھی کہ پولیس اس کی گرفتاری کے لیے کسی وقت بھی ریڈ کر سکتی ہے اس کے باوجود آکٹوپس کا کوٹھی پر ہونا سمجھ سے باہر ہے۔'' اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے کہ وہ کوئی چور راستہ اختیار کر لے۔''
''چور راستہ.....'' سراج چونکا۔ ''میں آپ کا مقصد نہیں سمجھا۔''
''تم حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہو.....'' اورنگ زیب نے پہلی بار دبی زبان میں کہا۔ ''اس شہر میں میرا تبادلہ ایک انتہائی خفیہ اسکیم کے تحت ہوا تھا جس میں ملٹری انٹیلی جنس کا اشارہ بھی شامل تھا۔ جانتے ہو کیوں؟..... ملٹری کی سیکرٹ انفارمیشن اگر غلط نہیں ہے تو شیخ حامد انڈر گراونڈ ورلڈ مافیا کا دوسرا سب سے بڑا فرد ہے جس کی گرفتاری میں انٹرپول بھی ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی۔ ہم اسے جس چہرے میں دیکھ رہے ہیں وہ اس کا اصل چہرہ بھی نہیں ہے۔ مافیا کے سربراہ ایک ہی وقت میں کئی ایسے چہرے بدل لیتے ہیں کہ جس کی شناخت ان کے گھر کے افراد بھی نہیں کر پاتے اور اگر شیخ حامد کے سلسلے میں کرنل احتشام کا انداز درست ہے تو پھر آکٹوپس کے آٹھ خطرناک اور زہریلے ہاتھوں کی طرح اس کے فرار کے بھی کئی ایسے خفیہ راستے موجود ہوں گے' ہمیں جن کا علم ابھی تک نہیں ہو سکا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی خفیہ راستے سے نکل چکا ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہمارا یہ مشن بھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ یہ ناکامی خود میرے لیے بھی بے حد اذیت ناک ہوگی۔ میں نے اب تک اس کے گرد جو مضبوط شکنجے تیار کیے تھے وہ سب ایک خواب ہو کر رہ جائیں گے پھر..... شاید ہمیں اپنے مطلوبہ شکار پر ہاتھ ڈالنے کا موقع اتنی آسانی سے.....''
اورنگ زیب اپنا جملہ مکمل کرتے کرتے چونکا۔ اس نے لیاقت حسین کو کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''یہ تم کس راستے پر جا رہے ہو.....؟'' اورنگ زیب نے سوال کے بعد ہی سراج نے بھی محسوس کیا کہ گاڑی شیخ حامد کی رہائش گاہ کی سمت جانے کے بجائے کسی سنسان راستے پر فراٹے بھر رہی تھی۔ لیاقت حسین پوری طرح سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے دوسری بار پشت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اپنا سوال دہرایا تو لیاقت حسین نے عجیب انداز میں بے حد سنجیدگی سے کہا۔
''فرعون اس وقت ساحلی علاقے کی چٹان سے آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن قدرت ایسے گناہ گاروں کو آسانی سے قبول نہیں کرتی۔''

''تم......تم کیا بکواس کر رہے ہو......؟'' اورنگ زیب کا چہرہ تمتما اٹھا۔سراج نے دبی زبان میں کہا۔

''صبر و تحمل سے کام لیں......ہوسکتا ہے کہ کوئی روحانی قوت لیاقت حسین کی زبانی آپ کے کشکول میں کامیابی کا تحفہ ڈالنا چاہتی ہو۔''

اورنگ زیب نے پلٹ کر سراج کو دیکھا پھر کسی خیال کے تحت اس نے فوری طور پر گاڑی کے رخ کا اندازہ لگاتے ہوئے کرنل احتشام سے رابطہ قائم کیا۔رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔''سر......میری اطلاع کے مطابق ہمارا مطلوبہ شکار کسی خفیہ راستے سے نکل کر گڈانی کے ساحل کی طرف جا رہا ہے۔ہوسکتا ہے کہ وہاں چٹانوں پر کہیں اس کا ہیلی کاپٹر موجود ہو۔ہمیں اس کی ناکہ بندی بھی کرنی ہوگی' میں اسی طرف جا رہا ہوں......یس سر' میں جانتا ہوں کہ ناکامی کی صورت میں مجھے جواب دینا ہوگا لیکن آپ بھی میری ایمانداری سے واقف ہیں......یہ میری گزارش ہے سر......رائٹ' میں ہر صورت حال کو فیس کرنے کو تیار ہوں۔آپ کا فیصلہ درست ہے سر' ہمیں اس کی قیام گاہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے......او۔کے سر......تھینک یو۔'' اورنگ زیب نے رابطہ ختم کیا تو اس کے چہرے پر کامیابی اور ناکامی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

''کرنل نے کیا کہا......؟'' سراج نے دبی زبان میں معلوم کیا۔

''ناکامی کی صورت میں مجھے ذاتی طور پر حکومت کے سامنے جواب دینا ہوگا۔''

سراج جواب میں کسمسا کر رہ گیا۔لیاقت حسین حیرت انگیز طور پر گاڑی کی رفتار بڑھا رہا تھا۔کچھ دیر بعد وہ گڈانی کے ساحل پر پہنچے تو وہاں ملٹری کے نوجوان پہلے سے موجود تھے۔کرنل احتشام کی بلٹ پروف گاڑی بھی نظر آ رہی تھی۔اورنگ زیب گاڑی سے اتر کر سراج کے ساتھ اس کے قریب گیا تو کرنل احتشام بھی نیچے آ گیا۔

''مسٹر اورنگ زیب......تمہاری انفارمیشن پر میں نے فوری طور پر ایک ہیلی کاپٹر بھی طلب کر لیا ہے۔میرے کچھ خاص کمانڈوز دور مار رائفلوں کے ساتھ چٹان پر پہنچ رہے ہوں گے لیکن......اگر تمہاری انفارمیشن فیک (fake) ثابت ہوئی تو پھر شاید میں بھی تمہارے لیے......''

کرنل کا جملہ مکمل نہ ہوسکا' بلند چٹانوں سے کسی ہیلی کاپٹر کے اسٹارٹ ہونے کی آواز نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا' اس تیز شور کے ساتھ ایک ہیلی کاپٹر بھی چٹانوں سے بلند ہو کر سمندر کی طرف پرواز کرتا نظر آیا تو کرنل نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''اوہ!......شاید میرے آدمیوں کو وہاں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔''

اورنگ زیب کی حسرت بھری نظریں ہیلی کاپٹر پر مرکوز تھیں پھر......جو کچھ ہوا اس نے کرنل کے علاوہ اورنگ زیب اور سراج کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز کر دیں۔

سمندر کی طرف جاتے ہوئے ہیلی کاپٹر پر اچانک سرچ لائٹس کی تیز روشنی پڑی پھر ہیوی ڈیوٹی' دور مار رائفلوں کے شعلے بھی لپکتے دکھائی دیے۔سب کی نظریں اسی طرف جمی تھیں جس ہیلی کاپٹر

سے دو افراد سمندر میں چھلانگ لگاتے نظر آئے۔اس کے بیس سیکنڈ بعد ہی ہیلی کاپٹر ایک دھماکے سے پھٹ گیا وہ یقیناً فائرنگ کی زد میں آ گیا تھا۔

کرنل کے علاوہ اورنگ زیب کے ساتھ سراج بھی ساحل کی طرف دوڑ پڑے۔چٹان کے اوپر سے سرچ لائٹس کا فوکس بھی اس طرف کر دیا گیا جہاں دونوں افراد گرے تھے۔چٹان کے اوپر سے ملٹری کے کئی ماہر تیراک بھی سمندر میں چھلانگ لگاتے نظر آئے۔

''یو آر رائٹ مسٹر اورنگ زیب۔'' کرنل نے جاری آپریشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔''تمہاری اطلاع غلط نہیں تھی......کاش تم کچھ دیر پہلے مجھے انفارم کر دیتے تو ہم اسے راستے میں ہی دبوچ لیتے'بائی دا وے آئی ایم پراؤڈ آف یو۔''

اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔کرنل کے کچھ اور ماتحت بھی اس کے قریب جمع ہونے لگے۔سب کی نظریں سرچ لائٹس کی تیز روشنی میں سمندر کی جانب مرکوز تھیں۔

دو گھنٹے تک سرچ آپریشن جاری رہنے کے دوران کرنل نے موبائل پر احکامات جاری کر کے تازہ دم دستہ بھی طلب کر لیا۔تقریباً صبح پانچ بجے تک سراج آپریشن جاری رہا لیکن ہیلی کاپٹر سے چھلانگ لگانے والے دونوں افراد کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

''میرا خیال ہے کہ کچھ گولیاں ان دونوں کو بھی لگی ہوں گی جس کے بعد وہ مر کر سمندر کی تہ میں غرق ہو گئے ہوں۔'' کرنل نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

''ہو سکتا ہے کہ آپ کا اندازہ درست ہو......'' اورنگ زیب نے مضمحل لہجے میں جواب دیا۔

سرچ آپریشن کے بعد شیخ حامد کی کوٹھی پر باقاعدہ ریڈ کی گئی جہاں سے ایسے بے شمار کارآمد ثبوت ملے جو شیخ حامد کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا سکتے تھے۔اسی روز اس کے تمام بینک لاکرز کو بھی جن کی نشان دہی گرفتار ہونے والے فرد نے کی تھی' توڑ کر ایسے مزید ثبوت حاصل کر لیے گئے جو ناقابل تردید تھے۔ایسی متعدد فلمیں اور تصاویر بھی ملیں جن کے ذریعے بڑے آدمیوں کو بلیک میل کیا جاتا تھا۔

چوبیس گھنٹوں کے طویل آپریشن سے فارغ ہونے کے بعد کرنل احتشام نے اورنگ زیب سے کہا۔''آپ بھی اب گھر جا کر دو تین گھنٹے مکمل ریسٹ کریں پھر فریش ہو کر میرے آفس آ جائیں'ہمیں اپنی رپورٹ تیار کر کے اوپر بھی روانہ کرنی ہے۔''

''رائٹ سر......'' اورنگ زیب نے اس وقت بھی افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

گھر واپس جاتے وقت سراج نے محسوس کیا کہ اورنگ زیب بہ دستور کسی سوچ میں غرق ہے۔

''میرا مشورہ ہے کہ اب آپ بھی شیخ حامد کو ذہن سے نکال دیں جو سمندر کی تہ میں کہیں مچھلیوں کو اپنے جسم کی غذا فراہم کر رہا ہوگا۔خس کم جہاں پاک......''

''تم ایک بات فراموش کر رہے ہو......'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے جواب دیا۔''میں نے اس کا نام آکٹوپس رکھا تھا اور......آکٹوپس سمندر کا ایسا خطرناک عذاب ہے جو اتنی آسانی سے ختم

نہیں ہوتا۔"

"کیا مطلب......؟"

"وقتی طور پر ہوسکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو لیکن...... جب تک مجھے شیخ حامد کی لاش کا سراغ نہیں مل جاتا میرے وجود کے اندر ایک نامعلوم سا تجسس باقی رہے گا۔"

سراج نے اسے غور سے دیکھا لیکن کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ لیاقت حسین بڑے سکون سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ واپسی کے وقت اورنگ زیب نے اسے ساحل کی طرف جانے کے سلسلے میں کریدنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ہر بار یہی جواب دیا کہ اسے ایسی کوئی بات یاد نہیں۔ سراج کو گھر چھوڑنے کے بعد اورنگ زیب دروازے ہی سے واپس لوٹ گیا۔

اسی دن شام کے اخبارات نے شیخ حامد کی تصویروں کے ساتھ اس کے خلاف ہونے والے آپریشن کی تفصیلات مختلف انداز میں شائع کی تھیں' ملٹری کے علاوہ ایس پی اورنگ زیب کی کارکردگی کے بارے میں کئی سرخیاں لگائی گئی تھیں۔

سراج کا ذاتی خیال بھی کرنل احتشام کے مطابق یہی تھا کہ شیخ حامد جو انڈر ورلڈ کا مافیا کا نمبر ٹو تھا' اپنے انجام کو پہنچ گیا ہوگا' اس خیال کے بعد تمام باتیں بھی دفن ہوگئی تھیں۔ کچھ کرداروں کی تفصیل اور چند واقعات کی وضاحتیں ضرور تشنہ رہ گئی تھیں...... لیکن......

ایس پی اورنگ زیب کو کئی ہفتے گزر جانے کے بعد بھی شیخ حامد اور اس کے ساتھی کے سمندر برد ہو جانے پر یقین نہیں آیا تھا' وہ ذاتی طور پر بہ دستور اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے آکٹوپس کے بچ نکلنے کے امکانات کی چھان بین کراتا رہا تھا......

+++

ایس پی اورنگ زیب اور سراج اس وقت بھی ایک ساتھ ہی ڈی آئی جی کے دفتر میں داخل ہوئے تھے۔ ڈی آئی جی نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا' وہ کسی سے فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اچھے موڈ میں ہے۔

"میں نے اس وقت آپ لوگوں کو ایک خوشخبری سنانے کے لیے بلایا ہے۔" فون کریڈل پر رکھنے کے بعد اس نے باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا شیخ حامد کی لاش برآمد ہوگئی؟" اورنگ زیب نے تیزی سے دریافت کیا۔

"ڈونٹ بی سینٹی مینٹل مسٹر اورنگ زیب۔" ڈی آئی جی نے پہلو بدلا۔ "ملٹری کے غوطہ خوروں کے علاوہ ہمارے آدمی بھی سمندر کے اس حصے کو چھان چکے ہیں لیکن......"

"کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے سر کہ ان دونوں میں کوئی ایک بھی ہمارے ہاتھ نہیں لگا؟" اورنگ زیب کسمسا کر رہ گیا۔

"ہوسکتا ہے کہ اب تک وہ مچھلیوں کے پیٹ میں بہ طور خوراک منتقل ہو چکے ہوں۔ آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ گڈانی کے ساحل پر زیادہ تر شارک اور آدم خور مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ کیا یہ

نہیں ہوسکتا کہ آپ کا بڑا مجرم کسی بڑی شارک کا نشانہ بن گیا ہو؟''

''آپ کسی خوشخبری کا ذکر کررہے تھے اس لیے میں نے سوچا کہ شاید......''

''پلیز......'' ڈی آئی جی نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

اب آپ شیخ حامد اور اس کے ساتھ چھلانگ لگانے والوں کو بھول جائیں۔''

اورنگ زیب نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا لیکن چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس نے ابھی تک آکٹوپس کی موت کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا تھا۔ سراج اپنی کرسی پر بہ دستور خاموش بیٹھا رہا۔

''اس وقت میں نے آپ دونوں کو اس لیے طلب کیا ہے کہ یہ خوشخبری سنادوں کہ بہت جلد ملٹری ہائی کمان ایک تقریب کا بندوبست کر رہی ہے جس میں آپ دونوں کو ملٹری ایوارڈ سے نوازا جائے گا۔''

''یہ ہم سب کے لیے ایک اعزاز ہوگا سر۔'' سراج نے خوشی کا اظہار کیا۔

''جی ہاں لیکن......اس کا سہرا مسٹر اورنگ زیب کے سر ہوگا۔'' ڈی آئی جی کی نظریں پھر اورنگ زیب پر مرکوز ہوگئیں اس نے ایک پل کے وقفے سے کہا۔''وی آر پراؤڈ آف یو مسٹر اورنگ زیب۔''

''شکریہ سر......'' اورنگ زیب نے سرسری انداز میں جواب دیا پھر بولا۔''ہمارے لیے یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ بڑی مچھلی کے ساتھ ساتھ اس کے گروپ کی چھوٹی مچھلیاں بھی انڈر گراؤنڈ ہوگئی ہیں۔ ہمارے آدمی ابھی تک ان مطلوبہ اشتہاری مجرموں کو گرفتار نہیں کر سکے جن کو شیخ حامد نے پناہ دے رکھی تھی۔''

''کم آن مسٹر اورنگ زیب۔'' ڈی آئی جی نے بے تکلفی کا اظہار کیا۔''میرا مشورہ مانیں تو آپ کچھ دنوں کسی پرفضا مقام پر جا کر اچھی طرح ریلیکس کریں تاکہ آپ کے ذہن سے آکٹوپس اور اس کے گروپ کا خیال محو ہوسکے۔''

اورنگ زیب کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ڈی آئی جی نے ریسیور اٹھالیا۔ اس کی نظریں بہ دستور اورنگ زیب پر جمی ہوئی تھیں جن میں ستائش کے تاثرات نظر آرہے تھے لیکن......دوسری جانب سے جو گفتگو ہوئی اس کے بعد ڈی آئی جی کا موڈ ایک دم ہی آف نظر آنے لگا۔

ریسیور واپس کریڈل پر رکھنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے وہ اندر ہی اندر جھلس رہا ہو۔

''کیا بات ہے سر......؟'' اورنگ زیب نے دبی زبان میں پوچھا۔ کس کی کال تھی......؟''

''مرکزی وزارت کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ذمے دار لوگ بھی جب غیر ذمے داری کی بات کریں گے تو پولیس کا محکمہ بھی معطل بن کر رہ جائے گا۔''

''کوئی خاص حکم......؟''

''آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ڈی ایس پی لودھی کی سزا کم کرنے کی خاطر اسے دوبارہ شہری حدود میں تعینات کرنے کے احکام جاری کیے تھے لیکن اوپر سے روک دیا گیا اور آج...... پھر اس کو آپ ہی کے کسی پولیس اسٹیشن پر تعینات کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کیا آپ اسے خوشی سے قبول کرلیں گے؟''

''یہ لودھی کی کارکردگی پر منحصر ہوگا۔'' جواب بڑی صاف گوئی سے کھردرے لہجے میں دیا گیا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے اصولوں پر کسی قسم کا سودا کبھی نہیں کرتا۔ آپ اسے جس پولیس اسٹیشن پر دل چاہے تعینات کردیں پھر میں اسے ذاتی طور پر دیکھ لوں گا۔''

''لیکن اس طرح اختیارات کا غلط اور بے جا استعمال کب تک ہوتا رہے گا؟'' ڈی آئی جی ہونٹ چبانے لگا۔

''میں آپ کی سوچ سے متفق ہوں سر...... خاص طور پر لودھی کا نام بھی ہمارے لیے اہم ہے۔ سب ہی جانتے ہیں وہ شیخ حامد کا خاص آدمی ہے۔'' اورنگ زیب نے ایک لمحہ توقف کے بعد سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''شیخ حامد اگر واقعی مر چکا ہے تو پھر لودھی کو خاص طور پر میرے انڈر کیوں دیا جا رہا ہے؟''

''میں سمجھا نہیں......'' ڈی آئی جی نے وضاحت طلب انداز میں دریافت کیا۔ آپ کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''لودھی کے ٹرانسفر کی بات ایک بار پھر میرے اس شبہے کو تقویت دے رہی ہے کہ آبی مخلوق میں آکٹوپس کی حیثیت بھی خاص اہمیت کی حامل ہے' اس کے آٹھ ہاتھ بڑے سے بڑے خطروں سے بھی ٹکرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے نہیں مرتا سر......''

''پلیز مائی ڈیئر......'' ڈی آئی جی نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ ''آپ اپنے ذہن سے اب شیخ حامد کو کھرچ کر نکال دیں' کرنل احتشام کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ خس کم جہاں پاک ہو چکا ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو پھر لودھی کو خاص طور پر میرے ساتھ کیوں نتھی کیا جا رہا ہے۔''

''ڈونٹ وری......'' ڈی آئی جی نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ لودھی کے لیے اور کیا صورت نکالی جا سکتی ہے۔''

''نو سر......'' اورنگ زیب نے بڑی گہری سنجیدگی اور ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''آپ لودھی کو میرے پاس آنے دیں...... میں خود ہی دیکھ لوں گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔''

ایک لمحے کو کمرے میں پھر خاموشی طاری ہوگئی پھر ڈی آئی جی نے موضوع بدل کر کہا۔

''جہانگیر بٹ (جگا) اور امداد علی کو ان کا ریکارڈ صاف ہونے کی وجہ سے رہائی کے آرڈر جاری کر دیے گئے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں سر......''

''وشنو اور لوچن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''وہ دونوں انڈرورلڈ کے خطرناک لوگ ہیں۔خاص طور سے رام دیال عرف وشنو زیادہ خطرناک آدمی ہے۔انٹرپول کے لوگ اب بھی اس کی تلاش میں ہیں۔''

''خدا کا شکر ہے کہ ان کی گرفتاری کے بعد کرنل احتشام نے ان دونوں کو اپنی تحویل میں لے لیا ورنہ پولیس کے لیے وہ دردسر بھی بن سکتے تھے۔''

''سر......''سراج نے پہلی بار ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔''آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہماری حکومت ذاتی طور پر ان دونوں کے خلاف قانونی ایکشن لے گی یا انہیں انٹرپول کے سپرد کردیا جائے گا؟''

''اس کا فیصلہ بھی مرکزی حکومت کرے گی۔ویسے میرا خیال ہے کہ ایک سابقہ معاہدے کے تحت کم ازکم وشنو کو ضرور انٹرپول کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔''

چائے آجانے کی وجہ سے گفتگو کا رخ تبدیل کردیا گیا' ڈی آئی جی نے ایک بار پھر ادھرادھر کی باتیں شروع کردیں۔اورنگ زیب بھی بہ ظاہر ریلیکس نظر آرہا تھا جب کچھ دیر بعد ڈی آئی جی کے ڈائریکٹ فون کی گھنٹی بجی۔اس نے فوری طور پر کال ریسیو کی لیکن دوسری جانب سے جو اطلاع ملی اسے سن کر وہ بھی پریشان نظر آنے لگا۔

ڈونٹ وری سر......''اس نے ملنے والی اطلاع کے جواب میں بڑی سنجیدگی سے کہا۔''میں ابھی سارے علاقے کے ایس پیز کو مطلع کیے دیتا ہوں......رائٹ......اوکے......جیسا آپ کہہ رہے ہیں ویسا ہی ہوگا۔''

''کیا بات ہے سر......''ڈی آئی جی کے فون ریسیو کرنے کے بعد اورنگ زیب نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کس کی کال تھی......کوئی اہم اطلاع ہے؟''

''جی ہاں......''ڈی آئی جی نے کرسی پر کسمساتے ہوئے جواب دیا۔''وشنو اور لوچن دونوں کرنل احتشام کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں۔یہ اس روز کی بات ہے جس روز ان دونوں کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔ہیڈکوارٹر جاتے ہوئے کچھ لوگوں نے اچانک ہنگامہ کرکے ان دونوں کو فرار کا موقع فراہم کردیا تھا۔''

''اور اس اہم خبر کی اطلاع ہمیں اب دی جارہی ہے؟''اورنگ زیب نے تلملا کر کہا۔''اب تک وہ نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گئے ہوں گے۔''

''کرنل احتشام نے اس خبر کو اب تک کیوں خفیہ رکھا' یہ وہی بہتر جانتے ہیں۔بہرحال' اب ہمیں سارے تھانوں کو الرٹ رہنے کا حکم دینا ہوگا۔''

ڈی آئی جی نے تمام علاقے کے ایس پیز سے رابطے کا سلسلہ شروع کردیا۔وشنو اور لوچن کے فرار کی خبر نے اسے خاصا پریشان کردیا تھا۔فون کالز سے فرصت پانے کے بعد اس نے اورنگ زیب اور سراج کو مخاطب کیا۔

''آپ دونوں کو بھی مفرور مجرموں کی تلاش میں فوری ضروری اقدام کی ضرورت ہے۔''
''ہم غافل نہیں رہیں گے سر......'' اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے کہا پھر چند رسمی جملوں کے بعد وہ اور سراج باہر آ گئے۔ دونوں ایک ساتھ ہی آئے تھے اس لیے واپسی بھی ایک ساتھ ہی ہوئی۔
ڈرائیونگ سیٹ پر اورنگ زیب تھا جس کی نظریں سامنے سڑک پر مرکوز تھیں۔ اس نے ڈی آئی جی آفس سے باہر آنے کے بعد ابھی تک وشنو اور لوچن کے فرار کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ سراج خاصی دیر تک اس کے چہرے کے تاثرات پڑھتا رہا پھر دبی زبان میں پوچھا۔
''کیا لوچن اور وشنو کے فرار کی اطلاع نے آپ کو زیادہ متاثر نہیں کیا؟''
''خدا جو کچھ کرتا ہے اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا پھر سراج سے مسکرا کر پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے؟''
''آئی سی......'' سراج نے مزید کریدنے کی خاطر ایک شبہے کا اظہار کیا۔ ''میرا خیال ہے کہ ملٹری ہیڈکوارٹر پہنچ جانے کے بعد وشنو اور لوچن کو فرار ہونے کا ایسا موقع نہیں مل سکتا تھا جو راستے میں فراہم کر دیا گیا۔''
''میں فی الحال تمہارے اس خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔'' اورنگ زیب نے شانے اچکا کر کہا۔ اس کا جواب مبہم ہونے کے باوجود بہت واضح تھا۔

✣✣✣

شبنم کی بے ہوشی کی کیفیت آہستہ آہستہ دور ہو رہی تھی۔ ذہن میں گھپ اندھیروں اور شائیں شائیں کی آوازیں کم ہوئیں تو اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے کو اسے یوں لگا جیسے وہ کوئی سہانا خواب دیکھ رہی ہے۔
اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جس ٹھکانے پر اسے رکھا گیا تھا وہاں سے جبرو اسے ساتھ لے کر اسلم ڈنکا کے پاس گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اسے سن کر شبنم کا ذہن بھک سے اڑ گیا تھا۔ بگ باس کے حکم کے مطابق شبنم کو گولی مار کر اسلم ڈنکا کو جہنم رسید کرنا تھا۔ اس کے بعد جبرو شبنم کو بھی ختم کر دیتا۔ لیکن اس سے پیشتر اسلم ڈنکا اور جبرو کے درمیان شبنم کو مل بانٹ کر کھانے کو جو بات ہوئی وہ شبنم کے لیے موت کے کرب سے زیادہ اذیت ناک تھی' اس نے طے کر لیا تھا کہ مر جائے گی لیکن خود کو برباد نہیں ہونے دے گی پھر...... کھیل کا پانسا اچانک پلٹ گیا تھا' کچھ نامعلوم افراد عین وقت پر درمیان میں آ گئے تھے۔ اسلم ڈنکا اور جبرو دونوں کو دبوچ لیا گیا۔ شبنم کو کسی نے اس کی کنپٹی پر ایک آزمودہ کاری ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا تھا اور اب...... آنکھ کھلنے پر وہ اپنے فلیٹ میں موجود تھی' ہوش میں آنے کے بعد اس کی نظریں کاغذ کی ٹکڑے پر پڑی جو اس کے سینے پر رکھا تھا۔ پیغام مختصر مگر بے حد معنی خیز تھا۔
''خود کو صرف اپنے فلیٹ تک محدود رکھنے کی کوشش کرنا۔ ہوا میں اڑنے کی کوشش کی تو تمہارا انجام بھیانک ہی ہوگا۔ اپنی زبان بند رکھنا' اسی میں تمہاری زندگی کی ضمانت ہے۔ تمہارا موبائل تکیے

کے نیچے موجود ہے اس پر کسی کو کال کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ جو کال بگ باس کے حوالے سے موصول ہو اس پر بلا کسی چونو چرا عمل کرنا۔''

اس پیغام کو پڑھ کر اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ بگ باس کی موت کی اطلاع وہ بھی اخباروں میں تفصیل سے پڑھ چکی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے خود کو اپنے فلیٹ تک ہی محدود رکھا۔ اورنگ زیب کے پاس سے نکلنے کے بعد وہ جن حالات سے گزر چکی تھی اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ خود کو ایک ہی خول میں بند رکھے۔

ایک ہفتے تک اس کے موبائل پر کسی نے کال نہیں کی اس دوران وہ افضل خان اور میڈم روبی کے بارے میں صرف ذہنی جمناسٹک کرتی رہی۔ وہ ایک ہی موحول میں رہتے رہتے اکتا گئی تھی جب اس وقت موبائل گنگنانے لگا جبکہ وہ ایک پرانے اخبار کو الٹنے پلٹنے میں مصروف تھی۔ موبائل کی گھنٹی سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ ایک لمحہ وہ خالی نظروں سے موبائل کو دیکھتی رہی پھر تیسری گھنٹی پر اس نے موبائل اٹھا کر آن کر لیا۔

''شبنم بول رہی ہوں......'' اس نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

''تم نے میرا پیغام پڑھ لیا ہوگا؟''

دوسری جانب سے ایک غیر مانوس آواز ابھری۔

''میں ابھی تک اسی پر عمل کر رہی ہوں لیکن......''

''لیکن......اگر......مگر......کون اور کیوں کے چکر میں مت پڑو۔'' جھڑک کر سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''جو کچھ کہا جائے صرف اسی پر عمل کرو۔''

''ٹھیک ہے......'' شبنم نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ اس وقت وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ زبان کھولنے کی جرأت کر سکتی۔

''کنول کو جانتی ہو؟''

''جی ہاں......''

''وہ کسی وقت بے ہوشی کی حالت میں تم تک پہنچا دی جائے گی۔ ہوش آنے پر تم کل اسے اس کے گھر پہنچا دینا۔ یہ بھی سمجھا دینا کہ اسے بھی زبان بند ہی رکھنی ہو گی۔ دوسری شکل میں زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔''

''او۔کے۔''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں اپنے فلیٹ پر زیادہ سکون مل رہا ہوگا۔''

''جی......جی ہاں۔''

''یہ سکون بھی اسی وقت تک قائم رہے گا جب تک ہر ملنے والی ہدایت پر عمل کرتی رہو گی۔ دوسری صورت میں حالات تمہارے لیے پہلے سے زیادہ بدصورت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' شبنم نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

''تم کچھ سوال کرنا چاہتی تھیں.....'' اس بار قدرے نرم لہجے میں پوچھا گیا۔
''جو خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں اس کو پڑھنے کے بعد بگ باس کا حوالہ میری سمجھ میں نہیں آسکا۔'' شبنم نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
''اخبارات ہمیشہ مرچ مسالا لگا کر عوام کو خبریں سناتے رہتے ہیں۔ فی الحال اس چکر میں مت پڑو.....اور کچھ۔''
''افضل خان کے بارے میں.....''
''تمہاری زبان سے افضل خان کا نام سن کر مجھے تعجب نہیں ہوا۔'' اس کی بات کاٹ کر سوال کیا گیا۔''کیا جاننا چاہتی ہو؟''
''وہ.....بس یونہی خیال آ گیا تھا۔'' اس نے گڑبڑا کر جواب دیا۔''بہت دنوں سے وہ نظر نہیں آیا۔''
''فی الحال وہ ہسپتال میں ہے۔ اسے ایس پی اورنگ زیب نے گولی مار کر زخمی کیا تھا۔''
''کس جرم کی پاداش میں؟''
''تم جانتی ہو کہ مجھے کرید کرنے والے لوگ پسند نہیں ہیں.....'' دوسری جانب سے ناگواری کا اظہار کیا گیا۔
''سوری سر.....''
''آئندہ! احتیاط رکھنا۔'' کچھ توقف سے کہا گیا۔
''ویسے تم چاہو تو افضل خان سے مل سکتی ہو ہوسکتا ہے مجھے پھر کسی وقت اس کی ضرورت پڑے۔''
''سر.....کیا میں کسی اہم ضرورت کے وقت آپ کو فون کر سکتی ہوں؟''
''نہیں.....فی الحال ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔'' دوسری طرف سے کال منقطع کر دی گئی تو شبنم بڑی اضطرابی کیفیت میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ بگ باس کے حوالے سے وہ کال اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اگر وہ زندہ تھا تو کیا اور ملٹری کے افسران کو اس کی اطلاع نہیں تھی اور.....اگر وہ مر چکا تھا جس کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوتی رہی تھی تو پھر بگ باس کے حوالے سے فون کرنے والا کون تھا؟

+++

والدین کے آ جانے سے جہاں لیاقت حسین اور فرحین خوش تھے وہاں سرفراز خان بھی بہت زیادہ مسرور تھا۔ اس کے اور سیٹھ عثمان کے کاروباری تعلقات خاصے پرانے تھے لیکن یہ پہلا موقع تھا جب وہ شہر آیا تھا۔ اپنے علاقے کا بے تاج بادشاہ ہونے کی وجہ سے وہ اسی ماحول میں رہنا پسند کرتا تھا۔

لیاقت حسین اور فرحین بہ دستور دوسرے بنگلے کی انیکسی میں تھے جبکہ راحیلہ بیگم نے شوہر کے

مشورے کے بعد سردار سرفراز خان اور اس کی بیوی کے لیے اپنے بنگلے کے مہمان خانے میں رہنے کا بندوبست کیا تھا۔راحیلہ بیگم کو لیاقت حسین کی والدہ بے حد پسند آئی تھی۔وہ سیدھی سادی نیک اور عبادت گزار عورت تھی جبکہ سرفراز خان اپنی ریاستی حیثیت کے مطابق رکھ رکھاؤ قائم رکھنے کا عادی تھا۔لیاقت حسین اور فرحین کا بھی زیادہ وقت سیٹھ عثمان کے بنگلے میں گزرتا تھا۔

سرفراز خان چونکہ پہلی بار شہر آیا تھا اس لیے وہ ان کاروباری افراد سے بھی ملتا رہا جن سے اس کا لین دین تھا۔ذاتی ملاقاتوں کے سبب اس کو اندازہ بھی ہوا کہ شہر کے تاجر اس سے کس حساب سے مال خریدتے ہیں اور بیرونی منڈیوں میں کس قدر مہنگے داموں فروخت کرتے ہیں۔اس ضمن میں سرفراز خان نے براہ راست سیٹھ عثمان کو اعتماد میں لے کر بات کی تو سیٹھ عثمان نے اسے یہی مشورہ دیا کہ وہ بھی براہ راست بیرونی منڈیوں سے رابطہ کرے جس میں منافع کی گنجائش مقامی منڈیوں سے دو تین گنا زیادہ ہوتی ہے۔اس پر خلوص مشورے کے ساتھ ہی سیٹھ عثمان نے اسے ایسے مخلص کارندے بھی فراہم کر دیے جو اس کام کا پرانا تجربہ رکھتے تھے۔

اس وقت بھی سرفراز خان اسے ایک کاروباری شخص سے ملاقات کے لیے لے جا رہا تھا۔لیاقت حسین نے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا'وہ باپ کے سامنے حسب عادت بہت لیے دیے رہتا تھا۔کچھ دیر خاموشی رہی پھر سرفراز خان نے گفتگو کی ابتدا کی۔

''عثمان سیٹھ واقعی ہیرا آدمی ہے'تمہارا ماں بھی بہت خوش ہے۔''

''میرے ساتھ بھی سب بالکل اپنے سگے رشتہ داروں کی طرح پیش آتے ہیں۔''لیاقت حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''بیگم صاحب نے تو فرحین کو بہن بنا رکھا ہے۔''

''تم خوش قسمت ہے جو تم کو ایسے بھلے لوگ مل گئے ورنہ شہر میں کاروباری لوگ اپنا نفع ونقصان سے زیادہ کسی بات کا خیال نہیں رکھتے۔''

''ایک بات پوچھوں بابا......؟''لیاقت حسین نے دبی زبان میں کہا۔''کیا آپ باہر کی منڈیوں میں کاروبار شروع کرنے کے بعد سیٹھ صاحب کے ساتھ لین دین ختم کر دیں گے؟''

''یہ بات تمہارا دماغ میں کیوں آیا؟''سرفراز خان نے تیز آواز میں کہا۔

''کیا میں اتنا خود غرض ہوں کہ جس بھلے آدمی نے مجھے زیادہ منافع کمانے کا راستہ دکھایا ہے میں اسی کے ساتھ دغا کروں گا۔''

''میرا مطلب بھی یہی تھا کہ......''

''تم غلط سوچ رہا ہے میری جان۔''اس بار سرفراز خان نے قدرے محبت بھرا انداز اختیار کیا۔''تمہارا سیٹھ عثمان یہی بول رہا تھا کہ میں ذاتی طور پر اپنا کاروبار کروں لیکن میں نے اسے شریک بنانے کا ارادہ کر لیا ہے۔اسی طرح ہم دونوں کو پہلے کے مقابلے میں دوگنا سے بھی زیادہ منافع ہوگا۔''

'کیا یہ بات پکی ہوگئی ہے۔''

''وہ شریف آدمی ہے۔تم نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کی وجہ سے وہ مشترکہ کاروبار سے ہچکچا رہا ہے لیکن میں اسے تیار کرلوں گا۔''

باپ بیٹے کے درمیان گفتگو کا سلسلہ اس وقت جاری رہا جب تک ان کی منزل نہیں آ گئی'لیاقت حسین فینسی ماربلز کے شوروم کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا جب سرفراز خان اچانک لڑکھڑا گیا'لیاقت حسین کا خیال تھا کہ غالباً اس کا پاؤں الجھ گیا تھا لیکن جب اس نے باپ کے بائیں شانے سے خون بہتے دیکھا تو دیوانہ ہو گیا۔اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا'خون جس رفتار سے بہہ رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ کسی نے بے آواز ریوالور رائفل سے اس پر فائر کیا تھا۔

ماربل کے شوروم پر کھڑے ہوئے ملازم بھی دوڑ پڑے'وہاں کا مالک بھی تیزی سے باہر آ گیا'فوری طور پر لیاقت حسین اپنے باپ کو ایک قریبی اسپتال لے گیا جہاں ڈاکٹروں نے اس کے شبے کی تصدیق کر دی۔ڈاکٹر نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''یہ تمہارے باپ کی خوش قسمتی تھی کہ گولی ہڈی سے نہیں ٹکرائی ورنہ اس کا ہاتھ کسی کام کے لائق نہ رہتا۔''

لیاقت حسین نے بچوں کی طرح سسکتے ہوئے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب......کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے؟''

''پریشان مت ہو'ہم نے گولی جسم سے نکال لی ہے۔ضروری بینڈیج کے بعد اسے کمرے میں منتقل کر دیا جائے گا۔ویسے اگر مریض دو چار روز اسپتال میں رہے تو ہم اس کی بہتر طور پر دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔''

حادثے کی اطلاع پا کر سیٹھ عثمان نے بھی اسپتال پہنچنے میں دیر نہیں کی۔شاید ماربل کمپنی کے مالک نے انہیں خبر دی تھی'انہوں نے ڈاکٹر سے مل کر سرفراز خان کو وی آئی پی روم میں منتقل کرا دیا۔سیٹھ عثمان کے آ جانے سے اسپتال کا عملہ بھی بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے لگا۔

سرفراز خان کو سکون کی خاطر نیند کا انجکشن لگا دیا گیا۔سیٹھ عثمان لیاقت حسین خان کو تسلی دے رہے تھے۔

''فکر مت کرو'میں نے سرجن سے بھی براہ راست بات کر لی ہے۔سرفراز خان کو دو روز بعد گھر منتقل کر دیا جائے گا۔البتہ زخم بھرنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔خدا کا شکر ہے' گولی ہڈی سے نہیں ٹکرائی۔''

''کیا ماں کو بھی خبر ہو گئی ہے؟''

''نہیں......''

سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو سمجھانے کی کوشش کی۔''میں نے فی الحال مصلحتاً اس حادثے کی اطلاع سوائے سراج کے اور کسی کو نہیں دی'تم بھی ہمت سے کام لو'گھر والوں کو خبر ہوتی تو وہاں بھی ایک کہرام مچ جاتا۔''

پندرہ منٹ بعد سراج بھی آ گیا تو تینوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ سرفراز خان کے پاس ایک میل نرس تعینات تھا۔ ''کیا یہ پتہ نہیں چلا کہ گولی کس نے چلائی تھی؟'' سراج نے ایک ضمنی سوال کیا۔

''اگر پتا چل جاتا صاحب تو میں اس کو بھی جہنم رسید کرنے میں دیر نہ کرتا۔'' لیاقت حسین کا جذباتی ہونا قدرتی امر تھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟''

سراج نے سیٹھ عثمان سے پوچھا۔

''یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن بہ ظاہر میں اسے کاروباری رقابت ہی سمجھ رہا ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں......؟''

''سرفراز خان بیرونی منڈیوں سے براہ راست کاروبار کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے فیصلہ کر رہا تھا جس سے بہت سارے مقامی تاجر بھی متاثر ہوتے اس لیے کہ ماربل کے ایکسپورٹ میں مارجن آف پرافٹ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کچھ تاجروں کو یہ بات پسند نہ آئی ہو۔''

''لیکن میرا باپ مر جاتا تو پھر ان کو مال کون سپلائی کرتا؟'' لیاقت حسین نے تلملا کر سوال کیا۔

''ہمت سے کام لو لیاقت حسین......'' سراج نے اسے سمجھایا۔ ''تمہارے والد کے کچھ رقیب تمہارے علاقے میں بھی ضرور ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے اپنے مفاد کی خاطر اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہو۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ قدم اٹھاتا دوبارہ باپ کے کمرے میں چلا گیا۔

''سرفراز خان کو پیش آنے والا حادثہ میرے لیے بھی بڑی شرمندگی کا باعث ہے۔''

سیٹھ عثمان نے لیاقت کے جانے کے بعد کہا۔

''میری ذاتی خواہش ہے کہ تم اس معاملے کی خاص طور پر چھان بین کرو۔ مجرم اگر بچ کر نکل گیا تو دوبارہ بھی اپنی کمینگی کا ثبوت دینے سے دریغ نہیں کرے گا۔ میں کوشش کروں گا کہ سرفراز خان کے اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد ہی اسے کچھ دنوں میں سمجھا بجھا کر رخصت کر دوں۔''

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے لیکن ابھی جلدی نہ کرنا ورنہ لیاقت حسین کو اس کا احساس ہو گا۔''

سراج نے اپنا جملہ ختم کر کے اس علاقے کے ایس ایچ او کو فون کیا جہاں حادثہ پیش آیا تھا لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی' ایس ایچ او نے یہی جواب دیا تھا کہ اس نے بھی محض اس حادثے کی خبر سنی ہے لیکن......ابھی تک باقاعدہ رپورٹ نہیں درج کرائی گئی۔

''ٹھیک ہے' آپ باقاعدہ رپورٹ درج ہونے کا انتظار کرتے رہیں۔'' سراج نے اپنی خفگی کے اظہار کے ساتھ ہی رابطہ ختم کر دیا۔

''تمہارے تھانے والوں کو آخر اپنی ذمے داری کا احساس کب ہوگا؟'' سیٹھ عثمان نے سراج

کو چھیڑا۔

''جس علاقے کا معاملہ ہے وہ میرے انڈر نہیں ہے ورنہ ایس ایچ او ابھی بھاگا چلا آتا۔'' سراج نے بڑی سنجیدگی سے وضاحت کی۔ ''ہمارے تھانے کی نفری ہمیشہ متعلقہ اور غیر متعلقہ کے اصولوں پر دم ہلانے کی عادی ہوتی ہے۔ جب تک اوپر کا نظام نہیں سدھرے گا نچلی سطح پر بھی لوگ اپنا اپنا راگ الاپتے رہیں گے۔''

سراج نے ذاتی طور پر آپریشن کرنے والے سرجن سے ملاقات کر کے اپنا تعارف کرایا پھر وہ گولی اپنی تحویل میں لے لی جو کسی رائفل ہی کی ثابت ہوئی تھی۔

+++

وقار عظیم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

''گولی جس زاویے سے لگی ہے اس سے یہی اندازہ ہے کہ وہ زمین کے بجائے کسی قدرے اونچی جگہ سے چلائی گئی تھی۔'' سرجن نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ چاہیں تو میں اپنی فائنڈنگ (finding) رپورٹ بھی تحریری طور پر دے سکتا ہوں۔''

''پلیز سرجن' میں اس کے لیے ذاتی طور پر آپ کا شکرگزار ہوں گا۔ ایک ریکویسٹ اور بھی کروں گا۔''

''فرمایئے......''

''آپ اس کیس کی اطلاع اب کسی بھی غیر متعلقہ فرد کو فراہم نہیں کریں گے۔''

''میں اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں لیکن اسپتال کے متعلقہ تھانے کو ایسے معاملات کی رپورٹ دینا بھی میری ذمہ داری ہے۔''

''یہ علاقہ میرے ہی پاس ہے' میں آپ کی فائنڈنگ کو باقاعدہ آفیشلی طور پر ریسیور کروں گا۔''

سرجن سے مل کر سراج اور سیٹھ عثمان دوبارہ اسپتال کے وی آئی پی روم میں آ گئے جہاں دوسرے کمرے میں لیاقت حسین بے چینی سے ان کا منتظر تھا۔ اس نے سراج کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

''بابا کو کب تک ہوش آئے گا صاحب؟''

''ہمت سے کام لو......'' سراج نے اس کا ہاتھ تھام کر دوستانہ انداز میں سمجھایا۔ ''میں ابھی سرجن سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ تمہارے والد بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ گولی فوری طور پر نکال لی گئی۔ رہا ہوش آنے کا معاملہ تو اس میں چار چھ گھنٹے ضرور لگیں گے۔ تمہارے والد کو سکون پہنچانے کی خاطر انجکشن ضروری تھا۔''

''مجھ سے ایک وعدہ کریں صاحب۔'' لیاقت حسین پھر جذباتی ہونے لگا۔ ''اگر آپ کو اس حرام کے تخم کے بارے میں کوئی سراغ ملے جس نے میرے سر سے باپ کا سایہ اٹھانے کی کوشش کی تھی تو مجھے ضرور خبر کر دیں۔''

''تم مجھے بہت عزیز ہو لیاقت حسین...... میرا اور تمہارا دشمن الگ الگ کیسے ہو سکتا ہے؟''

لیاقت حسین سراج کا جواب سن کر یکلخت اس سے لپٹ گیا' سراج سے تسلی دینے کی خاطر اس کی پشت تھپتھپا رہا تھا جب اس کے موبائل کی ٹیون بجنے لگی' اس نے آنے والے نمبروں کو غور سے

دیکھا' وہ نمبراس کے کسی واقف کار کے نہیں تھے پھر بھی اس نے موبائل آن کر کے کانوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''سراج اسپیکنگ......''

''مالک مرجائے تو اس کے وفادار غلام بھی سکون سے نہیں بیٹھتے۔'' سرد لہجے میں کہا گیا۔''ہم تم کو اور تمہارے ایس پی کو بھی سکون کا سانس نہیں لینے دیں گے......سرفراز خان کے زخمی ہونے کی ہماری طرف سے ایک وارننگ سمجھو۔''

جملے کے اختتام کے ساتھ ہی دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

''کس کا فون تھا؟'' سیٹھ عثمان نے سراج کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر سنجیدگی سے سوال کیا۔

''تھی ایک آفیشل کال۔'' سراج نے لیاقت حسین کی موجودگی میں آنے والی کال کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا لیکن اس کا ذہن بہ دستور موصول ہونے والی کال کی کے نشیب وفراز میں الجھا رہا تھا۔

+++

پرتاب بھوشن اس وقت مندر میں بیٹھا بڑے انہماک سے کسی منتر کے بول جاپ کر رہا تھا جب دروازے پر کسی کی آہٹ سن کر چونکا۔اس نے پلکوں کے درمیان جھری کر کے دیکھا' وہ مندر کی سب سے حسین پجارن سلونی تھی جو ایک بار اس کے بازوؤں تک آ گئی تھی لیکن بڑے پجاری کی وجہ سے کھیل ادھورا چھوڑ کر نکل گئی تھی۔رام نام ست ہو جانے والی پجارن مدھو نے بروقت اسے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔اب وہی اس کے دروازے پر لگی کھڑی پرتاب بھوشن کو لگاوٹ بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

سلونی کی سندرتا کو دیکھ کر پرتاب منتر کے بول بھول گیا۔اس نے جاپ توڑ کر اسے ٹٹولتی نظروں سے گھورا۔وہ بڑے پجاری کی خاص رکھیل تھی اس لیے دوسرے پنڈت پجاری بھی اسے دیکھ کر صرف آنکھیں سینکنے پر گزارا کرتے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے سلونی کو سرتاپا غور سے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں سوال کیا۔''اس سمے یہاں کھڑی کیا کر رہی ہے؟''

''تمہیں دیکھ رہی تھی۔'' سلونی نے مسکرا کر جواب دیا پھر ایک ادا سے پوچھا۔''کیا تمہیں میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا؟''

''بڑے پجاری کو بھنک مل گئی تو اس بار تجھے شما نہیں کرے گا۔''

'وہ آج سویرے سویرے ہی میرٹھ یاترا کے لیے چلا گیا ہے' واپسی میں ایک مہینہ لگ سکتا ہے اور......وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ چبانے لگی۔

''چپ کیوں ہو گئی؟''

'اس گردگھنٹال کا دل بھی مجھ سے بھر گیا ہے۔'' اس کے جواب میں حقارت کا رنگ گھلنے لگا۔'' جاتے جاتے آخری بار منہ مارنے کے بعد اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اب میں جس کے ساتھ من چاہے موج میلا کر سکتی ہوں۔''

''سچ کہہ رہی ہے......؟''

''کیا تمہیں میری بات پر وشواس نہیں آیا......؟ چاہوں تو پجاری مدن چند سے پوچھ لو جو بڑے پجاری کی جگہ چندیا پر چندنی لگا کر بیٹھ گیا ہے۔'' سلونی نے کولہے پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے جواب دیا۔'' وہ بھی کچھ کم......حرامی نہیں ہے' مندر کی گدی سنبھالتے ہی اس نے سب سے پہلے سر سے پاؤں تک کسی بھوکے گدھے کے انوسار مجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ جانے کب سے اندر ہی اندر سلگ رہا تھا کم ذات۔'' وہ ایک لمحے کو رکی پھر ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔

''مدھو نظر نہیں آ رہی؟''

''وہ......وہ بھی اپنے گاؤں کا کہہ کر گئی ہے۔'' پرتاب نے جھوٹ کا سہارا لے کر دانہ ڈالا۔'' دروازے سے لگی کیوں کھڑی ہے' آ......اندر آ جا اور اسے کنڈی مار دے۔''

''تم بھی کہیں گئے ہوئے تھے شاید؟'' وہ دروازے کا چھپکا لگا کر پرتاب کے قریب بیٹھ گئی۔

''ہاں......ایک ضروری کام نپٹانا تھا۔'' پرتاب نے اس کا ہاتھ تھام کر قریب گھسیٹ لیا پھر بہکے ہوئے لہجے میں بولا۔'' ایک بات پوچھوں رانی۔ سچ بتائے گی۔''

''پوچھ کر دیکھ لو۔'' اس نے اٹھلا کر جواب دیا۔

''سنسار میں چھڑے چھانٹ پجاریوں کی کمی بھی نہیں ہے پھر......تو سب کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آ گئی؟''

''بڑے پجاری کا کہنا تھا کہ تم دیوی کے خاص سیوک ہو......جاپ منتر کر کے تم نے مہان شکتی بھی پراپت کر لی ہے۔''

''پھر......''

''میں بھی سدا سے دیوی درشن کی بھوکی ہوں۔'' اس نے مچل کر پرتاب کے گلے میں بانہیں ڈال دیں' تم ایک بار مجھے بھی دیوی درشن کرادو' میں سارا جیون تمہارے چرنوں کی دھول بن کر بتادوں گی۔''

''دیوی درشن کے لیے بڑی کٹھن تپسیا کرنی پڑتی ہے' من کو مار کر کیول اسی کو دھونی رمانی پڑتی ہے۔''

''تم جیسا کہو گے' میں ویسا ہی کروں گی مہاراج......'' سلونی نے بڑے پیار سے کہا۔

''میں تجھے مدھو کی جگہ دے سکتا ہوں لیکن ایک شرط ہو گی۔'' پرتاب کے ہاتھ پجارن کے سندر شریر پر بہکنے لگے۔'' تو میرے سوا کسی اور کا من نہیں بہلائے گی۔''

''یہ بات میرے بس میں نہیں ہے مہاراج......'' اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔'' مندر میں

چھوٹے بڑے پجاری ہم پجاریوں کو دیوتاؤں کا پرساد سمجھ کر منہ مارتے رہتے ہیں۔کوئی بھی ان سے نہ نہیں کر سکتا۔''

''جانتا ہوں' پر تو اس کی چنتا مت کر۔'' پرتاب نے اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔''بڑے پجاری کی بات اور تھی' پرنتو مدن چند میرا کہا نہیں ٹال سکتا' اس کا ایک اشارہ ہو گیا تو پھر تیرے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کرے گا۔''

''یہ بھی تمہارا اپکار ہو گا لیکن مدھو کے آجانے کے بعد......''

''تو میرے اشارے پر چلتی رہی تو میں مدھو کو بھی واپس آنے سے روک دوں گا۔'' پرتاب نے سرسراتے لہجے میں کہا۔اس نے سلونی کو پوری طرح اپنے بازوؤں کے حصار میں جکڑا۔پھر دانت کچکچا کر مدھو کے سلسلے میں لیاقت حسین کے مقابلے میں اپنی شکست کا غصہ بھی سلونی کے دہکتے' مچلتے جسم پر اتارنے میں مگن ہو گیا۔

+++

ملٹری ہائی کمان کی وہ تقریب ہیڈ کوارٹر کے ہال میں ہی منعقد ہوئی تھی جہاں ملٹری انٹیلی جنس آفیسران کے علاوہ پولیس کے ایک دو اعلیٰ افسر اور سول انتظامیہ کے بھی کچھ لوگ مدعو تھے۔اخباری نمائندوں میں سے صرف چھ چیدہ چیدہ پریس رپورٹر کو ہی بلایا گیا تھا۔

ملٹری کا بینڈ خاصی دیر سے نغمہ سرا تھا۔کرنل احتشام بنفس نفیس آنے والے شرکا کا استقبال کر رہا تھا جب وہ' اورنگ زیب اور سراج کو گاڑی سے اتر کر ریڈ کارپٹ کی طرف بڑھتا دیکھ کر تیزی سے قدم بڑھاتا ان کے قریب گیا' بڑی گرمجوشی سے دونوں سے ہاتھ ملا کر اس نے ستائشی جملے ادا کیے۔

''کم آن دی ہیروز آف دی ڈے......آئی ویلکم بوتھ آف یو۔''

''تھینک یو سر۔'' اورنگ زیب اور سراج نے باری باری جواب دیا۔

''یو آر ٹو ارلی۔'' کرنل احتشام نے دوستانہ انداز میں کہا۔''آپ دونوں کو سب سے آخر میں آنا چاہیے تھا تاکہ سب کی نگاہیں آپ کے انتظار میں ہوتیں۔''

''یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے سر ورنہ میں نے جو کچھ کیا وہ میری ڈیوٹی تھی۔''

جواب میں کرنل احتشام نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ گرمجوشی سے دبایا پھر ایک سول آفیسر کے استقبال کے لیے آگے بڑھ گیا۔ہال میں بیٹھے ہوئے بیشتر لوگوں کی نظریں اورنگ زیب کی سمت اٹھنے لگیں۔وہ قدم بڑھاتا پشت میں رکھی خالی کرسیوں کی طرف بڑھ رہا تھا جب استقبالیہ کمیٹی کے دوسرے لوگ اسے ہاتھ تھام کر سٹیج پر لے گئے جہاں بیشتر کرسیاں ابھی تک خالی نظر آ رہی تھیں' تقریب کا وقت نو بجے تھا جبکہ ابھی سوا آٹھ بجے تھے۔

''آپ کی وجہ سے آج میں بھی شہ بالا بن گیا ورنہ اپنے ایسے نصیب کہاں؟'' سراج نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بذلہ سنجی کا ثبوت دینے کی کوشش کی۔

''کیا تم بھول رہے ہو کہ الماس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا پھر اس

نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''سرفراز خان پر حملہ کرنے والوں کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے آکٹوپس کے کسی خاص آدمی کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ورنہ زیادہ تر مجرم انڈرگراؤنڈ ہی ہو گئے ہیں۔''

''کیا تمہاری عثمان صاحب کے کہنے کے مطابق یہ کسی کاروباری حلقے کی شرارت نہیں ہو سکتی؟ ممکن ہے اس حملے کے ذریعے اس نے سرفراز خان کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہو کہ اگر اس نے دوسروں کے منہ کا نوالہ چھین کر صرف اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کی تو یہ اس کے لیے دوبارہ کسی واردات میں جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔''

''نہیں......'' سراج نے دبی زبان میں کہا۔؟؟ یہ محض عثمان کا خیال ہے۔''

''پھر......تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آکٹوپس کا کوئی سر پھرا چاہنے والا ہی غالباً اب ہیرو بننے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''میں تمہارے اس خیال سے متفق نہیں ہوں......'' اورنگ زیب نے بات جاری رکھتے ہوئے پہلو بدل کر کہا۔

''معاملہ ہیرو بننے کا نہیں بلکہ حکم کی پیروی کرنے کے زیادہ امکانات ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' سراج چونکا۔''کیا آپ نے ابھی تک آکٹوپس کو مردہ تسلیم نہیں کیا؟''

''اس وقت تک تسلیم نہیں کروں گا جب تک اس کی ڈیڈ باڈی اپنی نظروں سے نہیں دیکھ لوں گا۔''

''گویا آج کی تقریب کی صرف ریہرسل سمجھوں۔'' سراج نے زیرلب مسکرا کر جملہ ادا کیا۔

اسٹیج کے لیے منتخب کچھ اور معزز مہمان آ گئے تو ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری نہ رہ سکا۔تقریب ٹھیک نو بجے شروع ہوئی' کرنل احتشام نے بذات خود شیخ حامد کی مختلف حیثیتوں کے بارے میں اپنی آفیشل معلومات کے مطابق روشنی ڈالی' خوب صورت الفاظ میں ایس پی اورنگ زیب اور سراج کی کوششوں کو سراہتے ہوئے ڈی آئی جی کے لیے بھی ستائشی جملے ادا کیے پھر اس نے تقریب کے مہمان خصوصی کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی جس نے چند رسمی جملوں کے بعد ڈی آئی جی اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کو ملٹری کی طرف سے تعریفی سند بھی پیش کی......اورنگ زیب کو تالیوں کی گونج میں گولڈ میڈل سے نوازا گیا۔بعدازاں کرنل احتشام نے دوبارہ مائیک لے کر اخباری نمائندوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں اخباری نمائندوں کو صرف بیس منٹ کا وقت دے سکتا ہوں۔اس کے بعد ڈنر کا اہتمام کیا گیا ہے۔''

''میں مسٹر اورنگ زیب سے صرف ایک ہی سوال کروں گا۔'' ایک انگریزی اخبار کے خصوصی نمائندے نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔'' کیا آپ نے ابھی تک دونوں لاشوں کا سراغ نہ ملنے کے

باوجود شیخ صاحب اور اس کے ساتھ ہیلی کوپٹر سے چھلانگ والے دوسرے شخص کو مردہ تسلیم کر لیا ہے؟''

''آج کی تقریب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔''اورنگ زیب نے محتاط انداز میں گول مول جواب دیا۔

''میرا سوال کچھ اور تھا۔''اسی نمائندے نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔''کیا آپ نے بھی ان دونوں کو مردہ مان لیا ہے؟''

''لاش برآمد ہونے کی صورت میں یہی سمجھا جا سکتا ہے۔''اورنگ زیب نے دوبارہ خوبصورت لفظوں میں ٹالنے کی کوشش کی تو اخباری نمائندہ برا سامنہ بنا کر بیٹھ گیا' وہ پوری طرح مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ہماری معلومات کے مطابق آپ کو مرکز کی طرف سے خاص اسی مہم کے پیش نظر یہاں تعینات کیا گیا تھا؟ کیا یہ درست ہے؟''

''نو کمنٹس......''

''شیخ حامد کے بارے میں آپ پہلے سے کیا معلومات رکھتے تھے؟''تیسرے نمائندے نے کرید کی۔

''اس کی فائل میں نے یہاں ڈیوٹی رپورٹ کرنے کے بعد ہی پڑھی تھی۔''

''محترم......''انگریزی اخبار کا نمائندہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔''آپ کو جس ملٹری اعزاز سے نوازا گیا ہے کیا آپ نے اسے دل سے قبول کر لیا ہے؟''

''میرا ذاتی خیال بھی ہے کہ اچھا ماتحت اسی کو کہتے ہیں جو افسران کی حکم عدولی کا مرتکب نہ ہو۔ویسے بات اگر میرے اختیار کی ہوتی تو میں یہ گولڈ میڈل اتار کر اپنے ڈی آئی جی کے گلے میں انتہائی عقیدت سے ڈال دیتا جنھوں نے کبھی میرے کام میں افسرانہ مداخلت نہیں کی۔''

اورنگ زیب نے اتنی معصومیت اور خوب صورتی سے جواب دیا کہ پوری محفل زعفران زار بن گئی'اس کے ساتھ ہی کرنل احتشام نے کھانے کا اعلان کیا تو سب ہی مہمان کرسیوں سے اٹھنے لگے۔کھانے کے دوران بھی مختلف مہمان اورنگ زیب اور سراج کو مبارکباد دیتے رہے جسے وہ نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتے رہے۔

رات کو پونے گیارہ بجے کے بعد ہی اورنگ زیب اور سراج کی واپسی ممکن ہوئی۔راستے میں سراج نے کہا۔

''آج مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ ایک اچھے سیاستدان بھی بننے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔جس انداز میں آپ اخباری نمائندوں کو بہلاتے رہے'میں اسے خاص طور پر نوٹ کر رہا تھا۔میڈل والی بات سن کر ڈی آئی جی کی باچھیں بھی کھل گئی تھیں۔''

''میرا ذہن ابھی تک سرفراز خان پر ہونے والے جملے کے بارے میں الجھ رہا ہے۔''اورنگ

زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا ذاتی خیال ہے کہ اس حملے کے بہانے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی ایک بھونڈی کوشش کی گئی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......'' سراج سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''آپ اس حملے سے کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''میں اس کی کوئی مناسب وضاحت نہیں کر سکتا کیونکہ میرے ذہن نے ابھی تک آکٹوپس کو مردہ قبول نہیں کیا اور......اگر میرا انداز غلط نہیں ہے تو سرفراز خان پر ہونے والا حملہ اسی کے اشارے پر کیا گیا ہوگا۔'' اورنگ زیب نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''تم یہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ لیاقت حسین کو کسی غیبی قوت نے نواز رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر منظم حملوں سے بھی بال بال بچتا رہا ہے۔ ہم آکٹوپس کی تلاش میں بھی لیاقت حسین کے اچانک اسٹیئرنگ موڑ دینے کے بعد ہی گڈانی بیچ کی طرف گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ آسانی سے ہمیں کوئی بھنک ملنے سے بیشتر ہی فرار ہو گیا ہوتا۔ پھر آج کی تقریب کا اہتمام بھی نہ ہوتا۔''

''میں اب بھی آپ کی بات نہیں سمجھ سکا......'' سراج نے کسمسا کر وضاحت چاہی۔

''سرفراز خان پر ہونے والے حملے کو......لیاقت حسین کے لیے بھی ایک وارننگ ہی سمجھو......مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگر اس نے آکٹوپس کے معاملات میں مزید دخل دینے کی کوشش کی تو اس کی سزا......اس کے گھر والوں کو بھی دی جا سکتی ہے۔''

''اوہ......آئی سی......'' سراج نے چونک کر کہا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ اس حملے سے ہم تو بھٹک سکتے ہیں لیکن جو غیبی قوتیں لیاقت حسین کی مدد کر رہی ہیں وہ متاثر نہیں ہوں گی۔''

''مسلمان ہونے کے ناتے میں بھی یقین رکھتا ہوں کہ رحمانی قوتوں کے مقابلے میں طاغوتی قوتیں کبھی کامیاب نہیں ہوتیں مگر......تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ جرائم پیشہ افراد اور خاص طور سے انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والوں کا کوئی دھرم ایمان سرے سے نہیں ہوتا۔ مجرموں کی یہی خوش فہمی کامیابی کا سبب بھی ہوتی ہے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔'' سراج نے اس بار ہونٹ چباتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ اورنگ زیب کے موبائل پر کال موصول ہوئی۔

''ہیلو......'' اورنگ زیب موبائل پر چمکتے نمبروں کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ ''اس وقت کیسے یاد آئی۔''

''آپ کو پُرخلوص مبارکباد دینا چاہتی تھی۔'' دوسری طرف سے میڈم روبی کی آواز سنائی دی۔

''میرے ساتھ سراج بھی موجود ہیں۔''

''گولڈ میڈل کے حوالے سے میں نے آپ کو ترجیح دی ہے۔'' میڈم روبی کا لہجہ بھی دوستانہ تھا۔ آپ دونوں اب میرے لیے الگ الگ نہیں رہے۔''

''اس عزت افزائی کا شکریہ۔اب اگر میں آپ کی مبادکباد کے جواب میں آپ کو بھی مبارکباد پیش کروں تو کیسا رہے گا؟''

''کس بات کی مبارکباد؟''

''گھر بسانے کے سلسلے میں میری اطلاع کے مطابق آپ نے بھی کسی سے آکٹوپس کا کانٹا نکل جانے کی شرط لگا رکھی تھی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آج آپ پہلی بار اتنے دوستانہ موڈ میں بات کر رہے ہیں ورنہ آپ کے ذہن میں تو شاید افلاطون کی روح نے ڈیرا جما رکھا تھا۔''

''یہ بھی کرم نوازی ہے آپ کی کہ افلاطون کا نام لیا۔کہیں شیطان کہہ دیا ہوتا تو کوئی برا مان جاتا۔''

''یہ اشارہ کس کی طرف ہے......''

'وہی جو میری اور آپ کی گفتگو سن کر جیلس ہو رہا ہے۔''اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا پھر موبائل سراج کی طرف بڑھا دیا۔

+++

سرفراز خان کو چھ گھنٹے بعد ہی ہوش آ گیا۔آنکھ کھولتے ہی اس کے اندر جلالی لہر دوڑ گئی۔اس نے نظریں گھما کر گردوپیش کا جائزہ لیا سیٹھ عثمان کے علاوہ لیاقت حسین بھی اس کے پاس تھا' قریب ہی ایک میل نرس بھی نظر آ رہا تھا۔

''خدا کا شکر ہے بابا کہ تمہیں ہوش آ گیا.....''لیاقت حسین نے باپ کا ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے کہا۔

سرفراز خان نے سیٹھ عثمان کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی لیاقت حسین کی نظروں میں نظریں ڈال کر ٹھوس لہجے میں بولا۔''تمہارا چہرے پر اداسی کس لیے ہے؟ مرد ہو کر موت سے ڈرتا ہے؟''

''بابا......''لیاقت چونکا۔''تم اس وقت......''

''جانتا ہوں......''اس نے سیٹھ عثمان پر تشکرانہ نظر ڈالی۔''ہمارا دوست نے ہم کو کسی بڑے اسپتال میں داخل کرا دیا ہے۔''

''مم......میں شرمندہ ہوں سرفراز خان کہ یہ ناگہانی حادثہ آپ کو میرا مہمان ہوتے ہوئے پیش آیا۔''سیٹھ عثمان کے لہجے میں خجالت تھی۔

''روایتی باتیں مت کر میرے دوست۔''سرفراز خان نے سرد آہ بھر کر کہا۔''جو تقدیر میں لکھا ہوٗ وہ پورا ہو کر رہتا ہے لیکن مجھے بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ادھر شہر میں ہمارا کوئی مخالف ہو گا۔''

''فکر مت کرو بابا......''لیاقت حسین نے باپ کی تسلی کی خاطر کہا۔''ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ تمہیں ایک دو روز میں چھٹی مل جائے گی۔''

''زخم بھرنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔'' سرفراز خان عجیب انداز میں مسکرایا۔ ''کیا تمہارا نظر بھی اس پر نہیں پڑا جس نے حملہ کیا تھا؟''

''نہیں...... '' لیاقت حسین بل کھا کر بولا۔ ''اگر وہ میری نظروں میں آ جاتا تو اس کو جہنم واصل کرنے سے دریغ بھی نہ کرتا۔''

''میں نے سراج کو اطلاع کر دی ہے' وہ سب معاملہ دیکھ لے گا۔'' سیٹھ عثمان نے کہا۔

''گھر پر کسی کو اطلاع ہوئی......؟''

''میں نے فی الحال منع کر دیا ہے ورنہ سب...... پریشان ہوتے۔'' سیٹھ عثمان نے پھر شرمندگی کا اظہار کیا۔

''زخم بھرنے اور فوری دیکھ بھال کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو آج بھی گھر لے جا سکتے تھے۔''

''مجھے کسی اور کا نہیں لیاقت حسین کی ماں کا فکر ہے دوست۔ اس خدا کی نیک بندی کو ہر بات کا پتا چل جاتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''میں بھی آج تک نہیں سمجھا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ اللہ کی بندی ہمارا حال سے ضرور باخبر ہوگا۔''

سرفراز خان کی یہ بات خود لیاقت حسین کے لیے بھی نئی تھی۔ ماں نے اسے اور فرحین کو واپس جاتے وقت صرف اسی کو علیحدہ کمرے میں بلا کر بڑے نانا کا ذکر ضرور کیا تھا لیکن ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ اسے دور رہ کر بھی ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔ لیاقت حسین ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ سرفراز خان نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

'تم گھر جاؤ لیاقت' سب سے یہی کہنا کہ ہم خدا کا کرم سے روغ موٹ (بھلا چنگا) ہے۔ وہ ایک دن اسپتال کا سیر کر کے واپس آ جائے گا۔''

''کوئی آنے کی ضد کرے تو اسے روکنا نہیں۔'' سیٹھ عثمان نے اس کے جاتے جاتے محبت سے کہا۔ گاڑی لے جانا' میں سراج کے ساتھ آ جاؤں گا۔ وہ آنے کا کہہ کر گیا ہے۔''

لیاقت حسین کے جانے کے بعد سرفراز خان نے سیٹھ عثمان سے دوبارہ کاروباری باتیں شروع کر دیں' میل نرس انجکشن لگانے آیا تو اس نے بڑی بے پروائی سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

☆☆☆

فرحین اس وقت راحیلہ بیگم اور لیاقت حسین کی ماں کے ساتھ ہی بیٹھی تھی جب لیاقت حسین نظریں جھکائے اندر داخل ہوا' ماں نے اسے ایک نظر بھر کر دیکھا پھر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''فکر مت کر ماں کی جان' جو مصیبت آنا تھا وہ ٹل گیا۔ سب اوپر والے کا کرم ہے۔''

''بابا کو ہوش آیا یا نہیں؟'' فرحین نے سوال کیا۔

''آ گیا ہے......''

''ابھی......عثمان کا فون آیا تھا۔'' راحیلہ بیگم نے سب کو مطمئن کرنے کی خاطر مسکرا کر کہا۔ ''سرفراز خان صاحب نے ہوش میں آتے ہی تجارت کا حساب کتاب پھیلانا شروع کر دیا ہے۔''

راحیلہ بیگم کے بے حد اصرار کے بعد لیاقت حسین نے کھانا کھایا لیکن وہ ابھی باپ کو پیش آنے والے حادثے کی وجہ سے پریشان تھا۔ گولی چلانے والا اس کے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا تھا۔

لیاقت حسین کے کھانے کے دوران بھی ادھر اُدھر کی کچھ باتیں ہوتی رہیں پھر لیاقت حسین کی ماں نے راحیلہ بیگم سے کہا۔

''ہمارے آنے سے تمہیں بلاوجہ ایک پریشانی نے گھیر لیا۔ ہم بہت شرمندہ ہے۔''

''یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں......؟'' راحیلہ بیگم نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''گھر میں کسی بزرگ کی موجودگی تو باعث برکت سمجھی جاتی ہے۔ البتہ ہمیں شرمندگی کا اظہار کرنا چاہیے کہ......یہاں آ کر آپ کو بیٹھے بٹھائے ایک صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔''

''سب اوپر والے کا مرضی سے ہوتا ہے میرا جان......اس کے اشارے کے بغیر ایک دانہ بھی ادھر سے اُدھر حرکت نہیں کر سکتا۔''

''تو فکر مت کر ماں۔'' فرحین نے ماں کو دلاسا دیا۔

''اپنے سراج صاحب گولی چلانے والے نامراد کو چوہے کے بل سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''وہی ہوگا میرا جان جو اوپر والے کو منظور ہوگا۔'' ماں نے کہا پھر وہ لیاقت حسین کا ہاتھ تھام کر اٹھتے ہوئے بولی۔ ''تو میرے ساتھ ادھر دوسرے بنگلے میں اپنے گھر چل۔ مجھے تجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

ماں کا حکم تھا اس لیے کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' فرحین اور راحیلہ بیگم بھی ایک دوسرے کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتی رہیں لیکن کسی نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیاقت حسین خاموشی سے ماں کو لے کر ٹیکسی میں آ گیا۔ سانس درست کرنے کی خاطر ماں کچھ دیر ایک کرسی پر بیٹھ کر آرام کرتی رہی پھر لیاقت کا ہاتھ تھام کر اس کو اپنے قریب فرش پر بیٹھا لیا۔ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

''دشمنوں کا زور تمہارے اوپر نہیں چل سکتا اس لیے اب وہ دوسرا راستہ اختیار کر رہا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہی ہو......ماں؟'' لیاقت حسین نے ماں کو حیرت سے دیکھا۔

''میں جو کہہ رہی ہوں اسے دھیان سے سن لیاقت......اس شہر میں تیرے بابا کا کوئی دشمن نہیں ہے' وہ تجھے قابو کرنے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے اختیار کر رہے ہیں......دشمنوں اور ایک کافر کسی عورت کا جل کر مر جانے کا صدمہ کھائے جا رہا ہے۔''

لیاقت حسین چونکا' اس نے ابھی تک ماں کو مدھو پجارن (جو فرحین کا روپ دھار کر آئی تھی) کے جل کر مرنے کی کوئی خبر نہیں سنائی تھی' وہ ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو حیرت بھری

نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جس کا قسمت میں مرنا تھا وہ مر کر جہنم رسیدہ ہو گیا لیکن اس کے بعد جو ہوا وہ اچھا نہیں ہوا۔''

''کیا اچھا نہیں ہوا ماں؟''

''بڑے نانا کا تعویذ تیرے قبضے سے نکل گیا۔ وہ ہوتا تو کوئی کافر کا تخم تیری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن......'' ماں ایک لمحے کو خلا میں گھورتی رہی پھر اپنے ہاتھ سے چپٹے کلیجی کے رنگ کے عقیق کی انگوٹھی کو اتار کر لیاقت حسین کو دیتے ہوئے بولی۔''اس کو پہلا فرصت میں کسی سنار کاریگر سے اپنا سامنے بڑا کرا کے کلمے کی انگلی میں ڈال لینا۔ اس کے بعد اوپر والا تیری حفاظت کرے گا۔''

''بابا کا دشمن کون ہو سکتا ہے؟'' لیاقت حسین نے کسمسا کر سوال کیا۔

''وہ تیرے بابا کا نہیں تیرا دشمن ہے۔'' ماں نے خلا میں گھورتے ہوئے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔''تو عین موقع پر گاڑی کا رخ نہ پھیرا ہوتا تو اس بدبخت کا بھانڈا ابھی نہ پھوٹتا......''

''یہ...... یہ...... تو کس کی بات کر رہی ہے......؟''

''وہی جو آسمان سے گرا اور کہیں کھجور میں اٹک کر رہ گیا ہے۔'' ماں نے کھوئے کھوئے انداز اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ماں کی نظریں بدستور خلا میں کہیں بھٹک رہی تھیں۔ لیاقت حسین اس کا جواب سن کر بری طرح چونکا۔ ایک لمحے وہ ماں کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر دبی زبان میں پوچھا۔

''جو آسمان سے گرا تھا کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟''

''تو جس کا نمک کھا رہا ہے لیاقت...... صرف اس کا فکر کر۔'' ماں نے اس بار لیاقت حسین کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا۔''جو کھیل یہاں شروع ہوا ہے وہ ابھی بہت سارا کروٹیں لے گا۔ اس سے دور ہی رہو...... یہی تیرے لیے زیادہ مناسب ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں ماں لیکن ان کے بڑے احسان ہیں میرے اوپر......'' لیاقت حسین نے ماں کا ہاتھ تھام کر کہا۔''ان سے اچانک منہ پھیر لیا تو یہ بھی خود غرضی ہو گی۔

''پھر......'' ماں نے قدرے الجھ کر سوال کیا' تو کیا چاہتا ہے؟''

''گاڑی پھرنے والی بات اورنگ زیب صاحب اور سراج صاحب نے بھی کی تھی لیکن کچھ مجھے یاد نہیں...... اب تو بھی وہی حوالہ دے رہی ہے' مجھے بتا ماں کہ بات کیا ہے؟''

''تو اسے بھول گیا جس نے ایک چٹکی خاک زمین سے اٹھا کر تیرے منہ میں ڈالا تھا پھر وہ کسی کو نظر نہیں آیا۔''

''وہ...... وہ کون تھا ماں؟''

''تھا خدا کا ایک بندہ جو اوپر والے کے اشارے پر ہی تجھے نواز گیا تھا'' ماں نے رک رک کر

ٹھوس انداز میں کہا۔ ''تیرا منہ سے جو ایسی بات نکلتا جو تجھے بعد میں یاد نہیں رہتا' اس میں بھی اوپر والے کی بہت سی مصلحتیں ہیں جو تم نہیں سمجھتا۔''

''ماں......'' لیاقت حسین نے ماں کا پیر دباتے ہوئے خاص طور پر شیخ حامد کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔'' جو آسمان سے گرا تھا وہ کہاں ہے؟......مر گیا یا ابھی تک زندہ ہے؟'' لیاقت حسین نے بات جاری رکھی۔''وہ اچھا آدمی نہیں تھا ماں' بڑا ظالم تھا اور......اور اس کا تعلق بھی زیرزمین رہنے والی خطرناک تنظیموں سے تھا......وہ سب شیطان اور پلید لوگ ہیں ماں۔''

''تو فکر مت کر......'' ماں نے پھر خلا میں دور کہیں گم ہوتے ہوئے جواب دیا۔''ایک پلید......دوسرا پلید گی کی وجہ سے مارا جائے گا۔ اس کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں ہے۔''

''دوسرا پلید کون ہوگا......؟'' لیاقت حسین نے تیزی سے پوچھا' اس کے دل کی دھڑکنیں ماں کو ایک نئے رنگ میں دیکھ کر تیز ہونے لگیں۔

'وہ......وہ......بھی گناہوں میں گلے گلے تک غرق ہے......بدنصیب۔''

''اس کا کوئی نام کوئی......اتا پتا تو ہوگا؟''

''وہ......وہ......'' ماں کی پلکیں اچانک جھپکنے لگیں پھر اس نے لیاقت کی طرف دیکھ کر تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''فرحین کو بلا کر میرے لیے ایک کپ قہوہ تیار کرا دے۔ بڑا خواہش ہو رہا ہے۔''

لیاقت حسین نے ماں کی اچانک تبدیلی ہونے والی کیفیت کو محسوس کیا تو پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ خاموشی سے جا کر فرحین کو بلا لایا جس نے ماں کے لیے قہوہ تیار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

ماں نے قہوہ پی کر تھکے تھکے انداز میں کمر سیدھی کرنے کی خاطر بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں تو فرحین خاموشی سے لیاقت حسین کا ہاتھ تھام کر کچن میں لے گئی۔ سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا بات ہے......ماں کی طبیعت ٹھیک تو ہے؟''

''ہاں آں......لیکن وہ مجھ سے خفا ہے۔'' لیاقت نے بات بنانے کی خاطر اداس لہجے میں جواب دیا۔

''تجھ سے خفا ہے......؟'' فرحین نے تعجب کا اظہار کیا۔''کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی۔''

ہاں......بتائی تو تھی لیکن......'' لیاقت حسین جملہ ادھورا چھوڑ کر خلا میں دیکھنے لگا۔

''ایسی کیا بات ہے جو تو مجھ کو بتاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے......'' فرحین الجھنے لگی' تنک کر بولی۔'' آنے دے سراج صاحب کو......میں ان سے تیری شکایت کروں گی۔''

''سمجھنے کی کوشش کر لیاقت حسین کی جان......'' لیاقت حسین نے فرحین کا ہاتھ تھام کر کہا۔''بابا کو خیریت سے گھر واپس آ لینے دے پھر میں ماں کی شکایت بھی دور کر دوں گا۔''

''مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے......؟'' فرحین نے لیاقت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''کھا میرے سر کی قسم کہ تو سچ کہہ رہا ہے۔''

''میں نے پہلے کبھی تجھ سے جھوٹ بولا ہے......؟''لیاقت حسین نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

''نہیں......لیکن اس وقت سچ بتانے سے کیوں ہچر مچر کر رہا ہے۔''

''ماں صرف مجھ سے نہیں...... تجھ سے بھی ناراض ہے۔ جانتی ہے کیوں......؟''

''کیوں......اس کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی۔''

''وہ......وہ وجہ اس وقت یہاں کچن میں کھڑے کھڑے تجھے نہیں سمجھا سکتا...... بابا کو گھر آ لینے دے پھر اطمینان سے تجھے ایسا سمجھاؤں گا کہ پھر تو کبھی مجھے اتنے دنوں فراموش نہیں کرے گی۔''

''چل ہٹ......بلی کے خواب میں چھیچھڑے ہی سمائے رہتے ہیں۔''فرحین نے ایک ادا سے اپنا ہاتھ چھڑھایا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی انیکسی سے چلی گئی۔

لیاقت حسین ماں کے پاؤں دبانے اس کے پاس بیٹھ گیا۔اس کے ذہن میں پھر ماں کی کہی ہوئی باتیں صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگیں مگر وہ ان کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

⁂

تھریسا حسب معمول صبح کے ناشتے کی میز پر میڈم روبی کے ساتھ موجود تھی۔

گزشتہ رات اس نے میڈم کو ایس پی اورنگ زیب کو فون کرتے سنا تھا۔اس وقت وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی لیکن اس وقت ناشتے کی میز پر خلاف معمول وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔تھریسا ایک لمحے تک اس کو مختلف زاویوں سے تولتی رہی پھر اس نے دبی زبان میں پوچھا۔

''کیا سوچ رہی ہیں......؟''

''کسی دیرینہ خواہش کی تکمیل نہ ہو سکے تو ایک کسک سی دل میں رہ جاتی ہے۔''

''اوہ......''تھریسا نے اس کا مفہوم سمجھ کر کہا۔''میرا خیال ہے جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی تھا۔اس کی لاش اگر مل بھی جاتی تو کیا ہوتا؟''

''میں اس کے منحوس چہرے پر نفرت سے تھوک کر کم از کم اپنے شوہر کی روح کو کچھ تسکین تو پہنچا سکتی تھی۔''

''کول ڈاؤن میڈم......''تھریسا نے اسے سمجھانے کی خاطر کہا۔''اگر آپ اپنی آخری خواہش کی تکمیل کر لیتیں تو اس کی وجہ جان کر کچھ افراد آپ کے زخم کو مزید کریدنے کی کوشش بھی ضرور کرتے۔''

میڈم نے تھریسا کو گہری نظروں سے دیکھا۔اس کی بات کی گہرائی سمجھ میں آئی تو وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

''تم......تم شاید ٹھیک ہی کہہ رہی ہو لیکن بہرحال میں اس منحوس سے مردہ چہرے کو نہ دیکھ سکی جو فرعون بنا ہوا تھا۔''

''بھول جائیں......خس کم جہاں پاک۔'' تھریسا نے موضوع بدل دیا۔'' آپ نے اورنگ زیب اور سراج صاحب کو صرف مبارک باد تو دی ہے' کیا ان کی دعوت کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''یہ تم نے کیسے سوچ لیا؟'' میڈم نے تھریسا کو تعجب سے دیکھا۔'' اب تو الماس بھی میری بہن بن چکی ہے' اس رشتے سے بھی سب کو بلانا میرے پروگرام میں شامل ہے۔ تم سے پروگرام بنانے کے بعد ہی ان کو آگاہ کروں گی۔''

دونوں اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے ناشتے کی میز سے اٹھ کر لاؤنج میں آ گئیں جب میڈم کے موبائل پر سگنل موصول ہوا۔ اس نے نمبر دیکھ کر ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر موبائل آن کر کے بولی۔

''آپ نے پہل کر دی ورنہ میں ابھی آپ ہی کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔ کل کی تقریب کے سلسلے میں میری طرف سے آپ کو بہت بہت مبارک باد۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ نے از خود مبارک باد دے دی ورنہ میں اس وقت اسی کا مطالبہ کرنے والا تھا۔'' دوسری جانب سے ڈی آئی جی نے بے تکلفی سے کہا۔'' اگر پہلے سے علم ہوتا تو کچھ دیر اور صبر کر لیتا۔''

''تقریب کیسی رہی......؟''

''نہایت شاندار......بس آپ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔''

''میں سمجھی نہیں؟......میری کمی کا احساس آپ کو اس تقریب میں کیسے ہو گیا......؟'' میڈم نے زیر لب مسکرا کر سوال کیا۔

''اس خیال سے کہ آپ کو بھی پوری طرح یقین آ جاتا کہ شیخ حامد کا کانٹا اب ہمارے درمیان سے نکل چکا ہے۔'' ڈی آئی جی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''میں آپ کا مقصد سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے پہلو بدل کر صاف گوئی سے کہا۔'' مجھے اپنا وعدہ یاد ہے لیکن مجھے کچھ وقت درکار ہو گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہم جو قدم اٹھائیں سوچ سمجھ کر ہی اٹھائیں۔''

''کسی کی موت کی نہیں بلکہ کسی خطرناک دشمن کی موت کی خوشی میں' میں آپ کی' مسٹر اورنگ زیب اور سراج صاحب اینڈ مسز کی دعوت کرنے کے بارے میں بھی اس وقت تھریسا سے ڈسکس کر رہی تھی۔''

''فائن......مجھے شدت سے انویٹیشن کا انتظار ہے گا۔''

ڈی آئی جی سے گفتگو ختم ہونے کے بعد میڈم نے فون آف کیا تو تھریسا نے کہا۔

''میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ اب آپ کو اپنا گھر بسا لینا چاہیے۔''

''اطمینان سے غور کروں گی۔'' میڈم نے موضوع بدل کر کہا۔'' لوچن کا معاہدہ کب ختم ہو رہا ہے؟''

''دو ماہ بعد لیکن آپ کو اس وقت لوچن کا خیال کیسے آ گیا؟'' تھریسا نے وضاحت چاہی۔

''اسے فارغ کرنے میں جلدی نہ کرنا...... ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت پڑے۔'' میڈم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ ''کل رات سراج نے مجھے فون کر کے ایک ایسی اطلاع دی ہے جو میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ کیا......؟''

''مسٹر اورنگ زیب کا خیال ہے کہ آکٹوپس ابھی مرا نہیں ہے۔''

''اس خیال کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی۔'' تھریسا نے تعجب سے دریافت کیا۔

''نہیں...... اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ جب تک وہ اس کی مکروہ لاش خود اپنی نظر میں کفن میں لپٹی نہیں دیکھ لیتا' مردہ تسلیم نہیں کرے گا۔'' میڈم نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اورنگ زیب ایک تجربے کار ذہن اور ذمہ دار آفیسر ہے۔ اس نے اگر اس منحوس کی موت کو تسلیم نہیں کیا تو اس کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور ہوگی۔''

''آپ ابھی لوچن کی بات کر رہی تھیں۔ تھریسا نے میڈم کو یاد دلایا۔ ''اس سے کیا کام لینا ہے؟''

''ابھی میرے ذہن میں کوئی واضح پروگرام نہیں ہے پھر بھی اسے چھ مہینے کے لیے اور انگیج کر لو۔''

''ایز یو وش۔'' تھریسا نے کہا پھر وہ ملازموں کو روزمرہ کے کاموں کی ہدایت دینے کی خاطر اٹھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد میڈم نے کچھ سوچ کر اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ فوری قائم ہو گیا۔

''خیریت......!'' دوسری جانب سے اورنگ زیب کی مانوس آواز سنائی دی۔ ''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''مجھے شبنم کے بارے میں دریافت کرنا ہے۔ ایک عرصے سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''اوہ......'' کچھ توقف سے جواب ملا۔ ''میری اطلاع کے مطابق وہ آج کل اپنے ذاتی فلیٹ میں ہی ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ فی الحال اس سے دور ہی رہیں تو مناسب ہوگا۔''

''کوئی خاص وجہ......؟''

''یہ بات آپ کے علم میں بھی ہے کہ وہ کس کے آفس میں ملازم تھی۔ اس کا اچانک سامنے آ کر اپنے فلیٹ میں موجود ہونا بہت سے شکوک کو جنم دے رہا ہے۔ میرے کچھ خاص آدمی بھی اس کی نقل و حرکت کی نگرانی پر مامور ہیں۔''

''آپ کے آکٹوپس کے مرنے کے بعد اب اسے کیا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے؟'' میڈم نے آکٹوپس کے نام پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

''فی الحال میں اس موضوع پر فون پر گفتگو کرنے سے گریز ہی کروں گا۔'' سنجیدگی سے جواب

ملا۔

''میں آپ سب کی مشترکہ دعوت کا پروگرام بنا رہی ہوں۔'' میڈم نے شبنم کا ذکر ختم کر کے برسبیل تذکرہ کہا۔

''ابھی تھریسا سے یہی بات کر رہی تھی۔''

''زندگی اور موت کا کوئی بھروسا نہیں......اس لیے نیک کام کر گزرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' اورنگ زیب نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ جواب میں میڈم نے دو چار رسمی باتیں کیں پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کے ذہن میں ایک بار پھر شیخ حامد کا تصور کلبلانے لگا جو اورنگ زیب کے خیال کے مطابق مرا نہیں تھا۔

''حقیقت کیا تھی؟'' یہی ایک سوال اس کے ذہن میں بار بار صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہا۔

+-+-+

گرے کلر کی وہ ہائی روف اس وقت شہر کے سب سے پوش علاقے کی طرف جانے والی اس سڑک سے گزر رہی تھی جو متوازی ذیلی سڑک سے تقریباً دس بارہ فٹ بلندی پر بیضوی برج کی شکل میں بنائی گئی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر سفید وردی میں ملبوس ایک پستہ قد شخص بیٹھا تھا اس کے چہرے پر فرنچ کٹ داڑھی اس کی شخصیت میں ایک اضافہ ہی لگ رہی تھی' سر پر نظر آنے والی کیپ پر بھی اسی کمپنی کا مونوگرام بنا تھا' یہ اس کا اصل روپ نہیں تھا' وہ زیرو زیرو سیون کے احکامات پر عمل کرنے والا مارشل آرٹ کا ماہر چائینز باشندہ لوچن تھا' اس کا تعلق اس بین الاقوامی زیرِ زمین تنظیم سے تھا جو منہ مانگے داموں کے عوض ایسے تجربہ کار افراد ایک خاص اور طے شدہ وقت کے لیے فراہم کرتی تھی جو ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ لوچن کی مدت پوری ہونے میں صرف دو ماہ اور باقی رہ گئے تھے' اس کے ساتھ دو افراد اور بھی ایک جہاز میں آئے تھے جن میں سے دو مارے جا چکے تھے۔ آپس میں ان تینوں کا تعارف بھی محض ایک اتفاق کی بنا پر جہاز میں ہوا تھا۔ ورنہ وہ پہلے سے ایک دوسرے سے واقف نہیں تھے۔ ان کا تعلق بھی الگ ملکوں سے تھا۔

حسبِ معمول لوچن اس وقت بھی بے پروا نظر آ رہا تھا جب پچھلی سیٹ پر نظر آنے والے شخص نے اسے مخاطب کیا۔ وہ بھی وشنو کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

''ہمیں اس وقت جگا سے ملاقات کرنی ہے۔''

''جگا......'' وشنو چونکا۔ ''کیا ہمارا جگا کے سامنے جانا مناسب ہوگا؟''

''تم اس وین میں بیٹھ کر اپنی کلونت کو یاد کرتے رہنا۔'' لوچن نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جگا سے صرف مجھے ملاقات کرنی ہے۔''

اس بار پشت سے کچھ نہیں کہا گیا البتہ کلونت کے نام پر وہ اندر ہی اندر جھلس کر ضرور رہ گیا

تھا۔ وہ بھی اس وقت حالات کے تقاضوں کے پیش نظر میک اپ میں تھا ورنہ اس کا تعلق بھی لوچن ہی کے قبیلے کے افراد میں شمار ہوتا تھا' وہ رام دیال سے وشنو بن گیا تھا۔ کلونت اس کی بیوی تھی' خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بہ ظاہر وفادار بھی تھی لیکن ایک روز اس کی وفاداری کا بھانڈا بھی اتفاقیہ پھوٹ گیا جب رام دیال المعروف وشنو چار روز کا کہہ کر جانے کے دو دن بعد ہی اچانک گھر آ گیا تھا' کلونت کو اپنے ہی ایک دوست کے ساتھ بے لباس اور قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے اپنے دوست کو گولیوں سے بھون کر رکھ دیا تھا لیکن کلونت کو کرپان مار مار کر بڑی اذیت ناک موت مارا تھا پھر وہ کچھ بارڈر کے راستے سرحد کراس کر کے پڑوسی ملک میں داخل ہوا۔ یہاں بلیک ٹائیگر کے ذریعے اس کی رسائی شیخ حامد تک ہوگئی تھی۔ لوچن اور اس کی ملاقات جیل میں ایس پی اورنگ زیب کے اشارے پر ہوئی تھی۔ بہرحال' اس وقت کلونت کے حوالے نے اس کے زخموں پر نمک کا کام کیا تھا۔

''کیا بات ہے مائی ڈیئر۔'' لوچن نے عقب نما آئینے میں وشنو کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''تم اچانک چپ کیوں ہوگئے؟''

''میں تم سے آخری بار درخواست کر رہا ہوں۔'' وشنو نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''دوبارہ کبھی تم کلونت کا نام زبان پر نہیں لاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے.....'' لوچن نے بہ دستور بے پروائی سے جواب دیا پھر بیضوی سرخ نما سڑک ختم ہونے کے بعد اس نے وین کا رخ ذیلی سڑک پر موڑ دیا جہاں کشمیری فرنیچر کے نام پر جگا نے کاروبار کر رکھا تھا' پہلی بار وہ یہاں ہاشم کے ساتھ آیا تھا جو بعد میں مار دیا گیا تھا۔

''کیا تم کو اس وقت جگا سے ملاقات کرنے کی ہدایت ملی ہے؟'' وشنو نے تھوڑے توقف سے دریافت کیا۔

''ہاں.....یہی سمجھ لو۔''

''ہم جس انداز میں ملٹری کی دسترس سے فرار ہوئے ہیں اس کے بعد کیا ہمارا جگا یا کسی اور ایسے آدمی سے ملنا مناسب ہوگا جو پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کی فہرست میں موجود ہے۔''

''تمہارا خیال غلط ہے۔'' لوچن مسکرایا۔ ''ہماری ملٹری انٹیلی جنس اتنی بے پروا بھی نہیں ہے کہ ہم آسانی سے فرار ہو جاتے۔''

''پھر.....؟''

''اس کا موقع ہمیں کسی خاص مصلحت کی بنا پر فراہم کیا گیا ہے۔''

وشنو اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا' اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس وقت وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔

لوچن نے وین عین کشمیری فرنیچر کے شوروم کے سامنے روکی پھر..... نیچے اتر کر سیدھا اس میز کی طرف گیا جس پر مینجر کی تختی نظر آ رہی تھی۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے؟'' میز کی دوسری جانب بیٹھے ہوئے شخص نے دانا ڈالنے کی کوشش کی۔ ''فرنیچر کی لین دین بعد ہوتی رہے گی۔''

''آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ......لیکن میں اس وقت یہاں فرنیچر خریدنے کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔''

''پھر......''

''مجھے اس وقت تمہارے جہانگیر بٹ (جگا) صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔''

''آپ کو کسی نے غلط پتا......''

لوچن نے اس کا جواب پورا ہونے سے بیشتر ایک ایسا کوڈ ورڈ دبی زبان میں استعمال کیا کہ منیجر اپنی نشست پر پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس نے لوچن کی وردی اور اس کے چہرے کو بہ نظر غور دیکھا پھر انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے پر آہستہ سے دریافت کیا۔

''کیا حکم ہے جناب......؟''

''میں نے اسے دیکھ لیا ہے' آنے دو......''

منیجر کے ساتھ ہی لوچن بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ شوروم کے اندر سے مختلف راستوں کے ذریعے گزرنے کے بعد منیجر ایک دروازے کے باہر رک گیا۔

''آپ اندر جا سکتے ہیں۔''

لوچن نے مسکرا کر منیجر کو دیکھا پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ جگا سامنے ہی ایک میز پر بیٹھا نظر آ گیا' اس کے بائیں جانب ایک خونخوار شکاری کتا بھی موجود تھا۔ لوچن کو دیکھ کر اس نے کوئی حرکت نہیں کی لیکن اس کی زبان ضرور کپکپانے لگی تھی جو اس بات کی غماز تھی کہ وہ جگا کے ایک اشارے پر اس کے شکار کو بھنبھوڑنے میں غیر معمولی پھرتی کا ثبوت دینے سے دریغ نہیں کرے گا۔ لوچن نے ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لیا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھ کر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو تم اس وقت میک اپ میں ہو اور تمہارا نام......''

''تمہارے اندازے کے عین مطابق لوچن ہی ہے۔''

اس وقت کیسے آنا ہوا......؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تم نے جو کوڈ استعمال کیا ہے اس کے پیش نظر میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ شاید مجھے کوئی اہم کام سونپا جا رہا ہے۔'' جگا نے کچھ سوچ کر کہا۔

''نہیں......فی الحال ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' لوچن سے بے پروائی سے شانے اچکائے۔

''پھر......کیسے زحمت کی؟''

''مجھے کچھ دیر کے لیے ایک محفوظ مقام کی ضرورت تھی۔ اس وقت میرے یہاں آنے کا صرف یہی مقصد ہے۔'' جواب دینے کے ساتھ ہی لوچن نے موبائل نما کوئی ڈیوائس نکال کر میز پر

رکھ دی پھر اس کے دونوں ائیرفون (Ear phone) کے تاروں کو ڈیوائس میں لگا کر دوسرے سرے کانوں میں لگا لیے۔ ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا پیڈ اور ایک بال پن اٹھا کر بڑی بے تکلفی سے اپنے سامنے رکھ لیا تھا۔

جگا بڑی معنی خیز اور کھوجی نظروں سے لوچن کے چہرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ لوچن کی پوری توجہ ائیرفون میں ابھرنے والی آوازوں پر مرکوز تھی۔ پہلی آواز کسی ٹیون کی تھی جو بار بار ابھرتی رہی پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ دوسری بار جن نمبروں پر رابطہ قائم کیا گیا۔ ادھر سے بھی ریکارڈڈ آواز ابھری تھی کہ "یہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں ہے۔"

لوچن کی نظروں میں ابھرنے والا تجسس گہرا ہو رہا تھا جب تیسری بار تین مرتبہ ٹیون سنائی دینے کے بعد کسی نے آواز دے کر پوچھا تھا۔ "کون ہے......؟"

"ایک ضروری بات معلوم کرنی ہے۔" اس بار موبائل کرنے والے نے بھی آواز بنا کر مختصر ایک معنی خیز سوال کیا۔ "جنگی مشق میں ہمارا جو بڑا جہاز حصہ لے رہا تھا۔ کیا وہ واقعی ڈوب گیا؟"

"تم نے غلط نمبروں پر ڈائل کیا ہے۔" دوسری جانب سے رابطہ منقطع کرنے میں غیر معمولی عجلت کا مظاہرہ کیا گیا۔

لوچن پیڈ پر کچھ نمبر درج کرنے میں مصروف تھا جب پھر ایک مانوس ٹیون کی آواز ابھری۔ "تم نے ابھی کچھ دیر پیشتر جس نمبر پر رابطہ قائم کیا تھا اس کا مقصد کیا تھا؟"

"مجھے اس جہاز کے کپتان کا نائب سمجھو۔" کال اٹینڈ کرنے والے نے بہ دستور بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"تمہارے سوال کا جواب۔ ہاں یا نہیں دیا جا سکتا البتہ ایک اہم بات غور سے سن لو......" دوسری سمت سے خشک اور تحکمانہ انداز میں کہا گیا۔ "دوبارہ خود سے کسی بھی نمبر کو آزمانے کی حماقت نہ کرنا۔ ضروری احکامات تمہیں ہماری جانب سے ملتے رہیں گے۔"

اس کے ساتھ آوازوں کا سلسلہ بند ہوگیا۔ لوچن نے مختصر ڈیوائس کو دوبارہ سمیٹ کر چمڑے کے ایک مختصر پاؤچ (pouch) میں رکھا' لیٹر پیڈ کا صفحہ پھاڑ کر جیب میں رکھا پھر اس نے جگا کی سمت دیکھا جو بہ دستور اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں تمہارے کاروباری معاملات میں مخل تو نہیں ہوا؟"

"کس کی کالز سن رہے تھے؟" جگا نے اس بار مسکرا کر سوال کیا۔

"اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" لوچن نے بے پروائی سے جواب دیا پھر کتے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"حفاظت کے لیے شکاری کتوں کا استعمال اب بہت پرانا ہوگیا ہے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے دوست لیکن میرا تجربہ اس کے برعکس ہے۔" جگا نے کتے کے بارے میں کہا۔ "میرے مخصوص اشارے پر یہ میرے کسی مخالف کو پل بھر میں اوپر پہنچا دیتا ہے۔"

''سمندر کے اوپر چلنے والے جہازوں کو اپنی حقیقتوں کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب کوئی سب میرین اپنا کام کر گزرتی ہے۔''لوچن کے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔
میرے اور تمہارے درمیان جہاز اور سب میرین ہی جتنا فرق ہے۔''
جگا کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔خود کو سنبھال کر چبھتی آواز میں بولا۔''جو بات تجربے کے بغیر کہی جائے اس میں زیادہ وزن بھی نہیں ہوتا۔''
''فی الحال ہم ایک ہی کارواں کے دو فرد ہیں جگا لیکن.....''لوچن نے کتے کو حقارت سے دیکھ کر کہا۔''تم اگر چاہو تو میری بات کا ذاتی تجربہ بھی کر سکتے ہو..... یہ کھیل بھی دوستانہ ماحول میں ہو گا۔''
جگا نے جواب میں لوچن کو مسکرا کر دیکھا پھر میں اس کے الٹے ہاتھ کی درمیانی انگلی اٹھ گئی شکاری کتے نے اس مخصوص اشارے کے پاتے ہی برق رفتاری سے چھلانگ لگائی تھی لیکن وہ درمیان ہی میں قلابازی کھا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔جگا اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کے تیور بدلنے لگے۔
''میں نے کہا تھا کہ میں اس قسم کے کھیل کو پسند کرتا ہوں۔''لوچن نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔''پریشان مت ہو کتا صرف بے ہوش ہوا ہے۔کچھ دیر میں لوٹ پوٹ کر پھر پوری طرح ہوش میں آ جائے گا۔''
''تم نے شاید اپنے جبڑوں میں مخصوص سوئیاں پش فائر (push fire) کرنے والی نلکی چھپا رکھی تھی۔''
''یہ بھی طریقہ بہت پرانا ہو چکا ہے۔زندگی ہتھیلی پر رکھ کر موت سے کھیلنے والوں کے پاس اس سے زیادہ موثر اور جدید کھیل تماشے موجود ہیں۔''
''چائے یا ڈرنک پینا پسند نہیں کرو گے دوست۔'' جگا نے اس بار دوستانہ لہجے میں دعوت دی۔
''ادھار رہی..... پھر کبھی اطمینان سے ملاقات ہو گی تو یہ قرض بھی وصول کر لوں گا۔''جواب میں لوچن نے بھی دوستانہ انداز میں ہاتھ ملایا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔پانچ منٹ بعد وہ اور وشنو دوبارہ وین میں سفر کر رہے تھے لیکن دونوں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ان کے چہروں سے یہی تاثر عیاں تھا کہ وہ اپنی اپنی کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔
جگا نے لوچن کے جانے کے بعد گھٹنوں کے بل جھک کر اپنے شکاری کتے کو ٹٹولا.....اس کی سانس بہ دستور چل رہی تھی۔

÷÷÷

افضل خان کا ذہن بہ دستور گزرے ہوئے واقعات کے تانے بانے میں الجھ رہا تھا۔اسے صرف اس حد تک اندازہ ہوا تھا کہ وہ اس وقت کسی پرائیوٹ اسپتال کے کارنر روم میں زیر علاج ہے۔وہ اسپتال کس علاقے میں تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ وہاں اس کا داخلہ کس نے کرایا تھا؟ ملٹری انٹیلی جنس نے یا پولیس والوں؟

گزشتہ ایک ہفتے سے یا اس سے کچھ زیادہ مدت سے وہ اسی اسپتال میں زیرعلاج تھا۔ ڈاکٹر اور نرس اس کا باقاعدگی سے پورا خیال رکھتے تھے لیکن وہ اس سے گفتگو کرنے سے گریز ہی کرتے تھے...... کیوں؟

اس کے ذہن میں ماضی کی بہت سے تلخ یادیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ بگ باس نے جس وجہ سے اس سے ناراض ہو کر نظریں پھیر لی تھیں۔ بگ باس اس میں بھی وہ بے قصور ہی تھا پھر جس انداز میں ریڈ کراس اسپتال کے بڑے ڈاکٹر نے اس سے ایک دن اچانک نظریں بدل کر کہا تھا کہ یا تو وہ اپنے علاج کے اخراجات خود برداشت کرے یا پھر کسی خیراتی اسپتال میں داخل ہو جائے اسی دن اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ بگ باس کے کام کا نہیں رہا۔

اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد اس نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کا مصمم ارادہ کر لیا تھا جس شہر کے طول و عرض میں بگ باس کا دست راست ہونے کے سبب اس کا ڈنکا بجتا تھا وہاں وہ سر جھکا کر بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اسی ارادے سے قدم اٹھاتا اسپتال سے نکلا تھا جب شبنم سامنے آ کر اسے اپنے ساتھ اپنے فلیٹ پر لے گئی تھی۔ وہ ذاتی طور پر شبنم کو پسند کرتا تھا کہ بگ باس کے اشارے کے بغیر شبنم بھی اس کے بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی تھی...... پھر شبنم ہی کے ذریعہ بگ باس نے اسے رستم علی آغاخانی کے خلاف استعمال کیا...... اس خطرناک مہم میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد اسے ایک موہوم سی اُمید تھی کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لے گا لیکن حالات کے دھارے اسے دور بہا لے گئے تھے۔ وہ منجدھار میں پھنسا رہ کر ڈوبتا' ابھرتا رہا پھر حالات اور قسمت نے اسے دوبارہ بگ باس کے زیرزمین کمرے تک پہنچا دیا تھا۔

آخری بار اسے بگ باس کی گڈبکس میں آنے کے لیے جگا کو قابو کرنا تھا...... جگا بڑی مچھلیوں میں شمار ہوتا تھا اس لیے اسے پھانسنے کی خاطر اس نے امداد علی کو بہ طور چارہ استعمال کیا تھا' وہ اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ امداد کے بلانے پر جگا ساحلی علاقے تک آ گیا تھا۔ افضل خان نے ان دونوں پر اس وقت ریوالور تان لیا تھا جب وہ آپس میں بغل گیر ہو رہے تھے۔ جگا امداد علی کی غداری پر تلملا اٹھا تھا' وہ آسانی سے خود کو افضل خان کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ افضل خان اس صورت سے نمٹنے کی خاطر کوئی پلان بنا رہا تھا جب کسی نے پشت سے فائر کیا اور وہ اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے گر کر بے ہوش ہو گیا۔

دوسری بار اسے اس وقت ہوش آیا جب وہ ملٹری انٹیلی جنس کے ہاتھوں میں پوری طرح پھنس چکا تھا' وہاں امداد علی اور جگا بھی تھے جنہوں نے اپنا اپنا ہاتھ صاف ہونے کی وجہ سے سب کچھ صاف صاف اگل دیا تھا۔ ملٹری کے ایک میجر نے ان تینوں کا بیان باقاعدہ ریکارڈ کیا تھا۔ اس کے بعد ان تینوں کو شہر کے کسی دوردراز علاقے میں لے جایا گیا۔ جہاں خفیہ طور پر عدالت کے ذمہ داروں نے اس کے علاوہ امداد علی اور جگا کا بیان بھی دوبارہ ریکارڈ کیا تھا۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک کسی ایسے مقام پر رکھا گیا جس کے بارے میں وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور اب...... اب وہ کچھ دنوں سے

کسی اسپتال کے ایسے کارندوں میں تھا جہاں کے ڈاکٹر اور نرسوں نے بھی اپنی زبانوں پر تالے ڈال رکھے تھے۔

اس وقت بھی وہ اپنے نامساعد حالات کی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی کوششوں میں منہمک تھا جب ایک نئی نرس مرہم پٹی کا سامان لیے داخل ہوئی۔ افضل خان کی تجربے کار نظروں نے اسے غور سے دیکھا۔ بہ ظاہر وہ ایک کچی لکڑی کے مانند نظر آ رہی تھی جسے ایک ذرا سی کوشش کے بعد ہموار کیا جا سکتا تھا۔

جتنی دیر تک نرس خاموشی سے گھٹنے کی پٹی تبدیل کرتی رہی' افضل خان اسے غور سے دیکھتا رہا' اس کی خاموشی بھی اس بات کی غماز تھی کہ اسپتال کے بڑوں نے اسے بھی زبان بند رکھنے کی تاکید کر رکھی ہے۔

''سسٹر...... تمہارا نام کیا ہے؟'' افضل خان نے اسے سرسری انداز میں مخاطب کیا۔

''ہمارا یہاں کوئی نام نہیں ہوتا۔ سب نرس یا سسٹر ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔''

''کل والی نرس سے میں نے ایک ضروری چیز کے لیے درخواست کی تھی۔ اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن شاید اس کی ڈیوٹی......''

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ اس کا تبادلہ دوسرے وارڈ میں ہو گیا ہے۔'' جواب سادگی سے دیا گیا۔

''دراصل مجھے اپنے عزیز کو اپنی بیماری کی اطلاع دینی ہے۔ اسی لیے میں نے اس سے کاغذ اور بال پین کی درخواست کی تھی۔''

''ممکن ہے اس نے آپ کو بہلانے کی خاطر ہامی بھر لی ہو ورنہ آپ کے کمرے میں آنے والے تمام اسٹاف کو صرف اپنے کام سے کام رکھنے کی سخت ہدایت ملی ہے۔'' نرس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں بھی آپ سے غیر ضروری بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

''لیکن یہاں جو میرا علاج ہو رہا ہے...... میں اس کے اخراجات ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' افضل خان نے کسمسا کر نرس پر ایک نیا جال ڈالنے کی کوشش کی۔

''اس سلسلے میں بھی آپ کو ڈاکٹر سے بات کرنی چاہیے جو شام کی ڈیوٹی پر راؤنڈ کرتا ہے۔''

''صرف ایک بات اور معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' افضل خان نے ایک آخری کوشش کی' اچھے اور بڑے اسپتال کے عملے کی یونیفام پر کوئی نہ کوئی مونوگرام بھی ہوتا ہے لیکن تمہارے اسپتال میں شاید اس کا رواج نہیں ہے۔''

''اس بارے میں آپ یہاں سے رخصت ہوتے وقت انتظامیہ کو اپنی رائے دے سکتے ہیں۔'' نرس نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا پھر مسکرا کر بے تکلفی سے بولی۔ ''آپ جیسے بھلے چنگے آدمی کو موجودہ حالت میں دیکھ کر مجھے دکھ ضرور ہوا مگر...... میں آپ کی کوئی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔''

نرس اپنا جواب مکمل کر کے خاموشی سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی'افضل خان کا ذہن پھر اپنی پوزیشن کا معاملہ حل کرنے کی گتھیوں میں الجھ رہا تھا جب اچانک اس نے کسی کے قدموں کی آہٹ پا کر دوبارہ دروازے کی سمت دیکھا۔اسے اپنی نظروں پر شبہ ہونے لگا۔آنے والی شبنم کے سوا کوئی اور نہیں تھی جسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جگنوں چمکنے لگے تھے' پلکیں بار بار جھپکا کر وہ اس طرح دیکھتا رہا جیسے اس بات کا یقین کرنا چاہتا ہو کہ وہ کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

''کیسے ہو افضل خان؟''شبنم نے اس کے قریب آکر درشت لہجے میں پوچھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر جو گولی چلائی گئی تھی وہ گھٹنے کی ہڈی سے نہیں ٹکرائی ورنہ شاید زندگی بھر لنگڑاتا رہتا۔''

''کیا تمہیں اندازہ ہے وہ فائر کس نے کیا تھا؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا مجھے محض ایک اندازہ ہے کہ فائر......''افضل خان روانی میں اپنا جملہ پورا......کرتے رک گیا پھر اس نے کمرے کے درودیوار پر اس طرح نظر دوڑانی شروع کر دی جیسے کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو۔

''کیا میرے کمرے تک آتے ہوئے اسپتال کے کسی عملے سے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی تھی؟''افضل خان کے لہجے میں تجسس تھا۔

''نہیں......کیوں؟''

''ایک اہم بات اور......''وہ بہ دستور سنجیدہ تھا۔

''تمہیں کس طرح علم ہوا کہ میں اس اسپتال میں ہوں؟''

''اوہ......''شبنم نے بھی ہونٹ چباتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔''تم شاید یقین نہ کرو لیکن جس نے تمہارے اسپتال کا پتہ دیا اور ملنے کی اجازت دی اس نے بھی بگ باس کے حوالے سے ہی گفتگو کی تھی۔''

''بگ باس......!''افضل خان کی پیشانی پر آڑھی ترچھی لکیروں کا جال پھیل کر گہرا ہونے لگا۔کچھ توقف سے بولا۔''میرا خیال ہے کہ کوئی ہمیں ڈبل کراس کر رہا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں!......''شبنم نے حیرت سے پوچھا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''بگ باس کا حوالہ دینے والا کون ہوسکتا ہے جبکہ اخبارات کی اطلاعات اور دوسرے معتبر اداروں کا یہی خیال ہے کہ بگ باس سمندر میں ڈوب چکا ہے۔''

''ہاں......اخبارات میں یہی کچھ شائع ہوتا رہا ہے لیکن مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنے والے نے اسی کا حوالہ دیا تھا۔''

''ہمیں اس وقت بھی محتاط رہ کر گفتگو کرنی ہوگی۔''

افضل خان نے شبنم کو قریب تر بلا کر بڑے مدھم لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اس کمرے میں بھی کہیں نہ کہیں ایسا حساس نظام ضرور موجود ہے جس کے ذریعہ ہماری گفتگو کہیں دوسری جگہ سنی جاتی ہوگی۔''

شبنم نے افضل خان کی بات سن کر پلکیں جھپکائیں' وہ خود بھی ابھی تک نہیں سمجھ سکی تھی کہ وہ اپنے ذاتی فلیٹ تک کس طرح پہنچی تھی' ایک ٹائپ شدہ پیغام کے ذریعے اسے سختی سے ہدایت ملی تھی کہ وہ صرف فلیٹ تک محدود رہے ورنہ نتائج کی ذمہ دار بھی وہی ہوگی۔ وہ پیغام کس کی طرف سے تھا؟ وہ کوئی آخری نتیجہ نہیں قائم کرسکی تھی۔ پھر بھی حالات کے پیش نظر وہ اس ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور تھی۔ وہ ابھی افضل خان کی سرگوشی میں کہی جانے والی بات پر ذہنی طور پر الجھی ہوئی تھی جب اس نے مخصوص اشارے سے شبنم کو محتاط رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔

''کیا سچ ہے اور کیا غلط...... ہمیں یہ بھول کر حالات کے دھاروں پر چلنا ضروری ہے۔''

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن وہ کون ہے جو ہمیں اپنے اشاروں پر چلا رہا ہے اور...... خود سامنے نہیں آتا؟'' شبنم نے بھی دیدہ دانستہ اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''وہ جو بھی ہے' بہر حال اس پوزیشن میں ہے کہ ہمیں پوری طرح کنٹرول کرسکے۔''

''تم...... تم نے آج سے پہلے کبھی اس قدر مایوسی کا اظہار نہیں کیا......''

''وقت اور حالات نے شاید مجھے اس وقت تک کے لیے بزدل بنا دیا ہے جب تک حالات پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آجاتے۔'' افضل خان نے بات جاری رکھی۔ ''وہ بگ باس کی شخصیت ہو...... ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ہوں یا پولیس کے ذمہ دار آفیسر...... ہم کو ان تینوں صورتوں میں فی الحال صرف ان کے اشارے پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔''

''بگ باس کے بارے میں تمہارا ذاتی خیال کیا کہتا ہے؟''

''میں نے کہا نا کہ فی الحال ہم کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔'' افضل خان کے لہجے سے مایوسی ہی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''ایک امکان اور بھی ہے......'' شبنم نے پُرخیال انداز میں خلا میں گھورا۔

''وہ کیا......؟''

''ہوسکتا ہے کہ پہلے کی طرح پھر دو پارٹیاں ہمیں الجھانے کی کوشش کررہی ہوں۔''

''پلیز......'' افضل خان نے ٹوٹے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''کوئی اور بات کرو۔''

شبنم نے افضل خان کا مقصد سمجھ کر ادھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں۔ وہ افضل خان کو ایک طرف کھسکتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی بیڈ پر ذرا سا ٹک گئی لیکن وہ زیادہ دیر گفتگو جاری نہ رکھ سکے۔

کمرے میں اسپتال کے بڑے ڈاکٹر اور ڈیوٹی نرس کو آتا دیکھ کر شبنم تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ڈاکٹر کے تیور اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ ''خاتون......'' اس نے براہ راست شبنم کو مخاطب کیا۔ ''آپ کو مریض سے ملنے کی اجازت کس نے دی تھی؟'' اس نے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔

مجھے دروازے پر نو وزیٹر (no vistors) کا کوئی نوٹس بھی نہیں نظر آیا۔'' شبنم نے تیزی سے جواب دیا۔ وہ ڈاکٹر کے لب و لہجے سے مرعوب نہیں ہوئی تھی۔

''وہ تختی کس نے ہٹائی.....؟ میں اس کے بارے میں بعد میں تفتیش کروں گا لیکن آپ ازراہ مہربانی تشریف لے جائیں۔''

''ڈاکٹر.....'' افضل خان نے کچھ سوچ کر مداخلت کی۔ ''یہ.....یہ میری منگیتر ہیں۔''

''ہوسکتا ہے.....مگر اوپر سے سخت احکامات ہیں کہ کسی کو بھی بغیر اجازت آپ سے ملاقات کی اجازت نہ دی جائے۔''

''یہ کس کا حکم ہے؟'' شبنم نے وضاحت چاہی۔

ملٹری انٹیلی جنس کا.....آپ چاہیں تو اس کی تصدیق براہ راست بھی کرسکتی ہیں۔''

شبنم نے پلٹ کر افضل خان کی طرف دیکھا پھر اس کے اشارے پر ڈاکٹر کو برہم نظروں سے گھورتی باہر چلی گئی لیکن.....بگ باس کے حوالے سے فون کرنے والے کے بارے میں بھی اس کا ذہن پھر سے الجھنے لگا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

''بگ باس اگر زندہ ہے تو کیا وہ اس حقیقت سے ناواقف تھا کہ افضل خان کی ملاقاتوں پر پابندی عائد ہے؟''

+++

سراج اس وقت اورنگ زیب ہی کے کمرے میں موجود تھا۔ شیخ حامد کے سلسلے میں ابھی تک اورنگ زیب نے اپنی رائے نہیں بدلی تھی۔ اسی شبہے کے پیش نظر اس نے کرنل احتشام کے ساتھ میٹنگ کرکے بطور خاص وشنو کو فرار ہونے کا موقع فراہم کرنے کا پلان مرتب کیا تھا۔ لوچن کا معاملہ اتنا اہم نہیں تھا کہ وہ فوج کی تحویل میں رہتا لیکن وشنو کے ساتھ اسے بھی فوجی گاڑی میں اسے لیے رکھا گیا تھا کہ وشنو کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان کے درمیان اعتماد کی جو فضا قائم ہوگئی تھی وہ بھی برقرار رہے۔ اس وقت سراج اور اورنگ زیب کے درمیان اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟'' سراج نے اپنے ممکنہ شبہے کا اظہار کیا۔ ''کیا وشنو کسی بھی صورت میں ہمارے لیے کارآمد ہوسکتا ہے؟''

''میں سمجھا نہیں۔'' اورنگ زیب نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم اس پر مکمل اعتماد نہیں کرسکتے۔''

''میں تمہارے اس خیال کی صد فیصد تائید کرتا ہوں۔ وشنو کی سابقہ ہسٹری سے بھی پوری طرح واقف ہوں' وہ ایسا دومنہا سانپ ہے جو بظاہر ایسا بے ضرر نظر آتا ہے جس سے کسی خطرے کی توقع نہیں ہوتی لیکن اپنے بچاؤ کی خاطر دونوں طرف سے ڈنگ مارنے سے دریغ بھی نہیں کرتا۔'' اورنگزیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''لوچن کو میں نے اسی لیے اس کے ساتھ رکھا ہے کہ وہ قریب رہ کر پوری طرح اس کی نگرانی

کر سکے۔"

"خودلوچن کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟"

"یو آر رائٹ......" اورنگ زیب نے اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔" ایسے لوگ صرف کنٹریکٹ کی مدت تک وفادار رہتے ہیں۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ ان کی تنظیم کے سربراہ کنٹریکٹ کی مدت موت تجویز کرتے ہیں۔ مدت ختم ہونے کے بعد ان پر عائد تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ تم اس ضمن میں میڈم روبی کو بھی قبل از وقت آگاہ کرو۔"

"میری معلومات کے مطابق لوچن کا معاہدہ ختم ہونے میں ابھی غالباً دو یا تین ماہ کی مدت باقی ہے۔"

دونوں کے درمیان شیخ حامد اور اس کے باقی گرگوں کے موضوع پر گفتگو کا سلسلہ جاری تھا جب ڈیوٹی کانسٹیبل نے ایک وزیٹنگ کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔ اورنگ زیب نے کارڈ پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت نمودار ہونے لگی۔

"کون ہے......؟"

"ڈی ایس پی لودھی۔"

"اوہ......" سراج نے کسمسا کر پوچھا۔" کیا آپ اسے بہ طور ماتحت قبول کر لیں گے؟"

"بڑی مچھلیوں کے شکار کے لیے کانٹے میں چھوٹی مچھلیاں لگانا زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔"

ایک منٹ بعد اورنگ زیب کے بلانے پر لودھی اس کے سامنے اٹینشن پوزیشن میں موجود تھا پھر اورنگ زیب نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اس وقت کیسے آنا ہوا......؟ میرا مطلب ہے کہ تمہاری پوسٹنگ تو کسی دوردراز علاقے میں ہے۔"

"کل تک تھی سر لیکن اب......" لودھی نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔" اب نئے آرڈر کے تحت مجھے فوری طور پر آپ کو ڈیوٹی رپورٹ کرنے کو کہا گیا ہے۔"

"فائن......" اورنگ زیب نے ہلکے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔" کیا تم نے خوشی سے اس تبادلے کو قبول کر لیا ہے؟"

"میں فی الحال اس پوزیشن میں نہیں ہوں سر کہ کچھ کہہ سکوں۔"

"پریشان مت ہو" اورنگ زیب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔" میں ہمیشہ ٹیم ورک کو پسند کرتا ہوں۔ تم اگر خوش نہیں ہو تو میں اپنے ذرائع سے تمہارے موجودہ آرڈر کو منسوخ بھی کرا سکتا ہوں۔ تم اپنی چوائس کا علاقہ بتا دو۔ دو روز کے اندر اندر تمہیں میری بات کا تحریری ثبوت بھی مل جائے گا۔"

"ایسی بات نہیں ہے سر۔" لودھی نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔" آپ کو جو اطلاعات ملی تھیں وہ غلط نہیں تھیں لیکن اس میں میری کچھ ایسی مجبوریوں کو دخل تھا جس کی وجہ سے اس دلدل سے اگر نکلنے کی کوشش کرتا تو شاید میری لاش کا بھی پتا نہ چلتا۔ رعایت سے

سزا ملتی تو بھی میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔''

''آئی۔سی! گویا تمہاری کچھ دکھتی رگیں شیخ حامد کے ہاتھ آگئی تھیں؟''

''جی......جی ہاں۔''

''لیکن اب تو تمہیں اس کا خطرہ نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ.....'اورنگ زیب نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا لیکن اس کی نظریں بہ دستور لودھی کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''درخت کی جڑ جب تک بنیاد سے نہ اکھڑے اس وقت تک کچھ خدشات بہ دستور باقی رہتے ہیں۔''لودھی نے دبی آواز میں جواب دیا۔

''اگر تم میرے ساتھ ایک ٹیم ورکر کی حیثیت سے کام کرنا پسند کرتے ہو تو پھر کھل کر بات کرو۔ میں صاف گوئی کو پسند کرتا ہوں۔''

میرا خیال ہے کہ اب مجھے چلنا چاہیے۔''سراج نے اٹھنا چاہا تو لودھی نے اس کا ہاتھ تھام کر روک لیا' پہلی بار اس نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

''میں جانتا ہوں مسٹر سراج کہ آپ سر کے کتنے قریب ہیں اس لیے......اس لیے میں چاہتا ہوں کہ وہ باتیں آپ کے بھی علم میں آجائیں جن کی وجہ سے وردی میں ہونے کے باوجود میں اپنے اختیارات استعمال کرنے سے قاصر ہو گیا تھا۔''

''میں جانتا ہوں کہ ایک پولیس آفیسر کن وجوہات کی بنا پر کسی مجرم کے سامنے دم ہلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔'اورنگ زیب نے کہا پھر سنجیدگی سے پوچھا۔''تم نے ابھی کہا تھا کہ درخت کی جڑیں باقی رہ جائیں تو وہ سر ابھارنے کی کوشش ضرور کرتی ہیں۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا سر......''لودھی نے کھل کر کہا۔''شیخ حامد کا جہاز غرق ہو جانے کے بعد اب اس عملے کے کچھ افراد مجھے خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''اورنگ زیب چونکا۔

''چار روز قبل کسی نے فون کر کے کہا تھا کہ میرا تبادلہ آپ کے پاس ہو جائے گا۔اس وقت میں اسے محض ایک بھونڈا مذاق سمجھا تھا لیکن اب میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔''

''اب وہ تم سے کیا چاہتے ہیں......؟''اورنگ زیب کے تیور تیکھے ہونے لگے۔

''وہ اپنے بگ باس کا انتقام کی پلاننگ کر رہے ہیں۔''لودھی نے کھل کر کہا۔''مجھے دبی زبان میں یہی مشورہ دیا گیا ہے کہ میں بہ ظاہر آپ کی گڈ بکس (good books) میں آنے کی کوشش کروں لیکن ان کی جانب سے ملنے والی کسی بھی ہدایت سے انکار کرنے کی جرأت کبھی نہ کروں۔''

''آپ کا شبہ کن افراد پر ہے؟''

''میں نے فون کرنے والے کی آواز پہلی بار سنی تھی اس لیے......''

''کچھ اور لوگ تو آپ کی نظروں میں ضرور ہوں گے؟''اورنگ زیب نے اس کے جملے کو کاٹ

کر سوال کیا۔

''میرے پاس شیخ حامد کے خلاف بھی کچھ ایسے ٹھوس ثبوت موجود ہیں جو پولیس کے لیے اب بھی بہت کارآمد ہو سکتے ہیں'ان دستاویزی ثبوت کی بنا پر آپ کچھ ایسے سرکاری ذمہ دار اور باحیثیت لوگوں کو بھی ننگا کر سکتے ہیں جو شیخ حامد کے جرائم میں اس کی معاونت کرتے رہے ہیں اور بھاری بھاری رقمیں اس غداری کے عوض بٹورتے رہے ہیں۔''

''کچھ ایسے نام میری فہرست پر بھی پہلے سے موجود ہیں۔''اورنگ زیب نے حقارت کا اظہار کیا۔

''سر......میرے پاس کچھ ایسی ہوش ربا شرمناک تصاویر بھی موجود ہیں جن کے سامنے آنے کے بعد وہ شاید موت ہی کو ترجیح دیں گے۔''

''گڈ......ایسی صورت میں تو آپ مجرموں کے خلاف میرے لیے ایک کارآمد ثابت ہوں گے۔''

''ایک درخواست کروں گا سر......''

''فرمائیں......''

''مجھے اپنی کارکردگی اور آپ سے وفاداری ثابت کرنے کے لیے ڈبل رول بھی ادا کرنا ہوگا ورنہ مجھے بلیک میل کرنے والے مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔''لودھی نے کسمسا کر کہا۔''آپ کا اعتماد میرے لیے شرط ہے۔''

''ڈونٹ وری......میں نے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ تمہاری جوائننگ رپورٹ پر دستخط کرنے سے بیشتر تمہیں اپنی ذاتی کسوٹی پر ضرور پرکھوں گا۔''

''شکریہ سر......''لودھی نے اپنی فائل کھول کر اورنگ زیب کے سامنے رکھ دی۔

سراج خاموش بیٹھا ایک ایک بات نوٹ کر رہا تھا'ابھی تک یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اورنگ زیب کیا واقعی لودھی کو اپنی ماتحتی میں قبول کر لے گا......؟اور لودھی کی ڈیوٹی رپورٹ کرنے والی دستاویز پر ایک سادہ کاغذ رکھ کر اس پر کچھ لکھنا شروع کر دیا'خود لودھی بھی اس وقت کسمسانے لگا تھا۔

سادے کاغذ پر کچھ تحریر کرنے کے بعد اس نے وہ کاغذ لودھی کے سامنے رکھ کر اسے محتاط رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔''مجھے یقین ہے کہ اب آپ ایک ٹیم ورکر کے ساتھ کام کریں گے۔''

''رائٹ سر......لودھی نے جواب دیا لیکن اس کی نظریں سادے کاغذ پر لکھے گئے پیغام کو حیرت سے بار بار دیکھ رہی تھیں پھر اس وقت سراج کے کان بھی کھڑے ہونے لگے جب لودھی نے جیب سے اپنا موبائل نکال کر اورنگ زیب کے سامنے رکھ دیا تھا۔

''آئی وش یو آل دی بیسٹ۔''اورنگ زیب نے اٹھ کر لودھی سے معنی خیز انداز میں ہاتھ ملایا

پھر وہ سراج کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنے آفس سے باہر آ گیا۔لودھی بھی ساتھ تھا' اس کا موبائل اورنگ زیب کے سیدھے ہاتھ میں تھا پھر جو کچھ ہوا۔اس نے سراج اور لودھی کے علاوہ عملے کے ان افراد کو بھی چونکا دیا جو اورنگ زیب کو آفس سے باہر نکلتا دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اورنگ زیب نے باہر نکل کر لودھی کے موبائل کو ادھر اُدھر دکھ کر فضا میں اچھال دیا۔پھر موبائل جب بلندی سے نیچے آ کر پختہ فرش سے ٹکرایا تو ہلکا سا دھماکا ہوا۔اس کے ساتھ ہی موبائل نے آگ پکڑ لی۔

لودھی جیب سے رومال نکال کر پیشانی کا پسینا پونچھنے لگا۔سراج نے تعجب سے اورنگ زیب سے دریافت کیا۔

''یہ سب کیا۔''

''جرائم پیشہ افراد کی سازش ہی سمجھو جو ہدایت پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے موت کا پیغام بھی بن سکتی ہے۔اس کے علاوہ موبائل کے اندر ایسی پاورفل ڈیوائس بھی ضرور ہو گی جس کے ذریعے ہماری گفتگو کہیں اور بھی سنی جا رہی ہو گی۔''

''مم......میرے لیے اب کیا حکم ہے؟''لودھی نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔''موبائل پر جو بیتی اس سے وہ بھی بوکھلا گیا تھا۔

''دو روز آرام کرو......اس کے بعد میں تمہیں اپنی ٹیم میں شامل کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔''

لودھی باقاعدہ سیلوٹ کر کے چلا گیا تو سراج' اورنگ زیب کے ساتھ واپس اس کے دفتر میں آ گیا۔

''میں نے ڈی آئی جی سے پہلے ہی اس شبہے کا اظہار کر دیا تھا کہ لودھی کو باقاعدہ کسی پلاننگ کے تحت خاص طور پر میرے پاس ٹرانسفر کیا گیا ہے۔''اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے بڑے زہریلے انداز میں کہا۔''اب یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ لودھی کے ٹرانسفر کے احکام کس کی سفارش پر عمل میں آئے تھے۔''

سراج کی پیشانی پر بھی سلوٹیں ابھرنے لگیں۔وہ جانتا تھا کہ اب لودھی کے تبادلے میں ہمارا کردار ادا کرنے والا بھی کسی صورت اپنی کرسی کو نہیں بچا سکے گا۔وہ کچھ کہنے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اورنگ زیب کے سامنے رکھے موبائل کی اسکرین روشن ہو گئی' اس نے ایک نظر نمبروں کو دیکھا پھر کال ریسیو کرنے میں خاصی جلدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خشک لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''میں نے تم سے کہا تھا میرے نمبروں کو صرف بہت اہم معاملات کے لیے استعمال کرنا......کہو......اوہ!......کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ایسا کرنے کی پوزیشن میں ہے؟......گڈ......کسی کو تمہارے اوپر شبہ تو نہیں ہوا؟......ہاں' میں پوری طرح واقف ہوں۔ایک منٹ کے باوجود کبھی کبھی زیادہ خوش فہمی بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے' تم نے اچھا کیا......فکر مت کرو' میں خطرات سے کھیلنے کا

عادی ہوں...... ایسا نہیں ہو گا۔'' اچانک اورنگ زیب کا لہجہ تبدیل ہو گیا' اس نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''میں جو کہتا ہوں اسے کر گزرنے سے دریغ بھی نہیں کرتا...... ایک بار پھر نوٹ کر لو...... میری زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پتھر کی لکیر ہوئے ہیں...... نہیں' ابھی زیادہ جلدی نہ کرنا...... ہاں آں...... یہ مناسب رہے گا۔' سراج نے موبائل آف کیا تو سراج نے پوچھا۔

''کس کی کال تھی؟''

''اس سلسلے میں راستے میں تفصیل سے بات ہو گی...... میرا اس وقت کرنل احتشام سے ملنا بے حد ضروری ہے۔'' سراج موبائل جیب میں رکھتا ہوا دروازے کی سمت بڑھا تو سراج کو بھی بادل ناخواستہ اس کی پیروی کرنی پڑی۔

✣✣✣

سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کی خدمت اور جاں نثاری کے عوض سرفراز خان کے اسپتال سے گھر آنے سے بیشتر ہی اپنے آفس کا ایک کمرا اس کے بزنس کے لیے مختص کر دیا تھا جس پر'' ماربل ایکسپورٹرز'' کی تختی بھی آویزاں ہو گئی تھی۔ ایک ایسے تجربہ کار آدمی کو بھی رکھ لیا تھا جو ماربل کی ایکسپورٹ میں ماہر تھا۔ لیاقت حسین خوش تھا کہ اب باپ اور ماں بھی اس کے ساتھ رہیں گے لیکن سرفراز خان نے اسپتال سے گھر آتے ہی واپس جانے کی رٹ لگا رکھی تھی۔

اس وقت بھی رات کے کھانے کے بعد گھر کے سارے افراد لاؤنج میں بیٹھے سرفراز خان سے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے' لیاقت حسین ماں کے قالین پر بیٹھا تھا' ماں نے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے تھے۔ اس نے بھی شوہر کی ضد کے آگے زبان کھولنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی' جو بات ایک بار اس کی کھوپڑی میں سما جائے اس کا نکلنا ناممکن ہی تھا۔

''میں نے آپ کے کاروبار کا سارا سیٹ اپ مکمل کر دیا ہے' ایک دو روز میں ضروری اسٹیشنری چھپ کے آ جائے تو بیرونی منڈیوں کے تاجروں سے خط کتابت بھی شروع کر دی جائے' مستقل نہ سہی لیکن شروع شروع میں کم از کم سال بھر تک آپ کا یہاں ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد آپ کو نہیں روکا جائے گا۔''

''پتھر اپنی ہی جگہ بھاری ہوتا ہے میرا دوست۔'' سرفراز خان نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''ادھر بھی ہمارا بہت سارا مخالف ہے لیکن آج تک کسی کا اتنا ہمت نہیں ہوا جو ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔''

''آپ کے ساتھ یہاں جو حادثہ پیش آیا ہم اس کے لیے شرمندہ ہیں لیکن آپ یہاں ہوں گے تو ہمارے سروں پر بھی ایک بزرگ کا سایہ رہے گا۔'' راحیلہ بیگم نے بھی سمجھانے کی کوشش کی۔

''خدا تم دونوں کا جوڑی سلامت رکھے میرا بیٹا لیکن ہم نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ادھر لیاقت ہے تمہارا پاس اور اپنا دوست کے ہوتے ہوئے ہمیں پورا پورا اطمینان بھی ہے۔ بس جانے سے پہلے ایک قانونی کام کرنا ضروری ہے۔''

''کون سا قانونی کام خان صاحب؟''سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے پوچھا۔''اگر آپ ایکسپورٹ لائسنس کی بات کر رہے ہیں تو اس کے حصول میں آپ کو کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوگا۔''

''دوست ہم تمہارا شکر گزار ہے کہ تم نے ہم کو باہر کا منڈی کے بارے میں سارا اونچ نیچ سے آگاہ کیا۔تمہارا جگہ کوئی اور ہوتا تو زبان بھی نہ کھولتا لیکن ہم بھی کاروبار کے بارے میں کھرا بات کرنے کا عادی ہے۔یہ بھی بتادوں کہ ہمارا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔''

''اطمینان رکھیں انکل۔''راحیلہ بیگم نے بڑے پیار سے کہا۔''آپ جیسا چاہیں گے سب کچھ اسی طرح ہوگا۔''

''تو اس بات کا قانونی کاروباری کارروائی بھی ہمارا جانے سے پہلے مکمل کرالو کہ فائدہ اور نقصان میں ہم دونوں برابر کا شریک ہوگا۔''سرفراز خان نے براہ راست سیٹھ عثمان کو اپنا دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔''یہی ہمارا پہلا اور آخری شرط ہے۔''

سیٹھ عثمان کو یہ شرط منظور نہیں تھی۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سرفراز خان کا تعلق اس علاقے سے تھا جہاں انہوں نے اپنی شملہ کو کبھی نیچا نہیں ہونے دیا تھا۔ایک لمحے کو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر ان کی نظر لیاقت حسین پر پڑی تو انہوں نے دل میں ایک فیصلہ کر کے کہا۔''سرفراز خان صاحب...... مجھے آپ کا یہ فیصلہ منظور ہے لیکن ایک شرط پر۔''

''کیسا شرط......؟''

''میں اپنا منافع جس طرح چاہوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں' آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا......؟تم جانو اور تمہارا منافع۔''

سیٹھ عثمان کی نظروں اور ان کی باتوں کا مفہوم راحیلہ بیگم نے بھانپ لیا تھا'اس لیے انہوں نے فوراً ہی گفتگو کا موضوع بدل کر کہا۔''انکل' عثمان نے آپ کی شرط مان لی ہے۔اب میرا بھی آپ پر کچھ حق ہے' آپ کو بھی میری ایک بات ماننی پڑے گی۔''

''کوئی کاروباری بات تو نہیں ہے؟''سرفراز نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی نہیں......''

''پھر بولو کیا بات ہے۔تم ہمارا لیے فرحین سے کم نہیں ہے پھر ہم تمہارا بات کس طرح ٹال سکتا ہے۔''

''آپ کو ابھی کم ازکم ایک ماہ یہاں میری خاطر رکنا ہوگا۔''راحیلہ بیگم نے اتنی محبت سے کہا کہ سرفراز خان کچھ دیر بغلیں جھانکتا رہا پھر اس نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے جواب دیا۔''بس ہمارا دوست سے ہمارا آدھا ساجھا کا بات طے ہوگیا ہے تو تم بھی ایسا ہی بات کرو۔ہم تمہارا خواہش سے انکار نہیں کرے گا لیکن تمہارا محبت بھرا اصرار پر پندرہ دن اور رک جائے گا۔''

''اوپر والے کا کمال ہے جو آج تم نے کسی کا بات مان لیا ورنہ......''

''یہ ہمارا اور ہماری بیٹی کا معاملہ ہے۔''سرفراز خان نے بیوی کا جملہ کاٹ کر کہا۔''ہم انکار

کیسے کرسکتا تھا۔''

فرحین لیاقت حسین بھی خوش تھے کہ سرفراز خان نے پندرہ دن رکنے کی بات مان لی تھی' اس دوران سیٹھ عثمان نے بھاگ دوڑ کر تمام ضروری کارروائی مکمل کرالی۔قانونی دستاویز پر دونوں فریق کے دستخط بھی ہو گئے۔

سرفراز خان کی واپسی کی مدت جیسے جیسے کم ہو رہی تھی فرحین اور لیاقت حسین دونوں کو ان کی جدائی کا احساس ڈستا رہتا تھا' راحیلہ بیگم ہر وقت مہمانوں کی خاطرمدارات میں لگی رہتی تھیں۔لیاقت حسین کی ماں بھی ان کے حسن سلوک کی گرویدہ ہوگئی تھیں' ان کا زیادہ تر وقت راحیلہ بیگم کی طرف گزرتا تھا' شاید کو دفتر کے اوقات ختم ہونے کے بعد وہ لیاقت حسین کی انیکسی میں آ جاتی تھیں جہاں فرحین بھی ان کی خدمت کی ایک لمحہ بھی ضائع نہیں جانے دیتی تھی۔

لیاقت حسین نے کئی بار ماں سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع تلاش کیا' لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔اس کے ذہن میں ماں کی زبان سے نکلنے والی ایک ادھوری بات سما کر رہ گئی تھی جس کا کھوج لگانے کی خاطر وہ بے چین تھا۔اسے اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے دنوں اس نے ماں کی زبان سے ایک بات سنی تھی جو رہ کر اس کے ذہن میں چبھتی رہتی تھی۔بزرگ کے ہاتھوں ایک چٹکی خاک کھانے والی بات اس کی ماں کو بھی معلوم تھی۔اسی ضمن میں ماں نے کہا تھا۔

''تیرا منہ سے جو ایسی بات نکلتا ہے جو بعد میں تجھے یاد نہیں رہتا......اس میں بھی اوپر والے کا بہت سی مصلحتیں ہیں جو تو نہیں سمجھ سکتا۔''اسی حوالے سے لیاقت حسین نے ماں سے شیخ حامد کے بارے میں اپنا تجسس دور کرنے کی خاطر دریافت کیا تھا......''جو آسمان سے گرا تھا وہ کہاں ہے؟ مر گیا یا ابھی تک زندہ ہے؟ وہ اچھا آدمی نہیں تھا' بڑا ظالم تھا۔اس کا تعلق بھی دنیا کے خطرناک لوگوں سے تھا......وہ سب شیطان اور پلید لوگ تھے ماں۔''

''تو فکر مت کر......''ماں نے خلا میں دور کہیں گم ہوتے ہوئے جواب دیا تھا۔''ایک پلید......دوسرا پلید کی وجہ سے مارا جائے گا۔اوپر والے کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں ہے۔وہ......وہ......بھی گناہوں میں گلے گلے تک غرق ہے۔بدنصیب۔''

''وہ کون ہے ماں؟ اس کا کوئی نام' کوئی اتا پتا تو ہوگا۔''

''وہ......وہ......''ماں کی پلکیں کئی بار جھلک کر رہ گئیں پھر......اس نے کیا کہا تھا؟ خود اسے بھی یاد نہیں رہا تھا' اس پر بھی وہی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔اسی ضمن میں وہ ماں کو پھر کریدنا چاہتا تھا۔قسمت سے اسے باپ کے واپس جانے سے دو دن پہلے ماں سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع مل گیا۔اس نے ماں سے پھر دوسرے پلید کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ماں اس کی بات سن کر کچھ دیر گم صم رہی پھر اس نے خلا میں کہیں دور گم ہوتے ہوئے کہا۔

''ہر فرعون کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی موسیٰ ضرور پیدا کیا ہے......وہ......وہ......جو پردوں میں چھپ گیا ہے وہ بھی پلید تھا۔جس کے ہاتھوں اس کا انجام خراب ہوگا وہ...... وہ بھی پلید ہے اور

اس کا نام......اس کا نام......‘‘ماں پھر اپنی بات مکمل نہ کر سکی اس نے عجیب نظروں سے لیاقت حسین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔’’تم ابھی کیا بات کر رہا تھا؟‘‘

’’ہمارا درمیان کسی پلید کا بات ہو رہا تھا۔‘‘لیاقت حسین نے ماں کی بدلتی کیفیت محسوس کرتے ہوئے مبہم انداز میں جواب دیا۔

’’ہاں......وہ خدائی خوار پلید ہی تھا جس نے ہمارا بھاگ اور تمہارا سر سے باپ کا سایہ چھیننے کا کوشش کیا تھا۔حشر کے روز اس کا انجام بھی خراب ہوگا۔‘‘

’’ماں......‘‘لیاقت حسین نے ماں کو مزید کریدنے کا خیال ترک کرتے ہوئے اس کے گھٹنوں پر سر رکھ کر کہا۔’’تو بابا کو روکنے کی کوشش کر۔تمہارا جانے کے بعد ہمارا دل بھی بہت اداس ہوگا۔‘‘

’’یہ بھی تیرا خوش قسمتی ہے کہ وہ بیگم صاحب کے کہنے پر پندرہ دن کے لیے راضی ہوگیا ورنہ تو بھی واقف ہے کہ اس نے تیرا طرف سے بھی بھی آنکھیں پھیر لی تھیں۔‘‘

’’اب تو وہ ہم دونوں سے ناراض نہیں ہے؟‘‘

’’نہیں......‘‘ماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔’’ہم جانتا تھا کہ فرحین کا خدمت پتھر کو موم کر دے گا۔تیرا باپ بھی شرمندہ ہے لیکن اپنی زبان سے کبھی اس کا اقرار نہیں کرے گا۔‘‘

ماں بیٹے کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی جب فرحین بھی آ گئی۔اس نے ماں سے پیچھے بیٹھ کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں پھر لیاقت سے بولی۔’’اب تو اپنا کام کر......شادی سے پہلے کا اور بات تھا لیکن اب ماں پر میرا حق زیادہ ہے۔‘‘

’’تم دونوں ہی ہمارا دل کا ٹکرا......اور آنکھوں کا ٹھنڈک ہے۔‘‘ماں نے دونوں کا دل خوش کرنے کی خاطر کہا پھر فرحین کے سر ہاتھ رکھ کر بولی۔’’ ویسے......بچیوں کا حق زیادہ ہوتا ہے۔‘‘

فرحین نے ماں کا آخری جملہ سن کر لیاقت حسین کو منہ چڑھایا تو وہ بھی جواب میں مسکرا دیا لیکن اس کے ذہن میں ابھی تک کچھ ایسے سوال گونج رہے تھے جو حل ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔

’’وہ پلید کون تھا جس کے بارے میں ماں کی زبان دوسری بار بھی کوئی وضاحت کرتے کرتے رہ گئی تھی اور......ہیلی کاپٹر سے جن افراد نے چھلانگ لگائی تھی۔ان کا آخر انجام کیا ہوا تھا؟......وہ زندہ تھے یا لقمہ اجل بن چکے تھے؟

✣✣✣

میڈم روبی کے مشورے کے باوجود تھریسا نے بنگلے پر ہی دعوت کا پُر تکلف اہتمام کر لیا تھا۔

دعوت میں ڈی آئی جی کے علاوہ ایس پی اورنگ زیب' ڈپٹی سپرٹینڈنٹ سراج اور الماس بھی موجود تھے۔کھانے سے بیشتر ڈرنکس کا دور چلا' سب دل کھول کر انجوائے کر رہے تھے جب سراج نے میڈم کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے چٹکی لینے والے انداز میں تھریسا سے دریافت کیا۔

’’یہ دعوت کس خوشی میں کی گئی ہے......؟‘‘

’’یہ کس موذی کی موت کا کرشمہ ہے جسے آج ہم سب مل کر انجوائے کریں گے۔‘‘

''اور اس کا سہرا مسٹر اورنگ زیب کے سر ہے۔'' میڈم نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''آپ شاید سہرے کو عام انداز میں استعمال کر رہی ہیں۔'' سراج نے پھر اسے چھیڑا۔ ''اصل سہرا تو کسی اور ہی کے سر پر نظر آ رہا ہے۔''

''یو آر رائٹ......'' ڈی آئی جی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روبی کو دیکھا۔ ''میرا خیال ہے کہ کھانے کے بعد شاید اس کا اعلان بھی آج کر دیا جائے گا۔''

''ڈونٹ وری۔'' تھریسا نے میڈم کو نظریں چراتے دیکھ کر کھنکارتے ہوئے اعلان کیا۔ ''معزز خواتین و حضرات۔ میں آپ سب کو اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ اصل سہرے کا اعلان کرنے کی ذمہ داری بھی مجھے سونپی گئی ہے۔ اس کا اعلان میں کھانے کے اختتام پر کافی کے دور کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن اب...... کچھ مہمانوں کا تجسس اور بے چینی دیکھ کر میں یہ بتانا ضروری سمجھ رہی ہوں کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ اطلاعاً عرض ہے کہ ہماری میڈم اور آپ کے ڈی آئی جی بہت جلد نکاح پڑھانے والے قاضی کو بلانے والے ہیں۔''

میڈم کے علاوہ سب نے تالیاں بجائیں۔ الماس خوشی کا اظہار کرنے والوں میں پیش پیش تھی۔

پر تکلف کھانے کے دوران بھی قاضی اور نکاح کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ اورنگ زیب خلاف توقع اچانک کچھ بجھا بجھا نظر آنے لگا۔ شاید اس لیے کہ اس نے ابھی تک شیخ حامد کی موت کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اس کی دلی خواہش بھی یہی تھی کہ میڈم روبی کا گھر دوبارہ آباد ہو جائے۔

کافی کا دور شروع ہوا تو اس نے اپنا کپ ختم کرنے میں بھی خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا پھر سراج سے سرگوشی میں کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے تم الماس کو رازداری سے سمجھا دو کہ وہ رکنے کی ضد نہ کرے۔''

''اتنی جلدی کیا ہے......؟''

''سمجھا کرو......'' اورنگ زیب نے دبی زبان میں کہا۔

''ہمیں ڈی آئی جی اور میڈم کو موقع دینا چاہیے کہ وہ تنہائی میں کھل کر سہرے اور قاضی کے باقی معاملات بھی طے کر لیں۔''

''گڈ......'' سراج نے بات سمجھ کر جواب دیا پھر اس نے الماس کو اشاروں اشاروں میں صورت حال سے آگاہ کیا تو سب سے پہلے وہی اپنا پرس سنبھال کر جانے کے لیے اٹھی تھی۔

''یہ کیا......؟'' میڈم روبی نے اسے مخاطب کیا۔

''تمہیں اچانک اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''مجھے گھر پر ایک ضروری کام یاد آ گیا۔'' الماس نے شوخی سے جواب دیا تو میڈم کو اسے چھیڑنے کا موقع مل گیا۔

''اب تو تمہاری شادی کو ایک عرصہ ہو گیا۔ کیا اب بھی تمہارا ضروری کام ختم نہیں ہوا......؟''

''ہاں......اسی بہانے ہم چاہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے جانے کے بعد تم بھی ضروری کام کے سارے معاملات جلد از جلد طے کر لو تاکہ ہم سب کو پھر سے ڈی آئی جی صاحب اور تم سے الگ الگ دعوت کھانے کا موقع میسر آ سکے۔''

الماس کے بعد سراج اور اورنگ زیب بھی مسکراتے ہوئے اٹھے' میڈم کو مجبوراً انہیں رخصت کرنا پڑا۔ ان سب کے جانے کے کچھ دیر بعد میڈم بھی کچھ دیر کے لیے اندر گئی تو تھریسا نے بڑی سنجیدگی سے ڈی آئی جی سے کہا تھا۔

''اگر میں آپ سے میڈم کے سلسلے میں کوئی اہم بات کروں تو آپ برا تو نہیں منائیں گے؟''

''آپ کی بات کا اگر برا منایا تو پھر میرے دل کی ترجمانی کون کرے گا۔'' جواب معنی خیز تھا۔

''حیرت ہے؟......آپ پولیس والوں کی جمالیاتی حس بھی اتنی تیز ہوتی ہے مجھے پہلے اس کا اندازہ نہیں تھا۔''

''اب اندازہ ہو گیا ہے تو وہ بات بھی کہہ ڈالیں جو آپ کے ذہن میں شاید بہت دیر سے کلبلا رہی ہے۔''

''آپ کی بذلہ سنجی نے تو اس تمام سسپنس کو ختم کر دیا جو میں پیدا کرنا چاہتی تھی۔'' تھریسا بے تکلفی سے مسکرائی پھر اس نے کھل کر کہا۔ ''آپ اب جب چاہیں میڈم کو انگیجمنٹ رنگ پہنا سکتے ہیں' اس کے بعد آپ دونوں کی مرضی سے طے شدہ تاریخ پر نکاح کی رسم بھی سادگی سے ادا ہو جائے گی۔''

اور......اس وقت بھی ڈی آئی جی رات کے دو بجے کے باوجود اپنے بستر پر لیٹا کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کی بیوی کو انتقال کیے آٹھ سال سے زیادہ ہو چکے تھے' اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی جو مرنے والی کا دکھ بانٹ سکتی۔ جس محکمے سے اس کا تعلق تھا' جس عہدے پر وہ فائز تھا اس کا فائدہ اٹھا کر اگر ماتحتوں کو ایک اشارہ کر دیتا تو اس کی راتیں رنگین ہو سکتی تھیں۔ ایک سے ایک خوب صورت لڑکی اور حسین جسم بطور رشوت اس کو پیش کیے جا سکتے تھے لیکن اس نے کم از کم دو باتوں سے خود کو محفوظ رکھا تھا۔ جوئے کے اڈوں سے ہٹا لینا اور بدنام عورتوں سے خود کو دور رکھنا۔

آٹھ سال کی تنہا زندگی گزارنے کے بعد اس نے میڈم روبی کا خواب دیکھا تھا جس کی تکمیل میں سراج اور تھریسا نے اس کی کسی نہ کسی زاویے سے مدد کی تھی اور آج......آج تھریسا نے منگنی کی انگوٹھی اور نکاح کا ذکر بھی کھل کر کر دیا تھا۔ شاید اسی لیے میڈم سراج وغیرہ کے جانے کے بعد کچھ دیر کو سامنے سے ہٹ بھی گئی تھی' یہ بات بھی اس کی ضمانت تھی کہ تھریسا نے جو پیغام اس تک پہنچایا اس میں میڈم کے ارادے کا بھی دخل ہوگا۔ سب کی موجودگی میں وہ اسی بات کا اظہار کر چکی تھی۔

ڈی آئی جی آنے والے کل کے بارے میں حسین خواب بن رہا تھا جب فون کی گھنٹی کی آواز نے اس کے حسین خوابوں کو بکھیر دیا' اس نے جھلا کر فون سیٹ کی طرف دیکھا جو اس کے سرہانے ہی موجود تھا۔ رات کے دو بجے کس کے پیٹ میں مروڑ ہوئی تھی؟ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھانے کے

باوجود کال ریسیو کرنے پر مجبور ہو گیا۔

''ہیلو......'' ریسیور اٹھا کر اس نے بے حد خشک اور خفگی بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''سر...... میں اس علاقے کا ایس ایچ او عرض کر رہا ہوں جس میں ڈی ایس پی لودھی صاحب کی رہائش ہے۔ اس وقت ان ہی کے بنگلے سے فون کر رہا ہوں۔''

''کیا مطلب؟...... کیا لودھی خود رابطہ نہیں کر سکتا تھا؟'' ڈی آئی جی کا پارہ اور چڑھ گیا۔

''میں نے ان ہی کے سلسلے میں اس وقت آپ سے براہ راست رابطہ کرنا ضروری سمجھا تھا سر......''

''کیا پریشانی درپیش ہے؟''

''سر...... لودھی صاحب کی برہنہ اور بری طرح ادھڑی ہوئی لاش ان ہی کی خواب گاہ میں موجود ہے'' دوسری طرف سے بڑی بوکھلاہٹ میں کہا گیا۔ ''گھر والوں کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے' میں بنگلے پر تعینات کانسٹیبل کی انفارمیشن پر بذات خود یہاں آیا ہوں لیکن خواب گاہ کے اندر ابھی تک قدم نہیں رکھا۔ اس کی وجہ وہ خون آلود ایک مخصوص علامت ہے جس کی وجہ سے میں نے براہ راست آپ کو اطلاع دینا ضروری سمجھا ہے۔''

''ایسی کون سی علامت ہے جس نے تمہیں تفتیش سے روک رکھا ہے؟''

''آکٹوپس سر......'' جواب سنجیدگی سے دیا گیا۔

''خواب گاہ میں مختلف دیواروں پر یہ خون آلودہ نشانات خاص طور پر بنائے گئے ہیں اس لیے میں نے بذات خود۔''

''ٹھیک ہے...... تم خواب گاہ سے دور رہو...... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا میں پہنچ رہا ہوں۔''

آکٹوپس کے علامتی نشانات اور لودھی کی موت کی اطلاع سن کر ڈی آئی جی وقتی طور پر بوکھلا گیا تھا' اس نے وقت ضائع کیے بغیر ایس پی اورنگ زیب کو بھی مختصراً صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا پھر بڑی عجلت میں تیار ہو کر باہر نکلا تھا۔ اس کے لودھی کی خواب گاہ تک پہنچنے کے دس منٹ بعد ہی اورنگ زیب بھی آ گیا۔

ایس ایچ او کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ لودھی کی برہنہ لاش اس کے بستر کے قریب ہی فرش پر بکھری پڑی تھی۔ لاش کی ادھڑی ہوئی کیفیت اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ اسے بے حد تشدد اور ایذارسانی کے بعد ہلاک کیا گیا تھا۔ دیواروں پر ہر طرف آکٹوپس کی شبیہ کو مرنے والے کے خون سے بطور خاص اجاگر کیا گیا تھا جس کی سمت اورنگ زیب کی نظر بار بار اٹھ رہی تھی۔

ڈی آئی جی کے براہ راست فون کھڑکھڑانے سے دوسرے تکنیکی شعبے سے تعلق رکھنے والی ٹیمیں بھی جائے حادثہ پر پہنچ گئیں۔ فنگر پرنٹس کے عملے نے بڑی جانفشانی سے تمام کونے کھدروں سے فنگر پرنٹس حاصل کر لیے۔ علاقے کے ایس ایچ او نے دیگر تمام ضروری تفصیلات تحریر کیں۔ آخر میں

اورنگ زیب نے اپنے مخصوص اور مختصر کیمرے سے لاش کی تصویریں لیں اور دیوار پر موجود آکٹوپس کی شبیہ کو بھی اپنے انداز میں کیمرے میں محفوظ کیا پھر لودھی کی لاش کو ضروری قانونی کارروائی کے بعد پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دیا گیا۔

تمام ممکنہ قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد ڈی آئی جی نے اورنگ زیب کے مشورے پر خواب گاہ کو فوری طور پر سیل کرا دیا۔ اس کے بعد اس نے ڈی آئی جی کو وہ کہانی بھی تفصیل سے سنا دی جو لودھی کے موبائل کے ساتھ پیش آئی تھی۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس نے جان بوجھ کر لودھی کی ڈیوٹی رپورٹ کرنے والے کاغذ پر کچھ لکھنے سے کیوں گریز کیا تھا؟

''آئی سی۔'' ڈی آئی جی نے حیرت سے کہا۔ ''گویا آپ کو اس بات کا شبہ تھا کہ موبائل کے ذریعے آپ کے اور لودھی کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس نے دشمنوں کو بھی باخبر کر دیا تھا۔''

''جو صورت اس وقت سامنے آئی ہے اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے مرنے والے کے موبائل کو تباہ نہ کیا ہوتا عین ممکن تھا کہ اس کے ذریعہ ہم......''

''یہ آپ کا خیال ہے۔'' اورنگ زیب نے زہریلے انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ ''اگر میں اس موبائل کو محفوظ رکھتا تو بھی اسے دوسری جانب سے جلا دیا جاتا...... ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں بھی آپ کے سامنے موجود نہ ہوتا۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے ایک لمحہ توقف سے کہا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''شیخ حامد کے سمندر برد ہو جانے کے بعد اب آکٹوپس کی علامت کو استعمال کرنے سے لودھی کے قاتلوں کا کیا مقصد ہے؟''

''میری نظروں میں ایک ہی مقصد ہے......'' اورنگ زیب نے بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ ''ہر پولیس آفیسر کا اپنا اپنا ایک علیحدہ سوچنے کا انداز ہوتا ہے اور میں...... میں نے بار بار یہی کہا کہ جب تک میں اپنی نظروں سے اس باسٹرڈ کی لاش نہیں دیکھ لیتا اس کو مردہ نہیں سمجھ سکتا۔''

''گویا آکٹوپس کا نشان......''

''اسے بھی میں شیخ حامد کی طرف پولیس والوں کے لیے ایک کھلا چیلنج ہی کہوں گا۔''

''اگر میں آپ کی بات تسلیم کر لوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی ہمیں آپ کے آکٹوپس کی ایسی علامتوں سے بار بار سامنا ہو سکتا ہے۔'' ڈی آئی جی نے خاصا الجھ کر اورنگ زیب کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''بہ ظاہر ایسا ہی لگتا ہے۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی سے کندھے اچکا کر کہا لیکن اس کے چہرے پر ابھرنے والی تجسس آمیز سنجیدگی بہ دستور برقرار تھی۔ پھر لودھی کے بنگلے سے باہر آ کر جب ڈی آئی جی اپنی کار میں بیٹھنے لگا تو اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں اسے مخاطب کرتے

ہوئے کہا تھا۔ ''مجھے آپ سے اب ایک بہت ضروری بات دریافت کرنی ہے......سر۔''
سر کا لفظ جس انداز میں ادا کیا گیا اس نے ڈی آئی جی کو بھی چونکا دیا تھا۔
''آپ......آپ کیا اہم بات معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''
''صرف......وہ نام......جس نے مرنے والے کا تبادلہ میرے انڈر میں کرنے کی آپ سے سفارش کی تھی۔''
''مم......میں......سمجھا نہیں۔'' ڈی آئی جی نے کسمسا کر پوچھا۔ ''اس نام کو جان کر آپ کیا کریں گے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ کے ذہن میں خاص طور پر وہی نام کیوں آ گیا؟''
''میں نے پہلے ہی آپ سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ لودھی کو کسی خاص وجہ سے میرے پاس پوسٹ کیا جا رہا ہے۔'' اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر جواب دیا۔ ''خود آپ نے بھی اقرار کیا تھا کہ ایک بار آپ کو بھی اس وقت لودھی کے تبادلے کے آرڈر منسوخ کرنے کو اوپر سے کہا گیا تھا جب غالباً آپ نے وہ اقدام مرحوم کی سزا میں تخفیف کے ارادے سے اٹھایا تھا۔''
اورنگ زیب کے آخری جملوں کو سن کر ڈی آئی جی اس طرح چونکا جیسے اس کا ہاتھ اچانک بجلی کے ننگے تاروں میں دوڑتے ہوئے ہائی وولٹیج کے کرنٹ سے چھو گیا ہو......چند لمحوں تک خاموشی سے اورنگ زیب کو خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ادھر اُدھر نگاہ دوڑاتا ہوا بولا۔
''مم......میں وہ نام......آپ کو ضرور بتا دوں گا لیکن......اس وقت نہیں۔''
''ایز یو وش سر......'' اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا پھر وہ ڈی آئی جی کے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اپنی کار کی سمت قدم اٹھانے لگا۔

✣✣✣

جسب معمول سراج اتوار کے دن دیر تک سونے کا عادی تھا لیکن جب ساڑھے آٹھ بجے اس کی چادر گھسیٹ کر الماس نے اسے اٹھنے کے لیے کہا تو وہ جھلا گیا۔ پہلے اس نے پلکوں کے درمیان جھری پیدا کر کے قریب رکھی گھڑی پر نظر ڈالی پھر جھلا کر بولا۔
''یار......نہیں کرنا مجھے گرما گرم ناشتا اور آج اتوار بھی ہے۔''
''گرم گرم ناشتے کی وجہ سے نہیں میں نے آپ کو ایک گرما گرم خبر کی وجہ سے اٹھایا ہے۔''
''کل سے اخبار بند کر دو۔ مجھے نہیں دیکھنا اخبار......اگر ہاکر مجھے کہیں گلی میں بھی نظر آیا تو میں اسے گولی مار دوں گا۔ پلیز سونے دو۔'' اس نے دوبارہ کروٹ بدلنے کے ساتھ چادر بھی منہ پر گھسیٹ لی۔
لیکن......جب الماس نے صرف اخبار کی سرخی بلند آواز میں سنائی تو وہ اس طرح ہڑبڑا کر اٹھا جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔ اس نے جھپٹ کر اخبار الماس کے ہاتھوں سے چھینا پھر اس سرخی پر نظر پڑتے ہی وہ پوری طرح بیدار ہو گیا جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی کے وحشت ناک قتل کے بارے

میں چھپی تھی۔

پوری خبر پڑھنے کے بعد اس نے منہ دھونا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ سیدھا ناشتے کی میز پر آ گیا۔

''اورنگ زیب صاحب کا کوئی فون آیا تھا؟'' اس نے الماس سے پوچھا۔

''پلیز...... مجھے ناشتے کے دوران ڈسٹرب نہ کیا کریں۔'' الماس نے بھی شوہر کے لہجے کی نقل اتاری پھر تعجب سے بولی۔ ''مجھے خود حیرت ہے کہ اورنگ زیب بھائی نے آپ کو رات ہی اطلاع کیوں نہیں دی۔''

''ہم......'' سراج نے ہونٹ بھینچ کر کچھ سوچا پھر موبائل اٹھا کر اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری جانب سے ٹیون کی آواز ابھرتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ سراج نے دوبارہ ری ڈائل کیا۔ اس بار بھی کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ اس کی توجہ پوری طرح اخبار کی خبر اور موبائل پر تھی اس لیے وہ الماس کے لبوں پر ابھرنے والی شوخ مسکراہٹ کو بھی نہ دیکھ سکا پھر اس نے تیسری بار کال کرنے کا ارادہ کیا تو الماس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

''یہ کس کے نمبر بار بار ڈائل کیے جا رہے ہیں؟ خلاف معمول نہار منہ کس کی یاد ستا رہی ہے؟'' الماس کے چبھتے ہوئے جملے بھی خلاف توقع تھے۔ سراج نے اسے گھور کر دیکھا لیکن اس سے بیشتر کہ وہ کچھ کہتا اس کا موبائل گنگنانے لگا' روشن اسکرین پر اورنگ زیب کے نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگاتے ہوئے شکوہ کیا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ نے رات ہی مجھے کال کیوں نہیں کی۔''

''ناشتے کے لیے نہیں پوچھو گے؟''

اورنگ زیب کا جواب موبائل کے ساتھ ساتھ اس کی پشت سے بھی واضح طور پر سنائی دیا تو سراج کو الماس کی مسکراہٹ کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ اس نے تیزی سے نظریں گھما کر دیکھا' اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے اس کے شانے دبائے پھر اس کے ساتھ ہی ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔

''ڈی آئی جی نے بھی رات مجھے سوتے سے جگا دیا تھا۔ اصل حادثے کا علم مجھے بھی جائے وقوعہ پر پہنچنے کے بعد ہی ہوا۔ اس وقت میں نے تم کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

ناشتے کے دوران اورنگ زیب نے اس کو وہ تمام باتیں بھی تفصیل سے بتا دیں جس کی بھنک اخبار والوں کو نہیں ملی تھی۔

''کیا لودھی کا موبائل ضائع کرتے وقت آپ کو اس بات کا خیال نہیں آیا تھا کہ اسے بعد میں قتل بھی کیا جا سکتا ہے؟''

''نہیں......'' جواب بے حد سنجیدگی سے دیا گیا۔

''اس وقت تک آکٹوپس کا کوئی علامتی نشان میری نظروں کے سامنے نہیں آیا تھا۔''

''اب آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟''

''فی الحال میں کوئی حتمی بات کہنے سے گریز کروں گا لیکن اب بھی مجھے اس کی موت کا یقین

نہیں آسکا ہے۔"

"لودھی کے ساتھ جو بہیمانہ انداز اختیار کیا گیا ہے وہ ہم سب کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں ہے۔" سراج نے کچھ توقف سے کہا۔ "شیخ حامد کے ہاتھوں ہمارے بہت سے لوگ کسی نہ کسی انداز میں بکے ہوئے تھے۔ ان سب کے لیے بھی یہ حادثہ ایک لمحہ فکر ہی ثابت ہوگا۔"

"جذباتی مت بنو......" اورنگ زیب نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔ "لودھی کے قتل کی وجہ وہ موبائل تھا جو اتفاقاً میرے ذہن میں ایک خطرہ بن کر ابھرا تھا۔ اس کے ضائع ہونے کے بعد لودھی کا انجام میرے لیے کچھ غیر متوقع نہیں رہا۔ انڈرورلڈ کے بڑے غداروں کو اس سے کہیں زیادہ وحشیانہ انداز میں سسکا سسکا کر مارنے کے عادی ہوتے ہیں۔"

"پلیز......" الماس نے اپنی نشست پر کسمسا کر کہا۔

"ناشتے کی میز پر مرنے والے کی تفصیل نہ بیان کریں۔"

"ڈی آئی جی صاحب نے آپ کو اس شخص کا نمبر کیوں نہیں بتایا جس نے لودھی کے تبادلے کی سفارش کی تھی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" اورنگ زیب نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر سراج کو غور سے دیکھا۔ "کیا تم ڈی آئی جی کو بھی کسی زاویے سے مشکوک سمجھ رہے ہو؟"

"جی نہیں لیکن......اس نے نام ظاہر کرنے سے گریز کیوں کیا؟"

"اس لیے کہ وہ وقتی طور پر میرے اس اچانک سوال پر سٹپٹا گیا تھا۔ اس کا یہ عمل قدرتی تھا......تم کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس نے لودھی کی سزا میں کمی کے بہانے سے جو آرڈر کیے تھے وہ اوپر سے منسوخ کرائے گئے تھے۔ اس وقت ڈی آئی جی صاحب نے کہا تھا کہ لودھی کے سلسلے میں کہیں اوپر سے ان کو ایسا کرنے کو کہا گیا تھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ آرڈر آکٹوپس کے اشارے پر جاری کیے جا رہے تھے جو میں نے اتفاقاً علم میں آجانے کے بعد اوپر سے کینسل کرائے تھے......ہو سکتا ہے یہ بات کسی طرح ڈی آئی جی کے علم میں بھی آگئی ہو۔"

"آئی سی! گویا اب ڈی آئی جی صاحب زیادہ محتاط ہو گئے ہیں۔" سراج نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ممکن ہے اس بار وہ اوپر والوں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو موجودہ بڑی شخصیت کا نام بتائیں۔"

"وہ نام میرے علم میں پہلے ہی آچکا ہے۔" اورنگ زیب نے سادگی سے کہا۔ "موبائل کا انجام دیکھنے کے بعد ہی میں نے اپنے خاص ذرائع سے معلوم کر لیا تھا۔ اب اگر ڈی آئی جی نے اس سے رابطہ قائم بھی کیا تو وہ اس سیٹ پر نہیں ہوگا جس پر پہلے تعینات تھا۔"

"لیکن......کیا ڈی آئی جی اس کے سیٹ پر نہ ہونے کی خبر سن کر چونکے گا نہیں؟"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اسے پوری طرح اس بات کا احساس ہو جائے کہ میں کسی بھی

حوالے سے آکٹوپس کا نام درمیان میں آ جانے کے بعد اب کسی کے احکامات کا پابند نہیں ہوں گا۔"

ناشتے کے دوران اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی جسے الماس کسی نہ کسی طور ہضم کرتی رہی لیکن جب وہ اٹھ کر لاؤنج میں آئے تو الماس نے ازخود بات کا رخ بدل کر کہا۔

"میں آپ دونوں کو ایک خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔" میں نے روبی کی دعوت سے آنے کے بعد دوسری صبح اسے فون کیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق اسی ماہ کے آخر تک وہ اور آپ کے ڈی آئی جی صاحب نکاح کے مرحلے سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اورنگ زیب نے کہا پھر سراج کو معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا براہ راست الماس سے مخاطب ہوا۔ "میڈم روبی کی شادی کے بعد آپ کے سراج کا کیا بنے گا؟"

"ان دونوں کی شادی سے میری صحت پر خدانخواستہ کیا اثر پڑے گا۔" سراج نے اورنگ زیب سے بڑا معصوم شکوہ کیا۔ "آپ میرا نام بلاوجہ درمیان میں لا کر الماس کو کسی شک میں مبتلا کر رہے ہیں۔"

"پریشان نہ ہوں۔" الماس نے سراج کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہلے کی بات اور تھی لیکن اب روبی سے دوستی کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ بے حد شریف اور رکھ رکھاؤ والی خاتون ہے۔"

"میری بھی یہی رائے ہے مگر سراج کی خیر پھر بھی ممکن نہیں ہے۔" اورنگ زیب نے دوبارہ سراج کو دیکھ کر کہا۔

"پلیز...... آپ میری خیر نہ ہونے کی دعا صاحب نہ کریں ورنہ الماس کسی وقت بھی ایک ذرا سی غلط فہمی پر میرا جینا دوبھر کر دے گی۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے ذمہ دار بھی آپ ہوں گے۔" سراج کے لہجے میں ایسی معصومیت اور بھولپن تھا کہ الماس کے علاوہ اورنگ زیب بھی ہنس دیا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "الماس کی بات دو تین روز قبل ہوئی تھی [illegible] اخبارات کو ہوا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں......" اس بار الماس نے اورنگ زیب سے سوال کیا۔ "بھلا روبی کی شادی کا لودھی صاحب کے قتل سے کیا تعلق ہے؟"

"آکٹوپس......" اورنگ زیب نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "شادی کے سلسلے میں بھی میڈم نے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ شیخ حامد کی موت کے بعد ہی اس کا حتمی فیصلہ کرے گی۔ ممکن ہے کہ لودھی کے سلسلے میں اخبار میں شائع ہونے والی تفصیل میں آکٹوپس کی شبیہ کا حوالہ دیکھ کر......"

اورنگ زیب کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سراج کے موبائل کی روشن ہونے والی اسکرین پر میڈم روبی کا نمبر نظر آیا تو سراج نے اورنگ زیب کو دبی زبان میں "میڈم روبی" کہہ کر کال ریسیو کی۔

"جی...... میں خاکسار سراج بول رہا ہوں...... جی ہاں' میں نے خبر پوری تفصیل اور مع حوالہ پڑھ لی ہے...... ننانوے فیصد لوگوں کا یہی خیال ہے کہ وہ شارک مچھلیوں کی غذا بن چکا ہے۔ رہا ایک فیصد کا معاملہ تو وہ اس وقت ہمارے درمیان ہی موجود ہیں...... جی...... گڈ' میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ آپ براہ راست ان سے چھان بین کر لیں۔" سراج نے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی موبائل اورنگ زیب کی طرف بڑھا دیا۔

اورنگ زیب نے بڑی صاف گوئی سے میڈم روبی سے بھی یہی کہا جب تک وہ شیخ حامد کی لاش کو اپنی نظروں سے نہیں دیکھ لیتا اس کی موت کی تصدیق یا تردید نہیں کرسکتا۔ اس نے دوسری طرف سے اصرار کے باوجود کوئی مشورہ دینے سے بھی معذرت کرلی تھی۔

میڈم سے اورنگ زیب کی گفتگو ختم ہونے کے بعد بھی خاصی دیر تک میڈم اور ڈی آئی جی کی شادی کا معاملہ ہی زیر بحث رہا۔

+++

شیخ حامد کے سمندر میں غرق ہوجانے کی اطلاع سے کاروباری حلقوں میں ایک استحکام سا پیدا ہوگیا تھا۔ بڑے تاجروں نے سکون کا سانس لیا تھا۔ سرکاری ٹینڈر بھرنے کے مقابلے میں اب وہ صورت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ دوسری جانب ان دلالوں کا کاروبار بھی مندا پڑ گیا جو دونوں فریق سے اندر کی خبریں' قبل از وقت پہنچانے کے عوض لمبی لمبی رقمیں بٹورتے تھے۔ بہرحال اب مقابلے کی فضا ختم ہونے کے بعد سب ہی بڑے تاجروں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

+++

نوٹ: اس پراسرار اور تحیر آمیز سلسلے کے مزید واقعات

حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں

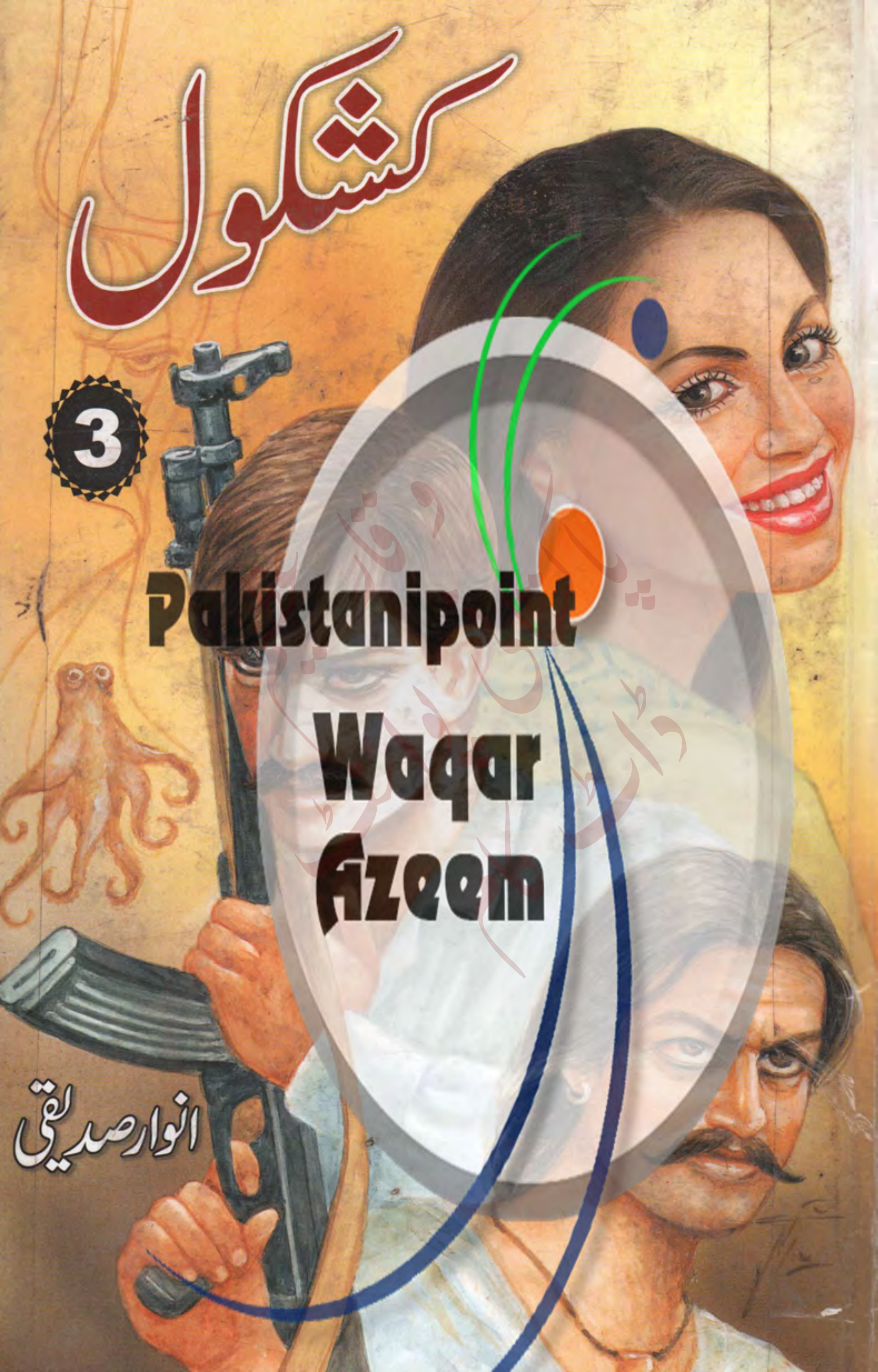
کشکول
3
Pakistanipoint
Waqar
Azeem
انوار صدیقی

کشکول 3 سوم

دوسروں کے مقابلے میں رستم علی آغا خانی کے ذہن سے کسی ایسے خطرے کا احساس بھی جاتا رہا جو اسے رہ رہ کر پریشان کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آفس میں بیٹھا آنے والی ڈاک دیکھ رہا تھا جب ایک بڑا لفافہ کھولتے ہی اس کا سارا سکون پل بھر میں غارت ہو گیا۔ بڑے لفافے کے اندر موجود ایک بادامی رنگ کے لفافے پر آکٹوپس کی ربڑ اسٹمپ پر نظر پڑتے ہی اس کے وجود میں کسی آنے والے خطرے کی سرد لہر دوڑ گئی۔

آکٹوپس کے بارے میں ایس پی اورنگ زیب کی ایک پریس کانفرنس کے دوران دی گئی وضاحت بیشتر لوگوں کے علم میں آ گئی تھی' اورنگ زیب نے اس کانفرنس میں ایک رپورٹر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ شیخ حامد کی شخصیت اس کے اپنے حلقوں کے لوگوں کے لیے بھی اتنی خطرناک تھی جتنی پانی کے اندر رہنے والے آکٹوپس کی ہوتی ہے۔

بادامی لفافہ کھولنے سے بیشتر اس نے اپنی لیڈی اسٹینو کی سمت دیکھا جو اس کے کمرے میں دوسری ٹیبل پر بیٹھی ایک خاص لیٹر ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔ اس کا کمرا علیحدہ تھا لیکن جن اہم لیٹرز پر سیکرٹ لکھا ہوتا تھا وہ انہیں باس کے حکم کے مطابق اسی کے کمرے میں بیٹھ کر ٹائپ کرتی تھی۔

ایک لمحے کو رستم علی نے سوچا کہ لیڈی اسٹینو کو کچھ دیر کے لیے کسی بہانے سے باہر بھیج دے لیکن پھر کچھ خیال سے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا' ٹیبل پر رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر اس نے دو لمبے لمبے گھونٹ لیے پھر ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں' اس کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ کسی کاروباری ڈاک میں آکٹوپس کی ربڑ اسٹیمپ والے لفافے کی...... کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جب اسٹینو کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''سر' آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں تو میں اسے یہیں بیٹھ کر لفافے میں بند کر کے میل کر دیتی ہوں۔''

''میز پر چھوڑ جاؤ...... میں تم کو بعد میں بلا لوں گا۔''

''سر'' اسٹینو نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر دبی زبان میں پوچھا۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں...... ہاں۔'' رستم علی نے سنبھل کر کہا۔ ''ایک کاروباری مسئلے پر غور کر رہا تھا۔ آئی

ایم' آل رائٹ۔"

اسٹینو کے جانے کے بعد ہی اس نے بادامی لفافہ کھولا تو دل کی دھڑکنیں بھی تیز تیز ہونے لگیں' وہ اس کی اور اس کی بیوی کی وہ شرمناک تصویریں تھیں جو اسی کی خواب گاہ میں ریوالور کی زد پر اتاری گئی تھیں' ان تصویروں کے بائیں جانب بھی آکٹوپس کی ربر اسٹیمپ لگی ہوئی تھی' تصویروں کے ساتھ ایک ٹائپ شدہ پیغام بھی تھا۔ رستم علی نے تصویریں سمیٹ کر دراز میں رکھیں پھر ٹائپ شدہ پیغام پڑھنے لگا۔

"رستم علی آغا خانی...... تم نے آکٹوپس کے بارے میں جو اخباری تراشے دیکھے ہیں اسے ذہن سے نکال دو آکٹوپس اس کاکروچ کے مقابلے میں زیادہ سخت جان ہوتا ہے جو مرنے کے بعد بھی دیر تک اپنی ٹانگیں ہلاتا رہتا ہے۔ تمہاری دفتری مصروفیات کا ایک ایک لمحہ میری نظروں میں ہے۔ اورنگ زیب سے تمہارا میل جول تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ اس دو کوڑی کے ایس پی کے کہنے پر تم نے آکٹوپس کے بارے میں جو رپورٹ بھیجی اس کے بارے میں بھی لاعلم نہیں ہوں۔

اپنا' اپنے کاروبار اور اپنے گھر والوں کا بھلا چاہتے ہو تو آئندہ کوئی حماقت نہ کرنا ورنہ تمہارا یا تمہارے جوان بیٹے دارا کا انجام بھی ڈی ایس پی لودھی سے زیادہ مختلف نہ ہوگا۔"

خط کی عبارت کے ساتھ ساتھ رستم علی کی دھڑکنیں بھی دل کی گہرائیوں میں ڈوب رہی تھیں۔ اس نے گلاس میں بچا ہوا پانی اٹھا کر ایک ہی سانس میں پی ڈالا۔ آنے والی تصویروں اور ٹائپ شدہ پیغام کو دوبارہ بڑے لفافے میں رکھ کر تیزی سے اٹھا' ملحقہ ریسٹ روم میں جا کر اس نے موصول ہونے والی شرمناک تصویروں اور خطرناک پیغام کو اپنی تجوری کے مخصوص خانے میں محفوظ کیا پھر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا' خاصی دیر تک وہ اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالات پر غور کرتا رہا...... تصویریں اور پیغام بھیجنے والا کون تھا؟...... کیا شیخ حامد کا منحوس وجود ابھی ختم نہیں ہوا تھا؟...... اگر نہیں تو پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کے ذمے دار افسران نے کس ثبوت کی بنا پر اسے مردہ قرار دے دیا تھا؟ کیا شیخ حامد کے بجائے وہ اس کا کوئی خاص آدمی تھا جو مخرب اخلاق تصویریں ہاتھ آ جانے کے بعد اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا تھا؟ یا دفتر کا کوئی ایسا کارندہ تھا جو کسی مخالف گروپ کے افراد کو اندر کی باتیں بتا رہا تھا؟...... ایس پی اورنگ زیب ایک ایماندار اور نڈر پولیس آفیسر تھا۔ قابل اعتماد بھی تھا...... تو کیا اس سے مل کر صورت حال کے بارے میں گفتگو کرنا مناسب ہوتا لیکن...... اگر اس کی بھنک بھی آکٹوپس کی ربر اسٹیمپ استعمال کرنے والے کو مل جاتی تو وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنا سکتا تھا؟ موجودہ صورت حال کے پیش نظر کیا خاموشی ہی اس کے حق میں بہتر تھی۔

رستم علی آغا خانی اپنی سوچوں میں غرق تھا جب کسی کے قدموں کی آہٹ نے اسے چونکا دیا' اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا' سامنے اس کا جوان بیٹا دارا موجود تھا۔

"کیا بات ہے ڈیڈ......!" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ اس وقت......"

''نہیں......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' رستم علی نے سنبھل کر جواب دیا۔''ایک کاروباری مسئلے پر غور کر رہا تھا۔''

''سوری......میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت تم کوئی خاص بات کرنے کے ارادے سے آئے ہو۔'' رستم علی نے دارا کو مسکرا کر دیکھا۔

''یس ڈیڈ......'' دارا نے کہا۔''دراصل میں دو چار روز کے لیے عاطف کے ساتھ شکار پر جانا چاہتا ہوں' روشنا گھر پر ہی رہے گی۔''

''عاطف......'' رستم علی نے اس نام کو دہرایا پھر کسی خیال کے تحت پوچھا۔''تم شاید ملٹری کے ریٹائرڈ میجر عاطف کی بات کر رہے ہو؟''

''جی ہاں......اس نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے ساتھ چلنے کی دعوت دی ہے۔''

''میری طرف سے اجازت ہے لیکن ایک شرط ہے۔''

''وہ کیا؟''

''تم مجھے عاطف کا موبائل نمبر دے کر جانا تاکہ میں تم دونوں کی خیریت دریافت کرتا رہوں۔''

دارا نے اس وقت میجر عاطف کے موبائل نمبر کاغذ پر لکھ دیے پھر جانے کے ارادے سے اٹھنے لگا تو رستم علی نے دبی زبان میں پوچھا۔''اگر میری اطلاع غلط نہیں ہے تو تم نے شاید ہمارے کسی کاروباری مخالف کے سلسلے میں بھی عاطف کو بیچ میں ڈالا تھا۔''

یس ڈیڈ......'' دارا نے سنجیدگی سے اقرار کرتے ہوئے کہا۔''وہ میرا ہر اعتبار سے بہترین' مخلص اور قابل اعتماد دوست ہے۔

''ایک دو سرسری ملاقات میں میں نے بھی اس کے بارے میں یہی اندازہ لگایا تھا۔ٹھیک ہے تم جاؤ لیکن خیال رکھنا۔''

''ڈونٹ وری ڈیڈ۔''

دارا کے جانے کے بعد رستم علی آغا خانی خاصی دیر تک کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا پھر اس نے میز کے سائڈ میں لگا ہوا سوئچ دبا کر باہر دروازے پر لگی سرخ لائٹ کو آن کر دیا جس کا مقصد یہی تھا کوئی بھی شخص اس کے بلائے بغیر اندر نہ آئے۔اس کے بعد اس نے دراز سے ایک نئی سم نکال کر دوسرے موبائل میں ڈالی پھر میجر عاطف کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔دو گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے خود عاطف نے کال ریسیور کی تھی۔

''دارا بتا رہا تھا کہ تم اور وہ شکار پر جا رہے ہو؟''

''گڈ آفٹر نون انکل......'' اس بار بڑی سعادت مندی سے کہا گیا۔''آپ مطمئن رہیں' میں اپنے سے زیادہ دارا کا خیال رکھوں گا۔''

''مائی سن...... میں اس وقت تم سے ایک نئی سم لگا کر بات کر رہا ہوں۔ اس کا علم دارا کو نہیں ہونا چاہیے۔''

''آئی سی...... میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو آپ نے اس وقت مجھے کسی خاص کام کے لیے کال کیا ہے۔''

''یو آر رائٹ......'' رستم علی نے بہ دستور مدھم آواز میں کہا۔ ''مجھے یقین تھا کہ نئی سم کے حوالے پر تم ضرور یہی نتیجہ اخذ کرو گے۔''

''آپ حکم دیں انکل...... میں کوشش کروں گا کہ آپ کے لیے دارا سے زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوسکوں۔''

''مجھے ایک مخصوص چیز ایک مخصوص آدمی تک پہنچانی ہے۔ مجھے یقین ہے اس کام کے لیے میں تم پر اعتماد کرسکتا ہوں۔''

''ہنڈریڈ پرسنٹ'' دوسری طرف سے ٹھوس لہجے میں کہا گیا۔ ''آپ جس وقت حکم دیں' میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

''تم لوگ شکار کے لیے کب روانہ ہو رہے ہیں؟''

''کل صبح نکلنے کا پروگرام ہے۔''

''گڈ...... میں کوشش کروں گا کہ وہ چیز تمہیں کسی ذریعے سے آج ہی پہنچا دوں اور...... اگر جانے سے پہلے تم اسے آج رات ہی کسی وقت مطلوبہ شخص تک پہنچا دو تو زیادہ مناسب ہو گا لیکن...... اسے خاص آدمی تک پہنچانے کے لیے بھی تمہیں کسی خاص اور بااعتماد شخص کا انتخاب کرنا ہو گا۔''

''آئی سی۔'' دوسری جانب سے بے حد سنجیدگی سے پوچھا گیا۔ ''انکل' میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت کچھ ڈسٹرب ہیں؟''

''ہاں...... لیکن اگر تم میرا کام کر دو تو میری پریشانی بڑی حد تک ختم ہو جائے گی۔''

''وہ چیز کسے پہنچانی ہو گی؟''

اس کا نام بھی تمہیں ایک علحدہ لفافہ میں مل جائے گا۔'' رستم علی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''اس کو پڑھ کر اسی وقت ضائع کر دینا اور ایک بات کا خاص خیال رکھنا' دارا کو کسی بات کی خبر نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے انکل...... میں آج گھر پر ہی رہوں گا۔ آپ کی بھیجی ہوئی چیز بھی آج رات ہی مطلوبہ آدمی تک پہنچا دی جائے گی۔''

''تھینک یو مائی سن......'' رستم علی نے لمبی سانس لے کر کہا پھر رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر ایک بار پھر آڑھی ترچھی لکیروں کے جال ابھرنے اور مٹنے لگے' یہ اس کی اضطرابی کیفیت کی دلیل تھی۔

✣✣✣

سرفراز خان کے جانے کے بعد سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کی ذمے داریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ اب ''ماربل ایکسپورٹرز'' کے دیکھ بھال کی ذمے داری بھی اسی کو سنبھالنا تھی۔ سرفراز خان کے جانے کے دو دن بعد ہی سیٹھ عثمان نے اسے اپنے کمرے میں بلا کر کہا تھا۔ ''لیاقت حسین میں نے تمہیں ماربل کے کاروبار کے سلسلے میں کچھ ضروری باتیں کرنے کی خاطر بلایا ہے۔''

''آپ کی مہربانیاں پہلے ہی بہت ہیں' میں شاید مرتے دم تک......''

''نہیں......'' سیٹھ عثمان نے اسے فوراً ہی ٹوک دیا۔

''دفتر میں صرف کاروباری باتیں کرنا مناسب ہوتا ہے۔ جذباتی گفتگو کرنا کاروباری اصول کے بھی خلاف ہے۔''

''آپ حکم دیں' میں کسی بات سے انکار نہیں کروں گا۔'' لیاقت حسین سنبھل کر بیٹھ گیا تو سیٹھ عثمان نے اسے نئی ذمے داری کے سلسلے میں پہلے کچھ اہم باتیں اور ہدایتیں دیں پھر کچھ توقف سے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ سرفراز خان نے میرے ساتھ اس کاروبار میں برابر کے نفع ونقصان کی شرط رکھی تھی جس کے لیے قانونی دستاویز بھی تیار ہو چکی ہے۔''

''میرے خیال میں بابا نے جو کچھ کیا وہی مناسب تھا اس لیے کہ اب آپ نے اپنا ماربل کا کام بھی بابا کے ساتھ شامل کر لیا۔''

''گڈ......'' سیٹھ عثمان نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں نے تمہیں اس وقت یہی خاص بات سمجھانے کی خاطر بلایا ہے...... میرا جو کام پہلے تھا تم اسے اب بھی الگ ہی تصور کرو گے۔''

''میں سمجھا نہیں صاحب۔''

''میں نے اپنے منیجر کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ میرے ماربل کے کاروبار کے سلسلے میں تمہیں تمام باتیں تفصیل سے سمجھا دے گا۔ فی الحال تم یہ سمجھو کہ مجھے اس کاروبار میں جو اوسط منافع ہوتا رہا ہے میں خود کو صرف اسی کا حق دار سمجھوں گا۔ اس کے بعد شرائط کے مطابق جو کل منافع ہو گا اس میں سے میرا اوسط منافع نکالنے کے بعد جو بھی بچے گا وہ تمہارا ہو گا۔''

''لیکن شرط نامے میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے جو آپ بتا رہے ہیں۔''

''تم بھول رہے ہو لیاقت حسین کہ یہ بات تمہاری موجودگی میں طے ہو گئی تھی کہ میں اپنا نفع یا نقصان جسے چاہے دے سکتا ہوں۔''

''آپ مرضی کے مالک ہیں جناب لیکن......''

''اس سلسلے میں اگر تمہیں مزید کچھ کہنا ہے تو بیگم صاحبہ سے بات کر لینا۔'' سیٹھ عثمان نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اب تم سے صرف ایک بات کرنی ہے کہ پہلی فرصت میں تم اپنا بینک اکاؤنٹ کھول لو۔''

اس کے بعد بات جاری نہ رہ سکی اس لیے کہ آفس منیجر کچھ کاروباری فائلیں لے کر آ گیا

تھا۔لیاقت حسین نے بھی فوری طور پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا' یہ بھی جانتا تھا اسے راحیلہ بیگم سے اس ضمن میں بات کرنے کو کیوں کہا گیا تھا؟ ویسے بھی اس نے راحیلہ بیگم سے کھل کر بات کرنی مناسب نہیں سمجھی تھی۔ یہ اس تہذیب کے بھی منافی تھا جس میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔

سیٹھ عثمان کے کمرے سے نکل کر وہ باہر آیا تو چپڑاسی نے اسے بتایا کہ راحیلہ بیگم نے اسے کسی کام سے بلایا ہے۔لیاقت حسین نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی۔ وہ قدم اٹھاتا بنگلے پر پہنچا تو فرحین دروازے پر ہی بنی ٹھنی کھڑی تھی۔لیاقت حسین کو دیکھ کر اس نے چھیڑنے والے انداز میں منہ بنا کر کہا۔

''تم کدھر تھا ڈرائیور...... ہمیں شوپنگ کرنے جانا ہے۔''

''میں آ گیا ہوں میڈم' آپ ابھی چل کر شاپنگ کا موج میلا کر لو' میں رات کو دل پشوری کر لوں گا۔''

راحیلہ بیگم سامنے آ گئیں تو وہ دونوں ہی سنبھل گئے تھے۔ شوپنگ سینٹر جاتے ہوئے راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین سے دبی زبان میں کہا۔''اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟''

''آپ حکم دیں...... میں آپ کی یا صاحب کی باتوں کا برا مانوں...... یہ کیسے سوچ لیا آپ نے؟''

''فرحین نہیں مانی ورنہ میں اس وقت دوسرے ڈرائیور کو بلا لیتی۔'' راحیلہ بیگم نے محتاط انداز میں اختیار کیا۔''اب تمہاری دفتری مصروفیات بڑھ گئی ہیں اس لیے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''اس کا بھی ایک حل ہے میرے پاس۔'' لیاقت حسین نے کسمسا کر بڑی تابعداری سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔''میں دفتر سے اپنا کام ختم کر دوں گا اس کے بعد تو آپ کو مجھے بلانا برا نہیں لگے گا؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن......''

''آپ مالکن ہیں' جو چاہیں فیصلہ سنا دیں۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے' انکار کی جرأت نہیں کروں گا۔''

''تو غلط سمجھ رہا ہے لیاقت بیگم صاحبہ کا مطلب......''

''تو درمیان میں نہ بول۔'' ''لیاقت حسین۔'' راحیلہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''میں اور عثمان دونوں تمہاری عزت کرتے ہیں۔ تم نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کا کوئی بدل ممکن ہی نہیں ہے مگر دفتر کے دوسرے لوگ...... میں نہیں چاہتی کہ وہ......''

''میں نے آپ کے سامنے کبھی زبان نہیں کھولی بیگم صاحبہ لیکن بات میری بھی سن لیں' جب تک آپ کے گھر کا دانہ پانی قسمت میں لکھا ہے میں آپ لوگوں کی خدمت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ میرے ہوتے آپ کسی اور ڈرائیور کے ساتھ جائیں یہ مجھے منظور نہیں ہے۔''

راحیلہ بیگم لاجواب ہو گئیں۔لیاقت حسین کے جملے ان کے ذہن میں گونج رہے تھے' اس نے کئی موقعوں پر اپنی جان پر کھیل کر ان کی جان بچائی تھی۔ سیٹھ عثمان بھی اس کی جاں نثاری کو کبھی

فراموش نہیں کر سکتے تھے' جن حالات سے مقابلہ کر کے وہ ان کی ملازمت پر آمادہ ہوا تھا وہ بھی اس کی خودداری کا ثبوت تھا۔ ملازمت کے دوران اس کے کبھی اپنے والد کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اپنے خاندانی پس منظر کو زبان پر نہیں لایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اس کے اندر وہ تمام خصوصیات موجود تھیں جو کسی سچے' نیک' ایماندار اور کسی عبادت گزار مسلمان کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔

''ٹھیک ہے لیاقت حسین۔'' انہوں نے لیاقت حسین کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''میں دوبارہ تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گی۔''

لیاقت حسین' راحیلہ بیگم کا جواب سن کر کھل اٹھا۔ فرحین اس موقع پر بھی اسے چھیڑنے کی خاطر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اچانک ہی جو کچھ ہوا' اس سے وہ بھی بوکھلا گئی تھی۔

گاڑی اس وقت ایک مصروف شاہراہ سے گزر رہی تھی جب بائیں جانب سے گزرنے والی ایک گاڑی نے اچانک ہی خطرناک انداز میں سائڈ ماری پھر اسی رفتار سے بائیں جانب والے قریبی موڑ پر نکل گئی۔ لیاقت حسین بھی اس اچانک رفتار سے گڑبڑا گیا مگر اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے ورنہ گاڑی سامنے سے آنے والے ایک لوڈنگ ٹرک سے ٹکرا جاتی۔ اس نے فوری پر اسٹیئرنگ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ پھر بھی گاڑی لوڈنگ ٹرک سے رگڑ کھاتی ہوئی کسی بڑے حادثے سے بال بال بچ گئی۔ فرحین کے منہ سے نکلنے والی چیخ بھی بہت زوردار تھی' راحیلہ بیگم بھی سہم کر رہ گئیں۔ جو کچھ ہوا وہ اسے اتفاق سمجھنے پر آمادہ نہیں تھیں۔ جس گاڑی نے سائڈ ماری تھی' اس کے بعد فوراً ہی بائیں جانب مڑ کر نظروں سے اوجھل ہونے کا مطلب یہی تھا کہ وہ کسی ایسے ہی موقع کا منتظر تھا جب اپنے ناپاک ارادے میں کامیابی کے ساتھ ہی فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو جاتا لیکن لیاقت حسین کی مہارت اور بروقت ذہانت ایک بار پھر کام آ گئی' البتہ ٹرک سے معمولی رگڑ لگنے کے بعد بھی گاڑی کی باڈی اور پچھلے بمپر کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔ لیاقت حسین نے اس ہجوم سے نکلنے کے بعد اپنی گاڑی بھی اگلے موڑ سے گھما کر فٹ پاتھ کے ساتھ روک لی۔ نیچے اتر کر وہ گاڑی کی ٹوٹ پھوٹ دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے چہرے سے جو کیفیت عیاں تھی وہ اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ سائیڈ مارنے والے ڈرائیور کو گولی مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ اس بھی یقین تھا کہ کسی دشمن نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہے چنانچہ اس نے سب سے پہلے موبائل نکال کر سراج کو اس کی اطلاع دی' ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ اس حادثے سے قبل اس کے اور راحیلہ کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں لیاقت حسین کہ تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہو گی۔ بہرحال دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔''

''تمہاری حاضر دماغی کے ایک بار پھر ہمیں کسی بڑے حادثے سے بچا لیا۔''

''گناہ گار نہ کریں بیگم صاحبہ..... موت اور زندگی صرف اوپر والے کے اختیار میں ہے۔''

راحیلہ بیگم کچھ اور کہنا چاہتی تھیں کہ ان کے موبائل پر سراج کی کال موصول ہوئی۔

''آپ کو کیسے علم ہوا؟''

''ابھی لیاقت حسین نے بتایا ہے لیکن افسوس کہ وہ گاڑی کے نمبر نہیں نوٹ کر سکا۔''

''میں نے اس کی بس ایک جھلک دیکھی تھی۔'' راحیلہ بیگم نے کہا۔ ''وہ ڈارک گرے کلر کی نئی ٹویوٹا تھی جس پر شوروم کا عارضی نمبر نظر آ رہا تھا۔''

''گڈ...... میرے لیے یہ بھی بہت ہے۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

'گھر واپس جاؤں گی۔''

''لیاقت حسین نے حادثے کی اطلاع کے ساتھ ہی بڑی محبت سے آپ کی شکایت بھی کی ہے۔'' سراج نے بے تکلفی سے کہا۔

''اوہ...... مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔'' راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین پر ایک نظر ڈال کر جواب دیا۔ ''آئندہ خیال رکھوں گی۔''

''ایک درخواست اور کروں گا...... آئندہ جب آپ کو کہیں آنا جانا ہو تو مجھے اس کی اطلاع ضرور دے دیا کریں، موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے۔''

''آئی سی۔'' راحیلہ بیگم نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''کیا آکٹوپس کے بارے میں اورنگ زیب صاحب کا شبہ درست ثابت ہو رہا ہے؟''

''ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن احتیاط پھر بھی شرط ہے۔''

سراج سے گفتگو کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد راحیلہ بیگم نے شوہر کو بھی اس حادثے کی اطلاع دی پھر لیاقت حسین سے بولیں۔ ''مجھے خوشی ہے لیاقت حسین کہ تم نے سراج بھائی سے میری شکایت کی۔ یہ بھی اپنائیت کی دلیل ہے۔''

لیاقت حسین نے محض سر کی جنبش سے اپنے جذبات کا اظہار کیا پھر گاڑی چلانے میں مصروف ہو گیا۔ البتہ فرحین ابھی تک وحشت زدہ سی نظر آ رہی تھی۔

+++

ٹیکسی ملز ایریا کے درمیان بنے ہوئے ایک دو منزلہ مکان کے سامنے پہنچ کر روک دی گئی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا نوٹ نکال کر ڈرائیور کی جانب بڑھا دیا۔

''میرے پاس چینج نہیں ہے جناب۔''

''ٹھیک ہے۔'' مسافر نے بے پروائی سے جواب دیا پھر اتر کر نیچے آ گیا۔

اس کے جسم پر جینز کی تنگ پتلون اور چیک کی بوشرٹ نظر آ رہی تھی۔ نیچے اتر کر اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا پھر اس وقت تک وہی رکا رہا جب تک ٹیکسی گھوم کر نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا دو منزلہ عمارت کی پشت پر آ گیا جہاں زیادہ تر سرونٹ کوارٹر ہی تعمیر تھے۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ قریب یا دور کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

وہ مکانوں کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتا رہا پھر ایک ایسے مکان کے سامنے پہنچ کر رک گیا جس کے دروازے پر ایک لیڑبکس بھی نظر آ رہا تھا۔

اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اس کے بعد نہایت اطمینان سے دو سیڑھیاں چڑھ کر دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دینے لگا' چند منٹ خاموشی رہی پھر اندر سے کسی نے بھاری آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''ماسٹر......'' جواب بہت مختصر معنی خیز انداز میں دیا گیا۔

''رات کے گیارہ بجے کے بعد مجھے دروزاہ کھولنے سے منع کیا گیا ہے اور اس وقت......''

''رات کے پونے بارہ بج رہے ہیں۔'' ماسٹر کہنے والے نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔ ''مجھے ایک ضروری کام سے بھیجا گیا ہے۔''

''میں مجبور ہوں ماسٹر......اوپر کے حکم کو ٹالنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' دوسری طرف سے روکھے لہجے میں کہا گیا۔

''تم جانو......میں جا رہا ہوں لیکن کام نہ ہونے کی تمام تر ذمے داری اب تمہارے کاندھوں پر ہوگی۔'' ماسٹر کہنے والے نے زیر لب مسکرا کر کہا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ اب اس کے قدم مکان کی پشت کی جانب بڑھ رہے تھے۔ پچھلی گلی میں بھی اس وقت سناٹا ہی تھا۔ مطلوبہ مکان کے عقب میں پہنچ کر دوسری سگریٹ جلانے کے بہانے رکا۔ کن انکھیوں سے اس نے دائیں بائیں کا جائزہ لیا پھر اس نے بڑی مہارت سے قدرے جھک کر خود کو اوپر کی جانب اچھالا' مکان کی عقبی دیوار آٹھ فٹ بلند تھی لیکن ایک ہی جست میں وہ اس تک پہنچ گیا' چند لمحے وہ دیوار سے چپکا رہا پھر اس نے لٹکے ہی لٹکے دوبارہ اپنے جسم کو حرکت دی اور پلک جھپکتے میں وہ دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد دوسرے ہی لمحے وہ مکان کے صحن میں تھا جو اس وقت سنسان ہی نظر آ رہا تھا۔ ایک کمرے کے دروازے پر پڑے پردے کی ایک جھری سے اندر سے مدھم پاور کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ قدم بڑھاتا پچھلے حصے کے برانڈے میں کھلنے والے دوروازے کی طرف گیا۔ جب سے اس نے ایک مخصوص تار نکال کر تالے کے سوراخ میں ڈالا پھر اسے دو تین بار ادھر ادھر کرنے کے بعد ہی ہلکی سی آواز سن کر اس کے ہونٹوں پر ایک خونریز مسکراہٹ پھیل گئی۔ نہایت آہستہ سے اس نے دوروازہ کھولا۔ ربر سول جوگر کی وجہ سے اس کے قدموں کی آواز بھی گھٹ کر رہ گئی تھی۔ اندر پہنچ کر اس نے نہایت خاموشی سے دروازہ بند کیا پھر اس دروازے کے قریب جا کر رک گیا جس میں مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

''سچ بتا......ابھی کون آیا تھا۔'' کسی عورت کی تجسس بھری آواز آنے والے کے کانوں میں گونجی۔

''ایک بار کہہ تو دیا کہ اس نے ماسٹر کا حوالہ دیا تھا لیکن میں نے اوپر کے حکم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے ٹال دیا۔'' کسی مرد کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''تیری موجودگی کا بھی خیال تھا۔''

''کہیں وہ میرے گھر والے کا کوئی مخبر تو نہیں تھا؟'' عورت نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔
''کیوں حماقت کی بات کر رہی ہے...... تیرا جھرڑوس مرد اس وقت مشینوں سے جتا ہوگا صبح سات بجے سے پہلے اس کی واپسی نہیں ہوگی' کیوں اپنا اور میرا مزہ کرکرا کر رہی ہے۔''
اندر سے پھر ملی جلی گھٹی گھٹی آوازیں ابھرنے لگیں' مرد کی آواز خاص طور پر رفتہ رفتہ بلند ہو رہی تھی لیکن پھر دونوں ہی کو جیسے یکلخت سانپ سونگھ گیا...... ٹارچ کی تیز روشنی میں دونوں کے حرکت کرتے برہنہ جسم اس طرح ساکت ہو گئے جیسے کوئی برقی قوت سے چلنے والی مشین بجلی کے یکلخت چلے جانے سے ایک دم ٹھپ ہو گئی ہو۔ دونوں کی نظریں ایک ساتھ ہی دروازے کی جانب اٹھی تھیں۔ عورت نے جلدی سے اپنی اوڑھنی جسم پر ڈال لی' مرد نے چادر گھسیٹ کر تہبند کی طرح لپیٹ لی پھر وہ تیزی سے اٹھا۔ ایک لمحے کو خوف زدہ نظر آنے والا اب بڑے اعتماد سے آنے والے کو گھور کر بولا۔

''تم شاید وہی شخص ہو جس نے ماسٹر کا حوالہ دیا تھا لیکن...... اس طرح چوروں کے انداز میں اندر داخل ہونے کی جرأت تم نے کیسے کی؟''
''ماسٹر کا حوالہ دینے کے بعد تمہارا یہ سوال بھی تمہاری ہی طرح احمقانہ معلوم ہو رہا تھا۔'' آنے والے نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر تحکمانہ انداز میں سہمی ہوئی ادھیڑ عمر کی عورت کو گھورتے ہوئے بولا۔ ''اس کم ذات کو ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دو' تمہیں وقتی طور پر بے ہوش کرنا میری ذمے داری ہو گی۔''
''تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔'' مرد نے مزاحمت کی کوشش کی۔ ''اگر باس کو علم ہو گیا تو وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔''
''وقت ضائع کرنے کی حماقت نہ کرو......'' آنے والے نے غرا کر کہا۔ ''صرف جو کہا گیا ہے اس کی تعمیل کرو...... ورنہ مجھے تمہاری موت کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہو گی۔''
''تم نے ماسٹر کا حوالہ دیا تو پھر تمہاری آمد کا کوئی خاص مقصد بھی ضرور ہو گا۔'' کوارٹر میں رہنے والے نے سوال کیا لیکن...... پھر جو بھی ہوا اتنا آنا فانا ہوا کہ عورت نے بھی اپنی آواز گھونٹنے کے لیے سہمے ہوئے انداز میں اپنے منہ پر دوسرا ہاتھ بڑی مضبوطی سے جما لیا۔ آنے والے نے اچانک ہی برق رفتاری سے لپک کر ایسا نپا تلا ہاتھ گھمایا تھا کہ دوسرے فریق کے ہاتھ سے چادر بھی چھوٹ گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر اوندھا گیا تھا۔ پھر اس نے عورت کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون کے شعلے لپک رہے تھے۔
''نن...... نن...... نہیں مجھے مت مارنا...... تت...... تم جو کہو گے مم...... مم...... مانوں گی۔'' عورت گھگیانے لگی۔
جینز والا مسکراتا ہوا اس کے قریب آ گیا' اس کی اوڑھنی گھسیٹ کر دوبارہ اس کے جسم کو کسی کپڑے کی قید سے یکسر آزاد کر دیا۔ چند لمحے تک اس کے ننگے وجود کو حقارت بھری نظروں سے گھورتا

رہا پھر اس کا ہاتھ دوبارہ برق رفتاری سے گھوما تو عورت بھی منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر فرش پر اوندھے بگئی۔

ان دونوں سے فارغ ہو کر جینز والے کو اس زمین دوز کمرے کو تلاش میں زیادہ وقت نہیں لگا جو ایک خاص میکنزم سے کھلتا تھا۔ بظاہر وہ ایک دیوار گیر کلاک تھا جس کے اندر اس چور میکنزم کو تلاش کر لینا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں تھا جسے وائرلیس کے اصول پر استعمال کیا جاتا تھا۔

تہ خانے میں ایسی بے شمار چیزیں تھی جو مرد کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتی تھیں لیکن جینز والے نے صرف ایک مخصوص لفافے پر اکتفا کیا جو لکڑی کے ایک الماری میں رکھے ہوئے کاغذات کے ڈھیر کے نیچے پڑا تھا' لفافہ کھول کر ایک نظر دیکھتے ہی اس کے چہرے پر خون تمتمانے لگا لیکن اس وقت اس نے کسی جذباتی حرکت کا اظہار نہیں کیا' جب سے جیب سے لائٹر نکال کر اس نے لفافے اور اس کے اندر موجود چار عدد تصویروں کو جلا کر راکھ کیا پھر نہایت اطمینان سے سگریٹ جلا کر اس کا کش لگاتا ہوا اوپر آ گیا۔ کوارٹر سے واپسی کے وقت اس نے مکان کا صدر دروازہ ہی استعمال کیا تھا پھر وہاں سے مرکزی سڑک تک آنے پر اسے بمشکل پندرہ منٹ لگے تھے۔

✣✣✣

لوچن سوتے سے اچانک اس طرح ہڑبڑا کر جاگا تھا جیسے کسی بچھو نے اسے ڈنگ مار دیا ہو فوری طور پر اس کی نظر وشنو کے خالی بیڈ پر پڑی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ سب سے پہلے اس نے [illegible] واش روم میں جھانکا جو خالی ملا۔ فوری طور پر اس نے وشنو کو موبائل پر کال کیا لیکن دوسری جانب سے "پاورڈ آف" کا ریکارڈڈ میسج سننے کے بعد اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

وہ اس بات سے بہ خوبی واقف تھا کہ وشنو انٹرپول کو بھی مطلوب تھا لیکن ابھی تک وہ ان کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ ہر بڑے مجرم کی طرح وہ میک اپ کے فن میں بھی اتنی مہارت رکھتا تھا جس کے بعد گھر کے لوگ بھی شاید اس کو شناخت نہ کر سکتے' شیخ حامد کا تحفظ مل جانے کے بعد اسے کسی بات کی فکر بھی نہیں تھی۔

لوچن یہ بھی جانتا تھا کہ کرنل احتشام اور ایس پی اورنگ زیب نے اگر ان دونوں کو فرار کا موقع فراہم کیا تھا تو ان کی طرف سے غافل بھی نہ ہوں گے' کچھ ماہر کمانڈوز بھی ان کی نگرانی پر ضرور مامور ہوں گے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لوچن کو اس بات کی فکر لاحق تھی کہ وشنو کہاں چلا گیا؟

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ تقریباً ساڑھے نو بجے ڈرائنگ روم سے واپسی کے بعد اس نے وشنو [illegible] پر روم سروس سے کافی طلب کی تھی' کافی پینے سے قبل وہ منہ دھونے کے ارادے سے واش روم میں گیا تھا۔ غالباً اسی دوران وشنو نے کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کافی میں کوئی ایسی خواب آور گولی ملا دی تھی جس کی وجہ سے لوچن کافی پینے کے تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد ہی انٹا غفیل ہو گیا تھا اور اس وقت جب رات کے ساڑھے بارہ بجے اس کی آنکھ کھلی تو وشنو اپنے بستر پر نہیں تھا لیکن اس کا سامان بدستور الماری میں موجود تھا۔

لوچن پر وشنو کے فرار کی ذمے داری بھی عائد نہیں ہوتی تھی۔ اسے صرف وشنو کے قریب رہ کر اس کی نقل وحرکت کی ذمے داری سونپی گئی تھی جس کی اطلاع وہ اورنگ زیب کو دیتا رہا تھا۔ بہرحال اس کی وقتی جھلاہٹ کا سبب صرف اتنا تھا کہ وشنو اسے ڈاج دے کر صاف نکل گیا تھا۔ اسے اس بات کی امید بھی تھی کہ وشنو ان لوگوں کو ڈاج نہیں دے سکے گا جو اس کی نگرانی پر مامور ہوں گے لیکن اس کا یہ یقین بھی اس وقت بکھر گیا جب کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر آنے والا وشنو کے سوا کوئی اور نہیں تھا' لوچن کو جاگتے دیکھ کر وشنو کے چہرے پر ایسی ہی مسکراہٹ ابھری تھی جیسے وہ اس کی بے بسی کو دیکھ کر اپنی برتری پر خوشی کا اظہار کر رہا ہو۔

''کہاں چلے گئے تھے؟'' لوچن نے سرسری انداز میں پوچھا' اس نے فوری طور پر کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

''اپنی ایک پرانی مجبوری کو ختم کرنے گیا تھا جو میرے پیروں کی بیڑی بنی ہوئی تھی۔'' وشنو نے آرام کرسی پر بیٹھ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ''اب میں کسی کے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوسکوں گا۔''

''یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔'' لوچن شانے اچکا کر بولا۔ ''مجھے اس بات کی فکر تھی کہ کہیں تم ان لوگوں کے ہتھے نہ چڑھ گئے ہو جو ہماری نگرانی سے غافل نہیں ہوں گے۔''

''ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہاری اس فکر کی قدر کرتا ہوں لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میک اپ میں ہماری ماں بھی ہمیں اکثر نہیں پہچان سکتی......'' وشنو نے لوچن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میں نگرانی کرنے والوں کی ناک کے نیچے سے سینہ تان کر گزر گیا تھا لیکن اس وقت میں ایسے میک اپ میں تھا کہ شاید تم بھی مجھے وشنو ماننے سے انکار کر دیتے۔''

''اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے نہ آئے خود کو سب سے بڑا ہی سمجھتا ہے۔'' جواب میں لوچن نے بھی اسے اپنی برتری کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تمہاری فکر کسی اور وجہ سے تھی۔''

''میں سمجھا نہیں......'' وشنو نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''اسے ایک اتفاق ہی سمجھو کہ وقت اور حالات نے ہم دونوں کو ملا دیا ہے۔ ان لمحات میں یہی چاہوں گا کہ ہم ایک دوسرے پر اپنی سبقت کا اظہار کرنے کے بجائے صرف دوستوں کی طرح رہیں۔'' لوچن کے تیور تیکھے ہوگئے۔ ''آئندہ خیال رکھنا۔''

''تم بھی شاید ٹھیک ہی کہہ رہے ہو...... میں نے بھی کسی کا پابند نہیں سمجھا۔'' وشنو نے محتاط انداز میں کہا۔ ''میں بھی یہی چاہوں گا ہم جب تک ساتھ رہیں ہمارے بیچ دوستی ہی کا سمبندھ برقرار رہے۔''

''تم ابھی اپنی کسی ذاتی مجبوری کی بات کر رہے تھے؟'' لوچن نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''ہاں!...... میں نے غلط نہیں کہا تھا۔'' وشنو نے خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ کلونت کی کچھ گندی تصویریں تھیں جو کسی کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ میں نے اب انہیں جلا کر راکھ کر دیا ہے۔''

''حیرت ہے.....''لوچن نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔''جب تم کلونت کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر چکے تھے تو اب تمہیں کس بات کی فکر تھی؟''

''تم.....تم ان باتوں کو.....''وشنو نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر کہا۔''کوئی اور بات کرو میرے دوست۔''

''کافی منگاؤں.....میرا مطلب ہے کہ تم کچھ کچھ اداس نظر آ رہے ہو'ایسے لمحوں میں کافی سکون بخش ہوتی ہے۔''

''منگالو.....''وشنو نے چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔''اس بار میں اس میں کوئی ایسی دوا نہیں شامل کروں گا جو تمہیں بے ہوش کر دے'میں نے پہلے جو کیا اس پر شرمندہ ہوں مائی ڈیئر لیکن.....وہ میری ضرورت تھی'اس کے بغیر غالباً مجھے جانے بھی نہ دیتے۔''

لوچن نے وشنو کے چہرے کا بہ نظر غور جائزہ لیا' کلونت کا نام سن کر وہ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی جذباتی ہو گیا تھا'اس نے کھلے دل سے اپنی شرمندگی کا اظہار کر دیا تھا۔لوچن نے ریسیور اٹھا کر روم سروس کو کافی کا آرڈر دیا پھر اس نے وشنو کو کریدنے کی خاطر خلا میں گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''پولیس اور ملٹری کے بڑے بڑے دماغ بھی ابھی تک شیخ حامد یا آکٹوپس کے سلسلے میں قیاس آرائی کر رہے ہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے.....؟''وشنو نے مسکرا کر پوچھا۔

''میری ذاتی معلومات کے مطابق اس کا تعلق بھی انڈرورلڈ سے تھا۔وہ زندہ ہے یا مر گیا؟اس سے میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''مجھے بھی اپنا ہم خیال ہی سمجھو۔''وشنو نے اس بار قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔''ہم اپنی ضرورت ہی کی خاطر دوسروں کے لیے خود کو خطرات میں ڈالتے ہیں۔مجرم ماں کی کوکھ سے جنم نہیں لیتا۔وقت اور حالات ہی انسان کو اچھے یا برے راستے پر ڈالنے کے ذمے دار ہوتے ہیں۔''

''ایک بات پوچھوں؟''لوچن سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''ضرور پوچھو.....وشنو سے غلط بیانی نہیں کرے گا۔''

''اگر آکٹوپس زندہ ہوا تو کیا تم اب بھی اس کے لیے کام کرو گے؟''

''ہاں.....بالکل اسی طرح جس طرح تم کسی معاہدے کو پورا کرنے کی خاطر ایک عورت کے لیے کام کر رہے ہو.....میری بات کو غلط نہ سمجھنا میرے دوست۔ہم دونوں کا تعلق ان لوگوں میں سے ہے جو کبھی کسی معاہدے کی مدت پوری ہونے سے بیشتر اپنے وعدے سے منہ نہیں پھیراتے۔''

لوچن کوئی معقول جواب دینے کے لیے پر تول رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی'وشنو نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ہوٹل کا کارندہ مطلوبہ کافی لے کر آیا تھا۔لوچن کافی بنانے میں مصروف ہو گیا لیکن وشنو کی کہی ہوئی بات کا ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

وشنو نے جو کہا وہ غلط بھی نہیں تھا.....!

✣✣✣

اس وقت سراج دفتر جانے کے بجائے سیدھا اورنگ زیب کے آفس پہنچا تھا۔وہ راستے ہی میں تھا جب اسے اورنگ زیب کی کال موصول ہوئی تھی چنانچہ اس نے گاڑی کا رخ اسی طرف موڑ دیا۔اورنگ زیب اسے باہر ہی منتظر ملا تھا' اسی کی فرمائش پر سراج نے اپنی گاڑی ایک طرف پارک کی پھر وہ بھی اورنگ زیب کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس نے محسوس کیا تھا کہ اورنگ زیب اس وقت یا تو موڈ میں نہیں تھا یا اس کا ذہن کسی اہم دفتری کام کے سلسلے میں الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔کچھ دیر خاموش رہی پھر سراج نے گفتگو کی ابتدا کی۔

''اس وقت کہاں کا ارادہ ہے؟''

''ڈی آئی جی صاحب نے طلب کیا ہے۔''اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''یہ ہدایت بھی ملی ہے کہ میں اکیلا ان کی خدمت میں پیش ہوں۔''

''ایسی صورت میں کیا میرا آپ کے ہمراہ جانا......''

''فکر نہ کرو......میں خود تمہیں ڈی آئی جی کے کمرے میں نہیں لے جاؤں گا۔''

سراج نے خاموشی اختیار کی۔اسے علم تھا کہ اورنگ زیب نے اپنے ذاتی معاملات میں کبھی کسی آفیسر کی دخل اندازی قبول نہیں کی تھی۔اس وقت بھی اگر اس نے سراج کو ساتھ لیا تھا تو اس کا مقصد بھی ڈی آئی جی کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ دفتری احکامات سے ہٹ کر وہ اس کی چودھراہٹ قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ڈی آئی جی آفس کے احاطے میں داخل ہو کر اس نے اپنی گاڑی انسپکٹر ٹریفک کے دفتر کے عین سامنے روکی تھی۔سراج خاموشی سے اورنگ زیب کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔راستے میں اس نے مختصر انداز میں راحیلہ بیگم کی کار کو ٹکر مار کر فرار ہونے کی واردات سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

''آپ نے کیوں زحمت اٹھائی سر؟''ٹریفک انسپکٹر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے انکساری کا اظہار کیا۔''کوئی کام درپیش تھا تو ایک فون کر دیتے۔''

''شکریہ انسپکٹر!''اورنگ زیب مسکرا کر بولا۔''میں اس وقت مسٹر سراج کے ساتھ ایک کام سے نکلا تھا کہ ڈی آئی جی کی کال آ گئی۔اس لیے تم میری خاطر مسٹر سراج کی آؤ بھگت کرو۔میں فارغ ہو کر آتا ہوں۔''

اورنگ زیب وارنڈے میں قدم اٹھاتا ڈی آئی جی کے کمرے کی سمت روانہ ہو گیا' انسپکٹر ٹریفک نے سراج کے ساتھ کچھ وقت گزارنا بھی اپنے لیے اعزاز سمجھا۔ایک ہی محکمے میں ہوتے ہوئے اسے بخوبی علم تھا کہ سراج بھی اورنگ زیب ہی کی طرح ان ایماندار اور دبنگ افسروں میں شمار کیا جاتا تھا جو اپنے فرائض دیانتداری سے انجام دینے کے عادی تھے۔

دوسری جانب اورنگ زیب حسب معمول باہر کھڑے کانسٹیبل کے سیلیوٹ کا جواب دیتا ہوا ڈی آئی جی کے کمرے میں داخل ہوا جہاں اس وقت تین اخبار کے سینئر رپورٹر بھی موجود تھے۔تینوں

ے ای آئی جی سے ذاتی مراسم تھے شاید اسی لیے کسی پریس کانفرنس کے بجائے ان تینوں کو کسی خاص مقصد سے بلایا گیا تھا۔

اورنگ زیب کے سلام کا جواب دیتے وقت ڈی آئی جی کے چہرے پر بس ایک پل کے لیے جھلاہٹ ابھری پھر......اس نے اورنگ زیب کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے تینوں رپورٹرز کی جانب دیکھتے ہوئے قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''آکٹوپس......آکٹوپس......آکٹوپس!......اب یہ نام اور اس کی مہر کو دہشت پھیلانے کی خاطر خوف کی علامت کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ چھوٹے موٹے بدمعاش بھی اب اس نام سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کا فوری تدارک وقت کی اہم ضرورت ہے۔''

''آپ کا خیال درست ہے۔'' ایک رپورٹر نے جواب دیا۔ ''اس کا سدباب اشد ضروری ہے ورنہ وبا بھی کسی متعدی مرض کی طرح پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔''

''لیکن ہم میڈیا کے لوگ اس ضمن میں کیا روک تھام کر سکتے ہیں؟'' دوسرے نے ڈی آئی جی سے سوال کیا۔

''جو خبریں ہمیں اپنے پولیس کے ذرائع سے ملتی ہیں ہم انہی کو تھوڑی سی ترمیم اور اضافہ کے بعد عوام کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔''

''پولیس نے اب تک مسٹر لودھی کے سلسلے میں کیا پیش رفت کی ہے......؟'' تیسرے نے اپنی معلومات کے لیے دریافت کیا۔

''کچھ مخصوص نام پولیس کے نوٹس میں آئے ہیں جس کی چھان بین کی جا رہی ہے۔'' ڈی آئی جی نے روایتی جواب دیا پھر کسی قدر کسمسا کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ اگر اخبارات آکٹوپس کی ضمن میں خبروں کی اشاعت بند کر دیں تو اس نام سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ شکنی بھی بڑی حد تک ہو جائے گی۔''

''اس کے لیے آپ کو آفیشلی طور پر پریس کانفرنس کرنا ضروری ہے۔'' ایک رپورٹر نے کہا۔ ''صرف ہم تین اخباروں کی خاموشی سے کام نہیں چلے گا' شام کے اخبارات کو اور کھل کر کھیلنے کا موقع مل جائے گا' ہمارے مالکان بھی اس کو پسند نہیں کریں گے۔''

ڈی آئی جی کچھ جواب دینا چاہتا تھا کہ دوسرے رپورٹر نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ ''کیا مسٹر لودھی کے علاوہ بھی کسی واردات میں آکٹوپس کا علامتی نشان ملا ہے جو پولیس کے ذرائع ہمیں دینے سے گریز کر رہے ہیں؟''

اورنگ زیب نے سوال کرنے والے رپورٹر کو غور سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں' بہ دستور خاموش تماشائی کی طرح بیٹھا رہا۔ ویسے اس کے ذہن میں رستم علی آغا خانی کا وہ بند لفافہ ضرور ابھرا تھا جو براہ راست نہیں بلکہ ملٹری کے ریٹائرڈ میجر عاطف کے خفیہ ذرائع سے اس تک پہنچایا گیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ خبر کسی ذریعے سے لیک بھی ہو گئی ہو۔ بہرحال ڈی آئی جی کی موجود جھلاہٹ کی صرف ایک ہی

وجہ اس کے ذہن میں ابھری تھی۔ شاید میڈم روبی نے سراج اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد شادی کے سلسلے میں ایسی کوئی بات ضرور کر دی تھی جو ڈی آئی جی کے ارمانوں پر اوس بن کر طاری گئی تھی۔

''محترم......'' ڈی آئی جی نے خاص طور پر اس اخباری نمائندے کو مخاطب کیا جس نے پو ذرائع کی رازداری کے شبے کا اظہار کیا تھا۔ ''آپ کے ذہن میں یہ خیال کس وجہ سے ابھرا کہ ہم خبریں...... خاص طور پر آکٹوپس کے سلسلے میں آپ تک نہیں پہنچاتے؟ اگر ایسی بات ہوتی تو میں وقت خصوصی طور پر آپ حضرات کو زحمت نہ دیتا۔''

''ہمارے ذہن بھی انسائیکلوپیڈیا ہوتے ہیں جناب، جن میں ساری معلومات محفوظ ہیں۔'' رپورٹر نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''مجھے معلوم ہے ایک زمانے میں شیخ حامد اور سیٹھ کے درمیان کچھ کاروباری معاملات کی وجہ سے ٹھن گئی تھی۔ کسی ٹرک نے ان کی گاڑی کو اس وقت مار کر تباہ کر دیا تھا جب وہ کچھ دیر پہلے ہی گاڑی سے اتر کر ایک سپر اسٹور میں گئے تھے۔ ا ڈرائیور لیاقت حسین گاڑی کو دور لے گیا تھا اور وہ بھی موت کی لپیٹ میں آتے آتے بال بال تھا۔'' رپورٹر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہمیں اپنے ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ کل دوبارہ کسی نا ان رجسٹرڈ گاڑی نے اس وقت سیٹھ عثمان کی گھریلو استعمال والی کار کو خطرناک طور پر ایک مصروف روڈ پر سائڈ ماری تھی جہاں کوئی بڑا حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اس بار بھی میری ذاتی ا کے مطابق لیاقت حسین ہی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جس نے سامنے سے آنے والے لوڈنگ ٹرک کار کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ اب وہ گاڑی ایک ورکشاپ میں کھڑی ہے۔ کیا آپ کو اس کی ا نہیں ملی؟''

''جی نہیں...... میں یہ بات اس وقت آپ ہی کی زبانی سن رہا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے ر جواب دینے کے بعد اورنگ زیب کی سمت دیکھ کر پوچھا۔ ''کیا آپ کو اس بات کی اطلاع ہے؟''

''یہاں سے جانے کے بعد براہ راست سیٹھ عثمان سے کنفرم کروں گا۔'' اورنگ زیب دیدہ و دانستہ گول مول جواب دیا۔

''حیرت ہے......'' رپورٹر نے خاص طور پر اورنگ زیب کی طرف گھوم کر چبھتے ہوئے میں کہا۔ ''یہ بات سب جانتے ہیں کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مسٹر سراج اور سیٹھ عثمان کلاس فیلو رہ چ اور ادھر کچھ عرصے سے آپ اور مسٹر سراج ایک ساتھ ہی نظر آتے ہیں۔''

''میں آپ کی بات سے انکار نہیں کروں گا میرے دوست۔'' اورنگ زیب نے بے تکلف کہا۔ ''لیکن مسٹر سراج کا میرے ساتھ نظر آنا قطعی آفیشل ہے، میں مل جل کر کام کرنے کا ہوں۔ دفتری معاملات کے علاوہ سراج سے میری ذاتی دوستی بھی ہے، میں اکثر اپنا فالتو وقت ا گھر پر گزارتا ہوں آپ اپنی معلومات میں میری نجی مصروفیات کا بھی اضافہ کر لیں۔ میں میڈ کوئی بات چھپانے کا عادی بھی نہیں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کو شاید اس وقت میری بات اچھی نہیں لگی۔'' رپورٹر نے پہلو بدل کر کہا۔ ''اگر ایسا ہے تو میں......''

''پلیز' مائی ڈیئر......'' اورنگ زیب نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔ ''میڈیا کی کوئی تنقید مجھے بری نہیں لگتی بشرطیکہ وہ تخریبی نہ ہو۔ اس جملے کی مزید وضاحت کر دوں کہ ''کالی بھیڑیں'' ہمارے علاوہ میڈیا گروپس میں بھی ہیں جو بلیک میلنگ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔''

''میں کالی بھیڑوں کے سلسلے میں آپ کی تفصیلی وضاحت کی قدر کرتا ہوں۔'' رپورٹر کا لہجہ معنی خیز تھا جسے اورنگ زیب نے مسکرا کر ٹال دیا لیکن ڈی آئی جی اپنی کرسی پر کسمسا کر رہ گیا تھا۔ اس نے دوبارہ رپورٹرز کی توجہ اپنی جانب کرنے کی خاطر کہا۔

''آکٹوپس کے معاملے میں میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ پریس کانفرنس بلائی جائے۔ بہرحال' ملٹری انٹیلی جنس اور پولیس کے بیشتر افسران کا یہی خیال ہے کہ شیخ حامد اور ہیلی کاپٹر سے اس کے ساتھ چھلانگ لگانے والا دونوں کا اب کوئی وجود باقی نہیں رہا۔''

''میڈیا نے بھی یہی تشہیر کی تھی لیکن آپ کے مسٹر اورنگ زیب نے ایک سوال کے جواب میں......''

''یہ میرا قطعی ذاتی خیال ہے جو ممکن ہے غلط بھی ہو۔'' اورنگ زیب درمیان میں بول پڑا۔ ''لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ جب تک میں اپنی نظروں سے اس کی لاش نہیں دیکھ لیتا اس کی موت کا تعین بھی نہیں کر سکتا۔''

''آپ کی اس منطق کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ بھی ہوگی۔'' ایک رپورٹر نے سوال کیا۔

''میری منطق میرا وہم بھی ہو سکتی ہے مائی ڈیئر......اس کے باوجود میں فی الحال اس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔''

کچھ دیر اسی موضوع پر بات ہوتی رہی پھر ڈی آئی جی نے کہیں جانے کا بہانہ کر کے رپورٹرز کو رخصت کر دیا' اس کے بعد اس نے ایک لمبی سانس لے کر اورنگ زیب کی طرف دیکھا' مدھم لہجے میں بولا۔

''میں نے اس وقت آپ کو دو مقاصد کی خاطر بلایا تھا۔ ایک یہ کہ آپ میری اور میرے پاس آنے والے اخباری نمائندوں کی بات بھی سن لیں دوسرے یہ کہ مجھے ایک ذاتی کام میں آپ کی مدد کی ضرورت بھی درپیش ہے' اسی غرض سے میں نے آپ سے تنہا آنے کی درخواست کی تھی۔''

''اگر میں آپ کے کسی کام آسکا تو میری خوش قسمتی ہوگی۔'' اورنگ زیب سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''لودھی کے وحشیانہ قتل کے سلسلے میں غالباً میڈم روبی نے مسٹر سراج اور آپ سے بھی گفتگو کی تھی۔''

''آئی۔سی۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو شاید میڈم نے اپنی انگیجمنٹ کے سلسلے میں آپ سے براہ راست بھی کچھ گفتگو ضرور کی ہے۔''

''یو آر رائٹ......'' ڈی آئی جی نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے دوستانہ انداز اختیار کیا۔'' مجھے یقین ہے کہ سراج اور ان کی مسز اس معاملے میں میڈم کو ہموار کر سکتے ہیں اور...... آکٹوپس کے سلسلے میں آپ کو بھی میری خاطر اپنے انداز کچھ لچک پیدا کرنی ہوگی۔''

''اگر اجازت ہو تو آپ کے اس ذاتی مسئلے کا ایک ریڈی میڈ حل فوری پیش کر دوں۔'' جواب میں اورنگ زیب نے بھی بے تکلفی سے کہا۔

''پلیز......''

''آپ ایک دو دن میں کسی بھی تقریب کا بہانہ کر کے میڈم سراج اور الماس کو اپنے دولت خانے پر انوائٹ کر لیں' آپ کے بے حد اصرار پر میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ مجھے قوی امید ہے اس پارٹی کے بعد آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

ڈی آئی جی نے اس تجویز کو فوری طور پر قبول کیا تو اورنگ زیب نے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا اور...... ''وش یو گڈ لک!'' کہتا ہوا واپسی کی اجازت حاصل کر کے کمرے سے باہر آ گیا۔

''آج آپ کو کس مقصد سے طلب کیا گیا تھا؟'' واپسی میں سراج نے اورنگ زیب کو سنجیدہ دیکھ کر پوچھا۔

''کوئی اہم بات تھی؟''

''اہم نہیں بلکہ سنگین ترین سمجھو......''

''خیریت......؟''

''فی الحال یہ سمجھ لو کہ میں اس وقت ایک موٹا تازہ بکرا حلال کر آیا ہوں اس لیے تھکن محسوس ہو رہی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں......''

جواب میں اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کی میڈم کے سلسلے میں کسمپرسی کی کیفیت کچھ ایسے دل گرفتہ انداز میں بیان کی کہ سراج بھی اپنی بے اختیار ہنسی کو ضبط نہ کر سکا۔

راستے بھر اپنے ذہن کو ریفریش کرنے کی خاطر اورنگ زیب ڈی آئی جی اور میڈم روبی بے موضوع پر مختلف زاویوں سے گفتگو کرتا رہا لیکن دفتر پہنچنے کے بعد اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے گہری سنجیدگی اختیار کر لی۔ ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلا کر اس نے ملاقات کے لیے آنے والوں کے سلسلے میں کچھ ضروری ہدایتیں دیں پھر اس کے جانے کے بعد سراج سے پوچھا۔

''مسٹر عثمان کو کل جو حادثہ پیش آتے آتے رہ گیا' اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں شوروم والے سے ملا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ دو جوان جو ظاہر کھاتے پیتے گھرانے کے لگتے تھے' وہ گاڑیاں دیکھنے آئے تھے۔ ان میں ایک نے گاڑی کی ٹرائی لینے کی بات کی تھی۔ دوسرا بطور ضمانت شوروم پر بیٹھا رہا پھر وہ بھی کارندوں کی نظر بچا کر نو دو گیارہ ہو گیا۔ بعد میں گاڑی میں بھی

کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں پائی گئی۔ سوائے اس حصے کو جو لوڈنگ ٹرک سے رگڑ گیا تھا۔'' سراج نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔'' ہوسکتا ہے کہ یہ ایک اتفاقیہ حادثہ ہو جس کے بعد دونوں نوجوان پولیس سے دامن بچانے کی خاطر گاڑی چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں۔ بہرحال میں نے اسٹیئرنگ پر ملنے والے نشانات حاصل کر لیے ہیں۔''

''کیا مسز عثمان کا بھی یہی خیال ہے؟''

''انہوں نے کوئی بات یقین سے نہیں کہی البتہ لیاقت حسین کا کہنا ہے جو کچھ ہوا وہ اتفاق نہیں ہوسکتا۔ سب کچھ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کیا گیا تھا۔''

''میں لیاقت حسین کے خیال کی تائید کروں گا۔'' اورنگ زیب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔'' اگر اسٹیئرنگ پر وہ نہ ہوتا تو خدانخواستہ جانی نقصان بھی ہوسکتا تھا۔''

''لیکن مسز عثمان کو نقصان پہنچا کر وہ کیا فائدہ حاصل کر سکتے تھے؟''

جواب سن کر اورنگ زیب کے ہونٹوں کو ایک لمحے کو جنبش ہوئی پھر وہ بڑی دیر تک کسی سوچ میں غرق رہنے کے بعد بولا۔'' سمندر کی تہ میں چھپ کر سکون حاصل کرنے والی مخلوق بھی اکثر حبس اور گرمی کی شدت سے گھبرا کر باہر آ جاتی ہے۔ آکٹوپس کو نہایت سخت جان تصور کیا جاتا ہے' وہ بھی سمندر کے نچلے حصوں میں رہ کر اپنی خونخوار ٹانگوں سے شکار کرتا ہے مگر میں......'' اورنگ زیب کچھ کہتے کہتے رکا پھر میز پر دونوں کہنیاں ٹکا کر سرسراتے لہجے میں بولا۔'' میں اس وقت جس آکٹوپس کی بات کر رہا ہوں وہ بھی اب سمندر کی تہوں سے نکل کر اوپر آنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''کیا مطلب......؟'' سراج نے پہلو بدل کر اورنگ زیب کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ جواب میں اورنگ زیب نے اٹھ کر الماری سے ایک لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ سراج نے اسے کھول کر دیکھا۔ برہنہ فوٹوز کو اس نے فوری طور پر پلٹ کر رکھ دیا تھا لیکن اس پر آکٹوپس کی مہر اور پھر ٹائپ شدہ پیغام پڑھنے کے بعد اس کی پیشانی پر بھی آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں۔

''پہلے لودھی کو اس کی غداری کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد رستم علی کو زبان بند رکھنے اور پولیس سے دور رہنے کی خاطر یہ تصویریں بھیجی گئیں' پھر مسز عثمان کو حادثہ بھی پیش آتے آتے رہ گیا......نہیں مائی ڈیئر سراج نہیں......واقعات جس تسلسل اور تیزی سے سامنے آ رہے ہیں اسے محض اتفاق نہیں کہا سکتا......بڑے مجرم پولیس کو اپنی برتری کا احساس دلانے کی خاطر اسی قسم کی چھچھوری حرکتیں کرنے کا عادی ہوتے ہیں۔''

''یہ تصویر اور خط آپ کو کس طرح ملا؟'' سراج نے سوال کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''مجھے کم از کم رستم علی آغا خانی سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ دریا میں رہ کر براہ راست کسی بڑے مگرمچھ سے بیر مول لینے کی غلطی کر سکتا ہے۔''

''تمہارا اندازہ صد فیصد دوست ہے۔سر بند لفافہ مجھے جس شخص کے ذریعے ملا ہے وہ ابھی مجرموں کی نظروں میں نہیں ہے ورنہ آئندہ شکار وہی ہوتا۔''

''آئی سی'' سراج نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔''میرا خیال ہے کہ اب ہما طرف سے بھی جوابی کاروائی کا وقت آ گیا ہے۔''

''مجھے تمہارا جواب سن کرخوشی ہوئی......آکٹوپس یا اس کے کسی ہمزاد کو سامنے لانے کا ایک موثر طریقہ ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''ہمیں ایسے تالابوں کو پانی کو موجودگی سے محروم کرنا پڑے گا جہاں چھپ کر وہ سانس لے، ہے۔''اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے ایسے جذباتی انداز میں یہ بات کہی کہ سراج بھی گڑ بڑ کر رہ گیا' اس کی نگاہوں میں مچلنے والی سرخی کچھ خطرناک عزائم کی غمازی کر رہی تھی۔سراج ا(تاثرات کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا پھر وہ کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا جب اورنگ زیب نے دراز سے دوسرا موبائل نکالا جسے وہ اپنے خاص خاص ذرائع سے کوڈورڈز میں بات کرنے کے لیے استعمال کر تھا۔

موبائل پر کسی کے نمبر پنچ کرنے کے بعد وہ خلا میں گھورتا رہا پھر دوسری جانب سے رابطہ قائم ہونے کے بعد یکلخت آواز بدل کر کوڈورڈز میں کہا۔''کوالیفائڈ ٹیم از ریکوائرڈ......بات......کڈنی......نو......ویٹ فار ناٹ کال......او۔کے......اوور۔''

کال ختم کرنے کے بعد بھی اورنگ زیب کے چہرے کے تاثرات میں کھنچاؤ کی کیفیت باقی رہی تو سراج نے ماحول کی اس گھٹن اور تناؤ کو دور کرنے کی خاطر بے تکلفی سے پوچھا۔

''آپ کی یہ لاطینی زبان اور مخصوص کوڈز میری سمجھ میں کب آئیں گے؟''

''شاید کبھی نہیں اس لیے......کہ تم صرف ایک ڈیوٹی مائنڈڈ پولیس آفیسر ہو۔''

''بات اب بھی میری ناقص عقل میں پوری طرح نہیں سمائی۔''

''پولیس ٹریننگ کے بعد میں نے چھ ماہ تک فوجی ٹریننگ بھی اپنے شوق سے کی تھی۔''اورنگزیب نے قدرے ریلیکس ہو کر کہا۔''پاسنگ آوٹ پریڈ کے بعد مجھے بیسٹ کیڈٹ کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔اس روز ٹریننگ دینے والے استاد نے مجھے دو باتیں بڑے گر کی بتائی تھیں جو آج بھی عملی زندگی میں میری رہنمائی کرتی ہیں۔اس سخت ٹرینر کی زبان سے وہ باتیں سن کر مجھے حیرت بھی ہوئی تھی۔اس نے کہا تھا کہ جب تک انسان کسی کی ماں سے رشتہ قائم نہیں کرتا وہ اسے ''باپ'' نہیں کہتا۔دوسری نصیحت بھی اس وقت میرے لیے ناقابل فہم ہی تھی۔استاد نے کہا تھا کہ پتر! اگر دنیا میں لاقانونیت نہ ہوتی تو قانونی محکمے بھی عالم وجود میں نہ آتے۔''

''موجودہ صورت حال سے ان دونوں مثالوں کا کیا تعلق ہے؟'' سراج نے کسمسا کر سوال کیا۔

''فی الحال میں اس کی وضاحت نہیں کروں گا۔'' اورنگ زیب نے موضوع بدل کر کہا۔''الماس

آپ خاص خیال رکھنا، مسز عثمان کے بعد اس کا نمبر بھی آ سکتا ہے۔ خود اپنی آنکھیں بھی کھلی رکھنا۔ جو میرے ذہن میں کسی کن کھجورے کی طرح کلبلا رہی ہے اس کے پیشِ نظر ہم دونوں بھی کسی کی لسٹ پر ضرور ہوں گے۔"

"ایک بات کی وضاحت اور چاہوں گا۔"

"پوچھو......"

"کیا لودھی کے قتل کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے مزید جاری رہنے کے امکانات ہیں؟"

"امکانات کچھ ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔" اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں کندھے اچکا کر جواب دیا پھر وہ اپنے مخصوص موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر کسی آنے والی کال کی اطلاع کے طور پر نیلی پیلی لائٹ جل بجھ رہی تھی......

"ہیلو......اورنگ زیب نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا، اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی مسلط ہونے لگی، زبان سے پھر بے ربط جملے ادا ہونے لگے۔ "میں سمجھ رہا ہوں......نہیں، ایسا مت کرنا......ابھی اس کے درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں ہے......ایس او ایس کے اصول کا خیال ہمیشہ کارآمد ثابت ہوتا ہے......ڈونٹ وری......اوکے، میں خیال رکھوں گا......نو......ون بائی ون......فرنٹ لائن سے دور ہی رہنا......بائی۔"

سراج ایک بار پھر ہونقوں کی طرح اورنگ زیب کی شکل دیکھتا رہا۔ کال ختم ہوئی تو اس نے دیدہ ودانستہ مسکرا کر ڈی آئی جی اور میڈم روبی کا مسئلہ چھیڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے فضا میں بارود کی جو مہک محسوس ہو رہی ہے اس کے تحت ضروری ہے کہ ڈی آئی جی کا مسئلہ بھی اونٹ کی طرح کسی کروٹ بیٹھ جائے ورنہ میڈم اور ہتھے سے اکھڑی تو پھر آسانی سے نہیں مانے گی۔"

"تم گھر پہنچو گے تو شاید الماس تمہیں اس سلسلے میں کوئی تازہ خبر ضرور سنائے گی۔ ڈی آئی جی اب تک میرے اندازے کے مطابق میڈم اور الماس دونوں کو فون کھڑکا چکا ہو گا۔"

"اس دعوت میں آپ کو خاص طور پر آکٹوپس کے سلسلے میں اپنی رائے میں کچھ لچک بھی پیدا کرنے پڑے گی۔"

"کوشش کروں گا کہ میں نیوٹرل ہی رہوں۔ ویسے میری ذاتی خواہش ہے کہ اب ان دونوں کا گھر آباد ہو جائے۔"

"میرے لیے اب کیا حکم ہے؟" سراج نے دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تم اب آفس جا سکتے ہو، میں نے تمہیں خاص طور پر رستم علی کی طرف سے موصول ہونے والا الفاظ دکھانے کی غرض سے بلایا تھا۔" اورنگ زیب نے جاتے وقت سراج کو کچھ مخصوص کام بھی سونپے جن کو سن کر وہ چونکا لیکن کچھ کہے بغیر مسکراتا ہوا رخصت ہو گیا۔

⁂⁂⁂

تیزی اور تسلسل سے پیش آنے والے حیران کن واقعات نے افضل خان کو ذہنی طور پر بری طرح الجھا رکھا تھا۔ سابقہ باتیں اس وقت بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ اخبارات میں بگ باس کے سمندر برد ہونے کی خبر سن کر اس نے سکون ہی کا سانس لیا تھا لیکن ابھی وہ مکمل آزادی نہیں حاصل کر سکا تھا۔

ملٹری انٹیلی جنس کے ہاتھوں پھنسنے کے بعد اس نے بھی امداد علی اور جگا کی طرح وعدہ معاف گواہ بننا قبول کر لیا تھا' اپنا بیان بھی ریکارڈ کرا دیا تھا جس کے بعد اسے اسپتال منتقل کر دیا گیا تھا اور اب اس وقت وہ اس فلیٹ میں تھا جو اسے بگ باس نے دے رکھا تھا۔ اس فلیٹ میں رہائش اختیار کرنے کا حکم اسے ڈپٹی سپرٹینڈنٹ سراج نے عین اس وقت سامنے آ کر سنایا تھا جب وہ اسپتال سے رخصت ہو رہا تھا۔ سراج نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''افضل خان...... میں تمہیں ایک نئی زندگی کی مبارک باد دیتا ہوں لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو کہ اب تم صرف اور صرف ہمارے کہنے پر عمل کرو گے دوسری صورت میں تمہارا انجام کیا ہوگا' یہ تم خود بھی سمجھ سکتے ہو۔''

''مجھے منظور ہے لیکن ایک شرط پر۔''

''سوری......'' سراج نے زہر خند سے جواب دیا۔

''تم اب اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ کوئی شرط منوا سکو۔''

''آپ اسے میری درخواست سمجھ لیں۔'' افضل خان نے فوری طور پر کینچلی بدل لی تھی۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں قید رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ مجھے آزاد فضا میں بھی سانس کی اجازت ہونی چاہیے۔''

''میری طرف سے اجازت ہے لیکن یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے بگ باس کے کچھ شکاری کتے اب بھی دور دور رہ کر بھونک رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تمہارا پولیس کے لیے کام کرنا پسند نہ کریں۔ ایسی صورت میں تمہاری زندگی میں خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔''

''یہ میرا مسئلہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں خطرات سے کھیلنے کا عادی رہا ہوں۔''

''او کے'' سراج نے کہا۔ ''دو چار روز تک تم فلیٹ تک ہی محدود رہو۔ میں فائنل جواب تمہیں فوری طور پر دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔''

''ایک بات اور بتا دیں تو ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' افضل خان نے بل کھا کر دریافت کیا۔

''ساحل سمندر پر اس وقت مجھ پر گولی کس نے چلائی تھی جب وہ جگا اور امداد علی کو قابو کر چکا تھا۔''

''تم ایک اہم بات بھول رہے ہو افضل خان۔'' سراج نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''محبت اور

جنگ میں تمام حربوں کا استعمال جائز ہوتا ہے' وہ فائر بھی تمہارے بگ باس نے تمہیں راستے سے ہٹانے کی خاطر کرایا تھا۔''

''اوہ......ڈبل کراس۔'' افضل خان کسی زخمی درندے کی طرح بل کھانے لگا۔

''یہ بات تمہیں پہلے ہی سمجھ لینی چاہیے تھی کہ تمہارا ڈرٹی بگ باس جن لوگوں کے نام اپنی فہرست سے نکال دیتا تھا ان کو دوبارہ قبول کرنا اس کی سرشت کے منافی تھا۔ حالانکہ تم اس کے دست راست بھی رہ چکے تھے۔''

''اب سارا گیم کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہے لیکن شبنم نے ڈبل رول کیوں ادا کیا؟''

''شبنم کو تم غلط مت سمجھو افضل خان۔'' سراج نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''بگ باس کے ہاں ملازمت اس نے کسی اور وجہ سے قبول کی تھی۔

''اور وجہ......اور وجہ کیا ہو سکتی ہے؟''

''میڈم روبی کی طرح شبنم کا کچھ حساب بھی تمہارے ڈرٹی بگ باس کی طرف نکلتا تھا لیکن اسے کوئی موقع نہ مل سکا کہ وہ حساب چکتا کر سکتی۔''

''آپ کو اتنے اندر کی باتوں کا علم کس طرح ہوا؟''

''مجھے بہت سی ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جن کی گہرائی تک شاید تمہارے فرشتے بھی نہ پہنچ سکیں۔ کل تک شبنم بھی شکاری کتوں کے اشارے پر چلنے کے لیے مجبور تھی لیکن اب اسے تحفظ دینے کی ذمے داری بھی میں تمہیں سونپ رہا ہوں۔'' سراج نے کہا۔'' آج شام تک وہ بھی اپنا ضروری سامان لے کر تمہارے پاس آ جائے گی اور......تم فکر کرنا......ہمارے سادہ لباس والے تمہاری نگرانی اور حفاظت پر مامور ہوں گے۔''

افضل خان اس وقت بھی سراج کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا جب دروازے پر کسی نے دستک دی۔ آنے والی شبنم کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔ اس کے ہاتھ میں دو بیگ بھی تھے جس میں اس نے شاید اپنی ضرورت کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں......اندر آنے کے بعد اس نے افضل خان کو گہری نظروں سے دیکھا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے افضل خان......حالات کے پیش نظر تم نے سراج صاحب سے جس شبہے کا اظہار کیا میں اس کے بارے میں تمہارے دل کا میل نہیں دھو سکتی۔ تمہاری طرح فی الوقت میں بھی انہی کے حکم کی تکمیل میں یہاں آئی ہوں۔ کوشش کروں گی کہ تمہارا کھویا ہوا اعتماد دوبارہ حاصل کر سکوں۔''

''جب بگ باس کی زندگی میں مجھے اسپتال سے نکالا گیا اس وقت تم کس کے اشارے پر مجھے اپنے فلیٹ پر لے گئی تھیں؟''

''اس وقت تمہاری طرح میں بھی بگ باس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور تھی۔'' شبنم نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

شیخ حامد کی سیل شدہ کوٹھی پر مستقل رات کی ڈیوٹی کرنے والے دونوں کانسٹیبل اس وقت شکلوں سے بے زار ہی نظر آرہے تھے۔ وہ باری باری کوٹھی کا راؤنڈ لگانے کے بعد کچھ دیر ستا کے بہانے ایک ساتھ بیٹھ جاتے تھے۔ اب بھی وہ راؤنڈ لگانے کے بعد بید کی پرانی کرسیوں پر تو ایک نے اپنی جھلاہٹ کا اظہار کر ہی دیا۔ ''آخر ہم کب تک اس طرح روکھی پھیکی حالت میں بھگتاتے رہیں گے؟''

''رات کی مستقبل ڈیوٹی سے میں بھی تنگ آچکا ہوں۔'' دوسرا بولا۔ ''سب جانتے ہیں کہ صر تنخواہ سے ہمارا گزارا نہیں ہوتا۔ رات کی ڈیوٹی میں ویسے بھی دس خطرے ہوتے ہیں۔ دن میں چھ گھنٹے کی ڈیوٹی کرنے والے زیادہ عیش کرتے ہیں۔''

''تمہارا کیا مشورہ ہے؟...... کیا ہم اوپر والوں سے بات کریں۔''

''نہیں...... تم بھی جانتے ہو کہ ہماری ڈیوٹی ایس پی صاحب کے اشارے پر لگائی گئی ہے نہ ہوتا تو ہم ہیڈ کانسٹیبل کی مٹھی گرم کر کے بھی ڈیوٹی تبدیل کرا سکتے تھے۔''

''سیل شدہ عمارت کے اندر کون سا قارون کا خزانہ رکھا ہوگا ہم جس کی حفاظت پر تعینات گئے ہیں؟'' دوسرے نے دل برداشتہ انداز میں تلملا کر کہا۔ ''ہم کو آٹے میں نمک ملانے کی سزا رہی ہے۔ نمک میں آٹے کی چٹکی ڈال رہے ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔ ہم بھی اس وقت گھروں پر آ سے ٹانگیں پسارے خراٹے لے رہے ہوتے۔''

''ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں۔'' پہلے نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ پولی اسپتال کے بڑے ڈاکٹر کا چپراسی ہماری مشکل آسان کرا دے سب جانتے ہیں کہ بیماری کا ج سرٹیفکیٹ جاری کرنے کے لیے ڈاکٹر اسی کے ذریعے رقمیں وصول کرتا ہے۔ اس حرام کے تخم نے عہدے اور ضرورت کے اصولوں پر مختلف ریٹ باندھ رکھے ہیں۔''

''ایسی صورت میں بھی ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک آئیڈیا اور بھی ہے۔ کیوں نہ ہم اس پر عمل کریں۔'' اس نے اپنی با جاری رکھی۔

''براہ راست ایس پی صاحب سے مل کر کہیں کہ اب ہماری رات کی مشقت ختم کر کے گھنٹے والی ڈیوٹی لگا دیں۔''

''اور اگر انہوں نے بھی سرخ جھنڈی دکھا دی تو......؟''

''امید پر دنیا قائم ہے۔ایک ٹرائی کر کے دیکھ لینے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔''

پھر وہ دونوں باتوں میں مصروف تھے ایک ٹیکسی آ کر ان کے قریب رکی' اس سے اترنے والے دو کانسٹیبل ہی تھے جنہوں نے ہاتھ میں ایک تھیلا بھی اٹھا رکھا تھا' آنے والے پہرا دینے والوں کے لیے یا تو نئے تھے یا کسی دوسرے تھانے سے تبادلہ ہو کر آئے تھے۔ٹیکسی سے اتر کر وہ دونوں ان کے قریب آ گئے۔ٹیکسی دور کھڑی رہی۔

''ادھر کیسے آنا ہوا اتنی رات کو؟'' ڈیوٹی دینے والے ایک کانسٹیبل نے آنے والوں سے پوچھا۔

''سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے۔'' آنے والے نے کہا۔''آج ہی دوسری چوکی سے تبدیل ہو کر آئے تھے' کچھ دیر پہلے ہیڈ کانسٹیبل نے ادھر رات کی ڈیوٹی پر بھیج دیا۔شاید تم نے اس کو کہا ہوگا۔ہمارا واقف نہیں تھا اس کو اپنا نے ادھر بھیڑ دیا۔اب تم دونوں جا کر عیش کرو۔'' اس کو اپنا دکھڑا سنانے کے بعد ذرا قریب آ کر کہا۔''ٹیکسی والے کو ہم نے قابو کر رکھا ہے' تم اسی پر بیٹھ کر جہاں مرضی چلے جاؤ۔کرایہ ایک دمڑی بھی نہ دینا سالے کو......''

''جاتے جاتے اپنی رہائی کی خوشی میں منہ بھی میٹھا کر لو۔'' دوسرے آنے والے نے مٹھائی کا ڈبہ تھیلے سے نکال کر کہا۔رات گزارنے کی خاطر ہم اور بھی چیزیں ساتھ لائے ہیں۔''

ڈیوٹی دینے والوں نے بڑے شوق سے لڈو کھائے پھر ایک ہنس کر بولا۔''اس کو کہتے ہیں چیر پھاڑ کر دینا۔ابھی ہم اپنے تبادلے کی بات ہی کر رہے تھے کہ تم آ گئے۔''

''ہم بھی زیادہ دن نہیں رکیں گے دوست۔'' آنے والے نے ایک آنکھ جھپکا کر جواب دیا۔''ایس پی کی ایمانداری اپنی جگہ لیکن ہم نے ڈی آئی جی آفس کے ایک وہ بندوں کا بھتہ باندھ رکھا ہے۔وہ ہمارا کام کرنے سے منہ نہیں موڑ سکتے۔''

چاروں جلد ہی بے تکلف ہو گئے پھر ڈیوٹی دینے والا ایک سپاہی اندر سے اپنا سامان سمیٹنے گیا تو واپس نہیں آیا۔دوسرا اسے دیکھنے کی خاطر ڈگمگاتا ہوا اٹھا لیکن وہ بھی سنبھل نہ سکا۔ہاتھ جما کر نیچے بیٹھ تو گیا لیکن پھر پھر وہ بھی سیدھا ہو کر لمبا لمبا لیٹ گیا۔آنے والے دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا پھر ایک نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''ایک مرحلہ تو آسانی سے طے ہو گیا۔اب ان دونوں کو اٹھا کر ادھر باہر ہی کہیں قریب ڈال دو اس طرح کہ فوری طور پر کسی آنے جانے والے کو نظر بھی نہ آئیں۔''

ٹیکسی ڈرائیور بھی اتر کر دونوں کی مدد کی خاطر آ گیا۔دونوں بے ہوش کانسٹیبلوں کو ڈنڈا ڈولی کر کے سڑک کی دوسری جانب خالی پلاٹ پر ڈال دیا گیا پھر دراز قد والے نے تھیلا اٹھا کر ٹیکسی ڈرائیور کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''تم ادھر باہر کا خیال رکھنا۔ایک ذرا بھی خطرہ ہو تو مخصوص سگنل کے ذریعے اشارہ کر دینا۔''

''ٹھیک ہے لیکن..... دروازے پر جو سیل لگی ہے اس کا کیا کرو گے؟''
''روشندانوں کے شیشے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔انہیں بھی کاٹنے کا سامان ہے میرے پاس
''دیکھ بھال کر سب کام نمٹانا۔باس کا یہی حکم ہے کہ پولیس کا سارا محکمہ مل کر بھی اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔سسٹم پر رینج سیٹ کرنے کا دھیان بھی رکھنا۔قریب کے بنگلوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔''
''آخر یہ سب کس مقصد کی خاطر کیا جا رہا ہے؟'' جو ٹیکسی ڈرائیور کی یونیفام میں تھا' پہلی بار زبان کھولی۔
''ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کیوں' کس لیے اور مقصد جاننے والی بات کر سکیں۔'' والے نے خشک اور سرد لہجہ اختیار کیا۔''صرف جو باس نے حکم دیا ہے اس پر عمل کرنے کا رکھو۔کرید کرنے کی بھنک باس کے کانوں تک پہنچ گئی تو ہمارا انجام بھی اچھا نہ ہوگا۔''
اس کے بعد کسی نے زبان کھولنے کی غلطی نہیں کی' دراز قد والا ٹیکسی ڈرائیور کا ہاتھ تھا کے اندر داخل ہو گیا' باہر نظر آنے والے تیسرے شخص نے صدر پھاٹک کے آس پاس لیفٹ شروع کر دی۔اس کے ذہن میں کئی سوالات گردش کر رہے تھے جو قابل غور تھے لیکن وہ بھی کہ باس کی طرف سے جاری کیا جانے والا حکم آخری ہوتا ہے' اس میں کسی ترمیم اور اضافے کی نہیں ہوتی۔چوں وچرا کرنے والوں کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔اصل باس کون انہیں اس کا علم بھی نہیں ہو سکا تھا۔ان کو جو تنخواہ ملتی تھی وہ بھی خاصی معقول تھی۔مہینے میں ایک ہی انجام دینے پڑتے تھے لیکن ان کی پلاننگ اتنی مہارت سے کی جاتی تھی کہ ابھی تک پولیس ماہرین بھی اس کا کوئی توڑ دریافت نہیں کر سکے تھے۔
جب تک شیخ حامد زندہ تھا' ان کا ایک محتاط انداز یہی تھا کہ وہی اس ٹیم کو خفیہ طور پر راستہ تھا لیکن اس کی موت کی خبر عام ہونے کے بعد ٹیم کے اکثر ورکر یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے بگ باس مرا نہیں ہے یا پھر اس کی بدروح نے اس کی گدی سنبھال رکھی ہے۔دونوں صورت اوپر سے ملنے والے احکامات کی بجا آوری ان پر فرض تھی لیکن کچھ باتیں ایسی درمیان میں تھیں جس سے ان کی عقل بھی دنگ رہ جاتی تھی۔
سیل بند کوٹھی اندر سے تباہ کرنے کا فیصلہ بھی اگر شیخ حامد یا اس کی بدروح نے کیا تھا تو بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ممکن ہے پولیس اور خصوصاً اورنگ زیب کی پوزیشن کو نظروں سے گرانے کی خاطر ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہ سب کچھ کیا جا رہا ہو؟ وہ اپنے سے الجھ رہا تھا جب اس کے موبائل پر کال ریسیور ہوئی' اس نے روشن اسکرین پر نمبر دیکھ ریسیو کرنے میں دیر نہیں لگائی۔کال اس دراز قد والے کی تھی جو ٹیکسی والے کے ساتھ اندر گیا
''کوئی نیا حکم؟''
''میں نے گھوم پھر کر تمام ممکن جگہوں کو کھنگال لیا ہے' بظاہر کسی تہ خانے کا کوئی راستہ

کا۔''

''جانتا ہوں۔''اس نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''اگر اس کو تلاش کرنا آسان ہوتا تو اب تک پولیس بھی اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکی ہوتی۔''

''پھر......تمہارا کیا مشورہ ہے......؟''

''اوپر والوں سے بات کر کے دیکھ لو......؟''

''تم شاید بھول رہے ہو......ہمیں کسی کو کال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔صرف اوپر سے ملنے والے احکام پر عمل کرنا فرض ہے۔''

''ایسی صورت میں جہاں جہاں شبہ ہو وہاں بھی کام کی چیز فٹ کر کے آ جاؤ......ہو سکتا ہے تہ خانے کا راستہ بھی اس کی زد میں آ جائے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے......''دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

باہر ڈیوٹی دینے والا جو اس وقت پولیس کی یونیفام میں تھا پھر اپنے خیالوں سے الجھنے لگا۔اگر وہ سب شیخ حامد ہی کے خفیہ کارندے تھے تو پھر عمارت میں کسی تہ خانے کا راستہ تلاش کر لینا ان کے لیے بھی اتنا ہی مشکل تھا جتنا پولیس کے لیے ثابت ہو چکا تھا ورنہ بگ باس اتنی آسانی سے نظروں میں آئے بغیر چھومنتر ہو کر ہیلی کاپٹر تک بھی نہ پہنچا ہوتا۔اس کے بعد اس کی اور اس کے ساتھی کی لاش کا نہ ملنا بھی پولیس کے لے ایک معما ہی تھا۔ملٹری کے بڑوں اور پولیس کے ذمے داروں نے اس کی موت کو تسلیم کر لیا تھا۔ایک ایس پی اورنگ زیب ہی تھا جو مرغے کی ایک ٹانگ کی طرح اپنی ضد پر قائم تھا۔

چالیس منٹ بعد دراز قد والا بھی ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ باہر واپس آ گیا۔تھیلا اب اس کے پاس نہیں تھا'صرف ایک ریموٹ نما ڈیوائس تھی جو اس کے ہاتھ میں نظر آ رہی تھی۔

''کیا سارا کام مکمل ہو گیا؟''باہر والے نے اس کے قریب آ کر سوال کیا۔

''ہاں......ہمیں اب فوری طور پر یہاں سے کچھ دور نکل چلنا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے لیکن......تم نے اس بات کا دھیان تو ضرور رکھا ہو گا کہ تباہی صرف اندر اندر ہو۔پاس پڑوس میں صرف افراتفری ہونی چاہیے۔یہی حکم ملا تھا۔''

دراز قد والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ہاتھوں میں ربڑ کے دستانے ہونے کی وجہ سے یہی یقین تھا کہ ان کے فنگر پرنٹس کسی کو نہیں مل سکیں گے۔وہ سب وقت ضائع کیے بغیر ٹیکسی میں بیٹھ گئے جس کے بعد وہ بھی حرکت میں آ گئی لیکن تقریباً تین فرلانگ دور جانے کے بعد اسے دوبارہ روک دیا گیا۔

دراز قد والے نے ادھر ادھر دیکھا' آس پاس کوئی فرد نہیں تھا'رات کے اس پچھلے پہر میں سب ہی اپنے نرم وگرم بستر میں پڑے خراٹے لینے میں مصروف ہوں گے۔اطراف سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد ہی دراز قد والے نے ریموٹ نما ڈیوائس کا رخ اپنی مطلوبہ عمارت کی طرف کیا

پھر اس کے واحد سرخ بٹن کو دبا دیا۔ دوسرے ہی پل پے در پے ہونے والے دھماکوں سے
بنگلوں اور دوسری رہائشی عمارتوں کی لائٹیں بھی آن ہونا شروع ہو گئیں۔

ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آنے والے اگلے ہی لمحے گاڑی کو گیئر میں ڈالا پھر آہستہ آہستہ
لریٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بھی بڑھتا ہی رہا۔

یہ پہلا موقع تھا جب سول پولیس کے ساتھ ملٹری انتظامیہ کے ماہرین بھی شیخ حامد کی
ہونے والے دھماکے کے سلسلے میں جائے حادثہ سے ضروری شہادتیں حاصل کر رہے تھے۔
جوار کی کوٹھیوں میں رہائش پذیر افراد بھی سراپا احتجاج بن گئے۔ شیخ حامد کی زندگی میں ان افر
بھی اس کی کوٹھی کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی غلطی نہیں کی تھی لیکن اب ان سب کا ایک ہی م
کہ اس کوٹھی کو جڑ سے ختم کر کے وہاں بچوں اور خواتین کا پارک تعمیر کر دیا جائے۔

بہرحال، کوٹھی میں ہونے والے پراسرار دھماکوں نے سب ہی کے ذہنوں میں کوئی
سوالیہ نشان بنا دیا تھا۔ دھماکوں کے لیے استعمال ہونے والا آتش گیر مادہ کم طاقت کا تھا جس
کوٹھی کے اندر کے حصوں کو کھنڈر بنانے میں تو موثر کردار ادا کیا تھا لیکن باہر کے ڈھانچے کو زیاد
ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے سے بچا لیا تھا۔ یہ معما بھی سب کے ذہنوں میں کلبلا رہا تھا کہ محض کوٹھی
تباہی کا کیا مقصد تھا؟ اس ضمن میں بھی یہی خیال کیا جا رہا تھا کہ وہاں کوئی ایسی اہم چیز یقیناً مو
جسے تباہ کر دینا ضروری سمجھا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال بھی ذہنوں میں کلبلانا شروع ہو گیا ک
شیخ حامد مر چکا تھا تو پھر اس کے خلاف باقی رہ جانے والے ثبوت بھی پولیس کے لیے کیوں ک
سکتے تھے؟

اخباروں نے بھی شیخ حامد کے حوالے سے ان دھماکوں کی خبروں کو بڑھا کر چھاپا تھا، ڈ
تعینات دونوں کانسٹیبل ہر چند کہ کوٹھی کے سامنے میدان سے بے ہوشی کی حالت میں ملے تھ
ان کو بھی زیر حراست رکھا گیا تھا، جو کہانی وہ بتا رہے تھے ان کی روشنی میں بھی بے شمار کہانیاں جن
رہی تھیں۔ ایک دو اخبارات نے اورنگ زیب کے اس مفروضے کو بھی باکس کی صورت میں صف
پر شائع کیا تھا کہ ''آکٹوپس ابھی مرا نہیں...... سمندر کی تہوں میں کہیں چھپا سانس لے رہا تھا۔''

دن بھر کی چھان بین کے بعد کوٹھی کو دوبارہ لاک کر کے اس پر پہرے کی خاطر پولیس ک
میں بھی اضافہ کر دیا گیا تھا اور...... اس وقت آئی جی آفس کے کانفرنس ہال میں بھی پولیس کے
وار افسران سر جوڑے بیٹھے اس منحوس کوٹھی کے بارے میں گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ نئے
والے آئی جی نے بھی اس حادثے کا خاص نوٹس لیا تھا۔ ڈی آئی جی اور اس کی ٹیم کے افسرا
الجھے الجھے نظر آ رہے تھے لیکن اورنگ زیب اس وقت بھی ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور مطمئن نظ
تھا۔ چہرے پر ایک ہلکا سا تناؤ بھی نہیں تھا۔

''موجودہ حادثے کی تفصیل آپ تمام حضرات کے علم میں ہے۔'' آئی جی نے ساؤنڈ پ
کمرے میں موجود تمام افسران کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس سے بیشتر کہ میں حادثے

سلسلے میں گفتگو کروں' آپ حضرات کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ چھٹی سے واپسی کے بعد کچھ ذاتی بنیادوں پر میں نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی درخواست کی تھی جسے میرے سابقہ بے داغ ریکارڈ' کارکردگی اور حکومت کی ترجیحات کی بنا پر قبول نہیں کیا گیا اور مجھے پہلی بار آپ کے صوبے میں تعینات کر دیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے لئے میں نیا ہوں لیکن ایک ہی محکمے میں ہونے کے سبب میں بیشتر افسران کے بارے میں خاصی واقفیت رکھتا ہوں۔ ویسے بھی جو افسران اچھی ریپوٹیشن اور نمایاں کام انجام دیتے ہیں ان کے نام حکومت کی لسٹ پر بھی موجود ہوتے ہیں۔'' آئی جی نے میز پر رکھے گلاس سے دو گھونٹ پانی پی کر بات جاری رکھی۔ ''آپ کے صوبے میں ڈیوٹی رپورٹ کرنے سے بیشتر میں نے ایک بار پھر حکومت سے خصوصی درخواست کی ہے کہ میری ریٹائرمنٹ کی درخواست پر از سر نو غور کیا جائے اس لیے عین ممکن ہے کہ میں آپ کے درمیان زیادہ عرصے نہ رہوں لیکن جب تک ہوں آپ مجھے اپنا دوست ہی سمجھیں اور میرے ساتھ تعاون کریں۔ آپ کے تعاون کے بغیر میری کامیابی بھی سوالیہ نشان بن سکتی ہے۔''

آئی جی نے سامنے بیٹھے ہوئے افسران پر نظر ڈالی پھر تھوڑے توقف سے بولا۔ ''موجودہ حادثے کی تفصیل میں نے اخبارات میں دیکھ لی ہے۔ شیخ حامد کی حقیقت جان لینے کے بعد اسمبلی اور سینٹ میں بھی اس کی گونج اکثر سنائی دیتی ہے' بہرحال...... ڈی آئی جی صاحب نے مجھے جو بریفنگ دی ہے اس کے مطابق شیخ حامد کی رہائش گاہ کو ضروری چھان بین کے بعد ہی سیل کر دیا گیا تھا اور پولیس کانسٹیبلوں کی راؤنڈ دی کلاک ڈیوٹی بھی لگا دی گئی تھی۔''

''جی ہاں......'' ڈی آئی جی نے جو بائیں ہاتھ کی کرسی پر ساتھ ہی بیٹھا تھا دوبارہ تصدیق کی۔

''شیخ حامد کے کیس کو کون دیکھ رہا تھا؟'' آئی جی نے ڈی آئی جی سے سوال کیا۔

''میرے ساتھ اس ٹیم میں ایس پی اورنگ زیب اور ڈی ایس پی سراج بھی شریک تھے۔ ہمارے یہ دونوں افسران قابل اعتماد اور اچھی کارکردگی کے مالک ہیں۔ ان کی سابقہ ریپوٹیشن بھی بے داغ ہے۔''

گڈ...... آئی جی نے خوشی کا اظہار کیا پھر اس کی نظروں کا زاویہ بدل کر اورنگ زیب کی جانب ہو گیا' ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد اس کی براہ راست اورنگ زیب کو مخاطب کیا۔ ''آئی ایم پراؤڈ آف یو ینگ آفیسر...... میں نے آپ کے بارے میں پہلے بھی بہت کچھ سن رکھا ہے۔''

''تھینک یو سر......'' اورنگ زیب نے مختصر جواب دیا۔

''آپ کا اس حادثے کے بارے میں ذاتی خیال کیا ہے......؟ ایک سیل شدہ کوٹھی کو جس کی چھان بین پوری طرح کی جا چکی تھی' اسے اندر سے تباہ کرنے سے کسی کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟''

''یہ حادثہ جیسا کہ سب کے علم میں ہے کل رات پیش آیا ہے۔'' اورنگ زیب نے مائیک میں کہا۔ ''جو سپاہی وہاں تعینات تھے وہ بے ہوشی کی حالت میں ملے ہیں اور اس وقت پولیس اسپتال میں زیر علاج ہیں...... میں خود بھی ابھی کوئی آخری رائے قائم نہیں کر سکا ہوں لیکن ایک دو روز میں

کوئی نہ کوئی کلیو ایسا ضرور مل جائے جو ہماری رہنمائی کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔''

''آئی ایگری ود یو لیکن ایک سوال پھر یہی ہے کہ کسی کو ایسا کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟''

''میں فوری طور پر اس کا کوئی جواب دینے سے قاصر ہوں۔'' جواب بے حد صاف گوئی اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے دیا گیا۔

''میں نے اخباروں میں ایک بات اور بھی پڑھی تھی......'' آئی جی نے دوستانہ انداز میں زیرلب مسکرا کر کہا۔ ''شاید آپ واحد آفیسر ہیں جس نے ابھی تک شیخ حامد یا آکٹوپس کو مردہ تسلیم نہیں کیا ہے۔''

''میں نے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ زندہ ہے...... صرف یہ کہا تھا کہ جب تک میں اس کی لاش کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں' ذاتی طور پر مطمئن نہیں ہوسکتا۔''

''انٹرسٹنگ!'' آئی جی جواب سن کر مسکرایا پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''آفیسر کی طرح آپ نے فوری طور پر کوئی نہ کوئی رائے قائم کی ہوگی موجودہ حادثے کے بارے میں؟''

''میں اسے صرف وقتی خیال ہی کے طور پر عرض کروں گا۔'' اورنگ زیب سنبھل کر بولا۔ ''یہ بات بیشتر ہائی آفیشل کے علم میں ہے کہ شیخ حامد نے ہمیشہ دہشت گردوں' خطرناک قاتلوں اور پولیس کو مطلوب خطرناک مجرموں کی پشت پناہی کی ہے۔ آکٹوپس یا شیخ حامد کا اثر ورسوخ خاصا اوپر تک تھا اس لیے ہمارے آفیسران بھی چشم پوشی سے کام لیتے رہے۔''

ڈی آئی جی اور دوسرے ایس پیز بھی کسمسانے لگے۔ اورنگ زیب نے اپنی بات جاری رکھی۔

''ہر شخص کو اپنی کرسی کی فکر ہوتی ہے سر...... بہرحال' میرا ذاتی خیال ہے کہ شیخ حامد نے جن خطرناک مجرموں کی پرورش کررکھی تھی اب شاید وہ پولیس کی توجہ ہٹا کر دوسری طرف واردات کرنے کے پرانے ہتھکنڈوں کو اختیار کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے......'' آئی جی نے سرسری انداز میں کہا پھر ادھر ادھر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کون ہیں؟''

ڈی آئی جی کچھ جواب دینا چاہتا تھا لیکن اورنگ زیب نے دوبارہ اپنا مائیک آن کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''سر...... یہ آپ کی پہلی میٹنگ تھی اس لیے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مسٹر سراج کو ہماری مخصوص ٹیم میں شامل ہونے کے باوجود پروٹوکول آفیسر نے اپنے جائز اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔''

''ویری سیڈ!'' آئی جی نے اپنی نشست پر کسمسا کر ڈی آئی جی کی سمت دیکھا۔

''اس کی اطلاع مجھے یہاں آنے کے بعد ملی تھی۔'' ڈی آئی جی نے وضاحت کی۔ ''پروٹوکول

آفیسر نے اس ضمن میں معذرت بھی کر لی ہے۔''

''آئی۔ سی......'' آئی جی نے شانے اچکا کر اس موضوع کو بدلتے ہوئے دوبارہ افسران کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس حادثے کی وجوہات خواہ کچھ ہوں، ہم اسے نظرانداز نہیں کر سکتے۔ کوٹھی کی تباہی مسٹر اورنگ زیب کے خیال کے مطابق شیخ حامد کے گرگوں کی حرکت بھی ہو سکتی ہے، ہمیں بہرحال اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ اب شیخ حامد زندہ نہیں ہے اس لیے اس کی اوپر تک رسائی کو بھول کر آپ حضرات اپنے اپنے علاقوں کو کھنگالیں اور پولیس کو مطلوب مجرموں کو جلد از جلد گرفتار کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ میں اس ضمن میں آپ کو تحریری حکم نامہ بھی روانہ کر دوں گا تاکہ آپ کی راہ میں اوپر سے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔''

''میں تمام افسران کی طرف سے آپ کو بھرپور تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کی سرپرستی رہی تو کوئی افسر بھی کوتاہی کا ثبوت نہ دے گا۔''

''گڈ......'' آئی جی نے خوشی کا اظہار کیا پھر اس نے دوبارہ اورنگ زیب کی جانب دیکھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس شیخ حامد کی جرائم پیشہ ٹیم کی کوئی نہ کوئی فہرست ضرور ہو گی۔''

''نو سر......'' اورنگ زیب نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''لیکن سینٹرل ریکارڈ آفس میں ایسے تمام جرائم پیشہ افراد کی فہرستیں مع تصاویر اور دیگر کوائف کے ضرور مل جائیں گی۔''

''تباہ شدہ کوٹھی کے سلسلے میں اب آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''ہمیں وہاں اپنی سکیورٹی کے انتظامات کو اور ٹائٹ کرنا پڑے گا، وقتی طور پر میں نے پولیس کی نفری میں اضافہ کر دیا ہے۔''

''ون منٹ......'' آئی جی نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ ''کیا شیخ حامد کے کچھ قریبی عزیز دار بھی اس شہر میں موجود ہیں؟''

''ہو بھی سکتے ہیں لیکن جب سے میں نے یہاں ڈیوٹی رپورٹ کی ہے ایسا کوئی دور یا قریب کا عزیز دار سامنے نہیں آیا۔'' اونگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میری اطلاع کے مطابق شیخ حامد کے سلسلے میں ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل احتشام بھی ذاتی دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''یس سر...... کرنل احتشام نے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ شیخ حامد اس وقت انڈرورلڈ مافیا کے نمبر ٹو کی حیثیت سے شمار کیا جاتا ہے۔''

''اوہ...... پھر تو ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ شیخ حامد کے غرق ہونے کے بعد کہیں مافیا کے بڑے بڑے تو یہاں اپنا تسلط قائم کرنے کی کوشش نہیں کر رہے......؟'' آئی جی نے پہلی بار اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

''ڈونٹ وری سر...... جب تک میں موجودہ سیٹ اپ یا اس محکمے میں ہوں ایسا نہیں ہو سکے

گا۔''اورنگ زیب نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔''شیخ حامد یا آکٹوپس کے بارے میں' میں خود کو ایس پی سمجھنے کے بجائے ایسا محب وطن سمجھتا ہوں جو کسی درمیانی رکاوٹ یا قانونی تقاضوں کو یکسر نظرانداز کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔''

''مجھے آپ کا جواب سن کر خوشی ہوئی۔'' آئی جی نے اسے سراہتے ہوئے کہا۔''جب تک میں اس سیٹ پر ہوں آپ کو بھی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوگی۔''

''تھینک یو سر......''

اونگ زیب سے گفتگو ختم کرنے کے بعد آئی جی نے باری باری ہر ایس پی سے اس کے علاقے کے بارے میں مختلف سوالات کیے پھر اس نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں چاہوں گا کہ جب تک میری ریٹائرمنٹ کا آخری فیصلہ نہیں ہو جاتا' آپ تمام حضرات قانون کی بالادستی کو قائم کرنے میں اپنا اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔اس ضمن میں اگر آپ میں سے کسی کو کوئی دشواری پیش آئے تو ڈی آئی جی صاحب سے رجوع کرے یا اگر چاہے تو براہ راست مجھے بھی اپنی پریشانیوں سے آگاہ کر سکتا ہے۔''

اس کے بعد ڈی آئی جی نے بھی حسب دستور تمام افسران اور عملے کی جانب سے آئی جی کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔پھر وہ ریفریشمنٹ کے لیے اٹھ رہے تھے جب ڈی آئی جی کے موبائل پر ایک ایس ایچ او کی کال موصول ہوئی۔ڈی آئی جی نے تلملا کر موبائل آن کر لیا۔اس وقت اسے کسی ایس ایچ او کا کال کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

''کیا بات ہے......؟''اس نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

''شیخ حامد کی بیوی کنول کو دوبارہ اغوا کر لیا گیا ہے سر......اس کی ماں نے شاید مزاحمت کی کوشش کی ہوگی اس لیے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے......میں اس وقت موقع واردات سے آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں......اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایس پی اورنگ زیب صاحب کو بھی آگاہ کر دیں۔انہوں نے یہاں جو آدمی تعینات کیے تھے ان میں سے بھی دو زخمی ہیں' ایک کو میں نے فوری طور پر اسپتال روانہ کرا دیا ہے۔ابھی تک میں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔''

''وہیں ٹھہرو......میں اورنگ زیب کو بھیج رہا ہوں' کسی چیز کو ہاتھ بھی مت لگانا۔''

ایس پی اورنگ زیب اس اطلاع کے ملتے ہی آئی جی سے اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔آئی جی کے چہرے پر نظر آنے والی سنجیدگی بھی کچھ اور گہری ہو گئی۔

⁂⁂⁂

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج اطلاع ملتے ہی پوش علاقے کے اس بنگلے پر پہنچ گیا جہاں سے کنول کو اغوا کیا گیا تھا لیکن تفتیش کا باقاعدہ مرحلہ اورنگ زیب کے آنے کے بعد ہی شروع ہوا......کاغذات کی تیاری علاقے کا ایس پی او کر رہا تھا۔ضروری کارروائی کے لیے متعلقہ افراد بڑی احتیاط سے اپنی اپنی کارروائی کرنے میں مصروف تھے۔

اورنگ زیب نے پورے بنگلے میں گھوم پھر کر محض سرسری نظر ڈالی تھی۔اس کی توجہ خاص طور پر کنول کی ماں کی خون آلودہ لاش پر تھی‘اسے کچھ تشدد کے بعد گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔کنول کے کمرے کی قیمتی اشیاء جوں کی توں ملی تھیں‘اغوا کرنے والوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

ضابطے کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد اورنگ زیب نے مقتولہ کی لاش اٹھائے جانے سے پہلے اپنے اسپائی کیمرے سے صرف اس کے چہرے کا کلوز اپ لیا تھا‘اس کے بعد ایس ایچ او نے مکان کو باہر سے سیل کرا دیا...... پاس پڑوس کے دور رہائشی افراد کا بیان بھی قلمبند کیا گیا۔ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے فائرنگ کی آواز نہیں سنی تھی۔یہ بیان اس بات کی وضاحت کرتا تھا کہ کنول کو اغوا کرنے والوں نے سائلنسر لگا ہوا اسلحہ استعمال کیا ہوگا۔

ضروری کارروائی کے بعد اورنگ زیب سراج کے گھر آ گیا۔الماس کو حسب معمول کافی بنانے کا کہہ کر وہ لاؤنج کے ایک صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔سراج اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔وہ اورنگ زیب کے چہرے پر طاری تھکن اور سنجیدگی کو بہ غور دیکھ رہا تھا۔الماس کافی لے کر آئی تو اس نے بھی ایسا ہی محسوس کیا پھر......سراج کے اشارے پر اورنگ زیب سے گفتگو کا آغاز بھی اسی نے کیا تھا۔

”نئے آئی جی صاحب کی میٹنگ کیسی رہی؟“

”ہر کہ آمد‘عمارت نو ساخت‘والی بات سب ہی نے محسوس کی تھی۔“

”مجھے آپ سے ایک شکوہ بھی کرنا ہے۔“الماس نے شوخی سے کہا۔

”جانتا ہوں۔“اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔”میں نے خاص طور پر تمہاری شکایت نئے آئی جی کے کانوں تک بھی پہنچا دی تھی۔پروٹوکول آفیسر نے ڈی آئی جی کے استفسار پر اس کی معذرت بھی طلب کر لی ہے۔“

”کنول کے اغوا کے بارے میں آپ نے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے؟“سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟کنول کے اغوا میں کون لوگ ملوث ہو سکتے ہیں؟“اورنگ زیب نے سراج کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔

”ہوسکتا ہے کہ اس میں آکٹوپس کے کچھ پالتو شکاری کتوں کا ہاتھ ہو جو آکٹوپس کی زندگی میں کنول کی طرف نظریں اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے۔“

”اور کچھ......؟“

”آئی سی۔“سراج نے اورنگ زیب کے سوال پر چونک کر کہا۔”کنول کے اغوا کی واردات میں آکٹوپس کا وہ علامتی نشان نہیں ملا جو ادھر تواتر سے نظر آ رہا تھا۔“

”گڈ......“اورنگ زیب نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا پھر کافی کا ایک گھونٹ لے کر بولا۔”اس بات کو میں نے بھی خاص طور سے نوٹ کیا تھا۔“

”ایک سوال میرے ذہن میں بھی کلبلا رہا ہے۔“سراج نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔”آپ

نے خاص طور پر مرنے والی کے چہرے کا کلوزاپ ہی کیوں لیا...... جبکہ ہمارے کیمرا مین مختلف زاویوں سے تصاویر لے چکے تھے۔''

اورنگ زیب نے اس سوال پر بھی سراج کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھا پھر کچھ توقف سے بولا۔ ''تم نے شاید ان پھٹی پھٹی حیران نظروں کے تاثرات پر غور نہیں کیا جو مقتولہ کی نگاہوں میں جم کر رہ گئے تھے۔''

''اوہ......'سراج نے تیزی سے کہا۔ ''شاید کنول کو اغوا کرنے والوں کو دیکھ کر اسے تعجب ہی ہوا ہوگا اور......غالباً اسی وجہ سے اس غریب کو موت کا شکار ہونا پڑا۔''

''میں تمہاری زبان سے یہی الفاظ سننا چاہتا تھا۔'' سراج نے انکساری سے کام لیا۔ ''اب لگے ہاتھوں ایک بات اور بتا دیں۔ آکٹوپس کے بنگلے میں ہونے والے پراسرار دھماکوں سے کسی کو کیا حاصل ہوسکتا ہے؟''

''آکٹوپس......آکٹوپس!......خدا کے لیے میرے سامنے اب اس کا ذکر نہ کریں ورنہ مجھے رات سوتے میں بھی اس منحوس آبی جانور کی خطرناک سونڈیں ہی لہراتی نظر آئیں گی......'' الماس نے بے تکلفی سے احتجاج کیا۔ ''ہمارے پاس گفتگو کے لیے اور بھی بہت سارے موضوع ہیں۔''

''یو آر ہنڈرڈ پرسنٹ رائٹ۔'' اورنگ زیب نے بڑی سنجیدگی سے الماس کی بات کی تائید کرتے ہوئے سراج کو گھورا۔ ''میں نے تم کو راستے میں بھی منع کیا تھا کہ آفیشل باتیں گھر پر نہ کیا کرو۔''

''دوسرا کوئی ٹاپک ہے تمہارے ذہن میں؟'' سراج نے الماس سے دریافت کیا۔

''کیوں نہیں......'' الماس نے اس بار مسکرا کر کہا۔

''آپ حضرات یہ کیوں فراموش کر رہے ہیں کہ کل ہمیں کسی کی دعوت میں چلنا ہے جہاں گڈے اور گڑیا کی شادی کی تاریخ بھی طے کرنی ہے۔''

گڈے اور گڑیا والی بات سن کر اورنگ زیب بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

''اور کل سب سے زیادہ اہم کردار بھی آپ کو ادا کرنا ہے۔'' الماس نے اورنگ زیب کو مسکرا کر دیکھا۔ ''وہاں کم از کم مرغے کی ایک ٹانگ والی مثال کو کسی کا گھر آباد کرنے کی خاطر فراموش کر دیجیے گا......اگر آپ نے وہاں بھی منحوس آکٹوپس کے ون پرسنٹ بھی زندہ ہونے کی کی بات کی تو روبی ہنڈرڈ پرسنٹ اوس بن کر ڈی آئی جی کے ارمانوں پر گرے گی۔ یہ سراسر زیادتی ہوگی اس غریب کے ساتھ جو نہ جانے کتنے ارمانوں سے کل کی دعوت کا اہتمام کر رہا ہوگا۔''

''آپ نہ کریں لیکن روبی تو اس کے زندہ یا مردہ ہونے کی تصدیق آپ ہی سے کرے گی۔'' الماس نے بڑے بھولپن سے اورنگ زیب کو آمادہ کرنے کی خاطر کہا۔

''کسی دشمن کے زخموں پر بھی محبت سے مرہم لگانا عین عبادت ہے۔ یہاں تو دو گھروں کو آباد کرنے کا مسئلہ درپیش ہے...... پلیز۔''

''او۔کے......'' اونگ زیب نے کسمسا کر جواب دیا۔''تمہاری خاطر لیپاپوتی کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔''

''یہ ہوئی نا بات۔'' الماس کچھ دیر بعد اسی موضوع پر بات کرنے کے بعد کافی برتن سمیٹ کر اٹھ گئی تو سراج اراور نگ زیب کے درمیان دوبارہ کنول کے اغوا کے امکانات کی گفتگو چھیڑ گئی۔

❖❖❖

اس کا سویا ہوا ذہن آہستہ آہستہ جاگنے لگا......ذہن پر طاری غنودگی چھٹ رہی تھی'اس کے دماغ میں گزری ہوئی باتوں کا دھندلا دھندلا عکس ابھر رہا تھا پھر وہ کسی عورت کی کربناک چیخ کی آواز تھی جسے سن کر اس کی مزاحمت نے دم توڑ دیا' آنے والوں نے فوراً ہی جکڑ لیا تھا اس کی ناک پر رومال رکھا گیا جس سے پھوٹنے والی خوشبو اتنی تیز اور زود اثر تھی کہ اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا تھا اور اب......اس کی ذہنی قوتیں دوبارہ بتدریج بکھرے ہوئے تانے بانے کو جوڑ رہی تھیں۔

اس وقت رات کے نو بجے تھے جب وہ کھانا کھا کر اوپر جانے کے لیے پَر تول رہی تھی۔

''نیچے سو جاؤ بیٹی......'' ماں نے اس سے درد بھری آواز میں کہا تھا۔''اوپر کب تک بستر پر کروٹیں بدل بدل کر کسی کا انتظار کرتی رہوگی۔''

''انتظار ہی تو زندگی کا واحد سہارا ہے ماں' جس دن یہ بھی ٹوٹ گیا' جسم اور روح کا تعلق بھی ختم ہو جائے گا۔''

''لیکن وہ......وہ......'' ماں کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''تم چپ کیوں ہو گئیں ماں؟'' اس نے سرد آہ بھر کر ماں کو مخاطب کیا۔''دل میں جو ہے وہ کہہ ڈالو۔''

''وہ......وہ مر چکا ہے میری بچی۔'' ماں نے ہونٹ چباتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔''انسان جو بوتا ہے ایک نہ ایک دن اسے وہی کاٹنا بھی ہوتا ہے اس کے اعمال کی سزا کا وقت آ گیا تھا اس لیے وہ ایسا غرق ہوا کہ جنازہ بھی نصیب نہ ہوا۔''

''تم اس کے کن اعمال کی باتیں کر رہی ہو......؟'' وہ ماں کے قریب آ گئی۔''دوسروں کے لیے وہ کیسا ہی سہی لیکن میرے ساتھ اس نے کوئی برائی نہیں کی تھی' وہ......وہ چاہتا تو دوسری لڑکیوں کی طرح میرے ساتھ بھی زبردستی عارضی رشتہ قائم کر سکتا تھا لیکن...... وہ مجھے دلہن بنا کر لایا ہے۔'

''جانتی ہوں......یہ بھی ایک فریب تھا۔'' ماں کے لہجے میں یکلخت تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔''باپ کو درندگی کا نشانہ بنا کر بیٹی سے نکاح کرنے والا بالآخر اپنے برے انجام کو پہنچ گیا لیکن میرے دل کی آگ ابھی سرد نہیں پڑی۔''

''یہ......یہ تم کیا کہہ رہی ہو ماں۔'' اس نے حیرت سے ماں کو منہ دیکھا۔''اگر وہ میرے باپ کا قاتل تھا تو پھر تم نے اس سے میری شادی......''

''اس کے گریبان تک پہنچنے کے لیے یہی ایک راستہ نظر آیا تھا مجھے لیکن افسوس میری

حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی لیکن خدا کی لاٹھی اپنا کام کر گئی۔''

ماں کے جملے اس کے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے جب وہ تینوں اجنبی آندھی اور طوفان کی طرح اندر آ گئے تھے۔ایک نے اسے قابو کرنے کی کوشش'ایک نے اس کی ماں کو ہاتھ تھام کر بے دردی سے کمرے میں دھکیل دیا۔تیسرا دروازے پر جما کھڑا رہا۔

''تم......''اس نے اپنے اوپر ہاتھ ڈالنے والے کو حقارت سے دیکھا۔''نمک حرام......کتے......کیا وہ زندہ ہوتے تو......تو میرے قریب آنے کی کوشش کر سکتا تھا؟''

''اب بھی نہیں کر سکتا لیکن جو حکم دیا گیا ہے'اسے ٹال بھی نہیں سکتا۔''اس نے سرد لہجے میں غرا کر کہا۔

''شرافت سے میرے ساتھ نکل چلو ورنہ ہمیں مجبوراً تمہیں یہاں سے اٹھا کر کہیں اور پہنچانے کا حکم ملا ہے۔''

''اب......اب اس کے بعد حکم دینے والا کون رہ گیا ہے؟''اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔''دور ہو جا مجھ سے۔''

''حماقت مت کرو ورنہ تم کو کسی بکری کی طرح دبوچ کر بھی اٹھا لے جائیں گے۔''

کنول وہ جملہ سن کر دیوانی ہو گئی'اس نے خود کو آخری دم تک بچانے کی ٹھان لی تھی لیکن اسی لمحے اس کی ماں کی کربناک چیخ اس کے کانوں میں گونجی'وہ جس کے شکنجے سے نکلنے کی خاطر جدوجہد کر رہی تھی اس نے اسے بے آواز آتشی اسلحے سے گولی مار دی تھی۔کنول نے دم توڑتی ماں کی پھٹی پھٹی نظروں اور اس کے سینے سے ابلنے والے خون کے فوارے کو دیکھا تو وہ وحشت زدہ ہو گئی۔ماں کا آخری سہارا بھی اٹھ جانے کے بعد اسے اپنی سونی زندگی کا احساس اتنی شدت سے ہوا کہ اس کا پورا وجود برف کی طرح سرد ہو گیا۔اسی ایک کمزور لمحے میں آنے والے نے اسے پوری طرح دبوچ لیا پھر......رومال کی خوشبو نے اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں بھی سلب کر دی تھیں۔

اسے یاد نہیں تھا کہ اس منحوس سانحے کو گزرے کتنا وقت گزر چکا ہے لیکن جب اس نے بے ہوشی کا خمار ٹوٹنے کے بعد ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو تیز روشنی میں اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اور کچھ دیر بعد دوبارہ آنکھ کھولی تو اس نے خود کو ایک نہایت آرام دہ کمرے میں نرم و گرم بستر پر پایا۔ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔اس کے سوا کمرے میں اور کوئی نہیں تھا'ایک لمحہ وہ حالات کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو کسی خفیہ مائیک سے ایک زنانی آواز سنائی دی۔

''آپ آرام کریں میڈم۔ہم آپ کے لیے راحت بخش شربت لا رہے ہیں۔''

کنول نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کا ذہن اب جاگ رہا تھا'وہ آنے والے سے زور آوری کرنے کا سوچ رہی تھی جب ایک خوب صورت ادھیڑ عمر کی عورت مسکراتی ہوئی سامنے آ گئی۔اس نے ہاتھ میں جو ٹرے اٹھا رکھی تھی اس میں ملک شیک کے علاوہ خوب صورتی سے تراشے ہوئے فروٹ بھی موجود تھے۔کنول کے قریب آ کر ٹرے کو مسہری کے ساتھ والی میز پر رکھ دیا

گیا۔جس کے قریب دو آرام کرسیاں بھی رکھی تھیں۔

''تم......تم کون ہو......؟'' کنول نے اسے مخاطب کیا۔

''آپ کی طرح ایک عورت ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔''فی الحال اپنی خادمہ ہی سمجھیں۔''

''مجھے یہاں کس لیے لایا گیا ہے؟''

''اس کا جواب دینے کا اختیار نہیں ہے مجھے۔'' عورت نے سنبھل کر جواب دیا۔

''تم اتنی بے اختیار بھی نظر نہیں آتیں جتنا خود کو ظاہر کر رہی ہو۔'' اس نے حقارت سے ادھیڑ عمر کی عورت کو گھورا۔

''آپ مالک ہیں۔جو چاہے کہہ سکتی ہیں۔'' عورت نے کنول کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر الٹے قدموں لوٹ گئی۔

وہ عورت کے جانے کے بعد بستر سے اتر کر نیچے آ گئی' گزرے ہوئے لمحوں کا ہولناک تصور اور آنے والے لمحوں کا تصور اس کے معصوم خیالوں میں نشتر کے مانند چبھ رہا تھا جب مائیک پر پھر وہی لرزتی آواز بھری۔

''آپ نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیں میڈم۔فریش ہو کر ہلکا پھلکا ناشتا بھی کر لیں اور...... جو وقت گزر گیا اسے فراموش کرنے کی کوشش کریں۔''

''شٹ اپ......'' کنول نے نفرت کا اظہار کیا۔وہ جانتی تھی کہ اگر وہ مائیک پر کسی کی آواز سن رہی تھی تو دوسری جانب اس کی آواز بھی ضرور سنی جا رہی ہوگی۔

''آپ کی ناراضگی بجا ہے میڈم لیکن جو کچھ سانحہ پیش آیا آپ اسے ہمارے لوگوں کی مجبوری سمجھ کر درگزر کرنے کی کوشش کریں۔''

''تم کس مجبوری کا رونا رونے کو کوشش کر رہی ہو......؟'' کنول نے بہ دستور نفرت سے سوال کیا۔

''آپ کی والدہ کی موت!'' تھوڑے توقف سے جواب ملا۔''انہوں نے ہمارے کسی آدمی کو شناخت کر لیا تھا۔اسے چیلنج بھی کیا۔یہی ان کی غلطی تھی' ایسی صورت میں ہم کوئی ایسا ثبوت نہیں چھوڑ سکتے تھے جو ہمارے لیے بعد میں دشواریاں پیدا کرے۔''

''تمہارا تعلق کس گروہ سے ہے؟'' کنول نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

''آپ نہا دھو کر ناشتہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر آرام کر لیں پھر...... آپ کو آپ کے بہت سارے سوالات کا جواب بھی مل جائے گا۔''

''اگر میں تمہاری پیشکش ٹھکرا دوں تو......؟''

''ہم پھر بھی آپ کے کسی حکم کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتے۔''

کنول نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے' جو صورت حال درپیش تھی وہ اسے سمجھنے سے قاصر تھی' اسے (کیو)ں اغوا کیا گیا تھا؟ کسی مجبوری کے تحت اس کی ماں کا سایہ اس کے سر سے اٹھا لیا گیا؟ اس کی

پوزیشن بظاہر محکوم کی سی تھی، پھر......اس کو حاکمیوں کی طرح کیوں برتا جا رہا تھا؟ خاصی دیر تک وہ ذہن کی گتھیوں کو سلجھاتی رہی پھر اس نے گھوم پھر کر کمرے کا جائزہ لیا جس میں ایک اٹیچ باتھ روم کے ساتھ مختصر ڈریسنگ اسپیس میں کپڑوں کی ایک الماری بھی تھی، اس نے یونہی الماری کو کھول کر دیکھا تو دنگ رہ گئی، اس میں جتنے لباس تھے سب اس کے پسندیدہ تھے۔

عام حالات میں شاید وہ اس صورت حال کو ضرور انجوائے کرتی لیکن ماں کی موت کے احساس نے اس کو الجھا کر رکھا تھا، وہ کمرے میں واپس آ گئی، تادیر ٹہلتی رہی۔ حالات پر غور کرتی رہی پھر اس نے ذہن کو تازگی بخشنے کی خاطر غسل خانے میں جا کر کپڑوں کی قید سے خود کو آزاد کر کے فوارے کے نیچے کھڑا کر دیا۔ نیم گرم پانی نے اس کے الجھے ہوئے ذہن کو کچھ تازگی بخشی تو اسے زندگی کا احساس ہوا۔ ستر پوشی کی خاطر اس نے الماری سے ایک لباس نکال کر پہنا پھر کمرے میں آ گئی۔ زندگی کو برقرار رکھنے کی خاطر اس نے مختلف فروٹ کے دو چار پیس حلق کے نیچے اتارے، شربت کے کچھ گھونٹ لیے پھر دوبارہ اٹھ کر ٹہلنے لگی، اسے جن حالات میں رکھا گیا تھا وہ حیران کن تھے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب کسی خدشے کے پیش نظر اس کی ماں کو راستے سے ہٹا دیا گیا تھا۔

''آخر وہ کون لوگ تھے......؟ اگر انہیں اس کی ماں سے کوئی خطرہ لاحق ہو گیا تو کیا وہ ان میں کسی کو شناخت کر کے ان کے لیے دشواریاں نہیں پیدا کر سکتی تھی؟......کیا وہ اپنی ماں کے قاتلوں کو فراموش کر سکتی تھی؟ اور......اس کی ماں نے پہلی بار اس پر ایک عجیب حقیقت کا انکشاف کیا تھا......وہ جو اس کا مجازی خدا تھا......وہی اس کے باپ کا قاتل بھی تھا؟......لیکن اگر ماں نے سچ کہا تھا تو اس کے رشتے کی ہامی کیوں بھری تھی......؟ کیا مقصد تھا اس کا؟......وہ کیا ایسا ہی چاہتی تھی؟ کیا اس کے ذہن میں انتقام کا کوئی طریقہ تھا۔ جس پر عمل کرنے سے بیشتر ہی وہ بھی موت کا شکار ہو گئی؟''

کنول کے ذہن میں مختلف سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اس کا ذہن کسی آخری نتیجے کو اخذ کرنے کی کوشش میں الجھ رہا تھا جب وہ دروازے کی سمت سے ابھرنے والی قدموں کی آواز سن کر چونکی۔ اس نے تیزی سے نظروں کا زاویہ بدل کر اس سمت دیکھا۔ نووارد کی شخصیت بھی اس کے لیے کسی پراسرار معمے سے کم نہیں تھی۔

وہ ادھیڑ عمر کا تھا لیکن اس کی صحت قابل رشک تھی۔ اس کے جسم پر اس وقت نائٹ سوٹ نظر آ رہا تھا۔ چہرے پر بڑی مقطع چقطع ڈاڑھی تھی جس کے زیادہ تر بال سفید ہی تھے۔ پیشانی پر سیاہی مائل نشان بھی موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی کنول نے اعلیٰ قسم کی شراب کی خوشبو کمرے میں پھیلتی محسوس کی۔

دونوں ایک دوسرے کو بہ غور دیکھتے رہے پھر کنول نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''کون ہو تم......؟''

''گھبراؤ مت......تمہیں میرے ہی اشارے پر یہاں لایا گیا ہے۔'' ادھیڑ عمر والے نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ وہ لب و لہجہ کنول کے لیے مانوس نہیں تھا۔

''اوہ......'' کنول نے نفرت کا اظہار کیا۔ ''میری بے قصور ماں کو بھی شاید تمہارے ہی اشارے پر مارا گیا ہے؟''

''نہیں!......وہ وقت اور حالات کے تقاضوں کا شکار ہوگی۔''

''مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے......؟''

''اس لیے کہ تم مجھے پسند ہو......'' آنے والے نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ ''اور جو چیز پسند ہو اسے حاصل کر لینا میری فطرت ہے۔''

''تم کسی کمزور عورت کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کو اپنی مردانگی سمجھتے ہو؟''

''فضول بات مت کرو......'' وہ کنول کو سرتا پا دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ ''میرا پہلو گرم کرتی رہو......اس کے عوض تم بھی لوگوں پر اپنا حکم چلانے کے قابل ہو جاؤ گی۔''

''م......میں......بازاری عورت نہیں ہوں۔'' کنول نے اسے حقارت سے مخاطب کیا۔ ''ہاں' ماں کی طرح تم مجھے بھی گولی مارنے کے بعد اپنے ناپاک مقصد میں ضرور کامیاب ہو سکتے ہو۔''

''ایسا نہیں ہوگا میری جان......تم ہنستی مسکراتی میری بانہوں میں آؤ گی۔'' وہ قدم اٹھاتا کنول کے قریب آ گیا۔

''میرا شمار ان شکاریوں میں مت کرو جو مچان پر بیٹھ کر شکار کھیلتے ہیں۔''

''تم شاید میری حقیقت سے پوری طرح واقف نہیں ہو؟'' کنول نے سنبھل کر کہا۔ ''میں جس کی امانت ہوں اگر وہ زندہ ہوتا تو تم شاید میرا تصور کرتے ہوئے بھی خوف سے لرز اٹھتے۔''

''اوہ......سمجھا' تم شاید آکٹوپس کی بات کر رہی ہو لیکن......'' اس نے کنول کے کچھ اور قریب آ کر سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ایس پی اورنگ زیب نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا؟......اس نے کہا تھا کہ آکٹوپس سمندر کا ایسا خطرناک عذاب ہے جو آسانی سے ختم نہیں ہوتا۔''

کنول نے اپنے مقابل کھڑے ہوئے شخص کا آخری جملہ سنا تو اس کے اندر ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ وہ جملہ اس نے بدلی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ وہ آواز کنول کے لیے غیر مانوس بھی نہیں تھی۔ وہ صمد الصمد شیخ حامد ہی کی آواز تھی۔

⁂⁂⁂

ای آئی جی نے میڈم روبی سے منگنی کی اس تقریب کا خاصا اہتمام کیا تھا۔ ڈرائنگ روم کو رنگ رنگ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا' ڈرائنگ ٹیبل کے درمیان میں بڑے اور نفیس گلدان میں بھی گلاب کے پھول اور کلیاں نظر آ رہی تھیں' اس دعوت میں اس نے سراج' الماس' اورنگ زیب کے علاوہ انج کے حوالے سے از خود سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم کو بھی مدعو کیا تھا۔

تقریب کا وقت آٹھ بجے تھا لیکن سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم وہاں سب سے پہلے پہنچے تھے' مین

گیٹ پر خود ڈی آئی جی نے ان کا استقبال کیا تھا پھر وہ گیٹ پر ہی تھے جب اورنگ زیب' سرا
الماس بھی آ گئے۔ سیٹھ عثمان اور راحیلہ کو وہاں پہلے سے دیکھ کر الماس دوڑ کر راحیلہ بیگم سے
تھی' سراج نے سیٹھ عثمان سے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''آپ اس وقت یہاں کسی ذاتی کام سے آئے ہیں؟''

''یس......'' ڈی آئی جی نے درمیان میں آ کر جواب دیا۔''چھوٹے بھائی کی تقریب ہو او
بھائی اور بھابی موجود نہ ہوں؟ یہ بھلا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔''

''سر......'' سراج نے مسمی صورت بنا کر کہا۔''یہ کاروباری لوگ ہیں۔ ہم پولیس والوں
دوستی بڑھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے......''

''اگر سراج بھائی یہ کہہ رہے ہیں تو میں اس کی تائید کروں گی۔'' راحیلہ نے شوخ انداز
برجستہ سراج کی ٹانگ گھسیٹی تو سراج لاجواب ہو گیا۔

''ول سیڈ......'' ڈی آئی جی نے مسکرا کر راحیلہ بیگم کو دیکھا پھر سب اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کر
لان میں آ گئے جہاں بیٹھنے کا انتظار تھا۔ سراج کی شوخی......راحیلہ بیگم کا محبت بھرا جواب اور الماس
بات بات پر راحیلہ بیگم کی تائید کرنا۔ اس چھیڑ چھاڑ نے ماحول کو خاصا بے تکلف بنا دیا تھا۔

''مسٹر سراج......'' ڈی آئی جی نے بھی اس نوک جھوک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سرا
سے کہا۔''میرا خیال ہے کہ اب آپ اپنی ہار تسلیم کر لیں' اسی میں بہتری ہے۔''

اورنگ زیب نے اس موقع پر ایک خاص پالیسی اختیار کر لی تھی' کبھی وہ راحیلہ کی بات کی تا
کرتا اور کبھی سراج کا ساتھ دینے کی خاطر اس کی حمایت میں ایک دو جملے کہنے سے بھی گریز
کرتا۔ گفتگو کا رنگ جاری تھا جب میڈم روبی کو گاڑی آ گئی۔ ڈی آئی جی نے اس کا خیر مقدم بڑ
والہانہ انداز میں کیا جسے سب ہی نے محسوس کیا' میڈم کے ساتھ تھریسا بھی تھی' وہ لان پر آئے تو سب
ہی اٹھ کھڑے ہوئے' راحیلہ بیگم نے خاص طور پر میڈم روبی کو گلے لگا کر اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔ رسم
تعارف کے بعد محفل میں دوبارہ بے تکلفی کا رنگ گھلنے لگا' اس دوران باوردی بیرے نے ڈرنکس کی
ٹرے لا کر سب کو سرو کیا پھر آدھے گھنٹے بعد سب ہنستے بولتے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ روبی نے سفید
شلوار قمیص پر سفید موتیوں کا سیٹ پہن کر رکھا تھا جس میں وہ سب سے منفرد نظر آ رہی تھی۔ کھانے کی
میز پر بھی ہنسی مذاق کا سلسلہ جاری رہا' لیکن سراج گفتگو سے زیادہ مختلف ڈشوں سے انصاف کرنے
میں بھی مگن تھا جب میڈم روبی اسے چھیڑنے کی خاطر کیا۔

''سراج صاحب......سب لوگ ہنس بول رہے ہیں مگر آپ اس وقت بھی کھانے میں لگے
ہیں۔''

''خدا کے لیے......'' سراج نے کن آنکھوں سے باری باری ڈی آئی جی اور الماس کی طرف
دیکھتے ہوئے میڈم سے درخواست کی۔''اس وقت تو سراج بھائی کہہ کر مخاطب کریں ورنہ ملازمت
کے ساتھ گھر کا سکون بھی خطرے کی زد میں آ جائے گا۔'' جملہ اس معصومیت اور برجستگی سے کہا گیا کہ

سب ہی بے اختیار ہنسنے لگے۔
کھانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے' یہاں بھی بے تکلفی سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری تھا جب راحیلہ بیگم اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ روبی نے جوان کے سامنے والے صوفے پر الماس کے ساتھ بیٹھی تھی حیرت سے پوچھا۔

''یہ آپ کہاں جانے کے لیے پر تول رہی ہیں؟''

''کسی کو گھر لانے کی خاطر تھوڑی بہت رسمی دوڑ دھوپ تو کرنی ہی پڑتی ہے۔'' وہ جواب دے کر مسکراتی ہوئی روبی کے قریب گئیں تو روبی اور الماس دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ڈی آئی جی وقتی طور پر اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔ راحیلہ بیگم نے پرس کھول کر سبز مخملی کیس سے ہیرے کی ایک قیمتی انگوٹھی نکال کر روبی کو پہناتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''تمہاری منگنی کی اس خوب صورت تقریب میں ایک بڑی بہن کی طرف سے......''

الماس کے ساتھ دوسروں نے بھی اٹھ کر تالیاں بجائیں' روبی کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ اس نے بے اختیار ہو کر راحیلہ بیگم کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اس موقع پر اورنگ زیب نے ڈی آئی جی کی طرف دیکھ کر پہلی بار پھبتی کسی۔

''سر...... پولیس والے تو موقعے کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ تو پھر ڈی آئی جی ہیں۔ راحیلہ بہن نے راہ ہموار کر دی ہے تو آپ بھی پیچھے کیوں رہیں؟''

اورنگ زیب کا جملہ سن کر روبی بھی مسکرا دی' ڈی آئی جی بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی اپنی جیب سے منگنی کی انگوٹھی نکال لی...... روبی کے قریب جا کر بڑی انکساری سے مسکرا کر پوچھا۔

''اجازت ہے......؟''

روبی کے جواب دینے سے پہلے ہی راحیلہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر ڈی آئی جی کے سامنے کر دیا۔ ڈی آئی جی نے بڑے ارمانوں سے منگنی کی انگوٹھی پہنائی تو ڈرائنگ روم سب کی تالیوں سے گونج اٹھا۔ ڈی آئی جی کے بعد الماس نے بھی ایک انگوٹھی روبی کو پہنائی تھی۔ کچھ دیر تک یہ ہنگامہ جاری رہا پھر سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو میڈم روبی نے سنبھل کر اونگ زیب کی سمت دیکھا۔ پھر بڑے واضح انداز میں بولی۔

٭٭٭

''آپ جانتے ہیں کہ اس منگنی کو آخری انجام تک پہنچانے سے بیشتر میں آپ سے کیا سوال کروں گی؟''

''میرا ذاتی مشورہ ہے کہ آپ کو کسی ایک شخص کے واہمے کے مقابلے میں اکثریت کی رائے کو قبول کر لینا چاہیے۔''

اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''یہی مناسب بھی ہوگا۔''

''یہ میرا بھی انفرادی معاملہ ہے اس لیے اگر میں آپ سے آکٹوپس کے بارے میں جاننے کی دوبارہ درخواست کروں تو......؟''

''تو میں آپ کو ایک انتہائی مشورہ بالکل مفت دوں گا۔''سراج نے کچھ سوچ کر سنجیدگی سے کہا۔''ہمیں آکٹوپس کے لیے جاننے کی خاطر لیاقت حسین سے رابطہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگا......اس کی روحانی قوتوں کا کرشمہ ہم میں سے بیشتر افراد دیکھ چکے ہیں۔''

''میں سراج کی اس بات کی تائید کروں گا......''سیٹھ عثمان نے کہا۔''زندگی اور موت تو خدا کے اختیار کی بات ہے لیکن دو تین موقعوں پر لیاقت حسین کی روحانی قوتیں مجھے اور راحیلہ کو بھی موت کے منہ سے نکال چکی ہیں۔''

''آپ کو بھی اس کا ذاتی تجربہ ہوگا۔''سراج نے دوبارہ کہا تو روبی لاجواب ہوگئی لیکن یہ بات سب ہی نے محسوس کی تھی کہ اسے کی خاموشی اس کا حتمی فیصلہ نہیں ہے۔

''آپ کے نئے آئی جی صاحب کس ٹائپ کے ہیں؟''سیٹھ عثمان نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بڑی خوب صورتی سے موضوع بدل دیا۔

''ابھی تک ان کے بارے میں محکمے کے اکثر افسران بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکے ہیں۔''

''کوئی سبب بھی ضرور ہوگا......؟''

''جی ہاں......''ڈی آئی جی نے پہلو بدل کر کہا۔

''ہماری اطلاع کے مطابق پہلے وہ ایکٹو (active) آفیسران کی فہرست میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے لیکن چار سال قبل بیوی کے فوت ہو جانے کے بعد ان کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا جس کے بعد انہیں ملازمت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ سنا ہے خاندان میں بھی قریب کے ایسے رشتے

دار نہیں تھے جو ان کا غم بانٹ سکتے۔ اس لیے وہ ایک سال کی رخصت لے کر بیرون ملک چلے گئے تھے۔ وہاں سے وہ بار بار چھٹیاں بڑھواتے رہے اور اب طویل عرصے کے بعد جب سے آئے ہیں وہ کئی بار ملازمت سے استعفیٰ کی درخواست دے چکے ہیں لیکن ان کے سابقہ ریکارڈ کے پیش نظر ابھی تک ان کی درخواست منظور نہیں ہوئی۔'' آئی جی نے بات جاری رکھی۔ ''یہاں وہ پہلی بار تبادلہ ہونے کے بعد آئے ہیں۔ بظاہر پہلی کانفرنس میں بھی موصوف نے تمام افسران کو ایکٹو رہ کر کام کرنے کو کہا ہے لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اب وہ ملازمت سے اکتا چکے ہیں۔ ان کے استعفیٰ کی درخواست اب بھی حکومت کے زیر غور ہے۔ واقف کاروں کا بھی یہی خیال ہے کہ ان میں اب وہ پہلی جیسی بات نہیں رہی۔''

''آکٹوپس کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے......؟''

میڈم نے پھر دبی زبان میں کریدنے کی کوشش کی۔

''فی الحال انہوں نے کھل کر اس موضوع پر بھی کوئی بات نہیں کی۔'' ڈی آئی جی نے کن انکھیوں سے اورنگ زیب کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''ملٹری انٹیلی جنس کے ذمے داروں کا بھی ایک ہی خیال ہے کہ چٹان سے کی جانے والی فائرنگ کی زد میں آ کر دونوں ہلاک ہو گئے' پھر ان کی لاشیں سمندر کی تہ میں جا کر گوشت خور مچھلیوں کا شکار ہو گئی ہوں گی۔''

''جن وارداتوں میں آکٹوپس کی شبیہ مل رہی ہے ان کو کیا نام دیں گے آپ؟''

''یہ عوام میں دہشت پھیلانے کا ایک بھونڈا حربہ ہے...... میرا خیال ہے کہ یہ شیخ حامد کے پالتو بدمعاشوں کا ڈھونگ ہے۔''

''انگوٹھی کی رسم ادا ہونے کے بعد اس وقت آکٹوپس کا ذکر بھی نامناسب ہے۔'' راحیلہ بیگم نے روبی سے کہا۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اب کوئی تاریخ بھی طے ہو جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

''میں آپ کے اس مبارک خیال کی بھرپور تائید کروں گا۔'' اورنگ زیب نے بھی میڈم کو اکسانے کی کوشش کی۔

''میڈم سے اس سلسلے میں میری بات ہو چکی ہے۔''

تھریسا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ یہ نیک کام بھی بہت جلد ہو جائے گا۔ تاریخ کے بارے میں بھی کوئی اعلان دو ایک دن میں کر دیا جائے گا۔''

''آپ اس سلسلے میں کیا کہنا پسند کریں گے؟'' الماس نے ڈی آئی جی کو شوخی سے مخاطب کیا۔

''میں آپ لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ میڈم کا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ مجھے قبول ہوگا۔'' ڈی آئی جی نے اتنی تابعداری اور انکساری سے یہ جملے ادا کیے کہ سب ہی مسکرا دیے پھر...... کافی کے دور کے بعد جب محفل برخاست ہوئی تو روبی نے جاتے ہوئے اورنگ زیب کے قریب سے گزرتے وقت ملرا کر شکوہ کیا۔

''الماس کے رشتے سے میرا بھی کچھ حق بنتا ہے آپ پر لیکن اس وقت آپ نے افسری ماتحتی کا زیادہ خیال رکھا.....''

''بات نمک کی آ گئی تھی۔'' اورنگ زیب نے برجستہ جواب دیا۔ ''آپ کے ہاں دعوت ہو گی تو گھٹنا آپ ہی کی طرف جھکے گا۔''

''آپ کا گھر ہے جب چاہیں تشریف لے آئیں لیکن ایک بات میری بھی سن لیں۔ جب تک آپ غیر جانبدار ہو کر آکٹوپس کے بارے میں زبان نہیں کھولیں گے۔ آپ کے ڈی آئی جی کی دال نہیں گلے گی۔''

میڈم نے آخری جملہ بڑی مدھم آواز میں ادا کیا پھر سب سے اجازت طلب کی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد ڈی آئی جی نے بھی سیٹھ عثمان کو رخصت کرتے وقت بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا پھر راحیلہ بیگم سے کہا۔ ''آپ نے جس اپنائیت سے میڈم کو انگوٹھی پہنانے میں پہل کی تھی اسے میں کبھی فراموش نہیں کروں گا۔''

واپسی پر بھی اورنگ زیب' سراج اور الماس کے ساتھ تھا لیکن کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ الماس نے اسے چھیڑنے کی خاطر پوچھا۔ ''میڈم نے جاتے جاتے کیا کہہ دیا جو آپ اس قدر سنجیدہ نظر آ رہے ہیں؟''

''میں اپنے کارڈز قبل از وقت شو کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا پھر کسی خیال میں گم ہو گیا۔ سراج نے اس وقت اسے الماس کی موجودگی میں کریدنا مناسب بھی نہیں سمجھا

❊❊❊

ماربل کے ایکسپورٹ کے کام کی وجہ سے لیاقت حسین کی دفتری مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔ آفس کے علاوہ اسے اکثر باہر کے کاموں کی نگرانی بھی کرنی پڑتی تھی۔ پہلے گودام سے مال اٹھا کر شپنگ کمپنی تک پہنچانے کا کام کسی اور کے ذمے تھا لیکن اب یہ کام بھی لیاقت حسین خود کرنے لگا تھا۔ سیٹھ عثمان کے مشورے پر اس نے ایک لوڈنگ پک اپ بھی خرید لی تھی۔ شپنگ کمپنی تک مال پہنچانے کا مشورہ بھی اسے سیٹھ عثمان ہی نے دیا تھا۔ پہلے یہ کام جو شخص کرتا تھا اس کے بارے میں یہی رپورٹ ملی تھی کہ وہ بزنس کے راز بھی دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتا تھا۔ اس بات کا علم بھی اس وقت ہوا جب ''ماربل ایکسپورٹرز'' کے نام سے اس شعبے کو علیحدہ کیا گیا تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد ہی اس ملازم نے اچانک ملازمت بھی چھوڑ دی تھی' بعد کی اطلاعات کے مطابق اس نے ماربل کا کام کرنے والی ایک اور فرم میں ملازمت اختیار کر لی تھی جس کا مال بھی سرفراز خان کے بجائے کسی اور کے ذریعے خریدا جاتا تھا۔

بہرحال' اب گودام سے مال اٹھانے اور شپنگ کمپنی تک پہنچانے کا سارا کام لیاقت حسین خود دیکھ رہا تھا۔ اس کی ایمانداری سے دوسرے عملے کے افراد بھی واقف تھے اس لیے وہ بھی محتاط ہو گئے

تھے۔

اس وقت دوپہر کے دو بجے کا عمل تھا جب لیاقت حسین...... مال کی دوسری کھیپ بھی شپنگ کمپنی تک پہنچانے کے بعد واپس آ رہا تھا۔اس کے ذہن میں حاصل ہونے والے منافق کے سلسلے میں بہت سی باتیں گردش کر رہی تھی سیٹھ عثمان کے احسانات اس پر بے حساب تھے'براہ راست بیرونی منڈیوں سے کاروبار کا مشورہ بھی انہوں نے سرفراز خان کو دیا تھا'یہ بھی محبت کا ثبوت تھا۔ان کے پاس عملے کی کمی بھی نہیں تھی'وہ چاہتے تو خود بھی کئی طریقے اختیار کر کے اس کام کو براہ راست بھی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے نہ صرف سرفراز خان کو نیک مشورہ دیا تھا بلکہ دفتر کی جگہ اور تجربہ کار عملہ بھی فراہم کر دیا تھا۔سرفراز خان نے منافع میں آدھے کی شرط رکھی تھی جسے سیٹھ عثمان نے وقتی طور پر قبول کر لیا تھا لیکن سرفراز خان کے جانے کے بعد انہوں نے لیاقت حسین پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ صرف اپنے سابقہ کاروبار کی حد تک منافع لیں گے'باقی سب لیاقت حسین کو براہ راست اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنا ہوگا۔

لیاقت حسین نے کبھی سیٹھ عثمان کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی'اس لیے وہ خاموش ہو گیا تھا لیکن اس وقت وہ اسی پہلو پر غور کر رہا تھا کہ کوئی ایسی صورت نکالے کہ سیٹھ عثمان کو کل کاروبار کا نصف لینے پر آمادہ کر سکے۔وہ ان ہی خیالوں میں مستغرق تھا جب اچانک اس کی نظر اپنے ہاتھ کی اس انگوٹھی پر پڑی جو اس کی ماں نے تعویذ گم ہو جانے کے بعد اسے دی تھی۔انگوٹھی پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا۔اس میں جڑا ہوا چپٹے کلیجی رنگ کا عقیق اس وقت کسی سرخ رنگ کے انگارے کے مانند دہک رہا تھا۔لیاقت حسین کے ذہن میں کسی آنے والے خطرے کا احساس ابھرا پھر غیر اختیاری طور پر اس نے اسٹیرنگ موڑا'لوڈنگ پک اپ اب ایک ویران سڑک پر آنے کے بعد فراٹے بھر رہی تھی۔لیاقت حسین کی نظریں بہ دستور انگوٹھی کے نگینے پر مرکوز تھیں جب ماں کی آواز کہیں دور سے اس کے کانوں میں گونجی۔

''وہ کون ہے ماں؟''لیاقت حسین کے ہونٹ آپ ہی آپ متحرک ہو گئے۔

''وہی پلید۔جس کا خوب صورت عورت تیرے تعویذ کے جال میں پھنس کر جہنم رسید ہو گیا تھا۔''

''وہ......وہ اس وقت کہاں ہوگا......؟''

''سب اوپر والے پر چھوڑ دے ماں کا جان......جس نے اس کا عورت کو چٹ کر دیا اس کو بھی غرق کرے گا۔''

لیاقت حسین کے پیروں کا دباؤ ایکسی لریٹر پر بتدریج بڑھتا جا رہا تھا۔کوئی غیبی قوت اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔انگوٹھی کی طرف سے نظر ہٹا کر اب وہ سنسان سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کے ذہن پر ایک دھند سی طاری تھی'وہ کہاں جا رہا تھا؟ کیوں جا رہا تھا؟اس کا علم اسے نہیں تھا جب ماں کی آواز پھر اس کے کانوں میں گونجی۔

''تو اس کا قریب مت جانا لیاقت...... وہ گندا بدذات اس قابل بھی نہیں ہے کہ تو اس کو ہاتھ لگائے۔ دور سے انگوٹھی اس کے سامنے کر دینا' وہ سارا جنتر منتر بھول جائے گا۔''

''ماں...... وہ کب تک ہمارا پیچھے لگا رہے گا...... کیا بڑے نانا کا طاقت اسے......''

''توبہ کر لیاقت...... توبہ کر۔'' ماں کے لہجے میں خوف کا عنصر بھی گھل گیا۔ ''مارنے اور جلانے کا اختیار صرف اوپر والے کو ہے اس کا اشارے کے بغیر پتھر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا۔''

''پھر...... تو میرے لیے خدا سے دعا مانگ؟''

''پریشان مت ہو لیاقت...... ماں کی دعا تیرے ساتھ ہے...... اوپر والا ہمارا پکار ضرور سنے گا...... کب؟ یہ اس کی مرضی کا بات ہے میری جان...... اس کا ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتا ہے...... فرعون کو بھی اسی نے ڈھیل دے رکھا تھا...... اس طرح غرق کیا کہ اسے کے پلید جسم کو مچھلیوں نے بھی نہیں کھایا...... وہ بھی نشان عبرت بن کر رہ گیا۔ وہ غفور الرحیم اس گندے پجاری کو بھی ضرور مارے گا۔ کب؟ اس کے لیے تجھے وقت کا انتظار کرنا ہوگا......''

لیاقت حسین کے ذہن میں اس وقت سناٹوں کا راج تھا۔ وہ جسمانی طور پر حاضر ہونے کے باوجود ذہنی طور پر غیر حاضر ہی تھا۔ پک اپ کی رفتار بڑھتی گئی پھر...... وہ شہر سے دور سمندر کے ایک ایسے اجاڑ اور غیر آباد حصے میں پہنچ کر رک گئی جسے ہندو شمشان کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

ہندوؤں کے مردے جہاں جلائے جاتے تھے اس کے قریب ہی ایک ٹوٹا پھوٹا مندر بھی تھا۔ پک اپ اسی مندر کے قریب جا کر رکی' لیاقت حسین اتر کر نیچے آ گیا پھر اس کی نظروں میں پرتاب بھوشن بھی آ گیا جو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے منڈل کے درمیان آلتی پالتی مارے بیٹھا نہ جانے کس منتر کے جاپ پڑھ رہا تھا۔ لیاقت حسین کی نظریں اسے گھور رہی تھیں جب ماں کی آواز نے پھر اس کی رہنمائی کی۔

''لیاقت...... میرا بات غور سے سن...... اس بدذات اور پلید پجاری کو للکار کر اس کا بد بدانا بند کر دے...... اس کا گندا عمل اگر پورا ہو گیا تو اچھا نہیں ہوگا...... اس حرام کے تخم نے جو دائرہ کھینچ رکھا ہے اس کے اندر جانے کا غلطی بھی نہ کرنا۔'' لیاقت حسین نے ماں کی آواز سنی تو اس نے قریب سے دو چار پتھر اٹھا کر پرتاب بھوشن کی طرف پھینکنے شروع کر دیئے اسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی' ایک پتھر پجاری کے شانوں سے ٹکرایا تو اس نے بدک کر آنکھیں کھول دیں' دہکتی ہوئی نظروں سے غضب ناک انداز میں نظریں گھما کر لیاقت حسین کو دیکھا تو اس کے گندے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''تو...... تو آ گیا مسلے......'' پجاری کے لہجے میں گھمنڈ تھا۔ ''میں جانتا تھا کہ دیوی کی شکتی تجھے کھینچ لائے گی۔ آج تو میرے ہاتھ سے نہیں بچے گا' ایسی گھاٹ کھڑی کروں گا کہ تیرے اگلے پچھلے بھی یاد رکھیں گے۔''

''بڑا ناز ہے تجھے اپنی طاقت پر تو مردوں کی طرح خم ٹھونک کر سامنے آ جا...... کون کتنے پانی

ں ہے آج اس کا فیصلہ بھی ہو جائے۔''

جواب میں پرتاب بھوشن نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''تیری زبان سے جو شبد نکل رہے ہیں وہی تیری پول بھی کھول رہے ہیں مورکھ آج...... تیری موت ہی تجھے یہاں تک گھسیٹ لائی ہے...... جے بھوانی۔''

''بھوانی نہیں...... نانی کو یاد کر۔'' لیاقت حسین نے گرج کر کہا۔ ''گندی مٹی سے اٹھ کر سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی بھی ہو جائے گا۔''

پرتاب بھوشن کی پیشانی پر سلوٹیں جال بننے لگیں' وہ غضب ناک ہو کر کھڑا ہو گیا' شعلہ اگلتی نظروں سے لیاقت حسین کو دیکھنے لگا لیکن اس نے منڈل سے باہر قدم نہیں نکالا۔

''تیری پجارن کا کیا انجام ہوا تھا پلید پجاری؟...... یاد ہے کہ اتنی جلدی بھول گیا۔'' لیاقت حسین نے بہ دستور سپاٹ آواز میں کہا۔ ''اس دن بھی تیری بھوانی اور دیوی دیوتا بغلیں جھانکتے رہ گئے تھے...... آج بھی تیرا جادو نہیں چلے گا کمین ذات......''

پرتاب بھوشن دیوی دیوتاؤں کی شان میں استعمال کے جانے والے جملے سن کر بپھر گیا۔ غصے میں کانپتا ہوا منڈل سے باہر آ گیا' اس کی آنکھوں میں آگ کے بھڑکتے شعلوں کا رقص اور تیز ہو گیا...... ہونٹ پھر تیزی سے جنبش کرنے لگے۔ شاید وہ کسی خطرناک منتر کا جاپ کر رہا تھا جب لیاقت حسین کے کانوں میں پھر ماں کی آواز ابھری۔

''دیر مت کر لیاقت...... انگوٹھی اس پلید کے سامنے کر دے......''

لیاقت حسین نے ماں کی بات پر عمل کیا تو پرتاب بھوشن کے ہونٹوں کی جنبش تھم گئی' اس کی نظریں انگوٹھی کے نگینے پر پڑیں تو اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ خاصی دیر وہ اسی کیفیت سے دوچار رہا پھر اس نے بڑی مشکل سے اپنی توجہ نگینے کی طرف سے ہٹائی ہانپتا ہوا بولا۔

''پلٹ کر بھی دیکھ لے مورکھ...... تیری موت تیرے سر پر کھڑی ہے......''

لیاقت حسین نے اس جملے پر تیزی سے پلٹ کر دیکھا' وہاں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا' اس نے دوبارہ نگاہوں کا زاویہ بدلا لیکن پرتاب بھوشن جہاں کھڑا تھا اب وہاں دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ موقع پا کر نکل چکا تھا۔

''تو اس چنڈال کی بات میں آ گیا لیاقت......'' ماں کی آواز ابھری۔ ''وہ پھر بچ کر نکل گیا لیکن اوپر والا کی شاید اس میں کوئی مصلحت ہو گی...... اب...... اب تو واپس چلا جا۔''

لیاقت حسین مشینی انداز میں گھوم کر دوبارہ پک اپ میں بیٹھ گیا...... واپس دفتر پہنچا تو سیٹھ عثمان اس کے منتظر تھے۔ وہ ان کے کمرے میں گیا تو سیٹھ عثمان نے دریافت کیا۔

''تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی لیاقت حسین؟ تمہارے والد کا فون آیا تھا۔ میں نے تمہارے موبائل پر کال بھی کیا لیکن تم نے وہ بھی اٹینڈ نہیں کیا؟''

''تعجب ہے......''لیاقت حسین نے خود بھی حیرت سے جواب دیا۔''میں تو ماربل شپنگ کمپنی پہنچا کر سیدھا واپس آرہا ہوں۔''

جواب میں سیٹھ عثمان نے اسے غور سے دیکھا' کچھ دیر خاموش رہے پھر بڑی اپنائیت سے بولے۔

''تم بیٹھو......میں آپریٹر سے کہتا ہوں کہ تمہارے والد سے رابطہ قائم کرے۔''

لیاقت حسین خاموشی سے بیٹھ گیا......اسے حیرت تھی کہ سیٹھ عثمان نے اس سے دیر سے آنے کی بات کیوں کی تھی جبکہ اس نے اپنے خیال کے مطابق کہیں دیر نہیں لگائی تھی......

دوسری جانب سیٹھ عثمان بھی لیاقت حسین کے بیان کی روشنی میں کچھ گزری ہوئی حیرت انگیز باتوں پر غور کر رہے تھے۔

✣✣✣

دونوں حسب معمول اس وقت بھی ہوٹل کے کمرے میں تھے۔دونوں کی نظریں ٹی وی پر متحرک ایک مزاحیہ فلم پر مرکوز تھیں جب وشنو نے بیزاری کا اظہار کیا۔

''ہم کب تک اس طرح کمروں میں بند بیٹھے ان مزاحیہ فلموں کو دیکھ کر بور ہوتے رہیں گے۔''

''کہو تو کوئی رومانوی فلم لگا دوں؟''لوچن نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''لیکن ایک شرط پر'تم کسی مخصوص منظر کو دیکھ کر کلونت کی بے وفائی کا شکوہ نہیں کرو گے۔''

جواب میں وشنو نے لوچن کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کوئی خطرناک چیتا اپنے شکار کو دبوچنے کی خاطر آخری چھلانگ لگانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ایک لمحے وہ لوچن کو گھورتا رہا پھر پھنکارتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ کلونت کا ذکر کسی بھی انداز میں نہ چھیڑا کرو......آئندہ خیال رکھنا۔''

''جس کو تم نے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا اب اس کے ذکر سے چڑتے کیوں ہو......؟''لوچن نے بھی جواب میں سنجیدگی اختیار لی۔

''وہ میرا ذاتی معاملہ ہے لیکن تم......''

''میرا نام لوچن ہے وشنو......میں حکم سننے کا عادی نہیں ہوں۔''لوچن نے دوٹوک لہجے میں کہا۔''مرنا اور مارنا میرا پیشہ ہے۔یہ تم بھی جانتے ہو۔''

''تم مجھے چیلنج کر رہے ہو؟''وشنو کے تیور بھی بدلنے لگے۔

''جو چاہے سمجھ لو......''لوچن شانے اچکا کر بولا۔''میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

وشنو کی نگاہوں کی سرخی پھیلنے لگی تھی' جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوا'اس نے ہونٹ چباتے ہوئے فون آن کر لیا پھر دوسری جانب سے جو کوڈ استعمال کیا گیا اسے سن کر اس نے لوچن کو دیکھا پھر اٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔لوچن نے بھی وشنو کے اٹھتے ہی ٹی وی کی آواز کم کر دی۔اس کی

نظریں بہ دستور ٹی وی پر تھیں پوری توجہ بالکونی کی سمت تھی' وشنو کے چہرے پر ابھرنے والی کسی نا معلوم خوشی نے اسے پوری طرح چوکنا کر دیا تھا۔

''کس لیے فون کیا ہے؟'' وشنو کی مدھم آواز لوچن کے کانوں میں سنائی دی پھر ایک لمحے بعد اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا تھا۔''میں براہ راست اس سے بات کرنا پسند کروں گا...... ہاں تم اسے میری ضد ہی سمجھ لو...... میں جانتا ہوں لیکن پہلے کی بات اور تھی...... نہیں' بات پیشے کی نہیں' وقت کی نزاکت کی ہے...... ہو بھی سکتا ہے...... ٹھیک ہے' میں اس کا انتظام کروں گا۔''

وشنو دوبارہ کمرے میں آیا تو لوچن نے آواز کا والیوم بھی بڑھا دیا۔ بظاہر وہ ٹی وی پر متحرک تصویروں میں دلچسپی تک لیتا نظر آ رہا تھا لیکن اس کے ذہن میں وشنو کی جانب سے کہے جانے والے جملے گونج رہے تھے' وہ ان جملوں کو اپنے تجربے کی روشنی میں ڈی کوڈ کر رہا تھا۔

کلونت کے نام پر وہ جھلا گیا تھا' لوچن نے اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو اس کے تیور بدلنے لگے پھر...... اس کال کے آتے ہی اب وہ خاصے خوش گوار موڈ میں نظر آ رہا تھا...... یقیناً اسے دوسری جانب سے کوئی ایسی خبر ملی تھی جسے سن کر اس نے خلاف توقع کینچلی بدل لی تھی۔ وہ خبر کیا تھی؟ لوچن اس بات پر غور کر رہا تھا جب وشنو نے اسے مخاطب کیا۔

''ہم دونوں کے لیے موجود حالات میں یہی بہتر ہے کہ ہم جب تک ایک ساتھ ہیں دوستوں کی طرح رہیں۔ ہماری آپس کی کھینچا تانی دوسروں کے لیے فائدہ مند بھی ہو سکتی ہے۔''

''اگر یہ تمہارا خیال ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ہم دونوں کون ہیں' ہمارا تعلق اور شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے' تمہیں بھی اس کا خیال رکھنا ہوگا۔ میں زبان پر تالے ڈالنے کا عادی کبھی نہیں رہا۔''

''کلونت میری دکھتی رگ ہے دوست......'' وشنو نے اس کے شانو پر ہاتھ رکھ کر عجیب انداز میں کہا۔''میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لہولہان کیا تھا' یہاں تک کہ وہ آخری ہچکی لے کر دم بھی توڑ گئی۔ میں اس کے شریر کے ان کومل اور سندر حصوں پر کرپان چلاتا رہا جن کو کبھی میں بڑے پیار سے سہلایا کرتا تھا۔ وہ مرنے کے بعد بھی میری محبت ہے' اس لیے میں بنتی کرتا ہوں کہ تم اس کا ذکر نہ چھیڑا کرو۔ میں اندر سے تڑپ اٹھتا ہوں۔ بھرتے ہوئے زخموں کو بار بار کریدا جائے تو وہ ناسور بن جاتے ہیں۔''

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتا ہوں۔'' لوچن نے ٹی وی آف کر کے وشنو کی طرف دیکھا پھر موضوع بدل کر پوچھا۔

''کس کی کال تھی؟''

''کس کا وفادار اور پالتو کتا تھا۔''

''کیا خبر دے رہا تھا......؟'' لوچن نے بھی سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

''وہ...... وہ...... کہہ رہا تھا کہ بل ڈاگ ابھی مرا نہیں' زندہ ہے۔'' وشنو نے سنجیدگی سے جواب

دیا۔ ''میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ میں نے براہ راست بات کرنے کی شرط لگادی ہے۔''

''اگر بات ہوگئی؟'' لوچن نے اسے مسکراتی مگر معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ''کیا تم دوبارہ اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے؟''

''ضروری نہیں ہے لیکن......'' وشنو کسمسا کر بولا۔

''تم جانتے ہو کہ ہمارا پیشہ نیلام کی آخری بولی پر ختم ہوتا ہے۔ جدھر سے زیادہ مال اور سہولت کی آفر ہوئی' میں اسی کو قبول کروں گا۔ تمہارا کیا اصول ہے؟''

''میں جو سودا کر چکا ہوں اس کے ختم ہونے میں ابھی تقریباً دو مہینے باقی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ میرا تعلق کس تنظیم سے ہے۔ ہمارے بڑے غداری کی سزا صرف موت ہی تجویز کرتے ہیں۔''

''جانتا ہوں لیکن...... میں کسی کا پابند نہیں ہوں۔''

''ہاں...... آں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر یہ بھی نہ بھولو کہ ملٹری انٹیلی جنس والوں نے ہمیں کسی کے اشارے پر کسی اہم مقصد کے حصول کی خاطر فرار ہونے کا موقع دیا تھا۔ وہ ہماری طرف سے بے خبر بھی نہیں ہوں گے۔''

''اس کے باوجود میں ان کی ناک کے نیچے سے گزر کر نکل گیا تھا۔ کام نمٹا کر ان ہی کی نظروں کے سامنے سے واپس بھی آ گیا۔'' وشنو کے لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔ ''تخت یا تختہ...... میں نے شروع سے اسی کہاوت پر عمل کیا ہے۔''

''اعتماد مردانگی کی نشانی ہے لیکن کبھی کبھی یہی اعتماد انسان کو دھوکا بھی دے جاتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں؟'' وشنو نے پہلو بدل کر وضاحت چاہی۔

''ہوسکتا ہے کہ ملٹری یا پولیس کے کچھ لوگوں نے تمہیں جان بوجھ کر موقع دیا ہو...... اس طرح وہ تمہاری نقل و حرکت کو دیکھنا چاہتے ہوں۔'' لوچن نے پہلو بدل کر بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''زندگی میں میرا واسطہ بھی بڑے بڑے سورماؤں سے پڑ چکا ہے مگر ایس پی اورنگ زیب!...... شطرنج کی بساط پر وہ بڑے ماہرانداز میں مہروں کو استعمال کرتا ہے' کیا تم اس حقیقت سے انکار کرو گے؟''

''نہیں......'' وشنو نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''وہ مرد آدمی ہے۔ زبان کا دھنی بھی ہے' پولیس کی نفری میں ایسے جانباز آٹے میں نمک کے برابر ہوتے ہیں لیکن جب انسان موت کو ہتھیلی پر رکھ لے تو پھر اسے کسی بات کی چنتا بھی نہیں رہتی۔ تم جانو......'' لوچن نے بے پروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''ہم ایک دوسرے کے پابند بھی نہیں ہیں۔ کیا اچھا ہے؟ کیا برا؟ اس کا فیصلہ بھی ہمیں خود کرنا ہے۔''

کچھ دیر دونوں کے درمیان ادھر ادھر کی بات ہوتی رہی پھر وشنو نے سنبھل کر پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے...... کیا وہ زندہ ہوگا......؟''

لوچن نے چونک کر وشنو کو دیکھا۔ سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''اگر زندہ ہو تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔ اس کی موٹی گردن پر میرے دو ساتھیوں کی موت کا قرض بھی باقی ہے۔ ہم تینوں ایک ہی جہاز

ں آئے تھے ہماری واقفیت بھی جہاز کے سفر کے دوران ہی اتفاقیہ ہوگئی تھی۔ہم نے ایک دوسرے
ے دوستی کا ہاتھ ملایا تھا۔وہ زندہ ہوا تو میں ان دونوں کی دوستی کا قرض بھی چکتا کردوں گا۔''

وشنو کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اس کے موبائل پر پھر سگنل موصول ہوا۔اس بار اس نے
اللونی کی سمت جانے کے بجائے لوچن کے برابر بیٹھے ہی بیٹھے موبائل آن کرلیا۔

''ہاں......میں وشنو ہی بول رہا ہوں......اس نے جو کہا وہ وعدہ نہیں تھا' براہ راست بات
لرنے کی بات میں نے کہی تھی......ہاں' وہ بھی جانتا ہے کہ وشنو کس چڑیا کا نام ہے......یہی سمجھ
لو انجام کی بات دوبارہ کبھی مت کرنا' وشنو موت سے کبھی نہیں ڈرا......اٹل ہی سمجھو۔''

کس کا فون تھا؟''لوچن نے بات ختم ہونے کے بعد وشنو کو کریدا۔''کیا اسی کی طرف سے کسی
نے کال کیا تھا جو ہم سب کے لیے معما بن کر رہ گیا ہے؟''

''ہاں......''وشنو نے مختصر جواب دیا۔

''وہ کس بات کا اصرار کر رہے ہیں؟''

''ایک دو بندوں کو پھڑکانے کی بات کر رہے ہیں۔''

''کوئی آفر بھی ضرور ہوگی؟''

''بات خطرے کی نہیں میرے دوست' اصول کی ہے۔''وشنو نے لمبی سانس لے کر صاف گوئی
ے کہا۔''میں بلاوجہ کسی کے خون سے ہولی کھیلنے کو بھی پاپ ہی سمجھتا ہوں۔''

''اور اگر سربراہ سے تمہاری ڈائریکٹ بات ہوجائے تو......؟''

''تب......سوچنا پڑے گا؟''

''کیا تم اس سے بھی انکار کردو گے؟''

''شاید نہیں......''وشنو نے کسمسا کر کہا۔''تم بھی جانتے ہو کہ انٹرپول کے شکاری کتے ہر طرف
میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں' بارڈر کراس کرنے کے بعد اس دیس میں اسی بگ باس نے میرا ہاتھ تھاما
تھا۔وشنو اس کی بات نہیں ٹال سکتا۔''

''تمہاری ایک بات میرے حلق کے نیچے نہیں اتر رہی۔''لوچن نے وشنو کو بہت غور سے
دیکھا۔''جب تم سامنے موجود ہو تو کیا انٹرپول کے شکاری کتے تمہیں نہیں پہچان لیں گے؟''

''پہچان لیا ہوتا تو اب تک الیکٹرک چیئر پر بٹھانے میں دیر بھی نہ کرتے۔''وشنو نے معنی خیز
انداز میں جواب دیا۔

''کیا بتانا چاہتے ہو......؟''

''جو وشنو زندہ تھا اس کے اصل چہرے کو آخری بار اس کی کلونت ہی نے دیکھا تھا۔اس کے
بعد وہ کسی کو نظر نہیں آیا۔''

لوچن اس جواب کو سن کر بری طرح چونکا۔اس کی تجربے کار نظریں وشنو کے چہرے پر
منڈلانے لگیں۔اگر وہ اس وقت بھی میک اپ میں تھا تو کم از کم لوچن کا ذہن اسے قبول نہیں کر رہا

تھا۔

٭٭٭

اسے معلوم تھا کہ اس کی ممبر شپ کی معیاد ختم ہوئے دو ماہ سے اوپر ہو چکے تھے۔ بہر حال اسے کلب کی ریسپشنسٹ ماریا تک جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ ماریا کسی سے فون پر بات کرنے میں مصروف تھی' لیکن اس نے آنے والے کو ایسی ہی نظروں سے دیکھا جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''فرمایئے۔'' اس نے فون کا ریسیور رکھنے کے بعد آنے والے کو مہذب انداز میں مخاطب کیا۔

''میری ممبر شپ دو ماہ پیشتر ختم ہو سکتی ہے۔ میں اسے ری نیو کرانے آیا ہوں۔'' آنے والے نے سنجیدگی سے کہا پھر اپنا کارڈ نکال کر ماریا کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ماریا نے کارڈ پر نظر ڈالی تو ایک لمحے کو چونکی پھر مسکرا بولی۔

''آج کل کس کے لیے کام کر رہے ہو؟ بہت عرصے بعد نظر آئے ہو۔''

''مجھے اس وقت ماسٹر مجید سے ملنا ہے۔'' آنے والے نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اگر وہ بدلا نہیں ہے تو اس وقت یہیں ہوگا۔''

''اسے بھی ری نیو کردو......'' اس نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر ماریا کے سامنے رکھ دیا۔ ''ہو سکتا ہے دوبارہ پھر بھی ادھر آنے کی ضرورت پڑے۔''

جتنی دیر ماریا ممبر شپ ری نیو کرنے میں مصروف رہی' آنے والے کی نظریں وہاں موجود میزوں کے اطراف منڈلاتی رہیں پھر وہ ماریا کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ماریا نے وہی پہلا سوال اس سے دوبارہ کیا تھا۔

''فی الحال کسی خاص گروپ کے لیے کام نہیں کر رہا۔'' اس نے کارڈ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

''مجھ سے چھپا رہے ہو؟'' ماریا نے بے تکلفی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''اس وقت جو حلیہ بنا رکھا ہے' اسے کیا سمجھوں؟''

''میں نے ماسٹر مجید کے بارے میں دریافت کیا تھا......؟'' ایک ممبر قریب آیا تو اس نے ماریا سے پھر ماسٹر مجید کے بارے میں دریافت کیا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت بلیئرڈ روم میں ہوگا۔''

اس نے ماریا کو ایک نظر بھر کر دیکھا پھر قدم اٹھاتا بلیئرڈ روم کی طرف چلا گیا' ماریا کا اندازہ غلط نہیں تھا' ماسٹر مجید اس وقت وہیں مل گیا' وہ تنہا نہیں تھا' اس کے ساتھ ایک خوب صورت ممبر بھی تھی۔

نو وارد نے لڑکی کی موجودگی میں اسے مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا......قریب ہی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ماسٹر مجید کے ساتھ بیٹھی لڑکی کچھ دیر بعد اٹھ گئی تو وہ قدم اٹھاتا اس کے قریب چلا گیا۔

''مجھے تم سے ایک ضروری بات معلوم کرنی ہے ماسٹر۔''

نووارد نے ٹھوس لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''بگ باس کے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کس نے کی ہے؟''

''تم......'' ماسٹر مجید اس کی آواز سن کر بری طرح چونکا۔ ایک لمحے تک وہ اسے سرتاپا دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں اچانک باس کی عزت کا خیال کیسے آ گیا جبکہ باس نے تو تمہیں دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا تھا۔''

''خود وہ بھی غرق ہو گیا۔'' جواب مسکرا کر دیا گیا۔

''ہمارے کاروبار میں اونچ نیچ اسی طرح ہوتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک بات تمہیں ضرور یاد ہو گی۔ تم بھی میرے حکم پر دم ہلانے کے عادی تھے۔''

''تم اب اس پوزیشن میں نہیں ہو اس لیے......''

ماسٹر مجید اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا' نووارد کی گرفت اس کے بائیں بازو پر کسی آہنی شکنجے کی طرح جم گئی تھی۔ دوستانہ لہجے میں بولا۔ ''مجھے صرف اتنا بتا دو کہ وہ کون تھا اور اسے وقت کہاں ملے گا؟ بلاوجہ مجھ سے الجھو گے تو اس کلب میں دوبارہ منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں جو کہتا ہوں اسے کر گزرنے سے دریغ نہیں کرتا۔''

''مم...... میں' یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن......'' ماسٹر مجید نے نووارد کو...... جو افضل خان کے سوا کوئی اور نہیں تھا' دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں جواب دیا۔ ''میں اس گھر کی عزت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن...... میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں جبرو کو کچھ نہ کچھ علم ضرور ہو گا۔''

''جبرو......'' افضل خان نے ماسٹر مجید کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔ ''میری اطلاع کے مطابق اسے اور اسلم ڈنکا کو اس وقت پولیس نے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا تھا جب وہ شبنم کو مل بانٹ کر ہضم کرنے کی سازش کر رہے تھے۔''

''تمہاری اطلاع غلط نہیں ہے۔ یہ بھی جانتے ہو گے کہ جبرو عورتوں کے معاملے میں کتنا بدنیت آدمی ہے۔ جس ہانڈی میں کھاتا ہے اس میں چھید کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ پولیس نے اسے اور اسلم ڈنکا کو گرفتار کیا تھا' دونوں زخمی تھے اس لیے انہیں اسپتال میں رکھا گیا جہاں اسلم زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا تھا' اسی کی تدفین کے سلسلے میں پولیس کی توجہ ہٹی تو جبرو چھومنتر ہو گیا۔ ہو سکتا ہے باس کے غرق ہونے کی خبر سن کر اس نے کسی اور کے ساتھ مل کر اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہو یہ کام اس نے اکیلے کرنے کی حماقت نہیں کی ہو گی لیکن اب کسی رگڑنے سے بچنے کی خاطر کہیں چوہے کے بل میں چھپا بیٹھا ہو گا۔''

''وہ چوہے کا بل کہاں ہو سکتا ہے۔''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا مگر روپوش ہونے کے لیے بنگالی پاڑا سب سے محفوظ سمجھا جاتا ہے جہاں کچے پکے مکانوں اور جھونپڑیوں کی تنگ گلیوں اور بھول بھلیوں میں پولیس بھی چکرا جاتی ہے لیکن تم اس لباس میں......''

''اس کی فکر مت کرو۔ وہاں کے کچھ پیشہ ور کاروباری مجھے جانتے ہیں۔'' افضل خان نے پہلی بار مسکرا کر جواب دیا پھر وہ رینبو کلب میں زیادہ دیر نہیں رکا۔

آدھے گھنٹے بعد اس نے اپنی گاڑی پکی آبادی کے ایک مکان کے قریب سے گزرنے والی سڑک پر پارک کی پھر وہاں سے وہ پیدل ہی دو چار موڑ کاٹ کر بنگالی پاڑے کی تنگ گلیوں میں داخل ہو گیا جہاں ننگ دھڑنگ بچے اچھل کود کرنے میں مصروف تھے' وہ قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب وہ آدمی ایک موڑ سے نکل کر اچانک اس کے سامنے آ گئے۔

''کہاں جانا ہے صاحب؟'' ایک نے سرسراتے لہجے میں افضل خان کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے سوال کیا۔ دوسرا دو قدم پیچھے کھڑا افضل خان کو نگاہوں نگاہوں میں تول رہا تھا۔

''مجھے جبرو کی تلاش ہے۔''

''ہم کسی جبرو وبرو کو نہیں جانتے۔'' دوسرے نے تیور بدل کر خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''تم غلط جگہ آ گئے ہو صاحب۔''

دونوں جانے کے لیے پلٹے تھے لیکن پھر افضل خان نے اپنی آواز میں انہیں مخاطب کیا تو دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''معاف کرنا صاحب...... ہم نے آپ کو اس حلیے میں پہچانا نہیں تھا۔'' ایک نے معذرت کی۔

''جبرو سے کیا کام پڑ گیا آپ کو۔'' دوسرا بولا۔ ''دو روز پہلے پولیس کے کھوجی بھی اس کی تلاش میں ادھر آئے تھے۔''

''وہ کہاں مل سکے گا؟'' افضل خان نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا تو دونوں ہی اس کو سوالیہ نظروں سے گھورنے لگے۔

''آپ کو جبرو سے ایسا کیا کام پڑ گیا جو ہم نہیں کر سکتے؟'' ایک نے مدھم لہجے میں کہا۔ ''آج کل بنگال سے ایک نئی کھیپ آئی ہوئی ہے۔''

''پھر کسی وقت فرصت سے آؤں گا......'' افضل خان جانے کے لیے مڑا تو وہ دونوں پھر سامنے آ گئے۔

''جبرو کی تلاش آپ کو کس سلسلے میں ہے؟'' پستہ قد والے نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ ''کہیں آپ بھی پولیس کی طرح اس پر کسی کے اغوا اور قتل کا شبہ تو نہیں کر رہے؟''

افضل خان اس کے جملے کی ساخت پر چونکا۔

''تم نے یہ بات کیوں پوچھی......؟'' اس نے پستہ قد والے کو حیرت سے دیکھا۔ ''تمہارا اشارہ کس واردات کی طرف ہے؟''

''ہمارا اشارہ اس بڑے مگرمچھ کی مادہ کی طرف ہے جو اٹھائی گئی۔ اس کی ماں کو وارداتیوں نے اوپر کا ٹکٹ بھی کٹا دیا تھا۔''

''تم کیا جانتے ہو اس سلسلے میں؟''

''ایک بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم جبرو اتنی اونچی اڑان نہیں اڑ سکتا۔''

''پھر......؟''

''اپنے دو ایک یار ادھر بھی مچھلیوں کا دھندا کرتے ہیں جدھر مگر مچھ اور اس کا ساتھی ہوائی چرخے (ہیلی کاپٹر) سے کودے تھے' فوج اور پولیس کے آدمی بھی دو روز تک سمندر کی تہ تک ان دونوں کو گھوجتے رہے لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''تمہارے آدمیوں کا کیا کہنا ہے؟''

''پولیس اور فوج والوں کی نظریں بچا کر وہ بھی گہرائی تک گئے تھے۔'' جواب سنجیدگی سے دیا گیا۔''ان کو پولیس سے انعام ملنے کے لالچ نے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ بھی گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں تلاش کر سکے۔ ان کا یہی خیال ہے کہ جن دونوں نے چھلانگ لگائی تھی' وہ پانی کے اندر ہی اندر کہیں اڑن چھو ہو گئے ہوں گے...... مچھلیوں کا شکار ہوتے تو کہیں نہ کہیں ایک آدھ ہڈی بوٹی بھی ضرور ملتی۔''

''ہمارا نام بیچ میں نہیں آنا چاہیے صاحب۔'' پستہ قد والے نے پر اسرار انداز میں کہا۔'' کچھ دنوں پہلے جبرو کو کہیں سے لمبی رقم ملی تھی' اس روز اس نے نشہ بھی زیادہ کیا تھا۔ نمبرون کی شراب کی چمچماتی بوتل خرید کر لایا تھا۔ ہمارا پوچھنے پر اس نے ایک ہی بات کہی تھی کہ اس کا مرا ہوا حرامی باپ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ اس کے ایک روز بعد پولیس نے اس کی تلاش میں چھاپا بھی مارا لیکن شاید اسے چھاپے کی اطلاع بھی پہلے سے مل گئی تھی جو بچ کر صاف نکل گیا۔''

''اب وہ کہاں مل سکے گا۔'' افضل خان نے پوچھا۔

''تمہیں اس کے ایک دو ٹھکانے تو ضرور معلوم ہوں گے؟''

''آپ فکر نہ کریں...... اپنا موبائل نمبر دے جائیں' ہم اسے کھوج کر آپ کو اس کی مخبری کر دیں گے۔''

جواب میں افضل خان نے ایک کاغذ پر اپنا موبائل نمبر لکھ کر اسے دیا۔ ساتھ ہی ایک ایک بڑا نوٹ بھی دونوں کی مٹھیوں میں دبا دیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ سیدھا اپنے فلیٹ پر ہی آیا جہاں شبنم بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

''کیا رہا......؟ کچھ سراغ ملا؟''

''فی الحال یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر جو دو چار کلیو ملے ہیں وہ معتبر نہ ہونے کے باوجود یہی ظاہر کرتے ہیں کہ بگ باس شاید غرق نہیں ہوا۔''

افضل خان نے تھکے تھکے انداز میں رک کر پوری روداد سنا دی تو شبنم نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''کیا موجودہ حالات میں پولیس کے لیے ہمارا کام کرنا مناسب ہو گا؟''

''اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے شبنم کا ہاتھ تھام کر کہا۔'' اورنگ زیب

اورسراج صاحب کے بارے میں بھی ایک بات میں اپنے تجربوں کی روشنی میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ ہمیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کبھی نہ کریں گے۔"

"اوراگروہ زندہ ہوا تو......؟"

"اس نے ہم دونوں کو اپنا کام نکل جانے کے بعد نظروں سے گرادیا تھا۔" افضل خان نے بڑے زہریلے انداز میں بل کھا کر کہا۔ "اگر وہ زندہ ہے تو ہمیں بھی اسے اپنی حیثیت کا احساس ضرور دلانا ہوگا۔ اس کے علاوہ فرار کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔"

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا' بڑی گرم جوشی سے افضل خان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

❖❖❖

لباس کی تراش خراش اور صورت شکل کے اعتبار سے وہ دونوں ہی مہذب نظر آرہے تھے' جس گاڑی میں آئے تھے وہ بھی نئے ماڈل کی کرولا تھی۔ دونوں نے گاڑی سے اترنے میں بھی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' پھر انہوں نے فرنیچر ہاؤس کے باہر نکلنے والے منیجر ہی کو مخاطب کیا۔ "شاہ جی پلیز...... ہمیں فوری طور پر ایک بیڈروم سیٹ درکار ہے۔"

دوسرا شخص اس ملازم کے قریب جا کر رکا جو دکان کا ایک دروازہ بند کرنے لگا تھا۔

"ادھر کچھ دنوں سے پولیس نے وقت کی پابندی میں کچھ زیادہ ایمانداری دکھانی شروع کردی ہے۔" منیجر نے کہا۔ "آپ صبح تشریف لے آئیں۔"

"پاس پڑوس کی کچھ دکانیں تو ابھی تک جگمگا رہی ہیں۔" آنے والے نے مسکرا کر سوال کیا۔ "کیا ان پر پولیس کا زور نہیں چلتا؟"

'ان کا لین دین کھلا ہوا ہے جناب لیکن ہم بھتہ نہیں دیتے اس لیے وقت کی پابندی بھی لازم ہے۔ آپ چاہیں تو کسی اور دکان سے اپنا مطلوبہ فرنیچر خرید لیں۔"

"ہمیں دراصل کشمیری کام کا سیٹ دیکھنا ہے۔" آنے والے نے قدرے عاجزی سے کہا۔ "ایسا کرتے ہیں کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنا مطلوبہ فرنیچر دکان کے دروازے بند کر کے اندر ہی دیکھ لیتے ہیں' صبح ہماری وین آکر اسے اٹھا لے گی۔"

"اتنی جلدی کیا ہے؟" منیجر نے پوچھا۔

"چٹ منگنی پٹ بیاہ کا معاملہ درپیش آگیا ہے محترم ورنہ ہم آپ کو زحمت بھی نہ دیتے۔"

"ٹھیک ہے......" منیجر اس کا جواب سن کر راضی ہو گیا۔

تینوں دکان کے اندر آگئے' منیجر کے کہنے پر ملازم نے دروازے اندر سے بھیڑ دیے پھر وہ بھی آنے والوں کو کاروباری انداز میں بیڈروم سیٹ دکھانے لگا۔

"آپ کیا دکان کے مالک ہیں؟" فرنیچر دیکھنے والوں نے سوال کیا۔

"جی نہیں...... مالک شام پانچ بجے چلے جاتے ہیں۔ میں منیجر ہوں۔"

"اوہ......" دوسرے نے کہا پھر مسکرا کر بولا۔

''قیمت میں کمی بیشی کا اختیار تو آپ کو بھی ہوگا؟''

''سوری جناب۔'' منیجر نے نمایاں طور پر نظر آنے والی اس تختی سمیت اشارہ کیا جو دکان کے درمیان میں اسٹینڈ پر نظر آ رہی تھی۔ ''ہمارے ہاں ایک ہی دام ہوتے ہیں۔ فکسڈ پرائس' نو بار گیننگ۔''

''جہانگیر بٹ صاحب ہوتے تو شاید وہ بھی ہمیں اتنا کھرا جواب نہ دیتے۔'' آنے والے ایک شخص نے تلملا کر کہا۔ آپ منیجر ہو کر سرخ جھنڈی دکھا رہے ہیں۔''

''آپ اگر مالک کے واقف کار ہیں تو فون پر ان سے بات کر لیں۔'' منیجر نے انکساری سے کام لیا۔ ''کمی بیشی کا اختیار کم از کم مجھے نہیں ہے۔''

''لیکن ہم بااختیار ہیں میری جان۔'' ایک نے اچانک پستول نکال لیا' اگر چاہیں تو اپنی مرضی کے فرنیچر کے ساتھ تمہیں بھی اٹھا کر مفت لے جا سکتے ہیں۔''

''م...... میں نے...... آپ لوگوں سے کوئی غلط بات بھی نہیں کی جو آپ گرمی دکھا رہے ہیں۔'' منیجر نے ہمت کر کے کہا۔

''زبان بند ہی رکھو میری جان۔'' پستول والے کا لہجہ اچانک سفاک ہو گیا۔ ''اپنے ملازم کو بھی سمجھا دو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک طرف پالتو کتے کی طرح دم دبا کر کھڑا ہو جائے۔ ہمارے جانے سے پہلے تمہیں ہمارے اس وقت آنے کا اصل مقصد بھی معلوم ہو جائے گا۔''

منیجر کے جواب دینے سے پہلے ہی ملازم چکراتا ہوا اس کے قریب ہی فرش پر گرا تھا' دوسرے آدمی نے اس کو اچانک ہی ایسا نپا تلا ہاتھ مارا تھا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ منیجر کے چہرے کے تاثرات یکلخت بدل گئے پھر بھی اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''آپ...... یہ اچھا نہیں کر رہے...... جہانگیر بٹ صاحب بھی اینٹ کا جواب......''

پستول والے کا ہاتھ بھی برق رفتاری سے گھوم گیا' ضرب اتنی شدید تھی کہ منیجر بھی لڑکھڑا گیا۔

''ہم جانتے ہیں کہ تمہارے جہانگیر بٹ کی اوقات کیا ہے۔'' دوسرے نے حقارت سے منیجر کو گھورا۔ ''دو نمبر کے اٹھائی گیرے جگا کا نام سن کر لوگ ضرور خوفزدہ ہوتے ہوں گے لیکن ہم جس کے آدمی ہیں وہ جگا کا بھی باپ ہے۔''

''وقت ضائع مت کرو......'' پستول والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''پسندیدہ فرنیچر کا مول تول جلدی کر لو۔''

اس کے بعد منیجر کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دوسرے شخص نے بڑے نپے تلے انداز میں نئی فرنیچر کی توڑ پھوڑ شروع کر دی تھی' اس بات کا خیال بھی رکھا تھا کہ آواز برابر کی دکانوں تک نہ پہنچے۔ منیجر اور ملازم دونوں سہمے کھڑے تھے۔ جب فرنیچر کی مرمت کرنے والے نے سرسراتے لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔

''اتنا لمبا کھٹ راگ پالنے کے بجائے اگر کہو تو میں انہیں آگ دکھا دوں۔ جب تک دھواں

پھیلے گا ہم دونوں نکل چکیں گے' صبح جگا کو راکھ کے ڈھیر کے ساتھ اپنے آدمیوں کی روسٹ شدہ لاشیں ملیں گی تو اسے باس کی طاقت کا انداز بھی ہو جائے گا۔ پھر وہ کبھی دم ہلانے کی غلطی نہیں کرے گا۔"

"نہیں......" پستول والے نے اپنے ساتھی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "باس نے جتنا حکم دیا ہے ہمیں صرف اسی حد تک کارروائی کرنی ہے۔ جگا کے لیے یہ پہلا سبق اگر کافی نہ ہوا تو پھر جلا دینا بھی ہمیں آتا ہے۔"

"ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جناب۔" ملازم گھگیانے لگا۔ "ہم دونوں پر رحم کریں۔"

"منیجر ......" پستول والے نے منیجر کو خونخوار نظروں سے دیکھا' پستول تان کر سوال کیا۔ "کیا تمہیں ہمارا حلیہ یاد رہے گا؟"

"کچھ نہ کچھ تو جھوٹ بولنا بھی پڑے گا۔" منیجر نے بے بسی سے مردہ آواز میں کہا۔ "مالک نے معاف کر دیا تو پولیس کے کارندے...... بھی ہمارا بخیا ادھیڑنے سے گریز نہیں کریں گے۔"

"پھر...... تم کیا پسند کرو گے؟"

"آپ ہم دونوں کے ہاتھ باندھ کر ڈال دیں۔ اس میں ہماری بچت ہے۔"

"کہو تو تم دونوں کی دو چار ہڈیاں بھی توڑ دیں۔ اسپتال میں بھی کچھ دنوں آرام کر لینا۔" پستول والے نے طنز کیا۔ "تمہارے جہانگیر بٹ صاحب بھی کیا یاد کریں گے کہ ہم نے تمہیں زندہ چھوڑ کر ان پر کیا احسان کیا ہے۔"

منیجر کے علاوہ ملازم بھی خاموش رہا۔ جتنی دیر پستول والا ان پر رعب گانٹھتا رہا اتنی دیر میں دوسرے آدمی نے بیشتر قیمتی فرنیچر کو خاصا ناکام بنا ڈالا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے ساتھی کے قریب آ کر بولا۔

"اب نکل چلو...... جگا کے لیے فی الحال یہی سبق کافی ہوگا۔"

"ان دونوں کا کیا کرنا ہے؟" پستول والے نے غرا کر کہا۔ "ہمارے جانے کے بعد یہ نطفہ ناتحقیق بھی شور مچانے سے باز نہیں آئیں گے۔"

"نن...... نہیں......" ملازم نے سہم کر ہاتھ جوڑ دیے۔ "ہم پر رحم کریں۔"

ریوالور والا کچھ دیر ان دونوں کو سفاک نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنے ساتھی کی صرف بڑھا دیا۔ رومال سے کلوروفام کی تیز خوشبو پھوٹ رہی تھی' دوسرے ساتھی نے باری باری منیجر اور ملازم کی ناک پر رومال رکھ کر دبایا تو دونوں بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد...... بظاہر مہذب نظر آنے والوں نے بھی وہاں رکنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

✣✣✣

ماں کی موت کا غم لاحق ہونے کے باوجود وہ شیخ حامد کے اشاروں پر چلنے پر مجبور تھی' ملازمت کے دوران اس نے بہت قریب سے اس کی قوت کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ خوب صورت لڑکیوں کا رسیا تھا لیکن اس نے کبھی کنول کے ساتھ زبردستی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر چاہتا تو اسے بھی روند اور

ل کر ملازمت سے برطرف کر دیتا۔ کئی بار اس نے کنول کے خوب صورت خدوخال کو سراہا تھا' اس کے جسم کے نشیب وفراز کو بھی ٹٹولا تھا لیکن ایک بات تھی جس وجہ سے اس نے شیخ حامد کے رشتے کو قبول کرنے میں دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ انکار کی صورت میں وہ زبردستی بھی گھر سے اٹھوا کر اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کی قوت رکھتا تھا۔

اس کی ماں نے بھی اس رشتے کو قبول کرنے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا تھا۔ شادی کے بعد شیخ حامد نے اسے جو عزت اور کوٹھی بنگلے سے نوازا تھا وہ بھی اسے یاد تھا لیکن...... ماں کی دردناک موت کے بعد اس کے وجود کے اندر شیخ حامد کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ بڑی شدت سے سر ابھار رہا تھا مگر...... وہ اس کے اشاروں پر چلنے پر بھی مجبور تھی۔ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب وہ اس سے اپنی ماں کا انتقام لے سکے لیکن شیخ حامد پوری طرح محتاط رہنے کا عادی تھا۔

اس وقت بھی اپنے کمرے میں بیٹھی وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ دوسروں کی طرح وہ بھی اخباروں میں شائع ہونے والی خبریں پڑھ چکی تھی' سب ہی کی ایک رائے تھی کہ وہ ہیلی کاپٹر سے گرنے کے بعد سمندر کی تہ میں ڈوب چکا تھا۔ اس نے بھی اس پر صبر کر لیا تھا لیکن موجودہ حالات میں بھی ماں کی دردناک موت اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

شیخ حامد نے اس کی ماں کی موت کا جو جواز پیش کیا تھا ممکن ہے وہ اس کے خیال سے درست ہو لیکن کنول کو ماں کی موت کا غم اندر ہی ڈس رہا تھا۔ شیخ حامد نے اگر اسے اپنی اصلی آواز میں مخاطب نہ کیا ہوتا تو شاید وہ شناخت بھی نہ کر سکتی' اسے علم تھا کہ وہ میک اپ کے فن میں ماہر تھا۔ نہ ہوتا تو شاید پولیس اب تک اسے اس کے انجام تک پہنچا چکی ہوتی' اب بھی وہ سامنے آنے کے باوجود قانون کے رکھوالوں کی نظروں سے بہت دور تھا۔

دروازے پر قدموں کی آواز ابھری تو کنول نے چونک کر ادھر دیکھا' اس وقت شیخ حامد اس کے سامنے سفید ڈاڑھی میں موجود تھا' وہ دل پر جبر کر کے بستر سے نیچے آ گئی۔ جانتی تھی کہ آنے والا کس مقصد سے آیا ہے لیکن ماں کی موت کے غم کی وجہ سے اس نے پیش قدمی نہیں کی۔ خاموش کھڑی اس چہرے کو تکتی رہی جس کی مکروہ اصلیت پر تقدس کا ملمع بڑی مہارت سے چڑھایا گیا تھا۔ ''میں جانتا ہوں ڈارلنگ کہ وقت اور حالات نے تم کو میرا پہلو گرم کرنے پر مجبور کر دیا ہے ورنہ تمہارے اندر ماں کا انتقام لینے کی خواہش ضرور مچل رہی ہوگی۔''

کنول نے کوئی جواب نہیں دیا...... اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

''گھبراؤ مت۔'' وہ کنول کے قریب آ کر بولا۔

''میرے تجربے نے مجھے تمہارے بارے میں دھوکا نہیں دیا تھا' تمہارے اندر مرد کے جذبات کو تسکین پہنچانے کی وہ خوبی موجود تھی جو کسی کو بھی دیوانہ کر سکتی ہے لیکن اب تم ماں کے غم کی وجہ سے اس صلاحیت کو کھوتی جا رہی ہو۔''

''کیا کوئی لڑکی اپنی ماں کے غم کو آسانی سے......''

''فضول باتیں مت کرو......'' شیخ حامد نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔''میرے لیے اب بھی لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ غم زدہ لڑکیوں سے بھی کس انداز میں لطف حاصل کیا جاتا ہے۔''

''میں......'' کنول نے ہچکچا کر کہا۔''ہمارے درمیان اب بھی ایک مقدس رشتہ قائم ہے اس لیے......''

''شٹ اپ......'' جواب بڑی سختی سے دیا گیا۔

''میں آج اس رشتے کو بھی ختم کر رہا ہوں۔'' اس نے جیب سے نکاح نامہ نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں بکھیر دیا۔ بڑے زہریلے انداز میں بولا۔''اب تم میری بیوی نہیں ہو......ایک مجبور لڑکی ہو جس کی مجبوری کو میں زبردستی روندوں گا تو اس کی مزاحمت مجھے لطف اندوز کرے گی۔''

''کیا تمہیں میری بے کسی پر رحم نہیں آئے گا؟'' کنول مجسم سوال بن گئی۔

''یہ اس چھت کے نیچے تمہاری آخری رات ہے......کل پولیس کے شکاری کتے تمہارے مسلے ہوئے لباس سے میری مہک کے ذریعے میری تلاش شروع کر دیں گے لیکن کوئی میری گرد کو بھی نہیں پا سکے گا۔''

کنول کے لیے وہ جواب غیر متوقع نہیں تھا کہ لیکن اس کے بعد شیخ حامد نے اس کی مجبوری کو جس بے دردی سے روندا وہ بھی کنول کے لیے بڑی اذیت ناک تھا۔اس نے خود کو بچانے کی خاطر ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن بپھرے ہوئے طوفان کے تیز ریلے کے آگے اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔

✣✣✣

اورنگ زیب اپنے آفس میں بیٹھا ضروری فائلوں کو دیکھنے میں مصروف تھا جب اسے وکی کی کال موصول ہوئی‘فون پر دوسری جانب کی آواز ابھرتے ہی اورنگ زیب کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔وکی عرف پینتھر جگا کا خاص آدمی تھا جسے اس نے بہت عرصہ پہلے حوالات سے رہائی دلائی تھی۔جب سے وہ اورنگ زیب کے لیے نہایت ایمانداری سے کام کر رہا تھا۔اسے ہدایت دی گئی تھی کہ صرف اہم معلومات کی خاطر اس سے رابطہ قائم کیا جائے مگر صرف موبائل پر چنانچہ ’’ہیلو‘‘ کے بعد وکی نے دوسری جانب سے فوراً ہی فون کرنے کی وضاحت بھی کر دی تھی۔

’’آپ اسے میری مجبوری سمجھ لیں صاحب جو میں آپ کو ایک فون بوتھ سے کال کر رہا ہوں۔‘‘

’’میرے پاس وقت کم ہے۔‘‘اورنگ زیب نے خشک لہجے میں کہا۔’’اور آئندہ کبھی......‘‘

’’معاملہ اس......وشنو کا نہ ہوتا صاحب تو ایسا کبھی نہ کرتا......‘‘

وشنو کا نام سن کر اورنگ زیب سنبھل کر بیٹھ گیا۔’’کیا خبر ہے؟‘‘

’’بیس منٹ پہلے آج بھی وہ ہوٹل سے پھر تنہا ہی نکلا ہے‘ایک منٹ پہلے وہ ٹیکسی سے اتر کر’’آل ان ون‘‘سپر اسٹور میں گیا ہے‘میرا خیال ہے کہ اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہے‘ایسی صورت میں وہ اندر رہ کر بھی چھپ کر کہیں سے میرے بارے میں اپنے شبے کی تصدیق ضرور کرے گا۔اسی غرض سے میں نے موٹر سائیکل سے اتر کر جیب سے موبائل نکالنے کی غلطی نہیں کی۔‘‘

’’اب کیا سوچا ہے؟‘‘

’’آپ کو اسی لیے فون کر رہا ہوں کہ اب میرا اس کے تعاقب میں جانا مناسب نہیں ہوگا۔‘‘

’’گڈ......‘‘اورنگ زیب نے اسے کی ذہانت کو سراہا۔’’تم کال ختم کر کے کسی اور طرف نکل جاؤ۔‘‘

’’ٹھیک ہے جناب......ٹیکسی نمبر وہی ہے‘جس پر وہ دوبارہ پہلے بھی نظر آ چکا ہے۔‘‘

’’آئی نو دیٹ۔‘‘اورنگ زیب نے فون بند کر کے لوچن سے موبائل پر رابطہ کیا۔’’روم میٹ کے بارے میں کیا اطلاع ہے؟‘‘

’’وہ باسٹرڈ ابھی آدھا گھنٹے پہلے کمرے سے نکلا ہے۔‘‘دوسری جانب سے لوچن کی جھلائی ہوئی آواز ابھری۔’’میں نے ابھی روم سروس سے برف کی تھیلی منگوائی ہے۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں......؟‘‘

''خود کو ٹھنڈا رکھنے کا یہ آخری فارمولا اختیار کر رہا ہوں جناب......اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ میں خود اس کو اوپر پہنچا دوں۔''لوچن نے بہ دستور اکھڑے اکھڑے لہجے میں اس کے اصل چہرے کے حوالے سے اس کی بکواس کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔''وہ بنیا...... تیلی مرچنٹ' مجھے بالکل ہی اناڑی سمجھ رہا ہے' میں اتنے زیادہ دنوں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''فکر مت کرو......میں اس کی دم سیدھی کرنے کا بندوبست کرتا ہوں۔''

''ایک دن کے لیے مجھے فری ہینڈ' الاٹ کر دیں۔''لوچن نے سرسراتی آواز میں جواب دیا۔''دوسرے دن سے وہ بلف (bluff) کرنا بھول جائے گا۔''

''اور کچھ......''

'مخصوص فون کالیں اس کے پاس آتی ہیں۔اس کے خیال میں اس کا مسلم باپ ابھی زندہ ہے لیکن وہ ہر بار اس سے ڈائریکٹ بات کرنے کی کنڈیشن رکھ کر فون بند کر دیتا ہے۔کل اس نے ایک اہم بات اور کہی تھی۔''

''وہ کیا......؟''

''فون کرنے والے جانتے ہیں کہ وہ دو بندوں کو اور پارسل کر دے......ممکن ہے اس نے یوں ہی بکواس کی ہو لیکن اس نے یہی کہہ کر ٹال دیا تھا کہ باس سے بات کرنے کے بعد ہی ان کی ڈیمانڈ پوری کرے گا۔''

''اس نے نام نہیں بتائے تھے لیکن لوچن اپنے تجربے کی روشنی میں کہہ سکتا ہے کہ اگر دو غلے ہندو نے جھوٹ نہیں بولا تو پہلا نمبر ہنڈریڈ پرسنٹ آپ ہی کا ہوگا۔''

''میں تم سے ڈس ایگری نہیں کروں گا۔''اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا۔''تمہارے اس خیال کے بعد دوسرا نام بھی میرے ذہن میں آ گیا ہے لیکن تم میری فکر مت کرو......ہو سکتا ہے کہ میں ایک دو دن میں وشنو کو کہیں اور شفٹ کرا دوں۔''

''میں اس بات سے ایگری نہیں کروں گا جناب......''جواب بے حد سنجیدگی سے دیا گیا۔''اگر وشنو کو ہٹایا گیا تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا شکار......اگر زندہ ہے تو مزید الرٹ ہو جائے گا۔''

''او۔کے' میں تمہارے اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کروں گا۔''

اورنگ زیب نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔اس کے چہرے پر خون کی تمازت بڑھتی نظر آ رہی تھی......اگر لوچن نے وشنو کے حوالے سے دو بندے کھڑکانے والی بات غلط نہیں کی تھی تو اس کے خیال میں دوسرا نمبر لیاقت حسین ہی کا ہو سکتا تھا جس کی نادیدہ قوتوں نے کئی موقعوں پر آکٹوپس کا کھیل خراب کر دیا تھا۔اس بات سے اورنگ زیب کے اس خیال کو بھی تقویت پہنچی تھی کہ آکٹوپس سمندر کی تہوں میں کہیں نہ کہیں ضرور سانس لے رہا ہوگا۔وہ ان ہی خیالوں میں غرق تھا جب اس کے ان لسٹڈ نمبروں پر ڈی آئی جی کی کال موصول ہوئی۔

''کیا آج پھر کوئی اہم حادثہ پیش آ گیا ہے؟''ڈی آئی جی نے دوسری جانب سے اورنگ

زیب کی آواز سنتے ہی پہلا سوال یہی کیا تھا۔

''جی نہیں......کم ازکم میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے......''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''ڈی آئی جی نے بہ دستور سنجیدہ انداز میں کہا۔''ابھی دس منٹ پہلے آئی جی نے مجھے اپنے بنگلے سے کال کیا تھا۔ پہلے اس نے مجھے اور آپ کو اپنے دفتر آنے کو کہا تھا پھر اس نے صرف آپ کو بھیجنے کی ہدایت کی ہے......اس وقت پونے گیارہ بجے ہیں' آئی جی نے پونے بارہ کا وقت رکھا ہے۔''

''او۔کے سر......میں پہنچ جاؤں گا۔''اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ اس نے صرف آپ ہی کو کیوں طلب کیا ہے؟''

''اس کا جواب تو میں وہاں سے آنے کے بعد ہی دے سکوں گا۔''

''جب نیا آفسر آتا ہے تو لوگ اس کے کان بھرنے سے بھی باز نہیں آتے......ہر شخص کا اپنا اپنا پرسنل انٹرسٹ ہوتا ہے لیکن آپ آئی جی سے ملتے وقت ایک بات ذہن میں ضرور رکھیے گا۔''

''آپ حکم دیں سر......''

''حکم نہیں......یہ دوستانہ مشورہ ہے۔''ڈی آئی جی نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔''میرے ہوتے ہوئے آپ کبھی خود کو تنہا نہ سمجھئے گا' میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''تھینک یو سر......''اورنگ زیب نے زیرلب مسکرا کر جواب دیا۔

کال ختم ہونے کے بعد وہ پانچ سات منٹ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر روشنو کے بارے میں کچھ غور کرتا رہا پھر اس نے دستی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ دو منٹ بعد ہی وہ اپنی کار میں بیٹھا آئی جی آفس کی طرف جا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر آئی جی نے صرف اسے تنہا طلب کیا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی اہم سبب بھی ضرور ہوگا۔

ٹھیک پونے بارہ بجے وہ آئی جی کے سامنے تنہا بیٹھا تھا' کچھ دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔

''مسٹر اورنگ زیب! قبل اس کے کہ ہمارے درمیان گفتگو کا آغاز ہو' میں ایک بات واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ جو بات اس وقت ہمارے درمیان ہو وہ لیک آؤٹ نہیں ہونی چاہیے۔''

''آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں......سر!''اورنگ زیب نے سنبھل کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ہر چند کہ مجھے اس ملازمت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی لیکن استعفیٰ منظور ہونے تک میں اپنی ڈگنٹی (dignity) برقرار رکھنا پسند کروں گا۔''آئی جی نے پروقار لہجے میں کہا۔

''میں نے اوپر کے دباؤ کو بھی کبھی اہمیت نہیں دی......پھر بھی کچھ پروٹوکول کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پرسکون انداز میں بیٹھا آئی جی کے چہرے کے تاثرات دیکھتا رہا۔

''تین روز میں مجھے اوپر سے دو فون آ چکے ہیں اور......اتفاق سے دونوں آپ ہی کے بارے میں تھے۔'' آئی جی نے تھوڑے توقف سے بات جاری رکھی۔''پہلا فون کنول کی بازیابی کے سلسلے میں تھا۔ دوسرے میں کہا گیا کہ میں آپ کو موجود سیٹ سے ہٹا دوں۔''

''کنول کی بازیابی کے سلسلے میں متعلقہ تھانے کا انسپکٹر تفتیش کر رہا ہے۔ میں ذاتی طور پر بھی اس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔''

''کوئی خاص وجہ؟''

''یس سر......وہ چونکہ شیخ حامد کی منکوحہ ہے اس لیے اسے کسی خاص مقصد کے پیش نظر ہی اغوا کیا گیا ہوگا۔ چھوٹے موٹے مجرموں نے یہ کام نہیں کیا ہوگا۔''

''آئی۔سی!'' آئی جی نے لمبی سانس لی پھر پہلی بار معنی خیز انداز میں مسکرا کر پوچھا۔''موجودہ سیٹ سے ٹرانسفر کے سلسلے میں آپ کیا کہنا پسند کریں گے؟''

''اس کا فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے لیکن میں جنرل میٹنگ کے دوران بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں کچھ ذمے داریاں حب الوطنی کے جذبے کے تحت نبھانے کا عادی ہوں اور جو میرا فرض بھی ہے۔اس کے لیے کسی مخصوص سیٹ یا عہدے پر ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''گویا اس سیٹ سے ہٹنے کے بعد بھی آپ آکٹوپس کے معاملے سے دستبردار نہیں ہوں گے؟'' آئی جی نے پہلو بدل کر اسے گھورا۔

''ایسا نہیں ہے سر۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''ایجنسی کی ملازمتوں میں اوپر کے احکامات کی خلاف ورزی بھی جرم کے زمرے میں آتی ہے اس لیے میں پہلی فرصت میں اپنا ریزگنیشن پیش کر دوں گا۔''

''گڈ......'' آئی جی نے خلاف توقع اسے ستائشی نظروں سے دیکھا۔''جب تک میں اس کرسی پر ہوں آپ کو موجود سیٹ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا' دس از مائی کمٹمنٹ۔''

''تھینک یو سر......''

''بائی دا وے۔'' آئی جی نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔''میں نے سنا ہے کہ مرکز کے کچھ بڑے لوگوں سے آپ کے بھی اچھے تعلقات ہیں۔''

''یس سر......لیکن میں نے ان کو کبھی کس غلط مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔'' اس بار بھی اورنگ زیب نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''کنول کے اغوا کے سلسلے میں اوپر والے ایک دو افراد بڑی دلچسپی لے رہے ہیں۔'' آئی جی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''آپ اس سلسلے میں انہیں پروگریس سے آگاہ کرتے رہیے گا۔''

''او۔کے......'' جواب اختصار سے دیا گیا۔

''رائٹ......'' آئی جی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔''آئی وش یو آل دی بیسٹ۔''

''ویری کائنڈ آف یو سر۔'' اورنگ زیب نے اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر سلیوٹ کیا اور پھرتی سے باہر نکل گیا۔

❖❖❖

لیاقت حسین کو یاد تھا کہ اس دن ہفتہ ہے لیکن راحیلہ بیگم کی ڈیوٹی پر ہونے کے سبب اسے دیر ہو گئی تھی' اسے یقین تھا کہ فرحین کو بھی اس کی اتفاقیہ مصروفیت کا علم ضرور ہو گا اس لیے وہ برا نہیں مانے گی' پھر بھی وہ دبے قدموں گھر میں داخل ہوا۔ فرحین کو بستر پر موجود نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا' اس کے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال آیا کہ وہ راحیلہ بیگم کی طرف ہو گی۔ اکثر جب عثمان صاحب راحیلہ بیگم ساتھ جاتے تھے تو فرحین کو اپنے گھر پر ہی چھوڑ جاتے تھے۔

اس نے خاموشی سے لباس تبدیل کیا پھر وہ بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے کانوں میں غسل خانے سے پانی گرنے کی مدھم آواز سنائی دی' وہ آہستہ سے اٹھ کر قدم بڑھاتا غسل خانے کے قریب چلا گیا' پانی کے گرنے کی آواز بہ دستور آ رہی تھی لیکن اندر روشنی نہیں تھی' شاید غسل خانے کا بلب فیوز ہو گیا ہو؟

لائٹ کیوں بند کر رکھی ہے میڈم جان......'' لیاقت حسین نے دروازے کے قریب جا کر اسے پیار سے آواز دی۔

''بیگم جان نہیں......سواٹ ہنی' بولا کر۔''

فرحین کی آواز کے ساتھ ہی باہر کی لائٹ بھی روشن ہو گئی' لیاقت حسین نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا پھر......دیکھتا ہی رہ گیا' فرحین جس لباس میں دیکھ کر لیاقت حسین کے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

وہ تولیے کا سفید گاؤن تھا جو بڑے گھر کی خواتین نہانے کے بعد پہنتی تھیں' گاؤن کے سفید پٹے سے گرہ بھی اس انداز میں لگائی گئی تھی کہ اوپر کا چمکتا دمکتا جسم دعوت نظارہ دے رہا تھا' گاؤن کے نیچے کوئی زیر جامہ بھی نہیں تھا جس کی وجہ سے سڈول اور خوب صورت پاؤں بھی رانوں تک نظر آ رہا تھا۔ پیروں میں اسی مناسبت سے سفید ٹاول کی سلیپر تھی۔

لیاقت حسین کی توجہ کے برعکس فرحین ہاتھوں میں برش لیے اپنے لمبے بالوں کو سنوار رہی تھی' مدھم آواز میں گنگنانے کا عمل بھی جاری تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے لیاقت حسین کی وہاں موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔ لیاقت حسین جانتا تھا کہ یہ لباس بھی اسے راحیلہ بیگم نے لے کر دیا ہو گا۔ وہ ہمیشہ ہی فرحین کا خیال رکھتی تھیں۔ سرفراز خان کے آنے کے بعد تو انہوں نے فرحین کے علاوہ یاقت حسین بھی گھر کا ایک فرد ہی سمجھنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ اس لباس میں ہونے اور غسل خانے سے پانی گرنے کی آواز کا کیا مقصد تھا۔ خاموش کھڑا وہ فرحین کو ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی محبت بھری والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا' اچھی غذا اور صاف ستھرے ماحول میں وہ پہلے سے زیادہ صحت مند نظر آنے لگی تھی۔

کچھ لمحے خاموشی سے گزر گئے پھر لیاقت حسین نے ان کے قریب جا کر کہا۔

''آج تو اس لباس میں تو بطخ لگ رہی ہے۔''

''واٹ......؟''فرحین نے اسے دیکھ کر بیگموں والے انداز میں کہا۔''ٹم......ادھر اندر کیسے آیا......گٹ آؤٹ۔''

''او۔کے......ابھی ٹم ادھر سے جاؤ......کوئی کام ہوگا تو ہم ٹم کو بلالے گا۔''

''کام تجھے نہیں......مجھے ہیں میری بلبل۔''لیاقت حسین نے اسے آگے بڑھ کر اپنے بازوؤں کے حصار میں دبوچ کر اٹھالیا' اسی طرح لیے لیے بستر پر آ گیا۔

''سچ بتا......''فرحین نے اپنا گاؤن ٹھیک کرتے ہوئے شوہر کی آنکھوں میں جھانکا۔''کیسی لگ رہی ہوں اس لباس میں؟''

''تو روز اول سے لیاقت کی جان ہے......اگر تو نہ ہوتی میں زندہ بھی نہ رہتا۔''

''چپ کر جا لیاقت۔''فرحین نے سہم کر شوہر کے منہ پر ہاتھوں رکھ دیا۔''ایسی بات دوبارہ کبھی مذاق میں بھی نہ بولنا۔''

''نہیں بولوں گا جان۔''لیاقت حسین نے اس کے گھنے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔''میں تو سمجھا کہ آج دیر ہونے کی وجہ سے تو خفا ہوگی لیکن تو' تو پہلے سے میم بنی ہوئی ہے۔''

''یہ بے شرمی والا لباس ہے لیکن بیگم صاحب نے کہا تھا کہ گھر کے مردوں کو مٹھی میں رکھنے کی خاطر ایسے ہی پہناوے کام آتے ہیں۔''

''اور کیا کہا تھا بیگم صاحبہ نے مردوں کو لبھانے کے لیے؟''لیاقت حسین نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''بہت سی گر کی باتیں بتائی ہیں لیکن وہ میں تجھے نہیں بتاؤں گی۔''فرحین نے شوخی سے جواب دیا۔''تو پہلے ہی گرو گھنٹال ہے۔سب باتیں بتادیں تو پھر فائدہ کیا ہوگا؟''

''یہ سب بڑے آدمیوں کی بڑی بڑی باتیں ہیں میری جان......''لیاقت حسین نے اسے خود سے اور قریب کر لیا' انگریزی کشتی میں وہ مزا بھی نہیں ہوتا جو اکھاڑے کی اٹھا پٹخ میں دونوں پہلوانوں کو ملتا ہے' سمجھ رہی ہے میری باتیں......''

''پہلے دن سے سمجھ رہی ہوں۔''اس نے شوخی سے کہا۔''چل ہٹ ایک طرف' میں یہ لباس بدل لوں' آج ہی بیگم صاحبہ نے دیا ہے۔''

''اس کی فکر مت کر......اس کے خراب ہونے اور بار بار دھونے میں بھی بڑا سواد ملتا ہے۔''

''سچ کہہ رہا ہے؟''

''ایک دم سولہ آنے سچ......''

''پر تو نے یہ تجربہ کب اور کہاں کیا؟''فرحین نے اسے پہلی بار ایک عورت کی نظروں سے دیکھا۔

''شادی کے بعد انسان آہستہ آہستہ سب کچھ آپ ہی آپ سیکھ جاتا ہے۔''لیاقت حسین نے اس کی آنکھوں میں دور تک جھانکا۔''پہلے دن تو بھی بالکل اناڑی تھی لیکن اب تجھے بھی اکھاڑے کے سارے داؤ پیچ آ گئے ہیں...... رہی سہی کسر بیگم صاحبہ پوری کر رہی ہیں۔''

لیاقت حسین کا جواب سن کر فرحین کسی چھوئی موئی کے پودے کی طرح اس کے کشادہ سینے میں سمیٹ گئی۔ لیاقت حسین نے ایک ہاتھ سے اسے سمیٹا۔ دوسرے ہاتھ سے نائٹ بلب کی مدھم روشن بھی آف کر دی۔

⁂⁂

جگا کے نام کی پرچی دیکھ کر اورنگ زیب چونکا۔ ایک لمحے میں اس کے ذہن میں بے شمار خیالات گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ جگا نے اس سے پیشتر کبھی اس کے قریب آنے کی غلطی بھی نہیں کی تھی پھر...... اس نے دفتر پہنچ کر سپاہی کے ذریعے اپنے نام کی پرچی اندر بھیجنے کی جرأت کیسے کی؟

وہ جانتا تھا کہ جگا کے ہاتھ صاف ہیں...... نہ ہوتے تو ملٹری انٹیلی جنس والے آسانی سے اس کا پیچھا بھی نہ چھوڑتے۔ قانون کے ہاتھوں ملنے والی سزا پوری کرنے کے بعد اس نے کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اپنے تحفظ کی خاطر اس نے کچھ سرپھرے افراد بھی جمع کر لیے تھے جنہیں وہ ضرورت مندوں کو ان کے تحفظ کے لیے فراہم کرتا تھا مگر ان سب کو بھی اس نے سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ قتل وغارت گری سے دور ہی رہیں۔

جگا کی رہائی کی سفارش بھی اورنگ زیب نے اس کا سابقہ ریکارڈ دیکھ کر کرنل احتشام سے کی تھی، لیکن ان تمام حقیقتوں کے باوجود اسے کسی بدنام آدمی کا اس طرح اپنے دفتر آنا پسند بھی نہیں تھا۔ شرپسند عناصر اس بات کو دوسرا رنگ بھی دے سکتے تھے۔ وہ ایک لمحے تک اپنے خیالوں میں گم رہا پھر کانسٹیبل سے پوچھا۔

''اور کون ہے جہانگیر بٹ کے ساتھ......؟''

''وہ تنہا آیا ہے سر لیکن......'' کانسٹیبل نے ہچکچا کر دبی زبان میں کہا۔''کسی وجہ سے الجھا ہوا لگ رہا ہے۔''

''اسے اندر بھیج دو...... اور جب تک وہ اندر ہے کسی اور کو نہ آنے دینا۔''

سپاہی الٹے قدموں واپس لوٹ گیا' اورنگ زیب کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ایک منٹ بعد ہی جگا اس کے سامنے موجود تھا' سپاہی نے جو کہا تھا وہ بھی غلط نہیں تھا۔ جگا اس وقت کچھ الجھا الجھا سا نظر آ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیسے زحمت کی میرے پاس آنے کی؟'' اورنگ زیب نے کھردرے لہجے میں سوال کیا۔

''میں جانتا ہوں صاحب کہ آپ کو اس وقت میرا یہاں تک آنا......''

''میرے پاس وقت کم ہے......'' اورنگ زیب نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔'' آپ کا مقصد کیا ہے؟''

جواب میں جگا نے چار عدد تصویریں نکال کر اورنگ زیب کے سامنے رکھ دیں۔ وہ تصویریں اس نے خود اتاری تھیں جس میں فرنیچر کی بربادی اور دکان کی تباہ کاری کے سارے مناظر موجود تھے۔ اورنگ زیب نے ان تصویروں کو غور سے دیکھا پھر اس کی نظریں جگا کی سمت اٹھ گئیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ جگا کی شرافت اور اس خاموشی کے منہ پر ایک بھرپور تھپڑ ہے صاحب۔'' جگا نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''میں اس وقت آپ کے پاس نہ آتا تو بعد میں آپ کو بھی مجھ سے شکایت ہی ہوتی۔''

''کس بات کی شکایت......؟''

''مجھے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا آتا ہے صاحب لیکن......'' جگا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کوئی قدم اٹھانے سے بیشتر آپ سے مل لینا ضروری سمجھا ہے۔''

''اگر میں تم کو بدستور برداشت کرنے کا مشورہ دوں تو......؟''

''تو......'' جگا نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''میں انکار نہیں کروں گا صاحب لیکن ایسی صورت میں اس شہر میں کسی کو منہ بھی نہ دکھاؤں گا۔''

''تم نے اس حادثے کی ایف آئی آر درج کرائی؟''

''جی نہیں......'' جگا نے نظریں جھکا کر کہا۔

''کیوں......؟''

''اس لیے کہ ابھی تک قانون کی نظریں بھی اس کی تلاش میں ہیں جس کے اشارے پر یہ سب کیا گیا ہے۔ ایف آئی آر کا پیٹ بھرنے کی خاطر پھر کس جہانگیر بٹ کو بے گناہ پکڑ لیا جائے گا۔ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ شاید وہ بھی زندہ رہنے کی خاطر جیل میں استادوں سے سیکھے ہوئے طریقوں کو زندہ رہنے کا ذریعہ بنالے...... یہ مجھے منظور نہیں ہے۔''

''میری طرف سے سبز جھنڈی دکھائے جانے کے بعد تم کیا کرو گے؟''

''بڑی مچھلی کے حلق میں کانٹا پھنسانے کی خاطر کچھ چھوٹی مچھلیوں کی قربانی دینی پڑتی ہے۔'' جگا نے دبی زبان میں کہا۔ ''میں کچھ ایسے لوگوں پر ہاتھ صاف کروں گا جن لوگوں نے یہ کام کیا ہے...... ہوسکتا ہے میرا دوٹوک جواب ملنے کے بعد وہ بھی سامنے آجائے جس کے اشارے پر یہ سب کچھ کیا گیا ہو......''

''تم چاہو تو ان کے نام مجھے بھی بتا سکتے ہو۔''

''قانون ثبوت اور گواہوں کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا جناب۔ جبکہ ایسے معاملات میں غیر قانونی اقدامات زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔''

''تم جس کی سمت اشارہ کر رہے ہو وہ بیشتر لوگوں کے خیال اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''سانپ کے بچے بھی سنپولیے ہوتے ہیں صاحب۔'' جگا نے بل کھا کر جواب دیا۔ ''خود کو بڑا

منوانے اور اقتدار کی جنگ بھی پشت ہا پشت تک چلتی رہتی ہے۔''

اورنگ زیب نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا' اس کی تجربے کار نظریں کچھ دیر جگا کے چہرے پر منڈلاتی رہیں پھر اس نے ریسیور اٹھا کر متعلقہ تھانے سے رابطہ کر کے کشمیر فرنیچر پر ہونے والی واردات کی ایف آئی آر درج کرنے کو کہا۔ کچھ ضروری ہدایتیں دینے کے ساتھ ہی اس بات کی تاکید بھی کی کہ اس معاملے میں بلاوجہ دکان کے مالک کو ہراساں نہ کیا جائے' پھر اس نے ریسیور رکھ کر جگا سے کہا۔

''تم میرے حکم کے بغیر کوئی قدم فی الحال اٹھانے سے گریز کرو گے۔''

''اگر آپ کا بھی یہی حکم ہے صاحب تو پھر ٹھیک ہے۔'' جگا ضبط کرتے ہوئے اٹھا' جانے کے لیے مڑا تو اورنگ زیب نے تیزی سے آواز دی۔

''ون منٹ......''

اور کیا حکم ہے بڑے صاحب؟'' جگا نے پلٹ کر بڑی بے بسی سے پوچھا' اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

''میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے اسے دوستانہ ہی سمجھنا' کوئی حماقت نہ کرنا۔'' اورنگ زیب کے لہجے میں اپنائیت کے ساتھ ہی کوئی ایسا پیغام بھی ضرور تھا جسے سمجھ کر جگا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ ایک لمحہ وہ خاموش کھڑا اورنگ زیب کو عقیدت بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر نظریں جھکا کر خاموشی سے چلا گیا۔

❖❖❖

آنے والی ٹیکسی کو ملٹری انٹیلی جنس کے پھاٹک سے دس گز دور ہی روک لیا گیا۔ ایک آرمڈ گارڈ نے اندر دیکھا جہاں پچھلی نشست پر ایک جوان خاتون سر جھکائے بیٹھی تھی' ایک لمحے تک گارڈ اس حسین مہمان کو بہت غور سے نگاہوں میں ٹٹولتا رہا۔ اس کے جسم پر لباس بھی قیمتی ہی تھا لیکن لباس کے ساتھ ہی خاتون کی حالت میں اداسی اور بیزاری کی کیفیت بھی نظر آ رہی تھی۔

''کہاں جانا ہے بی بی......؟'' گارڈ نے خاتون سے سوال کیا۔

''مجھے کرنل احتشام سے فوری ملنا ہے۔'' خاتون نے جو کنول کے سوا کوئی اور نہیں تھی گارڈ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میں کام کی نوعیت تمہیں نہیں بتا سکتی اور...... میرے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔''

''آپ کا نام......؟''

''کنول......''

گارڈ نے کنول کی مناسبت سے اسے ایک بار پھر سر سے پاؤں تک دیکھا پھر قدرے خشک لہجے میں بولا۔

''کرنل صاحب' بغیر پیشگی اپائمنٹ کے کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔''

''وقت مت ضائع کرو......'' کنول نے اسے گھور کر کہا۔''میں اگر اس وقت کرنل سے ملے بغیر چلی گئی تو تمہاری ملازمت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔''

''تم ادھر ہی ٹھہرو۔'' گارڈ نے برا سا منہ بنا کر ٹیکسی ڈرائیور سے کہا پھر الٹے قدموں لوٹ گیا۔لڑکی نے جس انداز میں اسے ملازمت قائم نہ رہنے کی دھمکی دی تھی وہ ایسی نہیں تھی جیسے وہ نظر انداز کر دیتا۔بہت سی ایسی خفیہ اور راز کی باتیں ہوتی تھیں جو صرف افسران کو بتائی جاتی تھیں۔

مین گیٹ پر پہنچ کر اس نے ڈیوٹی آفیسر کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ڈیوٹی آفیسر نے اوپر کی ہدایت کے مطابق فوراً ہی کرنل احتشام سے رابطہ قائم کر کے اسے آنے والی کے نام سے آگاہ کر دیا پھر کہنے کے بجائے خود ہی اٹھ کر گیٹ پر آ گیا۔اس کے حکم پر ہی ڈیوٹی گارڈ نے ٹیکسی ڈرائیور کو آگے آنے کا اشارہ کیا تھا ٹیکسی گیٹ پر پہنچ کر رکی۔ڈیوٹی آفیسر کی ہدایت پر ایک گارڈ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔دو تین منٹ بعد ٹیکسی کو ایک بیرک کے سامنے روک دیا گیا۔ڈیوٹی گارڈ نے نیچے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے لڑکی سے بڑے مہذب انداز میں کہا۔''آپ سامنے والے کمرے میں چلی جائیں بی بی......کرنل صاحب ادھر ہی ہوتے ہیں۔''

وہ ٹیکسی سے اتر کر کرنل کے کمرے میں داخل ہو گئی۔درمیان میں کسی نے مداخلت نہیں کی۔کمرے میں کرنل احتشام کے ساتھ ایک اور جوان بھی یونیفام میں موجود تھا۔کنول کرنل کا اشارہ ملنے کے بعد اس کے سامنے بیٹھ گئی۔چند لمحے تک کرنل احتشام کنول کی ظاہری کیفیت کا اندازہ لگاتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

''پولیس رپورٹ کے مطابق آپ کو دو تین روز قبل اغوا کر لیا گیا تھا؟''

''آپ کی اطلاع غلط نہیں ہے۔'' کنول نے خالی خالی نظروں سے کرنل کو دیکھ کر اداس لہجے میں کہا۔''مجھے کہاں لے جایا گیا تھا' میں اس کی نشاندہی بھی نہیں کر سکوں گی۔رہائی کے وقت بھی میری آنکھوں پر بلائنڈر چڑھا کر اوپر سے ٹیپ کرایا گیا تھا۔ایک گھنٹے پیشتر مجھے ایک مصروف سڑک کے قریب اتار دیا گیا' میری آنکھوں کی پٹی بھی کھول دی گئی۔'' وہ رکے بغیر بولتی رہی۔''وہاں سے ٹیکسی پکڑ کر میں ایک واقف کار نیوز رپورٹر کے پاس گئی' اسے کچھ تفصیل سے آگاہ کیا پھر اسی کے مشورے پر آپ کے پاس آ گئی۔''

''کیا تم نے اغوا کرنے والوں کو پہچان لیا ہے۔''

''صرف ایک کو......وہ بھی اس کے حلیے یا صورت سے نہیں بلکہ اس کی آواز سے۔'' کنول کے مردہ ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری' اس نے دراز پلکیں جھپکا کر اس انداز میں کرنل کو دیکھا جیسے وہ گہری نیند کی کیفیت سے دو چار ہو۔

''کون تھا وہ......؟''

''وہ......وہ......وہی ہے کرنل جس نے سب کی نیندیں خراب کر رکھی ہیں۔'' کنول زہر خند سے بولی۔''اس کے ایک نہیں کئی نام ہیں...... سنگدل...... عیاش...... بدمعاش......قاتل......

آکٹوپس.....شیخ حامد۔''

''کیا.....!'' کرنل احتشام نے حیرت سے کنول کو دیکھا۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا جب ایس پی اورنگ زیب بھی اندر داخل ہوا' کرنل نے کنول کے آنے کی خبر سنتے ہی اسے آگاہ کر دیا تھا۔ کرنل کی نظروں کے تعاقب میں کنول نے بھی اورنگ زیب پر ایک نظر ڈالی پھر ہونٹ چبانے لگی' اورنگ زیب کے بیٹھ جانے کے بعد کرنل نے دوبارہ کنول کو مخاطب کیا۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ شیخ حامد ہی تھا؟''

''میں کل تک اس کی منکوحہ تھی کرنل.....'' کنول نے جمائی لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''ماں اپنی اولاد اور بیوی اپنے شوہر کو چھونے کے بعد اسے شناخت کرنے میں کبھی غلطی نہیں کرتی۔'' پھر اس نے شیخ حامد کے آخری جملے بھی تفصیل سے دہرا دیے۔

''تمہاری ماں کے قتل میں جو لوگ ملوث تھے کیا تم ان کی کوئی نشاندہی کر سکتی ہو؟'' اس بار اورنگ زیب نے سوال کیا۔

''وہ.....سب اس کی شکاری اور پالتو کتے تھے.....جو ہمیشہ پولیس کی نظروں سے بچنے کی خاطر میک اپ میں رہنے کے عادی ہیں۔''

''ون منٹ.....'' کرنل احتشام نے کسی فوری خیال کے تحت کنول کو متوجہ کیا۔ ''تم نے ابھی کہا تھا کہ کسی نیوز رپورٹر کے مشورے کے بعد ہی تم یہاں آئی ہو.....؟''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا کرنل.....ویسے بھی اس وقت میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گی۔''

''تم نے رپورٹر سے شیخ حامد کے بارے میں کیا کہا تھا؟''

''یہی کہ وہ ابھی مرا نہیں.....زندہ ہے۔'' کنول نے دوبارہ جمائی لی۔ ''میں اس کو اپنا تحریری بیان بھی دے چکی ہوں۔''

''اونو.....'' کرنل نے تلملا کر کہا۔ ''تم نے ٹھیک نہیں کیا بی بی.....یہ خبر اگر اخباروں میں آ گئی تو وہ باسٹرڈ اور زیادہ ہوشیار ہو جائے گا۔''

کنول نے کرنل کو خوابیدہ نظروں سے دیکھا۔ کوئی جواب نہیں دیا' اس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ کرنل کے برابر بیٹھا ہوا جوان' جو پوری توجہ سے اسے شروع سے واچ کر رہا تھا چونکا۔ اس نے منہ قریب کر کے کرنل سے کچھ سرگوشی کی پھر اٹھ کر تقریباً ڈبل مارچ کرتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

''کیا بات ہے کرنل؟'' اورنگ زیب نے کرنل احتشام سے اس کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔

''تم.....تم.....'' کرنل نے اپنے ساتھی کے جانے کے بعد کنول کو بڑے پیار سے مخاطب کیا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا بی بی.....جب تم نے ہمارے پاس آنے کا ارادہ کر لیا تھا تو پھر تمہیں کوئی حماقت نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

کرنل کا جملہ سن کر اورنگ زیب بھی چونکا' اس کی نظریں بھی کنول پر مرکوز ہو گئیں جس کی پلکیں

آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں۔اسی وقت لیب کوٹ میں ملبوس ایک ڈاکٹر تیز تیز قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا'اس کے پیچھے اسٹریچر لانے والے بھی تھے'اورنگ زیب کو صورت حال سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔
ڈاکٹر نے تیزی سے قریب آ کر کنول کی الٹی کلائی پر ہاتھ جما کر اس کی نبض ٹٹولی۔
''نو ڈاکٹر......نو......پلیز۔''کنول نے بڑی مضمحل آواز میں کہا۔''اگر تم......بتت......تم میرے ہمدرد ہو تو مجھے بچانے کی کوشش نہ کرنا......پل......پل......ایز۔''جملے کے اختتام کے ساتھ ہی کنول نے میز پر سر ٹیک دیا'اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔
''ڈاکٹر......!''کرنل کے ساتھ ہی اورنگ زیب بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
''نبض بڑی مدھم رفتار میں چل رہی ہے......پھر بھی میں پوری کوشش کرتا ہوں۔''
کنول کو اسٹریچر پر ڈال کر کمرے سے لے جایا گیا'ڈاکٹر بھی ساتھ ساتھ تھا۔کرنل کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر دوبارہ بیٹھ گیا۔اس کے چہرے پر خون کی سرخی کی تمازت بڑھتی جا رہی تھی۔اس نے اورنگ زیب سے کہا۔
''پلیز......آپ اپنے ذرائع استعمال کریں۔شیخ حامد کے زندہ ہونے کی خبر پریس میں نہیں آنی چاہیے۔''
اورنگ زیب نے جیب سے موبائل نکال کر کے بعد دیگر چار پانچ فون کیے لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا۔
''بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی ہے کرنل......جو وعدے کیے جا رہے ہیں'میں ان پر یقین بھی نہیں کر سکتا۔''
کرنل کے چہرے پر بھی اشتعال کی کیفیت گہری ہونے لگی پھر اس نے اورنگ زیب کو تفصیل سے ان باتوں سے آگاہ کر دیا جو اس کے اور کنول کے درمیان ہو چکی تھیں۔
''آئی۔سی!''اورنگ زیب نے کسمسا کر کہا۔''میرا خیال ہے کہ کنول نے جو قدم اٹھایا ہے وہ سوچ سمجھ کر ہی اٹھایا ہوگا۔''
''میں سمجھا نہیں......؟''کرنل نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
''جنگل کا قانون بھی یہی ہے......شیر جب شکار سے پیٹ بھر کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو پھر بھیڑیے اور لکڑ بھگے بھی اپنا اپنا حق وصول کرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ہڈیوں پر بچا کھچا گوشت بھی گدھ نوچ ڈالتے ہیں۔''اورنگ زیب نے بڑے زخمی لہجے میں وضاحت کی۔''آکٹوپس کے طلاق دینے کے بعد اس کی غیرت کو جس طرح مجروح کیا گیا۔اس کے بعد دو ٹکے کے مجرم بھی اپنا حق وصولنے سے باز نہ آتے۔''
''یو آر رائٹ......لیکن اگر وہ پریس میں بیان دینے کے بجائے براہ راست ہمارے پاس آ جاتی تو ہم اسے تحفظ بھی فراہم کر سکتے تھے۔خود وہ بھی ہماری رہنمائی کرنے میں خاصی مؤثر ثابت ہو سکتی تھی۔''

''آئی ایگری ود یو کرنل لیکن کنول کی جگہ اگر کوئی دوسری شریف لڑکی ہوتی تو شاید وہ بھی خود اپنی نظروں میں گر جانے کے بعد زہر کھانے سے گریز نہ کرتی......''

''ہو سکتا ہے لیکن......لٹ اس فورگیٹ آل اباؤٹ اٹ۔'' کرنل نے ہونٹ چباتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے کہا۔''اب ہمیں کنول کے بیان کی روشنی میں نئے سرے سے اس باسٹرڈ کو ٹریس کرنے کی خاطر بہت محتاط اور مؤثر کارروائی کرنی ہوگی۔ اگر وہ زندہ ہے تو اسی شہر میں کہیں نہ کہیں ضرور چھپا ہوگا......ہمیں ہر مشکوک شخص پر نظر رکھنی ہوگی۔''

''ڈونٹ وری کرنل......'' اورنگ زیب نے جواب دیا۔''میں ایک لمحہ بھی اس کی طرف سے غافل نہیں رہا ہوں۔''

کرنل احتشام کوئی جواب دینا چاہتا تھا جب میڈیکل یونٹ کا ایک میل نرس دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اس نے معذرت کر کے کہا۔''سر......ڈاکٹر نے آپ کو سلام کہا ہے۔مریضہ بے ہوشی کی حالت میں کچھ بڑبڑا رہی ہے۔''

کرنل احتشام اور اورنگ زیب دونوں ایک ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈاکٹر کا پیغام سنتے ہی اورنگ زیب اور کرنل احتشام میڈیکل وارڈ کے اس سائڈ میں گئے جہاں کنول کو رکھا گیا تھا۔وہ بستر پر مردوں کی طرح بے سدھ پڑی تھی'سینے کے مدھم مدھم انداز میں متحرک ہونے سے ایک شبہ سا ہوتا تھا کہ ابھی جسم اور روح کا رشتہ ختم نہیں ہوا۔کچھ سانس باقی رہ گئے ہیں جنہیں وہ پورے کر رہی تھی۔

''ڈاکٹر......'' کرنل نے ڈاکٹر کے قریب جا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

'کبھی کبھی یہ بے ہوشی کی حالت میں کچھ بڑبڑانے لگتی ہے۔''

اورنگ زیب کی نظریں بہ دستور کنول کے چہرے پر مرکوز تھیں......اس کی آنکھوں میں رہ رہ کر چنگاریاں سی چھلکنے لگتی تھیں جس سے اس نفرت اور انتقام کی شدت کا احساس ہو رہا تھا جو اس کے دل میں آکٹوپس کے خلاف سر ابھار رہی تھی۔

کرنل ڈاکٹر سے بات کر رہا تھا جب اچانک کنول کے جسم میں کسی دم توڑتے پرندے کی سی پھڑ پھڑاہٹ ہوئی۔اس کے ہونٹوں سے بے ربط الفاظ نکل رہے تھے۔

''نہیں......نہیں......خدا کے لیے......مت کرو......ایسا مت کرو......آہ......ظالم انسانی......تم تم......تم میری ماں کے قاتل ہو......مم میں......میں تم سے......نفرت کرتی ہوں......تھوکتی ہوں......چھ......چھوڑ دو مجھے......خدا......کے لیے......آف......آہ......تت......تم بھی......''

بے ربط جملوں کے درمیان میں وہ اچانک ہذیانی انداز میں چیخی۔''ماں......ماں' مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔مم......میں......میں بھی آ رہی......ہی......ہوں......آ آ......''

پھر اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔دوبارہ اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ڈاکٹر نے اس کی نبض ہاتھ رکھ دیا۔

''ڈاکٹر.....'' کرنل احتشام نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''اسے بچانے کی کوشش کرو.....''
''نبض کی رفتار تشویشناک حد تک گر رہی ہے.....میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا.....ہوپ از اونلی ٹین پرسنٹ۔''
ڈاکٹر نے کنول کو ایک اور انجکشن لگایا پھر وہ تینوں باہر آ گئے۔
''ذہن ایک بار مکمل طور پر ڈیپ سلیپ (گہری نیند) کی کیفیت سے دو چار ہوئے تو سکون بھی ملتا ہے لیکن مریضہ کو کسی نے بہت ٹارچر کیا ہے۔''
ڈاکٹر نے بات جاری رکھی۔''کون تھا وہ؟''
''اسے گولی مارو ڈاکٹر۔'' کرنل نے کہا۔''میں چاہتا ہوں کہ مریضہ ہر قیمت پر زندہ رہے۔''
''محاذ جنگ پر بھی ہم سب اپنی جیت کے لیے پرامید ہوتے ہیں کرنل لیکن.....ہم فوجی ہیں.....جیت گئے تو غازی.....مر گئے تو شہید۔ مگر مریضہ فوجی نہیں ہے اور میں.....میں صرف اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔''
''اوکے ڈاکٹر.....'' کرنل نے طویل سانس لے کر کہا۔ پھر اورنگ زیب کے ساتھ قدم اٹھاتا دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔
''موت اور زندگی خدا کے اختیار کی بات ہے کرنل۔'' اورنگ زیب نے لب کشائی کی''لیکن اگر کنول مر گئی تو میں آکٹوپس کو اس کے آخری انجام تک پہنچاتے وقت بھی کسی قانونی تقاضوں کا احترام نہیں کروں گا۔''
''آئی.....ایگری ود یو.....'' کرنل نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ مریضہ زندہ رہے۔''
خاصی دیر تک دونوں کنول کی باتیں کرتے رہے پھر دونوں کی نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ آنے والا ڈاکٹر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔
''اب کیا پوزیشن ہے ڈاکٹر.....''
''میں نے مریضہ کا تنفس بحال کرنے کے لیے آکسیجن ماسک بھی لگایا ہے لیکن.....''
''لیکن کیا.....'' اورنگ زیب نے بے چینی سے پوچھا۔
''امید کا گراف بڑھنے کے بجائے گرتا ہی جا رہا ہے پھر بھی میں اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہوں گا۔ ہمارے پروفیشن کا تقاضا بھی یہی ہے مگر اتنی خوب صورت لڑکی کے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک کرنے والا کون تھا۔''
ڈاکٹر نے پہلی بار سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔''کیا وہ پکڑا گیا؟''
''نہیں.....'' کرنل نے جھلا کر کہا۔''وہ.....وہی باسٹرڈ ہے جو ہمارے خیال میں ڈوب گیا تھا۔''
''اوہ.....نو۔'' ڈاکٹر نے حیرت کا اظہار کیا۔''لیکن اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق تھا؟''

''وہی...... جو جنگل میں کسی آدم خور چیتے کا معصوم ہرن سے ہوتا ہے......'' کرنل نے حقارت سے جواب دیا۔

اسی وقت وارڈ بوائے نے اندر داخل ہو کر ڈاکٹر سے کچھ کہا تو وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

''کرنل......'' اورنگ زیب نے کچھ دیر بعد اٹھتے ہوئے درخواست کی۔ ''میں آپ سے مریضہ کی حالت معلوم کرتا رہوں گا۔''

''او کے۔'' کرنل نے اٹھ کر فوجی انداز میں اورنگ زیب سے مصافحہ کیا پھر اس کے جانے کے بعد اس نے ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔ شیخ حامد کے بارے میں پھر اپنی ٹیم کے افراد کو دوبارہ ایکٹو ہونے کی ہدایتیں دینے لگا۔

❖❖❖

دوسرے دن اخباروں نے شیخ حامد کے زندہ ہونے کی خبریں کنول کی تصویر اور اس کے تحریری حوالے کے ساتھ جلی سرخیوں سے شائع کیں تو متعلقہ حلقوں میں پھر سے بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ کاروباری لوگوں کے ایک گروپ کا سانس پھر تیز تیز چلنے لگا۔ ان میں سرفہرست رستم علی آغا خانی تھا۔

میڈم روبی نے جہاں اس خبر کو پڑھ کر منگنی کی انگوٹھی ہاتھ سے اتار کر سیف میں رکھ دی تھی۔ وہیں ڈی آئی جی بھی تلملا کر رہ گیا تھا۔ صبح صبح اورنگ زیب اور سراج کی پیشی کا مقصد بھی یہی تھا۔ اسے ایک طرف میڈم روبی کے ساتھ گھر بسانے کا خواب ٹوٹنے کا غم تھا تو دوسری جانب کچھ ذاتی خدشات بھی اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کرنل احتشام نے آپ کو کنول ہی کے سلسلے میں بلایا ہوگا۔'' اس نے اورنگ زیب سے پوچھا۔

''جی ہاں...... اس کی اطلاع میں آپ کو کل رات بھی مختصر دے چکا ہوں۔''

''اب کنول کس پوزیشن میں ہے؟''

''ڈاکٹر کو اس کے بچنے کی زیادہ امید نہیں ہے۔'' اورنگ زیب نے بہ دستور سنجیدگی برقرار رکھی۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ کنول نے پریس کو اپنا تحریری بیان دے کر کسی دانش مندی کا ثبوت نہیں دیا۔'' ڈی آئی جی نے پہلو بدل کر کہا۔ ''اس طرح ہمارا شکار اور چوکنا ہو جائے گا۔''

''اس خبر سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ جس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے وہاں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی کوئی فکر نہیں کی جاتی۔ آکٹوپس تو اس قبیلے کے ایک سردار کی حیثیت رکھتا ہے۔''

''صبح سے اوپر والوں نے پھر میری نیند حرام کر رکھی ہے۔'' ڈی آئی جی ہونٹ چباتے ہوئے

بولا۔ ''ہمیں اس بار پہلے سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔''

''میں پہلے بھی محتاط ہی تھا سر لیکن......''

''لیکن کیا......؟'' ڈی آئی جی نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''میں کسی ایک کی نشاندہی نہیں کروں گا جناب......لیکن بہت سے ذمے دار حیثیتوں کے مالک بھی آکٹوپس کے سلسلے میں ڈبل رول پلے کرتے رہتے ہیں......اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید......''

''جو کچھ ہو چکا اب اس کو دہرانے سے کیا فائدہ؟'' ڈی آئی جی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اب آپ کو زیادہ محتاط رہ کر ایسی پلاننگ کرنی ہوگی کہ وہ زیادہ دیر ہاتھ پاؤں نہ چلا سکے۔''

اورنگ زیب خاموش رہا۔

''آپ کے ذہن میں کوئی نہ کوئی پلاننگ تو ضرور ہوگی۔'' ڈی آئی جی نے اس بار الفاظ چباتے ہوئے اسے دیکھا۔ ''خاص طور پر ایسی صورت میں کہ جب آپ نے اسے سرے سے مردہ تصور ہی نہیں کیا تھا۔''

''میں برابر اسی کے بارے میں ورک کرتا رہا ہوں......آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔''

''اس خبر کے اخبارات میں شائع ہونے کے بعد آپ نے کچھ نہ کچھ تو سوچا ہوگا۔''

''یس سر......'' اورنگ زیب نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''مجھے بساط پر اپنے کچھ مہروں کی پوزیشن تبدیل کرنی ہوگی لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی پلاننگ کو کامیاب ہونے تک زبان سے نہیں نکالوں گا۔''

''کیا مطلب......؟ کیا آپ مجھے بھی بتانا پسند نہیں کریں گے؟''

''موجودہ حالات میں ایسا کرنا ضروری ہے سر......''

''آئی۔سی......'' ڈی آئی جی تلملا کر رہ گیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تو اس نے ایک لمحے ریسیور کو گھور کر دیکھا پھر ریسیور اٹھالیا۔

''یس......''

''میں روبی بول رہی ہوں......''

''زہے نصیب......اس وقت کیسے فون کیا؟'' ڈی آئی جی نے کشمکش کا شکار ہو کر بھی دوستانہ لہجے میں بات کی۔

''میرا خیال ہے کہ اخبارات کے ذریعے اب تک......''

''جی ہاں......میں بھی اس وقت اپنی ٹیم کے ساتھ سر جوڑے بیٹھا ہوں اس کے علاوہ......'' ڈی آئی جی نے میڈم کے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے وہ بات بھی خود ہی کہہ دی جو شاید میڈم کہنا چاہتی تھی۔ ''مجھے آپ کی شرط یاد ہے۔''

مختصر گفتگو کے بعد اس نے دوبارہ اورنگ زیب اور سراج کو باری باری دیکھا۔

''کنول کے بارے میں آخری خبریں کیا ہیں۔ وہ ہمارے لیے خاصی کارآمد ثابت ہوسکتی

ہے۔"

"ملٹری کے ڈاکٹر نے صرف دس فیصد امید دلائی ہے۔" اورنگ زیب نے کہا۔

"بہرحال......" ڈی آئی جی نے اس بار کسی ہارے ہوئے جواری کے انداز میں دونوں افسران کو مخاطب کیا۔

"میں آپ دونوں کو فری ہینڈ دیتا ہوں۔ میری جانب سے آپ کے کسی اقدام میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔"

"شکریہ سر......"

ڈی آئی جی کے آفس سے فارغ ہو کر دونوں باہر نکلے تو اورنگ زیب نے سراج سے مسکرا کر پوچھا۔

"تم کس نتیجے پر پہنچے......؟"

"خوب صورت خواب ٹوٹ جائیں تو پھر آدمی مجبوراً گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔" سراج نے جواب دیا۔ "مجھے یقین تھا کہ میڈم ان خبروں کو پرکھنے کے بعد منگنی کو کوئی اہمیت نہیں دے گی۔"

"میرے بارے میں کیا کہو گے؟"

"اس وقت ڈیوٹی پر ہوں جناب۔" سراج نے شوخی سے کہا۔ "رات کو الماس کی موجودگی میں تفصیلی بات ہوگی۔"

اورنگ زیب' ڈی آئی جی کی کیفیت پر خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملا' اس نے نمبر دیکھ کر کال اٹینڈ کرنے میں دیر نہیں کی۔

"اب کیا صورت ہے کرنل......؟"

"ویری سیڈ نیوز فار اس (very sad news for us)" کرنل احتشام نے اداس لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر کی کوشش بھی مریضہ کے ساتھ دم توڑ گئیں۔"

"اوہ......" اورنگ زیب کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ "ڈیڈ باڈی کا کیا ہوگا؟"

"ڈونٹ وری......ہم مرنے والی کو پورے اعزاز اور احترام سے سپرد خاک کریں گے۔"

دوسری جانب سے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی رابطہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

اورنگ زیب کے چہرے کے بدلتے تاثرات......کرنل اور ڈیڈ باڈی کے حوالے ہی سے سراج نے سمجھ لیا تھا کہ اورنگ زیب کو کنول کے انتقال کی خبر دی گئی ہوگی۔ اس نے فوری طور پر اورنگ زیب سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ خود بھی اس خبر کو سن کر کسی گہری سوچ میں غرق نظر آ رہا تھا۔ دو چار منٹ خاموشی سے گزر گئے پھر اورنگ زیب نے موبائل پر کچھ نمبر پنچ کر کے اسے آن کر دیا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے بڑی بے تکلفی اور اپنایت سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"ہیلو الماس......وہاں میں اور سراج اس وقت ڈی آئی جی سے مل کر واپس آفس جا رہے تھے۔ ٹائم میں سوائے وقت کی بربادی کے اور کیا ہوتا ہے......ٹھیک ہے لیکن اس وقت میں نے

تمہیں ایک خاص مقصد سے فون کیا ہے......‘‘اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔’’اوپر کا اسٹور روم صاف کرا کر اس میں میرے لیے ایک بیڈ ڈلوا دو......نہیں......گیسٹ روم مناسب نہیں رہے گا۔او کے۔‘‘اورنگ زیب نے کال ختم کی تو سراج نے دبی زبان میں پوچھا۔

’’کیا آپ بھی......‘‘

’’خطرہ نہیں......صرف احتیاط سمجھ لو۔کنول کا بیان اخبارات میں آنے کے بعد آکٹوپس سب سے پہلے میرا شکار کرنے کی کوشش کرے گا۔تم لیاقت حسین کو بھی محتاط رہنے کی تاکید کردو......افضل خان اور شبنم کی حفاظت کا بھی خاص خیال رکھنا۔وہ دونوں ابھی ہمارے لیے بہت کارآمد ہیں۔‘‘

اورنگ زیب نے جن خدشات کا اظہار کیا اس کے پیش نظر سراج بھی بے حد سنجیدگی سے حالات کی تحلیل نفسی کرنے لگا۔

✣✣✣

ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ باہر آیا تو وہاں موجود ڈیوٹی دینے والے نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

اس وقت وہ جینز کی پتلون اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ٹی شرٹ کے سامنے کے دو بٹن کھلے تھے جس سے اس کا صحت مند اور کشادہ سینہ نظر آرہا تھا‘ گلے میں اس نے مصنوعی سونے کی ایک موٹی چین پہن رکھی تھی۔پاؤں میں جوگرز تھے۔اس کے چہرے کی رنگت مائل گندمی تھی۔عمر تیس کے لپیٹے میں رہی ہوگی۔وقت اور حالات نے اسے اس قدر مصروف کررکھا تھا کہ اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں وقت ضائع کرتا۔

گاڑی سے باہر نکل کر وہ سیدھا مین گیٹ کی جانب بڑھا جہاں رنگ برنگے لباس میں سر پر کلف شدہ اونچی پگڑی جمائے ایک ملازم آنے جانے والوں کے لیے دروازہ کھولنے پر تعینات تھا۔نوجوان کو دیکھکر اس نے دروازہ کھولنے کے بجائے مہذب انداز میں کہا۔

’’ہوٹل میں اس قسم کا لباس پہن کر......‘‘

’’میرے پاس مس ڈکسن کا دعوت نامہ موجود ہے۔‘‘نوجوان نے مسکرا کر کہا۔’’میرا خیال ہے کہ اس سے ملاقات کے لیے یہ لباس بھی اضافی ہی ثابت ہوگا۔‘‘

ڈیوٹی پر مامور کارندے نے اسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا پھر دروازہ کھول دیا۔’’وہ جانتا تھا کہ مس ڈکسن ایک عالمی شہرت رکھنے والی مستقبل شناس تھی۔اس ہوٹل میں مقیم تھی‘اس کی فیس کی ادائیگی کرنا بھی معمولی لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی۔

دروازے سے گزر کر نوجوان سامنے داہنی جانب رکھی ہوئی اس میز کی طرف بڑھا جس پر ایک ادھیڑ عمر کی عورت بیٹھی تھی‘میز پر مس ڈکسن کے حوالے سے ایک پلے کارڈ دور سے نظر آرہا تھا جس نے نوجوان کی رہنمائی کے لیے کچھ آسانی بھی کردی۔

وہ میز کے قریب پہنچ کر سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مجھے مس ڈکسن سے ملنا ہے۔''

''اوہ......'' عورت کے چہرے پر کاروباری مسکراہٹ ابھری۔ ''آپ کا نام؟''

''جونی......''

بوڑھی عورت نے سامنے میز پر رکھے پیڈ پر نظر ڈالی' اس نے بھی ایک بار جونی کو بہت غور سے دیکھا۔ فہرست میں جونی کا نمبر آٹھواں تھا جبکہ مس ڈکسن ایک دن میں سات آدمیوں سے زیادہ پروفیشنل ملاقات نہیں کرتی تھی' یہ بات دنیا میں اس کے تمام کلائنٹس کو معلوم تھی کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنا اصول نہیں توڑتی تھی۔

''تم خوش قسمت ہو نوجوان جس نے آج مس ڈکسن کے سالہا سال پرانے اصول کو توڑ دیا ہے۔'' اس نے اپنی بات کی وضاحت کی تو جونی نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ اسے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں ابھی دس پندرہ منٹ اور انتظار کرنا ہوگا۔'' عورت نے دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''جو کلائنٹ اندر ہے اس کے باہر آتے ہی وہ مجھے کال کر دے گی۔ اس کے بعد تمہیں لفٹ کے ذریعے آخری منزل پر جانا ہوگا جہاں مس ڈکسن نے ایک سوٹ (suite) لے رکھا ہے' وہاں جو اٹینڈنٹ ہوگا وہ تمہاری رہنمائی کر دے گا۔''

''شکریہ......'' جونی نے بے پروائی سے جواب دیا پھر آنے جانے والے بھانت بھانت کے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس وقت بھی اس کے ذہن میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔

اصول کے مطابق مس ڈکسن سے ملنے والوں کو ایک دن پہلے اپنے نام کے اور فون نمبروں کے ساتھ کبھی پسندیدہ پھول کا نام لکھ کر دینا پڑتا تھا۔ بعد میں جن لوگوں کو ملاقات کا وقت دیا جاتا تھا انہیں بذریعہ فون آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ جونی نے پسندیدہ پھول کی جگہ ''گوبھی کا پھول'' لکھ دیا تھا اور......اب وہ بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ مس ڈکسن کس انداز میں اس کی پذیرائی کرے گی؟

پندرہ منٹ بعد میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی' ادھیڑ عمر کی عورت نے سنبھل کر کال ریسیور کی پھر ''یس میڈم!'' کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے جونی کو مخاطب کیا۔

''وش یو گڈ لک نوجوان......تمہارا نمبر آ گیا ہے۔''

جونی مسکراتا ہوا اٹھا۔ لفٹ کے ذریعہ آخری منزل تک پہنچنے کے دوران وہ صرف اور صرف مس ڈکسن کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس سے ملاقات کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ اپنے ماضی کے بارے میں وہ باتیں بھی جاننے کا خواہش مند تھا جو اس کے علم میں نہیں تھیں۔ مس ڈکسن کے بارے میں اس نے اخبارات میں یہی پڑھا تھا کہ وہ ملاقات کرنے والوں کو ''گہوارے سے لے کر قبر تک'' کے تمام حالات اس طرح بتا دیتی ہے جیسے وہ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہی ہو۔

مطلوبہ سوٹ تک پہنچنے میں جونی کو کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہاں موجود ہوٹل کے اٹینڈنٹ نے ضروری معلومات کرنے کے بعد اسے ملاقات کمرے میں پہنچا دیا جہاں مس ڈکسن ایک صوفے پر

موجود تھی۔ جونی نے اسے سر سے لے نظر آ رہی تھی۔ وہ خوب صورت خدوخال کی مالک تھی۔ اس نے جونی کو بس ایک پل کے لیے غور سے مسکرا دیکھا پھر سنبھل کر بولی۔ ''تم وہ پہلے خوش نصیب ہو جسے میں نے آج پہلی بار آٹھواں نمبر دیا ہے۔''

''یہ بات مجھے بتائی جا چکی ہے۔'' جونی نے محتاط رویہ اختیار کیا۔

''تم......اپنے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہو......؟''

''ماضی کی وہ تمام باتیں جو سلسلے وار میرے علم میں نہیں ہیں۔''

''تم نے شاید اسی لیے مجھ سے ایک بھونڈا مذاق کیا ہے۔'' مس ڈکسن یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ''گوبھی کا پھول فلاورز میں شمار نہیں کیا جاتا۔''

''میں معذرت خواہ ہوں......'' جونی نے اعتراف کرنے میں عار نہیں سمجھا۔

جواب میں مس ڈکسن نے اس کے نام کا لفافہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''یہ فیس کی وہ رقم ہے جو تم نے مجھ سے ملاقات کی خاطر پیشگی ادا کی تھی۔''

''گویا مجھے یہاں سے مایوس جانا پڑے گا۔'' جونی لفافہ اٹھایا تو مس ڈکسن نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''بیٹھ جاؤ جونی......تم رقم کی واپسی کا غلط مطلب اخذ کر رہے ہو۔ میں ایک دن میں چونکہ صرف سات لوگوں کو وقت دیتی ہوں اس لیے فیس بھی سات افراد سے لیتی ہوں۔ تمہارا نمبر آٹھواں ہے اس لیے میں تم سے فیس کی رقم نہیں لے سکتی۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہوگا۔''

جونی نے پہلی بار مس ڈکسن کے اصول کو دل ہی دل میں سراہا پھر دوبارہ بیٹھ گیا۔ کمرے میں پانچ منٹ تک خاموشی مسلط رہی پھر مس ڈکسن نے پہلو بدل کر دوستانہ انداز میں کہا۔

''تمہارا ماضی کھلی کتاب کی طرح میری نظروں کے سامنے ہے۔''

''کیا آپ میرے ان تمام صفحات کو پڑھ سکتی ہیں جو میں نے ابھی تک نہیں پڑھے؟''

مس ڈکسن نے جونی کے سوال پر اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا پھر اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط ہو گئی۔ اس نے جونی کے چہرے سے نظر ہٹا کر خلا میں گھورنا شروع کیا پھر......اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے۔

''آج سے ٹھیک انتیس سال گیارہ ماہ قبل تم نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔ وہ تمہاری ماں کے لیے اس کی زندگی کا سب سے منحوس ترین دن تھا۔ تمہاری پیدائش کے بعد تمہارے باپ کی نگاہوں کے زاویے بھی تبدیل ہونے لگے......وہ......وہ ایک عیاش اور فریبی شخص تھا جس نے تمہاری ماں کو محبت کا فریب دے کر اس سے رشتہ جوڑا تھا جو تمہارے دنیا میں قدم رکھنے کے بعد کچے دھاگے کی طرح رفتہ رفتہ ٹوٹ گیا۔ شاید اس لیے کہ تمہیں جنم دینے کے بعد وہ غریب عورت وقتی طور پر تمہارے باپ کے لیے کسی کام کی نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے دوسری عورتوں سے دل بہلانا شروع کر دیا۔ تین

سال تک تمہاری ماں کی کشتی ڈگمگاتی رہی اس کے بعد تمہارا باپ تم دونوں کو چھوڑ کر کہیں غائب ہو گیا۔"

مس ڈکسن کی نظریں بہ دستور خلا میں چکرا رہی تھیں۔ جونی دھڑکتے ہوئے دل سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہاری ماں بڑے نامساعد حالات میں تمہاری پرورش کا بوجھ اٹھاتی رہی۔ چار سال تک گھریلو ملازمہ کی طرح کام کرتی رہی۔ کسی ایک جگہ نہیں ٹک سکی اس لیے...... اس لیے کہ وہ خوب صورت تھی۔ بہرحال وہ خود کو ہوس پرست مردوں کے ہاتھوں سے بچاتی رہی لیکن کب تک...... جنگل میں رہنے والی ہرنی بھی کبھی نہ کبھی کسی شیر یا چیتے کی درندگی کا شکار بن جاتی ہے۔ تمہاری ماں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ جب تم دس سال کے ہوئے تو جس گھر میں وہ ملازمت کرتی تھی وہاں کے ایک مرد نے اس کی عزت طاقت کے بل پر لوٹ لی۔ وہ پاکباز اور خوددار عورت تھی۔ اس نے رسوا ہونے سے بیشتر ہی خودکشی کر لی۔ تم بے سہارا ہو گئے۔"

مس ڈکسن ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"تمہاری پرورش جس ماحول میں ہوئی وہ نہایت نامناسب تھی۔ گلی کے کم حیثیت بچوں کے ساتھ کھیل کود کر تمہاری شخصیت مسخ ہوتی رہی پھر...... تمہاری ماں کی موت کے بعد کچھ لوگوں نے تم کو ایک یتیم خانے کے حوالے کر دیا۔ یتیم خانے کے مالکان بظاہر خدمت خلق کے نام پر پیسے بٹور رہے تھے۔ درپردہ وہ ناجائز کاروبار میں بھی ملوث تھے۔ جب تمہاری عمران لکی (un lucky) کے ہندسوں نمبر تیرہ کی تھی اس وقت کسی نے یتیم خانے والوں کے خلاف مخبری کر دی۔ پولیس کی ریڈ کے دوران کچھ لوگ پکڑے گئے۔ کچھ فرار ہو گئے۔ اس افراتفری کے عالم میں تمہاری عمر کے کچھ لڑکوں کو بھی فرار ہونے کا موقع مل گیا۔

سر چھپانے کی خاطر تم کو بھی گھریلو ملازمت کرنی پڑی۔ ماں کی طرح تم نے بھی خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن اس بار ایک شادی شدہ عورت نے تمہارے اندر پوشیدہ مرد کو تلاش کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب تم نے ایک انوکھی لذت کا ذائقہ چکھا۔ ماں کی طرح تم نے بھی خوف سے وہ ملازمت چھوڑ دی۔ تمہاری پرورش درست خطوط پر نہیں ہوئی تھی اس لیے تم کو سنبھلنے کا موقع ملا۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد تم آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پڑے رہے پھر چار سال بعد اس روز تم کو اپنی قیمت کا اندازہ ہوا جب تم نے پہلی بار بازار حسن کے گندے ماحول میں قدم رکھا۔ تم نے ایک عام گاہک کی طرح ہی اس طوائف زادی کی فیس ادا کر دی تھی۔ بعد میں اس نے تمہیں فیس واپس کرنے کے ساتھ ساتھ چار گنا زیادہ رقم بھی دی...... یہ بھی کہا تھا تم رات کے بجائے دن میں اسے سے ملتے رہنا۔ ہر بار وہ تم کو اتنی ہی رقم ادا کرتی رہے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور...... اس طرح تم اس کے غلام بن گئے۔"

مس ڈکسن نے خلا میں گھورتے گھورتے اپنی پلکیں بار بار جھپکائیں پھر اس نے براہ راست

جونی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''میں نے اب تک تمہیں جو کچھ بتایا' اس میں کچھ غلط تو نہیں تھا؟''

''نہیں......'' جونی نے کسمسا کر اقرار کیا۔

''تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ اس کے بعد تم کس طرح شیلا ورما تک پہنچے جو بیوٹی پارلر چلا رہی ہے۔'' مس ڈکسن نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔ ''کیا یہ بھی بتادوں کہ تمہاری ملاقات کے بعد شیلا ورما نے اپنے شوہر سے کیوں علیحدگی اختیار کی تھی اور اس تم کس قدر شاہانہ زندگی گزار رہے ہو؟''

''میں اعتراف کرتا ہوں مس ڈکسن کہ تم نے اَب تک جو کچھ کہا اس کا ایک حرف بھی غلط نہیں......لیکن......میں شیلا ورما کے اشارے پر جو کام انجام دے رہا ہوں وہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکا......کیا اس کے بارے میں بھی تم مجھے کچھ بتا سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں......'' مس ڈکسن نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔ ''تمہاری زندگی میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہے۔'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''پہلے تمہارا نام جان محمد تھا' جس عورت نے تمہیں پہلی بار برباد کیا اس نے تمہیں جانور کا نام دیا......بازار حسن میں تم جس طوائف زادی کے پاس گئے اس نے رخصت کرتے وقت تمہیں جونی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اب......شیلا ورما نے تمہیں مکمل طور پر جونی کے روپ میں ڈھال دیا ہے۔''

''میں نام کے بارے میں نہیں بلکہ اس کام کے بارے میں معلوم کرنا پسند کروں گا جو مجھ سے لیا جا رہا ہے۔'' جونی نے پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ''مجھے آئے دن شیلا کے کہنے پر کسی خوب صورت اور کمسن لڑکی کو اس کے دیے ہوئے مختلف پتوں پر پہنچانا پڑتا ہے......میں جانتا ہوں کہ ان لڑکیوں کو کیا خدمت کرنی پڑتی ہے لیکن وہ......وہ کون ہے جو لڑکیوں کے عوض منہ مانگی رقم دیتا ہے؟......ایک لڑکی کا نمبر کبھی دوسری بار نہیں آتا......کبھی کبھی کوئی لڑکی معصوم ہونے کے باوجود شیلا کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر تباہ ہو جاتی ہے۔''

''آئی ایم سوری جونی......میں غیر ضروری سوالات کا جواب دینے میں وقت برباد نہیں کرتی پھر بھی......اتنا بتا سکتی ہوں کہ خود شیلا ورما بھی نہیں جانتی کہ وہ لڑکیاں کتنے ہاتھوں سے گزر کر کہاں پہنچائی جاتی ہیں لیکن......ذاتی طور پر میں تم کو ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں۔''

''پلیز......مس ڈکسن۔'' جونی نے عاجزی سے کہا۔

''جتنی جلدی ممکن ہو شیلا ورما کی دنیا سے نکل کر کہیں دور چلے جاؤ......کسی ایسی جگہ جہاں تک اس کی رسائی ممکن نہ ہو۔

کیا یہ ممکن ہوگا......؟''

جواب میں مس ڈکسن نے دوبارہ خلا میں گھورنا شروع کیا پھر لمحوں بعد اس نے جونی کی طرف دیکھ کر پہلی بار بڑے روکھے انداز میں کہا۔

''تم اب جا سکتے ہو......میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتی......''

''میں اگر ضد کروں تو......؟''

''مجھے مجبوراً ہوٹل کی انتظامیہ کو کال کرنا پڑے گا جو تمہیں دھکے دے کر نکال دیں گے۔'' مس ڈکسن ہونٹ چباتے ہوئے اٹھی۔ ''ناؤ...... پلیز گیٹ لاسٹ......''

جونی کے لیے اس کا نیا طرز عمل ناقابل فہم تھا لیکن اس نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا' مس ڈکسن کو آخری بار گھور کر دیکھا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ دوبارہ شیلا ورما کے بیوٹی پارلر کی طرف جا رہا تھا جس کے اوپر اس کی رہائش تھی۔ وہ مس ڈکسن کے آخر جملوں اور یکلخت بدلے ہوئے انداز پر غور کرنے میں اتنا منہمک تھا کہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک ٹیکسی ہوٹل سے نکلنے کے بعد ہی کچھ فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

✣✣✣

لیاقت حسین کچھ دیر پہلے ہی راحیلہ کی طرف سے ہو کر آیا تھا' کچھ مہمان آئے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے فرحین کو روک لیا تھا' اسے خوشی تھی کہ فرحین راحیلہ بیگم کے ساتھ گھل مل جانے کے بعد شہر کے مہذب طور طریقے بھی سیکھتی جا رہی تھی۔

گھر آ کر لیاقت حسین نے لباس تبدیل کیا پھر وہ کچھ دیر آرام کرنے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ دن بھر کا تھکا ماندہ تھا اس لیے اس کی آنکھ بھی لگ گئی' کچھ دیر بعد فرحین ہی نے اسے آواز دے کر جگایا تھا۔

''میرے بغیر آج تیری آنکھ کیسے لگی؟'' اس نے معصوم انداز میں شکوہ کیا۔

''تیرے ہی خواب دیکھ رہا تھا۔'' لیاقت حسین نے حسب دستور اسے اپنے قریب کر لیا۔

کچھ دیر تک وہ باتیں کرتی رہی۔ آنے والے مہمان' خواتین کے رکھ رکھاؤ اور ہنسنے بولنے کے طور طریقے بتاتی رہی۔ لیاقت حسین ہوں' ہاں کرتا رہا پھر دوبارہ اس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ کتنی دیر سویا اسے یاد نہیں لیکن کوئی بات تھی جس نے اس سوتے ہی سوتے ایک ڈراؤنے خواب سے دوچار کر دیا تھا۔ ایک متحرک فلم اس کی نگاہوں کے سامنے چلنے لگی۔

اس نے دیکھا کہ بنگلے کا چوکیدار گیٹ کے ساتھ ہی اپنی رائفل سمیت فرش پر پڑا ہے' شاید وہ کچھ دیر آرام کرنے بیٹھا تھا پھر نیند کے جھونکوں نے اسے کرسی سمیت فرش پر لڑھکا دیا تھا...... اس نے چوکیدار کو ٹٹولنا مناسب نہیں سمجھا' قدم اٹھاتا آگے بڑھا تو اس کے آفس کا کمرا جسے وہ بند کر گیا تھا' اس کے دروازے کھلے نظر آ رہے تھے' دروازے کے ساتھ ہی ایک انسانی ہیولا بھی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ اس کی نظریں اندر کی جانب تھیں اس لیے وہ لیاقت حسین کو نہیں دیکھ سکا۔

ایک لمحے میں لیاقت حسین نے اپنی پوزیشن تبدیل کی' وہ پنجوں کے بل لپکتا ہوا کمرے کی ایک کھڑکی کے قریب پہنچ گیا جہاں دیوار کے ساتھ ہی ایک اور آدمی اوندھا پڑا تھا' لیاقت حسین نے جھک کر اسے دیکھا پھر اس کی سانسوں کی رفتار تیز ہو گئی' زمین پر کسی آدمی کی لاش پڑی تھی جس کی گردن پر خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔ پل بھر میں ساری سچویشن اس کے ذہن میں آ گئی۔

وہ یقیناً ڈاکو ہی تھے بنگلے میں کسی نیک ارادے سے نہیں آئے ہوں گے۔ چوکیدار نے

مزاحمت کی ہوگی' اس نے کسی کو گولی کا نشانہ بنایا ہوگا پھر خود کوئی سنساتی ہوئی اندھی گولی اس کے وجود کو چاٹ گئی ہوگی۔ آنے والوں نے اپنے ساتھی کی لاش کو سامنے سے ہٹا دیا ہوگا لیکن......اب وہ لیاقت حسین کے کمرے میں کیا تلاش کر رہے تھے؟......اس کا ذہن تیزی سے کئی امکانات پر غور کر رہا تھا' ابھی وہ کوئی حتمی نتیجہ قائم نہیں کر سکا تھا۔ جب دروازے پر کھڑا ہوا ہیولا اپنے کسی دوسرے ساتھی کے قریب آ کر مدھم آواز میں بولا۔

''خیال رکھنا......کوئی بھی سامنے آئے تو ٹھکانے لگانے سے دریغ نہ کرنا۔''

تم لوگ اندر کیا کر رہے ہو؟'' دوسرے نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔''اسے اٹھا کر ساتھ کیوں نہیں لے چلتے۔ موج میلا بھی ہو جائے گا اور باس کا حکم بھی سکون سے پورا کر لیں گے۔''

''نہیں......ہمیں وہی کرنا ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔''

''تم بھول رہے ہو۔'' پہلے نے تنگ آ کر جواب دیا۔''ہمارا ایک ساتھی کام آ چکا ہے۔''

''اس کے بدلے میں ہم نے بھی چوکیدار کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر دیا ہے۔''

''لیکن اندر......''

''وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح بپھری ہوئی ہے۔'' پہلے نے کہا۔

''فکر مت کرو' ہمارے ساتھی اسے قابو کر لیں گے۔''

''اور اگر اتنی دیر میں وہ ادھر آ گیا جو انیکسی میں سو رہا ہے تو......؟''

''وہی سب سے ٹیڑھی کھیر ہے! باس کا خیال ہے کہ وہ انسان نہیں کوئی جن بھوت ہے جس پر کوئی حربہ اثر نہیں کرتا۔''

''ایسی صورت میں تصویروں سے کیا بنے گا؟'' دوسرا بولا۔''اگر یہی خوب صورت بلا اس کی کمزوری ہے تو اسی کو بوری میں سمیٹ لے چلو' اس کے پیچھے وہ بھی ہمارے جال میں پھنس جائے گا۔''

''میں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا لیکن باس نے میری بات نہیں مانی۔''

متحرک فلم کے کلائمکس کے بارے میں لیاقت حسین کے سوتے ذہن نے سوچا تو وہ اس طرح ہڑبڑا کر جاگا جیسے کسی زہریلے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔ اس نے پلٹ کر بستر پر نظر ڈالی تو فرحین وہاں نہیں تھی۔ کمرے کا دروازہ بھی کھلا نظر آ رہا تھا۔ باہر ایک سایہ بھی موجود تھا' شاید وہ لیاقت حسین کی چوکیداری پر مامور تھا۔

⁂⁂⁂

اچانک لیاقت حسین کی نظر ماں کی دی ہوئی انگوٹھی کے نگینے پر پڑی جو سرخ ہو رہا تھا' دوسرے ہی لمحے اس نے ہاتھ آہستہ سے کھسکا کر سراج کا دیا ہوا پستول تکیے کے نیچے سے نکال لیا۔ لیٹے ہی لیٹے اس نے پوزیشن بدل کر گولی داغ دی' دروازے کے ساتھ کھڑا ہوا سایہ ڈکراتا ہوا دروازے کو تھامے تھامے نیچے جھول گیا' اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ نے دوسروں کو بھی محتاط کر دیا تھا۔ لیاقت حسین نے یہ سوچ کر اٹھنے میں دیر نہیں کی' وہ پستول پر اپنی گرفت مضبوط کیے دروازے تک پہنچ گیا۔ اسی لمحے کسی نے باہر سے سرسراتی آواز میں کہا۔

''لیاقت حسین...... باہر نکلنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ آج ہم تمہیں بھی بھون کر رکھ دیں گے۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہاری گھر والی ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کا کیا انجام ہوگا؟''

''تم...... تم لوگ کیا چاہتے ہو؟'' لیاقت حسین نے دبنگ آواز میں سوال کیا پھر بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ کر تیزی سے دروازے کی سمت کرالنگ کرنے لگا۔

''فرحین خطرے میں ہے۔'' یہ سوچ کر ہی اس کے وجود میں چنگاریاں چٹخنے لگی تھیں لیکن وہ محتاط رہ کر قدم اٹھانے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا۔

''تم فوری طور پر اپنی گھر والی کو لے کر پندرہ روز کے لیے گاؤں چلے جاؤ'' تحکمانہ لہجے میں جواب ملا۔

''اس کے بعد چاہو تو واپس آ جانا۔''

''اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو......؟'' لیاقت حسین نے دروازے کے قریب پہنچ کر پوزیشن سنبھالی۔

''تو تمہاری بیوی کی شرمناک تصویریں سینما کے پوسٹر کی طرح شہر کی گلی کوچوں میں نظر آئیں گی۔''

اس جملے نے جیسے لیاقت حسین کے اندر ٹھہرے بارود کو آگ لگا دی۔ اس نے تڑپ کر اپنے آدھے جسم کو دروازے کے باہر نکالا اس کے ساتھ ہی اس کے پستول سے خارج ہونے والی گولی اس سائے کو زمین پر ڈھیر کر گئی جو فرحین کے سلسلے میں شرطیں منوا رہا تھا۔ لیاقت حسین کی شعلہ بار نظریں اپنے آفس کی طرف اٹھیں۔ اسی لمحے تین آدمی فرحین کو سامنے کیے ہوئے باہر نکلے۔

''اب کوئی دوسری گولی نہ چلانا لیاقت حسین ورنہ ہم تمہاری بیوی کے چیتھڑے اڑا دیں

گے۔'' سامنے آنے والوں میں سے ایک نے للکار کر کہا۔

''تو میری فکر مت کر لیاقت۔'' فرحین نے بے جگری سے کہا۔'' اپنی غیرت ان کتوں کے ہاتھ فروخت نہ کرنا۔''

نیم تاریکی کے باوجود لیاقت حسین کی نظروں نے فرحین کو بغیر اوڑھنی کے تین مردوں کے شکنجوں میں پھڑ پھڑاتے دیکھا تو دیوانہ ہو گیا۔ ساری احتیاط کے تقاضوں کو فراموش کر کے اس نے ایک اور گولی داغ دی۔ اس کا نشانہ پکا تھا' فرحین کے سیدھے ہاتھ والا مرد بغیر آواز نکالے اوندھے منہ سیڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے آ گیا۔ باقی دونوں نے فرحین کو گھسیٹ کر اس کی آڑ لے لی۔ اب وہ آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''ہم نے اپنے خاموش پستول تمہاری بیوی کی گردن پر جما رکھے ہیں۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔'' دروازے پر اپنی گاڑی پر بیٹھنے کے بعد ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔''

''نہیں لیاقت حسین...... '' فرحین نے پھر نتائج کی پروا کیے بغیر چلا کر کہا۔'' ان دو غلے کتوں کی گندی زبان پر بھروسا نہ کرنا...... تو وار کر...... میں بھی کام آ گئی تو پروا نہیں۔''

لیاقت حسین کے اندر آگ بھڑک رہی تھی۔ پوزیشن اب ایسی نہیں تھی کہ وہ کوئی خطرہ مول لیتا۔ دونوں افراد نے پوری طرح فرحین کی آڑ لے رکھی تھی۔ وہ فرحین کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے پھاٹک کی سمت بڑھ رہے تھے جب فرحین نے اچانک تڑپ کر خود کو چھڑانے کی خاطر زور لگایا۔ اس کا آدھا جسم نیچے کی طرف جھکا تو لیاقت حسین نے ایک گولی اور چلا دی' اس بار بھی اسے مایوسی نہیں ہوئی' دو میں سے ایک اور کراہتا ہوا نیچے گرا۔ اب صرف ایک رہ گیا تھا جس نے فرحین کو پوری طرح دبوچ لیا تھا۔

''گولی چلا لیاقت...... '' فرحین نے احتجاج کیا......

''یہ خنزیر اگر اٹھا لے گیا مجھے تو ہم دونوں کی غیرت کو داغ لگ جائے گا...... سن رہا ہے...... میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''فکر مت کر لیاقت کی زندگی...... تجھے کوئی کہیں نہیں لے جا سکتا۔'' لیاقت حسین نے تیزی سے جگہ بدلتے ہوئے جملہ ادا کیا۔ سرسراتی ہوئی دو گولیاں اس کے قریب ہی فرش سے ٹکرا کر نکل گئیں۔

''لیاقت...... '' فرحین ہذیانی انداز میں چیخی۔'' وہ جاننا چاہتی تھی کہ دشمن کی چلائی ہوئی گولیوں کا انجام کیا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی زندگی کی پروا نہ کرتے ہوئے باقاعدہ خود کو چھڑانے کی خاطر زور آزمائی بھی شروع کر دی۔

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی دہکتی ہوئی نظریں کسی موقع کی تلاش میں تھیں۔ وہ طے کر چکا تھا کہ اپنی عزت اور غیرت کو کسی بھی قیمت پر دشمن کے ساتھ نہیں جانے دے گا۔''

''لیاقت...... جواب دے۔''فرحین پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔
اسی لمحے باہر سے کسی گاڑی کے انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز ابھری' ایک لمحے بعد ہی ایک وین پھاٹک کے سامنے آکر رکی کسی نے چلّا کر کہا تھا۔
''خطرہ ہے...... نکل چلو۔''
آخری شخص کے لیے بھی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ اپنے باقی ساتھیوں کا انجام دیکھ کر پاگل ہو رہا تھا۔ گاڑی سے خطرے کا سن کر وہ دیوانہ ہو گیا۔ فرحین کو وہ گھسیٹتا ہوا پھاٹک تک لے گیا پھر لیاقت حسین کی توجہ ایک پل کو فرحین کی طرف ہو گئی جو چیختے چیختے یکلخت کراہتی ہوئی زمین پر گری تھی۔ اسی لیے آخری شخص سے دور ہوتی چلی گئی۔
لیاقت حسین دیوانوں کی طرح اٹھ کر فرحین کی طرف بھاگا جو فرش پر اوندھی پڑی تھی' وہ پاگلوں کی طرح اسے ٹٹولنے لگا اب کے جسم پر خون یا زخم کا کوئی نشان نہیں تھا' سانس بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ پھر اس نے فرحین کے سر پر ہاتھ پھیرا تو دانت پیس کر رہ گیا۔ مجرم جاتے جاتے پستول کی پٹ اس کے سر پر مار کر نکل گیا تھا۔
وہ فرحین کو گود میں اٹھا کر اس کے گالوں اور پیشانی کو بار بار چومتا اپنے کمرے تک آیا' فرحین کو بستر پر لٹا کر اس نے سب سے پہلے اپنا موبائل آن کر کے سراج کو اطلاع دی۔ سیٹھ عثمان کو بھی پوری سچویشن سے آگاہ کر دیا۔ پھر یکلخت اسے چوکیدار کا خیال آیا تو الٹے قدموں دوبارہ باہر آ گیا۔ ایک سوال بھی اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔
''کیا رائفل چلنے کی آواز نے بھی آس پاس کے بنگلوں کے چوکیدار کو نہیں چونکایا......؟''
چوکیدار کے قریب پہنچ کر اس کو اپنے سوال کا جواب بھی مل گیا۔ اس کی رائفل سے کوئی فائر نہیں ہوا تھا۔ پیشانی پر داغی گئی کسی پستول کی گولی نے اسے پل بھر میں موت کی نیند سلا دیا تھا۔ آنے والوں میں سے کسی ایک شخص نے اسے کرسی پر بیٹھا دیکھ کر قابو کرنے کی کوشش کی ہو گی' وہ غریب فرض کی ادائیگی کی خاطر زندگی کی پروا کیے بغیر اس سے الجھ گیا ہو گا' پھر اس کشمکش کے دوران وہ خود اپنے پستول سے نکلی ہوئی گولی کا شکار ہو گیا۔ بعد میں پیچھے آنے والوں نے چوکیدار کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہو گا۔ اپنے آدمی کی لاش گھسیٹ کر انہوں نے اسے ایک طرف ڈال دیا پھر اسے واپس لے جانا ان کے مقدر میں نہیں تھا۔
لیاقت حسین نے ہاتھ اٹھا کر اس جاں نثار کے لیے مغفرت کی دعا کی پھر قدم اٹھاتا اپنے کمرے میں آ گیا جہاں فرحین بہ دستور بے ہوشی سے دوچار تھی۔

✣✣✣

اورنگ زیب اس وقت رات کے کھانے سے فارغ ہوا تھا جب اسے پینتھر کی کال موصول ہوئی۔ روشن اسکرین پر اس کے نمبر دیکھ کر اورنگ زیب کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔ پینتھر کی کال اب اکثر آنے لگی تھی۔

''میری ایک بات غور سے سنو وکی۔'' اس نے قدرے کھردرے لہجے میں پینتھر کو اصلی نام سے مخاطب کیا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ بلاضرورت مجھے......''

''اس وقت بھی میں نے ایک خاص وجہ سے فون کیا ہے جناب۔'' پینتھر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اس وقت ہنی مون بیوٹی پارلر کے کیفے کے سامنے بیٹھا زبردستی کافی حلق میں انڈیل رہا ہوں۔''

''ون منٹ۔'' اورنگ زیب کے لہجے میں سختی آ گئی۔ ''مجھ سے گفتگو کرتے وقت تم بازاری زبان بولنے سے پرہیز کیا کرو۔''

''سوری سر......'' پینتھر نے فوراً ہی تلافی کر لی۔

''اس وقت تم اس بدنام پارلر کے قریب کیا کر رہے ہو؟'' اورنگ زیب کا لہجہ بہ ستور خشک تھا۔

''میں نے آپ سے جونی اور شیلا ورما کے......''

''وقت مت برباد کرو۔'' اورنگ زیب نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اس قسم کے گندے معاملات میں کبھی نہیں الجھا۔ تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گا۔''

''جونی نے دو روز پہلے مس ڈکسن سے ملاقات بھی کی تھی۔'' پینتھر نے پھر ایک نئی اطلاع دی۔

''اس میں تمہیں کہیں غیر معمولی بات نظر نہیں آئی؟''

''شیلا ورما کیا خدمات انجام دے رہی ہے اس کا علم بھی ہو گا آپ کو......؟''

''فضول باتوں سے آئندہ پرہیز ہی کرنا۔'' اورنگ زیب نے جھنجلا کر کہا۔ ''پولیس کے دانش مند افسران ہمیشہ جوئے کے اڈوں اور عصمت فروشی کا کاروبار کرنے والوں سے دور ہی رہتے ہیں۔ ان جگہوں سے بھتہ وصول کرنے والوں کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔''

''میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں سر......''

''کہو......''

لڑکیاں کہاں پہنچائی جاتی ہیں یہ بات شاید جونی کے علاوہ خود شیلا ورما کو بھی نہیں معلوم۔'' پینتھر نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔

''پھر......تم اتنی گہرائی میں جانے کی حماقت کیوں کر رہے ہو؟''

''سر......آپ نے بھی سکندر علی شاہ کا نام ضرور سنا ہو گا؟''

''یہ نام درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' اورنگ زیب چونکا۔

''مجھے شبہ ہے کہ اس کے ڈانڈے بھی شیلا ورما سے ملتے ہیں۔'' پینتھر نے بات جاری رکھی۔ ''اس کی دوسری بیوی بناؤ سنگھار کرانے کی خاطر اکثر شیلا ورما کے پارلر پر ہی آتی ہے۔''

اس بار اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ شیلا ورما اور سکندر علی کی دوسری بیوی کے

حوالے کے بعد وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔
''سر......'' پینتھر نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ وہ بھی شیلا ورما کے لڑکیوں والے کاروبار میں برابر کی حصہ دار ہے۔''
''اس شبہے کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟'' اورنگ زیب نے پہلی بار سنجیدگی سے پوچھا۔
''میری معلومات کے مطابق اس کا تعلق بھی کسی بڑے خاندان سے نہیں تھا' خوبصورتی اور رنگ روپ کی وجہ سے پتھر سے نگینہ بن گئی۔ جھونپڑی سے نکل کر محل تک پہنچ گئی۔''
''نگینہ شاید سکندر علی شاہ کی دوسری بیوی کا نام ہے؟''
''جی ہاں سر......اس کا اصلی نام جمیلہ تھا' باپ کسی سرکاری دفتر میں معمولی کلرک کرتا تھا۔'' پینتھر نے اپنی معلومات کی تشریح کرتے ہوئے کہا۔ ''قسمت اچھی تھی جو کسی ذریعہ سے سکندر علی شاہ تک پہنچ گئی۔ کچھ دنوں داشتہ رہی پھر بیوی بننے کے ساتھ ساتھ نگینہ بھی بن گئی۔ ایک دو بار میں نے اسے جونی کے اس عارضی کمرے میں بھی جاتے دیکھا ہے جہاں وہ دن بھر رہتا ہے ورنہ......اس کی اکثر راتیں شیلا ورما کی خواب گاہ میں ہی بسر ہوتی ہیں۔''
''تم......اس گندے معاملات میں کیوں الجھے ہوئے ہو......؟'' اورنگ زیب نے دوبارہ الجھ کر سوال کیا۔
''اس کاکروچ کی کھوج میں ہوں سر......جو صرف گندی نالیوں ہی میں سکون کی سانس لیتا ہے۔'' اس بار پینتھر نے معنی خیز انداز میں کاکروچ کی وضاحت کی تو اورنگ زیب چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ بے حد سنجیدگی سے بولا۔
''میں تمہاری بات کسی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ جو قدم اٹھانا محتاط رہ کر اٹھانا' ورنہ کسی بڑے ملبے سے بھی دوچار ہو سکتے ہو۔''
''وہ کیا......؟''
''آپ اپنے کسی خاص بھروسے کے آدمی کو نگینہ کی نگرانی پر لگا دیں۔ جونی اور شیلا ورما کو میں سنبھال لوں گا۔''
پینتھر سے بات ختم کرنے کے بعد بھی خاصی دیر تک وہ کاکروچ کے حوالے سے آکٹوپس کے بارے میں غور کرتا رہا پھر بستر پر لیٹتے لیٹتے اسے سراج کی کال ملی تو اس نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور سیٹھ عثمان کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

✣✣✣

راحیلہ بیگم اور سیٹھ فرحین کو لے کر اسپتال روانہ ہو چکے تھے۔ لیاقت حسین کو قانونی تقاضوں کی خانہ پری کی خاطر بنگلے پر ہی رکنا پڑا۔ علاقے کی پولیس کے آنے کے دس منٹ بعد اورنگ زیب اور سراج بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔
بنگلے کے چوکیدار کے علاوہ پانچ لاشوں کا جائے وقوعہ سے ملنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیاقت

حسین ایک طرف خاموش کھڑا ان لاشوں کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔اس کے ذہن میں صرف فرحین کا خیال نشتر بن کر چبھ رہا تھا۔سراج اس کے قریب آیا تو وہ پھٹ پڑا' ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔

''صاحب......ان کتے کے پلّوں نے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی......مجھے افسوس ہے کہ ایک حرام کا تخم بچ کر نکل گیا۔''

فرحین زخمی تو نہیں ہوئی؟''سراج نے اس کی دلجوئی کی۔

''وہ بے ہوش ہے صاحب۔جو شخص میرے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا اسی نے بٹ مار کر فرحین کو بے ہوش کیا تھا ورنہ......''

''فکر مت کرو......عثمان اور بھائی اس کے ساتھ گئے ہیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

دو گھنٹے کی ضروری کارروائی کے بعد لاشوں کی پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دیا گیا۔علاقے کا ایس ایچ اور سراج کے قریب آ کر بولا۔''سر......مجھے لیاقت حسین کا بیان بھی درکار ہے۔''

کیری آن......بٹ بی پولائٹ ہارے۔''سراج نے اسے انگریزی میں سمجھایا۔

لیاقت حسین کی پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں'اس کے اندر غیرت کا ایک طوفان پھر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

''لیاقت حسین۔''ایس ایچ او نے اسے براہ راست مخاطب کیا۔''تمہیں اس بات کا علم کس وقت ہوا کہ آنے والے تمہاری عورت کو اٹھا کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے؟''

''میں سوتے سوتے جاگا تھا......''لیاقت حسین نے دل پر جبر کر کے کہا۔''اس وقت وہ بستر پر نہیں تھی باہر کا دروازہ بھی کھلا تھا جہاں ایک آدمی کھڑا تھا' میں اندھیرے میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔''

''پھر......''

''پھر میں نے ایک سائلنسر لگا پستول تکیے کے نیچے سے نکالا اور اسے اوپر روانہ کر دیا۔''لیاقت حسین نے چٹختے لہجے میں کہا پھر ایک ہی سانس میں تمام کہانی دُہراتا چلا گیا۔

''مجرم تمہاری عورت کو کیوں اغوا کرنا چاہتے تھے؟ میرا مطلب ہے کہ انہیں تم سے کیا دشمنی تھی؟''ایس ایچ او نے مزید وضاحت چاہی۔''کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہوگا۔''

''وہ ولدالحرام زندہ ہوتے تو میں ان سے دریافت کرنے کے بعد ہی تمہارے سوال کا جواب دے سکتا تھا۔''

لیاقت حسین نے حقارت سے جواب دیا۔اس کے اندر سلگتی آگ پھر بھڑکنے لگی تھی۔خون کی گردش تیز ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی آواز بھی تیز ہونے لگی۔

''کیا بات ہے؟''اورنگ زیب نے قریب آتے ہی سراج کی سمت دیکھا۔

''اٹ از آل رائٹ۔''سراج نے جواب دیا پھر وہ براہ راست لیاقت حسین سے مخاطب

ہوا۔ ''مجھے تمہارے جذبات کا خیال ہے لیاقت حسین لیکن کاغذات کی خانہ پری بھی ہماری ضرورت ہوتی ہے۔''

''فرحین صرف تمہاری نہیں، ہماری بھی عزت اور وقار کا مسئلہ بن گئی ہے۔'' اورنگ زیب نے لیاقت حسین کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے اب تک پولیس کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ بھی تمہیں یاد ہیں۔''

''مم...... میں کیا بتاؤں صاحب کہ آنے والے جنگلی کتے کون تھے...... کس کے اشارے پر بھونک رہے تھے؟'' لیاقت حسین نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے غریب چوکیدار کو بھی نہیں بخشا صاحب...... اب اس کے گھر کا چولہا کون جلائے گا؟ وہ دو بچوں کا باپ تھا۔ میری ہی طرح شہر آکر اس نے بھی چار پیسے کمانے کی غلطی کی تھی۔ یہاں جو لوٹ مار ہوتی ہے اس کا سوال جواب ہم سے کیوں ہوتا ہے؟ زخم پر مرہم رکھنے کے بجائے اسے سوالوں کے نشتر لگا لگا کر اور گہرا کرنا...... یہ کون سا قانون ہے؟ کہاں کا انصاف ہے؟''

اورنگ زیب اسے سمجھانا چاہتا تھا جب لیاقت حسین کا موبائل گنگنانے لگا، اس نے جیب سے موبائل نکال کر آن کرلیا، دوسری طرف سے سیٹھ عثمان کی محبت بھری آواز ابھری۔

''ڈاکٹر پوری طرح مطمئن ہیں لیاقت حسین، ان کا کہنا ہے فرحین کو بیس پچیس منٹ بعد ہوش آ جائے گا۔ تم فکر مت کرو، راحیلہ ہے اس کے پاس، میں تمہاری طرف واپس آرہا ہوں۔''

''فرحین کو گہرا زخم تو نہیں آیا......'' لیاقت حسین نے جذبات انداز میں دریافت کیا۔

''نہیں...... معمولی سی سوجن ہے، ایک دو روز میں وہ بھی جاتی رہے گی۔ سراج کہاں ہے؟''

جواب میں لیاقت حسین نے موبائل سراج کی طرف بڑھا دیا۔ اس دوران ایس ایچ او بھی اس کی حیثیت اور اہمیت کا اندازہ لگا چکا تھا چنانچہ اس نے لیاقت حسین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں اب کچھ کچھ حالات کا انداز لگا چکا ہوں اس لیے آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ آپ کا بیان پھر کسی وقت......''

''نہیں......'' اورنگ زیب نے ایس ایچ او کو مخاطب کیا۔ ''آپ میری موجودگی میں باقی کاغذات بھی مکمل کرلیں۔''

اورنگ زیب کے درمیان میں آجانے کے بعد لیاقت حسین نے وہ تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں جو گزر چکی تھیں، بعد میں دستخط بھی کردیے۔ پولیس کے جانے کے بعد سراج نے فوری طور پر ذاتی اختیارات کا استعمال کیا، دونوں بنگلوں کی دیکھ بھال کے لیے اس نے سادہ لباس میں کچھ افراد کو وہاں طلب کرلیا۔ اسی دوران سیٹھ عثمان بھی آگئے۔ لیاقت حسین فرحین کے لیے پریشان تھا اس لیے وہ سب سے اجازت لے کر اسپتال روانہ ہوگیا۔

❖❖❖

دوسری صبح سراج ایس پی اورنگ زیب کے آفس میں موجود تھا۔

''کیا رپورٹ ہے؟''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دوپہر تک مکمل ہو جائے گی۔''سراج نے اپنی گزشتہ رات کی معروفیت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔''جو مارے گئے تھے ان میں سے تین پولیس کو مطلوب خطرناک مجرم تھے' باقی دو کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔''

''اوہ......''اورنگ زیب نے سکون کی سانس لیتے ہوئے کہا۔''تمہارے آنے سے بیشتر ابھی میں نے لیاقت حسین کو بھی موبائل پر کنٹیکٹ کیا تھا' فرحین کے ہوش میں آنے کے بعد اب وہ خاصا ریلیکس ہو گیا ہے۔اس نے ایک نئی بات بتائی ہے۔مجرم اس سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ کم از کم پندرہ روز کے لیے گاؤں چلا جائے۔''

''آئی سی''سراج چونکا۔''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آکٹوپس بھی لیاقت حسین کی ماورائی قوتوں سے خائف ہے۔''

''اس کا تجربہ ہم دونوں کو بھی ہو چکا ہے۔''

''ایک سوال ابھی قابلِ حل ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''حالات کے پیش نظر مجھے یقین ہے کہ وہ اسی شہر میں کہیں موجود ہے لیکن کہاں؟''

''ہمیں اس کے لیے بھی اپنے کھوجیوں سے کام لینا ہو گا۔''

کچھ دیر ان کے درمیان شیخ حامد کے بارے میں اہم مشورے ہوتے رہے پھر اورنگ زیب سے سرسری لہجے میں پوچھا۔

''شیلا ورما اور اس کے بیوٹی پارلر کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہے؟''

''دونوں بدنام ہیں لیکن آپ کو اس وقت اس کا خیال کیسے آ گیا؟''

''کل میرے کسی آدمی نے ایک نئی اطلاع دی ہے۔''اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا''سکندر علی شاہ کی دوسری بیوی نگینہ بھی شیلا ورما کے بیوٹی پارلر پر آتی جاتی ہے۔جونی کے خاص کمرے میں بھی اس کا خاصا وقت گزرتا ہے۔''

''یہ اطلاع ہمارے لیے کارآمد ہو سکتی ہے۔''سراج نے پہلو بدل کر جواب دیا۔''جونی اور نگینہ دونوں فٹ پاتھ سے اٹھ کر اب عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

''سکندر علی شاہ کے بارے میں میری معلومات کچھ زیادہ نہیں ہیں۔''اورنگ زیب نے کہا۔''وہ کس خانے میں فٹ ہوتا ہے؟''

''اس کا شمار......عثمان اور رستم علی آغا خانی سے اونچی کیٹگری میں کیا جا سکتا ہے۔''سراج نے مختصراً تفصیل بیان کی۔''کچھ خاص حالات کی وجہ سے اب وہ صرف محدود سرکل میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔اس کے اثر و رسوخ بھی بہت اونچے لیول تک ہیں۔''

''خاص حالات سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میں ایک دو روز میں اس کی فائل نکلوا کر آپ کے حوالے کر دوں گا جس میں کچھ رپورٹیں بھی موجود ہیں۔''

''پلیز......'' اورنگ زیب نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ شیلا ورما کے علاوہ جونی اور نگینہ کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی جائے۔''

''ٹھیک ہے' میں ایک دو خاص آدمیوں کو اس کام پر لگا دیتا ہوں۔''

''جونی کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''دھندا کرنے والا......خسرہ......'' سراج نے حقارت کا اظہار کیا۔ اسی کو دریافت کرنے کے بعد شیلا ورما نے شوہر سے طلاق لے لی تھی۔''

''میرے مخبر کی اطلاع کے مطابق شیلا ورما کو خود بھی نہیں معلوم کہ اس کے پارلر سے سپلائی کی ہوئی لڑکیاں کہاں بھیجی جاتی ہیں...... یہ گندا کام بھی جونی انجام دیتا ہے......''

اورنگ زیب کچھ دیر خاموش رہا پھر معنی خیز انداز میں بولا۔

''موجود گفتگو کے بعد تم آکٹوپس کو کس خانے میں فٹ کرو گے؟''

''میں سمجھا نہیں......''

''خوب صورت اور نوجوان لڑکیوں کے سلسلے میں اس کی نیت بھی کبھی ٹھیک نہیں رہی۔''

''میں اس سے اتفاق نہیں کروں گا۔'' سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''وہ جن حالات سے گزر چکا ہے اس کے بعد کم از کم ایسے تھرڈ ریٹ لوگوں سے دور ہی رہنے کو ترجیح دے گا۔''

اورنگ زیب کی نظریں سراج پر جمی رہیں پھر اس نے گفتگو کا رخ تبدیل کر دیا۔

''افضل خان اور شبنم کی سکیورٹی سے غافل نہ رہنا۔ وہ دونوں بھی ہمارے لیے اہم ہیں۔''

''میں نے پہلے ہی اس کا خیال رکھا ہے۔''

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟''

''کوئی خاص بات......؟'' اورنگ زیب نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''لیاقت حسین کے حادثے کی تفصیل سننے کے بعد اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ آپ کا سارا ضروری سامان آپ کو مطلع کیے بغیر سمیٹ کر گھر پہنچا دوں۔'' سراج نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس کا بھی یہی خیال ہے کہ لیاقت حسین کے بعد مجرم آپ کو بھی خدانخواستہ نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے۔''

''اس خطرے کا اظہار میں بھی کر چکا ہوں۔ اسی لیے میں نے تمہارے بنگلے کے اوپر کا اسٹور روم صاف کرایا ہے لیکن...... میں گھر سے سامان اٹھا کر کسی مجرم کو یہ سوچنے کا موقع بھی نہیں دینا چاہتا کہ اس سے خائف ہوں۔''

''پھر......آپ کا کیا حکم ہے......'' سراج نے معصومیت سے دریافت کیا تو اورنگ زیب کو ہنسی آ

گئی۔

''تم اپنے آفس جاؤ' میں رات کو الماس سے بات کرلوں گا۔''

''خدا کرے کہ اس کے سر میں آپ کی بات سما جائے۔''سراج نے شانے اچکا کر جواب دیا۔ پھر مسکراتا ہوا کمرے سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا جب اورنگ زیب نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

''آکٹوپس کی عالیشان کوٹھی کے بارے میں کورٹ نے کیا فیصلہ سنایا ہے؟''

''اسے بحق سرکار ضبط کرلیا گیا ہے' بیلف (baliff) کی موجودگی میں ایک ہفتے بعد سرکاری آکشنر نیلام کرے گا۔''

''کیا تمہیں اس نیلام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی......؟''اورنگ زیب کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''میں سمجھا نہیں......''

''خطرناک جانور جو پناہ گاہ بناتے ہیں اس کے کئی چور راستے ہوتے ہیں جس کا علم اسی قبیلے کے دوسرے جانوروں کو بھی ہوسکتا ہے۔''اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔''کیا اب بھی تم میرا مقصد نہیں سمجھے؟''

''رات بھر کا جاگا ہوا ہوں اس وقت میری عقل کام نہیں کررہی۔''

''پھر گھر جا کر آرام کرو لیکن میں ایک بے حد ضروری کام تمہیں سونپ رہا ہوں۔ اسے رازداری سے کرنا شرط ہے۔''اورنگ زیب نے مدھم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ان لوگوں کی فہرست درکار ہوگی جو اخبارات میں اشتہار آنے کے بعد آکشنر کے پاس اپنا نام اور بڈ (bid) جمع کرائیں گے۔''

''آئی۔سی۔''سراج کی آنکھوں میں چمک سی ابھری۔''اتنی اہم بات میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔''

''دماغ کا تعلق بھی نیند ہی سے ہوتا ہے۔''اورنگ زیب نے بے تکلفی سے جواب دیا پھر اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا۔

⁜⁜⁜

پرتاب بھوشن اپنی کٹیا میں پاؤں پسارے لیٹا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی شعلہ بار نگاہیں اس وقت چھت پر جمی تھیں جبکہ سلونی نیم عریاں حالت میں بیٹھی اس کے پیروں کی چمپی کررہی تھی' اس کے ہاتھ بھی کئی بار جان بوجھ کر رپٹے تھے لیکن پرتاب کے سر پر جوں تک نہیں رینگی۔

''آج کس وچار میں گم ہو مہاراج......؟''اس نے بڑی لگاوٹ سے پرتاب کو مخاطب کیا۔

''تجھے بتانے کی بات نہیں ہے......''پرتاب بھوشن نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں کچھ دیر بعد آجاؤں؟''سلونی نے اپنی موجوگی کا مقصد بیان کرنے کی خاطر بھرپور انگڑائی لی۔

''کیوں؟ پیر دباتے ہوئے تیری جان نکل رہی ہے؟''
''نہیں......لیکن میں نے آج تک کبھی کسی کے پیر بھی نہیں دبائے۔''سلونی کے اندر کی عورت جاگنے لگی۔''مندر کے تھکے ہوئے پجاری بھی میری سیوا کرنے کی راہ تکتے رہتے ہیں پر......تمہاری بات اور ہے۔''
چل......دفع ہو جا......''پرتاب نے اسے جھڑک دیا۔''میں بھی ایک لنگوٹی کو آٹھ دس بار استعمال کے بعد اتار پھینکتا ہوں۔کنجری کہیں کی۔''
سلونی بل کھا کر اٹھی......کسی ناگن کی طرح پرتاب کو گھورتی لہراتی کٹیا کے باہر نکل گئی۔پرتاب بھوشن کے دماغ میں پھر لیاقت حسین کا خیال کسی بگولے کے مانند چکرانے لگا......اس نے بھوانی کے لیے کئی بار لمبے لمبے جاپ کیے تھے۔بھوانی نے خوش ہو کر اسے مدھو پجارن دان کر دی تھی......وہ کھرا سونا تھی‘ ہر ایک کو نیا سواد دیتی تھی لیکن لیاقت حسین کو تباہ کرنے کے سلسلے میں وہ بھی پراسرار طور پر جل بھن کر راکھ ہو گئی تھی۔کچھ دنوں پہلے لیاقت حسین کو ہتھیلی لگانے والی کسی شکتی نے اسے منڈل سے نکال کر بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔بار بار کی شکست نے پرتاب بھوشن کے اندر سلگتی آگ کو اور بھڑکا دیا تھا۔اس نے پھر بھوانی کو وچن دیا تھا کہ جب تک اس مسئلے کو نشٹ نہیں کر دے گا‘ آرام سے نہیں بیٹھے گا۔
خاصی دیر وہ اسی خیال سے الجھتا رہا پھر کٹیا سے نکل کر مندر کے بڑے پجاری مدن چند کی طرف چلا گیا۔
''آج ادھر کیسے آ گئے مہاراج؟''مدن چند کے خاص سیوک نے اسے دروازے پر روک کر پوچھا۔
''مدن ہے اندر......؟''
''ہاں مہاراج پرنتو......اس سمے......''
''جانتا ہوں۔''پرتاب نے اس کے گالوں پر چپت مارتے ہوئے رازداری سے پوچھا۔''اس وقت بھی کسی سندری پجارن کی ہنڈیا بھون رہا ہوگا۔''
سیوک نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔پرتاب کو اس کا درمیان میں آنا اچھا نہیں لگا تھا لیکن وہ بھی جانتا تھا کہ بڑے پجاریوں نے اسے خاص ڈھیل دے رکھی ہے۔
''سلونی تو نہیں ہے......؟''پرتاب بھوشن نے مدھم آواز میں پوچھا۔
''وہ اب ہنڈیا نہیں رہی مہاراج۔''سیوک نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔''آج کل تو اندر سبھا کی ایک اپسرا نے اپنا جادو جگا رکھا ہے‘ کسی کو پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتی۔تتنا مرچ کی انوسار پورے مندر میں کولہے مٹکاتی پھرتی ہے‘ سب ہی دل تھام کر رہ جاتے ہیں۔''
''پھر......''پرتاب نے سیوک کے قریب ہو کر رازداری سے پوچھا۔''مدن چند نے کون سا منتر پڑھ کر پھونک دیا ہے؟''

''آج پہلی بار کواڑ کو کنڈی لگی ہے مہاراج...... اندر کیا ہو رہا ہے یہ کسے معلوم۔'' سیوک نے چٹخارا لے کر کہا۔

باہر نکلے گی تو اندر کا بھید کھل جائے گا۔''

''کتنی دیر سے اندر ہے؟''

''تمہارے آنے سے بیس منٹ پہلے ہی اندر گئی ہے۔'' سیوک نے کہا۔ ''بڑے پجاری جی اسے گیتا کا پاٹھ بھی پڑھاتے ہیں۔''

اسی لمحے دروازہ کھلا اور پرتاب بھوشن کی نظروں کے سامنے بھی ایک بجلی کوندگئی۔ سیوک نے جو کہا تھا وہ جھوٹ نہیں تھا' نئی کمسن پجارن کے انگ انگ سے مستی پھوٹ رہی تھی' اس نے ایک نظر پرتاب بھوشن پر بھی ڈالی پھر اس طرح کترا کر نکل گئی جیسے وہ کوئی اچھوت ہو۔ پرتاب کے دل پر سانپ لوٹ کر رہ گیا۔

مدن چند نے ہمیشہ کی طرح پرتاب کا سواگت اچھے ہی شبدوں سے کیا تھا۔ اسے اپنے برابر بٹھاتے ہوئے بولا۔

''آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے مہاراج؟''

''تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' پرتاب بھوشن نے بڑے پن سے گفتگو کا آغاز کیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ تم اس روگی کا کوئی علاج بتا سکو۔''

''کس روگی کی بات کر رہے ہو......؟''

''وہی مسلا لیاقت حسین۔'' پرتاب نے کہا۔ ''ایک بار پھر وہ میرے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا پرنتو میں نے بھی کالی کی سوگند اٹھا رکھی ہے' یا تو اس پاپی کو نشٹ کروں گا یا پھر......''

''تم نے کہا تھا کہ کوئی شکتی ہے جو اس کی بھی سہائتا کر رہی ہے؟'' مدن چند نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

''ہاں...... ہے ایک سایہ جو ابھی تک میری پکڑ میں نہیں آ سکا...... وہی کئی بار میرا راستہ کھوٹا کر چکا ہے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے؟ تمہاری آ گیا ہو تو میں بھی کچھ سوچ بچار کروں۔'' مدن چند نے سنجیدگی سے کہا۔

''درگا کے لیے میں نے بھی کئی جاپ کیے ہیں' وہی میری سہائتا بھی کرتی ہے۔ اس کی شکتی بھی اپرم پار ہے۔''

''میں اسی کارن آیا تھا...... تم بھی ایک بیٹھک لگا کر اسے کھوج لو ورنہ میں نے اسے قبر تک نہ چھوڑنے کی سوگند اٹھا رکھی ہے۔''

مدن چند نے اسی وقت اشنان کیا پھر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا' اس کے ہونٹ کسی منتر کا جاپ کرنے لگے' پرتاب نے نظریں گھما کر اس کے بستر کی طرف دیکھا تو دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ بستر پر اسے

کوئی شکن نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے ایک نظر میں تاڑ لیا کہ نئی پجارن کے سلسلے میں ابھی تک شاید مدن چند کی دال نہیں گلی تھی ورنہ چادر کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور آڑھا ترچھا نظر آتا۔ وہ نئی پجارن کو دانہ ڈالنے کے بارے میں سوچ بچار میں مصروف تھا جب مدن چند اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔

''کیا اشارہ دیا درگا دیوی نے؟''

''پرتاب بھوشن روگ ہمارے بس کا نہیں ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو مدن چند؟''

''درگا دیوی نے یہی اشارہ دیا ہے۔''

''پرنتو میں نے کالی دیوی کو وچن دے رکھا ہے اسے کیسے توڑ سکتا ہوں۔''

''یہ تم جانو لیکن......درگا دیوی بھی پاروتی دیوی ہی کا ایک روپ ہے۔''

''وہ......وہ شکتی کون ہے جو اس مسٹنڈے کی سہائتا کر رہی ہے؟''

''میں بھی نہیں بتا سکتا مگر درگا کا کہا جھوٹ بھی نہیں ہوتا۔'' مدن چند دبی زبان میں بولا۔ ''مجھے کیول یہی اشارہ ملا ہے کہ تم اس شکتی کا کوئی توڑ نہیں کر سکو گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے مدھو کی طرح تم بھی کام آ جاؤ۔''

جواب میں پرتاب بھوشن سنبھل کر بیٹھ گیا۔ لحہ بھر کچھ سوچتا رہا پھر اس طرح ہنسنے لگا جیسے مدن چند نے اس سے کوئی مذاق کیا ہو۔

''میں جانتا تھا کہ یہ بکھیڑا تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔'' پرتاب بھوشن نے سینہ تان کر گھمنڈ سے کہا۔

''چھوڑو......میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔''

''جیسی تمہاری مرضی مہاراج۔''

''ایک بات اور پوچھوں؟'' اس بار پرتاب بھوشن نے رازداری سے سوال کیا۔

''پوچھو مہاراج......میں تم سے غلط نہیں کہوں گا......''

''یہ نئی گوریا (چڑیا) جو ابھی پھڑ پھڑاتی باہر گئی ہے تمہارے جال میں پھنسی یا ابھی دانہ چگ چگ کر لال جھنڈی دکھا رہی ہے؟''

''اس کو ایک نظر دیکھ کر سبھی کی رال ٹپکتی ہے۔'' مدن چند نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''ابھی نئی نئی آئی ہے تو کچھ دنوں نخرے بھی اوش دکھائے گی۔''

''میرا بھی دھیان رکھنا کرو۔'' پرتاب بھوشن نے اٹھتے ہوئے مدن چند کے پٹھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''سلونی میں اب پہلا جیسا سوندھا پن بھی نہیں رہا......''

مدن چند نے مسکرا کر بات ٹال دی۔

❖❖❖

دو روز سے وشنو صرف ہوٹل کے کمرے ہی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ لوچن کو اس کی وجہ بھی معلوم تھی، اسی کی شکایت پر ملٹری کا ایک میجر آ کر اسے آخری وارننگ دے گیا تھا۔ لوچن انجان ہی بنا رہا۔

اس وقت بھی وشنو بالکونی میں کرسی ڈالے بیٹھا باہر کا نظارہ کر رہا تھا جب اس نے اچانک جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل نکال کر آن کر لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بس ایک پل کو خوشی سے چونکا تھا اس کے ساتھ ہی اس نے نظریں گھما کر لوچن کی طرف دیکھا جو بظاہر اس وقت بھی صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا پھر بھی وشنو نے مدھم لہجے میں کہا۔

''میں پہلے بھی ایک بات بار بار دہرا چکا ہوں، باس سے براہ راست بات کیے بغیر تمہارے کہنے پر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔''

''کیا تم نے اخبار پڑھنا چھوڑ دیا ہے؟''

''اوہ......'' وشنو مسکرایا۔ ''وہ خبر پولیس کی طرف سے بھی چھپوائی جا سکتی ہے۔''

''میری بات دھیان سے سنو۔'' اس کی بات کو نظر انداز کر کے کہا گیا۔ ''باس کا حکم ہے کہ تم فوری طور پر اس چینی سے دور ہو جاؤ۔''

''دو روز پہلے ملٹری کے ایک میجر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔'' وشنو نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''جانتے ہو کیوں؟''

'ہاں......اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم پچاس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگانے کے بعد کسی سرکس کے بازی گر کی طرح قلابازی کھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہو......''

''میں بھی وہی مطالبہ دہراؤں گا......'' وشنو نے پھر بگ باس کے ساتھ بات کرنے کی شرط باندھی۔

''ایک منٹ انتظار کرو......''

وشنو نے کوئی جواب نہیں دیا، اس کی نظریں نیچے سڑک پر ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جب وہ دوسری جانب سے باس کی مخصوص آواز سن کر خوشی سے اوچھل پڑا۔

''میں......میں وشنو بول رہا ہوں، آپ کا نمک حلال سیوک۔''

''ایک بات دھیان سے سن لو وشنو۔'' دوسری جانب سے کرخت لہجے میں کہا گیا۔ ''دوبارہ تم مجھ سے براہ راست بات کی ضد کبھی نہیں کرو گے۔''

''اب تمہاری آواز سن لی ہے تو تمہارے کتوں کی بات بھی برداشت کر لوں گا۔'' وشنو نے بازاری انداز میں اپنی تابعداری کا یقین دلاتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا حکم ہے میرے لیے؟''

''ملٹری انٹیلی جنس کے ساتھ دو سادہ لباس والے تمہاری نگرانی پر مامور کر دیے گئے ہیں۔'' اس بار بھی بولنے والے کے لہجے کی ترشی برقرار رہی۔ ''انہیں کسی کے اشارے پر ہی یہ ڈیوٹی سونپی ہے۔''

''جانتا ہوں۔'' وشنو نے بے پروائی سے کہا۔ ''میں بھی اسے جان بوجھ کر ڈھیل دے رہا

ہوں' چاہتا تو اسی کا روپ دھار کر نو دو گیارہ ہو چکا ہوتا۔ قد کے معمولی فرق کو کون دھیان سے دیکھتا ہے۔''

''ایک لمحے پہلے جو کہا گیا تھا اسی پر عمل کرو.....'' تحکمانہ لہجے میں جواب دیا گیا۔ ''دوسرا حکم بعد میں دیا جائے گا۔''

''مجھے فوری طور پر کچھ رقم کی بھی.....''

''چوبیس گھنٹے کے اندر وہ بھی مل جائے گی۔'' اس جملے کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

وشنو نے موبائل جیب میں رکھا..... بالکونی سے ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر نیچے کے حالات کا نہایت غور سے پہلی بار جائزہ لیا پھر ٹہلتے ہوئے انداز میں اندر آ کر لوچن کے قریب بیٹھ گیا۔ لوچن نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا' اس وقت بھی وہ فری اسٹائل کشتی دیکھنے میں محو تھا۔

''اسی کمرے میں تمہارے ساتھ میں بھی رہتا ہوں۔'' وشنو نے اسے متوجہ کرنے کی خاطر کہا۔

''جانتا ہوں.....'' لوچن نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

''یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ دو روز پہلے فوجی مجھ سے ملاقات کرنے کیوں آئے تھے؟''

''تمہارا کوئی ذاتی معاملہ رہا ہو گا.....'' لوچن کی نظریں بہ دستور ٹی وی اسکرین پر جمی رہیں۔

''آج کسی نے میرے شبے کی تصدیق بھی کر دی ہے۔'' وشنو نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔''

لوچن نے ٹی وی بند کر دیا۔ اس کے تیور بھی اچانک ہی تیکھے ہو گئے تھے۔ وشنو کو اس نے تیز نظروں سے گھورا۔

''کھل کر بات کرو..... کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''وہ تمہارے اشارے پر کسی کے کہنے سے ہی آئے تھے۔'' وشنو بے پروائی سے مسکرایا۔ ''تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو تم نے کیا۔ ہمارے لیے وفاداری بھی شرط ہوتی ہے لیکن..... تم بھی جانتے ہو کہ میں کس کا آدمی ہوں' جیل میں ہماری پہلی ملاقات اتفاقیہ ہوئی تھی۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہی فرار ہوئے تھے۔

''اب کیا بتانا چاہتے ہو.....؟'' لوچن نے سوال کیا' اس کے تیور بھی تیکھے ہونے لگے تھے۔

''یہی کہ ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔'' وشنو نے صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں زیادہ دنوں کی پابندی برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''کیا باس سے تمہاری بات ہو گئی؟'' لوچن نے شانے اچکا کر سوال کیا۔

''ہاں.....'' وشنو نے جواب دینے میں تاخیر نہیں کی۔ ''اس کی طرف سے اب جو ہدایت ملی اس پر بھی عمل کرنا میرے لیے ضروری ہے۔''

''یہ بھی تمہارا ذاتی معاملہ ہے..... میں تمہیں اس کے حکم پر چلنے سے روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

''کل صبح میں تمہیں اس ہوٹل میں نہیں ملوں گا......اس وقت یہی بتانا چاہتا تھا۔'' وشنو کے لہجے میں ایک خاموش چیلنج بھی تھا جسے محسوس کر کے لوچن کی کھوپڑی بھی گرم ہو گئی۔

''چیلنج کر رہے ہو؟'' اس نے خطرناک نظروں سے وشنو کو گھورا۔

'نہیں......ایک بنتی کرنا چاہوں گا۔'' وشنو نے کینچلی بدلنے میں دیر نہیں لگائی۔''نہ میں اچھوت ہوں نہ دوسرے کو اچھوت سمجھتا ہوں۔تمہارے ساتھ ایک برتن میں کھا بھی چکا ہوں اس لیے یہی چاہوں گا کہ ہم آئندہ جب بھی ملیں، جہاں بھی ملیں ایک دوسرے کے متر (دوست) بن کر ملیں، ایک دوسرے کا راستہ کھوٹا کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

'میں بھی دوستوں کا دوست ہوں وشنو مگر......تم بھی جانتے ہو کہ ابھی میں جس کے لیے کام کر رہا ہوں وہاں پونے دو مہینے کا کنٹریکٹ اور رہ گیا ہے، ہماری تنظیم کی طرف سے پہلی شرط یہی ہوتی ہے کہ کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہ کی جائے اس لیے میں تم کو زبان نہیں دے سکتا۔''

''مجھے تمہارا جواب سن کر خوشی ہوئی۔'' وشنو مسکرانے لگا۔''ہونا بھی یہی چاہیے۔منش جس ہانڈی کا کھائے اس میں چھید بھی نہیں کر سکتا......اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ایس پی اورنگ زیب نے بھی تمہیں دوست بنا لیا ہے۔''

''اس کے کچھ احسان تم پر بھی ہیں۔'' لوچن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔''کیا تم ایس پی کے ساتھ نمک حرامی کا سوچ سکتے ہو؟''

'نہیں......لیکن میں پولیس والوں کی دوستی پر وشواس نہیں رکھتا۔'' وشنو نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

اورنگ زیب بھلا آفیسر ہے، میں اس کے احسان کو بھی یاد رکھوں گا۔''

''یہاں سے تمہارا نکلنا آسان نہیں ہوگا۔'' لوچن نے کہا۔''میرا مطلب ہے کہ اب ملٹری کے خفیہ لوگ تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوں گے۔''

''یہ سوچنا میرا کام ہے۔'' وشنو نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا پھر اٹھ کر مسکراتا ہوا دوبارہ بالکونی میں آ گیا۔اس کی نظریں اب سڑک سے بالکونی کی اونچائی کی پیائش کر رہی تھیں۔

✣✣✣

اس وقت رات کے دس کا عمل تھا جب لیاقت حسین فرحین کے قریب بیٹھا اس سے کہہ رہا تھا۔

''اوپر والے کی مہربانی ہے جو تمہاری جان بچ گئی ورنہ وہ اپنے پانچ آدمیوں کی موت کا بدلہ تم سے بھی لے سکتے تھے۔''

''تمہارے اوپر کوئی الزام تو نہیں آیا۔'' فرحین نے بڑی اپنائیت سے سوال کیا۔

''نہیں......سب اوپر والے کا کرم ہے۔سراج صاحب اور ایس پی صاحب کی موجودگی میں تھانے کا افسر بھی بھیگی بلی بن گیا تھا۔''

''ہم گھر کب چلیں گے؟'' فرحین نے پوچھا۔

''ابھی تمہیں ایک دن اور رہنا ہوگا۔آج میں بھی عثمان صاحب کے ساتھ بڑے ڈاکٹر سے ملا تھا' وہ بھی کہہ رہا تھا کہ کل دوپہر کے بعد یہاں سے چھٹی مل جائے گی۔''

''ایک بات پوچھوں لیاقت......؟''فرحین نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو......؟''

''تو لیاقت بھی زندہ نہ رہتا......؟''لیاقت حسین نے اس کا ہاتھ آہستہ سے دبا کر کہا پھر ان کے درمیان زیادہ بات نہیں ہو سکی۔دروازے پر ہونے والی دستک نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔لیاقت حسین نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔آنے والا ایک میل نرس تھا۔

''مجھے مریضہ کو ایک ضروری انجکشن لگانا ہے۔''

لیاقت حسین نے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا لیکن فرحین نے منہ دوسری طرف کر کے لیاقت حسین سے کہا۔

''میں کسی مرد سے ٹیکا نہیں لگواؤں گی......تم کسی نرس کو بلالو۔''

''اس وقت تمہارے وارڈ کی نرس دوسرے کمروں کو اٹینڈ کر رہی ہے بی بی......''میل نرس نے اس کے قریب جا کر کہا۔''انجکشن لگانا ضروری ہے'بڑے ڈاکٹر نے خاص طور پر اس کی ہدایت کی ہے۔''

''نہیں......''فرحین نے پھر اصرار کیا۔''میں کسی مرد سے ٹیکا نہیں لگواؤں گی۔''

''یہ انجکشن فوراً نہ لگا تو خراب بھی ہو سکتا ہے۔''میل نرس نے لیاقت حسین سے کہا۔

لیاقت حسین فرحین کو شہر کی نزاکتوں سے آگاہ کرنے کی خاطر اس کے قریب گیا۔اسی وقت اس کی نگاہ ماں کی دی ہوئی انگوٹھی پر پڑی جس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

''خطرہ......''لیاقت حسین کا ذہن جاگنے لگا۔ماں کی دی ہوئی اس انگوٹھی کے نگینے نے اسے اس وقت بھی آگاہ کیا تھا جب فرحین کو دشمنوں نے اپنا ہدف بنانے کی کوشش کی تھی' پانچ افراد بھی اس کے ہاتھوں مارے گیا اور اب......اب شاید پھر فرحین کی زندگی کسی خطرے سے دوچار تھی......وہ خطرہ کیا ہو سکتا ہے......انجکشن......؟''لیاقت حسین کے ذہن میں انجکشن کا خیال ابھرا تو وہ بھی سمجھ گیا کہ میل نرس بھی غالباً دشمنوں کے ہاتھ بک گیا تھا۔وہ دو قدم پیچھے ہٹا پھر......اس نے اپنا پستول نکال کر میل نرس پر تان لیا۔قہر آلود لہجے میں بولا۔

''انجکشن کی ٹرے ایک طرف رکھ کر تم بھی ادھر کونے میں بیٹھ جاؤ۔''

میل نرس بوکھلا گیا۔اس نے پہلے تعمیل کی پھر احتجاج کیا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب......مجھے ابھی دوسرے مریضوں کو بھی اٹینڈ کرنا ہے۔''

''خاموشی سے بیٹھے رہو نہیں تو میں تمہیں گولی مارنے سے دریغ نہیں کروں گا۔''لیاقت حسین پوزیشن لینے کے بعد دروازہ بھی اندر سے بند کر دیا تو فرحین بھی چپ نہ رہ سکی۔

''یہ......یہ تجھے کیا ہو گیا ہے لیاقت؟''

لیاقت حسین نے فرحین کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' الٹے ہاتھ سے موبائل نکال کر براہ راست اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ ہونے پر سنجیدگی سے بولا۔

''صاحب......آپ ادھر اسپتال آ جاؤ۔ میں نے کسی کو پستول دکھا کر روک رکھا ہے' فرحین کی زندگی شاید پھر خطرے میں ہے۔''

''کون ہے وہ......؟'' اورنگ زیب نے سوال کیا۔

''یہ بھی آپ آ کر معلوم کر لینا۔'' لیاقت حسین نے جواب دے کر رابطہ منقطع کیا پھر اس نے سیٹھ عثمان کو بھی وہی اطلاع کر دی۔

میل نرس اس صورت حال سے بری طرح بوکھلا گیا تھا' اس کے چہرے پر خوف کے ساتھ اس خطرے کا احساس بھی منڈلا رہا تھا جس سے وہ خلاف توقع دو چار ہو گیا تھا۔

''آ......آپ کو......کس بات کا شبہ ہے جناب؟''

میل نرس نے اس بار قدرے بدلے ہوئے تیور سے لیاقت حسین کو گھورا۔

''دونوں ہاتھ سامنے کیے' چپ بیٹھے رہو۔'' لیاقت حسین نے بے حد سرد آواز میں کہا۔ ''میں پانچ افراد کو پہلے بھی گولی مار چکا ہوں۔ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

میل نرس کے چہرے پر موت کے سائے منڈلانے لگے' وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھا کہ خود کو بچانے کی خاطر کوئی قدم اٹھانے کا خطرہ مول لیتا' فرحین بھی بے چین نظر آ رہی تھی۔ لیاقت حسین نے اس کی بھی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

بیس منٹ بعد کچھ قدموں کی آواز دروازے کے باہر آ کر تھم گئی۔ کسی نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''میں آ گیا ہوں لیاقت حسین......دروازہ کھولو۔''

لیاقت حسین نے میل نرس پر سے نظریں ہٹائے بغیر دروازہ کھول دیا' اس نے اورنگ زیب کی آواز پہچان لی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ عثمان صاحب کے علاوہ اسپتال کا بڑا ڈاکٹر بھی تھا جو پریشان نظر آ رہا تھا۔ میل نرس کو دیکھ کر وہ بھی ایک لمحے کو چونکا لیکن اس کے بولنے سے بیشتر اورنگ زیب نے سچویشن دیکھ کر لیاقت حسین سے پوچھا۔

''تم نے اس میل نرس کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟''

''یہ......یہ فرحین کو انجکشن دینے آیا تھا صاحب لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ کھرا آدمی نہیں ہے۔''

''کون ہو تم......؟'' اورنگ زیب سے پہلے ڈاکٹر نے میل نرس کو مخاطب کیا پھر اس نے اورنگ زیب سے انگریزی میں کہا۔ ''یہ میل نرس کے لباس میں ضرور ہے لیکن ہمارے اسٹاف کا آدمی نہیں ہے۔''

''صاحب......'' لیاقت حسین جذباتی ہونے لگا۔

''آپ اس کا خیال رکھو۔ اب میں وہ انجکشن اسی کو لگاؤں گا جو یہ فرحین کو دینے آیا تھا' سارا

بھید بھی کھل جائے گا۔''

اورنگ زیب کے جواب دینے سے پہلے آئی جی بھی ایک پولیس انسپکٹر کے ساتھ اندر آ گیا۔

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے اورنگ زیب سے سوال کیا۔

''تم......تم مل کر بھی مجھے ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔'' میل نرس نے بڑی بے جگری سے کہا تو سب ہی چونک اٹھے' میل نرس نے بات جاری رکھی۔ ''ہم پولیس تھانے کے چکر میں نہیں پڑا کرتے......''

''اسے گرفتار کر لو......'' آئی جی نے ساتھ آنے والے انسپکٹر کو حکم دیا تو میل نرس سینہ تان کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میرے قریب آنے سے بیشتر میری ایک بات بھی سن لو۔ ہم جس کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں اسے ادھورا نہیں چھوڑتے۔''

''پریشان مت ہو۔'' اورنگ زیب نے اس کے ارادے کو بھانپ کر نرمی سے کہا۔ ''پولیس تمہارے ساتھ پورا انصاف کرے گی۔''

''نہیں ایس پی...... میں تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گا۔'' میل نرس سنجیدگی سے بولا۔ ''ہم اپنا انصاف بھی خود کرتے ہیں۔ یہی سیدھا اور آسان راستہ ہمارے لیے سب سے بہتر ہوتا ہے۔''

آئی جی کے ساتھ آنے والے پولیس انسپکٹر نے اچانک میل نرس کی طرف چھلانگ لگا ی اسے پلک جھپکتے میں دبوچ لیا۔ ''اب کیا بکواس کرو گے؟'' آئی جی نے غرا کر میل نرس سے سوال کیا۔

میل نرس بے بس ہونے کے باوجود جواب میں حقارت سے ہنسا پھر اس نے اپنے نقلی دانت ے اندر چھپا ہوا زہریلا کیپسول نکال کر چبا لیا' دوسرے ہی لمحے وہ انسپکٹر کے شکنجے میں بے جان لاش ن کر جھول گیا۔

آئی جی کی نظریں اورنگ زیب کی جانب اٹھیں۔

''مجھے اسی بات کا خدشہ تھا سر......اب ٹرے میں موجود انجکشن ہی ہمارے کسی کام آ سکے گا۔''

پولیس کارروائی سے بیشتر ہی اورنگ زیب اور سیٹھ عثمان کے کہنے پر فرحین کو بھی دوسرے رے میں منتقل کر دیا گیا۔ لیاقت حسین بہ دستور اپنی جگہ کھڑا مرنے والی میل نرس کو حقارت بھری ظروں سے گھور رہا تھا۔

''یہ کون شخص ہے؟'' آئی جی نے اورنگ زیب سے انگریزی میں لیاقت حسین کے بارے یں دریافت کیا۔

''یہ وہی شخص ہے جناب جس نے گزشتہ دنوں پانچ افراد کو گولی مار دی تھی' ان میں تین پولیس کو طلوب اشتہاری مجرم تھے۔'' اورنگ زیب نے کہا۔ ''مسٹر عثمان کا پارٹنر بھی ہے' وفاداری کے طور پر ن کی گاڑی کسی اور کو ڈرائیو نہیں کرنے دیتا۔''

''اوہ...... آئی سی۔'' آئی جی نے پھر تعجب سے کہا۔

"لیکن آج اس کو میل نرس پر کس طرح شبہ ہوا؟"

"کچھ غیبی قوتیں ہیں جو اس کی مدد کرتی ہیں۔ پولیس کو اس سے بیشتر بھی اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے۔" اورنگ زیب نے مختصر تفصیل بتا دی۔

"گڈ......" آئی جی نے لیاقت حسین کو دلچسپ نظروں سے دیکھا پھر باقاعدہ اس سے ہاتھ ملا کر بولا۔

"مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"لیکن مجھے ایک غم ہے صاحب۔" لیاقت حسین نے صاف گوئی سے کہا۔ "شاید ہم نے پولیس کو طلب کر کے اچھا نہیں کیا۔" اس کی نظریں مردہ میل نرس کی جانب گھوم گئیں۔

"جو انجکشن یہ مردود ہماری بیوی کو دینا چاہتا تھا وہ مجھے اسی کو زبردستی لگا دینا چاہیے تھا' یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ انجکشن میں کون سا قاتل زہر بھرا تھا۔"

"نہیں لیاقت حسین۔" اورنگ زیب نے اس سے دوستانہ انداز میں کہا۔ "جب ہم تمہارے ساتھ ہیں تو آئندہ بھی کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے غلطی نہ کرنا۔"

آئی جی کی موجودگی میں میل نرس کی لاش کو ضروری کارروائی کے بعد پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دیا گیا' اصلی میل نرس بھی اسپتال کے میڈیکل ڈریسنگ روم سے بے ہوشی کی حالت میں مل گیا۔ بھرا ہوا انجکشن ایک پلاسٹک بیگ میں محفوظ کر کے اورنگ زیب نے اپنی تحویل میں لے لیا۔

لیاقت حسین کے فرحین کے پاس جانے کے بعد آئی جی اورنگ زیب اور سیٹھ عثمان کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا جب اسپتال کے بڑے ڈاکٹر نے براہ راست آئی جی سے درخواست کی۔

"سر......اگر یہ واقعہ میڈیا تک پہنچ گیا تو اس اسپتال کی ساکھ پر اچھا اثر نہیں پڑے گا اس لیے میری درخواست ہے کہ اگر آپ......"

"ڈونٹ وری......" آئی جی نے مسکرا کر کہا پھر اورنگ زیب نے بھی ڈاکٹر کو تسلی دی تو اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

❖❖❖

بہت عرصے بعد یہ پہلا اتفاق تھا جب تھریسا ناشتے کی میز پر موجود نہیں تھی۔اس کی جگہ گھر کی ملازمہ ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔میڈم نے ایک لمحے کو اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا پھر اسے یاد آ گیا کہ گزشتہ رات تھریسا اس کے بیڈروم سے رات ایک بجے کے بعد ہی گئی تھی۔ان کے درمیان شادی کا معاملہ زیر بحث رہا تھا' تھریسا کا خیال تھا کہ روبی کو شیخ حامد کے تصور کو بھی گولی مار کر اپنا گھر بسا لینا چاہیے جبکہ میڈم اسی بات پر بضد تھی کہ اسے شادی کی ضرورت کا خیال اپنے مظلوم شوہر کے مرنے کے بعد کبھی ایک بار بھی نہیں آیا۔وہ صرف اور صرف اپنے شوہر کے قاتل کو پھانسی کے پھندے پر لٹکتا دیکھنے کی خواہش مند تھی جس کے سبب اس نے ڈی آئی جی کے لیے ایک کنڈیشن رکھ دی تھی اور اب اس کو پورا ہوئے بغیر وہ کسی قیمت پر اپنے مرحوم شوہر کی روح کے سامنے شرمندہ ہونے کو تیار نہیں تھی۔

ناشتے کے دوران بھی میڈم روبی کے ذہن میں وہی قاتل موجود تھا جو اب کھل کر سامنے آ گیا تھا' ایس پی اورنگ زیب نے جو کہا تھا اس کی تصدیق مرنے سے بیشتر کنول نے بھی کر دی تھی۔الماس کے ذریعے اسے فرحین کو اغوا کرنے والی واردات اور ان لاشوں کی تفصیل بھی معلوم ہو چکی تھی۔ان تمام باتوں نے میں میڈم روبی کے وجود میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا کر دی تھی۔اس کے شوہر کا قاتل دوبارہ سامنے آ کر کسی زہریلے کن کھجورے کی طرح بلبلانے لگا تھا۔وہ خود پردے کی آڑ میں تھا لیکن اس کے شکاری کتے پھر بے خوف دندناتے پھر رہے تھے۔ایسی حالت میں وہ اپنی شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ حسب معمول لاؤنج میں آ گئی۔اخبار اٹھا کر بیٹھی تھی کہ الماس کا فون آ گیا جس نے اسے ایک نئی واردات کی اطلاع دی جو گزشتہ رات اسپتال میں ہوئی تھی۔لیاقت حسین نے اگر بروقت میل نرس پر شبہ نہ کیا ہوتا تو فرحین کا مر جانا یقینی تھا' اصل قاتل اس بار بھی پردے کے پیچھے تھا' اس کے ایک اور وفادار کتے نے گرفتاری دینے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا چراغ گل کر لیا تھا۔

الماس کا فون آ جانے کے بعد میں میڈم روبی نے اخبار ایک طرف ڈال دیا' دوبارہ ملازمہ کو بلا کر تھریسا کو دیکھنے کو کہا۔اس کے ذہن میں شیخ حامد کا منحوس تصور پھر کسی بھوت کے تصوراتی ہیولے کی طرح لہرانے لگا جس کے سلسلے میں خود میڈم کی ذاتی کوشش بھی ابھی تک بارآور ثابت نہیں ہو سکی

تھیں۔اس نے منہ مانگے داموں کے عوض انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے تین افراد کی خدمات حاصل کی تھیں'ان میں سے دو......ڈوما اور ہاشم کام آچکے تھے'صرف لوچن باقی رہ گیا تھا۔

میڈم کا ذہن گزرے ہوئے واقعات میں الجھ رہا تھا جب ملازمہ نے قریب آ کر تھریسا کے بارے میں ایک پریشان کن اطلاع دی۔''وہ کمرے میں موجود نہیں ہیں میڈم......میں نے کمرے کی حالت سے یہی اندازہ لگایا ہے کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے لیکن میں نے ڈر کی وجہ سے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔''

''کیا بکواس کر رہی ہے۔''میڈم تلملاتی ہوئی اٹھی۔تیز تیز قدم اٹھاتی تھریسا کے بیڈروم میں داخل ہوئی تو اسے بھی کسی گڑبڑ کا شبہ ہوا۔

تھریسا اپنے بستر پر نہیں تھی۔مسہری کی چادر ایک طرف فرش پر پڑی تھی' کچھ سامان بھی بے ترتیب نظر آ رہا تھا' کمرے میں ایک عجیب سی مہک بھی بسی ہوئی تھی۔میڈم کے کہنے پر باقی ممکنہ جگہوں پر بھی دیکھا گیا لیکن تھریسا کہیں نہیں ملی میڈم نے بنگلے کے گارڈ کو طلب کیا۔اس نے بھی کسی کے آنے جانے کا شبہ نہیں ظاہر کیا۔بعد میں بنگلے کے عقب والے حصے میں ڈیوٹی دینے والا گارڈ ایک خالی سرونٹ کوارٹر سے بے ہوشی کی حالت میں ملا تو میڈم روبی کے ذہن میں لو کے جھکڑے چلنے لگے۔اس نے سب کو زبان بند رکھنے کی تاکید کی پھر تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

''تھریسا اغوا کر لی گئی ہے۔''یہ خیال اس کے وجود میں کسی بے چین پارے کی مانند گردش کر رہا تھا۔یہ اغوا اس کے لیے بھی دشمن کی طرف سے ایک وارننگ تھی'تھریسا کے ذریعے اب شاید وہ اسے بھی بلیک میل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔وہ تمام ممکنہ پہلوؤں پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتی رہی۔پولیس کو فوری طور پر اطلاع دینے سے بیشتر وہ ذاتی طور پر اس اغوا کے پس منظر میں منڈلاتے خطروں اور سنجیدگی سے سوچتی رہی۔یہ خیال بھی اس کے لیے بڑا تلخ تھا کہ پولیس کی بالادستی کے باوجود ایک مجرم بڑے دھڑلے سے پے در پے واردات کرنے پر کمربستہ تھا لیکن ابھی تک قانون کے لمبے ہاتھ اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکے تھے۔ان وارداتوں کے پیچھے ایسا کوئی نشان بھی نہیں ملا جو قانون کے کام آتا۔وہ ان ہی خیالات سے الجھ رہی تھی جب اس کے بیڈروم میں موجود مخصوص فون نمبروں پر کسی کی کال موصول ہوئی۔میڈم نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔وہ نمبر زیادہ لوگوں کے علم میں نہیں تھا۔

''ہیلو......''

''ہمیں خوشی ہے کہ آپ نے ابھی تک پولیس کو درمیان میں لانے کی غلطی نہیں کی۔''دوسری جانب سے بڑی ڈھٹائی سے کہا گیا۔

''کون بول رہے ہو......؟''میڈم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''اسے لمبے ہاتھوں کی ایک انگلی سمجھ لیں جس کو آپ کے مخصوص نمبر معلوم کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔''

''مقصد بیان کرو......؟''

''آپ کی لیڈی سیکریڑی ہمارے پاس ابھی تک محفوظ ہے۔آپ چاہیں تو اسے باعزت واپس بھی کیا جاسکتا ہے۔''

''کیا شرط ہے؟''میڈم کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

''آپ آغا منظور......یعنی ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ شادی کرنے کا خیال ذہن سے کھرچ کر نکال دیں۔''

''یہ میرا قطعی ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔''

''میں نے جس ہاتھ کی بات کی ہے وہ بھی آپ کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھتا ہے۔''اس بار بھی کھردرے لہجے میں جواب ملا۔''جو پالتو کتے وقت کے ساتھ ساتھ وفاداریاں بھی تبدیل کر دیں......باس ان کی پسند نہیں کرتا۔''

''اگر میں تمہاری شرط ماننے سے انکار کردوں تو؟''

''پہلے نمبر پر آپ کی وفادار سیکریٹری کی عزت کی دھجیاں اڑائی جائیں گی۔دوسرا نمبر ہمیں اس کے بعد ملے گا۔''

میڈم نے فوراً ہی جواب دیا۔وہ سمجھ رہی تھی کہ دوسرے نمبر کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔

''آپ نے کوئی جواب نہیں دیا میڈم۔''مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا گیا۔''کیا ہمیں انتظار کرنا ہوگا؟''

''نہیں......''میڈم نے اس بار فیصلہ کن جواب دیا۔

''تم تھریسا کو باعزت واپس کردو لیکن اپنے خفیہ ہاتھ سے ایک بات اور کہہ دینا' دوبارہ وہ میرے کسی ذاتی معاملے میں الجھنے کی غلطی نہ کرے۔''

''ہم حکم کے غلام ہیں بی بی......آپ نے جو کہا وہ بھی اوپر تک پہنچا دیں گے۔''

''میری سیکریٹری کی واپسی کب تک ہوگی......؟''

''آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ویسے ایک درخواست بھی ذاتی طور پر کر رہا ہوں۔پولیس کے کانوں تک یہ بات نہ پہنچے تو زیادہ مناسب ہوگا۔''

میڈم نے جواب دینے کے بجائے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔اس کے چہرے کی شگفتگی آنے والی کال سے خاصی متاثر ہوئی تھی۔وہ ایک گھنٹے اپنی خواب گاہ تک ہی محدود رہی پھر دروازے پر ہونے والی دستک ہی نے اسے متوجہ کیا تھا۔اس نے دستی گھڑی پر نظر ڈالی تو کسی خیال سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے میں بھی عجلت کا مظاہرہ کیا۔اس کا اندازہ غلط نہیں تھا' تھریسا اس کے سامنے موجود تھی۔

''آر یو سیف؟(are you safe)''میڈم نے تھریسا کو سامنے دیکھ کر بڑے جذباتی لہجے میں دریافت کیا۔

جواب میں تھریسا بے اختیار اس کے گلے لگ گئی پھر اس نے جو تفصیل بتائی وہ اس دعوے

کے خلاف نہیں تھی جو میڈم روبی سے فون پر کیا گیا تھا۔

سراج کمرے میں داخل ہوا تو اورنگ زیب نے سامنے رکھی فائل بند کر دی۔
"کیا رپورٹ ہے؟" اس نے سراج سے پوچھا۔
"انجکشن میں ایسا زہر پایا گیا ہے جو فرحین کو اگر لگ جاتا تو ایک گھنٹے کے بعد وہ غنودگی ہی کی کیفیت میں اوپر پہنچ جاتی۔" سراج نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فائنل رپورٹ دوپہر تک آ جائے گی۔"
"پوسٹ مارٹم کے بارے میں کوئی پیش رفت ہوئی؟"
"میں نے اس سلسلے میں براہ راست سرجن سے بھی رابطہ کیا تھا لیکن اس نے بھی وہی کھرا جواب دیا جو ڈاکٹر نے دیا تھا۔" سراج نے جھلا کر کہا۔ "اب ایسی رپورٹس سیل بند لفافے میں سرکاری طور پر متعلقہ آفیسر کو ملا کریں گی۔"
"قانون بھی یہی ہے...... بہرحال اس سلسلے میں ڈی آئی جی سے بات کروں گا۔"
"اب آپ میرے لیے فوری طور پر کچھ ریڈی میڈ ناشتا منگا دیں ورنہ میں بھی قانونی طور پر......"
سراج اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا' ڈیوٹی کانسٹیبل اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں دو توس' دو ابلے ہوئے انڈے اور کافی کا سامان موجود تھا' وہ ٹرے دوسری میز پر رکھ کر اورنگ زیب کے اشارے پر چلا گیا تو سراج نے حیرت سے پوچھا۔
"کیا اب لیاقت حسین کی طرح آپ کے اندر بھی کوئی الہامی (القائی) کیفیت پیدا ہو رہی ہے؟"
"ابھی الماس کا فون آ رہا تھا۔ اس نے تمہاری سفارش کی تھی۔ ورنہ میں آفس میں لنچ اور ڈنر کرنے کے بھی خلاف ہوں۔"
سراج جواب دینے کے بجائے ناشتے کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد سراج کے ایک سپاہی نے اندر آ کر ایک سیل بند بڑا لفافہ اس کے سامنے رکھ دیا پھر باقاعدہ سیلوٹ کر کے واپس چلا گیا۔
"یہ وہی سکندر علی شاہ کے اس کیس کی فائل ہے جس میں آپ کو کچھ چونکا دینے والی باتیں بھی ملیں گی۔"
"گڈ...... مجھے خوشی ہے کہ تم نے یہ کام پہلی فرصت میں کر دیا۔"
"اس میں الماس کے بجائے آپ کی اس محبت کا اثر ہے جو آپ نے مجھے دی ہے۔"
"ون منٹ...... یہ آفس ہے مسٹر سراج۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ "آکٹوپس اب جس تیزی سے اپنے ہاتھ پاؤں استعمال کر رہا ہے وہ ہمارے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں ہے۔ کنول کی موت کے بعد تین دنوں کے اندر فرحین پر دوبارہ حملہ...... تم اسے کس نظر سے دیکھ رہے ہو؟"

''میں آپ کی بات سے صد فیصد متفق ہوں مگر اس کا سراغ ملنا بھی ضروری ہے۔''

''ہے ایک طریقہ......''اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ کیا......؟''

''کسی جانور کو اس کی بنائی ہوئی پیچ در پیچ کھوہ یا بھٹ سے نکالنے کی خاطر اس کے دہانے پر آگ بھڑکانا بھی ایک موثر ذریعہ ہے۔''

''یہاں بات انسانوں کی ہو رہی ہے جہاں کچھ قانونی پیچیدگیاں ہمارے آڑے آ جاتی ہیں۔''سراج نے کسمساتے ہوئے کہا۔''جس وقت وہ ہماری نظروں کے سامنے تھا ہم اس وقت بھی اسے شکنجوں میں جکڑ کر سب کھایا پیا اگلوا سکتے تھے لیکن تب بھی ڈی آئی جی اور مرکزی حکومت کے کچھ ایسے افسروں نے راستہ روک رکھا تھا جو آکٹوپس کے آٹھوں ہاتھ سے لمبی لمبی رقمیں سمیٹ رہے تھے۔''

''آئی ایگری ود یو......''اورنگ زیب نے بہ دستور خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''مگر......کیا ضروری ہے کہ آگ بھڑکانے کی خاطر پیٹرول اور ماچس ہی کا استعمال کریں۔ ویسے بھی اب ایٹمی دور ہے۔''

''کیا مطلب؟''سراج چونکا۔

''میں نے تم سے پچھلے دنوں بھی کہا تھا کہ تم صرف ایک ڈیوٹی مائنڈ پولیس آفیسر ہو......'' اورنگ زیب نے براہ راست سراج کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے جواب دیا۔''اب بھی یہی کہوں گا۔''

سراج دوبارہ کرسی پر کسمسایا پھر وہ کوئی جواب دینا چاہتا تھا جب اورنگ زیب کے اس موبائل نے وائبریٹ کیا جس میں ان رجسٹرڈ سم تھی۔ وہ اسے خاص خاص اور اہم آدمیوں کے لیے استعمال کرتا تھا......فوری طور پر اس نے موبائل آن کر لیا۔ دوسری جانب سے ابھرنے والی مدھم آواز سن کر چونکا۔ ایک نظر سراج پر ڈالی پھر خلا میں گھورتے ہوئے بولا۔

''تم نے مناسب راستہ اختیار کیا ہے......گھبراؤ نہیں......ہاں میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں......وہاٹ؟''اورنگ زیب کی نگاہیں کوئی بات سن کر سلگنے لگیں۔''کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا؟......

ٹھیک ہے......میں خیال رکھوں گا......وش یو گڈ لک۔''

''کس کی کال تھی؟''سراج نے اورنگ زیب کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر کہا۔''کوئی اہم خبر معلوم ہوتی ہے۔''

''تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔''اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''کنول اور ارمین کے بعد کل رات پھر آکٹوپس کے شکاری کتے ایک واردات کر گئے۔''

''وہ کیا......؟''

''سوری مائی ڈیئر۔'' اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے معذرت کی۔''فی الحال میں ا
سلسلے میں زبان نہیں کھول سکتا لیکن...... اب ہمارے لیے بھی خاموش تماشائی بنے رہنا ممکن نہیں
ہے۔''

''میرے لیے کوئی خدمت......؟''

''تم نے شیلا ورما اور جونی کے پیچھے کس کو لگایا ہے؟''

''ہے میرے اعتماد کا ایک خاص آدمی...... اسے پہلے بھی آزما چکا ہوں۔''

''میری ذاتی رائے ہے کہ تم اس آدمی کی جگہ افضل خان کو یہ ذمے داری سونپ دو...... موج
حالات میں وہ ہمارے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسا میک
اپ اختیار کرے جسے دیکھ کر شبنم بھی اس کی اصلیت نہ جان سکے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔'' سراج نے دبی زبان میں سوال کیا۔''آپ کا کیا خیال
ہے؟ کیا آکٹوپس کے شکاری کتے افضل خان اور شبنم کی نقل و حرکت سے بے خبر ہوں گے۔''

''یو آر رائٹ۔'' اورنگ زیب نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا پھر کچھ توقف سے بولا۔''میں
اپنے کسی آدمی کو اس کام پر لگا دیتا ہوں' شیلا ورما اور جونی کی روز و شب کی مصروفیت کا قریب سے
جائزہ لینا ہمارے لیے اب اہم ہو گیا ہے۔''

''میں بھی اس کی اہمیت سے انکار نہیں کروں گا۔ ویسے ایک بات میرے لیے ابھی تک معمہ بنی
ہوئی ہے۔ جونی مس ڈکسن سے کس مقصد سے ملا تھا؟''

''اس میں معمے والی کیا بات ہے؟'' اورنگ زیب نے کہا۔''دوسروں کی طرح جونی نے بھی
مس ڈکسن سے مل کر اپنے مستقبل کے بارے میں ہی جاننے کی کوشش کی ہوگی۔''

پھر...... آئی جی کا فون آنے کی وجہ سے سراج نے خاموشی اختیار کر لی۔

''انجکشن کی زبانی رپورٹ ڈی ایس پی سراج نے ذاتی تعلقات کی بنا پر معلوم کر لی
تھی۔'' اورنگ زیب تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔''لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آفیشل راستے سے
موصول ہو گی...... سراج نے پولیس سرجن سے بھی رابطہ کیا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی...... وہ نیا آدمی
ہے اس لیے فی الحال گھسے پٹے قانون پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے...... سوری سر' اگر اس نے مجھے بھی
ٹالنے کی بات کی تو میں برداشت نہیں کر سکوں گا...... یہ زیادہ مناسب رہے گا...... جی نہیں' ابھی تک
اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ اشتہاری مجرم نہیں تھا...... ڈونٹ
وری سر' میں کسی کے دباؤ میں آنے والا آفیسر نہیں ہوں...... تھینک یو سر۔''

گفتگو ختم ہوئی تو سراج نے دریافت کیا۔''کوئی نئی اطلاع؟''

''آئی جی کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کچھ بااثر لوگ ہمارے راستے میں حائل ہونے کی کوشش
کریں۔''

''وہ ابھی نیا نیا آیا ہے...... اسے اس بات کا خیال کیوں آیا......؟''

''اس میں نئے پرانے کی بات نہیں ہے مائی ڈیئر...... ہر اہم کیس میں کوئی اڑنگا کسی نہ کسی صورت میں ضرور لگتا ہے۔'' اورنگ زیب نے جواب دینے کے ساتھ ہی سکندر علی شاہ کی فائل بھی کھول لی تو سراج نے کہا۔

''یہ فائل آپ کو خاصی دیر مصروف رکھے گی۔ اگر اجازت ہو تو اس دوران میں اپنے دفتر کی طرف بھی جھانک لوں۔''

''ٹھیک ہے......''

سراج اٹھنے لگا تو ان رجسٹرڈ موبائل نے پھر وائبریٹ کرنا شروع کیا' اورنگ زیب نے سراج کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا پھر اس نے موبائل آن کرلیا۔ دوسری جانب سے لوچن کی آواز ابھری۔

''وہ دوغلا باسٹرڈ آپ کے ملٹری والوں کی نظروں میں بھی دھول جھونک کر چھومنتر ہو گیا۔ میں نے کہا بھی تھا کہ اگر ملٹری والے اسے اپنی تحویل میں لے کر ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ کے دھنیان اس کی ایک دو پسلی کھسکا دیتے تو وہ دوسری منزل سے نیچے چھلانگ لگانے کا رسک بھی نہ لیتا۔''

''یہ کب کی بات ہے؟''

''کل رات کی۔''

''اور تم اس کی اطلاع اب دے رہے ہو؟'' اورنگ زیب نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے قدرے درشت انداز میں سوال کیا۔

''اس باسٹرڈ کی چوکیداری میں رات بھر جاگنے کے بعد لمبی تان کر سو گیا تھا۔'' لوچن نے تفصیل بتائی۔ ''اس کے چیلنج کی خاطر میں نے اس پر نظر رکھی تھی۔ وہ رات میں دو بار تھوڑے تھوڑے وقفے سے بالکونی میں گیا تھا۔ میں آنکھوں میں جھری لیے دیکھتا رہا' تیسری بار وہ رات کو تقریباً دو بجے پھر بالکونی میں گیا...... جب دیر تک واپس نہیں پلٹا تو میں نے اٹھ کر بالکونی میں جھانکا۔ شاید نیچے دور دور تک سناٹا تھا' میرا خیال ہے کہ وہ کسی سواری کی راہ تک رہا تھا' اس کے آنے کے بعد ہی اس نے چھلانگ لگانے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ میں نے فوری طور پر باہر نگرانی کرنے والے ایک سادہ لباس سولجر کو اطلاع دی۔ وہ بھی پورا کمرا کھنگالنے کے بعد بغلیں بجاتا چلا گیا۔ اس کے سوا میں بھی کیا کر سکتا تھا۔''

اورنگ زیب نے جھلا کر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وشنو کے فرار ہونے کی خبر سن کر سراج بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اورنگ زیب اب خانہ پری کی خاطر کرنل احتشام سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

✣✣✣

سفید رنگ کی اس وین پر ایک مقامی رفاہی ادارے کا نام درج تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر جو شخص بیٹھا تھا اس کی شرٹ پر بھی اسی ادارے کا مونوگرام تھا۔ پشت پر ایک جانب مریض کی لمبی نشست تھی دوسری جانب کی پشت پر دو افراد تنگ سیاہ لباس میں ملبوس نظر آ رہے تھے۔ ایک پستہ قد تھا

جس کا جسم بے حد گٹھا ہوا تھا' دوسرا درمیانہ قد اور کسرتی جسم کا مالک تھا دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے' ان کے درمیان قدموں میں ایک چاکلیٹی رنگ کا اسکول بیگ تھا جس میں شانوں پر لٹکانے والی بیلٹ بھی موجود تھی۔ دونوں افراد اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں غرق تھے' ان کے طرزعمل سے بھی یہی لگتا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے واقف ضرور ہیں لیکن زیادہ بے تکلف نہیں تھے۔

اس وقت رات کے پونے بارہ کا عمل تھا' ٹریفک بھی نہ ہونے کے برابر تھا اس لیے وین کے اوپر لگی سرخ گھومنے والی رائٹ بھی روشن نہیں تھی' مخصوص سائرن کی آواز والا سسٹم بھی آن کیا گیا تھا۔

''یہ پہلا اتفاق ہے کہ ہم دونوں ایک ساتھ کہیں جا رہے ہیں۔'' پستہ آدمی نے گفتگو کی ابتدا کی' اس کا لب ولہجہ غیر ملکیوں جیسا تھا۔ ''ہمارا پروفیشن بھی ایک جیسا ہے لیکن ہمیں کسی مریض کا علاج کرنے کے معاملے میں بہت محتاط رہنا ہوگا...... ایک ضروری بات اور بتادوں...... میں اپنے کاموں میں غیر ضروری مداخلت بھی برداشت نہیں کرتا۔''

''جانتا ہوں۔'' دوسرے نے مسکرا کر کہا۔ ''میں نے حالات کے پیش نظر اپنے اندر کچھ تبدیلیاں ضرور کر لی ہیں لیکن کوئی دائمی مریض کبھی مل جائے تو اس کے علاج سے غافل بھی نہیں رہتا...... البتہ جہاں مخصوص ہدایتیں بڑے ڈاکٹر کی طرف جاری کر دی جائیں گھٹن کا احساس ضرور ہوتا ہے۔''

''اس معاملے میں مجھے بھی اپنا ہم خیال سمجھو لیکن کبھی کبھی مریض کے علاوہ دوسرے صحت مند لوگوں کا خیال رکھنا بھی ہمارا فرض ہے۔''

''میں نے اسی خیال کے پیش نظر ضروری سامان بیگ میں رکھ لیا ہے۔''

دوسرے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وین کا سفر دس منٹ بعد ختم ہو گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آنے والے نے درمیانی کھڑکی کھول کر کہا۔ ''میں نے احتیاطاً وین کو بنگلوں کے عقبی حصے میں پارک کیا ہے۔''

''تم نے غلط کیا ہے۔'' پستہ قد والے نے ناگواری سے کہا۔ ''گاڑی گھما کر مطلوبہ بنگلے کے عقبی بنگلے کے آس پاس روک لو۔''

ڈرائیو نے جواب دینے کے بجائے درمیانہ قد واے کی جانب دیکھا تو اس نے اثبات میں کرکو جنبش دی' وین دوبارہ حرکت میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد اسے وہیں روکا گیا جہاں کے لیے کہا گیا تھا۔

پستہ آدمی نے وین سے اترنے میں پہل کی پھر اس نے دوسرے سے کہا۔ ''میں تمہیں اندر پہنچنے کے بعد موبائل پر کال کروں گا۔ اس کے بعد ہی تم اس راستے سے اندر آنا جو ہم نے پہلے سے طے کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے......''

'باس...... اس کے جانے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آنے والے نے باہر آ کر اندر بیٹھے

ہوئے شخص کو مخاطب کیا۔ ''کیا اس وقت ہمیں اس سوا پانچ فٹے کی ہدایت پر عمل کرنا ہوگا؟''

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔''

''یہ جتنا اوپر نظر آتا ہے اتنا ہی زمین کے نیچے بھی ہے' ہم سے زیادہ دور اندیش اور تجربے کار بھی ہے۔''

سوال کرنے والا خاموش ہوگیا' درمیانہ قد والا جو جگا تھا' وہ بھی وین سے باہر آ گیا' دور دور تک کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ خلاف معمول اس وقت جگا کی نظریں بھی کس آدم خور چیتے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سات آٹھ منٹ بعد میں اسے موبائل پر گرین سگنل کا اشارہ مل گیا۔

''تم یہیں ٹھہرو لیکن آنکھیں کھلی رکھنا...... حسب دستور اگر کوئی ایمرجنسی پیش آ جائے تو تمہیں ذاتی فیصلے کا مکمل اختیار ہوگا' البتہ اس بات کا دھیان رکھنا کہ کوئی بندہ ضائع نہ ہونے پائے۔''

''پھر جواب کا انتظار کیے بغیر جگا بھی مطلوبہ بنگلے کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ اس کو اس بات کا علم تھا کہ عدالت کے فیصلے کے بعد شیخ حامد کے بنگلے کو نیلام کی خاطر دے دیا گیا تھا۔ پولیس کے صرف دو سپاہی وہاں ڈیوٹی دیتے تھے۔ نیلام میں بھی اب چند دن باقی رہ گئے تھے۔

دن کی روشنی میں جگا نے لوچن کے ساتھ مطلوبہ کوٹھی کا چاروں طرف سے گھوم پھر کا جائزہ لے لیا تھا۔ چنانچہ گرین سگنل' ملنے کے بعد وہ سکول بیگ نما تھیلے کو شانوں سے لٹکا کر اسی سمیت چل پڑا۔ اس کی نظریں اپنے اطراف کا پھر وہ نہایت پھرتی سے آٹھ فٹ اونچی دیوار کو بڑی مہارت سے پھلانگ گیا۔ اگلے ایک منٹ بعد وہ اس عقبی دروازے کے قریب پہنچ گیا جہاں لوچن موجود تھا۔

جگا کے آجانے کے بعد لوچن نے اسکول بیگ اس سے لے لیا۔ اس کے بعد وہ دونوں کوٹھی کی نچلی منزل کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے' جگا کے وجود کے اندر اس وقت چنگاریاں پوری طرح سلگ رہی تھیں' شیخ حامد کے غنڈوں نے اس کے فرنیچر مارٹ کو جس طرح تباہ کیا تھا' اس کا خیال اس کے ذہن میں طوفان کی طرح سر ابھار رہا تھا' اگر اورنگ زیب اسے خاموش رہنے کو نہ کہا ہوتا تو وہ اپنی مرضی سے بھی جوابی سے بھی جواب کارروائی کر گزرنے سے دریغ نہ کرتا۔

بیس منٹ تک ایک ایک کونے کھدروں کا جائزہ لینے سے ساتھ ساتھ لوچن اور جگا ان تمام مشکوک جگہوں پر ٹائم بم فٹ کرتے رہے جہاں کسی چور راستے کا احتمال کیا جا سکتا تھا۔ کچھ بم انہوں نے چھت سے بھی چپکا دے۔ اس کام سے فارغ ہونے میں بھی دونوں نے غیر معمولی عجلت سے کام لیا تھا۔

لوچن اپنی کارکردگی کا گہری نظروں سے جائزہ لے رہا تھا جب جگا نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے دوست؟ کیا ان بموں کے بلاسٹ ہو جانے کے بعد بھی یہ عمارت قابل استعمال ہو سکتی ہے؟''

''نہیں......'' لوچن نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔''میں ادھورا کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''گڈ......'' جگا نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''اگر میرے اختیار میں ہوتا اور قرب وجوار میں بسنے والے بے قصور لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو میں اس منحوس کوٹھی کو جڑ بنیاد سے خاک میں ملا دیتا......''

''یہ جذباتی باتیں ہم وین میں بیٹھنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں......'' لوچن نے دستی گھڑی کے ریڈیم ڈائل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''کبھی کبھی اگر کوئی ڈیوائس پرفیکٹ طریقے پر کام نہ کرے تو جان جانے کا خطرہ بھی لاحق ہو جاتا ہے۔''

جگا نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔دونوں وقفے وقفے سے عمارت کے باہر آئے۔اس وقت بھی دور دور تک کسی انسان کا سامنا نہیں ہوا۔وین کے حرکت میں آنے کے بعد ہی جگا نے کسی خیال دم سے چونک کر لوچن سے پوچھا۔

''جو کوٹھی کے صدر دروازے پر پہرا دے رہے ہیں ان کو تو کوئی نقصان نہیں ہوگا؟''

''ایک بات پوچھوں۔'' لوچن نے جگا کے سوال کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کہا۔''تمہیں بگ باسٹرڈ سے کیا پرخاش ہے؟''

''ہے ایک قرض جو آج چکتا ہو جائے گا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' لوچن نے بے پروائی سے شانے اچکائے۔''میں تمہیں ایک ذاتی تجربے کی بات بتا رہا ہوں۔شیر زخمی ہونے کے بعد آدم خور بھی بن جاتا ہے...... بگ باسٹرڈ کی طرف سے کسی غلط فہمی میں مبتلا رہنا...... ایسی شکل میں جبکہ وہ قانون کی نظروں سے بھی چھپا ہوا ہے۔''

''اسی بات کا ملال ہے دوست......'' جگا نے زہر خند سے جواب دیا۔''اگر وہ سامنے ہوتا تو میں اسے للکار کر ہی مارتا...... مچان پر بیٹھ کر شکار کھیلنا میری فطرت کے بھی خلاف ہے۔''

''اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔'' اس بار لوچن نے ستائشی لہجے میں کہا۔''تم قابل اعتماد نہ ہوتے تو تمہارے آفس میں بیٹھ کر کوئی ضروری کام کبھی انجام نہ دیتا۔''

''تم...... شاید وشنو کی بات کر رہے ہو؟''

لوچن جگا کا جواب سن کر چونکا لیکن کوئی سوال نہ کر سکا...... پے در پے ہونے والے خوفناک دھماکوں کی آواز نے ان دونوں ہی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

+++

آئی جی اپنے آفس میں بیٹھا کسی سوچ میں غرق تھا۔جب سے اس نے چارج لیا تھا اسے ہر وقت اپنے استعفیٰ کے منظور ہونے کا انتظار رہتا تھا'نئی پوسٹ کے بعد ہونے والے واقعات کے سلسلوں نے ذہنی طور پر اسے اور الجھا دیا تھا۔لیاقت حسین سے مل کر اسے یقیناً خوشی ہوئی تھی۔اس کے ہاتھوں دور دراز کے مختصر وقفے کے دوران جو قتل ہوئے تھے اس میں سامنے آنے والی لاشوں کی فائلیں بھی سرد خانے سے نکلوائی گئی تھیں۔یہ سب محض اتفاق ہی نہیں رپورٹس بذات خود پڑھی

تھیں، لیکن ان کی موت کسی نہ کسی انداز میں لیاقت حسین کے ہاتھوں ہوئی تھی۔اورنگ زیب کی اطلاع کے مطابق لیاقت حسین کے وجود میں کسی بزرگ کی دعا سے کچھ ایسی خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں جو اسے قبل از وقت خطروں سے آگاہ کر دیتی تھیں، کبھی کبھی وہ بات کہہ جاتا تھا جو بعد میں درست ثابت ہوتی تھی لیکن خود اسے یاد نہیں رہتا تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

اسپتال سے واپسی کے بعد اس نے اورنگ زیب کو بلا کر خاصی دیر اس سے لیاقت حسین کے بارے میں گفت وشنید کی تھی۔آئی جی کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی کہتا تھا کہ لیاقت حسین ایک کھرا اور نیک آدمی ہے۔

خاصی دیر تک وہ ان ہی باتوں پر غور کرتا رہا پھر اس نے اپنے ڈائریکٹ فون کا ریسیور اٹھا کر مرکز میں اپنے ایک واقف کار سے رابطہ قائم کیا۔وہ اس کے دیرینہ دوستوں میں سے تھا۔رسمی گفتگو کے بعد اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''تم نے ابھی تک میری فائل کے قریب ہوتے ہوئے بھی کوئی موثر کام نہیں کیا۔''

''مجھے خود بھی تعجب ہے۔'' دوسری جانب سے کہا گیا ''تمہارا کام جس کے پاس ہے اس پر میرے کچھ احسان بھی ہیں، ہر بار وہ وعدہ کرتا ہے لیکن کوئی نہ کوئی دشواری اس کے سامنے آ جاتی ہے۔''

''میری اطلاع کے مطابق ایک سے زیادہ آفیسر میری کرسی کی خاطر دلچسپی لے رہے ہیں۔ان کے بھی اثر رسوخ ہوں گے۔''

''یہی بات میری سمجھ میں بھی اب تک نہیں آسکی۔جس کے ہاتھ میں تمہاری فائل ہے خود وہ بھی حیران ہے کہ ہر بار تمہاری فائل، اتھارٹی تک جاتی ہے لیکن نہ جانے کیوں واپس آ جاتی ہے۔کیا تم اس کی کوئی خاص وجہ بتا سکو گے؟''

''سوری...... میں خود کو بدنصیب کہنے کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔'' آئی جی نے یکلخت رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کے چہرے پر کسی گہری تشویش کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے، کوئی بات ضرور تھی جو اس کو روحانی طور پر الجھا رہی تھی۔وہ خلا میں دیکھ رہا تھا جب ڈائریکٹ فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔اس نے فون سیٹ کو حقارت سے گھورا پھر انٹرکام ریسیور اٹھا لیا۔

''یس سر......'' دوسری جانب سے مہذب انداز میں جواب ملا۔

''کوئی میرے ڈائریکٹ نمبروں پر کال کر رہا ہے۔میں اس کی لائن باہر دے رہا ہوں...... کہہ دو کہ میں ایک منٹ پہلے کسی کام سے باہر جا چکا ہوں۔'' آئی جی نے سنجیدگی سے کہا پھر فون سیٹ میں لگا ہوا سوئچ ''آوٹ'' پر کر دیا۔ایسا وہ اسی وقت کرتا تھا جب دفتر میں موجود نہیں ہوتا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ کال اسی دوست نے کی ہوگی جس کے سوال کے جواب میں اسے نے صرف ''سوری'' کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا تھا۔وہ اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پرنسل سیکریٹری سے بات کرنے کے بعد اس نے ایک فائل اٹھا کر اس کی ورق گردانی شر
کردی' چہرے کے تاثرات بتارہے تھے کہ وہ محض وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں کوئی
ایسی ضرور تھی جو اسے الجھارہی تھی۔

دس منٹ میں فائل کے اوراق الٹا پلٹتا رہا پھر انٹرکام کے بزر نے اسے چونکا دیا۔

''یس......'' اس نے ریسیور اٹھا کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''سر......مرکزی وزارت داخلہ کے آفس کی کال ہے۔''

''کون بات کرے گا؟''

''میں نے پوچھا تھا سر......لیکن یہی جواب ملا کر بات کراؤ۔''

''او۔کے'' آئی جی نے فائل بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی پھر پرسنل سیکریٹری نے کال اندر ٹرانسفر کر کے کچھ کہا تو اس نے ریسیور اٹھالیا۔

''آئی۔جی اسپیکنگ؟''

''آپ کو اپنے ریزگنیشن منظور کیے جانے کی کیا جلدی ہے؟'' دوسری جانب سے سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اپنی کچھ نجی پریشانیوں کے سبب اپنے کام کو پوری توجہ سے انجام نہیں دے پارہا ہوں' آئی جی نے سنبھل کر جواب دیا۔

''مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن مرکزی وزراء کے لیے دوسرے کام آپ کے استعفے سے زیادہ اہم ہیں اس لیے فی الحال آپ کو کچھ عرصہ......''

''میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں گا ......'' آئی جی نے بے دھڑک کہا۔ ''دوسرا آپشن بھی ہے میرے پاس۔ میں میڈیکل گراونڈ پر دوبارہ لمبی چھٹی پر چلا جاؤں۔''

''تم......ایسا نہیں کرسکو گے......'' اس بار دوسری جانب سے تحکمانہ انداز میں کہا گیا۔ ''اس وقت تک......جب تک میں تمہارے حال پر ترس نہ کھاؤں۔''

''کون بول رہا ہے......؟'' آئی جی نے بدلے ہوئے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا' اس کی پیشانی بھی شکن آلودہ ہونے لگی۔

''کوبرا!'' حقارت اور درشت لہجے میں جواب ملا۔ ''تم کو زندگی کی آخری سانسوں تک میرے اشارے پر چلنا ہوگا۔''

''اب میرے پاس کیا باقی رہ گیا ہے؟'' آئی جی کے چہرے سے یتیمی برسنے لگی۔ ''سب کچھ تو تم برباد کر چکے ہو۔''

''اسی وجہ سے میں نے تمہیں صاحب اختیار بنوا دیا ہے۔'' اسی بازاری انداز میں کہا گیا۔ ''اب تمہارے اختیارات میرے کام آئیں گے۔''

''نہیں......شاید اس میں تمہارے لیے صرف ایک کام کرسکتا ہوں۔'' آئی جی نے جھلا کر

کہا۔''کوئی ایسا سریع التاثیر زہر کھالوں جس پر تمہارا اختیار نہ ہو......''

''ایسی صورت میں تمہاری روح تم سے زیادہ کرب میں رہے گی۔'' سرد مہری سے کہا گیا'' جو دستاویز اور تصویری ثبوت میرے پاس محفوظ ہیں۔ اگر وہ منظر عام پر آ گئیں تو تمہاری بیوی کی روح بھی تڑپ اٹھے گی جسے تم نے طبعی موت ظاہر کر کے دفنا دیا تھا۔''

''اس میں بھی تمہاری کمینگی کو دخل تھا۔'' آئی جی نے تلملا کر کہا۔''مرنے والی میری زندگی کی آخری خوشی تھی جسے تم نے چھین لیا تھا۔''

''میں انکار نہیں کروں گا......ہوسکتا ہے تمہارے انکار کی صورت میں مجھے کمینگی کے بعد اب گھٹیا پن بھی اختیار کرنا پڑے۔'' دوسری جانب سے ڈھیٹ بن کر کہا گیا۔''تم کیا پسند کرو گے؟''

''کیا کام چاہتے ہو......؟'' آئی جی نے اپنی نشست پر بیزاری سے کسمساتے ہوئے سوال کیا۔

''اس بار میں نے تمہارے ساتھ رعایت کا خیال بھی رکھا ہے۔'' بہ دستور جھلسا دینے والا جواب ملا۔''آپشن تمہارے اختیار میں ہے......یا تو لیاقت حسین کو پندرہ روز کے لیے کسی بھی جرم کی پاداش میں آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیج دو یا......پھر فوری طور پر اورنگ زیب کو اس کی موجودہ سیٹ سے ہٹا دو......''

''ان دونوں سے تمہیں کیا دشمنی لاحق ہوگئی؟'' آئی جی نے حیرت سے سوال کیا۔

''دشمنی کے بھی دو رخ ہوتے ہیں......بلاواسطہ یا پھر بالواسطہ لیکن میں نے تمہیں سوال کرنے کا حق نہیں دیا تھا۔'' اس بار بھی مضحکہ اڑانے والا انداز تھا۔''تم صرف آپشن کا حق استعمال کر سکتے ہو......میرے پاس وقت کم ہے۔''

''اگر میں آپشن استعمال کرنے کے بجائے تم سے ایک نام پوچھوں تو تم کیا جواب دو گے......''

''میرا جواب تصاویری شکل کی ایک قسط کے طور پر کل کے اخبار بھی آسکتا ہے۔''

''نہیں......پلیز۔'' آئی جی نے عاجزی سے کہا۔

''ایسا مت کرنا......''

''آج کا کام کل پر مت ٹالنا......دیٹ از آل۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

آئی جی ریسیور رکھ کر ہونٹ چبانے لگا......یہ بات سمجھنے میں اسے دیر نہیں لگی تھی کہ اس کے تمام کاموں کی بھنک اس فرضی نام''کوبرا'' تک کسی نہ کسی طور پہنچ جاتی ہیں جس کا اصلی نام خود اسے بھی نہیں معلوم تھا لیکن کچھ نجی معاملات اتنے نازک اور اہم تھے جس کی وجہ سے وہ کوبرا کے کسی حکم سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تادیر آئی جی اس نئی صورت حال سے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے اپنے پی اے کو بلا کر ایس پی اورنگ زیب کے ہیڈکوارٹر میں فوری تبدیلی کے آرڈر ڈکٹیٹ کرائے اس کے ساتھ یہ بھی کہا۔

''ان آرڈر پر میرے فائنل دستخط ہونے کے بعد آپ مسٹر اورنگ زیب کو بھی کال کر کے بلا لیں۔ یہ آرڈر میں اسے براہ راست دینا پسند کروں گا۔''

پی اے نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن آئی جی کے لب و لہجے کی سختی کو محسوس کر کے اس نے خاموشی سے باہر چلے جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے ٹائپ شدہ فائنل آرڈر پر آئی جی کے دستخط ہونے کے بعد کیا پھر وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے ایس پی اورنگ زیب سے آئی جی سے فوری ملاقات کرنے کا فون بھی کر دیا۔

پی اے کے جانے کے بعد آئی جی پھر کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اس نے جو بھی قدم اٹھایا ہے اس میں اس کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔

ایس پی اورنگ زیب کے آ جانے کے بعد اس نے بیرونی دروازے کی سرخ لائٹ بھی آن کر دی تھی۔

''اس وقت کیسے یاد کیا سر.....'' اورنگ زیب نے گفتگو کا آغاز کیا۔

آئی جی نے جواب میں ہاتھوں سے ایک مخصوص اشارہ کیا پھر سخت لہجے میں بولا۔

''آپ کے بارے میں ایک دو ایسی رپوٹ موصول ہوئی ہیں جس کے بعد فوری طور پر آپ کو ہیڈ کوارٹر میں پوسٹ کیا جا رہا ہے۔ آپ اپنا چارج ڈی ایس پی سراج کو عارضی طور پر دے کر آج ہی آفٹر نون (after noon) میں یہاں رپورٹ کریں۔''

''میں نے احکامات کی پیروی سے کبھی انکار نہیں کیا' سر لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ میرے خلاف......''

''نو۔ آرگومنٹس (no arguments) پلیز......''

آئی جی نے الٹی آنکھ کی پلک جھپکا کر افسرانہ انداز میں کہا۔

''شکایت کی تفتیش کے بعد آپ کے فائنل آرڈز بھی کر دیے جائیں گے۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔''

اورنگ زیب کے لیے یہ عجیب صورت حال تھی' وہ آئی جی کے اشاروں سے سمجھ رہا تھا کہ اسے نے کسی مجبوری کی بنا پر ایک عارضی قدم اٹھایا ہو گا لیکن......وہ مجبوری کیا تھی؟......ایسے حالات اچانک کیسے پیدا ہو گئے تھے جس نے آئی جی کو بھی وقتی طور پر عضو معطل بنا دیا تھا؟

''تھینک یو سر......'' اورنگ زیب نے بھی وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے خشک لہجہ اختیار کیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتا آئی جی کے کمرے سے باہر نکل گیا لیکن......کچھ باتیں تھیں جو اس کے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر ابھر رہی تھیں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ آئی جی نے اپنی پہلی کانفرنس کے دوران بھی کہا تھا کہ وہ پہلی فرصت میں ملازمت سے باعزت مستعفی ہونے کا منتظر ہے۔ اس کا ریزگنیشن کسی وجہ سے منظور نہیں ہو رہا تھا۔ کانفرنس کے دوران اس نے تمام افسران سے

تعاون کی درخواست کی تھی۔ کچھ دنوں بعد اس نے اورنگ زیب کو براہ راست آفس بلا کر یہ بھی کہا تھا۔

''جب تک میں اس کرسی پر ہوں' آپ کو موجود سیٹ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا' دس از مائی کمٹمنٹ (this is my commitment)''اور اب اسی نے کسی دباؤ میں آ کر اورنگ زیب کا تبادلہ کر دیا تھا۔اشاروں سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اس قدم کو اٹھانے پر مجبور تھا......وہ دباؤ کس قسم کا تھا؟......آئی جی ہوتے ہوئے اگر وہ کسی کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا تھا تو وہ شخصیت کس کی تھی......؟

اورنگ زیب اسی معمے کو حل کرنے میں الجھ رہا تھا۔

✣✣✣

شیلا ورما اس وقت بھی حسب معمول نائٹ سوٹ میں تھی جب جونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔اس نے ایک نظر شیلا ورما کے گداز جسم پر ڈالی' ورزش اور خوش خوراکی نے اس کے جسم کے ایک ایک حصے کو صنف مخالف کے لیے خوب صورت ترین سانچوں میں ڈھال رکھا تھا' اس کے پرستاروں میں شہر کے بڑے بڑے لوگ شامل تھے لیکن وہ ان کی نظروں کو سینکنے کی حد سے کبھی آگے نہیں بڑھی تھی' شاید یہی وجہ تھی جو ان پرستاروں کی صف میں کچھ ذاتی دشمنیاں بھی سر ابھارنے لگی تھیں لیکن شیلا ورما صرف جونی کی پرستار تھی جس نے اس کی خواہشات کے ساتھ اس کے بزنس کو بھی چمکا رکھا تھا۔

جونی کو دیکھ کر اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی پھر دیوان پر نیم دراز ہو کر اس نے خلاف توقع جونی کے چہرے پر طاری سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے مدھم مگر نشیلی آواز میں پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ آج تم کس خیال میں گم ہو؟''

''ایک مشورہ دوں مانو گی؟'' جونی نے سنجیدگی سے کہا۔

''مشورہ نہیں۔تم مجھے حکم بھی دے سکتے ہو۔'' شیلا ورما نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔''اس کی وجہ بھی تم جانتے ہو۔''

''میں سمجھی نہیں......''

''مجھے شبہ ہے کہ کسی نہ کسی ایجنسی کے کچھ سادہ لباس والے میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔''

''تم صرف ایک نام بتا دو......باقی بندوبست میں کروں گی۔'' شیلا ورما نے بڑے پر اعتماد انداز میں کہا۔

''اپنے اور تمہارے راستے کے پتھروں کو ٹھوکر مار کر ہٹانا میرے لیے کچھ دشوار بھی نہیں ہو گا۔''

شیلا ورما نے جونی کے خشک لب و لہجے کو محسوس کیا تو کسی آدم خور شیرنی کی طرح اٹھ کر خواب گاہ میں ٹہلنے لگی' وہ محسوس کر رہی تھی کہ مس ڈکسن سے ملاقات کرنے کے بعد ہی جونی کے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہو گئی تھیں' اس کے ذاتی مخبر دوسروں پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ جونی کی

نقل وحرکت کو بھی واچ کرتے تھے......اسی ذریعہ سے اسے جونی اور مس ڈکسن کی ملاقات کا علم تھا مگر اس نے ابھی تک جونی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی۔شاید اس لیے کہ جونی اس سونے کی کان کنجی تھا جسے وہ نظر انداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''ڈونٹ بی سنٹی منٹل شیلا......''جونی نے اس بار بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔''میں نے اس وقت مشورہ دیا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرو......ہمیں مل بیٹھ کر بدلتے حالات پر غور کرنے ضرورت ہے۔''

''تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے......؟''شیلا ورما قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی گئی۔

''ہر اس فرد واحد پر جواب تک ہمارے کاروبار سے منسلک رہا ہے۔''جونی نے اسے ر کرنے کی خاطر ہاتھ تھام کر قریب بیٹھا لیا۔

''کوئی سرفہرست بھی ضرور ہو گا؟''شیلا نے جونی کی کمر کے گرد اپنی بانہوں کا حصار لیا۔لگاوٹ بھرے انداز میں بولی۔''میں محسوس کر رہی ہوں پچھلے کچھ دنوں سے تم نے میری ذا میں دلچسپی لینی بھی کم کر دی ہے۔''

''یہ تمہارا وہم ہے......''

''پھر......''شیلا ورما کے اندر کی عورت تلملا اٹھی۔

''حقیقت کیا ہے؟''

''جذبات سے کام نہیں چلے گا ڈارلنگ!''جونی اس کا ہاتھ تھام کر ڈبل بیڈ پر لے گیا۔بے تکلفی کی فضا قائم کرتے ہوئے سوال کیا۔''کیا تم واقف ہو کہ جو لڑکیاں میرے ساتھ بھیجی جاتی ہیں ان کی آخری منزل کیا ہوتی ہے؟''

''نہیں......مجھے صرف آم کھانے سے غرض ہوتی ہے' پیڑ گننے کی ضرورت میں نے کبھی محسوس نہیں کی۔''

''اب کرنی ہو گی......''

''کیوں؟......تمہیں کس بات کا خوف ہے؟''وہ پھر الجھنے لگی۔''اس وقت تمہارے ذہن میں کیا گونج رہا ہے؟......مجھے کھل کر بتاؤ' میں پہیلیاں بوجھنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''ہمارے پارلر سے صرف وہ لڑکیاں طلب کی جاتی ہیں جن کا تعلق پوش علاقوں اور اثر ورسوخ رکھنے والوں سے ہوتا ہے۔ایسے گھرانوں کی اپنی عزت اور شہرت بھی عزیز ہوتی ہے۔ماڈرن اور خوب صورت لڑکیاں بھی اس کی اہمیت سے واقف ہیں' اسی لیے وہ پہلی بار برباد ہونے کے باوجود اپنی زبان نہیں کھولتیں......ضرورت پڑنے پر ان کے والدین خاموشی سے ان کا علاج بھی کہیں نہ کہیں سے مختلف انداز میں تلاش کر لیتے ہیں۔''

''اسی وجہ سے ان کی ڈیمانڈ بھی زیادہ ہے جس کے عوض ہم منہ مانگی قیمت بھی وصول کر لیتے ہیں۔''

''ان لڑکیوں کی آنکھوں پر پٹی بھی نہیں ہوتی اس لیے وہ شکاری کی شکل وصورت بھی ضرور یاد رکھتی ہوں گی؟''

''تم ایک بات بھول رہے ہو جونی۔'' شیلا نے اس کے اور قریب ہو کر سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''کسی نشے کا ذائقہ اگر ایک بار منہ کو لگ جائے تو پھر وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز وہی نشہ ختم کر دیتا ہے......اس کی ایک جیتی جاگتی مثال تمہارے پہلو میں بھی میری شکل میں موجود ہے۔کیا تم اس بات سے انکار کرسکو گے؟''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' جونی نے اپنے ہاتھوں کا حلقہ مزید تنگ کر لیا۔''میرے لیے تمہارے علاوہ خود اپنی مثال بھی موجود ہے' میں نے جان محمد سے جونی بننے تک جو منزلیں طے کی ہیں' تم بھی ان سے ناواقف نہیں ہو۔یہی تجربات زندگی کا نچوڑ ہوتے ہیں' ہماری مختلف ایجنسیوں کے افسران بھی ان باتوں سے لاعلم نہیں ہوں گے۔ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور مثال بھی ہماری زندگی کے لیے اہم ہے۔''

''کیا......''

''پانچوں انگلیاں برابر بھی نہیں ہوتیں۔'' جونی نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔''جس وقت میں یتیم خانے میں تھا اس وقت تیرہ سال کا ہونے کے باوجود مجھے اس کے تقدس کا احترام تھا۔بے سہارا بچوں کی پرورش کی آڑ میں جو مذموم کاروبار ہو رہا تھا اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب کسی ایک فرض شناس افسر نے وہاں ریڈ (raid) کی تھی' اسی بھگدڑ میں شامل ہو کر میں بھی فرار ہو گیا۔میرے پاس سر چھپانے کا کوئی کمزور سہارا بھی نہیں تھا لیکن وقت کی رفتار نے آج مجھے تمہارے اس بیڈروم تک پہنچا دیا جہاں کل تک کوئی اپنا جائز حق استعمال کر رہا تھا۔اب اس کی جگہ جو ہو رہا ہے کیا تم اسے جائز ثابت کرسکو گی؟''

''وہاٹ نان سینس!'' شیلا جونی کے ہاتھوں کے حصار تڑپ کر باہر نکل گئی' اسے گھورتے ہوئے بڑے تلخ انداز میں بولی۔''اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی تمہاری مردانہ صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔کیا یہ غلط ہے......؟''

''میں نے کب انکار کیا مائی سوئٹ ہنی۔'' جونی نے اس کا ہاتھ تھام کر دوبارہ اپنے پہلو میں گھسیٹ لیا' خواہشات کے نازک ساز کے تاروں کو چھیڑتے ہوئے اس نے اپنی بات بھی کہہ ڈالی۔''یتیم خانے پر پرریڈ کرنے والا ایماندار افسر دنیا میں تنہا نہیں تھا۔اس کا کوئی نہ کوئی ہم پیالہ اب بھی کہیں نہ کہیں سانس لے رہا ہوگا......''

''اوہ......آئی سی۔'' شیلا نے اس بار جونی کے کشادہ سینے میں سر چھپا کر پہلی بار سنجیدگی سے جواب دیا۔''میں اب تمہاری باتوں کی گہرائی تک پہنچ رہی ہوں لیکن اس وقت نہیں جونی ڈارلنگ۔روشنی کی باتیں اندھیروں میں اچھی بھی نہیں لگتیں......''

''اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے کمرے میں پارٹیشن بنا کر اپنی میز بھی یہیں شفٹ کر لوں۔'' سراج نے اورنگ زیب کے کمرے میں داخل ہو کر رسمی علیک سلیک کے بعد کہا۔ حسب معمول وہ اورنگ زیب کا فون ملتے ہی سارے کام چھوڑ کر آ گیا تھا۔

''تم اس وقت کوئی اور دعا مانگتے تو شاید وہ بھی قبول ہو جاتی.....'' اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا۔

''قبولیت کی گھڑیاں بار بار نہیں آتیں.....''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھ پر بھروسا ہو تو چارج رپورٹ پر آنکھ بند کر کے دستخط کر دو۔'' اورنگ زیب نے جو چارج رپوٹ تیار کرا رکھی تھی اس کی فائل سراج کے سامنے رکھتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا۔ ''میرا فوری تبادلہ ہیڈ کوارٹر میں دیا گیا ہے۔''

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' سراج نے حیرت کا اظہار کیا۔

''جو کہوں گا سچ کہوں گا..... سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔'' اورنگ زیب نے اس بار عدالتوں میں حلف لینے والا انداز اختیار کیا۔ ''کچھ نہ معلوم رپورٹس کی بنا پر آئی جی نے جو آرڈرز کیے ہیں اس کی نقل بھی فائل میں موجود ہے۔''

''لیکن.....'' سراج ٹپٹا گیا۔ ''یہ سب کچھ اس قدر اچانک کیسے ہو گیا.....؟''

''گردشیں انوی ٹیشن دے کر نہیں آتیں۔ اسی طرح اچانک آتی ہیں اس لیے پریشان مت ہو۔ چارج رپورٹ پر دستخط کر کے میری کرسی سنبھالو۔ مجھے آج ہی آفرنون میں ڈیوٹی میں رپورٹ کرنے کا حکم ملا ہے۔''

''کیا اس اچانک تبدیلی میں بھی آکٹوپس کا ہاتھ ہو گا جو مر کر دوبارہ زندہ ہو گیا ہے؟''

''اور بھی بہت کچھ ممکن ہے۔'' اس بار اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس موضوع پر رات تمہارے ڈرائنگ روم میں بات ہو گی۔ تم فکر مت کرو' جو آرڈر کہیں اوپر سے آئے ہیں وہ میری ایک فون کال پر کسی کی وساطت سے فوری منسوخ بھی ہو سکتے تھے لیکن فی الحال میں نئے آئی جی کے آرڈرز کی تکمیل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔''

''اس میں کیا مصلحت ہے؟'' سراج نے اسے وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

''وہ تین روز اور ذہنی جمناسٹک کر لو..... اس کے بعد جو بھی ہو گا' سب کے سامنے آ جائے گا۔''

سراج جواب میں کسمسا کر رہ گیا۔ فائل دیکھنے کے بعد اس نے اورنگ زیب کے اصرار پر دستخط کرنے سے گریز نہیں کیا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اورنگ زیب کے اچانک تبادلے نے اسے اندر سے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔

''اب ایک سلسلے میں وقتی طور پر رسماً ہی سہی لیکن مجھے تمہاری آفیشل اجازت بھی درکار ہے۔'' اورنگ زیب نے سراج کی دلی کیفیت محسوس کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''جو فائل تم نے فراہم کی تھی اس میں اپنے ساتھ لے جانے پسند کروں گا تا کہ کل تک اس کا تفصیلی مطالعہ بھی کرلوں۔''

''کیا آپ کو اجازت کی ضرورت ہے......؟''سراج کی آواز ابھرتے لگی تو اورنگ زیب نے اسے بڑی اپنائیت سے ڈانٹا''حماقت نہیں' میں واپسی کے آرڈر کرانے میں تین روز سے زیادہ نہیں لوں گا۔ایس پی کے عہدے سے زیادہ مجھے ان مجرموں کی فکر ہے جو اندر ہی اندر اپنی سازشیں جاری رکھنے کی خاطر گھٹیا چال چل رہے ہیں۔میں ان کے سامنے آخری سانس تک گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔''

کچھ دفتری امور کی ضروری باتیں سمجھانے کے بعد اورنگ زیب چارج رپورٹ کی کاپیاں لینے کے بعد سراج کے ساتھ ہی باہر نکلا......اس نے سراج کو بھی منع کر دیا تھا کہ دفتری اسٹاف سے فوری طور پر اس تبادلے کے بارے میں گفتگو نہ کرے۔

''او کے سراج۔''اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔''الماس سے کہنا رات کے کھانے پر اپنی پسند کی کوئی سوئٹ ڈش ضرور تیار کرلے' کھانے کے بعد تم سے تفصیلی باتیں ہوں گی۔''

اورنگ زیب کی کار پھاٹک سے گزر جانے کے بعد بھی سراج دو چار منٹ اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔پھر دوبارہ کمرے میں آ گیا لیکن......اس نے عارضی طور پر بھی اورنگ زیب کی خالی کرسی پر بیٹھنا گوارہ نہیں کیا۔

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

افضل خان واش روم سے باہر نکلا تو شبنم اسے دیکھ کر چونکی۔ وہ اس وقت افضل خان کے بجائے کوئی لاابالی اینگلو انڈین لگ رہا تھا' شبنم اٹھ کر تیزی سے اس کے قریب چلی گئی۔
''تم...... اس وقت کہاں جا رہے ہو؟'' افضل خان نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے جواب دیا۔
''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''
''میری بات ٹھنڈے دل سے سنو۔'' وہ شبنم کو لے کر صوفے پر آ گیا۔ ''بگ باس کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اپنی سابقہ غلطیوں کی تلافی کی خاطر اب یہ زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم ایس پی اورنگ زیب اور مسٹر سراج کا ساتھ دیں۔ مر گئے تو شہید...... زندہ رہے تو غازی۔''
''میں سمجھ رہی ہوں کہ اس وقت ہم نہایت نازک سچویشن سے گزر رہے ہیں' لیکن اس وقت تم اس حلیے میں کہاں جا رہے ہو؟'' شبنم نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اس سوال کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ ہم دونوں ہی کبھی بگ باس کی بساط کے اہم ترین مہرے رہ چکے ہیں' اس کے آدمی ہماری نقل و حرکت سے بے خبر بھی نہیں ہوں گے۔''
''میں تمہارے خیال سے صد فیصد متفق ہوں' لیکن تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ مسٹر سراج نے اگر ہمیں یہاں رکھا ہے تو اس کے کچھ سادہ لباس والے بھی ہماری طرف سے غافل نہیں ہوں گے۔''
''جانتی ہوں لیکن تھریسا کے ساتھ جو صورت حال پیش آ چکی ہے اس میں میڈم روبی جیسی محتاط خاتون کا تمام اختیار کا حصار ٹوٹ کر بکھر گیا تھا......'' شبنم نے ہونٹ چباتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔ ''ہم دونوں کے غم مشترک ہیں اس لیے تھریسا والی بات کا ذکر بھی اس نے میرے علاوہ صرف الماس سے کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ الماس نے مسٹر سراج سے بھی اس خبر کو پوشیدہ رکھا ہو۔''
''پھر الماس کو بھی درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''
''میڈم نے براہ راست ایس پی اورنگ زیب کو فون کرنا کسی وجہ سے مناسب نہیں سمجھا تھا۔'' شبنم نے جملہ مکمل کر کے پھر اپنا سوال دوہرایا۔ ''کیا تم بھی کسی خاص وجہ سے نہیں بتانا چاہتے کہ اس وقت......''
''ایسا دوبارہ کبھی نہ سوچنا۔'' افضل خان نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''اب ہم ایک ہی کشتی

کے سوار ہیں' جئے تو بھی ساتھ ساتھ اور اگر ڈوبنے لگے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے رہیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تم اس سوال کو اب تک کئی انداز میں دہرا چکے ہو افضل۔'' شبنم نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔ ''کچھ دنوں اور انتظار کر لو' صرف دو چار دن' اس کے بعد جب تم کہو گے میں تم سے کورٹ میرج کر لوں گی۔''

''دو چار دن میں کیا ہو جائے گا......؟''

''میں اپنے آپ کو سمیٹنے کی کوشش کروں گی۔ گزرے ہوئے نشیب و فراز نے ذہن کو الجھا دیا ہے۔''

جواب میں افضل خان نے شبنم کو شانوں سے تھام کر اپنے سامنے کر لیا' اس کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ ''میں کل بھی تمہارا تھا...... آج بھی تمہارا ہوں اور کل بھی تمہارا ہی رہوں گا۔''

''لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ اس وقت کہا جا رہا ہوں۔'' شبنم نے اس بار ایسے خوب صورت انداز میں اپنا سوال کیا کہ افضل خان اس سے بے اختیار لپٹ گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

''تم نے وشنو کا نام کبھی سنا ہے......؟''

''ہاں...... تم نے لوچن کے معاملے میں اس کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ وہ اور لوچن ملٹری انٹیلی جنس کے پہرے میں کسی ہوٹل میں مقیم ہیں۔''

''اپنی معلومات میں ایک بات کا اضافہ اور کر لو......'' افضل خان نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

''وشنو جب اپنی بیوی کو قتل کرنے کے بعد بارڈر کراس کر کے یہاں آیا تھا تو کسی نہ کسی طرح بلیک ٹائیگر کے ذریعہ اس کی رسائی بگ باس تک ہو گئی تھی پھر...... بلیک ٹائیگر کی موت کے بعد بگ باس اس کو خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتا رہا...... بعد میں لوچن اور وشنو کی ملاقات کسی وجہ سے اورنگ زیب کی وساطت سے ہوئی۔ دونوں ایک ساتھ ہی جیل سے فرار بھی ہوئے تھے۔ وشنو آج بھی انٹرپول کو مطلوب ہے۔ لیکن میک اپ کی مہارت اور اپنی صلاحیت کی بنا پر ابھی تک بچتا رہا۔ ایس پی اورنگ زیب کے اشارے پر ان دونوں کو اس وقت فرار کا موقع فراہم کیا گیا جب ملٹری کا ایک ٹرک انہیں اپنے ہیڈ کوارٹر لے جا رہا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ وشنو کو ایک زینہ بنا کر بگ باس کو جکڑا جا سکے۔ لیکن کل رات وشنو تمام پہرے داروں کو ڈاج دے کر نکل گیا۔ نگرانی کرنے والوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وشنو پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی سے بھی چھلانگ لگا کر نکل جائے گا...... صبح سے مختلف ایجنسی کے افراد کونا کونا جھانک رہے ہیں۔''

''پھر...... تم بھی کیا کر لو گے؟'' شبنم نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''تم ماسٹر مجید اور جبرو کو کیوں بھول رہی ہو۔'' افضل خان نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر

کہا۔ ”مجھے بھی کسی ذریعے سے بھنک ملی ہے کہ وشنو اس وقت کہاں اور کس بھیس میں بیٹھا سکون کے سانس لے رہا ہے۔“

”اوہ......“ شبنم چونکی۔ ”کیا تم نے ایس پی اورنگ زیب کو اطلاع کر دی ہے۔؟“

”ابھی نہیں......“ اس بار افضل خان میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ”وشنو کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کے بعد میں بھی ایجنسی والوں کو اپنی اہمیت کا احساس دلانا پسند کروں گا۔ شاید اس طرح ہمیں زیادہ آسانیاں بھی مل جائیں۔“

”اس میں خطرہ بھی زیادہ ہے۔“

”فکر مت کرو‘ میں نے بھی اسی دشت کی سیاحت کی ہے......کام آ گیا تو گناہوں کا کفارہ بھی ادا ہو جائے گا۔“

”میں تمہیں روکوں گی نہیں لیکن......ایک درخواست ضرور کروں گی۔“ شبنم نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ”وشنو سے نمٹ لو تو جبرو کو بھی معاف نہ کرنا......“

”تم نہ بھی کہتیں تو بھی جبرو میری فہرست پر پہلے نمبر پر ہی رہتا......اسلم ڈنکا کی قسمت اچھی تھی جو وہ اسپتال ہی میں زخموں کو تاب نہ لا کر چل بسا لیکن جبرو......میں اسے سسکا سسکا کر بڑی اذیت ناک موت ماروں گا۔“ افضل خان اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد رکا نہیں تیزی سے اٹھا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

✣✣✣

ہیڈ کوارٹر میں ڈیوٹی رپورٹ کرتے وقت اورنگ زیب پھر آئی جی کے سامنے موجود تھا‘ اس نے چارج رپورٹ کی ایک کاپی آئی جی کے سامنے رکھ دی جس کے اوپر ایک تحریری چٹ بھی موجود تھی۔

”وقت پر ہمیشہ وہی کام آتے ہیں جن پر انسان اعتماد کرے۔ میں ہر حال میں آپ کی خاطر کوئی بھی خطرہ مول لے سکتا ہوں۔ جب چاہے آزما کر دیکھ لیں۔“

آئی جی نے چٹ پڑھنے کے بعد اسے گولی بنا کر جیب میں ڈال لیا تو اورنگ زیب نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آپ کے آرڈر کی تعمیل میں‘ میں آج ہی رپورٹ کر رہا ہوں لیکن ہو سکتا ہے کہ میں یہاں زیادہ وقت نہ دے سکوں۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو......؟“ آئی جی کا لہجہ بھی روکھا تھا۔

”یہاں کام کرنے کی صورت میں‘ میں یہ جاننا چاہوں گا سر......کہ میرے خلاف کس نے اور کس قسم کی رپورٹ کی ہے؟“

”ضروری نہیں کہ ہر کیس میں چارج شیٹ ایشو کی جائے۔“ آئی جی نے تیزی سے جواب دیا۔ ”آپ کے خلاف جو رپورٹس ہیں ان کی انکوائری میں ذاتی طور پر بھی کر سکتا ہوں۔“

''ایز یو وش سر......'' اورنگ زیب نے بہ دستور سرد انداز میں کہا......''میں صرف اتنا ہی عرض کروں گا کہ ہر پتھر اپنی جگہ بھاری ہوتا ہے۔''

''تم......'' آئی جی قدرے اونچی آواز میں بولا۔

''مجھے چیلنج کر رہے ہو؟''

''جی نہیں......'' جواب میں اورنگ زیب کی آواز بھی تیز ہو گئی۔''میں نے ڈسپلن کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی مگر دوسروں کی طرح مجھے بھی اپنی عزت عزیز ہے۔آپ نے جس انداز میں میرا تبادلہ کیا وہ آپ بہتر جانتے ہوں گے۔میں اب اسے جاننے کی کوشش بھی نہیں کروں گا لیکن جو ذمے داریاں مجھے سونپی جا چکی ہیں ان کو پورا کرنے سے ہاتھ نہیں کھینچوں گا۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''میں شیخ حامد کی بات کر رہا ہوں......جس کو میں اپنی زبان میں آکٹوپس کہتا ہوں۔''

''میں اسے مداخلت بے جا سمجھوں گا۔'' آئی جی نے درشت لہجے میں کہا۔''آپ جو کرسی چھوڑ چکے ہیں اب اس سے متعلق کسی فائل کو ہاتھ لگانا بھی آپ کے اختیار میں باقی نہیں رہا۔''

''یو آر رائٹ سر۔'' اورنگ زیب نے طنزیہ آواز میں کہا۔''اسی لیے میں بھی اسی سیٹ پر واپس جانے کی کوشش کروں گا۔''

''او کے'گیٹ لاسٹ......'' آئی جی نے غصے سے کہا پھر مسکرانے لگا۔اورنگ زیب نے اسے سلام کیا۔چہرے پر سنجیدگی طاری کیے باہر آگیا۔

✣✣✣

فائیو اسٹار ہوٹل کے رجسٹر میں ضروری کوائف درج کراتے وقت اس غیر ملکی سیاح نے اپنا انٹرنیشنل پاسپورٹ کاؤنٹر کلرک کے سامنے رکھ دیا تھا جس پر اس کی تصویر بھی چسپاں تھی۔اس کا نام ہنری براؤن تھا'تعلق نارتھ امریکا سے تھا'وہ سیاحی کی غرض سے آیا تھا۔

ضروری کارروائی کے بعد ہوٹل کے پورٹر نے اس کو لفٹ کے ذریعے دوسرے فلور کے روم نمبر دو سو اکیس تک پہنچا دیا تھا'بعد میں اس کا مختصر سامان رکھ کر جانے لگا تو ہنری براؤن نے اسے ڈالر کی شکل میں انعام بھی دیا......پورٹر کے جانے کے بعد اس نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا جو ہر اعتبار سے آرام دہ تھا۔اس کام سے فارغ ہو کر اس نے روم سروس کو کال کر کے اپنے لیے کلب سینڈوچ اور بلیک کافی کا آرڈر دیا پھر ایک صوفے پر بیٹھ کر اس نے ٹی وی کا سوچ آن کر کے اینمل پلینٹ کا چینل لگا لیا تھا۔

روم سروس کو آرڈر دینے کے بیس منٹ بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ہنری نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک خوب صورت ہوسٹیس ٹرے لیے اس کے سامنے موجود تھی۔ہنری ایک طرف ہو گیا۔ہوسٹیس نے ٹرے درمیانی میز پر رکھی پھر اس نے بڑے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے ہنری سے کہا۔

''آپ کو اپنے لیے جس چیز کی ضرورت ہو آپ روم سروس کو آرڈر کر دیں' ہم آپ کی مطلوبہ فرمائش پوری کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ یہ ہماری ڈیوٹی میں شامل ہے۔''
''اگر میں تم سے کچھ دیر کمپنی دینے کو کہوں تو......؟'' ہنری نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔
''سوری سر......'' ہوسٹیس نے بہ دستور مسکرا کر نفی میں جواب دیا۔''اس ہوٹل میں یہ کام نہیں ہوتا......''
''بھری ہوئی سگریٹ؟ جو عام طور پر سیاحوں کو مرغوب ہوتی ہے......'' اس بار ہنری نے مدھم آواز میں کہا۔
''میں اب اجازت چاہوں گی سر۔'' ہوسٹیس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی پھر الٹے قدموں کمرے سے نکل گئی۔
ہنری نے اس کے جاتے وقت ہلکی سی سیٹی بجائی پھر وہ صوفے پر بیٹھ کر اپنے دیے ہوئے آرڈر سے لطف اندوز ہونے لگا' اس کی نظریں اب ٹی وی اسکرین پر تھیں جہاں ایک چیتا گھاس کے درمیان آہستہ آہستہ حرکت کرتا اس ہرن کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا جو ستانے کی غرض سے ایک درخت کے تنے کے قریب بیٹھا تھا' چیتے کی حرکت جاری تھی جب ہرن چونکا۔ کسی خطرے کو محسوس کر کے تیزی سے اٹھا پھر چیتے کی حرکت جاری تھی جب ہرن چونکا۔ کسی خطرے کو محسوس کر کے تیزی سے اٹھا پھر چیتے کو دیکھتے ہی حسب عادت موت سے فرار حاصل کرنے کی خاطر تیز تیز دوڑنے کے درمیان لمبی لمبی قلانچیں بھرنے لگا۔ دونوں کا ایکشن جاری تھا جب ہنری نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر پُر جوش انداز میں کہا۔''کم آن......گٹ دی ڈیئر۔'' وہ بار بار اسی جملے کو دہرا رہا تھا جب چیتے نے بالآخر ایک لمبی جست لگا کر ہرن کو دبوچ لیا' جس کے نرخرے کو منہ میں دبائے رہا' ہرن کچھ دیر موت اور زندگی کی کشمکش سے دو چار رہا پھر اس کا بدن ساکت ہو گیا۔ دو چار منٹ اپنا سانس درست کرنے کے بعد چیتا بڑی بے دردی سے اس کا مردہ جسم بھنبھوڑ رہا تھا۔
''یس' دس شڈ بی دی ریل اٹیک (حملہ اسی انداز میں ہونا چاہیے)'' ہنری نے ایک قہقہہ لگا کر کہا' اس کے بعد اس نے چینل بدل دیا۔
ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے ٹرے ایک طرف رکھی۔ ٹی وی بند کیا پھر بستر پر آ گیا' اب وہ تکیے پشت پر رکھ کر اس پر ٹیک لگائے اپنے خیالوں میں کہیں گم تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ ہنری چونکا۔''روم سروس کی خوب صورت میزبان کو اتنی جلدی نہیں آنا چاہیے تھا۔'' اس نے سوچا پھر وہ محتاط انداز میں قدم اٹھاتا دروازے تک آ گیا' دورازہ پورا نہ کھل سکے اس لیے اس نے پیتل کی مضبوط سیفٹی چین کو دروازے کے ساتھ لگایا پھر چوکھٹ اور پلڑے کے درمیان پیدا ہونے والے تین چار انچ کے خلا سے اس نے باہر کھڑے ہوئے اینگلو انڈین کو سر تا پا دیکھ کر پوچھا۔''کون ہو تم؟''
''دشمن نہیں ہوں ورنہ......اتنی جگہ ہوتے ہی سائلنسر لگے پستول سے تمہارا جسم چھلنی کر دیتا۔''

''تم شاید غلط روم پر آ گئے ہو دوست......'' ہنری نے مہذب انداز میں کہا۔ ''میں تمہیں نہیں جانتا۔''

''میں......باس کا پیغام لے کر آیا ہوں۔'' اس بار اینگلوانڈین نے دیسی زبان میں جواب دیا۔ ''اسے خوشی ہے کہ تم نے اپنی موجودہ حیثیت میں ایک اچھے ہوٹل کا انتخاب کیا ہے۔''

ہنری ایک لمحے کو خاموش رہا۔ اس عرصے میں اس نے نہایت بے جگری سے اپنا جرمن ساخت اعشاریہ دو پانچ کا پستول رومال سمیت جیب سے نکال کر سیدھے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ اینگلوانڈین نے ایک نظر کمرے کے اندرونی حصے پر ڈالی پھر وہ آگے بڑھ کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد ہنری بھی اس کے سیدھے ہاتھ پر آ گیا' رومال کے ساتھ ہی اس نے پستول بھی اپنے کولہے سے لگا کر رکھ لیا تا کہ بروقت بہ آسانی استعمال کر سکے۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہم اپنی اپنی زبان میں بات کریں۔'' اینگلو انڈین نے مسکرا کر کہا۔ ''انگریزی بولتے وقت مجھے ہمیشہ ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی نے ہماری آزادی ہم سے چھین لی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''تمہارا نام کیا ہے......؟'' ہنری نے روانی سے دیسی زبان میں سوال کیا۔

''باس تم سے بہت خوش ہے مائی ڈیئر لیکن......اس کے خیال میں تم نے ایک اور سنہری موقع ہاتھ سے ضائع کر دیا۔''

''اوہ......'' ہنری نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں اسے غلطی نہیں بلکہ دانش مندی سمجھتا ہوں۔ باس نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں پہلی فرصت میں اس چینی کی چھٹی کر دوں......اس وقت بھی میں نے باس کی بات سے اتفاق نہیں کیا تھا......بہر حال تم اپنے آنے کا مقصد بیان کرو۔''

''اتنی جلدی کیا ہے تمہیں......''

''جب تک مکمل تعارف نہ ہو جائے میں کسی پر بھروسا بھی نہیں کرتا اور......تم اس وقت میک اپ میں ہو اس لیے میں یہی کہوں گا کہ میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

اینگلوانڈین نے جواب میں ہنری کو سنجیدگی سے دیکھا پھر کچھ توقف سے بولا۔ ''کنول نے زہر کھانے سے بعد میڈیا والوں کے پاس جا کر جو حماقت کی اس نے باس کو بہت زیادہ محتاط کر دیا ہے ورنہ شاید اس وقت وہ تمہارے پاس خود ہی آتا......''

''اسی احتیاط کے پیش نظر میں نے کسی کو کرپان سے چھلنی کر کے اوپر پہنچا دیا تھا' اس کا غم مجھے آج بھی ہے مگر اب اس کے علاوہ کوئی میری کھوج میں نہیں رہتا......'' ہنری نے اپنا جملہ مکمل کر کے پھر اینگلوانڈین کو تیز نظروں سے دیکھا۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ تم باس کو زیادہ نہیں جانتے......وہ خود سے کسی کے پاس چل کر کبھی نہیں جاتا......''

''تم نے کبھی لیاقت حسین کا نام سنا ہے؟'' اینگلوانڈین جو افضل خان کے سوا کوئی اور نہیں تھا اپنی دستی گھڑی پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''وہ کئی بار اس کا راستہ کاٹ چکا ہے۔''

''پھر......؟'' ہنری نے بھی جو وشنو کا نیا روپ تھا مختصر سوال کیا۔
''باس چاہتا ہے کہ لیاقت حسین کا پتا کچھ دنوں کے لیے صاف ہو جائے تو مناسب وہے گا۔''
''اس سے کیا خطرہ ہے؟'' ہنری نے منہ بنا کر دریافت کیا۔
''کچھ نادیدہ قوتیں اس پر مہربان ہیں جو وہ خطرے کی بُو بھانپ لیتا ہے۔''
''اگر تمہیں میرا نام معلوم ہے تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہماری مائتھالوجی میں سب سے اونچا استھان بھی وشنو دیوتا کو حاصل ہے۔کیا تمہارے ہاں بھی لیاقت حسین کا کوئی نام......''
''کام کی بات کرو......'' اینگلو انڈین نے اس بار اپنی اہمیت جتانے کی خاطر کہا پھر دوبارہ دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے خشک لہجے میں کہا۔''باس نے جو کہا تھا وہ کام میں نے تمہارے کان میں ڈال دیا۔''
''وقت کی کیا کمی ہے تمہارے پاس جو تم بار بار گھڑی دیکھ رہے ہو؟'' وشنو نے جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی نہایت سرعت سے پستول اٹھا کر برابر بیٹھے ہوئے اینگلو انڈین پر تان لیا۔خونخوار انداز میں پھنکار کر بولا۔''دو منٹ میں سب کچھ اگل دو ورنہ میرے نکل جانے کے بعد پھر روم سروس کو تمہاری لاش اٹھانے کے ساتھ ساتھ پورے کمرے کی صفائی بھی کرنی پڑے گی۔''
''میں افضل خان ہوں......''
اوہ......'' وشنو زہر خند لہجے میں بولا۔''افضل خان......لیکن میری اطلاع کے مطابق باس نے تمہیں کسی ناکارہ پرزے کی طرح نکال کر پھینک دیا تھا۔اب تم کس مقصد سے آئے ہو......؟''
''ناکارہ ہونے کے باوجود میں نے تمہیں ملٹری انٹیلی جنس یا پولیس فورس سے پہلے تلاش کرلیا۔'' افضل خان نے بے جگری سے جواب دیا۔''کیا تم بھی اس بات کا اعتراف نہیں کرو گے کہ ابھی تک انٹرپول والے بھی تمہاری تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔''
''گڈ......تمہاری معلومات انتہائی خطرناک حد تک درست ہیں۔'' وشنو کی انگلی ٹریگر تک رینگ گئی۔''میں تمہاری تعریف ضرور کروں گا لیکن اب تمہیں مارنا بھی میری ترجیحات میں پہلا نمبر اختیار کر گیا ہے۔''
''یہ شوق بھی پورا کرلو لیکن......اب تم یہاں سے فرار نہیں ہوسکو گے۔''
کمرے میں ہلکی سی ''کلک'' کی آواز ابھری لیکن......یہ آواز وشنو کے پستول کے ٹریگر کی نہیں تھی،وشنو نے بھی تیزی سے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔جو تین مسلح افراد برق رفتاری سے اندر داخل ہوئے وہ وشنو کے لیے ملٹری انٹیلی جنس کے دیکھے بھالے چہرے تھے۔انہوں نے یقیناً ہوٹل مینجمنٹ سے کمرے کی ڈپلی کیٹ چابی حاصل کی تھی ورنہ وشنو نے افضل خان کے اندر آنے کے بعد اندر سے گردوپیش کا جائزہ لیا پھر مسکرا کر اپنا پستول فرشی قالین پر اچھال کر بڑی دیدہ دلیری سے افضل خان سے بولا۔
''تم ذہین ہی نہیں......چالاک اور دور اندیش بھی ہو میری جان لیکن......وشنو کو دھوکا دے کر تم

نے اچھا نہیں کیا۔“

”تمہاری طرح میں بھی دشمن کو للکار کر مارنے کا عادی ہوں وشنو مہاراج......ورنہ کمرے میں داخل ہوتے ہی تمہیں ختم کر سکتا تھا۔“ افضل خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

”تم بھی کسی اگلی ملاقات کے وقت میری اس کرپا (مہربانی) کو بھول نہ جانا۔“

جواب میں وشنو کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگی پھر اس نے خود کو ملٹری انٹیلی جنس والوں کے حوالے کرنے میں کسی حیل وحجت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

⁂

اورنگ زیب ٹھیک آٹھ بجے سراج کے گھر پہنچا تو الماس نے بتایا کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

”ایسا کیا کام پیش آ گیا......؟“

”انہیں آپ کے سیٹ چھوڑنے کا غم بھی لاحق ہے۔“

الماس نے کہا۔ ”ہونا بھی چاہئے‘ آپ نے جو پیار ہمیں دیا ہے وہ پہلے کبھی کسی پولیس آفیسر سے نہیں ملا۔“

”جتنی دیر میں تم نے یہ جملہ کہہ کر وقت ضائع کیا اتنی دیر میں ایک گلاس ٹھنڈا پانی بھی لا سکتی تھیں۔“

اورنگ زیب نے اس کی رسمی باتوں سے بچنے کی خاطر کہا۔ وہ بھی جانتا تھا کہ سراج کے دل میں اس کی کس قدر عزت واحترام ہے۔ خود اورنگ زیب بھی ان دونوں سے بہت جلد مانوس ہو گیا تھا۔ پھر جتنی دیر میں الماس پانی لاتی سراج بھی آ گیا۔ اس وقت وہ سادہ لباس ہی میں تھا اس لیے سیدھا اورنگ زیب کے قریب آ گیا۔ ”کیا ڈبل ڈیوٹی سے ایک دن میں ہی......“

”جی نہیں......“ سراج نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔

”آپ کے جانے کے بعد میں بھی وہاں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں رکا تھا۔“

”پھر اتنی دیر کہاں ہو گئی......؟“

”ڈی آئی جی نے اپنی دم میں باندھ رکھا تھا۔ وہ آپ کے تبادلے کو ایک معما سمجھ رہا ہے۔ جن دوسرے افسروں کو بھنک ملی ہے وہ بھی چہ مگوئیاں کر رہے ہیں۔ دیر سے آنے کی ایک اہم وجہ اور بھی ہے جس نے مجھے الجھا دیا ہے۔“ سراج نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ میں بھی کل کسی پرائیوٹ ڈاکٹر کا میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کر کے چار روز کی چھٹی......“

”ایسی حماقت بھول کر بھی مت کرنا۔“ اورنگ زیب نے اسے محبت سے سمجھایا۔ ”میں دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔“

”میں بھی آئی جی کی باتوں پر خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ اورنگ زیب آئی جی کا نام سن کر چونکا۔ ”کیا اس نے تمہیں بلایا تھا؟“

''جی ہاں......صرف یہ ہدایت دینے کی خاطر کہ فی الوقت جو بھی چارج میرے پاس ہے اس کی کسی فائل کو آپ کے حوالے نہ کروں......اور ہاتھ بھی لگانے کی اجازت نہ دوں۔''

''گڈ......'' اورنگ زیب نے خوشی کا اظہار کیا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آئی جی اب حالات کے پیش نظر دوراندیشی سے کام لے رہا ہے۔''

''اس میں دوراندیشی کیا خاک ہے۔'' الماس نے درمیان میں اپنے جذبات کا اظہار بھی ضروری سمجھا۔

''اتنی جلدی کوئی پالتو جانور بھی منہ نہیں پھیرتا جتنا یہ نیا آئی جی......''

''ون منٹ پلیز......'' اورنگ زیب نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''آئی جی نے جو بھی کیا ٹھیک ہی کیا ہے' موجودہ صورت حال میں سچویشن کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں اور آئی جی دونوں ایک دوسرے سے ظاہری طور پر برسرپیکار رہیں۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔'' سراج نے وضاحت چاہی۔ ''کیا جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب نورا کشتی ہے؟''

''یہی سمجھ لو لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ اس کی بھنک بھی گھر سے باہر نہ جانے پائے۔'' اورنگ زیب نے دبی زبان میں کہا۔ ''تم دونوں جذباتی نہ ہوتے تو شاید اس وقت میں تم دونوں کو یہ بات نہ بتاتا۔''

''اچھا ہوا آپ نے یہ بات میرے کان میں ڈال دی ورنہ......''

''خود کو میری طرح ٹھنڈا رکھو......'' اورنگ زیب نے اس بار معنی خیز انداز میں الماس کی طرف دیکھتے ہوئے سراج سے کہا۔ ''بہت سی باتیں ایسی ہیں جو الماس نے مجھ پر اعتماد کر کے بتائی ہیں لیکن میں تمہیں ان باتوں سے بھی بے خبر رکھتا ہوں۔''

''یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے......'' سراج نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آپ دونوں حضرات اٹھ کر منہ ہاتھ دھولیں۔ میں کھانا لگانے جا رہی ہوں۔'' الماس نے وہاں سے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی' اورنگ زیب نے جو جملہ اس کے متعلق کہا تھا وہ اسے سن کر صرف مسکرا دی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ تھریسا کے اغوا اور واپسی کی جو بات اس نے اورنگ زیب کو اعتماد میں لے کر بتائی تھی اس کا ذکر بھی اس نے سراج سے نہیں کیا ہوگا۔ خود میڈم روبی نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کا ذکر اورنگ زیب کے سوا اور کسی سے نہ کیا جائے۔

کھانے کے دوران زیادہ تر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں' الماس نے میٹھے میں اورنگ زیب کی پسند کی ڈش خوبانی کا میٹھا' تیار کیا تھا۔ سراج نے اسے کھانا شروع ہونے سے بیشتر ہی اٹھا کر اورنگ زیب کے سیدھے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔ کھانے کے بعد جتنی دیر میں الماس کافی تیار کرنے گئی اورنگ زیب لاؤنج میں بیٹھا سراج کو دبی زبان میں حالات کی اونچ نیچ سمجھانے کے ساتھ کچھ ضروری ہدایات دیتا رہا پھر کافی ختم کرنے کے بعد وہ اس شاپنگ بیگ کو لے کر اپنی

خواب گاہ میں چلا گیا جس میں سکندر علی شاہ کی فائل موجود تھی۔ کمرا بند کرنے کے بعد اس نے ایک سرسری نظر پوری فائل پر ڈالی پھر وہ بادامی لفافہ فائل سے الگ کر لیا جس پر ''مائی فائنڈنگس'' (my findings) کے ساتھ سب انسپکٹر رانا حمید کا نام درج تھا۔ یہ رپورٹ تقریباً ساڑھے تین صفحے پر مشتمل تھی جس کی پہلی ہی لائن نے اورنگ زیب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ پوری توجہ سے رپورٹ پڑھنے لگا۔ سب انسپکٹر رانا حمید نے لکھا تھا۔

''جس روز سکندر علی شاہ کی فائل ایس پی اینٹی کرپشن نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر میرے حوالے کی میں نے اسی دن سمجھ لیا تھا کہ اب میری بدقسمتی کے دن زیادہ دور نہیں ہیں۔ میری کیفیت فائل لیتے وقت اس بچے سے مختلف نہیں تھی جس کی عمر آٹھ نو سالہ رہی ہو...... جو کسی پارک میں بیٹھا ماحول سے خوش ہو رہا ہو پھر جب کپڑے جھاڑ کر اٹھے تو اپنی پشت پر کسی خوفناک قد آور ایسے ریچھ کو دیکھ لے جو دو ٹانگوں پر سیدھا کھڑا اس بچے کو دبوچ لینے کے لیے تیار ہو۔

''جب فائل مجھے ملی اس وقت اس کا نام صرف سکندر علی تھا۔ شاہ کا اضافہ اس نے دنیا کی نظروں میں دھول جھونکنے کی خاطر بعد میں کیا تھا۔ اس کا تعلق ایک درمیانہ درجے سے تھا' اس کا باپ بچوں کے ریڈی میڈ کپڑوں کا کاروبار کرتا تھا۔ بعد میں کسی کی مہربانی سے وہ انہیں ایک قریبی ملک کو بھی ایکسپورٹ کرنے لگا۔ اس کا نام دلدار علی تھا جو ایمانداری سے کام کرتا تھا۔ نیک آدمی تھا اس لیے قدرت نے اسے برائی میں پڑنے سے بیشتر ہی اوپر بلا لیا۔

''باپ کی وفات کے بعد سکندر علی نے اس کاروبار کو سنبھالنے کو کوشش کی لیکن وہ شروع سے جس رنگ ڈھنگ کا عادی تھا اس کی وجہ سے اس میں سمجھ بوجھ کا فقدان بھی شامل تھا' ایک دو ماہ تک وہ گھاٹے کا سودا کرتا رہا پھر کسی نے ترس کھا کر یا اپنی کسی ضرورت کے پیش نظر اسے ہر طرح سے اتنا سپورٹ کیا کہ وہ جو درمیانہ درجے کے ایک مکان میں رہتا تھا' پوش علاقے کے بنگلے تک پہنچ گیا۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ خود سکندر علی بھی اس کی اصلی شخصیت تک رسائی حاصل نہیں کر سکا جس کے آدمی اسے سپورٹ کر رہے تھے۔ بہرحال' وہ تیزی سے کاروبار میں ہونے والی ترقی اور پھیلاؤ کے سبب کروڑ پتی کے بعد ارب پتی بن گیا' اس کی نجی زندگی کی مصروفیات جو اخلاق سے گری ہوئی تھیں' دولت کی فراوانی کے ساتھ بڑھتی گئیں۔ بدنامی سے بچنے کی خاطر اس نے شہر کے مضافاتی علاقے میں بہت بڑی زمین خرید کر وہاں اپنا فارم ہاؤس کے اندر دو ریسٹ ہاؤس تھے' ایک سکندر علی کے لیے مخصوص تھا دوسرا...... ان اثر و رسوخ رکھنے والے افراد اور سرکاری افسروں کے لیے تھا جو سکندر علی کی پشت پناہی کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔ فارم ہاؤس میں ایک داخلی راستہ تھا جہاں سکندر علی کے خاص اعتماد کے نمک حلال ملازم پہرا دیتے تھے۔ بعد میں اندرونی ریسٹ ہاؤس اور داخلی دروازے پر پہرا دینے والوں کا انچارج اس گونگے کو بنا دیا گیا جو صرف سن سکتا تھا لیکن قوت گویائی سے یکسر محروم تھا۔

''گونگے کی بھی ایک الگ کہانی ہے۔ فارم ہاؤس کا انچارج بنائے جانے سے قبل وہ سکندر علی

کے ڈرائیور کی حیثیت میں خدمات انجام دیتا رہا تھا' سکندر علی کے بیان کے مطابق وہ گونگا اس کے کسی عزیز کا لاوارث تھا جس کی پرورش سکندر علی نے ترس کھا کر کی تھی...... جو کیس فائل میرے حوالے کی گئی وہ سکندر علی کے ایک ملازم کی نوبیاہتا بیوی سے متعلق تھی جسے پہلی ہی رات مردہ حالت میں اس کے کوارٹر سے پایا گیا۔ سکندر علی نے پولیس پر یہی شبہ ظاہر کیا تھا کہ اس کی موت میں ملازم کا ہاتھ تھا۔ اس بیان کی وجہ بتاتے ہوئے سکندر علی نے کہا تھا کہ ملازم نے ایک موقع پر اس سے درخواست کی تھی کہ وہ اس شادی کو رکوا دے اس لیے کہ وہ کسی اور لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ سکندر علی نے ملازم کو جھڑک کر ٹال کر دیا۔ یہ بیان ملازم (جسے پولیس نے گرفتار کر لیا تھا) کے بیان سے قطعی مختلف تھا' قتل کے جرم میں گلے گلے پھنسنے کے بعد ملازم نے چیخ چیخ کر پولیس کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے خلاف کسی دشمن نے سازش کی ہے...... اس نے کہا تھا کہ سہاگ رات منانے سے قبل وہ کوٹھی کے کسی کام کو نمٹا رہا تھا جب دو آدمیوں نے اسے اچانک پیچھے سے نہ صرف دبوچ لیا بلکہ اس کے سر پر گلے تک کوئی سیاہ غلاف ڈال دیا جس کے سبب وہ کچھ نہیں دیکھ سکا' اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر زبان بند رکھنے کا حکم دیا گیا...... دو گھنٹے بعد اسے سیاہ غلاف سمیت اس کے کوارٹر میں دھکیل دیا جہاں اس کی نوبیاہتا دلہن مردہ حالت میں پڑی تھی۔ اس کا عروسی جوڑا مہکا مہکا نظر آ رہا تھا۔ ملازم نے شور مچایا تو اس کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسے پکڑ کر سکندر علی کے روبرو پیش کیا جس نے پولیس کو طلب کر کے اپنے مندرجہ بالا بیان کے ساتھ ملازم کو پولیس کی تحویل میں دے دیا...... ملازم کا احتجاج نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گیا۔ ملازم پر تین سو دو کی دفعہ عائد کی گئی اس لیے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بھی یہی درج تھا کہ مقتولہ کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔

''کیس عدالت کے روبرو گیا تو ملازم کے سرکاری وکیل نے بھی سکندر علی اور ایک بڑے بیرسٹر کے آگے زیادہ بولنے کی حماقت نہیں کی چنانچہ اندھے قانون نے ملازم کو وکیلوں کی بحث اور سکندر علی کے بیان کی روشنی میں مجرم قرار دے کو عمر قید کو سزا سنا دی...... میری ذاتی تحقیقات کی روشنی میں مقتولہ اور ملازم دونوں مظلوم تھے جن کو ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت کسی نے ٹریپ کیا تھا...... کس نے؟...... میں یہ کھل کر نہیں کہہ سکتا۔

''جس روز میں پہلی بار سکندر علی کوٹھی پر تفتیش کے ارادے سے گیا' اسی روز میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ خود میری حیثیت بھی اس تنکے سے مختلف نہیں تھی جو سمندر کے درمیان بپھری ہوئی سرکش موجوں کی زد میں آ کر قطعی بے بس ہو جاتا ہے۔ مجھے خلاف توقع بڑی آسانی سے کوٹھی کے ڈرائنگ روم تک پہنچا دیا گیا' شاید سرکاری وردی کا کرشمہ تھا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا لیکن زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ ڈرائنگ روم میں میرے بیٹھنے کے بعد سکندر علی بھی آ گیا۔ میرا تجربہ گواہی دے رہا تھا کہ اس وقت بھی وہ نشے میں تھا' اس نے مجھے حقارت بھری نظروں سے دیکھا پھر...... اس سے پیشتر کہ میں مقتولہ کے سلسلے میں سوال جواب کا آغاز کرتا' ایک بہکی ہوئی نوخیز کلی بھی ڈرائنگ روم میں آ کر سکندر علی کا پہلو گرمانے لگی' یہ میری سرکاری وردی کے ساتھ سکندر علی کا پہلا حربہ

تھا......میں نے خود کو سنبھال کر ایک تفتیشی آفیسر کی حیثیت میں ڈھالنے کو کوشش کی لیکن پہل سکندر علی نے کی۔

''کس لیے وقت برباد کرنے یہاں تک آگئے......؟'' یہ سکندر علی کی طرف سے گفتگو کا آغاز تھا جو اس نے پہلو میں بیٹھی ہوئی خوب صورت لڑکی کو خود سے قریب تر کرتے ہوئے کیا تھا۔

''میں آپ کے ملازم کی بیوی کے قتل کے سلسلے میں کچھ معلوم کرنے کی غرض سے......''

''میرے پاس بہت کم فالتو وقت ہوتا ہے سب انسپکٹر!'' اس نے خشک لہجے میں بھنویں سکیڑ کر کہا۔ ''میں اپنا بیان پہلے ہی دے چکا ہوں' جب کیس عدالت کے روبرو جائے گا تو میرے وکیل عدالت سے بھی نمٹ لیں گے......اور کچھ کہنا ہے تمہیں؟''

''میرے لیے کاغذات کی خانہ پُری ضروری ہے جناب۔'' کبھی کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وقت لے کر آ جانا' میں تمہیں دھتکاروں گا بھی نہیں۔''

پھر سکندر علی حسینہ کو پہلو میں لیے لیے ڈرائنگ روم سے واپس چلا گیا۔ میں اپنا سا منہ بنا کر فائل سمیٹتا باہر نکلا تو ایک منشی نے سامنے آ کر ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے اپنی اہمیت کا بھی احساس دلایا۔

''اس میں مالک کی طرف سے کرائے کے ہزار روپے موجود ہیں......پہلے وزٹ پر کسی باوردی آفیسر کی یہی فیس ادا کی جاتی ہے۔''

میرا دل چاہا کہ جواب میں منشی کے منہ پر نفرت سے تھوک دوں لیکن میں نے یہ غلطی نہیں کی۔ اپنی بزدلی کا مظاہرہ کر کے خاموشی سے لفافہ لیا اور کوٹھی سے باہر نکل کر سکون کا سانس لیا......اس کے بعد مجھے ایس پی اینٹی کرپشن نے بھی اپنے دفتر بلا کر دبی زبان میں ایک غیر متوقع مشورہ دیا تھا......

''کاغذات کا پیٹ بھرنے کے لیے کوئی ایسی ہی رپورٹ لکھنا جو حالات کی روشنی میں تم اپنے لیے بھی مناسب سمجھو......'' میں نے حالات کا رخ بھانپ لینے کے بعد اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ سرکش موجوں کے ساتھ تیرنے کی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہ کروں۔ اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ شام کے اخبارات کچھ دنوں تک سکندر علی کے کیس کی سرخیاں لگاتے رہے......جب انہیں بھی فیس مل گئی تو وہ بھی خاموش ہو گئے۔ عدالتی فیصلہ آنے کے بعد مجھے یہ فائل داخل دفتر کرانے کے آرڈر بھی مل گئے' جس کی تکمیل کے ساتھ میں اپنی فائنڈنگس بھی علیحدہ سے لگا رہا ہوں۔ لیکن کیس بند ہو جانے کے بعد بھی میرے ذہن میں ایک انجانے خوف کا احساس ہر وقت کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ کسی دن اندھیرے میں سنسناتی ہوئی کوئی انجان گولی مجھے بھی ختم نہ کر دے۔''

''آخر میں یہ بھی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عدالت کا فیصلہ حق میں آ جانے کے بعد سکندر علی نے بزرگوں کے مزار پر پابندی سے حاضری دینی شروع کر دی تھی جس کی خبریں خاص طور سے اخبارات میں شائع ہوتی رہیں' سکندر علی نے خود کو ایک نئے خول میں روپوش کرنے کی خاطر اپنی نجی مصروفیات بھی فارم ہاؤس تک محدود کر دیں۔ اپنے نام کے ساتھ ''شاہ'' کا اضافہ کر کے وہ سکندر علی

سے سکندر علی شاہ بن گیا' دنیاوی دکھاوے کے لیے کچھ پیری مریدی کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ گونگے کو بھی ڈرائیور کی ذمے داریوں سے ہٹا کر فارم ہاؤس بھیج دیا گیا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان پڑھ ہے۔ سب کچھ سن سکتا ہے' دیکھ بھی سکتا ہے لیکن کچھ کہنے کی صلاحیتوں سے یکسر محروم تھا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ گونگے کے پیچھے بھی کوئی ایسی ہی ملتی جلتی کہانی ہو گی جیسی اس بدنصیب ملازم کی قسمت میں لکھ دی گئی جو مظلوم ہونے کے باوجود مجرم اور قاتل ثابت ہو گیا تھا......"

اورنگ زیب نے پوری توجہ سے سب انسپکٹر کی پرسنل فائنڈنگس کو پڑھا پھر اس نے دوسرے کاغذات کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا کہ دروازے پر دستک سن کر فائل تکیے کے نیچے رکھ کر اٹھنا پڑا۔ دروازے پر سراج موجود تھا۔ اس نے اپنا ایک موبائل اورنگ زیب کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کرنل احتشام کی کال ہے۔"

"ہیلو کرنل ......" اورنگ زیب نے موبائل لے کر کہا۔ "اس وقت کیسے یاد کیا؟"

"کچھ اہم اور ضروری اطلاع دینی ہے۔" کرنل نے اپنا جملہ جاری رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے افضل خان کی صلاحیتوں کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا......وہ اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہوا ہے۔"

"کوئی خاص بات؟"

یس مائی ڈیئر......اس نے وشنو کو دوبارہ ہمارے حوالے کرنے کی خاطر جو جال بنا تھا میں اس کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ اس کی طے شدہ ساری ٹائمنگس بھی ایک دم پرفیکٹ تھیں' تیس سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو شاید وشنو باسٹرڈ ایک کارآمد آدمی کو شوٹ کر چکا ہوتا......" پھر کرنل نے ساری تفصیل دہراتے ہوئے کہا۔ "ایک اطلاع اس سے زیادہ اہم ہے جو آپ کو بھی کچھ دیر میں مل جائے گی......"

"وہ بھی بیان کر دیں......" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کا لگژری اپارٹمنٹ اس وقت کسی کھنڈر کا نقشہ پیش کر رہا ہے' وہاں سے آکٹوپس کا علامتی نشان بھی ملا ہے۔"

"اوہ......" اورنگ زیب چونکا۔ "آپ وہاں تک کیسے پہنچ گئے؟"

"افضل خان کی کارکردگی سنانے کی خاطر میں نے پہلے آپ کو اپارٹمنٹ کے نمبروں پر ٹرائی کیا تھا۔ جب لائن زیادہ دیر تک مصروف ملی تو محض ایک شبے کی بنا پر کچھ آدمی ادھر بھیج دیئے۔ ان کی رپورٹس کے مطابق جو سادہ لباس والے وہاں نگرانی پر تعینات تھے وہ بھی مدہوشی کی حالت میں پائے گئے ہیں۔"

"یہ خبر میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔" اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے آپ سے ایک ذاتی شکایت ہے۔'' کرنل نے شکوہ کیا۔''ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کرنے سے پیشتر اگر آپ نے صرف ایک کال کر دی ہوتی تو آئی جی کے فورفادرس...... تک بھی کوئی ایسا قدم اٹھانے کی جرأت نہ کرتے...... اب بھی دیر نہیں ہوئی' میری ذاتی کوشش یہی ہوگی کہ کل شام تک آپ کو دوبارہ اپنی سیٹ پر منتقل کر دیا جائے۔''

''ابھی مناسب نہیں ہوگا کرنل......'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''میں نے جان بوجھ کر اس کے آرڈر کی تکمیل ضروری سمجھی تھی۔''

''اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے......؟''

''یہ میں آپ کو تفصیل سے بتانا چاہوں گا۔''

''او کے آپ کل شام کی چائے میرے ساتھ پئیں۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

سراج کے ذریعے اپارٹمنٹ کی تباہی کی خبر الماس کو ملی تو وہ بھی آ گئی' بڑی دیر تک پھر ان کے درمیان گفتگو کا ایک ہی موضوع رہا...... ''آکٹوپس......''

دوسری شام اورنگ زیب کرنل احتشام کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا' دروازے کی ریڈ لائٹ روشن ہونے کے بعد کسی کے اندر آنے کے امکانات بھی ختم کر دیے گئے تھے۔ دونوں کے درمیان سنجیدگی سے اہم ترین گفتگو ہو رہی تھی' اورنگ زیب نے سکندر علی شاہ کی مکمل فائل کی ورق گردانی بھی کر لی تھی۔ اس کے اہم نکات بھی اس کے ذہن میں تھے لیکن سب سے پہلے اس نے اپنے تبادلے اور آئی جی کی پوزیشن کا ذکر مناسب سمجھا۔

کرنل اس کی بات کو توجہ سے سن رہا تھا۔ مکمل تفصیل سننے کے بعد اس نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آئی جی کا تبادلہ بھی اس صوبے میں کسی مقصد کے تحت ہی کیا یا کرایا گیا ہوگا۔''

''آئی ایگری ودیو......'' اورنگ زیب نے جواب دیا۔''ہمارے ملک میں کالی بھیڑوں کی تعداد بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔''

''جانتا ہوں مسٹر اورنگ زیب لیکن حالات کے پیش نظر میں بھی آپ کو ایک دوستانہ حکم دینا چاہوں گا۔ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گے۔؟''

''جو قدم ملک کی بہتری کے لیے ہو اس میں خود بھی اپنے آپ کو حالات کا پابند ہی سمجھتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے کرنل احتشام کا اشارہ بھانپ کر کہا۔''تبادلے کے بعد بھی میں کسی صورت بھی آکٹوپس کو زندہ یا مردہ قانون کے حوالے کرنے کی ذمے داری سے خود کو سبکدوش نہیں سمجھوں گا۔''

''میں بھی یہی درخواست کرنا چاہتا تھا۔'' کرنل احتشام نے پہلو بدل کر کہا۔''ایک بات اب

اور بھی ہمارے لیے اہم ہوگئی ہے...... یہ معلوم کرنا کہ آئی جی کس کے اشاروں پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔"

"میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ اپنے دفتر میں زبان کھولنے کی حماقت نہیں کرے گا...... غالباً اس کی تمام کالوں کو کہیں سنا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے مجھے بھی قابل اعتماد سمجھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کرنے کے بعد ہی سخت لہجے میں گفتگو کی تھی۔"

"پھر...... آپ کے ذہن میں اس کی زبان کھلوانے کا کیا طریقہ ممکن ہوسکتا ہے؟"

"آپ کسی اہم آفیشل کال کے ذریعے سے اپنے ہیڈ کوارٹر طلب کر سکتے ہیں۔ گفتگو کے دوران سرسری طور پر میرے تبادلے کا ذکر چھیڑ دیں' ہوسکتا ہے کہ وہ ازخود اپنی پوزیشن واضح کر دے۔"

"گڈ...... یہی مناسب ہوگا......"

اورنگ زیب نے آئی جی کے سلسلے میں گفتگو ختم ہونے کے بعد محتاط لہجے میں کہا۔

"ایک اہم نام اور گھر سامنے آیا ہے...... سکندر علی شاہ۔"

"میری فائل پر بھی اس کا نام ہے لیکن یہ رپورٹ بھی موجود ہے کہ کسی قتل میں ملوث ہونے کے شبے میں عدالت کی طرف سے بے گناہ قرار دیے جانے کے بعد اس نے خود کو محدود کرلیا ہے۔"

"بہ ظاہر ایسا ہی ہے۔" اورنگ زیب نے سنبھل کر جواب دیا۔ "میں نے فائل کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے یہی اندازہ لگایا ہے کہ وہ اب بھی قانون کی توجہ کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور نام بھی میری فہرست پر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔"

"اوہ......" کرنل چونکا۔ "آپ کو میرے علاوہ اوپر سے بھی فری ہینڈ ملا ہوا ہے۔ پھر رکاوٹ کس بات کی ہے؟"

"وقت کی نزاکت بہت اہم ہے کرنل...... اگر میں دشمنوں کا شکار ہوگیا تو سارے کانفیڈنشلز بھی میرے ساتھ دفن ہو جائیں گے اس لیے میں گزارش کروں گا کہ آپ کے کمانڈوز بھی آپ کے اشارے پر میرا کچھ ہاتھ بٹائیں تو آکٹوپس کو تلملا کر سمندر کی سطح پر اوپر بھی لایا جا سکتا ہے۔"

"مجھے آپ کا یہ جملہ سن کر دکھ ہوا مائی ڈیئر......" کرنل کا لہجہ حد درجہ دوستانہ تھا۔ "قوم کے دشمنوں کو بے نقاب کرنے کی خاطر ایسی گزارشات کیا ہمیں زیب دیتی ہیں؟...... آپ مجھے حکم دیں...... کیا کرنا ہے۔"

اس کے بعد اورنگ زیب نے زبان نہیں ہلائی۔ سامنے رکھے پیڈ کو اٹھا کر اس پر کچھ لکھتا رہا پھر اسے کرنل کی طرف بڑھایا۔ کرنل احتشام نے اس کی لکھی ہوئی عبارت غور سے پڑھی۔ پہلے اس کاغذ کو ضائع کیا پھر مسکرا کر بولا۔

"آپ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ شاید آپ کو میرے دفتر کے فون بھی ٹیپ کیے جانے یا کہیں سنے جانے کا اندیشہ لاحق ہے؟"

''یہ بھی احتیاط کا ایک انداز ہے۔'' اورنگ زیب نے بھی اشاروں میں جواب دیا پھر وہ وہاں زیادہ دیر نہیں رکا۔ اسے خوشی تھی کہ کرنل احتشام نے نہ صرف اس کی تحریر کردہ گزارشات پر عمل کرنے کا اشارہ دیا تھا بلکہ اس نے اورنگ زیب کے علاوہ سراج' افضل خان' میڈم روبی اور لیاقت حسین وغیرہ کی نگرانی پر اپنے خاص دستے کے سادہ لباس والے تعینات کر کے انہیں مکمل اختیار کے علاوہ فوری اور بروقت ایکشن لینے کا حکم نامہ بھی جاری کر دیا تھا۔

⁂⁂⁂

ہنی مون بیوٹی پارلر پک اینڈ ڈراپ وین میں اس وقت جونی تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک سولہ سترہ سال کی خوب صورت معصوم اور بھرے ہوئے خدوخال کی لڑکی بھی تھی۔ جونی ایک بار اسے پہلے بھی پوش علاقے کے بنگلے سے لا چکا تھا' اس بار بھی لڑکی کو وین میں اس کے بنگلے پر بھیجا گیا تھا لیکن اس وقت اسے شیلا ورما نے جونی کو واپسی سے قبل اپنے آفس میں بلا کر مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

جانتے ہو یہ لڑکی کون ہے؟''

''میں نے یہ جاننے کی کوشش پہلے بھی نہیں کی۔'' جونی نے بے پروائی سے کہا۔ ''صرف کام سے کام رکھتا ہوں۔''

''اس کی مالیت میرے لیے دو لاکھ ہے۔'' تمہارا کمیشن بھی اسی اعتبار سے ملے گا۔''

''کہاں پہنچانا ہے؟''

''یہ بات مجھے بھی نہیں معلوم بہر حال' اس کی پہلی منزل کے سلسلے میں جو حوالہ دیا گیا ہے وہ میرے لیے بھی حیران کن ہے۔''

''جو بات تم مجھ سے کہتی رہی ہو...... آج خود سے بھی کہہ ڈالو...... آم کھانے سے غرض رکھو' پیڑ گننے سے کیا فائدہ؟''

''یو آر رائٹ۔'' شیلا نے شانے اچکا کر کہا۔ ''تم اسے لے کر پوش علاقے جاتے ہوئے' راستے میں پڑنے والے نجم سپر سٹور کی پارکنگ میں رکو گے' لڑکی سے یہی کہنا کہ تمہیں کوئی ضروری چیز خریدنی ہے...... جس نے سپلائی کا آرڈر دیا ہے اس کے آدمی خود ہی لڑکی کو وین سے اٹھا لے جائیں گے...... یہ تمہارے لیے بھی سیف (safe) رہے گا' اس قسم کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔''

''جانتا ہوں۔'' جونی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر باہر آ کر وین میں بیٹھ گیا۔

لڑکی جس کا نام بینا تھا وہ پچھلی نشست پر بیٹھی ایک فیشن میگزین کے اوراق میں گم تھی' یہ پہلا موقع تھا جب جونی کو وہ لڑکی پسند آئی تھی' اس کی نظریں بار بار ایک ویو مرر کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس نے کئی بار سوچا کہ لڑکی کو مخاطب کرے مگر...... اس نے دل پر جبر کر کے اپنی زبان بند ہی رکھی۔ یہ محض اس کی خوش قسمتی تھی کہ بینا نے از خود اسے مخاطب کیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟......''

''جونی......'' اس نے مختصراً کہا۔

''کرسچن ہو......؟'' بینا نے تعجب کا اظہار کیا۔'' لگتے تو نہیں......!''

''مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کبھی میرا نام جان محمد تھا پھر حالات نے کئی تبدیلیوں کے بعد مجھے جونی بنا دیا۔''

''انٹرسٹنگ'' بینا نے معصومیت سے کہا پھر بولی۔''وین سپر اسٹور پر ایک منٹ کے لیے روک لینا' مجھے ایک چیز لینی ہے' زیادہ وقت نہیں لگے گا۔''

جونی مسکرا دیا' اسے جس ہدایت پر عمل کرنا تھا اسے بینا نے ازخود آسان بنا دیا تھا۔ اس نے وین سپر اسٹور کے باہر پارکنگ سے ذرا ہٹ کر روک دی' بینا نے اپنا پرس اٹھا کر شانے پر ڈالا پھر اتر کر سپر سٹور میں چلی گئی۔ جونی کی نظریں بہ دستور بینا پر مرکوز تھیں جب اس کے ذہن میں اچانک مس ڈکسن کا کہا ہوا ایک جملہ صدائے بازگشت بن کر گونجا۔

''جتنی جلدی ممکن ہو شیلا ورما کی دنیا سے کہیں دور چلے جاؤ......کسی ایسی جگہ جہاں تک اس کی رسائی ممکن نہ ہو......''

جونی نے اس جملے کو ذہن سے جھٹکنا چاہا لیکن پھر سپر اسٹور کے اندر اور باہر ہونے والی ہلچل نے اس کو اپنی صرف متوجہ کر لیا' تین افراد آپس میں دست و گریبان ہو کر۔

سپر اسٹور سے باہر نکلے تھے' ان کے پیچھے کچھ تماشائی بھی تھے' باہر کھڑے لوگ بھی لڑنے والوں کے قریب جمع ہو رہے تھے جب جونی کی نگاہ بینا پر پڑی' وہ تنہا نہیں تھی اس کے ساتھ دو جوان بھی تھے' جو دائیں بائیں چل رہے تھے۔

جونی' بینا کے چہرے پر نظر آنے والی بے بسی دیکھ کر بھانپ گیا کہ وہ کسی مخصوص دھمکی کے بعد ہی قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ جونی کی نظریں بینا اور دونوں جوان افراد پر جمی رہیں' وہ تیز تیز قدم اٹھاتے باہر آئے پھر ایک گاڑی کا دروازہ کھول کر آگے پیچھے عقبی نشست پر بیٹھ گئے۔ اس وقت بھی بینا کو درمیان میں رکھا گیا تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی گاڑی بھی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

شیلا ورما کے بیان کے عین مطابق دو لاکھ آفر کرنے والے فرد کے ہرکاری بینا کی ڈلیوری سپر اسٹور سے لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جونی ایک لمحے تک ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا بینا کے بارے میں سوچتا رہا جو کسی معصوم کبوتری کی طرح عقابوں کے چنگل میں پھنس چکی تھی پھر......اس نے وین کو گیئر میں ڈال کر واپس جانے میں دیر بھی نہیں لگائی لیکن کوئی احساس تھا......کسی نادیدہ خطرے کا الارم تھا جو اس کے وجود میں پہلی بار گونج رہا تھا۔

ایک گھنٹے بعد......

سلور کار کی وہ نسان سیلون اس وقت ملٹری انٹیلی جنس کے احاطے میں کھڑی تھی۔ سوٹڈ بوٹڈ دونوں جوان اور بینا انٹروگیشن روم کے ساؤنڈ پروف کمرے میں علیحدہ علیحدہ کرسیوں پر ایک

دوسرے سے کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے'اس کے برابر ایک اور شخص تھا جس کے چہرے سے کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے'اس میک اپ میں وہ بظاہر کوئی غیر ملکی ہی لگ رہا تھا۔ بیرونی دروازے پر دو مسلح افراد اٹینشن پوزیشن میں موجود تھے۔

کرنل احتشام کی تیز نظریں باری باری سامنے موجود دونوں جوانوں اور پینا کے چہرے کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔ پینا بری طرح سہمی اور گھبرائی گھبرائی نظر آ رہی تھی'اس کے برعکس دونوں جوان کرنل احتشام کو وضاحتی نظروں سے اسی طرح دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ ان دونوں کو کسی جرم کی پاداش میں وہاں لایا گیا ہے۔

انٹروگیشن روم میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر کرنل احتشام نے پینا کو مخاطب کیا۔

''تمہارا نام......؟''

''پینا......''اس نے سہمے ہوئے لہجے میں مختصر جواب دیا'اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی خوف اور آنسوؤں کی نمی موجود تھی۔

''گھبراؤ مت......''کرنل نے اسے نرم لہجے میں سمجھایا۔''تم اب محفوظ ہاتھوں میں ہولیکن موجود حالات کے پیش نظر تمہارے بارے میں ضروری معلومات اور بے خوف بیان کی ضرورت ہے۔ ایک بات اور ذہن نشین کرلو'تم میرے لیے بیٹی کی طرح ہو'ہم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ بھی سوچ سمجھ کر ہی اٹھایا ہے۔''

پینا کے لیے کرنل کی بات تازہ زخم پر مرہم ثابت ہوئی اس نے ایک بار کرنل کے چہرے کو تشکرانہ نظروں سے دیکھا پھر نظریں جھکا کر بلا کم وکاست پوری تفصیل سناتی چلی گئی۔ وہ خاموش ہوئی تو کرنل نے ایک جوان کی طرف دیکھا۔

''تم کیا کہو گے......؟''

''یہ لڑکی جھوٹی ہے۔''جوان نے تلملا کر جواب دیا۔''ہمیں پھنسانے کی خاطر اپنی معصومیت کا ڈھونگ رچا رہی ہے۔''

''پھر......سچ کیا ہے؟''

''اس نے ہم سے لفٹ مانگی تھی۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے معصوم سمجھا اور ترس کھا کر لفٹ دے دی۔''

''تم بھی کچھ کہنا پسند کرو گے؟''کرنل نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

''میں اپنے پارٹنر کی بات کی تائید کروں گا۔''دوسرے نے بھی ڈھٹائی سے کہا۔''ہم بزنس مین ہیں'حکومت کو باقاعدہ ٹیکس ادا کرتے ہیں'جس سپر اسٹور پر سب کچھ ہوا اس کا مالک بھی ہم سے واقف ہے۔ آپ اس سے بھی ہمارے بارے میں دریافت کر سکتے ہیں۔''

کرنل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس نے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی کی طرف دیکھا جس نے زبان کھولنے کے بجائے صرف مسکرا کر یہ اظہار کیا کہ دونوں جوان دروغ گوئی کر رہے

ہیں۔کرنل نے دوبارہ باری باری دونوں جوانوں کو دیکھا پھر اس کے لہجے میں تناؤ آ گیا۔

''کیا تم شرافت سے زبان نہیں کھولو گے؟''

''یہ سراسر زیادتی ہے کرنل صاحب۔''ایک نے احتجاج کیا۔''آپ کو اگر ہم پر شبہ ہے تو معاملہ عدالت کے حوالے کر دیں' ہمارا وکیل......''

''شٹ اپ......''کرنل نے کرخت آواز میں کہا۔''ہم کیس واپس ہاتھ میں لیتے ہیں اس کا فیصلہ بھی خود کرتے ہیں۔کیا سچ ہے کیا جھوٹ' ہمیں اس کو اگلوانا بھی آتا ہے۔''

''پلیز' سر......''بینا نے گھبراتے ہوئے کہا۔''مجھے آپ میرے گھر بھیج دیں......''

کرنل نے ساتھ بیٹھے ہوئے فرد کو دیکھا تو وہ خاموشی سے اٹھا۔اس کے اشارے پر بینا بھی اٹھی پھر دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔

''یہ بھی یک طرفہ کارروائی ہے۔''ایک جوان نے جھلا کر کہا۔''جو فساد کی جڑ تھی آپ نے اسے جانے دیا۔ہمیں کس مقصد سے روکا گیا ہے......؟''

''ہم فوجی لوگ ضرور ہیں مائی ڈیئر لیکن اتنے بے مروت بھی نہیں کہ گھر آئے مہمانوں کو کسی خاطر ومدارت کے بغیر جانے دیں۔''کرنل نے زہرخند سے کہا پھر اس نے دروازے پر موجود مسلح جوانوں کو اشارہ کیا تو وہ ان دونوں کو ان کی چیخ وپکار کے باوجود گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔کرنل نے ان کے جانے کے بعد گاڑی کے ڈرائیور کو طلب کیا۔

''تم ان جوانوں کے پاس کب سے ملازم ہو......؟''

''آج تیسرا دن ہے جناب۔''

''اس سے پہلے کہاں کام کرتے تھے......؟''

ڈرائیور نے جو حوالہ دیا کرنل نے فون پر فوری طور پر اس کے بیان کی تصدیق بھی کر لی۔ڈرائیور نے جو کہا وہ غلط نہیں تھا۔''اس لڑکی کو سپر اسٹور سے اٹھانے کے سلسلے میں تم کیا کہو گے......؟''کرنل نے دوستانہ لہجے میں اسے مزید کریدنے کی کوشش کی۔

''میں خود بھی کچھ نہیں سمجھ سکا بڑے صاحب۔''ڈرائیور نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔''مجھ سے یہی کہا گیا تھا ان کی بہن گھر سے بھاگ کر اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتی ہے جسے وہ واپس گھر لانا چاہتے تھے لیکن راستے میں ان دونوں نے لڑکی سے جو باتیں کیں وہ کوئی بھائی اپنی بہن سے نہیں کر سکتا......میں غریب آدمی ہوں جناب' جھوٹ نہیں بولوں گا' آپ کو اپنا تحریری بیان بھی دینے کو تیار ہوں......یہاں نہ لایا گیا ہوتا جب بھی میں پہلی فرصت میں ملازمت چھوڑنے کا عہد کر چکا تھا۔''

''گڈ......''کرنل نے ڈرائیور کو ستائشی نظروں سے دیکھا پھر اسے اسٹینو کو بلا کر اس کا بیان لکھوایا جس پر ڈرائیور نے اپنے ٹوٹے پھوٹے دستخط کے علاوہ انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات بھی بہ خوشی لگا دیے۔

چالیس منٹ بعد دونوں جوانوں کو ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد کرنل کے روبرو پیش کیا گیا تو ان کا

سارا ''کلف'' بھی اتر چکا تھا' ان دونوں نے تسلیم کیا کہ ان کی خدمات صرف اسی غرض سے حاصل کی گئی تھیں کہ وہ لڑکی کو سپر اسٹور سے گن پوائنٹ پر اغوا کر کے ایک مطلوبہ کوٹھی تک پہنچا دیں۔ اس کام کے لیے انہیں دس ہزار فی کس دینے کا معاوضہ طے ہوا تھا۔

کرنل نے ان کے تحریری بیان حاصل کرنے کے بعد انہیں تمام ضروری دستاویز اور اسلحہ جات کے ساتھ سول پولیس کے حوالے کر دیا۔ یہ ہدایت بھی کر دی کہ اسے تمام کارروائی اور اس کے نتائج سے بھی باخبر رکھا جائے۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ اس وقت اپنے ڈرائنگ روم سے ملحقہ حجرے میں بیٹھا تین چار عقیدت مندوں سے گفتگو میں مصروف تھا جب اس کے موبائل کی ٹیون کی آواز ابھری' اس نے روشن اسکرین پر نمبر دیکھے پھر لائن کاٹ دی' وہ نمبر اس کے جانے پہچانے نہیں تھے۔ موبائل اس نے گاؤ تکیے کے ساتھ تخت پر بچھے قیمتی قالین پر واپس رکھ دیا۔ اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوبارہ اس شخص کی جانب دیکھا جو بہ دستور سامنے فرش پر بیٹھا بڑی عقیدت مندانہ نظروں سے سکندر علی شاہ کو دیکھ رہا تھا۔

''کون تھا حضرت؟'' اس نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

''ہوگا کوئی اللہ کا ضرورت مند بندہ۔'' سکندر علی شاہ نے تسبیح کے دانوں پر انگلیاں گھماتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم نے ابھی جو دکھڑا سنایا تھا...... اس کی وجہ جانتے ہو......؟''

''میں تمہارے جواب کو بھی عقیدے کی کمزوری کہوں گا...... انسان جب خدا اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں کو بھول کر اپنی من مانی شروع کر دے تو پھر اسے بلائے ناگہانی سے واسطہ تو پڑتا ہے' سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''آپ بجا فرما رہے ہیں حضرت۔'' عقیدت مند نے انکساری سے کہا۔ ''یہ سب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے لیکن...... اب آپ ہی میری پریشانیوں کا...... کوئی حل بھی بتا دیں' میں بڑی عقیدت سے آپ کے قدموں میں حاضر ہوا ہوں۔''

''تم...... مجھے گناہ گار کر رہے ہو۔'' سکندر علی شاہ نے پہلو بدل کر پاٹ دار آواز میں جواب دیا۔ ''سوائے اللہ کے کوئی دوسری طاقت بندے کی مشکل حل نہیں کر سکتی...... اس قادر مطلق کے ننانوے ناموں میں بھی بڑی برکت ہے۔ تم باقاعدگی سے اس کے حضور سجدہ کرو۔ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور صبح و شام نمازوں کی پابندی کرتے رہو۔ ان شاء اللہ اسی کے کرم سے تمہاری سبھی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔''

''بڑی مہربانی حضرت۔''

ایک عقیدت مند کے جانے کے بعد سکندر علی شاہ نے دوسرے کی طرف توجہ دی' اسی وقت موبائل پر دوبارہ ٹیون سنائی دی' اس بار بھی وہی نمبر تھے جو پہلے نظر آئے تھے۔ سکندر علی شاہ نے منہ بنا کر موبائل آن کر لیا' ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں سکندر علی شاہ بول رہا ہوں۔آپ کی تعریف؟''

''اپنے ماضی میں جھانک کر دیکھو......'' دوسری جانب سے رعب دار آواز ابھری۔''ہوسکتا ہے کہ تم کو اپنی اوقات بھی نظر آ جائے۔''

''بجا ارشاد لیکن میں نے آپ کو پہچانا نہیں......'' سکندر علی شاہ نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

''تمہارے سامنے آ جاؤں تب بھی نہیں پہچان سکو گے۔'' اس بار بولنے والے کا لہجہ درشت ہو گیا۔''ویسے اپنی شناخت کے لیے تمہیں صرف ایک حوالہ دے سکتا ہوں......شکرہ۔''

''اوہ......آپ!'' سکندر علی شاہ شکرہ کے حوالے پر چونکا' اس کے چہرے کا کھنچاؤ ایک لمحے میں ختم ہو گیا۔''میں حجرے سے اٹھ کر اندر تخلیے میں جا رہا ہوں' وہیں سے بات ہو سکے گی۔''

اس نے حجرے میں موجود باقی عقیدت مندوں سے معذرت کی پھر اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔شکرے کے حوالے کے بعد اس کے ذہن میں ماضی کے بہت سارے پردے یکے بعد دیگر سرکتے چلے گئے۔ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے پہلی فرصت میں آنے والی کال کے نمبروں کو آزمایا۔رابطہ قائم ہوتے ہی بڑی عاجزی سے بولا۔

''آپ نے بڑے طویل عرصے کے بعد یاد کیا۔میں تسلیم کرتا ہوں کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں آپ ہی کی وجہ سے ہوں لیکن افسوس کہ آپ نے کبھی مجھے قریب آنے کی اجازت نہیں دی۔''

''اب بھی نہیں دوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا سکندر علی......تم کل بھی...... ہر لمحہ میری نظروں کے سامنے تھے اور آج بھی تمہارا ایک ایک لمحہ میری عقابی نظروں سے اوجھل نہیں ہے......'' اس بار تحکمانہ لہجے میں جواب ملا پھر بات جاری رکھی گئی۔''اس وقت میں تم سے اس لڑکی کے بارے میں دریافت کروں گا جو تمہارے شکاری کتوں کے ہاتھ آ کر نکل گئی۔''

''مجھے اس کی اطلاع مل چکی ہے جناب اور میں......''

''بکواس نہیں سننا چاہتا......'' دوسری جانب سے اس کی بات کاٹ کر حقارت سے سوال کیا گیا۔''جس طرح سپر اسٹور پر کچھ آدمیوں نے جھگڑے کا ڈراما رچا کر لوگوں کی توجہ اپنی طرف کر لی تھی اسی طرح تمہارے شکاری کتوں کو بھی پکڑے جانے کے بعد اپنی زندگی ختم کر لینی چاہیے تھی۔ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر تک جانے کو نوبت کیوں آئی؟''

''یہ حکم ابھی ان دونوں تک پہنچا دیا جائے گا سکندر علی شاہ نے عاجزی سے دریافت کیا۔''لڑکی کے لیے کیا حکم ہے؟''

''معلوم کرو کہ اس نے پولیس کو کیا بیان دیا ہے؟ ایک بات اور گرہ سے باندھ لو میں دوبارہ اس قسم کی غفلت برداشت نہیں کروں گا...... یہ بھی یاد رکھنا تم جو بھی بارود کے اس ڈھیر پر بیٹھے ہو اس کو اڑا دینے کا ریموٹ میرے پاس ہے۔''

''جی......جانتا ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''نگینہ کو بھی نکیل ڈالنے کی ضرورت ہے۔اس کا بیوٹی پارلر آنا جانا فوری بند کرو...... یہ بھی کہہ

دینا کہ اب وہ بھی کسی دوسری جگہ بھی جونی سے ملاقات کرنے کی غلطی نہ کرے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں......"

"جن نمبروں پر تم نے اس وقت کال کیا ہے اس کو بھول جاؤ...... میں ایک نمبر کو بار بار استعمال کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"ایک بات میں بھی عرض کرنا چاہوں گا؟"

"کہو......"

"بیوٹی پارلر اور خوب صورت لڑکیوں کا معاملہ میں نے جس کے سپرد کر رکھا ہے وہ بھی مجھے نہیں جانتا۔ اس کو ہدایت بھی کوئی اور دیتا ہے۔ یہ احتیاط بھی آپ کے اشاروں کی روشنی میں کی گئی تھی۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو......؟" سرد اور پاٹ دار لہجے میں دریافت کیا گیا۔

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم کچھ عرصے کے لیے......"

"کس بات سے خوف زدہ ہو......؟" اس کی بات کاٹ کر سوال کیا گیا۔

"میں نے محض احتیاط کی خاطر......"

"نہیں......" دوسری جانب سے بہ دستور جھڑک کر کہا گیا۔ "کیا صحیح ہے...... کیا غلط۔ یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔"

سکندر علی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جو دو آدمی اس وقت پولیس کی تحویل میں ہیں ان کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"وہ......وہ...... میرا خیال ہے کہ اس خطرے کو جڑ سے ختم کرا دوں۔"

"گڈ...... تم نے اس وقت وہی جواب دیا جو میں چاہتا ہوں۔"

"اور کوئی حکم......!"

"میرا ایک ہیرا کہیں پھنس گیا ہے لیکن وہاں تک جانا تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔"

"آپ کہہ کر تو دیکھیں...... سکندر علی...... ایک بار صرف اس وقت مایوس ہوا تھا جب اس کے باپ کا سایہ سر سے اٹھا تھا' اس کے بعد آپ نے جو قوت بخشی اس نے مجھے کسی معاملے میں ہارنے نہیں دیا۔"

"چاہتا ہوں...... اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمہاری اڑان کہاں تک ہے...... بس' وہیں تک محدود رہو۔"

"میں انکار یا اصرار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" سکندر علی شاہ نے بڑی چرب زبانی سے کہا۔

"آپ کا ایک تصوراتی عکس ہے جو میرے ذہن میں پارے کی مانند مچلتا رہتا ہے' کبھی کبھی کمی کا احساس بھی بڑھ جاتا ہے۔"

"مجھے شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے...... جو کہا گیا ہے اس پر فوری عمل ضروری ہے۔ جو نہیں

کہا......اس پر غور کرنے کی حماقت نہ کرنا۔'' دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔

سکندر علی نے سکون کا سانس لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اپنی کمتری کا احساس بھی بڑی شدت سے ہوا تھا' ایک لڑکی کے سلسلے میں اس کے غلاموں کے زرخرید کتوں سے جو غلطی ہوئی اس نے اسے آسمان کی بلندیوں سے اٹھا کر منہ کے بل زمین پر پھینک دیا تھا۔ پہلے کی تمام خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا مگر......وہ مجبور تھا' ذہن میں متحرک کسی خیالی ہیولے سے ٹکرانا بھی اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ سامنے ہوتا تو بھی شاید وہ اس کی جرأت نہ کر سکتا جو سوچ رہا تھا۔ ملازم کو ہدایت دینے کے بعد اس نے موبائل پر ایک نمبر ملایا۔ اس عمل کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پیشانی پر ابھرنے والی شکنیں بھی دو چند ہو گئی تھیں۔

''خادم بول رہا ہوں سر......'' دوسری جانب سے کال ریسیو کرنے والے نے نہایت عاجزی سے دریافت کیا۔

''کوئی نئی خدمت؟''

''نہیں ......'' سکندر علی شاہ نے بدلی ہوئی آواز اور کرخت لہجے میں کہا۔'' ان کتوں کا کیا ہوا جو فی الوقت پولیس کی حراست میں ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ انہیں ان کی غلطی کی سزا ملنا ضروری ہے۔''

''بکواس مت کرو......میں نے تم سے کوئی تجویز نہیں مانگی۔''

''سوری سر......''

'میرا حکم غور سے سنو۔'' سکندر علی شاہ نے غرا کر کہا۔

''پہلی فرصت میں انہیں اوپر پہنچا دو۔ دیٹ از آل۔'' اس حکم کے ساتھ اس نے موبائل کو آف کر دیا پھر وہ اس خواب گاہ میں آ گیا جہاں اس کی دوسری بیوی نگینہ ابھی تک ڈریسنگ گاؤن پہنے لیٹی کسی فلمی رسالے کے اوراق الٹ پلٹ رہی تھی۔ اس نے سکندر علی شاہ کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر اٹھی۔ خراماں خراماں چلتی اس کے قریب آ گئی' آنکھوں سے بجلیاں گراتے مترنم آواز میں پوچھا۔

''آج مریدوں سے اتنی جلدی چھٹی مل گئی؟''

''تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''ضروری بات اور......اس وقت۔'' اس نے پھر بازاری انداز میں سکندر علی شاہ کی نظروں میں جھانکا۔'' کیا دروازہ بند کروں؟''

''ہاں......لیکن خواب گاہ کا نہیں۔'' سکندر علی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔'' اس دروازے کی بات کر رہا ہوں جو تم نے جونی کے لیے کھول رکھا ہے' آئندہ تم' جونی' سے کہیں ملنے کی حماقت نہیں کرو گی۔ بیوٹی پارلر جانا بھی بند کر دو......میرا اشارہ شیلا کے بیوٹی پارلر کی طرف ہے۔''

''جونی شیلا ورما کے ہاں منیجر کی حیثیت سے کام کرتا ہے اس لیے کبھی کبھی اس سے آمنا سامنا بھی ہو جاتا ہے۔'' نگینہ نے سنبھل کر جواب دیا۔''کسی نے آپ کے کان بھر دیے ہیں......کون ہے وہ؟''

''وہی جس کے کہنے پر میں نے تمہیں داشتہ سے بیوی بنالیا تھا۔'' سکندر علی شاہ نے نگینہ کو زبان کھولنے سے بیشتر اس کی حیثیت کا احساس بھی دلا دیا۔''یہ بھی مت بھولو کہ تم اسی کے اشارے پر جھونپڑے سے نکل کر محلوں تک آ گئیں۔ اسی کے اشارے پر تمہاری واپسی کا سفر بھی ناممکن نہیں ہو گا۔''

''میں نے جونی کے سلسلے میں صرف وضاحت کی تھی ڈارلنگ۔'' نگینہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر چولا بدلا۔

''تمہاری خاطر تو میں جونی اور شیلا ورما کیا...... پوری دنیا کو لات مار سکتی ہوں۔''

''اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔''

''تم اس وقت تھکے تھکے لگ رہے ہو۔'' اس نے سکندر علی شاہ کے قریب جا کر اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔''تمہیں صرف آرام اور سکون کی ضرورت ہے جو میرے پاس ہے۔ پلیز اس وقت میری خاطر انکار نہ کرنا۔''

سکندر علی شاہ جواب دینے کے بجائے قدم بڑھاتا قیمتی دیوان پر جا کر نیم دراز ہو گیا۔ نادیدہ محسن کی کال نے اسے اندر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا...... نگینہ نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کیا پھر...... ڈریسنگ ٹیبل کی ایک خفیہ دراز کو چور میکنزم سے کھول کر پلاسٹک کی گول ڈبیا نکالی' لہراتی بل کھاتی سکندر علی شاہ کے قریب آ گئی۔ ڈبیا کھول کر اس نے اندر موجود پاؤڈر کی ایک چٹکی نکالی' اسے سکندر علی شاہ کی پیشانی پر رکھ کر اسے پھیلانے لگی۔ سکندر علی شاہ کی نظریں نگینہ پر مرکوز تھیں۔ پاؤڈر کا اثر فی الفور ہوا۔ دو منٹ بعد ہی اس کا ذہن کسی تیز نشے کی وجہ سے ہواؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ نگینہ نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر ڈبیا ایک طرف رکھ کر اس نے سکندر علی شاہ کے سر کو اپنے سینے میں چھپا لیا...... دو چار منٹ تک سکندر علی کا ہاتھ نگینہ کے جسم کو ٹٹولتا رہا پھر وہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو گیا...... نگینہ نے آہستہ سے اس کے حصار سے خود کو آزاد کیا۔ کھڑے ہو کر اس کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا پھر مسکراتی ہوئی دوبارہ اپنے بستر پر آ گئی...... خود اس کے ذہن میں بھی اس وقت کسی مرد کی بہکی بہکی سانسیں گونج رہی تھیں جس نے اپنے آدمیوں سے اسے اغوا کرا کے پہلی بار گھپ اندھیرے میں اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تھا۔

✣✣✣

وشنو اس وقت بھی پرسکون ہی نظر آ رہا تھا۔

گرفتاری کے بعد اسے دوبارہ ملٹری انٹیلی جنس کے ہیڈ کوارٹر لا کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا' دو مسلح افراد اس پر تعینات کر دیے گئے تھے...... نہ کیے گئے ہوتے تب بھی وہ سنگین پہروں سے

نکل کر فرار ہوتے وقت کسی گولی کا نشانہ بننا کبھی پسند نہ کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ کس وقت کیا قدم اٹھانا اس کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن لینے کے بعد بھی وہ دیوار سے ٹیک لگائے ننگے فرش پر بیٹھا رہا۔ آنے والے دو مسلح افراد تھے' ایک ہاتھ میں دبی کرسی رکھ کر چلا گیا۔ دوسرا پوزیشن سنبھال کر کھڑا ہو گیا...... پانچ منٹ بعد کرنل احتشام خالی کرسی پر بیٹھا اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ جواب میں وشنو نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔ وہ کرنل پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دوبارہ اس کے جال میں پھنس جانے کے باوجود وہ مرنے سے بھی خوفزدہ نہیں ہے۔

''تم...... بالآخر دوبارہ یہاں آ گئے؟......'' کرنل نے کرخت لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔ ''آپ کیا کہو گے؟''

''جو سفر میں نے بارڈر کراس کرنے کے بعد کیا تھا وہ زندگی کی آخری سانسوں تک شاید کبھی ختم نہ ہو......'' وشنو نے بے پروائی سے کہا۔

''تمہارا یہ سفر پھانسی کے پھندے پر بھی ختم ہو سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ تم اب بھی انٹرپول کو مطلوب ہو۔'' کرنل نے اسے مرعوب کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ ''بچت کی ایک ہی صورت ہے...... تم ہمارے ساتھ تعاون کرو۔ اس کا نام اور تفصیل کھل کر بتا دو جو تمہاری پشت پر ہے۔''

''کسی کو وچن دے کر اس کے ساتھ دھوکا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔''

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟'' کرنل کے تیور بدلنے لگے۔

''تمہاری قید میں ہوں...... جو چاہو سوچ لو لیکن ایک بات میری بھی سن لو۔''

''کہو......''

''تم مسلمان اور میں ہندو......'' وشنو سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''تم آواگون کو نہیں مانتے۔ ہمارے دھرم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ منش مر کر دوبارہ جنم لیتا ہے...... مجھے بھی اس پر وشواس ہے۔'' وشنو نے ٹھنڈی سانس لے کر بات جاری رکھی۔ ''جو وشنو کا جیون تھی جسے میں نے مار ڈالا...... وہ بھی وشواس رکھتی تھی' میں مر کر نیا جنم لوں گا تو وہ بھی کسی نہ کسی روپ میں آنکھ کھولے گی...... میں دوبارہ اپنی کلونت کے ساتھ اگنی کے پھیرے لگا کر دنیا بنا لوں گا...... تمہارا پھانسی کا پھندا بھی ہمارا راستہ نہیں......''

''بکو مت......'' کرنل نے گرج کر کہا۔ ''میں اس وقت تم سے دھرم کرم کی بات کرنے نہیں آیا......''

''میں بھی کوئی کہانی نہیں سناؤں گا کرنل......'' وشنو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''جو بیان پہلے دے چکا ہوں' اسی کو بار بار دہراتا رہوں گا۔ تمہیں جس کی کھوج ہے...... میں نے بھی اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھا' صرف اس آواز سے پہچانتا ہوں جو میں نے پہلی بار سنی تھی۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ تمہارے لیے بھی ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔ سب کی نیندیں بھی حرام ہو گئی ہیں۔''

''وہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نہیں بچے گا۔'' کرنل نے تلملا کر کہا۔ ''جس طرح تم پچاس فٹ

سے چھلانگ لگا کر فرار ہونے کے بعد اس وقت دوبارہ میرے سامنے ہو اسی طرح ایک دن وہ بھی ہماری گرفت میں ہوگا۔''

جواب میں وشنو نے صرف شانے اچکانے پر اکتفا کیا۔

''تم جن چہروں سے واقف ہو اس کے بارے میں ہمیں تفصیل بتادو......'' کرنل نے کہا۔'' آخری سرا ہمیشہ پہلا سرا ہاتھ آنے کے بعد ہی ملتا ہے......میری بات سمجھ رہے ہونا؟''

''میں تمہیں اس چینی کی مثال دوں گا کرنل جسے تم لوچن کے نام سے جانتے ہو......وہ جس کے لیے کام کر رہا ہے'اس کی شکل اس نے کبھی نہیں دیکھی......ایک پاس ورڈ پر عمل کرنے کا پابند ہے......جو چھوٹے موٹے لوگ اس کی راہ میں آتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مجبوری کا شکار ہوتے ہیں۔اس پر ہاتھ ڈال کر تم بھی اپنا سے برباد کر چکے ہو۔پھر میں کسی مجبور کا نام کیوں لوں؟''

کرنل نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا' کوئی فیصلہ کر کے اٹھا۔وشنو کو قہر آلودہ نظروں سے دیکھتا باہر نکل گیا۔اس کے جانے کے بعد وشنو کو کرنل کے ماتحت ایک بار پھر اسی ٹارچر سیل میں لے گئے جو وشنو کے لیے نیا بھی نہیں تھا۔

+++

پاکستانی ڈائجسٹ دنیا اعظم ڈاٹ کام

پرتاب بھوشن اس وقت مندر کی سیڑھیوں کے اوپر چبوترے پر بیٹھا لیاقت حسین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔اس نے جب دنیا کو چھوڑ کر بھوانی سے ناتا قائم کیا تھا اسے کبھی کسی کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکنے پڑے تھے لیکن ایک لیاقت حسین تھا جو کئی بار اس کی شکتیوں کے جال میں پھنستے پھنستے نکل گیا تھا۔آخری بار لیاقت حسین پر مہربان کسی قوت نے اس وقت اسے مندر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا جب اس کو پورا وشواس تھا کہ بھوانی ہی اسے کھینچ کر پرتاب بھوشن کے چرنوں تک لائی ہو گی' لیکن پانسا پلٹ گیا تھا۔

پچھلی باتیں اس کے ذہن میں کسی بچھو کے ڈنگ کے مانند چبھ رہی تھیں لیکن وہ دھن کا پکا تھا۔جب سے اس نے گندا علم سیکھا تھا وہ خود کو سب سے مہان سمجھتا رہا' کالی اور بھوانی کو راضی رکھنے کی خاطر کسی سچے سیوک کی طرح اس نے برف پوش پہاڑوں کی گپھاؤں' خطرناک جنگلوں اور پرانے شمشان گھاٹوں پر بیٹھ کر لمبے لمبے جاپ کیے تھے۔بھوانی نے ہر بار اسے دشمنوں کے مقابلے میں جیت سے ہمکنار کیا تھا' مندر کے بڑے بڑے پجاری بھی اس کی آؤ بھگت کرتے تھے لیکن سب سے پہلے اسے لیاقت حسین نے اس کے ایک خطرناک جنتر منتر کا توڑ کر کے اس کی شکتی کو للکارا تھا۔

لیموں کا وہ قصہ پرتاب بھوشن کو آج بھی یاد تھا جو اس نے کسی کے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر اکیس روز تک ایک ویران علاقے کے گندے جوہڑ میں صرف ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر تیار کیا تھا۔ہر تین روز بعد وہ ایک نئی سوئی پہ منتر پھونکتا تھا' ان سات سوئیوں کی اس نے ایک نیبو میں بھوانی کا نام لے لے کر پوری طرح آر پار کر دیا تھا۔اس نے یہ سب کچھ ایک مہاجن سے منہ مانگی رقم لے کر اس کے دشمن کو مارنے کے کارن کیا تھا۔اس سے پہلے بھی وہ دوبارہ بھوانی کا شبھ نام لے کر اس پر جان لیوا عمل کو کر چکا تھا۔اسے یقین تھا کہ اسے کے گندے عمل سے پھونکی گئی سوئیاں دشمن کو چھلنی کرتی رہیں گی پھر وہ خون تھوک تھوک کر مر جائے گا۔یہ بھی جانتا تھا کہ ان سوئیوں کو لیموں سے نکالنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔لیکن لیاقت حسین نے ان سوئیوں کو کسی کے منع کرنے کے باوجود خدا کا نام لے کر لیموں سے نکال دیا تھا' ان خون آلود سوئیوں کے نکلنے کے بعد پرتاب بھوشن کا شکار بھی شمشان گھاٹ جانے سے بچ گیا تھا۔لیاقت حسین نے بھی لیموں کو جوتے تلے کچل کر پھینک دیا تھا۔

پرتاب بھوشن نے بھوانی کے نام پر سوگند اٹھائی تھی کہ جب تک وہ لیاقت حسین کو چت

پٹ......نہ کر دے سکون کا سانس نہیں لے گا مگر......بار بار اسے ناکامی کا سامنا ہوا۔ وہ صرف یہی جان سکا تھا کہ کوئی پرچھائیں ہے جو لیاقت حسین کی مدد کر رہی ہے' اس جنگ میں پرتاب بھوشن کو مدھو پجارن سے بھی ہاتھ دھونا پڑے جو اسے دیوی نے دان کی تھی۔

مندر سے آنے جانے والے پجاری قریب سے گزرتے وقت پرتاب بھوشن سے ''رام......رام......جے رام۔'' کرتے رہے لیکن وہ صرف لیاقت حسین کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے ذہن میں کیول ایک ہی بات رہ رہ کر کھٹک رہی تھی۔ ''بھوانی کی جاپ میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی ضرور رہ گئی تھی جو وہ ابھی تک ایک مسلے کے مقابلے میں سپھل (کامیاب) نہیں ہو سکا تھا۔'' خاصی دیر تک وہ اسی ایک پہلو پر دھیان جمائے رہا پھر اس نے دوبارہ کسی ویرانے میں جا کر بھوانی کے لیے ایک کٹھن جاپ کرنے کی ٹھان لی تھی' مدن چند کو بھی بتا دیا تھا۔

وہ سیڑھیوں کے چبوترے سے اٹھ کر اپنی کٹیا میں آ گیا' اپنے سامان کی پوٹلی تیار کرنے میں جت گیا۔ اس وقت اس کے من میں مدھو پجارن کا دھیان بھی مچل رہا تھا جو پورے تن' من' دھن سے اس کی سیوا کرتی تھی جس نے کبھی کسی بات سے منہ نہیں موڑا تھا' اسی کے اشارے پر وہ سہمی سہمی لیاقت حسین کے گھر تک چلی گئی تھی جہاں اس کا سندر شریر جل کر راکھ ہوا پھر ایک تیز ہوا کا جھونکا اس راکھ کو سمیٹ کر شاید دوبارہ بھوانی کے چرنوں میں واپس لے گیا تھا۔ پرتاب اپنے خیالوں میں گم تھا جب شہد میں ڈوبی ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ اس نے چونک کر کٹیا کے دروازے کی طرف دیکھا پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ جس نئی اور کمسن پجارن کو اس نے مدن چند کے کمرے سے چٹک مٹک کر کے نکلتے دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی کٹی کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس وقت بھی دو سرے پاؤں تک قیامت نظر آ رہی تھی۔

پرتاب بھوشن جب دو دن پہلے بڑے پجاری مدن سے ملنے گیا تھا اس وقت مدن چند کے خاص سیوک نے سلونی کا نام سن کر برا سا منہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ اب ہنڈیا نہیں رہی مہاراج......آج کل تو اندر سبھا کی ایک اپسرا نے اپنا جادو جگا رکھا ہے۔ کسی کو ٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتی۔ تتیا مرچ کے انوسار پورے مندر میں کولہے مٹکاتی پھرتی ہے۔ سب ہی دل تھام کر رہ جاتے ہیں۔

خود پرتاب بھوشن نے بھی مدن چند سے دبی زبان میں کہا تھا۔ ''جب یہ ہرنی تمہارے جال میں پھنس جائے تو میرا دھیان بھی رکھنا......اکیلے اکیلے ہڑپ نہ کرنا۔''

اس وقت......وہی تتیا مرچ اپنی بھرپور طرح سے ابھرتی' مچلتی جوانی اور اپنے قدموں کو سنبھالے پرتاب بھوشن کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے......؟'' پرتاب بھوشن نے دل میں لڈو پھوٹنے کے باوجود اپنا بڑا پن جتانے کے کارن نئی پجارن کو سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''اس سے ادھر کیا کرنے آ گئی......؟ کون ہے تو؟''

''وہی پجارن ہوں مہاراج جس کو تم نے بڑے چاؤ سے بڑے پجاری کے کمرے سے

سے دیکھا تھا۔" پجارن نے معصومیت سے کہا۔ "اتنی جلدی بھول گئے......؟"

"نئی جان پڑتی ہے......" پرتاب بھوشن کے لہجے میں نرمی آنے لگی۔ "کیا نام ہے تیرا......؟"

"ماتا پتا نے بڑے چاؤ سے چکوری کا نام دیا تھا' پرنتو یہاں مندر میں جس کا من چاہتا ہے ایک نیا نام لے کر کھسر پھسر کرتا ہے۔"

"مجھ سے کچھ کام تھا......؟" پرتاب نے نگاہوں نگاہوں میں اس کے بھید بھاؤ کو اپنی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے پوچھا۔

"مدن چند مہاراج نے بتایا تھا کہ تم پھر دیوی کے لیے کوئی جاپ کرنے کو جا رہے ہو۔"

"ہاں......تو؟" پرتاب بھوشن نے حیرت سے دریافت کیا۔ "تو کیوں پوچھ رہی ہے؟"

"مجھے بھی اپنے سنگ لے چلو مہاراج......ادھر مندر میں بھانت بھانت کے پجاری اپنی بولیاں سناتے ہیں۔ تمہاری سیوا کروں گی تو شاید تمہاری وجہ سے مجھے بھی من کی شانتی مل جائے۔"

"کچھ پانے کے کارن منش جات کو کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ جانتی ہے؟" پرتاب بھوشن نے اسے کھنگالنے کی خاطر کہا۔

"تم جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گی مہاراج......کسی بات سے منہ نہیں موڑوں گی۔" چکوری نے معصومیت سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے......رات کو اپنی پوٹلی لے کر ادھر آ جانا......بھور ہوتے ہی نکل چلیں گے۔"

"تن ڈھانکنے کے لیے تین جوڑے ہیں مہاراج......اور کوئی بوجھ نہیں۔" چکوری نے اس بار نظریں جھکا کر دبی زبان میں کہا۔ "من کا کچھ بوجھ تمہارا راستہ دکھانے کا مول سمجھ کر بڑے پجاری نے اتار دیا تھا۔ اب صرف تمہاری سیوا کرنا' کچھ مشکل بھی نہیں ہوگا۔"

چکوری اپنا جملہ مکمل کر کے چلی گئی تو پرتاب بھوشن کے اندر لڈو پھوٹنے لگے۔ دل ہی دل میں اس نے مدن چند کو پیار سے ایک موٹی گالی بھی سنا دی۔

✣✣✣

سکندر علی کے فارم پر اس کے اپنے گیسٹ ہاؤس کے خوب صورت وارنڈے میں جو لڑکی ساحل پر استعمال کی جانے والی رنگ برنگی فولڈنگ چیئر پر نیم دراز تھی وہ یقیناً خوب صورت خدوخال کی مالک تھی' بھرا بھرا گداز جسم اس کی خوب صورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس کی عمر اٹھارہ سے کچھ کم ہی نظر آ رہی تھی۔ اس کا نام ماروی تھا۔ وہ یہ جانتی تھی کہ اسے فارم ہاؤس پر کس مقصد کے لیے لایا گیا تھا۔

ایک بار زبردستی لٹ جانے کے بعد دوسری بار بیس ہزار کی رقم اس کے لیے خاصی پرکشش آفر تھی۔ اسے ماں کے علاج کے لیے رقم کی ضرورت بھی تھی' باپ کو جو تنخواہ ملتی تھی وہ اتنی کافی نہیں تھی کہ گھر کا خرچ چلانے کے ساتھ وہ ایک موذی مرض کے علاج کی خاطر کسی بڑے ڈاکٹر کی فیس ادا کر سکتا۔

وہ کالج میں فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی جہاں اس کی کلاس فیلو نے دوست بن کر اس کے وجود میں زہر گھول دیا تھا۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی کلاس فیلو کے ایک گھناؤنے جرم کو تصویروں کی شکل میں دیکھ چکی تھی۔ وہ محض ایک اتفاق تھا' اس نے اپنی کلاس فیلو سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی زبان بند رکھے گی۔ کلاس فیلو نے اسے اس تصویر کے پس منظر میں' اپنی بے بسی کی بڑی دردناک کہانی سنائی تھی جو محض ایک جھوٹ تھا۔ وقتی طور پر اس لڑکی نے جس کا تعلق ایک ماڈرن گھرانے سے تھا۔ ماروی کی بات مان لی تھی لیکن اس کے بعد اس نے ماروی کو اپنے جال میں پھنسا کر اس طرح اپنے بوائے فرینڈ کے ہاتھوں برباد کرایا کہ ماروی زبان کھولنے کے قابل بھی نہیں رہی۔ وہ لڑکی ایک دو بار ماروی کے گھر آ چکی تھی' اس کی ماں کے مرض سے بھی واقف ہو گئی تھی۔ یہ بھی جانتی تھی کہ ماروی کے باپ کی اتنی حیثیت نہیں تھی۔ یہ بھی جانتی تھی کہ اخراجات برداشت کر سکے۔ اسی نے ماروی کی پہلی بکنگ بھی کی تھی۔ آدھی رقم بھی اپنی وقف لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جائے گی جو سیاہ کو سپید اور سپید کو سیاہ کرنے کی ماہر تھی۔ ماروی کے ہچکچانے پر اس نے ماروی کی بھی جب اپنی جیسی حیا سوز تصویر دکھائی تو ماروی اندر ہی اندر سہم کر رہ گئی۔ وہ تصویر کب کھینچی گئی اسے یاد نہیں تھا اس لیے کہ پہلی بار وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں کلاس فیلو کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسی تھی۔ اسی کیفیت میں اس کی بے بسی کو روندا گیا تھا۔

تصویر دیکھنے کے بعد ماروی کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ کلاس فیلو کی بات مان لے۔ اسے یہ بھی شبہ تھا کہ جو رقم اس کے عوض حاصل کی گئی' وہ بھی اسے بتائی جانے والی رقم سے یقیناً زیادہ ہی ہو گی۔ کلاس فیلو نے اس کی ایک مشکل اور آسان کر دی تھی' اس نے کیا تھا وہ اس کے والدین کو یہی کہے گی کہ وہ رقم اس نے اپنے ذاتی جیب خرچ سے ایک سہیلی کی ماں کو اپنی ماں سمجھ کر دی ہے۔

بہر حال...... ماروی اس وقت اپنی ڈگمگاتی کیفیت کو سنبھالنے کی کوشش میں خود کو فارم ہاؤس کے ماحول کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی جب ایک ادھیڑ عمر کا ہٹا کٹا ملازم اس کے قریب آ کر بڑے ادب سے بولا۔

''آپ اس وقت کیا پینا پسند کریں گی......؟''

''کولڈ ڈرنک......'' اس نے ملازم سے کہا پھر دوبارہ نظریں پھیر لیں۔

''ایک بات اور عرض کرنی تھی۔'' ملازم دبی زبان میں نظریں جھکا کر بولا۔ ''یقینی بات ابھی نہیں کی جا سکتی لیکن...... ہو سکتا ہے کہ مالک رات کو نہ آ سکیں' اس لیے آپ رات کے کھانے کے لیے بھی اپنی پسند بتا دیں اور...... ایک گزارش بھی کروں گا۔ رات کو خواب گاہ کا دروازہ اندر سے مالک کے سوا کوئی دوسرا بند نہیں کرتا۔''

''کھانے میں میری کوئی خاص پسند نہیں ہے۔ جو بھی یہاں کا دستور ہو تم اسی پر عمل کرنا۔''

ماروی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو ملازم ہاتھ باندھ کر الٹے قدموں چلا گیا۔ اس کے

جانے کے کچھ دیر بعد ہی ایک دوسرا شخص سوئمنگ پول کے دوسری سمت والے گیسٹ ہاؤس سے نکل کر سامنے آیا۔اس نے ایک بگی پتلون اور پوری آستین والی اسپورٹنگ شرٹ پہن رکھی تھی'وہ ب ادھیڑ عمر اور صحت مند جسم کا مالک تھا لیکن اس کی ظاہری حیثیت ملازموں سے کچھ مختلف نظر آ رہ تھی'گیسٹ ہاؤس سے نکلتے وقت اس کی نظر بھی ماروی پر پڑی تھی۔ایک لمحے تک وہ اسے نفر بھری نظروں سے گھورتا رہا پھر ٹہلتا ہوا گیٹ کی طرف جانے لگا۔ماروی نے اس کی نظروں میں ابھرنے والی نفرت کو دور سے ہی بھانپ لیا تھا۔اس نے اپنی خاموش نفرت کا اظہار کیوں تھا؟ کچھ دیر وہ اس پر غور کرتی رہی پھر دوبارہ اپنا ذہن بنانے کی خاطر ماحول میں گم ہوگئی۔

دس منٹ بعد ملازم اس کے لیے کولڈ ڈرنک اور اس کے ساتھ میوہ جات کی دو تین پلیٹیں رکھ کر چلا گیا۔ماروی کو اس مہمان نوازی پر ہنسی آ گئی۔فارم ہاؤس کے ملازموں کو بھی یہ بات ضرور معلوم ہو گی کہ وہ وہاں کس مقصد کے لیے لائی گئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کا احترام کر رہے تھے......سوسائٹی کے اس رکھ رکھاؤ کا انداز بھی اس کے لیے انوکھا تھا۔اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی حیثیت اور ملازموں کے اخلاق کے بارے میں سوچا پھر سالٹش بادام کے چار چھ پیس لینے کے ساتھ ہی اس نے دوسرے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک کا خوب صورت اور قیمتی گلاس بھی اٹھا لیا۔کچھ وقت اور گزر گیا۔اس کے بعد وہی شخص پھر اس کے سامنے سے سر جھکائے گزرتا نظر آیا جس نے پہلی نگاہ میں اپنی نفرت کا اظہار کیا تھا۔

''ون منٹ پلیز......''ماروی نے غیر ارادی طور پر اسے مخاطب کیا تو رک گیا۔ایک بار پھر اس نے ناگوار انداز میں ماروی کو دیکھا پھر قدم اٹھاتا اس کے قریب آ گیا۔روبرو کھڑا ماروی کو سپاٹ نظروں سے گھورتا رہا۔

''غو......غاں......غو......غا......غا''جواب میں اس نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر ماروی سے اشاروں میں یہ کہنے کی کوشش کی تھی کہ''تم......اپنے کام سے......کام رکھو۔''

پھر......وہ الٹے قدموں منہ میں کچھ بدبداتا چلا گیا'ماروی کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ شخص گونگا تھا لیکن وہ اس کی حیثیت کا اندازہ پھر بھی نہ لگا سکی......رات کے کھانے کے وقت پہلا ملازم ٹرالی لے کر کمرے میں آیا تو اس نے تجسس کو دور کرنے کی خاطر پوچھ لیا۔

''کیا یہاں کوئی گونگا مہمان بھی موجود ہے؟''

''وہ......''ملازم نے دائیں بائیں دیکھ کر مدھم لہجے میں کہا۔''وہ ملازم نہیں......مالک کا دور پرے کا کوئی عزیز ہے۔یہاں اس کی حیثیت نگران اعلیٰ کی ہے......کوئی بھی اس کے حکم سے انکار کی جرأت نہیں کرتا......مالک بھی اس کا خیال رکھتے ہیں۔''

''اوہ......''ماروی نے لمبی سانس لے کر بات بدل دی۔''تمہارے مالک کے آنے کا کیا پروگرام ہے؟''

''مالکوں کی بات مالک ہی جانتے ہیں......آپ ساڑھے دس تک انتظار کر لیں پھر چاہیں تو

ہا ئیں لیکن دروازہ بند کرنے والی بات یاد رکھیے گا......'' ملازم نے تھوڑے توقف سے نظریں جھکا کر کہا۔'' ساتھ والے کمرے میں کھانے پینے کی اور بھی ضروری لباس بھی موجود ہے۔سونے کے لیے سی لباس کی پسند بھی آپ کی مرضی پر ہے۔''

ملازم چلا گیا تو ماروی کو ہنسی آ گئی۔اس نے ایک خلاف توقع قیمت کے عوض جو سودا زبردستی قبول کیا تھا۔اس کی پہلا تجربہ بھی اس کے لیے ایک معما ہی تھا۔''طلسم ہوشربا'' کسی داستان کی طرح......

کھانا کھانے کے بعد اس نے دوسرے کمرے میں جا کر جو بھی دیکھا وہ اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھا' شیشے کی ایک الماری میں شراب کی مختلف اعلیٰ اقسام بوتلیں اور قسم قسم کے خوبصورت اور نازک پیانے موجود تھے' دوسری الماری میں شب خوابی کے بے شمار جوڑے تھے۔اس نے نفرت سے ایک پاجامہ اور ڈریسنگ اٹھا لیا پھر اس کو پہن کر اس نے خود کو قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا کیا تو شرما کر نظریں جھکا لیں۔خواب گاہ میں واپس آ کر اس نے دروزاہ اندر سے بھیڑ لیا۔رات ساڑھے دس تک وہ جاگتی رہی پھر اس نے لائٹس آف کر دیں' نرم گرم مسہری پر لیٹ کر اس نے ایک شال اپنے جسم پر ڈال لی پھر سہمی سہمی لیٹی رہی۔کب اس کی آنکھ لگی؟ اس کو وقت کا اندازہ نہیں ہوا پھر......دوبارہ اس کی نیند اسی وقت اچاٹ ہوئی جب کسی کے ناگوار قرب نے اسے ہوشیار کیا تھا۔

بیس ہزار کی رقم کی ادائیگی کے کھیل کا آغاز کب ہوا۔ماروی کو اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب کسی نے اس کے جسم کو دوسری بار ٹٹولا تھا۔وہ نفرت سے دل پر جبر کیے اندھیرے میں کلبلاتی رہی۔ایک ذرا سی غلطی نے اسے جس راستے پر ڈال دیا تھا' اب وہ اس پر چلنے پر مجبور تھی۔ماں سے کسی سہیلی کے ساتھ رات بھر اسٹڈی کرنے کا بہانہ کر کے آئی تھی۔آدھی رات کے بعد واپسی کا راستہ اختیار کرنا بھی اس کے بس میں نہیں تھا۔گیسٹ ہاؤس پر ملازموں اور کسی گونگے کی موجودگی میں وہ بھاگنا چاہتی تو بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔خاص طور سے گونگے نے اسے پہلی نظر دیکھ کر جس نفرت اور حقارت کا اظہار کیا......جس انداز میں اس کو جواب دیا وہی اس کو خوفزدہ کرنے کے لیے بہت تھا۔وہ آنکھ کھول کر اس کی صورت دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی جو اپنی رقم وصول کر رہا تھا۔

دم سادھے وہ دانت پر دانت جمائے خاموش پڑی رہی......طوفان کی شدت جوں جوں زور پکڑتی رہی' اس کا کمزور وجود بھی اس کی سرکش موجوں پر ڈوبتا ابھرتا رہا......دبی دبی سسکیاں بھی اس کے اپنے وجود کی نفرت انگیز گہرائیوں میں بتدریج دفن ہوتی رہیں......طوفان گزر گیا تو کسی نے اس سے جدا ہوتے وقت بے حد سرد اور سفاک لہجے میں کہا تھا۔

''کسی سے کچھ نہ کہنا......زبان کھولنے کی حماقت کبھی نہ کرنا ورنہ تمہاری موت بھی بڑی عبرتناک ہوگی۔کون آیا؟ کون گیا؟ اسے یاد کرنے کی غلطی کی تو بوری بند لاش کسی کچرا کنڈی ہی سے دریافت ہوگی......ڈو یو انڈر اسٹینڈ؟''

✣✣✣

ایس پی اورنگ زیب اس وقت پوش علاقے کے ایک بنگلے کے ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا سنجیدگی سے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ بنگلے کے باہر سرجن زینب حسن کی تختی آویزاں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ ابھری تھی' وہ بھی معنی خیز تھی۔ گیٹ کے چوکیدار نے اس کا کارڈ دیکھ کر انٹرکام پر اندر اطلاع کردی۔ جس کے بعد اسے ڈرائنگ روم تک پہنچادیا گیا تھا۔

آٹھ دس منٹ کے انتظار کے بعد لیڈی ڈاکٹر سرجن زینب حسن اس کے سامنے موجود تھی۔" اس نے مسکرا کر اورنگ زیب سے دریافت کیا۔" کیا کوئی آفیشل معاملہ ہے؟"

"ہے بھی اور نہیں بھی ......" جواب بھی اورنگ زیب نے بھی مسکرا کر کہا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ میری آمد کا مقصد جان کر زیادہ خوش نہ ہوں' لیکن اس کے باوجود......"

"کم آن آفیسر......" زینب حسن نے بات کاٹ کر کہا۔" جس پروفیشن سے ہم وابستہ ہیں اس میں اس قسم کے تکلفات کا دخل نہیں ہوتا۔"

"میں......اس وقت آپ کی صاحبزادی مس بینا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہوں گا۔"

"اوہ......! سرجن زینب یکلخت سنجیدہ ہوگئی۔" بینا سے آپ کو کیا کام پڑگیا؟"

"تکلف برطرف ......" اورنگزیب نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔" میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کس بیوٹی پارلر کو پسند کرتی ہیں اور آخری بار وہاں کب گئی تھیں؟

"کیا آپ یہ باتیں آفیشل طور پر معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

جی نہیں......فی الحال میں اس بات کو ان آفیشل ہی رکھنا پسند کروں گا۔ اس لیے کہ مجھے آپ کے اسٹیٹس اور بینا کے مستقبل کا بھی خیال ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" سرجن زینب نے کڑوے انداز میں کھری باتیں کی۔" آپ کی باتیں......"

"پلیز سرجن۔" اورنگ زیب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی پھر پہلو بدل کر پوچھا۔" کیا آپ کے علم ہے کہ تین روز قبل مس بینا اپنی ضرورت کے پیش نظر ہنی مون بیوٹی پارلر گئی تھیں؟"

"جی ہاں......مگر اس میں قانون درمیان میں کیسے آگیا؟ کیا بیوٹی پارلر جانا کوئی جرم ہے؟"

"آئی سی......گویا مس بینا نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔"

اورنگ زیب کا جواب سن کر سرجن زینب کے چہرے پر کچھ ناگوار سلوٹیں ابھرنا شروع ہوئی

تھیں، جب سترہ سال کی ایک معصوم لڑکی مسکراتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ ماں کو کسی ملاقاتی کے ساتھ مصروف دیکھ کر اس نے مہذب انداز میں اورنگزیب کو سلام کیا پھر ماں سے بولی۔

''میں سٹڈی کے لیے......''

''بیٹھ جاؤ......'' سرجن زینب نے بینا سے کہا پھر اس کے بیٹھنے کے بعد سرسراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔''دو تین روز قبل تم بیوٹی پالر گئی تھیں، لیکن واپس آنے کے بعد تم نے مجھ سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔''

بینا کے چہرے کی رنگت پل بھر میں اڑ گئی جسے سرجن زینب نے بھی محسوس کیا۔ بینا نے ماں کا سوال سن کر اورنگ زیب کی سمت دیکھا پھر...... ماں نے جب اورنگ زیب کا تعارف کرایا تو بینا کی نظریں بھی جھک گئیں۔

''کم آن بینا......'' اورنگ زیب نے کسی مشفق بزرگ کی طرح اسے مخاطب کیا۔''اس وقت میں ایک دوست کی حیثیت سے تم سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز، تم مجھے پولیس افسر کے بجائے اگر انکل سمجھ کر تعاون کرو تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی......''

بینا بہ دستور سر جھکائے ہونٹ چباتی رہی تو سرجن زینب نے اسے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم جانتی ہو کہ مجھے خاموشی سے نفرت ہے...... جو بات ہے اسے کھل کے بیان کرنے میں تم کیوں ہچکچا رہی ہو؟ میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں......''

''پلیز سرجن......'' اورنگ زیب نے بینا کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے سلجھے ہوئے انداز میں ٹوکا پھر رک رک کر پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔''کرنل احتشام کے سلسلے میں بھی آپ مطمئن رہیں۔''

پھر ماں کے اصرار پر بینا نے پوری تفصیل سے تمام باتیں بیان کر دیں۔

''کون تھے وہ باسٹرڈ......'' سرجن زینب نے اورنگ زیب سے پوچھا۔''اس وقت وہ کہاں ہیں؟'' تفصیل سن کر سرجن زینب کا آپے سے باہر ہو جانا قدرتی بات تھی۔

''پلیز سرجن...... آپ پریشان نہ ہوں۔'' اورنگ زیب نے کہا۔''وہ دونوں پولیس کی تحویل میں ہیں، لیکن جو کچھ ہو چکا اس میں براہ راست ان کے ارادوں کو بھی دخل نہیں تھا۔ کسی اور نے قیمت چکا کر ان کی خدمات حاصل کی تھیں۔ کرنل احتشام نے ذاتی طور پر انہیں پولیس کے حوالے کیا ہے...... مس بینا کا نام کہیں بھی درمیان میں نہیں آیا۔''

''پھر...... آپ اس وقت کیا معلوم کرنے آئے ہیں......؟''

''مس بینا......'' اورنگ زیب نے سرجن زینب کا سوال نظر انداز کر کے براہ راست بینا کو مخاطب کیا۔''کیا بیوٹی پارلر کی وین کے ڈرائیور نے تم سے کوئی بات کی تھی؟''

''جی نہیں......''

''سپر اسٹور پر وین کیوں رو کی گئی تھی؟''

اس کی درخواست میں نے کی تھی...... مجھے ایک دو چیزیں خریدنی تھیں۔"

"جن افراد نے تمہیں لے جانے کی کوشش کی تھی کیا تم نے ان کو پہلے بھی کبھی کہیں دیکھا ہے؟"

"جی نہیں......"

"شیلا ورما کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

میرا مطلب ہے کہ کیا اس نے کبھی تمہارے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی......"

"کبھی نہیں......" بینا نے سنجیدگی سے کہا۔"میں صرف اس کے نام سے واقف ہوں۔کبھی اس سے ملاقات کا اتفاق بھی نہیں ہوا۔"

"گڈ......" اورنگ زیب نے بہ دستور دوستانہ انداز میں کہا پھر اس نے سرجن زینب کو مخاطب کیا۔

"آپ فکر نہ کریں......آپ کا یا مس بینا کا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔"

"شکریہ آفیسر لیکن وہ دوسرے افراد جو پولیس کی تحویل میں ہیں، کیا ان کی زبان بھی بند رہیں گی؟"

اورنگ زیب ایک لمحے کے تامل کے بعد کوئی جواب دینا چاہتا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوئے۔سرجن زینب سے معذرت طلب کر کے اس نے موبائل آن کیا۔دوسری جانب سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی آواز ابھری۔

"آپ کو ایک ضروری اطلاع دینی ہے۔کرنل احتشام نے جن دو افراد کو پولیس کی تحویل میں دیا تھا آج ان کو ہمارے آئی جی صاحب نے اپنے دفتر طلب کیا تھا۔غالباً کرنل احتشام کے کہنے پر ہی وہ ذاتی طور پر ان دونوں کو زبان کھلوانا چاہتے تھے' لیکن اب ان کی بوکھلاہٹ بھی قابل دید ہے۔"

"گٹ شاٹ......" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

"دونوں نے آئی جی کے سامنے ہی دانتوں کے درمیان رکھے ہوئے زہریلے کیپسول چبا لیے ان کی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کردی گئی ہیں۔اب آپ کی تلاش ہو رہی ہے مجھ سے بھی دریافت کیا گیا تھا۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا' لیکن میرا خیال ہے کہ محترم آئی جی کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔"

"ڈونٹ وری۔" اورنگ زیب نے سلسلہ منقطع کر کے سرجن زینب سے کہا۔"آپ کے لیے ایک خوش خبری ہے۔جو دو آدمی پولیس کی حراست میں تھے انہوں نے آئی جی کے کمرے میں خودکشی کر لی ہے۔"

''اوہ.....لیکن.....انہوں نے ایسا کیوں کیا...........؟''

'میں اب اجازت چاہوں گا۔'' اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔''میرا مشورہ ہے کہ اگر''مس بینا دس دوز گھر تک محدود رہیں تو مناسب ہوگا۔''

''اوکے لیکن کیا آپ مجھے خدمت کا.....''

''اس وقت میں جلدی میں ہوں۔'' اورنگ زیب نے بینا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''پھر کسی وقت آپ سے کلینک میں ملاقات کرنے کی کوشش کروں گا۔''

اورنگ زیب کے جانے کے بعد سرجن زینب نے بینا کی طرف دیکھا جو صوفے پر کسی ایسی معصوم ہرنی کی طرح سہمی بیٹھی تھی جو کسی بھوکے درندے کے چنگل سے بچ جانے کے بعد دل کی بے ترتیب دھڑکنیں سنبھال رہی ہو۔

✣✣✣

شیلا ورما اس وقت اپنی خواب گاہ میں کسی بھوکی شیرنی کی طرح ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار ابھرنے والا تجسس اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہے۔

حسب معمول اس نے اس وقت بھی شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا' لیکن خواب گاہ کی تنہائی اسے کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈس رہی تھی۔ اس کی الجھن کا سبب جونی تھا جو دور دوز سے کہیں چھومنتر ہو گیا تھا۔ ان دو دنوں میں شیلا ورما نے اس کے موبائل فون پر ان گنت کالز کی تھیں' لیکن دوسری طرف سے ہر بار اسے پاورڈ آف کا ریکارڈز میسج ہی ملا تھا۔

یہ پہلا اتفاق نہیں تھا۔ اس سے پیشتر بھی ایک دو خالص موقعوں پر خود شیلا ورما نے اسے بیوٹی پارلر سے دور رہنے کے لیے کہا تھا' لیکن دور رہنے کے باوجود وہ موبائل کے ذریعے برابر رابطہ قائم رکھتا تھا' مگر اس بار جونی نے از خود پارلر سے دوری اختیار کر لی تھی اور رابطہ بھی نہیں کیا تھا اس کا سبب یقیناً بینا ہی تھی جو شکاریوں کے جال میں پھنس جانے کے باوجود کسی طرح اغواء کرنے والے دونوں افراد کے ساتھ ملٹری ایجنسی کے دفتر تک پہنچ گئی تھی۔ وہاں سے بینا کو جانے کی اجازت مل گئی تھی، دونوں افراد کو پولیس کی تحویل میں دینے کی اجازت مل گئی تھی، دونوں افراد کو پولیس کی تحویل میں دینے کی اطلاع......پھر آئی جی کے روبرو ان کی خودکشی کی پوری تفصیل بھی شیلا ورما کو اس کے معتبر ذرائع سے مل گئی تھی' لیکن جونی کے بارے میں وہ ابھی تک قطعی لاعلم تھی۔ پریشانی اس بات کی تھی کہ جونی نے خلاف توقع اسے اپنے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے اس نے درمیان میں رکھی گول میز کے قریب جا کر گلاس میں بچی شراب بھی اٹھالی، ایک ہی سانس میں اسے حلق کے نیچے اتارنے کے بعد اس نے دوبارہ دستی گھڑی کی طرف دیکھا' پھر وہ دل ہی دل میں جونی کو مغلظات سنا کر اپنے غصے کو ٹھنڈا کر رہی تھی جب اس کے موبائل نے وائبریٹ کرنا شروع کیا۔ شیلا ورما نے نمبر دیکھے بغیر بڑی عجلت میں کال ریسیو کی لیکن دوسری جانب سے نگینہ کی آواز سن کر اس کی جھنجلاہٹ دو چند ہوگئی۔

''اس وقت کس مقصد سے کال کیا ہے؟'' اس نے تلملا کر دریافت کیا۔

''مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' دوسری جانب سے نگینہ کی سرسراتی آواز ابھری۔ ''کسی دشمن نے سکندر علی شاہ کے کان میں ہمارے خلاف بھر دیئے ہیں مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے بیوٹی پارلر کی طرف بھول کر بھی رخ نہ کروں۔''

''تمہارا شبہ کس پر ہے......''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' نگینہ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے......'' شیلا ورما نے روکھے انداز میں اپنا فیصلہ بھی سنا دیا۔ ''تمہارے نہ آنے سے پارلر کے کاروبار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا' لیکن جو کام تمہارے ذمے ہے اس کی طرف غافل نہ ہونا۔''

''کوشش کروں گی' لیکن میرا خیال ہے کہ سکندر علی شاہ کے پالتو شکاری کتے اب مجھے پہلے کی طرح آزادی سے کہیں آنے جانے کا موقع نہیں دیں گے۔''

''یہ سوچنا تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ لیکن نجی کاروبار کے لیے لڑکیوں کی تلاش تمہیں ہر قیمت پر جاری رکھنی ہوگی۔

یہ بھی نہ بھولنا کہ تم نگینہ بننے سے پہلے کس حیثیت کی مالک تھیں۔ میں تمہیں اس کا معقول معاوضہ بھی پیشگی دے چکی ہوں اس کے علاوہ میرے پاس تمہارے سلسلے میں کچھ ایسے ٹرمپ کارڈز بھی ہیں جو تمہیں محلوں سے نکال کر دوبارہ......''

''کیا بات ہے شیلا......'' نگینہ نے بات کاٹ کر بے تکلفی سے دریافت کیا۔ ''تم اس وقت کچھ الجھی الجھی لگ رہی ہو۔ سب خیر تو ہے؟''

''میں اپنے ذاتی معاملات صرف خود تک محدود رکھنے کی عادی ہوں۔'' شیلا ورما نے بہ دستور سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''کیا تم بتا سکو گی کہ اس وقت جونی کہاں ہوگا؟''

'کیا مطلب؟ جونی کو کیا ہوگیا؟''

'وہ دو دن سے غائب ہے......''

''لیکن......''

''معصوم مت بنو......'' شیلا نے تلملا کر جواب دیا۔

''میں تمہارے اور اس کے مراسم سے بھی ناواقف نہیں ہوں، ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہاری طرح اور بھی دو چار ہانڈیوں میں منہ مارنا شروع کر دیا ہو لیکن دو روز کی غیر حاضری جونی کو بھی مہنگی پڑے گی......محبت اور جنگ میں ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرنے کی چھوٹ ہوتی ہے۔''

''جانتی ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ جونی کہاں ہے۔''

''اپنے موبائل سے رابطہ قائم کر کے دیکھو......ہوسکتا ہے تمہارے پاس اس کا کوئی خاص نمبر ہو۔'' شیلا کے لب و لہجے میں شعلے لپک رہے تھے۔

''ایسا نہیں ہے شیلا...... میری بات کا یقین کرو۔''

''ٹھیک ہے لیکن میری ہدایت کا خیال رکھنا......

نئے چمکتے دمکتے اور تروتازہ ہیروں کی تلاش میں تمہاری کس کوتاہی کو براشت نہیں کروں گی......گڈ بائی۔'' شیلا نے جملہ مکمل کر کے رابطہ بھی ختم کر دیا پھر وہ نیا گلاس تیار کرنے کے ارادے سے کرسی پر بیٹھی ہی تھی کہ دروازے پر ہونے والی مخصوص دستک کی آواز سن کر وہ تیزی سے اٹھ گئی۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھول دیا......سامنے جونی کھڑا تھا۔

''تم......تم......'' شیلا نے اس کی نظروں میں دور تک جھانکتے ہوئے شکوہ کیا۔ ''تم دو روز سے کہاں گم تھے؟''

''سپر اسٹور سے اٹھائی جانے والی لڑکی جہاں پہنچ گئی تھی اس کے بعد احتیاط شرط تھی۔''

''مجھے کم از کم فون تو کر سکتے تھے؟''

''حالات سنگین ہوں تو انسان کو اپنی پرچھائیں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔'' جونی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آج ان دونوں کی خودکشی کی اطلاع کے بعد ہی میں نے سکون کا سانس لیا ہے' لیکن تمہارے لیے ایک نئی اطلاع بھی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''جو لڑکی شکار ہونے سے بچ گئی اس کی ماں بڑی حیثیت کی مالک ہے اور آج......ایس پی اورنگ زیب بھی اس سے ملنے گیا تھا......ہمیں کچھ دنوں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔''

''اس وقت نہیں جونی......اس بارے میں صبح بھی سوچا جا سکتا ہے۔'' شیلا ورما نے نشیلی آواز میں جواب دیا۔ پھر اس نے جونی کی گردن میں بانہیں ڈالنے سے پہلے خواب گاہ کی روشنی میں گل کر دی تھی۔

✣✣✣

تھریسا کو پیش آنے والے حادثے کے بعد میڈم روبی نے اپنے گھر کی سکیورٹی مزید بڑھا دی تھی۔ اب وہ خود بھی پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔

تھریسا کی واپسی سے پیشتر جو کال اسے ملی تھی' وہ اس وقت بھی اس کے ذہن میں کچوکے لگا رہی تھی۔ جب ناشتے کے بعد وہ اخبار کے صفحات الٹ پلٹ رہی تھی تھریسا بھی اس کے قریب بیٹھی اس کے چہرے کے تاثرات کے اتار چڑھاؤ کو پڑھ رہی تھی۔

اغوا کرنے والوں نے اسے باعزت چھوڑ دیا تھا' لیکن وہ تجربہ بھی اتنا ہولناک تھا کہ تھریسا خود بھی ابھی تک اسے فراموش نہیں کر سکی تھی۔ جن لوگوں نے اسے میڈیم کی رہائش گاہ سے اتنی ہوشیاری سے اغوا کیا تھا کہ گھر کے ملازموں اور گیٹ کے چوکیداروں کو بھی اس کا علم نہیں ہو سکا تھا وہ اسے اپنی کمین گاہ تک لے جانے کے بعد مل بانٹ کر بے آبرو کرنے کے لیے بھی قدم اٹھا سکتے تھے' لیکن میڈیم سے اپنا ایک مطالبہ منوانے کے بعد انہوں نے اسے باعزت طور پر واپس کر دیا تھا۔

تھریسا کے اغواء میں گھر کی ایک ملازمہ شامل تھی' جو لاپتا ہوگئی تھی۔ میڈم نے اس کی کھوج لگانے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی۔ وہ اس حادثے کو شہرت نہیں دینا چاہتی تھی' لیکن اس کے ساتھ اسے اس بات کا احساس بھی ہوگیا تھا کہ تھریسا کو کس مقصد کی خاطر اٹھایا گیا تھا؟ جو لوگ اسے ڈی آئی جی سے شادی نہ کرنے پر مجبور کررہے تھے ان کی پشت پر یقیناً شیخ حامد یا اس کے زرخرید شکاری کتوں کا ہاتھ شامل ہوگا۔ کنول کا اغواء کا خیال بھی اس کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ اورنگ زیب کے لگژری اپارٹمنٹ کی بربادی کا حال بھی اسے سراج نے فون پر بتایا تھا اور یہ تاکید بھی خاص طور پر کی تھی کہ وہ اپنے گردوپیش پر نظر رکھے۔

میڈم بہ دستور وقت کی اس گردش پر غور کررہی تھی' جو یکلخت تیز ہوتی جارہی تھی۔ جب قریب رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ کال تھریسا نے وصول کی پھر اسے میڈم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میڈم الماس کی کال ہے۔''

''اس وقت کیسے یاد کیا؟'' میڈم نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔ ''سب خیریت تو ہے؟''

''تھریسا نے کچھ بتایا کہ اسے کن لوگوں نے غواء کیا تھا؟''

''نہیں ......'' میڈم نے تھریسا کی موجودگی کی وجہ سے بات گھما کر جواب دیا۔ ''آج کل کوئی چیز بھی اپنی اصل شکل میں نظر نہیں آتی۔ ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔''

''سمجھ گئی ......شاید وہ اس وقت بھی تمہارے قریب ہی موجود ہے۔''

''ہاں ......کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔'' میڈم نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ ''سراج صاحب کا کیا حال ہے؟''

''نئے آئی جی کی وجہ سے سراج کے علاوہ اورنگ زیب صاحب بھی الجھے ہوئے ہیں۔''

''کوئی نئی اطلاع ......؟''

جواب میں الماس نے بینا کے اغواء اور اس کے اغواء کرنے والوں کی خودکشی کی تفصیل سنائی تو میڈم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''بینا کو تو کچھ نہیں ہوا......؟''

''نہیں ......اسے کرنل احتشام نے خاموشی سے گھر بھیج دیا تھا لیکن اس کو اغواء کرنے والوں نے آئی جی کے سامنے خود کو موت کی نیند سلا دیا جس کی وجہ سے وہ خود بھی بوکھلا گیا ہے۔''

''کچھ پتا چلا کہ اغواء کرنے والے کون تھے......؟

''ان کے پاس سے کوئی ایسی شے برآمد نہیں ہوئی جس سے کچھ پتا چلتا۔ کرائے کے غنڈے رہے ہوں گے۔''

''سراج بھائی اور اورنگزیب صاحب کی الجھن کا کیا سبب ہے......؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی' لیکن سراج کی کچھ باتوں سے یہ اندازہ ضرور ہوا ہے کہ کچھ ایسے نامعلوم افراد ہیں جو آئی جی کو بھی اس کی کسی خاص کمزوری کے سبب بلیک میل کررہے ہیں۔'' الماس نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''اورنگ زیب صاحب کے تبادلے کے پیچھے بھی اسی بلیک میلر کا ہاتھ

نظر آتا ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میڈم روبی نے سرسراتے انداز میں پوچھا۔''کون ہوسکتا ہے وہ بلیک میلر؟''

''اس کا علم شاید آئی جی کو بھی نہیں ہے......''

''مجھے تم سے اس جواب کی توقع نہیں تھی......''

''میں سمجھی نہیں......'' الماس نے کھوجنے والے انداز میں کہا۔''تمہارے ذہن میں کیا ہے؟''

''تم فرحین اور لیاقت حسین کو پیش آنے والے حادثات کو کیوں فراموش کررہی ہو۔'' میڈم روبی نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''ان تمام وارداتوں کے پیچھے ایک ہی ہاتھ ہے......آکٹوپس!'' میڈم نے بات جاری رکھی۔''لیاقت حسین کی پر اسرار غیبی قوتیں کئی بار اس کا راستہ کھوٹا کرچکی ہیں، باقی کسر اورنگ زیب صاحب پوری کررہے ہیں جنہیں ایک لمحے کے لیے بھی اس کی موت کا یقین نہیں آیا تھا۔ کنول کے اغواء اور اس کی ماں کی موت کے بھی یقیناً اسی موذی کے ہاتھ ہوگا۔''

''تمہاری بات میں وزن ہے......اس کی روشنی میں تھریسا کے اغواء کو بھی اسی کے خانے میں ڈالا جاسکتا ہے۔''

''میں نے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا ہے......'' دوسری طرف سے الماس نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شاید ابھی ایک تازہ واردات کی اطلاع نہیں ملی......''

اگر تمہارا اشارہ اورنگ زیب صاحب کے لگژی اپارٹمنٹ کی طرف ہے تو یہ اطلاع تمہارے سراج صاحب مجھے دے چکے ہیں۔'' میڈم نے مسکرا کر کہا۔''انہوں نے یہ تاکید بھی کی تھی کہ یہ اطلاع اپنی ذات تک محدود رکھوں۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم عورتیں مفت میں بدنام ہیں۔'' دوسری جانب سے الماس کی کھنکتی ہوئی آواز ابھری۔''یہ مرد حضرات ہم سے زیادہ پیٹ کے ہلکے ہوتے ہیں۔ ایک طرف مجھے بھی زبان بند رکھنے کو کہا تھا اور دوسری طرف خود تمہیں بتا دیا۔''

''سوری الماس!'' میڈم روبی نے مسکرا کر جواب دیا۔''میں سراج بھائی کے خلاف کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہوں۔''

''آج شام کو تمہارا کیا پروگرام ہے۔'' الماس نے کہا۔''اگر فارغ ہو تو میری طرف آجاؤ۔ شام کی چائے بھی اپنے سراج بھائی کے ساتھ پی لینا۔''

''او کے۔'' میڈم نے ہامی بھرتے ہوئے جواب دیا۔''مجھے بھی اورنگ زیب صاحب اور سراج بھائی سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں......خاص طور پر سمندر کے موذی جانور کے سلسلے میں۔''

''کیا ارادے ہیں......''

''اینٹ کا جواب اگر پتھر سے نہ دیا جائے تو دشمن اور شیر بن جاتے ہیں۔'' میڈم نے اس بار ہونٹ چباتے ہوئے کہا پھر شام کی چائے کا پروگرام پکا کرنے کے بعد ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

تھریسا بہ دستور اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے میں مشغول تھی۔

❖❖❖

ماربل کے ایک کنسائمنٹ کو جہاز راں کمپنی کے حوالے کرنے کے بعد لیاقت حسین ڈبل کیبن پک اپ میں بیٹھا اس روڈ سے گزر رہا تھا جہاں اس وقت زیادہ ٹریفک نہیں تھا' عام طور پر اس سڑک کو صرف بندرگاہ جانے آنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب یا تو کھلا میدان تھا یا پھر کہیں کہیں کچی آبادی کے کچھ شکستہ اور میلے کچیلے مکانات ان لوگوں کی غربت کی داستان سناتے نظر آتے تھے جن کے لیے سر چھپانے کے لیے کوئی باقاعدہ ٹھکانا نہیں تھا، بہر حال اس راستے کی خوب صورتی کی خاطر سڑک کے دونوں جانب کچھ مخصوص فاصلوں سے ایسے درخت بھی لگا دیئے گئے تھے جو اپنا پانی خود زمین کی تہہ سے کشید کرتے تھے۔ مہینے میں ایک دو بار کارپوریشن والے واٹر ٹینک بھی ان درختوں کی مزاج پرسی کے لیے آجاتے تھے اسی بہانے وہ کچی آبادی کے خانماں برباد لوگوں کو اونے پونے پانی بھی فروخت کر دیتے تھے۔

حسب معمول لیاقت حسین اس وقت بھی ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا' جنہوں نے اس کی انیکسی میں داخل ہو کر فرحین کو اغواء کرنے کی جسارت کی تھی۔ انیکسی کے چوکیداروں کو ان لوگوں نے ٹھکانے لگا دیا تھا۔ لیاقت حسین نے بھی جواب میں ان کے پانچ افراد کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ ایک دو آدمی نکل بھی گئے تھے۔ لیاقت حسین پر ایک ذرا آنچ نہیں آئی تھی سیٹھ عثمان کے علاوہ اورنگزیب اور سراج نے بھی اسے پولیس کی دوسری کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی لیکن ...... لیاقت حسین اس وقت اس میل نرس کے بارے میں سوچ رہا تھا جو دشمنوں کا ایجنٹ تھا۔ اسپتال کی وردی پہن کر فرحین کو زہریلا انجکشن لگانا چاہتا تھا۔ قدرت کی غیبی امداد نے اس کی نشاندہی کر دی تھی' مگر لیاقت حسین کو اب بھی اس بات کا افسوس تھا کہ اس نے میل نرس کے سلسلے میں ایس پی اورنگ زیب کو اطلاع دے کر غلطی کی تھی اگر وہ خود اس کے ہاتھ توڑ کر دشمنوں کے لیے نشان عبرت بنا دیتا تو شاید انہیں بھی اندازہ ہو جاتا کہ لیاقت حسین کی زندگی میں فرحین ان کے لیے تر نوالہ بن سکتی تھی۔

اسپتال سے واپسی کے بعد زاحیلہ بیگم نے فرحین کو کچھ دنوں مکمل آرام کی خاطر اپنے پاس روک لیا تھا۔ انیکسی کے لیے دوسرا چوکیدار گل خان کی وساطت سے رکھا گیا تھا، اس لیے اس پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ سراج نے بھی اسے دبی زبان میں اشارہ دیا تھا کہ ملٹری انٹیلی جنس کے کچھ سادہ لباس والے بھی اس کی رہائش پر تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود لیاقت حسین کو اس بات کا غم تھا کہ اس نے دشمنوں کو وہ سبق نہیں دیا جو دینا چاہیے تھا۔ باپ کی طرح وہ بھی اس بات کا قائل تھا کہ مچان پر بیٹھ کر شکار کرنیوالوں کو اصل شکاری نہیں کہا جا سکتا۔ مرد شکاری وہ ہوتا ہے جو شکار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دے۔

لیاقت حسین نے اپنے باپ کی حویلی میں بھی شیر کی کھال دیوار پر لگی دیکھی تھی، شیر کا سر بھی تھا جس میں اس کی آنکھوں کی درندگی بھی موجود تھی' لیکن سردار سرفراز خان نے اس درندے کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کی نیند سلا دیا تھا' جس کی تصویر بھی البم میں محفوظ تھی۔ تصویر میں سرفراز خان اس جنگل کے بادشاہ کے سر پر ایک پیر جمائے سینہ تانے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ وہی تصویر اس وقت لیاقت حسین کے ذہن میں بار بار ابھر رہی تھی۔ جب اس کی نظریں کچھ دیر بعد معمول کے مطابق عقبی شیشے کی طرف اٹھیں۔ ایک فاصلے سے آنے والے لوڈنگ ٹرک، دیکھ کر اس نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا' لیکن جب اس نے ماں کی دی ہوئی انگوٹھی کے نگینے پر نظر ڈالی تو چونک اٹھا...... کسی خطرے کے احساس نے اسے کسی ماہر شکاری کی طرح چوکنا کر دیا۔

اس نے اپنی رفتار کم نہیں کی' لیکن یہ بات بھی نوٹ کرتا رہا کہ ٹرک آہستہ آہستہ اس کے قریب آنے کی خاطر رفتار بڑھا رہا تھا سڑک کا وہ حصہ دونوں طرف سے ویران تھا، ٹرک کے پیچھے بھی سڑک پر کوئی دوسری گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

لیاقت حسین پوری طرح سنبھل کر بیٹھ گیا، سیدھے ہاتھ سے اس نے سراج کا دیا ہوا آٹو میٹک ریوالور نکال کر گود میں رکھ لیا پھر وہ بھی اپنی رفتار اس انداز میں کم کرتا ہوا روڈ کنارے ہونے لگا جیسے کسی انسانی ضرورت نے اسے مجبور کر دیا ہو۔ گاڑی روک کر اس نے اگنیشن سے چابی بھی نکال لی۔ آٹو میٹک ریوالور کو نیفے میں اڑس کر وہ گاڑی سے اترا اور ڈھلان سے گزر کر ایک جھاڑی کی آڑ میں چلا گیا۔ اکڑوں بیٹھ کر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔

تعاقب میں آنے والا ٹرک اس کی گاڑی کے عقب میں آ کر رک گیا۔ یکے بعد دیگرے تین افراد کود کر نیچے آ گئے۔ ایک کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ چوتھا شخص جو گاڑی چلا رہا تھا وہ بھی نیچے اترا۔ اس نے فوری طور پر لیاقت حسین کی گاڑی کے قریب جا کر اندر جھانکا پھر پلٹ کر ساتھیوں کو گرین سگنل بھی دیدیا۔ لیاقت حسین کے وجود میں چھپا دلیر شکاری بیدار ہونے لگا اس نے بیٹھے ہی بیٹھے رائفل والے کو نشانہ بنایا پھر کسی آدم خور چیتے کی طرح اچھل کر سامنے آ گیا۔ رائفل والا ڈھیر ہو چکا تھا باقی تینوں افراد ابھی صورت حال کا پوری طرح جائزہ بھی نہیں لے سکے تھے جب لیاقت حسین نے گرج کر کہا۔

"خبردار...... کوئی غلطی نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ اپنے ہاتھ بھی اٹھا دو ورنہ......"

سڑک کے کنارے کھڑے تینوں افراد کے ہاتھ فضا میں بلند ہو گئے۔ اپنی ساتھی کا انجام دیکھنے کے علاوہ انہیں لیاقت حسین کے ہاتھ میں دبا آٹو میٹک ریوالور بھی نظر آ رہا تھا۔ ایک ساتھی کے جہنم رسید ہو جانے کے بعد انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کی ایک ذرا سی غفلت ان کے لیے بھی موت بن کر سامنے آ سکتی ہے۔

"تت...... تم ...... غلط سمجھ رہے ہو دوست۔" تینوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم بھی تمہاری طرح فارغ ہونے کے ارادے سے رکے تھے۔ تم نے ہمارے ایک ساتھی کو گولی مار کر جلد بازی کا

ثبوت دیا ہے۔"

"سر پر خون سوار ہو تو پھر قاتل بھی اندھا ہو جاتا ہے تم نے اگر سیدھی طرح میرے سوال کا جواب نہ دیا تو تم تینوں کا انجام زیادہ عبرت ناک ہوگا۔" لیاقت حسین نے حقارت سے جواب دیا۔

"یہ تمہاری دوسری حماقت ہوگی۔" دوسرے نے قدرے جھلا کر کہا۔

"شرافت سے اگل دو کہ تم کس کے شکاری کتے ہو......؟ لیاقت حسین کے تیور خطرناک ہونے لگے۔

"رائفل والے کے انجام پر غور مت کرنا...... میں تم تینوں کو ماردوں گا نہیں...... اس طرح زندہ چھوڑوں گا کہ تم خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ ایک بات اور سن لو...... وقت کم ہے...... اس سے پہلے کہ کوئی دوسری گاڑی آئے یا لوگ جمع ہوں، پالتو کتوں کی طرح میرے اشارے پر دم ہلانا شروع کر دو...... تم کس کے آدمی ہو؟"

"ہمارے بارے میں تمہارا اندازہ......" دوسرے شخص نے لیاقت حسین کو گھورتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر وہ بھی حلق پھاڑ کر چیختا ہوا سڑک پر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ لیاقت حسین کا نشانہ خطا نہیں گیا تھا، دوسرے شخص کے داہنی گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔

"خنزیر کے بچو......" لیاقت حسین کی قہر آلود آواز پھر فضا میں بلند ہوئی۔ "تم کس کے آدمی ہو؟ کون ہے وہ نامرد جو کھل کر خود سامنے نہیں آتا؟"

"ہم اس کا نام نہیں جانتے۔" دو آدمی جو کسی ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہیں ہوئے تھے ایک ساتھ ہی بول پڑے۔ "ہمیں فون پر تمہیں قابو کر کے ایک مقام پر پہنچانے کا حکم ملا تھا۔"

"فون کرنے والا کون تھا؟" لیاقت حسین کی نگاہوں میں خون ابلنے لگا۔ "کوئی نہ کوئی تو ضرور ہوگا جس ولد الحرام سے تم واقف ہو گے؟"

"ہاں...... لل...... لیکن ہم نے زبان کھول دی تو وہ بھی ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"پھر میرا انتقام تم کتوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہے، میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔" لیاقت حسین نے زہر خند لہجے میں کہا۔ پھر اس کے آٹو میٹک ریوالور سے تیسرا فائر ہوا۔ اس بار ایک شخص چیختا ہوا زمین پر آ گرا۔ گھٹنے کی ہڈی چور چور ہونے کے بعد وہ بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ لیاقت حسین کی نگاہوں کا زاویہ تبدیل ہوا تو تیسرا آدمی خوف سے ہکلانے لگا۔

"نن...... نن...... نہیں، گولی مت چلانا...... مم...... میں تم کو اس کا نام بتاتا ہوں...... لل...... لیکن وہ جس حیثیت کا مالک ہے تم یا پولیس اس پر شبہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"تقریر نہیں...... نام اگل ڈالو کم ذات ورنہ......"

لیاقت حسین اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ آخری شخص نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے اس پر چھلانگ لگا دی۔ لیاقت حسین کو اس کی توقع نہیں تھی۔ ایک لمحے کو وہ بھی چھلانگ لگانے والے کے ساتھ ہی گرد میں لوٹ پوٹ ہو گیا لیکن پھر وہ اسے بھی قابو کر کے اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ پہلی

فرصت میں اس نے پستول والا ہاتھ فضا میں بلند کر کے پستول کے دستے کو اس کے سر پر پوری قوت سے مارا۔اس نپے تلے وار نے اس کے مقابل کو بھی بے ہوش کر دیا۔لیاقت حسین نے تیزی سے سنبھل کر پوزیشن سنبھالی پھر اس نے بے ہوش ہونے والے شخص کے گھٹنے پر بھی ایک گولی داغ دی۔بے ہوشی کے باوجود اس کا جسم پھڑ پھڑا کر رہ گیا تھا۔

سڑک پر دور دور تک ٹریفک کا کوئی نشان نہیں تھا۔لیاقت حسین چاہتا تو اپنی گاڑی پر بیٹھ کر وہاں سے نکل جاتا' لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔مرنے والے کے علاوہ اس نے تینوں زخمیوں کو بھی گھسیٹ گھسات کر اپنی ڈبل کیبن کے پچھلے حصے میں ڈال لیا۔آدھے گھنٹے بعد وہ علاقے کے پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔تینوں افراد بے ہوشی کی حالت میں تھے۔لیاقت حسین انہیں گاڑی میں چھوڑ کر دو پھول والے ایس ایچ او کے کمرے میں داخل ہوا۔

''تم ......''ایس ایچ او نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔''تم لیاقت حسین ہونا......؟''

''آپ کیسے جانتے ہو صاحب؟''لیاقت حسین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمہیں یاد نہیں لیکن میں تمہیں ایک بار ایس پی اورنگ زیب صاحب کے دفتر میں دیکھ چکا ہوں۔''ایس ایچ او نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں سوال کیا۔ ''اس وقت یہاں کیسے آنا ہوا......؟''

''میں آپ سے ایک درخواست کروں گا......''

لیاقت حسین نے کرسی پر بیٹھے بغیر سنجیدگی سے درخواست کی۔

''اس وقت آپ میرے ساتھ کوئی رعایت نہ کرنا......اور......اور میں کسی اورنگ زیب یا سراج صاحب کو نہیں جانتا......وہ معزز افسران ہیں صاحب اور میں......''

''کیا تم لیاقت حسین نہیں ہو؟ایس ایچ او نے اسے غور سے گھورتے ہوئے دوبارہ دریافت کیا۔

''میرا نام لیاقت حسین ہی ہے صاحب لیکن اس وقت میں مجرم کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''ایس ایچ او چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''کیا جرم کیا ہے تم نے......؟''

''اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا صاحب۔''لیاقت حسین نے لمبی سانس لے کر کہا۔''باہر میری ڈبل کیبن کے پچھلے حصے میں ایک لاش اور تین اپاہج پڑے ہیں۔مجھے حراست میں لینے کے بعد ان کو بھی دیکھ لیں۔''

ایس ایچ او حیرت سے اچھل پڑا۔اس نے گھنٹی بجا کر اپنے عملے کے افراد کو بلا کر تصدیق کی تو لیاقت حسین کو بھی فوری طور پر ہتھکڑی پہنا دی گئی۔لیاقت حسین نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

لاش اور تینوں زخمیوں کو نمٹانے کے بعد وہ دوبارہ اپنے دفتر میں داخل ہوا جہاں وہ مسلح سپاہی لیاقت حسین کے دائیں بائیں موجود تھے۔ کمرے میں آنے سے پیشتر اس نے اورنگ زیب کو بھی حالات سے باخبر کرنا ضروری سمجھا تھا۔ دوسری طرف سے ملنے والی ہدایات کے بعد ہی اس نے لیاقت حسین کو سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔

''تم نے جو اقدام جرم کیا ہے اس کی وجہ کیا تھی؟''

جواب میں لیاقت حسین نے فرحین کے ٹیکسی سے اغواء ہونے والی تفصیل کے ساتھ میل نرس کی خودکشی کی پوری کہانی بھی دہرادی۔

''اب تمہیں مرنے والے اور زخمیوں پر کسی قسم کا شبہ ہوا تھا؟......کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہو گی؟''

''اس کی تفصیل بھی اپاہج ہونے والے ہی بتا سکیں گے صاحب۔'' لیاقت حسین نے بہ دستور بے پروائی سے کہا۔''ان کو ہوش میں آنے دیں...... پھر آپ جانو اور آپ کا قانون۔''

''ون منٹ......'' ایس ایچ او نے کسی فوری خیال کے پیش نظر کسمسا کر دریافت کیا۔''تم نے ان کو کس اسلحے سے قابو کیا تھا؟''

''معاف کرنا صاحب......'' لیاقت حسین نے زہر خند سے جواب دیا۔''پستول میری جیب میں ہے، آپ اسے بھی برآمد کرلیں۔''

ایس ایچ او کے اشارے پر ایک سپاہی نے لیاقت حسین کی جیب سے پستول بھی نکال لیا۔

''سزا اور جزا کا حساب تو صرف اوپر والے کا کھرا ہوتا ہے صاحب......ہم سب تو کٹھ پتلی ہیں۔''

''تم......'' ایس ایچ او نے تھوڑے توقف کے بعد سوال کیا۔''موجودہ واردات میں خود کو پولیس کے حوالے کرنے کے بعد کیا تم کسی کو اطلاع نہیں دو گے؟''

''نہیں......'' لیاقت حسین نے پہلی بار ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''میری معلومات کے مطابق تم سیٹھ عثمان کے خاص آدمی ہو......کیا میں انہیں صورت حال سے آگاہ کردوں؟''

''پہلے مجھے حوالات میں بند کردو صاحب پھر......جو مرضی آئے کرتے رہنا۔''

لیاقت حسین جواب دینے کے ساتھ ہی باہر جانے کے لیے گھوما تو دونوں مسلح سپاہی بھی اس کے ساتھ باہر نکل گئے......ایس ایچ او کے چہرے پر غور وفکر کے تاثرات پھیل کر اور گہرے ہوتے چلے گئے۔

❖❖❖

اورنگ زیب کے دفتر میں داخل ہوتے ہی عملے کے ایک فرد نے اسے بتایا تھا کہ آئی جی بہت دیر سے اسے یاد کررہا ہے وہ سیدھا آئی جی کے کمرے میں چلا گیا۔ سراج کے ذریعے اسے اطلاع

مل چکی تھی کہ پینا کے اغواء میں ملوث دونوں آدمیوں نے آئی جی کے سامنے ہی خود کو موت کے حوالے کردیا تھا۔

حسب توقع آئی جی کے چہرے پر اس وقت بھی زلزلے کے تاثرات باقی تھے۔اورنگ زیب نے سر کی خفیف جنبش سے اسے سلام کیا پھر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔آئی جی نے اسے جن نظروں سے دیکھا اس سے بھی جھلاہٹ ہی ٹپک رہی تھی۔

"آپ نے مجھے یاد کیا تھا؟"

"ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی بات ہے۔" آئی جی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔"آپ شاید آج دیر سے دفتر آئے ہیں۔"

"میں نے اس سے پیشتر بھی کبھی حاضری رجسٹر کی طرف توجہ نہیں دی۔"اورنگ زیب نے شانے اچکائے۔

"پولیس کے محکمے میں حادثات کبھی انوی ٹیشن دے کر نہیں آتے۔اچانک ہی کوئی واردات ہوتی اور اہلکار حرکت میں آجاتے ہیں۔"

"آپ کس حادثے کی تفتیش میں معروف تھے......؟"

آئی جی نے پہلو بدل کر معلوم کیا۔چہرے کی رنگت بتا رہی تھی کہ اسے اورنگ زیب کا جواب پسند نہیں آیا تھا۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مجھے اپنے عہدے اور ملازمت سے زیادہ ایسے معاملات سے دلچسپی ہوتی ہے جو ہمارے معاشرے کو کھوکھلا کر رہے ہیں ......اس وقت بھی ایک ایسا ہی معاملہ درپیش تھا۔"

آئی جی نے الجھنے کی غلطی نہیں کی۔ایک لمحے تک اورنگ زیب کو نگاہوں میں تولتے ہوئے بولا۔"کل مجھے کرنل احتشام نے چائے پر بلایا تھا......آپ کا ذکر بھی درمیان میں آیا تھا۔"

"کرنل بھی ایک محب وطن آفیسر ہے......آفیشل معاملات میں میری اور کرنل کی ملاقاتیں بھی اکثر ہوتی رہتی ہیں۔"

کیا آپ نے کرنل سے اپنے ہیڈ کوارٹر میں تبادلے کا ذکر کیا تھا؟"

"جی ہاں......میں نے اس کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی۔"اورنگ زیب نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"کرنل سے گفتگو کے دوران مجھے اس بات کا اندازہ ہوا تھا کہ آپ کے پاس غالباً کوئی ایسا حکم نامہ موجود ہے جس کی بنا پر آپ کسی بھی معاملے میں چھان بین کر سکتے ہیں۔"

"آفس آنے سے کچھ دیر پیشتر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج نے مجھے اطلاع دی تھی کہ اغواء کے کیس میں ملوث دو مجرموں نے آپ کے سامنے خودکشی کی ہے۔"اورنگ زیب نے موضوع بدل کر پوچھا۔"کون تھے وہ......؟"

''اس اغواء کے معاملے میں بھی کرنل احتشام نے مجھ سے کہا تھا کہ براہ راست دونوں مجرموں سے تفتیش کروں لیکن انہوں نے زبان کھولنے کے بجائے خود کو موت کے حوالے کر دیا۔''

''فرحین کو انجکشن لگانے کے لیے آنے والے میل نرس نے بھی زبان کھولنے کے بجائے موت کو ترجیح دی تھی۔'' اورنگ زیب نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔''صاف ظاہر ہے کہ ان مجرموں کی پشت پر کوئی ایسی بااثر شخصیت ہے جو زبان کھولنے کی صورت میں اپنے شکاری کتوں کو زیادہ اذیت ناک انجام تک پہنچاتی ہوگی......''

''آئی ،ایگری ود یو لیکن ......ہمارے علم میں صرف ایک ہی نام ہے۔ آکٹوپس، جو مر کر بھی زندہ ہو گیا ہے لیکن ......ابھی تک صرف شبہات سامنے آ رہے ہیں ......اس کا پتا اور ٹھکانا کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔''

''آپ کنول کے اغواء اور اس کی ماں کی موت کو کس خانے میں ڈالیں گے؟''

''ہو سکتا ہے کہ وہ شیخ حامد کے ہسٹری شیٹر غنڈوں کی حرکت ہو۔'' آئی جی نے جز بز ہو کر جواب دیا۔''میں نے اس سلسلے میں کرنل احتشام کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے بھی کنول کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز ہی کیا۔''

''کرنل کا تعلق ملٹری کے حساس شعبے سے ہے اس لیے ممکن ہے کہ اس نے رازداری سے کام لیا ہو......''

''ایک بات اور دریافت کرنا چاہوں گا۔'' آئی جی نے اس بار دوستانہ انداز میں کہا۔''جن آدمیوں نے میرے سامنے خودکشی کر لی انہوں نے کس لڑکی کو اغواء کیا تھا......؟''

''اس کا علم بھی کرنل ہی کو ہوگا۔'' اورنگ زیب نے بڑی خوب صورتی سے جواب دیا۔''میری اطلاع کے مطابق اس نے صرف دونوں اغواء کنندگان کو سول پولیس کے حوالے کیا تھا لڑکی کا ذکر درمیان میں نہیں آیا تھا۔''

''آکٹوپس کے بارے میں اب آپ کا کیا خیال ہے......؟''

''میں اب بھی اس بات پر قائم ہوں کہ جب تک اس کی لاش کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں مردہ نہیں کہوں گا......اب تو کنول نے بھی بیوی ہونے کی حیثیت سے اس کی زندگی کی تصدیق کر دی ہے۔''

''میں نے اس ضمن میں بھی کرنل سے بات کرنی چاہی تھی' لیکن اس نے کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔''

اورنگ زیب کچھ کہنا چاہتا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملے۔ آئی جی سے اشارے میں معذورت طلب کرنے کے بعد اس نے موبائل آن کر لیا۔ دوسری جانب سے بندرگاہ کے علاقے کے تھانے کا ایس ایچ او بول رہا تھا اس نے لیاقت حسین کے بارے میں جو اطلاع دی اسے سن کر اورنگ زیب بھی وقتی طور پر بوکھلا گیا تھا۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ لیاقت حسین ہی ہے؟''

''یس سر...... میں اسے مسٹر سراج کے ساتھ بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''آپ پرچہ کاٹنے میں عجلت کا مظاہرہ نہ کریں، میں پہنچ رہا ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا پھر اس نے آئی جی کے استفسار پر اسے بھی ملنے والی اطلاع دے دی۔

''کیا میں آپ کے ساتھ چلوں؟''

''شکریہ سر......'' اورنگ زیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ضرورت ہوئی تو آپ کو بھی زحمت دوں گا۔''

اورنگ زیب کے جانے کے بعد آئی جی کسی سوچ میں غرق تھا' جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، آئی جی نے اس کی لائن لیڈی سیکریٹری کی طرف کردی۔ ایک منٹ بعد ہی لیڈی سیکرٹری نے اندر داخل ہو کر کہا تھا۔

''سر...... کوئی ضروری کال ہے لیکن فون کرنے والے نے نام نہیں بتایا۔''

''میں دیکھتا ہوں......'' آئی جی نے کچھ سوچ کر جواب دیا پھر لیڈی سیکرٹری کے جاتے ہی اس نے ریسور اٹھا کر کہا۔

''آئی، جی...... اسپیکنگ!''

''کوبرا بول رہا ہوں......'' دوسری جانب سے سرد لہجے میں کہا گیا۔ ''تمہارے اور اورنگ زیب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ مجھ تک پہنچ گئی ہے...... تمہارے پرسنل آفس میں ایک سوئی بھی گرے تو اس کی آواز میرے کانوں تک آجاتی ہے۔''

''جانتا ہوں لیکن اب تم کیا چاہتے ہو؟'' آئی جی کے لہجے سے بے بسی چھلک رہی تھی۔

''ہمارے اشاروں پر دم ہلاتے رہو۔ اسی میں تمہاری خیریت ہے۔''

''وہاٹ نان سینس۔'' آئی جی تلملا اٹھا۔ ''کیا صرف یہی کہنے کی خاطر اپنا اور میرا وقت برباد کیا ہے؟''

بکواس نہیں......'' دوسری جانب سے بولنے والے کا لب ولہجہ مزید سرد ہوگیا۔ ''ہم تمہاری عاقبت بھی خراب کرنے کی پوزیشن میں ہیں...... تمہاری ایک ذراسی حکم عدولی بھی تمہیں ان افراد کی طرح خودکشی پر مجبور کرسکتی ہے جس کا ذکر ابھی تم اورنگ زیب سے کر رہے تھے......''

آئی جی جواب دینے کے بجائے کرسی پر کسمسا کر رہ گیا۔

''لیاقت حسین نے اب جو قدم اٹھایا ہے اس کی اطلاع تمہیں اپنے ہونہار ایس پی سے مل چکی ہے۔''

''ہاں لیکن ابھی پوری تفصیل......''

''تفصیل کے چکر میں پڑنے کی حماقت بھی نہ کرنا......'' کرخت اور سفاک لہجے میں جواب ملا۔ ''اس بارے لیاقت حسین کو پولیس کے ہاتھوں رہائی نہیں ملنی چاہیے...... سن رہے ہو...... میں کیا

کہہ رہا ہوں؟''

''کیا میرے مرنے والے تمہارے......''

''شٹ اپ......'' دوسری جانب سے حقارت سے کہا گیا۔'' جو کچھ کہا گیا ہے صرف اس پر عمل کرو......اس کے سوا تمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن بھی نہیں ہے......''

جملے کے اختتام کے ساتھ ہی رابطہ بھی منقطع کر دیا گیا۔آئی جی نے ہونٹ چباتے ہوئے ریسور کو کریڈل پر رکھنے کے بجائے فضا میں اچھال دیا۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ اس وقت بستر پر لیٹا کسی خیال میں گم تھا۔نگینہ اس کے ساتھ مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی آہستہ آہستہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ کچھ دیر پیشتر دونوں نے ناشتا بھی خواب گاہ میں کیا تھا۔سکندر علی شاہ ناشتے کے بعد ہی مسہری پر نیم دراز ہو گیا۔ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب وہ کسی خاص معاملے میں الجھا ہوتا تھا،ان لمحوں میں نگینہ اسے اپنے وجود کی گرمی سے بہلاتی رہتی تھی،آج بھی اس نے ابھی تک شب خوابی کے لباس کو بدلنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ایسی صورت میں سکندر علی کے ہاتھ بھی حسب ضرورت اس کے جسم سے توانائی کشید کرتے رہتے تھے' لیکن آج وہ کسی الجھن سے دوچار تھا۔نگینہ کچھ دیر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتی رہی پھر دبی زبان میں بولی۔

''کیا سوچ رہے ہیں......؟''

''وہی......جو اکثر تمہارے ذہن پر بھی اندھیرے کے بھوت کی طرح سوار ہو جاتا ہے۔'' سکندر علی شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''دشمن اندھیرے میں ہو تو اس پر کاری ضرب لگانا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔''

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں......'' نگینہ نے سکندر علی شاہ کا اشارہ سمجھ کر جواب دیا۔''میں بھی اندھیرے میں ہی شکار ہوئی تھی۔''

''ہماری چھوٹی سے چھوٹی حرکتیں بھی اس کے علم میں آ جاتی ہیں' مگر میں کوئی جوابی کارروائی کرنے سے قاصر ہوں......یہ بھی سچ ہے کہ آج میں جس مقام پر ہوں اس میں بھی اسی کا مالی تعاون شامل ہے اس کے آدمیوں نے دامے،درمے، سخنے میری مدد کی تھی لیکن وہ خود کبھی سامنے نہیں آیا۔''

''پھر......اب سوچنے سے بھی کیا حاصل ہوگا؟'' نگینہ نے اس کے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔سکندر علی شاہ نے بھی ذہنی الجھن سے چھٹکارا پانے کی خاطر نگینہ کی طرف کروٹ بدلی لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔

''ہیلو......کون؟'' سکندر علی شاہ نے ریسور اٹھا کر حسب معمول بھاری لہجے میں دریافت کیا۔

''تمہاری دلربا......'' دوسری جانب سے مدھم لہجے میں ایک مترنم آواز ابھری۔

''ون منٹ......'' سکندر علی شاہ نے نگینہ کو اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔وہ سکندر

علی شاہ کی اس عادت سے واقف تھی کہ اپنے خاص کارندوں سے ہمیشہ تنہائی میں گفتگو کرنے کا عادی تھا

''میں نے تم سے کہا تھا کہ موبائل پر کال کیا کرو......وہ بھی کسی خاص موقع پر۔'' نگینہ کے جانے کے بعد سکندر علی نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ دلربا کی آواز اس کے لیے غیر مانوس نہیں تھی۔ وہ ایک بار خود شکار ہونے کے بعد اب سکندر علی شاہ کے لیے نئے نئے تازہ شکار فراہم کرتی تھی۔ اسی خدمت کے عوض اسے خاصی چھوٹ دے دی گئی تھی......!!

''مجھے تم سے ایک شکوہ کرنا ہے۔'' اس بار بھی بہکتی آواز میں کہا گیا۔ ''کسی پرندے کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال بھی احتیاط سے اتارتے ہیں لیکن ماروی بتارہی تھی کہ تم نے تو اس غریب سے کوئی رومانی گفتگو کیے بغیر کسی بھوکے درندے کی طرح بھنبھوڑ کر رکھ دیا......یہ بھی بتارہی تھی کہ تم نے خواب گاہ سے جاتے وقت زبان بند رکھنے کی دھمکی بھی بڑے خوفناک لہجے میں دی تھی......''

سکندر علی شاہ دوسری جانب سے کہی جانے والی بات سن کر ہونٹ چبانے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی نے اس کے اجلے کپڑوں پر گندگی اچھال دی ہو چنانچہ اس کی زبان کا لڑکھڑا جانا بھی قدرتی امر تھا۔

''اور کیا کہا تھا اس......نے؟''

''کیا ہوا میرے راجا......تم اس قدر برہم کیوں ہو گئے؟'' حیرت سے دریافت کیا گیا۔

''وہ حرامزادی بکواس کرتی ہے۔'' سکندر علی شاہ نے بہ دستور بگڑے ہوئے تیور سے کہا۔ ''میں اس روز ایک ضروری کام میں مصروفیت کی وجہ سے فارم ہاؤس نہیں گیا تھا......وہ آئی ضرور تھی لیکن دوسری صبح واپس چلی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے اس نے تم سے جھوٹی بکواس کر دی ہو......''

''نہیں میرے راجا......ماروی مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ اور اگر تم معلومات کر کے اس کی تصدیق کردو تو میں معاوضے کی دوگنی رقم واپس کرنے کو تیار ہوں......ہوسکتا ہے کہ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے کسی کارندے کی نیت اس پر خراب ہو گئی ہو۔''

''بکومت......'' سکندر علی شاہ نے اس بار جھلا کر کہا۔

''میرے کارندے جانتے ہیں کہ میرے کسی حکم کے خلاف پلکیں جھپکانے کی سزا بھی موت ہوتی ہے۔ تم جو خیال ظاہر کر رہی ہوں اس کے بارے میں کوئی سوچنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتا۔''

''او کے......اگر تمہارا یہی خیال ہے تو کل تک تمہاری رقم واپس کر دی جائے گی لیکن ماروی کی غلط بیانی بھی اسے بہت مہنگی پڑے گی......میں اس سے ایک کی جگہ دس وصول کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔''

''جلدی نہیں......'' سکندر علی شاہ نے دوسری جانب سے ملنے والے جواب پر غور کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''نمک حرام ماں کے پیٹ سے نہیں نکلتے......ضرورت اور ہوس بھی بدذاتوں کو نمک حرامی پر مجبور کر دیتی ہے......اگر تم کو لڑکی کی بات پر یقین ہے تو پھر مجھے بھی اپنے پالتو کتوں کو

چیک کر لینے دو...... ممکن ہے کسی حرامزادے کی موت نے اس کی نیت خراب کر دی ہو۔''
''میرے لیے کوئی نیا حکم ......'' سکندر علی شاہ کا جواب سن کر دوسری جانب سے گفتگو کرنے والی کے لہجے میں پھر بانکپن آ گیا۔
''ابھی نہیں لیکن ...... میں تمہیں جلد ہی خدمت کا موقع دوں گا۔''
ریسور کریڈل پر رکھنے کے بعد سکندر علی شاہ کچھ دیر ہونٹ چباتا رہا پھر وہ اٹھ کر لباس تبدیل کر رہا تھا جب نگینہ لہراتی بل کھاتی دوبارہ اجازت لے کر اندر آ گئی۔
''اس وقت کہاں جا رہے ہو؟''
''ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے۔''
''میرے لیے کیا حکم ہے؟'' نگینہ نے اس کی نظروں میں دور تک جھانکتے ہوئے ایک ادا سے سوال کیا۔
''لباس تبدیل کر لو...... ہوسکتا ہے کہ مجھے آنے میں دیر ہو جائے۔''
پھر......! حویلی سے نکل کر سیدھا فارم ہاؤس کا رخ کیا تھا پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر وہ دلربا کی شکایت پر غور کرتا رہا۔ اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ ہی اس کا گن مین بھی براجمان تھا۔ حسب معمول کچھ فاصلے سے ایک وین بھی پیچھے پیچھے تھی جس میں اس کے چھ مسلح محافظ موجود تھے۔
فارم ہاؤس کے کارندے بھی خلاف توقع اس کی آمد پر چوکنے ہو گئے۔ سکندر علی شاہ کسی بے تاج بادشاہ کی طرح ملازموں کے سلام کے جواب میں سر ہلاتا اپنے مخصوص ریسٹ ہاؤس میں جا کر ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا پھر باری باری ڈیوٹی پر موجود کارندوں اور گیٹ کے چوکیداروں کو بلا کر ان سے تفتیش شروع کر دی۔ سب کا ایک ہی بیان تھا کہ مہمان لڑکی سر شام ہی فارم آ گئی تھی۔ ملازموں نے خاطر خواہ اس کی مہمان نوازی کی تھی۔ صبح وہ واپس ہو گئی تھی۔ مخصوص ریسٹ ہاؤس کے ملازم نے کہا تھا کہ وہ چراغ جلنے کے بعد اسے یہ تاکید کر کے چلا گیا تھا کہ خواب گاہ کے دروازے کو اندر سے نہ بند کیا جائے۔ گیٹ کے چوکیدار نے بھی یہی بیان دیا تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر چوکس تھا۔ اس کی ڈیوٹی ماروی کے جانے کے بعد ختم ہوئی تھی، اس دوران نہ کوئی اندر آیا نہ باہر گیا۔
سکندر علی شاہ پوری توجہ سے سب کے بیان سنتا رہا پھر اس نے آخر میں گونگے کو طلب کیا۔
حسب معمول گونگے نے سکندر علی شاہ کو دیکھ کر سلام کیا پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ سکندر علی شاہ اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ اس نے اس بات کو بارہا محسوس کیا تھا کہ گونگا ان دنوں زیادہ خوش تھا جب وہ ڈرائیور کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا تھا۔ فارم ہاؤس کی نگران اعلیٰ ہونے کے بعد سے وہ کچھ گھٹا گھٹا نظر آتا تھا لیکن اس نے کبھی اس کا شکوہ بھی نہیں کیا تھا۔
سکندر علی شاہ نے اپنے مخصوص انداز میں گونگے سے بھی ماروی کے بارے میں تحقیق کی۔ گونگا غوں...... غاں...... کر کے جواب دیتا رہا۔ کسی عورت یا لڑکی کے بارے میں گفتگو کرتے وقت گونگے کے چہرے سے اس وقت بھی بیزاری ہی عیاں تھی۔ سکندر علی شاہ نے روز اول سے اس کی اس فطرت

کو نوٹ کیا تھا...... پھر بھی سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔

"فارم ہاؤس میں تمہاری حیثیت منتظم اعلیٰ کی ہے۔ رات کو تھوڑے وقفے سے راؤنڈ لگانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے...... کیا کل رات تم نے لڑکی کی موجودگی کے دوران کسی کو ادھر آتے جاتے دیکھا تھا؟"

جواب میں گونگے نے نفرت سے شانے اچکا کر یہی کہا تھا کہ اس نے کسی کو نہیں دیکھا۔

"پھر......" یکلخت سکندر علی شاہ نے جھلا کر بلند آواز میں کہا۔ "اگر کوئی ادھر نہیں آیا تو کیا بدروحوں نے یہاں آ کر لڑکی کو بے آبرو کیا تھا۔"

گونگے نے دوبارہ بے پروائی سے شانے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو سکندر علی شاہ نے جھلا کر اس کے گھٹنے پر ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ ایک لمحے کو اس کی نگاہوں میں جوابی کارروائی کے انتقامی شعلے لپکے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سکندر علی شاہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے پھر یتیمی ٹپکنے لگی۔

"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے وہ حرامی درکار ہے جس نے میری امانت میں خیانت کی ہے۔ ناکامی کی صورت میں تمہارے علاوہ میں دوسروں کی چمڑی بھی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" سکندر علی شاہ نے قہر آلود نگاہوں سے گونگے کو دیکھا۔ "سب نمک حراموں تک میرا پیغام پہنچا دو...... کسی ایک کو بچانے کی کوشش کی تو تم سب کا انجام خطرناک ہی ہوگا۔"

گونگا سہم کر رہ گیا۔ وہ ایک بار پھر غوں...... غاں...... کر کے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا جب موبائل پر سگنل ملا۔ روشن اسکرین پر نظر آنے والے نمبر سکندر علی شاہ کے لیے نیا تھا پھر بھی اس نے کسی خیال کے تحت موبائل آن کر کے بھاری بھرکم لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے......؟"

"نئے نمبرز دیکھ کر تیزی سے دم ہلانے کی عادت چھوڑ دو سکندر علی شاہ۔" دوسری طرف سے "شکرہ" کا حوالہ دینے کے بعد سرد مہری سے کہا گیا۔

"تمہاری زندگی کا ایک لمحہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ میں دور رہ کر بھی تمہاری سانسوں کی رفتار اور اس کے اتار چڑھاؤ سے باخبر رہتا ہوں۔"

"معذرت خواہ ہوں۔" سکندر علی شاہ نے پل بھر میں کینچلی بدل کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ "اس وقت کسی معاملے کی چھان بین کرنے کی وجہ سے میں ذرا الجھا ہوا تھا......"

"جانتا ہوں...... اسی لیے تمہیں فون بھی کیا ہے۔" اس بار سرد لہجے میں کہا گیا۔ "تم ایک گونگے پر اپنی مردانگی کا اظہار کر رہے ہو...... جس نے لڑکی کو داغدار کیا وہ گونگا نہیں ہے"

"پھر...... پھر...... وہ کون تھا؟"

"فی الحال حویلی جا کر آرام کرو...... مجرم جو بھی ہے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس کی اطلاع بھی کسی نہ کسی ذریعے سے تمہیں مل جائے گی۔"

''میں آپ کے اس احسان کو بھی فراموش نہیں کروں گا......'' سکندر علی شاہ نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔''میری جگہ آپ ہوتے تو شاید آپ بھی......''

''نہیں ......''اس بار دوسری جانب سے بولنے والے نے گرج کر تنبیہ کی۔''دوبارہ کبھی زمین کی خاک کو آسمان سے ملانے کی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا......''

''میں پھر معذرت خواہ ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے دل پر جبر کر کے انکساری سے کام لیا۔

''ایک بات اور سن لو......تم نے گونگے کو ڈرائیوری سے ہٹا کر فارم ہاؤس کیوں منتقل کیا تھا اس کی وجہ سے مجھے معلوم ہے......کیا تم گڑھے مردوں کو دوبارہ اکھاڑنا پسند کرو گے؟''

''جج......جج......جی......نہیں۔'' جواب میں سکندر علی شاہ کسی وجہ سے ہکلا کر رہ گیا پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

سکندر علی شاہ نے موبائل آف کر کے گونگے کو نفرت سے گھورا لیکن اس کے اظہار سے گریز ہی مناسب سمجھا۔

+++

پاکستانی ورچوئل لائبریری

اورنگ زیب کے چہرے پر بڑی گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔تھانہ انچارج نے اسے لیاقت حسین کے سلسلے میں جو تفصیل بتائی وہ ایسی نہیں تھی جسے شانے کی ایک جنبش سے نظر انداز کردیا جاتا۔ ٹیکسی سے فرحین کے اغواء کے وقت جو پانچ لاشیں سامنے آئی تھیں اس کا معاملہ کچھ اور تھا لیکن کسی ثبوت کے بغیر ایک آدمی کو گولی مار کر ہلاک کردینا اور تین کو اپاہج کردینے والی بات سنگین نوعیت کی تھی۔اگر ایس ایچ او واقف نہ ہوتا......اطلاع دیے بغیر وہ ضابطے کی کارروائی کر گزرتا تو کاغذات میں ردوبدل کی گنجائش بھی ممکن نہیں تھی۔

اسے علم تھا کہ کچھ غیبی قوتیں لیاقت حسین کو قبل از وقت خطرے سے آگاہ کردیتی ہیں۔شیخ حامد کے فرار ہوتے وقت اس کے گھر کی طرف جاتے ہوئے بھی لیاقت حسین ہی نے گاڑی کا رخ اچانک گڈانی کے ساحلی علاقے کی طرف پھیر دیا تھا۔اس وقت بھی اس نے صرف ایک جملہ کہا تھا جس کی تصدیق بعد میں ہوگئی تھی' لیکن اس نے گاڑی کا رخ کیوں موڑا تھا؟ کیا جملہ کہا تھا؟ یہ باتیں بعد میں اسے بھی یاد نہیں تھیں۔سراج بھی اس کا گواہ تھا لیکن عدالت ان باتوں کو نہیں مانتی۔وہاں گواہی ،شہادت اور ٹھوس ثبوت کی بنیادوں پر معاملے نمٹائے جاتے ہیں۔محض شک کی بنیاد پر سرعام فائرنگ کر کے چار آدمیوں پر گولیاں برسانے والی منطق کسی جج کے حلق کے نیچے نہیں اتر سکتی تھی۔

اس وقت بھی وہ سوچ میں گم تھا جب اس نے آئی جی کے دفتر سے نکلنے کے بعد سراج کو اس کے دفتر سے پک کیا تھا۔گاڑی کے دوبارہ حرکت میں آنے کے بعد سراج نے اورنگ زیب کے چہرے پر سنجیدگی اور غوروفکر کے گہرے تاثرات دیکھے تو اس نے دبی آواز میں کہا۔

''معاملہ کچھ سنگین معلوم ہوتا ہے؟''

اورنگ زیب نے جواب نہیں دیا وہ بدستور لیاقت حسین کے بچاؤ کے سلسلے میں مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔

''ہم اس وقت کہاں چل رہے ہیں؟'' اس بار سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کچھ دیر پیشتر بندرگاہ کے علاقے کے ایس ایچ او نے اطلاع دی ہے کہ ایک شخص نے محض امکان کی بنا پر ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور تین افراد کو اس انداز میں گولی ماری ہے کہ وہ تمام زندگی اپاہج رہیں گے۔''

''پھر......ہم وہاں کس مقصد سے جا رہے ہیں......؟ سراج نے سوال کیا۔''ہمارا اس معاملے

سے کیا آفیشل تعلق ہے؟''
''ایس ایچ او کا واقف کار ہوگا......'' سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔
''مجرم نے ایس ایچ او کو تمہارے نام کا حوالہ بھی دیا ہے......'' اورنگ زیب نے سراج کی جانب دیکھا۔''اب کیا کہوگے......؟''
''آپ کا اشارہ کیا لیاقت حسین کی طرف ہے؟'' سراج نے اورنگ زیب کے جواب اور بندرگاہ جانے والی روڈ کے حوالے سے چونک کر لیاقت حسین کا نام لیا تو اورنگ زیب مسکرا دیا۔ پھر اس نے ایس ایچ او کی جانب سے ملنے والی سنگین اطلاع سراج کو بھی سنا دی۔ تفصیل سننے کے بعد سراج بھی ہونٹ چبانے لگا۔ اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔
''چپ کیوں ہوگئے......؟''
''مجھے یقین ہے کہ اگر معاملہ لیاقت حسین کا ہے تو اسے پھر غیبی قوتوں کی طرف کوئی نہ کوئی اشارہ ضرور ہوگا۔'' سراج نے سنجیدگی سے اورنگ زیب کی طرف دیکھا۔''آپ کا خیال ہے؟......کیا ایس ایچ او ہماری سفارش پر اتنی سنگین واردات کے سلسلے میں لیپا پوتی پر آمادہ ہو جائے گا؟''
''نہیں ......میرے کہنے پر اس نے پرچہ کاٹ دیا ہے۔ لاش اور تینوں زخمیوں کو بھی پولیس سرجن کے آفس روانہ کیا جا چکا ہوگا لیکن ......لیاقت حسین ایس ایچ او کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''
''کیا مطلب......؟ سراج چونکا۔
''صورت حال کا اندازہ تھانے پہنچنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔''
سراج کسمسا کر رہ گیا۔ اورنگ زیب کی زبانی تفصیل سننے کے بعد وہ بھی گھبرا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ واپس ایس ایچ او نے ایک بار پھر تمام رام کہانی تفصیل سے دہرا ڈالی۔ یہ بھی بتا دیا کہ اس نے لیاقت حسین کی ضد کے بعد ہی اسے لاک اپ میں بند کیا ہے۔
''تم نے جو تعاون کیا ہے میں ذاتی طور پر اس کا شکر گزار ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔
''آپ شرمندہ کر رہے ہیں سر......میں آپ ہی کی وجہ سے آج اس سیٹ پر ہوں۔''
رسمی باتوں کے بعد لیاقت حسین کو سامنے لایا گیا......
اس نے ایک نظر اورنگ زیب اور سراج پر ڈالی پھر نظریں جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ سراج اپنی جگہ سے اٹھ کر لیاقت حسین کے پاس گیا، دوستانہ انداز میں پوچھا۔
''لیاقت حسین ......میں نے تمہیں ہمیشہ اپنا خاص آدمی سمجھا ہے، الماس کے حوالے سے تمہارا ایک احسان میرے اوپر بھی ہے ......میں جانتا ہوں کہ تم نے محض تفریحاً گولیاں نہیں چلائی ہوں گی......کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہوگی۔''
''مجھے کچھ نہیں معلوم صاحب ......لیکن میں نے جو کچھ کیا میں اس کا اقرار کر چکا ہوں۔'' لیاقت

حسین نے عجیب انداز میں جواب دیا۔چاہتا تو فرار بھی ہو سکتا تھا لیکن میں بزدل نہیں ہوں صاحب......میرا تعلق جس جگہ سے ہے وہاں عزت کی حفاظت کی خاطر زبان کے بجائے گولیاں چلائی جاتی ہیں۔جن لوگوں نے فرحین پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی کی ہے میں ان کے پورے خاندان کو بھی برباد کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔جس پر شبہ ہوگا اس کو آخری سانس لینے کا موقع بھی نہیں دوں گا۔"

"جو شخص مارا گیا۔تین افراد جو زخمی ہوئے۔ان پر تمہیں کیا شبہ ہوا تھا......؟"

میں نہیں جانتا صاحب......"لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے کہا۔"بس میرے دل میں ایک خیال آیا تھا کہ وہ کسی کے اشارے پر میرے پیچھے آرہے ہیں پھر......جو کچھ ہوا میں نے مردوں کی طرح اس کا اقرار بھی کرلیا ہے۔"

"تم......میری ایک بات مانو گے......؟سراج نے اس کی ذہنی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"حکم دو صاحب......آپ میرے محسن ہو......آپ کے حکم پر اپنی گردن کاٹ کر آپ کے قدموں پر بھی رکھ سکتا ہوں۔"

"قانون اندھا ہوتا ہے لیاقت حسین......اس کا پیٹ بھرنے کی خاطر انسان کو وقت اور حالات کی نزاکتوں کا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے......تم بھی اسی دنیا میں رہتے ہوں اس لیے تم کو بھی انہی اصولوں پر قدم اٹھانا ہوگا۔"

"قانون کی باتیں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں صاحب......مجھے کیا کرنا ہوگا......؟لیاقت حسین نے سراج کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے جو قدم اٹھایا وہ کسی مصلحت کی بنا پر اٹھایا ہوگا لیکن اب......اب قانون کا پیٹ بھرنے کی خاطر تمہیں میرے مشورے پر اپنا بیان بدلنا ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں صاحب......میں نے کیا غلط بیان دیا ہے جسے اب بدلنا ہوگا؟"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ جس شخص کو تم نے پہلے گولی ماری اس کے ہاتھ میں رائفل بھی تھی۔"

"ٹھیک ہے صاحب......وہ رائفل بھی میں نے ادھر تھانے میں جمع کرادی ہے۔"

"جانتا ہوں لیکن......"سراج نے اس بار سرگوشی کی۔

"رائفل والے نے پہلے تم پر فائر کیا تھا......تم نے اپنی جان بچانے کی خاطر جوابی کارروائی کی تھی جس کے نتیجے میں......"

"ایسا نہیں ہوا تھا صاحب۔"لیاقت حسین نے جواب دیا۔"میں نے اس کو فائر کرنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔"

"میں قانون کا پیٹ بھرنے کی بات کررہا ہوں۔"

سراج نے وضاحت کی۔"اگر رائفل سے پہلے فائر نہیں ہوا تو اب کیا جاسکتا ہے۔ہمیں کچھ نہ

کچھ تو جواز پیش کرنا ہوگا۔تم صرف میرے کہنے پر اپنا سابقہ بیان تبدیل کردو۔اس کے بعد قانونی معاملات کو ہم سنبھال لیں گے۔''

''میں اپنا بیان تبدیل نہیں کروں گا صاحب۔''لیاقت حسین نے ہونٹ چباتے ہوئے نظریں جھکا کر کہا۔''آپ اور ایس پی صاحب دونوں میرے محسن ہو......میں اپنی وجہ سے آپ لوگوں کو کسی امتحان میں نہیں ڈال سکتا۔یہ نمک حرامی ہوگی۔''

''دوسری شکل میں جانتے ہو کیا ہوگا......؟سراج نے جھلا کر لیاقت حسین کو گھورا۔

''پھانسی......''لیاقت حسین نے نظریں اٹھا کر بے پروائی سے جواب دیا پھر اس نے سراج کا ہاتھ تھام کر ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک عاجزانہ درخواست بھی کر ڈالی۔''مجھے پھانسی ہونے کے بعد آپ میری فرحین کو عزت سے اس کے گھر چھوڑ آنا صاحب......بابا سے بھی یہی کہنا کہ اس کا لیاقت حسین بزدل نہیں تھا......اس نے خود کو بچانے کی خاطر کسی دھوکے یا فریب کا سہارا بھی نہیں لیا......یہ بات سن کر بابا کا سر بھی اونچا ہو جائے گا۔فرحین بھی مجھ پر فخر کرے گی......ہمارے علاقے میں ایسا ہی ہوتا ہے صاحب۔''

''یہ......تم پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے لیاقت حسین؟اس سے پیشتر تمہاری یہ کیفیت کبھی نہیں ہوئی۔''

''اس سے پہلے کسی قسم کا دورہ پڑا ہے لیاقت حسین؟اس سے پیشتر تمہاری یہ کیفیت کبھی نہیں ہوئی۔''

''اس سے پہلے کسی نے فرحین کے بدن کو ہاتھ لگانے کی غلطی بھی کی تھی......مجھے میرے حال پر چھوڑ دو صاحب۔''لیاقت حسین نے سرد لہجے میں کہا پھر قدم اٹھاتا دوبارہ حوالات کی طرف چلا گیا۔

اورنگ زیب ایس ایچ او کے ساتھ بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔لیاقت حسین کا طرزِ عمل اس کے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔سراج قریب آیا تو اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اب مسز عثمان یا فرحین لیاقت حسین کی گرم کھوپڑی کو ٹھنڈا کرنے کے کام آسکتی ہیں۔''

آپ فکر نہ کریں سر......''ایس ایچ او نے کہا۔''جو کچھ ممکن ہوا میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔لیکن لیاقت حسین کو بہر حال ہمارا ساتھ دینا پڑے گا،اگر عدالت میں بھی اس نے وہی کیا جو اس وقت کہہ رہا ہے تو پھر......''

فون کی گھنٹی بجی تو ایس ایچ او نے معذرت کر کے ریسیور اٹھا لیا۔کچھ دیر''ہوں......ہاں......سر......یس سر......رائٹ سر۔''کہہ کر دوسری طرف سے بولنے والے کو جواب دیتا رہا پھر اس نے اورنگ زیب سے پوچھا۔

''آپ کا کیا حکم ہے میرے لیے؟''

''ہم کوشش کریں گے کہ پولیس سرجن کی رپورٹ اور زخمیوں کے بیان دینے سے پیشتر لیاقت

حسین کو قانونی تقاضوں سے پوری طرح آگاہ کر سکیں۔" اورنگ زیب کے بجائے سراج نے ایس ایچ او سے کہا۔ "میں صرف ایک درخواست کروں گا۔ آپ لیاقت حسین کا خیال رکھیں۔ اسے دوسرے قیدیوں سے الگ رکھیں۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ وہ فرار نہیں ہوگا۔ اگر ہتھکڑی کھول دی جائے تو بھی وہ تھانے سے باہر نہیں جائے گا۔"

"میں جانتا ہوں سر......" ایس ایچ او نے کسمسا کر جواب دیا۔ "اگر اسے فرار ہونا ہوتا تو یہاں آنے کی حماقت ہی نہ کرتا لیکن ...... میں ہتھکڑی کھولنے اور اسے علیحدہ کمرے میں رکھنے کا رسک نہیں لے سکتا۔"

"اوہ......" اورنگ زیب نے جو فون ریسیو کرنے کے بعد سے ایس ایچ او کی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا، بے حد سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ "میں تمہاری مجبوری سمجھ رہا ہوں۔ تھانے کے عملے میں بھی کالی بھیڑیں ضرور ہوتی ہیں جو ایک ایک لمحے کی خبر ادھر سے ادھر پہنچاتی رہتی ہیں۔"

"آپ میرے محسن بھی ہیں سر......اور تجربے کار بھی، میری مجبوری کو ضرور سمجھ رہے ہوں گے۔"

"اسی لیے میں تم سے یہی کہوں گا کہ لیاقت حسین کے ساتھ کوئی ایسی رعایت نہ کرنا جو تمہارے لیے بھی مشکل پیدا کر دے۔" اپنی بات کہتے وقت اورنگ زیب نے اپنے ہاتھ پر بال پین سے کچھ لکھ کر ایس ایچ او کے سامنے کر دیا۔ ایس ایچ او نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر معنی خیز انداز میں بولا۔

"جو صورت حال ہے اس کے پیش نظر مجھے امید تھی کہ آپ مجھے یہی مشورہ دیں گے۔"

سراج تلملا کر رہ گیا، وہ براہ راست ایس ایچ او سے کچھ کہنا چاہتا تھا جب اورنگ زیب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر دوبارہ ایس ایچ او سے قدرے افسرانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے پولیس سرجن کی رپورٹ اور زخمیوں کے بیان کی نقل درکار ہوگی۔ یہ گزارش میں لیاقت حسین کے ایک واقف کار کی حیثیت سے کر رہا ہوں۔"

پھر ایس ایچ او کے جواب دینے سے پیشتر ہی وہ سراج کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گیا۔ اس کے تیور کی اچانک تبدیلی سراج نے بھی محسوس کی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اس نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

"آپ نے اچانک جو یوٹرن لیا۔ کیا اس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں۔"

"ایس ایچ او کو اوپر سے جو ہدایت ملی ہے اس کے بعد وہ مجبور ہو گیا ہے۔" اورنگ زیب نے جواب دیا۔ "تم نے شاید نوٹ نہیں کیا کہ کسی کا فون آ جانے کے بعد وہ محتاط ہو گیا تھا۔"

"آپ نے ہاتھ پر کیا لکھ کر اس کو دکھایا تھا؟"

"آئی جی......"

"اوہ......" سراج نے ہونٹ چبائے۔ "گویا لیاقت حسین کو گھیرنے والے آکٹوپس ہی کے

افراد تھے؟''

''نہیں......آکٹوپس کی جگہ جس نے بھی لی ہے۔آئی جی اس کا حکم ٹالنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔تم میرے تبادلے کی بات کیوں فراموش کررہے ہو؟''

''پھر......اب آپ نے کیا سوچا ہے؟'' سراج نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے کہا۔''ہم لیاقت حسین کو موجودہ صورت حال میں بے یارومددگار بھی نہیں چھوڑ سکتے۔''

اورنگ زیب نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔اس کے چہرے کے تاثرات غمازی کررہے تھے کہ وہ بھی کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔سراج اس کی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا جب اورنگ زیب نے موبائل نکال کر کسی کے نمبر پنچ کیے۔دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کے بعد اس نے بغیر کسی تمہید کے سرسراتے لہجے میں کہا تھا۔

''اب وقت آگیا ہے کہ ہمیں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوگا۔''

''کوئی نئی سچویشن ......'' دوسری جانب سے کرنل احتشام کی آواز ابھری۔جواب میں اورنگ زیب نے لیاقت حسین کی پوری کہانی دہراتے ہوئے کہا۔

''اس بار بھی کسی نے اوپر سے ہمارے بگ باس کو اپنے اشاروں پر چلانے کی کوشش کی ہے۔''

''ڈونٹ وری......میں لیاقت حسین کے کیس کو ذاتی طور پر بھی ہینڈل کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔'' کرنل احتشام نے کھردرے لہجے میں جواب دیا۔''آپ کے تبادلے کے آرڈر بھی پندرہ منٹ میں تبدیل کرادوں گا۔''

''نو سر......یہ مناسب نہیں رہے گا۔'' اورنگ زیب نے تیزی سے جواب دیا۔''جو چہرے نقاب میں چھپے ہیں انہیں سامنے لانے کی خاطر ہمیں دور اندیشی سے کوئی پلان مرتب کرنا ہوگا۔''

''سول پولیس اور ہمارے کام کرنے کے انداز میں یہی فرق ہے۔'' کرنل احتشام نے الجھ کر کہا۔''دشمن سامنے ہو تو ہم پہلی فرصت میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں......ڈھیل دینے کی صورت میں بازی اکثر پلٹ جاتی ہے۔''

''آئی ایگری ود یو سر......لیکن اس وقت ہم ایک نہیں دو محاذ پر جنگ لڑ رہے ہیں اور......دشمن بھی پردے میں ہے......اسے سامنے لانے کی خاطر مجھے آپ سے کچھ تعاون درکار ہے۔''

''نو فارمیلٹی۔'' دوسری جانب سے پوچھا گیا۔''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''جو مہرہ آپ کی تحویل میں ہے آپ اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کریں۔جو سانپ سامنے نہیں ہے اب اسے سامنے لانے کی خاطر ہمیں بھی حالات کے پیش نظر کچھ غیر قانونی عمل کرنے کی ضرورت ہے۔''

''گڈ......میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا......کوئی دشواری پیش آئے تو آپ بلا جھجک میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔جو بھی صورت حال ہوئی میں اسے سنبھال لوں گا۔''

"تھینکس...... سر!اورنگ زیب نے موبائل بند کیا تو سراج نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"کیا آپ کو امید ہے کہ وشنو آسانی سے زبان کھول دے گا؟"
"اس کا جواب مجھے کرنل سے بعد میں معلوم ہوگا۔"
"جو شخص آئی جی کو اشارے پر چلنے پر مجبور کر رہا ہے اس کے بارے میں بھی ہمارے پاس کوئی کلیو نہیں ہے۔"
"اب ہمیں دو اور دو پانچ کے فارمولے پر عمل کرنا پڑے گا۔" اورنگ زیب نے سڑک پر نظریں جمائے جمائے جواب دیا۔
"کیا مطلب......؟"
"الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے میں کچھ وقت ضرور ضائع ہوتا ہے مائی ڈیئر۔" اورنگ زیب نے کچھ توقف سے کہا۔ "پہلے جگا کے فرنیچر مارٹ کی تباہی...... رستم علی آغا خان کو بلیک میل کرنے کی کوشش...... ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لودھی کی موت...... آکٹوپس کی رہائش گاہ کی کھنڈر میں تبدیلی پھر...... میرے لگژری فلیٹ پر حملہ اور توڑ پھوڑ...... ہنی مون بیوٹی پارلر میں ہونے والے لڑکیوں کے مذموم کاروبار کی تفصیل اور...... سکندر علی شاہ کی وہ فائل جسے سرد خانے کے حوالے کر دیا گیا تھا ......اب یہ باتیں میرے حلق سے نیچے نہیں اتر رہیں......ان تمام وارداتوں کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے ضرور ملتے ہیں......"
"ہوسکتا ہے لیکن آپ نے کرنل سے کس غیر قانونی عمل کی بات کی تھی۔"
"ہاں......" اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "سرجن بھی جانتا ہے کہ ہر آپریشن کامیاب نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود وہ سرجری کرتا ہے......اب ہمیں بھی اسی فارمولے پر عمل کرنا ہوگا۔"
"آپ کے ذہن میں کیا پلان ہے؟"
"سب سے پیشتر ہنی مون بیوٹی پارلر میں معمولی نوعیت کی توڑ پھوڑ اور ہنگامہ۔"
"آئی۔سی......" سراج چونکا۔ "کیا آپ شیلا ورما اور جونی......"
"نہیں......" اورنگ زیب نے سراج کا جملہ کاٹ کر کہا۔ "یہ دونوں مہرے ہیں لیکن......ایک نام میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔ سکندر علی شاہ کی دوسری بیوی نگینہ......میری اطلاع کے مطابق شیلا ورما سے میل جول کے علاوہ جونی سے بھی اس کے تعلقات تھے مگر کچھ دنوں سے اس نے بھی بیوٹی پارلر آنا جانا ترک کر دیا ہے......کسی وجہ سے جونی بھی دو دونوں تک انڈر گراؤنڈ رہنے کے بعد سامنے آ گیا ہے۔"
"یہ اطلاعات مجھے بھی مل چکی ہیں مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہم نگینہ کو اہمیت دینے کے بجائے براہ راست سکندر علی شاہ کا پوسٹ مارٹم کریں تو نتائج امید افزا بھی ہو سکتے ہیں......"
"میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کروں گا......"

میرے پلان میں سکندر علی شاہ کا فارم ہاؤس بھی ہے جہاں ہمارے بڑے بڑے افسران اور حکومت کے ذمہ دار عہدے داروں کو بھی دادِ عیش کے موقع فراہم کیے جاتے ہیں لیکن جب تک ڈور کا ایک سرا ہاتھ نہ آجائے ہم جلد بازی میں کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔"

"آپ کیا خیال ہے......؟ سراج نے پوچھا۔"کیا میڈم کی لیڈی سیکرٹری کا اغواء بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے؟"

"ہو بھی سکتی ہے......"

"بیوٹی پارلر پر ہنگامے کے لیے آپ نے کس کا انتخاب کیا ہے؟......افضل خان اس کام کو بہتر طور کر سکتا ہے۔"

"مجھے تم سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔" اورنگ زیب نے دوستانہ انداز میں کہا۔"تم یہ کیوں فراموش کر رہے ہو کہ وشنو کی دوبارہ گرفتاری میں افضل خان نے کلیدی کردار ادا کیا تھا......ایسی صورت میں وشنو کی ہٹ لسٹ پر بھی وہ سرفہرست ہوگا......اس کی حفاظت کی ذمے داری سے غافل نہ ہونا......"

"آئی جی کے لیے آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں......" اورنگ زیب نے شانے اچکا کر بے پروائی سے جواب دیا۔"حالات کی بساط پر اس کی حیثیت زیادہ اہم نہیں ہے......کسی دکھتی رگ کے سبب وہ خود بھی بے بس ہے۔"

پھر گفتگو کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا......موبائل پر کسی کال کے آجانے کے سبب اورنگ زیب نے روشن اسکرین پر نمبر دیکھ کر اسے فوراً ہی آن کر دیا تھا۔

دوسری جانب سے بولنے والا خاص مخبر"مینتھر" کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔سراج کی نظریں بہ دستور اورنگ زیب کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

✣✣✣

وشنو اس وقت بھی ملٹری انٹیلی جنس ہیڈ کوارٹر کے ایک کمرے میں ننگے فرش پر بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا۔اس کے ذہن میں صرف ایک نام رہ رہ کر گونج رہا تھا......

"افضل خان۔"

پچاس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگا کر وہ لوچن کی نظروں میں بھی دھول جھونک کر نکل گیا تھا۔ کرنل احتشام کے سادہ لباس والے بھی اس کی ہوا نہیں پا سکتے تھے......بعد میں اس کے فرار کی اطلاع نے سب کو ششدر کر دیا ہوگا۔وشنو اسی خوش فہمی میں مبتلا تھا،ہنری براؤن کا میک اپ کرنے کے بعد اسے پورا وشنواش تھا کہ اب اسے تلاش کرنے والے ٹاپتے رہ جائیں گے۔اس نے طے کیا تھا کہ بگ باس سے رابطہ ہونے کے بعد وہ پہلی فرصت میں کسی اور زیادہ محفوظ مقام پر منتقل ہو جائے گا لیکن افضل خان نے درمیان میں آکر اس کے سارے خوب صورت سپنوں کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔

وشنو کو یقین تھا کہ افضل خان بھی ذاتی طور پر اس کی نگرانی ضرور کرتا رہا ہوگا۔ایسا نہ ہوتا تو وہ

اس کے ہوٹل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آمنا سامنا ہونے کے بعد خود وشنو بھی پہلی نظر میں افضل خان کو نہیں پہچان سکا تھا۔ جب پہچانا...... اس وقت دیر ہو چکی تھی پھر...... وہ افضل خان کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس کر دوبارہ کرنل احتشام کے چنگل میں آ گیا تھا۔

افضل خان کے حوالے سے وشنو کے ذہن میں ایس پی اورنگ زیب کا نام بھی گونج رہا تھا۔ اپنے تجربے کی روشنی میں اس نے اورنگ زیب کو دوسرے پولیس افسروں سے بہت مختلف پایا تھا۔ یقیناً اسی کے اشارے پر افضل خان بھی پوری طرح متحرک تھا جس کی وجہ سے وشنو ایک بار پھر پھنس گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس بار کرنل نے بھی نگرانی کا سخت انتظام کیا ہوگا۔ اس کے تجربے کار کمانڈوز پوری طرح محتاط ہوں گے۔ ان کے حصار کو توڑ کر نکل جانا آسان نہیں ہوگا مگر...... وشنو کا شاطر ذہن اس وقت بھی ناممکن کو ممکن بنا دینے کے امکانات پر غور کر رہا تھا جب کمرے کے بند دروازے پر ایک ذرا سی آہٹ سن کر وہ پوری طرح محتاط ہو گیا اور اب وہ خود کو اتنا مطمئن ظاہر کرنے لگا جیسے کسی بات کی قطعی پروا نہ ہو۔

کمرے میں داخل ہونے والا ایک میجر تھا۔ وشنو اسے کئی بار کرنل احتشام کے ساتھ دیکھ چکا تھا، اس کا تعلق وشنو کے خیال کے مطابق ملٹری کے کسی ایسے شعبے سے تھا جہاں زبان کے بجائے ذہین اور تجربے کار نظروں سے دوسرے کو پرکھا جاتا ہے...... بعد میں اس کی تحریری رپورٹ تیار کی جاتی ہوگی۔ اسی کی روشنی میں کوئی حتمی فیصلہ بھی کیا جاتا ہوگا۔

میجر کے سامنے آنے کے بعد دو مسلح سپاہی بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں فولڈنگ چیئر تھی۔ میجر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کی روشن اور چمکدار نظریں اپنے تجربے کی روشنی میں وشنو کے تاثرات کو پرکھنے لگیں۔ ایک لمحے تک وشنو خاموش رہا پھر اس نے میجر کو اپنی فیس ریڈنگ کا موقع نہیں دیا۔ مسکرا کر بولا۔

"میں اس وقت میک اپ میں نہیں ہو میجر......

تمہارے آدمیوں نے میرا اصل روپ دیکھنے کے کارن جو لوشن استعمال کیا تھا اس نے میرے سارے روپ بہروپ دھو ڈالے ہیں...... ابھی تک اس کی جلن میرے چہرے پر چیونٹیوں کی طرح اٹک مار رہی ہے۔"

میجر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم بھی ابھرا تھا۔

"تم اپنا اور میرا سمے برباد مت کرو آفیسر۔" وشنو نے اس کی نظروں کا توڑ کرنے کی خاطر پھر اس کی توجہ میں خلل ڈالنے کی کوشش کی۔ "جو من چاہے سوال کرو...... میں تم سے کوئی بات غلط نہیں لوں گا۔ دو کوڑی کے ملازموں سے جو تالات کھانے کے بعد جو مجرم فرفر بولنے لگتے ہیں میرا شمار ان میں نہ کرو...... جب تک تمہاری قید میں ہو...... تم مالک ہو اور میں مجبور...... جس دن یہاں سے چھومنتر ہو گیا...... میں مالک ہوں گا اور تم مجبور...... چور سپاہی کا ناٹک اسی طرح چلتا رہتا ہے۔"

میجر بہ دستور مہر بہ لب رہا البتہ ساتھ میں کھڑے دونوں کمانڈوز کے تیور بدلنے لگے۔

"وشنو کو قابو کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے......"

وشنو نے میجر کو مسکرا کر بے پروائی سے مشورہ دیا۔"کوئی زہریلا انجکشن......پھر نہ رہے گا بانس نہ باجے کی بانسریا......اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کام نہیں کرے گا۔"

"بولتے رہو......"میجر نے پہلی بار زبان کھولی۔

"تمہاری باتیں بھی میرے لیے کار آمد ہوں گی۔"

"تمہاری مرضی......"وشنو نے شانے اچکائے پھر بے نیازی سے آنکھیں موندلیں۔

دس پندرہ منٹ تک کمرے میں مکمل خاموشی رہی پھر دروازہ دوبارہ کھلنے کے ساتھ ہی کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری تو وشنو نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔آنے والا کرنل احتشام تھا جسے دیکھ کر میجر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا......؟کرنل احتشام نے میجر سے دریافت کیا لیکن اس کی قہر آلود نظریں وشنو پر ہی مرکوز تھیں۔

"میکسی مم ڈوز(MAXIMUM DOSE) میجر نے مختصر جواب دیا۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا ہے......؟"کرنل نے وشنو کو تیز نظروں سے گھورا۔"کیا تم شراف سے زبان نہیں کھولو گے؟"

"تھوڑی بہت ٹوٹی پھوٹی گٹ پٹ میں بھی کر لیتا ہوں۔"وشنو نے سنبھل کر کہا۔"آپ اپنا آخری ارمان بھی پورا کرلو لیکن میرا جواب وہی ہوگا......مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو جس کی تلاش ہے وہ کہاں ملے گا......میری اس کی بات صرف موبائل ہوتی ہے......ہر بار وہ نئے نمبر سے کال کرتا ہے......وہ سب میں اگل چکا ہوں......اور کیا معلوم کرنا ہے؟"

"آخری بار تم سے کہاں ملے تھے......؟"

"ملنے ہی کے کارن موت کے کنویں سے چھلانگ لگا کر گیا تھا مگر ایک چھوٹی سی بھول ہوگئی جو پھر تمہارے سامنے موجود ہوں۔"وشنو نے بل کھا کر جواب دیا۔

"پہلی فرصت میں ایک گولی اس کی کھوپڑی میں داغ کر نو دو گیارہ ہو جاتا تو......"

"شٹ اپ......"کرنل گرج اٹھا۔"یہ کہانی میں پہلے بھی سن چکا ہوں......زندگی چاہتے ہو تو اس کا پتا بتا دو......ورنہ تمہارے ساتھ اب جو ہوگا......اچھا نہیں ہوگا......"

"یہ دھمکی بھی میرے لیے نئی نہیں ہے......"وشنو نے سپاٹ لہجے میں زہر خند سے جواب دیا۔"اپنے آدمیوں سے کہو کہ دوا کی آخری خوراک کا تجربہ بھی کرلیں......"

"باسٹرڈ......"کرنل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا پھر اس نے اپنے کمانڈوز کو حکم دیا۔"اسے ٹارچر سیل میں لے جاؤ......اس وقت تک ڈوز دیتے رہو جب تک یہ زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہو جائے......"

وشنو کرنل کا فیصلہ سن کر مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر اس نے مسلح کمانڈوز کے ساتھ جانے میں بھی

ں الجھاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

وشنو کے جانے کے بعد کرنل اپنے آفس میں آ گیا، میجر بھی اس کے ساتھ تھا، اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے میجر سے پوچھا۔ ''آپ کی فائنل ریڈنگ کیا ہے......؟''

''سخت جان مجرم ہے......آسانی سے زبان کھولنے کی امید تین پرسنٹ بھی نہیں ہے۔'' میجر نے بات جاری رکھی۔ ''ویسے میرا تجربہ بھی یہی کہتا ہے کہ وہ اصل مجرم کے ٹھکانے سے واقف نہیں ہے۔''

''آپ نے اس کی فائل بھی ضرور دیکھی ہو گی......''

کرنل نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''ایسے مجرموں کی موت بھی ہمارے لیے کسی نقصان کا سبب نہیں ہو گی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے......''

میجر کچھ دیر بعد چلا گیا تو کرنل نے کچھ سوچ کر آئی جی سے کال ملائی، اس کے چہرے کے تاثرات میں جو فوری تبدیلی رونما ہوئی تھی وہ بھی معنی خیز تھی۔

''اس وقت کیسے یاد کیا؟'' رابطہ ہونے پر آئی جی کی آواز ابھری۔

''میری اطلاع کے مطابق ایس پی اورنگ زیب غالباً آج کل پھر کسی اہم کام میں مصروف ہے۔''

''یو آر رائٹ۔'' آئی جی نے کچھ توقف سے کہا۔ ''وہ ایک ذاتی معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

''میری رپورٹ کے مطابق وہ شاید کسی ایسے شخص کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے جو اس سے پہلے بھی پانچ آدمیوں کو شوٹ کر چکا ہے۔ ان میں تین پولیس کو مطلوب مجرم بھی تھے۔''

''آپ کی انفارمیشن صحیح ہے کرنل......مسٹر اورنگ زیب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا خیال ہے کہ غیبی قوتیں اس شخص کو قبل از وقت خطروں سے آگاہ کر دیتی ہیں۔ ایک بار میں بھی اس شخص سے مل چکا ہوں......'' آئی جی نے اسپتال میں میل نرس اور زہریلے انجکشن کی تفصیل دہراتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرے لیے وہ سب کچھ حیرت انگیز ہی تھا لیکن اس بار لیاقت حسین نامی شخص نے محض شبے کی بنیاد پر ایک آدمی کو ہلاک، اور تین کو شدید زخمی کر دیا ہے......عدالت ایسی کہانی کو آسانی سے ہضم نہیں کرے گی۔''

''ایسی صورت میں پولیس کے محکمے کی ساکھ بھی ضرور متاثر ہو گی۔'' پہلی بار کرنل کے لہجے میں ٹھہراؤ آ گیا۔

''جانتا ہوں لیکن......'' آئی جی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کیا بات ہے......؟ کرنل نے پوچھا۔ ''آپ اپنے محکمے کے سربراہ ہیں......اگر کوئی مجبوری ہے تو کھل کر کہیں۔''

''پچھلی ملاقات میں، میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ بھی مسٹر اورنگ زیب پر مہربان ہیں اس کے علاوہ غالباً کوئی مخصوص حکم نامہ بھی ہے جس کی بنا پر اسے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔''

''اوہ......'' کرنل نے سنبھل کر جواب دیا۔

''میرے اور آپ کے ایس پی کے تعلقات بے شک ہیں لیکن صرف ذاتی مراسم کی حد تک ، محکمے کے سربراہ کی حیثیت سے میں اپنے آفیشل معاملات میں لچک پیدا کرنے کا عادی ہوں۔ کبھی کبھی اوپر والوں کا دباؤ بھی آڑے آسکتا ہے......ایسی صورت میں کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے......میری اور ایس پی کی دوستی کے علاوہ آپ پر اوپر والوں یا کسی اور کا دباؤ تو نہیں ہے؟''

''جی......جی نہیں......'' آئی جی نے دباؤ والی بات کو کسی کڑی گولی کی طرح حلق کے نیچے اتارتے ہوئے جواب دیا۔''آئی جی کی حیثیت سے میں بھی سیاہ وسپید کا مالک ہوں۔''

''گڈ......'' کرنل نے کہا۔''اگر آپ کا یہی خیال ہے تو پھر اورنگ زیب کو لیاقت حسین کی بے جا حمایت نہیں کرنی چاہیے۔آپ اسے تحریری طور پر اس معاملے سے الگ رہنے کے احکام جاری کردیں۔اس کے بعد ساری ذمے داری اسی کی ہوگی۔''

''وشنو کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا......''

آئی جی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔''کیا اس نے شیخ حامد کے سلسلے میں......''

''سوری مائی ڈیئر......میں جس سیٹ پر ہوں اس پر زبان بند رکھنا پہلی شرط ہے۔'' کرنل نے اس بار بھی بڑی خوب صورتی سے بات بتائی پھر دو چار رسمی باتیں کرنے کے بعد رابطہ ختم کردیا۔اس کے ہونٹوں پر پھر معنی خیز تبسم ابھرنے لگا۔اورنگ زیب کی زبان یہ بات معلوم ہوجانے کے بعد کہ آئی جی کی تمام فون کالز سنی جاتی ہیں اس نے جان بوجھ کر اسی وقت ایسی باتیں کی تھیں جو کال سننے والوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرسکیں...... یہ جاننا بھی مقصود تھا کہ آئی جی اورنگ زیب کے سلسلے میں کوئی قانونی قدم اٹھائے گا یا نہیں......؟

❖❖❖

موبائل پر موصول ہونے والی کال ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کی تھی جسے شبنم نے ریسیو کیا تھا۔

''افضل خان کہاں ہے......؟اس کا موبائل مصروف مل رہا ہے......''

''وہ کسی سے بات کررہا ہے سر۔''شبنم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔''ہمارے لائق کوئی خدمت؟''

''افضل سے بات کراؤ......اسے کچھ ضروری ہدایات دینی ہیں۔''

پھر شبنم کے اشارے پر ہی افضل خان نے اپنی کال ختم کرکے شبنم کا موبائل لے لیا۔

''تم اس وقت کس سے بات کررہے تھے......؟''

''ذاتی نوعیت کی کال تھی جناب......آپ حکم دیں۔''

افضل خان نے کہا۔
''تم اور شبنم دونوں فلیٹ تک ہی محدود رہنا......''
سراج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔''جب تک ہماری طرف سے کوئی اشارہ نہ ملے محتاط رہنے کی ضرورت ہے......یہ بھی بتادوں کہ ہمارے سادہ لباس والوں کے علاوہ ملٹری کے کمانڈوز بھی تم دونوں کی حفاظت پر مامور کر دیئے گئے ہیں۔''
''آپ کی مہربانی ہے جناب......میں بھی سمجھتا ہوں کہ وشنو کو ہتھیلی لگانے والوں کو بھی اس کا دوبارہ جال بھی پھنس جانا اچھا نہیں لگا ہوگا۔باہر زندہ آنے کے بعد خود وہ بھی مجھے شکار کرنے کی کوشش کرے گا۔''
''تمہارا انداز غلط نہیں۔''سراج نے اس کے شبہے کی تائید کی۔''اسی وجہ سے تم کو کال بھی کیا ہے۔''
''آپ فکر نہ کریں......''افضل خان نے بڑے اعتماد سے کہا۔''جو مر کر زندہ ہوا ہے......اور اس کے گرگے بھی بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے بھی اسی دشت کی سیاحی میں زندگی گزاری ہے۔''
''ہم بھی جانتے ہیں مگر......یہ بھی مت بھولو کہ انسان کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی بھی اس کے لیے کبھی کبھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے......اندھیرے سے چھپ کر چلائی جانے والی گولی روشنی میں رہنے والوں کا لحاظ بھی نہیں کرتی......پلک جھپکتے میں آتی جاتی سانس کا سلسلہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔''سراج نے اس بار قدرے تحکمانہ انداز میں کہا۔''جو کچھ کہا گیا اس کیخلاف کوئی قدم اٹھانے کی غلطی نہ کرنا۔''
دوسری جانب سے رابطہ منقطع کیا گیا تو افضل خان نے بے پروائی سے مسکراتے ہوئے موبائل شبنم کو واپس کر دیا۔''کوئی خاص بات......؟شبنم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
''ہاں......ہمارے سول میرج کے پروگرام کے درمیان کچھ رکاوٹیں پیش آگئی ہیں۔''
''ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو......؟''
''نہیں......سچ کہہ رہا ہوں۔''افضل خان نے شبنم کا ہاتھ تھام کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے سرد آہ بھری۔''ہمیں کچھ دنوں تک فلیٹ میں بند رہنے کا حکم ملا ہے۔''
''سراج صاحب کا فون نہ آتا تو میں بھی تمہیں یہی مشورہ دیتی......تم نے وشنو پر ہاتھ ڈال کر جو خطرہ مول لیا ہے وہ آسانی سے ختم نہیں ہوگا......آکٹوپس جہاں بھی ہے اسے بھی یہ اطلاع ضرور مل گئی ہوگی......اس کے شکاری کتے بھی ہمیں سکون سے نہیں رہنے دیں گے۔''شبنم نے سمجھانے کی کوشش کی۔''اس سے علیحدہ ہو جانے کے باوجود بھی یہ بات اس کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی کہ جو لوگ اس کے ملازم رہ چکے ہوں وہ اس کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت بھی کر سکیں۔''
''سمجھ گیا......''افضل خان نے پہلو بدل کر جواب دیا۔''تمہیں اس بات کی زیادہ خوشی ہوگی کہ سول میرج والی بات فی الحال......''

''ایسا مت سوچو......''شبنم نے قدرے شرما کر کہا۔

''تم میڈم روبی کو کیوں بھول رہے ہو؟ میں اگر اس سے درخواست کروں تو وہ اس پوزیشن میں ہے کہ کسی مجسٹریٹ کو ہمارے فلیٹ پر بھی بھیج دے......سول میرج کی قانونی خانہ پری یہاں بھی ہو سکتی ہے۔''

''جانتا ہوں لیکن اس کے علاوہ بھی ایک شخص ہمارے تمہارے درمیان رکاوٹ بنا ہوا ہے۔''

''وہ کون ہے......؟شبنم نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''جبرو......''افضل خان نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔''تم نے بھی یہی درخواست کی تھی کہ جبرو کو معاف نہ کرنا۔تمہیں اپنانے سے پہلے میں اسے اتنی اذیت ناک موت ماروں گا کہ پھر کوئی تمہاری طرف میلی نظر ڈالنے کی بھول بھی نہ کر سکے۔''

''اپنا خیال بھی رکھنا افضل......''شبنم نے اس کا ہاتھ تھام کر جذباتی انداز میں درخواست کی۔''تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بالکل تنہا رہ جاؤں گی......''

جواب میں افضل خان نے شبنم کو شانوں سے تھام کر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا تو شبنم نے بھی بے اختیار اس کے کشادہ سینے میں سر چھپا لیا۔

❖❖❖

لیاقت حسین کے اقبالی بیان کے بعد پولیس کی درخواست پر عدالت نے اسے ایک ہفتے کے لیے پولیس کسٹڈی میں دے دیا تھا۔ریمانڈ گرانٹ کرنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک کسی تھانے میں مرنے والے کے لواحقین کی جانب سے کوئی ایف آئی آر درج کرائی گئی تھی نہ ہی تینوں زخمی اس پوزیشن میں تھے کہ عدالت کے روبرو پیش ہو کر کوئی بیان دے سکتے۔

متعلقہ تھانے کا ایس ایچ او چکی کے دو پاٹوں کے درمیان سینڈوچ بن گیا تھا۔نہ وہ آئی جی کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا تھا نہ ہی اورنگ زیب کی سابقہ مہربانیوں کو نظر انداز کر دینا اس کے ضمیر کو گوارا تھا۔ریمانڈ حاصل کرنے کے بعد ہی اس نے پہلی فرصت میں اورنگ زیب کو اس کی اطلاع بھی دے دی تھی۔

اس وقت لیاقت حسین پھر اس کے سامنے موجود تھا حسب معمول وہ پوری طرح مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن آنکھوں کے تاثرات اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ اس کے وجود کے نہاں خانوں میں کہیں کچھ ٹوٹ پھوٹ بھی ہو رہی ہے۔

''میری بات توجہ سے سنو لیاقت حسین۔''ایس ایچ او نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔''تمہیں یہ جو ایک ہفتے کی مہلت ملی ہے اسے بھی غنیمت جانو ،اس کے بعد اگر زخمیوں نے تمہارے خلاف زہر اگلا تو تمہارے بچاؤ کے سارے راستے بند ہو جائیں گے۔''

''جانتا ہو......''لیاقت حسین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر بھی تم ہماری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے......ہمار انہیں تو اپنے عزیزوں کا خیال

کرو۔کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہوگا جو تمہیں سزا ہو جانے کے بعد تمہاری کمی کو بڑی شدت سے محسوس کرے گا۔"

"تم صرف قانون کی بات کرو صاحب۔" لیاقت حسین نے پہلی بار جھلا کر جواب دیا۔"رشتے ناتوں کے چکر میں مت پڑو۔جو مر جاتا ہے اسے بھی لوگ رو پیٹ کر صبر کر لیتے ہیں ......جو مقدر میں کیا لکھا ہے اسے کوئی نہیں جانتا۔"

"پھر سوچ لو ......ریمانڈ ختم ہونے کے بعد تمہیں سوائے پچھتاوؤں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

لیاقت حسین جواب میں مسکرا دیا وہ سمجھ رہا تھا کہ پولیس کی یہ تمام رعایتیں اسے اورنگ زیب اور سراج کی وجہ سے مل رہی تھیں ورنہ پولیس تو ان لوگوں سے بھی ڈنڈے کے زور پر اقبال جرم کرالیتی ہے جو مطلق بے گناہ ہوتے ہیں۔اس وقت کسی بے قصور کو بھی یہ سوچنے کی مہلت نہیں ملتی کہ کس جرم کی پاداش میں اس کی ہڈیاں کچلی جارہی ہیں پھر......اس کے لے صرف یہی مناسب ہوتا ہے کہ جج کے روبرو بھی پولس کا زبردستی یاد کرایا ہوا سبق فرفر دہرا دے۔باقی فیصلہ اندھا قانون سنا دیتا ہے،بے قصور قید و مشقت بھگتنے کے لیے جیل چلا جاتا ہے۔اصل مجرم کھلی ہوا میں دندناتا پھرتا ہے۔

"تم چپ کیوں ہو......؟ایس ایچ او نے سوال کیا۔

لیاقت حسین کھرا جواب دینے کی خاطر پر تول رہا تھا جب ایک سپاہی نے اندر داخل ہو کر ایس ایچ او سے کچھ سرگوشی کی۔"ان لوگوں کو بیٹھاؤ......میں آتا ہوں۔"

سپاہی الٹے قدموں چلا گیا تو ایس ایچ او بھی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے لیاقت حسین سے کہا۔"کچھ واقف کار تم سے ملاقات کیلئے آئے ہیں......میرے ساتھ چلو......"

لیاقت حسین نے ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر ہونٹ چباتا ہوا ملاقاتی کمرے میں آ گیا جہاں سیٹھ عثمان اور راحیلہ بیگم اس کے منتظر تھے۔لیاقت حسین نے کچھ کہنے کے بجائے نظریں جھکا لیں۔کپکپاتے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

"آپ......عزت دار لوگ ہیں۔میرے محسن بھی ہیں لیکن آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"تم بات نہیں کرنا چاہتے تو ہم بھی خالی ہاتھ واپس جائیں گے۔"

راحیلہ بیگم کی بھرائی ہوئی آواز لیاقت حسین کے کانوں میں گونجی تو وہ تڑپ اٹھا،اس نے دوبارہ نظریں اٹھا کر دیکھا،سیٹھ عثمان خاموش کھڑے تھے لیکن ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ حالات نے ان کو بھی جھنجھوڑ دیا ہے۔راحیلہ بیگم اس طرح بے چین اور مضطرب تھیں جیسے ان کا کوئی اپنا جیل میں ہتھکڑیاں پہنے کھڑا ہو۔

"آپ......آپ کیا حکم دیں گی بیگم صاحب۔"

لیاقت حسین نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک آپ کے کسی حکم کو نہیں ٹالا......آج بھی نہیں ٹالوں گا۔"

''کوئی اور بھی ہمارے ساتھ آنے کو مچل رہا تھا لیکن ہم نے اسکا یہاں آنا ناپسند نہیں کیا۔راحیلہ بیگم نے لیاقت حسین کے قریب آ کر مدھم لہجے میں کہا۔

''آپ نے اچھا کیا...... یہ...... یہ جگہ آپ لوگوں کے قابل نہیں ہے۔''

''پھر......تم یہاں رہنے کی ضد کیوں کر رہے ہو؟''

''میں نے کیا کیا.....''لیاقت حسین پھر جذباتی ہونے لگا۔''جو سچ ہے وہی بار بار دہرا رہا ہوں۔اس کے علاوہ کیا کہوں؟''

''سراج بھائی نے تمہیں جو مشورہ دیا تھا وہ اب بھی مان لو.....''راحیلہ بیگم نے سرگوشی کی۔''جو مر گیا اور جو لوگ زخمی ہیں ان کا سابقہ ریکارڈ بھی مل گیا ہے۔سب افراد مجرم ہیں۔اب ان مجرموں کو قانون کے جال میں پھنسانے کی خاطر اگر تم بھی مصلحت سے کام لو تو یہ بھی نیکی ہو گی۔''

''راحیلہ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیاقت حسین .....''سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کی ذہنی کشمکش کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔''درندوں کو بھی قابو کرنے کی خاطر ان کی راہ میں خندقیں کھودی جاتی ہیں۔مضبوط جال بنے جاتے ہیں۔''

''میں نے بھی ایسا ہی کیا تھا صاحب.....''لیاقت حسین نے معصومیت سے جواب دیا۔''اگر وہ مر جاتے تو ان کا پرانا حساب کتاب میرے حق میں گواہی دیتا......وہ زندہ ہیں تو میں مجرم کیسے بن گیا؟''

''تمہارا تعلق اگر پولیس کے محکمے یا قانون نافذ کرنے والی کسی ایجنسی سے ہوتا تو اور بات تھی لیکن محض شکوک وشبہات کی بنیاد پر اگر عام آدمیوں کو یہ حق دے دیا جائے تو پھر عدالتوں کے لیے ایسے مقدموں کو نمٹانا بھی آسان نہیں ہوگا۔''

''کل سرفراز خان صاحب کا بھی فون آیا تھا۔''لیاقت حسین کے کوئی جواب دینے سے پیشتر راحیلہ بیگم نے کہا۔''وہ بھی آنے کو کہہ رہے تھے لیکن ہم نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہم بھی تمہارے لیے کوئی غیر نہیں ہیں۔''

''بابا نے مجھے برا بھلا تو نہیں کہا......؟لیاقت حسین نے سوال کیا۔

''نہیں .....''سیٹھ عثمان نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔''وہ بھی یہی کہہ رہے تھے کہ تم نے جو کیا وہی مردوں کا شیوہ ہے۔جس کی پشت پر گولی لگے اسے مرد میدان نہیں کہتے۔''

''بابا نے سچ کہا ہے صاحب۔''لیاقت حسین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔''ہمارے علاقے کا یہی دستور ہے۔''

''جانتا ہوں لیکن......تم اس وقت شہر میں ہو جہاں کے طور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔عقلمندی یہی ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس کے فارمولے پر عمل کیا جائے۔''

''فرحین نے ہمارے بارے میں کیا کہا ہے؟''

لیاقت حسین نے نظریں جھکا کر راحیلہ بیگم سے دریافت کیا۔

''وہ جن حالات سے گزر چکی ہے اس کے بعد تمہاری دوری کے احساس نے اسے بھی گم صم کر دیا ہے۔'' راحیلہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے کہا۔'' اور کسی کا نہ سہی فرحین کا تو خیال کرو لیاقت حسین ...... سہارے چھن جائیں تو اچھا بھلا آدمی بھی لڑکھڑا جاتا ہے۔''

''آپ ...... ٹھیک کہہ رہی ہیں بیگم صاحب۔'' لیاقت حسین اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گیا۔

''پھر ...... تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' سیٹھ عثمان نے دریافت کیا۔

''ابھی ایک ہفتہ ہے صاحب ...... زخمیوں کا بیان ہو جانے دیں پھر میں اس کی روشنی میں کوئی فیصلہ کرلوں گا۔ ہوسکتا ہے وہ بدذات اپنی زبان سے اپنا جرم قبول کر لیں ...... اوپر والے کے ہاں بھی دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔''

''میں تمہاری بات مانتی ہوں لیکن اب ایک آخری فیصلہ میرا بھی سن لو۔'' راحیلہ بیگم نے بڑے اعتماد سے کہا'' اگر زخمیوں نے اس بات کا اقرار نہ کیا کہ وہ تمہارے تعاقب میں تھے یا ان کا مقصد تمہیں نقصان پہنچانا تھا تو پھر وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔ تم نے پھر بھی اپنی ضد نہ چھوڑی تو میں یہی سمجھوں گی کہ تمہاری نظروں میں میری کوئی......''

''آگے کچھ نہ کہنا بیگم صاحب۔'' لیاقت حسین نے ہتھیار ڈال دیے۔'' میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ آپ کے کسی حکم کو ٹال کر نمک حرامی کا ثبوت نہیں دوں گا۔''

''مجھے یقین تھا لیاقت حسین کہ تم میرا کہا نہیں ٹالو گے۔'' راحیلہ بیگم نے پرسکون سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا پھر کچھ دیر بعد وہ واپس چلی گئیں تو لیاقت حسین کو دوبارہ ایس ایچ او کے کمرے میں آ گیا جو کسی کے فون پر بات کرنے میں مصروف تھا لیکن اب اس کی نظریں لیاقت حسین کے چہرے کا جائزہ بھی لینے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

''سیٹھ عثمان اور ان کی بیگم سے ملاقات کے بعد تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟'' کال ختم ہونے کے بعد اس نے لیاقت حسین سے دریافت کیا۔

''زخمیوں کا بیان ہو جائے پھر فیصلہ ہو جائے گا۔''

''میں نے اس وقت پولیس اسپتال سے ہی رابطہ کیا تھا۔ عملے کا اندازہ ہے کہ دو ایک گھنٹوں میں وہ بھی ہوش میں آ جائیں گے۔ مگر ...... تمہیں ان کے بیان سے کیا سروکار ہے؟'' ایس ایچ او نے وضاحت طلب نظروں سے لیاقت حسین کو گھورا۔

''اوپر والا سب سے بڑا کارساز ہے۔ اس کا جو فیصلہ ہوگا اسے ہم مل کر بھی نہیں ٹال سکتے۔'' لیاقت حسین نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ پھر سر پر تعینات سپاہی کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ایس ایچ او نے شانے اچکائے۔ کچھ سوچ کر وہ ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ اس وقت اپنی اسٹڈی میں تنہا موجود تھا۔ وہاں اس کے سوا کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر غور و فکر کے گہرے تاثرات دھوپ چھاؤں کی طرح بدل رہے

تھے۔کئی سوال ابھرا بھر کر آپس میں گڈ مڈ ہو رہے تھے۔

"فارم ہاؤس میں جو لڑکی اس کے لیے لائی گئی تھی اس پر ہاتھ صاف کرنے کی جرأت کس نے کی تھی ......؟ لڑکیاں فراہم کرنے والی دلربا نامی لڑکی نے جو اطلاع اسے دی تھی وہ سچ بھی تھی یا نہیں ......اگر نہیں تو اس نے اس قدر سنجیدگی سے جھوٹ بولنے کی جرأت کیوں کی ......؟ فارم ہاؤس کے تمام معاملات کی نگرانی گونگے کے ذمے تھی۔اسے ملازموں پر سختی یا نرمی کرنے کے پورے اختیارات بھی حاصل تھے ......پھر وہ کون تھا جس نے گونگے کی سخت گیر طبیعت کو نظر انداز کر کے شیر کے شکار پر منہ مارنے کی غلطی کی تھی؟

سکندر علی شاہ گونگے کی فطرت سے پوری طرح آگاہ تھا۔وہ شروع ہی سے عورت ذات سے نفرت کرنے کا عادی تھا۔ایسی ہی ایک اہم وجہ سے وہ خود بھی لاوارث ہو گیا تھا پھر ایک عورت ہی کے سبب اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے بعد اسے سکندر علی شاہ کے عتاب کا شکار ہونا پڑا تھا۔سکندر علی شاہ نے اس کو اپنے ڈرائیور ہونے کی اہم ذمے داری سے ہٹا کر فارم ہاؤس بھیج دیا تھا۔اس موقع پر بھی گونگے کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔اس لیے کہ اسے پھر ایک عورت کی وجہ سے شہر کے ہنگاموں سے دور ہٹا کر صرف فارم ہاؤس تک محدود کر دیا گیا تھا اور ......جب سکندر علی شاہ نے کچھ دیر پہلے پھر ایک لڑکی کی خاطر اسے ذمے دار قرار دے کر اس کے گھٹنے پر ٹھوکر ماری تھی تو گونگے نے لڑکھڑا کر گرتے گرتے خود کو سنبھال لیا تھا۔اس نے نگاہوں میں احتجاج کے ساتھ ساتھ نفرت کے شعلے بھی لپکے تھے مگر اپنی مجبوریوں کی خاطر اس نے پھر سکندر علی شاہ کے قدموں میں پناہ لی تھی۔یہ باتیں سکندر علی شاہ کے لیے نئی نہیں تھیں لیکن گونگے کی حمایت "شکرہ" کے فون اور دھمکی آمیز گفتگو نے سکندر علی شاہ کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی تھی کہ "شکرہ" کو اچانک گونگے سے کیا ہمدردی پیدا ہو گئی؟ اس نے گڑھے مردے اکھاڑنے والی بات کہہ کر بھی سکندر علی شاہ کو چونکا دیا تھا۔یہ ایسی ہی اہم بات تھی جو سکندر علی شاہ کے خیال میں اس کے علاوہ کسی اور کے علم میں نہیں تھی۔پھر "شکرہ" کا کوڈ ورڈ استعمال کرنے والے کو اس کا علم کس طرح ہو گیا؟ وہ کس طرح واقف ہو گیا تھا کہ لڑکی کو کس نے روندا تھا ......؟ گونگے کی حمایت اس نے دھمکی آمیز انداز میں کیوں کی تھی؟ کیا ہمدردی تھی اسے گونگے سے؟ اور ......اس نے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر لڑکی کی عزت لوٹنے والے کی لاش کی اطلاع دینے کا دعویٰ کس بنیاد پر کیا تھا؟ ......کیا وہ گھر کا کوئی بھیدی تھا جو سکندر علی شاہ کی ایک ایک نقل و حرکت سے واقف تھا ......یا ......کوئی بدروح تھی جس نے سکندر علی شاہ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچانے میں مدد کی تھی اور اس کے بدلے وہ اسے اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر رہی تھی ......؟

چوبیس گھنٹے کے دعوے کی مدت ختم ہونے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹا باقی تھا جب فون کی گھنٹی کی آواز نے سکندر علی شاہ کو چونکا دیا۔ایک لمحے تک وہ فون کو گھورتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"سکندر علی شاہ بول رہا ہوں۔" اس نے حسب معمول بھاری آواز میں کہا۔

''سلام مالک......'' دوسری جانب سے بڑی انکساری سے جواب ملا۔ ''میں آپ کا نمک خوار برکت بول رہا ہوں۔''

برکت فارم ہاؤس کے تین چوکیداروں میں سے ایک کا نام تھا...... کسی اہم ضرورت کے بغیر وہ فون کو ہاتھ لگانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا..... سکندر علی شاہ اس کا نام سن کر چونکا۔

''کس لیے فون کیا ہے......؟''

''ایک ضروری اطلاع دینی تھی مالک ......'' اس بار بھی سہمی ہوئی آواز میں کہا گیا۔ ''فضلو چوکیدار نے خودکشی کر لی ہے۔ دس منٹ پہلے شبیر اس کے کمرے میں گیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ کھڑا ہے۔

سکندر علی شاہ کے لیے کسی ملازم کی موت کی اطلاع کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن شکرہ کے حوالے سے وہ فضلو کی خودکشی کی خبر سن کر ہونٹ چبانے لگا ...... مرنے والا اس کے اعتماد کا ملازم تھا ،گزشتہ تین سال سے وہ بھی دوسرے پالتو کتوں کی طرح دم ہلا رہا تھا پھر اس نے اچانک خودکشی کیوں کر لی؟ کیا شکرہ نے کسی لاش کی اطلاع ملنے کا جو دعویٰ کیا تھا اس کا کوئی تعلق فضلو کی موت سے بھی تھا؟ ایک لمحے کو متعدد خیال ذہن میں ابھرے پھر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''خودکشی کا اندازہ تمہیں کیسے ہوا......؟''

''اس کے منہ سے جھاگ اٹھ رہے ہیں مالک۔ سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔ ہاتھ میں ایک پرچہ بھی دبا ہے۔ ہم نے ابھی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا......''

''ہاتھ کا پرچہ نکال کر پڑھو۔ اس میں کیا لکھا ہے'' سکندر علی شاہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

ایک منٹ بعد ہی دوسری جانب سے برکت کی آواز ابھری ......'' مالک...... وہ ...... فضلو نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''پرچے میں یہی لکھا ہے مالک کہ جو...... لڑکی یہاں آئی تھی اسے......''

''میرا حکم غور سے سنو......'' سکندر علی شاہ نے لڑکی کا حوالہ سننے کے بعد تیزی سے کہا۔ ''پرچے کو احتیاط سے رکھو اور ...... فضلو کو خاموشی سے دفنا دو...... اس کی اطلاع فارم ہاؤس سے باہر نہیں جانی چاہیے۔''

''نہیں جائے گی مالک......''

سکندر علی شاہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر اٹھ گیا۔ فضلو کی موت کا سن کر شکرہ کے آخری جملے پھر اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ یہ خیال بھی بار بار کسی نیون سائن کے مانند اندھیرے اور اجالے کا تاثر پیش کر رہا تھا کہ جو بات فارم ہاؤس کے ملازموں کے علم میں بھی نہیں تھی اس کی بھنک فارم ہاؤس سے نکل کر شکرہ تک کس طرح پہنچ گئی......؟ فضلو نے کس کے خوف سے خودکشی کر لی جبکہ کسی دوسرے ملازم کو لڑکی کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے سکندر علی شاہ کے اندر سلگنے والے بارود کو اور ہوا دے دی ......سب جانتے تھے کہ اسٹڈی میں اسے ڈسٹرب کرنا کسی سنگین جرم سے کم نہیں تھا۔اس وقت بھی وہ کسی زخمی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا دروازے کی طرف لپکا ......ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا ......سامنے نگینہ کھڑی تھی۔

"تم......"

"سوری ڈارلنگ......" نگینہ نے اس کے تیور دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔"جو خبر مجھے ملی ہے وہ بھی آپ تک پہنچانی ضروری تھی۔"

"اب کون مر گیا......؟" خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"شیلا ورما کی کال آئی تھی ......وہ آپ سے براہ راست بات کرنا چاہتی تھی لیکن میں نے اسے اسٹڈی کا نمبر نہیں دیا۔"

"اچھا کیا......" سکندر علی شاہ نے شانے اچکا کر جواب دیا۔"میں ایسی عورتوں کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیتا۔"

"جانتی ہوں لیکن اس نے مجھے آپ کے کانوں تک ایک خبر پہنچانے کی ذمے داری سونپی ہے۔"

"کیا خبر ہے......؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے اس کے بیوٹی پارلر پر کچھ نامعلوم لوگوں نے توڑ پھوڑ کی ہے۔شیلا ورما کو جان سے مارنے کی دھمکی بھی دے گئے ہیں۔"

"پھر......میں کیا کروں؟" سکندر علی شاہ نے بہ دستور لاتعلقی کا اظہار کیا پھر اس نے اسٹڈی کا دروازہ بند کر لیا لیکن......اب اس کے ذہن میں ایک سوال گونج رہا تھا۔

لڑکی بے آبرو کرنا......شکرہ کا کال اور اب......ہنی مون بیوٹی پارلر پر ہنگامہ ان سب کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

✣✣✣

جونی ماضی کے جن راستوں اور نشیب و فراز سے گزر کر شیلا ورما تک پہنچا تھا وہی اس کے معلم تھے۔ وہ قبل از وقت خطروں کی بو سونگھ لینے کا عادی تھا' لیکن مستقبل کا لکھا اسے بھی نہیں معلوم تھا۔ البتہ خدشات کے پیش نظر عقلی گھوڑے دوڑانا ایک عام آدمی کی طرح اس کا بھی حق تھا۔

اس تقابل میں وہ ایسی ہی سچویشن سے دوچار تھا۔

یہ پہلا اتفاق تھا جب اسے پولیس کے کسی ڈی ایس پی نے اپنے دفتر میں طلب کیا تھا۔ وہ حکم کے مطابق ٹھیک ساڑھے نو بجے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج کے اس دفتر پر پہنچ گیا جہاں اس سے قبل ایس پی اورنگ زیب تعینات تھا۔ جونی ان دنوں پولیس افسران کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ بیوٹی پارلر سے روانہ ہوتے وقت شیلا ورما نے جہاں اسے یہ کہا تھا ''کسی بات کی پروا نہ کرنا'' وہاں یہ بھی باور کرادیا تھا کہ وہ دونوں سے محتاط رہ کر گفتگو کرے۔ خود جونی بھی ان دونوں کے بارے میں خاصی معلومات رکھتا تھا۔ وہ اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ بیوٹی پارلر پر ہونے والے حادثے کی اطلاع پولیس کو دی جائے' لیکن شیلا ورما نے کسی کے اشارے پر ہی باقاعدہ شکایت کرادی تھی۔

جونی نے سراج کے آفس پہنچ کر ایک سپاہی سے اپنی آمد کی اطلاع کرانی چاہی تھی۔

''ڈپٹی صاحب ابھی نہیں آیا۔'' سپاہی نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''انتظار کرو......''

''مجھے ساڑھے نو بجے آنے کا حکم ملا تھا۔''

''بولا نا......انتظار کرو......'' اس بار پولیس والے نے جونی کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے کہا۔ جونی خاموشی سے ورانڈے میں پڑی ایک بنچ پر بیٹھ گیا اس کے ذہن میں بیوٹی پارلر پر ہونے والے ہنگامے کا خیال ابھرنے لگا۔

+++

شام ٹھیک پانچ بجے اس کی آنکھ معمول کے مطابق کھل گئی تھی۔ حسب دستور اس نے بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے ذریعے باہر جھانکا تھا۔ پارلر کے سامنے روز مرہ کی طرح نئے نئے ماڈل کی قیمتی گاڑیاں پارک تھیں۔ وہ شانے اچکا کر اٹیچ باتھ روم میں چلا گیا۔ منہ پر پانی کا چھینٹا ڈال کر اس نے لباس تبدیل کیا پھر اپنا پسندیدہ پرفیوم اپنے لباس پر اسپرے کررہا تھا جب اس کے کانوں میں ایک نسوانی چیخ کی آواز سنائی دی تھی۔ جونی لپک کر دوبارہ کھڑکی کے قریب آگیا۔ پارلر سے سہمی ہوئی عورتیں اور لڑکیاں نکل نکل کر اپنی گاڑیوں میں بیٹھ رہی تھیں۔ جونی خطرے کی بو سونگھ کر باہر جانے

کے راستے کی جانب لپکا پھر یکے بعد دیگرے دو فائر ہونے کی آواز سن کر وہ محتاط ہو گیا دوبارہ پلٹ کر وہ کھڑکی کے قریب آیا۔

باہر سڑک پر ایک وین پارلر کے عین سامنے کھڑی تھی۔ وین کے قریب ایک آدمی منہ پر ڈھاٹا باندھے رائفل لیے موجود تھا۔ فائرنگ کی آواز سن لینے کے بعد ہی نیچے بھگدڑ بھی مچی تھی۔ سامنے شاپنگ سینٹر کی دکانوں کے شٹر بھی گرا لیے گئے تھے۔ پارلر کے اندر سے کسی کے چیخ چیخ کر باتیں کرنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ قیمتی شیشوں کے ٹوٹنے کی جھنکار بھی گواہ تھی کہ پارلر میں توڑ پھوڑ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

جونی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں غور کر رہا تھا جب دو افراد شیلا ورما کو گھسیٹتے ہوئے پارلر سے باہر نکال لائے، دونوں کے ہاتھ میں پستول موجود تھے۔

''یہ...... یہ تمہارے لیے پہلی وارننگ ہے میڈم شیلا!'' ایک شخص دبنگ آواز میں شیلا ورما کو نفرت سے گھورتے ہوئے بولا۔ ''آج ہم نے صرف تمہارے پارلر کا نقشہ تبدیل کیا ہے۔ دوسری بار آئے تو تمہاری بیوٹی میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے۔ کاروبار جاری رکھنا ہے تو ہر ماہ ہماری مطلوبہ رقم تیار رکھنا۔ ہم انکار سننے کے عادی نہیں ہیں۔''

شیلا ورما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے میک اپ کا پھیکا رنگ اور ہونٹوں کی پھیلی لپ اسٹک بھی گواہی دے رہی تھی کہ دھمکی دینے والوں نے اس کے ساتھ تفریحاً کچھ چھیڑ خانی ضرور کی ہوگی۔ وہ خاموش تھی، لیکن اس کی آنکھوں کی سرخی اس بات کی غمازی بھی کر رہی تھی کہ وہ ان کے جانے کے بعد طوفان اٹھانے سے بھی باز نہیں آئے گی۔ جونی بھی جانتا تھا کہ جو کاروبار وہ کر رہی تھی اس میں اس کے ہاتھ بہت دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے۔

''ہماری وارننگ کا خیال رکھنا بے بی؟'' دوسرے آدمی نے شیلا ورما کو مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ماہانہ ادائیگی کے علاوہ ہم کبھی کبھی تمہیں ذاتی خدمت کرنے کے کام بھی لاتے رہیں گے۔''

پھر وہ دونوں وین میں بیٹھ کر چلے گئے۔ جونی پہلی فرصت میں دوبارہ نیچے کی طرف لپکا۔ اس نے آنے والوں کے چہروں کو نظر میں رکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ جانتا تھا کہ انہوں نے میک اپ کا سہارا لینے کے بعد ہی واردات کی ہوگی۔ وہ تیزی سے نیچے پہنچا تو شیلا ورما وہاں نہیں تھی۔ فوری طور پر اس نے پارلر کے اندر کا نقشہ دیکھا۔ آنے والوں نے سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا۔ دس منٹ بعد جونی شیلا ورما کے پاس اس کے اپارٹمنٹ میں تھا۔ جہاں وہ کسی چوٹ کھائی ہوئی زخمی شیرنی کی طرح ٹہل رہی تھی۔ جونی کو سامنے دیکھ کر وہ رک گئی۔

''تم کہاں تھے؟''

''میں سو رہا تھا...... جب آنکھ کھلی تو سیدھا نیچے گیا لیکن......'' جونی نے بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''یہ سب کچھ اچانک کیسے ہو گیا؟ بات کیا ہوئی تھی جو......''

''ڈونٹ وری......'' شیلا ورما نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''میں ان......کو چھوڑوں گی نہیں۔''

''کیا تم ان کو......''

''میں نہیں جانتی کہ وہ سن آف دی بچ son of the bitch کون تھے لیکن اب پولیس ان کو ان کی قبروں سے بھی ڈھونڈ نکالنے کا کام انجام دے گی۔''

''ریلکس......جونی نے شیلا کے قریب جا کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا۔ ''ان کے آنے کا کوئی مقصد بھی ضرور ہوگا۔''

''ہاں۔ وہ......ایک لاکھ روپے ماہانہ کے بھتے کی ڈیمانڈ کر رہے تھے۔''

''تم نے کیا سوچا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ آنے والوں کے خلاف کیا کرو گی۔'' جونی نے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔ ''اگر ان سے واقف ہو تو پولیس کے پاس جانے سے پہلے مجھے بتا دو......وہ جو بھی ہوئے جونی انہیں پالتو کتوں کی طرح گلے میں زنجیریں پہنا کر تمہارے قدموں تک گھسیٹ لائے گا۔''

''تھینکس جونی......'' شیلا نے جونی کو گلے لگا کر جذباتی انداز میں کہا۔ ''میں جانتی ہوں کہ تم شیلا کے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتے ہو لیکن......میں نے تمہیں بہت کچھ کھو کر پایا تھا۔ اب پا کر کھونے کی غلطی نہیں کروں گی۔''

''کچھ دیر وہ جذباتی باتیں کرتی رہی پھر وہ فون کے قریب گئی تو جونی نے اس کے ارادے کو بھانپ کر دریافت کیا۔ ''کس کو کال کر رہی ہو......؟''

''سکندر علی شاہ کو۔''

''اوہ......'' جونی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا تم سکندر علی شاہ کو جانتی ہو؟''

''نہیں......'' لیکن میں اسے جو حوالہ دوں گی اس کے بعد وہ میری مدد کرنے سے انکار بھی نہیں ے گا۔''

''سوچ لو......وہ پیری مریدی کرنے والا بندہ ہے۔''

''جانتی ہوں......وہ مریدوں کو مرید کرتا ہے مگر خود خوبصورت عورتوں کا مرید ہے۔ تم نگینہ کو یوں فراموش کر رہے ہو۔'' شیلا ورما کے لہجے میں کاٹ تھی۔ ''دنیا کا ہر مرد خوبصورت عورتوں کا مرید ہوتا ہے۔''

''نگینہ کا حوالہ درمیان میں آجانے کے بعد جونی نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس کے بعد وہی ہوا جو شیلا ورما نے کہا تھا۔ سکندر علی شاہ نے مختلف حوالوں کے بعد شیلا ورما کی نہ صرف رام کہانی سن لی بلکہ اسی نے شیلا ورما کی طرف سے پولیس کو بیوٹی پارلر پر ہونے والے حملے اور اس کی تفتیش کی خاطر فون بھی کرا دیا تھا۔ جونی بھی اس وقت بلائے جانے کے بعد سراج کے دفتر تک آ گیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں مستقبل کا حال بتانے والی مس ڈکسن کا ایک جملہ گونج رہا تھا۔ ''جتنی جلدی ممکن ہو شیلا ورما کی دنیا سے کہیں دور چلے جاؤ۔ کسی ایسی جگہ جہاں تک اس کی رسائی بھی ممکن نہ ہو۔''

جونی اپنے خیالوں میں گم تھا جب ورانڈے میں موجود سپاہی نے اسے بتایا کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آ گئے ہیں اور اسے بلایا گیا ہے۔جونی دھڑکتے دل سے اٹھا پھر خود کو سنبھالتا اس کمرے میں داخل ہوا جہاں سراج اس کا منتظر تھا۔اس نے جونی کو سر سے پاؤں تک ایک نظر ٹٹولا پھر اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔خود سامنے رکھی فائل کے اوراق الٹنے پلٹنے لگا۔پانچ سات منٹ کمرے میں مکمل خاموشی رہی پھر سراج نے فائل بند کرنے کے بعد ہی جونی کو مخاطب کیا۔

''بیوٹی پارلر میں ہونے والے توڑ پھوڑ کے سلسلے میں ہمیں اوپر سے یہی ہدایت ملی ہے کہ اس کے ذمہ داروں کو پہلی فرصت میں گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔میں نے تمہیں اسی سلسلے میں طلب کیا ہے......کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ لوگ کون تھے؟''

''جی نہیں......''جونی نے سادگی سے جواب دیا۔''میں اس وقت اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔جب مس ورما نے مجھے بلایا تو مجرم جا چکے تھے لیکن مس ورما توڑ پھوڑ کے وقت پارلر ہی میں موجود تھیں۔''

''مس ورما کا بیان ہے کہ وہ بھی ان سے واقف نہیں ہیں۔یہ بھی شبہ ہے کہ آنے والے اپنی اصل شکل میں نہیں تھے۔ایسی صورت میں فوری طور پر کسی کی گرفتاری بھی ممکن نہیں لیکن فنگر پرنٹس کی رپورٹ آ جانے کے بعد ہو سکتا ہے کہ کوئی سراغ ہاتھ آئے۔''

جونی نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔

''تم وہاں کیا کام کرتے ہو......''

''پارلر کی وین کا ڈرائیور ہوں سر......''جونی نے انکساری سے جواب دیا۔''مس ورما کی گاڑی چلانے کی خدمت بھی انجام دیتا ہوں۔''

''مس ورما نے بھی یہی بتایا ہے۔یہ بھی خاص طور پر کہا کہ تم اس کے سب سے زیادہ وفادار اور قابل اعتماد ورکر ہو۔''

''ان کی مہربانی ہے سر۔''

''کب سے ملازم ہو؟''

''لگ بھگ تین سال سے۔''جونی نے مختصر جواب دیا۔

''گڈ۔''سراج نے اس بار قدرے بے تکلفی سے کہا۔''ہو سکتا ہے کہ تم ہماری مدد کر سکو۔''

''آپ کی تابعداری سے بھی انکار نہیں کروں گا سر۔''

''گڈ......مس ورما سے کہنا کہ کسی وقت میں ان سے بھی ملاقات کر لوں گا۔''

''ٹھیک ہے جناب۔''

''کیا پینا پسند کرو گے......چائے یا کولڈ ڈرنک۔''

سراج نے دوستانہ انداز میں جونی سے دریافت کیا۔

''آپ نے اس قابل سمجھا یہی میرے لیے بہت ہے سر۔''جونی نے کسمسا کر جواب دیا۔

''تم کو اس وقت بلانے کا ایک ہی مقصد تھا۔'' سراج نے مسکرا کر کہا۔ ''تم چونکہ مس ورما کے خاص آدمی ہو اس لیے ان کو یقین دلا دینا کہ ہم ان کی رپورٹ کے سلسلے میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیں گے۔''

''میرے لیے اب کیا حکم ہے؟''

''تم......اب جا سکتے ہو۔ ضرورت ہوئی تو دوبارہ تکلیف دوں گا۔''

جونی خاموشی سے اٹھا اور سر جھکا کر کمرے سے نکل گیا۔ سراج کے ہونٹوں پر اس کے جانے کے بعد بڑی معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔

+++

تینوں زخمیوں کو جو وکیل فراہم کیا گیا تھا اسی کی درخواست پر ان کو چیمبر میں طلب کیا گیا تھا۔ عدالت کے روبرو پیش ہونے کی خاطر انہیں پولیس کے دو دو کارندوں نے ڈنڈا ڈولی کر کے کمرے تک پہنچایا تھا وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔

چیمبر میں لیاقت حسین بھی تھا۔ حوالات کی پولیس اسے ہتھ کڑی پہنا کر لائی تھی۔ تینوں زخمیوں کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر جو زخمی مسکراہٹ ابھری اسے وہاں موجود سب ہی افراد نے دیکھا تھا۔

''تم یہاں کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔'' متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او نے مدھم آواز میں لیاقت سے کہا۔

''آپ فکر مت کرو صاحب۔ مجھے قانون کا ہر فیصلہ منظور ہوگا۔ میں کسی سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا۔''

''ایک بات اور بتا دوں۔'' ایس ایچ او نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''باہر سیٹھ عثمان اور ان کی بیگم بھی موجود ہیں۔''

لیاقت حسین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں پھر تینوں زخمیوں پر مرکوز ہو گئیں جو بے مد کسمپرسی کی حالت سے دوچار تھے۔

مجسٹریٹ چیمبر میں داخل ہوا تو سنبھل گئے۔ تینوں زخمیوں کا باری باری بیان ہوا۔ تینوں نے یک ہی بات کہی تھی کہ اگر لیاقت حسین پہل نہ کرتا تو وہ پھر اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کرتے۔

''تم تینوں کو لیاقت حسین سے کیا دشمنی ہے؟''

سرکاری وکیل نے دریافت کیا۔

''بات دشمنی کی نہیں۔ اس حکم کی ہے جو ہمیں دیا گیا تھا۔'' ایک زخمی نے ہونٹ چباتے ہوئے واب دیا۔ ''ہمیں اس کام کے عوض معقول رقم بھی پیشگی مل گئی تھی۔''

''اوہ......گویا تم اقرار کر رہے ہو کہ تم تینوں اجرتی قاتل ہو۔''

''آپ کی جو مرضی آئے سمجھ لیں۔''

''ون منٹ .....'' مجسٹریٹ نے سرکاری وکیل سے کہا پھر اس نے براہ راست زخمیوں سے سوال کیا۔''لیاقت حسین کو مارنے یا زخمی کرنے کا حکم تمہیں کس نے دیا تھا؟''

''ہم اسے نہیں جانتے۔''

''رقم کس نے ادا کی تھی؟'' مجسٹریٹ کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔''اسی کا نام اور پتا بتا دو۔''

''وہ بھی پہلی بار سامنے آیا تھا۔'' زخمیوں نے ایک ہی جواب دیا۔''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میک اپ میں ہو۔''

''نان سینس!'' مجسٹریٹ جھلا کر بولا پھر اس کے اشارے پر سرکاری وکیل نے زخمیوں سے سوال کیا۔

''کیا تم لوگ اس سے پہلے بھی واردات کرتے رہے ہو؟''

''ہم نے لیاقت حسین کے بارے میں اقبال جرم کرلیا ہے جناب۔ آپ گڑے مردے کیوں اکھاڑنے کی کوشش.....''

''یہ عدالت ہے۔'' مجسٹریٹ نے میز پر ہاتھ مار کر زخمیوں کو تیز نظروں سے گھورا۔''جو پوچھا جائے صرف اس کا جواب دو۔''

''کیا لیاقت حسین سے پہلے بھی تم کسی نامعلوم شخص کے کہنے پر منہ مانگی اجرت حاصل کرنے کے بعد واردات کرتے رہے ہو؟'' سرکاری وکیل نے اپنا سوال دہرایا۔

''ہاں.....'' ایک زخمی نے مختصر جواب دیا۔

''کتنی وارداتیں کر چکے ہو؟''

''ہمیں یاد نہیں۔ حساب کتاب رکھنا ہمارے پیشے کے لوگوں کی عادت نہیں ہوتی۔''

''کبھی پہلے بھی گرفتار ہو چکے ہو؟''

''جی نہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے۔'' زخمی شانے اچکا کر بے پروائی سے بولا۔

''بہرحال۔ تم اقرار کرتے ہو کہ اگر لیاقت حسین تم پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرتا تو تم اس پر قاتلانہ حملہ کرنے سے گریز کرتے۔''

''جی ہاں۔'' زخمیوں نے باری باری ایک ہی بات کہی۔''اقبال جرم کے بعد ہم ایک درخواست اس عدالت سے بھی کریں گے .....ہمیں جیل میں بھی دوسرے قیدیوں سے الگ تھلگ رکھا جائے ورنہ ہماری موت یقینی ہے۔''

''وہاٹ.....'' مجسٹریٹ نے تینوں کو تیز نظروں سے گھورا۔''تمہیں جیل میں کس بات کا خطرہ ہے؟''

''جس نے ہمیں خریدا تھا وہ اور اس کے کارندے اپنے پیچھے کوئی ثبوت یا کسی شہادت کا نشان چھوڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ اگر اتنے شاطر نہ ہوتے تو ہم جو موت کے دہانے پر کھڑے ہیں ان کو

ننگا کرنے سے دریغ بھی نہ کرتے۔وہ اگر اناڑی ہوتے تو قانون کا ہاتھ بھی ان کے گریبان تک پہنچ چکا ہوتا۔''

ایک لمحے کو چیمبر میں مکمل سکوت طاری ہوگیا۔لیاقت حسین کے ہونٹوں پر بھی جیسے پپڑی جم گئی۔زخمیوں نے جو بیان دیا وہ اس کے لیے غیر متعلقہ ہونے کے باوجود قابل غور تھا۔مجسٹریٹ کی نظریں بھی بار بار زخمیوں کے چہروں پر منڈلا رہی تھیں پھر اس کی آواز ابھری۔

''میں تم لوگوں کی پوزیشن کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں لیکن آخر کب تک تم اصل مجرم کی نظروں سے روپوش رہو گے؟موجودہ کیس کی سزا بھگتنے کے بعد باہر آؤ گے تو پھر نادیدہ قاتلوں کے ہاتھ تمہاری بوٹیاں ادھیڑ ڈالیں گے۔''

زخمیوں کے ہونٹوں پر ایک پھیکا سا تبسم ابھر کر نڈھال ہوگیا۔ایک نے شانے اچکا کر مجسٹریٹ کو طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔''کسی سائے یا پرچھائیں کو ہتھکڑی پہنانا قانون کے اختیار میں بھی نہیں ہوتا۔''

''تم خود کسی شبہے کا اظہار کردو۔اصل مجرم تک پہنچنا پولیس کا کام ہوگا۔'' مجسٹریٹ نے انہیں اکسانے کی کوشش کی۔

''شبہ......ایک زخمی نے کراہ کر جواب دیا۔''ہمیں کسی ایسی ہی بڑی مچھلی پر شبہ ہے جس کے طاقتور ہاتھ حکومت کی جڑوں سے بھی ملے ہوئے ہیں۔قانون ان پر ہاتھ ڈالنے کی......''

''شٹ اپ......'' مجسٹریٹ نے جھلا کر کہا پھر اس نے لیاقت حسین کی طرف دیکھا۔''تم اپنے سابقہ بیان میں کہہ چکے ہو کہ تم نے محض شبہے کی وجہ سے آتشیں اسلحہ استعمال کیا تھا۔''

''یاد ہے صاحب اور۔اب میں بھی اپنا بیان نہیں بدلوں گا۔'' لیاقت حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''شبہے کی کیا وجہ تھی؟''

''میں اس کی تفصیلی وجہ بھی پچھلے بیان میں بتا چکا ہوں۔'' لیاقت حسین نے کھل کر کہا۔''کسی سنسان سڑک پر تین چار افراد ہاتھ میں اسلحہ لیے ایک تنہا آدمی کو گھیریں تو اس کا وہی مطلب ہوتا ہے جو میری عقل میں آیا تھا۔اس نے پیشتر بھی ان کتوں کو گھیر کر موت کے حوالے کردیا تھا جنہوں نے میری عزت پر ڈاکا ڈالنے کی غلطی کی تھی۔''

''میں تمہاری فائل تفصیل سے پڑھ چکا ہوں لیکن جو لوگ تمہارے دشمن ہیں،ان کی دشمنی کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی۔تمہیں بھی کسی نہ کسی پر شبہ ہوگا۔''

''غم تو اس بات کا ہے صاحب کہ وہ بزدلوں کی طرح چھپ کر وار کرتا ہے۔ایک بار کھل کر سامنے آجائے تو میں قبر تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔اس کے بعد پھانسی کا پھندا خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈالنے سے بھی ہچکچاؤں گا نہیں۔''

مجسٹریٹ نے لیاقت حسین کے چہرے کے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا پھر اس کے

اشارے پر سوائے متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کے، باقی سب لوگ باہر چلے گئے۔
''آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ زخمی افراد جان بوجھ کر زبان کھولنے سے گریز کر رہے ہیں؟ لیاقت حسین کا بار بار ایک ہی بیان پر قائم رہنا بھی کیا اس بات کی نشاندہی نہیں کرتا کہ کہیں ایسی کوئی وجہ ہے جو ابھی تک پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئی؟''
''میں بھی ابھی تک اصل معاملے کی تہ تک نہیں پہنچ سکا سر۔'' ایس ایچ او نے کہا۔ ''جہاں تک میری ذاتی تفتیش کا تعلق ہے تو میں یہی کہوں گا کہ لیاقت حسین نے جو کارروائی کی وہ سیلف ڈیفنس میں تھی۔''

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ زخمیوں کے اقرار جرم کے بعد لیاقت حسین کو باعزت رہا کر بھی قانون کی ذمے داری ہے جسے پورا کرنے سے دریغ نہیں کروں گا لیکن ...... ایک بات قابل غو ہے۔'' مجسٹریٹ نے کچھ توقف سے بات جاری رکھی۔ ''وہ کون سے بااثر لوگ ہیں جو ہر قیمت صرف ایک بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ لیاقت حسین کو رہا نہ کیا جائے۔''
''سر......'' ایس ایچ او نے چونک کر مجسٹریٹ کو دیکھا۔ ''کیا آپ کو بھی اپروچ کیا گیا ہے؟''
''یہ بات بھی آپ کو آف دی ریکارڈ بتا رہا ہوں۔ فی الحال اس کا ذکر بھی کسی اور سے نہ کیجیے گا۔''

پھر ایس ایچ او کی موجودگی ہی میں زخمیوں کا تحریری بیان حاصل کرنے کے بعد مجسٹریٹ نے لیاقت حسین کو باعزت طور پر رہا کرنے کا مختصر فیصلہ بھی سنا دیا تھا لیکن ......
دوسری صبح اسے اس کی خواب گاہ میں مردہ حالت میں پایا گیا۔ پولیس سرجن نے اس موت کا سبب سانپ کا زہر قرار دیا تھا۔

✣✣✣

ہوم منسٹر کے آفس میں اس وقت آئی جی، ڈی آئی جی، ایس پی اورنگزیب، ڈی ایس پی سراج کے علاوہ بندرگاہ کے علاقے کا ایس ایچ او بھی موجود تھا۔ پولیس سرجن کی وہ عارضی رپورٹ بھی ہوم منسٹر کے سامنے رکھی گئی تھی جس میں مجسٹریٹ کی موت کی وجہ درج تھی۔
اس وقت جو ہنگامی میٹنگ کال کی گئی تھی وہ بھی مجسٹریٹ کی پراسرار موت سے متعلق تھی۔
''مرحوم کی بیوہ نے جو بیان دیا ہے وہ ہم سب کے لیے قابل غور ہے۔'' ہوم منسٹر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''مرحوم کل جس وقت گھر پہنچا اس وقت خلاف فطرت بہت سنجیدہ تھا۔ بیوہ نے اس کا سبب دریافت کیا تو مرحوم نے جواب میں صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اب ہمارے تمام ذمے دار اور بڑے بڑے عہدوں پر تعینات افسران نے بھی اپنی شخصیتوں پر فارسیل (for sale) کی تختی لگا رکھی ہے۔ بیوی نے وضاحت چاہی تو مرحوم بات کو ہنس کر ٹال گیا اور اب۔'' کمرے میں ایک لمحے خاموشی رہی پھر ہوم منسٹر نے براہ راست آئی جی کو مخاطب کیا۔ ''کیا آپ کو مرحوم کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے؟''

''جی ہاں۔ صبح کے اخبار میں بھی یہ خبر موجود تھی لیکن......''

''اب لیکن کے آگے ہمارے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔'' ہوم منسٹر نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''مجرم گرفتار بھی ہو گئے تو مرنے والا واپس نہیں آ سکتا۔ ہم سب پھر روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو جائیں گے۔ کاغذات کی خانہ پری کر کے انہیں بھی داخل دفتر کر دیا جائے گا۔ مرنے والے کے پس ماندگان بھی رو پیٹ کر صبر کر لیں گے۔''

کمرے میں دوبارہ سکوت طاری ہو گیا۔ ہوم منسٹر نے دوسری بار ایس ایچ او کو مخاطب کیا۔

''میری رپورٹ کے مطابق آپ کی موجودگی میں مرحوم نے کیس اپنے چیمبر میں نمٹایا تھا۔''

''یس سر۔'' ایس ایچ او نے اقرار کیا پھر اس نے تمام تفصیل سنانے کے بعد دبی زبان میں کہا۔ ''آخر میں چیمبر میں میرے اور مرحوم کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس وقت ......لیاقت حسین کی رہائی کا مختصر فیصلہ لکھنے سے قبل دبی زبان میں یہ بھی کہا تھا کہ کچھ لوگ بااثر مرحوم پر اس بات کا پریشر ڈال رہے تھے کہ لیاقت حسین کو رہا نہ کیا جائے۔''

''آئی سی۔'' ہوم منسٹر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ''لیاقت حسین کا نام میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔ کون ہے یہ شخص؟''

''لیاقت حسین ہمارے ایک صنعتکار سیٹھ عثمان کا ڈرائیور ہے۔'' ڈی آئی جی نے جواب دینے میں پہل کی۔ ''میری ذاتی رپورٹ کے مطابق وہ بے حد کھرا، ایماندار اور وفادار ملازم ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک بات اس کے بارے میں مشہور ہے جس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مسٹر اورنگ زیب اور ڈی ایس پی سراج کو کچھ موقعوں پر اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔''

ہوم منسٹر نے ڈی آئی جی کی بات سن کر اورنگ زیب کی سمت دیکھا۔

''آپ کیا کہنا پسند کریں گے۔''

''فی الحال میں مختصراً یہی عرض کروں گا کہ کوئی روحانی قوت ہے جو لیاقت حسین کو قبل از وقت خطروں سے آگاہ کر دیتی ہے۔ دو موقعوں پر مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ میں نے لیاقت حسین سے بھی دریافت کیا تھا لیکن وہ ایسی کیفیت میں جو کچھ زبان سے کہتا یا کر گزرتا ہے وہ بعد میں اسے بھی یاد نہیں رہتا۔''

''انٹرسٹنگ!'' ہوم منسٹر نے دلچسپی لیتے ہوئے ڈی آئی جی سے سوال کیا۔ ''مرحوم مجسٹریٹ کے روبرو اس کا کیا کیس تھا؟''

جواب میں ڈی آئی جی کے علاوہ علاقے کے ایس ایچ او نے بھی شروع سے آخر تک تمام تفصیل دہرائی۔

''بہرحال...... یہ بات طے ہے کہ کوئی مرحوم پر لیاقت حسین کو باعزت طور پر رہا نہ کرنے کا دباؤ ڈال رہا تھا کون ہو سکتا ہے وہ؟

ہوم منسٹر نے باری باری دفتر میں موجود تمام افراد پر نظر ڈالی۔ سب خاموش رہے تو ہوم منسٹر

نے ایس ایچ او کو مخاطب کیا۔ ''جن زخمیوں کو لاک اپ کیا گیا ہے ان کا کیا کہنا ہے؟''

''انہوں نے اقرار جرم کرلیا ہے سر، سرکاری وکیل اور میری موجودگی میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا پھانسی کا پھندا ان کے لیے زیادہ پرسکون موت ہوگی ورنہ ان کو خریدنے والے جس انجام سے دوچار کریں گے وہ پھانسی کے پھندے سے زیادہ اذیت ناک ہوگا۔''

''مسٹر اورنگ زیب۔'' ہوم منسٹر نے ایک بار پھر اورنگ زیب کی طرف دیکھا۔ آپ کی کارکردگی اور مرکز کی طرف سے جو رپورٹس میرے علم میں ہیں ان کی روشنی میں، میں آپ سے ایک سوال کروں گا...... مرحوم مجسٹریٹ کی پراسرار موت کے سلسلے میں ہم پریس کو کیا جواب دیں گے؟''

''پریس کے قلم پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا سر...... وہ تفتیشی افسروں کی حتمی رائے معلوم کرنے کے باوجود زندوں کے مردہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ دیتے ہیں۔'' اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''موجودہ حالات کی روشنی میں پولیس کو پریس سے زیادہ اپنی کارکردگی کا گراف بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں سر جوڑ کر کام کرنا ہوگا۔ دوسروں کے اختیارات میں دخل انداز ہونے والے ایسے افسران پر نظر رکھنی ہوگی جنہیں قانون کی پاسداری سے زیادہ اپنی عزت بچانے کی فکر لاحق ہوتی ہے۔''

اورنگ زیب کی کھری گفتگو سن کر آئی جی اپنی نشست پر کسمسایا، ہوم منسٹر کی پلکیں بھی تیز تیز جھپکنے لگیں۔ اس نے کچھ توقف سے کہا۔ ''کیا آپ جانتے ہیں کہ لیاقت حسین کے سلسلے میں مجسٹریٹ پر کس نے دباؤ ڈالا تھا؟''

''سوری سر...... میں اس ضمن میں زبان کھولنے سے قاصر ہوں۔ محض شبہے کی بنا پر کسی کے اجلے دامن پر کیچڑ اچھالنا میرے اصول کے خلاف ہے لیکن یہاں اکثر معاملات میں اوپر کی مداخلت ہمیں ایسے لوگوں کے سامنے بھی سر جھکانے پر مجبور کر دیتی ہے جو انتہائی گھناؤنے کردار کے مالک ہوتے ہیں۔''

ہوم منسٹر کی نظریں اورنگ زیب کے چہرے پر منڈلاتی رہیں۔ اورنگ زیب کی کھری باتوں نے خود سراج کو بھی الجھن میں ڈال دیا تھا۔

''مسٹر اورنگ زیب ......'' ہوم منسٹر نے طویل خاموشی کے بعد نپے تلے لہجے میں زبان کھولی۔ ''میں اس میٹنگ کے بعد آپ سے علیحدگی میں ملنا پسند کروں گا۔''

''میں آپ کے حکم سے انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو سر لیکن میں علیحدگی میں کچھ مصلحتوں کی بنا پر زبان نہیں کھول سکتا۔ اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔''

آئی جی اور ڈی آئی جی کے علاوہ اورنگ زیب کا جواب سن کر ہوم منسٹر کے چہرے پر بھی اپنی کرسی کی اہمیت کا احساس نمایاں ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے مسکرا کر کہا۔

''آفیشل گفتگو نہ سہی لیکن آپ میرے ساتھ کچھ وقت گزاریں گے۔''

''ایز یو وش سر!''

''موجودہ کیس میں مجھے آپ کی ذاتی فائنڈنگس چوبیس گھنٹوں کے اندر درکار ہوگی۔'' اس بار ہوم منسٹر نے ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔ ''ٹاپ سیکریٹ اور کانفیڈینشل رپورٹ جو صرف میری ذات تک محدود رہے گی۔''

''رائٹ سر۔'' ڈی آئی جی کے پاس انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

''ایک بات اور بھی حیرت انگیز ہے۔'' آئی جی نے دبی زبان میں کہا۔ ''اگر فاضل مجسٹریٹ پر کسی نے دباؤ ڈالا تھا تو اسے کم ازکم یہ بات اپنے افسران کو بتا دینی چاہیے تھی۔ خود مرنے والے نے اپنی بیوہ سے بھی کھل کر کچھ نہیں کہا۔''

''کیا اہم سوال اور بھی ہے۔'' ہوم منسٹر نے کہا۔ ''واردات کرنے والا اس قدر خاموشی سے آیا اور اپنا کام کر کے فرار ہوگیا کہ گھر میں موجود دو بیٹیوں اور بیٹے کو بھی کان وکان خبر نہ ہوسکی۔ مکان کا داخلی دروازہ بھی صبح اندر سے بند ہی ملا تھا۔ اس کے علاوہ گھر میں داخل ہونے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔''

''ماہر نقب لگانے والے کنکریٹ کی دیوار میں خلا پیدا کرنے میں بھی ماہر ہوتے ہیں سر۔'' اورنگ زیب نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''تالوں کو ایک مخصوص تار کے ذریعے بہ آسانی کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔''

آدھے گھنٹے کے بعد میٹنگ برخاست ہوگئی تو اورنگ زیب کے سوا تمام افسران واپس چلے گئے۔ سراج کو باہر گاڑی میں بیٹھ کر اورنگ زیب کا انتظار کرنا پڑا۔

اورنگ زیب نے سب کی موجودگی میں ہوم منسٹر سے کھل کر جو باتیں کی تھیں اس کے بعد سراج ذاتی طور پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی مخصوص پروگرام بھی ضرور ہوگا ورنہ برملا افسران کے بارے میں وہ ہمیشہ کھل کر بات کرنے سے پرہیز ہی کرنے کا عادی تھا۔ وہ مخصوص پروگرام کیا تھا؟ اس کے بارے میں سراج ذہنی جمناسٹک میں مشغول تھا جب بیس منٹ بعد اورنگ زیب بھی آگیا۔

''ہوم منسٹر سے بند کمرے میں ملاقات کا تجربہ کیسا رہا؟'' سراج نے راستے میں دریافت کیا۔

''خلاف توقع ماحول خوشگوار ہی رہا ورنہ تم شاید واقف نہیں ہو کہ ہوم منسٹر کے ذاتی تعلقات بھی مرکزی حکومت کے اہم ذمے داروں تک ہیں۔'' اورنگ زیب نے پہلے ہی بریفنگ کر دی تھی اس لیے ملاقات خوشگوار ماحول ہی میں ہوئی۔''

''آج آپ نے میٹنگ کے دوران ذمے دار افسروں پر جو تنقید کی وہ بھی میری سمجھ میں نہیں آسکی۔''

''اس لیے کہ تم صرف پولیس آفیسر ہو۔'' اورنگ زیب نے بے تکلفی سے کہا۔ ''سانپ اور سیڑھی کا کھیل بچے بھی کھیل لیتے ہیں مگر جو ماہر ہوتے ہیں وہ پانسا پھینکنے میں بھی پوری مہارت رکھتے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''تم جونی کو کیوں بھول رہے ہو؟ اگر میں تمہیں قبل از وقت ٹھنڈا رہنے کی تاکید نہ کرتا تو کیا تم اسے برداشت کر سکتے تھے؟''

''جونی تو پہلے ہی سے بھیگی بلی بن کر میرے سامنے پیش ہوا تھا لیکن شیلا ورما......'' سراج نے تلملا کر جواب دیا۔ ''اگر آپ کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں نتائج کی پروا کیے بغیر اسے بھون کر رکھ دیتا۔''

''اوہ...... گویا تم اس سے بھی ملاقات کر چکے ہو۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر دریافت کیا۔

''آپ ہی کے اشارے پر ملنے گیا تھا۔'' سراج نے بہ دستور الجھ کر کہا۔ ''بیوٹی پارلر کی آڑ میں جو کاروبار ہو رہا ہے وہ آپ کے علم میں بھی ہے۔ ملاقات کے وقت وہ جس طرح اٹھلا اٹھلا کر مجھے اپنی اہمیت کا احساس دلا رہی تھی اسے میں نے کس طرح برداشت کیا؟ یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔''

''اس کے اور قریب ہونے کی کوشش کرو۔''

اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا پھر فوراً ہی مسکرا کر بولا۔ ''الماس کی فکر نہ کرنا...... میں اسے سمجھا دوں گا۔''

''آپ شیلا ورما کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟''

''وہ سیڑھی ہے سراج صاحب۔ اس سے گزر کر شاید ہم سانپ تک بھی پہنچ جائیں گے۔'' اورنگ زیب نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

''کیا مطلب......'' سراج چونکا۔ ''کیا آپ کے آکٹوپس کا کوئی سرا شیلا ورما سے بھی ملتا ہے۔؟''

''بلا واسطہ نہیں تو بالواسطہ اس کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔''

''درمیان میں کوئی گنجائش سکندر علی شاہ کی بھی نکلتی ہوگی؟'' سراج نے کریدنے کی کوشش کی۔

''اتنی جلدی کوئی آخری نتیجہ قائم کرنے کی کوشش مت کرو۔'' اورنگ زیب نے کہا۔ ''حالات جس تیزی سے کروٹیں بدل رہے ہیں اس میں یہ بھی امکان ہے کہ شبنم اغواء ہو جائے۔''

''یہ شبنم اچانک درمیان میں کس طرح آ گئی؟''

سراج نے حیرت کا اظہار کیا۔

''وشنو آکٹوپس کا اہم مہرہ تھا جسے افضل خان نے دوبارہ کرنل احتشام تک پہنچا دیا۔'' اورنگ زیب نے دھمکتے لہجے میں جواب دیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ افضل خان کو قابو کرنے کے لیے شبنم کو ہدف بنایا جائے۔ میں ایک امکانی بات کر رہا ہوں مگر یہ طے ہے کہ آکٹوپس اینٹ کا جواب پتھر سے ضرور دے گا۔''

''کیا آپ مجھے کھل نہیں بتا سکتے کہ آپ کے ذہن میں کیا شبہات جنم لے رہے ہیں یا ہمیں کس راستے پر قدم بڑھانا ہے؟'' سراج نے شکوہ کیا۔ ''آپ کو کیا اب بھی میری ذات پر اعتماد......''

''ڈونٹ بی سنٹی مینٹل (Dont be Sentimental) اورنگ زیب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا۔'' کچھ دن اور انتظار کرلو۔ ابھی میں بھی محض امکانات کو ترتیب دے رہا ہوں۔''

جواب میں سراج نے اورنگ زیب کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھا پھر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا جب اورنگ زیب نے اپنا موبائل آن کرلیا۔''ہیلو......اس نے مختصراً کہا۔

''پینتھر بول رہا ہوں سر۔ ایک ضروری اطلاع دینی ہے۔''

''سن رہا ہوں۔''

'' کچھ دنوں قبل ماروی نام کی ایک لڑکی فارم ہاؤس پر گئی تھی۔اس کے دوسرے دن شاہ جی بھی وہاں پہنچے تھے۔انہوں نے ملازموں کو ماروی کے بارے میں سخت سست کہا تھا۔سب ہی خائف تھے۔میری اطلاع کے مطابق ماروی پر کسی ملازم نے ہاتھ صاف کردیا تھا جس نے شاہ جی کا پارہ چڑھادیا اس لیے......''

''فضول تفصیل نہیں۔''اورنگ زیب نے اسے ٹوکا۔'' کام کی بات کیا ہے؟''

''شاہ جی کے آنے کے بعد رات کسی وقت فارم ہاؤس کے ایک چوکیدار نے خودکشی کر لی۔اس نے ایک تحریر بھی چھوڑی تھی جس میں لڑکی کو بے آبرو کرنے کا اعتراف بھی تھا۔چوکیدار کی خودکشی کی اطلاع پولیس کو نہیں دی گئی۔اس کو خاموشی سے دفنا دیا گیا۔اب فارم ہاؤس کے تمام ملازموں نے زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں۔''

''کام کی کیا بات ہے اس میں؟''

''سر......میرا خیال ہے کہ ماروی کے پاس کوئی نہ کوئی کام کی بات بھی ضرور ہوگی۔''

''سمجھ گیا۔''اورنگ زیب نے اس بار سنجیدگی سے دریافت کیا۔''اس کا پتا ہے تمہارے پاس؟''

''جی سر......''

پھر دوسری جانب سے جو پتا بتایا گیا اسے ذہن میں محفوظ کرنے کے بعد اورنگ زیب نے موبائل آف کردیا۔

''کس کا فون تھا؟''سراج نے پوچھا۔

''تھا ایک مخبر۔اس نے ایک کام کی اطلاع دی ہے تم ایسا کرو مجھے کمرشل مارکیٹ کے قریب چھوڑ دو۔باقی گفتگو رات کو ہوگی۔''

سراج نے محض شکایتی نظروں سے اورنگ زیب کو دیکھا پھر اس کے حکم کی تعمیل کرنے کے بعد وہ دفتر چلا گیا۔

+++

سیٹھ عثمان جیل کسٹڈی سے لیاقت حسین کو لے کر سیدھے گھر ہی آئے تھے ،راحیلہ بیگم

دروازے پر موجود تھیں۔ ''خدا کا شکر ہے کہ تم باعزت طور پر رہائی پا کر واپس آ گئے۔''

''یہ سب آپ لوگوں کی دعائیں ہیں بیگم صاحب۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا۔ اس کی نظریں فرحین کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ راحیلہ بیگم نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔

''فرحین ہوتی تو وہ بھی بہت خوش ہوتی۔ اندر آ جاؤ۔ میں فون پر اسے اطلاع دیتی ہوں۔''

''وہ...... وہ کہاں چلی گئی؟'' لیاقت حسین نے اندر آ کر بیٹھتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔ سیٹھ عثمان بیوی کا مقصد سمجھ کر دروازے ہی سے سیدھے آفس چلے گئے تھے۔

''تم دونوں کے ساتھ پے در پے جو حادثات پیش آ رہے تھے اس نے فرحین کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ اب تمہارے نہ ہونے سے وہ ہر وقت روتی رہتی تھی۔ یہاں رہتی تو اس کی طبیعت اور خراب ہو جاتی اس لیے میں نے اسے گاؤں بھیج دیا۔ وہ آخری وقت یہیں رکنے کی ضد کر رہی تھی۔'' راحیلہ بیگم نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''تم بیٹھو میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔''

''مجھے اس وقت خواہش نہیں ہے بیگم صاحب۔''

لیاقت حسین نے کہا، فرحین کے چلے جانے کا سن کر اسے خوشی نہیں ہوئی تھی۔

''پریشان مت ہو۔'' راحیلہ بیگم نے کہا۔ ''تم گھر جا کر نہا دھو کر تازہ دم ہو لو پھر ہفتہ دس دن کے لیے تم بھی فرحین کے پاس چلے جانا۔ عثمان کا بھی یہی مشورہ ہے۔''

ٹھیک ہے۔'' لیاقت حسین دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کر دوسرے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں فرحین کا خیال مچل رہا تھا۔ انیکسی میں داخل ہو کر وہ سامنے بچھے پلنگ پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر کے فرحین کے تصور میں گم تھا جب یکلخت اسے خیال آیا کہ انیکسی کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا تو ایک آواز نے اس کے وجود کے سناٹوں میں گونجی۔

''تجھے کیا فرحین سے زیادہ کھلے دروازے کی فکر ہے۔''

لیاقت حسین کے دل کی دھڑکنیں ایک پل کو تھم گئیں، اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ فرحین اس کے سامنے کھڑی مجسم انتظار نظر آ رہی تھی پھر اس نے لیاقت حسین کو پہل کرنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ خود ہی بھاگ کر اس کے کشادہ سینے میں سما گئی تھی، جواب میں لیاقت حسین کے مردانہ بازوؤں کا شکنجہ بھی تنگ ہونے لگا۔ فرحین کو اچانک اس طرح سامنے دیکھ کر وہ بھی دیوانہ ہو گیا تھا۔ اسے خود اپنے پاگل پن پر ہنسی آ گئی۔ حالات نے اتنا الجھا رکھا تھا کہ وہ یہ بھی نہ سوچ سکا کہ فرحین اس کو قید میں چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ راحیلہ بیگم نے جو کچھ کہا اس میں یقیناً فرحین کی شرارت کا بھی دخل رہا ہوگا۔ لیاقت حسین نے سرشاری کے عالم میں بازوؤں کا حلقہ مزید تنگ کیا تو فرحین کسمسا کر بولی۔

''میرا دم گھٹ رہا ہے لیاقت اور...... ادھر دروازے کے سامنے کوئی کھڑا ہے۔''

لیاقت حسین نے فرحین کو چھوڑ کر دروازے کی سمت دیکھا پھر فرحین کی ہنسی کی آواز سن کر ہی اسے احساس بھی ہو گیا کہ فرحین نے بڑی خوبصورتی سے کھلے دروازے کا بہانہ کر کے خود کو اس کی

گرفت سے آزاد کر الیا تھا۔دروازہ بن کر کے وہ پلٹا تو فرحین اپنی جگہ کھڑی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔لیاقت حسین قدم بڑھاتا اس کے قریب گیا تو فرحین بے اختیار اس کے سینے سے لپٹ کر سسکنے لگی۔

''یہ...... یہ کیا ہو گیا تجھے؟''لیاقت حسین نے اس کو ہاتھوں میں سمیٹ کر اس کے چہرہ دیکھا جو آنسوؤں سے تر تھا۔''اب کس بات پر رو رہی ہے۔؟''

''یہ خوشی کے آنسو ہیں لیاقت ،تو نہیں سمجھے گا''خوشی اور غم کے ملے جلے احساس میں گندھی فرحین کی آواز اس کے دل کی گہرائیوں سے ابھری۔''اگر......اگر خدا نہ کرے تجھے سزا ہو جاتی تو میں زندہ نہ رہتی۔''

''پھر......تیرے بنا میں کیا کرتا؟''لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

''تو۔تو مرد ہے۔''فرحین نے منہ بنا کہا۔

''چالیسویں تک منہ بنائے رہتا پھر میری جگہ کسی دوسری کو لے آتا۔''

''اور اگر کبھی میں تجھ سے پہلے......''

''ایسی بات دوبارہ منہ سے نہ نکالنا لیاقت۔''فرحین جذباتی ہو کر دوبارہ شوہر سے لپٹ گئی۔''تیری بات اور ہے لیکن عورت۔اگر اس میں کھوٹ نہ ہو تو وہ ایک مرد کے بعد کسی دوسرے کا خیال کرنا بھی گناہ سمجھتی ہے۔''

لیاقت حسین فرحین کو بازوؤں میں بھر کر بستر پر لے آیا۔اس کی پیشانی پر لہراتے بالوں کی ایک لٹ کو چھیڑتے ہوئے بولا۔''میں بھی تیرا دیوانہ تھا فرحین جو بابا کی حویلی چھوڑ کر ادھر آ گیا تھا۔صرف ماں کی دعائیں میرے ساتھ تھیں۔''

''جانتی ہوں اور......آج اسی کی ماں کی قسم کھا کر تجھے ایک وعدہ بھی کرنا ہوگا۔''

''کیسا وعدہ؟''لیاقت اس کے پہلو میں لیٹ گیا۔

''دوبارہ کبھی تو جذباتی ہو کر لوگوں پر گولیاں نہیں برسائے گا۔''

''وہ میرے دشمن تھے لیاقت کا جان......اگر میں انہیں ڈھیل دیتا تو پھر وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑتے۔''

''اور اس دن تجھے کیا ہو گیا تھا جب تو نے ادھر بنگلے میں تین چار آدمیوں کو مار دیا تھا۔''اس بار فرحین نے لیاقت حسین کو چھیڑنے کی خاطر سوال کیا۔

''ہاں......اس دن مجھ سے غلطی ہو گیا تھا۔''لیاقت حسین نے دل پر جبر کر کے جواب دیا۔''وہ تجھے اٹھا کر لے جاتے تو میں چالیس روز تیرا غم منانے کے بعد دوسری......''

''تم......میں تیرا خون کر دوں گی لیاقت۔''فرحین تڑپ اٹھی۔''تو نے میری زندگی میں ایسا سوچا بھی کیوں؟''

''چل پھر کوئی اور بات کرتے ہیں۔''لیاقت حسین نے فرحین کو دوبارہ بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''تو......تو ہمیشہ اپنی مرضی چلاتا ہے۔'' فرحین نے دیدہ دانستہ کی پھر وہ لیاقت حسین کے وجود میں گم ہوتی چلی گئی۔

+++

پرتاب بھوشن کی نگاہیں قریب بیٹھی پجارن چکوری پر منڈلا رہی تھیں لیکن اس کے ذہن میں لیاقت حسین کا نام کسی کانٹے کی طرح رہ رہ کر چبھ رہا تھا۔

لیاقت حسین سے پہلے اسے کسی کام میں اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑے تھے۔ وہ کالی کا کھرا پجاری تھا۔ دیوی کو راضی کرنے کی خاطر اس نے کئی جاپ کر رکھے تھے۔ اس نے پرتاب بھوشن کو سچا سیوک جان کر نراش بھی نہیں کیا۔ پرتاب نے جو چاہا وہ دیوی کی نادیدہ شکتی نے پورا کر دیا اسی ایک وشواس نے پرتاب بھوشن کو قد آور کر رکھا تھا لیکن لیاقت حسین کسی ہڈی کی طرح اس کے گلے میں اٹک کر رہ گیا تھا۔ کوئی پرچھائیں تھی جو ہر بار لیاقت حسین کو اس کے جنتر منتر سے بچا لیتی تھی۔

مندر سے چلتے وقت وہ بڑے پجاری مدن چند سے بھی ملا تھا۔ مدن چند نے بھی آنکھیں بند کر کے بہت دیر اندھیروں میں کھوجنے کے بعد یہی کہا تھا کہ ''میرا کہا مانو تو تم اس مسئلے کا پیچھا چھوڑ دو۔ درگاہ دیوی نے یہی اشارہ دیا ہے کہ وہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔ جو چھایا اس کی سہائتا کر رہی ہے تم اس کا توڑ نہیں کر پاؤ گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدھو پجارن کی طرح تم بھی کام آ جاؤ۔''

لیاقت حسین کے تصور کے ساتھ مدن چند کے کہے ہوئے جملے بھی اس کے وجود میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے اس کے ساتھ ہی بیتی باتیں بھی یاد آ رہی تھیں۔

''تم ...... کس وچار میں گم ہو مہاراج۔'' کمسن پجارن چکوری نے اس کی نگاہوں کی تپش سے بچنے کی خاطر پوچھا۔ ''دو روز سے تم نے بھوجن بھی نہیں چکھا۔ کیول پانی پی کر دن بتا رہے ہو۔ بڑے پجاری نے کہا تھا کہ تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔ پھر تمہیں کیا بپتا آن پڑی ہے؟''

''تیرا من اس ویرانے میں نہیں لگتا تو واپس پلٹ زیادہ دور بھی نہیں آئے ہیں اور کبھی مجھے بہت آگے جانا ہے۔ ایک بار فیصلہ کر لے۔''

''تم غلط سمجھے مہاراج۔'' چکوری نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا خیال رکھنے کے کارن ہی ساتھ آئی ہوں تو آدھے راستے سے کیسے پلٹ سکتی ہوں۔ تم میری باتوں سے ناراض ہوتے ہو تو پھر زبان پر تالے بھی ڈال لوں گی۔''

''نہیں۔'' پرتاب نے اس کے گالوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ ''تیری باتیں مجھے بری نہیں لگتیں لیکن کسی پجاری کو گیان دھیان کرتے سمے اپنے من کو مارنا پڑتا ہے۔ ابھی تو ان باتوں کو نہیں سمجھے گی۔''

''تمہارے ساتھ رہوں گی تو آہستہ آہستہ سمجھنے لگوں گی مہاراج۔ تم نے بھی یہی کہا تھا کہ منش کو کچھ پانے کے کارن کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔''

''میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا...... تو میری سیوا کرتی رہی تو تجھے بھی کندن بنا دوں گا۔''

''میں دیوی درشن کی بھی پیاسی ہوں مہاراج۔'' چکوری نے معصومیت سے پرتاب کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا۔''ایک بار مجھے بھی دیوی کے درشن کرادو۔ پھر سارا جیون تمہارے چرنوں میں بتادوں گی۔''

''دھیرج رکھ میری بلبل!'' پرتاب بھوشن اسے اسے بازوؤں کے حصار میں لے کر کہا۔''دیوی درشن کے علاوہ اور بھی بہت سی گر کی باتیں تجھے سکھا دوں گا۔ پر ایک بات دھیان میں رکھنا، اگر تو نے کبھی میرے ساتھ دھوکا کیا تو......''

''میں وچن دیتی ہوں مہاراج۔'' چکوری نے اس بار بھی معصومیت سے جواب دیا۔''تمہارے چرنوں کی دھول بن کر رہوں گی۔ من میلا ہوتا تو پھر تمہارا ہاتھ کیوں تھامتی۔ ادھر مندر میں بہت سارے ہٹے کٹے پجاری تھے جو مجھے دانہ ڈالنے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اگر ہونٹوں پر مسکان سجا لیتی تو سب میرے چرنوں میں لوٹ پوٹ ہو جاتے۔''

پرتاب بھوشن اس کا جواب سن کر چونکا۔ اس نے چکوری کو کھنگالنے کی خاطر سرسراتے لہجے میں پوچھا۔''مدن چند نے بھی تجھے دانہ ڈالنے کی کوشش کی تھی؟''

''چھوڑو مہاراج۔ اب میں تمہارے ساتھ آ گئی تو بیتی باتوں کو کھوجنے سے کیا فائدہ؟''

''کھیلی کو دی جان پڑتی ہے؟'' پرتاب بھوشن نے اس کے شانوں پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تو چکوری نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو مہاراج؟ کیا تمہیں بھی کھرے کھوٹے کی پہچان نہیں۔ چھیڑنے اور آنکھیں سینکنے کی بات اور ہے لیکن سب سے پہلے تم ہی نے میرے شریر کو ہاتھ لگایا ہے۔''

''تیری طرح تیری باتیں بھی سوندھی سوندھی لگتی ہیں۔'' پرتاب بھوشن نے اس کو پوری طرح دبوچ کر کہا۔''میں تیری زبان سے سننا چاہتا تھا۔ تو کیا ہے میرے سوا اور کون جان سکتا ہے۔ تیری سیوا کے بدلے میں بھی تجھے بہت کچھ دان کردوں گا۔''

''تم ایسے ہی ہنستے بولتے رہا کرو مہاراج۔ اپنے دھیانوں میں گم ہو جاتے ہو تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''ابھی تو ان باتوں کو نہیں سمجھ سکے گی۔'' پرتاب بھوشن کے ذہن میں پھر لیاقت حسین کا تصور کلبلایا تو اس نے چکوری سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔''دیوی کو راضی کرنے کے کارن مجھے منڈل میں بیٹھ کر جنتر منتر پڑھنے ہوتے ہیں تو دیوی کے سوا کوئی اور سامنے نہیں ہوتا۔ پجاری کا دھیان ایک ذرا اگر کا جائے تو پھر دیوی بھی نظریں پھیر لیتی ہے۔''

''مدن چند نے تو کہا تھا کہ تم مہان شکتی کے مالک ہو پھر......اب کیا پتا آن پڑی ہے جو تم پھر دھونی رما کر بیٹھنے کا سوچ رہے ہو؟''

''ہے ایک پاپی جو بابا میرا راستہ کاٹ دیتا ہے۔

اسے قابو کرنے کے کارن مجھے ایک بار پھر دیوی کا آشیر واد لینا ہوگا۔'' پرتاب بھوشن نے خلا

میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''اسے نشٹ کر دوں تو پھر چین سے بیٹھوں گا۔''

''کون ہے وہ...... مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''ہے ایک مسلا......'' پرتاب بھوشن بل کھا کر بولا۔ ''اس نے میرے ایک منتر کا انجانے میں توڑ کر دیا تھا۔ مجھے وشواس تھا کہ دیوی کی کرپا سے میں نے اسے پھونک بھی ماری تو وہ جل بھن کر راکھ ہو جائے گا پرنتو ایسا نہیں ہوا۔ ہے کوئی چھایا جو بار بار اس کے آڑے آجاتی ہے۔ میں نے سوگند اٹھائی ہے کہ جب تک اسے نیچا نہ دکھادوں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔''

''کیا میں تمہارے کسی کسی کام نہیں آسکتی؟'' چکوری نے سوالیہ نظروں سے پرتاب بھوشن کو دیکھا۔

''نہیں......'' پرتاب بھوشن کے ذہن میں مدھو پجارن کے جل کر راکھ ہونے کا دھیان ابھرا تو اس کے اندر سانپ لوٹنے لگے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''وہ تیرے بس کا روگ نہیں ہے۔ مسلا ہے اس لیے کسی ناری کا جادو بھی اس پر نہیں چلتا۔''

''مجھے ایک موقع تو دو مہاراج۔ تمہارے اشارے پر میں کسی بات سے انکار نہیں کروں گی۔''

''زیادہ چنتا مت کر!'' پرتاب بھوشن نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ ''مجھے کسی شبھ گھڑی کا انتظار ہے۔ وہ نظر آجائے تو میں پھر دیوی کے جاپ میں مگن ہو جاؤں گا۔ اس بات کا وشواس بھی ہے کہ دیوی مجھے نراش نہیں کرے گی۔''

''میں بھی تمہاری کامیابی کے لیے بھگوان سے ہی پرارتنا کروں گی۔''

پرتاب بھوشن نے چکوری کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اس کی نظریں پھر چکوری کے خدوخال پر بھوکے گدھ کی طرح منڈلانے لگیں۔ وہ لیاقت حسین کے تصور سے وقتی طور نجات حاصل کر کے کمسن پجارن کے کندن جیسے دمکتے شریر سے چھیڑ خانی پر غور کر رہا تھا لیکن وہ پوری طرح مائل نہ ہو سکا۔

لیاقت حسین کا خیال کسی کن کھجورے کی طرح اس کے وجود میں ڈنک مارتا رہا۔

✣✣✣

دارا رستم علی اس وقت ٹینس کھیلنے میں مگن تھا۔ روشنا میجر عاطف اور کلب کے دوسرے ممبروں کے ساتھ لان میں ایک میز پر بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ اس کی نظریں بار بار شوہر کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

''تم اس وقت شاید پوری طرح ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو۔'' روشنا کی دوست مسز خانزادہ نے اسے چھیڑا۔

''میں تمہاری بات سے انکار نہیں کروں گی۔'' روشنا نے شوخی سے جواب دیا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں جرمن ہوں اور جرمن خاتون کے لیے ایک عام کہاوت مشہور ہے کہ وہ دنیا کی تمام خواتین سے زیادہ بہتر بیوی ثابت ہوتی ہے۔''

''یہ بات میں پہلے بھی تمہاری زبان سے سن چکی ہوں لیکن یہ جرمنی نہیں ہے۔''

''جانتی ہوں لیکن فطرت مقامات کی تبدیلی سے بھی نہیں بدلتی۔'' روشنا کا جواب سن کر مسز خانزادہ لاجواب ہوگئی۔

''موسم کے اعتبار سے اگر اس وقت کولڈ کافی منگالی جائے تو......''

''ایسی باتیں پوچھنے کے بجائے نیکی کما لینے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔'' میز پر موجود ایک ممبر نے بے تکلفی سے میجر عاطف کا جملہ اچک لیا۔

''روشنا سے اور دریافت کرلیں۔'' مسز خانزادہ نے مسکرا کر کہا۔ ''جرمن خاتون کیا دارا کے بغیر کافی پی لیں گی؟''

میز پر موجود سب افراد مسکرا دیئے پھر کافی پینے کے دوران میں میجر عاطف نے دارا کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''میرا خیال ہے آج میچ کا فیصلہ مکمل پانچ سیٹ کے بعد ہی ہو سکے گا۔''

''جیتے گا کون؟''

''شہزاد......'' مسز شہزاد نے روشنا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''جیت اور ہار کھیل کا حصہ ہوتی ہے۔ روزمرہ کی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔'' روشنا نے بے تکلفی سے ایک خوبصورت جواب دیا۔ ''جو ہارنے سے کتراتے ہیں وہ جیت کر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔''

''میرا خیال ہے کہ آج روشنا سے جیتنا مشکل ہے اس لیے شوہروں کا موضوع چھوڑ کر کوئی اور بات کی جائے۔'' میجر عاطف نے کہا تو سب ہی مسکرا دیئے پھر وہ کافی کے دوران ہنس بول رہے تھے جب روشنا کے موبائل پر سگنل موصول ہوئے۔

''ہیلو......'' اس نے موبائل آن کر کے نرم لہجے میں کہا۔ روشن اسکرین پر نظر آنے والا نمبر رستم علی آغا خانی کی لیڈی سیکریٹری کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔

''مسٹر دارا اس وقت کہاں ہیں؟''

''ٹینس کھیل رہے ہیں تم ہولڈ کرو، میں......''

''نہیں......'' دوسری جانب سے بات کاٹ کر کہا گیا۔ ''آپ مسٹر دارا کو اطلاع دیے بغیر ہی گھر آ جائیں...... باس نے مجھے یہی ہدایت دی ہے۔''

''کوئی خاص بات!'' روشنا نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ ''سب خیریت تو ہے؟''

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن باس آپ دونوں کو علیحدہ علیحدہ کوئی سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ ڈرائیور اور گاڑی کلب کے باہر موجود ہے آپ کے لیے بس یہی پیغام ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' روشنا نے موبائل آف کر دیا۔ اس کے ذہن میں سرپرائز کے حوالے سے کئی خیالات ابھرے پھر اس نے ذہن پر زیادہ زور بھی نہیں دیا۔ جانے کے ارادے سے اس نے اپنا

ہینڈ بیگ اٹھایا تو میجر عاطف نے پوچھا۔ ''اچانک کہاں جا رہی ہیں۔ کس کی کال تھی؟''

''فادر ان لا کی سیکرٹری کی۔ مجھے فوری گھر بلایا ہے، کوئی سرپرائز ہے ہم دونوں کے لیے لیکن علیحدہ علیحدہ۔'' روشنا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''باہر گاڑی بھی موجود ہے۔''

''میں چلوں آپ کے ساتھ؟'' میجر عاطف نے پیشکش کی۔ ''چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا۔''

''میں دارا کی گاڑی نہیں لیجا رہی۔'' روشنا نے وضاحت کی۔ ''فادر ان لا نے گاڑی اور ڈرائیور بھی بھیجا ہے۔''

روشنا کلب سے باہر نکلی تو اسے رستم علی آغاز خانی کے دفتر میں استعمال کی جانے والی گاڑی بھی نظر آ گئی۔ ڈرائیور نے روشنا کو دیکھتے ہی نیچے اتر کر سلام کیا۔ وہ قدم بڑھاتی گاڑی کے قریب گئی۔ ایک پل کے لیے اسے ڈرائیور کی ایک معمولی سی غفلت کا احساس تو ضرور ہوا تھا۔ ''اس نے صرف سلام پر اکتفا کیا تھا، پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنا بھول گیا تھا اس کا چہرہ بھی ستا ستا نظر آ رہا تھا۔ ''ممکن ہے کام کی زیادتی کا سبب ہو۔'' روشنا نے دل ہی دل میں خیال کیا پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہی اسے ڈرائیور کی غفلت اور چہرے پر نظر آنے والی تھکن کا سبب بھی اس وقت معلوم ہوا جب وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھی کہ واپس نیچے اتر سکتی۔

اس کے نشست پر بیٹھتے ہی دوسری جانب کا دروازہ کھول کر ایک شخص بڑی پھرتی سے اندر آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ''شور مچانے یا کسی حماقت کا سوچنا بھی مت ورنہ میں تمہیں اوپر پارسل کرنے میں ہچکچاؤں گا نہیں۔'' بولنے والا جو کچھ کہہ رہا تھا وہ کر گزرنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ اس کے لب و لہجے سے بھی سفاکی ٹپک رہی تھی۔

روشنا کے کوئی جواب دینے سے پیشتر ایک اور نو وارد ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے بھی روشنا کو جن نظروں سے گھورا تھا اس میں کسی شرافت کے آثار دور دور تک موجود نہیں تھے۔ ڈرائیور کو شاید وہ پہلے ہی کوئی مؤثر ڈوز دے چکے تھے۔ وہ اگلی نشست پر بیٹھنے والے کے بعد ہی بڑی تیزی سے گاڑی گھماتا ہوا باہر سڑک پر آ گیا۔

''تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' روشنا نے سچویشن کو پوری طرح سمجھنے کے بعد برابر بیٹھے شخص کی طرف دیکھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ شانے اچکا کر بولا۔ ''صرف اتنا تعاون درکار ہے کہ تم چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ہمیں تم کو ایک مخصوص جگہ تک زندہ سلامت پہنچانے کا کام سونپا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ جانیں اور ان کا کام۔''

روشنا نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔ خاموش بیٹھی خود کو آنے والے حالات سے مقابلے کے لیے تیار کرتی رہی مگر اتنا سمجھ گئی تھی کہ جن لوگوں نے رستم علی آغاز خانی کی لیڈی سیکرٹری اور ڈرائیور کو پوری طرح اپنے اشاروں پر چلنے کی خاطر مجبور کر دیا تھا وہ اس کے ساتھ کسی ڈنر پر بیٹھے انتظار نہیں کر رہے ہوں گے۔ یہ بات بھی زیر غور تھی کہ اس کی آنکھوں پر کوئی پٹی بھی نہیں باندھی گئی تھی۔ وہ جن

راستوں سے گزر رہی تھی ان کو پوری توجہ سے ذہن نشین کر رہی تھی۔ بعد میں اس کی نشاندہی بھی پولیس کرسکتی تھی پھراس وقت اسے مزید تعجب ہوا جب گاڑی سول لائنز ایریا کے ایک ایسے بنگلے کے احاطے میں روکی گئی جس کے باہر پولیس کے ریٹائرڈ ڈی آئی جی علیم احمد کے نام کی تختی لگی تھی۔

گاڑی سے اتار کر روشنا کو خوبصورت بنگلے کے ایک بیڈروم تک پہنچادیا گیا۔ جو دوافراد اسے لے کر آئے تھے وہ باہر ہی سے رخصت کر دیئے گئے۔ان کی جگہ دو اور آدمیوں نے لے لی تھی۔صورت وشکل سے وہ بہ ظاہر مہذب ہی نظر آرہے تھے۔ بیڈروم میں پہنچ کر روشنا نے ایک بار پھر حالات کا جائزہ لیا۔ریٹائرڈ ڈی آئی جی علیم احمد کے بارے میں اس کی معلومات زیادہ نہیں تھیں لیکن اتنا ضرور سن رکھا تھا کہ وہ ایماندار اور نڈر آفیسر ہونے کے علاوہ مذہبی حیثیت سے بھی جانے پہچانے جاتے تھے۔

خوابگاہ میں اس وقت روشنا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔دونوں افراد اسے وہاں پہنچا کر دروازہ باہر سے بند کر کے چلے گئے تھے۔اچانک روشنا کو اپنے موبائل کا خیال آیا۔ابھی تک کسی نے اس کی جامہ تلاشی نہیں لی تھی ،ایسی صورت میں اس کے وجود میں امید کی ایک کرن پھوٹی وہ کم ازکم دارا کو حالات سے مختصراً آگاہ کرسکتی تھی اس خیال کے آتے ہی روشنا نے اپنا موبائل نکالا لیکن پھراس کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ کسی کی کرخت آواز اس کے کانوں کے عقب سے ابھری ’’ایسی کوئی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا جوتمہاری موت کا سبب بن جائے۔‘‘

روشنا نے پلٹ کر دیکھا۔وہ درمیانہ قد اور ادھیڑ عمر کا شخص تھا لیکن قابل رشک صحت کا مالک تھا اس کی آنکھوں کی چمک کسی زہریلے ناگ سے زیادہ خطرناک لگ رہی تھی۔جسم پر بہ ظاہر ایک لائٹ براؤن کلر کا لمبا ٹاول گاؤن ہی نظر آرہا تھا۔

’’کون ہوتم اور...... مجھے یہاں کس مقصد سے لایا گیا ہے؟‘‘ روشنا نے بے جگری سے سوال کیا۔

’’باسٹرڈ رستم علی آغاز خانی کی سیکرٹری نے تم سے ہی کہا تھا کہ تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے۔‘‘جواب زہریلے انداز میں دیا گیا۔’’رہا میرا نام تو پولیس کے شکاری کتوں نے میرے بہت سے نام رکھ لیے ہیں۔آکٹوپس‘ کاکروچ،کوبرا،شکرہ وغیرہ۔‘‘

’’تت......تت......تم شیخ حامد ہو؟‘‘ روشنا کے سر سے پاؤں تک خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ایک لمحے میں اس کا سارا سکون اور خود اعتمادی کا عزم ریزہ ریزہ ہوگیا۔وہ پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

’’گھبراؤ مت......‘‘ سامنے کھڑے شخص نے عجیب انداز میں مسکرا کر کہا۔’’تم یہاں کیوں لائی گئی ہوصرف اس ایک بات کو ذہن نشین کرلو۔میں نے تمہارے باسٹرڈ فادران لا کی چھت کے نیچے اس کی بلیو پرنٹ تیار کرائی تھی۔یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ ہمیشہ پالتو کتوں کی طرح دم ہلاتا رہے گا۔تمہاری ملازمہ گلابوں نے میرے آدمیوں کی رہنمائی کی تھی لیکن ......رستم علی نے میری بات نہیں

مانی۔ میں نے اسے ایک موقع دے کر حکم دیا تھا کہ وہ ایس پی اورنگ زیب سے دور رہے۔ ایک لفافہ بھی تھا جس میں اس کے بیڈ روم کی کچھ تصویریں تھیں۔ تمہارے باسٹرڈ فادر ان لا نے میجر عاطف کو اعتماد میں لے کر میری وارننگ کا پیغام اورنگ زیب تک پہنچا دیا اور اب ...... اب شاید دارا خود تمہاری ویسی ہی بلیو پرنٹ دیکھ کر خودکشی کر لے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی میجر عاطف کو کمزور سہارا تلاش کرے۔" وہ ایک لمحہ توقف کے بعد روشنا کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے انتہائی بے پروائی سے بولا۔ "یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم دونوں سوسائڈ کرلو۔ دوسری صورت میں مجھے ایک موقع پھر تمہارے باسٹرڈ فادر ان لا کو دینا پڑے گا۔"

"تم میرے سلسلے میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔" روشنا نے بکھرے ہوئے ذہن اور اعتماد کو کسی قدر سمیٹتے ہوئے کہا۔ "میں مر جاؤں گی لیکن تمہیں قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"یہی جملہ لیڈی سیکرٹری نے بھی کہا تھا لیکن اب وہ بھی ہمارے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوگئی ہے۔"

روشنا جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کمرے میں موجود شخص نے تالی بجائی۔ اس کے بعد دو مرد اور ایک عورت سامنے آگئے۔ دونوں مرد روشنا کے دائیں بائیں کھڑے ہوگئے۔ عورت جس نے اپنا ہاتھ پشت پر رکھا تھا عقب میں چلی گئی۔ گاؤن میں ملبوس شخص نے روشنا سے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے ابھی تک شاید اس بات پر غور نہیں کیا کہ اس وقت ہم کہاں ہیں۔ میں بتاتا ہوں، یہ خوبصورت کوٹھی ریٹائرڈ ڈی آئی جی علیم احمد کی ہے۔ وہ بھی بکنے اور سر جھکانے کا عادی نہیں تھا۔ جب تک ڈیوٹی پر رہا اس کی گردن کڑی کمان کی طرح اکڑی رہی۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد اس کے تیور نہیں بدلے مگر اب ...... اب اس کی لاش اسٹور روم میں پڑی ہے۔ صبح پولیس کے ماہرین بھی نہیں جان سکیں گے کہ اس نے خودکشی کیوں کی؟ مرنے کے لیے بیڈ روم کے بجائے اسٹور روم کا انتخاب کیوں کیا؟"

روشنا کے اندر خوف کا احساس سر اٹھانے لگا۔ اس نے دوبارہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ اس قدر اچانک اور برق رفتاری سے ہوا کہ اسے بچاؤ کا موقع بھی نہ ملا۔ دائیں بائیں کھڑے آدمیوں نے بڑی تیزی سے اس کے ہاتھ جکڑ لیے تھے پھر پشت پر سے اپنی گردن کے جوڑ میں کسی سوئی کی چبھن کا احساس ہوا۔ اس کے بعد وہ بہ مشکل دو منٹ تک زور آزمائی کرنے کے بعد اس طرح پرسکون ہوگئی جیسے دشمنوں کے درمیان نہیں، دوستوں کے بیچ موجود ہو۔ ڈریسنگ گاؤن والے کے اشارے پر وہ تینوں خاموشی سے دوبارہ کمرے سے چلے گئے۔

"ہم تمہارے دوست ہیں روشنا۔" ڈریسنگ گاؤن والے نے اس کے قریب آ کر سرسراتے لہجے میں کہا۔ "مل بانٹ کر کھانا پرانی عادت ہے۔ اچھا شکاری وہی ہے جو شکار کا کچھ حصہ اپنے شکاری کتوں کے آگے بھی ڈال دے۔"

''کک.....کک.....کیا.....آ آ'' روشا نے ڈوبتے ذہن کو سنبھالتے ہوئے خوابیدہ سے لہجے میں کہا۔''تت.....تم.....کک.....بک.....بک.....سس.....سس.....''

''آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں اپنی بانہوں میں لے کر سلا دوں۔'' ڈریسنگ گاؤن والے نے روشا کو اپنی مضبوط بانہوں میں لے لیا۔ پھر بیڈ تک پہنچتے پہنچتے روشا شعوری طور پر بھی خوابوں کی دنیا میں گم ہو کر رہ گئی۔ اسے اپنا ادھورا جملہ مکمل کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

❖❖❖

تھریسا اس وقت بھی گھٹی گھٹی محسوس ہو رہی تھی جب میڈم نے دوپہر کے کھانے کے بعد اسے اپنی خواب گاہ میں بلایا تھا۔ اغواء اور رہائی کے بعد سے اس کے اعصاب ابھی تک پوری طرح اپنی ڈگر پر نہیں آ سکے تھے۔ ایک ہی جھٹکے نے اس کی خود اعتمادی کو بڑی شدید ٹھیس پہنچائی تھی۔

میڈم رروبی نے حسب دستور اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی پھر سنجیدگی سے کہا۔

''لوچن کی طرف سے ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی؟''

''پولیس کے اعلیٰ دماغ بھی وہاں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔'' تھریسا نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔''ابھی تک وہ بھی چور اور سپاہی والا کھیل کھیل رہے ہیں۔ ہنی مون بیوٹی پارلر پر حملہ کیا گیا وہ بھی پولیس والوں کے لیے دردسر بن رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میڈم نے چونک کر وضاحت چاہی''شیلا ورما کے پارلر کا ذکر درمیان میں کیسے آ گیا؟''

''لوچن سے میں نے کل اس بات کا تقاضا کیا تھا کہ وہ ہمارے مطلوبہ آدمی کو جلد از جلد ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے۔ اسی نے جواب میں شیلا ورما کا حوالہ بھی دیا تھا اس بات کا شبہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ سکندر علی شاہ اس کا آلہ کار ہو جس کی ہمیں تلاش ہے۔''

''میں سمجھی نہیں۔ سکندر علی شاہ اور شیخ حامد کے درمیان کیا تعلق ہے؟''

''میں نے بھی لوچن سے یہی سوال کیا تھا۔ جواب میں اس نے ایک ہی جواز پیش کیا.....بڑے اور دور اندیش مجرم ہمیشہ ایسے آدمیوں کو ٹریس کرتے ہیں، پولیس جن پر آسانی سے ہاتھ نہ ڈال سکے۔'' تھریسا نے کسمسا کر بات جاری رکھی۔''سکندر علی شاہ کو جہاں شہر کے معززین میں شمار کیا جاتا ہے کچھ لوگ نگینہ کے سلسلے میں اس پر انگلیاں بھی اٹھاتے ہیں جو شادی سے قبل جمیلہ کی حیثیت سے جھونپڑیوں میں پلی بڑھی تھی۔ اب محلوں میں عیش کر رہی ہے۔''

''لوچن کا نگینہ یا جمیلہ کی ذات سے کیا تعلق ہے؟''

میڈم نے الجھ کر کہا۔''میرا خیال ہے کہ وہ اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔''

''ہو سکتا ہے لیکن یہ بات بھی آپ کے علم میں ہے کہ لوچن نے معاہدہ بڑھانے سے انکار کرتے وقت اس بات کا عہد بھی کیا تھا کہ جب تک وہ ہمارے مطلوبہ آدمی کو قبر تک نہیں پہنچا دیتا۔ سکون سے نہیں بیٹھے گا۔'' تھریسا نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔''اس کے دو ساتھی بھی شیخ حامد ہی

کے شکاری کتوں نے ہلاک کیے تھے۔"

"یہ سب سوچنا ہمارا دردِ سر نہیں ہے۔" میڈم نے بات مختصر کرنے کی کوشش کی۔"اس بات کو بھی ذہن میں رکھو کہ معاہدے کی مدت ختم ہو جانے کے بعد وہ ہمارے حکم کا پابند نہیں رہے گا۔"

"آئی۔سی" تھریسا نے ایک لمحہ توقف کے بعد کہا۔"میں لوچن کو دوبارہ کال کرتی ہوں۔"

کال ملانے کے ساتھ ہی اس نے موبائل کا لاؤڈ اسپیکر بھی آن کر دیا تھا۔دوسری جانب سے کال ریسیو ہونے کے بعد تھریسا کا لب ولہجہ بھی حسب سابق حیرت انگیز طور پر بدل گیا۔

"تم نے سکندر علی شاہ کا ریفرنس دینے کے بعد اب کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ کل ہمارے درمیان......"

"مجھے سب یاد ہے لیکن میں بھی تمہاری طرح اپنے اصولوں کی پابند ہوں۔" تھریسا نے بات کاٹ کر گمبھیر لہجے میں کہا۔"معاہدہ ختم ہونے کے بعد میں تمہارے کنٹیکٹ نمبر بھی اپنے پاس رکھنا گوارہ نہیں کروں گی۔"

"اسی ریفرنس سے ایک بات میری بھی سن لیں۔" جواب میں لوچن کی آواز ابھری"ہاشم اور ڈوما سے میرا کوئی بلڈر ریلیشن نہیں تھا۔پہلی بار ایک دوسرے سے ہمارا تعارف بھی حسب ذیل ہوا تھا۔ہم پیشہ ہونے کے اعتبار سے ہمارے درمیان ایک دوسرے سے ایک تعلق بھی قائم ہو گیا تھا۔اب وہ دونوں اس دنیا میں نہیں ہیں۔کل میری غفلت سے چلائی گئی ایک اندھی گولی میرے وجود کو بھی ختم کر سکتی ہے۔ایسی صورت میں اپنے ساتھیوں کا انتقام لیے بغیر میں بھی یہاں سے جانا پسند نہیں کروں گا۔معاہدے کی رقم سے زیادہ مجھے بھی اپنے اصولوں پر قدم اٹھانا لازم ہے۔"

"گڈ......" تھریسا نے اسے سراہا پھر نرم لہجے میں بولی۔"میں نے بھی تم لوگوں کی خدمات کچھ سمجھ کر ہی حاصل کی تھیں۔اس وقت کال کا مقصد یہی دریافت کرنا تھا کہ اصل آدمی کے انڈر گراؤنڈ ٹھکانے تک پہنچنے کے لیے تم کون سا شارٹ کٹ اختیار کرو گے؟"

"میرے تجربے نے فی الحال دو کو فوکس کیا ہے۔نمبر ون سکندر علی شاہ۔نمبر ٹو ڈرٹی شیلا ورما۔" سنجیدگی سے جواب ملا۔"پارلر کے ہنگامے نے ایک کو ٹارگٹ کر لیا۔وہ بھی کوئی دل جلا ہوگا۔اب سکندر علی شاہ کو چھیڑنا بھی ضروری ہے۔زخمی ہونے کے بعد جنگلی جانور بھی اپنے شیلٹر کی طرف جاتا ہے اگر سکندر علی شاہ کا تعلق بھی موسٹ وانٹڈ سے ہوا تو میری مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔"

"تم نے کل نگینہ کا ذکر بھی کیا تھا۔اسے کس خانے میں فٹ کرو گے؟"

"وہ بھی ایک اہم کڑی ہے سکندر علی شاہ چاہتا تو دوسری لڑکیوں کی طرح اسے بھی ٹشو پیپر کی طرح ہاتھ صاف کرنے کے بعد ڈسٹ بن میں ڈال دیتا۔شادی کرنے پر ممکن ہے اسے کسی خاص مجبوری کی وجہ سے آمادہ ہونا پڑا ہو۔"

"یو آر رائٹ!" تھریسا نے بہ دستور سنجیدگی سے جواب دیا۔"اگر ضرورت محسوس کرو تو تم ایس پی اورنگ زیب سے بھی میرا حوالہ دے کر مدد لے سکتے ہو۔"

''وہ ایک کھرا پولیس آفیسر ہے لیکن ...... پولیس والوں کے ساتھ دوستی بڑھانا ہمارے پیشے سے تعلق رکھنے والوں کے اصول کے خلاف ہے۔''

''ایز یو وِش......'' تھریسا نے جواب دے کر سلسلہ منقطع کر دیا تو میڈم نے کچھ سوچ کر کہا۔

'سمندر کی کوئی لہر سر کے اوپر کچھ دیر مسلط رہے تو اچھے اچھے تیراک بھی بوکھلا جاتے ہیں لیکن ان کا حوصلہ بھی پست نہیں ہوتا۔ اچھا تیراک وہی ہے جو لہروں کے منہ زور تھپیڑوں کو برداشت کر کے ساحل تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتا۔ بیچ منجدھار میں حوصلہ ہار دینے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ کل جو تمہارے ساتھ ہوا وہ ......اس سے پہلے میرے اوپر بھی گزر چکا ہے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔''

تھریسا نے میڈم روبی کے جملے میں چھپے ہمدردی اور اپنائیت کے جذبوں کو محسوس کیا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر بے اختیار اس کے گلے لگ گئی۔

✣✣✣

اورنگ زیب دو گھنٹے بعد ہی واپس آ گیا تھا خلاف توقع وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں غرق تھا جب الماس نے بھاپ اڑاتا ہوا کافی کا کپ اس کے سامنے رکھا تھا۔

''سراج کہاں ہے؟'' اس نے الماس سے دریافت کیا۔

''ان کا کوئی دوست لندن سے واپس آ رہا ہے، آدھے گھنٹے قبل ایئرپورٹ کا کہہ کر گئے ہیں۔ میں ابھی نہیں اطلاع دیتی ہوں۔''

''نہیں۔ میں بھی کچھ دیر اوپر جا کر آرام کروں گا۔'' اورنگ زیب نے کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔ ''کچھ ضروری باتوں پر غور بھی کرنا ہے۔''

''مجھے آپ سے ایک شکایت بھی ہے۔'' الماس نے اس کی سنجیدگی دور کرنے کی خاطر بڑی اپنائیت سے کہا۔ ''آپ نے مجھے بہن بھی بنایا ہے پھر بھی غیریت سے کام لیتے ہیں۔''

''خیریت، تمہیں میری غیریت کا اندازہ کس بات سے ہوا؟''

''نیچے مہمانوں کا کمرا خالی ہے۔ آپ وہاں بھی رہ سکتے ہیں۔'' الماس نے قدرے جذباتی انداز اختیار کیا۔ ''میں سراج سے بھی کئی بار اصرار کر چکی ہوں لیکن ......''

''وہ تو خود نہیں چاہتا کہ میں نیچے رہوں۔'' اورنگزیب نے بھی الماس کو خوش کرنے کی خاطر مصنوعی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تم بہن ہو اس لیے تمہیں احساس ہوتا ہے مگر سراج ......''

''میں اب آپ کی باتیں سمجھنے لگی ہوں۔ سراج تو خود مجھ سے بار بار کہہ چکے ہیں کہ آپ سے نیچے آنے کا اصرار کروں۔'' الماس نے سنجیدگی سے کہا۔

''فی الحال مجھے اوپر ہی رہنے دو۔ وہاں مجھے تنہائی میں سکون سے بہت ساری باتوں پر غور کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔''

پھر کافی ختم کرنے کے بعد وہ اوپر چلا گیا دو گھنٹے آرام اور غسل کرنے کے بعد نیچے آیا تو سراج

بھی الماس کے ساتھ ہی لاؤنج میں موجود تھا۔ الماس کچھ دیر بعد کچن کی طرف چلی گئی تو سراج نے پوچھا۔

''کسی مخبر کی اطلاع کے بعد آپ کمرشل ایریا کس کام سے گئے تھے؟''

''آج میں نے ماروی نامی ایک لڑکی سے بڑی تفصیلی ملاقات کی ہے۔ وہ آخری لڑکی تھی جو مخبر کی اطلاع کے مطابق فارم ہاؤس گئی تھی۔ ایک رات گزارنے کے بعد واپس بھی آ گئی۔'' اورنگ زیب نے سکندر علی شاہ کے دوسرے دن فارم ہاؤس جانے اور چوکیدار کی موت کی باتیں بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''اہم بات یہ ہے کہ چوکیدار نے خودکشی کیوں کی؟ اس کی لاش کو پولیس کے علم لائے بغیر کیوں دفن کیا گیا؟ اس کے علاوہ بھی بھی دو اور دو چار کرنے کی خاطر بہت سارے اہم اشارے میرے ذہن میں کلبلا رہے ہیں۔''

''کیا ماروی ان باتوں سے واقف نہیں ہے یا جان بوجھ کر......''

''ماروی کی بکنگ کسی اور لڑکی نے کی تھی جس کا نام وہ میرے اصرار کے باوجود زبان تک لانے سے گریز کرتی رہی۔ کوئی خوف ہے جو اس نے زبان نہیں کھولی۔ میں نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا البتہ فوری طور پر میں نے دو سادہ لباس والوں کو ماروی کی حفاظت پر مامور کر دیا ہے ہوسکتا ہے کہ سکندر علی شاہ کو میرے وہاں جانے کی اطلاع بھی مل چکی ہو۔''

''سکندر علی شاہ کے بارے میں ماروی نے کیا کہا؟''

سراج نے زہر خند سے پوچھا ''کیا وہ بھی مریدوں کی صف میں شامل ہوگئی ہے۔''

''دلچسپ بات تو یہ ہے کہ سکندر علی شاہ اس رات فارم ہاؤس نہیں گیا تھا۔''

''اوہ......سراج نے چونک کر سوال کیا۔ ''کیا فارم ہاؤس کے چوکیدار کی خودکشی کا تعلق ماروی سے بھی ہوسکتا ہے؟''

''یہی سب سے اہم نکتہ ہے۔'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا ......'' بہرحال اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اب سکندر علی شاہ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر چکا ہے۔''

''آپ پھر بھی براہ راست اس پر ہاتھ ڈالنے سے گریز ہی کریں گے۔'' سراج نے پہلو بدل کر اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''یو آر، رائٹ! میں نے سکندر علی شاہ کو ابھی پہلا زینہ قرار دیا ہے۔ اس بات کا یقین بعد کے حالات پر منحصر ہے کہ اس کا کوئی لنک آکٹوپس سے بھی ہوسکتا ہے۔''

''ایک بات میں بھی آپ کی اجازت سے کہنا چاہوں گا۔'' سراج نے کسمسا کر کہا۔ ''کنول کا اغواء، اس کی ماں کی موت پھر کرنل احتشام کے سامنے جانے سے پہلے اس کا پریس کو بھی یہ بیان دینا کہ شیخ حامد زندہ ہے کہیں ان تمام باتوں کے باوجود اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ آپ کا آکٹوپس زندہ ہے۔''

''جب سب نے اس کے غرق ہو جانے کا یقین کر لیا تھا اس وقت بھی میں نے یہی کہا تھا کہ جب تک اس کی لاش کو نہ دیکھ لوں گا اس کی موت کا یقین بھی نہ کروں گا۔''

''آپ کے اسی یقین کی روشنی میں یہ کہنے کی اجازت چاہی تھی کہ اگر آکٹوپس زندہ ہے تو ہمارے درمیان کہیں نہ کہیں تو ضرور چھپا ہوگا۔'' سراج نے جذباتی لہجے میں کہا۔''کیا فارم ہاؤس اس کے لیے بہترین پناہ گاہ نہیں ہوسکتی؟''

''فی الحال میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بات کا شبہ ضرور ہے۔کسی نہ کسی زاویے سے سکندر علی شاہ اور آکٹوپس کا لنک بھی ہوسکتا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' سراج نے پہلو بدل کر سوال کیا۔'' کیا کوئی لنک ہونے کے باوجود سکندر علی شاہ کو کسی اعتبار سے آکٹوپس کے کام آرہا ہے؟''

''ایسا بھی ہوسکتا ہے اور تمہارے شبہ کرنے سے پہلے بھی فارم ہاؤس پر میری نظر تھی مگر ایک بار پھر بڑے اعتماد سے کہوں گا کہ سکندر علی شاہ براہ راست آکٹوپس سے واقف نہیں ہے۔''

''اس اعتماد کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی۔''

''تم نے شاید سکندر علی شاہ والی فائل کو بھی غور سے نہیں پڑھا۔جس شخص کی وجہ سے آج وہ اس مقام پر ہے خود وہ بھی اس سے ناواقف ہی ہے۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا آکٹوپس ہی وہ گمنام شخص رہا ہوگا؟''

''ہو بھی سکتا ہے۔'' اورنگ زیب نے کہا۔'' آکٹوپس کے بارے میں مستند کتابوں میں یہی درج ہے کہ وہ آٹھ ہاتھ رکھتا ہے جس کے ڈنک اتنے زہریلے ہوتے ہیں جو شکار کو اس کی جسامت کا لحاظ کیے بغیر غفلت سے دوچار کر دیتے ہیں۔اس کے علاوہ عالمی شہرت کے جرائم پیشہ افراد اپنے ٹھکانوں کا اہتمام بھی قبل از وقت سوچی سمجھی اسکیم سے ضرور کر لیتے ہیں۔ڈان کی حیثیت رکھنے والے میک اپ کے فن میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ ان کی شریک حیات بھی ان کو شناخت نہیں کر پاتیں۔''

سراج اور اورنگ زیب کے درمیان ماروی اور آکٹوپس کا ذکر جاری تھا جب فون کی گھنٹی بجی۔سراج نے کال ریسیو کی تھی پھر اس کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا۔

''کیا خبر ہے؟'' اورنگ زیب نے پوچھا۔

''ہمارے سابقہ ڈی آئی جی علیم احمد کی لاش ان کے بنگلے کے اسٹور روم سے ملی ہے۔علاقے کے تھانے انچارج کا فون تھا۔وہ کسی گمنام آدمی کے فون کے بعد ہی وہاں پہنچا ہے۔''

''سیڈ نیوز۔'' اورنگ زیب بھی سراج کے ساتھ ہی جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

✣✣✣✣

شبنم بالکونی میں ایزی چیئر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی جب افضل خان بھی اس کے قریب آگیا۔کچھ دیر شام کی چائے دونوں نے ساتھ پی تھی پھر افضل خان اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج تم کچھ اداس اداس ہی ہو۔'' افضل خان نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں۔'' شبنم نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''آج ہی کے دن میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی۔''

''ہیپی برتھ ڈے۔'' افضل خان نے بے تکلفی سے کہا پھر وہ باہر جانے کی خاطر پلٹا تھا لیکن شبنم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کہاں جارہے ہو۔''

''تمہاری سالگرہ منا کر مجھے خوشی ہوگی۔ نیچے سے ہو کر ابھی آتا ہوں۔''

''نہیں، شبنم کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔'' آج کا دن میرے لیے بے حد اذیت ناک ہوتا ہے۔ جب ماں زندہ تھی تو وہ بڑے ارمانوں اور دھوم دھام سے سالگرہ مناتی تھی لیکن ......''

''اوہ ......'' افضل خان نے اس بار کچھ توقف سے کہا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں تمہاری اداسی کا سبب لیکن کاش تم نے اس وقت بھی مجھے اپنا سمجھا ہوتا جب ہم ایک ساتھ کام کرتے تھے۔

''جو فرض میرے ذمے تھا اسے میں خود ادا کرنا چاہتی تھی پھر چاہیے انجام کچھ بھی ہوتا لیکن مجھے کوئی مناسب موقع نہیں ملا۔''

''اب یہ ذمے داری مجھے سونپ دو۔ میں اس کی ادائیگی سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔''

''جانتی ہوں لیکن اب وقت اور حالات نے اسے بھی انڈر گراؤنڈ رہنے پر مجبور کردیا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں وہ زیادہ محتاط اور خطرناک ہوگیا ہے۔ میڈم کو بھی اس سے اپنا قرض چکتا کرنا ہے۔ پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کے ذمہ دار افسران بھی اس کی تلاش میں ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔''

''تمہارے اداس رہنے سے کیا وہ سامنے آجائے گا؟ افضل خان نے اتنی جھلاہٹ سے یہ جملہ ادا کیا کہ شبنم کو ہنسی آگئی۔

''اب مسکرادی ہو تو کچھ میرے بارے میں بھی غور کرو۔'' افضل خان نے شوخی سے کہا۔ ''ایک ہی اگنی پر ہم دونوں کب تک دور دور لٹکے رہیں گے؟''

''سراج صاحب سے پوچھ لو۔ میں تمہارے ساتھ کورٹ تک جانے سے انکار نہیں کروں گی۔''

''افضل خان نے کرسی کھسکا کر اس کے کچھ اور قریب کرلی لیکن اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا۔ موبائل اسکرین روشن ہونے کے بعد جو نمبر نظر آیا اسے دیکھ کر اس نے موبائل آن کرنے میں دیر نہیں کی۔ سنجیدگی سے پوچھا۔

''کوئی تازہ خبر؟''

''آپ کو جس کی تلاش تھی آج وہ خود چل کر بنگالی پاڑے میں آگیا ہے ہوسکتا ہے کہ ایک رات یہیں رہے، یہ بھی ممکن ہے گھنٹا دو گھنٹا گزار کر واپس چلا جائے۔''

''میں سمجھا نہیں، کیا وہ کسی خاص کام سے آیا ہے؟''

''سندر بن کے دیس سے جھرنا، نام کی ایک تازہ مچھلی آئی ہے جو اسے بھگا کر لایا ہے وہ بھی جبرو کا پرانا واقف ہے۔''

''سمجھ گیا۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ رہا ہوں۔ تم دور سے اشارہ کر دینا۔ باقی کام کرنا میرا ذاتی مسئلہ ہے۔''

''کوئی نشانی بھی بتا دیں۔'' دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ اصلی حلیے میں نہیں ہوں گے۔''

''جینز اور بلیک کلر کی ٹی شرٹ۔ ہاتھ میں لائٹ گرے رنگ کا موبائل بھی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں گلی کے سامنے ہی انتظار کروں گا۔ کچھ فاصلے سے آپ کو مطلوبہ جگہ کا اشارہ کر کے نکل جاؤں گا۔''

افضل خان موبائل بند کر کے اٹھنے لگا تو شبنم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اس وقت کہاں جا رہے ہو۔ کس کا فون تھا؟''

''تمہاری ایک فرمائش پوری کرنی ہے۔ اگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو ہماری شادی بھی کھٹائی میں پڑ جائے گی۔

''جبرو......؟ شبنم نے نفرت سے کہا۔

''ہاں...... پریشان مت ہو، میں جلدی لوٹ آؤں گا۔''

''کیا سزا دو گے اسے؟''

''جو تم کہو......'' افضل خان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔

''اسے جان سے نہ مارنا لیکن ......اس بات کا احساس ضرور دلا دینا کہ اب میں تنہا نہیں ہوں۔ تم بھی میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔''

افضل خان نے شبنم کے دونوں ہاتھ بڑی اپنائیت سے تھام لیے۔ چند لمحے وہ دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہا پھر شوخی سے بولا۔ ''اجازت ہو تو بنگالی پاڑے سے کوئی قاضی بھی پکڑ لاؤں۔''

شبنم نے مسکرا کر پلکیں جھکا لیں۔ افضل خان غسل خانے میں چلا گیا پندرہ منٹ بعد باہر نکلا، ریڈی میڈ میک اپ نے اس کا حلیہ بھی تبدیل کر دیا تھا۔ شبنم دروازے تک اس کے ساتھ گئی۔

''سراج نے کہا تھا کہ کچھ لوگ ہماری نگرانی پر بھی مامور ہیں ان کے سائے سے بھی محتاط رہنا۔''

''ڈونٹ وری۔'' افضل خان کا لب و لہجہ بنگالیوں جیسا ہو گیا۔ ''تم ایک دم پھکر مت کرو۔ ہم ادھر ادھر کا بھی کھیال رکھے گا۔''

حسب پروگرام وہ ٹھیک پندرہ بیس منٹ میں بنگالی پاڑے پہنچ گیا۔ مطلوبہ آدمی اسے گلی کے سامنے ہی نظر آ گیا۔ افضل خان کو دیکھ کر وہ اندر جانے والے تنگ اور ناہموار کچے راستوں پر چل پڑا۔ وہ کچی گلیاں ایسی بھول بھلیاں تھیں جہاں کوئی اجنبی پہلی بار بھٹک جاتا تو واپس آنے کا راستہ نہیں

تلاش کرسکتا تھا۔

تقریباً چار منٹ بعد آگے جانے والے نے رک کر سگریٹ جلائی۔ بجھی ہوئی تیلی کو اس نے داہنے ہاتھ والے کچے پکے مکان کی طرف اچھالا پھر کش لگاتا آگے نکل گیا۔

افضل خان کے لیے وہ اشارہ کافی تھا۔ وہ بھی مطلوبہ مکان کے سامنے جا کر رکا، جیب سے کنگھی نکال کر اس نے بال درست کیے۔ اس دوران میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ گلی ویران پڑی ہے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی جانب والے مکان کے دروازے پر تھوڑے وقفے سے دستک دی چند لمحوں بعد کسی نے اندر سے پوچھا ''کون ہے؟''

جواب میں افضل خان نے کچھ کہنے کے بجائے کھنکارنے پر اکتفا کیا۔ یہ ٹرمپ کارڈ بھی کام آ گیا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ سامنے جبرو ہی دھوتی باندھے کھڑا تھا لیکن اس کو پھر سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملا۔ افضل خان نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پتلی گردن پر اپنی گرفت مضبوط کی پھر دھکیلتا ہوا اندر لے گیا۔ دروازہ بند کرنے میں بھی اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

''تت ......تت...... تم ......'' جبرو نے کوئی سوال کرنا چاہا لیکن افضل خان اسے گھسیٹ کر کمرے کے اندر لے گیا جہاں ایک لڑکی نے حالات کو بھانپ کر اپنے اوپر چادر کھینچ لی تھی۔ اس کے چہرے پر بھی خوف ہی خوف نظر آ رہا تھا۔

''نہیں جبرو...... اس وقت زبان کھولنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ تو جانتا ہے کہ میں شکار کو تڑپنے کا موقع بھی نہیں دیتا۔'' افضل خان نے اس کا گریبان تھام کر انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''پ......مم ......میرا قصور کیا ہے؟''

''اسلم ڈنکا یاد ہے تجھے؟ تو اس کے پاس کسی لڑکی کو لے کر گیا تھا۔'' افضل خان نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

''تم شاید شبنم کی بات کر رہے ہو۔'' جبرو نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''وہ بگ باس کا حکم تھا اور تم نے بھی اس کے اشارے پر چلنے سے کبھی انکار نہیں کیا۔''

''مانتا ہوں لیکن تو نے اسلم ڈنکا کے ساتھ کھیل کھیلنے کی کوشش کی تھی اس کا حکم تجھے کس نے دیا تھا؟''

''اوہ، اب سمجھا۔'' جبرو نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''ماسٹر مجید بتا رہا تھا کہ آج کل تم دونوں ساتھ ہی ......اوغ ......غو......''

جبرو جملہ پورا کرنے کے بجائے بلبلانے لگا...... افضل خان نے سیدھے گھٹنے کو زخم دے کر اس کے پیٹ اور رانوں کے بیچ اس نے نپی تلی ضرب لگائی تھی کہ جبرو خود کو سنبھالتے سنبھالتے زمین پر بیٹھ گیا۔ افضل خان نے دوسری ٹھوکر اس کے چہرے پر ماری تو ناک سے خون ابل پڑا۔ جبرو کے ہاتھ ناک کی طرف گئے تو افضل خان نے دوبارہ اس کے جسم کے نازک حصے پر بھرپور ٹھوکر ماری۔ جبرو کی سانس اکھڑنے لگی۔ وہ کچے فرش پر ٹانگیں جوڑے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔

''میں پھر کسی وقت تیری خیریت دریافت کرنے آؤں گا حرام کے بچے!'' افضل خان نے سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔''اپنی گندی زبان سے دوبارہ شبنم کا نام لانے کی غلطی نہ کرنا ورنہ تیری بوٹیاں بھی کتوں کے آگے پڑی ہوں گی۔''

جبرو بہ دستور تڑپتا رہا۔افضل خان نے ایک اچٹتی نظر چادر میں سمٹی سہمی لڑکی پر ڈالی پھر تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے سے باہر نکل گیا۔

+++

ہوش آنے کے بعد ڈرائیور کو خود کو اسٹیئرنگ پر ہی پایا تھا۔غنودگی کی کیفیت اس پر اس وقت بھی طاری تھی لیکن برابر والی سیٹ پر لیڈی سیکرٹری کو اس نے جس حالت میں دیکھا اس نے اس کی ساری غنودگی پل بھر میں دور کردی۔وہ بے ہوشی کی حالت میں گٹھڑی بنی نظر آرہی تھی۔لیڈی سیکرٹری کو اس حالت میں دیکھنے کے بعد اس کی نظریں کسی خیال سے پشت والی سیٹ پر پڑیں جس کے بعد رہی سہی غنودگی بھی جاتی رہی۔چھوٹی مالکن بھی بکھری پڑی تھیں۔سیٹ کے درمیان ان کا ہینڈ بیگ بھی پڑا تھا۔

ڈرائیور نے سنبھل کر دائیں بائیں دیکھا۔آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔بیرونی پھاٹک بھی کھلا ہوا تھا۔اس نے پلک جھپکتے میں گاڑی اسٹارٹ کی۔بنگلے سے باہر نکلتے نکلتے اس نے گھر جانے کے بجائے اس اسپتال کا رخ کیا جہاں رستم علی آغا خانی کا ڈرائیور ہونے کی حیثیت سے اسے بھی جانا پہنچانا جاتا تھا۔یہی واقفیت اور حوالہ اس کے کام آگیا۔روشنا کو فوری طور پر وی آئی پی روم میں لے جایا گیا،سیکرٹری کیلئے بھی اسٹریچر آگیا۔اسپتال کا عملہ اس کو لے گیا تو ڈرائیور نے سب سے پہلے جیب ٹٹولی۔اغوا کرنے والوں نے اس کا موبائل شاید بعد میں واپس کردیا تھا۔فوری طور پر اس نے دارا سیٹھ کے نمبر ڈائل کیے۔دو مرتبہ مایوسی کے بعد تیسری بار کال مل گئی۔

''تم......کہاں ہو اور......''

''میں ادھر اسپتال میں ہوں صاحب۔'' ڈرائیور نے اپنا فرض پورا کرنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔

''ٹھیک ہے تم وہیں انتظار کرو۔''

پندرہ منٹ بعد دارا بھی اسپتال پہنچ گیا۔ڈرائیور کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ سیدھا بڑے ڈاکٹر کے پاس پہنچا جو راہداری ہی میں مل گیا تھا۔

''روشنا کی کیا پوزیشن ہے؟ سب ٹھیک تو ہے؟''

''میں لیڈی ڈاکٹر کو اندر چھوڑ آیا ہوں۔'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔''اس کے معائنے کے بعد ہی میں کچھ کہہ سکوں گا۔فی الحال روشنا بیہوشی کی کیفیت سے دوچار ہے۔ہوش میں آنے میں کچھ وقت لگے گا۔جنرل کنڈیشن کسی خطرے سے باہر ہی ہے۔مگر یہ سب اچانک کیسے ہوا؟ رستم علی صاحب کی لیڈی سیکرٹری بھی بے ہوشی کی حالت میں یہاں آئی ہے۔''

دارا ڈاکٹر کے سوال کے جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا، اس کی یہ مشکل اس لیڈی ڈاکٹر نے آسان کردی جو روشنا کے کمرے سے باہر آگئی تھی۔ ڈاکٹر قدم بڑھاتا لیڈی ڈاکٹر کے قریب چلا گیا۔ کچھ دیر میں باتیں کرتے رہے۔ دارا دور کھڑا ہونٹ چباتا رہا۔

کلب میں میجر عاطف سے روشنا کے جانے کے اطلاع پا کر وہ سیدھا گھر پہنچا تھا۔ اس کے بعد اسے اس بات کا اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ روشنا اور لیڈی سیکرٹری کسی خطرے سے دو چار ہوں گی اور اب وہ دور کھڑا اسپتال کے بڑے ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا۔ گھر سے چلتے وقت اس نے سب کو زبان بند رکھنے کی ہدایت کی تھی۔

''آپ میرے ساتھ آئیں۔'' بڑے ڈاکٹر نے لیڈی ڈاکٹر سے گفتگو کرنے کے بعد دارا کے قریب آ کر کہا پھر وہ اسی فلور کے اس وی آئی پی روم میں چلے گئے جو روشنا کے نام پر بک کیا گیا تھا۔

''کیا رپورٹ ہے ڈاکٹر۔'' دارا نے اکیلے میں دوبارہ بے چینی کا اظہار کیا۔ ''لیڈی ڈاکٹر کے معائنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''مسٹر رستم علی کی لیڈی سیکرٹری کو بھی......'' ڈاکٹر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا، ایک لمحے کے توقف سے بولا۔ ''اغواء کرنے والوں کی نیت اچھی نہیں تھی۔''

''اوہ!'' دارا ہونٹ چبانے لگا۔ کچھ دیر سوچتا رہا کہ دشمن کون ہو سکتا ہے پھر اس نے دوبارہ ڈاکٹر کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''روشنا کی کیفیت اب کیسی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ ایک ڈیڑھ گھنٹا لگے لگا۔ اس کے علاوہ میں آپ کو ایک مشورہ اور دوں گا۔'' ڈاکٹر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''روشنا کو ہوش میں آنے کے بعد آپ کے سوا کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ آپ کا اس کے ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ مینٹل شاک کے بعد مریض کو ہوش آئے تو اس کا ذہن پھر گزری ہوئی بات میں الجھ جاتا ہے۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے؟ جو کچھ میں نے بتایا ہے اس کا ذکر بھی......''

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' دارا نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ روشنا کو ایک نظر دیکھنے کے بعد باہر نکلا تو ڈرائیور ہینڈ بیگ لیے کھڑا تھا۔

''اس میں چھوٹی مالکن کی ضرورت کی چیزیں بھی رہتی ہیں اس لیے میں اوپر لے آیا۔''

''ٹھیک ہے۔'' دارا نے بیگ لے کر ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ تم......''

''میں نے آپ لوگوں کا نمک کھایا ہے صاحب پھر......نمک حرامی کیسے کر سکتا ہوں؟''

''کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟''

''نہیں مالک۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سب اجرتی بدمعاش تھے کوٹھی تک پہنچانے کے بعد وہ واپس چلے گئے تھے۔'' ڈرائیور نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''ایک بات اور بھی مالک، وہ جس کوٹھی میں

لے گئے تھے وہ بھی ریٹائرڈ ڈی آئی جی علیم صاحب کی تھی۔ گیٹ پر جو تختی لگی تھی اس پر بھی یہی لکھا تھا۔"

"تم نیچے ٹھہرو۔ میں کسی وقت تمہیں دوبارہ کال کروں گا۔"

ڈرائیور چلا گیا تو دارا دوبارہ وی آئی پی روم کے اندر آ گیا۔ اس نے روشنا کے ہینڈ بیگ کو کھول کر دیکھا تو اس کی رگوں میں دوڑتا خون کھولنے لگا۔ ڈاکٹر نے لیڈی ڈاکٹر کے حوالے سے جس بات کا دبی زبان میں اظہار کیا تھا اس کا ثبوت ہینڈ بیگ میں پڑا ویڈیو کیسٹ میں بھی ہو سکتا تھا جس پر ......گفٹ فار رستم علی، کی ٹائٹ شدہ چٹ کے علاوہ آکٹوپس، کا علامتی نشان بھی نظر آ رہا تھا۔

دارا نے ہینڈ بیگ بند کر کے الماری میں رکھا پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح ٹہلنے لگا اس کی نظریں بار بار روشنا کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ دس پندرہ منٹ وہ اپنے وجود میں اٹھنے والے طوفان کو برداشت کرتا رہا۔ پھر اس نے جیب سے موبائل نکال کر ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ملائے۔ تیسری گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی تو دارا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "میں دارا رستم علی بول رہا ہوں آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"آفیشل ڈیوٹی پر ہوں۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔ "تمہیں اس وقت میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"ہے کوئی کام جو فون پر نہیں بتا سکتا......"

"اس وقت کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

"ڈونٹ وری......میں دوبارہ کال کرلوں گا۔" دارا نے جواب دینے کے ساتھ ہی لائن ڈس کنیکٹ کر دی۔

روشنا کے قریب بیٹھ کر وہ اس کی کیفیت پر غور کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کے جسم میں حرکت شروع ہو رہی تھی۔ دارا نے اس کے قریب ہو کر آہستہ سے پوچھا۔ "اب کیسی ہو۔ کیسا فیل کر رہی ہو؟" روشنا نے کوئی جواب نہیں دیا غالباً پوری طرح اس کے اوسان بحال نہیں ہوئے تھے۔ دارا پھر ہونٹ چبانے لگا۔ آکٹوپس کے حوالے سے اس کے ذہن میں کچھ بھولی بسری باتیں بھی ابھر رہی تھیں جب اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہو گئی۔ نظر آنے والے نمبر اس کے لیے نئے تھے پھر بھی اس نے موبائل آن کر کے پوچھا۔

"کون ہے؟"

"میں نے روشنا کی خیریت دریافت کرنے کی خاطر فون کیا تھا......اب کیسی ہے؟"

"ابھی تک پوری طرح ہوش نہیں آیا۔" دارا نے روانی میں جواب دیا پھر سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ کون بول رہے ہیں؟"

"اپنا ہمدرد ہی سمجھو۔" سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔ "ایک دوستانہ مشورہ بھی دے رہا ہوں روشنا کے ساتھ ساتھ تم بھی ہوش میں آ جانا۔ وہ غلطی نہ کرنا جو تمہارا باپ کر چکا تھا۔ میجر عاطف

اور ایس پی اور نگ زیب مل کر بھی میری گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔"

"تم ......" دارا تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کی رگوں میں جوان خون بھی جوش مارنے لگا۔ حقارت سے بولا۔ "اگر مرد کے بچے ہو تو سامنے آ کر بات کرو۔"

"میرا مردانگی کا ثبوت تمہاری بیوی کے بیگ میں پڑے ویڈیو کیسٹ میں بھی مل جائے گا۔ وہ میرے شکاری کتے تھے۔ ان کی درندگی دیکھ کر تم میری طاقت کا اندازہ بھی لگا لینا۔ وش یو گڈ لک ......سن آف بچ۔"

دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ دارا کے پاس ہونٹ چبانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ پھر زخمی درندے کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگا جب بڑا ڈاکٹر ایک نرس کے ساتھ اندر آ گیا۔ روشنا کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے دارا سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب یہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر ہوش میں آ جائیں گی لیکن میں نے جو مشورہ دیا ہے اسے یاد رکھیے گا۔ ایسی کیفیت میں مریض کو ہمدردی اور محبت کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ مریضہ کو ہوش میں آنے کے بعد ایک دو روز تک تنہا نہ چھوڑیے گا۔ یہ بھی بطور احتیاط کہہ رہا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ڈاکٹر۔ روشنا کو اس وقت ذہنی سکون کی ضرورت بھی ہوگی۔ میں ہر طرح خیال رکھوں گا۔"

ڈاکٹر چلا گیا۔ دارا کے ذہن میں آکٹوپس پھر کلبلانے لگا۔ تقریباً پنتالیس منٹ بعد روشنا کے جسم کو حرکت ہوئی۔ اس نے دو ایک بار گردن ادھر ادھر ہلائی پھر اس طرح ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے جاگی ہو، دارا تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔

"تم ...... میں کہا ہوں؟" روشنا نے مدھم لہجے میں کہا پھر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں، اس کی پلکوں کے درمیان سے نکلنے والے آنسو کے قطرے اور چہرے میں کرب کے نمایاں ہونے والے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ ہوش میں آ چکی ہے۔

"حوصلے سے کام لو ڈارلنگ۔ دارا کل بھی تمہارا تھا، آج بھی تمہارا پرستار ہے۔"

"سچ کہہ رہے ہو۔" روشنا کی آواز بھرا گئی وہ مجسم کرب نظر آ رہی تھی۔

"کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟" دارا اس کی پیشانی چومنے کے بعد بڑی محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اگر محبت ہے تو کہیں سے تھوڑا سا زہر لا دو۔ مم...... میں اب کسی کو منہ دکھانے ......"

"ریلیکس روشنا۔ پلیز ریلیکس!" دارا نے اسے دیوانوں کی طرح سینے میں چھپا لیا۔ "تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی بے بس ہی رہتا۔ میرے اندر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی تو کیا تم اپنے دارا سے نظریں پھیر لیتیں؟"

روشنا سسکیاں بھرتی رہی، دارا اس کی دلجوئی کرتا رہا۔ ماحول کو بدلنے کی خاطر اس نے نرس کو کال کی۔ پھر دارا کے کہنے پر وہ بڑے ڈاکٹر کو بلا لائی۔ دارا نے روشنا کو پیار سے سہارا دے کر دو

تکیوں پر ٹکا دیا۔ بیڈ کو بھی سرہانے سے اونچا کر دیا۔ روشنا اس سے نظریں ملانے کے بجائے چھت کی طرف دیکھ رہی تھی جب ڈاکٹر بھی آ گیا۔ اس نے روشنا کی نبض دیکھی پھر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کو بے ہوشی کا انجکشن دیا گیا تھا اس کا اثر بڑی حد تک زائل ہو چکا ہے چوبیس گھنٹوں کے بعد آپ گھر بھی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی شکر ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو کڈنیپ کیا تھا وہ صرف جیولری اور کیش لے کر بھاگ گئے۔''

''اور کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟'' دارا نے ڈاکٹر سے پوچھا، وہ ڈاکٹر کی کہی ہوئی بات سمجھ کر روشنا کو بھی یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس نے ڈاکٹر کو اس کی وقتی گمشدگی کے بارے میں کیا بتایا تھا! ڈاکٹر کچھ دیر بعد چلا گیا تو روشنا نے پہلی بار دارا کو ایسی نظروں سے دیکھا جس میں بے شمار سوالات مچل رہے تھے۔

''کیا تمہیں دارا کی محبت پر اب بھی یقین نہیں ہے؟''

دارا نے اس کے ہاتھ تھام کر بڑی اپنائیت سے سوال کیا۔

جواب میں روشنا دارا کی نظروں کی گہرائیوں میں دور تک کچھ تلاش کرتی رہی پھر بے اختیار اس کے گلے لگ کر دوبارہ سسکنے لگی۔

دارا نے اپنی محبت کا یقین دلانے کی خاطر اپنے ہاتھوں کا حلقہ اور تنگ کر لیا۔ اس وقت بھی اس کے وجود میں آکٹوپس کے زہریلے ڈنک چبھ رہے تھے جب روشنا نے خود پر کسی حد تک قابو پاتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''تمہاری بات اور ہے دارا مگر ...... میں لیڈی سیکرٹری اور ڈرائیور کو کس طرح فیس کر سکوں گی؟''

''ڈاکٹروں کا مشورہ ہے کہ تم کو کچھ دنوں کے لیے باہر لے جاؤں۔'' دارا نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''وہاں ہمارے آفس میں بھی کام بڑھ رہا ہے، میں ڈیڈ سے کہہ کر وہاں سیٹل ہو جانے کی بات بھی کرلوں گا۔''

''نہیں ......'' روشنا نے دارا کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں ڈیڈ اور ممی کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ وہاں ان کے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔ وہ بھی ہماری کمی ضرور محسوس کریں گے۔''

''روشنا۔ یو آر گریٹ!'' دارا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی عقیدت سے کہا۔

''گریٹ میں نہیں ہوں۔ تم ہو جو تم نے مجھے ......''

''پلیز ...... اب یہ بات دوبارہ زبان پر نہ لانا'' دارا نے اسے اپنے کشادہ سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا پھر بولا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ میں ڈرائیور اور لیڈی سیکرٹری کو باہر بھیج دوں۔''

''صرف ڈرائیور کو ...... لیڈی سیکرٹری کو دفتر تک محدود کر دو۔ وہ بھی میری ہی وجہ سے حالات کا شکار ہوئی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی ہے۔'' روشنا نے بڑی صداقت سے جواب دیا۔

''جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا لیکن پلیز اب صرف آرام کرو۔ ریلیکس مائی ڈیئر۔''

''صرف ایک بات اور کہنا چاہوں گی۔''

''وہ کیا......؟''

''مجھے...... یہ یقین تھا کہ تم مجھے مظلوم سمجھ کر معاف کر دو گے۔'' روشنا کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

''یو آر گریٹ۔ مائی لو'' دارا نے اسے پھر اپنے وجود میں چھپا لیا۔ دل کی دھڑکنوں میں جہاں سچائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

✣✣✣

وشنو کو کرنل احتشام کے حکم کے مطابق ایک لمحہ بھی سونے کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے ملٹری زبان میں فل ڈوز بھی مل رہی تھی۔ مختلف آلات کے ذریعے اسے اذیتیں دینے میں کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی مگر وشنو نے اپنی زبان پر تالے ڈال رکھے تھے شاید اس لیے کہ اس کے واحد جواب ''تم جس کے بارے میں مجھے ادھیڑ رہے ہو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' نے کرنل احتشام اور اس کے کارندوں کو مطمئن نہیں کیا تھا۔ ٹارچر کرنے والوں کا سرغنہ ہر بار اس کو اپنی زبان میں یہی سمجھاتا تھا۔

''کتوں کی طرح بار بار ایک ہی آواز میں بھونکنا چھوڑ دے۔ جو سچ ہے وہ اگل دے ورنہ اسی کمرے سے تیری رام رام ست بھی ہو جائے گی۔''

وشنو اس کی بات سن کر مسکرا دیتا۔ سرغنہ کے اشارے پر پھر وشنو کی دھنائی شروع ہو جاتی۔ اس وقت بھی وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھا تھا جب تشدد کرنے والوں کے ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ اسے اب اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ڈوز کتنی دیر بعد ملتی ہے۔

وشنو سخت جان تھا لیکن جو لوگ اسے ٹارچر کر رہے تھے وہ بھی تجربہ کار تھے ان کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ جلد از جلد کرنل کی نگاہوں میں سرخرو ہو سکیں۔ اس کوشش میں وشنو کے برداشت کی ہمت بھی آہستہ آہستہ جواب دینے لگی تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر ایک دو روز اور اس پر جبر و تشدد ہوا تو قوت برداشت کے ساتھ وہ خود بھی دم توڑ جائے گا۔ اس کا ذہن ہر وقت فرار کے راستوں کی ہر ممکن تدبیر پر غور کرتا رہتا لیکن ابھی تک اسے ایک پل کے لیے بھی تنہائی کا موقع نہیں ملا تھا۔ رات اور دن کا تصور بھی مٹ چکا تھا۔ کمرے میں ہر وقت ہائی پاور کی روشنی اس کے اور نیند کے درمیان حائل رہتی۔ رات کی ڈیوٹی پر مامور جلاد بھی اس کو ایک پل کے لیے آنکھ موندنے کا موقع نہیں دیتا۔ اس کے فوجی جوتے کی ایک شدید ٹھوکر ہی اتنی شدید ہوتی تھی کہ نیند کا جھونکا بھی اب وشنو کے قریب آنے سے روٹھ گیا تھا۔

ٹارچر روم میں تشدد اور برداشت کی آنکھ مچولی جاری تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ کسی کے قدموں کی آہٹ بھی ابھری۔ تشدد کرنے والوں کے ہاتھ بھی اس آہٹ کی آواز پر مشینی انداز میں رک گئے تھے۔ وشنو نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے پر کرنل احتشام ڈاکٹر کے نائب کے ساتھ موجود تھا۔ کرنل کی شعلہ اگلتی نظریں وشنو پر مرکوز تھیں۔

''اب اس باسٹرڈ کا کیا جواب ہے؟'' اس نے ٹارچر کرنیوالوں کے سرغنہ کو مخاطب کیا۔

''سر...... میرا تجربہ کہتا ہے کہ ایک دو روز اور فل ڈوز کا سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد اس کی زبان فرفر چلنے لگی۔''

''تم ......'' کرنل نے ہونٹ چباتے ہوئے براہ راست وشنو کو مخاطب کیا۔ ''تم اب کیا کہو گے؟''

''پرانے راگ کے ساتھ ایک بات اور تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔'' وشنو نے زہر خند سے جواب دیا۔ ''تم ملٹری انٹیلی جنس کے بڑے ہو...... جب تم اس کی کھوج ابھی تک نہیں پا سکے تو میں کیا سیوا کر سکتا ہوں۔''

''اس نے تمہیں پناہ دی تھی۔ تم اس کے خاص آدمی ہو۔ اس لیے یہ جانتے ہو گے کہ وہ کس بھٹ میں چھپا بیٹھا ہے۔''

''تمہاری مرضی۔ جو چاہے سوچ لو۔''

''یو...... ڈرٹی ڈاگ۔'' کرنل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ ''کیا تم اپنا گندا منہ کھول کر سچ نہیں بولو گے۔''

وشنو نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن دوسرے ہی لمحے کرنل کے سیدھے ہاتھ کو جنبش ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی جو ٹھوکر اچانک وشنو کے منہ پر لگی وہ اتنی شدید تھی کہ اس کے ہونٹوں سے خون ابلنے لگا۔

''تمہارے جسم اور روح کا رشتہ ختم ہونے تک ہم تمہیں دوبارہ کھلی ہوا میں نہیں جانے دیں گے'' کرنل نے گرج کر کہا۔ ''سانس بند ہو گئی تو آخری چانس بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔''

وشنو نے جواب میں کرنل کو عجیب نظروں سے دیکھا۔ ایک لمحے کو ایسا لگا تھا جیسے وہ زبان کھول دے گا، ہمت کر کے وہ دیوار کے ساتھ بیٹھ بھی گیا مگر کچھ کہہ نہ سکا۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوئیں پھر سر کے ساتھ ساتھ اس کا جسم بھی ننگے فرش پر ڈھلک گیا اس طرح بکھر گیا جیسے اس میں جان باقی نہ رہی ہو۔ کرنل نے قریب کھڑے ہوئے نائب ڈاکٹر سے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''اس کی نبض ٹٹولو۔''

جواب میں نائب ڈاکٹر وشنو کے قریب جا کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ خاصی دیر تک وہ وشنو کے ہاتھ اور پاؤں کے مختلف حصوں پر نبض کی رفتار ٹٹولتا رہا پھر اس نے گلے میں لٹکے ہوئے آلے سے مدد کی لیکن آتی جاتی سانسوں کا کوئی سراغ نہ تلاش کر سکا۔ دل کی دھڑکنیں بھی رفتہ رفتہ معدوم ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا......؟'' کرنل کی آواز کمرے کے سکوت کو توڑتی ہوئی ابھری۔

''اس کی سانس مکمل طور پر بند ہو رہی ہے۔ دل کی رفتار بھی نارمل سے کم ہوتی جا رہی ہے۔'' نائب ڈاکٹر نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ ''دو گھنٹے بعد دوبارہ دیکھنا پڑے گا۔'' پھر......

دو گھنٹے بعد جب کرنل احتشام کو وشنو کے سانس بند ہو جانے کی رپورٹ بھی مل گئی تو اس نے اپنے ماتحت کو بلا کر ضروری مشورہ کیا۔ ''تم کیا رائے دو گے؟''

''میرا خیال ہے کہ اسے خاموشی سے کسی ہندو تنظیم کے حوالے کر دیا جائے۔'' ماتحت نے کہا۔ ''ایک واقف کار ہے میرا جو مرنے والے کی چتا کو آگ بھی لگا دے گا۔ دوسری شکل میں ہمیں انٹر پول والوں کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ لاش کو ٹھکانے لگانے کا کام ہمارے لیے کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیا تمہارا واقف کار قابل اعتماد ہے؟''

''یس ......'' ماتحت نے جواب دیا۔ ''ایک بار لاش جل کر راکھ ہوگئی تو وہ بھی زبان کھولنے کی پوزیشن میں نہیں رہے گا۔''

کرنل نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک وہ بھی وشنو کی حیثیت پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''آئی۔ ایگری ود یو۔''

اسی رات کرنل کے ماتحت نے وشنو کو ہندو تنظیم کے اس ادارے تک پہنچا دیا جو مرنے والوں کا کریا کرم بھی کرتا تھا۔

✣✣✣

سیوا سماج کی میت گاڑی اس وقت شمشان گھاٹ جانے والے راستے پر رواں تھی۔ اس وقت رات کے دو بجے کا عمل تھا، سڑک پر ٹریفک نام کو بھی نہیں تھا۔ اگلی نشست پر ڈرائیور کے برابر میں ہندو تنظیم کا نائب پرشوتم بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ جب ڈرائیور نے آدھا راستہ طے کرنے کے بعد اسے مخاطب کیا۔

''اتنی رات گئے کس کی ارتھی کو آگ لگانا ضروری ہے؟''

پرشوتم نے چونک کر ڈرائیور کو دیکھا، کسمسا کر بولا۔

''تجھے کس بات کی چنتا و یاکل کر رہی ہے؟''

''راستے میں پولیس چوکی بھی پڑتی ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''وہ بھی یہی سوال کر سکتے ہیں۔''

''اس کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔'' پرشوتم نے اس بار بھی روکھے لہجے میں جواب دیا اور فوراً ہی کینچلی بدل کر بولا۔ ''مرنے والا فوجی افسران کی قید میں تھا۔ ان ہی کہنے کے انوسار ہمیں اس وقت چتا کو آگ دکھانی ہوگی۔ رہا پولیس چوکی کا معاملہ تو اس کی بات میں نے پہلے ہی کر لی ہے گھاٹ پر ہمارے آدمیوں نے چتا بھی تیار کر لی ہوگی۔''

''کون غریب تھا جو فوجیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا؟''

''آم کھانے کی بات کیا کر۔'' پرشوتم نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ''زیادہ کھوجنے کی گھات نہ لگایا کر۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈرائیور نے بے پروائی سے کہا۔ ''کل کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو پھر میں سب کو وہی بیان دوں گا جو میرا من چاہے گا۔''

''زیادہ لمبی چوڑی باتیں کرنی چھوڑ دے۔'' پرشوتم نے چمک کر کہا۔ ''تیری ڈیوٹی کیوں گارڈ والی پسند کی ہے۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو اس سے بھی تیرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔''

ڈرائیور نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ پرشوتم کی بات اسے اچھی نہیں لگی۔ شاید اس لیے کہ پرشوتم کوئی چار مہینے پہلے سیوا سماج کا نائب بنا تھا جب کہ ڈرائیور دو سال سے اپنی پوری ڈیوٹی ایمان داری سے نباہ رہا تھا۔

راستے میں گاڑی کو پولیس چوکی پر پوچھ گچھ کے لیے روکا گیا۔ پرشوتم نیچے اتر کر چوکی کے اندر چلا گیا پھر دو منٹ بعد واپس بھی آ گیا اور چوکی سے ایک سادہ لباس والا گاڑی میں سوار ہو گیا تھا۔

شمشان گھاٹ پر پرشوتم کے کہنے کے مطابق سیوا سماج کے تین آدمی پہلے سے موجود تھے۔ چتا بھی تیار کر لی گئی تھی۔ چتا کے ساتھ تیل کا وہ کنستر موجود تھا جسے لکڑیوں پر چھڑک کر آگ دکھائی تھی۔ گاڑی رکنے کے بعد سادہ لباس والا کچھ دور اس حصے کی طرف چلا گیا جہاں درختوں کا جھنڈ تھا۔ گھاٹ پر موجود تینوں آدمیوں نے مل کر بانسوں کی بنی وہ ارتھی بھی گاڑی سے نکال لی جس پر وشنو کا اکڑا ہوا جسم پڑا تھا۔ سب نے مل کر دس بارہ بار رام ست ہے کے نعرے بلند کیے۔ ارتھی کو لکڑیوں کے ڈھیر کے اوپر رکھ دیا گیا۔ کنستر کا تیل لکڑیوں کے ڈھیر پر چاروں طرف چھڑک دیا گیا پھر سب خاموش کھڑے ہو گئے تو پرشوتم نے دھرم کے انوسار کوئی اشلوک پڑھا، اس کے بعد پرشوتم نے چتا کو آگ بھی لگا دی۔

آگ آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ جب درختوں کے جھنڈ کے دوسری جانب سے فائر کی آواز ابھری جسے سن کر سب ہی چونکے تھے۔ ڈرائیور نے اس بار بھی درختوں کے سمت جانے کی کوشش کی تھی جب پرشوتم نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ مدھم لہجے میں کہا۔

"ادھر جھاڑیوں کے بیچ خرگوش نے اپنے ٹھکانے بنا رکھے ہیں۔ مچھیروں کی بستی کے لوگ اکثر رات گئے ان کا شکار کرنے آ جاتے ہیں۔" ڈرائیور نے ایک نظر پرشوتم کو گھورا تو وہ بھی سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ چتا کی آگ پوری طرح بھڑک رہی تھی۔ فائر کی آواز پر بس ایک لمحے کو سب ہی کی توجہ اس طرف ہو گئی تھی لیکن پھر وہ اس وقت تک سر جھکائے کھڑے رہے جب تک چتا کی آگ سرد نہیں ہو گئی۔ سادہ لباس والا جو درختوں کے پاس چلا گیا تھا دوبارہ قریب آ کر پرشوتم سے بولا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"دو کنستر پانی گرم راکھ پر ڈال کر واپس چلیں گے۔"

"کیا مرنے والے کی راکھ نہیں لو گے؟" سادہ لباس والے نے حیرت کا اظہار کیا۔ "سنا ہے اس راکھ کو پیتل کی لٹیا میں جمع کر کے کسی شبھ گھڑی میں دریا میں بہا دیتے ہیں؟"

"ٹھیک سنا ہے۔ پرنتو یہ کام مرنے والے کے کنبے والے کرتے ہیں۔" پرشوتم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"جو اناتھ (لاوارث) ہوتا ہے اس کے لیے ہم یہ روگ نہیں پالتے۔"

"مرنے والے کی لاش تمہیں کہاں سے مل گئی؟"

سادہ لباس والے کے لہجے میں تجسس تھا۔

"اناتھ اشرم ہی کا ایک سیوک تھا جس کے آگے پیچھے کوئی اور نہیں تھا۔"

"اوہ۔" سادہ لباس والے نے شانے اچکا کر کہا پھر واپسی کے وقت بھی وہ گاڑی کے عقبی حصے میں بیٹھا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوئے۔

"اس وقت کہاں ہو؟" دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔

"سارا کریا کرم ہو گیا سر۔ ہم اب واپس لوٹ رہے ہیں۔"

’’کوئی خاص بات؟‘‘

’’یس سر، چتا کو آگ لگانے کے بعد گھنے درختوں کی طرف سے ایک فائر کی آواز ابھری تھی لیکن جس خرگوش پر گولی داغی گئی تھی وہ بچ کر نکل گیا۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا۔‘‘

’’رات پولیس چوکی پر گزارنا۔‘‘ تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ ’’میں نے ڈیوٹی آفیسر سے بات کر لی ہے۔‘‘

’’رائٹ سر۔‘‘

’’ایک بات اور...... کسی کے سوال کا کوئی جواب مت دینا۔ اپنی زبان بند ہی رکھنا۔‘‘ اس بار بھی سپاٹ لہجے میں کہا گیا پھر لائن منقطع کر دی گئی۔

✣✣✣

سبکدوش ہونے والے ڈی آئی جی علیم احمد کے قتل کی تفصیل اخبارات میں شائع ہوئی تو ایک بار پھر عوام میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں بھی اوپر سے نیچے تک کھلبلی مچ گئی۔ اس ضمن میں آئی جی نے بھی متعلقہ تھانے کے ذمے دار افسران کے علاوہ اورنگ زیب اور سراج کو بھی طلب کر لیا تھا۔

بند کمرے میں خاصی دیر تک مختلف پہلوؤں پر زبانی جمع خرچ ہوتی رہی لیکن قتل کے اسباب کیا تھے؟ قاتل کون تھا جس نے صرف مرحوم کو بیدردی سے قتل کیا پھر سارا قیمتی سامان چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ پولیس کو کوشش بسیار کے باوجود جائے وقوعہ سے کسی قسم کے فنگر پرنٹس یا دوسرا ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا کہ قتل کے اسباب کیا تھے؟

متعلقہ تھانے کا ایس ایچ او میٹنگ کے دوران صرف اپنی تفتیشی رپورٹ دہراتا رہا جس سے کوئی نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق کسی نامعلوم شخص نے اسے فون کر کے حادثے کی اطلاع دی تھی۔ اس کے بعد ہی ایس پی اورنگ زیب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سراج نے بھی ایس ایچ او کو جوائن کیا تھا۔

’’آپ کی کیا فائنڈنگس (Findings) ہیں؟‘‘ آئی جی اورنگ زیب سے سوال کیا۔

’’میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ شاید اس لیے کہ مجرموں نے بڑے شاطر انداز میں واردات کی ہے۔‘‘ اورنگ زیب نے کہا۔ ’’علیم احمد صاحب نے میری اطلاع کے مطابق ریٹائرڈ ہونے کے بعد ہی گارڈ ڈیوٹی کے عملے کو فارغ کر دیا تھا ایک ملازم تھا جو سارے کام انجام دیتا تھا۔ واردات کرنیوالوں نے اسے پہلے ہی بے ہوش کر کے سرونٹ کوارٹر میں ڈال دیا تھا۔‘‘

’’گویا اب اس شہر میں کسی کی جان و مال کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔‘‘ آئی جی نے الجھ کر کہا پھر دوبارہ ایس ایچ او سے مخاطب ہوا۔ ’’پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کیا کہتی ہے؟‘‘

’’آج شام تک وہ بھی مل جائے گی۔ میں ڈاکٹر سے ملا تھا لیکن اس نے رپورٹ سے قبل کوئی

رائے نہیں ظاہر کی۔''

''جائے وقوعہ سے کوئی اور کلیو بھی ملا؟''

''نو سر۔'' ایس ایچ او نے کہا۔''ہم نے کوٹھی کا ہر حصہ کھنگال ڈالا ہے۔''

''اخبار کو اس واردات کی خبر کس طرح مل گئی؟ آئی جی نے تلملا کر سوال کیا۔

''جن لوگوں نے ایس ایچ او کو اطلاع دی ان کو اخبارات کے دفتر میں بھی فون کرنے سے کون روک سکتا تھا۔'' ایس ایچ او کے بجائے اورنگ زیب نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔''قانون کی بالادستی بھی اب محض برائے نام رہ گئی ہے۔''

آئی جی کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اورنگ زیب کے تلخ جواب کو وہ حلق کے نیچے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا جبھی فون کی گھنٹی نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

''ہیلو'' اس نے ریسیور اٹھا کر خشک لہجے میں کہا۔

''آئی جی اسپیکنگ''

''ہوم منسٹر بھی ہوتے تو میری صحت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔''مجھے یقین ہے کہ تمہارے آفس میں جو افسران جمع ہیں وہ بھی تمہاری طرح وقت برباد کر رہے ہیں۔''

''کون بول رہا ہے؟'' آئی جی جھنجلا گیا۔

''آکٹوپس......'' سرسراتے لہجے میں جواب ملا۔

اپنے ہونہار ایس پی کو بھی ہوشیار کر دینا۔ ابھی تک میں نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے جس دن یہ مدت ختم ہو گئی اس کو بھی چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک دوں گا۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ ہی رابطہ ختم کر دیا گیا۔

آئی جی نے جس انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھا اسے سب ہی نے محسوس کر لیا تھا لیکن کسی نے کچھ کہنے کی جسارت نہیں کی۔ خود آئی جی بھی کچھ دیر ہونٹ چباتا رہا پھر اس نے دوبارہ اورنگ زیب کو مخاطب کیا۔

''کسی نامعلوم فرد نے کال کی تھی اور......اس نے خاص طور پر آپ کے سلسلے میں کوئی نازیبا بات کی ہے۔''

''یقیناً کی ہوگی۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر کہا۔

''مجرم جب کسی سے خوفزدہ ہوتا ہے تو اس کو مرعوب کرنے کی خاطر ایسے ہی بھونڈے راستے اختیار کرتا ہے۔ ایسی باتوں سے مجھے ہمیشہ اپنی کارکردگی اور برتری کا احساس ہوتا ہے۔''

آئی جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک علیم احمد کے قتل کیس کو مختلف زاویوں کو کھنگالا گیا پھر آئی جی نے مجرم کی گردن تک جلد از جلد پہنچنے کے احکامات صادر کر کے سب کو رخصت کر دیا۔

اورنگ زیب، سراج کے ساتھ آئی جی کے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے چہرے کے تاثرات

اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ کوئی خاص نکتہ ہے جو اس کے اندر اپنا حجم بڑھا رہا تھا۔
''اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟'' سراج نے پوچھا۔
''جن کی پوسٹنگ ہیڈ کوارٹر میں ہوتی ہے ان کے پاس کرسی توڑنے مکھیاں مارنے کے سوا اور کوئی خاص کام نہیں ہوتا لیکن اس وقت میں ان دو کاموں کو انجام دینے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔''
''پھر؟''
''سنا ہے ریڈ کراس اسپتال میں آج کل کچھ بڑے لوگ ایڈمٹ ہیں؟''
''کیا مطلب؟'' سراج نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
سراج کو اس کی بات کا جواب نہیں مل سکا۔اورنگ زیب نے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اشارہ کیا تو سراج بھی اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔گاڑی احاطے سے باہر نکلی تو سراج نے پھر وہی سوال کیا۔
''ریڈ کراس اسپتال میں کون بڑے لوگ موجود ہیں؟''
''دارا رستم علی کے حوالے سے میرے ذہن میں ایک ہی نام کلبلا رہا ہے......روشنا۔'' اورنگ زیب نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اس وقت آپ کے ذہن میں دارا کہاں سے آ گیا؟''
''علیم احمد کی کوٹھی میں مجھے اسی کی کال ریسیو ہوئی تھی۔دارا کسی کام کے سلسلے میں مجھ سے فوری ملنا چاہتا تھا۔اس کی گفتگو کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی ہیجانی کیفیت سے دوچار ہے۔''
''پھر......''
''میں نے کسی خیال کے تحت معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے لیکن اس نے دوبارہ کال کرنے کا کہہ کر لائن کاٹ دی تھی۔''
''لیکن اس گفتگو میں ایسی کون سی بات ہے کہ آپ کے ذہن میں ریڈ کراس اسپتال ابھر آیا؟''
''آئی جی کا وہ جملہ بھی میرے کانوں میں گونج رہا ہے جو اس نے کسی کی کال ریسیو کرنے کے بعد مجھ سے کہا تھا۔'' اورنگ زیب نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''جس نے میرے لیے کچھ نازیبا بات آئی جی کے ذریعے کہلوائی وہ......وہ......اکٹوپس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔''
''ریڈ کراس اسپتال کے بعد آکٹوپس......آپ کی باتیں......''
''ذہن پر زور دو تو دو اور دو چار آسانی سے ہو جائیں گے۔'' اورنگ زیب نے جملہ منقطع کر کے سنجیدگی سے کہا۔''اب تک ہمارے اور آکٹوپس کے درمیان بے جان چیزوں کی تباہی کا جو سلسلہ جاری تھا اس نے شاید اب جان دار چیزوں کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔نہیں......کوئی سوال نہیں صرف غور سے سنتے رہو۔علیم احمد کا قتل ہمارے لیے جنگ کا آغاز ہے۔اس کی موت کے ساتھ ہی

خالی کوٹھی میں کچھ اور کھیل تماشے بھی ضرور ہوئے ہوں گے۔ ممکن ہے یہ میرا وہم ہو لیکن اسی کوٹھی میں تفتیش کے دوران دارا کی کال اس کے بدلے ہوئے تیور سے یہ کہنا کہ مجھ سے فوری ملاقات کرنا چاہتا ہے پھر اس کی خاموشی ...... نہیں سراج صاحب۔ یہ سارے امکانات بے ربط نہیں ہو سکتے۔ کہیں نہ کہیں۔ کوئی نہ کوئی کڑی ایک دوسرے سے ضرور ملتی ہو گی۔''

''آئی سی۔'' سراج نے کچھ توقف سے کہا۔ ''آپ کی باتیں سمجھ میں آرہی ہیں لیکن ریڈ کراس اسپتال .....''

''اس کی اطلاع مجھے میرے مخبر نے دی ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ روشنا بھی وہاں وی آئی پی روم میں ایڈمٹ ہے۔'' اورنگ زیب نے یہ بات جاری رکھی۔ ''دارا فوری جذباتی کیفیت سے دوچار ہو گا پھر اس نے دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا۔ اس میں کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔''

''ایسی صورت میں وہ اس وقت بھی زبان نہیں کھولے گا۔'' سراج نے ایک امکانی بات کہی۔

''تکلیف کی شدت معلوم کرنے کی خاطر زخم کو ٹھیس پہنچانا بھی ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ قبل از وقت یقین سے ......'' اورنگ زیب نے جملہ ادھورا چھوڑ کر موبائل آن کر لیا۔ اسکرین پر نظر آنے والا مخصوص نمبر اور ڈبل ایکس کا کوڈ دیکھ کر اس نے بے حد سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''اس وقت کیسے فون کیا؟ گڈ ...... میری بات غور سے سنو، جب تک میرا کوئی دوسرا آدمی تم سے رابطہ نہ کرے تم سائے کی طرح اس کے ساتھ لگے رہو..... نہیں، فی الحال ایسی کوئی غلطی نہ کرنا۔ اس کی فکر مت کرو۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کی آنے جانے والی کالوں کا ریکارڈ بھی تیار ہوتا رہے۔''

''شاید آپ کے مخبر کی کال تھی۔'' سراج نے پوچھا۔

''کوئی اہم اطلاع؟''

''اہم ترین کہو۔'' اورنگ زیب نے کہا۔ ''اس لڑکی کا نام اور پتہ بھی مل گیا ہے جس نے ماروی کو فارم ہاؤس جانے کے لیے بک کیا تھا۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ لڑکی شرافت سے زبان کھول دے گی؟''

''تم بھول رہے ہو سراج، میں نے تم سے شیلا ورما کے بیوٹی پارلر کی توڑ پھوڑ کے سلسلے میں ایک اہم بات کہی تھی۔ آکٹوپس اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا عادی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے شبنم کے اغوا کے امکانات کی بات بھی کی تھی، مگر شبنم کے بجائے شاید روشنا کو کسی وجہ سے اغواء کر لیا گیا اور اب ...... اب ضروری ہو گیا کہ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی پالیسی کو اپنا لوں۔'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے بات جاری رکھی۔ ''اب جو لڑکی ماروی کے حوالے سے سامنے آئی ہے وہ ہمارے لیے پہلی سیڑھی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔''

''میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ آپ کے آکٹوپس کے لیے فارم ہاؤس بہترین پناہ ہو سکتی ہے۔''

''اتنی جلدی آخری رائے نہ قائم کرو۔ دارا سے مل لینے کے بعد ہی کچھ کہہ سکتا ہوں۔''

اورنگ زیب نے گاڑی ریڈ کراس اسپتال کے پارکنگ لاٹ سے ہٹ کر ایک جگہ پارک کی پھر سراج سے بولا۔ ''محتاط رہنا۔'' گاڑی دوبارہ حرکت میں آئی تو اس نے پوچھا۔

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟''

''میں نے جس شبے کا اظہار کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔'' اورنگ زیب نے سڑک پر نظریں جمائے جمائے جواب دیا۔ ''شبنم کے بجائے روشنا کو دھوکے سے اغواء کر کے علیم احمد کی کوٹھی پر لایا گیا تھا۔ وہاں روشنا کے ساتھ کیا سلوک ہوا، دارا نے اس ضمن میں زبان نہیں کھولی لیکن جس آدمی نے روشنا سے ملاقات کی تھی اس کا حلیہ ایک فی صد بھی آکٹوپس سے مختلف نہیں کہا جا سکتا۔''

''روشنا کو اغواء کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا؟'' سراج نے استفسار کیا۔

''پہلا مقصد یہ تھا کہ روشنا کے ذریعے بھی مجھے یہی پیغام دیا جائے کہ میں اس کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔'' اورنگ زیب نے بات جاری رکھی۔ ''میرے فلیٹ کی تباہی سے پہلے غالباً وہ فائل بھی اس کے ہاتھ لگ گئی ہوگی جو رستم علی آغا خانی نے میجر عاطف کے ذریعے مجھ تک بھیجی تھی، اس کے علاوہ...... علیم احمد کی موت کے بعد اس کی خالی کوٹھی بھی بطور پناہ گاہ وقتاً وقتاً استعمال کی جا سکتی ہے۔''

''دارا نے یہ نہیں بتایا کہ وہ آپ سے فوری طور پر کیوں ملنا چاہتا تھا؟''

شاید اسے بعد میں احساس ہو گیا ہو کہ جذباتی لمحوں میں اصل بات بھی زبان سے نکل جاتی تو وہ بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔''

''کیا مطلب؟'' سراج چونکا۔ ''کیا رستم علی آغا خانی کے بعد اب روشنا کو بھی بلیک میل کرنے کی خاطر وہی ناپاک کھیل دہرایا گیا ہے؟''

''تمہاری جگہ کوئی ذہین بچہ ہوتا تو وہ بھی یہی رائے قائم کرتا۔'' اورنگ زیب نے بہ دستور سنجیدگی سے کہا۔ ''صرف مجھے پہنچانا اصل مقصد ہوتا تو پھر علیم احمد کو راستے سے ہٹانے اور روشنا کو اغواء کرنے بعد وہاں تک لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ایک مقصد اور بھی ہو سکتا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''ہو سکتا ہے آکٹوپس نے یہ سب کچھ ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی خاطر کیا ہو۔''

''میں ایک بار پھر اپنی کند ذہنی کا اقرار کرتا ہوں۔''

سراج نے تلملا کر پوچھا۔ ''غلط راستے پر ڈالنے سے آپ کا اشارہ کس بات کی طرف ہے؟''

''میں نے ایک امکانی بات کہی تھی۔ ماروی کے سلسلے میں اب جولڑکی ہماری ہٹ لسٹ پر آئی ہے۔ اسے کھنگالنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔''

''سمجھ گیا۔'' سراج نے بڑی معصومیت سے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ ''آئندہ آپ کو کریدنے سے گریز کروں گا۔''

جواب میں اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے ہاتھ بڑھا کر سراج کے شانے تھپتھپانے پر اکتفا کیا۔

☩☩☩

سکندر علی شاہ مریدوں سے فارغ ہو کر اپنی خواب گاہ میں آیا تو اس کے چہرے سے معصومیت، سادگی اور بردباری کا وہ ملمع اتر گیا جو پیری مریدی کے دوران وہ دنیا دکھاوے کے لیے چڑھائے رکھتا تھا۔اب اس کی آنکھوں میں جاہ و جلال کی سرخی اترنے لگی تھی۔ کچھ دیر وہ کسی گہری سوچ میں غرق رہا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے شروع کیے۔اس دوران بھی اس کے ذہن میں فارم ہاؤس کے اس چوکیدار کا خیال کلبلا رہا تھا جس نے ماروی کو بے عزت کرنے کا اقرار نامہ لکھ کر خودکشی کر لی تھی۔اس کے حکم سے چوکیدار کی لاش کو خاموشی سے دفنا دیا گیا تھا لیکن وہ اپنے ایک ایک ملازم سے واقف تھا۔مرنے والا نمک حلال اور بے داغ کردار کا مالک تھا پھر......اس نے کس کے اشارے پر اقرار جرم کی تحریر چھوڑ کر خودکشی کر لی تھی؟

''ہیلو۔'' دوسری جانب سے کسی کی بھاری اور کھردری آواز سنائی دی۔''کون بول رہا ہے؟''

''تمہارا ناجائز باپ۔'' سکندر علی شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔غرا کر کہا۔''نچلے سروں میں بات کیا کرو ورنہ......''

''سوری سر لیکن آپ کا نمبر......''

''کام کی بات کرو۔'' سکندر علی شاہ نے جھڑک کر کہا۔''تو جانتا ہے کہ میں نمبر بدلتا رہتا ہوں۔''

''حکم دیں مالک۔''

''ماروی کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟''

''پولیس کے بھاڑو سے ملاقات کے بعد ابھی تک وہ گھر سے باہر نہیں نکلی۔میں نے ایک بندہ اس پر لگا دیا ہے۔آپ کی دی ہوئی رقم بھی اس کو پہنچا دی گئی ہے۔''

''دوسری پر بھی نظر رکھنا۔'' سکندر علی شاہ نے پیشانی پر بل ڈال کر حکم دیا۔''ہوسکتا ہے کہ جس کو تو نے بھڑوے کے بجائے بھاڑو کہا ہے وہ اس سے بھی ملنے کی کوشش کرے۔''

''ایک بات میں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں مالک۔''

''جلدی بھونک ڈال۔میرے پاس وقت کم ہی ہوتا ہے۔''

''آپ صرف اشارہ کر دیں، ہم اس خطرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے جو آپ کا راستہ کاٹنے کی غلطی بار بار کرتا ہے۔''

''نہیں۔'' سکندر علی شاہ نے حقارت سے کہا۔

''شکاری کتوں کا پورا غول ہوتا ہے۔ایک کو گولی ماردی جائے تو اس کے دوسرے ساتھی بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''پھر جیسا آپ کہیں۔''

''جتنا کہا گیا ہے اسی کا دھیان رکھنا۔ میں غفلت برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے سلسلہ منقطع کیا پھر دوسرے فون کا ریسیور اٹھا کر اس نے دلربا کے نمبر ڈائل کیے۔

''زہے نصیب۔'' دوسری جانب سے کال خود دلربا نے وصول کی تھی۔ ''آج آپ نے خود سے کال کیا ہے میرے لائق کوئی خدمت؟''

''تم نے ماروی کو ٹٹولنے کی کوشش کی تھی؟'' سکندر علی شاہ نے سنجیدگی برقرار رکھی۔

''جو لڑکیاں میری فہرست میں ہوں میں ان سے غافل نہیں ہوتی۔'' دلربا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''ایس پی اورنگ زیب نے اسے ہر طرح ٹٹولنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے میرے بارے میں زبان نہیں کھولی۔ آئندہ بھی ایسی غلطی نہیں کرے گی۔''

''فارم ہاؤس جانے کے سلسلے میں اس نے کوئی نہ کوئی وجہ تو بیان کی ہوگی؟''

''اس سلسلے میں بھی ماروی نے بڑی جرأت سے کام لیا، اس نے کھل کر اپنے گھریلو حالات اور کسی ڈاکٹر کی فیس ادا کرنے کی خاطر یہ اقرار کرلیا کہ وہ مجبور ہو کر کال گرل بن گئی ہے۔ فارم ہاؤس جانے کے سلسلے میں بھی اس نے دور اندیشی سے کام لیا ہے۔ ایس پی کو یہی بیان دیا ہے کہ ایک درمیانی آدمی اسے ساتھ لے گیا تھا جس نے اسے فارم ہاؤس پر چھوڑ دیا تھا۔ وہاں اسے رات کے اندھیرے میں کس نے لوٹا۔ وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکی۔ دوسری صبح وہی درمیانی آدمی اسے......''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' سکندر علی شاہ کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔ ''کیا اس گھاگ...... نے ماروی کی فرضی کہانی آسانی سے ہضم کرلی ہوگی؟''

''میں یقین سے کہہ نہیں سکتی لیکن آپ کو کس بات کی پریشانی ہے؟''

''دلربا......'' سکندر علی شاہ کے لہجے میں پہلی بار تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ ''فارم ہاؤس کے حوالے سے پولیس کے ذہن میں میرا نام بھی ضرور ابھرا ہوگا اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ پولیس میری حویلی تک آئے۔''

''میں سمجھ رہی ہوں لیکن فارم ہاؤس میں جو کچھ ہوا اس کی ذمے داری مجھ پر یا ماروی پر عائد نہیں ہوتی۔''

''جانتا ہوں لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔'' سکندر علی شاہ نے بہ دستور خشک لہجے میں کہا۔ پولیس کے چھوٹے موٹے ایس پی میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے ایس پی اپنے شکاری کتوں کی مدد سے تم تک بھی پہنچ جائے۔''

''اگر وہ آتا ہے تو آنے دو۔'' بے پروائی سے جواب دیا گیا۔ ''میری رسائی بھی کچھ ایسے لوگوں تک ہے جن کا نام سن کر ہی ایس پی کو بھی پسینا آجائے گا۔''

''قبل از وقت کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کے بجائے میری بات غور سے سنو۔ تم سرے سے اس بات کو قبول کرنے سے منکر ہو جانا کہ تم ماروی نام کی کسی لڑکی سے واقف ہو۔ باقی حالات میں

سنبھال لوں گا۔ایک اہم بات اورنوٹ کرلو،دوبارہ جب تک میں نہ کہوں تم میرے کسی نمبر پر کال کرنے کی غلطی بھی نہ کرنا۔'' سکندرعلی شاہ نے سرد لہجے میں ہدایت دی پھر سلسلہ منقطع کردیا۔

دلربا سے گفتگو کے بعد پانچ سات منٹ تک وہ کسی سوچ میں ڈوبا رہا پھر دوسرے فون سیٹ کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

❖❖❖

لیاقت حسین نے کچھ دن آرام کرنے کے بعد دوبارہ کام سنبھال لیا تھا۔اس وقت وہ سیٹھ عثمان کے کمرے میں بیٹھا دفتری امور پر گفتگو کررہا تھا جب انٹر کام پر سگنل ملا۔سیٹھ عثمان نے ریسیور اٹھا کر سیکرٹری کی بات سنی پھر اوکے کہہ کر ریسیور اٹھا دیا۔

''خدا کا شکر ہے لیاقت حسین کے ہمارے ماربل کے ایکسپورٹ کا کام روز بہ روز ترقی کررہا ہے۔اس سلسلے میں تمہارے والد سے بھی گفتگو ہوتی رہی ہے۔وہ بھی خوش ہیں۔''

''بابا مجھ سے بار بار ایک ہی بات کہتے ہیں۔''لیاقت حسین نے پہلو بدل کرکہا۔''ففٹی ففٹی کے معاملے میں دیانت سے کام لینا،ابھی تک انہیں اس بات کا علم نہیں ہوا کہ میں نے آپ کے کہنے سے اپنی فرم کا اکاؤنٹ بھی کھول لیا ہے لیکن کب تک ...... بابا جب بھی آئے ان کا نزلہ مجھ پر ہی گرے گا۔''

''فکر مت کرو۔''سیٹھ عثمان نے مسکرا کرکہا۔''میں جانتا ہوں کہ سرفراز خان کے ساتھ سردار کا دم چھلا بھی لگا ہوا ہے۔انہیں اپنی پگ کے شملے کو اونچا رکھنے کی فکر بھی لاحق رہتی ہے تم فکر مت کرو۔وہ جب بھی آئے میں انہیں سنبھال لوں گا۔تمہارے اوپر نزلہ نہیں گرنے دوں گا۔''

''میری غیر حاضری میں کچھ نئے آرڈر بھی جمع ہو گئے ہیں۔''لیاقت حسین نے موضوع بدلا۔''ان کی ڈلیوری بھی پہلی فرصت میں کرنی ضروری ہے۔کاروبار میں وقت کی پابندی بھی اہمیت رکھتی ہے۔''

''فرحین اب کیسی ہے؟''

''آپ لوگوں کا احسان اوراوپر والے کا کرم ہے۔

بیگم صاحبہ نے اسے میری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔''

''تم اس وقت کیا کام کررہے تھے؟''

''نئے آرڈر کی فائل دیکھ رہا تھا۔''

''ضرور دیکھ لو۔ویسے تمہاری عدم موجودگی میں وقتی طور پر دفتر کا ایک اور کارندہ سب کچھ دیکھ رہا تھا بہرحال اس قوت تمہیں راحیلہ نے کسی کام سے یاد کیا ہے۔یہاں سے اٹھ کران سے ضرور مل لینا۔''

تقریباً چالیس منٹ بعد لیاقت حسین ،راحیلہ بیگم کے سامنے موجود تھا،راحیلہ بیگم کے ساتھ دوسرے صوفے پر بیٹھی تھی۔

''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟'' راحیلہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

''خدا کا شکر ہے ہٹا کٹا آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔'' لیاقت حسین نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''پولیس والوں نے جو ڈیل کرائی وہ ان کی دردسری تھی، میں حق پر تھا اس لیے میں نے غم پالنے کی غلطی بھی نہیں کی۔''

''جانتی ہوں لیکن تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آرام کی ضرورت تھی۔''

اس بار لیاقت حسین نے فرحین کی طرف دیکھا اس لیے کہ اس نے بھی آرام کا مشورہ دیا تھا۔

''نہیں لیاقت حسین۔'' راحیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

''فرحین نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ تمہاری باعزت رہائی کی خبر سن کر یہ تو اپنا غم بھول کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔''

''رہنے دیں بیگم صاحب۔'' فرحین نے لیاقت حسین کو چھیڑنے کی خاطر راحیلہ بیگم کے اور قریب ہو کر کہا۔ ''بیوی کتنے ہی جتن کرلے لیکن مرد اس پر یقین نہیں کرتا، ہمیشہ اپنی مونچھ پر تاؤ دیتا رہتا ہے۔''

''آپ نے مجھے کسی کام سے بلایا تھا؟'' لیاقت حسین نے فرحین کے جملے کو نظر انداز کر کے راحیلہ بیگم سے دریافت کیا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ اب تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟'' راحیلہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے سوال کیا۔

''جب آپ مجھے بھائی سمجھتی ہیں تو میں بھی آپ کو بہن ہی کہنے کی جرأت کروں گا۔'' لیاقت حسین نے عقیدت مندی سے جواب دیا۔

''یہ بھی بتا دے کہ چھوٹی بہن سمجھتا ہے یا بڑی بہن؟''

فرحین نے درمیان میں لقمہ دیا تو لیاقت حسین نے غور سے دیکھا پھر براہ راست راحیلہ بیگم کو مخاطب کیا۔

''آپ نے اسے بہت زیادہ ڈھیل دے رکھی ہے۔ پہلے اسے بولنا نہیں آتا تھا، اب اس کی زبان بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہے۔''

''میں نے اس وقت تمہیں عثمان کے کہنے پر بلایا ہے۔''

راحیلہ بیگم نے کچھ توقف سے کہا۔ ''وہ اگر کوئی بات کہتے تو تم شاید اسے ماننے سے گریز کرتے۔ اس لیے یہ ذمے داری بھی مجھے ادا کرنی ہے۔''

''آپ حکم دیں میں انکار کی جرأت نہیں کروں گا۔''

''جس راستے پر خطرے لاحق ہوں اسے چھوڑ دینا چاہیے لیاقت حسین۔'' راحیلہ بیگم نے وضاحت کی۔ ''جو دشمن ایک بار ناکام ہو گیا ہو وہ دوسری بار اپنی غلطیوں کو نہیں دہرائے گا۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' لیاقت حسین نے کسمساتے ہوئے جواب دیا۔ ''دشمن تو دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس سے دوستی کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی لیکن اس وقت......''

''وقت ہی سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ایک بار ہاتھ سے نکل جائے تو پلٹ کر واپس نہیں آتا۔'' راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''عثمان کے علاوہ میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ اب سامان کی ڈلیوری جہاز راں کمپنی کو کرنے کی خاطر تم بندرگاہ نہیں جاؤ گے۔ یہ ذمے داری ہم نے ایک دوسرے ڈرائیور کو سونپ دی ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟''

''دشمن اسے میری بزدلی کا نام بھی دے سکتے ہیں لیکن میں آپ کے حکم سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔'' لیاقت حسین نے سر جھکا کر جواب دیا پھر خاموشی سے اٹھ کر واپس چلا گیا۔

❖❖❖

لوچن اس وقت جس حلیے میں تھا اس میں بھی وہ چائینز ہی لگ رہا تھا لیکن ہوٹل سے روانہ ہوتے وقت جب اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا تو خود ذاتی طور پر بھی اپنے آپ کو لوچن کی حیثیت سے شناخت نہیں کر سکا تھا۔ کلب جانے کی خاطر اس نے رینٹ اے کار کی گاڑی استعمال کی تھی۔ ہوٹل کے منیجر کی سفارش کے بعد اسے گاڑی کے حصول میں بھی کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ تھری پیس سوٹ میں بھی کسی شخصیت نے کار کے ڈرائیور کو بھی مرعوب کرنے میں خاصا نمایاں کردار ادا کیا تھا لیکن رین بو کلب کے داخلی دروازے پر اسے بہرحال رکنا پڑا۔ آن ڈیوٹی شخص نے اسے بڑے مہذب انداز میں کہا تھا۔

''یہاں ممبران کے علاوہ کسی اور کو اندر جانے کی......''

''نان سینس۔'' لوچن نے جھلا کر اپنے غصے کا اظہار کیا۔ ''کیا تمہارے کلب میں غیر ملکیوں کے ساتھ بھی شرافت کا سلوک نہیں ہوتا؟''

''سوری سر۔'' آپ نے میری بات نہیں سنی۔'' لوچن کو روکنے والے نے وضاحت کی۔ ''آپ عارضی طور پر گیسٹ کارڈ حاصل کر سکتے ہیں۔ کارڈ کے حصول کے لیے آپ کو کلب کی ریسپشنٹ سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔''

پھر کلب کے اسی ملازم نے ماریا تک اس کی رہنمائی بھی کر دی تھی۔ لوچن کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے تاثرات بہ دستور قائم تھے۔

''ہیلو سر۔'' ماریا نے ہونٹوں پر پروفیشنل مسکراہٹ سجا کر لوچن کو خوش آمدید کہا۔ ''اگر آپ کو کوئی زحمت ہوئی ہے تو ہم اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔''

''نیور مائنڈ۔'' جواب میں لوچن نے بھی مسکرا کر کہا پھر عارضی ممبر شپ کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔ فوری طور پر اس نے ایک کارنر ٹیبل کا انتخاب کیا تھا جو دو سیٹ ہونے کی وجہ سے خالی تھی۔ اس وقت کلب میں زیادہ رش نہیں تھا۔ اپنی نشست پر بیٹھا وہ ہال میں موجود ہنستے ہوئے ممبران پر سرسری نظر ڈالتا رہا پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر کلب کے مختلف حصوں کا چکر لگانے کے بعد کورڈ سوئمنگ پول کے اس گوشے تک آ گیا جہاں کچھ ممبران پول کے اندر لطف اندوز ہو رہے تھے، کچھ دور دور رکھی ہوئی میزوں پر سر جوڑے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ یہاں اسے نگینہ بھی نظر آ گئی جو ایک خوب

صورت لڑکی کے ساتھ کسی مشروب سے دل بہلا رہی تھی۔لڑکی کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔لباس کی تراش خراش سے اس کا تعلق کسی ماڈرن خاندان ہی سے لگتا تھا۔چہرے کے خدوخال نے بھی اس کی خوب صورتی میں اضافہ کیا تھا۔لوچن نے پہلی نظر میں اپنے تجربے کی روشنی میں لڑکی کے متعلق اس بات کا اندازہ بھی لگا لیا کہ ماڈرن ہونے کے باوجود بدکردار یا فلرٹ کرنے کی عادی نہیں تھی۔

لوچن نے اپنی جگہ رک کر دوسری میزوں کا جائزہ لیا پھر وہ قدم اٹھاتا ہوا سیدھا اسی میز پر جا کر بیٹھ گیا جہاں نگینہ اور لڑکی بیٹھی تھیں۔دونوں ہی نے لوچن کو غور سے دیکھا پھر گفتگو کی پہل نگینہ نے کی۔

''آپ کی تعریف؟''اس کے لہجے میں خفگی کے اظہار کے علاوہ برتری کا رکھ رکھاؤ بھی تھا۔

''پروفیسر چنگ لائی فارچون۔''لوچن نے ادھر ادھر دیکھ کر مدھم لہجے میں کہا۔''میں یہاں کسی کے بلانے سے آیا تھا۔اس نے بڑی منت کی تھی، ملنے کی......فیس بھی منہ مانگی دی تھی لیکن......شاید اس نے میرے ساتھ ایک بھونڈا مذاق کیا ہو مگر......عنقریب اس کو سزا بھی ضرور ملے گی لائی فارچون کے خاندان کے کسی فرد کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی بھی بات کبھی غلط نہیں ہوتی۔''

''آپ......''لڑکی نے بڑی دلچسپی سے لوچن کو مخاطب کیا۔''آپ کا لائی فارچون سے کیا تعلق ہے؟میں نے ان کے بارے میں سن رکھا ہے۔انہیں شاید نوبل ایوارڈ بھی......''

''نہیں۔''لوچن نے حقارت سے جواب دیا۔

''گرینڈ فادر نے وہ انعام قبول نہیں کیا تھا۔''

''پلیز۔''لڑکی نے بڑی اپنائیت سے درخواست کی۔''کیا آپ میرا ہاتھ دیکھ لیں گے؟''

''ہاتھ نہیں سویٹ گرل۔''لوچن نے اس بار بزرگانہ انداز اختیار کیا۔''ہم چہرہ دیکھ کر ہی مستقبل میں جھانک لیتے ہیں۔''

''میرے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟''لڑکی کی دلچسپی بڑھنے لگی۔

''تم ......تم ......''لوچن کی نظریں لڑکی کے چہرے پر منڈلانے لگیں پھر وہ ٹھوس لہجے میں بولا''خواب دیکھنا چھوڑ دو سویٹ گرل۔اپنی مرضی کے بجائے اپنے پیرنٹس کا کہا قبول کر لیا کرو اور......فرینڈز سرکل بڑھانے میں احتیاط سے کام لو ورنہ......''

''پروفیسر۔''نگینہ نے فوری طور پر لوچن کی توجہ اپنی جانب تبدیل کرانے کی کوشش کی۔''کیا آپ میرے لیے بھی کچھ وقت نکال سکیں گے؟میں آپ کو ایڈوانس دینے کو تیار ہوں۔''

لوچن نے نظریں گھما کر نگینہ کے چہرے پر نظر ڈالی پھر اس نے کوئی جواب دینے کے بجائے جیب سے موبائل نکال کر جگا کے نمبر ڈائل کیے۔دوسری جانب سے جگا کی آواز سن کر اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم نے جس کی سفارش کی تھی وہ نہیں آیا۔دوبارہ کسی کو رکمنڈ نہ کرنا۔''

''تم......؟'' جگا نے محتاط لہجے میں پوچھا۔''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''رین بو کلب ہی آنے کو کہا تھا اس نے۔ میں یہیں جھک مار رہا ہوں۔ او کے، سوئمنگ پول پر۔''

''کوئی خطرہ؟'' جگا نے دریافت کیا۔

''ریسیپشن پر صرف پروفیسر چنگ لائی کا حوالہ دینا۔ وہ تمہیں مجھ تک پہنچا دیں گے۔'' لوچن نے جواب دینے کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کر دیا پھر اس نے کچھ توقف سے نگینہ کو مخاطب کیا۔

''تمہارا پاسٹ، پریذنٹ اور فیوچر سب میری نظروں میں ہے۔ تم کیا جاننا پسند کرو گی؟ جو گزر گیا یا جو آنے والا ہے؟''

''آپ اس وقت کہاں جائیں گے؟'' نگینہ نے کسمسا کر کہا۔؟؟ کیا میں آپ کے ساتھ چل سکتی ہوں؟''

شکار کو خود جال میں پھنستا دیکھ کر لوچن دل ہی دل میں مسکرا دیا لیکن اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کچھ سوچ کر بولا۔''میں بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا اور تم ...... تمہارے ساتھ دوسرا مسئلہ ہے۔''

''ڈونٹ وری پروفیسر۔'' نگینہ نے بات سمجھ کر کہا۔

''میں ڈرائیور کو گھر جانے کا کہہ دوں گی۔ آپ سے فارغ ہو کر اسے دوبارہ کال کر لوں گی۔''

''تمہاری واپسی کا بندوبست کر دوں گا لیکن ......'' لوچن نے لڑکی کی طرف دیکھ کر ڈھکے چھپے انداز میں کہا۔'' کچھ شکی لوگ بلاوجہ بھی چھان بین کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں مگر اس کے باوجود میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔'' نگینہ نے اشارہ سمجھ کر کہا پھر وہ موبائل پر ڈرائیور سے رابطہ قائم کرنے لگی۔

''پروفیسر۔'' لڑکی نے دوبارہ لوچن کو بڑی معصومیت سے مخاطب کیا۔''میں بھی آپ سے اطمینان سے ملاقات کرنے کی خواہش مند ہوں۔''

''میں نے تمہیں سویٹ گرل کہا ہے تو ذہن میں بھی محفوظ رکھوں گا۔ فی الحال ایک ضروری مشورہ دوں گا۔ جو ہے اسی پر قناعت کرو۔ خوب سے خوب تر کی تلاش ختم کر دو ورنہ جو ہے وہ بھی نہ رہے گا۔''

''مجھے آپ سے اور بھی بہت کچھ پوچھنا ہے۔'' لڑکی نے بڑی اپنائیت سے درخواست کی۔''پلیز ...... پروفیسر۔''

''پھر ایسا کرو، مجھے اپنا موبائل نمبر دے دو جب بھی فرصت ہوئی تمہیں کال کر لوں گا۔''

''اوہ ......اوہ...... تھینکس پروفیسر۔'' لڑکی نے اپنا کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔''یو آر گریٹ۔''

پندرہ منٹ بعد جگا بھی سامنے آ گیا۔ وہ بھی میک اپ میں تھا۔ لوچن کو نگینہ کے ساتھ دیکھ کر

اس کے ذہن میں کئی سوالات بھی ابھرے تھے۔لوچن جگا کو دیکھ کر اٹھا تو نگینہ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔باہر آ کر جگا نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔لوچن ،نگینہ کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تو جگا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کہاں جانا ہے پروفیسر؟''

''کسی ایسی جگہ جہاں کوئی اور مجھے ڈسٹرب نہ کر سکے۔مجھے اس لڑکی کو تفصیل سے اس کے فیوچر کے بارے میں سب کچھ بتانا ہے۔''لوچن نے جگا سے اس بار بھی ایسے انداز میں کہا جیسے وہ اس کے خاص مداحوں میں سے ہے پھر اس نے نگینہ کا ہاتھ بے تکلفی سے تھام لیا،نگینہ بھی مستقبل کا حال جاننے کے شوق میں لوچن کے اور قریب ہو گئی۔چند لمحے لوچن نگینہ کے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں اپنے ہاتھ کی انگوٹھی کو نگینہ کے بازو پر رکھ کر اس کا سیاہ رنگ کا عقیق نما پتھر آہستہ سے دبایا۔نگینہ کو ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اس کے بازو میں کسی چیونٹی نے کاٹ لیا ہو،بس ایک پل کو اس کے چہرے پر تکلیف کا تاثر ابھرا پھر دوبارہ مسکرانے لگی لیکن یہ مسکراہٹ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔چبھن کے احساس کے تیس سکینڈ بعد وہ شدید غنودگی کی کیفیت سے دوچار ہو کر لوچن پر ڈھلک گئی۔لوچن کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ ابھری وہ بھی اس کی جیت کی علامت تھی۔اس نے نگینہ کو جگہ دے کر نشست پر ہی گڈ مڈ کر دیا پھر اپنی اصلی آواز میں جگا سے بولا۔

''تمہیں یاد ہوگا کہ ہم نے ایک ساتھ ہی بگ باسٹرڈ کی کوٹھی کو بموں سے اڑا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا تھا۔یہ خوب صورت ناگن اسی قرض کی دوسری قسط ہے جو ہمیں سکندر علی شاہ فراڈیے کو ادا کرنی ہے۔''

''نہیں سمجھا؟''جگا نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔''سکندر علی شاہ کا شیخ حامد سے کیا تعلق ہے؟''

''میری چھٹی حس کہتی ہے کہ سکندر علی شاہ کسی نہ کسی زاویے سے بگ باسٹرڈ تک پہنچنے کے لیے ایک چور راستہ ثابت ہوگا۔''

جگا کی نگاہوں میں ایک چمک سی ابھری کچھ توقف سے بولا۔

''دوسری قسط کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا؟''جگا نے اپنا جملہ ادا کرنے کے ساتھ ہی گاڑی کا رخ بھی ساحلی علاقے میں موجود اپنے ایک محفوظ ٹھکانے کی طرف موڑ دیا تھا۔

''تمہاری طرح میں بھی خوبصورت عورتوں کو مہلک جراثیم سمجھ کر ان سے دور ہی رہنے کا عادی ہوں۔''لوچن نے بڑی مہارت اور پھرتی سے خود کو اگلی نشست تک پہنچانے کے بعد بڑے اطمینان سے جواب دیا۔''ایس پی کا خیال اب مفروضہ نہیں رہا۔آکٹوپس مر کر دوبارہ زندہ ہو گیا تو کہیں نہ کہیں ہماری نظروں سے چھپا سانس ضرور لے رہا ہوگا۔تمہارے فرنیچر مارٹ کی تباہی،ڈی ایس پی لودھی کی موت ،ایس پی کے لگژری فلیٹ کا کباڑ خانہ ہونا،کنول کا کڈنیپ،اس کی ماں کی موت،سیٹھ ستم علی کے بعد دارا کی مسز کا اغوا اور......اور......انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے میرے دو فرینڈز ہاشم اور

ڈوما کی پراسرار موت ...... نہیں جگا مائی فرینڈ نہیں ...... میں نے جس کام کے لیے تمہیں انوایٹ کیا وہ تنہا بھی کرسکتا تھا لیکن میں ...... میں کل واپس چلا جاؤں گا۔ تم کو اسی شہر میں زندگی گزارنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے جانے کے بعد بھی تم بگ باسٹرڈ کے سامنے سر اٹھا کر چلو، جو لوگ وقت اور نزاکتوں کا خیال نہیں رکھتے وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے، کوڑے کے ڈھیر سے کسی مطلوبہ چیز کو تلاش کرنے کی خاطر پورا ڈسٹ بن کھڑکھڑانا پڑتا ہے۔ ایک ڈسٹ بن بلیک شیپ سکندر علی شاہ بھی ہے۔''

''نگینہ کا کیا کرو گے؟'' جگا نے استفسار کیا۔

''اس کا ڈریس اتار کر کسی چیریٹی فنڈ میں دے دیں گے۔'' لوچن نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ ''فیکڈ باڈی کا گفٹ پیک بنا کر سکندر علی شاہ کو بھیج دیں گے۔ ایک دو ٹرمپ کارڈز اور بھی ہیں، بگ باسٹرڈ کو سامنے لانے کی خاطر باری باری ان کو بھی استعمال کرنا پڑے گا۔''

''ایس پی صاحب کا حکم ہوتا تو میں اس سے اپنا حساب کتاب پہلے ہی چکتا کر دیتا۔'' جگا نے لوچن کا ہاتھ تھام کر ٹھوس آواز میں کہا۔ ''مجھے اپنے سے الگ مت سمجھنا۔''

جواب میں لوچن نے بھی اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ نگینہ پچھلی نشست پر بے سدھ پڑی تھی۔

✣✣✣

ورائٹی سپر اسٹورز کے ساتھ ہی وہ سیڑھیاں بھی تھیں جو اسی عمارت کے رہائشی فلیٹس تک جاتی تھیں۔

رات کے دس کا عمل تھا جب ایک پرانی مورس سیڑھیوں کے سامنے آکر روک دی گئی۔ اس میں سے جو شخص اترا اس نے ملیشیا کلر کے کپڑے کی پتلون اور ڈھیلی ڈھالی فل آستین کی بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ گاڑی سے اتر کر اس نے پچھلی نشست سے چمڑے کا پرانا بیگ نکالا پھر وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچا تو چوکیدار نے محض اس کے حلیے کی وجہ سے دریافت کرلیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ کس سے ملنا ہے؟ ورنہ چھ لگژری فلیٹس کے مکینوں اور آنے جانے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس نے شاذ و نادر ہی کسی کو روکنے ٹوکنے کی غلطی کی تھی۔

''چھت پر نشریاتی کمپنی کا ایک سگنل ٹاور کچھ خراب ہوگیا ہے کسی کی شکایت پر ہی آیا ہوں۔'' آنے والے نے جھلا کر کہا۔ ''ورنہ اس وقت میں بھی گھر پر پڑا آرام کر رہا ہوتا۔''

''ڈیوٹی تو ڈیوٹی ہوتی ہے میرے یار۔'' چوکیدار ہنس کر بولا۔ ''دو روز سے نائٹ شفٹ بھگتا رہا ہوں۔ میں چلوں تمہارے ساتھ؟''

''تم اپنی ڈیوٹی دو، میں جانتا ہوں کہ چھت پر جانے کے لئے لوہے کا پھاٹک لگا ہے۔ اس کی چابی بھی باہر لگے لکڑی کے ڈبے میں رکھی ہوتی ہے۔''

چوکی دار نے پھر مسکرا کر کچھ کہا لیکن آنے والے نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ چرمی تھیلے

کو سیدھے شانے سے لٹکا کر وہ اوپر جانے والی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ تین منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے لڑکی کے لیٹر بکس نما ڈبے سے چھت پر جانے والے پھاٹک کی چابی نکالی۔ بے پروائی سے پہلے اس نے پھاٹک کو اندر سے بند کر کے اس کی کنڈی بھی لگا دی تھی۔

عمارت کی کشادہ چھت پر موبائل کمپنیز کے دو ٹاور موجود تھے لیکن اس نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی۔ قدم اٹھاتا پیراپٹ وال (para pet wall) کے اس حصے کی طرف آ گیا جو سپر اسٹور والی مرکزی شاہراہ پر تھا۔ روڈ کی دوسری جانب بھی تجارتی اور رہائشی فلیٹس کی عمارتیں موجود تھیں۔ اس کی نظر ایک عمارت کے رہائشی فلیٹ پر مرکوز ہو گئی جہاں دودھیا نائٹ بلب روشن تھا۔ بالکونی یا سامنے کے حصے میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند لمحے وہ غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے پلٹ کر ایک نظر چھت کے پھاٹک کی سمت دیکھا اس کے بعد دونوں گھٹنوں کے بل چھت پر بیٹھ کر اس نے چرمی تھیلا کھولا اور دو مارمنی رائفل کے مختلف ٹکڑے نکال کر جوڑنے لگا۔ سائیلنسر والی رائفل کو اصل شکل میں لانے میں اسے بہ مشکل چار پانچ منٹ لگے تھے۔ دوبارہ کھڑے ہو کر اس نے رائفل کے چیمبر میں تین گولیاں ڈالیں پھر مطلوبہ فلیٹ پر نظر جما کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ اتنی بلندی سے چلائی گئی گولیوں کا شور بڑی حد تک کھلی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا نہ ہوتا تب بھی وہ کسی کے وہاں تک آنے سے پہلے ہی نکل سکتا تھا۔ سات منٹ گزر گئے اس فلیٹ کے خالی حصے کو گھورتے ہوئے کسی زہریلے ناگ کی طرح تلملا کر خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''باسٹرڈ..... تو نے جو چال میرے ساتھ چلی تھی میں اس کا توڑ کر کے پھر آزاد فضا میں کھڑا ہوں لیکن تو اور تیرے ساتھ جو بھی ہو، اب میرے ہاتھوں نہیں بچیں گے۔ میں تجھے ایسی موت ماروں گا کہ پھر کوئی میرے اوپر ہاتھ ڈالنے کی بھول بھی نہیں کرے گا۔ فی الحال میں تجھے موت (م۔و۔ت) کے تین حروف کا پیغام تین گولیوں سے دے رہا ہوں۔ یہ بھی بات کی گواہی دیں گی کہ نامردوں کی طرح چھپ کر نہیں، للکار کر تجھے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔''

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی اس مطلوبہ فلیٹ کے بند دروازے اور کھڑکیوں پر کسی ماہر نشانہ باز کی طرح تین فائر کیے۔ دوبارہ پھرتی سے بیٹھ کر اس نے سائیلنسر لگی رائفل کو پھر مختلف ٹکڑوں میں منتقل کر کے چرمی تھیلے میں ڈالا اور نیچے جانے والے زینوں کی سمت تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

''اتنی جلدی فارغ ہو گئے؟'' چوکیدار نے پھر اسے دوستانہ انداز میں مخاطب کیا۔

''زیادہ بڑا فالٹ نہیں تھا۔'' اس نے شانے اچکا کر کہا پھر مورس میں بیٹھ کر ٹریفک کے بہاؤ کا ایک حصہ بن گیا۔

سڑک پر آنے کے بعد اس نے اس بات کا اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ بلندی پر کھلی چھت سے کیے گئے فائر کی سن گن نیچے تک نہیں پہنچی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ سوال بھی نہیں ابھرا کہ اس کی مورس کے حرکت میں آنے کے بعد کسی شخص نے سپر اسٹور سے باہر آ کر اپنی موٹر سائیکل کس مقصد سے اسٹارٹ کی تھی۔

❖❖❖

افضل خان اس وقت اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا جبرو کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ شبنم کے اصرار پر اس نے جبرو کو جان سے نہیں مارا تھا۔ کسی اعتبار سے ناکارہ ضرور کر دیا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جبرو کا تعلق بھی انہی زرخرید پالتوں کتوں میں سے تھا جو کسی نہ کسی زاویے سے شیخ حامد کے لیے خدمت انجام دیتے تھے۔ کنول کے اغواء اور پریس میں اس کا بیان آجانے کے بعد یہ بات بھی واضح ہوگئی تھی کہ شیخ حامد مرا نہیں، زندہ تھا۔

جبرو کا تعلق جس خطے سے تھا وہاں کے بیشتر لوگ پیسوں کے عوض بک جانے کے عادی تھے۔ ہوسکتا تھا کہ ایک خوبصورت حسینہ کی موجودگی میں جبرو بھی اپنی بے عزتی برداشت نہ کرتا۔ بنگالی پاڑے کے لفنگوں سے بھی اس کا پرانا یارانہ تھا۔ وہ ان لفنگوں اور اچکوں کے ساتھ مل کر کوئی جوابی کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھی بھی کبھی کھل کر سامنے آنے کی غلطی نہ کرتے۔ چھپ کر بزدلانہ وار پر ہی اکتفا کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ افضل خان یہ بھی جانتا تھا کہ بنگالی پاڑے کے لفنگے بھی اس کی برتری کو تسلیم کرتے تھے مگر شیخ حامد سے علیحدگی کے بعد اس کی سوچ بھی بدل سکتی تھی۔

خاصی دیر تک وہ حالات پر غور کرتا رہا۔ اسے خود سے زیادہ شبنم کی فکر لاحق تھی۔ جبرو اگر کسی انتقامی کارروائی کی جرأت کرتا تو وہ بھی براہ راست افضل خان سے مقابلہ کرنے کے بجائے شبنم کو ہدف بنانے پر غور کرتا۔ اس نکتے کے بار بار ذہن میں ابھرنے کے بعد افضل خان نے کچھ سوچ کر موبائل پر کسی کے نمبر ملانے شروع کر دیے۔

''اس وقت کیسے یاد کیا؟'' رابطہ قائم ہونے پر دوسری جانب سے پوچھا گیا۔

''جبرو کی کیا خبر ہے؟''

''وہ جو جھرنا کو لایا تھا اس نے جبرو کو خاموشی سے ایک خیراتی اسپتال میں داخل کروا دیا ہے اس کا خیال ہے کہ جبرو کی ہڈیوں کی مالش کرنے والے بھی شاید سندر بن سے آگئے ہیں۔''

''جبرو نے خود کیا کہا؟'' افضل خان نے اسے کریدا۔

''اس نے بھی زبان بند کر رکھی ہے۔ جھرنا بھی ابھی تک چڑیا کی طرح سہمی بیٹھی ہے۔ اس کو چھومنتر کر کے لانے والے نے بھی اسے فوری طور پر کسی دوسری محفوظ جگہ پہنچا دیا ہے۔''

''ایک کام کرو گے؟'' افضل خان نے سرد لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''جبرو کو کسی بھی ذریعے سے یہ پیغام پہنچوا دو کہ اگر اس کی زبان سے میرا نام نکلا تو میں کتوں ہی کی موت ماروں گا اسے۔''

''تمہاری خاطر یہ بھی کوشش کروں گا لیکن ادھر سب بھاڑے کے ٹٹو ہیں اور میں خود یہ کام ......''

''سمجھ رہا ہوں کل تک تمہیں کسی نہ کسی ذریعے سے کچھ رقم بھی مل جائے گی۔''

''اور کوئی خدمت؟''

''جبروا سپتال سے فارغ ہو کر کہاں آتا ہے، کہاں جاتا ہے اس کی بھی خبر رکھنا۔''

افضل نے رابطہ منقطع کر دیا پھر دوبارہ بستر پر لیٹنے کا ارادہ مکمل نہ کر سکا۔ بالکنی کی سمت سے شیشہ ٹوٹنے کی آواز سن کر اس نے تکیے کے نیچے سے اپنا پستول نکال لیا محتاط قدم سے دروازے تک پہنچا تھا کہ شبنم کی سہمی ہوئی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''تم کہاں ہو افضل خان؟ یہ آواز کیسی تھی؟''

''سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا، میں سوئچ بند کر کے تمہاری طرف آتا ہوں۔''

دس منٹ بعد وہ لائٹ دوبارہ آن کرنے کے بعد شبنم کے کمرے میں گیا۔ وہ دروازے کے قریب ہی سہمی کھڑی تھی۔

''فکر مت کرو۔'' افضل خان نے سچویشن سمجھنے کے بعد دبی زبان سے کہا۔ ''ہمارے کسی دشمن نے فوری طور پر ہمیشہ کی طرح اپنی بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ بالکونی کے دروازے اور کھڑکیوں کے شیشوں کو کہیں سے فائر کر کے توڑا گیا ہے۔''

''یہ...... یہ...... ہمارے لیے کسی آئندہ پیش آنے والے بڑے خطرے کی وارننگ بھی ہو سکتی ہے۔'' شبنم نے افضل خان سے استفسار کیا۔ ''وہ کون ہو سکتا ہے؟''

''آرام سے سو جاؤ۔ اس بات پر صبح بھی غور کیا جا سکتا ہے۔''

''تم ایک اہم بات بھول رہے ہو۔ پولیس کے سادہ لباس والوں کے علاوہ ملٹری انٹیلی جنس والے بھی ہماری نگرانی پر مامور ہیں کیا فائرنگ کرنے والا ان کی نظروں میں نہیں آیا ہوگا۔''

''اوہ......!'' افضل خان چونکا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس حادثے کی اطلاع مسٹر سراج کو دینی چاہیے۔'' جملہ پورا کرنے کے دوران ہی اس نے فون بک سے سراج کے نمبر نکال کر کال کا بٹن دبا دیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے سراج کی آواز سنائی دی۔

''کوئی خاص بات؟''

جواب میں افضل خان نے شیشے ٹوٹنے والے واردات کے ساتھ اس شبہے کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ممکن ہے فائرنگ سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ سی کی گئی ہو۔

''کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں ملحقہ تھانے کے آن ڈیوٹی آفیسر سے رابطہ کرتا ہوں۔''

اس رات افضل خان اور شبنم پولیس کی ضروری چھان بین کی وجہ سے ایک پل بھی سکون کا سانس نہ لے سکے۔

⁂

سکندر علی شاہ کسی بھوکے درندے کے مانند اپنی اسٹڈی میں ٹہل رہا تھا شام کے چھ بجے سے وہ اب تک نگینہ کو ہر ممکن جگہ ٹیلی فون کر کے تلاش کر چکا تھا۔ جواب ہر جگہ سے نفی میں ملتا تھا۔ خود نگینہ کا ذاتی نمبر بار بار ایک ہی جواب دے رہا تھا کہ وہ بند ہے۔

نگینہ چار بجے گھر سے نکلی تھی اسے کچھ ضروری شاپنگ پر جانا تھا۔اس روز سے قبل وہ ہمیشہ مانگی ہوئی مہلت سے پہلے ہی آجانے کی عادی تھی لیکن اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔

سکندر علی شاہ کے ذہن میں نگینہ کے ماضی کے حوالے سے کئی منفی خیالات بھی ابھرے لیکن اس نے ان سب کو یکے بعد دیگرے رد کردیا۔اسے یقین تھا کہ ایک بار سکندر علی شاہ سے وابستہ ہو جانے کے بعد وہ جال میں آئے ہوئے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا تو سکتی تھی لیکن جال توڑ کر اڑ جانے کی ہمت نہیں کرسکتی تھی۔یہی خود اعتمادی اس وقت اسے اور الجھا رہی تھی جب اسے ڈرائیور کا خیال آیا جو اپنے بیان کے مطابق نگینہ کو رین بو کلب میں چھوڑ کر ٹھیک پانچ بجے واپس آگیا تھا۔رین بو کلب کے حوالے سے سکندر علی شاہ کا ذہن پھر الجھ گیا تھا۔

''شاپنگ کا بہانہ کر کے وہ رین بو کلب کیا کرنے گئی تھی؟اس نے ڈرائیور کو واپسی کا حکم دے کر حویلی واپس جانے کو کیوں کہا تھا؟''

سکندر علی شاہ نے ڈرائیور کو دوبارہ طلب کیا۔وہ سامنے آیا تو اس کے چہرے پر بھی خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ہاتھ باندھے کھڑا تھا جب سکندر علی شاہ نے اسے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔

''کمبخت،تو رین بو کلب کیوں گیا تھا؟''

''بب......بب......بیگم صاحبہ کا حکم تھا مالک۔''

ڈرائیور نے ہکلا کر صفائی پیش کی تو خود سکندر علی شاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''ٹھیک ہے لیکن تو واپس کیوں آگیا؟میں نے حکم دیا تھا کہ ہمیشہ نگینہ کے ساتھ رہنا۔''

''ان کے ساتھ کلب تک گیا تھا لیکن مم......مم......میں اندر تو نہیں جاسکتا تھا۔''

''باہر تو رک سکتا تھا؟''سکندر علی شاہ نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

''معاف کردیں مالک۔لل......لیکن آپ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ بیگم صاحبہ کے حکم پر انکار نہ کروں ورنہ آپ کھال کھینچ کر بھوسا بھر دیں گے۔''

''نگینہ کے ساتھ اور کون تھا؟''

''وہ......وہ کلب تک گاڑی میں اکیلی تھیں مالک۔''

ڈرائیور نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

''راستے میں اس نے کسی سے موبائل پر بات کی تھی؟''

''نہیں مالک۔''

''پھر......وہ اب تک کہاں مری ہوئی ہے؟سکندر علی شاہ نے پھر بہک کر ڈرائیور پر غصہ اتارنے کی کوشش کی۔

ڈرائیور کیا جواب دیتا۔سہما کھڑا تھا جب سکندر علی شاہ کے موبائل پر سگنل ملا،نگینہ کے نمبر دیکھ کر

اس کی پیشانی پر نظر آنے والی سلوٹیں بھی دو چند ہوگئیں۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو واپس جانے کا حکم دیا پھر غرا کر سوال کیا۔

’’تم اس وقت کہاں ہو؟‘‘

’’جس کے بارے میں تم سوال کر رہے ہو وہ اس وقت پوری ہوش میں نہیں ہے۔‘‘ دوسری جانب سے مردانہ آواز سن کر سکندر علی شاہ چونکا۔

’’کون بول رہا ہے؟‘‘ اس نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

’’دوست ہوتا تو نگینہ اس وقت میرے قبضے میں نہ ہوتی۔‘‘

’’تم شاید غلط فہمی کا شکار ہو۔‘‘ سکندر علی شاہ نے نزاکت بھانپ کر سنبھلنے کی کوشش کی۔’’میرے آدمی سائے کی طرح تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔‘‘

’’تم بھی خوش فہمی کا شکار ہو شاہ جی۔‘‘ جواب سرد لہجے میں ملا۔’’جب سورج ڈھل جائے تو سائے بھی اپنی اصلیت بدل دیتے ہیں۔‘‘

’’فون کرنے کا کیا مقصد ہے؟‘‘

’’نگینہ تم کو کچھ دیر بعد مل جائے گی۔جس حالت میں ملے گی اس سے تم میری طاقت کا اندازہ بھی لگا لو گے۔‘‘ بات جاری رکھی گئی۔’’اس کے بعد بھی...... اگر تم نے میرے کسی دشمن کی مدد جاری رکھی تو پھر تم بھی نگینہ ہی جیسی کیفیت میں شہر کے کسی مصروف چوک پر لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہو۔‘‘

’’میرے بارے میں تم یقیناً کسی خوش فہمی کا شکار ہو۔‘‘ سکندر علی شاہ نے تلملا کر کہا۔’’مرد ہوتے تو للکار کر سامنے آتے...... اس وقت ایک دوسرے کی طاقت کا فیصلہ بھی ہو جاتا۔بہر حال، میں تم سے دو باتیں معلوم کرنا چاہوں گا...... نگینہ کو اغواء کرنے کا مقصد اور اس دشمن کا نام جو تمہارے ذہن میں کسی غلط فہمی کی جڑیں مضبوط کر رہا ہے۔‘‘

’’نگینہ جس حالت میں تمہیں ملے گی اس سے تم کو اندازہ ہو جائے گا کہ اب تمہاری عزت اور شہرت دونوں کا بھرم ہماری مٹھی میں ہے، دشمن کا نام ایس پی اورنگ زیب نے آکٹوپس رکھا ہے۔میں اپنی زبان میں اب بھی اسے شیخ حامد کہوں گا۔‘‘ اس بار بھی دوسری جانب سے حقارت بھرا انداز اختیار کیا گیا۔

’’تم یقیناً کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔میں نے شیخ حامد کا نام ضرور سنا ہے لیکن اسے کسی زاویئے سے بھی نہیں جانتا۔‘‘

’’اتنی جلدی فیصلہ مت کرو...... نگینہ کے وصول ہونے کے بعد شاید تمہیں کچھ یاد آ جائے۔‘‘ سرد مہری سے جواب دینے کے بعد دوسری جانب سے سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

سکندر علی شاہ کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔فون کرنے والے نے نگینہ کے نمبر استعمال کیے تھے تو یہ بھی اسی بات کی دلیل تھی کہ وہ بھی فون کرنیوالے کے قبضے میں ہوگی۔اسے کیوں اغواء کیا گیا؟ اس

کے اغواء سے شیخ حامد کا کیا تعلق تھا جبکہ ذاتی طور پر سکندر علی شاہ نے کبھی اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

خاصی دیر تک ذہنی جمناسٹک...... کرنے کے باوجود وہ فون کرنے والے کے بارے میں کوئی آخری نتیجہ نہیں اخذ کر سکا مگر بہرحال اتنا سمجھ گیا تھا کہ نگینہ کو رین بو کلب سے ہی اغواء کیا گیا ہوگا۔ اغوا کرنیوالوں کے اشارے پر ہی اس نے ڈرائیور کو واپس جانے کی ہدایت کی ہوگی۔ اس بات کی مزید چھان بین کرنے کے لیے اس نے اپنے مخصوص موبائل پر کسی کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے نگینہ کے سلسلے میں جو بات کی وہ بھی مختصر تھی۔

''فوری طور پر معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ نگینہ کی ملاقات رین بو کلب میں کس سے ہوئی تھی۔ وہاں کتنی دیر ٹھہری رہی اور پھر واپسی کس طرح ہوئی؟''

''سر...... کیا بیگم صاحبہ اپنی گاڑی پر......''

''نان سینس......'' سکندر علی شاہ نے جھلا کر کہا۔ ''جو حکم دیا گیا ہے کہ اس کی معلومات کر کے جواب دو۔''

''رائٹ سر۔''

سکندر علی شاہ نے رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کا ذہن بری طرح وسوسوں کا شکار تھا۔ روز اول سے وہ نگینہ کے سلسلے میں محتاط ہی رہا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کس قماش کی تھی شادی سے پہلے بھی اس کے ساتھ ہٹ اینڈ رن (HIT & RUN) کا کھیل، کھیل سکتا ہے لیکن شکرہ اس کا محسن تھا۔ اسی کے اشارے پر اس نے نگینہ کو اپنا لیا تھا پھر روز اول ہی سے اس نے نگینہ کو اس بات کا احساس بھی دلا دیا تھا کہ اگر اس کو حویلی میں گزر بسر کرنا ہے تو سکندر علی شاہ کے اشاروں پر چلنا ہوگا۔ خود نگینہ کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اگر اسے حویلی چھوڑنی پڑی تو زندگی کوٹھی کے بجائے شاید کسی کوٹھے پر ہی بسر ہوگی۔ کوٹھی میں اس کی حیثیت سر کے تاج جیسی تھی کوٹھے پر جاتی تو پاؤں کی جوتی بن کر رہ جاتی۔ اس نے خود کو حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی خاطر اپنی سابقہ زندگی کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ سکندر علی شاہ کے دل میں جگہ بنالی تھی جس کا احساس خود سکندر علی شاہ کو بھی تھا لیکن آج...... آج خلاف توقع وہ کسی کے سنہری جال میں پھنس گئی تھی۔

فون کرنے والے کے سرد اور سفاک لہجے نے بھی سکندر علی شاہ کے وجود میں جیسے چنگاریاں بھری دی تھیں۔ وہ ابھی تک یہ طے نہیں کر پایا تھا کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے نگینہ کو فریب دے کر اغواء کیا تھا۔ ان کا مقصد کیا تھا؟ درمیان میں ایک ایسے آدمی کا نام کیسے آ گیا جو اس کی اطلاع کے مطابق پولیس کے علاوہ فوجی انٹیلی جنس والوں کو بھی درکار تھا۔ ایک بار تمام اخبارات میں یہی خبر آئی تھی کہ شیخ حامد اپنے ہیلی کاپٹر سمیت گڈانی کے ساحل کے قریب کھلے سمندر میں غرق ہو گیا پھر ان ہی اخبارات نے اس کے دوبارہ زندہ ہونے کی اطلاع بھی دی تھی ایسے بدنام زمانہ مجرم کا نام نگینہ کے ساتھ کس حوالے سے آ گیا؟''

اس کے علاوہ اور بھی کئی سوالات تھے جو سکندر علی شاہ کے ذہن میں ابھر رہے تھے لیکن آدھی رات گزرنے کے بعد جب ملازموں نے سفید دودھیا رنگ کا موٹے پلاسٹک کا تابوت نما تھیلا لا کر اس کے سامنے رکھا تو سکندر علی شاہ کے ذہن میں فون کرنے والے کی باتیں گونجنے لگیں اس نے ملازموں کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ یہ حکم بھی پورے جلالی انداز میں سنا دیا کہ وہ اس تھیلے کے بارے میں اپنی زبانیں بند ہی رکھیں گے۔ خواب گاہ کو اندر سے بند کر کے اس نے تھیلا کھولا تو نگینہ سر تا پا کسی لباس کے بغیر بے ہوش ملی۔ اس کے برہنہ جسم کو دیکھ کر سکندر علی شاہ کو یہ احساس بھی ہو گیا کہ جن افراد نے نگینہ کو ان حالات سے دوچار کیا ہو گا انہوں نے اس کی شرمناک تصاویر بھی ضرور محفوظ کر لی ہوں گی جن کے ذریعے وہ سکندر علی شاہ کو اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور بھی کر سکتے تھے۔ اس خیال نے اس کے وجود میں جیسے دہکتی چنگاریاں بھر دیں...... نگینہ کو اسی کیفیت میں چھوڑ کر وہ دبیز قالین پر بے چینی کی کیفیت دور کرنے کی خاطر ٹہلنے لگا۔ خاصی دیر تک وہ اسی سوچ میں غرق رہا کہ کون سا ایسا طریقہ اختیار کرے جو خود کو کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔ اس کا ذہن مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا پھر اچانک اس نے گھوم کر دوبارہ نگینہ کے وجود پر ایک گہری نظر ڈالی وہ بلاشبہ ایک خوبصورت کھلونا تھی جو منتشر ذہن کو سکون پہنچانے کا موثر ذریعہ بھی تھی لیکن اب حالات نے اس کی غرض و غایت بدل دی تھی۔ ''اگر اسے خاموشی سے کسی اندھے کنویں میں یا سمندر میں پھینک دیا جاتا تو پھر دشمنوں کی بلیک میلنگ کا خطرہ ٹل جاتا۔'' سکندر علی شاہ کے ذہن میں خیال جڑ پکڑ رہا تھا جب فون کی گھنٹی کی آواز سن کر وہ اس طرح چونکا جیسے سوتے میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر اس کی آنکھ کھل گئی ہو۔

''اس وقت کس کا فون آ سکتا ہے؟'' اس نے کچھ لمحے ذہن پر زور ڈالا پھر چوتھی گھنٹی پر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''کون ہے؟'' اس نے اپنی آواز سے ایسی جھلاہٹ کا اظہار کیا جیسے سوتے سے جاگا ہو۔

''شکرہ۔'' دوسری جانب سے سرسراتے لہجے میں کہا گیا۔ ''میں تم سے کبھی دور نہیں رہتا۔ اس وقت بھی تمہاری کیفیت سے ناواقف نہیں ہوں۔ تمہاری پریشانی کا احساس مجھے بھی ہے لیکن تم بتاؤ...... تم نے نگینہ کے سلسلے میں کیا سوچا ہے؟''

سکندر علی شاہ کی کشادہ پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھرنے لگے۔ ہچکچا کر بولا۔ ''اگر اسے دریا برد کر دیا جائے تو......''

''نہیں۔'' بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''شکرہ تمہاری پشت پر ہے تو دوبارہ کبھی بزدلی کی باتیں نہ کرنا۔''

''وہ...... وہ مجھ سے جس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں ...... میں اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔''

''کوئی نام بھی ہو گا اس کا؟''

''شیخ حامد جو ایس پی اورنگ زیب کے حوالے سے آکٹوپس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔''

''میں نے اس کا نام بھی سن رکھا ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ ریٹائرڈ ڈی آئی جی علیم احمد کے قتل کے بعد پولیس کے اعلیٰ آفیسر بھی بوکھلا گئے ہیں۔ اس حادثے کے بھی کئی پہلو ہیں جس میں آکٹوپس کا علامتی نشان بھی ملا ہے۔ ایس پی اورنگ زیب بھی بغلیں جھانک رہا ہے مگر...... تم پریشان نہ ہو...... جو لوگ نگینہ کو اٹھا لے گئے تھے وہ بھی میری نظر میں آ گئے ہیں۔''

''کون ہیں وہ جنہوں نے سکندر علی شاہ سے ٹکرانے کی ......'' سکندر علی شاہ کی پیشانی پر پھر شکنیں جال بننے لگیں۔

''جوش سے نہیں...... ہوش سے کام لو۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔ ''میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ نگینہ کو صرف حویلی تک محدود کر دو۔ اب بھی یہی کہوں گا۔ رہا اغوا کرنے والوں کا معاملہ تو میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔ شیخ حامد کے بارے میں تم سے جو پوچھا جائے تو وہی جواب دینا جو تم پہلے دے چکے ہو۔''

''وہ آسانی سے میرا جواب ہضم نہیں کریں گے۔''

سکندر علی شاہ نے بے بسی کا اظہار کیا۔

''جانتا ہوں...... دو چار دن اور صبر کر لو...... میں دوبارہ تم سے رابطہ قائم کروں گا۔'' اس جواب کے ساتھ لائن بھی ڈس کنیکٹ کر دی گئی۔

سکندر علی شاہ نے جھلا کر ریسیور رکھا پھر دوبارہ نگینہ کو گھورنے لگا جس کے سینے کا زیر و بم اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔

✣✣✣

آبادی سے دور اور جنگل کے قریب وہ چھوٹا سا تالاب بھی چکوری کے لیے بڑا سندر تھا۔

پرتاب بھوشن اسی تالاب سے ذرا فاصلے پر برگد کے پرانے درخت کے تنے کے نیچے آلتی پالتی مارے بیٹھا اپنے جاپ میں مگن تھا۔ چکوری نے تھوڑے فاصلے پر زمین صاف کر کے اپنے گزارے لائق جگہ بنا لی تھی۔ پرتاب بھوشن نے کہا تھا کہ وہ اکیس روز سورج کے ڈوبنے تک اپنے منڈل میں بیٹھا دیوی کے دھیان میں مگن رہے گا۔ چکوری ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی تھی۔ کچھ دنوں تک روکھا سوکھا حلق کے نیچے اتارنے میں اسے دشواری ضرور ہوئی پھر رفتہ رفتہ وہ اس کی عادی بھی ہو گئی تھی۔

اس نے پرتاب بھوشن کو تن من دھن سے اپنا لیا تھا۔ ادھر مندر میں اس کے چاہنے والے بہت تھے۔ بڑا پجاری بھی اسے دانہ ڈالنے میں پیش پیش تھا لیکن چکوری جانتی تھی کہ اگر اس نے ایک کو ڈھیل دی تو پھر سب ہی اس سے پیچ لڑانے کو اپنا ادھیکار سمجھ لیں گے۔ وہ دیوی درشن کی آس لیے مندر میں جیون بتانے گئی تھی۔ مدن چندی نے اسے بتایا تھا پرتاب دیوی کا سچا پجاری ہے لیکن یہ بتا کر اس نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لی تھی۔

پہلی نظر میں پرتاب چکوری کو اچھا نہیں لگا تھا لیکن دیوی درشن کی پیاس نے آہستہ آہستہ اسے پرتاب کے قریب کر دیا۔ وہ اسی کا ہاتھ تھام کر مندر سے نکل پڑی تھی۔ اور اب اس ویران علاقے میں بھی اس انتظار میں بیٹھی تھی کہ پرتاب منڈل سے باہر آئے تو وہ پھر ہاتھ باندھ کر دیوی کے درشن کرانے کی بنتی کرے گی۔

گزرتے دنوں کا حساب لگانے کے کارن، اس نے اکیس کنکری گن کر رکھ لی تھیں۔ روز سورج ڈھلتا تو وہ ایک کنکری ایک ڈھیری سے نکال کر دوسری طرف رکھ دیتی۔ وقت دبے قدموں گزرتا رہا۔ صبح اٹھ کر وہ تالاب کے پانی سے منہ پر دو چار چھینٹا مار کر اوڑھنی سے پونچھ لیتی۔ دن چڑھے وہ ایک جوڑا اتار کر ادھر ادھر کی سن گن لینے کے بعد اسے دھو کر کسی جھاڑی پر ڈال دیتی پھر نہا کر دوسرے جوڑے سے تن ڈھانپ لیتی۔ شروع شروع میں اسے بڑی لاج آئی تھی۔ دل یہ سوچ کر دھڑکنے لگتا کہ کہیں قریب کوئی چھپ کر اس کے کندن بدن کو للچائی نظروں سے تو نہیں دیکھ رہا لیکن رفتہ رفتہ یہ ڈر بھی دل سے نکل گیا۔ آہستہ آہستہ وہ ہر بات کی عادی ہو گئی۔ وقت کے دھارے میں زندگی گزارنے کے سوا اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ اگر تعجب تھا تو اس بات پر کہ پرتاب بھوشن بغیر کچھ دانہ پانی کھائے اپنے منڈل میں آلتی پالتی مارے، آنکھیں بند کیے بیٹھا دیوی کے جاپ میں اتنا گم تھا کہ اسے کسی اور بات کا ہوش نہیں تھا۔

چکوری روز ایک کنکری ادھر سے ادھر کرتی رہی پھر...... جب اس نے آخری کنکری دوسری ڈھیری پر ڈالی تو کسی پھول کی طرح کھل اٹھی۔ اس روز اس نے سورج ڈھلنے سے پہلے تالاب کے پانی سے اپنا بدن خوب رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ سوکھا ہوا جوڑا تن پر چڑھا کر وہ منڈل کے قریب آ کر کسی پجارن کی طرح بیٹھ گئی۔ جیسے جیسے سورج ڈھلتا جاتا اس کے اندر دیوی درشن کی پیاس بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

سورج دیوتا کی آخری کرن بھی آکاش میں ڈوب گئی تو پرتاب بھوشن نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا گرد آلود چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ چند لمحے وہ آسمان پر نظریں جمائے کسی سوچ میں گم رہا پھر اس نے نظریں گھما کر چکوری کو دیکھا جو منڈل کے قریب گھٹنوں کے بل ہاتھ جوڑے بیٹھی اسے نشیلی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''مہاراج......'' وہ پرتاب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کھل اٹھی۔ ''میں نے ایک ایک دن گن کر بتائے ہیں۔ دیوی سے یہی پراتھنا کرتی رہی ہوں کہ وہ تمہاری بھگتی کو سویکار کر لے...... ایسی شکتی دان کر دے کہ تمہارا دشمن خود چل کر تمہارے چرنوں تک آئے...... تم سے ہاتھ باندھ کر شما کر دینے کی بھیک مانگے اور تم...... تم اس پاپی کو جلا کر بھسم کر دو۔''

پرتاب بھوشن قدم اٹھاتا منڈل سے باہر آیا۔ اس نے آکاش کی گہرائیوں پر نظر ڈالی پھر چکوری کو بانہوں میں سمیٹ کر اس کے پھول جیسے ہونٹ چوم کر بولا۔

''تو نے دیوی سے جو مانگا ہے وہ اب اوش پورا ہوگا۔ مجھے بھی یہی اشارہ ملا ہے کہ اب مسئلے کا

آخری سے قریب آرہا ہے۔اب کی بار میرا اس پاپی کا آمنا سامنا ہوا تو اسے بھی چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔''

''مجھے بھی دیوی درشن کی پیاس ہے مہاراج۔'' چکوری نے من کی گہرائیوں سے کہا۔''ایک بار اس کے درشن ہو جائیں تو میری اچھا (خواہش) بھی پوری ہو جائے گی۔''

''اوش ہوگی۔'' پرتاب نے اس کو بازوؤں میں سمیٹ کر کہا۔''پر......دیوی درشن بالکوں کا کھیل نہیں ہے مورکھ......اس کے لیے من کی آنکھوں کو روشن کرنا پڑتا ہے رات دن اس کے دھیان کو من میں بسائے رکھنا بھی ضروری ہے اور......جس کو تو گرو مان لے پھر اس کی ہر آگیا (حکم) کا پالن بھی کرنا پڑتا ہے۔''

''میں نے تم کو گرو مان لیا ہے مہاراج نہ مانا ہوتا تو اتنی دور چل کر تمہارے ساتھ کیوں آتی؟'' چکوری نے بڑی نشیلی آنکھوں سے پرتاب کی آنکھوں میں جھانکا۔''ادھر مندر میں رک جاتی تو بہت سارے پجاری مجھے دیوی مان کر میرے چرنوں میں بیٹھ کر مجھے پوجتے......میرے شریر کے ایک ایک انگ کو چومتے، میری ایک مسکان پر وہ اپنا دھرم کرم بھول کر کسی پالتو جانور کی طرح دم ہلاتے رہتے۔''

''چڑھتی ندی پر اتنا مان بھی نہ کیا کر سندری......''

پرتاب بھوشن نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر جواب دیا۔''ندی اتر جائے تو پھر کیکڑے بھی ادھر ادھر ٹھکانا ڈھونڈ لیتے ہیں۔پرانے درخت تلے پاؤں پسار کر پڑی رہے گی تو اس کی چھاؤں بھی تیرے کام آئے گی......سمجھ رہی ہے میری بات۔''

''میں دیوی درشن کی پیاسی ہوں مہاراج......ایک بار اس کے درشن کرادو تمہاری بڑی کرپا ہوگی۔'' چکوری نے پھر ہاتھ باندھ لیے۔

''دھیرج رکھ......میں نے وچن دیا تو دیوی بھی تجھے درشن اوش دے گی لیکن اس کے لیے تجھے ابھی بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔'' پرتاب نے خلا میں گھور کر بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔''میری مثال تیرے سامنے ہے۔ایک وشٹ کو نرکھ میں جھونکنے کے کارن مجھے بھی بہت سے بیت گیا، بار بار دیوی کے لیے جاپ کرنا پڑا ہے......اسی یدھ میں مدھو پجارن بھی ماری گئی تھی، اس کا بوجھ بھی ہے میری چھاتی پر......وہ بھی اتارنا ہے......ادھر مندر میں بیٹھا مدن چند چین کی بنسری بجا رہا ہے اس نے کہا تھا کہ میں مسلے کا دھیان من سے نکال دوں، نہیں تو مدھو کی طرح میں بھی کام آ جاؤں گا......اسے بھی بتانا ہے مجھے کہ پرتاب بھوشن کس شکتی کا نام ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں مہاراج کہ تم اسی مسلے کے دھیان میں الجھے ہوئے ہو......میرا من بھی یہی کہتا ہے کہ دیوی تمہیں نراش نہیں کرے گی، جو تن من دھن سے اس کے کارن بھوکا پیاسا رہ کر دھرتی کی سندرتا سے بھی منہ موڑ لے پھر وہ اسے نراش کیوں کرے گی؟''

''تیری باتیں بھی تیری ہی طرح سندر ہیں چکوری۔''

پرتاب بھوشن نے برگد کے تنے سے ٹیک لگا کر اسے بھی اپنے قریب کھینچ لیا۔ ''دیوی کے پجاری دھرتی کے ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک پھیلے ہوئے ہیں۔اس کو راضی کرنے کے کارن جنگل، پہاڑوں اور برف کے گپھاؤں میں دھونی رما کر بیٹھے جاپ کرتے رہتے ہیں پرنتو سب کو اس کا آشیرباد نہیں حاصل ہوتا......کامیاب وہی ہوتے ہیں جن کی لگن سچی ہو، جس کے گیان دھیان میں کوئی لوبھ......کوئی کھوٹ نہیں ہوتی۔''

''ایک بات پوچھوں مہاراج؟......تمہیں اس مسلے سے کیا بیر (دشمنی) ہے؟''

''اس نے ایک بار میرے کسی منت کا انجانے میں توڑ کر دیا تھا۔''

''پھر......اب تک وہ تمارے کشٹ سے کیسے بچا؟''

''ہے کوئی چھایا جو اس کی سہائتا کر رہی ہے۔''

''تم نے اس چھایا کا کھوج لگایا؟''

''یہ دھرم کرم اور دیوی دیوتاؤں کی باتیں ہیں مورکھ......ابھی تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔'' پرتاب بھوشن نے الجھ کر جواب دیا پھر چکوری کے قرب کی تپش سے اپنی الجھن کا توڑ کرنے میں مگن ہو گیا......چالیس دنوں کی تھکن بھی اتارنی تھی۔

✣✣✣

ایس پی اورنگ زیب اس وقت بھی اپنے آفس میں بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا۔ہیڈ کوارٹر کی پوسٹنگ کو وہ صرف ایک کال میں ختم کرا کے دوبارہ اپنی سیٹ پر واپس جا سکتا تھا۔کرنل احتشام نے بھی اس سلسلے میں اپنی مدد کا یقین دلایا۔لیکن اورنگ زیب نے اسے بھی منع کر دیا تھا وہ کچھ دنوں دشمنوں کو بھی اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ فی الحال عتاب میں ہے۔اس طرح دور رہ کر وہ سکون سے بیٹھا ہر بات کا جائزہ لے رہا تھا۔اس کے کارندے ایک ایک پل کی خبر دے رہے تھے، کسی قانونی رکاوٹ کو دور کرنے کی خاطر سراج کا بھرپور تعاون بھی اسے حاصل تھا۔صرف ایک آئی جی تھا جس کو وہ اپنی مرضی کیخلاف بھگت رہا تھا۔یہ بات بھی اس کے علم میں آ چکی تھی کہ خود آئی جی بھی کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہے اور وہ کون تھا؟ یہ بات خود کسی کے علم میں نہیں تھی۔

اس وقت بھی اورنگ زیب ایک پرانی فائل کے اوراق یونہی الٹ پلٹ رہا تھا جب اسے پینتھر کی کال ملی۔

''کیا خبر ہے؟'' فائل بند کر کے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ صرف اپنے گھر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔نگرانی کرنے والے راؤنڈ دی کلاک پوری طرح چوکس ہیں۔ابھی تک گھریلو ملازم یا ایک دو پڑوسی عورتوں کے سوا کسی اور کو اندر آتے جاتے نہیں دیکھا گیا۔''

''تمہارا ذاتی تجربہ کیا کہتا ہے؟''

''شاید اسے کہیں سے کوئی بھنک ضرور مل گئی ہے ورنہ آپ کے ماروی سے معاملات کرنے

سے پیشتر وہ روزانہ باہر آتی جاتی رہی تھی۔''
''میں تمہاری اس بات کی تردید نہیں کروں گا۔'' اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''اس کے پاس آنے جانے والی فون کالز کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا ہے۔''
''وہ تو تجربہ کار لڑکی ہے سر، جس دھندے میں ملوث ہے اس میں بھی فون کے بجائے اب موبائل کا استعمال بڑھ گیا ہے۔''
''چھتے سے شہد نکالنے کا طریقہ جانتے ہو؟ اورنگ زیب نے اس بار سنجیدگی سے سوال کیا۔
''آپ حکم دیں سر، دھواں دینے کے علاوہ بھی کچھ ایسے طریقے جانتا ہوں جو کسی زہریلی ناگن کو بھی بلبلا کر بل سے نکلنے پر مجبور کر دیں۔''
''گڈ۔'' اورنگ زیب نے پہلو بدل کر کہا۔''فی الحال ہلکی ڈوز دینے کی کوشش کرو۔''
''ٹھیک ہے۔''
اورنگ زیب نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد کچھ سوچا پھر اس نے ریسیور اٹھا کر سکندر علی شاہ کے نمبر ملائے۔
دوسری جانب سے فون ریسیور کرنے والے نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔
''کون بول رہا ہے؟''
''مجھے سکندر علی شاہ سے بات کرنی ہے۔'' اورنگ زیب نے نرم لہجے میں جواب دیا۔
''کیا نام ہے؟''
''ایس پی اورنگ زیب بول رہا ہوں شاہ جی۔''
اورنگ زیب نے سنبھل کر اصل مقصد کا اظہار کیا۔''یہ بھی عرض کر دوں کہ میں اپنی آفیشل حیثیت میں نہیں ذاتی اور باہمی دلچسپی کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''
''ہوں ......'' کچھ توقف سے جواب ملا۔''میں مصروف آدمی ہوں، زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔''
''جانتا ہوں شاہ صاحب، اسی لیے فون کیا ہے کہ آپ جو وقت دیں اسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔''
''اگر میری اطلاع غلط نہیں ہے تو آج کل آپ کی پوسٹنگ ہیڈ کوارٹر میں ہے۔''
''جی ہاں۔''
''اوہ۔'' اس بار دوسری جانب سے برتری کا اظہار کیا گیا۔''آپ چاہیں تو میں آپ کے نئے پوسٹنگ آرڈر ایک فون کال پر بھی کروا سکتا ہوں۔''
''یہ بھی جانتا ہوں۔'' اورنگ زیب نے بہ دستور صبر سے کام لیا۔''لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ ملاقات کی نوعیت آفیشل نہیں ہے۔''
''ہوں۔'' پھر کچھ توقف کے کہا گیا۔''آج شام پانچ بجے میں حویلی پر چائے آپ کے ساتھ

ہی پیوں گا۔"

"عزت افزائی کا پیشگی شکریہ۔"

دوسری جانب سے لائن کاٹ دی گئی۔ اورنگ زیب نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر بس ایک پل کے لیے کچھ سلوٹیں ابھریں پھر وہ مسکرا کر دوبارہ پرانی فائل کے اوراق پلٹ کرنے لگا پھر......

ٹھیک پانچ بجے وہ سکندر علی شاہ کی خوب صورت حویلی کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ پانچ بج کر دس منٹ پر سکندر علی شاہ بھی اس کے سامنے موجود تھا۔ فیروزے کی تسبیح کے دانوں پر اس کی انگلیاں بھی متحرک تھیں۔ دو منٹ کی رسمی گفتگو کے بعد اورنگ زیب نے سنجیدگی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

میں اس وقت آپ کے پاس اپنے لیے خصوصی دعا کی درخواست کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔"

"حیرت ہے۔" سکندر علی شاہ نے پہلو بدل کر کہا۔" آپ کو میری مریدی کا شوق کیسے ہو گیا؟"

"پہلے نہیں تھا لیکن آپ کے حلقے میں میرے ایک دو واقف کار بھی حاضری دیتے رہتے ہیں۔ ان کو آپ کی دعاؤں سے جو فائدہ ہوا اس نے مجھے بھی متاثر کیا ورنہ......"

"آپ پولیس والے تو ہر مرض کا علاج ڈنڈے کے زور سے کر لیتے ہیں۔"

اورنگ زیب نے سکندر علی شاہ کے طنز کو محسوس کیا مگر اس نے بدستور انکساری سے کام لیا۔" آپ نے مجھے صرف پانچ منٹ کا وقت دیا ہے شاہ جی، اس لیے میں چاہوں گا کہ آپ میری درخواست پر سنجیدگی سے غور کریں۔"

"دعا کی ضرورت کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟"

"ذہنی سکون۔" اس بار اورنگ زیب نے کسمسا کر کہا۔ اس کے چہرے سے اندرونی کرب اور الجھن کے تاثرات بھی نمایاں ہونے لگے۔

سکندر علی شاہ ایک لمحے خاموش رہا، اس کی عقابی نظریں اورنگ زیب کے چہرے سے اس کی کہی ہوئی بات کا اندازہ لگا رہی تھیں جب اس کے موبائل کی اسکرین روشن ہوگئی۔ نظر آنے والے نمبر دیکھ کر وہ چونکا تھا جسے اورنگ زیب نے بھی بطور خاص محسوس کیا پھر اس کی نظریں بھی بدستور سکندر علی شاہ کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

"ہیلو۔" سکندر علی شاہ نے موبائل آن کر کے جس انداز میں بات شروع کی وہ بھی اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ فون کرنے والا کسی خاص اہمیت کا مالک تھا۔

"شکرہ بول رہا ہوں۔" دوسری سمت سے سرسراتی آواز ابھری۔" میں نے نگینہ کے سلسلے میں بھی تم سے یہی کہا تھا کہ میں تم سے کبھی دور نہیں رہتا۔ جس پودے کو میں نے بڑی محنت سے کھاد، پانی دے کر تناور کیا ہو اس کو ہمیشہ اپنی نظروں میں رکھتا ہوں۔ اس وقت تم غالباً ایس پی اورنگ

زیب سے گفتگو میں مصروف ہو؟''

''کیا کروں مرید تو دعا کی خاطر آتے ہی رہتے ہیں۔''

''ایس پی جتنا زمین کے اوپر ہے اس سے دس گنا زیادہ گہرا ہے۔محتاط ہو کر بات کرنا۔''

''ایک ضروری بات اور سن لو۔'' پہلے سے زیادہ گھمبیر لہجے میں کہا گیا۔''ایس پی کے بارے میں کچھ اندرونی معلومات میرے پاس بھی ہیں۔ایسی بات جو عام لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔تم بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

''گڈ میں سن رہا ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے پہلو بدل کر جواب دیا۔

''محبت کی شادی اگر دو چار روز چل کر پرانی کار کی طرح ٹھپ ہو جائے تو ایک عام آدمی بھی فرسٹریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ایس پی کی زندگی کا یہ حادثہ اب قصہ پارینہ بن چکا ہے،اس کا علم چند ایک افراد کے علاوہ کسی کو نہیں۔'' بات سنجیدگی سے جاری رکھی گئی۔''یہی احساس محرومی ہے جس نے ایس پی کو سخت گیر طبیعت کا مالک بنا دیا ہے جس عہدے پر ہے اس کی رعایتوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی ایک ناکامی کو عام زندگی کی کامیابیوں سے تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔تم نے جو فقروں کا نقاب اپنے مکروہ چہرے پر سجا رکھا ہے اس میں میری فراہم کردہ معلومات ایس پی کو چونکا دینے کے لیے کافی ہوں گی۔تم اپنی شعبدہ بازی سے ایس پی کو کسی طرح فارم ہاؤس تک لانے کی کوشش کرو۔ایک بار اس کے خلاف کوئی غیر اخلاقی ثبوت ہمارے ہاتھ آ گیا تو پھر پوری طرح اپنی گرفت میں ہوگا۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا تو سکندر علی شاہ نے اورنگ زیب سے کہا۔

''تھا ایک مرید جو اپنی بپتا سنا رہا تھا۔''

''شاہ جی، مجھے آپ کے قیمتی وقت کا احساس ہے اس لیے......''

''نہیں۔'' سکندر علی شاہ نے بات کاٹ کر فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔''میں پولیس والوں سے ہمیشہ دور رہنے کا عادی ہوں لیکن آپ جس ضرورت کے لیے آئے ہیں اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔''

''یہ بھی آپ کی ذرہ نوازی ہے۔''

''ابھی آپ نے ذہنی سکون کے بارے میں کہا تھا۔'' سکندر علی شاہ نے بے حد سنجیدگی سے اورنگ زیب کے چہرے پر نظریں جما کر دریافت کیا۔''کیا آپ بتانا پسند کریں گے،آپ جس ذہنی انتشار کا شکار ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟''

''کام کی مصروفیت اور احساس ذمہ داری۔'' اورنگ زیب کے چہرے پر الجھن کے تاثرات پھیل کر گہرے ہونے لگے۔''جس محکمے میں ہوں وہاں کسی افسر کی ناکامی کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا اور کامیابی کے حصول کے ناپسندیدہ ہتھکنڈوں کو بھی اپنانا پڑتا ہے۔ہیڈ کوارٹر کی پوسٹنگ کو میں بھی ایک فون کال میں منسوخ کروا سکتا ہوں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے تو میں بھی ایک بات عرض کر دوں۔شفا دینے والی

ذات اور پروا لے کی ہے۔ میں اپنے مریدوں سے بھی یہی کہتا ہوں پھر بھی وہ اصرار کرتے ہیں کہ میں مقدس کتاب کی کوئی آیت پڑھنے کا مشورہ دے دیتا ہوں اس کے حق میں دعا بھی کرتا ہوں، خدا کا کرم ہے کہ وہ اس فقیر کی لاج رکھ لیتا ہے۔''

''مجھے کوئی مفید مشورہ دے کر میرے حق میں دعا کریں۔'' اورنگ زیب نے عاجزی کا اظہار کیا۔

''میں پھر حیرت کا اظہار کروں گا۔'' سکندر علی شاہ نے مسکرا کر کہا۔'' آپ جیسا کامیاب اور شہرت یافتہ پولیس آفیسر کسی فقیر سے دعا کی درخواست کرے...... کچھ عجیب سا لگتا ہے۔''

''اور کوئی وجہ ہوتی تو میں آپ کو زحمت نہ دیتا۔ فون پر میں نے وعدہ بھی کیا تھا کہ کچھ ذاتی اور باہمی دلچسپی کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

سکندر علی شاہ نے تسبیح ایک طرف رکھ کر اورنگ زیب سے کہا۔'' ذاتی دلچسپی کا اظہار کر دیا، آپ سے چائے پینے کے دوران میں کچھ باہمی دلچسپی کی باتیں بھی کرنا پسند کروں گا۔''

سکندر علی شاہ نے ملازم کو چائے لانے کا حکم دینے کے بعد کہا۔ چائے کے دوران سکندر علی شاہ کی عقابی نظریں شکرہ کی فراہم کردہ اطلاع کی روشنی میں اورنگ زیب کو ٹٹولتی رہیں۔ پھر چائے کے برتن واپس جانے کے بعد اس نے قدرے بے تکلفی سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''میرے فارم ہاؤس کے بارے میں قومی اور صوبائی محکموں کے اعلیٰ عہدیدار بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ وہ وہاں آ کر ایک دو دن کیوں گزارتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ آپ بھی واقف ہوں لیکن مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہوتی۔ ذاتی طور پر بھی میں خوب صورت لڑکیوں کی موجودگی میں کچھ وقت اپنے مخصوص ریسٹ ہاؤس میں گزارتا ہوں۔ مقصد نفس کشی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ ماروی بھی میری مہمان بن کر وہاں آئی تھی۔ بعد میں کیا ہوا اور کیا نہیں اس کا علم آپ کو ماروی سے ملاقات کے دوران ضرور ہوا ہوگا۔ بال کی کھال نکالنے کی خاطر آپ کے محکمے نے کچھ اور لڑکیوں پر بھی پہرے بٹھا دیے ہیں۔ میری صحت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا مگر...... میں آپ سے ایک دوست کی حیثیت سے یہ ضرور معلوم کرنا پسند کروں گا کہ خود ماروی نے آپ کو کیا کہانی سنائی ہے۔''

''آپ نے درست کہا ہے تو میں بھی بے تکلفی سے ہی بات کروں گا۔'' اورنگ زیب نے سنبھل کر کہا۔'' جس دن ماروی فارم ہاؤس گئی اس روز آپ وہاں سرے سے نہیں گئے تھے۔ آپ کی غیر موجودگی میں کس نے فائدہ اٹھایا۔ خود ماوری بھی اس کی شکل نہیں دیکھ سکی البتہ اسے بے آبرو کرنے والے نے زبان بند رکھنے کی خوف ناک دھمکی ضرور دی تھی۔ ماروی نے روانی میں اس بات کا اقرار بھی کیا ہے کہ وہ اپنی سہیلی کے کہنے پر ایک رات کے لیے فارم ہاؤس گئی تھی پھر...... ماروی نے کسی خوف سے اپنی زبان بند کر لی۔ اس رات کے بعد کون جیا، کون مرا یہ بھی میرے علم میں ہے مگر میں نے اس کی تفتیش میں بوجوہ نہیں کی۔''

''اگر میں اس کی وجہ دریافت کرنا چاہوں تو؟'' سکندر علی شاہ کی پیشانی پر ایک لمحے کو پسینے کی

نمی محسوس ہوئی پھر وہ بھی غائب ہوگئی۔

''ذاتی طور پر میرا مشاہدہ ہے کہ وہ پولیس آفیسر بہت جلد بدنام ہو جاتے ہیں جو قحبہ خانوں یا جوئے کے اڈوں سے بھتا وصول کرنا شروع کردیں'' اورنگ زیب نے ایک لمحے توقف سے بات جاری رکھی۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی اس چوکی دار کی خودکشی کی خبر سن کر اس بات کا یقین نہیں آیا ہوگا کہ وہ آپ کے اعتماد کو دھوکہ دے سکتا ہے۔''

''پھر......'' سکندر علی شاہ چوکی دار کے سلسلے میں اورنگ زیب کا جواب سن کر چونکا۔ ''اگر وہ ذمے دار نہیں تھا تو پھر اس نے خود کو موت کی آغوش میں کیوں سونپ دیا؟ کس نے اسے مجبور کیا ہوگا جب کہ وہاں کا سارا عملہ میرے اعتماد کا ہے۔''

''میں معذرت خواہ ہوں شاہ جی! اس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کرسکوں گا۔''

''آپ کس وجہ سے معذرت خواہ ہیں؟ کیا میں یہ سمجھوں کہ اس وقت بھی پولیس کی کوئی مصلحت آپ کے آڑے آرہی ہے۔''

جواب میں اورنگ زیب نے جیب سے بال پین نکال کر اپنی ہتھیلی پر دو لفظ۔ ''یہاں نہیں۔'' لکھ کر سکندر علی شاہ کو دکھایا پھر اسی سنجیدگی سے بولا۔ ''محض کسی شبہے کی بنا پر جس کی کوئی وجہ بھی میرے علم میں نہ ہو۔ میں زبان کھولنا پسند نہیں کرتا۔ آپ سے یہی درخواست کروں گا کہ ذہنی سکون حاصل کرنے کی خاطر مجھے کوئی تجویز کردیں۔''

''جب تک ذہنی انتشار کی اصل وجہ نہ معلوم ہو کوئی وظیفہ یا دعا کارگر نہیں ہوگی۔ مرض کی تشخیص بنیادی شرط ہے۔''

''میں اسے پولیس کی ملازمت اور اپنی اصول پسندی پر قائم رہنے کی وجہ ہی کہوں گا۔''

''قیافہ شناسی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' سکندر علی شاہ نے جس کے ذہن میں اورنگ زیب کی ہتھیلی پر لکھے لفظ بار بار ابھر رہے تھے محتاط انداز میں سوال کیا۔

''ذاتی طور پر میں علم الاعداد، قیافہ شناسی یا علم نجوم پر اعتقاد نہیں رکھتا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اور اگر میں آپ کو آپ کے ذہنی انتشار کی نفسیاتی وجہ بتادوں تو آپ کیا کہیں گے؟''

''م...... میں سمجھا نہیں۔'' اورنگ زیب نے وضاحت طلب انداز اختیار کیا۔ ''آپ کی قیافہ شناسی کیا کہتی ہے؟''

''زر...... زن اور زمین یہ تینوں ہی چیزیں انسان کی بنیادی کمزوری اور فساد کی جڑ ہوتی ہیں۔'' سکندر علی شاہ نے اورنگ زیب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں دو تین منٹ وہ ٹھوڑی کو سینے سے لگائے عجیب انداز میں گم صم رہا پھر اس نے آنکھیں کھول کر سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے ساتھ ماضی میں جو ہوا وہ اچھا نہیں ہوا...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ماضی کا احاطہ خاصا وسیع و عریض ہوتا ہے،آپ کس مخصوص بات کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں؟''

''انسان کسی کو دل سے چاہے، چاہ کر بڑے ارمانوں سے اپنائے اور پھر......دوسرا فریق خلاف توقع روٹھ کرناتا توڑے تو دل پر جو زخم لگتا ہے وہ ذہن کو سب سے زیادہ متاثر کرتا ہے۔آپ مضبوط اعصاب کے مالک ہیں جواب میں عملی زندگی میں مضبوطی سے قدم جمائے ہیں ورنہ ذہنی سکون کا انتشار بڑھ کر دیوانگی کی حد سے بھی گزر جاتا۔''

اورنگ زیب اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا۔اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا لیکن ذہن میں ایک سوال ضرور گونج رہا تھا کہ وہ مخصوص بات جو اس کے بیشتر عزیز داروں کے علم میں بھی نہیں تھی جسے گزرے برسوں بیت گئے تھے۔فاصلے بھی اتنے زیادہ بڑھ گئے تھے کہ اس نے خود بھی پلٹ کر کبھی ان کی طرف نہیں دیکھا تھا وہ بات سکندر علی شاہ کے علم میں کیسے آگئی؟ سکندر علی شاہ کون تھا کیا تھا؟اورنگ زیب اس کی رگ رگ سے واقف ہو چکا تھا۔یہ بھی جانتا تھا کہ مریدوں کی علت اس نے محض دنیا دکھاوے کے لیے پال رکھی تھی۔فارم ہاؤس میں آئے دن نت نئی اور خوب صورت لڑکیوں سے دل بہلانے والا،بااثر افسروں کو بلیک میل کرنے کی خاطر ان کو عیش وعشرت کے جال میں پھنسانے والا بہروپیا محض آنکھ بند کر کے کسی کے ماضی میں جھانک سکے...... یہ بات اورنگ زیب کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔

''کس سوچ میں گم ہو گئے؟''سکندر علی شاہ نے مسکرا کر سوال کیا پھر اپنے مکروہ چہرے پر کسی بزرگ کا ملمع چڑھا کر بولا۔''کیا میں نے کچھ غلط کہا؟''

''مرض کی تشخیص کر لی ہے تو اس کا علاج بھی عرض کر دیں۔''اورنگ زیب نے دوبارہ خود کو سچویشن کے سانچے میں ڈھال لیا مگر اس کے ساتھ اس کے ذہن میں وہ کال بھی ابھرنے لگی جو کچھ دیر پہلے سکندر علی شاہ نے منہ بنا کر ریسیو کی تھی۔یہ بات بھی اس کے ذہن میں تھی کہ سکندر علی شاہ حلقے اور کسی سے ملاقات کے دوران موبائل کالوں کو ریسیو کرنے کا عادی نہیں تھا پھر......وہ کون تھا جس کی کال کو اس نے چہرے سے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اٹینڈ کر لیا تھا۔

''ہیرے کو ہیرا ہی کاٹتا ہے اور زہر کا موثر علاج بھی زہر ہی ہے۔''سکندر علی شاہ کچھ اور کھل گیا۔''آپ نے ایک کو محبت سے حاصل کیا پلکوں پر بیٹھایا لیکن وہ ساتھ چھوڑ گئی۔کسی دوسری کو پیسوں یا طاقت کے زور سے مسل کر رکھ دیں تو یہ انتقام مکمل تو نہ ہوگا لیکن جنون کی شدت میں کمی ضرور واقع ہو جائے گی۔''

''یہ...... یہ مشورہ آپ دے رہے ہیں؟''اورنگ زیب نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''ڈاکٹر جو دوائیں تجویز کرتے ہیں ان میں بھی الکوحل استعمال ہوتی ہے ذرا مختلف انداز میں۔بالکل اسی طرح آپ کے علاج کی بنیادی وجہ علاج ہی ہوگی۔اسے عیاشی نہیں کہا جائے گا۔''

''اوہ۔''اورنگ زیب نے کسمسا کر کہا۔''لیکن جہاں میرے ہزاروں دوست ہیں وہاں کچھ

دشمن بھی ہیں پل پل کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو علم ہو گیا تو میری ساکھ......''

''آپ اس وقت سکندر علی شاہ کے پاس ایک دوست کی حیثیت سے آئے ہیں تو مجھ پر دوست بن کر اعتماد بھی کریں۔ فارم ہاؤس تک میرے ملازموں کے سوا کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ بے شمار اعلیٰ عہدیدار وہاں محض تفریح کی غرض سے بھی آتے ہیں۔ ان کے لیے بھی کسی ایسے وقت کا انتخاب کیا جاتا ہے جب بات کسی اور کان تک نہ پہنچے۔'' سکندر علی شاہ نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''کسی پر کیچڑ ہی اچھالنی ہو تو اس کے سوا دوسرے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ ایک تجربہ کار اور ذمے دار پولیس آفیسر کی حیثیت سے آپ کے علم میں بھی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہوں گی۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی عرض کر دوں۔'' سکندر علی شاہ کے لہجے میں اچانک تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ ''جو لوگ میرے اعتماد کو دھوکا دیں یا ڈبل گیم کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو ٹھکانے لگانے میں دیر بھی نہیں کرتا۔ محبت اور جنگ میں تمام حربے استعمال کرنے والی مثال آپ نے بھی سنی ہو گی۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھ رہا ہوں لیکن ابھی میں کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ نے جو تشخیص کیا ہے وہ سو فی صد درست ہے مگر اس کے علاج کے بارے میں جلد ہی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔''

''مسئلہ آپ کا ہے اس لیے میں اصرار نہیں کروں گا۔''

سکندر علی شاہ نے بے پروائی سے جواب دیا پھر موضوع بدل کر کہا۔ ''شیلا ورما کے بیوٹی پارلر کے سلسلے میں میرے فون کے بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا میں اس کی تعریف کروں گا۔ بائی دی وے کیا حملہ کرنے والوں کے بارے میں کوئی اطلاع یا خبر آپ کے پاس ہے؟''

''میں اور سراج ایک ہی ہیں۔'' اورنگ زیب نے کھل کر کہا۔ ''درپردہ میرے ہی مشورے پر عمل کر رہا ہے۔''

''لیکن آپ کی پوسٹنگ......''

''ہیڈکوارٹر میں ہے۔'' اورنگ زیب نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''پولیس کے ایس پی کی حیثیت اور اختیار کے علاوہ میرے پاس بہت اوپر سے جاری کیا گیا ایک مخصوص اجازت نامہ بھی ہے جس کی رو سے مجھے لامحدود اختیارات حاصل ہیں۔''

''اوہ...... پھر تو آپ سے دوستی اور بڑھانی پڑے گی۔'' سکندر علی شاہ نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا پھر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ''آپ دوبارہ جب بھی آنا چاہیں بلا تکلف آ سکتے ہیں۔ میں دشمنی کے ساتھ دوستی کے زریں اصولوں پر عمل کرنے میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیتا۔''

پھر کھڑے کھڑے کچھ رسمی جملوں کے بعد اورنگ زیب حویلی سے باہر آ گیا لیکن اس وقت بھی اس کے ذہن میں وہی موبائل کال سوالیہ نشان بن کر بار بار ابھر رہی تھی جسے سکندر علی شاہ نے ریسیو کرتے وقت برا سا منہ بنایا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی چبھ رہی تھی کہ جس راز کو اس نے طویل عرصے سے سینے میں دفن کر رکھا تھا اس کی ہوا کسی اور کو کیسے لگی؟ سکندر علی شاہ کی قیافہ شناسی والی

بات اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکی پھر......کیا جس کی کال درمیان میں آئی تھی وہ اس راز سے واقف تھا؟ اگر ایسا ہی تھا تو کون تھا جس کا علم اورنگ زیب کو بھی نہیں تھا؟

کچھ ضمنی سوالات اور تھے جو تا دیر اورنگ زیب کے ذہن کو کچوکے لگاتے رہے۔ بیس بائیس سال پرانی یادیں جنہیں وہ خود بھی سینے کی گہرائیوں میں دفن کر کے فراموش کر چکا تھا، آہستہ آہستہ پھر سرابھارنے لگیں۔

⁜⁜⁜

ایک بار کشمیر فرنیچر کی تباہی کے بعد جگا نے اسے دوبارہ ماڈرن طور پر ڈیکوریٹ کرنے کے ساتھ ہی وہاں ایک گارڈ کا بھی بندوبست کر لیا تھا ایک کے بجائے اندر گاہکوں کو اٹینڈ کرنے کی خاطر ایک ملازم کا اضافہ بھی کر لیا تھا جو اس کے اپنے ہی گروہ کا ایک تجربہ کار آدمی تھا اسے علم تھا آکٹوپس کے زرخرید کتے بھی ادھر کی ٹوہ ضرور لیتے ہوں گے۔

اورنگ زیب کے اشارے کے بعد جگا نے شیخ حامد سے بدلہ لینے کا ارادہ ضرور وقتی طور پر ملتوی کر دیا تھا لیکن اس کے وجود کے اندر انتقام کی سلگتی چنگاریاں کم نہیں ہوئی تھیں۔ شیخ حامد کی کوٹھی کی بربادی میں اس نے لوچن کے ساتھ مل کر دل کو جھوٹی تسلی بھی دے لی تھی لیکن وہ حساب چکتا کرنے کی خاطر براہ راست اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا خواہش مند تھا۔ اسی غرض سے اس نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے کسی ڈائریکٹ ایکشن کے بجائے اورنگ زیب کو فرنیچر کے دکان کی تباہی کی اطلاع دی تھی۔ ایک بار لمبی سزا بھگت لینے کے بعد وہ دوبارہ اپنا پولیس ریکارڈ مزید خراب کرنے کی بھول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے جیل سے واپس آنے کے بعد ایک بار سوچا ضرور تھا کہ ان کے بدمعاشوں کا روپ دھار لے جن پر ہاتھ ڈالنے سے پولیس بھی کتراتی ہے لیکن اس کے پڑوسی امداد علی نے جو پولیس کا سابق ہیڈ کانسٹیبل تھا اس کی مالی مدد کر کے اسے فرنیچر کے کاروبار کا مشورہ دیا تھا چنانچہ جگا نے جرائم کی دنیا میں دوبارہ قدم رکھنے سے توبہ کر لی تھی۔ یہ اس کی کوششوں اور ایمان داری کا نتیجہ تھا کہ فرنیچر کے کاروبار میں خدا نے اس کی مدد کی۔ امداد علی کی رقم اس نے پہلی فرصت میں پائی پائی کر کے ادا کر دی تھی اور کاروباری حلقوں میں اپنی ساکھ بھی بنا لی تھی۔ اسی اچھی ساکھ کی بنیاد پر اسے قانونی اداروں سے تعلق رکھنے والوں نے رعایت بھی دی تھی۔ کچھ ذمے دار حلقوں میں اسے جانا پہچانا جانے لگا تھا لیکن شیخ حامد کے ساتھ وہ رعایت کرنے کو تیار نہیں تھا اس کی خاموشی کو بزدلی اور نامردانگی کا نام بھی دیا جا سکتا تھا ایک بار وہ نظریں جھکا لیتا تو پھر دشمن کے کرائے کے ٹٹو بھی اس کے سامنے سینہ تان کر چلنے کے عادی ہو جاتے۔ وقت اور حالات کی نزاکت کو بھانپ لینے کے بعد ہی اس نے لوچن سے بھی دوستی کا ہاتھ ملا لیا تھا۔ نگینہ کے اغواء اور پھر اس کی سکندر علی شاہ تک واپسی میں بھی اس نے بھرپور حصہ لیا تھا ہر چند کہ اس بار لوچن نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن اسے خود بھی اس بات کا شبہ تھا کہ شیخ حامد نے مرنے کے بعد دوبارہ منظر عام پر آ کر جس دیدہ دلیری سے کنول کو اغواء کروایا اس کی ماں کو مروایا پھر کنول کو بھی بے عزت کر کے دھتکار دیا تھا وہ محض

تفریح کی غرض سے نہیں کیا ہوگا۔اس کا مقصد ایک بار پھر وہی ہوگا جو پہلے تھا وہ پولیس کے علاوہ کاروباری حلقوق میں بھی اپنی حیثیت کا سکہ جمانے کا خواہش مند تھا۔کنول کے بیان کی اشاعت کے بعد ہر فرد کو یقین آ گیا تھا کہ وہ ان ہی کے درمیان کہیں سانس لے رہا ہے خود کو پولیس کی دسترس سے محفوظ رکھنے کی خاطر اس نے کسی محفوظ اور مضبوط جگہ اور شخصیت کا انتخاب بھی ضرور کیا ہوگا۔نگینہ کے حوالے پر جگا کے ذہن میں بھی سکندر علی شاہ کا نام سوالیہ نشان بن کر ابھر رہا تھا اسی سبب اس نے لوچن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا تھا پھر خود بھی پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

اس وقت بھی وہ فرنیچر ہاؤس کے عقبی مکان میں اپنے آفس میں بیٹھا ایک کاروباری آدمی سے فرنیچر کے موضوع پر کاروباری گفتگو کر رہا تھا جب اس کے سامنے دروازے پر لگا بیٹری سائز کا سرخ بلب روشن ہو گیا۔یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ کہیں کوئی گڑ بڑ ضرور ہے۔جگا نے فوری طور پر دفتر میں موجود فرد سے کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے اجازت چاہی پھر وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اندرونی راستے کی سمت بڑھا جو فرنیچر ہاؤس کی طرف جاتا تھا۔

سرخ بلب نے جس خطرے کی اطلاع دی تھی اس کا اندازہ اسے گودام میں قدم رکھتے ہی ہو گیا۔شوروم میں اس کے کارندوں کے علاوہ دو تین آدمی اور بھی موجود تھے۔جگا محتاط قدم اٹھاتا بند دروازے کے قریب چلا گیا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔تمہارا مالک ہماری اطلاع کے مطابق اس وقت بھی اندر موجود ہوگا۔'' کسی کی کرخت آواز گونجی۔

''آپ کا خیال غلط ہے جناب۔'' ملازم نے جواب دیا۔''وہ اس وقت بازار کی طرف گئے ہیں۔اگر ہوتے جب بھی مول بھاؤ کی تمام ذمہ داری انہوں نے منیجر کے سپرد کر رکھی ہے۔''

''اور اگر ہم تمہارے منیجر کو منہ لگانے سے انکار کر دیا تو؟ اس بار بھی غیر مہذب لہجے میں سوال کیا گیا۔

''آپ کی مرضی ہے جناب لیکن جہانگیر بٹ صاحب کے بارے میں جو بات میں نے آپ سے کہی ہے وہ بھی غلط نہیں ہے۔''

''پھر سوچ لو......تمہاری حیثیت ہماری نظروں میں شطرنج کے پیادوں سے زیادہ نہیں ہے اور ہم بادشاہ کا سر نیچا کرنے کے ارادے سے آئے ہیں ایک بار تمہارے اس کاروباری نام تو بڑے کا جو حشر ہو چکا ہے وہ بھی تمہارے علم میں ضرور ہوگا۔اب اگر بات بڑھی تو پھر حد سے گزر جانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔'' جواب دینے والے کے لہجے میں گھن گرج کے علاوہ کھلا چیلنج بھی تھا۔

جگا نے دروازے کی جھری سے دوسری طرف دیکھا تو چونک اٹھا۔اس کے سامنے جو آدمی موجود تھے وہ ایک مفرور اور پولیس کو مطلوب مجرم تھا اس کے دوسرے آدمی نے منیجر کے سامنے سینہ تان رکھا تھا۔تیسرا شخص دروازے کے قریب موجود باہر کی سن گن لے رہا تھا۔گارڈ کو شاید وہ پہلے ہی

قابو کر چکے تھے۔جگا کے گروہ کا آدمی بھی سامنے نظر نہیں آ رہا تھا۔
سچویشن کا اندازہ لگا کر جگا نے کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اس نے سائلنسر لگے پستول پر اپنی گرفت پوری طرح جمالی ،ایک پل میں وہ سچویشن پر قابو پا سکتا تھا لیکن دکان میں لاشوں کی موجودگی سے اس کی کاروباری ساکھ کے علاوہ اس کی ذاتی حیثیت بھی متاثر ہو سکتی تھی۔دوسری طرف آنے والے پوری تیاری سے آئے تھے۔باہر ان کے دو ساتھی موجود ہو سکتے تھے۔جگا نے فوری طور پر جیب سے موبائل نکال کر اورنگ زیب کو بھی صورت حال سے آگاہ کیا۔اب اس کی آنکھوں کی سرخی رفتہ رفتہ گہری ہو رہی تھی جب سامنے کھڑے آدمی نے دروازے پر موجود اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔

''یہ لوگ شرافت کی زبان نہیں سمجھ رہے ہیں تمہارا کیا حکم ہے؟''

''میرا نہیں ،باس کا حکم یاد رکھو،اس نے یہی کہا تھا کہ اصل آدمی کے بخیے ادھیڑ کر اسے برہنہ حالت میں کسی بھی کوڑے دان میں ڈال دو جس میں وہ پیدا ہوا تھا اس کے بعد کیا ہوگا کیا نہیں ،ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔''

''اب تمہارا کیا جواب ہے؟'' سامنے موجود جرائم پیشہ نے سرسراتے لہجے میں ملازم کو گھورا۔''شرافت سے سچ اگل دو ورنہ تم بھی کام آ جاؤ گے۔''

''میرا جواب جو پہلے تھا اب بھی......''

ملازم اپنا جملہ پورا نہ کر سکا ،پیشہ ور مجرم کا ہاتھ برق رفتاری سے گھوما تو وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح لڑکھڑا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔منیجر نے بوکھلا کر اٹھنے کی کوشش کی تو ایک نپی تلی ضرب نے اسے بھی زمین بوس کر دیا۔اس کے ساتھ ہی باہر کہیں موجود دو تین آدمی اور دکان میں آ گئے۔جگا نے ان کو بھی چہرے بشرے سے پہچان لیا۔سب کے ہاتھ جیبوں میں تھے جو اس بات کا نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ اسلحہ سے بھی ضرور لیس ہوں گے۔

خطرے کی سنگینی بڑھتی جا رہی تھی جگا نے باہر نکلنے کی غلطی نہیں کی۔ملازم سے چھٹکارا پانے والا اب دروازے کی سمت بڑھ رہا تھا جگا سامنے سے ہٹ کر دیوار سے چمٹ گیا پھر جیسے ہی وہ اندر آیا۔جگا نے الٹا ہاتھ اس کی گردن میں پھنسا کر پستول اس کی کمر سے لگا دیا۔

''آواز نکالنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دوں گا۔''

''بہتر ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔'' بے بسی کے باوجود جگا کی گرفت میں پھنسے ہوئے شخص نے بے جگری سے کہا۔''جو لوگ تمہیں سامنے نظر آ چکے ہیں ان کے علاوہ بھی ہمارے ساتھی باہر وین میں موجود ہیں ہم خالی ہاتھ واپس جانے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔''

جواب میں جگا نے اسے گھسیٹ کر ایک طرف کیا پھر اس نے بڑی پھرتی سے پستول کا دستہ اس کے سر پر پوری قوت سے مارا وہ لہرا کر گرا لیکن گرتے گرتے اس کا ہاتھ دروازے سے ٹکرایا تو باہر والے بھی ہوشیار ہو گئے۔اس کے بعد جو چال انہوں نے چلی وہ جگا کے لیے قابل غور تھی۔

فرنیچر شاپ کا شٹر اندر سے گرا لیا گیا پھر کسی نے باہر سے کرخت سی آواز میں کہا۔

''جگا...... ہاتھ اٹھا کر سامنے آ جاؤ۔ تمہیں چاروں طرف سے گھیرا جا چکا ہے تم مر گئے تب بھی ہم تمہاری لاش کو گھسیٹ کر لے جائیں گے بلا وجہ تمہارے کچھ پڑوسی بھی کام آ جائیں گے۔''

جگا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ زیادہ بہتر پوزیشن میں تھا۔ پستول میں آٹھ گولیوں کی میگزین بھری ہوئی تھی۔ وہ اندر آنے والوں کو بڑی آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا لیکن حتی الامکان وہ خون خرابے سے بچنا چاہتا تھا زیادہ محتاط روی اس کے اپنے حق میں بھی خطرناک ہو سکتی تھی۔

''ہم صرف پانچ گنیں گے اس کے بعد جو بھی صورت حال ہوئی اس کی ذمے داری تمہارے کاندھوں پر ہوگی۔ ایک......'' باہر سے گنتی شروع ہو گئی۔

''دو...... تین......''

جگا نے تلملا کر پستول کا رخ باہر کی سمت کر لیا۔ اب مرنے یا مار ڈالنے کے سوا کوئی تیسرا آپشن بھی نہیں تھا باہر سے بلند آواز میں ''چار'' کہا گیا پھر گرے شٹر کو کسی نے باہر سے کھڑکھڑایا۔ گنتی رک گئی کسی نے شٹر کے قریب جا کر پوچھا۔

''کون ہے؟''

جواب میں کیا کہا گیا۔ جگا نہیں سن سکا لیکن شٹر کھول دیا گیا پھر جو بھی ہوا جگا کی توقع کے خلاف ہی تھا آواز دینے والا اندر آیا۔ اس نے پلٹ کر شٹر دوبارہ گرا دیا پھر ایک مانوس آواز جگا کے کانوں میں گونجی۔

''کسی قسم کی ہوشیاری دکھانے کے بجائے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ چوہوں کی طرح کچل کر رکھ دوں گا۔''

جگا نے آڑ سے جھانکا تو آنے والے کے قد و قامت کو دیکھ کر اس کی دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔ اس وقت بھی وہ میک اپ میں تھا اور کوئی مقامی بدمعاش لگ رہا تھا لیکن اس کی آواز اس کی شناخت کے لیے کافی تھی۔ وہ لوچن تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹے سائز کی ری پیٹر رائفل دیکھ کر سب ہی کے ہاتھ جیبوں سے باہر آ کر فضا میں بلند ہو گئے تھے۔ جگا بھی لپک کر سامنے آ گیا۔ سب سے پہلے ان کی جیبوں میں رکھا اسلحہ نکال کر فرنیچر کے ڈھیر پر اچھال دیا پھر اس نے لوچن سے کہا۔

''میں اورنگ زیب کو فون کر چکا ہوں۔ ان کے آنے میں دیر بھی نہیں لگے گی لیکن تم اس وقت......''

''دوستی کا ہاتھ ملانے والے ایک دوسرے سے بھی کبھی غافل نہیں رہتے۔'' لوچن نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایس پی کے آنے سے پہلے مہمانوں کی کچھ خدمت بھی کر لیں ورنہ ان کو بھی ہماری حیثیت اور مہمان نوازی سے شکایت ہی رہے گی۔''

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی لوچن کی رائفل بھی حرکت میں آ گئی۔ ایک شخص کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

''ایسے نہیں میرے یار۔'' جگا نے لوچن سے کہا۔

''ان لوگوں کو بھی ہاتھ چلانے کا موقع دو۔''

اس کے بعد فرنیچر کا شوروم میدان جنگ بن گیا آنے والے بھی سکہ بند بدمعاش تھے۔ وہ بھی سر سے کفن باندھ کر مرنے مارنے پر تل گئے۔ ایک نے جگا سے الجھ کر گھٹنوں کا استعمال کیا تو جگا کراہ کر دوہرا ہو گیا شدید تکلیف نے جگا کے اندر بھی چنگاریاں بھر دیں اس نے اچانک اپنے مقابل کے پیٹ پر سر کی ٹکر ماری تو وہ بلبلا کر رہ گیا پھر جگا نے اسے مزید سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ دیسی کشتی کا ایک آزمودہ داؤ آزمایا تو وہ چاروں خانے چت گرا۔ اس کے گرتے ہی جگا کے بوٹ کی ٹھوکر اس کے منہ پر لگی تو خون ابل پڑا۔ دوسری طرف لوچن نے دو آدمیوں کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑ رہی تھیں۔ آنے والے دو آدمی اپنے تین آدمیوں کا انجام دیکھ کر شٹر کھولنے کی خاطر لپکے تھے ایک کو لوچن نے بروقت ٹانگ درمیان میں ڈال کر اوندھے منہ گرا دیا۔ دوسرے کو جگا نے جست لگا کر دبوچ لیا۔ دونوں جنگلی بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے زور آزمائی کرنے لگے۔ لوچن نے اپنے بازوؤں کا حلقہ پوری قوت سے یکلخت تنگ کیا تو اس کا شکار بھی بے ہوش ہو کر جھول گئے۔ جگا کے نپے تلے ہاتھ بھی مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے۔ جب باہر سے شٹر کو دوبارہ کھولا گیا۔

آنے والا اورنگ زیب کے سوا کوئی اور نہیں تھا اس کے ساتھ ہی ملحقہ تھانے کی نفری بھی تھی جنہوں نے مجرموں کو قابو کر لیا۔ ایس آئی لوچن کی طرف بڑھا تھا لیکن اورنگ زیب نے اسے روک دیا۔ اس نے اشارے سے لوچن کو وہاں سے چلے جانے کی ہدایت کی۔ لوچن مسکراتا ہوا دکان سے باہر نکل گیا۔

''سر...... یہ کون تھا؟'' ایس آئی نے دبی آواز میں اورنگ زیب سے دریافت کیا۔

''مخبر۔'' اورنگ زیب نے مختصر جواب دیا پھر اس کی ہدایت پر ایس آئی نے ضابطے کی کارروائی شروع کر دی۔

باہر سڑک پر پاس پڑوس کے دکانداروں کے علاوہ کچھ راہ گیر بھی جمع ہونے لگے تھے کارروائی مکمل ہونے کے بعد اورنگ زیب نے لوگوں کو یہی بتایا کہ آنے والے ڈاکا مارنے کے ارادے سے آئے تھے جس کی خبر بروقت تھانے کو مل گئی تھی پھر اورنگ زیب کے اشارے پر جگا بھی دکان بند کر کے اورنگ زیب کے ساتھ ہی اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

❖❖❖

چار سو گز پر تعمیر بنگلوں کی چار دیواریاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ ایک فوت شدہ قومی لیڈر کے نام پر چالیس بنگلوز کا بلاک ایک ہی تعمیراتی کمپنی نے بنایا تھا اس لیے اس کے نقشے بھی ایک ہی جیسے تھے زیادہ تر بنگلے ون یونٹ تھے لیکن بعد میں ان کے مالکان نے کچھ ترمیم بھی کر لی تھی۔ ان بنگلوں میں رہنے والے درمیانے درجے کے وہ لوگ تھے جو زمین خرید کر از خود تعمیراتی اخراجات

یکشت نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ پہلے ایڈوانس پھر تعمیری مرحلوں کے مختلف طے شدہ پروگرام کے تحت رقوم کی ادائیگی اور قبضہ حاصل کرنے کے بعد دو سال کے اندر مکمل ادائیگی ہر چند کے کچھ زیادہ مہنگی ضرور پڑتی تھی لیکن تنگی ترشی سے بہرحال افوارڈ بھی کی جا سکتی تھی۔

درمیانے درجے کے لوگوں کے علاوہ اس بلاک میں ایک چوتھائی رہائش ان سرکاری افسران کی بھی تھی جو اپنی کرسی کی اوپر کی آمدنی سے ہزار گز کے عالیشان مکان بھی تیار کر سکتے تھے لیکن اینٹی کرپشن والوں کے خطرے سے وہ بھی اپنی جائز آمدنی سے زیادہ پیر پھیلانے سے گریز ہی کرتے تھے۔اوپر کی آمدنی وہ گورنمنٹ کی مختلف اسکیموں میں غریب رشتے داروں یا فرضی نام سے انویسٹ کر کے فائدہ وصولتے رہتے تھے۔

دلربا اسی بلاک کے بنگلہ نمبر بی فورٹین میں رہتی تھی اس کے والد کو فوت ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے ماں جو ایک اسکول میں ٹیچر تھی اس کی عمر بھی زیادہ بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تھی۔گزرتے وقت اور شوہر کی جدائی نے اس کی کمر توڑ دی تھی۔والد کی پنشن اور اسکول کی تنخواہ پر گھر کا گزارہ چل رہا تھا۔دلربا نے جیسے تیسے کر کے بارہ جماعتیں پڑھ لی تھیں۔میٹرک پاس کرنے تک اسے اپنی تنگ دامنی کا احساس بھی نہیں ہوا لیکن کالج میں قدم رکھتے اسے اپنی غربت کا احساس اس قدر شدت سے ہوا کہ وہ اپنے ڈگمگاتے قدم سنبھال نہ سکی۔مادر پدر آزاد تہذیب اور ماڈرن فیشن کے تقاضے اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرتے رہے۔ہم جماعت سہیلیوں کے مقابلے میں وہ زیادہ حسین خدوخال کی مالک ہونے کے علاوہ ذہین بھی تھی۔دلربا کی ان خوبیوں کو سب سے پہلے اس کی ہم جماعت سہیلی نے بھانپ لیا جو بڑے باپ کی بیٹی ہونے کے ساتھ ساتھ لڑکوں سے بھی فلرٹ کرنے کی عادی تھی پھر ایک بوائے فرینڈ کے بے حد اصرار پر اس لڑکی نے دلربا سے بھی دوستی کی پینگیں بڑھانی شروع کردیں۔اس کے پاس نئے ماڈل کی چمچماتی کار تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی تھی۔دلربا نے جب پہلی بار اس کے ساتھ کالج سے واپسی کا سفر کیا تو یوں لگا جیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔

مہینے دو مہینے کی ملاقاتوں کے بعد وہ فریال نامی لڑکی سے اس حد تک گھل مل گئی کہ اس کے ساتھ بڑے بڑے ریسٹورنٹ میں بھی جانے لگی۔گیارھویں جماعت کے امتحان کے دوران دلربا کی ملاقات فریال کے بوائے فرینڈ نجم سے بھی ہوئی جو خود بھی بڑے باپ کا بیٹا تھا فریال دلربا کی موجودگی میں بھی نجم سے خاصی بے تکلفی سے ملتی تھی۔دلربا ان کی گفتگو میں زیادہ حصہ نہیں لیتی تھی لیکن نجم کی مردانہ وجاہت اور برجستہ چبھتے ہوئے جملوں سے وہ بھی متاثر ہوتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ دلربا کے ذہن میں روشن معاشرے کی تہذیب کے جراثیم بھی داخل ہوئے تو اسے اپنی غربت کا احساس زیادہ شدت سے ہونے لگا۔فریال نے دلربا کی اس کمزوری کو بھانپ کر اسے بڑی خوبی سے شیشے میں اتارنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس پر پوری طرح حاوی ہو گئی۔گیارہویں جماعت کے دوران ہی ایک روز اس نے دلربا سے کہا تھا۔

”تم جو زندگی گزار رہی ہو مجھے اس کا احساس ہے لیکن دنیا ایسے لوگوں کو بیک ورڈ کہتی

ہے۔وقت کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی خاطر دولت کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔تم کسی پرائیویٹ فرم میں ملازمت کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''ملازمت؟'' دلربا نے بڑی حسرت سے کہا۔''سروس حاصل کرنے کے لیے تجربے کے علاوہ ڈگریوں کی بھی ضرورت پیش آتی ہے وہ میں......''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔نجم کے والد جس عہدے پر ہیں ان کا صرف ایک فون ہی تمہیں دس ہزار روپے کی پارٹ ٹائم جاب دلوا سکتا ہے ایک سال کا تجربہ اور ایف ایس سی کی سند حاصل کرنے کے بعد تم کو اچھی ملازمت بھی مل جائے گی۔''

دلربا نے اس پیشکش کو چند لمحوں کی کمزور ہچکچاہٹ کے بعد قبول کر لیا۔ملازمت کے لیے وہ تین گھنٹے نکالنے میں بھی کامیاب ہو گئی۔کام بھی زیادہ نہیں تھا لیکن ماں کی اجازت لینے کے لیے اس کو منت سماجت کرنی پڑی تھی پہلی تنخواہ ملنے پر اس نے فریال اور نجم کو ایک چائنیز ہوٹل میں دعوت دی تھی۔اس موقع پر بل پے کرنے میں نجم نے جلدی کی۔دلربا کی بے حد ضد کے بعد نجم نے فریال کے کہنے پر اس بات کی پیش کی کہ دلربا دوبارہ پارٹی دے تو وہ بل کی ادائیگی خود کر دے۔

یوں دلربا اور نجم کی بے تکلفی بڑھنے لگی۔نجم کے علاوہ اس کے باپ کی سفارش کا ہی نتیجہ تھا کہ دلربا کو تین گھنٹے پارٹ ٹائم کا معاوضہ پندرہ ہزار مل رہا تھا پک اینڈ ڈراپ کی سروس نے بھی اس کے دفتر آنے جانے میں آسانی کر دی تھی۔دلربا ان حالات سے بہت خوش تھی۔نجم نے اسے یقین دلایا تھا کہ ایف ایس سی کر لینے کے بعد وہ فل ٹائم جاب بھی دلوا سکتا ہے جس کی تنخواہ بھی چالیس پنتالیس ہزار سے زیادہ ہو سکتی تھی ملازمت کے ساتھ ہی پرائیوٹ امتحان دے کر وہ بی اے بھی کر سکتی تھی۔

دلربا کی ماں کو احساس تھا کہ بیٹی نے زندگی گزارنے کی خاطر جو راستہ اختیار کیا وہ غلط ہے۔وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑانے لگی تو ماں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔گھر میں کوئی اور بڑا نہیں تھا جو دلربا کو وقت اور حالات کے نشیب و فراز سے آگاہ کر سکتا۔وہ عمر کی اس منزل پر تھی جہاں خواہشات کا سمندر ہمیشہ ٹھاٹھیں مارتا رہتا تھا۔خواہشات، امنگوں اور آرزوؤں کے تقاضے کم ہونے کے بجائے ہمک ہمک کر سر ابھارتے رہتے تھے۔

دلربا پر ملازمت دلوانے کے بعد نجم کی نوازشیں بھی بڑھنے لگیں۔پہلے وہ فریال اور نجم اکٹھا آتے جاتے تھے۔اب وہ اکثر نجم کے ساتھ شاپنگ پر چلی جاتی تھی۔فریال نے کبھی اعتراض بھی نہیں کیا۔نجم اسے آئے دن کسی نہ کسی بہانے سے کوئی قیمتی چیز گفٹ کے طور پر دیتا رہتا پھر ایک دن دلربا اس کے ساتھ ساحلی علاقے میں اس کی ہٹ تک بھی چلی گئی جس کا علم اسے پہلے سے نہیں تھا۔نجم نے بھی صرف سمندر کے کنارے ننگے پاؤں گھومنے کو کہا تھا۔جب وہ اپنی ہٹ کے قریب جا کر رکا تو دلربا نے اس ہٹ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کس قدر خوب صورت ہٹ ہے۔خاص طور پر اوپری حصے کا ٹیرس۔لوگ یہاں آ کر کیا کرتے ہیں؟ کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے؟''

''یہ بڑے آدمیوں کے شوق ہیں۔'' نجم نے مسکرا کر کہا۔ ''ایک ہفتے کی شہری زندگی کی ہلچل اور شوروغل سے تھک کر وہ یہیں پرسکون ساحل پر آکر ایک دن سکون سے گزارتے ہیں۔''

''تم یہاں آکر رک کیوں گئے؟'' دلربا نے احساس کمتری کا کھل کر اظہار کیا۔ ''لوگ کیا سوچیں گے؟ یہی کہیں گے کہ ہم اندر نہیں جا سکتے تو اس کے کھلے ورانڈے کی چھت کے نیچے بیٹھ کر کچھ وقت ہی گزار لیں گے۔''

''پھر کیا فرق پڑے گا۔''

''مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ لوگ ہمارے بارے میں کوئی ایسی ویسی باتیں کریں۔''

''وہ اس کے علاوہ بھی تو کچھ سوچ سکتے ہیں۔'' نجم کا جملہ معنی خیز تھا۔

''کیا؟'' دلربا نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا سوچ سکتے ہیں وہ؟''

''یہی کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے جو ہم یہاں بے تکلفی سے گھوم رہے ہیں۔''

''اوہ......'' دلربا مطلب سمجھ کر قدرے شرما گئی۔

''میں لوگوں کی زبان بند کرنے کی خاطر اس خوب صورت ہٹ کے تالے بھی توڑ سکتا ہوں تمہارے لیے۔''

نجم نے قدرے جذباتی انداز میں کہا پھر ہٹ کے ورانڈے میں گیا تو دلربا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں نجم پلیز نہیں، یہ اچھی بات نہیں ہوگی اگر......اگر پکڑے گئے تو مفت کی بدنامی علیحدہ ہوگی۔''

''اوہ اگر میں یہ کہوں کہ اس ہٹ کے تالے تم توڑ دو تو......''

''میرے باپ کی توبہ۔'' دلربا نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

نجم نے اس کی جھیل نما نظروں کی گہرائی میں ڈوب کر دیکھا پھر جب اس نے جیب سے کی چین نکال کر ہٹ کا لاک کھولا تو دلربا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اندر جا کر اس نے وہاں کے قیمتی فرنیچر پر غور کیا تو دنگ رہ گئی۔ تعجب اور تجسس کی نظروں سے نجم کو دیکھا تو وہ کسی خیال سے شرما کر رہ گئی۔ ایسے میں نجم نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا تو دلربا کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگیں۔ اس نے دور ہونے کی کوشش کی تو نجم کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔ سرسراتے لہجے میں بولا۔

''تم نے جس سوسائٹی کو اپنا لیا ہے وہاں تکلف سے کام نہیں لیا جاتا۔ کم ان سویٹ ہارٹ۔'' نجم کی نگاہوں میں نشہ گھلنے لگا۔ دلربا کے اندر خوف کی ایک لہر ابھری۔ اس نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن وہ خود کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ طوفان گزر گیا تو نجم نے اس کی بھیگی پلکوں کو چوم کر کہا۔

''گھبراؤ مت ہر کام پہلی بار مشکل نظر آتا ہے پھر آسان ہو جاتا ہے فریال کا بھی پہلی بار یہی حال ہوا تھا۔ اب تو وہ اکثر ویک اینڈ پر یہاں آنے کی خود فرمائش کرتی ہے۔''

اس وقت بھی دلربا کے ذہن میں زندگی کا وہی پہلا موڑ سر ابھار رہا تھا جب وہ باتھ روم سے

بھیگے جسم کو ٹاول کے ڈریسنگ گاؤن میں لپیٹے بیڈ روم میں داخل ہوئی تھی۔اس پہلے موڑ نے اسے زندگی کی جس بلندی پر پہنچا دیا تھا اس کا تصور اکثر لڑکیوں کے لیے صرف ایک خواب بن کر رہ جاتا ہے۔

دلربا کے بعد فریال بھی کئی بار نجم کی ہٹ میں اس کے ہمراہ گئی تھی۔وقت نے اسے بے باک اور بے حجاب کر دیا تھا۔کالج کے امتحان کے بعد ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو دلربا کو اپنی تنہائی کا احساس بھی ہوا لیکن اب اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جس کا اس نے کبھی خواب دیکھا تھا۔

فریال کی معرفت ہی اس کی رسائی سکندر علی شاہ تک ہوئی جو پہلی ہی نظر میں اس کی خوبصورتی کا دیوانہ ہو گیا تھا اس نے دلربا کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔اسے زندگی کی وہ تمام آسائشیں مہیا کر دیں جن کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔اس کے عوض دلربا کا کام سکندر علی شاہ کے لیے لڑکیاں فراہم کرنا تھا۔شروع شروع میں اسے اس کام میں دشواری ہوئی لیکن پھر اس نے معصوم لڑکیوں کی خوب صورتی اور غربت کو دولت کے سنہری جال میں شکار کرنے کا فن بھی سیکھ لیا تھا جس کے عوض اسے دنیا کی ہر آسائش مل گئی تھی۔اب فریال اور نجم بھی اس کے قریب آنے سے ڈرتے تھے۔سکندر علی شاہ کا نام ہی خوف کی علامت بھی تھا جس نے دلربا کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کر رکھا تھا۔

ماں کی زندگی میں ایک ذرا سی نگاہوں کی روک ٹوک جو تھی وہ بھی اس کے مرنے کے بعد ختم ہو گئی۔نیچے کا کمرا اس نے اپنی ماڈرن ملازمہ کو دے رکھا تھا جو رات دن اس کے ساتھ ہی رہتی تھی کچن کے علاوہ نیچے کے سارے کام اسی کے ذمے تھے۔گارڈ اور ڈرائیور کی کارکردگی کی دیکھ بھال بھی وہی کرتی تھی۔دلربا کی آنکھوں کے اشاروں کو سمجھنا ان پر عمل کرنا بھی اسے آتا تھا۔خوب صورت خدوخال کی مالک تھی اسی لیے دیکھنے والے بھی اسے دلربا کی سیکرٹری ہی سمجھتے تھے۔نو جماعتیں بھی پڑھ رکھی تھیں۔اس لیے گھر کا سارا حساب کتاب بھی رکھنے کے سلیقے سے بہ خوبی واقف تھی لیکن دلربا کی اجازت کے بغیر اس نے کبھی اوپر جانے کی جرأت بھی نہیں کی تھی۔

گزرتے وقت اور سکندر علی شاہ کی مہربانیوں نے دلربا کو بڑے اور بے فکرے لوگوں کی طرح زندگی گزارنے کا فن بھی سکھا دیا تھا۔وہ اپنے معمول پر عمل کرنے کی عادی تھی۔صبح گیارہ بجے سو کر اٹھنا اور رات کو ساڑھے دس بجے غسل کر کے ڈنر کرنا اس کی عادت تھی۔اپنے بیڈ روم کو اندر سے لاک رکھنا بھی اس کی پرانی عادت تھی۔اس وقت بھی رات کے ساڑھے دس بجے وہ سفید ٹاول کے گاؤن میں باتھ روم سے نکل کر سیدھی ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔برش سے بالوں کو سنوارنے کے علاوہ اپنے نیم عریاں جسم پر بھی اس کی مسکراتی نگاہیں بھٹک رہی تھیں جب دروازے کے لاک سے ہلکی سی کلک کی آواز سن کر چونکی پھر اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا۔آنے والا چہرے بشرے سے بھی خطرناک نظر آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں موجود اعشاریہ دو پانچ کے پستول نے بھی یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ کسی نیک ارادے سے نہیں آیا ہوگا۔

''کون ہو تم؟'' دلربا نے خود کو سنبھال کر آنے والے کو تیز نظروں سے گھورا۔''یہاں آنے کی

جرات کیسے کی؟"

"خوب صورت چہروں اور تراشیدہ جسموں کی تصویریں رکھنا میری ہابی ہے۔" آنے والے نے جیب سے اپنا قیمتی موبائل نکال لیا۔"یہاں تک جان ہتھیلی پر رکھ کر آنے کا مقصد بھی یہی ہے۔اگر تم نے بات مان لی تو صرف ایک دو تصویریں اتار کر چلا جاؤں گا انکار یا شور مچانے کی حماقت کی تو پھر بات بگڑ بھی سکتی ہے۔سوچ لو، جب تمہارے گارڈ مجھے یہاں تک آنے سے نہیں روک سکے تو تم بھی کیا کر سکو گی؟"

بات دلربا کی سمجھ میں آ گئی اس نے پھر بھی کشیدہ لہجے میں کہا۔"تصویروں کے ذریعے تم لڑکیوں کو بلیک میل کرتے ہو گے؟"

"سیدھی انگلی سے گھی نکل آئے تو تصویروں سے نگاہیں سینکتا ہوں دوسری شکل میں ان تصویروں کی اچھی خاصی قیمت بھی مل جاتی ہے۔اس کے بعد میں درمیان سے ہٹ جاتا ہوں۔" آنے والے نے بے پروائی سے کہا۔"جو فیصلہ کرنا ہے جلدی کرو۔میں تمہیں زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔گاؤن کا اوپر حصہ ذرا کشادہ کر کے ایک توبہ شکن انگڑائی کا پوز بنا لو۔میں دو تصویریں لے کر الٹے قدموں واپس چلا جاؤں گا۔"

دلربا چند لمحے اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی اس کے پاس حکم بجا لانے کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔مطلوبہ پوز کی فرمائش پوری کر دینے کی صورت میں وہ اسے بعد میں فیشن ماڈلنگ کا نام بھی دے سکتی تھی۔اس نے سچویشن کو بھانپنے کے بعد آنے والے کی بات مان لی۔اس کے انگڑائی لیتے ہی روشنی کے دو ہلکے جھماکے ہوئے پھر دلربا نے گاؤن ٹھیک کر کے اسے دوبارہ سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"تم اگر چاہو تو تصویروں کو میرے سامنے ڈیلیٹ کر کے اچھی خاصی رقم بھی حاصل کر سکتے ہو۔"

"پروفیشنل ہوتا تو منہ مانگی قیمت کے علاوہ اور بھی بہت کچھ وصول کر لیتا لیکن تمہاری تصویریں میری کلیکشن میں صرف اضافہ ہی کریں گی۔اسے میری ہابی ہی سمجھو۔"

وہ اپنا جملہ مکمل کر کے تیزی سے باہر نکل گیا۔دلربا نے اپنی ڈولتی سانسوں کو سنبھالا اور پھر وہ نیچے گئی جہاں ڈرائنگ روم میں خاص ملازمہ اس کی منتظر تھی۔دلربا نے دو قدم بڑھا کر باہر کی سمت بھی جھانکا۔ڈیوٹی گارڈ بھی چوکس نظر آ رہا تھا۔دلربا ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی۔کھانے کے دوران اس کے ذہن میں دو ہی باتیں ابھر رہی تھیں۔

"یا تو آنے والا ملحقہ بنگلوں کا کوئی رہائشی تھا جو اوپر کی تقریباً چھتوں کے ذریعے اس کی خواب گاہ تک آسانی سے پہنچ گیا تھا یا پھر کسی اجنبی نے بھی ان ہی آسان راستوں کو استعمال کیا ہو گا مگر وہ کون تھا؟ دو ہاف نیوڈ (Half Nude) تصویریں اتارنا کیا واقعی اس کی ہابی تھی۔یا اصل مقصد کچھ اور بھی تھا؟"

❖❖❖

دکان پر ہونے والی توڑ پھوڑ اور حملہ آوروں کی جسارت نے جگا کے ذہن میں طوفان برپا کر رکھا تھا۔کبھی وہ ایک، دس پر بھاری تھا لیکن حلال رزق کمانے اور سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بعد صورت حال یکسر بدل گئی تھی۔

وہ اورنگ زیب کے برابر والی نشست پر بیٹھا دل ہی دل میں حملہ آوروں کے بارے میں پیچ وتاب کھا رہا تھا، وہ اسے ڈکیتی کی عام واردات نہیں سمجھ رہا تھا۔جو بھی تھے کسی خاص منصوبے کے تحت آئے تھے۔منیجر اور ملازم کو قابو کر لینے کے بعد وہ جگا تک ضرور پہنچتے پھر کچھ بھی ہوسکتا تھا۔اندر آنے والے اگر جگا کا شکار بھی ہوجاتے تو باہر جو نفری موجود تھی وہ بھی ان کی جگہ لینے سے دریغ نہیں کرتی۔

پستول کی گولیاں ختم ہوجاتیں تو شاید جگا کو دوبارہ اسے بھرنے کا موقع بھی نہ ملتا لیکن لوچن نے بروقت پشت سے آکر کھیل کی بساط پلٹ دی تھی۔اگر لوچن نہ آجاتا تو جگا کے ہاتھ پھر خون آلود ہوجاتے۔قانون کے رکھوالے پھر گڑے مردے اکھاڑنے پر آمادہ ہوجاتے۔اس کی پرانی فائل بھی سرد خانے سے نکل کر سامنے آجاتی۔ماضی کی طرح ایک بار پھر وہ حالات کی ستم ظریفی کا شکار ہوکر آہنی سلاخوں کے پیچھے چلا جاتا۔بنی بنائی کاروباری ساکھ بھی تباہ ہوجاتی۔

جگا کے ذہن میں یہی خیالات گڈمڈ ہورہے تھے جب اورنگ زیب کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔”کیا سوچ رہے ہو......؟“

جگا نے چونک کر اورنگ زیب کی سمت دیکھا، کسمسا کر بولا۔

”سر......آج دوسری بار کسی نے اچانک میری شرافت کو داغ لگانے کی کوشش کی ہے اور آج......آج بھی آپ کے درمیان میں آجانے سے کھیل ادھورا رہ گیا ورنہ......“

”تمہارا شبہ کن لوگوں پر ہے......؟“ اورنگ زیب نے اس کا جملہ کاٹ کر سوال کیا۔

”کوئی پرانا دشمن ہی ہوسکتا ہے“ جگا نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

”لوچن کیا اچانک درمیان میں آگیا تھا؟“

جگا اس سوال پر چونکے بغیر نہ رہ سکا پھر اس کے ذہن میں نگینہ کو رینبو کلب سے اغوا کرنے اور اس کا گفٹ پیک بنا کر سکندر علی شاہ کو روانہ کرنے کی کہانی گونجنے لگی۔لوچن نے بھی اسی شبہے کے پیش نظر نگینہ کے ذریعہ سکندر علی شاہ کو چھیڑنے کی کوشش کی تھی کہ اسے بھی شیخ حامد سے کچھ پرانے حساب بے باق کرنے تھے۔لوچن کا خیال تھا کہ شیخ حامد تک پہنچنے کے لیے سکندر علی شاہ بھی ایک موثر

ذریعہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہوگئے؟'' اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں سوال کیا۔ ''تمہاری دکان پر حملہ کسی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ...... کہا جاسکتا ہے لیکن لوچن کی اسی وقت آمد کو کیا کہا جائے گا؟''

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ صاحب لیکن ایک بات میں بھی دریافت کرنا چاہوں گا۔'' جگا نے بات جاری رکھی۔ ''کیا سکندر علی شاہ کے ڈانڈے بھی آپ کے آکٹوپس سے ملتے ہیں؟''

اس بار اورنگ زیب کے چونکنے کی باری تھی۔ اس نے جگا کو غور سے گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔ ''تمہارے دماغ میں یہ سوال کیوں ابھرا؟''...... جواب میں جگا کے نگینہ کے اغوا اور اس کے گفٹ پیک کی کہانی تفصیل سے بیان کی تو اورنگ زیب کے تجسس میں ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ اس کے ذہن میں پہلا نام سراج کا ابھرا...... اس نے بھی سکندر علی شاہ کے فارم ہاؤس کے علاوہ خود سکندر علی شاہ پر بھی اس شبہے کے امکانات کی بات کی تھی، لوچن بھی اسی لائن پر قدم اٹھا رہا تھا اور...... سکندر علی شاہ نے بھی پہلی ملاقات میں اورنگ زیب کی ایک گم گشتہ کہانی کو دہرا کر اسے چونکا دیا تھا؟

''کیا یہ سب محض اتفاق تھا......؟''

''ملاقات کے دوران سکندر علی شاہ نے منہ بنا کی کس کی کال ریسیو کی تھی؟ پھر دوسری جانب سے جو آواز ابھری اسے سن کر وہ ایک پل میں موم کیوں ہوگیا تھا؟''

''فون کرنے والا کون تھا؟''

''اور...... اس فون کے آنے کے بعد ہی سکندر علی شاہ نے پرانے زخموں کو کرید کر اورنگ زیب کو فارم ہاؤس میں نفسیاتی علاج کا مشورہ کیوں دیا تھا......؟''

اورنگ زیب کے ذہن میں مختلف سوالات ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہوتے رہے۔ جگا نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ کچھ دیر بعد اورنگ زیب نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ جگا سے اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''آئندہ سے جلد بازی میں میک اپ کرنے کی غلطی نہ کرنا...... نگینہ کی نگرانی پر کچھ اور لوگ بھی ضرور تعینات ہوں گے جنہوں نے لوچن کو نہیں لیکن تمہیں ضرور شناخت کرلیا تھا۔''

''پھر؟} کیا میں وقتی طور پر کاروبار بند کردوں؟'' جگا کو پھریری آگئی۔ ''صرف آپ کا خیال ہے صاحب ورنہ......''

''کھاری سوڈے کی بوتل کی طرح ایک دم ابل پڑنے کی عادت ترک کردو......'' اورنگ زیب نے سرزنش کی۔ ''میرا مشورہ ہے کہ محتاط رہو، دکان کی نگرانی اب میرا ذمہ ہے۔''

''آپ کا ملازم ہوں صاحب...... جیسا حکم دیں گے ویسا ہی کروں گا۔'' جگا خاموشی سے اتر گیا تو اورنگ زیب کی گاڑی دوبارہ حرکت میں آگئی۔ جگا کے بیان کی روشنی اور سکندر علی شاہ سے پہلی ملاقات کے سلسلے میں بے شمار سوالات ابھرتے رہے۔ خاصی دیر تک وہ ڈور کا آخری سرا تلاش کرتا

رہا پھر اس نے موبائل نکال کر میڈم روبی کے نمبر ملائے۔دوسری جانب سے خود میڈم روبی نے کال ریسیو کی تھی۔

''اورنگ زیب بول رہا ہوں۔''

''زہے نصیب......'' میڈم نے خوش گوار انداز میں کہا۔''اس وقت کیسے یاد آ گئی؟''

''ایک درخواست کرنی تھی......'' اورنگ زیب نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔''کوئی ایسا قدم جو قانونی نکتہ نگاہ سے اہم ہو،اس کے بارے میں دوستوں سے مشورہ کر لینا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔''

''آپ کا اشارہ کس سمت ہے......؟''

''لوچن اور نگینہ......''

''اوہ......'' میڈم نے بات سمجھ کر کہا۔''اگر بات قانونی اعتبار سے الجھ گئی ہے تو معذرت چاہوں گی لیکن جو شخص مر کر زندہ ہو گیا ہے اس نے ماضی کے کچھ زخم بھی تازہ کر دیے ہیں۔میرے مرحوم شوہر نے مرتے وقت مجھ سے کہا تھا۔روبی مجھ سے وعدہ کرو......تم ان زخموں کا حساب گن گن کر چکتا کرنا جو میرے جسم اور میری روح کو پہنچائے گئے ہیں۔مجھے دفن کرنے کے بعد میری اس آخری خواہش کو فراموش نہ کر دینا......'' میڈم کی آواز رندھنے لگی۔''میں نے اس خواہش کے احترام میں پوسٹ مارٹم کرائے بغیر ہی اپنی زندگی کی تمام خوشیوں کو بھی خاموشی سے دفنا دیا تھا......اور آج بھی مرنے والے کا آخری مطالبہ میرے کانوں میں سوتے جاگتے صدائے بازگشت بن کر گونجتا رہتا ہے۔''

''آئی ایم سوری۔'' اورنگ زیب نے میڈم کی سسکیوں کی آواز سن کر وضاحت کی۔''آکٹوپس کو کیفر کردار تک پہنچانا میری زندگی کا بھی ایک اہم فریضہ ہے۔میں بھی اسے نظر انداز نہیں کروں گا لیکن میں نے صرف اتنا عرض کیا ہے کہ ایسا قدم اٹھانے سے پیشتر دوستوں سے......''

''اس کے لیے میں معذرت کر چکی ہوں۔'' میڈم نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔''آئندہ خیال رکھوں گی۔''

''آپ کے لیے ایک خوش خبری بھی ہے۔'' اورنگ زیب نے میڈم کے زخموں پر مرہم رکھنے کے خیال سے کہا۔''لوچن نے نگینہ کے سلسلہ میں جو قدم اٹھایا ہے۔اس کے بعد آکٹوپس کے ملنے کے کچھ امکانات روشن ہوتے نظر آ رہے ہیں۔''

''پھر......ایک درخواست میں بھی کروں گی۔اگر وقت اور موقع اجازت دے تو مجھے بھی مرحوم کی خواہش پوری کرنے کا کچھ وقت ضرور دیجیے گا۔''

''حالات اگر میرے اختیار میں ہوئے تو آپ کو مایوس بھی نہیں کروں گا۔'' اورنگ زیب نے جواب دیا پھر چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔

کچھ ضروری کام نمٹانے کے بعد وہ سراج کی رہائش گاہ پر پہنچا تو الماس اور سراج دونوں شام کے کھانے پر اس کے منتظر تھے،سراج خلاف توقع کچھ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔اورنگ زیب نے صورت

حال معلوم کرنے کی خاطر الماس سے مسکرا کر پوچھا۔

''خیریت تو ہے......اس وقت موسم کچھ بدلا بدلا نظر آرہا ہے؟''

''درجہ حرارت عام سطح سے کچھ زیادہ ہی ہے۔''

الماس نے دبی زبان میں کہا پھر سراج کو محبت سے دیکھتے ہوئے چائے لینے چلی گئی۔

''کوئی خاص بات؟''

''آج کل آپ بڑے بڑے فیصلے بھی تنہا کرنے لگے ہیں۔'' سراج نے شکورہ کیا۔''میں ماتحت ہوں اس لیے......''

''حماقت نہیں۔'' اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ میں سمجھ رہا ہوں تمہاری بات لیکن وہاں جانے کا خیال بس اچانک ہی ذہن میں آگیا تھا۔

''آپ کو دیکھ کر اسے حیرت تو ہوئی ہوگی۔''

''میں اس سے وقت لے کر گیا تھا۔ ملاقات بڑے دوستانہ ماحول میں ہوئی......اور میرا خیال ہے کہ میرا وقت ضائع نہیں ہوا۔'' اورنگ زیب نے جگا کی دکان پر حملے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا، نگینہ کے اغوا والی کہانی بھی دہرادی۔

''میں نہیں سمجھتا کہ سکندر علی شاہ آپ کو اپنی حویلی میں دیکھ کر خوش ہوگا۔'' سراج نے سنجیدگی سے کہا۔''وہ آپ کی ملاقات کو بھی نگینہ کے سلسلہ کی ایک کڑی سمجھ رہا ہوگا۔''

''میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کروں گا لیکن مجھے بھی جگا سے نگینہ والی بات بعد میں معلوم ہوئی ہے۔'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے جواب دیا۔''تمہارے لیے ایک اور چونکا دینے والی خبر بھی ہے میرے پاس......سکندر علی شاہ نے مجھے فارم ہاؤس آنے کی باقاعدہ دعوت بھی دی ہے۔''

''وہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی ہوگا آپ کے علم میں؟''

''دعوت بھی مع لوازمات کے دی گئی ہے اور میں نے قبول بھی کرلی ہے لیکن سوچن کے لیے کچھ وقت بھی لے لیا ہے۔''

''کوئی خاص مصلحت؟''

جواب میں اورنگ زیب نے پوری تفصیل بتائی تو سراج بھی سنجیدہ ہوگیا۔ الماس چائے لے کر آگئی تھی اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ چائے پینے کے بعد سراج اور اورنگ زیب لاؤنج میں آگئے۔ الماس گھر کے کام کاج میں لگ گئی۔

''آپ نے اپنی ذہنی کیفیت کی کوئی وجہ بھی بتائی ہوگی، اس رنگیے سیار کو؟'' سراج نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ہاں......'' اورنگ زیب نے بات بنائی۔''کام کی مصروفیات اور کچھ ذاتی پریشانیاں۔''

''جو فون درمیان میں آیا......وہ کس کا ہوسکتا ہے؟''

''یہی بات میرے ذہن میں بھی چبھ رہی ہے......تمہارے رنگیے سیار نے اس فون کے آنے

کے بعد ہی مجھے فارم ہاؤس کا اٹوی ٹیشن دیا تھا۔''
''گویا میرا انداز درست بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جگہ آپ کے آکٹوپس کے لیے بھی بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتی ہے۔''
''ہاں......لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ کم از کم سکندر علی شاہ براہ راست شیخ حامد سے واقف نہیں ہوگا۔''
اورنگ زیب نے موضوع بدل کر پوچھا۔'' افضل خان کے فلیٹ پر ہونے والے حملے کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔''
''فائرنگ ورائٹی سپر اسٹورز کے چھت سے کی گئی تھی۔ بلڈنگ کے چوکیدار کا بیان ہے کہ کوئی مکینک کسی سگنل ٹاور کو ٹھیک کرنے کا کہہ کر چھت پر گیا تھا۔ملیشیا کے لباس میں ہونے کی وجہ سے وہ کسی ادارے کا ورکر ہی نظر آ رہا تھا۔چھت سے رائفل میں استعمال کی جانے والی گولیوں سے تین خول بھی مل گئے ہیں۔''
''کون تھا وہ؟''......اورنگ زیب نے سوال کیا۔
''ابھی ہمارے محکمے کے پاس الہ دین کا کوئی ایسا جادوئی چراغ نہیں ہے جسے گھستے ہی......''
''میرے پاس اس کے علاوہ طلسماتی انگوٹھی بھی ہے۔''مائی ڈیئر......''اورنگ زیب نے بے تکلفی سے کہا۔''جس نے گولی چلائی وہ بھی مر کر دوبارہ زندہ ہوگیا ہے۔
''میرا اشارہ وشنو کی طرف ہے جو چتا کی آگ میں،لوگوں کے خیال کے مطابق جل کر راکھ ہوچکا ہے۔''
''آپ......''سراج نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے کہا۔''کیا آپ مجھ سے......''
''مذاق نہیں......حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''اورنگ زیب نے بات جاری رکھی۔''شمشان گھاٹ جاتے وقت جس گاڑی میں وشنو کی ارتھی رکھی تھی اس میں راستے کی پولیس چوکی سے میرا ایک آدمی بھی سوار ہوگیا تھا۔چتا کی آگ بھڑکنے سے پہلے اس نے قریبی جھاڑیوں میں جا کر فائر کیا تھا۔لوگوں کی توجہ ادھر گئی تو وشنو کا مردہ چھلانگ لگا کر اندھیرے میں فرار ہوگیا تھا۔''
''بات ابھی واضح نہیں ہوئی......اگر آپ کا سادہ لباس والا فائر نہ کرتا تو......؟''
''دوسری شکل میں بھی وشنو آگ میں جلنا پسند نہ کرتا......میں نے یہ محض ایک شبہے کی تصدیق کی بنا پر ایسا کہا تھا جسکا فائدہ وشنو جیسے عیار مجرم کو مل گیا......جس وقت کرنل احتشام نے اس کے مرنے کی اطلاع دی تھی اس وقت میرے ذہن میں حبس دم کا خیال ابھرا تھا......یہ ہندو جوگیوں کا ایک عمل ہے جس میں وہ سانس روکنے کی مشق کرتے ہیں اور پھر حیرت انگیز صلاحیتوں کے بعد سے میرا ایک آدمی برابر سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ورائٹی سپر اسٹور کے باہر بھی موجود تھا۔اس کے بعد وشنو وہاں سے نکل کر کہاں گیا اور اس وقت کہاں ہے یہ بھی میرے علم میں ہے۔''
''فائن......''سراج نے قدرے طنزیہ انداز اختیار کیا۔''اگر اس بدذات کی چلائی ہوئی گولیاں

افضل خان اور شبنم کو چاٹ جاتیں تو پولیس کے علاوہ ملٹری انٹیلی جنس والے بھی ہاتھ ملتے رہ جاتے......کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں......میں تم سے ایگری (Agree) کرتا ہوں مگر ہم پولیس والوں کو بھی علم غیب نہیں آتا......سنسان زینوں پر وشنو کا تعاقب میرے آدمی کے لیے ممکن نہیں تھا لیکن اب......اب میں نے ایک آخری فیصلہ کرلیا ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''جس کی زندگی بچ گئی وہی وشنو کے حق میں ملک الموت بھی ثابت ہوگا۔'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے بڑے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ ''جگا نے نگینہ کے سلسلے میں جو تفصیلات بتائی ہیں۔اب اس کی کچھ گرہیں بھی کھلتی جارہی ہیں۔یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ وشنو آکٹوپس کے لیے کتنا اہم ہے۔شمشان گھاٹ پر اگر میں اپنے شبہے کی تصدیق کا تجربہ نہ کرتا تو آکٹوپس کے زرخرید شکاری کتے اسے فرار کا موقع فراہم کردیتے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں لیکن کیا اب آکٹوپس کے آدمی بھی آپ کے سادہ لباس والے کا تعاقب نہ کررہے ہوں گے؟''

''یقیناً کررہے ہوں گے......میں نے اسے بھی تمہارے اس خدشے سے آگاہ کردیا ہے۔'' اورنگ زیب نے پہلو بدل کر کہا۔ ''موجودہ صورت حال کی روشنی میں شاید میں بھی منظر عام سے غائب ہوجاؤں۔''

''یہ......یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' سراج نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ ''میری زندگی میں آپ کو کوئی......''

''جلدی بازی میں نتائج اخذ کرنے سے پرہیز کرنے کی عادت ڈالو......میں تم سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ تم صرف ایک ذمے دار پولیس آفیسر ہو......'' اورنگ زیب نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''قانون شکنوں کو کٹہرے تک پہنچانے کی خاطر اکثر حالات کے پیش نظر کچھ غیر قانونی اقدام بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔''

سراج کچھ جواب دینا چاہتا تھا جب کرنل احتشام کی کال آگئی اس لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔

✣✣✣

تین روز سے سکندر علی شاہ صرف حویلی میں اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ان تین دنوں میں اس نے کسی بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔پہلی بیوی کے پاس جاتے ہوئے اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ جسے اس نے ایک عرصے سے نظرانداز کررکھا ہے وہ اس کے بارے میں کیا خیال کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔اس معصوم مشرقی عورت نے کل سکندر علی شاہ سے کسی بات کا شکوہ کیا تھا۔اس نے دوبارہ آنے پر کسی نفرت کا اظہار کیا تھا۔ایک گھریلو عورت کی طرح شوہر کی پذیرائی میں تن من دھن سے لگ گئی تھی۔پہلی رات سکندر علی شاہ نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔کچھ اس کے احساسات کا خیال تھا

اور کچھ نگینہ کا خیال تھا جس نے اسے حالات کے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا جہاں اسے خود بھی کسی سمت کا یقین کرنا دشوار تھا۔

ایک طرف اس کا ذاتی فیصلہ تھا، نگینہ کے گند کو ہمیشہ کے لیے ہمیشہ سے کہیں ایسی جگہ دفنا دے جہاں سے دنیا کا کوئی فرد بھی اس کا کوئی سراغ حاصل نہ کر سکے۔ یہی ایک طریقہ تھا جس کو اختیار کر کے وہ نگینہ کے اغوا کرنے والوں کی بلیک میلنگ سے بچ کر بھی اپنی پیری مریدی کے ڈھونگ کو برقرار رکھ سکتا تھا لیکن اس اس کا نامعلوم محسن اس کے فیصلے میں حائل ہو گیا ہے۔ وہ سامنے ہوتا تو شاید سکندر علی شاہ اس سے بھی دو ہاتھ کرنے سے گریز نہ کرتا لیکن وہ نہ صرف اندھیرے میں تھا بلکہ سابقہ مہربانیوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی باور کرا چکا تھا کہ وہ طاقت میں بھی سکندر علی شاہ سے زیادہ زور آور ہے۔

دوسری طرف سکندر علی شاہ نے اپنے محسن کی بات مان کر جو خطرہ مول لیا تھا وہ اس کے ذہن میں ایک ہلچل سی مچا رہا تھا۔ نگینہ سے شادی کے بعد اس نے دلربا کے علاوہ نگینہ کو بھی اپنے لیے دلچسپی کا سامان تلاش کرنے کی ذمے داری سونپ رکھی تھی، خود نگینہ بھی جانتی تھی کہ سکندر علی شاہ کی نظروں سے گرنے کے بعد اس کی تمام حیثیت پانی کے بلبلے کی طرح جھاگ بن کر رہ جاتی لیکن حالات نے اسے بھی شکار کر کے بے بس کر دیا تھا۔

سکندر علی شاہ اس وقت پہلی بیوی کے کمرے میں دیوان پر لیٹا حالات کی کشمکش سے دوچار تھا۔ اس کی پہلی بیوی جسے وہ بھی پیار سے گل کہہ کر مخاطب کرتا تھا اس کے دیوان کے قریب بیٹھی اس کا سر سہلا رہی تھی۔ خاصی دیر تک وہ شوہر کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت کا سراغ لگاتی رہی پھر دبی زبان میں بولی۔

”آپ اس وقت کیا سوچ رہے ہیں؟“

”تمہارا کیا خیال ہے؟“ سکندر علی شاہ نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

”کوئی الجھن ہے جو آپ کے چہرے سے جھلک رہی ہے۔“ گل نے دل پر جبر کر کے بڑی حسرت سے کہا۔ ”کبھی میں نے بھی آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔“ آج بھی احساس ہے کہ آپ ہنسنے بولنے کے عادی ہیں۔ پہلے بھی اگر کبھی خاموش ہوتے تھے تو آپ سے یہی سوال کرتی تھی۔ اس وقت آپ اپنے دل کا حال کھل کر بتا دیتے تھے، ہم مل کر اس کا حل تلاش کر لیتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ میں آج بھی آپ کے کسی کام آسکوں۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہوگی۔

سکندر علی شاہ کی تجربہ کار نظروں نے گل کے سراپا پر نظر ڈالی۔ اس میں تازہ گلاب اور ٹہنی پر کھلے پھول کی مہک نہیں تھی لیکن اس کی اصلیت اور تازگی میں کہیں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ ایک ہی چھت کے نیچے دور ہو جانے کے باوجود اس نے کبھی کوئی شکوہ...... کوئی شکایت نہیں کی تھی۔ جب بھی بھولے بھٹکے کبھی شوہر کا سامنا ہوتا تو وہ اس کے احترام میں دوپٹا سر پر ڈال لیتی۔ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود اس نے کبھی بیزاری کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

''تم کس دھات کی بنی ہوئی عورت ہو؟'' سکندر علی شاہ نے نرم لہجے میں سوال کیا۔

''میں آپ کے سوال کا مقصد نہیں سمجھ سکی۔'' گل نے معصومیت سے جواب دیا۔

''تم......تم میرے شب و روز کے مشاغل سے واقف ہو، پھر بھی تمہیں میری پریشانی کا احساس ہو رہا ہے۔''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟......'' گل کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

سکندر علی شاہ کے دل کا پتھر پگھلنے لگا۔ گل کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''نگینہ کے بارے میں تم کیا کہو گی......؟''

''وہ......وہ شرعی اعتبار سے آپ کی دوسری بیوی ہے۔''

''اور دوسری لڑکیاں جو آتی رہتی ہیں......؟''

''وہ سب کھلونا ہیں......'' گل نے نظریں جھکا کر کہا۔

''بچے بھی یہی کرتے ہیں......ایک کھلونے کے بعد دوسرا بازار سے خرید لاتے ہیں جن کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی۔''

''تم اپنی حیثیت کے بارے میں کیا کہو گی؟''

''مجھے آپ کی منکوحہ بیوی ہونے پر فخر ہے۔ کل بھی تھا......آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا......'' گل کے لہجے میں صداقت تھی۔

''تمہاری یہی خوبی ہے جو آج بھی اس حویلی میں عزت سے بیٹھی ہو......لیکن......'' سکندر علی شاہ روانی میں کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

گل نے اس کے جملے کی نزاکت اور یکلخت خاموشی کو محسوس کر کے قدرے سہمے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ ''کیا آپ کو نگینہ سے کہیں کوئی شکایت تو نہیں پیدا ہو گئی؟''

''تمہارے ذہن میں نگینہ کا نام کیوں ابھرا......؟''

''آپ......آپ بھول رہے ہیں کہ اس وقت آپ گل کی خواب گاہ میں ہیں۔''

''سکندر علی شاہ لاجواب ہو گیا۔ تادیر گل کو نگاہوں نگاہوں میں ٹٹولنے کے بعد بولا۔''

''فرض کر لو کہ نگینہ کے بارے میں تمہارا خیال درست ہو تو......تو تم کیا مشورہ دو گی؟''

''پودوں اور درخت میں فرق ہوتا ہے۔'' گل نے اپنا مفہوم بڑے خوب صورت انداز میں بیان کیا۔

''پودوں میں اگر کسی طرف جھکاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کو صحیح کرنے کے لیے بند لگا کر اس کی بندش مضبوط کر دی جائیں تو......''

''ڈھکے چھپے الفاظ میں نہیں......کھل کر بیان کرو۔''

''میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ کو صرف سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔'' گل نے اپنائیت سے کہا۔ ''آپ ادھر جا کر مسہری پر آرام کریں۔ صبح تر و تازہ ہو کر اٹھیں گے تو پھر بات

ہو گی۔''

''تم کہاں لیٹو گی......؟'' سکندر علی شاہ نے گل کو ترچھی نظروں سے گھورا۔

''جہاں آپ حکم دیں گے......'' گل نے نظریں جھکا لیں لیکن آنسوؤں کے ان قطروں کو نہ روک سکی جو بے اختیار ہو کر اس کی پلکوں سے ڈھلک گئے تھے۔

سکندر علی شاہ آہستہ سے اٹھا۔اس نے گل کا ہاتھ تھام کر سوچا۔مسافر تھکا ہو تو کسی پرانے درخت کا سایہ بھی اس کے لیے سکون بخش ہوتا ہے...... ''تم اور میں آج پھر ایک ہی مسہری پر رات گزاریں گے۔''

گل خاموشی سے شوہر کے حکم کے احترام میں اس کے ساتھ بستر پر چلی گئی۔اس رات سکندر علی شاہ کو ایک عرصے بعد وقتی نہیں بلکہ قلبی سکون حاصل ہوا تھا۔دوسری صبح وہ بیدار ہوا تو اس کے ذہن میں پھر نگینہ کا خیال کلبلانے لگا۔ناشتا اس نے گل کے ساتھ ہی کیا پھر وہ تیور بدل کر نگینہ کے کمرے میں گیا جو حسب معمول سفید ٹاول کے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھی۔اس کے چہرے پر آج وہ شوخی نہیں تھی جو سکندر علی شاہ کو مائل کر لیا کرتی تھی۔دو راتوں کی دوری ہی نے اس کو ضرورت سے زیادہ محتاط کر دیا تھا۔

سکندر علی شاہ کو دیکھتے ہی اسے اپنے اغوا کی کہانی بھی ڈسنے لگی۔اسے صرف اتنا یاد تھا کہ پروفیسر چنگ لائی فارچون سے اس کی ملاقات رینبو کلب میں اس وقت ہوئی تھی جب وہ سکندر علی شاہ کے لیے ایک خوب صورت شکار کو دانہ ڈالنے میں مصروف تھی۔پروفیسر کی باتوں نے اس کو اس حد تک متاثر کیا تھا کہ وہ اپنے بارے میں سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین ہو کر اس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئی تھی پھر راستے میں جب پروفیسر چنگ لائی نے اس کا ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اس کے بازو کو تھاما تو نگینہ کو ایک چبھن کا احساس بھی ہوا جو اتنا شدید بھی نہیں تھا کہ وہ سنجیدگی سے اس پر غور کرتی لیکن اس کے بعد وہ ذہن پر طاری ہونے والی برق رفتار غنودگی کو بھی نہیں کنٹرول کر سکتی تھی...... بے ہوشی کے بعد اسے کہاں لے جایا گیا؟...... لے جانے والے دونوں افراد نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا یہ بھی اس کے علم نہیں تھا مگر دوبارہ ہوش آنے پر اس نے خود کو اپنی ہی خواب گاہ میں جس حالت میں فرش پر پڑا پایا تھا وہی بہت سی کہانیوں اور اندیشوں کو جنم دینے کے لیے کافی تھا۔دو روز بعد سکندر علی شاہ کے سامنے آتے ہی وہ سہم کر رہ گئی تھی۔سکندر علی شاہ اس کے چہرے پر بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا پھر سرسراتے لہجے میں بولا۔

''تم جس حالت میں ہوش میں آئی ہو یاد ہے تمہیں......؟''

نگینہ تھوک نگل کر رہ گئی۔کوئی جواب نہ دے سکی۔

''تم رینبو کلب کیوں گئی تھیں......؟''

''آپ کے لیے ایک نئے ہیرے کی تلاش میں...... وہ ایک دو ملاقات کے بعد میرے جال میں......''

''بکومت......'' سکندر علی نے گرج کر کہا۔''تم وہاں سے کس کے ساتھ گئی تھیں؟......ڈرائیور کو کیوں واپس کر دیا تھا؟ کون تھے وہ پرانے آشنا جن کی خاطر تم نے میری اجازت کے بغیر قدم اٹھالیا؟''

نگینہ نے تھم تھم کر پوری روداد بیان کرنی شروع کر دی۔سکندر علی شاہ خونخوار نظروں سے اسے گھورتا رہا۔اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ نگینہ غلط بیانی نہیں کر رہی مگر خود نگینہ کا ماضی اس کے آڑے آرہا تھا۔

''اب تم نے خود اپنے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟'' سکندر علی شاہ نے فیصلہ کن انداز میں دریافت کیا۔

''میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ خود کوئی فیصلہ کر سکوں......آپ کا جو حکم ہوگا اس سے انکار بھی نہیں کروں گی۔'' نگینہ نے ہتھیار ڈال دیے۔

''گھٹیا عورت......جس کی وجہ سے میں نے تجھے اپنایا تھا اسی نے کہا ہے کہ اب تم بغیر اجازت اس خواب گاہ سے بھی باہر قدم نہیں نکالو گی۔'' سکندر علی کا طیش بڑھتا گیا......''اسی خواب گاہ میں اب تیری موجودگی میں اپنا شغل بھی نئی تتلیوں سے جاری رکھوں گا......تیری پیشانی پر کبھی کوئی بل آیا تو پھر اس حویلی میں تیری قبر بھی میرے ہی ہاتھوں بنے گی......''

''مجھے اب آپ کی ہر شرط منظور ہے۔'' نگینہ نے آگے جھک کر سکندر علی شاہ کے گھٹنوں کو چھو کر اس کے کشادہ سینے پر سر ٹکایا تو سکندر علی شاہ کے اندر چھپے شیطان کے قدم پھر ڈگمگانے لگے۔

✣✣✣

ماربل کے ایکسپورٹ کا کاروبار روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔اس کے ساتھ ہی لیاقت حسین کی مصروفیات بھی بڑھ گئی تھیں۔بندرگاہ تک شپمنٹ کا کام راحیلہ بیگم کے فیصلے کے بعد دوسرے ڈرائیور کو سونپ دیا گیا تھا لیکن مقامی مارکیٹ میں آنا جانا۔آرڈر وصول کرنا اور مال کو جہاز راں کمپنی کے حوالے کرانے کی خاطر اپنی نگرانی میں لوڈ کرنا اسی کی ذمے داری میں شامل تھا۔

اس وقت بھی دن بھر کا تھکا ماندا شام کو پانچ بجے وہ گھر پہنچا تھا۔ایسے موقع پر وہ فرحین کو محبت سے سینے لگا کر اپنی دن بھر کی تھکن دور کر لیتا تھا مگر اتفاق سے اس وقت فرحین گھر پر نہیں تھی۔چوکیدار نے بتایا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے ہی راحیلہ بیگم کی طرف گئی ہے۔جلدی آنے کا بھی بول گئی تھی۔

لیاقت حسین نے واش روم میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلا تو تھکن اتارنے کی غرض سے بستر پر لیٹ گیا۔تھکن کے سبب اس کا پورا جسم ٹوٹ رہا تھا۔وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا تاکہ فرحین کے آنے پر خود کو سوتا ظاہر کر سکے۔اس کے ذہن میں فرحین کا تصور تھا۔وقتی طور پر وہ اسی معصوم تصور سے دل بہلانے میں مصروف تھا جب اس کا ذہن غنودگی کی کیفیت سے دوچار ہونے لگا۔اس نے خود کو بیدار رکھنے کی خاطر اٹھنے کی کوشش کی لیکن غنودگی اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ وہ اپنے

ارادے پر عمل نہ کرسکا پھر...... اس نے اپنی آنکھوں سے ایک عجیب منظر دیکھا۔

اس کا دوست گل خان لیاقت حسین کو ایک گندے عمل کرنے کا توڑ کرنے کے بعد جس بزرگ کے پاس لے گیا تھا۔ اس وقت لیاقت حسین اسی کے سامنے دوزانوں بیٹھا تھا۔ بزرگ نے پہلی بار دیکھے بغیر زمین سے خاک کی ایک چٹکی اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دی تھی لیکن اس وقت اسی بزرگ نے نظریں اٹھا کر لیاقت حسین کو دیکھا۔ ایک لمحے تک دیکھتا رہا پھر اس کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

''لیاقت حسین!'' اس نے مسحور کن لہجے میں کہا۔

''مجھے اس وقت تمہارا ہی انتظار تھا۔ ایک بات ذہن نشین کرلو۔ بزرگوں کی دعائیں ضرور کام آتی ہیں لیکن تعویز گنڈے اور علامتی نشانات سب فریب ہیں۔ کچے عقیدے کے لوگ خدا کے نام پر دکان داری چمکانے والوں کے قرب میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر جو اللہ کو چھوڑ کر بندوں کے سامنے جھولی پھیلاتا ہے وہ کبھی سرخرو نہیں ہوتا۔ ٹھوکریں اس کے مقدر میں رقم کر دی جاتی ہیں۔ دنیا اور آخرت دونوں غارت ہو جاتی ہیں۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں محترم لیکن آپ نے خاک کی جو چٹکی......''

''نہیں......'' بزرگ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔ ''تم جو سمجھ رہے ہو وہ غلط ہے...... خاک کی جو چٹکی میں نے تمہارے منہ میں ڈالی تھی وہ بھی مشیت ازدی کا اشارہ تھا۔ اس میں جو اثر تھا اور ہے...... وہ بھی اسی مالک دو جہاں کا فیض کرم ہے...... وہی ایک وحدہ لاشریک لہ ہے جو ہر جگہ موجود ہے لیکن انسان کی نظریں اس کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتیں۔ مقدس کتاب میں بھی یہی درج ہے کہ وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہنا ہے...... ہوجا...... اور وہ کام ہو جاتا ہے۔''

''یہی حق ہے محترم......''

''اس وقت بھی تم اسی کے اشارے پر میرے پاس موجود ہو۔'' بزرگ نے اس بار قدرے جلالی انداز میں کہا، سارے جسم کے کپکپاتے ہوئے بولے۔ ''یہ دنیا ایک امتحان کا کمرا ہے جہاں تمام جنس و ملک اپنا اپنا پرچہ حل کر رہے ہیں۔ اسی دنیا میں شیطان مردود بھی ہے جو انسانوں کو بہکاتا ہے اور انسان بہک کر شیطان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جاتا ہے۔ لیکن اللہ ہر فرعون کے لیے کوئی نہ کوئی موسیٰ بھی پیدا کر دیتا ہے۔ نیکی کا انجام دینا بھی سعادت ہے۔ اس سعادت کے لیے بھی تمہارا انتخاب کیا گیا ہے۔''

''میں...... میں سمجھا نہیں محترم؟'' لیاقت حسین نے سادگی سے سوال کیا۔

''فی الحال کچھ سمجھنے کی کوشش نہ کرو...... میرے ساتھ چلو...... جو نظر آئے، اسے ذہن میں رکھنا...... جب تک اجازت نہ ہو اس کے بارے میں زبان بھی نہ کھولنا...... ہر کام کے لیے قدرت ہی وقت کا انتخاب کرتی ہے...... ہم تم دونوں اسی کے محتاج ہیں۔''

لیاقت حسین پھر کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا جب بزرگ نے اس کا ہاتھ تھام لیا، لیاقت حسین کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اس کی غنودگی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے

قابل نہیں تھا لیکن اس کی نظروں کے سامنے سے جب دوبارہ تاریکی چھٹی تو اس نے ایک خوب صورت اور کمسن لڑکی کو سرکاری کوارٹر نما مکان سے نکلتے دیکھا......اس کے جسم کا لباس بھی اس کی غربت کی کہانی سنا رہا تھا۔

شام کے اندھیرے پھیل چکے تھے۔لڑکی نے کوارٹر سے نکل کر سر پر دوپٹا ڈالا۔سہمی ہوئی نظروں سے دائیں بائیں دیکھا پھر وہ کوارٹروں کی دیوار عبور کرنے کے بعد جیسے ہی آگے بڑھی، دو ہٹے کٹے آدمیوں نے یکلخت اسے لپک کر دبوچ لیا۔لڑکی کے منہ پر ہاتھ جما کر اسے گھسیٹتے ہوئے اس وین کے عقبی حصے میں لے گئے جہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔

''اس وین کے ڈرائیور کی شکل کو ذہن میں محفوظ رکھنا۔'' بزرگ کی آواز لیاقت حسین کے کانوں میں گونجی......

لیاقت حسین نے ڈرائیور پر بہ غور نظر ڈالی پھر منظر تبدیل ہوگیا۔جس کمسن لڑکی کو اغوا کیا جا رہا تھا وہ وین کی پشت پر بیٹھی اغوا کرنے والوں سے رو رو کر اور ہاتھ جوڑ کر فریاد کر رہی تھی۔

''تمہیں خدا اور اس کے محبوب کا واسطہ! مجھے چھوڑ دو......میں یتیم ہوں، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ......مجھ پر رحم کرو۔''

''تم کہاں جا رہی تھیں......؟'' ایک ہٹے کٹے جوان نے اس کو للچائی ہوئی نظروں سے سر تا پا دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''م......میں ماں کی ایک واقف کار خاتون سے کچھ قرض لینے کی خاطر نکلی تھی۔''

''ہم تم کو ایسی ہی جگہ لے جا رہے ہیں جہاں تم کو قرض نہیں بلکہ ہیرا سمجھ کر تمہاری قیمت ادا کی جائے گی۔''

دوسرے نے مسکرا کر کہا۔''ایسی قیمت جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔''

''نہیں......خدا کے لیے نہیں۔'' لڑکی نے پھر التجا کی۔''میں گناہ آلود ہونے سے پہلے مر جانا پسند کروں گی......مجھے واپس جانے دو۔''

''خاموش رہو ورنہ......ہمیں تمہارے ہونٹوں کو بند کرنے کا طریقہ بھی آتا ہے۔''

تیسرے کے لہجے میں ایسی دھمکی تھی کہ لڑکی سہم کر رہ گئی۔دل ہی دل میں خدا سے فریاد کرنے لگی۔

لیاقت حسین کی نظریں روز روشن کی طرح سب کچھ دیکھ رہی تھیں......لڑکی کا سفر ایک عورت کے پاس جا کر ختم ہوا، اس نے تنہائی میں عورت سے بھی وفاداری کی۔عورت اسے تسلیاں دیتی رہی۔دلاسا دیتی رہی کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔اسی عورت کے کہنے پر لڑکی نے مجبوراً غسل کیا پھر اس کا دیا ہوا لباس بھی مجبوراً پہن لیا۔عورت نے اسے سو سو کے دو نوٹ بھی دیے پھر بولی۔

''اسے خاموشی سے رکھ لو اور غور سے میری بات سنو......جو لوگ تمہیں اٹھا کر لائے ہیں وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔شکر کرو کہ تم میرے پاس آگئی ہو......اب میں تمہیں ایک نیک اور باا ثر آدمی

تک پہنچا دوں گی جو تم کو تمہاری ماں کے پاس واپس بھیج دے گا۔ایک نصیحت اور ذہن نشین کرلو......وہ آدمی جو کہے اس سے انکار بھی نہ کرنا......''

''تم......تم......''لڑکی عورت کا جواب سن کر بڑے معصوم لہجے میں بولی۔''تم تو خود ایک عورت ہو......کیا عورت ہو کر بھی تم مجھ یتیم کو کسی کے ہاتھوں فروخت کردو گی۔''

''وقت اور حالات کا تقاضا سمجھ لو......''عورت نے سرد آواز میں کہا......''میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے وہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے......دوسری صورت میں......میں بھی تمہارے کسی کام نہ آسکوں گی......تم حالات کا شکار ہو کر کھلونا بن جاؤ گی۔''

''اس عورت کی شکل کو بھی اپنے حافظے میں محفوظ کرلو......''بزرگ کی آواز پھر لیاقت حسین کے کانوں میں گونجی۔

لیاقت حسین جو کچھ دیکھ رہا تھا۔دیکھتا رہا،اس کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔اس نے عورت کی صورت وشکل کو بزرگ کی ہدایت پر ذہن میں محفوظ کرلیا۔اسی لمحے منظر بھی تبدیل ہوگیا۔

کمسن لڑکی اب ایک دوسرے کمرے میں کسی مرد کے سامنے موجود تھی جس کی آوارہ نظریں لڑکی کے جسمانی نشیب وفراز پر متحرک تھیں۔لڑکی اس وقت بھی کسی معصوم پرندے کی طرح ایک پنجرے میں بند اپنے گردوپیش کا جائزہ لے رہی تھی جب مرد نے قریب آکر بہکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم یقیناً ایک ہیرا ہو جسے تراش خراش کر میرے پاس بھیجا گیا ہے اور میں......میں ہیرے کی قدر وقیمت جانتا ہوں......تمہیں کل صبح میرے آدمی تمہاری ماں تک بہ حفاظت پہنچا دیں گے اور......تمہیں ایک رات کی قیمت بھی ہزاروں مل جائے گی......ہوسکتا ہے کہ میں دوبارہ پھر بھی تمہیں بلالوں......''

''مم......میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔''لڑکی نے ہونٹ چباتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔''تم......میری صرف ایک خواہش پوری کردو......''

''خواہش نہیں......تم حکم دو جان من......میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا......''مرد نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر خود سے قریب تر کرلیا۔''کیا چاہتی ہو......؟''

''تھوڑا سا زہر......اس کے بعد تم اپنی خواہش بھی پوری کرلینا......''لڑکی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

پھر......جو کچھ ہوا اس نے لیاقت حسین کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش کو تیز سے تیز کردیا لیکن......اس وقت وہ عمل کر گزرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا،کسی نادیدہ ہاتھ کی سرد گرفت نے اسے پوری طرح اپنے قبضے میں رکھا تھا......وہ خاموش تماشائی بنا رہا۔

مرد نے لڑکی کی خواہش سن کر قہقہہ لگایا پھر وہ معصوم اس کے بوجھ تلے پھڑ پھڑانے کے سوا کچھ نہ کرسکی......خاصی دیر تک ایک مجبور لڑکی ایک مرد کی درندگی کا شکار ہوتی رہی پھر وہ اسے تنہا چھوڑ کر

مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

لڑکی خود اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہی پھر اس نے کسی خیال کے بغیر اپنے جسم کو لباس میں چھپایا۔ ہاتھ میں پرانی دوکانی کی چوڑیوں کو اتار کر ایک گوشے میں رکھی سنگ مرمر کی کارنر ٹیبل پر لے جا کر گل دان سے کچلا پھر اسے چبانے لگی۔

جتنی دیر شیطانی کھیل جاری رہا، لیاقت حسین خاموش تماشائی بنا رہا پھر وہ اس معصوم لڑکی کی عبرتناک موت کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ چوڑیوں کے ذرات چبانے کے بعد کچھ دیر قیمتی قالین پر پڑی ماہی بے آب کے مانند تڑپی...... اس کے منہ سے خون ابلا...... اس کے معصوم جسم کو دو چار جھٹکے لگے پھر وہ موت کی ابدی نیند سو گئی۔

''جس درندے نے اس معصوم کلی کو روندا اس کے چہرے کو بھی یاد رکھنا۔'' بزرگ کی آواز لیاقت حسین کی سماعت سے ٹکرائی پھر منظر یکلخت تبدیل ہو گیا۔

ایک ویرانے میں دو چار بے حس افراد لڑکی کے جسم کو زمین میں دفنا رہے تھے۔ لیاقت حسین کے دل میں ان افراد کو زندہ درگور کرنے کی خواہش ابھری لیکن وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، بن رہا تھا...... عمل کرنے سے قاصر تھا۔

''اس قبر کی نشاندہی بھی تمہیں کرنی ہوگی۔'' بزرگ کی آواز پھر ابھری تو لیاقت حسین نے کہا۔

''میرے محترم...... اگر وقت آنے میں دیر لگی...... اس معصوم کی لاش کو کیڑے کھا گئے تو میں بھی بے بس ہو جاؤں گا۔''

''تم حافظ ہو لیاقت حسین...... فرعون کے روشن واقعے پر غور کرو...... اس شیطان نے بھی موت کو سامنے دیکھ کر خدا پر یقین لانا چاہا...... مگر وقت گزر چکا تھا...... جو مہلت اسے دی گئی وہ ختم ہو چکی تھی...... خدا نے کہا تھا...... میں تیری لاش کو دنیا والوں کے لیے عبرت بنا دوں گا...... سمندر کی گوشت خور مچھلیوں نے بھی فرعون کے جسم کو منہ نہیں مارا...... اس رب کریم کا کہا کبھی غلط نہیں ہوا...... فرعون کی لاش برسوں بعد بھی محفوظ رہی...... جو مشرک مقدس کتاب کے اس واقعے کی تردید کرتے تھے...... خود انہوں نے فرعون کی لاش بھی تلاش کی...... اس کے فرعون ہونے کی تصدیق بھی کی۔ آج دنیا کے لوگ اس مردود کی اکڑی ہوئی لاش کا مشاہدہ دنیا کے گوشوں گوشوں میں سائنسی ایجادوں کے ذریعے کر رہے ہیں...... مشرکین بھی انگشت بدنداں ہیں...... اسی خدا نے اگر چاہا تو اس معصوم بچی کی لاش کو بھی صحیح وسلامت رکھ سکتا ہے...... کل کیا ہوگا؟ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا...... تم صرف ان راستوں اور چہروں کو ذہن میں محفوظ رکھو...... جب مالک دو جہاں کو منظور ہوا وہ خود تمہارے لیے ساری مشکلات دور کر دے گا...... میری ذمے داری پوری ہوئی......''

''میرے محترم...... کیا میں آپ سے......'' لیاقت حسین اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

وہ فرحین کی آواز ہی تھی جس نے اسے سوتے سے جگا دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر فرحین کو دیکھا جو قریب کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

''تو کب آئی......؟'' لیاقت حسین نے اسے پورے ہوش وحواس میں فرحین کو مخاطب کیا۔ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس کے ذہن میں کہیں گم ہو کر رہ گیا۔

''میری چھوڑ......تو بتا کہ مجھے ڈرانے کی خاطر کیا ڈراما کر رہا تھا؟'' لاش......قبر......! کسے دفنانے کی بات کر رہا تھا؟ کیا فرحین سے تیرا دل بھر گیا؟ تجھے میری جان کی قسم ہے......سچ بتا کہ تو ابھی کیا بک بک کر رہا تھا؟

لیاقت حسین کا خیال تھا کہ فرحین مذاق کر رہی ہو گی لیکن جب فرحین سنجیدہ نظر آئی تو اسے خیال آیا۔ ''ممکن ہے کچھ دیر کو میری آنکھ جھپک گئی ہو۔ میں دن میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔'' ایک لمحے تک وہ فرحین کو دیکھتا رہا پھر بڑی معصومت سے بولا۔ ''تو یقین نہیں کرے گی میں لاش، قبر اور دفنانے کی بات کیوں کر رہا تھا۔''

''چل اب بتا دے......کیا چکر ہے؟''

''وہ......سب میں اپنے ارمانوں اور بے چینی کے لیے کہہ رہا تھا۔'' لیاقت حسین دیدہ ودانستہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''تو نہیں ہوتی تو میں بے چین ہو جاتا ہوں، یہ بے چینی کہیں دیوانگی کی شکل نہ اختیار کر لے اس لیے میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اپنے ارمانوں کی لاش اور بے چینی کو قبر میں دفنا دوں۔ پھر تو بھی یہ شکایت نہ کرے گی کہ میں تیرے قرب کے لیے اتنا ندیدہ کیوں بنا رہتا ہوں۔''

''دماغ چل گیا ہے تیرا۔'' فرحین نے اس کا جواب سنا تو مسکراتے ہوئے قریب آ گئی۔ ''وہ سب تو پیار میں کہتی ہوں۔''

''کبھی کبھی تو برا بھی ضرور لگتا ہو گا۔ تیری جگہ میں ہوتا تو شاید......''

''بس......چپ ہو جا۔'' فرحین نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تو نہیں ہوتا تو میں بھی بے چین ہو جاتی ہوں اور آج......آج تو میں تجھے ایک نئی بات بتانے کی خاطر بے چین تھی۔'' فرحین کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑنے لگی۔

''وہ کیا......؟''

''بیگم صاحبہ نے بلایا تو ادھر چلی گئی، میرا خیال تھا کہ ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہے تو اندر اکیلی ہی ہوں گی، میں منہ اٹھائے بے دھڑک اندر گئی تو میرا دل دھک سے رہ گیا......چپ سادھ کر دبے قدموں واپس آ گئی اور......ان دونوں کو خبر تک نہ ہوئی۔''

''کیا دیکھ لیا تو نے ایسا انوکھا تیرا دل دھک سے رہ گیا......؟''

''وہ......وہ......تیرے صاحب بیگم صاحبہ کو انگریزوں والا پیار کر رہے تھے۔''

''اور یہ انگریزوں کے پیار والی بات تجھے کیسے معلوم ہوئی؟''

''بیگم صاحبہ نے......مجھے کمرے میں آتے دیکھ لیا تھا۔'' فرحین نے شرما کر کہا تو لیاقت حسین نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیے۔ کسی بھونرے کی طرح پھول کی پنکھڑیوں کا رس چوسنے لگا تو فرحین نے اسے یاد دلایا۔

''دروازہ تو بند کر لے انگریزی بندر......''

''لیاقت نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا پھر ان دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکنا شروع ہو گئے۔اس روز فرحین کی خودسپردگی میں کچھ نئے رنگ گھل مل گئے تھے۔''

✣✣✣

اورنگ زیب اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

وشنو کا فرار ہو جانا اس کے لیے کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ایک شبہے کی تصدیق کی خاطر اس نے جو قدم اٹھایا تھا وہ کامیاب رہا تھا۔اورنگ زیب نے اپنے ایک خاص آدمی کو وشنو کے پیچھے لگا دیا تھا جو پل پل کی خبر دے رہا تھا۔وشنو کے سلسلے میں اورنگ زیب سے جو ایک غلطی سرزد ہوئی تھی اس کا احساس بھی اسے اس وقت پوری شدت سے ہوا جب اس نے سپر اسٹور والی چھت سے افضل خان کے فلیٹ پر گولیاں چلائی تھیں۔یہ اتفاق ہی تھا کہ وشنو نے کس جذباتی وجہ سے شکار سامنے نہ ہونے کے باوجود گولیاں داغ دی تھیں۔وہی گولیاں اگر دیوار کا پلستر ادھیڑنے کے بجائے افضل خان یا شبنم میں سے کسی ایک کی بھی زندگی کا چراغ گل کر دیتیں تو اورنگ زیب خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔

اسے علم تھا کہ وشنو کے ملٹری انٹیلی جنس والوں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افضل خان ہی نے دوبارہ اس کی گرفتاری کا جال تیار کیا تھا۔ایسی صورت میں وشنو کا افضل خان کے خطرے کو درمیان سے ہٹانا قدرتی امر تھا۔بہر حال افضل خان اور شبنم دونوں محفوظ تھے۔

وشنو کے علاوہ اور بھی کئی وجوہات تھیں جس کے پیش نظر اس نے سکندر علی شاہ سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔وہاں جو صورت حال پیش آئی اس نے اورنگ زیب کے خدشات کو اس کی توقع سے زیادہ حیران کر دیا۔سکندر علی شاہ کا ملاقات کے دوران کسی فون پر بات کرنا بھی خلاف معمول تھا پھر اس نے اورنگ زیب کے اوراق زندگی کے ایک باب کو الٹ کر اسے چونکا دیا تھا جسے گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ خود اورنگ زیب بھی فراموش کر چکا تھا۔اس ضمن میں سکندر علی شاہ نے غالباً اسے ٹریپ کرنے کی خاطر اپنے فارم ہاؤس آنے کا انوی ٹیشن بھی دیا تھا۔ذہنی سکون کے لیے اس کو مخصوص دوا کی فراہمی کا اشارہ بھی کیا تھا۔جو کھیل فارم ہاؤس کے دونوں ریسٹ ہاؤس میں ہو رہا تھا اورنگ زیب اس سے بھی ناواقف نہیں تھا۔سراج نے بھی آکٹوپس کے لیے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اسی فارم ہاؤس کو ایک مناسب جگہ قرار دیا تھا لیکن اورنگ زیب نے ذاتی اور خفیہ معلومات کی بنیاد پر یہ بات تسلیم نہیں کی تھی۔اس نے سراج کو بار بار یہی جواب دیا تھا کہ سکندر علی شاہ براہ راست شیخ حامد سے واقف نہیں ہو سکتا۔اس یقین کی وجہ اورنگ زیب کی ذاتی اور خفیہ تفتیش کی رپورٹس تھیں اس نے شیخ حامد کو آکٹوپس کا نام بھی اسی وجہ سے دیا تھا۔آکٹوپس کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا میں یہی پڑھا تھا کہ وہ ایک خطرناک سمندری مخلوق ہے۔اس حد تک محتاط رہتا ہے کہ اس سمندری کیکڑے کے آٹھ زہریلے ہاتھ بھی ایک ہی وقت میں مختلف ارادوں سے دشمن کی سمت جھپٹتے ہیں لیکن ایک کی حرکت کا علم دوسرے کو بھی نہیں ہوتا۔وہ بیک وقت کئی دشمنوں کو اپنے ظالمانہ انداز میں شکار کر لیتا ہے۔

شیخ حامد سمندری مخلوق نہیں۔وہ ذی ہوش اشرف المخلوقات میں شمار ہوتا تھا اس لیے حالات کے پیش نظر سکندر علی شاہ جیسے مختلف فطرت کے انسان پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔"یہ ممکن تھا کہ وہ سامنے آئے بغیر سکندر علی شاہ سے رابطہ رکھتا ہو؟"اس سوال کے ذہن میں آتے ہی اورنگ زیب کے ذہن میں وہ کال بھی ابھری جو ملاقات کے دوران سکندر علی شاہ کو موصول ہوئی تھی جسے مجبوراً سنا گیا تھا۔اگر وہ شیخ حامد ہی کی کال تھی تو سکندر علی شاہ اس کو کس حیثیت سے جانتا تھا......؟

اورنگ زیب کے ذہن میں ایک کے بعد ایک سوالات ابھر رہے تھے......اگر سراج کی بات تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ سوال بھی تھا کہ آکٹوپس وہاں کس حیثیت سے اور کس شکل میں چھپا ہے؟ چھپنے کی وہ جگہ ایسی کہاں ہے جس کا علم خود سکندر علی شاہ کو بھی نہ ہو؟......اس مفروضے کی تردید روشنا کے اغوا اور بالجبر کے معاملے سے بھی نہتی تھی۔روشنا کے سلسلے میں دارا نے بھی بے حد اصرار پر مجرم کا جو حلیہ بیان کیا وہ بھی حیرت انگیز طور پر آکٹوپس سے ملتا تھا؟......کیا فارم ہاؤس میں آمدورفت کے باوجود سکندر علی شاہ کے شکاری کتے کسی اجنبی کی بو نہیں سونگھ سکے تھے؟

ذہن میں یکے بعد دیگرے مختلف سوالات ابھر رہے تھے جب اورنگ زیب کے ذہن میں جگا اور لوچن کا خیال آیا۔لوچن نے کسی مستقبل شناس کا روپ دھار کر نگینہ کو شکار کیا تھا مگر......جگا کو یقیناً میک اپ کے باوجود شناخت کر لیا تھا۔ایسا نہ ہوتا تو اس کے فرنیچر ہاؤس پر منظم حملہ نہ ہوتا......اس واردات کے پس پردہ بھی سکندر علی شاہ کی شخصیت سامنے آئی تھی......نگینہ کا تعلق اس کی بیوی کی حیثیت سے تھا۔لوچن نے اس کا "برہنہ گفٹ پیک" سکندر علی شاہ کو کیوں روانہ کیا تھا؟......اسکا جواب میڈم روبی سے بات کرنے کے بعد مل گیا تھا؟......اس کی وضاحت کے مطابق لوچن کو بھی کسی وجہ سے یہی شبہ لاحق تھا کہ سکندر علی شاہ کو بلیک میل کرنے کے بعد ہی......شیخ حامد تک اس کی رسائی ممکن ہوسکتی تھی۔

ان بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب کو اس بات کا یقین تھا کہ اس کی نقل و حرکت پر بھی وشنو کی نظر ہوگی۔اس نکتے کے ذہن میں ابھرنے کے بعد ہی اس نے سوچا تھا کہ وقتی طور پر کچھ عرصے چھٹی لے کر منظر عام سے ہٹ جائے۔

اسی خیال کے تحت اس نے ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست لکھی پھر اٹھ کر آئی جی کے کمرے میں جانے کے لیے پر تول رہا تھا کہ پینتھر کی کال آگئی۔

"اس وقت کیسے فون کیا؟"اس نے موبائل آن کر کے سنجیدگی سے دریافت کیا۔"کوئی اہم اطلاع؟"

"جی ہاں......چتا سے فرار ہونے والے نے کچھ دیر پہلے اپنا ٹھکانا بدل دیا ہے۔"

"اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے تمہارے خیال میں؟"

"محض احتیاط......"دوسری سمت سے جواب ملا۔"یہ میرا ذاتی خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔اس کی نگرانی پر کڑی نظر رکھنا۔ایک بات اور بھی نوٹ کر لو۔"

''آپ حکم دیں......''

''چور پتا اگر ختم کر دیا جائے؟......'' اورنگ زیب نے سرسراتے مگر مدھم لہجے میں سوال کیا۔

''بہت مناسب رہے گا......آپ اشارہ کر دیں، ایک گھنٹے کے اندر اندر......''

''نہیں......یہ نیک کام کوئی مستحق افراد ہی کرے گا۔'' اورنگ زیب نے جملہ کاٹ کر کہا پھر موبائل آف کر کے وہ آئی جی کے کمرے کی جانب بڑھا۔ دو منٹ کے مختصر انتظار کے بعد اس کی طلبی بھی ہو گئی۔ آئی جی کی نظریں اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہیں۔ اورنگ زیب کے بیٹھ جانے کے بعد ہی اس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''اس وقت کیسے زحمت کی......''

جواب میں اورنگ زیب نے اپنی درخواست اس کے سامنے رکھ دی۔ آئی جی نے درخواست کو غور سے پڑھا پھر پہلو بدل کر بولا۔

''اچانک آپ کو طویل رخصت کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''کچھ ذاتی اور نجی معاملات نمٹانے ہیں۔'' اورنگ زیب نے سادگی سے جواب دیا۔

''میں آپ کے دفتری اوقات کی پابندی میں نرمی بھی کر سکتا ہوں۔''

''جانتا ہوں لیکن ذاتی کام کے ساتھ اسی بہانے کچھ آرام بھی کر لوں گا۔''

''آرام......'' آئی جی نے مسکرا کر سوال کیا۔ ''یہ آپ کہہ رہے ہیں۔''

''جی ہاں، میں بھی انسان ہوں۔''

''سوری......'' آئی جی نے سادہ کاغذ پر کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ ''میرا مطلب آپ غلط سمجھے۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ ہی اس نے کاغذ بھی آگے بڑھا دیا۔

اورنگ زیب نے کاغذ پڑھا۔ آئی جی نے لکھا تھا۔ ''مجھے کسی وقت آپ کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے، حالات ابھی معمول پر نہیں آئے۔''

''ٹیکنالوجی نے اب بہت ترقی کر لی ہے سر......'' اورنگ زیب نے خشک لہجے میں کہا۔ ''جو لوگ دور بیٹھ کر آوازیں سن سکتے ہیں وہ کسی دوسری ڈیوائس کے ذریعے ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لینے سے بھی غافل نہیں ہوتے۔''

آئی جی جواب سن کر ہڑبڑا گیا۔ اسے شاید اورنگ زیب سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ پہلو بدل کر بولا۔

''آپ درخواست چھوڑ جائیں، میں بعد میں آپ کو سوچ کر بتاؤں گا۔''

''ایزیو وش......لیکن میں اپنی درخواست میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہیں کروں گا۔'' اورنگ زیب نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

''وہاٹ......'' آئی جی کو اپنے عہدے اور اختیارات کا خیال آ گیا۔ ''اگر میں نے آپ کی درخواست نامنظور کر دی تو......''

اورنگ زیب جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا جب آئی جی کی میز پر رکھا موبائل گنگنانے لگا، اس نے بدستور اورنگ زیب کو دیکھتے ہوئے موبائل آن کر کے کہا۔

''آئی جی آن لائن......''

''کوبرا بول رہا ہوں۔ تمہارا باپ۔'' دوسری جانب سے سرد اور سفاک لہجے میں کہا گیا۔ ''میں تمہاری اور ایس پی کی بات سن چکا ہوں، ایس پی کی درخواست منظور نہیں ہونی چاہیے۔''

''سمجھ رہا ہوں۔'' آئی جی نے ہونٹ چباتے ہوئے دوستانہ لہجہ اختیار کیا۔ ''میرا ذاتی پروگرام بھی یہی ہے لیکن دوسری پارٹی......''

''اسے پرانی سیٹ پر واپس جانے کا دانہ ڈال کر دیکھو، شاید یہ آفر اس کا ارادہ تبدیل کر دے۔'' اس بار زیادہ سفاک انداز اختیار کیا گیا۔ ''اس کے بعد بھی وہ انکار کرے تو پھر مجھے اپنے طریقے سے راستہ صاف کرنا پڑے گا۔'' جملے کے ساتھ ہی لائن بھی کاٹ دی گئی۔

آئی جی نے موبائل واپس رکھ دیا پھر اورنگ زیب سے خوشگوار لہجے میں بولا۔

''کچھ پارٹیاں ہر کام اپنی مرضی کے مطابق چاہتی ہیں۔ اس وقت بھی ایک واقف ایسی ہی سفارش کر رہا تھا۔''

''ہم جس سیٹ پر بیٹھے ہیں وہاں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔'' اورنگ زیب نے بھی لہجہ بدل کر جواب دیا۔

''کیا آپ لانگ لیو کے بارے میں اب بھی سنجیدہ ہیں۔''

''کچھ مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں اصرار بھی نہ کرتا......''

''او کے......ایک درمیانہ راستہ اور بھی ہے۔'' آئی جی نے کوبرا کے حکم پر عمل کرنے کی خاطر کہا۔ ''میں آپ کا فوری تبادلہ اسی سیٹ پر کر دیتا ہوں جہاں آپ پہلے تھے......وہاں آپ کو آؤٹ ڈور اور ان ڈور کا مکمل اختیار بھی ہوتا ہے۔''

اورنگ زیب نے آئی جی کو حیرت سے دیکھا۔ اس کے ذہن میں موبائل پر موصول ہونے والی کال کھٹکی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے نارمل ہو کر کہا۔ ''آپ اگر لمبی چھٹی دینے پر رضامند نہیں ہیں تو صرف ایک ہفتے کی منظوری دے دیں۔ بہرحال میں پرانی سیٹ کی آفر فی الحال مناسب نہیں سمجھتا......''

''آپ کی درخواست میں ترمیم کرنا بھی نامناسب ہے۔'' آئی جی نے درخواست کو پرزے پرزے کر کے ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''میں آپ کو دفتر کی تمام پابندیوں سے آزاد کرتا ہوں۔ اٹ از مائی پرامس (it is my promise)''

اورنگ زیب نے کچھ سوچ کر آئی جی کی بات مان لی۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی میں بیٹھا کرنل احتشام کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔ چھٹی کی درخواست آئی جی نے جس انداز میں موبائل کال آنے کے بعد ٹالی تھی وہ بھی قابل غور تھا لیکن یہ سوال بھی ذہن میں ابھر رہا تھا کہ موبائل پر کس نے کال کی

تھی؟......وہ یقیناً وہی تھا جس نے آئی جی کو اس کی کسی دکھتی رگ کی وجہ سے قابو کر رکھا تھا مگر......اورنگ زیب کی چھٹی کی درخواست سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا تھا......؟

یہی ایک سوال ذہن میں تادیر چبھتا رہا پھر اورنگ زیب کے ہونٹوں پر ابھرنے والی معنی خیز مسکراہٹ پھیل کر گہری ہوتی چلی گئی......کچھ کڑیاں تھیں جو ازخود ایک دوسرے سے مربوط ہو رہی تھیں......

✣✣✣

بھیگے بالوں کو تولیے سے لپیٹے وہ غسل خانے سے نکلی تو افضل خان کی نظریں کسی وجہ سے مسکرانے لگیں۔شبنم اپنے کمرے میں جاتے جاتے رک گئی۔افضل خان اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔والہانہ انداز میں نگاہوں میں نگاہیں ڈالے دیر تک اسے تکتا رہا تو شبنم نے سنبھل کر پوچھا۔

''کیا میں کچھ بدل گئی ہوں......؟''

''نہیں......''

''پھر اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟......کیا پہلے کبھی نہیں دیکھا؟''

''اس وقت کچھ عجیب سا خیال آ گیا تھا۔''افضل خان نے ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا۔''تمہیں ایک خاص انداز میں دیکھ کر بھی اس زاویے سے دیکھ رہا تھا۔تمہیں برا تو نہیں لگا۔''

''نہیں......''شبنم نے اس کے لہجے کی گرمی کو محسوس کر کے قدرے شرما کر کہا۔''اس دن تم راجو کی خاطر بنگالی پاڑہ گئے تھے لیکن واپسی میں تنہا تھے۔جس کو ساتھ لانے کا کہہ کر گئے تھے۔اس کو لاتے تو میں انکار بھی نہ کرتی۔''

''جانتا ہوں......''

''پھر اب کس بات پر غور کر رہے ہو......؟''کیا نہائی دھوئی میں تمہیں اچھی نہیں لگ رہی ہوں۔''شبنم کے لہجے میں شوخی کھلنے لگی۔''

''سچ بتا دوں......''افضل خان نے اس کے بازو تھام کر اس کی نظروں میں جھانکا۔''برا تو نہ مانو گی؟''

''سامنے دروازہ کھلا ہے......''شبنم نے بالکونی کی سمت اشارہ کیا۔''کوئی سنسناتی ہوئی گولی آ گئی تو......''

''پہلی میری پشت پر لگے گی پھر......پھر میں تمہیں بچانے کی خاطر ہاتھوں کے حصار میں لے کر ابدی نیند سو جاؤں گا۔''

''پلیز افضل......''شبنم یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔''ایسی بری فال مذاق میں بھی منہ سے نہ نکالا کرو۔''

افضل خان کچھ جواب دینا چاہتا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔وہ دستی گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔''اس وقت کون آ سکتا ہے؟''

''یہاں کھڑے کھڑے نظر نہیں آئے گا۔'' شبنم نے مسکرا کر کہا۔ ''دن کی روشنی میں خطروں کی گنجائش کم ہوتی ہے۔''

جواب میں پستول کی موجودگی کو ٹٹول لینے کے بعد ہی افضل خان دروازے کی سمت بڑھا۔ شبنم لاؤنج میں رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں بھی دروازے ہی کی جانب تھیں۔

''اس نمبر پر فوری کال کر لیں۔'' کسی مرد کی ٹھوس آواز ابھری پھر افضل خان دروازہ بند کر کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا لیے شبنم کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ کاغذ پر لکھے نمبروں کو وہ بار بار پڑھ رہا تھا۔

''کون تھا......؟''

''میرا خیال ہے کہ نگرانی پر مامور کوئی سادہ لباس والا ہو گا لیکن یہ نمبر...... مجھے یاد نہیں آ رہا کہ یہ کس کے نمبر ہیں؟''

جواب میں شبنم نے بھی ان نمبروں کو دیکھا۔ اس کے لیے بھی وہ انجانے ہی تھے۔ افضل خان ایک لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے سامنے میز سے اپنا موبائل اٹھا کر نمبر ملائے۔ دوسری ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔

''کون بول رہا ہے؟......'' کسی نے بھاری بھرکم آواز میں سوال کیا۔

''یہ نمبر مجھے کسی نے دروازہ ناک کر کے دیے ہیں۔'' افضل خان بہ دستور محتاط تھا۔

''اوہ افضل خان...... میں کرنل احتشام بول رہا ہوں۔''

''خیریت تو ہے سر...... اس وقت خادم کو کیسے یاد کیا......؟'' افضل نے نرمی سے دریافت کیا۔

''تمہیں وہ انڈین وشنو تو یاد ہو گا جسے تم نے دوبارہ گرفتار کرانے میں میری مدد کی تھی۔''

''وہ میرا فرض تھا جناب...... اپنے اور قوم کے دشمنوں کی طرف سے میں کبھی غافل نہیں رہتا۔''

''اچھی عادت ہے لیکن انسان سے کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔''

''میں سمجھا نہیں سر......''

''وہ باسٹرڈ میری قید میں مر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی جس کے بعد میں نے اس کی لاش ہندوؤں کے ایک مقامی ادارے کے حوالے کر دی تھی۔ انہوں نے بھی اس کی ڈرٹی باڈی کو لکڑیوں کے ڈھیر پر رکھ کر آگ لگا دی تھی۔ جب تک آگ راکھ نہیں ہو گئی وہ ایک لمحے کو بھی وہاں سے نہیں ہٹے تھے۔''

''یہی رسم ہے جناب۔'' افضل خان نے کہا۔ ''آگ سرد ہونے کے بعد وہاں سے راکھ جمع کر کے دریا میں بہا دیتے ہیں۔''

''اس کی نوبت نہیں آئی، اس لیے کہ...... وہ باسٹرڈ حبس دم کا ماہر تھا، سانس روک کر اس نے ہم سب کو دھوکا دیا تھا پھر وہ آگ لگنے کے بعد ہی وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو گیا......''

''سر......'' افضل خان نے کسمسا کر کہا۔ ''آپ شاید مذاق کر رہے ہیں۔'' کرنل کی بات پر اسے یقین نہیں آیا تھا۔ ''جس نے تمہارے فلیٹ پر فائرنگ کی...... وہ بھی وہی تھا۔''

''یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' افضل خان بری طرح چونکا۔شبنم اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے میں مصروف تھی۔

''یہ تمام باتیں ایس پی اورنگ زیب کے علم میں بھی ہیں ......تم کو اپنا نمبر بھیجنے کا بھی ایک خاص مقصد تھا جس کو تم نے دوبارہ ہمارے حوالے کیا تھا اب اس کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلانے کا کام بھی میں تمہیں سونپ رہا ہوں۔''

''میں اسے بھی ایک اعزاز سمجھوں گا سر......لیکن اب اس کا ہاتھ آنا آسان نہیں ہوگا۔''

''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس وقت وہ باسٹرڈ کہاں اور کس میک اپ میں ہے۔'' دوسری طرف سے سنجیدگی سے کہا گیا پھر جو تفصیل بیان کی گئی اسے افضل خان بڑی توجہ سے سنتا رہا اور ذہن نشین کرتا رہا۔''تم اپنی ذمے داری نبھاتے وقت کسی بات کی فکر نہ کرنا۔میرے سادہ لباس والے بھی تمہارے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی سر......میں مچان پر بیٹھ کر شکار کرنے کا عادی بھی نہیں ہوں۔''

''جانتا ہوں......ایک بات اور سن لو......تمہارا کام صرف اسے ٹھکانے لگانا ہے، اس کی ڈیڈ باڈی کو میرے آدمی سنبھال لیں گے۔''

دوسری جانب سے کال ختم کا سگنل ملا تو افضل خان نے موبائل آف کر کے رکھ دیا۔شبنم نے بے چینی سے پوچھا۔

''کس کا فون تھا؟''

''کرنل احتشام کا......'' نام بتانے کے ساتھ ساتھ افضل خان نے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بھی بیان کی تو شبنم بھی سنجیدہ ہوگئی۔

''مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ فلیٹ پر فائرنگ کرنے والا شاید ہمیں للکار کر مارنے کا خواہش مند رہا ہوگا ورنہ وہ بلاوجہ گولیاں بھی ضائع نہ کرتا۔مگر دشنو......''

''تم فکر مت کرو......میں بھی اسے للکار کر ہی موت کے گھاٹ اتاروں گا۔'' افضل خان کسی فولادی ارادے سے اٹھتے ہوئے بولا۔''وہ بھی ضرور جانتا ہوگا کہ افضل خان کس درندے کا نام ہے۔''

شبنم نے کوئی جواب نہیں دیا۔افضل خان لپکتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔وہ اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو گننے لگی۔اس نے خوشی سے افضل خان کا ہاتھ تھام کر زندگی کا ہم سفر بنانے کا پروگرام طے کیا تھا لیکن حالات کے اس اچانک موڑ پر اس کے اندر ایک عجیب سی گھبراہٹ اور بے قراری کی کیفیت سر ابھار رہی تھی۔وہ سوچ رہی تھی ......''اگر خدانخواستہ افضل خان کو کچھ ہوگیا تو وہ کیا کرے گی......کیا دونوں کے ارمان دل کے دل ہی میں گھٹ کر دم توڑ دیں گے؟''

اپنے خیالات کے تانے بانے میں الجھ کر شبنم کو وقت کا احساس بھی نہ رہا......وہ اس وقت چونکی

جب افضل خان دوبارہ اپنے کمرے سے ایسے میک اپ میں برآمد ہوا کہ وہ ایک لمحے کو چونکی پھر اس کے قرب جا آہستہ سے پوچھا۔

"تمہاری واپسی کب تک ہوگی......؟"

"گھبراؤ مت......میں جلدی واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

"مم......میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" شبنم نے قدرے جھجک کر کہا پھر اس نے افضل خان کا سیدھا ہاتھ تھام لیا۔ بڑے جذباتی انداز میں بولی۔"افضل میں پہلے بھی تمہاری امانت تھی اور اب......اب میں خدا کو حاضر و ناضر جان کر تم کو اپنا ہم سفر بھی تسلیم کر رہی ہوں۔ اس وقت تم بھی میرے ساتھ ایجاب وقبول کی رسم پوری کر لو......بعد میں نکاح کی سنت ادا کر کے ہمارے درمیان کوئی فاصلہ بھی نہیں رہے گا۔"

جواب میں افضل خان نے بھی شبنم کا ہاتھ تھام کر اسے اپنا تسلیم کر لیا پھر تسلی دیتے ہوئے کہا۔"پریشان مت ہونا۔ وشنو کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں براہ راست کرنل احتشام سے کسی قاضی کے بندوبست کی درخواست کروں گا......فی الحال تم سے ایک اجازت درکار ہے۔"

"وہ کیا......شبنم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ایک پیار......"

جواب میں شبنم نے اسے شوخ نظروں سے دیکھ کر سر جھکا کر پیشانی اس کے سامنے کردی۔ افضل خان نے اس کی پیشانی کو چوما پھر اس کو جلد واپسی کی تسلی دیتا ہوا لمبے لمبے قدم اٹھاتا فلیٹ سے باہر چلا گیا۔

✥✥✥

حالات کے پیش نظر نگینہ حسب ہدایت اپنی خواب گاہ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ سکندر علی شاہ کے حکم کے علاوہ اسے خود بھی اپنی غلطی کا احساس تھا۔ پروفیسر چنگ لائی نے یقیناً اس کے ساتھ فراڈ کیا تھا۔ وہ اس کے سحر میں گرفتار ہو کر اپنے ماضی کو دوبارہ تازہ کر دینے اور مستقبل کا حال جاننے کی خاطر اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی تھی۔ اس کا پکا یقین اس وقت ہو گیا تھا جب اس نے خود کو سرتا پا بے بس دیکھا تھا۔ ماضی میں شکار ہونے والی نگینہ وقت سے پہلے پکی عورت بن گئی تھی۔ سکندر علی شاہ کی حویلی میں جب وہ سرخ جوڑا پہن کر داخل ہو گئی تو اسے اپنے مقدر پر یقین نہیں آیا تھا۔ ایک بار کسی کی درندگی کا شکار ہونے کے بعد کسی نے اسے سکندر علی شاہ کی ہوس کا نشانہ بننے پر مجبور کر دیا تھا اس روز اس نے یہی سوچا تھا کہ اب اس کی زندگی کسی ایک مرد کی آغوش میں نہیں گزرے گی لیکن پھر جس نے اسے سکندر علی شاہ کے پاس بھیجا تھا اسی کے اشارے پر سکندر علی شاہ نے پاؤں کی جوتی کو سر کا تاج بھی بنا لیا تھا پھر نگینہ نے زندگی کی آسائش ملنے کے بعد سوچا تھا کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی سکون سے گزار دے گی لیکن سکندر علی شاہ کی فطرت آئے دن ایک تازہ شکار کرنے کی عادت تھی۔ شیلا ورما کے بیوٹی پارلر جانے اور خود کو حویلی کے مزاج سے ہم آہنگ کرنے کا مشورہ بھی سکندر علی شاہ نے دیا تھا۔ باقی کسر شیلا ورما نے پوری کر دی۔

نگینہ کے ماضی کی بھنک مل جانے کے بعد خود شیلا ورما کے اشارے پر جونی نے اسے شکار کیا پھر شیلا ورما نے عین موقع پر سامنے آ کر نگینہ کو ایک بار پھر اس کی نظروں میں مجرم بنا دیا۔ بعد ازاں جب نگینہ کو نئی لڑکیاں شکار کرنے کا کام سونپا گیا تو اس کے اندر کی مظلوم عورت جو پہلی بار خود حالات کے جال میں پھنس کر پھڑ پھڑانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکی اپنی ہم جنس دوسری لڑکیوں کی مجبوریوں سے اپنا انتقام لینے لگی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ سکندر علی شاہ نگینہ کی کارکردگی سے خوش تھا لیکن اسے اپنے مرتبے کا احساس بھی شدت سے تھا، نگینہ کے جسمانی نشیب و فراز اسے بار بار کے استعمال کے بعد بھی پسند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سونے کا عادی ہو گیا۔ نگینہ سب کچھ برداشت کرنے پر مجبور تھی لیکن ......

پروفیسر چنگ لائی نے بھی یقیناً اسے کسی مقصد کے تحت شکار کیا ہو گا۔ جس انداز میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے وہ گہری غنودگی کا شکار ہوئی۔ وہ بھی یقیناً پہلے سوچی سمجھی کوئی سازش رہی ہو گی۔ جس حالت

میں اسے حویلی بھیجا گیا وہ بھی پہلے سے پلان کیا ہوگا۔ حالات کے نشیب و فراز سے کھیلی کو دی نگینہ کو یقین تھا کہ بے ہوشی کے دوران بھی لے جانے والوں نے محض اپنے کام سے کام رکھا ہوگا۔ اس کے جسم کو روندا نہیں گیا...... مگر کیوں؟...... ایسا کیا مقصد تھا جس کے پیش نظر چنگ لائی سامنے آیا تھا ......کون تھا وہ......؟ کیا چاہتا تھا؟

اس وقت بھی اس کا ذہن اسی ایک سوال کو سلجھانے میں الجھ رہا تھا کسی حد تک وہ اس راز کو پا گئی تھی کہ جن لوگوں نے اسے غواء کیا وہ سکندر علی شاہ سے اپنی کوئی بات منوانے کے خواہش مند ہوں گے...... یہ بھی جانتی تھی کہ سکندر علی شاہ کسی کے دباؤ میں آنے والی اسامی نہیں تھی ...... وہ نگینہ جیسی سو لڑکیاں کو بھی اپنی ضد پر قربانی کا بکرا بنانے سے بھی گریز نہ کرتا۔

اور بھی کئی سوالات تھے جو نگینہ کے ذہن میں کلبلا رہے تھے جب اس کے کمرے کے فون کی گھنٹی بجی۔ سکندر علی شاہ کچھ دیر پہلے ہی کسی کام کا کہہ کر حویلی سے باہر گیا تھا اس نے نگیہ کو صرف خواب گاہ تک محدود کر دیا تھا۔ عام حالات میں سکندر علی شاہ اپنے فون خود ہی اٹینڈ کرتا تھا دوسروں کو اس کی اجازت نہیں تھی۔

نگینہ کے کانوں میں گھنٹی کی آواز تو بجتی رہی پھر بند ہو گئی لیکن دو منٹ بعد پھر سے نئے سرے سے گونجنے لگی۔ اس بار بھی نگینہ نے فون سیٹ کو ہاتھ نہیں لگایا لیکن جب تیسری بار پھر گھنٹی کی آواز ابھری تو نگینہ نے یہ سوچ کر فون اٹھالیا کہ شاید خود سکندر علی شاہ اسے چیک کرنا چاہتا ہو یا کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہو۔ دوسرا کوئی ہوتا تو اتنی جلدی جلدی کال کرنے کی حماقت بھی کبھی نہ کرتا۔

''ہیلو......'' اس نے ریسیور اٹھا کر مدھم آواز میں کہا۔

''نگینہ بول رہی ہو......؟ ایک اجنبی لہجے نے سوال کیا۔

''آپ کون ہیں، کس سے بات کرنی ہے؟'' اس نے بدستور مہذب لہجے میں پوچھا۔

'میں ...... پروفیسر چنگ لائی بول رہا ہوں سویٹ ہنی ...... دوسری جانب سے بے تکلفی سے جواب ملا۔'' فون بند کرنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ مجھے کچھ نایاب تصویریں بھی سکندر علی شاہ کو بھیجنی پڑیں گی۔''

''شاہ صاحب اس وقت حویلی میں نہیں ہیں ...... پھر کسی وقت کال کرنا ......'' اس نے نفرت سے جواب دیا۔

''وہ رنگا سیار نہیں ہے یہی معلوم کرنے کے بعد تمہیں کال کیا ہے۔'' اس بار سنجیدگی سے کہا گیا۔

''اب کیا کام ہے مجھ سے......؟''

''وہی کام جس کے لیے تمہیں اغوا کیا گیا تھا...... اور کوئی کام ہوتا تو......''

''مطلب کی بات کرو ......'' نگینہ نے بے رخی اختیار کی۔ ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''ہم بھی وقت ضائع کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں۔'' دوسری جانب سے بولنے والے کا لہجہ اور کھردرا ہوگیا۔ ''تم سے صرف ایک کام کی بات معلوم کرنی ہے...... شیخ حامد کہاں مل سکے گا؟''

''میں...... کسی شیخ حامد کو نہیں جانتی۔''

''بکواس مت کرو......'' جواب میں گرجتی ہوئی آواز ابھری۔ ''ہوسکتا ہے کہ تم اس نام سے اسے نہ جانتی ہو لیکن میرا اشارہ اسی شخص کی جانب ہے جس نے تمہیں پہلی بار کلی سے پھول بنا دیا تھا۔ اسی نے شاید تمہارے شاہ صاحب کی دم پر پاؤں بھی رکھا ہوا ہے۔ ورنہ وہ تم جیسی استعمال شدہ عورت کو جھونپڑی کی جمیلہ کے بجائے حویلی کی نگینہ کی حیثیت بھی کبھی نہ دیتا۔''

نگینہ خون کا گھونٹ پی کر ان فحش جملوں کو پی گئی۔ اغواء کرنے والے اس کی زندگی کی بہت سے کہانیاں جانتے تھے۔ جس مقصد کے لیے اسے اغواء کیا گیا تھا اب وہ کھل گیا مگر...... وہ یہ بھی جانتی تھی کہ جس شخص کے بارے میں معلوم کیا جارہا ہے خود سکندر علی شاہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا نام کیا ہے؟...... وہ کون ہے؟...... کہاں ہے؟...... نگینہ کو نئی زندگی بھی اسی کے حکم سے ملی تھی ورنہ سکندر علی شاہ اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر نگینہ کو اسی حالت میں کسی نامعلوم جگہ دفنانے کا مصمم ارادہ بھی کر چکا تھا

''تم خاموش کیوں ہوگئیں؟'' ریسیور پر جھلا کر سوال کیا گیا۔ ''کیا میں نے کوئی مشکل سوال کردیا ہے؟''

''میں نے کہا ناں کہ میں کسی شیخ حامد کو نہیں جانتی۔'' وہ پھر تلملا کر رہ گئی لیکن خود پر فوراً قابو پا کر بولی۔ ''میں صرف ایک ایسے فرد کو جانتی ہوں جو کبھی سامنے نہیں آیا لیکن...... شاہ جی بھی اس کے حکم سے کبھی انکار نہیں کرتے۔''

''اس کا کوئی نام بھی ہوگا؟......''

''نہیں...... فون بھی وہی کرتا ہے...... شاہ جی کے پاس اس کا کوئی مخصوص نمبر نہیں ہے۔''

''مخصوص نمبر سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''وہ جو بھی ہے ضرورت سے زیادہ دور اندیش اور محتاط ہے...... ہر بار نئے نمبروں سے کال کرتا ہے۔''

''گڈ......'' اس بار دوسری جانب سے دوستانہ لب ولہجہ اختیار کیا گیا۔ ''تمہارے اور شاہ جی کی طرح ہمیں بھی اس کا کچھ پرانا قرض ادا کرنا ہے...... اس بات کا یقین بھی ہے ہمیں کہ سکندر علی شاہ کو موجودہ حیثیت تک پہنچانے والا بھی وہی تھا۔ بہرحال تم ہمارے ساتھ تعاون کرسکتی ہو......''

''مجھے جو معلوم تھا بتا دیا...... اب اگر شاہ جی کو تمہارے فون کی بھنک بھی مل گئی تو......''

''ڈونٹ وری...... میں تمہیں پبلک بوتھ سے فون کررہا ہوں...... تم ایسا کرو کہ کسی طرح تمام نمبروں کو نوٹ کرکے ہمیں بتا دو جو تمہارے خیال میں نئے ہوتے ہیں۔ باقی کام ہم خود کرلیں گے۔''

''نہیں......'' نگینہ نے ادھر ادھر دیکھ کر سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''میں اتنی ہمت نہیں

کر سکتی۔ ایک معمولی سا شبہ بھی میری اذیت ناک موت کا سبب بن جائے گا۔"

"تم کوشش کرو......" نرم لہجے میں دھمکی کی آمیزش بھی شامل تھی۔ "میں پھر کبھی اسی وقت ہی فون کروں گا جب تمہارا دوغلا پیر حویلی سے باہر ہوگا۔"

"مم...... میں ایک چیز نوٹ کر کے تمہیں بتا سکتی ہوں۔" نگینہ نے دھڑکتے دل سے جواب دیا۔ "وہ وقت جب اس کی کال آتی ہے...... نمبروں کو معلوم کرنا تمہارا کام ہوگا۔"

"فی الحال یہی کرتی رہو......" دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

نگینہ نے سکون کا بڑا مختصر سانس لیا۔ فون کا رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئی تھی لیکن اغوا کرنے والوں کے خطرے کی تلوار اس کے سر پر بہ دستور منڈلاتے رہنے کا خدشہ باقی تھا۔ وہ فون کے قریب ہی رکھے دیوان پر نیم دراز ہو کر اس برے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی جب وہ ایک خوب صورت اور نوخیز لڑکی کو شکار کرنے کی خاطر رینبو کلب گئی تھی۔ لڑکی اس کے جال میں پوری طرح نہیں پھنسی تھی لیکن کسی نامعلوم شخص نے پروفیسر لائی کا روپ دھار کر اسے نہایت خوب صورتی سے اپنے بچھائے ہوئے سنہری جال میں پھانس لیا تھا۔ اب نگینہ کے پاس اسے برداشت کرنے کے سوا کوئی اور راستہ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا" کی جیتی جاگتی مثال بن کر رہ گئی تھی۔ جو نیا موڑ ایک بار پھر اغواء کرنے والوں نے پیدا کر دیا تھا اس میں فرار کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

✣✣✣

شہر سے قریب وہ بھی ایک خالی میدان تھا جس میں وقت کے ساتھ ضرورت مندوں نے چھوٹی بڑی عارضی رہائش گاہیں بنا رکھی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس میدان کے بجائے غریبوں کے کچے پکے مکانوں پر مشتمل ایک بستی وجود میں آ گئی۔ آہستہ آہستہ سیاسی جوڑ توڑ کرنے والوں نے اس بستی میں بجلی اور پانی کی ضرورت بھی گھروں میں مہیا کر دی۔ متعدد بار اس مہنگی زمین کو خالی کرانے کا مسئلہ زیرِ غور آیا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے اس پر سیاسی دباؤ نے پردہ ڈال دیا۔

افضل خان نے یہاں تک سفر ایک بس میں طے کیا تھا۔ جس سے اتر کر وہ کچھ دیر بعد اس بستی میں داخل ہو گیا وہ پہلے بھی ایک دو بار یہاں آ چکا تھا اس لیے جو پتا اسے دیا گیا تھا وہاں تک پہنچنا اس کے لیے زیادہ دشوار بھی نہیں تھا۔ میک اپ کے اعتبار سے وہ بھی اسی بستی کا کوئی رہائشی نظر آ رہا تھا۔

مختلف جگہوں سے گزرتا ہوا اس مکان کے سامنے سے بھی گزر گیا جو اسے مطلوب تھا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تھا کچھ دور آگے جانے کے بعد وہ اس طرح رک کر جیبیں ٹٹولنے لگا جیسے جلدی میں کوئی چیز یاد آ گئی ہو پھر وہ پلٹ کر قدم اٹھانے لگا۔ مقصد کسی ممکنہ تعاقب سے آگاہ ہونا تھا۔ گلیوں میں دو چار بچوں کے سوا کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آیا جس پر وہ شبہ کر سکتا۔ اطمینان سے اقدم اٹھاتا وہ مطلوبہ مکان کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کی کنڈی دوبارہ کھڑکھڑانے کے بعد وہ قدرے آڑ میں ہو گیا تھا تاکہ اندر سے اسے دیکھا نہ جا سکے۔

''کون ہے؟......'' دروازے کے دوسری جانب سے کسی نے کھانستے ہوئے دریافت کیا۔
''ماسٹر جی کے گھر آج شام فاتحہ ہوگی......'' افضل خان نے آواز بنا کر کہا۔''اطلاع دیتا پھر رہا ہوں۔''

دوسری جانب سے دوبارہ صرف کھانسی کی آواز بہ طور تصدیق ابھری۔کوئی جواب نہیں ملا۔افضل خان نے دائیں بائیں دیکھا۔سامنے کچھ فاصلے پر ایک بوڑھا کھڑا تھا۔نگاہیں چار ہوئیں تو بوڑھے نے سیدھا انگوٹھا اٹھا کر اپنی شناخت بھی کردی۔جواب میں افضل خان نے بھی وہی اشارہ کیا پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر بجلی کا کھمبا تھام کر اسے دی جانے والی دائرے کے شکل والی سیمنٹ کی سپورٹ پر قدم جما کر کھڑا ہوگیا۔مطلوبہ مکان کی دیوار کا فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔اس نے محتاط انداز میں جسم کو قدرے لوچ دے کر چھلانگ لگائی۔دوسرے ہی لمحے وہ حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیوار تک پہنچ گیا۔سامنے کچے صحن میں موجود شخص چونکا۔اس نے نظریں اٹھائیں تو افضل خان نے اس کے قد و قامت سے اندازہ لگا لیا کہ وہی وشنو ہوگا۔پلک جھپکاتے ہی اس نے جیب سے آٹو میٹک پستول نکال کر میک اپ میں نظر آئے فرد پر تان لیا اور سرد لہجے میں بولا۔''اب میں تمہیں دوبارہ حبس دم کا مظاہرہ کرنے کا موقع بھی نہیں دوں گا......'' جملے کی ادائیگی کے ساتھ ہی اس نے سیدھے ہاتھ کے شانے کا نشانہ لے کر فائر کیا۔صحن میں موجود شخص جو وشنو کے سوا کوئی اور نہیں تھا لڑکھڑا گیا مگر اس سے پیشتر کہ افضل خان جمپ لگاتا یا دوسرا فائر کرتا۔وشنو پھرتی سے اٹھ گیا۔تیزی سے بہتا ہوا خون اس کے لباس کو سرخ کر رہا تھا پھر بھی وشنو نے الٹا ہاتھ افضل خان کے پستول پر ڈال دیا۔کسی زخمی سانڈ کی طرح اس نے افضل خان کو ہاتھوں کے حصار میں لینے کی کوشش کی۔دونوں ہی لڑکھڑا کر کچے فرش پر گر کر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر زور لگانے لگے۔

افضل خان دوسرا فائر کرنے کے لیے زور لگا کر موقع تلاش کر رہا تھا لیکن وشنو بار بار اس کی کوشش کا توڑ کر رہا تھا''تم زیادہ دیر خود کو موت سے نہیں بچا سکو گے وشنو......اس بار تمہارا کریا کرم بھی کروں گا۔''

''میں بھی گولیاں ضائع کرنے کے بجائے کسی دوسرے سے (وقت) کی راہ دیکھ سکتا تھا لیکن میں مرد ہوں......'' وشنو نے زور لگاتے ہوئے خونخوار لہجے میں جواب دیا۔''تم کائر ہو جو تم نے چھپ کر وار کیا......میں تمہیں آسانی سے کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔''

افضل خان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا......کچھ دیر پیشتر وہ دیوار پر جس پوزیشن میں تھا اگر وہیں اسے اس نے وشنو کے جسم پر چیمبر میں موجود گولیاں تڑتڑا دی ہوتیں تو کھیل اسی وقت ختم ہوجاتا۔اس وقت بھی زخمی وشنو پر ایک اعتبار سے بھاری تھا۔مگر وہ کسی کیکڑے ہی کی طرح اس کے جسم کو اپنے زخمی ہاتھوں اور پیروں کی گرفت میں لینے کی خاطر پورا زور لگا رہا تھا جب دروازے پر کسی نے زور سے بوٹ کی ٹھوکر مار کر کہا تھا۔

''دروازہ کھولو......ورنہ ہم اسے توڑ دیں گے......''

وشنو کی توجہ ایک پل کو آواز کی سمت گئی، خطرے کا نیا احساس بھی اس کے ذہن میں ضرور ابھرا ہوگا۔ اسی دوران افضل خان نے اس کے جسم کے نازک حصے پر گھٹنوں کی ضرب لگائی تو وشنو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ وقت ضائع کیے بغیر افضل خان نے دوسرا فائر کیا۔ اس بار گولی وشنو کے سینے کے بائیں جانب لگی تو وہ تڑپ کر چاروں خانے چت ہو گیا۔ افضل خان پھرتی سے اٹھا۔ آگے قدم بڑھا کر اس نے الٹے ہاتھ سے دروازے کی کنڈی کھولی پھر اس نے تیسرا فائر کیا جس نے وشنو کے سیدھی ران کو خون سے تربتر کر دیا۔ وہ ربر کی کسی گیند کی طرح اچھلا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

دروازہ کھلتے ہی دو آدمی تیزی سے اندر آ گئے۔ دروازہ دوبارہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

''آپ نکل جائیں صاحب......'' ایک سادہ لباس والے نے افضل خان سے کہا۔ ''ہم حکم کے مطابق اس ولدالحرام کو ڈنڈا ڈولی کر کے کرنل صاحب کے روبرو پیش کر دیں گے۔''

''نہیں......'' افضل خان نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''کرنل صاحب نے مجھے اس کو اوپر پہنچانے کا کام سونپا تھا۔''

وشنو نے پلٹ کر خون آلود نظروں سے افضل خان کو گھورا پھر فرش پر حقارت سے تھوک دیا لیکن اس کے بعد وہ موت کے بے رحم ہاتھوں سے خلاصی بھی نہیں کر سکا۔ افضل خان نے اس بار اس کی کھوپڑی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا، وشنو منہ کے بل فرش پر اوندھ گیا، اس کا بھیجا نکل کر باہر آ گیا، وہ دم توڑ چکا تھا لیکن افضل خان نے پستول سے بچی ہوئی باقی گولیاں بھی اس کے جسم میں اتار دیں۔

پھر وہ...... وشنو کے مردہ جسم پر آخری نظر ڈال کر جانے کے ارادے سے پلٹا تو ایک سادہ لباس والے نے ہاتھ میں دبا موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کرنل صاحب کی کال ہے۔ آپ کے لیے......''

''سر......'' افضل خان نے موبائل لے کر فاتحانہ انداز میں کہا۔ ''میں نے آپ کے مطلوبہ مفرور مجرم کی کھوپڑی کے ٹکڑے اڑا دیے ہیں...... اور کوئی حکم؟......''

''یو آر گریٹ ینگ مین......'' کرنل کی آواز ابھری۔ ''اب تم وہاں سے نکل جاؤ...... میرے سادہ لباس والے اس باسٹرڈ کی ڈیڈ باڈی بھی اٹھا لیں گے۔''

''رائٹ سر......'' افضل خان نے موبائل سادہ لباس والے کے سپرد کر دیا۔ دروازے سے باہر نکلا تو وہاں ایک سادہ لباس والا اور موجود تھا۔

''میرے پیچھے پیچھے آ جائیں جناب...... آپ کو آپ کے اپارٹمنٹ تک بہ حفاظت پہنچانے کی ذمے داری بھی ہماری ہے۔''

افضل خان نے انکار نہیں کیا۔ وہ سادہ لباس والے کے ساتھ گلی عبور کر کے تیزی سے اس راستے کی سمت بڑھنے لگا۔ جدھر لباس والا اس کی رہنمائی کر رہا تھا...... وشنو کا قصہ پاک کرنے کے بعد اس کے ذہن میں شبنم کے آخری الفاظ کے ساتھ نکاح کی سنت ادا کرنے کا خیال ابھرا تو اس کی ساری تھکن بھی دور ہو گئی۔

✣✣✣

شام کی چائے سراج نے اورنگ زیب سے فون پر بات کرنے کے بعد ہی پی تھی۔اورنگ زیب نے جلدی واپس آنے کی بات بھی کی تھی لیکن وہ رات کے کھانے کے وقت تک نہیں آیا تھا۔

سراج کے علاوہ خود الماس بھی اسی کی راہ تک رہی تھی جب سراج نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم کھانا کھالیں......''اس کی لہجے میں جھلاہٹ تھی جسے محسوس کر کے الماس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''آپ کس بات پر الجھ رہے ہیں؟......فون کر کے معلوم کر لیں۔ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اہم کام میں مصروف ہوں۔''

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ منظر عام سے غائب ہو گئے ہوں......''

''ایسی بری فال زبان سے کیوں نکال رہے ہیں؟''

الماس نے سراج کو ٹوکا۔

''یہ میرے نہیں......خود ان ہی کے الفاظ ہیں......''

سراج نے بہ دستور الجھ کر جواب دیا پھر حالات کی کڑیاں ملانے لگا۔

وشنو کے افضل خان کے فلیٹ پر فائرنگ کے بعد جب سراج نے یہ کہا تھا کہ''ہوسکتا ہے آکٹوپس کے شکاری کتے بھی آپ کے سادہ لباس والوں کا تعاقب کر رہے ہوں۔''اس وقت اورنگ زیب نے کچھ سوچ کر بے حد گھمبیر لہجے میں کہا تھا کہ......''موجودہ حالات کی روشنی میں شاید مجھے بھی منظر عام سے ہٹنا پڑے۔''پھر سراج کی وضاحت پر اس نے حسب معمول وہی پرانی بات کہی تھی کہ......''تم صرف ایک ایماندار اور فرض شناس آفیسر ہو جبکہ قانون شکنی کرنے والوں کو حوالات کے پیچھے تک پہنچانے کی خاطر کبھی قانونی کارندوں کو بھی غیر قانونی حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔''

اس کے علاوہ صبح سے سراج اسے کئی بار فون کر چکا تھا۔اورنگ زیب نے اسے بھی یہ بتایا تھا کہ آئی جی نے اس کی طویل چھٹی کی درخواست منظور نہیں کی۔اس کے بعد وہ آفس سے نکل کر کرنل احتشام کی طرف گیا تھا یہ بھی کہا تھا کہ واپسی پر وہ تفصیل سے بہت سی اہم باتیں بتائے گا لیکن اس کے بعد اسے اب تک نہ وہ آیا تھا نہ ہی اس نے فون کیا تھا اسی نے تاکید کی تھی کہ خود سراج بھی اسے بار بار فون کرنے سے گریز کرے۔

سراج بڑی دیر تک حالات کے تانے بانے ملاتا رہا۔کرنل احتشام نے وشنو کو مردہ سمجھ کر اس کی لاش کو ہندو تنظیم کے حوالے کر دیا تھا پھر چیتا کی آگ جل کر راکھ ہو جانے کے بعد وشنو کی کریا کرم کرنے والے بھی اس راز سے بے خبر ہی رہے کہ جس کو جلا کر راکھ کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو گیا تھا اگر اورنگ زیب نے اپنے شبے کی تصدیق کی خاطر ذہانت سے کام نہ لیا ہوتا تو شاید یہ سوال بھی تشنہ رہ جاتا کہ افضل خان کے فلیٹ پر گولیاں کس نے چلائی تھیں؟

''آپ کیا سوچ جا رہے ہیں؟'' الماس کی آواز کانوں میں گونجی تو سراج کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔'' کچھ مجھے بھی تو بتائیں کہ بھائی اورنگ زیب نے منظر سے ہٹ جانے والی بات کیوں کہی تھی......؟

''کچھ مجرموں کو ہتھکڑیاں پہنانے کی خاطر وہ بھی غیر قانونی اقدامات کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔''

''آپ انہیں فون کر کے معلوم کر لیں پلیز۔'' الماس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''اتنی دیر تو وہ بتائے بغیر کبھی آپ سے دور نہیں رہے......''

ٹھیک اسی وقت اورنگ زیب قدم اٹھاتا اندر آگیا۔اس نے شاید الماس کی بات سن لی تھی۔کرسی پر سراج کے برابر بیٹھنے کے بعد اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''کون گم ہو گیا......کس کو فون کرنے کی بات ہو رہی تھی......؟''

''ہیں ان کے ایک چہیتے بھائی صاحب جنہوں نے مجھے بھی بھوکا مار دیا ہے۔'' سراج نے بچوں کی طرح بے صبری کا مظاہرہ کیا تو الماس اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

''تمہارے لیے ایک گرما گرم اطلاع ہے۔'' اورنگ زیب نے سراج سے کہا۔''وشنو مار دیا گیا ......میری خواہش پر خود کرنل نے فون کر کے افضل خان کو یہ نیک کام انجام دینے کی تاکید کی تھی۔''

''گڈ......'' سراج نے سنجیدگی اختیار کر لی۔'' کیا اس بار یقین کر لیا گیا ہے کہ وشنو نے حبس دم کے بجائے کوئی دوسرا داؤ تو نہیں آزمایا؟''

''اب اس کے امکانات نہیں ہیں ......وشنو کا بھیجا بھی اس کی کھوپڑی سے باہر نکل چکا ہے۔'' اورنگ زیب نے شروع سے آخر تک کی تمام تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔''کرنل احتشام نے اس بار وشنو کو میری نگرانی میں سپرد خاک کیا ہے۔اس کا چیپٹر (chapter) اب ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا......''

الماس کھانے کے ساتھ خود بھی آگئی تو سب کھانے میں محو ہو گئے۔

''آپ آئندہ کبھی اتنی دیر نہیں کریں گے۔'' الماس نے براہ راست ڑی اپنائیت سے اورنگ زیب سے درخواست کی۔''میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں۔''

''تمہاری شکایت بجا ہے مگر آج کچھ مجبوری تھی جو میں فون کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔''

کھانے کے دوران الماس اور اورنگ زیب مل جل کر ڈھکے چھپے لفظوں میں سراج پر حملہ کرتے رہے جبکہ سراج سنجیدگی سے بھوک کے ساتھ انصاف کرنے میں مگن رہا......کھانے کے بعد حسب معمول کافی بنانے گئی تو سراج اور اورنگ زیب لاؤنج میں آگئے۔''آئی جی نے آپ کی چھٹی کی درخواست کیوں نامنظور کر دی؟''

''تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ آئی جی ہونے کے باوجود کسی نامعلوم شخص کے زیر اثر ہے۔اس کی کہانی تم بھی جانتے ہو۔'' اورنگ زیب نے قدرے سنجیدگی سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔'' آج

کسی کا فون میری موجودگی میں آئی جی نے سنا تھا......اس کے بعد اس نے میری درخواست کی نامنظوری کے عوض مجھے میری پرانی سیٹ پر پوسٹ کرنے کی آفر بھی دی ہے۔"

"خدا کا شکر ہے......" سراج نے سکون کا سانس لیا۔

"میں بھی اب اس اضافی چارج سے تنگ آنے لگا ہوں۔"

"اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔"میں نے اس پیشکش سے دوٹوک انکار کر دیا ہے۔"

"کوئی مصلحت؟......"

"عقل استعمال کرو......کسی کو میرا نظروں سے دور رہنا گوارہ نہیں ہے۔"

"آئی سی ......" سراج نے اپنی غلطی تسلیم کی پھر پہلو بدل کر بولا۔"حالات کی روشنی میں آج ایک خیال میں بھی ظاہر کروں گا۔"

"کیا......"

"اب تک آکٹوپس ہر موقع پر شکوہ اور جواب شکوہ کے اصول پر عمل کرتا رہا ہے۔......وشنو کے قیمتی نقصان کے بعد اب ہمارا بھی کوئی اہم مہرہ ہی خطرے کی زد میں آئے گا۔"

"گڈ ......اورنگ زیب نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔"پہلی بار تم نے دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔مہرے کے حوالے سے تمہارے ذہن میں کوئی نام بھی ہوگا۔"

"وہ ......وہ ہم دونوں میں سے کوئی ہوسکتا ہے۔"

سراج نے کچھ توقف سے جواب دیا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" اورنگ زیب نے بڑے اعتماد سے کہا۔"آکٹوپس فی الحال اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ براہ راست ہمارے اوپر ہاتھ ڈالنے کی حماقت کرے ......تم روشنا کے اغواء کی گہرائی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو......؟"

"اس کی وضاحت بھی آپ کر دیں......"

"میں نے روشنا کے بجائے شبنم اور افضل خان پر ہونے والے کسی امکانی حملے کا اظہار کیا تھا لیکن آکٹوپس نے روشنا کو شکار کیا۔اس کی وجہ بھی سن لو......" اورنگ زیب نے خلا میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز اختیار کیا۔"ریٹائرڈ، ڈی آئی جی علیم احمد کی موت اور اس کی کوٹھی کا استعمال ہمیں فریب دینے کے لیے کیا گیا تھا......آکٹوپس جہاں چھپا ہے اس جگہ کو بدل کر اس نے ہمیں محض غلط راستوں پر ڈالنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا اب بھی آپ سکندر علی شاہ کے فارم ہاؤس کے بارے میں میرے شبے پر غور نہیں کریں گے؟"

"میں نے اس کے امکانات کو رد بھی نہیں کیا...... جگا کی دکان پر حملہ پھر اس کی زبانی نگینہ کو اغواء کرنے کی روداد کے علاوہ میں تم کو سکندر علی شاہ سے ملاقات کی ضروری تفصیل بھی سنا چکا ہوں اور

اب ......اب میں نے ایک اہم فیصلہ بھی کر لیا ہے ......میں کسی وقت بھی سکندر علی شاہ کی دی ہوئی دعوت قبول کرلوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اسی بہانے تمہارے شبہے کی تصدیق بھی ہو جائے۔''

''شیر کی کچھار میں گھس کر تنہا شکار کھیلنا بھی دانش مندی نہیں ہے۔

تم چاہو تو سکندر علی شاہ تمہارے ذہنی سکون کا بندوبست خوشی سے کر دے گا۔ کیا خیال ہے؟''

''آپ کو آپ کے ارادوں سے باز رکھنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن ایک ناقص مشورہ ضرور دوں گا۔'' سراج نے بات جاری رکھی۔ ''اگر لیاقت حسین بھی میک اپ کرنے کے بعد آپ کی گاڑی کے ڈرائیور کا کام کرے تو زیادہ مناسب رہے گا ......ہوسکتا ہے کہ اس کی غیبی قوتیں اس موقع پر بھی آپ کو مشکلات میں کسی کام آ جائیں۔''

''اچھا مشورہ ہے......'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے جواب دیا۔

سراج اس کے چہرے کے تاثرات کو بڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جب الماس کے ساتھ ملازمہ بھی کافی کی ٹرالی لیے آ گئی۔ گفتگو کا موضوع بھی بدل گیا۔

✣✣✣

لیاقت حسین اس وقت نیند میں غرق تھا جب ماں کی مانوس آواز تمام رکاوٹوں کو توڑتی ہوئی اس کے کانوں میں ابھری۔ ''لیاقت ......میں تیری ماں بول رہی ہوں۔''

''ماں ......مم ......میں تیری آواز سن رہا ہوں۔''

لیاقت حسین کے لبوں پر جنبش ہوئی۔

''میرا بات دھیان سے سن بیٹا ......جو موذی دشمن راستے سے وقتی طور پر ہٹ گیا تھا وہ پلید کافر پھر سامنے آ گیا ہے......اس کی طرف سے محتاط رہنا میرے جگر کے ٹکڑے۔''

''فکر نہ کر ماں ......تیری دی ہوئی انگوٹھی خدا کے حکم سے میری مدد کرے گی۔''

''ماں کی دعائیں بھی تیرے ساتھ ہوں گی لیکن اس بار اس کافر کو فرار ہونے کا راستہ نہ دینا۔ تیرے نانا نے بھی خواب میں یہی بولا ہے......''

''زندگی اور موت خدا کے اختیار میں ہے ماں ......وہی پروردگار میری مدد کرے گا۔''

''وہ پلید ہے لیاقت ...... تجھے پھانسنے کے لیے اب وہ بھی کوئی نیا جال بن رہا ہوگا۔ اس کو اپنی پتھر کی مورتیوں اور دیوی دیوتاؤں پر گھمنڈ ہے......'' ماں نے کہا۔ ''گندا آدمی ہے اس لیے گند راستہ بھی اختیار کرے گا ......تیرے نانا نے ایک بات اور بھی بولا تھا ......اس بار فیصلہ بھی ہو جائے گا لیکن......''

''ماں کچھ کہتے کہتے رک گئی تو لیاقت حسین نے بے چینی سے پوچھا۔ ''تو......تو چپ کیوں ہو گئی ماں ......نانا نے فیصلہ کے بارے میں کیا بولا تھا؟''

''وہ بات میرا سمجھ میں نہیں آیا تھا......تو گھبرانا نہیں ......اوپر والا کے ساتھ ماں کی دعائیں بھی تیری مشکل میں کام آئیں گی۔''

''میرے سینے میں اللہ پاک کا کلام بھی محفوظ ہے ماں ......وہ بھی کسی کافر کو غرق کرنے کو کافی ہوگا۔''

''یہی مسلمان کا ایمان ہے......جس کا ایمان سلامت ہو اسے نیلی چھتری والا بھی مایوس نہیں کرتا......مقدس کتابوں میں جو لکھا ہے وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔''

''وہ کافر...... پلید کا تخم اس وقت کہاں ہے؟'' لیاقت حسین کی آواز نیند میں ابھری۔

''مم......میں......میرا بات کا دھیان رکھنا لیاقت......خدا تیرا نگہبان۔''

ماں کے چہرہ پر گھپ اندھیروں میں چھپ گیا تو لیاقت حسین ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ فرحسین اس کے قریب ہی بے خبر سو رہی تھی۔ ماں کے کہے ہوئے جملے لیاقت حسین کے ذہن میں تا دیر صدائے بازگشت بن کر گونجتے رہے......

✣✣✣

وہ بہت خوب صورت اور دلکش خدوخال کا مالک تھا۔ دراز قد، چوڑا سینہ، خوب صورت اور مسکراتی ہوئی آنکھیں، کشادہ پیشانی، تازہ کھلے گلاب کی طرح ہمیشہ شاداب نظر آنے والی اس کے جسم کی رنگت، خود اعتمادی سے مدھم مگر پر کشش لہجے میں گفتگو کرنے کا انداز، ہمیشہ سلیقے سے بنے ہوئے بال اور ان پر سونے پر سہاگا تھری پیس سوٹ۔

خوب صورت اور وجیہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بے انتہا دولت مند بھی تھا۔ قیمتی اور نایاب پتھروں کے کاروبار نے اسے جو عروج بخشا تھا وہ اس کے مقابلے میں کسی اور کو نہیں تھا، بیرونی منڈیوں میں اسے قیمتی پتھروں کا بے تاج بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا، دنیا کے بیشتر ممالک کے بینکوں میں اس کے کروڑوں اور اربوں روپے کے اکاؤنٹ بھی موجود تھے۔

خود خوب صورت تھا اس لیے ایک خوب صورت ساتھی کو زندگی کا ہم سفر بنانے کا انتخاب بھی اس نے خود کیا تھا ان کی جوڑی مثالی تھی، جس محفل میں جاتے جان محفل بن جاتے، انہیں ہمیشہ بہترین کپل (Best couple) کے خطاب سے نوازا جاتا۔ خود بھی وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے دو جان ایک قالب کی زندہ مثال تھے۔ ان کی زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی جب ان کا ملاپ کسی کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ وہ ایک بدقماش اور بدنام شخصیت کا مالک تھا جس کے کئی روپ تھے۔ سانپ کی طرح کینچلی بدلنے کا عادی تھا۔ یہ بات قیمتی پتھروں کے تاجر خالد ریاض کے علم میں تھی لیکن اس نے اپنی شریک حیات کو جسے وہ پیار سے میڈم روبی کہتا تھا، اس بات سے آگاہ نہیں کیا تھا، شاید ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی اس لیے کہ بیشتر لوگ ان کے پیار کو حریص نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ کس کس کی نظر پر بندش عائد کرتا لیکن ایک موقع پر جب وہ پہلی بار پتھروں کی بین الاقوامی نمائش میں شرکت کے لیے جا رہا تھا اس نے روبی کو شیخ حامد کے نام اور کاروبار کے سلسلے میں دبی زبان میں کچھ ضروری خطرات سے بھی آگاہ کر دیا تھا ہوشیار رہنے کی تاکید بھی کی تھی۔

خالد رضا کے جانے کے بعد میڈم روبی شیخ حامد کے بارے میں اپنے ذرائع سے بھی مختلف

کوائف جمع کرتی رہی۔خالد ریاض نے جو معلومات فراہم کی تھیں وہ بہت کم تھیں۔میڈم روبی نے سوچ رکھا تھا کہ شوہر کے آنے کے بعد وہ اسے کسی نہ کسی طرح اس بات پر رضا مند کر لے گی کہ وہ مستقل طور پر کہیں منتقل ہو جائیں۔اسے یقین تھا کہ خالد ریاض اس کی بات سے انکار نہیں کرے گا مگر ......قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ایک دن اسے اچانک خالد ریاض کے ساتھ کام کرنے والے ایک کارندے نے اطلاع دی کہ خالد ریاض کسی بزنس کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہا تھا جب ایک کار ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گیا۔

میڈم روبی کو شوہر کی موت کی اندوہناک اطلاع ملی تو وہ دیوانی ہو گئی۔پہلی فلائٹ سے باہر جا کر شوہر کی لاش وطن واپس لانے کی خاطر پہنچ گئی۔غیر ملکی ایجنسیوں نے میڈیم روبی شوہر کی لاش واپس لیجانے سے پہلے پوسٹ مارٹم کرانے کا قیمتی مشورہ دیا تھا لیکن اس نے ان مشوروں پر عمل نہیں کیا۔لاش کو چارٹرڈ پلین کے ذریعے واپس لانے کے بعد اسلامی رسم و رواج کے مطابق سپرد خاک کر دیا گیا۔

بہت عرصے تک شوہر کی جدائی کا سوگ مناتی رہی۔اس کی زندگی کی ساری خوشیاں بھی شوہر کے ساتھ دفن ہو گئی تھیں۔صرف ایک خیال بار بار اس کے ذہن میں ابھرتا رہا۔"جس کار سے خالد ریاض کی کار کی ٹکر ہوئی تھی وہ کون چلا رہا تھا؟......پولیس کوشش بسیار کے باوجود اسے کیوں تلاش نہیں کر سکی؟" اسی سوال کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں شیخ حامد کا نام بھی جڑ پکڑتا گیا پھر......وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ذاتی تجربوں، مشاہدوں اور حالات کی روشنی میں یہ شبہ بھی پختہ ہو گیا کہ وہ بد خواہ کوئی اور نہیں......شیخ حامد ہی تھا جس نے خالد ریاض کو اپنے راستے سے ہٹا کر میڈم روبی کے دل میں جگہ بنانے کی مذموم کوشش کی تھی......

وہ ہر رات شوہر کی فریم شدہ تصویر کو چومنے کے بعد سونے کی عادی تھی۔سوتے جاگتے ہر وقت شوہر کا تصور کہیں نہ کہیں اس کے آس پاس ضرور منڈلاتا رہتا تھا۔اس وقت بھی وہ خواب میں مسکراتا ہوا اچانک سامنے آ گیا تھا۔میڈیم روبی کی نظریں اس کی پرستش کرنے میں مصروف تھیں جب اس کے شوہر کی مانوس آواز کہیں دور سے ابھرتی ہوئی سنائی دی۔

"تم......کب تک میرے انتظار میں خوابوں کی دنیا آباد کرتی رہو گی......ایک بات کہوں اگر برا نہ مانو۔"

"تمہارا مشورہ ہمیشہ میرے لیے کار آمد ہی ثابت ہوا ہے......اب کیا حکم ہے؟"

"زندگی گزارنے کے لیے ایک تنہا عورت کو کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے......تم......تم بھی اپنا گھر بسا لو۔"

"میں تنہا کب ہوں۔" میڈم روبی نے شکوہ کیا۔دل کی گہرائیوں سے کہا۔"تم ہمیشہ میرے بہت قریب رہتے ہو۔اس وقت بھی ہو۔"

"اس عارضی اور مبہم سہارے کو دل سے نکال دو......جانے والے بھی واپس نہیں آتے۔"

''پھر میری ایک خواہش بھی پوری کردو......'' وہ مجسم التجا بن گئی۔ ''مجھے بھی اپنے پاس بلالو۔''
جواب میں خالد ریاض کی نگاہوں میں ایک حسرت بھری چمک پیدا ہوئی اور اس کے بعد ......وہ کسی کھٹکے کی آواز ہی تھی جو میڈیم روبی کے کانوں میں گونجی۔اس کے ساتھ سہانا خواب بھی کرچی کرچی ہوگیا۔وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔اس نے نظریں گھما کر اطراف کا جائزہ لیا۔خواب گاہ میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔اپنی وحشت کو دور کرنے کی خاطر اس نے بیڈ سے لگی کال بیل کو دبا کر تھریسا کو کال کیا پھر وہ دروازہ کھولنے کے ارادے سے اٹھ رہی تھی جب تھریسا دروازہ کھولنے کے ارادے سے اندر آگئی۔میڈم روبی نے چونک کر سوال کیا...... ''کیا دروازہ بند نہیں تھا......؟
''نہیں ......'' تھریسا نے مسکرا کر کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آپ نے سونے سے پیشتر ارادہ کیا ہو پھر بھول ہوگئی ہوں۔''
''شاید ایسا ہی ہوا ہو ......'' میڈم نے سر جھٹک کر شانے اچکائے پھر دوستانہ لہجے میں پوچھا۔''تم سونہیں رہی تھی؟''
''سوتے میں بھی میرا ذہن آپ کی کال بیل کا خیال رکھتا ہے۔'' تھریسا کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔
''اس وقت کیسے یاد کیا؟''
''نیند نہیں آرہی تھی یا شاید سوتے میں آنکھ کھل گئی ہو۔'' میڈم نے خواب بتانے سے گریز کیا۔
''کافی بنا کر لاؤں......''
''نہیں ......فی الحال تمہاری موجودگی ہی کافی ہے۔'' تھریسا نے نیند کو خیر باد کہہ دیا......میڈم روبی اس کی وہ محسنہ بھی تھی جس نے اسے دشمنوں کے چنگل میں پھنس کر بے آبرو ہونے سے بچایا تھا۔وہ مقام دیا تھا جس کو تھریسا کسی صورت فراموش نہیں کرسکتی تھی۔
خاصی دیر تک میڈیم روبی اور تھریسا کے درمیان ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی پھر اس نے جمائی لیتے ہوئے تھریسا سے کہا۔''تم اب جا کر آرام کرو......میں بھی سونے کی کوشش کرتی ہوں۔''
''میرے سامنے اٹھ کر حسب معمول دروازہ بھی اندر سے لاک کرلیں۔کہیں نیند کے جھونکے میں دوبارہ بھول جائیں۔''
میڈم روبی نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کرلیا......اس وقت بھی اسے بات کا مکمل یقین نہیں آیا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر سوگئی ہوگی۔ایسا کرنا اس کے روز مرہ کے اہم معلومات میں سرفہرست تھا۔تھریسا کے اغواء کے بعد اس نے اپنے گارڈز میں بھی اسی احتیاط کے پیش نظر اضافہ کردیا تھا کہ جو حادثہ تھریسا کو پیش آچکا تھا کہیں اس کے سلسلے میں بھی نہ اختیار کیا جائے۔
بستر پر دوبارہ سونے کے ارادے سے لیٹنے کے بعد اس نے بیڈ سوئچ کے ذریعے نائٹ بلب کے علاوہ تمام لائٹس آف کردیں لیکن ......اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کے وہم وگمان میں بھی ممکن نظر نہیں آیا تھا۔نائٹ بلب کے روشن ہونے کے بہ مشکل ایک منٹ پر ملحقہ ڈریسنگ روم کی روشنی

آن ہوگئی۔اس کے ساتھ ہی کسی کی سرسراتی آواز بھی واضح طور پر ابھری۔

''کوئی حماقت یا چالاکی نہ کرنا ورنہ تمہاری گنی چنی سانسیں بھی ختم کر دوں گا۔''

''میڈم روبی نے دوبارہ اٹھ کر سہمی سہمی نظروں سے ڈریسنگ روم کی جانب دیکھا وہاں جو بھی تھا اس کے جسم پر گارڈ کی یونیفارم بھی نظر آرہی تھی۔ وہ درمیانے قد اور قابل رشک صحت کا مالک تھا۔

''میں وہ نہیں ...... جو تم سمجھ رہی ہو......'' خواب گاہ میں موجود شخص قدم اٹھاتا میڈم روبی کے قریب آگیا۔

آنے والے کی نظروں میں کسی زہریلے ناگ جیسی چمک اور سرخی اس بات کی علامت تھی کہ اس کے ارادے نیک نہیں ہیں۔ ہڑ بڑا کر بیدار ہونے اور خواب گاہ کا دروازہ کھلے رہ جانے کا مسئلہ بھی میڈم روبی کے سمجھ میں آگیا۔ وہ اسے حیرت سے گھورتی رہی خود کو اپنی ہی چھت کے نیچے سنبھالنے کا حوصلہ دے رہی تھی۔

''اس قدر غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟'' درمیانہ قد اور گھٹے ہوئے جسم کے مالک اجنبی نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''کون ہو تم؟......''

''میں نے کہا ناں کہ وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو......''

''چوروں کی طرح یہاں گھس آئے ہو تو اس کا کچھ مقصد بھی ہوگا؟'' میڈم نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ ''تمہاری اس جرأت کی قیمت میں سکوں کی صورت میں دینے کو تیار ہوں......ایک شرط پر ......جس طرح دبے قدموں آئے ہو اسی طرح خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔''

''مجھے تمہاری آفر منظور نہیں ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ مت بھولو کے ابھی باہر میرے کچھ گارڈز بھی موجوں ہوں گے...... کسی ہنگامے کی صورت میں تمہاری واپسی ممکن نہیں ہوگی۔''

''یہ سوچنا میرا کام ہے جان من......'' اس نے میڈم روبی کو سرتا پا غور سے دیکھا۔ایک لمحے دیکھتا رہا پھر بے حد رومانٹک لہجے میں بولا۔ ''تم خوشی سے مسکراتے ہوئے ایک بار میری آغوش میں آ جاؤ پھر...... تمہارے کہنے پر میں موت بھی گوارہ کرلوں گا۔''

''جانتے ہو تم کس سے مخاطب ہو؟'' میڈم نے تلملا کر سوال کیا،اس کے ساتھ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں جانتا ہوں اور اب......اب تم بھی جان لو کہ میں کس حیثیت کا مالک ہوں۔''

آنے والے نے ہاتھ بڑھا کر اپنے چہرے سے ایک باریک جھلی اتاری تو میڈم روبی کے دل کی دھڑکنیں یکلخت ناقابل برداشت ہونے لگیں...... گارڈ کی یونیفارم میں نظر آنے والا کوئی اور نہیں...... شیخ حامد تھا...... چہرے سے ماسک اتار دینے کے بعد وہ نڈر اور بے خوف ہی نظر آتا رہا۔

''حیران ہو رہی ہو ناں......'' شیخ حامد نے مسکرا کر کہا پھر اس کا لہجہ یکلخت تبدیل ہوگیا۔''میں

جانتا ہوں کہ تم نے خالد ریاض کی لاش کا پوسٹ مارٹم کیوں نہیں کرایا تھا......اس نے غالباً تمہیں میرے بارے میں کسی خدشے سے آگاہ کر دیا ہوگا۔اس کا اندیشہ غلط بھی نہیں ثابت ہوا۔تم یہاں اس کی واپسی کی راہ تک رہی تھیں جب وہ ایک کار ایکسیڈنٹ میں ہلاک ہوگیا۔پولیس آج تک قاتل کار ڈرائیور کا سراغ نہیں لگا سکی۔تم اس کی ڈیڈ باڈی لے کر آئی تھیں۔تمہارے درمیان کوئی بات نہیں ہو سکی تھی لیکن ......" شیخ حامد نے میڈم روبی کے چہرے پر ابھرنے والے نفرت اور حقارت کے تاثرات کو غور سے دیکھا پھر بے پروائی سے بولا۔"اس کو دفنانے کے بعد تمہارے ذہن میں مجھ سے انتقام لینے کا خیال اتنی شدت سے ابھرا کہ تم نے مرنے والے کی ایک آخری خواہش کو فرضی طور پر رٹ لیا۔میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تم ......تم میرے خیال میں دنیا کے سب سے گھٹیا اور نیچ ترین شخص ہو۔" میڈم نے نفرت کا کھل کر اظہار کیا۔

"میں تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا ......" جواب ڈھیٹ لہجے میں مسکرا کر دیا گیا۔"سب سے پہلے تم نے میرے نمک حرام ثابت ہوجانے والے ایک پالتو کتے افضل خان کو مرنے والے کی من گھڑت آخری خواہش سنائی تھی لیکن اس وقت وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ میرے سامنے نظریں اونچی کر کے بات کر سکتا۔آج بھی نہیں ہے۔میں جب چاہوں ایک اشارے پر ختم کرا سکتا ہوں لیکن ......میں ایسا نہیں کروں گا ......مجھے اپنے تعاقب میں پاگل کتوں کی چیخ و پکار اچھی لگتی ہے۔"

"ڈی آئی جی ......باسٹرڈ آغا منظور کے سامنے بھی تم نے یہی شرط رکھی تھی کہ اپنی آنکھوں سے میری لاش دیکھ لینے کے بعد تم اس سے شادی کر لو گی لیکن ......" شیخ حامد کے مکروہ چہرے پر تناؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔"میری زندگی میں تو کیا ......مرنے کے بعد بھی میرے کچھ وفادار کتے تمہیں آغا منظور سے شادی نہیں کرنے دیں گے۔سن رہی ہو جان من؟......میں کیا دعویٰ کر رہا ہوں؟"

میڈم روبی نے کوئی جواب نہیں دیا، بہ دستور حقارت بھری نظروں سے اپنے بدترین دشمن کو دیکھتی رہی۔

"اب میدان میں صرف ایک آخری سرپھرا باقی ہے جسے میں دیدہ دانستہ ڈھیل دے رہا ہوں ......تمہارے خوابوں کی تکمیل کرنے والا آخری سرپھرا ......میں ایس پی اورنگ زیب کی بات کر رہا ہوں۔اس کے دن گنے چنے رہ گئے ہیں۔"

"تم اس وقت یہاں کس مقصد سے آئے ہو......؟"

میڈم روبی نے مدھم لہجے میں سوال کیا۔

"ایک بار تم میرے گھر میں آئی تھیں ......میں چاہتا تو اس وقت بھی تمہارے بدن سے کھیل سکتا تھا مگر نہیں ......" جواب پھر زہرخند سے دیا گیا۔"تم دنیا کی وہ واحد خوش نصیب عورت ہو جس کے بارے میں میری تمنا ہی ہے کہ وہ ہنسی مسکراتی میری آغوش کی زینت بنے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے ......" میڈم روبی نے حقارت سے تھوک کر کہا۔"کیا میں تمہاری یہ خواہش پوری کردوں گی؟"

"آج نہیں تو کل ......" شیخ حامد نے مسکرا کر کہا۔

"میں ایسے حالات پیدا کردوں گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی۔"

"اپنی کمینی ذہنیت کا ثبوت دے چکے ہو تو خاموشی سے میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جاؤ......ورنہ......"

"ایسی کوئی غلطی نہ کرنا......شیخ حامد نے سنجیدگی سے کہا۔"مفت میں تمہارے بہت سے گارڈز زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

"اور کیا بکواس کرنا باقی رہ گیا ہے......؟"

"جس طرح میں تمہاری خواب گاہ میں داخل ہوا۔اسی طرح تمہیں زبردستی دبوچ کر اپنی بھوک بھی مٹا سکتا تھا۔کیا تم میرا یہ احسان نہیں مانو گی؟"

"نہیں ......" میڈم روبی نے بل کھا کر نفرت کا اظہار کیا۔"جو کچھ کمینگی کا ثبوت تم دیتے ہو وہ تمہاری دیرینہ خواہش کی تکمیل نہ ہوتی۔"

"ایک آخری بات اور سن لو ......میں اس وقت جس گارڈ کی وردی میں ہوں وہ میرا نہیں......بے ہوشی کی حالت میں تمہیں زندہ مل جائے گا ......میرا ایک پیغام اپنے چہیتے ایس پی تک بھی پہنچا دینا......وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لے......یہی اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا اور......دوبارہ جب میں تمہارے سامنے آؤں گا تو تم میری خواہش کی تکمیل سے انکار کی پوزیشن میں نہیں ہوگی۔"

میڈم روبی نے جواب میں پھر حقارت سے تھوک دیا۔اسے احساس ہو گیا تھا کہ شیخ حامد زبردستی اس کے ساتھ دست درازی نہیں کرے گا۔جواب میں وہ سینہ تانے کھڑا چند لمحے اس کے جسمانی نشیب و فراز کو دیکھتا رہا پھر......بجلی کی تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے میڈم روبی کو سیدھے ہاتھ سے دبوچا......الٹا ہاتھ جس میں اس کا رومال تھا اس کے ناک اور منہ پر رکھ دیا۔

ناگوار خوشبو کے احساس نے میڈم روبی کو صورت حات کا احساس دلایا تو اس نے خود کو شیطانی گرفت سے آزاد کرانے کی خاطر بھرپور مزاحمت کرنی چاہی لیکن رومال سے پھوٹنے والی مہک نے اس کے پورے وجود پر غنودگی کی کیفیت طاری کردی۔اس کا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا......پھر دوبارہ ہوش آنے پر اس نے خود کو جس حالت میں پایا اس نے شیخ حامد کے آخری جملوں کے مفہوم بھی واضح کر دیئے......اس کا اوپری جسم بالکل برہنہ تھا جہاں ایک ٹائپ شدہ پیغام بھی کاغذ کے ٹکڑے پر موجود تھا۔میڈم روبی نے اپنے برہنہ جسم کو چھپا کر اس پیغام کو پڑھا۔

دوبارہ میری خواہش پوری ضرور کرنا ورنہ ......تمہاری تصاویر اخباروں میں آگئیں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہو گی ......"اس پیغام کے نیچے آکٹوپس کی شبیہ والی مہر بھی موجود تھی۔

✣✣✣

لوچن اس وقت بھی میک اپ میں تھا۔اس نے اپنی آنکھوں کی مخصوص چائنیز علامتوں کو کلر گلاس کے پیچھے چھپانے کی خاطر چشمہ بھی لگا رکھا تھا اس نے نگینہ سے جو معلومات حاصل کی تھیں وہ کافی نہیں تھی اس لیے وہ اب از خود سکندر علی شاہ کے گھر کے دو نمبروں کو خاص طور پر ایک جدید ڈیوائس کے ذریعے چیک کرر ہا تھا۔دور سے دیکھنے والے یہی سمجھتے تھے کہ اس نے جیب میں پاکٹ سائز ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے اور کانوں میں اسی کا ایئر فون لگا رکھا ہوگا لیکن یہ ایک مخصوص ڈیوائس تھی جسے لوچن نے بہت عرصے قبل یہودیوں کے ایک خفیہ ایجنٹ سے منہ مانگے داموں کے عوض اس وقت خریدا تھا جب وہ کسی مہم میں زخمی ہونے کے بعد ایک اسپتال میں معذور پڑا تھا۔ڈاکٹروں نے اس ایجنٹ کو کھل کر بتا دیا تھا کہ وہ زندگی میں اب دوبارہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔اس ڈیوائس کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر اس کے دوسرے کلپ نما مختصر حصے کو ایئر فون کے جنکشن بکس کے قریب مطلوبہ لائن پر لگا دیا جائے تو ایک مخصوص فاصلے کے دوری کے باوجود اس لائن پر ہونے والی گفتگو ایئر فون پر سنی جاسکتی تھی جس کے تاروں سے منسلک دوسرے لپ اسٹک سائز کے سیلڈ بند حصے کو جیب میں رکھا جاتا تھا۔

نگینہ سے ہونے والی گفتگو کے بعد لوچن نے اپنی رہائش بھی فوری طور پر تبدیل کر دی تھی۔اس تبدیلی کی وجہ جگا بھی تھا جو اس کے خیال میں دوسری پارٹی کی نظر میں آ گیا تھا۔یہ شبہ اسے رینبو کلب میں اس وقت ہوا تھا جب وہ نگینہ کو دھوکا دے کر ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔اکثر عورتوں کی طرح اپنے مستقبل کے بارے میں قبل از وقت جان لینے کی خاطر نگینہ نے بھی اسے کوئی مستقبل شناس سمجھ کر اس کے ساتھ جانا منظور کر لیا تھا۔جگا کے بارے میں اس کا شبہ اس وقت درست ثابت ہوا جب جگا کے فرنیچر مارٹ پر حملہ ہوا تھا۔اگر لوچن نے بروقت سامنے آ کر بازی نہ پلٹی ہوتی تو جگا تنہا ان دشمنوں کا مقابلہ بھی نہ کر پاتا جو اسے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کرنے کی خاطر بڑے منظم طریقے سے آئے تھے اسی بہانے جگا سے اس کی دوستی کی بنیادیں بھی زیادہ مستحکم ہو گئی تھیں۔

لوچن اس وقت ایک اور کس ویگن کار میں تنہا بیٹھا اس کے اسٹیرنگ پر اس انداز میں انگلیاں چلا رہا تھا جیسے کانوں میں گونجتے کسی نغمے کی دھن کو انجوائے کر رہا ہو لیکن اس کا ذہن خاص طور پر اس فون لائن سے ابھرنے والی آوازیں سن رہا تھا جو سکندر علی شاہ اور نگینہ کی مشترکہ خواب گاہ میں تھا۔دو تین کالیں اس کے مقصد کی نہیں تھیں۔لوچن کو کوئی جلدی بھی نہیں تھی پھر اتفاق سے اسے زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔تقریباً پچاس منٹ کے انتظار کے بعد جو کال اس نے سنی اسے سن کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔حسب معمول فون سکندر علی شاہ نے ریسیو کیا تھا' لیکن پھر دوسری جانب سے اسے جس لب و لہجے میں مخاطب کیا گیا وہ کسی مرید یا دوست کا نہیں تھا۔

''میں نے اس وقت تم کو ایک اہم اطلاع دینے کیلئے فون کیا ہے......کان کھول کر سن لو میری

ہدایت کو نوٹ کرو......'' کسی نے ایسی آواز میں گفتگو کا آغاز کیا جیسے کوئی بڑا آفیسر اپنے کسی چپڑاسی سے مخاطب ہو۔

''سن رہا ہوں......'' سکندر علی شاہ کی آواز ابھری جس میں گھٹن کا احساس بھی تھا۔

''نگینہ اب قابل اعتماد نہیں رہی......تمہارا کیا اندازہ ہے اس سلسلے میں؟''

''رینبو کلب سے اغواء کیے جانے کے بعد وہ جس حالت میں ملی تھی میں نے اسی وقت کہا تھا کہ اب اسے فارغ کر دیا جائے۔'' سکندر علی شاہ نے بے حد بیزاری سے جواب دیا۔

''وہ وقت مناسب نہیں تھا......لیکن اب......'' ایک لمحے کے توقف کے بعد سوال کیا گیا۔ ''اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''تین چار منٹ پہلے شاور لینے کے ارادے سے غسل خانے میں گئی ہے......''

''تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے پہلے تمہیں اس کے بارے میں برداشت کرنے کو کیوں کہا تھا اور اب......اسے نا قابل اعتماد کیوں اور کس وجہ سے کہہ رہا ہوں......''

''جس سے نفرت ہو جائے میں اس پر زیادہ توجہ بھی نہیں دیتا۔''

''تم بھول رہے ہو کہ اس وقت کس سے مخاطب ہو......؟ اس بار دوسری جانب سے تنبیہی انداز میں کہا گیا۔

''اب کیا حکم ہے میرے لیے......؟''

''اسی انداز میں آئندہ بھی گفتگو کرنے کی عادت ڈالو......میں نے تمہیں بنایا ہے تو بگاڑ بھی سکتا ہوں۔''

''جانتا ہوں......'' سکندر علی شاہ نے بے بسی کا اظہار کیا۔

''جن لوگوں نے نگینہ کو اغواء کیا تھا۔ ان کا ایک مہرہ پٹتے پٹتے بال بال بچ گیا۔ جب میں چاہوں گا اسے بھی کسی چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔''

''نگینہ نے کیا نمک حرامی کی ہے؟......کیا اس کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے؟''

''نہیں......'' دوسری طرف سے بولنے والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''اسے طلاق دے کر پہلی فرصت میں حویلی سے نکال دو......اس کے بعد میرے اپنے آدمی اس کے ایک ایک لمحے پر نظر رکھیں گے۔ ہو سکتا ہے جو دوسرا آدمی ہاتھ سے نکل گیا اسی بہانے وہ بھی بے نقاب ہو جائے۔''

''کچھ کہنے کی اجازت چاہوں گا۔''

''کہو......''

''حویلی سے نکلنے کے بعد میری بدنامی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔''

''دوسری تجویز کیا پیش کرو گے......؟''

''اسے ایک دو روز بعد تفریح کے بہانے کہیں بیرون ملک روانہ کر دیا جائے۔'' سکندر علی شاہ نے مدھم آواز میں تجویز پیش کی۔ ''وہاں کوئی بھی اچانک حادثہ اس کو کانٹے کی طرح نکال سکتا ہے۔''

''اچھا خیال ہے......'' سراہتے ہوئے انداز میں کہا گیا۔''ایک دو روز اور انتظار کرلو اس کے بعد ہی میں کوئی حتمی فیصلہ کر کے تم کو آگاہ کردوں گا۔''

کال ختم ہوئی تو لوچن نے ایئرفون کو کان سے علیحدہ کردیا۔گاڑی اسٹارٹ کر کے وہ محض وقت گزارنے کی خاطر ایک سپر اسٹور پر گیا۔عقبی آئینے میں کسی تعاقب کے اندیشے کو بھی چیک کرتا رہا پھر واپس ہوٹل کے کمرے میں آگیا۔پہلی فرصت میں اس نے موبائل کی سم تبدیل کر کے جگا کو کال کی۔

''ہیلو......'' کال جگا ہی نے اٹینڈ کی تھی

''پروفیسر چنگ لائی فار چون......'' لوچن نے کہا۔''ایک ضروری کام پیش آگیا ہے تم اپنے ذاتی مصروفیات کی بنا پر اسے آسانی سے کرسکو گے۔''

''تکلف نہیں......جب دوستوں کے انداز میں ہاتھ ملایا ہے تو اپنا حق سمجھ کر بات کرو......میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔''

''ایک کال میں نے کچھ دیر پیشتر کسی ذریعے سے سنی ہے......جس نمبر پر کال کی گئی تھی اس کا نمبر اور وقت نوٹ کرلو۔''

لوچن نے کہا۔''دوسری طرف سے کال کرنے والے کا نمبر اور ایڈریس تمہیں اپنے ذرائع سے معلوم کرنا ہے۔''

''یہ میرے لیے زیادہ مشکل نہیں ہوگا......حالات کے پیش نظر میں نے ایکسچینج کے آدمی کو خرید رکھا ہے......تمہارا مطلوبہ کام پورا کرنے کے بعد ہی تمہیں کام کروں گا۔''

''میں اسی سم پر تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔''

لوچن نے موبائل بند کردیا۔نگینہ نے جو اطلاع دی تھی وہ غلط نہیں تھی۔جس نے سکندر علی شاہ سے بات کی تھی اس پر شیخ حامد ہونے کا شبہ بھی کیا جا سکتا تھا۔لوچن کے اندر ایک ہلچل سی جاری تھی۔اگر جگا کال کرنے والے کا نمبر اور پتا بتا دیتا تو وہ اپنے اسے شبہے کی تصدیق میں بھی احتیاط ہی سے کام لیتا لیکن......تقریباً سوا گھنٹے بعد جگا نے اپنے ذرائع کو استعمال کرنے کے بعد جو معلومات فراہم کیں وہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں تھیں۔سکندر علی شاہ کو کسی پبلک بوتھ سے کال کیا گیا تھا۔اس علاقے کا نام بھی جگا نے بتا دیا تھا مگر......

لوچن سمجھ رہا تھا کہ صرف علاقے کے نام سے کال کرنے والے کو ٹریس نہیں کیا جا سکتا تھا اورنگ زیب نے جس کا نام آکٹوپس رکھا تھا وہ بھی اتنا عیار اور دور اندیش تھا کہ اس نے بھی اپنے رہائشی علاقے کے کسی پبلک فون کو استعمال کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا ہوگا۔

✣✣✣

چھٹی کا دن تھا اس لیے سب ایک ساتھ بیٹھے اطمینان سے ناشتا کررہے تھے جب اورنگ زیب کے موبائل کی اسکرین روشن ہوگئی۔

''ہیلو......اورنگ زیب نے کال ریسیو کی۔

''صرف میری بات غور سے سنتے رہیں۔کیا سراج اور ان کی مسز بھی موجود ہیں۔''
''جی ہاں ......''اورنگ زیب نے آواز سن کر سنجیدگی اختیار کرلی۔''الماس بھی ساتھ ہی موجود ہیں۔''
''میرا نام نتاشا کرم یاد رکھیں۔الماس کو بھی بتا دیں۔''
''ٹھیک ہے۔''اورنگ زیب نے موبائل بند کر کے سراج کو تیز نظروں سے گھورا۔یہ نتاشا کرم کون خاتون ہیں؟''
''پلیز ......''سراج نے ملتجی نظروں سے درخواست کی۔''آپ گھر آباد نہیں کرتے نہ کریں لیکن میرا گھر......''
''کیا بات ہے؟''الماس نے نتاشا کرم سن کر براہ راست اورنگ زیب سے پوچھا۔''نام سے ایرانی لگتی ہے۔''
مجھے تم سے اس حماقت کی امید نہیں تھی۔''اورنگ زیب بہ دستور سراج سے بولا۔''کم از کم کسی خاتون کو گھر بلانا، نازیبا حرکت ہے۔''
پھر جب اس نے بیرون گیٹ سے رابطہ قائم کر کے یہ ہدایت دی کہ ٹنٹڈ گلاس کی جو گاڑی آرہی ہے اس کے لیے پھاٹک بغیر کس باز پرس کے کھول دینا۔خاص مہمان ہیں......اورنگ زیب نے گیٹ پر ہدایت دینے کے بعد ہی الماس سے کہا تھا۔''نتاشا کرم نے ایک گرما گرم کافی کی فرمائش کی ہے......ضرور تیار کر دینا۔''
خدا کے لیے پلیز ......''سراج نے دوبارہ اورنگ زیب سے کہا۔''بھائی ہو کر بہن کے دل میں بدگمانی تو نہ پیدا کریں۔''
''آپ نے بتایا نہیں۔''الماس کچھ کچھ سنجیدہ ہونے لگی۔''کون خاتون آرہی ہیں؟''
اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔موبائل پر دوسری جانب سے مختصر بات ہونے کے بعد وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔پھر اس وقت سراج بھی بوکھلا گیا جب ایک دراز قد برقع پوش اندر داخل ہو کر اسی کی طرف آ گئی۔الماس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی اور اس وقت تو اس کا خون بھی کھول گیا جب برقع پوش نے بڑے پیار سے سراج کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
سراج ہڑ بڑا کر اٹھا مگر دوسرے ہی لمحے اس کے علاوہ الماس بھی ششدر رہ گئی۔برقع کے نقاب پلٹنے کے بعد جو چہرہ نظر آیا وہ کرنل احتشام کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔سراج بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔کرنل نے برقع اتار کر ایک طرف رکھا پھر براہ راست الماس کی طرف دیکھا۔''اگر آپ ہی الماس اور مسز سراج ہیں تو آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''
''آپ تشریف رکھیں، میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''
''نو فار مالیٹی ......''کرنل نے کہا۔''میں ایک اشد ضروری کام سے آیا ہوں۔فوجی زندگی میں ایسے مواقع کم ملتے ہیں جب انسان آن ڈیوٹی رہ کر گھریلو زندگی انجوائے کر سکے......کرنل احتشام کے

نام کے حروف سے ''نتاشا کرم'' میں دو ایک بار پہلے بھی دوستوں سے بہ طور مذاق استعمال کر چکا ہوں......اس نام میں کرنل کا ''لام ساکن'' رہ جاتا ہے۔آپ اسے مجبوری سمجھ لیں۔''

کرنل سے بے تکلفی اور ملنساری کو دیکھ کر الماس بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔وہ کافی تیار کرنے کے لیے کچن میں گئی۔کرنل نے اورنگ زیب سے کہا۔''میں نے اسے وقت جو گاڑی استعمال کی ہے ابھی اس کی رجسٹریشن بھی نہیں ہوئی، کام کی نوعیت ٹاپ پرایرٹی جیسی تھی اس لیے میں ادھر ہی آگیا۔''

''بات کیا ہے......؟''اورنگ زیب نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''کیا ہم یہاں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟''

''اوپر والے کمرے میں آجائیں وہ جگہ زیادہ سیف ہے۔''اورنگ زیب کے ساتھ سراج بھی اٹھ گیا۔اوپر کے کمرے میں پہنچنے کے بعد کرنل نے کہا۔''صبح میری آنکھ فون کال پر کھلی تھی۔میڈم روبی نے پہلی مرتبہ آپ کے حوالے سے کال کیا تھا۔نام میرا سنا ہوا تھا اس لیے میں نے توجہ سے بات سنی......''کرنل نے پہلو بدل کر کہا۔''گذشتہ رات کے دوسرے پہر کسی نے اسے آکٹوپس کے نام سے کال کر کے دھمکی دی تھی کہ میڈم کو ایک ہفتے کے اندر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔فون پر یہ چیلنج بھی دیا گیا ہے کہ تمام تر حفاظتی اقدام کے باوجود وہ خود کو موت سے نہیں بچا سکے گی......اسی کی درخواست پر میں نے اس کے پرائیویٹ گارڈز کو ہٹا کر اپنے بہترین اور تجربہ کار کمانڈوز کو تعینات کر دیا ہے۔ایک پاس ورڈ بھی بتا دیا ہے تاکہ کسی ایمرجنسی میں میڈم براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کر سکے۔''

''حیرت ہے کہ اس نے مجھے یا سراج کو کال نہیں کیا......؟اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس کی وجہ بھی مجھے بتادی ہے......اسے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ لوگوں کی کال ٹیپ نہ کی جارہی ہو......مجھ سے بھی یہی درخواست کی ہے کہ میں رات کی بات صرف اپنی ذات تک محدود رکھوں۔''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ اصل بات کچھ اور ہوگی۔''اورنگ زیب نے کچھ توقف سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔''بہر حال جب اس نے سیکریسی سے کام لیا ہے تو ہم بھی اسے کریدنے کی غلطی نہیں کریں گے۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس باسٹرڈ آکٹوپس نے ہماری توجہ اصل لائن آف ایکشن سے ہٹانے کی خاطر بلف کیا ہو۔''

''اس کے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''اب آپ کی پلاننگ کیا ہوگی......؟''

''فوری مگر محتاط ایکشن۔''اورنگ زیب نے جواب دیا پھر اس نے درخواست کی۔''آپ آئی جی کو اپنی ذاتی حیثیت سے فون کر دیں کہ مجھے مرکز کی ملٹری ہائی کمان کی طرف سے کوئی اہم کام سونپا

گیا ہے اس لیے وہاں سے ریلیز ہونے کے بعد ہی ڈیوٹی جوائن کر سکوں گا۔"

کرنل نے اسی وقت آئی جی کو فون کر کے اورنگ زیب کی درخواست کی تکمیل بھی کردی۔ الماس کافی کی ٹرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو کرنل نے ایک بار پھر اس سے ناشا کرم والے وقتی مذاق سے معذرت چاہی۔

"اس کی معافی ایک شرط پر ہوگی۔" الماس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "اب آ گئے ہیں تو آئندہ بھی ملاقات کا سلسلہ جاری رکھیے گا۔"

"اوکے......اٹ از مائی پرامس۔"

کافی کے دوران ہلکی پھلکی گھریلو باتیں ہوتی رہیں، الماس کے علاوہ سراج بھی بہت جلدی کرنل سے بے تکلف ہو گیا۔ کافی پینے کے بعد کرنل فوراً ہی جانے کے لیے اٹھ گیا۔ اورنگ زیب نے اشارے سے سراج کو روکا پھر خود اٹھ کر کرنل کو رخصت کرنے دروازے تک آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب مجھے فوری طور پر اپنے پلان پر عمل کرنا ہوگا۔" اس نے تنہائی میں کرنل سے کہا۔ "اس موقع پر آپ کے کچھ کمانڈوز کو بھی دور دورہ کر وہاں کی نگرانی اس طرح کرنی ہوگی کہ وہ کسی کی نظروں میں بھی نہ آئیں اور ضرورت کے وقت فوری ایکشن بھی کر سکیں۔"

"ڈونٹ وری......یہ خیال مجھے پہلے سے ہے......میں نے لوکیشن کی سراؤنڈنگ کو بھی پوری طرح اسٹڈی کر لیا ہے آپ کو تحفظ دینا ہمارا کام ہوگا۔"

پھر رخصت ہوتے وقت بھی کرنل برقع پہن کر ہی باہر نکلا تھا۔

✣✣✣

لیاقت حسین کچھ دیر پہلے ہی سیٹھ عثمان کو ان کے بنگلے پر ڈراپ کر کے گھر آیا تھا یہ اطلاع بھی اسے مل گئی تھی کہ فرحین راحیلہ بیگم کے پاس ہے۔ ایک بار خطرے سے دوچار ہونے کے بعد لیاقت حسین کے مشورے پر ہی فرحین کا یہ معمول ہو گیا تھا وہ تنہا گھر پر رہنے کے بجائے راحیلہ کی طرف چلی جاتی تھی۔

لیاقت حسین شاور لینے کے بعد کمرے میں آ گیا۔ اس وقت شام کے پانچ کا وقت ہو رہا ہوگا۔ وہ کمر سیدھی کرنے کی خاطر لیٹا تو سراج کی کال آ گئی۔

"کیسے ہو لیاقت حسین۔"

"آپ کی دعا ہے صاحب......اس وقت خادم کو کیسے یاد کیا۔"

"تمہیں ایک بہت اہم ذمے داری سونپنے کا پروگرام بنایا ہے جس کے لیے تمہارا پلاسٹک میک اپ بھی ضروری ہوگا۔"

"آپ کے لیے لیاقت حسین کی جان بھی حاضر ہے صاحب......کسی دشمن کو غرق کرنے کی خاطر زندگی داؤ پر لگا دینا بھی ایمان کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ لوگوں کے کسی کام آ گیا تو یہ بھی میری خوش نصیبی ہوگی۔"

''اس بار تمہارے ساتھ صرف ایس پی صاحب ہوں گے۔'' سراج نے کہا۔

''آپ دونوں جس وقت حکم دیں گے میں سر سے کفن باندھ کر خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

کچھ دیر بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا تو لیاقت حسین دوبارہ لیٹ گیا۔ اس وقت اسے ایک کپ چائے کی شدید خواہش ہو رہی تھی۔ وہ خود بھی بنا سکتا تھا لیکن فرحین کے ہاتھ کا ذائقہ اس کے منہ کو لگ گیا تھا۔ وہ فرحین کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ دروازے پر کسی کی آہٹ ابھری۔ لیاقت حسین بھڑے ہوئے دروازے کو کھولنے کی خاطر اٹھا۔ اسے تعجب تھا کہ فرحین اسے خود کھول کر اندر کیوں نہیں آ گئی؟...... لیاقت حسین کچھ سوچ کر مسکراتا ہوا دبے قدموں اٹھا۔ اس نے دروازہ کھول کر فرحین کو ڈرانے کا سوچا تھا' لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ خود بھی ہکا بکا رہ گیا۔

''تم ...... لیاقت حسین کے وجود میں یکلخت شعلے بھڑک اٹھے۔

''ہاں ...... میں ...... تمہاری موت ......'' جواب حقارت سے دیا گیا۔

لیاقت حسین کے ذہن میں وہ باتیں گونجنے لگیں جو ماں نے اسے خواب میں آ کر بتائی تھیں۔ اس کے وجود میں طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اس نے آنے والے کو دیکھ کر حقارت سے تھوک دیا۔

دروازے پر جو سینہ تانے کھڑا تھا۔ وہ پرتاب بھوشن کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس کی ویران نگاہوں میں اعتماد جھلک رہا تھا...... اس اعتماد میں شیطانی قوتیں بھی شامل تھیں......

✣✣✣

لیاقت حسین نے حقارت سے فرش پر تھوکا تو پرتاب بھوشن نے مسکرا کر کہا۔
''تو نے میری ایک مشکل خود آسان کر دی مورکھ......آج اپنا تھوکا تجھے خود ہی چاٹنا ہوگا۔''
لیاقت حسین کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔''تو کئی بار میرے ہاتھوں سے بچ کر نکل گیا مگر آج......آج میں تجھے قبر تک پہنچانے کا کام بھی خود انجام دوں گا۔''
''اب سپنا دیکھنا چھوڑ دے مسلے۔'' پرتاب بھوشن کے سیدھے ہاتھ کی انگلیاں مالا کے دانوں پر گردش کرنے لگیں۔''دیوی نے اس بار جو شکتی اپنے سیوک کو دان کی ہے اس کے سامنے تیری کسی چھایا کا زور نہیں چلے گا۔''
''تم......تم دو ٹکے کے مداری ہو......'' لیاقت حسین تلملا کر بولا۔''اپنے ہاتھوں سے مٹی اور گارا تھوپ تھاپ کر جو صورت بناتے ہو اس کو رنگ بھنگ لگا کر اسی کے آگے سر جھکا دیتے ہو۔ تمہاری کھوپڑیوں میں دماغ کے بجائے دنیا جہاں کا گند بھرا ہے جو تم کو سیدھا اور سچا راستہ کبھی نظر نہیں آتا۔''
''بول لے......اور اونچے سروں میں تیری کھاٹ کھڑی کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ تیرے ہوتے سوتے بھی کیا یاد کریں گے تو نے کس شکتی سے پنجہ لڑانے کی بھول کی تھی۔'' پرتاب بھوشن نے بل کر کہا پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔''آج وہ تیری سندری نظر نہیں آ رہی۔ وہ ہوتی تو میں اس سے بھی ایک بدلہ چکتا کر دیتا۔''
''زبان کو لگام دے او ولدالحرام۔'' لیاقت حسین آپے سے باہر ہونے لگا۔''تیری زبان پر دوبارہ اس کا نام آیا تو کتے سے بدتر موت ماروں گا......وہ میری ہم سفر ہے......تیرے مندروں کی پجارن نہیں جس کو سارے چھوٹے بڑے پنڈت پجاری پرساد سمجھ کر منہ مارتے ہیں اور پھر اسی منہ سے رام رام بھی کرتے ہیں۔''
''کتے کی جب موت آتی ہے تو شمشان کی طرف منہ اٹھا کر بھونکنا شروع کر دیتا ہے......'' پرتاب بھوشن نے بل کھا کر جواب دیا۔''ہماری پوتر پستکوں میں اس کی موت کی یہی نشانی لکھی ہے......تو بھی آخری بار بھونک لے۔ اس کے بعد میں تجھے بتاؤں گا کہ دیوی کا پرساد کیا ہوتا ہے...... تیرے بعد میں تیری سندری کا نمبر بھی ترنت آ جائے گا۔ جانتا ہے کیوں؟......تیرے کارن میری مدھو پجارن کی ہتیا ہوئی تھی۔ اس کا حساب تیری گھر والی چکتا کرے گی۔''
فرحین کے سلسلے میں پرتاب بھوشن کی گندی زبان لیاقت حسین کے لیے ناقابل برداشت

ہو رہی تھی۔اس نے دشمن کو ٹھکانے لگانے کی ٹھان کر قدم اٹھانے کی کوشش کی تھی جب فرحین اچانک ہی کھلے دروازے سے اندر آگئی۔وہ پرتاب بھوشن کے قریب سے گزر کر آئی تھی لیکن اس نے شاید اس کی موجودگی پر غور نہیں کیا تھا......لیاقت حسین اس بات پر غور کر رہا تھا جب پرتاب بھوشن کی آواز ابھری "تو جو دیکھ رہا ہے وہ سپنا نہیں ہے مورکھ......یہ دیوی کی دان کی ہوئی انمول شکتی کا چمتکار ہے کہ تیری سندری مجھے دیکھ نہیں سکی۔یہ میری آواز بھی نہیں سن سکے گی۔"

لیاقت حسین کے دل و دماغ پر برف جمنے لگی۔پرتاب بھوشن نے جو کچھ کہا تھا اسے سن کر فرحین نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔اس کے برعکس اس نے لیاقت حسین سے حیرت سے پوچھا تھا۔

"یہ تو یہاں کھڑا کھلے دروازے کی طرف کیا دیکھ رہا ہے؟"

"تو......لیاقت حسین کے لیے وہ صورت حال پریشان کن تھی۔وہ مرد تھا،موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جان دے سکتا تھا لیکن فرحین اس کا پیار تھی محبت تھی جسے وہ کسی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔زندگی میں پہلی بار وہ جس ناقابل یقین سچویشن سے دوچار تھا وہ بھی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔اس نے فوری طور پر فرحین کو وہاں سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا......تو...... بیگم صاحبہ کی طرف واپس چلی جا......مجھے ابھی ایک ضروری کام سے جانا ہے۔"

"یہ کیسی دل توڑنے والی بات کر رہا ہے لیاقت......فرحین نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔"کیا میرے علاوہ اور بھی کوئی زیادہ ضروری کام ہو سکتا ہے تجھے۔" "کہا ناں......مجھے کہیں کام سے جانا ہے......"لیاقت حسین کو وقت کی نزاکت نے بری طرح الجھا دیا تھا۔

"کیوں دل توڑ رہا ہے مورکھ اپنی گھر والی کا......مرد ہے تو باہنوں میں سمیٹ کر دو گھڑی کے لیے اس کی پیاس بجھا دے......شریر ٹھنڈا پڑ جائے تو پھر کام نہیں پڑتا......" پرتاب بھوشن نے سینہ تان کر کہا۔"اسے بھی میری کرپا سمجھ لے جو تجھے جیون میں آخری بار موج میلا کرنے کا سمے دے رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہا ہے لیاقت......؟فرحین نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔"چل......دروازہ بند کر لے......آج میں تجھے کچھ نئی باتیں بتاؤں گی......بیگم صاحبہ نے بتائی تھیں......"لیاقت حسین کا ذہن بری طرح الجھنے لگا......ایک طرف اس کا بدترین دشمن اس کے سامنے کھڑا اسے موت کی دھمکی دے رہا تھا اور دوسری جانب فرحین دروازہ بند کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔لیاقت حسین نے اس مشکل مرحلے پر خدا کو یاد کیا تو ایک آواز کہیں دور سے ابھری۔"

"بے شک وہ تمہاری رگ جاں سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہے......تم اسے دل کی گہرائیوں سے پکارو تو وہ تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔"

"مم......میں......اس وقت غیر یقینی حالات سے دوچار ہوں......لیاقت حسین کے دل کی دھڑکنیں مجسم سوال بن گئیں۔"

"جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ فریب ہے......سحر ہے......خوب صورت جال ہے جو تمہیں پھانسنے

کے لیے بچھایا گیا ہے......''

''پھر......میں کیا کروں؟......فرحین میرے قدموں کی بیڑی بن رہی ہے۔''

''یہ بھی فریب ہے......خدا کا نام لے کر اسے توڑ دو......''

لیاقت حسین کو ایسا لگا جیسے وہ ایک لمحے کسی گہری غنودگی میں غرق رہنے کے بعد بیدار ہوا ہے......جملے جو اس کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے تھے......صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔اس نے فرحین کی طرف غور سے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں نشہ کھل رہا تھا۔اس نشے کے عقب میں فریب کا کوئی جال تھا۔لیاقت حسین نے جھپٹ کر فرحین کے گلے کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرلی۔اس اچانک ردعمل پر پرتاب بھوشن بھی سٹپٹا گیا فرحین کی صورت بھی حیرت انگیز طور پر بدل گئی۔وہ پرتاب بھوشن کو آواز دے رہی تھی۔

''مہا راج......تمہاری شکتی اپرم پار ہے......میں نے سب کو چھوڑ کر کیوں تمہارا ہاتھ تھاما تھا......بھگوان کے لیے......اپنی چکوری کو اس مسلے کے گندے ہاتھوں سے بچالو......''

چکوری کا نام سن کر لیاقت حسین بھی چونکا......اس نے غور سے دیکھا،اس کے ہاتھوں کی گرفت میں فرحین کی نہیں کسی مندر کی پجارن کی گردن تھا......لیاقت حسین کی گرفت یکلخت ڈھیلی پڑ گئی۔پرتاب بھوشن کی خوشی بھی معدوم ہونے لگی۔اسی لمحے ایک آواز کہیں دور سے لیاقت حسین کے کانوں میں گونجی۔

''سنبھلو لیاقت حسین......ماں کی دعاؤں نے تمہیں اس وقت ایک موذی کے چنگل میں پھنستے پھنستے بچالیا۔''

لیاقت حسین دو قدموں پیچھے ہٹ گیا۔پرتاب بھوشن کی سرسراتی ہوئی آواز دوبارہ اس کے کانوں میں گونجی۔

''میں سمجھ رہا ہوں......کوئی چھایا پھر تجھے ہتھیلی لگانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن بھوانی نے جو کہا ہے وہ بھی اوش پورا ہوگا۔تیرا انت بھوانی کی کرپا سے میرے ہی ہاتھوں ہوگا......جے بھوانی۔''

پرتاب بھوشن نے نعرہ لگا کر ایک اور منتر پھونکا۔گرم ہواؤں کی گردش لیاقت حسین کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھی جب کسی کے سرد ہاتھوں نے اس کی کلائی تھام لی۔کسی نے رہنمائی کی۔

''لیاقت حسین......ماں نے جو کہا تھا اسے یاد کرو......تمہاری انگلی میں جو بزرگوں کی دی ہوئی کراماتی انگوٹھی ہے وہ آج خدا کے حکم سے تمہارے کام آئے گی......''

لیاقت حسین کی قوت سماعت میں وہ جملے گونجنے لگے جو ماں نے خواب میں کہے تھے۔وہ سنبھل کر کھڑا ہوگیا۔تیز نظروں سے اس نے پرتاب بھوشن کو گھورا جس کے ہونٹ کسی منتر کا جاپ پڑھ رہے تھے......چکوری پجارن موقع پا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔''پرتاب بھوشن''لیاقت حسین نے خدا کا نام لے کر اسے للکارا......''تیرے کالے کرتوت اور جنتر منتر آج تیرے کسی کام نہیں آئیں گے۔میری بات غور سے سن لے نادان......تیرا وقت پورا ہو رہا ہے......آخری چند سانسوں کا شمار

کرلے۔اس کے بعد زندگی میں تجھے کبھی خواب دیکھنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"مسلے......" جواب میں پرتاب بھوشن بھی گرج اٹھا۔"تو بھی کان کھول کرسن لے......میں بھی بھوانی کا سچا اور کھرا سیوک ہوں جس نے جیون میں کبھی ہارنا نہیں سیکھا۔میرے تیرے جیون میں کسی کا انت آج اوش ہوگا۔"

جملہ پورا کرنے کے ساتھ ہی پرتاب بھوشن نے الٹا ہاتھ فضا میں بلند کر کے جھٹکا تو سیاہ سنگریزوں کی بارش ہوگئی۔لیاقت حسین نے ماں کی دی ہوئی انگوٹھی اتار کر مضبوطی سے گرفت میں لے لی۔کوئی سرد اور یخ بستہ ہاتھ اب بھی اس کی کلائی پر موجود تھا۔وہ قدم جما کر پرتاب بھوشن کی سمت بڑھنے لگا۔

پرتاب بھوشن ایک کے بعد دوسرے جنتر پھونکتا رہا۔ایک لمحے کو لیاقت حسین کے قدم کی روانی تھم گئی۔وہ پھٹی نظروں سے اس کھائی کو دیکھنے لگا جو اس کے اور پجاری کے درمیان میں حائل ہوگئی تھی۔اس میں شعلوں کا رقص ہو رہا تھا۔شعلوں کے درمیان مردہ انسانوں کی سالخوردہ کھوپڑیاں ادھر ادھر اچھلتی نظر آرہی تھیں۔

"یہ بھی نظروں کا فریب ہے......" ایک سرگوشی پھر لیاقت حسین کے کانوں میں ابھری تو نظر آنے والا طلسم بھی ٹوٹ گیا۔پرتاب بھوشن اور اس کا درمیانی فاصلہ دوبارہ بتدریج کم ہونے لگا۔

"جہاں ہے وہیں رک جا مسلے......" پرتاب بھوشن نے بڑے گھن گرج سے للکارا۔بھوانی کا کہا اوش پورا ہوگا۔تیرے بعد تیری سندری بھی جیوت نہیں رہے گی۔اس کے گرم خون سے ہولی کھیلنے کے بعد مدھو پجارن کی آتما بھی شانت ہو جائے گی۔

"جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں لیاقت حسین......ایک بات ہمیشہ پیش نظر رکھنا......جو قدرت نے لکھ دیا وہ اٹل ہے......جو گمان کیا جائے وہ وہم......فتح اسی کی ہوتی ہے جو کھرے دل سے خدا کو یاد رکھے......سارے معاملات اسی کے حوالے کر دے۔یہ یقین لے کر وہ جو بھی کرتا ہے اس میں انسان کی کوئی نہ کوئی بھلائی بھی ضرور ہوتی ہے۔"

لیاقت حسین خدا کا نام لے کر قدم بڑھاتا رہا۔کسی کے سرد ہاتھ کی گرفت اسے حوصلہ دے رہی تھی۔ماں کے کہے ہوئے جملے اس کے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر ابھر رہے تھے......دوسری جانب پرتاب بھوشن بھی آخری بازی کھیلنے کی خاطر بھوانی کا نام لے کر قدم جمائے کھڑا تھا جب لیاقت حسین نے قریب پہنچ کر ماں کی انگوٹھی اس کے جسم سے لگا دی۔پھر جو کچھ ہوا اس کا یقین خود پرتاب بھوشن کو بھی نہیں آسکا......ایسا ہی لگا تھا جیسے اس کے ننگے بدن کے ایک ایک انگ پر انگارے دہک اٹھے ہوں......اس کے حلق سے کربناک چیخیں بلند ہونے لگیں۔خود کو اس آفت ناگہانی سے بچانے کی خاطر اس نے کئی جتن کیے لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔

چند لمحے پیشتر وہ کامیابی کے سنہرے خواب دیکھ رہا تھا۔اب اس کی الٹی تعبیر اس کے جسم کو شعلوں سے داغ رہی تھی۔خود اپنے ہی ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا وہ لہرا کر فرش پر گرا اور لوٹنے

لگا۔لیاقت حسین کھلی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔پرتاب بھوشن کی چیخیں ہر لمحہ تیز تر ہوتی جارہی تھیں۔وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا جب اس کے حلق سے گاڑھے گاڑھے خون کے لوتھڑے نکلنے لگے...... وہ بار بار ہچکی لے رہا تھا۔پھٹی پھٹی سی نظروں سے لیاقت حسین کو دیکھ رہا تھا جو ایک طرف خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

پرتاب بھوشن کے مکروہ جسم نے خون تھوکتے تھوکتے کئی جھٹکے کھائے پھر اس کے بدن سے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس کا جسم راکھ کے ڈھیر کی صورت اختیار کرنے لگا۔پھر ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور ساری راکھ کو سمیٹ لے گیا۔

''یہ ہے انسان کی ناپائیدار زندگی' جس پر وہ خوابوں کے محل تعمیر کرتا رہتا ہے......'' آج کے دھوکے میں مبتلا ہو کر کل کو یکسر فراموش کر دیتا ہے......دور سے ایک آواز پھر لیاقت حسین کے کانوں میں گونجی۔اس کے ساتھ ہی اس کی کلائی بھی سرد گرفت سے آزاد ہو گئی۔

لیاقت حسین پر رقت طاری ہونے لگی...... ماں کا خواب غلط نہ تھا۔اس نے جو کہا تھا وہ پورا ہو گیا...... پرتاب بھوشن جو اس کے راستے کی دیوار تھا جل کر خاک ہو گیا۔

''لیاقت......'' اس کے کانوں میں فرحین کی مانوس آواز ابھری......''یہ تو پھوٹ پھوٹ کر کیوں رو رہا ہے......کیا ہوا تجھے؟''

لیاقت حسین نے دیکھا۔فرحین اس کی نظروں کے سامنے موجود تھی۔اچانک لیاقت حسین کو ماں کی دی ہوئی انگوٹھی کا خیال آیا...... اس نے ہاتھ پر نظر ڈالی۔انگوٹھی اسے نظر نہیں آئی...... یہ تصدیق بھی اس بات کی تھی کہ اس کی نظروں نے کچھ دیر پیشتر جو کچھ دیکھا وہ غلط نہ تھا...... سچ ہی تھا۔

''تو چپ کیوں ہے۔'' فرحین نے اس کے اور قریب آکر بڑی اپنائیت سے پوچھا۔''سچ بتا......تو رو کیوں رہا تھا۔کس بات کی پریشانی ہے؟''

''وہ......وہ...... ماں نے جو انگوٹھی دی تھی بڑے پیار سے......وہ کہیں گم ہو گئی ہے......'' لیاقت حسین نے معصومیت سے جواب دیا تو فرحین مسکرا کر بے اختیار اس کے چوڑے چکلے سینے میں سمٹ گئی۔

❖❖❖

کرنل احتشام نے اسے جو تحفظ فراہم کیا تھا وہ یقیناً پائیدار ہی رہا ہو گا۔

وہ فوج کا اعلیٰ عہدیدار اور تجربہ کار فرد تھا جو دشمنوں کے لیے محاذ جنگ پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر سرحدوں کی حفاظت کرتے تھے۔ان کے لیے ایک بنگلے کی حفاظت بائیں ہاتھ کے کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ہو گی لیکن شیخ حامد نے میڈم روبی کی روح کو جو دوسرا گھاؤ پہنچایا تھا وہ اسی وقت مندمل ہو سکتا تھا جب وہ پوری طرح کھل کر اپنی مرضی سے اس کمینگی کا منہ توڑ جواب دے سکتی۔

اپنی خواب گاہ میں بیٹھی وہ بہ ظاہر اخبار پڑھتی نظر آرہی تھی لیکن اس کے ذہن میں ایک تنہا عورت کی وہ کمزوری مچل رہی تھی جو اخلاق سوز تصویروں کی صورت میں موجود تھی......جو کچھ

ہوا......وہ طاقت کے بل پر ہوا لیکن اس کا جواب بہ زور طاقت نہیں دیا جا سکتا تھا۔ تصویروں کے سلسلے میں اس کے پاس اپنی صفائی کے لیے کوئی جواز نہیں تھا۔

جو تیر کمان سے نکل جائے اس کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔

صرف ایک صورت تھی......کمان اور تیر جس کے قبضے میں تھے اسے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا جاتا مگر...... وہ شخص جو پولیس اور فوج کے ذہن و دماغوں اور ان کی ماہرانہ صلاحیتوں کے باوجود چھومنتر ہو رہا تھا۔ اسے تلاش کرنا ایک عورت کے بس میں بھی نہیں تھا۔

اس کے ذہن میں تیز آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ بجلیاں کوندرہی تھیں انتقام کی آگ شعلوں کا روپ اختیار کر رہی تھی جب اپنی بے بسی کے احساس کے ساتھ ہی ایک بچھڑے ہوئے ساتھی کی آواز اس کے کانوں میں ابھری۔

''مجھے تمہاری پریشانیوں کا احساس ہے...... جب میں مرد ہو کر اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا......تم سے بچھڑ گیا تو تم......تم ایک عورت ہو کر کیا کر لوگی......''

''میں اس مرد کی آنکھوں کو ان کے حلقوں سے نکال کر پیروں تلے روندوں گی جنہوں نے مجھے بے لباس دیکھا ہے۔''

''تم اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔''

''اب بھی میرے ہوش و حواس میرا ساتھ نہیں دے رہے مگر...... میں نے تنہا رہ کر بھی ہار نہیں مانی......اب بھی زندگی کی آخری سانسوں تک حالات کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکوں گی۔''

''میری ایک بات مانو گی۔''

''تمہارا ایک اشارہ بھی میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے......کہو۔''

''جو شہر......جو ملک تم جیسی معصوم اور وفا شعار کو تحفظ نہیں دے سکا اس کو چھوڑ کر کہیں دور چلی جاؤ......''

''نہیں......'' میڈم روبی کی روح تڑپ اٹھی۔

''یہاں تم ہو......تمہارے ساتھ گزارے ہوئے لمحات کی حسین یادیں دفن ہیں میں ان سے دور نہیں جا سکتی......''

''پھر......ایک ہی طریقہ ہے......'' آواز اور لہجہ دونوں حسرت زدہ ہو گیا......''جو تمہیں سہارا دے سکے......اس کا ہاتھ تھام لو۔''

''وہ بھی ایک مرد ہو گا......'' میڈم روبی نے تڑپ کر کہا۔ ''مرد...... جو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن جب عورت کی مجبوریاں ننگی تصویروں کی شکل میں سامنے آ جائیں تو وہ بھی سارے رشتے بھول کر جذباتی بن جاتا ہے۔ دوسرے مرد سے انتقام لینے کے بجائے اپنی بیوی کو ہی مجرم کہتا ہے۔''

''دنیا بہت وسیع ہے روبی......ساری انگلیاں برابر نہیں ہوتیں...... میرا مشورہ مان لو...... وقت کا یہی تقاضا ہے۔''

''جانتی ہوں لیکن تمہاری بات ماننے سے پہلے میں اسی موذی ناگ کا پھن کچلوں گی جو کسی سپیرے کی طرح مجھے اپنی بین کی دھن پر نچانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

میڈم روبی شوہر کے تصور سے باتوں میں محو تھی جب کسی نے شکوہ کیا۔

''ایسی بھی کیا بے مروتی کہ میں اتنی دیر سے کھڑی ہوں اور تم خبروں میں گم ہو......''

میڈم روبی نے پلٹ کر دیکھا اس کے سامنے الماس کھڑی تھی۔

''تم کب آئیں......؟'' اس نے تیزی سے اٹھ کر بے تکلفی سے الماس کا ہاتھ تھاما اور اس کے ساتھ باہر لاؤنج میں آ گئی جہاں تھریسا پہلے سے موجود تھی۔

''کیا پیو گی......؟'' میڈم نے اس کے ساتھ ایک ہی صوفے پر بیٹھ کر بے تکلفی سے پوچھا۔

''چائے یا سلائس پر بات نہیں ٹلے گی...... راستے میں مردوں کو فٹ پاتھ پر سجی میزوں پر گرما گرم پوریاں کھاتے دیکھ کر تمہاری طرف آ گئی، حالانکہ بازار سے ضروری سامان لینے نکلی تھی......'' الماس نے ایک ہی سانس میں جملہ مکمل کیا پھر تھریسا سے بولی۔ ''تم کس مرض کی دوا ہو۔ جلدی سے آلو کی چٹ پٹی ترکاری، گرم گرم پوریاں اور تھوڑا سا سوجی کا حلوہ بنا کر فٹافٹ سجا دو...... میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''گڈ آئیڈیا......'' میڈم روبی نے بھی بے تکلفی سے کہا۔ ''بہت عرصے سے میں نے بھی حلوہ پوری کا ناشتا نہیں کیا۔'' پھر جب اس نے تھریسا سے اہتمام کرنے کو کہا تو اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''سب کچھ گرما گرم اور ریڈی میڈ تیار ہے...... میں میز لگانے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لوں گی۔''

تھریسا چلی گئی تو میڈم روبی نے شکایتی نظروں سے الماس کو دیکھا۔

''تم نے تکلف سے کام لیا...... یہاں آ کر فرمائش کر دیتیں تو ملازم جا کر سب کچھ لے آتا۔''

''رسک لینا میری عادت نہیں ہے...... الماس نے بہ دستور شوخی سے جواب دیا۔ ''مرد حضرات جس انداز میں ہاتھ صاف کر رہے تھے اس سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ تمہارے پاس آتے آتے حلوائی کڑاہی بھی دھلوا چکا ہوگا۔

''سراج بھائی کو بھنک مل گئی تو وہ ضرور برا مانیں گے۔'' میڈم روبی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کیا مطلب......؟''

''مطلب صاف ہے۔ تم اول تو یہ کہ عورت ہو اور پولیس کی یونیفارم میں بھی نہیں ہو اس لیے حلوائی نے حلوا پوری کے دام بھی......''

''خبردار جو تم نے میرے شوہر پر مفت خوری کا الزام لگایا۔'' الماس نے روایتی عورت کی طرح برا مان کر کہا۔ ''میرا گھر والا پولیس میں ضرور ہے لیکن چھین جھپٹ کر کھانے والا نہیں...... پہلے پیسے منہ پر مارتا ہے پھر تھیلا اٹھاتا ہے۔''

کچھ دیر الماس اور میڈم روبی کے درمیان اسی قسم کے دلچسپ مکالمے جاری رہے پھر الماس

نے ناشتے کی میز پر بیٹھنے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔
''آج باہر جو لوگ پہرا دے رہے ہیں انہوں نے میری گاڑی بھی وہ جگہ رکوائی تھی......سب خیریت تو ہے؟''
''تھریسا نے ایک کمپنی سے معاہدہ کیا ہے۔'' میڈم روبی نے خوب صورتی سے بات بنائی پھر اس نے باتوں کا موضوع بدل دیا۔ الماس نے اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھا تھا کہ خود سے یہ ظاہر نہ کرے کہ اسے حالات کا علم کرنل احتشام سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ وہ سراج کے مشورے پر ہی اس وقت آئی بھی تھی۔
ناشتے کے بعد میڈم روبی الماس کے ساتھ دوبارہ لاؤنج میں آ گئی۔
''اب میں تمہیں کھانے کے بعد ہی جانے دوں گی......'' اس نے بڑی اپنائیت سے الماس کو دعوت دی۔
''سوچ لو......اگر سراج کو میرے گھر سے لاپتا ہونے کی بھنک مل گئی تو وہ پہلی فرصت میں ایف آئی آر بھی درج کروا سکتے ہیں۔''
جواب میں میڈم روبی نے موبائل اٹھا کر سراج کے نمبر ڈائل کیے پھر مائیک بھی آن کر دیا۔
''خیریت......اس وقت کیسے یاد کیا......؟'' دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔
''بہت روز سے آپ نے بھی کال نہیں کیا......کیا الماس نے پابندی لگا دی ہے؟''
''یہ کیسے سوچ لیا آپ نے......؟'' سراج نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب تو وہ سگی بہنوں کی طرح آپ کی عزت کرتی ہے۔''
''پھر بھی آپ کبھی اسے ساتھ لے کر غریب خانے پر تشریف نہیں لائے۔'' میڈم روبی نے شکوہ کیا۔
''ڈبل چارج کے باوجود سر اٹھانے کی فرصت ملی تو ضرور آؤں گا۔''
''ایک انفارمیشن دینی ہے آپ کو......میں نے ابھی الماس کو فون کیا تھا لیکن ملازمہ نے بتایا کہ وہ گھنٹے بھر سے کہیں گئی ہوئی ہے۔''
''پریشان مت ہوں......'' سراج نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''مجھے الماس پر مکمل اعتماد ہے صبح اس نے کہا تھا کہیں بازار جانے کا پروگرام ہے۔''
''ابھی تک آپ کے اورنگ زیب صاحب نے میرے کام کے سلسلے میں کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا۔'' میڈم روبی نے گفتگو کا رخ بدلا۔ ''کوئی سراغ ملا ان کو آکٹوپس کا......؟''
''سوری فون پر میں آپ کو تفصیل نہیں بتا سکتا۔''
سراج بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ''فی الحال اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ وہ جس مجرم کے پیچھے پڑ جائیں اسے قبر تک پہنچانے کے بعد ہی سکون کا سانس لیتے ہیں۔''
''مجھے اس لمحے کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے......'' اس بار میڈم کے جذبات میں ہلچل کی

ایک لہر بھی ابھری تھی لیکن اس نے الماس کی موجودگی میں خود کو سنبھال کر کہا۔ ''میں ہمیشہ اورنگ زیب صاحب کے حق میں کامیابی کی دعا کرتی رہوں گی۔''

''یہ میری حق تلفی بھی ہوگی......سراج نے شکوہ کیا تو الماس نے جھپٹ کر موبائل میڈم کے ہاتھ سے لے لیا۔''

''میں سب سن رہی ہوں اور آپ بھی کان کھول کر سن لیں کہ آپ کے جملہ حقوق صرف الماس کے پاس محفوظ ہیں......اس کے علاوہ آپ کا حق بھی صرف مجھ پر چلتا ہے......دوسروں سے کیسے گھل مل کر حق کی بات کی جاتی ہے۔''

''آئی ایم سوری الماس۔'' سراج نے دیدہ ودانستہ سوری کہا وہ سمجھ گیا تھا کہ مائیک آن ہوگا۔

''صرف سوری سے کام نہیں چلے گا......مجرم رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اسے جان بچانے کی خاطر فوری طور پر مک مکا بھی کرنا پڑتا ہے۔اس ویک اینڈ پر کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کا وعدہ کرلیں تو تھانہ کچہری سے بھی بچ جائیں گے......بولیں......منظور یا نہیں۔''

''اورنگ زیب صاحب کے رشتے سے دھونس دے رہی ہو تو منظور ہے......'' سراج نے سرد آہ بھر کر تو الماس کے علاوہ میڈم روبی بھی مسکرادی۔فون کا رابطہ بھی ختم کر دیا گیا۔

+++

کرنل احتشام اور آئی جی کے درمیان فون پر گفتگو ہو جانے کے بعد اورنگ زیب نے ایک دو روز تک خود کو گھر کی حد تک محدود رکھا پھر اس نے بلیک پینتھر کو کال کیا۔دوسری جانب سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد بے حد سنجیدگی سے بولا۔

''دلربا کی اہمیت قانون کی نظروں میں بھی ہے اس لیے اس کی طرف سے تم ذاتی طور پر بھی غافل نہ ہونا۔''

''بہتر ہے......اور کوئی حکم......؟''

''ایک پاس ورڈ اور نوٹ کرو......ریکور (Recover)''

''اس کی کوئی اہمیت بھی ہوگی......دوسری جانب سے پوچھا گیا۔''

''ہاں......اس پاس ورڈ کو میرے علاوہ جو بھی استعمال کرے اس کے فوراً بعد تمہیں قانونی اہمیت کو موجودہ جگہ سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنا ہوگا۔اس کے بعد وہ تمہاری ذاتی نگرانی میں رہے گی۔'' اورنگ زیب نے ہدایت دے کر رابطہ منقطع کر دیا۔دس منٹ بعد اس نے سکندر علی شاہ کے خاص نمبر ملائے۔

''ہیلو......'' کال خود سکندر علی شاہ نے ریسیو کی تھی۔

''دوست بول رہا ہوں......'' اورنگ زیب نے بے تکلفی سے کہا

''زہے نصیب......اس وقت آپ ہی کو یاد کر رہا تھا۔''

''میرے لیے کوئی حکم؟''

''ہم دوستوں کو حکم نہیں دیا کرتے۔صرف ان کی خیریت دریافت کرنا مقصود ہوتا ہے۔بے تکلفی سے کہا گیا۔'' آپ کی ذہنی الجھن کا کیا حال ہے؟۔

''آپ نے جو مشورہ دیا ہے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''اورنگ زیب نے سنبھل کر جواب دیا۔

''آئی جی چھٹی دینے کے موڈ میں نہیں تھا اس کی خاطر مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا......فی الحال دس بارہ روز تک وہ مجھے کال نہیں کرے گا۔''

''پھر......کب ہمارے مہمان بن رہے ہیں؟''

''آنے والے ہفتہ کے دن کا سوچ رہا تھا لیکن آپ کا مصروفیت کا خیال بھی ہے۔''

''ہفتے میں ابھی چار دن باقی ہیں۔میری طرف سے ڈن (Done) سمجھیں۔''

''ایک درخواست کروں گا......؟اس بار اورنگ زیب نے کچھ ایسا لب و لہجہ اختیار کیا کہ اپنا مفہوم بھی ظاہر کر دیا۔''

''جب میں نے آپ کو دوست کہا ہے تو دوستی کے تقاضے بھی پورے کروں گا......''جواب بھی دوستانہ لہجے میں دیا گیا۔''آپ مطمئن رہیں۔فارم ہاؤس میں میرے ایسے نمک حلال موجود ہیں جو زبان رکھتے ہوئے خود سے بولنے کی جرأت نہیں کرتے''

''جانتا ہوں لیکن ماروی کے ساتھ......''

''وہ اتفاق ہی تھا......اس کے بعد سے میں نے جو سختی کی ہے اس نے سب کو محتاط کر دیا ہے۔''

''میرے ساتھ ایک جز وقتی ڈرائیور بھی ہوگا۔جو بااعتماد بھی ہے پہلے بھی خاص معاملات میں آزما چکا ہوں۔''

اورنگ زیب نے کہا۔''دراصل میں اس موقع پر ذاتی گاڑی کا استعمال بھی مناسب نہیں سمجھتا۔کسی اور گاڑی کو ڈرائیو کرنے کی صورت میں خود کو لوگوں کی نظروں سے محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوگا......آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔''

''جیسا آپ مناسب خیال کریں......مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''علاج کے لیے جو دوا استعمال کی جائے اگر وہ غیر ملکی ہو تو زیادہ مناسب ہوگا۔''اورنگ زیب نے قدرے ہچکچاتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''آپ اس کی فکر نہ کریں......ہمارے یہاں بازاری دوائیں نہیں استعمال نہیں کی جاتیں......ہمارے کارندے بڑی حکمت سے سیل بند دوائیں فراہم کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔''

''اوکے پھر ہفتہ کو ملاقات ہوگی۔''

''آنے سے پیشتر ایک کال کر دیجئے گا تاکہ میں فارم ہاؤس پر آپ کو خوش آمدید کہہ سکوں۔نفس کشی کی خاطر مجھے بھی وقت گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام کرنا ہوگا۔''

''جیسا آپ کا حکم......اورنگ زیب نے چند رسمی جملوں کے بعد سلسلہ منقطع کیا تو اس کے ہونٹوں پر بڑا تلخ مگر معنی خیز تبسم بھی پھیل کر گہرا ہوتا گیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب اس نے شیر کی کچھار میں گھس کر اسے شکار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

❖❖❖

افضل خان بالکونی میں کھڑا کچھ سوچ رہا تھا جب شبنم نے اسے پشت سے مخاطب کیا۔

''پلیز اندر آجاؤ......میں چائے لے کر آتی ہوں۔''

افضل خان پلٹ کر اندر آ گیا لیکن وہ اس وقت بھی سنجیدہ ہی تھا۔ چہرے پر ایک عجیب سی کشمکش طاری تھی جو بے وجہ بھی نہیں تھی۔ اس بار اسے براہ راست کرنل احتشام نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر فلیٹ سے قدم باہر نہ نکالے۔

شبنم چائے کی ٹرے لے آئی جب بھی وہ اپنے خیالوں میں گم رہا۔ شبنم اس کی جھلاہٹ کی وجہ جانتی تھی۔ وشنو کی موت کے بعد ہی کرنل نے اسے فلیٹ تک محدود ہو جانے کا حکم دیا تھا۔

وشنو معمولی حیثیت کا مالک نہیں تھا۔ وہ انٹر پول کو مطلوب ہونے کے علاوہ شیخ حامد کا بھی خاص مہرہ تھا اور افضل خان نے شیخ حامد کے ہاں سے نکالے جانے کے بعد کچھ ایسے اقدامات کیے تھے جو پسندیدہ نہیں تھے لیکن اب وشنو کا مہرہ پٹ جانے کے بعد وہ زخم بھی دوبارہ تازہ ہو گئے ہوں گے۔ کرنل بھی ان باتوں کو ضرور سمجھ رہا ہوگا اسی لیے اس نے افضل خان کی زندگی بچانے کی خاطر بندشیں عائد کی ہوں گی۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟'' شبنم نے چائے کا کپ افضل خان کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

افضل خان نے اسے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے گھورا۔

''کم ان پلیز......'' شبنم نے مسکرا کر کہا۔ ''حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ابھی آکٹوپس کے زخم تازہ ہوں گے اسی لیے کرنل نے تمہاری بہتری کے لیے وقتی طور پر ایک فیصلہ صادر کیا ہے۔''

''پھر تم کرنل سے ایک فرمائش اور کر دو......''

''وہ کیا......؟''

''تم کرنل سے کہو کہ وہ فوری طور پر کسی قاضی کو یہاں بھیج دے، پھر......یہ قید خانہ میرے لیے حجلہ عروسی سے کم نہ ہوگا۔'' اس بار افضل خان نے شبنم کی آنکھوں میں دور تک جھانکا تو وہ شرما کر بولی۔

''یہ درخواست تم بھی کر سکتے ہو......کرنل کا تعلق بھی تمہاری جنس سے ہے ممکن ہے وہ تمہاری مشکل حل کر دے۔''

افضل خان نے شبنم کو غور سے دیکھا پھر اس نے موبائل بھی آن کر لیا لیکن قبل اس کے وہ کسی کے نمبر ڈائل کرتا اسے کسی کی کال موصول ہوئی......افضل خان نے اسکرین پر نظر ڈالی وہاں کوئی نام

نہیں تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ لسٹڈ نمبر نہیں تھا ایک لمحے تک اس نے غور کیا پھر چوتھی گھنٹی پر اس نے کال ریسیو کرنے کا بٹن دبا دیا۔

”ہیلو......“

”تم شاید افضل خان بول رہے ہو؟“

”تمہیں کس سے بات کرنی ہے؟“ افضل خان نے آواز بدل کر پوچھا۔

”جس پنجرے میں تم موجود ہو وہاں افضل خان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟“ مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا گیا۔ ”تمہاری بلبل کے ساتھ کوئی اور ہو...... یہ بات تمہیں بھی گوارا نہ ہوگی۔“

”مطلب کی بات کرو...... افضل نے سرسراتے لہجے میں کہا۔“میں بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔

”شبنم نے چونک کر افضل خان کو دیکھا تھا“

”ہمارے پاس بھی فالتو وقت نہیں ہے۔“ کرخت انداز میں جواب ملا۔”ایک بات غور سے سن لو کرنل اور اورنگ زیب کے علاوہ چاہے فوج کی پوری بٹالین اور پولیس کا محکمہ بھی تمہارے ساتھ ہو لیکن تمہاری زندگی کے سات دنوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ان سات دنوں میں تم دل بھر کی موج میلا کرلو۔ ساتویں دن ہم تمہیں اوپر پارسل کردیں گے۔“

”اگر تم افضل خان سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں نے کبھی اپنا تعاقب کرنے والے بھونکتے کتوں کی پروا نہیں کی...... “ افضل خان نے بے پروائی سے جواب دیا ”یہ بات اسے بھی بتا دینا جس نے تم کو خریدا ہے۔“

”جس کے دن گنے چنے رہ گئے ہوں ہم اس کی بات کا برا نہیں مانتے...... ہم تمہیں روز بتاتے رہیں گے کہ تمہاری زندگی کے کتنے دن گھٹتے جا رہے ہیں۔“

”جو خود اندھیروں میں ہو وہ دوسروں کو روشنی نہیں دکھا سکتا۔“ افضل خان نے حقارت سے کہا۔ ”تم زر خرید کتے ہو وہ جسے خریدنے والا ذاتی طور پر بھی زنخوں کی طرح سات پردوں میں چھپا بیٹھا ہے۔“

”دنوں کا شمار کل سے ہوگا...... بائی۔“

دوسری جانب سے کال منقطع کر دی گئی۔ افضل خان آنے والے نمبروں کو دیکھنے میں مشغول تھا جب شبنم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”میرا خیال ہے کہ کال ہمارے کسی نادیدہ دشمن کی تھی۔“

”ہاں...... “ افضل خان نے موبائل رکھ کر چائے کا ایک گھونٹ لیا ”مجھے صرف سات روز زندہ رہنے کا پرمٹ ملا ہے۔“

”اوہ...... “ شبنم فکر مند ہوگئی۔ ”کرنل نے شاید اسی لیے......“

”ڈونٹ وری۔ مجھے ان گیدڑ بھبکیوں کی کبھی کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی“ افضل خان نے بڑے

رومانٹک انداز میں کہا۔ ''مجھے فون کرنے والے کی اس بدذوقی پر رونا آرہا ہے جنہوں نے مجھے سات روز موج میلا کرنے کو کہا ہے جبکہ میرے خیال میں موج اور میلا کے لیے سات مہینے بھی کم ہوتے ہیں۔''

''پلیز افضل......'' شبنم بدستور سنجیدہ تھی۔ ''تمہیں اس فون کے بارے میں فوری طور پر کرنل اور ایس پی اورنگ زیب صاحب کو اطلاع دینی چاہیے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے......'' کیا دھمکی دینے والے فوجی کمانڈوز کے گھیرے کو بھی توڑ سکتے ہیں؟ ہماری حفاظت پر پولیس کے سادہ لباس والے بھی تعینات ہیں۔

''جانتی ہوں لیکن......اس کے باوجود کم از کم اورنگ زیب صاحب کو اطلاع دینی ضروری ہے۔'' شبنم نے یہ بدستور سنجیدگی سے کہا۔ پھر افضل خان کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے اپنا موبائل اٹھا کر اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کیے۔ ایک منٹ بعد ہی وہ اسے افضل خان کو کسی نامعلوم افراد کی جانب سے ملنے والی دھمکی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

''جس نمبر سے فون کیا گیا ہے وہ مجھے ایس ایم ایس کردو۔''

''کیا کرنل احتشام کو بھی......''

''میں نمبر چیک کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کروں گا۔'' دوسری جانب سے جواب دینے کے ساتھ ہی رابطہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

شبنم نے مطلوبہ نمبر ایس ایم ایس کرنے میں دیر نہیں کی۔

✣✣✣

تھریسا نے میڈم روبی کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے دیکھا تو اس کا اندیشہ درست ہی ثابت ہوا۔ میڈم مسہری کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے اس طرح آنکھ بند کیے لیٹی تھی جیسے نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور ہو۔ اگر اس کا سونے کا ارادہ ہوتا تو حسب معمول وہ دروازہ بند کر چکی ہوتی پھر شاید تھریسا اسے جگانے کے بجائے دروازے سے ہی پلٹ جاتی لیکن......وہ محسوس کر رہی تھی کہ میڈم الماس کے ساتھ بھی زبردستی ہنسنے مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی واپسی کے فوراً ہی بعد وہ یکلخت سنجیدہ ہوگئی تھی......مگر کیوں؟

کرنل کے خفیہ آدمیوں کی تعیناتی کی وجہ بھی تھریسا کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس نے وہ ایک بار سوچا بھی تھا کہ میڈم روبی سے اس تبدیلی کا سبب دریافت کرے گی لیکن ہر بار یا تو میڈم کے موڈ کی وجہ سے اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا یا کوئی ایسی مصروفیت آڑے آگئی کہ اس نے از خود اس ذکر کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا لیکن الماس کے جانے کے بعد اس نے میڈم روبی کے موڈ میں جو نمایاں تبدیلی محسوس کی وہ اس بات کی غماز تھی کہ وہ اندر ہی اندر کسی گھٹن کا شکار تھی۔

چند لمحے وہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی میڈم روبی کے افسردہ چہرے کو دیکھتی رہی پھر اس نے یہ فیصلہ بھی کرلیا تھا کہ واپس لوٹ جائے لیکن خوابگاہ میں موجود فون سیٹ جاگ اٹھا اس کی آواز

سن کر میڈم نے بھی ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔تھریسا کسی خیال سے آڑ میں چلی گئی۔

''ہیلو......'' میڈم نے ریسیور اٹھا کر کال اٹینڈ کی۔

''خادم بول رہا ہوں۔'' دوسری جانب سے ڈی آئی جی کی مانوس آواز ابھی۔''میں آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوا؟''

''جی نہیں......'' میڈم نے سنبھل کر جواب دیا۔

''میں رات ساڑھے نو بجے لائٹ آف کرتی ہوں۔اس کے بعد آنے والی کوئی کال اٹینڈ نہیں کرتی۔''

''ایک خاص بات دریافت کرنا تھی......میں نے سنا ہے کہ آج کل آپ کی رہائش گاہ پر کچھ فوجی کمانڈوز بھی تعینات ہیں۔''

''جی ہاں......اس کی درخواست خود میں نے کرنل احتشام سے کی تھی......''

اس درخواست کا کوئی سبب بھی ضرور ہوگا......؟''

''ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کی شرارت ہو لیکن مجھے فون پر جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔''

''آپ کا کیا خیال ہے......؟ کیا دی جانے والی دھمکی شرارت بھی ہوسکتی ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ آپ شاید کسی سے اصل بات بتانے سے گریز کر رہی ہیں۔''ڈی آئی جی نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔''جو لوگ کسی کو جان سے مار دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں وہ اسے انتہائی خاموشی اور رازداری سے ٹھکانے لگانے میں دیر نہیں کرتے......دعوت دے کر آنے کی حماقت کبھی نہیں کرتے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آپ یہ بات اپنا سمجھ کر کہہ رہے ہیں۔'' میڈم نے اپنائیت کا اظہار کیا۔

''ویسے مجھے آپ سے ایک شکایت بھی ہے۔''

''وہ کیا......؟''

''کرنل احتشام کے بجائے آپ مجھے بھی خدمت کا موقع دے سکتی تھیں۔''

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔''

''کیا مطلب......؟'' دوسری جانب سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔

''سمجھنے کی کوشش کریں۔'' میڈم نے دبی زبان میں جواب دیا۔''آپ کے علاوہ میں نے مسٹر اورنگ زیب اور سراج بھائی کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی......جن کو میں اپنا سمجھتی ہوں ان کو خطروں سے بھی دور ہی رکھتی ہوں۔''

''اپنا سمجھنے کا شکریہ......اب یہ بھی عرض کر دیں کہ دھمکی دینے والوں کے بارے میں آپ کا کیا اندازہ ہے؟''

''ریاض کی موت کے بعد سے دنیا میں ہر شخص نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔سوائے ایک کے......آپ بھی اس ایک سے واقف ہیں۔''

''شیخ حامد......''

''جی ہاں......'' میڈم نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔''وہ روز اول سے میری خوشیوں کا دشمن رہا ہے......اس کا ایک قرض بھی واجب ہے مجھ پر......جب تک اسے ادا نہ کرلوں گی مجھے سکون کی سانس بھی میسر نہیں ہوگی۔''

''اس کا اظہار آپ ایک شرط عائد کر کے بھی کر چکی ہیں۔'' ڈی آئی جی نے میڈم کے جواب پر اپنی پسند کا حوالہ بھی دے ڈالا۔''میری خوشی کے درمیان بھی اس کی منحوس شخصیت آڑے آرہی ہے۔''

میڈم نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔اس کی وجہ تھریسا بھی ہوسکتی تھی جو دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔

''آپ کے لیے ایک اطلاع میرے پاس بھی ہے......''

ڈی آئی جی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔''مسٹر اورنگزیب کو مرکزی حکومت کی جانب سے کوئی اہم ذمے داری سونپی گئی ہے جس کی وجہ سے وہ آئی جی آفس میں ڈیوٹی کے بھی پابند نہیں رہے۔''

''اس اطلاع میں میرے لیے کیا خاص بات ہے؟''

''آکٹوپس......ڈی آئی جی نے جواب دیا۔''

''میری ذاتی اطلاع یہی ہے کہ کرنل احتشام کو اسی لیے درمیان میں ڈالا گیا ہے تاکہ آئی جی کو اس کی بھنک نہ ملے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی......''

''مسٹر اورنگ زیب کو آکٹوپس کی نقل وحرکت کے بارے میں کچھ معلومات ہوئی ہیں۔وہ اب پوری توجہ سے اس موذی جانور کے تعاقب میں لگا ہوگا۔''

''گڈ......'' میڈم نے خوشی کا اظہار کیا۔''میں آپ کے ایس پی کی کامیابی کے لیے دعا کروں گی۔''

''اس کی کامیابی میری زندگی میں بھی اجالا بکھیر دے گی......آپ کا کیا خیال ہے۔''

''بار بار اس کا حوالہ نہ دیا کریں......'' میڈم نے دبی آواز میں جواب دیا۔''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔''

''آئندہ کوئی خدمت ہو تو مجھے بھی فراموش نہ کیجئے گا۔''

''آپ کی یہ فرمائش بھی نوٹ کرلی ہے'' میڈم نے جواب کے ساتھ ہی سلسلہ منقطع کردیا تو تھریسا نے قریب آکر کہا۔''شاید ڈی آئی جی کا فون تھا؟''

''تم ابھی تک اپنے کمرے میں نہیں گئیں؟'' میڈم روبی نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

''آپ کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر ادھر آ گئی تھی۔'' تھریسا قریبی کرسی پر بیٹھ گئی پھر اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''میرا خیال ہے کہ کوئی بات ایسی ہے جو آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہے الماس کی موجودگی میں بھی میں یہی محسوس کر رہی تھی۔''

''میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کروں گی۔''

میڈم روبی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔''جب تک شیخ حامد زندہ ہے میں سکون کی نیند نہیں لے سکتی......''

''کوئی خاص بات......؟''

''آں......ہاں۔''میڈم نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔''ابھی تمہارے ڈی آئی جی صاحب بھی یہی رونا رو رہے تھے کہ آکٹوپس کی وجہ سے ان کی خوشیاں بھی درمیان میں لٹکی ہوئی ہیں۔''

''آپ ایک بات بھول رہی ہیں کہ میں کتنے عرصے سے آپ کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے سانس لے رہی ہوں۔''

''اور میں نے تمہیں ہمیشہ اپنا ہی سمجھا ہے، کبھی غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا۔''

''اسی بنیاد پر کہہ رہی ہوں کہ آپ کوئی اہم بات مجھ کو بتانے سے گریز کر رہی ہیں۔'' تھریسا نے کریدنے کی کوشش کی۔''ہمارے گارڈز کی جگہ اب کرنل احتشام کے خاص آدمی ڈیوٹی دے رہے ہیں آپ نے اگر کرنل سے درخواست کی تھی تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔''

''ہاں......'' میڈم نے بڑی خوب صورتی سے بات بنائی۔''میرے دشمن نے فون کر کے مجھے بھی تمہاری طرح اغوا کرنے کی دھمکی دی تھی میں نے حفظ ماتقدم کے پیش نظر کسی کے مشورے پر کرنل سے سیکورٹی فراہم کرنے کی درخواست ضروری سمجھی تھی۔''

تھریسا نے اس کے بعد مزید نہیں کریدا کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلی گئی لیکن وہ قلبی طور پر مطمئن نہیں ہوئی تھی۔اسے شبہ تھا کہ میڈم کسی خاص بات کے اظہار سے گریز کر رہی تھی۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ کی دعوت قبول کر لینے کے بعد سے اورنگ زیب نے خود کو سراج کے گھر تک محدود کر لیا تھا، آکٹوپس کے شکار کے لیے اسے ذہنی سکون کے علاوہ مؤثر پلاننگ کی بھی ضرورت تھی۔اس نے گزشتہ دو روز سے خود کو بالائی منزل تک محدود کر لیا تھا تا کہ سراج کے ملازموں کو بھی گھر میں اس کی موجودگی کا علم نہ ہو۔کامیابی کے حصول کے لیے راز داری بھی شرط تھی جس کے پیش نظر وہ ناشتے اور کھانے کے لیے بھی نیچے نہیں آتا تھا۔خود الماس بھی ملازموں کی موجودگی میں اوپر جانے سے گریز کرتی تھی۔

سراج کا زیادہ وقت بھی اوپر ہی گزرتا تھا۔اس وقت بھی اوپر ہی بیٹھا فارم ہاؤس میں آکٹوپس کی موجودگی کے امکانات کے شبے کے بارے میں ضروری چھان بین کی گفتگو میں محو تھا جب اسے

ڈی آئی جی کی کال وصول ہوئی۔ ''میرا خیال ہے آپ کسی خاص پروجیکٹ پر ضرورت سے زیادہ مصروف ہیں جو دفتر میں آپ کی سیٹ خالی ہوتی ہے؟''

''یس سر۔'' سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میرا مقصد غیر حاضری کی تفتیش نہیں تھا۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔ ''کچھ دیر بیشتر مجھے رستم علی آغا خانی کی کال موصول ہوئی تھی، ان کا کہنا ہے کہ کوئی بلا وجہ انہیں فون پر تنگ کر رہا ہے...... ایک بار دبی زبان میں یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو انجانے میں کسی نامعلوم سمت سے آنے والی سنسناتی گولی اس کی موت کا سبب بھی بن سکتی ہے۔''

''کسی پر شبہے کا اظہار کیا گیا؟'' سراج نے دریافت کیا۔

''نہیں......'' ڈی آئی جی نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''صرف اس شبہے کا خیال سرسری طور پر کیا تھا کہ ممکن ہے کوئی دیرینہ دشمن انہیں اپنی برتری کا احساس دلانے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔''

''اس کی کوئی وجہ بھی ضرور بتائی ہوگی۔''

''ہاں......رقم کی ادائیگی میں رستم علی نے فون کرنے والے کو ٹریپ کرنے کی خاطر ایک آفر دی تھی۔ یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ رقم کی ادائیگی وہ براہ راست کریں گے...... جگہ اور طریق کار کا تعین انہوں نے دوسری پارٹی پر چھوڑ دیا تھا مگر اس کے بعد لائن کاٹ دی گئی...... دو گھنٹے بعد پھر کال آئی رقم کا مطالبہ کرنے والے نے اس بار ایک انوکھی ہدایت دے کر کہا تھا کہ وہ مطلوبہ رقم ایک لفافے میں بند کر کے دفتر کے نائٹ شفٹ کے چوکیدار کے حوالے کر دے اور اسے تاکید کر دے کہ جو شخص بھی ملاقات کے بعد ''خفیہ بزنس'' کا کوڈ استعمال کرے چوکیدار وہ لفافہ اس کے حوالے کر دے...... رستم علی آغا خانی نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا...... اس گفتگو کے ایک گھنٹے بعد انہیں پھر کسی نئے آدمی کی کال موصول ہوئی جس نے صرف ایک جملہ کہہ کر لائن کاٹ دی تھی...... مرنے کے لیے بروقت تیار رہنا......'' ڈی آئی جی نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''میں نے کچھ سادہ لباس والوں کی ڈیوٹی لگا دی ہے لیکن آپ بھی کسی وقت رستم علی سے مل لیں...... ممکن ہے کوئی ایسی بات بھی موجود ہو جو وہ فون پر بتانے سے گریز کر رہا ہے۔

''رائٹ سر...... میں کل دوپہر میں ملاقات کر لوں گا۔''

''اورنگ زیب صاحب کے بارے میں کیا اطلاع ہے......؟''

''دو دن سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی سر۔'' سراج نے پہلو بدل کر کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ آکٹوپس پر جال ڈالنے کی خاطر کوئی آخری حربہ تیار کر رہے ہوں گے۔''

دوسری جانب سے صرف ''ہوں......'' کی مبہم آواز سنائی دی پھر رابطہ ختم ہو گیا۔

''کس کا فون تھا......اورنگ زیب نے سوال کیا پھر تفصیل جاننے کے بعد کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے اس کال کے بارے میں؟

''آپ کے اچانک پردہ نشین ہو جانے کی وجہ سے آئی جی کے پیٹ میں بھی مروڑ ہو رہی ہوگی..... شاید ڈی آئی جی صاحب کو یہ شکایت لاحق ہو کر آپ نے اپنی روپوشی کے سلسلے میں انہیں بھی مطلع نہیں کیا۔''

''میں رستم علی آغا خانی کو موصول ہونے والے فون کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔''

''اس کا اندازہ تو اس سے ملاقات کے بعد ہی ہو سکے گا۔''

''یہ جواب پولیس کا ایک عام کارندہ بھی دے سکتا تھا لیکن تم اس بات کو فراموش کر رہے ہو کہ ہمارا مقابلہ آکٹوپس سے ہے جو ایک ہی وقت چھ سات دشمنوں میں نہایت آسانی سے ہلچل پیدا کر سکتا ہے۔''

''آکٹوپس کا بلیک میلنگ یا سرمایہ داروں سے جگا ٹیکس وصول کرنے کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟''

''تم بھول رہے ہو مائی ڈیئر..... اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔'' ایک ایسے ہی موقع پر میں نے شبنم کے اغوا ہونے کا خیال ظاہر کیا تھا مگر روشنا کو اغوا کر کے بے عزت کیا گیا...... سابقہ ڈی آئی جی علیم احمد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا...... وہ زخم ابھی ہمارے لیے تازہ ہے.....'' اورنگ زیب نے بات جاری رکھی۔'' اس بار بھی میرا خیال ہے کہ افضل خان کو دھمکی دینے والا ہماری توجہ ایک سمت کر کے دوسری جگہ وار کرے گا۔ رستم علی آغا خانی کو فون بھی اسی بچگانا اسکیم کے تحت کیا گیا ہوگا۔''

''پھر..... اصل نشانہ کون بنے گا.....؟''

''قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا اور..... یہ بھی ممکن ہے کہ اس بار بیک وقت کئی دھماکے ہوں۔''

''اس خیال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

اورنگ زیب کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا جب اس کا موبائل روشن ہو گیا۔ اسکرین پر پینتھر کے نمبر نظر آ رہے تھے۔ ''کیا خبر؟'' اورنگ زیب نے موبائل فون آن کر کے دریافت کیا۔

''میں قانونی اہمیت والی ہستی پر پوری طرح چوکس ہوں۔'' سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''لیکن ایک بات قابل حیرت'' پہیلیاں نہیں..... کھل کر فون کرنے کا مقصد بیان کرو......''

''آپ جانتے ہیں کہ میں جگا کا پروردہ ہوں...... اب بھی اس کی سرپرستی مجھے حاصل ہے...... یہ بھی یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ لنگوٹ کا پکا ہے اس کے سنگی ساتھی بھی ادھر ادھر منہ مارنے سے گریز ہی......''

''فون کرنے کا اصل مقصد بیان کرو۔'' اورنگ زیب نے قدرے ترش لہجہ اختیار کیا۔

''سوری سر لیکن۔ ابھی پندرہ منٹ پیشتر میں نے استاد کو دلربا کے بنگلے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ مجھے دلربا کی ایک جھلک بھی نظر آئی جس نے دروازے پر آ کر بات کی تھی پھر دونوں اندر چلے

گئے...... یہ بھی عرض کردوں کہ جو گاڑی نظر آئی وہ بھی استاد کے استعمال میں بھی نہیں رہی......"

"میرے فون کا انتظار کرو...... ایک لمحے کے لیے بھی موجودہ سچوئشن سے غافل نہ ہونا...... اورنگ زیب نے رابطہ ختم کر کے دوسرے موبائل پر جگا کے نمبر ڈائل کیے۔

"آپ کا خادم بول رہا ہوں جناب۔" ابھرنے والی آواز جگا کے سوا کسی اور کی نہیں تھی۔ "میرے لائق کوئی خدمت......"

"تم اس وقت کہاں ہو......؟"

"اپنی رہائش گاہ پر...... آپ حکم کریں......"

"دلربا نامی کسی لڑکی کا نام سنا ہے؟"

"لڑکی...... دلربا...... اور جگا؟" اس بار زیادہ سنجیدگی سے جواب ملا......" آپ کو کسی دشمن نے غلط اطلاع دی ہوگی جناب...... میں اس لائن کا آدمی نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے...... میں نے کسی وجہ سے تصدیق کی تھی...... آرام کرو۔" اورنگ زیب نے جگا سے رابطہ ختم کیا پھر اس نے دوسرے موبائل پر دوبارہ پینتھر کو کال کی۔

"پینتھر آن دی لائن......" کال فوراً ہی اٹینڈ کی گئی۔

"جو شخص نظر آیا وہ جگا نہیں...... کوئی اور ہے......"

"میرا ذاتی خیال بھی......"

"میری بات غور سے سنو......" اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں ہدایت کی۔ "وہ جو بھی ہو اسے جان سے نہ مارنا لیکن زخمی کرنا ضروری ہے۔ اس کام کے لیے اپنے کسی خاص آدمی کو مامور کردو...... یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ زخمی ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے...... میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔

"اورنگ زیب نے رابطہ ختم کیا تو سراج نے اسے کریدا۔"

"آپ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آکٹوپس کے کچھ شکاری کتے بھی میدان میں آگئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے اس کے اشارے پر اس کا کوئی خاص آدمی عمل کر رہا ہو......"

"کون ہو سکتا ہے...... سکندر علی شاہ؟"

"اس کا بھید بھی بہت جلد کھل جائے گا......" اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا سراج نے اس حالت میں مزید کوئی سوال نہیں کیا مگر...... وہ محسوس کر رہا تھا کہ اورنگ زیب کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کسی زلزلے کا پیش خیمہ بھی ہو سکتے تھے۔

✣✣✣

نگینہ کے ذہن میں اس وقت ایک لاوا پھٹ پڑنے کو مچل رہا تھا لیکن وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ اس کا اظہار کر سکتی...... وقت اس کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل چکا تھا۔ اس نے بہت

کچھ کھو کر جو مقام حاصل کیا تھا جس بلندی پر پہنچی تھی وہ محض ایک خواب بن کر رہ گئی تھی۔ اس خواب کی اب کوئی تعمیر نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو وہ اس قدر بھیانک تھی کہ اس کے تصور ہی سے وہ کانپ اٹھتی تھی۔

کل وہ گمنام تھی، ایک جھونپڑی میں زندگی گزار رہی تھی جہاں پاس پڑوس کے رہائشی بھی وہاں ایک دوسرے سے واقف نہیں تھے لیکن اب وہ اس جھونپڑی سے نکل کر محلوں میں آ گئی تھی جہاں کے در و دیوار کی زینت بھی دور دور تک مشہور تھی۔ سکندر علی شاہ بذات خود بھی صاحب حیثیت تھا۔ اس سے منسوب ہونے کا تصور اس نے خواب میں بھی نہیں کیا تھا مگر وہ خواب ایک حقیقت میں ڈھل چکا تھا۔ پہلے وہ فٹ پاتھ کے کنارے پر ایک تنگ تاریک جھونپڑی میں جمیلہ کے نام سے رہتی تھی اب وہ محل میں آ کر نگینہ بن گئی تھی جس کی چمک دور دور تک پھیل گئی تھی۔

گزرے وقت کی تلخ باتیں اس کے وجود میں نشتر بن کر چبھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے ایک مرد نے اسے زبردستی کلی سے پھول بنا دیا تھا پھر اسی مرد کی سفارش پر وہ سکندر علی کی بیوی بن گئی تھی؟ وہ مرد کون تھا؟ اس کا علم اس کے علاوہ خود سکندر علی شاہ کو بھی علم نہیں تھا۔ اگر وہ نامعلوم مرد سفارش نہ کرتا تو وہ سکندر علی شاہ کی ہوس کا نشانہ بننے کے بعد ایک مرد کی آغوش سے نکل کر کسی اور کی گود تک پہنچ جاتی...... پھر اس کی منزل کوٹھی کے بجائے بالا خانہ ہوتی جہاں اس کو خریدنے والی اس کی قیمت مقرر کر دیتی۔ اس قیمت کو چکتا کرنے کے بعد کوئی بھی اس کے جسم کو روندنے کا حقدار بن سکتا تھا لیکن قسمت نے اس کی یاوری کی تو سکندر علی شاہ سے منسوب ہو گئی اور اب...... اب جس مرد نے اسے پہلی بار بے آبرو کیا تھا...... جس کی سفارش پر سکندر علی شاہ نے اسے طوعاً و کرہاً بیوی کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ اسی مرد کے حکم پر اسے دوبارہ کوئی سزا ملنے والی تھی۔ اس سزا کے تصور نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ ایک بار مار دیا جاتا تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا لیکن وہ زندگی میں بار بار مر کر زندہ ہوتی رہی تھی اور شاید آئندہ بھی اس کے نصیب میں ٹھوکریں ہی لکھ دی جاتیں۔

سکندر علی شاہ نے بیوی کی حیثیت سے قبول کرنے کے بعد اسے اپنے خاص کمرے کی زینت بنا دیا تھا۔ پہلی بیوی کو یکسر انداز کر کے وہ ہر رات نگینہ کی خواب گاہ میں اس کے ساتھ رہتا تھا لیکن پھر ایک مرد ہی نے اسے بڑی خوب صورتی سے ٹریپ کر لیا تھا۔

رینبو کلب سے سکندر علی شاہ کے لیے ایک نوخیز کلی کو شیشے میں اتارنے کے دوران وہ خود ایک سنہری جال میں پھنس گئی تھی...... وہ کون لوگ تھے؟ کیا چاہتے تھے؟ وہ اس راز سے قطعی لاعلم تھی لیکن انہوں نے جس حالت میں اسے سکندر علی شاہ تک پہنچایا تھا اسے دیکھنے کے بعد کوئی مرد اسے بحیثیت بیوی قبول نہ کرتا۔ سکندر علی شاہ نے بھی اس کا برہنہ گفٹ پیک دیکھ کر اس پر تھوک دیا تھا...... شاید وہ اسے راز داری سے اپنے آدمیوں کے ہاتھ مروا کر کہیں دفن کرا دینے سے بھی گریز نہ کرتا لیکن پھر وہی مرد آڑے آ گیا جس نے پہلی بار اسے برباد کیا تھا...... اس کی کسی ہدایت کے بعد ہی سکندر کا عذاب نازل ہوتے ہوتے رہ گیا اور اب سارا منظر ہی اس کی توقع کے خلاف بدل گیا تھا...... کل تک وہ

سکندر علی کی خواب گاہ میں صوفے پر لیٹی کسی اور لڑکی کی عزت کی دھجیاں اڑتے دیکھ کر مسکرایا کرتی تھی...... آج ایک اور لڑکی سکندر علی شاہ کی آغوش گرم کرتے وقت اسے نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھور کر مکافاتِ عمل کے معنی سمجھا رہی تھی۔

ہاتھ میں آئے ہوئے تمام سنہری موقعے نگینہ کے ہاتھوں سے ریت کے ذروں کی طرح ایک ایک کر کے نکل گئے تھے' لیکن وہ بہرحال ایک عورت تھی۔ حسین اور خوب صورت بھی تھی۔ وقت کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اس بات کا اندازہ بھی خوب ہو گیا تھا کہ عورت اگر مہربان ہو تو گھر کی دوزخ کو بھی جنت بنا سکتی تھی اور...... اگر تریا ہٹ پر اتر آئے تو اسی جنت کو جہنم میں بھی تبدیل کر سکتی تھی۔

اس وقت بھی اپنی خواب گاہ کے کونے میں لیٹی تھی جہاں سکندر علی شاہ اپنی قیمتی مسہری پر ایک نوخیز کلی سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھا۔ سکندر علی شاہ نے اسے یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ آنکھیں بند نہ کرے لیکن...... وہ صرف نگینہ کے جسم کو قابو کر سکتا تھا...... اپنی ہر بات زور زبردستی منوا سکتا تھا لیکن اس کی سوچوں پر پابندی لگانا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

نگینہ بڑی سنجیدگی سے آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وقت نے اسے زندگی کے بہت سارے نشیب سے آگاہ کر دیا تھا...... سکندر علی شاہ کی کوٹھی میں اب اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ سر کے تاج سے پاؤں کی جوتی بن چکی تھی جسے کسی وقت بھی کچرا کنڈی میں پھینکا جا سکتا تھا۔ سکندر علی شاہ کو بس کسی نامعلوم شخص کے اشارے کا انتظار تھا...... لیکن اگر وہ وقت کے آنے سے پیشتر ہی کسی طرح اس کی قید سے نکل بھاگتی تو پھر زندگی کو کسی نہ کسی طور پر برقرار رکھنے کی خاطر ہاتھ پاؤں چلا سکتی تھی...... ابھی تک کوٹھی کے ملازموں کو اس کی گرتی ہوئی حیثیت کی بھنک نہیں ملی تھی۔ وہ کسی کو بھی پیسوں سے خرید کر ایک بار فرار ہو جاتی تو پھر بے بسی کی ان کیفیتوں سے کسی نہ کسی طرح چھٹکارا بھی حاصل کر سکتی تھی۔

دو روز بعد قدرت نے اسے ایک خاص موقع فراہم کر دیا۔ سکندر علی شاہ اس کو خواب گاہ میں بند کر کے کہیں چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے یہ دھمکی بھی دے گیا تھا کہ اگر نگینہ کوئی غلط قدم اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس کا انجام بھیانک ہو گا۔

تنہائی کے اس موقع پر نگینہ کے ذہن میں کئی نام ابھر رہے تھے۔ شیلا ورما کا نام بھی ابھرا تھا وہ بھی سکندر علی شاہ کے لیے تر و تازہ مال فراہم کرنے کی خدمت انجام دیتی تھی بیوٹی پارلر میں جونی سے دو چار ملاقاتوں کے بعد وہ اس کی آغوش کی زینت بن چکی تھی۔ شیلا ورما کے مقابلے میں جونی مختلف سوچ کا مالک تھا لیکن اتنا قابلِ اعتماد بھی نہیں تھا کہ آنکھ بند کر کے اس پر بھروسہ کیا جا سکتا۔ کوٹھی کے ملازم بھی سکندر علی شاہ کے عتاب کی وجہ سے اس کی مدد کو بھی آمادہ نہ ہوتے۔

خاصی دیر تک نگینہ اندر ہی اندر الجھتی رہی پھر یکلخت ایک نام اس کے ذہن میں اندھیرے میں کسی جگنو کی طرح چمکا، دوسرے ہی لمحے اس نے کمرے میں تنہا ہونے کے باوجود خوفزدہ نظروں

سے ادھر ادھر دیکھا پھر اس نے الماری کھول کر اپنا موبائل نکال لیا جس کا علم سکندر علی شاہ کو بھی نہیں تھا۔ یہ موبائل اسے جونی نے پہلی بار ہونے والی تنہائی کی تفصیلی ملاقات کے بعد گفٹ کیا تھا۔ نگینہ نے اسے یادگار سمجھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ اس وقت وہی موبائل اس کے لیے دنیا میں سب سے بڑی نعمت بن گیا۔ بیٹری لگانے کے بعد اس نے آن کیا پھر ایک نمبر جو اس کے ذہن میں نقش ہو کر رہ گیا تھا اس کو ڈائل کر کے اپنی قسمت کو آزمایا۔ دوسری جانب سے گھنٹی کی آواز ابھرتی رہی لیکن کسی نے کال ریسیو نہیں کی۔ دوسری بار بھی اسے ناکامی ہوئی لیکن تیسری بار کسی نے سرد لہجے میں کال ریسیو کر لی۔ جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا گیا۔

''کون ہے......؟''

''مجھے پروفیسر چنگ لائی فار چون سے بات کرنی ہے......اٹ از ارجنٹ''

''تم نے غلط جگہ فون کیا ہے یہیں اس نام کا......''

''پلیز......رابطہ منقطع نہ کرنا۔'' نگینہ نے گھبرا کر کہا۔

''میں پروفیسر سے ایک بار ملاقات کر چکی ہوں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ بغیر کسی سفارش کے کسی کا ہاتھ نہیں دیکھتا لیکن وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے......پلیز تم اسے بتا دو میرا نام نگینہ ہے۔''

دوسری جانب سے کوئی جواب دیے بغیر لائن کاٹ دی گئی تو نگینہ کے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی۔ امید کی جو ایک کرن اسے تاریکی میں نظر آئی تھی۔ گھپ اندھیروں میں ڈوبنے لگی لیکن تقریباً دس منٹ بعد موبائل کی روشنی بزر کے ساتھ نظر آئی تو نگینہ نے اسے آن کر لیا۔

''ہیلو......میں نگینہ بول رہی ہوں۔''

''کون نگینہ......؟'' آواز کچھ مانوس لگ رہی تھی اس لیے نگینہ نے وقت ضائع کیے بغیر رینبو کلب کے حوالے سے اپنا مختصر تعارف بھی کرا دیا۔

''سمجھ گیا......تمہاری آواز بھی سن چکا ہوں لیکن تم شاید مجھے دوبارہ دیکھو تو پروفیسر کی ایک جھلک بھی تلاش نہ کر سکو گی۔'' اس بار بے تکلفی سے کہا گیا۔

''جانتی ہوں......لیکن اس کے باوجود اس وقت مجھے تمہاری مدد درکار ہے''۔

''یہ بھی جانتا ہوں کہ سکندر علی شاہ کو تمہارا گفٹ پیک کھول کر آٹھ سو اسی وولٹیج کا جھٹکا ضرور لگا ہوگا لیکن یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم اب تک اس کے عتاب سے محفوظ کس طرح رہیں؟''

''اسی نامعلوم شخص کا حکم سکندر علی شاہ کے ارادوں کے آڑے آ گیا جس کی تلاش تم کو بھی ہے۔'' نگینہ نے مجسم التجا بن کر جواب دیا ''لیکن میں زیادہ دنوں محفوظ نہیں رہ سکوں گی۔''

''پھر......کچھ نہ کچھ تو سوچا ہوگا؟'' سپاٹ اور کھردری آواز میں پوچھا گیا۔

''ایک ہی آخری تدبیر ہے......میں کسی طرح یہاں سے فرار ہو جاؤں۔'' نگینہ نے گڑگڑا کر درخواست کی۔ ''تم نے مجھے جب رینبو کلب سے اغوا کیا تھا وہ میری موت کا پہلا دن تھا۔ اب میں تم ہی سے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہوں......میری بات کا یقین کرو میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا

آپشن (Option) نہیں ہے۔''
دوسری جانب سے کچھ توقف کے بعد پوچھا گیا...... ''کیا تم کو یقین ہے کہ سکندر علی شاہ کی قید سے فرار ہو سکتی ہو۔''
''اذیت ناک موت مرنے سے پہلے ہر ذی نفس پھڑ پھڑا کر زندگی کی آرزو کرتا ہے۔ایک کوشش میں بھی کروں گی لیکن تمہارے سوا میں کسی اور کے سامنے جھولی بھی نہیں پھیلا سکتی۔''
''ایک بات میری غور سے ذہن نشین کرلو......اس بار سرد وسفاک لہجے میں جواب ملا۔'' پروفیسر چن لائی کے علاوہ بھی میرے بہت سارے روپ ہیں۔تم نے اگر دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہارے ساتھ اور بھی کچھ لوگ کام آجائیں گے۔
''انسان جب موت کے دہانے پر کھڑا ہو تو کسی سے فریب کرنا اس کے اختیار کی بات نہیں ہوتی......میں اس وقت صرف تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔'' نگینہ کی بے بس آواز آنسوؤں میں بھرا گئی۔''پلیز مجھے مایوس مت کرنا......''
''ڈونٹ وری......میں نے اپنے تجربے کی روشنی میں تمہاری آواز ہی سے تمہاری کیفیت کا اندازہ لگالیا ہے......میری بات غور سے سنو......کوئی قدم جلد بازی میں اٹھانے کی ایسی غلطی نہ کرنا جس کے بعد تمہارے تمام راستے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں۔''
''مجھے خود بھی اس کا اندازہ ہے۔''
''کوٹھی سے نکل کر تم ٹیکسی پکڑ کر ساحلی علاقے کی طرف جاؤ گی......'' بے حد سنجیدگی سے ہدایت ملی۔''راستے میں اگر کوئی تم کو لفٹ دینے کی کوشش کرے تو اس کو قبول کر لینا ہوگا۔''
''ٹھیک ہے لیکن......اگر تم لفٹ دینے والے کی کوئی شناخت بتا دو تو زیادہ مناسب ہوگا۔''
''تم اس وقت بارگیننگ کی پوزیشن میں نہیں ہو۔جتنا کہا گیا ہے اسی کو ذہن نشین کرلو۔'' دوسری جانب سے اس جواب کے ساتھ لائن منقطع کر دی گئی۔
نگینہ کو اندھیرے میں کہیں دور ایک امید کی کرن ٹمٹماتی نظر آرہی تھی۔

❖❖❖

اورنگ زیب کو بڑی شدت سے پینتھر کے فون کا انتظار تھا جگا سے گفتگو کرنے کے بعد اس کے ذہن میں متعدد خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے۔دلربا جس پیشے سے منسلک تھی وہاں اس کے دروازے تک کوئی بھی جا سکتا تھا لیکن سکندر علی شاہ کے لیے وقف ہو جانے کے بعد اس نے کسی سے بھی ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ماروی کے ساتھ ریسٹ ہاؤس میں پیش آنے والے سانحے کے بعد سکندر علی شاہ نے بھی اسے باہر آنے جانے سے روک دیا تھا۔اسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ پولیس کے سادہ لباس والے بھی اورنگ زیب کی ہدایت پر دلربا کے بنگلے کی نگرانی پر مامور ہیں خود اورنگ زیب نے بھی ماروی سے ملنے کے بعد دلربا سے براہ راست ملنے سے گریز کیا۔اس میں اس کی بہت ساری مصلحتیں تھیں۔پینتھر نے بھی یہی کیا تھا کہ نگرانی کے بعد سے دلربا نے بھی گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا

پھر ایسی صورت میں خاص طور پر جگا کوروپ اختیار کر کے وہاں کون گیا ہوگا؟ کیا یہ محض اتفاق تھا کہ وہاں جانے والا جگا کا ہم شکل تھا یا اس میک اپ کی پشت پر بھی کوئی سوچی سمجھی اسکیم کارفرما تھی۔

جگا کے تردید کرنے کے بعد اب آپ کس پہلو پر غور کر رہے ہیں؟'' سراج نے کچھ توقف سے سوال کیا۔'' کیا اس میں بھی آکٹوپس یا سکندر علی شاہ کا ہاتھ شامل ہوگا؟

''کم از کم آکٹوپس ایسی بچگانا حرکت کبھی نہیں کرسکتا...... رہا سکندر علی شاہ تو میرے خیال میں تو اس کے امکانات بھی کم ہیں۔''

''پھر اور کون ہوگا......؟''

''ممکن ہے وہ دلربا کا کوئی پرانا آشنا ہو جس سے خود دلربا بھی واقف ہو۔'' اورنگ زیب نے ایک امکانی بات کہی۔'' اگر واقف نہ ہوتی تو وہ اسے مکان کے اندر لے جانے کی غلطی نہ کرتی مگر...... اہم بات یہ ہے کہ اس ملاقاتی نے جگا کا میک اپ کیوں اختیار کیا......؟''

ہمیں غلط لائن پر ڈالنے کی خاطر یہ سب کچھ بھی بہر حال کسی نہ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوگا۔'' سراج نے پہلو بدل کر کہا۔'' ممکن ہے آکٹوپس کے وہ شکاری کتے ہوں جنہوں نے جگا کے شوروم پر اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن لوچن اور آپ کے بروقت پہنچنے کے سبب انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی۔

اورنگ زیب نے جواب دینے کے بجائے سراج کو غور سے دیکھا، کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔'' اگر تمہارا یہ اندازہ درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ دلربا اس کہانی کے بیچ کی طرح شامل ہوگئی؟''

سراج نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت اورنگ زیب کے موبائل پر سگنل موصول ہوئے۔ اورنگ زیب نے نمبر دیکھ کر آن کر لیا۔

''کیا خبر ہے......؟''

''آپ کے کہنے کے مطابق میرے ایک آدمی نے جگا کے ہم شکل کو باہر نکلنے کے کچھ دیر بعد زخمی کر دیا تھا...... کوئی ہنگامہ نہیں کھڑا ہوا۔ اس کے کچھ ساتھی بھی کہیں قریب موجود تھے جو لوگوں کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی اسے ایک پک اپ میں ڈال کر لے گئے تھے۔'' پینتھر نے بات جاری رکھی۔'' میں ان لے جانے والوں میں سے کسی کو شناخت نہیں کر سکا۔''

''بہر حال...... وہ جو کوئی بھی تھا۔ ہاتھ آ کر نکل گیا......'' اورنگ زیب نے الجھن کا اظہار کیا۔

''ایسا بھی نہیں ہے......'' پینتھر نے فوراً ہی جواب دیا۔ آپ کے معاملات میں...... میں ہمیشہ محتاط رہتا ہوں...... استاد کی شکل اختیار کرنے والے نے مجھے چونکا دیا تھا اسی لیے میں نے یہی فیصلہ کر لیا تھا کہ آنے والے کو زخمی ہونے کے بعد بھی ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔''

''کیا بتانا چاہتے ہو......؟'' اورنگ زیب جواب سن کر چونکا۔

''جو لوگ زخمی کو لے گئے تھے میرے ایک ساتھی نے موٹر سائیکل پر ان کا تعاقب کیا تھا۔ ان

کی اطلاع کے مطابق وہ اس وقت نواحی بستی کے ایک مکان میں موجود ہیں......میں نے اسے تاکید کر دی تھی کہ میرے دوسرے فون کا انتظار کیے بغیر وہ اس مکان سے دور نہ رہے۔

''گڈ......''اورنگ زیب نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بڑی تفصیل سے اس علاقے اور اس مکان کا پتا معلوم کر کے ذہن میں محفوظ کیا پھر لائن کاٹ کر سراج سے بولا۔

''مجھے دیکھنا ہوگا کہ زخمی نے خاص طور پر جگا کا روپ اختیار کرنے کی حماقت کیوں کی تھی۔''

''پھر......کیا پروگرام ہے......؟''سراج نے اٹھتے ہوئے کہا''وقت ضائع کرنے کے بجائے ہمارے لیے فوری اقدام کرنا ضروری ہے۔''

''تم نہیں......میں اکیلے جاؤں گا۔''اورنگ زیب نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا پھر سراج کے سمجھانے کے باوجود اس نے اٹھ کر ایک ریڈی میڈ میک اپ اختیار کیا اور بنگلے کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ٹیکسی سے اتر کر اس بستی میں داخل ہو رہا تھا جہاں پینتھر کی اطلاع کے مطابق زخمی موجود تھا۔ وہاں زیادہ تر مکان اسی اور سو گز پر تعمیر تھے۔ جس مکان میں اسے جانا تھا وہ سڑک کے قریب ہی بستی میں تعمیر شدہ مکانوں کی دوسری لائن میں واقع تھا۔ اورنگ زیب نے ایک جگہ رک کر پھر کسی سے موبائل پر رابطہ قائم کیا۔''اب اندر کی کیا پوزیشن ہے۔''

''زخمی کے علاوہ اندر دو آدمی اور بھی ہیں۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ ان کا تعلق ایسے ہی گروہ سے ہے جو منہ مانگی رقم کے عوض خود اپنا گلا کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔''

''اور کچھ۔''

''میری ذاتی معلومات کے مطابق اس گروہ کا سربراہ ناگی ہے جو کئی بار سرکاری مہمان بھی رہ چکا ہے۔ پولیس کے کچھ اہلکار بھی در پردہ اس کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ جو زخمی ہوا ہے اس کو سب جگنو کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔''

''میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔''اورنگ زیب نے موبائل آف کر کے جیب میں ڈالا پھر وہ کن انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھتا مطلوبہ مکان کے دروازے کے سامنے جا کر رکا......دروازے پر ایک مخصوص انداز میں دو بار دستک دی پھر اس کا سیدھا ہاتھ جیب میں رینگ گیا جہاں اس کا آٹومیٹک پستول موجود تھا۔

دوبارہ مخصوص دستک دینے کے بعد دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

''کس سے ملنا ہے......؟''سامنے آنے والے نے سرسراتے لہجے میں دریافت کیا۔

''مجھے جگنو کی خیریت دریافت کرنی ہے......اسے فوری طور پر یہاں سے کسی اور ٹھکانے پر پہنچانا ہے۔''

اورنگ زیب نے بدلی ہوئی آواز میں خاص پولیس والوں کا لہجہ اختیار کیا۔

''تم نے اپنا نام نہیں بتایا......''دروازہ کھولنے والے نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

جواب میں اورنگ زیب نے علاقہ پولیس کے ایک بدنام ہیڈ کانسٹیبل کا نام لیا تو اس کو روکنے والا ایک جانب ہٹ گیا۔اورنگ زیب قدم بڑھاتا اندر داخل ہوا...... وہاں دو آدمی اور بھی موجود تھے ان کی نظریں بھی اورنگ زیب کو کرید رہی تھیں لیکن وہ رکے بغیر سامنے والے کمرے میں چلا گیا جہاں سامنے پیچھے ایک تخت پر ایک زخمی پڑا کراہ رہا تھا۔

پہلی نظر میں اس کی صورت دیکھ کر خود اورنگ زیب کو بھی اس پر جگا ہونے کا شبہ ہوا تھا۔اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ دو آدمی اس کے پیچھے آکر پوزیشن سنبھال چکے تھے تیسرا باہر ہی رہا تھا اور رنگ زیب نے پلٹ کر ان دونوں کو مخاطب کیا۔

''اس سے پیشتر کہ پولیس یہاں پہنچے تمہیں جگنو کو لے کر کسی بھی دوسرے ٹھکانے تک پہنچنا ہے۔میں یہی اطلاع دینے آیا ہوں۔''

''ہم تم سے براہ راست واقف نہیں ہیں۔''ایک نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔''تم نے جس ہیڈ کانسٹیبل کا حوالہ دیا ہے وہ بے شک ہمارا قیمتی آدمی ہے لیکن ہم استاد کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔''

''تم جانو......''اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مجھے جو اطلاع دینی تھی وہ دے دی آگے تمہاری مرضی۔''

''اس ہمدردی کے باوجود تم بھی واپس نہیں جا سکتے۔''

دوسرا سینہ تان کر بولا۔''استاد کی اجازت کے بغیر تم کو بھی ہم جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

جواب میں اورنگ زیب ک چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا اس کی گرفت پستول کے دستے پر جمی تھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ان دونوں کو قابو کرنے کے بعد تیسرے کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا......مگر دوسرے ہی لمحے جو صورت حال پیش آئی اس نے اورنگ زیب کے ہاتھ آئی بازی کو بھی پلٹ دیا۔

تیسرا آدمی جو باہر موجود تھا یکلخت اندر داخل ہو کر فرش پر اوندھے منہ گرا۔اس کے ساتھ اورنگ زیب کے علاوہ باقی دو آدمیوں کی نظریں بھی دروازے کی سمت اٹھیں جہاں ناگی ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا۔

''اپنے ہاتھ جیب سے واپس نکال لو ایس پی!''ناگی نے براہ راست اورنگ زیب کو مخاطب کیا۔''کوئی چالبازی نہ کرنا ورنہ تمہارا کھیل بھی تمہارے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔''

اورنگ زیب کے لیے موجودہ سچویشن میں کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں تھا اس نے خاموشی سے ہاتھ جیب سے نکال لیے لیکن اس کی نظریں بدستور ناگی کو گھور رہی تھیں۔

''بہت دنوں بعد ناگی کے ہاتھ آئے ہو ایس پی۔

آج تمہاری تھوڑی بہت خاطر مدارات کرنا بھی ہمارا حق ہے اس کے بعد تمہیں بھی اندازہ

ہو جائے گا کہ ناگی کس درندے کا نام ہے۔''
اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔تیسرا آدمی جو اندر آ کر گرا تھا وہ یا تو بے ہوش ہو چکا تھا یا اس نے ناگی کے مزید عتاب سے بچنے کی خاطر دیدہ و دانستہ آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔دوسرے دو آدمیوں نے بڑے خونخوار انداز میں اپنے ہتھیار نکال کر اورنگ زیب پر تان لیے تھے۔
''نہیں......'' ناگی نے اپنے مسلح آدمیوں سے کہا۔
''ایک نہتے آدمی پر تین تین ہتھیار اٹھانا مردانگی نہیں ہے۔تم دونوں اپنا اسلحہ ایک طرف ڈال دو......ایس پی صاحب کے لیے خادم موجود ہے اور آپ......'' اس بار ناگی نے اورنگزیب کی جانب دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔''اگر آپ اپنے قوت بازو سے میرے دو سانڈوں کی گردن توڑ کر جا سکتے ہو تو میں روکوں گا بھی نہیں۔''
ان دونوں کے علاوہ اورنگ زیب نے بھی ناگی کے اشارے پر اپنا پستول نکال کر اسی کی طرف اچھال دیا۔اسے کسی ایک موقع کی تلاش تھی جس کے بعد وہ بازی پلٹ سکتا۔
بستر پر پڑا زخمی بھی حقارت بھری نظروں سے اس کھیل تماشے کو دیکھ رہا تھا جو اورنگ زیب اور اس کے دونوں ساتھیوں کے درمیان شروع ہو چکا تھا۔ناگی بہ دستور دروازے پر جما کھڑا تھا۔اورنگ زیب کے لیے ناگی کی وہ انوکھی پیشکش ایک نیا تجربہ تھی۔ناگی کے بارے میں اس کو یہی معلوم تھا کہ وہ کسی دشمن کے ساتھ رعایت کرنے کا عادی نہیں تھا۔گولیوں کی آواز میں دشمنوں سے بات کرنا اس کا پہلا اصول تھا۔نفری گننا اور دشمن کو فرار ہونے کا موقع دینا ایک عام بدمعاش بھی کبھی پسند نہیں کرتا......ناگی تو محض ایک معمولی شبہے کی بنا پر لاشیں گرانے کا عادی تھا۔
بہر حال اورنگ زیب اس وقت ان دونوں آدمیوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا جو اسے گھیر کر دبوچنے کی کوشش میں بار بار جھکائی دے رہے تھے۔اورنگ زیب نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔وہ جوڈو کراٹے کے علاوہ مارشل آرٹ کے بھی تمام داؤ پیچ سے پوری طرح واقف تھا۔
کچھ دیر تک تینوں دائرے کی صورت میں جگہ تبدیل کرتے رہے پھر ایک نے اچانک جست لگا دی اورنگ زیب پوری طرح چوکس تھا اس نے چھلانگ لگانے والے کو ڈاج دے کر سیدھے پاؤں کے جوتے کی نوک سے اس پر ایسی نپی تلی ٹھوکر لگائی جس کے بعد وہ رانوں کے بیچ دونوں ہاتھ رکھ کر اس طرح ماہی بے آب کی طرح فرش پر لوٹنے لگا جیسے کسی لمحہ بھی سانس اکھڑنے والی ہو......اس کا دوسرا ساتھی صورت حال دیکھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا جب اورنگ زیب نے ایک پاؤں زمین پر جما کر کسی پھرکی کی طرح فضا میں گھوم کر دوسرے پاؤں کی ٹھوکر اس کی گردن پر ماری وہ بھی ایک لمحے چکرا گیا۔گرتے گرتے سنبھلا پھر سنبھلنے کے بعد جیسے دیوانہ ہو گیا ہو......کسی زخمی گینڈے کی طرح اس نے اورنگ زیب پر چھلانگ لگائی تھی اورنگ زیب نے پوزیشن بدل کر جوابی وار کیا تو اس کی ناک سے بھل بھل خون ابلنے لگا۔وہ جواب میں وحشیوں کی طرح حملہ آور ہوا لیکن اس بار ہوا میں اچھلتا ہوا سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔دوبارہ اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔شاید اسے

مد مقابل کی مہارت اور قوت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

دونوں سے چھٹکارا پانے کے بعد اورنگ زیب نے دروازے پر کھڑے ناگی کو تیز نظروں سے گھورا۔ ناگی کی نظریں چمک رہی تھیں۔ اس چمک میں خوشی کا ایک عکس بھی نمایاں تھا۔ اورنگ زیب ناگی سے کچھ کہنا چاہتا تھا جب ناگی نے برق رفتاری سے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول سے ایک گولی خارج کر دی۔ اورنگ زیب نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر دیکھا۔ تخت پر پڑا زخمی تڑپ کر فرش پر اوندھا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک شکاری چاقو پڑا تھا اپنے دو ساتھیوں کا انتقام لینے کی خاطر اس نے شاید اورنگ زیب کو عقب سے نشانہ بنانا چاہا تھا لیکن ناگی کا عتاب اس کے آڑے آ گیا...... یہ صورت حال اور ناگی نے اگلا قدم اٹھایا...... اس نے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول اورنگ زیب کے قریب اچھال دیا جذباتی انداز میں بولا۔

”مجھے یقین تھا صاحب کہ تم ان دو کوڑی کے کتوں کے قابو میں نہیں آؤ گے۔“

”اورنگ زیب اس آواز کو سن کر دم بخود رہ گیا پھر ناگی نے اپنے چہرے سے ریڈی میڈ میک اپ اتارا تو شبہ کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہ گئی...... اب تک جو ناگی کا رول ادا کر رہا تھا وہ جگا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔“

”اب یہاں سے نکل چلو صاحب...... باقی کہانی میں آپ کو راستے میں سنا دوں گا۔“

”ان کی فکر نہ کرو صاحب...... میرے آدمی باہر موجود ہیں...... وہ ان دم توڑتے کتوں کو بھی سمیٹ کر ایک ٹھکانے تک پہنچا دیں گے۔“

اورنگ زیب جگا کے ساتھ قدم اٹھاتا باہر آ گیا کچھ فاصلے پر سیاہ رنگ کی ایک پرانی شیور لیٹ کھڑی تھی۔ گاڑی کو بستی سے نکال لے جانے کے ساتھ ہی جگا نے اصل صورت حال کی کہانی بھی شروع کر دی۔

”مجھے خوشی ہے کہ وکی (پینتھر) نے آپ کے ساتھ دغا بازی نہیں کی۔ دلربا کے بنگلے پر میرے ہم شکل کو دیکھ کر اس نے پہلے آپ ہی سے رابطہ کیا تھا پھر اسے زخمی کرنے کے بعد اس نے مجھے بھی ساری سچویشن سمجھا دی تھی۔ معاملے کی تہ تک پہنچنے کے بعد ہی میں نے ناگی کا روپ اختیار کیا تھا۔“

”اس کی کوئی خاص وجہ بھی ضرور ہو گی۔“

”آپ کو یاد ہو گا صاحب کہ ایک بار میرے شوروم پر بڑا منظم حملہ ہوا تھا لوچن بھی بروقت آ گیا تھا پھر آپ نے درمیان میں آ کر میرے قدموں میں برداشت کرنے کی بیڑی ڈال دی تھی۔“ جگا نے کہا۔ ”اس روز ناگی کے کچھ بھاڑو ہی کسی کے اشارے پر مجھے مارنے آئے تھے اور اب انہوں نے میرا روپ اختیار کر کے پھر میری غیرت کو للکارا تھا اس لیے میں نے بھی ناگی ہی کا روپ اختیار کر کے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا مناسب سمجھا۔ میری اس حرکت سے آپ کو اگر شکایت ہو تو میں معافی ہی طلب کروں گا۔“

''نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اگر سامنے والے نے شطرنج کی بساط کے کچھ مہرے ادھر ادھر کر دیے ہوں گے تو مجھے کچھ دشواریوں کا سامنا ہوگا۔''

''آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟''

''دلربا میرے لیے خاصی اہمیت رکھتی ہے۔اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔''اگر تم نے مجھے پہلے صورت حال بتا دی ہوتی تو میں کم از کم اسے ہاتھ سے نکلنے کا کوئی موقع نہ دیتا۔میرا خیال ہے کہ ناگی کے وہاں جانے اور زخمی ہونے کی اطلاع سکندر علی شاہ تک بھی ضرور پہنچ گئی ہوگی۔

''شطرنج کی چالیں کچھ کچھ مجھے بھی آتی ہیں صاحب۔'' جگا نے کسمسا کر جواب دیا۔''امداد علی نے میری مدد نہ کی ہوتی تو جیل یاترا کر کے واپسی کے بعد میں بھی ناگی کی طرح کوئی روپ اختیار کر لیتا۔مگر اوپر والے کا کرم تھا جو سیدھے راستے پر لگ گیا لیکن وقت کی نزاکت اوپر والے کا خیال رکھنا میرے لیے بھی اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنی کسی اور کے لیے ضروری ہوتی ہے......'' جگا نے بات جاری رکھی۔''یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں کہ دلربا کی کیا حیثیت ہے اور وہ قانون کی نظروں میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔اس لیے میں نے بھی موقع کی نزاکت بھانپ کر روکی (پینتھر) کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ پہلی فرصت میں اسے چھومنتر کر کے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔''

''گڈ......لیکن کیا پینتھر کامیاب ہو گیا ہے۔''

''ابھی معلوم کیے لیتا ہوں۔'' جگا نے موبائل نکال کر مطلوبہ نمبر ملائے پھر اپنی مخصوص زبان میں یہ بات بھی کنفرم کر لی کہ دلربا کو نہایت خاموشی سے اس کے بنگلے سے نکال کر دوسری محفوظ جگہ پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اورنگ زیب نے جگا کو ستائشی نظروں سے دیکھا پھر وہ ناگی کے سلسلے میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملے۔اورنگ زیب اسکرین پر ابھرنے والے نمبر کو دیکھ کر چونکا پھر بڑے مہذب لہجے میں بولا۔

''اس وقت خادم کو کیسے یاد کر لیا؟''

''چند ناگزیر حالات کی وجہ سے آپ کے ساتھ جو پروگرام طے ہوا تھا اس میں کچھ تبدیلی کرنی ضروری ہو گئی ہے۔'' دوسری جانب سے سکندر علی شاہ کی آواز ابھری۔

''میں ایک دو روز بعد آپ کو تفصیل سے آگاہ کروں گا۔''

''کیا میں آپ کے کسی کام آسکتا ہوں۔''

''جب دوست کہا ہے تو کبھی آپ کو بھی ضرور آزماؤں گا لیکن فی الحال ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''بہرحال...... آپ نے میرے علاج کے لیے جو وعدہ کیا تھا اسے فراموش نہ کر دیجیے گا۔''اورنگ زیب نے دیدہ و دانستہ عاجزی سے کہا۔

''ڈونٹ وری......'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔اورنگ زیب کے ہونٹوں پر

ایک مسکراہٹ ابھر کر گہری ہوتی چلی گئی۔

❖❖❖

نگینہ کے فرار ہو جانے کی اطلاع سکندر علی شاہ کے لیے کسی ایٹمی دھماکے سے کم ہولناک نہیں تھی۔ کسی زخمی درندے کی طرح اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہا تھا دروازے پر موجود اس کا خاص آدمی بھی سر جھکائے کھڑا تھا۔

نگینہ کی حیثیت سکندر علی شاہ کے لیے پاؤں کی جوتی سے زیادہ اہم نہیں تھی جنہیں وہ دو ایک بار استعمال کر کے یا تو پھینک دیتا ہے یا کسی دوسرے ضرورت مند کے حوالے کر دیتا ہے۔ نگینہ گدڑی کا لعل تھی جسے پہلی بار استعمال کرنے کے بعد سکندر علی شاہ نے اس کے قریب کی گرمی سے متاثر ہو کر دو تین بار مزید اپنے بستر کی زینت بنانے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بھی وہی انجام ہوتا جو دوسروں کا ہوتا تھا جب شکرہ کے حکم پر سکندر علی شاہ کو مجبوراً اس کے ساتھ نکاح کرنا پڑا۔ یہ اور بات تھی کہ بیوی کی حیثیت حاصل ہونے کے بعد نگینہ نے اپنے معصوم اداؤں اور خود سپردگی کے والہانہ انداز سے سکندر علی شاہ کی نظروں میں ایک مقام ضرور بنا لیا تھا پھر جب نگینہ نے سکندر علی شاہ کے لیے شیلا ورما اور جونی کے ساتھ سانٹھ گانٹھ کر کے تازہ راشن کی فراہمی میں ہاتھ بٹانا شروع کیا تو سکندر علی شاہ نے بھی اسے ڈھیل دے دی تھی مگر......

رینبو کلب سے نگینہ کے اغوا کی اطلاع کے بعد جب اسے اس کا برہنہ گفٹ پیک ملا تو سکندر علی شاہ نے اس خوب صورت فیتے کو ٹکڑوں میں منقسم کرنے کے بعد سمندر برد کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے اغوا کیا تھا وہ نگینہ کے حوالے سے اسے بلیک میل بھی کر سکتے تھے ان کے جال کو توڑنے کی خاطر یہی مناسب تھا کہ نگینہ کے قصے کو یکسر ختم کر دیا جاتا جس کے بعد اغوا کرنے والے اس کی رعایت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن شکرہ نے درمیان میں آ کر کچھ دن انتظار کرنے کو کہا تھا اور اب......

نگینہ کوٹھی سے فرار ہو کر اس کی پہنچ سے کہیں دور نکل گئی تھی۔

سکندر علی شاہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اس نے دروازے پر موجود اپنے خاص کارندے جابر پر سرسراتے لہجے میں مخاطب کیا۔ ”میری غیر موجودگی میں تجھے نگاہیں کھلی رکھنی چاہیے تھیں۔“

”صرف کوٹھی کے باہر کی حد تک۔“ کارندے نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ ”زنان خانے میں دوسروں کی طرح میرا داخلہ بھی منع ہے......اس کے علاوہ آپ کے حکم کے بموجب میں صدر دروازے سے گزر کر آنے جانے والوں پر نگاہ رکھنے کا پابند ہوں۔ کوٹھی کے عقبی حصے میں ملازماؤں کے کوارٹر ہیں شاہ جی......اس لیے میں اس طرف جانے سے بھی پرہیز کرتا ہوں۔“

”تیرا شبہ کس پر ہو سکتا ہے“ سکندر علی شاہ نے عقبی راستے کے حوالے پر ہونٹ چباتے ہوئے دریافت کیا۔

”میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن......میری معلومات کے مطابق چھوٹی بیگم صاحبہ کے ساتھ

رانی کا میل جول دوسروں کے مقابلے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھا۔''

پھر......سکندر علی شاہ کے حکم پر جابر نے......جس کا اصل نام جبار خان تھا رانی کو بھی لا کر پیش کر دیا جو بڑی سہمی سہمی نظر آ رہی تھی۔

''کوٹھی سے ایک نفری کم ہو گئی ہے؟'' سکندر علی شاہ نے غضب ناک انداز میں سوال کیا۔''اس کے بارے میں تو کیا کہے گی؟''

''میں دھوکا کھا گئی......'' رانی نے موقع کی نزاکت بھانپ کر ہاتھ جوڑ لیے۔ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

''چھوٹی بیگم نے مجھے جو کہانی سنائی وہ شاید غلط ہی تھی۔''

''کھل کر سب کچھ اگل دے حرافہ......'' سکندر علی شاہ نے الٹا ہاتھ رسید کیا تو رانی گرتے گرتے بچی پھر اس کی زبان بھی فر فر چلنے لگی۔

رانی کی کہانی کے مطابق نگینہ بیگم نے اسے موبائل پر کال کر کے طلب کیا تھا۔ خواب گاہ کا دروازہ بھی باہر سے بند تھا جسے رانی نے کھولا تھا۔ نگینہ نے اس کے بعد جو کچھ اس پر بھی رانی کو آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا پڑا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک مرید شاہ جی کو کسی بہانے سے لے گیا ہے اسی نے باہر سے دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔ نگینہ نے سکندر علی شاہ کو واپس لانے کی خاطر ضروری بندوبست اور اپنے ذرائع کو استعمال کرنے کی بات کہی تھی۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ اس بات کی بھنک کسی اور کو نہ ملے۔ وہ رانی کے ساتھ ہی عقبی دروازے کی طرف گئی تھی۔ گاڑی نہ لے جانے کا یہ جواز پیش کیا تھا کہ دشمنوں کو اس کی نقل و حرکت کا سراغ نہ ملے۔

''بکواس بند کر......'' سکندر علی شاہ گرج کر بولا۔''کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ کوئی مجھے اغوا کر کے لے جاتا اور میرے شکاری کتوں کو اس کی بھنک بھی نہ ملتی۔''

جواب میں رانی تھوک نگل کر رہ گئی۔ ہاتھ باندھے کھڑی خوف سے کپکپا رہی تھی جب سکندر علی شاہ کی گھن گرج دوبارہ اس کی قوت سماعت سے ٹکرائی۔ اس بار اس نے جابر کو مخاطب کر کے فیصلہ کن انداز میں حکم دیا۔

''تم اس کمینی کو لے جا کر سچ اگلوانے کی کوشش کرو۔ جو ہاتھ سے نکل گئی اس کے لیے تم بھی اپنے آدمیوں کو اطلاع کر دو میں بھی اپنے ذرائع استعمال کرتا ہوں۔''

''جو حکم سرکار......'' جابر خان، رانی کا ہاتھ تھام کر باہر گھسیٹ کر لے گیا۔ وہ نگینہ کے ماضی اور اس کے کردار سے بھی ناواقف نہیں تھا، یہ بھی سمجھتا تھا کہ وہ شیلا ورما اور جونی کے ساتھ کھیل کود کرنے کے بعد کتنی گہرائی میں اتر چکی ہے رانی کے بیان کے مطابق اسے فرار ہوئے دو گھنٹے ضرور گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں اس کی مدد کرنے والوں نے بھی سکندر علی شاہ کے خوف سے کہیں تہ خانے میں چھپا دیا ہو گا جہاں تک رسائی میں کسی آسانی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ فی الحال وہ اس بات پر خوش تھا کہ رانی کو اس کے حوالے کیا گیا تھا جس کو حاصل کرنے کی خواہش اس کے دل میں ایک مدت سے

تڑپ رہی تھی۔

سکندر علی شاہ جابر کے جانے کے بعد بھی ذہنی طور پر الجھتا رہا۔ایک ذرا سی غلطی اس کی ساکھ اور بنی بنائی شہرت کو ملیا میٹ کر سکتی تھی۔نگینہ کو واپس لانے یا اس کا قصہ ختم کرا دینے کی خاطر کسی فوری اقدام کی ضرورت تھی۔اس نے کچھ سوچ کر ایک خاص آدمی کو فون کیا۔

''آپ کا خادم بول رہا ہوں شاہ جی.....'' دوسری جانب سے خادمانہ لہجے میں جواب ملا۔

''تم اس وقت کہاں ہو.....؟''

''آپ حکم کریں میں تعمیل میں تاخیر نہیں کروں گا۔''

''ایک قیمتی چیز ہاتھ سے نکل گئی ہے۔اگر وہ فوری واپس نہ ملی تو بلا وجہ کی پریشانی ہوگی۔''

''اشارہ کریں.....میں آپ کا پرانا تابعدار ہوں۔''

''نگینہ.....'' سکندر علی شاہ نے مدھم لہجے میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔''وہ تقریباً دو گھنٹے سے غائب ہے۔''

''اوہ.....'' دوسری جانب سے بھی تشویش کا اظہار کیا گیا۔''وقت زیادہ ہو گیا پھر بھی.....آپ کو کسی نہ کسی پر تو شبہ ہوگا۔''

''شبہ ہوتا تو اب تک اسے جہنم رسید کر چکا ہوتا لیکن.....'' سکندر علی شاہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''تم اسے کونے کھدروں میں بھی تلاش کرنا شروع کر دو.....میرا خیال ہے کہ اسے کسی اچھے آدمی نے فرار کا راستہ نہیں دکھایا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے شاہ جی.....میں اپنے بندوں کو بھی.....''

''نہیں.....'' سکندر علی شاہ نے اس کا جملہ درمیان سے اچانک اچک لیا۔''بات پھیلی تو میری بدنامی بھی ہوگی۔''

''یہ مجھ پر چھوڑ دیں جناب.....میں نے جو کتے پالے ہیں وہ میری مرضی کے بغیر دم ہلانے کی بھی غلطی نہیں کرتے۔''

''ایک آخری ہدایت بھی نوٹ کرلو۔وہ جہاں بھی ملے اسے وہیں ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا'' سکندر علی شاہ نے بے حد سفاک لہجے میں کہا۔''کاغذ جل جائے تو پھر اس کی راکھ بھی ہوا میں اڑا دینا۔میں اپنے دامن پر کوئی داغ دھبا برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

''بے فکر ہو جائیں.....ایک بار وہ مل جائے پھر ہم اس کے حمایتیوں کی کھٹیا اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔''

سکندر علی شاہ نے موبائل بند کر کے دوبارہ ٹہلنا شروع کر دیا۔اس کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ایک ہی سوال رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ نگینہ کو ہتھیلی لگانے والے کون ہو سکتے ہیں؟.....وہ اس منحوس گھڑی کو گالیاں سنا رہا تھا جب اس نے شکرہ کے دباؤ میں آ کر نگینہ کو پال لیا تھا جو اب پٹارے

سے نکل جانے کے بعد پلٹ کر اسے ڈسنے کی کوشش بھی ضرور کرے گی......خیالات کا ایک ہجوم تھا جو گرم ہوا کے تند جھونکوں کی طرح اس کے وجود میں چبھ رہا تھا جب اس کے فون کی گھنٹی کی آواز ابھری۔ ٹہلتے ٹہلتے اس نے چونک کر فون کو گھورا پھر لپک کر ریسیور اٹھالیا۔

''سکندر علی شاہ بول رہا ہوں......''

''جانتا ہوں کہ اب تمہاری خواب گاہ میں کوئی دوسرا فون ریسیو کرنے والا نہیں رہا...... چبھتے ہوئے لہجے میں دوسری جانب سے شکرہ کی آواز ابھری۔'' میں تمہیں پہلے بھی متعدد بار بتا چکا ہوں کہ تمہاری کوٹھی کے کسی کونے میں رینگنے والے کیڑے کی سرسراہٹ کی آواز بھی میرے کانوں تک پہنچ جاتی ہے......شکرہ بلندیوں پر پرواز کے دوران سمندر تک تہوں میں چھپے اپنے شکار سے بھی کبھی غافل نہیں رہتا۔

''جانتا ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے پہلی بار جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ ''جس روز اس بدکردار کا گفٹ پیک ملا تھا۔ میں نے اسی دن اس خطرے کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن......''

''ہوش میں رہنے کی کوشش کرو سکندر علی شاہ۔'' دوسری جانب سے بولنے والے کا لہجہ یکلخت تبدیل ہوگیا۔ ''تم اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ مجھ سے شکایت کی جرات کرسکو......دوبارہ کبھی بھول کر خواب میں بھی ایسی جرأت نہ کرنا۔''

''میرا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ......''

''کوئی وضاحت مت کرو......صرف اپنی کھال کے اندر رہنے کی عادت ڈالو۔'' اس بار بھی درشت لہجے میں پھٹکارا گیا تو سکندر علی شاہ کی پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب کسی نے اسے حقارت اور نفرت سے مخاطب کیا تھا۔ وہ ابھی خود پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف تھا جب شکرہ کی تیز آواز دوبارہ ابھری۔

''تم نے میرے اس وقت فون کرنے کا مقصد نہیں پوچھا......؟''

''میں نے اپنے ایک وفادار شکاری کتے کو نگینہ کو کسی بھی قیمت پر تلاش کرنے اور جہنم رسید کرنے کی ہدایت جاری کردی ہے۔ سکندر علی شاہ نے غصہ بہ مشکل ضبط کرکے جواب دیا۔''

''میرے لیے سب سے زیادہ اہمیت ایس پی کی ہے۔'' شکرہ نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ ''اس کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہی میں سکون کا سانس لوں گا۔''

''اس کی سانسیں بھی اب گنی چنی رہ گئی ہیں کل وہ میرے پروگرام کے مطابق فارم ہاؤس آنے کے لیے بھی شدت سے بے چین ہوگا۔''

''اسے تر نوالہ سمجھنے کی غلطی کبھی نہ کرنا......ہوسکتا ہے کہ فارم ہاؤس آنے کے لیے بھی وہ کسی منصوبے کی پلاننگ میں مصروف ہو لیکن وقتی طور پر اب پروگرام کینسل کردو۔''

''کوئی خاص وجہ......؟'' سکندر علی شاہ نے تعجب سے پوچھا۔

''وجہ کی ذمے داری بھی تم ایس پی پر ڈال سکتے ہو......'' کچھ توقف سے کہا گیا۔''میری اطلاع کے مطابق ایس پی کو بھی ابھی تک کسی مچھلی کے جال سے نکل جانے کی خبر نہیں ملی۔''

''میں نگینہ کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ ایس پی......''

''غلط اندازہ لگایا تم نے......میں نگینہ کی نہیں دلربا کی بات کر رہا ہوں......وہ بھی تمہاری دسترس سے دور جا چکی ہے۔''

دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔دلربا کے ہاتھ سے نکل جانے کی اطلاع سکندر علی شاہ کے لیے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی پھر......شکرہ کی ہدایت پر ہی اس نے اورنگ زیب سے پروگرام کی تبدیلی کی بات کی تھی۔

+++

ساحلی علاقے کی ایک اوسط درجے کی ہٹ میں پہنچنے کے بعد نگینہ نے سکون کا سانس ضرور لیا تھا لیکن کچھ باتیں تھیں جو اسے الجھا رہی تھیں۔جن حالات میں وہ سکندر علی شاہ کی کوٹھی تک پہنچی تھی اور جس طرح اسے نکاح میں قبول کیا گیا تھا وہ محض ایک خواب ہی تھا ورنہ یہ بات اسے بھی معلوم تھی کہ سکندر علی شاہ پاؤں کی جوتیاں بھی صبح و شام بدلنے کا عادی تھا۔جس نے اسے شادی کرنے کا حکم دیا تھا وہ ابھی ایک معما تھا......خود سکندر علی شاہ بھی براہ راست اس سے واقف نہیں تھا لیکن کوئی راز ایسا ضرور تھا جو وہ اس کی کسی بات سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔یہ بات بھی سکندر علی شاہ کی زبان ہی سے ایک دن نکل گئی تھی کہ......''جس نے تمہیں پہلی بار روندا تھا اسی کے کہنے پر میں نے تم کو گھر کی زینت بنا لیا ہے۔''

نگینہ کے ذہن میں بھی اس کی بس ایک دھندلی سی نامکمل شکل تھی جو ماضی کے پردوں پر کبھی کبھی پرچھائیں بن کر ابھر آتی تھی۔اس نے کبھی اس کے بارے میں غور و خوض کرنے کی کوشش بھی نہیں کی مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ سکندر علی شاہ کی ایک ایک رگ کو اچھی طرح پہچاننے لگی تھی۔

حالات کے پیش نظر اس نے خود کو اسی ماحول کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔خوب صورت لڑکیوں کی تازہ کھیپ تلاش کرنے میں بھی اس نے کبھی ہچکچاہٹ نہیں کی تھی۔یہ بات بھی سچ تھی کہ اس راستے پر قدم بڑھاتے ہوئے کبھی کبھی اس کے پاؤں بھی ڈگمگا گئے تھے۔شیلا ورما کے بیوٹی پارلر میں آنے جانے کے دوران جونی سے بھی اس کی بے تکلفی ہو گئی تھی اس کے بعد جو ہوا اس کی خبر شیلا ورما کو بھی مل گئی تھی لیکن سکندر علی شاہ کی وجہ سے شیلا ورما نے کھل کر کسی بات کی سرزنش نہیں کی تھی......صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے اپنا بہت کچھ کھو کر جانی کو پایا ہے اور......اب اسے پا لینے کے بعد کسی بھی قیمت پر کھو دینے کو تیار نہیں تھی۔یہ ایک اشارہ ہی نگینہ کے لیے بہت تھا۔اس نے جونی سے ملنے جلنے میں کمی کر دی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ سکندر علی شاہ کے بارے میں بھی جان گئی تھی کہ اس نے محض اچھی شہرت حاصل کرنے کی خاطر پیری مریدی کا ڈھونگ رچا رکھا تھا ورنہ عام زندگی میں کسی شیطان

سے کم نہیں تھا۔اسی فطرت کے پیش نظر وہ گھر میں کام کرنے والی عام ملازماؤں پر بھی کڑی نگرانی رکھتا تھا کون کہاں اٹھتی ہے؟...... کہاں بیٹھتی ہے؟ کہاں آتی جاتی ہے؟...... کس کس سے ملتی ہے؟...... اس ملاقات کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔

اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر اس نے بہت سخت اصول بنا رکھے تھے۔ایسی صورت میں نگینہ کا ہاتھ سے نکل جانا وہ کس طرح منظور کر سکتا تھا؟...... کیا اس کو علم نہیں ہوگا وہ کس وقت گھر سے نکلی تھی؟...... اس وقت کہاں تھی......؟

ساحلی علاقے کی ہٹ میں بیٹھی اس وقت بھی اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو گن رہی تھی...... کچھ وسوسے تھے جو اس کے ذہن کی گہرائیوں میں چبھ رہے تھے...... جن حالات کے پیش نظر اس نے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تھا وہ غلط بھی نہیں تھا...... اس بات کو وہ سمجھ چکی تھی کہ ''برہنہ گفٹ پیک'' ملنے کے بعد وہ سکندر علی شاہ کی نظروں سے گر چکی تھی کسی کا حکم آڑے نہ آجاتا تو شاید وہ نگینہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرا کے سمندر برد کرنے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ کرتا لیکن اسی نامعلوم آدمی کے مشورے پر اس کا عتاب وقتی طور پر ٹل گیا تھا۔منسوخ نہیں کیا گیا تھا...... اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اس نے ایک انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔

بہت غور وخوض کرنے کے بعد ہی اس نے پروفیسر چنگ لائی فار چون کو فون کیا تھا جس نے اسے رینبو کلب سے اغوا کرنے کے بعد موت کی آخری سرحد تک پہنچا دیا تھا۔وہ جو بھی تھا اس نے بھی کسی خاص مصلحت کی بنا پر سکندر علی شاہ کو بلیک میل کرنے کا منصوبہ تیار کیا تھا...... اس کے بعد آنے والی فون کالز کے بعد نگینہ کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ پروفیسر چنگ لائی کا ڈھونگ رچانے والے کو بھی اسی نامعلوم شخص کی تلاش تھی جس نے سکندر علی شاہ کو اپنے اشاروں پر ناچنے مجبور کر دیا تھا۔اسی کے مشورے پر وہ کوٹھی سے نکلی تھی۔خوش قسمتی سے اسے باہر نکلتے ہی ایک خالی ٹیکسی بھی مل گئی جس میں بیٹھ کر وہ ساحلی علاقے کی سمت جا رہی تھی جب ایک موٹر سائیکل سوار کئی بار اس کی ٹیکسی کے قریب آیا تھا۔ایک بار نگینہ کی نظریں اس سے چار ہوئیں تو اس نے بہت واضح طور پر کسی عیاش آدمی کی طرح آنکھ مار کر ساتھ چلنے کا اشارہ دیا تھا۔وہ اسے پہلی دفعہ ٹال گئی لیکن دوسری بار جب وہ ٹیکسی کے قریب آیا تو نگینہ کو وہ ہدایت یاد آگئی جو اسے پروفیسر چنگ لائی نے دی تھی...... اس نے فوری طور پر ٹیکسی والے کو رکنے کو کہا تھا۔

ٹیکسی رکنے کے بعد میٹر پر نظر آنے والی رقم سے کچھ زیادہ رقم دے کر اترنے کی خاطر اس نے دروازہ کھولا تو ٹیکسی ڈرائیور نے بڑی بردباری سے ایک جملہ دبی زبان میں کہا تھا۔

''آج کل نوجوان نسل بگڑتی جا رہی ہے...... دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔''

وہ اس جملے پر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ٹیکسی کے آگے بڑھ جانے کے بعد وہی نوجوان موٹر سائیکل اس کے قریب لے آیا تھا۔

''تشریف رکھیں......'' اس نے نگینہ کو معنی خیز نظروں سے گھور کر ایک خاص انداز میں دعوت دی

تھی جو وہ انکار بھی نہ کر سکی لیکن اب وہ بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی تھی کہ کہیں غلط ہاتھوں میں تو نہیں پھنس گئی......؟ اس کی وجہ بھی معقول تھی۔

جس نے اسے لفٹ دی تھی وہ بہرحال وہ نہیں تھا جسے اس نے فون کیا تھا نگینہ اس نکتے پر غور کر رہی تھی جب نوجوان جو اسے ہٹ میں چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا' دوبارہ اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ ہٹ کا چوکیدار تھا جس نے ایک ٹرے میں ڈرائی فروٹس اور ڈرنکس کے سربند گتے کے ڈبے اٹھا رکھے تھے۔ ٹرے درمیانی میز پر رکھ کر وہ نظریں جھکا کر واپس چلا گیا تو نوجوان نے ٹرے کی سمت اشارہ کر کے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم پہلے فریش ہو لو پھر دوسری باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔''

''کیا میں تمہارا نام معلوم کر سکتی ہوں؟'' اس نے نوجوان کو خالی خالی نظروں سے گھورتے ہوئے سنبھل کر پوچھا۔

''اس کا خیال تمہیں اتنی دیر میں کیوں آیا......؟''

''کچھ اتفاق ہی سمجھ لو جو میں آ گئی ورنہ......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''جانتا ہوں۔'' نوجوان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نے دوسری جانب سے ملنے والی ہدایت پر عمل کرنا ہو گا۔''

''لیکن تم وہ نہیں ہو جس کو میں نے......''

''شاطر کھلاڑی وہی ہوتا ہے جو سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے......ورنہ کبھی کبھی گوٹ پھنس بھی جاتی ہے۔ تم جس کا حوالہ دے رہی ہو وہ عالمی شہرت کا مالک ہے......راستے کو ہموار دیکھ لینے کے بعد وہ بھی یہاں آنے میں دیر نہیں کرے گا......ایک بات گرہ سے باندھ لو......میں بھی اس کا جز وقتی کارندہ ہوں میں نے کبھی اس کی اصل شکل نہیں دیکھی صرف اس کے حکم پر عمل کرنے کا عادی ہوں۔''

نوجوان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم جس کوٹھی سے نکل کر آئی ہو وہاں کیاری میں پودوں کی بھی پوری طرح نگرانی ہوتی ہے تم تو پھر نگینہ ہو جس کے گم ہو جانے کے بعد وہ ڈبا پیر بھی سکون سے نہیں بیٹھا ہو گا۔''

بات نگینہ کی سمجھ میں آ گئی تو وہ الجھن بھی دور ہو گئی......نوجوان نے غلط بھی نہیں کہا تھا۔ تین گھنٹے بعد پروفیسر چنگ کے قد و قامت کا ایک شخص بھی آ گیا۔ ''تم نے فرار کا جو راستہ اختیار کیا ہے میں اس کی وجہ بھی جانتا ہوں۔''

نوجوان کے جانے کے بعد اس نے بے حد سنجیدگی سے نگینہ کو مخاطب کیا۔ ''یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے شاہ جی کے دل و دماغ پر بھی بجلیاں کوندر رہی ہوں گی۔ وہ سٹپٹا رہا ہو گا جس نے وقتی طور پر تمہاری حمایت کی تھی۔''

''ایسی صورت میں کیا یہ ہٹ میرے لیے محفوظ ثابت ہو گی؟'' نگینہ نے سہمی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

''نہیں...... یہاں کے چوکیدار بھی مٹھی گرم کیے جانے کے بعد اپنی وفاداری فروخت کر دیتے ہیں...... یہاں تم محفوظ نہیں ہو لیکن پریشان مت ہو۔ تم نے مجھ پر بھروسا کیا ہے تو میں بھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔''

آنے والا جو لوچن کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ کچھ دیر تک نگینہ سے سکندر علی شاہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا پھر اس نے موبائل فون نکال کر...... نمبر پنچ کیے اور کان سے لگا لیا۔

''کس سے بات کرنی ہے؟'' ریسیور پر ایک مانوس نسوانی آواز ابھری۔

''سیون اسٹار!'' لوچن نے مخصوص کوڈ بتانے پر اکتفا کیا۔

''کیا وہ جال میں پھنس گیا......؟''

''نہیں......اسی کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کام کی چیز ہاتھ آ گئی ہے جو سونے کی چڑیا ہی ثابت ہو گی۔''

''فالتو نہیں......صرف کام کی بات کرو...... روکھائی سے کہا گیا۔''

''میں سکندر علی شاہ کی ماڈرن بیوی نگینہ کی بات کر رہا ہوں جو اپنے کسی عبرتناک انجام سے بچنے کی خاطر ہمارے پاس آ گئی ہے۔ اس نے شکار کے بارے میں پہلے بھی ایک دو کام کی باتیں بتائی تھیں...... اس وقت بھی کچھ اشارے ایسے آئے ہیں جو شکار پر جال ڈالنے کی خاطر بہت کارآمد ثابت ہوں گے۔''

''یہ سوچنا تمہارا کام ہے...... اس بار ٹھوس لہجہ اختیار کیا گیا تھا۔'' میں تمہیں منہ مانگا انعام پیشگی بھی ادا کر سکتی ہوں لیکن ہمارا مطلوبہ آدمی زندہ یا مردہ ہر صورت میں ہاتھ آنا شرط ہے۔

''میرے سینے پر اپنے دونوں ساتھیوں ڈوما اور قاسم کا بوجھ بھی ہے وہ حساب میرے لیے کسی انعام کی لالچ سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔''

''اس وقت فون کرنے کا اصل مقصد کیا ہے؟''

''نگینہ کے لیے کسی محفوظ ٹھکانے کا بندوبست کرنا ہے......شکاری کتے اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔''

لوچن نے مطلب کی بات کی۔ ''میں اس کو زیادہ دیر کہیں چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔''

''او کے...... میری کال کا انتظار کرو میں کوئی حل نکالتا ہوں۔''

''دوسری جانب سے سلسلہ ختم ہوا تو لوچن نے ایک بار پھر نگینہ کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ اس کے وجود پر اس وقت بھی موت کے کربناک سائے کپکپا رہے تھے۔ لوچن نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ کریدا۔

''سکندر علی شاہ کیا واقعی اس آدمی سے واقف نہیں ہے جس کے آگے دم ہلاتا رہتا ہے۔''

''ہاں، مجھے کا اس کا یقین ہے......اگر واقف ہوتا تو اس سے کسی نہ کسی طرح چھٹکارا پانے کی

کوشش ضرور کرتا۔''

''اسے کسی نہ کسی پر شک تو ہوگا؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی......'' نگینہ نے طویل سانس لے کر جملہ پورا کیا۔''وہ بہت گہرا آدمی ہے کسی پر اعتماد کرنا اس کی سرشت کے خلاف ہے۔''

''پندرہ بیس منٹ تک ان کے درمیان آکٹوپس کے حوالے سے بات ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا...... پھر مطلوبہ کال بھی آ گئی...... مخصوص کوڈ ورڈ کے حوالے کے بعد کہا گیا۔''

''تم نگینہ کو آج رات گیارہ اور بارہ کے درمیان مس جوزف کے پرائیویٹ وومن ہاسٹل کی انچارج کے دفتر تک پہنچا دو...... اسے صرف خفیہ دستاویز کا حوالہ دینا...... اس سے زیادہ کسی بات کا جواب نہ دینا...... میں نے بات کر لی ہے۔''

لوچن کو پرائیویٹ وومن ہاسٹل کی تجویز نہایت مناسب معلوم ہوئی تھی۔ شہر میں اس ٹائپ کے اور بھی رہائشی ہاسٹل موجود تھے جہاں لڑکیوں کی رہائش کی آڑ میں اور بھی کئی مذموم کام ہو رہے تھے لیکن مس جوزف کے ہاسٹل کے بارے میں ایسی کوئی افواہ نہیں پھیلی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک کروڑ پتی بیوہ تھی۔ اس کے علاوہ ایک مقامی گرلز کالج میں پروفیسر بھی رہ چکی تھی جو دوسروں کے مقابلے میں سرفہرست تھا۔ وہاں کا ایڈمنسٹریشن بھی اتنا سخت تھا کہ کالج کی تمام لڑکیوں کی سرگرمیوں پر پوری طرح نظر رکھتا تھا۔

مس جوزف کا ہاسٹل دوسروں کے مقابلے میں کچھ مہنگا ضرور تھا لیکن لڑکیوں کے لیے نہایت محفوظ خیال کیا جاتا تھا شاید اس لیے کہ مس جوزف صبح سات بجے سے شام سات بجے تک بذات خود وہاں کے تمام شعبوں میں پھرکی کی طرح ناچتی رہتی تھی۔ ہر بات کا خاص خیال رکھتی تھی۔ اصول کے معاملے میں وہ کسی سے سمجھوتا کرنے کی عادی نہیں تھی اس کے باوجود اسی فیصد طالبات اور رہائشی لڑکیاں نہ صرف اس سے مطمئن تھیں بلکہ پرسکون ماحول میں رہتی تھیں سات بجے کے بعد مس جوزف کی ایک قریبی رشتہ دار وہاں نائٹ ڈیوٹی کے لیے پوری طرح چوکس رہتی تھی۔ تمام خارجی راستوں پر گارڈز موجود رہتے تھے جو مس جوزف کے مخصوص اجازت نامے کے بغیر کسی کو بھی وہاں آنے جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حکومت وقت نے بھی اس ہاسٹل کی افادیت اور ریپوٹیشن پرکھنے کے بعد اسے سالانہ مالی گرانٹ دینے کی کوشش کی تھی جسے مس جوزف نے نہایت شکریہ کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا۔

✣✣✣

رات کے کھانے پر اورنگ زیب اور سراج کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ الماس نے بتایا تھا کہ وہ ڈی آئی جی کے کہنے کی وجہ سے رستم علی آغا خانی کی طرف چلا گیا تھا کچھ اور ضروری کام بھی نمٹانے تھے۔ اورنگ زیب بھی زخمی اور جگا کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر الجھا ہوا تھا۔ اسے دلربا کا خیال بھی تھا جسے جگا کی اطلاع کے مطابق اس کے بنگلے سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پر منتقل کر دیا تھا لیکن

ابھی تک پینتھر نے اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔

''آپ تو کھانا کھالیں...... الماس نے کہا۔''میں سراج کو فون کرتی ہوں۔

''نہیں......اسے کام کرنے دو۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر اپنے تھکے ہوئے ذہن کو سکون پہنچانے کی خاطر کہا۔

''میں محسوس کررہا ہوں کہ میری وجہ سے اب اس نے تنہا اپنے ہاتھ پاؤں چلانا کم کردیا ہے۔''

''پھر آپ ایسا کریں...... نہا دھو کر فریش ہولیں۔اتنی دیر میں آپ کے لیے کافی تیار کردیتی ہوں۔''

اورنگ زیب بھی تھکن اتارنے کے ارادے سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف جارہا تھا جب اسے پینتھر کی کال ملی۔

''مجھے تمہاری ہی کال کا انتظار تھا...... قانونی اہمیت کے سامان کو کہاں منتقل کیا ہے؟''

''سب سے پہلے معذرت چاہوں گا جناب کہ میں نے آپ سے براہ راست بات ہونے کے باوجود استاد کے کہنے پر قدم اٹھالیا۔استاد نے کہا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ ہی کسی معاملے میں مصروف تھا۔''

''مطلب کی بات کرو......''اورنگ زیب نے بات کو طول دینے سے گریز کیا۔

''میں نے اپنی تمام تر احتیاطی تدبیریں اختیار کرنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا ہے اس وقت بھی اسی کمرے کے باہر موجود ہوں جسے وہ اندر سے دیوانوں کی طرح توڑنے کی کوشش کررہی ہے۔''

''اسے زبردستی حماقت سے باز رکھنے کی کوشش کرو...... کسی کو بھنک بھی مل گئی تو کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''اسی لیے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے......دو چار گھنٹے کے لیے بے خبر کرنے کی ڈوز دے دوں۔''

''ٹھیک ہے......''اورنگ زیب نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔تم تنہا ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟''فی الحال میں نے آپ کی اجازت کے بغیر کسی کو ساتھ رکھنے کی غلطی نہیں کی۔''

''اچھا کیا لیکن......اب میں تمہاری مدد کے لیے دو آدمیوں کو ہدایت جاری کررہا ہوں......ان سے زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''رائٹ سر......''

''پینتھر کی کال موصول ہونے کے بعد اس نے اپنے دو خاص سادہ لباس والوں کو ضروری ہدایت دی پھر کسی خیال کے پیش نظر اس نے فوری طور پر سکندر علی شاہ کے نمبر ملائے۔''

''اس وقت اس پیر فقیر کا خیال ذہن میں کیسے آگیا؟......''سکندر علی شاہ نے فون ریسیو کرنے

کے بعد خود پر قابو پاتے ہوئے بڑے خوشگوار موڈ میں دریافت کیا تھا ورنہ نگینہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اس کے سینے پر بھی سانپ لوٹ رہے تھے۔

''آپ کے علم میں ہے کہ میں نے بھی دلربا کی نگرانی پر ایک آدمی مامور کر رکھا تھا۔''

''جانتا ہوں...... آپ کے تسلیم کر لینے کے بعد میں نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔''

''اس وقت دلربا گھر پر نہیں ہے......'' اورنگ زیب نے دیدہ و دانستہ دوستانہ انداز میں بے چینی کا اظہار کیا۔

''مجھے کچھ دیر پہلے اطلاع ملی تھی کہ کچھ نامعلوم افراد نے دلربا کے گھر میں داخل ہونے کی جبراً کوشش کی تھی میرے آدمی نے مداخلت کی تو وہ اسے بھی زخمی کر کے دلربا کو اٹھا لے گئے۔ پاس پڑوس والوں میں سے کسی نے سامنے آنے کی کوشش بھی نہیں کی۔''

''آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟'' سکندر علی شاہ کے لہجے میں یکلخت تناؤ پیدا ہو گیا۔

''جی نہیں بلکہ اس اطلاع کے ساتھ ہی اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔''

''میں آپ کو دوست تسلیم کرنے کے بعد کسی قسم کا شبہ بھی نہیں کر سکتا...... یہ بھی جانتا ہوں کہ جس وقت میں نے آپ کو پروگرام منسوخ کرنے کی اطلاع دی تھی اس وقت آپ کہاں موجود تھے اور...... ون منٹ ہولڈ کریں...... دوسرے نمبروں پر کسی کی کال آ رہی ہے۔'' سکندر علی شاہ نے غالباً مائیک پر ہاتھ رکھ کر دوسری کال اٹینڈ کی تھی پھر تین منٹ بعد اس کی آواز ابھری جس میں جھلاہٹ بھی شامل تھی۔ ''آپ کی اطلاع کی تصدیق ہوگئی ہے میرے دو سادہ لباس والے بھی بے ہوش ملے ہیں...... میں دیکھتا ہوں کہ کس کی موت آئی ہے جس نے براہ راست مجھ سے ٹکرانے کی حماقت کی ہے۔''

''کیا میں اپنی ذاتی حیثیت میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟''

''شکریہ......! میں اپنے نجی معاملات کو سرکاری وردیوں سے دور ہی رکھتا ہوں۔'' سکندر علی شاہ نے سرد لہجے میں کہا۔ ''وہ جو بھی ہے اس نے مجھے للکار کر اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔''

دوسری جانب سے رابطہ ختم کر دیا گیا...... اورنگزیب نے سکون کا سانس لیا پھر نہانے کے بعد تازہ دم ہو کر نیچے آیا تو سراج ڈائننگ ٹیبل پر ہی اس کا منتظر تھا۔ الماس میز سجانے میں مصروف تھی۔

''کیا معلومات حاصل ہوئیں رستم علی آغا خانی سے؟''

ظاہر ہے کہ وہ فون پر دھمکیاں دینے والوں کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا جو ان کی نشاندہی کرنے کی پوزیشن میں ہوتا...... بہرحال، میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ دارا اور روشنا کے بیرون ملک منتقل ہو جانے کے بعد فرسٹریشن کا شکار بھی ہے۔

''میں سمجھا نہیں...... کیا دارا اور روشنا مستقل طور پر باہر چلے گئے؟''

''روشنا جانے کے لیے آمادہ نہیں تھا لیکن دارا......'' سراج نے کسمسا کر کہا۔ ''اسے شاید اپنی عزت زیادہ عزیز تھی جو وہ روشنا کو لے کر ہنگاموں سے دور چلا گیا...... یہاں رہتا تو روشنا کو برباد

کرنے والے اس کو سکون سے نہ رہنے دیتے۔''

الماس نے کھانے کی طرف توجہ دلائی تو اورنگ زیب بھی کھانے میں مشغول ہوگیا۔ جگا کا کردار اور کارکردگی دونوں ہی اس کے لیے خلاف توقع ثابت ہوئی تھیں وہ کھانے کے دوران اسی بات پر غور کر رہا تھا جب اسے میڈم روبی کی کال موصول ہوئی......اورنگ زیب نے دوستانہ انداز میں اسے کھانے پر آنے کی پیشکش کی۔

''سویٹ ڈش میں کیا ہے......؟'' بے تکلفی سے پوچھا گیا۔

''مکس فروٹ کے ساتھ ٹرائفل جو سراج کو زیادہ مرغوب ہے۔''

''اور میں نے آپ کی خاطر خالص دیسی مرغیوں کے تازہ انڈوں کی پڈنگ کا بندوست کیا ہے......چکھنے سے پہلے ڈش کو دیکھتے ہی آپ ہماری کارکردگی اور مہارت کی داد دیے بغیر بھی نہیں رہ سکیں گی۔''

پھر......جب سویٹ ڈش کے حوالے کے بعد میڈم روبی نے اسے نگینہ کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا تو اورنگ زیب کے لیے وہ اطلاع دلربا کے بعد دوسرے کسی ایٹمی دھماکے سے کم بھی نہیں تھی......کھانے کے بعد اس نے تنہائی میں سراج کو دلربا اور نگینہ کے بارے میں بتایا تو وہ بھی ششدر رہ گیا......خاصی دیر تک وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

✣✣✣

لیاقت حسین کی مصروفیات دفتر میں زیادہ بڑھ گئی تھیں ماربل ایکسپورٹ کا کاروبار اس وجہ سے بھی فائدہ مند ثابت ہوا کہ سردار سرفراز خان نے اپنے علاقے میں کچھ نئے پہاڑوں کے پتھر خرید لیے تھے۔ یہ سودا اس وقت ہوا جب پہاڑ بیچنے والوں کو بھی اس کا اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے کس قسم اور ڈیزائن کا مال برآمد ہوگا۔ یہ سرفراز کی قسمت تھی کہ جو ماربل نکلا نہ صرف وہ نئے اور خوب صورت ڈیزائن کا تھا بلکہ قیمتی بھی تھا۔ ضروری پروسیسنگ اور پالشنگ کے بعد اس کے نمونے بیرونی منڈی روانہ کیے گئے تو تمام آرڈرز میں خاطر خواہ اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ نئے خریدار بھی لسٹ پر آ گئے سیٹھ عثمان کو اپنے حصے کی مناسبت سے بھی فائدہ پہنچ رہا تھا۔

اس وقت لیاقت حسین دفتر میں بیٹھا نئے آرڈرز کی تکمیل کے کاغذات تیار کر رہا تھا جب سرفراز خان کا فون آ گیا اس نے بھی کام کی نوعیت کی بات کی پھر دوسری جانب سے ماں کی ممتا بھری آواز ابھری۔

''تو اب کیسا ہے لیاقت؟ فرحین کیسی ہے؟''

''سب تیری دعائیں ہیں ماں۔ تیری دعاؤں سے کاروبار بھی ترقی کر رہا ہے۔ اس کافر پلید سے بھی چھٹکارا مل گیا ہے لیکن انگوٹھی گم ہو جانے کا دکھ بھی ہے۔''

''سب کچھ خدا کے حکم اور انگوٹھی کے کرشمے سے ہوا......اس کا دکھ مت کر۔ جو پلید مر گیا وہ میرے تیرے لیے جی کا جنجال بنا ہوا تھا، تیرے بڑے نانا نے جو کہا تھا وہ بھی سچ نکلا لیکن اب بھی

تجھے دیکھ بھال کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔"
"جس اللہ نے پہلے مدد کیا تھا وہ اب بھی ہر مصیبت میں ہمارا حفاظت کرے گا......" لیاقت حسین نے سادگی سے کہا۔
"وہی آخری سہارا بھی ہے مگر تیرے بڑے نانا نے ایک بات اور بھی کہا تھا۔ بڑا طوفان گزر جانے کے بعد چھوٹے چھوٹے جھٹکے بھی آتے رہیں گے۔"
"میں سمجھا نہیں ماں۔"
"جو پلید غرق ہو گیا۔ جل کر راکھ ہو گیا وہ بڑی شیطانی قوتوں کا مالک تھا" ماں نے دبی زبان میں اپنا مدعا سمجھانے کی کوشش کی۔ "پتھر کی مورتی ٹوٹ جائے تو اس کے ٹھیکرے بھی پیروں تلے چبھتے ہیں۔ تیرا ایک بڑا خطرہ اللہ کے حکم سے دور ہو گیا لیکن تو اپنا اور فرحین کا بہت خیال رکھنا میری دعائیں بھی تم دونوں کے ساتھ ہیں۔"
"میرے اور فرحین کے لیے اللہ کے بعد تیری دعائیں ہی سب سے بڑی نعمت ہیں...... مقدس کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہیں۔"
وقتی طور پر جو پریشانی آتی ہیں وہ انسان کے اپنے کسی نہ کسی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔
"سب کو میرا دعا اور سلام بولنا۔ تیرے لیے ایک خوش خبری اور بھی ہے۔" ماں نے بات جاری رکھی۔ "تیرا باپ نے ادھر پہاڑوں کے قریب ایک پرانا مکان خرید لیا ہے۔ اس کا نیا سرے سے مرمت کر رہا ہے۔ یہی بھی کہا تھا کہ اب کی بار تم دونوں کو بلا کر ادھر ہی رکھے گا...... بڑا خوبصورت جگہ ہے۔"
لیاقت حسین ماں کی باتیں سنتا رہا پھر فون بند کر کے وہ دوبارہ ضروری کام کرنے میں مصروف ہوا تو...... سیٹھ عثمان کا بلاوا آ گیا۔ انہوں نے بیرونی منڈیوں سے ماربل کے سلسلے میں نئے ڈیزائن کے سلسلے میں جو آرڈر حاصل کیے تھے اس میں قیمت کے اضافے کی بات بھی کی تھی جو تاجروں نے تھوڑی ردوبدل کے بعد منظور کر لی تھی۔ سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو ان قیمتوں کے حساب سے بل بنانے کو کہا تھا تو لیاقت حسین کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔
"آج میں جو کچھ بھی ہوں آپ کی بدولت ہوں صاحب۔" لیاقت حسین نے بڑے خلوص سے کہا۔ "آپ نے ملازمت اور سر چھپانے کا ٹھکانہ نہ دیا ہوتا تو اس وقت نہ جانے کہاں ہوتا......"
"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تمہاری قربانیاں بھی ہمارے گھر کے لیے بہت کام آئی ہیں۔"
"میں نے جو کیا وہ میرا فرض تھا صاحب۔"
"فرض کی ادائیگی ہی سب سے بڑی صفت ہے لیاقت حسین قدرت ہر شخص کو زندگی میں ایک موقع ضرور دیتی ہے۔ جو دیکھ بھال کر قدم اٹھاتا ہے وہی کامیاب بھی رہتا ہے۔ تم نے جو مقام حاصل کیا ہے اس میں بھی تمہاری صلاحیتوں کو زیادہ دخل ہے۔"
کچھ دیر تک کاروباری باتیں ہوتی رہیں۔ گفتگو کے دوران سیٹھ عثمان کو کاروباری فون بھی آتے

رہے۔لیاقت حسین فارغ ہو کر جانے کے لیے اٹھا تو سیٹھ عثمان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ کا خیال ہے کہ اب بنگلے کی انیکسی میں ماربل کے کاروبار کو منتقل کر دیا جائے۔''

''اچھا مشورہ ہے صاحب......''لیاقت حسین نے خوشی کا اظہار کیا۔

''وہ تو ہے لیکن پھر تم اور فرحین کہاں رہو گے۔''سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کی سادگی سے متاثر ہو کر کہا پھر بولے۔''فی الحال اس پروگرام پر فوری عمل نہیں ہوگا......راحیلہ ہی کے مشورے پر میں اس بنگلے کے اوپر دو کمرے اور ڈرائینگ ڈائننگ کا نقشہ دیگر ضرورتوں کے ساتھ منظور کرا لیا ہے دس پندرہ روز میں کنسٹرکشن کا کام بھی شروع ہو جائے گا۔تعمیر مکمل ہونے کے بعد تم اور فرحین اوپر شفٹ ہو جاؤ گے تو پھر انیکسی میں ماربل کے علیحدہ آفس کا کام بھی آہستہ آہستہ ہوتا رہے گا۔''

''یہ بیگم صاحبہ اور آپ کی مہربانی ہے صاحب ورنہ ہمارے لیے وہ انیکسی بھی بہت ہے۔''

''تم جانتے ہو کہ میں راحیلہ کی کسی فرمائش سے انکار نہیں کرتا......اس لیے تمہیں جو بھی کہنا ہو اسی سے کہنا۔''

سیٹھ عثمان نے مسکرا کر بات ختم کی پھر لیاقت حسین اجازت لے کر جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کا یکلخت لڑکھڑا گیا۔صرف وہی نہیں کمرے کے در و بام اور فرنیچر بھی ہل کر رہ گئے تھے......باہر ہونے والا دھماکا کچھ اتنا شدید تھا کہ ایک لمحے کو سب ہی ششدر رہ گئے۔

لیاقت حسین کے ساتھ ہی سیٹھ عثمان بھی آفس سے باہر آ گئے۔گیٹ کا چوکیدار اسے چار فٹ دور زمین پر پڑا نظر آیا گیٹ کے دونوں پلر بھی منہدم ہو چکے تھے اس حصے میں اب بھی دھول اڑتی نظر آ رہی تھی۔

''خدا خیر کرے......''لیاقت حسین نے چوکیدار کے خون آلود جسم کو دیکھ کر آگے جانے کی کوشش کی تو سیٹھ عثمان نے اسے ٹوکا۔

''رک جاؤ لیاقت حسین......ادھر خطرہ ہے۔''

''جو خطرے کی زد میں آ چکا ہے اسے بچانا بھی ہمارے لیے ضروری ہے صاحب۔''

''لیاقت حسین جواب دیتا ہوا تیزی سے چوکیدار کے قریب پہنچا لیکن اسی وقت قریب ہی دوسرا دھماکہ ہوا۔گرد و غبار کے ساتھ ہی سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کو بھی دو تین فٹ بلند ہوتے دیکھا تو ان کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں۔''

''یا اللہ مدد......''سیٹھ عثمان نے دل سے لیاقت حسین کے لیے دعا کی ......پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا' خود ان کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔

✣✣✣✣

چوکیدار زمین پر پڑا آنکھیں پھاڑے خلا میں شاید اس افتاد کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جو بلائے ناگہانی بن کر اچانک نازل ہوئی تھی۔ لیاقت حسین اس کی مدد کی خاطر دوڑا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ وہ چوکیدار کو سنبھالتا کچھ فاصلے پر دوسرا دھما کا ہوا جس کے باعث لیاقت حسین بھی اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ خود بھی زمین سے دو تین فٹ اچھلا تھا جب ماں کی محبت بھری آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''اللہ خیر۔'' پھر کسی نادیدہ قوت نے جیسے اسے سنبھالا دے کر زمین پر کھڑا کر دیا تھا۔ ایک پل میں جیسے کوئی آفت آتے آتے رہ گئی تھی۔ چوکیدار کے چہرے کی رنگت اور زرد ہوگئی۔ اس نے کراہتے ہوئے مردہ سی آواز میں لیاقت حسین سے پوچھا۔

''یہ......یہ......سب کیا تھا؟''

''کسی بزدل نے نامردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' لیاقت حسین نے اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''مرد ہوتا تو سامنے آ کر مقابلہ کرتا۔''

سیٹھ عثمان کے علاوہ دفتر کے عملے کے اور افراد بھی لیاقت حسین کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ انیکسی سے فرحین کی آنکھیں بھی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔

''اندر آ جاؤ لیاقت حسین۔'' سیٹھ عثمان نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میں سراج کو فون کرتا ہوں۔''

''خطرہ ٹل گیا ہے صاحب لیکن باہر تو سادہ لباس والے بھی ڈیوٹی دے رہے تھے پھر......'' لیاقت حسین جملہ پورا نہ کر سکا۔ ایک جیپ کے آنے سے سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس میں سے دو نوجوان اترے جن کو لیاقت حسین کی اطلاع کے مطابق سراج اور اورنگ زیب نے دور دور رہ کر نگرانی کا فرض سونپا تھا۔ وہ تنہا نہیں تھے ایک بائیس تیئس سال کا جوان بھی ان کے ساتھ تھا جو بار بار اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔

سادہ لباس والوں نے جیپ کے ڈرائیور کو کچھ ضروری ہدایات دیں پھر وہ نوجوان کو لے کر اندر آ گئے۔

''کون ہے یہ؟'' سیٹھ عثمان نے سادہ لباس والوں کو مخاطب کیا۔

''ٹینس کے بال نما دو بارود گولے اس حرام زادے نے پھینکے تھے۔ ہم اس وقت تھوڑے

فاصلے پر تھے۔'' سادہ لباس والے نے نوجوان کو حقارت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''ڈی ایس پی صاحب کا حکم آڑے نہ آجاتا تو ہم اسے گولی مارنے سے دریغ نہ کرتے لیکن اب یہ سب کھایا پیا اگل دے گا۔ میں نے صاحب کو بھی اس کی اطلاع کر دی ہے۔''

''اوئے حرام کے تخم......'' دوسرے سادہ لباس والے نے پشت سے نوجوان کی گدی پر بھرپور مکا مار کر کرخت لہجے میں سوال کیا۔ ''زندگی چاہتا ہے تو سیدھی طرح اگل دے کہ تو کس کا آدمی ہے ورنہ کتوں کی موت مارا جائے گا۔''

''مم......میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔'' نوجوان نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''میں ادھر آرہا تھا جب اس نے پچھلے موڑ پر مجھے روک کر ایک آفر دی تھی۔ دو ہزار پیشگی رقم کے عوض مجھے یہ حکم بھی دیا تھا کہ میں ٹینس کے وہ وزنی گولے اس بنگلے کے اندر پھینک کر نکل جاؤں۔''

''اور تو نے اس کو اپنا باپ سمجھ کر ہامی بھر لی تھی۔'' سادہ لباس والے کا ہاتھ دوبارہ گھوم گیا۔ نوجوان لڑکھڑایا پھر اس نے سادہ لباس والے کو حقارت سے گھورتے ہوئے کہا۔

''جو سچ تھا وہ میں نے بتا دیا۔ اگر مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے تو تم بے شک مجھے پولیس کے حوالے کر دو۔''

''ہم تھانے اور کچہری کا روگ نہیں پالتے شہزادے۔'' دوسرے سادہ لباس والے نے اس کی گردن دبوچ کر الٹے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ رسید کیا۔ ''کورٹ کچہری میں کیا ہوتا ہے یہ ہم بھی جانتے ہیں اس لیے موقع واردات پر ہم خود ہی کیس بھی نمٹا دیتے ہیں۔''

''تمہاری مرضی۔'' نوجوان نے بے پروائی سے کہا۔ ''جو بیان میں نے ایک بار دے دیا اس میں تبدیلی نہیں کروں گا۔''

دس منٹ تک سادہ لباس والے نوجوان کی زبان کھلوانے کی کوشش کرتے رہے پھر سراج کے آجانے کے بعد وہ سلیوٹ کر کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ جاتے جاتے یہ بھی کہہ گئے کہ نوجوان شرافت سے زبان نہیں کھول رہا۔

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ ٹینس کے دونوں بال میں نے ہی ایک معقول رقم ملنے کے بعد یکے بعد دیگرے اندر پھینکے تھے میں ایسا کرنے پر مجبور تھا ورنہ......''

''ورنہ کیا؟'' سراج نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''میری ایک مجبوری ان کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔''

''مجبوری کیا ہے؟''

''وہ......وہ......بات میں زبان تک نہیں لاؤں گا۔'' نوجوان نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

''دس منٹ کا موقع مجھے بھی دیں صاحب۔'' لیاقت حسین نے سرسراتے لہجے میں درخواست کی۔ اس کی زبان کھلوانے کی ذمے داری پھر میری ہوگی۔

''فکر مت کرو لیاقت حسین۔'' سراج نے کہا۔''پولیس مجرموں کی رگ رگ سے واقف ہوتی ہے ایسے جدید طریقے بھی قابل عمل ہو گئے ہیں جس کے بعد مردہ بھی بولنا شروع کر دیتا ہے۔''

''یہ آپ کا ذاتی خیال ہے جناب ورنہ میں نے جو بیان دیا ہے وہی سچ ہے۔''

''ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں پھر سوچ لو...... پولیس کے ٹارچر سیل میں جانے کے بعد ہوسکتا ہے کہ تمہیں اور بھی بہت سارے جرائم کا اقبال جرم کرنا پڑے۔''

''ایسی صورت میں ایک خواہش کا اظہار ہی باقی رہ جاتا ہے۔''

''بکو۔''

''آپ جو بیان کہیں وہ میں تحریر کر کے اس پر دستخط کر دوں گا۔'' نوجوان نے بے زاری کا اظہار کیا۔

''یہ شرافت کی زبان نہیں سمجھے گا صاحب'' لیاقت حسین نے نوجوان کو گھورتے ہوئے سراج سے کہا۔''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔''

سراج نے نوجوان کو بغور دیکھا۔اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ نوجوان عادی مجرم نہیں ہے۔کوئی مجبوری ضرور تھی جو وہ کسی ایسے گروہ کے ہاتھوں چڑھ گیا تھا جو اسے استعمال کر رہا تھا لیکن وہ کون لوگ تھے؟ ان کا سرغنہ کون تھا؟ اور خاص طور پر سیٹھ عثمان ہی کو دہشت زدہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟ نوجوان نے جو آخری جملہ کہا تھا وہ بھی اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ کسی مجبوری کے تحت ہی موجودہ صورت میں ملوث ہوا ہے۔

ایک لمحے تک سراج کی نظریں نوجوان کے چہرے پر منڈلاتی رہیں پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

''مجرموں کے علاوہ سارے پولیس والے بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔اس لیے میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں کہ سچ کیا ہے؟ بات یہاں سے نکل کر تھانے کچہری تک پہنچ گئی تو پھر اس کا نتیجہ تمہاری توقع کے خلاف ہی ہوگا۔''

''اس بات کی ضمانت میں بھی لیتا ہوں کہ حقیقت بیان کر دینے کے بعد تمہارے ساتھ عادی مجرموں جیسا برتاؤ نہیں ہوگا۔'' سیٹھ عثمان نے نوجوان سے سلجھی ہوئی زبان میں بات کی تو ایک لمحے تک وہ خاموش رہا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے برف پگھل رہی ہے پھر اس نے دبی زبان میں کہا۔

''میرا اس دنیا میں ایک بہن کے علاوہ اور کوئی ہے۔پچھلے دنوں اس کی شادی کے سلسلے کی بات ہو رہی تھی لیکن اب......نوجوان نے بڑی دل گرفتہ آواز میں بات مکمل کی۔''اب وہ ان ہی کے قبضے میں ہے جن کے حکم پر میں نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

''تم کسی نہ کسی کو تو ضرور جانتے ہو گے؟ مجھے اسی کا نام بتا دو پھر شاید میں تمہارے کام بھی آسکوں۔'' سراج نے سنجیدگی سے کہا لیکن جو جواز نوجوان نے پیش کیا تھا وہ اس کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔

''مم......میں......اس کا نام زبان تک نہیں لاؤں گا'' نوجوان نے سہے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔''ان کو ایک رتی برابر بھی شک ہوگیا تو میری بہن کو بے آبرو کر کے اوپر پہنچانے میں بھی دیر نہیں کریں گے۔''

''تمہارا نام کیا ہے، کہاں رہتے ہو؟ یہی بتا دو تاکہ تمہارے بیان کی تصدیق ہو سکے؟ سیٹھ عثمان نے کہا تو نوجوان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے فیصلہ کن لہجے میں سراج کو مخاطب کیا۔''

''میں اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہوں صاحب۔آپ نے مجھے اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہنی۔''

سراج کو اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔نوجوان کا بار بار قلا بازی کھانا اب اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ خود کو مظلوم اور معصوم ظاہر کرنے کی خاطر کینچلی بدل رہا تھا۔ایک لمحے بعد سراج کے اس خیال کی تصدیق بھی اورنگ زیب کو آنے والی کال نے کر دی۔

''جو نوجوان ہاتھ لگا ہے اس پر وقت نہ ضائع کرو۔اسکی جڑیں زمین کے اندر ہی اندر کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں تم اس کا اندازہ تک نہیں کر سکتے۔''

''اس کے ڈسپوزل کا طریقہ بھی بتا دیں؟ سراج نے مبہم انداز میں پوچھا۔''

''جو سادہ لباس والے تعینات ہیں ان کے حوالے کر کے واپس آجاؤ میں نے ان کو ضروری ہدایت دے دی ہے۔''

دوسری جانب سے اتنی عجلت میں سلسلہ منقطع کیا گیا کہ سراج بھی الجھ گیا۔اس نے وہی کیا جو اورنگ زیب نے کہا تھا۔ذاتی طور پر اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر سادہ لباس والوں کو یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ اس کا نام درمیان میں نہ لیا جائے۔

❖❖❖

پرانے ماڈل کی وہ موٹریں ایک سابقہ وزیر کے بنگلے کے عقبی حصے کی طرف جا کر رکی تھی۔اس پر سوار دونوں افراد نیچے اترے، کچھ دیر تک وہ بونٹ اٹھا کر انجن پر جھکے رہے۔انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی خرابی تلاش کر رہے ہوں۔ان کے درمیان سرگوشی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

''کیا یہ جگہ مناسب رہے گی؟'' پستہ قد والے نے اپنے ساتھی سے سوال کیا۔

''پورا علاقہ سنسان پڑا ہے۔'' دوسرے نے بے پروائی سے جواب دیا۔''ہمارا مطلوبہ بنگلہ بھی یہاں سے قریب ہی ہے۔اس طرح گاڑی لے جانا بھی مناسب نہیں ہوگا۔''

''تم جانو۔'' پہلے نے شانے اچکائے۔''میرے لیے رات اور دن دونوں برابر ہیں۔جان ہتھیلی پر رکھ کر موت سے کھیلنا میرا پیشہ بھی ہے۔''

''جانتا ہوں دوست لیکن دنیا کے کسی بھی پیشے میں احتیاط اور آنکھیں کھلی رکھنا بھی شرط ہے۔'' دوسرے نے مسکرا کر جواب دیا پھر وہ گاڑی کا بونٹ کھلا ہی چھوڑ کر پیدل چل پڑے تھے۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اس وقت ہاتھ آجائے گا؟'' کچھ توقف کے بعد پستہ قد والے نے

سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا پھر تیزی سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ دنیا کے ہر پیشے میں نفع اور نقصان کے چانسز ففٹی ففٹی ہوتے ہیں لیکن شیر اور ہرن کے شکار میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے شیر زخمی ہو کر نکل جائے تو آدم خور بن جاتا ہے۔ ہرن میں شیر جیسی حس نہیں ہوتی اس لیے دوبارہ بھی جال میں پھنس جاتا ہے۔''

''میرے آدمی بھی سب نمک حلال ہیں۔'' دوسرے نے قدم بڑھاتے ہوئے دائیں بائیں دیکھ کر جواب دیا۔ ''ان کی اطلاع یہی تھی کہ چالیس منٹ پہلے وہ ہمارے مطلوبہ بنگلے میں موجود تھا۔اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔''

ان تینوں کے علاوہ بنگلے میں اور رہائشی بھی ضرور ہوں گے؟

''ہوسکتا ہے لیکن ہمیں بنگلے کے آؤٹ ہاؤس میں جانا ہے جو عام طور سے خالی ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' پستہ قد آدمی چونکا۔ ''کیا بنگلے کے رہائشی بھی آؤٹ ہاؤس میں غیر متعلقہ آدمیوں کی آمد و رفت سے بے خبر ہوں گے۔''

''نہیں، سب سے زیادہ باخبر وہی ہیں۔'' دوسرے نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ہمارا مطلوبہ بنگلہ ایک مقامی صنعت کار نے کرائے پر لے رکھا ہے جہاں صرف اس کی دوسری بیوی رہتی ہے گھریلو ملازم نو بجے کے بعد اپنے کوارٹروں سے باہر نہیں نکلتے۔''

''آئی سی۔'' پستہ قد والے نے سیٹی بجاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''وہاں شاید ہٹ اینڈ رن کا ڈرٹی گیم کھیلا جاتا ہوگا۔''

دونوں محتاط انداز میں قدم اٹھاتے رہے کچھ دیر بعد وہ ایک سنگل اسٹوری بنگلے کی پشت پر پہنچ کر رک گئے۔اس وقت رات کے گیارہ کا عمل تھا جبکہ اس پوش علاقے کے مکین نو بجے کے بعد اپنی اپنی خواب گاہوں کے دروازے بند کر لیتے تھے۔صرف چوکیدار گیٹ پر پہرا دیتے نظر آتے تھے۔

مطلوبہ بنگلے کی عقبی سڑک بھی ویران تھی۔سناٹے میں کبھی کبھی چوکیدار کی سیٹی کی آواز ضرور سنائی دے رہی تھی۔

دونوں افراد نے بڑے محتاط انداز میں سچویشن کا جائزہ لیا پھر یکے بعد دیگر عقبی دیوار کی آٹھ فٹ بلندی کو ایک دوسرے کی مدد سے پھلانگ کر دوسری طرف اندر کود گئے۔آؤٹ ہاؤس کے ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن تھے جس کا مطلب یہی تھا کہ اندر کوئی موجود ہے۔پستہ قد آدمی نے اپنا آٹو میٹک پستول جیب سے نکال لیا۔

دوسرے نے بھی اس کی پیروی کی۔دونوں ہی میک اپ میں تھے اور انہوں نے اس قدر مہارت سے ظاہری شکل میں ایسی ردو بدل کی تھی کہ کوئی پرانا واقف کار بھی انہیں جگا یا لوچن کی حیثیت سے شناخت نہ کر پاتا۔

چند لمحے وہ دیوار کے ساتھ بیٹھے قریب وجوار کی سن گن لیتے رہے پھر محتاط انداز میں دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کھڑکی تک پہنچ گئے۔جگا نے ایک پٹ پر دباؤ ڈالا لیکن کھڑکی اندر سے بند

تھی۔ لوچن دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ جگا نے بھی اس کی پیروی کی اس بار لوچن نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا زور لگایا۔ دروازہ بند نہیں تھا اس لیے تھوڑا سا خلا پیدا ہو گیا۔

سامنے بیڈ پر ایک حسین اور جوان عورت موجود تھی جس کی عمر اٹھائیس اور تیس سال کے درمیان تھی اس کے جسمانی نشیب وفراز میں قیامت سی کشش موجود تھی۔ لباس کی جگہ اس نے نائٹی پہن رکھی تھی جو ستر پوشی کے لیے بھی ناکافی تھی۔ جنس مخالف کے لیے اس کے اندر تمام رعنائیاں موجود تھیں لیکن اس وقت اس کی خوب صورت غلافی آنکھوں میں شدید نفرت اور الجھن کے تاثرات نمایاں تھے بیڈ پر رکھے ہوئے گلاس بوتل کے ساتھ نظر آ رہے تھے دو گلاسوں میں شراب کی کچھ مقدار باقی تھی لیکن کرسیاں خالی تھیں۔

لوچن اور جگا نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا پھر دونوں بیک وقت اپنا اپنا آٹو میٹک پستول اٹھائے برق رفتاری سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ پل بھر میں دونوں کو اندازہ ہو گیا کہ کمرے میں عورت کے سوا کوئی نہیں ہے۔ عورت نے ان دونوں کو حقارت سے دیکھ کر گلاس میں بچی ہوئی شراب بھی حلق کے اندر انڈیل لی پھر نفرت سے بولی۔ ”تم نے ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال کر اچھا نہیں کیا۔“

”رنگ تو نظر آ رہا ہے ہنی لیکن بھنگ......لوچن نے اسے خشک اور سرد لہجے میں مخاطب کیا۔ ”وہ کہاں گیا؟“

”تمہیں جس کی تلاش ہے وہ بھی آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہے۔ اس کے ساتھی بھی دشمنوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھتے ہیں۔“

”تم کس کی بات کر رہی ہو؟“ جگا نے سوال کیا۔

”میرا اور اپنا وقت مت ضائع کرو۔“ عورت نے بہ دستور جھلا کر کہا۔ ”چاہو تو دوسرے کمرے میں جھانک لو پھر جتنی خاموشی سے آئے ہو اتنی ہی خاموشی سے الٹے قدموں واپس چلے جاؤ۔“

”اور اگر ہم اس کو خبر کر دیں کہ جس نے تمہاری صورت میں ناگن پال رکھی ہے۔“ لوچن نے دکھتی رگ کو چھیڑنے کی کوشش کی تو عورت نے لات مار میز کو مع لوازمات کے فرش پر الٹ دیا۔ کسی زخمی ناگن کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم جس کو خبر کرنے کی بات کر رہے ہو وہ بھی بے خبر نہیں ہے لیکن وہ زبان کھولنے کی جرأت کبھی نہیں کرے گا۔ موت سے وہ بھی گھبراتا ہے۔“

”پیاس شدت اختیار کر جائے تو مردہ بھی تڑپ اٹھتا ہے۔“ لوچن نے مسکرا کر کہا۔ ”تم تو پھر عورت ہو لیکن ہمارا وہ ٹائپ نہیں ہے اگر ہوتا تو بھی ہم باسی مال پر ہاتھ نہ ڈالتے۔“

”بات بڑھانے کی کوشش مت کرو۔“ عورت نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ اگر مرد ہو تو اس کے تعاقب میں جاؤ جس کی تلاش میں تم یہاں نازل ہوئے تھے۔

”وہ اصل مرد ہے جو چوروں کی طرح چھپ کر کسی کو نہیں مارتا۔ ہمیشہ للکار کر موت کے گھاٹ

اتارتا ہے۔''

''تم جس مرد کے کھونٹے پر لال پیلی ہورہی ہو اس کا نام لینے سے کیوں کترا رہی ہو؟'' جگا نے بہ دستور بدلی ہوئی آواز میں عورت کے غصے کو ہوا دی تو وہ حلق کے بل چیخ کر بولی۔

''میں ناگی کی بات کررہی ہوں...... وہ ناگی جس نے پولیس کے کچھ افسروں کو بھی خرید رکھا ہے جو پالتو کتوں کی طرح اس کے اشاروں پر دم ہلاتے رہتے ہیں۔ اسی نے اس عزت دار صنعت کار کو بھی مجھ سے شادی کرنے پر مجبور کردیا جس نے دھوکے سے مجھے بے آبرو کیا تھا اور اب وہی باعزت صنعت کار یہ بھی جانتا ہے کہ میں ناگی کے اشارے پر کسی کو بھی گلے لگاسکتی ہوں اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟''

''ناگی کی صحبت نے تمہیں قبل از وقت بہت سمجھدار بنا دیا ہے۔'' لوچن نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''جب ناگی یہاں سے فرار ہوا تو اس نے تمہیں ہمارے نام بھی ضرور بتا دیے ہوں گے۔''

''نہیں۔'' عورت بہ دستور جذباتی انداز میں بولی۔

''اس کے کسی مخبر نے یہی اطلاع دی تھی کہ دو نئے بھیس بدل کر ادھر آرہے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد ناگی نے میری رہائش گاہ پر خون خرابا پسند نہیں کیا بلکہ خون کے گھونٹ پی کر چلا گیا۔''

''گڈ۔'' جگا نے مسکرا کر کہا۔ پھر تو تم اس مچھلی کو پکڑنے کی خاطر بطور چارا بھی ہمارے لیے کارآمد ہوسکتی ہو......کیا خیال ہے؟

''تمہارے اس ارادے کی اطلاع بھی ناگی تک پہنچ گئی ہوگی۔'' عورت نے مسکرا کر کہا۔ ''ہم نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔''

لوچن کے چہرے پر اس آدم خور چیتے کی چمک ابھری جو اپنے شکار کو دیکھ کر ابھرتی ہے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے لپک کر عورت کو الٹے ہاتھ کے شکنجے میں جکڑ کر اس کے منہ پر ہاتھ کی گرفت بھی مضبوطی سے جما دی۔ گردن بھی ہاتھوں کے حصار میں تھی اسی لیے عورت پنجرے میں پھنسے پنچھی کی طرح پھڑ پھڑانے لگی۔

''تم نے کچی گولیاں کھیلی ہوتیں تو ہمیں کسی خطرے سے آگاہ کرنے کی قطعی غلطی کبھی نہ کرتیں۔''

پھر اس سے پیشتر کہ جگا کوئی سوال کرتا لوچن نے عورت کی داہنی کنپٹی پر کسی خاص نس پر انگوٹھے کو ایسے ماہرانہ انداز میں دبایا کہ عورت بے ہوش ہوکر جھول گئی۔ اسے فرش پر ڈالنے کے بعد لوچن نے جگا کا ہاتھ تھام کر سرسراتے لہجے میں کہا۔

''نکل چلو دوست ورنہ ہم پنجرے میں پھنس کر شکار بھی ہوسکتے ہیں۔''

''تمہیں اچانک اس کا اندازہ کیسے ہوا؟'' جگا نے اس کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

''ڈرٹی وومن کے آخری جملے پر غور کرو۔'' لوچن قدم مارتا بنگلے کی عقبی دیوار تک پہنچ گیا۔ ''ہم جس کا شکار کرنے آئے تھے وہ بھی یہیں کہیں چھپا ہے اس باسٹرڈ نے ہماری باتیں بھی ضرور سنی......''

لوچن جملہ مکمل نہ کرسکا کیے بعد دیگر تین فائر ہوئے تھے گولیاں لوچن اور جگا کے قریب ہی چار دیواری پر لگی تھیں۔ دونوں بڑی سرعت سے زمین پر بیٹھ گئے لوچن نے آنے والی گولیوں کی سمت کا اندازہ کر کے دو فائر کیے پھر دونوں ہی نے اپنی پوزیشن بدل دی۔ ایک لمحے کی تاخیر کسی موت کا سبب بھی ثابت ہوسکتی تھی۔

''گولیاں چلانے والے چھت پر موجود ہیں۔''لوچن کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔''شاید ان باسٹرڈز کے پاس ٹارچ نہیں ہے ورنہ وہ اندھیرے میں گولیاں ضائع کرنے کی حماقت نہ کرتے۔ فائرنگ کی آواز بنگلے کے چوکیداروں نے بھی ضرور سنی ہوگی۔ وہ بھی کسی وقت آسکتے ہیں۔''

''لوچن کا اندازہ درست ثابت ہوا۔اندھیرے کے باوجود اس نے ایک چوکیدار کو اس کی یونیفارم کی وجہ سے پہچان لیا تھا۔ اس کی گرجتی ہوئی آواز ابھری۔''

''ہتھیار پھینک کر سامنے آجاؤ ورنہ ہم تمہیں بھون کر رکھ دیں گے۔''

''بلف کر رہا ہے بارکنگ ڈوگ۔''لوچن نے سرگوشی کی۔''تمہارا کیا خیال ہے ہم رسک لے کر دیوار پھلانگ کر نکل چلیں یا پھر بازی پلٹنے کی کوشش کریں۔ ایز یو وش۔''

''جگا کی نظریں اس آواز کی سمت تھیں جہاں سے ہتھیار پھینکنے کی وارننگ دی گئی تھی۔ لوچن کی بات کا جواب دینے سے قبل ایک ٹارچ بھی روشن ہوئی وہ جو بھی تھا سامنے دیوار کے کونے میں پوزیشن لیے ہوئے تھا۔ جگا نے اندازے سے روشن ٹارچ لیے ہوئے شخص پر فائر کیا۔ اس کا نشانہ خطا نہیں گیا۔ روشن ٹارچ زمین پر گر کر نشیب کی طرف لڑھک گئی ساتھ ہی کسی کے کراہنے کی تیز آواز بھی ابھری۔ جگا کے ساتھ ہی لوچن نے بھی پوزیشن تبدیل کرنے میں دیر نہیں کی۔''

''لو پر فائن۔''لوچن نے مدھم لہجے میں کہا۔''اب وہ باسٹرڈ قریب آنے کا رِسک نہیں لیں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں مخالف سمت سے گزر کر عمارت کے سامنے کی طرف پہنچنا چاہیے ناگی یہاں مقابلہ کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔''

''وش آل دی بیسٹ۔''لوچن نے جواب دیا پھر وہ دونوں ہی لپک کر عمارت کی دیوار تک گئے اور آہستہ آہستہ محتاط انداز میں قدم اٹھانے لگے۔

دس پندرہ منٹ تک کسی کی آواز نہیں سنائی دی پھر زخمی ہونے والا چوکیدار شاید دوبارہ اٹھ گیا تھا اس کی مانوس آواز پھر ابھری۔

''تم جہاں بھی ہو نکل کر سامنے آجاؤ ہم نے پولیس کو اطلاع دے دی ہے۔ مرنے سے بہتر ہے گرفتاری دے دو۔''

جگا یا لوچن کسی نے جواب نہیں دیا۔ جگا پنجوں کے بل چل رہا تھا۔ اس نے اپنی حرکت تیز کر دی لیکن دس بارہ قدم بڑھنے کے بعد اسے رکنا پڑا۔ کوئی انسانی وجود زمین سے چپکا ہوا چہار دیواری کی سمت تیزی سے رینگ رہا تھا۔ جگا نے پستول والا ہاتھ فضا میں بلند کیا پھر رینگنے والے کی ٹانگ کا

نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ایک چیخ کی آواز کے ساتھ رینگتا ہوا وجود رک گیا پھر چیخ کر بولا۔"گولی مت چلانا تمہارا اصلی شکار نکل چکا ہے۔"

جگا نے تیزی سے پوزیشن تبدیل کی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔دو منٹ بعد لوچن بھی اس کے قریب آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ چوکیدار اور تمہاری گولی سے زخمی ہونے والے کے علاوہ اب اور کوئی عمارت میں موجود نہیں ہے ہمیں اب اس چوہے دان سے فوری نکلنا چاہیے۔"

"زخمی کا کیا کریں۔"

"کوئنک ڈسپوزل۔"لوچن نے نشانہ لے کر زخمی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کے بعد جگا کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ عقبی دیوار پھلانگ کر کچھ ہی دور گئے تھے کہ پولیس موبائل کے مخصوص سائرن کی آواز بھی سناٹے میں گونجنے لگی۔

✣✣✣

افضل خان نے شبنم کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا وہ اس بات کو نوٹ کر رہا تھا کہ سات روز کی وارننگ ملنے کے بعد سے شبنم کچھ فکر مند رہنے لگی تھی۔اس وقت شام کے ناشتے کے وقت بھی چائے کا ایک گھونٹ لینے کے بعد بالکونی سے باہر کی سمت کچھ دیکھ رہی تھی جب افضل خان نے اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔"

"میں تمہارے بارے میں فکر مند ہوں۔"

"خود کو بلا وجہ ہلکان مت کرو۔تم میرے ماضی سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔"افضل خان نے کہا۔"میں نے اس وقت بھی کبھی غم پالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔"

"جانتی ہوں لیکن اس وقت ہم دونوں کو جس کا تحفظ حاصل تھا اب وہی دشمن ہے۔وہ وشنو کی موت کو آسانی سے ہضم نہیں کرے گا۔شبنم نے بات جاری رکھی۔"تم بھی واقف ہو گے اس کے ہاتھ کتنے لمبے ہیں ابھی تک قانون بھی اس کا کوئی سراغ پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

"شاید اس وجہ سے کل تک جو سینہ تان کر سامنے پھرتا تھا اب وہ بھی کسی خوف کی وجہ سے چوہے کے بل میں چھپا کہیں بیٹھا ہے۔"

"اس لیے وہ محفوظ ہے لیکن ہم سامنے ہیں اور اندھیرے سے چلائی جانے والی کوئی گولی خدا نہ کرے ہم دونوں کے لیے ہی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔"

"یہ بھی اچھا ہے کہ جینے کے علاوہ ہمارا مرنا بھی ایک ساتھ ہو گا۔"افضل خان نے شبنم کا ہاتھ تھام کر بڑی محبت سے کہا۔

"تمہیں جو مہلت ملی ہے اس میں دو دن باقی رہ گئے ہیں۔"

"پلیز......"افضل خان یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ پولیس کے سادہ لباس

والوں کے علاوہ کرنل احتشام کے کچھ خاص لوگ بھی ہماری حفاظت پر مامور ہیں۔''
افضل خان مزید کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اس کے موبائل کی سکرین روشن ہوگئی۔کرنل احتشام کے نمبر دیکھ کر اس نے موبائل آن کر لیا۔سنجیدگی سے دریافت کیا۔
''کوئی نئی ہدایت؟''
''یس......حالات کی روشنی میں تمہارا اور شبنم کا ایک ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔''دوسری جانب سے سنجیدگی سے کہا گیا۔''ایس پی اورنگ زیب کی بھی یہی رائے ہے کہ تمہیں کہیں اور شفٹ کر دیا جائے۔اس کے بعد تم ہمارے لیے کار آمد بھی ہو سکتے ہو۔''
''سوری کرنل۔''افضل خان نے سنبھل کر جواب دیا۔''میں نے شبنم کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی میں شامل کر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے اس لیے میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''
''گڈ نیوز......کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے۔''
''ابھی تک کسی قاضی کا بندوبست نہیں ہو سکا ورنہ میں ایک پل کی دیر بھی نہیں کرتا۔''
''اور اگر میں تمہاری یہ پرابلم حل کر دوں تو؟''
''او کے،میں تمہارے لیے یہ نیک کام ضرور کروں گا لیکن اس کے بعد تمہیں ایک اہم ذمے داری سنبھالنا ہوگی۔''
''آپ حکم دیں۔''
''وشنو کے سلسلے میں تمہاری کارکردگی شاندار رہی ہے اس لیے ہائی کمان نے تمہیں ایک اور کام کے لیے منتخب کیا ہے۔''
''میں زبان دے کر پیچھے ہٹنے کا عادی نہیں ہوں۔آپ صرف ایک اشارہ کریں۔''
''ناگی کو جانتے ہو؟''
''کسی ناگ ہی کی طرح زہریلا اور خطرناک بھی ہے۔''افضل خان نے کھل کر بات کی۔
''یہ بھی گوش گزار کر دوں کہ پولیس کی کچھ کالی بھیڑیں بھی اس کی پشت پناہی کرتی ہیں۔''
''ہمارے پاس بھی یہی انفارمیشن ہے لیکن ناگی کو پٹارے میں بند کرنے کے لیے تمہیں پولیس کے مقابلے میں ہماری پروٹیکشن حاصل رہے گی۔ایس پی سے بھی میری بات ہوگئی ہے۔''
''مجھے ایک شبہ اور بھی ہے۔افضل خان نے کہا۔''اسے سکندر علی شاہ کے علاوہ ممکن ہے شیخ حامد کی بھی حمایت حاصل ہو۔ہو سکتا ہے کہ کچھ اور بڑے لوگوں نے بھی اس کی خدمات حاصل کر رکھی ہوں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں کوشش کروں گا کہ اسے للکار کر ہی ماروں۔
''گڈ۔''دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
''وشنو کے بعد اب کرنل نے شاید تمہیں ناگی کے لیے آمادہ کیا ہے؟''شبنم نے کال ختم ہونے کے بعد افضل خان کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔
''تمہارا خیال درست ہے۔''افضل خان نے مسکرا کر جواب دیا۔''جانتی ہو مجھے اس کام کا کیا

معاوضہ ملے گا؟''

''میں تمہاری پوری بات توجہ سے سن رہی تھی۔ سمجھ رہی ہوں کہ کرنل نے تم سے کیا وعدہ کیا ہے۔''

''تم میرے لیے بہت قیمتی ہو افضل۔'' شبنم نے ہونٹ چباتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے کہا۔ ''میں نے تمہیں بڑی مشکلوں سے پایا ہے اب پا کر دوبارہ کھونا نہیں چاہتی۔''

''پا کر کھونا اور...... کھو کر پانا ہی تو زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے۔''

''کرنل نے شاید تم سے کوئی اور اہم بات بھی کی تھی؟ غالباً وقتی طور پر مجھ سے دور رہنے کی؟''

''یہ وقتی دوریاں ہی انسانی رشتوں کو ایک دوسرے سے زیادہ مربوط کرتی ہیں۔'' افضل خان نے شبنم کے قریب ہو کر اس کو بڑی احتیاط اور محبت سے بانہوں میں سمیٹا تو شبنم بھی کسمسا کر رہ گئی۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ کسی زخمی درندے کے انداز میں اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہا تھا۔

فارم ہاؤس میں ماروی کے ساتھ شروع ہونے والی کہانی سے لے کر دلربا کے اغوا ہو جانے تک کے تمام واقعات دہکتی چنگاریوں کے مانند اس کے وجود میں چیخ رہے تھے۔ اس کا ذہن ان کی بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کے سلسلے میں اور الجھتا جا رہا تھا۔

ماروی کو بے آبرو کرنے کے سلسلے میں چوکیدار کی خودکشی اور اس کے ساتھی کا بیان بھی ابھی تک اس کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہا تھا۔ مرنے والا کھرا آدمی تھا ہمیشہ سکندر علی شاہ کے اعتماد پر پورا اترتا تھا۔ پھر اس نے کس کے خوف سے خودکشی کر لی؟ وہ کون تھا؟ فارم ہاؤس میں کس طرح داخل ہوا؟ کس طرح سب کی نظروں میں دھول جھونک کر نکل گیا؟ حالات کی کڑیاں ملاتے ہوئے اس کے ذہن میں گونگے کا خیال ابھرا تھا۔ وہ مجرد زندگی گزار رہا تھا ممکن ہے ماروی کو دیکھ کر اس کے جذبات بھڑک اٹھے ہوں لیکن اس شبے کی تردید دلربا کے بیان سے ہو گئی۔ دلربا نے کہا تھا کہ ماروی کو بے آبرو کرنے والے نے بڑا جارحانہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔ اپنی پیاس بجھانے کے بعد اس نے ماروی کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے زبان کھولنے کی جرأت کی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا پھر چوکیدار کی خودکشی اور اعتراف جرم کے بعد سکندر علی شاہ نے بھی اس کہانی کو کریدنے کی کوشش نہیں کی مگر اب......

اب حالات نے پے در پے جو رخ بدلا تھا وہ اس کے لیے قابل برداشت نہیں تھے۔ نگینہ اس کے لیے زیادہ اہم نہیں تھی۔ جس وقت رینبو کلب سے اغوا کیے جانے کے بعد اس کا برہنہ گفٹ پیک ملا تھا اسی وقت سکندر علی شاہ نے اس کے ٹکڑے کر کے سمندر برد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اگر شکرہ بروقت آڑے نہ آ جاتا تو اب تک آدم خور مچھلیاں بھی اس کو ہضم کر چکی ہوتیں۔ اپنے انجام کا اندیشہ خود نگینہ کو بھی تھا جو موقع ملتے ہی فرار ہو گئی لیکن حویلی سے نکل کر کہاں گئی؟ کسی نہ کسی نے اسے پناہ دی ہوگی اسے...... وہ کون تھا؟

دلربا کے اغوا کی اطلاع اسے پہلے شکرہ نے دی پھر ایس پی اورنگ زیب نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ سکندر علی شاہ کو علم تھا کہ ماروی سے ملاقات کے بعد دلربا بھی ایجنسی کے لوگوں کی نظروں میں آ گئی تھی اورنگ زیب کے سادہ لباس والے اس کی خفیہ نگرانی پر مامور تھے لیکن شکرہ کو اس کے اغوا کی خبر کہاں سے ملی؟ اگر اس کے کچھ شکاری کتے بھی دلربا کے تعاقب میں دم ہلا رہے تھے تو انہوں نے اس کے اغوا میں مزاحمت سے گریز کیوں کیا؟

''شیلا ورما اور جونی۔'' سکندر علی شاہ کے ذہن میں یہ دونوں نام گونجے تو اس کے اندر ابلتا ہوا لاوا پھٹ پڑا۔ جونی اور نگینہ کے تعلقات کا شبہ اسے پہلے بھی تھا۔ اب اس شبہے نے ایک نئے زاویے سے سر ابھارا تو اس نے جھپٹ کر فون اٹھا لیا۔ اسے علم تھا کہ بیوٹی پارلر کی آڑ میں شیلا ورما کیا دھندا کر رہی تھی۔ ایک بار شکرہ نے بھی کہا تھا کہ نگینہ کو جونی اور بیوٹی پارلر سے دور رکھا جائے۔ شیلا ورما کے نمبر ڈائل کرتے وقت بھی سکندر علی شاہ اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔

''ہیلو۔'' رابطہ قائم ہونے پر شیلا ورما کی سریلی آواز ابھری۔

''سکندر علی شاہ بول رہا ہوں، جونی کہاں ہے؟''

''آپ حکم دیں جونی سے کیا کام پڑ گیا؟'' اس بار بڑی اپنایت سے دریافت کیا گیا۔

''تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تمہاری سفارش پر جونی کو......''

''میں احسان فراموش نہیں...... آپ کی غلام ہوں۔'' شیلا ورما نے بات کاٹ کر اعتراف کیا۔'' آپ کی خدمت کرنا میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ جونی سے آپ کو کیا کام پڑ گیا؟''

''تم جونی پر کس حد تک اعتبار کرتی ہو؟''

''اوہ......'' شیلا ورما نے اس بار سکندر علی شاہ کے لہجے کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے دریافت کیا۔'' میرا خیال ہے کہ شاید آپ کو جونی سے کوئی شکایت ہو گئی ہے؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' سکندر علی شاہ نے جھلا کر کہا۔'' کیا وہ کبھی نمک حرامی کا ثبوت دے سکتا ہے؟''

''اسے اپنا پالتو کتا ہی سمجھیں شاہ جی۔'' شیلا ورما نے جواب دیا۔'' آپ کے اشارے پر وہ دم ہلانے کے علاوہ اور کسی بات کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''تم جانتی ہو کہ جونی اور نگینہ کے درمیان کس قسم کے مراسم تھے؟''

''میں کسی قسم کی صفائی نہیں پیش کروں گی۔ صرف ایک عرض کر دوں گی کہ نگینہ نے اسے مجبور کیا تھا۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ نگینہ پہلے کیا تھی۔''

''اوقات سے بڑھنے کی کوشش دوبارہ کبھی نہ کرنا۔'' سکندر علی شاہ نے حقارت آمیز اور درشت لہجہ اختیار کیا پھر کچھ توقف سے بولا۔'' میں جس کی بات کر رہا ہوں وہ اب میرے کام کی نہیں رہی۔ اسے ہر قیمت پر تلاش کر کے ڈسپوز کرنا ہے۔''

''اوہ...... میں سمجھ گئی، آپ مطمئن رہیں۔ میں ذاتی طور پر بھی آپ کے کام آنے کی کوشش

کروں گی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس معاملے سے جونی کو الگ رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"ٹھیک ہے مگر ایک بات ذہن نشین کرلو...... یہ بات دوسروں کے کانوں تک نہیں پہنچنی چاہیے۔"

"سکندر علی شاہ نے دبی زبان میں وارننگ دینے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا پھر اس کا ذہن دوبارہ حالات کی بکھری ہوئی کڑیاں ملانے میں مصروف ہوگیا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر شکرہ اورنگ زیب اور فارم ہاؤس کا تکون چکرا رہا تھا۔ نگینہ اور دلربا سے زیادہ اسے اپنی عزت اور حیثیت کا احساس تھا۔"

اس نے اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا تھا وہ جس مقام تک پہنچا تھا اس میں کسی نامعلوم آدمی نے اندھیرے میں رہ کر کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ اب وہ شکرہ کے نام سے خود کو متعارف کروا چکا تھا لیکن شکرہ ایک فرضی نام تھا۔ اس کی اصلیت کیا تھی؟ وہ کون تھا؟ پردے میں بیٹھ کر وہ کس مقصد سے حکم چلا رہا تھا دلربا اور نگینہ میں دلچسپی لینے کی اسے کیا ضرورت تھی؟ ماروی کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بعد جب سکندر علی شاہ نے گونگے سے باز پرس کی تھی اس وقت بھی شکرہ نے گونگے کی حمایت کی تھی۔ یہ بھی کہا تھا کہ اصلی مجرم چوبیس گھنٹے تک کیفر کردار تک پہنچ جائے گا اس فون کال کے بعد ہی ایک چوکیدار نے خودکشی کر لی تھی مرنے سے پیشتر اس نے ماروی کو بے آبرو کرنے کا اعتراف بھی کیا تھا۔

سکندر علی شاہ کو مرنے والے پر پورا اعتماد تھا اس لیے وہ اس کی خودکشی کو ہضم نہیں کر سکا مگر اب یہ خیال اس کے ذہن میں رہ رہ کر ابھر رہا تھا کہ شکرہ کو اطلاع کس طرح پہنچ جاتی تھی؟ وہ حویلی کے اندر ہونے والی سرگوشیوں سے بھی واقف ہو جاتا تھا۔

اورنگ زیب کو فارم ہاؤس بلا کر بلیک میلنگ کا پروگرام بھی شکرہ کا منصوبہ تھا لیکن دلربا کے اغوا کے بعد اس نے پروگرام کو وقتی طور پر ملتوی کروا دیا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا دلربا کے اغوا سے اورنگ زیب کو جال میں پھانسنے کا تعلق تھا؟ شکرہ کے بعد اورنگ زیب نے بھی دلربا کے اغوا کی تصدیق کر دی تھی سکندر علی شاہ کو بھی اس بات کا علم تھا کہ اورنگ زیب کے سادہ لباس والے دلربا کی نگرانی پر مامور تھے پھر انہوں نے دلربا کے اغوا کو ناکام بنانے میں کیا کردار ادا کیا؟

اگر وہ خاموش تماشائی بنے رہے تو پھر نگرانی کا کیا جواز ہو سکتا تھا؟ اس زاویے سے شکرہ اور اورنگ زیب کی شخصیتوں کو بھی یا تو ایک ہی تصویر کے دو رخ کہا جا سکتا تھا یا پھر ان دونوں کا آپس میں ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا؟ مگر اس تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

سکندر علی شاہ کے وجود میں شکوک وشبہات کا یہ سلسلہ جاری تھا جب فون پر اسے شکرہ کی کال موصول ہوئی۔ جس کے سبب اس کی پیشانی پر نفرت کی شکنیں بھی پھیل کر گہری ہوتی چلی گئیں۔

"اس وقت کیسے یاد کیا؟" وہ روانی میں کہہ گیا۔

"تم......" دوسری جانب سے شکرہ کی آواز میں تناؤ کی کیفیت بھی پیدا ہوگئی۔ "مجھ سے گفتگو

کرتے وقت محتاط انداز اختیار کیا کرو۔ میں بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔'' جواب میں سکندر علی شاہ ہونٹ کاٹنے لگا۔

''دلربا کے بارے میں تم نے کیا معلومات حاصل کیں؟''

''ابھی میں نے اس معاملے میں زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''کیوں؟''

''مجھے اپنی حیثیت کا خیال بھی لاحق ہے۔'' سکندر علی شاہ نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ ''میڈیا کے بلیک میلر ایسی کہانیوں کو اچھالنے میں دیر نہیں کرتے۔''

''میں تمہارے خیال سے متفق ہوں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ تم نے کچھ لوگوں کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔''

''آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟''

''پالتو کتوں کو بھی دن میں ایک دو بار زنجیر پہنانی ضروری ہوتی ہے۔ ورنہ وہ بھی اپنی اوقات بھول جاتے ہیں۔'' شکرہ نے سرد لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''میں ناگی کی بات کر رہا ہوں جسے تم اپنا دست راست سمجھتے ہو۔''

''اس وقت ناگی درمیان میں کیسے آ گیا؟''

''سیٹھ احمدان کا نام ضرور سنا ہوگا؟''

''یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا اصل نام احمد عدنان تھا۔ ایک آبرو باختہ ایرانی عورت ثمرہ شیرازی سے شادی کرنے کے بعد وہ احمد عدنان سے حمدان بن گیا۔''

''اب میری بات کان کھول کر سنو۔'' اس بار شکرہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''احمد عدنان یا حمدان نے ناگی کے زور دینے کے بعد ہی فاحشہ سے شادی کی تھی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا جب دو شکاری کتے ناگی کا تعاقب کرتے ہوئے اس کوٹھی تک پہنچ گئے تھے جہاں تمہارا ناگی اسی عورت کے ساتھ موجود تھا۔ اتفاق ہی سمجھو کہ وہ بروقت وہاں سے بچ نکل گیا اگر مار دیا جاتا تو شاید تمہاری دلربا کا اغوا بھی نہ ہوتا۔''

''دلربا کا اس عورت سے کیا تعلق تھا؟'' سکندر علی شاہ نے چونک کر سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں، لیکن ناگی نے ان دونوں بدمعاشوں کو ٹریپ کرنے کی خاطر اپنے کسی ہم شکل کو ایک بدمعاش کے میک اپ میں دلربا کے پاس بھیجا تھا۔ تم بھی واقف ہو گے کہ ماروی سے ملاقات کے بعد ایس پی کے سادہ لباس والے دلربا کی نگرانی پر مامور تھے۔ ناگی ان کی نظر میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ناگی کے دو تین آدمی بھی مارے جا چکے تھے اسی وقت دلربا کا اغوا بھی عمل میں آ گیا۔''

''اس کے اغوا میں کس کا ہاتھ ہے؟''

''میرا شبہ ایس پی پر ہی ہے لیکن تم صرف ناگی کے گلے میں زنجیر ڈالنے کی کوشش کرو۔''

''کیا ہم دشمن کو اسی کے جال میں پھانسنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟'' سکندر علی شاہ نے مشورہ

دیا۔ ’’اگر ہم ایس پی کو فارم ہاؤس بلا کر ٹریپ کریں تو پھر وہ بھی ہمارے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔‘‘

’’ایس پی کا پروگرام میں نے وقتی طور پر ملتوی کر دیا ہے۔‘‘ شکرہ نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ’’تم ناگی کو نکیل ڈالنے کی فکر کرو۔ ورنہ مجھے ایس پی کے ساتھ ساتھ اسے بھی بساط سے ہٹانا پڑے گا۔ ایک بات اور...... آئندہ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی اوقات کا خیال ضرور رکھنا۔‘‘ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تو سکندر علی شاہ کے اندر دبی ہوئی چنگاریاں پھر شعلوں کا روپ اختیار کرنے لگیں۔ شکرہ کے آخری جملوں نے جیسے جلتے توے پر پانی کے ایک چھینٹے کا ہی کام کیا تھا۔

سکندر علی شاہ نے جس مقام کو حاصل کیا تھا اس میں شکرہ کی مالی امداد کے علاوہ خود اس کی ذاتی صلاحیتوں کا بھی دخل تھا۔ حکومت کے بلند ترین حلقوں میں دور دور تک اس کی پہنچ تھی۔ ڈبا پیر ہونے کے باوجود اس کے مریدوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ مالی حیثیت سے بھی وہ اس پوزیشن میں تھا کہ کسی بھی چیز کو خرید کر اسے حقارت سے کسی چکرا کنڈی میں پھینک سکتا تھا۔ کسی مخالف کی سمت ایک اشارہ بھی کر دیتا تو اس کے مرید ہی اس کی تکا بوٹی کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ سرکاری مشینری بھی حرکت میں آجاتی لیکن وہ ہواؤں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ اندھیروں میں کسی دشمن کو تلاش کرنا بھی اس کے اختیار میں نہیں تھا اور شکرہ...... وہ جو بھی تھا ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا۔ ایسی صورت میں سکندر علی شاہ کی بے بسی بھی کسی کام نہیں آسکتی تھی۔ وہ اس نادیدہ دشمن کی شان میں مغلظات بکتا رہا پھر اس نے موبائل پر ناگی سے رابطہ قائم کیا۔

’’خادم بول رہا ہوں شاہ جی۔‘‘

’’ثمرہ شیرازی کا نام بھی سنا ہے۔‘‘

’’سیٹھ حمدان کی دوسری بیوی ہے لیکن اس کا ماضی......‘‘

’’تم اسے کس حیثیت سے جانتے ہو؟‘‘

’’شادی سے پہلے اس کے میرے ساتھ بھی کچھ مراسم رہ چکے ہیں۔‘‘ ناگی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

’’اب بھی ہیں؟‘‘ سکندر علی شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ’’یہ بھی جانتا ہوں کہ ابھی حال ہی میں تمہارے کچھ پرانے رقیب ثمرہ شیرازی کی کوٹھی تک پہنچ گئے تھے۔‘‘

’’میں انکار نہیں کروں گا شاہ جی۔ ثمرہ کی کوٹھی نہ ہوتی تو میں ان سے اپنا کچھ پرانا حساب بھی چکتا کر دیتا۔‘‘

’’مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن ایک اور بات کی تصدیق بھی کرنی ہے۔‘‘

’’میں اس کے لیے بھی معذرت خواہ ہوں۔‘‘ ناگی نے خود ہی اعتراف کر لیا۔ ’’میں نے اپنے حلیے میں کسی خاص آدمی کو دلربا کی رہائش گاہ تک بھیجا تھا مقصد ان ہی دشمنوں کو پھانسنا تھا لیکن اس

کوشش میں میرے دو تین بندے بھی ضائع ہو گئے۔"

"لعنت بھیجو ان پر۔" سکندر علی شاہ نے تلملا کر کہا۔ "مجھے دلربا کے اغوا کی فکر ہے تم حماقت نہ کرتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں شاہ جی۔ یہ عرض کر دوں کہ میرے آدمی دلربا کی تلاش میں کونا کونا چھانتے پھر رہے ہیں......"

"کوئی سراغ ملا یا نہیں؟"

"ہو سکتا ہے کہ میری اطلاع غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ اس اغوا کے پیچھے کسی نہ کسی ایجنسی کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے جس نے اغوا کر کے کہیں انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔"

"ناگی......" اس بار سکندر علی شاہ نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں یہ آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ اس کے علاوہ ایک حکم اور سن لو مجھے دلربا ہر قیمت پر واپس چاہیے۔ ناکامی کی بات زبان پر نہ لانا ورنہ تم بھی جانتے ہو کہ میرا ایک اشارہ ہی تمہارے لیے کافی ہوگا۔" پھر سکندر علی شاہ نے جواب کا انتظار کیے بغیر لائن کاٹ دی۔ اس کے ذہن میں ایک بار پھر شکرہ کا تصور ڈنک مارنے لگا جو اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے اس کی دسترس سے باہر تھا۔

✣✣✣

اورنگ زیب نے اب تک خود کو سراج کے مکان تک محدود کر رکھا تھا لیکن باہر کیا ہو رہا تھا؟ ایک ایک پل کی اطلاع اسے پینتھر اور دوسرے سادہ لباس والوں کے ذریعے مل رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں بیٹھا حالات کے تیزی سے بدلتے گراف کا اندازہ لگا رہا تھا جب سراج آ گیا۔ اس کے چہرے سے الجھن مترشح تھی۔

"خیریت؟" اورنگ زیب نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"آپ کی غیر حاضری سے ہمارے آئی جی صاحب کے پیٹ میں کچھ زیادہ مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ آج بھی دو بار فون آیا تھا۔"

"پریشان مت ہو۔ تم بھی واقف ہو کہ وہ کسی نادیدہ دشمن کے اشاروں پر کھیل رہا ہے۔"

"لیکن جو لوگ سائے کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہیں کیا وہ اس بات سے واقف نہیں ہوں گے کہ آپ کہاں ہیں؟"

"ضرور واقف ہوں گے لیکن وہ یہاں تک آنے کی غلطی نہیں کریں گے۔"

"وہ کیوں؟" سراج نے پہلو بدل کر حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے خود سے زیادہ مخبر اور الماس کا خیال بھی ہے اس لیے میں نے چاروں طرف اپنے سادہ لباس والے کمانڈوز کو تعینات کروا دیا ہے۔ ویسے بھی وہ ابھی براہ راست مجھ پر ہاتھ ڈالنے کی غلطی نہیں کریں گے۔"

"کیا یہ آپ کی خوش فہمی نہیں ہے؟"

''ہو بھی سکتی ہے لیکن جو اللہ نے لکھ دیا ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔'' اورنگ زیب نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

''جس نوجوان کو عثمان کے آفس میں لیاقت حسین کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا تھا اس نے کیا اگلا؟''

''وہ ناگی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ اپنی بہن کے اغوا کے بعد ناگی کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گیا مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ عادی مجرم بھی بن گیا۔''

''کیا اس کی بہن واپس مل گئی۔''

''ہاں لیکن اب اس کے خلاف جو ثبوت ناگی کے پاس ہیں اس کے پیش نظر وہ ہر حکم ماننے پر مجبور ہے۔''

''سکندر علی شاہ نے جو پروگرام عارضی طور پر ملتوی کیا ہے اس کی بھی کوئی وجہ ضرور ہو گی۔''

''ہو سکتا ہے وہ دلربا اور نگینہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد الجھ گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے آکٹوپس کے اشارے پر ایسا کیا ہو۔''

''گویا آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ سکندر علی شاہ اور آکٹوپس ایک دوسرے سے واقف ہیں۔''

''نہیں۔'' اورنگ زیب نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں اب بھی یہی کہوں گا کہ سکندر علی شاہ براہ راست اس بات سے واقف نہیں ہے کہ آکٹوپس کس چڑیا کا نام ہے۔'' سراج کچھ کہنا چاہتا تھا کہ راحیلہ بیگم کا فون آ گیا۔

''آپ کیسی ہیں اور عثمان؟''

''عثمان کل رات سے غائب ہیں۔'' راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔ اور آپ اس کی اطلاع مجھے اس وقت دے رہی ہیں؟

''پولیس اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکے گی۔ عثمان مجھ سے خفا ہو کر گئے ہیں۔''

''کیا بات ہو گئی؟'' سراج نے پوچھا۔ ''وہ تو ہمیشہ آپ کے گن گاتا ہے۔''

''اصل سبب بھی آپ ہی ہیں۔'' اس بار راحیلہ نے بڑی معصومیت سے شکایت کی۔ ''آپ اتنے دنوں سے کہاں غیر حاضر ہیں؟''

''میں اپنا جرم تسلیم کرتا ہوں لیکن کچھ سرکاری کام کی مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں نکال سکا۔''

''میں نے بھی اس وقت ایک اہم بات کے لیے فون کیا ہے۔ کل رات نگینہ کا فون ہاسٹل سے آیا تھا۔ اس نے اس بات کا شبہ ظاہر کیا ہے کہ وہاں بھی اس کی زندگی کو خطرہ ہے یہ بات مجھے میڈم روبی نے بتائی ہے کسی خاص وجہ سے انہوں نے براہ راست آپ کو فون نہیں کیا۔''

''کوئی وجہ بھی بتائی ہو گی؟''

''نہیں لیکن وہ خاصی پریشان لگ رہی تھیں۔ میڈم کا یہی اصرار تھا کہ میں پہلی فرصت میں

آپ کو اطلاع دے دوں۔"

"ٹھیک ہے، میں اس سے مل لوں گا۔"

"لیاقت حسین بھی آپ کی طرف گیا ہے شاید اسے آپ کے اورنگ زیب صاحب نے کسی خاص کام کی وجہ سے طلب کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" سراج نے سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اورنگ زیب کو نگینہ کے فون کے بارے میں بتایا پھر جب لیاقت حسین کی بات کی تو اورنگ زیب نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں نے لیاقت حسین کو فون نہیں کیا تھا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ میڈم روبی نے براہ راست فون کرنے سے گریز کیوں کیا۔ کیا اسے پھر کسی قسم کا خطرہ لاحق ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ یکے بعد دیگرے نگینہ اور دلربا کے اغوا نے سکندر علی شاہ کے علاوہ کچھ اور لوگوں کو بھی ضرور چونکا دیا ہوگا۔ آپ کے ریسٹ ہاؤس جانے والا معاملہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔"

"اور لوگوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"آپ کا آکٹوپس جو بلا واسطہ یا بالواسطہ سکندر علی شاہ کو اپنے اشاروں پر نچاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی کے اشارے پر ریسٹ ہاؤس والا پروگرام بھی التوا کا شکار ہو گیا ہو۔"

"کسی وقت الماس سے اپنی نظر اتروا لینا۔" اورنگ زیب نے ستائشی انداز میں کہا پھر لیاقت حسین کے آنے کی اطلاع پا کر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"کیسے ہو لیاقت حسین؟" سراج نے اسے مخاطب کرنے میں پہل کی۔

"اللہ کا کرم ہے جو بھلا چنگا ہوں۔"

"ہمیں وقتی طور پر پھر تمہاری ضرورت پڑ گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں دو چار دن ہمارے ساتھ ہی رہنا پڑے۔" اورنگ زیب نے کہا۔

"آپ خدمت کا موقع دیتے ہیں یہ بھی میری عزت افزائی ہے۔"

"تمہیں معلوم تو ہوگا اس وقت ہمیں کہاں چلنا ہے؟" سراج نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"مجھے صرف آنے کا حکم ملا تھا۔" اس نے اورنگ زیب کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "کسی جگہ کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔"

ٹھیک ہے، میں تیار ہو کر آتا ہوں۔" اورنگ زیب اٹھ کر اندر چلا گیا۔ دو منٹ بعد اس نے سراج کو بلا لیا پھر بڑے معنی خیز انداز میں بولا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ہوسکتا ہے لیاقت حسین کو مس جوزف کے وومن ہاسٹل کا خیال آجائے۔"

"میں سمجھا نہیں؟" سراج نے وضاحت طلب انداز میں دریافت کیا۔

"تم نے بتایا تھا کہ کچھ غیبی طاقتیں لیاقت حسین کی رہنمائی کرتی ہیں۔ میرے فون کے بغیر لیاقت حسین نے میرا حوالہ دیا ہے تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔"

"ہوسکتا ہے۔" سراج نے پر خیال انداز میں جواب دیا۔ کچھ دیر بعد سراج اور اورنگ زیب

باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔لیاقت حسین نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔اورنگ زیب نے مس جوزف کے ہاسٹل کے علاقے میں واقع ایک معروف سپر اسٹور پر چلنے کو کہا تو گاڑی حرکت میں آگئی۔راستے میں ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا پھر اس وقت سراج کو بھی تعجب ہوا جب لیاقت حسین نے سپر اسٹور کے سامنے سے گزرنے کے بعد گاڑی مس جوزف کے ہاسٹل کے برابر بنے ہوئے ایک میڈیکل اسٹور پر روکی اور تیزی سے نیچے اتر کر اس آدمی کے قریب چلا گیا جو میڈیکل اسٹور کے باہر اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔لیاقت حسین نے اس کے قریب پہنچ کر اچانک اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو اورنگ زیب اور سراج بھی گاڑی سے اتر کر قریب چلے گئے۔

''خنزیر کا تخم، بولو تم ادھر کس کا انتظار کر رہا ہے؟''

''تہذیب سے بات کرو تم کون ہو؟''

''ہم تمہارا باپ ہے ولد الحرام۔''لیاقت حسین نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کر کے کرخت لہجے میں کہا۔

''تم بتاؤ، تم ادھر کس کا انتظار کر رہا ہے؟''

''لیاقت حسین جس انداز میں نوجوان سے دست و گریباں ہوا تھا اسے دیکھ کر کچھ راہگیر بھی رک گئے۔میڈیکل اسٹور کے ملازموں کے علاوہ قریب ہی کھڑا ایک کانسٹیبل بھی قریب آگیا۔وہ لیاقت حسین کی طرف بڑھ رہا تھا جب سراج نے اسے روک دیا۔اپنی شناخت کروائی تو کانسٹیبل نے سلیوٹ کرنے کے بعد کہا۔''

''میرے لیے کوئی حکم؟''

''اس بات کا خیال رکھو کہ یہاں مجمع نہ ہونے پائے۔''اورنگ زیب نے تحکمانہ لہجے میں کہا پھر وہ قدم اٹھاتا لیاقت حسین کے قریب جا کر بولا۔

''یہ کون آدمی ہے لیاقت حسین؟''

''آپ ہاسٹل کے اندر جاؤ صاحب۔''لیاقت حسین نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔''جس کو یہاں جان بچانے کے لیے رکھا گیا اس عورت کی زندگی خطرے میں ہے اور یہ...... بدذات بھی اس عورت کا ساتھی ہے جو یہاں کام کرتی ہے۔''

''اورنگ زیب کے ذہن میں جھماکا ہوا وہ سراج کو رکنے کا اشارہ کرتا ہوا تیزی سے مس جوزف کے ہاسٹل میں داخل ہوا۔مس جوزف تک رسائی حاصل کرنے میں اسے بہ مشکل پانچ منٹ لگے تھے۔اورنگ زیب نے تعارف کروایا تو مس جوزف خود اس کے ساتھ اٹھ کر فرسٹ فلور کے اس کمرے تک گئی جہاں نگینہ کو رکھا گیا تھا مگر اندر قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔نگینہ اپنے بستر کے بجائے فرش پر چت پڑی تھی۔اس کے منہ سے خارج ہونے والا جھاگ بتا رہا تھا جو سریع التاثیر زہر اسے دیا گیا تھا وہ اپنا کام کر چکا تھا کچھ دیر بعد ہاسٹل کی ریذیڈنٹ لیڈی ڈاکٹر نے بھی اس کی

تصدیق کر دی۔اس کے بعد اس لیڈی ورکر کو حراست میں لے لیا گیا جو فرسٹ فلور پر رہائشی لڑکیوں کے کمرے کا خیال رکھتی تھی۔تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اس نے بھی اپنا جرم تسلیم کرلیا۔یہ بھی انکشاف کیا کہ جو شخص باہر موجود ہے اسی کے کہنے پر اس نے وہ دوا نگینہ کو پلائی تھی۔یہ بھی اقرار کیا کہ اگر وہ اس کا حکم نہ مانتی تو خود اس کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جاتی۔"

اورنگ زیب نے مس جوزف کے آفس میں آکر ملحقہ تھانے کے انچارج کو طلب کیا۔ساری صورت حال بتانے کے بعد یہ تاکید بھی کر دی کہ اس کا اور سراج کا نام کہیں درمیان میں نہ آنے پائے۔تھانہ انچارج نے باہر موجود نوجوان کو بھی حراست میں لے لیا۔مس جوزف نے بھی تھانہ انچارج سے یہی درخواست کی تھی کہ اس کے ہاسٹل کا نام درمیان میں نہ آنے پائے ورنہ اس کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔

"میں کوشش کروں گا لیکن وعدہ نہیں کرسکتا۔"

اورنگ زیب تھانہ انچارج کو علیحدگی میں کچھ مزید ہدایات دینے کے بعد باہر آیا تو سراج اس کا بے چینی سے منتظر تھا۔لیاقت حسین ڈرائیونگ سیٹ پر بڑے سکون سے بیٹھا تھا۔انداز ایسا ہی تھا جیسے جو کچھ ہو چکا اس کے بارے میں اسے مطلق کوئی علم نہیں تھا۔پولیس کے آجانے سے باہر مجمع بھی منتشر ہو چکا تھا۔

اورنگ زیب اور سراج کے گاڑی میں گھر جانے کے بعد بھی لیاقت حسین گم صم ہی رہا پھر اس نے حسب پروگرام سپر اسٹور پر گاڑی روکی تو اورنگ زیب نے کوئی اعتراض نہیں کیا،سراج کو لے کر سپر اسٹور میں چلا گیا۔

"یہ سب کچھ میرے لیے حیرت انگیز ہے۔لیاقت حسین کا خالق نیلی چھتری والا ہے۔"سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔"اور اس کی مصلحتیں اس کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا جن و ملک بھی اس کے آگے لاچار ہیں۔میں نے اسی وجہ سے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ فارم ہاؤس جائیں تو لیاقت حسین کو ضرور ساتھ رکھیں۔"اورنگ زیب نے اثبات میں سر ہلایا پھر اس نے موبائل نکال کر سکندر علی شاہ کے نمبر ڈائل کیے،دوسری گھنٹی پر رابطہ قائم ہو گیا تو اس نے بڑی راز داری سے کہا۔

"آپ کا دوست بول رہا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے دوست تسلیم کرلیا۔"

"میں آپ سے نگینہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر براہ راست بات ہو جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ابھی تک کھلے دل سے مجھے اپنا دوست تسلیم نہیں کیا۔"اورنگ زیب کے لہجے میں کاٹ تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔"سکندر علی شاہ نے اس بار بھی تجاہل عارفانہ سے کام لیا تو اورنگ زیب نے

کھل کر کہا۔

''مجھے اس بات کا علم تھا کہ وہ گھر سے فرار ہوگئی تھی۔ بعد میں یہ بھی سراغ مل گیا کہ اس نے مس جوزف کے وومن ہاسٹل میں پناہ لی ہے۔ میں اس وقت وہیں سے آرہا ہوں۔''

''یہ بات ایسی نہیں تھی کہ میں آپ کو بتاتا۔ بدنامی کا اندیشہ ہی سمجھ لیں لیکن میں اب مس جوزف کو بھی دیکھ لوں گا جس نے اسے پناہ دی تھی۔''

''اب وقت آپ کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے شاہ جی۔'' اورنگ زیب نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''ہاسٹل کی ایک لیڈی ورکر نے کسی کے اشارے پر اسے زہر دے کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا ہے۔''

''گڈ۔ میں بھی اس بدنامی کے داغ کو دھونا چاہتا تھا لیکن ایک دوست کی حیثیت سے آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ اس موت میں میرا ہاتھ شامل نہیں ہے۔''

''یہ بھی جانتا ہوں اسی لیے میں نے معاملہ تھانہ انچارج کے حوالے کر کے یہ تاکید کر دی ہے کہ میرا یا آپ کا نام کہیں درمیان میں نہ آنے پائے۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' سکندر علی شاہ کے لہجے میں اس بار اپنائیت ہی اپنائیت تھی۔

''میرا مشورہ ہے کہ ہم دونوں کو اس سلسلے میں خاموش رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا۔'' اورنگ زیب نے اپنا جملہ مکمل کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔

✣✣✣

دو روز گزر گئے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔

اس وقت بھی وہ سرمستی کے عالم میں بستر پر بے سدھ پڑا تھا۔ نیم غنودگی کے عالم میں اس کا ہاتھ بستر پر دور تک رینگا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بستر کی شکنیں گواہ تھیں کہ کرنل احتشام نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا بھی کر دیا تھا۔ دو راتوں سے شبنم اس کی زندگی کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ اب ان دونوں کی خواب گاہ ایک تھی لیکن شبنم اس وقت بستر پر موجود نہیں تھی۔ اس نے دستی گھڑی پر نظر ڈالی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس وقت دس بج رہے تھے۔

کچن سے انڈا تلنے کی آواز سن کر وہ تیزی سے لپکتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ جلدی جلدی غسل کر کے نکلا تو شبنم ناشتے کی میز پر اس کی منتظر تھی۔

''آج آپ نے اٹھنے میں پھر دیر کر دی۔'' شبنم نے بڑی محبوبیت سے شکوہ کیا۔ ''کل آپ نے وعدہ کیا تھا کہ نو بجے اٹھ جائیں گے۔''

''اس میں بھی تمہاری غلطی ہے۔'' افضل خان نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ ''تم نے محبت سے جگا دیا ہوتا تو......''

''تو آپ پھر اپنی من مانی شروع کر دیتے۔'' شبنم روانی میں کہہ گئی پھر اس نے ناشتے کی طرف اشارہ کیا۔ ''چلیے اب جلدی سے ناشتا کر لیجیے پھر شاید یہ بھی ممکن ہے کہ......''

''تم خود سے مجھ پر مہربان ہو جاؤ۔'' افضل خان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بلی کے خواب میں چھیچھڑے۔'' شبنم نے شوخی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''کرنل احتشام کا فون دوبار آچکا ہے۔'' پھر ان کے درمیان گفتگو جاری تھی کہ کرنل کا فون پھر آ گیا۔

''افضل بول رہا ہوں سر۔''

''وش یو ہیپی ہنی مون ٹو بوتھ آف یو۔'' کرنل نے بڑے خلوص سے کہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''جو لوگ ایکٹو سروس میں ہوتے ہیں ان کی زندگی خود سے زیادہ قوم کی امانت ہوتی ہے۔''

''جانتا ہوں سر لیکن دنیا داری بھی......''

''تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا ینگ مین کہ قوم کی ضرورت دنیا داری سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔'' کرنل نے بات جاری رکھی۔ ''جس دن میری انگیج منٹ ہوئی تھی اس کے دو دن بعد ہی مجھے فرنٹ لائن پر جانے کے آرڈر بھی مل گئے تھے۔ میں نے جان بوجھ کر تمہیں دو دن ڈسٹرب نہیں کیا لیکن اب...... تمہیں پہلی فرصت میں ناگی کی مہم کو سر کرنا ہے۔ دشمن کو ڈھیل دینا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔''

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے کرنل۔ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا صرف ایک درخواست ہے۔''

''سمجھ رہا ہوں...... شبنم۔'' کرنل نے ذہانت کا ثبوت دیا۔ ''ڈونٹ وری ینگ مین، تمہاری غیر موجودگی میں میرے آدمی زیادہ الرٹ رہیں گے۔''

''شکریہ کرنل۔''

''ایک بات کا خیال رکھنا، ناگی کسی کوبرا سے بھی زیادہ خطرناک اور زہریلا ہے۔ تمہیں ہر قدم پر محتاط رہنا ہوگا۔''

''مچان پر بیٹھ کر کسی درندے کو شکار کرنا بھی میری عادت کے خلاف ہے۔'' افضل خان نے سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ ''جیت ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے جو موت کی پروا کیے بغیر خطروں سے کھیلنے کا عادی ہو۔''

''وش یو گڈ لک۔'' دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ افضل خان نے موبائل آف کر کے شبنم کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''تم سے دور رہنا میرے لیے آسان نہیں ہوگا۔''

''جو لوگ دل میں رہتے ہوں، آنکھوں میں بسے ہوں، کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہتے۔'' جواب میں افضل خان نے شبنم کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا پھر دوبارہ ناشتا کرنے میں مصروف ہو گیا۔

⁘⁘⁘

''دلربا نے جس زندگی کا آغاز کیا تھا اس میں آئے دن حادثات اور چھوٹے موٹے خطرات

پیش آتے رہتے تھے۔ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر ہی اس نے خود کو سکندر علی شاہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا پھر سکندر علی شاہ کے بعد اسے ناگی جیسے آدمی کی حمایت بھی حاصل ہوگئی تھی مگر اب وہ جن حالات سے دوچار تھی وہ اس کے لیے بھی حیران کن تھی۔''

اغوا کرنے والوں نے ابھی تک کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں کی تھی۔ایک صاف ستھرے کمرے میں رکھا گیا تھا جہاں فوری ضرورت کی ہر آسائش میسر تھی۔تینوں وقت اسے پابندی سے خوراک بھی مل رہی تھی۔جو شخص پہرے پر موجود تھا وہ بھی کڑیل جوان تھا لیکن اس نے بھی دلربا کی طرف میلی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کا موبائل بھی اس کے پاس موجود تھا یہ اور بات کہ دلربا نے ابھی تک اس کو استعمال نہیں کیا تھا۔وجہ معقول تھی،اسے اندیشہ تھا کہ شاید موبائل پر ہونے والی گفتگو کیسی خفیہ ڈیوائس کے ذریعے دوسری جانب سے سن لی جائے۔

اس کے ذہن میں اس وقت بھی متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔اسے اغوا کرنے والے کون تھے اگر ان کا مقصد غلط نہیں تھا تو پھر اسے کیوں اٹھا لیا گیا تھا؟وہ کیا چاہتے تھے۔کس بات کا انتظار کر رہے تھے؟

اس وقت بھی وہ ان ہی خیالوں سے الجھ رہی تھی جب پہلی بار اس کے موبائل پر سگنل ملا،روشن اسکرین پر جو نمبر ابھرے وہ اس کے لیے نئے تھے۔پل بھر کے لیے اس نے کچھ سوچا پھر موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔سپاٹ اور خشک لہجے میں سوال کیا۔''کون بول رہا ہے۔''

''اپنا ہمدرد ہی سمجھو؟''

''اس ہمدردی کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔'' دلربا کی خوب صورت پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''حماقت بھی کہہ سکتی ہو۔'' جواب میں تلخ لہجہ اختیار کیا گیا۔''تم جس جال میں پھنسنے والی تھیں وہ شاید تمہاری جیسی خاتون کے لیے زیادہ حسب حال ہوتا۔''

''کیا مطلب؟''

''تم ابھی تک یہاں عزت سے ہو۔'' اس بار بڑے سرد لہجے میں جواب ملا۔''اگر ناگی تم کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو شاید تمہارے سارے انجر پنجر ڈھیلے پڑ چکے ہوتے۔سکندر علی شاہ کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا کہ آستین کے سانپ نے تمہیں ڈس لیا ہے۔''

''ناگی کو تم کس طرح جانتے ہو؟'' نگینہ نے قدرے سنبھل کر پوچھا۔

''اس کا کچھ قرض مجھ پر واجب الادا ہے اسے بھی چکتا کرنا تھا۔'' بدستور تلخ اور تند انداز میں جواب ملا۔

''تمہاری جیسی انمول چیز کے گم ہو جانے کے بعد اب وہ پاگل کتوں کے مانند کونے کھدرے چھانتا پھر رہا ہے۔''

''کیا سکندر علی شاہ کو اس کا علم ہے کہ ناگی......''

''تم اس سلسلے میں براہ راست شاہ جی سے بات کر سکتی ہو۔'' اس بار دلربا کا جملہ کاٹ کر کہا

گیا۔ ''میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ آخری بار اس کے کسی آدمی نے جگا نامی بدمعاش کا روپ اختیار کر کے تم سے ملاقات کی تھی وہ غلطی بھی ناگی کو بہت بھاری پڑ رہی ہے۔''

''کیا تم جگا کے آدمی ہو؟'' دلربا نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

''حماقت کے سوالات کرنے سے گریز کرو۔ چاہو تو اپنے شاہ جی سے فون پر بات کر لو۔ ناگی کی اصلیت کی بھنک میرے خیال میں ان کو بھی مل چکی ہوگی۔''

''تم شاہ جی کو کیسے جانتے ہو؟''

''مجھے بھی ان کا معتقد سمجھ لو لیکن میری اصلیت سے وہ بھی ناواقف ہے۔''

''کیا میں تمہارے نمبروں پر دوبارہ رابطہ قائم کر سکتی ہوں۔''

''نہیں...... یہ سم میں حسب ضرورت استعمال کرتا ہوں۔ ایک دو روز بعد میں دوبارہ کال کر لوں گا۔ ایک بات اور سن لو شاید تمہارے لیے وہ بھی کارآمد ہو......'' بات جاری رکھی گئی۔ ''نگینہ بھی اوپر جا چکی ہے۔ اس کی موت میں بھی ناگی کا خفیہ ہاتھ شامل ہے لیکن تم اس کا حوالہ شاہ جی کو نہ دینا۔ وہ خود بھی ایک نادیدہ ہمدرد نما دشمن کے ہاتھوں بے بسی کا شکار ہیں۔''

''تمہاری معلومات میرے لیے حیرت انگیز ہیں۔'' دلربا نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تمہیں ان باتوں کا کیسے علم ہوا جس کے بارے میں شاہ جی نے کبھی مجھ سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔''

''ضروری نہیں کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں۔''

''مجھے کس مقصد سے یہاں رکھا گیا ہے؟''

''شاہ جی کا مرید ہونے کی وجہ سے تمہاری حیثیت بھی میرے لیے اہم تھی ورنہ مجھے تم جیسی لڑکیوں سے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔''

''صرف ایک سوال اور کروں گی۔'' دلربا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر شاہ جی کہیں تو کیا تم مجھے آزاد کر دو گے؟''

''ہاں...... لیکن تم آزاد ہونے کے بعد کسی بھی ایسی بات کا حوالہ نہیں دو گی جو اس وقت میرے اور تمہارے درمیان ہوئی ہیں۔''

''کیا ناگی پر شبہے کا اظہار کر سکتی ہوں؟''

''ناگی کا تذکرہ کرنا اہم ہے اس لیے کہ اسی کی نیت تم پر خراب ہو گئی تھی۔'' دوسری طرف سے جواب دینے کے بعد رابطہ بھی ختم کر دیا گیا۔ دلربا کچھ دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے براہ راست سکندر علی شاہ کے نمبر ڈائل کیے۔

''تم......'' پہلی گھنٹی کے بعد ہی سکندر علی شاہ کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ ''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''مجھے اس کا اندازہ نہیں ہے۔''

''اس...... کا نام بتاؤ جس نے تمہیں اغوا کیا ہے۔ میں اسے قبر سے بھی برآمد کر لوں گا۔''

''میں اس کے بارے میں صرف ایک شبہ ظاہر کرسکتی ہوں کہ وہ ناگی کا آدمی ہوگا۔''

''یہ...... یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔''

''اس کا کوئی کارندہ آخری بار مجھ سے جگا بدمعاش کے میک اپ میں ملا تھا۔''

''تم...... جگا کو کس طرح جانتی ہو؟''

''جو آدمی بھیس بدل کر ملنے آیا تھا اس نے جگا کا نام بھی لیا تھا۔'' دلربا نے خوب صورتی سے بات بنائی۔ ''میرا موبائل بھی اغوا کرنے والوں نے آج ہی واپس کیا ہے۔ یہ بھی اسی نے بتایا ہے کہ ناگی کی نیت میرے اوپر خراب ہوگئی تھی۔ پہلا فون میں نے آپ کو کرنا مناسب سمجھا۔''

''اچھا کیا لیکن ہوسکتا ہے کہ تمہاری گفتگو کہیں اور بھی سنی جارہی ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہی سن رہا ہو جس نے موبائل واپس کیا ہے۔'' دلربا نے اس بار بھی دور اندیشی سے جواب دیا۔ ''اسی نے کہا تھا کہ میں موبائل پر آپ سے علاوہ کسی سے بات کرنے کی غلطی نہ کروں...... ایک بات اور بھی کہی تھی۔''

''وہ کیا؟''

''مجھے آزاد کیا جاسکتا ہے صرف آپ کے اشارے پر۔''

''میں نہیں سمجھا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے اور اسے میرے اشارے کا علم کس طرح ہوگا۔''

''وہ کل مجھے دوبارہ فون کرے گا۔''

''مم...... میں تمہیں ہر قیمت پر دوبارہ حاصل کرنے کو تیار ہوں۔'' دوسری طرف سے سنجیدگی سے جواب ملا۔ ''اس کے بعد تمہاری حفاظت کا ایسا بندوبست کروں گا کہ کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکے گا۔''

''ایک درخواست اور کروں گی۔ جب تک میں یہاں سے آزاد نہ ہو جاؤں آپ ناگی سے کوئی تذکرہ نہیں کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' سکندر علی شاہ نے جواب دیا پھر اس نے موبائل آف کردیا۔

دلربا کا فون خلاف توقع آنے کے بعد سکندر علی شاہ کے شاطر ذہن میں بہت سارے شبہات سر ابھار رہے تھے۔ ایک نام شکرہ کا بھی تھا جو سکندر علی شاہ کے لیے سوہان روح بنتا جارہا تھا۔

✣✣✣

رستم علی آغا خانی اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا لیڈی اسٹینو کو ایک کاروباری خط ڈکٹیٹ کروارہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی، ایک لمحے کو وہ الجھ گیا۔ اس نے اپنی پرسنل سیکرٹری کو سختی سے تاکید کررکھی تھی کہ جب وہ کسی دفتری کام میں مصروف ہو تو کال اندر ٹرانسفر نہ کی جائے۔ بہرحال یہ سوچ کر اس نے ریسیور اٹھالیا کہ ممکن ہے کہ وہ کوئی اہم کال ہو۔ اس کا اندازہ ٹھیک ہی ثابت ہوا۔

''ہیلو ڈیڈ، آپ کیسے ہو؟'' دوسری جانب سے دارا کی آواز سنائی دی۔

''ٹھیک ہوں۔'' رستم علی آغا خانی نے کہا۔ ''تمہارے چلے جانے کی وجہ سے کاروباری

مصروفیات کا سارا بوجھ مجھے اکیلے ہی سنبھالنا پڑتا ہے؟''

''امی کی طبیعت کیسی ہے؟''

''وہ تمہاری اور روشنا کی کمی شدت سے محسوس کرتی ہے۔''

''مجھے اس کا احساس ہے لیکن یہاں بھی ہماری غیر موجودگی کے سبب کاروبار کی دیکھ بھال صحیح طور پر نہیں ہو رہی ہے۔ ایک دو ورکر کی چھانٹی بھی کرنی پڑی۔''

''کاروبار میں ایسا ہوتا رہتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ تم وہاں دو چار مہینے گزار کر واپس آجاؤ۔''

''سوری ڈیڈ......'' اس بار دارا نے دبی زبان میں کہا۔ ''میں نے جن وجوہات کی بنا پر شفٹنگ کی ہے اسے زبان تک نہیں لاسکتا۔ ہو سکے تو آپ مما کو لے کر دو تین مہینے کے لیے یہاں آجائیں۔''

''تمہاری مما کا بھی یہی پروگرام تھا لیکن تجارتی پالیسی کی کچھ تبدیلیوں کے باعث فی الحال سر اٹھانے کی بھی مہلت نہیں ہے۔ جیسے ہی موقع ملا کچھ وقت ضرور نکال لوں گا۔ روشنا کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''خود کو حالات سے ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔''

''میں جانتا ہوں کہ وہ مستقل طور پر یہاں سے جانے کے حق میں نہیں تھی لیکن تم نے نہ جانے کیوں اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔''

''سوری ڈیڈ۔'' دارا نے دبی زبان میں کہا۔ ''سچ ہے کہ روشنا اب بھی بار بار واپسی کی ضد کرتی رہتی ہے لیکن وہاں رہنا اس کے لیے مناسب نہیں تھا۔''

''تم چاہتے تو میجر عاطف سے بھی مدد لے سکتے تھے وہ تم دونوں کا دوست بھی ہے۔''

''اس کا فون بھی آتا رہتا ہے لیکن میں نے اس کو یہی بتایا ہے کہ میرا اور روشنا کا آنا ناگزیر تھا۔''

''ماں سے بات کی تم نے؟''

''ان کا فون انگیج تھا اس لیے آپ سے کال ملالی۔''

''اچھا کیا روشنا کو ہماری طرف سے دعا دینا اور اپنا خیال رکھنا۔''

''رستم علی آغا خانی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیڈی اسٹینو کو فارغ کرنے کے بعد اس کے ذہن نے ان وجوہات کو کھوجنا شروع کر دیا جس کے سبب دارا اچانک روشنا کو لے کر بیرون ملک منتقل ہو گیا تھا۔ خاصی دیر وہ مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا پھر انٹر کام کے بزر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

''یس۔'' اس نے ریسیور اٹھا کر لیڈی سیکرٹری سے رابطہ قائم کیا۔

''سر، سیکرٹری انڈسٹریز کے ایک ورکر آپ سے فوری طور پر ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیا نام ہے؟''

''کسی وجہ سے وہ نام نہیں بتا سکتے لیکن کاروباری معاملہ ہے۔'' لیڈی سیکرٹری نے کہا۔ ''نئی

تجارتی پالیسی کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے۔"

"ٹھیک ہے، بھیج دو۔"

"دومنٹ بعد جو آدمی اندر داخل ہوا وہ تھری پیس سوٹ میں تھا۔ پستہ قد ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی صحت بھی قابل رشک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے رستم علی آغا خانی سے ہاتھ ملایا پھر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ سے پہلی بار مل رہا ہوں۔" رستم علی آغا خانی نے گفتگو کا آغاز محتاط انداز میں کیا۔ "کیسے زحمت کی؟"

"سب سے پہلے میں ایک غلط بیانی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ میرا تعلق انڈسٹریز سے نہیں اسٹاک مارکیٹ سے ہے۔"

"آئی سی...... کوئی خاص انفارمیشن؟"

"دو روز بعد امریکہ اپنی نئی ڈیفنس پالیسی کا اعلان کرنے والا ہے جس کے بعد ڈالر کا ریٹ کم از کم پندرہ پرسنٹ بڑھ جانے کی توقع ہے۔"

"سوری...... میں کرنسی کے معاملات میں ہاتھ ڈالنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"حیرت ہے، پندرہ پرسنٹ کچھ کم نہیں ہوتے۔"

"میرے پاس وقت کم ہے۔" جواب بے زاری سے دیا گیا۔ "اور کوئی بات؟"

"اب آپ کے آفس تک آ گیا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔" نووارد نے ڈھٹائی سے کہا۔ "کچھ نہ کچھ سودا تو ضرور کروں گا۔"

"میرا خیال ہے تم اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہو۔"

"ایک قیمتی آئٹم اور بھی ہے میرے پاس۔ ایک نظر اسے بھی دیکھ لو سیٹھ ہو سکتا ہے کہ بات بن جائے۔" نووارد نے اس بار سرسراتے لہجے میں کہا پھر ایک لفافہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔

رستم علی آغا خانی کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔ اس نے فوری طور پر یہی سوچا تھا کہ خفیہ کال بیل کو دبا کر اپنے خاص آدمیوں کو طلب کرے اور نووارد کو ڈنڈا ڈولی کر کے باہر پھنکوا دے لیکن پھر اس نے کچھ سوچ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ نووارد کی نگاہوں میں جو اعتماد نظر آ رہا تھا وہ اس قدر معنی خیز تھا کہ رستم علی آغا خانی نے ایک نظر اس لفافے پر بھی ڈالنی ضروری سمجھی جو اس کے سامنے رکھا ہوا تھا پھر جب اس نے لفافہ کھول کر اندر موجود پہلی تصویر دیکھی تو اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ دارا اور روشنا کے فوری طور باہر چلے جانے کا ایک اصلی سبب اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ روشنا کی ایک برہنہ تصویر تھی جس کا جسم لباس کی قید سے یکسر آزاد تھا۔

"ایسے تین چار شاہکار اور بھی ہیں میرے پاس۔" نووارد مسکرایا۔

"کیا چاہتے ہو؟" رستم علی آغا خانی نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔

"نیگیٹو سمیت تمام تصویروں کی واپسی کے عوض تمہارے لیے خاص رعایتی قیمت بیس لاکھ، وہ

بھی فوری ادائیگی کی صورت میں۔'' نووارد زہرخند سے بولا۔'' تمہاری کاروباری ساکھ اور خاندانی عزت کے لیے یہ رقم کچھ اتنی زیادہ بھی نہیں ہے۔''

''اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ تم کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھو گے؟''

''تمہیں میری زبان پر اعتبار کرنا پڑے گا، کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔''

''کیا تم سب کچھ ساتھ لائے ہو؟ رستم علی آغا خانی نے سوال کیا۔''

''نہیں۔'' نووارد نے مسکرا کر جواب دیا۔'' فوری طور پر تمہیں کم از کم دو لاکھ ادا کرنے ہوں گے نقدی کی صورت میں۔ باقی رقم بھی نقدی ہی کی صورت میں تیار رکھنا۔ میں کسی وقت بھی آ کر تصویریں اور نیگیٹو تمہارے حوالے کر کے وصول کرلوں گا۔''

رستم علی آغا خانی کے لیے خاندانی عزت بچانے کے لیے یہ سودا اتنا مہنگا بھی نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر سیف سے رقم نکال کر نووارد کے سامنے رکھ دی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''مجھے یہاں آتے وقت پورا یقین تھا کہ تم میری آفر قبول کرلو گے۔''

''تت...... تم اب جا سکتے ہو۔'' رستم علی آغا خانی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔'' اپنا وعدہ یاد رکھنا میں حسب وعدہ رقم تیار رکھوں گا۔''

''تم نے ابھی تک میرا نام دریافت نہیں کیا۔''

''نووارد نے بڑی بے پروائی سے رقم جیب میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔''

''مجھے نام کی نہیں کام کی ضرورت ہے۔''

''نام بھی ضروری ہے۔'' نووارد نے کہا۔'' ہوسکتا ہے کہ میں دوبارہ آؤں تو کسی اور حلیے میں آؤں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' رستم علی آغا خانی چونکا۔

''فی الحال اتنا سمجھ لو کہ تم نے میرے ساتھ مفت کا سودا کیا ہے۔ تصویروں کے حصول سے پہلے ممکن ہے کہ دارا بھی روشنا کو ساتھ لے کر ہمیشہ کے لیے واپس لوٹ آئے۔''

''کون ہو تم؟''

''جواب دینے سے پہلے نووارد نے بڑی سرعت سے اپنا بے آواز آٹو میٹک ریوالور جیب سے نکال کر رستم علی آغا خانی پر تان لیا پھر بدلی ہوئی آواز میں بولا۔''

''تمہاری موت کے بعد تمہاری بیوہ کو دارا کی ضرورت ہوگی۔ اس ضرورت کو دارا بھی نظر انداز نہیں کرے گا۔''

''تت...... تت...... تم......'' رستم علی آغا خانی اس طرح چونکا جیسے بے خیالی میں اس کا ہاتھ بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے نووارد کو گھور رہا تھا۔

''ہاں یہ میں ہوں...... تمہارا پرانا واقف کار...... شیخ حامد تم چاہو تو آکٹوپس بھی کہہ سکتے ہو۔'' اس کے بعد رستم علی آغا خانی کو بولنے کا موقع نہیں ملا۔ ٹچ...... ٹچ کی مدھم آواز کے ساتھ ہی وہ

اپنی ریوالونگ چیئر پر ڈھلک کر سمٹ گیا تھا۔

✣✣✣

اخبارات میں رستم علی آغا خانی کی موت کی خبر آکٹوپس کے مخصوص نشان کے ساتھ شائع ہوئی تو دبی ہوئی چنگاریاں پھر بھڑک اٹھیں کاروباری حلقوں نے تین روز کے سوگ کے علاوہ بڑے پیمانے پر احتجاج کیا تو صوبے سے لے کر مرکز تک تمام اعلیٰ افسروں کی نیندیں بھی اڑ گئیں۔ وزیر داخلہ نے خانہ پری کی خاطر پریس کانفرنس بھی طلب کرلی۔ حسب دستور وہی گھسے پٹے پولیس کے پرانے دعوے دہرائے گئے کہ مجرم کے علاوہ اپنے فرائض سے چشم پوشی کرنے والے ذمے داروں کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ کسی رینک کا آفیسر کیوں نہ ہو۔

مقامی آئی جی نے وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنی نااہلی کا اعتراف کرتے ہوئے استعفیٰ پیش کیا جسے اس کی بدقسمتی سے پھر نامنظور کردیا گیا۔ یہ ہدایت بھی سخت لہجے میں دی گئی کہ مجرموں کو فوری طور پر قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کی خاطر سخت اقدامات کیے جائیں اور تمام افسران کو ہائی الرٹ کر دیا جائے۔

اس ضمن میں سراج اس وقت ڈی آئی جی کے آفس میں موجود تھا اس کے علاوہ دو ایس پیز بھی تھے۔

”رستم علی آغا خانی کے سلسلے میں اوپر سے جو احکامات موصول ہوئے ہیں اس کا علم آپ سب کو بھی ہوگا۔“ ڈی آئی جی نے رسمی گفتگو کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ”تجارتی حلقوں نے بھی حکومت کو مطلع کردیا ہے کہ اگر مرحوم کے قاتلوں کو گرفتار نہ کیا تو ٹیکس کی ادائیگی روک دیں گے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مطالبات کیے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں مجرم یا مجرموں کو گرفتار کرنا پولیس کی ذمے داری ہے جس سے ہم چشم پوشی نہیں کرسکتے۔“

”ہم بھی صورت حال کی سنگینی کو محسوس کر رہے ہیں لیکن آکٹوپس ایک فرضی نام ہے جس کا علم کسی کو نہیں۔“ ایک ایس پی نے کہا۔ ”بغیر کسی نام و پہچان کے ہم ہواؤں سے تو نہیں لڑ سکتے۔“

”آپ کا کہنا کسی حد تک درست ہے لیکن ہم سب اس بات سے بھی واقف ہیں کہ ایس پی مسٹر اورنگ زیب نے شیخ حامد کو یہ نام دیا ہے۔“

”شیخ حامد کے سلسلے میں آخری اطلاع یہی ہے کہ وہ اور اس کا کوئی ساتھی ہیلی کاپٹر کی تباہی کے ساتھ ہی سمندر برد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد سے شیخ حامد کا کوئی سراغ کسی کو نہیں ملا۔“ دوسرے ایس پی نے دلیل پیش کی۔

”لیکن اس کی لاش بھی برآمد نہیں ہوسکی تھی۔“ ڈی آئی جی نے پہلو بدل کر کہا۔ ”ایسی صورت میں یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ کسی طرح بچ گیا پھر ہماری نظروں سے روپوش ہو جانے میں ہی اس کی عافیت بھی تھی۔“

”ایک بات اور بھی ممکن ہے۔“ پہلے ایس پی نے جواز پیش کیا۔ ”ممکن ہے کہ شیخ حامد اور

آکٹوپس کے نام سے کوئی دوسرا مجرم فائدہ اٹھا رہا ہو۔''

''ان مفروضوں پر پہلے بھی بہت کہا جا چکا ہے لیکن بہر حال رستم علی آغا خانی کے قاتل یا قاتلوں کو گرفتار کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔'' ڈی آئی جی نے بات جاری رکھی۔ ''مقتول کی لیڈی سیکرٹری نے اس شخص کا تفصیلی حلیہ بتایا ہے جو آخری بار رستم علی آغا خانی سے ملنے آیا تھا، فائل پر موجود ہے لیڈی سیکرٹری نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے اس شخص کو پہلی بار دیکھا تھا جبکہ وہ مقتول کے دفتر میں پانچ سال سے موجود سیٹ پر کام کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہمارے لیے قابل غور ہے۔ جائے وقوعہ سے فنگر پرنٹس کے نشانات بھی نہیں ملے۔ یہ نقطہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ملزم انتہائی چالاک اور شاطر ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ شیخ حامد کے کیس پر ایس پی اورنگ زیب شروع سے کام کر رہے تھے۔'' دوسرے ایس پی نے جان چھڑانے کی خاطر کہا۔ ''کیا آج کی میٹنگ میں انہیں نہیں بلایا گیا تھا؟''

''آپ جانتے ہیں کہ مسٹر اورنگ زیب کا تبادلہ ہیڈ کوارٹر ہو چکا ہے اس کے علاوہ ان کے پاس مرکز کی طرف سے جاری کردہ ایک مخصوص اجازت نامہ بھی ہے جس کی روشنی میں وہ آج کل کسی اہم کام پر مامور ہیں۔ اس کام کی نوعیت کا علم آئی جی کو بھی نہیں ہے۔'' ڈی آئی جی نے اس بار انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ ''کسی ایک افسر پر انحصار کر کے ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ یہ بات باعث شرم بھی ہے۔ اوپر سے جو احکامات ملے ہیں انہیں نظر انداز کر کے ہم اپنی نااہلی کا ثبوت نہیں دیں گے۔ آپ تینوں حضرات کو مل کر کسی بھی قیمت پر اصل قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا ہوگا۔''

''ہم کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔'' اس بار سراج نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے براہ راست ڈی آئی جی سے کہا۔

کچھ دیر تک دونوں ایس پیز بھی مقتول کی کیس فائل کے اوراق الٹتے پلٹتے رہے پھر وہ چلے گئے تو ڈی آئی جی نے سراج سے دریافت کیا۔

''کیا آپ کو علم ہے کہ مسٹر اورنگ زیب آج کل کس کام میں مصروف ہیں؟''

''یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... میرا خیال ہے کہ وہ بھی آکٹوپس کی طرف سے غافل نہیں ہیں۔''

''رستم علی آغا خانی کے کیس میں آپ نے کیا رائے قائم کی ہے؟''

''لیڈی سیکرٹری نے جو حلیہ بیان کیا ہے اور جس ماہرانہ انداز میں واردات کی گئی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ حامد ایک بار پھر بھیس بدل کر متحرک ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔'' سراج نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''مقتول کو پہلے بھی دھمکی دی جا چکی تھی، ہم نے سادہ لباس والے مقتول کے آفس پر تعینات کیے تھے ان کا بے ہوشی کی حالت میں پایا جانا بھی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بھی قاتل کی نظروں میں آ چکے تھے۔''

''مسٹر اورنگ زیب کا قیام شاید آپ ہی کے ساتھ ہے؟'' ڈی آئی جی نے مسکرا کر رازداری سے دریافت کیا۔

''جی ہاں لیکن تمام تر ذاتی مراسم کے باوجود وہ خاص طور پر آکٹوپس کے بارے میں کوئی بات کھل کر نہیں کرتے۔''

''یہ بھی ان کی ذہانت کی دلیل ہے۔ بات زبان سے نکل جائے تو پرائی ہو جاتی ہے۔'' ڈی آئی جی نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ آکٹوپس بھی مسٹر اورنگ زیب کو اپنے لیے سب سے اہم خطرہ محسوس کرتا ہوگا۔''

سراج نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے ذہن میں ایک سوال گردش کر رہا تھا۔ رستم علی آغا خانی کی موت سے شیخ حامد کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا؟ کیا یہ کسی پرانی دشمنی کا قرض تھا جسے چکتا کیا گیا تھا یا قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے کھلا چیلنج۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ ڈی آئی جی کا فون اس نے اورنگ زیب کی موجودگی میں ریسیو کیا تھا لیکن حسب معمول یہی کہا تھا کہ اورنگ زیب اس وقت گھر پر موجود نہیں ہے۔

فون پر رابطہ ختم ہونے کے بعد اس کی اورنگ زیب سے جو گفتگو ہوئی تھی وہ بھی ذہن میں گونج رہی تھی اورنگ زیب نے یہی کہا تھا کہ شیخ حامد کسی وجہ سے بوکھلا کر دوبارہ سامنے آ گیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ دارا اور روشنا کے باہر چلے جانے کے بعد ہی اس نے کسی اہم کام کے سلسلے میں رستم علی آغا خانی سے بھیس بدل کر ملاقات کی ہوگی۔ کوئی ایسا مطالبہ کیا ہوگا جو منظور نہیں کیا گیا جس کی پاداش میں رستم علی آغا خانی کو موت کی سزا بھگتنی پڑی۔ سراج کا ذہن ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا جب ڈی آئی جی کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''جی...... وہ...... میں اورنگ زیب صاحب کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ آپ کی کال آنے کے بعد میں نے یہاں آتے وقت دو تین بار ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے موبائل سے پاورڈ آف کا میسج ہی سنائی دیتا رہا۔''

''ہو سکتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ایسا کیا گیا ہو۔'' ڈی آئی جی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈونٹ وری، مجھے یقین ہے کہ وہ اس وقت بھی کسی نہ کسی آفس ڈیوٹی کو سرانجام دے رہا ہوگا۔'' پھر ڈی آئی جی کے ساتھ ہی سراج بھی اٹھ گیا تھا۔

✣✣✣

سکندر علی شاہ کی نظریں بار بار دستی گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ جس انداز میں وہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں بچھے قیمتی قالین کو قدموں تلے روندر رہا تھا وہ بھی اس کی کسی ذہنی الجھن اور پریشانی کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے نگینہ کی موت کا کوئی ملال نہیں تھا۔ اس خبر کو سن کر اسے خوشی ہوئی تھی لیکن دلربا کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اسے جن حالات میں اغوا کیا گیا تھا اور جو تفصیل خود دلربا نے موبائل پر بتائی تھی وہ بھی سکندر علی شاہ کے حلق کے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔ کئی پیچیدہ سوالات تھے جو اس کو الجھا

رہے تھے۔

''وہ کون تھا جس نے دلربا کو اغوا کیا تھا؟ اگر وہ ناگی یا اس کا کوئی آدمی تھا تو دوسرا فرد کون تھا جس نے دلربا کو درمیان سے اچک لیا تھا؟ دلربا کے بیان کے مطابق اگر وہ کوئی عقیدت مند مرید تھا تو براہ راست بھی اس کی اطلاع سکندر علی شاہ کو دے سکتا تھا پھر اغوا کر کے دلربا کو کہاں رکھا گیا؟ اس کا موبائل کیا صرف اسی مقصد کے پیش نظر واپس کیا گیا تھا کہ وہ سکندر علی شاہ کو ناگی کی نمک حرامی کی اطلاع دے یا اس میں کوئی خاص چال تھی؟''

بہرحال سکندر علی شاہ اس وقت اضطرابی کی کیفیتوں سے دوچار تھا جب اس کے موبائل نے گنگنانا شروع کر دیا۔ روشن اسکرین پر جو نمبر نظر آئے اسے دیکھتے ہی اس نے موبائل آن کر لیا۔ وہ اسی سم کے نمبر تھے جو سکندر علی شاہ نے اپنے خاص آدمی کو دی تھی جو دلربا کو بازیاب کرنے گیا تھا۔

''ہیلو.....کون؟'' سکندر علی شاہ نے محتاط انداز میں سوال کیا۔

''دلربا بول رہی ہوں۔''

''اس وقت کہاں ہو؟''

''کیا مطلب؟'' دوسری جانب سے حیرت سے دریافت کیا گیا۔ ''جو آدمی مجھے فائیو اسٹار ہوٹل کے باہر ملا تھا کیا آپ نے اسے یہ ہدایت نہیں دی تھی کہ مجھے چوبیس گھنٹے اسی ہوٹل میں قیام کرنا ہے؟''

''اس نے جو کہا وہ بھی درست ہے لیکن جن لوگوں نے تمہیں میرا مرید ہونے کی وجہ سے آزاد کروایا ہے مجھے ابھی تک ان کے بارے میں پوری طرح اطمینان نہیں ہوا ہے۔'' سکندر علی شاہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی تمہیں اغوا کرنے والوں کی کوئی مصلحت ہو۔ بہرحال میں چوبیس گھنٹے بعد تمہیں ایسی جگہ منتقل کردوں گا جہاں تم پوری طرح محفوظ رہوگی۔''

''اگر آپ کا شبہ کسی خاص فرد یا گروہ کی طرف ہے تو کیا وہ لوگ چوبیس گھنٹوں کے بعد میری طرف سے غافل ہوجائیں گے؟''

''تم ان باتوں پر غور نہ کرو۔'' سکندر علی شاہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی اٹھایا ہے۔ میرے آدمی بھی پوری طرح محتاط ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہیں چوبیس گھنٹوں سے پہلے ہی دوسری جگہ شفٹ کردیا جائے۔''

''ناگی کے بارے میں آپ نے کیا معلوم کیا؟''

''تم سے جس شبہے کا اظہار کیا گیا ہے وہ بھی میرے کسی دشمن کی چال ہوسکتی ہے لیکن اگر ناگی ہی نے اپنی موت کو دعوت دی ہے تو اس کا انجام بھی عبرتناک ہی ہوگا۔''

''نگینہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟''

''کیا مطلب؟'' سکندر علی شاہ بری طرح چونکا۔ تمہیں اس وقت خلاف توقع نگینہ کا خیال کیسے آگیا؟

''جس نے مجھے آزاد کیا ہے اس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ نگینہ بھی اوپر پہنچا دی گئی ہے اور اس کی موت میں بھی ناگی کا ہی خفیہ ہاتھ شامل ہے۔''

''نگینہ کے بارے میں پولیس بھی تفتیش کر رہی ہے۔'' سکندر علی شاہ نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔''اس کی لاش مس جوزف کے وومن ہاسٹل کے ایک کمرے سے ملی تھی۔ جس عورت پر اسے قتل کرنے کا شبہ ہے وہ اس اس کے ایک ساتھی کو بھی پولیس نے حراست میں لے رکھا ہے۔''

''آپ پر تو کوئی بات نہیں آئی، میرا مطلب ہے کہ نگینہ مس جوزف کے ہاسٹل میں......''

''تم پریشان نہ ہو سب خیریت ہے......''

''ایک سوال اور کروں گی۔''

''پوچھو؟''

''ایک لمحے کو دوسری جانب خاموشی طاری رہی پھر دلربا نے محتاط انداز میں پوچھا۔''

''کیا آپ بھی اپنے کسی نادیدہ مگر ہمدرد دشمن کے ہاتھوں بے بسی کا شکار ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ وہ آپ سے رابطے میں ہے لیکن کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا؟''

سکندر علی شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ دلربا کا آخری جملہ سن کر اس کے ذہن میں کئی نام ابھرے تھے۔ سرفہرست نام شکرہ کا تھا' جس نے ناگی اور نگینہ دونوں کے بارے میں اسے سرزنش کی تھی۔ دلربا کے اغوا کی خبر پہلی بار اسی نے دی تھی جس کی تصدیق بعد میں اورنگ زیب نے بھی کر دی تھی۔

''کیا بات ہے؟'' دلربا کی آواز دوبارہ ابھری۔''آپ خاموش کیوں ہو گئے؟''

''جب ملاقات ہوگی تو تفصیل سے گفتگو ہوگی۔ فی الحال تم آرام کرو جسٹ ریلیکس۔'' سکندر علی شاہ نے جواب دینے کے بعد موبائل آف کر دیا۔ دلربا نے نگینہ اور نادیدہ دشمن کے حوالے سے جو بات کی تھی اسے سن کر سکندر علی شاہ کے ذہن میں ایک بار پھر سوالات کی یلغار شروع ہو گئی۔

نگینہ کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی لیکن کسی نادیدہ دشمن والی بات سکندر علی شاہ کے سوا کسی اور کو نہیں معلوم تھی پھر دلربا نے یہ سوال کیوں کیا تھا؟ کیا یہ محض اتفاق تھا یا اسے اغوا کرنے والوں نے نادیدہ دشمن کے حوالے سے کوئی کلیو دیا تھا۔ ان باتوں کے تسلسل میں ایک خیال اور بھی اس کے ذہن میں چکرانے لگا۔''کیا دلربا کو خود شکرہ نے کسی خاص مقصد کے پیش نظر اغوا کیا تھا؟''

اور بھی کئی باتیں سکندر علی شاہ کے ذہن میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں جب فون کی گھنٹی کی آواز ابھری۔ سکندر علی شاہ نے تین گھنٹیوں کے بعد ریسیور اٹھا لیا۔ سلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سکندر علی شاہ بول رہا ہوں۔''

''دلربا کے بارے میں تم نے اب کیا غور کیا ہے؟''

''دوسری جانب سے شکرہ کی آواز ابھری۔''

''مم......میں سمجھا نہیں۔'' سکندر علی شاہ نے اس اچانک سوال پر چونک کر کہا۔''وہ......وہ......''

''وہ تمھیں واپس مل گئی ہے۔اس وقت جہاں ہے وہ بھی جانتا ہوں لیکن اس کا ہوٹل میں رہنا مناسب نہیں ہے۔''

''اب میں اسے کسی محفوظ مقام پر ہی منتقل کروں گا۔''

''جانتے ہو اسے کس نے اغوا کیا تھا؟''

''اس کی اطلاع سب سے پہلے مجھے آپ ہی نے دی تھی۔''

''اب یہ اطلاع بھی میں ہی دے رہا ہوں کہ اس کے اغوا اور دوبارہ واپسی میں ایس پی کا ہاتھ شامل ہے۔''

''لیکن وہ......''

''بحث نہیں۔'' دوسری جانب سے بات کاٹ کر قدرے درشت لہجے میں کہا گیا۔''ایس پی کو میں نے جو مہلت دی اس کا کچھ مقصد بھی تھا لیکن اب تم اسے اگلے ویک اینڈ پر فارم ہاؤس میں بلالو۔''

''ٹھیک ہے۔''

''ایک بار پھر ہدایت دے رہا ہوں کہ ایس پی سے محتاط رہنا۔'' سرسراتے لہجے میں کہا گیا پھر رابطہ ختم ہوگیا۔

✣✣✣

رستم علی آغا خانی کے قتل کی اطلاع اورنگ زیب کو تھانہ انچارج نے دی تھی۔دیگر تفصیل سے بھی آگاہ کیا تھا۔

قاتل کا حلیہ بھی لیڈی سیکرٹری کے بیان کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا تھا لیکن سب سے اہم بات آکٹوپس کے علامتی نشان کی تھی جس کے بعد یہ بات کھل کر واضح ہوگئی تھی کہ شیخ حامد کسی وجہ سے دوبارہ میدان عمل میں آگیا تھا۔تفصیل ملنے کے بعد یہی سوال سراج نے بھی کیا تھا۔

''فی الحال یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا' مگر میرا ذاتی خیال ہے کہ اس کی وجہ روشنا اور دارا کے غیر ملک چلے جانے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتی ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ روشنا کے اغوا میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے اسی کا ہاتھ ہوگا۔''

''یہ بات ایک عام آدمی کے ذہن میں بھی آسکتی تھی۔'' اورنگ زیب نے پہلو بدل کر کہا۔''بنیادی سوال یہ ہے کہ جب روشنا کی برہنہ تصویریں مجرم کے پاس تھیں تو عمد قتل جیسے سنگین جرم کے ارتکاب کی کیا ضرورت تھی۔''

''آپ کا اس ضمن میں کیا خیال ہے؟''

''فی الحال انتظار کرو۔''

''سوری۔'' سراج نے منہ بنا کر کہا۔ ''میں بھول گیا تھا کہ آپ مجھ سے بھی اپنے دل کا حال بتانے سے گریز کرتے ہیں۔''

''غلط خیال ہے تمہارا۔'' اورنگ زیب نے بدستور سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ ''میں خود بھی ابھی تک کوئی آخری نتیجہ اخذ نہیں کرسکا ہوں۔ اس قتل کی واردات کے دو ہی مقاصد ہو سکتے ہیں کسی وجہ سے دارا کو واپس آنے پر مجبور کرنا یا پھر پولیس کو غلط راستے پر ڈالنا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس واردات کے تسلسل میں کچھ اور لوگ بھی آکٹوپس کی بوکھلاہٹ کا نشانہ بن جائیں۔''

''اور لوگ کون ہو سکتے ہیں؟'' سراج نے چونک کر سوال کیا۔

''پریشان مت ہو فی الحال آکٹوپس مجھے نشانہ بنانے کی غلطی نہیں کرے گا۔''

''اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہوگی؟''

''پہلی وجہ یہ ہے کہ اپنی سیٹ سے دور کر دیا گیا ہوں اس کے پس پشت بھی آکٹوپس کا ہاتھ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ کہ اگر اس کا مقصد مجھے نشانہ بنانا ہوتا تو وہ پہلا وار کسی اور کے بجائے براہ راست مجھ پر کرتا۔''

اس کے بعد سراج اور اورنگ زیب کے درمیان دوسرے متعدد پہلوؤں پر بھی غور ہوتا رہا۔

جب ڈی آئی جی کی میٹنگ کے لیے کال آئی اس وقت بھی سراج اورنگ زیب کے ساتھ ہی تھا لیکن اس نے اورنگ زیب کے اشارے پر ہی کہا تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود نہیں ہے۔

سراج کے جانے کے بعد اورنگ زیب کا ذہن رستم علی آغا خانی کے قتل کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا الماس کافی لے کر آئی جب بھی وہ اپنے خیال میں مستغرق تھا۔

''خیریت؟'' الماس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''یونہی کچھ دفتری معاملات کے بارے میں غور کر رہا تھا۔''

الماس کے جانے کے بعد اس نے کافی ختم کی پھر خود بھی ڈی آئی جی کے آفس جانے کا فیصلہ کرلیا لیاقت حسین کو اس نے موبائل پر اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا اس لیے وہ گاڑی لیے تیار کھڑا تھا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اورنگ زیب نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بڑی یکسوئی سے شیخ حامد کے اچانک سامنے آجانے کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا۔ رستم علی آغا خانی کے قتل کو محض پرانی تجارتی دشمنی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ روشنا اور دارا کا بیرون ملک چلے جانا بھی اس قتل کا محرک ہوسکتا تھا۔ شیخ حامد نے خود کو منظر عام پر دوبارہ اجاگر کرنے کی خاطر بطور خاص رستم علی آغا خانی کا انتخاب کرکے قانون کو بھی اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی ہوگی کہ وہ سامنے رہ کر بھی اس کی دسترس سے دور ہی ہوگا۔ اس واردات سے اس کا بنیادی مقصد اورنگ زیب کو بھی چیلنج کرنا تھا جسے اس کی سیٹ سے ٹرانسفر کر دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں آئی جی کی پوزیشن کا اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ بھی کسی نامعلوم دشمن کے اشارے پر عمل کرنے پر مجبور تھا اور بھی کئی پہلو یکے بعد دیگرے اورنگ زیب کے ذہن میں

ابھر رہے تھے جب اس کے موبائل پر سگنل موصول ہوا۔روشن اسکرین پر نظر آنے والے نمبرز نئے تھے پھر بھی اس نے موبائل آن کرلیا۔

''ہیلو۔''اس نے محض ہیلو کہنے پر اکتفا کیا۔

''تمہارا ایک پرانا واقف کار بول رہا ہوں۔''

دوسری جانب سے بولنے والے نے آواز بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''میرے واقف کاروں کی فہرست بہت طویل ہے۔''اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میرے واقف کار یہ بھی جانتے ہیں کہ مجھے پہیلیاں بوجھنے کا شوق بھی نہیں رہا۔''

''کیا رستم علی آغا خانی کا حوالہ کافی نہ ہوگا؟''

''اوہ......تم۔''اورنگ زیب شیخ حامد کی آواز پہچان کر محتاط لہجے میں بولا۔''میں اسے تمہارا کارنامہ نہیں بلکہ بزدلی کا نام دوں گا۔بہادر ہوتے تو براہ راست میرے اوپر وار کرنے کی کوشش کرتے۔''

''تمہاری حیثیت محض ایک ایس پی کی ہے جسے میں نے پاؤں کی جوتی سے زیادہ کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔''جواب حقارت سے دیا گیا۔''رستم علی آغا خانی کو فی الحال کسی آنے والی فلم کا ٹریلر ہی سمجھو۔اصلی فلم بھی بہت جلد شروع ہو جائے گی۔''

''کیا صرف یہی بکواس کرنے کی خاطر فون کیا تھا؟''اورنگ زیب نے دبنگ لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں......یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آکٹوپس ایک وقت میں کئی شکار کرسکتا ہے۔یہ نام بھی تم نے ہی دیا ہے۔یہ بھی سن لو کہ میں تم کو کسی رینگنے والے حقیر کیڑے سے زیادہ کمزور سمجھتا ہوں تمہاری اطلاع کے لیے یہ بھی باور کروا دوں کہ میں پولیس والوں کی طرح ڈبل گیم کھیلنے کا عادی نہیں ہوں۔قبل از وقت یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ وہ وقت دور نہیں جب تم بھی پالتو کتوں کی طرح میرے قدموں میں لوٹو گے۔اسے میرا چیلنج ہی سمجھو۔''

جواب میں اورنگ زیب نے کچھ کہنا چاہتا تھا جب دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا پھر دوبارہ وہ اس وقت چونکا جب لیاقت حسین نے گاڑی سکندر علی شاہ کی کوٹھی کے دروازے پر روکی تھی۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟''اس نے لیاقت حسین سے سوال کیا۔

''آپ شاید بھول رہے ہیں کہ آپ نے مجھے یہیں آنے کا حکم دیا تھا۔''لیاقت حسین نے سادگی سے کہا۔''مجھے تعجب ہی ہوا تھا کہ آپ پیری مریدی کے چکر میں کہاں پھنس گئے۔''

''تم جانتے ہو سکندر علی شاہ کو؟''

''نام سنا ہے ملنے کی کوشش کبھی نہیں کی۔''

کوٹھی کے چوکیدار نے گاڑی میں جھانکا اورنگ زیب کو دیکھ کر اس نے بڑے ادب سے سلام کیا پھر پھاٹک کھول دیا۔ کچھ دیر بعد اورنگ زیب سکندر علی شاہ کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ اس وقت وہاں اس کی آمد میں اس کے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ شیخ حامد کا فون بھی اسے خلاف توقع ہی موصول ہوا تھا۔ وہ گھر سے ڈی آئی جی کے آفس جانے کے لیے نکلا تھا لیکن لیاقت حسین نے اسے سکندر علی شاہ کی کوٹھی پر پہنچا دیا تھا۔ آخر کیوں؟

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ڈی آئی جی آفس چلنے کی ہدایت دی تھی۔ اس وقت وہ ذہنی طور پر صرف اور صرف رستم علی آغا خانی کے قتل کے بارے میں مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا ڈی آئی جی کی میٹنگ میں بھی اس نے سراج کو بھیج دیا تھا پھر اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ میٹنگ کے دوران کچھ نئی معلومات سامنے آجائیں وہ خود بھی گھر سے روانہ ہوا تھا راستے میں شیخ حامد کا فون آنے کے بعد وہ اسی کی ویڈیو دلیری کے بارے میں غور کر رہا تھا اب وہ سکندر علی شاہ کے خوب صورت ڈرائینگ روم میں موجود تھا۔

آج سے پیشتر وہ اتنا بے خبر کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہر قدم پر آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی تھا یہی اس کی ڈیوٹی کا تقاضا بھی تھا۔ سب سے زیادہ تعجب اسے لیاقت حسین کی بات پر ہوا تھا۔ وہ ان ہی اتفاقات پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ جب سکندر علی شاہ نے ڈرائینگ روم میں داخل ہو کر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''اس وقت کیسے آنا ہوا؟''

''اگر آپ مصروف ہیں تو پھر کسی وقت......'' اورنگ زیب نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایسا بھی نہیں ہے، جب ہم نے ایک دوسرے کو دوست کہا ہے تو پھر رسمی باتوں کی گنجائش بھی نہیں رہی۔''

''بات دراصل یہ ہے شاہ جی کہ میں ادھر چند دنوں سے ذہنی طور پر کچھ زیادہ ہی الجھا ہوا ہوں۔''

''اگر یہ معاملہ ہے تو آپ بروقت آئے ہیں۔''

سکندر علی شاہ نے پہلو بدل کر کہا۔ ''میں بھی آپ کے علاج کی طرف سے غافل نہیں تھا' لیکن درمیان میں کچھ مصروفیات ایسی پیش آئیں کہ میں نے وقتی طور پر فارم ہاؤس والا پروگرام منسوخ کر دیا تھا مگر آج...... آج آپ نہ آتے تو میں خود آپ کو کال کرتا۔''

''سب خیریت تو ہے؟'' اورنگ زیب نے بڑی معصومیت سے دریافت کیا۔

''جی میں نے اس ویک اینڈ کا پروگرام تیار کر لیا۔'' سکندر علی شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''سارے انتظامات بھی مکمل کر لیے ہیں۔''

''پھر غور کر لیں شاہ جی۔'' اورنگ زیب نے کسمسا کر جواب دیا۔ ''اگر بات کسی ذریعے سے بھی فارم ہاؤس کے باہر آگئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ ساری بنی بنائی عزت

خاک میں مل جائے گی۔''

''دوست کہا ہے تو پھر دوست پر اعتماد بھی کریں۔'' سکندر علی شاہ نے اس بار خالص کسی پہنچے ہوئے بزرگ کا انداز اختیار کیا۔''میں نے آپ کے لیے جو علاج طے کیا ہے وہ موثر ہی ثابت ہوگا۔نفسیاتی طور پر وہ گرہ کھلنی ضروری ہے جو آپ کے تحت الشعور میں پوری طرح جڑ پکڑتی جا رہی ہے۔''

اورنگ زیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔خود کو ذہنی الجھن کا شکار ہی ظاہر کرتا رہا۔سکندر علی شاہ اسے کمزور سمجھ کر اس پر اپنی روحانی قوتوں کا سکہ جماتا رہا۔اورنگ زیب بھی یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ اس کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔کچھ دیر بعد ایک ملازم لوازمات کی ٹرالی لیے داخل ہوا تو سکندر علی شاہ نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔

خاصی دیر بعد جب اورنگ زیب جانے کی اجازت لے کر اٹھا تو سکندر علی شاہ پہلی بار اسے باہر تک چھوڑنے آیا جہاں لیاقت حسین گاڑی کے ساتھ موجود تھا۔گاڑی کوٹھی سے باہر نکلی تو اورنگ زیب نے سکون کا سانس لیا لیکن اس کا یہ سکون بھی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔گاڑی احاطے سے نکلنے کے دو منٹ بعد ہی لیاقت حسین نے کچھ عجیب انداز میں پوچھا۔

''یہ جو باہر تک آیا تھا،کون تھا؟''

''سکندر علی شاہ،جس کے ہزاروں عقیدت مند ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔''

''نہیں۔''لیاقت حسین نے بدستور خلا میں گھورتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہنا شروع کیا۔''میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔یہی ملعون ہے جس نے ایک معصوم اور مجبور لڑکی کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی۔جب اس مظلوم لڑکی نے آبرو بچانے کی خاطر خودکشی کر لی تو اس نے اپنے زرخرید کتوں کے ذریعے اسے دفن کروا دیا۔میں اس قبر کو دیکھ چکا ہوں جہاں وہ ایک عرصے سے دفن ہے۔''

''لیاقت حسین......اورنگ زیب نے حیرت سے دریافت کیا۔''یہ تم کس کی بات کر رہے ہو؟

''خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں۔اس غریب اور بے سہارا لڑکی کی لاش اس وقت تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہے گی جب تک مجرم کو پھانسی نہیں لگ جاتی۔یہی مشیت ایزدی بھی ہے۔''

''لیاقت حسین کی آواز میں نفرت اور حقارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی،کچھ دیر پیشتر اس نے کہا کہ صرف سکندر علی شاہ کا نام سنا ہے ملنے کی کوشش نہیں کی لیکن اب وہ شاید کسی غیبی قوت کے زیر اثر تھا جو غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے کچھ اہم انکشافات کروا رہی تھی۔اس بات کا تجربہ سراج کے علاوہ اورنگ زیب بھی ایک دو موقعوں پر کر چکا تھا اور...... اس وقت بھی غالباً لیاقت حسین اسی غیبی قوت کے اشارے پر ڈی آئی جی آفس جانے کے بجائے اورنگ زیب کو سکندر علی شاہ کی کوٹھی پر لے آیا تھا۔کچھ دیر بولنے کے بعد لیاقت حسین خاموش ہو گیا لیکن اورنگ زیب بدستور انہی باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جو لیاقت حسین کی زبان سے ادا ہوئی تھی۔''

یہ بات بھی زیادہ حیرت انگیز نہیں تھی کہ واپسی کے بعد خود لیاقت حسین بھی ان باتوں کو یکسر بھول چکا تھا۔اورنگ زیب نے بھی اسے زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔

❖❖❖

ساحلی علاقے میں مچھیروں کی وہ قدیم بستی' جو کبھی خاصی گنجان آباد تھی اب وہاں گنتی ہی کے کچھ کچے پکے مکانات رہ گئے تھے۔اس کی وجہ وہ قبرستان تھا جو رفتہ رفتہ خاصا پھیل گیا تھا۔مچھیروں نے اس قبرستان سے متعلق بہت ساری پراسرار کہانیوں کی وجہ سے ہجرت کر کے نئی بستی آباد کر لی تھی۔لیکن پندرہ بیس کچے پکے مکانات اب بھی باقی تھے۔ایک دو دکانیں بھی تھیں جہاں روزمرہ کی ضرورت کا سامان مل جاتا تھا۔

پہلے اس ساحلی علاقے پر پکنک منانے کے لیے لوگ بھی آیا کرتے تھے لیکن اب ان کی تعداد بھی کم ہوگئی تھی پھر بھی کچھ پرانے مچھلی کے شکاری تھے جو اب بھی وہاں آتے رہتے تھے شاید اس لیے کہ سمندر کے اس حصے میں آبادی ختم ہونے کے بعد مچھلیوں کے شکار کی سہولت زیادہ ہوگئی تھی۔

اس وقت شام کے جھٹ پٹے کا وقت تھا جب ایک پرانے ماڈل کی کار آبادی کے قریب آ کر رکی تھی۔اس میں سے جو شخص اترا وہ ادھیڑ عمر ہی کہا جا سکتا تھا۔کار کے رکتے ہی آبادی کے دو تین افراد اس کے قریب آ گئے۔یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔تازہ مچھلی کے حصول کے لیے اب بھی پرانے گاہک ادھر آتے رہتے تھے۔

''کیا چاہیے صاحب؟'' ایک مچھیرے نے قریب آ کر سوال کیا۔

''مجھے وہ خاص مچھلی درکار ہے جو مجھ جیسے لوگوں کے لیے بڑی کارآمد ہوتی ہے۔'' ادھیڑ عمر کے شخص نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔''بھلا سا نام بتایا ہے کسی واقف کار نے ......ہنگرا...... یا پھر مگرا۔''

''سمجھ گیا صاحب۔'' سوال کرنے والے نے معنی خیز انداز میں آنے والے کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر بڑی صاف گوئی سے بولا۔

''ہم وہ مچھلی فروخت نہیں کرتے۔''

''میں تمہیں منہ مانگی قیمت دینے کو تیار ہوں۔''

''معافی چاہتا ہوں صاحب۔'' مچھیرے نے کہا۔''ایک دو پرانے گاہکوں کے علاوہ ہم اسے کسی اور کو نہیں دیتے۔تم جس مچھلی کی بات کر رہے ہو وہ مشکل ہی سے جال میں پھنستی ہے۔تم شاید پہلی بار ادھر آئے ہو۔''

''کیا مطلب؟'' کیا اس طرف کسی نئے آدمی کا آنا منع ہے؟'' آنے والے نے قدرے ناگوار لہجہ اختیار کر لیا۔

''ایسی بات نہیں ہے صاحب لیکن ہم وہ مچھلی......''

''مچھیرا اپنی بات پوری نہ کر سکا۔اس کی وجہ اس کا وہ نوجوان ساتھی تھا جو سامنے آ گیا تھا۔''

''تم کو اس مچھلی کے بارے میں جو معلوم ہوا ہے وہ غلط بھی نہیں ہے لیکن تمہیں اس عمر کے بعد

اس کا نام کس نے بتا دیا۔'' نوجوان نے آنے والے کو سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔

''کیوں...... کیا اس کا نام بتانا جرم ہے؟'' آنے والے کے تیور بھی بدل گئے۔

''میں تمہیں، تمہاری مطلوبہ مچھلی فراہم کرسکتا ہوں۔''

نوجوان نے اس بار بھی سنجیدگی سے کہا۔

''کیا قیمت دے سکو گے اس کی۔''

''جو تم مانگو۔'' آنے والے نے جیب سے اپنا پرس نکال لیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' نوجوان نے اس بار کاروباری لہجہ اختیار کیا۔ ''پہلے اپنی مطلوبہ مچھلی دیکھ لو پھر......سودا بھی طے ہو جائے گا۔''

''نوجوان اور ادھیڑ عمر والا آگے پیچھے بستی میں داخل ہوئے۔ ادھیڑ عمر والا منہ ہی منہ میں کچھ بڑابڑا رہا شاید اسے نوجوان کا انداز گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔''

بستی میں داخل ہونے کے بعد نوجوان مختلف راستوں کے پیچ وخم کرتا رہا پھر وہ ایک نیم پختہ مکان کے سامنے رک گئے جہاں اس کا کوئی ساتھی موجود تھا۔ اس نے بھی ادھیڑ عمر والے پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر نوجوان سے پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''اسے گرم مچھلی کی تلاش ہے۔'' نوجوان نے جواب دیا پھر ادھیڑ عمر والے کو ساتھ لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ ایک کمرے سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایک چھریرے بدن کا فرد پہلے سے موجود تھا۔ نوجوان کے ساتھ ادھیڑ عمر والے کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمایاں ہو گئیں۔ آنکھوں میں کسی سانپ جیسی ہی چمک بھی ابھری تھی۔ ایک لمحے تک وہ آنے والے کو تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے نوجوان کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''استاد'' نوجوان نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ ''اسے گرم مچھلی منگوایا مگرا کی تلاش ہے صحیح نام کیا ہے یہ خود بھی نہیں جانتا۔''

''اوہ......! چھریرے بدن والے نے نظر بھر کر سوال کیا۔ کسی مچھلی کے حصول کے لیے تمہیں بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ...... یہ میں نے شرمندگی سے بچنے کی خاطر......''

''نہیں افضل خان۔''

چھریرے بدن والے نے جو ناگی کے سوا کوئی اور نہیں تھا، افضل خان کو حقارت سے گھورا۔

''کوئی حماقت نہ کرنا ورنہ تمہاری لاش کے ٹکڑے بھی نہیں ملیں گے۔''

آنے والا ہونٹ چبانے لگا۔ اس کی نظریں بھی ناگی پر جمی ہوئی تھیں۔ خود کو پہچان لیے جانے کے بعد بھی وہ خوف زدہ نہیں تھا لیکن اس وقت اس کے کانوں میں شبنم کا کہا ایک جملہ ضرور صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔

''تم میرے لیے بہت قیمتی ہو افضل میں نے تمہیں بڑی مشکلوں سے پایا ہے پا کر دوبارہ کھونا نہیں چاہتی۔''

''کس سوچ میں گم ہو گئے؟'' ناگی نے سرسراتے انداز میں پوچھا۔

''سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا نامی گرامی بھی کبھی کبھی خوف زدہ ہو کر ویرانوں میں چھپنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

افضل خان کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

''حالات پر منحصر ہے۔''

ناگی زہر خند سے بولا۔

''تم بھی ہمیشہ سینہ تان کر چلنے کے عادی تھے لیکن شیخ حامد کے روپوش ہونے کے بعد اب چہرے پر نقاب سجانے پر مجبور ہو گئے ہو، کیوں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''پالتو اور شکاری کتوں سے بچنے کا یہی ایک جدید طریقہ ہے۔''

''افضل خان کا جواب سن کر قریب کھڑے نوجوان کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا تھا جب ناگی نے اسے روکا۔''

''نہیں، گھر آئے مہمان کی خاطر مدارات کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔ اسے سانس درست کرنے کا کچھ موقع دو۔''

نوجوان نے ناگی کی بات سن کر دوبارہ افضل خان کو خونخوار نظروں سے دیکھا پھر ہونٹ چباتا ہوا باہر نکل گیا۔ ناگی کی نگاہیں پھر افضل خان کے چہرے پر جم گئیں۔

''کس کے اشارے پر آئے ہو؟''

''جو سوال کرنے کا عادی رہا ہو وہ جواب نہیں دیا کرتا۔'' افضل خان نے بے پروائی سے کہا۔

''اپنا نہیں تو اس نئی نویلی دلہن کا خیال کرو جسے تمہاری واپسی کی امید ضرور ہوگی۔ ناگی مسکرایا۔''

''مرد ہو تو صرف مردوں کی بات کرو۔ عورت کا سہارا نہ لو۔''

''اوہ......'' ناگی بل کھا کر رہ گیا۔ ''تم شاید شرافت کی زبان نہیں سمجھو گے۔''

''ناگی۔'' افضل خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں سے باہر چل کر کسی کھلی فضا میں بات کریں۔''

''اب اس وہم کو ذہن سے نکال دو۔ آنا تمہارے اختیار میں تھا واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں خالی ہاتھ جانے کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔''

ناگی بڑے زہریلے انداز میں مسکرایا پھر اس نے جیب سے اپنا پستول نکال لیا۔ اس کے تیور

بدلنے لگے۔

''کچھ دیر پہلے تم نے اپنے آدمی سے کہا تھا کہ مجھے سانس لینے کا موقع دیا جائے۔ افضل خان نے طنز کیا۔'' مرد ہوکر اتنی جلدی اپنا وعدہ بھول گئے۔

''تمہاری سانسیں اب گنی چنی رہ گئی ہیں۔ اس کا شکوہ مجھ سے نہیں اوپر والے سے کرو۔'' ناگی نے انتہائی سرد لہجے میں کہا پھر اس کی انگلی کا دباؤ ٹریگر پر بڑھنے لگا۔

افضل خان نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا، اس کی نظریں بدستور ناگی پر مرکوز تھی لیکن دل کی دھڑکیں بھی تیز ہونے لگی تھیں۔ کرنل احتشام کا ایک جملہ اس کے ذہن میں گونجنے لگا۔

''ناگی کسی کوبرا سے زیادہ خطرناک اور زہریلا ہے۔ تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط رہنا ہوگا۔''

✣✣✣

پاکستانی وقار عظیم ڈائجسٹ پوائنٹ ڈاٹ کام

افضل خان کی نظریں پستول پر مرکوز تھیں۔ ناگی کی انگلی کے دباؤ کے ساتھ ہی موت اور زندگی کا فاصلہ بھی گھٹتا جا رہا تھا پھر ناگی کی انگلی ٹریگر سے دور ہوگئی۔ اس نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں واپس جانے کا موقع دے سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر......''

''وہ بھی بتا دو۔''

''تم آئندہ میرے سائے سے بھی دور رہو گے۔''

''کیوں منظور ہے؟''

''اس کا جواب میں دوبارہ کسی ملاقات پر ہی دے سکوں گا۔''

''اس وقت کیوں نہیں؟''

''میں بزدلی کا مظاہرہ کرنے کا عادی نہیں رہا۔''

''افضل خان نے بے پروائی سے جواب دیا۔''

''جانتا ہوں اس لیے ایک اور موقع دے رہا ہوں۔'' ناگی نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''افضل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے ایک ایسے لمحے کی تلاش تھی جب وہ پھرتی کا مظاہرہ کر کے بازی پلٹ سکتا۔''

''کس بات پر غور کر رہے ہو؟'' ناگی نے زہر میں بجھے انداز میں مسکرا کر سوال کیا۔ شاید وہ اس کی خاموشی کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

''میں تمہارے شکاری کتوں کی نظروں میں اپنی حیثیت کم نہیں کر سکتا۔''

''اوہ۔'' ناگی پھر سنجیدہ ہوگیا۔ ''جواب معقول ہے لیکن ایک دوسری صورت بھی ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو بلا کر ان کے سامنے دوستی کا ہاتھ ملا سکتا ہوں مگر شرط وہی ہوگی۔ تم دوست بن کر رہو گے، ہم ایک اور ایک مل کر گیارہ بھی ہو سکتے ہیں، کیوں؟''

''تمہیں یہ آفر دینے میں دیر ہوگئی اس لیے میں دوستی کے رشتے پر غور نہیں کر سکتا۔''

''اب کیا مشکل درپیش ہے؟''

''ہم تم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جس کا نمک کھا لیتے ہیں اسی کے اشارے پر چلنا ہم دونوں کا شیوہ بھی ہے۔'' افضل خان نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''تم سکندر علی شاہ کے خاص آدمی ہو اور میں جس کے اشارے پر یہاں آیا ہوں اس کا نام بھی کئی مصلحتوں کی وجہ سے زبان تک نہیں لا

سکتا۔"

"ایس پی اورنگ زیب۔"

"اس کے بھی کئی احسان ہیں لیکن اس وقت مجھے کسی اور نے یہاں بھیجا ہے۔"

ناگی کی پیشانی پر آڑھی ترچھی سلوٹیں ابھرنے لگیں۔

اس کی گرفت پستول پر مضبوط ہونے لگی۔ قدرے درشت لہجے میں بولا۔ "افضل خان یہ خیال دل سے نکال دو کہ تم یہاں سے میری اجازت کے بغیر زندہ جا سکو گے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ قریب ہی ایک پرانا قبرستان بھی ہے۔ یہاں نئی قبر کھودنے کا رسک ہمارے آدمی بھی نہیں لیتے۔ کسی بوسیدہ قبر میں ایک اور لاش دفن کرنے کی گنجائش بھی آسانی سے نکل آتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے تم سچ کہہ رہے ہو لیکن مجھے شعروشاعری سننے کا شوق نہیں رہا۔"

"کیا یہ تمہارا آخری جواب ہے؟" ناگی کے چہرے پر سرخی کی لہر گہری ہونے لگی۔

"ہاں، یہی سمجھ لو۔" افضل خان نے شانے اچکا کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

ناگی نے اپنا پستول دوبارہ بلند کیا لیکن اس سے قبل کہ وہ اپنے خطرناک ارادے کی تکمیل کرتا ایک بوڑھا میلے کپڑوں میں سر پر مچھلی پکڑنے کا جال ڈالے دروازے پر آگیا۔ ناگی کی تیز نظریں اس پر جم گئیں ایک لمحے اسے گھورنے کے بعد اس نے قدرے ترش انداز میں سوال کیا۔

"سردار اس وقت تم ادھر کیا لینے آگئے؟"

"یہ......اجنبی کون ہے؟" سردار نے کھانستے ہوئے افضل خان پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر دریافت کیا۔

"یہ......موت کی تلاش میں آگیا ہے اور میں اسے مایوس نہیں کروں گا۔"

"نہیں ناگی، میں تجھے اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" آنے والے نے کہا۔ "تو بے شک اسے مار دے لیکن ہماری بستی سے دور لے جا کر یہی میرا حکم ہے۔"

"یہ حکم تو کس حیثیت سے دے رہے ہو؟" ناگی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"سردار کی......"

"بکواس بند کرو پستہ قد بدیسی کتے۔" ناگی نے گرج کر کہا۔ "میں تمہاری اصلیت جان چکا ہوں۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" اس بار سردار نے جو لوچن کے سوا کوئی اور نہیں تھا، بے جگری سے کہا۔ "میں بدیسی کتا ہی ہوں لیکن اعلیٰ نسل کا، تمہاری طرح کا لینڈی ڈاگ نہیں ہوں جو سیٹھ حمدان کی کوٹھی پر ثمرہ کو پیاسا چھوڑ کر فرار ہوگیا تھا۔ اب پستول نیچے کرلو اس لیے کہ تمہارا مقامی باپ جگا بھی میرے ساتھ ہے۔ پھر لوچن کا جملہ ختم ہونے سے پیشتر جگا بھی ہلکے میک اپ میں سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا پستول تھا افضل خان بھی جگا کو دیکھ کر چونکا۔"

"ناگی نے اپنا پستول فرش پر اچھال دیا، پھر بدستور دبنگ لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے ساتھ

چلنے کو تیار ہوں مگر یہ سوچ لو کہ ناگی تمہاری قید میں زیادہ دیر نہیں رہے گا۔ میرے گھر کے بھی انتقام لینا جانتے ہیں۔

''اتنی جلدی کوئی آخری فیصلہ نہ کرو۔'' لوچن کی نگاہوں میں چنگاریاں لپکنے لگیں۔

''افضل خان۔'' جگا نے افضل خان کو چبھتے ہوئے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم اب نکل لو، جاؤ باہر کرنل کے سادہ لباس والے موجود ہیں۔ جاتے جاتے ایک بات اور سن لو...... ایک بار تم نے کسی کے اشارے پر مجھے گھیرنے کی کوشش کی تھی، لیکن قدرت کے کسی غیبی ہاتھ نے مجھے زندگی عطا کر دی تھی۔ آج میں ایک مسلمان کی حیثیت سے تم کو معاف کر رہا ہوں۔'' افضل خان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

''پارٹنر تم نے کیا سوچا ہے؟'' جگا نے اس بار لوچن سے پوچھا۔

''میں کھڑاک پالنے کا عادی نہیں ہوں، کوئیک ڈسپوزل کا نسخہ سب سے آسان بھی ہوتا ہے۔'' اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی لوچن کے اشارے پر جگا کے پستول سے دو بار ٹچ ٹچ کی مدھم آواز ابھری۔ ناگی کسی کٹے ہوئے شہتیر کے مانند فرش پر ڈھیر ہو گیا پھر لوچن نے بھی باہر کی سمت قدم بڑھائے جہاں ناگی کے دو ساتھیوں کی لاشیں بھی موجود تھیں۔

☩☩☩

اس روز اتوار کی چھٹی تھی اس لیے جونی حسب معمول اس وقت بھی شیلا ورما کی خواب گاہ میں اس کے بستر پر موجود تھا۔ اس نے ایک نظر شیلا ورما پر ڈالی جو ابھی تک شب خوابی کے لباس میں بستر پر کسی مدہوش شرابی کی طرح بکھری پڑی تھی۔ جونی نے اس کے نیم عریاں جسم کے نشیب و فراز پر نظر ڈالی تو اسے خود اپنی قسمت پر رشک آنے لگا مگر اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر موجود کیلنڈر پر پڑی تو یکلخت اسے مستقبل شناس مس ڈکسن یاد آ گئی جس نے تیرہ کے ہندسے کو اس کی زندگی کا سب سے منحوس دن قرار دیا تھا۔ جونی کے ماضی کی کتاب کو اس نے جس انداز سے دہرایا تھا وہ جونی کے لیے حیران کن ہی تھا۔ مس ڈکسن کے کہے ہوئے جملے جونی کے ذہن میں گونجنے لگے' اس نے کہا تھا۔

''تمہارا باپ ایک عیاش اور فریبی شخص تھا۔ اس نے فریب کی بنیاد پر ہی تمہاری ماں سے رشتہ جوڑا تھا لیکن تمہاری پیدائش کے بعد اس کی نگاہوں کے زاویے بدل گئے، وہ دوسری عورتوں کے ساتھ دل بہلانے لگا پھر تمہاری ماں کو تین سال تک تنہائی کے فریب سے دوچار رکھنے کے بعد اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ تمہاری ماں نہایت پاکباز عورت تھی۔ تمہاری پرورش کی خاطر اس نے ایک گھر میں ملازمت کر لی۔ وہاں بھی وہ نظریں جھکا کر کام کرتی رہی۔ خود کو ہوس پرست مردوں کی بھوکی نظروں سے دس سال تک کسی نہ کسی طرح بچاتی رہی لیکن ایک دن جب گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے اسی گھر میں آنے جانے والے ایک مرد کے ہاتھوں درندگی کا شکار ہو گئی۔ وہ پاکباز عورت تھی' کسی رسوائی سے بچنے کی خاطر اس نے خودکشی کر لی۔ تم بے سہارا ہو گئے۔ لوگوں نے ترس کھا کر تمہیں ایک یتیم خانے کے سپرد کر دیا۔''

جب تمہاری عمر تیرہ کے بدقسمت ہندسوں میں تھی اس وقت پولیس کی ریڈ کے دوران تم بھی کچھ دوسرے لڑکوں کی طرح یتیم خانے سے بھاگ نکلے پھر ایک شادی شدہ عورت نے تمہیں زبردستی اپنے شکنجوں میں جکڑ کر ایک انوکھی لذت کا ذائقہ چکھا دیا۔ اس کے عوض اس نے خاصی معقول رقم بھی دی، تمہاری پرورش چونکہ اچھے ماحول میں نہیں ہوئی تھی اس لیے وقت نے تمہیں بہت جلد میل پروسٹی ٹیوٹ (Male Prostiyute) بنا دیا۔ اس کے بعد تم کس طرح شیلا ورما تک پہنچے اور اس نے اپنے شوہر سے کیوں چھٹکارا حاصل کیا اس کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہے۔" پھر مس ڈکسن کے آخری جملے جونی کے کانوں میں گونجنے لگے۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو شیلا ورما کی دنیا سے نکل کر کہیں دور چلے جاؤ۔ کسی ایسی جگہ جہاں تک اس کی رسائی ممکن نہ ہو۔"

جونی کی نظریں شیلا ورما کے گداز جسم پر ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جب جونی کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔

موبائل آن کر کے جونی نے کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔"

"ساحلی علاقے سے اکبر ماچھی بول رہا ہوں۔ تمہارے لیے ایک اہم خبر ہے۔" بولنے والے نے بات جاری رکھی۔ "استاد کو کسی نے گولی داغ کر اوپر پہنچا دیا ہے۔ ہمارے دو ساتھی اور بھی مارے گئے ہیں۔"

"تمہارا شبہ کس پر ہے؟" جونی، ناگی کے قتل ہونے کی اطلاع پر اس طرح چونکا جیسے اس کے ہاتھ بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گئے ہوں۔

"ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اس مرڈر کے پیچھے کوئی بڑا ہاتھ ضرور شامل ہے۔ تم کو اس لیے اطلاع دے رہا ہوں کہ اب دائیں بائیں دیکھ کر ہی قدم اٹھانا۔" دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ جونی کے ذہن میں ایک بار پھر مس ڈکسن کے آخری جملوں کی گونج ہو رہی تھی۔ جب شیلا ورما نے خوابیدہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"جو......جونی تم اتنی دور کیوں ہو؟"

"ابھی میرے موبائل پر ایک کال آئی تھی۔"

"نان سینس۔" شیلا ورما نے نشیلی آنکھیں کھول کر جونی کو دیکھا پھر قریب ہو کر اس کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے جھنجلا کر بولی۔ "اس وقت کوئی اور بات مت کرو۔"

"اکبر ماچھی کا فون آیا تھا۔ ناگی اور اس کے دو ساتھیوں کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"کیا!" شیلا ورما نے بھی ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ "تم مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"تم چاہو تو اپنے شاہ جی کو فون کر کے حقیقت معلوم کر لو۔"

"نہیں......میں اس وقت سکندر علی شاہ کو فون نہیں کروں گی، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ

ناگی کی پشت پر اسی کا مضبوط ہاتھ تھا پھر...... قتل کرنے والے کون تھے؟''

''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا' مگر اس وقت تمہیں سنجیدگی سے ایک مشورہ ضرور دوں گا۔''

''کیا؟''

''ماہر ترین ملاح بھی ہوا کا رخ بھانپ کر اپنی کشتی کنارے کے قریب لے آتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''مستقل نہ سہی لیکن وقتی طور پر تم بھی صرف بیوٹی پارلر کی حد تک محدود ہو جاؤ۔''

شیلا ورما نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن چہرے کے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ ناگی کے قتل کی اطلاع نے اسے بھی اندر سے جھنجوڑ دیا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' جونی نے دبی زبان میں اسے کریدنے کی کوشش کی۔

''ناگی کا قتل سکندر علی شاہ کے لیے بھی ایک کھلا چیلنج ہے۔''

''ہاں۔'' جونی کچھ توقف سے بولا۔ ''اگر اس قتل کے پیچھے شاہ جی کا ذاتی ہاتھ......''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' شیلا ورما نے جونی کی بات درمیان سے اچک کر کہا۔ ''وہ شاہ جی کا خاص مہرہ تھا۔''

''یہ بھی جانتا ہوں لیکن شطرنج کا ماہر کھلاڑی کبھی کبھی ڈھائی گھر چلنے والے گھوڑے کو بچانے کی خاطر وزیر کو پٹوا دیتا ہے۔ سیاست کے میدان میں بھی اسی اصول کو اپنانے والا کامیاب رہتا ہے۔''

''آں...... ہاں۔'' جواب ہچکچا کر دیا گیا۔ ''یہ بھی ممکن ہے لیکن اس کا تعلق بیوٹی پارلر کے دوسرے دھندوں سے کیا ہو سکتا ہے؟''

''ہر فساد کے پیچھے زر، زن اور زمین میں سے کسی نہ کسی کا تعلق بھی ضرور ہوتا ہے۔'' جونی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نگینہ کی موت کو کیوں بھول رہی ہو؟ رینبو کلب سے اغوا کیے جانے کے بعد وہ جس حالت میں گھر واپس آئی تھی اس کی تفصیل بھی تم ہی نے بتائی تھی۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن نگینہ اور ناگی کی حیثیتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔''

''کبھی کبھی انسانی خواہشات بھی اس فرق کو مٹا دیتی ہیں۔'' جونی نے کھنچاؤ کی فضا کو دور کرنے کی خاطر مسکرا کر جواب دیا پھر اس نے شیلا ورما کو جن نظروں سے دیکھا ان نے اس کی بات کا مفہوم بھی واضح کر دیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' شیلا نے ادائے خاص سے اسے گھورا۔ ''کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟''

''صرف خوش نہیں...... بہت زیادہ مطمئن بھی ہوں۔'' جونی کی نظریں شیلا ورما کے گداز جسم پر بھٹکنے لگیں۔

''پھر بھی اتنی دور بیٹھے ہو۔'' شیلا ورما نے ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر نشیلی نظروں سے جونی کو دیکھا تو جونی نے بے اختیار ہو کر پھر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

وقت کے بہاؤ میں ڈوب کر جونی مس ڈکسن کے ایک آخری مشورے کو پھر بھول گیا۔

⁘⁘⁘

سکندر علی شاہ خاصی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹہلتا رہا۔ باربار اس کی نظریں خالی بستر کی جانب اٹھ رہی تھی۔

اسے نگینہ کی موت کا غم نہیں بلکہ خوشی ہوئی تھی مگر وہ بستر پر تنہا سونے کا عادی نہیں تھا۔ چاہتا تو دلربا کے پاس چلا جاتا جسے ہوٹل سے ایک علیحدہ رہائش گاہ پر منتقل کر دیا تھا۔ اس کے لیے دو تین گارڈز کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ یہ سب کام اس نے بہت راز داری سے کیے تھے تا کہ کسی کو اس کی بھنک تک نہ ملے۔ رات گئے وہاں جانے اور علی الصبح واپسی کی صورت میں گارڈ کو بھی دلربا اور اس کے تعلقات پر شبہ ہوسکتا تھا۔ بہت دیر تک وہ ذہنی طور پر الجھتا رہا پھر پہلی بیوی کے کمرے کی جانب چلا گیا۔

گل اپنے بستر پر لیٹ چکی تھی لیکن شوہر کو آتا دیکھ کر مشینی انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر علی شاہ نے گل کو ایک نظر دیکھا پھر آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ گل قریب آکر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''تم ......'' سکندر علی شاہ نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

''نیچے کیوں بیٹھ گئیں؟''

''مجھے آپ کے قدموں میں زیادہ سکون ملتا ہے۔''

گل نے بڑی عقیدت سے جواب دیا پھر قدرے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''گھر سے رخصتی کے وقت ماں نے جو جملے کہے تھے وہ آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس نے کہا تھا تم ڈولی میں بیٹھ کر اپنے گھر جارہی ہو وہاں سے تابوت میں لیٹ کر ہی واپس نکلنا۔''

''گل......!'' سکندر علی شاہ نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں تم سے شرمندہ ہوں۔''

''پلیز......ایسا نہ کہیں۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر شوہر کے برابر بیٹھ گئی۔ پہلی بار خود اس کے شانوں سے لگ کر بڑی حسرت سے بولی۔ ''آپ کی کوٹھی میں تنہا بستر پر لیٹ کر مجھے جو سکون ملتا ہے دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتا۔ اس سکون پر صرف اور صرف میرا حق ہے جو میں کسی اور کو نہیں دے سکتی۔''

سکندر علی شاہ پرخلوص جملوں کی گرمی سے کسی موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے گل کو ایک نظر بھر کر دیکھا پھر اسے لے کر بستر پر آ گیا۔ بانہوں میں لٹا کر بڑی دیر تک محبت بھری باتیں کرتا رہا۔ گل کو ان قیمتی لمحات پر رشک آرہا تھا جب موبائل پر سگنل ملا۔ سکندر علی شاہ نے اسے آن کر کے سنجیدگی سے کہا۔

''ہیلو......میں......''

''جانتا ہوں کہ تم سکندر علی شاہ بول رہے ہو۔''

دوسری جانب سے شکرہ کی آواز ابھری۔ ''تم نے دلربا کو ہوٹل سے کہاں منتقل کیا ہے؟''

''کسی ایسی جگہ جہاں کوئی دوسرا اس پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔''

''شکرہ کی نگاہیں آسمان کی بلندیوں سے بھی اپنے شکار پر مرکوز رہتی ہیں۔میں اس بات سے بھی واقف ہوں کہ دلربا کو تم نے اب کہاں رکھا ہے۔'' سکندر علی شاہ نے جواب نہیں دیا دانت پیستا رہا۔

''میں نے ناگی کے سلسلے میں بھی تم سے کہا تھا کہ اسے محتاط رہنے کی وارننگ دے دو۔''

''میں نے اسے ہدایت کر دی تھی۔'' جواب بے زاری سے دیا گیا۔

''جانتے ہو کہ اس وقت وہ کہاں ہے؟'' سرد لہجے میں دریافت کیا گیا۔

''نہیں۔''

''اسے بھی نگینہ کے پاس روانہ کر دیا گیا ہے۔بستی والوں کو بھی اس کی اطلاع بعد میں ملی۔''

''ناگی کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟'' سکندر علی شاہ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''یقین سے ابھی نہیں بتا سکتا لیکن زیادہ دیر وہ بھی پردے میں نہیں رہ سکے گا۔میں نے تمہیں یہی اطلاع دینے کے لیے فون کیا تھا۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

''کسے قتل کر دیا گیا؟'' گل نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

''تھا میرا ایک خاص بندہ۔'' سکندر علی شاہ نے سرسری انداز میں جواب دیا پھر کچھ توقف کے بعد اس نے اورنگ زیب کے نمبر کو ڈائل کیا۔

''خادم بول رہا ہوں۔'' ایک لمحے بعد دوسری جانب سے اورنگ زیب کی آواز ابھری۔

''خادم نہیں بھائی۔'' سکندر علی شاہ نے اپنائیت سے کہا۔

''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''میرا ایک خاص بندہ کہیں گم ہو گیا ہے۔سوچا کہ آپ کے ذریعے اسے تلاش کروں۔''

''آپ شاید ناگی کی بات کر رہے ہیں؟'' دوسری جانب سے بات جاری رکھی گئی۔''اسے ساحلی علاقے میں مچھیروں کی قدیم بستی میں کسی نے قتل کر دیا ہے۔دو لاشیں اور بھی ملی ہیں۔بستی کے سردار نے انہیں ناگی کے ساتھی قرار دیا ہے۔''

''آپ میرا ایک کام کر سکیں گے؟''

''حکم دیں، میں انکار نہیں کروں گا۔''

''مجھے آپ سے اسی جواب کی توقع تھی۔'' سکندر علی شاہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ناگی کے قتل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟''

''آپ کا شبہ کس پر ہے؟''

''ناگی میرا خاص خادم تھا یہ بات سب جانتے ہیں۔'' سکندر علی شاہ نے سرسراتے لہجے میں کہا۔''اور ناگی کو راستے سے ہٹانے میں بھی کسی آستین کے سانپ کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں علاقے کے تھانے کو ضروری ہدایت دے دیتا ہوں۔جیسے ہی قاتل بے نقاب ہوا اس کی اطلاع پہلی فرصت میں آپ کو مل جائے گی۔''

''پیشگی شکریہ۔'' سکندر علی شاہ نے جواب دینے کے ساتھ سلسلہ ختم کر دیا۔اس کے چہرے پر غور وفکر کے بادل منڈلانے لگے تھے۔

''میں آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' گل نے بڑی اپنائیت سے کہا۔''کوئی پریشانی لاحق ہو تو کافی بھی سکون پہنچانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔''

''کافی سے زیادہ عورت کا قرب بھی مرد کے لیے بڑا پرسکون ہوتا ہے۔''

سکندر علی شاہ نے جواب دینے کے ساتھ ہی گل کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔گل کو شوہر کا وہ انداز اپنا نہیں بلکہ اجنبی اجنبی سا محسوس ہوا لیکن اس نے خود سپردگی میں کسی پس وپیش کا مظاہرہ نہیں کیا۔گل کو آغوش میں لینے کے بعد بھی سکندر علی شاہ کے ذہن میں ایک ہی شبہ کسی بچھو کی طرح ڈنک مار رہا تھا۔

''دلربا کے اغوا کی اطلاع بھی پہلے شکرہ نے دی تھی پھر اورنگ زیب نے اس کی تصدیق کی تھی۔ناگی کے قتل کے بارے میں بھی شکرہ نے از خود فون کر کے اسے خبر دی۔جس کے بعد ایس اورنگ زیب نے ہی اس کی تصدیق کر دی۔شکرہ اور اورنگ زیب کیا ایک ہی تصویر کے دو مختلف رخ ہیں یا ان کے درمیان کوئی گہرا تعلق بھی ہے؟''

✣✣✣

فرحین کا تعلق جہانگیرہ کے ساتھ والے گاؤں ''نودیہ نوے کلی'' سے تھا جسے جہانگیرہ کا ایک حصہ ہی سمجھا جاتا تھا اس لیے کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ محض ایک کلومیٹر یا اس سے کچھ ہی زیادہ تھا۔

فرحین ماں باپ کی چہیتی تھی لیکن ماں نے اسے شروع ہی سے کھانا پکانے اور سینے پرونے کی معقول تربیت بھی خصوصی طور پر دی تھی۔فرحین کو مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ بہت پسند تھا جسے وہ بے حد شوق سے پکاتی تھی۔اس معاملے میں بھی اس کی اور لیاقت حسین کی پسند ایک ہی تھی۔

شہر آنے کے بعد بھی وہ اکثر چھٹی والے دن یہی کھانا پکاتی تھی۔ایک دن وہ ڈرتے ڈرتے ایک پلیٹ میں ایک روٹی اور ساگ لے کر راحیلہ کے بنگلے میں چلی گئی تھی۔

راحیلہ بیگم کا تعلق جس سوسائٹی سے تھا' وہاں گاؤں کی وہ ڈش ایک نئی چیز تھی۔راحیلہ بیگم نے فرحین کا دل رکھنے کی خاطر اس کے اصرار پر ایک لقمہ بنا کر کھا لیا پھر اس کا ذائقہ جب منہ کو لگا تو وہ آدھی پلیٹ کھا گئیں۔آدھی شوہر کے لیے رکھ دی۔اس دن کے بعد سے وہ اکثر فرحین سے فرمائش کر کے اس ڈش کو پکوانے لگیں۔

آج بھی فرحین راحیلہ بیگم کے کچن میں کھڑی سرسوں کا ساگ بنا رہی تھی جب اسے لیاقت حسین کی یاد بڑی شدت سے آئی۔لیاقت حسین کو سراج کی طرف گئے تین چار دن ہی ہوئے تھے۔اس کے فون برابر آتے رہتے تھے لیکن اس وقت ہانڈی پکاتے ہوئے اسے وہ دن یاد آ گئے جب شادی سے پہلے وہ اور لیاقت حسین کہیں چوری چھپے بیٹھ کر اس کھانے کا مزہ لیتے تھے۔

فرحین نے کچن کے دروازے کے قریب آ کر باہر جھانکا۔راحیلہ بیگم شاید اپنے کمرے میں

تھیں۔ میدان صاف دیکھ کر فرحین نے موبائل پر لیاقت حسین سے رابطہ کیا۔ جب لیاقت حسین نہیں ہوتا تھا تو راحیلہ بیگم اسے انیکسی کے بجائے اپنے بنگلے پر روک لیتی تھیں۔ لیاقت حسین سے دوری کے یہ دو چار دن بھی فرحین کو زہر لگتے تھے اس کا اندازہ لیاقت حسین کو بھی تھا۔

''خیریت؟'' دوسری جانب سے لیاقت حسین کی تعجب بھری آواز ابھری۔ ''اس وقت کیسے یاد کیا؟''

''کیا مطلب؟'' فرحین نے فرضی ناراضگی کا اظہار کیا۔

''کیا اب تجھ سے بات کرنے کے لیے وقت لینا پڑے گا۔''

''ناراض نہ ہو لیاقت کا جان۔'' لیاقت حسین نے جواب دیا۔ ''تیرے بغیر یہاں میرا دل بھی نہیں لگ رہا لیکن سراج صاحب اور اورنگ زیب صاحب کے جو احسان ہیں ان کی وجہ سے ان کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔''

''چل چھوڑ ان باتوں کو۔'' فرحین نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ ''میں اس وقت بیگم صاحبہ کے کچن سے بول رہی ہوں۔ اب تجھے یہ پوچھنا ہے کہ میں کچن میں کیا پکا رہی ہوں؟''

''بیگم صاحبہ کے کچھ مہمان آ گئے ہوں گے ان کے لیے ناشتا بنا رہی ہو گی۔''

''نہیں۔'' فرحین نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''ایک اور خاص بات ہے۔''

''سمجھ گیا۔'' لیاقت حسین نے بڑے رومانی انداز میں جواب دیا۔ '' کچن میں بیٹھ کر تو مجھے یاد کر رہی ہو گی۔''

''وہ تو میں ہر وقت ہر جگہ کرتی ہوں۔''

''پھر......اور کیا خاص بات ہے؟''

''وہ جگہ یاد کر لیاقت حسین جب شادی سے پہلے ہم بڑوں کی نظروں سے چھپ کر دوپہر کو ملتے تھے۔ کبھی کبھی ایک ساتھ دوپہر کا کھانا بھی......''

''مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ بنا رہی ہے۔''

لیاقت حسین نے جملہ کاٹ کر کچھ ایسے انداز میں کہا کہ فرحین کو بھولے بسرے دنوں کی یاد آ گئی۔ منہ بنا کر بولی۔

''بیگم صاحبہ کی فرمائش تھی اس لیے مجبوراً بنا رہی ہوں لیکن تیرے بنا ایک نوالہ بھی میرے لیے زہر ہو گا۔''

''دیوانی ہو گئی ہے۔'' لیاقت حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''بیگم صاحبہ اور صاحب کیا سمجھیں گے۔''

''جو جی میں آئے سمجھیں لیکن میں نے جو کہہ دیا وہ کہہ دیا۔''

اسی وقت باہر سے راحیلہ بیگم کی آواز سنائی دی تو فرحین موبائل بند کر کے باہر آ گئی۔ باہر لاؤنج

میں راحیلہ بیگم موجود تھیں۔ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"جانتی ہو فرحین میں نے آج مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ کیوں تیار کروایا ہے؟"

"کوئی خاص بات ہے؟" فرحین نے راحیلہ بیگم کو وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

"ہاں آج میری شادی کی سالگرہ کا دن ہے جسے عثمان اکثر بھول جاتے ہیں۔"

"فکر ہی نہ کریں۔" فرحین نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "میں کسی نہ کسی بہانے صاحب کو یاد کروادوں گی۔"

"لیاقت حسین کو یاد رہتا ہے تمہاری سالگرہ کا دن؟"

"وہ...... وہ تو دو تین دن پہلے ہی مجھے چھیڑنا شروع کر دیتا ہے۔" فرحین نے لجا کر کہا پھر جلدی سے بات گھما کر بولی۔ "صاحب تو آپ کو اس موقع پر کوئی قیمتی تحفہ بھی ضرور دیتے ہوں گے؟"

"ہاں ہم دونوں ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ہیں۔" راحیلہ بیگم نے کہا۔ "پہلے باقاعدہ دوستوں کو بھی بلایا کرتے تھے لیکن اب ادھر دو تین سالوں سے یہ سلسلہ بھی بند کر دیا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ سالگرہ کا دن میاں بیوی کو اکیلے ہی منا کر زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ بلا وجہ کا ہنگامہ ہوتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، لیاقت حسین بھی ایسا ہی کرتا ہے۔"

"تم نے لیاقت کا نام اچھا یاد دلایا۔" راحیلہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔ "آج مجھے اس وقت اس سے ایک ضروری کام بھی ہے۔"

"آپ یا صاحب فون کریں تو بھاگا چلا آئے گا۔"

"اور اگر تم فون کرو تو انکار کر دے گا؟"

"پتا نہیں۔" فرحین نے معصومیت سے جواب دیا۔

"غلط خیال ہے۔" راحیلہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا پیار کرتے ہو۔ لیاقت حسین تمہیں اپنی زندگی سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔"

"آپ نے اسے بھائی بنا لیا ہے اس لیے ایسا کہہ رہی ہیں ورنہ سارے مرد ایک جیسے بھی نہیں ہوتے۔"

"یہ بات تم دل سے کہہ رہی ہو؟"

"دل کی بات ہر ایک کو نہیں بتانی چاہیے۔" فرحین نے شوخی سے کہا۔ "لیاقت کہتا ہے کہ اس سے دوسروں کی نظر لگ جاتی ہے۔"

"اور اگر کوئی دل کی بات زبان سے سن لے تو؟"

اس بار راحیلہ کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' فرحین نے چونک کر پوچھا۔

''بیگم صاحبہ کی فرمائش تھی اس لیے مجبوراً مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ بنا رہی ہوں لیکن تیرے بنا ایک نوالہ بھی میرے لیے زہر ہی ہوگا۔'' راحیلہ بیگم نے فرحین کا موبائل پر کہا ہوا جملہ دہرایا تو فرحین کا چہرہ تپ کر گلنار ہوگیا۔ بے اختیار وہ راحیلہ بیگم کے پہلو میں ہی سمٹ کر رہ گئی۔

✣✣✣

لوچن اس وقت ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے تھرڈ فلور پر صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اسکرین پر تھیں لیکن ذہن میں ایک نام ہی رہ رہ کر گونج رہا تھا۔ شیخ حامد...... اس نام کے پس منظر میں دو نام اور بھی تھے۔ ڈوما، جس کا تعلق بیروت سے تھا اور ہاشم جو جنوبی افریقہ کے ایک قبیلے کا پراسرار فرد تھا۔ لوچن سے ان دونوں کی ملاقات ہوائی جہاز میں ہوئی تھی۔ لوچن کی طرح ان دونوں کا تعلق بھی انڈر ورلڈ کے ان نامی گرامی لوگوں میں سے تھا جن کی لغت میں ناکامی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان تینوں کو ایک بہت بڑی اور منہ مانگی قیمت پر ہائر کیا گیا تھا۔ صرف ایک مخصوص کوڈ سیون اسٹار بتایا گیا تھا جس پر ملنے والی ہدایات پر انہیں عمل کرنا تھا۔ ان کو ایک ہی ٹارگٹ دیا گیا تھا۔ شیخ حامد کو کسی بھی طرح موت کے گھاٹ اتارنا۔ شیخ حامد کوئی عام آدمی نہیں تھا اس کا شمار بھی ڈان گروپ کے خطرناک ترین افراد میں کیا جاتا تھا۔

پھر اس جنگ میں ڈوما اور ہاشم دونوں ہی کام آگئے تھے لیکن شیخ حامد ایک بار مردہ مشہور ہونے کے بعد پھر زندہ ہوگیا تھا مگر اس طرح انڈر گراؤنڈ ہو کر رہ گیا تھا کہ اس کا سراغ لگانا لوچن کے بس میں بھی نہیں تھا۔ اس کے معاہدے کی مدت بھی ختم ہو رہی تھی جسے سیون اسٹار کی جانب سے بڑھانے کی پیشکش بھی ہوئی تھی مگر لوچن نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ ذاتی طور پر بھی شیخ حامد یا آکٹوپس کو اپنے لیے چیلنج سمجھتا ہے اور اس مشن کو پورا کیے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

اس وقت بھی لوچن کا ذہن شیخ حامد کی موت کی پلاننگ میں مصروف تھا۔ اس کا ذاتی خیال تھا کہ سکندر علی شاہ اور شیخ حامد کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں ضرور ملتے ہیں۔ فارم ہاؤس ایسی جگہ تھی جہاں شیخ حامد روپوش ہوسکتا تھا لیکن کس حیثیت میں؟ اس سوال کے جواب کے بغیر لوچن کے لیے ادھر کا رخ کرنا مناسب بھی نہیں تھا۔ وہ مختلف زاویوں پر غور کر رہا تھا جب دروازے پر کسی نے دستک دی۔ لوچن کسی آدم خور چیتے کی طرح چونکا شاید اس لیے کہ وہ اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کا عادی تھا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس کی ہول سے باہر جھانکا دروازے پر ایک خوب صورت لڑکی موجود تھی۔

''کون ہے؟'' لوچن نے کھردرے لہجے میں سوال کیا۔

''روم ہوسٹیس۔'' مختصر جواب ملا۔

لوچن نے اس حوالے پر دروازہ کھول دیا۔ کمرے کی صفائی اور بیڈ شیٹس کا بدلنا معمول کی

بات تھی جس کی خاطر ہوٹل کی لڑکیاں آتی جاتی رہتی تھیں لیکن آنے والی لڑکی کو دیکھ کر لوچن کے ذہن میں ایک شبہ سا ابھرا اس کی وجہ شاید یہ تھی اس لڑکی کے شانوں پر ہوسٹیس کا مخصوص بیج نہیں تھا۔دوسری وجہ یہ تھی کہ لڑکی نے اندر آ کر لوچن کو بھر پور نظروں سے دیکھا تھا پھر کمر کو بل دیتے ہوئے آگے بڑھ کر خالی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔لوچن نے حفظ ماتقدم کے طور پر دروازے کو اندر سے لاک کیا پھر لڑکی کے سامنے آ کر خشک لہجے میں پوچھا۔

''کون ہوتم؟''

''ہوسٹیس ہی سمجھیں۔''لڑکی بے شرمی سے مسکرائی۔''آپ دوروز سے یہاں مقیم ہیں اس لیے میں یہ سوچ کر آ گئی کہ شاید آپ کو کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔''

''کال گرل ہو؟''لوچن کی پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

''یہی سمجھ لیں۔''لڑکی نے اس بار ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر جواب دیا۔

''گیٹ لاسٹ۔''لوچن نے حقارت سے اسے دھتکارا۔''میرا وہ ٹائپ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔میں تمہاری شکایت براہ راست ہوٹل مینجمنٹ سے کروں گا۔''

''ایسی بھی کیا بے مروتی۔''لڑکی نے مسکرا کر کہا۔''تمہارا ٹائپ کیا ہے میں نے سن لیا ہے مگر کیا ایک کپ کافی کو بھی نہیں پوچھو گے؟''

''نہیں۔''لوچن کے تیور اور جارحانہ ہو گئے۔

''وقت مت ضائع کرو ورنہ میں تمہیں بالکونی میں لے جا کر نیچے پھینکنے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔آؤٹ ڈرٹی فش۔''آخری جملہ لڑکی کے لیے کھلا چیلنج تھا مگر وہ اس طرح مسکرائی جیسے اس جملے کا اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

لوچن ایک خوب صورت اور بے غیرت لڑکی کے ساتھ بات بڑھا کر ہوٹل میں تماشا بھی بن سکتا تھا۔اس نے لڑکی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر بستر کے قریب میز پر رکھے فون کا ریسیور اٹھا کر براہ راست منیجر سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن فون کی لائن ڈیڈ تھی۔وہ جھلا کر لڑکی کی طرف پلٹا جو نہایت پھرتی سے خود کو عریاں کر چکی تھی۔یہ صورت حال دیکھ کر لوچن کا خون کھول اٹھا۔اس نے لپک کر لڑکی کا ہاتھ تھاما اور گھسیٹ کر دروازے تک لے آیا لیکن پھر جو کچھ ہوا اس نے لوچن کو بھی بوکھلا دیا۔

دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر ہوٹل کے منیجر اور ایک باوردی اے ایس آئی پر پڑی۔لڑکی نے ایک دم ہی چلانا شروع کر دیا۔لوچن کی طرف اشارہ کر کے ہذیانی انداز میں بولی۔

''یہ......یہ جنگلی مجھے زبردستی اپنے کمرے میں گھسیٹ لایا اس کی نیت اچھی نہیں تھی۔''

''شی از......نان سینس۔''لوچن نے جھنجھلا کر اے ایس آئی سے کہا پھر منیجر سے کچھ کہنا چاہتا تھا جب اے ایس آئی نے انتہائی کرخت انداز میں کہا۔

''تم دونوں کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''کس جرم میں؟''لوچن نے تلملا کر سوال کیا۔

''اس لڑکی کی سہیلی نے باقاعدہ تھانے میں رپورٹ درج کروائی ہے کہ تم نے اس وقت اسے پکڑ کر کمرے میں گھسیٹ لیا جب یہ اپنے کسی مہمان سے ملنے آئی تھی۔''

''یہ...... یہ بکواس کرتی ہے۔شی از اے پراسٹی ٹیوٹ۔''

''پلیز مسٹر لوچن۔''منیجر شائستہ مگر سرد لہجے میں بولا۔

''یہ ہمارے ہوٹل کی عزت کا بھی سوال ہے۔آپ پولیس کے ساتھ تعاون کریں۔کیا سچ ہے کیا جھوٹ اس کا فیصلہ اب پولیس کرے گی۔''

''ڈونٹ وری منیجر۔''اے ایس آئی نے منیجر سے کہا۔''میں تمہارے ہوٹل کی بدنامی کی وجہ سے وین لایا ہوں۔''

''لڑکی بدستور اے ایس آئی کے قریب اس طرح سہی کھڑی تھی جیسے وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنا چاہتی ہو۔وہ جو بھی تھی پروفیشنل اداکارہ ہی لگ رہی تھی۔''

''ٹریپ......!''لوچن کے ذہن میں ایک فوری شبہے نے سر ابھارا۔اس کے ساتھ کئی سوال اور بھی گونجنے لگے۔

لڑکی جس انداز میں آئی تھی وہ سو فیصد اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ کال گرل ہے۔خود لڑکی نے بھی انتہائی بے شرمی سے اس کا اعتراف کر لیا تھا پھر جتنی دیر میں لوچن منیجر کو فون کرنا چاہتا تھا۔اس نے خود کو نیم عریاں بھی کر لیا تھا۔فون کی لائن بھی خلاف توقع ڈیڈ تھی اور جب لوچن لڑکی کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر نکالنے کا ارادہ کر چکا تھا تو ہوٹل کا منیجر اور ایک اے ایس آئی اسے دروازے پر ہی ملے تھے۔لوچن اتنے سارے اتفاقات کو بیک وقت ہضم کرنے کو تیار نہیں تھا۔

جو صورت حال درپیش تھی اس میں کئی جھول تھے جسے کم از کم لوچن جیسا جہاندیدہ شخص فوراً ہضم کرنے کو تیار نہیں ہو سکا۔جن حالات سے وہ گزر رہا تھا اس میں بھی ایک ایک قدم پھونک کر رکھنا اس کے پیشے کا تقاضا بھی تھا۔

''پلیز مسٹر لوچن۔''منیجر نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر کہا پھر درخواست کی۔''آپ کا تعاون ہمارے ہوٹل کی ساکھ کے لیے ضروری ہے۔اس کے لیے میں ذاتی طور پر بھی آپ کا شکر گزار ہوں گا۔''

''یہ لڑکی فراڈ ہے۔''لوچن نے اس بار لڑکی کو خونخوار نظروں سے گھورا۔''اس نے پولیس کو جو بیان دیا وہ بھی فراڈ ہے۔''

''اس کا فیصلہ تھانے جا کر ہی......

''نہیں پولیس آفیسر۔''لوچن نے اے ایس آئی کو بھی تیز لہجے میں مخاطب کیا۔''میں تمہارے ملک کا ایک عام شہری نہیں ہوں جسے تم کسی بناوٹی ڈرامے میں بحیثیت مجرم پھانس لیتے ہو،میرا تعلق ایک غیر ملکی سفارت خانے سے ہے۔یہ بات تم بھی جانتے ہو۔''

''آپ درست فرما رہے ہیں جناب۔'' اے ایس آئی کا رویہ یکلخت تبدیل ہو گیا پھر بھی اس نے دبی زبان میں کہا۔ ''یہاں بات اگر خراب ہو گئی تو......''

''میں نے بھی آپ سے تعاون کی درخواست کی تھی سر۔'' منیجر بھی سنبھل کر بولا۔ ''ورنہ ہمیں بھی آپ کی حیثیت کا احساس ہے۔''

''اس ڈرٹی گرل کی جس فرینڈ نے تھانے میں شکایت کی تھی اسے بھی یہاں لاؤ۔'' لوچن نے بدستور خفگی کا اظہار کیا۔ ''میں اپنے وکیل کو کال کر دیتا ہوں۔ قانونی مشوروں کے بغیر میں بھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں مسٹر لوچن لیکن میں بھی اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کا پابند ہوں۔'' اے ایس آئی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

لوچن نے اس بار جواب دینے کے بجائے لڑکی کو حقارت سے گھورا پھر اس نے کمرے میں آ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کا ذہن اس وقت بھی پیش آنے والی صورت حال کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ ان دنوں وہ جس مشن پر تھا اس میں سرفہرست صرف ایک ہی نام شیخ حامد، وہی آکٹوپس۔

پندرہ سے بیس منٹ تک لوچن کا ذہن الجھتا رہا پھر اس نے کچھ سوچ کر جگا کے نمبر ملائے۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کمرے میں آنے والی لڑکی اور بعد کی تمام تفصیل ایک ہی سانس میں دہرا دی۔

''تم نے ذاتی طور پر کیا اندازہ لگایا؟'' جگا نے پوری صورت حال معلوم کرنے کے بعد سوال کیا۔

''کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔''

''میرا مشورہ مانو تو پہلی فرصت میں اورنگ زیب صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔'' جگا نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ''جو صورت حال تم نے بیان کی ہے اس میں مجھے شروع سے آخر تک بارود ہی کی بو محسوس ہو رہی ہے۔''

''اوہ...... تم شاید صحیح کہہ رہے ہو۔'' لوچن نے پرخیال انداز میں جواب دیا۔

''یہ معاملہ نمٹ جائے تو موجودہ ہوٹل کی رہائش بھی فوری طور پر ترک کر دینا۔ وش یو آل دا بیسٹ۔'' دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ لوچن نے جگا کے مشورے پر دوبارہ موبائل پر ایس پی اورنگ زیب کے نمبر پنچ کیے لیکن نمبر مصروف ہے کا ریکارڈڈ جواب سن کر جھلا گیا پھر اسے رابطہ قائم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ دروازے پر ہونے والی دستک سن کر لوچن جھلا کر اٹھا۔ آنے والا وہی اے ایس آئی تھا' لیکن اس بار اس کے ساتھ لڑکی یا منیجر کے بجائے ایک سوٹڈ بوٹڈ مرد نظر آیا جس نے آنکھوں پر مرکری گلاسز والا چشمہ لگا رکھا تھا۔ فرنچ کٹ ڈاڑھی اور قدرے ڈھیلے ڈھالے لباس میں اس کی شخصیت بھی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔

''آپ کی تعریف؟''لوچن نے نووارد پر ایک نظر ڈال کر اے ایس آئی سے سوال کیا۔

''یہ میرے بگ باس ہیں۔منیجر کی درخواست پر آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

''لوچن کوئی جواب دینا چاہتا تھا جب نووارد نے کہا۔''

''دروازے پر نہیں اندر بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرتے ہیں۔ویسے میرا خیال ہے جس لڑکی نے آپ کو ڈسٹرب کیا اس کا تعلق بھی ریڈ لائٹ ایریا ہی سے ہوگا۔''

''کمرے میں داخل ہو کر نووارد بڑے سکون سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔لوچن کی نظریں بدستور اس کی شخصیت کو کھوج رہی تھیں جب باوردی اے ایس آئی دروازہ بند کر کے نووارد کی پشت پر آ کر کھڑا ہو گیا۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ہی کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔''نووارد نے براہ راست لوچن کی پر تجسس نظروں میں دور تک جھانکتے ہوئے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔اس کے ساتھ ہی اس کا سیدھا ہاتھ پتلون کی جیب سے باہر آ گیا جس میں سائلنسر لگا ہوا اعشاریہ تین آٹھ کا پستول بھی موجود تھا۔

لوچن کے ذہن کو ایک جھٹکا لگا یہ پہلا اتفاق تھا جب اس نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں کسی مطلوبہ شخص کو پہچاننے میں غفلت سے کام لیا تھا۔اس کے سارے تن بدن میں بجلی کا کرنٹ سا دوڑ گیا۔

''تم......!''لوچن نے بڑے سکون سے نووارد کو دیکھا جو شیخ حامد کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

''میں تم جیسے چھوٹے لوگوں کو زیادہ منہ لگانے کا عادی نہیں ہوں۔''شیخ حامد زہر آلود لہجے میں بولا۔''ویسے بھی تمہارا وقت اب پورا ہو گیا،اوپر ڈوما اور ہاشم بھی تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے......کبھی یاد آتی ہے ان کی؟''

لوچن نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ہاشم اور ڈوما کے حوالے کے بعد اسے یقین آ گیا تھا کہ خوب صورت لڑکی کو بطور چارا استعمال کیا گیا تھا۔موت اور زندگی کا کھیل کھیلتے اس کی عمر گزری تھی لیکن وہ اتنی آسانی سے بھی دشمن کے جال میں پھنس سکتا تھا یہ بات کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو پروفیسر چنگ لائی فار چون؟''شیخ حامد نے اس کا مذاق اڑایا۔''اب ستاروں کی چال تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''پستول ہاتھ میں ہو تو ہیجڑا بھی مرد بن جاتا ہے۔''لوچن نے بے پروائی سے جواب دیا۔''مرد ہو تو پنجہ لڑا کر دیکھ لو تمہیں بھی لوچن کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''تم ہوٹل سے باہر ہوتے تو تمہیں اس کا موقع بھی ضرور دیتا لیکن فی الحال میں وقت ضائع نہیں کروں گا۔''شیخ حامد نے مسکرا کر جواب دیا۔''حالات اور موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس وقت میں بھی تمہارے ہی پسندیدہ فارمولے کو یعنی ڈسپوزل کے فارمولے کو اپنانا پسند کروں گا،کیا

خیال ہے؟''

لوچن نے جواب دینے کے بجائے پنجے کے بل بیٹھ کر کسی پھرکی کی طرح چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے۔اس کی حسرت دل کی دل میں ہی رہ گئی پستول سے نکلی ہوئی گولی اس کی گردن میں پیوست ہوئی تو وہ چکرا کر فرش پر لیٹ گیا۔

شیخ حامد سینہ تان کر کھڑا ہو گیا پھر اس نے یکے بعد دیگرے مزید دو فائر کیے تو لوچن کے کوئیک ڈسپوزل میں اسے کوئی دشواری بھی نہیں ہوئی۔

''یہ...... یہ آپ نے کیا کیا؟'' اے ایس آئی نے شیخ حامد سے کہا۔''یہاں سے کسی لاش کا چوری چھپے ہوٹل سے باہر نکال کر لے جانا آسان نہیں ہوگا۔میری آفیشل پوزیشن بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''فکر مت کرو، ہوٹل منتظمین تمہیں بھی لاش ہی کی صورت میں کسی نہ کسی طرح ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر دیں گے۔میں باوردی شکاری کتوں کو بھی زیادہ دیر نہیں پالتا۔''

جواب میں اے ایس آئی نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسے مہلت نہیں ملی۔شیخ حامد نے پستول کے میگزین کی باقی گولیاں اس جسم میں اتار دیں پھر اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ ایک وین کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اورنگ زیب سے بات کر رہا تھا۔

''کوئی نئی اطلاع؟'' دوسری جانب سے ایس پی کی آواز ابھری۔

''ہاں...... تمہارا ایک ٹرینی شکاری کتا مار دیا گیا۔'' شیخ حامد نے سرسراتے لہجے میں کہا۔''میں لوچن کی بات کر رہا ہوں۔اس کی اور تمہارے محکمے کے ایک بکاؤ غدار کی لاشیں اس وقت بھی شہر کے واحد فائیو اسٹار ہوٹل میں موجود ہیں۔تم اپنے ذرائع سے بھی اس کی تصدیق کروالو۔''

''میں جواب میں صرف ایک ہی بات کہوں گا۔'' اورنگ زیب کی طرف سے سپاٹ اور خشک لہجے میں جواب ملا۔''گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ ہمیشہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔''

''دنیا اب بہت آگے نکل چکی ہے ایس پی اور تم ابھی تک گھسے پٹے محاوروں کو دہرا رہے ہو۔''

''اس کے علاوہ اور بھی کوئی بکواس کرنی ہے؟''

''درشت انداز میں پوچھا گیا''

''کچھ دن اور انتظار کرلو اس کے بعد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ خشکی کا آکٹوپس سمندری آکٹوپس کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔'' شیخ حامد نے بڑے سرد اور سفاک انداز میں جواب دیا پھر رابطہ بھی ختم کر دیا۔اس وقت اس کی نگاہیں خون آشام درندوں ہی کی مانند چمک رہی تھیں۔

✣✣✣

شبنم چائے کی ٹرے لیے کمرے میں آئی تو افضل خان اس وقت بھی اپنی کسی سوچ میں غرق تھا۔شبنم نے اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا لیکن وہ ادھر کچھ دنوں سے یہ ضرور محسوس کر رہی تھی کہ

افضل خان اچھی بھلی باتیں کرتے کرتے کسی سوچ میں گم ہو جاتا تھا۔

"ہیلو......!" اس نے افضل خان کو بڑے پیار سے مخاطب کیا۔ "میں بھی تمہارے ساتھ اس کمرے میں موجود ہوں۔"

جواب میں افضل خان نے معمول کے مطابق شبنم کو پیار بھری نظروں سے دیکھا پھر اس کی نظر ٹرے میں رکھے تازہ تیار کردہ کیک پر پڑی تو اس نے شبنم کو چھیڑنے کی خاطر پوچھا۔

"آج یہ کس خوشی میں تیار کیا گیا ہے؟"

"کوئی نیا مہمان......"

"بلی کو خواب میں چھیچھڑے۔" شبنم شوخی سے بولی۔ "تم مردوں کو شادی کے بعد ہمیشہ نئے نئے مہمانوں کے خواب آتے رہتے ہیں۔"

"قدرتی بات ہے۔" افضل نے شبنم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اپنائیت سے جواب دیا۔ "انسان جب کوئی خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کے بارے میں ضرور سوچتا ہے۔"

"اوکے۔" شبنم نے پیار سے کہا۔ "ایک اشارہ دیتی ہوں۔ اس کے ذریعے بوجھنے کی کوشش کرو۔ یہ کیک بھی کسی ایسے خواب کی تعبیر ہے جو پورا ہو گیا ہے۔"

"کوئی اتا پتا؟" افضل خان نے بچوں کی طرح دریافت کیا۔

"پہلے کیک کاٹ لو ورنہ چائے بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔" شبنم نے ٹرے چھری اٹھا کر افضل خان کی طرف بڑھائی۔ افضل خان کو اچانک یاد آ گیا کہ آج اس کی سالگرہ تھی۔ جواب میں اس نے شبنم کا ہاتھ تھام کر کیک کاٹتے ہوئے بڑی رازداری سے کہا۔

"میں ہار گیا تم جیت گئیں لیکن یہ تقریب کیا صرف کیک کاٹنے تک محدود نہیں رہے گی؟"

"ایک شرط پر۔" شبنم نے شوخی سے جواب دیا پھر چائے بناتے ہوئے اس نے افضل خان سے کہا۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم ادھر کچھ دنوں سے بیٹھے بیٹھے کہیں گم ہو جاتے ہو کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں، ناگی کی موت۔" افضل خان پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

"ناگی کا شمار ہمارے دوستوں میں نہیں دشمنوں میں تھا۔" شبنم نے پر تجسس انداز اختیار کیا۔ "اور پھر ناگی کے لیے کرنل احتشام نے تمہیں آمادہ کیا تھا۔"

"ہاں، لیکن اس دن کسی نے ایک ایسی بات کہی تھی جس نے میری روح کو زخمی کر دیا۔"

"کون تھا وہ؟"

"جہانگیر بٹ عرف جگا" افضل خان نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایک موقع پر کسی دشمن نما دوست کے کہنے پر اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی کی مداخلت پر وہ بچ گیا تھا۔ ناگی کی موت سے کچھ دیر پیشتر اس نے اس بات کا طعنہ دے کر مجھے وہاں سے نکل جانے کا موقع فراہم کیا تھا۔"

''اوہ۔'' شبنم یکلخت سنجیدگی ہوگئی۔ ''جگا کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں لیکن اتنا ضرور پتا ہے کہ وہ بااصول آدمی ہے اور تم جس شخصیت کا حوالہ دے رہے ہو اس نے ایک بار مجھے بھی تمہیں شکار کرنے کو کہا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب تم اس کے ملازم نہیں تھے۔''

''جانتا ہوں۔'' افضل خان نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ ''یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے مجھے شیلٹر فراہم کرنے میں خاصا رسک بھی لیا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''میڈم کے شوہر کے علاوہ اسی کمینے نے میرے سر سے ماں کا سایہ بھی چھین لیا تھا۔ شبنم سرد آہ بھر کر بولی۔'' میں نے اس کی فرم میں ملازمت بھی اسی وجہ سے اختیار کی تھی کہ کسی موقع پر ماں کی موت کا قرض چکتا کردوں، مگر مجھے کوئی مناسب موقع ہی نہیں مل سکا۔

''فکر مت کرو۔'' افضل خان نے شبنم کا ہاتھ تھام کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس کے علاوہ مجھے بھی اس کی تلاش ہے۔ جب بھی اور جہاں بھی ملا میں اسے موت کے گھاٹ اتارنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں کروں گا۔ یہ بھی قدرت کا کھیل ہے کہ کل تک جو سینہ تان کر دندناتا پھرتا تھا آج چوروں کی طرح کونے کھدروں میں چھپتا پھر رہا ہے۔''

''جلد بازی میں یہ نہ بھول جانا افضل کہ اب تم تنہا نہیں ہو میرا مستقبل بھی تمہارے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے۔'' جواب میں افضل خان نے قریب کھسک کر شبنم کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور اس وقت شبنم کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے تپتی دھوپ میں اسے کوئی تناور اور سایہ دار درخت مل گیا ہو۔

✣✣✣

پچھلے دس پندرہ دنوں سے آنے والے تمام کالوں کو میڈم روبی کے بجائے لاؤنج میں رکھے ہوئے آپریٹر سیٹ پر براہ راست تھریسا ہی وصول کرتی تھی۔ اس نے میڈم سے اس تبدیلی کی وجہ دریافت نہیں کی تھی، لیکن بدلتے حالات کے پیش نظر وہ سمجھ سکتی تھی کہ کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور تھی جس کے پیش نظر میڈم نے کرنل احتشام کو فون کر کے گھر کے تحفظ کی درخواست کی تھی۔ کرنل احتشام نے ملٹری کے کچھ کمانڈوز بھی سادہ لباس میں تعینات کردیئے تھے۔ پولیس کی نفری بھی آنے جانے والوں پر نظر رکھتی تھی صرف خاص خاص لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دی جاتی تھی۔

تھریسا نے کبھی اس بات کی جرأت بھی نہیں کی تھی کہ وہ میڈم سے ان تبدیلیوں کی وجہ دریافت کرتی لیکن اس موقع پر تھریسا بھی ان جانے دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس گئی تھی۔ جو افراد اس کی نگرانی پر مامور تھے وہ بھی اچھے قماش کے نہیں تھے۔ تھریسا کے سامنے وہ بیہودہ مذاق کیا کرتے، فحش حرکتیں کرتے لیکن وہ شاید گیدڑ تھے۔ اس بات کے منتظر تھے کہ پہلے شیر یا چیتا اسے شکار کرلے پھر وہ بھی اس کی آبرو کی تکا بوٹی کرنے میں دیر نہ کرتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ میڈم کی سفارش پر اسے باعزت طور پر واپس کردیا گیا تھا۔

''وہ کون لوگ تھے؟ میڈم کی سفارش پر وہ پتھر سے موم کیوں پڑ گئے تھے؟ میڈم کا ان سے

کوئی نہ کوئی تعلق تو ضرور ہوگا؟ اس تعلق کی نوعیت کیا تھی؟ وہ کس بات کی لالچ تھی جس نے انہیں تھریسا کو چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور اب...... کیا مجبوری تھی جس نے میڈم کو صرف گھر تک محدود کر دیا تھا۔ اس نے فون کالز بھی ریسیو کرنی بند کر دی تھیں مکان پر کمانڈوز تعینات کروا دیے تھے۔"

ان تمام باتوں کے پس منظر میں تھریسا کے ذہن میں صرف ایک ہی نام ابھرتا تھا، شیخ حامد۔ جو میڈم کے شوہر کا قاتل تھا۔ اسی سے انتقام لینے کی خاطر میڈم نے انڈر ورلڈ کے تین آدمیوں کی خدمات حاصل کی تھیں جنہیں سیون اسٹار کوڈ ورڈ سے احکامات جاری کیے جاتے تھے۔ ان تینوں میں سے دو مارے جا چکے تھے صرف لوچن باقی رہ گیا تھا جس نے معاہدے کی مدت میں توسیع کے لیے رقم لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ وہ بذات خود بھی اپنے دو ساتھیوں کا انتقام لیے بغیر واپس نہیں جائے گا' لیکن اس کے بعد کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور ہوا تھا جس نے میڈم کو بھی خود اپنے خول کے اندر بند رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ کیا بات تھی؟ اس وقت بھی تھریسا ان ہی خیالات میں الجھ رہی تھی جب فون کی گھنٹی بجی۔ تھریسا کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ دوسری گھنٹی کے بعد نے اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

"میڈم سے بات کراؤ۔" دوسری جانب سے بڑا تحکمانہ لہجہ اختیار کیا گیا۔

"آپ کا نام؟" تھریسا نے مہذب لہجے میں سوال کیا۔

"وہی جس نے میڈم کی درخواست پر تمہیں برباد کیے بغیر واپس کر دیا تھا۔" حقارت سے کہا گیا۔ "کیا یہ حوالہ تمہارے لیے کافی نہ ہوگا؟"

تھریسا کے سارے وجود میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ جو حوالہ دیا گیا تھا وہ نامکمل ہونے کے باوجود بہت واضح تھا۔ تھریسا ہونٹ چبانے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" بدستور خشک لہجے میں سوال کیا گیا۔

"میڈم اس وقت آرام کر رہی ہیں۔" تھریسا نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "بیڈ روم کا دروازہ بھی اندر سے بند ہے۔"

"میں جس دن اپنی ضد پر آ گیا اس روز سارے بند دروازے کھل جائیں گے۔" دوسری جانب سے بیہودہ انداز میں کہا گیا۔ "فی الحال اپنی میڈم کو ایک ضروری اطلاع دے دینا۔ اس کے آخری شکاری کتے کو بھی میں موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں، میں لوچن کی بات کر رہا ہوں۔"

"مم...... میں کسی لوچن کو......"

"کھال سے باہر نکلنے کی کوشش دوبارہ نہ کرنا ورنہ تم بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوگی۔" اس جملے کے اختتام کے ساتھ ہی دوسرے جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

تھریسا نے ایک طویل سانس لے کر فون کا ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ آنے والی کال اور لوچن کے حوالے سے اس کے ذہن میں پھر ایک ہی نام ابھرا...... شیخ حامد کچھ لمحے وہ گم صم بیٹھی رہی

پھر وہ میڈم کو آنے والے فون کے بارے میں بتانے کی خاطر اپنی جگہ سے اٹھی ہی تھی جب اس کی نظر الماس پر پڑی جو اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

''آپ......کب آئیں؟''

''زیادہ دیر نہیں ہوئی۔'' الماس نے مسکرا کر کہا۔''تم فون پر باتیں کر رہی تھیں اس لیے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔کس کی کال تھی؟''

''میڈم کی۔'' ثمریسا نے مختصر جواب دیا۔ایک لمحے کو اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ الماس کو آنے والی کال کی تفصیل بتادے لیکن الماس تیز تیز قدم اٹھاتی میڈم کے کمرے میں چلی گئی جہاں میڈم روبی نے اس کا استقبال بڑے پرجوش انداز میں کیا تھا۔

''آج راستہ کیسے بھول گئیں؟''

''تم تیار ہونے میں کتنی دیر لگاؤ گی۔'' الماس نے سوال کیا۔

''خیریت؟''

''کچھ شاپنگ کرنے کا ارادہ ہے۔سوچا تمہیں بھی ساتھ لے لوں۔''

''اوہ۔'' میڈم نے شوخی سے پوچھا۔''کیا سراج بھائی نے کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے؟''

''ارادہ تو تھا لیکن میرے درمیان میں آجانے سے اب رشتے کی نوعیت بھائی کی بہن جیسی ہوگئی ہے۔'' اس نے سرد آہ بھر کر ترکی بہ ترکی جواب دیا۔''بہ ظاہر تو یہی نظر آتا ہے۔دلوں کا حال اللہ جانے۔''

''خدا ہی سمجھے تم سے۔'' میڈم نے مسکرا کر کہا پھر اس نے تیار ہونے میں دیر نہیں لگائی۔دونوں کمرے سے باہر آئیں تو ثمریسا نے دبی زبان میں کہا۔

''میڈم، آپ کے لیے ایک کال آئی تھی لیکن میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔''

''اچھا کیا۔'' میڈم نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر وہ الماس کے ساتھ باہر آگئی جہاں لیاقت حسین نے ان کو دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

بیس منٹ بعد الماس اور میڈم روبی شہر کے سب سے بڑے سپر اسٹور میں موجود تھیں۔الماس نے ساتھ لائی فہرست نکال لی تھی۔میڈم نے بھی دو چار روز مرہ کے استعمال کی چیزیں لے لیں پھر الماس کی نظر کاؤنٹر کی طرف اٹھی تو وہ شیلا ورما کو دیکھ کر چونکی۔چونکنے کا سبب وہ لڑکی تھی جس کی عمر اٹھارہ سال کے پیٹے میں تھی۔شیلا ورما اور لڑکی کے سامنے اچھا خاصا سامان جمع تھا۔وہ پرس کھول کر بڑے بڑے نوٹ نکال رہی تھی۔الماس نے کہنی مار کر میڈم روبی کو کاؤنٹر کی طرف دیکھنے کا اشارہ کیا پھر دبی زبان میں پوچھا۔

''جانتی ہو یہ عورت کون ہے؟''

''ہاں، ہنی مون بیوٹی پارلر چلاتی ہے۔'' میڈم نے سرسری جواب دیا۔''ایک دو بار میں بھی گئی تھی لیکن تم اسے اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟''

''میں اس کے ساتھ کھڑی اس معصوم لڑکی کے تباہ ہوتے ہوئے مستقبل کے بارے میں غور کررہی ہوں۔''

''کیا مطلب؟ کون ہے یہ لڑکی؟'' میڈم نے چونک کر دریافت کیا۔

''کوئی نیا شکار لگ رہی ہے۔'' الماس نے مدھم لہجے میں شیلا ورما کے مذموم کاروبار کے بارے میں مختصراً بتاتے ہوئے کہا۔ ''میرا بس چلے تو اس عورت کو پہلی فرصت میں گولی ماردوں نہ جانے کتنی معصوم کلیوں کو پھول بنا چکی ہے۔''

''کیا اورنگ زیب صاحب اور سراج بھائی کو اس کے بارے میں نہیں معلوم؟'' میڈم نے سوال کیا۔

''بہت کچھ معلوم ہے لیکن وہ دونوں جوئے کے اڈوں اور عورت کے کالے کرتوتوں کے دھندوں میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ شاید اس لیے کہ ایسے کاروبار میں ملوث لوگوں کے تعلقات بہت اوپر تک ہوتے ہیں۔''

''پھر ہم تم بھی کیا کرسکتے ہیں۔'' میڈم نے سرسری جواب دیا لیکن اس کی نگاہیں بھی اسی لڑکی پر مرکوز تھیں۔

''جب لڑکیوں کے والدین نے خود انہیں کٹی پتنگ کی طرح ادھر ادھر ڈولنے کی آزادی دے رکھی ہے تو کوئی بھی کچھ نہیں کرسکتا۔'' الماس نے تلملا کر کہا پھر میڈم کا ہاتھ تھام کر اسٹور کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی لیکن اس کے کچھ دیر بعد جو کچھ ہوا اس نے الماس اور میڈم کو بھی کاؤنٹر کے قریب آنے پر مجبور کردیا جہاں لیاقت حسین نے شیلا ورما کی گردن کو دبوچ رکھا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ خود شیلا ورما کو بھی اپنا دم گھٹتا محسوس ہورہا تھا۔

''تم......تم ادھر سے دفع ہوجاؤ۔'' لیاقت حسین نے لڑکی کو قہر آلود لہجے میں دھمکی دی تو وہ اپنا وینٹی بیگ اٹھا کر جلدی سے ہجوم میں گم ہوکر باہر کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ سپر اسٹور کے دو ملازم لیاقت حسین کی گرفت سے شیلا ورما کو آزاد کروانے کی کوشش کررہے تھے جبکہ ہیڈ کانسٹیبل بھی دو سپاہیوں کے ساتھ ان کے قریب آگیا۔

''چھوڑ دو خاتون کو'' ہیڈ کانسٹیبل نے لیاقت حسین کو مخاطب کیا۔ ''ورنہ تمہارا بھی تھانے لے جا کر حشر نشر کردیں گے۔''

''نہیں چھوڑوں گا اس ناگن کو۔'' اس نے الماس کو بھی پریشان کردیا۔ وہ کس طرح ہیڈ کانسٹیبل سے رابطہ کرکے اسے اپنے اور لیاقت حسین کے بارے میں بتانا چاہتی تھی لیکن ہجوم کی وجہ سے وہاں تک اس کی پہنچ ممکن نہیں تھی لیکن میڈم روبی نے پہلی فرصت میں سراج کو موبائل پر آگاہ کردیا جس کے کچھ دیر بعد سپر اسٹور کی انتظامیہ بھی حرکت میں آگئی۔ لیاقت حسین اور شیلا ورما کو سپر اسٹور کا مالک اپنے آفس میں لے گیا۔ میڈم روبی نے الماس کو فون کی بابت بتایا تو وہ مطمئن ہوکر باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اس کے کچھ دیر بعد لیاقت حسین بھی آگیا جس کے چہرے پر بدستور سنجیدگی

طاری تھی۔الماس نے اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میڈم روبی نے اپنے گھر پر گاڑی سے اترنے سے پہلے لیاقت حسین سے دبی زبان میں پوچھ ہی لیا۔

''لیاقت حسین تم نے شیلا ورما کے بارے میں یہ بات یقین سے کیسے کہی تھی کہ اس کے پرس میں جعلی کرنسی موجود ہوگی؟''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔لیاقت حسین نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔''

''پھر تم نے شیلا ورما کو گلے سے کیوں دبوچ رکھا تھا؟'' الماس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔جواب میں لیاقت حسین کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے خوابیدہ لہجے میں کہا۔

''یہ وہی بے غیرت عورت ہے جس نے ایک معصوم اور یتیم لڑکی کو بنا سنوار کر زبردستی ایک شیطان فطرت کے حوالے کیا تھا لیکن قدرت نے اسے بے آبرو ہونے سے بچا لیا تھا۔اس کی لاش ابھی تک قبر میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔جب تک خدا کی بے آواز لاٹھی حرکت میں نہیں آتی اس مجبور اور بے کس لاش کی بھی فرشتے حفاظت کریں گے۔''

''تم......'' الماس کے علاوہ میڈم روبی بھی لیاقت حسین کا جواب سن کر سکتے میں آ گئی پھر اس نے لیاقت حسین سے پرتجسس لہجے میں سوال کیا۔''کون تھی وہ لڑکی،اس کی لاش کہاں دفن ہے۔''

لیاقت حسین جواب میں اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس نے میڈم کی آواز سرے سے سنی ہی نہیں۔وہ پوری توجہ سے گاڑی چلانے میں مصروف تھا۔اس کے چہرے پر طاری تناؤ کی کیفیت آہستہ آہستہ معمول پر واپس آ رہی تھی۔

میڈم روبی کو اس کے گھر واپس چھوڑنے کے بعد الماس نے دوبارہ لیاقت حسین سے پوچھا۔

''تم جب اندر گئے تھے تو وہاں کیا ہوا؟ کیا شیلا ورما کے پرس سے جعلی کرنسی ہی برآمد ہوئی تھی؟''

''مجھے خود حیرت ہے کہ میں وہاں کیسے پہنچ گیا!'' لیاقت حسین نے بڑی سادگی سے کہا۔''اگر کوئی غیر قانونی حرکت کرتا ہے تو اس سے میرا کیا تعلق وہ لوگ مجھے کاغذی کارروائی پر بطور گواہ دستخط کرنے کو کیوں کہہ رہے تھے؟ میں نے ایس پی صاحب سے شکایت کی تو پھر کسی نے اصرار نہیں کیا لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جعلی کرنسی برآمد ہونے کے باوجود انہوں نے شیلا ورما کو چھوڑ دیا تھا؟'' الماس جواب میں کسمسا کر رہ گئی۔اس نے لیاقت حسین سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔

✣✣✣

شیخ حامد کی کال نے اورنگ زیب کے دماغ میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔جو صورت حال درپیش تھی اس کی بساط پر لوچن سب سے اہم مہرہ تھا' جو پیٹ دیا گیا تھا۔شیخ حامد نے ببانگ دہل اقرار کیا تھا کہ اس نے لوچن اور پولیس کے ایک اے ایس آئی کو فائیو اسٹار ہوٹل کے کمرے میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔اس کی کال کے کچھ دیر بعد ہی اورنگ زیب کو جگا کی کال بھی موصول ہوئی تھی جس نے باقی کہانی بھی پوری کر دی تھی۔

''لوچن مجھ سے رابطہ قائم نہیں کرسکا تھا۔''اورنگ زیب نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔''تمہارے لیے یہ اطلاع بھی یقیناً اہم ہوگی کہ لوچن اب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

''یہ......یہ......آپ کیا کہہ رہے ہیں صاحب؟''جگا نے حیرت کا اظہار کیا۔

''لوچن کی موت کی اطلاع مجھے براہ راست آکٹوپس نے دی تھی۔''اورنگ زیب نے جگا کو تفصیل بتاتے ہوئے سوال کیا۔تم پوری کہانی سننے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کرو گے!''

''وہ لنگوٹ کا پکا تھا صاحب۔''جگا نے اپنے رائے کا اظہار کیا۔''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن اب میں صرف ایک ہی بات کہوں گا کہ دال میں کہیں نہ کہیں کچھ کالا ضرور شامل ہے۔''

''وہ کیا؟''

''جو اے ایس آئی مارا گیا اس کے علاوہ ہوٹل کے منیجر پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔''جگا نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔''جو لڑکی سامنے آکر نکل گئی اگر وہ مل جائے تو ڈور کا دوسرا سرا بھی ہاتھ آجائے گا۔بڑے ہوٹلوں میں ایسے کاروبار بھی زیادہ مہنگے داموں میں ہوتے ہیں صاحب ہوسکتا ہے اے ایس آئی کے علاوہ تھانہ انچارج بھی ملوث ہو۔''

''اور بھی بہت کچھ ممکن ہے لیکن اب میں زیادہ محتاط رہنے کی تاکید کررہا ہوں۔''اورنگ زیب نے کہا۔''وقتی طور پر کہیں انڈر گراؤنڈ ہوجاؤ مگر مجھ سے رابطے میں رہنا۔''

''جس نے خم ٹھونک کر لوچن کو شکار کیا ہے اس کے بارے میں مجھے کیا حکم دیں گے؟''

''وقت کا انتظار کرو۔''

اورنگ زیب نے رابطہ ختم کردیا۔کچھ دیر بعد وہ حالات کے نشیب وفراز پر غور کرتا رہا پھر اس نے براہ راست متعلقہ تھانے کے ایس ایچ او کو کال کیا۔

''فائیو اسٹار ہوٹل میں کسی رہائشی کے علاوہ پولیس کا ایک اے ایس آئی بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔''اورنگ زیب نے افسرانہ لہجے میں بات جاری رکھی۔''آپ نے بھی جائے وقوعہ کا معائنہ کیا ہوگا ہوٹل کے منیجر کا کیا بیان ہے۔''

''وہ......وہ ابھی تک خود کو نیوٹرل ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے۔''جواب گول مول انداز میں دیا گیا۔

''جو لڑکی کمرے میں گئی تھی اس کے بارے میں منیجر کا کیا کہنا ہے۔''

''سوری سر۔''اس بار ایس ایچ او نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔''میں اس واردات کے بارے میں کوئی تفصیلی بات نہیں کرسکتا۔''

''کیا مطلب؟''اورنگ زیب کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرنے لگیں۔

''آئی جی صاحب کی یہی ہدایت ہے کہ ابھی پریس کو بھی اندھیرے میں رکھا جائے ورنہ میں کم از کم آپ سے......''

اورنگ زیب نے جھلا کر رابطہ منقطع کردیا۔آئی جی کا حوالہ درمیان میں آجانے سے اس کے

ذہن میں اور بھی کچھ شبہات ابھر رہے تھے جب سراج نے کمرے میں قدم رکھا، اس کے چہرے پر بھی الجھن نظر آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔ کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟'' اورنگ زیب نے سراج کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''اب صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔'' سراج نے سر جھٹک کر جواب دیا۔ ''یا تو آپ مجھے اوپر سے کوئی مخصوص اجازت نامہ خود مختاری دلوا دیں یا پھر میں ملازمت سے استعفیٰ دے دوں۔''

''ہوا کیا ہے؟''

''آئی جی صاحب آپ کے بعد اب مجھ پر نزلہ گرانے لگے ہیں۔ سراج نے سپر اسٹور پر لیاقت حسین اور شیلا ورما کے معاملے کو مختصر روداد سناتے ہوئے کہا۔'' الماس کے کہنے پر میں نے سپر اسٹور کے مالک کو خوش اسلوبی سے معاملہ رفع دفع کرنے کو کہہ دیا تھا جس کی بھنک نہ جانے آئی جی کو کیسے مل گئی۔ انہوں نے براہ راست مجھے فون کر کے ایسے معاملات سے دور رہنے کی سرزنش کی ہے۔

''آئی جی کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید تمہارے ساتھ زیادہ سختی سے پیش آتا۔'' اورنگ زیب کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں۔'' اورنگ زیب نے بدستور چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''شیلا ورما جیسی خاتون کے معاملات میں تمہارا دلچسپی لینا مجھے بھی پسند نہیں ہے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ لیاقت حسین کی زبان سے شیلا ورما کے پاس موجود جعلی کرنسی کی جو بات نکلی وہ غلط بھی نہیں تھی۔''

الماس کے بعد لیاقت حسین نے مجھے بھی فون کیا تھا اور میں نے شیلا ورما کو کسی بکھیڑے میں پڑنے سے بچا لیا۔

''گویا وہ خوب صورت شجر جو میرے لیے ممنوعہ ہے آپ کے لیے جائز ہے۔''

''سیاست اسی کو کہتے ہیں مائی ڈیئر۔'' اورنگ زیب نے بات جاری رکھی۔ ''سکندر علی شاہ نے مجھے براہ راست فون کر کے شکریہ بھی ادا کیا ہے۔''

''آئی سی، گویا میرے خلاف آئی جی کے کان بھی سکندر علی شاہ نے بھرے تھے۔''

''ہو بھی سکتا ہے لیکن......'' اورنگ زیب نے موضوع بدل دیا۔ ''اس وقت تمہارے لیے ایک اور اہم خبر موجود ہے۔ آکٹوپس نے تمہاری میڈم کے آخری مہرے لوچن کو بھی بساط سے باہر کر دیا ہے۔'' پھر اورنگ زیب نے آکٹوپس کے فون کی تفصیل بیان کی تو سراج بھی پہلو بدل کر رہ گیا۔

''شیخ حامد کی اس جسارت کو اب آپ کس خانے میں فٹ کریں گے؟''

''حماقت اور بوکھلاہٹ......'' اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''شیر جب کچھار سے نکل کر باہر آ جائے تو پھر موت اس کا تعاقب شروع کر دیتی ہے۔''

''کچھار سے آپ کی مراد شاہ جی کا فارم ہاؤس تو نہیں ہے؟''

''تم اس کا شبہ متعدد بار کر چکے ہو اور میں نے ہر بار ایک ہی جواب دیا ہے۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب بھی یہی کہوں گا کہ سکندر علی شاہ بھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔''

''لوچن کے بعد جگا کا نمبر بھی آسکتا ہے۔'' سراج نے کہا۔ ''اس کی حفاظت کے لیے ہمیں قبل از وقت کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔''

''میں اسے انڈر گراؤنڈ ہو جانے کا مشورہ دے چکا ہوں' مگر میرا خیال ہے کہ آکٹوپس اب کوئی زیادہ لمبا ہاتھ مارنے کی کوشش کرے گا۔''

''لمبے ہاتھ سے آپ کا اشارہ کس طرف ہے؟''

اورنگ زیب کچھ جواب دینا چاہتا تھا جب الماس بازار سے واپس آگئی۔ وہ یقیناً کوئی خاص بات جوتھی جو اس کا پرس بھی ابھی تک شانے پر موجود تھا۔ اورنگ زیب نے الماس کے چہرے کا جائزہ لیا پھر دبی زبان میں دریافت کیا۔

''تم اس وقت کچھ الجھی نظر آرہی ہو، کوئی خاص بات؟''

''میں میڈم کے ساتھ سپر اسٹور گئی تھی۔ وہاں جو کچھ ہوا اس کا علم آپ دونوں کو بھی ہوگا۔'' الماس نے ایک صوفے پر بیٹھ کر گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''لیاقت حسین نے سب کے سامنے برملا کہا تھا کہ شیلا ورما کس قسم کے کاروبار میں ملوث ہے بعد میں لیاقت حسین کی جعلی کرنسی والی بات بھی سچ نکلی تھی مگر آپ لوگوں کے فون پر ہی سارا معاملہ رفع دفع کر دیا گیا تھا۔''

''جو کچھ بھی ہوا وہ اچھا ہی ہوا۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے سکندر علی شاہ کی وجہ سے شیلا ورما کی سفارش کی تھی ورنہ میں ایسے معاملات میں کبھی ملوث ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔''

''تم کس لیے ہلکان ہو رہی ہو؟'' سراج نے مسکرا کر کہا۔ ''میری اطلاع کے مطابق تمہارا یا میڈم کا نام کہیں درمیان میں نہیں آیا۔''

''مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ لیاقت حسین کو جعلی کرنسی کے بارے میں کیسے علم ہوگیا؟'' الماس نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''اس نے جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق آپ لوگوں نے بھی کرلی ہوگی لیکن واپسی پر لیاقت حسین نے میڈم کے استفسار پر جو بات کہی وہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کیا کہا تھا لیاقت حسین نے؟'' اورنگ زیب نے سوال کیا۔ ''کیا وہ بات بھی شیلا ورما سے متعلق تھی؟''

''جی ہاں۔'' الماس نے جواب میں دبی زبان میں جب کسی یتیم لڑکی کا حوالہ دیتے ہوئے اس کے بے آبرو ہونے سے بچنے اور اس کی لاش محفوظ ہونے والی بات کہی تو اورنگ زیب اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ جیسے کسی بھولی ہوئی کہانی کا کوئی گمشدہ حصہ دوبارہ ذہن میں تازہ ہوگیا ہو۔ سراج نے الماس کو اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے چلی گئی۔ سراج نے اس کے جانے کے بعد اورنگ زیب کے قریب جا کر پوچھا۔

''کیا لڑکی کی کہانی سے پھر کوئی کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا؟''

''بکھری ہوئی کڑیاں خود بخود ملتی چلی جا رہی ہیں۔''اورنگ زیب نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔''سکندر علی شاہ کے بارے میں بھی لیاقت حسین نے ایسی ہی ایک بات کہی تھی جسے وہ خود بعد میں بھول گیا تھا۔''

ویک اینڈ آنے میں اب صرف دو دن باقی رہ گئے ہیں۔

فارم ہاؤس جانے کے بعد ہو سکتا ہے اصل شکار بھی ہمارے ہاتھ آ جائے۔لیاقت حسین اب کیا کردار ادا کرے گا یہ قبل از وقت طے نہیں کیا جا سکتا' لیکن ایک بات میں بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں۔آکٹوپس جہاں بھی ہے وہ بھی سکون سے نہیں بیٹھے گا۔

''میں سمجھا نہیں۔''سراج نے وضاحت چاہی۔

''اسے کس بات کی پریشانی لاحق ہوگی؟''

''لوچن کو راستے سے ہٹا کر اس نے مجھے کیوں اطلاع دی تھی؟''اورنگ زیب نے خلا میں گھورتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔''پولیس کو راستے سے بھٹکانے کی خاطر مجرم اسی قسم کے کھیل تماشے کرتے ہیں۔کچھ افراد لوچن سے بھی زیادہ اہم ہیں۔کیا عجب ہے کہ وہ بھی لپیٹ میں آ جائیں۔''

''آپ کا اشارہ کس خاص سمت ہے؟''

''میڈم کو کیوں فراموش کر رہے ہو۔لوچن کو اسی نے انگیج کیا تھا۔''اورنگ زیب نے جواب دیا۔''آکٹوپس کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی خبر نے میڈم اور ڈی آئی جی کی خوشیوں پر بھی پانی پھیر دیا۔کوئی خاص وجہ رہی ہوگی جو میڈم نے براہ راست کرنل احتشام کو فون کر کے اپنے مکان پر کمانڈوز کو تعینات کروایا ہوگا۔اس کا سبب بھی آکٹوپس ہو سکتا ہے۔ناگی کی موت کے بعد افضل خان اور شبنم بھی اس کی ہٹ لسٹ پر آ سکتے ہیں اور خود ہمیں بھی اب محتاط رہنا ہوگا۔''

''پھر......آپ نے کیا سوچا ہے؟ہمیں کس کی حفاظت پر خاص ترجیح دینی ہوگی؟''

''الماس سے کہو کہ میرے لیے بغیر دودھ کی کافی بنا دے۔''اورنگ زیب نے سراج کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔''اس وقت مجھے شدید سکون کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔''

سراج خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔اورنگ زیب کی باتوں نے اسے بھی الجھا دیا تھا۔

سراج کے کمرے سے نکلتے ہی اورنگ زیب نے جیب سے اپنا موبائل نکال کر سم بدلی پھر وہ مرکزی حکومت کی اس بڑی شخصیت کے نمبر پنچ کرنے لگا جس کے اشارے پر حکومت نے اورنگ زیب کو مخصوص اجازت نامہ جاری کیا تھا۔رابطہ قائم ہونے کے بعد اسی نے دبی زبانی میں سراج کے حوالے سے آئی جی شکایت کی تھی' جو کسی خاص وجہ سے اس سیٹ کے مخالف ہو گیا تھا' جو پہلے اورنگ زیب کے پاس تھی۔خاص طور پر یہ درخواست کی تھی کہ آئی جی کو ان افسروں کے معاملات میں مداخلت سے روکا جائے جو صحیح معنوں میں اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں۔

⁂

ساحل سمندر کے کنارے بنی ہوئی عمارت جو بارہ فلور پر مشتمل تھی ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی۔ خاص طور پر عمارت کی چھت پر بنا ہوا تین کمروں کا وہ بیضوی شکل کا پینٹ ہاؤس ہر اعتبار سے حسین ترین کہلانے کا مستحق تھا۔ جس سے پورے شہر کے طول وعرض کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

اس پینٹ ہاؤس میں داخلے کے لیے علیحدہ آہنی دروازہ تھا جس کو بیٹری آپریٹڈ ایک ڈیوائس کے ذریعے کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ آہنی دروازے پر سکندر علی شاہ نے اپنا ایک خاص گارڈ بھی سادہ لباس میں تعینات کر دیا تھا۔

دلربا کو رہائش کی یہ جگہ ہر اعتبار سے بے حد پسند آئی تھی۔ سکندر علی شاہ نے اسے پچھلی رات ہی بڑی خاموشی سے اور احتیاط سے وہاں منتقل کیا تھا۔ یہ بھی باور کروا دیا تھا کہ اس کی حفاظت کے لیے کچھ خاص آدمی بھی تعینات کر دیے گئے تھے جس کے بعد اسے کسی قسم کا خطرہ لاحق ہی نہیں تھا۔

کھانے پکانے کے لیے بھی اسے کسی علت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ پینٹ ہاؤس کے گراؤنڈ فلور پر ایک جدید طرز کا ہوٹل تھا جس میں روم سروس کے لیے بیرے اور لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ اس سروس کو حاصل کرنے والوں کے لیے ایک مختصر مگر خوب صورت موبائل دیا جاتا تھا جس کا رابطہ براہ راست ہوٹل کی روم سروس سے تھا۔ اس سروس کے ذریعے رات دن کسی وقت بھی آرڈر کی تعمیل کی جاتی تھی۔

دلربا نے وہ رات بڑے سکون سے گزاری۔ صبح بیدار ہو کر کھلی چھت پر آئی تو ساحل کی طرف سے آنے والی ہوا کے خشک جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ پینٹ ہاؤس کی چھت پر چاروں طرف گھومتی رہی پھر کمرے میں آکر اس نے روم سروس سے ناشتے کو کہا۔ یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ سروس کسی خاتون ہوسٹیس کے ذریعے کی جائے۔

جتنی دیر میں وہ باتھ روم سے شاور لے کر ڈریسنگ گاؤن پہنے باہر آئی اتنی دیر میں ہوٹل کا دیا ہوا وہ موبائل بھی گنگنانے لگا جس سے ناشتے کا آرڈر دیا گیا تھا۔ دلربا نے موبائل آن کیا تو دوسری جانب سے ایک سریلی آواز ابھری۔

''آپ کا ناشتا تیار ہے میڈم۔''

''ٹھیک ہے، بھیج دو۔'' دلربا نے بڑی تمکنت سے جواب دیا۔ پانچ منٹ بعد اس نے روم سروس کی کال پر وہ آہنی دروازہ کھول دیا جس سے گزر کر آنے والی خاتون ہوسٹیس نے کمرے میں داخل ہو کر ناشتے کو میز پر چن دیا پھر بڑے ادب سے بولی۔

''میرے لیے اب کیا حکم ہے۔''

''تم جا سکتی ہو۔ ناشتے کے برتن میں گارڈ سے بھجوا دوں گی۔'' دلربا نے کھلے بالوں کو ایک خاص ادا سے جھٹک کر جواب دیا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' خاتون ہوسٹیس نے کہا۔ ''آپ گارڈ سے برتن دروازے کے باہر ہی رکھوا دیں، روم سروس کے بیرے اسے خود سمیٹ کر لے جاتے ہیں۔''

دلربا نے بڑے اطمینان سے ناشتا کیا۔دانتوں کو حسب معمول دوبارہ برش کرنے کے بعد وہ بیڈروم کے آرام دہ بستر پر لیٹ گئی۔پچھلے دنوں وہ جس صورت حال سے دوچار تھی اس نے اس کے ذہن کو خاصا مکدر کر دیا تھا۔ان ہی خیالوں میں گم ہو کر کسی وقت اسے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اسے کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ساحل پر چلنے والی ہوا کے جھونکوں نے اسے اتنی مہلت بھی نہیں دی کہ وہ اٹھ کر لباس پہن سکتی۔

دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔دیوار گیر گھڑی پر نظر پڑی تو یہ احساس بھی جاگ اٹھا کہ وہ ملگجا اندھیرا دن ڈوب جانے کے بعد شام آنے کا اعلان کر رہا تھا۔نیند اتنی گہری تھی کہ اسے دوپہرے کے کھانے کا احساس بھی نہیں ہوا۔بستر سے اٹھ کر وہ سیدھی ملحقہ باتھ روم میں گئی۔دوبارہ فریش ہو کر باہر آئی تو اسے سردی کا تھوڑا تھوڑا احساس ہوا۔کمرے اور ڈریسنگ کی لائٹ آن کرنے کے بعد وہ لباس تبدیل کرنے کے بارے میں غور کر رہی تھی جب باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری۔وہ جلدی سے دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتی ایک دروازے کی آڑ میں ہو گئی۔اسے یقین تھا کہ آنے والا سکندر علی شاہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو گا لیکن اس کا وہ اعتماد زیادہ دیر بحال نہیں رہ سکا۔جس شخص نے بڑی دل جگری سے اندر قدم رکھا تھا وہ کم از کم سکندر علی شاہ نہیں تھا' لیکن جس انداز میں وہ اندر آیا تھا وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ اس طرح ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گیا جیسے وہ پینٹ ہاؤس اس کے باپ دادا کی جاگیر ہو۔تھری پیس سوٹ میں اس کی شخصیت بھی کسی مالدار کروڑ پتی ہونے کا اعلان کر رہی تھی لیکن چہرے پر خودرو پودوں کی طرح بڑھی ہوئی بنا تراش خراش داڑھی اس کی شخصیت سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' دلربا نے دل ہی دل میں سوچا ایک لمحے میں کئی خیال اس کے ذہن میں گڈمڈ ہوئے لیکن پھر سکندر علی شاہ کی اعلیٰ شخصیت اور دروازے پر موجود گارڈ کا خیال آیا تو اس نے خود کو اطمینان دلانے کی کوشش کی۔

''آنے والا سکندر علی شاہ کا کوئی خاص نمائندہ ہی ہو گا جسے اس کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا گیا ہو گا۔'' خود کو اس خیال سے تسلی دینے کے بعد وہ لباس تبدیل کرنے کی خاطر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی تھی جب ایک کھنکھارتی ہوئی مردانہ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''تم جس لباس میں ہو وہ وقت اور ضرورت کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے۔''

''دلربا جھجکی۔کسی اجنبی کے منہ سے ایک لچر قسم کا جملہ سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی لیکن پھر اس کے ذہن میں ایک اور خیال بھی تیزی سے ابھرا۔پھاٹک پر سکندر علی شاہ کا مسلح گارڈ بھی سادہ لباس میں موجود تھا۔پھاٹک کھولنے کی مخصوص ڈیوائس بھی دلربا کی تحویل میں تھی پھر......اگر آنے والا کوئی اجنبی تھا تو اتنی رکاوٹیں عبور کر کے اندر کس طرح آ گیا؟''

''میرے بارے میں اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو۔'' آنے والے نے بے پروائی سے

کہا۔ ''تمہارا سکندر علی شاہ بھی میرے لیے پالتو کتوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔''

''کک......کون ہو تم؟'' دلربا نے شاہ جی کے حوالے پر آنے والا رکیک جملہ سن کر دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ ''یہاں کس مقصد سے آئے ہو؟''

''اس کہانی کو انجام تک پہنچانے آیا ہوں جو فریال نے شروع کی تھی۔''

''تت......تت......فریال کے حوالے پر دلربا کے دل میں ہول اٹھنے لگے۔''

''میں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔'' نووارد تیزی سے اٹھ کر دلربا کے سامنے کھڑا ہو گیا جو اپنے گاؤن کو سینے پر برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''نجم تو یاد ہو گا تمہیں۔ وہی جس سے تم فریال ہی کے ذریعے ملی تھیں۔''

اس نے پہلی بار تمہیں کلی سے پھول بنایا تھا پھر......فریال نے تمہارا تعارف سکندر علی شاہ سے کروا دیا۔ اب تم اس کے لیے کیا خدمت انجام دے رہی ہو یہ بھی جانتا ہوں۔'' آنے والا نفرت بھری نظروں سے دلربا کو گھور رہا تھا۔ اس نفرت کی آڑ میں اس کی ہوس کے اشارے بھی شامل تھے۔''

''لل......لیکن......تت......تم یہ سب کچھ مجھے کیوں یاد دلا رہے ہو؟'' دلربا نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''تم نے نہ سہی لیکن جن لوگوں نے تمہیں اپنی تحویل میں باعزت طور پر رکھا تھا ان کا کچھ قرض باقی ہے مجھ پر۔'' نووارد نے آگے بڑھ کر دلربا کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ دلربا کی نظروں میں خوف کے سائے لرزنے لگے۔ آنے والے نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے ہی خوب صورت وجود کو اس کے لیے بطور تحفہ پیش کرنا پسند کروں گا۔''

''دلربا نے مزاحمت کی ناکام کوشش کی لیکن نووارد اسے گھسیٹ کر اس کے بستر پر لے گیا۔''

''مم......میں......نہیں سمجھ سکی کہ تم مجھ سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو؟'' دلربا نے ہتھیار ڈالتے ہوئے رو دینے والے انداز میں کہا۔ ''تم جو چاہتے ہو میں اس سے انکار بھی نہیں کروں گی۔''

''تم اب انکار کرنے کی پوزیشن میں ہو بھی نہیں۔'' نووارد نے ایک جھٹکے سے دلربا کا گاؤن بھی اتار کر ایک طرف پھینک دیا، کچھ دیر وہ اس کے وجود کو سرسراتی نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے جیب سے سائلنسر لگا پستول نکال لیا۔

''مم......مم......میں......تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' دلربا نے رندھی ہوئی آواز میں التجا کی۔ ''مجھے جان سے نہ مارو......میرا جسم تمہارے لیے......''

''کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔'' نووارد کا لہجہ سرد تھا۔

''باسی اور جھوٹا کھانا میری فطرت کے خلاف ہے۔'' پھر دلربا کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نووارد کے پستول سے یکے بعد دیگرے دو بار ٹچ ٹچ کی مدھم آواز ابھری اس کے ساتھ ہی دلربا کا

خوب صورت جسم پھڑ پھڑا کر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔
نووارد کے ہونٹوں پر حقارت بھرا تبسم ایک لمحے کو جاگا پھر اس نے جیب سے موبائل نکال کر ایس پی اورنگ زیب کے نمبر ڈائل کیے۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے بڑے دبنگ لہجے میں کہا۔
''لوچن کے بعد اب تمہارے اور سکندر علی شاہ کے لیے دلربا کی لاش کی شکل میں ایک مشترکہ تحفہ ساحل سمندر کی نئی تعمیر شدہ عمارت کے پینٹ ہاؤس میں موجود ہے لیکن...... یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا، جاری رہے گا۔''
اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد اس نے دوسری جانب سے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ دلربا کے جسم پر ایک آخری نظر ڈال کر وہ پینٹ ہاؤس کے باہر آیا جہاں سکندر علی شاہ کا متعین کردہ سادہ لباس والا گارڈ بھی فرش پر اوندھا پڑا تھا۔

+++

گل اس وقت اپنی خواب گاہ میں بیٹھی خلا میں اس طرح گھور رہی تھی جیسے کوئی بھولا بسرا خواب یاد آ رہا ہو۔ ایک رات پہلے شوہر کا از خود اس کے پاس آنا ایک خوب صورت خواب ہی تھا ورنہ ایک ہی گھر میں، ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی اس کا شوہر سے آمنا سامنا بہت کم ہی ہوتا تھا۔
گزشتہ روز سکندر علی شاہ نے جس وحشیانہ انداز میں اسے آغوش میں دبوچا تھا وہ اسے پسند نہیں آیا تھا۔ حق زوجیت ادا کرنے میں اس نے کسی مزاحمت کا اظہار بھی نہیں کیا لیکن یہ احساس بھی بڑا کربہہ تھا کہ شوہر نے وقتی طور پر دل بہلانے کی خاطر نگینہ جیسی آبرو باختہ عورت کا متبادل سمجھ کر محض ایک وقتی کمی کو پورا کرنے کی خاطر استعمال کیا تھا۔
اس وقت بھی ایک مقدس رشتے کا احساس اس کے ذہن کے گوشوں میں کلبلا رہا تھا جب شوہر کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اسی طرح چونکی جیسے جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہو لیکن وہ خواب نہیں، حقیقت تھی جسے محسوس کر کے وہ دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتی شوہر کی پذیرائی کو اٹھ کھڑی ہوئی۔
سکندر علی شاہ گل کو دیکھ کر بڑی اپنائیت سے قدم اٹھاتا جب ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا تو گل نے بڑے پیار سے کہا تھا۔ ''آپ بیٹھیں میں ملازمہ سے چائے لانے کو کہتی ہوں۔''
''اس کی زحمت نہ کرو۔'' سکندر علی شاہ نے اسے قریب آ کر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں ملازمہ کو ہدایت دے کر آیا ہوں کہ اب روزانہ شام کی چائے میں تمہارے ساتھ ہی اسی کمرے میں پیا کروں گا۔''
''سکندر علی شاہ کا محبت بھرا جملہ سن کر گل کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ وہ قدم اٹھاتی ہوئی شوہر کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئی۔ دل کی دھڑکنیں اس کے اختیار سے باہر ہونے لگیں۔''
''گل......!'' سکندر علی شاہ نے بڑی اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھام کر مدھم لہجے میں کہا۔ ''مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو کرنا چاہیے تھا۔''

''پلیز......ایسا نہ کہیں۔'' گل نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بے اختیار جواب دیا۔''شادی کے بعد آپ نے کبھی مجھے اپنے قدموں سے دور نہیں کیا میرے لیے یہ بھی بہت ہے۔''

''یہ تم نہیں تمہارے والدین کی دی ہوئی تربیت بول رہی ہے۔'' سکندر علی شاہ نے اس کے اور قریب ہو کر سرسراتے لہجے میں کہا۔''لیکن ایک بات تم بھی سمجھتی ہو......منزل کی تلاش میں اکثر مسافر بھٹک جاتے ہیں لیکن کبھی نہ کبھی اپنے گھر ضرور واپس لوٹتے ہیں۔ مرد کی فطرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عارضی چمک دمک کو بہت جلدی قبول کر لیتا ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب اسے یہ حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بازار کے کھانے چٹپٹے اور صاف ستھرے مسالوں سے تیار کی ہوئی ڈش کا ذائقہ بہر حال منفرد ہوتا ہے۔''

گل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شرما کر گردن جھکا لی۔ شوہر کی بات کا اصل مفہوم بھانپ کر اس کے اندر کی مشرقی عورت بھی گنگنانے لگی تھی۔ جب ملازمہ چائے کی ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی۔ اس کے آجانے سے حسین خوابوں کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا۔ گل چائے بنانے میں مصروف ہوگئی۔

سکندر علی شاہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

چائے کے دوران بھی سکندر علی شاہ گل سے محبت بھری باتیں کرنے میں مصروف تھا جب اس کے موبائل پر سگنل ملا، روشن اسکرین پر نظر آنے والے نمبر اس کے جانے پہچانے تھے اس لیے اس نے موبائل آن کرنے میں دیر نہیں کی۔

''اس وقت کیسے یاد آگئی؟'' اس نے بے تکلفی سے دریافت کیا۔

''سب سے پہلے مجھے ویک اینڈ کا پروگرام کنفرم کرنا ہے۔'' دوسری جانب سے ایس پی اورنگ زیب کی آواز ابھری۔''اس بار تو پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی؟''

''بالکل نہیں۔ میں نے سارے انتظامات بھی مکمل کر لیے ہیں۔''

''اور کوئی نئی خبر؟''

''نئی نئی خبریں آپ حضرات کے علاوہ اور کس کے پاس ہوتی ہیں۔''

''میرے پاس اس وقت آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔'' سنجیدگی سے جواب ملا تو سکندر علی شاہ نے بے پروائی سے پوچھا۔

''میں سمجھا نہیں؟''

''آپ سے دلربا کی آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟''

''آخری ملاقات......!'' سکندر علی شاہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔''آپ کیا بتانا چاہ رہے ہیں؟''

''مجھے افسوس ہے شاہ جی کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں رہی۔ میری اطلاع کے مطابق قاتل نے وہاں بھی آکٹوپس کا ایک نشان چھوڑ کر پولیس کو اپنی برتری کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔''

''کون ہے یہ آکٹوپس؟'' سکندر علی شاہ تلملا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی پیشانی پر آڑھی ترچھی شکنیں بھی ابھرنے لگیں جو اس کے وجود کے اندر ابلنے والے لاوے کی ترجمان تھیں۔

''حوصلے سے کام لیں شاہ جی ورنہ مجرم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔''
''آپ نے دوست کہا ہے تو پھر دوستوں کی طرح کھل کر بات کریں۔'' سکندر علی شاہ نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''آپ کے جواب سے میں یہی اندازہ لگا رہا ہوں کہ شاید کسی نہ کسی زاویے سے آپ مجرم سے واقف ہیں۔ صرف اشارے میں ہی شبہ ظاہر کریں وہ جو بھی ہوا میں اسے سمندر کی تہ میں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''
''میں بھی یہی جواب دوں گا کہ کسی نہ کسی طور پر آپ بھی غائبانہ طور پر اس کو جانتے ہیں لیکن......اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہیں۔''
''آپ کا جواب میرے لیے کسی معمے سے کم نہیں ہے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کھل کر نہیں کریں گے؟''
''فی الحال میں اس کی وضاحت میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجرم مجھے راستے سے ہٹانے کا خواہش مند ہے مگر وہ ایک تیر سے بیک وقت دو شکار کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔''
''دوسرا شکار کون ہے؟''
''صرف ایک دن اور انتظار کر لیں...... تفصیلی بات فارم ہاؤس پر ہوگی۔'' اورنگ زیب نے افسرانہ انداز میں کہا۔ ''ایک بات اور غور سے سن لیں اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے گا ورنہ پھر سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔'' جملے کے اختتام کے ساتھ ہی رابطہ بھی منقطع کر دیا گیا۔ سکندر علی شاہ اس آخری جملے کی تلخی کو برداشت نہیں کر سکا تو ہونٹ چبانے لگا۔
''کس کی کال تھی؟'' گل نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔
''ہے ایک نچلے درجے کا افسر جو اس وقت اچانک اونچی آواز میں بول رہا تھا۔'' سکندر علی شاہ نے حقارت سے جواب دیا۔ ''اس کے دن بھی اب گنے چنے رہ گئے ہیں۔''
''آپ کے اور اس کے درمیان کسی مجرم کی بات بھی ہو رہی تھی؟'' گل نے جسارت کر کے پوچھا۔
''گل کے سوال پر سکندر علی شاہ کو دلربا کا خیال آیا جسے اورنگ زیب کی اطلاع کے مطابق قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے وجود کے اندر شعلے بھڑکنے لگے۔ اس نے کچھ سوچ کر دوبارہ اورنگ زیب سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچا لیکن اسی وقت موبائل پر پھر سگنل ملا، سکندر علی شاہ نے موبائل آن کرنے میں خاصی عجلت سے کام لیا۔''
''ہیلو۔''
''تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے۔'' دوسری جانب سے شکرہ کی آواز ابھری۔ ''دلربا کو بھی راستے سے ہٹا دیا گیا۔''
''اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟'' سکندر علی شاہ نے چونکنے کی اداکاری کی لیکن اس کے وجود کے اندر اب چنگاریاں چٹخنے لگی تھیں۔

''اس کے اغوا کے سلسلے میں بھی میں نے ایس پی پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ ہوسکتا ہے اسی نے کسی مصلحت کی بنا پر ایک انتہائی قدم اٹھالیا ہو لیکن اس واردات میں ناگی کے کسی آدمی کا ہاتھ بھی ہوسکتا ہے۔''

''ناگی تو مارا جا چکا۔''

''عقل سے کام لو۔'' دوسری جانب سے سرزنش کرنے والا انداز اختیار کیا گیا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ دو بدمعاشوں نے احمد عدنان کی ایرانی رکھیل ثمرہ شیرازی کے بنگلے پر ناگی کو گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کی خاطر ناگی نے اپنے کسی ہم شکل کو میک اپ میں دلربا کے مکان پر بھیجا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ناگی کے کسی سر پھرے ساتھی نے اس کا انتقام لینے کی خاطر دلربا کو نشانہ بنادیا ہو۔''

''اور بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے لیکن میں دلربا کی موت کو فراموش نہیں کروں گا۔'' سکندر علی شاہ نے کسی ناگ کی طرح پھنکارتے ہوئے جواب دیا۔ ''مجھے جس پر شبہ ہوا اس کو کتے سے بدتر موت ماروں گا۔''

''فی الحال میں تمہیں کسی جلد بازی کی اجازت نہیں دوں گا۔'' تحکمانہ انداز میں کہا گیا۔ ''ایس پی کو فارم ہاؤس میں آلینے دو پھر ممکن ہے کہ اس کے مٹھی میں آجانے کے بعد بہت سے اہم رازوں سے پردہ اٹھ جائے۔''

''ایک بات میرے ذہن میں بھی الجھ رہی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''میں نے دلربا کو نہایت رازداری سے پینٹ ہاؤس تک پہنچایا تھا۔ وہاں جو آدمی تعینات کیا تھا وہ بھی بکنے والا بندہ نہیں تھا پھر...... قاتل وہاں تک کیسے پہنچ گیا؟''

''پولیس کے شکاری کتے جب کسی کے پیچھے لگ جائیں تو بدن کے لباس کی خوشبو سے بھی اس تک پہنچ جانے کی مہارت رکھتے ہیں۔''

''ایسی صورت میں تو ناگی کا کوئی آدمی خارج از امکان ہو جاتا ہے۔'' سکندر علی شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ہمارے ذہن میں صرف ایک ہی نام رہ جاتا ہے...... ایس پی''

''فکر مت کرو، بکرے کی ماں کتنے دنوں خیر منائے گی۔'' جواب بڑے ٹھوس لہجے میں دیا گیا اور پھر رابطہ بھی ختم ہوگیا۔

گل...... خاموش تماشائی کی حیثیت سے قریب کھڑی سکندر علی شاہ کے بدلتے تاثرات کو بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ دوسری کال کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اس نے دبی زبان میں کہا۔

''نگینہ کے بعد دلربا...... کون آپ کی خوشیوں کا دشمن ہوسکتا ہے؟''

''یہی ایک سوال میرے ذہن میں بھی صدائے بازگشت بن کر گونج رہا ہے۔'' سکندر علی شاہ جواب دینے کے بعد جانے کے ارادے سے اٹھا تو گل نے بڑی اپنایت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اس وقت آپ کو صرف سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔'' گل نے شوہر کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''میری درخواست ہے کہ آپ کچھ دیر بستر پر آنکھ بند کر کے لیٹے رہیں۔ میں آپ کے سر میں تیل لگا دیتی ہوں۔ دلربا کی تجہیز و تکفین کا کام آپ کے کارندے بھی انجام دے سکتے ہیں۔''

جواب میں سکندر علی شاہ نے گل کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کو بہت غور سے دیکھا پھر اس نے گل کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار نہیں کیا لیکن اس وقت بھی اس کے ذہن میں شکرہ اور ایس پی اور رنگ زیب کے کہے ہوئے کچھ جملے آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

✣✣✣

حسب معمول رات ساڑھے نو بجے بیوٹی پارلر کو تالا لگانے کے بعد جونی نے اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا پھر حسب معمول وہ شیلا ورما کے پاس اس کی خواب گاہ میں گیا جہاں وہ خلاف معمول کسی خیال میں ڈوبی نظر آرہی تھی۔ شب خوابی کا لباس بھی اس کے جسم پر نہیں تھا۔

جونی دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ سپر اسٹور میں پیش آنے والی کہانی جونی کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ وہ شیلا ورما کے تمام راز سے واقف تھا۔ اس کے دھندوں میں بھی برابر کا شریک تھا لیکن جعلی کرنسی والی بات اسے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ خوب صورت اور نوجوان لڑکیوں کے کاروبار میں اسے جو رقم ملتی تھی وہ بھی ضرورت سے کہیں زیادہ تھی۔ ہنی مون بیوٹی پارلر کا بینک اکاؤنٹ علیحدہ تھا جس میں لاکھوں کا بیلنس موجود تھا پھر شیلا ورما کو جعلی کرنسی کے کام کی کیا ضرورت تھی اور اگر کہانی سچ تھی تو بھی شیلا ورما نے جونی کو کان وکان اس کی بھنک بھی نہیں لگنے دی تھی۔ ذاتی طور پر جونی کو اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ اگر اسے کوئی فکر تھی تو لیڈی ڈکسن کی اس پیشین گوئی کی تھی جس کے مطابق اسے شیلا ورما سے دور چلے جانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

دروازے پر کھڑا وہ اپنے خیالوں میں محو تھا جب شیلا ورما نے اس کی طرف دیکھا پھر ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بولی۔ ''دروازے پر کیوں جم کر رہ گئے ہو، میرے قریب آؤ۔ آج مجھے شدت سے تمہارا انتظار تھا۔''

''غلط۔'' جونی نے بڑی مہارت سے اسے اپنے چہرے کے تاثرات بدل کر کہا۔ ''انتظار کی صورت میں تمہارے جسم پر ہمیشہ نائٹ گاؤن ہوتا ہے لیکن آج تم نے لباس بھی نہیں تبدیل کیا۔''

''دروازہ بند کر لو پھر میں یہ لباس بھی اتار کر پھینک دوں گی۔''

جونی نے خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا لیکن وہ اس وقت بھی محسوس کر رہا تھا کہ شیلا ورما بڑی خوب صورتی سے کسی بات کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا وہ شیلا ورما کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ شیلا ورما نے ایک بار پھر توبہ شکن انگڑائی لے کر اپنے مہکتے وجود کو جونی کی کشادہ سینے میں چھپانے کی کوشش کی۔

''میں آج بہت تھکی ہوئی ہوں جونی ڈیئر تم مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ کر بستر تک لے چلو۔''

''شیلا۔'' جونی نے اس کی زلفوں کو چھیڑتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔ ''تھکن کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟''

''تم کیا سوچ رہے ہو؟'' شیلا ورما نے جونی کے سوال پر چونک کر اس کی نگاہوں میں جھانکا۔

''کل تک میں فٹ پاتھ پر تھا اور آج تمہاری خواب گاہ میں ہوں۔'' جونی نے سمجھانے والے لہجے میں جواب دیا۔ ''میری جگہ پہلے اس خواب گاہ میں بھی کسی اور کا راج تھا۔ مرد کے مقابلے میں عورت جلدی جلدی لباس تبدیل کرنے کی عادی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اب جونی کی جگہ بھی کوئی اور......''

''شٹ اپ۔'' شیلا ورما جھلا کر اٹھ گئی۔ اس کا لہجہ تلخ ہوگیا۔ ''دوبارہ اپنی زبان پر قابو رکھنا ورنہ......''

''چپ کیوں ہوگئیں؟'' جونی نے دیدہ و دانستہ راکھ میں دبی چنگاری کو ہوا دی۔ ''ورنہ کیا ہوگا؟''

''میں بچوں کی طرح کھلونوں سے دل بھر جانے کے بعد اس کی جگہ دوسرے کی ضد نہیں کرتی۔'' شیلا ورما نے ہونٹ چباتے ہوئے تلملا کر کہا۔ ''انہیں توڑ دینے کی عادی ہوں اور یہ بات تم بھی جانتے ہو۔''

''میں اس کے علاوہ بھی کچھ جاننے کی خواہش کر رہا ہوں۔'' جونی نے بے پروائی سے جواب دیا

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' شیلا ورما نے بھڑک کر سوال کیا۔

''جعلی کرنسی کے کاروبار والی بات کہاں تک سچ ہے؟'' جونی نے کھل کر سوال کیا۔

شیلا ورما اس طرح چونکی جیسے بارڈر کراس کرتے وقت رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے جونی کو تیز نظر سے گھورا۔

''میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔ دوبارہ اپنی حدود کو پھلانگنے کی کوشش مت کرنا۔''

''اس وقت میرے لیے کیا حکم ہے؟'' جونی نے شیلا ورما کے سخت جواب کو مشکل سے ہضم کیا پھر اس کے سراپے پر ایک نظر ڈال کر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''تمہارا موڈ بدلنے کا انتظار کروں یا......''

''گیٹ لاسٹ۔'' شیلا ورما نے بپھر کر کہا پھر ہونٹ چبانے لگی۔

''مس ڈکسن نے مجھے یہی مشورہ دیا تھا۔'' جونی نے لمبی سانس بھر کر سپاٹ لہجے میں بات جاری رکھی۔ ''اس نے کہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو میں تمہاری دنیا سے کہیں دور چلا جاؤں۔''

''اس کے علاوہ اور کیا بکواس کی تھی اس حرافہ نے؟'' شیلا ورما کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے بستر کے قریب چلی گئی۔

''میں نے اس سے پوچھنے کی متعدد کوشش کی تھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔'' جونی نے اس بار سرد مہری سے جواب دیا۔

''سچ کہہ رہے ہو یا کسی وجہ سے مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو؟'' شیلا ورما کا لب و لہجہ بہ دستور تلخ تھا۔

''میں اب کسی ٹال مٹول سے کام لینے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کروں گا۔'' جونی نے بے نیازی کی کیفیت میں معنی خیز انداز اختیار کیا۔ ''ہمارے راستے بھی الگ الگ ہوں گے۔''

''وہاٹ۔'' شیلا ورما کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے جونی کو کسی بھوکی شیرنی کی نظروں سے دیکھا۔ چیخ کر ہذیانی انداز میں سوال کیا۔ ''راستے الگ الگ ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میں کل تمہاری دنیا سے چلا جاؤں گا۔'' جونی نے بہ دستور سرد انداز میں کہا۔ ''حالات سازگار نہ ہوں تو انسان کو فوری طور پر راستہ بدل دینا چاہیے۔''

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟''

''ہاں، اس لیے کہ اب شاید تمہیں میری ضرورت نہیں رہی۔''

''تم ایسا نہیں کرسکو گے جونی۔'' شیلا ورما نے بپھر کر جواب دیا پھر اس نے بستر پر رکھے تکیے کے نیچے سے اپنا لیڈیز آٹو میٹک پستول بھی نکال لیا۔ اس کی آنکھوں میں شعلے رقص کر رہے تھے۔

''تم......'' جونی نے اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی طرف غور سے دیکھا۔ تم شاید اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔

''اپنی اوقات میں رہ کر بات کرو۔'' شیلا ورما نے چیخ کر کہا۔ ''تمہاری حیثیت میری نظروں میں کسی پالتو کتے سے زیادہ نہیں ہے پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ میرے پاؤں پکڑ کر پرامس کرو جونی کہ تم یہاں سے جانے کا خواب بھی نہیں دیکھو گے۔''

''کون روکے گا مجھے؟'' جونی کے تیور بھی بدلنے لگے۔

''تمہاری موت......'' شیلا ورما کی گرفت آٹو میٹک پستول کے دستے پر اور مضبوط ہوگئی۔ ''میں نے ابھی تم سے کہا تھا کہ میں کھلونے بدلنے کے بجائے انہیں توڑ دینے کی عادی ہوں۔''

''اس کے بعد جونی کو جواب دینے کی مہلت نہیں ملی۔

شیلا ورما کی کپکپاتی انگلی کا دباؤ اس وقت تک ٹریگر پر بڑھتا گیا جب تک گولیوں کا چیمبر خالی نہیں ہوگیا۔ جونی کسی کٹی ہوئی شاخ کے مانند فرش پر گرا پھر اس کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ گئیں۔''

''شیلا ورما نے مشینی انداز میں آٹو میٹک پستول ایک طرف پھینک دیا۔ خواب گاہ کا دروازہ کھولنے کے بعد اس نے انٹر کام سسٹم کے ذریعے سڑک سے اپنے بیڈ روم تک آنے کے تمام داخلی دروازے یکے بعد دیگرے کھول دیے۔ مشینی انداز میں اس نے فون اٹھا کر پولیس کو جونی کے قتل کی

اطلاع دی پھر دیوانوں کی طرح جونی کی لاش سے لپٹ کر چیخ چیخ کر رونے لگی۔اس وقت تک وہ اس ہذیانی کیفیت سے دوچار رہی جب تک پولیس نے آ کر اسے زبردستی پکڑ کر جونی کی لاش سے علیحدہ نہیں کیا۔وہ پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔"

"میرے پاؤں پکڑ کر پرامس کرو جونی تم شیلا ورما کو چھوڑ کر جانے کا خواب کبھی بھول کر بھی نہیں دیکھو گے۔"

❖❖❖

سراج کمرے میں داخل ہوا تو اورنگ زیب کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

"کیا آج ناشتہ کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟"اس نے اورنگ زیب کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"الماس بھی آپ کی منتظر ہے۔"

"سوری۔"اورنگ زیب نے چونک کر دستی گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ سراج کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔

"کل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"سراج نے دبی زبان میں سوال کیا"کیا موجودہ حالات میں بھی آپ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے؟

"تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟"

"پہلے نگینہ پھر دلربا اور اب جونی......شیلا ورما نے بھی اعتراف جرم کرلیا ہے۔کیا سکندر علی شاہ پران پے در پے ہونے والے حادثات کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا؟"

"یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔"اورنگ زیب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔"نگینہ اور دلربا کی بات اور تھی لیکن شیلا ورما کے بارے میں میری شروع سے ایک ہی رائے تھی،وہ سیکس سمبل تھی۔تفتیش کرنے والے افسر نے بھی یہی رائے قائم کی ہے۔اخباری رپورٹرز نے بھی ڈھکے چھپے جملوں میں بیوٹی پارلر کے آڑ میں ہونے والے مذموم کاروبار کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔میرا خیال ہے کہ سکندر علی شاہ پر بھی اس حادثے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ میں بھی آپ کے ساتھ......"

"ڈونٹ بی چائلڈش۔"اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا۔"کرنل احتشام کے سادہ لباس والے بھی آس پاس ہی موجود ہوں گے۔لیاقت حسین کو بھی میں نے تمہاری خواہش پر ساتھ رکھا ہے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے نیچے آئے تو الماس نے ملازمہ کو چائے لانے کو کہا پھر براہ راست اورنگ زیب سے بولی۔"میرا دل کہتا ہے کہ کل آپ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔"

"سنا تم نے۔"اورنگ زیب نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے سراج سے کہا۔"الماس پولیس میں نہیں ہے لیکن اس کا جذبہ تمہارے مقابلے میں زیادہ قابل ستائش ہے۔"

''میں اس بات سے بھی انکار نہیں کروں گا کہ گھٹنا ہمیشہ پیٹ ہی کی طرف جھکتا ہے۔'' سراج نے برجستہ جواب دیا۔

ناشتے کے دوران اسی قسم کی نوک جھوک جاری تھی جب سراج کے موبائل پر سگنل ہوا۔ دوسری جانب سے جو اطلاع دی گئی اسے سن کر سراج کے چہرے کے تاثرات اچانک بدل گئے۔ موبائل آف کرنے کے بعد اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اورنگ زیب کو بھی اس اطلاع سے آگاہ کیا۔

''ہمیں فوری طور پر ریڈ کراس اسپتال پہنچنا چاہیے۔ ڈی آئی جی صاحب اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہیں۔''

''خیریت؟''

''ان کے آفس میں کوئی بم بلاسٹ ہوا ہے جس کے فوراً بعد انہیں اسپتال منتقل کر دیا گیا۔''

سراج کے ساتھ اورنگ زیب نے بھی میز سے اٹھنے میں عجلت کا مظاہرہ کیا۔ بیس پچیس منٹ بعد ہی وہ اسپتال پہنچے جہاں آپریشن تھیٹر کے باہر آئی جی بھی بہ نفس نفیس دوسرے کچھ افسران کے ساتھ موجود تھا۔ اورنگ زیب کو رسمی پروٹوکول کے پیش نظر اس کے قریب جانا پڑا۔

''یہ اچانک کیا ہو گیا سر؟'' اس نے آئی جی سے دریافت کیا۔

''اچانک نہیں...... یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور بڑی پلاننگ سے ہوا ہے۔'' آئی جی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''پلاسٹک بم کو میز کے داہنی دراز کے نیچے ٹیپ سے چپکایا گیا تھا جسے بعد میں کسی ڈیوائس کے ذریعے عین اس وقت بلاسٹ کیا گیا جب ڈی آئی جی مجھ سے ملاقات کے بعد اپنے دفتر جا کر کرسی پر بیٹھ رہے تھے۔ جس کانسٹیبل پر شبہ کیا جا سکتا تھا، اسے بھی راستے سے ہٹا دیا گیا۔''

''سرجن کی کیا رپورٹ ہے؟''

''ابھی اس نے کوئی یقینی بات نہیں کہی۔''

آپریشن تھیٹر کے باہر موجود دوسرے افسران بھی اس اچانک حادثے کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ آئی جی کی طرح دوسروں کی بھی متفقہ رائے یہی تھی کہ بم بلاسٹ میں ڈی آئی جی کا کوئی دشمن ہی شامل ہوگا۔ مشترکہ شبہ اسی کانسٹیبل پر کیا جا رہا تھا جس کے جسم پر موجود لباس سے اس کی موت کے بعد بھاری رقم برآمد ہوئی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد سرجن آپریشن روم سے باہر نکلا پھر وہ آئی جی کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اپنے دفتر میں چلا گیا۔ اورنگ زیب نے سراج کو رکنے کا اشارہ کیا پھر آئی جی کے پیچھے پیچھے وہ بھی اندر چلا گیا۔ آئی جی کے چہرے کے تاثرات ترجمانی کر رہے تھے کہ اسے اورنگ زیب کا اندر آنا اچھا نہیں لگا لیکن وہ اس وقت اس کا برملا اظہار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

سرجن اپنے دفتر کے اٹیچڈ باتھ روم سے منہ ہاتھ دھو کر اپنی سیٹ پر بیٹھا تو آئی جی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''فوری طور پر یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' سرجن نے کچھ توقف سے کہا۔'' مریض کے ہوش آنے پر ضروری ٹیسٹ اور بھی ہوں گے۔ ان کا رزلٹ آنے کے بعد ہی صورت حال کا اندازہ ہوگا۔''

''فی الحال مریض کی کیا پوزیشن ہے؟'' آئی جی نے سوال کیا۔

''موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے لیکن موجودہ آپریشن کے بعد میرا خیال ہے کہ مریض کو چالیس منٹ سے لے کر ایک گھنٹے تک ہوش آجائے گا مگر......'' سرجن نے جملہ ادھورا چھوڑا تو اورنگ زیب نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''آپ کچھ کہتے کہتے رک گئے، کیا مریض کو کوئی اور خطرہ بھی لاحق ہوسکتا ہے۔''

''ہاں......آں......اس کے امکانات کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔''

''کوئی خاص بات؟'' آئی جی نے پوچھا۔

''مریض کے جسم کا اوپری حصہ بڑی حد تک محفوظ ہے لیکن نچلا دھڑ زیادہ متاثر ہوا ہے۔''

''کوئی نہ کوئی رائے تو قائم کی ہوگی آپ نے۔'' آئی جی نے دوبارہ وضاحت چاہی۔

''معجزوں کا ہونا قدرت کے اختیار میں ہے لیکن......'' سرجن نے ذرا رک کر جملہ مکمل کیا۔'' میرا ذاتی تجربہ اور مریض کی موجودہ کنڈیشن کو دیکھ کر یہی اندازہ ہو رہا ہے کہ اس کا نچلا دھڑ مفلوج بھی ہوسکتا ہے۔''

''کیا اس امکان سے بچنے کے لیے کوئی فوری علاج ممکن نہیں ہے؟'' اورنگ زیب نے کرسی پر کسمسا کر دریافت کیا۔

''اس کا انحصار مریض کے ہوش میں آنے کے بعد ہونے والے ضروری ٹیسٹ کے نتائج پر منحصر ہے۔''

''ڈی آئی جی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں سرجن۔'' آئی جی نے کہا۔'' آپ کوشش کریں کہ وہ صحت مند ہونے کے بعد بھی اپنی ڈیوٹی انجام دے سکیں۔''

''ڈونٹ وری، آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔''

''مریض کے ہوش میں آنے کے بعد کیا ہم اس سے مل سکتے ہیں؟'' اورنگ زیب نے پوچھا۔

''آئی ایم سوری۔'' سرجن نے صاف گوئی سے کہا۔'' مریض کو ابھی ایک دو دن مکمل آرام کی ضرورت ہے۔''

''آپ کو اس حادثے کی اطلاع کیسے مل گئی؟'' اس بار آئی جی نے اورنگ زیب سے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔'' آپ تو شاید کسی مخصوص اجازت نامہ کی بنیاد پر......''

''مرکزی حکومت کے ایک انتہائی خفیہ مشن پر کام کر رہا ہوں۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اس حادثے کی اطلاع مجھے ڈی ایس پی سراج نے فون پر دی تھی۔''

''آکٹوپس کے بارے میں کوئی اطلاع؟''

''سوری سر۔'' اورنگ زیب نے اس بار سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔'' قبل از وقت میں اس ضمن میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''جو کام آپ آج کل نمٹا رہے ہیں اس میں ابھی اور کتنے دن لگیں گے؟''

''حالات پر منحصر ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔''

اورنگ زیب جواب دینے کے بعد اٹھا پھر پروٹوکول نبھانے کی خاطر اس نے آئی جی کو سلیوٹ کیا اور باہر آگیا جہاں سراج اس کا منتظر تھا۔

واپسی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر سراج نے گفتگو میں پہل کی۔

''ڈی آئی جی کو پیش آنے والے حادثے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟''

''جس کانسٹیبل کو راستے سے ہٹا دیا گیا، میری اطلاع کے مطابق وہ بکاؤ نہیں تھا۔''

''پھر......؟'' سراج نے چونک کر وضاحت طلب لہجے میں سوال کیا۔'' اس کو کس نے ٹھکانے لگا دیا؟''

''کسی کیس میں پیچیدگی پیدا کرنے کی خاطر اسی قسم کے ہتھکنڈے اکثر اختیار کیے جاتے ہیں۔'' اورنگ زیب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔'' ہوسکتا ہے کہ اس معاملے میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے شیخ حامد ہی کا ہاتھ شامل ہو۔''

''اگر آپ کا اندازہ درست ہے تو میں ڈی آئی جی کے بچ جانے کو ایک معجزہ ہی کہوں گا۔'' سراج نے حیرت کا اظہار کیا۔

''معجزوں کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔'' اورنگ زیب نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس نے موبائل پر آنے والی کال وصول کی۔ معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''کیا پروگرام میں کوئی تبدیلی تو نہیں کرنی؟''

''یہی سوال میں آپ سے کرنے والا تھا؟'' دوسری جانب سے سکندر علی شاہ کی آواز ابھری۔'' ڈی آئی جی کو جو حادثہ پیش آیا ہے اس کی اطلاع مجھے بھی مل چکی ہے۔''

''میں اس وقت اسپتال ہی سے آرہا ہوں۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''گویا پروگرام پکا ہے؟''

''ہنڈرڈ پرسنٹ۔ میں سورج ڈھلتے ہی پہنچ جاؤں گا لیکن ایک بار پھر وہی پرانی درخواست دہراؤں گا۔''

''ڈونٹ وری۔'' دوسری جانب سے جملہ منقطع کرتے ہوئے کہا گیا۔'' آپ کو دوست کہا ہے تو آپ کی عزت کا خیال رکھنا بھی میرا فرض ہے۔''

رابطہ ختم ہوا تو اورنگ زیب نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی الجھی ہوئی ڈور سلجھانے کی کوشش کررہا ہے۔''

سراج نے اس وقت اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا ورنہ ڈی آئی جی کو پیش آنے والے حادثے

کے بعد اس کے ذہن میں بہت سارے سوالات گونج رہے تھے۔

آنے والے وقت کے بارے میں کوئی بھی یقین سے ایک حتمی بات نہیں کہہ سکتا۔ امکانات کے بارے میں سوچنا انسان کی سرشت میں داخل ہے چنانچہ اورنگ زیب بھی اس وقت لیاقت حسین کے ساتھ فارم ہاؤس کی سمت جاتے ہوئے امکانات پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

پچھلے دنوں سے جو حادثات تواتر سے پیش آرہے تھے وہ اس بات کی نشاندہی کرنے کے لیے بہت کافی تھے کہ شیخ حامد کسی خاص وجہ سے بوکھلاہٹ کا شکار ہے ورنہ انڈر ورلڈ کے ڈان اس انداز میں کھلے عام نہ تو واردات کرتے ہیں نہ ہی اس کی تشہیر کرنے کی حماقت کرتے ہیں۔

سامنے ہونے کے باوجود سات پردوں میں روپوش رہنا ان کے مشن کا اہم مقصد ہوتا ہے۔ کبھی یہ ساری خاصیتیں شیخ حامد میں بھی تھیں۔ وہ ایک کاروباری شخصیت کی حیثیت سے شناخت کیا جاتا تھا۔ اس کے گرگے اور زر خرید کرائم پیشہ جو واردات کرتے وہ خود بھی اس بات سے لاعلم ہوتے کہ ان وارداتوں کے پس پردہ کس کا ہاتھ ہوتا تھا۔ معاشرے میں شیخ حامد نے اپنی جو حیثیت منوائی اور جو مقام حاصل کیا تھا اس کے پیش نظر پولیس کو ابھی اس کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔

جن افراد کو شبہ بھی ہوتا وہ بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے تھے لیکن وقت اور معاملات کا گراف ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کا رخ بھی بدلتا رہتا ہے۔ شیخ حامد سے بھی ماضی میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوئی تھیں جو دبے قدموں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

اس کی بنیادی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ جس چیز کو پسند کر لیتا اسے کسی بھی قیمت پر حاصل کرنا اس کے لیے ایک چیلنج بن جاتا۔ ان خواہشات کی تکمیل کی...... راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو ہمیشہ کے لیے دور کر دینا اس کی سرشت میں داخل تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صوبے اور مرکز کی تمام بڑی بڑی شخصیتیں اس کے حلقہ احباب میں شامل تھیں۔

جڑیں مضبوط ہوں تو درخت کے تناور ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی لیکن آسمانی بجلی جس شاخ پر ایک نظر غلط انداز ڈال دے وہ زیادہ سرسبز بھی نہیں ہوتی۔ یہ قانون قدرت ہے جس کے آگے انسانی قوتیں ہمیشہ سرنگوں رہی ہیں، خون بھی اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔

میڈم روبی کے حصول کی خاطر شیخ حامد نے اس کے مظلوم شوہر کو ٹھکانے لگا کر خدا کے قہر کو للکارا تھا۔ ماں کی موت کے بعد شبنم کی آہ نے بھی دبے قدموں شیخ حامد کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ وقت اور حالات نے افضل خان کو بھی اس کا مخالف کر دیا لیکن وہ اب بھی برملا اپنی طاقت کا اظہار کرنے کی حماقتیں کر رہا تھا۔ ڈی آئی جی کو پیش آنے والا حادثہ بھی ایک اہم کڑی تھی۔

ایک بار مرنے کی اطلاع گرم ہونے کے بعد وہ دوبارہ سامنے آیا تو پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا۔ ایسی کسی جگہ روپوش ہو کر بیٹھا جس کا علم کسی کو نہ چل سکا۔ سب سے پہلے سراج نے سکندر علی شاہ کے فارم ہاؤس پر شبہے کا اظہار کیا تھا۔ ایس [illegible] اورنگ زیب نے اس کے شبہے کی تردید کھل کر نہیں

کی لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ خود سکندر علی شاہ بھی شیخ حامد کی اصلیت سے واقف نہیں ہوگا۔ بہرحال اس نے ڈور کا وہ سرا تھام لیا تھا پھر جب ایک دن سکندر علی شاہ نے اورنگ زیب سے دوبدو گفتگو کے دوران نہ صرف اس کی سابقہ شادی کے بارے میں حیرت انگیز طور پر زبان کھولی بلکہ کسی کا فون آنے کے بعد اسے فارم ہاؤس آ کر کسی لڑکی سے دل بہلانے کی تجویز بھی پیش کی تو اورنگ زیب کا ماتھا آنے والے فون سے ٹھٹکا تھا اور اسی ایک شبہے کی بنیاد پر اس نے سکندر علی شاہ کی دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے اس نے کرنل احتشام کو بھی اعتماد میں لے کر سارے معاملات طے کر لیے تھے۔

اس وقت بھی اورنگ زیب کا ذہن آنے والے لمحات کے بارے میں تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھا جب لیاقت حسین کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ اس نے دبی زبان میں کہا تھا۔

''صاحب آپ کو فارم ہاؤس میں کیا کام پیش آ گیا۔''لوگوں کا خیال ہے کہ وہ جگہ خاصی بدنام ہو چکی ہے۔

''پولیس ہمیشہ ایسی جگہوں کا کھوج لگاتی ہے لیاقت حسین۔''اورنگ زیب نے اسے ٹٹولنے کی خاطر پوچھا۔

''سکندر علی شاہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ کسی مظلوم اور یتیم لڑکی کا قاتل بھی ہو سکتا ہے۔''

''اس کا علم بھی خدا کو ہوگا صاحب۔''لیاقت حسین نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔''میں یقین سے کیسے کہہ سکتا ہوں۔''

اورنگ زیب نے دوبارہ لیاقت حسین کو نہیں کریدا مگر اس سے پیشتر اس نے جو جملے سکندر علی شاہ کو پہلی بار دیکھ کر کہے تھے اور سپر اسٹور پر جو واقعہ شیلا ورما کے ساتھ پیش آیا تھا وہ اورنگ زیب کے ذہن میں اس وقت بھی گردش کر رہا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد گاڑی فارم ہاؤس کے دروازے پر پہنچی تو اسے بغیر کسی پوچھ گچھ کے کھول دیا گیا۔ سکندر علی شاہ سامنے ایک تناور درخت کے نیچے بڑی ایزی چیئر پر بیٹھا تھا۔ لیاقت حسین نے نیچے اتر کر گاڑی کا دروازہ کھولا تو سکندر علی شاہ بھی اٹھ کر قریب آ گیا۔ فارم ہاؤس کے سامنے ملازم روبوٹ ہی کے انداز میں پوری طرح محتاط تھے۔

اورنگ زیب کے ذہن میں ایک لمحے کو یہ خیال آیا کہ کہیں سکندر علی شاہ کو دیکھ کر لیاقت حسین کی خداداد قوتیں دوبارہ اس کی زبان پر نہ آ جائیں لیکن ایسا کچھ بھی نہیں۔ سکندر علی شاہ کے اشارے پر اس کے آدمی لیاقت حسین کو آرام کرنے کی غرض سے سرونٹ کوارٹر کی طرف لے گئے۔ اورنگ زیب نے سکندر علی شاہ کے گیسٹ روم کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے درخواست کی۔

''میں آپ کے مشورے پر یہاں تک آ تو گیا ہوں شاہ جی لیکن......''

''اب آپ یہاں تک آ گئے ہیں تو ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔ پوری طرح انجوائے

کریں۔'' سکندر علی شاہ نے اورنگ زیب کا ہاتھ تھام کر بے تکلفی سے کہا۔'' آپ کے لیے جو بدیسی تتلی منگوائی ہے اسے دیکھ کر ہی آپ کا آدھا مرض ختم ہو جائے گا۔''

اورنگ زیب مسکرا کر خاموش ہی رہا لیکن اس کی نظریں فارم ہاؤس کے ایک ایک چپے پر بھٹک رہی تھیں جو ماحول، بناوٹ اور سجاوٹ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ برقی قمقموں کی روشنی سونے پر سہاگے کا کام انجام دے رہی تھی۔ سکندر علی شاہ نے اس کی محویت بھانپ کر سرسراتے لہجے میں کہا۔

''مجھے خوشی ہے کہ یہ چھوٹا سا فارم ہاؤس آپ کو پسند آ گیا۔''

''آپ تکلف سے کام لے رہے ہیں۔'' اورنگ زیب نے مسکرا کر جواب دیا۔'' جنگل میں منگل منانے والا محاورہ آپ کے فارم ہاؤس کی خوبصورتی کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔''

دونوں قدم اٹھاتے ہوئے گیسٹ ہاؤس تک پہنچ گئے۔ سکندر علی شاہ نے دروازے پر رک کر پھر بے تکلفی سے کہا۔'' اب آپ آج رات کھل کر انجوائے کریں، صبح ملاقات ہوگی۔''

اورنگ زیب نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا پھر سکندر علی شاہ کے جانے کے بعد اس نے دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا تو اس خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا جو مختصر لباس میں سامنے کھڑی قدرے جھک کر اس کو خوش آمدید کہنے کی کوشش میں کھلے گلے کی فراک سے اپنے اندرونی جسم کی نمائش بھی کر رہی تھی۔ شکل وصورت اور نشست و برخاست سے وہ غیر ملکی ہی لگ رہی تھی لیکن اس نے گفتگو کی ابتدا بڑی شستہ اردو بولتے ہوئے کی۔

''میں بڑی بے چینی سے آپ کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ شاہ جی نے مجھے جو قیمت ادا کی ہے وہ میرے مطالبے سے کہیں زیادہ ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ آپ کو مجھ سے کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔''

''گڈ۔'' اورنگ زیب نے بے تکلفی سے کہا پھر معنی خیز انداز میں بولا۔'' آپ شاید یہاں پہلے بھی آتی رہی ہیں؟''

''جی نہیں۔'' لڑکی نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔'' میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بھی کبھی ایک حد سے آگے نہیں بڑھی۔''

''پھر شاہ کی دعوت آپ نے کیسے قبول کر لی؟''

''آپ اسے میری مجبوری یا......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر اپنی تہذیب کا برملا مظاہرہ کرتے ہوئے بے تکلفی سے بولی۔'' میرا خیال ہے کہ آپ نے جو خشک ٹاپک چھیڑا ہے اگر ہم اس سے ہٹ کر گفتگو کریں تو زیادہ انجوائے کر سکتے ہیں۔''

''ایک ان جانے مرد کے ساتھ کسی گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں رات گزارنے کا مطلب سمجھتی ہیں آپ؟'' اورنگ زیب نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''ہمارے معاشرے میں اسے زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔'' اس نے اورنگ زیب کے

قریب آتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اکثر لڑکیاں شادی کے بعد بھی اپنے شوہر کی موجودگی میں اپنے بوائے فرینڈز سے ملتی جلتی ہیں۔ مرد کو بھی اس کا حق حاصل ہے۔''

''آپ نے ابھی تک اپنا خوب صورت نام نہیں بتایا۔'' اورنگ زیب نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''میرے واقف کار مجھے ایمی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ چاہیں تو کسی اور نام سے یاد کرلیں، میں اعتراض نہیں کروں گی۔'' ایمی نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اورنگ زیب کا ہاتھ تھام لیا پھر اس میز تک لے گئی جو ایک گوشے میں رکھی تھی۔ میز پر دو تین گلاسوں کے علاوہ اعلیٰ برانڈز کی دو بوتلیں بھی موجود تھیں۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے؟'' ایمی نے کرسی پر بیٹھ کر بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

''میں کوکٹیل پینے کا عادی نہیں ہوں۔'' اورنگ زیب نے ایمی کو خوابیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جب آپ موجود ہیں تو پھر کسی دوسری شراب کی کیا ضرورت ہے؟''

جواب میں ایمی کھل کر ہنسی پھر وہ اپنے لیے ایک جام تیار کرنے لگی۔ اورنگ زیب کی تجربہ کار نظریں کمرے کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لے رہی تھیں پھر وہ چھت کے درمیان لٹکتے ہوئے فانوس پر پڑیں جہاں خفیہ کیمروں کے ذریعے پورے کمرے کی تصاویر لینے یا مووی بنانے کے خاصی گنجائش موجود تھی۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ شاید اسے فارم ہاؤس تک لانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ قابل اعتراض تصویریں حاصل کرنے کے بعد اسے بلیک میل کیا جاسکے۔ اس خیال کے ابھرتے ہی شیخ حامد کا نام بھی بجلی بن کر کوندا تھا۔

اورنگ زیب نے غیر ملکی کمسن لڑکی کی جانب دیکھا جسے ایک بڑی مچھلی کو پھانسنے کی خاطر بطور چارے کے استعمال کیا گیا تھا۔ وہ نامعلوم شخص بھی ذہن میں کانٹا بن کر اورنگ زیب کو اس کے ماضی کے بارے میں بتانے کے ساتھ اس کا وہ علاج بھی تجویز کیا تھا جس کے پیش نظر وہ اس وقت فارم ہاؤس کے گیسٹ روم میں ایک خوب صورت تتلی کے ساتھ موجود تھا۔ سراج کے کچھ شبہات بھی اس کے ذہن میں کلبلانے لگے۔

اورنگ زیب نے سچویشن کے عین مطابق خود کو درپیش صورت حاصل کے سامنے میں ڈھالنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایمی سے کھل کر لگاوٹ کی باتیں کرنے لگا جو دو پیگ پینے کے بعد ہی نشے کی کیفیت سے دوچار ہوچکی تھی۔

''تم خاموش کیوں ہو ڈارلنگ؟'' اس نے مخمور نظروں سے اورنگ زیب کو گھورتے ہوئے نشیلی آواز میں کہا۔ ''ابھی تو ہمیں اسی چھت کے نیچے پوری رات ایک ساتھ گزارنی ہے۔''

''کیا تم اسے ایک مجبوری سمجھ رہی ہو؟'' اورنگ زیب نے پہلی بار رومانٹک لہجہ اختیار کیا۔

''نہیں۔'' لڑکی نے گلاس میں بچی شراب کو حلق میں انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم وہ پہلے مرد ہو جو مجھے ہر اعتبار سے اچھے لگے ہو۔ تمہارے ساتھ رات گزار کر مجھے خوشی ہوگی۔'' ایمی نے کھل کر

اپنی پسند کا اظہار کیا۔

''کیا یہ رات میز کرسی پر بیٹھ کر گزارنے کا ارادہ ہے؟''

''جواب میں ایمی نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی پھر وہ اورنگ زیب کا ہاتھ تھام کر اس بستر پر آگئی جو مشرقی کونے میں تھا۔ خاصی دیر تک وہ اورنگ زیب سے لگاوٹ کی باتیں کرتی رہی پھر بڑھتے ہوئے نشے نے اس کو ضرورت سے کچھ زیادہ بے خود بھی کردیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی فراک اتار کر ایک طرف پھینکی پھر کسی جونک ہی کی طرح اورنگ زیب سے چمٹ گئی۔''

''اورنگ زیب کے لیے وہ لمحات بڑے صبر آزما تھے۔ ایک خوب صورت بدیسی لڑکی کا عریاں جسم اسے گرما رہا تھا لیکن آکٹوپس کا تصور بار بار اس کے آڑے آرہا تھا۔''

''تم......تم کیا سوچ رہے ہو ڈارلنگ؟'' ایمی نے مخمور لہجے میں اورنگ زیب کو اکسانے کی کوشش کی۔ ''کم آن......لیٹ اس انجوائے'' بڑے جذباتی انداز میں اورنگ زیب کے وجود سے نوچ کھسوٹ کرنے لگی۔ اس کی اصلیت بڑی تیزی سے بے نقاب ہو رہی تھی۔ وہ معصوم نہیں پروفیشنل ہی تھی جو اس قدر بے شرمی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

اورنگ زیب نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی جو نصف رات ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ ایمی کی جذباتی کیفیت کے باوجود اورنگ زیب کے ذہن میں وہ مقصد ابھر آیا جو اسے فارم ہاؤس تک لایا تھا۔ اس نے بڑی بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے ایمی سے کہا۔

''آئی ایم سوری ہنی، شاہ جی نے تمہیں بک کرتے وقت شاید اس حقیقت سے آگاہ نہیں کیا۔ میں مردانہ صلاحیتوں سے یکسر محروم ہوں۔''

''وہاٹ......نان سینس۔'' ایمی نے اس بار بڑی حقارت سے اورنگ زیب کو گھورا۔ ''تم......میرے ساتھ ایک گھٹیا مذاق کر رہے ہو۔ یو......شٹ......''

''ڈونٹ شاؤٹ۔'' اورنگ زیب نے جھلا کر جواب دیا۔ ''تمہیں ایک رات کی ایڈوانس پے منٹ کی جا چکی ہے۔ تم کوئی پروٹیسٹ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔''

''ایس پی مسٹر اورنگ زیب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

کمرے میں دروازے سے دبے قدموں اندر داخل ہو کر سکندر علی شاہ نے سرسراتے انداز میں ایمی سے کہا۔ ''تم اپنا کردار نبھا چکیں اس لیے اب جا سکتی ہو۔''

اورنگ زیب نے چونک کر سکندر علی شاہ کو دیکھا جو یقیناً کسی ڈپلی کیٹ چابی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک مخبوط الحواس صورت ملازم بھی موجود تھا۔

''شاہ جی......آپ......'' اس نے حیرت کا اظہار کیا پھر ایک ہی جھٹکے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ جو صورت حال درپیش تھی وہ اورنگ زیب کے لیے زیادہ تعجب خیز بھی نہیں تھی۔

''ڈونٹ وری ایس پی۔'' سکندر علی شاہ نے بائیں آنکھ جھپکا معنی خیز لہجے میں کہا۔ ''تمہاری اور یمی کی جو فلم اور تصاویر بنی ہیں اس کے بعد میں بھی تمہیں دوست ہی کہوں گا البتہ یہ بھی حقیقت ہے

کہ اب تم پوری طرح میری مٹھی میں آ گئے ہو۔"

"آئی سی۔" اورنگ زیب نے بل کھا کر کہا۔" گویا تم نے میرے ساتھ دغا بازی کی ہے۔"

"دغا بازی نہیں...... سیاست کہو۔" سکندر علی شاہ نے فاتحانہ انداز اختیار کیا۔"زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے فارمولے کو منوانے کے لیے میں نے جو کچھ کیا اسے میں سیاست ہی کا نام دوں گا۔"

"غوں...... غاں...... غاغا......" سکندر علی شاہ کے ساتھ موجود ملازم نے حلق سے آوازیں نکال کر اس کی بات کی تائید کا اعلان غوں غا اور غاغا سے کیا تو اورنگ زیب کے ذہن میں سب انسپکٹر رانا حمید کی اس فائل کے مکمل اندراج تازہ ہو گئے جو سکندر علی شاہ کی اصلیت اور اس کے گونگے ملازم سے متعلق تھے۔ اس مظلوم ملازم کی کہانی بھی یاد آ گئی جس کی نو بیاہتا بیوی کو پہلی رات کسی اور نے بے آبرو کر کے موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اس کے قتل کے الزام میں ملازم کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی تھی۔ کمرۂ عدالت میں آخری وقت اپنے بے گناہ ہونے کا چیخ چیخ کر اعلان کرتا رہا لیکن اندھے قانون نے اس کی کوئی داد فریاد نہیں سنی۔

اورنگ زیب خاموش کھڑا فائل کے اندراجات کی روشنی میں سکندر علی شاہ کا مکروہ چہرہ گھورتا رہا۔ اس کے اندر نفرت اور حقارت کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن وہ چہرے کے تاثرات سے اپنی بے بسی کا اظہار ہی کرتا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو ایس پی؟" سکندر علی شاہ نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔"جو ہونا تھا وہ ہو چکا، گیا وقت واپس بھی نہیں آتا۔ اب صرف ایک صورت ہے تم میرے معاملات میں زیادہ ہاتھ پیر چلانے کی حماقت کبھی نہ کرنا، اس کے عوض تمہیں زر اور زن دونوں حاصل ہوتے رہیں گے۔"

اورنگ زیب کی قوت برداشت اس کے اختیار سے باہر ہونے لگی۔ اس کے لیے جو ٹریپ تیار کیا گیا تھا اس کی طے شدہ پلاننگ ہی سے ایک فائل میں درج کر کے ملٹری انٹیلی جنس پہلے ہی سے ایک فائل میں درج کر کے ملٹری انٹیلی جینس کے سربراہ کرنل احتشام کے حوالے کی جا چکی تھی۔ اس وقت بھی کرنل احتشام کے سادہ لباس کمانڈوز فارم ہاؤس کے اطراف میں موجود تھے۔ اورنگ زیب جیب میں رکھے ہوئے موبائل کے دو نمبر دباتا تو کمانڈو اپنا ایکشن کرنے میں دیر نہ کرتے۔ سکندر علی شاہ کی ساری خوش فہمی بھی دور ہو جاتی لیکن اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی جو ہوا وہ کچھ بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں تھا۔

لیاقت حسین کسی چھلاوے ہی کی طرح اندر داخل ہوا۔ سکندر علی شاہ کے بجائے اس نے گونگے کی گردن دبوچ لی۔

"غوں...... غاں...... آ آں...... غوں......" گونگا ہاتھ پاؤں چلانے لگا، سکندر علی شاہ اچانک اس افتاد سے بوکھلا کر ہٹا پھر اس تحکمانہ انداز میں اورنگ زیب سے کہا۔

"اپنے اس نامعقول ڈرائیور سے کہو کہ یہ میرے ملازم کو چھوڑ دے ورنہ......"

''پلید کا بچہ......'' لیاقت حسین نے سکندر علی شاہ کی بات کو نظر انداز کر کے براہ راست گونگے کو خوابیدہ لہجے میں للکارا۔ ''غوں......غاں کا آواز نکالنے کے بجائے اپنی زبان میں کھل کر بات کرو۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟'' اس بار سکندر علی شاہ نے لیاقت حسین کو مخاطب کیا۔ ''یہ آدمی گونگا ہے۔ ہمارے، تمہارے انداز میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ چھوڑ دو اسے۔''

لیاقت حسین کی نظروں کا زاویہ بدل گیا۔ اس کی نگاہوں میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ بہ دستور بدلے ہوئے لہجے میں اس نے سکندر علی شاہ کو کرخت آواز میں مخاطب کیا۔

''یہ گونگا نہیں ہے بلکہ تمہارا باپ دلدار علی کا بھی باپ ہے۔ گونگا وہ ہے جس نے تم کو اپنے ملازم کی عورت کے ساتھ پہلی رات بد فعلی کرتے دیکھ لیا تھا۔ تم نے اپنا اس ملازم کو بے گناہ پھانسی کے پھندے تک پہنچانے کے بعد جس گونگے کو کوٹھی سے ہٹا کر ادھر اپنی عیاشی کے اس اڈے پر بھیجا تھا اب وہ غریب اپنا کمرے میں پڑا موت کی آخری سانس لے رہا ہے۔'' لیاقت حسین بولتا رہا۔ ''یہ ولدالحرام جو غوں غاں کر رہا ہے یہیں ہمارے اسی وڈا جرم ہے۔ شہر کے نام سے یہ تم کو بھی پالتو کتوں کی طرح اپنے اشاروں پر نچاتا رہا لیکن اب اس کے ساتھ ہی قدرت کا لاٹھی تمہارا لیے بھی حرکت میں آچکا ہے۔ نیلی چھتری والا نے تم دونوں کے ہاتھ میں جو کشکول دیا تھا وہ بھر چکا ہے......سنا تم نے ڈبا پیر؟''

سکندر علی شاہ، لیاقت حسین کی بات سن کر حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اورنگ زیب بھی اس غیبی قوت کے کرشمے کو دیکھ رہا تھا جو لیاقت حسین کی صورت میں اس کے سامنے موجود تھا۔

ایک لمحے کو گیسٹ روم میں موت کا سکوت طاری ہو گیا لیکن گونگے نے جو شیخ حامد کی بدلی ہوئی شکل تھا، موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا۔ اس نے چانک اپنے الٹے ہاتھ کی کہنی لیاقت حسین کے پیٹ پر پوری شدت سے ماری۔ لیاقت حسین نے کراہ کر پیٹ پر ہاتھ رکھا تو گونگے کے میک اپ میں نظر آنے والا شیخ حامد اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ موقع کی نزاکت کے پیش نظر اورنگ زیب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل کے دو مخصوص نمبر پنچ کیے تو کرنل احتشام کے کمانڈوز حرکت میں آگئے۔

بڑے شور وغل کی آوازیں ابھریں جو شیخ حامد نے گیسٹ روم کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ سکندر علی شاہ بھی بدلتی صورت حال سے بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ لیاقت حسین کے منہ سے نکلے ہوئے جملوں کو ہضم کر لینے کے بعد وہ بھی خوف زدہ نظروں سے شیخ حامد کو دیکھ رہا تھا۔

''میرا مشورہ ہے کہ تم اب خود کو قانون کے حوالے کر دو۔'' اورنگ زیب نے بے حد سرد لہجے میں شیخ حامد سے کہا۔ ''اس کے سوا تمہارے پاس کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔''

''تم بھول رہے ہو ایس پی کہ میں ڈان بھی ہوں اور ڈان پھانسی کے پھندے تک جانے کی حماقت کبھی نہیں کرتے۔ ذلت آمیز صورت حال سے بچنے کی خاطر ہمیشہ موت کو ترجیح دیتے ہیں۔'' شیخ حامد نے بے پروائی سے جواب دیا پھر اس کے آگے کچھ کہنے کی حسرت اس کے دل میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ لیاقت حسین نے بجلی سے چلنے والے کسی روبوٹ کی طرح چھلانگ لگا کر شیخ حامد کو ہاتھوں

کے حلقے میں پوری طرح دبوچ لیا تھا۔سکندرعلی شاہ سکتے کی کیفیت سے دوچار تھا جس کا فائدہ اٹھا کر اورنگ زیب نے حیرت انگیز پھرتی سے کام لے کر گیسٹ روم کا دروازہ کھول دیا جس کے بعد کرنل احتشام کے سادہ لباس کمانڈوز نے صورت حال پر قابو پالیا لیکن شیخ حامد اپنا کام کر چکا تھا۔اس کے منہ سے نکلنے والے جھاگ اس بات کی نشاندہی کر رہے تھے کہ اس نے اپنے کسی فالس ٹیتھ کے اندر رکھے ہوئے زہریلے کیپسول کو نکال کر چبا لیا تھا۔موت اور زیست کی کشمکش سے دوچار ہونے کے باوجود اس نے اورنگ زیب پر نظر ڈال کر بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا۔

''میں کل بھی ڈان تھا اور آج ......آج بھی......ڈان......ڈان......''اس کے آگے وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔کمانڈوز کی گرفت میں جھول گیا۔

اورنگ زیب دانت پیسنے لگا۔اس کے حکم پر سکندرعلی شاہ اور گیسٹ ہاؤس کے تمام ملازموں کو حراست میں لے لیا گیا۔اصل گونگا بھی بڑی خستہ حالت میں گیسٹ روم کے ایک زمین دوز کمرے سے برآمد ہو گیا۔وہاں سے ایک چرمی بیگ بھی ملا جس سے چونکا دینے والے ایسی دستاویز نکلیں جن میں مائیکرو فلمیں اور خواتین کی برہنہ تصاویر بھی شامل تھیں جن کے ذریعے انہیں بلیک میل کیا جاتا تھا۔

گرفتاری کے بعد پہلی ہی پیشی پر سکندرعلی شاہ نے عدالت کے روبرو سر جھکا کر اپنے تمام جرائم کا اعتراف بھی کر لیا جس کے بعد اسے عمر قید کی سزا سنا دی گئی۔شیلا ورما کے اوپر اسپتال میں پولیس کا دستہ تعینات کر دیا گیا جہاں وہ بہ دستور بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی۔شاید جونی کی موت نے اس کی ذہنی کیفیت کو معطل کر دیا تھا۔فاضل جج نے اس کو آٹھ سال قید محض اور دو لاکھ جرمانے کی سزا سنائی تھی۔

عدالت برخاست ہونے کے بعد سکندرعلی شاہ نے قیدیوں کی گاڑی میں بیٹھتے وقت اورنگ زیب سے درخواست کی تھی۔

''ہو سکے تو گل بانو کا خیال رکھنا۔وہ پاکباز عورت میرے کسی جرم میں کبھی شریک نہیں ہوئی۔''پھر وہ جواب کا انتظار کئے بغیر سر جھکا کر قیدیوں کی گاڑی میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

※※※

ڈی آئی جی کی کوٹھی کے لان میں اس وقت میڈم روبی اور تھریسا،سیٹھ عثمان،راحیلہ بیگم،الماس،سراج اور اورنگ زیب کے علاوہ لیاقت حسین اور فرحین بھی موجود تھے۔خاص طور پر کرنل احتشام کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔افضل خان اور شبنم کی غیر حاضری کی وجہ یہ تھی کہ کرنل احتشام نے ان کی خدمات کے عوض انہیں ہنی مون کے لیے شمالی علاقہ جات کی طرف بھیج دیا تھا۔اس پارٹی کا اہتمام دو وجوہات سے کیا گیا تھا۔

اوّل یہ کہ حکومت نے ڈی آئی جی کا نچلا جسم مفلوج ہونے کے بعد ملازمت سے علیحدہ نہیں کیا تھا،دوسرے اورنگ زیب کی شیخ حامد کے سلسلے میں کامیابی کو بھی سراہا تھا۔

پارٹی میں حسب سابق راحیلہ بیگم پیش پیش تھیں۔

ان کا ایک ہی مقصد تھا کہ میڈم روبی اور ڈی آئی جی کی شادی ہو جائے۔ سیٹھ عثمان نے اس ضمن میں بیوی کو احتیاط سے کوئی آخری فیصلہ کرنے کی تلقین کی تھی اس لیے کہ ڈی آئی جی کے سلسلے میں پولیس سرجن نے بھی یہ بات کھل کر واضح کر دی تھی کہ اب وہ شادی کے قابل نہیں رہا تھا۔

سارے مہمان جمع ہو گئے تو باوردی بیرے بھی کھانے پینے کی ٹرالیاں لان پر لے آئے۔ ڈی آئی جی مہمانوں کے ساتھ ہی اپنی وہیل چیئر پر بیٹھا حسب معمول خوش گپیوں میں مصروف تھا جب اچانک آئی جی بھی آ گیا اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے اس وقت یہاں آنے کے دو مقاصد تھے۔ اوّل تو یہ کہ میں شہر میں ہونے والے ہنگاموں اور تقریبات کے معاملے میں بے خبر نہیں رہتا اور دوسرے آپ کو شیخ حامد کے سلسلے میں خراج تحسین بھی پیش کرنا تھا۔ آپ نے بہت سی رکاوٹوں کے باوجود جو کارنامہ انجام دیا ہے میں اس پر آپ کو اپنی اور سب کی جانب سے دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یو آر ریئلی گریٹ۔''

آئی جی کی گفتگو کے بعد سب نے مل کر مخصوص انداز میں تالیاں بجائیں۔ اس کے بعد سراج نے سنجیدگی سے لیکن دبی زبان میں آئی جی سے کہا۔ ''سر اگر آپ مسٹر اورنگ زیب کو دوبارہ ان کی سیٹ سونپ دیں تو میں ڈبل ڈیوٹی کی پریشانی سے بھی بچ جاؤں گا۔''

''فی الحال میں اس کی مخالفت کروں گا۔'' کرنل احتشام نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''آکٹوپس یا شیخ حامد سے جنگی مہم میں انہوں نے جو گرانقدر کامیابی حاصل کی ہے اس کے بعد ان کو محکمے کی جانب سے انعام کے علاوہ کم از کم دو ماہ کی چھٹی بھی ملنی چاہیے۔ ذاتی طور پر میں مسٹر اورنگ زیب کے لیے اپنے محکمے کی جانب سے گولڈ میڈل کا اعلان کرتا ہوں جس کی تقریب کا اہتمام بھی طے ہو چکا ہے۔''

اس اعلان کے بعد سب نے تالیاں بجا کر اورنگ زیب کو خراج تحسین پیش کیا۔ تالیوں کی گونج ختم ہوئی تو اورنگ زیب نے سب کا شکریہ ادا کیا پھر معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔

''شیخ حامد یا آکٹوپس کے سلسلے میں مجھے جو کامیابی ملی ہے اس میں خدا کی مرضی کے ساتھ کچھ لوگوں کی بددعائیں بھی شامل تھیں۔ میرا اشارہ ان افراد کی طرف ہے جو شیخ حامد سے نفرت کرنے کے باوجود اس کے کسی اشارے کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے اس لیے کہ ان کی کوئی نہ کوئی دکھتی رگ اس بے غیرت کے ہاتھ میں تھی' جس کا کوئی دین وایمان نہیں تھا' لیکن اصلی گونگے کو گیسٹ روم کے جس زمین دوز کمرے سے برآمد کیا گیا وہاں سے وہ تمام دکھتی رگیں بھی کسی نہ کسی شکل میں میرے ہاتھ لگ گئیں......'' اورنگ زیب نے کچھ توقف سے کہا۔ ''جہنم رسید ہونے والے نے کچھ مخصوص لوگوں کے لیے اپنے نام کوبرا اور شکرہ جیسے رکھ لیے تھے۔ ایسی مخرب اخلاق تصاویر بھی ہاتھ آئیں جن کی وجہ سے کوئی اس کے خلاف زبان نہیں کھول سکتا تھا اور حسب حیثیت اپنی عزت بچانے کی خاطر کچھ نہ کچھ دفاعی صورتیں اختیار کرنے پر مجبور تھا' مگر میں نے وہ تمام بلیک اسٹف ضائع کر دیا ہے۔ اس لیے اب نہ تو کسی کو اپنی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت ہوگی نہ ہی اپنے تحفظ کے لیے کسی کا محتاج ہونا پڑے گا۔''

اورنگ زیب کے کوبرا اور تحفظ کے حوالے پر آئی جی اور میڈم روبی دونوں ہی اپنی اپنی نشستوں پر کسمسا کر رہ گئے۔

''ایک خاص بات اور کہنا چاہوں گا۔'' اس بار اورنگ زیب نے لیاقت حسین کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں اپنی کامیابی کے سلسلے میں خاص طور پر لیاقت حسین کا شکر گزار ہوں جس نے ہمارے لیے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔''

لیاقت حسین کی تعریف سن کر فرحین بھی کھل اٹھی۔ اس موقع پر الماس نے مسکرا کر شکایتی انداز میں اورنگ زیب سے کہا۔

''آپ نے مجھے بہن بنایا ہے' لیکن میرے میاں کی تعریف نہیں کی جو آپ کے آنے سے پہلے ہی شیخ حامد جیسے خطرناک مجرم کو قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کی خاطر دن رات ایک کر رہا تھا۔''

''آئی ایگری ود یو۔'' کرنل احتشام نے الماس کی حمایت کی۔ ''ایسے موقع کے لیے دو محاورے اردو لغت میں بھی موجود ہیں۔ اندھا بانٹے ریوڑیاں اور اپنوں ہی کو دے اور گھر کی مرغی دال برابر۔''

''میں نے مرغی نہیں اپنے مرغے کی بات کی تھی۔''

الماس نے برجستہ کہا تو سب ہی بے اختیار ہنس پڑے۔

خاصی دیر تک سب کے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی پھر راحیلہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس موقع پر جب ہم سب اکٹھے ہیں اور یہ بھی طے ہوگیا ہے کہ شیخ حامد اب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں ہوگا، میں مس روبی کو ان کا ایک وعدہ یاد دلانے کی کوشش کروں گی۔''

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔'' میڈم روبی نے کن انکھیوں سے ڈی آئی جی کو دیکھتے ہوئے راحیلہ بیگم سے بے تکلفی سے پوچھا۔ ''کیا آپ اس بار بھی انگوٹھی بنوا کر لائی ہیں۔''

جواب میں راحیلہ بیگم نے اپنے بیگ سے سرخ مخملی ڈبیا نکال کر میڈم روبی کے حوالے کی تو ڈی آئی جی نے وہیل چیئر پر پہلو بدل کر میڈم روبی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے بارے میں میڈیکل رپورٹ کا علم سب کو ہے ایسی صورت میں......''

''آئی آبجیکٹ۔'' کرنل احتشام نے ڈی آئی جی کو جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ''قربانی کے بکرے کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لیے آپ خاموش ہی رہیں۔''

''آپ سمجھنے کی کوشش کریں کرنل۔'' ڈی آئی جی نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''یہ ایک دو دن نہیں پوری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''نو آرگیومنٹس۔'' کرنل نے فوجی لب و لہجے میں کہا۔ ''محاذ جنگ لڑنے والے ہمیشہ ڈو اور ڈائی کے فارمولے پر عمل کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے شعر و شاعری سے بھی کوئی شوق نہیں لیکن اقبال کے بہت سارے سنے سنائے اشعار ضرور یاد ہیں۔ جنگ کے حوالے سے اقبال کا ایک شعر ابھی تک یاد ہے۔''

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

کرنل نے روانی میں ایک مصرعہ پڑھ دیا لیکن اس نے محفل میں موجود تقریباً ہر فرد کو معنی خیز انداز میں مسکراتے دیکھا تو خود بھی شرمندگی مٹانے کے لیے زوردار قہقہہ لگانے لگا۔

راحیلہ بیگم، میڈم روبی کا ہاتھ تھام کر ڈی آئی جی کی طرف بڑھیں تو اس نے پھر ایک بار دبی زبان میں میڈم روبی سے کہا۔ ''آپ ایک وعدے کو پورا کرنے کی خاطر پوری زندگی داؤ پر لگانے کی غلطی کریں گی۔''

''آپ غلط سوچ رہے ہیں۔'' میڈم روبی نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ ''ہم دونوں کو تنہائی دور کرنے کی خاطر ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔''

پھر میڈم روبی نے بلا جھجک انگوٹھی پہنانے کی رسم پوری کی تو سب ہی اسے اور ڈی آئی جی کو مبارک باد دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈی آئی جی کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

راحیلہ بیگم اور الماس کے بعد لیاقت حسین کے اشارے پر فرحین نے بھی اٹھ کر میڈم روبی کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔ اس کے بعد باوردی بیرے نے سویٹ ڈش کی سروس بھی شروع کر دی۔ راحیلہ بیگم نے دو روز بعد باقاعدہ نکاح کے اعلان کے ساتھ یہ بھی کہا کہ نکاح کی تقریب ان کے گھر پر ہوگی۔

اسی رات گھر پہنچنے پر فرحین نے لیاقت حسین سے پوچھا تھا۔ ''کرنل صاحب نے وہ اقبال، مومن اور بے تیغ والا سپاہی کا کیا بات بولا تھا؟''

''وہ......'' لیاقت حسین نے فرحین کی نظروں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''وہ بے تیغ والا سپاہی تھا لیکن تیرا لیاقت تیغ والا سپاہی ہے۔''

''کیا مطلب؟ یہ تو اپنے کو درمیان میں کیوں لے آیا؟ میں نے اس شعر کا مطلب پوچھا تھا۔''

''میں تجھے ابھی تفصیل سے سمجھاتا ہوں۔'' لیاقت حسین نے بے اختیار فرحین کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا پھر کمرے کی روشنی بھی بند کر دی۔

(تمت بالخیر)